عالم اسلام کے اکابر علمائے کرام کے جدید فقہی مسائل پر مقالہ جات اور مناقشات کا مجموعہ نئی ترتیب کے ساتھ

سلسلہ

جدید فقہی مباحث

مع تقاریظ علمائے کرام

۲۳

- اختلاف رائے اور وحدت امت (اصول وآداب)
- اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام

تحقیقات اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا



زیر سرپرستی

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

تاثرات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

مفتی اعظم پاکستان جناب مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

شیخ الاسلام جناب حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم

دار الاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان

عالم اسلام کے اکابر علمائے کرام کے جدید فقہی مسائل پر مقالہ جات اور مناقشات کا مجموعہ نئی ترتیب کے ساتھ

سلسلہ

جدید فقہی مباحث

مع تقاریظ علمائے کرام

جلد 23

اختلاف رائے اور وحدت امت

اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام

(اصول وآداب اور اہم فقہی مباحث)

تحقیقات اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

تاثرات

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مفتی اعظم پاکستان جناب مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم

شیخ الاسلام جناب حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم

دارالاشاعت

اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان

ہمارے اس ایڈیشن میں 80 میں سے تقریباً 58 مباحث پہلی مرتبہ صرف پاکستان میں طبع ہوئے ہیں۔ ہم اسلامی فقہ اکیڈمی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے تمام مسودات وکمپوزنگ بذریعہ ای میل مرحمت فرمائے۔ جزاك الله

باہتمام: خلیل اشرف عثمانی

طبع اول: نومبر 2017ء

تعداد: 500

طباعت: عابد پرنٹنگ پریس غریب آباد کراچی

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ معارف القرآن جامعہ دارالعلوم کراچی

بیت القرآن اردو بازار کراچی

بیت القلم اردو بازار کراچی

مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور و اردو بازار کراچی

مسٹر بکس جناح سپر مارکیٹ اسلام آباد

دارالاخلاص صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLI WELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON,
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A

فہرست مضامین سلسلہ جدید فقہی مباحث

اختلاف رائے اور وحدت امت

پیش لفظ/مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ۱۹

باب اول تمہیدی امور ۲۰

سوال نامہ ۲۰

تجاویز: وحدت امت-اصول وآداب ۲۲

تلخیص مقالات/ڈاکٹر صفدر زبیر ندوی ۲۴

عرض مسئلہ: مولانا محمد ثناء الہدی قاسمی ۵۶

باب دوم مقالات ۶۰

اختلاف کے حدود وضوابط/مولانا اقبال بن محمد ٹنکاروی ۶۰

اتحاد امت اور اختلاف رائے - شرعی اصول وحدود کے تناظر میں/مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی ۷۵

اختلاف رائے اور وحدت امت/مولانا روح الامین ۸۶

اختلاف رائے اور وحدت امت/مولانا عبدالرشید قاسمی ۱۰۶

اختلاف رائے اور وحدت امت/مولانا محمد ظفر عالم ندوی ۱۱۸

اختلاف رائے اور وحدت امت/مولانا محمد عثمان بستوی ۱۳۰

اختلاف رائے اور وحدت امت کا جواب/ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی ۱۴۲

فقہی مباحث میں اختلاف اور اس کے حدود وآداب/مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی ۱۵۰

امت مسلمہ کے اختلافی مسائل اور ان کا حل/مولانا عبدالرحیم فلاحی ۱۶۳

اختلاف رائے اور وحدت امت/حضرت مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی ۱۷۲

اختلاف رائے اور وحدت امت/ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی ۱۸۴

اختلاف رائے اور وحدت امت/حضرت مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی ۱۹۰

اختلاف رائے اور وحدت امت/مولانا محمد سلمان منصور پوری ۲۰۳

اختلاف امت اور علماء کی ذمہ داری/مولانا محمد توصیف انصاری قاسمی ۲۰۸

علماء کرام پر وحدت امت کی ذمہ داری/حضرت مولانا محمد رمضان علی فرقانی ۲۲۱

اختلاف رائے اور وحدت امت/حضرت مولانا محمد مصطفی قاسمی آواپوری ۲۳۶

اختلاف رائے اور وحدت امت/حضرت مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی ۲۴۷

اختلاف رائے اور وحدت امت/مفتی عبدالمنان صاحب ۲۵۴

اختلاف رائے اور وحدت امت/حضرت مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی ۲۵۶

اختلاف رائے اور وحدت امت/مولانا محمد نثار عالم ندوی ۲۶۱

اختلاف رائے اور وحدت امت/مفتی عبدالحکیم قاسمی ۲۶۶

امت مسلمہ کو کس طرح متحد کیا جائے/حضرت مولانا محمد فیاض عالم قاسمی ۲۶۹

اختلاف رائے اور وحدت امت/مولانا عبدالحی مفتاحی ۲۷۳

الائتلاف مع الاختلاف/المولوی خواجہ نظام الدین الیوسفی ۲۷۵

باب چہارم ۲۸۰

مناقشہ ۲۸۰

اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام	۲۹۱
پیش لفظ/مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۹۳
پہلا باب: تمہیدی امور	۲۹۴
اکیڈمی کا فیصلہ	۲۹۴
سوالنامہ	۲۹۵
تلخیص مقالات/مفتی احمد نادر القاسمی	۲۹۸
عرض مسئلہ: (سوال نمبر ۱، ۲، ۳) ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی	۳۲۳
عرض مسئلہ: (سوال نمبر ۴-۵) مفتی محمد عثمان بستوی	۳۳۰
عرض مسئلہ: (سوال نمبر ۶-۸) مولانا اقبال احمد قاسمی	۳۳۷
دوسرا باب: تفصیلی مقالات	۳۴۹
اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام/ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی	۳۴۹
اہل کتاب اور اُن سے متعلق احکام/ مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی	۳۶۰
اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام کا تحقیقی جائزہ/مفتی شبیر احمد قاسمی	۴۰۲
اہل کتاب سے متعلق احکام/ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی	۴۱۱
اہلِ کتاب سے متعلق چند مسائل/مفتی محمد جعفر ملی رحمانی	۴۲۹
اہل کتاب اور ہندوستان میں آباد غیر مسلم اقوام/(مفتی) محمد اشرف قاسمی گونڈوی	۴۴۲
اہل کتاب-مسائل واحکام/مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی	۴۵۸
اہل کتاب سے متعلق بعض احکام/حضرت مولانا مفتی اقبال احمد قاسمی	۴۶۵
عصر حاضر کے اہل کتاب اور ان کا حکم/حضرت مولانا محمد عثمان بستوی	۴۷۸
اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام/حضرت مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۴۹۹
اہل کتاب اور ان سے متعلق بعض جدید فقہی مسائل/مولانا محمد مصطفی عبد القدوس ندوی	۵۱۰
فرقہ باطلہ کا تعارف اور اہل کتاب کے احکام/مفتی سید باقر ارشد بنگلوری	۵۲۰
اہل کتاب سے متعلق احکام کا جائزہ/حضرت مولانا عبید اللہ ندوی	۵۳۹
اہل کتاب، فرق باطلہ اور ہندو مذہب سے متعلق بعض احکام/مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی ارریاوی	۵۴۸
دور حاضر کے اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام/مولانا محمد ارشد علی رحمانی	۵۶۰
عہد حاضر کے چند فرق باطلہ کا تعارف اور احکام/مولانا شاہ عالم گورکھپوری	۵۶۸
کتابیہ عورت سے نکاح، حکم اور اصول/مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی	۵۸۹
موجودہ دور کے اہل کتاب کا حکم اور فرق باطلہ/مولانا محمد شکیل سعادتی اسلام پوری	۵۹۸
کیا ہندو اہل کتاب ہیں؟ ایک فکر انگیز بحث/جناب محترم عبد الرشید اگوان	۶۱۰
صابئین اور ان سے متعلق احکام، ایک تحقیقی جائزہ/مولانا ابو عبد اللہ عظمت اللہ ہدایت اللہ میر	۶۲۱
دار الاسلام اور غیر مسلم ممالک میں کتابیہ سے نکاح/حضرت مولانا آزاد بیگ، ممبئی	۶۳۱
موجودہ دور کے اہل کتاب سے متعلق احکام/حضرت مولانا شوکت ثنا قاسمی	۶۳۹
صابئی اور بعض دیگر مذاہب کی تحقیق اور احکام/مولانا ریحان مبشر مئوی قاسمی	۶۴۸
اہل کتاب اور ان سے وابستہ شرعی احکام/مولانا محمد ریاض ارمان القاسمی	۶۶۲

اہل کتاب کی تعریف اور مصداق/ مولانا عقیل الرحمن قاسمی ۶۷۲
ہندو مذہب کی مذہبی کتابیں اور شخصیات سے متعلق احکام/ مولانا عبدالرب سعادتی ۶۷۸
اہل کتاب اسلام کی نظر میں/ حضرت مولانا مفتی عابد الرحمن مظاہری بجنوری ۶۸۵
برادران وطن کے اوتار اور مذہبی کتابوں کا حکم/ قاضی محمد حسن ندوی مدھوبنی ۶۹۳

تیسرا باب مختصر تحریریں ۷۰۱

اہل کتاب سے متعلق سوالوں کے جوابات/ حضرت مولانا زبیر احمد قاسمی ۷۰۱
اہل کتاب اور ان سے متعلق مسائل/ مولانا ابوسفیان مفتاحی ۷۰۵
اہل کتاب سے متعلق احکام و مسائل/ حضرت مولانا اختر امام عادل قاسمی ۷۰۹
اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام/ محترم پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی ۷۱۴
اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام/ حضرت مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی ۷۱۸
عام اہل کتاب اور اہل ہنود کے احکام/ حضرت مولانا محمد نعمت اللہ قاسمی ۷۲۰
اہل کتاب کی حقیقت اور ان سے متعلق احکام/ مولانا بدر احمد مجیبی ندوی ۷۲۶
اہل کتاب اور ان کے متعلق احکامات شرعیہ/ حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی ۷۳۱
اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام/ مفتی عبدالرحیم قاسمی ۷۳۴
دور جدید کے اہل کتاب/ مفتی سلمان پالنپوری قاسمی ۷۳۷
موجودہ عہد میں کتابیہ سے نکاح اور احکام/ حضرت مولانا محمد جلال الدین چودھری ۷۴۳
اہل کتاب سے وابستہ احکام و مسائل/ حضرت مولانا محمد ممتاز خان ندوی ۷۴۶
اہل کتاب کی شرعی حیثیت/ مفتی محمد ارشد فاروقی ۷۵۲
اہل کتاب سے متعلق احکام و مسائل/ حضرت مولانا مفتی سعید الرحمن فاروقی قاسمی ۷۶۰
قرآن مجید میں اہل کتاب کا تذکرہ اور ان سے متعلق احکام/ مفتی اشرف عباس قاسمی ۷۶۳
اہل کتاب سے متعلق بعض فقہی احکام/ حضرت مولانا مفتی محمد سلطان القاسمی ۷۷۰
کتابیہ خواتین سے نکاح اور اہل کتاب کے ذبائح/ مولانا محمد صادق مبارکپوری ۷۷۶
اہل کتاب کے ساتھ نکاح/ مفتی رحمت اللہ قاسمی ۷۷۹
ہندو مذہبی کتابیں اور شخصیات اسلامی تناظر میں/ مولانا محمد مصطفی قاسمی آواپوری ۷۸۳
اہل کتاب عورتوں سے نکاح اور اس سے متعلق احکام/ مولانا اشتیاق احمد قاسمی ۷۸۶
اہل کتاب اور کتابیہ خواتین سے نکاح/ حضرت مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی ۷۹۱
موجودہ دور کے یہود و نصاری اور ذبیحہ و نکاح کے احکام/ مولانا عبدالرحیم سعادتی ۷۹۷
اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام/ مولانا تبریز عالم ۸۰۲
کتابیہ خاتون سے نکاح کا شرعی حکم/ حضرت مولانا ثابت شمیم رشادی ۸۰۸
اہل کتاب کی شرعی حیثیت اور ان سے متعلق احکام/ مولانا محمد صابر حسین ندوی ۸۱۳
اہل کتاب خاتون سے نکاح کے احکام/ مفتی اعجاز الحسن باندے القاسمی ۸۱۶
اہل کتاب سے نکاح/ مولانا نعیم اختر قاسمی ۸۲۳

ہندو مذہبی کتابیں اور ان کے مذہبی شخصیات کی شرعی حیثیت/ مولانا محمد قمر الزماں ندوی	۸۲۷
موجودہ دور کے اہل کتاب کے احکام/ مفتی صادق محمد پٹیل دیلوی	۸۳۳
ادیان باطلہ مثلاً بہائی، سکھ اور قادیانی کے احکام/ حضرت مولانا محمد سمیر قاسمی	۸۳٦
اہل کتاب کا مصداق اور احکام/ مفتی شبیر احمد دیولوی	۸۴۰
ہندوستانی مذاہب کی مذہبی کتابیں اور احکام/ مولانا مظاہر حسین عماد ثاقب القاسمی	۸۴۴
چند فرق معروفہ اور ان کا حکم/ مولانا محمد فاروق	۸۴۸
اہل کتاب کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح/ مفتی محمد ارشاد پالنپوری	۸۵۲
اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے احکام/ حضرت مولانا مفتی محبوب عالم قاسمی	۸۵۵
اہل کتاب سے متعلق دینی احکام/ حضرت مولانا مفتی لطیف الرحمن ولایت علی، ممبئی	۸۵۸
ادیان باطلہ سے متعلق بعض شرعی امور/ حضرت مولانا اسرار احمد آبادی قاسمی	۸٦۱
عصر حاضر میں کتابیہ عورتوں سے نکاح/ مفتی ارشاد اللہ قاسمی	۸٦۴
اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام/ مفتی عبد المنان	۸٦۹
اسلام کی آمد کے بعد ظاہر ہونے والے نئے مذاہب/ مولانا اکرام الحق ربانی ندوی	۸۷۱
عصر حاضر میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کا مسئلہ/ مولانا ابو المکارم معروفی	۸۷۹
ہنود کی مذہبی کتاب وشخصیات سے متعلق احکام/ مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی	۸۸۲
مسلم، عیسائی اور یہودی کے علاوہ دنیا کی دوسری قومیں/ مفتی ابو حماد غلام رسول منظور القاسمی پھرادی	۸۸۴
چوتھا باب اختتامی امور	۸۸۷
مناقشہ	۸۸۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اللہ تبارک وتعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے دارالاشاعت کراچی کو پاکستان میں 1949ء سے تمام موضوعات پر اسلامی کتب کی طباعت اور اشاعت کی سعادت حاصل رہی ہے، یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل، تمام بزرگوں کی دعاؤں اور اکابر کی خدمات کا ثمرہ ہے، اسی محنت ولگن اور جذبے سے یہ خدمت تیسری نسل یعنی موجودہ ذمہ داران بھی کررہی ہے اور اب چوتھی نسل کے نمائندے بھی ماشاء اللہ اس کام میں شریک ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کام کو مکمل اخلاص کے ساتھ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے جو کمی کوتاہی اس میں رہ جاتی ہے اس پر معاف فرمائے۔ (آمین)

تمام قارئین جو ماشاء اللہ ذی علم حضرات ہیں ان کے تعاون اور دعاؤں سے ہی یہ کام انجام پاسکا ان سب حضرات سے بھی دونوں جہاں میں کامیابی کی دعا کی درخواست ہے۔

زیر نظر مجموعہ ''سلسلہ جدید فقہی مباحث'' کا موجودہ ایڈیشن جو بڑے سائز کی 26 جلدوں میں طبع ہوئی ہے اس میں تقریباً 70 مختلف مستقل موضوعات پر کتب جو ہندوستان میں قائم ادارہ ''اسلامی فقہ اکیڈمی'' کی طویل کوششوں سے وجود میں آئیں، فقہ اکیڈمی کے سرپرست حضرات مدظلہم کی بصیرت اور کوششوں سے بڑے بڑے نامور اکابر علماء کے مقالے ان جدید فقہی موضوعات پر جمع ہوکر علمی تحقیقات کرنے والوں کے لیے بڑا زبردست ذخیرہ جمع کردیا ہے، جسے نامور اکابر ملت نے بڑی خدمت قرار دیا ہے، آئندہ صفحات میں ان بزرگوں کی تقاریظ شامل ہیں۔

ہمارے اس ایڈیشن سے قبل اس کتاب کا تقریباً چوتھائی سے بھی کم حصہ طبع ہوا تھا، جس کا معیار بھی مناسب نہ تھا اور اس کی دستیابی بھی مستقل نہ ہونے کی وجہ سے اہل علم پریشان رہتے تھے، ضرورت تھی کہ نہ صرف معیار بہتر ہو اور مستقل فراہمی بھی رہے۔ ''منتظمین اسلامی فقہ اکیڈمی دہلی انڈیا'' کی خواہش تھی کہ پاکستان میں کوئی ایسا ادارہ ہو جو ان کے مقاصد کو بھی پورا کرتا ہو اور مکمل اشاعت بھی کرسکتا ہو، تاکہ اس علمی ذخیرہ کی پاکستان میں اشاعت کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جائے۔

اس مقصد کے لیے تقریباً اب سے سات سال قبل انہوں نے دارالاشاعت کراچی کو تحریری اجازت مرحمت فرمادی تھی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اگر ہماری طرف سے اس میں تساہل یا کوتاہی کی گئی تو وہ کسی اور ناشر کو خدمات سونپ دیں گے۔ ارادے کے باوجود بعض مصالح اور حکمتوں کے سبب اسلامی فقہ اکیڈمی سے اپنے عذر کو واضح کردیا گیا اور اس کی اشاعت کا ارادہ ترک کردیا گیا۔

2015ء میں اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے سابقہ داعیہ کے ایک صاحب علم نے پیغام دیا کہ پاکستان میں اس کتاب کی مکمل اور مستقل اشاعت نہ ہونے کے سبب وہ پھر چاہتے ہیں کہ اس کا کوئی مستقل انتظام ان کے مطلوبہ معیار ومقاصد کے مطابق ہوجائے بہرحال! پھر دوبارہ ایک مفصل تحریری اجازت نامہ ان حضرات نے پاکستان کے لیے ہمیں جاری فرمایا اور تمام مطبوعہ وغیر مطبوعہ کمپیوٹر کمپوزنگ یا جس شکل میں بھی یہ ذخیرہ تھا انہوں نے مذکورہ صاحب علم صاحب کے ذریعے ہمیں فراہم کیا، ان دو سالوں میں طویل محنت واخراجات کرکے اب اسے طبع کرنے کے لیے تیار کرلیا گیا ہے۔ اب پاکستان میں اس ذخیرہ کی اشاعت کے حقوق

قانونی طور پر بھی دارالاشاعت کراچی ہی کے پاس ہیں، تقریباً 22 کتب اس میں سے پہلے شائع ہوئی تھیں، ان کے علاوہ تمام ذخیرہ پہلی مرتبہ طبع ہوکر آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ ذخیرہ پہلے انڈیا میں شائع نہیں ہوا تھا۔

ہم نے اپنے اس جدید ایڈیشن میں ترتیب یا جن دیگر خصوصیات سے اسے مزین کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱...... اسلامی فقہ اکیڈمی کی طرف سے پرانے شائع شدہ نسخوں میں کسی بھی بحث کے نتیجے میں جمع ہونے والے مقالے شائع کردیے جاتے تھے، پھر بعد میں ان میں یہ اضافہ کیا گیا کافی جگہ اکیڈمی نے ان بحثوں کے نتیجے میں جو فیصلہ کیا اس کا اضافہ اس موجودہ نسخے میں شامل ہے۔

۲...... پورے علمی ذخیرے کو ازسرِ نو بڑے سائز میں کمپوز و سیٹنگ سے آراستہ کیا گیا ہے بعض مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے بات ادھوری رہ گئی ہے تو قدیم نسخوں اور اصل مسودے میں بھی اسی طرح نامکمل ہے۔

۳...... پورے علمی ذخیرے کی نئی ترتیب یا جلد بندی اس طریقہ پر کی گئی ہے کہ ممکنہ طور پر ایک جیسے موضوعات پر مباحث ایک جلد میں آجائیں، پہلے طبع شدہ نسخے میں یہ صورت نہ تھی۔ مثلاً اسلامی بینکنگ کے عنوان سے ایک موضوع چوتھی جلد میں ہے تو اسی عنوان سے دوسرا موضوع ۱۳ نمبر جلد میں ہے، اب یہ کوشش کی گئی ہے کہ ایک جیسے موضوع ایک ہی جلد میں آجائیں۔

۴...... ممکن ہے کہ استفادہ کرنے والے حضرات کو ایسا محسوس ہو کہ کمپوزنگ بہت جلی نہیں ہے اسے ذرا بڑا بھی رکھا جاسکتا تھا لیکن اس سے مجموعہ کے صفحات اور جلدوں میں بہت اضافہ ہو رہا تھا اور اس کی قیمت بھی قارئین پر ایک بوجھ ہوتی۔ مزید یہ کہ گزشتہ طبع شدہ نسخوں کا قلم بھی تقریباً اس جیسا ہی تھا۔

۵...... بحمد للہ! اب ''سلسلۂ جدید فقہی مباحث'' کا سائز بھی دیگر فقہی کتب کی طرز پر ہوگیا، کاغذ، طباعت اور جلد سازی کا معیار بھی بہت نمایاں اور بہتر ہوگیا۔

۶...... اس ذخیرہ کی قیمت بھی بازار میں دستیاب کتب کے مقابلے میں معیار وغیرہ کو دیکھتے ہوئے بہت مناسب رکھی گئی ہے۔

امید ہے کہ اہل علم حضرات، یونیورسٹیاں، لائبریریاں، اس علمی ذخیرے کی پذیرائی کریں گی اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ درخواست اور دعا ہے کہ ہماری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائیں اور دنیا و آخرت دونوں کے لیے نافع بنادیں (آمین)

والسلام

خلیل اشرف عثمانی

مدیر کتب خانہ دارالاشاعت

اردو بازار کراچی

8/7/2017

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چند تاثرات برائے اسلامی فقہ اکیڈمی ہند

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب مدظلہ العالی

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

''اسلامک فقہ اکیڈمی ہند'' ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمانوں ...... بالخصوص علماء اور دینی غیرت وفکر رکھنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور فخر سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص تعمیری وفکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے جس میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ وصحیح الفکر اور وسیع العلم علماء اور کارکن شامل ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی

صدر دارالعلوم کراچی پاکستان

''مجھے بے انتہا مسرت بھی اور کسی قدر حسرت بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علمائے کرام نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے جس کی پورے عالم کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں ہونے کے باوجود منظم اور بڑے پیمانے پر یہ کام شروع نہ کر سکے۔...... فقہ اکیڈمی نے بڑا اہل قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا انتظار تھا۔

تقدیم

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

بمناسبت خطبہ صدارت چوتھے فقہی سیمینار منعقدہ ۱۹۹۲ء حیدر آباد (دکن)

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى: اما بعد!

میرے لیے یہ بات بہت بڑے اعزاز اور خوشی و مسرت اور یادگار کی حیثیت رکھتی ہے کہ اللہ جل جلالہ کے فضل و کرم سے مجھے اس عظیم الشان علمی ادارے کے چوتھے فقہی مذاکرہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں اپنے محترم بزرگ جناب مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم کا اور اس اسلامک فقہ اکیڈمی کے تمام منتظمین کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس محفل میں شرکت کا موقع عنایت فرمایا اور نہ صرف ایک سامع اور شریک کی حیثیت میں بلکہ اس افتتاحی اجلاس کی صدارت کی ذمہ داری بھی مجھ ناچیز کو سونپی۔ اس سے پہلے اگرچہ اکیڈمی کی طرف سے ہر سال مجھے دعوت موصول ہوتی رہی لیکن میں اپنے بعض مشاغل کی وجہ سے حاضر خدمت نہ ہوسکا۔ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم سے میرا غائبانہ تعارف ایک طویل مدت سے ہے، لیکن میں ان کو ایک فقیہ، ایک عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر ایک مخفی جوہر، مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بھی ودیعت کر رکھا ہے۔ آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور علم و فضل کے پیکر حضرات سے ملاقات کر کے اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے اس اکیڈمی کو قائم کر کے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان کے اس کارنامے کو قبول فرمائے اور اس کے اغراض و مقاصد کو اپنی رضا کے مطابق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر اس اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس اکیڈمی کا قیام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کی تعمیل ہے۔ وہ ارشاد معجم طبرانی میں ایک روایت میں ہے جسے علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ!

"اذا جاء نا امر ليس فيه أمرو لا نهي فما ذا تأمرنا فيه"

یا رسول اللہ! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا سوال آجائے، ایسا قضیہ سامنے آجائے جس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو اس صورت حال میں آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں، ایسے موقع پر مجھے کیا کرنا چاہیے۔ حضرت نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"شاوروا الفقهاء العابدين ولا تمضوا فيه براى خاص"

کہ ایسے موقع پر فقہاء عابدین سے مشورہ کرو اور اس میں انفرادی رائے کو نافذ نہ کرو، محض انفرادی فتویٰ کو، محض انفرادی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنے کی بجائے فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس مشورہ کے نتیجہ میں جس مقام پر پہنچو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سمجھو۔

یہ ہے وہ ارشاد جس کے ذریعہ نبی کریم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام قیامت تک پیدا ہونے والے تمام نت نئے مسائل کا حل ہمارے لیے تجویز فرمایا اور وہ یہ کہ آخری وقت میں جب کہ اجتہاد مطلق کا تصور تقریباً مفقود ہو گیا ہے، اس دور میں نئے مسائل کو حل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ فقہاء عابدین

کو جمع کیا جائے۔ مگر اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو صفتیں بیان فرمائی: ایک یہ کہ جن لوگوں کو جمع کیا جائے وہ تفقہ فی الدین رکھنے والے ہوں، دین کی صحیح سمجھ رکھنے والے ہوں۔ دین کے مزاج و مذاق کو اچھی طرح محفوظ کرنے والے ہوں، اور دوسری قید یہ لگادی کہ وہ فقہاء محض فلسفی قسم کے نہ ہوں، جو نظریاتی طور پر فقیہ ہوں، نظریاتی طور پر اسلام کے احکام کو جانتے ہوں، جو محض علم رکھتے ہوں، لیکن اس علم پر خود عمل پیرا نہ ہوں۔ اس علم کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے نہ ہوں، اور اس علم کو اپنی زندگی کا منتہائے مقصود نہ بنایا ہو، تو ایسے فقہاء سے مشورہ کرنے کا کوئی حاصل نہیں، اس لیے کہ دین، یہ محض ایک نظریہ اور فلسفہ نہیں کہ ایک شخص محض فلسفہ کے طور پر اس کو اپنالے، اس کے حکم بیان کردے اور پھر بھی اس کا ماہر کہلائے، بلکہ یہ ایک عمل ہے۔ ایک پیغام ہے، ایک دعوت ہے۔ جب تک اس پر عمل صحیح طور پر نہیں ہوگا، اس وقت تک دین کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہوسکتی۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ یہ بات فرمایا کرتے تھے:

"کہ اگر میرا علم بمعنی جان لینا کوئی کمال کی بات ہوتی تو شاید ابلیس سے بڑا صاحب کمال اس کائنات میں کوئی نہ ہوتا۔"

اس لیے کہ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے صرف جان لینے کا، علم حاصل کر لینے کا، تو ابلیس کو علم بہت بڑا حاصل تھا، بہت کچھ علم اس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، اور عقل کے اعتبار سے بھی آپ دیکھیں تو عقل، خالص عقل، جو وحی کی رہنمائی سے آزاد ہو، اس عقل کے اعتبار سے اس نے جو دلیل پیش کی، سجدہ نہ کرنے کی، کہ اے اللہ! تو نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور مجھ کو آگ سے پیدا کیا، تو میں افضل ہوں، اس لیے کہ آگ افضل ہے مٹی کے مقابلے میں، تو اگر عقل کو وحی کی رہنمائی سے آزاد کر دیا جائے تو خالص عقل کی بنیاد پر اس کی دلیل کا توڑ پیش نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اس سارے عقل اور اس سارے علم کے باوجود وہ راندۂ درگاہ ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نکالا گیا، اس لیے کہ وہ علم نرا علم تھا، دانستن کے معنی میں اس پر عمل نہیں تھا۔ اس کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے نہیں تھا، آپ کو معلوم ہے کہ آج ہمارے اس دور میں جتنے مستشرقین ہیں، اگر آپ ان کی لکھی ہوئی کتابیں دیکھیں تو ان میں اسلامی کتابوں کے ڈھیر ملیں گے۔ اتنی کتابوں کے حوالے ملیں گے کہ بسا اوقات ہمارے عالم دین اتنی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے ہیں۔ لیکن سارا علم اور ساری معلومات حاصل کرنے کے بعد اس علم کا اتنا فائدہ نہیں اٹھا سکے کہ ایمان کی دولت حاصل کر لیتے۔ یہودی کے یہودی، عیسائی کے عیسائی رہے۔ تو معلوم ہوا کہ صرف فقہ کا عالم ہوجانا کافی نہیں، اور صرف فقہ کے عالم ہوجانے سے وہ مقام حاصل نہیں ہوجاتا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نئے مسائل کو حل کرنے کے لیے تجویز فرمایا بلکہ قید لگادی کہ فقہاء کے ساتھ عابدین ہونے چاہیے، عبادت گزار ہونے چاہیے۔ یہ حدیث میں نے اس وجہ سے سنائی کہ آج کثرت سے یہ آوازہ بلند ہوتا رہتا ہے، مختلف حلقوں کی طرف سے کہ صاحب دین کی تفہیم اور دین کی تعبیر کا حق صرف علماء ہی کو کیوں حاصل ہے۔ ہر مسلمان بہ حیثیت ایک مسلمان وہ دین کی تفہیم و تشریح کیوں نہیں کرسکتا۔ ہر آدمی کھڑا ہو کر یہ آواز بلند کہتا ہے کہ میں قرآن کریم سے احکام شرعیہ کا استنباط کرسکتا ہوں۔ یہ دین کی تفہیم و تعبیر کا سارا حق اٹھا کر علماء کی جھولی میں کیوں ڈال دیا گیا۔ علماء کی اجارہ داری کیوں قائم کردی گئی۔

تو جواب دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ تشریح و تعبیر کا حق صرف فقہاء عابدین کو حاصل ہے، صرف فقہاء کو بھی نہیں بلکہ فقہاء عابدین کو، اس کے سوا کوئی قرآن و سنت کے احکام کی صحیح تفسیر و تشریح نہیں کرسکتا۔

یہ عجیب واقعہ ہے کہ دنیا کے ہر علم و فن میں کوئی ذمہ دارانہ بات کہنے کے لیے ساری دنیا میں یہ شرط عائد کی جاتی ہے کہ اس فن کا اس نے علم حاصل کیا ہو، اس کی ڈگری حاصل کی ہو، کوئی شخص آج تک ایسا پیدا نہیں ہوا جو کہتا ہو کہ انگریزی جانتا ہوں، میڈیکل سائنس کی کتابیں مطالعہ کر کے میں علاج کرسکتا ہوں، اگر میڈیکل سائنس کی کتابیں پڑھ کر، محض مطالعہ کر کے ڈکشنریوں کے ذریعہ اس کے ترجمے دیکھ کر آدمی علاج کرنا شروع کردے تو سوائے قبرستان آباد کرنے کے اور کوئی خدمت انسانیت کی وہ انجام نہیں دے سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے دین کے اندر بھی یہ راستہ رکھا ہے کہ جب کتاب بھیجی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ بھیجا تاکہ آپ اس کی تعلیم دیں، اس کی تربیت دیں، اس کے معانی سکھائیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے سالہا سال کی محنت کر کے قرآن کریم کی ایک سورۃ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی۔ اس لیے یہ نعرہ جو لگایا جاتا ہے کہ ہر شخص قرآن و سنت کے بارے میں جو چاہے کہہ سکتا ہے اس کا جواب اس مکمل حدیث کے اندر موجود ہے۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا مجمع الفقہ الاسلامی اسی حدیث کی

تعلیم معلوم ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ اس حدیث پر عمل کرنے کا صحیح نور، اس کی صحیح برکت اور اس کا صحیح فائدہ مجمع کو عطا فرمائے۔

جیسا کہ مجھ سے پہلے کئی حضرات اس پر روشنی ڈال چکے ہیں کہ اس مجمع (اکیڈمی) کے قیام کا اصل مقصد ان نئے مسائل کا حل تلاش کرنا ہے جو اس امت مسلمہ کو درپیش ہیں اور کوئی شک نہیں کہ علماء کے نقطۂ نظر سے یہ وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے کہ علماء باہم سر جوڑ کر ان مسائل کا حل امت مسلمہ کے سامنے پیش کریں جو آج امت مسلمہ کے لیے چیلنج بنے ہوئے ہیں۔لیکن جب میں یہ کہتا ہوں کہ وقت کا بہت بڑا تقاضہ ہے کہ علماء یہ کام کریں تو مجھے چند وہ جملے بھی یاد آتے ہیں جو بسا اوقات مختلف حلقوں کی طرف سے بار بار اٹھائے جاتے ہیں کہ علماء کو وقت کے تقاضے کے پیچھے چلنا چاہیے۔علماء کو وقت کے تقاضوں کے مطابق کام کرنا چاہیے۔اور وقت کے تقاضوں کو سمجھنا چاہیے۔یہ جملہ جس اجمال کے ساتھ بولا جاتا ہے اس کا صحیح مطلب بھی ہوسکتا ہے اور غلط مطلب بھی ہوسکتا ہے وقت کے تقاضہ کا مفہوم بسا اوقات لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ مغرب مین جو ہوا چل کرآوے، مغرب سے جو فکر، جو فلسفہ جو نظریہ، جو طرز عمل ہمارے ملکوں میں درآمد ہو گیا، بجائے اس کے کہ اس کو بدلا جائے، اس کے بجائے اسلام کو بدل کر اس کے مطابق کیا جائے، اسے وقت کا تقاضہ قرار دیا جاتا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ سود، ربوا کا چلن ہوا تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ صاحب اس وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ مسلمان سود کو جوں کا توں قبول کرلیں......ایک زمانہ آیا کہ اشتراکیت اور سوشلزم کا ڈنکا بجا، اورانہوں نے دنیا کے اندر اپنے نظریات کو پھیلانا شروع کیا، دنیا کے مختلف ملکوں اور سلطنتوں میں ان کا نظام رائج ہوا۔اس کا شور شرابہ ہوا تو اس کے نتیجہ میں ایک جماعت نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ سوشلزم کو، اشتراکیت کو اسلام کے مطابق ڈھال دیا جائے وقت کا تقاضہ یہ ہے۔غرض جو نئی وبا مغرب سے درآمد ہو اسلام کو اس کے مطابق بنانے اور اس کو اسلام کے اندر داخل کرنے کے لیے وقت کے تقاضہ کا عنوان استعمال کر لیا جاتا ہے۔

لیکن یہ مجمع الفقہ الاسلامی درحقیقت ایسے وقت کے نام نہاد تقاضوں کے پیچھے نہ ہے اور نہ ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ...... یہاں وقت کے تقاضوں سے مراد یہ ہے کہ بے شمار مسائل آپ کی زندگی کے اندر سے پیش آگئے ہیں کہ ہمیں ان کا صریح حکم کتاب اللہ میں یا سنت رسول اللہ ﷺ میں یا فقہاء کرام کے کلام میں نہیں ملتا، جسے آپ اصلاحی اعتبار سے اجتہاد فی المسائل کہہ سکتے ہیں۔تو اجتہاد فی المسائل کے ذریعہ ان مسائل کا حل تلاش کیا جائے اور وسعتِ نظر کے ساتھ کیا جائے۔پورے اسلامی مزاج کے ساتھ کیا جائے، اس کے اندر کسی اجنبی نظریہ اور فلسفہ سے مرعوب ہو کر نہیں، بلکہ حقیقی اسلامی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا حل اسلامی اصولوں کے دائرہ میں رہ کر تلاش کیا جائے اس سے باہر نہ جایا جائے، یہ ہے اس مجمع (اکیڈمی) کا اصل مقصد اور اسی لیے اس میں الحمد للہ مختلف الخیال، مختلف اداروں سے تعلق رکھنے والے موجود ہیں اور پچھلے دنوں جو تحقیقات سامنے آئی ہیں اللہ کے فضل وکرم سے ان میں ان بنیادی اصولوں کا لحاظ نظر آتا ہے۔امید ہے کہ یہ اکیڈمی ان راستوں پر چلے گی، تو انشاء اللہ اس امت کے لیے بہترین مسائل کا حل پیش کرے گی...... لیکن میں آخر میں اس سلسلہ کے ایک اہم نکتہ کی طرف آپ حضرات کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، بلکہ توجہ دلانا تو بے ادبی کی بات ہوگی۔سارے حضرات اکابر علماء ہیں۔محض تذکیر اور تکرار کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ چوں کہ ہم ایک ایسے معاشرہ میں جی رہے ہیں جس میں مغرب کا سیاسی اور فکری تسلط قائم ہے۔سیاسی اور فکری سیاسی اعتبار سے پوری دنیا کے اوپر مغرب مسلط ہے۔فکری اعتبار سے بھی مغرب کے افکار اور ان کے نظریات و فلسفے مسلط ہیں۔اور یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" جس کے پاس ہتھیار، جس کے پاس قوت ہو تو لوگوں کو بات بھی اسی کی سمجھ میں آتی ہے اور جلدی سے سینے میں اتر جاتی ہے۔تو اس واسطے مغرب نے جو افکار ہمارے یہاں پھیلا دیئے اور صدیوں کی محنت کے بعد پھیلائے۔ہمارے نظام تعلیم کے اندر وہ افکار پھیلا دیئے۔ان کی موجودگی میں اس بات کا بڑا قوی اندیشہ ہے کہ بعض ایسی چیزوں کو وقت کی ضرورت قرار دیا جائے جو درحقیقت وقت کی ضرورت نہیں ہے۔محض مغرب کے پروپیگنڈہ نے اسے وقت کی ضرورت قرار دے دیا۔یہ وقت کی ضرورت ایک ایسا مجمل لفظ ہے جس کے اندر بہت کچھ سما سکتا ہے اس لیے وقت کی ضرورت کے ہتھیار کو استعمال کرتے ہوئے ان کی دو دھاریں اپنے ذہن میں رکھنی ضروری ہے۔یہ دو دھاریں ہتھیار ہیں، اس سے امت مسلمہ کے مسائل بھی حل ہوسکتے ہیں اور اس سے امت مسلمہ کا کام

بھی تمام ہوسکتا ہے۔ اس لیے ہم جب وقت کی ضرورت کا لفظ استعمال کریں تو یہ بات ہمارے ذہن میں ہونی چاہیے کہ محض پروپیگنڈہ کے شور وشغب سے مرعوب ہو کر ہم یہ نہ کہہ بیٹھیں کہ یہ بھی وقت کی ضرورت ہے۔ بلکہ ہم یہ دیکھیں کہ ہمارے اپنے اصول، ہمارے اپنے قواعد کے لحاظ سے یہ ضرورت ہے یا نہیں؟

اسی ضمن میں یہ سوال بہ کثرت اٹھتا ہے کہ کیا ان مسائل کو طے کرتے وقت کسی ایک فقہی مذہب کی پیروی کرنی چاہیے یا مختلف فقہی مذاہب کو سامنے رکھ کر اور اس میں جو ضرورت کے مطابق معلوم ہو اس کو اختیار کر لینا چاہیے۔

میں خاص طور پر آپ حضرات سے باادب عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خاص طور پر اس دور میں معاملات کے شعبہ میں چوں کہ معاملات پیچیدہ ہوتے ہیں، بے شمار مسائل سامنے آگئے ہیں، لہٰذا اگر یہ شخص حنفی مذہب کا پیروکار ہے اور وہ کسی ضرورت کی وجہ سے، عموم بلویٰ کی خاطر، وہ مسائل وقت کو حل کرنے کی خاطر دوسرے کسی امام کے قول کو اختیار کر لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ جائز ہے اور نہ صرف جائز ہے بلکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو باضابطہ یہ وصیت فرمائی تھی کہ اس دور میں جب کہ معاملات پیچیدہ ہو گئے ہیں، اگر آئمہ اربعہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے کسی بھی فقہی مذہب میں کوئی گنجائش مل جائے تو اس دور کے لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنی چاہیے۔

لیکن اس میں ادق ترین جو نکتہ ہے جو بسا اوقات افراط وتفریط کا شکار ہو کر فراموش ہو جاتا ہے وہ یہ کہ مختلف مذاہب میں سے علوم بلویٰ کی خاطر کوئی قول اختیار کر لینا اور بات ہے اور اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کی خاطر مذاہب کو گڈمڈ کرنا بالکل جدا شئے ہے یعنی اگر کوئی شخص محض اس بنیاد پر کہ میری خواہش نفسانی میرے مفاد ایک مذہب سے پورے ہو رہے ہیں دوسرے سے پورے نہیں ہو رہے ہیں تو اس بنیاد پر اگر وہ ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرتا ہے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر تو اس کی کسی کے نزدیک اجازت نہیں، یہ اتباع ہوئی ہے۔ یہ خواہشات نفسانی کی اتباع ہے۔ اس کو تشہی کہا گیا ہے، یہ شہوت پرستی ہے، یہ خواہش پرستی ہے، محض اپنے ذاتی فائدہ یا ذاتی سہولت کی خاطر ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیتا ہے اس کی مثال آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

آج جب کہ ان مسائل کو حل کرنے کے لیے یہ عام رجحان پیدا ہوا۔ پورے عالم اسلام میں خاص طور پر عرب ممالک میں یہ رجحان بہت پیدا ہوا کہ ان معاملات کو حل کرنے کے لیے مختلف مذاہب سے رہنمائی حاصل کی جائے اور کسی ایک مذہب کی اتباع نہ کی جائے۔ جب یہ لے آگے بڑھی تو اس نے بعض اوقات یہ صورت اختیار کر لی کہ محض ضرورت کی خاطر نہیں، بلکہ محض ذاتی مفاد، ذاتی سہولت کی خاطر "جمع بین المذاہب" اور "تلفیق بین المذاہب کا راستہ اختیار کر لیا...... اتباع ہویٰ کے بارے میں علامہ ابن تیمیہ فتاویٰ کے اندر لکھتے ہیں:

"اگر کوئی شخص ذاتی خواہش کی خاطر دوسرے مذہب کو اختیار کرتا ہے تو یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔"

حالانکہ علامہ ابن تیمیہ تقلید کے سخت مخالف ہیں۔ اتباع ہویٰ کو وہ بھی حرام قرار دیتے ہیں۔ اس کی چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں۔

ایک صاحب سے میری ایک بار ملاقات ہوئی میں اور وہ دونوں سفر پر تھے اور دونوں سفر کے عالم میں مقیم تھے۔ ہفتہ دس دن ایک جگہ ٹھہرنا تھا تو میں نے دیکھا کہ وہ "جمع بین الصلوٰتین" کر رہے ہیں۔ دو نمازوں کو جمع کر رہے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جائز ہے، امام مالکؒ کے نزدیک جائز ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمع حقیقی جائز نہیں ہے۔ جمع صوری کو جائز کہتے ہیں۔ تو وہ جمع کر رہے تھے، انہوں نے امام شافعیؒ کے قول پر عمل کیا ہوگا۔ مگر میں نے دیکھا کہ وہ ہفتہ بھر مقیم رہے اور جمع بین الصلوٰتین کرتے رہے، تو میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے شافعی مسلک کو لے لیا تا کہ دو نمازوں کو جمع کرنے کی گنجائش مل جائے، میں نے عرض کیا کہ شافعی مسلک یہ بھی ہے کہ چار دن سے زیادہ ان کے یہاں قصر نہیں ہوسکتی۔ ان کے نزدیک مدتِ قصر صرف چار دن ہے۔ تو چار دن سے زیادہ مدتِ سفر نہیں ہوتی اور آپ تو ہفتہ بھر سے مقیم ہیں۔ تو کہنے لگے کہ میں نے اس معاملہ میں حنفی مسلک کو لے لیا۔ تو میں نے پوچھا کہ کیا آپ دلائل کے نقطۂ نظر سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک زیادہ قوی ہے اور اس معاملہ میں شافعیہ کا مسلک زیادہ قوی ہے۔ کہنے لگے کہ دلیل کے اعتبار سے تو میں نہیں سمجھتا لیکن میں نے دیکھا کہ یہ

میرے لیے زیادہ سوٹ کرتا ہے تو اس واسطے میں نے اس میں حنفی کا مسلک لے لیا اور اس میں شافعی کا مسلک لے لیا...... تو میری گزارش یہ ہے کہ محض ذاتی سہولت اور ذاتی مفاد، ذاتی راحت کے پیش نظر ایک مسئلہ میں ایک قول کو لے لینا اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے قول کو لے لینا، یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ یہ طریقہ اختیار کیا گیا تو اس سے دین کا حلیہ بگڑنے کا اندیشہ ہے۔ اس واسطے کہ ہر مذہب میں جو قول اختیار کیا گیا اس کے کچھ شرائط ہیں اس کے کچھ حدود ہیں۔ آپ نے ان شرائط کو مدنظر نہیں رکھا چھوڑ دیا اور ان شرائط کو مدنظر رکھے بغیر اور اس طرح سے "تلفیق بین المذاهب" کا سلسلہ شروع کر دیا تو اس کا نتیجہ سوائے اتباع ہویٰ کے اور کچھ نہیں ہوسکتا، اس لیے میری گزارش یہ ہے کہ بے شک دوسرے مذاہب خاص طور پر معاملات کے اندر دوسرے مذاہب سے لے لینے کی گنجائش ہے لیکن یہ اس وقت جب کہ واقعی کوئی ضرورت داعی ہو اور واقعۃً اس سے مسلمانوں کے کسی اجتماعی مسئلہ کا حل نکالنا مقصود ہو اور اس کا مقصد اتباع ہویٰ، تشہی اور ذاتی منفعت کو حاصل کرنا نہ ہو، اس صورت میں اس کی گنجائش ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ یہ علماء کا مجمع ہے، ان کے سامنے کہنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن یہ اس لیے میں نے تذکیر اور تکراز اعرض کردی کہ جب ہم کسی ایک جانب جھکیں تو ایسا نہ ہو کہ دوسری جانب کا خیال ہمارے دل سے اوجھل ہو...... یہ کام بڑا نازک ہے، یہ پل صراط ہے۔ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ اس میں اس کا خیال رکھنا ہے کہ وقت کی ضروریات پوری ہوں، مسلمانوں کے مسائل حل ہوں اور دوسری طرف اس بات کا لحاظ رکھنا ہے کہ آپ مغرب کے اس جھوٹے پروپیگنڈے سے مرعوب نہ ہوں جو ہرنئی دبا کو وقت کی ضرورت کہہ کر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس واسطے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم اس کام کو انجام دیں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس شریعت کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ یہ آنے والے ہر بڑے سے بڑے مسئلہ کا حل رکھتی ہے اور جب یہ تصور آپ کے سامنے رکھتے ہوئے جواب دیں گے تو ان شاء اللہ امت کے مسائل حل ہوں گے ...... جیسا کہ مجھ سے پہلے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی مدظلہم نے فرمایا کہ عالم کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ وہ یہ کہہ دے کہ یہ حرام ہے بلکہ اس کا کام یہ بھی ہے کہ اگر کسی چیز کو حرام کہا ہے اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہے تو اس کا متبادل حلال طریقہ بھی بتائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں جب حضرت یوسف علیہ السلام سے خواب کی تعبیر پوچھی گئی کہ بادشاہ نے خواب دیکھا ہے کہ:

"انی اری سبع بقرات سمان یاکلھن سبع عجاف..."

جب یہ پوچھا تو یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بعد میں بتائی کہ قحط آنے والا ہے لیکن اس قحط سے بچنے کا راستہ پہلے بتادیا:

"تزرعون سبع سنین دابا... فما حصدتم فذروہ فی سنبلہ..."

تعبیر تو بعد میں بتائی کہ قحط آنے والا ہے اور پہلے قحط سے بچنے کا یہ راستہ بتایا کہ سات سال تک خوب جم کر زراعت کرو، اور خوشہ کے اندر گیہوں کو چھوڑ دو۔ تو بچنے کا طریقہ پہلے بتادیا اور خواب کی تعبیر بعد میں بتائی...... تو عالم کا کام محض حرام قرار دے کر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ متبادل راستہ بتانا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ اور یہ اکیڈمی درحقیقت اسی لیے قائم کی گئی ہے۔ اس کے لیے میں سمجھتا ہوں کہ دوسرے علوم وفنون کے ماہرین کی بھی ضرورت ہوگی۔ متبادل طریقوں کے سمجھنے اور اس کے تعین کے لیے وہ طریقے تجویز کئے جاسکیں جو قابل عمل ہیں۔

الحمدللہ! دیکھتا ہوں کہ مجمع الفقہ الاسلامی نے اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے دیگر علوم وفنون کے ماہرین سے بھی استفادہ کا سلسلہ جاری کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے اس اکیڈمی کو اپنے مقاصد حسنہ میں کامیابی عطا فرمائے، قدم قدم پر اس کی نصرت ودستگیری فرمائے، اس کے راستے کی دشواریوں کو دور فرمائے اور دین کی صحیح خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں اخیر میں ایک بار پھر اس کانفرنس کے منتظمین کا اور تمام حاضرین کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس ناچیز کی گزارشات کو غور و توجہ کے ساتھ سنا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین


بسم الله الرحمن الرحيم

علم اسلام کے اکابر علمائے کرام کے جدید فقہی مسائل پر مقالہ جات اور مناقشات کا مجموعہ نئی ترتیب کے ساتھ

سلسلہ
جدید فقہی مباحث

اختلاف رائے
اور
وحدت اُمت

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے پچیسویں فقہی سمینار منعقدہ مورخہ ۲۵۔۲۷ر ربیع الآخر ۱۴۳۷ھ مطابق ۵۔۷ر فروری ۲۰۱۶ء کو جامعہ عربیہ اسلامیہ دار الحدیث بدر پور ضلع کریم گنج، آسام میں پیش کئے گئے علمی، فقہی اور تحقیقی مقالات ومناقشات کا مجموعہ

تحقیقاتِ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

دارُالاشاعت

اُردو بازار ٥ ایم اے جناح روڈ ٥ کراچی پاکستان

باب اول: تمہیدی امور
باب دوم: مقالات
باب سوم: مناقشہ

پیش لفظ

مسلمانوں کے درمیان ایمان وعمل سے متعلق بیشتر احکام پر اتفاق ہے، اسی طرح عالمی اور ملکی سطح پر وہ جن مسائل سے دو چار ہیں، وہ بھی مشترک ہیں، اس کے باوجود موجودہ نازک حالات میں بھی مسلمانوں کے مختلف مسالک اور تنظیموں کی باہمی آویزشیں ضرب المثل بن گئی ہیں، اس بدبختانہ صورتحال کو علماء ومشائخ اور مذہبی قائدین ہی بدل سکتے ہیں؛ لیکن افسوس کہ امت کے علمی حلقوں میں بھی اُن مسائل کو اہمیت دی جارہی ہے، جو دین میں اساسیات کا درجہ نہیں رکھتے نیز عام طور پر مخالف نقطۂ نظر کا احترام اور اختلافی مسائل میں تحمّل کا فقدان ہوتا جارہا ہے۔

اگر اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ اہل علم کے درمیان اختلاف کیوں مخالفت کی شکل اختیار کرلیتا ہے؟ تو چند اسباب کھل کر سامنے آتے ہیں:

۱۔ احکام کے مدارج کو پیش نظر نہیں رکھنا، کسی عمل کو اس کی حقیقی اہمیت سے زیادہ اہمیت دے دینا اور کسی عمل کی اہمیت کو کم کردینا۔

۲۔ جن مسائل میں اختلاف رائے کی گنجائش ہے، ان میں بھی اختلاف رائے کو برداشت نہیں کرنا اور اختلاف کرنے والوں کو اپنا مخالف تصور کرلینا۔

۳۔ تنقید کرتے ہوئے مثبت لب ولہجہ اختیار کرنے کی بجائے دل آزار اور تمسخر آمیز اسلوب اختیار کرنا۔

۴۔ اس بات کو ملحوظ نہیں رکھنا کہ بعض مسائل میں تو اختلاف قابل قبول نہیں ہوتا؛ لیکن بعض مسائل کو بیان کرنے میں خود شارعؑ نے ایسا اسلوب اختیار کیا ہے، جس میں ایک سے زیادہ مفاہیم کی گنجائش ہے۔

۵۔ اس بات کی رعایت نہیں کرنا کہ کس مجمع میں اختلاف رائے کو پیش کرنا چاہئے اور کس مجمع میں نہیں؛ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی بات حق ہو؛ لیکن اس کے اظہار کا ایک خاص موقع ہو، بے موقع اظہارِ حق باعث فتنہ بن جائے۔

٦۔ اختلاف کے باوجود اشتراک یعنی مشترک مسائل کے لئے ایک ساتھ بیٹھنے کی صلاحیت سے محروم ہونا۔

یہ صورتِ حال امت مسلمہ کو پوری دنیا میں نقصان پہونچا رہی ہے، اور اس کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ مذہب جو امت کو جوڑنے کا ذریعہ ہے، اسی کو لوگ افتراق وانتشار کا ذریعہ بنا رہے ہیں۔

اس پسِ منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے پچیسویں فقہی سمینار منعقدہ جامعہ دارالحدیث بدرپور (آسام) میں ایک موضوع ''اختلاف رائے اور وحدت امت'' کا رکھا، اس کے لیے ایک جامع سوالنامہ جاری کیا گیا، بڑے اہم مقالات اہل علم نے لکھے، سمینار میں موضوع پر تفصیلی مذاکرہ ہوا، اور بالاتفاق کچھ تجویزیں منظور کی گئیں، یہ انہیں بیش قیمت مقالات، تجاویز اور مناقشات کا مجموعہ ہے، جس کو محب عزیز مولانا صفدر زبیر ندوی (رفیق شعبۂ علمی) نے بڑی خوش اسلوبی سے مرتب کیا ہے، امید ہے کہ گزشتہ مجموعوں کی طرح اسے بھی اہل علم کی بارگاہ میں پذیرائی حاصل ہوگی، اکیڈمی شروع سے اتحاد امت کا پیغام اہل علم تک پہونچاتی رہی ہے، امید ہے کہ یہ مجموعہ اس پیغام کی علمی اور فکری جہتوں کو واضح کرے گا، اور اس کے بہتر اثرات مرتب ہوں گے۔

وباللہ التوفیق وھو المستعان

خالد سیف اللہ رحمانی (جنرل سکریٹری: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

۹ ربیع الاول ۱۴۳۸ھ / ۹ دسمبر ۲۰۱۶ء

باب اول تمہیدی امور

سوالنامہ:

اختلاف رائے اور وحدت امت

اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کو اتحاد و اجتماعیت کا حکم فرمایا ہے اور باہمی اختلافات اور فرقہ بندی سے سختی سے منع کیا ہے، ارشاد باری ہے: "واعتصموا بحبل الله جميعًا ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانًا"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: "ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم"۔

دوسری طرف یہ واقعہ ہے کہ امت مسلمہ کے افراد کے درمیان مختلف قسم کے اختلافات پائے جاتے ہیں اور فکر ونظر کا اختلاف ایک ایسی سچائی ہے جس کو نہ تو مٹایا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ یہ اختلافات بعض دفعہ عقیدے سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے دور قدیم میں اہل سنت، اہل تشیع، معتزلہ اور خوارج وغیرہ کے اختلافات ہیں، اور کبھی ان اختلافات کا تعلق عملی، غیر قطعی احکام سے ہوتا ہے، جیسے ائمہ مجتہدین کے درمیان پائے جانے والے فروعی اختلافات، اور کبھی ان اختلافات کا تعلق رنگ، نسل اور علاقے کی بنیاد پر پائی جانے والی عصبیتوں سے ہوتا ہے، جن کی اسلام نے شدت سے مخالفت کی ہے اور انہیں ختم کرنے کا حکم دیا ہے۔

دور حاضر میں بعض اختلافات نے انتہائی بھیانک شکل اختیار کر لی ہے اور ان اختلافات کے بھڑکنے اور بھڑکانے کی وجہ سے امت اسلامیہ زار و نزار ہے، اس کی وحدت پارہ پارہ ہو رہی ہے، اور دشمنان اسلام ان اختلافات کو بھڑکا کر امت مسلمہ کی تباہی و بربادی دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں، مثلاً دور حاضر میں شیعہ سنی اختلافات جس نے عالم عرب اور عالم اسلام کے خاصے بڑے حصے کو میدان جنگ میں تبدیل کر دیا ہے، لاکھوں مسلمان شیعہ سنی جنگوں میں مارے جاچکے ہیں، دسیوں لاکھ کلمہ گو خانہ بدوش اور بے وطن ہو چکے ہیں، اسی طرح بعض ملکوں اور علاقوں میں دیوبندی، بریلوی اختلافات، سلفی غیر سلفی اختلافات، نیز اسلام پسند اور لبرل طبقے کے اختلافات نے بڑی شدت اختیار کر لی ہے اور ان کے باہمی نزاعات انتہائی ناگوار شکلیں اختیار کر چکے ہیں۔

موجودہ حالات کے پس منظر میں علماء امت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ان اختلافات کی شرعی حیثیت واضح کریں اور یہ بتائیں کہ کون سا اختلاف محمود ہے اور کون سا مذموم، اختلاف کے حدود و آداب کیا ہیں اور بعض اعتقادی امور میں اختلاف کے باوجود اختلاف رکھنے والی جماعتیں اور فرقے ایک دوسرے کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں، اختلافات کو مٹانے اور کم کرنے کی کیا شکلیں ہیں اور اختلاف کے باوجود امت مسلمہ کی وحدت کو کس طرح قائم رکھا جاسکتا ہے اور موجودہ حالات میں امت مسلمہ کا شیرازہ جس طرح بکھر رہا ہے اس کے سد باب کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں، موجودہ حالات کے تناظر میں درج ذیل سوالات پیش خدمت ہیں، امید ہے کہ آپ اپنے علم وتفقہ کو بروئے کار لاکر ان سوالات کے تحقیقی جوابات تحریر فرمائیں گے اور امت مسلمہ کی شیرازہ بندی اور اتحاد میں بھرپور حصہ لیں گے۔

(۱) فقہی مسالک کے اختلافات کا بڑا حصہ وہ ہے جن میں اختلاف کی نوعیت، افضل غیر افضل، راجح مرجوح کی ہوتی ہے، چند ہی مسائل

ایسے ہیں جن میں اختلاف کی نوعیت حلال وحرام یا جائز وناجائز کی ہو، اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ جن مسائل میں اختلاف کی نوعیت جائز اور ناجائز یا حلال وحرام کی ہوتی ہے ان میں بھی چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہوتا ہے اور اجتہادی مسائل میں اپنی رائے اور مسلک کو ترجیح دی جاسکتی ہے لیکن مخالف رائے کو بالکل باطل قرار دینا اور اس اختلاف کو حق اور باطل کی جنگ قرار دینا درست نہیں ہوتا ہے مگر موجودہ دور میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض مصنفین، مقررین اور مدرسین اپنے مسلک کی ترجیح میں ایسا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں جس سے دوسرے مسلک اور رائے کی تنقیص ہوتی ہے، یا اس کے خلاف طنز وتعریض ہوتی ہے، اور دوسری رائے کی بالکلیہ نفی کی جاتی ہے، ان فقہی مباحث میں کسی مسلک یا قول کو ترجیح دینے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے اور کن حدود وآداب کا لحاظ کیا جانا چاہیے جن کی رعایت کرنے سے مسلمانوں کا اتحاد مضبوط ہو اور گروہ بندی کی شکل پیدا نہ ہو؟

(۲) جن اختلافات کا تعلق کسی نہ کسی درجہ میں عقیدے سے ہے مثلاً شیعہ سنی اختلافات یا بعض مسائل میں دیوبندی اور بریلوی اختلافات، سلفی اور غیر سلفی اختلافات، اختلافی موضوعات پر گفتگو، مذاکرہ اور تبادلۂ خیال کا کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے جس سے باہمی منافرت میں اضافہ نہ ہو اور کم از کم ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا مزاج بنے؟

(۳) جس فکر یا عقیدے کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہو، لیکن ان کی بنیاد پر تکفیر کا قائل نہ ہو، ایسے فکر یا عقیدے پر تنقید اور جس فکر یا عقیدے کو موجب کفر سمجھتا ہو اور اس کی بنیاد پر اس کے حاملین کو کافر قرار دیتا ہو، اس پر تنقید دونوں میں شرعی لحاظ سے کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی وضاحت کی جائے اور دونوں قسم کے فکر اور عقیدہ پر تنقید کے حدود وآداب بیان کیے جائیں۔

(۴) اس وقت شیعہ سنی کے اختلافات اور تنازعات بھیانک شکل اختیار کر چکے ہیں اور ان کی بنیاد پر امت مسلمہ بدترین جنگ وخونریزی میں مبتلا ہے اور دشمنان اسلام نے منصوبہ بندی کر کے ہمارے ان اختلافات کو بھڑکا کر عالم اسلام میں تباہی مچا رکھی ہے، ایک فرقہ کے لوگ بے تحاشہ دوسرے فرقہ کے لوگوں کو قتل کر رہے ہیں اور اس کو کار ثواب سمجھنے لگے ہیں، کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ ہم ان لوگوں کو جنہیں ان کے بعض عقائد کی بنا پر گمراہ یا خارج از اسلام سمجھتے ہیں، بے دریغ قتل کریں، ایک دوسرے کی زیر انتظام مساجد اور اداروں پر حملہ کریں، ایک دوسرے کی اہم مذہبی شخصیات کو قتل کریں، اس وقت عالم اسلام کے مختلف ملکوں میں (شام، عراق، یمن، پاکستان) شیعہ سنی آویزش جو شکل اختیار کر چکی ہے، شرعی نقطۂ نظر سے اس کا حکم کیا ہے اور اس خونریزی کو روکنے کے لیے علماء، اصحاب فکر ودانش اور عام مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے؟

(۵) دنیا کے مختلف ملکوں میں سنی اور شیعہ مشترک آبادیاں ہیں، دونوں فرقے سیکڑوں سال سے ان ملکوں اور علاقوں میں آباد ہیں، کیا یہ دونوں فرقے (خواہ ایک دوسرے کو گمراہ یا کافر قرار دیتے ہوں) پرامن بقاء باہم کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے۔ جس طرح بہت سے ملکوں میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ پرامن بقاء باہم کے اصولوں پر زندگی گزار رہے ہیں اور شریف انسانوں کی طرح اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے حقوق ادا کرتے ہیں، اگر شرعی لحاظ سے یہ دونوں فرقے ایک ملک اور ایک علاقہ میں امن وسلامتی کے ساتھ گزارہ کر سکتے ہیں تو اس کے لیے کیا شرعی اصول وآداب ہیں اور باہمی منافرت اور جنگ وجدال کو روکنے کے لیے دونوں فرقوں کے علماء ومذہبی پیشواؤں کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ تاکہ دونوں فرقے پرامن طور پر زندگی گزار سکیں اور ایک دوسرے کے انسانی حقوق کا خیال کرتے ہوئے باہم رہ سکیں۔

☆☆☆

تجاویز

وحدت امت - اصول و آداب

وحدت امت وقت کی ایک اہم ترین ضرورت اور دین حق کا اہم ترین مطلوب ہے، اس وحدت کو نقصان پہنچانے والے اختلافات اس وقت کا بڑا مفسدہ ہے جس سے امت مسلمہ بدحال ہے، اختلاف کی وہ تمام صورتیں جو فطری اور محمود ہیں وہ ہرگز نقصان رساں نہیں، لیکن وہ بھی اگر شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ نہ ہوں تو وہ بھی امت کے لئے زہر ہیں۔

جو اختلافات مذموم ہیں وہ کتنے ہی اچھے جذبہ سے ہوں وہ بہرحال غیر شرعی ہیں۔

۱۔ فقہی مسائل کے اختلافات میں جہاں اختلاف صرف افضل وغیر افضل اور راجح و مرجوح کا ہے ان میں اپنی رائے کو سراسر حق اور دوسری رائے کو سراسر باطل قرار دینا ہرگز درست نہیں ہے۔

جن مسائل میں اختلافات کی نوعیت حلال وحرام اور جائز وناجائز کی ہے وہ بھی چونکہ مجتہد فیہ مسائل ہیں اس لئے ان میں بھی دوسرے کے مسلک کی تغلیط اور اس کو مکمل باطل قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اس لئے اس طرح کے تمام مسائل کو عوامی نہ بنایا جائے، انفرادی طور پر اپنا مسلک اور اس کے دلائل بیان کرنے میں مضائقہ نہیں، بلکہ بعض مواقع وضرورت پر بہتر ہیں، لیکن دوسرے مسلک والوں میں ایسے مسائل پر گفتگو ہو تو انصاف و دیانت کے ساتھ ہر موقف کے دلائل بیان کئے جائیں۔ شخصیات کا احترام اور انداز کلام میں شرافت ومتانت ملحوظ رکھی جائے۔

۲۔ جن مسائل میں اختلاف کی نوعیت عقیدہ کی ہے ان میں اپنے عقیدہ کا اثبات، دلائل کی توضیح درست ہے؛ لیکن دوسرے کو اشتعال دلانے والے طرز گفتگو سے اجتناب ضروری ہے، تبادلہ خیال میں اپنے مسلک کے مستدلات کو بھی پیش نظر رکھا جائے، اور تفصیلاً بیان کیا جائے؛ مگر دوسرے کی توہین، تنقیص اور تشنیع سے پرہیز کیا جائے، دوسرے کی طرف سے اگر نامناسب طرز کلام پایا جائے تو بھی اپنی طرف سے سنجیدگی وحدود کی رعایت برقرار رکھی جائے۔

۳۔ جس فکر یا عقیدہ کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہو لیکن اس کی بنیاد پر تکفیر کا قائل نہ ہو، ایسے فکر یا عقیدہ پر تنقید، اور جس فکر یا عقیدہ کو موجب کفر سمجھتا ہو اور اس کی بنیاد پر اس کے حاملین کو کافر قرار دیتا ہو اس پر تنقید، دونوں میں شرعی لحاظ سے فرق ہے۔

ایک موجب کفر ہے اور دوسرا موجب فسق وضلالت، لہذا دونوں پر تنقید کے شرعی آداب وحدود میں بھی فرق ہوگا۔

موجب کفر فکر وعقیدہ پر تنقید کے جو آداب ہیں وہ درج ذیل ہیں:

الف: حتی الامکان ان کو کافر کہنے سے گریز کیا جائے اور احتیاط سے کام لیا جائے۔

ب: دینی، سماجی اور سیاسی مصالح وضروریات کی بنا پر ان کے ساتھ تعاون جائز ہوگا۔

ج: مقصد صرف احقاق حق اور ابطال باطل ہو، نفسانی اغراض اُس میں شامل نہ ہوں۔

د: فریق مخالف کی حمیت وتعصب کو بھڑکانے کی کوشش نہ کی جائے۔

غیر موجب کفر فکر وعقیدہ کے حدود وآداب مندرجہ ذیل ہیں:

الف: اعتدال ورواداری کا اظہار ہو۔

ب: لہجہ میں خیر خواہی، نرمی ہو اور انداز ناصحانہ ہو، گفتگو تلخ وترش نہ ہو۔

ج: کسی کی نیت پر حملہ نہ ہو۔

۴۔ اس وقت شیعہ سنی اختلافات وتنازعات بھیانک شکل اختیار کر چکے ہیں اور ان کی بنیاد پر امت مسلمہ بدترین جنگ اور خونریزی میں مبتلا ہے اور دشمنان اسلام نے منصوبہ بندی کر کے ہمارے ان اختلافات کو بھڑکا کر عالم اسلام میں تباہی مچا رکھی ہے۔ ایک فرقہ کے لوگ بے تحاشا دوسرے فرقے کے لوگوں کو قتل کر رہے ہیں، اور اس کو کار ثواب سمجھنے لگے ہیں۔ اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا، اور اس کو فساد فی الارض سے تعبیر کرتا ہے۔

اس لئے اس وقت عالم اسلام کے مختلف ملکوں میں شیعہ سنی آویزش جو شکل اختیار کر چکی ہے اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اور اس خونریزی کو روکنے کے لئے مصالحتی کوششیں اور مذاکرات ہی واحد حل ہیں۔

۵۔ دنیا کے جس کسی حصہ میں سنی اور شیعہ مشترک آبادیاں ہیں وہ پُرامن بقائے باہم کے ساتھ مشترکہ اقدار کی بنیاد پر زندگی گذاریں ایک دوسرے کی مقدس مذہبی شخصیت پر سب وشتم سے گریز کریں۔

باہمی منافرت اور جنگ وجدال کو روکنے کے لئے دونوں فرقوں کے علماء ومذہبی پیشواؤں کا اور اہل صلاح کا کلیدی کردار ہے۔ ممکنہ اسباب کے ذریعہ مصالحتی کوششیں اور مذاکرات بروئے کار لانے کی ان حضرات کی شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے۔



تلخیص مقالات

اختلاف رائے اور وحدت امت

ڈاکٹر صفدر زبیر ندوی[1]

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين. أما بعد!

انسان جسے اللہ تعالی نے آدم وحوا سے پیدا کیا تا کہ وہ ایک اللہ کی عبادت کرے۔

"يا أيها الناس اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالاً كثيراً ونساء، واتقوا الله الذي تساءلون به والأرحام إن الله كان عليكم رقيباً" (سورہ نساء: ۱)، "وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون" (الذاریات: ۵۶)۔

اسی طرح اللہ تعالی نے انسانوں کو قبیلوں اور فرقوں میں تقسیم کیا تا کہ وہ ایک دوسرے سے متعارف ہوسکیں،

"يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوباً وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله أتقاكم إن الله عليم خبير" (الحجرات: ۱۳)

لیکن کیا ہوا، لوگوں نے اس کرۂ ارضی کو فتنہ وفساد سے بھر دیا۔

"ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدي الناس ليذيقهم بعض الذي عملوا لعلهم يرجعون" (الروم: ۴۱)۔

اللہ تعالی نے بار بار تاکید کی کہ ایک ہی دین، دین توحید پر قائم رہو، اور آپس میں اختلاف نہ کرو، بلکہ اتحاد واتفاق کے ساتھ زندگی گزارو،

"واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا" (آل عمران: ۱۰۳)، "وأطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا إن الله مع الصابرين" (الانفال: ۴۶)، "ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءهم البينات" (آل عمران: ۱۰۵)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی اس بات پر قادر ہے کہ دنیا میں اختلاف ہی نہ ہوتا اور پوری دنیا ایک امت ہوتی لیکن نہیں، اللہ تعالی کی حکمتیں اور مصلحتیں بے شمار ہیں، اور اختلاف رائے کا وجود فطری ہے،

"ولو شاء ربك لجعل الناس أمة واحدة ولا يزالون مختلفين إلا من رحم ربك ولذلك خلقهم وتمت كلمة ربك لأملأن جهنم من الجنة والناس أجمعين" (هود: ۱۱۸-۱۱۹)۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالی نے اس امت کو امت واحدہ یعنی ایک متحدہ امت بنایا ہے،

"إن هذه أمتكم أمة واحدة وأنا ربكم فاعبدون وتقطعوا أمرهم بينهم كل إلينا راجعون" (الانبیاء: ۹۲-۹۳)۔

یہ حقیقت ہے کہ مسلمان ایک امت ہیں، ان کا کلمہ ایک ہے، ان کا دین ایک ہے، ان کا قبلہ ایک ہے، ان کی کتاب اور ان کا رسول ہے، عقیدۂ آخرت بھی تمام مسلمانوں کا یکساں ہے، لیکن بعض اعتقادی، نظریاتی اور اجتہادی مسائل کی وجہ سے مسلمان گروہوں، جماعتوں اور مسلکوں میں بٹ گئے، علاقائی ولسانی تفریق اور برادری وخاندانی تقسیم نے بھی مسلمانوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ رکھا ہے، بعض اختلافات نے آج انتہائی بھیانک شکل اختیار کر لیے ہیں اور دشمنان اسلام نے ان اختلافات کو ہوا دے کر پوری امت مسلمہ کو تباہی و بربادی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا ہے، شام، عراق، یمن، افغانستان، پاکستان، لیبیا، جیسے ممالک میں مغربی طاقتوں نے مسلمانوں کے جزوی وفروعی اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قتل وخون کا بازار گرم کر رکھا ہے، اور عالم عرب بلکہ عالم اسلام

---

[1] شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

کے ایک بڑے حصہ کو میدان جنگ میں تبدیل کر دیا ہے، اسی طرح شیعہ سنی اختلافات، بریلوی دیوبندی اختلافات، سلفی غیر سلفی اختلافات نے بھی اتنی شدت اختیار کر لی ہے کہ ایک دوسرے کو کافر و مشرک بنانے سے کم پر رکتے ہی نہیں ہیں، جن جماعتوں یا اداروں کا قیام مختلف عصبیتوں کو ختم کرنے کے لئے ہوا تھا وہ بھی اندر سے عصبیتوں میں غرق ہیں، اور جماعتوں اور مسلکوں کے باہمی نزاعات نے انتہائی ناگوار شکلیں اختیار کر لی ہیں، اگر اب بھی ہم بیدار نہیں ہوئے اور اپنے مخالفانہ رویہ کو تبدیل نہ کیا اور اختلافات کو باہمی اتحاد و اتفاق سے ختم نہ کیا اور عصبیت کے شعلہ کو ایسے ہی ہوا دیتے رہے تو وہ دن دور نہیں کہ پوری امت مسلمہ عصبیت کی اس آگ میں جل کر بھسم ہو جائے گی، جیسا کہ آج عالم اسلام کی صورت حال سامنے ہے۔ اس نازک صورت حال کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) نے اپنے پچیسویں فقہی سمینار منعقدہ ۵۔۷ رفروری ۲۰۱۶ء کا ایک اہم موضوع "اختلاف رائے اور وحدت امت" رکھا، اس لئے کہ علماء امت کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے امت کی شرعی رہنمائی کریں، اور بتائیں کہ اختلاف کے حدود و آداب کیا ہیں، بعض اعتقادی امور میں اختلاف کے باوجود مختلف جماعتوں اور فرقوں کا ایک دوسرے کے ساتھ کیا رویہ ہونا چاہئے، اختلافات کو مٹانے اور کم کرنے کی شکلیں کیا کیا ہو سکتی ہیں، اور اختلاف کے باوجود امت مسلمہ کو متحد رکھنے کے کیا طریقے ہو سکتے ہیں اور کیا تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں، بدر پور آسام میں ہونے والے اس سمینار میں اکیڈمی ان سب مسائل کو زیر بحث لائے گی، اور بحث و مناقشہ کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچ کر اور تجاویز پاس کر کے انشاء اللہ امت مسلمہ کی شرعی رہنمائی کا فریضہ ادا کرے گی۔

اس اہم موضوع پر اب تک جن حضرات نے مقالے بھیج کر اپنی شرکت درج کرائی ہے ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

قاضی محمد ریاض ارمان قاسمی ہریانہ، مفتی ثناء الہدی قاسمی پٹنہ، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی تلنگانہ، مفتی محمد شاہجہاں ندوی کیرالہ، مولانا روح الامین سعادتی گجرات، مولانا اقبال محمد ٹنکاروی گجرات، مولانا عبد الرحیم فلاحی مہاراشٹر، مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی فیض آباد، مولانا خواجہ نظام الدین یوسفی تامل ناڈ، مفتی عبد المنان آسام، مولانا محمد نثار عالم ندوی کیرالہ، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کیرالہ، مفتی عبد الحکیم قاسمی کیرالہ، مولانا محمد ظفر عالم ندوی لکھنؤ، مولانا محمد توصیف انصاری قاسمی لکھنؤ، مفتی عبد الرشید قاسمی کانپور، مولانا اشتیاق احمد اعظمی مئو، مولانا خورشید احمد اعظمی مئو، مولانا محمد فیاض عالم قاسمی ممبئی، مفتی محمد عثمان بستوی جونپور، مفتی محمد سلمان منصور پوری مراد آباد، مولانا عبد الحی مفتاحی خیر آباد۔

مقالہ نگار حضرات نے تمہید کے طور پر اختلافات کے حدود و آداب اور اختلافات کو کم کرنے یا مٹانے کی تدابیر پر بھی روشنی ڈالی ہے، بعض حضرات نے ان پر تفصیلی گفتگو کی ہے، جس کا اختصار ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسوقت امت مسلمہ افتراق و انتشار کا شکار ہے، جس امت کی تعلیمات میں اتحاد ملت اور اس کے نظام زندگی میں وحدت امت کو بنیادی حیثیت حاصل ہو وہ آج گروہی تصادم، مسلکی اختلاف، علاقائی و لسانی تفریق، برادری و خاندانی تقسیم میں بٹی ہوئی ہے، عام لوگوں کے بارے میں کیا کہا جائے خود علماء کا طبقہ مختلف قسم کے تحفظات کا شکار نظر آرہا ہے، اس کی ایک تعداد دین و مسلک اور فکر و نظر کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے پر تنقید و تبصرے میں مشغول نظر آتی ہے، خالص علمی اور تحقیقی بحثوں میں بھی ایک دوسرے پر تنقید و تذلیل فراخدلی سے ہوتی رہتی ہے، تفسیق و تضلیل تو عام بات ہے تکفیر سے بھی باز نہیں آتی، اہل علم و نظر کے درمیان اختلاف کی خلیج دن بدن بڑھتی جارہی ہے اور اس اختلاف و انتشار کا خمیازہ پورا عالم اسلام بھگت رہا ہے۔ دوسری طرف مسلم قیادت فکری اضمحلال، سیاسی بے شعوری اور عملی انتشار کا شکار ہے جس کا نتیجہ ہے کہ دشمنان اسلام امت مسلمہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے اور ان کو بے وزن کرنے میں پوری طرح کامیاب ہو رہے ہیں...... یہ ایک حقیقت ہے کہ اسوقت پورا عالم اسلام جن مشکلات سے دوچار ہے شاید اس سے قبل کی تاریخوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی... اہل نظر علماء اور ہمدرد ملی رہنما اس پہلو سے کافی فکر مند ہیں، قابل ستائش ہیں "مجمع الفقه الإسلامي الهند" کے ذمہ داران کہ ان کی نظر امت مسلمہ کی اس حالت زار پر پڑی اور انھوں نے اس کے بنیادی اسباب میں فکر و نظر کی بے اعتدالی اور علم و مطالعہ کی بے سمتی کا ادراک کیا اور سوالنامہ تیار کر کے بحث و تحقیق، مثبت سوچ اور معتدل غور و فکر کی دعوت دی ہے جو امت مسلمہ کے تئیں ان کی فکر مندی کی دلیل ہے۔ خدا اس فکر و کاوش کو قبول فرمائے اور اس کے بہتر نتائج بروئے کار لائے آمین ثم آمین۔

علماء سلف کا .... میں اختلاف رائے اور وحدت امت سے متعلق جو سوالات پیش کئے گئے ہیں، ہم ان کے جوابات سے قبل اختلاف کا مفہوم، اس کی انواع اور موقف بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ زیر بحث موضوع پوری طرح آشکارا ہو کر سامنے آجائے۔

اختلاف کا مفہوم:

اختلاف کے مفہوم کو جاننے کے لئے سب سے پہلے ہم ماہر لغت امام راغب اصفہانی کی طرف رجوع کرتے ہیں، موصوف فرماتے ہیں:

''الإختلاف والمخالفة أن يأخذ كل واحد طريقًا غير طريق الآخر في حاله أو قوله'' (مفردات القرآن، باب خلف)
اختلاف یہ ہے کہ ایک فریق کسی قول یا حالت میں وہ طریقہ اختیار کرے جو دوسرے فریق نے نہیں اختیار کیا ہے۔ اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف حالت و ہیئت میں بھی ہوسکتا ہے اور قول ورائے میں بھی۔

علامہ جرجانیؒ نے کتاب التعریفات میں اختلاف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ حق کے اثبات اور باطل کے ابطال ورد کے لئے دو فریقوں کے درمیان جو بحث ومباحثہ ہو اس کو اختلاف کہتے ہیں، موصوف کے الفاظ ہیں:

''منازعة تجري بين المتعارضين لتحقيق حق وإبطال باطل'' (كتاب التعريفات)۔
علامہ جرجانیؒ کی تعریف سے مزید وضاحت ہوجاتی ہے کہ اختلاف کسی قول، نظریہ اور عقیدہ میں بھی ہوسکتا ہے۔

علامہ ابوالبقاء الکفویؒ نے کلیات میں یہ واضح کیا ہے کہ اختلاف خلاف سے جداگانہ چیز ہے، اختلاف کے مفہوم میں یہ شامل ہے کہ فریقین کے طریقہ استدلال گو مختلف ہوں لیکن مقصود ایک ہو۔ اسی طرح اختلاف کے لئے ضروری ہے کہ اس پر کوئی دلیل ہو، خلاف میں طریقوں کے ساتھ مقصود بھی الگ الگ ہوتے ہیں اور کوئی دلیل نہیں ہوتی، اختلاف آثار رحمت میں سے ہے اور خلاف آثار بدعت میں سے ہے (کلیات ۱/ ۷۹، ۸۰)۔

اختلاف کے انواع:

اختلاف کے تمام گوشوں کا جائزہ لیں تو بنیادی طور پر اختلاف کی تین قسمیں سامنے آتی ہیں:

(۱) مذاہب وادیان کا اختلاف جیسے: اسلام، یہودیت، نصرانیت۔

(۲) عقائد کا اختلاف جیسے: قدریہ، جبریہ، جہمیہ، خوارج، روافض وغیرہ۔

(۳) فروعی احکام کا اختلاف جیسے: مسالک اربعہ۔

اس طرح اختلاف کی کل تین انواع ہوتی ہیں: ادیان، فرقے اور مسالک فقہیہ۔ اسلام نے ان تینوں انواع کے سلسلہ میں واضح ہدایات دی ہیں۔

فروعی مسائل میں اختلاف کا مفہوم اور علماء سلف کا موقف:

علماء سلف کی سوانح اور ان کی تصنیفات کے مطالعہ سے یہ بات ملتی ہے کہ ان کے نزدیک فروعی مسائل میں اختلاف کا مفہوم نزاع نہیں تھا بلکہ وہ اس کو توسع کا نام دیتے تھے، حضرت طلحہ بن مصرّف جو تابعین میں ہیں ان کے بارے میں ان کے ایک شاگرد موسیٰ الجہنی بیان کرتے ہیں کہ ان کے سامنے جب اختلاف کا ذکر ہوتا تو فرماتے کہ اختلاف نہ کہو بلکہ توسع کہو۔

''كان طلحة إذا ذكر عنده الاختلاف قال: ''لا تقولوا الاختلاف ولكن قولوا السعة'' (حلية الاولياء ۵/ ۱۱۹)
یہ حضرات اختلاف کو توسع کے معنی میں لیتے اور اس کی تاکید فرماتے۔ امام ابن تیمیہؒ کی مشہور کتاب مجموع الفتاویٰ میں یہ واقعہ درج ہے:

''صنف رجل كتابًا في الإختلاف فقال أحمد: لا تُسمّه كتاب الإختلاف ولكن سَمّه كتاب السعة'' (مجموع الفتاوی: ۳۰/ ۷۹)۔

(ایک شخص نے اختلاف کے نام سے ایک کتاب لکھی تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ اس کا نام ''کتاب الاختلاف'' نہ رکھو بلکہ ''کتاب السعة'' نام رکھو)؛ کیونکہ اختلاف ایک ایسا لفظ ہے جس میں فرقت اور دوری کا وہم ہوتا ہے، اس کے برعکس توسع کا لفظ رخصت، مباح اور یسر کا مفہوم اپنے اندر لئے ہوئے ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اس تنبیہ سے اس طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اختلاف توسع کا نام ہے نزاع کا نہیں، اسی لئے یہ حضرات احکام کی [illegible]

فرماتے اور یسر کا پہلو اختیار کرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا موقف:

ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم وفضلہ'' میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''ما أحب أن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يختلفوا لأنه لو قالوا قولًا واحدًا كان الناس في ضيق وإنهم أئمة يقتدى بهم فلو أخذ رجل بقول أحدهم كان في سعة'' (جامع بیان العلم ۲/ ۸۰)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے قول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی مسئلہ میں اختلاف دراصل اس مسئلہ کی مختلف نوعیتوں اور جہتوں کو واضح کر کے کسی بھی پہلو کو اختیار کرنے کی راہ ہموار کی جاتی ہے جس میں امت کے لئے یسر بھی ہے اور رحمت بھی، کیونکہ اگر کسی غیر منصوص مسئلہ میں اختلاف سامنے نہ آتا تو امت کسی ایک ہی قول پر عمل کرنے پر مجبور ہوتی جو بسا اوقات تنگی اور پریشانی کا سبب بنتی۔

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق کا موقف:

امام الحجہ حضرت قاسم بن محمد جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے اور سادات تابعین میں ہیں، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے صحابۂ کرامؓ کے اختلاف سے بڑا فائدہ پہونچایا، جو بھی صحابہؓ میں سے کسی بھی صحابی کے عمل پر عمل کرلے تو اسکے لئے اسکی گنجائش واجازت ہے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ عمل بہتر ہے۔

''لقد نفع الله بإختلاف أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم في أعمالهم. لايعمل العامل بعمل رجل منهم إلا رأى أنه في سعة، ورأى أن خيرًا منه قد عمِلَهُ'' (جامع بيان العلم وفضله لابن عبدالبر۲/ ۸۰)۔

حضرت قاسم بن محمدؒ کے قول سے یہ بات معلوم ہوئی جس صحابی کے قول وعمل کو اختیار کرلیا جائے وہ درست ہے بلکہ بہتر ہے، اس طرح گویا مختلف صحابہؓ کے اقوال پر عمل کرنے کی امت کے لئے گنجائش ہے اور یہ توسع کی راہ ہے۔

قاضی یحییٰ بن سعید کا موقف:

قاضی یحییٰ بن سعید انصاری اجلہ تابعین میں ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مفتی کسی چیز کے حلال کا فتوی دے اور دوسرا حرام کا، تو حرام کا فتویٰ دینے والا حلال کہنے والے کے بارے میں نہ سوچے کہ وہ ہلاک ہوگیا، یا حلال کا فتویٰ دینے والا نہ سوچے کہ حرام کہنے والا ہلاک ہوگیا؛ بلکہ دونوں کی گنجائش ہے۔

قال الإمام الحجة يحيٰ بن سعيد الأنصاري:''ما برح أولو الفتوى يُفتون فيحلُّ هذا ويحرم هذا فلا يرى المحرِّم أن المحلّ هلك لتحليه ولا يرى المُحلّ أن المحرِّم هلك لتحريمه'' (حوالہ سابق)۔

امام ذہبیؒ نے بھی ''التذکرۃ'' میں اسی سے ملتی جلتی بات نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب موصوف کے نزدیک الگ الگ اہل فتویٰ کی الگ الگ رائے ہو تو یہ عیب نہیں اسلئے ایک دوسرے پر نہ تنقید کرے، نہ گمراہ سمجھے؛ بلکہ ہر قول پر عمل کرنا دین پر عمل کرنا ہے۔

امام مالکؒ کا موقف:

امام ذہبیؒ نے سیر أعلام النبلاء میں نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ سے امیر المؤمنین ابوجعفر المنصور نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی کتاب ''الموطأ'' بلاد مسلمین میں لاگو کردوں اور لوگوں کو اس پر عمل کرنا لازم کردوں اور دیگر کتابوں کو منسوخ کردوں، اس پر امام مالکؒ نے جو جواب دیا ہے واقعہ یہ ہے کہ یہ امت کا کوئی غیر معمولی بہی خواہ اور آخری درجہ کا متقی ہی جواب دے سکتا ہے۔ فرمایا: امیر المؤمنین آپ ایسا نہ کریں؛ کیونکہ لوگوں کے پاس صحابۂ کرام کے بہت سے اقوال پہنچ چکے ہیں۔ اور انھوں نے بہت سی روایتیں سنی ہیں، جن کو جو روایتیں ملی ہیں وہ ان پر عمل کر رہے ہیں، اگر آپ انہیں کسی ایک کتاب اور قول کا پابند بنادیں گے تو وہ اسی پر مجبور ہو جائیں گے اور اس میں ان کے لئے تنگی ہو جائے گی حالانکہ ان کے لئے وسعت اور آسانی موجود ہے، امام مالکؒ کے الفاظ امام ذہبیؒ نے اس طرح نقل کئے ہیں:

''فقلت:يا أمير المؤمنين لاتفعل هذا فإن الناس قد سبقت إليهم أقاويل، وسمعوا أحاديث ورووا روايات، وأخذ كل قوم بما سبق إليهم وعملوا به ودانوا به اختلاف الناس وغيرهم وردهم عما اعتقدوه شديد فدع الناس وما

ھم علیہ'' (السیر ۷/ ۱۴۲)۔

امام مالکؒ کے اس موقف سے کئی چیزیں سامنے آئیں:

(۱) کسی ایک قول پر امت کو مجبور کرنا باعث حرج وتنگی ہے، اور مختلف اقوال کی گنجائش رکھنا ذریعہ رحمت و وسعت ہے، اسی لئے امام مالکؒ نے فرمایا:

''إن إختلاف العلماء رحمة من الله على هذه الأمة'' (کشف الخفا للعجلونی ۱/ ۶۵)۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس میں علماء متاخرین کی آراء کا لحاظ بھی ہے جس سے اتحاد اور رحمت کی راہ کھلتی ہے۔

(۳) تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آداب علماء میں سے ایک خاص ادب یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے مسلک اور رائے پر چھوڑ دینا چاہئے جب تک وہ حق وراستی اور شرعی بنیاد پر باقی ہو۔

امام ابن تیمیہؒ کا نظریہ:

اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے اور اتحاد کی فضا قائم کرنے میں امام ابن تیمیہؒ کا یہ نظریہ کافی قابل توجہ اور لائق اتباع ہے، موصوف فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کے دلوں کو جوڑنے اور ان کے درمیان باہمی ربط وتعلق قائم کرنے کی خاطر اپنے مسلک کے مستحبات کو ترک کردینا، عمل کرنے سے بہتر ہے؛ کیونکہ دین میں تالیف قلب کسی استحبابی عمل کا فائدہ حاصل کرنے سے بہتر ہے:

''یستحب للرجل أن یقصد إلی تالیف القلوب بترك هذه المستحبات لأن مصلحة التالیف في الدین أفضل من مصلحة فعل مثل هذا'' (مجموع الفتاوی ۳۰/ ۹۹)۔

امام سفیان ثوریؒ کا نظریہ:

الفقہ والمتفقہ میں خطیب بغدادیؒ نے امام سفیان ثوریؒ کا قول نقل کیا ہے:

''إذا رأیت الرجل یعمل الذي قد اختلف فیه وأنت تری غیره فلا تنهه''۔

(جب تم کسی کو ایسے مسئلے میں عمل کرتے ہوئے دیکھو جس میں اختلاف ہو اور دوسرا اس عمل کے علاوہ پر عمل کرے تو تم اس کو نہ روکو) (الفقہ والمتفقہ ۲/ ۶۹)

امام ابوحنیفہؒ کا قول:

خطیب بغدادیؒ نے اختلافی مسائل میں مخالف رائے رکھنے والے علماء کے احترام کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے جو موجودہ دور میں پوری ملت اسلامیہ کے لئے مشعل راہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے:

''قولنا هذا رأي وهو أحسن ما قدرنا علیه، فمن جاء نا بأحسن من قولنا فهو أولی بالصواب منا'' (تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۵۲)

امام ابوحنیفہؒ کا اسی قسم کا قول ایک دوسری جگہ ہے:

''هذا الذي نحن فیه رأي لانجبر أحدًا علیه، ولا نقول: یجب علی أحد قبوله بکراهیة، فمن کان عنده شئ أحسن منه فلیأت به'' (تاریخ بغداد ۱۳/ ۱۴۰)۔

امام ابوحنیفہؒ کے قول سے ان کی وسعت نظری، فراخ دلی اور مخالف رائے کو اہمیت دینے کا مزاج واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ کا توسع:

امام شافعیؒ کا اس سلسلہ میں طرز عمل کافی توسع اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ احترام کا رہا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے اقوال سے کافی اختلافات رہے ہیں اس کے باوجود فرماتے ہیں:

''من أراد أن یتبحر في الفقه فهو عیال علی أبي حنیفة'' (طبقات الفقہاء للشیرازی/ ۸۶، جامع الاصول فی احادیث الرسول ۱۲/ ۹۵۲)

(جو فقہ میں مہارت پیدا کرنا چاہے وہ امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں) یہ واقعہ تو کافی مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے مزار پر جب امام شافعیؒ پہنچے ہیں تو امام صاحب کے مسلک کے مطابق نماز فجر ادا کی اور قنوت نازلہ نہیں پڑھی اور فرمایا کہ مجھے اس صاحب قبر کی مخالفت کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ اس سے جہاں ائمہ مجتہدین کے بارے میں ان کا احترام معلوم ہوتا ہے وہیں ان کا توسع بھی ظاہر ہوتا ہے۔

اصول دین میں اختلاف:

البتہ اختلاف اگر اصول دین میں ہو تو بلاشبہ یہ ضلالت وگمراہی ہے اور بعض مواقع سے خارج عن الاسلام کا بھی حکم لگایا جاسکتا ہے، اس کے باوجود اختلاف عداوت وعناد پر مبنی نہ ہو بلکہ مخلصانہ اور داعیانہ انداز میں حق کا اثبات اور باطل کا ابطال ہو اور اسلوب ایسا ہو جس میں اخلاقی پہلو نمایاں اور خیر خواہی کا جذبہ عیاں ہو، اسلامی تعلیمات اور سیرت نبویؐ میں اس کے بے شمار نمونے موجود ہیں جن سے ہم استفادہ کرسکتے ہیں، اختلاف اگر بنیادی عقائد میں ہو اور ایسے اصول دین میں ہو جو فسق اور ضلالت سے بڑھ کر کفر کو مستلزم ہو تب بھی احترام انسانیت اور علمی دیانت اور انصاف پیش نظر رہنا چاہئے کہ یہی اسلام کی اخلاقی تعلیم ہے۔

اختلاف اور علامہ سیوطیؒ کا حکیمانہ بیان:

ہم اپنی اس تمہیدی گفتگو کو علامہ سیوطیؒ کے اس پر مغز بیان پر ختم کرتے ہیں جس کو انھوں نے اختلاف مسالک کے بارے میں ظاہر کیا ہے۔ موصوف اپنے رسالہ جزیل المواهب کی ابتداء میں فرماتے ہیں:

''إعلم أن اختلاف المذاهب في هذه الملة نعمة كبيرة وفضيلة عظيمة وله سر لطيف أدركه العالمون. وعمى عنه الجاهلون، حتى سمعت بعض الجهال يقول: النبي جاء بشرع واحد فمن أين مذاهب أربعة؟ ''ومن العجب أيضًا'':من يأخذ تفضيل بعض المذاهب على بعض تفضيلًا يؤدى إلى تنقيص المفضل عليه وسقوطه، وربما أدى إلى الخصام بين السفهاء وصارت عصبية جاهلية والعلماء منتزهون عن ذلك''. ''وقد وقع اختلاف في الفروع بين الصحابةؓ خير الأمة، فما خاصم أحد منهم أحدًا ولا عادى أحد أحدًا ولا نسب أحد أحدًا إلى خطأ ولا قصور.... وورد أن اختلاف هذه الأمة رحمة من الله لها وكان إختلاف الأمم السابقة عذابًا وهلاكًا. فعرف بذلك أن اختلاف المذاهب في هذه الملة، خصيصة فاضلة لهذه الأمة وتوسيع في هذه الشريعة السمحة السهلة. فكانت الأنبياء قبل النبي صلى الله عليه وسلم يبعث أحدهم بشرع واحد وحكم واحد، حتى إن من ضيق شريعتهم لم يكن فيها تخيير في كثير من الفروع التي شرع فيها التخيير'' (جزيل المواهب في اختلاف المذاهب للسيوطي)۔

شریعت محمدی متعدد شریعتوں کی جامع:

آگے امام سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ کسی ایک مسئلہ میں متعدد اقوال وآراء ہونے کی وجہ سے اس کے متعدد احکام ہوجاتے ہیں اس طرح یہ شریعت کئی شریعتیں ہوجاتی ہیں:

''من ذلك:مشروعية الاختلاف بينهم في الفروع، فكانت المذاهب على إختلافها كشرائع متعددة. كل مأمور به في هذه الشريعة فصارت هذه الشريعة كأنها عدة شرائع بعث النبي صلى الله عليه وسلم بجميعها. وفي ذلك توسعة زائدة لها وفخامة عظيمة لقدر النبي صلى الله عليه وسلم وخصوصية له على سائر الأنبياء، حيث بعث كل منهم بحكم واحد وهو بعث في الأمر الواحد بأحكام متنوعة يحكم بكل منها وينفذ ويصوب قائله ويؤجر عليه، ويقتدى به''۔

آگے علامہ موصوفؒ اس اہم نکتہ کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وهذا معنى لطيف فتح الله به، يستحسنه كل من له ذوق وإدراك لأسرار الشريعة'' (جزيل المواهب في اختلاف المذاهب للسيوطي)۔

علامہ سیوطیؒ کے مذکورہ بیان سے جہاں اختلاف کی اہمیت، خصوصیت اور افادیت معلوم ہوتی ہے وہیں اس کی حقیقت اور اصل روح بھی واضح ہوجاتی ہے

(مقالہ مولانا محمد ظفر عالم ندوی)۔

عقلیات وفرعیات:

اہلِ اسلام کے مابین جو اختلاف ہے اس کے دو بڑے شعبہ ہیں، ان ہی میں اختلافِ حقیقی کی تمام شکلیں دائر ہیں، (اختلاف اضافی غیر حقیقی جو صورتاً تو اختلاف ہے لیکن درحقیقت اختلاف نہیں)۔

ان دونوں اہم شعبہ جات کو بھی عوام وخواص میں خوب واضح کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ جب تک ان دونوں کی حقیقت کا پتہ نہ ہوگا اس وقت تک ان میں موجود اختلاف کی حیثیت کی رعایت ناممکن ہے، عقائد میں اختلاف کی نوعیت جدا ہے، فرعیات میں اختلاف کی نوعیت الگ، تو سب سے پہلے ضرورت ہے کہ ان کی تعریفات کو سمجھا جائے۔

تعریف العقلیات والفرعیات:

امام محمد غزالی شافعیؒ:

والمجتهد فيه كل حكم شرعي ليس فيه دليل قطعي۔

احترزنا بالشرعي عن العقليات ومسائل الكلام، فان الحق فيها واحد، والمصيب واحد، والمخطئ آثم. وإنما نعني بالمجتهد فيه مالا يكون مخطئ فيه آثمًا۔

ووجوب الصلوات الخمس والزكوات وما اتفقت عليه الأمة من جليات الشرع فيها أدلة قطعية يأثم فيها المخالف فليس ذلك محل الاجتهاد (المستصفی ۲/ ۲۹۸، نیز دیکھئے: المحصول للرازی ۲/ ۴۳۶)۔

سيف الدين الآمدی:

وأما ما فيه الاجتهاد فما كان من الأحكام الشرعية دليله ظني (الاحکام فی اصول الاحکام ۴/ ۳۹۸)۔

ابواسحٰق ابراہیم الشاطبی مالکی:

محال الاجتهاد المعتبر هي ماترددت بين طرفين وضح فی كل واحد منهما قصد الشارع فی الاثبات فی أحدهما والنفي في الآخر، فلم تنصرف البتة إلى طرف النفي ولا إلى طرف الإثبات (الموافقات ۴/ ۱۵۵)۔

بدرالدین زرکشی شافعی:

المجتهد فيه وهو كل حكم شرعي عملي أو علمي يقصد به العلم ليس فيه دليل قطعي۔

فخرج بالشرعي العقلي فالحقّ فيها واحد، والمراد بالعمل ما هو كسب للمكلف إقداما وإحجاما، وبالعلمي ما تضمنه علم الأصول من المظنونات التي يستند العمل إليها، وقولنا: ليس فيها دليل قاطع احترازًا عما وجد فيه وذلك من الأحكام، فانه إذا ظفر فيه بالدليل حرم الرجوع إلى الظن (البحر المحيط ۶/ ۲۲۷)۔

امام رازی:

وقال أبوالحسين البصري: المسألة الاجتهادية هي التي اختلف فيها المجتهدون من الأحكام الشرعية، وهٰذا ضعيف جدًا؛ لأن جواز اختلاف المجتهدين فيها مشروط بكون المسألة اجتهادية. فلوعرفنا كونها اجتهادية باختلافهم فيها لزم الدور (المحصول ۲/ ۴۳۶)۔

حنفیہ میں ابن ہمام اور شامی کی تعریف:

اس دور والی تعریفات کے خلاف صحیح اور واضح تعریف حنفیہ نے کی ہے:

وكذا مافي الفتح عن المنتقى من أن العبرة في كون المحل مجتهدا فيه اشتباه الدليل لاحقيقة الخلاف (رد المحتار ۸/۸۸)۔

خلاصہ:

خلاصہ تعریفات یہ ہے کہ عقائد واصول میں وہ امور داخل ہیں جن کے دلائل قاطع ہیں، ثبوت دلالت میں کسی طرح کا خفا واشتباہ نہیں، اور وہ مسائل از قبیل علم ہوں یا از قبیل عمل ہوں۔

فرعیات میں وہ مسائل علمیہ وعملیہ داخل ہیں جن کی دلیل قطعی نہیں، دلیل میں کسی طرح کا اشتباہ واحتمال موجود ہے، وہ مسائل فرعیات کی قبیل سے ہوں گے۔

فقہاء اصولیین نے عقائد کے لئے عقلیات، المسائل العلمیۃ، نظریات، اصولیات وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔

فروعی مسائل کو المسائل العملیۃ، فرعیات، فروعات، المسائل الاجتہادیۃ، مظنونات جیسے الفاظ سے تعبیر کیا ہے (مقالہ مولانا محمد توصیف انصاری قاسمی)۔

اختلاف اور رائے کی لغوی تحقیق:

”اختلاف“ کے معنی ناموافقت کرنا، خلاف ہونا، فرق، تفاوت، عداوت، بگاڑ، ان بن، دشمنی، ضد، ہٹ، تعصب، جمع اختلافات، اسی طرح اختلاف رائے کے معنی ہیں: رائے کی ناموافقت (فیروز اللغات، ص ۵۷) اور رائے کے معنی ہیں: عقل، تجویز، دانست، فہم، دانائی، خیال، قیاس، جانچ (فرہنگ آصفیہ ۲/۱۰۱۶)۔

وحدت امت کی لغوی تحقیق:

وحدت کے معنی ہیں یگانہ ہونا، یکتائی، یگانگی، ایک ہونا، توحید (نور اللغات ۴/۹۱۶)

اور امت کے معنی ہیں: گروہ جو کسی پیغمبر کا پیرو اور تابع ہو (نور اللغات ۱/۴۰۴)۔

اسی طرح عربی میں لفظ ”اختلاف“ کا مادہ ”خ، ل، ف“ ہے جس کا مطلب ہے: جانشیں ہونا، اور اختلاف باب افتعال سے ہے جس کا مطلب ہے: اپنے پیچھے سے پکڑنا، اور اسی سے ”اختلفوا“ ہے: آپس میں اختلاف کرنا۔

اختلاف مختلف چیزوں میں مختلف نوعیت اور قسم کا ہوتا ہے۔

اختلاف کا اصطلاحی مفہوم:

کسی کے احوال یا اس کی باتوں سے کوئی الگ راستہ اختیار کرنے کو اختلاف اور مخالفت کہتے ہیں، اور خلاف لفظ ضد سے زیادہ عام ہے؛ کیونکہ ہر دو ضد ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں لیکن ہر دو مختلف چیزیں ایک دوسرے کی ضد نہیں ہوتی ہیں (اسلام میں اختلاف کے اصول وآداب/ ۲۲)۔

اختلاف کی تعریف:

اختلاف رائے کا تفاوت اجماع کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، اور اس سے مراد علمائے شرح واصول کی آراء کا وہ اختلاف ہے جو فقہی احکام وکلیات کی عملی تفصیلات میں ہو، خصوصاً اول الذکر (فقہی معاملات) میں اس اختلاف سے مراد مذاہب اربعہ کا باہمی اختلاف نیز وہ اختلاف ہے جو خود کسی مذہب کے اندر پایا جاتا ہے۔

اختلاف اور خلاف دونوں ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں، لہذا علامہ جرجانی نے اختلاف کی تعریف تو نہیں بیان کی ہے؛ البتہ خلاف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے جو اوپر مذکور ہوئی:

”الخلاف منازعة تجري بين المتعارضين لتحقيق حق أو لإبطال باطل“ (كتاب التعريفات، باب الخاء/ ۱۰۳)

اختلاف وہ آویزش ہے جو دو فریق کے درمیان اثبات حق اور ابطال باطل کے لیے ہوتا ہے۔

اختلاف کی قسمیں:

اختلاف کی تین قسمیں ہیں: (۱) اختلاف مذموم (۲) اختلاف ممدوح (۳) اختلاف جائز۔

اختلاف مذموم اس کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں سے بعض بعض سے زیادہ قابل مذمت ہیں:

(الف) انسانی دنیا میں مومن اور کافر ہونے کا اختلاف، اس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

"هذان خصمان اختصموا في ربهم" (الحج/ ۱۹)۔

(ب) بدعتیوں اور نفس پرستوں کا اختلاف جیسے خوارج اور ان جیسے لوگوں کا اختلاف جنہوں نے مسلمانوں کی جماعت کے خلاف بغاوت کی اور ان کا خون جائز قرار دینے کی دعوت دی۔

(ج) یہ اعتقاد جازم کہ مخالف کا مذہب قطعاً باطل ہے یہاں تک کہ اس کی بنیاد پر ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جاتی ہو؛ حالاں کہ اختلاف چند ایسے مسائل میں ہے جس میں اجتہاد اور وسعت کی گنجائش ہے۔

اختلاف ممدوح:

ممدوح یا محمود اختلاف سے مراد اہل کتاب مشرکین اور فاسقوں اور بے ادبوں کی ہیئات وحالات اور ان کے تیوہاروں اور تقریبات کی مخالفت کرنا اور اس جیسی مخالفت قابل تعریف ہے اور یہ شریعت کا مقصد بھی ہے اور ان کی تشبہ سے "نہی" وارد ہوئی ہے۔

اختلاف جائز:

جائز اختلاف اجتہادی مسائل میں مجتہدین یعنی فقہاء، مفتیان اور حکام کا اختلاف ہے جیسا کہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"إذا حكم الحاكم فأصاب له أجران وإذا حكم فأخطأ فله أجر" (مسلم ۲/ ۷۶)۔

اجتہادی مسائل اور ان میں اکابر کا اختلاف:

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے کہ اکثر فروعی مسائل میں راجح، مرجوح اور افضل، غیر افضل کا اختلاف ہے:

"ومنها أن اكثر صور الاختلاف بين الفقهاء لا سيما في المسائل التي ظهر فيها أقوال الصحابة في الجانبين، كتكبيرات التشريق، وتكبيرات العيدين، ونكاح المحرم، وتشهد ابن عباس وابن مسعود، والإخفاء والجهر بالبسملة، وبآمين، والإشفاع والإيتار في الإقامة، ونحو ذلك، إنما هو في ترجيح أحد القولين. وكان السلف لا يختلفون في أصل المشروعية، وإنما كان خلافهم في أولى الأمرين. ونظيره :اختلاف القراء في وجوه القراءة، وقد عللوا كثيرا من هذا الباب بأن الصحابة مختلفون، وإنهم جميعا على الهدى"۔

ومع هذا فكان بعضهم يصلي خلف بعض، مثل ما كان أبو حنيفة وأصحابه والشافعي وغيرهم رضي الله عنهم يصلون خلف أئمة المدينة من المالكية وغيرهم وإن كانوا لا يقرءون البسملة لا سرًا ولا جهرًا۔

وصلى الرشيد إماما وقد احتجم، فصلى الإمام أبو يوسف خلفه، ولم يعد، وكان أفتاه الإمام مالك: بأنه لا وضوء عليه، وكان الإمام أحمد بن حنبل يرى الوضوء من الرعاف والحجامة فقيل له: فإن كان الإمام قد خرج منه الدم ولم يتوضأ، هل تصلي خلفه؟ فقال: كيف لا أصلي خلف الإمام مالك وسعيد بن المسيب۔

وروى أن أبا يوسف ومحمدًا كانا يكبران في العيدين تكبير ابن عباس. لأن هارون الرشيد كان يحب تكبير جده۔

وصلى الشافعي الصبح قريبا من مقبرة أبي حنيفة فلم يقنت تأدبًا معه، وقال أيضا: ربما انحدرنا إلى مذهب أهل العراق۔

وقال مالك للمنصور وهارون الرشيد ماذكرنا عنه سابقا وفي البزازية عن الإمام الثاني وهو أبو يوسف أنه صلى يوم الجمعة مغتسلا من الحمام، وصلى بالناس، وتفرقوا. ثم أخبر بوجود فأرة ميتة في بئر الحمام. فقال: إذا نأخذ بقول إخواننا من أهل المدينة: إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا (حجة الله البالغة/۱۵۸)۔

یہ تمام مذکورہ اختلاف جس کا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے سب اولی اور غیر اولی کا ہے جو ''اختلاف جائز'' کے ذیل میں آتا ہے، کسی فقیہ نے اس طرح کے اختلاف کو ناجائز نہیں کہا ہے اور نہ کہنا ممکن ہے۔

فقہاء نے اپنے مسلک کے جاننے کے باوجود دوسرے کے مسلک پر عمل کیا، امام ابو یوسف نے امام شافعیؒ کے مسلک پر چوہا گرے ہوئے پانی سے نہانے کے باب میں، امام شافعیؒ نے قنوت فجر کے معاملہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر عمل کیا، اسی طرح صحابہ کا معاملہ ہے کہ کسی نے کسی کے اجتہاد کی مخالفت اور تغلیط نہیں کی، بلکہ کشادہ دلی کا مظاہرہ کیا اور ''اختلاف أمتي رحمة'' کو نمونہ بنایا (مقالہ مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی)۔

آداب اختلاف:

جس طرح غیر مشروع اختلاف مذموم ہے، اسی طرح اختلاف میں ادب اور حدود کی رعایت نہ کرنا بھی قابل مذمت ہے، اس لیے اس سلسلہ میں چند اصولی باتیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) ہر اختلاف کو اس کے محل میں محدود رکھا جائے، یعنی فروعی اختلاف کو اصولی اور اصولی اجتہادی اختلاف کو مخالفت نصوص قطعیہ کا درجہ نہ دیا جائے۔

(۲) اختلاف کو آپسی نزاع اور مخالفت کا رنگ نہ دیا جائے۔

(۳) انصاف کا معاملہ کیا جائے، اور حق واضح ہونے پر بلا وجہ اپنی رائے پر اصرار نہ ہو۔

(۴) اختلاف کی بنیاد علمی دیانت وامانت داری ہو، نفس وہوا نہ ہو۔

(۵) ایک دوسرے کے ساتھ حسن ظن اور رشتۂ اخوت کو ملحوظ رکھا جائے۔

(۶) شخصی تنقید وتنقیص اور ذاتی تحقیر وتذلیل سے بالکلیہ پرہیز کیا جائے۔

(۷) تواضع وایثار کی راہ اپنائے، اپنے آپ کو متہم اور دوسرے کو معذور ومخلص گردانا جائے۔

(۸) تنکیر وتردید میں مصالح شرعیہ کی رعایت کی جائے۔

(۹) تخاطب میں جارحانہ اسلوب کے بجائے ناصحانہ، تلخی کے بجائے لینت اختیار کی جائے۔

علامہ ابن العربی مالکیؒ کی ایک مختصر مگر جامع عبارت پر اس ابتدائی گفتگو کو ختم کیا جاتا ہے، آپ فرماتے ہیں:

''التفرق المنهي عنه يحتمل ثلاثة أوجه: الأول التفرق في العقائد لقوله تعالى: ''شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذي أوحينا إليك وما وصينا به إبراهيم وموسى وعيسى أن أقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه'' (سوره شورى: ۱۳)۔ والثاني (التفرق في القلوب) قوله عليه السلام: ''لاتحاسدوا ولا تدابروا ولا تقاطعوا وكونوا عباد الله إخوانا''، ويعضده قوله تعالى: ''واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا'' (آل عمران: ۱۵۳)۔ والثالث ترك الخطيئة في الفروع والتبري فيها، وليمض كل أحد على اجتهاده، فإن الكل بحبل الله معتصم، وبدليله عامل، وقد قال صلى الله عليه وسلم: ''لا يصلين أحد منكم العصر إلا في بني قريظة''، فمنهم من حضرت العصر فأخّرها حتى بلغ بني قريظة أخذا بظاهر قول النبي صلى الله عليه وسلم، ومنهم من قال: لم يرد هذا منا يعني إنما أراد الاستعجال، فلم يعنف النبي عليه السلام أحدًا منهم. والحكمة في ذلك أن الاختلاف والتفرق المنهي عنه إنما هو المؤدي إلى الفتنة والتعصب وتشتيت الجماعة، فأما الاختلاف في الفروع فهو من محاسن الشريعة. قال النبي صلى الله عليه وسلم: ''إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران. وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر واحد، وروى

أن له إن أصاب عشرة أجور'' (احکام القرآن ۱/ ۲۸۱۔ ۳۸۲)۔

ابن العربیؒ نے اپنی جامع گفتگو میں التفرق فی العقائد سے اختلاف غیر مشروع اور اختلاف فروعی سے اختلاف مشروع و محمود اور لاتحاسدوا الخ سے حدود اختلاف کی تعیین فرمادی ہے (مقالہ مولانا روح الامین سعادتی)۔

اس تمہیدی اصولی گفتگو کے بعد مقالہ نگاروں کے اصل سوالات کے جوابات کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

۱۔ مسلکی اختلافات: حدود و آداب:

سوال نمبر (۱):...... فقہی مسالک کے اختلافات کا بڑا حصہ وہ ہے جن میں اختلاف کی نوعیت، افضل غیر افضل، راجح مرجوح کی ہوتی ہے، چند ہی مسائل ایسے ہیں جن میں اختلاف کی نوعیت حلال وحرام یا جائز وناجائز کی ہو، اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ جن مسائل میں اختلاف کی نوعیت جائز اور ناجائز یا حلال وحرام کی ہوتی ہے ان میں بھی چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہوتا ہے اور اجتہادی مسائل میں اپنی رائے اور مسلک کو ترجیح دی جاسکتی ہے لیکن مخالف رائے کو بالکل باطل قرار دینا اور اس اختلاف کو حق اور باطل کی جنگ قرار دینا درست نہیں ہوتا ہے مگر موجودہ دور میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض مصنفین، مقررین اور مدرسین اپنے مسلک کی ترجیح میں ایسا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں جس سے دوسرے مسلک اور رائے کی تنقیص ہوتی ہے، یا اس کے خلاف طنز وتعریض ہوتی ہے، اور دوسری رائے کی بالکلیہ نفی کی جاتی ہے، ان فقہی مباحث میں کسی مسلک یا قول کو ترجیح دینے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے اور کن حدود و آداب کا لحاظ کیا جانا چاہیے جن کی رعایت کرنے سے مسلمانوں کا اتحاد مضبوط ہو اور گروہ بندی کی شکل پیدا نہ ہو؟

تمام مقالہ نگاروں کا تقریباً اس بات پر اتفاق ہے کہ مسائل میں اختلاف کی نوعیت افضل اور غیر افضل، راجح اور مرجوح کی ہے، اپنے مسلک کو راجح قرار دینا تو درست ہے، لیکن اس کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اس سے دوسرے مسلک کی تنقیص ہوتی ہو یا اس کے خلاف طنز وتعریض ہوتی ہو تو پھر یہ درست نہیں، اور جہاں تک فروعی مسائل میں اختلاف کی بات ہے تو یہ اختلاف مذموم نہیں بلکہ شریعت کے دائرہ میں ہو تو محمود ہے، اس لئے کہ ایک مجتہد اپنے اجتہاد کے اعتبار سے حق پر ہوتا ہے لیکن اس میں خطا کا بھی احتمال ہوتا ہے، اور دوسرا مجتہد غلطی پر ہوتا ہے لیکن اس میں صواب کا بھی احتمال ہوتا ہے، حدیث میں ہے:

إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر (صحیح بخاری مع فتح الباری، حدیث نمبر: ۷۳۵۲، صحیح مسلم مع شرح النووی، حدیث نمبر: ۱۷۱۶)۔

اس کی روشنی میں مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی کا کہنا ہے کہ وہ مسائل جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے ان مسائل میں ہر مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کا مجاز ہے، اور احتمال خطاو صواب کی بنیاد پر دونوں ہی حق پر ہیں، ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں: اتفاقهم حجة قاطعة واختلافهم رحمة واسعة (المغنی ۱/ ۴)۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں: إن كان المجتهدان جميعا قد سلكا ما ينبغي لهما أن يسلكاه ولم يخالفا حديثا صحيحا ولا أمرًا ينقض اجتهاد القاضي والمفتي في خلافه فهما جميعا على الحق (عقد الجيد فی احكام الاجتهاد والتقليد، ص: ۱۳)

ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی نے امام غزالی کے حوالہ سے یہ عبارت پیش کی ہے:

إجماع الصحابة على ترك النكير على المختلفين في الجد والإخوة ومسئلة العول وسائر ما اختلفوا فيه من الفرائض وغيرها، فكانوا يتشاورون ويتفرقون مختلفين، ولا يعترض بعضهم على بعض. ولا يمنعه من فتوى العامة، ولا يمنع العامة من تقليده، ولا يمنعه من الحكم باجتهاده وهذا متواتر تواترا لا شك فيه (المستصفی ۲/ ۳۶۲)۔

مولانا عبد الرحیم فلاحی اس کی تفصیل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جزئیات کے احکام کو سمجھنے کے لئے غور وفکر کی ضرورت یقینی ہے اور ظاہر ہے کہ ہر شخص کی سوچ اور سمجھ میں تفاوت ہوتا ہے، اور حکم کو تلاش کرنے میں آراء مختلف ہوسکتی ہیں، لہٰذا اختلاف سے خلاصی ممکن ہی نہیں ہے، چنانچہ صحابہ کرام کے درمیان کئی مسائل میں اختلاف ہوا، حتی کہ مثال کے طور پر خود حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے درمیان اور حضرت عمرؓ وحضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے درمیان کئی مسائل میں اختلاف ہوا لیکن کبھی بھی انہوں نے ایک دوسرے کو گمراہ نہیں قرار دیا، یہاں تک کہ تابعین اور ان کے بعد سلف میں فروعی مسائل میں اختلاف ہوا مگر کسی نے کسی کو گمراہ نہیں کہا اور نہ انہیں خارج عن الدین یا کافر قرار دیا، ابن عبد البر قرطبیؒ کے الفاظ ہیں:

عن يحيى بن سعيد قال: ما برح أهل الفتوى يفتون، فيحل هٰذا ويحرم هٰذا، فلا يرى المحرم المحلّ بلك لتحليله، ولا يرى المحلّ أن المحرم بلك لتحريمه (جامع بيان العلم ٢/ ٨٠)۔

جبکہ مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی نے اس کی تائید میں اسی کتاب سے یہ عبارت نوٹ کی ہے:

لقد نفع الله باختلاف أصحاب النبي ﷺ في أعمالهم لا يعمل العامل بعمل رجل منهم إلا رأى أنه في سعة ورأى أن خيرا منه قد عمله (٢/ ٨٠)

یہی عبارت مولانا روح الامین سعادتی نے سنن الدارمی (ص/ ۲۰۹) سے نقل کی ہے۔

مولانا روح الامین سعادتی نے سنن دارمی کے حوالہ سے عوض بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

ما أحب أن أصحاب محمد لم يختلفوا، فإنهم لو اجتمعوا على شي فتركه رجل ترك السنة، ولو اختلفوا فأخذ رجل بقول أحد أخذ بالسنة (ص: ٢٠٩)

اور لکھا ہے کہ اسی بناء پر سلف نے اس اختلاف کو توسع اور رحمت سے تعبیر کیا ہے، اور تمام لوگوں کے لئے کسی ایک مسلک کی اتباع کو لازم قرار نہیں دیا، چنانچہ حمید الطویل نے جب حضرت عمر بن عبدالعزیز سے یہی درخواست کی تو آپ نے اسے منظور نہیں فرمایا، دارمی میں ہے:

إن حميدا الطويل قال لعمر بن عبد العزيز: لو جمعت الناس على شئ فقال: ما يسرني أنهم لم يختلفوا، قال: ثم كتب إلى الآفاق – أو إلى الأمصار — ليقض كل قوم بما اجتمع عليه فقهاؤهم (سنن الدارمي، ص/ ٢٠٩)۔

اور تقریباً یہی بات امام مالک نے بھی اپنی کتاب مؤطا کے تعلق سے خلیفہ وقت سے کہی تھی (تاریخ بغداد ۱۳ /۳۵۱)۔

مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی نے لکھا ہے کہ اس موقع سے امام مالک نے انکار کرتے ہوئے یہ جملہ کہا:

إن اختلاف العلماء رحمة الله على هٰذه الأمة (كشف الخفاء للعجلوني ١/ ٦٥)۔

بعض حضرات مثلاً مفتی اقبال محمد ٹنکاروی اور مولانا عبدالرشید کانپوری وغیرہ کے بقول فروعی مسائل میں اختلاف کو حق و باطل کا معیار قرار دے کر امت کے شیرازہ کو منتشر کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، اور موجودہ حالات کے تناظر میں اس کی بالکل گنجائش نہیں ہے کہ ہم فروعی و اجتہادی مسائل میں غلو اور تشدد سے کام لیں اور ان اختلاف کو اس طرح ہوا دیں جیسے کہ کفر و ایمان کا اختلاف ہو۔

مولانا یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں: ایسے لادینی ماحول میں دیندار طبقے کی فروعی و اجتہادی مسائل میں ہنگامہ آرائی اہل دین کی سبکی و رسوائی اور لادین طبقے کی حوصلہ افزائی کی موجب ہے، علمی انداز میں ان مسائل میں گفتگو پہلے بھی ہوتی آئی ہے، آج بھی اس کا مضائقہ نہیں، لیکن ان فروعی و اجتہادی مسائل میں صدر اول سے اختلاف رہا ہے اور جن میں دونوں طرف صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین کا جم غفیر ہے، اختلاف کو اس قدر بڑھاوا دینا کہ نوبت جنگ و جدال اور نفاق و شقاق تک پہنچ جائے کسی طرح بھی زیبا نہیں (اختلاف امت اور صراط مستقیم ص/ ۲۲۱) (مقالہ مولانا عبدالرشید کانپوری)۔

مولانا محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں:

”میرے نزدیک اس جنگ و جدال کا ایک بہت بڑا سبب فروعی اور اجتہادی مسائل میں تحزب و تعصب اور اپنی اختیار کردہ راہ عمل کے خلاف کو عملاً باطل اور گناہ قرار دینا اور اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا ہے، جو اہل باطل اور گمراہوں کے ساتھ کرنا چاہئے، اس پر تمام امت کا اتفاق بھی ہے، اور عقلاً اس کے سوا کوئی صورت بھی دین پر عمل کرنے کی نہیں ہے کہ جو لوگ خود درجہ اجتہاد کا نہیں رکھتے، وہ اجتہادی مسائل میں کسی امام مجتہد کا اتباع کریں اور جن لوگوں نے اپنے نفس کو آزادی و ہوا پرستی سے روکنے کے لئے دینی مصلحت سمجھ کر ایک امام مجتہد کا اتباع کرلیا ہے، وہ قدرتی طور پر ایک جماعت بن جاتی ہے، اسی طرح دوسرے امام مجتہد کا اتباع کرنے والے ایک دوسری جماعت کی صورت اختیار کرلیتے ہیں، اگر جماعت بندی مثبت انداز میں صرف اجتہادی مسائل کی حد تک اپنی تعلیمی و عملی آسانیوں کے لئے ہو تو نہ اس میں کوئی مضائقہ ہے، نہ کوئی تفرقہ، نہ ملت کے لئے اس میں کوئی مضرت۔

مضرت رساں اور تباہ کن حالت کا منفی پہلو یہ ہے کہ اپنی رائے اور اختیار سے اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ جنگ و جدل اور دوسرے ان فروعی مسائل کی

بحثوں میں غلو کہ سارے علم وتحقیق کا زور اور بحث وتمحیص کی طاقت اور عمر کے اوقات عزیز ان ہی بحثوں کی نذر ہو جائیں .... آگے چل کر فرماتے ہیں: اسی کے ساتھ دوسری بھاری غلطی ان اجتہادی مسائل میں اختلاف کے حدود کو توڑ کر تفرق وتشتت اور جنگ وجدل اور ایک دوسرے کے ساتھ استہزاء وتمسخر تک پہنچ جانا ہے، جو کسی شریعت وملت میں روا نہیں، افسوس کہ یہ سب کچھ علم دین کی خدمت کے نام پر کیا جاتا ہے، اور جب یہ معاملہ ان علماء کے متبعین عوام تک پہنچتا ہے تو وہ اس لڑائی کو جہاد قرار دے کر لڑتے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کا جہاد خود اپنے ہی دست وباز و سے ہونے لگے اس کو کسی غنیم کی مدافعت اور کفر والحاد کے ساتھ جنگ کی فرصت کہاں؟ (وحدت امت: ۱۷-۲۱) (مقالہ مفتی اقبال محمد ٹنکاروی)۔

علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے: فقہی ومسلکی اختلافات، نقطہ ہائے نظر، مختلف مشرب فکر، قبیلہ وخاندان اور ملک ووطن کے اختلافات کی وجہ سے امت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا حرام ہے، امت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا اور اس کو ایسی آزمائشوں کے بھنور میں ڈالنا جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے نہیں دیا ہے، ان بدعات میں سے ہے جن کے اہل سنت والجماعت مخالف ہیں (مجموع الفتاوی، ج ۳) (مقالہ مفتی ثناء الہدی قاسمی)۔

مولانا محمد عثمان بستوی اختلاف کو عقل ودیانت کا تقاضا قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ عقل ودیانت کے ہوتے ہوئے تمام مسائل میں اتفاق کا ہو جانا عقلاً ناممکن اور خلاف فطرت ہے، اسی لئے اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کہ میرے بعد میرے صحابہ میں اختلاف نہ ہو، قبول نہ ہوئی، حدیث ہے:

عن عمر بن عبد الخطاب قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: سألت ربي عن اختلاف أصحابي من بعدي فأوحى إلي: يا محمد! إن أصحابك عندي بمنزلة النجوم في السماء، بعضها أقوى من بعض ولكل نور، فمن أخذ بشئ مما هم عليه من اختلافهم فهو عندي على هدى قال: وقال رسول الله ﷺ: أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم. رواه رزين (مشكوة/ ۵۵۴)۔

مولانا ظفر عالم ندوی نے کسی مسلک کی تنقیص اور اس کے خلاف طنز وتعریض کو تفریق امت اور اتحاد ملت کے خلاف تمسخر واستہزاء کا سبب قرار دیا ہے اور قرآن وحدیث سے یہ دلائل پیش کئے ہیں:

۱۔ واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا (آل عمران: ۱۰۳)۔

۲۔ ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءهم البينات (آل عمران: ۱۰۵)۔

۳۔ إن الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا لست منهم في شئ (انعام: ۱۵۹)۔

۴۔ يا أيها الذين آمنوا لا يسخر قوم من قوم عسى أن يكونوا خيرا منهم (الحجرات: ۱۱)۔

۵۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده (بخاری، حدیث نمبر: ۱۰)۔

۶۔ سباب المسلم فسوق وقتاله كفر (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۱۶)۔

مولانا محمد توصیف قاسمی نے ایک بات یہ لکھی ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مفتیوں کا اختلاف مجتہدین کے اختلاف کی طرح ہے، جیسے فروعی مسائل میں دو الگ الگ ائمہ کے مقلدین الگ الگ مسائل پر عمل کرتے ہیں، یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ دو مفتیوں کا اختلاف ہو جائے، چاہے وہ دو مفتی ایک ہی امام کے مقلد ہوں یا الگ الگ، ایسی صورت حال میں یہ دو فتاوی بھی دو اماموں کے قول کے مثل قابل عمل ہیں، آگے لکھتے ہیں: لیکن اگر کسی مفتی کا دوسرے سے فتوی میں اختلاف ہو جائے یا مسئلہ ایسا ہو کہ اس میں نقض قضاء ہو جائے اور وہ مسئلہ قاضی کے یہاں پہنچ جائے تو قضائے قاضی کے بعد اب کسی مفتی کے فتوی پر عمل کسی کے لئے درست نہیں (دیکھئے: الفروق للقرافی ۲/ ۱۰۱)۔

☆اس پر بھی اکثر مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ مدارس کی درسگاہوں میں اس پر زور ہونا چاہئے کہ کسی مسلک پر طنز وتعریض نہ کی جائے اور نہ لعن طعن کا نشانہ بنایا جائے، اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے مسلک کو ترجیح دی جائے، اس لئے کہ مسالک کے درمیان اختلاف تنوع کا ہے تفریق کا نہیں۔

مولانا محمد توصیف قاسمی نے اختلاف تنوع کی تعریف کو سامنے رکھتے ہوئے یہ تفصیلات پیش کی ہیں:

اختلاف کی ایک قسم اختلاف تنوع ہے، بعض حضرات اہل علم اس بارے میں غلط فہمی کا شکار ہیں کہ ان کے مطابق اکثر فروعی اختلاف اختلاف تنوع کی قسم سے ہیں، جب کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ فروعی اختلافات میں اختلاف تنوع کی مقدار انتہائی کم ہے، آٹے میں نمک کے برابر اور وہ وہی مواقع ہیں جہاں ہمارے فقہاء نے خروج من الخلاف کی صورتیں بیان کی ہیں، مناسب ہے کہ اختلاف تنوع کی تعریف ذکر کی جائے۔

اختلافِ تنوع کی تعریف:

تعدد أقوال المجتهدين في اختيار الأولى في المسائل التعبدية التي ثبتت مشروعيتها على أنواع متعددة (اختلاف التنوع، حقيقته ومناهج العلماء فيه، ص/٥٦)۔

اس تعریف سے چار باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) اختلافِ تنوع تضاد و تناقض کا سا اختلاف نہیں کہ ایک شق کو ماننے سے دوسرے کا ابطال یا ترک لازم آتا ہو، بلکہ اعلیٰ وافضل ہونے کا اختلاف ہے۔

(۲) اختلاف تنوع کا وجود مسائلِ عبادات میں ہے، نماز، روزہ، حج، وغیرہ اس کے علاوہ معاملات، مناکحات، جنایات، قضا، میں اس کا وجود نادر ہے۔

(۳) اختلاف وہاں ہے جہاں کوئی خاص دلیل اس کی مشروعیت پر دال ہو، البتہ جہاں خود دلیل ہی میں تخییر ہو تو وہ اختلاف تنوع نہیں کہلاتا۔

(۴) اختلافِ تنوع ان مواقع پر کہلاتا ہے جب کہ کسی عبادت کی صورت ونوعیت متعدد ہوں، ورنہ جہاں عبادت کی شکل وصورت یا کیفیت ایک ہی ہو اور متعدد انحاء پر اختلاف ہو تو وہ اختلاف تنوع نہیں بلکہ اختلافِ تضاد ہے، گرچہ جائز ہے۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کا کہنا ہے کہ اختلاف نصوص فہمی یا فقہی اصول وشرعی ضوابط سے تخریج وتنقیح کا ہے یا پھر نصوص کی تاویل وتشریح کا ہے، سب ہی اللہ کے نزدیک ماجور ہیں، مولانا محمد یوسف لدھیانوی فرماتے ہیں:

وہ تمام مسائل جن میں سلف صالحین اور فقہاء امت کا اختلاف ہے، خصوصاً جن مسائل میں اختلاف صرف افضلیت وغیر افضلیت تک محدود ہے ان میں ایسا غلو اور تشدد روا نہیں کہ ایک دوسرے کو توبہ کی دعوتیں دی جانے لگیں، ایسا غلو اور تشدد ابتداع فی الدین ہے جس سے شاہ صاحب کے بقول دین میں تحریف کا دروازہ کھلتا ہے، ایسے لوگوں کا شمار اہل حق میں نہیں اہل بدعت میں ہے، میں اپنے بہادر بھائی اور ان کے دیگر ہم مشرب بزرگوں کی خدمت میں نہایت دردمندی سے گزارش کروں گا کہ آپ کے جذبہ عمل بالحدیث کی دل وجان سے قدر کرتا ہوں، مگر خدارا ان فروعی مسائل میں ایسا غلو اور تشدد روا نہ رکھیے جس سے دین کی حدود مٹ جائیں اور فرائض وواجبات اور مستحبات کے درمیان خط امتیاز باقی نہ رہے، اور بے دین طبقہ کو اہل دین کا تمسخر اڑانے کا موقع ملے، آپ جس سنت کو اولی وافضل سمجھتے ہیں بڑے شوق واخلاص کے ساتھ ان پر عمل کیجئے، ان شاء اللہ آپ کو اپنے مخلصانہ عمل کا اجر ضرور ملے گا، لیکن دوسرے حضرات کے نزدیک اگر دوسری سنت افضل وراجح ہے تو ان پر طعن نہ کیجئے بلکہ اطمینان رکھئے ان کو بشرط اخلاص اس دوسری سنت پر عمل کرنے سے انشاء اللہ آپ سے کم اجر نہیں ملے گا (اختلاف امت اور صراط مستقیم/۲۲۷) (مقالہ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

جبکہ مولانا محمد سلمان منصور پوری نے مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف کی بنیاد دلائل کے تعارض اور اصل نصوص میں صریح حکم نہ ملنے کو قرار دیا ہے، اور دلیل کے طور پر بخاری (۲/۵۹۱) کے حوالہ سے غزوہ بنی قریظہ کے موقع سے پیش آنے والے عصر کی نماز کے واقعہ کو پیش کیا ہے، اور آگے لکھتے ہیں کہ بعینہ یہی صورت مجتہدین کے آپسی اختلافات کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی رائے ''صواب محتمل خطا'' ہے، مذاہب اربعہ میں مسائل کا اختلاف اسی نوعیت کا ہے، کہ ان میں ہر مذہب حق ہے اور قابل اتباع ہے، یہ اختلاف حق وباطل کا نہیں، بلکہ علم وفہم اور استنباط کا ہے، اور پھر اس کے ذیل میں مولانا موصوف نے مندرجہ ذیل عبارتیں ذکر کی ہیں:

☆ روى أبو زرعة الدمشقي عن سليمان بن حبيب المحاربي التابعي الثقة القاضي بدمشق أنه قال: أراد عمر بن عبد العزيز أن يجعل أحكام الناس والأجناد حكمًا واحدًا. ثم قال: إنه قد كان في كل مصر من أمصار المسلمين وجندٍ من أجناده ناس من أصحاب رسول الله ﷺ. وكانت فيهم قضاة قضوا بأقضية أجازها أصحاب رسول الله ﷺ ورضوا بها، وأمضاها أهل المصر، كالصلح بينهم، فهم على ما كانوا عليه من ذلك. فترك عمر ما كان

أراده، وكان حريصًا جدًا على أن لا يغير من واقع الأمة شيئًا مألوفًا عندهم، ما دام على وجهة شرعية، وانتظر خبره الدال على ذلك.....

☆ قال ابن أبي حاتم: قال مالك: ثم قال لي أبو جعفر المنصور: قد أردت أن أجعل هذا العلم علمًا واحدًا. فكتب به إلى أمراء الأجناد وإلى القضاء فيعملون به، فمن خالف ضربت عنقه. فقلت له: يا أمير المؤمنين! أو غير ذلك؟ قلت: إن النبي ﷺ كان في هذه الأمة. وكان يبعث السرايا، وكان يخرج. فلم يفتح من البلاد كثيرًا حتى قبضه الله عزوجل. ثم قام أبو بكر رضي الله عنه بعده: فلم يفتح من البلاد كثيرًا. ثم قام عمر بعدهما ففتحت البلاد على يديه، فلم يجد بدًا من أن يبعث أصحاب محمد ﷺ معلمين. فلم يزل يؤخذ عنهم كابرًا عن كابر. إلى يومهم هذا، فإن ذهبت تحولهم مما يعرفون إلى ما لا يعرفون رأوا ذلك كفرًا (معالم ارشادية لصناعة طالب العلم/ ٣٦٧-٣٦٨ للشيخ محمد عوامه)۔

☆ يحكى نسبة هذه القصة إلى هارون الرشيد. وأنه شاور مالكًا في أن يعلق المرطأ في الكعبة ويحمل الناس على ما فيه. فقال: لا تفعل، فإن أصحاب رسول الله ﷺ اختلفوا في الفروع وتفرقوا في البلدان وكل سنة مضت. قال: وفقك الله يا أبا عبدالله (حجة الله البالغه ا/ ٣١١)۔

☆ ومنها أن أكثر صور الاختلاف بين الفقهاء لاسيما في المسائل التي ظهر فيها أقوال الصحابة في الجانبين، إنما هو في ترجيح أحد القولين، وكان السلف لا يختلفون في أصل المشروعية. وإنما كان خلافهم في أولى الأمرين. ولذلك لم يزل العلماء يجوزون فتاوى المفتين في المسائل الاجتهادية. ويسلمون قضاء القضاة. ويعملون في بعض الأحيان بخلاف مذهبهم (حجة الله البالغه ا/ ٣٣٣)۔

☆ ثم إن هذا الاختلاف المذموم محمول كما قيل على الاختلاف في الأصول دون الفروع واستدل على عدم المنع من الاختلاف في الفروع بقوله عليه الصلاة والسلام: اختلاف أمتي رحمة. وبقوله: مهما أوتيتم من كتاب الله فالعمل به لا عذر، لأحد في تركه؛ فإن لم يكن في كتاب الله فسنة مني ماضيه. فإن لم يكن سنة مني فما قال أصحابي: إن أصحابي بمنزلة النجوم في السماء فأيما أخذتم به ابتديتم واختلاف أصحابي لكم رحمة (روح المعاني ٢/ ٣٨ زكريا)۔

☆ إن اختلاف الفقهاء محصور فقط بين المأخوذ من مصادر الشريعة؛ بل هو ضرورة اجتهادية يميلها الاجتهاد نفسه في فهم الحكم من الأدلة الشرعية مباشرة. كما هو الشان في تفسير نصوص القوانين. واختلاف الشراح فيما بينهم، وذلك إما بسبب طبعة اللغة العربية المجملة أو المحتملة. وإما بسبب رواية الحديث. وإما بسبب التفاوت بين المجتهدين في كثرة أو قلة الاعتماد على مصدر تشريعي أو لمراعاة المصالح والحاجات والأعراف المتجددة المتطورة (الفقه الاسلامي وادلته ا/ ٤٦ للدكتور وهبه الزحيلي)۔

مولانا نظام الدین یوسفی کا خیال ہے کہ کسی امام کا یہ دعوی نہیں ہے کہ ان کی رائے اللہ کی طرف سے نازل کردہ وحی ہے، اور نہ دوسرے اقوال کو اختیار کرنے والے کو گنہگار کہتے ہیں، اس کی سب سے اچھی مثال امام مالک کا یہ قول ہے:

لما حجّ أبو جعفر المنصور دعاني فدخلت عليه فحادثته، وسألني فأجبته. فقال: إني قد عزمت أن آمر بكتبك هذه التي وضعتها يعني المؤطأ فتنسخ نسخًا، ثم أبعث إلى كل مصر من أمصار المسلمين منها بنسخة. وآمرهم أن يعلموا بما فيها لا يتعدوه إلى غيره، ويدعوا ما سوى ذلك من هذا العلم المحدث فإني رأيت أصل العلم رواية المدينة وعلمهم، قال: فقلت: يا أمير المؤمنين لا تفعل هذا، فإن الناس قد سبقت إليهم أقاويل، وسمعوا أحاديث

ورووا روایات، وأخذ کل قوم بما سبق إلیهم وعلموا به، ودانوا من اختلاف الناس وغیرهم. وإن ردهم عمّا قد اعتقدوه شدید. فدع الناس وما هم علیه، وما اختار کل أهل بلد منهم لأنفسهم. کذا فی طبقات ابن سعد۔

ویقول أیضًا: شاورنی هارون الرشید فی ثلاث فی أن یعلق الموطأ فی الکعبة ویحمل الناس علی ما فیه وفی أن ینقض منبر النبی ﷺ ویجعله من جوهر وذهب وفضة وفی أن یقدم نافع بن أبی نعیم إماما یصلی فی مسجد رسول الله ﷺ .... فقلت یا أمیر المؤمنین أما تعلیق الموطأ فی الکعبة فإن أصحاب رسول الله ﷺ اختلفوا فی الفروع وتفرقوا فی الآفاق وکل عند نفسه مصیب ..... قال وفقك الله یا أباعبدالله۔ کذا فی حلیة الأولیاء لأبی نعیم الاصبهانی۔

وصلی الشافعی رحمه الله الصبح قریبًا من مقبرة أبی حنیفة رحمه الله. فلم یقنت تادبًا معه. وقال أیضًا: ربما انحدرنا إلی مذهب أهل العراق، وقال مالك رحمه الله للمنصور وهارون الرشید ما ذکرنا عنه سابقًا. وفی البزازیة وعن الإمام الثانی – وهو أبو یوسف رحمه الله – أنه صلی یوم الجمعة مغتسلًا من الحمام. وصلی بالناس وتفرقوا. ثم أخبر بوجود فأرة میتة فی بئر الحمام. فقال: إذًا نأخذ بقول إخواننا من أهل المدینة: إذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثًا. انتهی (کذا فی حجة الله البالغة)۔

☆مولانا محمد فیاض عالم قاسمی نے مختلف مکاتب فکر کے درمیان جو اختلافات پائے جارہے ہیں ان کے درج ذیل اسباب بیان کئے ہیں:

۱۔ خداترسی کے بجائے عوام ترسی: ہر دور میں علماء سوء رہے ہیں جو عوام کی غلط رہنمائی کرتے ہیں، اور وہ خدا سے ڈرنے کے بجائے عوام سے ڈرتے ہیں۔

۲۔ معاشی ابتری: بہت سارے باصلاحیت اور باکمال علماء وقائدین ملت معاشی ابتری کی وجہ سے عوام کی صحیح رہنمائی کرنے سے قاصر و مجبور ہیں۔

۳۔ اپنی پہچان الگ بنانے کا جذبہ: ہر گروہ اپنے تشخصات کی حفاظت کی خاطر اپنا الگ مدرسہ، مسجد، دینی رسائل اور دینی مجالس قائم کرتا ہے، تشخصات کی بقا بھی اختلاف کا سبب ہے جو براہ راست اتحاد کی بنیادوں پر حملہ کرتا ہے۔

☆مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی عدم توازن اور بے اعتدالی کو بنیاد بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک گروہ جہاں ایک طرف تقلید کو شرک کے مترادف بتاتا ہے تو دوسری طرف دوسرا گروہ بھی ایسی بات کہہ دیتا ہے جسے کسی بھی طرح جائز نہیں کہا جاسکتا، اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ائمہ مجتہدین کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ معاذ اللہ شارع ہیں یا وہ معصوم اور خطاؤں سے پاک ہیں۔

۲۔ کسی صحیح حدیث پر عمل کرنے سے محض اس بنا پر انکار کیا جائے کہ اس بارے میں ہمارے امام سے کوئی حکم ثابت نہیں ہے۔

۳۔ اپنے مسلک کو ثابت کرنے کے لئے احادیث میں بے جا توڑ مروڑ کی جائے۔

۴۔ صرف اپنے مسلک کو حق سمجھا جائے اور دوسرے مسلک کو باطل سمجھا جائے۔

۵۔ ائمہ مجتہدین کے باہمی اختلافات کو حد سے بڑھا کر پیش کرنا غلط ہے کہ بہت سے مسائل میں ان کے درمیان افضل اور غیر افضل کا اختلاف ہے۔

☆بعض مقالہ نگار حضرات نے فقہی مباحث میں کسی قول یا رائے کو ترجیح دینے کے طریقوں پر بھی گفتگو کی ہے، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی کہتے ہیں کہ فقہی مباحث میں کسی مسلک یا قول کو راجح قرار دینے کے لئے بدایہ اور فقہ مقارن میں بدایۃ المجتہد اور الفقہ علی المذاہب الاربعہ کا انداز واستدلال اپنانا چاہئے، تا کہ اپنے مسلک کے دلائل بھی سامنے آجائیں اور ان کا منصفانہ تجزیہ بھی ہو سکے، اس کی تائید میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کا یہ اقتباس نقل کیا ہے:

ہمارا طریقہ کار یہ ہونا چاہئے کہ ہم دین کے مفاد کو مسلک کے مفاد پر مقدم رکھیں، اختلافی مسائل میں ہم جس رائے کو درست سمجھتے ہیں اس پر قائم رہیں، لیکن دوسری آراء کے بارے میں مناظرانہ رنگ اختیار کرنے کے بجائے ہمارا لب ولہجہ نرم ہو، نصح وخیر خواہی کا ہو، اعتدال وانصاف پر مبنی ہو، بے احترامی وبے توقیری نہ ہو، جیسے ہم اپنا یہ حق سمجھتے ہیں کہ جو نقطہ نظر ہمارے خیال میں بہتر ہے، ہمیں اس پر عمل کرنے کا حق ہے .... اسی طرح دوسروں کی آراء کی اہمیت کو بھی

تسلیم کیا جائے اور ان کو بھی اس کا حق دیا جائے، اس طرح ہم اختلاف کی شدت کو کم کرسکتے ہیں اور اسلامی اخوت کے جذبے کو پروان چڑھا سکتے ہیں (علماء وقائدین کے لئے اعتدال کی ضرورت/ ۲۳)۔

مولانا عبدالرحیم فلاحی صاحب نے بھی طریقہ کار میں اسی سے ملتی جلتی باتیں تحریر کی ہیں، اور لکھا ہے کہ جو شخص جس نظریہ پر عمل کررہا ہو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

جبکہ مولانا عبدالرشید کانپوری صاحب کا کہنا ہے کہ اگر اصول پر بحث کی جائے اور فقہی اصول کی راجحیت ثابت ہوجائے تو فروعی مسائل خود بخود راجح ہوجائیں گے، اور پھر اصولی اختلاف کی چند مثالیں دی ہیں:

۱۔ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے یا نہیں، اس میں احناف وشوافع کا اختلاف ہے۔

۲۔ احناف نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں کرتے جبکہ شوافع مفہوم مخالف کو معتبر مانتے ہیں۔

۳۔ ان دونوں کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ مشترک کے جملہ معانی (اگر باہم تعارض نہ ہو) مراد لینا بہتر ہے یا ایک ہی معنی مراد لیا جائے گا۔

۴۔ حنابلہ اور احناف کے درمیان یہ اصولی فرق ہے کہ احکام کے استنباط واستخراج کا مدار حکمت پر ہوگا یا علت پر ہوگا۔

۵۔ اسی طرح شوافع اور احناف کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ متعارض نصوص میں تنسیخ، ترجیح، تطبیق اور تساقط کی ترتیب بہتر ہے یا تطبیق، تنسیخ، ترجیح اور تساقط کی ترتیب بہتر ہے۔

فقہی مباحث میں فریقین کے اصول بیان کئے جائیں، پھر اصول میں ترجیح قائم ہو، یہ طریقہ زیادہ مفید اور موثر ثابت ہوگا۔

مولانا خورشید احمد اعظمی کے بقول اختلافات میں وہی طریقہ کار ملحوظ رکھنا چاہئے جسے ائمہ ومجتہدین نے اختیار کیا، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

كانوا يتناظرون في المسائل العلمية والعملية مع بقاء الألفة والعصمة وأخوة الدين (فتاوی ابن تیمیہ ۴/ ۱۷۲)

اسی طرح یونس الصدفی کہتے ہیں: ما رأيت أعقل من الشافعي. ناظرته يوما في مسئلة ثم افترقنا ولقيته فأخذ بيدي ثم قال: يا أبا موسى! ألا يستقيم أن تكون إخوانا وإن لم نتفق في مسئلة (سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۱۶)

(مقالہ مولانا روح الامین سعادتی، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

☆ اسی طرح بعض مقالہ نگار حضرات نے ائمہ کا اپنے قول ومسلک کے خلاف قول پر عمل کرنے کی مثالیں بھی دی ہیں، مثلاً خلیفہ ہارون رشید نے پچھنا لگوایا اور امام مالک کے فتوی پر عمل کرتے ہوئے اسی حالت میں نماز بھی پڑھائی، اور امام ابویوسفؒ نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی، اور نماز کا اعادہ نہیں کیا، اور سوال کے جواب میں فرمایا کہ کیا مجھے مالکی بھائیوں کے مسلک پر عمل نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے جس کے خون نکل آئے اور وضو کے اعادہ کے بغیر نماز پڑھائے؟ تو امام احمد نے جواب دیا:

كيف لا أصلي خلف الإمام مالك وسعيد بن المسيب (ادب الاختلاف فی مسائل العلم والدین/ ۶۰)۔

اسی طرح امام شافعیؒ جب کوفہ آئے تو فجر میں قنوت چھوڑ دی، جب آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے صاحب قبر (یعنی امام ابوحنیفہ) سے حیا آئی کہ میں یہاں آؤں اور ان کے مسلک پر عمل نہ کروں۔ اسی طرح خلیفہ ہارون رشید نے جب امام مالکؒ سے کتاب مؤطا پر تمام مسلمانوں کو عمل کرنے کا فرمان جاری کرنے کا خیال ظاہر کیا تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ

: يا أمير المؤمنين! إن اختلاف العلماء رحمة على هذه الأمة. كل يتبع ما صح عنده. وكل على هدى، وكل يريد الله (ادب الاختلاف للشیخ محمد عوامہ/ ۳۹)۔

اس سے آگے بڑھ کر مولانا روح الامین سعادتی کا کہنا یہ ہے کہ دلیل کے اعتبار سے اگر اپنا مسلک ضعیف ہو تو اس کے اظہار سے چشم پوشی نہ کی جائے، اسی طرح تعامل کے اعتبار سے اگر دوسرے مسلک میں سہولت ہو یا اس میں اور کوئی خوبی ہو تو اس سے صرف نظر نہ کی جائے بلکہ بوقت ضرورت عمل کی گنجائش پیدا کی جائے۔ اسی طرح ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی کا کہنا ہے کہ افضل وغیر افضل کے علاوہ صحابہ کرام اور سلف صالحین حلت وحرمت کے مسئلہ میں اپنے مسلک کے خلاف بھی

عمل کر لیتے تھے، اور استدلال میں شاہ صاحب کی یہ عبارت پیش کی ہے:

وقد كان في الصحابة والتابعين ومن بعدهم من يتوضأ من الحجامة والرعاف والقيء ومنهم من لا يتوضأ من ذلك. ومنهم من يتوضأ من مس الذكر ومس النساء بشهوة، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك..... ومع هذا فكان بعضهم يصلي خلف بعض. مثل ما كان أبوحنيفة وأصحابه والشافعي وغيرهم رضي الله عنهم يصلون خلف أئمة المدينة من المالكية وغيرهم، وإن كانوا لا يقرءون البسملة. لا سرًا ولا جهرًا، وصلى الرشيد إمامًا وقد احتجم، فصلى الإمام أبويوسف خلفه ولم يعد، وكان أفتاه الإمام مالك بأنه لا وضوء عليه. وكان الإمام أحمد بن حنبل يرى الوضوء من الرعاف والحجامة. فقيل له: فإن كان الإمام قد خرج منه الدم ولم يتوضأ، بل تصلي خلفه؟ فقال: كيف لا أصلي خلف الإمام مالك وسعيد بن المسيب (الانصاف في بيان سبب الاختلاف: ۱۰۸-۱۰۹)۔

☆ اکثر مقالہ نگار حضرات نے کسی مسلک یا قول کو ترجیح دینے میں حدود وآداب کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی ہے، اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد واتفاق کے استحکام کے مختلف گوشوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ:

۱۔ اپنے مسلک یا رائے وقول کو ترجیح دیتے وقت دوسری رائے یا مسلک پر طنز و تشنیع نہ کرے اور دوسری رائے رکھنے والوں کی تحقیر وتوہین سے مکمل اجتناب کرے، اور نازیبا کلمات کے استعمال سے مکمل گریز کیا جائے۔

بحسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم، كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه (مسلم: ۲۵۶۴)
(مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔ مولانا محمد ظفر عالم ندوی نے اس تعلق سے یہ عبارت پیش کی ہے:

لقد كان الخلاف موجودًا في عصر الأئمة المتبوعين الكبار: أبي حنيفة ومالك والشافعي وأحمد والثوري والأوزاعي وغيرهم، ولم يحاول أحد منهم أن يحمل الآخرين على رأيه أو يتهمهم في علمهم أو دينهم من أجل مخالفتهم... بل كان الخلاف موجودًا في عصر الصحابة نظرا لاختلاف أفهامهم وتفسيرهم للنصوص، بل إن الخلاف وجد في عهد النبي ﷺ فأقره ولم ينكره كما في قضية صلاة العصر في بني قريظة وفي غيرها من القضايا (قواعد في ادب الاختلاف/ ۳۲) (مقالہ مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

۲۔ اجتہادی مسائل میں اپنے اختیار کردہ مسئلہ کو دعوت وتبلیغ کا موضوع نہ بنایا جائے، بلکہ اسے اپنے حلقہ درس، تصنیف وتالیف اور فتاوی تک محدود رکھا جائے۔

۳۔ کسی قول یا مسلک کی ترجیح کے وقت ہمیشہ اعتدال کی راہ اپنائی جانی چاہئے، اور خوش اسلوبی کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے،

"ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن" (النحل: ۱۲۵) (مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

اور مولانا عبد الرشید کانپوری لکھتے ہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ مسلکی ترجیح میں تشدد اور غلو سے بھی پرہیز ہونا چاہئے، اور علامہ حصکفی کی یہ عبارت تحریر کی ہے:

وقد جعل الله الحكم لأصحابه وأتباعه في زمنه إلى هذه الأيام، إلى أن يحكم بمذهبه عيسى عليه السلام (الدر المختار مع الشامی ۱/ ۱۵۱ مطبع زکریا)، اور لکھا ہے کہ مسلکی ترجیح میں یہ بھی ایک طرح کا غلو ہے۔

۴۔ اپنے مخالف کی رائے یا قول پر تنقید کرنے سے پہلے یا اس کے خلاف کوئی موقف اختیار کرنے سے پہلے اس رائے کی تحقیق اور اس میں غور وخوض کر لینا چاہئے، اور اس کے جملہ اقوال وآراء کا احاطہ بھی ضرور کرنا چاہئے، تاکہ بین المسالک نفرتوں میں کمی آسکے،

''التعصب لمذهب واحد واعتقاد أن كل من خالفه مخطئ أمر يجر إلى فتن عظيم'' (آداب الحوار للدكتور عمر كامل/ ۳۳) (مقالہ مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

۵۔ اگر کوئی آپ کی رائے یا مسلک کے خلاف عمل کر رہا ہو تو اس پر نکیر نہ کی جائے، اور اسے قلبی بعد ونفرت کا باعث نہ بنایا جائے، خطیب بغدادی نے سفیان

ثوری سے نقل کیا ہے کہ: إذا رأيت الرجل يعمل العمل الذي اختلف فيه وأنت ترى غيره فلا تنهه (الفقيه والمتفقه ۲/ ۶۹) (مقالہ مولانا روح الامین سعادتی، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی)۔

۶۔ ترجیح دیتے وقت مثبت انداز اختیار کیا جائے، دلیل کا جواب دلیل سے دیا جائے اور تضاد وتناقض سے بچا جائے،

"قل هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين" (البقرة: ۱۱۱) (مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی اس کا اضافہ کرتے ہیں کہ اگر کسی چیز کو ترجیح دینی ہو تو دوسرے کی تنقیص کے بغیر "هذا أحوط" یا "هذا أحسن" یا "هذا ما ينبغي" جیسے الفاظ کا استعمال ہو، اور کسی چیز کے ضعف کو بیان کرنا مقصود ہو تو "قيل" یا "نكره هذا" یا "لا يعجبني" وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کئے جائیں۔

ڈاکٹر اسرار الحق سبیلی نے شاہ صاحب کے حوالہ سے یہ عبارت نقل کی ہے:

وكان السلف لا يختلفون في أصل المشروعية، وإنما كان خلافهم في أولى الأمرين، ونظيره اختلاف القراء في وجوه القراءات، وعللوا كثيرًا من هذا الباب بأن الصحابة مختلفون، وإنهم جميعًا على الهدى، ولذلك لم يزل العلماء يجوزون فتاوى المفتيين في المسائل الاجتهادية ويسلمون قضاء القضاة ويعملون في بعض الأحيان بخلاف مذهبهم، ولا ترى أئمة المذاهب في هذه المواضع إلا يوضحون القول ويبينون الخلاف. يقول أحدهم: هذا أحوط، وهذا هو المختار، وهذا أحب إلي. ويقول: ما بلغنا إلا ذلك. وهذا كثير في المبسوط وآثار محمد رحمه الله وكلام الشافعي رحمه الله (الانصاف في بيان سبب الاختلاف: ۱۰۱ مرتب: عبد الفتاح ابوغده. ط: دار النفائس بيروت)۔

۷۔ ایک شخص کی غلطی کو بس اس کی ذات تک محدود رکھا جائے، اس کی وجہ سے پوری جماعت یا تحریک کو بدنام کرنے کی کوشش نہیں ہونی چاہئے، اس لئے کہ جس نے غلطی کی ہے وہی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے، "ولا تزر وازرة وزر أخرى" (مقالہ مفتی اقبال محمد ٹنکاروی)۔

۸۔ کسی قول کو ترجیح دیتے وقت چیلنج کرنے والا اسلوب اختیار نہیں کیا جانا چاہئے، بلکہ اشتعال دلانے اور برانگیختہ کرنے والے اسلوب سے پرہیز کیا جانا چاہئے؛ تاکہ دوسرے فریق میں ضد یا کسی بات پر اصرار کرنے یا اڑ جانے کا جذبہ پیدا نہ ہو، "وقل لعبادي يقولوا التي هي أحسن" (الاسراء: ۵۳)، "قل كل يعمل على شاكلته فربكم أعلم بمن هو أهدى سبيلا" (الاسراء: ۸۴) (مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی نے امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ (۱) کسی فقیہ کے لئے یہ زیبا نہیں کہ لوگوں کو کسی ایک مذہب کے خلاف للکارے اور ان پر تشدد کرے، (۲) اسی طرح امام نووی کا قول ہے کہ کسی مفتی قاضی کو اپنے مخالف پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ اس نے کسی نص یا اجماع یا قیاس جلی کی مخالفت نہ کی ہو، (۳) قاسم بن محمد سے سری نماز میں قراءۃ خلف الامام کے بارے میں سوال کیا گیا تو کہا کہ اگر پڑھو تو صحابہ رسول میں سے کچھ لوگوں میں تمہارے لئے اسوہ ہے، اور اگر نہ پڑھو تو بھی صحابہ رسول میں سے کچھ لوگوں میں اسوہ ہے، (۴) اسی طرح یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں:

ما برح أهل الفتوى يفتون فيحل هذا ويحرم هذا فلا يرى المحرم المحلل هلك لتحليله، ولا يرى المحلل أن المحرم هلك لتحريمه (جامع الفتاوی/ ۸۰) (دیکھئے: مقالہ مولانا اقبال محمد ٹنکاروی، جامع بیان العلم وفضلہ، ص/ ۳۴۴)۔

۹۔ اپنی رائے میں قطعیت اور مخالف کی رائے کی بالکلیہ نفی والی سوچ مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ جب یقینی طور سے کسی اجتہادی رائے کی صحت کا علم نہیں ہو سکتا ہے تو پھر ایسا اسلوب قطعًا اختیار نہیں کرنا چاہئے جس سے دوسری رائے کی بالکلیہ نفی ہوتی ہو

مذهبه صواب يحتمل الخطأ، وأن مذهب غيره خطأ يحتمل الصواب (ردالمحتار ۱/ ۵۰۸) (مقالہ مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی محمد شاہجہاں ندوی)۔

۱۰۔ مولانا اشتیاق احمد اعظمی نے متفق علیہ امور میں تعاون کو بھی اس سلسلہ میں ایک اہم ضرورت قرار دیا ہے، اور کچھ مشکلات و پریشانیوں کا ذکر کیا ہے، جنہیں

ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

امت مسلمہ کی مشکلات فی زمانہ، دو یا چند مختلف فیہ آراء میں سے کسی ایک کو از روئے اجتہاد یا تقلید، ترجیح دینے میں نہیں ہے؛ بلکہ حقیقت میں امت مسلمہ کی سب سے بڑی دقت اور پریشانی اس کے متفق علیہ امور کو برباد کئے جانے میں ہے۔ مشکل اس کی نہیں ہے کہ استویٰ علی العرش کا معنیٰ "استولی علی العرش" ہے یا استویٰ علی العرش کنایہ ہے ذات باری کی عظمت وسلطنت سے؛ بلکہ مشکل تو اس بات کی ہے کہ کوئی سرے سے عرش الٰہی کا ہی انکار کرتا ہے۔

مشکل اس میں بھی نہیں کہ دوران صلاۃ کوئی بسم اللہ جہراً پڑھتا ہے یا سراً، ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتا ہے یا ارسال کرکے، یا رکوع میں جانے اور اس سے اٹھنے میں رفع یدین کرتا ہے یا نہیں۔ مشکل تو سب سے بڑی اس کی ہے جو سرے سے ایک دن بھی اللہ کے سامنے جھکتا ہی نہیں، نہ رکوع کرتا ہے اور نہ ہی سجدہ؛ بلکہ وہ مسجد ہی کو نہیں جانتا اور نہ مسجد نے اسے آج تک جانا۔ (ادب الحوار لعمر کامل ص/ ۲۴)۔

مسلمانوں کی پریشانی اس میں بھی نہیں کہ رمضان یا شوال کے ہلال کے ثبوت میں کن مذہب معتبرہ کا وہ پابند ہے؛ بلکہ ان کی سب سے بڑی پریشانی تو اس امر میں ہے کہ ان سامنے رمضان کا مقدس مہینہ آئے اور ایسے ہی گذر جائے، جیسے کہ ان پر شوال یا شعبان کے مہینے گذر جایا کرتے ہیں، نہ اسے روزے کی فکر ہے، نہ اس کا پتہ کہ قیام لیل کس بلا کا نام ہے؛ کیونکہ وہ تو ایام رمضان میں دھڑلے سے کھاتا پیتا اور موجیں اڑاتا ہے، نہ اللہ کا خوف ہے اور نہ مسلمانوں سے کوئی شرم وحیا۔

مسلمانوں کی مشکل اور پریشانی اس میں بھی نہیں کہ ان کی عورتیں اپنے چہرے پر نقاب اور ہاتھوں میں دستانے پہنتی ہیں یا نہیں؛ بلکہ اصل پریشانی تو اس کی ہے کہ ان کی عورتیں ننگے سر گھومیں، ان کے سینے اور ان کی پیٹھیں ساتر لباس سے عاری وخالی ہوں، اگر لباس ہے بھی تو نہایت چست اور ایسا صاف وشفاف کہ لباس کے باوجود بے لباسی کا منظر پیش کرتا ہو۔

تو دراصل مسلمانوں کی حقیقی پریشانی، ان کے عقیدے کی کمزوری، اور ان کا شریعت مطہرہ کو پس پشت ڈال دینا ہے۔ اخلاقی گراوٹ اور بے حیائی کا عموم، نمازوں کی بربادی، زکوۃ کی عدم ادائیگی، خواہش نفسانی کی غلامی، رشوت کا دور دورہ، وعدوں اور عہدوں کی عدم پاسداری، ہر قسم کے معاملات میں بے راہروی، اصلی فرائض سے انحراف اور چشم پوشی، قطعی محرمات کا کھلے بندوں ارتکاب اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کے دشمنوں سے دوستانہ رکھنے میں ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام کے داعیوں کا اصل اور سب سے اہم کام، امت میں متفق علیہ امور پر توجہ مرکوز کرنے میں ہے اور انہی امور متفق علیہ میں آپسی تعاون وقت کی اہم ضرورت اور دینی فریضہ ہے۔

۲۔ عقیدہ کا اختلاف اور اختلافی موضوعات پر گفتگو کا طریقہ کار:

سوال نمبر (۲): جن اختلافات کا تعلق کسی نہ کسی درجہ میں عقیدے سے ہے مثلاً شیعہ سنی اختلافات یا بعض مسائل میں دیوبندی اور بریلوی اختلافات، سلفی اور غیر سلفی اختلافات، اختلافی موضوعات پر گفتگو، مذاکرہ اور تبادلۂ خیال کا کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے جس سے باہمی منافرت میں اضافہ نہ ہو اور کم از کم ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا مزاج بنے؟

اس سوال کے تعلق سے مقالہ نگاروں کی آراء مختلف ہیں، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ عقائد میں پایا جانے والا اختلاف محمود نہیں بلکہ مذموم ہے، اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق نجات پانے والا فرقہ وہی ہوگا جو "ما أنا علیه وأصحابي" کے راستہ پر عمل پیرا ہوگا (مولانا عبدالرحیم فلاحی)، عقیدہ سے متعلق گفتگو کے وقت ضروری ہے کہ مقصد حق ہو اور حق تک رسائی ہو (مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی)، جبکہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی کا کہنا ہے کہ عقائد کے باب میں خود کو حق پر اور فریق مخالف کو باطل پر سمجھنا ضروری ہے۔

ابن نجیم فرماتے ہیں: وإذا سئلنا عن معتقدنا ومعتقد خصومنا في العقائد، يجب علينا أن نقول: الحق ما نحن عليه، والباطل ما عليه خصومنا (الاشباہ والنظائر/ ۳۸۱)۔

لیکن مولانا روح الامین سعادتی کے بقول عقائد کے اختلافات اگر قطعیات یا ضروریات دین سے متعلق نہیں تو موجب تکفیر نہیں، تاہم سلف صالحین کے طریق کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل مذمت ہیں، اور مولانا محمد سلمان منصور پوری کی رائے ہے کہ کسی بھی شخص یا فرقہ کو کافر قرار دینا بہت بھاری بات ہے،

جب تک مناسب تاویل کی گنجائش ہو تو اس کو بہتر معنی پر محمول کرتے ہوئے اس کے قائل کی تکفیر سے احتراز کیا جائے گا۔

وفی الفتاوی الصغری: الکفر شئ عظیم فلا أجعل المؤمن کافرًا متی وجدت روایة أنه لا یکفر. وفی الخلاصة وغیرہا: إذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر ووجه واحد یمنعه. فعلی المفتی أن یمیل إلی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم.... (شامی ۶/۳۵۸) (نیز مقالہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی)۔

ان سب آراء سے الگ مولانا عبد الرشید کانپوری کہتے ہیں کہ بریلویوں اور غیر مقلدوں وغیرہ سے اتحاد واتفاق کی بہت زیادہ امید نہیں کی جاسکتی؛ کیونکہ غیر مقلد تقلید کو شرک کہتے ہیں اور بریلوی حضرات علماء دیوبند کو کافر ومشرک سمجھتے ہیں، جب تک وہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں یہ مزاج پیدا نہیں کریں گے کہ صحابہ، ائمہ اور ہمارے اکابر کو برا بھلا نہ کہیں تب تک باہمی منافرت کی کمی کا تصور ممکن نہیں ہے، البتہ سیاسی اتحاد ہوسکتا ہے یعنی مسلکی اور مذہبی اعتبار سے جن جن امور میں اتفاق ہو سکے، آیت "تعالوا إلی کلمة سواء بیننا وبینکم" کے تحت حالات کے تناظر میں اور ملت کی شیرازہ بندی کے لئے بریلویوں اور غیر مقلدوں وغیرہ سے اتحاد کیا جاسکتا ہے، لیکن مولانا خورشید احمد اعظمی کی رائے یہ ہے کہ یہ فرقے اگرچہ بعض عقائد کے پیش نظر ایک دوسرے کو کافر ومشرک کہتے ہیں، لیکن ان سب کا مصدر شریعت قرآن وحدیث ہی ہے، لہذا ان کے مابین تبادلہ خیال اور گفتگو ہوسکتی ہے، البتہ شیعہ حضرات کے تعلق سے مولانا موصوف کا کہنا ہے کہ یہ نہ قرآن کو مکمل تسلیم کرتے ہیں، نہ حدیث کی صحت کا ان کے نزدیک کوئی معیار ہے اور نہ صحابہ کرام ان کے نزدیک معتبر ہیں، لہذا ان سے اختلافی امور میں گفتگو ممکن نہیں، اور ان کے عقیدہ تقیہ کے ہوتے ہوئے ان پر اعتماد کرنا ہی ناممکن ہے (دیکھئے سید محب الدین الخطیب کی کتاب "الخطوط العریضة التی تام علیہا دین الشیعة، ص: ۸)۔

جبکہ مولانا ظفر عالم ندوی کا کہنا ہے کہ اس آیت "قل یا أهل الکتاب تعالوا إلی کلمة سواء بیننا وبینکم .. الخ" (آل عمران: ۶۴) کو پیش نظر رکھتے ہوئے شیعہ سنی اختلافات پر گفتگو کرنے کے لئے متفق علیہ مسائل وامور کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے، مفتی شفیع صاحبؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہش مند ہو جو عقائد ونظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہوسکتا ہو، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلہ کی طرف دی جس پر دونوں کا اتفاق تھا (معارف القرآن ۲/۸۷)۔

☆ اکثر مقالہ نگار حضرات نے اختلافی موضوعات پر گفتگو اور تبادلہ خیال کے آداب وطریقہ کار پر روشنی ڈالی ہے، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان سے گفتگو کے تین موضوع عقائد صحیحہ، باہمی تعامل اور کلمہ واحدہ پر اجتماعیت ہوسکتے ہیں (مولانا روح الامین سعادتی)، اسی طرح متفق علیہ امور میں تعاون کے ساتھ ساتھ انسانیت، اسلامی اخوت اور علمی قرابت کو بھی بروئے کار لاتے ہوئے گفتگو کی جاسکتی ہے (مولانا اشتیاق احمد اعظمی)، ڈاکٹر محمد عوامہ لکھتے ہیں:

للعقلاء المخلصین نظرة أخری إلی المخالفین وہی أسمی من النظر إلی القول المختلف فیه. إنہم ینظرون إلی الوشائج التی تربطہم بمخالفیہم، أولہا: الآدمیة، ثانیہا: الإسلام، ثالثہا: رحم العلم (ادب الاختلاف، ص: ۸۲)۔

اسی طرح گفتگو کے دوران حکمت، موعظہ حسنہ، جدال حسن اور بصیرت سے کام لیا جانا چاہئے۔

"ادع إلی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلہم بالتی ہی أحسن" (النحل: ۱۲۵)۔ "ولا تجادلوا أهل الکتاب إلا بالتی ہی أحسن إلا الذین ظلموا منہم" (العنکبوت)، "قل ہٰذہ سبیلی أدعو إلی الله علی بصیرة أنا ومن اتبعنی" (سورہ یوسف: ۱۰۸)

اسی طرح مذاکرہ کے لئے ضروری ہے کہ کتاب وسنت کا گہرا علم ہو، عقلی ونقلی دلائل پر کامل اطلاع ہو اور فریق مخالف کے افکار ونظریات پر بھی گہری نظر ہو،

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: وقد ینہون عن المجادلة والمناظرة إذا کان المناظر ضعیف العلم بالحجة وجواب الشبہة فیخاف علیه أن یفسدہ ذلك المضل کما ینہی ذلك الضعیف فی المقاتلة أن یقاتل علجًا قویًا من علوج الکفار فإن ذلك یضرہ ویضر المسلمین بلا منفعة (درء تعارض العقل والنقل ۷/۱۷۳)۔

گفتگو ومذاکرہ کے آداب:

☆ مذاکرہ وتبادلہ خیال کے دوران کسی بھی مسلک کے علماء ومقتدی حضرات کی توہین وتذلیل اور ان پر طنز وتعریض کا اظہار نہ ہو۔

"ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله فیسبوا الله عدوًا بغیر علم" (الانعام: ۱۰۸)

"یا أیہا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیرًا منہم ولا نساء من نساء عسی أن یکن خیرًا منہن ولا تلمزوا أنفسکم ولا تنابزوا بالألقاب بئس الاسم الفسوق بعد الإیمان ومن لم یتب فأولئک ہم الظالمون" (الحجرات: ۱۱)۔

المسلم أخو المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہ، التقوی ہہنا— ویشیر إلی صدرہ ثلاث مرار— بحسب امرئ من الشر أن یحقر أخاہ المسلم، کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ (مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم المسلم)۔

☆ اختلاف اور بحث ومناظرہ کے وقت خالص علمی انداز اختیار کیا جائے، اور پورے خلوص ومحبت کے ساتھ قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس کی روشنی میں بحث کی جائے۔

☆ بحث کے وقت شخصی حملے، شخصی مخاصمت، کردارکشی اور الزام تراشی سے گریز کیا جائے۔

"ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ہی أحسن، فإذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کأنہ ولی حمیم" (حم السجدۃ: ۳۴)

☆ اپنے عقائد ونظریات کی تائید وتوثیق میں دلائل پیش کرتے وقت نرم رویے سے کام لیا جائے اور مثبت انداز اختیار کیا جائے۔

☆ مذاکرہ کا مقصد صرف احقاق حق اور ابطال باطل ہونا چاہئے، دنیاوی اغراض اور نفسانی جذبات سے مکمل اجتناب ہونا چاہئے۔

☆ مخالف کی نازیبا باتوں پر صبر اور بردباری سے کام لیا جائے، اور اگر ناز یبا کلمات کا جواب دینا ہو تو خوش اسلوبی اختیار کی جائے۔

- "قل لعبادی یقول التی ہی أحسن" (بنی اسرائیل: ۵۳)۔

- "وإذا خاطبہم الجاہلون قالوا سلامًا" (الفرقان: ۶۳)۔

- "لتبلون فی أموالکم وأنفسکم ولتسمعن من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم ومن الذین أشرکوا أذی کثیرًا وإن تصبروا وتتقوا فإن ذلک من عزم الأمور" (آل عمران: ۳۱)۔

☆ باہمی مذاکرہ اختلافی موضوعات سے نہ کیا جائے بلکہ بہتر یہ ہے کہ دونوں فریق کے مابین جو امور متفق علیہ ہیں ان سے ہی مذاکرات کی ابتداء کی جائے۔

☆ اسلامی اخوت کو باقی رکھتے ہوئے گفتگو کی جائے، اخوت ایمانی کی پاسداری کو اختلاف واتفاق پر ترجیح دی جائے اور ایسا طرز عمل اختیار کریں جس سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو، اور نہ خود کسی سے متعلق بدگمانی کو جگہ دیں۔

قرآن میں ہے: "إن بعض الظن إثم" (الحجرات: ۱۲)۔

"لولا إذ سمعتموہ ظن المؤمنون بأنفسہم خیرًا" (النور: ۱۲)۔

۳- موجب کفر عقائد اور غیر موجب کفر عقائد کے درمیان فرق اور ان پر تنقید کے حدود وآداب:

سوال نمبر (۳): جس فکر یا عقیدے کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہو، لیکن ان کی بنیاد پر تکفیر کا قائل نہ ہو، ایسے فکر یا عقیدے پر تنقید اور جس فکر یا عقیدے کو موجب کفر سمجھتا ہو اور اس کی بنیاد پر اس کے حاملین کو کافر قرار دیتا ہو، اس پر تنقید دونوں میں شرعی لحاظ سے کوئی فرق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کی وضاحت کی جائے اور دونوں قسم کے فکر اور عقیدہ پر تنقید کے حدود وآداب بیان کیے جائیں۔

☆ بعض مقالہ نگار حضرات نے موجب کفر عقائد اور غیر موجب کفر عقائد پر تنقید کے درمیان فرق کیا ہے، مولانا محمد ظفر عالم ندوی کا کہنا ہے کہ غیر موجب کفر فکر یا عقیدہ پر تنقید اس کی حیثیت متعین کر کے کی جائے گی، مثلاً اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر نہیں مگر صرف اختلاف رکھتا ہے، جیسے جمہور امت کے خلاف حضرت علیؓ کو افضل الصحابہ اور خلیفہ اول سمجھتا ہے تو چونکہ ایسی فکر شرعی لحاظ سے ضلال وفسق کے زمرہ میں آتی ہے لہذا ایسے کو کافر نہیں بلکہ فاسق ومبتدع، گمراہ قرار دیا جائے گا اور اس کے ساتھ وہ اسلامی معاملات روا رکھے جائیں گے جو کسی فاسق وگمراہ کے ساتھ رکھے جاتے ہیں۔

چنانچہ "رد المحتار" میں ہے: "اتفق الأئمۃ علی تضلیل أہل البدع أجمع وتخطئہم وسبّ أحد من الصحابۃ وبعضہ لا یکون کفرًا لکن یضلل"۔

"..... وإن كان يفضل عليًا عليهما فهو مبتدع".

"وذكر في المحيط أن بعض الفقهاء لا يكفر أحدا من أهل البدع" (كتاب الجهاد. مطلب في حكم الشيخين ۴/ ۲۳۷)۔

اگر کوئی شخص کسی فکر یا عقیدہ کو موجب کفر سمجھتا ہے تو ایسے فکر وعقیدے کی کتاب وسنت کی روشنی میں حیثیت متعین کر کے اس پر تنقید کی جانی چاہئے مثلاً اگر کوئی شخص حضرت عائشہؓ پر تہمت اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحابیت کے انکار، تحریف قرآن، اور الوہیت علیؓ کے عقیدوں کا حامل ہو تو چونکہ ایسے عقائد ضروریات دین کے زمرہ میں آتے ہیں اور موجب کفر وارتداد ہیں، اسی لیے ایسے افکار وعقائد رکھنے والے شخص پر کفر وارتداد کا ہی حکم لگایا جائے گا؛ کیونکہ دینی مصالح کو نظر انداز کر کے دنیاوی مصالح اختیار کرنے کی اسلام میں اجازت نہیں ہے اور باطل عقائد ونظریات کی یقیناً تردید کی جائے گی؛ لیکن تردید وتنقید کا انداز ایسا جارحانہ نہ ہو کہ اس سے مزید خرابیاں پیدا ہو جائیں، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

"نعم. لاشك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها أو أنكر صحبته الصديق أو اعتقد الألوهية في علي أو أن جبريل غلط في الوحي أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن" (كتاب الجهاد. مطلب في حكم الشيخين ۴/ ۲۳۷)

مولانا روح الامین سعادتی نے موجب کفر عقیدہ ونظریہ اور غیر موجب کفر عقیدہ ونظریہ کی تعریف مختصر مگر واضح الفاظ میں یہ کی ہے کہ:

۱۔ وہ نظریہ جو ضروریات دین یا قطعیات اسلام میں کسی چیز کے انکار کو مستلزم ہو، ایسا باطل نظریہ موجب کفر ہے۔

۲۔ جو باطل نظریہ مذکورہ قسم میں داخل نہ ہو، لیکن سنت ثابتہ اور طریق سلف کے خلاف ہو وہ موجب کفر نہیں، بلکہ موجب فسق وضلالت ہے۔

مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی کا کہنا ہے کہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ غیر موجب کفر عقائد رکھنے والوں کے ساتھ معاملہ مسلمانوں جیسا کیا جائے گا، دینی تمام معاملوں میں کوئی فرق روا نہیں رکھا جائے گا، اور جن لوگوں کا عقیدہ کفریہ ہو اور وہ کافر قرار دیئے گئے ہوں تو ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ نہیں کیا جائے گا بلکہ عام انسانی قاعدہ کی بنیاد پر ان سے میل جول اور تعلقات رکھے جائیں گے۔

جبکہ مولانا محمد شاہجہاں ندوی کے بقول فکر یا عقیدہ خواہ ضلالت وگمراہی ہو یا موجب کفر ہو دونوں پر تنقید لازم ہے تاکہ حق واضح ہو جائے، اس لئے کہ دین کے اندر خیر خواہی کا یہی تقاضا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الدين النصيحة. قلنا: لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم (مسلم: ۵۵)۔

تقریباً یہی بات مولانا عبدالرحیم فلاحی بھی کہتے ہیں کہ دونوں پر تنقید کرنے میں فرق تو ہوگا مگر چونکہ یہ دونوں ہی باتیں شدید ترقبیح ہیں اس لئے دونوں پر وضاحت کے ساتھ تنقید کی جائے گی، لیکن مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کا کہنا ہے کہ ایسا نظریہ جو گمراہی کا سبب ہے اس پر تنقید کفریہ فکر وخیال کے حاملین کے مقابلہ میں خفیف ہوگی، پہلا گروہ اپنی تمام تر گمراہیوں کے باوجود جماعت مسلمین سے خارج نہیں ہے، لیکن جن حضرات کی گمراہی کفر تک پہنچی ہوئی ہے وہ پہلے ہی سے دائرہ اسلام سے دور ہو چکے ہیں، ان کو قریب لانے کی کوشش کی جائے گی، اگر مذاکرہ اور تبادلہ خیال سے بات نہیں بنتی ہے تو سخت تنقید بھی کی جاسکتی ہے، حالانکہ مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی اس حق میں ہیں کہ اسلام کے بنیادی اصول کے انکار کے بغیر کفر کا حکم اہل قبلہ پر محض گناہ یا بدعات کی وجہ سے نہیں لگایا جائے گا اور حتی الامکان کافر کہنے سے گریز کیا جائے گا۔

— ولا تقولوا لمن ألقى إليكم السلام لست مؤمنًا" (النساء: ۹۴)۔

— لا يرمي رجل رجلا بالفسوق ولا يرميه بالكفر إلا ردت عليه وإن لم يكن صاحبه كذلك (بخاری ۱/ ۸۹۳)۔

— إذا قال الرجل لأخيه يا كافر فقد باء به أحدهما (۲/ ۹۰۱)۔

— ولعن المؤمن كقتله ومن رمى مؤمنا بكفره فهو كقتله (بخاری ۲/ ۹۰۱)۔

— الكف عمن قال لا إله إلا الله لا تكفر بذنب ولا تخرج من الإسلام بعمل (بخاری ۱/ ۳۲۰)۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

فالكفر حكم شرعي متلقى عن صاحب الشريعة. العقل قد يعلم به صواب القول وخطؤه وليس كل ما كان

خطأ في العقل يكون كفرًا في الشرع (درء التعارض ۱/ ۱۴۰)۔

البتہ اگر کوئی ممنوعات منصوصہ مثلاً: زنا، شراب، قتل وغیرہ کو درست سمجھنے لگے تو اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا، جیسا کہ امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

واعلم أن مذهب أهل الحق لا يكفر أحد من أهل القبلة بذنب ولا يكفر أهل الأهواء والبدع أن من جحد ما يعلم من دين الإسلام ضرورة حكم برده وكفره ..... وكذا حكم من استحل الزنى أو الخمر أو القتل أو غير ذلك من المحرمات التي يعلم تحريمها ضرورة (شرح مسلم ۱/ ۱۵۰)۔

لہذا فریق مخالف کے جس فکر اور عقیدہ کو موجب کفر سمجھتا ہو، اس میں بھی کافر قرار دینے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے، جیسا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل لا إلہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے، جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے، اور کلمہ اسلام کے لئے اصلاً کوئی ضعیف سے ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے (تمہید الایمان)۔

لیکن مولانا محمد عثمان بستوی کا کہنا ہے کہ جس طرح موجب کفریات کو قبول کر کے اختلاف ختم کرنے کی اجازت نہیں ہے، اسی طرح بدعت وضلالت کو بھی قبول کر کے اختلافات ختم کرنے کی اجازت نہیں، کفر ومعصیت اور ضلالت وگمراہی سے اتفاق کرنا شرعاً حرام ہے۔

مولانا عبد الرشید کانپوری کہتے ہیں کہ آیت: "لا يحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم" کی روشنی میں مظلوم کے لئے اس کی گنجائش ہے کہ وہ ظالم اگر کفریہ عقائد کا حامل ہے، کی تنقید ومذمت کرے، اور سب وشتم سے کام لے، جس طرح حضرت صدیق نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عروۃ بن مسعود سے "امصص ببظر اللات" کہا تھا، اور اگر ظالم گمراہ عقائد کا حامل ہو تو اس کے عقائد پر تنقید کرے، ظاہر ہے شیعوں کا صحابہ کرام پر تبرا، غیر مقلدوں کا ائمہ اربعہ پر طنز وتعریض اور بریلویوں کا ہمارے اکابر پر سب وشتم جسمانی اذیت سے بڑھ کر ایک روحانی اذیت ہے جو کہ ظلم ہے، لہذا ان پر تنقید کی پوری آزادی ہوگی۔

مولانا روح الامین سعادتی نے مبتدعین سے گفتگو کے آداب کے تحت ذکر کیا ہے کہ:

۱۔ مبتدع جس کی بدعت موجب کفر نہ ہو وہ مسلم ہے، لہذا اخوت دینیہ کی بنا پر وہ اسلامی حقوق کا مستحق ہے۔

۲۔ بعض دینی مصالح کی بنا پر فاسق کی طرح مبتدع سے بھی تعاون جائز ہے۔

۳۔ بدعت اور منکر کے ازالہ کے لئے شریعت کے حدود میں رہ کر مبتدع کے ساتھ مخالطت بھی اختیار کی جائے گی۔

☆ بعض مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ موجب کفر عقائد اور غیر موجب کفر عقائد رکھنے والے دونوں طرح کے حضرات کے ساتھ گفتگو ومذاکرہ میں انہیں آداب وحدود کی رعایت کی جائے گی جن کا ذکر سوال نمبر دو کے تحت ہوا ہے، قرآن میں ہے: "فقولا له قولا لينا لعله يتذكر أو يخشى" (سورہ طہ: ۴۴)۔ نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوًا بغير علم. كذلك زينا لكل أمة عملهم ثم إلى ربهم مرجعهم فينبئهم بما كانوا يعملون" (الانعام: ۱۰۸)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی کی رائے ہے کہ جب کافر کے ساتھ گفتگو اور معاملہ کا یہ انداز اختیار کرنے کا حکم ہے تو جو لوگ ایمان کے دائرہ میں ہیں ان کے ساتھ بدرجہ اولی محبت وہمدردی کے انداز میں گفتگو کی جائے گی، جبکہ ڈاکٹر سید محمد اسرار الحق سبیلی کا کہنا ہے کہ اہل تشیع اور بریلوی حضرات کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں اور اسلام کا لیبل لگا کر کفر کا ارتکاب کر رہے ہیں، اس لئے ان کی گمراہی، ضلالت اور دھوکہ دہی کی قباحت کو کھل کر بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مولانا عبد الرحیم فلاحی صاحب نے اس کی تائید میں یہ حدیث پیش کی ہے: "من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده ..... الخ ( ) اور مندرجہ ذیل آداب بیان کئے ہیں:

۱۔ مقصد صرف احقاق حق اور ابطال باطل ہو نفسانی اغراض اس میں شامل نہ ہوں۔

۲۔ کسی کی تکفیر کرنے میں مکمل احتیاط سے کام لیا جائے اور حتی الامکان اس کے کلام کی کوئی بہتر تاویل کرنے کی کوشش کی جائے۔

۳۔ تنبیہ وتنقید کرنے میں مقابل کی اصلاح مقصود ہو، اس کی توہین وتحقیر کرنا ہرگز مقصود نہ ہو۔

مفتی اقبال محمد ٹنکاروی نے اس کا بھی اضافہ کیا ہے کہ:

۱۔ جن فقہی احکام کا دارومدار غیر قطعی الدلالۃ یا غیر قطعی الثبوت دلائل پر ہو ان میں اختلاف کی بنیاد پر تکفیر و تفسیق میں بہت احتیاط برتنی چاہئے۔

۲۔ اور جب تک اصول دین میں اختلاف نہ ہو، فروعی وجزئی اختلافات کی وجہ سے وحدت واخوت کو پارہ پارہ نہ کیا جائے اور امت کو افتراق وانتشار سے بچانے کی کوشش کی جائے۔

مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی نے دونوں فریقوں سے گفتگو ومذاکرہ کے آداب کو الگ الگ ذکر کیا ہے، جن کے عقائد موجب کفر نہیں ہیں ان کے حدود وآداب میں لکھا ہے کہ:

۱۔ دوسرے کی آراء کے بارے میں مناظرانہ رویہ نہ اختیار کیا جائے بلکہ ہمارا لہجہ نصح وخیر خواہی کا ہو۔

۲۔ کسی کی نیت پر حملہ نہ ہو، جس رائے پر ہمیں عمل کرنے کا حق ہے، اسی طرح دوسرے کے حق کو بھی تسلیم کریں۔

۳۔ دین کے مفاد کو مسلک کے مفاد پر ہمیشہ مقدم رکھا جائے۔

اسی طرح جن لوگوں کے عقائد موجب کفر ہیں ان سے گفتگو کے آداب میں لکھا ہے:

۱۔ فضول گفتگو سے پرہیز کیا جائے اور گفتگو کا مقصد فخر ومباہات کا اظہار نہ ہو۔

۲۔ مناسب موضوع اور ماحول کو مدنظر رکھا جائے اور لایعنی موضوع سے احتراز کیا جائے۔

۳۔ فریق مخالف کی حمیت اور تعصب کو بھڑکانے کی کوشش نہ کی جائے۔

۴۔ قطعی دلائل کی روشنی میں گفتگو ہو، اپنی رائے کو مسلط نہ کیا جائے، نیز فریق ثانی کی رائے کو بلا وجہ غلطی پر محمول نہ کیا جائے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے:

لا تظنن بكلمة خرجت من أخيك المؤمن إلا خيرًا وأنت تجد لها في الخير محملًا (ابن كثير)۔

۴۔ شیعہ سنی اختلافات کا حل اور تدابیر:

سوال نمبر (۴): اس وقت شیعہ سنی کے اختلافات اور تنازعات بھیانک شکل اختیار کر چکے ہیں اور ان کی بنیاد پر امت مسلمہ بدترین جنگ وخونریزی میں مبتلا ہے اور دشمنان اسلام نے منصوبہ بندی کر کے ہمارے ان اختلافات کو بھڑکا کر عالم اسلام میں تباہی مچا رکھی ہے، ایک فرقہ کے لوگ بے تحاشہ دوسرے فرقہ کے لوگوں کو قتل کر رہے ہیں اور اس کو کار ثواب سمجھنے لگے ہیں، کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ ہم ان لوگوں کو جنہیں ان کے بعض عقائد کی بنا پر گمراہ یا خارج از اسلام سمجھتے ہیں بے دریغ قتل کریں، ایک دوسرے کی زیر انتظام مساجد اور اداروں پر حملہ کریں، ایک دوسرے کی اہم مذہبی شخصیات کو قتل کریں، اس وقت عالم اسلام کے مختلف ملکوں میں (شام، عراق، یمن، پاکستان) شیعہ سنی آویزش جو شکل اختیار کر چکی ہے، شرعی نقطۂ نظر سے اس کا حکم کیا ہے اور اس خونریزی کو روکنے کے لیے علماء، اصحاب فکر ودانش اور عام مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے؟

اس سوال کے پہلے جز کے تعلق سے تقریباً تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ اسلام کسی کی گمراہی کی بنیاد پر اس کو عام حالات میں یوں ہی قتل کر دینے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا اور نہ شرعاً اس کی کوئی گنجائش ہے۔ اور شیعہ سنی آویزش عالمی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں درست نہیں ہے۔

"لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين" (سورۂ ممتحنہ: ۸).

اسی طرح ایسا اسلامی جمہوریہ جس میں ہر ایک کو امن کی ضمانت دی گئی ہو تو کسی صورت میں صرف خارج از اسلام ہونے کی وجہ سے قتل درست نہیں ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

وأما شرائط جواز إقامتها فمنها ما يعم الحدود كلها ومنها ما يخص البعض دون البعض أما الذي يعم الحدود كلها فهو الإمامة وهو أن يكون المقيم للحد هو الإمام أو من ولاه الإمام. وهذا عندنا. وبيان ذلك أن

ولاية إقامة الحد إنما يثبت للإمام لمصلحة العباد وهي صيانة أنفسهم وأموالهم وأعراضهم..... (بدائع الصنائع ۷/ ۵۷)
(مقالہ قاضی محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی)۔

☆ بعض حضرات نے شیعہ کو بعض گروہوں کو اسلام سے خارج اور بعض کو عقائد فاسدہ کی بنا پر گمراہ اور اہل سنت والجماعت سے خارج قرار دیا ہے، مولانا عبد الرشید کانپوری نے شیعوں کو سمجھنے کے لئے خوارج سے متعلق آئی کئی احادیث کا ذکر کیا ہے، جو ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ کے حوالے سے ہیں، جن میں سے ایک حدیث یہاں ذکر کی جارہی ہے:

عن أبي سعيد الخدري وأنس بن مالك عن رسول اللهﷺ قال: سيكون في أمتي اختلاف وفرقة، قوم يحسنون القيل ويسيئون الفعل، يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم يمرقون من الدين مروق السهم من الرمية، لايرجعون حتى يرتد السهم على فوقه، هم شر الخلق والخليقة، طوبى لمن قتلهم وقتلوه، يدعون إلى كتاب الله، وليسوا منا في شئ، من قاتلهم كان أولى بالله منهم، قالوا: يا رسول الله! ما سيماهم؟ قال: التحليق، رواه أبوداؤد (مشكوة ۲/ ۳۰۸)۔

احادیث کی روشنی میں بعض علماء خوارج کو کافر قرار دیتے ہیں اور بعض حضرات گمراہ فرقہ قرار دیتے ہیں، مولانا موصوف کا کہنا ہے کہ خوارج کے مقابلہ میں شیعہ اپنے عقائد کے اعتبار سے بدترین قوم ہے، جس کے عقیدہ میں تکفیر شیخین رضی اللہ عنہما، توہین صحابہ، تذلیل امہات المومنین اور تحریف قرآن جیسے امور شامل ہیں، اس اعتبار سے شیعہ سب سے بدترین کافر ٹھہرتے ہیں۔

مولانا محمد توصیف قاسمی کا بھی یہ کہنا ہے کہ یہ فرقہ یعنی رافضی اور شیعہ کسی بھی طرح اسلامی نہیں، ان سے متعلق معاملات، معاشرات، مناکحات، ہر باب میں فتاوی موجود ہیں، خلاصہ یہ کہ یہ مرتد اور کافر کے حکم میں ہیں۔

مولانا روح الامین سعادتی نے یہ دو حدیثیں ذکر کی ہیں:

۱۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرکے فرمایا: يا علي سيكون في أمتي قوم ينتحلون حبنا أهل البيت، لهم نبز يسمون الرافضة فاقتلوهم فإنهم مشركون (المعجم الكبير للطبراني: ۱۲۹۹۸)۔

۲۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے: سيكون بعدنا قوم ينتحلون مودتنا، يكذبون علينا مارقة أية ذلك، أنهم يسبون أبا بكر وعمر (معجم ابن الاعرابي: ۲۵۰)۔

بعض آراء بھی ذکر کی ہیں:

۱۔ حضرت امام ابویوسف سے منقول ہے:

لا أصلي خلف جهمي أو رافضي يعني الشيعي ولا قدري (موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام ۶/ ۳۵۳)۔

۲۔ علامہ ابن تیمیہ ان سے قتال کو واجب قرار دیتے ہیں: أنهم شر من عامة أهل الأهواء، و أحق بالقتال من الخوارج، وأيضا فغالب أئمتهم زنادقة إنما يظهرون الرفض، لأنه طريق إلى هدم الإسلام، كما فعلته أئمة الملاحدة (مجموع الفتاوى ۲۸/ ۴۸۳)۔

آگے لکھتے ہیں کہ ان سب کے باوجود کسی بھی گمراہ یا کافر کا خون اور اس کی املاک کے مباح کرنے کے لئے ان تمام شرائط کی رعایت ضروری ہے جن کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے.....اور اس وقت عالم اسلام میں جو تباہی مچی ہوئی ہے، ایک دوسرے کا خون بہایا جارہا ہے اور املاک کو نقصان پہنچایا جارہا ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مولانا محمد عثمان بستوی نے عالم اسلام میں اس وقت جو خونریزی ہورہی اس کے پانچ اسباب وعوامل بیان کئے ہیں:

۱۔ کہیں یہ قتل وغارت گری اداء فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے نام سے ہوتی ہے۔

۲۔ کہیں حدود و قصاص جیسے احکام اسلام کے نفاذ کے نام پر ہوتی ہے۔

۳۔ کہیں حکومت کے ظلم وتعدی سے عاجز آ کر انقلاب کے نام سے کی جاتی ہے۔

۴۔ کسی جگہ اسے جہاد مقدس کا نام دیا جاتا ہے اور اسے کار ثواب خیال کیا جاتا ہے۔

۵۔ اور کہیں اپنے مشترکہ دشمن کی پہچان میں غلطی کی وجہ سے یہ کام انجام دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد ان اسباب کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ عالم اسلامی میں جاری خونریزی بظاہر حکم شریعت کے خلاف ہے، اور تعلیمات اسلامی کے منافی ہے۔

مفتی محمد شاہجہاں ندوی اس حدیث: لا ترجعوا بعدی کفارا، یضرب بعضکم رقاب بعض (بخاری:۱۲۱، مسلم:۶۵) کی روشنی میں کہتے ہیں کہ شرعی نقطہ نظر سے شیعہ سنی آویزش حرام ہے۔

مولانا خورشید احمد اعظمی اور مولانا اشتیاق احمد قاسمی شیعہ سنی آویزش کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک کا دوسرے کی مساجد پر حملے کرنا، علماء واہم شخصیات کو قتل کرنا یا کسی بھی مسلمان کو ناحق قتل کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو باہم قتال سے منع فرمایا ہے۔

۱۔ من حمل علینا السلاح فلیس منا (مسلم: ۱۶۱)۔

۲۔ إذا التقی المسلمان بسیفیهما فالقاتل والمقتول فی النار (بخاری مع الفتح ۱۲/ ۱۹۲)۔

۳۔ لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض (مسلم: ۱۱۸)۔

آیت ہے: ومن یقتل مؤمنا متعمدًا فجزاءہ جهنم خالدًا فیها وغضب الله علیه ولعنه وأعدله عذابًا عظیمًا (سورہ نساء: ۹۳)۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کی رائے یہ ہے کہ شیعوں کی حالت منافقوں کی طرح ہے، اگر ان کی طرف سے بغاوت کا ظہور ہو تو حکومت کی سرپرستی میں ان کی بغاوت کو کچلنے و دبانے کی ہر ممکن سعی کی جائے گی، خواہ اس میں خونریزی ہی کیوں نہ ہو۔

خونریزی روکنے کے لئے علماء واصحاب فکر و دانش کی ذمہ داری:

شیعہ سنی خونریزی روکنے کے لئے علماء وقائدین کی ذمہ داریوں کے تعلق سے مقالہ نگار حضرات نے مختلف آراء ذکر کی ہیں، ذیل میں اختصار کے ساتھ چند آراء پیش کی جاتی ہیں:

☆ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائیں اور انسانی جان و مال کی حرمت اور اس کی پامالی کے نتائج بد سے آگاہ کریں۔

☆ اپنے گروپ کے لوگوں کو سمجھائیں کہ کسی گروپ کو کافر قرار دینے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مرتد ہو گیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بظاہر اس پر کفر کا حکم عائد ہوتا ہے، لیکن بہ باطن اس پر کفر اس وقت ثابت ہوگا جب کہ وہ منافق ہو، دل سے اللہ اور رسول پر ایمان نہ رکھتا ہو، علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

وکذلك سائر الثنتین والسبعین فرقة، من کان منهم منافقًا فهو کافر فی الباطن، ومن لم یکن منافقًا بل کان مومنا بالله ورسوله فی الباطن، لم یکن کافرًا فی الباطن، وإن أخطأ فی التأویل کائنًا ما کان خطأه (مجموع الفتاوی ۷/ ۲۱۸)۔

☆ شیعہ سنی آویزش کو ختم کرنے اور بقاء باہم کے اصول کی روشنی میں میثاق مدینہ کو سامنے رکھ کر صلح وآشتی کا معاہدہ کرنا چاہئے۔

☆ اصل حقائق سے خود بھی واقف ہوں اور قوم کو بھی ان سے آگاہ کریں، اور حالات کا تجزیہ قرآن وسنت کی روشنی میں کرتے ہوئے امت کے لئے لائحہ عمل تیار کیا جائے۔

☆ کلمہ واحدہ کی بنیاد پر دونوں گروہوں کو اکٹھا کیا جائے اور اپنی توانائی کے صرف کا صحیح محل تلاش کیا جائے۔

☆ ایسے افراد کار تیار کئے جائیں جو وحدت امت کے داعی ہوں اور پیغمبرانہ اصول دعوت واصلاح کا فرض نبھا سکیں۔

☆ اشتعال انگیز مواد دونوں فریقوں کی کتابوں سے نکال دیا جائے، اور نظریاتی اختلاف کو صرف اپنے حلقہ درس تک محدود رکھیں، عوامی جلسوں، اخباروں، اشتہاروں اور باہمی مناظروں کے ذریعہ اس کو ہوا نہ دی جائے۔

☆ خونریزی روکنے کے لئے ایک دوسرے سے دوری اور علاحدگی اختیار کی جائے۔

"وإن كان طائفة منكم آمنوا بالذي أرسلت به وطائفة لم يؤمنوا فاصبروا حتى يحكم الله بيننا" (اعراف: ۸۷)۔

خونریزی روکنے کے لئے عام مسلمانوں کی ذمہ داریاں:

اس سلسلہ میں مفتی محمد شاہجہاں ندوی اور مولانا روح الامین سعادتی وغیرہ نے یہ رائیں پیش کی ہیں:

☆ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا ذہن بنائیں۔

☆ آپس میں اختلاف ہونا قدرتی بات ہے لیکن اپنی رائے کو جبراً وقہراً دوسرے پر نہ تھوپا جائے۔

☆ عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ بے لگام زندگی نہ گزاریں اور جذبات سے مغلوب ہوکر کوئی قدم نہ اٹھائیں بلکہ کسی صاحب بصیرت عالم دین کا انتخاب کر کے ہر معاملہ میں اپنے آپ کو اس کا تابع بنائیں۔

۵۔شیعہ سنی پر امن بقائے باہم شرعی اصول وآداب:

(۵) دنیا کے مختلف ملکوں میں سنی اور شیعہ مشترک آبادیاں ہیں، دونوں فرقے سیکڑوں سال سے ان ملکوں اور علاقوں میں آباد ہیں، کیا یہ دونوں فرقے (خواہ ایک دوسرے کو گمراہ یا کافر قرار دیتے ہوں) پر امن بقاء باہم کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے، جس طرح بہت سے ملکوں میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ پر امن بقاء باہم کے اصولوں پر زندگی گزار رہے ہیں اور شریف انسانوں کی طرح اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے حقوق ادا کرتے ہیں، اگر شرعی لحاظ سے یہ دونوں فرقے ایک ملک اور ایک علاقہ میں امن وسلامتی کے ساتھ گزارہ کر سکتے ہیں تو اس کے لیے کیا شرعی اصول وآداب ہیں اور باہمی منافرت اور جنگ وجدال کو روکنے کے لیے دونوں فرقوں کے علماء ومذہبی پیشواؤں کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ تاکہ دونوں فرقے پر امن طور پر زندگی گزار سکیں اور ایک دوسرے کے انسانی حقوق کا خیال کرتے ہوئے باہم رہ سکیں۔

تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ دونوں فرقے پر امن بقائے باہم اور تعایش سلمی کے اصولوں کی بنیاد پر ایک ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں، اور انہوں نے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل اصول وآداب پیش کئے ہیں:

—ہر فرقہ کو آزادی رائے وفکر حاصل ہے، اس لئے کہ دین میں زور وجبر نہیں ہے۔

—ہر فرقہ کی جان ومال اور عزت وآبرو دوسرے فرقے پر حرام ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فإن دماءكم وأموالكم وأعراضكم بينكم حرام كحرمة يومكم هذا، في شهركم هذا، في بلدكم هذا (بخاری: ۶۷، مسلم: ۱۶۷۹)۔

— ہر فرقہ کو اپنی بات رکھنے اور دوسرے کی فکر ونظر پر تنقید کرنے کا حق ہے، لیکن خوش اسلوبی کے ساتھ ہو، اس میں تحقیر وتذلیل کا پہلو نہ ہو۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "يا أيها الذين آمنوا لا يسخر قوم من قوم عسى أن يكونوا خيرًا منهم ولا نساء من نساء عسى أن يكن خيرًا منهن ولا تلمزوا أنفسكم ولا تنابزوا بالألقاب بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان ومن لم يتب فأولئك هم الظالمون" (الحجرات: ۱۱) (مقالہ مفتی محمد شاہجہاں ندوی)۔

— حکام ولیڈران یا بااثر حضرات سے خطوط یا ملاقات کے ذریعہ رابطہ کیا جائے، ان کے ذریعہ حکمت وموعظت کے ساتھ اچھے انداز میں پر امن زندگی گزارنے کی دعوت دی جائے، اسے "مکالمہ برائے پر امن بقائے باہم" کا عنوان دیا جا سکتا ہے۔

— اس مکالمہ میں متفق علیہ امور میں باہم تعاون پر ابھارنا ہو، انسانی منافع کے حصول میں سعی اور انسانیت کو ترقی وکامیابی کی راہ پر گامزن کرنے کی کوشش ہو۔

— اس مکالمہ ورابطہ کا مقصد نفرت وعداوت کے جذبات کو ختم کرنا یا کم کرنا ہو، اسی طرح صبر ونرمی اور مدارات ورواداری ہو، نیز ایذا پر تحمل اور برائی کا جواب اچھائی سے دینا ہو۔

— چند اختلافی اصول وعقائد کے علاوہ باقی بے شمار معاملات میں جو اتحاد ویکجہتی ہے اس کو واسطہ بنا کر ان سے میل جول اور معاشرتی تعلقات بحال کرنے کی کوشش کی جائے (مقالہ مفتی اقبال محمد ٹنکاروی)۔

— مولانا عبدالرحیم فلاحی صاحب لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ تفرقہ بازی اور خلف وانتشار سے بچتے رہیں اور دوسرے فرقوں کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کردیں، پرامن اور کامیاب زندگی گزارنے کا یہی ایک طریقہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"إن الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا لست منهم في شيء إنما أمرهم إلى الله ثم ينبئهم بما كانوا يفعلون" (سورہ انعام: ۱۶۰)۔

— ولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی صاحب نے مندرجہ ذیل امور کو انسانی امن وآشتی کے لئے بنیادی اساس قرار دیا ہے:

(۱) انسانی وحدت، (۲) انسانی کرامت، (۳) خاندانوں اور قبیلوں کی تقسیم باہمی تآلف وتعارف کے لئے ہے نہ کہ آپسی ٹکراؤ اور تنافر کے لئے ہے، (۴) انسانی زبان ورنگ کا اختلاف تنوع کا اختلاف ہے نہ کہ تضاد کا اختلاف، (۵) دین میں کوئی جبر واکراہ نہیں ہے

لا إكراه في الدين (بقرہ: ۲۵۶)، فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر (کہف: ۲۹)

(۶) عدل وانصاف کو واجب اور ظلم کو حرام قرار دیا گیا ہے، إن الله يأمر بالعدل والإحسان .... (نحل: ۹۰)، وإذا قلتم فاعدلوا (انعام: ۱۵۲)۔

(۷) ایفاء عہد کی پابندی کی جائے، وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا (اسراء: ۳۴)، والموفون بعهدهم إذا عاهدوا (بقرہ: ۱۷۷)۔

— مفتی عبدالمنان صاحب آسام نے باہمی اتحاد کے لئے درج ذیل اصول کی طرف رہنمائی فرمائی ہے:

۱۔ آپس میں کوئی بھی نزاع کی صورت پیدا ہو جائے تو مل جل کر فیصلہ کریں گے، کبھی بھی آپس میں لڑائی جھگڑے کی نوبت آنے نہیں دیں گے۔

۲۔ ہر فرقہ اپنے اپنے عقیدے پر عمل کرنے میں دوسرے فرقہ سے مزاحم نہیں ہوگا۔

۳۔ چاہے وہ فرقہ کفر تک پہنچا ہو، پھر بھی اس پر تنقید وتعریض نہ کی جائے بلکہ پیار ودوستی سے سمجھانے کی کوشش کریں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن" (نحل)۔

نیز حدیث شریف میں ہے: من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتحاد امت کا یہ ایک بہترین فارمولہ پیش کیا ہے، لہٰذا سب مل کر ذات وبرادری، خاندان، مسلک ومشرب سے اونچا ہو کر اسلام کی رسی کو مضبوط پکڑے رہنے کا عہد کریں۔

۴۔ ایک دوسرے کے امام وپیشوا کے احترام کو ملحوظ رکھیں گے، ان کی شان میں ایسی باتوں کا اظہار کرنے سے پرہیز کریں گے جن سے ان کی عزت وشان میں فرق آتا ہو۔

۵۔ ہم آپس میں ایک دوسرے کا احترام کریں گے، نہ کسی کا مذاق اڑائیں گے نہ دل آزاری کریں گے، ایک دوسرے کی جان ومال، عزت وآبرو کا پاس ولحاظ رکھیں گے۔

۶۔ نیک کام میں باہمی تعاون کریں گے، ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشی، اخباری بیان بازی وپوسٹر بازی سے پرہیز کریں گے۔

۷۔ اپنے اختلافی ونزاعی مسائل آپسی گفتگو سے حل کریں گے، جیسے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

"فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما" (سورہ نساء)۔

۸۔ اجتماعی زندگی میں صبر وتحمل ورواداری کا ثبوت دیں گے، اپنے فروعی وجزوی اختلافات کو دین وعقیدہ کی بنیاد واساس نہیں بنائیں گے، ایک دوسرے کو تقویت پہنچا کر ایک مستحکم عمارت کی طرح رہیں گے۔

۹۔ بعض فرقہ پرست عناصر اور سیاسی استحصال کرنے والی طاقتیں منظم سازش کے تحت مسلمانوں کو مختلف قسم کی گروہ بندی وفرقہ بندی میں مبتلا کر کے مسلمانوں کی اتحادی طاقت کو توڑنا چاہتی ہیں، ہم سب مل کر متحدہ طاقت سے ان کی سازشوں کو ناکام بنادیں گے۔

- مفتی محمد سلمان منصور پوری صاحب کا کہنا ہے کہ شیعہ سنی ہر فرقہ پر یہ لازم ہے کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے دوسرے کی دل آزاری ہو، بالخصوص شیعوں پر لازم ہے کہ وہ صحابہ کرامؓ پر تبرابازی سے باز آئیں اور سنیوں سے بغض وعناد کا راستہ چھوڑ کر شریف پڑوسیوں کی طرح زندگی گزاریں۔
- دونوں فرقوں کو قانونی اور سماجی تحفظ حاصل ہونا چاہئے اور دونوں کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھا جائے (مقالہ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی)۔
- تمام قومیں اور فرقے ایک انسان ہونے کے ناطے انسانی برادری کا حصہ ہیں، اس لئے اخوت ومحبت کے سلوک اپنائے جائیں۔
- اگر مالی امداد کے مستحق ہوں تو ان کی مالی امداد کی جائے، اور انسانی بنیادوں پر ان کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے۔
- سماجی طور پر حسن تعلق کی خاطر اور اظہار ہمدردی وخوش خلقی کے طور پر حدود شرعیہ کی رعایت کرتے ہوئے ان کے غم وخوشی کی تقریبات میں شرکت کی جائے۔
- عقائد ونظریات، فقہی مکاتب فکر کے اختلافات کو مصلحتاً نظر انداز کر کے موثر طور پر اسلام کی پرامن دعوت اور امن پسندانہ کاوشوں کو اختیار کرنا چاہئے (مقالہ مولانا محمد ظفر عالم ندوی)۔

مولانا محمد ظفر عالم ندوی مزید لکھتے ہیں کہ:

قرآن کریم کا موسیٰؑ کے فرعون کے ساتھ سنجیدہ وپرحکمت مکالمہ کا انداز، اسی طرح کافروں، ہٹ دھرموں کے مقابلہ رسول اسلام ﷺ کو صبر واعراض کا حکم، مدینہ کے منافقین کی خفیہ ریشہ دوانیوں کے علم کے باوجود مصلحتاً ان کے خلاف سخت ردعمل کا اظہار نہ کرنا، یہ اور اس طرح کی نظیریں ان حالات میں عصر حاضر کے مسلمانوں کیلئے رہنما اصول اور مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں، آیات واحادیث ملاحظہ ہوں:

آیات کریمہ:

- "یأیھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون" (آل عمران)۔
- "أولئك الذین یعلم اللہ ما في قلوبھم فأعرض عنھم وتوکل علی اللہ" (النساء)۔
- "ولتکن منکم أمة یدعون إلی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر وأولئك ھم المفلحون ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاء ھم البینات" (آل عمران)۔
- "ولا تستوي الحسنة ولا السیئة إدفع بالتي ھي أحسن فإذا الذي بینك وبینه عداوة کأنه ولي حمیم" (حم سجدة)۔
- "وإن جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ" (انفال)۔
- "إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بین أخویکم" (حجرات)۔

احادیث مبارکہ:

- "ولا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ إخوانًا" (بخاری)۔
- "الخلق عیال اللہ فأحب الخلق إلی اللہ من أحسن إلی عیاله" (بیہقی)۔
- ان سب آراء سے الگ مولانا عبدالرشید کانپوری کی رائے یہ ہے کہ شیعوں کی سب سے بڑی عبادت صحابہ کرامؓ پر تبرا کرنا ہے، لہذا ان سے اتحاد ممکن نہیں ہے، اور ان کے ساتھ پرامن بقائے باہم کے اصولوں پر زندگی گزارنا مشکل ہے۔

☆ بعض مقالہ نگار حضرات نے باہمی منافرت اور جنگ وجدال کو روکنے کے لئے دونوں فرقوں شیعہ وسنی کے علماء اور مذہبی پیشواؤں کی کیا ذمہ داریاں ہیں ان پر بھی روشنی ڈالی ہے اور کہا ہے کہ اس سلسلہ میں دونوں فرقوں کے مذہبی پیشواؤں کو چاہئے کہ وہ اپنی اپنی جماعت کو امن

وسلامتی کا اور انسانی جان کی عظمت وحرمت کا سبق یاد دلائیں، اپنا سماجی وسیاسی اثر ورسوخ استعمال کریں، جنگ جو گروپ کے لیڈروں سے صلح وامن کی دردمندانہ اپیل کریں اور ان سے براہ راست ملاقات کر کے صلح پر آمادہ کریں، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فإن بغت إحداهما على الأخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى أمر الله فإن فاءت فأصلحوا بينهما بالعدل وأقسطوا إن الله يحب المقسطين، إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون" (الحجرات: ۹-۱۰)۔

☆ اس سلسلہ میں لٹریچر اور کتابچہ، تدریبی مجلسیں اور کانفرنس کے ذریعہ انسانی اقدار کے فروغ پر تحریکی شکل میں کام کریں، اور باہمی مودت ومحبت کے اصول سے لوگوں کو واقف کرائیں (قاضی محمد ریاض ارمان قاسمی)۔

☆ دونوں فرقوں کے علماء اپنے اپنے متبعین اور پیروکاروں پر زور دیں کہ وہ ہر حال میں عدل وانصاف کے دامن کو تھامے رہیں اور دوسرے فرقہ کے انسانی حقوق کا خیال رکھیں (مفتی محمد شاہجہاں ندوی)۔

☆ اسلامی تعلیمات کا صحیح مطالعہ اور علم میں رسوخ حاصل ہو، تاکہ وہ حالات کی مشکلات کا حل فرمان خداوندی اور سیرت رسول کی روشنی میں صحیح طور پر نکال سکیں۔

☆ اسلام ومسلمانوں کے عالمی سطح پر رونما ہونے والے تغیر پذیر احوال وکوائف سے بحسن وخوبی واقف ہوں، اسی طرح تغیر پذیر جدید تقاضوں، عصری ضروریات، اور ان کے نتائج واثرات پر گہری نگاہ ہوتا کہ وہ نفع وضرر کو پرکھ سکیں۔

☆ مسلم قوم کے اتحاد واتفاق کے لئے آپسی دوریاں ختم کر کے متفق علیہ وہم آہنگ امور پر تبادلہ خیال ہوتا رہے، اور نو پیش آمدہ مسائل کے حل کی کاوشیں انفرادی کے بجائے اجتماعی طور پر کی جائیں (مولانا محمد ظفر عالم ندوی)۔

☆ مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی صاحب کا ماننا یہ ہے کہ باہمی منافرت اور آپسی جنگ وجدال در اصل علماء کے اختلاف کا شاخسانہ ہے، وہ لکھتے ہیں کہ امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب ؒ فرمایا کرتے تھے کہ امت کا اتحاد علماء کے اتحاد پر موقوف ہے، علماء اور مذہبی پیشوا جب تک کسی بات پر اور کسی معاہدہ پر متفق نہیں ہوں گے یہ سلسلہ دراز ہوتا ہی رہے گا۔ مفتی موصوف نے اختلاف رائے کے باوجود اتحاد کے ساتھ ایک امت بن کر رہنے کے لئے چند امور کا ذکر کیا ہے جنہیں مختصراً ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

(الف) ایک امت بن کر زندگی گذارنے کے فوائد سے لوگوں کو باخبر کیا جائے، اس کے لیے مختلف مسلک کے لوگ ایک پلیٹ فارم سے عوام کو اتحاد کا پیغام سنائیں اور اختلافات کی خرابیاں اور اس کے نقصانات سے لوگوں کو باخبر کیا جائے۔

(ب) قرآن وسنت دین کی اساس ہیں اور ان میں ہر طرح کے احوال سے متعلق ہدایات واحکام موجود ہیں، ہر مسلک ومکتب فکر کے ماننے والوں کو یہ بات سمجھانی ہوگی کہ فروعی مسائل قرآن واحادیث سے ہی ائمہ مجتہدین نے اخذ کیے ہیں، اختلاف نصوص میں نہیں، اختلاف "سمجھ" میں ہے، اس لیے فروعی مسائل میں اپنے اپنے امام اور مجتہد کی سمجھ پر عمل کریں، البتہ اسے وجہ نزاع نہ بنائیں۔

(ج) اس معاملہ میں علماء اور مذہبی پیشواؤں کا کردار کلیدی ہے، اس لیے کہ امت کا اتحاد اصلاً ان کے ہی اتحاد پر موقوف ہے؛ کیونکہ کسی منصوبے اور مقصد پر مختلف مکتب فکر کے علماء متحد ہو جائیں گے تو عوام ان کی مانے گی اور آپسی اتحاد کی راہ ہموار ہو جائے گی۔

(د) اتحاد کی تحریک اور کوشش کو تیز کیا جائے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے مقاصد اور موضوع محدود ہیں اور اتحاد امت کا یہ تجربہ کارآمد اور مفید ثابت ہوا ہے، اس تجربہ کی روشنی میں وسیع تر اتحاد کا کوئی منصوبہ مشترکہ مقاصد کے لیے بنایا جا سکے تو اختلاف میں وحدت کی کوشش کارگر ہو سکتی ہے، بہار اڑیسہ اور جھارکھنڈ میں امارت شرعیہ نے اتحاد امت کا جو عملی تجربہ کیا، وہ ہر اعتبار سے کامیاب رہا ہے اور اس کے اثرات محسوس کیے جاتے ہیں۔ ضرورت ان کے تجربوں سے بھی فائدہ اٹھانے کی ہے۔

(ہ) فروعی اختلافات کو وسعت اور خیر کا ذریعہ سمجھا جائے اور عوام کو سمجھایا جائے کہ ہر اختلاف تنازع کی اساس نہیں ہے، اس کے دائرے کو سمجھا جانا

چاہیے، اختلاف برداشت کرنے کا مزاج اور اپنی آراء کے خلاف باتیں سنجیدگی سے سننا بھی ضروری ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی نے ہندوستان گیر سطح پر علماء، فقہاء، قضاۃ اور مفتیان کرام کے درمیان یہ مزاج پیدا کیا ہے اور اس کے اچھے اثرات متفقہ فیصلے کی شکل میں سامنے آرہے ہیں۔

(و) غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش، واقعہ یہ ہے کہ بہت سارے مسائل نزاعی محض غلط فہمیوں کی بنیاد پر ہیں، تمام مکاتب فکر اور مسالک میں متفق علیہ مسائل کی تعداد کثیر ہے، لیکن غلط فہمیوں کی وجہ سے ہم ایک دوسرے سے مزاحم ہوتے ہیں۔

"یا أیھا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرًا من الظن إن بعض الظن إثم" (الحجرات: ۱۲)۔

(ز) ہر مسلک اور مکتب فکر میں کچھ شدت پسند ہوتے ہیں اور وہ بہت معقول بات کو بھی مان کر نہیں دیتے، ایسے لوگوں کے اثرات کو سماج سے کم کیے بغیر اور شدت پسندی کی غیر معقولیت کو واضح کیے بغیر اتحاد امت ممکن نہیں ہے، اس لیے ان تمام لوگوں کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا اور ان کے منصوبے کی زد سے عوام کو نکالنا بھی اتحاد امت کے لیے ضروری ہے، ابن ماجہ کی روایت حضرت انس بن مالکؓ سے ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن من الناس مفتاح للخیر مغالیق للشر وإن من الناس مفتاح للشر مغالیق للخیر فطوبی لمن جعل الله مفاتیح الخیر علی یدیه وویل لمن جعل الله مفاتیح الشر علی یدیه۔

حضرت انسؓ کی ایک روایت ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اصلاح ذات کا حکم دیا ہے، فرمایا:

اتقو الله وأصلحوا ذات بینکم أی الحالة التی یقع بھما الاجتماع والایتلاف (سراج المنیر ۱/ ۳۷)۔

(ح) معاشرتی تعلقات بھی انسانی زندگی پر بہت اثر انداز ہوتے ہیں، مختلف مکتب فکر کے لوگوں کے درمیان آمد و رفت ان کی خوشی و غمی میں شرکت سے بھی دوریاں کم ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے لیے دل کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے معاشرتی تعلقات کے فروغ کی عملی کوشش، اتحاد امت کے لیے انتہائی مفید اور مجرب نسخہ ہے، حضرت ابو ایوب انصاریؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یحل لمسلم أن یھجر أخاہ فوق ثلاث لیال یلتقیان فیعرض ھذا ویعرض ھذا وخیر ھما الذی یبدأ بالسلام (مسلم ۲/ ۳۱۷)۔

(ط) ذرائع ابلاغ کا استعمال: آج پرنٹ میڈیا، الکٹرونک میڈیا، سوشل سائنس رائے عامہ کی ہمواری، غلط فہمیوں کے ازالے اور ڈائیلاگ کے لیے بہت مفید ہیں، اتحاد امت کے لیے ان ذرائع کا استعمال کر کے بھی فضا ہموار کی جاسکتی ہے۔

(ی) حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ نے اتحاد امت کا ایک اچھا نسخہ اور منصوبہ ذکر کیا ہے، فرمایا:

ہماری دینی جماعتیں جو "تعلیم دین" یا "ارشاد و تلقین" اور "دعوت و تبلیغ" اور "اصلاح معاشرہ" کے لیے قائم ہیں اور اپنی اپنی جگہ مفید خدمات بھی انجام دے رہی ہیں ان میں بہت سے علماء اور مخلصین کام کر رہے ہیں، اگر یہی متحد ہو کر تقسیم کار کے ذریعہ دین میں پیدا ہونے والے تمام رخنوں کے انسداد کی فکر اور امکانی حد تک باہم تعاون کرنے لگیں اور اقامت دین کے مشترک مقصد کی خاطر ہر جماعت دوسری جماعت کو اپنا دست و بازو سمجھے اور دوسروں کے کام کی ایسی ہی قدر کرے جیسی اپنے کام کی کرتی ہے تو یہ مختلف جماعتیں اپنے نظام میں الگ رہتے ہوئے بھی اسلام کی ایک عظیم الشان طاقت بن سکتی ہیں اور ایک عمل کے ذریعہ اکثر دینی ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہیں (وحدت امت)۔



عرض مسئلہ:

اختلاف رائے اور وحدت امت

مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی [1]

اسلامک فقہ اکیڈمی کے پچیسویں سمینار کے لیے "اختلاف رائے اور وحدت امت" پر کل اکیس مقالات ۱۵ر دسمبر ۲۰۱۵ء تک موصول ہوئے، جن حضرات کے مقالے موصول ہوئے، ان کے اسماء گرامی مقالہ موصول ہونے کی تاریخ کی ترتیب کے اعتبار سے درج ذیل ہیں:

قاضی محمد ریاض ارمان قاسمی، محمد ثناء الہدیٰ قاسمی، ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، ڈاکٹر مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا روح الامین سعادتی، مولانا اقبال بن محمد ٹنکاروی، مولانا عبدالرحیم فلاحی، مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی، مولانا خواجہ نظام الدین یوسفی، مفتی عبدالمنان، مولانا نثار عالم ندوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی عبدالحکیم قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولوی محفوظ الرحمن بستوی، مولانا محمد توصیف انصاری قاسمی، مفتی عبدالرشید قاسمی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد فیاض عالم قاسمی اور مفتی محمد عثمان احمد بستوی۔

اس موضوع پر اسلامک فقہ اکیڈمی کی جانب سے پانچ سوالات قائم کیے گئے تھے، پہلے سوال کا خلاصہ یہ تھا کہ فقہی مباحث میں کسی مسلک یا قول کو ترجیح دینے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہیے؟ اور کن حدود وآداب کا لحاظ کیا جانا چاہئے؟ جن کی رعایت کرنے سے مسلمانوں کا اتحاد مضبوط ہو اور گروہ بندی کی شکل پیدا نہ ہو۔

(۱) تمام مقالہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ اجتہادی مسائل میں اپنی رائے اور مسلک کو ترجیح دی جاسکتی ہے، لیکن مخالف رائے کو بالکل باطل قرار دینا اور اس اختلاف کو حق اور باطل کی جنگ قرار دینا درست نہیں ہے، اس سلسلے میں اختلاف کی تعریف، اس کے اقسام اور احکام پر بحث کرتے ہوئے ائمہ اربعہ، ابن تیمیہ، سفیان ثوری رحمہم اللہ کے اقوال بھی تفصیل سے ذکر کیے ہیں، موضوع کی وضاحت کرتے ہوئے محمد ثناء الہدیٰ قاسمی نے لکھا ہے کہ "وحدت امت" کا مطلب تمام مذاہب ومسالک کا ادغام یا تمام مذاہب ومسالک سے مشترکہ چیزوں کو لے کر نیا مذہب بنانا نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب اپنے مسلک ومذہب پر عامل رہتے ہوئے دوسرے مسلک ومذہب والوں کا احترام اور فروعی مسائل کو نزاعی بنانے سے اجتناب ہے، اسی طرح اختلاف رائے سے مراد وہ اختلاف وافتراق ہے، جو امت اجابت کے درمیان ہے۔ مولانا بدر عالم میرٹھیؒ لکھتے ہیں:

زیر بحث صرف وہ اختلافات ہیں جو تفریق فی الدین کی حد میں آسکتے ہیں یہ وہ افتراق ہے جو صراط مستقیم سے وابستہ رہ کر انحراف کے نتائج میں پیدا ہو جاتا ہے، جس کا نام قرآنی لفظ میں "السبل" رکھا گیا ہے، اس کا حاصل دین سے منسوب رہ کر اس کے بعض اصول وکلیات کے ساتھ اختلاف کرنا ہے، اس لیے یہاں اختلاف وافتراق سے امت اجابت کا اختلاف وافتراق مراد ہوگا، امت دعوت کا اختلاف جس میں کفار بھی داخل ہو جائیں مراد نہیں ہو سکتا (ترجمان السنہ ۱/۶۹)

وحدت امت کی بحث میں مقالہ نگاروں نے جو دلائل ذکر کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا" (آل عمران: ۱۰۳)۔

(۲) "إِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْئٍ" (انعام: ۱۵۹)۔

(۳) "يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى أَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ" (الحجرات: ۱۱)

(۴) "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر" (مسلم حدیث نمبر: ۱۱۶)۔

---

[1] نائب ناظم امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ۔

(۵) ''عن عبداللّٰہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لیس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی'' (ترمذی: ۱۹۷۷)۔

(۶) ''إیاکم والظن فإن الظن أکذب الحدیث الخ'' (صحیح مسلم: ۲۵۶۳)۔

(۷) ''أصحابي کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم'' (مشکوۃ شریف)۔

(۸) عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے منقول ہے: ''ما أحب أن أصحاب محمد لم یختلفوا، فإنهم لو اجتمعوا علی شئ فترکه رجل ترك السنة ولو اختلفوا فأخذ رجل بقول أحد أخذ بالسنة'' (حوالہ بالا)۔

(۹) ''عن أبي حنیفة أنه قال في قولین للصحابة أحد القولین خطاء والمائم فیه موضوع''۔

(۱۰) ''سئل مالك عن اختلاف اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال: خطأ وصواب فانظر في ذلك'' (جامع بیان العلم)۔

(۱۱) حضرت امام مالک نے فرمایا: ''اختلاف العلماء رحمة من اللّٰہ تعالیٰ فکل یتبع ما صح دلیله عنده وکل علی هدی وکل یرید اللّٰہ تعالیٰ'' (جلاء العینین، ص ۱۷۹)۔

(۱۲) قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق کا قول ہے: ''لقد نفع الله باختلاف اصحاب النبی ﷺ في اعمالهم . لا یعمل العامل بعمل رجل منهم إلا رأی أنه في سعة ورأی أنه خیر منه قد علمه'' (سنن دارمی باب اختلاف الفقہاء، ص ۲۰۹)۔

مقالہ نگاروں نے اس سوال کے دوسرے جز کہ کن حدود وآداب کا لحاظ کیا جانا چاہیے، جن کی رعایت کرنے سے مسلمانوں کا اتحاد خطرہ اور گروہ بندی کی نذر شکل نہ پیدا ہو، اس پر بھی تفصیل سے کلام کیا ہے، مقالہ نگاروں کے درمیان جن حدود وآداب کی رعایت پر اتفاق ہے، ان میں ہر مسلک کے نقطۂ نظر کو پوری دیانت داری اور احترام کے ساتھ قرآن واحادیث کی روشنی میں بیان کرنا، ترجیح دیتے وقت علمی، فنی اور اصولی انداز اختیار کرنا، دلائل کی خوبیوں اور مثبت پہلوؤں کو واضح کرتے وقت ائمہ اور فقہاء کے نام کے ذکر میں ادب، محبت اور عقیدت کا پاس ولحاظ رکھنا چاہیے (ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی)۔

مولانا محمد ریاض ارمان القاسمی نے لکھا ہے:

تحمل، برداشت کے ساتھ تقویٰ اور خوف خدا ملحوظ رکھتے ہوئے دلیل کا جواب دلیل سے، اللہ کی خوشنودی کے لیے دینا چاہیے، نفسانیت اور تفرق مقصود نہ ہو، هذا أحوط، هذا أحسن، هذا ما ینبغي وغیرہ الفاظ استعمال کیے جائیں، ناپسندیدہ تنقید سے احتراز اور دوسرے کی عیب گیری سے اجتناب کرنا چاہیے۔

مولانا اقبال بن محمد ٹنکاروی نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ''باہمی اختلافات کو صرف درس، فتویٰ یا تحقیق [illegible] محدود کردیں اور ان میں بھی لب ولہجہ قرآنی اصول دعوت کے مطابق نرم رکھیں، فقرے کسنے اور دوسرے کی توہین کرنے [illegible] یوسفی نے اپنے عربی مقالہ ''الائتلاف مع الاختلاف'' میں ان آداب کو پانچ امور میں محصور کرکے تفصیلی کلام کیا ہے، انہوں نے لکھا [illegible]

''ویمکن لنا ایجاز الضوابط والآداب التي ینبغي مراعاتها عند التحدث عن اختلاف الفقهاء [illegible]

(۱) انصاف الأئمة المجتهدین وعدم الزام الآخرین بما یراہ الشخص بنفسه۔

(۲) ترك الانکار علی المخالفین فیما هو محل للاجتهاد۔

(۳) البعد عن المسائل التي تثیر الشغب والفتنة۔

(۴) المحافظة علی المودة الاحترام عند الاختلاف۔

(۵) المراعاة علی الآداب العلمیة عند الترجیح''۔

مولانا نے تاریخ وسیر کے حوالہ سے ان امور کی وضاحت کی ہے اور اچھے دلائل جمع کیے ہیں۔

(۲) جن اختلافات کا تعلق کسی نہ کسی درجہ میں عقیدے سے ہے مثلاً شیعہ، سنی اختلافات، بعض مسائل میں دیوبندی بریلوی اختلافات، تقلید اور غیر مقلد

اختلافات، اس پر گفتگو اور مذاکرہ میں بھی مقالہ نگاروں نے وہی اسلوب اختیار کرنے پر زور دیا ہے، جس سے منافرت میں اضافہ نہ ہو، مولانا عبدالرحیم فلاحی نے لکھا ہے، ہر شخص اتباع حق کو اپنا مقصد مانے، دنیوی اغراض سے اپنی بات پر جمے رہنے کے لیے قرآن وسنت کی غلط سلط تاویل نہ کرے، احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے دلائل قائم کرنے میں نرمی اختیار کرے اور مناظروں سے پرہیز کرے۔ ان اصول وحدود کی تعیین میں جو دلائل ذکر کیے گیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) "اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ" (النحل: ۱۲۵)۔

(۲) "قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ" (البقرۃ: ۱۱۱)۔

(۳) "وَقُلْ لِعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ" (الاسراء: ۵۳)۔

(۴) "قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا" (الاسراء: ۸۴)۔

مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی نے "اختلاف امت اور صراط مستقیم" سے طویل عبارت نقل کیا ہے جس میں مولانا نے لکھا ہے کہ "جن مسائل میں اختلاف صرف افضلیت تک محدود ہے ان میں ایسا غلو اور تشدد روا نہیں کہ ایک دوسرے کو توبہ کی دعوتیں دی جانے لگیں، ایسا غلو اور تشدد ابتداع فی الدین ہے جس سے شاہ صاحب کے بقول دین میں تحریف کا دروازہ کھلتا ہے، ایسے لوگوں کا شمار اہل حق میں نہیں اہل بدعت میں ہے۔

(۳) اس سلسلے کا تیسرا سوال یہ ہے کہ جس فکر یا عقیدے کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہو لیکن تکفیر کا قائل نہ ہو، اور ایسے فکر وعقیدہ جس کو موجب کفر سمجھتا ہو اور اس کے حاملین کو کافر قرار دیتا ہو، دونوں میں شرعی لحاظ سے تنقید کرتے وقت کوئی فرق ہے یا نہیں، دونوں قسم کے فکر اور عقیدہ پر تنقید کے حدود وآداب بیان کیے جائیں۔

اس مسئلے میں بیش تر مقالہ نگاروں نے موجب گمرہی فکر وعقیدہ اور موجب کفر فکر وعقیدہ میں اصولی طور پر فرق ذکر کیا ہے؛ البتہ تنقید کے حدود وآداب میں انہیں امور کا ذکر کیا ہے جو پہلے سوال کے جواب میں مذکور ہوئے۔ مولانا محمد ظفر عالم ندوی نے لکھا ہے کہ حکم وحیثیت کے فرق کے لحاظ سے تنقید کے طریقے میں بھی فرق ہوگا، کیونکہ دینی مصالح کو نظر انداز کر کے دنیوی مصالح اختیار کرنے کی اسلام میں اجازت نہیں ہے، انہوں نے جواہر الفقہ کے حوالہ سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ایسے مصالح کی بناء پر محض ایسی رعایت کرنا ان مصالح سے زیادہ مفاسد کا موجب ہوتا ہے؛ کیونکہ وہ مصالح تو محض دنیوی ہیں، خلاصہ اس سوال کے جواب کا یہی ہے کہ منافرت بڑھنے کے خوف سے کتمان حق نہیں کیا جائے گا۔ اختلافات کی نوعیت کے اعتبار سے آخری درجہ میں گمراہ اور کافر بھی کہا جا سکتا ہے، البتہ تنقید کرتے وقت لہجہ داعیانہ اور محسنانہ ہی رکھنا چاہیے؛ تاکہ مجادلہ باعث منافرۃ نہ ہو جائے"۔ مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی نے لکھا ہے: "اسلامی فرقوں کے مابین اختلاف خواہ عقیدہ کے امور میں ہو یا عملی وفروعی امور میں، اختلافی موضوعات پر گفتگو یا مذاکرہ اور تبادلہ خیال کا طریقہ افہام وتفہیم اور خیر خواہی کا ہونا چاہیے، لہجہ میں نرمی ہو، خطاب میں اعزاز واکرام ہو اور کلام میں سنجیدگی اور وقار ہو"۔ الفاظ اور تعبیرات کے اختلاف کے ساتھ یہی رائے کم وبیش تمام مقالہ نگاروں کی ہے۔

۴۔ ان اختلافات کے تنازعات کی شکل اختیار کرنے کے باوجود اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ان لوگوں کو جنہیں ان کے بعض عقائد کی بنا پر گمراہ یا خارج از اسلام سمجھا جاتا ہے، بے دریغ قتل کیا جائے ایک دوسرے کے زیر انتظام مساجد اور اداروں پر حملہ کیا جائے اور ایک دوسرے کی مذہبی شخصیت کو قتل کیا جائے؛ بقول مولانا عثمان بستوی، یہ نہ تو جہاد ہے اور نہ انقلاب اور نہ ہی امر بالمعروف نہ ہی نہی عن المنکر؛ بلکہ یہ عصبیت کی جنگ ہے۔

دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) "وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ" (الاعراف: ۵۶)۔

(۲) "وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ" (القصص: ۷۷)۔

(۳) "وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى" (المائدہ: ۸)۔

(۴) "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ" (النساء: ۱۳۵)۔

(۵) "فإن دمائكم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا في شهركم هذا ألا فلا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض" (بخاری: ۸/ ۸۲. مسلم ۱۶۷۹)۔

(۶) ''المسلم من سلم الناس من لسانه ويده'' (احمد في المسند ۲/ ۲۷۹)۔

(۷) ''عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: الإيمان قيد الفتك لا يفتك مؤمن'' (ابوداؤد، بحوالہ مشکوٰۃ: ۴۳۶)۔

(۸) ''صل من قطعك''۔

اس خون ریزی کو روکنے اور شیعہ سنی آمیزش کو ختم کرنے اور بقاء باہم کے اصول کی روشنی میں میثاق مدینہ کو سامنے رکھ کر صلح وآشتی کا معاہدہ کرنا چاہیے، اس معاملہ میں اصحاب فکر ودانش اور عام مسلمانوں کی اپنے حلقۂ اثر میں کام کی استطاعت کے اعتبار سے الگ الگ ذمہ داری ہے، علماء امن وآشتی کی راہ ہموار کرنے میں کلیدی رول ادا کریں اور عوام اپنے سمع وطاعت کے جذبے سے اس مہم کو کامیابی سے ہم کنار کریں، صرف کلمہ کی بنیاد پر اتحاد کی دعوت اور داعیانہ کردار کے ذریعہ اس آویزش کو ختم کیا جاسکتا ہے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مولانا اقبال بن محمد ٹنکاروی نے ایک دوسرے سے دوری اور علاحدگی کو اس مسئلہ کا حل قرار دیا ہے، انہوں نے سورۂ اعراف: ۸۷ کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

"إِن كَانَ طَائِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا" (الاعراف: ۸۷)۔

مولانا اسرار الحق سبیلی نے صلح پر زور دیا ہے اور قرآن کریم کی سورۃ الحجرات ۱۰-۹ سے استدلال کیا ہے۔

"وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ۔ الخ۔

مولانا عبد الرشید کانپوری نے اس مسئلہ کو خوارج کے حکم پر قیاس کیا ہے اور لکھا ہے کہ جہاں دونوں (شیعہ سنی) غیر مسلم حکومت میں ہیں تو وہاں ملکی قوانین کے مطابق انہیں برداشت کیا جائے گا، البتہ اسلامی حکومت میں پہلے انہیں پابند کیا جائے گا کہ کم از کم تبرا بازی سے پرہیز کریں اور جیسے ایک ذمی زندگی گذارتا ہے، ویسی زندگی گذاریں، ورنہ ان کے ساتھ اتحاد بے معنی اور دھوکہ ہے (اختلاف رائے اور وحدت امت: ۱۴)۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی نے گفتگو کا آغاز متفق علیہ امور سے کرنے پر زور دیا ہے، تاکہ آپس میں افہام وتفہیم کا ماحول پیدا ہو کر اعتماد واتفاق کی فضا ہموار ہو سکے، انہوں نے شیخ صلاح بن حمید کے خطاب سے یہ اقتباس بھی نقل کیا ہے۔

''إن بدأ الحديث والحوار بمواطن الاتفاق طريق إلى كسب الثقة وفشو روح التفاهم ويصير به الحوار هادئا وهادفا''

اس موضوع کا آخری اور پانچواں سوال یہ ہے کہ کیا یہ دونوں فرقے (خواہ ایک دوسرے کو گمراہ یا کافر قرار دیتے ہوں) پرامن بقاء باہم کے ساتھ زندگی نہیں گذار سکتے؟ تمام مقالہ نگاروں نے مختلف دلائل اور واقعات کی روشنی میں لکھا ہے کہ بقاء باہم کیساتھ زندگی گذاری جاسکتی ہے اور اس کا نمونہ حلف الفضول میثاق مدینہ میں اور صلح حدیبیہ موجود ہے، آپسی معاہدے کے ذریعہ پرامن بقاء باہم کا وجود ممکن ہے، مولانا ظفر عالم ندوی نے لکھا ہے: تمام قومیں اور فرقے ایک انسان ہونے کے ناطے انسانی برادری کا حصہ ہیں، اس لیے انسانی بنیادوں پر ان کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے اور حق جوار ہے تو اس کا پاس ولحاظ رکھا جائے، سماجی طور پر حسن تعلق کی خاطر اظہار ہمدردی اور حسن سلوک کیا جائے۔ مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی نے اس حکم کے لیے

''من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم جاره'' (مسلم: ۱۴۲)

کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، مولانا اقبال ٹنکاروی نے رشید رضا کے قاعدہ المنار کے حوالہ سے لکھا ہے: ''جس چیز میں ہم متفق ہیں اس کے بارے میں ہم ایک دوسرے کے معاون ہیں اور جس میں باہم ہمارا اختلاف ہے اس میں ہم ایک دوسرے کو معذور سمجھتے ہیں''۔

تمام مقالات کی خواندگی اور ان کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ وحدت امت وقت کی ضرورت ہے، اور اختلاف رائے کو اس کے حدود وآداب میں رکھ کر ہی گفتگو کی جانی چاہیے، خواہ یہ گفتگو مسلکی اختلاف کے بارے میں ہو یا نظریاتی معتقدات کے بارے میں، شیعہ سنی کی آویزش کا معاملہ ہو یا قتل وغارت گری کا، تمام احوال میں اعتدال، توازن، فریق مخالف کا ادب واحترام، ہر حال میں ملحوظ رکھنا چاہیے اور ہر حال میں منافرت سے گریز کرنا چاہیے، مختلف فرقوں کے باہمی تصادم سے جو قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے، یہ اسلامی نہیں ہے، تمام مسلک کے علماء ودانشوروں کو ان حالات کو ختم کرنے کے لیے انسانی بنیادوں اور صلہ رحمی نیز حق جوار کے اعتبار سے غور کرنا چاہیے، استہزاء، تمسخر سے ہر ممکن احتراز کرنا چاہیے احقاق حق اور ابطال باطل میں مداہنت کی تو گنجائش نہیں ہے؛ البتہ حکمت، موعظۂ حسنہ کے ساتھ معاملہ کو جدال بالاحسن سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے کہ یہی شرعی حکم ہے۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ أعلم وعلمه أتم۔

☆☆☆

باب دوم مقالات

اختلاف کے حدود وضوابط

مولانا اقبال بن محمد ٹنکاروی[1]

یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک ایسی مخلوق بنایا ہے، جس میں عقل وفہم کی غیر معمولی صلاحیت رکھی گئی ہے، لیکن جیسے انسان کے ظاہری رنگ روپ، شکل وصورت اور آواز وغیرہ میں فرق رکھا گیا ہے، اسی طرح اس کی سوچ اور مزاج ومذاق میں بھی فرق اور تنوع پایا جاتا ہے، اسی طرح کسی کی پسند ناپسند، زندگی وطبائع میں اختلاف وفرق ہے؛ چنانچہ ایک شخص کو کھانے کی کوئی قسم مرغوب ہے تو دوسرا شخص اس چیز کو ناپسند کرتا ہے، کسی کو ایک رنگ پسند ہے تو دوسرا اسی رنگ کو ناپسند کرتا ہے، یہی اختلاف عقائد میں بھی ہے اور عبادات میں بھی۔

شخص شخص کے درمیان اختلاف رائے کے امکانات موجود ہیں، رائے اور نقطۂ نظر میں اختلاف ہونا فطری بات اور ایک حقیقت ہے؛ البتہ اختلاف رائے کے نتیجہ میں اقدام عمل، تعلقات اور ادب واحترام کے اندر اختلاف پیدا نہ ہونا چاہئے، بطور خاص جب کہ یہ اختلاف فرق کا نہ ہو؛ [illegible] الگ فقہیہ کا ہو۔

اسلام میں اختلاف کی دو قسمیں ہیں: پسندیدہ اختلاف اور ناپسندیدہ اختلاف، پسندیدہ اختلاف ثمر آور اختلاف ہے، یعنی سنجیدہ عقلی کاوش کے ذریعہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے، مختلف زاویوں سے اس پر نظر ڈالی جائے، مختلف دلائل اور ان کی قوت ومفہوم کے درمیان موازنہ کیا جائے، تاکہ کوئی ایک نقطۂ نظر اور ایک رائے ایسی نکالی جائے، جس سے اس کی اصل حقیقت دوسروں کی سمجھ میں آجائے، اور مسئلہ سے وابستہ مختلف پہلو دوسروں کے سامنے آجائیں، دوسروں پر وہ نقطۂ نظر اور رائے آخری حل کے طور پر نہ تھوپی جائے کہ اس کے برعکس رائے رکھنے کی اجازت ہی نہ ہو۔

ناپسندیدہ اختلاف، تفرقہ پیدا کرنے والا اختلاف ہے، یعنی اجتہادی رائے فکری ونظریاتی حد سے تجاوز کرکے عملی موقف کی شکل میں سامنے آجائے اور دوسروں پر اس رائے ہی سے اتفاق اور اس کی اطاعت لازم قرار دے دی جائے، اور اختلاف رائے، اختلاف عمل کی شکل اختیار کرکے امت مسلمہ کے اتحاد وسلامتی کے لئے زبردست خطرہ بن جائے۔

قرآن مجید اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر جہاں بھی اختلافات سے روکا گیا ہے اور اس کی مذمت بیان کی گئی ہے، ان سب کا تعلق اسی دراصل اسی قسم کے ناپسندیدہ اختلاف سے ہے، یعنی جو اختلاف امت کی متحدہ صف میں رخنے ڈالنے والا اور شیرازہ بکھیرنے والا ہوتا ہے، اسی سلسلہ کی قرآنی ہدایت ہے:

ولاتنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا، إن الله مع الصابرين (انفال: ۴۶)۔

آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہوجائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ولاتكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءهم البينات (آل عمران: ۱۰۵)۔

کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایت پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے۔

---

[1] استاذ جامعہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ۔

دوسری آیت میں ''تفرق'' اور ''اختلاف'' دو الفاظ ساتھ ساتھ بیان کئے گئے ہیں کہ پہلے وہ فرقوں میں بٹ گئے، پھر اختلافات میں [illegible]

فقہی مسالک کا اختلاف پسندیدہ اور ثمر آور اختلاف ہے، اسی اختلاف کے ذریعہ امت مسلمہ نے عظیم الشان فقہی ذخیرہ تیار [illegible] سے متعلق اس کے تمام ممکنہ مفہوم ومعانی اور قریب و دور کے پہلو بالکل واشگاف ہو گئے، نظریاتی اور اجتہادی سطح پر ثمر آور اختلاف کی [illegible]

اس اعتراف کے بعد اہل علم حضرات کو یہ بھی جاننا چاہئے کہ ہم ایسے پرفتن دور میں سانس لے رہے ہیں، جس میں اسلام کے تسعی و بنیادی مسائل میں تشکیک اور عقائد پر حملہ کی کوششوں کا سلسلہ جاری ہے، اور قلوب سے ایمان کھینچنے کی سعی ہو رہی ہے، ایسے وقت میں ان فروعی مسائل کو نزاع وجدال اور بحث ومباحثہ کا موضوع بنا کر خامہ فرسائی کرنے لگیں اور موجودہ دور کے اہم فتنوں سے صرف نظر کر لیں، یہ وحدت کو ختم کرنے کے مترادف ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے حق واسلام کے دائرہ میں اختلاف کو مقبول اور سبب اجر بنایا ہے، بشرطیکہ اختلاف متعینہ حدود کے اندر ہو، اور اختلاف کرنے والا اچھی نیت کا حامل ہو، اور خود کو حتی الوسع خواہشات نفس کی پیروی سے محفوظ رکھے۔

کائنات کو پیدا کرنے والا خوب جانتا تھا کہ یہ انسان اختلاف کریں گے اور یہ اختلاف ان کی عقل وفکر کے اختلاف، صلاحیتوں میں فرق، نیز مقاصد وعواقب (انجام ومآل) کی فقہ کے علم اور مصالح کو سمجھنے واولویات کی رعایت ولحاظ میں فرق کی وجہ سے ہوگا۔

کبھی لوگوں میں اختلاف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کی نفسیات، رجحانات، مزاج میں فرق ہوتا ہے، یا یکسوئی واخلاص سے کام لینے و کام کرنے میں فرق ہوتا ہے، نیز آدمی پر اثر انداز ہونے والے امور سے خود کو دور رکھنے و بچانے کی صلاحیت ومزاج میں فرق ہوتا ہے، خواہ وہ مؤثر امور نفسیاتی ہوں، یا اجتماعی وسیاسی یا کسی اور طرح کے ہوں۔

اور کبھی اس وجہ سے بھی اختلاف ہوتا ہے کہ علم ومعرفت کی مقدار میں قلت وکثرت، نیز صحت وضعف کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔

یہ اختلاف اپنی اصل وذات میں رحمت اور وسعت ہے، پریشانی وتنگی اس وقت ہوتی ہے جب کہ اس کے ساتھ نفسانی خواہشات اور حظ نفس کی آمیزش ہو جائے، یا اس کے ساتھ غیر شرعی انداز کا معاملہ کیا جائے، اسی لئے جب اسحاق بن بہلول نے ایک کتاب لکھی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے کر آئے اور کہا کہ اس کتاب کا نام میں نے ''کتاب الاختلاف'' رکھا ہے، تو انہوں نے ان سے فرمایا: اس [illegible] اختلاف مت رکھو، بلکہ ''کتاب السعة'' رکھو (طبقات حنابلہ ۱/ ۱۱۱، اختلاف رائے آداب واحکام: ۷۶)، یہ ان کی فقاہت کا اثر تھا، حق تعالیٰ [illegible] کرم کا معاملہ فرمائے۔

بعض علمائے کرام نے صحابہ کے متعلق فرمایا ہے: صحابہ کا اتفاق حجت قطعیہ ہے اور ان کا اختلاف رحمت واسعہ ہے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں اختلاف نہ ہوتا، اس لئے کہ اگر (مسائل میں ان [illegible] ہوتا تو لوگ تنگی میں رہتے اور وہ امت کے ائمہ ہیں جن کی اقتداء کی جاتی ہے، تو اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کے قول کو بھی [illegible] کرے گا تو وہ وسعت میں رہے گا۔

قال القاسم بن محمد: لقد أعجبني قول عمر بن عبد العزيز: ما أحب أن أصحاب رسول [illegible] وسلم لم يختلفوا؛ لأنه لو كان قولا واحدا كان الناس في ضيق، وأنهم أئمة يقتدى بهم، فلو [illegible] منهم كان في سعة (الموافقات: باب في بيان انه لا اختلاف في اصول الشريعه ۴/ ۱۲۵)۔

انسانوں کو جب اپنے معاملات خرید وفروخت میں حساب کی ضرورت ہوئی تو حساب کے اصول وضوابط اور قواعد بنائے [illegible] اپنی بول چال اور گفتگو میں نحو کی ضرورت پڑی تو نحو واعراب کے قواعد سامنے آئے، اسی طرح آپسی اختلاف چوں کہ ایک قطعی چیز ہے [illegible] اس کی ضرورت ہوئی کہ ایسے قواعد وضوابط وجود میں آئیں جن پر اختلاف کرنے والے چلا کریں؛ تا کہ اختلاف باہمی [illegible] بنے، کہ لوگوں کی اخلاقی اور عنادی وفسادی خرابیوں کی پردہ دری ہو اور اس کی وجہ سے حق اور اس کی نصرت، نیز دین اور اس کی حمایت [illegible]

اور یہ چیز دوسروں سے پہلے خود ایسی باتیں کرنے والوں کو لے ڈوبے۔

اختلاف کا میدان:

اختلاف اور خلاف کے مجالات (میدان) بہت ہیں، اور اس کی وجہ نفوس وطبائع کا اختلاف وتعدد ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے اس اختلاف کے اسباب میں سے ایک سبب کو بہت ہی مختصر جملہ میں بیان کیا ہے، جو اس کی کثرت پر دلالت کرتا ہے، وہ فرماتے ہیں: "....إذا الرأی إذا کان تفرق فیه"۔

یعنی جب کسی معاملہ میں رائے کا وجود ہوتا ہے تو تفرق پایا جاتا ہے اور اختلاف در آتا ہے، آراء متعدد ہو جاتی ہیں، مفاہیم مختلف ہو جاتے ہیں۔

یہ اختلاف کا عمومی میدان ہے، اگر ہم اس کا حصر کرنا چاہیں تو اسے تین گوشوں میں محدود کیا جاسکتا ہے:

(۱) ادیان میں اختلاف:

اس کے تحت اسلام، یہودیت اور عیسائیت وغیرہ، اسی طرح کسی دین کو نہ اپنانا، جیسے اباحیت، ہندو دھرم بھی اباحیت ہی کے ضمن میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

(۲) عقائد کے امور میں اختلاف:

جیسے قدریہ، جبریہ، جہمیہ، خوارج اور ان کے علاوہ کوئی اختلاف جو پہلی قسم کے تحت نہیں آتا۔

(۳) فقہی فروع اور جزئیات میں اختلاف:

جیسے چاروں فقہی مسالک اور ان کے علاوہ جو مسالک رائج نہیں ہو سکے بلکہ ختم ہو گئے، خلاصہ یہ ہے کہ اختلاف کی یہ تین قسمیں ہیں: ادیان، فرق اور مذاہب فقہیہ۔

دوسرے اور تیسرے نمبر کے اختلافی گوشے کو بالفاظ دیگر ہم اصول اسلام (بشرطیکہ یہ اختلاف ملت سے خارج کرنے والا نہ ہو) اور اس کے فروع میں اختلاف کا نام دے سکتے ہیں۔

جواب (۱): اوپر ذکر کردہ تمہیدی وضاحت کے بعد اب فقہی مباحث واختلاف میں کیا حدود وآداب ہونے چاہئیں، ان کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

☆ فروعی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے سے عداوت ودشمنی یا ایک دوسرے پر ملامت ومذمت یا طعن وتشنیع کا رویہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ تمام ائمہ وعلماء کا احترام کرنا چاہئے، اور ان سے محبت والفت کا طریق اپنانا چاہئے۔

لہذا ائمہ کے درمیان ہونے والے اختلاف کو اسی حد میں رکھنے کی کوشش ہونی چاہئے؛ لیکن اب بعض لوگوں نے اسی کو حق وباطل کا معیار قرار دے کر امت کے شیرازے کو منتشر کرنا شروع کر دیا ہے، اور خود کے اختیار کردہ مسئلہ ومسلک کو صحیح ودرست اور دوسرے کے مسلک کو باطل قرار دینے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے، یہاں تک کہ ائمہ وفقہاء کی توہین وتذلیل کو دین سمجھنے وسمجھانے کی فکر کی جاتی ہے، یہ غلو کی وہ صورت ہے جس سے امت میں انتشار کا رونما ہونا یقینی بات ہے، حالانکہ ہمارے خلاف ایک جانب عیسائی مشنریاں سرگرم عمل ہیں اور مسلمانوں کو دین وایمان سے محروم کرنے اور عیسائی بنانے کی زبردست پیمانے پر کوششیں کر رہی ہیں، دوسری جانب قرآن وسنت اور اس کے علوم کو مٹانے کی سازشیں بھی مال ودولت کا ایک بڑا حصہ لگا کر کی جا رہی ہیں، پھر ایک طرف مختلف باطل عقائد ونظریات کے حامل مذاہب اپنے اپنے نظریات وعقائد کو پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں، جس سے مسلمانوں کے عقائد برباد ہوتے جا رہے ہیں، تو دوسری جانب تجدد پسندی وموڈرنزم نے مسلمانوں میں کھلے عام اباحیت پسندی وآزادی فکر کے جراثیم پیدا کر دیئے ہیں، ان سب حالات کے تناظر میں اگر ہم اپنا جائزہ لیں، تو کیا ہمارے لئے کوئی گنجائش اس کی ہو سکتی ہے کہ ہم فروعی واجتہادی مسائل میں جن میں خود صحابہؓ کے دور سے اختلاف چلا آ رہا ہے، بحث ومباحثے کا دروازہ کھولیں؟ اور ان اختلافات کو اس حد تک پہنچا دیں جیسے کوئی کفر وایمان کا اختلاف ہو؟

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اسی حالت زار پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''میرے نزدیک اس جنگ وجدال کا ایک بہت بڑا سبب فروعی اور اجتہادی مسائل میں تحزب وتعصب اور اپنی اختیار کردہ راہ عمل کے خلاف کو عملاً باطل اور گناہ قرار دینا اور اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا ہے، جو اہل باطل اور گمراہوں کے ساتھ کرنا چاہئے، اس پر تمام امت کا اتفاق بھی ہے، اور عقلاً اس کے سوا کوئی صورت بھی دین پر عمل کرنے کی نہیں ہے کہ جو لوگ خود درجۂ اجتہاد کا نہیں رکھتے وہ اجتہادی مسائل میں کسی امام مجتہد کی اتباع کریں، اور جن لوگوں نے اپنے نفس کو آزادی وہوا پرستی سے روکنے کے لئے دینی مصلحت سمجھ کر ایک امام مجتہد کا اتباع کرلیا ہے وہ قدرتی طور پر ایک جماعت بن جاتی ہے، اسی طرح دوسرے امام مجتہد کی اتباع کرنے والے ایک دوسری جماعت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، اگر جماعت بندی مثبت انداز میں صرف اجتہادی مسائل کی حد تک اپنی تعلیمی وعملی آسانیوں کے لئے ہو تو نہ اس میں کوئی مضائقہ ہے، نہ کوئی تفرقہ، نہ ملت کے لئے اس میں کوئی مضرت۔

مضرت رساں اور تباہ کن حالت کا منفی پہلو یہ ہے کہ اپنی رائے اور اختیار سے اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ جنگ وجدل اور دوسرے ان فروعی مسائل کی بحثوں میں غلو کہ سارے علم وتحقیق کا زور اور بحث وتمحیص کی طاقت اور عمر کے اوقات عزیز ان ہی بحثوں کی نذر ہو جائیں ..... آگے چل کر فرماتے ہیں: اسی کے ساتھ دوسری بھاری غلطی ان اجتہادی مسائل میں اختلاف کی حدود کو توڑ کر تفرق وتشتت اور جنگ وجدل اور ایک دوسرے کے ساتھ استہزاء وتمسخر تک پہنچ جانا ہے، جو کسی شریعت وملت میں روا نہیں، افسوس کہ یہ سب کچھ علم دین کی خدمت کے نام پر کیا جاتا ہے، اور جب یہ معاملہ ان علماء کے متبعین عوام تک پہنچتا ہے تو وہ اس لڑائی کو جہاد قرار دے کر لڑتے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کا جہاد خود اپنے ہی دست وبازو سے ہونے لگے اس کو کسی غنیم کی مدافعت اور کفر والحاد کے ساتھ جنگ کی فرصت کہاں''؟ (وحدت امت: ۱۷-۲۱)۔

الحاصل اختلاف کی وہ قسم جس میں صرف فروعی واجتہادی مسائل میں آراء مختلف ہوتی ہیں، اس میں نہ تشدد جائز ہے، نہ ایک دوسرے کو غلط قرار دینے کی کوشش کوئی محمود ہے، بلکہ اس میں ہمیشہ سے اس امت کا یہی طرز عمل رہا اور ہونا چاہئے کہ ایک دوسرے کا احترام وادب، ان کی خدمات وکوششوں کا اعتراف، ان کی خدمات وکارناموں سے استفادہ جاری رہے؛ ورنہ یہ وہ غلو پسندی ہے، جس کا وبال آج امت اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کررہی ہے۔

☆ مسالک اور مکاتب فکر کے ہزار اختلافات کے باوجود اگر مسلمانوں کے مختلف طبقات کے درمیان اسلامی اخوت کے رشتے استوار اور ان کے معاشرتی تعلقات ہموار ہوں تو اس میل جول اور اس قرب ویگانگت سے سیکڑوں خلیجیں دور ہوتی ہیں، اور وقتاً فوقتاً کھڑی ہونے والی سیکڑوں تفریق کی دیواریں خود بخود منہدم ہوتی رہتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک درخت ہے، اور فقہی احکام اور جزوی مسائل اس کی شاخیں اور پتیاں ہیں، ملت کے تمام افراد جس رشتۂ اخوت میں بندھے ہوئے ہیں وہ اصل اسلامی رشتہ ہے، جو ایک بنیادی رشتہ ہے۔

☆ ایک دوسرے کی نجی زندگی کے متعلق ہر آدمی اپنی زبان بند رکھے، آج کل اس میں اچھے اچھے لوگ غیر محتاط نظر آتے ہیں، ایسی تنقید کرتے ہیں، جو زہر افشانی سے کم نہیں اور ایسی سخت بات کہہ دیتے ہیں کہ دل چھلنی ہو جاتا ہے۔

☆ ایک شخص کی غلطی کو بس اس کی ذات تک محدود سمجھا جائے، پوری جماعت اور تحریک کو بدنام کرنے کی کوشش نہ کی جائے؛ کیوں کہ جس نے جو غلطی کی ہے وہی اس کا ذمہ دار ہے ''ولا تزر وازرۃ وزر اُخری'' یعنی کوئی نفس کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

☆ علمی اختلاف کا دائرہ صرف مدرسہ کی علمی بحثوں کے اندر ہونا چاہئے نہ کہ عوامی پلیٹ فارم پر، علمی اختلافات ہمیشہ سے موجود رہے ہیں، غلطی یہ ہے کہ ان کا فیصلہ چوراہوں پر کیا جائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: باہمی اختلافات کو صرف حلقۂ درس یا فتوی یا تحقیقی رسائل تک محدود کردیں اور ان میں بھی لب ولہجہ قرآنی اصول دعوت کے مطابق نرم رکھیں، فقرے کسنے اور دوسرے کی توہین کرنے کو زہر سمجھیں۔

☆ اختلافات کا اظہار اگر ضروری ہو تو نہایت شریفانہ بلکہ ہمدردانہ زبان اور مہذب انداز، کامل احترام اور ادب کے دائرہ میں رہ کر کرنا چاہئے۔

☆ فروعی مسائل میں الجھنا اور قوم کو الجھانا بڑے خطرے اور انتہائی نادانی کی بات ہے اور یہ کبھی بھی اور کسی حال میں مناسب نہیں، بلکہ ہر دور میں اس کے مضر اثرات مرتب ہوئے ہیں، اور بسا اوقات اس سے کوئی ایسا فتنہ جنم لیتا ہے، جس کے نتائج بڑے خطرناک اور سنگین ہوتے ہیں۔

☆ بحث و مباحثہ اور مناظرہ و مجادلہ میں نہ پڑا جائے کہ اس کا نتیجہ ہمیشہ دوری اور نفرت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اور اپنے عزیز اوقات اور قیمتی لمحات کو ضائع کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔

☆ صحابہ کے درمیان بھی بہت سے مسائل میں اختلاف ہوا اور رہا، حتی کہ فروعی اعتقادی مسائل سے متعلق بعض امور میں بھی ان کے درمیان اختلاف ہوا (اگرچہ وہ امور فروعی قسم کے ہیں، اصولی نہیں) جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق تعالیٰ کی زیارت سے مشرف ہونے کا مسئلہ اور اس میں ان کا اختلاف۔

جمہور صحابہ کی رائے تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کی آنکھوں سے حق تعالیٰ کو نہیں دیکھا، اور بعض کی رائے ہے- اور یہ ابن عباس سے منقول ہے- کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کو دیکھا۔

وقد حكى عثمان بن سعيد الدارمي في ''كتاب الرد'' له إجماع الصحابة على أنه ﷺ لم ير ربه ليلة المعراج، و بعضهم استثنى ابن عباس من ذلك (مجموع الفتاوى ٦/ ٥٠٧)۔

بہر حال یہ گفتگو و بحث تو کافی لمبی ہے؛ لیکن خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا اور ان کے بعد تک رہا، چنانچہ بعد میں کوئی اُس کا قائل رہا اور کوئی اِس کا۔

اس قسم کے فروعی مسائل میں ان کا اختلاف ہوا اور انہوں نے اس اختلاف کو قبول بھی کیا، اور ان سے ایسی کوئی بات ثابت نہیں کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ اختلاف رائے و تعدد رائے سے الجھتے تھے، بشرطیکہ یہ اختلاف نص شرعی کے حدود میں ہو، اور ضلال و بدعت تک نہ پہنچا ہوا ور نہ ہی صریح کتاب وسنت سے معارض و متصادم ہو، اور نہ یہ آتا ہے کہ ان میں سے کسی نے اختلاف کی وجہ سے دوسرے پر حملہ کیا ہو یا سخت کلامی کی ہو۔

اور اس طرح ان حضرات نے توازن کو برقرار رکھا، ایک طرف تو انہوں نے قول مرجوح یا ضعیف کو (آنکھ بند کر کے) قبول نہیں کیا، اگرچہ اس کا کہنے والا امیر المؤمنین کیوں نہ ہو، اور دوسری طرف کہنے والے کے مقام و مرتبہ کو طعن و تشنیع اور بے جا حملے نیز بے توقیری و تحقیر سے بھی محفوظ رکھا۔

☆ اختلافی امور اور ان کے دفعیہ و حل کی بابت گفتگو میں متفق علیہ نکات سے ناواقفیت اور اس کی بابت تساہلی پر بڑے سلبی آثار مرتب ہوتے ہیں، ایسے اوقات میں گفتگو کے دوران شریعت کے اختلافی نظام کے خلاف سخت جملے، جارحانہ گفتگو اور برا انداز دیکھا جاتا ہے، وہ اسی کا سلبی اثر ہے، اسی قبیل کی کچھ چیزیں ذیل میں درج ہے:

☆ اپنی رائے میں قطعیت اور ۱۰۰ فیصدی صحیح ہونے کی سوچ مناسب نہیں ہے، اس کا مطلب یہ سوچ ہے: درست وصواب تو میری ہی بات ہے، اس میں خطا کا کوئی احتمال نہیں، اور دوسرے کی بات خطا ہی خطا ہے، اس میں درستگی وصحت کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

لیکن یہ نہ بھولنا چاہئے کہ قطعیت کا معاملہ شریعت کے نازل کردہ محکم احکام کے ساتھ ہونا یا ان امور کے ساتھ جو افراد امت یا عام امت کے مصالح کے مدنظر اجماع سے ثابت ہیں، اس صورت میں قطعیت کی بات خیر و نیکی کی ہی ہوتی، لیکن ہم جب اختلافات میں الجھتے ہیں اور نزاع و بحث میں پھنستے ہیں تو واقعی محکم احکام کو بھلا دیتے ہیں، یا بھول جاتے ہیں اور ہمارے لئے وہ مسائل قطعی بن جاتے ہیں، جو الحاقی، قیاسی اور جزئی ہوتے ہیں یا ذوقیات وغیرہ پر مبنی ہوتے ہیں۔

☆ اختلاف کرنے والوں کے درمیان لعنت و ملامت سے گریز:

اگر کسی سے اختلاف ہے تو خود کو قطعی طور پر اس سے اچھے و مضبوط ایمان والا، نیز وسیع علم و پختہ عقل والا نہ سمجھا جائے۔

یحیی بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: فتوی دینے والوں سے فتاوی و مسائل کا سوال ہمیشہ ہوتا رہا اور وہ جواب دیتے رہے، ایک نے ایک چیز کو حلال اور دوسرے نے اسی کو حرام کہا، لیکن حرام قرار دینے والے نے یہ نہیں سمجھا کہ حلال کہنے والا اس وجہ سے تباہ ہو گیا، اور نہ حلال کہنے والے نے

یہ گردانا کہ حرمت کا فتوی دینے والا اس کی وجہ سے برباد ہو گیا۔

عن يحيى بن سعيد قال: ما برح المستفتون يستفتون، فيُحل هذا ويحرّم هذا، فلا يرى المحرم أن المحلل بلك لتحليله، ولا يرى المحلل أن المحرم بلك لتحريمه (جامع بيان العلم وفضله، باب جامع بيان ما يلزم الناظر في اختلاف العلماء، ص: ۴۴۲، رقم: ۱۱۸۲، ط: مؤسسة الرسالہ)۔

اور بعض ایسے مسائل جو زیادہ سے زیادہ اجتہادی کہے جاسکتے ہیں، ایسے مسائل میں بعض کہنے والوں کو یہ کہتے سنا جاتا ہے: میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا اور نہ میں اپنی رائے سے بولتا ہوں، یہ تو (جو میں کہہ رہا ہوں اور بتا رہا ہوں) اللہ کا منہج وطریقہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے۔

تو کیا دوسرے لوگ بلا دلیل رائے اختیار کرتے ہیں؟ یا کیا وہ لوگ صرف قیاس سے احکام اخذ کرتے ہیں؟

ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس رائے تک آدمی اپنے اجتہاد سے پہنچا ہے اور جس کی بابت اس کو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی نص نہیں مل سکی ہے، آدمی کو اس کی بابت یوں نہ کہنا چاہئے: اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو حرام کیا ہے یا فلاں چیز کو واجب یا مباح کہا ہے، اسی طرح یہ کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے۔

ولكن لا يجوز أن يقول لما أداه إليه اجتهاده ولم يظفر فيه بنص عن الله ورسوله: إن الله حرم كذا وأوجب كذا وأباح كذا، وإن هذا هو حكم الله (اعلام الموقعين، فصل في تحريم القول على الله بغير علم ۱/ ۴۴، ط: دار الكتب العلميه بيروت)۔

☆اجتہادی مسائل میں کسی کو گنہگار کہنا یا قطع تعلق کرنا صحیح نہیں ہے:

ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ جو لوگ اجتہاد کرتے ہیں (اور وہ اس کے اہل ہوتے ہیں) اہل سنت ان کو گنہگار نہیں مانتے، اور وہ اس بارے میں اصول وفروع کے درمیان کسی فرق کے قائل نہیں ہیں۔

.... لم يفرق أحد من السلف والأئمة بين أصول وفروع، بل جعل الدين قسمين: أصولا وفروعا، لم يكن معروفا في الصحابة والتابعين، ولم يقل أحد من السلف والصحابة والتابعين أن المجتهد الذي استفرغ وسعه في طلب الحق يأثم، لا في الأصول ولا في الفروع (مجموع الفتاوى ۱۳/ ۱۲۵)۔

لہذا جو آدمی اللہ عزوجل کی مراد کو جاننے وسمجھنے کی پوری کوشش کرے اور وہ اس کا اہل ہو تو وہ اس اجتہاد کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگا، بلکہ وہ ایک اجر اور دو اجر کے درمیان ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ مسائل اجتہاد میں گنہگار قرار دینے کی کوئی بات نہیں ہے، اور نہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان قطع تعلق ہی صحیح ہے۔

☆کسی فرد معین کو کافر کہنے یا اس کے لئے لعنت سے گریز:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ جہمیہ کو کافر قرار دیتے تھے، مگر کسی متعین فرد وشخص کو انہوں نے کبھی کافر نہیں کہا، نہ مامون کو اور نہ کسی اور کو، بلکہ مامون اور اس کے کارندوں کے لئے دعا واستغفار کرتے تھے، اور اس نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، اس کے حق میں اس کو انہوں نے معاف کر دیا تھا۔

وإنما كان يكفّر الجهمية المنكرين لأسماء الله وصفاته .... وتكفير الجهمية مشهور عن السلف والأئمة لكن ما كان يكفر أعيانهم .... ومع هذا فالإمام أحمد رحمه الله ترحّم عليهم واستغفر لهم (مجموع الفتاوى ۲۳/ ۳۴۹،۳۴۸)۔

☆عدم تعصب: کسی قسم کا تعصب نہیں ہونا چاہئے، نہ مذہب کا، نہ مشرب کا، نہ شیخ کا، نہ جماعت کا، نہ تحریک وپارٹی کا، ایسے ہی تعصب کے حق میں کہا گیا ہے: حبك الشيء يعمي ويصم (مسند احمد ۵/ ۱۹۴) محبت آدمی کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔

تعصب سے کام لینے والا اندھا ہوتا ہے، اس کو نشیب وفراز کا کوئی علم واندازہ نہیں ہوتا، اور وہ حق وباطل میں امتیاز نہیں کر پاتا؛ حتی کہ تعصب

سے کام لینے والا اپنے جوش وشدت کی بنا پر خود کو محب سے مبغض (نفرت کرنے والا) میں بدل دیتا ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر اہل ایمان کا امتیاز ہے، اس لئے اس کا سلسلہ اہل علم وداعیان دین نیز عوام وخواص سب کے درمیان رہے گا، اس لئے اس میں علم وحکمت اور نرمی وصبر سے کام لینا ہوگا، اس لحاظ سے کچھ نقاط درج ذیل ہیں:

☆ الف: اجتہادی مسائل جس میں علماء کا اختلاف ہے؛ ان کا انکار نہ کیا جائے:

ایسے مسائل میں ایک دوسرے پر انکار نہیں کیا جاتا اور نہ کرنا چاہئے، اس لئے کہ سب مجتہد ہیں اگر چہ مصیب (صحیح بات تک پہنچنے والا) مجتہد ایک ہی ہوتا ہے مگر محروم اور اجر سے خالی کوئی مجتہد نہیں رہتا، بعض علماء نے اس کا تذکرہ کیا ہے کہ اجتہادی مسائل اور ہیں، نیز اختلافی اور۔

ب: بہت سے اختلافی مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں قول راجح یا اس کی دلیل واضح ہوتی ہے، ایسے مسائل میں بہت اچھے انداز میں تعلیم ورہنمائی کا کام کرنا چاہئے، موقع ومحل کا لحاظ کرتے ہوئے زبان وبیان نیز اسلوب وانداز کو اختیار کرنا چاہئے۔

ج: کسی مقلد کا دوسرے مقلد پر انکار کرنا: اگر کوئی انسان غیر کا مقلد ہو، کسی عالم کا یا مذہب کا تو اس کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے کسی مقلد پر انکار کرے (اختلاف رائے آداب واحکام: ۱۰۳، ط: ایفا پبلیکشنز)۔

اور امام شافعیؒ وغیرہ نے اس سیاق میں جن مثالوں اور مسائل کا تذکرہ کیا ہے ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلاف کا میدان ان حضرات کے نزدیک کتنا وسیع تھا اور وہ کس طرح مختلف نظریات وافکار کا احاطہ واستیعاب رکھتے تھے۔

د: منکر پر انکار میں فقہ المصالح کا لحاظ:

منکر پر انکار میں مصالح کا لحاظ ہونا چاہئے؛ اس لئے کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ انکار کا مدار اس پر ہے کہ مصلحت بروئے کار لائی جائے اور مفسدہ کا دفعیہ کیا جائے، اسی لئے حالات کے مطابق، پانچوں احکام کا اس میں اجراء ہوتا ہے۔

ھ: انکار میں تدریج وآہستگی کا لحاظ:

منکر پر انکار میں اس کا بھی لحاظ مطلوب ہے کہ بات دھیرے دھیرے بتدریج وبترتیب سامنے لائی جائے، کیوں کہ لوگ جن چیزوں کے عادی ہوں ان کو ایسی چیزوں سے ایک دم سے ہٹانا ودور کرنا یہ شاق وگراں ہوتا ہے، پھر یہ کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اگر نفع ومصلحت سے خالی ہو تو آدمی پر یہ کام لازم بھی نہیں، جیسا کہ عز بن عبد السلام، ابن تیمیہ اور ابن القیم نے ذکر کیا ہے۔

إن النبی ﷺ شرع لأمته إیجاب إنکار المنکر، لیحصل بإنکاره من المعروف ما یحبه الله ورسوله، فإذا کان إنکار المنکر یستلزم ما هو أنکر منه وأبغض إلى الله ورسوله فإنه لا یسوغ إنکاره، وإن کان الله یبغضه ویمقت أهله، وهذا کالإنکار على الملوك والولاة بالخروج علیهم فإنه أساس کل شئ وفتنة إلى آخر الدهر، وقد استـ ـن الصحابة رسول الله ﷺ فی قتال الأمراء الذین یؤخرون الصلاة عن وقتها وقالوا: أفلا نقاتلهم؟ فقال: لا ما أقاموا الصلاة، وقال: من رأى من أمیره ما یکرهه فلیصبر ولا ینزعن یدا من طاعته، ومن تأمل ماجرى على الإسلام فی الفتن الکبار والصغار رآها من إضاعة هذا الأصل وعدم الصبر على منکر، فطلب إزالته فتولد منه ماهو أکبر منه، فقد کان رسول الله ﷺ یرى بمکة أکبر المنکرات ولا یستطیع تغییرها، بل لما فتح الله مکة وصارت دار إسلام عزم على تغییر البیت ورده على قواعد إبراهیم، ومنعه من ذلك مع قدرته علیه خشیة وقوع ما هو أعظم منه من عدم احتمال قریش لذلك لقرب عهدهم بالإسلام وکونهم حدیثی عهد بکفر (اعلام الموقعین: فصل فی تغیر الفتوى واختلافها/ ۳، ط: دار الکتب العلمیه بیروت)۔

☆ اجتہادی مسائل میں اصل یہ ہے کہ علماء مسلمین کے درمیان اختلاف پر انکار ونکیر نہ کیا جائے اور ایک دوسرے کو معذور سمجھا جائے، نیز ایک دوسرے کی بات کو قبول کیا جائے، یعنی ہر ایک کو اپنی بات کہنے کی گنجائش دی جائے، اگر چہ اس کی موافقت نہ کی جائے، جب حق تعالیٰ تے کسی مسئلہ

میں قطعی دلیل نہ رکھی ہو تو کسی کے لئے اس میں حد سے تجاوز جائز نہیں ہے، ائمہ سلف اسی پر تھے، ان کی یہی شان تھی اور یہی طریقہ تھا، یحیی بن سعید انصاری فرمایا کرتے تھے: اہل علم توسع والے لوگ ہوتے ہیں، اور ارباب افتاء میں ہمیشہ اختلاف ہوتا رہا، ایک حلال اور دوسرا حرام کہتا رہا، لیکن ایک دوسرے پر کسی نے عیب نہیں لگایا۔

أهل العلم أهل توسعة، وما برح المفتون يختلفون. فيُحل هٰذا ويحرم هذا. فلا يعيب هٰذا على هٰذا. ولا هذا على هٰذا (تذكرة الحفاظ: رقم الترجمة ۱۳۰، ص: ۱۳۹، ج: ۱، ط: دار احياء التراث العربي لبنان)۔

سفیان ثوری سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

اہل علم نے برابر اس کا اشارہ کیا ہے کہ اجتہادی مسائل میں انکار نہیں کیا جاتا، یہ قاعدہ فی الجملہ صحیح ہے، اگرچہ ہر قاعدہ میں کچھ استثناءات ہوتے ہیں، جیسا کہ معروف ہے، چنانچہ یہاں بھی کچھ مسائل ہیں جن کو اس قاعدہ سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے، مثلاً:

وہ مسائل جن میں اختلاف بھلایا جاچکا، اب اس کی کوئی حیثیت -نفع وغیرہ- نہیں، اس میں قول مرجوح ومتروک ہو چکا ہے، کوئی نہ اس کی موافقت کرتا ہے، اور نہ اس پر عمل کرتا ہے، جیسے جنابت سے تیمم کے مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے بارے میں کہ اس قول سے صرف نظر لازم ہے، اور متعدد علماء سے اجماع نقل کیا گیا ہے کہ اس کو چھوڑ دیا گیا ہے، تو اب یہ ایک تاریخی قضیہ ومسئلہ ہے، شرعی مسئلہ نہیں۔

اسی طرح وہ مسائل جو صریح نص سے معارض ومخالف ہوں ان مسائل کے قائلین سے بحث کی جانی چاہئے اور ان سے مسئلہ کی نص کا اور اس کا تذکرہ کرنا چاہئے کہ ان کے لئے اس کا قائل ہونا درست نہیں، محض اس وجہ سے نہیں کہ یہ فلاں کا قول ہے، ہوسکتا ہے کہ اس فلاں نے کسی خاص ماحول وسیاق وسباق میں یہ بات کہی ہو یا اسی وجہ سے کہ اس کے علم میں اس کی دلیل نہ رہی ہو یا کوئی دوسرا سبب رہا ہو۔

وہ مسائل جن میں اہل علم کا اختلاف ہے، اور ان کے اندر ان کا اختلاف کافی معروف وعام ہے، اور اہل علم نے اس کو اپنی کتاب میں ذکر ونقل کیا ہے، اور ہر قول کے معتبر دلائل ہیں اور ان اختلافی اقوال میں بعض راجح اور بعض مرجوح ہیں، تو ایسے مسائل واختلافات میں ایک دوسرے کو معذور سمجھنا چاہئے۔

☆ عوام جو طالبان علم کے زمرہ وجماعت سے نہیں ہیں، ان کو اختلافی مسائل واقوال کی ترجیح کے معاملہ میں نہیں پڑنا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه'' (احمد ۱۷۳/۷، ترمذی: ۲۳۱۸)

آدمی کے اسلام کی خوبی ہے کہ وہ لایعنی کاموں وچیزوں میں نہ پڑے، ان سے دور رہے۔

اور حق سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں: ولا تقف ما ليس لك به علم. إن السمع والبصر والفؤاد كل أولئك كان عنه مسئولا (الاسراء: ۳۶)

اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل درآمد مت کیا کرو؛ کیوں کہ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی۔

اس لئے انسان کو مناسب یہی ہے کہ جس چیز کا اس کو علم نہیں وہ اس کے درپے نہ ہو، اور ایک آدمی اگر کسی فن کا متخصص -کامل اور ماہر- ہو تو ضروری نہیں کہ وہ ہر فن کا عالم ہو جائے، یا یہ کہ وہ شریعت کے احکام ومسائل کو بھی اچھی طرح سمجھ سکے۔

☆ اہل علم کے ساتھ حسن ظن کا معاملہ کرنا چاہئے، خواہ بعض مسائل میں ان سے اختلاف کیوں نہ کیا جائے، کیوں کہ اصل یہی ہے کہ ان کے حق میں حسن ظن رکھا جائے، اور کسی عالم کے کسی قول کے حق میں یہ نہ کہا جائے کہ اس نے کسی دلیل، یا کسی نص کی مخالفت کا ارادہ کیا ہے، یا حجت شرعیہ سے نکلنے کا ارادہ کیا ہے، بلکہ اس کے قول کو اس پر محمول کیا جائے کہ دلیل اس کو نہیں پہنچی، یا دلیل کے خلاف کوئی بات اس کو قوی معلوم ہوئی یا اس نے خاص حالات، ماحول وپس منظر کا لحاظ کیا ہے، یا نص کے ورود ونزول کے سبب یا واقع اور اس کے متعلقات کا لحاظ کیا ہے۔

ہر عالم کے کچھ ایسے مسائل ہوتے ہیں، جن کے بارے میں اس کی انفرادی رائے ہوتی ہے، صحابہ سے لے کر ائمہ اربعہ پھر ان کے کبار اصحاب واتباع اور فقہاء ومفتیین ومجتہدین وغیرہ سب کا یہی معاملہ ہے اور سب کے کچھ نہ کچھ تفردات ہیں، مذاہب کے بھی اور افراد کے بھی۔

اس لئے ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ ہم ائمہ کو برا بھلا کہیں؛ بلکہ ہم کو ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہئے، بالخصوص جب کہ ان کا معاملہ یہ ہو کہ وہ علم شرعی اور ورع وتقوی میں بڑے مقام ومرتبہ کے حامل تھے اور مناسب یہی ہے کہ ہمارا سینہ وہمارا دل وسیع وکشادہ ہو، ہم ان کے لئے عذر کے قائل ہوں، حسن ظن رکھتے ہوں، اور حتی الامکان ان کے اقوال کے لئے اچھے محمل تجویز کریں۔

☆ جو اختلاف ایسے امر دینی میں ہو جو فروع میں سے ہے، اور دلیل سے ہو، خواہ دلیل نص ہو یا اپنا اجتہاد ہو یا اپنے کسی متبوع صالح للمتبوعیۃ (یعنی ایسے امام ومجتہد) کا اجتہاد یا فتوی ہو (جو اتباع وتقلید کی صلاحیت واہلیت رکھتا ہو)۔

اور یہی ہے وہ اختلاف جو امت مرحومہ کی جماعت حقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے اس وقت تک چلا آرہا ہے۔

اور اس اختلاف کا ایک یہ بھی حکم ہے کہ جب یہ محمود ومقبول ہے تو اس میں ایک کا دوسرے سے عداوت کرنا اور کسی کی تضلیل وتفسیق کرنا جیسا کہ آج کل غلاۃ (غلو پسندوں) میں تحریراً وتقریراً معمول ہے، سخت بدعت، معصیت، تعصب اور مخالفت سلف ہے۔

☆ ''دین ومذہب'' کا فرق اور ''مسلک ومشرب'' کا فرق دو الگ الگ چیزیں ہیں، پہلا فرق بنیادی عقائد کا فرق ہے، اس فرق کے ہوتے ہوئے کسی کو محض کسی مصلحت یا سیاسی ضرورت سے اپنے دین کا شریک نہیں کہا جاسکتا، رواداری اور انسانی اخلاق برتنا بالکل دوسری چیز ہے، اور شریعت اس کو پسند کرتی اور اس کا حکم دیتی ہے، مگر دین ومذہب تک اس کو خارج ہی ماننا پڑے گا۔

لیکن جہاں تک ''مسلک ومشرب'' کا فرق ہے تو یہ فرق بنیادی اور اساسی نوعیت کا نہیں ہے، اور اس فرق کو باہمی دوری اور معاشرتی علاحدگی کی بنیاد بنانا سراسر غیر اسلامی عمل ہے، ہمیں اپنی ہم مذہب جماعتوں کے افراد کے متعلق غور کرتے وقت ذرا ٹھہر کر اور سنبھل کر بڑی احتیاط اور ٹھنڈے دل سے یہ سوچنا انتہائی ضروری ہے کہ ان کے اور ہمارے درمیان کا فرق کیا بنیادی اور اساسی نوعیت کا ہے؟ کیا وہ فرق اسلام اور کفر کی سطح کا ہے؟

جہاں تک ثانوی درجے کی باتوں میں باہمی اختلافات کا تعلق ہے یعنی ان باتوں میں اختلاف جو اسلام اور کفر کے درجے کی نہیں ہیں؛ بلکہ اس سے کم درجے کا اختلاف ہے تو اس کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہئے، عہد صحابہؓ وتابعین؛ بلکہ خود دور رسالت میں اونچے درجے کے صحابہ کرام کے درمیان بہت سے معاملات میں رائے کا اختلاف موجود تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جاننے کے باوجود اس کو گوارا فرمایا۔

☆ فقہاء کے اختلافی مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے آدمی کا اعتدال پر قائم رہنا بہت ضروری ہے، اندیشہ رہتا ہے کہ خدانخواستہ افراط وتفریط نہ ہو جائے اور کوئی بات خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے خلاف زبان وقلم سے نہ نکل جائے جو دنیا وآخرت کے خسران کا سبب ہے۔

☆ مباحثۂ فقہیہ میں مصنفین، مقررین اور مدرسین اپنے مسلک کی ترجیح میں ایسا طریقہ اختیار کرلیتے ہیں جس سے دوسرے مسلک کی تنقیص یا طنز وتعریض ہوتی ہے، غیر ضروری وجزوی مسائل کو موضوع بحث بناتے ہیں، اس کے بجائے مسالک فقہیہ بیان کرنے میں ایسا انداز اپنائے کہ دیگر ائمہ فقہ کی فقاہت، اجتہادی شان، اور علمی جلالت وعظمت باقی رہے، نیز اختلاف کے باوجود ادب، باہمی محبت، ایک دوسرے کی رائے اور شخصیت کا احترام مجروح نہ ہونے پائے اور مسالک فقہیہ اور دلائل بھی طلبہ وقارئین کے سامنے آجائے۔

☆ اجتہادی مسائل میں نکیر سے گریز: فقہاء کے نزدیک ایک ثابت شدہ قاعدہ ہے کہ جس چیز کی ممانعت پر اجماع ہو اس پر نکیر کی جائے گی، جہاں تک مختلف فیہ امور کا تعلق ہے تو ان پر نکیر صرف چار صورتوں میں ہی کی جاسکتی ہے:

اول: اس وقت جب اس پر عمل کرنے والا اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھے، لہذا ایسی صورت میں اس پر نکیر کی جائے گی، اسی لئے اس عورت سے وطی کرنے والے کی تعزیر کی جائے گی، جس کو طلاق رجعی دی گئی ہو، اگر وطی کرنے والا اس کے حرام ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو۔

دوم: جب کوئی رائے کسی ایسی دور از کار دلیل پر مبنی ہو جس سے سرے سے حکم ہی کا باطل ہونا لازم آئے، چنانچہ ایسی صورت میں اس رائے پر عمل کرنے والے اور اس کی تقلید کرنے والے دونوں پر نکیر کی جائے گی، حکم کے بطلان سے بڑھ کر بھی نکیر کا کوئی موقع ہوسکتا ہے؟

اسی لئے بطور رہن رکھی گئی باندی سے وطی کرنے والے مرتہن پر حد جاری کی جائے گی، فقہاء نے اس سلسلہ میں عطاء کے قول کو اہمیت نہیں دی ہے۔

سوم: اس وقت جب کوئی ایسا مسئلہ حاکم کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ اس میں اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرے، اسی لئے شافعی قاضی حنفی پر نبیذ پینے کی وجہ سے حد جاری کرے گا، کیوں کہ حاکم کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی رائے کے خلاف فیصلہ کرے۔

چہارم: اس صورت میں جب نکیر کرنے والے کا اس سے کوئی حق وابستہ ہو، جیسے شوہر اپنی بیوی کو نبیذ سے روکے گا اگر بیوی اس کے جائز ہونے کا اعتقاد رکھتی ہو، صحیح قول کے مطابق یہی حکم ذمیہ کے سلسلہ میں بھی ہے۔

امام مرتضی زیدی فرماتے ہیں: مختلف فیہ مسائل میں اس شخص پر نکیر نہیں کی جائے گی جو ان کے خلاف کرے جب کہ یہ اس کا مسلک ہو؛ کیوں کہ ہر مجتہد اپنی رائے میں درست ہوتا ہے۔

صحیح اور غلط ٹھہرانے کا مسئلہ اس موضوع کا بڑا اہم مسئلہ ہے، اس لئے کہ اسلامی فرقوں کے درمیان اختلافات کو بھڑکانے کا سبب یہی مسئلہ ہے۔

☆ مسلمانوں میں حنفی، شافعی وغیرہ جو مختلف فقہی مذاہب نظر آتے ہیں یہ سب قرآن وحدیث کو آخری سند مانتے ہیں، اور ان ہی دو مصادر سے اپنی سمجھ کے مطابق احکام نکالتے ہیں، اس کو اختلاف کا ذریعہ بنانا اور اس سے امت میں انتشار پیدا کرنا کسی طرح بھی دانشمندی کی بات اور قرین قیاس نہیں کہا جاسکتا۔

کیوں کہ فقہ اسلامی کے ان مختلف مکاتب کے درمیان جو اختلافات ہیں ان کے مطالعہ سے دو حقیقتیں واضح ہو کر سامنے آتی ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اختلافات زیادہ تر جزوی اور فروعی ہیں، یہ کفر وایمان یا حق وباطل کا اختلاف نہیں ہے۔

(۲) دوسرے یہ کہ ہر اختلاف کے پیچھے لازماً کتاب وسنت کی دلیل موجود ہے، کوئی اختلاف بے دلیل نہیں ہے، صرف ترجیح کا مسئلہ ہے کہ ان میں سے کون سی دلیل قوی ہے اور کون سی ضعیف اور کمزور۔

جواب (۲): یوں تو مذاکرات کی اہمیت ہر جگہ ہے؛ لیکن ہندوستان میں اس کی اہمیت زیادہ معلوم ہوتی ہے، اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ یہ ملک دنیا کا سب سے بڑا کثیر مذہبی ملک ہے، اس کے ساتھ ساتھ کثیر الفرق بھی ہے، جیسے الگ الگ دین ومذہب کے ماننے والے لوگ آباد ہیں، اسی طرح خود مسلمانوں میں بھی الگ الگ فرقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد ہیں، ایک طرف ہندو، عیسائی، پارسی جیسے لوگ زندگی گذارتے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں میں بریلوی، جماعت اسلامی، سلفی، شیعہ جیسے الگ الگ فرقوں سے تعلق رکھنے والے حضرات بھی ہیں، ان فرقوں کے درمیان حوار ومذاکرات بقائے باہم اور آپسی اتحاد میں استحکام پیدا کرسکتے ہیں اور گروہ بندی سے کسی نہ کسی درجہ میں کامیابی مل سکتی ہے۔

اس مذاکرہ وتبادلۂ خیالات کے لئے درج ذیل اصول وآداب مناسب معلوم ہوتے ہیں:

☆ مذاکرات کی کامیابی میں بڑا دخل مذاکرہ کرنے والے کے اخلاق اور طرز گفتگو کا بھی ہوسکتا ہے۔

☆ اس میں ایک بنیادی چیز وہ ہے جسے قرآن کریم نے "قول حسن" سے تعبیر کیا ہے؛ چنانچہ ارشاد ہے: "وقولوا للناس حسنا" (البقرۃ: ۸۳)۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو دعوت دینے کے لئے بھیجا تو ہدایت دی گئی:

فقولا له قولا لينا لعله يتذكر أو يخشى (طٰہٰ: ۴۴).

اصول دعوت کے بارے میں بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

أدع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن (النحل: ۱۲۵)۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک نکتہ لکھا ہے کہ مجادلہ حسنہ کے بجائے "مجادله بالتي هي أحسن" کی دعوت دی گئی ہے۔

ولم يقل: بالحسنة كما قال في الموعظة، لأن الجدال فيه مدافعة ومغاضبة. فيحتاج أن يكون بالتي هي أحسن، حتى يصلح ما فيه من الممانعة والمدافعة (الرد على المنطقين: ۴۶۸)۔

ایک موقع پر حصر کے ساتھ کہا گیا کہ اہل کتاب کے ساتھ تمہاری گفتگو صرف اور صرف بہتر طریقہ پر ہو:

ولا تجادلوا أهل الكتاب إلا بالتي هي أحسن إلا الذين ظلموا منهم (العنكبوت: ۴۶)۔

نرمی کا اظہار نہ صرف الفاظ سے ہو؛ بلکہ آواز سے بھی ہو کہ تیز آواز میں مخالف سے بات نہ کی جائے:

لا يحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم (النساء: ۴۸)

جب کفار کے ساتھ اس انداز میں سلوک کا حکم دیا ہے تو مسلمانوں کے ساتھ بدرجۂ اولی یہ سلوک ہوگا۔

☆ محاور کے لئے ایک نہایت ہی اہم وصف صبر اور بردباری کا بھی ہے، جب کسی مختلف فیہ مسئلہ پر گفتگو ہوتی ہے تو بعض باتیں طبیعت کے خلاف بھی کہی جاتی ہیں، اور ایسی بھی باتیں ہوتی ہیں، جن سے انسان کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے، بظاہر اس کا وقار مجروح ہوتا ہے، محاور کا کمال یہ ہے کہ وہ ایسی باتوں سے متاثر نہ ہو اور صبر کا دامن اس کے ہاتھوں سے چھوٹنے نہ پائے، وہ کانٹوں کا جواب پھول سے اور نفرت کا جواب محبت سے دے، قرآن مجید میں بار بار اس کی تاکید کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: خذ العفو وأمر بالعرف وأعرض عن الجاهلين (الاعراف: ۱۹۹)۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا ہے: ولا تستوى الحسنة ولا السيئة. ادفع بالتي هي أحسن فإذا الذي بينك وبينه عداوة كأنه ولي حميم. وما يلقاها إلا الذين صبروا. وما يلقاها إلا ذو حظ عظيم (فصلت: ۳۴-۳۵)۔

اپنے مخاطب کے برے طرز تکلم کے مقابلہ حلم و بردباری اور عفو و صبر کی بہترین مثال وہ مکالمات ہیں جو انبیاء اور ان کی اقوام کے درمیان پیش آئے ہیں، اور قرآن مجید نے ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

☆ خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ الاہم فالاہم مسائل کو زیر بحث لایا جائے۔

☆ اچھے انداز میں گفتگو کرے، ایک دوسرے کی بات اچھی طرح سنی جائے، جارحانہ الفاظ یا نامناسب کلمات اور دل آزاری سے پرہیز کیا جائے۔

☆ اسلامی اخوت کو قائم اور باقی رکھتے ہوئے گفتگو کی جائے، اس اخوت ایمانی کی پاسداری کو اختلاف و اتفاق پر ترجیح دی جائے۔

☆ اختلاف کے باوجود ادب، باہمی محبت اور شخصیت کا احترام باقی رکھا جائے۔

☆ ایک دوسرے کے متعلق غلط فہمیاں نہ پیدا ہونے دیں اور ہر ایسے طرز عمل سے احتیاط کریں جس سے کسی کو غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے، اسی طرح یہ احتیاط بھی کرنی چاہئے کہ ہم خود کسی کے متعلق بدگمانی نہ کریں اور حتی الامکان حسن ظن رکھیں۔

قرآن مجید کی ہدایت ہے: "إن بعض الظن إثم" "بعض گمان گناہ ہوتا ہے"، "فلولا إذ سمعتموه ظن المؤمنون بأنفسهم خيرا۔ یعنی ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے بات سنی تو مومنوں نے اپنے جی میں اچھا گمان کیا۔

☆ ان تمام الفاظ والقاب اور اصطلاحات، ان تمام جملوں، مقولوں، لطیفوں اور ایسے تمام طرز گفتگو اور طرز تحریر سے مکمل پرہیز کیا جائے جس سے کسی بھی بھائی یا کسی بھی طبقہ کی توہین ہوتی ہو، زبان و قلم کے وہ مخفی تیر و نشتر اور ذوق تکلم کے وہ لطیف اشارے اور کنائے جن پر ظاہری شریعت "گریبان گیر" نہ ہو سکے، وہ بھی اس علیم و خبیر سے مخفی نہیں جو آدمی کے گوشۂ چشم کے اشاروں اور دل کے پوشیدہ رازوں تک سے باخبر ہے۔

يعلم خائنة الأعين وما تخفي الصدور. اور "يعلم السر وأخفى".

☆ ہر فرد ملت سے خوش خلقی سے پیش آنا چاہئے، خوش خلقی کا برتاؤ کرنے کا تعلق مخاطب کے اچھا یا برا ہونے سے نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ تو ہمارا اچھا وصف ہے، سامنے والے کی برائی یا اس سے ہماری ناراضی کا اثر یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ ہم اپنی اخلاقی خوبی سے غافل یا اس سے عاری ہو جائیں۔

"فبما رحمة من الله لنت لهم. ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك".

یعنی یہ اللہ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم ہیں اور اگر آپ درشت گو، سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔

☆ جس بات اور جس شرعی معاملہ کو سمجھنے کی جس میں اہلیت ہو وہ اسی سے بیان کیا جائے، بسا اوقات اس سلسلہ کی ذرا سی بے احتیاطی ملت میں بڑے بڑے سنگین قضیے پیدا کر دیتی ہے، حضرت علیؓ کا مقولہ ہے: كلموا الناس على قدر عقولهم أتريدون أن يكذب الله ورسوله، یعنی

لوگوں سے ان کا عقلی معیار دیکھ کر گفتگو کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب ہو۔

☆ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ افہام وتفہیم کا وہ طریقہ جس کو ''جادلھم بالتي ھي أحسن'' یعنی ان سے اچھے انداز میں بحث کرو سے تعبیر کیا گیا ہے، وہ ایک قسم کے سب وشتم سے بدل جاتا ہے، اور پھر جیسا کہ حق - امام غزالی، شیخ ابن تیمیہ اور شاطبی وغیرہ نے فرمایا ہے - اگر افہام وتفہیم میں غلبہ چیخ وپکار کی بنیاد پر ہوتا تو جاہل دوسروں سے زیادہ غالب رہتے، جب کہ غلبہ وکامیابی کو ضرورت دلیل اور سکون وتحمل کی ہوتی ہے۔

☆ انسان کے اندر سکون وسکینت، اس کے نفس کا ٹھہراؤ، اس کی زبان کی نرمی، اس کے لفظوں کا حسن اور اس کی دلیل کی قوت، یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کے سامنے دل پگھلتے ہیں، اور جن کے لئے دل ڈھلتے ہیں، اور ان کے ذریعہ صاحب حق کی زبان سے حق دوسروں کے دلوں تک پہنچتا ہے، اور اس کا حق ان کے باطل کو مغلوب کر لیتا ہے۔

☆ جو مسائل کوئی فائدہ نہ رکھتے ہوں، ان کی بابت شدید وبے ثمر بحث ومباحثہ نہ کیا جائے۔

☆ اس میں خود گفتگو کرنے والے کی شخصیت کو سمجھنے کی کوشش کا بھی اضافہ کر لیا جائے یعنی اس کی رائے اور دلیل کو غور سے سننے کے علاوہ یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ یہ خیال اور رائے کس نفسیاتی، عقلی اور سماجی ماحول کی پیداوار ہے۔

☆ اصل نکتۂ اختلاف کی تحدید پوری دقت کے ساتھ کی جائے، اور وجہ اختلاف کی بھی تحدید کی جائے؛ تاکہ گفتگو اصل محور پر ہو، اور ہر ایک نقطۂ نظر صحیح طور پر سامنے آجائے، اس اسلوب کی وجہ سے گفتگو اپنے موضوع سے نہیں ہٹنے پاتی ہے، اور کسی نتیجہ تک رسائی جلد ممکن ہو جاتی ہے۔

جواب (۳): سوال میں ذکر کردہ دونوں صورتوں میں فرق ہونا چاہئے، کیوں کہ اصولی اور بنیادی عقائدی اختلافات ہی سے ایمان وکفر کے فیصلے ہو سکتے ہیں، یہ اختلاف تفرق وشقاق بعید پیدا کرتا ہے، پھر اس شقاق بعید کو ختم کرنے اور ان کو اپنی بات سمجھانے اور قریب کرنے کے لئے دونوں صورتوں میں تنقید کے حدود وآداب درج ذیل ہو سکتے ہیں:

☆ جن فقہی احکام کا دارومدار غیر قطعی الدلالہ یا غیر قطعی الثبوت دلائل پر ہو ان میں اختلاف کی بنیاد پر تکفیر وتفسیق کی گنجائش اور جواز نہیں، اس سلسلہ میں بہت احتیاط برتنی چاہئے۔

☆ ہر فرد ملت سے خوش خلقی سے پیش آنا چاہئے، خوش خلقی کا برتاؤ کرنے کا تعلق مخاطب کے اچھا برا ہونے سے نہیں ہوتا، بلکہ وہ تو ہمارا اپنا وصف ہے، سامنے والے کی برائی یا اس سے ہماری ناراضی کا اثر یہ ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ ہم اپنی اخلاقی خوبی سے غافل ہو جائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ ہدایت فرمائی کہ یاخلیلی! حسن خلقک ولو مع الکفار، میرے خلیل! اپنی عادتیں اچھی بناؤ، خواہ تمہارا واسطہ کافروں سے ہی کیوں نہ پڑے۔

ظاہر ہے کہ ملت کا کوئی فرد خواہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو، اور فکر ورائے کی خواہ کیسی ہی سنگین کجی میں مبتلا ہو وہ بہر حال کافر ومشرک کے برابر نہیں ہو سکتا، جب کافر بھی ہماری خوش خلقی کا مستحق ہے تو یہ مسلمان بدرجۂ اولی ہماری خوش خلقی کا حقدار ہے۔

☆ ان تمام الفاظ والقاب اور اصطلاحات، ان تمام جملوں، مقولوں اور لطیفوں اور ایسے تمام طرز گفتگو اور طرز تحریر سے مکمل پرہیز کیا جائے جس سے کسی بھی بھائی یا کسی بھی طبقہ کی توہین ہوتی ہو، زبان وقلم کے وہ مخفی تیر ونشتر اور ذوق تکلم کے وہ لطیف اشارے اور کنائے جن پر ظاہری شریعت گرفت نہ کرتی ہو، وہ بھی اس علیم وخبیر سے مخفی نہیں جو آدمی کے گوشۂ چشم کے اشاروں اور دل کے پوشیدہ رازوں تک سے باخبر ہے، یعلم خائنة الأعین وما تخفي الصدور اور حدیث مشہور ہے کہ مسلمان وہی ہے جس کی زبان سے اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، یہ تمام چیزیں اسی کے دائرے میں آتی ہیں۔

اور یہ احتیاط صرف عمومی مجالس اور پریس کے بیانات تک ہی محدود نہیں رہنی چاہئے، بلکہ نجی مجالس تک کو اور اپنے دل ودماغ اور ذہن وفکر تک کو اس قسم کی باتوں اور ایسے خیالات سے پاک رکھنا ضروری ہے، یہ چیز صرف سوسائٹی کا تقاضہ یا معاشرے ہی کی ضرورت نہیں؛ بلکہ ہمارے ایمان کا ایک اہم تقاضا ہے اور یہ قلب وروح کی سنگین بیماریاں ہیں، جن سے پرہیز کرنا ہر شخص کی اپنی ضرورت ہے، قرآن مجید میں ان چیزوں کو فسوق

(بدعملی) اور ایمان کے منافی قرار دیا ہے کہ بئس الاسم الفسوق بعد الایمان (ایمان کے بعد فسوق کا تو نام بھی برا ہے) اور جو لوگ اپنی گذشتہ بے احتیاطیوں پر نادم اور تائب ہو کر اپنی روش نہ بدلیں ان کو قرآن مجید میں ظالم قرار دیا گیا ہے (الحجرات: ۱۱)۔

اس ضابطہ میں خود گفتگو کرنے والے کی شخصیت کو سمجھنے کی کوشش کا بھی اضافہ کرلیا جائے، یعنی اس کی رائے اور دلیل کو غور سے سننے کے علاوہ یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ یہ خیال اور رائے کس نفسیاتی، عقلی اور سماجی ماحول کی پیداوار ہے۔

اس کے بعد اپنے نقطۂ نظر اور اس کے دلائل، یا دوسری رائے پر تنقید اور اس کے دلائل، وضاحت کے ساتھ رکھے جائیں، واہی تباہی باتیں اور اہانت آمیزیاں ان میں شامل نہ کی جائیں، ورنہ گفتگو بدمزہ ہو جاتی ہے، اور انہی غیر متعلقہ چیزوں میں الجھ کر نتیجہ تک نہیں پہنچ پاتی ہے۔

تواضع وخاکساری کا احترام:

اسلام نے ہمیں یہ بھی تعلیم دی ہے کہ ہم لوگوں سے ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق معاملہ کریں، چنانچہ اگر مخاطب صاحب وجاہت یا عمر دراز ہو یا پھر سیاسی مقام و مرتبہ کا حامل ہو تو اس کے لئے مناسب القاب کا استعمال کریں، اس کی بات غور سے سنیں، اسے نظر انداز نہ کریں، نہ ہی اس کے ساتھ کوئی نامناسب برتاؤ کریں اور نہ ہی ایسا عمل کریں جس سے ہمارا تفوق و برتری ثابت ہو۔

☆ اختلاف برائے اختلاف ہو اور اپنی حد میں رہے، اسے دین میں تفریق کا ذریعہ نہ بنایا جائے، جب کہ وہ ایسے عقائد کا قائل ہو، جو کفر تک پہنچانے والے نہ ہوں۔

☆ موضوع وشخصیت کے درمیان خلط مبحث نہ کیا جائے:

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی موضوع، نظریہ یا مسئلہ پر گفتگو کے بجائے بات شخصیات پر حملہ تک پہنچ جاتی ہے، اور نوبت طعن و تشنیع، اتہام، بدنیتی کے الزام تک آجاتی ہے، یہاں تک کہ فلاں کی تاریخ اور ماضی کے حالات کیا رہے ہیں، اور فلاں کے کیا؟ اور پھر بہت ہی وسعت و فراخی والی چیزیں رسوائی اور اتہامات کا محل و موقع بن جاتی ہیں، اسی طرح ایسے الزامات کا بھی جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی، اور اس کے بعد شخصیت پسندی پر مبنی اور گروہی صف بندی کی نوبت آتی ہے، جس میں ایک دوسرے کے خلاف صرف جذباتی باتیں ہی سامنے آتی ہیں، اور اس میں عقل و دلیل اور مصلحت کا کوئی عمل دخل نہیں رہ جاتا اور نہ ایسی کسی چیز کی سنوائی ولحاظ ہوتا ہے۔

☆ جو چیز یقین سے ثابت ہو وہ یقین ہی سے ختم ہوتی ہے:

لہذا جس آدمی کا اسلام ثابت ہو وہ اسلام سے باہر اور کفر کے تحت یقین کی بنیاد پر ہی کیا جاسکتا ہے، اسی طرح جس کا سنت سے تعلق ثابت ہو یقین کے ذریعہ ہی وہ اس سے نکل سکتا ہے، اسی طرح ہر چیز کا حال ہے کہ کسی کے لئے جب کوئی چیز ثابت ہوگی تو یقین کی بنیاد پر ہی وہ اس سے باہر قرار دی جائے گی۔

☆ ایمان کا حکم لگانے میں خطا، کفر کا حکم لگانے کی خطا سے اہون ہے:

اگر کسی کے ظاہری حال کو دیکھ کر اس کے اسلام کا حکم لگایا جائے تو اگرچہ وہ منافقین میں سے کیوں نہ ہو، یہ اس سے اہون ہے کہ جلد بازی سے کام لیتے ہوئے کسی مسلم پر کفر کا حکم لگایا جائے، جب کہ وہ ایسا نہ ہو، ایسی صورت میں کہنے والے اس وعید کا مصداق ہوگئے، جو نبی ﷺ سے منقول ہے:

''اگر کوئی آدمی کسی کو کفر کے ساتھ پکارتا ہے یا اللہ کا دشمن کہتا ہے اور وہ ایسا نہیں ہے تو اس قسم کا کلمہ کہنے والے پر لوٹتا ہے'' (مسلم: ۶۱ عن ابی ذرؓ)

☆ امام احمد جہمیہ کو کافر قرار دیتے تھے، مگر کسی متعین فرد وشخص کو انہوں نے کبھی کافر نہیں کہا، نہ مامون کو اور نہ کسی اور کو، بلکہ مامون کے لئے دعا و استغفار کرتے تھے، اور اس نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، اس کے حق میں اس کو انہوں نے معاف کردیا تھا۔

☆ شیخ عبدالرحمن سعدیؒ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اگر کوئی عالم اہل بدعت کی باتوں سے متعلق گفتگو کرے تو اس پر لازم ہے کہ ہر ذی حق کے حق کا لحاظ

کرے اور ان کی باتوں میں جو حق اور جو باطل ہے اس کو واضح کرے، اور ان کی باتوں میں حق سے قرب وبعد کا خیال کرے (تفسیر سعدی: ۲۸۰)۔

☆ جب تک اصول دین میں اختلاف نہ ہو اختلافات کو بنیادی رنگ نہ دیا جائے، فروعی وجزئی اختلافات کی وجہ سے وحدت واخوت کی مٹی پلید نہ کی جائے اور نزاع لفظی کو عملی شکل دے کر امت کو افتراق وانتشار سے بچانے کی کوشش کی جائے۔

☆ اخوت باہمی کے بعد صاحب ایمان کو مومن تسلیم کرتے ہی اولین فریضہ ہوتا ہے کہ اس کی حرمت کا بھی پورا پورا خیال کیا جائے، بدقسمتی سے تکفیر وتحقیر کے طوفان میں مسلمانوں کی یہ قیمتی وراثت بھی ہوا ہو رہی ہے۔

☆ جہاں جزوی وفروعی مسائل میں اختلاف ہو یا جو باتیں مبہم، غیر واضح اور غیر اہم ہیں، ان میں نزاع وخلاف مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

جواب (۴): آج کل شیعہ سنی اختلافات میں خاصی گرمی نظر آرہی ہے، نیز ملت اسلامیہ کے صدیوں پر پھیلے ہوئے اس طویل سفر میں ہر طرح کے حالات آئے اور باہم عداوت، رقابت اور انتقام کے بد سے بدتر حالات شیعوں اور سنیوں میں پیش آتے رہے ہیں اور آتے رہے ہیں، ایسے حالات میں حق وباطل میں امتیاز رکھنے کا اہتمام کرتے ہوئے شیعہ سنی اختلاف بھڑکنے نہ پائے، اس کی بھی سعی وکوشش کرنی چاہئے، میری ناقص رائے میں اس خونریزی کو روکنے کے لئے درج ذیل ذمہ داریاں نبھانی ہوں گی۔

(۱) ایک دوسرے سے دوری وعلاحدگی:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وإن كان طائفة منكم آمنوا بالذي أرسلت به وطائفة لم يؤمنوا فاصبروا حتى يحكم الله بيننا (الاعراف: ۸۷)

یعنی اگر تم میں سے بعض اس حکم پر جس کو دے کر مجھ کو بھیجا گیا ہے، ایمان لاتے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لاتے ہیں، تو ذرا ٹھہر جاؤ، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کردیں۔

سیرت وفقہ میں بہت سے ابواب ہیں، جن کا استعمال کیا جانا چاہئے، کیوں کہ کچھ ابواب آپسی معاہدے وصلح کے ہیں، کچھ ایک دوسرے سے دوری وقطع تعلق کے ہیں، اور کچھ مجاہدے سخت روی کے ہیں، اس لئے انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ خوب غور وفکر کرے کہ موقع ومحل کے کیا مناسب ہے، کیوں کہ بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ انسان اس کا محتاج وضرورت مند ہوتا ہے کہ آپس میں سکون کے ساتھ رہے، اس طرح کہ آپس میں کوئی جنگ وجدال نہ ہو اور کچھ صلح ومعاہدے کا معاملہ بھی ہو اور کچھ ایک دوسرے سے دوری اور علیحدگی بھی ہو۔

جواب (۵):

☆ حکام ولیڈران یا ذی اثر حضرات سے خط وکتابت یا رابطہ ممکن ہو تو رابطہ کیا جائے اور تذکیری وترغیبی انداز میں گفتگو کی جائے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے سلاطین کو دعوتی خطوط لکھے تھے، ہم بھی قیام امن کے لئے خطوط یا ملاقات سے رابطہ قائم کریں، ان خطوط یا ملاقات میں حکمت وموعظت کے ساتھ اچھے انداز میں امن وسلامتی کے ساتھ زندگی گذارنے کی دعوت دی جائے، اور تشدد وتعصب سے کنارہ کشی پر آمادہ کیا جائے، جس کو "مکالمہ برائے پر امن بقائے باہم" کہہ سکتے ہیں۔

☆ یہ مکالمہ دینی امور سے متعلق نہ ہو اور نہ ہی اس کا مقصد ان شیعوں سے محبت کرنا ہے؛ بلکہ اس کا دائرۂ کار دنیوی زندگی اور اس میں پیش آنے والے مسائل تک محدود ہے۔

☆ اس مکالمہ میں متفق علیہ امور میں باہم تعاون پر ابھارنا ہو، انسانی منافع کے حصول میں سعی اور انسانیت کو ترقی وکامیابی کی راہ پر گامزن کرنے کی کوشش ہو۔

☆ اخلاقی اقدار کے فروغ کے لئے ان سے مکالمہ کا انعقاد کیا جائے، اور اسے تبادلۂ خیالات سے پہچانا جائے، بین المذاہب یا بین الفرق مکالمہ نام نہ دیا جائے۔

☆ اس مکالمہ ورابطہ کا مقصد نفرت وعداوت کے جذبات کو کم یا ختم کرنا ہے، بہتر گفتگو عام طور پر رائیگاں نہیں جاتی، اور اگر مخاطب پوری بات قبول نہ کرے اور اس کی مخالفت بالکل ختم نہ ہو جائے تو کم ہونے کی توقع ضرور ہے، ہجرت حبشہ کے بعد مسلمانوں نے نجاشی کے ساتھ مکالمہ ورابطہ کیا

اور اچھے انداز میں گفتگو کی تو مسلمانوں کو بادشاہ کی طرف سے بہتر سلوک کا فائدہ حاصل ہوا۔

☆ صبر ونرمی اور مدارات ورواداری کا استعمال، نیز ایذا پر تحمل اور برائی کا اچھائی سے مقابلہ وجواب:

اللہ تعالیٰ نے ان سب کا حکم اپنی کتاب میں کئی جگہ دیا ہے؛ مثلاً فرمایا ہے:

ولا تستوی الحسنة ولا السیئة ادفع بالتی هی أحسن، فإذا الذی بینك وبینه عداوة كأنه ولی حمیم (فصلت: ۳۴)

(اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، آپ نیک برتاؤ سے -بدی- کو ٹال دیا کیجئے، پھر یکایک وہ شخص جس میں اور آپ میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی دلی دوست ہو)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح اپنے دشمنوں کے دلوں کو نرم ومائل کیا، اور ان کی شدت، نفرت اور دوری کا اسی سے علاج کیا، یہاں تک کہ آپ کے لئے نرم ومطیع ہو گئے، اور حق کو قبول کر لیا۔

اچھی بات، مخلصانہ اور سچی مسکراہٹ اور دوسروں کے ساتھ قول وفعل سے اچھا سلوک، بلاشبہ یہ سب چیزیں آپسی عداوت کو دور کرنے اور دلوں کو قریب کرنے کے اسباب میں سے ہیں، حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے: "وما یلقّٰها إلا الذین صبروا، وما یلقّٰها إلا ذو حظ عظیم (فصلت: ۳۵) (یہ بات انہیں کو حاصل ہوتی ہے جو بڑے مستقل مزاج ہوتے ہیں، اور یہ بات اسی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑا صاحب نصیب ہو)۔

☆ اختلافات کو نباہنے کے لئے علم وفن اور اس کے خصوصی مطالعہ سے استفادہ:

افراد وجماعتوں نیز اداروں وکمپنیوں وغیرہ میں جو باہم اختلافات ہوتے رہتے ہیں، ان کو کس طرح نبھایا جائے، اور کس طرح ان کی بابت گفتگو کی جائے اس بارے میں بہت سی کتابیں ہیں، جن سے اس میدان میں کام کرنے والے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، انہیں کتابوں میں سے ایک کتاب درج کی جاتی ہے جو موضوع کے اعتبار سے اچھی کتاب ہے، جس کا نام ہے: "فقه الائتلاف وقواعد التعامل مع المخالفين بالانصاف" جس کے مصنف "محمود محمد خزندار" ہیں، مؤلف نے اس کتاب میں ان اخلاق وآداب کا اچھا حصہ جمع کر دیا ہے جن کی رعایت سے فائدہ کی امید ہے۔

☆ متفق علیہ امور کے دائرہ کو کارآمد ومؤثر بنانا:

رشید رضا کا معروف قاعدہ "قاعدة المنار" ہے؛ جس میں انہوں نے کہا ہے:

"جس چیز میں ہم متفق ہیں اس کے بارے میں ہم ایک دوسرے کے معاون ہیں اور جس میں باہم ہمارا اختلاف ہے اس میں ہم ایک دوسرے کو معذور سمجھتے ہیں"۔

متفق علیہ امور کے دائرہ کار کو مؤثر وبا کار بنانے کا مسئلہ مصلحت واجتہاد، غور وفکر نیز تغیر احوال سے تعلق رکھتا ہے۔

اور آج کے مسلمان تو اس کے بہت محتاج ہیں اور ان کو یہ بہت سزاوار ہے کہ وہ اس چیز کی طرف توجہ دیں، جب کہ صورت یہ ہے کہ مسلمان کمزوری کا شکار ہیں، ان کے دشمن ان پر مسلط ہیں، مسلمانوں کو اس بات کے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ متفق علیہ باتوں کی شرعی حقائق میں بڑی اہمیت ہے، اور دنیوی مصالح میں اس کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے بر وتقوی پر تعاون کو ہمارے لئے مشروع کیا ہے، خواہ کسی کے ساتھ ہو، بس دائرہ نیکی وتقوی کا ہونا چاہئے، اور ہم کو گناہ نیز ظلم وزیادتی پر تعاون سے منع کیا ہے، خواہ کسی کی تائید میں ہو، شریعت نے تعاون کے موضوع کو محدود ومتعین کیا ہے، جہت وآدمی کو متعین نہیں کیا ہے۔

☆ چند اختلافی امور یا اصول وعقائد کے علاوہ باقی بے شمار معاملات میں جو اتحاد ویکجہتی موجود ہے اس رشتہ سے ان سے میل جول اور معاشرتی تعلقات کو بحال کرنے کی کوشش کی جائے، جیسے مریض کی عیادت۔

☆☆☆

اتحاد امت اور اختلاف رائے۔ شرعی اصول وحدود کے تناظر میں

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی[1]

اتحاد امت، شرعی ضرورت اور اختلاف رائے کا وجود فطری ہے، اس لیے ہم شرعی ضرورت کے پیش نظر اتحاد امت کے پابند ہیں اور فکر ونظر کے اختلاف کے باوجود اتحاد امت اور وحدت امت کو اپنی ایمانی اور اسلامی زندگی کا نصب العین سمجھتے ہیں، اختلافات کلمۂ واحدہ کے ماننے والوں کے درمیان عقائد کا ہو یا فروعی مسائل کا، ان اختلافات کو عملی زندگی میں برتنے کے بھی کچھ شرعی اصول وحدود ہیں، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ اختلاف کی سرحدوں کو پہچاننا چاہیے اور اعتدال وتوازن کے ساتھ احکام ومسائل کے بیان کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

یہاں اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اتحاد امت کا مطلب تمام مذاہب ومسالک کا ادغام یا تمام مذاہب ومسالک سے مشترکہ چیزوں کو لے کر نیا مذہب بنانا نہیں ہے؛ بلکہ اتحاد امت کا مطلب اپنے مسلک ومذہب پر عامل رہتے ہوئے دوسرے مسلک ومذہب والوں کا احترام اور فروعی مسائل کو نزاعی بنانے سے اجتناب ہے؛ اسی طرح اختلاف رائے سے مراد وہ اختلاف وافتراق ہے جو امت اجابت کے درمیان ہے، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ لکھتے ہیں:

''زیر بحث صرف وہ اختلافات ہیں جو تفریق فی الدین کی حد میں آسکتے ہیں، یہ وہ افتراق ہے جو صراط مستقیم سے وابستہ رہ کر انحراف کے نتائج میں پیدا ہو جاتا ہے، جس کا نام قرآنی لفظ میں ''السبل'' رکھا گیا ہے، اس کا حاصل دین سے منسوب رہ کر اس کے بعض اصول وکلیات کے ساتھ اختلاف کرنا ہے، اس لیے یہاں اختلاف وافتراق سے امت اجابت ہی کا اختلاف وافتراق مراد ہوگا، امت دعوت کا اختلاف جس میں کفار بھی داخل ہو جائیں، مراد نہیں ہوسکتا'' (ترجمان السنہ ۱/۶۹)۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان ایک امت ہیں، ان کے اتحاد کی بنیاد کلمہ، قبلہ، کتاب اور رسول کا ایک ہونا ہے، ان کے علاوہ عقیدۂ آخرت و دخول جنت وجہنم، نماز، روزہ حج وزکوٰۃ کی فرضیت، جہاد اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی مشروعیت میں سبھی متحد ومتفق ہیں؛ اس لیے مسلمان ایک امت ہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو دو آسمانی مذاہب کے ماننے والے یہودی اور نصرانی تک کو بعض امور مشترکہ کی وجہ سے ایک امت کہہ کر ان کے خلجان اور خدشات کو دور کیا، ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ هٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ، وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ (الانبیاء: ۹۲۔ ۹۳)۔

(یہ تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں، پس تم میری ہی عبادت کرو، مگر لوگوں نے آپس میں اپنے دین میں فرقہ بندیاں کرلیں، سب کے سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَإِنَّ هٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ○ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ○ فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِينٍ ○ (المؤمنون: ۵۲۔ ۵۴)۔

(اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک ہی دین پر اور میں ہی تم سب کا رب ہوں، پس تم مجھ سے ڈرتے رہو، پھر انہوں نے خود ہی اپنے امر (دین) کے آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلیے، ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے، اسی پر اترا رہا ہے، پس آپ (بھی) انہیں اسی غفلت میں ہی کچھ

---

[1] نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

مدت پڑا رہنے دیں)۔

ان آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ جو دین اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا اور انبیاء سابقین جس دین کے حامل رہے وہ ایک ہی دین، دین توحید ہے اور جس ملت کے داعی رہے وہ ملت اسلام ہے، لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا اور لوگوں نے الگ الگ راہیں نکال لیں، نفسانی خواہشات اور اتباع ہوی کی وجہ سے لوگ فرقوں اور ٹکڑوں میں بٹ گئے اور ہر فرقہ اپنے کو اچھا اور دوسرے کو گھٹیا اور ذلیل سمجھنے لگا، رسولوں کی واضح ہدایات کو پس پشت ڈال کر دین کو بازیچۂ اطفال بنا دیا اور اپنے عقائد و خیالات کو اصل دین کی جگہ دے کر مسرور و شادماں ہوئے اور ہر گروہ اپنی غفلت، ضلالت اور جہالت کے نشے میں سرشار رہنے لگا۔

دیگر ادیان کے مقابلے ان آیتوں کو آج کے پس منظر میں رکھ کر دیکھیں اور مسلمانوں کے مابین موجودہ انتشار و افتراق کو سامنے رکھ کر مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ مسلمان ان آیتوں کے زیادہ مصداق ہیں؛ حالاں کہ اللہ رب العزت نے واضح حکم دیا ہے:

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (الانفال: ۴۶)۔

(اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر رکھو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

یہ آیت جنگ کے پس منظر میں نازل ہوئی؛ لیکن اس کا مدلول عام ہے اور ہر قسم کے جنگ و جدال پر یہ ممانعت نافذ ہوتی ہے اور اس کے جو مضر اثرات سماج پر پڑیں گے اور جس کی نحوست خود امت مسلمہ کو جھیلنی پڑے گی؛ بلکہ آج پڑ رہی ہے، اس سے انکار کسی طور ممکن نہیں ہے، ایک اور جگہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (آل عمران: ۱۰۵)۔

(تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہیں لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے)۔

واقعہ یہ ہے کہ اس امت میں بھی جو اختلاف و انتشار و تفرقہ بازی ہے وہ بڑی حد تک یہود و نصاریٰ کے باہمی تفرقہ و اختلاف کی طرح ہے اور جس سے اللہ رب العزت نے سختی سے منع کیا ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

”اس آیت سے ان اختلافات اور فرقہ بندیوں کا مذموم اور مہلک ہونا معلوم ہوا جو شریعت کے صاف احکام پر مطلع ہونے کے بعد پیدا کیے جائیں، افسوس ہے کہ آج مسلمان کہلانے والوں میں بھی سینکڑوں فرقے شریعت اسلام کے صاف و صریح اور مسلم و محکم اصول سے الگ ہو کر اور ان میں اختلاف ڈال کر اس عذاب کے نیچے آئے ہوئے ہیں...... باقی فروعی اختلافات جو صحابہ رضی اللہ عنھم اور ائمہ مجتہدین میں ہوئے ہیں، ان کو آیت حاضرہ سے کوئی تعلق نہیں“ (تفسیری حواشی بر ترجمہ حضرت شیخ الہند)۔

ایک اور جگہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (الروم: ۳۱-۳۲)۔

(اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈرتے رہو اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ، ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے، ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے، مگن ہے)۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف کر دیا کہ جو ٹکڑوں میں بٹ گئے، ان کا کوئی تعلق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ (الانعام: ۱۵۹)۔

(بے شک! جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے

ہے، پھر ان کو ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے)۔

فتح القدیر میں ہے کہ یہ بات ہر اس قوم پر صادق آتی ہے جو دین کے معاملہ میں مجتمع تھی، لیکن پھر ان کے مختلف افراد نے اپنا راستہ الگ کرلیا۔

اب جس سے اللہ کے رسول کا تعلق منقطع ہو جائے تو جتنی مصیبتیں آئیں تھوڑی ہیں، اس پس منظر میں دیکھیں تو آلام ومصائب، قتل وغارت گری سب ہمارے اس افتراق وانتشار کا شاخسانہ ہے، اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں ان حالات کے سلسلے میں متنبہ کیا تھا، لیکن ہم نے اس پر غور نہیں کیا، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ، انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ (الانعام: ۶۵)۔

(آپ کہیے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھادے، آپ دیکھیے تو سہی، ہم کس طرح دلائل مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں، شاید وہ سمجھ جائیں)۔

لیکن ہم سمجھ نہیں سکے، ہم الجھے اور الجھتے چلے گئے، معتزلہ اور خوارج کے جھگڑے تو اب قصۂ پارینہ بن چکے ہیں؛ لیکن شیعہ، سنی، سلفی، غیر سلفی، دیوبندی، بریلی، مذہبی اور غیر مذہبی، اسلام پسند اور لبرل طبقوں کے اختلافات نے ہمارا جینا دوبھر کر دیا ہے، یہ عذاب کی اندرونی اور داخلی قسم ہے، جو پارٹی بندی، باہمی جنگ وجدال اور آپس کی خوں ریزی کی شکل میں امت مسلمہ پر مسلط ہے، پورے عالم اسلام اور خود ہندوستان میں اس اختلافات کی وجہ سے جنگ وجدال ہی نہیں، قتل وغارت گری تک کی نوبت آگئی ہے، مسجدوں میں بندوقیں چل رہی ہیں، لاکھوں لوگ مارے جا چکے ہیں اور کئی لاکھ اپنے ملک اور علاقہ کو چھوڑ کر پناہ گزیں کیمپوں میں ہیں اور خانہ بدوشوں کی زندگی گذار رہے ہیں، ان کی بنیادی انسانی ضرورتیں بھی پوری نہیں ہو پا رہی ہیں، بہت سارے ملک ان کو پناہ بھی دینے کو تیار نہیں ہیں، ماضی میں کئی ملکوں کی سرحدوں سے انہیں کھدیڑا گیا اور کئی کشتیاں غرق آب ہوگئیں اور اس پر سوار پناہ گزیں سمندر کی کوکھ میں سماگئے، بعض بچے کو پانی نے ساحل سمندر پر ڈال دیا اور بعض کی لاشوں کا پتہ نہیں چل سکا، اور ہمیں اب بھی ہوش نہیں آرہا ہے۔

اللہ رب العزت نے ہمیں دین اسلام دیا تھا جو صراط مستقیم ہے اور جس کی اتباع کا ہمیں حکم دیا گیا اور مختلف راستوں پر جا پڑنے سے منع کیا گیا۔

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ، ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (الانعام: ۱۵۳)۔

(اور یہ کہ یہ دین میرا راستہ ہے جو مستقیم ہے، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردیں گی، اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے؛ تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو)۔

پس اصلاً دین ایک ہے اور امت مسلمہ بھی ایک ہے، نسلی، لسانی، مسلکی اختلافات اور ملکوں کی سرحدوں کا کلمۂ واحدہ اور دین کی بنیاد پر متحد ہونا امر مستبعد نہیں ہے، اللہ نے دین کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا ہے اور جس قدر اس میں مضبوطی آئے گی، اختلاف وانتشار دور ہوں گے، فرمایا:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (آل عمران: ۱۰۳)۔

(اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگیے اور تم آگ کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچالیا، اللہ تعالیٰ اس طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے؛ تاکہ ہدایت پاؤ)۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

”سب مل کر قرآن کو مضبوط تھامے رہو؛ جو خدا کی مضبوط رسی ہے، یہ رسی ٹوٹ تو نہیں سکتی، ہاں چھوٹ سکتی ہے، اگر سب مل کر اس کو پوری قوت سے پکڑے رہوگے، کوئی شیطان شرانگیزی میں کامیاب نہ ہو سکے گا، انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابل

اختلاف ہو جائے گی'' (تفسیری حاشیہ بر ترجمہ شیخ الہندؒ)۔

واقعہ یہ ہے کہ اعتصام بحبل اللہ اور افتراق سے اجتناب یہ اتحاد امت کی دو قرآنی بنیادیں ہیں، ان بنیادوں سے گریز ان اختلافات کو جنم دیتا ہے جو مذموم ہیں، اور جن کی وجہ سے ملت میں انتشار پیدا ہو گیا ہے، حبل اللہ سے مراد بعضوں نے دین اور بعضوں نے قرآن کریم لیا ہے، مقصود ایک ہی ہے، آج مسلمانوں کے درمیان جو افتراق وانتشار ہے، وہ قرآن کریم، احادیث رسول اور شریعت مطہرہ سے دوری کا نتیجہ ہے، اگر قرآن کریم ہماری زندگی میں آجائے اور وہ ہمارے سارے اعمال کا محور بن جائے تو اس امت کو ایک امت بننے سے نہیں روکا جاسکتا اور فروعی اختلافات اتحاد کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنیں گے، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ نے بجا فرمایا:

''میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے: ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرے ان کے آپس کے اختلاف اور خانہ جنگی''۔

اختلافات قرونِ اولی میں بھی تھے، لیکن یہ آپسی مخالفت، بغض وعناد، کینہ کدورت اور جدال وقتال کی بنیاد نہیں بنتے تھے، خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے جزوی اور فروعی مسائل میں اختلافات منقول ہیں، حضرت عائشہؓ غسل میں عورتوں کے جوڑا کھولنے کی قائل نہیں تھی اور اوپر سے پانی بہانا وہ بھی تین چلو کافی سمجھتی تھیں، بعض صحابہ سماع موتی کے قائل تھے، بعض مردوں پر نوحہ کرنے سے مردے پر عذاب کی بات کہا کرتے تھے، جبکہ بعض دوسروں کا استدلال وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (النجم: ۳۸) یعنی کسی دوسرے کا بوجھ کوئی اٹھانے والا نہیں اٹھاتا، سے تھا کہ دوسرے کے گناہ کا بوجھ مردے پر نہیں ڈالا جاسکتا؛ کیونکہ ہر ایک کو اپنی اپنی جواب دہی خود کرنی ہوگی، ان اختلافات کے باوجود ایک دوسرے پر اعتماد اور ایک دوسرے کے احترام میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا؛ بلکہ صحابہ کرام کے درمیان ہونے والے اختلافات باعث رحمت سمجھے جاتے تھے، اس لیے کہ اس کی وجہ سے عمل کے دائرہ میں وسعت پیدا ہوتی تھی، امام قاسم بن محمدؒ کہا کرتے تھے:

لقد نفع الله باختلاف أصحاب النبي ﷺ في أعمالهم لا يعمل العامل بعمل رجل منهم إلا رأى أنه في سعة ورأى أن خيرا منه قد عمله (جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر ۲/ ۸۰)۔

(اللہ رب العزت نے صحابہ کرام کے عملی اختلاف کو نفع بخش بنایا، کوئی آدمی جو عمل کرتا ہے اس میں گنجائش پاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس نے جو عمل کیا وہ بہتر ہے)۔

اس سہولت اور وسعت کے پیش نظر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اختلاف رائے کو ختم کرنے کو ناپسند کیا اور فرمان جاری کیا کہ ہر جگہ لوگ وہاں کی آراء پر عمل کریں (سنن داری: باب اختلاف الفقہاء/ ۱۵۱)، عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور، ہارون رشید اور مہدی نے حضرت امام مالکؒ سے مؤطا امام مالک پر امت کو عمل کے لیے پابند بنانے کی تجویز اپنے اپنے دور میں لکھی تو امام مالک نے انکار کر دیا، ان سے یہ جملہ بھی منقول ہے کہ:

إن اختلاف العلماء رحمة الله على هذه الأمة (كشف الخفاء للعجلوني ۱/ ۶۵)۔

(یقیناً علماء کا اختلاف اس امت پر اللہ کی رحمت ہے)۔

اس بحث میں علامہ ابن قدامہ مقدسی کا مقولہ ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے کہ صحابہ کرام کا کسی مسئلہ پر متفق ہو جانا دلیل یقینی اور ان کا اختلاف رحمت اور باعث توسع ہے:

''اتفاقهم حجة قاطعة واختلافهم رحمة واسعة'' (المغني ۱/ ۲۹)۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے:

''صحابہ اور تابعین کے زمانے سے یہ باتیں چلی آرہی ہیں اور کسی نے نہیں کہا کہ یہ جائز ہے اور یہ ناجائز، سارے گروہ متفق تھے کہ سب باتیں جائز ہیں، ہر ایک عمل ٹھیک ہے، لیکن یہ ذرا زیادہ اچھا ہے، وہ اختلاف ضرور کرتے تھے؛ لیکن سلف میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ عمل سرے سے موجود ہی نہیں تھا'' (حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱)۔

آج ہم میں ایسا کوئی نہیں ہے جو صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین سے زیادہ دین پر استقامت رکھتا ہو، فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (الشوریٰ:

۱۵) کی تعمیل نے ان کو وقت سے پہلے بوڑھا بنا دیا تھا اور ان کی ہڈیوں کے گودوں کو گلا دیا تھا، ان کا موقف واضح تھا کہ اختلاف موجب رحمت اور باعث توسع ہیں۔

ا۔ آج صورت حال یہ ہے کہ ایسے مسائل جن میں اختلاف کی نوعیت افضل، غیر افضل، راجح، مرجوح کی ہے اور مسئلہ مجتہد فیہ میں جائز اور ناجائز، حلال وحرام کی، ان کو بھی حق و باطل کی جنگ کا میدان بنا لیا گیا ہے، اپنے مسلک کو ترجیح دینا تو درست ہے؛ لیکن دوسرے مسلک کی آراء کو بالکل باطل اور قابل رد قرار دینا بالکلیہ صحیح نہیں ہے اور اس کی وجہ سے امت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا کسی طور صحیح نہیں ہے، علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے:

''فقہی و مسلکی اختلافات، نقطۂ ہائے نظر، مختلف مشربِ فکر، قبیلہ وخاندان اور ملک ووطن کے اختلافات کی وجہ سے امت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا حرام ہے، امت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا اور اس کو ایسی آزمائشوں کے بھنور میں ڈالنا جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول نے نہیں دیا ہے، ان بدعات میں سے ہے، جن کے اہل سنت والجماعت مخالف ہیں'' (مجموع الفتاویٰ، ج ۳)۔

علامہ ناصر الدین البانی نے لکھا ہے:

''شریعت کے مقاصد میں سے ایک مقصد لوگوں کے اندر اتحاد پیدا کرنا، ان کی صفوں کو یک جا کرنا اور ان کو اس چیز سے دور رکھنا ہے جو ان کی مجموعی اجتماعیت کو توڑے (رمضان اجتماعیت کی یاد دہانی)۔

اس لیے ضروری ہے کہ ہر مسلک، مشرب اور مکتب فکر کے مصنفین، مقررین اور مدرسین اس بات کا خیال رکھیں کہ اپنے مسلک کی ترجیح میں ایسا طریقہ اختیار نہ کریں، جس سے دوسرے مسلک اور رائے کی تنقیص یا طنز و تعریض کا پہلو سامنے آتا ہو؛ بلکہ فقہی مباحث میں کسی مسلک یا قول کو راجح قرار دینے کے لیے ہدایہ اور فقہ مقارن میں بدایۃ المجتہد اور الفقہ علی المذاہب الاربعۃ کا انداز واستدلال اپنانا چاہیے؛ تاکہ اپنے مسلک کے دلائل بھی سامنے آجائیں اور ان کا منصفانہ تجزیہ بھی ہو سکے، تمام ائمہ فقہاء اور ائمہ مجتہدین کا نام ادب واحترام سے لیا جائے اور ان کے علمی مقام ومرتبہ کو کبھی بھی اور کسی بھی درجہ میں نظر انداز نہ کیا جائے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

''حدیث وفقہ کی کتابوں میں علماء سلف کے درمیان جن اختلافات کا تذکرہ ہے، ان کا مقصد صرف تحقیق ہے نہ کہ کسی کو افضل ومفضول ثابت کرنا، اس میں تمام رائیں معتبر دلائل پر مبنی ہیں اور پورے خلوص کے ساتھ یہ رائیں قائم کی گئی ہیں، اختلاف رائے کے باوجود کسی کی بے توقیری اور بے احترامی درست نہیں'' (علماء وقائدین کے لیے اعتدال کی ضرورت/ ۲۳، ۲۴)۔

اسی کتاب کا ایک اور اقتباس ہے:

''ہمارا طریقۂ کار یہ ہونا چاہیے کہ ہم دین کے مفاد کو مسلک کے مفاد پر مقدم رکھیں، اختلافی مسائل میں ہم جس رائے کو درست سمجھتے ہیں، اس پر قائم رہیں؛ لیکن دوسری آراء کے بارے میں مناظرانہ رنگ اختیار کرنے کے بجائے ہمارا لب ولہجہ نرم ہو، نصح وخیر خواہی کا ہو، اعتدال وانصاف پر مبنی ہو، بے احترامی وبے توقیری نہ ہو اور کسی کی نیت پر حملہ نہ ہو، جیسے ہم اپنا یہ حق سمجھتے ہیں کہ جو نقطۂ نظر ہمارے خیال میں بہتر ہے، ہمیں اس پر عمل کرنے کا حق ہے یا ہم جس شخصیت کی رائے کو زیادہ قابل قبول سمجھتے ہیں، ان کی رائے پر عمل کریں، اسی طرح دوسروں کی آراء کی اہمیت کو بھی تسلیم کیا جائے اور ان کو بھی اس کا حق دیا جائے، اس طرح ہم اختلاف کی شدت کو کم کر سکتے ہیں اور اسلامی اخوت کے جذبے کو پروان چڑھا سکتے ہیں (ص: ۲۳)۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''مختلف مذاہب (مسالک) کے اعتقادی اختلافات، تو نہ وہ دور کیے جا سکتے ہیں اور نہ اس کو دور کرنا ضروری ہے، صرف اتنی بات کافی ہے کہ ہر گروہ اپنے عقیدے پر قائم رہے اور سب ایک دوسرے کے ساتھ رواداری برتیں'' (تصریحات)۔

۲۔ (الف) جن اختلافات کا تعلق کسی نہ کسی درجہ میں عقیدے سے ہے مثلاً شیعہ سنی اختلافات یا بعض مسائل میں دیوبندی اور بریلوی اختلافات، سلفی اور غیر سلفی اختلافات وغیرہ، ان اختلافی موضوعات پر گفتگو، مذاکرہ اور تبادلہ خیال کرتے وقت اس بات کو دھیان میں رکھنا

چاہیے کہ ان مسالک کے علماء اور مقتدیٰ کی توہین وتذلیل اور ان پر طنز وتعریض کا کسی درجہ میں اظہار نہ ہو، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (الحجرات: ۱۱)۔

(اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے، کیا عجب ہے کہ مذاق اڑانے والے سے وہ بہتر ہو، اور نہ کسی عورت کو کسی عورت کا مذاق اڑانا چاہیے، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ برے لقب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا برا ہے اور جو لوگ توبہ نہ کریں تو وہی لوگ ظالم ہیں)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المسلم أخو المسلم لا يظلمه ولا يخذله ولا يحقره، التقوىٰ ههنا ويشير إلى صدره ثلاث مرار بحسب امرء من الشر أن يحقر أخاه المسلم كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه (مسلم، كتاب البر والصلة : باب تحريم ظلم المسلم)۔

(مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے ذلیل کرے اور نہ حقیر سمجھے، تقویٰ یہاں ہے اور اپنے سینۂ مبارکہ کی طرف تین بار اشارہ کیا، کسی آدمی کے برا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ہر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو مسلمان کے لیے حرام ہے)۔

(ب) گفتگو عالمانہ وقار اور داعیانہ کردار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی جائے؛ بلکہ جن امور کا تعلق صرف افضل اور غیر افضل سے ہے ان کو منکر قرار نہ دیا جائے اور اس عمل سے روکنے سے بھی گریز کیا جائے، امام سفیان ثوری کا قول نقل کیا گیا ہے:

إذا رأيت الرجل يعمل العمل الذى قد اختلف فيه وأنت ترىٰ غيره فلا تنهه (الفقيه والمتفقه ۲/ ۶۹)۔

(جب کسی آدمی کو ایسا عمل کرتے دیکھو جو مختلف فیہ ہے اور تمہاری رائے اس کے برعکس ہے تو اس عمل سے اسے مت روکو)۔

عبد الملک بن ہاشم رفع یدین کے قائل تھے، لیکن اس پر عامل نہیں تھے، علامہ ابن عبد البر نے اس کی وجہ پوچھی تو بتایا کہ مسلمانوں کا یہاں اس پر عمل نہیں ہے اور مسلمانوں کے اجتماعی عمل کی مخالفت سلف کا طریقہ نہیں ہے۔

مخالفة الجماعة فيما يبيح لنا ليست من شيم الأئمة (الاستذکار ۲/ ۱۲۴ بحوالہ علماء وقائدین کے لیے اعتدال کی ضرورت ۲۰)۔

۳۔ حتی الامکان کافر کہنے سے گریز کرنا چاہیے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء: ۹۴)۔ (جس شخص نے تم کو سلام کیا اس کو مت کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے)۔

کیونکہ کفر حکم شرعی ہے اور اس کا اطلاق لوگوں کے کہنے اور عقلاً نادرست سمجھنے کی بنیاد پر نہیں کیا جاسکتا، علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

فالكفر حكم شرعي متلقى عن صاحب الشرعية والعقل قد يعلم به صواب القول وخطؤه وليس كل ماكان خطأً في العقل يكون كفرا في الشرع (درء التعارض ۱/ ۱۴۰)۔

(اس لیے کہ کفر حکم شرعی ہے جو صاحب شریعت کی جانب سے ملتا ہے اور عقل کبھی کسی قول کو درست سمجھتا ہے اور کسی کو غلط اور تمام وہ چیز جو عقلاً غلط ہو، شریعت میں کفر ہو، ایسا نہیں ہے)۔

امام نووی نے شرح مسلم میں اہل سنت والجماعت کا مذہب یہی نقل کیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصولوں کے انکار کے بغیر کفر کا حکم اہل قبلہ پر محض گناہ یا بدعات کی وجہ سے نہیں لگایا جائے گا؛ البتہ اگر کوئی ممنوعات منصوصہ مثلاً زنا، شراب، قتل وغیرہ کو درست سمجھنے لگے، جن کا حرام ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے تو اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔

واعلم أن مذهب أهل الحق لا يكفر أحد من أهل القبلة بذنب ولا يكفر أهل الأهواء والبدع إن من جحد

ما يعلم من دين الإسلام ضرورة حكم برده وكفره، . . . وكذا حكم من استحل الزنى أو الخمر أو القتل أو غير ذلك من المحرمات التي يعلم تحريمها ضرورة (شرح نووی علی المسلم ۱/ ۱۵۰)۔

(جان لو کہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر کسی گناہ کی وجہ سے نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اہل ہوا اور بدعتی کی تکفیر کی جائے گی، اگر کوئی دین اسلام کے ضروری امور کا انکار کرے گا تو اس کے مرتد اور کافر ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا، اور ایسے ہی اس شخص پر بھی کفر کا فیصلہ ہوگا جو زنا، شراب، قتل وغیرہ کو حلال جانے؛ اس لیے کہ یہ ان محرمات سے ہیں جو یقینی طور پر حرام ہیں)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا يرمي رجل رجلا بالفسوق ولا يرميه بالكفر إلا ردت عليه وإن لم يكن صاحبه كذلك (بخاری ۱/ ۸۹۳ کتاب الادب، باب ما ینہی عن السباب واللعن)۔

(کوئی آدمی کسی شخص پر فسق اور کفر کے تیر نہ چلائے؛ کیونکہ اگر مذکورہ شخص ویسا نہیں ہے تو اس کفر وفسق کا گناہ کہنے والے کی طرف لوٹ جائے گا)

بخاری شریف ہی کی ایک روایت ہے:

إذا قال الرجل لأخيه يا كافر فقد باء به أحدهما (۲/ ۹۰۱ کتاب الادب، باب من کفر اخاہ بغیر تاویل الخ)۔

(جب کوئی اپنے بھائی مسلمان کو کافر کہتا ہے تو دونوں میں سے ایک کافر ہوتا ہے)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن پر لعن طعن کرنا اور اسے کافر کہنا مؤمن کے قتل کے مترادف ہے، حضرت ثابت ضحاکؓ کی روایت ہے

ولعن المؤمن كقتله ومن رمى مؤمنا بكفره فهو كقتله (بخاری، حوالہ سابق)۔

(ایمان والوں پر لعن طعن قتل کی طرح ہے اور جو شخص ایمان والے پر کفر کے تیر چلائے تو وہ بھی اس کے قتل کے مترادف ہے)۔

ابو داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہو اس کے سلسلے میں زبان کو روکے رکھا جائے، کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی جائے اور کسی عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج نہ کیا جائے۔

الكف عمن قال لا إله إلا الله لا تكفر بذنب ولا تخرج من الإسلام بعمل (۱/ ۲۲۰، کتاب الجہاد)۔

(اس شخص کے بارے میں جو لا الہ الا اللہ کہے، زبان کو روکنا چاہئے، کسی گناہ کی وجہ سے نہ تو تکفیر کی جائے اور نہ کسی بد عملی کی وجہ سے اسلام سے باہر کیا جائے)۔

امام بخاریؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذي له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله في ذمته (۱/ ۵۶ کتاب الصلوٰۃ، باب فضل استقبال القبلۃ)۔

(جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کا استقبال کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ ایسا مسلم ہے جس کا ذمہ اللہ اور رسول کا ہے، تو اللہ کے ذمہ میں جو ہے اس کو حقیر مت سمجھو)۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

(المسلم له ما للمسلم وعليه ما على المسلم (بخاری ۱/ ۱۵۳، رقم: ۳۸۶، ۳۸۵)

(ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور اس پر وہ تمام چیزیں واجب ہوں گی جو عام مسلمانوں پر واجب ہیں)

ان تمام احادیث کا مستفاد یہی ہے کہ جس فکر اور عقیدے کو موجب کفر سمجھتا ہو، اس میں بھی کافر قرار دینے میں احتیاط کرنی چاہیے؛ کیونکہ ممکن ہے جس عقائد کی وجہ سے ہم انہیں کافر مشرک کہہ رہے ہیں وہ مؤول ہو، اور انہوں نے تاویل کا راستہ اختیار کر رکھا ہو، اسی وجہ سے جمہور فقہاء اور

محدثین نے خوارج کو کافر نہیں قرار دیا؛ بلکہ اسے اسلام کا باغی کہا۔ ڈاکٹر خالد مرزی کریم البزایعۃ عمان نے لکھا ہے:

فقد تورع جمهور العلماء من تكفير من اقتفت النصوص كفره من الخوارج فقد امتنع كثير من الصحابة الكرام ومن جاء بعدهم من أهل العلم من تكفير الخوارج مع ورود النصوص التي تبين أنهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية (الاسلام والتكفير ١٠)۔

(جمہور علماء نے ان نصوص کے باوجود جن کا مقتضی خوارج کا کفر تھا ان کی تکفیر سے پرہیز کیا، اسی لئے بہت سارے صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے اہل علم نے خوارج کی تکفیر سے گریز کیا، حالانکہ ان کے بارے میں ایسے الفاظ واضح طور پر آئے ہیں جن سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ دین سے نکل گئے ہیں، جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے)۔

شامی میں ہے:

وحكم الخوارج عند جمهور الفقهاء والمحدثين حكم البغاة (٦/ ٤١٣)۔

(جمہور فقہاء کے نزدیک خوارج کا حکم باغیوں کا ہے)۔

مولانا احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:

''ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے اہل لا الہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے، جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور کلمۂ اسلام کے لیے اصلاً کوئی ضعیف سے ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے'' (تمہید الایمان)۔

اس سے معلوم ہوا کہ کفر اور دین اسلام سے خارج کرنے کا حکم لگانے میں عجلت مناسب نہیں ہے، جب تک کسی شخص کا عقیدۂ کفر دلائل سے روشن دن کی طرح واضح نہ ہو جائے، کافر نہیں کہنا چاہیے، جب ایسے لوگوں کے لیے یہ حکم ہے جن کے فکر اور عقیدے کو موجب کفر سمجھا جاتا ہے تو بھلا ایسے فکر اور عقیدے کے بارے میں جو گمراہی کی بنیاد ہو، سخت وسست کہنا کیسے درست ہوگا؟ اس سلسلے میں اللہ رب العزت کے فرمان پر عمل کرنا چاہیے جس سے سارے اصول وضوابط نکلتے ہیں:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (النحل: ١٢٥)

(آپ اپنے رب کی طرف حکیمانہ باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلایئے (اور اگر ضرورت بحث آن پڑے تو) ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے (کہ اس میں شدت وخشونت نہ ہو) آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے رستے سے گم ہوا، اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے)۔

اس آیت میں تین طریقے اللہ رب العزت نے ذکر فرمائے ہیں، حکمت، اچھی نصیحت اور جدال احسن، چاہے فکر وعقیدہ گمراہ کن ہو یا موجب کفر، ہر حال میں ہمیں ہدایت ربانی کی پابندی کرنی چاہیے اور کسی بھی مرحلے میں حکمت اور احسن طریقے کو نہیں چھوڑنا چاہیے، بحث مثبت، منفی دونوں انداز میں کی جاسکتی ہے، رخ ایجابی اور سلبی ہوسکتا ہے؛ لیکن احترام انسانیت کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا ہوگا، اور سارے دلائل سمجھانے اور قائل کرنے میں ناکام ثابت ہوں تو لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ پر عمل کرنا ہوگا، اور جب تک شرائط جہاد وقتال کا تحقق نہ ہو جائے، ان بنیادوں پر مرنے مارنے کی اجازت تو دور کی بات ہے، تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کا دامن چھوڑنے کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی، دل آزار اور جگر خراش باتوں سے بھی پرہیز کرنا چاہیے، مقصود صرف اور صرف احقاق حق ہو؛ اس لیے ممکنہ حد تک خشونت، بد اخلاقی، سخن پروری اور ہٹ دھرمی سے گریز کرنا چاہیے البتہ باتیں مدلل ومؤثر اور اٹل مضامین اور براہین کے ساتھ کرنا چاہیے۔

۴- یہیں سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ شیعہ سنی کے بعض اختلافات اور تنازعات بنیادی اور اساسی ہونے کے باوجود اور شیعوں کے بعض فرقوں کے خارج اسلام اور بعض کے گمراہ قرار دینے کے باوجود کسی فریق کی طرف سے بے دریغ قتل وغارت گری، بدترین جنگ وخوں ریزی کی اجازت شریعت اسلامیہ نہیں دیتی، ایک دوسرے کی مساجد وادارے اور اہم مذہبی شخصیات کی توہین وقتل اسلامی مزاج سے میل نہیں کھاتا

اس لیے عالم اسلام کے مختلف ملکوں میں شیعہ سنی آویزش کو ختم کرنے اور بقاء باہم کے اصول کی روشنی میں میثاق مدینہ کو سامنے رکھ کر صلح وآشتی کا معاہدہ کرنا چاہیے، اس معاملہ میں اصحاب فکر ودانش اور عام مسلمانوں کی اپنے حلقۂ اثر میں کام کی استطاعت کے اعتبار سے الگ الگ ذمہ داری ہے، علماء امن وآشتی کی راہ ہموار کرنے میں کلیدی رول ادا کریں اور عوام اپنے جذبۂ سمع وطاعت سے اس مہم کو کامیابی سے ہم کنار کریں۔

۵۔ جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے، جن ملکوں میں سنی اور شیعہ کی مشترک آبادیاں ہیں، وہ اپنے اپنے مسلک ومذہب پر عمل کریں اور بقاء باہم کے اصول پر کوئی معاہدہ کرلیں، شریعت نے پڑوسیوں، ضعفاء اور انسانوں کو جو حقوق بحیثیت انسان عطا کئے ہیں ان کا پاس ولحاظ رکھیں تو باہمی منافرت اور جنگ وجدال کو روکا جا سکتا ہے؛ چونکہ مختلف ملکوں کے احوال الگ الگ ہیں، اس لیے وہاں کے احوال کے واقفین علماء ومذہبی پیشواؤں کو اصول وآداب بنانے چاہیے، دراصل علماء کے اختلاف کا ہی یہ سب شاخسانہ ہے، عوام پہلے بھی علماء کی مانتی تھی اور اب بھی ماننے کو تیار ہے؛ حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب فرمایا کرتے ہیں کہ امت کا اتحاد علماء کے اتحاد پر موقوف ہے، علماء اور مذہبی پیشوا جب تک کسی بات پر اور کسی معاہدہ پر متفق نہیں ہوں گے، یہ سلسلہ دراز ہوتا ہی رہے گا، یہ سارے معاملات اور چپقلش کی وجہ یہ ہے کہ اب لوگوں نے بقاء باہم کے بجائے تنازع للبقاء کو محور ومرکز مان لیا ہے، اسی لیے ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جانا چاہتی ہے اور اپنے خلاف قوتوں سے مزاحم ہو کر اپنے وجود کو مستحکم رکھنے کے لیے کوشاں ہیں، اس لیے علماء کو عوام کے ذہن سے یہ بات نکال کر بقاء باہم کی اہمیت اجاگر کرنی ہوگی اور بتانا ہوگا کہ جنگ تو خود ایک مسئلہ ہے، یہ مسئلہ کا حل کیا نکالے گی، خون کسی کا بہے، نسل انسانی کا خون ہے آخر، سب کو سمجھانا ہوگا تبھی مختلف مذاہب اور مسلک کے لوگ پرامن زندگی گذار سکیں گے؛ ورنہ برتری اور قبضہ کی جنگ میں سب کچھ خاکستر ہوتا چلا جائے گا، اس کا مطلب حق کے لیے جہاد سے انکار نہیں ہے، جہاد کے جو شرائط شریعت میں مذکور ہیں اس کی ان دیکھی کر کے لڑی جانے والی جنگ کو جہاد قرار دینا شرعی طور پر صحیح نہیں ہے، اس لیے اگر اختلاف رائے کے باوجود ایک امت بن کر رہنا ہے تو درج ذیل امور پر عمل کرنا لازم ہوگا:

(الف) ایک امت بن کر زندگی گذارنے کے فوائد سے لوگوں کو باخبر کیا جائے، اس کے لیے مختلف مسلک کے لوگ ایک پلیٹ فارم سے عوام کو اتحاد کا پیغام سنائیں اور اختلافات کی خرابیاں اور اس کے نقصانات سے لوگوں کو باخبر کیا جائے، دین کی دعوت دی جائے اور فروعی مسائل پر بحث کرنے کے بجائے اسے عمل کا جز بنایا جائے، آج المیہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والوں کی تعداد کم ہے اور نماز پڑھنے کے طریقوں پر جھگڑنے والوں کی تعداد زیادہ، درود شریف بالالتزام پڑھنے والے کم ہیں، لیکن درود شریف پڑھنے کے طریقوں پر جھگڑنے والے زیادہ، اس مزاج کو ختم کرنا ہوگا، اس کے بغیر اتحاد امت کا کوئی تصور دیوانے کے خواب کی طرح ہوگا۔

(ب) قرآن وسنت دین کی اساس ہیں اور ان میں ہر طرح کے احوال سے متعلق ہدایات واحکام موجود ہیں، جن کا بہت تفصیلی ذکر اوپر کی سطروں میں ہو چکا ہے، ہمیں ہر حال میں اس بنیاد کو مضبوطی سے پکڑنا ہوگا اور اپنی زندگی قرآن واحادیث کے مطابق بنانی ہوگی اور ہر مسلک ومکتب فکر کے ماننے والوں کو یہ بات سمجھانی ہوگی کہ فروعی مسائل قرآن احادیث سے ہی ائمہ مجتہدین نے اخذ کیے ہیں، اختلاف نصوص میں نہیں، اختلاف "سمجھ" میں ہے، اس لیے فروعی مسائل میں اپنے اپنے امام اور مجتہد کی سمجھ پر عمل کریں، البتہ اسے وجہ نزاع نہ بنائیں۔

(ج) اس معاملہ میں علماء اور مذہبی پیشواؤں کا کردار کلیدی ہے، اس لیے کہ امت کا اتحاد اصلاً ان کے ہی اتحاد پر موقوف ہے؛ کیونکہ کسی منصوبے اور مقصد پر مختلف مکتب فکر کے علماء متحد ہو جائیں گے تو عوام ان کی مانے گی اور آپسی اتحاد کی راہ ہموار ہو جائے گی۔

مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ اس مسئلہ میں اتنے حساس تھے کہ انہوں نے ہندوستان جیسے ملک میں امیر شریعت کے اختیارات تک کو محدود کر دیا، لکھتے ہیں:

"امیر کے اختیارات محدود ہوں گے، وہ ایسے مسائل کو نافذ کرے گا جس سے بلا فرق وامتیاز پوری امت مسلمہ کی فلاح وبہبود متصور ہو، امیر شریعت کو ایسے فروعی مختلف فیہ مسائل کے اجراء اور تنفیذ سے کوئی تعلق نہ ہوگا جو اجتماعی زندگی کے لیے ضروری نہیں ہے، وہ مسائل مختلف فیہ میں بحث ومذاکرہ کو نہیں روکے گا؛ لیکن جنگ وجدال اور شر وفساد کو روکنے اور دفع کرنے کے لیے کوشاں رہے گا" (امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب)۔

آگے لکھتے ہیں:

امیر شریعت کا ہر عمل وخیال تمام فرقہ اسلامیہ کے لیے واجب الاتباع نہیں ہوگا، اگر کسی ذی علم کی تحقیق امیر شریعت کی تحقیق کے خلاف ہو اور اس بنا پر وہ مسئلہ خاص میں امیر کی اتباع نہ کرے تو کوئی حرج نہیں اور نہ اس بنیاد پر بیعت اتباع ختم ہوگی (حوالہ بالا)۔

اس اصول کی روشنی میں امیر شریعت اول حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادریؒ نے ۲۰ر شوال ۱۳۳۹ کو جو فرمان جاری کیا، اس میں واضح کر دیا کہ ''خدمت وحفاظت اسلام، بقاء عزت وناموس دین، اجراء احکام شرعیہ جو بجز اجتماعی قوت کے ممکن نہیں ہے، ان مقاصد ومصالح شرعیہ کو پیش نظر رکھ کر میں اسی نوع کے احکام جاری کروں گا، جس سے حیات اجتماعی کو تعلق ہو اور وہ ایسے احکام ہوں گے جو مسلمانوں کی کسی جماعت کے خلاف نہ ہوں (حوالہ بالا)۔

(د) اتحاد کی تحریک اور کوشش کو تیز کیا جائے، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے مقاصد اور موضوع محدود ہیں اور اتحاد امت کا یہ تجربہ کارآمد اور مفید ثابت ہوا ہے، اس تجربہ کی روشنی میں وسیع تر اتحاد کا کوئی منصوبہ مشترکہ مقصد کے لیے بنایا جا سکے تو اختلاف میں وحدت کی کوشش کارگر ہو سکتی ہے، ایسا کوئی منصوبہ مسلم مجلس مشاورت اور آل انڈیا ملی کونسل بنا سکتی ہے اور اسے زمینی سطح تک عملی رنگ وروپ بخشا جا سکتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر یہ تنظیمیں ان اہداف کے ساتھ عملی کام کریں تو اتحاد امت کا منصوبہ عملی رنگ وروپ اختیار کر سکے گا؛ لیکن اس کے لیے اعتماد ویقین کی زمینی فضا تیار کرنی ہوگی اور یقینا یہ کام آسان نہیں ہے۔ بہار واڑیسہ اور جھارکھنڈ میں امارت شرعیہ نے اتحاد امت کا جو عملی تجربہ کیا، وہ ہر اعتبار سے کامیاب رہا ہے اور اس کے اثرات محسوس کیے جاتے ہیں۔ ضرورت ان کے تجربوں سے بھی فائدہ اٹھانے کی ہے۔

(ہ) فروعی اختلافات کو وسعت اور خیر کا ذریعہ سمجھا جائے اور عوام کو سمجھایا جائے کہ ہر اختلاف تنازع کی اساس نہیں ہے، اس کے دائرے کو سمجھا جانا چاہیے، اختلاف برداشت کرنے کا مزاج اور اپنی آراء کے خلاف باتیں سنجیدگی سے سننا بھی ضروری ہے، امیر شریعت رابع مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی نور اللہ مرقدہ نے اپنے پہلے فرمان میں کتاب الاحکام میں لکھا:

''وسعت نظر اور فراخ دلی سے کام لیں، پوری یک جہتی کے ساتھ مقصد عظیم پر نظر جمائے ہوئے، فروعی اور جزئی اختلاف سے دامن بچاتے ہوئے آگے بڑھیں اور جب تک کسی مسلک وخیال سے کفر واسلام کا اختلاف نہ ہو رواداری ترک نہ کریں'' (کتاب الاحکام امیر شریعت)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی نے ہندوستان گیر سطح پر علماء وفقہاء، قضاۃ اور مفتیان کرام کے درمیان یہ مزاج پیدا کیا ہے اور اس کے اچھے اثرات متفقہ فیصلے کی شکل میں سامنے آرہے ہیں۔

(و) غلط فہمیوں کے ازالہ کی کوشش، واقعہ یہ ہے کہ بہت سارے مسائل نزاعی محض غلط فہمیوں کی بنیاد پر ہیں، تمام مکاتب فکر اور مسالک میں متفق علیہ مسائل کی تعداد کثیر ہے، لیکن غلط فہمیوں کی وجہ سے ہم ایک دوسرے سے مزاحم ہوتے ہیں، مثلاً قبروں کو سجدہ کرنا، مزارات پر عورتوں کا جانا، محرم میں تعزیہ بنانا، نہ دیوبندیوں کے یہاں درست ہے نہ بریلویوں کے یہاں، دونوں طرف کے بڑوں کی اس سلسلے میں تصریحات موجود ہیں، لیکن غلط فہمی کی وجہ سے معاملہ نزاعی بنا ہوا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (الحجرات: ۱۲)

(اے ایمان والو! گمان کی کثرت سے بچو؛ اس لیے کہ بعض گمان گناہ ہے)۔

(ز) ہر مسلک اور مکتب فکر میں کچھ شدت پسند ہوتے ہیں اور وہ بہت معقول بات کو بھی مان کر نہیں دیتے، ایسے لوگوں کے اثرات کو سماج سے کم کیے بغیر اور شدت پسندی کی غیر معقولیت کو واضح کیے بغیر، اتحاد امت ممکن نہیں ہے، اس لیے ان تمام لوگوں کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا اور ان کے منصوبے کی زد سے عوام کو نکالنا بھی اتحاد امت کے لیے ضروری ہے، ابن ماجہ کی روایت حضرت انس بن مالکؓ سے ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن من الناس مفتاح للخير مغاليق للشر وإن من الناس مفتاح للشر مغاليق للخير فطوبى لمن جعل الله مفاتيح الخير على يديه وويل لمن جعل الله مفاتيح الشر على يديه۔

(بے شک کچھ لوگ خیر کے حق میں کنجی ہیں اور شر کے حق میں تالا ہیں اور کچھ لوگ خیر کے لیے تالا ہیں اور شر کے لیے کنجی ہیں، تو اس شخص کے لئے خوش خبری ہے جس کے ہاتھ پر اللہ نے خیر کی کنجی رکھی ہے اور بربادی ہے اس شخص کے لیے جس کے ہاتھ میں شر کی کنجی اللہ نے دیا)۔

حضرت انسؓ کی ایک روایت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح ذات کا حکم دیا ہے، فرمایا:

اتقوا الله وأصلحوا ذات بينكم اى الحالة التي يقع بهما الاجتماع، والآية [illegible] سورة الانفال [illegible]
(اللہ سے ڈرو اور اپنی حالت کی اصلاح کرو یعنی ایسی حالت بناؤ جس سے اتحاد اور اجتماعیت پیدا ہو)۔

حضرت ابوالدرداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو ثواب کے لحاظ سے روزہ، نماز اور صدقہ جاریہ سے بڑھا ہوا ہے، صحابہ کرامؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إصلاح ذات البين و فساد ذات البين هي الحالقة (ابو داؤد ۲/ ۲۹۲ کتاب الادب، باب فی اصلاح ذات البین)۔
(آپس میں مصالحت کرا دینا اور باہم فساد ڈالنا تمام نیکیوں کو ختم کرنے والی چیز ہے)۔

علامہ شیخ محمد نے جامع صغیر کے حاشیہ میں اصلاح ذات بین کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد حقیقی اجتماع کے احوال پیدا کرنا اور نفرت پیدا کرنے سے اجتناب ہے۔

قوله ذات بينكم: اى الحالة التي يقع بها الاجتماع اى لا تسعوا فيما ينفركم وقطع اجتماعكم بل اسعوا فيما يجمعكم

(ذات بینکم کا مطلب یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا کرو، جس سے اجتماعیت واقع ہو اور آپس میں نفرت پیدا کرنے کی سعی نہ کرو)۔

(ح) معاشرتی تعلقات بھی انسانی زندگی پر بہت اثر انداز ہوتے ہیں، مختلف مکتب فکر کے لوگوں کے درمیان آمد و رفت اور ان کی خوشی و غمی میں شرکت سے بھی دوریاں کم ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کے لیے دل کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے معاشرتی تعلقات کے فروغ کی عملی کوشش، اتحاد امت کے لیے انتہائی مفید اور مجرب نسخہ ہے، حضرت ابوایوب انصاریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال يلتقيان فيعرض هذا ويعرض هذا وخير هما الذي يبدأ بالسلام (مسلم ۲/ ۳۱۶ کتاب البر والصلة، باب تحريم الهجر فوق ثلاث)۔

(کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو چھوڑے رکھے، بایں طور کہ دونوں آمنے سامنے ہوں تو ایک اُدھر منہ پھیر لے اور ایک ادھر اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے)۔

(ط) ذرائع ابلاغ کا استعمال: آج پرنٹ میڈیا، الکٹرونک میڈیا، سوشل سائٹس رائے عامہ کی ہمواری، غلط فہمیوں کے ازالے اور ڈائیلاگ کے لیے بہت مفید ہیں، اتحاد امت کے لیے ان ذرائع کا استعمال کرکے بھی فضا ہموار کی جاسکتی ہے۔

(ی) حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ نے اتحاد امت کا ایک اچھا نسخہ اور منصوبہ ذکر کیا ہے، اس کو نقل کرکے اپنی بات ختم کرتا ہوں، فرمایا:

"ہماری دینی جماعتیں جو "تعلیم دین" یا "ارشاد و تلقین" اور "دعوت و تبلیغ" اور "اصلاح معاشرہ" کے لیے قائم ہیں اور اپنی اپنی جگہ مفید خدمات بھی انجام دے رہی ہیں ان میں بہت سے علماء اور مخلصین کام کر رہے ہیں، اگر یہی متحد ہوکر تقسیم کار کے ذریعہ دین میں پیدا ہونے والے تمام رخنوں کے انسداد کی فکر اور امکانی حد تک باہم تعاون کرنے لگیں اور اقامت دین کے مشترک مقصد کی خاطر ہر جماعت دوسری جماعت کو اپنا دست و بازو سمجھے اور دوسروں کے کام کی ایسی ہی قدر کرے جیسی اپنے کام کی کرتی ہے تو یہ مختلف جماعتیں اپنے نظام میں الگ رہتے ہوئے بھی اسلام کی ایک عظیم الشان طاقت بن سکتی ہیں اور ایک عمل کے ذریعہ اکثر دینی ضرورتوں کو پورا کرسکتی ہیں" (وحدت امت)۔

هذا ما عندي والله تعالى أعلم

اختلاف رائے اور وحدت امت

مولانا روح الامین[1]

یہ خالق کائنات کی خلقت کا حسن اور کمال ہے کہ اس نے ہر چیز کو جنس، نوع اور صنف کے اتحاد کے باوجود یکساں پیدا نہیں کیا، بلکہ ان میں شکل وصورت، زبان ولسان، فکر ومزاج اور جذبات واحساسات وغیرہ امور کے اعتبار سے اختلاف رکھا۔

کائنات کی دوسری چیزوں کی طرح انسان میں بھی اس نوع کا اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن کتاب ہدایت قرآن کریم میں اس کو جہاں آیات قدرت کے طور پر پیش فرمایا ہے، مثلاً ارشاد ہے: "ومن اٰیاته خلق السمٰوٰت والأرض واختلاف ألسنتکم وألوانکم إن فی ذلك لاٰیٰت للعالمین" (سورہ روم: ۲۲)، اور اس کی نشانیوں کا ایک حصہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی ہے، یقیناً اس میں دانش مندوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔

نیز ارشاد ہے: "ولو شاء ربك لجعل الناس أمة واحدة ولا یزالون مختلفین" (سورہ ھود: ۱۱۸)

اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طریقے کا پیرو بنا دیتا اور وہ ہمیشہ مختلف راستوں پر ہی رہیں گے۔

اس کے ساتھ ہی اس کی مذمت بھی وارد ہے، اور اتحاد واتفاق کا تاکیدی حکم ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

"ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینهم وکانوا شیعا کل حزب بما لدیهم فرحون" (سورہ روم: ۳۱-۳۲)

ان لوگوں کے ساتھ شامل نہ ہو جو شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرلیا، اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے، ہر گروہ اپنے اپنے طریقے پر مگن ہے۔

"ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاء هم البینٰت" (سورہ آل عمران: ۱۰۵)

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جن کے پاس کھلے کھلے دلائل آچکے تھے، اس کے بعد بھی انہوں نے آپس میں پھوٹ ڈال لی اور اختلاف میں پڑ گئے۔

"واعتصموا بحبل الله جمیعا ولا تفرقوا" (سورہ آل عمران: ۱۰۳) اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں باہمی اختلاف ناگزیر ہونے کے باوجود قابل مذمت بھی ہے، لہذا ضروری ہے کہ اولاً یہ متعین کیا جائے کہ کونسا اختلاف مذموم غیر مشروع ہے، اور کونسا اختلاف مذموم نہیں بلکہ مشروع حتی کہ محمود ہے۔

اختلاف مشروع کی تعیین:

اس کی تحدید دو طریقے سے ممکن ہے: (۱) موضع اختلاف کی تعیین کے طریق سے تحدید ہو، (۲) آداب اختلاف کے ذریعہ تحدید ہو۔

امر اول کی تحقیق یہ ہے کہ مسئلہ مجتہد فیہ ہو، یعنی وہ مسئلہ جس میں اجتہاد کی گنجائش ہو؛ کیوں کہ جب اجتہاد ہوتا ہے تو عموماً اختلاف بھی ہوتا ہے، اور اس پر اصولیین وفقہاء کا اتفاق ہے کہ محل اجتہاد ہر وہ حکم شرعی ہے جس میں کوئی دلیل قطعی نہ ہو۔

چنانچہ مستصفی میں ہے: "المجتهد فیه کل حکم شرعی لیس فیه دلیل قطعي" (المستصفی ۱/۳۴۵)۔

---

[1] جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: ''واصطلاحا ذلك (أي بذل الطاقة أي الاجتهاد) من الفقيه في تحصيل حكم شرعي ظني ''۔
یعنی اصطلاحا (اجتہاد) فقیہ کی جانب سے حکم شرعی ظنی کے حصول کے لیے طاقت کو صرف کرنا ہے۔

(التقرير والتحرير على تحرير الكمال لابن الهمام ۲/ ۲۹۱)۔

ابوالحسن آمدیؒ ''الاحکام'' میں اجتہاد کی تعریف میں لکھتے ہیں:

''وأما في اصطلاح الأصوليين فمخصوص باستفراغ الوسع في طلب الظن بشئ من الأحكام الشرعية على وجه يحس من النفس العجز عن المزيد فيه ... وقولنا: في طلب الظن احتراز عن الأحكام القطعية'' (الاحكام فی أصول الأحكام ۴/ ۲۱۸)۔

رہا اصولیین کی اصطلاح میں تو وہ کسی حکم شرعی میں ظن کے حصول کے لیے وسعت بھر طاقت کو صرف کرنے کے ساتھ خاص ہے، اس طرح کہ نفس کو یہ احساس ہو کہ اس سے زائد طاقت صرف نہیں کی جاسکتی...... اور ہم نے اپنے قول ''طلب الظن'' میں حکم قطعی سے احتراز کیا ہے۔

دلائل کی اقسام اربعہ معروف ہیں: (۱) قطعي الثبوت والدلالة، (۲) ظني الثبوت والدلالة، (۳) قطعي الثبوت وظني الدلالة، (۴) ظني الثبوت وقطعي الدلالة۔

ان اقسام میں آخری تین قسمیں محل اجتہاد ہیں، اور پہلی قسم نہیں، اس میں نہ اجتہاد کی گنجائش ہے اور نہ اختلاف کی، بلکہ یہاں خطا بھی اثم ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

''وإنما نعني بالمجتهد فيه ما لا يكون المخطئ فيه آثما''۔
ہماری مراد مجتہد فیہ سے یہ ہے کہ اس میں خطا کرنے والا گنہگار نہ ہو (المستصفی ۱/ ۳۴۵)۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:

''ولا هٰهنا من تقييد الكتاب بأن لا يكون قطعي الدلالة وتقييد السنة بأن تكون مشهورة أو متواترة غير قطعية الدلالة، وإلا فمخالفة المتواتر من الكتاب والسنة إذا كان قطعي الدلالة كفر''۔
اس مسئلہ میں (نفاذ قضاء القاضي إذا حكم في محل مجتهد فيه) کتاب کو مقید کرنا ضروری ہے کہ وہ قطعی الدلالۃ نہ ہو، اور سنت کی تقیید ضروری ہے کہ مشہور یا متواتر قطعی الدلالہ نہ ہو، ورنہ تو کتاب یا سنت کے متواتر کی مخالفت جب کہ وہ قطعی الدلالۃ ہو کفر ہے (حاشیہ ابن عابدین ۵/ ۴۰۰)۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''نعم من خالف الكتاب المستبين والسنة المستفيضة أو ما أجمع عليه سلف الأمة خلافا لا يعذر فيه، فهٰذا يعامل بما يعامل به أهل البدع'' (مجموع الفتاوی)۔

ہاں جو شخص کتاب واضح اور سنت استفاضہ اور سلف امت کے اجماع کی مخالفت کرے وہ معذور نہیں، اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو اہل بدعت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

سابقہ تفصیل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مندرجہ ذیل اختلاف مذموم ہیں:

(۱) ادیان میں اختلاف یعنی کفار کا اہل اسلام سے اختلاف، (۲) امور اعتقادیہ میں اختلاف یعنی فرق مبتدعہ کا اہل سنت سے اختلاف۔

اول کے سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیات بہت واضح ہیں:

''إن الدين عندالله الإسلام وما اختلف الذين أوتوا الكتاب إلا من بعد ما جاءهم العلم بغيا بينهم، ومن يكفر بآيات الله فإن الله سريع الحساب، فإن حاجّوك فقل أسلمت وجهي لله ومن اتبعن، وقل للذين أوتوا الكتاب والأميين أأسلمتم، فإن أسلموا فقد اهتدوا وإن تولوا فإنما عليك البلاغ، والله بصير بالعباد'' (سورہ آل

عمران: ۱۹-۲۰)۔

بے شک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے الگ راستہ لاعلمی میں نہیں بلکہ علم میں آجانے کے بعد محض آپس کی ضد کی وجہ سے اختیار کیا، اور جو شخص بھی اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے تو اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے، پھر بھی اگر یہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ میں نے تو اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیا ہے، اور جنہوں نے میری اتباع کی ہے انہوں نے بھی، اور اہل کتاب سے اور ان پڑھ (مشرکین عرب) سے کہہ دو کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ اسلام لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے، اور اگر انہوں نے منہ موڑا تو تمہاری ذمہ داری صرف پیغام پہنچانے کی حد تک ہے، اور اللہ تمام بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔

ثانی کے سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیات دلیل ہیں:

"ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءھم البینات وأولئك لھم عذاب عظیم، یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ الخ" (سورۂ آل عمران: ۱۰۵)

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جن کے پاس کھلے دلائل آچکے تھے، اس کے بعد بھی انہوں نے آپس میں پھوٹ ڈال لی اور اختلاف میں پڑ گئے، ایسے لوگوں کو سخت سزا ہوگی، اس دن کچھ چہرے چمکتے ہوں گے، اور کچھ چہرے سیاہ پڑ جائیں گے الخ۔

حضرت ابن عباسؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''تبیض وجوہ أھل السنة وتسود وجوہ أھل البدعة''، یہی تفسیر عبد اللہ بن عمرؓ سے بھی منقول ہے (التفسیر المظہری ۲/ ۱۱۲، تفسیر القرطبی ۴/ ۱۶۴)۔

جب کہ مندرجۂ ذیل اختلاف مذموم نہیں:

(۱) بعض عقائد کی جزئیات میں اختلاف جو نہ منصوص قطعی ہیں اور نہ ضروریات دین میں سے ہیں، جیسے شب معراج میں نبی کریم ﷺ کے دیدار الٰہی میں اختلاف، چنانچہ عبد اللہ بن عباسؓ قائل تھے اور حضرت عائشہؓ انکار کرتی تھیں، اور ایسے سماع موتی میں حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ کے درمیان اختلاف تھا۔

علامہ ابن تیمیہؒ اس جیسے اختلاف کے متعلق فرماتے ہیں:

''أن السلف أخطأ کثیر منھم في ھذہ المسائل، واتفقوا علی عدم التکفیر بذلك، مثل ما أنکر بعض الصحابة أن یکون المیت یسمع نداء الحي، وأنکر بعضھم رؤیة محمد ﷺ ربه، وبعضھم في الخلافة والتفضیل کلام معروف... وکان القاضي شریح ینکر قراءة من قرأه ''بل عجبت'' ویقول: إن اللہ لا یعجب... واتفقت الأمة علی أنه إمام من الأئمة...'' (مجموع الفتاوی ۱۲/ ۴۹۲)۔

سلف میں بہت سوں سے ان مسائل میں خطا ہوئی، اور اس کی وجہ سے ان کی عدم تکفیر پر تمام متفق ہیں، جیسے بعض صحابہ نے اس بات سے انکار کیا کہ مردہ زندہ کی آواز کو سنتا ہے، اور بعض نے انکار کیا کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی زیارت فرمائی، اور خلافت اور باہمی فضیلت میں تو سلف کا اختلاف مشہور ہے، قاضی شریح اس کی قرأت کا انکار کرتے تھے جو پڑھتا ہے: "بل عجبت" اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تعجب نہیں کرتا، جب کہ امت متفق ہے کہ وہ اماموں میں ایک امام تھے۔

(۲) فروع فقہیہ میں اختلاف، جیسے فقہاء اربعہ اور سلف کے مابین مسلکی اختلاف، یہ اختلاف نہ صرف یہ کہ مذموم نہیں بلکہ بعض اعتبار سے محمود ہے، اس کی بہت واضح دلیل یہ ہے کہ یہ اختلاف قرن اول میں صحابہ کے درمیان بھی رہا ہے۔

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

''وقد وقع اختلاف في الفروع بین الصحابة رضي اللہ عنھم خیر الأمة فما خاصم أحد منھم أحدا، ولا عادی أحد أحدا، ولا نسب أحد أحدا إلی خطأ ولا قصور''۔

فروع میں اختلاف صحابہ کے درمیان بھی ہوا، جب کہ وہ خیر امت تھے، ان میں سے کسی نے کسی سے نہ مخاصمت کی نہ دشمنی کی اور نہ کسی کو خطا اور قصور کی طرف منسوب کیا (جزیل المواہب فی اختلاف المذاہب ص:۲۵)۔

نیز آپ نے اس اختلاف کو اس امت کی ایک عظیم خصوصیت قرار دیا، اور اس بات کو سراہا ہے کہ پچھلی شریعتیں اس سے خالی تھیں، بلکہ علامہ قسطلانیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف امت کے لیے ایک رحمت ہے (دیکھئے: المواہب اللدنیہ ۲/۴۱۴، مجموع الفتاوی ۳۰/۸۰)۔

حتی کہ عمر بن عبدالعزیزؒ تو فرماتے ہیں کہ ''مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف نہ کرتے، اس لیے کہ اگر وہ ایک قول اختیار کرتے تو لوگ تنگی میں مبتلا ہو جاتے اور یہ قابل اقتداء ائمہ ہیں، اگر کوئی ان میں سے کسی کے قول کو اختیار کر لے تو اس کے لیے گنجائش ہے (جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ۲/۹۰۱)۔

بلکہ سلف کی ایک جماعت کو یہ بھی گوارہ نہ تھا کہ اس اختلاف کو اختلاف کہا جائے بلکہ ان کا کہنا تھا کہ اسے ''وسعت'' کا نام دو، چنانچہ طلحہ بن مصرفؒ تابعی ہیں، ان کے سامنے جب اختلاف ذکر کیا جاتا تو فرماتے: ''لا تقولوا الاختلاف، ولکن قولوا السعة'' (حلیۃ الاولیاء ۵/۱۹)۔

امام احمد بن حنبلؒ نے ایک صاحب کو مشورہ دیا:

''لا تسمه كتاب الاختلاف، ولكن سمه كتاب السعة'' (المسودة في أصول الفقه، ص: ۴۵۰، مجموع الفتاوی ۱۴/۱۵۹)

علامہ خطابیؒ ''اختلاف أمتي رحمة'' حدیث پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وإنما هو اختلاف في إثبات الصانع ووحدانيته، وهو كفر، واختلاف في صفاته ومشيئته، وهو بدعة، وكذلك ما كان من اختلاف الخوارج والروافض في إسلام بعض الصحابة، واختلاف في الحوادث من أحكام العبادات المحتملة الوجوه، جعله الله تعالى يسرا ورحمة وكرامة للعلماء منهم'' (اعلام الحدیث)۔

صانع اور اس کی وحدانیت میں اختلاف تو کفر ہے، اور اس کی صفات ومشیت میں اختلاف تو وہ بدعت ہے، اور ایسے ہی جو اختلاف خوارج اور روافض کی طرف سے بعض صحابہ کے اسلام کے سلسلہ میں ہے، اور عبادتوں میں پیش آنے والے وہ احکام جو متعدد وجوہ کے حامل ہیں، ان میں اختلاف کو اللہ تعالی نے یسر، رحمت اور کرامت قرار دیا ہے۔

امام خطابیؒ نے مذکورہ عبارت میں اختلاف کو تین قسموں میں منقسم کیا ہے:

(۱) حق وباطل کے درمیان اختلاف، یہ کفر ہے۔ (۲) فرق مبتدعہ کا اختلاف، یہ بدعت ہے۔ (۳) فروع فقہیہ میں اختلاف، یہ یسر ورحمت ہے۔

تنبیہ:

توسع کا یہ مطلب نہیں کہ کیف ما اتفق ان اقوال میں سے جس کو چاہے اختیار کر لے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ سلف کا اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور یہ ایسا امر قطعی نہیں کہ اجتہاد کی کوئی گنجائش نہ ہو، لہذا محقق کے لیے ضروری ہے کہ ترجیح راجح کے بعد عمل کرے، یا فتوی دے، چنانچہ امام مالکؒ سے منقول ہے:

''في اختلاف أصحاب رسول الله ﷺ مخطئ ومصيب فعليك بالاجتهاد'' (جامع لابن عبد البر ۲/۹۰۶)

اگر دلائل مساوی ہوں تو جو قول اصول کے زیادہ موافق ہو یا جس میں احتیاط کا پہلو زیادہ ہو اسے اختیار کرے، ورنہ توقف اختیار کرے اور کوئی حتمی رائے قائم نہ کرے، ہاں بوقت ضرورت اپنی ذات کی حد تک کسی ایک قول پر عمل کی گنجائش ہے (دیکھئے: جامع ابن عبدالبر ۲/۹۰۲)۔

دوسرا امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ مجتہد فیہ امور میں غیر مجتہد کے لیے اگرچہ توسع ہے لیکن ایسے قول کو اختیار کرنا جائز نہیں، جس کا بطلان واضح ہو، یا جنہیں اصولیین نوادر اور شواذ علماء سے تعبیر کرتے ہیں، یا جس میں اختلاف دلیل کے اعتبار سے انتہائی ضعیف ہو؛ کیوں کہ سلف محققین سے اس سلسلہ میں سخت کلمات منقول ہیں:

ابو عمرو اوزاعیؒ سے منقول ہے:

''من أخذ بنوادر العلماء خرج من الإسلام''۔ جو علماء کے نادر اقوال کو اپنائے وہ اسلام سے خارج ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ یحیی قطانؒ سے نقل کرتے ہیں:

''لو أن رجلا عمل بكل رخصة بقول أهل المدينة في السماء، وبقول أهل الكوفة في النبيذ، وبقول أهل مكة في المتعة لكان فاسقا'' (المسودة، ص: ۵۱۸)۔

اگر کوئی شخص ہر رخصت پر عمل کرنے لگے، سماع کے باب میں اہل مدینہ کے قول پر، نبیذ کے باب میں اہل کوفہ کے قول پر اور متعہ کے باب میں اہل مکہ کے قول پر، تو وہ فاسق ہے۔

ابن عبدالبرؒ نے سلیمان تیمیؒ سے نقل کیا ہے: ''لو أخذت برخصة كل عالم اجتمع فيك الشر كله''۔

اگر تو ہر عالم کی رخصتوں کو اختیار کرے تو تیرے اندر پورا کا پورا شر جمع ہوجائے گا۔

اس پر ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں: ''ہذا إجماع لا أعلم فيه خلافا'' (جامع بيان العلم ۲/۹۰)۔

ادب اختلاف:

جس طرح غیر مشروع اختلاف مذموم ہے، اسی طرح اختلاف میں ادب اور حدود کی رعایت نہ کرنا بھی قابل مذمت ہے، اس لیے اس سلسلہ میں چند اصولی باتیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) ہر اختلاف کو اس کے محل میں محدود رکھا جائے، یعنی فروعی اختلاف کو اصولی اور اصولی اجتہادی اختلاف کو مخالفت نصوص قطعیہ کا درجہ نہ دیا جائے۔

(۲) اختلاف کو آپسی نزاع اور مخالفت کا رنگ نہ دیا جائے۔

(۳) انصاف کا معاملہ کیا جائے، اور حق واضح ہونے پر بلا وجہ اپنی رائے پر اصرار نہ ہو۔

(۴) اختلاف کی بنیاد علمی دیانت و امانت داری ہو، نفس و ہوا نہ ہو۔

(۵) ایک دوسرے کے ساتھ حسن ظن اور رشتۂ اخوت کو ملحوظ رکھا جائے۔

(۶) شخصی تنقید و تنقیص اور ذاتی تحقیر و تذلیل سے بالکلیہ پرہیز کیا جائے۔

(۷) تواضع و ایثار کی راہ اپنائے، اپنے آپ کو متہم اور دوسرے کو معذور و مخلص گردانا جائے۔

(۸) تنکیر و تردید میں مصالح شرعیہ کی رعایت کی جائے۔

(۹) تخاطب میں جارحانہ اسلوب کے بجائے ناصحانہ، تلخی کے بجائے لینت اختیار کی جائے۔

علامہ ابن العربی مالکیؒ کی ایک مختصر مگر جامع عبارت پر اس ابتدائی گفتگو کو ختم کیا جاتا ہے، آپ فرماتے ہیں:

''التفرق المنهي عنه يحتمل ثلاثة أوجه: الأول التفرق في العقائد لقوله تعالى: شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذي أوحينا إليك وما وصّينا به إبراهيم وموسى وعيسى أن أقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه (سوره شورى: ۱۳)۔ والثاني (التفرق في القلوب) قوله عليه السلام: ''لاتحاسدوا ولا تدابروا ولا تقاطعوا وكونوا عباد الله إخوانا''. ويعضده قوله تعالى: واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا (سوره آل عمران: ۱۰۳)۔ والثالث ترك الخطيئة في الفروع والتبري فيها، وليمض كل أحد على اجتهاده، فإن الكل بحبل الله معتصم، وبدليله عامل، وقد قال ﷺ: ''لا يصلين أحد منكم العصر إلا في بني قريظة''، فمنهم من حضرت العصر فأخرها حتى بلغ بني قريظة أخذا بظاهر قول النبي ﷺ، ومنهم من قال: لم يرد هذا منا يعني إنما أراد الاستعجال، فلم يعنف النبي عليه السلام أحدا منهم، والحكمة في ذلك أن الاختلاف والتفرق المنهي عنه إنما هو المؤدي إلى

الفتنة والتعصب وتشتيت الجماعة. فأما الاختلاف في الفروع فهو من محاسن الشريعة. قال النبي ﷺ: ''إذا اجتهد الحاكم فأصاب فله أجران، وإذا اجتهد فأخطأ فله أجر واحد، وروى أن له إن أصاب عشرة أجور''(أحكام القرآن ۱/ ۲۸۱-۲۸۲)۔

جس تفرق سے منع کیا گیا ہے اس کی تین صورتیں محتمل ہیں:

(۱) عقائد میں تفرق؛ اس لیے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ طے کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جو (اے پیغمبر) ہم نے تمہارے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے، اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم، موسی اور عیسی کو دیا تھا کہ تم دین کو قائم کرو، اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

(۲) دلوں میں تفریق، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''آپس میں حسد نہ کرو، ایک دوسرے کے پیچھے نہ پڑو اور قطع تعلق نہ کرو، اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو'' اور اللہ تعالی کا ارشاد اس کی تائید کرتا ہے: ''اور اللہ نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے''۔

(۳) فروعی احکام میں ایک دوسرے کی تغلیط نہ کرنا اور براءت کا اظہار نہ کرنا، بلکہ ہر ایک کا اپنے اپنے اجتہاد پر کر گزرنا، اس لیے کہ ہر ایک اللہ کی رسی کو تھامے ہوئے ہے، اور اپنی دلیل پر عمل پیرا ہے، نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ تم میں سے کوئی ہرگز عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ میں، پھر عصر کا وقت ہو چکا تو بعض نے اس کو مؤخر کر دیا، یہاں تک کہ بنو قریظہ پہنچ گئے، (ان کا عمل) آپ کے ظاہر ارشاد پر تھا، اور بعض نے کہا کہ آپ کا مقصود یہ نہیں تھا بلکہ مقصود عجلت کا حکم دینا تھا، نبی کریم ﷺ نے ان میں سے کسی پر بھی نکیر نہیں فرمائی، اور حکمت اس میں یہ ہے کہ وہ اختلاف اور تفریق منہی عنہ ہے جو فتنہ، تعصب اور گروہ بندی کا سبب ہے، رہا فروعی اختلاف تو وہ شریعت کے محاسن میں سے ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب حاکم اجتہاد کرے اور درستگی کو پالے تو اس کے لیے دو اجر ہیں، اور اگر اجتہاد کرے اور چوک ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ اگر درستگی کو پالے تو دس اجر ہیں۔

ابن العربیؒ نے اپنی جامع گفتگو میں التفرق فی العقائد سے اختلاف غیر مشروع، اور اختلاف فروعی سے اختلاف مشروع ومحمود، اور لا تحاسدوا... الخ سے حدود اختلاف کی تعیین فرمادی ہے۔

اس تمہیدی گفتگو کے بعد مجمع الفقہ الاسلامی انڈیا کی طرف سے اس موضوع پر موصول سوالات کا ترتیب وار جواب لکھا جاتا ہے۔ واللہ الموفق للسداد

مسالک فقہیہ میں بحث کے آداب:

جواب(۱): یہ بات مسلم ہے کہ فروع فقہیہ میں اختلاف اختلاف تضاد نہیں کہ ہر ایک دوسرے کے مدمقابل ہو، بلکہ یہ اختلاف تنوع ہے کہ ہر ایک نے مکمل دیانت داری اور تقوی کی بناء پر جس حکم کو صواب گردانا اسے اختیار کیا، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے واقعۂ بنو قریظہ میں دونوں فریق میں سے کسی پر سرزنش نہیں فرمائی، یہیں سے معلوم ہوا کہ مسائل مجتہد فیہا میں خلوص نیت کے ساتھ ہوائے نفس سے بالاتر ہو کر جو جس مسلک کو اختیار کرے وہ مستحق ملامت نہیں، چنانچہ قاسم بن محمد بن أبی بکر صدیقؓ فرماتے ہیں:

''لقد نفع الله باختلاف أصحاب النبي ﷺ في أعمالهم، لا يعمل العامل بعمل رجل منهم إلا رأى أنه في سعة، ورأى أنه خير منه قد عمله'' (جامع بيان العلم وفضله ۲/ ۹۰۰)۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی نے صحابہؓ کے درمیان اعمال میں اختلاف کے ذریعہ نفع پہونچایا، ان میں سے کسی کے عمل کے مطابق عمل کرنے والا عمل کرے تو اس کے لیے گنجائش ہے، اور وہ بہتر عمل ہے جو اس نے اختیار کیا۔

عون بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعودؓ سے منقول ہے:

''ما أحب أن أصحاب محمد لم يختلفوا، فإنهم لو اجتمعوا على شئ فتركه رجل ترك السنة، ولو اختلفوا فأخذ رجل بقول أحد أخذ بالسنة'' (سنن الدارمي، باب اختلاف الفقهاء، ص: ۲۰۹)۔

مجھے پسند نہیں کہ صحابہ اختلاف نہ کرتے، اس لیے کہ اگر وہ کسی امر پر متفق ہوں، پھر ایک شخص اس کو ترک کردے تو اس نے سنت کو ترک کیا، اور اگر ان کے درمیان اختلاف ہوا، پھر کوئی ان میں سے کسی ایک کا قول اختیار کرے، تو اس نے سنت ہی کو اختیار کیا۔

اسی بنا پر سلف نے اس اختلاف کو توسع اور رحمت سے تعبیر کیا، اور تمام لوگوں کے لیے کسی مسلک کی اتباع کو لازم قرار نہیں دیا، بلکہ اسے پسند بھی نہیں فرمایا، چنانچہ حمید طویلؒ نے جب عمر بن عبدالعزیزؒ سے یہی درخواست کی تو آپ نے منظور نہیں فرمایا، سنن دارمی میں ہے:

''أن حميدا الطويل قال لعمر بن عبدالعزيز: لوجمعت الناس على شئ! فقال: ما يسرني أنهم لم يختلفوا. قال: ثم كتب إلى الآفاق أو إلى الأمصار: ليقض كل قوم بما اجتمع عليه فقهاؤهم'' (سنن الدارمی، باب اختلاف الفقہاء، ص: ۲۰۹)۔

حمید طویلؒ نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے عرض کیا کہ کاش! آپ لوگوں کو ایک مسلک پر جمع فرما دیتے! تو آپ نے فرمایا: مجھے اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ وہ اختلاف نہ کرتے، پھر تمام شہروں کو یہ فرمان جاری کیا کہ ہر شہر والے اسی مسلک کو اختیار کریں، جس پر ان کے علماء متفق ہوں۔

یہی بات امام مالکؒ نے اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب کہ خلیفہ وقت نے یہ پیش کش کی تھی کہ پورے ملک میں موطا کے مطابق عمل کرنے کا فرمان جاری کردیا جائے (دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۷/ ۱۶۸)۔

اس سے دوسرے مجتہدین وفقہاء کی رائے کا احترام بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ امام مجتہد تھے، انہوں نے مکمل اجتہاد کے بعد اپنے نزدیک صواب مسلک کو اختیار کیا تھا، اس کے باوجود یہ گوارہ نہیں کہ تمام لوگوں پر اس کے التزام کو ضروری قرار دیا جائے، بلکہ پسند یہی فرمایا کہ تمام لوگ اپنے اپنے علاقہ کے فقہاء کے مسلک پر عمل پیرا رہیں۔

خطیب بغدادیؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے:

''قولنا هذا رأي، وهو أحسن ما قدرنا عليه، فمن جاء نا بأحسن من قولنا، فهو أولى بالصواب منا''۔

ہمارا قول ایک رائے ہے، اور یہ ہماری بساط کے مطابق سب سے بہتر ہے، اگر کوئی ہماری رائے سے بہتر رائے پیش کرے تو وہ ہمارے نزدیک صواب کے زیادہ لائق ہے (تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۵۱)۔

یہ امر ان حضرات سلف سے فقط قول کی حد تک نہیں، بلکہ بعض مرتبہ ان حضرات نے دوسرے فقہاء کے قول پر عمل بھی کیا۔

امام ابویوسفؒ کو ایک مرتبہ خلیفہ نے جمعہ میں امام بنایا، نماز کے بعد انہیں یاد آیا کہ وہ بے وضو تھے، تو آپ نے اعادہ فرمایا، لیکن لوگوں کو اعادہ کا حکم نہیں دیا، جب آپ سے اس سلسلہ میں استفسار کیا گیا تو فرمایا:

''ربما ضاق علينا الشئ فأخذنا بقول إخواننا المدنيين''

یعنی جب ہم کسی امر میں تنگی محسوس کرتے ہیں تو اپنے مدنی بھائیوں کے قول کو اپنا لیتے ہیں (مجموع الفتاوی ۲۰/ ۳۶۴)۔

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک احتجام موجب وضو ہے، لیکن جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ اگر امام وضو نہ کرے تو اس کی اقتداء کی جائے گی؟ آپ کا جواب تھا:

''سبحان الله! ألا أصلي خلف سعيد بن المسيب ومالك بن أنس؟'' (مجموع الفتاوی ۲۰/ ۳۶۶)۔

امام شافعیؒ کا یہ مسلک ہے کہ جس مال میں زکاۃ واجب ہو چکی ہو، زکاۃ نکالنے سے پہلے اس کا استعمال جائز نہیں، لیکن آپ نے ایک مرتبہ پھیری والے سے باقلا خریدا اور استعمال فرمایا، اور ایک مرتبہ حلق فرما کر نماز پڑھی، جب کہ آپ کے کپڑوں پر بہت سارے بال تھے، حالاں کہ اس وقت آپ کا مذہب یہ تھا کہ بال ناپاک ہیں، اس بابت آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا: ''حيث ابتلينا نأخذ بمذهب أهل العراق'' جب ہم مبتلا ہوتے ہیں تو اہل عراق کے مذہب کو اختیار کر لیتے ہیں (ادب الاختلاف فی مسائل العلم والدین لمحمد عوامہ، ص: ۷۷)۔

بلکہ حضرات سلف نے دوسرے مسلک کی رعایت کو مستحب قرار دیا ہے، مثلاً حنفی کے لیے مس مرأۃ کے بعد وضو کا اعادہ مستحب ہے تا کہ مسلک شافعی کی رعایت ہو، اور شافعی کے لیے مستحب ہے کہ رعاف کے بعد وضو کا اعادہ کرلے تا کہ مذہب حنفی کی رعایت ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سفر میں اتمام صلوۃ کے مسئلہ میں حضرت عثمانؓ پر نکیر فرمائی، لیکن آپ کی اقتداء میں چار رکعت کے ساتھ اتمام کیا اور فرمایا: "الخلاف شر" اس سے معلوم ہوا کہ جب اپنے مسلک پر عمل کرنے کی وجہ سے فتنہ ہو اور مصلحت یہی ہو کہ جماعت کی موافقت کی جائے تو وہاں مصلحۃً اپنے مسلک کو ترک کر دینا اولی ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے بسملہ سراً و جہراً کے مسئلہ میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ، جمہور فقہائے حدیث اور فقہاء اہل رائے سے منقول ہے کہ تسمیہ سراً مستحب ہے، لیکن اس کے باوجود امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مصلحت ہو تو جہر مستحب ہے، یہاں تک کہ آپ نے صراحت فرمائی ہے کہ جو شخص مدینہ منورہ میں نماز پڑھے تو وہ جہر کرے (مجموع الفتاوی)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ فقہی مسالک میں بحث و تحقیق اور افتاء و عمل کے وقت مندرجہ ذیل امور کی رعایت کرنا چاہئے:

(۱) ہر مسلک کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہے، لہذا بحث میں ایسا انداز اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی مسلک کا بے بنیاد ہونا محسوس ہو، یا اس سے بالکلیہ کسی مسلک کی نفی ہو جائے۔

(۲) انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر مسلک کی جو وجہ ترجیح اس مسلک کے مطابق ہو، ذکر کی جائے تا کہ ہر مسلک کی اہمیت و وقعت ذہن نشین رہے۔

(۳) اصولی انداز میں نقطۂ نظر کے اختلاف اور مدارک اجتہاد کو واضح کیا جائے۔

(۴) دلیل کے اعتبار سے اگر اپنا مسلک ضعیف ہو تو اس کے اظہار سے چشم پوشی نہ کی جائے۔

(۵) تعامل کے اعتبار سے اگر دوسرے مسلک میں سہولت ہو یا اس میں اور کوئی خوبی ہو تو اس سے صرف نظر نہ کیا جائے، بلکہ بوقت ضرورت عمل کی گنجائش پیدا کی جائے۔

(۶) نصوص میں تاویل بعیدہ یا رکیکہ سے اجتناب کیا جائے۔

(۷) کوئی نص دوسرے مسلک کے بظاہر خلاف ہو، تو ان کے بیان کے مطابق اس کا محمل متعین کیا جائے، ورنہ کم از کم وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو مسئلہ خیار مجلس میں امام احمدؒ سے امام مالکؒ کے متعلق منقول ہے:

"مالك لم يرد الحديث ولكن تأوله على غير ذلك" (ادب الاختلاف للشيخ عوامه، ص: ۷۳)۔

(۸) کسی مسلک کی تضعیف میں شخصیت پر طنز و تعریض سے بالکلیہ احتراز کیا جائے۔

(۹) اپنے مسلک کے خلاف اختیار کرنے والے پر نکیر نہ کی جائے، خطیب بغدادیؒ نے سفیان ثوریؒ سے نقل کیا ہے:

"إذا رأيت الرجل يعمل العمل الذي اختلف فيه وأنت ترى غيره فلا تنهه" (الفقيه والمتفقه ۲/ ۶۹)۔

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ مختلف فیہ امر میں تمہاری رائے کے خلاف عمل کر رہا ہے، تو اس پر نکیر نہ کرو۔

(۱۰) علمی اختلاف کو قلبی بُعد و نفرت کا باعث نہ بنایا جائے، امام شافعیؒ کے تلمیذ یونس بن عبدالاعلی صدفیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ سے زیادہ عقلمند کسی کو نہیں دیکھا، ایک دن ایک مسئلہ میں ان سے میں نے مناظرہ کیا، پھر ہم جدا ہوئے تو میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

"يا أبا موسى ألا يستقيم أن نكون إخوانا وإن لم نتفق في مسئلة"

ابوموسی! کیا ایسا نہیں ہو سکتا ہے، ہم بھائی بنے رہیں، اگرچہ کسی ایک مسئلہ میں بھی ہم متفق نہ ہو سکیں (سیر اعلام النبلا ۱۰/ ۲۴۰)۔

ایک اہم ارشاد:

استاذ الاساتذہ فخر المتأخرین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے ارشاد کا ایک اقتباس پیش کر کے اس گفتگو کو ختم کیا جاتا ہے:

"غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ عمر برباد کر دی، ہماری ساری کد و کاوش کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلک پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں، اس کا حاصل اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو صواب محتمل الخطاء ثابت کر دیں اور دوسرے کے مسلک کو خطاء محتمل الصواب کہیں، ارے میاں! اجتہادی

مسائل میں صرف یہی نہیں کہ دنیا میں اس کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، میرا گمان تو یہ ہے کہ محشر میں اس کا راز نہیں کھلے گا، کیوں کہ رب کریم نے جب دنیا میں کسی امام مجتہد کو باوجود خطا ہونے کے ایک اجر وثواب سے نوازا ہے، اور ان کی خطا پر پردہ ڈالا ہے، تو اس کریم الکرماء کی رحمت سے بعید ہے کہ وہ محشر میں اپنے ان مقبولان بارگاہ میں سے کسی کی خطا کا اعلان کر کے اس کو رسوا کرے، تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں نہ محشر میں، اس کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی۔
(جواہر الفقہ ۱؍ ۴۰۳۔۴۰۸)۔

فرق اسلامیہ کے ساتھ مذاکرات:

جواب (۲): شیعہ وسنی، دیوبندی وبریلوی اور سلفی وغیر سلفی کے درمیان کچھ اختلافات عقائد سے بھی متعلق ہیں، لیکن اگر وہ قطعیات یا ضروریات دین سے متعلق نہیں تو موجب تکفیر نہیں، تاہم سلف صالحین کے طریق کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل مذمت ہیں۔

ان حضرات کے ساتھ گفتگو کے تین موضوع ہوسکتے ہیں:

(۱) عقائد صحیحہ:

ان کے بہت سے دینی عقائد سلف صالحین سے مختلف ہیں، اس لیے اولاً اسی موضوع پر ان سے گفتگو ہو، یہی دعوت دین کا بنیادی موضوع ہے، اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی دعوت کا اصل محور ہے، قرآن مجید کی اس آیت سے اسی کی طرف اشارہ ہے:

"قل یأھل الکتاب تعالوا إلی کلمة سواء بیننا وبینکم ألا نعبد إلا الله ولا نشرك به شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله فإن تولوا فقولوا اشھدوا بأنا مسلمون" (سورہ آل عمران: ۶۴)۔

(مسلمانو! یہود ونصاری سے) کہہ دو کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم میں تم میں مشترک ہو، (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور اللہ کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں، پھر بھی اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو! گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔

یہ اور اس کے بعد والی آیات سے یہ اشارہ سمجھ میں آتا ہے کہ مذکورہ فرق اسلامیہ سے یوں گفتگو کی جائے کہ جب ہم اور تم ایک ہی دین کو ماننے والے ہیں، تو آؤ! اس دین کی صحیح حقیقت کو جو صحیح دلائل سے ثابت ہو ہم اور تم اختیار کرلیں اور اس کے علاوہ تمام امور سے براءت کا اظہار کر دیں۔

لہذا اس کے لیے ضروری ہے کہ صحیح عقائد کا اثبات ہو، اس پر وارد شبہات کا ازالہ ہو، اور فاسد عقائد کی تردید ہو، انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی دعوت میں یہ تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں، مثلاً قرآن مجید میں ہے:

"ومن اٰیته اللیل والنھار والشمس والقمر لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا لله الذی خلقھن إن کنتم إیاہ تعبدون" (سورہ فصلت: ۳۷)۔

اور اسی کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند، نہ سورج کو سجدہ کرو، نہ چاند کو، اور سجدہ اس اللہ کو کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے، اگر واقعی تمہیں اسی کی عبادت کرنی ہے۔

اس آیت میں یہ تینوں چیزیں جمع ہیں، اسجدوا الخ عقیدۂ صحیحہ کا اثبات ہے، لاتسجدوا الخ عقیدۂ فاسدہ کا ابطال ہے، اور من اٰیاتہ اللیل الخ میں شبہ کا ازالہ بھی ہے کہ یہ تو اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں، بذات خود معبود نہیں ہیں۔

(۲) باہمی تعامل:

اللہ تعالی کی مشیت تکوینی کے مطابق انسانوں کے درمیان باہم ملت ومذہب، عقیدہ وفکر میں اختلاف تو بہر حال رہے گا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ولو شاء ربك لجعل الناس أمة واحدة ولا یزالون مختلفین إلا من رحم ربك" (سورہ ھود: ۱۱۸۔۱۱۹)۔

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طریقے کا پیرو بنا دیتا، اور اب وہ ہمیشہ مختلف راستوں پر ہی رہیں گے، البتہ جن پر تمہارا پروردگار رحم فرمائے گا۔

لہذا ضروری ہے کہ باہمی معاشرت، بشری علاقات اور امور مشترکہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون پر گفتگو ہو، اور یہ عقائد وافکار ونظریات سے علیحدہ اسلامی معاشرت اور اسلامی سیاست کا ایک حصہ ہے، سیرت نبویہ میں صلح حدیبیہ اور میثاق مدینہ اس کی نظیر ہیں، اگر یہ مذاکرات غیر اسلامی فرق سے ہو سکتے ہیں، تو فرق اسلامیہ سے بدرجۂ اولی کئے جاسکتے ہیں، عین فتنہ اور مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کے دوران جب امام مظلوم حضرت عثمان غنیؓ باغیوں کے نرغے میں محصور تھے، اور یہی باغی نمازوں میں امامت کرتے تھے تو امام مظلوم نے مسلمانوں کو ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی اور عام ضابطہ یہ بتادیا کہ:

"إذا أحسن الناس فأحسن معهم وإذا أساؤا فاجتنب إساءتهم" (صحیح البخاری: ۶۹۵)۔

جب وہ لوگ کوئی نیک کام کریں اس میں ان کے ساتھ تعاون کرو اور جب کوئی برا اور غلط کام کریں اس سے اجتناب کرو۔

اس ہدایت کے ذریعہ گویا مسلمانوں کو قرآنی ارشاد: "وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان" کی صحیح تفسیر بتادی اور باہمی انتشار وافتراق کا دروازہ بند کر دیا۔

حاصل یہ ہے کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات پر اتفاق کے بعد کچھ افکار ونظریات کا جزوی اختلاف، باہمی معاشرت وسیاست کے معاملہ میں اثر انداز نہ ہو، یہ بھی مذاکرات کا ایک اہم موضوع ہے۔

(۳) کلمۂ واحدہ پر اجتماعیت:

یعنی تمام فرق اسلامیہ جہاں امور مشترکہ میں باہمی تعاون کریں، اور بعض جزوی اختلاف کو اس باب میں حائل نہ ہونے دیں، جس کا تذکرہ اوپر آیا، وہیں گفتگو کا ایک موضوع یہ بھی ہے کہ دین اسلام پر یلغار کے وقت میں تمام فرق وحدت دین کی بناء پر اعداء اسلام کے مقابلہ میں متحد ہو جائیں، اس کی نظیر حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا طرز عمل ہے، جس وقت ان دونوں کے درمیان میدان جنگ گرم تھا، روم کی عیسائی سلطنت کی طرف سے موقع پاکر حضرت معاویہؓ کو اپنے ساتھ ملانے اور ان کی مدد کرنے کا پیغام ملا تو حضرت معاویہؓ کا جواب یہ تھا کہ ہمارے اختلاف سے دھوکہ نہ کھاؤ، اگر تم نے مسلمانوں کی طرف رخ کیا تو علی کے لشکر کا پہلا سپاہی جو تمہارے مقابلہ کے لیے نکلے گا وہ معاویہ ہوگا (البدایہ والنہایہ ۸/ ۱۲۷)۔

مذاکرات کے آداب:

دعوت الی اللہ کے جو بنیادی اصول قرآن مجید نے بیان کئے ہیں ان کی رعایت ہر قسم کے مذاکرات کو مؤثر بنانے کے لیے ناگزیر ہے، ارشاد ربانی ہے:

"ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن" (سورہ نحل: ۱۲۵)۔

اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔

حکمت:

حکمت کا لفظ ایک وسیع اور جامع مفہوم کا حامل ہے، کسی اور زبان کے ایک لفظ میں اس کا ترجمہ تقریباً ناممکن ہے، جن مفاہیم میں اس کا استعمال ہوتا ہے، وہ منع (روکنے) کے معنی کو متضمن ہیں، چنانچہ اس کا استعمال مندرجہ ذیل معانی میں ہوتا ہے:

(۱) عدل: جو مانع ظلم ہے، (۲) حلم: جو مانع غضب ہے، (۳) علم: جو مانع جہل ہے، (۴) نبوۃ وقرآن: جو مانع عصیان ہے، (۵) اتقان: جو مانع خلل وفساد ہے۔

اس کی جو سب سے جامع تعریف کی گئی ہے وہ ہے:

"الإصابة في الأقوال والأفعال" اور "وضع كل شئ في موضعه" (مفہوم الحکمۃ فی الدعوۃ للدکتور سعید القحطانی، ص: ۸)۔

اس اصول کا حاصل یہ ہے کہ مذاکرات اور دعوت میں مقتضائے حال کی رعایت کی جائے، لہذا حکمت نرم گفتگو اور قول لین ہی میں منحصر نہیں، بلکہ موقع ومحل کے اعتبار سے حلم وصبر، عفو ودرگزر، مسامحت وچشم پوشی، تصریح وتعریض، اخفاء واظہار، استقامت وتنزل وغیرہ تمام محاسن کو پیش نظر رکھنا حکمت میں داخل ہے، اور

ان تمام کے نظائر کتاب اللہ میں موجود ہیں۔

موعظۂ حسنہ:

موعظۂ حسنہ سے مراد ایسا طرز گفتگو جو مخاطب کے دل کو موم کردے، جس کے نتیجہ میں وہ اس کے قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے، اس میں تعبیرات کا حسن، ترغیب، ترہیب، تذکیر، تلقین وغیرہ تمام امور داخل ہیں، جو گفتگو کو مؤثر بنادیں۔

ابن عطیہ کہتے ہیں: ''الموعظة الحسنة: التخويف والترجئة والتلطف بالإنسان بأن تجله وتنشطه وتجعله بصورة من يقبل الفضائل'' (البحر المحيط ٦/ ٦١٣)۔

خطرہ سے آگاہ کرنا، امید دلانا اور ایسا لطف ومہربانی کا معاملہ کرنا کہ تم اسے عظمت دے دو، منشرح کردو اور اس لائق بنادو کہ وہ فضائل کو قبول کرلے۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کے اسلوب کے لیے محبت وشفقت کا اظہار، تواضع وایثار کا معاملہ، مخاطب کی خوبیوں کا اعتراف اور طنز وتعریض سے اجتناب ضروری ہے، اور یہ اوصاف ممکن نہیں جب تک کہ خالص ہمدردی اور خیر خواہی کا جذبہ اور خلوص وللّٰہیت نہ ہو، قرآن مجید نے ''إني لكم ناصح أمين'' فقط رسولوں کا قول نہیں بلکہ حال بیان کیا ہے۔

مجادلۂ حسنہ:

اگر نوبت مدافعت کی آجائے تو عامیانہ انداز میں مجادلہ اور مدافعہ نہ ہو، بلکہ اچھے طریقے پر ہونا چاہئے۔

ابن کثیرؒ نے اس کی تفسیر فرمائی: ''برفق ولين وحسن خطاب''۔ یعنی نرمی، خیر خواہی اور حسن خطاب سے ہونا چاہئے (ابن کثیر ۴/ ۶۱۳)۔

اور تفسیر مظہری میں ہے: ''وهي المناظرة على وجه لا يتطرق إليه طغيان النفس ولا وسواس الشيطان بل يكون خالصا لوجه الله وإعلاء كلمته''۔

یعنی اپنا غصہ اتارنا یا نفس کی بڑائی پیش نظر نہ ہو، خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کلمۂ حق بلند کرنے کے لیے ہو (التفسیر المظہری ۵/ ۳۹۰)۔

علامہ فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں:

دعوت اور مذاکرہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ دلیل وحجت پر مبنی ہو، اور حجت سے مقصود یا تو مذہب کو ثابت کرنا اور اس عقیدہ کو سامعین کے دلوں میں جاگزیں کرنا ہوتا ہے، یا خصم پر الزام کرنا اور اسے لاجواب کرنا ہوتا ہے، پھر قسم اول کی دو قسمیں ہیں: یا تو وہ حجت قطعی نقیض کے احتمال سے پاک ہوگی یا نہیں، بلکہ مفید ظن اقوی ہوگی، اس سے ظاہر ہوا کہ حجت ان تین قسموں میں منحصر ہے:

(۱) وہ حجت جو عقائد یقینیہ کو ثابت کرے، وہ حکمت سے موسوم ہے۔ (۲) دلیل ظنی یہ موعظۂ حسنہ ہے۔ (۳) وہ دلائل جن سے مقصود خصم کو لاجواب کرنا ہو وہ جدل ہے۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں: یا وہ ایسے مقدمات سے مرکب ہو جو اکثریت کے نزدیک مسلم ہیں تو یہ مجادلۂ حسنہ ہے، یا وہ مقدمات باطلہ سے مرکب ہو، جس کے ذریعہ لچر تاویلات کے ساتھ سامعین پر اثر انداز ہونے کی کوشش ہو، یہ اہل فضل کی شان نہیں ہے (مفاتیح الغیب: ۲۰/ ۲۸۷)۔

بصیرت:

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قل هذه سبيلي أدعو إلى الله على بصيرة أنا ومن اتبعني" (سورہ یوسف: ۱۰۸)

(اے پیغمبر) کہہ دو کہ یہ میرا راستہ ہے، میں بھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اور جنہوں نے میری پیروی کی ہے وہ بھی۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ دعوت کے لیے مدعو بہ اور مدعو الیہ کا علم ضروری ہے، اور فقط نفس علم نہیں بلکہ کامل علم ضروری ہے (تفسیر ابن القیم، ص: ۳۳۲)۔

یعنی بصیرت کا حصول علم ہی کے ذریعہ ہوتا ہے، لہٰذا دعوت ومذاکرہ کے لیے ضروری ہے کہ کتاب وسنت کا گہرا علم حاصل ہو اور عقلی ونقلی دلائل پر کامل اطلاع ہو اور فریق مخالف (مدعو) کے افکار ونظریات پر بھی گہری نظر ہو۔

چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''وقد ينهون عن المجادلة والمناظرة إذا كان المناظر ضعيف العلم بالحجة وجواب الشبهة فيخاف عليه أن يفسده ذلك المضل كما ينهى ذلك الضعيف في المقاتلة أن يقاتل علجا قويا من علوج الكفار فإن ذلك يضره ويضر المسلمين بلا منفعة'' (درء تعارض العقل والنقل ۷/ ۱۷۳)۔

جب بحث کرنے والا حجت سے آگہی اور شبہات کے رد کرنے میں کمزور واقع ہو تو اس کو بحث ومناظرہ سے روک دیا جائے گا؛ کیوں کہ اندیشہ ہے کہ وہ اس ضلالت زدہ کو مزید ضلالت میں مبتلا کردے، جیسا کہ جو شخص جنگ کرنے میں کمزور ہو تو اس کو کافروں میں سے طاقتور سپاہی سے قتال کرنے سے روک دیا جائے گا؛ کیوں کہ یہ اس کے لیے بھی نقصان دہ ہوگا اور مسلمانوں کو بھی بلا فائدہ نقصان پہنچے گا۔

باطل نظریات کی تقسیم:

جواب (۳): اسلام مخالف نظریات کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ نظریہ جو ضروریات دین یا قطعیات اسلام میں سے کسی چیز کے انکار کو مستلزم ہو ایسا باطل نظریہ موجب کفر ہے۔

(۲) جو باطل نظریہ مذکورہ قسم میں داخل نہ ہو، لیکن سنت ثابتہ اور طریق سلف کے خلاف ہو وہ موجب کفر نہیں، بلکہ موجب فسق وضلالت ہے۔

ان دونوں قسم کے درمیان کئی احکام میں فقہاء کرام نے فرق بیان کیا ہے:

(۱) مبتدع کی روایت:

قسم اول کی روایت مردود اور قابل احتجاج نہیں، جب کہ قسم ثانی کی روایت کے اعتبار میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، اکثر کے نزدیک اگر وہ اپنے بدعی نظریہ کا داعی نہ ہو تو اس کی روایت معتبر ہے۔

(۲) مبتدع کی شہادت:

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک مبتدع کی شہادت مطلقاً مردود ہے، اس لیے کہ وہ فاسق ہے اور فسق عدالت کے منافی ہے؛ جب کہ حنفیہ اور شافعیہ کے یہاں راجح قول کے مطابق قسم ثانی کی شہادت مقبول ہے۔

(۳) مبتدع کی امامت:

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک قسم ثانی کے مبتدع کی امامت کراہت کے ساتھ جائز ہے، اور قسم اول کی جائز نہیں، یہی مالکیہ کی ایک رائے ہے؛ جب کہ مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ قسم ثانی کا مبتدع اگر معلن اور داعی ہو تو نماز کا اعادہ مستحب ہے۔

(۴) مبتدع کی ولایت:

ولایت عامہ کے لیے بالاتفاق شرط ہے کہ وہ عادل ہو، صاحب ہوی اور بدعت نہ ہو، اس لیے کہ دونوں قسم کے مبتدع کو والی بنانا جائز نہیں، لیکن متغلب کی امامت منعقد ہو جائے گی، اور اس کی اطاعت جائز امور میں واجب ہوگی، بشرطیکہ قسم اول کا مبتدع نہ ہو۔

(۵) مبتدع کی نماز جنازہ:

اول کی نماز جنازہ تو مشروع نہیں، لیکن ثانی کا حکم مختلف فیہ ہے، جمہور کے نزدیک واجب ہے؛ لیکن مالکیہ کہتے ہیں کہ اصحاب فضل کے لیے شرکت مکروہ ہے، جب کہ حنابلہ کے نزدیک مبتدع کی نماز جنازہ ممنوع ہے۔

(۶) مبتدع کی توبہ:

قسم اول کی توبہ کے قبول ہونے میں اختلاف ہے، مذاہب اربعہ میں جمہور کے نزدیک مقبول ہے، جب کہ بعض کے نزدیک منافق، زندیق اور باطنی کی توبہ مقبول نہیں (الموسوعة الفقهية الكويتية ۸/ ۳۵-۳۹)۔

مبتدع پر نکیر:

دونوں قسم کی بدعت قابل نکیر ہے، اور اس کی حدود اور آداب وہی ہیں جو ہر کسی منکر پر نکیر کے آداب وحدود ہیں، البتہ منکر کے درجات کے اعتبار سے نکیر کی شدت وضعف میں بھی فرق ملحوظ رہے گا، تاہم شدت وضعف امور اضافیہ میں سے ہیں، اس لیے اس کی تحدید مشکل ہے، البتہ کچھ قابل لحاظ امور ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) مبتدع جس کی بدعت موجب کفر نہ ہو وہ مسلم ہے، لہذا اخوۃ دینیہ کی بنا پر وہ اسلامی حقوق کا مستحق ہے؛ جب کہ اول شخص اس کا حقدار نہیں۔

(۲) یہ مبتدع اگرچہ مسلم ہے لیکن اس سے ہجران، قطع تعلق اور اجتناب واجب ہے، ابن عبد البرؒ حدیث کعب بن مالک کے فوائد میں فرماتے ہیں:

''وهذا أصل عند العلماء في مجانبة من ابتدع، وهجرته وقطع الكلام عنه'' (التمهيد ۸/۴)۔

یہ حدیث مبتدع سے پرہیز، قطع تعلق اور قطع کلامی کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

امام بغویؒ نے اس پر صحابہ، تابعین اور علماء کا اجماع نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

''وقد مضت الصحابة والتابعون وأتباعهم وعلماء السنة على هذا مجمعين متفقين على معاداة أهل البدعة ومهاجرتهم'' (شرح السنہ ۱/ ۲۲۷)۔

اہل بدعت سے منافرت اور قطع تعلق پر صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور علماء حق کا اتفاق اور اجماع رہا ہے۔

(۳) مبتدع جو نظری وفکری ضلالت میں مبتلا ہو، اور صحیح العقیدہ فاسق عملی کے درمیان بھی ہجران اور نکیر کے اعتبار سے فرق کیا جائے گا۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''اتفق أهل الإسلام على أن هذه البدع المغلظة شر من الذنوب التي يعتقد أصحابها أنها ذنوب'' (مجموع الفتاوى ۲۸/ ۴۷۰)۔

اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ بدعت غلیظہ ان گناہوں سے بدتر ہے، جن کا مرتکب ان کو گناہ ہی سمجھتا ہو۔

اور ان دونوں کے درمیان سلوک کے اعتبار سے واضح فرق پر دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے، آپ نے شارب خمر کے تعلق سے فرمایا:

''لا تلعنوه. فو الله ما علمت إلا أنه يحب الله ورسوله'' (صحيح البخاري: ۶۷۸۰)۔

اس پر لعن طعن مت کرو، واللہ مجھے معلوم ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

جب کہ خوارج کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''شر قتلى تحت أديم السماء'' (سنن الترمذي: ۳۰۰۰)، آسمان کے نیچے مقتولین میں سب سے بدتر ہیں۔

حضرت سعید بن جبیرؓ سے منقول ہے:

''لأن يصحب ابني فاسقا، شاطرا، سنيا، أحب إلي من أن يصحب عابدا مبتدعا''۔

میرا بیٹا فاسق، شاطر سنی کے ساتھ رہے مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ کسی عبادت گزار بدعتی کے ساتھ رہے۔ (العین والاثر فی عقائد اہل الاثر، ص: ۷)۔

(۴) بعض دینی مصالح کی بنا پر فاسق کی طرح مبتدع سے بھی تعاون جائز ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''فإذا تعذر إقامة الواجبات من العلم والجهاد وغير ذلك إلا بمن فيه بدعة مضرتها دون مضرة ترك ذلك الواجب كان تحصيل مصلحة الواجب مع مفسدة مرجوحة معه خيرا من العكس''۔

جب علم، جہاد وغیرہ واجبات کا قیام اہل بدعت سے ملے بغیر متعذر ہو اور اس کی مضرت اس واجب کے ترک کی مضرت سے کم تر ہو تو کمتر مفسدہ کے ساتھ واجب کی مصلحت کو حاصل کرنا برعکس صورت اختیار کرنے کے مقابلہ میں بہتر ہے (مجموع الفتاوی: ۲۸ / ۲۱۲)۔

(۵) بدعت اور منکر کے ازالہ کے لیے شریعت کی حدود میں رہ کر مبتدع کے ساتھ مخالطت بھی اختیار کی جائے گی؛ لیکن جیسے مریض کے علاج کے لیے اس کا قرب اختیار کیا جاتا ہے، تاہم خود اپنے آپ کو اور معاشرہ کو اس بیماری سے بچانے کی بھی فکر کی جاتی ہے۔

شیعہ سنی تصادم:

جواب (۴): اس میں کوئی شک نہیں کہ شیعہ کے بہت سے گروہ اسلام سے خارج ہیں، اور ان کے علاوہ دیگر گروہ اپنے عقائد فاسدہ کی بنا پر ضال اور اہل سنت والجماعۃ سے خارج ہیں، بہت سی روایات میں نبی کریم ﷺ نے ان کی پیشین گوئی فرماتے ہوئے مذمت فرمائی، مثلاً:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس تھا اور علیؓ بھی تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے علیؓ کو مخاطب بناتے ہوئے فرمایا:

''یا علي سیکون في أمتي قوم ینتحلون حبنا أهل البیت. لهم نبز یسمون الرافضة فاقتلوهم فإنهم مشرکون'' (الطبرانی فی المعجم الکبیر: ۱۲۹۹۸)۔

اے علی! میری امت میں ایسے لوگ آئیں گے جو ہم یعنی اہل بیت کے ساتھ محبت کا دعوی کریں گے، ان کا ایک لقب ہوگا، انہیں رافضی کہا جائے گا تم ان کو قتل کردو، اس لیے کہ وہ مشرک ہیں۔

ائمہ سلف سے بھی ان کے حق میں سخت کلمات منقول ہیں:

حضرت علیؓ سے منقول ہے:

''سیکون بعدنا قوم ینتحلون مودتنا، یکذبون علینا مارقة آیة ذلك. أنهم یسبون أبابکر وعمر'' (معجم ابن الاعرابی: ۲۵۰)۔

ہمارے بعد کچھ لوگ ہماری محبت کے دعویدار ہوں گے، ہماری طرف غلط باتیں منسوب کریں گے، دین سے خارج ہوں گے، اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ ابوبکرؓ و عمرؓ پر سب وشتم کریں گے۔

فقہاء نے سخت الفاظ میں ان کی مذمت فرمائی:

حضرت امام مالکؒ سے منقول ہے: ''الذي یشتم أصحاب النبي ﷺ لیس لهم اسم أو قال نصیب في الإسلام''۔

جو صحابہ پر سب وشتم کرے ان کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

نیز منقول ہے:

''لا تکلمهم ولا تروِ عنهم فإنهم یکذبون''۔ ان سے بات نہ کرو اور ان سے روایت نہ لو، اس لیے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

حضرت امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے:

''لا أصلي خلف الجهمي أو رافضي یعني الشیعي ولا قدري''۔

میں رافضی شیعی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا اور نہ قدری کی اقتداء کرتا ہوں۔

طلحہ بن مصرفؒ کہتے ہیں:

''لا تنکح نساؤهم ولا تؤکل ذبائحهم لأنهم أهل ردة'' (دیکھئے: موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام ۶/ ۲۵۳)۔

نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا اور نہ ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا، اس لیے کہ وہ مرتد ہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ تو ان کے ساتھ قتال کو واجب قرار دیتے ہیں:

''أنهم شر من عامة أهل الأهواء، وأحق بالقتال من الخوارج، وأيضا فغالب أئمتهم زنادقة إنما يظهرون الرفض، لأنه طريق إلى هدم الإسلام، كما فعلته أئمة الملاحدة'' (مجموع الفتاوى ۲۸/ ۴۸۳)۔

عام اہل ہوی کے مقابلہ میں یہ بدترین لوگ ہیں، اور خوارج کی بہ نسبت زیادہ لائق ہیں کہ ان سے قتال کیا جائے، نیز ان کے اکثر مقتدی زندیق ہیں، وہ رفض کا اظہار کرتے ہیں، کیوں کہ یہ اسلام کے انہدام کا راستہ ہے، جیسا کہ ملحدین کے آقاؤں نے کیا۔

ان سب کے باوجود کسی بھی ضال یا کافر کا خون اور اس کی املاک کے مباح ہونے کے لیے کچھ شرائط ہیں، جن کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے، بنیادی طور پر دو شرطیں ذکر کی جاتی ہیں:

(الف) (۱) کافر ذمی نہ ہو، (۲) معاہد نہ ہو، معاہد خواہ قولاً ہو یا عملاً، لہذا ملک کا ہر شہری معاہد کے حکم میں ہے، کیوں کہ وہ ملک کے قانون کی پابندی کا قولاً یا عملاً عہد کرتا ہے، (۳) مستامن نہ ہو، کسی بھی ملک میں ویزا کے تحت داخل ہونے والا بھی مستامن ہے۔

چنانچہ معاہد کے قتل پر سخت وعید آئی ہے، صحیح بخاری کی روایت ہے:

'' من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة وإن ريحها توجد من مسيرة أربعين عاما'' (صحيح البخاري: ۳۱۶۶)۔

جس نے معاہد کو قتل کیا اس کو جنت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی، حالاں کہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے آئے گی۔

حافظ ابن حجرؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

''والمراد به من له عهد مع المسلمين سواء كان بعقد جزية أو هدنة من سلطان أو أمان من مسلم'' (فتح الباري ۱۲/ ۲۵۹)۔

مراد اس سے وہ شخص ہے جس کا مسلمانوں سے معاہدہ ہو، خواہ عقد جزیہ کے ذریعہ ہو یا حاکم سے صلح ہوئی ہو یا مسلمان کی طرف سے امن ملا ہو۔

(ب) کسی مباح الدم کو قتل کرنے کا اختیار حاکم یا اس کے نائب کو حاصل ہے، عام لوگوں کو قانون اپنے ہاتھ میں لینا جائز نہیں۔

''لا يقيم الحدود إلا الإمام أو من فوض إليه الإمام باتفاق الفقهاء، لأنه لم يقم حد على عهد رسول الله ﷺ إلا بإذنه، ولا في أيام الخليفة إلا بإذنهم، ولأن الحد حق لله تعالى يفتقر إلى الاجتهاد، ولا يؤمن فيه الحيف، فلم يجز بغير إذن الإمام'' (الفقه الاسلامي وادلته ۵/ ۸۰۶)۔

حد امام ہی جاری کرے گا، یا وہ جس کو امام نے یہ کام سپرد کیا ہو، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اس لیے کہ نہ آپ ﷺ کے دور میں آپ کی اجازت کے بغیر حد جاری کی گئی اور نہ خلفاء کے دور میں ان کی اجازت کے بغیر، اور اس لیے کہ حد حق اللہ ہے، جس میں اجتہاد کی ضرورت ہے، اور اس میں ظلم کا امکان ہے، لہذا امام کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔

(ج) اہل حرب کا خون اور ان کی املاک بھی مباح ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ بطریق جہاد قتال ہو، اور جہاد کی مشروعیت کے لیے دو شرطیں ہیں:

(۱) دشمن دین حق کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوں اور مسلمان اور ان کے درمیان امن یا جنگ بندی کا کوئی معاہدہ نہ ہو۔

(۲) امام کو اہل حق کے غلبہ کی امید ہو، ورنہ قتال حلال نہ ہوگا (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۷/ ۱۰۸، فتاوی ہندیہ ۲/ ۱۸۸)۔

(د) اگر حکومت وقت اور اس کے حامیوں کو ضال یا کافر یا ظالم گرداننے کی بنا پر ان کی جان اور املاک کو مباح سمجھا جا رہا ہے، تو یہ خروج علی الامام کے دائرہ میں آتا ہے، جس میں تفصیل اور بہت سی شرائط ہیں، اس باب میں حضرت تھانویؒ نے انتہائی جامع اور محققانہ گفتگو اپنے رسالہ ''جزل الکلام فی عزل الامام'' میں فرمائی ہے (دیکھئے: امداد الفتاوی ۵/ ۱۱۹۔ ۱۳۱)۔

جس کی تلخیص شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم کی تکملہ فتح الملہم میں دیکھی جا سکتی ہے (تکملہ فتح الملہم: ۵/ ۱۸۵)۔

(ہ) جن صورتوں میں قتال کی اجازت ہے، تو کیفیت قتال کے سلسلہ میں بھی فقہاء نے آداب و شرائط ذکر کئے ہیں، جن کا لحاظ ضروری ہے، مثلاً عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور مذہبی پیشوا جن کا قتال میں کوئی عمل دخل نہ ہو، قتل کرنا جائز نہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۹۳)۔

اسی طرح عبادت گاہوں اور اداروں کو بے دریغ نشانہ بنانا جائز نہیں (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۲۸ / ۱۵۰)۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس وقت عالم اسلام میں جو کچھ تباہی مچی ہوئی ہے، ایک دوسرے کا خون بہایا جارہا ہے، ایک دوسرے کی املاک کو نقصان پہنچایا جارہا ہے، اور سب کچھ اسلام کے نام پر کیا جارہا ہے اور کار ثواب سمجھ کر کیا جارہا ہے، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اور شرعاً اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

علماء اور اصحاب فکر ودانش کی ذمہ داری:

بندہ کی رائے میں ان حضرات کی چند ذمہ داریاں ہیں:

(۱) پردہ کے پیچھے جو اصل حقائق ہیں، خود ان سے واقف ہوں، اور اپنی قوم کو ان سے آگاہ کریں۔

(۲) حالات کا تجزیہ قرآن وسنت کی روشنی میں کریں اور امت کے لیے لائحۂ عمل پیش کریں۔

(۳) اپنے نظریاتی اور اجتہادی اختلاف کو صرف اپنے حلقۂ درس یا تصنیف وتالیف اور فتوی تک محدود رکھیں، عوامی جلسوں، اخباروں، اشتہاروں اور باہمی مناظروں کے ذریعہ ان کو نہ اچھالیں، اور کلمۂ واحدہ کی بناء پر امت کی شیرازہ بندی کی فکر کریں، اور اپنی توانائی کے صرف کا صحیح محل تلاش کرلیں۔

(۴) پیغمبرانہ اصول دعوت واصلاح کے تابع بن کر اسلام کی تعلیم وتبلیغ کا فرض نبھانے کی کوشش کریں۔

(۵) اس کے لیے زمانہ کے تقاضے کے مطابق شرعی حدود میں رہ کر جدید ومؤثر آلات کو بھی بروئے کار لائیں۔

عام مسلمانوں کی ذمہ داری:

علماء کی مذکورہ ذمہ داریوں کے ساتھ عوام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بے لگام زندگی نہ گزاریں، اور اپنے جذبات سے مغلوب ہوکر کوئی قدم نہ اٹھائیں، بلکہ اپنی مقدور بھر پوری کوشش کرکے کسی صحیح صاحب بصیرت عالم دین کا انتخاب کریں، اور پھر ہر معاملہ میں اپنے آپ کو اس کا تابع بنادیں، جیسے وہ ڈاکٹروں، حکیموں اور وکلاء کی دنیا میں بیماری کی تشخیص اور علاج کی تجویز، اور قانونی رہنمائی اور مقدمہ کی پیروی کے لیے ہر کس وناکس سے رجوع نہیں کرلیتے، بلکہ مکمل چھان بین کے بعد کسی کا انتخاب کرتے ہیں، ایسے ہی علماء کے باب میں بھی یہ طرز عمل اختیار کرنا ہوگا۔

سنی شیعہ کے درمیان پُرامن زندگی کے اصول:

جواب (۵): دین انسانوں کے لیے اپنے خالق ومالک اور باہم ایک دوسرے سے تعلقات کی اصلاح سے عبارت ہے، اور اس باب میں معیار اگرچہ دین اسلام ہے کہ وہی دین حق ہے، لیکن مشیئت تکوینی کی بنا پر دین حق اور ادیان باطلہ کی آویزش ہمیشہ رہے گی، اور اس کے نتیجہ میں لوگ بھی مختلف ادیان میں منقسم رہیں گے۔

ارشاد ربانی ہے:

"وما كان الناس إلا أمة واحدة فاختلفوا ولولا كلمة سبقت من ربك لقضي بينهم فيما فيه يختلفون" (سورہ یونس: ۱۹)۔

اور (شروع میں) تمام انسان کسی اور دین کے نہیں، صرف ایک ہی دین کے قائل تھے، پھر بعد میں وہ آپس میں اختلاف کرکے الگ الگ ہوئے، اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہوچکی ہوتی، تو جس معاملہ میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں، اس کا فیصلہ (دنیا ہی میں) کردیا جاتا۔

لہٰذا باہمی تعلقات کی اصلاح جہاں اپنے ہم مذہب اہل اسلام سے مطلوب ہے، وہیں دیگر اہل ادیان سے بھی اس کا مطالبہ ہے، اور اس کی ہدایات بھی دین حق میں موجود ہیں۔

انسانی وحدت:

اسلام کا بنیادی عقیدہ "وحدت امت" ہے، اسی سے دوسرا تصور وحدت انسانیت کا پیدا ہوتا ہے کہ سب انسان ایک ہی خالق کی مخلوق ہونے کے اعتبار سے

یکساں مرتبہ کے حامل ہیں، قرآن مجید نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

"یأیها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا کثیرا ونساء" (سورۂ نساء: ۱)۔

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجۃ الوداع کے آخری خطبہ میں ان دونوں حقیقتوں کو یوں واضح فرمایا:

"ألا إن ربکم واحد. ألا إن أباکم واحد. ألا لا فضل لعربي علی عجمي" (کنز العمال: ۸۵۰۲)۔

سنو! تمہارا رب ایک ہے، اور سنو! تمہارا باپ ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر کوئی برتری نہیں۔

انسانی شرافت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد عالی میں رنگ ونسل اور خاندانی برتری کے تصور کو بھی ختم کر دیا، اور عالمگیر اخوت انسانی کا پیغام دیا، بلکہ ایک روایت میں اس کی صراحت ہے:

"أن العباد کلهم إخوة" (سنن ابی داؤد: ۱۵۰۸)۔

اس کے ساتھ اسلام کی نظر میں ہر فرد بشر قابل احترام ہے، ارشاد ہے:

ولقد کرمنا بنی آدم (سورہ بنی اسرائیل: ۷۰)۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے۔

یہ تکریم واحترام بنی نوع انسانی سے متعلق ہے، اس میں مسلم وغیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں ہے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری انسانیت کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"فإن الله حرم علیکم دماء کم وأموالکم وأعراضکم کحرمة یومکم هذا في شهرکم هذا في بلدکم هذا" (صحیح البخاری: ۶۷)۔

اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک دوسرے کا خون، ایک دوسرے کا مال اور اس کی عزت کو حرام قرار دیا ہے، جیسے اس دن کی حرمت تمہارے اس مہینہ میں تمہارے اس شہر میں۔

تعلقات کو استوار رکھنے کی شرط:

مذکورہ دونوں معیار پر اسلام تمام انسانوں کو باہم تعلقات کی استواری کا حکم دیتا ہے، لیکن خالق کائنات کے نزدیک دین حق اسی کے نازل کردہ دین اسلام میں منحصر ہے، اس لیے وہ اپنے ماننے والوں سے یہ اپیل کرتا ہے کہ دین حق پر استقامت اور دینی تشخص کی بقا کے ساتھ ہر قسم کے تعلقات استوار ہونے چاہئیں، دیگر قوموں کے ساتھ تعلقات کو ہموار کرنے میں دینی تشخص کو قربان کر دینا جائز نہیں: چنانچہ اس سلسلہ میں شریعت اسلامیہ میں دو بنیادی ہدایات دی گئی ہیں:

(۱) موالات کی ممانعت:

قرآن مجید کی بہت سی آیات میں غیر مسلم کو ولی اور دوست بنانے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، مثلاً ارشاد ہے:

یأیها الذین آمنوا لا تتخذوا الکافرین أولیاء من دون المؤمنین (سورۃ النساء: ۱۴۴)

اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ۔

ایک مقام پر یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستی کی ممانعت کے بعد کہا گیا:

ومن یتولهم منکم فإنه منهم (سورہ مائدہ: ۵۱)۔ اور تم میں سے جو شخص ان کی دوستی کا دم بھرے گا تو پھر وہ انہی میں سے ہوگا۔

گویا یہ ایمان کی شرط ہے، اور ان کے ساتھ دوستی عدم ایمان کو مستلزم ہے۔

چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''فبين سبحانه وتعالى أن الإيمان بالله والنبي وما أنزل إليه مستلزم لعدم ولايتهم فثبوت ولايتهم يوجب عدم الإيمان لأن عدم اللازم يقتضي عدم الملزوم'' (اقتضاء الصراط المستقيم ۱/ ۵۵۰)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے واضح کردیا کہ اللہ، اس کے رسول اور منزل علیہ پر ایمان ان کے ساتھ عدم ولایت کو مستلزم ہے، لہذا اس کے ساتھ ولایت کا ثبوت عدم ایمان کو ثابت کرنے گا، اس لیے کہ لازم کا عدم ملزوم کے عدم کا تقاضہ کرتا ہے۔

اس سے مراد ایسی دوستی اور قلبی محبت کا تعلق ہے جس کے نتیجے میں دو آدمیوں کا مقصد زندگی اور ان کا نفع ونقصان ایک ہوجائے، اس قسم کا تعلق مسلمان کا صرف مسلمان ہی سے ہوسکتا ہے، اور غیر مسلم سے ایسا تعلق رکھنا سخت گناہ ہے (آسان ترجمہ قرآن از مفتی تقی عثمانی، سورہ آل عمران: ۲۸، ص: ۱۹۰)۔

یعنی یہ ممانعت دینی تشخص کی حفاظت اور بقا کے لیے ہے۔

(۲) تشبہ کی ممانعت:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''من تشبہ بقوم فہو منہم'' (سنن ابی داؤد: ۴۰۳۱)، جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا وہ انہی میں شامل ہوگا۔

ملا علی قاریؒ نے حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

''قلت: بل الشعار هو المراد بالتشبه لا غير. فإن الخلق الصوري لا يتصور فيه التشبه والخلق المعنوي لا يقال فيه التشبه، بل هو التخلق'' (مرقاۃ ۸/ ۱۵۵)۔

(علامہ طیبیؒ کے کلام کے بعد) میں کہتا ہوں کہ تشبہ سے مراد شعار ہی ہے نہ کہ اس کے علاوہ، اس لیے کہ خلقی صورت وشکل میں تشبہ متصور نہیں، اور خلق معنوی میں تشبہ کا اطلاق نہیں ہوتا، بلکہ اسے تخلق کہتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ کسی کے قومی شعار یا مذہبی شناخت کو اختیار کرنے اور ان کے مذہبی تہوار میں شرکت کرنے کی ممانعت ہے، اور اس کا مقصد بھی دینی شناخت کا تحفظ اور دینی اصول کی رعایت ہے۔

مذکورہ شرط کی رعایت کے بعد غیر مسلم سے ہر قسم کے سماجی، اقتصادی، سیاسی اور مذہبی تعلقات استوار کئے جاسکتے ہیں۔

ذیل میں ہر قسم کے تعلقات کی سیرت نبوی سے ایک ایک نظیر اور دلیل پیش کی جاتی ہے۔

سماجی تعلقات:

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بنیادی اہمیت کا حامل ہے:

لاينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم. إن الله يحب المقسطين (سورہ ممتحنہ: ۸)

اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، ان کے ساتھ کوئی نیکی کا یا انصاف کا معاملہ کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

مفسرین نے اس آیت کو عموم پر محمول کیا ہے، اور اس سے یہ ثابت کیا کہ ہر ایک ملت ومذہب والوں کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، ضیافت اور مالی تعاون نہ فقط جائز ہے بلکہ مامور بہ ہے (دیکھئے: محاسن التاویل لمحمد جمال الدین القاسمی ۹/ ۲۰۸)۔

غیر مسلم کی عیادت کرنا، ان کی دعوت قبول کرنا، ان کو اپنے یہاں مدعو کرنا، ان کی تعزیت کرنا وغیرہ ہر قسم کے حسن سلوک سیرت نبوی سے ثابت ہیں۔

اقتصادی تعلقات:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کے ساتھ مزارعت ومساقات کا معاملہ فرمایا جو تاحیات قائم رہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر ہجرت میں ایک مشرک کو اجیر بنایا اور اس سے رہبری کا کام لیا، بلکہ علامہ شبلیؒ کے بیان کے مطابق مسلم عہد حکومت میں غیر مسلم حضرات بڑے اونچے اور کلیدی عہدوں پر بھی فائز رہے (مقالات شبلی ۲/۲۱۹)۔

سیاسی تعلقات:

سیاست کا مقصد قانون عدل کی حکمرانی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غرض سے "حلف الفضول" میں شرکت فرمائی، اور یہ واقعہ اگرچہ نبوت سے پہلے کا تھا، لیکن آپ نے فرمایا: "لو ادعی به في الإسلام لأجبت" اگر آج بھی مجھے اس کی دعوت ملے تو لبیک کہوں گا (الاحکام السلطانیہ للماوردی، ص: ۳۳)۔

الغرض عدل کے قیام اور ظلم کو دفع کرنے کے لیے ان کے ساتھ سیاست میں اشتراک اور معاہدات میں شرکت اور اس کی پاسداری سیرت نبوی سے ثابت ہے۔

مذہبی تعلقات:

اپنے دین کے تحفظ اور اپنی مذہبی شناخت کی بقا کے ساتھ مذہبی رواداری بھی قائم رکھی جاسکتی ہے، یعنی ان کے مذہبی امور میں عدم مداخلت، ان کے مذاہب اور مذہبی پیشوا اور عبادت گاہوں کا احترام، باہمی تعلقات کی استواری کے لیے درست ہے، "لکم دینکم ولی دین" کا اعلان اور "لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ" کی ممانعت اس کی واضح دلیل ہے۔

مقصد یہ ہے کہ سنی اور شیعی یا دیگر ادیان کے حاملین کے ساتھ پُرامن بقاء باہمی کے ساتھ زندگی گزارنا ممکن ہے، اور اس سلسلہ میں قرآن وسنت کی واضح تعلیمات موجود ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ مذہبی پیشوا اور علمائے شریعت ان تعلیمات سے عوام کو واقف کرائیں، اور وہ تمام اقدامات اٹھائیں جو باہمی منافرت کے فاصلوں کو کم کریں، جن کی کچھ تفصیل نمبر چار کے تحت گزر چکی ہے۔

خلاصہ:

(الف) تمہید:

(۱) اختلاف ایک امر فطری ہے، نہ بالکلیہ اس کا خاتمہ ممکن اور نہ ہر اختلاف مذموم ہے۔

(۲) جب اختلاف امر مجتہد فیہ میں ہو اور حدود وآداب کی رعایت کے ساتھ ہو تو قابل مذمت نہیں۔

(۳) فقہی فروع میں فقہاء مجتہدین کے درمیان باہمی اختلاف نہ صرف یہ کہ قابل مذمت نہیں بلکہ رحمت ہے، اور امت کے لئے وسعت وگنجائش کا سبب ہے

(۴) اختلاف میں حدود سے متجاوز نہ ہونا، اسے باہمی مخالفت کا رنگ نہ دینا، انصاف، دیانت وامانت، تواضع وایثار، حسن ظن اور توقیر وتعظیم جیسے اوصاف سے وابستگی اختلاف کے آداب میں سے ہے۔

(ب) مسالک فقہیہ میں بحث کے آداب:

(۱) فقہاء مجتہدین کی عظمت ووقار کو پیش نظر رکھ کر انصاف کے ساتھ ان کے مسلک کی بنیاد، اس کی وجہ ترجیح اور ان کے نقطۂ نظر کی توضیح کرنا۔

(۲) جب کوئی نص دوسرے امام کے مسلک کے بظاہر خلاف ہو تو ان کے بیان کے مطابق اس کا محمل بیان کرنا، اور طنز وتعریض کے بجائے حسن ظن قائم رکھنا

(۳) نصوص میں تاویل رکیکہ وبعیدہ سے اجتناب کرتے ہوئے، ظاہر دلیل کی رو سے مسلک ضعیف ہو تو اس کے اعتراف سے چشم پوشی نہ کرنا۔

(۴) اپنے مسلک سے اختلاف کرنے والے پر نکیر نہ کرنا اور اس علمی اختلاف کو قلبی بُعد ونفرت کا سبب نہ بنانا۔

(۵) بوقت ضرورت دوسرے مسلک پر عمل کی گنجائش پیدا کرنا اور تعصب مذہبی سے اپنے آپ کو بچانا۔

(ج) فرق اسلامیہ کے ساتھ مذاکرات اور آداب:

(۱) عقائد صحیحہ، باہمی تعامل اور کلمۂ واحدہ پر اجتماعیت جیسے موضوع پر ان کے ساتھ مذاکرات مطلوب ہیں۔

(۲) دعوت الی اللہ کے بنیادی اصول حکمت، موعظت، مجادلہ حسنہ اور مدعو بہ و مدعو الیہ کے علم پر عبور کے ساتھ باہمی گفتگو مذاکرات کے آداب میں سے ہے۔

(د) باطل نظریات کی تقسیم:

(۱) ضروریات دین اور قطعیات اسلام کے انکار پر مشتمل نظریہ موجب کفر ہے۔

(۲) جو نظریہ اس قبیل سے نہ ہو، لیکن سنت ثابتہ یا سلف کے طریق معہود کے خلاف ہو تو وہ موجب فسق ہے۔

(۳) ان نظریات کے حاملین کے درمیان فقہاء نے کئی احکام میں فرق کیا ہے، لہذا نکیر و تردید میں بھی شدت وضعف کے فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، جیسے ترک واجب اور ترک فرض پر نکیر میں فرق ہے۔

(ھ) شیعہ وسنی تصادم:

(۱) شیعہ کے جو فرق عقائد کفریہ کے حامل ہیں، وہ کافر ہیں۔

(۲) کافر کی جان و مال مباح ہے، لیکن اباحت کے لیے بنیادی طور پر دو شرطیں ہیں:

(الف) کافر حربی ہو، معاہد، مستأمن اور ذمی نہ ہو۔ (ب) مباح الدم کو قتل کرنے کا اختیار امراء و حکام کو ہے۔

(۳) ملک کا ہر شہری معاہد کے حکم میں ہے، اور دوسرے ملک میں قانون کے تحت داخل ہونے والا مستأمن ہے۔

(۴) اگر حربی گروہ سے قتال ہو تو جہاد کی شرائط کا وجود ضروری ہے، اور اس کے لیے بنیادی دو شرطیں ہیں:

(الف) دین حق کو قبول کرنے سے انکار کرے، اور ان سے امن یا جنگ بندی کا کوئی معاہدہ باقی نہ رہے۔ (ب) اہل حق کے غلبہ کی امید غالب ہو۔

(۵) اگر حکومت وقت کے ظلم وفسق یا کفر وضلالت کی بنا پر ان کی اطاعت سے خروج اختیار کیا جائے، تو خروج علی الامام کی شرائط کا لحاظ ضروری ہوگا۔

(۶) جن صورتوں میں قتال کی اجازت ہے، تو کیفیت کے سلسلہ میں فقہاء کی بیان کردہ شرائط وآداب کا لحاظ ضروری ہوگا، مثلاً عورتوں، بچوں، بوڑھوں، اور مذہبی پیشوا کو قتل نہ کرنا وغیرہ۔

(۷) ایسے موقع پر علماء اور اصحاب فکر و دانش کی بہت سی ذمہ داریاں ہیں، جنہیں نبھانا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے، اور عوام کی بھی کچھ ذمہ داری ہے جس کے وہ مکلف ہیں۔

(و) سنی شیعہ کے درمیان پُرامن زندگی کے اصول:

(۱) انسانی وحدت اور انسانی شرافت جیسے بنیادی نقطوں کو پیش نظر رکھ کر تعلقات کو استوار کیا جائے۔

(۲) پُرامن زندگی کے لیے موالات اور مشابہت غیر اختیار کرنا جائز نہیں، بلکہ دین پر استقامت اور مذہبی شناخت کا تحفظ ضروری ہے۔

(۳) مذکورہ دو امور کی رعایت کے ساتھ سماجی، سیاسی، اقتصادی اور سیاسی تمام شعبوں میں باہمی تعاون، مؤاسات، مدارات اور حسن اخلاق کے ذریعہ پُرامن زندگی گزارنا ممکن ہے۔

اختلاف رائے اور وحدت امت

مولانا عبدالرشید قاسمی[1]

پوری دنیا سے اختلاف ختم ہونا یا امت مسلمہ میں بالکلیہ اختلاف ختم کرنا یہ بات ممکن ہے نہ مقصد ہے۔ خود اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

ولو شاء ربك لجعل الناس أمة واحدة ولا يزالون مختلفين إلا من رحم ربك ولذلك خلقهم وتمت كلمة ربك لأملأن جهنم من الجنة والناس أجمعين (هود/ ۱۱۸، ۱۱۹)۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہیں کہ دنیا میں اختلافات نہ ہوتے لیکن اپنی بے شمار حکمتوں اور مصلحتوں سے اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، اللہ کی صفت رحمت وغضب کا جنت ودوزخ کی شکل میں اظہار ہے، نیز توحید کی فضیلت اور موحدین کو ان کی نیکی کا صلہ، اور شرک کی مذمت اور مشرکین کو ان کی بدی کا بدلہ، اس کی منجملہ حکمتوں میں سے ہے، قل یا أیہا الکفرون اور قرآن پاک کی دوسری آیات میں بالکل واضح طور پر صاف صاف اعلان کرادیا گیا کہ اتحاد ہو یا نہ ہو لیکن اسلام کے بنیادی اصولوں سے سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ اگر دیکھا جائے تو سب سے پہلی ضرب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اتحاد پر لگی، مکہ کے کافر شرک اور بت پرستی پر مضبوطی سے متحد تھے؛ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے "قولوا لا إله إلا الله" کا اعلان کرکے ان کے اتحاد پر ضرب لگائی۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"صاحبو! یہ وہ افتراق ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں پیدا کیا؛ کیونکہ آپ کی نبوت سے پہلے سب لوگ کفر پر متفق تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر اس اتفاق کو توڑ دیا اور باپ بیٹوں کو باہم جدا جدا کردیا، اور یہ افتراق ہے جس کو حق تعالیٰ بشارت کے طور پر بیان فرماتے ہیں:

یا أیہا الذین آمنوا إن تتقوا الله یجعلکم لکم فرقانا ویکفر عنکم سیاتکم۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے فرقان کو مایۂ بشارت بتلایا ہے، جس کو تقویٰ پر مرتب فرمایا ہے، اور اسی لئے قرآن کا ایک لقب فرقان بھی ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ قرآن ہمیشہ جوڑتا ہی نہیں بلکہ کہیں جوڑتا ہے اور کہیں توڑتا ہے، جو لوگ حق پر ہوں ان کے ساتھ وصل کا حکم ہے اور جو باطل پر ہوں ان کے ساتھ فصل کا حکم ہے، پس یہ سخت غلطی ہے جس میں لوگ آج کل مبتلا ہیں کہ جہاں دو جماعتوں میں اختلاف دیکھتے ہیں، دونوں کو مورد ملامت بنانے لگتے ہیں کہ تم کیسے مسلمان ہو کہ آپس میں اختلاف کرتے ہو، اور دونوں کو باہم اتفاق پر مجبور کرتے ہیں، جس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ دین دار کو دین چھوڑ کر بددین ہونا چاہئے اور صاحب حق، حق کو چھوڑ کر باطل طریقہ اختیار کرلے، اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے" (اشرف الجواب ص:۶۶۵)۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اختلاف خواہ اپنوں سے ہو یا غیروں سے، کم سے کم کیا جائے، یہی اس وقت کا موضوع ہے۔ پہلے مختصر جائزہ اس بات کا لیتے ہیں کہ اسلام نے غیروں سے اختلاف کم کرنے کی کس حد تک کوشش کی۔

- ☆ ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله فیسبوا الله عدوا بغیر علم۔
- ☆ غیر مسلم کے جنازے کو دیکھ کر کھڑے ہونا۔
- ☆ غیر مسلم رشتہ دار سے صلہ رحمی کرنا۔
- ☆ ذمی کے حقوق حتی کہ ذمی کے قتل پر مسلم سے قصاص لینا۔

---

[1] مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد پٹکاپور، کانپور۔

☆ غیر مسلموں کو اسلامی حکومت میں ان کے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی۔

☆ اسلامی حکومت کا غیر مسلموں کو اپنے ملک سے نہ نکالنا۔

مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں غیر مسلموں کو جزیرۃ العرب سے باہر نہیں نکالا تھا، اس لئے کہ اس وقت تک اسلامی حکومت جزیرۃ العرب سے باہر قائم نہیں ہوئی تھی، اور حکومت کسی ملکی یا مذہبی مصلحت سے غیر مسلموں کو ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں بسا سکتی ہے مگر مملکت سے باہر نکالنا ظلم ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو حدود مملکت سے نہیں نکالا، ان کو وقتی طور پر جزیرۃ العرب میں باقی رکھا مگر آخر حیات میں فرمایا: اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے باہر کروں گا'' اور خلیفہ دوم کے زمانے میں اس پر عمل ہوا (مستفاد از تحفۃ الالمعی شرح ترمذی: ۲/ ۵۴۴)۔

یہ وہ مختصر امور ہیں جو اتحاد و اتفاق کے تعلق سے اسلامی مزاج کو سمجھنے کیلئے کافی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے یہود وغیرہ سے معاہدہ کر کے تنازعات اور اختلافات کو کم کرنے کی کوشش کی؛ بلکہ قرآن کریم نے خود ایسی ہدایات دیں جو رہتی دنیا تک امت مسلمہ کو زریں اصول فراہم کرتی رہیں گی۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

''قل تعالوا إلی کلمة سواء بیننا وبینکم...... الخ، اس آیت سے دعوت و تبلیغ اور اتحاد و اتفاق کا ایک اہم اصول یہ معلوم ہوا کہ جب مخالف عقائد و نظریات رکھنے والے شخص یا جماعت کو دعوت دے تو پہلے ان نکات پر اتفاق کر لیا جائے جو متحدہ ہوں، کہ ٹھیک ہے اگر جملہ امور میں اتفاق نہیں ہو سکتا تو کم سے کم ان امور میں اتفاق کر لیا جائے جو متفقہ ہوں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل شاہ روم کو جب خط تحریر فرمایا تو اسی آیت کے حوالے سے قبول اسلام کی دعوت دی۔ گویا آج بھی امت کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو اتحاد و اتفاق کی لڑی میں پرونے کیلئے یہی نسخہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اختلاف کو بڑھاوا دینا شرعاً مطلوب نہیں بلکہ مذموم ہے۔ ظاہر ہے جب غیروں کے ساتھ اسلام کا یہ رویہ ہے تو اپنوں کے ساتھ کیا کچھ نہ ہوگا۔

مسلمانوں کے آپسی اختلافات کے اندیشے سے ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''فإن فساد ذات البین هی الحالقة، لا أقول: إنما تحلق الشعر ولکن تحلق الدین'' (الراوی: ابوداود؛ المحدث: الالبانی۔ المصدر: غایة المرام۔ الصفحہ او الرقم: ۴۱۴)

''کہ اختلاف مونڈنے والا ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ سر کو مونڈتا ہے بلکہ دین کو مونڈتا ہے۔'' اسی لئے باغی کی سزا قتل قرار دی گئی ہے، اور جو شخص جماعت حقہ سے نکل جائے اس کے بارے میں ''من شذ شذ فی النار'' فرمایا۔ اختلاف کو بالکل ختم کرنا ممکن نہیں ہے؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل ۷۲/ فرقوں میں بٹی اور میری امت ۷۳/ فرقوں میں بٹے گی۔ اس پیشین گوئی کو تو پورا ہونا ہی ہے۔ تاہم باطل کے مقابلہ میں آپسی اختلافات ختم کرنا یا کم سے کم کرنا لازم اور ضروری ہے۔

اختلافات کی قسمیں:

(۱) اعتقادی اختلاف۔ (۲) مسلکی یا فروعی اختلاف

اس وقت بنیادی طور پر اعتقادی اختلاف کو تین قسموں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے:

(۱) شیعہ سنی اختلاف (۲) دیوبندی بریلوی اختلاف (۳) مقلد اور غیر مقلد اختلاف۔ غیر مقلدوں سے اختلاف پہلے اعتقادی حد تک نہیں تھا، لیکن جب ان میں تشدد پیدا ہو گیا اور وہ تقلید کو شرک کہنے لگے، تو اب یہ بھی اس گروہ میں شامل ہو گئے جن سے اعتقادی اختلاف ہے۔ اعتقادی اختلاف میں کبھی اختلاف کرنے والا دائرہ اسلام میں داخل رہتا ہے اور کبھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اور فروعی اور مسلکی اختلاف وہ کہلاتے ہیں جو ائمہ اربعہ کے مابین ہیں۔ پہلے مسلکی اور فروعی اختلاف پر روشنی ڈالی جائے گی پھر اعتقادی اختلافات کا ذکر کیا جائے گا۔

ا۔ مسلکی اختلاف اور تدریس وغیرہ میں راہ اعتدال:

موجودہ دور میں دیکھا یہ گیا ہے کہ بعض مصنفین، مقررین اور مدرسین اپنے مسلک کی ترجیح میں ایسا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں جس سے دوسرے مسلک اور رائے کی تنقیص ہوتی ہے یا اس کے خلاف طنز وتعریض کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ اپنے مسلک کے اثبات وترجیح میں غلو ہو جاتا ہے۔ مدرسوں میں پڑھنے پڑھانے والے یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں۔ خدا جانے کب سے اس طرز عمل کی بنیاد پڑی اور کون اس کا بانی ہے؛ جب کہ اجتہادی اور فروعی مسائل میں غلو اور تشدد روا نہیں۔ مولانا یوسف لدھیانوی فرماتے ہیں:

''ایسے لادینی ماحول میں دیندار طبقے کی فروعی واجتہادی مسائل میں ہنگامہ آرائی اہل دین کی سبکی ورسوائی اور لادین طبقے کی حوصلہ افزائی کی موجب ہے۔ علمی انداز میں ان مسائل میں گفتگو پہلے بھی ہوتی آئی ہے، آج بھی اس کا مضائقہ نہیں، لیکن ان فروعی واجتہادی مسائل میں صدر اول سے اختلاف رہا ہے اور جن میں دونوں طرف صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین کا جم غفیر ہے۔ اختلاف کو اس قدر بڑھا دینا کہ نوبت جنگ وجدال اور نفاق وشقاق تک پہنچ جائے کسی طرح بھی زیبا نہیں۔'' (اختلاف امت اور صراط مستقیم ، ص/۲۲۱)

''فروعی مسائل میں کم از کم اتنی کشادہ ذہنی اور فراخ قلبی تو ہونی ہی چاہئے کہ ہم اپنے موقف کو صواب سمجھتے ہوئے فریق مخالف کے قول کو خطا اجتہادی سمجھ کر اسے معذور وماجور تصور کریں'' (اختلاف امت اور صراط مستقیم، ص: ۲۱۹)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں:

''خود ائمہ اربعہ اور انکے معاصرین اور متبعین کو دیکھا جائے تو بڑی وسعت معلوم ہوتی ہے، امام مالکؒ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے، تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے اجازت چاہی کہ ''موطا'' کعبہ میں لٹکا دی جائے اور لوگوں کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ اس کے مطابق عمل کریں تو آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا اور کہا کہ خود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فروعی مسائل میں اختلاف رہا کیا ہے'' (مستفاد از چار فقہی مسالک)۔

اسی طرح امام شافعیؒ کے حالات میں لکھا ہے، امام شعرانی نے نقل کیا ہے کہ آپ جب بغداد تشریف لے گئے جہاں امام ابوحنیفہؒ کی قبر واقع ہے تو صاحب قبر کے احترام میں اپنی رائے کے برخلاف نماز فجر میں دعاء قنوت نہیں پڑھی، نیز اپنی کتاب ''کتاب الام'' میں اختلاف فقہاء پر مختلف ابواب قائم کئے ہیں:

''اختلاف علي وابن مسعود، كتاب ما اختلف فيه أبو حنيفة وابن أبي ليلى عن أبي يوسف، اختلاف مالك والشافعي''۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان حضرات کی نظر میں دیگر فقہاء کی رائے کا کتنا احترام تھا۔ آج کل ہو یہ رہا ہے کہ فقہی مباحث میں اپنی پوری صلاحیت اور ممکنہ طاقت اس بات پر خرچ کی جاتی ہے کہ مسلک غیر کو کمزور سے کمزور ثابت کر کے دکھایا جائے اور اسے کمال سمجھا جاتا ہے، اور حیرت یہ ہے کہ یہ طرز اپنانے میں فقہی اصول اپنے مسلک کے ہوتے ہیں؛ حالانکہ اگر اصول پر بحث کی جائے اور فقہی اصول کی راجحیت ثابت ہو جائے تو فروعی مسائل خود بخود راجح ہو جائیں گے۔ اس میں وقت کم خرچ ہوگا، ترجیح بھی وزن دار ہوگی اور ہر ہر جزئی مسئلے پر بحث کرنے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی۔ مثلاً:

☆ احناف خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں کرتے جب کہ شوافع کے یہاں خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی کر سکتے ہیں۔ اب اگر اصول پر بحث کی جائے اور یہ ثابت کر دیا جائے کہ خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی نہ کرنے کا اصول جیسا کہ احناف کہتے ہیں، زیادہ مضبوط ہے بنسبت اس اصول کے جو شوافع کہتے ہیں تو مسئلہ خود بخود راجح ہو جائے گا۔ تدریس وغیرہ میں انداز بیان یہ ہونا چاہئے، نہ یہ کہ اپنے فقہی اصول سے دوسرے مسلک کے مسئلہ کو مرجوح قرار دیا جائے۔ اس طرح ہوتا یہ ہے کہ ایک حنفی مسند درس پر بیٹھ کر اپنے مسلک کے وضع کردہ اصول سے شوافع کے مسلک کو مرجوح قرار دے رہا ہوتا ہے اور ٹھیک اسی وقت ایک شافعی المسلک مسند درس پر بیٹھ کر اپنے وضع کردہ اصول سے حنفی مسلک کو مرجوح اور اپنے مسلک کو راجح کرتا ہے اور دونوں اپنی اپنی جگہ خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے دوسرے کے مسلک پر اپنے مسلک کو راجح قرار دے لیا۔

☆ اسی طرح مفہوم مخالف کا اصول، احناف نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں کرتے جب کہ شوافع مفہوم مخالف کو حجت اور معتبر مانتے ہیں۔

☆ مشترک کے مختلف معانی کو لے کر احناف اور شوافع میں اختلاف ہے۔ لفظ مشترک جو مختلف معانی کو بتاتا ہو اور بیک وقت ان تمام معانی کے مراد لینے میں کوئی تضاد نہ ہو، احناف کے نزدیک ان میں سے کوئی ایک معنی ہی مراد لیا جا سکتا ہے، شوافع کے نزدیک متعدد معانی ایک ساتھ مراد لے سکتے ہیں (ماخوذ

چار فقہی مسالک ص ۸۲)۔

☆ احکام کے استخراج اور استنباط میں حنابلہ اور احناف کے درمیان اصولی فرق یہ ہے کہ حنابلہ علت سے زیادہ حکمت اور شریعت کی اصل روح کو پیش نظر رکھتے ہیں، جب کہ احناف کے یہاں علت پر زور زیادہ ہے (ماخوذ از چار فقہی مسالک ص: ۱۳۰ ملخصا)۔

☆ متعارض نصوص میں حنفیہ اور شوافع کا طرز عمل۔ یہاں بھی اگر پہلے اصول پر مدلل گفتگو کی جائے تو بحث دلچسپ ہوگی۔ احناف پہلے نسخ پھر ترجیح پھر تطبیق اور پھر تساقط کا اصول اپناتے ہیں جبکہ شوافع پہلے تطبیق پھر نسخ پھر ترجیح اور پھر تساقط کا اصول اپناتے ہیں۔

یہ چند مثالیں ہم نے اصولی اختلاف کی دی ہیں: (۱) خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے یا نہیں (۲) نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں (۳) مشترک کے جملہ معانی (اگر باہم تعارض نہ ہو) مراد لینا بہتر ہے یا ایک معنی (۴) احکام کے استنباط اور استخراج کا مدار حکمت پر رکھا جائے یا علت پر (۵) متعارض نصوص میں تنسیخ، ترجیح، تطبیق، تساقط کی ترتیب عمدہ ہے یا تطبیق، تنسیخ، ترجیح اور پھر تساقط کی ترتیب بہتر ہے۔ بحث اصول پر ہونا چاہئے۔ اگر اصول راجح ہو گئے تو فروعی مسائل خود بخود راجح ہو جائیں گے۔ اس سے جامعیت بھی پیدا ہوگی، پختگی بھی اور اعتماد بھی۔ یعنی فقہی مباحث میں مسلک یا قول کو ترجیح دینے میں پہلے اصولی طرز اپنانا چاہئے اور اس میں فریقین کے اصول بیان کئے جائیں۔ پھر اصول میں ترجیح قائم ہو۔ یہ طریقہ زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہوگا۔ ہمارا مقصد اس وقت بین المسالک اصول کی ترجیحات اور تجزیہ کا نہیں بلکہ چند مثالوں کے ذریعہ بات کو منقح کیا گیا ہے۔

ترجیحات بیان کرنے میں حدود وآداب کیا ہوں؟ تو اس سلسلے میں ایسا طریقہ اپنانا جس سے مسلک غیر بالکل لچر، کمزور اور باطل محسوس ہونے لگے ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ ایک دوسرے کی آراء کا پورا پورا احترام ملحوظ ہو جیسا کہ خود ائمہ سلف کے یہاں تھا؛ کیونکہ ان کی آراء بھی نصوص ہی سے مؤید ہیں۔ امام ترمذی علیہ الرحمہ باوجودیکہ حنبلی ہیں، اعتدال کے ساتھ فقہی ابواب قائم کرتے ہیں اور احترام کے ساتھ فقہاء کی آراء نقل کرتے ہیں، اس کے بالمقابل صاحب تنظیم الاشتات شارح مشکوٰۃ اس انداز میں بحث کرتے ہیں کہ فریق مخالف کو بھاگنے کا راستہ نہ ملے۔

اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی وہ نصیحت ذکر کردی جائے جو انہوں نے مفتی شفیع صاحبؒ سے کی تھی، شاہ صاحب کے اس پیغام کو عام کیا جانا چاہئے:

"میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی خدمت میں ایک دن نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت غمزدہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا: مزاج کیسا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ٹھیک ہی ہے۔ میاں! مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کردی، میں نے عرض کیا: حضرت آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں اور دین کی اشاعت میں گذری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں جو آپ سے مستفیض ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟ حضرت نے فرمایا: میں تمہیں صحیح کہتا ہوں کہ اپنی عمر ضائع کردی، میں نے عرض کیا: حضرت! اصل بات کیا ہے؟ فرمایا: ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کوششوں کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلک پر حنفی مسلک کی ترجیح قائم کردیں، امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے دلائل تلاش کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔ اب غور کرتا ہوں کس چیز میں عمر ضائع کردی۔ پھر فرمایا: ارے میاں! اس بات کا کہ کون سا مسلک صحیح تھا اور کون سا خطا پر، اس کا راز کہیں حشر میں بھی نہیں کھلے گا، اور نہ دنیا میں اس کا فیصلہ ہوسکتا ہے، اور نہ ہی قبر میں منکر نکیر پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ آمین زور سے کہنا حق تھا یا آہستہ کہنا حق تھا؟ برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہ ہوگا۔ روز محشر اللہ تعالیٰ نہ امام شافعی کو رسوا کرے گا، نہ ہی امام ابوحنیفہ کو، نہ امام مالک کو، نہ امام احمد بن حنبل کو۔ اور نہ میدان محشر میں کھڑے کرکے یہ معلوم کرے گا کہ امام ابوحنیفہ نے صحیح کہا تھا یا امام شافعی نے غلط کہا تھا، ایسا نہیں ہوگا۔ تو جس چیز کا نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے، نہ برزخ میں، نہ محشر میں، اس کے پیچھے پڑکر ہم نے اپنی عمر ضائع کردی اور جو "صحیح اسلام" کی دعوت تھی جو سب کے نزدیک مجمع علیہ اور وہ مسائل جو سب کے نزدیک متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء لیکر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا، وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج اس کی دعوت تو نہیں دی جارہی۔ یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہورہی ہیں اور اپنے واغیار سبھی دین کے چہرے کو مسخ کررہے ہیں۔ اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگنا چاہئے تھا وہ پھیل رہے ہیں۔ گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آرہا ہے، شرک وبدعت پرستی چلی آرہی ہے۔ حرام وحلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی وفروعی بحثوں میں؛ اس لئے غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کررہا ہوں کہ عمر ضائع کردی"۔

اقتباس: ''وحدت امت'' از مفتی محمد شفیع صاحب۔

اے کاش کہ ہماری عمریں ضائع ہونے سے بچ جائیں اور ہم اپنی انا اور مسلک پرستی پر اپنے دین کو ترجیح دے سکیں۔ آمین یا رب العلمین۔

موضوع کی اہمیت کے پیش نظر یہاں پر پوری عبارت نقل کردی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ اقتباس انتہائی چشم کشا ہے۔ فقہی مباحث میں کسی مسلک یا قول کو ترجیح دیتے وقت اگر مسلکی اختلافات کی شرعی حیثیت کو ملحوظ رکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ گروہ بندی کی شکل پیدا ہو؛ کیونکہ تمھی برحق ہیں، اور اگر مسلک کی ترجیح میں تشدد اور غلو کو روا رکھا گیا تو گروہ بندی اور مسلکی چپقلش کو روک پانا بڑا مشکل ہوگا۔

دیکھئے صاحب الدر المختار مذہب حنفی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہاں تک لکھ گئے: ''وقد جعل الله الحكم لأصحابه وأتباعه في زمنه إلى هذه الأيام. إلى أن يحكم بمذهبه عيسى عليه السلام'' (الدر المختار مع الشامی ۱/ ۱۵۱، طبع زکریا)۔

یعنی عیسیٰ علیہ السلام بھی مذہب حنفی کے مطابق فیصلہ کریں گے، بالفاظ دیگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد مذہب حنفی کے مطابق ہوگا، قطع نظر کرتے ہوئے کہ اس قول کی دلیل اور درجہ کیا ہے؟ ایک طرح کا غلو یہ بھی ہے۔ دوسرے مسلک کے علماء کی طرف سے اس پر جو ردعمل ہوگا وہ ظاہر ہے؛ لہٰذا مسلکی ترجیح میں غلو سے پرہیز کرتے ہوئے راہ اعتدال اپنائی جائے تبھی اتحاد مضبوط ہوگا۔

۲۔ اختلافی موضوعات پر تبادلہ خیال کا طریقہ اور باہمی منافرت کو کم کرنا:

یہاں یہ غور کرنا ضروری ہے کہ اختلافات میں کشیدگی کی وجہ کیا ہے؟ بات جب تک علمی دلائل کی روشنی میں ہوتی ہے، کشیدگی پیدا نہیں ہوتی۔

لیکن جب اسلاف کو سب وشتم کیا جائے تبھی بات بگڑتی ہے۔ شیعہ صحابہ کرام کو، غیر مقلد ائمہ اربعہ خصوصاً ائمہ احناف کو، بریلوی علماء دیوبند خصوصاً عناصر اربعہ مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا اشرف علی تھانوی کو برا بھلا کہتے ہیں۔ ان سب میں بریلویوں سے اختلاف باعث حیرت ہے۔

مولانا یوسف لدھیانوی فرماتے ہیں:

''ایک اعتبار سے دیکھیں تو دیوبندی بریلوی میں اختلاف موجب حیرت ہے۔ دونوں فریق امام ابوحنیفہ کے ٹھیٹھ مقلد ہیں۔ عقائد میں دونوں فریق امام ابوالحسن اشعری اور امام ابومنصور ماتریدی کو امام اور مقتدا مانتے ہیں۔ تصوف وسلوک میں دونوں فریق اولیاء اللہ کے چاروں سلسلوں قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی میں بیعت کرتے کراتے ہیں۔ الغرض یہ دونوں فریق اہل سنت والجماعت کے تمام اصول وفروع میں متفق ہیں۔ صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے قائل ہیں، مجدد الف ثانی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی تک سب اکابر کے عقیدت مند ہیں اور اکابر اولیاء اللہ کی کفش برداری کو سعادت دارین جانتے ہیں۔ بس بات یہیں پر بگڑتی ہے جب وہ علماء دیوبند خصوصاً اکابر اربعہ (مولانا قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ، مولانا رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمہ، مولانا انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ اور مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ) کو برا بھلا کہتے ہیں، اور یہ ان کے مشن کا حصہ ہے'' (اختلاف امت اور صراط مستقیم ص: ۵۰ بتغییر)۔

الحمد للہ علماء دیوبند کا طرز عمل ان سب سے الگ ہے۔ وہ کسی کے اکابر کو برا نہیں کہتے خواہ ان کے نظریات، عقائد وافکار سے متفق ہوں یا نہ ہوں۔ جب تک اپنی تقریروں اور تحریروں میں یہ مزاج دوسرے لوگ بھی پیدا نہیں کریں گے کہ صحابہ، ائمہ اور ہمارے اکابر کو برا بھلا نہ کہیں تب تک باہمی منافرت کو کم کرنا تو کجا، باہمی منافرت کی کمی کا تصور بھی ممکن نہیں ہے؛ لہٰذا اتحاد سے زیادہ بقاء اتحاد کے سبب پر غور کرنا چاہئے۔ بریلویوں اور غیر مقلدوں سے سیکڑوں مناظرہ ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں، ہمارے علماء جانتے ہیں کہ ان مناظروں میں شکست کس کے مقدر میں آئی اور فتح کا حقدار کون بنا؛ لیکن اب تک کوئی خاطر خواہ ثمرہ مرتب نہ ہوا۔ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انہیں قائل نہیں کیا جاسکا؛ اس لئے اس بات پر کم از کم انہیں آمادہ کیا جائے کہ عام تقریروں اور عمومی مجلسوں میں ہمارے اسلاف پر سب وشتم نہ کریں، باقی وہ جانیں ان کا کام، جب تک اس پر بندھ نہ بندھے گا اتحاد اور منافرت کی کمی ممکن نہیں۔

حضرت تھانوی فرماتے ہیں:

''اتحاد مطلوب کے دو درجے ہیں: ایک اس کا حدوث اور دوسرے بقاء، اور اسباب بقاء کی تحقیق زیادہ اہم ہے؛ اسلئے کہ آج کل ہم لوگوں میں اتحاد و اتفاق پیدا تو ہوتا ہے لیکن باقی نہیں رہتا، ہماری حالت آج کل اہل جاہلیت کے مشابہ ہے کہ جہاں ذرا سی بات پر جوتا چلا پھر وہ برسوں چلتا رہتا ہے۔ حدوث اتحاد کی

کوشش کرتے ہیں لیکن بقاء اتحاد کے اسباب بیان نہیں کئے جاتے، نہ موانع کو رفع کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فإن بغت إحداهما على الأخرىٰ فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء

إلى أمر الله فإن فاءت فأصلحوا بينهما بالعدل وأقسطوا إن الله يحب المقسطين

یہ آیت اتحاد اور اتفاق کے حدود بیان کرنے کیلئے معیار وکسوٹی ہے۔ یعنی اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں باہم لڑنے لگیں تو دونوں میں اول صلح کراؤ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی اور ظلم کرے تو اس سے سب مل کر قتال کرو یہاں تک کہ حکم الٰہی کی طرف واپس آجائے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصلاح کے معنیٰ یہ ہیں کہ حکم الٰہی کے موافق فیصلہ کیا جائے۔ پس اگر فریقین حکم الٰہی کے فیصلہ کے مطابق راضی ہوجائیں تو فبہا، ورنہ جو ظلم پر کمر بستہ ہو، سب کو اس سے لڑنے کا حکم ہے۔ یہ حکم نہیں کہ بس جس طرح ہو اختلاف ختم ہو، آج کل لوگوں نے اصلاح اس کو سمجھ رکھا ہے کہ بس لڑائی موقوف ہوجائے، منافرت ختم ہوجائے چاہے صاحب دلائل کا گلا گھونٹ دیا جائے، مگر شرعاً یہ اصلاح نہیں...... اور کوئی فریق زیادتی کرے خواہ کسی قسم کی زیادتی ہو تو پھر یہ حکم ہے کہ سب مل کر اس کو دباؤ اور لڑائی کی ضرورت ہو تو اس سے لڑو۔ معلوم ہوا کہ اصلاح میں بعض دفعہ سختی کرنا اور قتال کرنا بھی مستحسن ہے۔ ... آج کل لوگوں نے اتفاق کا نام یاد کرلیا ہے اور اس کو مطلقاً محمود سمجھتے ہیں، حدود کی رعایت نہیں کرتے، یہ بالکل غلط ہے۔ پس اتحاد کی ہر فرد مستحسن نہیں، اس کو علی الاطلاق محمود کہنا تحت دھوکہ ہے۔ افسوس آج کل اتحاد کے فضائل تو بیان کئے جاتے ہیں مگر اس کے حدود اور اصول بیان نہیں کئے جاتے، گمراہ فرقوں کے ساتھ اتحاد کرنے میں اگر شریعت کے احکام کو چھوڑا جائے تو یہ اتحاد واتفاق کرنا مذموم اور نہایت مذموم ہے۔

صاحبو! جیسے اتفاق مستحسن ہے ایسی ہی نااتفاقی بھی مستحسن ہے۔ پس جو لوگ خدا تعالیٰ کے احکام چھوڑنے پر اتفاق کریں تو ان کے ساتھ نااتفاقی کرنا اور مقابلہ کرنا محمود ہے۔ یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو آج کل علماء دیوبند اور جماعت رضاخانیہ میں اتفاق کرانا چاہتے ہیں اور دونوں جماعتوں پر باہمی نااتفاقی کا الزام دھرتے ہیں کہ اسلام کو ضرر پہنچ رہا ہے۔ سبحان اللہ اس کے تو یہ معنیٰ ہوئے کہ ایک شخص کے گھر پر چور ڈاکہ ڈالیں اور وہ ان پر دعویٰ کرے تو دونوں فریق کو نااتفاقی کا مجرم قرار دے کر دونوں فریق کو اتفاق پر مجبور کیا جائے۔ ... اس طرح اس صورت میں علماء دیوبند کا جس جماعت سے اختلاف ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ اس پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور احکام میں تحریف کرتے ہیں" (مستفاد از اشرف الجواب، ص: ۵۹۵ تا ۵۹۹)۔

اس لئے بریلویوں، غیر مقلدوں وغیرہ سے اتحاد واتفاق کی بہت زیادہ امید نہیں کی جاسکتی؛ کیونکہ غیر مقلد تو آج کل تقلید کو شرک کہہ رہے ہیں، اور بریلوی حضرات علماء دیوبند کو کافر ومشرک سمجھتے ہیں؛ بلکہ ازراہ تحقیق نیز فرعون، ہامان، ابوجہل اور ابولہب سے بدتر سمجھتے ہیں (اگرچہ سارے بریلوی ایسا عقیدہ نہ رکھتے ہوں لیکن ایک بڑی تعداد ایسی ہے، کانپور سے دیگر اطراف واضلاع میں قادیانیوں اور فتنہ قادیانیت کا رد اور اس سے آگاہ کرنے کیلئے جب وفد کو بھیجا گیا تو بریلویوں نے صاف صاف یہ کہا کہ آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں ہمیں قادیانی گوارہ ہیں، پر آپ گوارہ نہیں) تو پھر اتحاد کیسے ہو سکتا ہے؟ انہیں تو "مسلم پرسنل لا بورڈ" تک برداشت نہ ہوا، ان لوگوں نے الگ بورڈ قائم کیا اگرچہ اس کی حیثیت کچھ نہ ہو۔

سیاسی اتحاد سے حل نکل سکتا ہے:

البتہ ان تمام فرقوں سے سیاسی اتحاد ہوسکتا ہے، جیسا سیاسی اتحاد آپ ﷺ نے یہود مدینہ اور بعض قبائل سے کیا تھا، یعنی ملی اور مذہبی جن جن امور میں اتفاق ہو "إلى كلمة سواء بيننا وبينكم" آیت کے تحت حالات کے تناظر میں اور ملت کی شیرازہ بندی کیلئے بریلویوں اور غیر مقلدوں وغیرہ سے اتحاد کیا جا سکتا ہے اور یہ اقدام شاید مفید ہے۔ سیاسی اتحاد کی اس طرح کی کوششیں پاکستان میں بھی ہوئیں، پاکستان میں علماء نے حکومت پنجاب کو جو تجویز دی اس کی اس تجویز پر عمل موثر ثابت ہوسکتا ہے:

"فرقہ وارانہ ہم آہنگی کیلئے موثر قانون سازی کی جائے اور تمام مکاتب فکر اپنی مذہبی رسومات کیلئے حدود کا از سر نو تعین کریں، تاکہ مذہبی اجتماعات میں کوئی تصادم کی فضا نہ بن سکے" (بشکریہ روزنامہ اسلام ۷ نومبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات)۔

سیاسی اتحاد سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ہندوستان میں فرقہ پرست پارٹیوں کی طرف سے ملکی قوانین اور آئین کے تعلق سے کوئی ایسی بات آتی ہے جس سے مسلمانوں کے عائلی اور مذہبی مسائل پر زد پڑتی ہو تو تمام مکاتب فکر کے علماء مل کر بحیثیت مسلمان اس کا مقابلہ کریں۔ الیکشن کے موقعوں پر بھی فرقہ پرست پارٹیوں کے خلاف اس سیاسی اتحاد کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کی بہت سی مثالیں ہوسکتی ہیں۔

"مسلم پرسنل لابورڈ" کا قیام بھی سیاسی اتحاد کی ایک کڑی ہے۔ "شاہ بانو" کیس میں لوگوں نے اس کا فائدہ محسوس کیا۔ اور آج بھی وقتاً فوقتاً اس کا فائدہ دیکھا جاسکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ تمام مکاتب فکر کے سنجیدہ علماء کو لے کر اسے مزید فعال بنایا جائے۔

۳۔ موجب کفر عقیدہ اور عدم موجب کفر عقیدہ پر تنقید میں فرق ہوگا:

نصوص میں جس قدر مذمت کفر وشرک پر آئی ہے دوسری گمراہی پر نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ تنقید میں بھی یہ فرق ملحوظ رکھنا ہوگا۔

قرآن پاک میں بتوں اور ان پر عقیدہ رکھنے والوں کی مذمت اور ان کی کمزوری کو جا بجا ذکر کیا گیا ہے۔ کہیں انہیں مکھی سے حقیر "یسلبهم الذباب" اور کہیں تار عنکبوت سے کمزور قرار دیا گیا ہے:

"مثل الذين اتخذوا من دون الله أولياء كمثل العنكبوت اتخذت بيتًا وإن أوهن البيوت لبيت العنكبوت"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی مذمت کی اور انہیں توڑا، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عروۃ بن مسعود سے "امصص ببظر اللات" کہا تھا۔ واقعہ یہ ہے:

"فقال رسول الله ﷺ: إنا لم نجيء لقتال أحد ولكنا جئنا معتمرين وإن قريشًا قد نهكتهم الحرب ..."۔

"جب حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں آئے بلکہ عمرہ کی نیت سے آئے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اور قریش کے درمیان جنگ بندی پر کچھ دنوں کیلئے صلح کا معاہدہ ہوجائے، لیکن اگر قریش معاہدہ صلح کیلئے تیار نہیں تو ہم ان سے جنگ کریں گے"۔

یہ سن کر عروہ نے درج ذیل گفتگو کی:

"فقال عروة عند ذلك: اى محمد أرأيت إن استأصلت أمر قومك هل سمعت بأحد من العرب اجتاح أهله قبلك"۔

عروہ نے یہاں منطقی انداز میں دونا پسندیدہ احتمالات کو ذکر کرکے حضور ﷺ کو جنگ سے باز رکھنے کی کوشش کی؛ چنانچہ عروۃ نے کہا کہ دو ہی صورتیں ہوں گی، یا تو آپ غالب آجائیں اور اپنی قوم کو ہلاک کردیں، اس میں آپ ہی کا نقصان ہے کہ آپ کی اپنی ہی قوم ہلاک ہوجائے گی، بھلا کہیں آپ نے اپنے پہلے کسی عرب کے بارے میں سنا ہے کہ اس نے اپنے ہی قبیلہ کو ہلاک کیا ہو؟ یقیناً جواب نفی میں ہوگا۔

"وإن تكن الأخرى فإني والله لأرى أوشابًا من الناس خليقًا أن يفروا ويدعوك"

اور اگر دوسری صورت پیش آئی یعنی آپ کی ہزیمت ہوئی تو یہ جو مختلف علاقوں اور قبیلوں سے تعلق رکھنے والی مخلوط بھیڑ آپ کے ساتھ ہے اور آپ پر ہر وقت جان چھڑکنے کی بات کرتی ہے شکست کے وقت بخدا یہ سب آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ خلاصہ یہ کہ فتح کی صورت میں اپنے قبیلہ کی ہلاکت کی شکل میں آپ کا نقصان ہوگا اور شکست کی صورت میں آپ کے اصحاب کا آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جانے کی صورت میں نقصان ہوگا۔

"فقال له أبو بكر: امصص ببظر اللات، أنحن نفر عنه وندعه" ... الحدیث۔

عروہ کی اس گفتگو کو سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آگیا اور عروۃ کو یہ سخت الفاظ کہے اور کہا کہ بھلا ہم لوگ حضور کو چھوڑ کر بھاگ سکتے ہیں؟ تم جا؛ لات کی شرم گاہ چوسو اور چاٹو" (صحیح بخاری (ملخصًا)، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وکتابة الشروط مع الناس بالقول، ۱/ ۳۷۷، حدیث نمبر: ۲۷۳۱)۔

"قال الحافظ فی الفتح: وكانت عادة العرب الشتم بذلك لكن بلفظ الأم، فأراد أبو بكر المبالغة في سب عروة بإقامة من كان يعبد مقام أمه، وحمله على ذلك ما أغضبه به من نسبة المسلمين إلى الفرار وفيه جواز النطق بما يستبشع من الألفاظ لإرادة زجر من بدا منه ما يستحق به ذلك"۔

"حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: اہل عرب کی عادت تھی کہ گالی دینے میں ماں کے ساتھ اس لفظ (امصص بظر...) کو جوڑتے تھے، اس موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عروۃ پر سب وشتم میں مبالغہ کیلئے اس لفظ کے ساتھ اس کے معبود کو جوڑ دیا؛ کیونکہ عروۃ نے مسلمانوں پر یہ الزام لگایا کہ یہ لوگ سختی کے وقت حضور ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اس واقعہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ اگر کوئی ملت یا مذہب کے بارے میں توہین آمیز بات کہے تو اس کیلئے برے

الفاظ کا استعمال کیا جاسکتا ہے"۔

''وقال الإمام ابن القيم في زاد المعاد :وفي قول الصديق لعروة (امصص ببظر اللات) دليل على جواز التصريح باسم العورة إذاكان فيه مصلحة تقتضيها تلك الحال''۔

"ابن قیم زادالمعاد میں فرماتے ہیں: صدیق اکبر کے قول "امصص ببظر اللات" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر موقع محل تقاضا کرے تو صراحتاً شرمگاہ کی گالی دے سکتا ہے"۔

''وقال شيخ الإسلام ابن تيمية :فمتى ظلم المخاطب لم نكن مأمورين أن نجيبه بالتي هي أحسن، انتهى وعليه فإن كان الموقف يستدعي التصريح بمثل هذا اللفظ إيثارًا للمصلحة ودفعًا للمفسدة فلا حرج في ذلك، ولا تعارض بينه وبين نهي النبي ﷺ فيما رواه الترمذي وأحمد عن عبد الله بن مسعود قال: قال رسول الله ﷺ: ليس المؤمن بطعان ولا بلعان ولاالفاحش ولا البذئ، بدليل قوله تعالىٰ:(لايحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم وكان الله سميعًا عليمًا)[۱۴۸]سورة النساء وأيضًا لوكان فيه مخالفة لنهاه النبي عن ذلك بل اقره' وهو ﷺ لايقر على باطل، وراجع الفتوىٰ رقم:(۵۵۸۸۷)۔

"علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: اگر مخاطب ظلم وزیادتی کرے تو ہم اسکے ساتھ حسن گفتگو کے مکلف نہیں ہیں؛ حتی کہ اگر کسی مصلحت اور دفع مفسدہ کیلئے صراحتاً گالی دینا پڑے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اور یہ اس حدیث کے معارض نہیں ہوگا جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مومن کے شایان شان نہیں کہ وہ لعان، طعان، فاحش اور بذی ہو، بدلیل قولہ تعالیٰ: (لايحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم وكان الله سميعًا عليمًا) (سورہ نساء:۱۴۸) نیز اگر اس میں ممانعت ہوتی تو نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ضرور منع کرتے، اس عمل پر باقی نہ رکھتے"۔

عربی میں اس سے بڑی گالی شاید ممکن نہیں لیکن جب مذمت کا موقع آیا تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر کسی لومۃ لائم اور بغیر کسی توریہ و کنایہ کے صاف صاف کہہ سنایا۔

اس آیت "لايحب الله الجهر بالسوء من القول إلا من ظلم" کی روشنی میں مظلوم کیلئے اس کی گنجائش دی گئی ہے کہ وہ ظالم کو سب وشتم، طنز وتعریض، تنقید اور مذمت کرے، اور اگر ظلم کرنے والا گمراہ عقائد کا حامل ہے تو اس کے عقائد پر تنقید کرے، پھر ظلم کی کئی قسمیں ہیں: ایک یہ کہ کوئی جسمانی اذیت دے، اور دوسرے یہ کہ کوئی روحانی اذیت دے۔ ظاہر ہے شیعوں کا صحابہ کرامؓ پر تبرا، غیر مقلدوں کا ائمہ اربعہ پر طنز وتعریض اور بریلویوں کا ہمارے اکابر پر سب وشتم جسمانی اذیت سے بڑھ کر ہے۔ اس اعتبار سے یہ حضرات ظالم ٹھہرے اور ہم مظلوم؛ لہٰذا ان پر تنقید کی پوری آزادی ہوگی۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے:

''عن أنس عن النبي ﷺ قال: جاهدوا المشركين بأموالكم وأنفسكم وألسنتكم''رواه ابو داؤد والنسائي والدارمي (مشكوٰة شريف ۲/ ۳۳۲)۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ "وألسنتكم" کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''بأن تخفوهم وتوعدوهم بالقتل والأخذ والنهب ونحو ذلك وبأن تذموهم وتسبوهم إذا لم يؤد ذلك إلى سب الله سبحانه وبأن تدعوا عليهم بالخذلان والهزيمة'' (لمعات بر حاشيه مشكوٰة ۲/ ۳۳۲)۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آیت "ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم" "تم ان کے معبودوں کو برا مت کہو کیونکہ پھر وہ لوگ بر بناء نادانی اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی عقیدہ پر تنقید کی اجازت نہیں ہونی چاہئے؛ لیکن جو آیات ذکر کی گئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے خود ان کی مذمت کی ہے، نیز حضرت انسؓ کی حدیث اور صدیق اکبرؓ کے واقعہ سے مذمت اور تنقید کا جواز معلوم ہوتا ہے؛ لہٰذا نصوص کی روشنی میں معتدل رائے یہی ہے کہ جہاں اس بات کا خوف ہو کہ تنقید وتبصرہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی جاسکتی ہے وہاں تنقید نہ کی جائے، اس کے علاوہ جگہوں میں تنقید کی جائے تاکہ بات منقح ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ایسے گمراہ عقیدے والے نہیں تھے اسلئے نصوص میں اس کی صراحت نہیں ملتی؛ البتہ جن گمراہ فرقوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ان کیلئے تنقیدی اور مذمتی جملے بھی ارشاد فرمائے جیسے خوارج کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "هم شر الخلق والخليقة" اس سے معلوم ہوا کہ ایسا فرقہ جس کی گمراہی موجب کفر ہو اور ایسا فرقہ جس کی گمراہی موجب کفر نہ ہو دونوں پر تنقید میں شرعی اعتبار سے فرق ملحوظ ہوگا۔ باقی یہ کہ دونوں فرقوں پر تنقید کے حدود کیا ہوں گے؟ یہ ذرا مشکل مسئلہ ہے؛ کیونکہ اگر آپ علمی دلائل دیں اور اپنے متبعین کو ان فرقوں سے آگاہ کریں تا کہ وہ گمراہ نہ ہوں تو یہ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ لو صاحب! ہم پر تنقید کی جارہی ہے اور ہماری توہین کی جارہی ہے؛ لہٰذا اس سلسلہ میں مناسب یہ ہے کہ نجی مجلسوں میں یہ امور انجام دیئے جائیں، عمومی اجلاس میں تنقیدوں سے احتیاط کیا جائے، اور تمام فرقوں کے رہنما اس پر عمل کریں جیسا کہ پاکستان میں علماء کے ذریعہ دیئے گئے میمورنڈم اور تجویز میں یہ بات گذر چکی۔ اگر ممکن ہو تو اس کیلئے تمام فرقوں کے علماء کو بلا کر کوئی لائحہ عمل تیار کیا جائے۔

۴۔ شیعہ سنی اختلاف:

اس موقع پر بطور تمہید خوارج کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ نہیں معلوم اس وقت دنیا میں خوارج کا وجود ہے یا نہیں، لیکن شیعوں پر حکم لگانے اور ان سے شرعاً اتحاد ممکن ہو سکتا ہے یا نہیں، اس کی صحیح صورت حال سمجھنے کیلئے خوارج کا ذکر ناگزیر معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کی نشان دہی بڑی وضاحت سے فرمائی ہے اور ان سے کیسے نمٹا جائے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ خوارج کے سلسلہ میں جو حدیثیں آئی ہیں ان میں بطور نمونہ چند پیش کی جاتی ہیں:

"وعن أبي سعيد الخدري وأنس بن مالك عن رسول الله ﷺ قال: سيكون في أمتي اختلاف وفرقة. قوم يحسنون القيل ويسيئون الفعل ويقرؤون القرآن لايجاوز تراقيهم. يمرقون من الدين مروق السهم من الرمية. لايرجعون حتى يرتد السهم على فوقه. هم شر الخلق والخليقة. طوبى لمن قتلهم وقتلوه. يدعون إلى كتاب الله. وليسوا منا في شيء. من قاتلهم كان أولى بالله منهم. قالوا: يارسول الله ما سيماهم؟ قال: التحليق" رواه ابوداؤد (مشکوۃ شریف ۲/۳۰۸)۔

"حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت انسؓ بن مالک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عنقریب میری امت میں اختلاف وافتراق پیدا ہوگا، ایک فرقہ جو باتیں تو اچھی کرے گا مگر اس کا عمل برا ہوگا، اس فرقہ کے لوگ قرآن کریم پڑھیں گے لیکن ان کا وہ پڑھنا ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا (یعنی قبول نہیں ہوگا) اور وہ لوگ دین ...... (یعنی امام وقت اور علماء حق کی اطاعت) سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے اور وہ دین کی طرف اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک تیر اپنے سوفار کی طرف نہ لوٹ آئے، اور وہ لوگ آدمیوں اور جانوروں میں سب سے بدترین ہوں گے، خوشخبری ہے اس شخص کیلئے جوان لوگوں کو قتل کردے یا وہ لوگ اس کو قتل کردیں، (یعنی) جو شخص ان لوگوں کے فتنہ اور ان کی گمراہی کا سر کچلنے کیلئے ان کا مقابلہ کرے یہاں تک کہ یا تو وہ ان لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتار دے یا وہ ان لوگوں سے حق کیلئے لڑتا ہوا خود قتل ہوجائے تو دونوں صورتوں میں ان کے حق کیلئے حق تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی سعادتوں کی خوشخبری ہے۔"

"وعن شريك بن شهاب قال: كنت أتمنى أن ألقى رجلا من أصحاب النبي ﷺ أسأله عن الخوارج. فلقيت أبابرزة في يوم عيد في نفر من أصحابه. فقلت له: هل سمعت رسول الله ﷺ يذكر الخوارج؟ قال: نعم. سمعت رسول الله ﷺ بأذني، ورأيته بعيني، أتي رسول الله ﷺ بمال فقسمه. فأعطى عن يمينه وعن شماله ولم يعط من وراءه شيئا. فقال رجل من ورائه: يا محمد! ماعدلت فيه في القسمة. رجل أسود مطموم الشعر عليه ثوبان أبيضان. فغضب رسول الله ﷺ غضبًا شديدًا وقال: والله لا تجدون بعدي رجلًا هو أعدل مني ثم قال: يخرج في آخر الزمان قوم كأن هذا منهم يقرؤون القرآن لا يجاوز تراقيهم يمرقون من الإسلام كما يمرق السهم من الرمية. سيماهم التحليق لا يزالون يخرجون، حتى يخرج آخرهم مع المسيح الدجال. فإذا لقيتموهم، هم شر الخلق والخليقة" رواه النسائي (مشکوۃ شریف ۲/۳۰۸)۔

"حضرت شریکؒ بن شہاب تابعی کہتے ہیں کہ میری ایک بڑی آرزو یہ تھی کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابیؓ سے ملاقات کی سعادت حاصل کروں اور ان سے خوارج کے بارے میں پوچھوں (کہ آجکل جو خوارج پیدا ہورہے ہیں) کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق کوئی پیشین گوئی کی تھی؟) چنانچہ میں (ایک

صحابی) حضرت ابوبرزہؓ سے عید کے دن ان کے دوستوں کی موجودگی میں ملا اور ان سے پوچھا کہ "کیا آپ نے رسول کریم ﷺ کو خوارج کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے اپنے کانوں سے رسول کریم ﷺ کو خوارج کا ذکر کرتے ہوئے بھی سنا ہے اور اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ بھی دیکھا ہے، ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ مال لایا گیا، آپ ﷺ نے اس مال کو حاضرین مجلس میں اس طرح تقسیم فرمایا کہ جو لوگ آپ کی داہنی جانب بیٹھے ہوئے تھے ان کو دیا اور جو لوگ بائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے ان کو دیا؛ لیکن جو لوگ پیچھے بیٹھے ہوئے تھے ان کو کچھ نہیں دیا؛ چنانچہ پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: "اے محمد! آپ نے تقسیم میں انصاف نہیں کیا" وہ شخص کالے رنگ کا تھا، اس کے سر کے بال منڈے ہوئے تھے اور دو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا، اس کی بات سن کر رسول کریم ﷺ سخت غضب ناک ہو گئے اور فرمایا: "خدا کی قسم تم میرے بعد کسی شخص کو مجھ سے زیادہ انصاف کرنے والا نہیں پاؤ گے" اور پھر فرمایا: "آخری زمانے میں ایک گروہ پیدا ہوگا اور یہ شخص گویا اسی گروہ کا ایک فرد ہے، اس گروہ کے لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کا پڑھنا ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا، اور وہ لوگ امام وقت کے ساتھ خروج وسرکشی کے ذریعہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے، ان لوگوں کی علامت یہ ہے کہ ان کے سر منڈے ہوئے ہوں گے، اس گروہ کے لوگ ہر زمانے میں پائے جائیں گے اور ہمیشہ خروج کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری شخص مسیح دجال کے ساتھ نکلے گا؛ لہٰذا جب بھی تمہارا ان سے سامنا ہو ان کو قتل کر ڈالو، وہ لوگ آدمی اور جانوروں میں بدترین مخلوق ہیں"۔

"وعن أبي غالب، رأى أبو أمامة رؤوسًا منصوبة على درج دمشق. فقال أبو أمامة: "كلاب النار، شر قتلى تحت أديم السماء، خير قتلى من قتلوه" ثم قرأ (يوم تبيض وجوه و تسود وجوه) الآية. قيل لأبي أمامة: أنت سمعت من رسول الله ﷺ؟ قال: لولم أسمعه إلا مرة أو مرتين أو ثلاثًا حتى عد سبعًا ماحدثتكموه" رواه الترمذي، وابن ماجه، وقال الترمذي: هٰذاحديث حسن (مشكوٰة شريف ۲/ ۳۰۹، ومرقاة ۷/ ۱۱۱)۔

حضرت ابو غالب تابعی کہتے ہیں کہ حضرت ابوامامہ صحابیؓ نے ایک دن دمشق کی شاہ راہ پر خوارج کے سر پڑے ہوئے دیکھے یا سولی پر لٹکے ہوئے تھے تو انہوں نے فرمایا: "یہ دوزخ کے کتے ہیں اور آسمان کے نیچے بدترین مقتول ہیں اور بہترین مقتول وہ ہے جس کو انہوں نے قتل کیا ہو"۔ اور پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی: "قیامت کے دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے سیاہ" الخ، ابو غالب نے ابوامامہ سے پوچھا کہ آپ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟ ابوامامہ نے فرمایا: اگر میں نے یہ بات ایک بار، دو بار، تین بار یہاں تک کہ انہوں نے سات بار گنا، نہ سنی ہوتی تو تمہارے سامنے بیان نہ کرتا"۔

ان احادیث میں مذکورہ فرقے کا مصداق علماء نے خوارج کو قرار دیا ہے۔ خوارج کے سلسلے میں سخت وعید کے پیش نظر علماء میں اختلاف ہو گیا کہ انہیں کافر کہا جائے یا مسلم گمراہ فرقہ۔ بعض علماء انہیں کافر قرار دیتے ہیں اور بعض ضال اور مضل۔

شیخ عبداللہ بن باز فرماتے ہیں:

"فقد اختلف العلماء فى كفر الخوارج والمعتزلة، فمنهم من ذهب إلى أنهم ليسوا كفارًا. لأنهم داخلون فى مسمى الأمة فى حديث النبى ﷺ: وتفترق أمتى على ثلاث وسبعين فرقة۔ رواه البيهقى والحاكم وغيرهما وهو صحيح فنسبة الفرق إلى الأمة دليل على عدم كفرهم، قال البيهقى: "ستفترق أمتى على ثلاث وسبعين فرقة، فيه دلالة على أن هذه الفرق كلها غير خارجين من الدين، إذ النبى ﷺ جعلهم كلهم من أمته انتهى۔ ونقل النووى فى المجموع عن أبى حامد الأسفرائينى ومتابعيه قوله: والخوارج ليسوا بكفار انتهى۔ وقال ابن عابدين فى رد المحتار عن النهر قال: وأما المعتزلة فمقتضى الوجه حل مناكحتهم، لأن الحق عدم تكفير أهل القبلة" ملخصًا۔

(link fatwa islamic web.net)

"خوارج اور معتزلہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہیں؛ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی حدیث کے مطابق اس امت کے ۷۳/ فرقے ہوں گے ان میں وہ بھی شامل ہیں؛ لہٰذا ان فرقوں کی امت کی طرف نسبت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین سے خارج نہیں ہیں"۔

علامہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"وحكم الخوارج عند جمهور الفقهاء والمحدثين حكم البغاة" (شامی ۶/ ۴۱۳، طبع زکریا)۔

"خوارج کا حکم جمہور فقہاء ومحدثین کے نزدیک باغیوں کی طرح ہے۔"

جب کہ بعض علماء خوارج پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔

"الخوارج طائفة عندها غلو، يكفرون أهل المعاصي لشدة غلوهم يرون من زنى كفر، من شرب الخمر كفر، من عق والديه كفر، يكفرون بالذنوب، قال فيهم النبي ﷺ :(يمرق مارقة على حين... من المسلمين يحقر أحدكم صلاته مع صلاتهم، وقرائته مع قرائتهم، يمرقون من الإسلام ثم لا يعودون إليه)، هؤلاء هم الخوارج والصواب أنهم كفار بهذا، قوله:(يمرقون من الإسلام ثم لا يعودون إليه) دليل على أنهم كفار" رابطه فتوى ملخصًا (link binbaz.org.sa/mat/20688)

"خوارج کے یہاں غلو بہت ہے۔ مرتکب کبائر کو کافر کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ دین سے ایسے نکل جاتے ہیں جیسے تیر کمان سے۔ اور جس طرح تیر کمان کی طرف واپس نہیں لوٹتا ایسے ہی یہ بھی دین کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے"۔

رائے اول جیسا کہ علامہ شامی نے بیان کیا راجح ہے، اور جن احادیث سے خوارج پر کفر کا شبہ ہوتا ہے انہیں مبالغہ اور شدت پر محمول کیا جائے گا، جیسے "من ترک الصلوٰۃ متعمدًا فقد کفر" جیسی حدیثوں کو مبالغہ پر محمول کیا جاتا ہے۔

خوارج کے مسئلہ کو ہم نے قصدًا ذرا مفصل کر دیا ہے تا کہ نتیجہ اخذ کرنے میں آسانی ہو، وہ یہ کہ اس طرح یا اس کے مماثل فرقوں سے اتحاد کی راہ اپنائی جائے یا دو دو ہاتھ کئے جائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ حدیث کی روشنی میں اوپر گذر چکا۔ اس وقت خوارج دنیا میں موجود ہیں یا نہیں ہمیں اس سے بحث نہیں کرنی۔

خوارج کی تمہید ہم نے شیعوں کیلئے قائم کی ہے کہ شیعوں سے اتحاد ممکن ہے یا نہیں اور شیعہ خوارج سے بہتر ہیں یا بدتر۔ خوارج کے اندر جو سب سے بڑی گمراہی تھی وہ غلو کی تھی، باقی اصول دین کے وہ منکر نہ تھے، اب آیئے شیعوں کا جائزہ لیتے ہیں، شیعوں میں بھی بہت سے فرقے ہیں، سب فرقوں کے تعارف کی ضرورت ہے نہ موقع لیکن اجمالی اعتبار سے لفظ شیعہ سن کر ذہن جدھر منتقل ہوتا ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ ان کے اصول دین اور فروع دین بھی جمہور امت سے مختلف ہیں۔ ان کی اذان، امامت، نماز، قرآن وغیرہ سب جدا ہیں۔ اتحاد کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر اس پر صبر کیا جا سکتا تھا کہ چلو بھائی کلمہ اور قبلہ کے اتحاد کی وجہ سے ان سے بعض امور میں ہاتھ ملا لیا جائے لیکن سچی بات یہ ہے کہ کلمہ اور قبلہ میں بھی اتحاد نظر نہیں آتا۔ بعض فرقے تو نعوذ باللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کا درجہ دیتے ہیں جب کہ بعض جبریل امین سے وحی میں چوک، اللہ سے غلطی اور نہ جانے کیسے کیسے کفریہ عقائد کے حامل ہیں۔ اس اعتبار سے دنیا کی یہ بدترین قوم ہے، جن کے عقیدہ میں تکفیر شیخین رضی اللہ عنہما، توہین صحابہ رضی اللہ عنہم، تذلیل امہات المومنین رضی اللہ عنہن خصوصًا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور تحریف قرآن جیسے امور شامل ہیں۔

دنیا میں کوئی مذہب خواہ عیسائی ہوں، یہودی ہوں یا ہندو، بحیثیت مذہب صحابہ کرام اور صحابیات پر تبرا نہیں کرتے اور نہ وہ اسے جائز سمجھتے ہیں۔ جب کہ ان ملعونوں کے یہاں تبرا ان کے ایمان کا جز ہے۔ صحابہؓ کے بارے میں دنیا کے اہل باطل (کافر، یہودی، عیسائی وغیرہ) کا بھی یہ ماننا ہے کہ یہ گروہ صحابہؓ مسلمانوں کے پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے سب سے زیادہ سچے پکے ساتھی تھے، ان پر ایمان لانے والے اور ان پر اپنی جان قربان کرنے والے تھے؛ لیکن اہل تشیع کے یہاں دنیا کی سب سے بدترین مخلوق نعوذ باللہ صحابہ کرامؓ ہیں۔

یہودیوں کی یہ شاخ شیعیت اب یہودیوں سے بھی بدتر ہو چکی ہے۔ مشہور مقولہ ہے "نقل کفر کفر نباشد" اور اس اعتبار سے، بہت سی باتیں لوگ تقریر اور تحریر میں نقل کر دیتے ہیں لیکن شیعوں کے ایسے خبیث نظریات اور عقیدے ہیں خصوصًا حضرات شیخین اور عفیفہ کائنات اماں عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں کہ قلم میں سکت نہیں کہ ان باتوں کو "نقل کفر کفر نباشد" کے طور پر ہی نقل کر دیا جائے۔ اس اعتبار سے شیعہ سب سے بدترین کافر ٹھہرتے ہیں، پھر ان سے اتحاد کیا معنیٰ؟ مزید یہ کہ ان کے یہاں عقیدۂ تقیہ کا روگ ہے۔ آپ اتحاد مخلصانہ کریں وہ اتحاد میں تقیہ کریں تو اس سے کیا حاصل؟ ماضی کی طرح پوری امت اسلامیہ کو نقصان پہنچاتے رہیں گے۔ پاکستان میں اس وقت ان کے خلاف جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ صرف اور صرف رد عمل ہے۔ پہلے شیعوں نے ہمارے بڑے بڑے قیمتی درجنوں علماء کو

شہید کیا، اب تو ردعمل ہو رہا ہے۔ شام اور عراق کو برباد کرنے میں انہیں لوگوں کا ہاتھ ہے۔ شیعوں کے ناپاک عزائم حرمین شریفین کے بارے میں جگ ظاہر ہیں۔ اور سال رواں حالیہ منی کے حادثہ میں انہوں نے جو کچھ کیا سبھی جانتے ہیں۔ ہاں اگر شام، عراق اور یمن کے شیعوں کے عقائد کا علم ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہیں تو حکم بدل سکتا ہے اور ان سے اتحاد ممکن ہے۔

خوارج کے یہاں غلو تھا، وہ مسلمانوں کا طائفہ ضالہ تھا، وہ حضرات شیخین اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بارے میں وہ گھناؤنے نظریہ نہیں رکھتے تھے جو شیعہ رکھتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں "هم شر الخلق الخليقة، طوبى لمن قتلهم وقتلوه" فرمایا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور حضرت علیؓ نے اپنے عمل سے پوری امت کو یہ سبق دیا کہ اگر خوارج کی طرح یا اس سے بدترین کوئی فرقہ پیدا ہو تو ان کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا جانا چاہئے۔ خوارج شیعہ سے بہرحال بہتر ہیں۔ لیکن حضرت علیؓ نے نہ صرف یہ کہ ان سے قتال کیا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق ان سے قتال کرنے کی وجہ سے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں اجتہاد میں مصیب اور اولیٰ بالحق ٹھہرے۔ اب اگر شیعہ خوارج سے بدتر اور بلاشبہ بدتر ہیں تو حکم ظاہر ہے۔ نیز حضرت علیؓ نے ان سے قتال ایسے وقت کیا جب اتحاد کی ضرورت شاید اس وقت سے زیادہ تھی۔ لہذا جہاں دونوں (شیعہ، سنی) غیر مسلم حکومت میں ہیں تو وہاں ملکی قوانین کے مطابق انہیں برداشت کیا جائے گا؛ البتہ اسلامی حکومت میں پہلے انہیں پابند کیا جائے گا کہ کم از کم تبرابازی سے پرہیز کریں اور جیسے ایک ذمی زندگی گذارتا ہے ویسی زندگی گذاریں، ورنہ ان کے ساتھ اتحاد بے معنی اور ایک دھوکہ ہے۔ ان کے ساتھ قولاً وعملاً وہی سلوک کیا جانا چاہئے جو حضرت علیؓ نے خوارج کے ساتھ کیا تھا۔

۵۔ کیا شیعہ سنی ایک ساتھ اتحاد واتفاق کے ساتھ رہ سکتے ہیں؟

مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کے اصولوں پر زندگی گذار سکتے ہیں؛ کیونکہ وہ ایک دوسرے پر تبرا نہیں کرتے اور نہ ہی ایک دوسرے کے بزرگوں کو برا بھلا کہتے ہیں، لیکن شیعوں کے ساتھ ایسا مشکل ہے؛ کیونکہ تبرا ان کی سب سے بڑی عبادت ہے پھر اتحاد کیونکر ممکن ہوگا۔ اگر عیسائیوں سے پوچھو کہ تمہاری جماعت میں سب سے بزرگ کون لوگ ہیں؟ تو وہ فوراً بول اٹھیں گے: "عیسیٰ علیہ السلام کے حواری"، اگر یہودیوں سے پوچھو کہ تمہاری امت میں سب سے مقدس جماعت کون ہے؟ تو وہ کہیں گے: "موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی"، لیکن اگر شیعوں سے پوچھو کہ امت محمدیہ میں سب سے بدترین مخلوق کون ہے؟ تو ان کا جواب ہوگا: "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ" نعوذ باللہ استغفر اللہ؛ البتہ اگر وہ خرق عادت اپنی اس روش کو بدل دیں تو اتحاد ممکن ہو سکتا ہے۔ ہاں غیر مسلم حکومتوں میں مسلمان بھی ملکی قانون ماننے پر مجبور اور پابند ہیں اس لئے وہاں ملکی قانون کا لحاظ رکھا جائے گا۔

اس موقع پر حضرت تھانویؒ کی حسب ذیل عبارت نقل کرنے کو جی چاہتا ہے:

"آخر کس بات میں دونوں متفق ہوں، کس بات کو قبول کریں، اگر کوئی ایسی بات ہو جس میں اتفاق ہو سکے تو خیر، جب اعتقاد کا اختلاف ہے، ایک فریق حضرت علیؓ کو نبی سمجھتا ہے، دوسرا فریق ایسا نہیں سمجھتا، ایک فریق ابوحنیفہ کو فقیہ مجتہد سمجھتا ہے، دوسرا ان کو مخالف خدا اور رسول جانتا ہے تو اب بتلاؤ کہ اتفاق کی کیا صورت ہے، دونوں کے عقائد میں تضاد ہے۔ اب سوا اس کے کہ ایک فریق اپنا عقیدہ بدلے اس کے سوا کوئی صورت اتفاق نہیں۔ اپنے اپنے عقیدہ پر قائم رہ کر اتفاق ہرگز مقصود نہیں؛ البتہ اگر مذہب وعقیدہ کوئی ضروری چیز نہ ہو تو پھر واقعی ہو سکتا ہے۔ مگر اس کو بجز ان نو تعلیم یافتہ حضرات کے کوئی عاقل بھی تسلیم نہیں کر سکتا" (اشرف الجواب، ص: ۳۶۷)۔

شیعہ فرقہ دراصل یہودیت اور ختم نبوت کا مجموعہ ہے۔ مولانا یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں:

"شیعوں کا "نظریہ امامت" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے خلاف ایک بغاوت اور اسلام کی ابدیت کے خلاف ایک کھلی سازش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دور قدیم سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی تک جن جن لوگوں نے نبوت ورسالت کے جھوٹے دعوے کئے انہوں نے اپنے دعوؤں کا مصالحہ شیعوں کے "نظریہ امامت" سے ہی مستعار لیا ہے۔ یہ عقیدہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ضرب لگانے اور جھوٹے مدعیان نبوت کے دعوہ نبوت وامامت کا چور دروازہ کھولنے کیلئے گھڑا" (اختلاف امت اور صراط مستقیم، ص: ۱۹-۲۰)۔

لہذا شیعوں سے اتحاد ممکن نظر نہیں آتا اور نہ ہی مناسب ہے؛ البتہ بعض شرطوں کے ساتھ سیاسی اتحاد کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

اختلاف رائے اور وحدت امت

مولانا محمد ظفر عالم ندوی[1]

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين۔

"واعتصموا بحبل الله جميعًا ولا تفرقوا" (آل عمران: ۱۰۳)۔

"ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم" (سورة أنفال: ۴۶)۔

"فإن تنازعتم في شيئ فردوه إلى الله ورسوله" (سورة النساء: ۵۹)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسوقت امت مسلمہ افتراق وانتشار کا شکار ہے، جس امت کی تعلیمات میں اتحاد ملت اور اس کے نظام زندگی میں وحدت امت کو بنیادی حیثیت حاصل ہو وہ آج گروہی تصادم، مسلکی اختلاف، علاقائی ولسانی تفریق، برادری وخاندانی تقسیم میں بٹی ہوئی ہے، عام لوگوں کا کیا حال؟ خود علماء کا طبقہ مختلف قسم کے تحفظات کا شکار نظر آرہا ہے، اسکی ایک تعداد دین ومسلک اور فکر ونظر کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے پر تنقید وتبصرے میں مشغول نظر آتی ہے، خالص علمی اور تحقیقی بحثوں میں بھی ایک دوسرے پر تنقید وتذلیل فراخدلی سے ہوتی رہتی ہے، تفسیق وتضلیل تو عام بات ہے تکفیر سے بھی باز نہیں آتی، اہل علم ونظر کے درمیان اختلاف کی خلیج دن بدن بڑھتی جارہی ہے اور اس اختلاف وانتشار کا خمیازہ پورا عالم اسلام بھگت رہا ہے۔ دوسری طرف مسلم قیادت فکری اضمحلال، سیاسی بے شعوری اور عملی انتشار کا شکار ہے جس کا نتیجہ ہے کہ دشمنان اسلام امت مسلمہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے اور ان کو بے وزن کرنے میں پوری طرح کامیاب ہورہے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسوقت پورا عالم اسلام جن مشکلات سے دو چار ہے شاید اس سے قبل کی تاریخوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اہل نظر علماء اور ہمدردلی رہنما اس پہلو سے کافی فکرمند ہیں، قابل ستائش ہیں "مجمع الفقہ الإسلامی الہند" کے ذمہ داران کہ ان کی نظر امت مسلمہ کی اس حالت زار پر پڑی اور انھوں نے اس کے بنیادی اسباب میں فکر ونظر کی بے اعتدالی اور علم ومطالعہ کی بے سمتی کا ادراک کیا اور سوالنامہ تیار کر کے بحث وتحقیق، مثبت سوچ اور معتدل غور وفکر کی دعوت دی ہے جو امت مسلمہ کے تئیں ان کی فکرمندی کی دلیل ہے، خدا اس فکر وکاوش کو قبول فرمائے اور اس کے بہتر نتائج بروئے کار لائے، آمین ثم آمین۔

سوالنامہ میں اختلاف رائے اور وحدت امت سے متعلق جو سوالات پیش کئے گئے ہیں، ہم ان کے جوابات سے قبل اختلاف کا مفہوم، اس کی انواع اور علماء سلف کا اس بارے میں موقف بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ زیر بحث موضوع پوری طرح آشکارا ہوکر سامنے آجائے۔

اختلاف کا مفہوم:

اختلاف کے مفہوم کو جاننے کے لئے سب سے پہلے ہم ماہر لغت امام راغب اصفہانی کی طرف رجوع کرتے ہیں، موصوف فرماتے ہیں:

''الإختلاف والمخالفة أن يأخذ كل واحد طريقًا غير طريق الآخر في حاله أو قوله'' (مفردات القرآن، باب خلف)

اختلاف یہ ہے کہ ایک فریق کسی قول یا حالت میں وہ طریقہ اختیار کرے جو دوسرے فریق نے نہیں اختیار کیا ہے۔ اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف حالت وہیئت میں بھی ہوسکتا ہے اور قول ورائے میں بھی۔

علامہ جرجانی نے کتاب التعریفات میں اختلاف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ حق کے اثبات اور باطل کے ابطال ورد کے لئے دو فریقوں کے درمیان جو بحث ومباحثہ ہو اس کو اختلاف کہتے ہیں، موصوف کے الفاظ ہیں:

---

[1] استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

"منازعة تجري بين المتعارضين لتحقيق حق وإبطال باطل" (كتاب التعريفات)۔

علامہ جرجانیؒ کی تعریف سے مزید وضاحت ہوجاتی ہے کہ اختلاف کسی قول، نظریہ اور عقیدہ میں بھی ہوسکتا ہے۔

علامہ ابوالبقاء الکفویؒ نے کلیات میں یہ واضح کیا ہے کہ اختلاف خلاف سے جداگانہ چیز ہے، اختلاف کے مفہوم میں یہ شامل ہے کہ فریقین کے طریقۂ استدلال گومختلف ہوں لیکن مقصود ایک ہو۔ اسی طرح اختلاف کے لئے ضروری ہے کہ اس پر کوئی دلیل ہو، خلاف میں طریقوں کے ساتھ مقصود بھی الگ الگ ہوتے ہیں اور کوئی دلیل نہیں ہوتی، اختلاف آثار رحمت میں سے ہے اور خلاف آثار بدعت میں ہے (کلیات ۱/۷۹، ۸۰)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اختلاف اس کو کہتے ہیں جس میں فریقین کی غایت ایک ہو اور ذرائع ووسائل مختلف ہوں، اور خلاف یہ ہے کہ وسائل اور مقاصد دونوں الگ الگ ہوں۔

علامہ جرجانیؒ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کا اطلاق کلیات اور جزئیات دونوں طرح کے اختلافات پر ہوتا ہے، گویا اختلاف کے دائرہ میں وہ اختلافات بھی آئیں گے جن کا تعلق اصولی اور بنیادی احکام سے ہوگا اور وہ اختلافات بھی آئیں گے جن کا تعلق جزوی احکام ومسائل سے ہوگا۔

اختلاف کے انواع:

اختلاف کے تمام گوشوں کا جائزہ لیں تو بنیادی طور پر اختلاف کی تین قسمیں سامنے آتی ہیں:

(۱) مذاہب وادیان کا اختلاف جیسے: اسلام، یہودیت، نصرانیت۔

(۲) عقائد کا اختلاف جیسے: قدریہ، جبریہ، جہمیہ، خوارج، روافض وغیرہ۔

(۳) فروعی احکام کا اختلاف جیسے: مسالک اربعہ۔

اس طرح اختلاف کی کل تین انواع ہوتی ہیں: ادیان، فرقے اور مسالک فقہیہ۔ اسلام نے ان تینوں انواع کے سلسلہ میں واضح ہدایات دی ہیں۔

فروعی مسائل میں اختلاف کا مفہوم اور علماء سلف کا موقف:

علماء سلف کی سوانح اور ان کی تصنیفات کے مطالعہ سے یہ بات ملتی ہے کہ ان کے نزدیک فروعی مسائل میں اختلاف کا مفہوم نزاع نہیں تھا بلکہ وہ اس کو توسع کا نام دیتے تھے، حضرت طلحہ بن مُصَرِّف جو تابعین میں ہیں ان کے بارے میں ان کے ایک شاگرد موسیٰ الجہنی بیان کرتے ہیں کہ ان کے سامنے جب اختلاف کا ذکر ہوتا تو فرماتے کہ اختلاف نہ کہو بلکہ توسع کہو۔

"كان طلحة إذا ذكر عنده الاختلاف قال: "لا تقولوا الاختلاف ولكن قولوا السعة" (حلية الأولياء ۵/ ۱۱۹)۔

یہ حضرات اختلاف کو توسع کے معنی میں لیتے اور اس کی تاکید فرماتے۔ امام ابن تیمیہؒ کی مشہور کتاب مجموع الفتاویٰ میں یہ واقعہ درج ہے:

"صنف رجل كتابًا في الإختلاف فقال أحمد: لا تُسَمِّه كتاب الإختلاف ولكن سَمِّه كتاب السعة" (مجموع الفتاویٰ ۳۰/ ۷۹)

(ایک شخص نے اختلاف کے نام سے ایک کتاب لکھی تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ اس کا نام "كتاب الاختلاف" نہ رکھو بلکہ "كتاب السعة" نام رکھو)؛ کیونکہ اختلاف ایک ایسا لفظ ہے جس میں فرقت اور دوری کا وہم ہوتا ہے، اس کے برعکس توسع کا لفظ رخصت، مباح اور یسر کا مفہوم اپنے اندر لئے ہوئے ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ اس تنبیہ سے اس طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اختلاف توسع کا نام ہے نزاع کا نہیں، اسی لئے یہ حضرات احکام کی تشریع میں توسع کو پسند فرماتے اور یسر کا پہلو اختیار کرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا موقف:

ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم وفضله" میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"ما أحب أن أصحاب رسول الله ﷺ لم يختلفوا لأنه لو كانوا قولًا واحدًا كان الناس في ضيق وإنهم أئمة

يقتدي بهم فلو أخذ رجل بقول أحدهم كان في سعة'' (جامع بيان العلم ۲/ ۸۰)۔
(میں اس کو نہیں پسند کرتا اگر صحابۂ کرامؓ اختلاف نہیں کرتے؛ اس لئے کہ اگر وہ ایک رائے رکھتے تو لوگ تنگی میں پڑ جاتے حالانکہ یہ سب قابل اقتداء امام ہیں، لہٰذا اگر کوئی ان میں سے کسی کے قول کو اختیار کرے تو اس کی گنجائش ہے)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے قول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی مسئلہ میں اختلاف دراصل اس مسئلہ کی مختلف نوعیتوں اور جہتوں کو واضح کر کے کسی بھی پہلو کو اختیار کرنے کی راہ ہموار کی جاتی ہے جس میں امت کے لئے یسر بھی ہے اور رحمت بھی؛ کیونکہ اگر کسی غیر منصوص مسئلہ میں اختلاف سامنے نہ آتا تو امت کسی ایک ہی قول پر عمل کرنے پر مجبور ہوتی جو بسا اوقات تنگی اور پریشانی کا سبب بنتی۔

حضرت قاسم بن محمد بن أبی بکر الصدیق کا موقف:

امام الحجہ حضرت قاسم بن محمد جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے اور سادات تابعین میں ہیں، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرامؓ کے اختلاف سے بڑا فائدہ پہونچایا، جو بھی صحابہؓ میں سے کسی بھی صحابی کے عمل پر عمل کرلے تو اسکے لئے اسکی گنجائش واجازت ہے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ عمل بہتر ہے۔

''لقد نفع الله بإختلاف أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم في أعمالهم. لايعمل العامل بعمل رجل منهم إلّا رأى أنهٗ في سعة، ورأى أن خيرًا منهٗ قد عمِلَهٗ'' (جامع بيان العلم وفضله لابن عبدالبر ۲/ ۸۰)۔
حضرت قاسم بن محمدؒ کے قول سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جس صحابی کے قول وعمل کو اختیار کرلیا جائے وہ درست ہے بلکہ بہتر ہے، اس طرح گویا مختلف صحابہؓ کے اقوال پر عمل کرنے کی امت کے لئے گنجائش ہے اور یہ توسع کی راہ ہے۔

قاضی یحییٰ بن سعید کا موقف:

قاضی یحییٰ بن سعید انصاری اجلہ تابعین میں ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مفتی کسی چیز کے حلال کا فتویٰ دے اور دوسرا حرام کا تو حرام کا فتویٰ دینے والا حلال کہنے والے کے بارے میں نہ سوچے کہ وہ ہلاک ہوگیا، یا حلال کا فتویٰ دینے والا نہ سوچے کہ حرام کہنے والا ہلاک ہوگیا بلکہ دونوں کی گنجائش ہے۔

قال الإمام الحجة يحيٰ بن سعيد الأنصاري: ''ما برح أولوا الفتوى يُفتون فيحلُّ هذا ويحرم هذا فُلا يرى المحرِّم أن المحلّ هلك لتحليله ولا يرى المُحلّ أن المحرِّم هلك لتحريمه'' (حوالہ سابق)۔
امام ذہبیؒ نے بھی التذکرۃ میں اسی سے ملتی جلتی بات نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب موصوف کے نزدیک الگ الگ اہل فتویٰ کی الگ الگ رائے ہو تو یہ عیب نہیں؛ اس لئے ایک دوسرے پر نہ تنقید کرے، نہ گمراہ سمجھے؛ بلکہ ہر قول پر عمل کرنا دین پر عمل کرنا ہے۔

امام مالکؒ کا موقف:

امام ذہبیؒ نے سیر أعلام النبلاء میں نقل کیا ہے کہ امام مالکؒ سے امیر المؤمنین ابوجعفر المنصور نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی کتاب ''الموطأ'' بلادِ مسلمین میں لاگو کردوں اور لوگوں کو اس پر عمل کرنا لازم کردوں اور دیگر کتابوں کو منسوخ کردوں، اس پر امام مالکؒ نے جو جواب دیا ہے واقعہ یہ ہے کہ یہ امت کا کوئی غیر معمولی بہی خواہ اور آخری درجہ کا متقی ہی جواب دے سکتا ہے۔ فرمایا: امیر المؤمنین! آپ ایسا نہ کریں کیونکہ لوگوں کے پاس صحابۂ کرام کے بہت سے اقوال پہنچ چکے ہیں اور انھوں نے بہت سے روایتیں سنی ہیں، جن کو جو روایتیں ملی ہیں وہ ان پر عمل کر رہے ہیں، اگر آپ انہیں کسی ایک کتاب اور قول کا پابند بنادیں گے تو وہ اسی پر مجبور ہوجائیں گے اور اس میں ان کے لئے تنگی ہوجائے گی؛ حالانکہ ان کے لئے وسعت اور آسانی موجود ہے، امام مالکؒ کے الفاظ امام ذہبیؒ نے اس طرح نقل کئے ہیں:

''فقلت: يا أمير المؤمنين لاتفعل هذا فإن الناس قد سبقت إليهم أقاويل، وسمعوا أحاديث ورووا روايات وأخذ كل قوم بما سبق إليهم وعملوا به ودانوا به اختلاف الناس وغيرهم وردهم عما اعتقدوهٗ شديد فدع الناس وم

ھم علیہ'' (السیر ۷/ ۱۴۲)۔

امام مالکؒ کے اس موقف سے کئی چیزیں سامنے آئیں:

(۱) کسی ایک قول پر امت کو مجبور کرنا باعث حرج وتنگی ہے، اور مختلف اقوال کی گنجائش رکھنا ذریعہ رحمت ووسعت ہے، اسی لئے امام مالکؒ نے فرمایا:

''إن إختلاف العلماء رحمة من الله على هذه الأمة'' (کشف الخفا للعجلونی ۱/ ۶۵)۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ اس میں علماء متاخرین کی آراء کا لحاظ بھی ہے جس سے اتحاد اور رحمت کی راہ کھلتی ہے۔

(۳) تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آداب علماء میں سے ایک خاص ادب یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے مسلک اور رائے پر چھوڑ دینا چاہئے جب تک وہ حق وراستی اور شرعی بنیاد پر باقی ہو۔

امام مالکؒ کا عمل امت کے لئے مشعل راہ:

گویا امام مالکؒ نے امت مسلمہ کے لئے یہ وراثت چھوڑی ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں مختلف آراء واقوال ہوں اور لوگ ان پر عمل کر رہے ہوں اور ان آراء واقوال کی بنیاد شرعی ہو تو انہیں اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہئے، اور کسی ایک قول ورائے پر عمل کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہئے۔

میرے خیال میں امام مالکؒ نے ملت اسلامیہ کو اختلافی مسائل میں عمل کی جو راہ دی ہے موجودہ مشکل حالات میں علماء امت کے لئے مشعل راہ ہے۔

امام ابن تیمیہؒ کا نظریہ:

اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے اور اتحاد کی فضا قائم کرنے میں امام ابن تیمیہؒ کا یہ نظریہ کافی قابل توجہ اور لائق اتباع ہے، موصوف فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کے دلوں کو جوڑنے اور ان کے درمیان باہمی ربط وتعلق قائم کرنے کی خاطر اپنے مسلک کے مستحبات کو ترک کردینا، عمل کرنے سے بہتر ہے؛ کیونکہ دین میں تالیف قلب کسی استحبابی عمل کا فائدہ حاصل کرنے سے بہتر ہے۔

''يستحب للرجل أن يقصد إلى تاليف القلوب بترك هذه المستحبات لأن مصلحة التاليف في الدين أفضل من مصلحة فعل مثل هذا'' (مجموع الفتاوی ۲۰/ ۹۹)۔

امام سفیان ثوریؒ کا نظریہ:

الفقه والمتفقه میں خطیب بغدادیؒ نے امام سفیان ثوریؒ کا قول نقل کیا ہے:

''إذا رأيت الرجل يعمل الذي قد اختلف فيه وأنت ترى غيره فلا تنهه'' (الفقه والمتفقه ۲/ ۶۹)۔

(جب تم کسی کو ایسے مسئلے میں عمل کرتے ہوئے دیکھو جس میں اختلاف ہو اور دوسرا اس عمل کے علاوہ پر عمل کرے تو تم اس کو نہ روکو)۔

امام ابوحنیفہؒ کا قول:

خطیب بغدادیؒ نے اختلافی مسائل میں مخالف رائے رکھنے والے علماء کے احترام کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کا ایک قول نقل کیا ہے جو موجودہ دور میں پوری ملت اسلامیہ کے لئے مشعل راہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے:

''قولنا هذا رأي وهو أحسن ما قدرنا عليه، فمن جاءنا بأحسن من قولنا فهو أولى بالصواب منا'' (تاریخ بغداد ۱۳/ ۳۵۲)

(یہ میری رائے ہے اور میرے نزدیک یہ بہتر ہے، اگر کوئی اس سے بہتر رائے لے آئے تو وہ میری رائے سے زیادہ درست ہوگی)۔ امام ابوحنیفہ کا اسی قسم کا قول ایک دوسری جگہ ہے:

''هذا الذي نحن فيه رأي لانجبر أحدًا عليه، ولا نقول: يجب على أحد قبوله بكراهية، فمن كان عنده شيئ أحسن منه فليأت به'' (تاریخ بغداد ۱۳/ ۱۴۰)۔

امام ابوحنیفہؒ کے قول سے ان کی وسعت قلبی، فراخ چشمی اور مخالف رائے کو اہمیت دینے کا مزاج واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ کا توسع:

امام شافعیؒ کا اس سلسلہ میں طرز عمل کافی توسع اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ احترام کا رہا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے اقوال سے کافی اختلافات رہے ہیں اس کے باوجود فرماتے ہیں: ''من أراد أن يتبحر في الفقه فهو عيال على أبي حنيفة'' (جو فقہ میں مہارت پیدا کرنا چاہے وہ امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں)۔ی

یہ واقعہ تو کافی مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے مزار پر جب امام شافعیؒ پہونچے ہیں تو امام صاحب کے مسلک کے مطابق نماز فجر ادا کی اور قنوت نازلہ نہیں پڑھی اور فرمایا کہ مجھے اس صاحب قبر کی مخالفت کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ اس سے جہاں ائمہ مجتہدین کے بارے ان کا احترام معلوم ہوتا ہے وہیں ان کا توسع بھی ظاہر ہوتا ہے۔

ان کے علاوہ ائمہ مجتہدین سے بڑی تعداد میں اقوال اور اعمال منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء سلف میں ایک دوسرے کی آراء کا احترام کرنے اور اپنی ہی رائے کو حق پر منحصر نہ سمجھنے کا رواج رہا ہے، بلکہ امت کو ان کے حسب حال کسی بھی مجتہد کے قول پر عمل کرنے کا موقع فراہم کرنے کی روش رہی ہے۔ یہی طرز حضرات صحابہ کرامؓ میں بھی تھا۔

صحابۂ کرامؓ کا طرز عمل:

صحابۂ کرامؓ کے درمیان بھی فروعی اور بعض اہم اور بنیادی مسائل میں بھی اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن کہیں یہ نہیں ملتا کہ کسی صحابیؓ نے اختلاف رائے کی بنا پر مخالف رائے رکھنے والے صحابیؓ کے بارے میں کوئی ایسی بات کہی ہو یا ایسا طرز عمل اختیار کیا ہو جس سے دوسرے کی تحقیر ہوتی ہو؛ بلکہ ہر ایک دوسرے کا احترام کیا کرتے اور اخلاقی بلندی کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے۔ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت باری حاصل ہوئی یا نہیں؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس کا اثبات فرماتے تھے اور حضرت عائشہؓ انکار فرماتی تھیں، اسی طرح سماع موتی اور بکاء علی المیت کے مسائل میں صحابہؓ کے درمیان اختلافات تھے؛ لیکن تکفیر و تفسیق تو دور کی بات ہے کہیں سے معمولی توہین و تحقیر کی بو تک نظر نہیں آتی۔

اصول دین میں اختلاف:

البتہ اختلاف اگر اصول دین میں ہو تو بلا شبہ یہ ضلالت و گمراہی ہے اور بعض مواقع سے خارج عن الاسلام کا بھی حکم لگایا جاسکتا ہے، اس کے باوجود اختلاف عداوت وعناد پر مبنی نہ ہو بلکہ مخلصانہ اور داعیانہ انداز میں حق کا اثبات اور باطل کا ابطال ہو اور اسلوب ایسا ہو جس میں اخلاقی پہلو نمایاں اور خیر خواہی کا جذبہ عیاں ہو، اسلامی تعلیمات اور سیرت نبویؐ میں اس کے بے شمار نمونے موجود ہیں جن سے ہم استفادہ کر سکتے ہیں، اختلاف اگر بنیادی عقائد میں ہو اور ایسے اصول دین میں ہو جو فسق اور ضلالت سے بڑھ کر کفر کو مستلزم ہو تب بھی احترام انسانیت اور علمی دیانت اور انصاف پیش نظر رہنا چاہئے کہ یہی اسلام کی اخلاقی تعلیم ہے۔

اختلاف اور علامہ سیوطیؒ کا حکیمانہ بیان:

ہم اپنی اس تمہیدی گفتگو کو علامہ سیوطیؒ کے اس پُر مغز بیان پر ختم کرتے ہیں جس کو انھوں نے اختلاف مسالک کے بارے میں ظاہر کیا ہے۔ موصوف اپنے رسالہ جزیل المواهب کی ابتداء میں فرماتے ہیں:

''إعلم أن اختلاف المذاهب في هذه الملة نعمة كبيرة وفضيلة عظيمة. وله سر لطيف أدركه العالمون. وعمى عنه الجاهلون، حتى سمعت بعض الجهال يقول: النبي جاء بشرع واحد فمن أين مذاهب أربعة؟ ''ومن العجب أيضًا'': من يأخذ تفضيل بعض المذاهب على بعض تفضيلًا يؤدى إلى تنقيص المفضل عليه وسقوطه، وربما أدى إلى الخصام بين السفهاء وصارت عصبية جاهلية والعلماء منتزهون عن ذلك''. ''وقد وقع اختلاف في الفروع بين الصحابة خير الأمة. فما خاصم أحد منهم أحدًا ولا عادى أحد أحدًا ولا نسب أحد أحدًا إلى خطأ ولا قصور .... وورد أن اختلاف هذه الأمة رحمة من الله لها وكان إختلاف، الأمم السابقة عذابًا وهلاكًا. فعرف بذلك أن إختلاف

المذاهب في هذه الملة. خصيصة فاضلة لهذه الأمة وتوسيع في هذه الشريعة السمحة السهلة. فكانت الأنبياء قبل النبي صلى الله عليه وسلم يبعث أحدهم بشرع واحد وحكم واحد، حتى إن من ضيق شريعتهم لم يكن فيها تخيير في كثير من الفروع التي شرع فيها التخيير'' (جزيل المواهب في إختلاف المذاهب لسيوطي)۔

ترجمہ: جان لو! اس ملت میں مذاہب ومسالک کا اختلاف خدائے حکیم وعلیم کی عظیم نعمت ہے اور علماء اس کے لطیف راز سے واقف ہیں، جہلاء کو اس کی خبر نہیں، میں نے بعض جاہلوں سے یہاں تک کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک ہی شریعت لیکر آئے پھر یہ چار مذاہب کہاں سے آگئے؟

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ بعض لوگ ایک مسلک کو دوسرے مسلک پر فوقیت دینے میں اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ نزاع کی نوبت آجاتی ہے جو سراسر جاہلی عصبیت ہے، یہ ہرگز علماء کا شیوہ نہیں ہے، فروعی مسائل میں اختلاف تو اس امت میں صحابۂ کرامؓ کے درمیان بھی رہا ہے جو امت میں سب سے بہتر لوگ تھے لیکن اس کی وجہ سے کسی نے کسی سے نہ لڑائی کی اور نہ عداوت اور نہ ہی کسی کو غلط اور کوتاہ علم کہا، حدیث میں آیا ہے کہ اختلاف اس امت کے لئے رحمت ہے جبکہ اس سے قبل امتوں میں اختلافات ہلاکت اور عذاب کا باعث تھے۔

پس معلوم ہوا کہ اس ملت میں مذاہب ومسالک کا اختلاف اس کی خصوصیت اور عظمت کا ذریعہ اور اس وسیع اور سہل شریعت میں توسیع ہے؛ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جو انبیاء تشریف لائے ان میں ہر ایک ایک ہی شریعت کے ساتھ مبعوث ہوئے، یہی وجہ ہے کہ ان کی شریعتوں میں تنگی تھی اور بہت سے فروعی احکام میں جہاں رخصت کی گنجائش ہونی چاہئے کوئی رخصت وتخییر نہیں تھی۔

شریعت محمدی متعدد شریعتوں کی جامع:

آگے امام سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں کسی ایک مسئلہ میں متعدد اقوال وآراء ہونے کی وجہ سے اس کے متعدد احکام ہوجاتے ہیں، اس طرح یہ شریعت کئی شریعتیں ہوجاتی ہیں:

''من ذلك: مشروعية الإختلاف بينهم في الفروع، فكانت المذاهب على إختلافها كشرائع متعددة، كل مأمور به في هذه الشريعة فصارت هذه الشريعة كأنها عدة شرائع بعث النبي ﷺ بجميعها، وفي ذلك توسعة زائدة لها وفخامة عظيمة لقدر النبي ﷺ وخصوصية له، على سائر الأنبياء، حيث بعث كل منهم بحكم واحد وهو بعث في الأمر الواحد بأحكام متنوعة يحكم بكل منها وينفذ ويصوب قائله ويؤجر عليه، ويقتدئ به''۔

ترجمہ: اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ فروعی احکام میں اختلاف مشروع اور جائز ہے، لہذا مختلف مسالک متعدد شرائع کی طرح ہوگئے جو اس شریعت میں مامور بہ ہیں، اس طرح یہ شریعت کئی شریعتیں ہوگئی ہیں اور تمام کو لیکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے گئے ہیں۔

اس میں مزید توسع ہے، اس سے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ بلند ہوجاتا ہے اور تمام انبیاء پر آپ کو خصوصیت حاصل ہوجاتی ہے، بایں طور کہ سابقہ انبیاء میں ہر نبی ایک معاملہ میں ایک ہی حکم کے ساتھ مبعوث ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی معاملہ میں متعدد احکام کے ساتھ مبعوث ہوئے اور ان احکام پر حکم نافذ ہوگا، اس کا قائل اپنے قول پر درست مانا جائے گا، اس پر اجر بھی ملے گا اور وہ قابل اتباع ہوگا (جزیل المواہب فی اختلاف المذاہب)۔

آگے علامہ موصوفؒ اس اہم نکتہ کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وهذا معنى لطيف فتح الله به، يستحسنه كل من له ذوق وإدراك لأسرار الشريعة''۔

علامہ سیوطیؒ کے مذکورہ بیان سے جہاں اختلاف کی اہمیت، خصوصیت اور افادیت معلوم ہوتی ہے وہیں اس کی حقیقت اور اصل روح بھی واضح ہوجاتی ہے۔

اس طویل تمہید کے بعد اب ہم اکیڈمی کی طرف سے ترتیب شدہ سوالنامہ کا جواب درج کررہے ہیں:

جواب (۱): مقالہ کی ابتدا میں ناچیز نے فروعی مسائل میں اختلاف رائے کی صورت میں علماء سلف کا جو موقف بیان کیا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے یہ عرض ہے کہ فقہی مباحث بیان کرتے وقت ترجیح کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے کسی امام فقہ یا مسلک کی تنقیص اور اس کے خلاف طنز وتعریض کرنا

درست نہیں؛ کیونکہ یہ تفریق امت اور اتحاد ملت کے خلاف تمسخر واستہزاء کے زمرہ میں آتا ہے، اس پر کتاب وسنت میں صریح وعیدیں وارد ہیں۔

قرآن میں ہے:

یأیہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ ولا تموتن إلا وأنتم مسلمون، واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا الخ (آل عمران/ ۱۰۲-۱۰۳)۔

"ولا تکونوا کالذین تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاء ہم البینٰت" (آل عمران: ۱۰۵)۔

"إن الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعًا لست منہم فی شئ" (انعام: ۱۵۹)۔

"یأیہا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ أن یکونوا خیرًا منہم" (الحجرات: ۱۱)۔

''المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمهاجر من هجر ما نهى اللہ عنه'' (کتاب الایمان، باب: ۴، حدیث: ۱۰)۔

مسلم شریف میں ہے:

''سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر'' (کتاب الایمان، باب: ۲۷، حدیث نمبر: ۱۱۶)۔

مسلکی اختلاف دور صحابہ سے چلا آرہا ہے، یہ اختلافات فروعی مسائل میں نفس قرآن وحدیث کی مخالفت نہیں بلکہ قرآن وحدیث ہی کے منشا ومراد کو پانے کی خاطر بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے واقع ہوئے ہیں جو فطری اور طبعی ہیں۔ لہذا کسی مسلک کو اختیار کرنے اور اس کی ترجیحی حیثیت قائم کرنے میں دوسرے مسالک پر طنز وتعریض کے بجائے احترام واکرام کا طریقہ اپنانا چاہئے جیسا کہ علماء سلف کا طریقہ رہا ہے۔

چنانچہ "آداب الحوار وقواعد الإختلاف" میں ہے:

''لقد کان الخلاف موجودًا في عصر الأئمة المتبوعین الکبار: أبي حنیفة ومالك والشافعي وأحمد والثوري والأوزاعي وغیرهم، ولم یحاول أحد منهم أن یحمل الآخرین علی رأیه أو یتهمهم في علمهم أو دینهم من أجل مخالفتهم، بل کان الخلاف موجودًا في عصر الصحابة نظرًا لاختلاف أفهامهم وتفسیرهم للنصوص، بل إن الخلاف وجد في عهد النبي (صلی اللہ علیه وسلم) فأقره ولم ینکره کما في قضیة صلاة العصر في بني قریظة وفي غیرها من القضایا'' (قواعد في أدب الاختلاف، ص: ۳۲)۔

مسلک واجتہادی نظریات کے اختلاف کے باوجود سلف صالحین کس قدر ایک دوسرے کی مخلصانہ تعظیم کرتے تھے اور دوسروں کو ان کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب بھی دیتے تھے اس کا کچھ اندازہ ذیل کی چند عبارتوں سے لگایا جاسکتا ہے:

قال الشافعي: ''هل رأیت أبا حنیفة، فقال: نعم، رأیت رجلًا لو کلمك في هذه الساریة أن یجعلها ذهبًا لقام بحجته''

قال الشافعي: ''من أراد أن یتبحر في الفقه فهو عیال علی أبي حنیفة''۔

قال یحيٰ بن معین: ''الفقه فقه أبي حنیفة، علی هذا أدرکت الناس'' (وفیات الأعیان لابن خلکان ۵/ ۴۰۹)۔

قال أحمد بن حنبل: ''ما أحد ممن بیده محبرة أو ورق إلا وللشافعي في رقبته منة'' (أیضًا ۴/ ۱۶۵)۔

جواب (۲): شیعہ سنی اختلافات کے حل کیلئے تبادلۂ خیال کرتے وقت دونوں فرقوں کے ان مسائل کو میدان بحث ومجادلہ بنایا جائے جو متفق علیہ ہوں اور جزوی یا سخت عقیدے کے مباحث سے سرسری طور پر گذرتے ہوئے دونوں فرقوں کے لوگ سلامتی کا رویہ اختیار کریں، اسی طرح دونوں فرقوں کے افراد کا اس دوران آپسی جذبات کا احترام ازحد ضروری ہے، اس سلسلے میں قرآن کریم کی ان آیات سے مدد لیجائے:

"قل یأہل الکتاب تعالوا إلی کلمة سواء بیننا وبینکم أن لا نعبد إلا اللہ ولا نشرك به شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا أربابًا من دون اللہ فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون" (آل عمران: ۶۴)۔

"ادع إلی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن إن ربك هو أعلم بمن ضل عن سبیله وهو أعلم بالمهتدین" (نحل: ۱۲۵)۔

"ولا تجادلوا أهل الكتاب إلا بالتي هي أحسن، إلا الذين ظلموا منهم، وقولوا آمنا بالذي أنزل إلينا وأنزل إليكم وإلهنا وإلهكم واحد ونحن له مسلمون" (عنکبوت: ۴۶)۔

"وقولا له قولاً لينًا لعله يتذكر أو يخشى" (طٰہٰ: ۴۴)۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کلمہ واحدہ کی بنیاد پر ایک دوسرے کو قریب کرنے اور متحد ہونے کی دعوت دی جانی چاہئے، اور اس دعوت میں حکمت وعظمت کے ساتھ گفت وشنید میں بہتر اور شائستہ اسلوب اختیار کرنا چاہئے۔

افکار ونظریات میں اختلاف کی صورت میں ہمیں مخالفت کے حامل افراد سے کس انداز میں گفتگو کرنی چاہئے اور کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟ اس سلسلہ میں مولانا مفتی شفیع عثمانی صاحب کی تحریر سے کافی رہنمائی ملتی ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

"بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری کے وقت جو گوسالہ پرستی کا فتنہ پھوٹا اور ان کے تین فرقے ہوگئے، حضرت ہارون علیہ السلام نے سب کو دعوت حق تو دی مگر ان میں سے کسی فرقے سے کلی اجتناب اور بیزاری وعلیحدگی کا موسیٰ کے آنے تک اعلان نہیں کیا، اس پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ناراض ہوئے تو انھوں نے یہی عذر پیش کیا کہ تشدد کرتا تو بنی اسرائیل کے ٹکڑے ہوجاتے ان میں تفرقہ پھیل جاتا۔

"إني خشيت أن تقول فرقت بين بني إسرائيل ولم ترقب قولي..." (سورہ طٰہٰ: ۹۴)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ان کے عذر کو غلط نہیں قرار دیا بلکہ صحیح تسلیم کرکے ان کے لئے دعا واستغفار کیا، اس سے ہدایت نکلتی ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ سے بچنے کے لئے وقتی طور پر اگر کسی برائی کے معاملہ میں نرمی برتی جائے تو درست ہے۔

مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ سے بچنے کے لئے بڑی سے بڑی برائی کو وقتی طور پر برداشت کیا جاسکتا ہے۔

مزید لکھتے ہیں:

"آج کل جو بہت سے اہل علم اپنے اختلافات میں ایک دوسرے کے خلاف زبان درازی اور الزام تراشی کو اسلام کی خدمت سمجھ بیٹھتے ہیں انھیں اس پر بہت غور کرنا چاہئے" (معارف القرآن: ۱/ ۱۰۹-۱۱۰)۔

آیت "يأهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم...الخ" کی شرح میں ایک موقع پر وہ لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہش مند ہو جو عقائد ونظریات میں اس سے مختلف ہو، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہوسکتا ہو، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلہ کی طرف دی جس پر دونوں کا اتفاق تھا" (معارف القرآن ۲/ ۸۷)۔

سورۂ نحل کی آیت "أدع إلى سبيل ربك..." کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آج کل اول تو دعوت وصلاح اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی طرف دھیان ہی نہ رہا، اور جو اس میں مشغول بھی ہیں انھوں نے صرف بحث ومباحثہ اور مخالف پر الزام تراشی، فقرے کسنے اور اس کی تحقیر وتوہین کرنے کو دعوت وتبلیغ سمجھ لیا ہے جو خلاف سنت ہونے کی وجہ سے کبھی مؤثر ومفید نہیں ہوتا، وہ سمجھتے رہتے ہیں کہ ہم نے اسلام کی بڑی خدمت کی اور حقیقت میں وہ لوگوں کو متنفر کرنے کا سبب بن رہے ہیں" (معارف القرآن ۵/ ۴۱۷-۴۱۸)۔

جواب (۳): جس فکر یا عقیدے کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہے لیکن اس کی بنیاد پر تکفیر کا قائل نہ ہو، ایسے فکر یا عقیدہ پر تنقید اس فکر یا عقیدہ کی حیثیت متعین کرکے کیجائے، مثلاً اگر کوئی شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر نہیں مگر صرف اختلاف رکھتا ہے، جیسے جمہور امت کے خلاف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو افضل الصحابہ اور خلیفۂ اول سمجھتا ہے تو چونکہ ایسی فکر شرعی لحاظ سے ضلال وفسق کے زمرہ میں آتی ہے لہذا ایسے کو کافر نہیں بلکہ فاسق ومبتدع، گمراہ قرار دیا جائے گا اور اس کے ساتھ وہ اسلامی معاملات روا رکھے جائیں گے جو کسی فاسق وگمراہ کے ساتھ رکھے جاتے ہیں۔

چنانچہ "رد المحتار" میں ہے: "اتفق الأئمة على تضليل أهل البدع أجمع وتخطئهم وسبّ أحد من الصحابة وبعضه لا يكون كفرًا لكن يضلل۔"

"......... وإن كان يفضل عليًا عليهما فهو مبتدع"۔

"وذكر في المحيط أن بعض الفقهاء لا يكفر أحدًا من أهل البدع" (كتاب الجهاد، مطلب في حكم الشيخين ۴/ ۲۳۶)۔

اگر کوئی شخص کسی فکر یا عقیدہ کو موجب کفر سمجھتا ہے تو ایسے فکر وعقیدے کی کتاب وسنت کی روشنی میں حیثیت متعین کر کے اس پر تنقید کی جانی چاہئے، مثلاً اگر کوئی شخص حضرت عائشہؓ پر تہمت اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحابیت سے انکار، تحریف قرآن، اور الوہیت علیؓ کے عقیدوں کا حامل ہو تو چونکہ ایسے عقائد ضروریات دین کے زمرہ میں آتے ہیں اور موجب کفر وارتداد ہیں، اسی لیے ایسے افکار وعقائد رکھنے والے شخص پر کفر وارتداد کا ہی حکم رکھا جائے گا؛ کیونکہ دینی مصالح کو نظر انداز کر کے دنیاوی مصالح اختیار کرنے کی اسلام میں اجازت نہیں ہے اور باطل عقائد ونظریات کی یقینا تردید کی جائے گی؛ لیکن تردید وتنقید کا انداز ایسا جارحانہ نہ ہو کہ اس سے مزید خرابیاں پیدا ہو جائیں؛ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

"نعم، لاشك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها أو أنكر صحبته الصديق أو اعتقد الألوهية في علي أو أن جبريل غلط في الوحي أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن" (كتاب الجهاد، مطلب في حكم الشيخين ۴/ ۲۳۷)

لہذا حکم وحیثیت کے فرق کے لحاظ سے تنقید کے طریقہ میں بھی فرق ہوگا۔

اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

"ایسے مصالح کی بنا پر محض ایسی رعایت کرنا ان مصالح سے زیادہ مفاسد کا موجب ہو جاتا ہے؛ کیونکہ وہ مصالح تو محض دنیوی ہیں اور مفاسد دینیہ۔ ان مفاسد کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ان کفریات کے ہوتے ہوئے کسی کو مسلمان کہا جاوے گا تو ناواقف مسلمانوں کی نظر میں ان کفریات کا قبح کم ہو جاوے گا اور وہ آسانی سے ایسے گمراہوں کے شکار ہو سکیں گے، تو کافروں کو اسلام میں داخل کہنے کا انجام یہ ہوگا کہ بہت سے مسلمان اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔ کیا کوئی مصلحت اس مفسدہ کی مقاومت کر سکے گی، ایسے مصالح ومضار کے اجتماع کا یہ فیصلہ فرمایا گیا:

"قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما"۔

وقال تعالى: "لمن ضره أقرب من نفعه" (بحوالہ جواہر الفقہ ۱/ ۷۰، ناشر مکتبہ تفسیر القرآن دیوبند)۔

مذکورہ نقطہ نظر کی تائید درج ذیل آیات سے ہوتی ہے، ارشاد باری ہے:

۱۔ إن الذين يكفرون بالله ورسله... الخ (نساء: ۱۵۰)۔

۲۔ إن الذين يلحدون في آياتنا لا يخفون علينا أفمن يلقى في النار... الخ (حم سجدہ: ۴۰)۔

۳۔ ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى... الخ (نساء: ۱۱۵)۔

۴۔ فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة... الخ (نور: ۶۳)۔

۵۔ ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالًا مبينًا (احزاب آیت: ۳۶)۔

۶۔ فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك... الخ (نساء: ۶۵)۔

۷۔ أتريدون أن تهدوا من أضل الله (نساء: ۸۸)۔

جواب (۴): اسلام کافروں، خارج از اسلام فرقوں کے افراد کو بے دریغ قتل کرنے اور قتل وقتال کو جہاد کی آڑ بنا کر فرقہ واریت کا رنگ دینے، پھر بلا وجہ قتل عام، خونریزی کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ ایسے لوگوں کو قاتل انسانیت قرار دیتا ہے، اسلام میں جہاد، قتل وقتال کے آداب وشرائط طے شدہ ہیں اگر وہ پائے جائیں تو امن کی بحالی، خاتمہ ظلم وشرک، آبادیٔ انسانیت، فروغ اخوت ورواداری، تنفیذ کلمۂ اسلام، اعلاء دین جیسے دیگر اعلی مقاصد کی تکمیل کیلئے نہی عن المنکر کے وسیع مفہوم پر عمل کرتے ہوئے جہاد کی اجازت بطور دفاع دیتا ہے۔

موجودہ دور میں شام، عراق، یمن، پاکستان اور دیگر خطوں میں جس قدر شیعہ سنی آویزش کا بازار گرم ہے بلاشبہ شرعی نقطہ نظر سے ناپسندیدہ ہے؛ کیونکہ اس کو جہاد کا نام دے دیا گیا ہے؛ جبکہ جہاد کیلئے پائے جانے والے آداب وشرائط اور پیش آمدہ نتائج واثرات اس کی تصدیق نہیں کر رہے ہیں؛ حالانکہ عہد نبوی اور دور صحابہؓ کی جہادی کوششوں کے صرف نتائج واثرات ہی ایسے ہیں جو ان کے جہاد اسلامی کی تصدیق کیلئے کافی ہیں، اور شیعہ سنی

آویزش قرآن وحدیث کی روشنی میں عالمی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے درست نہیں ہے۔

قرآن کریم میں ہے:

۱۔ "لاينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم، إن الله يحب المقسطين" (ممتحنہ: ۸)۔

"اس آیت میں ایسے کفار جنھوں نے مسلمانوں سے مقاتلہ نہیں کیا اور ان کے گھروں سے نکالنے میں بھی کوئی حصہ نہیں لیا، ان کے ساتھ احسان کا معاملہ اور اچھے سلوک اور عدل وانصاف کرنے کی ہدایت دی گئی ہے، عدل وانصاف تو ہر کافر کے ساتھ ضروری ہے، جس میں کافر ذمی اور مصالح اور کافر حربی ودشمنی سب برابر ہیں" (معارف القرآن ۸ / ۴۰۵-۴۰۶)۔

۲۔ "لايتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين... الخ" (آل عمران: ۲۸)۔

اس آیت کی تفسیر میں غیر مسلموں، کافروں کے ساتھ تعلقات، موالات، مواسات، مدارات، معاملات کی درجہ بندی کرتے ہوئے اور اقسام ذکر کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

"اس تفصیل سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ قلبی اور دلی دوستی ومحبت تو کسی کافر کے ساتھ کسی حال میں جائز نہیں، اور احسان وہمدردی ونفع رسانی بجز اہل حرب کے سب کے ساتھ جائز ہے۔ اسی طرح ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ بھی سب کے ساتھ جائز ہے، جبکہ اس کا مقصد مہمان کی خاطر یا غیر مسلموں کو اسلامی معلومات اور دینی نفع پہنچانا یا اپنے آپ کو ان کے کسی نقصان وضرر سے بچانا ہو" (معارف القرآن: ۲/ ۵۱)۔

اس پس منظر میں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

"خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ ان کے مذہب کی پسندیدگی کے لحاظ سے دوستی اور محبت رکھنا تو حرام ہے اور محض یکجائی سکونت اور ہم سائیگی کے طور پر یا تمدنی اور معاشرتی ضرورتوں کی وجہ سے ان سے ملنا اور بات چیت کرنا، ان کے ساتھ بیع وشراء کرنا، ہدیہ قبول کرنا یہ سب جائز اور مباح ہے" (کفایت المفتی ۹/ ۳۱۸)۔

مذکورہ بالا سطور غیر مسلم اقوام اور کفر... [illegible] باطلہ کے ساتھ سلوک ومعاملات کے طریقے اور آداب بتلا رہی ہیں، ان کے ذریعہ امن پسندانہ، سماجی وتمدنی زندگی گذاری جاسکتی ہے، اور موجودہ شیعہ سنی آویزش بحسن وخوبی اخوت ومحبت میں بدل سکتی ہے۔

جواب (۵): شیعہ، سنی جہاں مشترک آباد ہیں اسی طرح دیگر فرقے جو اہل حق، اہل سنت والجماعت کے نزدیک گمراہ، راہ حق سے منحرف قرار دیے جاتے ہیں یہ اور تمام غیر مسلم قومیں مسلمانوں کے ساتھ ایک علاقہ میں برسوں سے رہتے چلے آرہے ہیں۔

ان تمام فرقوں سے آپسی تعلقات کے سلسلے میں شریعت اسلامی درج ذیل آداب معاملات سکھاتی ہے:

۱- تمام قومیں اور فرقے ایک انسان ہونے کے ناطے انسانی برادری کا حصہ ہیں، اس طرح ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اس لیے اخوت ومحبت کے سلوک اپنائے جائیں۔

۲- اگر یہ مالی امداد کے مستحق ہوں تو انکی مالی امداد کی جائے۔

قرآن میں "انفاق" کا حکم دیا گیا، اس میں ضرورت مند مراد ہیں، خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔

"ابن جریر طبری "ليس عليك هداهم... الخ" (بقرۃ: ۲۷۲) کی تشریح میں کہتے ہیں: اس آیت میں حکم دیا گیا کہ غیر مسلموں کو صدقے سے محروم نہ رکھا جائے، امام طبریؒ نے تفصیل سے ذکر کیا جبکہ علماء صحابہ وتابعین نے اس آیت سے یہی معنی اخذ کئے ہیں، خلفائے راشدین کا بھی طرز عمل رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے گورنر کے نام خط لکھ کر حکم دیا کہ غیر مسلم رعایا میں جو غریب اور ضرورت مند ہوں ان کی اور ان کے عیال کی کفالت مسلمانوں کے مال سے کی جائے"۔

۳ -انسانی بنیادوں پر ان کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے، یہ صلہ رحمی ہر مسلم وغیر مسلم رشتہ دار کا حق ہے، اسلام رشتوں کو جوڑتا ہے، ارشاد خداوندی ہے: "واتقوا الله الذی تساءلون به والأرحام" (نساء: ۱)۔

۴- حضرت اسماءؓ وابوہریرہؓ کا اپنی اپنی مشرک ماں کے ساتھ حسن سلوک اور رسول اسلام کی طرف سے اسکی ترغیب کتب سیرت میں مشہور ہے (صحیحین)

۵- اگر ان کا کسی بھی قسم کا پڑوس ہو تو اس کو حق جوار حاصل ہے جو ادا کیا جائے، قرآن میں ہے: "والصاحب بالجنب" اور: "والجار الجنب"، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: ''من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه'' میں اس کی طرف ترغیب دلائی گئی ہے۔

۶- ان کو موثر انداز سے امر بالمعروف کرتے ہوئے ان کے حق میں ہدایت واصلاح کی دعا بھی کی جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودی کے حق میں "يهديكم الله ويصلح بالكم" کہنا حدیث کی کتاب ''سنن أبی داؤد'' میں آیا ہے۔

۷- سماجی طور پر حسن تعلق کی خاطر، اظہار ہمدردی وخوش خلقی کے طور پر ان کی غم وخوشی کی تقریبات میں شرکت کی جائے مگر حدود شرعیہ کے لحاظ کے ساتھ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر مسلموں کی عیادت کرنا، ان کے تحفے تحائف قبول کرنا، غیر مسلم حضرات کی مہمانی کرنا، کتب حدیث میں بصراحت منقول ہے۔

''اسلام کی اصل ہدایت غیر مسلموں کے ساتھ عام انسانی محبت ہمدردی اور ہر قسم کے حسن سلوک کی ہے، یعنی اگر غیر مسلم صرف غیر مسلم ہے، ظالم، اسلام کا دشمن، مسلمانوں سے جنگ آزما اور فسادی سازشوں کا مرتکب نہیں ہے تو اسلام اس کو انسانی برادری کے رشتہ سے آرام، مدد اور تعاون کا مستحق جانتا ہے، اور امت مسلمہ کو اسلام کی اس تعلیم کو اختیار کرنا چاہئے؛ تاکہ دنیا کو اسلام کا پیغام امن پہنچے اور اس کی واضح تصویر سامنے آسکے''۔

دونوں قسم کے فکر وعقیدہ پر تنقید کے آداب:

اسلام جب مرحلۂ دعوت میں ہو، اور اپنی فکر وغلبۂ عقیدہ کے نفاذ سے عملاً خالی ہو اور مخاطبین کے دلوں کی دنیا میں کوئی دوسرا عقیدہ راسخ ہو، جیسا کہ عہد مکی میں اسلام اور مسلمان غربت واجنبیت کے مرحلہ سے گذر رہے تھے، ابھی فکری وعملی غلبہ کے ایام شروع نہیں ہوئے تھے، اسی طرح عہد مدنی کے ابتدائی سالوں میں بھی اسلام کے پاؤں جزیرۃ العرب کے تمام قبائل میں پوری طرح مستحکم نہیں ہوئے تھے اور قبائل عرب، روم وایران ابھی اسلام کو مغلوب اور پستی کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے، ان حالات میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کیلئے جو قرآنی تربیت کا انتظام ہوا اور رسول اسلام نے جو رویہ پیش آمدہ قضایا ومسائل کے حل کیلئے اختیار فرمایا وہی رویہ اسوقت دنیائے اسلام کے چند خطوں کو چھوڑ کر پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کو اپنانا چاہئے، عقائد ونظریات، فقہی مکاتب فکر کے اختلافات کو مصلحتاً نظر انداز کر کے مؤثر طور پر اسلام کی پرامن دعوت اور امن پسندانہ جہادی کاوشوں کو اختیار کرنا چاہئے۔

ایسی اختلافات کے حل کیلئے تنقید کے بجائے اصلاح وتفہیم کا رویہ اختیار کیا جانا چاہئے۔ بدرجۂ مجبوری اگر علمی تنقید کی ضرورت پیش آئے تو آپسی جذبات کا احترام کرتے ہوئے آسان ومختصر کلمات کے ذریعہ حکیمانہ انداز میں کی جانی چاہئے، جارحانہ لہجہ، سخت دوٹوک، فیصلہ کن اسلوب سے بچتے ہوئے صبر واعراض کی پالیسی اپنانا چاہئے، کیونکہ غیر مسلم دنیا ان فرقوں کو بھی مسلمانوں کا فرقہ قرار دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ علمائے ہند نے اسی پہلو کو سامنے رکھ کر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ میں تمام نمائندوں کو شریک کیا ہے۔

قرآن کریم کا موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے ساتھ سنجیدہ وپرحکمت مکالمہ کا انداز، اسی طرح کافروں، ہٹ دھرموں کے مقابلہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر واعراض کا حکم، مدینہ کے منافقین کی خفیہ ریشہ دوانیوں کے علم کے باوجود مصلحتاً ان کے خلاف سخت ردعمل کا اظہار نہ کرنا، یہ اور اس طرح کی نظیریں ان حالات میں عصر حاضر کے مسلمانوں کیلئے رہنما اصول اور مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

چند آیات واحادیث پیش خدمت ہیں:

"يأيها الذين آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا الله لعلكم تفلحون" (آل عمران)۔

"أولئك الذين يعلم الله ما في قلوبهم فأعرض عنهم وتوكل على الله" (النساء)۔

"ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر" (آل عمران)۔

"ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءهم البينات" (آل عمران)۔

"ولا تستوي الحسنة ولا السيئة إدفع بالتي هي أحسن فإذا الذي بينك وبينه عداوة كأنه ولي حميم" (حم سجدہ)۔

"وإن جنحوا للسلم فاجنح لها وتوكل على الله" (انفال)۔

"إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم" (حجرات)۔

احادیث مبارکہ:

''ولا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله إخوانًا'' (بخاری)۔

''الخلق عيال الله فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله'' (بیہقی)۔

''ارحموا من في الأرض يرحمكم من في السماء'' (أبوداؤد)۔

فرقہ واریت کے ماحول میں علماء اصحاب فکر و دانش کی ذمہ داریاں:

عصر حاضر میں جبکہ جگہ جگہ مسلم قوم اختلاف وانتشار کا شکار ہے، ایک دوسرے کے خلاف نفرت وعصبیت کے جذبات پیدا ہوتے چلے جارہے ہیں، اسی طرح جہاں خود مسلم قوم اغیار کی منظم سازشوں کا شکار ہورہی ہے وہیں اس کا قرآن وحدیث کی سچی تعلیمات سے رشتہ بھی کمزور ہوتا چلا جارہا ہے اور روز افزوں دینی واخلاقی وتمدنی وسماجی اور اقتصادی بھنور میں پھنستی چلی جارہی ہے، اسی لیے دنیا کے اکثر خطوں میں مسلمان واسلام کو مغلوبیت واجنبیت حتی کہ وحشت کی نگاہ سے دیکھا جارہا ہے، جیسا کہ تمہیدی گفتگو میں راقم نے اشارہ کیا ہے، ایسے موقع پر ہمیں یہ بات ذہن نشیں رکھنی چاہئے کہ کسی قوم وملت کے قائدین، ذمہ داران، اہل فکر و دانش، جہاں ایک طرف اس قوم کی وہ شناخت ہوتے ہیں وہیں اپنی قوم کے افراد کیلئے قابل تقلید رہنما بھی ہوتے ہیں، لہٰذا اگر وہ اعلی انسانی کردار کے افراد نہ ہوں تو قوم لامحالہ پستی وذلت کے گڈھے میں جا گرتی ہے، گویا قوم کے اصحاب فکر و دانش اور رہنما ہی اپنی قوم کے افراد کی عزت وشوکت اور نامرادی وناکامی کے ذمہ دار ہوا کرتے ہیں۔ اسلئے مسلم قائدین ودانشوروں کو درج ذیل امور کو پیش نظر رکھنا چاہئے:

۱۔ اسلامی تعلیمات کا صحیح مطالعہ اور علم میں رسوخ حاصل ہو؛ تاکہ وہ حالات کی مشکلات کا حل فرمانِ خداوندی اور سیرتِ رسول کی روشنی میں صحیح طور پر نکال سکیں۔

۲۔ اسلام ومسلمانوں کے عالمی سطح پر رونما ہونے والے تغیر پذیر احوال وکوائف سے بحسن وخوبی واقف ہوں۔

۳۔ تغیر پذیر جدید تقاضوں، عصری ضروریات، اور انکے نتائج واثرات پر گہری نگاہ ہو؛ تاکہ وہ نافع وضار کو پرکھ سکیں۔

۴۔ مسلم قوم کے اتحاد واتفاق کے لئے آپسی دوریاں ختم کرکے متفق علیہ وہم آہنگ امور پر تبادلۂ خیال ہوتا رہے۔

۵۔ غیر مسلم اقوام کے ارباب حل وعقد، اصحاب فکر وبصیرت، قائدین وذمہ داران سے انسانی، قومی، تمدنی واقتصادی بنیادوں پر مبنی مستحکم روابط قائم کئے جائیں۔

۶۔ نئے پیش آمدہ مسائل پر تبصرہ، ان کے حل کی کاوشیں انفرادی کے بجائے اجتماعی طور پر ہو۔

۷۔ ان سب کے ساتھ فکر آخرت، خوف خدا، اور عند اللہ جوابدہی کا احساس ہو۔

اگر ان مذکورہ بالا امور کو پیش نظر رکھا جائے تو انشاء اللہ قومی وملی اور دینی مسائل میں اس کے بہتر نتائج رونما ہوں گے۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

اختلاف رائے اور وحدت امت

مولانا محمد عثمان بستوی[1]

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

اتفاق واختلاف کے موضوع پر حضرات سلف واکابر علماء کرام نے بہت ہی مفید اور مفصل کلام فرمایا ہے خصوصاً حضرت اقدس تھانوی، قاضی ابن عبدالبر المالکی اور حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہم نے اس موضوع پر خصوصیت سے گفتگو فرمائی ہے، چنانچہ حضرت اقدس تھانوی نے اپنے رسالہ "احکام الایتلاف فی احکام الاختلاف" میں دین ودنیا سے متعلق اختلاف واتفاق کی تمام اقسام کو جمع کر کے ان کا حکم بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، یہ رسالہ بوادر النوادر کے صفحہ ۶۶۵ تا ۶۸۸ پر موجود ہے، اسی طرح قاضی ابن عبدالبر مالکی نے اپنی مشہور کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ" کی جلد ۲۰ میں اس موضوع پر کلام کیا ہے، اور حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب کے اس موضوع پر دو رسالے ہیں: (۱) وحدت امت، (۲) اختلاف امت پر ایک نظر اور مسلمانوں کے لئے راہ، حضرت کے یہ دونوں رسالے آسان فہم مختصر اور بڑے ہی جامع اور حالات حاضرہ کے بالکل مطابق ہیں، حضرت کے یہ دونوں رسالے تو اس لائق ہیں کہ ان کو دوسری زبانوں میں منتقل کر کے زیادہ سے زیادہ امت کے ہاتھوں میں پہنچایا جائے تاکہ آپسی نزاعات، سب وشتم، اتہام والزامات، قتل وغارت گری اور آپسی خون ریزی اگر ختم نہ ہو سکے تو کم از کم تخفیف ہو جائے، اللهم اهدنا الصراط المستقيم۔

الجواب الاول: فروعی اختلاف کا حکم:

فروعی مسائل خواہ راجح اور مرجوح کے قبیل سے ہوں یا جائز اور ناجائز کے قبیل سے ہوں، اس اختلاف کا پیدا ہو جانا شرعاً محمود ہے مذموم نہیں، یہ اختلاف رحمت ہے زحمت نہیں، یہ اختلاف عقل ودیانت کا تقاضا ہے؛ کیونکہ اتفاق دو ہی صورتوں میں ہو سکتا ہے: ایک اس وقت جب کہ مجمع میں کوئی اہل بصیرت واہل رائے نہ ہو، ایک نے جو کہہ دیا سب نے تسلیم کر لیا، دوسرے اس وقت جب کسی کی رعایت میں جان بوجھ کر اپنے ضمیر اور رائے کے خلاف دوسرے کی بات کو مان لیا جائے، اور ظاہر ہے کہ یہ طریقہ دیانت کے خلاف ہے، ورنہ عقل ودیانت کے ہوتے ہوئے تمام مسائل میں اتفاق کا ہو جانا عقلاً ناممکن اور خلاف فطرت ہے، اسی لئے اس باب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کہ میرے بعد اور میرے صحابہ میں اختلاف نہ ہو قبول نہیں ہوئی، جیسا کہ حدیث ذیل سے معلوم ہوتا ہے:

عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: سألت ربي عن اختلاف أصحابي من بعدي فأوحى إلي، يا محمد إن أصحابك عندي بمنزلة النجوم في السماء بعضها أقوى من بعض ولكل نور فمن أخذ بشيء مما هم عليه من اختلافهم فهو عندي على هدى، قال وقال رسول الله ﷺ: أصحابي كالنجوم فبأيهم اقتديتم اهتديتم (رواه رزين، مشكوة / ۵۵۴)۔

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بعد اپنے صحابہ کے اختلاف کے متعلق سوال کیا تو اللہ نے وحی فرمائی کہ صحابہ ہمارے نزدیک ستارے کے مانند ہیں اور بعض بعض سے قوی تر ہیں ہر ایک کا الگ نور ہے، لہذا ان میں سے کسی کی بھی اقتدا کرنا میرے نزدیک ہدایت یافتہ ہے لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ ستارے کے مانند ہیں جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے)۔

مجتہد فیہ اقوال میں کوئی قول منکر نہیں:

---

[1] مدرسہ ریاض العلوم گورینی جونپور۔

جس مسئلہ میں صحابہ، تابعین وائمہ مجتہدین کا اختلاف ہو اس میں کوئی جہت شرعاً منکر نہیں کہلائے گی؛ کیونکہ دونوں آراء کی بنیاد قرآن وسنت اوران کے مسلمہ اصول پر ہے اس لئے دونوں جہتیں معروف میں داخل ہیں، زیادہ سے زیادہ ایک کوراجح اور دوسرے کو مرجوح کیا جاسکتا ہے، اس لئے ان مسائل مجتہد فیہا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی کسی پر عائد نہیں ہوتا بلکہ غیر منکر پر نکیر خود ایک منکر ہے یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین کے بے شمار مسائل میں جواز وعدم جواز حلت وحرمت میں اختلاف ہونے کے باوجود کہیں نہیں منقول کہ ان میں سے ایک دوسرے پر اس طرح نکیر کرتا ہو جس طرح منکر پر کی جاتی ہے یا ایک دوسرے کے متبعین کو گمراہی یا فسق وفجور کی طرف منسوب کرتا ہو یا اس کو ترک فریضہ یا ارتکاب حرام کا مجرم قرار دیتا ہو بلکہ اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رکھنا اس پوری تاریخ کا اعلی شاہکار ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اصحاب خیر القرون اپنے اختلاف کے باوجود کسی کو فاسق، ضال اور گمراہ نہیں کہتے تھے؛ چنانچہ اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے اقوال درج ذیل ہیں:

فروعی اختلاف کے بارے میں حضرات فقہاء کے اقوال:

۱- عن أبي حنيفة أنه قال فی قولين للصحابة أحد القولين خطأ والمأثم فيه موضوع۔

۲- سئل مالك عن اختلاف أصحاب رسول اللہ ﷺ فقال خطأ وصواب فانظر فی ذلك (جامع بيان العلم ۲/ ۸۱)۔

۳- كان مالك يقول المراء والجدال فی العلم يذهب بنور العلم من قلب العبد وقيل له رجل له علم بالسنة فهو يجاول عنها قال ولكن ليخبر بالسنة فإن قيل عنه فی ذلك وإلا سكت (اوجز المسالك ۲/ ۱۵)۔

۴- حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کوئی مجتہد دوسرے مجتہد کو خطاوار قرار نہ دے؛ کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے وہ فرض ادا کردیا جو اس کے ذمہ تھا لہذا وہ لائق ملامت نہیں۔

وفی كتاب اختلاف الحديث فی القياس وفی الاجتهاد وقال فی هذا من قول الشافعی، دليل على ترك تخطئة المجتهدين بعضهم لبعض إذ كل واحد منهم قد أدى ما كلف باجتهاده إذا كان ممن اجتمعت فيه آلة وكان ممن له أن يجتهد ويقيس (جامع العلم ۲/ ۴۳)۔

۵- قال أحمد: لا يجوز النظر بين أصحاب رسول اللہ ﷺ فقلت كيف الوجه فی ذلك قال تقلد أيهم أحببت (جامع بيان العلم ۲/ ۸۳)۔

تائید مزید:

... قال إبن عبد البر عن يحيى بن سعيد قال مما برح أهل الفتوى يفتون فيحل هذا ويحرم هذا فلا يرى المحرم والمحل هلك لتحليله ولا يرى المحلل أن المحرم هلك لتحريمه (جامع بيان العلم وفضله ۲/ ۸۰)۔

عن أسامة بن زيد قال سألت القاسم بن محمد عن القراءة خلف الإمام فيما لم يجهر فيه فقال إن قرأت فلك فی رجال من أصحاب رسول اللہ ﷺ أسوة وإذا لم تقرأ فلك فی رجال من أصحاب رسول اللہ ﷺ (جامع العلم ۲/ ۸۰)۔

غضب عمر بن الخطاب من اختلاف أبي بن كعب وابن مسعود فی الصلاة فی الثوب الواحد إذ قال أبي الصلاة فی الثوب الواحد حسن جميل وقال ابن مسعود: إنما كان ذلك والثياب قليلة فخرج عمر مغضبًا: فقال اختلف رجلان من أصحاب رسول اللہ ﷺ ممن ينظر إليه ويؤخذ عنه وقد صدق أبي ولم بال ابن مسعود ولكن لا أسمع أحدا يختلف فيه بعد مقامی هذا (جامع بيان العلم ۲/ ۸۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اختلاف آراء کا ہونا دین ودیانت اور عقل کا تقاضا ہے کیونکہ مکمل اتفاق تو صرف اس وقت ممکن ہوسکتا ہے جبکہ پوری امت کے تمام افراد ضمیر فروش اور خائن ہوجائیں کہ ایک بات کو غلط جانتے ہوئے بھی محض دوسروں کی رعایت میں اختلاف کا اظہار نہ کریں اور جہاں عقل بھی ہو اور دیانت بھی تو یہ ممکن نہیں کہ اختلاف رائے نہ ہو لہذا یہ اختلاف مذموم نہیں، اگر اختلاف رائے اپنی حدود کے اندر رہے تو وہ کبھی کسی قوم کے لئے مضر نہیں ہوسکتا؛ بلکہ بہت سے مفید نتائج پیدا کرتا ہے، اسلام میں مشورہ کی تاکید اور تکریم کرنے کا یہی منشا ہے کہ معاملہ کے متعلق تمام پہلو اور مختلف آراء سامنے آجائیں تو فیصلہ بصیرت کے ساتھ کیا

جائے لیکن اگر اختلاف رائے کو مذموم سمجھا جائے تو پھر مشورہ کا فائدہ ہی ختم ہو جائے گا (وحدت امت ملخصا: ۳۹۹)۔

فروعی واجتہادی اختلاف کے ساتھ حصول اتفاق کے اصول:

(۱) فروعی مسائل میں اختلاف کا اصل سبب حب دنیا اور حب مال وجاہ ہوتا ہے، جس کو نفس وشیطان خدمت دین کا نام دے کر مزین کر دیتا ہے، اس لئے وحدت ملت کو قائم کرنے کے لئے سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ ہر جماعت کے افراد اپنے اندر صحیح معنی میں اخلاص پیدا کریں،

"وما تفرقوا إلا من بعد ما جاءهم العلم بغيا بينهم"۔

ابوالعالیہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ ایسے اختلاف کا عداوت اور جنگ وجدال تک پہنچنا کبھی دین کے سبب نہیں ہوتا بلکہ اس کا سبب دنیا اور حب مال وجاہ ہوتا ہے۔

''بغيا على الدنيا وملكها وزخرفها وزينتها وسلطانها'' (جامع بیان العلم ۲/ ۸۵)۔

(۲) مثبت طور پر اپنے عمل کے لئے ہرگز نہ کریں جیسے کہ کسی ایک ڈاکٹر کے علاج پر بھروسہ کیا جاتا ہے، لیکن دوسرے ڈاکٹر کو برا بھلا نہیں کہا جاتا ہے یعنی کسی ایک جہت پر عمل کیا جائے اور دوسری جہت پر رد ونکیر ہرگز نہ کی جائے؛ کیونکہ یہ جائز نہیں۔

(۳) خدا کی عطا کردہ صلاحیتوں کو اختلافی مسائل پر بحث ومباحثہ میں صرف کرنے کے بجائے امت کے متفقہ مسائل یعنی کفر، الحاد، بے دینی، معاشرہ میں بڑھتی ہوئی بے حیائی، سود، قمار، رشوت، شراب خوری، بدکاری جیسے متفقہ مسائل کو ختم کرنے میں صرف کی جائے؛ کیونکہ یہ منکرات متفق علیہ ہیں، اس لئے اس میں کوتاہی پر باز پرس ہونے کا خطرہ بہرحال ہے، یہی وقت ہے کہ ہم اپنے نظریاتی مسائل سے ذرا آگے بڑھ کر اصول اسلام کی حفاظت بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کو اپنا فرض منصبی خیال کریں، عیسائیت اور کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی خبر لیں، قادیانیت، انکار حدیث، تحریف دین کے قائم شدہ اداروں کا پیغمبرانہ دعوت کے ذریعہ مقابلہ کریں۔

(۴) نظریاتی اور اجتہادی اختلاف کو صرف اپنے حلقہ درس اور تصنیف وتالیف اور فتاوی تک محدود رکھا جائے اور اس میں بھی پیغمبرانہ اصول پر دعوت واصلاح کی اتباع کی جائے، دل خراش عنوان، طعن وتشنیع، استہزاء وتمسخر اور صحافیانہ فقرہ بازی سے گریز کیا جائے۔

(۵) اجتہادی مسائل میں باہمی میں اگر پانچ اصولی باتوں پر سختی سے عمل کیا جائے تو آپسی اتحاد واتفاق بآسانی پیدا ہو سکتا ہے:

۱۔ ذاتی منافع اور دنیوی اغراض سے بڑھ کر پوری امت کی اصلاح کے لئے پیغمبرانہ حکمت واصول دعوت (فکر امت، دعوت کی لگن، مخاطب پر شفقت، حکمت، موعظہ حسنہ) کے ذریعہ کوشش کی جائے۔

۲۔ اجتہادی مسائل میں سے اپنے اختیار کردہ مسئلہ کو دعوت وتبلیغ کا موضوع نہ بنایا جائے، اور دوسرے کے مذہب کو نقد وتنقید اور رد ونکیر کا موضوع نہ بنایا جائے؛ کیونکہ یہ جائز نہیں۔

۳۔ دعوت وتبلیغ کا موضوع دین واسلام کو بنایا جائے اور رد ونکیر کا موضوع اخلاقی دینی سماجی بگاڑ اور کفر والحاد کو بنایا جائے اور بقدر ممکن اپنی صلاحیتوں کو اس میں صرف کیا جائے۔

۴۔ اجتہادی اختلافی مسائل کو صرف اپنے حلقہ درس، تصنیف وتالیف اور فتاوی تک محدود رکھا جائے۔

۵۔ اجتہادی مسائل میں مناظروں اور جھگڑوں، اشتہار بازی اور ائمہ مجتہدین وعلماء کرام (خواہ کسی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے ہوں) کی شان میں نازیبا کلمات کے استعمال سے مکمل گریز کیا جائے (ہذا مختصر من وحدت امت واختلاف امت)۔

غیر مجتہد کا مجتہد پر اعتراض منکر میں داخل ہے:

حضرات مجتہدین کے آپسی اختلافات کے بارے میں تفصیل سے یہ عرض کیا گیا کہ ان میں سے کوئی جہت منکر نہیں ہوتی ہے؛ اس لئے کسی مجتہد کے مسائل اجتہادیہ پر نکیر کرنا شرعاً جائز نہیں؛ لیکن اگر کوئی غیر مجتہد ائمہ مجتہدین کے اقوال پر اعتراض وتنقید کرتا ہے تو اس کا یہ اعتراض منکر میں داخل ہے، حسب

قدرت باللسان، بالید اور بالقلب اس پر نکیر بھی واجب ہے؛ چنانچہ حضرت مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ ذو مختلف آراء کا یہ احترام کہ ان میں سے کسی کو منکر نہ کہا جائے اور اس کے کہنے ماننے والوں کو خطاوار نہ کہا جائے، یہ صرف اس صورت میں ہے کہ اجتہاد صحیح اس کی شرائط کے مطابق ہو، آج کل کا ساجاہلانہ اجتہاد نہ ہو کہ جس کو عربی زبان بھی پوری نہیں آتی اور قرآن وحدیث سے اس کا رابطہ کبھی نہیں رہا، اردو انگریزی ترجموں کے سہارے قرآن وحدیث پر مشق شروع کردی، ایسا اجتہاد خود ایک گناہ عظیم ہے اور اس سے پیدا ہونے والی رائے دوسرا گناہ اور گمراہی اور خلاف وشقاق ہے جس پر نکیر واجب ہے۔

وفي هذا من قول الشافعي دليل على ترك تخطئة المجتهدين بعضهم لبعض إذ كل واحد منهم قد أدى ما كلف باجتهاده إذا كان ممن اجتمعت فيه آلة القياس وكان ممن له أن يجتهد (جامع العلم / جواہر الفقہ ۱/ ۳۱۰)۔

الجواب الثاني: اعتقادی اختلاف کے ساتھ ساتھ حصول اتفاق کے اصول:

اعتقاد سے متعلق اختلافی موضوعات پر گفتگو اور تبادلہ خیال کے لئے اگر درج ذیل امور کا خیال رکھا جائے تو انشاء اللہ باہمی منافرت میں اضافہ بھی نہ ہوگا اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا مزاج بھی بنے گا۔

(۱) گفتگو اور مذاکرہ اخلاص کے ساتھ صرف رضاء الٰہی کے لئے ہو، مذاکرہ کا مقصد اپنا علمی تفوق ظاہر کرنا اور مخاطب کو مغلوب کرنا ہرگز نہ ہو؛ کیونکہ اس نیت سے مذاکرہ پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم دین اس غرض سے نہ حاصل کرو کہ اس کے ذریعہ دوسرے علماء کے مقابلہ فخر وعزت حاصل کرو یا کم علم لوگوں سے جھگڑے کرو یا اس کے ذریعہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرلو، جو ایسا کرے گا وہ آگ میں ہے (ابن ماجہ، معارف القرآن ۵/ ۴۳۱)۔

(۲) ایک دوسرے کی محترم ومعظم شخصیات پر نازیبا کلمات کا استعمال ہرگز نہ کیا جائے۔ "ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله"۔

(۳) افہام وتفہیم کے لئے دلنشیں عنوان، مشفقانہ لب ولہجہ استعمال کیا جائے اور دلخراش عنوان، طعن وتشنیع، استہزاء وتمسخر اور صحافیانہ فقرہ بازی سے مکمل گریز کیا جائے۔

''ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي ہي أحسن أي من الرفق واللين وإيثار الوجه الأيسر والمقدمات التي هي أشهر فإن ذلك أنفع في تسكينهم وتبيين شغبهم'' (بیضاوی ۲/ ۲۲۷)۔

(۴) پیغمبرانہ اصول دعوت کو اختیار کیا جائے یعنی پیغمبرانہ دعوت کے جو عناصر خمسہ ہیں ان کا اہتمام کیا جائے، دعوت کے عناصر خمسہ یہ ہیں:

۱۔ امت کی فکر، اصلاح کی فکر اس قدر شدت کے ساتھ ہو کہ داعی اس میں گھلنے لگے، لعلك باخع نفسك ألا يكونوا مؤمنين، چنانچہ حضرت اسماعیل شہید کو دعوت کا ایسا تقاضا ہوتا تھا جیسے بھوک وپیاس کا تقاضا ہوتا ہے، اور حضرت مولانا الیاس صاحب کی جو فکر تھی وہ بہت مشہور ہے اسی لئے اصلاح امت کا کام ہوا۔

۲۔ دعوت کی لگن، حضرات انبیاء کا یہ امتیازی وصف ہے کہ وہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر دعوت میں لگاتار مشغول رہتے تھے۔ إني تركت ملة قوم لا يؤمنون

۳۔ مخاطب کی شفقت یعنی داعی حق جن کو نصیحت کرے ان سے نفرت یا ان کی حقارت دل میں بالکل نہ ہو، جس طرح طبیب کو یہ حق نہیں کہ وہ مریض سے نفرت کرے، اسی طرح داعی کو بھی بد سے بدتر کافر، فاسق وفاجر سے نفرت نہیں ہونی چاہئے، بلکہ اس کی دعوت سے رحم اور شفقت کی جھلک محسوس ہونی چاہئے۔

۴۔ حکمت، یعنی اپنی بات کہنے کے لئے ایسا موقع اور محل تلاش کرے جس سے ان کی بات زیادہ سے زیادہ موثر ہو سکے۔ ادعو الآیۃ۔

۵۔ موعظہ حسنہ، دعوت کے لئے ایسا انداز بیان اور اسلوب اختیار کیا جائے جو نرمی، ہمدردی دلسوزی کا آئینہ دار ہو، فقولا له قولا لينا (میرے والد میرے شیخ: ۱۰۴-۱۰۷)۔

(۵) پانچواں اصول یہ ہے کہ مخاطب کی نازیبا باتوں پر صبر کیا جائے اور نازیبا کلمات کا جواب اگر دینا بھی ہو تو خوش اسلوبی اختیار کی جائے، جس کے لئے درج

ذیل واقعات وروایات کو پیش نظر رکھا جائے:

"قل لعبادي يقول التي هي أحسن".

"وإذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلامًا".

"ادع إلى سبيل ربك بالحكمة" الآية.

"لتبلون في أموالكم وأنفسكم، ولتسمعن من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم ومن الذين أشركوا أذى كثيرًا وإن تصبروا وتتقوا فإن ذلك من عزم الأمور" (آل عمران: ۳۱)۔

یعنی جان ومال کی آزمائش ہوگی اور مشرکین واہل کتاب سے اذیت کی باتیں سنو گے، تو اگر تم صبر کرو اور جہالت کی باتوں سے بچو تو یہ بڑی عزیمت کی بات ہے۔ اس کے شان نزول میں مفسرین نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ یہود اپنے اشعار میں مسلمانوں کی بیویوں کا نام لے کر اظہار تعشق کرتے تھے اس سے بڑھ کر تکلیف وایذا کی کیا بات ہوگی، اس پر یہ آیت بالا نازل ہوئی (تفسیر مظہری ۲/۱۹۲)

کفار مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کو بگاڑ کر آپ کو ایذا دیتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی خوش اسلوبی سے فرمایا:

انظر كيف يصرف الله عني شتم قريش يشتمون مذمما ويلعنون مذمما وأنا محمد (التاريخ الصغير للبخاري: ۸)

(۶) امت کی تمام جماعتیں اور قومیں اور فرقے اپنی اپنی توانائی اور صلاحیت اتفاقی اور اجتماعی مسائل میں صرف کریں، چنانچہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں: آج جبکہ مسلمانوں کا تفرق انتہا کو پہنچا ہوا ہے اور اپنی مزعومات کے خلاف کوئی کسی کی بات سننے اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسی قوت ہے جو کسی فریق کو مجبور کر سکے تو اس باہمی جنگ وجدال اور اس کے مہلک اثرات سے اسلام اور مسلمانوں کو بچانے کا صرف ایک راستہ ہے کہ اپنے خیالات اور مزعومات کو بدلے بغیر اپنی توانائی صرف کرنے کا صحیح محل تلاش کر کے اس پر لگادیں اور باہمی اختلافات کو صرف حلقہ درس یا فتوی یا تحقیقی رسائل تک محدود رکھیں، ان میں بھی لب ولہجہ قرآنی اصول دعوت کے مطابق نرم رکھیں، فقرے کسنے دوسرے کی توہین کرنے کو زہر سمجھیں اور ہمارے عوامی جلسے، اخبارات، اشتہارات بجائے باہمی آویزش کو ہوا دینے کے اسلام کے بنیادی اور متفق علیہ مسائل میں لگ جائیں الخ (اختلاف امت پر ایک نظر، جواہر الفقہ ۱/ ۴۴۴-۴۴۵)۔ حاصل یہ کہ وہ مذہبی معاملات جس میں کسی نے کوئی خاص رخ اختیار کر رکھا ہے اور وہ اس کو اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتلقین سمجھ کر اختیار کئے ہوئے ہے خواہ وہ حقیقت کے اعتبار سے غلط ہی ہو مگر اس کا نظریہ کم از کم یہی ہے کہ وہ اللہ کا دین ہے، ان حالات میں ان کو ہمدردی نرمی سے اپنی جگہ افہام وتفہیم کی کوشش تو جاری رہنی چاہئے لیکن جب تک اس کا نظریہ نہ بدلے اس کو یہ دعوت نہیں دی جاسکتی ہے کہ تم ایثار کر کے اپنا نظریہ چھوڑ دو اور صلح کر لو۔ ان سے تو صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اپنی اختلاف رائے کو حدود کے اندر رکھیں اور افہام وتفہیم کے لئے قرآنی اصول حکمت، موعظت مجادلہ بالتی ہی احسن کو نظر انداز نہ کریں (اختلاف امت پر ایک نظر جواہر الفقہ ۱/۴۴۸)۔

الجواب الثالث: سنت وبدعت وکفر وضلالت والے اختلاف کا حکم:

اصولی اختلاف خواہ موجب کفر ہوں یا صرف موجب ضلالت وگمراہی دونوں کا اتفاق اور اختلاف کے تعلق سے ایک حکم ہے، جس طرح موجب کفریات قبول کر کے اختلاف ختم کرنے کی اجازت نہیں ہے، اسی طرح بدعت وضلالت کو بھی قبول کر کے اختلاف ختم کرنے کی اجازت نہیں، کفر ومعصیت، ضلالت وگمراہی سے اتفاق کرنا شرعاً حرام ہے لیکن معاملات ومعاشرت میں بہر صورت اختلاف رکھنا واجب نہیں بلکہ دینی، قومی مصالح کی بنا پر کفار مبتدعین سے رواداری اور حسن سلوک شرعاً جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہے؛ چنانچہ مسلم شریف میں ہے:

"عن عائشة قال: إن رجلا استأذن على النبي ﷺ فقال: ائذنوا له فليس ابن العشيرة أو بئس العشيرة فلما دخل عليه ألان له القول، قالت عائشة فقلت: يا رسول الله! قلت له الذي قلت ثم ألنت له القول. قال: يا عائشة إن أشر الناس منزلة عند الله يوم القيامة من ودعه أو تركه الناس اتقاء فحشه (مسلم. باب ارادة من يتقى فحشه) وفي هذا الحديث مداراة من يتقى فحشه)

اصولی اختلاف خواہ سنت وبدعت کی قبیل سے ہو یا ایمان وکفر کی قبیل سے دونوں کا حکم اتحاد اور اختلاف کے اعتبار سے ایک ہے؛ چنانچہ اس مسئلہ پر

حضرت تھانوی نے بوادر النوادر میں تفصیلی کلام کیا ہے (ملاحظہ: بوادر النوادر/ ۶۷۴)۔

اصولی اختلاف کی صورت میں راہ عمل:

جب کسی جماعت یا فرقہ کے ساتھ ایسا اختلاف ہو کہ اختلاف کو باقی رکھتے ہوئے اتفاق کی ضرورت ہو تو دونوں کو جمع کرنے کی صورت کیا ہو سکتی ہے اس سلسلہ میں حضرت مفتی شفیع صاحب کی ایک تحریر کا اقتباس ذیل پیش نظر رکھا جائے، حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں: مذہب کے نام پر اختلاف قرون اولی کے بعد بدعت وسنت اور دوسرے عنوانات سے پیدا ہوئے، بہت سے لوگوں نے قرآن وسنت کی تفسیر میں اصولی صحیحہ کو چھوڑ کر راویوں کو امام بنالیا اور نئے نئے مسائل پیدا کردیئے گئے، اختلافات بلاشبہ وہ تفریق وافتراق تھے جن سے قرآن وسنت سے مسلمانوں کو ڈرایا گیا، ان کے ختم کرنے یا کم کرنے کی کوشش بلاشبہ مفید تھی، مگر قرآن نے اس کا بھی ایک خاص طریق بتلادیا ہے جس کے ذریعہ تفریق کی خلیج کم ہوتی چلی جائے بڑھنے نہ پائے، یہ وہ اصول دعوت الی الخیر ہیں جن میں سب سے پہلے حکمت وتدبیر سے اور پھر خیر خواہی وہمدردی اور نرم عنوان سے لوگوں کو قرآن وسنت کے صحیح مفہوم کی طرف بلاتا رہے اور آخر میں مجادلہ بالتی ھی احسن یعنی حجت ودلیل کے ساتھ افہام وتفہیم کی کوشش ہے، افسوس ہے کہ آج کل عام اہل علم اور مصلحین نے ان اصول کو نظر انداز کردیا صرف جدال میں اور وہ بھی غیر مشروع انداز سے مشغول ہو گئے کہ اپنے حریف کا استہزاء وتمسخر، اس کو زیر کرنے کے لئے جھوٹے سچے جائز وناجائز ہر طرح کے حربے استعمال کرنا اختیار کرلیا جس کا لازمی نتیجہ جنگ وجدال کا بازار تو گرم ہو گیا مگر اصلاح خلق۔

مذہب کے نام پر اختلافات کی خرابیوں کا وقتی علاج:

آج جبکہ مسلمانوں کا تفرق انتہاء کو پہنچا ہوا ہے، اپنی مزعومات کے خلاف کوئی کسی کی بات ماننے بلکہ سننے کے لئے بھی تیار نہیں اور کوئی ایسی قوت نہیں کہ کسی فریق کو مجبور کرسکے تو اس باہمی جنگ وجدال اور اس مہلک اثرات سے اسلام اور مسلمانوں کو بچانے کا صرف ایک راستہ ہے کہ فرقوں اور جماعتوں کے ذمہ دار اس پر غور کریں کہ جن مسائل میں ہم جھگڑ رہے ہیں کیا وہی اسلام کے بنیادی مسائل ہیں جن کے لئے قرآن نازل ہوا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، آپ نے اپنی زندگی ان کے لئے وقف کردی اور ان کے پیچھے ہر طرح کی قربانیاں دیں، یا بنیادی مسائل اور قرآن اور اسلام کا اصلی مطالبہ کچھ اور ہے جس میں ایک طرف عیسائی مشنیریاں اپنی پوری قوت اور دنیاوی چمک دمک کے ساتھ اس کو عیسائی ملک بنانے کا خواب دیکھ رہی ہیں۔ ایک طرف کھلے طور پر خدا اور رسول اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔ ایک طرف قرآن اور اسلام کے نام پر وہ سب کچھ کیا جارہا ہے، جن کو دنیا ہی سے مٹانے کے لئے قرآن اور اسلام آیا تھا، اس جگہ صرف فروعی مسائل اور ان کی تحقیق وتنقید اور ترویج کی کوششوں میں الجھ کر ان بنیادی مہمات سے غفلت برتنے والوں سے اگر اللہ تعالی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ مطالبہ ہو کہ ہمارے دین پر یہ افتادیں پڑ رہی تھیں تم نے اس کے لئے کیا کیا؟ تو ہمارا کیا جواب ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی جماعت جب ذرا اپنے وقتی جھگڑوں سے بلند ہو کر اس کو سوچے گی تو اس کو اپنی موجودہ مصروفیات پر ندامت ہوگی، اور اس کی کوششوں کا رخ بدلے گا، اس کے نتیجہ میں باہمی آمیزش یقینا ہوگی، میں اس وقت کسی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنے حالات ومزعومات کو بدلے، گزارش صرف اتنی ہے کہ اپنی توانائی صرف کرنے کا صحیح محل تلاش کرکے اس پر لگادیں اور باہمی اختلافات کو صرف حلقہ درس یا فتوی یا تحقیقی رسائل تک محدود کریں اور ان میں بھی لب ولہجہ قرآنی اصول دعوت کے مطابق نرم رکھیں، فقرے کسنے اور دوسرے کی توہین کرنے کو زہر سمجھیں، اور اخبارات واشتہار بجائے باہمی آویزش کو ہوا دینے کے اسلام کے بنیادی اور متفق علیہ مسائل پر لگ جائیں، حاصل یہ ہے کہ استہزاء، تمسخر، تذلیل وتوہین سے احتراز کرتے ہوئے حکمت وشفقت کے ساتھ افہام وتفہیم باقی رکھی جائے، اور متفق علیہ مسائل پر پوری توجہ دی جائے جس سے اختلاف مذموم ختم ہوجائے (جواہر الفقہ ۱/ ۴۴۴)۔

الجواب الرابع: عالم اسلام کی خونریزی اور اس کے اسباب:

پورے عالم اسلامی میں قتل وخونریزی کا جو بازار گرم ہے اگر اس کے اسباب وعوامل پر غور کیا جائے تو اس کے کل پانچ اسباب نکل کر سامنے آتے ہیں:

۱۔ کہیں یہ قتل وغارت گری اداء فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے نام سے ہوتی ہے۔

۲۔ کہیں حدود وقصاص جیسے احکام اسلام کے نفاذ کے نام پر ہوتی ہے۔

۳۔ اور کہیں حکومت کے ظلم وتعدی سے عاجز آکر انقلاب کے نام سے کی جاتی ہے۔

۴۔ اور کسی جگہ جہاد مقدس کے نام سے اس کو کار ثواب خیال کیا جاتا ہے۔

۵۔ کہیں اپنے مشترکہ دشمن حقیقی کی پہچان میں غلطی کی وجہ سے یہ کار مقدس انجام دیا جاتا ہے۔

اسباب کی تعیین کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمام اسباب مذکورہ پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی جائے تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ ہم سے غلطی کہاں ہو رہی ہے، اور اس کو ختم کرنے کی شکل کیا ہو سکتی ہے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایک ایسا فریضہ اسلامی ہے جو تمام اہل اسلام سے متعلق ہے؛ چنانچہ امت محمدیہ کی یہ خصوصی صفت ذکر کی گئی ہے، "کنتم خیر أمة أخرجت للناس الأیة"، لیکن اس فریضہ کے حدیث شریف میں مختلف درجات ذکر کئے گئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے لیکن اگر اس کی قدرت نہ ہو تو زبان سے بدلنے کی کوشش کرے، اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان" (مسلم شریف، حدیث نمبر: ۱۸۸)، لیکن جب ہاتھ سے نہی عن المنکر کی صورت میں فتنہ وفساد کا خطرہ ہو تو یہ فریضہ صرف حکومت اسلامیہ سے متعلق ہو جاتا ہے، چنانچہ حضرات فقہاء نے تصریح کی ہے۔

الأمر بالمعروف باليد على الأمراء وباللسان على العلماء وبالقلب لعوام الناس (فتاوى عالمگيرى. كتاب وحى. باب ۱۷، ۳۵۳)

اسی طرح جب زبان سے نکیر کرنے میں بھی ناقابل برداشت تکلیف پہنچنے کا خطرہ ہو تو اس وقت اس فریضہ کی ادائیگی صرف دل کے ساتھ متعلق ہو جائے گی یعنی دل سے اس کو برا سمجھنا لازم ہوگا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، اور اذلال نفس کی تشریح حضرت عبداللہ نے "يتعرض من البلاء ما لا يطيق" سے فرمائی ہے (مجمع الزوائد، حدیث: ۱۲۱۶۹)، مذکورہ بالا تصریح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر زبان اور ہاتھ کے ذریعہ امر بالمعروف والے فریضہ کی ادائیگی کی صورت میں فتنہ وفساد قتل وغارت گری کا بازار گرم ہو جائے تو زبان یا ہاتھ کے ذریعہ نکیر کرنا جائز نہیں ہوگا؛ کیونکہ اگر کوئی نیکی برائی کا سبب بنے تو نیکی کو ترک کرنا واجب ہے، كما قال الآلوسى، إن الطاعة إذا أدت إلى معصية راجحة وجب تركها (روح المعانی ۷/ ۲۵۲)، البتہ اگر امر بالمعروف کی صورت میں صرف ذاتی نقصان ہو تو امر بالمعروف عزیمت ہے (شامی ۱/ ۵۶۶)۔

احکام اسلام کا نفاذ:

احکام اسلامی کو نافذ کرنے اور قانون شریعت کے مطابق تعزیری سزاؤں کو جاری کرنے یا حدود وقصاص نافذ کرنے کا اختیار بھی شریعت نے حکومت اسلامیہ کے سپرد کیا ہے، یہاں تک کہ جن ممالک میں حدود کو نافذ نہ کیا جا سکتا ہو ان ممالک میں لعان وغیرہ کی اجازت نہ ہوگی؛ کیونکہ لعان میں حد کی نوبت آ سکتی ہے اور جب حد کا قیام ممکن نہیں تو اس کا سبب بھی معدوم ہوگا، تعزیرات اور حدود کو حکومت اسلامیہ کے حوالہ کرنے میں بھی یہی پیش نظر ہے کہ فتنہ وفساد کا خاتمہ ہو نہ کہ فتنہ وفساد، قتل وغارت گری کا مزید دروازہ کھلے؛ کیونکہ جب حکومت کے بغیر قانون کا نفاذ ہوگا تو اس کا رد عمل بھی ہوگا پھر یہ سلسلہ عمومی فساد کا سبب ہوگا،

وأما شرائط جواز إقامتها فهو الإمامة وأن يكون المقيم للحد هو الإمام أو من ولاه الإمام وهذا وبيان ذلك أن ولاية إقامة الحد إنما تثبت للإمام لمصلحة العباد وهي صيانة أنفسهم وأموالهم وأعراضهم (بدائع ۵/ ۲۲) ويقيمه (اى التعزير) كل مسلم حال مباشرة المعصية وأما بعده فليس ذلك لغير الحاكم (شامى: ۱۱۱)۔

مذکورہ بالا تصریح سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے لئے بھی مجرم کو شرعی سزا دے کر فتنہ فساد برپا کرنا جائز نہیں؛ کیونکہ سزا دینے کا اختیار حکومت کو ہے اگر وہ اس میں کوتاہی کرتی ہے تو اس کی ذمہ داری وہ ہے، عوام الناس سے اس کے متعلق سوال نہ ہوگا۔

فریضہ جہاد اور اس کی شرائط:

جہاد کی مشروعیت کے لئے تین شرطیں ہیں: (۱) جہاد صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کیا جائے، اس کا مقصد وطنیت قومیت وغیرہ نہ ہو، ورنہ وہ شرعاً جہاد نہ کہلائے گا، (۲) جہاد ایک امیر کی اقتداء میں کیا جائے، سب کا ایک متفق علیہ امیر ہو؛ لہٰذا اگر کسی ایک امارت پر اتفاق واتحاد نہ ہو بلکہ مختلف تنظیمیں اپنے اپنے

قائد کی ماتحتی میں سرگرم عمل ہوں تو ایسا جہاد نتیجۃً فتنہ وفساد پر منتج ہوتا ہے جیسا کہ اس وقت بہت سے ممالک کی مثالیں سامنے ہیں، لہذا مختلف امراء کی قیادت والا جہاد غیر مشروع لغیرہ ہے، (۳) جہاد کرنے والوں کے پاس اتنی قوت اور صلاحیت بھی ہو کہ جس سے کامیابی کا کم از کم گمان تو ہو ورنہ بغیر قوت وصلاحیت کے جہاد شروع کرنا خودکشی کے مرادف ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: درس ترمذی: ۲۰۸-۲۰۹)۔

مذکورہ بالا شرائط میں غور کرنے سے واضح طور پر یہ بات منتج ہوجاتی ہے کہ جہاد کے نام پر جو مختلف ممالک میں سرگرمیاں چل رہی ہیں وہ یا تو عصبیت جاہلیہ، وطنیت اور قومیت کی بنا پر انجام دی جارہی ہیں، اور اگر للہیت بھی ہو تو ایک امیر پر اتفاق نہیں، امیر کے عزل ونصب کا حق بھی مجاہدین کو نہیں جس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو صرف دوسروں کے مفاد کے لئے اپنے خون کو بے مقصد رائیگاں کر رہے ہیں، اور اگر بالفرض دونوں شرطیں موجود بھی ہوں لیکن ایک حکمراں سے مقابلہ کی قوت وصلاحیت عموماً عوام الناس کے اندر نہیں ہوتی ہے اس لئے اس پر جہاد شرعی کا حکم عائد ہونا مشکل ہے۔

انقلاب کی کوشش:

شریعت مقدسہ نے حتی الامکان حکمراں کی تعظیم واطاعت کا حکم دیا ہے اور حکمراں کی نافرمانی کو جرم عظیم اور موجب قتل قرار دیا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ اچھی طرح سن لو کہ جس شخص پر کوئی حکمراں بنا ہو پھر وہ اس کو کسی معصیت کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھے تو جس معصیت کا ارتکاب کر رہا ہے اس کو برا سمجھے لیکن اطاعت سے ہاتھ ہرگز نہ کھینچے (مسلم شریف، حدیث: ۴۷۶۸)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کی خرابیوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

سيقوم فيهم رجال قلوبهم قلوب الشياطين في جثمان انس

اور ایسا زمانہ پانے والے کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تسمع وتطع للأمير وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك فاسمع واطع (مسلم، حديث: ۴۸۴۹)

یعنی ان میں ایسے لوگ کھڑے ہوجائیں گے جن کے دل شیاطین کے دل ہوں گے جو انسانوں کے جسم میں ہوں گے، اس حالت میں بھی امیر کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے رہو اگرچہ تمہاری پشت پر مار پڑے اور مال چھین لیا جائے تو بھی سمع وطاعت سے کام لو۔

مذکورہ بالا دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بغاوت اور انقلاب کی ایسی کوشش کرنا جو فتنہ وفساد لے کر آئے کسی حال میں جائز نہیں۔

جواز انقلاب کی شرائط:

حضرت اقدس تھانوی نے انقلاب وبغاوت کی جائز وناجائز صورتوں کو اپنے رسالہ جزل الکلام فی عزل الامام میں بڑی تفصیل سے جمع کردیا ہے، درج ذیل تین شرائط پائے جانے کی صورت میں بالاتفاق انقلابی جدوجہد کرنا واجب ہے، سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ سلطان نے ایسا کھلا ہوا کفر کیا ہو جس کی تاویل ممکن نہ ہو اور اس کا کفر ہونا بھی متفق علیہ ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اس کو بزور طاقت وقوت معزول کرنے کی قدرت ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ اس کو معزول کرنے کے بعد اس سے بڑا مقدمہ پیش آنے کا خطرہ نہ ہو، چنانچہ عبادہ بن صامتؓ کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے جس بات پر بیعت لی وہ یہ تھی کہ سمع وطاعت سے کام لیں گے چاہے رضا کی حالت میں ہو یا ناراضگی کی، جھگڑا نہیں کریں گے تنگی ہو یا خوشحالی، چاہے ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جارہی ہو، اور اہل اقتدار سے ان کے اقتدار میں جھگڑا نہیں کریں گے؛ البتہ اگر تم ایسا کھلا ہوا کفر دیکھو جس کے بارے میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح ثبوت موجود ہو (بخاری، حدیث: ۷۰۵۶ متن) اسی طرح جن صورتوں میں انقلاب وبغاوت کو جائز کہا گیا ہے (مثلاً غیر اسلامی قوانین کو قوانین اسلامیہ پر تاویلاً یا تکاسلاً ترجیح دینے کی صورت میں بغاوت کو جائز کہا گیا ہے، ان صورتوں میں بھی یہ شرائط موجود ہیں کہ عزل کی قدرت ہو، (۲) اس سے بڑے فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

الحسن بن الصالح كان يرى السيف يعني كان يرى الخروج بالسيف على أئمة الجور وهذا مذهب للسلف قديم لكن استقر الأمر على ترك ذلك لما رأوه قد أفضى إلى أشد منه ففي واقعة الحرة وواقعة ابن الاشعث وغيرهما عظة عن تدبر والحسن بي ذلك لم يخرج على أحد (تهذيب التهذيب: ۲/۲۲۸)۔

امداد الفتاوی میں ہے: اس کے موجب خلع ہونے میں عدم فتنہ کی قید ثابت ہے، جو کہ اس عبارت میں مصرح ہے:

"وإن أدى خلعه إلى فتنة احتمل أدنى المضرتين . قلت إراقة الدماء أشد المضرتين . واحتمال خروج السلطنة

من يد أهل الإسلام أشد منه وأشد من هٰذا الخروج بقاء سلطنة اسم الإسلام وفناء حقيقته من الأحكام (امداد الفتاوی ۵/ ۱۲۱، رسالہ جزل الکلام فی عزل الاسلام)۔

خلاصہ تفصیل یہ ہے کہ جن صورتوں میں بغاوت اور انقلاب کو واجب اور جائز کہا بھی گیا ہے ان صورتوں میں یہ شرط بہر حال ہے کہ بغاوت اور انقلاب کے نتیجہ میں اس سے بڑا مفسدہ نہ پیدا ہو اور تجربات کی روشنی میں علماء نے یہ تحریر کیا ہے کہ عموماً ایسے انقلاب سے قتل وغارت گری اور خونریزی کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوہی جاتا ہے اس لئے یہی مقولہ صادق آتا ہے: رحم الله النباش الأول، اور موجودہ زمانہ میں جب عالم اسلامی کو کمزور کرنے اور ان میں انتشار پیدا کرنے کی عالمی سازش ہورہی ہے تو اس وقت یہی کہا جائے گا کہ موجودہ وقت میں صرف دعا سے کام لیا جائے، انقلاب وبغاوت کے ذریعہ غیر متناہی قتل وخون ریزی کا دروازہ نہ کھولا جائے، جب انقلاب وبغاوت کے لئے فتنہ وفساد لازم ہوگیا اس سے خلو ممکن نہیں تو ایسا انقلاب جائز بھی نہیں

كما قال المجدد التهانوى إراقة الدماء أشد المضرتين واحتمال خروج السلطنة أشد منه (امداد ۵/ ۱۲۱)۔

مشترکہ دشمن کی کھوج:

انسان کی فطرت میں اس کے پیدا کرنے والے نے عین حکمت کے مطابق ایک مادہ غصہ اور مدافعت کا بھی رکھا ہے جو انسان کی بقا کے لئے ضروری ہے، لیکن یہ مادہ دشمن کی مدافعت کے لئے رکھا گیا ہے، لہذا اگر اس کا رخ دوسری طرف ہو جائے، خواہ اس لئے کہ دشمن کو پہچاننے اور متعین کرنے میں غلطی ہوگئی ہو، یا کسی دوسری وجہ سے، بہر حال جب اس کا رخ بدلے گا تو خود اپنی تباہی کا ذریعہ بنے گا، اس لئے قرآن کریم نے پوری وضاحت کے ساتھ اس کا رخ متعین فرمادیا ہے: "إن الشيطان لكم عدو فاتخذوه عدوا" جس کا حاصل یہ ہے کہ مومن کے غصہ اور لڑائی کا مقصد صرف شیطان اور شیطانی طاقتیں ہیں، جب اس کی جنگ کا رخ اس طرف ہوتا ہے تو وہ جہاد کہلاتا ہے لیکن اگر اس جنگ کا رخ ذرا بھی اس طرف سے ہٹا تو یہ جہاد کے بجائے فساد کہلاتا ہے جس سے بچانے کے لئے تمام انبیاء کی بعثت اور کتابوں کا نزول ہوا ہے، شکل وصورت میں جہاد اور فساد میں فرق نہیں ہوتا ہے، وہ کانٹا جس سے لائنیں بدلتی ہیں صرف یہ ہے کہ اس کا رخ شیطان اور شیطانی طاقتوں کی طرف ہے تو جہاد ہے، ورنہ فساد۔

آج اگر غور کیا جائے تو پورے عالم اسلام میں شیطان اور شیطانی تعلیم، کفر والحاد، خدا اور رسول سے بغاوت، فحاشی اور عیاشی کا دور دورہ ہے، اور ان کی نفرت دلوں سے نکل چکی ہے، اس پر کسی کو غصہ نہیں آتا ہے، انسانی مروت اور رواداری خوش اخلاقی کا سارا زور کفر والحاد اور ظلم کی حمایت میں صرف ہورہا ہے، نفرت وبغاوت، عداوت کا میدان خود اپنے اعضاء کی طرف ہے، آپس میں ذرا سی بات پر جھگڑا لڑائی، چھوٹا نقطہ اختلاف ہو تو اسے بڑھا کر پہاڑ بنادیا جاتا ہے، چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ معرکہ جہاد بنا ہوا ہے، جس کے پیچھے غیبت، بہتان، ایذاء مسلم، افتراء، تمسخر واستہزاء جیسے متفق علیہ کبیرہ گناہ کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے، دین کے نام پر خدا کے گھروں میں جہاد، قتال اور لڑائیاں ہورہی ہیں، ان دینداروں کو خدا اور رسول پر استہزا کرنے والوں، شراب ورشوت کھانے والوں سے وہ نفرت نہیں جو مسلکی اختلاف رکھنے والوں سے ہے، اسی پر توانائیاں صرف کی جارہی ہیں، متفق علیہ برائیوں کے مٹانے میں ہماری کوئی کوشش نہیں ہورہی ہے جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہماری نگاہ سے ہمارا اصلی دشمن اوجھل ہوگیا ہے، لہذا لازم اور ضروری ہے کہ اپنے اصل دشمن شیطان اور شیطانی اعمال اور ان کے ہمنواؤں کو پہچانیں اور اپنی قوت صحیح سمت میں خرچ کریں۔

نتیجہ:

تفصیل مذکور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عالم اسلامی میں جاری خون ریزی بظاہر حکم شریعت کے خلاف ہے، خواہ امر بالمعروف کے فریضہ کے نام پر جاری ہو یا قوانین اسلام کے اجراء کے نام سے یا ظلم وتعدی کے روکنے کے نام سے چاہے جہاد مقدس کے نام سے ہو یا کسی اور نام سے؛ کیونکہ تمام احکام اسلامی خواہ امر بالمعروف ہو یا اجراء احکام اسلام یا جہاد وانقلاب، سب کا مقصد عالم سے فساد کو ختم کرنا ہے؛ اس لئے ان فرائض کی ادائیگی کے لئے ایسی شرائط لگائی گئی ہیں جن سے اخلاء العالم عن الفساد کا تحقق ہوسکے؛ لہذا جب ان فرائض مذکورہ کی ادائیگی سے عالم میں مزید فساد بھڑکے تو پھر ان کو نافذ کرنے میں شئی کا اپنے مقصود سے خالی ہونا لازم آتا ہے، اور یہ ضابطہ ہے: الشيء إذا خلا عن مقصوده لغا (شرح وقایہ)۔

اور ظاہر ہے جب بغیر تحقیق شرائط کے کوئی عبادت انجام دی جائے گی تو یہ عبادت نہیں بلکہ کھیل وتماشا بن جائے گا، مثلاً نماز روزہ جیسی اہم عبادت کے لئے بھی شرائط مقرر ہیں اور ان شرائط کے بغیر ان کی ادائیگی فعل عبث کے سوا کچھ نہیں، اسی طرح جہاد، امر بالمعروف ودیگر عبادات کے لئے شرائط مقرر ہیں اور ان

شرائط کے بغیر ان کی ادائیگی عالم کو فساد سے بھر دے گی، اور ''فر من المطر تحت المیزاب'' کے مصداق کا مقولہ صادق آئے گا، اور اگر بالفرض اس کو جہادی کوشش تسلیم بھی کرلیا جائے تو چونکہ جہاد بچے بوڑھے عبادت گزار کو قتل کرکے نہیں ہوتا ہے، اور مساجد وخانقاہوں کو ویران کرکے نہیں انجام دیا جاتا ہے اور اس وقت عالم اسلام میں یہی سب کچھ ہو رہا ہے، یہ سب تعلیمات اسلامی کے منافی ہے؛ چنانچہ اسلام کے سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مواقف ایک سریہ حضرت اسامہ بن زید کی سرکردگی میں شام کی طرف روانہ فرمایا تو ان کو حسب ذیل ہدایات دیں کہ خیانت وعہد شکنی نہ کرنا، غنیمت کو چھپانا مت۔

''لا تخونوا ولا تغدروا ولا تغلوا ولا تمثلوا ولا تقتلوا طفلًا ولا شيخا كبيرا ولا امرأة ولا تعقروا ولا تحرقوا ولا تقطعوا شجرة مثمرة ولا تذبحوا شاة ولا بقرة ولا بعيرًا إلا للأكل وسوف ترون بأقوام قد فرغوا من أنفسهم في صوامع فدعوهم وما فرغوا أنفسهم له'' (جواهر الفقه عن الاسلام ۵/ ٦٤)۔

عالم اسلامی کے بارے میں حتمی رائے:

اس سے پہلے صفحات میں عالم اسلامی کی خون ریزی پر جو تجزیہ وتفصیل کرکے حکم ذکر کیا گیا ہے، وہ ایک ظاہر بیں اور حقیقت حال سے غیر واقف کا تجزیہ ہے، اور ظاہر ہے کہ جو صحیح صورت حال اور وہاں کے لوگوں پر پیش آرہی مصیبت سے واقف نہ ہو اس کو کوئی حکم لگانے کا حق نہیں، بندہ نے سوال اور دیگر ذرائع سے حاصل شدہ اطلاعات پر مدار رکھ کر حکم متعین کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کے ساتھ ساتھ بندہ کا ذاتی رجحان اس معاملہ میں یہ ہے کہ جن ذرائع سے ہم جیسے کوتاہ بیں کو اطلاعات موصول ہوتی ہیں وہ قابل اعتبار نہیں اس لئے اس پر بنیاد رکھ کر حکم لگانا بھی صحیح نہیں، اس باب میں صرف انہیں حضرات کی رائے صحیح اور معتبر مانی جائے گی جو خود ان حالات کے شکار اور دین وشریعت کا بھرپور علم رکھنے والے ہوں، ہم جیسے کوتاہ نظر کو کسی اسلامی تنظیم اور جماعت کے افعال وکردار پر لب کشائی کرنا اور سنی سنائی باتوں پر اعتماد کرکے ان کی تذلیل وتنقیص کرنے کی نہ تو عقل اجازت دیتی ہے نہ ہی شریعت؛ اس لئے بندہ کی حتمی رائے اس مسئلہ پر کف لسان کی ہے، بلاوجہ کسی دوسرے کے افعال پر اعتراض اور ان کی غیبت کو نہ تو جائز سمجھتا ہے اور نہ مناسب، اس کے سلسلہ میں اگر اس حالات کے شکار متدین اہل علم کی کوئی رائے پوری بصیرت کے ساتھ سامنے آئے تو پھر اس کو قبول کرنے کی گنجائش نکلتی ہے، اس کے باوجود بھی دین ودنیا کی سلامتی لب کشائی نہ کرنے ہی میں معلوم ہوتی ہے، فقط۔

حالات موجودہ میں علماء کرام ودانشوران قوم کی ذمہ داریاں:

موجودہ حالت میں جب ہر طرف خون ریزی مچی ہوئی ہے، مذہبی اختلاف کی بنا پر آپسی منافرت اس حد کو پہنچی ہوئی ہے کہ ایک کلمہ گو دوسرے کلمہ گو کی جان کا پیاسا ہے، کوئی بھی اپنے مزعومات اور نظریات کو چھوڑنے کو تیار نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی قوت وطاقت ہے جو بزور قوت سب کو متحد ومجتمع کرسکے تو اس حالت میں علماء امت ودانشوران قوم سے ''إنما العلماء ورثة الأنبياء'' کا جو تقاضا ہے وہ یہ ہے کہ تمام مذاہب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء سنجیدگی سے اس بات پر غور کریں گے کہ کیا آج جن مسائل میں ہم جھگڑ رہے ہیں کیا وہی اسلام کے بنیادی مسائل ہیں جن کے لئے قرآن کریم نازل ہوا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ نے اپنی زندگی ان کے لئے وقف کردی اور ان کے پیچھے ہر طرح کی قربانیاں دیں یا بنیادی مسائل اور قرآن اور اسلام کا اصلی مطالبہ کچھ اور ہے، جب غیر قومیں اپنی پوری قوت اور مادی وسائل اور دنیاوی چمک دمک کے ساتھ اسلام کے نام لیوا کو نگلنے کے لئے منھ کھولے ہوئی ہیں اور اس حدیث کا ظہور ہو رہا ہے، یوشک الأمم أن تداعى عليكم كما تداعى الأكلة إلى قصعتها (ابوداؤد) اور باطل خدا اور سول اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑا رہا ہو اور ہر اس برائی وبے حیائی کو فروغ دیا جا رہا ہو جس کو مٹانے کے لئے انبیاء مبعوث ہوئے، قرآن کریم کا نزول ہوا، اس حالت میں اگر ہم آپسی نزاعی مسائل میں جھگڑتے رہے تو اگر اللہ تعالی اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ سوال ہوا کہ ہمارے دین پر یہ آفتیں پڑ رہی تھیں اور میرے نام لیواؤں کو دنیا سے مٹانے کی سازشیں ہو رہی تھیں اس وقت اے وارثین انبیاء تم نے امت کی حفاظت کے لئے کون سا اقدام کیا اس وقت ہمارا جواب کیا ہوگا، ظاہر ہے کہ ہم کو اس اختلاف پر ندامت وافسوس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے لہذا ایسے حالات میں علماء امت ودانشوران قوم کی ذمہ داریاں ہیں کہ وہ باہمی اختلاف سے اوپر اٹھ کر اپنی توانائی کو متفق علیہ مسائل، امت مسلمہ کی حفاظت، دین پر آنے والی آفات کے مقابلہ میں صرف کریں اور آپسی اختلافات کو صرف حلقہ درس، رسائل تک محدود رکھیں اور ان میں بھی لب ولہجہ قرآنی اصول دعوت کے مطابق نرم رکھیں، نقرے کسنے، دوسرے کی توہین کرنے کو زہر سمجھیں، اگر اس طرح کیا جائے تو اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ

امت مسلمہ کے اختلافات ختم ہوجائیں گے اور وہ آپس میں کم از کم بقاء باہم کے اصول پر عمل کرتے ہوئے زندگی پرسکون گزار سکے گی۔

الجواب الخامس: شیعہ وسنی اختلاف:

شیعہ سنی کا جو اختلاف ہے وہ یا تو سنت وبدعت والے اختلاف کے دائرہ میں آئے گا یا کفر واسلام والے اختلاف کے دائرے میں ہو، اور دونوں کا حکم ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس اعتقادی اختلاف کو اہل حق کی طرف سے ختم کرنا ممکن نہیں؛ البتہ قرآنی اصول دعوت، حکمت، موعظت، مجادلہ حسنہ کے ذریعہ افہام وتفہیم کو باقی رکھتے ہوئے دنیوی معاملات ومعاشرت میں انسانی ہمدردی، باہمی رواداری سے شریعت اسلامیہ منع نہیں کرتی ہے، بلکہ اس کی تائید وتاکید کرتی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے معلوم ہوتا ہے؛ چنانچہ مسلم شریف میں ہے:

''عن عائشة قالت: إن رجلا استأذن على النبي ﷺ فقال: ائذنوا له فلبئس ابن العشيرة أو بئس رجل العشيرة. فلما دخل عليه ألان له القول. قالت عائشة: فقلت: يا رسول الله! قلت له الذي قلت ثم ألنت له القول. قال: يا عائشة! إن أشر الناس منزلة عند الله يوم القيامة من ودعه أو تركه الناس اتقاء فحشه (مسلم، باب ادارة من يتقى فحشه). وفي هذا الحديث مداراة من يتقى فحشه (نووی)۔

نیز ایک ملک کے باشندہ ہونے کی صورت میں دونوں فرقوں کی حیثیت ایک معاہد کی ہوگی جیسا کہ تفصیل سے معارف القرآن میں موجود ہے (معارف القرآن ۶/ ۶۲۳-۶۲۴)، لہذا دونوں فرقوں میں سے کسی کے لئے بھی شرعاً قتل کرنے، تکلیف دینے، ایذا پہنچانے کی اجازت نہیں، اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں:

من قتل معاهدًا لم يرح رائحة الجنة وإن ريحها يوجد من مسيرة أربعين عامًا (بخاری، حدیث: ۳۱۶۶). إلا من ظلم معاهدًا أو انتقصه ـ فأنا حجيجه يوم القيامة (ابوداؤد، حدیث: ۳۰۵۲). من قتل معاهدًا في غير كنهه حرم الله عليه الجنة (ابوداؤد، حدیث: ۲۷۶۰). في الهندية لو قال ليهودي أو مجوسي يا كافر: يأثم إن شق عليه (ہندیہ ۵/ ۳۴۸ الحظر والاباحہ، باب ۴)

مذکورہ بالا روایات وغیرہ سے معلوم ہوا کہ ایک ملک کے باشندے جب آپس میں معاہد کی طرح ہیں تو ان کے لئے ایک دوسرے کو قتل کرنا، تکلیف دینا، استہزاء وتمسخر کرنا شرعاً حرام ہے؛ لہذا ایک ملک کے باشندہ شیعہ اور سنی کو ایک دوسرے کو تکلیف دینے اور استہزاء اور تمسخر کرنے سے احتراز کرتے ہوئے باہمی رواداری اور حسن سلوک کے ساتھ پرسکون زندگی گزارنے سے نہ تو شریعت منع کرتی ہے اور نہ ہی عقل، اور ایک دوسرے پر لعن طعن کرنے اور مذاق اڑانے، فتنہ وفساد کرنے کی نہ تو کوئی مذہب اجازت دیتا ہے اور نہ ہی عقل، ان چیزوں کو ہر شریف انسان خواہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو انتہائی قبیح اور برا خیال کرتا ہے، فقط واللہ اعلم۔

خلاصہ جواب:

ج ۱۔ ... مسائل مجتهد فيها میں بحث ومباحثہ، ردوقدح، اصولی طور پر پسندیدہ نہیں ہے؛ چنانچہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جن مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے ان میں بحث وتحقیق کی زیادہ کاوش طبعاً ناگوار ہے؛ کیونکہ سب کچھ تحقیقات کے بعد بھی انجام یہی رہتا ہے کہ اپنا مذہب صواب محتمل الخطا اور دوسروں کا مذہب خطا محتمل الصواب ہے، کتنی ہی تحقیق کرلو کسی مجتہد کے مسئلہ کو بالکل غلط قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے میں اس بات سے گریز کرتا ہوں (حسن العزیز: ۳۷۰)۔

لیکن اگر ترجیح کی ضرورت ہو تو اس وقت دلائل اور وجوہ ترجیح کو صرف مثبت انداز میں تعارض وتقابل کے بغیر ذکر کردیا جائے اور بس۔ دوسرے مسلک پر ہر قسم کی تعریض وتشنیع سے مکمل احتراز کیا جائے؛ کیونکہ یہ جائز نہیں نیز صحت کو کسی ایک مسلک میں منحصر نہ کیا جائے اور دوسرے مسلک کی تغلیط پر یقین نہ کیا جائے؛ البتہ علمی شان وتحقیقی فکر پیدا کرنے کے لئے کتابوں اور رسائل اور تحقیقی مضامین میں تمام مسالک کے دلائل اور اس کی وجوہ ترجیح ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں اور امت سے اختلاف کو کم کرنے کے لئے جو اصول ہیں ان کی تفصیل مقالہ کے صفحہ ۴-۵ پر ملاحظہ کیا جائے۔

ج ۲۔ ... اختلاف خواہ شیعہ سنی کا ہو یا دیوبندی وبریلوی کا ہو یا سلفی غیر سلفی کا ہو، سب میں مذاکرہ اور تبادلہ خیال کے لئے قرآن کریم نے جو طریقہ بتلایا ہے اس پر عمل کرنے سے تفرق کی خلیج کم ہوتی چلی جائے گی، وہ طریقہ دعوت الی الخیر ہے جن میں سب سے پہلے حکمت، تدبیر، خیر خواہی، ہمدردی، نرم قابل قبول

عنوان سے قرآن کریم کے صحیح مفہوم کی طرف بلایا جائے اور مجادلہ بالتی ھی احسن یعنی حجت ودلیل کے ساتھ افہام وتفہیم کی کوشش کی جائے، اور اپنے مقابل کی استہزاء اور تمسخر اور اس کو زیر کرنے کے لئے جھوٹے سچے، جائز ناجائز حربے ہرگز استعمال نہ کئے جائیں؛ کیونکہ اس سے جنگ وجدال کا بازار تو گرم ہوسکتا ہے مگر اصلاح خلق کا کوئی پہلو نہیں نکل سکتا، اور آپسی منافرت کو کم کرنے کے لئے بقیہ اصول کو مقالہ کے صفحہ ۶۔۸ پر ملاحظہ کیا جائے۔

ج ۳۔......ضلالت وگمراہی کے عقائد اور کفریہ عقائد سے تعلق رکھنے والوں کا حکم اختلاف واتفاق اور رد ونکیر کے اعتبار سے ایک ہے، ان کو کسی حال میں قبول کرنے کی اجازت نہیں اور ایسے عقائد پر تنقید کے لئے قرآنی اصول دعوت کو اختیار کیا جائے یعنی مذاکرہ وتنقید میں اخلاص ہو، اپنا علمی تفوق ظاہر کرنا اور مخاطب کو مغلوب کرنا ہرگز مقصود نہ ہو، دوسرے کی محترم ومعظم شخصیات پر نازیبا کلمات کا استعمال نہ ہو، مشفقانہ لب ولہجہ اور دلنشیں عنوان افہام وتفہیم کے لئے استعمال کیا جائے، دلخراش عنوان، طعن وتشنیع، استہزاء وتمسخر، اور صحافیانہ فقرہ بازی سے مکمل گریز کیا جائے، اصلاح کی فکر، دعوت کی لگن، حکمت وتدبیر، موعظہ حسنہ، قولا لینا سے افہام وتفہیم کی جائے، مخاطب کی نازیبا باتوں پر صبر کیا جائے، اور اگر جواب کی نوبت آئے تو خوش اسلوبی اختیار کی جائے، امت کی تمام جماعتیں اور فرقے اپنی توانائی وصلاحیت اتفاقی واجتماعی مسائل میں صرف کریں اور باہمی اختلافات کو صرف حلقہ درس یا فتوی وتحقیقی رسائل تک محدود رکھیں، اور دین سمجھ کر غلط نظریات اختیار کرنے والوں کو اپنا نظریہ چھوڑنے اور بدلنے کی دعوت نہ دی جائے؛ البتہ افہام وتفہیم کی کوشش مسلسل جاری رہے۔

ج ۴۔......اس وقت عالم اسلامی میں خونریزی جاری ہے اور قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے، یہ نہ تو جہاد ہے اور نہ انقلاب، اور نہ ہی امر بالمعروف نہ ہی نہی عن المنکر ہے؛ بلکہ یہ عصبیت کی جنگ ہے جو ایک فتنے کی شکل اختیار کررہی ہے؛ اس لئے جب تک اصول صحیحہ اور شرعیہ کو کوئی جماعت اختیار نہ کرے اس وقت تک اس کا ساتھ دینے کی گنجائش نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"دعاة على أبواب جهنم من أجابهم إليها قذفوه فيها فقلت: يا رسول الله! صفهم لنا. قال: نعم من جلدتنا ويتكلمون بألسنتنا. فقلت: يارسول الله فما ترى؟ وفي رواية فما تأمرني إن أدركني ذلك. قال: تلزم جماعة المسلمين وإمامهم قلت: فإن لم يكن لهم جماعة والإمام. قال: فاعتزل تلك الفرق كلها" (جامع الاصول ۱۰/ ۴۵)۔

لہذا علماء امت اور دانشوران قوم کی ذمہ داری ہے کہ تمام مذاہب فکر کے علماء اپنے نظریات وخیالات کو چھوڑے بغیر اپنی قوت ومحنت کا مرکز ان مسائل کو بنائیں جن کے لئے انبیاء کی بعثت اور قرآن کا نزول ہوا اور آپسی اختلافات کو صرف حلقہ درس اور تحقیقی رسائل تک محدود رکھیں اور اس میں بھی لب ولہجہ نرم رکھیں اور پوری قوم کو متفق علیہ بنیادی مسائل کی جانب متوجہ کریں اور معاملات ومعاشرت میں اختلاف سے گریز کرتے ہوئے رواداری، حسن سلوک کے ساتھ زندگی گزارنے کی تلقین کریں۔

ج ۵۔......ایک ملک کے تمام باشندے خواہ وہ شیعہ سنی ہوں یا مسلم وغیر مسلم سب آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ امن وسکون باقی رکھتے ہوئے زندگی گزارنے کا عملی معاہدہ کرتے ہیں لہذا ان کی حیثیت آپس میں معاہد کی ہے اور معاہدہ کی خلاف ورزی شرعاً جائز نہیں، اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، اس مسئلہ پر تفصیلی بحث معارف القرآن جلد ۶ ص ۶۲۳۔۶۲۴ پر موجود ہے اور مقالے میں بھی اس سے متعلق روایات ذکر کردی گئی ہیں؛ لہذا ایک ملک کے باشندے کو قتل کرنا، استہزاء کرنا، تمسخر کرنا اور کسی قسم کی تکلیف پہنچانا شرعاً حرام ہے، خواہ وہ باشندے کسی بھی فرقے ومذہب سے تعلق رکھتے ہوں، اور ایک ملک کے باشندوں کو باہمی رواداری اور حسن سلوک کے ساتھ پرسکون زندگی گزارنے سے نہ تو شریعت منع کرتی ہے اور نہ ہی عقل، اور ایک دوسرے پر طعن وتشنیع کرنے اور ملک میں فتنہ وفساد برپا کرنے کی نہ تو کوئی مذہب اجازت دیتا ہے، اور نہ ہی عقل ودانش ان کی تائید کرتی ہے، ان چیزوں کو ہر شریف انسان خواہ وہ کسی بھی مذہب وفرقے سے تعلق رکھتا ہو انتہائی قبیح وبرا خیال کرتا ہے، اتحاد واتفاق کے ساتھ رہنے کے اصول وآداب اور مذہبی پیشواؤں کی ذمہ داریوں سے متعلق مقالہ میں تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے وہاں پر ملاحظہ کیا جائے۔

☆☆☆

اختلاف رائے اور وحدت امت کا جواب

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی[1]

تمہید:

اتحاد واتفاق میں ہی طاقت ہے، اور امت کی تباہی کا راز انتشار و پراگندگی میں مضمر ہے، اس کا رونا ہر شخص روتا ہے، اور اس کا شکوہ ہر گروہ کرتا ہے، اس کے باوجود کہ ہر گروہ اور ہر شخص کو معلوم ہے کہ کیا حق ہے اور کیا ناحق لیکن کوئی شخص یا کوئی گروہ اپنے مصالح اور ذاتی مفادات سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا ہے؛ بلکہ حد تو یہ ہے کہ وہ جماعت یا تحریک یا ادارے جن کا وجود مختلف عصبیتوں کو ختم کرنے کے لئے ہوا تھا، خود اندر سے عصبیتوں میں غرق ہیں، دوسرے گروہ کے افراد یا آزاد افراد کے لئے ان کے یہاں منصفانہ برتاؤ نہیں ہے، بلکہ ان کے پاس ان کے لئے کوئی پروگرام نہیں ہے، ہر ایک کی نظر انتساب پر ہے، اور ہر ایک اپنی افرادی قوت بڑھانے ہی کو اسلام کی خدمت سمجھتا ہے۔ اس لئے امت اسلامیہ کو متحد کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر شخص یا گروہ اپنے ذاتی مصالح سے اوپر اٹھے، ایسا نہ ہو کہ جہاں کوئی جماعت کمزور ہو، وہاں اتحاد کی بات کرے، اور جہاں مضبوط ہو وہاں اتحاد کو فراموش کردے، نیز علاقائیت اور دیگر عصبیتوں کو ترک کیا جائے، اور اداروں اور دیگر جگہوں پر یکساں نظام کی پابندی کی جائے، اور ہر حالت میں عدل کا دامن مضبوطی سے تھاما جائے، اور اقتدار کی منصفانہ تقسیم ہو۔ بلاشبہ اسلام میں اختلاف محمود اور اختلاف مذموم کے دائرے متعین ہیں؛ چنانچہ اختلاف محمود کی شرطیں درج ذیل ہیں:

۱- اختلاف کا سبب اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔

۲- اختلاف کرنے والے کا نظریہ ہدایت کے خلاف نہ ہو، مثلاً کوئی شخص بڑے ہی اخلاص سے کہے کہ میری تحقیق میں بکری گائے ہے، تو یہ اخلاص کے باوجود بھی اختلاف مذموم ہے۔

۳- یہ بھی ضروری ہے کہ اختلاف کرتے وقت اہم کی رعایت کی جائے، ایسا نہ ہو کہ اہم کو چھوڑ کر غیر اہم کو اختیار کیا جائے، چنانچہ صحابہ کرام ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھتے تھے، جیسا کہ تاریخ میں آتا ہے کہ قیصر روم نے ایران کے ایک حصہ پر قبضہ کرنا چاہا، جو حضرت علی کے زیر تسلط تھا، اور حضرت علی حضرت معاویہ کے ساتھ مشغول تھے، اس موقع سے اہم کو ترجیح دیتے ہوئے حضرت معاویہ نے قیصر کو لکھا ہے کہ اگر تم اپنے اس ارادہ سے باز نہیں آتے، تو ہم حضرت علی سے صلح کر کے تم پر زمین کو تنگ کردیں گے۔

جبکہ مذموم اختلاف وہ ہے جو خواہش نفس کے ساتھ ہو۔

خلاصہ یہ کہ اختلاف عیب نہیں ہے، بلکہ عیب یہ ہے کہ اپنی رائے کے سلسلہ میں متعصب ہو اور دوسروں کی عقل پر پابندی لگائے، اور اختلاف فکر و نظر کو جنگ وجدال کا ذریعہ بنائے اور دوسروں کو برداشت نہ کرے۔

اس مختصر تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

سوال نمبر ۱ کا جواب:

منہج ترجیح:

فقہی مباحث میں کسی مسلک یا قول کو ترجیح دینے کا طریقہ ایسا ہونا چاہئے جو عدل وانصاف پر مبنی ہو، اور جس سے دلسوزی اور اخلاص ٹپکتا ہو، اور وہ طریقہ ہر طرح کی عصبیت سے خالی ہو، اس میں استہزاء اور تنقیص کا پہلو شامل نہ ہو، بلکہ صحیح دلائل پر مبنی ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] عمید کلیۃ القرآن، جامعہ اسلامیہ کیرالہ۔

"یا أیها الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیرا منهم، ولا نساء من نساء عسی أن یکن خیرًا منهن، ولا تلمزوا أنفسکم، ولا تنابزوا بالألقاب بئس الاسم الفسوق بعد الإیمان، ومن لم یتب فأولئك هم الظالمون" (الحجرات: ۱۱)۔

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق اڑائے، ممکن ہے وہ ان سے بہتر ٹھہریں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، کیا عجب وہ ان سے بہتر نکلیں، اور نہ اپنے کو عیب لگاؤ، اور نہ آپ میں ایک دوسرے پر برے القاب چسپاں کرو، ایمان کے بعد فسق کا تو نام بھی برا ہے، اور جو لوگ توبہ نہ کریں گے تو وہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنیں گے)۔

اس آیت کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ کسی رائے یا مسلک یا قول کو ترجیح دینے والے کو سمجھنا چاہئے کہ ہوسکتا ہے کہ مخالف کی رائے درحقیقت بہتر اور اللہ تعالی کے نزدیک مقبول ہو، کیونکہ اجتہادی مسائل میں کسی رائے کو قطعیت نہیں حاصل ہوسکتی ہے، بلکہ ظن غالب کی بنا پر اس کی ترجیح ہوگی۔

حدود وآداب ترجیح:

فقہی مباحث میں کسی مسلک یا قول کو ترجیح دینے کے وقت درج ذیل حدود وآداب کی رعایت لازم ہے، تا کہ گروہ بندی کی شکل نہ پیدا ہو:

۱- ہر مسلک ومکتب فکر کی نمائندہ شخصیت کا احترام:

کسی مسلک یا رائے وفکر کی ترجیح کے وقت دوسرے مسالک اور مکاتب فکر کی نمائندہ شخصیات کو سب وشتم، گالی گلوج دینے اور برا بھلا کہنے سے پرہیز کرنا چاہئے، بلکہ منصفانہ تحقیق کے نتیجہ میں جس رائے کو صحیح سمجھے اس پر عمل کرے، لیکن مخالف کی تحقیر اور تذلیل سے اجتناب کرے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو، (کیونکہ) مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اور نہ ہی اسے بے یار ومددگار چھوڑتا ہے، اور نہ ہی اس کی تحقیر کرتا ہے۔

نیز تین مرتبہ اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تقوی کا تعلق دل سے ہے، اور فرمایا:

"بحسب امرئ من الشر أن یحقر أخاه المسلم، کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه" (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۶۴) (آدمی کے برا ہونے کے لئے کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے، ہر ایک مسلمان کی جان، مال اور عزت وآبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے)۔

۲- رائے کا اختلاف دل کے اختلاف تک نہ پہنچے:

مسلک، رائے اور فکر کے اختلاف کی وجہ سے دشمنی، نفرت، بغض اور خصومت وجھگڑا نہیں پیدا ہونا چاہئے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی معصوم نہیں ہے، اور اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ بحث واجتہاد سے کام لیں، سو یقیناً اجتہاد اور ترجیح کی صورت میں اختلاف ہوگا، لہذا ہر ایک کو دوسرے کی رائے کو برداشت کرنا چاہئے، خواہ وہ اس کی نظر میں غلط ہی کیوں نہ ہو؛ اس لئے کہ اختلاف عیب نہیں ہے بلکہ عیب یہ ہے کہ اپنی رائے کے سلسلہ میں متعصب ہو اور دوسروں کی عقل پر پابندی لگائے۔

اور نقد کرنے والے کو سمجھنا چاہئے کہ جس پر وہ نقد کر رہا ہے، جس طرح وہ غیر معصوم ہے میں بھی غیر معصوم ہوں، لہذا ہمیں اعتدال کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے، اور ہر حال میں تواضع پر قائم رہنا چاہئے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ما تواضع أحد لله إلا رفعه الله" (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۵۸۸) (جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے گا، اللہ اسے بلند کرے گا)۔

۳- دل پسند اسلوب اختیار کی جائے:

کسی رائے اور فکر کو ترجیح دیتے وقت خوش اسلوبی کا دامن نہ چھوڑا جائے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ادع إلی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی أحسن" (النحل: ۱۲۵)

(اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دو، اور ان کے ساتھ اس طریقہ سے بحث کرو جو پسندیدہ ہے)۔

۴- مثبت اور معقول انداز اختیار کرنا:

مثبت انداز اختیار کیا جائے، اور معقول دلائل پیش کیے جائیں، اور تضاد وتناقض سے بچا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قل ھاتوا برھانکم إن کنتم صادقین" (البقرہ:۱۱۱) (کہو اس بات پر اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم سچے ہو)۔

۵- اخلاص کا اہتمام:

اخلاص، دلسوزی اور تعصب سے دور رہ کر کسی مسلک یا قول کو ترجیح دیا جائے، تا کہ مخالفین کے سامنے یہ حقیقت کھل کر آئے کہ ترجیح دینے والا مخلص ہے اور معقول دلائل سے حق کو ظاہر کرنا اس کا مقصود ہے، اس کے اندر ذاتی دشمنی نہیں ہے، بلکہ غلط افکار وخیالات اور عقائد کو منطقی انداز میں بیان کرنا اس کا ہدف ہے۔

۶- چیلنج کا اسلوب نہ اختیار کیا جائے:

کسی مسلک یا قول یا رائے وفکر کو ترجیح دیتے وقت چیلنج کا اسلوب اختیار نہ کیا جائے تا کہ ضد اور اصرار کا جذبہ پیدا نہ ہو، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

"وقل لعبادی یقولوا التی ھی أحسن" (الاسراء:۵۳) (اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ وہی بات کہیں جو بہتر ہے)۔

۷- طعن وتجریح سے پرہیز:

طعن وتجریح، تمسخر واستہزاء، تحقیر وتذلیل، اشتعال دلانے اور برانگیختہ کرنے والے اسلوب سے پرہیز کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون برحق ہے، اس کا فیصلہ وہ خود فرمائے گا، جیسا کہ ارشاد ہے: "قل کل یعمل علی شاکلتہ فربکم أعلم بمن ھو أھدی سبیلا" (الاسراء:۸۴) (کہہ دو کہ ہر ایک اپنی روش پر کام کرے گا، تو تمہارا رب ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو صحیح تر راستہ پر ہیں)۔

۸- فریق مخالف کے ساتھ انصاف:

ترجیح کے وقت انصاف کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یاأیھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ألا تعدلوا اعدلوا ھو أقرب للتقوی" (المائدہ:۸) (اے ایمان والو، عدل کے علم بردار بنو، اللہ کے لئے اس کی شہادت دیتے ہوئے، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی تقوی سے قریب تر ہے)۔ لہذا مخالف کے علم اور اس نے اگر کوئی صحیح بات کہی ہے، اس کا اعتراف ہونا چاہئے، نیز اس کے کلام کو ایسا معنی نہیں دینا چاہئے، جس کا وہ احتمال نہ رکھتا ہو، چنانچہ ہر دور میں علماء محققین کی یہی شان رہی، جیسا کہ امام ذہبیؒ حاکم کی بعض روش مثلاً مستدرک کے اندر بعض واہی اور نا قابل اعتبار روایات ذکر کرنے پر نقد کرتے ہیں، لیکن ان کی عظمت کا اعتراف بھی کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

"فأما صدقہ فی نفسہ، ومعرفتہ بھذا الشأن فأمر مجمع علیہ" (ذہبی: میزان الاعتدال، سوانح عمری نمبر: ۷۸۰۴)

(بہر حال بذات خود ان کا سچا وصادق ہونا، اور اس فن یعنی حدیث میں درک تو مسلم ہے)۔

۹- دل شکنی سے پرہیز:

ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ مسلمانوں کے درمیان اخوت اور بھائی چارگی فرض ہے اور دل شکنی حرام ہے، لہذا اجتہادی مسائل کی ترجیح کے وقت ایسا اسلوب اختیار نہ کیا جائے، جس سے کسی مسلمان کا دل دکھی ہو، بلکہ حق کے بیان اور باطل کی تردید کے ساتھ کوشش یہ ہو کہ اسلامی اخوت کا شیرازہ پراگندہ نہ ہو، جیسا کہ امام حافظ ابو موسی یونس بن عبد الاعلی صدفی مصری، امام شافعی کے ایک شاگرد کہتے ہیں:

"ما رأیت أعقل من الشافعی ناظرتہ یوما فی مسألۃ. ثم افترقنا. ولقینی فأخذ بیدی. ثم قال: یا أبا موسی، ألا یستقیم أن نکون إخوانا. وإن لم نتفق فی مسألۃ" (ذہبی: سیر اعلام النبلاء ۱۹/ ۱۰، بیروت، موسسۃ الرسالہ)

(امام شافعی سے زیادہ عقلمند میں نے نہیں دیکھا، ایک دن میں نے ایک مسئلہ میں ان سے مباحثہ کیا، پھر ہم جدا ہو گئے، اور جب اس کے بعد امام شافعی کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو میرے ہاتھ پکڑ کر بولے، اے ابو موسی، کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم بھائی بھائی بن کر رہیں، اگر چہ ایک مسئلہ میں بھی ہمارا اتفاق نہ ہو)۔

۱۰- مخالف کی رائے کی بالکلیہ نفی نہ ہو:

زیادہ تر مسائل میں اگرچہ ایک ہی رائے درست ہے اور باقی آراء غلط ہیں، لیکن ان غلط آراء کے قائلین ایک ثواب سے محروم نہیں ہیں، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وداود وسليمان إذ يحكمان في الحرث إذ نفشت فيه غنم القوم وكنا لحكمهم شاهدين. ففهمناها سليمان وكلا آتينا حكمًا وعلمًا" (الانبیاء: ۷۸-۷۹) (اور داؤد اور سلیمان پر بھی ہم نے اپنا فضل کیا، یاد کرو جبکہ وہ ایک کھیتی کے مقدمے کا فیصلہ کر رہے تھے جبکہ اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں شب میں جا پڑی تھیں، اور ہم ان کے اس قضیہ پر نگاہ رکھے ہوئے تھے، چنانچہ ہم نے اس کو سلیمان کو سمجھا دیا، اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو حکمت اور علم سے نوازا تھا)۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ داؤد وسلیمان دونوں علم وحکمت سے متصف تھے، لیکن درستگی حضرت سلیمان کے ساتھ تھی۔

۲- حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران. وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر" (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۷۳۵۲، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۱۶) (اگر حاکم پوری کوشش کے بعد فیصلہ کرے اور درستگی کو پالے تو اسے دوہرا ثواب ملے گا، اور اگر پوری کوشش کے بعد فیصلہ کرے اور غلطی کر بیٹھے تو بھی اسے ایک ثواب ملے گا)۔

البتہ بعض مسائل میں تعدد حق بھی ہو سکتا ہے اور صحت و درستگی متعدد ہو سکتی ہے، مثلاً کوئی مسئلہ مختلف پہلوؤں کا حامل ہو، اور ایک سے زائد رائے کی گنجائش رکھتا ہو، اور ہر رائے مخصوص پہلو یا حالت کے لحاظ سے درست ہو، جیسے اذان میں ترجیع (شہادتین کو آہستہ کہنے کے بعد دوبارہ زور سے کہنا) اقامت میں ایک ایک بار ہر کلمہ کہنا یا دو دو مرتبہ کہنا، وتر ایک سلام سے پڑھی جائے یا دو سلام سے، فجر میں دعائے قنوت پڑھی جائے یا نہیں، وغیرہ، اسی لئے فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ہر مسلک والے کو وجوبی طور سے یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ

"مذهبه صواب يحتمل الخطأ، وأن مذهب غيره خطأ يحتمل الصواب" (ابن عابدین: رد المحتار ۳/ ۵۰۸، بیروت، دار الفکر، ۱۴۲۱ھ) (اس کا مسلک درست ہے لیکن خطا کا احتمال رکھتا ہے، اور دوسرے کا مسلک خطا ہے لیکن درستگی کا احتمال رکھتا ہے)، اور جب یقینی طور سے کسی اجتہادی رائے کی صحت کا علم نہیں ہو سکتا ہے، تو پھر ایسا اسلوب قطعاً اختیار نہیں کرنا چاہئے جس سے دوسری رائے کی بالکلیہ نفی ہو۔

سوال نمبر ۲ کا جواب:

عقائد کے باب میں خود کو حق پر اور فریق مخالف کو باطل پر سمجھنا ضروری ہے، ابن نجیمؒ لکھتے ہیں: "وإذا سألنا عن معتقدنا ومعتقد خصومنا في العقائد يجب علينا أن نقول: الحق ما نحن عليه. والباطل ما عليه خصومنا" (ابن نجیم: الاشباہ والنظائر ص: ۳۸۱، بیروت، العلمیہ، ۱۴۰۰ھ) (اگر ہم سے ہمارے عقائد اور مخالفین کے عقائد کے بارے میں پوچھا جائے، تو ہم پر واجب ہے کہ ہم کہیں کہ حق وہ ہے جس پر ہم ہیں، اور باطل وہ ہے جس پر ہمارے مخالفین ہیں) لہٰذا ہر گروہ کو اپنے کو حق پر سمجھنے کا حق ہے، لیکن دوسرے کو برداشت کرنے کا مزاج بنانا چاہئے۔

جہاں تک دیوبندی اور بریلوی، سلفی اور غیر سلفی حضرات کا تعلق ہے تو عقیدہ میں جزوی اختلاف کے باوجود یہ سب اہل سنت والجماعت ہی کا حصہ ہیں، لہٰذا اختلافی موضوعات پر گفتگو، مذاکرہ اور تبادلہ کا ان کا طریقہ مثبت ہونا چاہئے، اور تاویل کی بنیاد پر کسی بات کہنے والے فریق کو گنہگار یا کافر قرار دینے سے بچنا چاہئے، ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: "قال العلماء: كل متأول معذور بتأويله. وليس بآثم. إذا كان تأويله سائغًا في لسان العرب، وكان له وجه في العلم" (ابن حجر، فتح الباری، کتاب استتابۃ المرتدین، باب ما جاء فی المتأولین ۱۲/ ۳۰۴، بیروت، دار المعرفہ ۱۳۷۹ھ) (اہل علم کا قول ہے: ہر تاویل کرنے والا اپنی تاویل کی بنا پر معذور ہے اور گنہگار نہیں ہے، جبکہ اس کی تاویل عربی زبان کے اعتبار سے مقبول ہو، اور علمی اعتبار سے اس کا احتمال ہو)، اور مخالف کے کلام کو توڑ مروڑ کر کفریہ معنی پیدا کرنے سے بچنا چاہئے، چنانچہ محقق ابن ہمام لکھتے ہیں:

"ولا شك أنه يجب أن يحتاط في عدم تكفير مسلم حتى قالوا: إذا كان في المسئلة وجوه كثيرة توجب التكفير، ووجه واحد يمنعه، فعلى المفتي أن يميل إليه، ويبني عليه" (ابن ہمام: فتح القدير ۵/ ۳۱۵، بیروت، دار الفکر)

(اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی مسلمان کو کافر نہ قرار دینے میں احتیاط کرنا واجب ہے، یہاں تک کہ فقہاء کا قول ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں بہت سے پہلو کافر قرار دینے کو ثابت کرتے ہوں، اور ایک پہلو کافر قرار دینے سے روکتا ہو، تو مفتی پر لازم ہے کہ اسی ایک پہلو کی طرف مائل ہو، اور اسی پر حکم کی بنیاد رکھے)۔

خلاصہ یہ کہ عقیدہ کے اختلاف کے باوجود دوسرے مؤمن کے ساتھ اچھا گمان رکھنا چاہئے، اور گفتگو اور مذاکرہ میں تلخ کلامی اور جارحانہ اسلوب سے بچنا چاہئے، نیز اشتعال انگیزی اور منافرت خیزی سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اگرچہ تاویل کی بنا پر خطا کرنے والے کا کلام کفر کو مستلزم ہو، لیکن قائل کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا، لہذا گفتگو، مذاکرہ اور تبادلہ خیال کے وقت یہ پہلو پیش نظر رہے؛ چنانچہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''فأما من كان في قلبه الإيمان بالرسول وما جاء به، وقد غلط في بعض ما تأوله من البدع، فهذا ليس بكافر أصلاً۔ ومن قال: إن الثنتين والسبعين فرقة كل واحد منهم يكفر كفرًا ينقل عن الملة، فقد خالف الكتاب والسنة وإجماع الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين بل وإجماع الأئمة الأربعة وغير الأربعة'' (ابن تیمیہ: مجموع الفتاوی ۷/ ۲۱۷-۲۱۸، دار الوفاء، ۱۴۲۶ھ، ط: ۳)

(سو رہا وہ شخص جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی شریعت پر ایمان ہو، اور بعض بدعت کی تاویل کرنے میں غلطی پر ہو، تو ایسا شخص بالکل کافر نہیں ہے۔ اور جو یہ بات کہے کہ بہتر فرقوں میں سے ہر ایک ایسا کافر ہو جاتا ہے جس سے ملت سے باہر ہو جاتا ہے، سو اس نے کتاب وسنت اور اجماع صحابہؓ کی مخالفت کی، بلکہ اس نے ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ حضرات کے اجماع کی بھی مخالفت کی)۔

ہر فرقہ دوسرے فرقہ کو غلطی پر سمجھتا ہے اور ایسا سمجھنے کا اسے حق ہے، لیکن غلطی پر سمجھنے کے باوجود ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا مزاج بنانا چاہئے۔

امام ذہبیؒ لکھتے ہیں: ''وكذا كل فرقة تتعجب من الأخرى، ولا عجب في ذلك، ونرجو لكل من بذل جهده في تطلب الحق أن يغفر له من هذه الأمة المرحومة'' (ذہبی: سیر اعلام النبلاء ۲۲/ ۱۴۲)

(اور ایسے ہی ہر فرقہ دوسرے پر تعجب کرتا ہے، اور اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے، اور ہمیں امید ہے کہ حق کی تلاش میں اس امت مرحومہ میں سے جس نے پوری کوشش کی، اسے بخش دیا جائے)۔

اور ہر مسلمان کو سمجھنا چاہئے کہ کسی بھی مومن شخص کے ایمان کا علم قطعی طور سے ثابت ہے، لہذا قطعی دلیل کے بغیر اس کی نفی کرنا جائز نہیں ہے، لہذا ہونا یہ چاہئے کہ ایمان کا فیصلہ کرنے میں غلطی ہو جائے تو ہو جائے، لیکن کفر کے فیصلہ میں غلطی نہ ہو۔

سوال نمبر ۳ کا جواب:

فکر یا عقیدہ خواہ ضلالت وگمراہی کا ہو یا موجب کفر ہو دونوں پر تنقید لازم ہے، تا کہ حق واضح ہو جائے، اس لئے کہ دین کے اندر خیر خواہی کا یہی تقاضا ہے؛ چنانچہ حضرت تمیم داری سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''الدين النصيحة، قلنا: لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم'' (صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۵۵)

(دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم نے پوچھا: کس کے لئے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول، مسلمانوں کے حکمراں اور عام لوگوں کے لئے) اور عام لوگوں کی خیر خواہی کا یہی مطلب ہے کہ دین ودنیا کے مصالح کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے، اور غلط اور منحرفانہ روش سے ان کو باز رکھا جائے؛ البتہ غلطی پر تنبیہ مخلصانہ اور مثبت انداز میں ہونا لازم ہے۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

''ولهذا يسوغ بل يجب أن نبين الحق الذي يجب اتباعه، وإن كان فيه بيان خطأ من أخطأ من العلماء والأمراء'' (ابن تیمیہ: مجموع الفتاوی ۱۹/ ۱۲۳) (اور اسی وجہ سے جائز بلکہ واجب ہے کہ ہم اس حق کو بیان کریں جس کی پیروی واجب ہے، اگرچہ اس میں خطا کرنے والے علماء اور حکام کی غلطی کا بیان ہو)۔

البتہ جو شخص معاند ہو کہ جان بوجھ کر حق کی مخالفت کرتا ہو اور اسے ٹھکراتا ہو، اس پر سختی کی جائے گی، اور اس کے بطلان اور شکست کا برملا اعلان کیا جائے گا تا کہ لوگوں کے سامنے باطل کی شکست مکمل طور سے واضح ہو جائے، جیسا کہ ارشاد ہے: ''ولا تجادلوا أهل الكتاب إلا بالتي هي أحسن إلا الذين ظلموا منهم'' (العنکبوت: ۴۶) (اور اہل کتاب سے نہ بحث کرو مگر اس طریقہ پر جو بہتر ہے بجز ان کے جو ان میں سے ظالم ہیں)۔

اور دونوں قسم کے فکر اور عقیدہ پر تنقید کے حدود وآداب وہی ہیں جو کسی مسلک یا قول کو ترجیح دینے کے حدود وآداب ہیں، مگر یہ کہ کسی شخص کا کفر ایسا کھلا ہو جس کی سرحد ارتداد سے جاملتی ہو، تو اس کے ارتداد کا برملا اعلان کیا جائے گا، تاکہ کوئی دوسرا شخص اس کے انحراف سے متاثر نہ ہو، لیکن کسی شخص کا مرتد ہونا، یا تو خود اس کے اقرار سے ثابت ہوگا، یا کفر کے شعائر اپنانے یا ان کی تعظیم سے، جیسے بت کو سجدہ کرنے سے، البتہ محض تاویل کی بنا پر بہ باطن کسی کو کافر قرار دینا درست نہیں ہے۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ''لا يجعل أحد بمجرد ذنب بذنبه، ولا ببدعة ابتدعها ولو دعا الناس إليها كافرًا في الباطن، إلا إذا كان منافقا'' (ابن تيميه: مجموع الفتاوى ۷/ ۲۱۷) (کسی شخص کو محض گناہ کے ارتکاب یا بدعت کی ایجاد کی وجہ سے - خواہ وہ لوگوں کو اس کی دعوت دے - بہ باطن کافر نہ قرار دیا جائے گا، مگر یہ کہ وہ منافق ہو) اور نفاق کا حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

سوال نمبر ۴ کا جواب:

اصول اعتقاد، توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان رکھنے میں تمام مسلم فرقے متحد ہیں، صرف جزئی عقیدہ میں اختلاف ہے، لہٰذا جزئی عقیدہ میں اختلاف کے باوجود ہم سب کو مل کر رہنا چاہئے، ظاہر پر نظر کرتے ہوئے کلمہ گو کے ساتھ محبت کا رویہ اختیار کرنا چاہئے، اور ایمانی رابطہ کی بنیاد پر ہر مسلمان کو بھائی سمجھنا چاہئے، خواہ فکر ونظر میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ دل کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''إني لم أومر أن أنقب عن قلوب الناس ولا أشق بطونهم'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۴۳۵۱، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۰۶۴) (مجھے لوگوں کے دلوں کی تفتیش کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، اور نہ اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ان کے شکم چاک کروں)۔

لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ ہر فرقہ اپنے مخالف کو گمراہ یا خارج از اسلام سمجھ کر بے دریغ قتل کرنا شروع کردے، یا ان کے زیر انتظام مساجد اور اداروں پر حملہ کرے یا ان کی اہم مذہبی شخصیات کو قتل کرے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں بڑی تنبیہ فرمائی ہے، جیسا کہ حضرت جریرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع سے ارشاد فرمایا: ''لا ترجعوا بعدي كفارًا، يضرب بعضكم رقاب بعض'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۱۲۱، ۴۴۰۵، ۶۸۶۹، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۶۵) (میرے بعد کافر مت ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں اڑانے لگو)، اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کی گردن اڑانا کفار کے عمل کے مشابہ ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے اس کی شرح میں بہت سے اقوال میں سے ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ

''كفارًا بحرمة الدماء وحرمة المسلمين وحقوق الدين'' (ابن حجر: فتح الباری ۱۲/ ۱۹۲، بیروت، دار المعرفه، ۱۳۷۹ھ) (حدیث کی مراد یہ ہے کہ خون مسلم کی حرمت، مسلمانوں کی حرمت اور دین کے حقوق کے منکر مت بن جانا) لہٰذا شرعی نقطہ نظر سے شیعہ سنی آویزش حرام ہے، ہر فرقہ کو اپنی بات خوش اسلوبی کے ساتھ رکھنے کا حق ہے، لیکن مخالف کے خلاف ہتھیار کا استعمال قطعاً جائز نہیں ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے دین کے معاملہ میں جبر کو حرام، ظلم اور فتنہ قرار دیا ہے، تو پھر کسی کلمہ گو سے جبر کے ساتھ کوئی بات منوانا یا نہ ماننے کی صورت میں اس کے خلاف ہتھیار استعمال کرنا کیونکر روا ہوگا؟

علماء، اصحاب فکر ودانش اور عام مسلمانوں کی ذمہ داری:

علماء اور اصحاب فکر ودانش کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گروپ کے لوگوں کو سمجھائیں کہ کسی فرقہ کو کافر قرار دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مرتد ہوگیا ہے، بلکہ اس کا مطالب یہ ہے کہ بہ ظاہر اس پر کفر کا حکم عائد ہوتا ہے، لیکن بہ باطن اس پر کفر اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ وہ منافق ہو، دل سے اللہ اور رسول پر ایمان نہیں رکھتا ہو، چنانچہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

''وكذلك سائر الثنتين والسبعين فرقة، من كان منهم منافقًا فهو كافر في الباطن، ومن لم يكن منافقًا بل كان مؤمنا بالله ورسوله في الباطن، لم يكن كافرًا في الباطن، وإن أخطأ في التأويل كائنا ما كان خطأه'' (ابن

تیمیہ: مجموع الفتاوی ۷/ ۲۱۸)۔

(اور یسے ہی باقی بہتر فرقے کا حکم ہے، ان میں سے جو منافق ہو تو وہ بہ باطن بھی کافر ہے، اور جو منافق نہ ہو؛ بلکہ بہ باطن اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہو، وہ باطن کے اعتبار سے کافر نہیں، اگر چہ تاویل میں غلطی کرے، خواہ اس کی غلطی کتنی بڑی ہی کیوں نہ ہو)۔

عام مسلمانوں کی ذمہ داری:

عام مسلمانوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا ذہن بنائیں اور یہ سمجھیں کہ جب ایک باپ کی اولاد میں مکمل مشابہت نہیں ہوتی ہے، تو اسی طرح ہر ایک کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت بھی الگ الگ ہے، لہذا اختلاف پیدا ہونا قدرتی بات ہے، اس لئے اختلاف بری چیز نہیں ہے، بلکہ جبراً وقہراً اپنی رائے کو دوسرے پر تھوپنا قابل مذمت چیز ہے۔

سوال نمبر ۵ کا جواب:

سنی اور شیعہ دونوں فرقے (خواہ ایک دوسرے کو گمراہ یا کافر قرار دیتے ہوں) پرامن بقاء باہم کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں، اور اس کے لئے درج ذیل شرعی اصول وآداب ہیں:

۱- ہر فرقہ کو آزادی رائے وفکر حاصل ہے، اس لئے کہ دین میں زور وجبر نہیں۔

۲- ہر فرقہ کی جان ومال اور عزت وآبرو دوسرے فرقے پر حرام ہیں، جیسا کہ ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''فإن دماء کم وأموالکم وأعراضکم بینکم حرام کحرمة یومکم ھذا، فی شهرکم ھذا، فی بلدکم ھذا''

(صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۶۷، ۱۰۵، ۱۷۴۱، ۴۴۰۶، ۵۵۵۰، ۷۰۷۸، ۷۴۴۷، صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۷۹)

(تمہاری جان ومال اور عزت وآبرو تمہارے آپس میں حرام ہیں، جیسے آج کے دن (دسویں ذی الحجہ) کی حرمت تمہارے اس ماہ اور شہر میں ہے)۔

۳- ہر فرقہ کو سمجھنا چاہئے کہ اگر وہ کسی فرقہ کو کافر قرار دیتا ہے، تو اس سے مراد عملی کفر ہے جس سے کوئی شخص دین سے خارج نہیں ہوتا ہے؛ کیونکہ اعتقادی کفر کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہو سکتا ہے، اس لئے بہ ظاہر کسی فرقہ پر کفر کا حکم عائد ہونے کے باوجود اس کی جان ومال کی حرمت باقی رہتی ہے؛ کیونکہ وہ دل سے اللہ اور رسول کو مانتا ہے، لہذا رشتہ اخوت باقی ہے۔

۴- ہر فرقہ کو سمجھنا چاہئے کہ بت پرست، یہود اور نصاریٰ اصلی کافر ہیں، جن کا کفر بداہتاً معلوم ہے، ان سے کلمہ گو ہر حال میں بہتر ہے، خواہ سنگین بدعت میں مبتلا ہو، چنانچہ امام ذہبیؒ رقمطراز ہیں: ''ومن کفّر ببدعة وإن جلت لیس ھو مثل الکافر الأصلی، ولا الیهودی والمجوسی، أبی اللہ أن یجعل من آمن باللہ ورسوله والیوم الآخر، وصام وصلی وحج وزکی وإن ارتکب العظائم وضل وابتدع کمن عاند الرسول، وعبد الوثن، ونبذ الشرائع وکفر، ولکن نبرأ إلی اللہ من البدع وأهلها'' (ذہبی: سیر أعلام النبلاء، ۱۹/ ۱۸۱، بیروت، مؤسسة الرسالہ) (اور جو بدعت کی وجہ سے کافر قرار دیا جائے - خواہ وہ سنگین بدعت ہی کیوں نہ ہو - وہ اصلی کافر، یہودی اور آتش پرست کی طرح نہیں ہے، اللہ کو پسند نہیں کہ وہ اس شخص کو جو اللہ، اس کے رسول اور روز آخرت پر ایمان رکھے، اور روزہ رکھے، نماز پڑھے، حج کرے اور زکوۃ دے - خواہ سنگین گناہوں کا مرتکب ہو اور گمراہ اور بدعتی ہو - اس شخص کی مانند قرار دے جو رسول کی دیدہ ودانستہ مخالفت کرے، بت کی پوجا کرے، شریعت کو پس پشت ڈال دے اور کفر اختیار کرے، لیکن ہم اللہ سے بدعت اور اصحاب بدعت سے براءت کا اظہار کرتے ہیں)۔

اگر تاویل کی بنا پر جس فرقہ کو کافر قرار دیا گیا ہے اسے مرتد کا حکم دیا جائے، تو پھر روئے زمین پر بسنے والے مسلمانوں کی اکثریت مرتد قرار پائے گی؛ کیونکہ ہر فرقہ دوسرے کو کافر قرار دیتا ہے۔

لہذا تمام فرقوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا ذہن بنائیں، اور یہ سمجھیں کہ تاویل کرنے والے فرقے اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان کے دل کفر پر منشرح نہیں ہیں، تو پھر ان کو بہ باطن کیسے کافر قرار دیا جا سکتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولکن من شرح بالکفر صدراً (النحل: ۱۰۶) (لیکن جو کفر کے لئے سینہ کھول دے)۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ بہ ظاہر اگر کسی پر کفر کا حکم عائد ہوتا ہے، پھر بھی اسے بہ باطن کافر نہیں قرار دیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ اس کا دل کفر پر منشرح نہیں، لہذا تمام فرقوں کو اخوت اور محبت کے ساتھ زندگی گزارنا چاہئے۔

۵- ہر فرقہ کو اپنی بات رکھنے اور دوسرے کی فکر ونظر پر تنقید کرنے کا حق ہے، لیکن خوش اسلوبی کے ساتھ، اور خوش اسلوبی میں یہ بھی داخل ہے کہ صرف قول وفکر کو ہدف تنقید بنایا جائے، قائل کی تحقیر وتذلیل نہ کی جائے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: "یا أیھا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیرا منھم، ولا نساء من نساء عسی أن یکن خیرًا منھن. ولا تلمزوا أنفسکم، ولا تنابزوا بالألقاب. بئس الاسم الفسوق بعد الإیمان ومن لم یتب فأولئك ھم الظالمون" (الحجرات: ۱۱) (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق اڑائے، ممکن ہے وہ ان سے بہتر ٹھہریں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، کیا عجب وہ ان سے بہتر نکلیں، اور نہ اپنے کو عیب لگاؤ اور نہ آپس میں ایک دوسرے پر برے القاب چسپاں کرو، ایمان کے بعد فسق کا تو نام بھی برا ہے، اور جو لوگ توبہ نہ کریں گے، تو وہی لوگ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنیں گے)۔

باہمی منافرت کو ختم کرنے کا طریقہ:

باہمی منافرت اور جنگ وجدال کو روکنے کے لئے دونوں فرقوں کے علماء ومذہبی پیشواؤں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ذاتی مصالح ومنافع سے اوپر اٹھ کر اسلام کے مصالح کو مقدم رکھیں، لیکن بدقسمتی سے اس وقت سنی اور شیعہ آویزش کی وجہ فکری اور اصولی اختلافات نہیں، بلکہ اقتدار کی ہوس ہے، اور اقلیتی طبقہ طاقت کے بل بوتے پر اقتدار پر قابض رہنا چاہتا ہے، اور اکثریت کو قتل کر کے اقلیت میں تبدیلی کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔

لہذا اقتدار کی منصفانہ تقسیم ہونی چاہئے، اور ہر فرقہ کے ساتھ عدل وانصاف اور مساوات کا برتاؤ ہونا چاہئے، جو اسلامی نظام کی بنیادی خصوصیات ہیں، مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ اقتدار پر قابض فرقہ دوسرے فرقہ کے ساتھ عملی طور پر انصاف اور مساوات کا سلوک نہیں کرتا ہے، بلکہ اپنے منسوبین کی طرف داری کرتا ہے، اور دوسرے فرقہ یا آزاد گروپ کے ساتھ ظلم وناانصافی کا برتاؤ کرتا ہے۔

ایسی صورت حال میں اللہ ترس علماء کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے، وہ روز قیامت میں اللہ تعالی کے سامنے حاضری اور جوابدہی کا احساس پیدا کریں، اور ذاتی اور گروہی مصالح سے دستبردار ہو کر عدل وانصاف، اور مساوات قائم کرنے پر زور دیں، یہ نہ ہو کہ مسلکی اختلاف کی شدت کم کرنے پر فخر کیا جائے، اور جماعتی عصبیت کے چوبچہ میں غوطہ لگایا جائے، یا کمزوری کے وقت وحدت امت کا نعرہ دیا جائے، اور طاقتور ہونے کی صورت میں اتحاد امت کے تقاضوں کو فراموش کردیا جائے۔

خلاصہ بحث:

۱- فقہی مباحث میں کسی مسلک یا قول کو ترجیح دینے کے لئے مبنی بر انصاف طریقہ اختیار کرنا چاہئے، اور اس سلسلہ میں فقہاء کے بیان کردہ حدود وآداب کا لحاظ کیا جانا چاہئے۔

۲- اختلافی موضوعات پر گفتگو، مذاکرہ اور تبادلۂ خیال مثبت ہونا چاہئے، اور تاویل کی بنیاد پر کسی بات کہنے والے فریق کو گمراہ یا کافر قرار دینے سے بچنا چاہئے۔

۳- فکر یا عقیدہ خواہ ضلالت وگمراہی ہو یا موجب کفر، دونوں پر تنقید لازم ہے، تاکہ حق واضح ہوجائے، لیکن حق کی وضاحت مثبت انداز میں ہونی چاہئے اور طنز وتعریض اور تحقیر وتذلیل سے پرہیز کرنا چاہئے۔

۴- شرعی نقطۂ نظر سے شیعہ سنی آویزش حرام ہے۔

۵- خونریزی کو روکنے کے لئے علماء، اصحاب فکر ودانش اور عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ذاتی مصالح سے اوپر اٹھیں اور اسلام کے مصالح کو مقدم رکھیں، اور اقتدار کی منصفانہ تقسیم پر زور دیں۔

۶- سنی اور شیعہ پرامن بقاء باہم کے اصولوں پر زندگی گزار سکتے ہیں۔

۷- سنی اور شیعہ دونوں فرقوں کے علماء ومذہبی پیشواؤں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے متبعین اور پیروکاروں پر زور دیں کہ وہ ہر حال میں عدل وانصاف کے دامن کو تھامے رہیں اور دوسرے فرقہ کے انسانی حقوق کا خیال رکھیں۔

فقہی مباحث میں اختلاف اور اس کے حدود وآداب

مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی[1]

انسان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلوق ہے۔ انسانی طبائع میں اختلاف بھی ناگریز ہے؛ کیونکہ وقت اور جگہ کے اختلاف سے لوگوں کے مصالح میں تفاوت بھی امر طبعی ہے۔ ایک وقت اور ایک جگہ میں جو چیز کسی کے لئے پسندیدہ ہوسکتی ہے، وہی چیز کسی دوسرے کیلئے ناپسندیدہ بھی ہوسکتی ہے۔

چنانچہ آراء کے درمیان اختلاف، لوگوں کے اغراض اور طبائع کے اختلاف کی بنا پر ایک فطری اور طبعی امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی عادات اور اعراف میں تفاوت بھی ایک امر واقعہ ہے، جس کے انکار کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق فرمائی اور انہیں شرعی نظام کا پابند بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو جو شریعت عطا فرمائی ہے، اس کے اصول (عقائد وعبادات ومعاملات) اختلاف سے محفوظ ومصئون ہیں، شریعت میں اختلاف اگر نظر آرہا ہے تو یہ ان شرعی اصولوں پر واقعات وحالات کو منطبق کرنے کے نتیجہ میں نظر آرہا ہے اور ان اختلافات کا تعلق فقہاء مجتہدین سے ہوا کرتا ہے۔

(هذا ما سلمت منه الشريعة الإسلامية في أصولها عامة عقائد وعبادات ومعاملات وما حدث من الخلاف فإنما هو راجع للمجتهد واختلاف أنظارهم وتطبيقهم النصوص على الوقائع) (أسباب اختلاف الفقهاء/ عبدالله عبدالمحسن التركي، ص: ۹)۔

اس لئے جزئی مسائل میں اختلاف رائے کا ہونا کوئی مذموم شئی نہیں، اس کا وجود خود صحابۂ کرام کے زمانہ میں بھی رہا ہے۔

اختلاف رائے دور صحابہ میں:

شرعی امور میں اختلاف نہ صرف ائمۂ مجتہدین- ائمۂ اربعہ- کے درمیان رہا ہے؛ بلکہ ان سے بہت پہلے صحابہ وتابعین کے درمیان بھی دیکھنے کو ملتا ہے، بلکہ صحابہ کے درمیان اختلاف نہ صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ہوا؛ بلکہ حیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ان کے بیچ اختلاف کی مثالیں موجود ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے معاً بعد مسئلۂ امامت میں مہاجرین وانصار صحابہ کے درمیان اختلاف رونما ہوا، "منا أمير ومنكم أمير کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ سقیفہ بنوساعدہ میں اس اختلاف کو سلجھانے کے لئے ابوبکر صدیقؓ آگے بڑھے، خطبہ دیا، حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر بیعت کرکے معاملہ کو سلجھا دیا اور یوں بیعتوں کا سلسلہ چل پڑا۔

حیات نبوی میں اختلاف کی مشہور ومعروف مثال، جنگ خندق کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابۂ کرام کو بنوقریظہ کے محاصرہ کے لئے حکم دیتے وقت یہ فرمانا کہ: لا يصلين أحدكم إلا في بني قريظة، اس امر نبوی کو سن کر صحابۂ کرام چل پڑے، عصر کی نماز کا وقت راستہ ہی میں ہوگیا، صحابۂ کرام میں اختلاف ہوا کہ کیا کیا جائے، قضا ہونے سے نماز کو بچایا جائے اور راستہ ہی میں نماز پڑھ لی جائے یا بنوقریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھی جائے، خواہ نماز کا وقت نکل چکا ہو، چنانچہ جن صحابہ کے نزدیک معنی ومقصد کی اہمیت تھی، انہوں نے یہ سمجھا کہ اس فرمانِ رسول کا منشا صرف یہ ہے کہ بنوقریظہ پہنچنے میں جس قدر ممکن ہوسکے جلدی کی جائے، اور یہ کوشش کی جائے کہ عصر کی نماز بنوقریظہ ہی میں ادا ہو، انھوں نے راستہ ہی میں نماز پڑھ لی پھر آگے بڑھے، اور جن حضرات کے نزدیک معنی سے زیادہ الفاظ پر زور تھا، انہوں نے بنوقریظہ پہنچ کر ہی نماز پڑھی، خواہ قضا کیوں نہ ہوگئی ہو، اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ملی تو راستہ میں پڑھنے والوں کو فرمایا: فقد أصبتم السنة، لیکن دوسرے فریق کو بھی غلط نہیں بتایا۔

[1] استاذ دار العلوم مئو۔

الغرض صحابہ میں اختلاف ہوا ہے، لیکن یہ اختلاف بعد کے ادوار کے بالمقابل اقل قلیل تھا؛ کیونکہ صحابہ کرام کا عہد، رسول اللہ کے عہد سے ملا ہوا تھا، انہوں نے براہ راست رسول اللہ سے استفادہ کیا تھا، دقت نظر، فہم وفراست، خواہش نفسانی کا فقدان اور جدید واقعات، حالات کے نادر وکم یاب ہونے کے باعث اختلاف کم ہوا؛ جبکہ دور صحابہ کے بعد نہ تو رسول اکرم سے براہ راست استفادہ کی شکل موجود تھی اور نہ ہی صحابہ کے دیگر صفات ہی میں بعد کے لوگ ہم پلہ ہو سکتے تھے، بناءً علیہ اختلاف کا ان کے مابین زیادہ ہونا ناگریز تھا۔

(إلا أن اختلاف الصحابة أقل من اختلاف من أتى بعدهم وذلك لقرب عهدهم بالرسول ﷺ ولما عندهم من الرصيد الكبير من سنة رسول الله ﷺ ومن بعد النظر ونفاذ البصيرة وقلة الهوى ولندرة الوقائع المتجددة بالنسبة لمن جاء بعدهم (ص ۳۱۵، محاضرات فی المدخل للصابونی بحوالہ: أسباب اختلاف الفقهاء للترکی)۔

اختلاف رائے صحابہ کے بعد کے ادوار میں:

حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد جب فتوحات اسلامیہ کا دائرہ وسیع ہو گیا، صحابہ کرام مختلف علاقوں میں پھیل گئے، ہر ایک کے پاس سنت رسول کا وہ ذخیرہ ہوا کرتا تھا جو دوسرے کے پاس نہیں ہوا کرتا تھا، ایسے حوادث ونوازل میں وہ اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا کرتے تھے، جن میں نصوص شرعی موجود نہ ہوتی تھیں۔ اس کا ظاہری نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ صحابہ کرام کے تمام فتاوے متفق ہوتے، یہ ناممکن تھا۔ ہر مقام پہ جو صحابہ کرام موجود تھے ان کے علاقہ کے تابعین نے ان سے استفادہ کیا، ان کی شاگردی میں رہے، انہی کے فتاوی کی روشنی میں خود فتاوی دیتے؛ چنانچہ مکہ مکرمہ کے باشندے حضرت ابن عباسؓ کے فتاوی سے متاثر ہوئے۔ مدینہ کے لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر کے فتاوی قبول کئے، کوفہ کے حضرات نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاوی کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا، وھکذا۔ چنانچہ تابعین کے پاس اپنے اپنے علاقے کے صحابہ کرام کی مرویات، ان کے اقوال وفتاوے اکٹھے ہوتے گئے، اور خود حضرات تابعین نے بعض اقوال صحابہ کے درمیان اختلاف ہونے کی صورت میں بعض کو بعض پر ترجیح بھی دی اور جن حوادث ونوازل میں اب تک کوئی پیش رفت نہ ہوئی تھی خود اجتہاد کی ذمہ داری سنبھالی۔ اس طرح تابعین میں سے بھی ہر ہر شہر میں لوگ فقہ وفتاوی کی ذمہ داری نباہنے والے موجود رہے، جن سے وہاں کے رہنے والے حصول علم کیا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرات تابعین میں، مدینہ میں سعید بن المسیب، مکہ مکرمہ میں عطاء بن ابی رباح، کوفہ میں نخعی وشعبی، بصرہ میں حسن بصری، شام میں مکحول اور یمن میں طاوس بن کیسان کو خاصی شہرت حاصل رہی، ان میں سے ہر ایک نے اپنے پاس موجود نصوص شرعیہ اور اقوال صحابہ وفتاوی کی روشنی میں فتوی کا کام انجام دیا، اور بوقت ضرورت اجتہاد سے بھی کام لیا گیا، بسا اوقات ان میں سے ایک کی ترجیحات دوسرے کے مرجحات کے بالکل برعکس ہوا کرتی تھیں؛ کیونکہ ہر ایک کی سوچ الگ الگ تھی اور ان کے مرجحات بھی علیحدہ علیحدہ تھے، چنانچہ حضرت سعید بن المسیب اور ان کے اصحاب، اہل حرمین کو فقہ میں سب سے زیادہ اثبت (مضبوط) مانتے تھے، جبکہ حضرت امام نخعی اور ان کے اصحاب، عبداللہ بن مسعودؓ کو فقہ میں أثبت الناس تسلیم کرتے تھے۔ یہی حال تمام حضرات تابعین کا بھی تھا کہ انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد اپنے پیش رو صحابہ کرام پر رکھی، ان کے فتاوے اور فیصلے جمع کئے اور ان ہی سے وہ متاثر بھی ہوئے،

فكان سعيد بن المسيب وأصحابه يرون أن أهل الحرمين أثبت الناس في الفقه وكان النخعي وأصحابه يرون أن ابن مسعود أثبت الناس في الفقه وهكذا كل من التابعين أصل مذهب من سبقه وجمع فتاواه وأقضيته وتأثر بها (أسباب اختلاف الفقهاء للترکی، ص: ۲۳)۔

ان تابعین عظام کے بعد فقہاء امصار کا ظہور ہوا؛ چنانچہ کوفہ کے افق پر امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور ابن ابی لیلی جلوہ گر ہوئے تو مکہ مکرمہ میں ابن جریج، مدینہ منورہ میں امام مالکؒ اور ابن ماجشون نے فقہ وفتوی کی بساط بچھائی۔ عثمان بتی اور سوار نے بصرہ میں فقہی قیادت سنبھالی، اور اوزاعی نے شام اور لیث بن سعد نے مصر میں اور پھر ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے معاصرین نے فقہ وفتاوی کی امامت سنبھالی۔

ان میں سے تمام حضرات نے اپنے اپنے علاقے کے تابعین سے علوم شریعت بالخصوص فقہ کو اخذ کیا اور جن حوادث ونوازل میں کوئی شرعی نصوص

یا صحابۂ کرام کے فتاوے اور قضایا ناپید رہے، ان میں اپنے اجتہاد سے کام لیا اور ہر ایک اپنے ماحول اور اطراف و جوانب کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

الغرض ہر دور کے علماء وفقہاء نے فقہ وفتاوی کا کام کیا اور ہر ایک کی جستجو یہ ہوتی تھی کہ سائل کے سوال کا جواب جس قدر صحیح دے سکتا ہو، دے۔ کسی کا مقصد شریعت اسلامیہ سے منحرف ہونا ہرگز نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اگر اپنے اجتہاد میں مصیب ہوئے تو دوہرے اجر کے مستحق ہونگے اور اگر مخطی بھی ہوں گے تو ایک ثواب کے ضرور مستحق ہونگے۔

احکام شرعیہ میں اختلاف کی حیثیت: ممدوح یا مذموم:

شریعت اسلامیہ میں موجود اختلاف کی بابت علماء کرام کی گو دو آراء ہیں: ۱۔ ممدوح ۲۔ مذموم، اور دونوں آراء کے قائلین نے اپنے مدعیٰ کے اثبات میں دلائل بھی قائم کیے ہیں، تاہم اگر دونوں طرف کے دلائل کا جائزہ لیا جائے اور اس پر مناقشہ کیا جائے (جس کا یہاں محل نہیں؛ کیونکہ اس مختصر سے مقالہ میں ان تمام چیزوں کی گنجائش کہاں) تو یہ امر واضح ہوجائے گا کہ یہ اختلاف، اختلاف لفظی ہے؛ کیونکہ جنھوں نے اس کی مذمت کی تو ان کی نگاہ اس پر ہے کہ اختلاف کا داعیہ، خواہش نفس کا اتباع ہوا کرتا ہے اور حق کے وضوح کے بعد بھی تعصب کی عینک، حق کو مان لینے سے مانع ہوا کرتی ہے، اور جن لوگوں نے اس اختلاف کو ممدوح قرار دیا ہے، ان کی نگاہ اس امر پر ہے کہ اس اختلاف میں امت کے لئے رحمت کا پہلو ہے، اس اختلاف سے بہت سی مشکلات کا حل نکل آتا ہے، انہی اختلاف آراء کے باعث، ہر قسم کے حوادث ونوازل کے موقع پر ان کے احکام کو جان لینا آسان ہوجایا کرتا ہے۔

علاوہ ازیں دونوں فریق وقوع اختلاف میں متفق ہیں اور اس کا بھی اعتراف ہے کہ حالات و ماحول کا اختلاف، سوجھ بوجھ اور علمی لیاقت اور شرعی نصوص کے فہم میں لوگوں کا مختلف المراتب ہونا بھی اختلاف آراء کا ایک سبب ہے۔

الغرض فروعی مسائل میں اختلاف کا ہونا ایک ناگزیر شئ ہے؛ کیونکہ دین اسلام کی طبیعت وفطرت، عربی زبان ولغت، جس میں اصل دینی سرمایہ-قرآن وحدیث-موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دین کے لئے اسی زبان کو چن لیا ہے، پھر شریعت کے بہت سے احکام منصوص علیہ ہیں اور بہت سے مسکوت عنہ۔ منصوص علیہ میں بھی محکم، متشابہ، قطعی، ظنی، صریح اور مؤول وغیرہ وغیرہ، ان کو سامنے رکھ کر مسکوت عنہ کے احکام کی جانکاری کے لئے عقول انسانی کو اجتہاد واستنباط سے کام لینے کی صلاحیت عطا کی گئی ہے۔

اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی منشا عدم اختلاف کی ہوتی تو وہ اپنی کتاب میں صرف ایسے نصوص ذکر فرماتے، جو سب کے سب محکم اور قطعی الدلالۃ ہوتے؛ تاکہ عقل انسانی کا نہ ان میں اختلاف ہوتا اور نہ اس کی تشریح وتفہیم میں تعدد ہوتا نہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، تاکہ پورا دین اسلام، لغت وزبان، انسانی طبائع وفطرت اور زمانہ کے حوائج وضروریات سے مکمل طور پر ہم آہنگ رہے۔

(ولو شاء الله لأنزل كتابه كله نصوصًا محكمة قطعية الدلالة. لا تختلف فيها الأفهام ولا تتعدد التفسيرات ولكنه لم يفعل ذلك. لتتفق طبيعة الدين واللغة و طبيعة الناس وضروريات الزمن) (آداب الحوار وقواعد الاختلاف/ دکتور عبد اللہ عمر کامل، ص: ۱۹)۔

جب رب کائنات نے نصوص کتاب وسنت میں اختلاف کی گنجائش رکھی ہے تو کسی کا یہ خیال کہ پوری امت کو ایک منہج کا پابند بنادیا جائے، ایک کار عبث کے سوا کچھ بھی نہیں؛ بلکہ اس کا خیال منشاء باری سے متصادم ہے، اختلاف کا رونما ہونا حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہے؛ چنانچہ قرآن کریم خود ناطق ہے:

ولو شاء ربك لجعل الناس أمة واحدة (سورہ ھود/۱۱۸)۔

فتح الباری شرح بخاری میں یہ اثر بھی موجود ہے: لا يزال الناس بخير ما تباينوا فإذا تساووا هلكوا (۱۲/۱۶)

(لوگ اس وقت تک برابر خیریت سے رہیں گے؛ جب تک ایک دوسرے کے ساتھ مباینت اختیار کئے رہیں گے اور جب مساوی ہوجائیں گے تو تباہ وبرباد ہوجائیں گے) یعنی اگر سارے لوگ ایک جیسے اور ایک ہی رتبے کے ہوجائیں گے تو یقیناً یہ تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا، خیریت تو اسی

میں ہے کہ لوگوں میں یگانگت نہ ہو، ورنہ حاکم ومحکوم، امیر وغریب، وعالم وجاہل وغیرہ وغیرہ کا امتیاز ختم ہوجائیگا۔

بادشاہ ہارون رشید ایک روز حضرت امام مالکؒ کے پاس گئے اور حضرۃ الامام سے درخواست کی کہ:

دعنی أبا عبدالله أفرق هذه الكتب التی ألفتها وأنشرها فی بلاد الاسلام، وأحمل عليها الأمة

(اے ابوعبداللہ! آپ اپنی تالیفات کو مجھے بلاد اسلام میں پھیلانے کی اجازت مرحمت فرمادیجئے؛ تاکہ میں امت مسلمہ کو ان کتابوں پر (عمل پیرا ہونے پر) آمادہ کرسکوں)، امام مالکؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

يا أمير المؤمنين! اختلاف العلماء رحمة من الله تعالیٰ، فكل يتبع ما صح دليله عنده، وكل علی هدیً. وكل يريد الله تعالیٰ (جلاء العينين فی محاكمة الأحمدين للسيد نعمان خير الدين، الشهير بابن الآلوسی البغدادی، ص: ۱۷۹)

(امیر المؤمنین! علماء امت کا (جزئیات وفروع کا) اختلاف منجانب اللہ امت اسلامیہ پر ایک (بہت بڑی) رحمت ہے، ہر ایک کے نزدیک جو دلائل صحیح ہیں وہ انکی روشنی میں عمل پیرا ہے، اور ہر ایک ہدایت پر ہے، اور ہر ایک کا مقصود اللہ کو پالینا ہے)۔

یہ جواب دیکر حضرت امام مالکؒ نے ہارون رشید بادشاہ کو پوری امت کو اپنے ایک مسلک کا پابند کئے جانے سے روک دیا، اور ہر ایک کے لئے اپنے دلائل کی روشنی میں عمل کرتے رہنے کی گنجائش چھوڑے رکھی۔

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے امام دارمیؒ نے باب اختلاف الفقہاء میں نقل کیا ہے کہ ان سے عرض کیا گیا کہ کاش! آپ لوگوں کو ایک بات پر جمع کردیتے، جواب میں حضرت نے فرمایا:

"ما يسرنی أنهم لم يختلفوا، ثم كتب إلی الآفاق أو إلی الأمصار ليقض كل قوم بما اجتمع عليه فقهاؤهم

(سنن دارمی ۱/ ۲۲، بحوالہ شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم، ص: ۱۵۴)

(مجھے یہ بات خوش نہ کرتی کہ لوگوں کے درمیان اختلاف نہ ہو، پھر شہروں میں گشتی فرمان جاری فرمایا کہ ہر قوم کو اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے جس پر وہاں کے فقہاء جمع ہوں)۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے علامہ سخاوی کی "مقاصد حسنہ" سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا قول اسی جیسا نقل فرمایا ہے:

"أن عمر بن عبد العزيز كان يقول: ما سرنی لو أن أصحاب محمد ﷺ لم يختلفوا لأنهم لو لم يختلفوا لم يكن رخصة" (مقاصد حسنہ، ص: ۴۹، بحوالہ شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم)

(اگر محمد ﷺ کے اصحاب میں اختلاف نہ ہوتا تو مجھے خوشی نہ ہوتی؛ کیونکہ اس صورت میں امت کے لئے گنجائش نہ رہتی)۔

سوال نمبر ایک کا جواب:

موجودہ دور میں جو حضرات خواہ مصنفین ہوں یا مقررین، یا مدرسین ومعلمین، اپنے مسلک کی ترجیح میں ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں، جس سے دوسرے مسلک اور رائے کی تنقیص ہوتی ہے، یا اس کے خلاف طنز وتعریض ہوتی ہے اور دوسری رائے کی بالکلیہ نفی ہوتی ہے، تو اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ یہ طریقہ نہ تو صحابہ کرام کا رہا ہے اور نہ ہی تابعین عظام وتبع تابعین وحضرات ائمہ مجتہدین-رحمہم اللہ-کا؛ بلکہ ماضی کے ان تمام گروہوں نے اپنے اپنے مخالفین کا بھرپور احترام کیا ہے اور مخالفین کی آراء کے ساتھ نازیبا حرکت یا ناروا سلوک کبھی بھی نہیں ہونے دیا؛ حتی کہ مخالفین کی آراء کو بہتر محمل پر محمول کرنے اور اس کی عمدہ توجیہ وتاویل کرنے کی پوری جد وجہد اور بھرپور کوشش کی ہے۔ ان حضرات کا یہ عمل مخالفین کے ساتھ حسن تأدب اور ادب عالیہ کا بہترین مصداق ہے۔

ادب (۱): مخالفین کی آراء کو اچھے محمل پر محمول کرنا:

علامہ ابن القیمؒ نے صوفیاء کرام کے اقوال (اشارات والفاظ) کی عمدہ توجیہ فرمائی ہے؛ جبکہ ان کے مخالفین نے انہی اشارات والفاظ وکلمات کو سامنے رکھ کر انہیں ملحد اور کافر تک گردان ڈالا، وہ فرماتے ہیں:

'' والعارفون من القوم أطلقوا هٰذه الألفاظ ونحوها وأرادوا بها معانی صحيحة فی نفسها فغلط الغالطون فی فهم ما أرادوه و نسبوهم إلى إلحادهم وكفرهم'' (أدب الاختلاف فی العقائد /إحسان عبد الغفار مرزا: مجلة البحوث الاسلامية ، العدد: ۹۳)۔

ایسے ہی علامہ ابن تیمیہؒ نے حضرت جنید بغدادیؒ کے قول "التوحید إفراد القدم من الحدث" کی توجیہ یوں فرمائی:

قلت هٰذا الكلام فيه احتمال ، والمحق يحمله محملاً حسناً و غير المحق يدخل فيه أشياء و أما الجنيد فمقصوده التوحيد الذى يشير إليه المشائخ وهو التوحيد فى العقيدة والإرادة وما يدخل فى ذلك من الاخلاص و التوكل و المحبة وهو أن يفرد سبحانه و تعالىٰ بهذا كله فلا يشركه فى ذلك محدث (أدب الاختلاف/إحسان مرزا)

(میں کہتا ہوں کہ اس (کلام جنید: التوحید إفراد القدم . . . الخ) میں احتمال ہے۔ حق پسند شخص اس کلام کو اچھے محمل پر محمول کرے گا؛ جبکہ حق کا دشمن شخص اس میں بہت کچھ (اپنے پاس سے) داخل کرے گا۔ رہے حضرت جنید بغدادیؒ تو ان کا مقصود اس کلام سے مشائخ کی اس توحید کو بیان کرنا ہے، جسے وہ توحید فی القصد والارادۃ کے الفاظ سے تعبیر کیا کرتے ہیں؛ چنانچہ اس توحید میں اخلاص وتوکل اور محبت وغیرہ کو حق سبحانہ وتعالیٰ کے لئے تن تنہا ثابت کرنا ہے؛ بایں طور کہ ان میں کہیں بھی شرک کی آمیزش نہیں ہونی چاہئے)۔

عصر حاضر کے بعض علماء ومقررین ومصنفین، جب اپنے مخالف مذہب سے متعلق گفتگو، تحریر یا تقریر کرتے ہیں تو اسلامی آداب تو درکنار، انسانی اخوت ومروت کا دامن بھی ہاتھ سے چھوڑ دیا کرتے ہیں، اور اپنے مخالف مذہب ومسلک کو نیچا دکھانے کے لئے اتنی نیچی سطح پر اتر آتے ہیں کہ الأمان والحفیظ، حالانکہ علمی مخالفت کے اظہار کے لئے بھی آداب واخلاق کو برتنا اتنا ہی ضروری ہے، جتنا کہ عام حالات میں ایک انسان کو دوسرے کے ساتھ بلندئ اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہئے؛ چہ جائیکہ ایک ہی مذہب، ایک ہی اللہ، ایک ہی کتاب اور ایک ہی رسول کے نام لیواؤں میں اس قدر بُعد، اتنی دوری اور اتنی اخلاقی پستی دیکھنے کو ملے کہ اپنے تو اپنے، غیروں کو بھی اس امر کو دیکھ کر شرم آنے لگے۔

ادب (۲): مخالف اقوال وآراء کے خلاف، اظہار رائے سے پہلے تحقیق وتفتیش کی اہمیت:

اپنے مخالفین کے اقوال وآراء کے خلاف، کوئی حکم صادر کرنے، یا کوئی موقف اختیار کرنے، یا ان کے بارے میں کسی قسم کی رائے اور تنقید کرنے سے پہلے، ان کے بارے میں کافی غور وخوض کر لینا انتہائی اہم ہے۔ ایسا نہ کرنے میں خطا اور لغزش کا امکان زیادہ ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایرے غیرے کی سنی سنائی باتوں پر عمل پیرا ہونے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری ہے:

يأيها الذين آمنوا إن جاء كم فاسق بنبأ فتبينوا أن تصيبوا قوماً بجهالة فتصبحوا على ما فعلتم نادمين (حجرات/۶)

(اے ایمان والو! اگر آئے تمہارے پاس کوئی گنہ گار خبر لیکر تو تحقیق کرلو کہیں جانہ پڑو کسی قوم پر نادانی سے پھر کل کو اپنے کئے پر لگو پچھتانے)۔ (ترجمہ شیخ الہند)

ایسے ہی بغیر تحقیق کے باتوں کو نقل کرنا اور افواہوں کو پھیلانے پر بھی شریعت نے قدغن لگائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

واذا جاءهم أمر من الأمن أو الخوف أذاعوا به ولو ردوه إلى الرسول وإلى أولى الأمر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم (النساء/ ۸۳) (اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے کوئی خبر امن کی یا ڈر کی تو اس کو مشہور کردیتے ہیں اور اگر اسکو پہنچادیتے رسول تک اور اپنے حاکموں تک تو تحقیق کرتے اسکو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی)۔ (ترجمہ شیخ الہند)

عصر حاضر میں لوگوں میں علم کی کمی، ضعف ایمانی اور خواہش نفسانی کی ہر جگہ حکمرانی نظر آتی ہے نیز دوسروں پر جھوٹا الزام لگانے میں کوئی عار ہے اور نہ شرم وحیا، اخبارات ورسائل اور مجلات میں علماء کرام پر بے جا اعتراضات، اور دعاۃ کا ایک دوسرے پر رکیک حملے اور آپس میں فتنہ انگیزی، یہ سب ایسے امور ہیں جن سے بین المسالک نفرتوں میں اضافہ کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، اس لئے کسی کے بارے میں کچھ کہنے سننے سے پہلے تحقیق وتفتیش انتہائی ناگزیر ہے۔

ادب (۳): کسی مخالف کی رائے پر نقد و تبصرہ کرنے سے پہلے کہنے والے کی بات کا احاطہ ضروری ہے:

بہت سے علماء وفقہاء کا یہ اصول ہوا کرتا ہے کہ وہ اپنی بات کسی ایک موضوع سے متعلق کبھی بصیغہ اجمال بیان کرتے ہیں، کبھی تفصیل ہوا کرتی ہے، کبھی ان کا کلام مطلق ہوا کرتا ہے اور کبھی مقید، اور کبھی ایک ہی مسئلہ میں ان کی رائے آخر میں بدل بھی جاتی ہے؛ لہٰذا کسی کے خلاف کچھ کہنے سننے اور لکھنے سے پہلے اس کے جملہ اقوال وآراء کو سامنے رکھنا ضروری ہوگا۔ اسی کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ علماء کے خلافات اور ان کے تمام ادلہ سے واقفیت بھی نہایت ضروری ہے، کسی شخص کو اپنے ہی مسلک ومذہب اور اس کی رائے کو صحیح سمجھنا اور دوسرے مسلک ومذہب کو باطل سمجھنا، انتہائی گمراہ کن اور فتنہ انگیزی کی بات ہے،

فالتعصب لمذہب واحد واعتقاد أن کل من خالفه مخطئ أمر یجر إلى فتن عظیمة (آداب الحوار للدکتور عمر کامل: ص ۴۲)

ادب (۴): اختلافات کو کتاب وسنت پر پیش کرنا:

کسی معاملہ میں اختلاف کو حل کرنے کے لئے وہی روش اختیار کی جانی چاہئے جو سلف صالح کی تھی۔ قال تعالیٰ: فإن تنازعتم فی شئ فردوہ إلى الله والرسول (نساء/۵۹) [پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے] (ترجمہ شیخ الہند)۔

پیش آمدہ امور میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی نص کی موجودگی میں اسی پر اعتماد کیا جانا چاہئے، بصورت دیگر اجماع امت کو دیکھا جائے گا، ورنہ پھر اجتہاد سے کام لیا جائے گا۔ عصر حاضر میں اجتماعی غور وخوض زیادہ مناسب ومفید ہے۔

ادب (۵): منہج اعتدال کو اپنانا:

اسلام ایک معتدل مذہب ہے، یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، تکلیف مالا یطاق کا یہاں گذر نہیں ہے؛ اس لئے تشدد کی راہ اپنانا درست نہیں ہوسکتا، اسلام اس کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔

فالتشدد منہج ینبذہ الإسلام فلابد إذًا من رخصة و تیسیر علی الناس و مراعاة ظروفہم (آداب الحوار لعمر کامل، ص: ۴۲)۔

اللہ تعالیٰ نے بھی تخفیف اور سہولت کو اپنانے کا مشورہ دیا ہے: یرید الله أن یخفف عنکم وخلق الإنسان ضعیفا (نساء/۲۸) [اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان بنا ہے کمزور] ایک دوسری آیت میں یوں ارشاد باری موجود ہے: ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج (مائدہ/۶) [اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر تنگی کرے]

ادب (۶): دلائل قطعیہ اور دلائل ظنیہ کے درمیان امتیاز کئے جانے کی ضرورت:

اختلاف کے مواقع میں محکم دلائل پر ترکیز کی جانی چاہئے، متشابہ دلائل سے اجتناب ضروری ہے، اور یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ نصوص شرعیہ کی چند صورتیں پائی جاتی ہیں:

۱۔ قطعی الثبوت قطعی الدلالة۔
۲۔ قطعی الثبوت ظنی الدلالة۔
۳۔ ظنی الثبوت قطعی الدلالة۔
۴۔ ظنی الثبوت ظنی الدلالة۔

قطعی الثبوت ادلہ کا مصداق صرف قرآن کریم اور سنت متواترہ ہیں۔ رہیں وہ احادیث آحاد جو صحیح سندوں سے مروی اور محفوف بالقرائن ہیں اور ان احادیث کو تلقی بالقبول بھی حاصل ہے، یہ بھی لائق استناد ہیں، اگر کسی کے مستدلات میں اس قسم کے دلائل موجود ہوں تو اس کے خلاف محاذ آرائی کسی بھی طرح درست نہیں کہی جاسکتی (أدب الحوار لعمر کامل، ص: ۴۲)۔

ادب (۷): اجتہادی مسائل میں قطعیت سے پرہیز ضروری ہے:

کسی کا اجتہاد، اگر اصول فقہ کے بیان کردہ اصول اجتہاد ومناہج استنباط کی روشنی میں طے پایا ہو تو اس مجتہد کے اجتہاد کا انکار ہرگز نہیں ہونا

چاہئے؛ چنانچہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کے اجتہاد کا انکار جائز نہیں، جس طرح ایک مسلک کے مقلد کو دوسرے مسلک کی تقلید کرنے والے پر انکار اور نکیر جائز نہیں، اگر اس معاملہ میں توسع سے کام نہیں لیا جائے گا تو اس کے نتیجے میں فتنۂ عظیم برپا ہوگا (ادب الحوار للکامل، ص: ۴۳)۔

ادب (۸): علماء کرام کے اختلافات اور ہر ایک کے دلائل سے پوری واقفیت ضروری:

جو لوگ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کام میں مشغول ہوں، انہیں علماء وفقہاء کے اختلافات، نیز ہر ایک کے دلائل سے بخوبی واقفیت ضروری ہے؛ تاکہ عوام الناس جو کہ کسی نہ کسی عالم، فقیہ یا امام کے متبع ومقلد ہوا کرتے ہیں، ان پر کسی ایسی چیز پر نکیر نہ کردے جو خود اس مقلد کے امام سے ثابت شدہ مسائل میں سے ہو، اور اس امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے والے کے مسلک کے خلاف ہو تو ایسی صورت میں فتنۂ عظیم برپا ہوسکتا ہے۔ اختلاف بین العلماء والفقہاء ضروریات حیات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ولو شاء ربك لجعل الناس أمة واحدة (ہود/۱۱۸) [اور اگر تمہارا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی امت (جماعت) بنادیتا] اور اس طرح آپس میں کسی کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہ ہوتا، اس لئے اختلاف کا ہونا فطری شئ ہے اور اس کے خاتمہ کی کوشش کرنا ناممکن اور ایک غیر فطری عمل میں توانائی کی اضاعت ہے، اور اس کی کسی بھی حالت میں حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی۔

اس لئے کسی ایک مسلک کو تعصب کے لئے اختیار کرنا اور دیگر تمام مسالک کے لوگوں کو درخور اعتنا نہ سمجھنا اور ان کی مخالفت پر ہمہ وقت کمربستہ رہنا اور ان کی تغلیط کرتے رہنا، ایک عظیم فتنہ ہے۔ اس قسم کے اختلافات خود ائمہ متبوعین کے دور میں بھی تھے؛ لیکن ان میں سے کسی نے ایک دوسرے کو متہم نہیں کیا اور نہ ہی اپنی رائے اور خیالات کو دوسرے پر تھوپنے کی کوشش کی۔

لقد كان الخلاف موجودا في عصر الأئمة المتبوعين الكبار كأبي حنيفة ومالك والشافعي وأحمد والثوري والأوزاعي وغيرهم ولم يحاول أحد منهم أن يحمل الآخرين على رأيه أو يتّهم في علمهم أو دينهم من أجل مخالفتهم (أدب الحوار لعمر كامل، ص: ۳۱)۔

ادب (۹): مقاصد شریعت پر نظر رکھنا:

مقاصد شریعت پر نگاہ کا ہونا نہایت اہمیت کا حامل ہوا کرتا ہے، بالخصوص عصر حاضر میں معاملات کی تسہیل اور عمل کو آسان بنانے میں اس کی کافی اہمیت ہوا کرتی ہے؛ لہٰذا اس امر کا پیش نظر رہنا بھی دعوت وتبلیغ کے میدان میں کام کرنے والوں کے لئے نہایت ضروری ہوگا۔ مقصدیت کو پیش نظر رکھے جانے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: انما الأعمال بالنيات وانما لكل امرئ ما نوى سے بھرپور روشنی پڑتی ہے (ادب الحوار، ص: ۳۲)۔

ادب (۱۰): عمل قلب کو عمل جوارح پر مقدم رکھنا ضروری ہے:

دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام کرنے والے لوگوں کو اپنے اندر اخلاص نیت پیدا کرنا نہایت ضروری امر ہے، اخلاص کو دیگر اعمالِ جوارح پر تقدم حاصل ہونا ضروری ہے؛ کیونکہ تمام فضیلتوں کا ماویٰ وملجا قلب ہی ہوا کرتا ہے، فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

إن الله لا ينظر إلى أجسامكم وصوركم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم (مسلم، رقم الحديث: ۲۵۶۴)
[اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور صورتوں کو نہیں دیکھا کرتے؛ بلکہ وہ تمہارے قلوب اور اعمال کو دیکھا کرتے ہیں]۔

دور حاضر میں اس عنصر کی کمیابی روز روشن کی طرح عیاں ہے، اکثر مسلکی اختلافات میں اس چیز کا فقدان نظر آتا ہے؛ بلکہ زیادہ تر مواقع میں خواہش نفس کا دور دورہ دیکھنے کو ملتا ہے اور ہر شخص اپنے من کا پجاری بنا ہوا ہوتا ہے۔

ادب (۱۱): مسلمانوں کی پریشانیوں پر فکر مند ہونا:

جو شخص مسلمانوں کے معاملات اور حالات کی فکر نہیں کرتا، وہ مسلمانوں کے گروہ سے باہر ہے، فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: من لم يهتم بأمر المسلمين فليس منهم۔ آج دنیا کا مسلمان ایک دو پریشانیوں سے دوچار نہیں؛ بلکہ ہمہ جہت مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ اقتصادی ظلم وزیادتی کا بھی وہ شکار ہے، سیاسی طور پر بھی اس کی کوئی حیثیت نہیں، علاوہ ازیں معاشرتی اور سماجی معاملات میں اس کا کوئی وزن نہیں، آپسی پھوٹ، اختلاف و

انتشار اور جتنا منہ اتنی بات، کسی ایک رائے پر متحد ہونے کو تیار نہیں، اس کا کوئی قائد نہیں اور نہ ہی یہ کسی کو اپنا قائد تسلیم کرنے کو تیار وآمادہ۔ اب کس وقت کا انتظار ہے جب امت محمدیہ میں اتفاق واتحاد پیدا ہوگا۔

ادبٌ (۱۲): متفق علیہ امور میں تعاون کی اشد ضرورت:

امت مسلمہ کی مشکلات فی زمانہ، دو یا چند مختلف فیہ آراء میں سے کسی ایک کو از روئے اجتہاد یا تقلید ترجیح دینے میں نہیں ہے؛ بلکہ حقیقت میں امت مسلمہ کی سب سے بڑی دقت اور پریشانی، اس کے متفق علیہ امور کو برباد کئے جانے میں ہے۔ مشکل یہ نہیں کہ کون آیات واحادیث صفات کی تاویل کرتا ہے- اگر چہ اسلم وارجح اس معاملہ میں سلف صالح کا مذہب ہی ہے- بلکہ تمام تر مشکل تو اس کی ہے جو سرے سے ذاتِ باری وصفاتِ باری ہی کا منکر ہے۔ مشکل اس کی نہیں ہے کہ استوٰی علی العرش کا معنیٰ "استولٰی علی العرش" ہے، یا استوٰی علی العرش کنایہ ہے ذاتِ باری کی عظمت وسلطنت سے؛ بلکہ مشکل تو اس بات کی ہے کہ کوئی سرے سے عرش الٰہی کا ہی انکار کرتا ہو۔

مشکل اس میں بھی نہیں کہ دورانِ صلاۃ کوئی بسم اللہ جہراً پڑھتا ہے یا سراً، ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتا ہے یا ارسال کر کے، یا رکوع میں جانے اور اس سے اٹھنے میں رفع یدین کرتا ہے یا نہیں، وھلم جرا۔ مشکل تو سب سے بڑی اس کی ہے جو سرے سے ایک دن بھی اللہ کے سامنے جھکتا ہی نہیں، نہ رکوع کرتا ہے اور نہ ہی سجدہ؛ بلکہ وہ مسجد ہی کو نہیں جانتا اور نہ مسجد نے اسے آج تک جانا۔

انما مشکلۃ المسلمین فیمن لا ینحنی یومًا راکعًا ولا یخفض جبہتہ للّٰہ ساجدًا ولا یعرف المسجد ولا یعرفہ المسجد (أدب الحوار لعمر کامل، ص: ۲۴)۔

مسلمانوں کی پریشانی اس میں بھی نہیں کہ رمضان یا شوال کے ہلال کے ثبوت میں کن مذاہبِ معتبرہ کا وہ پابند ہے؛ بلکہ ان کی سب سے بڑی پریشانی تو اس امر میں ہے کہ ان کے سامنے رمضان کا مقدس مہینہ آئے اور ایسے ہی گذر جائے، جیسے کہ ان پر شوال یا شعبان کے مہینے گذر جایا کرتے ہیں، نہ اسے روزے کی فکر ہے، نہ اس کا پتہ کہ قیام لیل کس بلا کا نام ہے؛ کیونکہ وہ تو ایام رمضان میں دھڑلے سے کھاتا پیتا اور موجیں اڑاتا ہے، نہ اللہ کا خوف ہے اور نہ مسلمانوں سے کوئی شرم وحیا۔

مسلمانوں کی مشکل اور پریشانی اس میں بھی نہیں کہ ان کی عورتیں اپنے چہرے پر نقاب اور ہاتھوں میں دستانے پہنتی ہیں یا نہیں؛ بلکہ اصل پریشانی تو اس کی ہے کہ اس کی عورتیں ننگے سر گھومیں، ان کے سینے اور ان کی پیٹھیں ساتر لباس سے عاری وخالی ہوں، اگر لباس ہے بھی تو نہایت چست اور ایسا صاف وشفاف کہ لباس کے باوجود بے لباسی کا منظر پیش کرتا ہو۔ یہ اور اس قسم کے حیا سوز امور روز مرہ کا معمول بن چکے ہیں، جن سے انسانیت کی پیشانی شرم سے جھکی جاتی ہے، سب سے بڑی پریشانی ان امور کی ہے۔

تو دراصل مسلمانوں کی حقیقی پریشانی، ان کے عقیدے کی کمزوری، اور ان کا شریعت مطہرہ کو پس پشت ڈال دینا ہے۔ اخلاقی گراوٹ اور بے حیائی کا عموم، نمازوں کی بربادی، زکوۃ کی عدم ادائیگی، خواہش نفسانی کی غلامی، رشوت کا دور دورہ، وعدوں اور عہدوں کی عدم پاسداری، ہر قسم کے معاملات میں بے راہروی، اصلی فرائض سے انحراف اور چشم پوشی، قطعی محرمات کا کھلے بندوں ارتکاب اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے دشمنوں سے دوستانہ رکھنے میں ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام کے داعیوں کا اصل اور سب سے اہم کام، امت میں متفق علیہ امور پر توجہ مرکوز کرنے میں ہے اور انہی امور متفق علیہ میں آپسی تعاون وقت کی اہم ضرورت اور دینی فریضہ ہے۔

رہا جزئیات کا اختلاف اور اس میں اپنی طاقت کا استعمال، یہ بالکل بے جا اور لایعنی امر ہے، جس میں امت اسلامیہ کے دعاۃ الجھ کر اصل فرائض منصبی سے غافل ہو چکے ہیں۔ اللہ کے یہاں اس کی پوچھ نہیں ہوگی کہ تم نے کتنے حنفیوں کو شافعی المسلک یا سلفی بنایا، ہاں اس کی پوچھ ضرور ہوگی کہ تم نے کتنے بے نمازیوں کو نمازی بنایا، کتنے روزہ نہ رکھنے والوں کو روزے دار بنایا، کتنے زکوۃ نہ ادا کرنے والوں کو ادا کرنے والا بنایا، کتنے مالداروں کو؛ جنہیں اللہ نے مال ودولت کی فراوانی عطا فرما رکھی تھی اور وہ حج کے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہو سکے، تم نے ایسے کتنوں کو آمادہ حج کیا۔ وعلی ھذا القیاس۔

جواب (۲):

دیو بندی بریلوی اختلافات، سلفی غیر سلفی اختلافات یا شیعہ سنی اختلافات سے متعلق اختلافی موضوعات پر گفتگو، مذاکرہ اور تبادلہ خیالات کا طریقہ اور اس معاملہ میں سب سے اہم اصول وہی ہے جو اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اور وہ ہے: التعاون فی الأمور المتفق علیها۔ یہ سارے اختلافات دور کرنے اور اس کی حدت کو کم کرنے کی ماسٹر کنجی (Master Key) ہے۔ علاوہ ازیں مخالفین کے ساتھ مذاکرہ کے لئے ہمیں:

۱۔ آدمیت (انسانیت)

۲۔ اسلامی رشتۂ اخوت

۳۔ علمی قرابت (رحم العلم)

کے اصول پر بھی گامزن ہونا ضروری ہوگا۔

اس سلسلے میں ڈکتور محمد عوامہ شامی -حفظہ اللہ- رقم طراز ہیں:

للعقلاء المخلصين نظرة أخرىٰ إلى المخالفين وهي أسمىٰ من النظر إلى القول المختلف فيه. إنهم ينظرون إلى الوشائج التي تربطهم بمخالفيهم: أولها: الآدمية، ثانيها: الإسلام، ثالثها: رحم العلم۔

اگر مخالفین میں علمی قرابت سے کام نہیں چل رہا ہے تو اسلامی اخوت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے مخالف سے مذاکرہ کرے؛ لیکن علمی قرابت کارآمد نہ ہو رہی ہو اور نہ ہی اخوت اسلامی مفید ثابت ہو رہی ہو تو آخری حربہ کے طور پر انسانیت اور آدمیت کے رشتہ کو بروئے کار لاتے ہوئے مخالف سے گفتگو اور مذاکرہ میں مدد لینی چاہئے، خدا چاہے گا تو اس کا کام ضرور بنے گا اور باہمی نفرت کی دیوار ضرور بالضرور منہدم ہو کر رہے گی اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا مزاج بن سکے گا۔

ڈاکٹر محمد عوامہ -حفظہ اللہ- نے انسانیت اور اس کی آزادی کا خیال رکھنے کے سلسلے میں ایک واقعہ سے استناد کیا ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس کی افادیت کے پیش نظر ہم بھی اسے نقل کرتے ہیں:

''قال عمرو بن العاص ﷺ لابن أبي ربيعة في أحد مواقفه: ''لأنبأنهم غدًا للنجاشي وأصحابه عيبهم عندهم أي عيب المسلمين عند النجاشي و أصحابه ثم أستاصل خضراء هم فقال له ابن أبي ربيعة وكان أخي أبي جهل لأمه: لا تفعل فان لهم أرحامًا وإن خالفونا'' (أدب الاختلاف للدكتور محمد عوامه)

اس کے چند سطر بعد ڈاکٹر محمد عوامہ تحریر فرماتے ہیں: فاتعظ واستفد ولا يكن هذا الذي كان كافرًا ثم أسلم رضي الله عنه أعقل و أرحم وألطف منك على إخوانك في الآدمية والدين والعلم (أيضًا ص: ۸۲)

[اے مخاطب! تم اس واقعہ سے نصیحت حاصل کرو اور خوب فائدہ اٹھاؤ اور وہ کافر جو بعد میں مسلمان بن گیا تھا تم سے زیادہ عقل مند، ترس کھانے والا، اور تم سے زیادہ اپنے مسلمان بھائیوں پر، آدمیت، دین اور علم کے معاملہ میں شفقت اور محبت کا برتاؤ کرنے والا نہ ہو جائے]۔

واقعۃً اس کافر کی انسانیت سے ہم مسلمانوں کو عبرت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

جواب (۳):

جس فکر یا عقیدے کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہو؛ لیکن اس کی بنیاد پر تکفیر کا قائل نہ ہو تو ایسے لوگوں سے گفتگو اور مذاکرہ کرتے وقت صحیح عقیدے کی ترجمانی اور وضاحت کی جانی چاہئے اور حتی المقدور اس مخالف کو اس کے غلط فکر اور غلط عقیدے کی کمزوری کو کتاب و سنت کے دلائل کی روشنی میں سامنے لانا چاہئے، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اس کے سینے کو حق کے قبول کرنے اور سمجھنے کے لئے کھول دے۔

سلف صالح نے تمام گمراہ فرقوں (معتزلہ، خوارج وروافض وغیرہ) کی گمراہیوں اور ضلالات کو کتاب وسنت کی روشنی میں مبرہن فرمایا اور وجادلهم بالتي هي أحسن کے جادۂ مستقیم پر گامزن ہوتے ہوئے افہام وتفہیم کی کوشش کرتے رہے؛ لیکن ان کے اوپر حتی الامکان کفر کا فتویٰ نہیں لگایا، اگر کسی میں ۹۹ وجہیں کفر کی بنتی تھیں اور صرف ایک وجہ اس کے عدم تکفیر کی تھی تو اسی عدم تکفیر ہی پر عمل پیرا ہوئے۔

یہاں ہم دو مثالیں سیرت نبویہ سے پیش کرتے ہیں، جن میں سے ایک میں ایک کافر ومشرک کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے گفتگو اور مذاکرہ فرمایا ہے، اور دوسری مثال ایک مسلم نوجوان کے ساتھ مذاکرہ کی ہے، جو برائی کرنے کا خواہاں تھا، اس سے بھی حضور اکرم ﷺ نے کس انداز سے مذاکرہ فرمایا، غور کرنے کے قابل ہے۔

ابن خزیمہ نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ قریش کے لوگ حضرت عمران بن حصین کے والد، حصین کے پاس اکٹھا ہو کر گئے (قریش کے دلوں میں حصین کی بڑی عزت تھی)، انہوں نے حصین سے کہا: آپ اس آدمی (محمد) سے باتیں کیجئے، یہ شخص ہمارے معبودوں کو غلط اور برا بھلا کہتا ہے؛ چنانچہ وہ حصین کو ساتھ میں لیکر حضور اکرم ﷺ کے دروازے پر آکر بیٹھ گئے، نبی اکرم ﷺ نے (ان لوگوں کو دیکھ کر فرمایا): شیخ یعنی (حصین) کو کشادہ جگہ دے دو، وہاں پر حصین کے صاحبزادے-عمران- اور دیگر صحابہ کرام پہلے ہی سے موجود تھے۔

حصین نے نبی اکرم ﷺ سے کہا: یہ کیا بات ہے، جو مجھے تمہارے بارے میں سننے کو مل رہی ہے کہ تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہو؟

نبی اکرم ﷺ نے حصین سے فرمایا: حصین! یہ بتاؤ، تم کتنے معبودوں کی پوجا کرتے ہو؟

حصین نے کہا: زمین کے سات معبودوں کی اور آسمان کے ایک کی۔

نبی اکرم نے فرمایا: جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کسے پکارتے ہو؟

حصین نے کہا: اس کو جو آسمان میں ہے۔

نبی نے فرمایا: تو تمہاری دعا اور پکار تو ایک قبول کرتا ہے اور تم اس ایک کے ساتھ غیروں کو شریک کرتے ہو، کیا تم اس سے شکر گزاری میں راضی رہتے ہو یا تمہیں اس کا خوف ہے کہ وہ تم پر غالب (نہ) آجائے؟

حصین نے کہا: ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں ہے؛ نیز یہ بھی کہا: مجھے پتہ ہے کہ میں نے اس کے مثل سے بات نہیں کی (وعلمت أني لم أكلم مثله)۔

نبی اکرم نے فرمایا: حصین! مسلمان ہو جاؤ، محفوظ رہو گے (يا حصين! أسلم تسلم)۔

حصین نے کہا: میں اپنی قوم اور اپنے خاندان کے لوگوں کو کیا جواب دوں گا (إن لي قوما وعشيرة فماذا أقول؟)۔

نبی اکرم نے فرمایا: قل: اللهم إني استهديك لأرشد أمري وأسألك علما ينفعني
[اے اللہ! میرے لئے بہترین راستہ کی مجھے ہدایت فرمادے اور مجھے علم نافع عطا فرمادے]۔

حصین نے یہ جملے دہرائے اور اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اسلام قبول کرلیا۔ یہ دیکھ کر ان کے بیٹے حضرت عمران ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور اپنے باپ کے سر، دونوں ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا۔ یہ منظر دیکھ کر نبی اکرم ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہوئے بغیر نہ رہ سکیں (الحوار الحضاري والثقافي، ص: ۳۰۷، ۳۰۸، مقال: دکتور محمود عکام)۔

دوسرا واقعہ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے معجم میں نقل کیا ہے کہ، ایک آدمی نبی اکرم ﷺ کے پاس زنا کی اجازت طلب کرنے کے لئے حاضر ہوا، حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس فعل کو اپنی بیٹی کے ساتھ ہونا پسند کرو گے؟

اس نے جواب دیا: نہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ایسے ہی کوئی شخص بھی اس فعل کے لئے راضی نہ ہوگا (كذلك الناس لا يرضونه)۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم اس فعل کو اپنی ماں کے ساتھ کئے جانے کو پسند کرو گے؟ (أترضاہ لأمک ؟)۔

اس نے کہا: نہیں (فقال الرجل: لا)۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسے ہی دوسرے لوگ بھی اپنی ماں کے ساتھ پسند نہیں کریں گے، (کذلک الناس لا یرضونہ)

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے سے قریب کیا، اس کے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے یہ دعا ارشاد فرمائی: اللھم طھر قلبہ وحصن فرجہ واغفر ذنبہ [اے اللہ! اس کے قلب کو گناہوں سے پاک کر دیجئے، اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما دیجئے اور اس کے گناہ بخش دیجئے]۔

وہ آدمی کہنے لگا: جب میں آپ کی محفل میں داخل ہوا تھا تو میرے دل میں زنا سے زیادہ کوئی چیز پسندیدہ نہ تھی اور اب جبکہ میں آپ کے پاس سے نکل رہا ہوں تو میرے قلب میں زنا سے زیادہ کوئی چیز مبغوض اور ناپسندیدہ نہیں ہے (الحوار الحضاری والثقافی ص: ۳۰۸، مقال: دکتور محمود عکام)۔

ان دونوں واقعوں میں ہمارے لئے غیر مسلموں اور گنہگار اور گمراہ مسلمانوں سے مذاکرہ کرنے کے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ ہے۔

جواب (۴):

موجودہ وقت میں شیعہ سنی اختلافات کا بھیانک شکل اختیار کر لینا اور اس کے نتیجے میں مختلف ملکوں میں قتل وخونریزی کا بازار گرم ہونا، جس کے پیچھے یقیناً دشمنان اسلام کی منصوبہ بند سازش کی کارفرمائی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ایک فرقہ کا دوسرے فرقہ کے لوگوں کو بے تحاشہ قتل کرنا اور اسے کار ثواب سمجھنا، یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسلام تو کافر حربی کو جب کہ وہ امن لیکر دار الاسلام میں آتا ہے تو اس کی جان ومال اور عزت وآبرو کی ویسے ہی حفاظت کی ذمہ داری مسلمان حاکم کو دیتا ہے جیسے کہ ایک مسلمان کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اس کے اوپر عائد ہوتی ہے؛ حتی کہ اگر کوئی مسلمان کسی کافر ذمی کو قتل کر دیتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ اس کے بدلہ میں اس مسلمان کے قتل کئے جانے کے قائل ہیں، تو فقط مسلمانوں کے کسی فرقہ کی گمراہی یا کفر کی بنا پر کب قتل کی اجازت ہو سکتی ہے؟ ایسے میں شیعہ سنی میں سے کسی ایک کا دوسرے کی مساجد پر حملے کرنا، ایک دوسرے کے علماء اور اہم شخصیات کو قتل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

اس وقت عالم اسلام کے مختلف ملکوں (شام، عراق، یمن اور پاکستان) وغیرہ میں جاری خونریزی اور آویزش جو شکل اختیار کر چکی ہے، اس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں؛ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب دو مسلمانوں میں سے کوئی ایک دوسرے پر ہتھیار اٹھاتا ہے تو وہ دونوں جہنم کے گڈھے پر ہوتے ہیں؛ چنانچہ ان میں کا ایک دوسرے کو قتل کر دیتا ہے تو وہ دونوں جہنم میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے کہ جب دو مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے اپنی تلواروں کے ساتھ ملتے ہیں تو وہ دونوں جہنم میں ہوں گے، راوی نے حضور سے پوچھا: قاتل کا جہنم میں جانا تو سمجھ میں آتا ہے؛ لیکن مقتول کیوں جہنم میں جائے گا؟ آپ نے فرمایا: کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے قتل کے حریص وخواہاں تھے۔

’’عن أبي بکرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: إذا التقی المسلمان حمل أحدھما علی أخیہ السلاح فھما فی جرف جھنم فإذا قتل أحدھما صاحبہ دخلاھما جمیعًا، وفی روایۃ عنہ قال: إذا التقی المسلمان بسیفیھما فالقاتل والمقتول فی النار، قلت: ہذا القاتل فما بال المقتول، قال: انہ کان حریصًا علی قتل صاحبہ (متفق علیہ/مشکاۃ شریف، ص: ۳۰۷)۔

اس خونریزی کو روکنے کے لئے ان ممالک کے اصحاب فکر ودانش اور سلجھے دماغ کے لوگوں کو آگے آنا ہوگا، ہر طبقہ کے سنجیدہ لوگوں کا ایک جگہ بیٹھ کر کوئی ٹھوس لائحہ عمل تیار کر کے عوام وخواص سب کے اتحاد واتفاق کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہونا ہوگا، اور سب سے بڑھ کر اس سلسلے میں اسلامی اخوت کے رشتہ کو عملی طور پر کام میں لانا ہوگا، تبھی جا کر اس پُر پیچ مسئلہ کا حل نکل سکتا ہے، اور یہ بھی نہیں کہ اس مسئلہ پر چند دنوں میں ہی قابو پا لیا جا سکتا ہے؛ بلکہ اس الجھی ہوئی گتھی کو سلجھانے میں کافی وقت بھی لگ سکتا ہے؛ کیونکہ مرض جسقدر گمبھیر ہوتا ہے اس کے علاج ومعالجہ میں اتنی ہی دقت اور وقت بھی درکار ہوا کرتا ہے۔

اس سلسلے میں گفتگو کا نقطۂ آغاز متفق علیہ امور سے ہی ہونا چاہئے؛ تاکہ آپس میں افہام وتفہیم کا ماحول پیدا ہوکر اعتماد واتفاق کی فضا ہموار ہوسکے

إن بدأ الحديث والحوار بمواطن الاتفاق طريق إلى كسب الثقة و فشو روح التفاهم و يصير به الحوار هادئًا و هادفًا (من خطاب الشيخ صالح بن حميد)۔

جواب (۵): شیعہ سنی یا مسلم اور غیر مسلم فرقوں کا ایک آبادی میں باہمی امن وآشتی کے ساتھ زندگی گذارنے کے چند شرعی اصول وآداب:

اسلام کی آمد کا مقصد دنیا میں یہ ہے کہ وہ ایک اللہ کی عبادت کے عظیم مقصد کی تکمیل کرے؛ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں اور جنوں کی تخلیق فرمائی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون. اس عظیم مقصد کی تکمیل اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ بنی نوع انسان کو اس زمین پر امن وسکون میسر ہو، دنیا کا امن وامان ایک ایسی اہم شئ ہے، جس کے لئے اسلام نے واضح قوانین تشکیل دیئے ہیں اور مسلمانوں نے ان قوانین پر صدیوں عمل کر کے دنیا کو گہوارہ امن وچین بنا کر دکھا بھی دیا ہے، جس کی نظیر دنیا نے خلافت اسلامیہ کے ٹوٹنے سے پہلے تک اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لیا ہے۔

اسلام نے جن امور کو انسانی امن وآشتی کے لئے بنیادی اساس قرار دیا ہے، ان میں سے درج ذیل امور اہمیت کے حامل ہیں:

(۱) انسانی وحدت کی اصل:

قرآن کریم نے متعدد مواقع پر اس امر کو واضح کیا ہے کہ تمام انسانوں کی اصل -خواہ وہ کسی بھی رنگ ونسل کے ہوں، یا کسی ملک یا جغرافیہ سے ان کا تعلق ہو، ایک ہیں، سب کا باپ ایک ہے اور سب کی ماں بھی ایک ہے، اسی حقیقت کو بایں الفاظ بیان کیا گیا ہے:

يأيها الناس اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبث منهما رجالا كثيرًا ونساءً (نساء/۱).

(۲) انسانی کرامت ہر فرد بشر کے لئے ہے:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سارے انسانوں کو احسن تقویم میں پیدا فرمایا ہے اور اشرف المخلوقات کے تمغے سے نوازا ہے؛ جسے اللہ پاک نے ان آیات میں بیان فرمایا ہے: لقد خلقنا الإنسان في أحسن تقويم (تین/ ۴) [بلاشبہ ہم نے (سارے) انسانوں کو بہترین سانچے میں پیدا کیا ہے]، دوسری جگہ ارشاد ہے:

ولقد كرمنا بني آدم وحملناهم في البر والبحر ورزقناهم من الطيبات وفضلناهم على كثير ممن خلقنا تفضيلًا (اسراء/۷۰).

انسانیت کی تکریم کا یہ معاملہ، اللہ پاک نے سارے انسانوں کے لئے طے کررکھا ہے، یہ خالق کی طرف سے ان پر خصوصی عنایت ہے؛ جس میں کسی کے لئے اس کرامت کو اپنے لئے خاص کرنے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی گئی ہے، اللہ کے نبی نے اس نقطہ کو یوں واضح فرما دیا ہے:

لا فضل لعربي على عجمي ولا لأبيض على أسود إلا بالتقوىٰ۔

(۳) بشریت کی تقسیم رنگ وبو سے شرعاً باہمی تعارف وتوافق مطلوب ہے نہ کہ تقاطع اور تصارع:

خالق کائنات کی حکمت اس بات کی متقاضی ہے کہ تمام انسانوں کو مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا جائے اور اس میں مصلحت، باہمی تعارف وتآلف ہے نہ کہ آپسی ٹکراؤ اور تنافر۔

(۴) انسانی زبان ورنگت کا اختلاف، یہ تنوع کا اختلاف ہے نہ کہ تضاد کا اختلاف:

اللہ پاک کی حکمت اس امر کی بھی مقتضی تھی کہ اس نے بنی نوع انسان کو مختلف شکل وصورت، مختلف رنگ وآہنگ اور بھانت بھانت کی زبانیں اور بولیاں بولنے کی قدرت عطا فرمائی، یہ سب اس کے مصالح کے تقاضے ہیں، اس اختلافِ رنگ وبو کے ذریعہ دنیاوی زندگی میں تنوعات پیدا ہوئے

، جہاں اس اختلاف میں ایک طرف یہ کشش رکھ دی گئی کہ مختلف اذواق کی تسکین کا سامان بہم پہنچا، وہیں اس اختلاف کے قائم کرنے میں انسانوں کی آزمائش بھی مقصود ہے؛ چنانچہ آزمائش کی مختلف شکلیں شرعی طور پر یوں مقرر ہوئیں:

۱۔ رنگ ونسل اور شکل وصورت کے اختلاف کی بنا پر آپس میں تفاضل ناجائز قرار پایا۔

۲۔ شکل وصورت اور رنگ ونسل کا اختلاف، تنوع کا اختلاف ہے نہ کہ تضاد اور دشمنی کا اختلاف۔

۳۔ نسلی بھید بھاؤ کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں چھوڑی گئی اور نہ ہی اس کی بنا پر فخر ومباہات کی کوئی صورت جواز کا درجہ حاصل کرسکتی ہے۔

۴۔ کرامت انسانی کا انحصار صرف اور صرف تقویٰ میں ہے، اس کا ادنی سا تعلق بھی رنگ ونسل اور حسب ونسب سے نہیں ہے۔

۵۔ رنگ ونسل کا یہ اختلاف اللہ کی نشانیوں میں ایک نشانی ہے:

ومن آیاته خلق السموات والأرض واختلاف ألسنتکم وألوانکم (روم/۲۲)۔

(۵) دین میں کوئی جبر واکراہ نہیں:

اگر چہ انسانی تخلیق سے خالق کائنات کا مقصد، ایک معبود (اللہ) کی عبادت اور پرستش کرانا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وما خلقت الجن والإنس إلا لیعبدون (ذاریات/۵۶)، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کسی کو دین اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا ہے۔ لا إکراہ في الدین (بقرہ:۲۵۶) کا فرمان اسی کا اعلان ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا: فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (کہف:۲۹)۔

اگر اللہ پاک چاہتے تو سارے لوگوں کو دین اسلام کا پیرو بنا دیتے: ولو شاء ربك لهدی الناس جمیعًا (یونس:۹۹)، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی منشا بتانے کے لئے انبیاء ورسل بھیجے اور انہوں نے اللہ کی منشا کو بندوں پر واضح فرمادیا اور پھر بندوں کو بااختیار بنا کر چھوڑ دیا کہ دیکھیں کہ حضرت انسان اپنی مرضی اور اختیار سے اللہ چاہی کرتا ہے یا من چاہی۔ انا هدیناه السبیل إما شاکرا وإما کفورًا (الانسان:۳)۔

(۶) لوگوں کے درمیان انصاف کو واجب اور ظلم کو حرام قرار دیا گیا:

شریعت نے تمام بنی نوع انسان کے درمیان انصاف کرنے کو واجب قرار دیا، خواہ اس کا تعلق کسی رنگ ونسل یا دین ومذہب سے ہو۔

قال تعالیٰ: إن الله یأمر بالعدل والإحسان وإیتاء ذی القربی وینهی عن الفحشاء والمنکر والبغی (نحل/۹۰)۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: وإذا قلتم فاعدلوا (انعام/۱۵۲)۔

آپس میں ظلم وزیادتی کو بھی اللہ نے حرام قرار دیا، وہ خود کو ظلم سے منزہ بتاتا ہے: وما ربك بظلام للعبید (فصلت:۴۶)، ایک دوسری آیت میں ہے: وما أنا بظلام للعبید (ق/۲۹)۔ اللہ تعالیٰ نے ظالموں پر لعنت بھیج کر اس کی حرمت کو واضح کردیا: ألا لعنة الله علی الظالمین (ہود:۱۸)۔

(۷) ایفائے عہد:

یہ عنصر باہمی امن وسلامتی کے قیام میں نہایت اہمیت کا حامل ہے، تمام مسلمان ایفائے عہد کے پابند ہیں؛ خواہ اس کا تعلق مسلم سے ہو یا غیر مسلم سے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وأوفوا بالعهد إن العهد کان عنه مسئولًا (اسراء:۳۴)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: والموفون بعهدهم إذا عاهدوا (بقرہ/۱۷۷)۔

یہ تمام مذکورہ بالا امور، انسانوں کے درمیان میں امن وآشتی کو قائم اور پائیدار بنانے میں انتہائی اہمیت کے حامل عناصر ہیں۔

هذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب

امت مسلمہ کے اختلافی مسائل اور ان کا حل

مولانا عبدالرحیم فلاحی [1]

الحمد للّٰه رب العلمين

والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين، أمابعد!

اللہ رب العزت نے چوں کہ انسانوں کی طبیعتیں مختلف بنائی ہیں اور ہر شخص کے سوچنے اور سمجھنے کا انداز دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، اس لیے انسانوں کے درمیان اختلاف رائے کا ہونا ایک لازمی اور لابدی امر ہے، جس سے چھٹکارا ممکن ہی نہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب دو انسانوں کی رائے میں اختلاف ہوتا ہے تو بشری تقاضے سے کبھی ایک دوسرے سے کچھ رنجش بھی پیدا ہو جاتی ہے، مگر انسانی اخلاق کا کمال یہ ہے کہ اس طبعی رنجش کے باوجود اپنے آپ کو بے قابو نہ ہونے دے اور نزاع وفساد سے احتراز کرے۔

صحابۂ کرام بھی چوں کہ بشر ہی تھے اور بشری لوازم سے متصف تھے اس لیے ان کے مابین بھی اختلاف رائے رونما ہوا اور اس اختلاف کی وجہ سے ان کے مابین بھی کبھی اَن بَن ہو جاتی تھی، مگر یہ حضرات اس کے باوجود نفسیات سے گریز کرتے تھے اور ایک دوسرے کی تعظیم وتکریم کیا کرتے تھے۔ مثلاً:

ایک مرتبہ بنوتمیم کا ایک قافلہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ رائے پیش کی کہ ''قعقاع بن معبد'' کو امیر بنایا جائے اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں بلکہ ''اقرع بن حابس'' کو امیر بنایا جائے، اس پر حضرت ابوبکرؓ خفا ہو گئے اور انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہہ دیا ''مَا أرَدْتَ إلَّا خِلَافِي'' کہ تمہارا منشاء صرف میری مخالفت کرنا ہے، تو حضرت عمرؓ نے کہا میں نے آپ کی مخالفت کا کوئی ارادہ نہیں کیا ہے، پھر دونوں حضرات میں کچھ بات بڑھ گئی اور دونوں کی آوازیں بلند ہونے لگیں، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

"يٰايها الذين آمنوا لاتقدموا بين يدى الله ورسوله...الآية" (روح المعانی، حجرات: ۱)۔

مگر چوں کہ یہ اختلاف نفسیاتی نہیں بلکہ طبعی تھا، یہی وجہ ہے کہ اس اختلاف رائے کے باوجود ان دونوں کے مابین قلبی تعلق اخیر زمانے تک قائم رہا چناں چہ جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات کا وقت قریب ہوا اور انہوں نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تو کسی نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا:

''ما أنت قائل لربك إذا سألك عن استخلافك عمر علينا وقد ترى غلظته'' کہ آپ نے حضرت عمرؓ کو ان کی سختی کے معلوم ہونے کے باوجود ہمارا خلیفہ تو مقرر فرمادیا لیکن اگر آپ کے رب نے اس سلسلے میں آپ سے پوچھ لیا تو آپ کیا جواب دیں گے؟

اس پر حضرت ابوبکرؓ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے میرے رب کے بارے میں خوف نہ دلاؤ، میں تو اپنے رب سے کہہ دوں گا:

اللهم استخلفت عليهم خير أهلك'' میں نے ایسے شخص کو خلافت سونپی ہے جو تمام انسانوں میں سب سے بہتر ہے (حیاۃ الصحابہ ۲/ ۱۹۹)۔

اسی طرح مشکوٰۃ شریف کی ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا: ''اے رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بہتر انسان''، تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ ''اگر تم یہ کہتے ہو تو یقین جانو کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سورج، عمر سے بہتر کسی انسان پر طلوع نہیں ہوا ہے'' (مشکوٰۃ شریف: ص ۵۵۷-۵۵۸، باب مناقب عمرؓ، الفصل الثانی)۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرات شیخین کے مابین جو اختلاف رائے رونما ہوا وہ طبعی اختلاف تھا ورنہ حقیقتاً دونوں ایک دوسرے کا دل سے

[1] مدرسہ اشاعت العلوم اکل کوا۔

احترام کرتے تھے، اور وجہ یہ ہے کہ انہوں نے خواہشات کو کبھی مقصد نہیں بنایا تھا، ان کا مقصد تو صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہوا کرتا تھا۔

اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص کے سلسلے میں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جو اختلاف رونما ہوا، وہ سب کو معلوم ہے، مگر اس کے باوجود ان دونوں کے تعلقات بھی قابل دید و تقلید ہیں، مثلاً:

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ نے، ضرار بن ضمرہ سے کہا کہ حضرت علیؓ کے اوصاف بیان کرو، تو انہوں نے اولاً معذرت کی، مگر حضرت معاویہؓ کے اصرار پر جب انہوں نے حضرت علیؓ کے اوصاف بیان فرمائے اور آپؓ کے علم و تقویٰ، زہد و قناعت اور فکر آخرت میں رات کو رونے اور تڑپنے کو بیان کیا تو حضرت معاویہؓ اس قدر روئے کہ آپؓ کی ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی، اور آپؓ نے آستین سے آنسوؤں کو پوچھتے ہوئے فرمانے لگے: "کذا کان أبو الحسن" کہ حضرت علیؓ ایسے ہی تھے، حضرت معاویہؓ کے اس رونے کو دیکھ کر حاضرین بھی ہچکیاں لے لے کر رونے لگے۔

یہ مثالیں تو بطور نمونہ کے بیان کردی گئیں ورنہ اس کے علاوہ سیکڑوں مثالیں ہیں کہ آپسی اختلاف رائے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہمیشہ ایک دوسرے کی تعظیم کیا کرتے تھے۔

چوں کہ صحابہ کرام نے اختلاف رائے کے باوجود ہمیشہ قلبی اتحاد و اتفاق کو برقرار رکھا، اس لیے مخالف طاقتیں ان کے اختلاف سے فائدہ اٹھانے میں کامیاب نہ ہوسکیں، چنانچہ حضرت عثمانؓ کے قصاص کے بارے میں جب حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان اختلاف ہوا اور جنگ کی نوبت آگئی تو اس دوران قیصر روم نے حضرت معاویہؓ کو خط لکھا کہ "علی نے تم کو ستا رکھا ہے، اس لیے اگر تم کہو تو میں تمہاری مدد کے لیے فوج بھیج دوں، تو حضرت معاویہؓ نے جواب لکھا "اے نصرانی کتے! میرے اور علی کے درمیان جو اختلاف ہے تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے؟ یاد رکھ! اگر تو نے حضرت علی کی طرف ترچھی نگاہ سے دیکھا تو سب سے پہلے علی کے لشکر کا سپاہی بن کر تیری آنکھیں پھوڑنے والا معاویہ ہوگا" (اسلام میں اختلاف کے اصول، آداب اور حدود، ص/ ۷۸) قلبی اتحاد و اتفاق باقی رکھنے کا جو نتیجہ ہوتا ہے وہ مذکورہ واقعہ سے ظاہر ہوگیا۔

مگر بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارا اختلاف رائے ہمیں ایسے موڑ پر لا کھڑا کرتا ہے کہ پھر مقابل سے کسی طرح کا تعلق رکھنا بھی گوارا نہیں ہوتا، اور اس کے نام سے بھی ہمیں نفرت ہوجاتی ہے، اور اس طرح مخالف کے لیے ہمارے اختلاف سے فائدہ اٹھانا بہت سہل اور آسان ہوجاتا ہے، اور یہی وہ مذموم اختلاف ہے جس سے اللہ رب العزت نے مؤمنین کو بچنے کی تاکید فرمائی ہے: "ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم" (سورۂ انفال: ۴۶) کہ آپس میں تنازع اور فساد کی صورتیں نہ پیدا کرو ورنہ تم بزدل ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (اور مخالف تم پر آسانی سے قابو پالے گا)۔

بہر حال اتنی بات تو طے ہے کہ کوئی بھی قوم یا جماعت اس وقت تک اپنے مشن میں مکمل طور سے کامیابی حاصل نہیں کرسکتی جب تک کہ اس قوم یا جماعت کے افراد میں اتحاد و اتفاق نہ ہو، اس لیے آج اگر ہم امت کی زبوں حالی کو سرخ روئی میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں اور اس کو ایک نئے انقلاب کی راہ دکھلانا چاہتے ہیں، تو سب سے پہلے ہمیں آپسی تنازعات اور تفرقہ بازیوں کو ختم کرکے اتحاد و اتفاق کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینا ہوگا، پھر اس کے بعد ہی ہم امن اور چین کی زندگی گذار سکیں گے، اللہ رب العزت ہمارے تنازعات اور اختلافات کو ختم فرمائے اور ہمیں ایک ڈگر پہ لا کر جمع فرمائے (آمین)۔

اب اس تمہیدی گفتگو کے بعد ہم بالترتیب سوالوں کے جوابات، اس دعا کے ساتھ سپرد قرطاس کررہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صحیح صحیح کہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سوال نمبر (۱) کا جواب:

اس سوال کا جواب دینے سے پہلے فروعی مسائل میں ہونے والے اختلاف کی حقیقت پر کچھ کلام کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

جہاں تک بات فروعی مسائل میں پائے جانے والے اختلاف کی ہے تو اس کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ اختلاف مذموم نہیں ہے بلکہ اگر یہ اختلاف دائرۂ شریعت میں رہ کر کیا جائے تو محمود ہے، چناں چہ صحابہ کرام کے درمیان بھی یہ اختلاف پایا گیا اور خود آپ ﷺ کی موجودگی

میں پایا گیا، اس لیے اس اختلاف کو مذموم نہیں کہا جاسکتا۔

اور یہ بات عقل سے بھی ثابت ہوتی ہے؛ کیوں کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں اصول دین اور کچھ جزئیات کو تو صراحۃً ذکر کیا گیا ہے، مگر بے شمار جزئیات ایسی ہیں کہ ان کا حکم قرآن وحدیث میں صراحۃً نہیں ملتا، نیز تغیر زمانہ کے ساتھ ساتھ ایسی کئی چیزیں وجود میں آتی ہیں جن کا وجود زمانہ رسالت میں نہیں تھا، لہٰذا اب ان جزئیات کے احکام کو سمجھنے کے لیے غور وفکر کی ضرورت تو یقینی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص کی سوچ اور سمجھ میں تفاوت ہوتا ہے؛ اس لیے ان جزئیات کے حکم کو تلاش کرنے میں آراء بھی مختلف ہوسکتی ہیں، لہٰذا فروعی مسائل میں اختلاف سے خلاصی ممکن ہی نہیں۔

چناں چہ صحابہ کرام کے مابین بھی کئی مسائل میں اختلاف ہوا، بعض صحابہ ایک چیز کو جائز سمجھتے تھے جب کہ بعض اسی چیز کو ناجائز سمجھتے تھے، مگر اس کے باوجود کبھی ان حضرات نے ایک دوسرے کو گمراہ اور باطل قرار نہیں دیا، بلکہ ہمیشہ ایک دوسرے کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھا۔

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین کئی مسائل میں اختلاف تھا لیکن پھر بھی یہ دونوں ایک دوسرے کی تعظیم کس طرح کیا کرتے تھے اس کا نمونہ پہلے گذر چکا ہے۔

حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان بھی تقریباً سو مسائل میں اختلاف تھا لیکن اس اختلاف کی وجہ سے انہوں نے کبھی ایک دوسرے کو گمراہ، کافر اور دین سے خارج نہیں کہا بلکہ جتنا ان کے درمیان اختلاف ہوتا تھا اتنی ہی یہ ایک دوسرے کی تعظیم کیا کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ تھے:

''إن عمر كان أعلمنا بالله وأقرأنا لكتاب الله وأفقهنا في دين الله'' کہ عمرؓ ہم میں سب سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھنے والے، کتاب اللہ کو کثرت سے پڑھنے والے، اور اللہ کے دین کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے (حیاۃ الصحابہ ۴/۱۰۶)۔

حضرات صحابہ کرام کے بعد حضرات تابعین میں بھی فروعی مسائل میں اختلاف رونما ہوا اور ان کے بعد سلف میں یہ اختلاف ہوتا رہا مگر کبھی کسی نے کسی کو گمراہ قرار نہیں دیا، چناں چہ ''اسلام میں اختلاف کے اصول، آداب اور حدود'' نامی کتاب میں اس سلسلے میں اسلاف کا جو نظریہ بیان کیا گیا ہے یہاں پر اس کی ایک عبارت نقل کی جاتی ہے، وہ عبارت اس طرح ہے:

امام ابن عبدالبر قرطبیؒ نے اپنی کتاب ''جامع بیان العلم'' میں سلف کے باہمی اختلاف کا حال الفاظ ذیل میں بیان کیا ہے:

''عن يحيى بن سعيد قال: مابرح أهل الفتوىٰ يفتون، فيحل هٰذا و يحرم هٰذا. فلا يرى المحرم المحلّ هلك لتحليله ولايرى المحل أن المحرم هلك لتحريمه'' (ص: ۸۰)۔

یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اہل فتویٰ فتوے دیتے رہے، ایک شخص (غیر منصوص احکام میں) ایک چیز کو حلال قرار دیتا ہے، دوسرا حرام کہتا ہے، مگر نہ حرام کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حلال ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہوگیا، اور نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حرام ہونے کا فتویٰ دیا وہ ہلاک اور گمراہ ہوگیا۔

اسی کتاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے فقیہ مدینہ حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک مختلف فیہ مسئلہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں آراء میں سے آپ جس پر عمل کرلیں کافی ہے؛ کیوں کہ دونوں طرف صحابہؓ کی ایک جماعت کا اسوہ موجود ہے (ص: ۴۷)۔

یہ حال تو صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین کا ہے اور ان کے بعد سے آج تک کے اسلاف کا یہی حال رہا ہے کہ ان میں فروعی مسائل میں اختلاف پایا گیا اور انہوں نے اس کو گمراہی کا سبب قرار نہیں دیا اور نہ ہی کسی پر لعن طعن سے کام لیا، مگر آج کے مصنفین، مقررین اور واعظین کا حال یہ ہے کہ محض اجتہادی مسائل میں اختلاف کی بناء پر کسی کو گمراہ اور دین سے خارج قرار دے دیتے ہیں، ہم ایسے واعظین ومقررین سے یہ نہیں کہتے کہ آپ نے ہم سے فروعی مسائل میں اختلاف کیوں کیا اور ہمارے نظریہ کی تردید کیوں کی، بلکہ ہم ان سے یہ کہتے ہیں کہ یہ اختلاف زمانہ صحابہ سے چلا آرہا ہے، مگر اب تک کسی نے کسی کو گمراہ نہیں کہا، پھر کیا وجہ ہے کہ آپ، فروعی مسائل میں اختلاف کرنے والوں کو گمراہ قرار دیتے ہیں، فروعی مسائل

میں ہونے والے اختلاف کے بارے میں اسلاف کا جو نظریہ ابھی پیش کیا گیا، اس کو سامنے رکھ کر ہمیں یہ غور وفکر کرنا ہے کہ یہ اختلاف ایسا نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے کسی کو گمراہ کہہ دیا جائے، کیوں کہ صحابہ وتابعین میں سے کسی نے کسی کو گمراہ نہیں کہا ہے۔

بہرحال اجتہادی مسائل میں اختلاف کا ہونا مذموم نہیں ہے، اب جاننا یہ ہے کہ جن مسالک میں فروعی مسائل کا اختلاف ہے ان میں سے کسی ایک کو اپنانے والے کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے کہ جس کی وجہ سے آپسی تنازع اور تفرقہ بازی کی صورتیں پیدا نہ ہوں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو آدمی اس مسلک کی پیروی کو لازم سمجھے جس کے بارے میں اسے قرآن وسنت سے قریب ہونے کا اطمینان ہو اور پھر دوسرے مذاہب ومسالک کے سلسلے میں درج ذیل چند امور کا لحاظ رکھے:

(۱) اپنے مسلک کے علاوہ دیگر مسالک کو گمراہ اور باطل خیال نہ کرے، بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ دوسرے مسالک بھی برحق ہیں؛ کیوں کہ سب کا مقصود تلاشِ حق ہے۔ اب جس کا مذہب اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح ہوگا اسے دوہرا اجر ملے گا، یعنی ایک اجتہاد کا اور دوسرا صواب اور صحیح کو حاصل کر لینے کا، جس کی رسائی اجتہاد کے بعد بھی صواب وصحیح تک نہیں ہو پائے گی اسے ایک اجر اجتہاد کا ملے گا اور اس پر صواب وصحیح تک نہ پہنچ پانے کی وجہ سے کوئی ملامت نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اس نے اپنی سوچ کے مطابق جو کچھ سمجھا ہے وہ اس پر عمل کرنے میں معذور ہے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر عام وخاص کو اجتہاد کی اجازت دے دی جائے کہ جسے قرآن وحدیث سے جو بات سمجھ میں آئے وہ اس پر عمل کرے اور غلطی میں وہ معذور ہے، نہیں؛ بلکہ اجتہاد کے لیے خاص شرائط ہیں جن کے بغیر کسی شخص کو اجتہاد کی اجازت نہیں دی جاسکتی؛ کیوں کہ قرآن وسنت میں بہت سے احکام ایسے دقیق ہوتے ہیں کہ ہر شخص انہیں براہِ راست قرآن وحدیث سے نہیں سمجھ سکتا، اور اگر اس طرح ہر شخص کو قرآن وحدیث سے براہِ راست مسائل اخذ کرنے کی اجازت دے دی جائے تو دین ایک کھیل بن کر رہ جائے گا اور ہوا پرستی عام ہو جائے گی لہٰذا ہر شخص کو اجتہاد کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

(۲) دوسرے اس بات کو یاد رکھے کہ فروعی مسائل میں جو اختلاف ہے وہ حق اور باطل کا اختلاف نہیں، نیز فروعی مسائل میں اکثر وبیشتر افضل اور غیر افضل کا اختلاف ہے نہ کہ جواز وعدمِ جواز کا، مثلاً رفعِ یدین کے سلسلے میں صرف اس کے افضل ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے نہ کہ اس کے جائز یا ناجائز ہونے میں، اسی لیے جن کے نزدیک رفعِ یدین افضل نہیں ہے انہوں نے بھی کبھی اس کو بدعت نہیں کہا ہے۔

جب یہ اختلاف حق وضلالت کا نہیں ہے اور اس میں اکثر مسائل افضل اور غیر افضل کے سلسلے میں ہیں، تو پھر اس میں تشدد سے کام لینا مناسب نہیں ہے، ہاں ہر فریق کو اتنی اجازت تو ہے کہ وہ اپنے مذہب کی صحت کو ثابت کرنے کے لیے دلائل وبراہین قائم کرے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک فریق دوسرے فریق کو گمراہ اور دین سے خارج ہی قرار دینے لگے کہ یہ صحابہ، تابعین اور اسلاف کے نظریہ کے بھی خلاف ہے اور اس سے امت کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا، اس لیے فروعی مسائل میں اختلاف کو تشدد کی صورت نہیں دینی چاہئے۔

یہاں پر ضمناً اس بات کو ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں، جن میں ایک ہی مسلک سے تعلق رکھنے والے علماء کے مابین بھی استحباب وعدم استحباب کا اختلاف ہوتا ہے، ایسے اختلافی مسائل بیان کرنے میں بھی تشدد سے کام نہیں لینا چاہئے۔ مثلاً:

آب زم زم کے سلسلے میں بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم ﷺ سے کھڑے ہو کر پینا ثابت ہے تو اسے کھڑے ہو کر ہی پینا افضل ہے؛ اس لیے اس کا اہتمام کرنا چاہئے، جب کہ دیگر بعض علماء کا نظریہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے جو کھڑے ہو کر پینے کا ثبوت ملتا ہے وہ کسی عذر کی بناء پر تھا، لہٰذا اس کے لیے ایسا اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی شخص بیٹھا ہوا ہو تو آب زم زم پینے کے لیے کھڑا ہو جائے، ہاں اگر اتباع سنت کی نیت سے کبھی کھڑے ہو کر پی لیا جائے تو یہ باعث ثواب ہوگا۔

اب جب کہ علمائے احناف ہی کے دو الگ الگ نظریات اس سلسلے میں موجود ہیں اور یہ دونوں نظریے صرف استحباب اور عدم استحباب کے بارے میں ہیں تو اس کو بیان کرنے میں تشدد اختیار کرنا مناسب نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ تشدد بسا اوقات انتشار کی صورت بھی پیدا کر دیتا ہے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جو شخص جس نظریے پر عمل کر رہا ہو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

(۳) تیسرے اس بات کو ملحوظ رکھے کہ فروعی مسائل کی وجہ سے جھگڑا اور فساد پیدا کرنے سے مکمل طور پر پرہیز کرے؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جھگڑے کو بہت ناپسند فرمایا ہے، ابن ماجہ شریف کی روایت ہے: ''ماضل قوم بعد هدی کانوا علیه إلا أوتوا الجدل'' کوئی قوم ہدایت پر ہونے کے بعد گمراہ نہیں ہوئی مگر یہ کہ وہ جھگڑے میں مبتلا ہوگئی (ص:۶ باب اجتناب البدع والجدل) لہٰذا جھگڑے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

یہ چند امور ہیں جن کا لحاظ کیا جائے تو فروعی مسائل میں پایا جانے والا اختلاف انتشار کی صورت اختیار نہیں کرے گا (واللہ ھو الموفق والمعین)۔

سوال نمبر (۲) کا جواب:

اس سوال کے جواب سے پہلے عقائد کے سلسلے میں پائے جانے والے اختلاف کی نوعیت اور حقیقت کے بارے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے:

عقائد اور نظریات میں جو اختلاف پایا جاتا ہے یہ اختلاف، فروعی مسائل میں پائے جانے والے اختلاف کی طرح محمود نہیں ہے بلکہ مذموم ہے، حضور اکرم ﷺ نے پہلے ہی اس اختلاف کی پیش گوئی فرمادی تھی، چناں چہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''بنی اسرائیل ۷۲ رفرقوں میں بٹے تھے اور میری امت ۷۳ رفرقوں میں بٹے گی، یہ سب کے سب سوائے ایک کے جہنم میں جائیں گے، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! یہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہے؟ فرمایا: ''ما أنا علیه وأصحابي'' جو لوگ اس راستے پر قائم رہیں گے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں''۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ نظریاتی اختلاف محمود نہیں، نیز جن جماعتوں میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے ان میں سے صرف ایک جماعت ہی حق پر ہے اور یہ جماعت وہ ہے جو حضور اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہ کے طریق پر قائم ہو، اس لیے سب سے پہلے تو جن جماعتوں میں عقائد کا اختلاف پایا جاتا ہے، ان پر لازم ہے کہ وہ اتباع حق کو اپنا مقصد بنائیں اور ان ہی نظریات کو اپنائیں جو قرآن وحدیث کے مطابق ہیں، محض اتباع ہوئی اور دنیوی مقاصد کی خاطر مذہب حق سے روگردانی نہ کریں، کہ یہ بہت بڑے خسارے کی بات ہے اور اس کا انجام جہنم ہے ''أعاذنا اللہ من النار'' (ماخوذ از: اختلاف امت اور صراط مستقیم ۱۲/ ۱۳)۔

نیز اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ''یأیها الذین آمنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوی'' (مائدہ:۸) اے ایمان والو! اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوجایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف کو چھوڑ بیٹھو (بلکہ) انصاف سے کام لو، یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے؛ لہٰذا کسی کی دشمنی کی بنیاد پر اتباع حق سے روگردانی کرنا بڑی نادانی کی بات ہے۔

اب عقائد میں پائے جانے والے اختلاف کی نوعیت وحقیقت کو جان لینے کے بعد ہم اصل سوال کی طرف آتے ہیں کہ جن جماعتوں میں یہ اختلاف ہے وہ مذاکرہ اور تبادلۂ خیال کس طرح کریں کہ نزاع اور منافرت کی صورت پیدا نہ ہو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اتنی اجازت تو ہر فریق کو ہے کہ اپنے نظریہ کی صحت کے لیے دلائل فراہم کرے مگر پہلے بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ مقصد صرف اتباع حق ہو، دنیوی اغراض کے پیش نظر قرآن وحدیث کی ایسی غلط سلط تاویلیں نہ کی جائیں کہ وہ بجائے تاویل کے تحریف معلوم ہوتی ہوں، یہاں پر تاویل کی تعریف، اقسام اور ان کے احکام کو مختصراً عرض کردیا جاتا ہے؛ تاکہ معلوم ہوجائے کہ کس طرح کی تاویل کرنے کی اجازت ہے اور کون سی تاویل ناجائز ہے۔

تاویل کی سادہ زبان میں یہ تعریف کی جاسکتی ہے کہ ''کسی لفظ یا جملہ سے جو ظاہری معنی سمجھ میں آرہے ہوں اس کے علاوہ کوئی اور معنی مراد لیے جائیں'' اور اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) **تاویل قریب:** لفظ یا جملے کے ظاہری معنی کے علاوہ ایسے معنی مراد لینا جو ادنیٰ تامل سے سمجھ میں آجائیں اور اس میں غور وفکر کی ضرورت نہ پڑے، مثلاً: ''إن الذین یأکلون أموال الیتمی ظلما إنما یأکلون في بطونهم نارا وسیصلون سعیرا'' (النساء:۱۰) کے ظاہر سے اکلِ مالِ یتیم کی حرمت ثابت ہوتی ہے، اب اس کے ساتھ ساتھ اتلاف مالِ یتیم کی حرمت کو بھی مراد لیا جائے گا اور حرمت اکل کے ساتھ جو حرمت اتلاف

مراد لی گئی ہے وہ ادنیٰ تأمل سے سمجھ میں آجاتی ہے، لہٰذا یہ تاویل قریب ہے۔

(۲) تاویل بعید: لفظ یا جملے کے ظاہری معنی کے علاوہ ایسے معنی مراد لینا جس کو سمجھنے کے لیے غور وفکر کی ضرورت پڑے، بشرطیکہ اس لفظ یا جملے میں اس معنی کا احتمال بھی ہو، مثلاً: "ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدیٰ ویتبع غیر سبیل المؤمنین ...إلی آخر الآیة" (النساء: ۱۱۵) سے امام شافعیؒ کا اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کرنا۔

(۳) تاویل مستبعد: لفظ یا جملے کے ظاہری معنی کے علاوہ ایسے معنی مراد لینا کہ اس پر لفظ کی کوئی دلالت ہی نہ ہو مثلاً "عن النبأ العظیم" میں نبأ عظیم سے حضرت علیؓ کو مراد لینا (ادب الاختلاف فی الاسلام ص: ۳۸/۳۷)۔

تاویل کی ان تینوں قسموں میں سے تاویل قریب اور بعید میں چوں کہ لفظ سے ایسے معنی مراد لیے جاتے ہیں جس پر لفظ کی دلالت ہوتی ہے، اس لیے اگر آثار صحابہ اور اقوال سلف صالحین کی روشنی میں تاویل قریب وبعید سے کام لیا جائے تو اس کی تو اجازت ہوگی، مگر تاویل مستبعد کی کسی بھی صورت میں اجازت نہیں؛ کیوں کہ وہ تاویل نہیں بلکہ تحریف ہے۔

بہر حال ہر گروہ اور فریق اپنے عقائد کی صحت کے لیے دلائل وبراہین کو فراہم تو کرسکتا ہے، مگر اسے قرآن وحدیث کے صریح معنی اور مطلب کی مخالفت کی قطعاً اجازت نہ ہوگی، ورنہ مقصد اتباع حق نہیں رہے گا، بلکہ اتباع ہویٰ ہوجائے گا، جو کہ ظالموں کا شیوہ ہے "بل اتبع الذین ظلموا أهواءهم بغیر علم" (الروم: ۲۹)۔

نیز نظریات میں پائے جانے والے اختلاف میں تبادلہ خیال کے اصول وآداب میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے نظریات اور عقائد کی تائید وتوثیق میں دلائل فراہم کرتے وقت حتی الامکان نرم رویے سے کام لیا جائے؛ کیوں کہ یہی طریقہ عموماً نصیحت کے اثر انداز ہونے میں معین ہوتا ہے، اسی طرح مناظروں سے بھی حتی الامکان بچنا چاہئے؛ کیوں کہ آج کل جو مناظرے ہوتے ہیں وہ عموماً شرائط کو ملحوظ رکھے بغیر ہوتے ہیں اور مقصد اس میں عامۃً اپنے مقابل کو ذلیل کرنا ہوتا ہے، جب کہ مناظرے کا مقصد تو صرف اور صرف احقاق حق اور ابطال باطل ہونا چاہئے نہ یہ کہ محض جذبات کو ٹھنڈا کرنے لیے مقابل کو ذلیل کیا جائے؛ لیکن اگر کبھی مناظرے کی ضرورت پڑ جائے تو اس کے لیے اس کی شرائط کو ملحوظ رکھنا چاہئے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) مناظرہ ایسے مسئلہ کے متعلق ہو جو کہ دین میں مقصود بھی ہو۔

(۲) دل سے یہ مقصد ہو کہ اگر حق واضح ہوجائے گا تو اسے فوراً قبول کرلیں گے، یہ نیت نہ ہو کہ ہر بات کو رد کریں گے گو کہ سمجھ میں آجائے۔

(۳) مخالف پر شفقت ہو۔

(۴) اگر وہ شفقت کے قابل نہ ہو تو صبر اور معدلت (انصاف) کے ساتھ مقابلہ کرے۔

(۵) اگر قرائن سے عناد مشاہد ہو تو مناظرے سے معافی کی درخواست کرکے ترک کردے۔

(۶) تمام صورتوں میں واجب ہے کہ الفاظ اور مضمون نرم ہو، متانت اور تہذیب کے خلاف نہ ہو، اگر دوسرا درشتی (سختی، بے ادبی) بھی کرے تو صبر افضل ہے۔

(۷) جوابات معلوم نہ ہو، نہ جاننے کا اقرار کرنے سے عار نہ کرے، وغیر ذلک۔

جہاں یہ شرائط نہ ہوں گے جیسا کہ آج کل مشاہدہ ہے، وہاں مناظرہ نافع ہونے کے بجائے بالیقین مضر ہوگا (مناظرے کے اصول واحکام، ص: ۹۔ ۱)۔

یہ ہیں مناظرے کے جواز کے شرائط اور ظاہر ہے کہ آج کل ان شرطوں کا لحاظ نہیں ہو پاتا، اس لیے بہتر یہی ہے کہ مناظرہ کرنے سے پرہیز کرے، اور احقاق حق کے لیے دوسری کوئی بہتر صورت اختیار کرے، اگر ان چند امور کا لحاظ کیا گیا تو ان شاء اللہ باہمی منافرت پیدا نہیں ہوگی اور اس طریقے کو اپنانے میں مقابل کی اصلاح کی بھی قوی توقع ہے، والله یهدی من یشاء الی صراط مستقیم (البقرۃ: ۲۱۳)۔

اب آخر میں دوسرے سوال کا جواب بطور خلاصہ پیش کر دیا جاتا ہے کہ عقائد میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس میں ہر شخص اتباع حق کو اپنا مقصد بنائے، اور دنیوی اغراض سے مکمل اجتناب کرے، اپنی بات پر جمے رہنے کے لیے قرآن وسنت کی غلط سلط تاویل نہ کرے، نیز احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے دلائل قائم کرنے میں نرمی اختیار کرے اور مناظروں سے حتی الامکان پرہیز کرے۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ۔

سوال نمبر (۳) کا جواب:

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی فکر یا عقیدے کو گمراہی یا کفر سمجھتا ہو تو اس کے لیے اس فکر یا عقیدے کے گمراہی یا کفر ہونے کو واضح کرنے کا نہ صرف یہ کہ اختیار ہے بلکہ ارشاد نبوی "من رأى منكم منكرا... الخ" کی بنا پر اس پر لازم ہے کہ وہ اس کی وضاحت کرے۔

اور یہ بات مسلم ہے کہ منکر جس طرح کا ہو اس پر نکیر بھی اسی انداز سے کی جاتی ہے، یعنی اگر منکر خفیف درجہ کا ہو تو نکیر بھی خفیف ہوتی ہے، یعنی نرمی سے ہوتی ہے، اور اگر منکر شدید درجہ کا ہو تو اس پر نکیر بھی شدید ہوتی ہے، اس لیے جس فکر یا عقیدے کو کوئی شخص صرف گمراہی سمجھتا ہو اور اس کی وجہ سے تکفیر کا قائل نہ ہو اور جس فکر یا عقیدے کو کفر سمجھتا ہو دونوں پر تنقید کرنے میں فرق تو ہوگا؛ مگر چوں کہ یہ دونوں ہی باتیں شدید تر فتیح ہیں اس لیے دونوں پر وضاحت کے ساتھ تنقید کی جائے گی مگر تنقید میں بھی اس کے حدود وآداب کا لحاظ رکھنا تو بہر حال ضروری ہے، خاص کر تکفیر کے سلسلے میں، کہ یہ بڑا سنگین امر ہے، اس لیے اس میں مکمل احتیاط سے کام لینا بھی ضروری ہے۔

کسی فکر یا عقیدہ کو گمراہی یا کفر قرار دینے میں درج ذیل چند امور کا لحاظ رکھا جائے:

(۱) مقصد صرف اور صرف احقاق حق اور ابطال باطل ہو ورنہ محض اغراض نفسانیہ کے لیے کسی شخص یا فرقے کو گمراہ یا کافر قرار دینا بڑی خطرناک بات ہے، اور جب کوئی شخص اغراض نفسانیہ کو ہی اپنا مقصد بنا لیتا ہے تو پھر حق وباطل میں تمیز کی صلاحیت بھی ختم ہو جاتی ہے، اس لیے کسی کی طرف گمراہی کی نسبت کرنے میں پوری احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

(۲) کسی کی تکفیر کرنے میں مکمل احتیاط سے کام لیا جائے اور حتی الامکان اس کے کلام کی کوئی بہتر تاویل کرنے کی کوشش کی جائے، تکفیر کے سلسلے میں بلا سوچے سمجھے اقدام کرنا بڑے خطرے کی بات ہے، امام بخاریؒ نے ایک روایت نقل کی ہے:

''لا يرمي رجل رجلا بالفسوق ويرميه بالكفر إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك''

جو کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف فسق یا کفر کی نسبت کرتا ہے تو وہ فسق اور کفر خود اسی کی طرف لوٹ آتا ہے اگر اس کا ساتھی (دوسرا شخص) اس کا مستحق نہ ہو''

(فتح الباری، رقم الحديث: ۶۰۴۵/ باب ماینھی عن السباب واللعن)۔

(۳) تنبیہ وتنقید کرنے میں مقابل کی اصلاح مقصود ہو، اس کو ذلیل کرنا ہرگز مقصود نہ ہو۔

(۴) فاسق وگمراہ شخص سے اس کے فسق وفجور کی بناء پر اگرچہ ترک تعلق محمود ومستحسن ہے، لیکن اگر ایسا کرنے میں اس کی اصلاح کی توقع باقی نہ رہتی ہو اور اس کے ضد پر اڑ جانے کا اندیشہ ہو تو اس کی اصلاح کی نیت سے اور موقع بہ موقع اس کو حق کی ترغیب دلانے کی نیت سے اس سے تعلقات کو باقی رکھنا بہتر اور مناسب معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ اصل مقصود اصلاح ہے نہ کہ کسی کو فاسق یا گمراہ قرار دینا، مگر یہ اس وقت ہے جب کہ اس کے ساتھ تعلقات باقی رکھنے میں خود اپنے نظریات کے متاثر ہونے کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ اس سے ترک تعلق ہی لازم ہوگا۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم شرابی کو سلام کرنے کے سلسلے میں فرماتے ہیں: ''خواہ کوئی بھی مسلمان سلام کرے اگر جواب دینے میں کوئی عذر نہ ہو تو جواب دینا واجب ہے، جہاں تک سلام کرنے کی بات ہے تو جو شخص علانیہ شراب پیتا ہو اور اپنی اس برائی کو چھپاتا نہ ہو تو اسے واقعی سلام نہ کرنا چاہیے، فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص علانیہ فسق کے کام کرتا ہو اسے سلام کرنا مکروہ ہے (ويكره السلام على الفاسق لو معلنا)؛ البتہ اگر یہ اندیشہ ہو کہ ترک سلام کی وجہ سے عداوت بڑھ جائے گی اور اصلاح کا راستہ مسدود ہو جائے گا اور سلام کا تعلق رکھنے کی

وجہ سے موانست بڑھے گی یا شراب چھوڑنے کی دعوت دینے کا موقع باقی رہے گا تو بہتر ہے کہ اسے سلام کرنے؛ کیوں کہ اصل مقصد اصلاح ہے نہ کہ اہانت، اور نہی عن المنکر ہے نہ کہ ضد وعناد'' (کتاب الفتاویٰ ۶/ ۱۲۲)۔

کسی کی گمراہی یا کفر پر تنقید کرنے کے یہ چند حدود وآداب ہیں، جن کا لحاظ کرنا نہایت ضروری ہے۔ اللہم وفقنا لما تحب وترضی۔

سوال نمبر (۴) کا جواب:

جہاں تک اس سوال کے پہلے جز کی بات ہے کہ اسلام کسی فرقے کو اس کے بعض عقائد کی بنا پر بے دریغ قتل کرنے اور ان کے مذہبی شخصیات کو مار ڈالنے کی اجازت دیتا ہے؟ تو اس کا جواب تو ظاہر ہے کہ اسلام اس طرح کسی کی گمراہی کی بناء پر اس کو عام حالات میں یوں ہی قتل کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا، کیوں کہ اسلام نے تو جنگ کے موقع پر بھی حدود قائم کئے ہیں جن سے تجاوز کرنے کی کسی کو اجازت نہیں ہے، چناں چہ تمام انسانیت کے محسن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے موقع پر عورتوں، بچوں اور کمزور بوڑھوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، اسی طرح کسی کے کان ناک کاٹ دینے یا اسے آگ میں جلا دینے سے بھی منع کیا ہے۔

جب اسلام میں جنگ کے موقع پر بھی اس کی ممانعت ہے تو اس بات کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے کہ ایک شخص یا جماعت کو یونہی عام حالات میں بے دردی سے مار دیا جائے اور اس کے گھر بار کو جلا دیا جائے اور عصبیت کا ایسا ناچ ناچا جائے کہ بچوں تک کو مار کر ہلاک کر دیا جائے، اس طرح کی قتل وغارت گری اسلامی تعلیمات کے صریح مخالف ہے، اس لیے اسلام کے جانشین ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کو ایسی حرکتوں سے باز رہنا ضروری ہے۔

اب رہ گیا سوال کا دوسرا جز کہ ایسی حالت میں علماء، اصحاب فکر ودانش اور عام مسلمانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟ یہ ایک ایسا اہم سوال ہے جو عوام وخواص کو اپنی ذمہ داری اور ایسے طرز عمل کی طرف دعوت دیتا ہے جس کی وجہ سے امت کی موجودہ زبوں حالی سرخ روئی میں تبدیل ہوسکتی ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلے ہر عام وخاص پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اپنا تعلق اپنے رب سے مضبوط کرے اور دنیوی دھوکہ سے اپنے آپ کو نکال کر ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی کی طرف دوڑنے کے لیے تیار ہو جائے، چند دنوں کی دنیا کی خاطر اپنے مالک اور خالق کی ناراضگی کو مول نہ لے اور آج ہی سچی توبہ کر کے اپنے رب سے مضبوط رشتہ قائم کر لے کہ اس کے بغیر امت مسلمہ، اپنے مشن میں کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتی، آج سے پہلے جب کبھی مسلمانوں نے کامیابی کی راہیں طے کی ہیں تو اس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے رب سے رشتہ کو مضبوط بنایا تھا، صحابہ کرام نے اقلیت کے باوجود کامیابی کی منزلیں طے کیں؛ کیوں کہ یہ حضرات اپنے رب کے سامنے رونے اور گڑگڑانے والے تھے، اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم دشمنان اسلام کی سازشوں کا ڈھنڈورا تو پیٹتے ہیں مگر یہ غور نہیں کرتے کہ یہ ساری مصیبتیں اس لیے آئی ہیں کہ ہم نے اپنے رب سے رشتہ مضبوط نہیں بنایا ہے اور اس کے سامنے رونا اور گڑگڑانا چھوڑ دیا ہے۔

اگر غیر ہمارے خلاف سازشیں کرتے ہیں اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہمارے اندر کیا کمزوریاں ہیں؛ کیوں کہ غیروں کی سازشیں اسی وقت کامیاب ہوسکتی ہیں جب کہ مسلمان دین کے لحاظ سے کمزور ہو گئے ہوں، اور انہوں نے صلاح وتقویٰ کا لباس اتار دیا ہو، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "وإن تصبروا وتتقوا لا يضركم كيدهم شيئا" (آل عمران: ۱۲۰)، یعنی اگر تم صبر اور تقویٰ کو لازم پکڑلو گے تو پھر تمہاری مخالف طاقتیں تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گی، لہٰذا اگر ہم کامیابی چاہتے ہیں تو سب سے پہلے صبر اور تقویٰ کو لازم پکڑنا ہوگا اور صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنا شیوہ بنا لینا ہوگا، اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت ہمیں حاصل نہیں ہوسکتی۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کے حالات سے بہت پہلے ہی مطلع فرما دیا تھا، اور اس دور میں مسلمانوں کی جو ذمہ داریاں بنتی ہیں انہیں بھی بیان فرما دیا تھا، امام ابوداؤدؒ نے ایک روایت نقل کی ہے: ''حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ایسا بلیغ وعظ فرمایا کہ اس کی وجہ سے آنکھیں بہنے لگیں اور دل کانپ اٹھے، ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو رخصت ہونے والے کی نصیحت معلوم ہوتی ہے، تو آپ ہمیں کس بات کا عہد فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور امیر کی بات سننے اور ماننے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ وہ امیر حبشی غلام ہو؛ کیوں کہ جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا تو تم میرے

اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے پر جمے رہنا اور اس کو دانتوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لینا اور دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرنے سے بچنا؛ کیوں کہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے" (ابوداؤد ۲/ ۶۳۵ کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ)۔

مذکورہ روایت سے اختلافات کے موقع پر ہم پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ معلوم ہوگئیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے اور دین میں کسی بھی قسم کی نئی بات پیدا کرنے سے بچا جائے؛ کیونکہ دین میں نئی بات پیدا کرنا بدعت ہے جو کہ گمراہی کا سبب ہے۔

یہ تمام ذمہ داریاں تو ہر عام وخاص پر عائد ہوتی ہیں کہ اللہ رب العزت کی اطاعت کو مقصد بنایا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لیا جائے، وغیرہ۔ مگر علماء اور اصحاب فکر ودانش پر اس کے ساتھ ساتھ ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں کہ وہ اپنے ماتحتوں کو ان باتوں کی تلقین کریں، اتباع حق پر انہیں آمادہ کریں اور اختلافات سے بچنے کی تاکید کریں، یہی امت مسلمہ کی حالت بے زار کو تبدیل کرنے کا واحد علاج ہے، اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کی حالت پر رحم فرما کر اختلاف وانتشار کو ختم فرمائے۔ (آمین)

سوال نمبر (۵) کا جواب:

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے اتنی بات تو پہلے سے مقدر ہو چکی ہے کہ یہ امت مختلف فرقوں میں تقسیم ہو کر رہے گی جیسا کہ قرآن وحدیث میں اس کی صراحت موجود ہے، اب جب کہ امت کا فرقوں میں تقسیم ہونا طے ہے تو اب ایسے حالات میں ہمیں شارع علیہ السلام کی طرف سے جو حکم ملا ہے ہم پر اسی کی اتباع لازم ہوگی، اور یہ بات پہلے بھی حدیث کی روشنی میں ذکر کی جا چکی ہے کہ ان اختلافات کے موقع پر ہم اس بات کے مامور ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لیا جائے، اور رہی بات دوسرے فرقے کی تو اس سے لڑنے جھگڑنے اور فساد مچانے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا ہے، تب ہی دونوں فرقوں کے لوگ پُرامن زندگی گذار سکیں گے، ورنہ اگر ایک فرقہ کو گمراہ یا کافر قرار دے کر یونہی قتل وغارت گری شروع کردی جائے اور فریق مخالف کو ملک یا علاقے سے نکلنے پر مجبور کیا جائے تو ساری امت منتشر ہو کر رہ جائے گی، اور اس کے نتیجے میں امت مسلمہ سنگین حالات میں مبتلا ہو جائے گی، لہٰذا ایسے حالات میں ہم پر یہی فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہم اتباع حق کو لازم پکڑ کر فریق مخالف کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، اللہ رب العزت کا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمان ہے:

"إن الذين فرقوا دينهم وكانوا شيعا لست منهم في شيء إنما أمرهم إلى الله ثم ينبئهم بما كانوا يفعلون" (الانعام: ۱۶۰)۔

(بلا شبہ جن لوگوں نے اپنے دین میں تفریق ڈالی اور وہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہوگئے آپ کو ان سے کوئی سروکار نہیں ہے، ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے، پھر وہی ان کو ان کے کاموں سے آگاہ کرے گا)۔

پس معلوم ہوا کہ اسلام کے جانشین ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ تفرقہ بازی اور خلف وانتشار سے بچتے رہیں اور وہ دوسرے فرقوں کے معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیں، پُرامن اور کامیاب زندگی گذارنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

اب آخر میں دونوں فرقوں کے علماء اور مذہبی پیشواؤں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنے مذہب سے تعلق رکھنے والے عوام کو خلف وانتشار سے بچتے رہنے کی تاکید کریں اور اپنی دعاؤں میں امت مسلمہ کو فراموش نہ کریں، اللہ رب العزت امت مسلمہ کی حالت پر رحم فرمائے اور خلف وانتشار سے اس کی حفاظت فرمائے۔

اللهم ارحم أمة محمد صلى الله عليه وسلم وأصلح أمة محمد صلى الله عليه وسلم (آمین)۔



اختلاف رائے اور وحدت امت

مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی [1]

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على رسول الله خاتم النبيين،

محمد بن عبدالله وعلى آله وصحبه أجمعين، وعلى من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، وبعد!

مشیت الٰہی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''إن الله خلق آدم من قبضة قبضها من جميع الأرض، فجاء بنو آدم على قدر الأرض منهم الأحمر والأبيض والأسود وبين ذلك، والسهل والحزن والخبيث والطيب'' (رواه احمد والترمذی وأبوداؤد بحواله مشکوة المصابيح. قال الالبانی: صحيح)

، اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی خاک سے جسے اللہ نے ساری زمین سے لیا، پیدا فرمایا، چنانچہ جیسے زمین متعدد رنگ، لال، سفید، کالی اور مختلف صفت نرم، سخت، زرخیز، بنجر، اچھی، خراب ہوتی ہے، اسی کے مطابق آدم کی اولاد بھی مختلف رنگ سرخ، گورے، کالے، گندمی، اور نرم مزاج، سخت مزاج، اچھے برے وجود میں آئے)۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولو شاء ربك لجعل الناس أمة واحدة ولا يزالون مختلفين" (سورہ ہود: ۱۱۸) (اور اگر آپ کا رب چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی جماعت بنادیتا (مگر اللہ کی یہ مشیت نہیں رہی) اور لوگ برابر اختلاف کرنے والے رہیں گے)۔

اس آیت اور حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کے افکار ونظریات اور عقائد وخیالات میں اختلاف کا ہونا انسانی فطرت ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور فیصلہ بھی یہی ہے، اگرچہ اللہ اس پر قادر ہیں کہ چاہتے تو سارے لوگوں کو ایک ہی طریقہ اور ایک ہی مذہب پر چلنے والا بنادیتے، بلکہ سارے لوگوں کو ہدایت ہی نصیب فرمادیتے، جیسا کہ سابقہ آیت سے معلوم ہوا، اور جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہے: "وعلى الناس قصد السبيل ومنها جائر. ولو شاء لهداكم أجمعين" (سورہ نحل: ۹) (اور اللہ کے اوپر ہے سیدھے راستہ کی ہدایت دینا حال یہ کہ ان راستوں میں سے بعض (صراط مستقیم سے) مائل یعنی ٹیڑھے ہیں اور اگر اللہ چاہے تو تم سب کو ہی ہدایت دیدے)۔

اس آیت کی تفسیر میں سیدنا ابن عباسؓ کا قول منقول ہے: ''أي من أراد الله أن يهديه سهل له طريق الإيمان ومن أراد أن يضله ثقل عليه الإيمان وفروعه'' (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۰/ ۸۲)۔

یعنی جس کو اللہ ہدایت دینا چاہتے ہیں اس کے لئے ایمان کا راستہ آسان کردیتے ہیں، اور جس کو اللہ گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس پر ایمان اور اس کی فروع ثقیل اور گرانبار ہوجاتی ہیں، اور ''جائر'' کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی منقول ہے:

''جائر عن سبيل الحق أن عادل عنه فلا يهتدي إليه وفيهم قولان: أحدهما أنهم أهل الأهواء المختلفة، قاله ابن عباس'' (ایضاً: ۸۱)

(راہ حق سے منحرف، لہذا اس کی طرف راستہ نہیں پائے گا اور ایسے لوگوں کے بارے میں دو قول ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مختلف خود ساختہ نظریات والے (اہل بدعت) ہیں، یہ قول ابن عباسؓ کا ہے)؛ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے:

''ألا إن من قبلكم من أهل الكتاب افترقوا على ثنتين وسبعين ملة، وإن هذه الملة ستفترق على ثلاث

---

[1] استاذ جامعہ عربیہ تعلیم الدین مئو یوپی۔

وسبعين: ثنتان وسبعون في النار، وواحدة في الجنة، وهي الجماعة'' (سنن ابو داؤد ۴/ ۱۹۸، حدیث: ۴۵۹۷)
(تم سے پہلے کے لوگ اہل کتاب میں سے بہتر (۷۲) مذاہب میں بکھرے، اور یہ ملت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی، بہتر جہنم میں ہوں گے اور ایک جنت میں، اور یہ جماعت والا ہے)۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اقوام سابقہ یا اس امت کا اختلاف ان کے علم اور ہدایت سے نوازے جانے کے بعد ہی ہوا ہے جیسا کہ سورہ شوریٰ میں اس آیت سے ظاہر ہے: "وما تفرقوا إلا من بعد ما جاء هم العلم بغيًا بينهم ... الآية" (سورہ شوریٰ: ۱۴) (اور لوگ فرقہ بندی میں مبتلا نہیں ہوئے مگر اپنے پاس علم آجانے کے بعد ہی، اپنے مابین حد سے تجاوز کرتے ہوئے)، ''أي بغيًا من بعضهم على بعض طلبًا للرياسة فليس تفرقهم لقصور في البيان، ولكن للبغي والظلم والاشتغال بالدنيا'' (یعنی سرداری اور ریاست کی طلب میں بعض کے بعض پر ظلم کے سبب، لہذا ان کا تفرقہ قصور بیان کے سبب نہیں ہوا بلکہ جاہ طلبی، ظلم اور دنیاوی وجاہت میں رغبت کے سبب ہوا)، لہذا بنی آدم کا مذاہب وعقائد میں مختلف ہونا، اور ایک مذہب والوں کا متعدد مسلک میں مختلف ہونا ایک تکوینی فیصلہ ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اور نہ اسے بالکلیہ مٹایا ہی جاسکتا ہے۔

بندوں سے مطلوب:

البتہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو خاص طور سے مومنین کو شرعی حکم قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کے ذریعہ یہ ہے کہ وہ اختلاف سے پرہیز کریں اور وحدت واجتماعیت کی کوشش کریں، ارشاد ربانی ہے: "واعتصموا بحبل الله جميعًا ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا ... الآية" (آل عمران: ۱۰۳) (اور سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو، اور بکھرو مت اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جب کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالدی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہوگئے)، اور اسی کے ایک آیت کے بعد مذکور ہے: "ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاء تهم البينات وأولئك لهم عذاب عظيم" (آل عمران: ۱۰۵) (اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے اپنے پاس واضح دلائل آجانے کے بعد اختلاف کیا اور بکھر گئے اور انہیں لوگوں کے لئے زبردست عذاب ہے)، یعنی اللہ کی طرف سے دلائل وبینات اور علم آجانے کے بعد نفسانی خواہشات اور دنیوی اغراض کو پس پشت ڈال کر بینات کی اساس پر ایک دوسرے سے قریب ہونا چاہئے، اس لئے کہ اللہ کی آیات میں باہم اختلاف نہیں ہے، نہ کہ اس علم کو اختلاف وتفرق کا ذریعہ بنایا جائے۔

باہمی نزاع واختلاف کو قرآن کریم نے ضعف وکمزوری کا سبب قرار دیا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"وأطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا إن الله مع الصابرين" (سورہ انفال: ۴۶)

(اور اللہ اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور باہم نزاع مت کرو کہ کمزور ہوجاؤ اور تمہاری ہوا نکل جائے، اور صبر کرو، اللہ صبر کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے)، فرقہ بندی سے ممانعت کے ساتھ شریعت مطہرہ نے اختلاف ہوجانے کی صورت میں باہم اصلاح واتفاق کی کوشش کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

"إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون" (سورہ حجرات: ۱۰)

اس کے بعد کی آیات میں ان باتوں سے بھی روکا گیا جو مسلمانوں کے درمیان رنجش، عداوت اور افتراق کا سبب بن سکتی ہیں۔

آیات الٰہیہ کے ساتھ احادیث نبویہ میں بھی افتراق ونزاع، اور ان اسباب وذرائع سے سخت ممانعت وارد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا، وكونوا عباد الله إخوانا'' (صحيح مسلم، حديث: ۲۵۶۳، كتاب البر والصلة).

اور مومنین کے باہم اتفاق واتحاد کو ایک عمارت اور ایک جسم سے تشبیہ دی گئی ہے، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد، إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى''. (صحيح مسلم، حديث: ۲۵۸۶)

(باہمی محبت، رحمدلی اور شفقت میں مومنین کی مثال جسم کی سی ہے، کہ جب اس کا کوئی عضو تکلیف میں ہوتا ہے تو سارا جسم جاگنے اور بخار (تکلیف) میں شریک ہوتا ہے)، اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے: ''المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا'' (ایضا، حدیث: ۲۵۸۵) (مومن، مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے، جس کے بعض بعض سے جڑے رہتے ہیں)، انتہائی بلیغ تشبیہ ہے، جس طرح بدن کے اعضاء مختلف شکل اور الگ الگ کام کے ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے شریک غم رہتے ہیں، اور جس طرح ایک مکان کے مختلف اجزاء، دروازے، کھڑکیاں اور دیواریں وغیرہ مختلف النوع ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے جڑے رہتے ہیں، اور ایک دوسرے کو قوت دیتے ہیں اور عمارت میں مضبوطی لاتے ہیں، ایسے ہی مومنین، مختلف رنگ ونسل، مختلف مزاج اور الگ الگ مسلک پر ہونے کے باوجود، ایک دوسرے سے متحد رہ سکتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ شفقت ونرمی، اخوت وبھائی چارگی اور نصرت ومدد کا معاملہ کر سکتے ہیں، اور ایک دوسرے کی تحقیر واستہزاء کے بجائے باہمی عزت واحترام اور تعظیم کو باقی رکھ سکتے ہیں۔

(۱) فقہی مسالک میں اختلاف، اور وحدت واتفاق کے امکانات:

فقہی مسالک کے اختلافات، جن کا بیشتر حصہ وہ ہے جن میں اختلاف کی نوعیت، افضل غیر افضل، راجح مرجوح کی ہوتی ہے، یا چند مسائل جن میں اختلاف کی نوعیت، حلال وحرام یا جائز وناجائز کی ہے، چونکہ یہ مسائل مجتہد فیہ ہیں، اور اجتہادی مسائل میں اپنی رائے اور مسلک کو ترجیح تو دی جاسکتی ہے، مگر مخالف رائے کو بالکل باطل قرار دینا درست نہیں ہے؛ کیونکہ ہر اجتہاد کرنے والا مجتہد اپنے اجتہاد کے اعتبار سے حق پر ہوتا ہے احتمال خطا کے ساتھ، اور دوسرا مجتہد غلطی پر ہوتا ہے احتمال صواب کے ساتھ، اور عند اللہ اپنے اجتہاد کے سبب دونوں ہی اجر وثواب کے مستحق ہوتے ہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''وبالجملة الاختلاف في أكثر أصول الفقه راجع إلى التحري واطمئنان القلب بمشاهدة القرائن. وقد أشار النبي ﷺ إلى أن التكليف راجع إلى ما يؤدي إليه التحري في مواضع من كلامه، منها قوله ﷺ: فطركم يوم تفطرون، وأضحاكم يوم تضحون، قال الخطابي: معنى الحديث أن الخطأ موضوع عن الناس فيما كان سبيله الاجتهاد''،

مختصر یہ کہ اکثر اصول فقہ میں اختلاف غور وفکر اور قرائن کے مشاہدہ سے قلب کے اطمینان پر مبنی ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں یہ اشارہ بھی فرمایا ہے کہ تکلیف (یعنی حکم) راجع ہے تحری کے نتائج کی طرف، ایک حدیث میں ہے: تمہاری عید اس دن ہے جس دن تم لوگ عید مناؤ، اور تمہاری قربانی کا دن وہ ہے جس دن تم قربانی کرو، خطابیؒ نے فرمایا کہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو مسائل اجتہاد پر مبنی ہیں ان میں غلطی معفوعنہ ہے (عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید/۹)،

آگے لکھتے ہیں: ''وإن كان المجتهدان جميعا قد سلكا ما ينبغي لهما أن يسلكاه ولم يخالفا حديثًا صحيحًا ولا أمرًا ينقض اجتهاد القاضي والمفتي في خلافه فهما جميعًا على الحق. هذا والله اعلم'' (ایضا/۱۲)

اور اگر دو مجتہدین نے وہی طریقہ اختیار کیا جو انہیں اختیار کرنا چاہئے، اور کسی حدیث صحیح کی مخالفت نہیں کی، اور نہ کسی ایسے امر کی مخالفت کی جو قاضی اور مفتی کے اجتہاد کو اس کے خلاف ہونے میں کاٹ دے تو دونوں مجتہد حق پر ہیں، واللہ اعلم بالصواب، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر'' (صحيح بخاري مع فتح الباري ۱۳/ ۳۱۸، كتاب الاعتصام باب اجر الحاكم، حديث: ۷۳۵۲، صحيح مسلم مع شرح النووي: ۱۲/ ۱۳، حديث: ۱۷۱۶، بترقيم محمد فواد عبد الباقي)

(حاکم جب حکم کا ارادہ کرے پھر اجتہاد کرے اور (حق کو) پالے تو اس کے لئے دو اجر ہے، اور جب اجتہاد کرے اور چوک جائے تو اس کے

لئے ایک اجر ہے)، اور صاحب ''المغنی'' ابو محمد ابن قدامہ المقدسی الحنبلی (۵۴۱-۶۲۰ھ) نے تحریر فرمایا ہے: ''اتفاقهم حجة قاطعة واختلافهم رحمة واسعة'' (المغنی ۱/ ۴) (ائمہ مجتہدین کا (کسی مسئلہ پر) اتفاق دلیل قاطع، اور ان کا اختلاف وسعت پیدا کرنے والی رحمت ہے)۔

لہذا جب ان اختلافات کی نوعیت یہ ہے تو بعد کے لوگوں کو ان اختلافات میں وہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے جو ان ائمہ مجتہدین نے اختیار کیا، ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ''كانوا يتناظرون في المسائل العلمية والعملية مع بقاء الألفة والعصمة وأخوة الدين'' (فتاوی ابن تیمیہ ۴/ ۱۷۲)، علمی اور عملی مسائل میں الفت ومحبت، عزت واکرام اور دینی اخوت کو باقی رکھتے ہوئے بحث ومناظرہ کرتے تھے، یونس الصدفی کہتے ہیں:

''ما رأيت أعقل من الشافعي، ناظرته يوما في مسئلة ثم افترقنا ولقيته فأخذ بيدي ثم قال: يا أبا موسى! ألا يستقيم أن نكون إخوانا وإن لم نتفق في مسئلة'' (سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۱۶)

(میں نے امام شافعیؒ سے زیادہ عقلمند کسی کو نہیں دیکھا، میں نے ایک دن ان سے ایک مسئلہ میں مناظرہ کیا، پھر ہم دونوں جدا ہو گئے، اور میں ان سے ملا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا: ابو موسی! کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم بھائی بھائی رہیں اگر چہ ہم کسی بھی مسئلہ میں متفق نہ ہوں)۔

اس جیسے متعدد واقعات سلف کے منقول ہیں کہ کسی مسئلہ میں اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے احترام کو باقی رکھا اور مسئلہ میں اتفاق نہ ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ اعزاز واکرام کے ساتھ پیش آئے؛ کیونکہ اس میں دینی اخوت، فضیلت علم، سبقت اسلام اور تقدم فی السن ہر ایک حقوق کی رعایت ملحوظ تھی، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''ليس منا من لم يرحم صغيرنا ولم يوقر كبيرنا'' (سنن الترمذی ۴/ ۳۲۲، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في رحمة الصبيان)

(جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور بڑے کی توقیر نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے)۔

اور حضرت طاؤسؒ سے منقول ہے: ''من السنة أن يوقر العالم'' (جامع بيان العلم وفضله ۱/ ۱۲۹) (عالم کی توقیر سنت ہے)

حضرت ابن عباسؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ سواری پر سوار ہوئے، تو ابن عباسؓ نے ان کی رکاب پکڑی، اور جب زید بن ثابتؓ نے انہیں روکنا چاہا تو انہوں نے فرمایا: ''هكذا يفعل بالعلماء والكبراء'' (ایضا: ۲۸) (علماء اور بڑے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی اعزاز کا معاملہ کیا جائے گا)۔

اس لئے اپنے مسلک کے خلاف قول کے قائلین پر طنز وتعریض کرنا، مخالف قول کو اس انداز سے نقل کرنا کہ اس کے قائل کی تنقیص ہو، بعد کے علماء ومدرسین، مقررین ومبلغین کو زیب نہیں دیتا بلکہ جائز نہیں ہے، جب کہ خود ان مجتہدین فقہاء نے اس کو اپنے مابین بحث ومناظرہ میں روا نہیں رکھا، جیسا کہ مذکورہ واقعات سے ظاہر ہے، بلکہ اگر اپنے مسلک اور قول کے خلاف عمل کی نوبت آئی تو اپنے بڑے کے لحاظ میں بصد انشراح اس پر عمل بھی کیا، ہارون رشید نے پچھنا لگوایا، امام مالکؒ نے وضوء کے باقی رہنے کا فتوی دیا، ہارون رشید نے نماز پڑھائی اور امام ابو یوسفؒ نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی، حضرت امام احمد بن حنبلؒ جو خروج دم سے نقض وضو کے قائل ہیں، ان سے پوچھا گیا: اگر امام کو خون نکل آئے اور وہ وضوء کے اعادہ کے بغیر نماز پڑھائے تو کیا وہ اس امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ انہوں نے جواب دیا:

''كيف لا أصلي خلف الإمام مالك وسعيد بن المسيب'' (ادب الاختلاف في مسائل العلم والدين/ ۶)

مقصد یہ ہے کہ اگر امام مالک یا تابعی کبیر سعید بن المسیب جو خروج دم سے نقض وضو کے قائل نہیں ہیں، اگر وہ نماز پڑھائیں تو کون بدنصیب ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھے گا، خلیفہ ہارون رشید نے جب امام مالک کے سامنے ان کی کتاب مؤطا پر تمام امت کو جمع کرنے کا اپنا خیال ظاہر کیا تو امام مالکؒ نے انہیں جواب دیا:

''يا أمير المؤمنين! إن اختلاف العلماء رحمة على هذه الأمة، كل يتبع ما صح عنده، وكل على هدى، وكل يريد الله'' (ادب الاختلاف للشيخ محمد عوامه/ ۲۹، بحواله كشف الخفاء للعجلوني ۱/ ۶۵)۔

خلاصہ یہ ہے کہ وہ مسائل جن میں اجتہاد کی گنجائش ہے، ان مسائل میں ہر مجتہد اپنے اجتہاد پر عمل کا مجاز ہے، اس لئے کہ اس نے اپنی وسعت کے مطابق حق تک رسائی کی کوشش کی اگر چہ اس میں خطا کا احتمال ہے۔ اسی طرح ہمارا یا ہمارے امام کا اجتہاد بھی صحیح ہے مگر خطا کا احتمال اس میں بھی

موجود ہے، ایسی صورت میں اپنے قول کا دفاع تو کیا جاسکتا ہے مگر دوسرے پر طنز وتعریض کا کوئی جواز نہیں ہے، ان ائمہ، مجتہدین کا حق تقدم بھی عزت واحترام کا متقاضی ہے اور ایسے ہی مواقع کے لئے اس دعا کی تعلیم دی گئی ہے:

"ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين آمنوا ربنا إنك رؤوف رحيم" (سورہ حشر: ۱۰)

اور درس وتدریس یا تقریر وتحریر میں تنقیص یا طنز وتعریض کا طریقہ اختیار کرنے کا سب سے خطرناک نتیجہ یہ ہوگا کہ عوام اور طلبہ کے دل میں ان اسلاف کے متعلق غلط تاثر پروان چڑھے گا اور ان کا تقدس واحترام نکل جائے گا، بلاشبہ اسلاف نے اپنے وقت میں اسلام کی بقا کے لئے وہ جاں گسل وجانکاہ کارنامے انجام دیئے کہ ان کا قرض امت قیامت تک نہیں چکا سکتی۔

بین المذاہب حوار وتبادلہ خیال:

بین المذاہب مذاکرہ وتبادلہ خیال اور مناظرہ ومباحثہ جائز ہے اور اس کا ثبوت قرآن کریم سے بھی ہے اور احادیث نبویہ سے بھی، ابراہیم علیہ السلام کا اپنے وقت کے حکمراں سے مناظرہ، موسی علیہ السلام کا فرعون سے مباحثہ، دیگر انبیاء کرام کی اپنی اقوام سے گفتگو، سورہ کہف میں مذکور باغ والے کا قصہ، سیدنا یوسف علیہ السلام کی اپنے قید کے ساتھیوں کی دعوت، خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی گفتگو مشرکین کے ساتھ، نجران کے عیسائیوں کے ساتھ اور مدینہ منورہ کے ساتھ اس کا بین ثبوت ہیں۔

مذاکرہ وگفتگو اور مناظرہ ومباحثہ کے آداب وضوابط:

بین الادیان یا بین المذاہب مکالمہ وحوار، اور بحث ومناظرہ کے لئے اولین شرط تو یہ ہے کہ دونوں فریق اس کے لئے آمادہ ہوں، صرف ایک جہت سے کوشش اور دوسری طرف سے بیزاری یا عدم دلچسپی، کچھ بھی کارگر نہیں ہوگی، پھر علی العموم اس کے کچھ ضوابط اور آداب ہیں جن کی رعایت اختلافی امور پر گفتگو میں لازم ہے، مثلاً:

(۱) مکالمہ وتبادلہ خیال طلب حق یا ابلاغ حق کے لئے ہو، اور خالصۃً لوجہ اللہ ہو،

"ومن أحسن قولاً ممن دعا إلى الله وعمل صالحا وقال إنني من المسلمين" (سورہ فصلت: ۳۳)۔

(۲) گفتگو اور طرز کلام سنجیدہ ہو، علمی ہو،

"ولا تستوي الحسنة ولا السيئة ادفع بالتي هي أحسن فإذا الذي بينك وبينه عداوة كأنه ولي حميم" (سورہ فصلت: ۳۴)۔

(۳) فریقین کو اپنے افکار ونظریات اور دلائل پیش کرنے کی آزادی ہو۔

(۴) فریق مخالف کی بات کو پورے طور پر سنا جائے، حسن بن علیؓ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"وتعلم حسن الاستماع كما تتعلم حسن الصمت ولا تقطع على أحد حديثًا وإن طال حتى يمسك" (جامع بيان العلم وفضله ۱/ ۱۳۰) (اور سننے کا فن بھی سیکھو جیسا کہ چپ رہنے کا فن سیکھتے ہو اور کسی کی بات میں اگرچہ طویل ہو، قطع کلامی نہ کرو یہاں تک کہ وہ خاموش ہو جائے)۔

(۵) فریق مخالف کا احترام ملحوظ رکھنا اور توہین وتحقیر یا استہزاء اور ذاتیات پر حملہ سے احتراز کرنا۔

(۶) صبر وضبط اور تحمل وبردباری کو برقرار رکھنا، اور غضب وغصہ سے پرہیز کرنا۔

(۷) نیز تعصب وتحزب سے بچتے ہوئے انصاف کو قائم رکھنا، "يا أيها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط ولا يجرمنكم شنآن قوم على أن لا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى واتقوا الله إن الله خبير بما تعملون" (سورہ مائدۃ: ۸)۔

اسلامی فرقوں کے مابین اختلاف خواہ عقیدہ کے امور میں ہو یا عملی وفروعی امور میں، اختلافی موضوعات پر گفتگو یا مذاکرہ اور تبادلہ خیال کا طریقہ، افہام وتفہیم اور خیر خواہی کا ہونا چاہئے، لہجہ میں نرمی ہو، خطاب میں اعزاز واکرام ہو، اور کلام میں سنجیدگی اور وقار ہو۔

(۲) عقائد سے متعلق اختلافات میں تبادلہ خیال کا نہج:

جن اختلافات کا تعلق کسی نہ کسی درجہ میں عقیدہ سے ہے، مثلاً شیعہ سنی اختلافات یا بعض مسائل میں دیو بندی بریلوی اختلافات، سلفی اور غیر سلفی اختلافات ان سب میں باہم اختلافی موضوعات پر گفتگو، مذاکرہ اور تبادلہ خیال میں ان تمام ضوابط وآداب کو ملحوظ رکھا جائے گا، جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، یہ تمام ہی فرقے بعض عقائد کے پیش نظر اگر چہ ایک دوسرے کو کافر و مشرک کہتے ہیں، بریلوی دیو بندی کو کافر کہتے ہیں، اور غیر مقلدین بھی ائمہ کی تقلید کی وجہ سے احناف کو مشرک کہتے ہیں، لیکن ان سب کا مصدر شریعت قرآن وحدیث ہی ہے بلکہ غیر مقلدین اگر چہ قولاً اجماع کا انکار کرتے ہیں مگر اجماع پر اور علی الاطلاق تقلید پر ان کا بھی عمل ہے، لہٰذا ان کے مابین ان بنیادوں پر مذکورہ بالا آداب وضوابط کے تحت تبادلہ خیال اور گفتگو کی جاسکتی ہے، اور مختلف فیہ مسائل میں قرآن وحدیث اور صحابہ وسلف کی فہم واستنباط اور ان کے اقوال کی طرف ہی رجوع کیا جائے گا، بشرطیکہ اتحاد کے فکر مند اور مخلص ہوں، اس موقع پر کسی صاحب بصیرت، عارف رموز شریعت علیہ الرحمۃ والرضوان کی بات بہت ہی چشم کشا، کارگر اور رہنما ہے، لکھتے ہیں:

''عوام الناس کو یہ بات پریشان کئے ہوئے ہے کہ جو بھی اسلامی یا منسوب بہ اسلام فرقہ اپنے مسلک کی طرف دعوت دیتا ہے تو وہ قرآن وحدیث ہی کا نام لیتا ہے، اور اپنے استدلال میں قرآن وحدیث ہی کو پیش کرتا ہے، اب ہم کس کو صحیح اور کس کو غلط اور کس کو حق پر اور باطل پر سمجھیں؟

واقعی یہ شبہ اکثر لوگوں کے مغالطہ کے لئے کافی ہے، لیکن اگر انصاف، خدا خوفی اور دیانت کے ساتھ اس بات پر غور کر لیا جائے کہ آخر یہی قرآن وحدیث حضرات صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ دین وبزرگان صالحین کے سامنے بھی تھے، ان کا جو مطلب ومعنی اور جو تفسیر ومراد انہوں نے سمجھا وہی حق اور صواب ہے، باقی سب غلط اور باطل ہے، پس عوام کا یہ کام ہے کہ ہر باطل پرست اور خواہش زدہ سے یہ سوال کریں کہ فلاں آیت اور فلاں حدیث کی جو مراد تم بیان کر رہے ہو، آیا یہ سلف صالحین سے ثابت ہے؟ اگر ہے تو صریح وصحیح حوالہ بتاؤ، چشم ما روشن دل ما شاد، ورنہ یہ مراد جو تم بیان کر رہے ہو اس لائق ہے کہ اسے ع اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں!

پھر آگے لکھتے ہیں: ''خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (المتوفی ۱۰۱ھ) کے سامنے منکرین تقدیر نے جب یہ دلیل پیش کی کہ قرآن کریم کی بعض آیات سے تقدیر کی نفی ثابت ہوتی ہے، اس لئے تقدیر کا عقیدہ نہ ضروری ہے، اور نہ ثابت بلکہ اس کا انکار ہی قرآن کریم کی بعض آیات کے موافق ہے، تو ان کے اس بے بنیاد شبہ کو دور کرنے کی غرض سے انہوں نے ارشاد فرمایا:

''لقد قرؤوا منه ما قرأتم وعلموا من تأويله ما جهلتم وقالوا بعد ذلك كله بكتاب وقدر'' (ابو داؤد ۲/ ۲۷۸)

(یعنی حضرات صحابہ کرام وتابعین وغیرہم رضوان اللہ علیہم نے قرآن کریم کی یہ آیتیں بھی پڑھی ہیں جو تم نے پڑھی ہیں، لیکن وہ ان کی مراد کو سمجھے ہیں اور تم نہیں سمجھے، اور انہوں نے یہ سب آیات پڑھ کر پھر تقدیر کا اقرار کیا ہے)، (یہ عبارت شیخ الہندؒ کی کتاب الابواب والتراجم میں اخیر میں فہرست تراجم اور ایک کتاب کے اشتہار کے بعد ص: ۵۴ پر مندرج ہے، ممکن ہے یہ شیخ الہند علیہ الرحمہ کا ہی کلام ہو، واللہ اعلم بالصواب)۔

لہٰذا وہ فرقے جو قرآن وحدیث کو مانتے ہیں اور صحابہ کرام کے مقام کو پہچانتے ہیں، ان سے اس نہج پر بات کی جائے گی، تاکہ یا تو حق کو قبول کر کے اختلافات دور کرلیں یا پھر کم از کم ''لکم دینکم ولی دین'' کے مطابق اپنے اپنے مسلک پر اپنے طور پر عمل کریں، نہ عوام کو تشویش میں مبتلا کریں، اور نہ اسے باہمی نزاع کا سبب بنائیں، اور ایک اچھا معاشرہ قائم کریں تاکہ غیر مسلموں تک اسلام اور مسلمانوں کی اچھی شبیہ پہنچ سکے۔

البتہ شیعہ حضرات جو نہ قرآن کو مکمل تسلیم کرتے ہیں، اور نہ حدیث کی صحت کا ان کے نزدیک کوئی معیار ہے اور نہ صحابہ کرام ان کے نزدیک معتبر ہیں، ان سے اختلافی امور میں مذکورہ بنیادوں پر گفتگو ممکن نہیں، ان کا ایک خطرناک عقیدہ تقیہ کا ہے، جس کے ہوتے ہوئے ان پر اعتماد ہی ناممکن ہے، سید محب الدین الخطیب لکھتے ہیں:

''وأول موانع التجاوب الصادق بإخلاص بيننا وبينهم ما يسمونه ''التقية'' فإنها عقيدة دينية، تبيح لهم التظاهر لنا بغير ما يبطنون، فينخدع سليم القلب منا بما يتظاهرون له به من رغبتهم فى التفاهم والتقارب، وهم لا يريدون ذلك، ولا يرضون به ولا يعملون له، إلا على أن يبقى من الطرف الواحد. مع بقاء الطرف الآخر فى عزلته. لا يتزحزح عنها قيد شعرة، ولو توصل ممثلو دور التقية منهم إلى إقناعنا بأنهم خطوا نحونا بعض الخطوات،

فإن جمهور الشيعة كلهم من خاصة وعامة، يبقى منفصلًا عن ممثلي هذه المهزلة، ولا يسلم للذين يتكلمون باسمه بأن لهم حق التكلم باسمه'' (الخطوط العريضة التي قام عليها دين الشيعة/۸)۔

(ہمارے اور ان کے درمیان اخلاص کے ساتھ نتیجہ خیز گفتگو کی اولین رکاوٹ وہ شئی ہے جس کا وہ ''تقیہ'' نام رکھتے ہیں، اس لئے کہ وہ (ان کا) ایک دینی عقیدہ ہے، جو ان کے لئے جائز کرتا ہے کہ ہمارے سامنے اس کے برخلاف جو وہ چھپائے رکھتے ہیں، لہٰذا ہمارا سلیم القلب آدمی اس سے دھوکہ کھا جائے گا جو وہ تقیہ کے ذریعہ مفاہمت وقربت کی اپنی رغبت کو ظاہر کریں گے، حالانکہ وہ اس کا ارادہ نہیں رکھتے، اور نہ اس کے لئے راضی ہوتے ہیں اور نہ اس کے لئے کام کرتے ہیں مگر یہ کہ یہ (کوشش) ایک طرف سے باقی رہے، طرف آخر کی اپنی علاحدگی پر بقا کے ساتھ، جس سے بال برابر بھی نہیں ہٹتے، اور اگر ان کے نمائندے ہم کو مطمئن کر بھی دیں کہ انہوں نے ہماری طرف کچھ قدم بڑھائے ہیں تو ان کے خاص وعام اکثر لوگ ان نمائندوں (کی بات) سے الگ ہی رہیں گے اور جو ان کی طرف سے بات کریں گے ان کے لئے تسلیم ہی نہیں کریں گے کہ انہیں ان کی طرف سے بات کرنے کا حق ہے)۔

لہٰذا شیعہ حضرات کا وجود ہی اسلام دشمنی کی بنیاد پر ہوا ہے، جنہوں نے خلافت راشدہ کے دور میں ہی مسلمانوں کے درمیان خونریزی کے اسباب پیدا کئے، اہل بیت کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے، اور دنیا کے سامنے اہل بیت کی محبت کا ڈھونگ رچا، ان شیعہ سے یہ امید کہ وہ اہل سنت والجماعت کے ساتھ اپنے بغض کو کم کریں گے، یا ان کے ساتھ امن قائم رکھیں گے، بہت بعید ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ها أنتم أولاء تحبونهم ولا يحبونكم وتؤمنون بالكتاب كله وإذا لقوكم قالوا آمنا وإذا خلوا عضوا عليكم الأنامل من الغيظ. قل موتوا بغيظكم إن الله عليم بذات الصدور" (آل عمران: ۱۱۹) (یہ تم لوگ ان سے محبت رکھتے ہو اور وہ لوگ تم سے محبت نہیں رکھتے ہیں، اور تم لوگ مکمل کتاب پر ایمان رکھتے ہو، اور جب وہ لوگ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں، اور جب تم سے جدا ہوتے ہیں، تو غصہ میں تمہارے خلاف انگلیاں کاٹتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ غصہ میں مرجاؤ، اللہ تمہارے دلوں کی بات جانتا ہے)۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی نے ابن عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ

''وهذه الصفة قد تترتب في كثير من أهل البدع إلى يوم القيامة'' (تفسیر قرطبی: ۱۸۲)۔

(اور یہ صفت قیامت تک آنے والے اکثر مبتدعین پر صادق آتی ہے)، لہٰذا اگر شیعہ فرقہ سے کوئی معاہدہ اور وحدت قائم بھی ہو جائے تو ان پر مطمئن نہیں ہوا جا سکتا، ان سے چوکنا رہنا لازم ہے؛ کیونکہ شیعہ کی یہ تاریخ رہی ہے کہ جب اہل سنت والجماعت کی حکومت رہی ہے، ان کو غلبہ رہا ہے، تو ان سے چپک کر رہے ہیں، زبانی طور پر ان سے ہمدردی کی ہے، اور ان میں عہدے اور مناصب حاصل کئے ہیں، اور جب ان پر کسی طاقت نے حملہ کیا ہے تو یہ ان کی صفوں میں جا ملے ہیں، امویوں اور عباسیوں کے ساتھ بھی یہی ہوا، اور بعد کی اسلامی حکومتوں کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔

(۳) فکر وعقیدہ میں اختلاف پر تنقید:

جس فکر یا عقیدہ کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہو، لیکن اس کی بنیاد پر تکفیر کا قائل نہیں ہے، ایسے فکر یا عقیدہ پر تنقید ہو، یا جس فکر یا عقیدہ کو موجب کفر سمجھتا ہو اور اس کی بنیاد پر اس کے حاملین کو کافر قرار دیتا ہو، اس پر تنقید ہو، دونوں کے ساتھ مکالمہ وگفتگو میں انہیں آداب وحدود کی رعایت ملحوظ ہوگی جن کا ذکر اوپر گزر چکا، موسی وہارون علیہما السلام کو اللہ تعالی نے سرکش فرعون کے پاس بھیجتے وقت یہ بھی نصیحت فرمائی تھی: "فقولا له قولا لينا" (سورہ طہ: ۴۴) (اور اس سے نرم بات کہنا)۔ قرآن کریم میں باغ والے کا قصہ مذکور ہے کہ اس کے مومن ساتھی نے کس محبت کے انداز میں اس کو اللہ کی قدرت، دنیا کی بے ثباتی، اور آخرت کی خوشحالی کا پیغام دیا ہے (سورہ الکہف: ۳۲ تا ۴۲)۔ سارے انبیاء نے اپنی قوم کو جس انداز میں خطاب کیا ہے، قرآن میں مذکور ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے وقت کے جابر حکمراں سے مباحثہ ومناظرہ، موسی علیہ السلام کی فرعون کے ساتھ گفتگو، ان سب میں کلام میں سنجیدگی، دلائل کی پختگی برقرار ہے۔

نیز اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: "ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم. كذلك زينا لكل أمة عملهم ثم إلى ربهم مرجعهم فينبئهم بما كانوا يعملون" (سورہ انعام: ۱۰۸) (اور یہ کفار اللہ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہیں تم ان کو گالیاں مت دو کہ وہ

نادانی میں آگے بڑھ کر اللہ کو گالیاں دینے لگیں، ہم نے ایسے ہی ہر امت اور گروہ کے لئے ان کے عمل کو خوشنما بنادیا ہے، پھر انہیں اپنے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے، تو وہ انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں)۔ اس آیت کے تحت امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

''قال العلماء حكمها باق في هذه الأمة على كل حال، فمتى كان الكافر في منعة وخيف أن يسب الإسلام أو النبي عليه السلام أو الله عزوجل فلا يحل لمسلم أن يسب صلبانهم ولا دينهم ولا كنائسهم. ولا يتعرض إلى ما يؤدي إلى ذلك لأنه بمنزلة البعث على المعصية'' (تفسیر قرطبی ۶۱/۷)

(علماء نے کہا ہے کہ اس کا حکم اس امت میں ہر حال میں باقی ہے، لہٰذا جب کافر طاقت میں ہوں اور اس کا خوف ہو کہ وہ اسلام کو برا کہیں گے، یا نبی علیہ السلام کی شان میں گستاخی کریں گے یا اللہ کو گالی دیں گے تو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی صلیبوں کو یا ان کے گرجا گھر کو یا ان کے دین کو گالی دے، اور نہ یہ جائز ہے کہ ایسے کسی بھی امر سے تعرض کرے جو ان مفاسد کا باعث ہو؛ کیونکہ یہ معصیت پر ابھارنے کے درجہ میں ہے)۔

نیز لکھتے ہیں: ''في هذه الآية أيضًا ضرب من الموادعة، ودليل على وجوب الحكم بسد الذرائع، وفيها دليل على أن المحق قد يكف عن حق له إذا أدى إلى ضرر يكون في الدين'' (ایضا)

(نیز اس آیت میں ایک قسم کی مصالحت ہے، ذرائع کو بند کرنے کے وجوب کے حکم پر دلیل ہے، اور اس میں اس پر دلیل ہے کہ صاحب حق بعض احوال میں اپنے حق سے باز رہے، جبکہ اس کا طلب کرنا دین میں کسی ضرر کا باعث ہو)۔

جب صریح کافر کے ساتھ گفتگو اور معاملہ کا یہ انداز اختیار کرنے کا حکم ہے، تو جو لوگ ایمان کے دائرے میں ہیں ان کے ساتھ بدرجہ اولی محبت وہمدردی کے انداز میں گفتگو کی جائے گی، البتہ کفار کے ساتھ قلبی محبت اور گہرے تعلقات نہیں رکھے جائیں گے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يألونكم خبالا ودوا ما عنتم قد بدت البغضاء من أفواههم وما تخفي صدورهم أكبر قد بينا لكم الآيات إن كنتم تعقلون" (سورہ آل عمران: ۱۱۸)

(اے ایمان والو! اپنے غیر کو قلبی دوست اور راز دار مت بناؤ، جو تمہارے بگاڑ اور فساد میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے، تمہاری تکلیف ان کو پسند ہے، نفرت ان کے منھ سے ظاہر ہو چکی ہے، اور ان کے دل جو چھپائے رکھتے ہیں، وہ اور بڑی ہے، ہم نے تمہارے لئے آیات ونشانیاں بیان کردی ہیں تاکہ تم سمجھ لو)۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: ''نهى الله عزوجل المؤمنين بهذه الآية أن يتخذوا من الكفار واليهود وأهل الأهواء دخلاء ولجاء يفاوضونهم في الآراء، ويسندون إليهم أمورهم. ويقال: كل من كان على خلاف مذهبك ودينك فلا ينبغي لك أن تحادثه'' (تفسیر قرطبی ۱۴۸/۴)

(اللہ تعالی نے اس آیت کے ذریعہ مومنین کو منع کردیا ہے کہ وہ کفار، یہود اور اہل بدع کو راز دار، قریبی اور اپنے امور میں دخیل بنائیں، اور ان سے رائے مشورہ لیں اور اپنے امور ان کے سپرد کریں، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر وہ شخص جو تمہارے دین ومذہب کے خلاف ہو، مناسب نہیں ہے کہ تم ان سے بات کرو)۔

(۴) دو فرقوں کے درمیان جنگ وجدال:

عالم اسلام کے مختلف ممالک اس وقت شیعہ سنی تنازعات واختلافات کی بھیانک ترین شکل سے دوچار ہیں، معصوم جانیں ضائع ہورہی ہیں، املاک تباہ ہورہی ہیں، مساجد اور مقدس مقامات کی بے حرمتی ہورہی ہے، قتل وغارتگری، بمباری اور زمینی وفضائی حملے ہورہے ہیں، اسلام دشمن عناصر ہنس رہے ہیں اور اسے مزید ہوا دے رہے ہیں، صورتحال یقیناً افسوسناک ہے، خون کے آنسو رونے کا مقام ہے، اس صورتحال کی حمایت کی جاسکتی ہے اور نہ حوصلہ افزائی، خاص طور سے یہ خونریزی اس صورت میں اور تکلیف دہ ہے جب کہ شیعہ کو مسلمان تسلیم کرلیا جائے، (اور عموماً دیگر مذاہب کے لوگ یہی سمجھتے ہیں، اور شیعہ بھی خود کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں)۔

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو باہم قتال سے منع فرمایا ہے، اور اسے کافروں کا شعار بتایا ہے، فرمایا:

''لا ترجعوا بعدی کفارًا یضرب بعضکم رقاب بعض'' (صحیح بخاری مع فتح الباری ۱۲/۱۹۱، صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث: ۱۱۸)

(میرے بعد کافروں جیسے مت ہو جانا کہ تمہارے بعض، بعض کی گردن ماریں)، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''من حمل علینا السلاح فلیس منا'' (صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث نمبر: ۱۶۱)

(جس نے ہم (مسلمان) پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم (مسلمانوں) سے نہیں ہے)، اور قرآن کریم نے عمداً کسی مسلمان کے قتل کی سزا خلود فی النار بتایا ہے:

"ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدًا فیہا وغضب اللہ علیہ ولعنہ وأعد لہ عذابًا عظیمًا" (سورہ نساء: ۹۳)

(اور جو کسی ایمان والے کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے، تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہوگا، اور اللہ اس پر ناراض ہوا، اور اس پر لعنت فرمائی اور اس کے لئے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے)، کسی بھی مسلمان کو ناحق قتل کرنا یا اس کے ساتھ قتال کرنا شرعاً ممنوع ہے، اور ناحق قتال کرنے والوں کے بارے میں مذکور ہے:

''إذا التقی المسلمان بسیفہما، فالقاتل والمقتول فی النار'' (صحیح بخاری مع فتح الباری ۱۲/ ۱۹۲)

(جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ آمنے سامنے ہوں، تو قاتل اور مقتول دونوں ہی جہنمی ہیں)، لہذا اس فتنہ کی ابتدا کرنے والا مجرم ہوگا، اور دفاع اور اپنا تحفظ کرنے والا حق پر ہوگا جب تک حد سے متجاوز نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''من قتل دون مالہ فہو شہید، ومن قتل دون دینہ فہو شہید، ومن قتل دون دمہ فہو شہید، ومن قتل دون أہلہ فہو شہید'' (سنن الترمذی ۴/ ۳۰، کتاب الدیات) (جو اپنے مال کے پیچھے قتل کیا گیا وہ شہید ہے، جو اپنا دین بچانے میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے، جو اپنی جان کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے، جو اپنے اہل وعیال کی حفاظت میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے)۔

جان ومال کے تحفظ کے متعلق اسلام کا نظریہ:

مذکورہ حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے جان ومال کے تحفظ اور اس کے اکرام کا حکم دیا ہے، نیز اس نے بلاتفریق دین ومذہب قتل نفس سے منع کیا ہے، "ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ إلا بالحق" (سورہ اسراء: ۳۳) (اور کسی نفس محترم کو ناحق قتل مت کرو)، اور کسی ایک نفس کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل سے تعبیر کیا: "من أجل ذلك كتبنا على بني إسرائيل أنه من قتل نفسًا بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعًا ...." (سورہ مائدہ: ۳۲) (اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی انسان کو بغیر کسی خون یا زمین میں فساد کے سبب قتل کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا)۔

لہذا اسلام ناحق کسی کافر کے قتل کی بھی اجازت نہیں دیتا، بلکہ کافر کے ساتھ قتال وجہاد کے بھی اسلام نے کچھ ایسے آداب وضوابط اور اصول بتلائے ہیں، جس میں انسانیت کا مکمل اکرام واحترام ملحوظ ہے، اور صرف ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والے اور قتال میں شریک ہونے والے کو ہی قتل کرنے کی اجازت ہے، ان اصول کی خلاف ورزی مجاہد کے عمل جہاد کے لئے مضر ہو سکتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر روانہ کرتے وقت یہ نصیحت فرماتے:

''انطلقوا باسم اللہ، وباللہ وعلی ملۃ رسول اللہ، ولا تقتلوا شیخا فانیًا ولا طفلًا، ولا صغیرًا، ولا امرأۃ، ولاتغلوا، وضموا غنائمکم، وأصلحوا وأحسنوا، إن اللہ یحب المحسنین'' (سنن ابی داؤد: ۳/ ۳۸، حدیث نمبر: ۲۶۱۴، کتاب الجہاد، باب فی دعاء المشرکین)

(اللہ کا نام لے کر جاؤ، اور اللہ سے مدد طلب کرنا اور اللہ کے رسول کے مذہب پر قتال کرنا، اور کسی کھوسٹ بوڑھے کو قتل نہ کرنا اور نہ کسی بچے کو، اور نہ کسی کمسن کو، اور نہ کسی عورت کو، اور خیانت مت کرنا، اور اپنے غنیمت کے مال کو اکٹھا کرنا، اور اصلاح کرنا اور اچھائی کرنا، اللہ تعالی اچھائی کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے)، اور بعض روایات میں ''ولا تمثلوا، ولا تغد روا'' (ایضا: ۳/ ۳۷) (اور مثلہ مت کرنا، یعنی شکل نہ بگاڑنا اور نہ غداری کرنا) کے

بھی الفاظ ہیں، سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے حضرت یزید بن ابوسفیان ؓ کی قیادت میں لشکر روانہ کرتے وقت جو ہدایات فرمائی تھیں، اس میں یہ بھی مذکور ہے:

''ولا تقطعن شجرًا مثمرًا، ولا تخربن عامرًا، ولا تعقرن شاة، ولا بعيرًا إلا لمأكلة'' (مؤطا مع شرحه تنوير الحوالك ۲/ ۵، كتاب الجهاد، باب النهى عن قتل النساء والولدين فى الغزو)

(اور ہرگز کسی پھلدار درخت کو مت کاٹنا، اور نہ کسی آبادی کو ویران کرنا، اور نہ کسی بکری یا اونٹ کو بغیر کسی غذائی ضرورت کے ذبح کرنا)، عصر حاضر کی جنگوں میں یہ ساری قدریں پامال ہورہی ہیں، اگر چہ وہ اپنے کو مسلمان کہنے والے دو فرقوں کے درمیان ہوں۔

ایسے حالات میں دونوں فرقوں کے اصحاب فکر و دانش، علماء اور قائدین ملت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ عوام کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرائیں، انسانیت کا درس پڑھائیں، انسانی جان و مال کی حرمت، اور اس کی پامالی کے نتائج بد سے آگاہ کریں، اور یہ بتائیں کہ اسلام نفس پرستی، بغض و نفرت اور بے جا قتل و غارت گری کا نام نہیں ہے، اسلام نام ہے خدا پرستی کا، رسول اللہ کی تابعداری کا، اخلاص و محبت کا، ایثار و خیر خواہی کا، صبر و ضبط کا، امن و سلامتی کا، اور محض اللہ کے لئے قتال کرنے کا۔

(۵) سنی، شیعہ مشترک آبادیاں:

جب دو یا دو سے زیادہ قومیں ایک دوسرے سے قریب ایک آبادی میں رہتی ہیں یا ایک دوسرے سے اختلاط رکھتی ہیں، تو وہ ایک دوسرے پر رہن سہن، عادات و اطوار اور گفتار و کردار میں اثر انداز بھی ہوتی ہیں، شاید اس لئے مسلمانوں کی کفار و مشرکین کے ساتھ مخلوط آبادی یا ان کے قریب آبادی اختیار کرنے کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''أنا برئ من كل مسلم مقيم بين أظهر المشركين، قالوا: يا رسول الله! لم؟ قال: لا تتراءى ناراهما'' (سنن ابوداؤد ۲/ ۴۵، كتاب الجهاد، حديث نمبر: ۲۶۴۵، سنن الترمذى ۴/ ۱۵۵، كتاب السير، باب ما جاء فى كراهية المقام بين أظهر المشركين، حديث نمبر: ۱۶۰۴)

(میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے بیچ قیام کرنے والا ہو، صحابہ نے دریافت فرمایا: اے اللہ کے رسول! کس سبب سے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان دونوں کی آگ ایک دوسرے کو نہ دیکھے)، اس حدیث کے معانی میں سے ایک معنی یہ منقول ہے:

''والنفى معناه النهى، أى يتباعد منزلاهما ... يعنى لا يصح ولا يستقيم للمسلم أن يساكن الكافر ويقرب منه''

(نفی نہی کے معنی میں ہے، یعنی ان دونوں کی منزلیں ایک دوسرے سے دور ہوں...... یعنی مسلمان کے لئے صحیح اور درست نہیں ہے کہ کفار کے ساتھ سکونت اختیار کرے اور ان سے قریب ہو)، اور ایک قول یہ بھی منقول ہے:

''أى لا يتسم المسلم بسمة المشرك، ولا يتشبه فى هديه وشكله ولا يتخلق بأخلاقه'' (مرقاة المفاتيح ۷/ ۱۱۵)

(یعنی مسلمان مشرک کی شناخت نہ اپنائے، اور نہ شکل و صورت اور چال ڈھال میں ان کی شباہت اختیار کرے، اور نہ ان کے اخلاق اختیار کرے)، اس لئے بہتر اور راجح تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی آبادی کفار و مشرکین یا گمراہ فرقوں سے الگ ہو، اس لئے کہ مآل کے اعتبار سے یہ مسلمانوں کے لئے مضر ہے، اور مسلمان نسلوں کے لئے خطرناک ہے، اور یہ امر مشاہد ہے کہ جہاں بھی مخلوط آبادیاں ہیں، کفار کی بہت ساری تہذیبیں مسلمانوں کے معاشرہ کا ایک حصہ بن چکی ہیں، اور اسلام کی صاف و شفاف شبیہ دھندلی ہوگئی ہے۔

لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کے ایک دوسرے کو گمراہ سمجھنے والے فرقے ہوں، یا ایک دوسرے کو کافر قرار دینے والے یا دوسرے دین کے ماننے والے لوگ، ان کے ساتھ مشترکہ و مخلوط رہائش و آبادی اسلام میں ممنوع نہیں ہے، اور نہ شہری و ملکی نظم و نسق کے لئے ان کے ساتھ ربط و تعلق ممنوع ہے، بلکہ یہ جائز و درست ہے اور بیشتر آبادیاں مخلوط ہی ہیں، اور اس کی مثالیں بھی قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔

(۱)......سب سے پہلے مکی زندگی میں جہاں اکثریت کفار کی تھی اور مسلمان اقلیت میں تھے، کفار مکہ نے آپ ﷺ کے سامنے ایک تجویز رکھی کہ

آپ اللہ کی عبادت کے ساتھ ہمارے دیوی دیوتاؤں کی بھی عبادت کریں اور ہم بھی اپنے دیوی دیوتاؤں کی عبادت کے ساتھ آپ کے معبود کی عبادت کریں، دین میں مشترک رہیں۔

''فقالوا: یا محمد! ہلم فلنعبد ما تعبد، وتعبد ما نعبد فنشترك نحن وأنت فی الأمر...'' (سیرۃ ابن ہشام ۱/ ۳۶۲)

اس موقع پر سورہ ''کافرون'' نازل ہوئی، جس میں سب سے پہلے مشرکین کے معبودان باطلہ کی عبادت سے واضح طور پر براءت ولاتعلقی کا اظہار واعلان کیا گیا، اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اپنے باطل معبودوں کی عبادت کے ساتھ تم میرے معبود ایک اللہ کی عبادت کرنے والے ہو ہی نہیں سکتے، اس لئے کہ مطلوب تو غیروں سے براءت کے ساتھ ایک اللہ کی عبادت ہے، اور دین ومذہب کا مدار شک اور تردد پر نہیں بلکہ پختہ یقین اور قلبی اطمینان پر ہے، البتہ پرامن معاشرت اور باہم زندگی کے لئے ایک صورت یہ ہے کہ "لکم دینکم ولی دین" تم اپنے دین پر عمل کرو اس کی جزا تم بھگتو گے اور ہم کو اپنے دین (اسلام) پر آزادی کے ساتھ عمل کرنے دو، اس میں رکاوٹ نہ ڈالو، اس کا بدلہ ہمیں ملے گا، اس طرح ہر ایک کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی کے ساتھ ایک پرامن معاشرہ قائم ہوگا، اور اختلاف دین کے باوجود سماجی تعلقات قائم رہیں گے، اور اگر مشرکین مکہ نے اس تجویز کو مان لیا ہو تا تو ہجرت کی نوبت ہی نہ آتی، اور اس سے اس مسئلہ پر استدلال کیا جاسکتا ہے کہ آبادی مخلوط ہو، اور مسلمانوں کو اپنے دین پر عمل کی اجازت ہو اور غیر مسلموں کی طرف سے کوئی رکاوٹ درپیش نہ ہو تو ان کے ساتھ معاشرتی زندگی اختیار کی جاسکتی ہے، اور اپنے مذہب پر عمل کی آزادی اور سہولت میسر ہونے کے ساتھ غیر مسلموں کے ساتھ، مخلوط آبادی میں رہنا جائز ہے، آیت کریمہ: "لکم دینکم ولی دین" کی تفسیر میں متعدد مفسرین نے لکھا ہے: ''علی سبیل المہادنة والمسالمة''، یعنی بطور مصالحت، یہ کہا گیا؛ چنانچہ ابوحیان الاندلسی لکھتے ہیں:

''أی لکم شرککم ولی توحیدی، وهٰذا غایة فی التبرؤ، ولما کان الأهم انتفاءه علیه السلام من دینهم بدأ بالنفی فی الجمل السابقة بالمنسوب إلیه، ولما تحقق النفی رجع إلی خطابهم فی قوله (لکم دینکم) علی سبیل المهادنة وهی منسوخة بآیة السیف''

(یعنی تمہارے لئے تمہارا شرک ہے اور میرے لئے میری توحید ہے، اور یہ اظہار براءت کی انتہا ہے، اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے دین سے نفی کرنا اہم تھا، اس لئے سابقہ جملوں میں نفی سے ہی شروعات کی، اور جب (ان کے معبودوں کی عبادت سے) نفی محقق ہوگئی تو اپنے قول (لکم دینکم) کے ذریعہ ان کو خطاب کیا بطور مصالحت کے، اور یہ آیت سیف سے منسوخ ہے) (البحر المحیط ۸/ ۵۲۲، نیز دیکھئے: الکشاف ۴/ ۸۰۹، التسہیل لعلوم التنزیل ۲/ ۵۱۹، اللباب ۲۰/ ۵۳۵)، بلکہ قاضی بیضاوی اس کے نسخ کے قول کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' لکم دینکم الذی أنتم علیه لا تترکونه ولی دین، دینی الذی أنا علیه لا أرفضه. فلیس فیه إذن للکفر ولا منع عن الجهاد لیکون منسوخًا بآیة القتال'' (تفسیر بیضاوی ۵/ ۳۴۳)

(تمہارے لئے تمہارا وہ دین ہے جس پر تم ہو تم اسے چھوڑو گے نہیں، اور میرے لئے بھی ایک دین ہے، میرا وہ دین جس پر میں ہوں، میں اسے نہیں ٹھکراؤں گا، لہٰذا نہ اس میں کفر کی اجازت ہے اور نہ جہاد سے ممانعت، کہ آیت قتال سے منسوخ ہو)، اس لئے کہ جہاد کا حکم تو اس وقت ہے جبکہ کفار دین اسلام کے راستہ میں رکاوٹ بنیں، قتال کریں، اور اگر مصالحت کے ساتھ بغیر کسی تعرض کے زندگی گزر رہی ہو تو جہاد کا موقع نہیں ہے؛ کیونکہ دین میں اکراہ وجبر نہیں ہے۔

(۲) زمانہ جاہلیت میں قبائل قریش ایک معاہدہ کے لئے عبداللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے۔

''فتعاقدوا وتعاهدوا علی أن لا یجدوا بمکة مظلومًا من أهلها وغیرهم ممن دخلها من سائر الناس إلا قاموا معه وکانوا علی من ظلمه حتی ترد إلیه مظلمته، فسمت قریش ذلك الحلف حلف الفضول''

(اور باہم اس بات پر عقد ومعاہدہ کیا کہ نہیں پائیں گے مکہ میں کسی بھی مظلوم کو، اہل مکہ سے ہو یا ان کے علاوہ عام لوگوں سے جو مکہ آیا ہو، مگر اس کے ساتھ کھڑے ہوں گے اور جس نے بھی اس پر ظلم کیا ہوگا اس کے سر پر سوار رہیں گے یہاں تک کہ وہ اس کا حق ادا کردے، اور قریش نے اس معاہدہ کو حلف الفضول کا نام دیا)، اس معاہدہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیان محفوظ ہے کہ

"لقد شهدت في دار عبد الله بن جدعان حلفًا ما أحب أن لي به حمر النعم ولو ادعى به في الإسلام لأجبت"
(سیرت ابن ہشام ۱/ ۱۳۵) (عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک ایسے معاہدہ میں میں شریک رہا ہوں کہ مجھے اس کے بدلہ میں سرخ اونٹ بھی دیئے جائیں تو (اس کا توڑنا) مجھے پسند نہیں، اور اگر (زمانہ) اسلام میں بھی مجھے اس کے لئے پکارا جائے تو اس پر لبیک کہوں گا)۔

(۳)...... مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے ساتھ مشرکین اور یہود کی بھی آبادی تھی، جو اگر چہ بقول علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمۃ نسلاً یہودی نہیں تھے،، بلکہ قبیلہ جذام کے عرب تھے جنہوں نے یہودی مذہب اختیار کرلیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ بھی ایک معاہدہ کیا تھا، علامہ شبلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: "جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں، آپ نے انصار اور یہود کو بلا کر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریق نے منظور کیا، یہ معاہدہ ابن ہشام میں پوری مذکور ہے، خلاصہ یہ ہے:

۱- خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی قائم رہے گا۔

۲- یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

۳- یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

۴- یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

۵- کوئی فریق قریش کو امن نہ دے گا۔

۶- مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونوں فریق شریک یکدگر ہوں گے۔

۷- کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا، لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی (سیرت النبی ۱/ ۱۹۳)۔

ان کے علاوہ غیر مسلموں کے ساتھ صلح حدیبیہ اور دیگر معاہدہ حلف کا ذکر سیر و تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے، جن سے بخوبی یہ واضح ہوتا ہے کہ انتظامی و سیاسی مصالح کی غرض سے غیر مسلموں کے ساتھ دوستانہ اور مثبت تعلقات قائم کئے جا سکتے ہیں، اسی طرح سنی اور شیعہ جماعتیں بھی ایک دوسرے کو کافر سمجھنے کے باوجود مشترک آبادیوں میں پر امن بقاء باہم کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں، انسانیت کے رشتے سے ایک دوسرے کے حقوق نبھا سکتے ہیں، اور باہم امن و سلامتی کے لئے حسب ضرورت کوئی سماجی معاہدہ بھی کر سکتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود مدینہ کے ساتھ کیا تھا، کہ آپس میں ایک دوسرے پر طنز و تعریض نہیں کریں گے، ہر ایک اپنے اپنے طریقہ پر زندگی بسر کرنے کے لئے آزاد ہوگا، البتہ دینی امور میں شیعہ یا غیر مسلم کے لئے کوئی نرم گوشہ ہرگز جائز نہیں ہوگا۔

☆☆☆

اختلاف رائے اور وحدت امت

ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی [1]

اللہ وحدہ لاشریک نے اس امت کو "امت واحدۃ" یعنی متحدہ امت قرار دیا ہے:

"إن هٰذه أمتكم أمة واحدة وأنا ربكم فاعبدون" (الانبیاء: ۹۲)

(یہ تمہاری امت ایک ہی امت ہے، اور میں ہی تمہارا رب ہوں، لہذا میری عبادت کرو)۔

اور آپس میں اختلاف اور جنگ وجدال سے منع فرمایا ہے، لیکن غلط فہمی، آیات واحادیث کی غلط تشریح، مفاد پرستی اور خود غرضی کی بنا پر امت میں بے شمار اختلافات پیدا ہو گئے ہیں، اس کے باوجود دین کی اکثر باتوں میں یکسانیت موجود ہے، جن کی بنا پر کلمہ گو جماعت کو بالکلیہ اسلام سے خارج قرار نہیں دیا جاسکتا، اور نہ ہی محض ان اختلافات کی وجہ سے موجودہ حالت میں ان سے قتل وقتال کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

لہذا اس بات کی تو امید نہیں کی جاسکتی کہ اختلاف بالکلیہ طور پر ختم ہو جائیں، البتہ اس بات کی ضرور کوشش کی جانی چاہئے کہ اختلاف کم سے کم تر ہوں، نیز اس بات کی بھرپور کوشش کی جانی چاہئے کہ امت میں صدیوں پرانا اختلاف مغربی طاقتوں کی شہ پر قتل وغارت گری اور خانہ جنگی کا باعث نہ بن جائے۔

آج مسلم ممالک میں صورت حال یہی ہے، شام، عراق، افغانستان، لیبیا، یمن اور پاکستان وغیرہ ممالک میں مغربی طاقتیں مسلمانوں کے جزوی وفروعی اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قتل وخون کا بازار گرم کر چکی ہیں اور یہاں طویل جنگ چھڑ چکی ہیں، اگر یہی صورت حال باقی رہی تو تمام مسلم ممالک اس جنگ کی لپیٹ میں آسکتے ہیں۔

اس لئے دردمند واصحاب بصیرت علماء، مفکرین اور بااثر قائدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت کو اس انسانی پیپ سے بچائیں اور انہیں بقائے باہم کے اصول وآداب سے روشناس کرائیں، جن کے ذریعہ قتل وخون ریزی اور خانہ جنگی کا ماحول ختم ہو، اور امت مسلمہ امن وسکون سے رہ کر دنیا کو امن وسکون کا گہوارہ بنانے کی کوشش کرے۔

۱۔ فقہی مسائل میں اختلاف کے آداب:

فقہی مسائل کی بنیاد قرآن وحدیث اور ان کی روشنی میں قیاس واجتہاد پر ہے، فقہی مسائل میں اختلاف کی عمومی وجہ قرآن وحدیث میں الفاظ وتعبیرات تفہیم وتفسیر اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ کا اختلاف ہے، فقہی مسائل میں اختلاف ائمہ مجتہدین کا ذاتی اختلاف نہیں ہے، اور نہ یہ ان کی ذاتی رائے ہے، بلکہ قرآن وحدیث اور اصول فقہ کی روشنی میں انتہائی بصیرت کے ساتھ احکام شرعی کا استنباط واستخراج ہے، جو امت کا قیمتی سرمایہ ہیں، جن کے لئے وہ امت کی طرف سے شکریے، قدردانی اور تعریف وتوصیف کے مستحق ہیں۔

یہ اختلافی مسائل امت کے لئے رحمت کا باعث ہیں، نہ کہ زحمت کا، چنانچہ امت کے درمیان کسی مسئلہ میں تنگی اور مشقت پیش آنے کے وقت دوسرے دبستان فقہ سے خوشہ چینی کی جاتی رہی ہے، اس لئے مختلف فیہ مسائل اور ان کے دلائل ذکر کرتے ہوئے اور کسی ایک مسلک کو ترجیح دیتے وقت مندرجہ ذیل حدود وآداب کی رعایت ضروری ہے:

(۱) ہر مسلک کے شرعی حکم کو پوری دیانت اور احترام کے ساتھ بیان کیا جائے۔

---

[1] لکچرر گورنمنٹ جونیر کالج شادنگر، ریاست تلنگانہ۔

(۲) ہر مسلک کے دلائل کو قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے۔

(۳) کسی ایک مسلک کو ترجیح دیتے وقت علمی، فنی اور اصولی انداز اختیار کیا جائے۔

(۴) دوسرے مسلک اور اس کے دلائل کی خوبیوں کو اجاگر کیا جائے۔

(۵) دوسرے مسلک کے مثبت پہلوؤں کو واضح کیا جائے۔

(۶) ائمہ مجتہدین اور فقہاء اسلام کا نام ادب، محبت اور عقیدت سے لیا جائے۔

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیت وحدیث، اجماع صحابہؓ اور ائمہ مجتہدین کی عبارتیں بہ طور دلیل پیش کی جاتی ہیں:

(۱) ربنا اغفرلنا ولإخواننا الذین سبقونا بالإیمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا (الحشر:۱۰) (اے ہمارے پروردگار! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لائے، اور ایمان والوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں کینہ نہ پیدا ہونے دے)۔

(۲) إذا حكم الحاكم فاجتهد وأصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد وأخطأ فله أجر واحد (مسلم ۲/۷۶ کتاب الاقضیہ)

(جب حاکم اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے اور اس کا فیصلہ درست ہو تو اس کو دوگنا ثواب ہے، اور جب اجتہادی فیصلہ میں غلطی ہو جائے تو اس کو ایک ثواب ہوگا)۔

(۳) امام غزالی کا بیان ہے:

إجماع الصحابة على ترك النكير على المختلفين فى الجدو الإخوة ومسئلة العول وسائر ما اختلفوا فيه من الفرائض وغيرها. فكانوا يتشاورون ويتفرقون مختلفين، ولا يعترض بعضهم على بعض، ولا يمنعه من فتواه العامة، ولا يمنع العامة من تقليده، ولا يمنعه من الحكم باجتهاده، وهٰذا متواتر تواتر لا شك فيه (المستصفی ۲/ ۳۶۲)

(صحابہؓ کا اتفاق ہے کہ وہ دادا اور بھائی کی میراث، عول اور میراث وغیرہ کے مختلف فیہ مسائل میں اختلاف کرنے والوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے، وہ آپس میں مشورہ کرتے، مسائل میں اختلاف رائے رکھتے، لیکن کوئی کسی پر اعتراض نہیں کرتا، کوئی ان کو عام فتوی سے نہیں روکتا، اور نہ وہ عوام کو اس کی تقلید سے روکتے، نہ کسی کو اجتہادی فیصلہ کرنے سے روکتے، تواتر کے ساتھ یہ بات ثابت ہے، اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے)۔

(۴) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) بیان فرماتے ہیں:

مسائل الاجتهاد من عمل فيها بقول بعض العلماء لم ينكر عليه ولا يهجر، ومن عمل بأخذ القولين لم ينكر (فتاوی ابن تیمیہ ۲۰/ ۲۰۷)۔

(اجتہادی مسائل میں کسی عالم کے قول پر عمل کرنے والے پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح جو دو قول میں سے ایک پر عمل کرے اس پر کوئی نکیر وتشنیع نہیں کی جائے گی)۔

(۵) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ/ ۱۷۰۲-۱۷۶۳ء) فرماتے ہیں:

وكان السلف لا يختلفون فى أصل المشروعية، وإنما كان خلافهم فى أولى الأمرين، ونظيره اختلاف القراء فى وجوه القراءات، وعللوا كثيرًا من هٰذا الباب بأن الصحابة مختلفون، وإنهم جميعًا على الهدى، ولذلك لم يزل العلماء يجوزون فتاوى المفتيين فى المسائل الاجتهادية ويسلمون قضاء القضاة ويعملون فى بعض الأحيان بخلاف مذهبهم، ولا ترى أئمة المذاهب فى هٰذه المواضع إلا يصححون القول ويبينون الخلاف، يقول أحدهم هٰذا أحوط، وهٰذا هو المختار، وهٰذا أحب إليّ، ويقول: ما بلغنا إلى ذلك، وهٰذا كثير فى المبسوط وآثار محمد وكلام الشافعي (الانصاف فی بیان سبب الاختلاف: ۱۰۸ مرتب: عبد الفتاح ابوغدہ. ط: دار النفائس بیروت)۔

((اختلافی مسائل میں) حضرات سلف کے نزدیک اصلاً جواز میں کوئی اختلاف نہیں تھا، صرف دو حکم میں سے کسی ایک کے افضل ہونے میں اختلاف تھا،

اس کی مثال ایسی ہے، جیسے قرآن مجید کی قراءتوں کی بابت قراء کرام کا اختلاف ہے، سلف نے اس پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ صحابہ کا بعض مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف تھا، اس کے باوجود تمام صحابہ ہدایت پر تھے، اسی بنا پر علماء نے اجتہادی مسائل میں مفتیوں کے فتاوی کو ہمیشہ جائز قرار دیا ہے، اور قاضیوں کے فیصلوں کو تسلیم کیا ہے، اور بعض موقعوں پر اپنے مسلک کے علاوہ دوسرے مسلک کے مطابق عمل کیا ہے، ایسے موقعوں پر ائمہ مسالک کو تم دیکھو گے کہ وہ ایک قول کو صحیح قرار دیتے ہیں، اور اختلاف بیان فرما دیتے ہیں، کوئی کہتے ہیں: یہ احوط ہے، یہی مختار قول ہے، یہ میرے نزدیک پسندیدہ ہے، اور کوئی کہتے ہیں: ہمیں یہی بات پہنچی ہے، مبسوط، امام محمدؒ کے آثار اور امام شافعیؒ کے کلام میں ایسا لفظ جابجا نظر آتا ہے)۔

(۶) افضل و غیر افضل کے علاوہ صحابہ کرام اور سلف صالحین حلت وحرمت کے مسئلہ میں اپنے مسلک کے خلاف بھی عمل کر لیتے تھے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا بیان ہے:

وقد كان في الصحابة والتابعين ومن بعدهم من يتوضأ من الجملة والرعاف والقيئ ومنهم من لا يتوضأ من ذلك، ومنهم من يتوضأ من مس الذكر ومس النساء بشهوة، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك ... ومع هذا فكان بعضهم يصلي خلف بعض. مثل ما كان أبوحنيفة وأصحابه والشافعي وغيرهم يصلون خلف أئمة المدينة من المالكية وغيرهم، وإن كانوا لا يقرء ون البسملة، لا سرا ولا جهرًا، وصلى الرشيد إمامًا وقد احتجم، فصلى الإمام أبويوسف خلفه ولم يعد، وكان أفتاه الإمام مالك بأنه لا وضوء عليه، وكان الإمام أحمد بن حنبل يرى الوضوء من الرعاف والحجامة، فقيل له: فإن كان الإمام قد خرج منه الدم ولم يتوضأ، هل تصلي خلفه؟ فقال: كيف لا أصلي خلف الإمام مالك وسعيد بن المسيب (الانصاف في بيان سبب الاختلاف: ۱۰۸-۱۰۹)۔

(صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں کچھ حضرات پچھنہ لگانے، نکسیر پھوٹنے اور قیٔ کی بنا پر وضو کرتے تھے، اور کچھ حضرات وضو نہیں کرتے تھے، کچھ حضرات شرمگاہ چھونے اور عورت کو شہوت سے چھونے کی بنا پر وضو کرتے تھے، اور کچھ حضرات وضو نہیں کرتے تھے، اس کے باوجود وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، جیسے امام ابوحنیفہ، ان کے شاگرد اور امام شافعی رحمہم اللہ وغیرہ مدینہ کے مالکی ائمہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، اگرچہ کہ وہ ائمہ نماز میں نہ آہستہ بسم اللہ پڑھتے تھے نہ زور سے۔ خلیفہ ہارون رشید نے ایک دفعہ پچھنہ لگانے کے بعد امامت کی، امام ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھی، اور بعد میں نماز نہیں دہرائی، چونکہ امام مالکؒ کا فتوی ہے کہ پچھنہ لگانے والے پر وضو واجب نہیں ہے، جبکہ امام احمد بن حنبل نکسیر پھوٹنے اور پچھنہ لگانے پر وضو کے قائل تھے، کسی نے ان سے پوچھا: اگر کسی امام کے بدن سے خون نکلا ہو اور اس نے وضو نہیں کیا، تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ انہوں نے جواب دیا: میں امام مالکؒ اور حضرت سعید بن مسیب کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھوں گا)؟

۲- عقائد میں اختلاف کے آداب:

جن مسائل کا تعلق کسی نہ کسی صورت میں عقائد سے ہو، جیسے شیعہ سنی اختلاف، یا کچھ مسائل میں دیوبندی اور بریلوی اختلاف، سلفی اور غیر سلفی اختلافات وغیرہ۔ ایسے مسائل میں اختلافات کے آداب مندرجہ ذیل ہوں گے:

(۱) اختلاف اور بحث ومناظرہ کے وقت خالص علمی انداز اختیار کیا جائے اور پورے خلوص ومحبت کے ساتھ قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس کی روشنی میں بحث کی جائے۔

(۲) بحث واختلاف کے وقت فریق مخالف کے بزرگوں کا نام ادب واحترام سے لیا جائے۔

(۳) بحث کے وقت شخصی حملے، شخصی مخاصمت، کردار کشی اور الزام تراشی سے گریز کیا جائے۔

اس بارے میں مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا جا سکتا ہے:

(۱) ولا تستوي الحسنة ولا السيئة، ادفع بالتي هي أحسن، فإذا الذي بينك وبينه عداوة كأنه ولي حميم (حم السجدہ: ۳۴) (بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی، تم (مخالف کو) ایسے طریقہ سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے) کہ وہ شخص جس میں اور تم میں دشمنی تھی، گویا تمہارا گرمجوش دوست ہے)۔

(۲) ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم (الانعام:۱۰۸) (مسلمانو!) اللہ کو چھوڑ کر لوگ جن معبودوں کو پکارتے ہیں، ان کو برا بھلا نہ کہو کہ یہ لوگ بھی حد سے تجاوز کر کے بے سمجھے بوجھے اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں گے)۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ جب معبودان باطل کو برا بھلا کہنے سے منع کیا گیا ہے تو ان سے کم تر درجہ کے پیشواؤں کو برا بھلا کہنا کیسے جائز ہوگا۔

۳- گمراہ فرقہ سے بحث کے آداب:

گمراہ فرقے جیسے قادیانی وغیرہ سے بحث ومناظرہ کے بھی وہی آداب ہوں گے جو اہل تشیع اور بریلوی حضرات سے مناظرہ کے ہیں، البتہ چونکہ یہ فرقہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہے، اور اسلام کا لیبل لگا کر کفر کا ارتکاب کر رہا ہے، اس لئے اس کی گمراہی، ضلالت اور دھوکہ دہی کی قباحت کو کھل کر بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن یہاں بھی ذاتی حملے اور شخصی مخاصمت سے گریز کرنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وجادلهم بالتي هي أحسن إن ربك هو أعلم بمن ضل عن سبيله وهو أعلم بالمهتدين (النحل:۱۲۵) (اور بہترین طریقہ سے ان کے ساتھ بحث کرو، بلاشبہ تمہارا رب اسے بھی خوب جانتا ہے جو راستہ سے بھٹک گیا ہے، اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو راستہ پر چلنے والے ہیں)۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے جیل میں اپنے ساتھیوں سے کتنے اچھے طریقہ پر بحث کی تھی، بہ طور نمونہ ملاحظہ ہو:

يا صاحبي السجن ء أرباب متفرقون خير أم الله الواحد القهار. ما تعبدون من دونه إلا أسماء سميتوها أنتم وآبائكم ما أنزل الله بها من سلطان. إن الحكم إلا لله. أمر ألا تعبدوا إلا إياه ذلك الدين القيم ولكن أكثر الناس لا يعلمون (يوسف: ۳۹-۴۰)۔

(اے قید خانہ کے رفیقو! کیا متفرق معبود بہتر ہیں یا اکیلا اللہ جو سب پر غالب ہے؟ تم اللہ کے سوا جن چیزوں کی پرستش کرتے ہو وہ صرف چند نام ہیں، جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ رکھے ہیں، اللہ نے تو ان کے معبود ہونے پر کوئی سند نہیں اتاری، (یاد رکھو کہ) حکم صرف اللہ ہی کے لئے ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی دین کا سیدھا راستہ ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں)۔

ان آیات میں سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے غیر مسلم ساتھیوں کو اچھے لقب سے پکارا، عقیدہ توحید کی معقولیت اور معبودان باطل کی نفی واضح انداز میں بیان کی ہے اور مخاطب کی دل آزادی سے گریز کیا ہے۔

اس بارے میں سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کا خوارج سے مناظرہ بھی بہ طور مثال پیش کیا جاسکتا ہے، سیدنا ابن عباسؓ نے خوارج کے اعتراضات کا جواب قرآن وسنت سے دیا جس کو وہ قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے اور دو ہزار چھ سو میں سے دو ہزار حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ ہو گئے، اور صرف چھ سو باقی رہ گئے (اعلام الموقعین ۱/ ۲۱۴-۲۱۵)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باطل فرقوں سے خلوص ومحبت، حکمت ومصلحت اور تحمل کے ساتھ حق بات بیان کی جائے تو اس کا خوش گوار اثر پڑتا ہے، اور حق کے متلاشی افراد اور ضد پر نہ اڑنے والے لوگ حق کو قبول کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔

۴- عالم اسلام میں موجودہ خون ریزی اور اس کا سدّ باب:

مخالف اسلام مغربی طاقتوں کو یہ گوارا نہیں ہے کہ عالم اسلام کو امن وسکون سے جینے کا موقع حاصل ہو اور مسلمانوں کی دینی، فکری، تہذیبی، سیاسی اور معاشی ترقی ہو، ان کی پالیسی ہے کہ عالم اسلام مغرب کی ہر جائز وناجائز منصوبہ پر خاموش تماشائی رہے، ورنہ اس کے منصوبہ کے خلاف کرنے والے ممالک کو مسلسل جنگ، انتشار اور خانہ جنگی میں مبتلا رکھا جائے، افغانستان اور عراق میں لاکھوں بے قصور افراد کے قتل کے باوجود ان کی خون آشام طبیعت کی سیری نہیں ہوئی ہے، ان کی خواہش ہے کہ مغربی افواج کی ہلاکت کے بغیر عالم اسلام کی آپسی جنگ جاری رہے، اس کے لئے شام، عراق، یمن اور پاکستان میں روزانہ سیکڑوں کلمہ گو دوسرے کلمہ گو کے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں، اور شیعہ سنی مساجد میں بم دھماکے ہو رہے ہیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے نہ اس طرح مغربی طاقتوں کے آلہ کار ہو کر قتل وقتال کی اجازت ہو سکتی ہے، اور نہ عالم اسلام میں اس طرح خانہ جنگی کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

اہل تشیع حضرات کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کفر کا حکم نہیں لگایا گیا ہے، لہٰذا جس طرح عام مسلمانوں کے قتل کی قرآن وحدیث میں ممانعت کی گئی

ہے، ان کے قتل کا بھی یہی حکم ہوگا، حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا:

''فإن دماء كم وأموالكم وأعراضكم عليكم حرام، كحرمة يومكم هذا في بلدكم هذا، في شهركم هذا، ألا فلا ترجعوا بعدي كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض'' (بخاری ۸/ ۸۲، مسلم: ۱۶۷۹)۔

(بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزت وآبرو ایک دوسرے کے لئے اسی طرح قابل احترام ہیں، جیسا کہ یہ دن (یوم عرفہ)، یہ شہر (مکہ مکرمہ) اور یہ مہینہ (حرمت والا مہینہ ذوالحجہ) قابل احترام ہیں، سن لو، میرے بعد تم کفر کی طرف نہ پلٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کا قتل کافرانہ عمل ہے اس سے بچنا لازمی ہے۔

اگر اہل تشیع کو اسلام سے خارج بھی سمجھا جائے تو بھی اس طرح کی خانہ جنگی اور ایک دوسرے کے قتل کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے اور نہ اسے جہاد فی سبیل اللہ کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کی خانہ جنگی سے مسلمانوں کا ناقابل تلافی نقصان ہورہا ہے، صرف شام میں دس لاکھ سے زائد افراد قتل کئے جاچکے ہیں، اور تقریباً چالیس لاکھ افراد اپنا وطن چھوڑ کر پناہ گزینی پر مجبور ہوگئے ہیں، پناہ حاصل کرنے کے لئے یورپی ممالک سے بھیک مانگ رہے ہیں، انسانی اسمگلرس کے ہاتھوں فروخت کئے جارہے ہیں، سمندروں میں ڈبوئے جارہے ہیں اور مرتد کئے جارہے ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

(۱) ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة وأحسنوا إن الله يحب المحسنين (البقرة: ۱۹۵)

(اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور نیکی کرو، بے شک اللہ تعالی نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)۔

(۲) ولا تفسدوا في الأرض بعد إصلاحها، وادعوه خوفا وطمعًا إن رحمت الله قريب من المحسنين (الاعراف: ۵۶) (زمین کی درستگی کے بعد اس میں فساد نہ پھیلاؤ، اور (عذاب کے) ڈر سے اور (رحمت کی) امید پر اللہ کو پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے)۔

(۳) ولا تبغ الفساد في الأرض إن الله لا يحب المفسدين (القصص: ۷۷)

(اور ملک میں فساد پھیلانے کا ارادہ مت کرو، کیوں کہ اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔

(۴) من قتل نفسا بغير نفس أو فساد في الأرض، فكأنما قتل الناس جميعًا ومن أحياها فكأنما الناس جميعًا (المائدة: ۳۲)

(جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے، (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے، یا ملک میں فساد مچانے کی سزا دی جائے، تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کردیا، اور جس نے ایک شخص کو مرنے سے بچالیا، اس نے گویا سب آدمیوں کو بچالیا)۔

۵- بقاء باہم کے ساتھ زندگی:

یہ انتہائی افسوس ناک بات ہے کہ مسلمان مغربی طاقتوں کے آلہ کار ہوکر خود اپنے ملکوں میں انتشار کا سبب بنے ہوئے ہیں، جب کہ تاریخ گواہ ہے کہ مسلم ملکوں میں نہ صرف شیعہ سنی بلکہ مسلمان اور غیر مسلم ذمی امن وسکون سے رہا کرتے تھے۔

آج متعدد مسلم ممالک میں غیر مسلم اور غیر مسلم ممالک میں مسلم امن وسکون اور بقاء باہم کے اصول کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں، جب مسلمان اہل کفر کے ساتھ بہتر تعلقات کے ساتھ رہنے کو تیار ہیں، تو وہ کفر کے مقابلہ میں معمولی، اختلاف رکھنے والے لوگوں کے ساتھ اچھے اور ذمہ دار شہری بن کر کیوں نہیں رہ سکتے؟

مسلم ممالک کے افراد کے لئے یہ انتہائی بدبختی کی بات ہے کہ وہ اپنے ملکوں میں غیر مسلموں کو تو عزت کے ساتھ رہنے کا موقع دیتے ہیں، لیکن شیعہ سنیوں کو اور سنی شیعوں کو جینے کے حق سے محروم کردیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم إن الله يحب المقسطين (الممتحنة: ۸) (اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے، اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)۔

شیعہ سنی اتحاد سے متعلق امام خمینی نے جو کوشش کی تھی، مغربی طاقتوں نے آج اس کا اثر زائل کر دیا ہے، آج ضرورت ہے کہ موثر طریقہ پر اس اتحاد کی کوشش کی جائے، تاکہ "میثاق مدینہ" کی طرح مسلم اور شیعہ ممالک میں تمام انسان اختلاف مذہب کے باوجود عالمی اخوت، بھائی چارہ، میل جول، محبت اور امن وسکون کے ساتھ رہ سکیں، اور مندرجہ ذیل شرعی اصول وآداب کی پابندی کریں:

(۱) شیعہ وسنی دونوں کو اپنے عقیدہ کے مطابق آزادی سے زندگی گزارنے کی آزادی ہوگی۔

(۲) دونوں ایک دوسرے کی دل آزار باتوں سے اجتناب کریں گے۔

(۳) دونوں مثبت انداز میں اپنے مذہب کی باتوں کو بیان کرنے اور دعوت دینے میں آزاد ہوں گے۔

(۴) دونوں کو اپنے اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے اور اپنے مذہب کے مطابق اپنے بچوں کو تعلیم دینے اور دلانے کی آزادی ہوگی۔

(۵) دونوں کو قانونی اور سماجی تحفظ حاصل ہوگا۔

(۶) دونوں کے ساتھ مکمل انصاف کیا جائے گا۔

(۷) دونوں کے ساتھ یکساں سلوک روا رکھا جائے گا۔

مندرجہ ذیل آیات واحادیث سے مذکورہ اصول وآداب پر روشنی ملتی ہے:

(۱) لا إكراه في الدين قد تبين الرشد من الغي (البقرة: ۲۵۶)

(دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہے، یقیناً ہدایت گمراہی سے الگ اور نمایاں ہو چکی ہے)۔

(۲) ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله (الانعام: ۱۰۸) (اللہ کو چھوڑ کر جن کو وہ پوجتے ہیں تم ان کو برا بھلا نہ کہو)۔

(۳) ولا يجرمنكم شنآن قوم على ألا تعدلوا اعدلوا هو أقرب للتقوى (المائدة: ۸) (قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ (معاملات میں) انصاف نہ کرو، (ہر حال میں) انصاف کرو کہ انصاف پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے)۔

(۴) سیدنا علیؓ کا قول ہے: دمائهم كدمائنا وأموالهم كأموالنا (نصب الرایہ ۴/ ۳۶۹)

(ان کے خون ہمارے خون کی طرح ہیں، اور ان کے مال ہمارے مال کی طرح ہیں)۔

اس بارے میں علماء، مذہبی قائدین اور مفکرین کی ذمہ داری ہے کہ وہ قوم کے افراد کو آپس میں جنگ وجدال اور قتل وخون ریزی سے روکنے کے لئے عملی اقدام کریں، انسانی جان کی عظمت وحرمت کا سبق یاد دلائیں، اس سلسلہ میں اپنا سماجی وسیاسی اثر ورسوخ استعمال کریں، سماجی، سیاسی اور معاشی دباؤ ڈالیں، جنگ جو گروپ کے لیڈروں سے صلح وامن کی دردمندانہ اپیل کریں، اور ان سے براہ راست ملاقات کر کے صلح پر آمادہ کریں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما فإن بغت إحداهما على الأخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفئ إلى أمر الله. فإن فائت فأصلحوا بينهما بالعدل وأقسطوا إن الله يحب المقسطين. إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون (الحجرات: ۹،۱۰)

(اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں، تو (اے مسلمانو!) تم ان کے درمیان صلح کرا دو، پھر اگر ان میں کا ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے، تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے، پھر جب رجوع کرے تو دونوں فریق میں برابری کے ساتھ صلح کرا دیا کرو، اور انصاف کو ملحوظ رکھو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، مسلمان تو آپس میں سب بھائی بھائی ہیں، تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے)۔



اختلاف رائے اور وحدت امت

مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی [1]

اختلاف اور رائے کی لغوی تحقیق:

''اختلاف'' کے معنی ناموافقت کرنا، خلاف ہونا، فرق، تفاوت، عداوت، بگاڑ، ان بن، دشمنی، ضد، ہٹ، تعصب کے ہیں، جمع اختلافات، اسی طرح اختلاف رائے کے معنی ہیں: رائے کی ناموافقت (فیروز اللغات، ص ۵۷)، اور رائے کے معنی ہیں: عقل، تجویز، دانست، فہم، دانائی، خیال، قیاس، جانچ (فرہنگ آصفیہ ۲/۱۰۱۶)۔

وحدت امت کی لغوی تحقیق:

وحدت کے معنی ہیں: یگانہ ہونا، یکتائی، یگانگی، ایک ہونا، توحید (نور اللغات ۴/۹۱۶)۔

اور امت کے معنی ہیں: گروہ جو کسی پیغمبر کا پیرو اور تابع ہو (نور اللغات ۱/۴۰۴)۔

اسی طرح عربی میں لفظ ''اختلاف'' کا مادہ ''خ، ل، ف'' ہے جس کا مطلب ہے، جانشیں ہونا، اور اختلاف باب افتعال سے ہے جس کا مطلب ہے اپنے پیچھے سے پکڑنا، اور اسی سے ''اختلفوا'' ہے آپس میں اختلاف کرنا۔

اختلاف مختلف چیزوں میں مختلف نوعیت اور قسم کا ہوتا ہے۔

اختلاف کا اصطلاحی مفہوم:

کسی کے احوال یا اس کی باتوں سے کوئی الگ راستہ اختیار کرنے کو اختلاف اور مخالفت کہتے ہیں، اور خلاف لفظ ضد سے زیادہ عام ہے؛ کیونکہ ہر دو ضد ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں لیکن ہر دو مختلف چیزیں ایک دوسرے کی ضد نہیں ہوتی ہیں (اسلام میں اختلاف کے اصول وآداب، ص ۲۲)۔

اختلاف کی تعریف:

اختلاف رائے کا تفاوت اجماع کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، اور اس سے مراد علمائے شرح واصول کی آراء کا وہ اختلاف ہے جو فقہی احکام و کلیات کی عملی تفصیلات میں ہو، خصوصا اول الذکر (فقہی معاملات) میں اس اختلاف سے مراد مذاہب اربعہ کا باہمی اختلاف نیز وہ اختلاف ہے جو خود کسی مذہب کے اندر پایا جاتا ہے، بہر حال اختلاف ایک حقیقت ثانیہ ہے۔

اختلاف اور خلاف دونوں ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں؛ لہذا علامہ جرجانی نے اختلاف کی تعریف تو نہیں بیان کی ہے؛ البتہ خلاف کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے جو اوپر مذکور ہوئی،

''الخلاف: منازعة تجري بين المتعارضين لتحقيق حق أو لإبطال باطل'' (کتاب التعریفات، باب الخاء، ص/۱۰۲)

اختلاف وہ آویزش ہے جو دو فریق کے درمیان اثبات حق اور ابطال باطل کے لیے ہوتا ہے۔

اختلاف کی قسمیں:

[1] قاضی شریعت دار القضاء ہریانہ۔

اختلاف کی تین قسمیں ہیں: (۱) اختلاف مذموم (۲) اختلاف ممدوح (۳) اختلاف جائز۔

اختلاف مذموم کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں سے بعض بعض سے زیادہ قابل مذمت ہیں۔

(الف) انسانی دنیا میں مومن اور کافر ہونے کا اختلاف، اس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: ''ھذان خصمان اختصموا فی ربھم'' (الحج/ ۱۹)۔

(ب) بدعتیوں اور نفس پرستوں کا اختلاف جیسے خوارج اور ان جیسے لوگوں کا اختلاف، جنہوں نے مسلمانوں کی جماعت کے خلاف بغاوت کی اور ان کا خون جائز قرار دینے کی دعوت دی۔

(ج) یہ اعتقاد جازم کہ مخالف کا مذہب قطعاً باطل ہے، یہاں تک کہ اس کی بنیاد پر ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں ہونے لگتی ہے، حالاں کہ اختلاف چند ایسے مسائل میں ہے جس میں اجتہاد اور وسعت کی گنجائش ہے۔

(د) اسی طرح بے جا کسی کی حمایت انسان کو جوابات کی حیلہ سازی اور ناپسندیدہ بات کو طول دینے پر آمادہ کرتی ہے، یہاں تک کہ معاملہ آپس میں فرقت اور سخت دشمنی تک پہنچ جاتا ہے۔

اختلاف ممدوح:

ممدوح یا محمود اختلاف سے مراد اہل کتاب، مشرکین اور فاسقوں اور بے ادبوں کی ہیئات وحالات اور ان کے تیوہاروں اور تقریبات کی مخالفت کرنا ہے، اور اس جیسی مخالفت قابل تعریف ہے اور یہ شریعت کا مقصد بھی ہے اور ان کی تشبہ سے ''نہی'' وارد ہوئی ہے۔

اختلافات جائز:

جائز اختلاف اجتہادی مسائل میں مجتہدین یعنی فقہاء، مفتیان اور حکام کا اختلاف ہے جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

''إذا حكم الحاكم فأصاب له أجران وإذا حكم فأخطأ فله أجر (الصحيح لمسلم: كتاب الاقضية ،باب بيان اجر الحاكم اذا اجتهد فاصاب أو أخطا ۲/۷۶)۔

اجتہادی مسائل اور ان میں اکابر کا اختلاف:

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس عنوان پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے کہ اکثر فروعی مسائل میں راجح، مرجوح اور افضل، غیر افضل کا اختلاف ہے:

''ومنها أن أكثر صور الاختلاف بين الفقهاء لا سيما في المسائل التي ظهر فيها أقوال الصحابة في الجانبين ،كتكبيرات التشريق، وتكبيرات العيدين، ونكاح المحرم، وتشهد ابن عباس وابن مسعود، والاخفاء والجهر بالبسملة، وبآمين، والاشفاع والايتار في الاقامة، ونحو ذلك۔ إنما هو في ترجيح أحد القولين، وكان السلف لا يختلفون في أصل المشروعية، وإنما كان خلافهم في أولى الأمرين، ونظيره: اختلاف القراء في وجوه القراءة. وقد عللوا كثيرا من هذا الباب بأن الصحابة مختلفون، وأنهم جميعا على الهدى۔

ولذلك لم يزل العلماء يجوزون فتاوى المفتين في المسائل الاجتهادية، ويسلمون قضاء القضاة، ويعملون في بعض الأحيان بخلاف مذهبهم ولذا لا ترى أئمة المذاهب في هذه المواضع إلا وهم يضجعون القول، ويبينون الخلاف، يقول أحدهم: هو أحوط، وهذا هو المختار، وهذا أحب إلي ،ويقول: مابلغنا إلا ذلك۔ وهذا كثير في المبسوط وآثار محمد رحمه الله وكلام الشافعي رحمه الله۔ ثم خلف من بعدهم خلف اختصروا كلام القوم، فقووا الخلاف، وثبتوا على مختار أئمتهم، والذي يروى من السلف: من تاكيد الأخذ بمذهب أصحابهم، وأن لايخرج منها بحال، فإن ذلك: إما لأمر جبلي، إن كل إنسان يحب ما هو مختار أصحابه وقومه ،حتى في

الزي والمطاعم، أو لصولة ناشئة من ملاحظة الدليل، أو لنحو ذلك من الأسباب، فظن البعض تعصبا دينيا، حاشاهم من ذلك، وقد كان في الصحابة والتابعين ومن بعدهم: من يقرء البسملة، ومنهم من لا يقرء ها، ومنهم من يجهر بها، ومنهم من لا يجهر بها، وكان منهم من يقنت في الفجر، ومنهم من لا يقنت في الفجر، ومنهم من يتوضأ من الحجامة والرعاف والقيء، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك، ومنهم من يتوضأ من مس الذكر ومس النساء بشهوة، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك ومنهم من يتوضأ مما مست النار، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك، ومنهم من يتوضأ من أكل لحم الإبل، ومنهم من لا يتوضأ من ذلك۔

ومع هذا: فكان بعضهم يصلى خلف بعض، مثل ما كان أبو حنيفة وأصحابه والشافعي و غيرهم رضى الله عنهم يصلون خلف أئمة المدينة: من المالكية وغيرهم وإن كانوا لا يقرءون البسملة لا سرا ولا جهرا۔

وصلى الرشيد إماما وقد احتجم، فصلى الإمام أبو يوسف خلفه، ولم يعد، وكان أفتاه الإمام مالك: بانه لا وضوء عليه)، وكان الإمام احمد بن حنبل يرى الوضوء من الرعاف والحجامة فقيل له: فإن كان الإمام قد خرج منه الدم ولم يتوضأ، هل تصلى خلفه؟ فقال: كيف لا أصلى خلف الإمام مالك وسعيد بن المسيب۔

وروى أن أبا يوسف و محمدًا كانا يكبران في العيدين تكبير ابن عباس، لأن هارون الرشيد كان يحب تكبير جده۔

وصلى الشافعي الصبح قريبا من مقبرة أبي حنيفة فلم يقنت تأدبا معه، وقال أيضا: ربما انحدرنا إلى مذهب أهل العراق۔

وقال مالك للمنصور وهارون الرشيد ماذكرنا عنه سابقا، وفي البزازية: وعن الإمام الثاني وهو أبو يوسف أنه صلى يوم الجمعة مغتسلا من الحمام، وصلى بالناس، وتفرقوا، ثم أخبر بوجود فأرة ميتة في بئر الحمام، فقال إذا نأخذ بقول إخواننا من أهل المدينة: إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثا۔

وسئل الإمام الخجندى عن رجل شافعي المذهب: ترك صلاة سنة أو سنتين، ثم انتقل إلى مذهب أبي حنيفة، كيف يجب عليه القضاء، أيقضيها على مذهب الشافعي أو على مذهب أبي حنيفة؟ فقال: على أى المذهبين قضى بعد أن يعتقد جوازها جاز۔

وفي جامع الفتاوى: أنه إن قال حنفي إن تزوجت فلانة فهي طالق ثلاثا، ثم استفتى شافعيا، فأجاب: أنها لا تطلق، ويمينه باطل، فلا بأس باقتدائه بالشافعي في هذه المسئلة، لأنه كثيرا من الصحابة في جانبه۔

قال محمد في أماليه: لو أن فقيها قال لامرأته: أنت طالق البتة، وهو ممن يراها ثلاثا، ثم قضى عليه قاض: بأنها رجعية، وسعه المقام معها۔

وكذا كل فصل مما يختلف فيه الفقهاء: من تحريم، أو تحليل، أو اعتاق، أو أخذ مال، أو غيره، ينبغي للفقيه المقضى عليه الأخذ بقضاء القاضي، ويدع رأيه، ويلزم نفسه ما ألزم القاضي، ويأخذ ما أعطاه۔

قال محمد وكذا رجل لا علم له، ابتلى ببلية، فسأل عنها الفقهاء، فأفتوه فيها بحلال أو بحرام، وقضى عليه قاضي المسلمين بخلاف ذلك، وهي مما يختلف فيه الفقهاء، فينبغي له أن يأخذ بقضاء القاضي، ويدع ما أفتاه الفقهاء (حجة الله البالغه ۱/ ۱۵۸تا ۱۶۰)۔

یہ تمام مذکورہ اختلاف جس کا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے سب اولی اور غیر اولی کا ہے جو ''اختلاف جائز'' کے ذیل میں آتا ہے، کسی فقیہ نے اس طرح کے اختلاف کو ناجائز کہا ہے اور نہ کہنا ممکن ہے۔

فقہاء نے اپنے مسلک کے جاننے کے باوجود دوسرے کے مسلک پر عمل کیا، امام ابو یوسفؒ نے امام شافعیؒ کے مسلک پر چوہا گرے ہوئے پانی

سے نہانے کے باب میں، امام شافعیؒ نے قنوت فجر کے معاملہ میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر عمل کیا، اسی طرح صحابہ کا معاملہ ہے کہ کسی نے کسی کے اجتہاد کی مخالفت اور تغلیط نہیں کی بلکہ کشادہ دلی کا مظاہر کیا اور "اختلاف أمتي رحمة" کو نمونہ بنایا۔

اس سلسلہ میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ مسائل کے سلسلہ میں صحابہؓ میں اختلافات ہوئے ہیں جیسے حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ اگر جنبی کو غسل کے لئے پانی نہ ملے تو تیمم سے پاک نہیں ہوسکتا، لیکن حضرت عمارؓ نے بیان کیا کہ وہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم سفر تھے، انہیں غسل کی حاجت ہوگئی، پانی میسر نہ آسکا تو انہوں نے مٹی میں لوٹ پوٹ لگائی، بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عمل کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا صرف اس قدر کر لینا کافی تھا، یہ کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور چہرہ مبارک اور ہاتھوں پر مسح کیا، لیکن حضرت عمرؓ نے حضرت عمار کے اس بیان کو تسلیم نہیں کیا اور کسی غیر واضح ضعف کے سبب جو ان کی روایت میں نظر آیا انہوں نے اس کو رد کردیا، اسی طرح بنوقریظہ میں عصر کی نماز پڑھنے کا معاملہ کہ کچھ صحابہ نے راستہ میں پڑھ لیا اور کچھ نے وہاں پہنچ کر قضاء پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر نکیر نہ فرمائی۔

یہاں پر صحابہ میں مسائل کے سلسلہ میں اختلاف کا وقوع کیوں ہوا اس کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اختلافات صحابہ کی سات صورتیں:

پہلی صورت: حدیث معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اجتہاد کرنا۔ ایک صحابی نے کسی معاملہ میں یا کسی مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حکم سنا، اور اس کے مطابق مسئلہ بتایا، اور دوسرے صحابی نے وہ حکم نہیں سنا اور اجتہاد سے حکم بتایا، جس کی وجہ سے دو صحابیوں کے فتووں میں اختلاف ہوگیا۔ پھر اس کی بھی متعدد صورتیں ہوئی ہیں:

اول: دوسرے صحابی کا اجتہاد پہلے صحابی کی حدیث کے موافق ہوا، جیسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک اجتہاد حضرت معقل رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کے موافق ہوا تو آپ کو بے حد خوشی ہوئی۔

دوم: دو صحابیوں میں کسی مسئلہ میں علمی بحث ہوئی، اور ایک صحابی نے حدیث سنائی، اور دوسرے صحابی کو اس حدیث کے بارے میں اطمینان ہوگیا؛ اس لئے انہوں نے اپنی اجتہادی رائے سے رجوع کر لیا اور حدیث کو اختیار کر لیا جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ مسئلہ بتایا کرتے تھے کہ جو شخص جنابت کی حالت میں صبح کرے وہ اس دن روزہ نہیں رکھ سکتا، پھر جب حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے اس کے خلاف فعل نبوی کی اطلاع دی تو آپ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔

سوم: صحابی کو وہ حدیث سن کر اطمینان نہیں ہوا، اس لئے انہوں نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا جیسے:

(۱) حضرت عمارؓ نے حضرت عمرؓ کو جنبی کے تیمم کے بارے میں روایت سنائی مگر حضرت عمرؓ کو اطمینان نہیں ہوا؛ اس لئے آپ نے اپنی رائے نہیں بدلی۔

(۲) حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت، مطلقہ بائنہ کے نان نفقہ کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے آئی مگر آپ کو اس پر اطمینان نہ ہوا؛ اس لئے آپ نے اپنی رائے نہیں بدلی اور اپنی رائے پر برقرار رہے۔

چہارم: صحابی کو کوئی حدیث بالکل نہیں پہنچی، اس لیے انہوں نے اجتہاد کیا، پھر جب حدیث سامنے آئی تو خطا کا احساس ہوا۔ جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ فتوی دیتے تھے کہ غسل جنابت میں عورت پر ضروری ہے کہ چوٹیاں کھول کر بال دھوئے۔ بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سامنے آئی۔ اسی طرح حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا استحاضہ کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتی تھیں اور افسوس کرتی تھیں اور روتی تھیں؛ کیونکہ ان کو مستحاضہ کے سلسلہ میں سہولت کی روایت نہیں پہنچی تھی۔

صحابہ میں اختلاف کی دوسری صورت: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمل دیکھا۔ بعض نے اس کو عبادت پر محمول کیا اور بعض نے اباحت پر، اس طرح دو رائیں ہوگئیں جیسے:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقعہ پر منی سے واپسی پر مقام "ابطح" میں پڑاؤ ڈالا۔ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بطور عبادت تھا؛ چنانچہ وہ اس کو مناسک میں شمار کرتے تھے اور حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کو ایک اتفاقی امر قرار دیتے تھے اور مناسک میں شمار نہیں کرتے تھے۔

(۲) طواف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمل فرمایا ہے، جمہور صحابہ کے نزدیک وہ سنت ہے مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کو ایک اتفاقی امر قرار دیتے تھے۔

تیسری صورت: وہم وگمان کا اختلاف، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج فرمایا۔ بعض صحابہ نے گمان کیا کہ آپ نے تمتع کیا ہے، اور بعض نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قارن خیال کیا، اور بعض نے مفرد۔ اسی طرح کا یہ اختلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کہاں سے باندھا؟ ذوالحلیفہ میں درخت کے پاس سے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کا دوگانہ ادا فرمایا ہے یا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر اونٹنی کھڑی ہوئی یا بیداء نامی ٹیلے سے؟ تینوں طرح کی روایات ہیں۔ یہ بھی وہم وگمان کا اختلاف ہے۔

چوتھی صورت: سہو، نسیان کی وجہ سے اختلاف۔ جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ بیان کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عمرہ ماہ رجب میں کیا ہے یہ آپ کو بھول ہوگئی تھی۔ آپ نے سب عمرے ذوالقعدہ میں کئے ہیں۔

پانچویں صورت: ضبط یعنی روایت اخذ کرنے میں اختلاف، جیسے حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت کہ میت کے پسماندگان کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے نقد کیا کہ یہ روایت ابن عمر نے صحیح طور پر ضبط نہیں کی ہے۔ اصل قصہ یہودی عورت کا تھا۔ ابن عمر نے اس کو عام کر دیا۔

چھٹی صورت: حکم کی علت نکالنے میں اختلاف جیسے جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم ہر میت کے لئے تھا، خواہ مسلمان کا جنازہ ہو یا غیر مسلم کا؟ یا صرف غیر مسلم کے جنازہ کے لئے تھا؟ اس سلسلہ میں مختلف آراء ہیں اور یہ اختلاف اس پر مبنی ہے کہ کھڑے ہونے کی علت کیا ہے؟ (اب یہ حکم منسوخ ہے)۔

ساتویں صورت: دو مختلف روایتوں میں تطبیق دینے میں اختلاف جیسے:

(۱) جنگ خیبر کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی اجازت دی تھی پھر ممانعت فرمادی تھی۔ پھر جنگ اوطاس کے موقع پر اجازت دی، پھر ممانعت فرمادی۔ اب حضرت ابن عباس کی رائے یہ ہے کہ اجازت ضرورت کی بنا پر تھی اور ممانعت ضرورت باقی نہ رہنے کی وجہ سے تھی۔ پس آج بھی حکم اسی طرح ہے، بوقت ضرورت متعہ جائز ہے اور جب ضرورت نہ رہے تو ممنوع ہے۔ اور جمہور صحابہ کی رائے یہ ہے کہ متعہ کی اجازت منسوخ ہے (حضرت ابن عباسؓ نے بھی اپنی مذکورہ رائے سے رجوع کرلیا تھا)۔

(۲) استنجاء کرتے وقت کعبہ شریف کی طرف منہ کرنے اور پیٹھ کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ بعض صحابہ کے نزدیک یہ حکم عام ہے اور منسوخ نہیں ہے، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ حکم منسوخ ہے؛ کیونکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے ایک سال پہلے قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرتے ہوئے دیکھا ہے، اسی طرح حضرت ابن عمرؓ نے قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا استنجاء کرتے ہوئے دیکھا ہے؛ چنانچہ انہوں نے اپنے مشاہدہ کی بنا پر صحابہ کی رائے کو رد کردیا (رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۵۸۵ تا ۵۸۷)۔

اب بات یہ رہ جاتی ہے کہ ان فقہی مباحث میں کسی مسلک یا قول کو ترجیح دینے میں کسی کا تخطئہ اور اس کی تغلیط نہیں کی جاسکتی ہے لیکن اس کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے اور کن حدود وآداب کا لحاظ کیا جانا چاہئے جن کی رعایت کرنے سے مسلمانوں کا اتحاد مضبوط ہو اور گروہ بندی کی شکل پیدا نہ ہو۔

جواب (۱): اجتہادی مسائل میں مسلک کو ترجیح دینے کے حدود وآداب:

شریعت مطہرہ نے بلاوجہ کسی کی دل آزاری، طعن وتشنیع وغیرہ سے روکا ہے اور درست بات کہنے کی تاکید کی ہے جیسے کہ ارشاد ربانی ہے:

"یا أیھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا (سورۃ الاحزاب/ ۷۰)۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: "یا أیھا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم" (سورۃ الحجرات/۱۱)۔

اسی طرح ایک جگہ اور ارشاد ہے: "لا یجرمنکم شنآن قوم علی أن لا تعدلوا اعدلوا ھو أقرب للتقوی" (مائدہ/۸)۔

اسی طرح حدیث شریف میں ہے: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" (بخاری شریف، کتاب الایمان ۱/۶)

دوسری حدیث شریف ہے: "سباب المسلم فسوق وقتاله کفر" (صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۵۸)

ایک اور حدیث میں ہے: "أحب للناس ما تحب لنفسك (الطبرانی الاوسط: ۱۳۶۶۴)

اسی طرح عالموں کے بارے میں اصلاحی خطبات میں یہ جملہ لکھا ہے کہ "ینبغی للعالم أن لا یعدو صوته مجلسه (اصلاحی خطبات ۸/۱۰۹)

اسی طرح ماں عائشہ کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب مسجد نبوی میں تقریر بلند آواز سے کرتے، ماں عائشہ کو اس سے دقت ہوتی، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو پہلے منع کیا، جب دوبارہ وہ صاحب اس کے مرتکب پائے گئے تو کہا کہ آئندہ پکڑے گئے تو لکڑی کی چھڑی توڑ دوں گا (اصلاحی خطبات ۸/۱۰۹)

اسی طرح طعنہ کشی بھی منع ہے: "ویل لکل ھمزۃ لمزۃ الذی جمع مالا وعددہ" (سورۃ الھمزہ)، یہ تمام آیتیں اور احادیث شریفہ بتا رہی ہیں کہ اپنے مسلک کو ترجیح دیتے وقت کسی پر طعنہ اور تعریض نہیں کرنا چاہئے؛ بلکہ انداز ایسا ہونا چاہئے کہ اگر اس سلسلہ میں وہی بات متکلم کو کہی جائے تو اس کو بری نہ لگے، اپنی زبان کی حفاظت کی جائے، انداز درست ہو، نیز اختلاف کے دائروں اور سطحوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر اختلاف کو اس کے اصل دائرے میں رکھنے سے تنازعات خود بخود حل ہو جائیں گے اور باہمی احترام اور رواداری کا ماحول خود بخود فروغ پانے لگے گا۔

اختلاف کے دائرے کی اس طرح تقسیم کی جاسکتی ہے:

(۱) ایمان اور کفر کا دائرہ، جیسے کسی کا مومن، مسلمان اور کسی کا یہودی، نصرانی، ہندو، کافر ہونا۔

(۲) حق اور باطل کا دائرہ، جیسے اہل سنت اور خوارج، جھمیہ اور معتزلہ فرقہ ضالہ کے درمیان۔

(۳) خطا و صواب کا دائرہ، جیسے فقہاء کرام احناف، شوافع، مالکیہ، حنابلہ اور دیگر فقہاء ثوری، اوزاعی، ابن ابی لیلی وغیرہ۔

(۴) اولی اور غیر اولی، فقہاء کے پیروکار کے درمیان ہونے والے اختلاف جس کا تعلق ترجیح مسلک یا ترجیح قول سے ہو۔

اختلاف کے حدود و آداب:

(۱) تحمل اور برداشت سے کام لینا چاہئے۔

(۲) دلیل کا جواب دلیل سے دینا چاہئے۔

(۳) اختلافی مسائل میں گفتگو کرتے وقت تقوی اور خوف خدا ملحوظ رہے۔

(۴) دلائل اور تحقیق و ترجیح سے مقصد اللہ کی خوشنودی ہو، نفسیات اور تفوق مقصد نہ ہو۔

(۵) بات حق ہو، نیت حق ہو، اور طریقہ حق ہو۔

(۶) اگر کسی چیز کو ترجیح دینی ہو تو دوسرے کی تنقیص کے بغیر "ھذا أحوط"، یا "ھذا أحسن" یا "ھذا ما ینبغی"، جیسے الفاظ کا استعمال ہو اور کسی چیز کے ضعف کا بیان کرنا مقصد ہو تو "قیل" یا "نکرہ ھذا" یا "لا یعجبنی" وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کیے جائیں، اور ممانعت اور انکار نہ ہو بلکہ پوری پوری سہولت اور لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنے میں مکمل کشادہ دلی کا مظاہرہ ہو۔

(۷) اسی طرح مسلک کی ترجیح میں یہ بات ملحوظ رہے کہ آدمی اپنے اوپر ڈرتا رہے جیسا کہ امام لیث فتوی دیا کرتے تھے، امام مالکؒ نے خط لکھ کر ان کو متنبہ کیا تو آپ نے کہا: "آپ نے جو کچھ لکھا ہے درست اور بجا ہے، انشاء اللہ تعالی میرے اوپر تحریر کا وہی اثر ہوا جو آپ چاہتے ہیں، میں شاذ فتاوی کی ناپسندیدگی کو محسوس کرتا ہوں اور علماء مدینہ کی افضلیت تسلیم کرنے اور ان کے متفقہ فتاوی قبول کرنے میں کسی عالم کو اپنے سے زیادہ نہیں پاتا جس پر اللہ رب العالمین کا شکر ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

(۸) جواب صحیح ہو، اور غور سے سن کر پوری ثابت قدمی کے ساتھ جواب دیا جائے۔

(۹) خود رائی کی بنیاد پر جلدی جواب دینے سے احتراز ہو، ایثار کا جذبہ ہو جیسے صحابہ کا طریقہ رہا ہے کہ دوسرے اہل علم کے پاس بھیجتے تھے۔

(۱۰) اختلاف رائے کے باوجود اگر کسی کی بات دلیل سے ثابت ہو جائے تو اسے قبول کرنا۔

(۱۱) ناپسندیدہ تنقید سے احتراز ہو۔

(۱۲) ایک دوسرے کا دفاع ہو، عیب گیری نہ ہو یعنی فقہاء کی علمی لغزشوں اور فقہی شذوذ کو ڈھونڈنا، اور انہیں یکجا کرنا، عوام اور مجالس میں پھیلانا کسی مخصوص مذہب ہی پر نہیں بلکہ پورے دین پر اعتماد میں بے یقینی پیدا کرنا ہے، یہ کام نہایت بدترین اور دشمنانہ ہے؛ اس لیے کہ یہ بات معلوم ہے کہ انبیاء کے سوا جو اللہ کے احکام پہنچانے میں معصوم ہیں اور کوئی انسان معصوم نہیں ہے، اور اگر ایسی بات ہوتی تو مخطی مجتہد کو ثواب نہ ملتا، نیز اس سلسلہ میں حضرت سعید بن مسیب تابعی فرماتے ہیں: شریف اور عالم آدمی میں کچھ نہ کچھ عیب تو ہوتا ہی ہے لیکن وہ حضرات جن کے عیوب کا تذکرہ مناسب نہیں ایسے لوگ ہیں جن کے فضائل اور نیکیاں ان کی برائیوں اور عیوب کے مقابلہ میں زیادہ ہوں، ان کی خرابیوں کو ان کی بعض خوبیوں اور قابلیتوں کی وجہ سے قبول کرلو (صفوۃ الصفوۃ)۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: سخی کے گناہ نیز عالم کی لغزش اور سلطان عادل کی ترشی و تیزی سے درگذر کرو (کنز العمال ۲/ ۳۹۳)۔

(۱۳) اختلاف کے باوجود احترام کے معاملہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے جیسا کہ امام شافعیؒ کے بارے میں مروی ہے کہ یونس صدفی امام شافعیؒ کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں، ایک دن ایک مسئلہ میں استاذ سے خوب بحث ہوئی، پھر جب اگلی ملاقات ہوئی تو امام شافعیؒ نے ان کا ہاتھ تھام لیا اور فرمایا: کیا یہ بات بہتر نہ ہوگی کہ ہم بھائی بھائی بن کر رہیں، چاہے ایک مسئلہ میں بھی ہمارے درمیان اتفاق پیدا نہ ہو سکے۔

''ألا يستقيم أن نكون إخوانا وإن لم نتفق في مسألة (سیر اعلام النبلاء ۱۰/ ۶۱)

اسی طرح ابن عبد البر ہی نے نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور علی بن المدینیؒ کے درمیان ایک مسئلے پر بحث ہوئی، اور بحث ایسی ہوئی کہ دونوں طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں، مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ آپس میں بدمزگی پیدا ہو جائے گی، لیکن علی بن المدینیؒ واپس جانے لگے تو امام احمد بن حنبلؒ نے اس درجہ احترام کا معاملہ کیا کہ ان کی رکاب تھام لی (جامع بیان العلم ۲/ ۱۰۷)، یعنی اختلاف رائے نے باہمی احترام اور قدردانی میں کوئی کمی پیدا نہیں کی۔

آپسی احترام اس لیے ضروری ہے کہ صحابہ کے درمیان اختلاف رائے سے ان کو خوشی ہوتی تھی نہ کہ رنج، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حفید سعید یکے از فقہاء سبعہ امام قاسم بن محمدؒ کہتے تھے:

''لقد نفع الله باختلاف أصحاب النبي ﷺ في أعمالهم، لا يعمل العامل بعمل رجل منهم إلا رأى أنه في سعة، ورأى أن خيرا منه قد علمه (جامع بيان العلم و فضله لابن عبد البر ۲/ ۸۰)

اسی طرح کی بات خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز سے منقول ہے (جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر ۲/ ۸۰)۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے نقل کیا ہے کہ ایک صاحب نے فقہاء کے اختلاف کو جمع کیا اور اس کا نام ''کتاب الاختلاف'' رکھا تو امام احمد نے فرمایا کہ اس کا نام ''کتاب الاختلاف'' نہ رکھو بلکہ ''کتاب السعۃ'' رکھو (فتاوی ابن تیمیہ ۳۰/ ۷۹)۔

بہر حال اختلاف رائے کو برا نہیں سمجھنا چاہئے، دوسری رائے رکھنے والوں کی نیت پر حملہ نہیں کرنا چاہئے۔

(۱۴) لوگوں کو دین کی طرف دعوت دی جانی چاہئے، اپنے مسلک و مشرب کو دلائل و براہین کے ساتھ بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، دعوت مسلک کی نہ ہونی چاہئے۔

(۱۵) اختلاف رائے باہمی تنافر اور نفرت کا سبب نہ بن جائے اور ایک دوسرے کے احترام میں رکاوٹ نہ بن جائے، سلف صالحین کا یہی طریقہ کار رہا ہے، علامہ ابن عبد البرؒ نے خود اپنے استاذ عبد الملک بن ہاشمؒ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ نماز میں ''عند كل خفض و رفع'' یعنی رفع یدین

کے قائل تھے، جیسا کہ موطا امام مالک میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے منقول ہے، لیکن اس پر عمل نہیں کرتے تھے، علامہ ابن عبد البر نے جب اپنے استاذ سے اس کے بارے میں پوچھا کہ آپ خود اس پر عمل کیوں نہیں کرتے تو فرمایا کہ یہاں کے مسلمانوں کا اس پر عمل نہیں ہے اور مسلمانوں کے اجتماعی عمل کی مخالفت سلف کا طریقہ نہیں رہا ہے۔

''مخالفة الجماعة فيما أبيح لنا ليست من شيم الأئمة'' (الاستذکار ۲/ ۱۲۴)

گویا ایسا عمل نہیں کرنا چاہئے جو عام مسلمانوں کے لئے وحشت وانتشار کا سبب ہو سوائے اس کے کہ کوئی بات خلاف شریعت ہو، یہاں تک کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے کہ اگر کہیں مسلمانوں کا کسی بات پر عمل نہ ہو، کیونکہ وہ اس کے قائل نہیں ہوں، اور دوسرا شخص اس کو مستحب سمجھتا ہو تو اس دوسرے شخص کے لیے وہاں اس کا ترک کر دینا بہتر ہے، کیونکہ ایک مسلمان کی تالیف قلب اس طرح کے مستحبات پر عمل کرنے سے بڑھ کر ہے۔

''لأن مصلحة التأليف في الدين أعظم من مصلحة فعل مثل هذا (مجموعة الفتاوى ۲۲/ ۴۰۶-۴۰۷)۔

(۱۶) کسی کے مسلک پر ناپسندیدہ تنقید برائے تحقیر نہ کرے، اس لیے کہ یہ اکابرین کا شیوہ نہیں رہا ہے، اس سلسلہ میں سلف صالحین کا قول اس طرح ہے:

(الف) سفیان ثوری کا قول: جب تم کسی کو ایسا عمل کرتے دیکھو جو مختلف فیہ ہو اور تمہاری رائے اس کے علاوہ ہو تو اسے مت روکو۔

(ب) امام احمد کا قول ہے کہ کسی فقیہ کے لیے زیبا نہیں کہ لوگوں کو کسی ایک مذہب کے خلاف للکارے اور ان پر تشدد کرے۔

(ج) امام نووی کا قول ہے کہ مفتی قاضی کو اپنے مخالف پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے جب تک اس نے کسی نص یا اجماع یا قیاس جلی کی مخالفت نہ کی ہو۔

(د) قاسم ابن محمد سے سری نماز میں قراۃ خلف الامام کے بارے میں سوال کیا گیا تو کہا کہ اگر پڑھو تو صحابہ رسول میں سے کچھ لوگوں میں تمہارے لیے اسوہ ہے اور اگر نہ پڑھو تو بھی صحابہ رسول میں سے کچھ لوگوں میں اسوہ ہے۔

(ہ) یحیٰ بن سعید کا قول ہے کہ اہل فتوی برابر فتوی دیتے ہیں تو کوئی نا جائز قرار دیتا ہے اور کوئی جائز، وہ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ جس نے جائز قرار دیا ہے وہ جائز قرار دینے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا اور جو نا جائز قرار دیتا ہے تو دوسرے یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ وہ نا جائز قرار دینے کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔

''عن يحي بن سعيد قال ما برح أهل الفتوى يفتون فيحل هذا ويحرم هذا فلا يرى المحرم المحل هلك لتحليله ولا يرى المحل أن المحرم هلك لتحريمه (جامع الفتاوی/ ۸۰، بحواله وحدت امت)۔

(۱۵) فتوی میں تشدید بے جا اور تخفیف ناروا کو درنہ آنے دے، کسی کی اچھی بات ہو تو کشادہ دلی سے قبول کرے۔

اس سلسلہ میں آخری بات:

ہندوستان کے مدارس میں جہاں اساتذہ اختلافی مسائل میں مسالک کی ترجیح کی کوشش کرتے ہیں وہیں مسلک کی ترجیح اور امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے ہر مسئلہ میں دلیل کے ساتھ یہ بھی کوشش ہونی چاہئے کہ طلبہ کو پتا لگے کے ذکر کردہ اختلافی مسائل کے علاوہ بقیہ سب اتفاقی ہیں اور کس مسئلہ میں کتنے لوگوں کا اتفاق ہے۔

جواب (۲): عقیدہ سے متعلق اہل سنت کا اختلاف اور اس کے حدود وآداب:

اخلاص اور ارادہ حق ہو:

عقیدہ سے متعلق بحث ونظر اور گفتگو کے وقت ضروری ہے کہ مقصد حق ہو اور حق تک رسائی ہونی چاہئے، اور آدمی اس کے لیے بالکل خالی الذہن ہو۔ یہ کام بسا اوقات دیکھنے میں بڑا آسان اور قابل عمل ہوتا ہے، لیکن اس پر عمل کرنا اور کار بند ہونا دشوار اور مشکل ہوتا ہے؛ چنانچہ بہت سے لوگ بظاہر داعی حق ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ اپنی ذات کے داعی ہوتے ہیں اور ان کا مقصد اپنی بڑائی یا اپنے استاد کی حمایت ہوتی ہے، اور شاید اسی میں غلو بھی شامل ہے جو بعضوں کو بحث کے دوران شخصی تنقید یا کسی کی ذات سے متعلق عبارات پر مجبور کرتا ہے جس سے وہ دوسرے کو ذلیل کرتا ہے یا

بے وقوف قرار دیتا ہے یا اسے بے راہ روی کا الزام دیتا ہے، ایسا غلو ذاتی مفاد کے لیے ہوتا ہے، حق کے لیے یقیناً نہیں ہوسکتا۔

مخالفت اور اختلاف سے حتی الامکان احتراز چند باتوں کے ذریعہ ممکن ہے:

(الف) لوگوں کے ساتھ حسن ظن اور اسلامی بھائی چارے کو ہر حیثیت سے بلند رکھ کر۔

(ب) جو کچھ ان کا عقیدہ ہو یا ان کی طرف وہ منسوب ہوا سے حتی الامکان اچھی صورت پر محمول کر کے۔

(۳) اگر ان سے کوئی ایسا عقیدہ منسوب ہو جسے بہتری پر محمول نہ کیا جاسکتا ہو تو ان کو معذور سمجھا جائے اور انہیں نیک نیتی سے محروم نہ کیا جائے، صحیح تو یہ ہے کہ اپنے بھائیوں کے لیے ایسا عذر تلاش کیا جائے جن سے اپنا سینہ صاف ہو اور نفس خوش رہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے لیے یہ کافی ہے کہ خود کو بھی خطا کار سمجھے، اور جب تم خود غلطی کرتے ہو اور اپنے لیے استغفار کرتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ تمہارا بھائی غلطی کر رہا ہے تو اس کے لیے استغفار نہیں کرتے، ہمیں ایسے ہی کہنا چاہئے جیسے حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کے لیے بنی اسرائیل کی گمراہی کے بعد دعا کی:

"رب اغفر لی ولأخی وأدخلنا فی رحمتك وأنت أرحم الراحمین" (سورۃ الاعراف: ۱۵۱)۔

(۴) خود کو الزام دے کر اپنے آپ کو بحث ونظر اور اختلاف کی جگہوں سے روکے اور دوسرے کے عقیدے کو گہرے نظر اور طویل غور وفکر کے بغیر غلط قرار دینے سے پرہیز کرے۔

(۵) اپنے بھائیوں کی تنقید یا ان کے خیالات کا کشادہ دلی کے ساتھ استقبال کرے، اسے اپنے ناقد کی طرف سے اپنی مدد سمجھ کر یہ باور کرے کہ اس کا مقصد تمہاری عیب جوئی یا تمہیں زک پہنچانا نہیں ہے۔

(۶) فتنے اور شور وشغب کے مسائل سے پرہیز کرے، عام لوگوں میں ایسی بات نہ بیان کرے جس سے فتنہ ہو۔

(۷) بہترین کلام کے انتخاب اور جارحانہ کلمات اور عیب جوئی، طعنہ زنی اور احمقانہ وجاہلانہ تعریض کی زہریلی عبارتوں سے پرہیز اور اسلامی ادب کا التزام کرے (سلیقہ اختلاف: ۲۳۰ تا ۲۳۲)۔

جواب (۳): موجب کفر عقائد اور غیر موجب کفر عقائد میں فرق:

غیر موجب کفر عقائد اور موجب کفر عقائد رکھنے والوں پر تنقید میں فرق یہ ہے کہ غیر موجب کفر عقائد رکھنے والوں کے ساتھ معاملہ مسلمانوں جیسا کیا جائے گا، دینی تمام معاملوں میں کوئی فرق روا رکھا نہیں جائے گا، بلکہ جن عقائد میں گمراہی پائی جاتی ہے اس سلسلہ میں ان کو راہ راست پر لانے کی نرمی اور حکمت عملی کے ساتھ فکر کی جائے گی اور موقع کی مناسبت سے ان امور کو گفتگو کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی جائے گی، اور جن لوگوں کا عقیدہ کفریہ ہو اور وہ اس کی وجہ سے کافر قرار دئے گئے ہوں تو ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ نہیں کیا جائے بلکہ عام انسانی قاعدے کی بنیاد پر ان سے میل جول اور تعلقات رکھے جائیں گے، ان کے ساتھ ان کے جلسوں، ان کی تحریکوں اور ان کی تقریبوں میں شرکت نہیں کی جائے گی، ان کے کفریہ عقیدہ کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی، اور اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو سنجیدہ تردید اور دلائل کے ذریعہ اس کا بطلان ثابت کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ جن فرقوں پر کفر کا فتوی نہیں ہے اگرچہ ان کے عقیدے میں گمراہی پائی جاتی ہو لیکن اس کے باوجود علماء نے ان کا اہل سنت والجماعت میں شمار کیا ہے تو ان کے بارے میں ہمارا یہ طرز ہونا چاہئے کہ:

(۱) ہم دین کے مفاد کو مسلک کے مفاد پر مقدم رکھیں۔

(۲) اختلافی عقائد کے مسائل میں ہم جس رائے کو درست سمجھتے ہیں اس پر قائم رہیں۔

(۳) دوسرے کی آراء کے بارے میں مناظرانہ رنگ اختیار کرنے کے بجائے ہمارا لب ولہجہ نرم ہو، نصح وخیر خواہی کا ہو، اعتدال اور انصاف پر مبنی ہو، بے احترامی اور بے توقیری نہ ہو۔

(۴) کسی کی نیت پر حملہ نہ ہو، جیسے ہم اپنا حق سمجھتے ہیں کہ جو نقطہ نظر ہمارے خیال میں بہتر ہے ہمیں اس پر عمل کرنے کا حق ہے، اسی طرح دوسرے کے حق کو تسلیم کریں۔

(۵) ہم جس شخصیت کی رائے کو زیادہ قابل قبول سمجھتے ہیں ان کی رائے پر عمل کریں، اسی طرح دوسروں کی آراء کی اہمیت کو بھی تسلیم کیا جائے اور ان کو بھی اس کا حق دیا جائے۔

موجب کفر عقائد اور تنقید کی حدیں:

ہاں شیعہ سنی اختلافات چونکہ معاملہ کفر اور اسلام کا ہے تو ان کے ساتھ انسانی رواداری وغیرہ کا معاملہ کیا جاسکتا ہے اور جیسے مستامن کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے اس کی گنجائش ہے، اور عقائد میں دلائل کے ساتھ تردید کی جائے گی اور معاملہ کو نزاعی نہیں بنایا جائے گا بلکہ تحقیقی بنانے کی کوشش کی جائے گی اور احترام انسانی کے پہلو کو ملحوظ رکھنا ہوگا اور انزلوا الناس منازلھم پر عمل بہتر ہوگا۔

وہ لوگ جو اپنے عقیدے کی وجہ سے کافر ہیں تو ان سے درج ذیل طریقہ سے گفتگو کی جائے گی:

(۱) فضول گفتگو سے پرہیز کیا جائے گا، ارشاد نبوی ہے: ''من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا أو ليصمت (بخاری)

(۲) گفتگو سے مقصد فخر ومباہات کا اظہار نہ ہو اور لوگوں کو اپنا گرویدہ بنانا نہ ہو، ''لا تعلموا العلم لتباهوا به العلماء أو لتماروا به السفهاء أو لتصرفوا به وجوه الناس إليكم فمن فعل ذلك فهو في النار'' (ابن ماجه)۔

جب بحث ومباحثہ کا مقصد مخاطب پر غلبہ پانا اور اپنا علمی تفوق لوگوں پر ظاہر کرنا ہی ہو جائے تو یہ بھی باطن کے لیے شراب کی طرح ام الخبائث ہے جس کے نتیجہ میں بہت سے روحانی جرائم پیدا ہوتے ہیں جیسے حسد، بغض، تکبر، غیبت، دوسرے کے عیوب کا تجسس، اسکی برائی سے خوش اور بھلائی سے رنجیدہ ہونا، قبول حق سے استکبار کرنا، دوسرے کے قول پر انصاف واعتدال کے ساتھ غور کرنے کی بجائے جواب دہی کی فکر کرنا خواہ اس کے پیش نظر قرآن اور سنت میں کیسی بھی تاویلات کرنی پڑ جائے۔

(۳) حفظ اللسان کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا جائے، چنانچہ ابن القیم زبان کے خطرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ومن العجب أن الإنسان يهون عليه التحفظ والاحتراز من أكل الحرام والظلم والزنا والسرقة وشرب الخمر ومن النظر المحرم وغير ذلك من النظر من المحارم وغير ذلك ويصعب عليه التحفظ من حركة لسانه'' (الجواب الكافی)۔

دوران گفتگو اخلاق وآداب کو ہاتھ سے نہ چھوٹنے دے جیسے حضرت ابن عمرؓ نے سوال کا جواب معلوم ہونے کے بعد بھی صحابہ کی موجودگی میں سکوت اختیار کیا

(۴) مناسب عنوان وماحول کا جائزہ لینا: مجلس میں مناسب موضوع وعنوان اور ماحول کو مدنظر رکھنا اور باریک بینی سے جائزہ لینا بھی از حد ضروری ہے؛ کیونکہ بعض مجلسوں سے کنارہ کشی اور علیحدگی کا شریعت نے حکم دیا ہے جب مجلس کا ماحول محض استہزاء اور مذاق ہو، گفتگو میں شعائر اسلام کی توہین کا رنگ غالب ہو، حق اور اہل حق کی تحقیر ہو رہی ہو تو اس مجلس سے کنارہ کشی لازم ہے؛ چنانچہ اللہ تعالی نے مومنوں کی خوبیوں کو ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"الذين هم في صلاتهم خاشعون والذين هم عن اللغو معرضون" (سورۃ المومنون)

اسی طرح اپنے پیغمبر کو شعائر اسلام اور آیات قرآنی کا مذاق اڑانے والے منافقین وکفار کی مجلس سے احتراز کا حکم دیا ہے:

"وإذا رأيت الذين يخوضون في آيتنا فأعرض عنهم حتى يخوضوا في حديث غيره وإما ينسينك الشيطان فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظلمين" (انعام/۶۸)

نیز ارشاد ربانی ہے: ''وقد نزل عليكم في الكتاب أن إذا سمعتم آيات الله يكفر بها ويستهزأ بها فلا تقعدوا معهم حتى يخوضوا في حديث غيره إنكم إذا مثلهم إن الله جامع المنافقين والكافرين في جهنم جميعا'' (نساء: ۱۴۰)

ایسے مجالس کے شرکاء کو اللہ نے سخت دھمکی دی ہے:

"ولئن سألتهم ليقولن إنما كنا نخوض ونلعب قل أبالله وآياته ورسوله كنتم تستهزؤون، لا تعتذروا قد كفرتم بعد إيمانكم إن نعف عن طائفة منكم نعذب طائفة بأنهم كانوا مجرمين" (توبہ/۶۶)۔

(۵) بیکار موضوع سے احتراز: آج کل اکثر و بیشتر ملحد فاسق اباحیت پسند دین کے احکام کے متعلق جو رویہ اپنائے ہوئے ہیں اسے کسی طور پر بھولنا نہیں چاہئے؛ کیونکہ ان مسائل کو چھیڑ کر احکام اسلامی اور حجیت حدیث میں ان کا مقصد تشکیک پیدا کرنا ہوتا ہے، بسا اوقات موضوع نتیجہ خیز نہیں ہوتا، اور اس کے تحقیق کے درپے ہونے میں وقت ضائع کرنا ہے؛ لہذا اس میں بحث و تمحیص بے فائدہ ہے۔ قرآن مجید نے اس کی طرف اصحاب کہف کے قصہ میں نشاندہی کی ہے:

"سيقولون ثلاثة رابعهم كلبهم ويقولون خمسة سادسهم كلبهم رجما بالغيب ويقولون سبعة و ثامنهم كلبهم قل ربي أعلم بعدتهم ما يعلمهم إلا قليل فلا تمار فيهم إلا مراء ظاهرا ولا تستفت فيهم منهم أحدا (سورة الكهف/ ۲۲)

لہذا ایسے عنوان و موضوعات سے سرسری تذکرہ کرتے ہوئے گذر جانا چاہئے اور یہی دانشمندی ہے۔

(۶) حق و باطل کے معاملہ میں مداہنت روا نہیں: کبھی موضوع اس نوعیت کا ہوتا ہے کہ اس میں حق و باطل کا مسئلہ ہوتا ہے، احقاق حق اور ابطال باطل شریعت کے مقاصد میں سے ہے، ہاں احقاق حق میں ڈھنگ اور طریقہ درست ہو۔

اس لیے کہ حق و باطل کو واضح کرنا اور گمراہی و ہدایت میں فرق کرنا ضروری اور لازمی امر ہے تو اختلاف رائے کی صورت میں اعتدال کی راہ پر قائم رہنا بھی اتنا ہی ضروری اور لازمی ہے لہذا اس سلسلہ میں حکمت اور موعظت حسنہ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہئے، فرمان الٰہی ہے:

"ولا تجادلوا أهل الكتاب إلا بالتي هي أحسن (سورة العنكبوت/۴۶)۔

احقاق حق میں بھی دراصل مخاطب کی خیر خواہی ہی مقصود ہوتی ہے اور مذاکرہ یا آپسی اختلافی عنوان پر گفتگو کوئی محض مناظرہ بازی، عقلی کشتی اور ذہنی دنگل نہیں ہوتا کہ اس میں جیت اور ہار کی بنیاد پر بات ہو، اس لیے اختلاف عقائد کی گفتگو میں نرمی، مناسب کلمات اور مخاطب کے مرتبہ کا لحاظ بھی ضروری ہوتا ہے، انبیاء کرام کو ان آداب کو ملحوظ خاطر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے گفتگو کے لیے جب بھیجا گیا تو یہ ہدایت کی گئی کہ

"فقولا له قولا لينا لعله يتذكر أو يخشى (سورة طه/۴۴)

(۷) اسی طرح کوشش ہو کہ فریق مخالف کی حمیت و تعصب بھی بھڑکنے نہ پائے؛ کیونکہ اس طرح مکالمہ اور گفتگو اپنا اثر کھو بیٹھتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم" (انعام/ ۱۰۸)۔

(۸) مخاطب کی رعایت اس کی ذہنی استعداد کے مطابق عقلی اور آسان دلائل سے گفتگو، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے گفتگو کی:

"ألم تر إلى الذي حاج إبراهيم في ربه أن آتاه الله الملك إذ قال إبراهيم ربي الذي يحيي ويميت قال أنا أحيي وأميت الخ (سورة البقرة/ ۲۵۸)۔

(۹) اگر مخاطب کم علم اور کج فہم ہو اور سوال بیکار کر رہا ہو تو حسن کلام اور حکمت کے ساتھ اصلاح کی کوشش کی جائے، جیسے ایک صحابی نے بدکاری کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تم یہ کام اپنی خالہ، ماں، بہن، اور پھوپھی کے ساتھ پسند کروگے؟ اس نے کہا نہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ لوگ بھی تو ناپسند کرتے ہوں گے، پھر دعا فرمائی: "اللهم اغفر ذنبه وطهر قلبه وحصن فرجه"۔

(۱۰) دلائل حتمی ہوں، تعصب و تنگ نظری کی وجہ سے اپنی رائے کو مسلط نہ کریں، حق اختلاف مت چھین لیں، دلائل کے بعد بھی کوئی بات نہ مانے تو زبردستی نہ کریں معذور خیال کریں؛ اس لیے کہ دلائل کی وضاحت کے بعد بھی تعارض یا کم فہمی کی وجہ سے مخاطب اختیار نہیں کرتا تو اس وقت رعایت دینی چاہئے جیسے جنبی شخص کے سلسلہ میں حضرت عمر اور حضرت عمار کی رائے، اسی طرح ابن عباس اور زید بن ثابت کا اختلاف دادا کی

وراثت میں، اسی طرح

"لا يصلين أحد العصر إلا في بني قريظة" میں، نیز فریق ثانی کی رائے کو اچھائی پر محمول کرنا، بلاوجہ اپنی طرف سے غلط مفہوم نہ بیان کرنا، حضرت عمر کا قول ہے: "لا تظنن بكلمة خرجت من أخيك المؤمن إلا خيرًا وأنت تجد لها في الخير محملا" (ابن کثیر)۔

جواب (۴): کیا بعض عقائد کی وجہ سے خارج از اسلام سمجھے جانے والوں کا قتل جائز ہے؟

اگر دار الامن ہو تو ایسے لوگوں کا قتل درست نہیں ہے، اسی طرح اگر ان کو مرتد بھی سمجھا جارہا ہے تو بھی عام آدمی کے لیے قتل کرنا جائز نہیں، ورنہ وہ بھی ہمیں قتل کریں گے جیسا کہ ہو رہا ہے، یہ کام حاکم اور والی کا ہے، اور یہ جب ہے جب کہ خالص اسلامی حکومت ہو، ایسا نہیں کہ اسلامی جمہوریہ ہو اور پھر ہر ایک کو امن کی ضمانت دی گئی ہو تو کسی صورت میں صرف خارج از اسلام ہونے کی وجہ سے قتل درست نہیں ہے جیسا کہ "بدائع" میں ہے:

"قال الامام الكاساني :وأما شرائط جواز إقامتها فمنها ما يعم الحدود كلها ومنها ما يخص البعض دون البعض أما الذي يعم الحدود كلها فهو الإمامة وهو أن يكون المقيم للحد هو الإمام أو من ولاة الإمام وهذا عندنا ...وبيان ذلك إن ولاية إقامة الحد إنما ثبت للإمام لمصلحة العباد وهي صيانة أنفسهم وأموالهم وأعراضهم لأن القضاة يمتنعون من التعرض خوفا من إقامة الحد عليهم والولي لا يساوي الإمام في هذا المعنى لأن ذلك يقف على الإمامة والإمام قادر على الإقامة لشوكته ومنعته وانقياد الرعية له قهرا وجبرا ولا يخاف تبعة الجناة وإتباعهم لانعدام المعارضة بينهم وبين الإمام وتهمة الميل والمحاباة والتواني عن الإقامة منتفية في حقه فيقيم على وجهها فيحصل الغرض المشروع له الولاية بيقين" (بدائع الصنائع ۷/۵۷)۔

بدائع کی صراحت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر عام آدمی اس کو ہاتھ میں لے لے گا تو کسی کی بھی جان محفوظ نہیں رہے گی؛ اس لیے کہ بدریغ فریق مخالف کا قتل اور ان کی مسجدوں کو پامال کرنا قطعی طور پر درست نہیں ہے۔

جنگ وجدال کو روکنے کے لیے علماء اور مذہبی پیشواوں کی ذمہ داریاں:

(۱) کلمہ کی بنیاد پر دونوں گروہوں کو اکٹھا کرنا۔

(۲) اشتعال انگیز مواد دونوں فریقوں کی کتابوں سے نکال دینا، غیر معتدل تصنیف پر پابندی۔

(۳) ایسے عناصر کے بیان پر پابندی لگانا جو اس اختلاف کو بھڑکا وا دیتے ہیں۔

(۴) ایسی تنظیموں کو کالعدم قرار دینا جو اس جرم کی محرک ہیں، ان کے افراد پر سخت نگاہ رکھنا اور کچھ پابندیاں عائد کرنا، جیسے نظر بندی وغیرہ۔

(۵) صالح مضامین اور لٹریچر تیار کرا کر عام ہاتھوں تک پہنچانا۔

(۶) ایسے افراد کار تیار کرنا جو وحدت امت کے داعی اور آپسی قتل وجدال کے نظریہ کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہوں اور اس میدان میں رضا کارانہ طریقہ پر کام کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

(۷) آپسی صلح اور معاہدہ کے ذریعہ ہر فریق کو پابند معاہدہ کرنا۔

جواب (۵): شیعہ سنی کے بقاء باہمی کے ساتھ زندگی گذارنے کے حدود وآداب:

ایک تکثیری معاشرہ میں مسلمانوں کو کس طرح رہنا چاہئے اور امن وامان کی رعایت کس طرح کرنی چاہئے اس کا عملی نمونہ خود نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں ملتا ہے کہ مکہ میں جب لوگوں نے دعوت "لا إله إلا الله" چھوڑنے کو کہا اور لالچ دی تو آپ ﷺ نے صاف کہہ دیا کہ ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دو گے تب بھی یہ دعوت نہیں چھوڑوں گا یعنی اسلام اور اسلامی شعائر سے تو دست بردار نہیں ہوا جاسکتا، البتہ درمیانی کوئی بات طے کر کے مصالحت کی جاسکتی ہے جیسے نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ہوا کہ اہل مکہ نے آپ ﷺ کے سامنے مصالحت کے دو فارمولے رکھے، ایک یہ کہ ہم بھی آپ کے خدا کی عبادت کریں اور اس کے بدلے میں آپ ہماری دیویوں اور دیوتاوں کی پوجا کریں، دوسرا فارمولہ یہ تھا کہ دن متعین

کرلیں، ایک دن دونوں فریق آپ کے خدا کی عبادت کریں اور ایک دن دونوں فریق مل کر بتوں کی پوجا کریں، ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں کسی مسلمان کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتیں، کیوں کہ جیسے روشنی اور تاریکی جمع نہیں ہوسکتی اور دن ورات کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں ہے، اسی طرح توحید اور شرک کے عقیدہ کو جمع نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ قرآن مجید نے صلح کا ایک تیسرا فارمولہ پیش کیا کہ اگر تم کو ہمارے لائے ہوئے دین پر اطمینان نہیں ہے تو ہم تم سے کوئی تعرض نہیں کرتے ہیں اور جن لوگوں نے اس دین حق کو قبول کیا ہے، تم بھی ان سے تعرض نہ کرو، ہم دونوں اپنے اپنے طریقہ عبادت اور دین پر رہتے ہوئے ایک سماج میں خوشگواری کے ساتھ زندگی گذاریں، "قل یا أیھا الکفرون. لا أعبد ما تعبدون. ولا أنتم عابدون ما أعبد. ولا أنا عابد ما عبدتم. ولا أنتم عابدون ما أعبد. لکم دینکم ولی دین" (سورۃ کافرون) تو کہہ کہ اے منکرو، میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو، اور نہ تم پوجو جس کو میں پوجوں، اور نہ مجھ کو پوجنا ہے اس کا جس کو تم نے پوجا، اور نہ تم کو پوجنا ہے اس کا جس کو میں پوجوں، تم کو تمہاری راہ اور مجھ کو میری راہ۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں مسلمان بھی تھے، یہودیوں کے بھی تین قبیلے تھے اور اوس وخزرج میں بچے کچھے مشرکین بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں پہنچ کر سب سے پہلے دو کام کئے، ایک مسلمانوں کے درمیان مواخات، دوسرے مسلم وغیر مسلم قبائل کے درمیان میثاق امن۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسا دستاویز معاہدہ مرتب فرمایا، جس کے مطابق تمام لوگوں کو اپنے اپنے مذہب پر عمل کی آزادی دی گئی، یہاں تک کہ یہودیوں کی قومی عدالت بھی قائم رکھی گئی، یہودیوں کے بعض مقدمات جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرلیں، اسی طرح ان کے تعلیم وتعلم کے نظام میں بھی کوئی دخل نہیں دیا گیا؛ یہاں تک کہ یہودیوں کی خواہش پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی درسگاہ کا معائنہ بھی فرمایا اور جب تک یہودی قبائل کی طرف سے غدر اور دھوکہ دہی کے واقعات پیش نہیں آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاہدہ کو باقی رکھا۔

اس سلسلہ میں ہمیں صحابہ کا اسوہ بھی ملتا ہے، جو عہد نبوی ہی کا ہے، اور وہ ہے حبشہ کا واقعہ، مسلمانوں نے حبش کی طرف ہجرت کی اور وہاں امن وامان کو برقرار رکھتے ہوئے اور مقامی قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے ہم وطن عیسائی بھائیوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھے، اگرچہ میثاق مدینہ کی طرح وہاں باضابطہ کوئی معاہدہ نہیں ہوا، لیکن عملاً یہ ایک معاہدہ کی شکل ہی تھی، جس پر دونوں مذہب کے ماننے والے قائم تھے (کلیدی خطبہ جناب مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی بموقع چوبیسواں فقہی سیمینار)۔

(۱) ان واقعات سے پتہ لگتا ہے کہ شیعہ سنی بھی ایک مصالحت اور بقائے باہمی کے اصولوں پر مل کر کے ایک ساتھ رہ سکتے ہیں۔

(۲) دونوں گروہ اپنے ملی اور مذہبی معتقدات کو نمایاں طور پر واضح کر کے اس کی روشنی میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن اخلاق، رواداری اور خوشگوار تعلقات کا مظاہرہ کریں۔ اس سلسلہ میں نفرت پھیلانے والے گروہ پر لگام کسا جائے۔

(۳) اس سلسلہ میں معاہدہ کی پابندی کا لحاظ ہر فریق انصاف اور ایمانداری کے ساتھ کرے۔

(۴) احترام انسانیت کی بنیادوں پر ہر ایک کا دوسرے کی رعایت کرنا اور ایک دوسرے کے معاشرتی حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھنا۔

(۵) علماء اور پیشواؤں کی ذمہ داری ہے کہ وہ آپسی جنگ وجدال کی قباحت، انسانی جانوں کی حفاظت، اور پیار ومحبت کے اصول سے لوگوں کو واقف کرائیں۔

(۶) اس سلسلہ میں لٹریچر اور کتابچہ، تدریبی مجلسیں اور کانفرنس کے ذریعہ انسانی اقدار کے فروغ پر تحریکی شکل میں کام کریں۔

(۷) عوامی سطح پر اثر ورسوخ رکھنے والے معزز قسم کے لوگوں کو اپنے مشن میں شریک کرنا اور ان سے مدد لینا۔

(۸) کانفرنس اتحاد امت کا انعقاد جس میں ہر مکتبہ فکر کے لوگ اکٹھا ہوں، اور وحدت کے عملی پہلو پر غور کریں، اور اس سے عوام کو واقف کرائیں۔



اختلاف رائے اور وحدت امت

مولانا محمد سلمان منصور پوری[1]

(۱) الجواب وباللہ التوفیق:

مجتہد فیہ مسائل میں جو آراء کا اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی بنیاد یا تو دلائل کے تعارض پر ہے، یا اصل نصوص میں صریح حکم نہ ملنے پر ہے؛ بریں بنا ایسے مسائل میں اختلاف فطری اور واقعی ہے، جسے شریعت کی نظر میں برا نہیں سمجھا جاتا، اور شروع سے لے کر آج تک ہر زمانہ میں ایسے فروعی اختلافات کو امت میں برداشت کیا جاتا رہا ہے، اس کی نظیر وہ واقعہ ہے جو دور نبوت میں غزوہ بنوقریظہ کے موقع پر پیش آیا کہ پیغمبر علیہ السلام نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ کوئی شخص عصر کی نماز بنوقریظہ کی بستیوں تک پہنچنے سے پہلے نہ پڑھے، تو صحابہؓ کے قافلے رواں ہوئے، اور عصر کا وقت تنگ ہونے لگا تو بعض صحابہؓ ظاہری حکم کے موافق برابر چلتے رہے اور وقت گذرنے کے بعد بنوقریظہ میں پہنچ کر ہی نماز ادا کی، جبکہ بعض دوسرے صحابہؓ نے پیغمبر علیہ السلام کے حکم کو تعجیل پر محمول کیا، اور وقت کے اندر اندر بیچ راستہ میں رک کر نماز ادا کرلی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پر نکیر نہیں کی (بخاری شریف ۲/۵۹۱)۔

بعینہ یہی صورت مجتہدین کے آپسی اختلافات کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی رائے "صواب محتمل خطا" ہے، یعنی صحیح ہے مگر اس میں غلطی کا بھی امکان ہے، لیکن ایک مجتہد کے ماننے والوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ دوسرے مجتہد کے مستنبط مسائل کی بالکل تغلیط کریں، یا ان پر عمل کرنے والوں کو فاسق اور گمراہ قرار دیں، مذاہب اربعہ (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) میں مسائل کا اختلاف اسی نوعیت کا ہے، کہ ان میں ہر مذہب حق ہے اور قابل اتباع ہے، یہ اختلاف حق وباطل کا نہیں، بلکہ علم وفہم اور استنباط کا ہے۔

لیکن واضح رہے کہ ایسی آراء پر بحث ومباحثہ صرف علمی ماحول میں ہونا چاہئے، اور عوام جو دلائل کی گیرائی سے واقف نہیں ہوتے، ان کو ایسے بحث ومباحثہ میں شامل ہونا ملت میں سخت انتشار کا سبب ہے، جس علاقہ میں جو فقہی مسلک رائج ہو اور عوام کی اکثریت اس سے مانوس ہو اور اس کے مطابق صدیوں سے عمل کرتی چلی آئی ہو، ان کے درمیان دوسرے مسلک کی اس طرح تبلیغ کرنا جس سے اس علاقہ کے عوام کا سابقہ عمل بالکل غلط قرار پائے، اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے، اور آج دنیا میں جو فروعی اختلافات ابھارے جارہے ہیں، ان کے پس پشت ائمہ اربعہ کے مقلدین وتبعین نہیں ہیں؛ بلکہ وہ غیر مقلدین ہیں جو بزعم خود نصوص کو سمجھ کر اپنے علاوہ سب کو گمراہ اور باطل قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں، اس وقت ملت کو ان فتنہ انگیزوں سے بچانے کی سخت ضرورت ہے، ان کا یہ عمل سلف صالح کے طریقہ کے بالکل خلاف ہے۔

* روى الدارمي في سننه: إن حميدا الطويل قال للخليفة الراشد عمر بن عبد العزيز: لو جمعت الناس على الشئ! فقال ما يسرني أنهم لم يختلفوا، قال: ثم كتب إلى الآفاق أو إلى الأمصار ليقض كل قوم بما اجتمع عليه فقهائهم۔

* روى أبو زرعة الدمشقي عن سليمان بن حبيب المحاربي التابعي الثقة القاضي بدمشق أنه قال: أراد عمر بن عبد العزيز أن يجعل أحكام الناس والأجناد حكمًا واحدًا، ثم قال: إنه قد كان في كل مصر من أمصار المسلمين وجندٍ من أجناده ناس من أصحاب رسول الله ﷺ، وكانت فيهم قضاة قضوا بأقضية أجازها أصحاب رسول الله ﷺ ورضوا بها، وأمضاها أهل المصر، كالصلح بينهم، فهم على ما كانوا عليه من ذلك. فترك عمر ما كان أراده، وكان حريصًا جدًا على أن لا يغير من واقع الأمة شيئًا مألوفًا عندهم، ما دام على وجهة شرعية. وانتظر خبره الدال على ذلك.....۔

[1] جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد۔

* قال ابن أبي حاتم: قال مالك: ثم قال لي أبو جعفر المنصور: قد أردت أن أجعل هذا العلم علمًا واحدًا، فكتب به إلى أمراء الأجناد وإلى القضاة فيعملون به، فمن خالف ضربت عنقه، فقلت له: يا أمير المؤمنين! أو غير ذلك؟ قلت: إن النبي ﷺ كان في هذه الأمة، وكان يبعث السرايا، وكان يخرج، فلم يفتح من البلاد كثيرًا حتى قبضه الله عزوجل، ثم قام أبوبكر بعده: فلم يفتح من البلاد كثيرًا، ثم قام عمر بعدهما ففتحت البلاد على يديه، فلم يجد بدًا من أن يبعث أصحاب محمد ﷺ معلمين، فلم يزل يؤخذ عنهم كابرًا عن كابر، إلى يومهم هذا، فإن ذهبت تحولهم مما يعرفون إلى ما لا يعرفون رأوا ذلك كفرًا (معالم ارشادية لصناعة طالب العلم/ ۲۶۷-۲۶۸ للشيخ محمد عوامه)۔

* يحكى نسبة هذه القصة إلى هارون الرشيد، وأنه شاور مالكًا في أن يعلق المرطأ في الكعبة ويحمل الناس على ما فيه، فقال: لا تفعل، فإن أصحاب رسول الله ﷺ اختلفوا في الفروع وتفرقوا في البلدان وكل سنة مضت، قال: وفقك الله يا أبا عبد الله (حجة الله البالغه ۱/ ۲۱۱)۔

* ومنها أن أكثر صور الاختلاف بين الفقهاء لاسيما في المسائل التي ظهر فيها أقوال الصحابة في الجانبين، إنما هو في ترجيح أحد القولين، وكان السلف لا يختلفون في أصل المشروعية، وإنما كان خلافهم في أولى الأمرين، ونذلك لم يزل العلماء يجوزون فتاوى المفتين في المسائل الاجتهادية، ويسلمون قضاء القضاة، ويعملون في بعض الأحيان بخلاف مذهبهم (حجة الله البالغه ۱/ ۲۲۳)۔

* ’’ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاءهم البينات‘‘۔

* ثم إن هذا الاختلاف المذموم محمول كما قيل على الاختلاف في الأصول دون الفروع واستدل على عدم المنع من الاختلاف في الفروع بقوله عليه الصلاة والسلام: اختلاف أمتي رحمة، وبقوله: مهما أوتيتم من كتاب الله فالعمل به لا عذر لأحد في تركه؛ فإن لم يكن في كتاب الله فسنة مني ماضيه، فإن لم يكن سنة مني فما قال أصحابي: إن أصحابي بمنزلة النجوم في السماء فأيما أخذتم به اهتديتم واختلاف أصحابي لكم رحمة (روح المعاني ۳/ ۳۸ زكريا)۔

* إن اختلاف الفقهاء محصور فقط بين المأخوذ من مصادر الشريعة؛ بل هو ضرورة اجتهادية يمليها الاجتهاد نفسه في فهم الحكم من الأدلة الشرعية مباشرة، كما هو الشأن في تفسير نصوص القوانين، واختلاف الشراح فيما بينهم، وذلك إما بسبب طبعة اللغة العربية المجملة أو المحتملة، وإما بسبب رواية الحديث، وإما بسبب التفاوت بين المجتهدين في كثرة أو قلة الاعتماد على مصدر تشريعي أو لمراعاة المصالح والحاجات والأعراف المتجددة المتطورة (الفقه الاسلامي وادلته ۱/ ۷۶ للدكتور وهبه الزحيلي)۔

(۲) الجواب وبالله التوفيق:

اولا یہ واضح رہنا چاہئے کہ کسی بھی شخص یا فرقہ کو کافر قرار دینا بہت بھاری بات ہے، جب تک بھی کسی شخص کی بات میں مناسب تاویل کی گنجائش ہو، تو اس کو بہتر معنی پر محمول کرتے ہوئے اس کے قائل کی تکفیر سے احتراز کیا جائے گا۔ علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق (باب المرتد ۵/ ۱۲۴) میں فتاوی صغری سے نقل کیا ہے کہ کفر بڑی بھاری چیز ہے، مجھے اگر کوئی بھی روایت مل جائے (گو کہ وہ ضعیف ہو) تو میں کسی صاحب ایمان کو کافر نہیں بناؤں گا، اور یہ بات طے شدہ ہے کہ مسلمان کے کلام کو امکانی حد تک ایسے معنی پر محمول کیا جائے گا جو اس کی تکفیر کا موجب نہ ہو، اور اگر کسی مسلمان کو کفر سے بچانے کے لئے مذہب کی کسی ضعیف روایت کا سہارا لینا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے گا (شرح عقود رسم المفتی ص: ۸۳ سہارنپور)۔

* وفي الفتاوى الصغرى: الكفر شئ عظيم، فلا أجعل المؤمن كافرًا متى وجدت رواية أنه لا يكفر، وفي الخلاصة

وغیرہا: إذا كان في المسئلة وجوه توجب التكفير، ووجه واحد يمنعه، فعلى المفتي أن يميل إلى الوجه الذي يمنع التكفير تحسينًا للظن بالمسلم، زاد في البزازية: إلا إذا سرها بإرادة موجب الكفر، فلا ينفعه التاويل. وفي التاتارخانية: لا يكفر بالمحتمل؛ لأن الكفر نهاية في العقوبة، فيستدعي نهاية في الجناية، ومع الاحتمال لا نهاية، والذي تحرر أنه لا يفتي بكفر مسلم، أمكن حمل كلامه على محمل حسن، أو كان في كفره اختلاف، ولو رواية ضعيفة (شامی، کتاب الجہاد ۶/ ۳۵۸ زکریا)۔

لیکن اگر کسی شخص کا عقیدہ ایسا ہو جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو، یا جو اجماع امت کے بالکل خلاف ہو تو اس معاملہ میں نرم رویہ اختیار نہیں کیا جاسکتا، ایسے عقائد کی تردید لازم ہے، اس بارے میں مداہنت روا نہیں؛ کیونکہ اگر اس میں نرمی برتی جائے گی تو حق اور باطل کا امتیاز ختم ہو جائے گا، اور دین اپنی اصل شکل میں باقی نہیں رہے گا۔

اس مرحلہ پر ممکن ہے کہ ہر فرقہ یہ دعوی کرے کہ میں ہی معیار حق بننے کے لائق ہوں، اور دوسرے سب گمراہ ہیں، تو اس معاملہ میں محض زبانی جمع خرچ کافی نہیں، بلکہ درج ذیل دو کسوٹیوں پر جو فرقہ پورا اترے گا وہی اہل حق کہلائے جانے کا مستحق ہوگا:

(۱) اس فرقہ کے عقائد قرآن کریم کے موافق ہوں، ارشاد خداوندی ہے: "واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا" (آل عمران: ۱۰۳) (اور اللہ کی رسی (قرآن کریم) کو مضبوطی سے پکڑلو، اور پھوٹ نہ ڈالو)۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل حق کو جانچنے کا اولین معیار یہ ہے کہ وہ قرآن کریم میں بیان کردہ عقائد پر ثابت قدم ہوں، اور قرآن کریم سے ثابت شدہ کسی بات کے منکر نہ ہوں، ورنہ وہ ہرگز اہل حق میں نہیں کہلائے جاسکتے۔

(۲) اس کے عقائد واعمال، سنت اور حیات صحابہؓ کے مطابق ہوں: چنانچہ جب نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کے تہتر فرقوں میں بٹ جانے اور ان میں صرف ایک فرقہ کے جنتی ہونے کا تذکرہ کیا، تو صحابہؓ نے پوچھا کہ نجات پانے والی جماعت کون سی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ما أنا عليه وأصحابي'' یعنی جماعت ناجیہ صرف وہ جماعت ہے جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقے پر چلنے والی ہو (ترمذی شریف ۲/ ۹۳)۔

ان دونوں معیاروں کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ فرقہ ناجیہ کے مصداق وہی حضرات ہوسکتے ہیں جو پکے موحد ہوں، فکری اور عملی بدعات سے نفور ہوں، حضرات صحابہؓ اور سلف صالحین کے متبع ہوں، اور دین میں آزاد خیالی اور خود رائی سے دور ہوں (اگرچہ ان کے فقہی مذاہب الگ الگ ہوں)، ان باتوں کے بغیر حقانیت کا دعوی محض فریب ہوگا۔

* عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله ﷺ ... وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة، كلهم في النار، إلا ملة واحدة. قالوا: من هي يا رسول الله؟ قال: ما أنا عليه وأصحابي (سنن ترمذی ۲/ ۹۳)۔

* عن ثوبان قال: قال رسول الله ﷺ: لا يزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم حتى يأتي أمر الله وهم كذلك (السنن الكبرى للبيهقي ۹/ ۲۲۰ رقم: ۱۸۸۳۵، صحيح البخاري ۲/ ۱۰۸۷، رقم: ۷۰۱۹، ف: ۷۳۱۱)۔

* عن معاوية بن قرة عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: لا يزال طائفة من أمتي منصورين لا يضرهم من خذلهم حتى تقوم الساعة (مشكاة المصابيح. ۵۸۳)۔

* فأوجب تعالى علينا التمسك بكتابه وسنة نبيه والرجوع إليهما عند الاختلاف، وأمرنا بالاجتماع على الاعتصام بالكتاب والسنة اعتقادًا وعملًا، وذلك بسبب اتفاق الكلمة وانتظام الشتات الذي يتم به مصالح الدنيا والدين، والسلامة من الاختلاف وأمر بالاجتماع ونهى عن الافتراق الذي حصل لأهل الكتابين هذا معنى الآية على التمام (احكام القرآن للقرطبی ۴/ ۱۶۴)۔

* أما الاختلاف في العقيدة فهو الذي يعيبها، ويفرق بين أبنائها، ويمزق شملها، ويضعف كيانها لهذا، فإن العودة

إلى العمل بالفقه الاسلامي، والاعتماد على تقنين موحد مستمد منه سبيل لتدعيم وحدة الأمة الإسلامية ونبذ خلافاتها (الفقه الاسلامی وادلته ۱/ ۷٦)۔

(۳) الجواب وباللّٰہ التوفیق:

سنجیدہ اور مثبت انداز میں عوام کو بدفکری اور بدعقیدگی سے بچانے کی فکر کرنا نہی عن المنکر میں شامل ہے بلہذا جو فرقے جس درجے کے گمراہ ہوں اسی اعتبار سے ان سے لوگوں کو بچانے کی کوشش کرنا اور اس کے متعلق اطمینان بخش علمی دلائل فراہم کرنا علماء کا منصبی فریضہ ہے، اور جن فرقوں کے عقائد کفر تک پہنچے ہوئے ہوں، ان سے بدرجہ اولی بچنے کی تلقین کی جائے گی۔

ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن (النحل: ۱۲۵)۔

* وأمره أن يدعو إلى دين الله وشرعه بتلطف ولين دون مخاشنة وتعنيف. وهكذا ينبغي أن يوعظ المسلمون إلى يوم القيامة. فهي محكمة في جهة العصاة من الموحدين. ومنسوخة بالقتال في حق الكافرين. وقد قيل إن من أمكنت معه هذه الأحوال من الكفار ورجى إيمانه بها دون قتال فهي فيه محكمة (احكام القرآن للقرطبی ۱۰/ ۲۰۰)۔

* بالطريقة التي هي أحسن طرق المناظرة والمجادلة من الرفق واللين واختيار الوجه الأيسر واستعمال المقدمات المشهورة تسكينًا لشغبهم وإطفاء للهبهم. واستدل أرباب العقول بالآية على أن المعتبر في الدعوة من بين الصناعات الخمس إنما هو البرهان والخطابة والجدل حيث اقتصر في الآية على ما يشير إليه (روح المعانی ۸/ ۳۸٦ زکریا)۔

* قال رسول الله ﷺ: يرث هذا العلم من كل خلف عدو له ينفون عنه تأويل الجاهلين، وانتحال المبطلين وتحريف الغالين (السنن الكبرى للبيهقي ۱۰/ ۳۹۳، رقم: ۲۰۹۱۱)۔

* عن طارق بن شهاب قال: أول من قدم الخطبة قبل الصلاة مروان، فقام رجل، فقال لمروان: خالفت السنة، فقال: يا فلان! ترك ما هناك؟ فقال أبوسعيد: أما هذا فقد قضى ما عليه، سمعت رسول الله ﷺ يقول: من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده، ومن لم يستطع فبلسانه ومن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان (صحيح مسلم ۱/ ۵۰، سنن الترمذي ۲/ ۴۰)۔

* أجمع المسلمون فيما ذكر ابن عبد البر أن المنكر واجب تغييره على كل من قدر عليه، وأنه إذا لم يلحقه بتغييره إلا اللوم الذي لا يتعدى إلى الأذى، فإن ذلك لا يجب أن يمنعه من تغييره، فإن لم يقدر فبلسانه. فلو لم يقدر فبقلبه ليس عليه أكثر من ذلك، وباللسان على العلماء وبالقلب على الضعفاء، يعني عوام الناس. فالمنكر إذا أمكنت إزالته باللسان للناس فليفعل (احكام القرآن للقرطبی ۴/ ۴۸)۔

* قال ابن عطية: والإجماع منعقد على أن النهي عن المنكر فرض لمن أطاقه وأمن الضرر على نفسه وعلى المسلمين، فإن خاف فينكر بقلبه ويهجر ذا المنكر ولا يخالطه (احكام القرآن ٦/ ۲۵۳ تحت سورة المائدة: ۷۹)۔

(۴) الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں:

(۱) اول یہ کہ گمراہ فرقوں کے عقائد کی علمی طور پر تردید اور عوام کو گمراہی سے بچانے کی کوشش یہ تو برابر جاری رکھنی چاہئے، اس کے بغیر دین کا تحفظ نہیں ہوسکتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ کسی فرقہ کی گمراہی کی وجہ سے عوام الناس کا آپس میں قتل وغارت گری کرنا، تو اس کی اسلام میں مطلقاً اجازت نہیں ہے، اور آج عقیدہ کی بنیاد پر مختلف ممالک میں آپس میں جو خوں ریزیاں جاری ہیں، وہ قطعاً حرام ہیں۔

البتہ خاص حالات میں صرف اسلامی حکومت کے حاکم کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ دعوی، شہادات اور متعلقہ شخص یا فرقے کی فتنہ انگیزیوں کو دیکھ کر قرار واقعی سزا (جس میں قتل بھی شامل ہے) کا فیصلہ کرے، عوام کو اپنے طور پر یہ اختیار حاصل نہیں ہے، اور حکومت کو بھی یہ اختیار صرف انہیں جگہوں میں حاصل ہے جہاں اس کے بغیر فتنہ کا استیصال ممکن ہی نہ ہو، اور اگر حالات اس کے برعکس ہوں تو بہر حال مصالح اور انجام کا خیال رکھا جائے گا، سیاست شرعی کا تقاضا یہی ہے۔

* قال محمد: ليس للذى يستعمل على رستاق على مؤنة أو خراج، استيفاء الحدود، وإنما ذلك إلى أمراء الأمصار والمدن، وذلك هو الإمام (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب السرقه/ الفصل الخامس عشر فى بيان من له إقامة الحدود ٦/ ٢٩٢، رقم: ٩٨٢٣ زكريا)۔

* التعزير مفوض إلى رأى الإمام (الفتاوى التاتارخانيه ٦/ ٣٩٨، رقم: ٩٩٣٦ زكريا، شامى ٦/ ١٠٣ زكريا)۔

* وفى القهستانى: السياسة لا تختص بالزنا، بل تجوز فى كل جناية، والرأى فيها إلى الإمام على ما فى الكافى كقتل مبتدع يتوهم منه انتشار بدعته، وإن لم يحكم بكفره، كما فى التمهيد ...الخ- فالسياسة استصلاح الخلق بإرشادهم إلى الطريق المنجي فى الدنيا والآخرة . فهى من الأنبياء على الخاصة والعامة فى ظاهرهم وباطنهم، ومن السلاطين والملوك على كل منهم فى ظاهره لا غير، ومن العلماء ورثة الأنبياء على الخاصة فى باطنهم لا غير، كما فى المفردات وغيرها (شامى، كتاب الحدود ٦/ ٢٠ زكريا)۔

* وفى نور العين عن التمهيد: أهل الأهواء إذا ظهرت بدعتهم بحيث توجب الكفر فإنه يباح قتلهم جميعًا، إذا لم يرجعوا ولم يتوبوا...الخ، والمبتدع لو له دلالة ودعوة للناس إلى بدعته، ويتوهم منه أن ينشر البدعة، وإن لم يحكم بكفره، جاز للسلطان قتله سياسة وزجرًا؛ لأن فساده أعلى وأعم، حيث يؤثر فى الدين، والبدعة لو كان كفرًا يباح قتل أصحابها عامًا، ولو لم تكن كفرًا يقتل معلمهم ورئيسهم زجرًا وامتناعًا (شامى، كتاب الجهاد ٦/ ٢٨٦ زكريا)۔

(۵) الجواب وباللہ التوفیق:

جن علاقوں میں شیعہ سنی مشترک آبادیاں ہیں، وہاں دونوں فرقے پر امن بقائے باہم کے اصول کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں، اور دنیا کے بہت سے ممالک اور شہروں میں صدیوں سے یہ دونوں فرقے ساتھ رہتے آئے ہیں، ہر فرقے پر لازم ہے کہ وہ ایسی حرکت نہ کرے جس سے دوسرے کی دل آزاری ہو، بالخصوص شیعوں پر لازم ہے کہ وہ خلفاء ثلاثہ اور صحابہ کرامؓ پر تبرا بازی سے باز آئیں، اور سنیوں سے بغض وعناد کا راستہ چھوڑ کر شریف پڑوسیوں کی طرح زندگی گزاریں۔

* عن أبي سعيد قال: قال رسول اللهﷺ لا تسبوا أصحابي، فو الذى نفسى بيده لو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهبًا ما بلغ مدّ أحدهم ولا نصيفه (السنن الكبرى للبيهقى ١٠/ ٣٩٢، رقم: ٢٠٩٠٧، صحيح مسلم ٢/ ٣١٠)۔

* عن عمر قال: قال رسول اللهﷺ: أكرموا أصحابي؛ فإنهم خياركم، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ثم يظهر الكذب (مشكوة المصابيح: ٥٥٣)۔

* عن عبدالله بن مغفل قال: قال رسول اللهﷺ: الله الله فى أصحابي! لا تتخذوهم غرضًا من بعدي، فمن أحبهم فبحبى أحبهم، ومن أبغضهم فببغضى أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله فيوشك أن يأخذه (سنن ترمذى ٢/ ٢٢٥)۔

* عن ابن عمر قال: قال رسول اللهﷺ: إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا لعنة الله على شركم (سنن ترمذى ٢/ ٢٢٥)، فقط والله تعالى اعلم۔ ***

اختلاف امت اور علماء کی ذمہ داری

مولانا محمد توصیف انصاری قاسمی[1]

اختلاف کی تعریف:

اختلاف کی حقیقت پر گفتگو کرنے سے پہلے اختلاف کی مختار تعریف کا انتخاب ضروری ہے، متقدمین نے بھی تعریفات کی ہیں، تاہم ان کی تعریفات اپنے اپنے انداز میں واضح اور معبر بن ہیں، لیکن جب تک اختلاف کو ان لوگوں کے درمیان رکھا جائے جو اختلاف کے لئے صالح اور اہل ہیں اس وقت تک تو وہ اختلاف شرعی حدود و آداب میں رہے گا، اور جب یہ اختلاف نااہل اور جہلاء کے درمیان میں پہنچ جائے گا تو اس کا وہی نتیجہ ہونا چاہئے تھا جو آج ہمارے سامنے نظر آرہا ہے، کہ ہر خاص و عام بلاتمیز شخصے کسی بھی اختلاف کرنے کا خواہاں ہے، نیز اپنے اختلاف مذموم کی بنا پر کسی بھی حد سے گذرنے کو تیار ہوجاتا ہے، اس لئے جب اختلاف کی تعریف پر غور کیا جائے گا تو یہ خود بخود عیاں ہوجائے گا کہ کہاں اختلاف شرعی اور محمود ہے کہ اس کو اختلاف کا درجہ صحیح دیا جائے اور کہاں منازعت محض۔

"فقہ الاختلاف" کے حوالے سے "اختلاف التنوع" کے مصنف نے ایک تعریف نقل کی ہے:

"أن يذهب كل عالم إلى خلاف ماذهب إليه الآخر" (اختلاف التنوع : ص۱۸)۔

ایک تعریف مصنف نے خود اپنی کی ہے:

"تعدد أقوال المجتهدين في المسائل العملية الفرعية التي لم يدل عليه دليل قاطع على حكمها" (اختلاف التنوع : ص۱۹)۔

واضح ہو کہ یہ تعریف انہوں نے صرف فروعی اختلاف کے پیش نظر کی ہے، اور ذرا سے تغیر سے اسے عقائد کے اختلاف میں منتقل کیا جاسکتا ہے، "العملية الفرعية" کے بجائے "العقلية" یا "الاصلية العلمية" کردیں تو یہ تعریف عقائد کے باب کی ہوجائے گی۔

ان دونوں تعریفات میں مشترکہ طور پر اختلاف کو عالم و مجتہد کی طرف منسوب کیا ہے، عالم و مجتہد کے مابین ہمارے اس زمانے میں بہت فرق ہے، ورنہ پہلے کوئی فرق نہیں تھا، اب چاہے یہاں عالم، محقق، مجتہد کسی بھی رتبہ کا ہو، کسی بھی تعبیر کو اپنائیے مقصد اس کا یہ ہے کہ اختلاف اُس کا اختلاف کہلائے گا جسے دلیل کا علم ہو، اور وہ اختلاف کرنے کا مستحق بھی ہو، ورنہ آج کے اختلاف کی جو نوعیت ہے، محض رسم جاہلانہ، بے علم مباحثہ، جو تکرار نہیں، مغالبہ کی نیت سے ہوتا ہے، ذاتی کبر سے گرچہ وہ پاک ہو لیکن بغیر علم کے اپنے مسلک و مشرب کی تائید کرنا مسلکی کبر و گروہی کبر ہے۔

اتباع و تقلید کے باب میں تین اہم درجات ہیں جن میں اور اقسام بھی آجاتی ہیں: (۱) مجتہد (۲) محقق (۳) مقلد، عمل کے باب میں سب کے سب یکساں ہیں، بس نوعیت میں فرق مراتب ہے، کچھ اصالۃً عامل بالشریعہ ہیں، کچھ ابتلاءً عامل بالشریعۃ ہیں، جو اصالۃً عامل ہیں وہ دلائل کو جانتے ہیں، ان کی حقیقت و حیثیت و مراتب کو سمجھتے ہیں، فرق مراتب کے لحاظ سے وہ مناقشہ میں اس کا لحاظ کرتے ہیں۔

لیکن جو دلائل سے نابلد ہوں وہ کیونکر اس کا اہل ہوگیا کہ وہ اپنے غیر مسلک و مشرب کا رد کرسکے، ایسا شخص علم کی اہانت کا مرتکب ہے، جو تعریفات اوپر ذکر کی گئی ہیں، ان میں تو صراحتاً یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ اختلاف علماء کا اختلاف کہلاتا ہے، کسی نااہل بے علم کا اختلاف، اختلاف اصطلاحی ہے ہی نہیں، وہ منازعت للھویٰ اور نفس پرستی، مغالبہ اور گروہی و مسلکی کبر میں مبتلا ہونے کی وجہ سے گنہ گار ہے۔

متقدمین کی تعریف میں علماء یا مجتہدین کی قید اختلاف یا اجتہاد کی تعریف میں اکثر نے نہیں لکھی ہے، تاہم ان کے نہ لکھنے سے بھی بے علم، جنہیں دلائل کا

---

[1] استاذ معہد الشریعہ لکھنؤ۔

علم نہیں اس میں داخل نہیں ہوسکتے؛ کیونکہ ان کی تعریف عام ہے اور عام سے دوطرح کی تخصیص ہوتی ہے بلا دلیل یا بلا قرینہ یا جل دلیل۔

قرینہ کی بنیاد پر جو تخصیص ہوا کرتی ہے وہ دلائل سے بالاتر ہوتی ہے، قرائن میں عادت، عقل، حس وغیرہ سے تخصیص ہوتی ہے، یہ تخصیص دلیل کی تخصیص سے زیادہ قوی ہوتی ہے؛ کیونکہ دلیل میں احتمال رہتا ہے کہ پھر کسی دوسری دلیل سے تخصیص ہوجائے؛ لیکن قرائن سے ایک ہی مرتبہ میں تخصیص ہوجاتی ہے، حضرات متقدمین کی تعریفات بھی عام ہیں، جن سے مراد علماء و مجتہدین کا اختلاف ہے، اور ان کے علاوہ وہ بے علم حضرات جنہیں دلائل سے وابستگی نہیں، شناخت نہیں، جو میدان میں پیادہ پا بھی نہیں چل سکتے، اور اس کے جادۂ پیا نہیں بن سکتے وہ کیونکر میدان میں اترنے لگے۔

مجتہد حسب فرق مراتب اصول وفروع کا استخراج کرتا ہے، محقق وہ ہے جو کم از کم مجتہد کے دلائل سے آشنا ہو، واقف ہو، ان کی حیثیت و مراتب پر آگاہ ہو۔

مجتہد کی طرح محقق بھی متجزی ہوسکتا ہے کہ کچھ مسائل وابواب میں مجتہد ہو، اور دوسرے دیگر مسائل میں نہ ہو، لہٰذا علمائے کرام سب سے پہلے عوام کو یہ بات ذہن نشین کرائیں کہ اختلاف کرنا اور دلائل سے بحث کرنا اہل علم وآگاہی کا وظیفہ ہے، آپ کا کام نہیں، آپ کے لئے فقط تحری اور اس کے بعد عمل ہے (فروعات میں) فقط، اس کے علاوہ دلائل کا تبادلہ، اس پر جارحانہ مناقشہ آپ کے لئے درست نہیں ہے، اور اگر کوئی صریح سقم شرعی مثلاً غلبہ، کبر وانانیت، شہرت، اسی طرح کلام میں حد سے تجاوز، سب وشتم، اور ہتک اعراض میں پڑتا ہو تو صریح حرام ہونے کی وجہ سے سخت گنہ گار اور مرتکب کبیرہ ہے، بندہ کے خیال سے اس عنوان سے ہر مسلک ومشرب کے علماء اپنے اپنے حلقوں میں بات چلائیں تو بندہ کا تخمینہ یہ ہے کہ نصف جھگڑے تو ایسی ہی ختم ہوجائیں گے۔ (واللہ المستعان)۔

عقلیات وفرعیات:

اہل اسلام کے مابین جو اختلاف ہے اس کے دو بڑے شعبہ ہیں، ان ہی میں اختلاف حقیقی کی تمام شکلیں دائر ہیں (اختلاف اضافی غیر حقیقی جو صورتاً تو اختلاف ہے، لیکن درحقیقت اختلاف نہیں)۔

ان دونوں اہم شعبہ جات کو بھی عوام وخواص میں خوب واضح کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ جب تک ان دونوں کی حقیقت کا پتہ نہ ہوگا اس وقت تک ان میں موجود اختلاف کی حیثیت کی رعایت ناممکن ہے، عقائد میں اختلاف کی نوعیت جدا ہے، فرعیات میں اختلاف کی نوعیت الگ، تو سب سے پہلے ضرورت ہے کہ ان کی تعریفات کو سمجھا جائے۔

تعریف العقلیات والفرعیات:

امام محمد غزالی شافعیؒ:

والمجتهد فيه كل حكم شرعي ليس فيه دليل قطعي۔

احترزنا بالشرعي عن العقليات ومسائل الكلام: فإن الحق فيها واحد، والمصيب واحد، والمخطئ آثم، وإنما نعني بالمجتهد فيه ما لا يكون مخطئ فيه آثما۔

ووجوب الصلوات الخمس والزكوات وما اتفقت عليه الأمة من جليات الشرع فيها أدلة قطعية يأثم فيه المخالف فليس ذلك محل الاجتهاد (المستصفى ۲/ ۲۹۸)۔

سیف الدین الآمدی:

وأما ما فيه الاجتهاد فما كان من الأحكام الشرعية دليله ظني (الاحكام في اصول الاحكام ۴/ ۲۹۸)۔

ابواسحٰق ابراہیم الشاطبی مالکی:

محال الاجتهاد المعتبر هي ما ترددت بين طرفين وضح في كل واحد منهما قصد الشارع في الإثبات في أحدهما والنفي في الآخر، فلم تنصرف البتة إلى طرف النفي ولا إلى طرف الإثبات (الموافقات ۴/ ۱۵۵)۔

بدرالدین زرکشی شافعی:

المجتهد فيه وهو كل حكم شرعي عملي أو علمي يقصد به العلم ليس فيه دليل قطعي۔

فخرج بالشرعی العقلی فالحق فیها واحد، والمراد بالعملی ما ہو کسب للمکلف إقداما وإحجاما، وبالعلمی ما تضمنه علم الاصول من المظنونات التی یستند العمل إلیها، وقولنا: لیس فیها دلیل قاطع (احتراز) عما وجد فیه وذلك من الأحكام، فانه إذا ظفر فیه بالدلیل حرم الرجوع الی الظن (البحر المحیط ۶/۲۲۷)۔

امام رازی:

وهو كل حكم شرعی لیس فیه دلیل قاطع، واحترزنا بالشرعی عن العقلیات ومسائل الكلام۔

وبقولنا: لیس فیه دلیل قاطع عن وجوب الصلوات الخمس، والزكوات، وما اتفقت علیه الأمة من جلیات الشرع۔

وقال أبو الحسین البصری: المسألة الاجتهادیة ہی التی اختلف فیها المجتهدون من الأحكام الشرعیة، وهذا ضعیف جدًا؛ لأن جواز اختلاف المجتهدین فیها مشروط بكون المسألة اجتهادیة، فلو عرفنا كونها اجتهادیة باختلافهم فیها لزم الدور (المحصول ۲/۴۳۶)۔

حنفیہ میں ابن ہمام اور شامی کی تعریف:

اس دور والی تعریفات کے خلاف صحیح اور واضح تعریف حنفیہ نے کی ہے:

وكذا ما فی الفتح عن المنتقی من أن العبرة فی كون المحل مجتهدا فیه اشتباه الدلیل لا حقیقة الخلاف (رد المحتار ۸/۸۸)۔

خلاصہ:

خلاصہ تعریفات یہ ہے کہ عقائد واصول میں وہ امور داخل ہیں جن کے دلائل قاطع ہیں، ثبوت دلالت میں کسی طرح کا خفا واشتباہ نہیں، اور وہ مسائل از قبیل علم ہوں یا از قبیل عمل ہوں۔

فرعیات میں وہ مسائل علمیہ وعملیہ داخل ہیں جن کی دلیل قطعی نہیں، دلیل میں کسی طرح کا اشتباہ واحتمال موجود ہے، وہ مسائل فرعیات کی قبیل سے ہوں گے۔

فقہاء اصولیین نے عقائد کے لئے عقلیات، المسائل العلمیۃ، نظریات، اصولیات وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔

فروعی مسائل کو المسائل العملیۃ، فرعیات، فروعات، المسائل الاجتہادیۃ، مظنونات جیسے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

تخطیہ وتصویب:

عقلیات وفرعیات کی بحث کے بعد فقہاء اصولیین نے ایک باب اور باندھا ہے جو آپ اپنی اہمیت رکھتا ہے، وہ ہے:

"کل مجتهد مصیب أم المصیب واحد" کہ ہر مجتہد حق وصواب عند اللہ کو پانے والا ہے یا ان میں سے ایک صواب کو پانے والا اور بقیہ خطا کرنے والے ہیں؟ یا دوسری تعبیر میں "الحق عند الله واحد أم هو حقوق" کہ مسائل مظنونہ اجتہادیہ میں منشاء خداوندی کوئی ایک ہی بات ہے یا جتنے بھی اجتہاد ہوئے ہیں وہ سب ایک ساتھ اللہ تعالیٰ کی مراد تھے؟

عقلیات کے باب میں تمام امت کا اتفاق ہے، سبھی اسی کے قائل ہیں کہ عقلیات وعقائد کے اختلاف میں مصیب صرف اور صرف ایک ہے بقیہ سارے خطا پر ہیں، اور یہ اختلاف جیسے اہل السنۃ والجماعۃ کا اختلاف، معتزلہ، خوارج، قدریہ، مرجیہ، رافضیہ سے ہے، اور آج کے زمانے میں دیوبند بنام بریلوی، مقلدین بنام غیر مقلدین، اسی طرح دیوبند بنام مودودیت، اہل قرآن، اہل حدیث، وغیرہ کے اختلافات ہیں، ان میں بھی کچھ اختلافات وہ ہیں جو از قبیل فروعات ہیں، لیکن وہ نتیجہ ہیں عقائد میں اختلاف کا اور جیسا کہ اصولیین کی تصریح اور اجماع ہے کہ عقلیات کے باب میں حق ایک ہی کے یہاں ہے، بقیہ سب کے سب باطل ہیں۔

گنتی کے چند نام ایسے ملتے ہیں امت میں جو اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ عقائد کے باب میں بھی سب مجتہد مصیب ہیں، گرچہ ان کے اختلاف کو کوئی حیثیت فقہاء نے نہیں دی، اور نہ ہی بنتی ہے، جیسے جاحظ، بشر المریسی، عبید اللہ بن الحسن العنبری وغیرہ کے نام ملتے ہیں جو عقائد میں بھی تصویب کے قائل ہیں کہ سب کے سب مجتہد حق اور صواب پر ہیں۔

بہرحال عقائد کے باب میں کوئی ایسی شخصیت نہیں ملتی جو اس اختلاف میں اہل وصالح ہو اور تمام قسم کے عقائد کو صحیح ٹھہرائے، سارے علماء وفقہاء اصولیہ بلکہ دوسرے باطل فرقے مثلاً معتزلہ وغیرہ کے بعض علماء سے بھی منقول ہے کہ وہ عقیدے میں وحدت حق کے قائل ہیں، ایک ہی ان میں سے حق پر ہے، باقی سب باطل پر ہیں۔

فرعیات میں تخطیہ وتصویب:

البتہ فرعیات کے باب میں فقہاء اصولیین کا شدید اختلاف ہے کہ ایک بڑی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ان فروعی مسائل میں مصیب ایک ہی ہے، بقیہ مجتہدین مخطی ہیں، جب کہ بعض دیگر اکابر امت کی اور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ سارے کے سارے مجتہد اصابت پر ہیں، یعنی غیر قطعی نص سے شارع کی منشاء ومراد کو ہی پاتے ہیں، اس سے خطا نہیں کرتے، ائمہ اربعہ کے بارے میں بھی زبردست اختلاف ہے کہ وہ کس طرف ہیں، مصوبہ ہیں یا مخطئہ؟

بندہ کی تحقیق یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت امام شافعی رحمہما اللہ مخطیہ ہیں، ان دونوں ہی حضرات سے صریح اقوال منقول ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخطئہ ہیں ورنہ ہر دو فریق مخطئہ ومصوبہ نے اپنے اقوال ان کی طرف منسوب کئے ہیں۔

مخطئہ ومصوبہ کی مختصر فہرست:

مناسب ہے کہ اس موقع پر ان حضرات کے اسماء درج کئے جائیں جن سے تخطیہ یا تصویب یا ان میں سے کسی ایک کی تائید منقول ہے:

مصوبہ:

(۱) امام ابوالحسن الاشعری الشافعی
(۲) قاضی ابوبکر باقلانی
(۳) علامہ شرف الدین نووی شافعی
(۴) امام محمد غزالی شافعی
(۵) ابوالفضل قاضی عیاض مالکی
(۶) ابوالعباس شہاب الدین قرافی مالکی
(۷) ابوالحسین بصری معتزلی (صاحب "المعتمد")
(۸) علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی
(۹) حافظ ابن عبدالبر مالکی (کما نقلہ الشعرانی فی المیزان)
(۱۰) ابوزید دبوسی حنفی
(۱۱) بدرالدین زرکشی شافعی

مخطئہ:

(۱) امام ابوالحسن ماتریدی
(۲) ابوالحسین الفراء البغوی شافعی (صاحب مصابیح السنہ)
(۳) ابوبکر جصاص رازی
(۴) ابوسلیمان محمد الخطابی (صاحب معالم السنن)
(۵) حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی
(۶) علامہ شرف الدین طیبی (شارح مشکوۃ)
(۷) ابواسحق ابراہیم فیروزآبادی شیرازی
(۸) حسین بن رشیق مالکی (اصولی)
(۹) علامہ ابن تیمیہ حنبلی
(۱۰) جلال الدین محلی شافعی
(۱۱) تاج الدین عبدالرحمن فرکاح شافعی
(۱۲) احمد بن علی بن برہان بغدادی (الوصول الی الاصول، اصول فقہ)
(۱۳) ملک العلماء ابوبکر سعود کاسانی حنفی
(۱۴) موفق الدین ابن قدامہ حنبلی
(۱۵) ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی
(۱۶) امام الحرمین عبدالملک الجوینی (استاذ الغزالی)
(۱۷) سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی
(۱۸) حنفیہ میں تقریباً چند کے استثناء کے ساتھ سبھی تخطئہ کے قائل ہیں

تنبیہ:

اس بات کی وضاحت انتہائی ضروری ہے کہ فقہاء اسلام کا یہ اختلاف تخطیہ وتصویب کا صرف اور صرف اس بات پر ہے کہ دلیل ظنی میں شارع کی مراد ومنشاء کیا ہے؟ صرف ایک ہی مراد ہے یا سب مراد ہیں؟ حق صرف ایک ہے یا متعدد؟

دوسری طرف تمام علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد کا پابند ہے دوسرے کی تقلید نہیں کرسکتا، مطلب یہ کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کا پابند ہے، صواب ہو یا خطا؛ کیونکہ اس بات کا علم دنیا میں تو ممکن نہیں کہ صواب یا خطا کا پتہ چل جائے، اس لئے مجتہد اپنے اجتہاد کا پابند ہے اور چونکہ مقلد کی دلیل قول مجتہد ہے تو وہ بھی تقلید کا پابند ہوا۔

بعض علماء اس تخطیہ وتصویب کی بحث میں مغالطہ کا شکار ہیں کہ وہ فروعی اختلاف کی بحث کے وقت یہ کہہ دیتے ہیں کہ فروعی اختلاف کے باب میں ایک قول تصویب کا ہے اور اپنے طور پر اس کو ترجیح دیتے ہیں، تو یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ تخطیہ وتصویب کا مسئلہ فی العمل ہے ہی نہیں یہ تو باتفاق امت چلا ہی آرہا ہے، اس میں تصویب کی شرط اگر ہوتی تو یہ فروعی مسائل کب کے اصولی اختلاف بن چکے ہوتے، تعامل امت خود اس کی شہادت دیتا ہے کہ عہد صحابہ سے اب تک کبھی ایک دوسرے سے مناظرہ ومناقشہ فروعی مسائل پر بھی کرتے چلے آئے ہیں، لیکن ان کی بنا پر کسی کو بے جا تارک نہیں کہا گیا، اصولیہ میں یہ اختلاف اس بات پر ہے کہ آیا اللہ تعالی نے نص مظنونہ سے کوئی ایک ہی امر مراد لیا ہے یا متعدد، فقط۔

خلاصہ یہ کہ تخطیہ وتصویب عند اللہ ہے، عند العمل نہیں، عمل میں سب کے سب صحیح ہیں۔

ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا تخطیہ تو کرنے کا حق رکھتا ہے لیکن اس دوسرے کے قول کا ابطال یا اس کے اتباع کرنے والوں کو اپنے عمل کی دعوت نہیں دے سکتا اور نہ ہی یہ نکیر کے دائرے میں آئے گا، علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں:

وذكر أقضى القضاة أبوالحسن الماوردى البصرى الشافعى فى كتابه الأحكام السلطانية خلافا بين العلماء فى أن من قلده السلطان الحسبة بل له أن يحمل الناس على مذهبه فيما اختلف فيه الفقهاء إذا كان المحتسب من أهل الاجتهاد أم لا يغير ما كان على مذهب غيره؟ والأصح أنه لا يغير لما ذكرناه. ولم يزل الخلاف فى الفروع بين الصحابة والتابعين فمن بعدهم رضى الله عنهم أجمعين. ولا ينكر محتسب ولا غيره على غيره. وكذلك قالوا: ليس للمفتى ولا للقاضى أن يعترض على من خالفه إذا لم يخالف نصا أو إجماعا أو قياسا جليا. والله أعلم (شرح مسلم للنووى، كتاب الايمان، باب الامر بالمعروف من الايمان)۔

اسی سے ذرا قبل علامہ نووی نے یہ بھی لکھا ہے کہ عوام الناس کے لئے جائز نہیں کہ (نہی عن المنکر سمجھ کر) اجتہادی مسائل میں دوسروں کو روک ٹوک کریں، یہ مسئلہ صرف خواص یعنی اہل علم ودانش کا فریضہ ہے:

فإن كان من الواجبات الظاهرة والمحرمات المشهورة كالصلوٰة والصيام والزنا والخمر ونحوها فكل المسلمين علماء بها. وإن كان من دقائق الأفعال والأقوال ومما يتعلق بالاجتهاد لم يكن للعوام مدخل فيه ولا لهم إنكاره، بل ذلك للعلماء (شرح مسلم للنووى، كتاب الايمان، باب الامر بالمعروف من الايمان)۔

اور جیسا کہ مستصفی نسفی کے حوالہ سے ابن نجیم اور شامی نے نقل کیا ہے حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے:

وقال فى آخر المستصفى: إذا سئلنا عن مذهبنا ومذهب مخالفينا فى الفروع يجب علينا أن نجيب: بأن مذهبنا صواب يحتمل الخطأ ومذهب مخالفينا خطأ يحتمل الصواب، لأنك لو قطعت القول لم يصح قولنا: إن المجتهد يخطئ ويصيب. وإذا سئلنا عن معتقدنا ومعتقد خصومنا فى العقائد يجب علينا أن نقول: الحق ما نحن عليه والباطل ما عليه خصومنا، هكذا نقل عن المشايخ (الأشباه والنظائر، قسم الفوائد)۔

ان عبارتوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ:

(۱) علماء کے لئے بھی فروعی اور اجتہادی مسائل کی تعلیم تو جائز ہے، لیکن اس کی تبلیغ جائز نہیں، إلا ما خالف نصا أو إجماعا أو قیاسا جلیا۔

(۲) عوام کے لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر درست ہے لیکن محرمات وواجبات ظاہرہ میں جو واضح ہیں مجتہد فیہ نہیں۔

(۳) عقائد کے باب میں کسی طرح کی ڈھیل کی اجازت نہیں، خواص کے علاوہ عوام کے لئے بھی اس کی اجازت نہیں کہ وہ عقائد کے باب میں کسی طرح تسامح کریں، بے علمی میں مباحثہ بھی نہ کریں، ہاں اپنے علماء سے تحقیق شدہ عقیدہ کو ہی درست سمجھیں، اور دوسرے کو اپنے حد علم میں دعوت دیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نور اللہ مرقدہ کا فیصلہ تخطیہ وتصویب کے باب میں:

چونکہ علماء ہند اپنی نسبت مسند الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ کی طرف کرتے ہیں، اور اپنی اپنی فہم کے اعتبار سے ان کے اقوال کی تشریح کر کے ان کو اپنا مقتدا مانتے ہیں اور انہیں اپنے افکار، نظریات اور مسلک کا مرجع گردانتے ہیں، لہٰذا ان کا قول سب کے لئے بلا تردد قابل قبول ہوگا، حضرت تخطیہ وتصویب کے باب کا فیصلہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وإذا تحقق عندك مابيناه علمت أن كل حكم يتكلم فيه المجتهد باجتهاده منسوب إلى صاحب الشرع عليه الصلاة والتسليمات، إما إلى لفظه أو إلى علة مأخوذة من لفظه وإذا كان الأمر على ذلك ففي كل اجتهاد مقامان:

أحدهما: إن صاحب الشرع هل أراد بكلامه هذا المعنى أو غيره. وهل نصب هذه العلة مدارا في نفسه حين ما تكلم بالحكم المنصوص عليه أو لا؟

فإن كان التصويب بالنظر إلى هذا المقام فأحد المجتهدين لا لعينه مصيب دون الآخر۔

وثانيهما: إن من جملة أحكام الشرع أنه ﷺ عهد إلى أمته صريحا أو دلالةً إنه متى اختلف عليهم نصوصه أو أختلف عليهم معاني نص من نصوصه فهم مأمورون بالاجتهاد واستفراغ الطاقة في معرفة ماهو الحق من ذلك. فإذا تعين عند مجتهد شئ من ذلك وجب عليه اتباعه كما عهد إليهم أنه متى اشتبه عليهم القبلة في الليلة الظلماء يجب عليهم أن يتحروا ويصلوا إلى جهة وقع تحريهم عليها. فهذا حكم علقه الشرع بوجود التحري كما علق وجوب الصلوٰة بالوقت وكما علق تكليف الصبي ببلوغه. فإن كان البحث بالنظر إلى هذا المقام، نُظر فإن كانت المسألة مما ينقض فيه اجتهاد المجتهد فاجتهاده باطل قطعا وإذا كان فيها حديث صحيح وقد حكم بخلافه فاجتهاده باطل ظنا وإن كان المجتهدان جميعا قد سلكا ما ينبغي لهما أن يسلكاه ولم يخالفا حديثا صحيحا ولا أمرا ينقض اجتهاد القاضي والمفتي في خلافه. فهما جميعا على الحق هذا والله أعلم بالصواب (عقد الجيد في احكام الاجتهاد والتقليد. باب بيان اختلاف المجتهدين)۔

خلاصہ عبارت:

چونکہ مجتہد کا قول اور اجتہاد صراحۃً یا دلالۃً شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہوتا ہے کہ گویا مجتہد شارع کی ترجمانی میں عامۃ الناس کو یہ مسئلہ بتا رہا ہے کہ شارع یہ بات کہنا چاہتے ہیں، اس لحاظ سے اجتہاد کے باب میں دو مقام ہیں: ایک تو یہ کہ مجتہد نے کوئی ایک معنیٰ یا علت کو خود مراد لیا ہے کوئی دوسری چیز مراد نہیں، اگر اس طرح کا موقع ہو غیر معین کوئی ایک ہی مجتہد مصیب ہوگا، دوسرا نہیں۔

دوسرا مقام نیابت شارع میں مجتہد کا یہ ہے کہ شارع نے کسی موقع پر ایسا حکم دیا ہے جو محتاج تحری ہے، بلا غور کئے ہوئے مراد واضح نہیں (اور نہ ہی شارع نے کوئی ایک معنیٰ یا علت معین مراد لی ہے، جیسا کہ مقام اول میں تھا) تو اس مقام پر احکام دو نوعیت پر ہیں، ایک تو یہ تحری جو یہاں مجتہد اجتہاد کی شکل میں کر رہا ہے، وہ تحری واجتہاد اگر کسی نص قطعی کے خلاف ہے تو وہ اجتہاد قطعاً باطل ہے، اور اگر وہ کسی ظنی دلیل کے معارض ہے تو وہ حکم ظناً باطل ہے۔

اور اگر مجتہدین نے اپنا فریضہ اجتہاد کر کے پورا کر دیا، اور وہ اجتہادات کسی نص قطعی یا ظنی کے معارض بھی نہیں تو ایسی صورت حال میں ہر دو

مجتہد عمل کے باب میں صواب پر ہیں کہ تحری جو حکم ہے شارع کا اسے ادا کر چکے۔

ان تمام صورتوں میں حق و باطل اور خطا اور صواب کے پانے نہ پانے کے باب میں مقلد اپنے مجتہد کا تابع ہے، جو اس کے متبوع کا حکم ہے وہی اس کا حکم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اسی کے قریب قریب امام الحرمین کا کلام ہے جو پہلے مصوبہ تھے، لیکن اصول فقہ میں ان کی دوسری تصنیف میں انہوں نے تخطیہ کو ترجیح دی، فرماتے ہیں:

فأقول: المختار عندى أمر ملتفت وكأنه ملتقط من الطرفين، فهو يجمع المحاسن، وذلك إنا نقول للأستاذ إن عنيت بتخطية أحدهما أنه لا يجب العمل بموجب غلبة الظن فهذا إنكار ما لا وجه لإنكاره إذ المجتهد إذا غلب على ظنه أمر فأمر الله عليه اتباع موجب ظنه فلا أن يناط لظنه لظن غيره فيتأثر به، فإن عنيت به أنه كلف المجتهد وراء غلبة الظن لتحصيل أمر آخر فلاوجه له أيضًا إذا الأمر والاجتهاد ينضبط به وغلبة الظن حاصل۔

إذا ثبت هذا وتقرر أنه لا تخلو واقعة عن حكم الله فنقول المجتهد مصيب من حيث عمل بموجب الظن بأمر الله مخطئ إذا لم ينه اجتهاده إلى منتهى حصل العثور على حكم الله في الواقعة. وهذا هو المختار (البرهان ۱۳۲۲/۲ تا ۱۳۲۵)۔

اختلاف التنوع:

اختلاف کی ایک قسم اختلاف تنوع ہے، بعض حضرات اہلِ علم اس بارے میں غلط فہمی کا شکار ہیں کہ ان کے مطابق اکثر فروعی اختلاف اختلافِ تنوع کی قسم سے ہیں، جب کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ فروعی اختلافات میں اختلاف تنوع کی مقدار انتہائی کم ہے، آٹے میں نمک کے برابر، اور وہ وہی مواقع ہیں جہاں ہمارے فقہاء نے خروج من الخلاف کی صورتیں بیان کی ہیں، مناسب ہے کہ اختلافِ تنوع کی تعریف ذکر کی جائے۔

اختلافِ تنوع کی تعریف:

تعدد أقوال المجتهدين في اختيار الأولى في المسائل التعبدية التي ثبتت مشروعيتها على أنواع متعددة (اختلاف التنوع، حقيقته ومناهج العلماء فيه: ص ۵۶)۔

اس تعریف سے چار باتیں بطور ملحوظات ذکر ہیں:

(۱) اختلافِ تنوع تضاد و تناقض کا سا اختلاف نہیں کہ ایک شق کو ماننے سے دوسرے کا بطلان یا ترک لازم آتا ہو، بلکہ اعلیٰ و افضل ہونے کا اختلاف ہے۔

(۲) اختلاف تنوع کا وجود مسائلِ عبادات میں ہے، نماز، روزہ، حج وغیرہ، اس کے علاوہ معاملات، مناکحات، جنایات، قضا میں اس کا وجود نادر ہے۔

(۳) اختلاف وہاں ہے جہاں کوئی خاص دلیل اس کی مشروعیت پر دال ہو، البتہ جہاں خود دلیل ہی میں تخییر ہو تو وہ اختلافِ تنوع نہیں کہلاتا۔

(۴) اختلافِ تنوع ان مواقع پر کہلاتا ہے جب کہ کسی عبادت کی صورت و نوعیت متعدد ہو، ورنہ جہاں عبادت کی شکل و صورت یا کیفیت ایک ہی ہو اور متعدد انحاء پر اختلاف ہو تو وہ اختلاف تنوع نہیں بلکہ اختلافِ تضاد ہے، گرچہ جائز ہے۔

اور فروعی مسائل میں اختلاف عموماً ایک ہی صورت و نوعیت کو لے کر ہوئے ہیں، جب کہ اختلافِ تنوع میں تعدد صور و انواع ہوتا ہے۔

لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ اکثر فروعی اختلافات اختلافِ تنوع کی قبیل سے ہیں، بلکہ فروعات میں ایک تعداد انتہائی کم اس قسم کی ہے، جیسا کہ "اختلافِ تنوع" کے مصنف لکھتے ہیں:

- ''اختلاف التنوع بمعناه السابق إنما يقع بين علماء الأمة في الفروع لا في الأصول، بل لا يقع غالبًا إلا في صفات

العبادة وهيئاتها التي وردت عن الشارع على وجوه متعددة. وأما سائر أبواب الفقه فلا مجال خلاف التنوع فيها. بل الاختلاف الواقع فيها غالبًا اختلاف تضاد وتناقض۔

خلاصہ یہ ہے کہ اختلافِ تنوع میں ہرایک کو یہ آزادی ہوتی ہے کہ وہ کسی شق کو اختیار کر لے، اکثر اوقات اس میں کسی مجتہد کی اتباع کی ضرورت بھی نہیں ہوتی، انسان خود بھی محض سرسری علم سے ایک شق کو اختیار کر کے اس پر عمل کر سکتا ہے، اس طرح کا اختلافِ تنوع ان مواقع میں ہے جو عبادات کی صفات ہیئات یا اذکار میں متعدد صورتوں پر وارد ہیں، اسی طرح طرقِ اصلاح و تزکیہ، دعوت وارشاد بھی اسی قبیل سے ہیں، تفسیرِ آیات وتشریحِ احادیث میں متعدد اقوال کی یہی حیثیت ہے۔

فروعی اختلاف کی حدود:

فروعی مسئلہ جسے مجتہد یا مفتی مسئلہ مجتہد فیہ اور ظنی سمجھ کر اجتہاد وتحقیق کر رہا ہے تو اس کے اجتہاد وتحقیق کے مسلم ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نص، اجماع، قواعد اور قیاس جلی کے خلاف نہ ہو، ورنہ قبول نہ ہوگا۔

هو أن القاعدة أن قضاء القاضي متى خالف إجماعًا، أو نصًا، أو قياسًا جليًا، أو القواعد نقضناه. وإذا كنا لا نقر حكما تاكد بقضاء القاضي فأولى أن لا نقر إذا لم يتأكد. فعلى هذا لا يجوز التقليد في حكم هو بهذا لأنا لا نقره شرعًا، وما ليس بشرع لا يجوز التقليد فيه (الفروق للقرافي ۲/۱۰۱)۔

اصول مکفرہ سے تکفیر یا ترک تکفیر:

جو مسائل اصولی اور عقائد کی قبیل سے ہیں، اور مکفرہ یعنی ان سے کفر لازم آتا ہے، لیکن اس موقع پر فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی بھی اصل مکفرہ کے پائے جاتے ہی وہ قوم کا فرقہ کافر نہیں کہلائے گا، بلکہ وہ اصل اگرچہ مکفر ہے، لیکن اس سے اس فرقہ کو کافر مطلق کا فتویٰ دیا جائے گا کہ نہیں اس میں اختلاف ہے، قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں:

وأما من أضاف إلى الله تعالى مالايليق به ليس على طريق السب. ولا الردة. وقصد الكفر. ولكن ذلك على طريق التاويل والاجتهاد. والخطأ المفضي الى الهوى. والبدعة من تشبيه. أو نعت بجارحة. أو نفي صفة كمال. فهذا مما اختلف السلف والخلف في تكفير قائله ومعتقده۔ الخ (الشفاء مع شرحه للقاري ۵/۳۵۸)۔

آگے فقہاء ومجتہدین امت کے اقوال میں تردد کو بیان کیا ہے، پھر اگلی فصل باندھی ہے:

فصل: في تحقيق القول في اكفار المتأولين:

قد ذكرنا مذاهب السلف في اكفار أصحاب البدع والأهواء المتأولين ممن قال قولًا يؤديه مساقه إلى كفر. هو إذا وقف عليه لا يقول بما يؤديه قوله إليه. وعلى اختلافهم اختلاف الفقهاء المتكلمون في ذلك. فمنهم من صوّب التكفير، الذي قال به الجمهور من السلف. ومنهم من أباه ولم ير إخراجهم من سواد المؤمنين. وهو قول أكثر الفقهاء (كأبي حنيفة. والشافعي. وغيرهما) والمتكلمين (اى أكثرهم من الأشعرية والماتريدية). وقالوا هم فساق عصاة ضُلّال، ونوارثهم من المسلمين، ونحكم لهم باحكامهم۔

ذرا آگے تحریر کیا ہے:

والى نحو من هذا ذهب القاضي أبوبكر (الباقلاني) إمام أهل التحقيق والحق. وقال: إنها من المعوصات (المشكلات)، إذ القوم لم يصرحوا باسم الكفر. وإنما قالوا قولًا يؤدي إليه (شرح الشفا لملا على القاري ۵/۳۶۳تا۳۶۶)۔

اختلاف محمود اور اختلاف غیر محمود کی صورتیں:

دین میں اختلاف عقائد میں ہے اور فرعیات میں ہے اور ان دونوں کی دو دو قسمیں ہیں:

(۱) فرعیات میں اختلاف بالعلم

(۲) فرعیات میں اختلاف بغیر علم

(۳) عقائد میں اختلاف بدعۃ وسنۃ

(۴) عقائد میں اختلاف کفراً واسلاماً

بغیر علم کے اختلاف کرنا، جاہل محض ہو یا مسئلہ مبحوث عنہا کی حقیقت سے ناآشنا، یہ اختلاف بغیر علم ہے اور یہ غیر محمود ہے، خواہ فرعیات میں ہو یا عقائد میں۔

فرعیات میں دلائل سے گفتگو کرنا اختلاف محمود ہے۔

عقائد میں اختلاف کی دونوں صورتوں میں حق کی جانب سے دفاع میں اختلاف محمود ہے، باطل کی جانب سے - بدعت ہو یا کفر - مذموم ہے۔

واضح ہو کہ اختلاف کی محمودیت ومذمومیت اس کی حقیقت میں ہے، طریق اختلاف میں بدترجمانی سے اختلاف کی حقیقت نہیں بدلتی، ہاں طریق پھر محمود ومذموم کہلائے گا۔

مسلکی رواداری کے رہنما اصول:

اسلام وہ عظیم التوسع دین ہے کہ جن سے اختلاف ہے، اور وہ اختلاف شرعاً محمود بھی ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جن سے اختلاف ہے ان سے نفرت کی جائے، نفرت کے ابواب اسلام میں تقریباً نہ کے برابر ہیں اور جو ہیں بھی وہ مبنی بر اسباب ہیں، اشخاص وافراد سے اس میں بھی نفرت نہیں

باستثناء صورِ قلیلہ کمدعی النبوۃ وساب نبی فی الانبیاء والصحابۃ وغیر ذلک۔

☆ دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے، اللہ ورسول سے خیر خواہی، خواص وعوام سے خیر خواہی، عوام میں مسلمان آتے ہیں، ان سے خیر خواہی، جن سے اختلاف کفریہ عقائد کا ہو، یا عقائد بدعیہ کا ہو، ان سے نفرت ودشمنی کی تعلیم کا کوئی شرعی ثبوت نہیں سوائے زجمیل کے، نفرت کی تعلیم نہیں۔

جو مواقع محلِ اختلاف ہیں ان میں پڑنے کا اہل صرف وہی شخص ہے جو اختلاف کا مالہ وماعلیہ کی حیثیت ومرتبہ سے واقف ہو، اور جتنی واقفیت اس کو ہے بس اتنا ہی اس اختلاف کا حصہ بننا اس کے لئے جائز ہے، اپنے بساط علم وسکت سے باہر قدم رکھنا خود ایک گناہ ہے، بغیر علم کے اللہ ورسول کی طرف اقوال وآراء منسوب کرنا ایسی صورت حال میں یہ تنازع محض ہے۔

ولا تقف ما لیس لک بہ علم. ولا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم۔

عن عبداللہ بن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ فی حدیثٍ طویلٍ: ''حتی إذا لم یکن عالما اتخذ الناس رؤوسًا جہالًا. فسئلوا. فأفتوا بغیر علم. فضلوا وأضلوا۔

☆ جو حضرات بنابر علم اختلاف کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ بھی اس بات کے پابند ہیں کہ تبادلۂ دلائل اور اختلافی گفتگو میں عام اسلامی اصول کو ملحوظ رکھیں، اقدار ایمانی کی قدر کریں، اخوتِ منصوصہ کو مظنونہ دلائلِ اختلاف سے باطل نہ کریں، قول لین کی ومجادلہ بالاحسن کی پابندی کریں۔

اختلاف محمود کے استدلال ونقاش میں کوئی ایسی اصل موجود نہیں جو انسانی واخلاقی اقدار کو مجروح کرنے والی ہو، سب وشتم، طنز وطعن، ذاتیات سے اعراضِ مسلم میں وقوع کی ایسے وقت میں گنجائش نہیں، الا یہ کہ وہاں کوئی واقعی دلیل ہو، جیسے کوئی بدعتِ صریح، باطل متفق کی دعوت دینے لگے، تو ایسے شخص کی دعوت روکنے کے لئے اس حد تک گنجائش ہوگی کہ حقیقت اسلام واضح ہو جائے اور اس مبتدع کا فتنہ فرو ہو جائے، ورنہ عام حالات میں اور اسلامی اخوت ومودتِ عامہ کے تحت ایک دوسرے کی تذلیل وتوہین کرنا درست نہیں۔

☆ اگر مخالف خود اس کا مرتکب ہوتا ہے کہ آپ کی تذلیل وتوہین پر اتر آئے تو بموجب ''وإن عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم الخ...... انتقام لے سکتا ہے، البتہ دو شرطوں کے ساتھ، ایک تو یہ کہ بالمثل ہو، دوسرے، کہ وہ امر مماثل کسی مستقل دلیل علی الاطلاق سے ناجائز نہ ہو، مثلاً زید نے عمرو

کے والد یا استاذ یا شیخ کو برا بھلا کہا، تو عمرو کو انتقام کے وقت یہ جائز نہیں کہ وہ زید کے بزرگوں کو برا کہے (بوادر النوادر، ص: ۸۱۵)۔
جب کہ اس میں درگزر کر دینا افضل واولیٰ ہے۔

☆ اہل علم وصالح للاختلاف حضرات بھی عقائد وفروعات کے اختلافات کا ان کی حسب حیثیت لحاظ رکھیں، فروعی اختلاف کو آج تک متقدمین ومفسرین اکابر وصلحاء سب رحمت کہتے ہیں، انہوں نے فروعی اختلاف کے سبب منازعت، تفرقہ اور تحزب سے شدید انکار کیا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا عمل یا دوسرے کی حرکت پر خاموشی اور مداہنت ان تمام علماء وصلحاء کی مخالفت شمار ہو، اور ہم ایک نئے تحزب وتفرقہ کے خود شکار ہو جائیں، اسی طرح عقائد کے ابواب میں بھی کچھ مسائل تو عقائد کے مسالک ومذاہب کے مابین مختلف فیہ ہیں، ان کی حیثیت کو واضح کریں، عقائد کے کچھ اختلاف از قبیل ظنیات ہیں، جو انتہائی معدودے ہیں، تاہم مختلف فیہ ہونے کے باعث قطعیات کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں جب کہ دونوں کے مابین فرق ہوتا ہے۔

☆ النصح لکل مسلم کے عمل کی کوشش رہے کہ اگر کوئی واقعی کفریہ وبدعیہ عقائد میں پڑا ہے تو کون سی ایسی صورت ہو کہ یہ ان سے باہر آ جائے۔

☆ قول لین اور مجادلہ بالاحسن جو مامور بہا ہے اور شیوہ انبیاء ہے، اسے اپنا شیوہ بنائے۔

☆ سب سے بڑھ کر جستجو حق کی نیت پیدا کرنی چاہئے، اس وقت بندہ کے نزدیک ایک ایسی حد ہے جہاں آکر سارے اختلافات ختم ہو جاتے ہیں اس پر ساری امت متفق ہے، اور ہر مسلک ومشرب والے اس پر متفق ہو سکتے ہیں، وہ ہے اخلاص للہ اور جستجوئے حق، جب تک قبول حق کی نیت نہ ہوگی، اس وقت تک کوئی مسئلہ حل نہیں ہونے والا ہے، اخلاص للہ اور جستجوئے حق کو پیدا کیا جائے، مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنے مزعومہ چڑھے درجہ سے نیچے اترنے ہی کو نہیں تیار ہیں کہ کسی سیڑھی سے نیچے اتر کر جو جواز کی صورتیں ہیں اعتدال وشرعی حدود کے دائرے میں داخل ہیں اس کو قبول کر لیں، اسلاف کے حالات میں غور کریں جن کے نام سے آج ہم دوسرے کو متاثر کرتے ہیں ان کے سامنے اپنے ان کے فدائی ہونے کا احساس دلاتے ہیں، ان کی باتوں کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں، انہیں سے یہ اختلاف ورثہ میں ملا، انہیں کے اختلافات کو ہم آگے بڑھا رہے ہیں، اور خود اسی اختلاف میں انہیں کا طرز اختیار کرنے سے ہم گریز کرتے ہیں، ان کا اسوہ ہمیں عار ہے، چند ٹکے کی موہوم عزت وشہرت کی خاطر ان کی بتلائی واپنائی ہوئی نیت کو ترک کئے ہوئے ہیں، اسلاف کا یہ حال تھا کہ وہ یہ چاہتے تھے کہ مناظرہ میں حق وصواب ہمارے فریق کے منہ سے نکلے، اور ہم قبول کر لیں، کیونکہ ہماری زبان سے حق نکلا تو ایسا نہ ہو کہ دوسرا اپنی ہزیمت کی عار میں حق کا انکار کر بیٹھے، اور ہم تبادلۂ دلائل اور مناقشہ میں یہ چاہتے ہیں کہ ہم سامنے والے کو دلائل کی بنیاد پر ذلیل کر کے رکھ دیں۔

☆ اس موقع پر ایک بات اور بھی اہل حق مسلمانوں کے حق میں سنگین درجہ رکھتی ہے کہ بعض ہمارے اہل علم وفضل علماء کہیں ایسے مواقع پر مدعو ہوتے ہیں جہاں ایسے حضرات جمع ہوں جن سے اختلاف عقائد کا ہے، بدعت کا ہو یا کفر کا، اتفاق کے موضوع پر ایسی مجمل اور مبہم تقاریر سے کام لیتے ہیں جن سے خود اہل حق مسلمان اور سادہ لوح لوگوں پر منفی اثرات پڑتے ہیں، رہا یہ اشکال کہ اجتماعیت کی مصلحت سے اس طرح کے بیان دینے میں حرج ہی کیا ہے، آخر امت کی شیرازہ بندی اور تشتت وافتراق سے حفاظت بھی تو ایک بڑی مصلحت ہے؟ تو اس کا جواب آگے آتا ہے۔

☆ عموماً حضرات اہل علم مذکورہ مواقع پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں، اور دانستہ یا نادانستہ طور پر اس کے فہم میں غلطی کرتے ہیں، اس موقع سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا وقیع کلام بلفظہ نقل کیا جاتا ہے:

واعتصموا بحبل الله جميعًا ولا تفرقوا. واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا (آل عمران: ۱۰۳)۔

ان دلائل مطلوبیۃ اتفاق میں سے ایک خاص دلیل کے متعلق جو کہ کثیر الدور علی الالسنہ ہے ایک خاص غلطی عام ہو رہی ہے، اس کا دفعیہ ضروری سمجھتا ہوں...... اور وہ غلطی یہ ہے کہ اس آیت میں دو لفظ دیکھ لیتے ہیں: ایک "جمیعا" کہ اجتماع پر دال ہے، دوسرا "لاتفرقوا" کہ افتراق سے ناہی (روکنے والا) اور اس کی قید پر نظر نہیں کرتے؛ اس لئے محل بے محل اس کو استدلال میں پیش کر دیتے ہیں، یہ ہے وہ غلطی عام۔

اور دفع اس غلطی کا اس قید میں نظر کرنا ہے اور وہ قید اعتصام بحبل اللہ کی ہے، جس کی تفسیر ''احکام دینیہ کا التزام اعتقادی وعملی'' ہے۔
تقریر مدلول آیت کی بلحاظ قید یہ ہے کہ تم سب اعتصام اختیار کرو اور اس میں تفرق مت کرو کہ کوئی اعتصام اختیار کرے، کوئی نہ کرے، پس مقصود بالذات اعتصام ہے نہ کہ اجتماع، اور منہی عنہ ترک اعتصام ہے نہ کہ تفریق، پس اگر اعتصام میں تفرق ہوتا ہو تو اس طور سے کہ بعض نے اعتصام کیا، بعض نے نہ کیا، تو اس تفرق سے بچنے کے لئے اعتصام کو نہ چھوڑیں گے، بلکہ اعتصام کے لئے تفرق کو گوارا کرلیں گے، اور اگر ترک اعتصام سے اجتماع حاصل ہوتا ہو تو اس طور سے کہ سب نے اعتصام ترک کردیا اور بے دینی پر جمع ہوگئے تو اس اجتماع کے لئے اعتصام کو ترک نہ کریں گے، بلکہ اعتصام کے لئے اجتماع کو ترک کردیں گے، خوب سمجھ لو (بوادر النوادر ۲/ ۶۸۷)۔

خلاصہ یہ کہ امت میں اجماعیت بہت اہم چیز ہے، دو رائے نہیں، دلائل بھی اپنی جگہ صحیح؛ تاہم حق کی حفاظت اور دفاع اجتماعیت سے اونچا درجہ رکھتا ہے۔

سوال نمبر ا کا جواب:

☆ جیسا کہ اختلاف کی تعریف میں گذرا کہ اختلاف کا اہل صرف صاحب علم ہے، لہٰذا عامۃ الناس کو اس بات کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہے کہ اس اختلاف کی حیثیت عقائد جیسی نہیں اور نہ ہی غیر علماء اس بحث میں حصہ دار ہیں۔

☆ اس بات کی بھی ذمہ داری علماء کی بنتی ہے کہ اسباق، تقاریر و کتابات میں مسلکی ردو قدح میں ائمہ اعلام کی اقدار کو ملحوظ رکھیں، اپنی ذرا سی افہام و تفہیم کی صلاحیت کا ان حضرات کے شان علمی سے مقابلہ نہ کریں، ہماری حقیقت یہ ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ محقق ہیں، اور ہمارے خلاف بھی ہیں تب بھی مجتہد ہیں، لہٰذا قولاً و عملاً کسی بھی طرح ان کی تحقیر سے بچنا علم کی قدردانی کا حصہ ہے، اور علماء و فقہاء امت کی توہین علم و فقہ کی توہین ہے۔

اہل افتاء کا اختلاف:

☆ سوال نمبر ا میں ایک بات صراحتاً رہ گئی گو ضمناً داخل ہے وہ یہ کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اختلاف المفتیین کا اختلاف المجتہدین مفتیوں کا اختلاف مجتہدین کے اختلاف کی طرح ہے، جیسے دو الگ الگ ائمہ کے مقلدین الگ الگ مسائل پر عمل کرتے ہیں فروعی مسئلہ میں، یہی حکم اس وقت بھی ہے جب کہ دو مفتیوں کا اختلاف ہوجائے، چاہے وہ دو مفتی ایک ہی امام کے مقلد ہوں یا الگ الگ، ایسی صورت حال میں یہ دو فتاویٰ بھی دو اماموں کے قول کے مثل قابل عمل ہیں۔

☆ یہاں ہمارے اہل فتویٰ کی بڑی چوک یہ ہے کہ ایک مفتی یا دار الافتاء دوسرے مفتی یا دار الافتاء کے ساتھ اس مسئلہ میں کما حقہ رواداری نہیں کرتا، اور اسے بہت خوبصورتی سے عقلی اختلاف کا رخ دے دیتے ہیں، یا مکتبہ فکر کا اختلاف بنا دیتے ہیں، جو انتہائی سنگین صورت حال ہے، ہند و پاک کے علاوہ باہر بھی یہ صورت حال موجود ہے۔

☆ اس صورت حال پر قابو پانے کی ایک شکل یہ ہے کہ جب کسی اہل فتویٰ یا کسی دار الافتاء کا دوسرے سے فتویٰ میں اختلاف ہوجائے تو سب سے پہلے اس کی نوعیت کو اپنی طرف سے واضح کردیں کہ یہ فتویٰ عقائد کا ہے یا فروع کا، نیز فروع میں بھی آزادی نہیں کہ جو چاہے اجتہاد کرکے فتویٰ دے دے، جیسا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت گذری کی مسئلہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جس میں نقض قضا ہوجائے۔

نقض قضاء:

مسئلہ نقض قضاء کا خلاصہ یہ ہے کہ اس امر پر ائمہ اربعہ کے متبعین علماء و فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر مسئلہ مجتہد فیہ ہے تو ہر مذہب کا مفتی اپنے مسلک کے مطابق ہی فتویٰ دے گا، لیکن اگر وہ مسئلہ کسی قاضی کے یہاں پہونچ جائے اور مسئلہ دو مذاہب میں مختلف فیہ ہے تو قضائے قاضی کے بعد اب کسی مفتی کے فتویٰ پر عمل کسی کے لئے درست نہیں، ہاں البتہ اگر قضائے قاضی نص، اجماع، قواعد، یا قیاس جلی کے خلاف ہے تو اسے دوسرا قاضی ختم کرسکتا ہے۔

هو أن القاعدة أن قضاء القاضي متیٰ خالف إجماعًا، أو نصًا، أو قیاسا جلیًا، أو القواعد نقضناه، وإذا کنالانقر حکمًا تاکد بقضاء القاضي فأولی أن لانقر إذالم یتاکد، فعلی هذا لایجوز التقلید فی حکم هو بهذا لأنا لانقره شرعًا، ومالیس بشرع لایجوز التقلید فیه (الفروق للقرافی ۲/۱۰۱)۔

☆ چنانچہ اہل افتاء کو مخالفت کے وقت میں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اگر باہم مختلف فیہ مسئلہ میں کسی کے خلاف ہیں تو اس بات کو واضح کردیں اور دوسرے کی صفائی کو بھی سنیں۔

☆ اور اگر ان چاروں میں سے کسی کی مخالفت نہیں پائی جاتی تو خدارا اس مسئلہ کو فروعی ہی رہنے دیں، اصولی و مکتبہ فکر کا نہ بنائیں۔

☆ نیز اپنی تحریر اور حلقہ والوں سے بھی اس نوعیت کی وضاحت کردیں کہ اس مسئلہ میں عندیہ کیا ہے، تاکہ عوام علماء کے آپسی اختلاف کو وہ بھی فروعی تنازع یا بدظنی، یا اس سے بھی آگے پہونچنے سے روک سکیں، سینکڑوں مثالیں ہیں کہ دو اختلافی فتوؤں کی وجہ سے اچھے خاصے لوگ علماء سے بدکلامی، بدزبانی، طعن و تشنیع اور بدسلوکی تک پہونچ جاتے ہیں۔

سوال نمبر ۳ کا جواب:

☆ عقائد میں اختلاف کرنے والا اگر داعی ہو اور مسئلہ مکفرہ یا مضللہ ہو، تو وہ غیر داعی کے مقابلہ زیادہ مستحق ہے تردید و انکار کا، داعی کا فتنہ فرو کرنا بہرصورت ضروری ہے، اگر ہم اپنے آپ کو اہل حق کہتے ہیں تو ضروری ہے اس کا دفاع کریں، حق قطعی کو مسخ کرکے مصالح مظنونہ کی حفاظت کسی طرح بھی درست نہیں۔

☆ عقائد کے جو مسائل حقیقی اختلاف رکھتے ہیں، جن کی نوعیت کفر یا کم از کم بدعت کی ہے اور کوئی شخص اس کی طرف دعوت بھی دے رہا ہے تو ایسے شخص کی غیبت اور ذاتیات سے تعرض بھی جائز ہوگا، اس کی سب سے بڑی دلیل محدثین کا عمل ہے جنہوں نے روایت کے صحت وسقم کے بیان کرنے کے لئے راویان کے ذاتیات سے بحث بھی کی، نیز کسی راوی میں اگر کوئی بدعت رہی ہو تو داعی ہونے اور غیر داعی ہونے کا فرق بھی کیا ہے کہ داعی الی البدعۃ کی روایت کو زیادہ ضعف پر مشتمل قرار دیا ہے، نیز فقہاء نے بھی بعض صورتیں لکھی ہیں کہ جن میں انسانی نفع وضرر کے پیش نظر غیبت کو جائز اور بعض مرتبہ واجب قرار دیا ہے، اور ظاہر ہے کہ حق کی حفاظت اور دفاع سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، مقاصد میں بھی حفظ عرض حفظ دین سے دو درجے موخر ہے۔

☆ لیکن اس درجے میں اس بات کا خصوصیت سے خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس طرح درحقیقت کسی کی عرض میں پڑنا ایک حرام کام ہے، اس کی گنجائش ایک خاص مقصد کے لئے دی گئی ہے، اس لئے اس غیبت کو بھی جب شرعی نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر کیا جائے گا تو اس وقت تو درست ہوگی، ورنہ وہ ذاتی دشمنی اور انسانی بھڑاس بن جائے گی، اس لئے اس کی حد یہ ہوگی کہ یا تو اس مبتدع کا فتنہ فرو ہوجائے یا پھر اس کی اصلیت سب کو عیاں ہوجائے، اس کے بعد یا اس سے زیادہ اس حد تک اتر آنا کہ اسے اپنی ہوائے بیجانی کا نشانہ بنالے، یا خود میں کبر پیدا ہوجائے، دوسرے کو حقیر یا ذلیل سمجھنے لگے جائز نہ ہوگا۔

☆ نیز ان صورتوں میں وہ کام بھی جائز نہ ہوجائیں گے جو اصالۃً شرعًا حرام ہیں، مثلًا جھوٹ، بہتان، الزام تراشی، جو شخص معاملہ میں دخیل نہیں اور داعی نہیں اس کو بیچ میں لانا۔

☆ جب یہ بات واضح ہوگئی (جیسا کہ تفصیل حضرت تھانوی کے کلام میں گذری) کہ اجتماع سے زیادہ اہمیت اعتصام یعنی حق کے التزام اور اس سے دفاع کی ہے تو اجتماعیت کے تحفظ اور بقا کے لئے کوئی بھی ایسی شکل اختیار کرنا جو اعتصام سے ہٹی ہوئی ہو درست نہیں، سچ ہے کہ اس وقت اگر اجتماعیت ہوجائے تو عالم کا نقشہ دوسرا ہوگا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ تاریخ میں کوئی اسلام کی خاطر قابل قدر خدمات اگر ہوئی ہے تو تنہا اہل حق کی ہے، اور اگر کسی دوسرے سے منقول ہے تو اس کی حیثیت بھی حدیث پاک سے واضح ہوجاتی ہے، ان اللّٰہ لیؤید الدین بالرجل الفاجر کہ اللہ تعالیٰ تو دین کا کارنامہ کسی فاجر سے بھی لے سکتے ہیں (فاجر کے عموم میں کافر بھی داخل ہیں، کما قالہ ابن بطال وابن حجر والقرطبی)۔

ج: بدعت سے مراد وہ ہے جو باتفاق اہل علم وسلف بدعت ہو، اور جہاں کسی بھی طرح اجتہاد کی گنجائش ہو وہ بدعت نہیں۔

☆ جو مسائل اصولی اور عقائد کی قبیل سے ہیں، اور مکفرہ یعنی ان سے کفر لازم آتا ہے، اگر کوئی اس قسم کے کسی مسئلہ کی بنا پر کسی فرقہ کی تکفیر کا قائل ہوتا ہے، تو اسے چاہئے کہ وہ اپنا عندیہ واضح کرے کہ وہ کس میں سے ہے؟

جیسا کہ پہلے شفا اور شرح شفا کی عبارت سے معلوم ہوا کہ فقہاء کے یہاں کسی بھی اصل مکفرہ کے پائے جاتے ہی وہ قوم کافر فرقہ کا فرنہیں کہلائے گا، بلکہ وہ اصل اگرچہ مکفر ہے، لیکن اس سے اس فرقہ کو کافر مطلق کا فتوی دیا جائے گا کہ نہیں اس میں اختلاف ہے۔

اس لئے کسی کے بارے میں تفصیل سے بڑھ کر بدعت مکفرہ کی تحقیق واثبات کیا جارہا ہے تو چاہئے کہ یہ بھی واضح کردیں کہ وہ مکفرہ کے سبب تکفیر کے قائل ہیں کہ نہیں؟ اور اگر ہیں تو کسی خاص مسئلہ وصورت میں یا عام تکفیر کا قول ہے؟

سوال نمبر ۴ و ۵ کا جواب:

☆ رافضی اور شیعوں کے بارے میں علماء ہند و پاک کے فتاوی بالکل واضح ہیں، یہ فرقہ کسی بھی طرح اسلامی نہیں، اور ان سے معاملات، معاشرات، مناکحات، ہر باب میں فتاوے موجود ہیں، خلاصہ یہ کہ یہ مرتد اور کافر کے حکم میں ہیں۔

☆ ہاں اس صورت حال پر قابو پانا ہمارے علماء کی ذمہ داری بنتی ہے کہ مارکاٹ کا سد باب کریں، اختلاف کو نظریات اور فتاوے پر عمل تک ہی محدود رکھیں، لڑائی جھگڑا، ان کے کسی عام آدمی ہی کا قتل چہ جائے کہ کسی رہنما کا قتل انتہائی خطرناک بات ہے، اور چونکہ جہاد کے لئے متعدد شرائط ہیں، جیسے امیر المومنین وغیرہ جو کہ مفقود ہیں اس لئے ان سے لڑائی کو جہاد کا نام دینا اسلامی شعار کی توہین ہے۔

☆ رہی یہ بات کہ ان کے ساتھ پرامن زندگی کیسے گزاری جائے؟ تو سوال یہ ہے کہ پرامن رہنے سے منع کس نے کیا ہے؟ کون اس میں رکاوٹ بنا ہے؟ جب یہ خود اعداء اسلام کے تلوے چاٹ رہے ہیں تو ہم اپنی ذات تک کتنے ہی پرامن سہی ان کی ریشہ دوانیوں سے اطمینان کیونکر ہوسکتا ہے؟

اگر ان کے علماء سے کسی طرح کی گفت وشنید اور قرار ممکن ہو تو وجہ اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش ہونی چاہئے، یعنی حق وباطل کا فیصلہ کرالیا جائے جو جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔

جھوٹ کا عبادت ہونا، خاص ہمارے فرقہ سے اختلاف اور عناد رکھنا، ہم کو مارنا، ستانا، گو کسی معمولی درجہ کا سہی، کوئی موقع ہماری پیٹھ میں چھرا گھونپنے سے نہ چوکنا، آج تک کی تاریخ کے مطابق اس مذہب میں عبادت سمجھا گیا ہے، اس کے علاوہ موقع پڑنے پر تقیہ کرلینا جن کا شیوہ ہو ان سے کیا امید کی جائے گی کہ وہ کسی طرح کا امانی قرار ہم سے پاس کرلیں؟

اور کر بھی لیں تو ان کی عادت مستمرہ کے مطابق غدر ومکر سے کہاں امان ہوگا؟ تاتاری یورش میں اس کردار سے لیکر مغلیہ دور تک کی کہانی تو کتابوں کی زینت تھی، لیکن ایران کی مسلم دشمنی کی زندہ مثالیں اور اس کا مسلم حکومتوں سے بغض وعناد اور دشمنان اسلام کی کاسہ لیسی، یہ سب وہ شواہد ہیں جو ان کے ضمیر کے ترجمان ہیں۔

بس ہمارا زور ہے تو اپنے عوام پر ہے، ان کو ایسی باتوں سے روکا جائے جو فتنہ کا باعث بنیں، یا نقض امن کا خطرہ بن جائیں، خصوصاً جب مسلمانوں کی جان، آبرو، مال کے نقصان کا خطرہ ہو تو بہت ہی سوجھ بوجھ کر اکابر کی رہنمائی سے کوئی قدم اٹھائیں۔

☆☆☆

علماء کرام پر وحدت امت کی ذمہ داری

مولانا محمد رمضان علی فرقانی[1]

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين

وعلى آله وصحبه وأهل بيته أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين. أما بعد!

اللہ جل شانہ کو جس قدر وحدت امت سے محبت ہے اتنا ہی باہمی اختلافات اور فرقہ بندی سے نفرت بھی، فرمان باری تعالیٰ ہے:

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا (آل عمران)

اسی طرح سورہ انعام میں ہے: ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم.

یہ سچ ہے کہ تمام مسلمان ایک امت ہیں، سب کا دین، دین توحید ہے، لیکن دور حاضر میں باہمی اختلافات نے نہایت ہی بھیانک شکل اختیار کر لی ہے جس کی وجہ سے امت مسلمہ کا شیرازہ بکھر گیا ہے، جانی اور مالی دونوں طرح کا نقصان ہو رہا ہے، ان اختلافات نے موجودہ دور میں جنگ کی صورت اختیار کر لی ہے مثلاً حالیہ دنوں میں شیعہ سنی اختلافات نے عالم اسلام کے ایک بڑے حصے کو میدان جنگ میں تبدیل کر دیا ہے جس کی وجہ سے لاکھوں لوگ مارے جاچکے ہیں اور لاکھوں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اختلافات میں سے بعض کا تعلق ادیان سے ہے جیسے اسلام و یہودیت کے اختلافات، بعض کا تعلق عقائد سے ہے جیسے اہل سنت، شیعہ اور خوارج وغیرہ کے اختلافات، بعض کا تعلق عملی اور غیر قطعی احکام سے ہے جیسے ائمہ اربعہ کے درمیان فروعی اختلافات، اور بعض کا تعلق رنگ ونسب اور علاقہ سے ہے جس کی خود اسلام نے مذمت کی ہے۔ کچھ اختلافات اسلام میں قابل تعریف وتحسین ہیں جن کو نہ مٹایا جاسکتا ہے اور نہ ہی نظر انداز کیا جاسکتا ہے اس لئے یہ وقت علماء کرام اور ارباب حل وعقد کے لئے امتحان وآزمائش کا ہے، سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کرنے کا ہے۔ ان کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ ان اختلافات کی شرعی حیثیت کو واضح کریں کہ کونسا اختلاف اسلام میں محمود ہے اور کونسا مذموم، اختلاف کے باوجود ایک مکتب فکر کے لوگوں کو دوسرے فرقے کے ماننے والوں کے ساتھ کس طرح کا رویہ اختیار کرنا چاہئے، منافرت کو ختم کرنے اور وحدت امت کو قائم کرنے کی کیا شکلیں ہوں گی جن سے نفرت، سب وشتم، بڑھتے ہوئے دراڑ کا سد باب کیا جائے؛ تاکہ لوگوں میں بھائی چارگی پیدا ہو۔

اس ضمن میں اسلامک فقہ اکیڈمی کی جانب سے کچھ سوالات ہیں، ذیل میں جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے:

(۱) فقہی مسالک کے اختلافات کا بڑا حصہ وہ ہے جن میں اختلاف کی نوعیت، افضل غیر افضل، راجح مرجوح کی ہوتی ہے، چند ہی مسائل ایسے ہیں جن میں اختلاف کی نوعیت حلال وحرام یا جائز وناجائز کی ہے، اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ جن مسائل میں اختلاف کی نوعیت جائز ونا جائز یا حلال وحرام کی ہوتی ہے ان میں بھی چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہوتا ہے اور اجتہادی مسائل میں اپنی رائے اور مسلک کو ترجیح دی جاسکتی ہے؛ لیکن مخالف رائے کو بالکل باطل قرار دینا اور اس اختلاف کو حق اور باطل کی جنگ قرار دینا درست نہیں ہوتا ہے مگر موجودہ دور میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض مصنفین، مقررین اور مدرسین اپنے مسلک کی ترجیح میں ایسا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں جس سے دوسرے مسلک اور رائے کی تنقیص ہوتی ہے، یا اس کے خلاف طنز وتعریض ہوتی ہے، اور دوسری رائے کی بالکلیہ نفی کی جاتی ہے، ان فقہی مباحث میں کسی مسلک یا قول کو ترجیح دینے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے اور کن حدود وآداب کا لحاظ کیا جانا چاہئے جن کی رعایت کرنے سے مسلمانوں کا اتحاد مضبوط ہو اور گروہ بندی کی شکل پیدا نہ ہو؟

---

[1] دار العلوم مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

فقہی مسائل کی تشریعیت:

عام طور پر دو طرح کے اختلاف پائے جاتے ہیں ایک اعتقادی اور دوسرے فقہی۔ اعتقادی اختلاف سے متعلق آگے مکمل بحث آئے گی، انشاء اللہ۔ عالم دین میں عمیق مطالعہ کے ساتھ سنجیدگی اور حلم و بردباری بھی ہونی چاہئے تبھی امت مسلمہ کو گروہ بندی سے نجات حاصل ہوسکتی ہے۔ ارباب علم جانتے ہیں کہ وہ اختلاف جو فقہی مسالک کے درمیان بعض فروعی اور اجتہادی مسائل میں پایا جاتا ہے وہ اسلام میں محمود ہے۔ یہ اختلاف بنی نوع انسان کے لئے رحمت ہے؛ کیونکہ اس کی وجہ سے شریعت میں بڑی سہولت، توسع اور گنجائش نکل آتی ہے اس طور پر کہ اگر کسی مسلک پر عمل کرنا دشوار ہو تو دوسرے مسلک پر عمل کرلیا جائے جس میں وسعت و کشادگی ہو، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے؛ بشرطیکہ یہ اختلاف ادلہ شرعیہ کے دائرے میں ہو۔ علماء کرام کے نزدیک اس کے محمود ہونے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس اختلاف کے سبب نصوص شرعیہ سے احکام اسلامی کے استنباط کا وسیع میدان ہاتھ آتا ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ حجت کے اعتبار سے دین کی بنیاد چار چیزوں پر ہے: کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع اور قیاس۔ ان کو ادلہ شرعیہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو حجیت کی سند عطا کی گئی ہے پھر بھی ان کے درمیان فرق ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجت تشریعیہ ہیں یعنی بذات خود حجت ہیں، اپنی حجیت میں کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں ہیں؛ جبکہ اجماع اور قیاس حجت تفریعیہ ہیں یعنی اپنی حجت ہونے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے محتاج ہیں، اگر ان دونوں کو کتاب وسنت کی تائید حاصل نہ ہو تو یہ دونوں لائق اعتبار نہیں ہیں۔

اہل علم جانتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بنی نوع انسان اور ذات باری تعالیٰ کے درمیان واسطہ خیر ہیں، انبیاء کرام کے علاوہ کسی بشر میں یہ طاقت وقدرت نہیں کہ اس سے ہم کلام ہوسکے اور اس کے لامحدود علم کا تحمل کر سکے، یہ محض انہیں کا امتیاز ہے کہ ایک طرف وہ بندوں میں شامل ہیں تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ سے واصل ہیں۔ انبیاء کرام کی امتیازی شان یہ ہے کہ انہیں کے توسط سے اس دین کی رسائی بندوں تک ہوئی، وہ اس عظیم ذمہ داری کو امانت و دیانت کے ساتھ آخر تک نبھاتے رہے۔ پھر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں یہ ذمہ داری علماء کرام سے متعلق کردی گئی بفضلہ تعالیٰ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اصحاب خیر القرون، بعدہ ائمہ کرام اور علماء کرام نے اس ذمہ داری کو دیانت واہتمام کے ساتھ ادا کیا اور ادا کررہے ہیں۔

خیرون القرون کے بعد ایک دور مجتہدین کرام کا بھی آیا جنھوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محور فکر بنا کر قوانین اسلام کو مسلمانوں تک پہونچایا۔ مجتہدین کرام نے کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کیا اور جب تک ہر مسئلہ پر متعدد دلائل عقلیہ ونقلیہ یقینیہ قائم نہیں ہوگئیں اس وقت تک انہوں نے اس کو اپنا مذہب قرار نہیں دیا۔ یہ حضرات اگرچہ دیانت کے اعلیٰ مقام ومرتبہ پر فائز ہیں لیکن اس کے باوجود چونکہ استدلال واستنباط کا تعلق عقل سے ہے اور جہاں عقل انسانی دخیل ہے وہاں صواب کے ساتھ خطا کا بھی امکان ہوتا ہے، سبب یہ ہے کہ ہر انسان کا دماغ وذہن، فہم وفراست یکساں نہیں اس لئے نصوص شرعیہ میں غور وخوض کرنے میں اور مختلف احتمالات میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے میں مجتہدین کرام کے درمیان اختلاف ناگریز پیدا ہوگیا اور ایک ہی مسئلہ میں ان کی رائیں مختلف ہوگئیں؛ چونکہ سب کا مقصد نیک اور صحیح نتیجہ تک رسائی ہے؛ اس لئے علماء کرام نے اس اختلاف کو محمود قرار دیا ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اختلاف میری امت کے لئے رحمت ہے: اختلاف أمتي رحمة واسعة۔

مجتہدین کرام میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو امت مسلمہ میں تلقی بالقبول حاصل ہے۔ ان چاروں ائمہ کرام میں سے ہر ایک کے استنباط کردہ مسائل دوسرے مسلک سے الگ ہیں؛ لیکن اس کے باوجود کبھی بھی ان ائمہ کرام نے یا ان کے ماننے والوں نے مخالف رائے کو بالکل باطل قرار نہیں دیا اور نہ اس کو حق وباطل کی جنگ قرار دیا اور طنز وتعریض کی، ہر ایک نے دوسرے کے احترام وتوقیر کو باقی رکھا۔ اپنے مسلک کو ترجیح دینے کے باوجود وہ کہتے تھے: نحن علی الصواب مع احتمال الخطاء والغیر علی الخطاء مع احتمال الصواب یعنی ہمارا صواب احتمال خطا سے خالی نہیں اور دوسرے کی خطا احتمال صواب سے خالی نہیں۔ اکابرین کا یہ جملہ زریں حروف سے لکھنے

کا ہے، اگر ہر مسلک کے ماننے والے اس جملہ کا لحاظ کریں تو مسلمانوں کا اتحاد مضبوط ہو سکتا ہے اور ان میں نزدیکیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

آداب اختلاف:

قابل تبلیغ صرف اللہ تعالیٰ کا دین ہے؛ کیونکہ دین میں عقل انسانی دخیل نہیں ہے۔ دین منزل من اللہ ہے؛ اس لئے اس میں کسی اختلاف، تضاد، خطا کا امکان نہیں ہوتا ہے، بخلاف فقہاء کرام کے استنباط کردہ احکام ومسائل کے کہ ان میں عقل انسانی دخیل ہے جس کی وجہ سے اس میں صواب کے ساتھ خطا کا امکان موجود ہے اس لئے اس کا درجہ تبلیغی نہ ہو کر ترجیحی ہے؛ لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ بعض مصنفین، مقررین اور مدرسین نے دین اور مسلک کو ہم پلہ کر رکھا ہے اور مسلک کو ہی مدار نجات سمجھ بیٹھے ہیں، مسلک و مذہب، مشرب اور ذوقی چیز کی دعوت وتبلیغ میں اپنی پوری صلاحیت وقوت صرف کر دیتے ہیں، مخالف رائے کو گمراہ قرار دیتے ہیں اور اس کا موقف بلا دلیل ٹھہرانے میں نہیں تھکتے۔

دراصل اس طرح کے سوچ وخیال بعض حضرات میں دو وجہوں سے پائے جاتے ہیں: ایک تو انحطاط علمی کی وجہ سے، اور دوسرے ان لوگوں کی وجہ سے جو یہ چاہتے ہیں کہ تمام لوگ ان کی رائے پر جمع ہو جائیں، اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اغیار واشرار اور ان کے اشاروں پر بعض نام نہاد مسلمان، نئی نسل کو گمراہ کر رہے ہیں، وہ خام عقل مسلم نوجوانوں کی کمزوری اور قلت واقفیت کو غنیمت سمجھ کر ان سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں، مسلکی اختلاف کو ان کے سامنے اس طرح پیش کرتے ہیں گویا کہ وہ دین اور عقیدہ کا اختلاف ہو حالانکہ دین و مذہب کے اختلاف میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ بعض لوگ تو اختلاف کے حدود وآداب کو پھلانگ کر ائمہ مجتہدین پر بھی طعن وتشنیع کرتے ہیں اور ان کو لعنت وملامت کا نشانہ بناتے ہیں جو کہ کج روی اور تعصب کی علامت ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس طرح کے اختلافات امت کے لئے رحمت ہیں اور اس نوعیت کے اختلاف کا وقوع پذیر ہو ناممکنات میں سے ہے؛ کیونکہ ایسے نصوص بے شمار ہیں جن میں ایک سے زیادہ معانی کا احتمال ہے، پھر یہ کہ نصوص محدود ہیں اور واقعات غیر محدود؛ اس لئے شریعت کے مقاصد میں غور وخوض کر کے نئے حوادث ومسائل میں اس سے مدد لینا ضروری ہے، اس میں علماء کرام کی آرا مختلف ہو جاتی ہیں۔ یہ تو مبارک اور خوش آئند بات ہے کہ اسلام میں مکاتب فکر ہیں؛ کیونکہ مکتب فکر کی کثرت وہاں ہوتی ہے جہاں کثرت علم ہو۔ یہ تو محض اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس کے پاس کتاب اللہ جیسی عظیم الشان اور ضخیم کتاب موجود ہے، اس پر محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال سراپا علم سیرت طیبہ موجود ہے، اسی کثرت علم کی وجہ سے مکتب فکر کی کثرت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان اس نوعیت کا اختلاف پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا جیسا کہ درج ذیل کی عبارت سے واضح ہے:

ومعلوم أنهم كانوا يجتهدون فى زمن الرسول ﷺ مثلما حصل فى قصة الذهاب إلى بنى قريظة حيث قال لهم ﷺ: "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يصلين العصر إلا فى بنى قريظة". فذهبوا ولما دنا وقت غروب الشمس انقسموا إلى قسمين: منهم من قال: نستمر فى الشمس حتى ولو غربت الشمس. ومنهم من قال: نصلى الصلوة فى وقتها ولا نؤخرها والرسول ﷺ ما أراد أن تؤخر الصلوة عن وقتها. فهذا الاجتهاد حصل فى زمن النبوة (شرح سنن ابو داؤد ۱۴/ ۱۰۴)۔

مجتہدین کرام کے درمیان بھی مذہبی اور فروعی مسائل میں بے شمار اختلافات ہیں، مسح رأس، کفارہ ظہار، اوقات صلوٰۃ وغیرہ کے متعلق جو اختلافات ہیں ان کو ہم اصول فقہ اور دیگر کتابوں میں پڑھتے رہتے ہیں۔

مندرجہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ فروعی مسائل میں اختلاف رائے عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رہا ہے بلکہ اعتقادی مسائل میں بھی ان کے درمیان اختلاف رہا؛ لیکن صحابہ کرامؓ اور ائمہ مجتہدین عظام میں سے کسی نے بھی دوسرے کو ضال ومضل نہیں ٹھہرایا بلکہ اختلاف رائے کے باوجود ان حضرات نے باہمی احترام وتوقیر کو باقی رکھا، قرآن وسنت کے دائرے میں رہتے ہوئے کبھی انہوں نے اختلاف کو برا نہیں سمجھا، اس کو امت کے لئے باعث خیر ہی سمجھا جیسا کہ درج ذیل کی عبارتوں سے واضح ہے:

عن حميد قال: قلت لعمر بن عبد العزيز لو جمعت الناس على شئ فقال: ما يسرنى أنهم لم يختلفوا قال: ثم كتب

إلى الآفاق أو إلى الأمصار ليقضي كل قوم بما اجتمع عليه فقهاؤهم: قال حسين سليم أسد: إسناده صحيح (سنن الدارمي .رقم الحديث: ۶۲۸، باب اختلاف الفقهاء)۔

ترجمہ ومفہوم: حضرت حمید نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ تمام لوگوں کو ایک ہی رائے اور ایک مسئلہ پر جمع کر دیتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا ہوں کہ اختلاف رائے ختم ہوجائے، اس کے بعد آپ نے تمام شہروں کی طرف فرمان جاری کیا کہ تمام لوگ اپنے اپنے فقہاء کرام کی آراء پر عمل کریں۔

حدثنا محمد بن عمر سمعت مالكا يقول لما حج المنصور دعاني فدخلت عليه فحادثته وسألني فأجبته فقال :عزمت أن آمر بكتبك هذه (يعني الموطا) فتنسخ نسخا ثم أبعث إلى كل مصر من أمصار المسلمين بنسخة وآمرهم أن يعملوا بما فيها ويدعوا ما سوى ذلك من العلم المحدث فإني رأيت أصل العلم رواية أهل المدينة وعلمهم. قلت :يا أمير المؤمنين لا تفعل فإن الناس قد سيقت إليهم أقاويل وسمعوا أحاديث ورووا روايات وأخذ كل قوم بما سيق إليهم وعملوا به ودانوا به من اختلاف أصحاب رسول الله ﷺ وغيرهم وإن ردهم عما اعتقدوه شديد فدع الناس وما هم عليه وما اختار أهل كل بلد لأنفسهم. فقال: لعمري لو طاوعتني لأمرت بذلك (سير اعلام النبلاء :شمس الدين ابو عبد الله محمد بن احمد الذهبي ـ الباب ۱۰.۵/۷۹)۔

ترجمہ ومفہوم: حضرت محمد بن عمر نے امام مالکؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے حج کیا تو انہوں نے مجھے بلا کر کہا کہ لوگوں کے درمیان اختلاف باقی نہ رہے اس لئے میں نے ارادہ کیا کہ آپ کی کتاب "موطا" کے نسخے تیار کرا کے تمام شہروں کو بھیج دوں اور حکم جاری کر دوں کہ تمام لوگ اسی کتاب کے مطابق عمل کریں اور اس کے علاوہ جو دوسری آراء ہیں انہیں ترک کر دیں؛ کیونکہ اہل مدینہ کا علم بنیادی ہے۔ میں (امام مالکؒ) نے کہا کہ اے امیر المؤمنین آپ ایسا مت کیجئے؛ کیونکہ مختلف مقام میں لوگوں کو مختلف حدیثیں پہنچی ہیں۔ اور ہر جگہ کے فقہاء کرام کے آراء مختلف ہیں جن پر وہاں کے لوگ عمل پیرا ہیں، لوگوں کو ان کی آراء پر چھوڑ دیا جائے، آراء کو ترک کرنے پر انہیں مجبور نہ کیا جائے۔

اس طرح کی فرمائش عباسی خلیفہ ہارون رشید نے بھی کی تھی:

لما استشار الرشيد مالكا أن يحمل الناس على (موطئه) في مثل هذه المسائل منعه من ذلك وقال: إن أصحاب رسول الله تفرقوا في الأمصار وقد أخذ كل قوم من العلم ما بلغهم (فتاوى شيخ الاسلام ابن تيميه :احمد عبد الحليم بن تيميه الحراني ۳۰/۷۹)۔

ترجمہ: ہارون رشید نے امام مالکؒ سے مشورہ کیا کہ وہ تمام لوگوں کو ان کی کتاب موطا کے مطابق عمل کرنے کا حکم جاری کر دے، امام مالکؒ نے ان کو اس سے منع کر دیا اور فرمایا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف شہروں کی طرف تشریف لے گئے، ہر جگہ لوگوں نے اسی پر عمل کیا جو ان کو صحابہ کرامؓ سے معلوم ہوا۔

ان دونوں عباسی خلیفہ کے درخواست کرنے کے باجود امام مالکؒ کا انکار کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف رائے کو مسترد کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ اس کے باقی رہنے کو امت کے لئے بہتر سمجھتے تھے؛ چنانچہ ایک مرتبہ جب ہارون رشید نے امام مالکؒ سے تمام لوگوں کے "موطا" پر عمل کرنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا:

"يا أمير المؤمنين! إن اختلاف العلماء رحمة من الله تعالى على هذه الأمة كل يتبع ما صح عنده وكل على هدى وكل يريد الله تعالى" (كشف الخفاء ومزيل الالباس :اسماعيل بن محمد الجراحي العجلوني ۱/۶۶)۔

ترجمہ: اے امیر المؤمنین بے شک علماء کرام کا اختلاف اس امت پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے رحمت ہے، ہر ایک اسی کی پیروی کرتا ہے جو اس کے نزدیک صحیح ہے اور ہر شخص ہدایت پر ہے اور ہر آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے سلف صالحین مجتہد فیہ مسائل میں اختلاف رائے کو برا نہیں سمجھتے تھے، نہ ہی وہ یہ چاہتے تھے کہ تمام لوگ کسی ایک

امام کی رائے کے مطابق عمل کریں؛ کیونکہ اس میں لوگوں کے لئے تنگی و دشواری ہے اور کسی ایک قول پر امت کو مجبور کرنا باعث حرج ہے؛ اس لئے وہ اختلاف رائے کو امت کیلئے رحمت سمجھتے تھے، کسی بھی فقیہ کے قول کو اختیار کرنے کی آزادی دیتے تھے، ان کو علماء کی مختلف آراء سے خوشی ہوتی تھی جیسا کہ مندرجہ ذیل اقوال سے واضح ہے:

عن حميد قال: قلت لعمر بن عبد العزيز لو جمعت الناس على شئ فقال: ما يسرني أنهم لم يختلفوا (سنن الدارمي، رقم الحديث: ٦٢٨، باب اختلاف الفقهاء)۔

ترجمہ:...... حضرت حمید سے مروی ہے انہوں نے کہا: میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے عرض کیا کہ کیا اچھا ہوتا کہ آپ تمام لوگوں کو ایک ہی رائے پر جمع کر دیتے، آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ فقہاء کے درمیان اختلاف نہ ہو۔

عن عبد الرحمن بن القاسم عن أبيه أنه قال لقد أعجبني قول عمر بن عبد العزيز ما أحب أن أصحاب رسول الله ﷺ لم يختلفوا لأنه لو كانوا قولا واحدا كان الناس في ضيق وإنهم أئمة يقتدى بهم فلو أخذ رجل بقول أحدهم كان في سعة قال أبو عمر: هذا فيما كان طريقه الاجتهاد (جامع بيان العلم وفضله، باب جامع بيان ما يلزم الناظر ۲/ ۸۰، يوسف بن عبد البر النمري)۔

ترجمہ: عبدالرحمن بن قاسم نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز نے کیا ہی خوب فرمایا: مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ختم ہو جائے، اس لئے کہ اگر وہ سب ایک ہی قول کو اختیار کریں تو یہ لوگوں کے لئے دشواری و پریشانی کا سبب ہوگا، بلاشبہ یہ فقہاء قابل تقلید و اقتداء ہیں، اگر کوئی کسی ایک کے قول کی بھی تقلید کر لیتا ہے تو وہ وسعت میں رہتا ہے۔ ابو عمر نے فرمایا کہ یہ قول مجتہد فیہ مسائل کے متعلق کہا گیا ہے۔

كان عمر بن عبد العزيز يقول: ما يسرني أن أصحاب رسول الله ﷺ لم يختلفوا لأنهم إذا اجتمعوا على قول فخالفهم رجل كان ضالا وإذا اختلفوا فأخذ رجل بقول هذا ورجل بقول هذا كان في الأمر سعة (فتاوى ابن تيميه ۳۰/ ۷۹، احمد عبد الحليم بن تيميه الحراني)۔

ترجمہ: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے: مجھے اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ اختلاف رائے کو ختم کر دیتے، اس لئے کہ اگر وہ سب کسی ایک قول پر متفق ہو جائیں اور اس کی کوئی مخالفت کرے تو وہ گمراہ ہوگا، اگر ان کے درمیان اختلاف ہو پھر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کے قول پر عمل کرے اور کوئی کسی دوسرے کے قول پر تو اس سے مسائل پر عمل کرنے میں آسانی ہوگی۔

كان بعض العلماء يقول: إجماعهم حجة قاطعة واختلافهم رحمة واسعة (فتاوى ابن تيميه ۳۰/ ۷۹، احمد عبد الحليم بن تيميه الحراني)۔

ترجمہ: بعض علماء کرام فرماتے تھے کہ فقہاء کرام کا اجماع حجت قاطعہ ہے اور ان کا اختلاف بہت بڑی رحمت ہے۔

اتفاقهم حجة قاطعة واختلافهم رحمة واسعة (المغني لابن قدامة المقدسي المتوفى ۶۲۰ھ، مقدمة الكتاب ۱/ ۲)

ترجمہ: (علامہ ابن قدامہ مقدسی نے فرمایا:) فقہاء کرام کا اتفاق حجت قاطعہ ہے اور ان کا اختلاف رحمت واسعہ ہے۔

عن عون بن عبد الله قال: ما أحب أن أصحاب النبي ﷺ لم يختلفوا فإنهم لو اجتمعوا على شئ فتركه رجل ترك السنة ولو اختلفوا فأخذ رجل بقول أحد أخذ بالسنة (سنن الدارمي، باب اختلاف الفقهاء ۱/ ۱۵۹ عبد الله بن عبد الرحمن ابو محمد الدارمي)۔

ترجمہ: عون بن عبداللہ نے فرمایا: میں یہ نہیں چاہتا کہ صحابہ کرامؓ اختلاف نہ کرتے؛ کیونکہ اگر یہ حضرات کسی ایک مسئلہ پر متفق ہو جائیں اور پھر کوئی شخص اس پر عمل نہ کرے تو وہ تارک سنت ہوگا، اگر ان کے درمیان اختلاف ہو اور پھر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کے قول پر بھی عمل کرے تو وہ سنت پر عمل کرنے والا کہلائے گا۔

عن القاسم بن محمد بن أبي بكر قال لقد نفع الله باختلاف أصحاب النبي ﷺ في أعمالهم لا يعمل العامل بعمل رجل منهم إلا رأى أنه في سعة ورأى أنه خير منه قد عمله (جامع بيان العلم وفضله، باب جامع بيان ما يلزم الناظر ۲/ ۸۰۔ يوسف بن عبد البر النمری)۔

ترجمہ: قاسم بن محمد بن ابوبکر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے اختلاف سے لوگوں کو نفع بخشا، کوئی بھی شخص ان میں سے جس کے قول پر عمل میں راحت وخیر سمجھتا ہے عمل کرتا ہے۔

عن القاسم بن محمد قال: لقد أوسع الله على الناس باختلاف أصحاب محمد ﷺ اى ذلك أخذت به لم يكن في نفسك منه شئ (جامع بيان العلم وفضله، باب جامع بيان ما يلزم الناظر ۲/ ۸۰، يوسف بن عبد البر النمری)۔

ترجمہ: (اوپر کی عبارت کے مثل ہے)

صنف رجل كتابا في الاختلاف فقال أحمد لا تسمه "كتاب الاختلاف" ولكن سمه "كتاب السعة" (فتاوى ابن تيميه ۳۰/ ۷۹۔ احمد عبد الحليم بن تيميه الحرانی)۔

ترجمہ ومفہوم: کسی آدمی نے فقہاء کرام کے اختلاف کو ایک کتاب میں جمع کیا اور اس کا نام "کتاب الاختلاف" رکھا، امام احمدؒ نے فرمایا کہ اس کتاب کا نام "کتاب الاختلاف" نہ رکھ بلکہ "کتاب السعہ" رکھ۔

اکابر کے مذکورہ اقوال ہمارے لئے مشعل راہ ہیں؛ اس لئے مصنفین، مقررین، مدرسین اور تمام دینی مبلغین میں علمی بصیرت کے ساتھ تحمل کا ہونا بھی ضروری ہے، اعتدال کا ہونا تو نہایت ہی ضروری ہے؛ تاکہ حدود وآداب اختلاف کا لحاظ کریں، اور فروعی مسائل میں باہمی اختلاف رائے کو برائے سمجھیں، دوسرے مسلک کی تنقیص وتنکیر نہ کر کے اس کو قوم وملت کے لئے رحمت تصور کریں۔ اپنے مسلک کو ترجیح دیتے ہوئے دوسرے مسلک کی تنقید وتنقیص نہیں کرنی چاہئے؛ کیونکہ تمام فقہاء کرام نے مسئلہ کی حقیقت تک پہونچنے کی کوشش کی ہے، ان میں سے جو مصیب ہے وہ دوہرے اجر کا مستحق ہے، جو مخطی ہے وہ بھی عند اللہ ماجور ہے اور اس کے ماننے والے بھی اجر وثواب کے مستحق ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب حاکم فیصلہ کرے تو اجتہاد کر لے، اگر وہ صواب پر پہنچتا ہے تو اس کے لئے دوہرا اجر ہے یعنی ایک محنت کا اور دوسرا صواب تک پہنچنے کا، اگر وہ خطا کرتا ہے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔ الفاظ حدیث مندرجہ ذیل ہیں:

عن عمرو بن العاص أنه سمع رسول الله ﷺ قال: إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر (الجامع الصحيح للمسلم، باب بيان اجر الحاكم ۵/ ۱۳۱)۔

المجتهد يخطئ ويصيب فمن أخطأ فله أجر واحد ومن أصاب فله أجران ()

اس لئے معلوم ہوا کہ اہل مسلک دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو خطا پر ہیں اور دوسرے وہ جو صواب پر ہیں، اس کے باوجود خطا وصواب کے امکانات دونوں میں موجود ہیں۔ اگر کسی مسلک کے ماننے والے کسی دوسرے مسلک کے خلاف عمل کریں اور اس کی تاویل بھی کریں تو ان کو اپنے سے الگ نہیں ماننا چاہئے اگرچہ ان کی تاویل غلط ہو؛ کیونکہ خاطی بھی مجتہد فیہ مسائل میں عند اللہ ماجور ہے، نہ ہی اس کو ایسے عمل سے روکنا چاہئے جو کسی دوسرے مسلک کی رائے کے خلاف ہو، ہمارے ائمہ مجتہدین کا یہی معمول رہا ہے؛ چنانچہ امام سفیان ثوریؒ سے منقول ہے:

حفص بن غياث يقول سمعت سفيان يقول: إذا رأيت الرجل يعمل العمل الذي قد اختلف فيه وأنت ترى غيره فلا تنهه (الفقيه والمتفقه للخطيب البغدادی ۲/ ۲۵۵)۔

ترجمہ: حفص بن غیاث فرماتے ہیں: میں نے حضرت سفیانؒ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم کسی آدمی کو ایسا عمل کرتے ہوئے دیکھو جس میں اختلاف ہو اور وہ عمل تمہاری رائے کے خلاف ہو تو اس آدمی کو اس عمل سے مت روکو۔

اسی طرح اگر کوئی شخص مجتہد فیہ مسائل میں تاویل کرے تو اس کی تاویل کو ماننا چاہئے، تاویل کو انکار کا درجہ نہیں دینا چاہئے؛ کیونکہ تاویل و انکار میں آسمان وزمین کا فرق ہے، کسی بات کو سرے سے ہی نہیں ماننا انکار کہلاتا ہے؛ جبکہ تاویل کے معنی ہیں کہ کلام میں کسی متبادر معنی کو چھوڑ کر کوئی اور

معنی مراد لینا جس کی کلام میں گنجائش بھی ہو جیسا کہ آیت کریمہ: "يد الله فوق أيديهم" میں بعض مفسرین کرام نے لفظ "ید" سے اللہ تعالیٰ کے لئے اعضاء کو تسلیم کیا ہے اس طور پر کہ جو اللہ تعالیٰ کی شان کے موافق ہو اور جس کا صحیح ادراک سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دوسرا نہیں کر سکتا، جب کہ بعض مفسرین نے تاویل کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی طاقت وقدرت ہے۔ظاہر ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کی بات درست ہوگی لیکن اس کے باوجود کسی کو بھی نص کا منکر نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ یہ طریقہ سلف صالحین کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔فقہاء کرام میں سے کسی نے بھی تاویل کا انکار کر کے کسی پر تہمت لگانے کی کوشش نہیں کی۔معروف ومشہور حدیث ہے: البيعان بالخيار۔ امام مالک کے نزدیک اس سے تفرق اقوال مراد ہے؛ جبکہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابن ابی ذئب کے نزدیک تفرق ابدان ہے۔ابن ابی ذئب نے فرمایا کہ امام مالکؒ نے اس حدیث پر عمل نہیں کیا تو امام احمد بن حنبلؒ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ امام مالکؒ نے حدیث کو رد نہیں کیا بلکہ اس کی تاویل کی ہے:

قال أحمد بن حنبل: بلغ ابن أبي ذئب أن مالكا لم يأخذ بحديث البيعان بالخيار فقال: يستتاب فان تاب وإلا ضربت عنقه ... وقد اعتذر الامام أحمد للإمام مالك في تاويله لهذا الحديث بما يدل على سعة صدره مع مخالفيه فقال: ومالك لم يرد الحديث ولكن تأوّله ذلك (لا انكار فی مسائل الخلاف ۱/ ۱۱۲، عبدالسلام المجیدی)۔

علماء کرام خصوصا مدرسین کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین کو مسلک پر فوقیت دیں اور جس مسلک کو وہ راجح سمجھتے ہیں اس پر قائم رہیں، یہ خیال کرتے ہوئے کہ انہوں نے جو رائے قائم کی ہے اس میں خطا کا احتمال موجود ہے، اپنے قول کو ترجیح دیتے ہوئے دوسروں کی آراء کی بھی اہمیت کو تسلیم کریں، اور احترام کریں، اختلاف رائے کو حق و باطل کی جنگ سمجھ کر اختلاف کرنے والوں کو کفر وضلال تک نہ پہنچا دیں نیز ان کے سامنے یہ بات مستحضر رہے کہ ان اختلافات کا مقصد صرف تحقیق ہے نہ کہ کسی کو افضل ومفضول قرار دینا، اور نہ ہی کسی کی رائے کو حق و باطل ثابت کرنا، اسی لئے حدود و آداب اختلاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ یہ مسلکی اختلاف باہمی تنافر کا سبب نہ بن جائے اور ایک دوسرے کے احترام میں رکاوٹ نہ بن جائے، ہمارے سلف صالحین کا یہی طریقہ رہا ہے کہ فروعی مسائل میں شدید اختلافات کے باوجود کبھی کسی نے دوسرے کی بے احترامی و بے توقیری نہیں کی، نہ کسی کی نیت پر حملہ کیا، اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل مرقوم ہیں جنہیں ہم سب کو دامن گیر کرنے ضرورت ہے:

قال يونس الصدفي ما رأيت أعقل من الشافعي ناظرته يوما في مسألة ثم افترقنا و لقيني فأخذ بيدي ثم قال: يا أباموسى ألا يستقيم أن نكون إخوانا وإن لم نتفق في مسألة (سیر اعلام النبلاء، باب الامام الشافعی ۱۹/ ۱۰، شمس الدین ابو عبد الله محمد بن احمد الذهبی)۔

ترجمہ: یونس صدفی نے فرمایا کہ میں نے حضرت امام شافعیؒ سے زیادہ سمجھدار نہیں دیکھا۔ایک دن میں نے ان سے کسی مسئلہ میں بحث کی پھر ہم دونوں الگ ہو گئے۔جب امام شافعیؒ سے میری اگلی ملاقات ہوئی تو انہوں نے میرا ہاتھ تھام لیا اور فرمایا کہ اے ابو موسیٰ (یونس صدفی کی کنیت ہے) کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم بھائی بھائی بن کر رہیں اگر چہ ہمارے درمیان کسی مسئلہ میں اتفاق نہ ہو سکے۔

حدثنا محمد بن عتاب بن المربع قال: سمعت العباس بن عبد العظيم العنبري قال: كنت عند أحمد بن حنبل وجاءه علي بن المديني راكبا على دابة قال: فتناظرا في الشهادة وارتفعت أصواتهما حتى خفت أن يقع بينهما جفاء وكان أحمد يرى الشهادة وعلي يأبي ويدفع فلما أراد علي الانصراف قام أحمد فأخذ بركابه۔

وسمعت أحمد في ذلك المجلس يقول: لا ننظر بين أصحاب محمد ﷺ فيما شجر بينهم ونكل أمرهم إلى الله. والحجة في ذلك حديث حاطب (جامع بيان العلم وفضله، باب إثبات المناظرة ۲/ ۲۱۵۔ أبو عمر يوسف بن عبد الله النمري القرطبي)۔

ترجمہ ومفہوم: ......عباس بن عبد العظیم عنبری نے فرمایا کہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں تھا کہ اتنے میں علی بن مدینی تشریف لائے اور دونوں کے درمیان مسئلہ شہادت پر بحث شروع ہو گئی، بحث ایسی ہوئی کہ دونوں طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں دونوں میں بدمزگی نہ پیدا ہو جائے، امام احمد بن حنبل مسئلہ شہادت کی حمایت کر رہے تھے اور علی بن مدینی اس کی مدافعت کر رہے تھے، بحث کے بعد جب علی بن مدینی واپس جانے لگے تو امام احمد بن حنبل نے ان کا اس قدر احترام کیا کہ ان کی رکاب تھام لی۔

مناسب ہے کہ تمام مکتب فکر کے ماننے والے امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے اس محبوب عمل کو عملی جامہ پہنائیں اور اس کی تشہیر کریں کہ اختلاف رائے کے باوجود انہوں نے ایک دوسرے کے احترام کو کس قدر باقی رکھا کہ ذرہ برابر بھی عزت و توقیر میں کمی آنے نہیں دی۔ آج صورت حال یہ ہے کہ بعض حضرات کسی مسلکی اختلاف میں اپنی رائے کو منوانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں، ان کی رائے سے اتفاق نہ کرنے پر عزت کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں، مسلمانوں کی دل آزاری کرنے میں ان کے ماتھے پر شکن تک نہیں آتا جب کہ ہمارے سلف صالحین نے ہمیشہ مسلمانوں کی تالیف قلوب کا خیال رکھا اور ایسا عمل کرنے سے منع فرمایا جو مسلمانوں کے انتشار کا سبب بن جائے الا یہ کہ کوئی بات شریعت کے خلاف ہی ہو۔ علامہ ابن تیمیہ نے القواعد النورانیہ الفقہیہ میں لکھا ہے کہ اگر کسی جگہ مسلمانوں کا کسی بات پر عمل نہ ہو اور کوئی شخص اس عمل کا قائل ہو تو ایسی جگہ اس شخص پر مسلمانوں کی تالیف قلوب کے لئے اس عمل کا ترک کر دینا بہتر ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے تعمیر کعبہ کے وقت لوگوں کی تالیف قلوب کی وجہ سے پرانے طرز میں کوئی تغیر وتبدل نہیں فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سفر میں قصر (فرض نماز چار رکعت کی بجائے دو رکعت ادا کرنے) کے قائل تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اتمام صلوۃ یعنی چار رکعت پڑھنے کے قائل تھے؛ لیکن سفر میں حضرت ابن مسعودؓ نے حضرت عثمانؓ کی اقتداء میں چار رکعتیں ادا کیں اور فرمایا کہ اختلاف بری چیز ہے۔

ويستحب للرجل أن يقصد إلى تأليف هذه القلوب بترك هذه المستحبات لأن مصلحة التأليف في الدين أعظم من مصلحة فعل مثل هذا كما ترك النبي ﷺ تغيير بناء البيت لما رأى في إبقائه من تأليف القلوب وكما أنكر ابن مسعود على عثمان إتمام الصلوة في السفر ثم صلى خلفه متما وقال الخلاف شر (القواعد النورانية الفقهية ١/ ٢١، العلامة تقي الدين ابو العباس احمد بن عبد الحليم بن تيمية المتوفى ٧٢٨ھ)۔

سمعت شيخنا أبا عمر أحمد بن عبد الله بن هاشم يقول: كان أبو إبراهيم إسحاق بن إبراهيم شيخنا يرفع يديه كلما خفض ورفع على حديث ابن عمر في المؤطا وكان أفضل من رأيت وأفقههم وأصحهم علما فقلت لأبي عمر لم لا ترفع فنقتدي بك قال: لا أخالف رواية ابن القاسم لأن الجماعة عندنا اليوم عليها ومخالفة الجماعة فيما أبيح لنا ليست من شيم الأئمة (الاستذكار، باب افتتاح الصلوة ١/ ٤٠٩، العلامة أبو عمر يوسف بن عبد الله بن عبد البر النمري)۔

ترجمہ ومفہوم: ...... علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ ابوعمر احمد بن عبداللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے شیخ ابوابراہیم خفض ورفع یعنی ہر بار جھکنے اور جھک کر اٹھنے کے وقت رفع یدین کرتے تھے جیسا کہ موطا امام مالک میں ابن عمر سے منقول ہے، اور وہ میری نظر میں سب سے افضل اور فقیہ تھے یعنی ابوعمر رفع یدین کے قائل تھے لیکن اس پر عمل نہیں کرتے تھے، میں (علامہ ابن عبدالبر) نے ابوعمر سے پوچھا کہ رفع یدین کیوں نہیں کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ یہاں کے مسلمانوں کا اس پر عمل نہیں ہے اور مسلمانوں کی اجتماعی عمل کی مخالفت کرنا ائمہ کرام اور سلف صالحین کا طریقہ نہیں رہا ہے۔

حضرت ابوعمر کا فرمان ہم سب کے لئے نصیحت آموز ہے اور مسلمانوں کی باہمی مخالفت ومنافرت کو دور کرنے کا اہم ذریعہ ہے لیکن کچھ لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

آج وقت آ گیا ہے کہ ہم تشدد کو ترک کر کے راہ اعتدال پر چلیں اور آپسی نفاق کو ختم کر کے اصل دشمن اسلام کا مقابلہ کریں جو دین کی بنیاد کو ہی برباد کر دینا چاہتا ہے۔ کتابوں سے ایسے فقرے وجملے نکال دیئے جائیں کہ جن سے رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ، اولیاء کرام کی شان میں گستاخی ہو رہی ہو، نیز فروعی مسائل میں بدعت، ضلالت، اور ناجائز جیسے الفاظ استعمال کرنے میں حد درجہ احتیاط کیا جائے کہ سلف صالحین کی اعلی وارفع، متبرک ومستند شخصیتیں ضال مضل میں شمار ہونے سے محفوظ رہیں۔ ایک عام شخص اور میڈیا جو کہ لوگوں میں غلط افواہیں پھیلانے کے لئے کمربستہ ہے ان کو کھل کر بتانے کی ضرورت ہے کہ مسلک چلنے کے لئے ہے لڑنے اور جھگڑنے کے لئے نہیں، مسلکی اختلاف مسلمانوں کا آپس میں ذاتی اختلاف نہیں ہے، مسلکی اختلاف کے باوجود مسلمانوں میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے قابل احترام ہے، ایک ادنیٰ مسلمان کے لئے بھی تحقیر وتذلیل روا نہیں ہے، فروعی اختلاف کا مقصد صرف تحقیق ہے نہ کہ جنگ وجدال، عداوت ودشمنی؛ اگرچہ مسلمانوں کا مسلک الگ الگ ہے لیکن بحیثیت مسلمان ہونے کے سب متحد ہیں اور سب کا مقصد شریعت پر عمل کرنا ہے۔

☆☆☆

(۲)......جن اختلافات کا تعلق عقیدے سے ہو جیسے کہ دیوبندی بریلوی اختلافات، شیعہ سنی اختلافات۔ ایسے اختلافی موضوعات پر محققانہ اور عالمانہ گفتگو ہونی چاہئے، جذباتی تحریر وتقریر سے اجتناب کرتے ہوئے سنجیدگی سے غور وفکر اور تبادلہ خیال کرنا چاہئے۔ اس پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ جس عقیدہ میں اختلاف پایا جارہا ہے اس کی تائید وتردید کرنے والوں کے متعلق خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم یا ہمارے سلف صالحین کے کیا اقوال ہیں، کیا وہ اس کی تائید یا تردید کرنے والوں کی تضلیل وتکفیر کے قائل ہیں یا نہیں۔ تحقیق کے بعد جو امور سامنے آئیں ان پر عمل کرنا چاہئے۔ اپنے عقائد کی تائید میں دلائل پیش کرتے وقت نرم لب ولہجہ، نصح وخیر خواہی، اعتدال وانصاف اور احترام وتوقیر وغیرہ کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ کسی بھی مسلک کے علماء ومقتدی کرام پر طعن وتشنیع یا ان کی تذلیل نہیں کرنی چاہئے کہ اس سے ان کے متعلقین ومتوسلین کی دل آزاری ہوتی ہے۔ اکابر کے آثار ونقوش سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت والجماعت، معتزلہ، نجاریہ، روافض وغیرہ اعتقادی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے پر سب وشتم نہیں کرتے تھے، حلم وبرداشت کے ایسے عادی تھے کہ ہمیشہ احترام وتوقیر کا دامن پکڑے رہے جیسے کہ عقائد کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔

قرآن کی آیت ہے: ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم (الانعام)، وقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر أو یخشی (طٰہ)، مذاکرہ کا مقصد ومطمح صرف احقاق حق اور ابطال باطل ہونا چاہئے اور تبادلہ خیال میں نفسانی جذبات، شخصی مخاصمت، اور الزام تراشی سے پرہیز کرنا چاہئے۔ بعض لوگ اپنی تحریروں اور تقریروں میں کہتے ہیں کہ بریلویوں سے اتحاد واتفاق کی امید بہت کم ہے؛ کیونکہ وہ علماء دیوبند کو کافر ومشرک کہتے ہیں، جب تک وہ ہمارے اکابر پر سب وشتم ختم نہیں کریں گے تب تک منافرت کم نہیں ہوسکتی؛ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دیوبندی بھی اس معاملے میں بریلوی سے کم نہیں ہیں، قبر پرست، بدعتی اور دوسرے ناشائستہ الفاظ کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ خانقاہوں میں بیٹھے پیر شریعت وطریقت اور خانقاہوں سے تعلق رکھنے والے علماء کرام ہی ایسے ہیں جنہوں نے نہ تو دیوبندی کو کافر کہا اور نہ بریلوی کو مشرک، بلکہ دونوں ہی ان کے نزدیک مسلمان ہیں؛ لہٰذا اعتقادی مسائل میں معتدل مزاج اشخاص کا ہونا ضروری ہے تبھی مذاکرہ اور گفتگو صحیح نہج پر ہو پائے گی، تاہم تبادلہ خیال میں یہ بات ضروری ہے کہ عقائد کے متعلق گفتگو کرتے وقت خود کو حق پر اور فریق مخالف کو باطل سمجھے لیکن اپنی غلطی ظاہر ہوجائے تو اس کا اقرار بھی کرے اور باطل عقیدہ کو ترک کردے۔ غیر مقلدین تقلید کو شرک کہتے ہیں، مسئلہ علم غیب پر علماء دیوبند کی ایسی تحریریں اور تقریریں موجود ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ظاہر ہوتی ہے؛ اس لئے علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے عقائد کو درس وتدریس تک ہی محدود رکھیں، اپنی تحریروں، تقریروں، کتاب واخبار کے ذریعہ عوام میں ان کو مشتہر نہ کریں ورنہ ان عقائد کے متعلق اختلاف کی کمی کا تصور ممکن نہیں؛ البتہ کچھ عقائد میں سب کا اتفاق ہے تو اس میں مذہبی اتفاق ہوسکتا ہے لیکن کسی بھی مکتب فکر کے متشدد لوگوں سے اتحاد کی امید نہیں کی جاسکتی۔ علماء کی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ آپسی اتحاد کی راہ ہموار کریں اور عوام کو بتائیں کہ فروعی اختلافات خیر کا ذریعہ ہیں وجہ نزاع نہیں ہیں۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ جن عقائد کا تعلق قطعیات یا ضروریات دین سے نہ ہوں ان کے حاملین کو کافر یا مشرک نہ کہا جائے، مناسب تاویل کرتے ہوئے ان کو کسی بہتر معنی ومفہوم پر محمول کیا جائے اور ان کے ماننے والوں کو دائرہ اسلام سے خارج نہ کیا جائے جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۳)......جس فکر یا عقیدے کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہو، لیکن ان کی بنیاد پر تکفیر کا قائل نہ ہو، ایسے فکر یا عقیدے پر تنقید اور جس فکر یا عقیدے کو موجب کفر سمجھتا ہو اور اس کی بنیاد پر اس کے حاملین کو کافر قرار دیتا ہو، اس پر تنقید یعنی ان دونوں قسم کے فکر اور عقیدے پر تنقید اس کی حیثیت متعین کرنے کے بعد کی جائے گی لیکن تنقید دونوں پر کی جائے گی؛ تاکہ حق سامنے آجائے۔ جس فکر یا عقیدے کے کفر وارتداد ہونے پر فقہاء کرام کا اتفاق نہ ہو اس کی بنیاد پر کفر کا فتوی نہ دیا جائے، اسی طرح وہ لوگ جو قطعیات دین اور ضروریات دین کے منکر نہ ہوں ان پر کفر کا حکم لگانے سے احتراز کیا جائے گا؛ کیونکہ ایمان ایک انمول نعمت ہے جس پر دنیا وآخرت کی فلاح ونجات کا دارومدار ہے، جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی توحید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دی وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا، اب اس کے دل کو کرید کرد یکھنے کی ہم کو ضرورت نہیں، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

من شهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأن محمدا عبده ورسوله وأن عيسى عبدالله ورسوله وكلمته ألقاها إلى مريم وروح منه والجنة حق والنار حق أدخله الله الجنة على ما كان من العمل (بخاری شریف، کتاب احادیث الانبیاء ۱/ ۴)۔

ترجمہ: جس آدمی نے یہ گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور

حضرت عیسی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں جس کو اللہ نے حضرت مریم علیہا السلام پر نازل فرمایا، اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) اس کی روح ہیں، اور جنت و دوزخ حق ہیں تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا چاہے اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ کلمہ شہادتین پڑھنے سے انسان اسلام میں داخل ہوجاتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر میں اس کے مسلمان ہونے کی علامت و پہچان کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھے، بیت اللہ کو اپنا قبلہ مانے اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھائے جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث سے واضح ہے:

من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذى له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله فى ذمته (بخاری شریف، کتاب الصلوۃ، باب فضل استقبال القبلۃ)۔

ترجمہ: جس انسان نے ہماری طرح نماز پڑھی، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا، ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے، اس کا ذمہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اقدس ﷺ نے لے لیا، پس تم لوگ اللہ تعالیٰ کو اس کے ذمہ کے متعلق بدعہد نہ کرو۔

من شهد أن لا إله إلا الله واستقبل قبلتنا وصلى صلاتنا وأكل ذبيحتنا فهو المسلم له ما للمسلم وعليه ما على المسلم (بخاری شریف، کتاب الصلوۃ، باب فضل استقبال القبلۃ)۔

جس انسان نے گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور اس نے ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور ہماری طرح نماز پڑھی تو وہ مسلمان ہے، اس کے بھی وہی حقوق ہیں جو دوسرے مسلمان کے لئے ہیں اور اس پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو دوسرے مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں۔

کسی آدمی پر مسلمان ہونے کا حکم لگانا جس قدر آسان ہے اس سے کہیں زیادہ مشکل کسی انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا یا کافر کہنا ہے، ہمارے سلف صالحین کسی کو کافر کہنے میں بہت محتاط تھے، یقین ہوجانے کے بعد ہی وہ کسی پر کافر ہونے کا حکم لگاتے تھے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی کسی مسلمان کو کافر کہتا ہے تو یہ کفر اسی کی طرف لوٹتا ہے:

إن النبى ﷺ قال: إذا أكفر الرجل أخاه فقد باء بها أحدهما (مسلم شریف، کتاب الایمان)۔

ترجمہ: نبی اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی اپنے بھائی کو کافر کہتا ہے تو اس صورت میں ان دونوں میں سے کوئی ایک اس کو لے کر لوٹتا ہے۔

عن عبد الله بن دينار أنه سمع ابن عمر يقول: قال رسول الله ﷺ: أيما امرئ قال لأخيه كافر فقد باء بها أحدهما إن كان كما قال وإلا رجعت عليه (مسلم شریف، کتاب الایمان)۔

حضرت عبداللہ بن دینار سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کسی نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو اس صورت میں ان دونوں میں سے کوئی ایک اس کو لے کر لوٹے گا، اگر وہ آدمی واقعتًا کافر نہیں ہے تو یہ بددعا اس کی طرف لوٹ جائے گی۔

ومن دعا رجلا بالكفر أو قال عدو الله وليس كذلك إلا عاد عليه (مسلم شریف، کتاب الایمان)۔

ترجمہ: اگر کسی نے کسی آدمی کو کافر کہا یا اللہ کا دشمن کہا حالانکہ وہ شخص ایسا نہیں ہے تو اس کا وبال خود اسی کی جان پر ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، سوائے ایک فرقہ کے سب فرقے دوزخی ہیں۔

عن أبى هريرة أن رسول الله ﷺ قال: تفرقت اليهود على إحدى و سبعين أو اثنتين و سبعين فرقة والنصارى مثل ذلك وتفترق أمتى ثلاثا و سبعين فرقة، وفى الباب عن سعد وعبد الله بن عمرو وعوف بن مالك، قال أبو عيسى حديث أبى هريرة حديث حسن صحيح (سنن ترمذی، باب: فتراق الامۃ ۵/ ۲۵)۔

إن رسول الله ﷺ قال: إن أهل الكتابين افترقوا في دينهم على ثنتين و سبعين ملة وإن هذه الأمة ستفترق على ثلاث و سبعين ملة يعني الأهواء كلها في النار إلا واحدة وهي الجماعة (مسند احمد بن حنبل ۴/ ۱۰۲، حدیث نمبر: ۱۶۹۷۹)۔

ہمارے علماء اور محدثین عظام نے اس حدیث پاک کی تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ''امتی'' کا لفظ عام طور پر امت اجابت یعنی مسلمانوں کے لئے استعمال کیا ہے؛ اس لئے تہتر (۷۳) فرقوں میں سے کوئی بھی فرقہ اسلام سے خارج نہیں ہے، سب حضور اکرم ﷺ کی امت اجابت میں شامل ہیں؛ چنانچہ خطابی کی معالم السنن میں ہے:

قوله ستفترق أمتي على ثلاث و سبعين ملة فيه دلالة على أن هذه الفرق كلها غير خارجة من الدين إذ قد جعلهم النبي ﷺ كلهم من أمته (معالم السنن للخطابي ۴/ ۲۹۵)۔

منہاج السنۃ النبویۃ میں ہے:

والنبي ﷺ لم يخرجهم من الإسلام بل جعلهم من أمته (منهاج السنة النبوية لابن تيميه ۵/ ۱۶۳)۔

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے ان میں سے کسی کو اسلام سے خارج نہیں کیا بلکہ سب کو اپنی امت میں شامل کیا۔

- لايكفر أحد من المذاهب الإسلامية لأن رسول الله ﷺ قال: من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا فله مالنا وعليه ما علينا (اليواقيت ۲/ ۱۲۵)۔

ترجمہ: کسی بھی اسلامی مسلک پر کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ہماری طرح نماز پڑھی، ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہوا، ہمارا ذبیحہ کھایا تو اس کے وہی حقوق ہیں جو ہمارے ہیں اور اس پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو ہم پر عائد ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ فرمان کہ ''كلها في النار إلا واحدة'' (تہتر فرقوں میں سے سوائے ایک فرقہ کے سب جہنم میں جائیں گے)، تو علماء کرام نے اس کی توجیہ کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ ایک فرقہ کو دخول اولین کی سعادت نصیب ہوگی، عموماً اسی فرقہ کو فرقہ ناجی کہا جاتا ہے اور باقی فرقے اپنے فسق و فجور کی وجہ سے اولاً دوزخ میں جائیں گے، سزا ہونے کے بعد اخیر میں وہ بھی جنت میں جائیں گے۔

ولعل وجه التوفيق أن المراد بأهل الجنة في الرواية الثانية ولو مآلا فتامل (كشف الخفاء ومزيل الالباس لاسماعيل بن محمد العجلوني ۱/ ۱۵۰)۔

ولم يقل إنهم يخلدون في النار فهذا أصل عظيم (منهاج السنة النبوية لابن تيميه ۵/ ۱۶۳)۔

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، یہ بڑی بنیادی چیز ہے۔

صحابہ کرام کے اخیر زمانہ میں ہی مختلف فرقوں کا ظہور ہوا لیکن صحابہ کرامؓ نے ان کو کافر کہنے سے گریز کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں خوارج کا ظہور ہوا، انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور ان کے ماننے والوں کو برا بھلا کہا، ان سے جنگ و جدال کو جائز سمجھا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا، جب انہوں نے حضرت علیؓ سے جنگ لڑی اور وہ ہار گئے تو آپؓ نے ان کی عورتوں کے ساتھ باندی والا معاملہ نہیں کیا۔ اس کے بعد سے آج تک جمہور فقہاء کرام کی رائے یہی ہے کہ خوارج مسلمان ہیں، وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہیں:

وحكم الخوارج عند جمهور الفقهاء والمحدثين حكم البغاة، وذهب بعض المحدثين إلى كفرهم۔ قال ابن المنذر ولا أعلم أحدا وافق أهل الحديث على تكفيرهم وهذا يقتضي نقل إجماع الفقهاء۔ مطلب في عدم تكفير الخوارج وأهل البدع وقد ذكر في المحيط أن بعض الفقهاء لا يكفر أحدا من أهل البدع وبعضهم يكفر من خالف منهم ببدعته دليلا قطعيا ونسبه إلى أكثر أهل السنة والنقل الأول أثبت نعم يقع في كلام أهل مذهب تكفير كثير لكن ليس من كلام الفقهاء الذين هم المجتهدون بل من غيرهم۔ مطلب لا عبرة بغير الفقهاء يعني المجتهدين ولاعبرة بغير الفقهاء والمنقول عن المجتهدين ما ذكرنا وابن المنذر اعرف بنقل مذاهب المجتهدين (ردالمحتار، باب البغاة ۱۶/ ۴۲۸)۔

فرقہ معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں؛ چنانچہ شرح عقائد میں ہے:

وأنكر عذاب القبر بعض المعتزلة والروافض لأن الميت جماد لا حيوة له ولا إدراك فتعذيبه محال (شرح عقائد نسفي)۔

ترجمہ: بعض معتزلہ اور روافض نے عذاب قبر کا انکار کیا کیونکہ میت جماد ہے اس میں نہ تو حیات ہے اور نہ ادراک؛ اس لئے اس کی تعذیب محال ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سے عقائد میں اہل سنت والجماعت اور معتزلہ کے درمیان اختلاف ہے لیکن جمہور اہل سنت والجماعت علماء کرام نے کبھی ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا۔ روافض وشیعہ میں سے جو لوگ تحریف قرآن پاک، افک حضرت عائشہؓ، الوہیت علیؓ کے قائل نہیں ہیں اور نہ انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صحابیت کا انکار ہے لیکن جمہور امت کے خلاف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو افضل الصحابہ اور خلیفہ اول سمجھتے ہیں اور سبّ صحابہ کرامؓ کا ارتکاب کرتے ہیں تو ایسے افکار وعقائد کی بناء پر علماء اہلسنت والجماعت نے ان کو کافر نہیں کہا بلکہ ان کو فاسق وفاجر، مبتدع اور گمراہ قرار دیا، جیسا کہ مندرجہ ذیل فقہاء کرام کی عبارتوں سے واضح ہے:

إذا كان يفضل عليا أو يسبّ الصحابة فإنه مبتدع لا كافر (رد المحتار ۹/ ۳۱۱)۔

ترجمہ: جب حضرت علیؓ کو فضیلت دے یا سبّ صحابہ کرامؓ کا ارتکاب کرے تو وہ بدعتی ہے کافر نہیں ہے۔

اتفق الأئمة على تضليل أهل البدع أجمع وتخطئتهم وسب أحد من الصحابة وبغضه لا يكون كفرا لكن يضلل (رد المحتار، مطلب توبة الياس ۱۶/ ۲۹۶)۔

لما صرح به في شرح المنية من أن سابهما أو منكر خلافتهما إذا بناه على شبهة له لا يكفر... بخلاف من ادعى أن عليا إله وأن جبريل غلط لأنه ليس عن شبهة واستفراغ و وسع في الاجتهاد بل محض هوى (رد المحتار باب الامامة ۲/ ۲۲۲)۔

ترجمہ: شرح منیہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو سب وشتم کرنے والا اور ان کی خلافت کا انکار کرنے والا چونکہ ایک شبہ کی بنیاد پر ایسا کرتا ہے اس لئے اس کو کافر نہیں کہا جائے گا لیکن جب وہ یہ دعوی کرے کہ حضرت علیؓ خدا ہیں، حضرت جبریل علیہ السلام نے غلطی کی تھی تو ایسا شخص کافر ہے؛ اس لئے کہ ایسی بات شبہ کی بنیاد پر نہیں کہی جاسکتی اور نہ ہی اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے بلکہ وہ محض خواہش نفس کی اتباع ہے۔

وفي حديث أبي برزة الأسلمي كنت يوما جالسا عند أبي بكر الصديق ... أنه سبّ أبا بكر... قال: قلت: ياخليفة رسول الله! دعني اضرب عنقه فقال: اجلس فليس ذلك لأحد إلا رسول الله ﷺ (الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ۲/ ۲۲۲)۔

ترجمہ: ابو برزہ اسلمی کی حدیث میں ہے کہ وہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے... تو ایک آدمی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سب وشتم کیا، ابو برزہ اسلمی نے ان سے کہا کہ اے خلیفہ رسولؐ! آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑادوں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ بیٹھ جا، یہ حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ جب تک کسی کے کفر کا یقین نہ ہوجائے اس کو کافر نہیں کہا جاسکتا ہے، کسی فرقہ کو کافر کہنے میں احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے، اہل سنت والجماعت، خوارج، معتزلہ، نظامیہ، کرامیہ اور مرجیہ کے درمیان اعتقادی اختلافات رہے لیکن خوارج ومعتزلہ کو صریحاً کافر نہیں کہا گیا، اسی طرح اہل سنت میں اشاعرہ، ماتریدیہ، حنابلہ کے درمیان اعتقادی اختلافات رہے لیکن ایک دوسرے پر کفر کا حکم لگانے سے ہر ایک نے احتیاط کیا، مسئلہ تکفیر میں ہمارے سلف صالحین کس قدر محتاط تھے درج ذیل عبارتوں سے واضح ہے:

امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں: اشهدوا على أنني لا أكفر أحدا من أهل القبلة بذنب لأني رأيتهم كلهم يشيرون إلى معبود واحد والإسلام يشملهم ويعمهم (اليواقيت للشعراني ۲/ ۱۲۶)۔

ترجمہ: تم سب میرے متعلق گواہ رہنا کہ میں کسی بھی اہل قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتا ہوں؛ کیونکہ میں نے ان تمام لوگوں کو ایک ہی

معبود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، یہ سب لوگ دین اسلام کے ماننے والے ہیں۔

هم من أهل الإجابة بلا شك فمن سماهم كفرة فقد ظلم وتعدى (اليواقيت ۱۲۵/۲)۔

ترجمہ: وہ تمام لوگ اہل اجابت ہیں، اگر کسی نے ان کو کافر کہا تو ظلم وزیادتی کی۔

لايفتي بكفر مسلم فى كفره اختلاف ولو رواية ضعيفة (رسم المفتي)۔

کسی ایسے مسلمان پر کافر ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا ہے جس کے کفر میں اختلاف ہو، اگر چہ اس اختلاف کا تعلق کمزور روایت سے ہی کیوں نہ ہو۔

آج کی صورت حال یہ ہے کہ سنی، شیعہ، مقلدین، غیر مقلدین، دیوبندی، بریلوی میں سے ہر ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگانے کے لئے کمر بستہ ہیں جب کہ یہ نظریہ ہمارے سلف صالحین کے دستور کے خلاف ہے: اس لئے ہر مکتب فکر کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ مخالف نقطہ نظر کے حاملین پر کفر کا حکم لگانے سے احتیاط واجتناب کریں؛ کیونکہ کفر کے حکم لگانے کا تعلق صرف زبان سے نہیں بلکہ برتاؤ سے بھی ہے جس کا ظاہر میں خاص اثر پڑتا ہے، البتہ جس شخص کے بارے میں یہ یقین وثابت ہو جائے کہ وہ قطعیات اور ضروریات دین کا انکار کرتا ہے یا موجب کفر وارتداد فکر وعقیدہ کا حامل ہے تو ایسے شخص پر کفر وارتداد کا ہی حکم لگایا جائے گا، مثلاً کوئی شخص تحریف قرآن کریم، الوہیت علیؓ، افک عائشہؓ وغیرہ جیسے عقائد وافکار کا حامل ہو تو اس پر کفر وارتداد کا ہی حکم لگے گا:

نعم لا شك فى تكفير من قذف السيدة عائشة رضى الله عنها أو أنكر صحبة الصديق أو اعتقد الألوهية فى علي أو أن جبريل غلط فى الوحي أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن (رد المحتار، مطلب توبة الياس ۲۹۸/۱۶)۔

اسی طرح اگر کوئی آدمی ممنوعات منصوصہ کو حلال سمجھے تو اس پر بھی کفر کا حکم لگایا جائے مثلاً کوئی شخص شراب، جوا، زنا، قتل کو حلال سمجھے تو وہ کافر کہلائے گا؛ کیونکہ ان کی ممانعت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

اعلم أن مذهب أهل الحق أنه لا يكفر أحد من أهل القبلة بذنب ولا يكفر أهل الأهواء والبدع وأن من جحد ما يعلم من دين الإسلام ضرورة حكم بردته وكفره إلا أن يكون قريب عهد بالإسلام أو نشأ ببادية بعيدة ونحو ممن يخفى عليه فيعرف ذلك فان استمر حكم بكفره وكذا حكم من استحل الزنى أو الخمر أو القتل أو غير ذلك من المحرمات التى يعلم تحريمها ضرورة (شرح النووى على المسلم، باب الايمان والاسلام ۱۵۰/۱)۔

گفتگو ومذاکرہ کے آداب وحدود:

یہاں بھی وہ آداب وحدود ملحوظ رکھے جائیں گے جن کا ذکر اس پہلے والے جواب میں آچکا ہے، اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے افکار و عقائد کہ جو قطعیات دین یا ضروریات دین میں سے کسی چیز کے انکار کو مستلزم ہوں تو ایسے عقائد موجب کفر ہیں اور ان کے حاملین پر کفر کا حکم لگایا جائے گا اور جو شخص اس طرح کے عقائد کا حامل نہ ہو اس کی تکفیر وتفسیق میں احتیاط برتی جائے گی، اگر کوئی شخص موجب ضلالت وگمراہ عقائد کا حامل ہے تو اس کی قباحت کو کھل کر بیان کیا جائے اور اس قبیح عقیدے سے روکنے کی کوشش بھی کی جائے جیسا کہ غیر مقلدوں کا ائمہ اربعہ پر طنز ایک فاسق اور قبیح عمل ہے، ایسی حرکت سے ان کو روکنے کی ضرورت ہے؛ کیونکہ ائمہ اربعہ پر طنز وتعریض اور سب وشتم ایک ایسی قباحت ہے جس سے لوگوں پر مضر اثر پڑتا ہے۔ مذاکرہ کا مقصد احقاق حق اور ابطال باطل ہو، دنیاوی ونفسانی اغراض نہ ہوں، فخر ومباہات کا اظہار نہ ہو، اس کے ساتھ لایعنی موضوع، تعصب، کسی کی توہین وتحقیر سے بھی پرہیز کیا جائے۔

(۴)......شیعہ میں بھی دو فرقے ہیں، جو تحریف قرآن کے قائل ہیں وہ کافر ہیں جیسا کہ پچھلے صفحات میں تفصیل سے ذکر آچکا ہے؛ لیکن شیعہ میں سے جن لوگوں کا ایسا نظریہ نہیں ہے اگر چہ وہ فاسق وگمراہ ہیں لیکن مسلمان ہیں اس کے باوجود اگر کوئی شخص تمام شیعہ کو کافر سمجھے تب بھی دین اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ عام حالات میں یوں ہی کسی انسان کا قتل کر دیا جائے چاہے وہ انسان مسلمان ہو یا کافر؛ اس لئے علماء کرام کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ اشتعال انگیز تقریروں سے پرہیز کریں، اختلافی نظریات کو درس وتدریس اور دانشوران کے حلقوں تک ہی محدود رکھیں، ان کو عوامی

جلسوں اور اشتہارات کے ذریعہ ہوا نہ دیں۔ اپنی تحریر اور تقریر کے ذریعہ اسلامی تعلیمات و پیغام کو عام کریں کہ مذہبی و مسلکی تعصب کی بنا پر بے وجہ کسی بھی انسان کے خون بہانے کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، قرآن پاک میں ہے: ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ إلا بالحق (بنی اسرائیل/ ۳۳)۔

اسلام نے ہی یہ تصور دیا کہ جس نے ظلما ایک شخص کو قتل کیا اس نے پوری انسانیت کا قتل کیا، جس نے کسی ایک انسان کی جان بچائی اس نے پوری انسانیت کی زندگی بچائی: من قتل نفسا بغیر نفس أو فساد فی الأرض فکأنما قتل الناس جمیعا ومن أحیاھا فکأنما أحیا الناس جمیعا (المائدۃ) اگر کوئی مسلمان کسی کافر کو ظلما قتل کردے تو قصاص کے طور پر اس کو بھی قتل کردیا جائے گا؛ چنانچہ قرآن مجید میں ہے: النفس بالنفس (المائدۃ)۔

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظریہ کے مطابق غیر مسلموں کی جان و مال کو مسلمانوں کے مال و جان کی طرح تحفظ حاصل ہے، دمائھم کدمائنا وأموالھم کأموالنا (نصب الرایہ ۴/ ۳۶۹)۔ کسی کا خون مباح ہونے کے لئے علماء کرام نے اپنی کتابوں میں جن شرائط کا ذکر کیا ہے ان کی رعایت ضروری ہے، محض کسی کو فاسق یا کافر سمجھنے کی وجہ سے قتل کردینا حرام ہے، اس وقت مذہبی یا مسلکی تعصب کی بناء پر جو خونریزی ہورہی ہے اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

کسی بھی مذہب یا مسلک کے لوگوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے مذہب یا مسلک کے ماننے والوں کی عبادت گاہوں کو منہدم کردیں، ارشاد باری تعالی ہے: ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا (الحج)۔ اہل نجران سے جب مسلمانوں کا معاہدہ ہوا تو اس میں اس بات کا بھی عہد لیا گیا تھا کہ ان کی عبادت گاہیں منہدم نہیں کی جائیں گی۔

لا یھدم لھم بیعۃ ولا یخرج لھم قس ولا یفتن عن دینھم (ابوداؤد)۔

کافروں سے میل جول اور تعلقات استوار رکھنے کو اسلام نے مستحسن قرار دیا ہے:

لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروھم وتقسطوا إلیھم إن اللہ یحب المقسطین (ممتحنہ:۸)

امام قرطبی نے فرمایا کہ جو لوگ مسلمانوں کے ساتھ عناد وقتال نہیں کرتے ان کے ساتھ صلہ رحمی جائز ہے۔

ھذہ الآیۃ رخصۃ من اللہ تعالیٰ فی صلۃ الذین لم یعادوا المؤمنین ولم یقاتلوھم أن یبروھم ویقسطوا إلیھم إنما یعطونھم قسطا من أموالھم علی وجہ الصلۃ (قرطبی ۱۸/ ۵۹)۔

لا ینھاکم عن الإحسان إلی الکفرۃ الذین لا یقاتلونکم فی الدین أن تحسنوا إلیھم (ابن کثیر ۴/ ۳۴۳)۔

ہجرت کے بعد جب مکہ میں قحط پڑا تو رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کے لئے روپئے بھجوائے؛ حالانکہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جانثاروں کو جو اذیت پہنچائی تھی وہ واضح ہے۔

ومع أن أھل مکۃ کانوا قد آذوا الرسول ﷺ وأخرجوہ منھا یروی الإمام محمد بن الحسن الشیبانی بسندہ أن النبی ﷺ بعث إلی أھل مکۃ حینما قحطوا مالا لیوزع علی فقرائھم (شرح السیر الکبیر ۱/ ۱۴۴)۔

عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ شرعی مسائل میں اپنے مستند علماء کی طرف رجوع کریں اور قرآن وحدیث کے مطابق عمل کریں۔ اپنی طاقت کو کسی جائز کام میں صرف کریں۔ کسی کو اختلافی مسائل ماننے کے لئے مجبور نہ کریں۔ بے لگام زندگی نہ گذار کر شریعت کے پیروکار بنیں۔

(۵)...... دونوں فرقے یعنی سنی اور شیعہ پرامن بقائے باہم کے اصولوں کی بنیاد پر ایک ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں مندرجہ ذیل اصولوں اور آداب کے ساتھ:

☆ کوئی بھی فرقہ کسی کی تحقیر وتذلیل اور تمسخر نہ کرے۔ یأیھا الذین آمنوا لا یسخر قوم من قوم عسی أن یکونوا خیرا منھم (الحجرات)۔

☆ جن معاملات میں اتحاد ہو ان کے ذریعہ آپسی تعلقات کو بحال کرنے کی کوشش کی جائے۔

☆ چونکہ دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے اس لئے دین حق کی تبلیغ کی جائے لیکن کسی کو کسی مسلک کے ماننے کے لئے مجبور نہ کیا جائے؛ بلکہ ہر ایک کو مذہبی و مسلکی آزادی دی جائے۔ لا إکراہ فی الدین (البقرۃ)۔

☆ ایک دوسرے کے امام و رہنما کی عزت کریں، الزام تراشی و اخبار بازی سے اجتناب کریں، کسی کی دل آزاری نہ کریں، جان بوجھ کر کسی کے سامنے کوئی ایسا عمل نہ کریں جو اس کے مسلک کے منافی ہو اور اس سے ولی تکلیف ہو، مثلاً شیعہ کو چاہئے کہ سنی کے سامنے اس کی دل آزاری کے لئے صحابہ کرام پر تبرا بازی نہ کریں؛ کیونکہ اس سے سنی کو کافی تکلیف ہوتی ہے۔

☆ مذہبی پیشواؤں کو چاہئے کہ وہ اپنی اپنی جماعت کو امن وسلامتی اور انسانیت کا درس دیں، اگر اس سے آپسی جنگ وجدال بند نہ ہو تو پھر لیڈران سے مل کر جنگ کو روکنے کی کوشش کریں۔

☆ ایک دوسرے کے ساتھ عدل وانصاف کریں اور اختلافات کو برداشت کرنے کا مزاج بنائیں۔

☆ اختلافی نظریات کو ترک کر کے تمام فرقے اسلام کی ترویج واشاعت میں حصہ لیں۔

خلاصہ کلام:

۱۔ فروعی ومسلکی اختلافات امت مسلمہ کے ذریعہ خیر ہیں اس لئے ان کو وجہ بغض وعناد نہ بنایا جائے۔ اپنے مسلک کو ترجیح دیتے ہوئے دوسرے کے قول کا بھی احترام کیا جائے، اشتعال انگیز اسلوب اور بے اعتدالی سے اجتناب کیا جائے۔ جو مسائل، عوام کے فہم وادراک سے باہر ہوں اور ان کی وجہ سے آپسی لڑائی کا خطرہ ہو، تو ایسے مسائل کو حلقہ درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور فتاوی تک ہی محدود رکھا جائے۔ مذہبی ومسلکی پیشواؤں کی بے احترامی سے مکمل احتیاط کیا جائے۔

۲۔ اعتقادی اختلافات کے وقت گفتگو کرتے وقت دلائل کے ساتھ اپنے مسلک کو ثابت کیا جائے، مذاکرہ کا مقصد احقاق حق وابطال باطل ہو، کسی پر الزام تراشی نہ ہو، بلا دلیل کے کسی کو فاسق یا گمراہ کہنے سے پرہیز کیا جائے، جو بات دلیل سے ثابت ہو اسے صدق دل سے تسلیم کیا جائے۔ مذاکرہ کے درمیان حکمت وموعظہ حسنہ، اور علمی بصیرت سے کام لیا جائے۔

۳۔ کوئی شخص قطعیات وضروریات دین کا منکر ہو تو اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا، اگر کوئی شخص ایسا نہ ہو تو اس کو کافر کہنے میں احتیاط برتی جائے گی، محض کسی موجب فسق وضلالت فکر یا عقیدے کی بناء پر کسی اہل قبلہ کو کافر کہنا درست نہیں ہے؛ البتہ تنقید دونوں پر صحیح ہے، موجب کفر عقیدے کے حامل پر سخت تنقید اور موجب ضلالت عقیدے کے حامل پر خفیف تنقید کی جائے گی؛ لیکن تنقید کے ساتھ طنز وتعریض اور تنقیص نہیں کی جائے گی۔

۴۔ عام حالات میں کسی بھی مذہب یا مسلک کے لوگوں کا خون بہانا حرام ہے، اگر کوئی آدمی ایسا کرتا ہے تو اس کا شمار قتل عمد میں ہوگا۔ کسی بھی مذہب ومسلک کے ماننے والوں کی عبادت گاہوں کا منہدم کرنا جائز نہیں ہے، ابھی جو شیعہ، سنی میں قتل وغارت گری ہو رہی ہے اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ متحد ہو کر اس خونریزی کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں اور حکومت سے بھی اس کی اپیل کریں۔

۵۔ دین اسلام میں کوئی جبر واکراہ نہیں ہے؛ اس لئے کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی انسان کو اپنے مذہب پر چلنے کے لئے مجبور کرے، شیعہ اور سنی میں سے ہر ایک اپنے اپنے مسلک پر عمل کرتے ہوئے پرامن بقاء باہم زندگی گزار سکتے ہیں، علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے ماننے والوں کو اختلاف وانتشار سے بچنے کی تلقین کریں، جن مسائل پر اتفاق ہو ان کے ذریعہ تعلقات بحال کرنے کی کوشش کریں۔ واللہ اعلم



اختلاف رائے اور وحدت امت

مولانا محمد مصطفی قاسمی آواپوری [1]

الجواب الأول:

فقہی مسالک کے اختلافات کا بڑا حصہ وہ ہے جن میں اختلاف کی نوعیت، افضل غیر افضل، راجح، مرجوح کی ہوتی ہے، چند ہی مسائل ایسے ہیں جن میں اختلاف کی نوعیت حلال وحرام، یا جائز وناجائز کی ہے، اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ جن مسائل میں اختلاف کی نوعیت جائز اور ناجائز یا حلال وحرام کی ہوتی ہے ان میں بھی چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہوتا ہے اور اجتہادی مسائل میں اپنی رائے اور مسلک کو ترجیح دی جاسکتی ہے، لیکن مخالف رائے کو بالکل باطل قرار دینا اور اس اختلاف کو حق اور باطل کی جنگ قرار دینا درست نہیں ہوتا ہے، مگر موجودہ دور میں یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض مصنفین، مقررین اور مدرسین اپنے مسلک کی ترجیح میں ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں جس سے دوسرے مسلک اور رائے کی تنقیص ہوتی ہے، یا اس کے خلاف طنز وتعریض ہوتی ہے، اور دوسری رائے کی بالکلیہ نفی کی جاتی ہے، ان فقہی مسالک کے ماننے والوں کو چاہئے کہ فقہی مباحث میں اپنے مسلک یا کسی قول کو ترجیح دینے کے لئے مثبت انداز اختیار کریں اور اس پر عمل کریں اور دوسرے اختلاف رائے کرنے والوں پر ایسا جارحانہ تعاقب اور وار نہ کیا جائے جس سے یہ بات مترشح ہو کہ وہ باطل پر ہے اور گناہ کا کام کر رہا ہے؟ اور اپنے ہی کو صرف اہل حق ثابت کرنے میں پوری توانائی صرف کرنے لگے، سو ایسا نہیں کرنا چاہئے (اختلاف فی المذاہب، اختلاف فی الفروع، اختلاف فی العقائد وغیرہ کی تفصیلات کی روداد و دیکھئے: نلوقی الدین/۴۰۵ تا ۴۲۸ مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خاں صاحب مفتاحی، ۱۲ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ، مکتبہ مسیح الامت دیوبند، بنگلور)۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع یوں رقمطراز کرتے ہیں:

”ائمہ مجتہدین کے مختلف اقوال میں کوئی منکر شرعی نہیں ہوتا، لیکن اس جگہ گناہ وثواب یا طاعت ومعصیت کے بجائے معروف ومنکر کا لفظ استعمال کرنے میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ وہ دقیق اور اجتہادی مسائل جن میں قرآن وسنت کے اجمال یا ابہام کی وجہ سے دورائیں ہوسکتی ہیں، اور اسی بنا پر ان میں فقہاء امت کے اقوال مختلف ہیں، وہ اس دائرہ سے خارج ہیں، ائمہ مجتہدین جن کی شان اجتہاد علماء امت میں مسلم ہے، اگر کسی مسئلہ میں ان کے دو مختلف قول ہوں تو ان میں سے کسی کو بھی منکر شرعی نہیں کہا جاسکتا ہے، بلکہ اس کی دونوں جانب معروف میں داخل ہیں، ایسے مسائل میں ایک رائے کو راجح سمجھنے والے کے لئے یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے پر ایسا انکار کرے جیسا کہ گناہ پر کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ وتابعین میں بہت سے اجتہادی اختلافات اور متضاد اقوال کے باوجود یہ کہیں منقول نہیں کہ وہ ایک دوسرے پر فاسق یا گنہگار ہونے کا فتوی لگاتے ہوں، بحث وتمحیص اور مناظرے ومکالمے سب کچھ ہوتے تھے، اور ہر ایک اپنی رائے کی ترجیح کی وجوہ بیان کرتا اور دوسرے پر اعتراض کرتا تھا، لیکن کوئی کسی کو اس اختلاف کی وجہ سے گنہگار نہ سمجھتا تھا، خلاصہ یہ ہے کہ اجتہادی اختلاف کے موقع پر ہی تو ہر ذی علم کو اختیار ہے کہ جس جانب کو راجح سمجھے اسے اختیار کرے، لیکن دوسرے کے فعل کو منکر سمجھ کر اس پر انکار کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، اس سے واضح ہوا کہ اجتہادی مسائل میں جنگ وجدال یا منافرت پھیلانے والے مقالات ومضامین امر بالمعروف یا نہی عن المنکر میں داخل نہیں، ان مسائل کو محاذ جنگ بنانا صرف ناواقفیت یا جہالت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے“ (معارف القرآن ۳/ ۲۵۲ تا ۲۵۳، مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ۲/ ۱۴۳ تا ۱۴۵)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خاں صاحب مفتاحی رقمطراز ہیں:

رہا فروعی مسائل میں آراء کا اختلاف، جو قرآن وحدیث کے فہم اور ان کی تعبیر وتشریح میں تفاوت کی بنا پر واقع ہوا، وہ نہ قرآن وحدیث میں مذموم ٹھہرایا گیا، نہ ممنوع قرار دیا گیا۔

---

[1] خادم مدرسہ اسلامیہ شکر پور، بھرواڑہ، دربھنگہ، بہار۔

فروعی اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ سلوک:

اور اسی لئے فروعی اختلاف کے باوجود ایک دوسرے سے عداوت ودشمنی یا ایک دوسرے پر ملامت ومذمت یا طعن وتشنیع کا رویہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے، بلکہ تمام ائمہ وعلماء کا احترام اور عظمت کرنا چاہئے، اور ان سے محبت والفت کا طریق اپنانا چاہئے۔

چنانچہ سلف صالحین کے یہاں یہی نقشہ نظر آتا ہے، امام یحییٰ بن سعید تابعیؒ نے بڑی حقیقت افروز بات بیان فرمائی:

''أهل العلم أهل توسعة، وما برح المفتون يختلفون، فيحلل هذا، ويحرم هذا، فلا يعيب هذا على هذا، ولا هذا على هذا'' (تذكرة الحفاظ ۱/ ۱۳۴ بہ حوالہ غلو في الدين، ص/ ۲۱۰تا۲۱۱)۔

(اہل علم توسع رکھنے والے ہیں، حضرات مفتیان کے مابین مسائل میں ہمیشہ سے اختلاف رہا ہے کہ ایک مفتی کسی چیز کو حلال کہتے ہیں تو دوسرے مفتی اس کو حرام قرار دیتے ہیں، لیکن نہ یہ ان پر کوئی عیب لگاتے، نہ وہ ان پر کوئی نکتہ چینی کرتے ہیں)۔

لہذا ائمہ کے درمیان ہونے والے اختلاف کو اسی حد میں رکھنے کی کوشش ہونی چاہئے، لیکن اب بعض لوگوں نے اسی کو حق وباطل کا معیار قرار دے کر امت کے شیرازے کو منتشر کرنا شروع کر دیا ہے اور خود کے اختیار کردہ مسئلے ومسلک کو صحیح ودرست اور دوسرے کے مسلک کو باطل قرار دینے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے، یہاں تک کہ ائمہ وفقہاء کی توہین وتذلیل کو دین سمجھنے وسمجھانے کی فکر کی جاتی ہے، یہ غلو کی وہ صورت ہے جس سے امت میں انتشار کا رونما ہونا یقینی بات ہے، اس سے عصر حاضر میں احتراز کرنا واجب ہے، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ أتم واحکم۔

الجواب الثانی:...... جن اختلافات کا تعلق کسی نہ کسی درجہ میں عقیدے سے ہے مثلاً شیعہ سنی اختلافات یا بعض مسائل میں دیوبندی اور بریلوی اختلافات، سلفی اور غیر سلفی اختلافات، اختلافی موضوعات پر گفتگو، مذاکرہ، اور تبادلہ خیال کا طریقہ قرآن وحدیث کی روشنی میں کرنے کی ضرورت ہے، اختلافات کی صورت میں حدود سے تجاوز کرنے سے عصر حاضر میں احتراز واجتناب واجب ہے، غلو کی ایک صورت عموماً یہ بھی پیش آتی ہے کہ اختلافات کی صورت میں حدود کی رعایت نہیں کی جاتی ہے، کبھی افراط سے کام لیا جاتا ہے تو کبھی تفریط کی جاتی ہے۔

اختلاف کی دو قسمیں ہیں:

سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اختلاف دو قسم کا ہوتا ہے، ایک اصول میں اختلاف، دوسرے فروع میں اختلاف۔ پھر اصول میں اختلاف بھی دو قسم پر ہے، ایک وہ جس سے اسلام وکفر کا اختلاف پیدا ہوتا ہے اور ایک جانب والا مسلمان تو دوسری جانب والا کافر ٹھہرتا ہے، جیسے قادیانی فرقے کا اختلاف۔ ظاہر ہے کہ اس فرقے کا اختلاف معمولی اور جزوی وفروعی اختلاف نہیں ہے، بلکہ اتنا سخت اختلاف ہے کہ اس اختلاف کی بنا پر اس کا رشتہ اسلام سے ٹوٹ جاتا اور ختم ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ اسلام کی تعلیم کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین وآخر النبیین ہیں اور آپ کے بعد نبوت کا باب کلیۃً مسدود کر دیا گیا، لیکن قادیانی فرقہ اس مسئلے اور بنیادی عقیدے کے خلاف ایک جھوٹے دعوے دار نبوت کو نبی مانتا ہے، لہذا یہ اختلاف معمولی اختلاف نہیں (الموسوعۃ الفقہیہ ۲/ ۲۹۳، النوع الاول)۔

اسی طرح شیعہ میں سے اس فرقے کا اختلاف جو موجودہ قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں مانتا اور اللہ کے بارے میں ''بدا'' (یعنی اللہ سے دھوکہ کھانے اور اللہ کو غلطی لگنے) کا عقیدہ رکھتا ہے، یہ بھی بنیادی عقائد اور مسلمہ مسائل میں اختلاف ہے، جس سے اسلام وکفر کا اختلاف پیدا ہوتا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۲/ ۲۹۳، النوع الاول)۔

اور دوسرا اصولی اختلاف وہ ہے جس سے سنت وبدعت کا اختلاف پیدا ہوتا ہے اور ایک طرف کا حامل اہل سنت میں سے ہوتا ہے تو دوسرا بدعتی کہلاتا ہے، جیسے بہت سے اسلامی فرقوں، قدریہ، جبریہ، معتزلہ وغیرہ کا حال ہے کہ یہ فرقے اہل سنت سے ہٹ گئے اور ان کے اختلاف سے شاہراہ سنت سے الگ ہو گئے (الموسوعۃ الفقہیہ ۲/ ۲۹۴، الاختلاف فیما لا فائدہ فیہ)۔

اسی طرح بعض لوگوں کا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء اور اولیاء کرام کو عالم الغیب وحاضر وناظر اور مشکل کشا وغیرہ ماننا، اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف ہے، اسی طرح اسلام میں نئی نئی باتوں کو پیدا کرنا اور دین کے نام پر رواج دینا، اور ان بدعات وخرافات کے لئے آیات واحادیث میں بے جا تاویل، بلکہ

تحریف سے کام لینا بھی اختلاف کی اسی قسم میں سے ہے، جو انسان کو سنت وشریعت کی شاہراہ سے ہٹا دیتا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۲/ ۲۹۴، الاختلاف فیما لا فائدۃ فیہ ۱۳)

اور دوسرا اختلاف وہ ہے جو اجتہادی مسائل میں دلائل شرعیہ کی روشنی میں ہوتا ہے، اور ایسا اختلاف صدر اول صحابہؓ کے زمانے سے برابر چلا آرہا ہے، بلکہ اس قسم کا اختلاف خود دور رسالت میں بھی حضرات صحابہؓ کے درمیان ہوا ہے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف کی دونوں جہتوں کی تصویب فرمائی ہے؛ کیونکہ خود دلائل میں دونوں جہتوں اور شقوں کی گنجائش ہوتی ہے، ایک بات منصوص اور فیصل نہیں ہوتی، ایسے اختلاف کو اجتہادی وفروعی اختلاف کہا جاتا ہے، یہ اختلاف نہ مذموم ہے نہ ممنوع ہے، بلکہ یہ فطری وطبعی ہونے کے ساتھ باعث رحمت بھی ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۲/ ۲۹۴، ادلۃ جواز الاختلاف فی المسائل الفرعیہ، اختلاف کی مالہ وماعلیہ کی تفصیلات دیکھئے اور پڑھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۲/ ۲۹۱ تا ۳۱۳، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ الکویت، طبع اول ۲۰۱۲ء/ ۱۴۳۳ھ، اردو زبان میں دیکھئے اور پڑھئے: غلو فی الدین، ص/ ۴۰۵ تا ۴۰۶)۔

نہ ہر اتفاق محمود ہے، نہ ہر اختلاف مذموم ہے:

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہر اختلاف مذموم اور برا نہیں ہوا کرتا اور نہ ہر اتفاق محمود قابل تعریف ہوتا ہے، بلکہ ان میں الگ الگ درجات ہیں، مگر بعض لوگ شدید سے شدید اختلاف واصولی اختلاف کو بھی یہ کہہ کر ہلکا و معمولی قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس میں دو رائیں ونظریے ہیں، لہذا کوئی بڑی بات نہیں، حتی کہ ان اصولی وشدید اختلاف کو حضرات صحابہ وائمہ کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات سے تشبیہ دیتے ہیں، حالانکہ صحابہ وائمہ میں جو اختلاف تھا وہ فروعی مسائل میں تھا، اصولی مسائل میں نہیں تھا۔ دوسری جانب کچھ حضرات وہ ہیں جو ہر اختلاف کو اصولی اختلاف اور ایمان وکفر کے اختلاف کا ہم پلہ سمجھتے ہیں، اور اس سے وہی معاملہ کرتے ہیں، جیسے اصولی اختلاف سے ہونا چاہئے حالانکہ یہ اختلاف نہ کوئی مذموم ہے نہ ممنوع (اس کی تفصیلات کے لئے دیکھئے: غلو فی الدین، ص/ ۴۰۶ تا ۴۱۰)۔

امت مسلمہ کے اندر اختلافات فرعیہ کی بنیاد پر فرقہ بندیاں کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے، اگر کوئی بد اطوار، بد اخلاق ایسی شنیع حرکت کرے گا تو دنیا میں بھی اس کو اس کا پھل ملے گا اور آخرت میں دربار الٰہی میں ایک بہت بڑے مجرم کی حیثیت سے پیش ہوگا اور شدید ترین عذاب الیم کا مستحق ہوگا، اللہ تعالی ہم لوگوں کو امت مسلمہ کے اندر اتحاد واتفاق پیدا کرنے کی ہمت وقوت عطا فرمائے، افتراق وانتشار سے اجتناب کی توفیق ارزانی نصیب فرمائے، آمین۔

قرآن وحدیث میں جس اختلاف وافتراق سے منع کیا گیا ہے، اس سے مراد اختلاف فی الاصول ہے (سورہ آل عمران: ۱۰۳، ۱۰۵، سورہ بقرہ: ۱۷۶۔ ۲۵۳۔ ۲۱۳، ترمذی ۲/ ۹۳، ابوداؤد ۲/ ۶۳۱، بیہقی ۱۰/ ۲۰۸، مستدرک حاکم ۱/ ۲۱۷ تا ۲۱۸، المعجم الکبیر للطبرانی ۵/ ۷/ ۱۳، المعجم الاوسط للطبرانی ۵/ ۷/ ۱۳، المعجم الصغیر للطبرانی ۲/ ۳۰)۔

عصر حاضر میں اپنے مسلک ومکتبہ فکر پر قائم رہتے ہوئے کلمہ توحید واسلام کی بنیاد پر تبادلہ خیال کرنا چاہئے تاکہ شیعہ سنی اختلافات، دیوبندی اور بریلوی اختلاف اور سلفی غیر سلفی اختلاف کم سے کم ہو سکے؛ حالانکہ ہمارے خلاف ایک جانب عیسائی مشنریاں سرگرم عمل ہیں اور مسلمان کو دین وایمان سے محروم کرنے اور عیسائی بنانے کی زبردست پیمانے پر کوششیں کر رہی ہیں، دوسری جانب قرآن وسنت اور اسکے علوم کو مٹانے کی سازشیں بھی مال ودولت کا ایک بڑا حصہ لگا کر کی جارہی ہیں، پھر ایک طرف دیکھو تو مختلف باطل عقائد ونظریات کے حامل مذاہب اپنے اپنے نظریات وعقائد کو پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں، جس سے مسلمانوں کے عقائد برباد ہوتے جارہے ہیں، تو دوسری طرف تجدد پسندی وموڈرنزم نے مسلمانوں میں کھلے عام اباحیت پسندی وآزادی فکر کے جراثیم پیدا کر دیے ہیں، ان سب حالات کے تناظر میں اگر ہم اپنا جائزہ لیں، تو کیا ہمارے لئے کوئی گنجائش اس کی ہو سکتی ہے کہ ہم ایسے فروعی واجتہادی مسائل میں جن میں خود صحابہؓ کے دور سے اختلاف چلا آرہا ہے، بحث ومباحثے کا دروازہ کھولیں؟ اور ان اختلافات کو اس حد تک پہنچا دیں جیسے کوئی کفر وایمان کا اختلاف ہو (غلو فی الدین/ ۴۱۲، تفصیل دیکھئے: غلو فی الدین ص/ ۴۱۱ تا ۴۱۴)۔

گفتگو ومذاکرہ کے آداب:

(۱) مذاکرہ وتبادلہ خیال کے دوران کسی بھی مسلک کے علماء مقتدا حضرات کی توہین وتذلیل اور ان پر طنز وتعریض کا اظہار نہ ہو۔

(۲) اختلاف اور بحث ومناظرہ کے وقت خالص علمی انداز اختیار کیا جائے، اور پورے خلوص ومحبت کے ساتھ قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس کی روشنی میں بحث کی جائے۔

(۳) بحث ومناظرہ کے وقت شخصی حملے، شخصی مخاصمت، کردارکشی اور الزام واتہام تراشی سے بالکلیہ احترام واجتناب کیا جائے۔

(۴) اپنے عقائد ونظریات کی تائید وتوثیق اور تصدیق میں دلائل پیش کرتے وقت نرم رویے سے کام لیا جائے اور مثبت انداز اختیار کیا جائے۔

(۵) مذاکرہ ومناظرہ کا مقصد صرف احقاق حق اور ابطال باطل ہونا چاہئے، دنیاوی اغراض اور نفسیاتی جذبات سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

(۶) مخالف کی نازیبا باتوں پر صبر وتحمل سے کام لیا جائے، اور اگر نازیبا کلمات کا جواب دینا ہو تو خوش اسلوبی اور جواں مردی کا رول ادا کیا جائے۔

(۷) باہمی مذاکرہ ومباحثہ اختلافی موضوعات سے نہ کیا جائے، بلکہ سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ دونوں فریق کے درمیان جو متفق علیہ امور ہیں ان ہی سے مذاکرات کی ابتداء کی جائے۔

(۸) اسلامی اخوت کو باقی رکھتے ہوئے گفتگو کی جائے، اخوت ایمانی کی پاسداری کو اختلاف وافتراق پر ترجیح دی جائے اور ایسا طرز عمل اپنایا جائے جس سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو، اور نہ خود کسی سے متعلق بدگمانی کو جگہ دیں، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اُتم واَحکم۔

الجواب الثالث: موجب کفر عقائد وفکر کا حامل ہو یا موجب ضلالت وسرکشی عقائد وفکر کا حامل ہو، دونوں پر قرآن وحدیث اور اجماع وقیاس کی روشنی میں تنقید وتبصرہ کرنا واجب ولازم ہے تا کہ لوگوں پر حق روز روشن کی طرح الم نشرح ہو جائے اور باطل سرنگوں ہو جائے، قرآن وحدیث میں ان دونوں چیزوں سے منع کیا گیا ہے اور اس پر وعید سنائی گئی ہے اور اس کا رد کیا گیا ہے (سورہ آل عمران: ۱۰۳۔۱۰۵، سورہ بقرہ: ۱۷۶۔۲۱۳۔۲۵۳)۔ اور اس اختلاف سے مراد اول قسم کا اصولی اختلاف ہے، جس سے اسلام اور کفر کا اختلاف ہوتا ہے، اور دوسری قسم کا اصولی اختلاف ہے، جس سے سنت وبدعت کا اختلاف پیدا ہوتا ہے یہ بھی شرعی نقطہ نظر سے مذموم ہے، اس سلسلہ میں احادیث وارد ہیں اور وہ مشہور حدیث جو افتراق امت کے بارے میں ترمذی (۲/ ۹۳، ابواب الایمان، باب افتراق ہٰذہ الأمہ) میں موجود ہے وہ سب کے سامنے ہے، راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ہیں۔

اور مزید فیہ مذہب اسلام کے اندر خیر خواہی مطلوب ہے اس لئے شریعت مطہرہ کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں فریق کو خیر خواہی کی بنا پر سمجھایا جائے تا کہ حق کا بول بالا ہو جائے اور اس کو سکون واطمینان بھی حاصل ہو جائے، اس سلسلہ میں ارشاد نبوی ﷺ قابل عمل ہے۔

''عن تميم الداري أن النبي ﷺ قال: الدين النصيحة قلنا: بمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم'' (مسلم ۱/ ۵۴، كتاب الايمان، باب بيان ان الدين النصيحة، مكتبه الاتحاد، ديوبند، سن طباعت نه دارد)۔

(حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دین خیر خواہی کا نام ہے، ہم لوگوں نے عرض کیا: کس کے لئے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کی کتاب کے لئے اور اس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے حکمرانوں کے لئے اور ان کی تمام رعایا کے لئے)۔

''عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ: ليأتين على أمتي ما أتى على بني إسرائيل حذو النعل بالنعل حتى إن كان منهم من أتى أمه علانية لكان في أمتي من يصنع ذلك وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة وتفترق أمتي على ثلث وسبعين ملة كلهم في النار إلا ملة واحدة قالوا: من هي يا رسول الله، قال: ما أنا عليه وأصحابي'' (ترمذی ۲/ ۹۳، ابواب الايمان، باب افتراق هذه الأمه، مكتبه الاتحاد، ديوبند، سن طباعت نه دارد، مستدرك حاكم ۱/ ۲۱۹، المعجم الاوسط للطبرانی ۵/ ۱۳۷، المعجم الصغير للطبرانی ۲/ ۳۰، المعجم الكبير للطبرانی ۱۴/ ۲۰۱)۔

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ضرور بالضرور میری امت پر وہ زمانہ آئے گا، جو بنی اسرائیل پر آیا تھا، جس طرح جوتے جوتے کے برابر ہوتا ہے، یہاں تک کہ ان لوگوں میں سے کوئی ایسا منحوس تھا، جس نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا تو میری امت میں بھی ایسا کرنے والا رہے گا اور بلاشبہ بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی، جن میں سے ایک کے سوا سب کے سب جہنم میں جائیں گے۔ تو صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وہ کونسا فرقہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ فرقہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کرام کے طریقہ پر ہے)۔

''عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: افترقت اليهود على إحدى أو ثنتين وسبعين فرقة وتفرقت النصارى على إحدى أو ثنتين وسبعين فرقة وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين فرقة'' (ترمذی ۲/ ۹۲، ابواب الايمان، باب افتراق هذه

الأمه. ابوداؤد ۲/ ۶۳۱، کتاب السنه، باب شرح السنه، واللفظ لابی داؤد، مکتبۃ الاتحاد، دیوبند)۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہود اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور نصاری بھی اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی)۔

تشریح: اس حدیث میں جوامت کے اختلاف وافتراق کا ذکر کر کے سارے فرقوں کو جہنمی اور صرف ایک فرقے کو جنتی قرار دیا گیا ہے، اس سے بھی یہ مسائل کا اختلاف مراد نہیں ہے، بلکہ عقائد واصول میں اختلاف مراد ہے، بعض لوگ اس حدیث کو پیش کر کے ان فرقوں سے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی مکاتب فکر مراد لیتے ہیں اور ان مکاتب فکر کے لوگوں کو "نعوذ باللہ" جہنمی قرار دیتے ہیں، لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، کہ اس حدیث سے یہ فروعی اختلاف ہرگز مراد نہیں، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو عقل سلیم عطا فرمائے، آمین۔

اصول میں اختلاف کرنے والوں کے ساتھ علانیہ طور پر مذاکرہ ومباحثہ کرنے کی اشد ضرورت ہے:

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خاں صاحب مفتاحی دامت برکاتہم یوں رقمطراز کرتے ہیں:

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اصولی اختلاف مذموم ہے، تو سوال یہ ہے کہ اصولی اختلاف کرنے والوں کے ساتھ ہمارا کیا سلوک ہونا چاہئے؟ کیا ان سے ہم نوائی کرتے ہوئے ان کے اختلاف کو معمولی قرار دینا چاہئے یا یہ کہ اس اختلاف کا نوٹس لینا چاہئے، اور یہ کہ رواداری کے حدود کیا ہیں؟

خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک عقیدے ومسلک اہل سنت کا تعلق ہے، اس میں ہمارے اکابر وسلف نے کوئی تساہل وتغافل یا مداہنت کو روا نہیں رکھا، البتہ آپسی معاملات ومعاشرت کی حد تک رواداری کو اس شرط کے ساتھ روا رکھا کہ اس سے کوئی دینی نقصان نہ ہو، یہاں اجمالاً چند دلائل کی جانب اشارہ کر دینا کافی ہوگا۔

اس سلسلہ میں قرآن کریم نے ایک جگہ ارشاد فرمایا:

"لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادّون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم أو أبناءھم أو إخوانھم أو عشیرتھم" (المجادلہ:۲۲)

(جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، آپ ان کو نہیں پائیں گے کہ وہ ایسوں سے دوستی رکھیں، جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں، اگرچہ کہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں)۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا ہے:

"ولا ترکنوا إلی الذین ظلموا فتمسکم النار وما لکم من دون اللہ من أولیاء ثم لا تنصرون" (سورہ ہود: ۱۱۳) (اور مت جھکو ان لوگوں کی جانب جو ظالم ہیں، کہیں تم کو بھی دوزخ کی آگ نہ چھولے، اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں ملے گا، پھر مدد تو تمہاری ذرا بھی نہ کی جائے گی)۔

امام قرطبیؒ اس کے تحت لکھتے ہیں:

"والصحیح فی معنی الآیة أنها دالة علی هجران أهل الکفر والمعاصی من أهل البدع وغیرهم فإن صحبتهم کفر أو معصیة إذا الصحبة لا تکون إلا عن مودة" (تفسیر القرطبی ۹/ ۱۰۸، بحوالہ غلو فی الدین، ص/ ۲۲۴، الجامع لاحکام القرآن ۹/ ۷۲، لابی عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، طبع اول ۱۹۸۸ء/ ۱۴۰۸ھ، التفسیر الکبیر ۸/ ۶۲۸ تا ۶۳۰، امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی (۵۴۴-۶۰۶ھ)، مکتبۃ الایمان، قاہرہ مصر، طبع اول ۱۹۹۲ء-۱۴۱۲ھ، واللفظ للقرطبی)۔

(اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت اہل کفر واہل معصیت، بدعتی وغیرہ لوگوں سے الگ رہنے پر دلالت کرتی ہے؛ کیوں کہ ان لوگوں کی صحبت یا تو کفر ہے یا معصیت، کیوں کہ کسی کی صحبت اس کی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے)۔

نیز احادیث میں اس کو ایمان کا کمال قرار دیا گیا ہے کہ محبت وبغض اللہ کے لئے رکھا جائے۔

"عن أبی أمامة عن رسول اللہ ﷺ أنه قال من أحب للہ وأبغض للہ وأعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الإیمان"

(ابوداؤد ۲/ ۶۳۳ کتاب السنہ، باب فی رد الارجاء، مکتبہ الاتحاد، دیوبند، المعجم الکبیر للطبرانی ۲۰/ ۱۸۸، واللفظ لأبي داؤد)۔

(حضرت ابوامامہ باہلیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کے لئے کسی سے محبت رکھے اور اللہ ہی کے لئے کسی سے بغض رکھے، اور اللہ ہی کے لئے دے اور اللہ ہی کے لئے منع کرے، پھر تو یقینا اب اس شخص کا ایمان کامل ومکمل ہوگیا)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کفر وشقاق سے محبت نہیں رکھی جاسکتی، بلکہ ان سے بغض رکھنا لازمی ہے، زیادہ سے زیادہ ان کے ساتھ معاملات ومعاشرت میں رواداری واخلاق کا برتاؤ رکھا جائے گا۔

اسی لئے علماء اہل سنت نے تصریح کی ہے کہ اہل بدعت وگمراہ لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی گنجائش نہیں، امام محی السنہ بغویؒ کہتے ہیں:

''وقد مضت الصحابة والتابعون وأتباعهم وعلماء السنن على هذا مجمعين متصفين على معاداة أهل البدع ومهاجرتهم'' (شرح السنہ ۱/ ۲۲۷، غلو فی الدین، ص/ ۳۲۳تا۳۲۶)۔

(حضرات صحابہ وتابعین وتبع تابعین اور علماء اہل سنت سب کے سب اہل بدعت سے عداوت ودوری رکھنے پر متفق ومتحد ہیں)۔

امام شاطبیؒ کہتے ہیں:

''إن فرقة النجاة وهم أهل السنة مأمورون بعداوة أهل البدع، والتشريد بهم، والتشكيل بمن إنحاش إلى جهتهم، ونحن مأمورون بعداوتهم، وهم مأمورون بموالاتنا، والرجوع إلى الجماعة'' (الاعتصام ۱/ ۱۲۰ بحوالہ غلو فی الدین، ص/ ۳۲۵تا۳۲۶)۔

(نجات پانے والا فرقہ، وہ اہل سنت ہیں، اہل بدعت سے عداوت رکھنے، ان سے علاحدگی اختیار کرنے اور جو لوگ ان کی جانب مائل ہیں، ان کو سزا دینے کے لئے مامور ہیں اور ہمیں ان سے عداوت رکھنے اور ان کو ہم سے دوستی رکھنے اور اہل سنت والجماعت کی جانب رجوع کرنے کا حکم ہے)۔

امام ابوعثمان اسماعیل الصابونی ''عقیدۃ السلف'' میں لکھتے ہیں:

''واتفقوا مع ذلك على القول بقهر أهل البدع، وإذلالهم، وإخزائهم، وإبعادهم، وإقصائهم، والتباعد منهم، ومن مصاحبتهم، ومعاشرتهم، والتقرب إلى الله تعالى بمجانبتهم ومهاجرتهم'' (عقيدة السلف، ص/ ۳۹ بحوالہ غلو فی الدین، ص/ ۳۲۶)۔

(اسی کے ساتھ اہل سنت نے اہل بدعت کو مقہور وذلیل ورسوا کرنے اور اپنے سے دور کرنے اور ان کو دور رکھنے، ان کے ساتھ مصاحبت ومعاشرت اختیار نہ کرنے اور ان سے علاحدگی کے ذریعہ اللہ کا قرب پانے پر اتفاق کیا ہے)۔

ان تمام حوالجات سے مسلک اہل سنت کی یہ وضاحت سامنے آگئی کہ اصولی اختلاف رکھنے والوں سے اختلاف کیا جائے گا، اور ان سے اتفاق کرنا جائز نہیں، بلکہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔

دونوں فرقوں سے گفتگو و مذاکرہ کے آداب:

البتہ یہاں ایک اور بات پر توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ مختلف فرقوں اور ان کے باطل وغلط نظریات سے اختلاف کرنا اور ان سے اتفاق نہ کرنا تو لازم ہے، لیکن اس تردید واختلاف میں وہ صورت اختیار کرنا چاہئے جو قرآن وسنت نے ہمیں تعلیم دی ہے اور اسوہ نبوی نے فراہم کیا ہے؛ کیونکہ قرآن کریم نے ہمیں ایسے وقت کے لئے "وجادلهم بالتي هي أحسن" کی تعلیم دی ہے، کہ اگر بحث ومباحثہ ومناظرے کی نوبت آجائے تو اچھے انداز سے مناظرہ ومباحثہ کرو۔

(۱) مباحثہ وگفتگو نرمی وخیر خواہی اور عمدہ خطاب سے کرنا چاہئے۔

(۲) آسان صورت اور جس طریقہ سے زیادہ سے زیادہ سمجھنے کا موقع ملے تو اس کو اختیار کیا جائے۔

(۳) مقصد صرف احقاق حق اور ابطال باطل ہو، نفسانی اغراض اس میں بالکلیہ شامل نہ ہوں۔

(۴) کسی کی تکفیر کرنے میں مکمل احتیاط سے کام لیا جائے۔

(۵) واقعی جو شرعی نقطہ نظر سے کفر کا مرتکب ہے تو اس کی تکفیر میں کوئی چشم پوشی ہرگز نہیں کی جائے گی۔

(۶) تنقید و تبصرہ کرتے وقت مقابل کی اصلاح وفلاح مقصود ہو، اس کی توہین وتذلیل کرنا ہرگز مقصود نہ ہو۔

(۷) فریق مخالف کی حمیت وتعصب کو بھڑکانے کے لئے کوئی سنگین حملہ نہ کیا جائے۔

(۸) فروعی اختلاف کی وجہ سے امت مسلمہ کو اختلاف وافتراق کی دلدل میں نہ پھنسایا جائے، بلکہ وحدت واخوت کا سبق دیا جائے، عصر حاضر میں یہی طریقہ محمود ومحبوب ہے، اور باہم شیر وشکر بن کر رہنا چاہئے۔

(۹) سب وشتم اور طعن وتشنیع سے بالکلیہ اجتناب کیا جائے، بلکہ زبان گوہر بار کا استعمال کیا جائے گا جس سے باہم محبت پیدا ہو۔

(۱۰) تلخ بات، تلخ جواب، تلخ زبان کا استعمال ہرگز نہ کیا جائے، اصلاح کی بجائے فساد رونما ہوگا (غلوفی الدین، ص/ ۴۲۶ تا ۴۲۸)۔

کہاوت ومثل ہے: ''زبان شیریں ملک گیری، زبان ٹیڑھی ملک بانکا'' نرم زبانی سے بہت کام نکل جاتے ہیں، سخت کلامی سب کو دشمن بنا دیتی ہے (فیروز اللغات، ص/ ۷۵۶، کالم نمبر ۲، الحاج مولوی فیروز الدین صاحب مکتبہ صوت القرآن دیوبند، سن طبع فروری ۲۰۱۳ء)۔

الغرض! اصولی اختلاف کرنے والوں سے اختلاف تو کیا جانا چاہئے، مگر ایسا نہیں کہ ان کو گالی دی جائے یا طعن وتشنیع سے کام لیا جائے، یا گری ہوئی زبان استعمال کی جائے، بلکہ قرآن اور انبیاء کی تعلیم کے مطابق نرمی وسنجیدگی، علمی دلائل ومحکم براہین سے کام لیا جائے، ورنہ یہ بھی ایک قسم کا غلوفی الدین ہوگا (غلوفی الدین، ص/ ۴۲۸، حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خاں صاحب مفتاحی، مکتبہ مسیح الامت دیوبند وبنگلور، تاریخ طباعت ۱۲/ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ)۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

الجواب الرابع: ......اس وقت شیعہ سنی کے اختلافات اور تنازعات بھیانک شکل اختیار کر چکے ہیں اور ان کی بنیاد پر امت مسلمہ بدترین جنگ وخون ریزی میں مبتلا ہے، اور دشمنان اسلام نے منصوبہ بندی کر کے ہمارے ان اختلافات کو بھڑکا کر عالم اسلام میں تباہی مچا رکھی ہے، ایک فرقہ کے لوگ بے تحاشہ دوسرے فرقہ کے لوگوں کو قتل کر رہے ہیں اور اس کو کار ثواب سمجھنے لگے ہیں، مذہب اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ ہم ان لوگوں کو جنہیں ان کے بعض عقائد کی بنا پر گمراہ یا خارج از اسلام سمجھتے ہیں بے دریغ قتل کریں، ایک دوسرے کی زیر انتظام مساجد اور اداروں پر حملہ کریں، ایک دوسرے کی اہم مذہبی شخصیات کو قتل کریں، اس وقت عالم اسلام کے مختلف ملکوں ''شام، عراق، یمن، پاکستان'' میں شیعہ سنی آویزش کی جو شکل اختیار کر چکی ہے، یہ حرکت شنیعہ بہت ہی قابل افسوس ہے، قابل مذمت ونفرت ہے، یہ جہاد نہیں ہے بلکہ شرانگیزی ہے۔ شریعت اسلامی کسی کی گمراہی اور کفر کی بنیاد پر اس کو بلاقصور واریوں ہی قتل کر دینے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں دیتی ہے اور نہ شرعاً، عقلاً، دیانۃ، قضاءً، سیاسۃً اس کی کوئی گنجائش ہے (جہاد کی ال وماعلیہ کی تفصیلات دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیہ ۱۶/ ۱۲۴ تا ۱۶۳، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ الکویت، طبع ۲۰۱۲ء/ ۱۴۳۳ھ)۔

شیعہ سنی آویزش بین الاقوامی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ادلہ اربعہ کی روشنی میں صحیح ودرست نہیں ہے۔ جو شرپسند عناصر عراق، شام، یمن، سعودی عرب میں بموں سے حملے کرتے ہیں اور دوسرے فرقہ کے لوگوں کو کافر سمجھ کر قتل کر رہے ہیں اور کار ثواب سمجھتے ہیں وہ سراسر نادانی اور سرکشی میں مبتلا ہیں، وہ جہاد سمجھ رہے ہیں حالانکہ وہ جہاد کسی بھی زاویہ نگاہ سے درست نہیں ہے بلکہ وہ ایک قطعی حرام فعل کا ارتکاب کر رہے ہیں، ایسے شخص کو اللہ تعالی مفسد اور نسل کشی کا ارتکاب کا مجرم قرار دیتے ہیں، ارشاد باری ہے:

"وإذا تولى سعى في الأرض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنسل والله لا يحب الفساد" (سورہ بقرۃ: ۲۰۵) (اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے اور کاشت کاری وکھیتی اور نسل کو تلف کر دے اور اللہ تعالی فساد کو پسند نہیں فرماتے)۔

"واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا" (سورہ آل عمران: ۱۰۳)

(اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالی کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی مت کرو)۔

"ولا تكونوا كالذين تفرقوا واختلفوا من بعد ما جاء هم البينات وأولئك لهم عذاب عظيم" (سورہ آل عمران: ۱۰۵)

(اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے باہم تفریق کرلی اور باہم اختلاف کرلیا ان کے پاس احکام واضحہ پہنچنے کے بعد اور ان لوگوں کے لئے سزائے عظیم ہوگی)۔

"من أجل ذلك كتبنا على بني إسرائيل أنه من قتل نفسًا بغير نفس أو فساد في الأرض فكأنما قتل الناس جميعًا ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعًا" (سورہ مائدہ: ۳۲)۔

(اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی شخص کو بلا معاوضہ دوسرے شخص کے یا بدون کسی فساد کے جو زمین میں اس سے پھیلا ہو قتل کرڈالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کرڈالا اور جو شخص کسی شخص کو بچالے تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچالیا)۔

"عن حذيفة بن اليمان أن رسول الله ﷺ قال: والذي نفسي بيده لا تقوم الساعة حتى تقتلوا إمامكم وتجتلدوا بأسيافكم ويرث دنياكم شراركم" (ترمذی ۲/ ۴۰، ابواب الفتن، باب ما جاء فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر، مختار اینڈ کمپنی دیوبند ۱۹۸۵ء)۔

(حضرت حذیفہ بن یمانؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم اپنے امام کو نہ قتل کروگے اور باہم ایک دوسرے کو اپنی تلواروں سے نہ ماروگے، اور جب تک تمہاری دنیا کے تم میں سے بدتر لوگ وارث نہ ہوں گے یعنی حکومت اور امارت فساق وفجار کو مل جائے گی)۔

"عن حذيفة بن اليمان عن النبي ﷺ قال: والذي نفسي بيده لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر أو ليوشكن الله أن يبعث الله عليكم عذابًا منه فتدعونه فلا يستجيب لكم" (ترمذی ۲/ ۴۰، ابواب الفتن، باب ما جاء فی الأمر بالمعروف والنھی عن المنکر، مختار اینڈ کمپنی دیوبند ۱۹۸۵ء)۔

(حضرت حذیفہ بن یمانؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور بالضرور نیکی کا حکم دو اور ضرور بالضرور برائی سے روکو، ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر عذاب بھیج دیں گے پھر تم دعا کروگے تو تمہاری دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی)۔

ارشاد باری اور ارشاد نبوی ﷺ سے ان شرپسندوں کو عبرت حاصل کرنی چاہئے اور بھلے مانس کی طرح زندگی گزارنے کی مسلسل سعی بلیغ کرنی چاہئے، شرانگیزی اور غارت گری جیسے جرم سے توبہ کرکے نیکوں کی جماعت میں شامل ہو جائیں، اسی کے اندر ان لوگوں کے لئے دین ودنیا کی کامیابی وکامرانی مضمر ہے، اللہ تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق ارزانی نصیب فرمائیں اگر ان لوگوں نے قتل وغارت گری ہی کو اپنا شعار ودثار اور اوڑھنا بچھونا بنالیں تو پھر یہ لوگ دونوں جہاں میں ملعون ومردود قرار پائیں گے اور سخت ترین عذاب عظیم اور عذاب مہین کا مستحق قرار پائیں گے، ان تمام معروضات کی روشنی میں یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ عصر حاضر میں شیعہ سنی افتراق واختلاف اور قتل وغارت گری اور شرانگیزی، جہاد اور کار ثواب نہیں ہے، بلکہ یہ ایک حرام فعل کا ارتکاب ہے۔

خون ریزی کو روکنے کے لئے علماء، اصحاب فکر ودانش کی ذمہ داری:

(۱) ان کی اصل ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کو اسلامی تعلیمات واحکامات کی روشنی میں سمجھائیں اور انسانی جان ومال کی قدر ومنزلت اور ان کی حرمت وعظمت اور اس کی ہتک وپامالی کے کیا سنگین نتائج برآمد ہوں گے اس سے خبردار کیا جائے۔

(۲) اپنے گروہ کے لوگوں کو سمجھائیں کہ کسی گروہ کو کافر قرار دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ مرتد ہوگیا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بہ ظاہر اس پر کفر کا حکم عائد ہوتا ہے، لیکن بہ باطن اس پر کفر اس وقت ثابت ہوگا جبکہ وہ منافق ہو، دل سے اللہ اور رسول پر ایمان نہ رکھتا ہو۔

(۳) شیعہ سنی آویزش کو ختم کرنے اور بقائے باہم کے اصول کی روشنی میں میثاق مدینہ کو سامنے رکھ کر صلح وآشتی کا معاہدہ کرنا چاہئے۔

(۴) اصل حقائق سے خود بھی واقف ہوں اور قوم کو بھی ان سے آگاہ کریں، اور حالات کا تجزیہ قرآن وسنت کی روشنی میں کرتے ہوئے امت کے لئے لائحہ عمل تیار کیا جائے۔

(۵) کلمہ واحدہ کی بنیاد پر دونوں گروہوں کو اکٹھا کیا جائے اور اپنی توانائی کے صرف کا صحیح محل تلاش کیا جائے۔

(۶) ایسے افراد کار تیار کئے جائیں جو وحدت امت کے داعی ہوں اور پیغمبرانہ اصول دعوت واصلاح کا فرض نبھا سکیں۔

(۷) اشتعال انگیز مواد دونوں فریقوں کی کتابوں سے نکال دیا جائے، اور نظریاتی اختلاف کو صرف اپنے حلقہ درس تک محدود رکھیں، عوامی جلسوں، اخباروں، اشتہاروں اور باہمی مناظروں کے ذریعہ اس کو ہوا نہ دی جائے۔

(۸) خون ریزی روکنے کے لئے ایک دوسرے سے دوری اور علاحدگی اختیار کی جائے۔

(۹) شیعہ سنی آویزش کو فنا کرنے کے لئے دونوں فریقوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اتفاق واتحاد کا درس عوام کو دینے کے لئے آمادہ کیا جائے، کبھی پہل ایک فریق کرے پھر دوسری مرتبہ دوسرا فریق پہل کرے، انشاء اللہ اس سے عوام کو فائدہ پہنچے گا۔

(۱۰) دونوں فریقوں کو سمجھایا جائے کہ اپنی انا اور کبر کو ختم کریں اور باہم اتفاق واتحاد کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی سعی بلیغ کرتے رہیں، انشاء اللہ کامیابی ہوگی (ماخوذ از قرآن وحدیث اور کتب فقہ، اس کی تفصیلات دیکھئے: تلخیص مقالات، ص/ ۶۷ تا ۷۰، پچیسواں فقہی سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، بہ تاریخ ۲۵ تا ۲۷ / ربیع الآخر ۱۴۳۷ھ مطابق ۵ تا ۷ / فروری ۲۰۱۶ء بہ مقام جامعہ عربیہ اسلامیہ دار الحدیث، بدر پور ضلع کریم گنج، آسام، اس کی وضاحت وصراحت کی تفصیلات دیکھئے: معارف القرآن ۳/ ۱۸۴ تا ۱۸۸ از مولانا مفتی محمد شفیع، فرید بک ڈپو، اردو مارکیٹ جامع مسجد دہلی ۱۱۰۰۰۶، سن اشاعت ۲۰۱۳ء)۔

خون ریزی کو روکنے کے لئے عام مسلمانوں کی ذمہ داریاں:

(۱) ان کی سب سے اصل ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب پر برقرار رہتے ہوئے ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا ذہن بنائیں۔

(۲) باہم اختلاف وافتراق فطری بات ہے لیکن اس کے باوجود اتفاق واتحاد کو برقرار رکھا جائے، اسی میں دونوں گروہوں کی کامیابی وکامرانی مضمر ہے، اور ہر گروہ اپنی رائے ومشورہ کو جبراً وقہراً دوسرے پر نہ نافذ کرے۔

(۳) دونوں گروہوں کو اڑتی سی خبر پر کڑی نگاہ رکھنی چاہئے، تاکہ باہم اتفاق واتحاد کا محل سرنگوں نہ ہو جائے۔

(۴) دونوں گروہوں کو اعلیٰ ظرفی کا کردار ادا کرنے کی فی الفور بے انتہا ضرورت ہے۔

(۵) برابر بھائی چارہ، وحدت امت کا نمونہ بن کر اپنے آپ کو عوام کے سامنے لانے کی اشد ضرورت ہے۔

(۶) عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ بے لگام اور شتر بے مہار زندگی نہ گزاریں اور جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی نادانی کا قدم نہ اٹھائیں جس سے اتفاق واتحاد کا شیرازہ بکھر جائے، بلکہ کسی صاحب بصیرت عالم دین کا انتخاب کر کے ہر معاملہ میں اپنے آپ کو اس کا تابع بنائیں۔

(۸) کسی بھی شخص کو برے نام اور برے القاب سے نہ پکارا جائے اور نہ کسی شخصیت کی توہین وتذلیل کی جائے (حوالہ سابق)۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ أتم وأحکم۔

سنی اور شیعہ دونوں ایک ساتھ اتفاق واتحاد کے ساتھ زندگی گزار سکتے ہیں؟

الجواب الخامس: ......دنیا کے مختلف ملکوں میں سنی اور شیعہ مشترک آبادیاں ہیں، دونوں فرقے سیکڑوں سال سے ان ملکوں اور علاقوں میں آباد ہیں، تو دونوں فرقے ''خواہ ایک دوسرے کو گمراہ یا کافر قرار دیتے ہوں'' اس کے باوجود پر امن بقاء باہم کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں، اس میں شرعی نقطہ نظر سے کوئی قباحت وشناعت نہیں ہے، جس طرح بہت سے ملکوں میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ پر امن بقا باہم کے اصولوں پر زندگی گزار رہے ہیں اور شریف انسان کی طرح اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے حقوق ادا کرتے ہیں، اسی طرح دونوں سنی اور شیعہ فرقے باہم اتفاق واتحاد کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکتے ہیں، اس میں تذبذب اور تردد کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر شرعی لحاظ سے یہ دونوں فرقے ایک ملک اور ایک علاقہ میں امن وسلامتی کے ساتھ گزارہ کر سکتے ہیں تو اس کے لئے شرعی اصول وآداب بھی وہی ہوں گے جو باہم تمام مسلمان ایک جگہ رہتے ہیں، مسلم اور غیر مسلم ایک

ساتھ رہتے ہیں (اس کی پوری تفصیلات دیکھئے اور پڑھئے: اسلامی مساوات کے تحت ''اسلام مکمل دین مستقل تہذیب''، ص/ ۳۵۰ تا ۳۵۴، اسلامی آزادی کے تحت دیکھئے اور پڑھئے، ص/ ۳۵۹ تا ۳۶۳)۔

باہم ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے اصول وآداب:

شرعی لحاظ سے یہ دونوں فرقے ایک ملک اور ایک علاقہ میں امن وسلامتی کے ساتھ گزارہ کرسکتے ہیں، اس کے لئے شرعی اصول وآداب یہ ہیں:

(۱) ہر فرقہ کو آزادی رائے وفکر حاصل ہے، اس لئے کہ دین میں زور وجبر نہیں ہے۔

(۲) ہر فرقہ کی جان ومال اور عزت وآبرو دوسرے فرقے پر حرام ہے۔

(۳) ہر فرقہ کو اپنی بات رکھنے اور دوسرے کی فکر ونظر پر تنقید کرنے کا حق ہے، لیکن خوش اسلوبی کے ساتھ ہو، اس میں تذلیل وتوہین اور تحقیر وتمسخر کا پہلو نہ ہو۔

(۴) وحدت اربعہ، (۱) اللہ تعالی ایک ہے، (۲) رسول ونبی بھی ایک ہی ہے (۳) کتاب ایک ہے، (۴) کعبہ ایک ہے، یعنی توحید ورسالت اور کتاب وقبلہ پر قائم ودائم رہیں، سارے کے سارے اختلافات ہباء منثورا ہو جائیں گے۔

(۵) باہم کوئی بھی اختلاف وانتشار ہو جائے تو باہم مل جل کر فیصلہ کرلیں، کبھی بھی باہم جنگ وجدال کی نوبت آنے نہ دیں۔

(۶) ہر فرقہ اپنے اپنے عقیدے پر عمل کرنے میں دوسرے فرقہ سے مزاحم نہیں ہوگا۔

(۷) جو فرقہ کفر تک پہنچا ہوا ہو، پھر بھی عصر حاضر کے پر آشوب ماحول کے تناظر میں اس پر تنقید وتعریض سے اجتناب کیا جائے بلکہ پیار ومحبت او ربھائی چارگی سے افہام وتفہیم کی جدوجہد مسلسل کرتے رہیں۔

(۸) سارے اختلافات کو بھلا کر اللہ تعالی کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔

(۹) ایک دوسرے کے امام وپیشوا کے احترام واکرام کو ملحوظ رکھا جائے، ان کی شان میں ایسی باتوں کا اظہار کرنے سے اجتناب کریں جن سے ان کی عزت وشان میں فرق آتا ہو۔

(۱۰) باہم ایک دوسرے کا احترام کریں، کسی کا مذاق نہ اڑائیں نہ دل آزاری کا ارتکاب کریں۔

(۱۱) نیک کام میں باہمی تعاون کریں، ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشی، اخباری بیان بازی، پوسٹر بازی سے اجتناب کیا جائے۔

(۱۲) دونوں فرقوں کی اتحادی طاقت کو کوئی انسان توڑنا چاہے تو ہم سب مل کر متحدہ طاقت سے ان کی ناپاک سازشوں کو ناکام بنادیں۔

(۱۳) دونوں گروہوں کو قانونی اور سماجی ومعاشرتی تحفظ حاصل ہونا چاہئے اور دونوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے۔

(۱۴) ساری قومیں اور فرقے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اس لئے ہر ایک دوسرے فرقے کے ساتھ اخوت ومودت کا سلوک کیا جائے۔

(۱۵) اگر کوئی فرقہ مالی امداد کے مستحق ہوں تو ان کی مالی امداد کی جائے، اور انسانیت وآدمیت کی بنیاد پر ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کی سعی بلیغ کی جائے (ماخوذ از قرآن وحدیث اور کتب فقہ، اس کی تفصیلات دیکھئے: تلخیص مقالات، ص/ ۷۱ تا ۷۵، پچیسواں فقہی سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ أتم وأحکم۔

باہمی منافرت اور جنگ وجدال کو روکنے کے لئے دونوں فرقوں کے علماء ومذہبی پیشواؤں کی ذمہ داریاں:

(۱) حکام وزعماء اور بااثر حضرات سے خطوط یا ملاقات کے ذریعہ رابطہ کیا جائے، ان کے ذریعہ حکمت وموعظت کے ساتھ اچھے انداز میں پرامن زندگی گزارنے کی دعوت دی جائے۔

(۲) مکالمہ برائے پرامن بقائے باہم کی مجلس قائم کی جائے، اس کے ذریعہ دونوں فرقوں کو باہم اتفاق واتحاد کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرنے کی

تلقین کی جائے، اختلاف وانتشار سے اجتناب واحتراز کرنے کی دعوت دیتے رہیں۔

(۳) مکالمہ میں متفق علیہ امور میں باہم تعاون پر ایک دوسرے کو ترغیب دی جائے، انسانی منافع کی حصولیابی میں خوب جدو جہد اور سعی کی جائے، اور انسانیت وآدمیت کو ترقی وعروج کی راہ پر گامزن کرنے کی کوشش ہو۔

(۴) مکالمہ ورابطہ کا اولین مقصد نفرت وعداوت کے جذبات کو ختم کرنا ہے؛ تاکہ اتفاق واتحاد کا قلعہ مسمار نہ ہوجائے، اسی طرح صبر ونرمی اور مدارات ورواداری کو خوب فروغ دیا جائے، نیز ایذا رسانی پر تحمل اور برائی کا جواب اچھائی سے دینے پر آمادہ کیا جائے۔

(۵) چند اختلافی اصول وعقائد کے علاوہ باقی بے شمار معاملات میں جو اتحاد ویکجہتی ہے اس کو واسطہ بنا کر ان سے میل جول اور معاشرتی وسماجی تعلقات بحال کرنے کی انتھک کوشش کی جائے۔

(۶) سنی اور شیعہ کے مذہبی پیشواؤں کو چاہئے کہ وہ اپنی اپنی جماعت کو امن وسلامتی کا اور انسانی جان کی عظمت وحرمت کا سبق یاد دلائیں، اپنا سماجی وسیاسی اثر ورسوخ استعمال کریں، جنگ جو گروہ کے اعلی کمان لیڈروں سے صلح وامن کی دردمندانہ اپیل کریں اور ان سے براہ راست ملاقات کرکے صلح پر آمادہ کریں۔

(۷) لٹریچر وپمفلٹ اور رسائل ومجلات، تدریبی محفلیں اور کانفرنس کے ذریعہ انسانی اقدار کے فروغ پر تحریکی شکل میں کام کو آگے بڑھانے کی اشد ضرورت ہے، اور باہمی مودت ومحبت کے اصول سے لوگوں کو واقف کرانے کی سعی بلیغ کی جائے۔

(۸) سنی اور شیعہ کے علماء اپنے متبعین اور پیروکاروں پر زور دیں کہ وہ ہر حال میں عدل وانصاف کے دامن کو تھامے رہیں اور ہر ایک دوسرے فرقہ کے انسانی حقوق کا خیال رکھیں۔

(۹) اسلامی تعلیمات وتواریخ کا صحیح مطالعہ اور علم میں کامل رسوخ ودرک حاصل ہو؛ تاکہ وہ حالات کی مشکلات کا حل فرمان الٰہی اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں صحیح طور پر نکال سکیں اور عوام کو بروقت واقف وباخبر کرسکیں۔

(۱۰) عصر حاضر میں اسلام ومسلمانوں کے بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے تغیر پذیر احوال وکوائف سے خوب واقف کار ہوں، اسی طرح تغیر پذیر جدید تقاضوں، عصری ضروریات، اور ان کے سنگین نتائج واثرات پر گہرائی وگیرائی کے ساتھ گہری نگاہ ہو؛ تاکہ وہ نفع وضرر کو پرکھ سکیں اور عوام کو بروقت آگاہ کرسکیں۔

(۱۱) کثرت میں وحدت امت کی کردار سازی کی جائے یعنی ہر مذہب ومسلک اور مکاتب فکر اپنے اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے ایک بنیان مرصوص قلعہ بن کر متحد رہیں تب ہی ہم لوگ ہندوستان میں امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کرسکتے ہیں

(ماخوذ از قرآن وحدیث اور کتب فقہ، اس کی تفصیلات کے لئے دیکھئے: تلخیص مقالات، ص/ ۱۷ تا ۷۵، پچیسواں فقہی سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)۔

والله اعلم بالصواب وعلمه أتم واحكم، والله يهدى من يشاء إلى صراط مستقيم۔



اختلاف رائے اور وحدت امت

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی [1]

امت میں اختلاف کا ہونا ناگزیر ہے، ہر دور میں ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا، حقیقت میں یہ بھی اللہ کی قدرت کا مظاہرہ ہے اس کو کوئی مٹانے کے درپے ہو تو بھی مٹ نہیں سکتا، یہ الگ بات ہے کہ ہر اختلاف نہ تو مذموم ہے اور نہ ہی ہر اختلاف محمود ہو سکتا ہے، وہ اختلاف جس کا منشا وسبب قبیح ہو وہ اختلاف یقیناً مذموم ہے، اسی طرح ایسے امور کی بابت اختلاف جن میں اس کی گنجائش نہیں اس بنا پر کہ ہماری عقل کی پرواز وہاں تک نہیں یا اس کو عقل سے زیادہ وحی کے مضبوط ذریعہ سے مربوط کر کے رکھا گیا ہے، اس بابت اختصار کے ساتھ مندرجہ ذیل سطور میں کچھ معروضات پیش کی جاتی ہیں:

اختلافات کے مذموم اسباب:

قبیح اسباب کی بنا پر جو اختلافات رونما ہوتے ہیں وہ مذموم ہو جاتے ہیں، ایسے اسباب تو متعدد ہیں مگر ان کو دو میں منحصر کیا جا سکتا ہے:

(۱) وہ اختلاف جو جہل کی بنا پر ہو (۲) وہ اختلاف جو محض تعصب اور نفس پرستی کی بنا پر ہو۔

جہل کی بنا پر اختلاف:

اختلافات کے وجوہات پر غور کیا جائے تو جہالت ایک اہم سبب ہے جس کی بنا پر اختلافات رونما ہوتے ہیں، مذہبیات سے ناواقفیت، احکام کے مابین درجات اور ان کے حدود سے عدم معرفت، جس امر میں گفتگو ہو رہی ہے اس میں مہارت کا فقدان اور اس کے لوازم ومقتضیات سے جہل ایسا سنگین وخطرناک مرض ہے جس نے امت کو اختلاف وانتشار کا شکار بنا کر رکھ دیا ہے، دینی مسائل میں محض عقل سے یافت نہیں ہوتی ہے بلکہ دین کے اصول کی دریافت کے بعد صحیح راہ ملتی ہے، ہر شخص کی رائے زنی، ہر کس وناکس کی مداخلت، ہمہ وشما کی فتوی بازی نے امت کا شیرازہ پارہ پارہ کیا ہے، حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

إن الله لا يقبض العلم انتزاعًا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى إذا لم يبق عالم اتخذ الناس رؤوسا جهالًا، فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلّوا وأضلّوا (بخاری ۱/۲۰، کتاب العلم، باب كيف يقبض العلم)

(اللہ تعالی بندوں سے یک لخت علم کو سلب نہیں کرے گا، بلکہ علماء کو موت دے کر علم کو اٹھائے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ اپنا پیشوا جاہلوں کو بنالیں گے، پس ان سے سوال کیا جائے گا وہ بھی بلا علم فتوی دیں گے، نتیجۃً خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے)۔

یہ ایسا ہی ہے کہ ایک انجینئر، ڈاکٹر کے نسخہ میں دخل انداز ہو جائے تو مریض کو اپنی خیر منانی چاہئے، ہونا تو یہ چاہئے کہ اگر معلوم نہیں ہے تو ''واللہ اعلم'' کہہ کر بات ختم کر دے اور اگر اس کے بس میں دوسرے سے معلوم کرنا ہو تو کوشش کر لے، حضرت علیؓ وحضرت معاویہؓ کے مابین اختلاف سے کس کو انکار ہو سکتا ہے، مگر جب مسائل الجھتے تھے تو حضرت علیؓ سے ہی رجوع کیا جاتا تھا۔ موافقین ومخالفین کسی کو عار محسوس نہیں ہوتی، ایک مقدمہ حضرت معاویہؓ کی خدمت میں آیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کسی کے ساتھ زنا میں ملوث پایا، اس نے زانی کو قتل کر دیا، اب اس قاتل کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، قاتل ہونے کا تقاضا ہے کہ قصاصاً شوہر کو قتل کر دیا جائے، مگر جن حالات میں یہ واقعہ پیش آیا ان جذبات سے چشم پوشی بھی ممکن نہیں۔

---

[1] استاذ حدیث مدرسہ حسنیہ کایم کلم کیرالہ۔

بالآخر حضرت معاویہؓ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ فیصلہ کیا ہو؟ انہوں نے حضرت ابوموسی اشعریؓ کو لکھا کہ حضرت علیؓ سے مسئلہ دریافت کر کے لکھیں، پھر حضرت علیؓ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا (مؤطا امام مالک: ۳۰۸۔۳۰۹، کتاب القضاء القضاء فیمن وجد مع امرأتہ رجلاً)۔

تعصب ونفس پرستی کی بنا پر اختلاف:

یہ بھی اختلاف کے باب میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے، انسان جانتا ہے، پہچانتا ہے، مگر قومی ہمدردی، لسانی وزبانی ہم آہنگی، مسلکی اتحاد واتفاق، اور سیاسی اشتراک کی وجہ سے اختلاف کرتا ہے، یا پھر ان سب سے قطع نظر محض نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے اور جذبات کی تسکین کے لئے اختلاف کرتا ہے، یہود ونصاری کا اپنے نبیوں سے، اور کفار مکہ کا اسلام ومسلمانوں سے اختلاف وعناد کا بنیادی داعیہ وکلیدی محرک یہی تعصب ہی تو تھا، حضرت ابوامامہؓ کی مرفوع حدیث میں اس قبیح داعیہ کی طرف واضح اشارہ موجود ہے:

ماضل قوم بعد ہدی کانوا علیہ إلا أوتوا الجدل، ثم قرأ رسول اللہ ﷺ ہذہ الآیۃ: ما ضربوہ لك إلا جدلا، بل ہم قوم خصمون (ترمذی ۲/ ۱۶۱، کتاب التفسیر، سورہ زخرف، حسن صحیح)

(کوئی قوم راہ یاب ہونے کے بعد ضلالت میں اسی وقت مبتلا ہوئی ہے جبکہ ان کو جدل دیا گیا، اللہ کے رسول نے آیت تلاوت کی: انہوں نے تمہارے سامنے جو مثال بیان کی ہے محض جدل کی بنا پر بیان کی ہے، بلکہ وہ جھگڑالو قوم ہیں)۔

ملا علی قاری تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قیل: المراد ہنا العناد والمراء فی القرآن ضرب بعضہ ببعض لترویج مذاہبہم وآراء مشایخہم من غیر أن یکون لہم نصرۃ علی ما ہو الحق وذلك محرم (مرقاۃ ۱/ ۲۰۸، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ، الفصل الثانی)

(کہا گیا ہے: مراد یہاں عناد اور قرآن میں بعض کا بعض سے تعارض پیدا کر کے شک پیدا کرنا ہے کہ اپنے مذہب ومشرب اور اپنے مشائخ کی آراء کی ترویج ہو، ان کا مقصود حق کی نصرت کرنا نہیں ہے، اور یہ صورت حرام ہے)۔

یہ دو اسباب بہت ہی اہم ہیں جو اختلاف کو جنم دیتے ہیں، باقی اور اسباب پر غور کیا جائے تو وہ سب انہی دو کے شاخسانہ ہوں گے۔

ایسے امور کی بابت اختلاف جو محل اختلاف نہیں ہیں:

جس طرح برے اغراض واسباب کی بنا پر اختلاف مذموم ہوتا ہے اسی طرح ایسے امور کی بابت اختلاف بھی مذموم ہو جاتا ہے جو محل اختلاف نہیں ہیں، وہ بھی بنیادی طور پر دو ہیں: عقائد میں اختلاف، آیات متشابہات میں اختلاف۔

عقائد میں اختلاف:

عقائد کے سلسلہ میں اللہ پاک نے بالکل واضح ہدایات اپنے انبیاء کو مبعوث کر کے دے دی ہیں، ہر زمان ومکان کے لحاظ سے انبیاء کی شریعتیں تو بدلتی رہیں مگر امور اعتقادیہ میں فرق نہیں آیا، قرآن نے واضح کیا: "شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحًا" (اللہ نے اسی دین کو تمہارے لئے مشروع کیا، جس کی وصیت حضرت نوح ودیگر انبیاء ورسل کو کیا)۔

البتہ سب کے لئے منہاج اور چلنے کی راہوں کو الگ الگ بنایا، تاکہ چلنا آسان اور عمل کرنا سہل ہو جائے، ان اعتقادی ونظریاتی امور میں جب بھی امت کی طرف سے تھوڑا بھی اختلاف کا شائبہ اللہ کے رسول کو محسوس ہوا، رحمۃ للعالمین کا چہرہ غصہ سے تمتما گیا اور فوراً تنبیہ فرمادی۔ ألھذا أمرتم، ألھذا بعثتم، کیا تمہیں اسی کی حکم دیا گیا ہے، کیا تمہیں دنیا میں اسی کے لئے بھیجا گیا ہے، تمہیں کیا ہوا کہ کتاب اللہ کی بابت اختلاف کرتے ہو، سابقہ قومیں اسی وجہ سے گمراہ وہلاک ہوگئیں کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں اختلاف کیا، بہتر وتہتر فرقوں کا وجود بھی اسی کی رہین منت ہے، صحابہ کے زمانہ میں ہی اعتقادی فرقے بال وپر نکال چکے تھے، حضرت علیؓ کے دور میں زندیقوں کی جماعت کو امیر المؤمنین کے حکم سے آگ میں جھونک دیا گیا۔ یہ سب اعتقادی اختلاف کی پاداش میں ہوا۔

متشابہات میں اختلاف:

متشابہات بھی ان امور میں سے ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش نہیں؛ اس لئے کہ اختلاف کا مقصد صواب ودرستگی کی تلاش اور اس کا حصول ہے، یہ انسان کی قدرت سے باہر ہے کہ متشابہات کی حقیقی مراد تک رسائی حاصل کرلے؛ کیوں کہ انسان کو اس کا علم دیا ہی نہیں گیا ہے، اللہ نے اپنے پاس محفوظ رکھا ہے، بلکہ اس سلسلہ میں کلام کرنے کی ممانعت فرمادی گئی، قرآن کریم نے ان لوگوں کو ''اہل زیغ وضلال'' سے تعبیر کیا ہے جو ان کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔

خلافت فاروقی میں ایسا ہی ایک شخص تھا جو بصرہ میں رہتا تھا، اور ہر وقت متشابہات کے درپے رہتا، وہ مصر بھی پہنچ گیا، وہاں اس وقت حضرت عمرو بن عاص گورنر تھے، انہوں نے اس بابت امیر المؤمنین کو عریضہ لکھا، حضرت عمر نے اس شخص کو مدینہ طلب فرمایا، حضرت عمرؓ نے اس سے سوال کیا: تو کون شخص ہے؟ اس نے کہا: اللہ کا بندہ ''صبیغ'' ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ عمر ہوں، اور تروتازہ قمچیوں سے مارنا شروع کردیا، یہاں تک کہ سارا بدن لہولہان ہوگیا، جب زخم اچھا ہونے لگا، پھر مارنا شروع کیا، اس نے عرض کیا: امیر المؤمنین! اگر آپ میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں تو سیدھے طریقے سے قتل کیوں نہیں کروادیتے ہیں، اور اگر میرے دماغ کے فتور کی وجہ سے یہ معاملہ کررہے ہیں تو اللہ شاہد ہے کہ وہ نکل چکا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اب بصرہ یعنی گھر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی، مگر لوگوں کو میل جول سے منع کردیا، ابوعثمان نہدی کہتے ہیں: وہ شخص ہم لوگوں کے مجمع میں اگر آجاتا تو ہم سب وہاں سے کھسک لیتے، یہ اس پر بہت شاق گزرتا تھا، بالآخر حضرت ابوموسی اشعریؓ نے دار الخلافہ عریضہ روانہ کیا کہ اس کی حالت اچھی ہوچکی ہے تب جاکر حضرت عمرؓ نے ملنے جلنے کی اجازت مرحمت فرمائی (اسلامی سیاست، مولف شیخ زکریا/ ۲۱۷ بحوالہ درمنثور)۔

اختلاف کی یہ ساری انواع مذموم اور قابل اجتناب ہیں؛ کیوں کہ ان میں حق وباطل کا معرکہ ہے اور اللہ نے جن کو واضح کردیا ہے، اب اس کے خلاف جو بھی ہوگا باطل ہوگا، علماء نے ہر دور میں باطل کو للکارا ہے، ان کے چیلنج کو قبول کیا ہے، اور اس کے سامنے سینہ سپر ہوکر کھڑے ہوگئے ہیں، کسی بھی قسم کی مداہنت کو برداشت نہیں کیا۔

فروعی واجتہادی اختلاف:

لیکن ان سب کے علاوہ ایک نوع فروعی واجتہادی اختلاف کی ہے، یہ اختلاف محمود ہے، جس طرح انبیاء کی شریعتیں الگ الگ رہی ہیں، فروعی مسائل میں ہر مجتہد کی رائیں مختلف ہوئی ہیں، کسی کو باطل نہیں کہا جاسکتا، اس قسم کا اختلاف امت کی آسانی کے لئے ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز کا جملہ بہت ہی وقعت رکھتا ہے:

ما يسرني لو أن أصحاب محمد لم يختلفوا، لأنهم لو لم يختلفوا لم تكن رخصة (جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر ۲/ ۷۸) (مجھے اس بات سے مسرت نہ ہوتی کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا، اس لئے کہ ان میں اگر اختلاف نہ ہوتا تو گنجائش ورخصت نہیں رہتی)۔

حضرت امام مالک سے خلیفہ وقت نے درخواست کی کہ آپ موطا کے متعدد نسخے تیار کردیں، ہم اس کو سلطنت کے ہر شہر میں بھیج دیں گے، اور سب کو شاہی فرمان کے ذریعہ اس پر متفق کردیں گے، مگر حضرت امام مالک اس کے لئے راضی نہیں ہوئے، اور اس ارادے سے باز رہنے کی تلقین فرمائی، اور فرمایا: لوگوں کے پاس مختلف حدیثیں پہنچی ہیں وہ ان روایات کے موافق عمل پیرا ہیں، بعد کے خلیفہ نے بھی اس قسم کا مشورہ دیا مگر حضرت امام مالک نے اس قسم کا مشورہ پسند نہیں فرمایا، کیوں کہ اس کی وجہ سے امت مصیبت میں مبتلا ہوسکتی تھی (مقدمہ اوجز المسالک ۱/ ۱۹)۔

صحابہ سے لے کر علماء امت تک فروعی مسائل میں اختلاف کرتے آئے ہیں، بسا اوقات ایک ہی عالم زماں ومکان کے فرق اور احوال وتقاضے کے بدلنے سے بھی مختلف نظر آتا ہے، امام ابوحنیفہ وصاحبین کے مابین جہاں اختلاف کی اور بھی نوعیتیں ہیں ایک بڑا حصہ اس قسم کے اختلاف کا بھی ہے، اصحاب فقہ، اختلاف زماں ومکاں سے تعبیر کرکے اسی کی طرف اشارہ بھی فرماتے ہیں، امام شافعیؒ کے اقوال جدیدہ وقدیمہ میں تنوع اسی کا نتیجہ ہے۔

پھر اجتہادی مسائل میں حق وباطل کا اختلاف نہیں بلکہ صواب واحتمال خطا کا اختلاف ہے، جس میں صواب کو پہنچنے والا گو ایک ہی ہوگا، مگر اجر کے

مستحق دونوں ہی جانبین ہوتے ہیں اس کی صراحت ووضاحت حدیث میں بھی فرمائی گئی ہے، اس لئے ایسے اختلاف کو مذموم نہیں بلکہ محمود کہا جائے گا۔

اختلاف میں حدود سے تجاوز:

اختلاف خواہ مذموم ہو یا محمود اس کے حدود سے تجاوز کرنا اور مخالفین کے ساتھ اعتدال سے ہٹ کر افراط وتفریط کا معاملہ کرنا جائز نہیں، قرآن کریم نے تو بہت ہی واضح انداز میں کہا ہے:

"ولا یجرمنکم شنآن قوم أن صدوکم عن المسجد الحرام أن تعتدوا"

(ایسا نہ ہو کہ کسی قوم سے اس سبب سے کہ انہوں نے مسجد حرام سے روک دیا ہے وہ بغض تمہارے لئے باعث بن جائے حد سے تجاوز کرنے کا)۔

آیت میں معاملہ کفار کا ہے ان کی مخالفت میں بھی حد سے تجاوز کو روکا جارہا ہے، تو ان اختلافات کی بابت کیا کیا جائے گا جو کافروں و مسلمانوں کے مابین نہیں بلکہ بظاہر کلمہ گو حضرات کے مابین ہے، صحابہ وائمہ کے طرز عمل پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ امر اور بھی واضح ہوگا، صحابہ کے مابین اختلافات کم نہیں ہوئے، محاربات تک کی نوبت آئی حتی کہ تقریبا بیس ہزار نفوس ان حروب کے شکار ہوئے، یہ جو کچھ ہوا غلط فہمی واجتہاد کی بنا پر ہوا، لیکن اس کے باوجود حدود کی رعایت میں اپنی مثال آپ ہیں، بلوائیوں اور سبائیوں نے حضرت عثمانؓ کا گھیرا تنگ کر رکھا ہے، گھر سے نکلنے کی اجازت تک نہیں دے رہے ہیں، مسجد نبوی میں ان کا ہی ایک فرد امامت کر رہا ہے، جو لوگوں کو ناگوار بھی ہو رہا ہے، لوگوں کی شکایت پر خلیفہ کی زبان سے نصیحت بھرا جملہ نکلتا ہے:

الصلاۃ أحسن ما یعمل الناس، فإذا حسن الناس فأحسن معھم وإذا أساؤوا فاجتنب إساء تھم (بخاری ۱/ ۹۶ کتاب الأذان باب امامۃ المفتون والمبتدع) (نماز بہت اچھی چیز ہے جب تک لوگ اس پر عامل ہیں، پس جب لوگ اچھے طریقہ کو اختیار کریں تم بھی ان کے ساتھ اس حسنہ میں شریک رہو، اور جب سوء کو اختیار کریں تو ان کے سوء سے اجتناب کرو)۔

اساءت سے ان کا خلیفہ کے ساتھ بغاوت کو مراد لیا ہے، اپنے مخالفین کے سلسلہ میں اس قدر اعتدال کی راہ اختیار کرنا ایک خلیفہ راشد وعادل سے ہی ممکن تھا۔

اسی طرح ائمہ کے مابین اختلافات سے کتب فقہ لبریز ہیں، مگر کسی فقیہ نے دوسرے کی شان میں گستاخی نہیں کی، امام شافعی کا مشہور جملہ علمی حلقوں میں زبان زد ہے اور بالکل صحیح ہے کہ لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

بہرحال ہر امر میں اعتدال مطلوب ہے، اختلاف میں بھی اعتدال مطلوب ہوگا۔

(۱) فروعی احکام کو بیان کرنے میں اعتدال:

فقہی مباحث میں جو کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اس کا اکثر حصہ افضلیت واولیت پر مبنی ہے، اکا دکا مسئلہ جواز وعدم جواز سے بھی متعلق ہے مگر یہ سارے مسائل مجتہد فیہ ہیں جن میں خطا وصواب دونوں کا احتمال ہے، کسی بھی فریق کو مورد الزام ٹھہرانا غلو وتشدد ہوگا، ائمہ کے مسالک ترجیح کی خاطر ہیں اور بلا ضرورت ایک امام کے مسلک سے عدول نہیں کرنا چاہئے، لیکن یہ احکام تبلیغی نہیں ہیں لہذا دوسروں کو اپنے فکر وخیال کا ہم نوا بنانا اعتدال کے باب کو مجروح کرتا ہے، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا ایک پیراگراف جو انہوں نے بزرگوں واسلاف کے خیالات سے کشید کر کے لکھا ہے حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے:

''الغرض وہ تمام مسائل جن میں سلف صالحین اور فقہاء امت کا اختلاف ہے، خصوصا جن مسائل میں اختلاف صرف افضلیت وغیر افضلیت تک محدود ہے، ان میں ایسا غلو اور تشدد روا نہیں کہ ایک دوسرے کے توبہ کی دعوتیں دی جانے لگیں، ایسا غلو اور تشدد ابتداع فی الدین ہے، جس سے شاہ صاحب کے بقول دین میں تحریک کا دروازہ کھلتا ہے، ایسے لوگوں کا شمار اہل حق میں نہیں اہل بدعت میں ہے، میں اپنے بہادر بھائی اور ان کے دیگر ہم مشرب بزرگوں کی خدمت میں نہایت دردمندی سے گزارش کروں گا کہ آپ کے جذبہ عمل بالحدیث کی دل وجان سے قدر کرتا ہوں، مگر خدارا ان فروعی مسائل میں ایسا غلو اور تشدد روا نہ رکھئے جس سے دین کی حدود مٹ جائیں اور فرائض وواجبات اور مستحبات کے درمیان خط امتیاز باقی نہ رہے، اور بے دین طبقہ کو اہل دین کا تمسخر اڑانے کا موقع ملے، آپ جس سنت کو اولی وافضل سمجھتے ہیں بڑے شوق واخلاص کے ساتھ ان پر عمل کیجئے، ان شاء

اللہ آپ کو اپنے مخلصانہ عمل کا اجر ضرور ملے گا، لیکن دوسرے حضرات کے نزدیک اگر دوسری سنت افضل و راجح ہے تو ان پر طعن نہ کیجئے بلکہ اطمینان رکھئے ان کو بھی بشرط اخلاص اس دوسری سنت پر عمل کرنے سے انشاء اللہ آپ سے کم اجر نہیں ملے گا'' (اختلاف امت اور صراط مستقیم/ ۲۲۷ مکتبہ تھانوی)۔

سارے ہی مکاتب فکر قرآن وحدیث، اجماع وقیاس سے ہی استدلال کرتے ہیں، اختلاف نصوص فہمی یا فقہی اصول وشرعی ضوابط سے تخریج وتنقیح کا ہے، یا پھر نصوص کی تاویل وتشریح کا ہے، سب ہی اللہ کے نزدیک ماجور ہیں، کسی کو لعن طعن کرنا کیوں کر جائز ہوگا، اور غالباً مدارس کی درسگاہوں میں ایسا ہوتا بھی نہیں ہے، ایک دو فرد سے ایسا اگر ہو رہا ہے تو اس کو عمومی رجحان نہیں کہا جاسکتا، مخاطب طلبہ بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جو کچھ بیان ہو رہا ہے وہ ترجیح کی خاطر ہو رہا ہے، اس کی تبلیغ مقصود نہیں ہے، لیکن پھر بھی ایسا طرز تدریس اختیار کرنا جس سے کسی دوسرے امام کی تنقیص وتحقیر ہو رہی ہے، یا احترام میں کمی اور طلبہ کے ذہن میں نفرت پیدا ہو رہی ہے تو بہر حال روا نہ ہوگا۔

محتاط رویہ تو یہ ہے کہ پوری دیانت داری کے ساتھ ہر ایک کا مسلک واضح کر دیا جائے، نیز ہر ایک کی ترجیحات کو ذکر کر کے جو طلبہ جس مسلک کے پیروکار ہوں اس کی ترجیح کو مدلل کر دیا جائے، نیز باور کرا دیا جائے کہ دوسرے فقہی دبستانوں کا اختلاف بھی کسی اصل کلی سے تخریج ہے، ایسا کرنے سے اعتدال بھی قائم رہے گا اور اتحاد واتفاق کی فضا بھی استوار رہے گی، یہ ... طلبہ پڑھتے ہیں، مدارس سے نکلنے کے بعد بھی کوئی ضروری نہیں کہ ان کے مسلک کے مطابق خدمت کا موقع بھی مل جائے ... نہیں، یہ علماء انہی مدارس سے فاضل ہوتے ہیں، پھر امہات المدارس سے تربیت لیتے ہیں جو خالص حنفی مکتب فکر کے حامل ہیں، اگر ... ہو اور وہ بیان مسلک وترجیح کو بھی نزاع واختلاف سمجھنے لگے تو اس کا کیا علاج ہوسکتا ہے۔

(۲) نظریاتی واعتقادی مسائل میں اختلاف اور طرز عمل:

یہ بھی حقیقت ہے کہ کلمہ گو حضرات کے مابین بعض اختلافات اعتقادی ہیں، ایمان کی بنیاد صحیح اعتقاد پر ہے، اس ... ہے، اس کے لئے بحث ومباحثہ ناگزیر ہے، باہمی تبادلہ خیال میں نوک جھوک سے مفر بھی نہیں ہے، بغیر اس کے اللہ کی راہ کو افراط وتفریط سے محفوظ رکھنا بھی مشکل ہے، نیز لوگوں کو ان مفاسد سے آگاہ کرنا بھی فریضہ ہے، جس میں ان مفاسد پر تنقید سے چارۂ کار نہیں، یہ اختلاف چونکہ صرف صواب وخطا کا نہیں ہے، اس لئے صحیح نظریہ کی تشریح وتبلیغ ضروری ہے، لیکن اتحاد واتفاق کی فضا کو مسموم کرنا بھی حالات وتقاضے وقت کے خلاف ہے، اس لئے ایسا رویہ اختیار کیا جائے کہ نفرت سے زیادہ محبت کا ماحول سازگار ہو، اعتدال بہر حال اس میں بھی مطلوب ہے، لہذا:

(الف) باہمی مذاکرہ اختلافی ونظریاتی موضوعات پر نہ کیا جائے، اس سے مناظرہ کی صورت پیدا ہوگی جس سے فی الوقت ...

(ب) دونوں فریق کے مابین جو امور متفق علیہ ہیں ان سے مذاکرات کی ابتداء کی جائے۔

(ج) عام مجلسوں میں مفاسد پر تنقید تو ہو مگر ان کے حاملین کا نام لے کر نشانہ نہ بنایا جائے، بلکہ آمنا سامنا ہونے پر ... سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین اسوہ چھوڑا ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ... اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مفاسد پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا: بئس أخو العشيرة (یہ اپنے قبیلہ کا برا انسان ہے ...) ملاطفت ونرم مزاجی وحسن کلامی کا مظاہرہ کیا (بخاری ۲/ ۹۰۵ کتاب الادب، باب المداراۃ مع الناس)۔

حضرت ابو درداء کا قول بھی بخاری اسی جگہ نقل فرماتے ہیں:

انا لنكشر في وجوه أقوام وان قلوبنا لتلعنهم (بخاری حوالہ بالا)

(ہم لوگوں کے سامنے مسکراتے ہیں حالانکہ ہمارے دل ان پر لعنت کرتے رہتے ہیں)۔

(د) تنقید برائے تنقید نہ ہو کہ جذبات کو تسکین ہو جائے اور بس، بلکہ ہر ہر لفظ سے خیر خواہی اور صالح جذبات کی ترجمانی ... راشدہ کا آخری دور خلفشار کا رہا ہے، ایک طرف مسلمانوں کی دو بڑی جماعت آپس میں دست وگریباں ہیں دوسری طرف ... رہے ہیں، عجیب عجیب شوشے چھوڑے جارہے ہیں جن سے امت مسلمہ کی سد سکندری میں شگاف ورخنہ آنے لگا، یا ...

ان ہی فرقوں میں خوارج کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوئی، جو درحقیقت حضرت علیؓ وحضرت معاویہؓ کے مابین اختلاف نہیں اتفاق واتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لئے سامنے آیا تھا، ایسا جذباتی شوشہ چھوڑا کہ بہت سے لوگ ہم نوا بھی ہوگئے، حضرت علیؓ نے راہ راست پر لانے کی بہت کوشش کی، مگر کوشش بارآور نہیں ہوئی، بالآخر ان سے قتال بھی ہوا، رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق اس کا سرغنہ مارا بھی گیا، اس موقع پر خلیفہ وقت حضرت علیؓ نے جو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا وہ تنقید کے باب میں ہمارے لئے بہت ہی اہم ہے، انہوں نے فرمایا:

إخواننا بغوا علينا (بیہقی ۸/ ۱۷۳) (ہمارے بھائیوں نے ہمارے خلاف خروج کیا ہے)۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے شیعوں پر تنقید کرنے کے لئے جو کتاب تصنیف فرمائی اس کا نام کتنا پیارا رکھا "تحفہ اثنا عشریہ" کتاب کا نام ہی اپیل کرتا ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے۔

(۳) تنقید میں نظریات کے تفاوت کا لحاظ:

جس طرح امر خیر کی تبلیغ واشاعت میں درجہ بندی آئی ہے، پہلے ایمان کی دعوت دینے کا حکم ہے، بعدہ احکام کی تبلیغ کرنے کا حکم ہے (مسلم ۱/ ۳۷ باب الدعاء إلی الشہادتین)۔ تدریجی طریقہ ہی دعوت وتبلیغ میں موثر ہوتا ہے، منکر پر نکیر بھی دعوت وتبلیغ کا بنیادی حصہ ہے، منکر پر سکوت ہلاکت وبربادی کا پیش خیمہ ہوتا ہے، تاریخ وحدیث کی شہادت سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ منکر کی نحوست کا اثر صرف انہی لوگوں تک محدود ہوتا جو اس میں بتلا ہیں، بلکہ خاموش رہنے والے، ملنے جلنے والے سب ہی خواہی نخواہی اس کی چپیٹ میں آتے ہیں، اس لئے منکر پر نکیر وتنقید میں بھی درجات کا لحاظ ضروری ہے۔

ایسا نظریہ جو گمراہی کا سبب ہے اس پر تنقید اس فکر وخیال کے حاملین کے مقابلہ میں خفیف ہوگی جو کفر کی سرحد تک پہنچ چکے ہیں، پہلا گروہ اپنی تمام تر گمراہیوں کے باوجود جماعت مسلمین سے خارج نہیں، اس لئے ایسا رویہ اختیار نہ کیا جائے کہ خدانخواستہ اسلام کا قلادہ ہی اتار پھینکے اور بالآخر امت تفرقہ وانتشار کی شکار ہوکر اپنا وزن کھو بیٹھے، بات بات پر تنقید کے بجائے عقل ونقل سے تفہیم کی کوشش کی جائے، گمراہی کے عواقب ونتائج سے آگاہ کیا جائے کیوں کہ گمراہی میں گرفتار عدم آگہی ونفس پرستی کی وجہ سے راستہ بھٹکے ہوتے ہیں، انہی دونوں قلعوں کو مسمار کردیا جائے تو بات بن جائے گی۔

لیکن جن حضرات کی گمراہی کفر تک پہنچی ہوئی ہے وہ پہلے ہی سے دائرہ اسلام سے دور ہوچکے ہیں، حتی الامکان ان کو قریب کرنے کی کوشش کی جائے گی، اس کے لئے افراط وتفریط کے بجائے اعتدال کی راہ اختیار کی جائے اور ان کے کفریہ خیالات کی تردید کی جائے، افہام وتفہیم نیز مذاکرہ وتبادلہ خیال سے بات نہیں بنتی ہے تو سخت تنقید بھی کی جاسکتی ہے، حضرت علیؓ نے اپنی ہی جماعت کے اس گروہ کو نذر آتش کردیا جس نے حضرت علی کی بابت حلول الوہیت کا کفریہ عقیدہ گھڑا تھا، حضرت صدیق اکبر نے مرتدین کے استیصال کے لئے جدوجہد واستقامت کی انتہاء ہی کردی تھی، اور حضرت عمرؓ جیسے پامردو باہمت اور باطل کے لئے تلوار برہنہ انسان کو بھی صدیقی صلابت کا اقرار واعتراف کرنا پڑا (مسلم ۱/ ۳۷ باب الامر بقتال الناس الخ)۔

حضرت ابوبکر نے اسی موقع پر حضرت عمر کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا تھا:

جبار في الكفر خوار في الإسلام (کفر میں تو بڑے سورما تھے، اسلام میں اتنا بزدل ہوگئے)۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ گمراہی جو کفر ہو اس کے تئیں کسی قدر سختی کا رویہ اختیار کیا جائے گا۔

(۴) شیعہ وسنی اختلاف کی بھیانک شکل:

شیعہ وسنی کے مابین نظریاتی واصولی اختلاف ہے، شیعوں کی جماعت نے اسلام کی بیخ کنی کی کم کوشش نہیں کی ہے، انہوں نے اپنے گمراہ عقیدوں اور جذباتی نظریوں سے امت کو افتراق وانتشار کے دوراہے پر کھڑا کردیا ہے، بڑے بڑے معرکے اسی جماعت کی رہین منت ہیں، ان میں بعض تو ضلالت وگمراہی سے بھی آگے کفر والحاد کی سرحد میں داخل ہوچکے ہیں، ایسے ہی لوگوں کی تعداد زیادہ ہے، اپنے ناپاک عزائم کو چھپا کر پوری دنیا پر کم از کم مسلم ممالک پر چھا جانا چاہتے ہیں تا کہ ان جراثیم کو امت محمدیہ میں منتقل کرکے پورے سماج کو ایمانی واعتقادی مریض بنانے میں کامیاب ہوسکیں جن کی مخالفت ہر زمانہ کے ہادیان اسلام وپاسبان سنت کرتے آئے ہیں، اس صورت حال کی سنگینی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام کے کھلے دشمنوں کی نگاہ میں ان کی حیثیت کچھ بھی ہو مگر ان کو آلہ کار کے طور پر استعمال کرنے میں کامیاب ضرور ہیں، اور بظاہر کلمہ گو، جماعت کو آپس میں ٹکرا کر خود سیادت وقیادت کے بازی گر بنے بیٹھے ہیں، اس سے مسلمانوں کی قوت کمزور ہوتی جارہی ہے۔

نیز جس ملک نے بھی اپنے یہاں اس جماعت کو بسایا ہے اور ان کو رہنے کی اجازت دی ہے، اس ملک سے اس گمراہ جماعت کا حکماً ہی سہی مگر معاہدہ ہو چکا ہے، ان کی عزت وآبرو، جان ومال اس وقت تک محفوظ ہوں گے جب تک کہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے بغاوت کو مول نہیں لیتے ہیں، اس لئے ناچیز راقم تو یہ سمجھتا ہے کہ ان کو بے دریغ قتل کرنا اس سری معاہدہ کی خلاف ورزی ہے، البتہ ان کی طرف سے بغاوت کا ظہور ہو تو حکومت کی سرپرستی میں ان کی بغاوت کو کچلنے ودبانے کی ہر ممکن سعی کی جائے گی خواہ اس میں خون ریزی ہی کیوں نہ ہو جائے۔

وقت ومصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان سے اختلاف خواہ عقائد میں ہی مگر ان کو انگیز کیا جائے، ان کی حالت منافقوں کی طرح ہے، آخر زمانہ نبوت میں منافقین بھی مدینہ منورہ کے شہری تھے، ان کے قلوب تو کفر کی آلودگی سے پلید ہی تھے، طرفہ تماشا یہ کہ ہر وقت کوشاں رہتے کہ اسلام ومسلمان ذلیل ہو جائیں، کون کون سی سازش انہوں نے نہیں رچی، قطعی ذریعہ علم سے ساری خباثتوں کا انکشاف ہونے کے باوجود بھی کسی منافق کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کی اجازت نہیں دی؛ کیونکہ اس صورت میں غیروں کو پیغام جاتا کہ اسلام میں خود ان کے ماننے والے محفوظ ومامون نہیں ہیں، تو اسلام کا دائرہ وسیع نہیں ہو پاتا، جن ملکوں میں خون ریزیاں ہو رہی ہیں ان کی صحیح صورتحال کیا ہے؟ اس کی صحیح تصویر ابھی تک واضح نہیں ہے، انہوں نے اتنا بڑا اقدام اچانک کیوں کر کیا جس کے رد عمل میں دونوں ہی طرف سے قیمتی جانیں چلی گئیں، بعض حادثات وواقعات تو ناگہانی نہیں، سوچی وسمجھی تدبیر کا نتیجہ معلوم ہوتے ہیں، ایسے حالات میں ان سے اختلاف کرنا بہتر ہوگا یا ان کو برداشت کر کے فتنہ کو دبانا مناسب ہوگا، یہ اس وقت کا سنگین مسئلہ ہے، اہل دانش واہل سیاست دونوں مل کر اس پر غور کر سکتے ہیں، اور لائحہ عمل تیار کر سکتے ہیں۔

(۵) پر امن زندگی:

علمی اختلاف خواہ کتنا شدید ہو مگر دنیا کے امن وامان کو بحال رکھنا از بس ضروری ہے، جس طرح مسلم وغیر مسلم انسانیت کے اصول پر مل جل کر زندگی گزارتے ہیں اور قوانین ومعاہدے کی رو سے ملک کو پُر امن بنائے رکھتے ہیں، شیعہ وسنی بھی اپنے تمام تر اختلاف کے باوجود امن وامان کے ساتھ ملک کے شہری بن سکتے ہیں، دونوں ہی جماعت کے قائدین وپیشوا کو اس سلسلہ میں پیش قدمی کرنے کی ضرورت ہے، ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی اگر تمام راہیں مسدود بھی ہوں تو کم از کم "کلمہ" پر اتحاد واتفاق کیا ہی جا سکتا ہے، اعتقادی ونظریاتی موشگافیوں کے لئے مذاکرات ومناظرہ کی محافل کافی ہیں، اس کے لئے اللہ کی زمین کو جنگ کا میدان بنانا، اور قتل وخون کر کے امن وامان کو غارت کرنا اور آج کے مسلم معاشرہ کے اندرونی کھوکھلا پن کو آشکارا کرنا دانشمندی نہیں ہے، ویسے ہی دشمن تاک میں ہیں، کب مسلمان آپس میں الجھیں اور ہم لقمہ تر بنا کر نگل لیں، بلکہ ان اختلافات کو وہ بھانپ بھی چکے ہیں، اور مجاہد قوم کی بہادری اور جوش وخروش کا اندازہ بھی کر چکے ہیں، اب تو وہ آپس میں لڑا کر تالیاں بجا رہے ہیں۔

اسلام نے تو ذمیوں کے حقوق کی بھی رعایت کی ہے، ان کو امن وامان سے رہنے کی اجازت دی، یہ محض اس لئے کہ وہ بھی شہری ہیں، ایک شہری ہونے کا تقاضا ہے کہ ان کے حقوق کی رعایت ہر طرح کی جائے، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ صرف سنی حضرات ہی مورد الزام ہیں؛ بلکہ دونوں ہی گروہ کے لوگ حد اعتدال سے تجاوز کر جاتے ہیں، اس لئے دونوں ہی جانب سے مذہبی پیشوا وقائد کو اس بابت ٹھوس پیش قدمی کرنی چاہئے، اپنی اپنی جماعت کو امن کا سبق یاد دلانا چاہئے، ہر ایسے طریقہ کے اظہار سے احراز کی ترغیب دینی چاہئے کہ جس سے ملک کے قوانین کی مخالفت ہو رہی ہو، اور حکمراں طبقہ کی دل آزاری ہوتی ہو، جو طبقہ محکوم ہے ان کی بھی دل آزاری سے گریز کرنا چاہئے، اس طرح اگر مذہبی قائدین اپنے لوگوں کو باور کرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ملک میں امن وامان کی فضا قائم ہو سکتی ہے، واللہ اعلم۔

☆☆☆

اختلاف رائے اور وحدت امت

مفتی عبدالمنان صاحب[1]

(۱) [illegible] مباحث میں کسی مسلک یا قول کو ترجیح دینے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے دوسرے مسلک اور رائے کی تنقیص نہ ہوتی ہو یا [illegible] تعریض نہ ہوتی ہو اور دوسری رائے کی بالکلیہ نفی بھی نہ کیا جائے بلکہ کسی مذہب و قول کو ترجیح دینے کے لئے جو دلائل موجود ہوں یا وجوہ ترجیح [illegible] مؤثر طرز ولہجہ میں پیش کر دیا جائے، کسی کی تنقیص یا تعریض یا نفی کے ذکر کئے بغیر اپنی صحیح باتوں کو تحریراً یا تقریراً یا تدریساً پیش کر دیا جائے، تا کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔

(۲) جس اختلاف کا تعلق کسی حد تک عقیدے سے ہو مثلاً شیعہ سنی یا بعض مسائل میں دیو بندی بریلوی اختلافات یا سلفی غیر سلفی اختلاف ان چیزوں میں مناظرہ کی شکل اختیار نہ کی جائے، چونکہ مناظرہ سے کوئی بریلوی دیو بندی نہیں ہوا، اسی طرح کوئی غیر مقلد مقلد نہیں بنا، بلکہ اسے مدمقابل [illegible] مسلک پر اڑے رہتے ہیں، لہذا صحیح و مضبوط دلائل کے ذریعہ اظہار حق کر دیا جائے۔

(۳) جس فکر یا عقیدے کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہو لیکن اس کی بنیاد پر تکفیر کا قائل نہ ہو ایسے فکر و عقیدے پر صحیح دلائل کے ذریعہ ان کی گمراہی یا فسق کو ثابت کیا جائے، اور جس فکر و عقیدے کو موجب کفر سمجھتا ہو اس کی بنیاد پر ان کے حاملین کو کافر قرار دیتا ہو تو یہاں بھی صحیح دلائل کے ذریعہ سے [illegible] ثابت کر کے اتمام حجت کر دیا جائے، اور ان کے غلط دلائل کو صحیح محمل یا توجیہ کر کے سمجھانے کی کوشش کی جائے، اور جھگڑا فساد [illegible]

(۴) [illegible] بہت پرانا ہے لیکن آج کل مسلمانوں کے اندر اسلام دشمن طاقتیں ان اختلافات کو ہا بر سے شہ دیتی ہیں، مسلمانوں کی طاقت [illegible] کی شیرازہ بندی کو بکھیرنا مقصد ہے۔ دشمنان اسلام کی یہ خفیہ سازش مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر ان کی طاقت کو پارہ پارہ کرنا او [illegible] نام کرنا مقصد ہے۔

[illegible] احباب فکر و دانش اور علماء مل کر دونوں طرف کے لیڈروں کو دشمنان اسلام کی خفیہ سازش اور مسلمانوں کی تباہی و بربادی پر توجہ [illegible] جنگ بندی کی کوشش کی جائے، ملک کے قابل اعتماد سربراہ علماء کی جماعت دونوں پارٹی سے ملیں اور سمجھانے کی کوشش کریں۔

(۵) [illegible] مختلف ملکوں میں شیعہ سنی مشترک آبادیاں ہیں دونوں فرقے سینکڑوں سال سے ملکوں اور علاقوں میں آباد ہیں۔ دونوں فرقے باہم [illegible] زندگی گزارنے کے لئے دونوں فرقوں کے علماء و مذہبی پیشواؤں کی ذمہ داری ہے کہ باہم مل کر بیٹھیں اور کچھ ایسے اصول و ضابطے تیار [illegible] دونوں فرقے متفق ہوں۔ ان کی خلاف ورزی نہ کرنے پر عہد کریں اور ماتحت والوں کو سمجھائیں اور اصول و ضابطہ پر عمل کرنے [illegible]۔ مثلاً:

(۱) [illegible] کے علماء و پیشواؤں کا باہم معاہدہ ہو کہ کبھی بھی آپس میں لڑائی جھگڑے کی نوبت آنے نہیں دیں گے۔

(۲) آپس میں کوئی بھی نزاع کی صورت پیدا ہو جائے تو مل جل کر فیصلہ کریں گے، آپسی اتحاد کو پارہ پارہ نہیں ہونے دیں گے۔

(۳) [illegible] مصالحتی کمیٹی بنادی جائے تا کہ فوری طور پر معاملات کو سلجھایا جا سکے۔

---

[1] [illegible] آسام۔

(۴) ہر فرقہ کے اپنے اپنے عقیدے پر عمل کرنے میں دوسرا فرقہ مزاحم نہیں ہوگا۔

(۵) چاہے وہ فرقہ کفر تک پہنچا ہو، پھر بھی اس پر تنقید وتعریض نہ کی جائے، بلکہ

(۶) پیار ودوستی سے سمجھانے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

ادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن (النحل)

نیز حدیث شریف میں ہے: من صلى صلوتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا، یعنی جو ہماری جیسی نماز پڑھتے ہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر نماز پڑھتے ہیں اور ذبیحہ کھاتے ہیں وہ مسلم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتحاد امت کا یہ ایک بہترین فارمولہ کی نشان دہی کی ہے۔ مسلمانوں کے وجود وبقاء کا مسئلہ ہے۔ سب مل کر ذات وبرادری، خاندان، مسلک ومشرب سے اونچا ہوکر اسلام کی رسی کو مضبوط پکڑنے کی کوشش کریں۔

باہمی اتحاد کو برقرار رکھنے کے چند اصول مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) ایک دوسرے کے امام وپیشوا کے احترام کو ملحوظ رکھیں گے، ان کی شان میں ایسی باتوں کا اظہار کرنے سے پرہیز کریں گے جن سے ان کی عزت وشان میں فرق آتا ہو۔

(ب) ہم آپس میں ایک دوسرے کا احترام کریں گے، نہ کسی کا مذاق اڑائیں گے نہ دل آزاری کریں گے، ایک دوسرے کی جان ومال، عزت وآبرو، کا پاس ولحاظ رکھیں گے۔

(ج) نیک کام میں باہمی تعاون کریں گے، ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشی، اخباری بیان بازی وپوسٹر بازی سے پرہیز کریں گے۔

(د) اپنے اختلافی ونزاعی مسائل آپسی گفتگو سے حل کریں گے، جیسے اللہ تعالی کا حکم ہے:

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجًا مما قضيت ويسلموا تسليمًا (سورہ نساء)

(ھ) اجتماعی زندگی میں صبر وتحمل ورواداری کا ثبوت دیں گے۔

(و) اپنے فروعی وجزوی اختلافات کو دین وعقیدہ کی بنیاد واساس نہیں بنائیں گے۔ ایک دوسرے کو تقویت پہنچا کر ایک مستحکم امت بن کر رہیں گے۔

(ز) بعض فرقہ پرست عناصر اور سیاسی استحصال کرنے والی طاقتیں منظم سازش کے تحت مسلمانوں کو مختلف قسم کی گروہ بندی وفرقہ بندی میں مبتلا کرکے مسلمانوں کی اتحادی طاقت کو توڑنا چاہتی ہیں، ہم سب متحدہ طاقت سے ان کی سازشوں کو ناکام بنائیں گے۔

اختلاف رائے اور وحدت امت

مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی [1]

تقلید کے سلسلہ میں اس زمانہ میں بڑی غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہیں اور یہ مشہور کیا جارہا ہے کہ ان اماموں کو مطلق مطاع سمجھ کر ان کے مسلک پر چلنا اور ان کو ایسا پیشوا اور مقتدا سمجھنا، ان کے کسی عمل یا رائے کے خلاف کرنا گویا دین سے ایک طرح کا خروج ہے، جب کہ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے، تقلید کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات کتاب وسنت کی اتباع کا ذریعہ ہیں، حقیقت میں تقلید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کی جاتی ہے اور یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو واضح کرنے والے اور اس کو بتانے والے سمجھے جاتے ہیں، تمام تقلید کرنے والے حضرات اس حقیقت کو سمجھتے ہیں اور یہی عقیدہ رکھتے ہیں، کوئی بھی ان اماموں کو معصوم نہیں سمجھتا، چنانچہ خود امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں نے دو تہائی مسائل میں ان سے اختلاف کیا اور بعد کے مجتہدین وفقہاء نے بھی کتاب وسنت کو سامنے رکھ کر اگر اختلاف کی ضرورت سمجھی تو اختلاف کیا، کبھی ان ائمہ کو اختلاف سے ماوراء نہیں سمجھا گیا۔

البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امت کا ننانوے فیصد سے بھی زیادہ طبقہ براہ راست کتاب وسنت سے استفادہ نہیں کرسکتا اور اس کو ضرورت ہوتی ہے کہ وہ کسی امام ومجتہد کی تقلید کرے، اب ظاہر ہے کہ خاص طور پر یہ چار مکاتب فقہیہ وہ ہیں جن پر ہزار سال سے زائد گذر چکے ہیں اور ان کی تنقیح وتوضیح ہوتی رہی ہے، اس طرح یہ مسائل سیکڑوں علماء کی محنت وفکر کا نتیجہ ہیں، اور ان پر عمل کرنے میں بڑی سلامتی ہے، یہی وجہ ہے کہ امت کا بڑا طبقہ ان ہی مسالک سے وابستہ ہے۔

تقلید کی حیثیت صرف یہ ہے کہ تقلید کرنے والا اپنے امام کی تقلید یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ وہ دراصل قرآن وسنت پر عمل کررہا ہے اور صاحب شریعت ہی کی پیروی کررہا ہے، جیسے اگر نمازی زیادہ تعداد میں ہوں امام کی نقل وحرکت اور آواز سب کے لئے سمجھ پانا دشوار ہے تو مکبر مقرر کئے جاتے ہیں، وہ مکبر امام کی اقتداء کرتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہہ کر امام کی نقل وحرکت، رکوع وسجود کی اطلاع پچھلی صف والوں کو دیتا ہے اور پچھلی صف والے یہ تصور کرتے ہیں کہ ہم امام ہی کی اقتدا اور اتباع کررہے ہیں، اور اسی کے پیچھے نماز ادا کررہے ہیں، اگرچہ رکوع وسجدہ مکبر کی آواز پر کررہے ہیں اور خود مکبر بھی یہی سمجھتا ہے کہ میں خود امام نہیں ہوں، بلکہ میرا اور پوری جماعت کا امام صرف ایک ہی ہے، سب اسی کی اقتداء کررہے ہیں، میں تو صرف امام کی نقل وحرکت کی اطلاع دے رہا ہوں، بالکل یہی صورت حال یہاں ہے کہ مقلد کا تصور یہی ہے کہ میں اللہ اور رسول ہی کی اطاعت اور اتباع کررہا ہوں، امام کو درمیان میں بمنزلہ مکبر تصور کرتا ہے، اس کو مستقل بالذات مطاع نہیں سمجھتا، مستقل بالذات مطاع صرف صاحب شریعت کو سمجھتا ہے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو محبت کی ایک لڑی میں پرو دیا ہے، اپنے بیگانے ہو گئے اور بیگانے سگے بھائیوں سے بڑھ کر قرار پائے، خونی رشتہ کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے، لیکن اسلامی اخوت خونی رشتہ سے بڑھ کر طبعی اور فطری ہے، اسی اسلامی اخوت کا نتیجہ تھا کہ اوس وخزرج کے قبائل جن کی دشمنی سالہا سال سے چلی آرہی تھی، اسلام نے اس طرح جوڑ دیا کہ آج دونوں کی الگ الگ پہچان مشکل ہے، دنیا دونوں قبیلوں کو انصار کے نام سے جانتی ہے، اللہ نے اس احسان کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا:

"واذكروا نعمت الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانا" (آل عمران: ۱۰۳)۔

(اور اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد رکھو جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا تو اس کے احسان سے تم بھائی بھائی

[1] کھنڈ پیڑا، شجاع گنج، فیض آباد۔

ہو گئے)۔

موجودہ دور میں مسالک کا اختلاف، باہمی اختلاف، فرقہ بندی وغیرہ زیادہ بڑھ چکی ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کیا جائے، کسی گروہ اور جماعت کو نشانہ نہ بنایا جائے، حق اور سچ بات کہی جائے، اپنے مسلک و مذہب پر رہتے ہوئے دوسروں کی تنقید نہ کی جائے، اور اسوہ نبوی سے سبق لیا جائے۔

اس تمہید کے بعد سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں:

جواب (۱):

کسی نے بڑی حکیمانہ بات کہی ہے کہ فقہی آراء و مسالک ترجیح کے لئے ہوتے ہیں تبلیغ کے لئے نہیں، قدیم زمانہ سے امت کے علماء نے یہی طریقہ کار اختیار کیا اور کبھی کسی مسلک کی باقاعدہ تبلیغ و دعوت کا کام نہیں کیا گیا، یہ سب فقہی مسالک حق ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز وغیرہ کے سلسلہ میں جو ارشادات فرمائے اس میں توسع اختیار فرمایا اور اس کی اجازت رہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ طریقوں میں جو بھی طریقہ اختیار کرلیا جائے وہ سنت ہے، ان میں کسی ایک طریقہ پر اصرار اور دوسرے طریقہ کے بارے میں شدید انکار کبھی اہل حق کا شیوہ نہیں رہا، البتہ علماء و مجتہدین کے درمیان کسی ایک طریقہ کو راجح سمجھنے اور اس کے لئے دلائل دینے اور بحث و تحقیق کرنے کا سلسلہ رہا ہے اور یہ دین کی ایک اہم علمی خدمت ہے، جس کے لئے وہ سب حضرات جنہوں نے اس سلسلہ میں محنت کی بڑے اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔

وہ چار امام جن کی تقلید آج امت کا بڑا طبقہ کر رہا ہے، اپنے اپنے زمانہ کے نہایت متقی، محتاط اور صاحب فہم و ذکاء اور باتوفیق حضرات تھے، جنہوں نے اپنے اپنے شاگردوں کی ایک جماعت کے ساتھ مل کر روزمرہ کے مسائل کی بحث و تحقیق کی اور کتاب و سنت کی روشنی میں امت کے لئے فقہ کا ایک ایسا ذخیرہ فراہم کردیا جس نے امت کے لئے آسانی کے راستے ہموار کردیئے، ان کے انتہائی تقوی اور شدید مجاہدے اور قربانی کے واقعات مستند کتابوں میں موجود ہیں، جن سے ان کا ایک طرف تعلق مع اللہ اور دوسری طرف امت کے لئے درد و فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسلام نے ہر چیز میں توازن اور اعتدال کو پسند کیا ہے، لیکن تقلید کے مسئلہ میں بھی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جہاں ایک طرف اس کو شرک کے مترادف بتایا جاتا ہے وہیں دوسری طرف بعض مقلدین ایسی بات کہہ بیٹھتے ہیں جس کو کسی بھی طرح جائز نہیں کہا جا سکتا، مندرجہ ذیل صورتیں اسی جمود اور غلو میں داخل ہیں:

۱- ائمہ مجتہدین کے بارے میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ معاذ اللہ شارع ہیں یا وہ معصوم اور انبیاء علیہم السلام کی طرح خطاؤں سے پاک ہیں۔

۲- کسی صحیح حدیث پر عمل کرنے سے محض اس بنا پر انکار کیا جائے کہ اس بارے میں ہمارے امام سے کوئی حکم ثابت نہیں ہے۔

۳- اپنے امام کے مسلک کو ثابت کرنے کے لئے احادیث میں بے جا توڑ مروڑ کی جائے، جس پر خود بھی مطمئن نہ ہو۔

۴- صرف اپنے مسلک کو حق سمجھا جائے، دوسرے مسلک کو باطل۔

واقعہ یہ ہے کہ تمام ائمہ مجتہدین نے اجتہاد کی شرائط کو پورا کر کے قرآن و حدیث کی صحیح مراد معلوم کرنے کی کوشش کی ہے، اس لئے سب کے مذاہب برحق ہیں؛ البتہ ایک مقلد یہ اعتقاد رکھ سکتا ہے کہ میرے امام کا مسلک صحیح ہے مگر اس میں خطا کا بھی احتمال ہے اور دوسرے مذاہب میں ائمہ سے اجتہادی خطا ہوئی ہے، لیکن ان میں صحت کا بھی احتمال ہے۔

۵- ایک متبحر عالم کو بشہادت قلب یہ ثابت ہو جائے کہ امام کا قول فلاں صحیح حدیث کے خلاف ہے، اور اس حدیث کے معارض کوئی حدیث بھی نہیں ہے اس کے باوجود وہ حدیث کو قابل عمل نہ سمجھے تو یہ بھی تقلید جامد ہے۔

۶- ائمہ مجتہدین کے باہمی اختلافات کو حد سے بڑھا کر پیش کرنا بھی سخت غلطی ہے، بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں ائمہ کے درمیان صرف افضل اور غیر افضل کا اختلاف ہے، جائز و ناجائز یا حلال و حرام کا اختلاف نہیں، مثلاً: رفع یدین و عدم رفع یدین کا اختلاف، آمین آہستہ یا زور سے کہنے کا اختلاف، ہاتھ سینہ یا ناف پر باندھنے کا اختلاف، ان سب میں صرف افضل وغیر افضل کا اختلاف ہے، ورنہ یہ تمام طریقے سب کے نزدیک جائز

ہیں، لہذا ان مسائل کو حرام وحلال کی حد تک پہنچا کر امت میں انتشار پیدا کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

۷- جہاں جواز اور عدم جواز کا اختلاف ہو وہاں بھی اختلاف کو خالص علمی حدود میں رکھنا ضروری ہے (تقلید کی شرعی حیثیت بتصرف یسیر، ص/ ۱۵۷-۱۵۸)۔

احکام شریعت کے فہم میں اختلاف کا خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ثبوت ملتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ اس کی تحسین فرمائی، صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے دور میں بھی اختلاف رہا ہے، بعد میں اس بنیاد پر متعدد مدارس اور مکاتب فکر وجود میں آئے، لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ ان میں بیشتر کا وجود برقرار نہیں رہا، البتہ ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے تلامذہ اور متبعین کی فقہ پر جو مکاتب قائم ہوئے انہیں خاص شہرت حاصل ہوئی، اور سارے عالم اسلام میں ان کی درس وتدریس، بحث ومباحثہ، تصنیف وتالیف اور تحقیق وتنقیح کا سلسلہ جاری رہا، اور امت کی بہت بڑی اکثریت کو مسائل شریعت میں ان مکاتب فقہ پر اعتماد رہا۔

دور اول میں فقہی اختلافات اپنے فطری حدود میں رہے اور مختلف مکاتب فقہ کے درمیان اخذ واستفادہ اور احترام کا جذبہ بھی رہا، لیکن آہستہ آہستہ ان اختلافات نے تعصب اور تحزب کی شکل اختیار کرلی اور ایک نے دوسرے کے مسلک کو رد کرنا اپنا فرض سمجھ لیا، اس سے امت کی وحدت کو سخت نقصان پہنچا۔

اختلافات کے دائرے کو زیادہ وسعت دینے میں امت کے اندر انتشار کا خدشہ ہے، اس لئے ان اختلافات کو کتاب وسنت کی روشنی میں دیکھنا چاہئے، اور جو مسلک کتاب وسنت کے مطابق ہو اس کو اختیار کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہئے اور جس مسئلہ میں دونوں طرف دلائل ہوں اسے جائز اختلاف تصور کیا جائے اور دونوں کی گنجائش رکھی جائے، یہ اصلاً کتاب وسنت کی طرف رجوع کی دعوت ہے، اگر اسے اپنایا جائے تو اس میں شک نہیں کہ یہ اختلافات کم ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ ابھر سکتا ہے، اور امت کے اندر اتحاد کی راہ کھل سکتی ہے۔

اپنے مسلک کی وضاحت متانت وسنجیدگی اور علم وانصاف کے دائرے میں رہ کر کرنا چاہئے، دوسروں کو طعن وتشنیع کرنے سے گریز کرنا چاہئے، مخالف کو اگر مخاطب کرنا ضروری ہی ہو تو لب ولہجہ مشفقانہ اور ناصحانہ رکھنا چاہئے، مناظرہ بازی اور دل آزاری سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے، تاکہ مسلمانوں کا اتحاد مضبوط ہو اور گروہ بندی کی شکل پیدا نہ ہو۔

جواب (۲):

دور حاضر کے نازک ترین حالات اس بات کا تقاضا کر رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اتحاد، فکر وعمل پیدا ہو، مختلف بنیادوں پر فرقوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی یہ امت وحدت کلمہ کی بنیاد پر اپنی شیرازہ بندی کرے اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہونے والی سازشوں اور حملوں کا مقابلہ کرے، قرآن کریم نے امت کی اجتماعیت اور شیرازہ بندی کو کس قدر ضروری سمجھا ہے اور امت کی صفوں میں دراڑ کو کتنا سم قاتل قرار دیا ہے، اس کا اندازہ درج ذیل سے کیا جاسکتا ہے:

"واعتصموا بحبل الله جميعًا ولا تفرقوا واذكروا نعمت الله عليكم إذ كنتم أعداء فألف بين قلوبكم فأصبحتم بنعمته إخوانًا" (آل عمران: ۱۰۳)۔

(اور اللہ کی رسی کو تم سب مل کر مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو اور پھوٹ مت ڈالو اور اپنے اوپر اللہ کے احسان کو یاد رکھو جب تم آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا تو اس کے احسان سے تم بھائی بھائی ہو گئے)۔

"وأطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا إن الله مع الصابرين" (انفال: ۴۶)۔

(اور اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور آپس میں جھگڑا مت کرنا ورنہ تم ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور جے رہو بے شک اللہ جمنے والوں کے ساتھ ہے)۔

امت کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ اتحاد امت کی بے شمار بنیادیں پائی جانے کے باوجود اس امت کا شیرازہ بکھرتا جارہا ہے، اور امت کا کمزور جسم

فرقہ بندیوں، تفرقہ بازیوں اور باہمی تنازعات سے زرد نزار ہورہا ہے، ایسے لوگ بہت کم ہیں جو امت مسلمہ کے مختلف گروہوں کے درمیان پائے جانے والے متفقہ امور کو نمایاں کریں اور وحدت کلمہ کی بنیاد پر امت کی شیرازہ بندی کرنے کے لئے فکر مند ہوں، مختلف مسالک اور گروہوں کے درمیان مفاہمت اور باہمی قربت پیدا کرنے کی کوشش کریں، ایک دوسرے کے بارے میں حسن ظن اور اعتماد باہمی کے جذبات کو فروغ دیں، اختلافی امور کے اظہار میں نرمی، رواداری اور حسن تعبیر کی تلقین کریں۔

الحمدللہ امت کے بیشتر گروہوں کے بنیادی عقائد میں اتفاق پایا جاتا ہے، شریعت اسلامیہ کا ماخذ وسر چشمہ صرف کتاب وسنت ہے، اس میں کسی گروہ کا کوئی اختلاف نہیں، لہذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ اتحاد واتفاق اور باہمی الفت ویگانگت کی بنیاد استوار نہ ہو، ہاں ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلکی نمائندے گروہی عصبیت کے خول سے باہر نکل کر بلند تر مقاصد کے لئے سوچنے کا حوصلہ پیدا کریں، جذباتیت، سطحیت، اور خود غرضانہ خواہشات سے بلند ہو کر اعلی مقصد کے لئے وسیع تناظر میں کام کرنے کی صلاحیت پیدا کریں، اگر دوسروں کے ساتھ تعاون نہ کرسکتے ہوں تو کم از کم مخالف رویہ اپنانے سے گریز کریں، انانیت کا لبادہ اتار کر تواضع کا مظاہرہ کریں کہ اتحاد واتفاق کی پہلی اینٹ تواضع ہے اور اسی میں حقیقی عزت ورفعت پوشیدہ ہے۔

جواب (۳):

لفظ کافر یا کفر سے کسی کو زک پہنچانا، کسی کی تحقیر کرنا یا کسی کے جذبات مجروح کرنا، ہرگز مطلوب نہیں، کافر غیر مسلم کا متبادل بھی نہیں، تمام غیر مسلم کافر نہیں قرار دیئے جاسکتے، مذہبی اصطلاح میں کافر وہ ہے جو انکار کرے، مسترد کرے یا کسی چیز یا بات کو قبول کرنے سے منہ پھیر لے، لہذا ایک مذہب کے پیروکار دوسرے مذہب کے ماننے والے کافر ہیں، اشتراکیت اور سرمایہ داریت کے پیروکار باہم ایک دوسرے کے لئے کافر ہیں، اسلامی اصطلاح میں ہر وہ فرد جو اللہ کے علاوہ دیگر خدا یا دیوی دیوتا کی عبادت سے انکار کرے وہ مؤمن یا ایمان والا ہے، کافر وہ ہے جو اس خدائے لاشریک کی عبادت یا اس کی الوہیت کو تسلیم کرنے سے انکار کرے مگر اس میں کسی تحقیر یا توہین کا عنصر شامل نہیں۔

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اللہ نے مذہب کے معاملے میں انسان کو آزادی اور اختیار دے رکھا ہے کہ وہ جو مذہب چاہے اختیار کرے یا لامذہب رہے۔ سورہ بقرہ میں اللہ کا ارشاد ہے: ''دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہے''۔

لہذا یہ کہنا کہ مسلمان دیگر مذاہب سے متعلق دلوں میں حقارت محسوس کرتے ہیں یا ایک خدا پر یقین نہ رکھنے والوں کی توہین کے حامی ہیں، غلط ہے اور کسی مومن میں اس کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔

جواب (۴):

مسلمانوں کے درمیان شیعہ سنی تناؤ اور تنازعہ ہمیشہ سے رہا ہے اور اس بنیاد پر دونوں فرقوں کے سیاسی اور سماجی افکار میں خاصہ فرق رہا ہے، چند ممالک مثلاً ہندوستان، پاکستان، سعودی عرب وغیرہ میں یہ اختلافات اکثر ابھر کر سامنے آتے رہتے ہیں، اور جداگانہ سیاسی ایروچ وموقف کا باعث رہے ہیں، سعودی عرب اور شام میں ارباب اقتدار مسلک کی بنیاد پر اپنی قومی پالیسیوں اور بین الاقوامی تعلقات کے خطوط طے کرتے ہیں، جس سے عوامی سطح پر بے اطمینانی اور اضطراب ایک مستقل امر رہا ہے، افغانستان اور عراق میں جو پچھلے دہے میں امریکی جارحیت اور قبضے کا شکار ہے، ان دو فرقوں کے درمیان تنازعہ بھی دیکھنے میں آیا ہے، اکثر سماجی شورش پھیلانے والی قوتیں شیعہ، سنی اختلافات کو بھی اپنی حکمت عملی کے طور پر ابھارتی اور استعمال کرتی رہی ہیں، ہندوستان میں اگرچہ اس مسلکی کشیدگی کی نوعیت بہت نچلی سطح پر محرم کے جلوس کے راستہ پر اختلاف یا تشدد کی شکل میں دیکھی جاتی رہی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''المسلم من سلم الناس من لسانه ویده'' (احمد فی المسند ۲/ ۳۷۹، وفی الطبعة الجدیدہ، رقم: ۸۹۱۸)۔
(صحیح مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ ہوں)۔

عقائد، فرائض اور حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا مسئلہ مقدم اور سب سے اہم ہے، یہ بات محقق ہے کہ اللہ تعالی چاہے گا تو اپنے حقوق معاف

کردے گا لیکن بندوں کے حقوق ومطالبات کو معاف کرنا اس نے بندوں ہی کے اختیار میں دے رکھا ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی ایک مجلس میں سوال فرمایا کہ جانتے ہو کہ کنگال اور تہی دست کون ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں کنگال اور تہی دست اس کو سمجھتے ہیں جس کے پاس نہ نقدی ہو نہ سامان۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں مفلس (کنگال) وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوۃ سب لے آئے گا، لیکن کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا، تو قیامت میں اس کی نیکیاں ان لوگوں کو دے دی جائیں گی، اور جب نیکیاں بھی ختم ہو جائیں گی اور مطالبے باقی ہوں گے تو ان کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے پھر وہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس طرح کی خونریزی سے بچا جائے، اس لئے کہ کسی کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اس سلسلہ میں علماء اور اصحاب فکر کی ذمہ داری ہے کہ آپس میں اخوت و بھائی چارہ پیدا کریں۔

جواب (۵):

''من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم جارہ'' (مسلم: ۱۷۳)

(جو اللہ تعالی اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے)۔

انسان کا اپنے قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق پڑوسیوں سے بھی ہوتا ہے، اور اس کی خوشگواری اور ناخوشگواری کا زندگی کے چین وسکون اور اخلاق کے بناؤ بگاڑ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم وہدایت میں پڑوسی کے اس تعلق کو بڑی عظمت بخشی ہے اور اس کے احترام ورعایت کی بڑی تاکید فرمائی ہے، یہاں تک کہ اس کو جزو ایمان، داخلہ جنت کی شرط اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا معیار قرار دیا ہے، ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پڑوسی کے بارے میں برابر تاکید فرماتے رہے یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دیں گے۔

پڑوسی کی راحت وآرام، کھانے پینے کی فکر، یہاں تک کہ اگر ناخواندہ لوگوں کا طبقہ ہو تو ان کی تعلیم، اور دین سکھانے کی فکر وکوشش کو پڑوسیوں کے حقوق میں شمار کیا گیا ہے؛ یہ دین کا ایک اہم شعبہ ہے جس سے اکثر لوگ غافل ہیں، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ پڑوسیوں کے حقوق پامال کئے جاتے ہیں، اور خاص طور پر اس مشینی دور میں ایک پڑوسی کو دوسرے پڑوسی کی خبر لینے کی نوبت بھی اکثر نہیں آتی، اور بعض مرتبہ سالہا سال گزر جانے کے باوجود بیگانگی ہوتی ہے۔ جب کہ حدیث میں یہاں تک وارد ہوا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کی دیکھ بھال کرو، اور سالن تیار کرلو تو شوربہ بڑھا دو تا کہ تمہارے پڑوسی بھی اس سے محروم نہ رہیں۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ پڑوس میں جو سب سے زیادہ قریب ہو اس کا حق سب سے زیادہ ہے۔

یہ مذہبی علماء اور پیشواؤں کی ذمہ داری ہے کہ وہ عقائد اور ایسے حقائق اور مشترک قدریں تلاش کریں جن کی اساس پر اتحاد واتفاق ممکن ہو، یہ دیکھنا اس کا کام ہے کہ وہ کیا مصالح، فوائد اور احساسات ہو سکتے ہیں، جہاں یہ امت یکساں ہو سکتی ہے اور مفاہمت کی وہ کیا شکلیں اور تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں جن سے تناؤ کے ماحول میں حالات کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔

اختلاف رائے اور وحدت امت

مولانا محمد نثار عالم ندوی[1]

انتشار وافتراق کے نتائج:

قرن اول کے مسلمان جس طاقت وقوت کے بل بوتے پر مصر وشام، عراق وایران جیسے ممالک پر چھا گئے تھے وہ اخوت ومحبت، اخلاص وللہیت، ہمدردی ورواداری اور آپسی بھائی چارے کی طاقت تھی جب یہ چیزیں مسلمانوں کے اندر سے جاتی رہیں تو اس کی جگہ انتشار وافتراق نے لے لی، جس کا نتیجہ موجودہ المیہ کی شکل میں نظر آرہا ہے، آپسی اختلافات اور تعصب کی وجہ سے ملت روز بروز کمزور تر ہوتی چلی جارہی ہے، مسلکی تعصب وتشدد کی حد تو یہ ہے کہ ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک کے لوگوں کو برداشت نہیں کرسکتے۔

سوال یہ ہے کہ کسی قوم کے اندر انتشار وافتراق کیوں پیدا ہوتا ہے، اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ ہے کہ جب کسی قوم میں علاقائی عصبیت، ذات پات کا تصور اور شخصی وانفرادی مفادات کا غلبہ ہوجائے تو وہ افتراق وانتشار کی آگ میں جلنے لگتی ہے جس میں خود ہی جل کر فنا ہوجاتی ہے، یہی حال ہماری ملت کا بھی ہوا ہے۔

اتحاد ایک قرآنی پیغام:

قرآن کا ایک ادنی طالب علم بھی جانتا ہے کہ قرآن انسانوں میں پائے جانے والے رنگ ونسل، زبان وعلاقے کے امتیاز کا خاتمہ کرتا ہے اور تمام انسانوں کا رشتہ ایک جوڑے سے منسوب کرکے انسانوں کو آپسی اتحاد واتفاق کی دعوت دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

یا أیہا الناس إنا خلقناکم من ذکر وأنثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أکرمکم عند اللہ أتقاکم۔

نیز اجتماعیت کی تلقین اور انتشار وافتراق سے بچنے کی تاکید قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے:

اذکروا نعمۃ اللہ علیکم إذ کنتم أعداء فألف بین قلوبکم فأصبحتم بنعمتہ إخوانا۔ الخ

غرض جگہ جگہ قرآن نے مومنوں کو اتحاد واتفاق سے رہنے کی تلقین کی ہے، اسلام کے بیشتر احکام وعبادات سے بھی اجتماعیت کی دعوت ملتی ہے، نماز جیسی اہم عبادت کو بھی تنہا پڑھنے پر نہیں چھوڑا گیا حالانکہ تنہا نماز میں خشوع وخضوع باقی رہنے کا زیادہ امکان ہے، زکوۃ کا بھی اجتماعی نظام رکھا ہے، روزہ بھی ایک متعین ماہ میں ایک ساتھ فرض کیا گیا ہے، اسی طرح حج بھی سراپا اجتماعیت کی دعوت دیتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے جملہ احکام پر عمل اجتماعی شکل میں اور اجتماعی معاشرہ ہی میں ہوسکتا ہے۔

اختلاف کی ممانعت اور اتحاد کا حکم:

قرآن میں تو اتحاد واتفاق سے متعلق ہدایات ملتی ہیں نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بے شمار مواقع پر اس کے تعلق سے لوگوں کو متنبہ کیا ہے، احادیث کے مطالعہ سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ انتشار وافتراق قوم وملت کے لئے سم قاتل ہے۔

(۱) عن ابن عمر قال خطبنا عمر بالجابیۃ فقال: یا أیہا الناس إنی کنت فیکم بمقامکم رسول اللہ ﷺ فینا فقال: أوصیکم بأصحابی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ثم یفشو الکذب حتی یحلف الرجل ولا یستحلف ویشہد الشاہد ولا یستشہد علی لا یخلون الرجل بامرأۃ إلا کانت ثالثہما الشیطان. علیکم بالجماعۃ وإیاکم

[1] عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابہا، الجامعۃ الکوثریہ ادتلا آلوائی، ارناکولم، کیرالہ۔

والفرقہ فإن الشيطان مع الواحد وہو من الاثنين أبعد من أراد بحبوحة الجنة فليلزم الجماعة ومن سرته حسنته وسائته سيئته فذلك المؤمن (ترمذی، باب ما جاء فی لزوم الجماعة)۔

(۲) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ: لن تجتمع أمتي على الضلالة فإن يد اللہ مع الجماعة من شذ شذ فی النار (ترمذی)۔

(۳) عن جابر قال سمعت رسول اللہ ﷺ يقول إن الشيطان قد أئس أن يعبده المصلون فی جزيرة العرب ولكن فی التحريش بينهم (مسلم، باب تحريش الشيطان: ۲۸۱۲)۔

اسباب اختلاف سے بچنے کی تدابیر:

جو چیزیں انتشار وافتراق کا سبب بنتی ہیں اور جن کی وجہ سے اتحاد واتفاق متاثر ہوتا ہے ان سے بچنے کی تاکید بھی حدیثوں میں ذکر کی گئی ہے:

عن أبي هريرة أن رسول اللہ ﷺ قال: إياكم والظن فإن الظن أكذب الحديث ولا تجسسوا ولا تحسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وكونوا عباد اللہ إخوانا (بخاری، باب یا أيها الذين آمنوا اجتنبوا: ۶۰۶۴)۔

عن ابن عباس عن رسول اللہ ﷺ قال: ثلاثة لا ترفع صلاتهم فوق رؤوسهم شبرًا رجل أم قوما وهم له كارهون وامرأة باتت وزوجها عليها ساخط وأخوان متصارمان (ابن ماجہ باب من أم قومًا وهم له كارهون)۔

اسلام میں تفرقہ بازی کس قدر ناپسندیدہ ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تفرقہ واختلاف کے اندیشہ سے صحابہ کرام کو ایک ساتھ تلاوت قرآن سے منع کر دیا؛ کیونکہ تلاوت قرآن کے لہجے میں ان کے درمیان اختلاف ہو گیا تھا تاکہ ان کا یہ اختلاف کہیں انہیں تفرقے وشر میں مبتلا نہ کر دے (صحیح بخاری: ۵۰۶۰)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتحاد واتفاق اور اجتماعیت سے رہنے کی حد درجہ تاکید فرمائی ہے؛ کیونکہ اتحاد واتفاق طاقت کی علامت ہے اور انتشار وافتراق ضعف اور کمزوری کی علامت ہے، تنہا فرد بآسانی مخالف گروہ کا شکار ہو سکتا ہے، بھٹک سکتا ہے، بگڑ سکتا ہے لیکن جب وہی شخص کسی جماعت اور اجتماعیت کا حصہ بن جائے تو کوئی بھی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

مذکورہ تمہیدی بحث کے بعد اب ہم فقہی سمینار کے قائم کردہ سوالوں کے جوابات کی طرف آتے ہیں:

سوال نمبر (۱) کا جواب:

احکام شریعت کو مستنبط کرنے میں آپسی اختلاف کا ہو جانا نہ صرف جائز بلکہ ممدوح ومقبول ہے اس لئے کہ اس سے مسائل کا شرعی حل مطلوب ہے، اختلاف کا ہونا انسانی فطرت کا تقاضا ہے بلکہ یہ تو سنت نبوی، عمل نبوی اور حکم نبوی کو زندہ رکھنے کا ذریعہ ہے بایں سبب اختلاف صحابہؓ کی جماعت میں بھی رہا ہے اور یہ منشا خداوندی کے عین مطابق ہے۔

شریعت اختلاف سے منع نہیں کرتی بلکہ مخالفت سے روکتی ہے۔ چونکہ مخالفت کی وجہ سے بغض وحسد، نفرت وعداوت، تعصب وعصبیت پیدا ہو جاتی ہے، عصر حاضر میں انتشار وافتراق کا ایک اہم سبب فقہی مسائل اور فقہی مسالک کو سمجھا جاتا ہے، یہ بات خلاف واقعہ وخلاف حقیقت ہے، بلکہ ان فقہی مسالک کی توضیح وتشریح اور طریقہ تدریس کے رویہ کا بڑا دخل ہے، لہذا اتحاد واتفاق کی فضا بنانے کے لئے کچھ حدود وآداب کا خیال کرنا ضروری ہے:

الف:...... فقہی مسلک پر بحث ومباحثہ کرتے ہوئے یا کسی قول کو ترجیح دیتے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ یہ ایک مجتہدانہ عمل ہے، صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی، جبکہ دونوں پر ہی اجر کا وعدہ ہے، اپنی رائے کو نص صریح نہ سمجھے اس سے دوسرے کے قول کی تنقیص ہوتی ہے۔

ب:...... بحث ومباحثہ کرتے وقت اسلاف کے طریقہ پر عمل کریں، اپنی بات کو حق سمجھے لیکن خطا کا امکان کے ساتھ دوسرے کے قول کو خطا سمجھے حق کے امکان کے ساتھ، مخالف کے مسلک کا بھی ادب واحترام کرتے ہوئے اسلاف کا نمونہ پیش کریں جس کی مثال حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ

صاحب نے بڑی تفصیل سے بیان کی ہے (بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعہ ۲/ ۱۴۷)۔

ج:......مرجوح قول پر طنز ومزاح اور تنقیص وتذلیل کا رویہ بالکل نامناسب ہے۔

د:......صرف اور صرف دلائل کی زبان میں اپنے مسلک کی وضاحت ہو، دلیل سے ہٹ کر بات کرنا اختلاف وانتشار کو ہوا دینا ہوگا۔

ہ:......اختلاف میں رواداری کا مکمل خیال رکھنا ہوگا، ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش اور دوسرے کے حق رائے کو تسلیم کرنا ہے، کسی کا اپنی رائے کو حق سمجھنا اور عزیز رکھنا تو ایک فطری بات ہے لیکن رائے رکھنے کے حقوق اپنے ہی لئے محفوظ کر لینا انفرادیت کا وہ مبالغہ ہے جو اجتماعی زندگی میں کبھی نہیں نبھ سکتا۔

و:......فریق بننے کے بجائے رفیق بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔

یہ چند وہ اصول وآداب ہیں جو اجتماعی زندگی میں اتحاد واتفاق کے لئے معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

سوال نمبر (۲) کا جواب:

اوپر ذکر کردہ اصول وآداب بھی اس مسئلہ پر مدد ومعاون ہیں، نیز عقیدہ کے متعلق پائے جانے والے اختلافی بحث ومباحثہ میں کچھ خاص باتوں کا لحاظ از حد ضروری ہوگا، مثلاً:

(الف)......ہر شخص اپنی قوتیں دوسروں کی تردید میں صرف کرنے کے بجائے اپنی مثبت چیز پیش کرے یعنی منفی جذبات کے بجائے مثبت طرز عمل اختیار کریں

(ب)......اپنی مرضی دوسروں پر زبردستی مسلط کرنے کا حق کسی کو نہیں ہونا چاہئے، کوئی بھی اپنی بات منوانا چاہتا ہو وہ جبر سے نہیں بلکہ دلائل سے منوائے۔

سوال نمبر (۳) کا جواب:

گمراہی سمجھے جانے والے فکر وعقیدہ، اور موجب کفر سمجھے جانے والے کفر وعقیدہ میں شرعی طور پر تو فرق ہے ہی کہ وہ الفاظ سے ہی عیاں ہے کہ ایک عمل یعنی فکر وعقیدہ موجب ضلالت اور فسق وفجور تک لے جانے والی چیز ہے، اس پر فاسق فاجر کا حکم لگایا جائے گا، جبکہ مؤخر الذکر موجب کفر ہے جس میں مداہنت کسی بھی صورت میں ممکن نہیں؛ البتہ دونوں کے اصول وآداب بھی یکساں ہی ہوں گے کہ پہلے والے افکار ہی کم ضرر رساں نہیں ہیں۔

(الف)......قرآن کے نزدیک کسی بھی عقیدے یا نظریے کو قبول کرنے یا رد کرنے، صحیح کہنے یا غلط کہنے کا اختیار تو انسانوں کو حاصل ہے لیکن یہ اختیار نہ اس عقیدے کے مخالفین کو حاصل ہے اور نہ اس کے ماننے والوں کو کہ وہ اس عقیدہ کی تشریح وتعبیر اس کے اصل مراجع سے ہٹ کر کریں، جذبات انسانی کا احترام بجا مگر حق کا احترام اس سے بڑی چیز ہے، اور حق کے احترام کی بات کرنا، باطل کے خلاف دعوت وتبلیغ کرنا رواداری کے خلاف نہیں؛ البتہ رواداری کے خلاف ہے تو تلوار وطاقت کے زور پر لوگوں سے کلمہ پڑھوایا جائے۔

(ب)......اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ حسن سلوک، نرمی اور رواداری انسانوں کے ساتھ کرنے کا حکم ہے، وقولوا للناس حسنا (البقرہ: ۸۲) چاہے وہ باطل پر ہی کیوں نہ ہو، لیکن خود باطل نظریات کسی رواداری کا استحقاق نہیں رکھتے؛ کیونکہ اس سے رواداری حق کی بھینٹ دیئے بغیر ممکن نہیں۔

(ج)......اس میں کوئی شک کی بات نہیں کہ بحث ومباحثہ تو حق وباطل پر مبنی نظریات وافکار کے درمیان ہوگا لیکن اس کو بہر حال انسانی قلوب واذہان میں برپا ہونا ہے، پس کوشش یہ ہونی چاہئے کہ حق وباطل کی اس مڈبھیڑ میں جذبات انسانی کا نقصان کم سے کم ہو جس طرح ڈاکٹر کی اصل جنگ مرض سے ہوتی ہے لیکن اعضاء جسم کے درمیان لڑنا ہوتا ہے، وہ کم سے کم نقصان اور زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ضلالت وگمراہی پر مبنی افکار اور موجب کفر افکار پر تنقید کے لئے تنقید کے مسلمہ اصول ''کہ تنقید برائے اصلاح ہو، علمی ہو نہ کہ تنقید برائے تنقیص وتذلیل ہو'' پر کار بند رہنا از حد ضروری ہوگا، نیز اپنے افکار ومسلک کی مدح وثنا جتنا چاہے کر سکتے ہیں لیکن دوسروں کے افکار ونظریات چاہے وہ قسم اول ہو یا قسم ثانی، اس کی تنقیص وتذلیل سے پھر اپنی تذلیل وتنقیص کو دعوت دینا ہے، جو حق ہم اپنے لئے چاہتے ہیں وہ حق ہمیں دوسروں کو بھی دینا ہوگا ورنہ دوسرے بھی ہمارے لئے وہی چاہیں گے جو ہم دوسروں کے لئے چاہتے ہیں۔

سوال نمبر (۴) کا جواب:

کسی کا ناحق خون کرنا:

اسلام میں جہاد ایک عبادت ہے اور اس کے کچھ شرائط وضوابط نیز اصول وآداب از روئے شرع ہیں جن کا خیال کرنا اور باریک بینی سے ان پر عمل کرنے سے وہ عبادت کا مستحق کہلاتا ہے اور اس پر موعود اجر وثواب کا استحقاق ہوتا ہے، اگر ان شرائط وضوابط کا خاطر خواہ خیال نہ کیا جائے تو وہ شر وفساد کے ضمن میں شامل ہوجاتا ہے جس کی تفصیلی بحث علامہ دمیاطیؒ (۸۱۴ھ) کی کتاب ''مشارع الاشواق إلى مصارع العشاق ومشير الغرام إلى دار السلام'' میں تفصیلاً موجود ہے۔

خلاصہ کلام:......اسلام کسی بھی شخص کو اچانک بغیر کسی سبب کے قتل کر دینا خواہ وہ مذہب اسلام کا ماننے والا ہو اور کسی بھی مسلک سے منسلک ہو یا خواہ وہ غیر مذہب اسلام پر عمل پیرا ہو، قطعا جائز نہیں ہے، حدیث میں ہے:

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: الإيمان قيد الفتك لا يفتك مؤمن (رواہ ابوداؤد بحوالہ مشکوۃ حدیث نمبر: ۳۴۶)

(ایمان نے اچانک قتل کردینے سے روک دیا ہے، چنانچہ مومن اچانک قتل نہیں کرتا)۔

مساجد واداروں پر حملہ کرنا:

اسلام جس طرح خون ناحق کو باطل قرار دیتا ہے اور تمام انسانوں کی نفس وجان، مال ودولت، عزت ودین کی حفاظت کی ضمانت لیتا ہے اسی طرح عبادت گاہوں، متبرک مقامات چاہے کسی بھی مذہب وادیان کا ہو، ناحق اس کے انہدام کی اجازت ہرگز نہیں دیتا؛ بلکہ ان کی حفاظت کرکے آزادانہ انسان کو اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے کا اختیار دیتا ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ہے:

الذين أخرجوا من ديارهم بغير حق إلا أن يقولوا ربنا الله، ولو لا دفع الله الناس بعضهم ببعض لهدمت صوامع وبيع وصلوات ومساجد يذكر فيها اسم الله كثيرًا ولينصرن الله من ينصره إن الله لقوي عزيز (سورہ حج: ۴۰)۔

شیعہ سنی مذہبی خون ریزی کا شرعی حکم:

اس وقت بلاد اسلامیہ میں جو شیعہ سنی جنگیں وخونریزی جاری ہے اور جس کو مذہب سے جوڑ دیا گیا ہے اس کا دین اسلام سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ ایک شر انگیزی ہے فساد ہے فتنہ ہے، اپنے اپنے مفاد کی حصولیابی کی جنگ ہے، حصول اقتدار کی جنگ ہے؛ البتہ کمزور جماعت زیادہ نقصان سے بچنے کے لئے مسلک ومذہب کے نعرہ لگاتی ہے، یا للأنصار یا للمهاجرين والی لڑائی ہے، اس کو روکنا پہلی لڑائی کی طرح سے سب سے اولین فریضہ ہے اور یہ فریضہ بھی وارثین انبیاء علماء کرام کا ہی ہے، اور اسی نبوی طریقہ سے جس طریقہ سے آپ ﷺ نے یا للانصار یا للمهاجرين کے فتنہ کو ختم کیا، ہم علماء امت کے لئے چند لائحہ عمل ہو سکتا ہے:

(الف)......عصری اسلوب اور عصری زبانوں میں مفید ومثبت لٹریچر کی فراہمی کی جائے اور امت کے ہر فرد تک پہنچایا جائے۔

(ب)......سیمینار، کانفرنس اور بین المسالک وبین المذاہب ڈائیلاگ آسٹیج کیا جائے جس پر کھل کر بحث ہو اور ایک مذمتی قرارداد پاس کر کے اس کو ہر ممکنہ وسائل سے عام کیا جائے۔

(ج)...... میڈیا و ذرائع ابلاغ کی طاقت واثر کا کسی کو انکار نہیں اور موجودہ خون ریز جنگ میں اس کا کردار دوسری چیزوں کے بمقابل زیادہ ہے، تمام گروپ و جماعت اس سے کس قدر مدد لیتے ہیں اور کس طرح وہ کامیاب ہو رہے ہیں اپنے اپنے مشن میں یہ سب ڈھکی چھپی بات نہیں ہے

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مغربی میڈیا اور اس کے اثرات: مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری)۔

لہٰذا ایک ٹی وی چینل کا قیام ہو جس میں دعوتی نقطہ نظر سے پیام انسانیت کے اسٹیج سے مثبت چیزوں کو حقائق و دلائل کی روشنی میں پیش کیا جائے۔

سوال نمبر (۵) کا جواب:

اسلام ایک صاف ستھرا مذہب، رواداری واعتدال والا مذہب ہے، وہ ایک عالمی مذہب ہے، پورے عالم کو ایک ساتھ لے کر چلنے کا ایک مکمل صاف نظام ہے جس کی بین مثال میثاق مدینہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سہ طرفہ تعلقات مشرکین و یہود مدینہ کے ساتھ بقاء باہم کا بین ثبوت ہے، وہ میثاق ہر زماں و مکاں کے لئے مشعل راہ ہے۔

نیز جب بھی کوئی جنگ وجدال اور باہمی منافرت کی ہوا چلتی ہے تو اس میں دونوں فریق کے علماء و مذہبی پیشواؤں کا ایک اہم کردار اور رول ہوتا ہے، پس اس کو دبانے میں بھی یہی جماعت موثر ثابت ہو سکتی ہے، ملی انتشار کا ایک اہم سبب علماء کرام کے مابین عدم تعاون، مقابلہ آرائی، بغض وحسد اور تعصب وعصبیت ہے، وحدت امت کی کوششیں اسی وقت کارگر ثابت ہو سکتی ہیں جب علماء از خود اتحاد کا مظاہرہ کریں اور ملت کو اس پہلو سے آمادہ کریں۔

اختلاف رائے اور وحدت امت

مفتی عبدالحکیم قاسمی[1]

اللہ جل شانہ نے مسلمانوں کو اتحاد و اجتماعیت کا حکم دیا ہے، اور باہمی فرقہ بندی سے سختی سے منع فرمایا ہے، لیکن دوسری طرف واقعہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کے افراد کے مابین مختلف قسم کے اختلاف پائے جاتے ہیں بعض اختلاف تو وہ ہے جس کا تعلق عملی غیر قطعی احکام سے ہے، اور بعض اختلاف وہ ہے جس کا تعلق عقیدے سے ہے، اس اعتبار سے ہم اختلاف کو مختصر طور پر دو صورت میں پیش کرتے ہیں:

سب سے پہلی صورت جس کو ہم شریعت کی اصطلاح میں فقہی اختلاف کہتے ہیں اس کو ذکر کرتے ہیں اور اس کے ضمن میں اور بھی باتیں جو فقہی اختلاف کے تعلق سے ہیں وہ بھی ذکر کرتے ہیں اور جہاں تک ہو سکے اس کو مختصر طور پر ذکر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ اسلام ایک کامل و مکمل دین ہے، یہ رہتی دنیا تک ساری انسانیت کی رہنمائی کے لئے آیا ہے، انسانی زندگی سے متعلق تمام گوشوں میں اس کی جامع ہدایات و رہنمائیاں پائی جاتی ہیں، کسی بھی پہلو سے اسلام نے بے توجہی نہیں برتی ہے اور نہ کسی گوشہ کو تشنہ یا نا تمام رکھا ہے، بلکہ اس میں ہر تغیرات و حوادثات کو قبول کرنے کی صلاحیت و صلابت موجود ہے، اس کا منبع قرآن وحدیث ہے، شریعت کے ہر حکم کی دلیل کسی نہ کسی درجہ میں ان دونوں کے اندر موجود ہے، بلکہ فقہاء کے تمام اصول تخریج اور قواعد و استنباط و استخراج بھی دراصل انہیں سے ماخوذ ہیں؛ اس لئے بلا تردد دوٹوک الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ فقہاء کے تمام اجتہادات و استنباطات وغیرہ دراصل شریعت کا قیمتی سرمایہ اور دین کا لازمی حصہ ہیں، ہم کو یہاں یہ اشکال نہیں ہونا چاہئے کہ اسلام تو ایک کامل و مکمل دین ہے وہ اتحاد و اتفاق کی تعلیم دیتا ہے، لیکن خود امت مسلمہ کے اندر مختلف آراء اور مختلف مذاہب پائے جاتے ہیں یہ کیسے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے اصولی و بنیادی تعلیمات بالکل واضح اور دوٹوک ہیں، لیکن بعض جو غیر منصوص احکام ہیں اور جو شریعت کے تفصیلی احکام کی جزوی تفصیلات وغیرہ سے متعلق ہیں ان میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے، اگر اس طرح کا علمی و فقہی اختلاف کسی مستند و معتبر دلیل پر مبنی ہو تو یہ خود محمود و مطلوب ہے، کوئی مذموم شئی نہیں ہے؛ کیونکہ اختلاف کے اسباب جو بھی ہوں سب کا مقصود ایک ہے، تلاش حق، منشاء خداوندی اور مراد نبوی کی حقیقت کو جاننا ہے، اور کیونکر یہ مذموم ہوگا جبکہ فقہاء کا اختلاف راجح و مرجوح، افضل و غیر افضل سے زیادہ نہیں ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ فقہاء کے مابین اختلاف کی زیادہ تر صورتیں بالخصوص وہ مسائل جن میں صحابہ کے اقوال دونوں جانب ہیں، جیسے تکبیرات عیدین، تکبیرات تشریق، احرام والے کا نکاح، آمین بالجہر، تسمیہ بالجہر جیسے اور دیگر مسائل میں یہ اختلاف دو باتوں میں سے بہتر بات میں تھا (یعنی افضل و غیر افضل سے زیادہ اور کوئی اختلاف نہ تھا، نفس مشروعیت میں تو سب کا اتفاق تھا) (بحوالہ رحمۃ اللہ الواسعہ ۲/ ۱۷۰)۔

یہاں پر ایک بات سمجھنے کی ہے کہ وہ اختلاف جو تھا صرف افضل و غیر افضل میں تھا، اس کی وجہ سے ایک دوسرے پر تکفیر کا فتوی دینا یا اس کو حق و باطل کا اختلاف قرار دینا بالکل غلط ہے، اسی طرح جزوی اختلاف کو لے کر امت کے مابین انتشار و افتراق پیدا کرنا یا مسائل کو اس طرح بیان کرنا کہ دوسرے کی توہین ہو یہ سب غلط ہے، ہم اپنے صحابہؓ، تابعین و اسلاف امت کے حالات پر نظر کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ اس اختلاف کو معمولی گردانتے ہوئے ایک دوسرے کی آراء و افکار کا احترام کرتے تھے، ایک دوسرے کے ساتھ نہایت درجہ ادب و احترام کا معاملہ کرتے تھے، وہ اس اختلاف کو لے کر ایک دوسرے پر زبان لعن دراز نہیں کرتے تھے لیکن آج کل کے ماحول میں کچھ لوگ اس طرح کے فروعی مسائل اختلاف کو اس طرح

[1] [illegible] ارناکولم، کیرالہ۔

بیان کرتے ہیں کہ لگتا ہے کہ حق و باطل کا اختلاف قرار دیا جا رہا ہے جبکہ اس وقت امت مسلمہ کو آپسی اتحاد کی جس قدر ضرورت ہے شاید ہی کسی زمانہ میں رہی ہو، ایسے وقت میں چند جزوی مسائل کو لے کر گھر گھر انتشار و افتراق کا ماحول پیدا کرنا یہ وقت و حالات کے تقاضے کے بالکل خلاف ہے، آج امت مسلمہ جس طرح کے خطرات و حالات سے دوچار ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔

ایسے وقت میں ہمارا طریق کار یہ ہو کہ امت کو غیر ضروری مباحث میں الجھانے کے بجائے امت کی توجہ کو دینی حالات کی اصلاح، اعمال کی طرف دعوت، معاشرت و معاملات کی درستی اور غیر مسلموں میں اس کے پیغام حق و صداقت کے عام کرنے اور مسلمانوں کے خلاف خصوصا دیہاتوں میں قادیانیت کی سرگرمیوں کو، عیسائی مبلغوں اور ان کے تبلیغی مرکزوں کو جو حق کے خلاف ہیں ان کو کمزور کرنے کی طرف توجہ مبذول کریں تو اس سے نہ صرف ہمارے دنیوی احوال درست ہوں گے بلکہ مسلکی تنازعات و اختلاف سے اوپر اٹھ کر اسی درمیانی راہ کو اپنانے میں ہماری اخروی کامیابی کا راز بھی پنہاں ہے۔

رہی بات عقیدے میں جو اختلاف ہے وہ بہت اہم ترین ہے، کیونکہ امت کے ۷۳ فرقے عقیدے کی ہی بنیاد پر ہیں، لیکن ایسی صورتحال میں جبکہ ملت پر چوطرفہ حملے ہو رہے ہیں۔ ملی تہذیب و ثقافت اور دین کو مٹانے کے لئے دشمنان اسلام منصوبہ بند کوششیں کر رہے ہیں، اور جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہو رہے ہیں، غرض طرح طرح کی کوششیں کی جا رہی ہیں، نیز ملت کی داخلی صورتحال اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہے، تعلیمی پسماندگی، معاشی بدحالی، غربت و افلاس مسلم معاشرے کی شناخت بن چکی ہے، ایک سروے کے مطابق دنیا کی ۶۴ فیصد ذرائع آمدنی عالم اسلام کے پاس ہے لیکن پھر بھی ملت کے ۷۴ فیصد لوگ خط افلاس کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں، ایسے نازک حالات میں اپنے آپ کو آپسی اختلاف میں نہیں الجھانا چاہئے اور ان کو غیروں کے سامنے لانا بھی نہیں چاہئے، بلکہ اس کو حسین مناظرے اور مدلل گفتگوؤں کے ذریعہ آپس میں حل کرنا چاہئے، اللہ تبارک و تعالی قرآن کریم میں جگہ جگہ مومنوں کو اتحاد و اتفاق سے رہنے کی تلقین کی ہے، اسلام کے بیشتر احکام و عبادات سے بھی اجتماعیت کی دعوت ملتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حد درجہ اتحاد و اتفاق اور اجتماعیت کو اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے؛ کیونکہ اتحاد و اتفاق طاقت کی علامت ہے، اور انتشار و افتراق ضعف و کمزوری کی علامت ہے۔

مذکورہ تمہید کے بعد اب ہم فقہ اکیڈمی کے قائم کردہ سوالات کے جواب کی طرف آتے ہیں:

سوال نمبر (۱) کا جواب:

فقہی مباحث میں کسی مسلک یا قول کو ترجیح دینے کے طریقے:

اللہ کو اپنے حبیب سے جو محبت تھی اس کی خاطر اللہ نے چاہا کہ اپنے حبیب کی ہر ہر ادا اور ہر حرکت کو محفوظ رکھے لہذا مسلکی اختلافات کے ذریعہ اللہ نے یہ حل نکالا ہے، اس لئے اس نقطہ کو سمجھئے کہ جس مسلک کے خلاف تند و تیز زبان استعمال کی جا رہی ہے، کہیں وہ اللہ کے حبیب کی نسبت کے خلاف تو نہیں جا رہی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ آنجناب کا ہی مسلک غلط ہو اور مخالف کی رائے حق و درست ہو کہ مجتہد کا فیصلہ ہی ہوتا ہے۔

بغالب الرأی علی احتمال الخطأ (حسامی / ۱۰۵)۔

نیز تنقید بطور تنقید ہو تنقیص نہ ہو، صداقت و باہمی انصاف پر مبنی ہو، اسی طرح اختلاف میں اعتدال و رواداری کا سلوک اختیار کیا جائے، نیز منفی جذبات کے بجائے مثبت طرز عمل اختیار کرنا بہتر و موثر ثابت ہوگا، نیز انفرادی عصبیت کے بجائے اتحاد ملت کا خیال رکھا جائے۔

سوال نمبر (۳) کا جواب:

اس وقت امت مسلمہ ایسے مسائل میں الجھی ہوئی ہے کہ اختلافی مسائل کو چھیڑ کر امت کے سامنے بے شمار مسائل کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہوگا، اس لئے کہ موجب گمراہی فکر و عقیدہ اور موجب کفر فکر و عقیدہ میں اصولی طور پر تو فرق ہے ہی لیکن زمانہ و حالات پر نظر رکھتے ہوئے ہر دور میں ایک ہی اصول پر کاربند رہ کر مزید افتراق و انتشار سے بچا جا سکتا ہے، اور اس سلسلہ میں بحث و مباحثہ کی نوبت آجانے پر تنقید کے مسلمہ

آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے مثبت انداز میں خیر خواہانہ انداز میں دلائل کی زبان میں زبان کی تیزی سے بچتے ہوئے حصہ لینے سے مطلوبہ نتائج کا خاطر خواہ اثر نکل سکتا ہے۔

سوال نمبر (۴) کا جواب:

جہاد اسلام میں ایک مقدس فریضہ ہے، قرآن وحدیث میں جہاں اس کی فضیلتیں وارد ہیں وہیں اس کے اصول وضوابط، قیود وشرائط بھی ہیں جن کی تفصیل علامہ مودودی نے اپنی کتاب میں شرح وبسط کے ساتھ بیان کی ہے، طوالت کے پیش نظر نظر انداز کیا جاتا ہے، عالم اسلام آج جس فتنہ کا شکار ہے وہ ایک عالمی فتنہ ہے جس کے مقاصد دور از اور پس پردہ عوامل ومحرکات کسی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں ہیں، اس فتنہ وفساد کو حق بجانب وہی شخص ٹھہرا سکتا ہے جو شریعت کی بنیادی چیزوں سے ہی ناواقف ہو۔

سوال نمبر (۵) کا جواب:

موجودہ زمانہ میں دنیا گلوبلائزیشن کے دور سے گذر رہی ہے، سرحد میں سمٹ کر ایک وسیع دنیا معرض وجود میں آ گئی ہے، سفر نقل وحرکت کی سہولت نے دنیا کی سرحدوں کو مٹا کر ایک مخلوط آبادی کا معاشرہ پیدا کر دیا ہے جس میں پر امن بقاء باہم کے اصولوں پر زندگی گذارنا ناگزیر ہے؛ چنانچہ ایسے حالات میں بھی ہمارے لئے شریعت میں رہنمائی موجود ہے، جس کی مثال مکی دور کی پوری زندگی ہے اور میثاق مدینہ، صلح حدیبیہ کے جو قرارات ومعاہدات تھے ان کی تاثیر وافادیت پہلے کی طرح سے آج بھی موثر ہے اور انہیں اصولوں ومعاہدات پر پر امن بقاء باہم کی زندگی استوار ہوسکتی ہے۔

امت مسلمہ کو کس طرح متحد کیا جائے

مولانا محمد فیاض عالم قاسمی [1]

قدرت نے چوں کہ انسان کی فطرت میں تلون مزاجی کو ودیعت فرمار کھا ہے، اس لیے انسان کے رہن سہن، اقوال وافعال سے لیکر اس کے عقائد وافکار میں بھی اختلاف پیدا ہو گیا اور افسوس کہ آج اس کے منفی اثرات کا شکار سب سے زیادہ مسلمان ہوئے ہیں؛ چنانچہ دنیا کے ہر خطہ میں بسنے والا مسلمان گروہی اور فرقہ وارانہ تفریق میں مبتلا ہے؛ حالاں کہ مذہب اسلام ایک صاف وشفاف اور نزاع سے کوسوں دور مذہب ہے۔ اس کے عقائد واعمال میں جو اختلاف رونما ہوئے ہیں وہ اس انسان کی کم فہمی یا غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ نیز اکثر وبیشتر مسائل میں اختلاف فروعی ہیں۔ اسی طرح زیادہ تر مختلف فیہ مسائل کا تعلق افضلیت اور غیر افضلیت سے ہے۔ کچھ اپنوں کی کوتاہی اور چند کرم فرماؤں کی وجہ سے ہر زمانہ میں دشمنان اسلام نے اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے متنفر اور باہم دست وگریباں رکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہی صورت حال آج کل کچھ زیادہ ہی تشویش کا باعث بنی ہوئی ہے۔

عالم اسلام کے موجودہ حالات کے پس منظر میں اگر مسلمانوں کو دیکھا جائے تو وہ اس وقت خانہ جنگی کے شکار ہیں، ایک طرف جہاں ان پر قتل وغارت گری، خونریزی اور دہشت گردی کا الزام ہے وہیں دوسری طرف اسلامی قوانین بالخصوص مسلم پرسنل لا پر اعتراضات اس شد ومد کے ساتھ کئے جارہے ہیں کہ عام مسلمان کا ایمان وعقیدہ متزلزل ہو جاتا ہے، بجائے اس کے کہ وہ خود کسی اعتراض کا جواب اپنے علم سے دے سکے، وہ خود شک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف میڈیا نے اسلام دشمنی ہی کو اپنا ہدف اور ذریعہ معاش بنالیا ہے۔ رائی کا پہاڑ بنانا اور ہر چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ کا بتنگڑ بنانا اس کا مقصد اصلی ہے، گزشتہ پندرہ سالوں کے دوران میڈیا کا جو رویہ رہا ہے وہ غیر منصف، متعصب اور نہایت ہی اذیت ناک ہے۔ دشمنان اسلام بھی اپنے اندرونی خرافات، فتنہ وفسادات، چھوت چھات، فحش وعریانیت، معاشی ابتری اور ملک وملت کے اہم مسائل کو پس پشت ڈال کر نیز ان کے باہمی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔ آئے دن کوئی نہ کوئی مسئلہ چھیڑ دیا جاتا ہے، اور مسلمان ہیں کہ اس پر تبصرہ وتنقید اور اس الزام کی تردید میں اپنی ساری توانائی، صلاحیتوں اور سرمایہ کو صرف کر دیتے ہیں؛ چوں کہ دوسروں پر الزام تراشی اسلام میں ممنوع ہے، اس لیے مسلمانوں نے صرف جوابی کارروائی کو اپنا مشن بنا رکھا ہے۔ اقدامی پیش رفت سے مسلمان کتراتے بلکہ گھبراتے ہیں۔ اگر کوئی فرد بشر کچھ نہ کچھ پیش رفت کرتا بھی ہے، تو اس پر کبھی فسق تو کبھی کفر کا فتوی لگایا جاتا ہے اور کبھی دشمنوں کا ایجنٹ اور جاسوس کہلاتا ہے۔

اختلافات کی نوعیت:

قادیانیوں کے ساتھ مسلمانوں کا اختلاف اصولی اور اسلام کے بنیادی رکن یعنی ختم نبوت سے متعلق ہے، جس کا وہ انکار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے سبھی فرقوں نے متفقہ طور پر ان کو کافر قرار دیا ہے۔ شیعہ وسنی میں اختلاف عقائد اور اصولیات کے ساتھ ساتھ اعمال اور فروعات میں بھی ہیں، اور بعض ایسے عقائد ہیں جن سے سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا ہے؛ اس لیے اکثر وبیشتر شیعہ کا فروزندیق ہیں۔

بریلوی، دیوبندی، حنفی، شافعی، سلفی اور غیر سلفی میں اختلاف اکثر فروعی مسائل میں ہے۔ صرف گنے چنے چند ایسے امور ہیں جن کا تعلق اصولیات اور عقائد سے ہے، اس کے باوجود علماء اہل سنت والجماعت نے ان میں سے کسی کی بھی تکفیر نہیں کی ہے؛ اس لیے کہ بعض عقائد اور فروعی مسائل میں اختلاف دور نبوی ﷺ سے رہا ہے، اور ان اختلافات کا ثمرہ تنگی اور ضرورت کے وقت اسلام کی خوبی کے طور پر ظاہر ہوتا تھا، لیکن افسوس کہ آج اس کا ثمرہ تنازع اور جھگڑا بن کر ظاہر ہو رہا ہے۔ اس کے اسباب درج ذیل ہیں:

[1] نشیمن بلڈنگ، سورتی محلہ ناگپاڑہ، ممبئی۔

۱۔ خدا ترسی کے بجائے عوام ترسی:

ہر دور میں علماء سوء رہے ہیں، جو اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے عوام کی غلط رہنمائی کرتے ہیں، وہ خدا سے ڈرنے کے بجائے عوام سے ڈرتے ہیں، ان کے پیش نظر یہ رہا ہے کہ اگر عوام کی رہنمائی اصل حقیقت تک ہوجائے تو خود ان ہی کا بوریا بستر گول ہوجائے گا، اس لیے انھوں نے اختلافی مسائل ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے، اور عوام کا ذہن ایسا بنادیا گیا ہے کہ اب ان کی دلچسپی صرف انھیں مسائل سے رہ گئی ہے، ایسے علماء نے ان مسائل کو اس قدر چٹ پٹا بنادیا ہے کہ ان کے بغیر عوام کو ایسا لگتا ہے کہ مولانا نے تقریر ہی نہیں کی ہے۔ جب تک دوسروں پر کیچڑ نہ اچھالا جائے، ان کی عزت سے کھلواڑ نہ کیا جائے، اور ان کو ذلیل ورسوا اور حقیر و کمتر ثابت نہ کیا جائے اس وقت تک ان کو عالم باکمال شمار نہیں کیا جاتا ہے۔

۲۔ معاشی ابتری:

بہت سارے باصلاحیت اور باکمال علماء وقائدین ملت معاشی ابتری کی وجہ سے عوام کی صحیح رہنمائی کرنے سے قاصر و مجبور ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ اگر انھوں نے حق بات بتائی، تو اسی دن ان پر گستاخ رسول کا فتوی عوام ہی کی طرف سے لگ جائے گا، اور ان کو دربدر کردیا جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ بعض دفعہ فقر کی وجہ سے آدمی کفر کر بیٹھتا ہے۔

۳۔ اپنی پہچان الگ بنانے کا جذبہ:

فروعی اختلاف نے ایسا موثر کردار ادا کیا ہے کہ ہر گروہ کی الگ الگ پہچان اور ان کی علامت موجود ہے۔ گھر سے لیکر باہر تک، مسجد سے لیکر مدرسہ تک حتی کہ رہن سہن، وضع قطع، ٹوپی، رومال، شادی بیاہ، رسم ورواج، سلام ودعا اور گفتار و کردار ہر موڑ پر ہر ہر گروہ کی الگ الگ پہچان قائم ہوگئی ہے۔ ایسی صورت حال میں اگر اتحاد واتفاق کی بات کی جاتی ہے تو ہر ایک کو یہ خدشہ رہتا ہے کہ کہیں ہمارا تشخص ختم نہ ہوجائے اور ہم غیر کے ساتھ مل کر غیر نہ ہوجائیں۔ اپنے تشخصات کی حفاظت کی خاطر اپنا الگ مدرسہ، مسجد، دینی رسائل اور دینی مجالس قائم کی جاتی ہیں۔ الغرض اپنے تشخصات کی بقا بھی اختلاف کا سبب ہے جو براہ راست اتحاد کی بنیادوں پر حملہ کرتا ہے۔

تاریخی حقیقت:

یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب بھی مسلمان متحد ہوئے دنیا کی سلطنت، مال ودولت، اور اکرام وعزت نے ان کے قدم چومے۔ انھوں نے ہر میدان میں اپنی صلاحیت کا لوہا منوایا، اور چہار دانگ عالم میں ان کی شان وشوکت کا ڈنکا بجا، لیکن جب بھی ان کے مابین اختلاف اور جھگڑا رونما ہوا، انھوں نے اپنوں کو غیر اور غیر کو اپنا سمجھا، رہزن کو رہبر اور رہبر کو رہزن جانا، اپنی قیادت نااہل کو سونپا، ایک گروہ نے دوسرے کو فاسق وکافر اور گمراہ قرار دیا، اپنی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے دوسروں کی تذلیل اور تحقیر سے باز نہیں آئے، تو پھر ذلت ورسوائی ان کے ہاتھ آئی، ہر جگہ اور ہر میدان میں ناکام ونامراد ہوئے، دشمنان اسلام نے صرف مسلمان ہی کو نہیں بلکہ اسلام کو بھی بدنام کیا، اور مسلمان اس پوزیشن میں نہیں رہے کہ ان کا دفاع کرسکیں۔

اس تاریخی حقیقت کے تناظر اور موجودہ حالات کے پس منظر میں اس وقت مسلمان دوراہے پر کھڑے ہیں، چاروں طرف سے مسلمانوں کو اس طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا گیا ہے کہ وہ احساس کمتری کا شکار ہوگئے ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم سیرت نبوی ﷺ سے روشنی حاصل کرکے اپنے لئے کوئی لائحہ عمل طے کریں، اور اسی کے مطابق عمل بھی شروع کریں۔

سیرت نبوی ﷺ میں نمونہ:

دور نبوی ﷺ پر جب ایک نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں مشرکین مکہ سے صلح حدیبیہ، مدینہ کے یہودی قبائل جیسے بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع سے کئے گئے معاہدہ کا ذکر ملتا ہے، ایسے معاہدے جوان کی مخالفت اور ان کے بغض وعناد سے حفاظت کی خاطر کئے گئے تھے، اور اس کے دوررس نتائج بھی برآمد ہوئے تھے، قریبی غیر مسلموں سے مطمئن ہوکر دور کے قبائل کو دعوت اسلام دی گئی، شاہان عالم کے نام خطوط لکھے گئے اور ان کو اسلام کے دامن میں پناہ لینے کی ترغیب دی گئی اور جب مسلمانوں کے قدم مضبوط ہوگئے، تو پھر گھریلو دشمنوں سے بھی نبرد آزما ہوئے۔ بنو قریظہ قتل کیے گئے،

بنو نضیر جلاوطن کئے گئے اور مکہ مکرمہ بھی شاہانہ انداز میں فتح ہوا۔ مسلمانوں کو ایسی کامیابی ملی کہ آج تک نہ کبھی کسی قوم کو ملی تھی اور نہ آئندہ کبھی ملے گی، ایسی فتح جو تاریخ عالم میں کبھی رقم نہیں ہوئی اور نہ ہوگی۔

اس لیے درج ذیل تجاویز پیش خدمت ہیں:

۱۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں کے درمیان موجود اختلافات کو ختم نہیں کیا جاسکتا ہے اور اس کے لیے کوشش کرنا بھی بے کار ہے، اس لیے اختلافات کو برقرار رکھتے ہوئے امت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کارگر ہوسکتی ہے۔

۲۔ یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ آج تک کسی فرقہ کو کافر کہنے یا کافر قرار دینے کی وجہ سے انھوں نے اپنے عقائد و اعمال کا جائزہ نہیں لیا۔ اس لیے جن فرقوں کو کافر یا فاسق قرار دیا جاچکا ہے، ان کی ازسرنو تکفیر کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک رہی بات تنقید وتبصرہ کرنے کی تو اس کا راستہ ماضی کی طرح ابھی بھی کھلا رہنا چاہیے، بشرطیکہ تنقید سے کسی کی دل آزاری نہ ہو اور ناصحانہ انداز اختیار کیا جائے، ایک جگہ بیٹھ کر تبادلہ خیال نہ کیا جائے کہ جب معاملہ آمنے سامنے ہوتا ہے تو آدمی جذبات کو قابو میں نہیں رکھ پاتا ہے تو لعن وطعن پر اتر جاتا ہے اور منافرت اور عداوت جنم لیتی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيءِ(ترمذی: ۱۹۷۷)۔

۳۔ ارباب مدارس اور خاص طور پر دارالافتاؤں کو چاہیے کہ کسی کے فروعی مسائل کا جواب اس طرح نہ دے کہ فریق مخالف پر فسق یا کفر کا شبہ ہو، بلکہ اپنی رائے صواب باحتمال خطا اور دوسرے کی رائے خطا باحتمال صواب کے مسلمہ اصول کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔ کسی امر مستحب پر اصرار بجائے خود منکر ہے:

قَالَ الطِّيبِيُّ: وَفِيهِ أَنَّ مَنْ أَصَرَّ عَلَى أَمْرٍ مَنْدُوبٍ، وَجَعَلَهُ عَزْمًا، وَلَمْ يَعْمَلْ بِالرُّخْصَةِ فَقَدْ أَصَابَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْإِضْلَالِ(مرقاۃ المفاتیح ۲/ ۷۵۵)۔

۴۔ ہمارے بعض مقررین نے اختلافی مسائل ہی کو اپنا ذریعہ معاش بنالیا ہے، ان مسائل کی تشریح وتوضیح میں ایسا پرتشدد طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ فریق مخالف کو نہایت ہی ذہنی اور قلبی تکلیف ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اس کے دل میں انتقامی جذبہ بیدار ہوتا ہے، اور وہ اپنی آگ کو ٹھنڈی کرنے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اسی پایہ کے مقرر کو دعوت خطاب دیتا ہے، جس سے امت مزید انتشار اور خلفشار کا شکار ہو رہی ہے؛ اس لیے ایسے مقررین کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے بلکہ ان پر روک لگائی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''مَنْ طَلَبَ العِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ العُلَمَاءَ أَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يَصْرِفَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ إِلَيْهِ أَدْخَلَهُ اللهُ النَّارَ'' (ترمذی: ۲۶۵۴)، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا، لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي رِيحَهَا (ابوداؤد: ۳۶۶۴)۔

۵۔ ہمارے دینی مدارس کا جو طرز تدریس ہے شاید اس میں بھی کوئی خامی ہو، ایک بچہ جو بالکل خالی الذہن ہوتا ہے، شروع ہی سے اس کے ذہن میں اختلافی مسائل بیان کئے جاتے ہیں، اور اس کے سامنے ترجیح وتفضیل پر اس طرح پرزور انداز میں لب کشائی کی جاتی ہے کہ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ فریق مخالف یقیناً گمراہ ہے۔ کسی حدیث کا مطلب اگر ہم نے کچھ لیا اور دوسرے ائمہ نے کچھ اور لیا ہے، تو ہم ان کے مستدل کو اس طرح تہس نہس کرتے ہیں کہ گویا کہ وہ حدیث ہی نہیں ہے، یا کم ازکم اس حدیث کا کوئی مصرف ہی نہیں۔ ''فلاں امام نے جو حدیث پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ...'' یہ ایسا جملہ جو بچپن سے لیکر آج تک میرے ذہن میں کھٹکتا رہا ہے کہ اس حدیث پر عمل نہ کرنے کے لیے اس کا بہانہ ڈھونڈا جارہا ہے اور اس کا مسکت جواب دیا جارہا ہے، کیا اچھا ہوتا کہ ہم اس کو اس طرح کہتے: ''فلاں امام نے جو حدیث پیش کی ہے اس کا مطلب ہم کچھ اور لیتے ہیں، ہم اس حدیث کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ..... جب کہ فلاں امام نے حدیث کا جو مطلب لیا ہے اس کی بھی گنجائش ہے''۔

۶۔ ہر فرقہ کے سربراہان کے ساتھ الگ الگ کانفرس منعقد کی جائے جس میں درج ذیل امور پر تحریری اور زبانی طور پر معاہدہ ہو:

(الف) چوں کہ بحیثیت مسلم قوم سارے فرقے مسلمان ہیں اس لیے اتحاد اور مل جل کر اسلام کی حفاظت و اشاعت اور اسلام دشمنوں کی بیخ کنی کی تدبیر کرنے پر معاہدہ کرلیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ (ص: ۴)

حدیث میں ہے: وَيَدُ اللهِ مَعَ الْجَمَاعَةِ، وَمَنْ شَذَّ شَذَّ إِلَى النَّارِ (ترمذی: ۲۱۶۷)۔

(ب) پیار و محبت، تحمل ورواداری اور دوسروں کے جذبات واحساسات کا احترام کرنے کا پابند کیا جائے۔

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ''لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ'' (بخاری: ۱۳)

(ج) ہر ایک کو اپنے عقائد وخیالات پر برقرار رہتے ہوئے دوسروں کی تفسیق وتضلیل حتی کہ تعریض وتحقیر، گالم گلوچ اور طعن وتشنیع سے بچنے کا پابند بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (سورہ حجرات: ۱۱)۔

حدیث میں ہے: عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ''إِذَا كَفَّرَ الرَّجُلُ أَخَاهُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا'' (صحیح مسلم: ۱۱۱)۔

(د) چوں کہ ہر فرقے کے افراد مسلمان ہیں اس لیے ان کی عزت واحترام اور ان سے پیار و محبت اور حسن اخلاق سے پیش آنا واجب ہے، ان کے ساتھ مذہب کے نام پر جھگڑا کرنا، لڑائی کرنا، ان کے املاک کو نقصان پہنچانا یا انھیں قتل کرنا ناجائز وحرام ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَأَمْوَالَكُمْ، وَأَعْرَاضَكُمْ، بَيْنَكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا، لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ، فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسَى أَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ أَوْعَى لَهُ مِنْهُ'' (صحیح بخاری: ۶۷)

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: قَامَ فِينَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: وَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ، لَا يَحِلُّ دَمُ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ، إِلَّا ثَلَاثَةُ نَفَرٍ: التَّارِكُ الْإِسْلَامَ، الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ أَوِ الْجَمَاعَةَ شَكَّ فِيهِ أَحْمَدُ وَالثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ'' (صحیح مسلم: ۱۶۷۶)۔

۷۔ کیا کوئی اعتراض اب بھی ایسا باقی رہ گیا ہے جس کا جواب مسلمانوں نے ایک بار نہیں سو بار دیا ہے؟ وہی اعتراضات جو آج سے پندرہ بیس سال پہلے کئے گئے تھے آج بھی دوہرائے جارہے ہیں۔ اور ہم ہیں کہ بس ایک اعتراض مل جائے تو پوری قوم اور دانشوران قوم اس کا جواب دینے میں لگ جاتے ہیں، حالاں کہ ازیں قبل اس کا جواب دیا جاچکا ہوتا ہے، اس لیے اس وقت بہترین جواب ہر اعتراض کا یہ سمجھ میں آتا ہے کہ معترضین سے یہ کہہ دیا جائے کہ اسلام صاف وشفاف اور فطرت سے ہم آہنگ مذہب ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو مطالعہ کر کے دیکھ لو۔ ورنہ ہم اسی طرح جواب دیتے رہ جائیں گے اور وہ اعتراض پر اعتراض کرتے رہیں گے اور کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

بصورت دیگر ہم اقدامی کارروائی شروع کریں اور ان پر بھی اعتراض کریں۔ ان کے مذہب کی خرافات کو نکال کر عوام کے سامنے لائیں، اور منظم طریقہ پر دشمنان اسلام پر علمی اور فنی حملہ کیا جائے۔ اگر ضرورت پڑے تو جھوٹ اور الزام تراشی سے بھی کام لیا جائے، بعض حالات میں خاص طور پر جنگ کے دوران جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا بھی جائز ہے۔

''عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الحَرْبَ خَدْعَةً'' (بخاری: حدیث ۳۰۲۹)

درمختار میں ہے: الْكَذِبُ مُبَاحٌ لِإِحْيَاءِ حَقِّهِ وَدَفْعِ الظُّلْمِ عَنْ نَفْسِهِ (الدر المختار ۶/ ۴۲۷)،

کیا موجودہ حالات جنگ سے کم ہیں؟ کسی زمانہ میں جنگ بمعنی افراد اور املاک کو ضائع کرنا تھا اور آج اس کے ساتھ ساتھ ذہن وفکر کو بھی مسخ کرنا، اور اپنے عقائد سے منحرف کرانا بھی ہے، اس کے لیے منظم طور پر افراد کی تیاری اور منصوبہ بند طریقے پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ فقط

☆☆☆

اختلاف رائے اور وحدت امت

مولانا عبدالحی مفتاحی[1]

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى۔ أما بعد:

سوال نمبر(۱):...... ''آپسی اختلافات کی نوعیت عمومی طور پر افضل اور غیر افضل، راجح اور مرجوح کی ہوتی ہے؛ مگر موجودہ دور کا نہایت افسوس ناک پہلو اور انتہائی خطرناک واتعاتی منظرنامہ یہ ہے کہ ایک مصنف، ایک مقرر اور ایک مدرس اپنی رائے کی بالاتری اور ترجیح ثابت کرنے کے لیے طنز وتعریض اور سب وشتم کی راہ پر شتر بے مہار کی طرح گامزن ہوجاتا ہے، نتیجے میں تشتت وافتراق اور نفاق وشقاق کا شعلۂ جوالہ بھڑک اٹھتا ہے اور نفرت وعداوت کی آگ، قتل وخوں ریزی کی آتش فشاں بن کر خرمنِ امن وامان کو خاکستر بنا کر رکھ دیتی ہے۔''

بنیادی سبب:......راقم السطور کے نزدیک اس کا بنیادی سبب، فروعی اور اجتہادی مسائل میں، اپنی تحقیق یا مجتہد کی مجتہدانہ کوشش وکاوش کو مصون عن الخطا سمجھنا اور دوسروں کی تحقیقات کو قولاً وعملاً باطل اور گناہ قرار دینا ہے۔ فیاللعجب! بلکہ اس سلسلے میں صحیح تربات یہ ہے کہ خود اپنے آپ کو درجۂ اجتہاد پر فائز سمجھنا ہے، حالانکہ یہ علم پروری نہیں، ہویٰ پرستی ہے، یہی غلو فی الدین ہے جو نہایت ضرر رساں اور تباہ کن ہے۔ غور کرنے سے اس میں دو پہلو سامنے آتے ہیں:

(۱) اپنی رائے اور اختیار کردہ راہِ عمل کو مصون عن الخطا سمجھنا۔

(۲) اجتہادی اور فروعی مسائل میں شقاق وجدال کا ماحول پیدا کردینا۔

مذکورہ بالا دونوں یا کسی ایک کی بھی موجودگی اسلام اور ایمان کے بہت سے بنیادی اور قطعی اجماعی مسائل کو مجروح کردے گی۔ یہ روش قطعاً خدمت دین کے جذبے سے عاری اور خالی ہے، باہمی ضد اور ہٹ کی وجہ ہے؛ چنانچہ قوم بنی اسرائیل کے تفرق کو قرآن عزیز نے یوں بیان فرمایا ہے:

وَمَا تَفَرَّقُوٓا إِلَّا مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ

راہِ اعتدال:......اجتہادی مختلف فیہ مسائل میں اعتدال کی راہ یہ ہے کہ کسی ایک جانب کو اصلح سمجھ کر اختیار کیا جائے اور جس کو غیر اصلح سمجھا جارہا ہے اس کے اختیار کرنے والوں سے جدل وجدال کا معاملہ نہ کیا جائے۔

امت کا اجتماعی حال:......مذکورہ بالا صورت حال تو انفرادی ہے۔ اجتماعی طور پر بھی یہی بات ہے کہ جس جماعت یا تنظیم نے اپنا جو دائرۂ کار اور نظام عمل متعین کرلیا ہے وہ خدمت دین کو بس اسی نظام عمل اور دائرۂ کار میں منحصر سمجھتی ہے اور دوسری جماعتوں اور تنظیموں سے جدل وجدال نہ سہی؛ مگر بے قدری بلکہ تحقیر تک کا مسلسل تجربہ ہورہا ہے، جس کے نتیجے میں جماعتوں میں تشتت وافتراق پایا جاتا ہے۔

تین بنیادی اسباب:......غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تین بنیادی چیزوں کی وجہ سے شقاق واختلاف پیدا ہورہے ہیں:

(۱) غلو (۲) پیغمبرانہ طریق دعوت سے انحراف (۳) پیغمبرانہ اسوۂ حسنہ اور اخلاقیات سے انحراف۔

سوال نمبر(۲):......دوسرا سوال یہ ہے کہ ''جن اختلافات کا تعلق عقیدے سے ہے، مثلاً: شیعہ سنی اختلافات یا بعض مسائل میں دیوبندی بریلوی اختلافات، سلفی اور غیر سلفی اختلافات، ان اختلافی موضوعات پر گفتگو، مذاکرہ اور تبادلہ خیال کا کیا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے کہ باہمی منافرت

[1] مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد۔

میں اضافہ نہ ہو اور کم از کم دوسرے کو برداشت کرنے کا مزاج بنے۔''

مذکورہ بالا سوال میں بطور تنقیح پہلے یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ 'باہمی منافرت میں اضافہ نہ ہو' کے بجائے ''باہمی منافرت ختم ہو کر محبت و مودت اور باہمی اخوت کا ماحول پیدا ہو' ہونا چاہئے۔ خیر!

اب مذکورہ سوال کے جواب میں راقم السطور کی رائے یہ ہے کہ اولاً عقائد میں مختلف فیہ مسائل کو سرے سے اٹھایا ہی نہ جائے، اور اگر باہمی گفتگو، مذاکرے اور تبادلۂ خیال کے دوران، عقائد میں مختلف فیہ مسائل پر گفتگو ناگزیر ہو تو گفتگو میں تعاون علی البر والتقویٰ کا شعار اپنایا جائے، نہ یہ کہ اپنی شخصی اور علمی بالاتری کے اظہار کی نیت سے گفتگو کی جائے۔ مقابل پر تشدد اور دل آزار تنقید سے بالکلیہ اجتناب کی راہ اپنائی جائے اور مختلف فیہ عقائد کے احکام اور فروعی فقہی مسائل کو اندرونِ خانہ ہی محدود اور مسدود رکھا جائے اور دین و شریعت کی قدر مشترک یعنی فرائض و واجبات اور اصول و محکمات دین پر بھرپور اپنی علمی توانائی صرف کی جائے۔ اگر مذکورہ بالا راہ اختیار کی جائے گی تو امید ہے کہ عقائد میں اختلافات کے باوجود باہمی قربت اور محبت و مودت کا پرسکون ماحول وجود میں آئے گا۔

سوال نمبر (۳):...... تیسرے سوال میں دو متضاد فکر و عقیدے پر تنقید کا شرعی لحاظ سے فرق پوچھا گیا ہے تو اس کا صاف اور واضح جواب یہ ہے کہ ایک صاحب ایمان ہے اور دوسرا ایمان سے عاری و خالی، اب تنقید دونوں پر کی جائے گی؛ لیکن {وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ} کے ساتھ، طعن و تشنیع اور دل خراش انداز اختیار نہیں کیا جائے گا، پیغمبرانہ اسوۂ دعوت قرآن کریم نے ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے، حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے متمرد اور سرکش کے پاس بھیجا جا رہا ہے اور حکم ہوتا ہے: {فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا} اس اسلوب دعوت سے اگر صرف نظر اور انحراف کیا گیا تو تذکیر کا مثبت انداز مؤثر ہونا تو درکنار جدال و شقاق کا رونما ہو کر پراگندہ ماحول پیدا ہونا یقینی امر ہے۔

سوال نمبر (۴):...... شیعہ سنی اختلافات میں اگرچہ دونوں فرقے ایک دوسرے کو خارج از اسلام گردانتے ہیں، مگر باہم ایک دوسرے کو قتل کرنا یا کسی کے معابد و مساجد کو مسمار کرنا قطعاً جائز و درست نہ ہوگا۔ سوالنامے میں جس بھیانک صورت حال کی نشان دہی کی گئی ہے، اس کو فرو کرنے کے لیے اہل فکر و دانش اور ہر جماعت کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ مقصد کی اہمیت اور نزاکت کو سامنے رکھیں، علمی اور عملی طور پر اپنی ساری قوت و صلاحیت کو اپنے حلقۂ اثر میں ہی محدود رکھیں، پیغمبرانہ اصول دعوت و اصلاح کو پیش نظر رکھ کر مشفقانہ اور دل نشیں لب و لہجے کے ساتھ معاشرے میں پھیلی ہوئی خرابیوں کی اصلاح کے درپے ہوں۔

سوال نمبر (۵):...... پانچویں سوال کا جواب بھی سوال نمبر ۴ میں مذکور جواب ہی ہے۔

والله أعلم وعلمه أتم

الائتلاف مع الاختلاف

المولوی خواجه نظام الدين اليوسفى[1]

الحمد لله الذي أعلن في كلامه المجيد: إنما المؤمنون إخوة، وألف بين قلوبهم وصيرهم بعد الفرقة كالبنيان المرصوص. والصلاة والسلام على من أمره الله تعالى بالدعوة إلى الاتحاد في قوله تعالى: قل يا أهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم، وعلى آله وأصحابه والتابعين لهم بإحسان إلى يوم الدين أما بعد. فإن هذا موضوع قل من توجه إليه مع أن الحاجة ماسة إلى مثل هذا الموضوع العلمي في هذا العصر الراهن لأن من أخطر ما أصيبت به الأمة الإسلامية من الأمراض هو داء الاختلاف.

لم تختلف قلوبهم :

ومن الناس من يظن أن آراء الفقهاء واختلافهم إفتراقا في دين الله ولا يميزون بين الاختلاف والافتراق ويدعون بتوحيد المذاهب والآراء فتظهر لهم آراء الفقهاء كأنها آراء شخصية مجردة عن الأصول الشرعية ونصوصها كما يظن غير المقلدين في عصرنا الحاضر ولعل من أكبر أسباب هذا الظن الخاطئ الجهل بمزاج الدين وطبيعة النصوص وعدم معرفة أسباب الاختلاف الفقهي۔

وهناك من يتخذ مسائل الخلاف الجزئية وسيلة وآلة للتفريق بين الأمة الاسلامية ويجعل كل من يخالفه ضالا مضلا ويرده كل الترديد ولقد اختلف السلف رضوان الله عليهم ولكن اختلافهم في الرأي لم يكن سببا لافتراقهم وأنهم اختلفوا ولم يفترقوا وبعبارة أخرى اختلفت آراءهم ولم تختلف قلوبهم۔

منهج دراسة الحديث:

وهنالك من المدرسين من يكون نهج تدريسهم الأحاديث أن يبين آراء الأئمة واختلافهم ثم يرجح مذهب إمامه كأنه حق ووحي من الله ومذهب غيره باطل خارج عن الاسلام فليس هذا في شئ من أوصاف الأمة الوسط، وإذا قرأ الأستاذ حديثا شرع في بيان المذاهب أي مذهب أبي حنيفة هكذا ومذهب الشافعي هكذا ويصور البحث في صورة التنازع بين الأئمة ولكن الحديث النبوي شامل كل العلوم والفنون لا المسائل الجزئية فقط. وإذا تفكرنا في الحديث النبوي كل التفكر وأمعنا النظر وجدنا في كل لفظ من الحديث حظا وافرا من مقاصد الشريعة وآداب الشريعة والحِكَم ما لايعد ويحصى۔

مثلا إذا تفكرنا في الحديث الثالث من سنن الترمذي عن علي رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: مفتاح الصلاة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم — فيه حكم جليلة عن العبادة الاسلامية من أن الصلاة لا تقبل بغير طهور ولا نظافة وأن العبادة الاسلامية قائمة على النظافة الكاملة و لا يمكن للمسلم أن يعبد ربه كيف شاء وكذلك كيفية الشروع في الصلاة وختمها من أحسن الوجوه. فيقول المصلى الله أكبر يعني وغيره أصغر ويقول عند

[1] المدرس بدار العلوم يوسفيه، دنديكل، تامل نادو۔

خروجه من الصلاة السلام عليكم وأن سلام لا شك فيه أنه كلام حتى أن الرجل إذا سلم على غيره في أثناء الصلاة تفسد الصلاة ولكن يخرج من الصلاة بأحسن الكلام وهو السلام فيعرف من هذا فضيلة العبادة الاسلامية على غيرها ولكن المدرس يشرع أولا في بيان اختلاف الأئمة هل يجوز أن يشرع الصلاة بالتسبيح والتحميد وغيرها من المسائل الخلافية ويفهم الطالب أن في الحديث علم الاختلاف فقط.

فعلى المدرس والمبلغ وغيرهما أن يختاروا في التدريس والتبليغ أسلوب المعتدلين والمنصفين وعلينا أن نبين اختلافات المذاهب ولكن نقصد به إئتلاف القلوب۔

وقد كان في الصحابة والتابعين ومن بعدهم من يقرأ البسملة ومنهم من لا يقرؤها ومنهم من يجهر بها ومنهم من لا يجهر بها وكان منهم من يقنت في الفجر ومنهم من لا يقنت في الفجر ومنهم من يتوضأ من الحجامة والرعاف والقيء ومنهم من لا يتوضأ من ذلك إلى أمثلة أخرى۔

ويمكن لنا إيجاز الضوابط والآداب التي ينبغي مراعاتها عند التحدث عن اختلاف الفقهاء في النقاط التالية:

۱۔ إنصاف الأئمة المجتهدين وعدم الزام الآخرين بما يراه الشخص بنفسه

۲۔ ترك الانكار على المخالفين فيما هو محل للاجتهاد

۳۔ البعد عن المسائل التي تثير الشغب والفتنة

۴۔ المحافظة على المودة والاحترام عند الاختلاف

۵۔ المراعاة على الآداب العلمية عند الترجيح

النقطة الأولى: انصاف الأئمة المجتهدين وعدم الزام الآخرين بما يراه الشخص بنفسه:

لم يزعم أحد من الأئمة أن ما ذهب إليه من الآراء وحي من الله ورسوله وأن من يأخذ بأقوال غيرهم فهو عاص وآثم يستحق العقوبة من الله۔

وفيه أسوة حسنة لنا من إمام دار الهجرة وامتنع الإمام مالك رحمه الله عن موافقة المنصور والرشيد في رغبتهما حمل الناس كلهم على مذهبه، وفي ذلك يقول مالك: لَمَّا حَجَّ أَبُو جَعْفَرٍ الْمَنْصُورُ دَعَانِي فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ فَحَادَثْتُهُ، وَسَأَلَنِي فَأَجَبْتُهُ، فَقَالَ: إِنِّي قَدْ عَزَمْتُ أَنْ آمُرَ بِكُتُبِكَ هَذِهِ الَّتِي وَضَعْتَهَا يَعْنِي الْمُوَطَّأَ فَتُنْسَخُ نُسَخًا، ثُمَّ أَبْعَثُ إِلَى كُلِّ مِصْرٍ مِنْ أَمْصَارِ الْمُسْلِمِينَ مِنْهَا بِنُسْخَةٍ، وَآمُرُهُمْ أَنْ يَعْمَلُوا بِمَا فِيهَا لاَ يَتَعَدَّوْهُ إِلَى غَيْرِهِ، وَيَدَعُوا مَا سِوَى ذَلِكَ مِنْ هَذَا الْعِلْمِ الْمُحْدَثِ فَإِنِّي رَأَيْتُ أَصْلَ الْعِلْمِ رِوَايَةَ الْمَدِينَةِ وَعِلْمَهُمْ. قَالَ: فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لاَ تَفْعَلْ هَذَا، فَإِنَّ النَّاسَ قَدْ سَبَقَتْ إِلَيْهِمْ أَقَاوِيلُ، وَسَمِعُوا أَحَادِيثَ وَرَوَوْا رِوَايَاتٍ، وَأَخَذَ كُلُّ قَوْمٍ بِمَا سَبَقَ إِلَيْهِمْ وَعَمِلُوا بِهِ، وَدَانُوا بِهِ مِنِ اخْتِلاَفِ النَّاسِ وَغَيْرِهِمْ، وَإِنَّ رَدَّهُمْ عَمَّا قَدِ اعْتَقَدُوهُ شَدِيدٌ. فَدَعِ النَّاسَ وَمَا هُمْ عَلَيْهِ، وَمَا اخْتَارَ كُلُّ أَهْلِ بَلَدٍ مِنْهُمْ لأَنْفُسِهِمْ. كذا في طبقات ابن سعد۔

ويقول أيضا: شاورني هارون الرشيد في ثلاث في أن يعلق الموطأ في الكعبة ويحمل الناس على ما فيه وفي أن ينقض منبر النبي ﷺ ويجعله من جوهر وذهب وفضة وفي أن يقدم نافع بن أبي نعيم إماما يصلي في مسجد رسول الله ﷺ... فقلت: يا أمير المؤمنين أما تعليق الموطأ في الكعبة فإن أصحاب رسول الله ﷺ اختلفوا في الفروع وتفرقوا في الآفاق وكل عند نفسه مصيب ... قال وفقك الله يا أبا عبد الله، كذا في حلية الأولياء لابي نعيم الاصبهاني۔

وصلى الشافعي رحمه الله الصبح قريبًا من مقبرة أبي حنيفة رحمه الله، فلم يقنت تأدبًا معه، وقال أيضًا: ربما انحدرنا إلى مذهب أهل العراق. وقال مالك رحمه الله للمنصور وهارون الرشيد ما ذكرنا عنه سابقًا. وفي البزازية

وعن الإمام الثاني وهو أبو يوسف رحمه الله أنه صلى يوم الجمعة مغتسلًا من الحمام، وصلى بالناس وتفرقوا، ثم أخبر بوجود فأرة ميتة في بئر الحمام، فقال: إذًا نأخذ بقول إخواننا من أهل المدينة: إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثًا. انتهى. كذا في حجة الله البالغة۔

النقطة الثانية: الانكار في المسائل الاختلافية:

وفيه يقول الامام النووي رحمه الله في شرح مسلم:

ثُمَّ إِنَّهُ إِنَّمَا يَأْمُر وَيَنْهَى مَنْ كَانَ عَالِمًا بِمَا يَأْمُر بِهِ وَيَنْهَى عَنْهُ؛ وَذَلِكَ يَخْتَلِف بِاخْتِلَافِ الشَّيْء؛ فَإِنْ كَانَ مِنْ الْوَاجِبَات الظَّاهِرَة، وَالْمُحَرَّمَات الْمَشْهُورَة كَالصَّلَاةِ وَالصِّيَام وَالزِّنَا وَالْخَمْر وَنَحْوهَا، فَكُلّ الْمُسْلِمِينَ عُلَمَاء بِهَا، وَإِنْ كَانَ مِنْ دَقَائِق الْأَفْعَال وَالْأَقْوَال وَمِمَّا يَتَعَلَّق بِالِاجْتِهَادِ لَمْ يَكُنْ لِلْعَوَامِّ مَدْخَل فِيهِ، وَلَا لَهُمْ إِنْكَاره. بَلْ ذَلِكَ لِلْعُلَمَاءِ. ثُمَّ الْعُلَمَاء إِنَّمَا يُنْكِرُونَ مَا أُجْمِعَ عَلَيْهِ أَمَّا الْمُخْتَلَف فِيهِ فَلَا إِنْكَار فِيهِ لِأَنَّ عَلَى أَحَد الْمَذْهَبَيْنِ كُلّ مُجْتَهِدٍ مُصِيبٌ. وَهَذَا هُوَ الْمُخْتَار عِنْد كَثِيرِينَ مِنْ الْمُحَقِّقِينَ أَوْ أَكْثَرهمْ. وَعَلَى الْمَذْهَب الْآخَر الْمُصِيب وَاحِد وَالْمُخْطِئ غَيْر مُتَعَيَّن لَنَا، وَالْإِثْم مَرْفُوع عَنْهُ. لَكِنْ إِنْ نَدَبَهُ عَلَى جِهَة النَّصِيحَة إِلَى الْخُرُوج مِنْ الْخِلَاف فَهُوَ حَسَن مَحْبُوب مَنْدُوب إِلَى فِعْله بِرِفْقٍ؛ فَإِنَّ الْعُلَمَاء مُتَّفِقُونَ عَلَى الْحَثّ عَلَى الْخُرُوج مِنْ الْخِلَاف إِذَا لَمْ يَلْزَم مِنْهُ إِخْلَال بِسُنَّةٍ أَوْ وُقُوع فِي خِلَاف آخَر. وَذَكَرَ أَقْضَى الْقُضَاة أَبُو الْحَسَن الْمَاوَرْدِيُّ الْبَصْرِيُّ الشَّافِعِيُّ فِي كِتَابه "الْأَحْكَام السُّلْطَانِيَّة" خِلَافًا بَيْن الْعُلَمَاء فِي أَنَّ مَنْ قَلَّدَهُ السُّلْطَان الْحِسْبَة هَلْ لَهُ أَنْ يَحْمِل النَّاس عَلَى مَذْهَبه فِيمَا اِخْتَلَفَ فِيهِ الْفُقَهَاء إِذَا كَانَ الْمُحْتَسِب مِنْ أَهْل الِاجْتِهَاد أَمْ لَا يُغَيِّر مَا كَانَ عَلَى مَذْهَب غَيْره؟ وَالْأَصَحّ أَنَّهُ لَا يُغَيِّر لِمَا ذَكَرْنَاهُ. وَلَمْ يَزَلْ الْخِلَاف فِي الْفُرُوع بَيْن الصَّحَابَة وَالتَّابِعِينَ فَمَنْ بَعْدهمْ رَضِيَ اللَّه عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ. وَلَا يُنْكِر مُحْتَسِب وَلَا غَيْره عَلَى غَيْره. وَكَذَلِكَ قَالُوا: لَيْسَ لِلْمُفْتِي وَلَا لِلْقَاضِي أَنْ يَعْتَرِض عَلَى مَنْ خَالَفَهُ إِذَا لَمْ يُخَالِف نَصًّا أَوْ إِجْمَاعًا أَوْ قِيَاسًا جَلِيًّا. وَاَللَّه أَعْلَم.

وقال العلامة ابن رجب الحنبلي في كتابه – جامع العلوم والحكم:

والمنكر الذي يجب إنكاره ما كان مجمعا عليه فأما المختلف فيه فمن أصحابنا من قال لا يجب انكاره على من فعله مجتهدا أو مقلدا لمجتهد تقليدا سائغا واستثنى القاضي في الأحكام السلطانية ما ضعف فيه الخلاف وإن كان ذريعة إلى محظور متفق عليه كربا النقد فالخلاف فيه ضعيف وهو ذريعة إلى ربا النسأ المتفق على تحريمه وكنكاح المتعة فإنه ذريعة إلى الزنا... إلخ

قال الدكتور أبو الفتح البيانوني في دراسات في الاختلافات العلمية:

الأصل في المسائل الاجتهادية المختلف فيها عدم الانكار ويستثنى من ذلك ما يلي:

۱۔ ما كان الاختلاف فيه تاريخيا لا يصح استمراره كاختلاف السلف في الصدر الأول في حكم ربا الفضل أو في حكم نكاح المتعة الذي نقل العلماء رجوع المخالفين فيها إلى قول الجمهور أو اعتبروا القول المخالف فيه قولا شاذا فالواجب في مثل هذا الإنكار بمراتبه وشروطه المعروفة

۲۔ أما ما كان الخلاف فيه ضعيفا عند العلماء فيفرق فيه بين حالتين:

الحالة الأولى: ما اشتد ضعفه وكان مصادما لنص شرعي ثابت وقال به قائله لشبهة ضعيفة كإباحة آلات المعازف مثلا فينكر عليه۔

أما الحالة الثانية ما كان اجتهاديا لا نص فيه مطلقا فلا إنكار على من عمل بأي قول من الأقوال إلا على سبيل النصيحة والأمر والنهي برفق خروجا من الخلاف۔

لأن مثل هذه المسألة وإن ضعفت عند كثير من العلماء فقد تقوى عند غيرهم وحسبنا فيها أنها اجتهاد

لأحد الأئمة المعتبرين وإلا وقع النزاع والخلاف وثار الجدل لأنها مسألة تتفاوت فيها الآراء والأفهام۔

النقطة الثالثة: . البعد عن المسائل التي تثير الشغب والفتنة:

يقول الإمام أبو بكر الآجري رحمه الله في بيان ما يجب أن يتجلى به العالم من الأخلاق مع تلامذته:

وإذا سئل عن علم لا يعلمه لم يستح أن يقول :لا أعلم . وإذا سئل عن مسألة فعلم أنها من مسائل الشغب ، ومما يورث الفتن بين المسلمين ، استعفى منها ، ورد السائل إلى ما هو أولى به ، على أرفق ما يكون .اه

إن الإمام مالك رحمه الله جاءه رجل فقال: يا أبا عَبد الله الرحمن على العرش استوى كيف استوى فما وجد مالك من شيء ما وجد من مسألته فنظر إلى الأرض وجعل ينكت بعود في يده حتى علاه الرحضاء يعني العرق ثم رفع رأسه ورمى بالعود وقال: الكيف منه غير معقول والاستواء منه غير مجهول والإيمان به واجب والسؤال عنه بدعة وأظنك صاحب بدعة وأمر به فأخرج. كذا في حلية الأولياء لأبي نعيم الاصبهاني۔

النقطة الرابعة: المحافظة على المودة والاحترام عند الاختلاف:

حفلت كتب الرجال بالكثير من هذا الجانب فعلى المثال :

وقال الربيع وحرملة سمعنا الشافعي يقول:الناس عيال في الفقه على أبي حنيفة. كذا في تهذيب التهذيب۔ وقال الشافعي:"مالك أستاذي، وعنه أخذت العلم، وما أحدٌ أَمَنَّ عليّ من مالك، وجعلت مالكًا حجة بيني وبين الله؛ وإذا ذكر العلماء فمالك النّجم الثاقب، ولم يبلغ أحد مبلغ مالك في العلم؛ لحفظه وإتقانه وصيانته". كذا في معجم المؤلفات الأصولية المالكية المبثوثة في كشف الظنون وإيضاح المكنون و هدية العارفين۔

قال حرملة: سمعت الشافعي يقول: خرجت من بغداد فما خلفت بها رجلا أفضل ولا أعلم ولا أفقه من أحمد بن حنبل. وقال علي بن المديني : إن الله أيد هذا الدين بأبي بكر الصديق يوم الردة وبأحمد بن حنبل يوم المحنة. كذا في تذكرة الحفاظ.

قال الفَضلُ بنُ زِيَادٍ: سَمِعتُ أَحمَدَ يَقُولُ: مَا أَحَدٌ مَسَّ مِحبَرَةً وَلاَ قَلَمًا إِلَّا وَلِلشَّافِعِيِّ فِي عُنُقِهِ مِنَّةٌ. كذا في سير أعلام النبلاء۔

وَقَالَ مُحَمَّدُ بنُ هَارُونَ الزَّنجَانِيُّ: حَدَّثَنَا عَبدُ اللهِ بنُ أَحمَدَ، قُلتُ لأَبِي:أَيَّ رَجُلٍ كَانَ الشَّافِعِيُّ، فَإِنِّي سَمِعتُكَ تُكثِرُ مِنَ الدُّعَاءِ لَهُ؟ قَالَ :يَا بُنَيَّ ، كَانَ كَالشَّمسِ لِلدُّنيَا، وَكَالعَافِيَةِ لِلنَّاسِ، فَهَل لِهَذَينِ مِن خَلَفٍ، أَو مِنهُمَا عِوَضٌ؟كذا في سير أعلام النبلاء.

النقطة الخامسة: المراعاة على الآداب العلمية عند الترجيح:

فعلى المحققين من العلماء أن يراعوا على الآداب العلمية عند الترجيح من مسالك الأئمة. وأن لا يردوا ردا شديدا من حيث يبطل مسلكا آخر ويخذل صاحبه. وينبغي أن يختار المحقق حينما يذكر آراء الأئمة ودلائلهم مسلك الاعتدال في وجوه الترجيح.

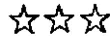
مثلا:أن المصلي المسبوق إذا أدرك صلاة الركعة الرابعة مع الإمام فكيف يصلي الركعات الثلاث التي لم يدركها. فيه روايتان مختلفان، أحدهما ما روى البخاري وغيره عن ابن أبي ذئب عن الزهري عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة عن النبي ﷺ أنه قال ... فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا، والثاني ماروه عبد الرزاق في المصنف والإمام أحمد في المسند والحميدي في مسنده بلفظ:وما فاتكم فاقضوا، وهذا الاختلاف اليسير بين الروايتين في كلمة واحدة ترتب عليه اختلاف ذو أهمية من الناحية الفقهية. فهذا هو سبب الإختلاف فلا ينكر على صاحب الرأي المخالف نكارة شديدة۔

وكذلك يختلف آراء الأئمة في تحري كيف نطق النبي ﷺ الكلمة المبينة منصوبة أو مرفوعة أو مجرورة. مثاله قول النبي ﷺ: ذكاة الجنين ذكاة أمه، وقال ابن الأثير في النهاية: يروى هذا الحديث بالرفع والنصب. فإذا اختلف الآراء وان مسلك الحنفية بناء على أن الرواية بالنصب أي ذكاة الجنين كذكاة أمة فيذبح الجنين كما ذبحت أمه. وان مسلك الشافعية بناء على أن الرواية بالرفع. أي ذكاة الام تكفي لحل أكل الجنين فلا يحتاج الجنين إلى الذبح بعد الخروج من بطن الأم المذبوح.

وقد تحتمل ألفاظ الحديث أكثر من معنى واحد. وهذا أمر واقع مشهود أيضا ويشترط لصحة هذه المفاهيم المختلفة حينئذ أن تكون مقبولة سائغة من حيث العربية ولا تتنافي معها أو لا يكون فيها تكلف وألا تتنافي مع أحكام أخرى ثابتة في نصوص أخرى، جاء في الحديث عن النبي ﷺ قوله: المتبايعان بالخيار ما لم يتفرقا فاختلف العلماء في معنى التفرق. التفرق بالأبدان أم بالأقوال. (التفصيل لهذه النقطة ينظر في – أثر الحديث الشريف في إختلاف الأئمة الفقهاء)۔

وقال ابن حزم رحمه الله:

جميع ما استنبطه المجتهدون معدود من الشريعة وإن خفي دليله على العوام ومن أنكر ذلك فقد نسب الأئمة إلى الخطأ وأنهم يشرعون مالم يأذن به الله وذلك ضلال من قائله عن الطريق كذا في – أثر الحديث الشريف في إختلاف الأئمة الفقهاء، نقلا عن الميزان الكبرى للعلامة الشعراني۔



باب چہارم مناقشہ

اختلاف رائے اور وحدت امت

مولانا عتیق احمد بستوی:

یہ نشست اختلاف رائے اور وحدت امت کے موضوع کی ہے، اور اس کی صدارت فرمارہے ہیں، حضرت مولانا جمیل النبی صاحب، کچھار آسام، اب میں درخواست کرتا ہوں مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی صاحب سے کہ وہ اس موضوع پر اپنا عرض پیش فرمائیں، پھر اس کے بعد مناقشہ ہوگا، انشاء اللہ۔

مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی نے عرض مسئلہ پڑھ کر سنایا۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

ماشاء اللہ اس موضوع کے تعلق سے بہت ہی اختصار اور خوبصورت انداز میں عرض آپ کے سامنے آیا ہے، اور میں آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ حضرات میں جن کو اس موضوع پر اظہار خیال کرنا ہے وہ اپنا نام یہاں بھیجیں۔ مناقشہ کے آغاز سے پہلے میں دو تین باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ سب حضرات علماء اور اصحاب افتاء ہیں، جہاں تک اجتہادی جو مسائل ہیں، ائمہ اربعہ اور جو دوسرے حضرات مجتہدین کے جو اختلافات ہیں اجتہادی مسائل میں اس میں ظاہر ہے کہ کوئی ایسا طرز عمل کوئی اختلاف جو حق باطل کے درمیان محسوس ہو اور شدت ہو ان مباحث میں اس کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ اس پر اتفاق ہے اور آپ یہ جانتے ہیں کہ ہمارے اصول فقہ میں خاص طور پر ایک گفتگو آتی ہے اجتہادی مسائل میں ،جہاں دو رائیں ہیں، تین رائیں ہیں کیا ہر رائے ثواب ہے یا ان میں سے ایک ثواب ہے اور دوسری خطا ہے اور حضرت شاہ والی اللہ کا موقف تو بعض استثنائی چیزوں کے علاوہ یہ ہے کہ ہر رائے ثواب ہے استثنائی کچھ شکلیں ایسی ہیں کہ مان لیجئے کہ کچھ حدیث صحیح نہیں پہنچ سکی اس کی بنیاد پر مجتہد نے کوئی رائے قائم کی وہاں تو خطا کہیں گے ہم یا کوئی مسائل ایسے ہوں جو اجماعی ہوں جس میں قاضی کا فیصلہ توڑا جانے کی تفصیل ہے اس میں تو خطا کہیں گے باقی جو اجتہادی مسائل ہیں اس میں ہر مجتہد مصیب ہے یہ شاہ ولی اللہؒ کا موقف ہے، اس سے قبل امام غزالیؒ نے بہت تفصیل سے بحث کی ہے تو جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک ثواب ہے اور باقی خطا ہے لیکن اس میں بھی ان حضرات نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اپنی رائے قرار دینے میں ثواب ہے لیکن خطا کا احتمال ہے قطعیت نہیں ہے کہ ہم نے جو ترجیح دی ہے لامحالہ وہی سہی ہے اور ہماری رائے میں خطا کا احتمال نہیں ہے، خطا کا احتمال ہے، اور دوسرے کا جو اجتہاد ہے اس میں خطا ہے لیکن ثواب کا احتمال ہے اور یہ فیصلہ نہ یہاں ہونا ہے اور وہاں ہونا قیامت میں، ان مسائل میں شدت کا کوئی تک ہی نہیں اور ضرورت یہ ہے کہ ہمارے نوجوان فضلاء خاص طور سے ان مباحث کو پڑھ جو تصحیح وتخطیہ کے موضوع پر ہمارے اصولیین نے لکھا ہے، ابھی چند روز پہلے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات پڑھ رہا تھا، حضرت مدنی نے بہت ہی قوت کے ساتھ لکھا ہے اپنے مکتوب میں کہ اس مسئلہ میں ہر اجتہاد ثواب ہے، دوسرے موقف کو ہم باطل نہیں کہہ سکتے ہیں ہوسکتا ہے کہ ہمارا موقف میں گویا خطا ہو اور دوسرے کے موقف میں ثواب ہو، اور آپ جانتے ہیں کہ مسائل میں آج کل بڑی شدت پیدا ہوتی جارہی ہے، اور میں یہ یہاں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو مسئلہ ہے وہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے امام شافعی کے یہاں رفع یدین ہے، ہمارے یہاں نہیں ہے، اور آمین بالجہر اور آمین بالسر کا مسئلہ ہے یہ تو اجتہادی مسئلہ ہے اور اس میں اصولی کوئی بات نہیں ہے، تقلید اور اجتہاد کی بات میں صرف بات یہ اٹکتی ہے کہ تقلید کو شرک

کہا جاتا ہے، اور تقلید کی ایک قسم کو تو خود میں بھی شرک سمجھتا ہوں، لیکن وہ تقلید ہم میں سے کوئی نہیں کرتا کہ اگر کوئی شخص سمجھے کہ امام ابوحنیفہؒ مطاع ہیں رسول اللہ ﷺ کی طرح ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے کہ جو ان کی رائے ہے اس کو ہم مانیں اگر اس طرح کی تقلید ہے خدانخواستہ تو وہ شرک ہے لیکن ظاہر ہے جو بھی حضرات تقلید کرتے ہیں ائمہ کی وہ اسی خیال سے کرتے ہیں کہ وہ ائمہ کتاب وسنت سے واقف تھے، انتہائی ماہر تھے، ان کی نظر تھی، ان کے اجتہادات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی ترجمانی سمجھ کر اس کو مانا جاتا ہے تو بات وہاں بگڑتی ہے جہاں تقلید و اجتہاد کی بحث آتی ہے ، اور تقلید کو شرک کرنے کی بات کہی جاتی ہے، اور اجتہادی مسائل میں تو ضرورت نہیں ہے مناقشہ کی اور ہم سب متفق ہیں کہ اس میں کیا موقف ہونا چاہئے اور جو اصولی اختلافات یا اعتقادی اختلافات ہیں یہاں گفتگو کا انداز یہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ موضوع ہمارا ہے کہ ہم شیعہ کے بارے میں یا فلاں فرقہ کے بارے میں کوئی فتوی دینے جارہے ہوں، ہرگز نہیں، یہ بات ذہن سے نکال دی جائے، اس سوالنامہ کا مقصد میں نے شروع میں واضح کیا تھا کہ اس وقت جو عالم اسلام جل رہا ہے، ایک خانہ جنگی برپا ہے اور لاکھوں لاکھ انسانوں کی جانیں جارہی ہیں اور کئی لاکھ انسان بے وطن ہو چکے ہیں اور بھی شدید صورت حال پیدا ہورہی ہے، بڑی شرمناک کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہے شیعہ سنی کے اختلاف سے آگے بڑھ کر کوشش یہ ہے کہ اور جو گروہ ہیں، فرقے ہیں جماعتیں ہیں دیوبندی بریلوی، سلفی غیر سلفی ان اختلافات کو ہوا دی جائے، ہمارے پڑوسی ملک پاکستان میں یہ مسائل بڑی شدت اختیار کررہے ہیں اور اس میں بڑے مسائل پیدا ہورہے ہیں، اصل میں اس سوالنامے کو اسی پس منظر میں مرتب کیا گیا ہے، اور مجھے بڑی خوشی ہے کہ جو جوابات آئے ہیں اور جس جذبے سے آئے ہیں وہ بہت قابل قدر ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سب فکر مند ہیں اس موضوع پر اور کوئی ایسا راستہ جو امت کے اتحاد کا راستہ ہو کہ صرف کلمہ کی بنیاد پر ہم مسلمانوں کو مجتمع کریں، میں سمجھتا ہوں کہ انشاء اللہ اکیڈمی کے اس سمینار کے ذریعہ سے جو تجاویز مرتب ہوں گی وہ نہ صرف ہندوستان کے لئے بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے مسلمانوں کے لئے رہنما ثابت ہوں گی، اور اس سلسلہ میں جو ذمہ داری علماء کی ہے وہ بہتر طور پر ادا کی جائے گی۔

مولانا حیدر علی قاسمی:

اسلام میں قدر واحترام کی بڑی اہمیت ہے اور ائمہ مجتہدین اور ائمہ اربعہ کا جو اختلاف رہا ہے اور ان کے جو اختلافی مسائل ہیں ان مسائل میں کسی بھی آدمی کے لئے اپنے مسلک کو ترجیح دینے کے لئے دوسرے مسلک کو باطل قرار دینا تو بالکل صحیح نہیں ہے اور میرے خیال سے کوئی کرتا بھی نہیں ہے، باقی رہی بات انداز اختیار کرنے کی تو اس کا تعلق عموماً اہل علم سے ہے، اس لئے عمل کی ضرورت ہے ہم سب کو پورے ادب واحترام کے ساتھ دوسرے مسالک کی رائے اور دلیلوں کو بیان کیا جانا چاہئے، نیز ان کے ادب واحترام کا خیال کرتے ہوئے اپنے مسلک کی ترجیح دینی چاہئے۔

دوسری بات جو مجھے عرض کرنی ہے کہ آج کے اس پرفتن دور میں اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کیا جارہا ہے اسلام کے بارے میں بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پھیلائی جارہی ہے اور اسلام کے خلاف الزامات لگائے جارہے ہیں، اس حساب سے شیعہ اور سنی اور دیگر حضرات سے مل جل کر رہنا جیسا کہ صلح حدیبیہ کے واقعات ہمارے سامنے ہیں میرے خیال سے یہی بہتر ہوگا کہ ہم لوگ ایسے فیصلہ پر پہنچیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے فیصلہ تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے جس سے مسلمان اور دیگر لوگوں کے درمیان اتحاد واتفاق باقی رہے اور دنیا میں امن وسکون قائم رہے۔

مفتی منصف بدایونی:

مجھے یہ کہنا کہ اس سمینار میں صرف ایک ہی فرقہ کے لوگ موجود ہیں، لیکن اس موضوع پر سمینار تمام فرقوں اور مسلکوں سے مقالہ لکھوا کر اور ان کو جمع کرکے ہوتا تو زیادہ بہتر ہوتا، اس طرح تو ایک طرفہ فیصلہ ہوجائے گا اور ہم فیصلہ کرکے اپنے گھر بیٹھ جائیں گے، دوسروں کو روکنے والا تو کوئی نہیں تو پھر حالات پر کیسے قابو ہوگا۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

کیا اس موضوع پر مزید غور وخوض کے لئے تمام مسالک کے علماء کی بڑی تعداد جمع کی جائے، میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی ایسی معتدل تجویز ہم پاس کرتے ہیں اور اگر اگلے مرحلے میں اس کی ضرورت ہے کہ وہ جو منتخب علماء ہیں دوسرے مسالک کے ان کو ہم جمع کریں باقاعدہ، یہ گویا ایک تجویز آپ کی طرف سے آئی ہے اور یہ بڑی مناسب تجویز ہے کہ کچھ خطوط طے ہونے کے بعد گویا ہم باقاعدہ تبادلہ خیال کریں۔

مفتی انور علی اعظمی:

ابھی جو باتیں ہمارے مشارکین حضرات کی طرف سے سنائی گئی ہیں وہ انتہائی قابل تحسین ہیں، اور اس میں کوئی شبہ نہیں بلکہ سب کے دل کی آواز ہے کہ مسلمانوں کے درمیان جو مسلکی منافرت بڑھ رہی ہے اس کو کم کرنے کی انتہائی ضرورت ہے، آج دنیا مسلمانوں کو لڑا کر دور سے مزہ بھی لے رہی ہے اور اس امت کو طرح طرح سے نقصان پہنچا رہی ہے، اس لئے اس مسئلہ پر ہمیں چوکنا رہنا ضروری ہے، حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ نے لکھنؤ میں مولانا عبد العلیم فاروقی اور مولانا کلب صادق ان دونوں حضرات کو ملا کر کے ایک بہت بڑے فتنہ کو دفع کیا، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کی جو بڑی تنظیمیں ہیں خاص طور پر مسلم پرسنل لاء بورڈ، جمعیۃ علماء ہند، جمعیۃ اہل حدیث، جماعت اسلامی اور اسی طرح کی اور جو تنظیمیں ہیں ان تنظیموں تک ہم اپنی آواز پہنچائیں اور وہ لوگ اپنے افراد کو متنبع کریں اور ساری تنظیمیں اپنے اپنے لوگوں پر لگام لگائیں تب جا کر اس ملک میں کنٹرول ہوسکتا ہے، ورنہ مسلمانوں کو تو آپس میں لڑا کر کے دوسرے ملکوں میں ہمیں بانٹا جا رہا ہے، اس ملک میں بھی لڑانے کا ایک بڑا مقصد الیکشن میں فائدہ اٹھانا، انتخاب میں مسلمانوں کو بانٹ کر ان کو بے وزن کرنا، اس وقت فقہ اکیڈمی کا اس موضوع پر سمینار کرنا بر وقت اقدام ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

بہت قیمتی بات آپ نے فرمائی ہے، الحمد للہ اس ملک میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء جیسی تنظیم قائم ہے جس میں سارے مسالک کے اکابر، بڑے علماء اور دانشور شامل ہیں، اس سے الحمد للہ کم سے کم اتنی بات تو ہے کہ ایک ساتھ بیٹھنے کی راہیں ہمارے لئے فراہم ہیں اور بورڈ کو بھی اس کی فکر ہے کہ موجودہ حالات میں گویا مسلمانوں میں فرقہ بندی پیدا کرنے اور ان کے گروہوں کو منتشر کرنے کی کوششیں ہوں گی، اور اس سلسلہ میں بہر حال ایک قدم اکیڈمی نے اٹھایا ہے اس سوالنامہ کو پیش کر کے اور اس بارے میں غور وخوض کی دعوت دے کر کے اور آپ کی جو فکر ہے وہ سب لوگوں کی فکر ہے اس وقت جو عالمی حالات ہیں اور ملکی حالات بھی جس طرح کے بن رہے ہیں، ان میں اس کی بہت ضرورت ہے کہ مختلف مسالک کے ذمہ داران، علماء، اہل دانش جمع ہو کر کے اس مسئلہ کی اہمیت سمجھتے ہوئے اس پر کوئی راہ عمل طے کریں۔

مفتی سلطان کشمیری:

یہ موضوع بڑی اہمیت کا حامل ہے، کہ ایک مسلک دوسرے مسالک کو باطل قرار نہیں دیتا ہے، میں تو خود اس کا گواہ ہوں اور میں نے ویڈیو خود دیکھی ہے، ہمارے ہندوستان کے ایک خطیب ہیں مولانا یرجیش صاحب وہ باقاعدہ ایک حدیث کے حوالہ سے بات کرتے ہیں اور وہ حدیث موجود ہے کتابوں میں کہ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے راستوں کے متعلق جو تعین فرمائی ہے کہ دائیں اور بائیں شیطان کا راستہ ہے اور سیدھا راستہ ہے صراط مستقیم کا، یہاں سب کے ذہنوں میں اس حدیث کا مفہوم موجود ہوگا، اس سلسلہ میں باضابطہ وہ کہتے ہیں کہ دائیں اور بائیں کا جو راستہ شیطان کا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا راستہ ہے، تو یہ جو کہنا کہ مخالفت نہیں ہوتی ہے، اس وقت اس کی ضرورت میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ فقہ اکیڈمی باضابطہ طور پر ایسے افراد کو متعین کرے جو ایسے خطیبوں سے براہ راست ملاقات کریں دعوتی نقطہ نظر کو لے کر کہ جیسے جرجیش صاحب ہیں، یا اسی طرح توصیف الرحمن ہیں یا اس طرح کے دیگر لوگ جو اس طرح کے نظریات کے حامل ہوں ان سے براہ راست ملاقات کر کے ان سے گذارش کی جائے کہ ایسے خطاب نہ کئے جائیں کہ جس سے انتشار پیدا ہو ہماری کوشش یہی رہے کہ وحدت پیدا ہو۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

آزادی کا زمانہ ہے، آزادی رائے، آزادی تقریر، اس میں آدمی کیا کیا کہہ جاتا ہے اور کس طرح جذبات مجروح کرتا ہے، تو مختلف گروہوں میں، جماعتوں میں، تنظیموں میں ایسے کچھ لوگ ہیں نام لینے کی ضرورت نہیں ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ اس جماعت کے جو سربراہ ہیں بڑے ہیں ان کو ہم متوجہ کریں کہ فلاں فلاں حضرات کی گفتگو سے منافرت بڑھ رہی ہے، ماحول خراب ہو رہا ہے، ان حضرات کو سمجھانے اور ان پر لگام لگانے کی کوشش کریں تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کے آگے کا جو مرحلہ ہے اور جو آپ حضرات کی تجویز یہاں مرتب ہو رہی ہیں غور وخوض کے بعد ان کے بنیاد پر ایک گویا اجتماع مختلف مسالک کے بزرگوں کا، علماء کا، دانشور کا، تو کچھ ایسے اصول وآداب طے کئے جائیں اور باقاعدہ ان سے درخواست کی جائے کہ

اپنے اپنے فرقے اور گروہ میں جو اس طرح کے حضرات ہیں جذبات انداز کی باتیں کرنے والے ان پر کنٹرول بھی کریں۔

پروفیسر نظر الحق ہوجائی:

میں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ آسام کے نیوز پیپر میں یہاں کچھ لوگوں کے ایسے آرٹیکل چھپتے ہیں جس سے فرقہ وارانہ ماحول بگڑتا ہے، اور غیر اقوام کے لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، یہاں آسام میں کچھ زیادہ ہی ہو رہا ہے آج کل، امید ہے کہ یہاں سے جو تجویز پاس ہوگی اس سے ہمیں کافی فائدہ ہوگا۔

مفتی جنید عالم ندوی:

اس سمینار ہال میں ہر مکتبہ فکر کے لوگ موجود ہیں، علماء خواص موجود ہیں وہ اس بات کا فیصلہ کریں خود بھی اور اپنے مسلک کے علماء پر بھی اس بات کا زور ڈالیں کہ مسالک کی تبلیغ نہ ہو بلکہ مذہب کی تبلیغ ہو، مسلک کی تبلیغ ہوگی آپس میں اختلاف وانتشار پیدا ہوگا، امت ٹوٹے گی، مذہب کی تبلیغ ہوگی مذہب باقی رہے گا اور مسلک بھی باقی رہے گا۔ اور اگر مذہب ہی باقی نہیں رہے گا تو مسلک بھی باقی نہیں رہے گا، تو ہمیں مسلکی اختلافات کو ذکر نہیں کرنا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسالک کی بحث تو اپنے درسوں میں تو ہو جہاں سبق پڑھا رہے ہوں وہاں ہو، لیکن عوامی مجمع میں عوام کے سامنے یہ بحثیں نہیں آنی چاہئیں اور یہ اختلافات نہیں آنے چاہئیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ اختلافات کو دور کرنے کے لئے جمع کے خطبوں میں خطیب حضرات اہم رول ادا کرسکتے ہیں، اس لئے فقہ اکیڈمی اگر خطیبوں سے اس بات کی اپیل کرے کہ وہ اپنے خطبوں میں اختلافی بات نہ کریں بلکہ ایسی گفتگو کریں کہ جس پر امت کا اتحاد واتفاق ہے، دعوت کے لئے تقریر کے لئے اجتماعی باتیں بہت ساری ہیں، جن پر تقریریں ہوسکتی ہیں اور دعوت دی جاسکتی ہے، اور ایک یہ بات بھی کہنی ہے مجھے کہ یہاں بہت سارے لوگ ہیں جو مختلف جلسوں میں جاکر تقریر کرتے رہتے ہیں ان سے بھی گذارش ہے کہ جلسوں کی تقریر میں خود بھی اور اپنے مسلک کے لوگوں کو بھی اس بات کی تلقین کریں کہ عوامی مجمع میں اختلافی گفتگو نہ ہو بلکہ اتفاق واتحاد کی بات ہو۔

مفتی سعید الرحمن فاروقی:

بڑی افسوسناک بات یہ ہے کہ 91-1992 میں ممبئی میں جو قتل عام ہوا، جس میں دار العلوم امدادیہ کے ایک مدرس مولانا قاسم صاحب شہید ہوئے، اور سامنے مدرسے یعنی محمدیہ سنی مدرسے کے بھی کافی لوگ زخمی ہوئے، ایسے موقع پر دونوں مدارس کو جوڑنے میں میں خود پیش پیش تھا، مگر بڑے افسوس کے ساتھ مجھے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ سامنے والوں نے یہ کہہ دیا کہ اختلافات تو اپنی جگہ پر رہیں گے ہم آپ سے کوئی صلح نہیں کرسکتے، مگر آپ سلام کرنے آئے ہیں تو ٹھیک ہے سلام کا جواب بھی ہمارے لئے مشکل ہے، ہر وقت جواب بھی نہیں دے سکتے، لیکن اس کے باوجود خوشی کی بات یہ ہے کہ وہیں ممبئی میں علماء کونسل بنائی گئی، جس میں رضاخانیوں کی ایک ٹیم شریک ہوئی اور آج تک شریک ہے، البتہ یہ الگ بات ہے کہ رضاخانیوں کے دو ٹکڑے ہوگئے، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو عوامی ذہن بگڑا ہوا ہے اس کے لئے بہت کوشش کرنی پڑے گی اور مجھے بڑی معذرت کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہم لوگوں کا آپسی اختلاف بھی عوام کے سامنے آتا ہے، اس چیز کو ذہن میں رکھا جائے، اختلاف بالکل سامنے نہ آئے، اختلاف نہ ہو تقریر میں، نہ تحریر میں نہ اشارے میں نہ کنائے میں، علماء کی عزت وتکریم داؤ پر بڑی سخت ضرورت ہے کہ علماء میں اتحاد پیدا ہو اور علماء کی ہر سطح پر اتحاد کی کوشش کی جائے، ہمارے ہی طبقہ میں کئی گروپ ہوگئے ہیں، اور اس کا اثر عوام میں بہت خراب پڑ رہا ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

اس مناسبت سے میں ایک واقعہ ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ جب آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل کا مسئلہ تھا کہ بورڈ قائم ہو اور سارے مسالک کے علماء اور مشائخ اس میں شامل کئے جائیں اس وقت بریلوی مکتبہ فکر کے ایک بڑے عالم تھے جبل پور میں مولانا برہان الحق صاحب، تو لوگوں نے کہا کہ اگر وہ شامل ہوجاتے ہیں تو ان کے ساتھ ایک بڑا طبقہ ہے اور اس کا اثر ہوگا اور ایک اتفاق کا ماحول پیدا ہوگا تو ان کو شریک کرنے کے لئے ہم

آپ سے عرض کرتا ہوں کہ ہمارے بزرگوں نے جو محنت کی ہے، حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ ان حضرات نے سفر کیا باقاعدہ جبل پور کا، اور حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ ان کے ساتھ تھے، انہی کی روایت ہے میں جو آپ کو بیان کر رہا ہوں تو جب یہ حضرات وہاں پہنچے تو وہاں ان کی مجلس چل رہی تھی، اور ہال پورا بھرا ہوا تھا، اور یہ حضرات ہال کے باہر جہاں چپل اور جوتیاں وغیرہ تھیں وہیں بیٹھ گئے، قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گیا، لیکن جب حضرت برہان صاحب کو اطلاع ہوئی کہ یہ حضرات تشریف لائے ہیں تو وہ خود نکل کر باہر آئے معانقہ کیا اور اندر لے جا کر اپنے ساتھ بٹھایا، تو کہنے کا مطلب یہ کہ ہم لوگوں کو تھوڑی محنت کرنی پڑی گی، کچھ سہنا پڑے گا، اس طرح کے مرحلے آئیں گے، کہ کچھ برداشت بھی کرنا پڑے گا، امت کو جوڑنے کے لئے، علماء کو کچھ قربانی دینی پڑے گی اپنے جذبات کی، اور انشاء اللہ آپ حضرات نے جب یہ عزم کیا ہے تو یہ سفر جاری رہے گا۔

مولانا محبوب عالم قاسمی:

اس وقت اس امت کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی شدید ضرورت ہے، اور اتحاد کی دعوت ان حضرات کو دینا زیادہ مناسب رہے گا، جو اختلاف پیدا کرتے ہیں، جیسا کہ اس عاجز کا مشاہدہ ہے کہ حرم مبارک میں مسالک اربعہ اور خصوصا حنفیہ کے خلاف جوز ہرافشانی کی جاتی ہے اس کو روکے جانے کی ضرورت ہے، آج کل یہ دیکھا جانے لگا ہے کہ ایک بھولا بھالا نوجوان جب سعودیہ جاتا ہے تو واپسی پر وہ علماء پر تنقید کرنے لگتا ہے، اسی طرح بہت سے علماء ہیں سعودی عرب میں اور حرم مکی میں بھی ہیں جو ہندوستانی ہیں اور وہ وہاں تقریر کرتے ہیں میرا بھی واسطہ بعض حضرات سے پڑا ہے جن میں سے نام لینے میں کوئی حرج نہیں، ڈاکٹر وسیع اللہ عباس گورکھپور، خود ان کی تقریر کے دوران میں موجود تھا، اور انہوں نے بڑی عجیب باتیں کہیں جو امت میں اختلاف کے دروازے کھول دیتے ہیں، اور جب لوگوں نے ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ نے یہ بات غلط کہہ دی، حدیث کے خلاف یہ بات کہہ دی انہوں نے اس لئے یہ بات غلط ہے، اصل عمل تو ہمیں اس پر کرنا ہے، اسی طرح بعض جگہوں میں وزارۃ دعوۃ والارشاد، ان کی بہت سی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں لگی ہوئی ہیں وہاں جو علماء کرام رہتے اور وہ جب کسی کو اپنے مذاہب کے مطابق عمل کرتے دیکھتے ہیں تو وہ اس کو روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ اس طرح عمل کر رہے ہیں یہ غلط ہے، تو یہ مسالک اربعہ کے خلاف جوز ہرافشانی ہے اس کو جب تک ہم نہیں روکیں گے تو اس امت میں جو پھوٹ پڑ رہی ہے آج تک اس کو ہم نہیں روک سکتے، اس کے لئے اس کے لئے خصوصا میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں فقہ اکیڈمی کے سامنے کہ باقاعدہ اس طرح کی کوئی درخواست سعودی حکومت کو بھیجی جائے کہ وہ اس طرح کی زہرافشانی پر پابندی لگائیں۔

دوسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ سوشل میڈیا آج کل نوجوان ذہنوں پر بہت اثر ڈال رہی ہے اور سوشل میڈیا میں بعض وہ نوجوان علماء جو اچھی عالمی یونیورسٹیوں سے فارغ ہیں تو وہ سوشل میں عجیب عجیب طرح کی زہرافشانی کرتے ہیں جس سے نوجوان عصری علوم طبقہ ہے وہ بہت گمراہ ہو رہا ہے، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ علماء کرام کے مسائل و اختلافات کو عوامی سطح پر لایا گیا ہے تو جب تک اس کو روکا نہیں جائے گا تب تک اس اختلاف کو بھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

اس طرح کی جو باتیں آپ حضرات نے بتائیں تو میں سمجھتا ہوں کہ جہاں تک سعودی عرب کی صورتحال ہے تو آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ بعض ہمارے بزرگوں نے کوشش کی، وہاں وفد گیا اور وہاں ان لوگوں سے ملاقات بھی کی، سرکاری سطح پر تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم مذہب حنبلی کو ماننے والے ہیں اور ہم سارے ائمہ کا احترام کرتے ہیں، اور حافظ ...... صاحب کا ایک رسالہ ہے بہت اہم "رفع الملام عن الائمۃ اعلام"، تو سرکاری موقف ان کا وہی ہے لیکن اس میں بعض اس طرح کے جو گروہ ہیں وہ قریب ہو گئے ہیں ان سرکاری اداروں سے اور اس طرح کی چیزیں سامنے آ رہی ہیں اس سلسلہ میں ہمارے بزرگوں نے کوششیں کی ہیں اور آئندہ بھی کوشش ہونی چاہئے کہ وہاں تک یہ بات پہنچے کہ کم سے کم ائمہ کے تعلق سے اور جو مشائخ ہیں صوفیاء کرام ہیں جن کی خدمات ہیں ان کے تعلق سے اس طرح کی جو باتیں ہوتی ہیں وہ نہ ہوں، لیکن میں ایک بات اپنے نوجوانوں سے خاص طور سے کہنا چاہتا ہوں، کہ اگر کسی حلقہ کی طرف سے خدانخواستہ زیادتی ہو رہی ہے تو اس کے باوجود بھی آپ کو اعتدال پر قائم رہنا چاہئے، بات یہی ہوتی ہے کہ کسی جارحیت کی اور کسی طرح کی بات کہی تو اب اس کے جواب میں آپ بھی جارحیت پر آ جائیں گے تو بات پھر خراب ہوتی ہے

ماحول خراب ہوتا ہے، اس لئے آپ نے جو باتیں کہی ہیں ان سب باتوں کو ماننے کے باوجود میں یہ ضرور کہوں گا کہ ہمیں تو اپناوہی طریقہ جو ہمارے اکابر کا تھا یعنی سنجیدگی کا، وقار کا، علمی انداز سے گفتگو کرنے کا، اسی پر ہمیں قائم کرنا چاہئے۔

مولانا ہشیم مکہ:

ملک فہد نے ملک عبداللہ نے اور جو مفتی عام ہیں انہوں نے غلو اور انحراف کو منع کیا ہے اور وزارت شئون الاسلامی والدعوۃ الارشاد نے ایک قرارداد بھی پاس کی ہے کہ جماعت اور تنظیموں کے خلاف کچھ باتیں مت کہو، کچھ اعتراض مت کرو، اور اسی طرح سے انہوں نے یہ قانون بھی بنایا ہے کہ کسی کی مخالفت نہ کرو، اختلافی امور میں نہ پڑو، اصلی امور، اساسیات امور سے باہر نہ نکلو، تو جو کچھ حرمین شریفین میں ہور ہا ہے یہ سعودی حکومت کی سیاست کی مخالفت ہے، اور جب آپ جا کر امام حرم کو بتلاتے ہیں کہ دسیع عباسی نے یوں کہا تو وہ لوگ چپ کیوں ہو جاتے ہیں، میں نے اکثر لوگوں کو کہا کہ آپ جا کر شکایت کیجئے، تو انہوں نے کہا کہ وہ مجھے گرفتار کرلیں گے، میں نے کہا کہ آپ جا کر کہئے کہ یہ سعودی حکومت کی مخالفت کر رہا ہے، اور حرم میں بیٹھ کر یہ جھوٹ بول رہا ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

وہاں جو کچھ ہور ہا ہے ہم کو بہت تکلیف ہے، اور اس کے ازالے کے لئے جو کوششیں ممکن ہیں وہ انشاء اللہ کی جائیں گی۔

مولانا رحمت اللہ کشمیری:

یہ مسئلہ جو اس وقت زیر بحث آیا ہے بہت ہی اہم اور نازک ہے، اس سلسلہ میں فقہ اکیڈمی جو تجاویز طے کرے گی علماء کرام کی تحقیقی تحریروں کی روشنی میں ان کی حیثیت ایک رہبر کی ہوگی، لیکن اس رد میں عملاً جب ہم نے عیسائیوں کے تمام طبقوں سے رابطہ کیا اور بہت ہی احتیاط سے کیا تو دو مرحلے سامنے آئے: ایک مرحلہ یہ ہے کہ تمام ہی طبقات کے علماء کے درمیان دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں، کچھ کو ہم متصلب کہہ سکتے ہیں متعصب تو نہیں کہیں گے، تو جو متصلب ہوتے ہیں تو وہ چاہتے ہیں کہ بالکل صاف شفاف موقف اختیار کیا جائے، اور جو دوسرا طبقہ ہوتا ہے اور شاید جن کو عالمی حالات پر نظر ہوتی ہے تو وہ متصلب رہنے کے باوجود کچھ چیزوں کو جائز سمجھتے ہیں، ایک واسطہ یہ پڑتا ہے اور یہ طبقہ کا اندرونی مسئلہ بن جاتا ہے، ایک تو اس چیز کو دیکھنا پڑے گا اور اس کو ہر مذہب والوں کو ہر طبقہ والوں کو اپنے مذاکرہ کے دوران حل کرنا پڑے گا کہ کس طرح سے ایسی راہیں اختیار کی جاسکتی ہیں کہ اگر ہمارے کچھ لوگ جو اس سلسلہ میں دوسروں سے رابطہ کرتے ہیں تو پیچھے سے ہی اپنے لوگ ان پر ایسا فتوی نہ لگا دیں اور ان کو اپنے فرقے سے ہی الگ نہ کر دیں، یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے، ہمارے یہاں جب یہ بات ہوئی تو میں خود حرم میں ہی تھا، لیکن ہم نے ہر طبقہ کو یہ دکھایا کہ کس طرح لوگ عیسائی بن چکے ہیں، تو یہ عملی ثبوت تھا کہ انہوں نے دیکھا کہ ہمارا لڑکا بھی کس طرح عیسائیت قبول کرتا ہے، تو ان کے اندر ہیجان پیدا ہوا کہ ہمارا لڑکا ادھر کیسے چلا گیا، اور اس زمانے میں زندگی میں پہلی بار شیعہ علماء سے ملنے کا موقع ملا تو ان لوگوں نے مجھ کو میرے غائبانے میں تحفظ ایمان کمیٹی کا سربراہ بھی بنا دیا، لیکن یہ مرحلہ خود ہم لوگوں کو پیش آیا اور ان لوگوں کو بھی، مجھے اپنے لوگ بھی کہتے تھے کہ ان کو سیاسی ایجنسیاں ان کو ملا ان مسئلہ سے توجہ سے ہٹانے کے لئے استعمال کر رہی ہیں۔

اس کو ہم سب کو سوچنا ہوگا کہ ہمارے ہی اندر کچھ ہوتے ہیں متصلب اور کچھ ذرا نرم قسم کے تو آپس میں ان کو کیسے نباہ کر چلیں گے، اس کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ ہر طبقہ والے آپس میں مذاکرہ اسی عنوان پر کرلیں، کہ عالمی صورت حال یہ ہے، اس وقت شام میں، یمن میں عراق اور دوسری جگہوں میں جو کچھ ہور ہا ہے، ایسا کبھی ہوتا تھا یہود و نصاری کا آپس میں قتل عام جن حضرات کی صلیبی جنگوں اور اس سے پہلے کے حالات پر نظر ہے، یہ تو ایک منظم انداز میں ان چیزوں کو ہوا دی گئی اس کے بعد یہ منظر سامنے آرہا ہے، تو جب لوگوں کے ذہن میں یہ بات آئے گی تو یقیناً ان کا انداز بدل جائے گا، دوسری جو ضرورت اہم ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے تمام مسلکوں کے جو اکابر ہیں ان اکابر حضرات کی کئی مذاکرات کی مجلسیں ہو جائیں اور وہ آپس میں بیٹھ کر ان چیزوں کو سوچ لیں تو جب ان کے دلوں میں اللہ کوئی بات ڈال دیں گے تو پھر علماء کے ذریعہ سے عوام تک ان چیزوں کو پہنچنے میں آسانی ہوگی ورنہ عوام تو اس وقت طعنہ دیتے ہیں علماء کو کہ انہوں نے معاملہ بگاڑ دیا اور علماء طعنہ دیتے ہیں عوام کو کہ انہوں نے معاملہ بگاڑ دیا، اللہ سے دعا ہے کہ کوئی راہ پیدا فرمادے۔

مفتی جمیل احمد نذیری:

امت میں جو اختلافات ہو گئے ہیں اور جو گروہ پیدا ہو گئے ہیں تو اگر کوئی اس غلط فہمی میں ہے کہ یہ سارے فرقے ختم ہو جائیں گے اور سارے گروہ ختم ہو جائیں گے اور ایک گروہ ہو جائے گا تو یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے، یہ گروہ جو پیدا ہو چکے ہیں، یہ گروہ رہیں گے، اختلافات رہیں گے، سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں ہے کہ تحمل اور برداشت سے کام لیا جائے، اور یہ اختلافات علمی ہیں، ان کو علمی سطح پر ہی رکھنا ہوگا، عوامی نہ بنایا جائے اس سے جھگڑا پیدا ہوتا ہے، جہاں تک اختلافات کی تردید کی بات ہے تو یہ تو ہوتا رہے گا، جن چیزوں کو ہم غلط سمجھتے ہیں علمی انداز میں ہم ان کو غلط کہتے رہیں گے، لیکن انداز تنقید، لعن طعن اور سب وشتم کا نہ ہو، اور یہ اختلافات عوام میں جلسہ کے ذریعہ پہنچتے ہیں، اور جلسہ جلوس سے علمی اختلافات عوامی بن جاتے ہیں، اسی طریقہ سے ان اختلافات کا عوامی بننے کا ایک ذریعہ مساجد بھی ہیں، مساجد میں پوسٹر لگائے جاتے ہیں، اور کتابیں رکھی جاتی ہیں، دوسری طرف عوام کا بھی مزاج بگڑ گیا ہے، اگر کسی سنجیدہ موضوع پر تقریر چل رہی ہے تو عوام نہیں بیٹھے گی، اٹھ کر چلی جائے گی، لیکن اگر یہی تقریر اختلافی موضوع پر ہو تو وہاں پر عوام کی بھیڑ لگ جاتی ہے، اور کافی دیر تک لوگ بیٹھتے ہیں، تو عوام کا بھی ذہن بگڑا ہوا ہے اس کی بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

ماضی میں کس نے کیا غلطی کی ہے ہم اس کی تحقیق کے واسطے نہیں بیٹھے ہیں، ان بحثوں میں ہم نہ پڑیں کہ پہل کس نے کی ہے، لیکن یہ بڑی شرمناک بات ہے مجھے یہ کہنے دیجئے کہ ہم مساجد کو تقسیم کر رکھا ہے، مساجد پر باقاعدہ لکھا رہتا ہے یہ فلاں مسلک کی مسجد یہ فلاں مسلک کی مسجد، اللہ کے لئے مساجد کو چھوڑ دیجئے یہ خالص اللہ کے لئے ہے، بہر حال سارے فرقوں اور گروہوں کا جو نظریاتی اختلاف ہے وہ تو رہے گا، اور اس کا اظہار بھی اپنی تحریروں میں ہوگا اپنے درس میں ہوگا لیکن اس کو عوامی بنا کر کے اور اس کو طرح کی شکل دینا کہ ایک فتنہ کی شکل پیدا ہو جائے اور لڑائیاں آپس میں ہو اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، ان حالات پر قابو پانے میں مشکلات تو ہیں لیکن جب آپ حضرات کوشش کریں گے عزم کریں گے تو انشاء اللہ یہ کام ہوگا۔

مفتی محمد مقصود فرقانی:

ایک تو ہے مسائل کا اتفاق اور دوسرے ہے عقیدہ اور مسلک کا اتفاق، ہمارا یہ جو آج کا موضوع ہے وہ مسائل کے تعلق سے ہے یہ عقیدے اور مسلک کے تعلق سے نہیں ہے، اکیڈمی اگر اس پر غور کر رہی کہ تمام عقیدہ اور مسلک کے لوگ متفق ہو جائیں تو میں نہیں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اکابر کی جو عبارات قابل گرفت ہیں اور جن حضرات نے ان پر گرفت کی ہے، یا تو اگر ان اکابر نے ان کی توضیح کر دی ہے تو ان توضیحات کو عوام کے سامنے لایا جائے تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ ان کا مطلب یہ تھا تاکہ اختلافات کم ہو سکیں، یا اگر ان حضرات نے توضیح نہیں کی ہے یا وہ توضیح کے قابل نہیں ہے تو ان عبارات کو حذف کیا جائے اور ضروریات دین سے نہیں تاکہ اس اختلاف کا سد باب ہو جائے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

ہمیں تو صرف یہ سوچنا ہے کہ اب جو حالات اس حد تک خراب ہو چکے ہیں تو اس پر کنٹرول کس طرح کیا جائے۔

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی:

اداب اختلاف رائے پر سنتے ہوئے پڑھتے ہوئے مقالہ لکھتے ہوئے بڑا اچھا لگتا ہے لیکن جب اس پر عمل کرنے کا مرحلہ آتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ خواب تھا کہ جو کچھ لکھا اور جو کچھ پڑھا افسانہ۔ اور دوسرے یہ کہ اختلافی مسائل تو اب ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے، علماء نے اختلافی مسائل کو عوامی بنا دیا ہے، اب علماء عوام کے اشارے پر چلتے ہیں صورتحال یہ ہے کہ جو لوگ اتحاد کی بات کرتے ہیں، اعتدال پر قائم رہتے ہیں، معاشرہ میں انہیں کوئی نہیں پوچھتا اور جو آدمی اختلافی تقریر کرتا ہے دیکھتے ہی دیکھتے وہ قوم کا ہیرو بن جاتا ہے اور قوم کے سرمایہ کا رخ اس کی طرف پھر جاتا ہے، تو ہمارے جو نوجوان فضلاء ہیں وہ یہ سوچتے ہیں کہ شہرت اور دولت کا تو یہ بہت بہترین ذریعہ ہے، یہ ایک عوامی چیز بن گئی ہے، ہماری تقریروں میں ہماری

تحریروں میں جب تک اخلاص کے ساتھ عمل نہیں کیا جائے تو نہ اس طرح کے سیمناروں کا کوئی حاصل ہوگا اور نہ اس طرح کے مقالوں کا۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت بالکل نہیں ہے، کام مشکل تو ضرور ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اعتدال کی راہ پر امت کو لانا، اور امت کے حالات ہیں اس وقت میں سمجھتا ہوں کہ عوام کو بھی اس کا احساس ہو چکا ہے کہ مسلمان اپنے آپسی اختلافات کی بنیاد پر کہاں تک پہنچ چکے ہیں اور کس ذلت میں گرفتار ہیں، اس لئے وہ جو مسئلہ ہے کہ غلو میں انتہاء پسندی میں مقبولیت ہو رہی ہے اور اعتدال میں لوگ آپ کو پوچھتے نہیں ہیں، انشاء اللہ یہ حالات تو بدلیں گے، ہم لوگ مقبولیت کے لئے کام نہیں کرتے، اپنی اصلاح ہمیں کرنی ہوگی کہ ہم اللہ کے لئے کام کریں مقبولیت کے لئے کام نہ کریں، میں سمجھتا ہوں کہ فقہ اکیڈمی کے ذریعہ سے جو کوشش ہوئی مختلف خیالات کے علماء کو جمع کرنے کی اور ان کا آپس میں تبادلہ خیال کرنے کی اور ایک دوسرے کا احترام اور لحاظ کرنے کی یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے جو تصور میں نہیں تھی پہلے کہ ایسا ہو سکتا ہے، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب اکیڈمی قائم کرنے کا تصور انہوں نے پیش کیا تو لوگوں نے کہا کہ اتنے سارے مفتیوں کو جمع کر پائیں گے آپ کہ وہ بیٹھ کر فیصلے کر پائیں گے اور کسی مسئلہ پر متفق ہوں تو اس وقت ایک صاحب نے کہا کہ علماء کو ایک جگہ جمع کرنا ایسا ہی ہے کہ آپ ترازو میں مینڈکوں کو بٹھا دیں، یہ بہت مشکل کام ہے کہ اتنے سارے علماء کو جمع کر ایک جگہ کسی مسئلہ پر تبادلہ خیال ہو، اللہ کا فضل ہوا اور ان کا اخلاص تھا اور ہمارے بزرگوں اور آپ حضرات کی کوششیں تھیں کہ یہ ماحول آپ دیکھ رہے ہیں کہ جو تبدیلی آئی ہے علماء کے اندر، اس لئے مایوسی کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر حالات نہ بھی بدلے تب تو اللہ کے یہاں انشاء اللہ اجر ملے گا ہم کو ہماری کوششوں کا۔

مولانا شفیق الرحمن آسام:

اختلاف کوئی نئی چیز نہیں ہے، اختلاف تو صحابہ کرام کے زمانہ میں بھی ہوا، بعد کے زمانہ میں بھی ہوا اور ائمہ کرام کے درمیان بھی اختلاف ہوا، لیکن اس اختلاف اور موجودہ زمانہ کے اختلاف میں کچھ فرق ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ائمہ کرام کے درمیان جو اختلاف تھا اس کا مقصد احادیث نبویہ ﷺ اور قرآن کریم کی صحیح تعلیمات اور مقاصد لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا، امام ابوحنیفہؒ نے یہاں تک کہا کہ جب کوئی حدیث صحیح میری رائے کے خلاف آ جائے تو وہی میرا موقف ہے، یہ تھی ان کی اخلاص کی بات، اسی لئے ائمہ کرام یہ درمیان یہ بات نہیں رہی کہ میرا مذہب ٹھیک ہے اور باقی سب غلط ہے، لیکن افسوس کی بات ہے کہ آج جو امت کے درمیان جو اختلافات شروع ہوئے ہیں چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہوں یہ اجتہادی اختلاف نہیں ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کچھ ضدی معاملہ آ گیا ہے، اور بعض تقریروں میں تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ امت میں ۷۲ فرقے ہوں گے اور ایک فرقہ جنتی ہوگا اور باقی سب جہنمی تو میں اس جنتی فرقہ کا ہوں، یہاں تک کہہ دیتے ہیں وہ لوگ جن کو ہم علماء کرام کہتے ہیں، میرا خیال ہے یہ علماء کرام بہت احتیاط سے کام لیں، اور عوام الناس میں اختلافی مسائل کو نہ پہنچائیں، بلکہ اس کو علمی سطح پر رہنے دیں۔

مولانا یوسف علی آسام:

موضوع کے بارے میں میں زیادہ کچھ نہیں کہوں گا، مجھے صرف ایک بات کہنی ہے کہ ہم تمام علماء اور مفتیان کرام کو اختلاف کے معنی سمجھ لینا چاہئے کہ اختلاف، افتراق، اور تنازع کے درمیان کیا فرق ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

مولانا یوسف علی صاحب نے بڑی اچھی بات ہمارے سامنے پیش کی ہے، ہم لوگ بہت خوش قسمت ہیں کہ یوسف ہمارے سامنے ہیں، اور ان کے دل میں بڑی محبت ہے تمام اہل علم کی، ایک دو باتیں جو اکیڈمی کے بارے میں بھی آ گئیں تو میں عرض کرنا چاہتا ہے کہ جیسا کہ مولانا عتیق احمد صاحب نے فرمایا کہ حضرت قاضی صاحبؒ کا اکیڈمی کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلم پرسنل لا بورڈ ایک ایسا پلیٹ فارم بنا ہے جس میں قانون شریعت کے تحفظ کے نقطہ نظر سے تمام جماعتوں کے سربراہان جمع ہوتے ہیں، تو اکیڈمی کے ذریعہ سے انہوں نے ایک ایسا پلیٹ فارم قائم کیا جس میں فقہی اور شرعی مسائل پر غور وفکر کرنے کے لئے مختلف مکاتب فکر کے لوگ جمع ہوں، اور الگ سے ملی مسائل پر مل جل کر غور کرنے کے لئے انہوں نے

آل انڈیا ملی کونسل قائم کی، اور حضرت قاضی صاحبؒ کو اپنی زندگی میں اتنا موقع نہ مل سکا کہ وہ ملی کونسل کو پروان چڑھا سکیں، لیکن حضرت قاضی صاحبؒ کی ذہن میں جو اتحاد ملت کی فکر تھی تو اس فکر کو وہ ہر جگہ الگ الگ سطح کے اعتبار سے الگ الگ افراد و شخصیتوں کے اعتبار سے کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور اکیڈمی اس کی اچھی مثال ہے کہ جس میں مختلف مسلک و مشرب کے علماء جمع ہوتے ہیں، ارباب افتاء جمع ہوتے ہیں، ماشاءاللہ شرعی مسائل پر غور کرتے ہیں اور اختلاف کی بات سامنے نہیں آتی ہے، اور اگر غیر ارادی طور پر کسی کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل گئی تو عام طور پر لوگ اس کو بہتر نہیں سمجھتے ہیں، اور ماشاء اللہ یہ بھی ایک ایسا پلیٹ فارم ہے کہ جس پر علماء جمع ہوتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ عوام کا اتحاد علماء کے اتحاد سے جڑا ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کی فلاح اور اس کا فساد دو طبقوں سے جڑا ہوا ہے ایک ہمارا اور دوسرے علماء، ہمیں امید ہے کہ ہم لوگ یہاں اتحاد کا پیغام عوام تک پہنچائیں گے، جہاں تک اکیڈمی کے دعوت نامے کی بات ہے تو ملک کے دور دراز علاقے میں بھی اکیڈمی کے دعوت نامے کو بھیجنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور یہ شکایت بھی بہت ہوتی ہے، یہ شاید ڈاک کے نظام کی خرابی کا نتیجہ ہے کہ بعض دفعہ تو ہم لوگوں کے پاس خود دعوت نامہ نہیں پہنچ پاتا، اسی لئے اس کو اکیڈمی کے ویب سائٹ پر بھی ڈال دیا جاتا ہے، اور سوالنامہ بھی اس کی ویب سائٹ پر ڈال دیا جاتا ہے، اور اب تو یہ کوشش کی جاتی ہے کہ فون کے ذریعہ لوگوں کو دعوت دی جائے، یہاں سے جو پتہ مولانا یوسف صاحب نے ارسال کئے تھے ان تمام پتوں پر دعوت نامے وہاں سے بھیجے گئے، لیکن اگر یہ نہیں پہنچا تو بہر حال ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ کوتاہی ہم لوگوں کی طرف سے بھی ہو، ہم لوگ اس کے لئے معذرت خواہ ہیں، انشاء اللہ آئندہ اس کوتاہی کو دور کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن آپ اکیڈمی کو اپنا ادارہ سمجھیں، اپنی ایک تنظیم سمجھیں، اپنا ایک پلیٹ فارم سمجھیں، اور آپ مجھے تنبیہ کردیں کہ تمہارا دعوت نامہ اب تک نہیں پہنچا ہے، انشاء اللہ ہم لوگ تعلیم حکم کریں گے، حضرت مولانا مفتی اشرف علی صاحب دامت برکاتہم تو مندوبین نہیں وہ تو داعی ہیں وہ ہم سب لوگوں کے سرپرست، بزرگ اور ذمہ دار ہیں، ہم لوگ ان کے زیر سایہ کام کرتے ہیں، تو جس کا گھر تو کیا اس کو کوئی دوسرا دعوت دے سکتا ہے، کیرالہ عام طور پر میزبان کی طرف سے بھی دعوت نامہ جایا کرتا ہے، ہو سکتا ہے کہ انہوں نے دعوت نامہ بھیجا ہو اور وہ نہ پہنچ پایا ہو، لیکن جو خود داعی ہو میزبان ہو تو ہماری کیا جرأت ہے، ہمارے جو اس خاندان کے اس کنبے کے ذمہ دار لوگوں میں ہیں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے، وہاں سے دعوت نامہ نہیں پہنچ پایا ہوگا، اس وقت مولانا کی کچھ مشغولیات بھی تھیں، اس وجہ سے تشریف آوری نہیں ہو سکی، ہم لوگوں نے بھی اس کو بہت محسوس کیا اور میں نے بعد میں حضرت سے اس کی شکایت بھی کی، اور انشاء اللہ مجھے امید ہے کہ جو کمی آپ لوگوں نے محسوس کی ہے، ہم مستقبل میں اس کو دور کرسکیں گے اور میں یہ بھی امید رکھتا ہوں کہ آپ لوگ اس میں ہم لوگوں کا تعاون کریں گے، کہ جو لوگ ہمیشہ مدعو ہوا کرتے ہیں یا جنہوں نے مقالات بھیجے ہیں، تو اگر دعوت نامہ نہ پہنچے تو آپ ایک فون کر کے ایک میسیج بھیج کر اپنی بات ہم تک پہنچا دیں، انشاء اللہ ہم کوشش کریں گے۔

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی:

سب سے پہلی بات تو یہ عرض کرنی ہے کہ اختلاف کو ختم تو کیا جا نہیں سکتا لیکن کم تو ضرور کیا جا سکتا ہے، اس کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ ہم طبقہ علماء کو اختلاف پسندی کا مزاج ختم کر دینا چاہئے، میرے ایک عالم دوست مصر گئے، ان کو مصر کے علماء نے کہا کہ ہندوستان کے علماء آپس میں بہت اختلاف کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ ہندوستان کے علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں سب متفق ہیں، انہوں نے کہ ہم تو یہاں رات دن ہندوستان کی خبریں پڑھتے ہیں، انہوں نے کہا کہ خبریں آپ کچھ بھی پڑھتے ہوں لیکن سب متفق ہیں، کہا کس بات پر متفق ہیں؟ کہنے لگے ''یتفقون علی انهم لا یتفقون''، یہ مزاج عام بن چکا ہے، حضرت عمرؓ کا اختلاف جو بخاری میں ہے اس سے ہمیں بڑی روشنی ملتی ہے، اتنا شدید اختلاف کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کے سلسلے میں کہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا پکڑ کر کے عین وقت پر کھینچا، اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ نماز نہیں پڑھا سکتے، لیکن ساری باتوں کو ختم کر کے اخیر بات یہ ہوتی ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز جنازہ پڑھانے کے لئے نیت کی تکبیر کہی، تو کسی روایت میں نہیں ہے کہ حضرت عمر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نیت اور نماز پڑھانے کے برخلاف اپنا کوئی دوسرا عمل کیا ہو انہوں نے حضور کے پیچھے ہی نماز پڑھی، جبکہ تائید غیبی آیت قرآن حضرت عمرؓ کے ساتھ تھی، لیکن آخیر موڑ پر حضرت عمرؓ نے اپنا اختلاف حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ختم کرلیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک موڑ آخری اختلاف میں ضرور آتا ہے جس میں ملت کا مفاد اور اختلاف کرنے والے کی اپنی رائے جب دونوں آپس میں ٹکراتی ہے اس موڑ پر ہر شخص کا فرض بنتا چاہئے کہ ملت کے مفاد کے خاطر اپنی رائے، اختلاف ختم کرلے، ملت میں اتفاق رہے بس ایک یہی چیز جو ہمیں جوڑ سکتی

ہے، یا جیسے حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کا جو مشہور واقعہ ہے سماع کے سلسلہ میں انہوں نے بھی ایک نمونہ پیش کیا حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی نے اختلاف کیا جبکہ خلیفہ تھے، اور جب اختلاف کی یہ خبر حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچا کہ آپ کے خلیفہ عجیب بات کرتے ہیں کیا کرتے ہیں، تو جو حضرت نظام الدینؒ نے اس موقع سے جو فرمایا، پس یہ طریقے اگر ہوں تو ساری باتیں ہوسکتی ہیں، بالکل اختلاف ختم تو نہیں کیا جاسکتا مگر ان اصولوں پر ان کو کم سے کم کیا جاسکتا ہے، اور یہی وقت کی ضرورت ہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

جن حضرات کا نام رہ گیا ہے مناقشہ میں اور وقت کی کمی کی وجہ سے ان کا نام نہ آسکا ان حضرات سے گذارش ہے کہ اپنی تجویز لکھ کر ہمارے پاس بھیج دیں، انشاء اللہ تجویز کمیٹی ان تحریروں پر غور کریں گی، تجویز مرتب کرنے کے وقت، انشاء اللہ۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

ایک بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ ہماری تجویز اور فیصلے کا جو رخ ہونا چاہئے وہ یہ کہ اور یہ بات بار بار آچکی ہے کہ چاہے اختلاف عقیدہ کا ہو یا احکام عملیہ کا ہو یہ خیال کرنا کہ یہ اختلاف ختم ہوجائے گا یہ ممکن نہیں، شیخ محمد عوامہ نے لکھا ہے کہ اپنے استاذ کی بات نقل کی ہے کہ نماز کے سلسلہ میں اختلاف رائے کہ سلسلہ میں کسی عالم نے شدت برتی تو ان کے استاذ نے کہا کہ قرآن مجید کے اس لفظ کی جو تشریح تم کر رہے ہو اللہ عالم الغیب ہے یقیناً اللہ اس سے واقف تھے اور جو تمہارا فریق مقابل کر رہا ہے یہ یقیناً اللہ تعالی اس سے بھی واقف تھے، تو اگر اللہ تعالی کے یہاں یہ بات منظور ہوتی کہ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہو تو قرآن کی اس آیت میں ایسا غیر مبہم لفظ استعمال کیا جاتا جس میں ایک سے زیادہ معنی کا استعمال نہ ہو، ایک ہی رائے پر سب لوگ آجاتے اور بیشتر مسائل شریعت کے ایسے ہی ہیں لیکن جب اللہ تعالی نے اس کو بیان کرنے کے لئے ایک ایسا مبہم لفظ استعمال فرمایا جس مین ایک سے زیادہ معنی کی گنجائش ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے یہاں یہی بات مقدر ہے کہ کچھ مسائل میں اختلاف رائے باقی رہے، ہمیں جو اس وقت فیصلہ کرنا چاہئے اس میں دو پہلو ہمارے سامنے ہونے چاہئیں، ایک تو اختلاف کے باوجود اشتراک، اس طرح تو کوئی اتحاد نہیں ہوسکتا کہ آپ ہمارے وجود میں ضم ہوجایئے، اختلاف کے باوجود اشتراک، اختلاف کے باوجود ملت کے جو مسائل پیدا ہوں چاہے وہ قومی سطح پر ہوں، چاہے وہ علاقائی سطح پر ہوں علماء کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کو مشترک طور پر ایک ساتھ بیٹھ کر اس سلسلہ میں ملت کی ترجمانی کرنے کا مزاج اپنے اندر پیدا کریں، اور دوسرے اختلاف تو باقی رہے لیکن اظہار اختلاف کے واقعہ میں تبدیلی ہو، ایک ہی بات کو دو طریقوں سے کہا جاسکتا ہے لیکن نفرت انگیز طریقے پر کہنا، دوسرے کے بزرگوں کے بارے میں سخت وتند الفاظ استعمال کرنا اس سے اصل میں نفرت اور اختلاف بڑھتا ہے، اگر کوئی آدمی یہ کہہ دے کہ فلاں صاحب کی اس رائے سے ہمیں اتفاق نہیں ہے، یہ فلاں فلاں احادیث اور آیت کی وجہ سے، تو اس سے نفرت پیدا نہیں ہوتی، لیکن جب اپنے دوسرے مدمقابل کے بارے میں سب وشتم کرتے ہیں، طنز کرتے ہیں ان کا استہزاء کرتے ہیں وہاں سے آپس میں نفرت پیدا ہوجاتی ہے، تو اظہار اختلاف کا طریقہ کیا ہو اور دوسرے کیسے ہم ملت کے مشترکہ مسائل کے لئے آپس میں اشتراک کریں یہ دونوں پہلو ہماری تجاویز میں پیش نظر رہنی چاہئے۔

☆☆☆

عالم اسلام کے اکابر علمائے کرام کے جدید فقہی مسائل پر مقالہ جات اور مناقشات کا مجموعہ نئی ترتیب کے ساتھ

سلسلہ
جدید فقہی مباحث

اہل کتاب سے متعلق مسائل و احکام

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے 25ویں فقہی سمینار مورخہ 5 تا 7/ فروری 2016ء منعقدہ جامعہ دارالحدیث بدرپور (آسام) میں پیش کئے جانے والے علمی و تحقیقی مقالات اور مباحثات کا مجموعہ

تحقیقاتِ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

دارالاشاعت

اُردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی پاکستان

پہلا باب: تمہیدی امور
دوسرا باب: تفصیلی مقالات
تیسرا باب: مختصر تحریریں
چوتھا باب: اختتامی امور

پیش لفظ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کی کامیابی اور آخرت کی نجات ایمان لانے سے متعلق ہے، جو لوگ کفر پر مصر ہیں، وہ آخرت کے ناقابل تلافی نقصان کا راستہ اختیار کر رہے ہیں؛ اس لئے آخرت میں ان تمام لوگوں کا یکساں حشر ہوگا، جنہوں نے ایمان کے بجائے کفر کا راستہ اختیار کر رکھا ہے؛ لیکن کفر سے بہت سے احکام دنیا میں بھی متعلق ہیں، ان احکام کے سلسلے میں شریعت میں غیر مسلموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، ایک وہ لوگ جو سرے سے عقیدہ توحید کا انکار کرتے ہیں، اور مشرک یا ملحد ہیں، دوسرے وہ جو عقیدہ توحید کا اقرار کرتے ہیں؛ لیکن توحید کے خالص اور حقیقی تصور سے دور ہیں، اس دوسری قسم کے اہل کفر کو قرآن نے ''اہل کتاب'' سے تعبیر کیا ہے، یعنی ایسے لوگ جو آسمانی کتاب کے حامل ہیں؛ اگر چہ کہ ان کتابوں میں آمیزش ہو چکی ہے، اور وہ عقیدہ توحید کا اقرار کرتے ہیں؛ اگر چہ کہ ان کا عقیدہ اسلام کی نظر میں مکمل اور معتبر نہیں ہے۔

قرآن مجید نے بھی اہل کتاب کی حیثیت سے تین گروہوں کا ذکر کیا ہے، یہود، نصاریٰ اور صابئین، یہود و نصاریٰ کا گروہ تو آج بھی موجود ہے، اور سرزمین حجاز یا اس کے گرد و پیش میں عہد نبوی ﷺ میں بھی موجود تھا؛ لیکن صابئین پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت کے وقت حجاز اور اس کے قریب موجود نہیں تھے؛ اس لئے صابئین سے کون سا گروہ مراد ہے؟ اس کے بارے میں ہمیشہ سے اہل علم کے درمیان اختلاف رہا ہے، اور مفسرین اور فقہاء نے اپنے اپنے اندازوں کے مطابق صابئین کا گروہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے؛ لیکن کچھ ایسی قومیں بھی ہیں، جو اپنی کتاب کو الہامی کتاب قرار دیتی ہیں، ان کے یہاں توحید، رسالت اور آخرت کا ذکر موجود ہے؛ لیکن چونکہ قرآن و حدیث نے ان کی مذہبی کتابوں کی تصدیق نہیں کی ہے؛ اس لئے ان کا اہل کتاب میں شامل ہونا یقینی نہیں ہے، دوسری اقوام کے علاوہ ہمارے برادران وطن کے بارے میں بھی کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان کو اہل کتاب میں شمار کیا جائے۔

پھر موجودہ دور میں جو یہود و نصاریٰ ہیں، کیا وہ واقعی اہل کتاب ہیں، یا صرف نام کے یہودی اور عیسائی ہیں؟ یہ بات قابل غور ہے، اور مغربی ملکوں سے ذبیحوں کی سپلائی اور عیسائی عورتوں سے نکاح کے رجحان کی وجہ سے اس مسئلہ کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔

اور اس طرح کے دوسرے مسائل پر غور کرنے کے لئے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے پچیسویں فقہی سمینار منعقد جامع دار الحدیث بدر پور، آسام فروری ۲۰۱۶ء کے لئے جن موضوعات کا انتخاب کیا گیا، ان میں ایک ''اہل کتاب اور ان سے متعلق مسائل'' بھی ہے، سمینار کے چار موضوعات میں اسی موضوع پر سب سے زیادہ مقالات آئے، یہ مجموعہ ان ہی مقالات، مناقشات، سوالنامہ، عرض مسئلہ اور فیصلہ پر مشتمل ہے جس کو عزیزی احمد نادر القاسمی (رفیق شعبہ علمی) نے بڑی خوش اسلوبی سے مرتب کیا ہے، امید ہے کہ یہ مجلہ موضوع سے متعلق چشم کشا مواد فراہم کرے گا، اور اہل علم کے لئے نفع کا ذریعہ ثابت ہوگا، اللہ تعالیٰ اکیڈمی کی کوششوں کو قبول فرمائے۔

ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم۔

خالد سیف اللہ رحمانی / جنرل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

تاریخ: 9 / دسمبر 2016، مطابق 9 ربیع الاول 1438ھ

پہلا باب: تمہیدی امور

اکیڈمی کا فیصلہ:

اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام

۱- اہل کتاب قرآن وحدیث کی ایک اصطلاح ہے اور عہد نبوت سے ہی اہل کتاب کا لقب یہود ونصاری دو گروہوں کے ساتھ خاص ہے جمہور فقہاء بشمول متاخرین احناف نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

۲- صائبین کی تحقیق میں آراء انتہائی مختلف رہی ہیں اس لئے ان کا معاملہ ہنوز مشتبہ ہے اس لئے کسی ایک رائے کو اختیار کرنا مشکل ہے۔

۳- یہود ونصاری جب تک تورات وانجیل اور اپنے پیغمبر کے ماننے کے مدعی ہیں وہ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں اہل کتاب کہلائیں گے، جو عیسائی یا یہودی جو منکر خدا اور مذہب بیزار اور وحی وپیغمبر کے سرے سے منکر ہیں وہ اہل کتاب کے ہرگز مصداق نہیں، نکاح وذبیحہ کے باب میں ان کا حکم اہل کتاب کا نہ ہوگا۔

۴، ۵- بابی، بہائی، سکھ اور قادیانی خواہ نسلی ہو یا بذات خود ان مذاہب کو اختیار کیا ہو وہ اہل کتاب میں داخل وشامل نہیں۔

۶: الف، ب- کتابیہ سے نکاح فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود موجودہ دور میں کسی بھی ملک میں کتابیہ سے نکاح عموماً مفاسد ومضرات سے خالی نہیں، لہذا مسلمانوں کو اس سے گریز کرنا چاہئے۔

۷- کسی کتاب کا آسمانی اور کسی انسان کا نبی ورسول ہونا یہ دونوں مسئلے اعتقادات سے متعلق ہیں اور اعتقادات کے لئے دلائل قطعیہ کا ہونا ضروری ہے اور دیگر اقوام کی مذہبی کتابوں اور ان کے مقتداؤں کے نبی ورسول ہونے پر کوئی یقینی دلیل نہیں لہذا دیگر اقوام کی مذہبی کتابوں کا قرآن مجید کی بہت سی اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں محض موافقت کی وجہ سے ان کتابوں کے آسمانی کتاب ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا اسی طرح ایسی شخصیتوں کے پیغمبر ہونے کا بھی یقین نہیں کیا جاسکتا ہے جن کے بارے میں کتاب وسنت خاموش ہیں۔

۸: الف- ہمدردان قوم وملت علماء وعوام پر لازم ہے کہ ایسے عصری معیاری تعلیمی اداروں کے قیام پر توجہ دیں جن میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی واخلاقی تعلیم وتربیت کا بھی نظم ہو، جب تک ایسے اداروں کا نظم نہ ہو تو بدرجہ مجبوری ان اداروں میں جہاں اخلاقی ودینی عقائد کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو احتیاطی تدابیر کے نظم کے ساتھ تعلیم دلانے کی گنجائش ہے۔

ب- نان ونفقہ، حقوق زوجیت اور حسن معاشرت کے تعلق سے جو حقوق مسلمان بیویوں کے ہیں وہی حقوق کتابیہ بیویوں کے بھی ہیں محض کتابیہ ہونے کی بنا پر ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا اور چھوڑ کر بھاگ آنا درست نہیں، ہاں اگر کتابیہ بیویوں کی رفاقت سے دین متاثر ہو رہا ہو تو پھر اس سے علاحدگی اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

ج- اگر زوجہ کتابیہ اپنے مذہب کے مطابق مذہبی رسوم انجام دینا چاہے تو شوہر اس حد تک اس سے چشم پوشی سے کام لے گا کہ جس کا ضرر خود پر یا اپنے بچوں پر نہ پڑے۔

د- غیر مسلم رفاہی اداروں میں خدمت کرنے اور ان سے استفادہ کرنے میں مسلمانوں کو احتیاط برتنا چاہئے اگر ان اداروں میں کسی ملازم کے ذمہ کوئی ایسا کام سپرد کیا جائے یا قرض وغیرہ سے استفادہ کے نتیجہ میں کوئی ایسا کام کرنا پڑے جس میں عیسائیت کے مشن کی اعانت یا ترویج ہو یا باطل عقائد ونظریات سے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی خدمت سے انکار واجب ہے اور استفادہ جائز نہیں۔ ملی وسماجی مسلم تنظیموں کی یہ ذمہ داری ہے کہ متبادل نظام پر توجہ دیں۔ ☆

سوالنامہ:

اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام

نکاح سے نسل انسانی کی بقاء، عفت وعصمت کی حفاظت اور خاندان کا وجود متعلق ہے، یہ مرد کے لیے بھی وجہ سکون ہے اور عورت کے لیے بھی، اسی لیے شریعت میں نکاح وطلاق سے متعلق احکام میں اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اس رشتہ کو سوچ سمجھ کر وجود میں لایا جائے اور جہاں تک ممکن ہو، برقرار رکھنے اور ٹوٹنے سے بچانے کی کوشش کی جائے، اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ زوجین کے درمیان فکری، سماجی، معاشی اور تہذیبی ہم آہنگی پائی جائے، اسی نقطۂ نظر سے کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی غیر مسلم مرد سے یا کسی مسلمان مرد کا نکاح اہل کتاب عورتوں کے سوا کسی اور غیر مسلم عورت سے نہیں ہوسکتا، اس کا ایک خصوصی سبب یہ بھی ہے کہ نکاح کے ذریعہ زوجین ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور دونوں مل کر اپنے بال بچوں کی فکری واخلاقی تربیت کرتے ہیں، تو ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان خاندان میں غیر مسلم مرد یا عورت کا داخل ہوجانا اس خاندان کے دینی مزاج پر اثر انداز ہونے لگے۔

غیر مسلموں سے نکاح کے سلسلہ میں شریعت نے دو بنیادی اصول مقرر کیے ہیں: اول یہ کہ مسلمان عورت کا نکاح کسی غیر مسلم مرد سے نہیں ہوسکتا، خواہ وہ عام مشرکین میں سے ہو یا اہل کتاب میں سے، دوسرا اصول یہ ہے کہ مسلمان مرد کے غیر مسلم عورت سے نکاح کرنے میں غیر مسلموں کے دو درجات متعین کیے گئے ہیں، ایک: عام کفار ومشرکین، دوسرے: اہل کتاب۔ پہلے درجہ کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں، دوسرے درجہ کی غیر مسلم عورتوں سے نکاح کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

اس کے علاوہ بعض اور مسائل میں بھی اہل کتاب کے احکام دوسرے غیر مسلم بھائیوں سے مختلف ہیں، جیسے عام کفار ومشرکین کا ذبیحہ جائز نہیں، اہل کتاب کا ذبیحہ بعض شرطوں کے ساتھ جائز ہے، اکیڈمی کے ساتویں فقہی سمینار میں ''مشینی ذبیحہ'' کے عنوان کے تحت یہ موضوع آچکا ہے۔ قرآن مجید میں اہل کتاب کو مسلمانوں کے ساتھ مشترکہ اقدار (کلمہ سواء) پر آنے کی ترغیب دی گئی ہے، وہ جن کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، مسلمانوں کو اجمالی طور سے ان پر ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ جن مقدس شخصیتوں کو تسلیم کرتے ہیں، قرآن مجید نے ان کے نبی ہونے کی تصدیق کی ہے؛ اس لیے ان کے نبی ہونے پر ایمان رکھنا ایک مسلمان کے لیے جزو ایمان ہے۔

اس پس منظر میں اہل کتاب کی حقیقت اور ان سے متعلق احکام پر غور کرنے کی ضرورت ہے؛ کیونکہ آج دنیا کے بیشتر علاقوں میں انسان ایک کثیر مذہبی معاشرہ میں زندگی گزارتا ہے، جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان سماجی تعلقات پائے جاتے ہیں اور میل جول کا ماحول رہتا ہے، چنانچہ درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں، امید کہ آپ کتاب وسنت، آثار صحابہ نیز ائمہ متبوعین اور سلف صالحین کے اجتہادات سے استفادہ کرتے ہوئے تفصیل کے ساتھ جوابات تحریر کریں گے۔

۱- اہل کتاب کی تعریف کیا ہے؟

۲- قرآن مجید میں اہل کتاب کی حیثیت سے یہود ونصاریٰ اور صائبین کا ذکر آیا ہے، ان میں سے یہود ونصاریٰ تو معروف ہیں؛ لیکن

صائبین سے کون لوگ مراد ہیں اور کیا اب یہ گروہ پایا جاتا ہے؟ اس بات کی وضاحت فرمائیں۔

۳- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہود و نصاریٰ تھے، وہ بھی بہت سی گمراہیوں کے باوجود ایک خدا کے قائل تھے، اگرچہ عیسائی تین کے مجموعہ کو ایک مانتے تھے۔ اسی طرح وہ وحی، نبوت، ملائکہ اور آخرت میں جزا و سزا کو بھی تسلیم کرتے تھے؛ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتے تھے؛ لیکن موجودہ دور میں یہ صورت حال نہیں ہے، خاص کر مغربی ملکوں میں جو لوگ اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے ہیں، ان میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے، جو خدا کے وجود ہی کی قائل نہیں ہے، اگر خدا کو مانتے ہیں تو وحی و رسالت اور آخرت کو نہیں مانتے، کیا ایسے لوگوں کا شمار بھی یہود و نصاریٰ میں ہوگا اور نکاح و ذبیحہ کے معاملہ میں ان کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ کیا جائے گا؟

۴- بعض ایسے باطل ادیان بھی ہیں، جو شریعت محمدی کے نازل ہونے کے بعد ایجاد کیے گئے ہیں، جیسے بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی، ان میں سے بعض گروہ قرآن کو بھی اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے بعد کسی اور الہامی کتاب کے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور شخص کے نبی ہونے کے دعویدار ہیں، کیا ان کا شمار بھی اہل کتاب میں ہوگا؟

۵- قادیانی دو طرح کے ہیں: ایک: وہ جو خود مرتد ہوئے ہیں، دوسرے: وہ جن کے آبا و اجداد مرتد ہوئے اور وہ نسلی طور پر قادیانی ہیں، اگر قادیانی اہل کتاب میں سے نہیں ہیں تو کیا قادیانیوں میں سے دوسرا گروہ یعنی نسلی قادیانیوں کو اہل کتاب میں شمار کیا جاسکتا ہے؟

۶- بعض فقہاء نے اہل کتاب سے نکاح کے مسئلہ میں دار الاسلام اور دار الکفر کے درمیان فرق کیا ہے، دار الاسلام میں مباح قرار دیا ہے اور دار الکفر میں مکروہ، لیکن:

الف: آج کل مسلم ممالک میں اگر کوئی مسلمان لڑکا یہودی یا عیسائی لڑکی سے نکاح کرلے تو مغرب کے فکری تسلط کی وجہ سے بیوی کے شوہر پر اثر انداز ہونے کا پورا خطرہ رہتا ہے، خاص کر عرب ملکوں میں مسلمان حکمرانوں، فوجی کمانڈروں اور اعلیٰ سرکاری عہدہ داروں کے یہودی اور عیسائی عورتوں سے نکاح کرنے نے عالم اسلام کو غیر معمولی فوجی، سیاسی اور معاشی نقصان پہنچایا ہے۔ ان حالات میں دار الاسلام میں اہل کتاب خواتین سے نکاح کرنے کا کیا حکم ہوگا؟

ب: مغربی ممالک میں مسلمان مختلف محرکات جیسے مزاجی ہم آہنگی، ویزہ کی سہولت وغیرہ کے تحت یہودی و عیسائی کی عورتوں سے نکاح کرتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ نکاح دعوتی نقطۂ نظر سے کیا ہے اور یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اکثر و بیشتر مسلمان مردوں کے نکاح میں آنے والی عورتیں دامن اسلام میں آجاتی ہیں اور پھر وہ ایمان کی روشنی اپنے خاندان اور سماج تک بھی پہنچانے کی کوشش کرتی ہیں تو کیا اس صورت حال میں بھی ان لوگوں کے قول پر اہل کتاب سے نکاح کرنے کی کراہت باقی رہے گی، جو دار الکفر میں اہل کتاب سے نکاح کو مکروہ قرار دیتے ہیں؟

۷- قرآن مجید میں یہ بات فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں اور ہر زبان میں اپنی کتاب نازل فرمائی ہے؛ لیکن جن انبیاء اور آسمانی کتابوں کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ دوسری شخصیتوں اور کتابوں کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ کیا وہ اپنے عہد کے پیغمبر تھے اور کیا ان کے ماننے والوں کے پاس جو مذہبی کتاب موجود ہے، اور وہ ان کو خدائی تعلیمات کا مجموعہ قرار دیتے ہیں، کیا وہ آسمانی کتابیں ہیں، جن میں تورات وانجیل کی طرح ان کے ماننے والوں نے آمیزش کردی ہیں؟ اگر

سے یہ سوال ابھرتا ہے کہ ہندو مذہب کی کتابوں خاص کر ویدوں میں توحید کی واضح تعلیمات موجود ہیں، آخرت کا تصور بھی ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوش خبری بھی ہے اور اس میں قریب قریب صراحت کے ساتھ آپ کے اسماء مبارکہ 'احمد' اور 'محمد' کا لفظ استعمال ہوا ہے تو کیا برادران وطن جن شخصیتوں کو خدا کا اوتار مانتے ہیں، کیا یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ اپنے اپنے عہد میں اللہ کے پیغمبر رہے ہوں گے اور جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے معاملہ میں مبالغہ سے کام لیا، ان کے ماننے والوں نے ان کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا ہوگا اور کیا ان کی کتابوں کو قرآن مجید کی بیشتر اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں موافقت کی بنیاد پر الہامی کتاب تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

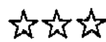
۸- اہل کتاب سے سماجی تعلقات کے سلسلہ میں چند باتیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں:

الف:...... عیسائی مشنریز تعلیم پر خصوصی توجہ دیتی رہی ہیں اور پورے ملک میں ان کے اسکولوں کا جال بچھا ہوا ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان اسکولوں سے پڑھ کر نکلنے والے طلبہ وطالبات کی ایک اچھی خاصی تعداد الحاد ودہریت کا شکار ہوجاتی ہے اور ان کے ذہن میں شکوک وشبہات کے کانٹے جڑ پکڑ لیتے ہیں، ان حالات میں مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایسے اداروں میں داخلہ لینے کا کیا حکم ہے، کیا مسلمانوں کو اپنے علاقہ میں ایسے اسکولوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے؛ تاکہ ان کے بچے عصری تعلیم سے آراستہ ہوسکیں اور ان کو روزگار کے مواقع حاصل ہوسکیں، یا اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور متبادل معیاری تعلیمی درسگاہوں کے قیام پر توجہ دینی چاہیے؟

ب:...... اگر اہل کتاب خاتون سے نکاح کیا جائے تو اس کے کیا حقوق ہوں گے؟ کیا اس کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمان بیویوں کے ہیں، کیا نکاح کرنے کے بعد ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنے اور ان کو چھوڑ کر بھاگ آنے یا محض غیر مسلم ہونے کی بنا پر طلاق دے دینے کی اجازت ہوگی۔

ج:...... جو اہل کتاب خواتین مسلمان مردوں کے نکاح میں ہوں، وہ اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام دے سکتی ہیں یا نہیں؟

د:...... عیسائی مشنریز کثرت سے ہاسپیٹل اور قرض مہیا کرنے والے ادارے بھی قائم کرتی ہیں، یہ ادارے خدمت خلق کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ اور کم سے کم دوسروں کو ان کے مذہب سے دور کردینے میں اہم کردار ادا کررہے ہیں، ایسے اداروں میں خدمت کرنے اور ان کی خدمات سے استفادہ کرنے میں مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟



تلخیص مقالات:

اہل کتاب اور ان سے متعلق مسائل

ملخص: مفتی احمد نادر القاسمی[1]

ہندوستان کے مشرقی خطہ اور عود کی لکڑی، فرحت بخش چائے کے باغات، اور دیگر خوشبودار پودوں کی کاشت کے لئے مشہور اور کثیر مسلم آبادی والے صوبہ آسام کے مشہور شہر بدر پور میں منعقد ہونے والے اسلامک فقہ اکیڈمی کے ۲۵ ویں فقہی سمینار کا ایک اہم موضوع "اہل کتاب کے احکام" سے متعلق ہے، اور ۸ مرکزی سوالات اور ۶ ذیلی دفعات پر مشتمل ہے، جن میں دنیا کے تبدیل شدہ سماجی اور معاشرتی نظام، فکری تنوع، اور مذہبی عقائد و مسلمات کو مدنظر رکھتے ہوئے عصری پس منظر میں اہل کتاب کی صحیح تعیین و مصداق، کتابیہ خواتین سے نکاح، اہل کتاب کے ذبائح، قادیانی جیسی مرتد جماعت کے اہل کتاب کا حصہ ہونے یا نہ ہونے، نیز سماج کی وہ اکائیاں جو اپنے آپ کو کسی نہ کسی طرح مذہبی اور الہامی کتاب کا حامل تصور کرتی ہیں، ان سے متعلق بعض شرعی احکام و مسائل پر مشتمل امور کو مرکزی حیثیت دی گئی ہے۔

فقہ اکیڈمی نے جو سوالنامہ جاری کیا تھا، اور اہل علم ودانش نے جو اس کے جوابات، علمی مقالات تحریریں اور اپنی قیمتی آراء اکیڈمی کو بھیجی ہیں، ان کی تلخیص اور دلائل پیش خدمت ہے:

مقالات کی تلخیص کرتے وقت جن ۶۵ حضرات اہل علم کی تحریریں راقم الحروف کو موصول ہوئی تھیں ان کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں:

ڈاکٹر مولانا شاہ جہاں ندوی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا ارشاد اللہ قاسمی، پروفیسر سعود عالم قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، قاضی محمد حسن ندوی (ماٹلی والا گجرات)، مفتی سلمان پالن پوری قاسمی، مفتی محمد ارشاد پالن پوری، مفتی محمد سلطان قاسمی کشمیری، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا اکرام الحق ربانی ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی صادق محمد پٹیل، مفتی محمد عثمان، مفتی محمد شباب، مولانا عبید الرحیم سعادتی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محمد اکرم رشید لونا واڑا، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا اسرار احمد آبادی، مفتی لطیف الرحمن قاسمی، مولانا محمد شکیل سعادتی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مفتی باقر ارشد قاسمی بنگلوری، مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی، ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی عبد المنان (آسام)، مولانا عقیل الرحمن قاسمی (آسام)، مولانا عبد الرب (ہانسوٹ)، مفتی ابوحماد غلام رسول منظور القاسمی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی عابد الرحمن مظاہری بجنوری، مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا محمد سعد نور قاسمی، مولانا محمد ارشد علی رحمانی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا مصطفی قاسمی آواپوری، مولانا محمد فاروق دربھنگوی، مولانا عظمت اللہ میر، قاضی تبریز عالم، مولانا محمد آزاد بیگ، مفتی محمد یوسف قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مفتی اشرف عباس قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، جناب عبد الرشید اگوان۔

اس موضوع پر جو سوالنامہ جاری ہوا تھا اس کا پہلا سوال ہے:

۱- اہل کتاب کی تعریف کیا ہے؟

اہل کتاب کی تعریف تمام مقالہ نگاران نے تقریباً وہی نقل کی ہے جو عام طور سے فقہ وتفسیر کی کتابوں میں منقول ہے، یعنی ایک تعریف وہ ہے جو جمہور نے

---

[1] رفیق شعبہ علمی، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)۔

کی ہے اور دوسری تعریف وہ ہے جو فقہاء حنفیہ نے کی ہے، دونوں یہاں نقل کی جاتی ہے:

جمہور کی تعریف:

جمہور علماء کے نزدیک اہل کتاب سے مراد اپنے تمام فرقوں کے ساتھ صرف یہود ونصاری ہیں۔

اس تعریف کو مندرجہ ذیل حضرات نے اپنے مقالات میں نمایاں طور پر نقل کیا ہے:

پروفیسر سعود عالم قاسمی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی محمد سلطان قاسمی کشمیری، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا عبید الرحیم سعادتی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد شکیل سعادتی، مفتی باقر ارشد بنگلوری، مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا عبدالرب سعادتی، مولانا ریحان مبشر قاسمی، مفتی اشرف عباس قاسمی۔

دلائل اور حوالہ جات:

مذکورہ حضرات مقالہ نگاران نے عام طور سے حنفیہ کی نقل کردہ اہل کتاب کی تعریف کے علاوہ مندرجہ ذیل آیات واحادیث اور فقہاء کی نقل کردہ تعریفات قلم بند کئے ہیں:

- "أن تقولوا إنما أنزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا وإن کنا عن دراستهم لغافلین" (سورہ انعام: ۱۵۶)۔

اس آیت میں حضرات ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور دیگر مفسرین کی رائے کے مطابق "طائفتین" سے مراد یہودی اور نصرانی ہی ہے (دیکھئے مقالہ: مولانا ریحان مبشر قاسمی)۔

- قرآن کریم میں ۳۱ر مقامات پر اہل کتاب کو مخاطب کیا گیا ہے اور چار قسم کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، مثلاً:

"أوتوا الکتاب، وأتیناهم، أورثوا الکتاب، وطعام الذین أوتوا الکتاب"۔

اور اسی طرح "یأهل الکتاب" ان تمام آیتوں اور صیغوں میں یہود ونصاری کو ہی مراد لیا اور مخاطب کیا گیا ہے (دیکھئے: قرطبی ۲/ ۲۶، دعوۃ التقریب بین الادیان: ۴۳، جامع البیان ۳/ ۳۰۴، ۸/ ۹۳، البحر المحیط ۳/ ۴۳۱، احکام القرآن للجصاص ۳/ ۱۱۸، ماخوذ از مقالہ: مولانا عبدالرب سعادتی)

"واستدل الجمهور بقوله تعالی: "أن تقولوا إنما أنزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا" قالوا: ولأن تلك الصحف کانت مواعظ وأمثالا لا أحکام فیها، فلم یثبت لها حکم الکتب المشتملة علی أحکام (الموسوعة الفقهية ۷/ ۱۴۰)

- "الیوم أحل لکم الطیبات وطعام الذین أوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لهم والمحصنات من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم" (سورہ مائدہ: ۵)۔

- علامہ ابن قدامہ نے ان فرقوں کو اہل کتاب سے موافقت اور مشابہت رکھنے کی وجہ سے ان کو اہل کتاب قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

"و أهل الکتاب ... وهم أهل التوراة، و أهل الإنجیل، قال الله تعالی: و أن تقولوا أیضًا الخ ... فأهل التوراة الیهود والسامرة وأهل الإنجیل النصاری و من وافقهم فی أهل دینهم من الأفرنج والأرمن وغیرهم" (المغنی مع الشرح الکبیر ۷/ ۵۰۱، قاضی محمد حسن ندوی)۔

احادیث میں اہل کتاب کا ذکر:

- "و روی عبادة بن نسی عن غضیف بن الحارث أن عاملا لعمر بن الخطاب رضی الله عنه کتب إلیه أن خامسا من السامرة یقرؤن التوراة ویسبتون السبت ولا یؤمنون بالبعث فما تری؟، فکتب إلیه عمر أنهم طائفة من أهل الکتاب" (أحکام القرآن للجصاص ۲/ ۳۲۳، ماخوذ از مقالہ: قاضی محمد حسن ندوی)۔

"عن ابن عمر مرفوعًا مثلکم ومثل أهل الکتابین کمثل رجل استاجر أجراء، فقال: من یعمل لی من غدوة إلی

نصف النهار على قيراط؟، فعملت اليهود ثم قال: من يعمل لى من نصف النهار إلى صلاة العصر على قيراط؟ فعملت النصارى، ثم قال: من يعمل لى من العصر إلى أن تغيب الشمس على قيراطين؟ فأنتم هم. فغضب اليهود والنصارى'' (صحيح البخارى ۲/ ۴۹،۵۰)۔

''عن أبي هريرة مرفوعًا أتريدون أن تقولوا كما قال أهل الكتابين من قبلكم سمعنا وعصينا، بل قولوا: سمعنا و أطعنا غفرانك ربنا و إليك المصير'' (صحيح مسلم ۱/ ۱۱۵)۔

''أيضًا عن أبي هريرة مرفوعًا افترقت اليهود على إحدى أو ثنتين و سبعين فرقة، وتفرقت النصارى على إحدى أو ثنتين وسبعين فرقة'' (أبو داؤد ۵/ ۳۶، ماخوذ از مقاله: عبد الرب سعادتى)۔

''ذهب جمهور الفقهاء إلى أن أهل الكتاب هم اليهود والنصارى بفرقهم المختلفة، وتوسع الحنفية فقالوا: إن أهل الكتاب هم: كل من يؤمن بنبي ويقر بكتاب، ويشمل اليهود والنصارى، ومن أمن بزبور داؤد و صحف إبراهيم وشيث وذلك، لأنهم يعتقدون دينا سماويا منزلًا بكتاب'' (الموسوعة الفقهية ۷/ ۱۴۰)
(اس تعریف کو تقریباً تمام ہی مقالہ نگاران نے نقل کیا ہے)۔

''وأهل الكتاب كانوا ينصرون دين الأسباط، ويذهبون مذهب بني اسرائيل ... اليهود والنصارى وباتان الأمثال من كبار أمم أهل الكتاب والأمة اليهودية أكبر، لأن الشريعة كانت لموسى عليه السلام وجميع بني اسرائيل كانوا متعبدين بذلك، متكلفين بالتزام أحكام التوراة والإنجيل النازل على المسيح عليه السلام ولايتخذ أحكاما ولا يستبطن حلالا ولا حرامًا، ولكنه رموز وأمثال ومواعظ ومزاجر وما سواها من الشرائع و الأحكام، فمحالة على التوراة كما سنبين، فكانت اليهودية بهذه القضية لم ينقادوا بعيسى بن مريم عليه السلام و أدعوا عليه أنه كان ماموراً بمتابعة موسى عليه السلام و موافقة التوراة، فغيّر وبدل، وعدوا عليه تلك التغيرات، منها: تغير السبت إلى الأحد، ومنها: تغيير أكل لحم الخنزير وكان حراما فى التوراة، ومنها: الختان والغسل وغير ذلك ... وهم أمة موسى عليه السلام وكتابهم التوراة، وهو أول كتاب نزل من السماء'' (الملل والنحل للشهرستانى ۱/ ۲۱۰، ۲۰۸، ماخوذ از مقاله ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

احناف کے نزدیک اہل کتاب کی تعریف:

حنفیہ نے اہل کتاب کی جو تعریف کی ہے اس میں عموم رکھا ہے اور ہر اس جماعت کو اہل کتاب قرار دیا ہے جو کسی بھی نبی مرسل پر ایمان اور ان پر نازل ہونے والی کتاب کا اقرار کرتی ہو۔ اکثر اہل علم نے فتاوی ہندیہ، شامی، اور موسوعہ فقہیہ کے حوالہ سے اہل کتاب کی یہ تعریف اپنے مقالے میں درج کی ہے، اور صرف جمہور اور احناف کی نقل کردہ تعریف نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ ترجیحی پہلو پر کوئی گفتگو نہیں کی ہے، اس اعتبار سے محض تعریفات نقل کرنے پر مقالہ نگاران کا اتفاق کہا جاسکتا ہے۔ ہم یہاں مقالہ نویسوں کے اسمائے گرامی بخوف طوالت حذف کرتے ہیں اور چند تحریروں کے حوالہ سے احناف کی تعریف بطور مثال پیش کرتے ہیں:

- ''وتوسع الحنفية، فقالوا: إن أهل الكتاب هم: كل من يومن بنبى ويقر بكتاب، و يشمل اليهود والنصارى، ومن آمن بزبور داؤد وصحف إبراهيم وشيث، وذلك، لأنهم يعتقدون دينا سماويا منزلًا بكتاب'' (موسوعه فقهيه ۷/ ۱۴۰، مادة: اهل الكتاب)۔
- ''وفى النهر عن الزيلعى: واعلم أن من اعتقد دينا سماويا، وله كتاب منزل كصحف إبراهيم وشيث و زبور داؤد، فهو من أهل الكتاب، فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم'' (رد المختار ۳/ ۱۳۵، فتاوى الهنديه ۱/ ۲۸۱)۔

''أهل الكتاب هم اليهود المشهور ببني اسرائيل والنصارى وغيرهما، وممن اعتقدوا دينا سماويا. ولهم كتاب منزل كصحف إبراهيم وتوراة موسى و زبور داؤد و إنجيل عيسى على نبينا عليه الصلاة والسلام'' (التعريف الفقهية/ ۱۹۷)۔

''فأهل الكتاب هو كل من يؤمن بكتاب سماوي و ينتمي إلى نبي من الأنبياء السابقين، فمن يؤمن بالتوراة أو الإنجيل أو الزبور بصحف إبراهيم وشيث، فهو من أهل الكتاب، وهذا ما ذهب إليه الأحناف من الفقهاء و بنوا عليه مسائل كثيرة'' (قضايا فقهية معاصرة، للدكتور بدر الحسن القاسمي/ ۱۰۱، ماخوذ از مقالہ قاری ظفر الاسلام)۔

مذکورہ تعریفات کے علاوہ بہت سے مقالہ نگاران نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی کتاب ''قاموس الفقہ''، حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''جواہر الفقہ''، اور حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی کتاب ''الفتح الملہم'' اور ''الفقہ الاسلامی وأدلتہ للزحیلی'' کے حوالہ سے بھی اہل کتاب کی تعریف نقل کی ہے۔

مولانا ریحان مبشر قاسمی نے تجزیاتی انداز میں بحث کرتے ہوئے اہل کتاب کو چار گروہوں میں تقسیم کیا ہے اور چاروں کی تفصیل اس طرح کی ہے:

-پہلا گروہ: حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے والے تمام فرقے اہل کتاب ہیں، یہ جمہور علماء اور احناف میں سے امام ابوبکر جصاص رازی کی رائے ہے۔

-دوسرا گروہ: اہل کتاب سے مراد بنی اسرائیل کے صرف وہی لوگ ہیں جنہوں نے یہودیت یا نصرانیت اختیار کی، ان کے علاوہ عرب وعجم میں سے جنہوں نے بھی یہودیت یا نصرانیت اختیار کی وہ اہل کتاب میں شمار نہیں ہیں، خواہ نزول قرآن سے پہلے یا بعد میں، اس رائے کو سیدنا امام شافعی کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔

''ومن الناس من يزعم أن أهل الكتاب هم بنو إسرائيل الذين ينتحلون اليهودية والنصرانية دون من سواهم من العرب و العجم الذين دانوا بدينهم، ولم يفرقوا في ذلك بين من دان بذلك قبل نزول القرآن و بعده'' (احكام القرآن للجصاص ۲/ ۳۲۲)۔

- نیز: ''ولقد آتينا بني إسرائيل الكتاب والحكم والنبوة و رزقناهم من الطيبات وفضلناهم على العالمين'' (سورہ الجاثیہ/ ۱۶)۔

- نیز: ''عن علي أنه قال: لاتأكلوا ذبائح نصارى العرب، فإنهم لايتمسكون من النصرانية. إلا بشرب الخمر'' (مصنف عبد الرزاق: ۷/ ۱۸۶، حديث: ۱۲۷۱۵)۔

''أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: ما نصارى العرب بأهل الكتاب وما تحل لنا ذبائحهم وما أنا بتاركهم حتى يسلموا أو أضرب أعناقهم'' (مسند الشافعي ۲/ ۲۳۸، اثر نمبر: ۱۳۵۵)۔

-تیسرا گروہ: اہل کتاب سے مراد ہر وہ شخص ہے جو کسی نبی پر ایمان رکھتا ہو اور ساتھ ساتھ کسی آسمانی کتاب کو تسلیم کرتا ہو، یہ رائے احناف اور ابن حزم ظاہری کی ہے، دلیل میں ''موسوعہ فقہیہ'' کی عبارت پیش کی ہے جو اوپر درج ہو چکی ہے۔

-چوتھا گروہ: بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ مجوس بھی اہل کتاب میں شامل ہیں، مگر یہ شاذ رائے ہے اور امام جصاص رازی نے اس کی صراحت کی ہے:

- ''عن عبد الرحمن بن عوف مرفوعًا: إنما المجوس طائفة من أهل الكتاب فأحملوهم على ما تحملون عليه أهل الكتاب'' (اعلاء السنن ۱۱/ ۴۰)۔

- ''واختلف في المجوس، فقال جلّ السلف وأكثر الفقهاء، ليسوا أهل الكتاب، وقال آخرون: هم أهل الكتاب والقائلون بذلك شواذ'' (احكام القرآن ۲/ ۳۲۶، ماخوذ از مقالہ مولانا ریحان مبشر قاسمی اجراڑہ)۔

- ''ما رواه الشافعي ... فقال علي: أنا أعلم الناس بالمجوس كان لهم علم يعلمونه وكتاب يدرسونه و إن

ملکھم سکر، فوقع علی ابنته أو أخته فاطلع علیه بعض أهل مملکته، فلما أصبح جاؤوا لیقیموا علیه الحد، فامتنع منهم، فدعا أهل مملکته فقال: تعلمون دینا خیرا من دین آدم؟ قد کان آدم ینکح بنیه من بناته فأنا علی دین آدم، فما ترغب بکم عن دینه، فبایعوه علی ذلك، وقاتلوا من خالفهم، فأصبحوا وقد أسری علی کتاب بهم فرفع من بین أظهرهم، وذهب العلم الذی فی صدورهم، وهم أهل کتاب، وقد أخذ رسول الله صلی الله علیه وسلم عنهم الجزیة'' (اعلاء السنن ۱۱/ ۴۰)

ساتھ ہی موصوف نے حضرت علیؓ اور عبدالرحمن بن عوف والے اثر کا جواب بھی نقل کیا ہے (دیکھئے: موصوف کا مقالہ)

سوال نمبر ۲: قرآن مجید میں مذکورہ صابئین سے مراد اور اس کی موجودگی:

لغوی تعریف:

''صبأ'' لغت کے اعتبار سے 'نکلنے' کو کہتے ہیں، جب اندھیرا ہونے کی وجہ سے ستارے آسمان پر نمودار ہوجاتے ہیں تو کہا جاتا ہے۔ ''صبأت النجوم'' (تارے نکل آئے) اسی طرح ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لینے والے شخص کو بھی صابی کہا جاتا ہے، یعنی ''من خرج من دین إلی دین'' (وہ شخص آبائی دین چھوڑ کر نئے دین میں داخل ہوگیا) (دیکھئے: فتح القدیر ۳/ ۱۳۵، الموسوعۃ الفقہیۃ ۷/ ۱۴۰)۔

اہل عرب بھی ان لوگوں کو صابی کہتے تھے جو ان کا آبائی مذہب چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوجاتے تھے۔

''وکانت العرب تسمی بالنبی ﷺ الصابی، لأنه خرج من دین قریش إلی دین الاسلام'' (النهایة المحتاج)۔

موقف اور آراء:

یہ فرقہ اہل کتاب میں سے تھا، یا ہے؟ یا نہیں ہے اس بارے میں ماضی میں بھی اہل علم، فقہاء اور مفسرین کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا رہا ہے، اور اب بھی ہے، اس کا اظہار سبھی حضرات اہل علم اور مقالہ نویسوں نے کیا ہے، بلکہ یوں کہئے کہ اسی قدیم اختلاف آراء کی وجہ سے ہمارے مقالہ نگاران حضرات کے درمیان بھی اس کی تشریح وتعیین میں مختلف رائیں پائی جاتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی رائے:

صابئین کے بارے میں پہلی رائے یہ ہے کہ اس فرقہ کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہے، بلکہ یہ ستارہ پرست قوم ہے۔ اس رائے کے حامل مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا عبیدالرحیم سعادتی، مفتی محمد یوسف قاسمی، مفتی محمد سلطان قاسمی، مفتی شبیر احمد دیولوی، مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا ارشاد اللہ قاسمی، مفتی اشرف قاسمی گونڈوی، مولانا محمد شباب، مفتی عبدالمنان آسام، مولانا عقیل الرحمن قاسمی، مولانا ارشد علی رحمانی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا آزاد بیگ، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مفتی اعجاز الحسن بانڈے کشمیر، مفتی عابد الرحمن مظاہری بجنور، مولانا اختر امام عادل۔

مذکورہ حضرات نے یہ رائے قائم کرنے کے لئے انہیں تفسیری عبارات اور فقہاء کی تصریحات کو بنیاد بنایا ہے اس سلسلہ کی تمام عبارات چونکہ مشترک ہیں اور سبھوں نے انہیں عبارتوں کو بنیاد بنایا ہے، اس لئے انہیں، ہم آگے ذکر کریں گے، سند کر ھاآ نقا إن شاء اللہ۔

دوسری رائے:

صابئین کے بارے میں دوسری رائے یہ ہے کہ یہ فرقہ اہل کتاب میں سے تھا، ابتداء میں توحید ورسالت پر قائم اور انبیاء سابقین پر ایمان رکھتا تھا، بعد میں وہ یہود ونصاری کے ساتھ ضم ہوگیا، اس رائے کو مندرجہ ذیل حضرات نے اختیار کیا ہے:

مولانا ریحان مبشر قاسمی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا فاروق دربھنگوی، قاضی تبریز عالم، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا محمد صادق

مبارکپوری، مفتی شبیر احمد قاسمی مرادآبادی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی۔

تیسری رائے:

صابئین کے بارے میں تیسرا موقف یہ سامنے آیا ہے کہ ان حضرات نے صرف فقہاء اور مفسرین کے اقوال نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، کوئی رائے قائم نہیں کی ہے کہ اس گروہ کو کس زمرے میں رکھا جائے۔

ان کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں:

مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد سعود عالم قاسمی، مولانا عبد الرب سعادتی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا احسن عبد الحق ندوی، مفتی سلمان پالن پوری، مولانا غلام رسول منظور قاسمی، مولانا عظمت اللہ میر، مولانا محمد سعد نور قاسمی، مفتی اشرف عباس باسمی)۔

مذکورہ تینوں موقف کے حاملین نے جن عبارات کو بنیاد بنایا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

الف: قرآن کریم کی وہ آیات جن میں صابئین اور انبیاء سابقین کی شریعت کا ذکر آیا ہے:

- "إن الذين آمنوا والذين هادوا والنصارى والصابئين من آمن بالله واليوم الآخر وعمل صالحًا فلهم أجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون" (سورۃ البقرۃ: ۶۲)۔
- "وإذ أخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح وإبراهيم وموسى وعيسى ابن مريم، وأخذنا منهم ميثاقا غليظًا ليسئل الصادقين عن صدقهم" (سورۃ الاحزاب: ۷)۔
- "شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذي أوحينا إليك وما وصينا به إبراهيم وموسى وعيسى أن أقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه" (سورۃ الشوری: ۱۳)۔
- "إن الذين آمنوا والذين هادوا والصابئين والنصارى والمجوس والذين أشركوا إن الله يفصل بينهم يوم القيامة. إن الله على كل شئي شهيد" (سورۃ الحج: ۱۷)۔
- ''والصابئين طائفة من اليهود والنصارى'' (روح القرآن ۱/ ۷۷)۔
- ''الصابؤن فرقة من أهل الكتاب يقرأون الزبور ويصلون للقبلة ... قوم يعبدون الكواكب بمعنى أن الله جعلها قبلة إليها'' (ابن کثیر/ ۱/ ۱۴۰)۔

''الصابئين يصلون إلى القبلة ويصلون الخمس'' (عن حسن البصري) والصابئون قوم بين المجوس واليهود والنصارى وليس لهم دين. هم قوم يشبه دينهم دين النصارى إلا أن قبلتهم نحو مهبّ الجنوب. يزعمون أنهم على دين نوح عليه السلام. الصابئون الذين لم تبلغهم دعوة نبي أنهم قوم ليسوا على دين اليهود و لا النصارى ولا المجوس ولا المشركين، وإنما هم باقون على فطرتهم، ولا دين مقرر لهم يتبعونه ويتفقونه. ولهذا سائر أديان أهل الأرض إذ ذلك، فمن أجل ذلك كان يشبهونهم بهم، يعني في قول لا إله إلا الله. الصابئون قوم مما يلي العراق وهم بكوثى'' (تفسیر ابن کثیر ۱۳۹، ۱۴۰، تفسیر ماجدی ۱/ ۱۵۱)۔ دیکھئے: مقالہ اکرام الحق ربانی ندوی)۔

''وحكى القرطبي عن مجاهد والحسن أنهم قوم تركب دينهم بين اليهود والمجوس. ولا تؤكل ذبائحهم. وقال ابن عباس: ولا تنكح نسائهم'' (ابن کثیر ۱/ ۲۵۶)۔

''وذكر الكرخي رحمه الله تعالى: أنه لا خلاف بينهم في الحقيقة، و إنما اختلفوا؛ لأنهم صنفان، صنفًا منهم يقرون نبوة عيسى السلام، و يقرون الزبور. الصابي إذا كان من هذا الصنف، منهم ينكرون النبوة والكتاب

أصلا ويعبدون الشمس فهم كعبدة الأوثان لايؤكل صيدهم ولا تحل ذبيحتهم، وإنما أجاب أبو يوسف ومحمد رحمهما الله بحرمة الصيد والذبح في حق هؤلاء'' (فتاوى قاضي خان ۳/۳۶۲۲۶۱)۔

''والصابئون جمع صابئ، وقيل: صاب، ولذلك اختلفوا في همزه و همزة، الجمهور، إلا نافعا فمن همزة جعله صبأت النجوم إذا طلعت وصبأت تنية الغلام إذا خرجت ومن لم يهمز جعله صبا يصبو إذا مال. فالصابي في اللغة من خرج ومال من دين إلى دين، ولهذا كانت العرب تقول لمن أسلم قد صبأ فالصابئون قد خرجوا من دين أهل الكتاب'' (الجامع لأحكام القرآن للجصاص ۱/ ۲۹۵)۔

''وأما الصابئات فتجوز للمسلم عند أبي حنيفة، وتكره، ولا تجوز عندهما، وكذلك ذبائحهم، وهذا الاختلاف بناء على أنه وقع عند أبي حنيفة أنهم قوم من النصارى يقرؤن الزبور ويعظمون بعض الكواكب كتعظيمنا القبلة. وهما جعلا تعظيمهم لبعض الكواكب عبادة منهم لها، فكانوا كعبدة الأوثان، كذا في الكافي وهكذا في أكثر شروح الهداية'' (فتاوى ہندیہ ۱/ ۲۸۱)۔

''الصابئون هم الذين اعرضوا عن الأديان كلها واشركوا بالله تعالى واختاروا عبادة الملائكة والكواكب هذا عند أبي يوسف و محمد وعند أبي حنيفة قوم من النصارى'' (التعريفات الفقهية مع قواعد الفقه / ۳۴۵، مفتي عميم الاحسان المجددي البركتي)۔

'' واختلف في الصابئين: فقال السدى هم فرقة من أهل الكتاب، وقاله اسحاق بن راهويه، قال ابن المنذر: وقال اسحاق: لا بأس بذبائح الصابئين، لأنهم طائفة من أهل الكتاب، وقال أبو حنيفة: لا بأس بذبائحهم ومناكحة نسائهم، وقال الخليل: هم قوم يشبه دينهم دين النصارى، إلا أن قبلتهم نحو مهبّ الجنوب، يزعمون أنهم على دين نوح عليه السلام، وقال مجاهد والحسن وابن أبي نجيح: هم قوم تركب دينهم بين اليهودية والمجوسية، لاتؤكل ذبائحهم، وقال ابن عباس: ولا تنكح نسائهم، وقال الحسن أيضا و قتادة: هم هو قوم يعبدون الملائكة ويصلون إلى القبلة ويقرؤن الزبور ويصلون الخمس، رابم زياد بن أبي سفيان. فأراد وضع الجزية عنهم حين عرف أنهم يعبدون الملائكة، والذى تحصل من مذهبهم، فيما ذكره بعض علمائنا، إنهم موحدون معتقدون تأثير النجوم، وإنها فعالة، ولهذا أفتى ابوسعيد الاصطخرى القادر بالله بكفرهم حين سأله عنهم'' (الجامع لأحكام القرآن للجصاص ۱/ ۲۹۵)

''السامرة والصابئة: السامرة طائفة من اليهود، والصابئة طائفة من النصارى، قال الحنفية والحنابلة: إنهم أهل الكتاب، فيجوز للمسلم الزواج بالصابئات، لأن الصابئة قوم يؤمنون بكتاب، فإنهم يقرون الزبور ولايعبدون الكواكب ولكن يعظمونها كتعظيم المسلمين اللكعبة في الاستقبال إليها ... وقال الصاحبان: لايجوز الزواج بهن، لأن الصابئة قوم يعبدون الكواكب وعابد الكواكب كعابد الوثن، فلا يجوز للمسلمين مناكحتهم'' (الفقه الاسلامي وأدلته ۹/ ۶۶۵۵)۔ وقيل: ليس هذا باختلاف في الحقيقة، وإنما الاختلاف لاشتباه مذهبهم لذا من اعتبر الصابئة من عبدة الأوثان، وهم الذين يعبدون الكواكب حرم مناكحتهم، ومن فهم أن مناكحتهم حلال أن لهم كتابا يؤمنون به۔ و هذا هو الحق ويتفق مع رأى الشافعية القائلين إن خالف السامرة اليهود والصابئون النصارى في أصل دينهم حرمن وإلا فلا، أى إن وافقت السامرة اليهود والصابئة النصارى في أهل دينهم حلت'' (الفقه الاسلامي وأدلته ۹/ ۶۶۵۶)، دیکھئے مقالہ: مفتی سلمان پالنپوری)۔

''الصابئين طائفة من اليهود والنصارى قوم بين النصارى والمجوس وقيل: عبدة الملائكة وقيل: عبدة الكواكب ومنهم عبد الأصنام'' (حاشیہ کمل بیان القرآن، اشرف علی تھانوی ۱/ ۳۰۶)۔

''فعند أبي حنيفة هم قوم يؤمنون بكتاب، فإنهم يقرون الزبور ولايعبدون الكواكب، ولكن يعظمونها كتعظيم المسلمين الكعبة في الاستقبال، إلا أنهم يخالفون غيرهم من أهل الكتاب في بعض دياناتهم، و ذا لايمنع المناكحة كاليهود مع النصارى، وعند أبي يوسف و محمد: أنهم قوم يعبدون الكواكب وعابد الكواكب كعابد الوثن، فلا يجوز للمسلمين مناكحاتهم'' (بدائع الصنائع ۴/ ۵۵۴)۔

''وفي الكشاف: إنهم قوم عدلوا من دين اليهودية والنصرانية وعبدوا الملائكة من صبأ إذا خرج من الدين'' (الكشاف بحوالہ البحر الرائق ۳/ ۱۸۳، حاشیہ جلالین ۱۱)۔

''ليسوا بأهل الكتاب'' (تفسیر قرطبی)۔

''أهل دينهم دين نوح عليه السلام، وقيل: هم عبدة الكواكب'' (تفسیر بیضاوی/ ۷۹)۔

''وقيل: هم قوم يؤمنون إدريس عليه السلام ويعظمونه، وقيل: إنهم يزعمون على دين نوح عليه السلام و قبلتهم مهبّ الجنوب'' (الجوہرۃ النیرہ ۲/ ۶۹)۔

''و روى عبادة بن نسي عن غضيف بن الحارث أن عاملا لعمر بن الخطاب رضي الله عنه كتب إليه أن ناسا من السامرة يقرون التوراة ويسبتون السبت ولا يومنون بالبعث فما ترى؟ فكتب إليه عمر: أنهم طائفة من أهل الكتاب'' (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۲۲۲)۔

''الصابئون الذين يعرفون بهذا الاسم في هذا الوقت ليس قسم أهل كتاب'' (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۲۲۶)

''إنهم قوم كانوا يقولون: لا إله إلا الله، وليس لهم عمل ولا كتاب ولا نبي (تلبیس ابلیس لابن الجوزی/ ۷۴)

وقال عبدالله بن وهب: قال عبد الرحمن بن زيد: الصابئون أهل دين من الأديان كانوا بجزيرة الموصل يقولون: لا إله إلا الله وليس لهم عمل و لا كتاب ولا نبي إلا قول: لا إله إلا الله، قال: ولم يؤمنوا برسول، فمن أجل ذلك كان المشركون يقولون للنبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه: هؤلاء الصابئون يشبهونهم بهم، يعني في قول: لا إله إلا الله'' (تفسیر ابن کثیر ۱/ ۲۸۶، ماخوذ از مقالہ: مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی)۔

''وأما الصابئون فالخلاف في شأنهم بيّن، و تضاربت النقول والأقوال حولهم'' (فقه النوازل للأقليات المسلمه محمد يسرى إبراهيم ۲/ ۲۲۹، ماخوذ از مقالہ: مولانا ظفر الاسلام صدیقی)۔

''وقال أبو العالية: قوم من أهل الكتاب ذبائحهم كذبائح أهل الكتاب'' (البحر المحيط لأبي حيان ۱/ ۲۲۹)۔

''الصابئين هم قوم مدار مذهبهم على التعصب للروحانيين وإتخاذهم وسائط'' (روح المعاني للآلوسی ۱/ ۲۷۹)۔

''صابی کون ہیں، زیادہ راجح بات یہ ہے کہ صابی وہ گروہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اپنی قوم کی بت پرستی کے بارے میں شبہ میں مبتلا ہوا اس نے صحیح عقیدے کی تلاش شروع کی اور بالآخر توحید کو پالیا، یہ لوگ کہتے تھے کہ وہ حنفیت اولی (ملت ابراہیمی) کے طریقے پر خدا کی پرستش کرتے ہیں وہ اپنی قوم کی بت پرستی سے الگ ہوگئے، مگر وہ اپنی قوم کو اس کی دعوت نہ دیتے تھے، اور اسی لئے انہیں صابی کہا جانے لگا'' (فی ظلال القرآن سید قطب شہید ۱/ ۲۰۲)۔

''وكان أهل هذا الدين نبط في بلاد العراق فلما ظهر الفرس على إقليم العراق ازالوا مملكة الصابئين و منعوهم من عبادة الأوثان، فلم يجرو بعد على عبادة أوثانهم'' (تفسير التحرير والتنوير شيخ طاهر بن عاشور ۱/ ۵۳۴)۔

''وفي العراق وفي وقت الحاضر أقلية من الصابئة وهم يعتقدون بالخالق عز وجل و يؤمنون بالآخرة ويدعون أنهم يتبعون تعاليم آدم عليه السلام و أن نبيهم يحي جاء لينقي دين آدم مما علق به، وعندهم كتاب يسمونه ''الكانزاربا'' أي صحف آدم، ومن عباداتهم الصلوة وتقتصر على الوقوف والركوع والجلوس على الأرض دون سجود و يؤدونها في اليوم ثلاث مرات قبل طلوع لاشمس وعند زوالها وقبيل غروبها ويتوجهون في صلاتهم إلى النجم القطبي'' (قضايا فقهيه معاصرة للدكتور بدر الحسن القاسمي/ ۱۰۲، طبع ايفا، ماخوذ از مقاله: قاری ظفر

الاسلام صدیقی)۔

مذکورہ عربی عبارات کے علاوہ مقالہ نگاران نے معارف القرآن، ارض القرآن، تفہیم القرآن، تفسیر عثمانی، بیان القرآن، تفسیر معانی، تفسیر مظہری، القاموس الفقہ وغیرہ سے بھی تقریباً یہی تفصیلات درج فرمائی ہیں۔

متفرق خیالات:

مذکورہ مسئلہ میں قاری ظفر الاسلام، مولانا اختر امام عادل، مظاہر حسین عماد قاسمی، وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اس فرقہ کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم ہی نہیں کی جاسکتی۔ بعض حضرات کی رائے یہ بھی ہے کہ جب اس فرقہ کا وجود ہی نہیں رہا تو پھر بحث سے کیا فائدہ؟ جبکہ مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی کہتے ہیں کہ اس فرقہ کی مختلف شاخیں ہیں پہلے ان کے بارے میں غور کرنا ہوگا، پھر کوئی رائے قائم کی جائے گی۔

اس سوال کی دوسری شق یہ ہے کہ:

کیا صابی فرقہ اب دنیا میں موجود ہے؟

اس بارے میں مندرجہ ذیل حضرات کی رائے یہ ہے کہ کسی زمانے میں یہ قوم تھی، بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور اور اس کے بعد بھی کچھ زمانے تک عراق اور موصل کے علاقے میں یہ قوم موجود تھی، مگر اب اس دنیا میں اس نام کی کوئی قوم موجود نہیں ہے۔

مولانا اسرار احمد آبادی، مفتی لطیف الرحمن ممبئی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی کانپوری، مولانا آزاد بیگ قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا محمد سعد نور قاسمی، مولانا ارشد علی رحمانی، مولانا محمد شوکت ثناء قاسمی، مولانا عقیل الرحمن قاسمی، مولانا محمد ارشاد پالن پوری، محمد اکرم رشید، مفتی عابد الرحمن، مولانا آزاد بیگ قاسمی، محمد فاروق دربھنگوی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مفتی محمد سلمان پالن پوری، مفتی محمد یوسف قاسمی، مولانا عبید الرحیم سعادتی، مولانا سید باقر ارشد قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا مفتی محمد جعفر ملی، مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا عبدالرب سعادتی، مولانا محمد شکیل سعادتی۔

’’قد درجوا وانقرضوا فلا عين ولا أثر‘‘ (دیکھئے: جواہر الفقہ ۶ / ۲۰۳-۲۰۴، بحوالہ بنایہ شرح ہدایہ ۵ / ۵۴۵ عن عبدالعزیز بن یحیٰ)۔

اس بارے میں اکثر مقالہ نگار حضرات نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی کتاب ’’قاموس الفقہ‘‘ کے حوالہ سے اس گروہ کے ختم ہوجانے کا قول نقل کیا ہے (دیکھئے: قاموس الفقہ ۴ / ۲۱۶)۔

جبکہ مندرجہ ذیل حضرات علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ قوم اب بھی دنیا کے مختلف خطوں، جیسے ایران، موصل عراق، روم اور شام کے جزیرے، کناڈا وغیرہ میں منتشر طور پر اب بھی موجود ہے جن کی مجموعی تعداد ۷۰۰۰۰ تک بتائی جاتی ہے۔

مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مولانا عظمت اللہ میر، مفتی شبیر احمد قاسمی، مفتی صادق محمد پٹیل، مولانا صادق مبارکپوری، مفتی محمد شباب، اکرام الحق ربانی ندوی، محمد ریاض ارمان قاسمی، محمد صابر حسین ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی محمد سلطان قاسمی، مفتی شبیر احمد دیولوی، پروفیسر سعود عالم قاسمی، قاری ظفر الاسلام صدیقی، محمد جمشید جوہر قاسمی، مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی)۔

اور مفتی اشرف گونڈوی، حافظ کلیم اللہ عمری، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مولانا ارشاد اللہ قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا سفیان مفتاحی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا مصطفی آداپوری، قاضی تبریز عالم، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی ابوحماد غلام رسول قاسمی، مفتی عبدالمنان قاسمی آسام، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی اور مفتی لطیف الرحمن ممبئی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مفتی اشرف عباس قاسمی وغیرہ حضرات نے اس فرقہ کے وجود اور عدم وجود سے متعلق کوئی واضح عندیہ پیش نہیں فرمایا ہے۔ البتہ مولانا اختر امام عادل قاسمی کہتے ہیں کہ یقین سے کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔

دلائل:

اس سلسلہ کی تمام عربی عبارات اور تفصیلات اسی سوال کی پہلی شق کے ضمن میں ذکر کی جاچکی ہیں، بخوف طوالت یہاں حذف کی جاتی ہیں، حسب ضرورت اپر صفحہ ۱۹-۲۶ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

صابئین کی تعریف میں اختلاف کی وجہ اور ہندو قوم:

صابئین کے سلسلہ میں مولانا اسرار احمد آبادی نے یہ نوٹ بھی لکھا ہے:

"بندہ کے خیال کے مطابق یہ ایک قوم تھی جو مرور زمانہ کی وجہ سے مختلف علاقوں میں بٹ گئی اور اپنے مذہبی عقائد سے بے توجہی اور اغیار کے عقائد سے متاثر ہو کر اپنے اصل عقائد محفوظ نہ رکھ سکی اور مختلف گروہوں اور عقائد میں منقسم ہوگئی، بنابریں جس نے جس گروہ کو دیکھا اس کے مطابق صابئین کی تعریف کردی اور فی زمانہ ایسی کوئی قوم روئے زمین پر موجود نہیں ہے، جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: "اس دور میں اس نام سے کوئی قوم معروف ومتعارف نہیں ہے" (قاموس الفقہ ۴/۲۱۶) (دیکھئے مقالہ: مولانا اسرار قاسمی)۔

مولانا اشرف قاسمی گونڈوی کا خیال ہے کہ ہندو قوم کا وہ طبقہ جو نجوم پرست ہے وہ صابئین ہے۔

مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی کی رائے یہ ہے کہ آریوں اور یزیدیوں پر صابئین ہونے کا شک ہے۔

مولانا غلام رسول منظور قاسمی کی رائے یہ ہے: مفسرین اور علماء کے یہاں صابئین کے بارے میں کسی قدر متضاد اور مختلف تصورات ہیں، اور حیرت و استعجاب کی بات یہ ہے کہ وہ سب کے سب اقوال مختلفہ ہندو قوم پر فٹ ہوتے ہیں۔ چاہے مختلف ادوار واطوار میں حضرات مفسرین کرام الگ الگ قوموں کو صابئین سمجھتے رہے ہوں، لیکن موجودہ دور میں تقریباً یہ بات طے ہے کہ ہندو قوم میں یہ ساری خصوصیات کسی نہ کسی درجہ میں ضرور پائی جاتی ہیں۔ اس لئے ہم یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ اب اس امر میں کوئی شک وشبہ باقی ہے کہ صابئین کون ہیں۔ یہ ممکن ہے زمانہ ماضی میں مختلف گروہوں پر صابئین کی تعریف فٹ آتی ہو، لیکن کم از کم فی زمانہ صابئین سے کون سی قوم مراد ہے یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، اور اپنی اس رائے کی تائید میں رسالہ الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر خطبہ صدارت سید سلیمان ندوی، بحوالہ حکومت الٰہیہ اور علماء مفکرین اور کتاب: "اگر اب بھی نہ جاگے تو" شمس نوید عثمانی، کے حوالے دیئے ہیں۔

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی جو خود وید اور پران کا علم رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "ہندوستان کے ہندو کا صابئین میں شمار نہیں ہے، ان کے احکام صابئین سے جدا ہیں، نیز ان کا اہل کتاب ہونا سب کچھ معلوم ہے، جبکہ ہندو قوم کے بارے میں یہ ساری چیزیں غیر متعین، نامعلوم اور محمول ہیں (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

سوال نمبر ۳: کیا موجودہ دور کے وہ عیسائی جو اللہ کے وجود ہی کو نہیں مانتے ان کا شمار اہل کتاب میں ہوگا اور نکاح وذبیحہ کے سلسلہ میں ان کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ کیا جائے گا؟

اس سوال کے جواب میں ۶۵ میں سے ۶۶ / مقالہ نگاران حضرات کی رائے یہ ہے: وہ عیسائی یا یہودی جنہوں نے جودہریت کی راہ اختیار کرلی، کمیونسٹ ہوگئے، نہ ان کا ایمان توریت وانجیل پر ہے اور نہ موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر ایمان رکھتے ہیں، اور نہ ہی وجود باری تعالیٰ کے قائل ہیں، صرف مردم شماری میں کرسچن یا یہودی قوم شمار ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر قومی اور نسلی اعتبار سے تو یہودی اور عیسائی ہے، مذہبی اعتبار سے اپنی کتاب اور وجود باری تعالیٰ سے بیزار ہے تو ان کے اوپر نہ تو اہل کتاب کے احکام جاری ہوں گے اور نہ ہی نکاح وذبیحہ کے معاملہ میں اہل کتاب کا سا معاملہ کیا جائے گا۔

استشہاد:

دلیل اس کی یہ ہے کہ جس علت کی بنیاد پر ان کا ذبیحہ حلال ہوا تھا اور کتابیہ عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا گیا تھا وہ علت مذہب سے بغاوت کی وجہ سے فوت ہوگئی (دیکھئے مقالہ: مولانا زبیر احمد قاسمی)۔

اس کے علاوہ مقالہ نگار حضرات نے اس موقف کو اختیار کرنے کے لئے مفتی شفیع صاحب کی معارف القرآن، حضرت تھانویؒ فتاویٰ رحیمیہ، فتاویٰ محمودیہ، اور احسن الفتاویٰ وغیرہ سے فتاویٰ نقل کئے ہیں، نیز کتابیہ خواتین سے نکاح کے سلسلہ میں فقہ کی کتابوں میں مذکور احکام اور فقہی عبارات نقل کئے ہیں، جو سوال نمبر ۱ کے تحت ذکر کئے جاچکے ہیں ان کا یہاں دہرانا تحصیل حاصل ہے۔

مولانا محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی کی رائے یہ ہے کہ:

عیسائی جب تک خود کو عیسائی کہتے ہیں خواہ وہ انحراف وتحریف دین کے کتنے ہی بڑے مجرم ہوں اگر کسی آسمانی کتاب کے قائل ہیں تو وہ اہل کتاب شمار

ہوں گے، اور ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ان میں تمام فساد کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کے علی الرغم تمام صحابہ نصاریٰ بنی تغلب کو اہل کتاب مانا گیا۔ نیز یہ کہ یہود و نصاریٰ میں بے شمار اعتقادی اور عملی فسادات تو نزول قرآن میں بھی پائے جاتے تھے، پھر بھی وہ اہل کتاب شمار ہوئے اور قرآن نے ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی۔

جبکہ مولانا کلیم اللہ عمری نے اپنے مقالہ میں صرف کتابیہ عورتوں سے نکاح کی تفصیلات لکھی ہیں، اہل کتاب کے تعلق سے کوئی رائے نہیں دی ہے؛ اسی طرح مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی نے بھی صرف کتابیہ سے نکاح کا مسئلہ درج کیا ہے موجودہ اہل کتاب پر کوئی رائے نہیں دی ہے۔

سوال نمبر ۴: بابی، بہائی، سکھ اور قادیانی کیا ان کا شمار اہل کتاب میں ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگاران کی اتفاقی رائے ہے کہ بابی، بہائی، قادیانی خواہ نسلی ہو یا از خود اس نے اسلام کو چھوڑ کر قادیانیت اختیار کی ہو سب کے سب مرتد، زندیق اور کافر ہیں، ان کا شمار کسی بھی حیثیت میں اہل کتاب میں نہیں ہوگا، نیز بہائی فرقہ چونکہ نئی شریعت کا مدعی اور اسلام کے لئے اپنے نظریات کو ناسخ مانتا ہے، اس لئے یہ فرقہ مرتد ہے۔ بس حافظ کلیم اللہ عمری اور مفتی فضیل الرحمن عثمانی، چونکہ انہوں نے صرف ایک سوال کا جواب دیا ہے اس بارے میں خاموشی اختیار کی، اس طرح یہ اتفاقی رائے ہے۔

دلائل واستشہادات:

''من لم يقر ببعض الانبياء بشئي أو لم يرضى بسنة من سنن سيد المرسلين عليه السلام فقد كفر'' (مجمع الانہر ۱/ ۶۹۱)۔

''لا خلاف فى كفر المخالف فى ضروريات الاسلام، و إن كان من أهل القبلة المواظب طول عمره على الطاعات'' (كما فى شرح التحرير، مجموعه رسائل الكشميرى ۳/ ۷۱، وكذا فى مرقاة المفاتيح ۸/ ۸۶۱)۔

نیز بابی اور بہائی عقیدے کی تفصیلات کے لئے دیکھئے ریحان مبشر قاسمی اور مفتی جمشید جوہر قاسمی صاحب کے مفصل مقالات)۔

''ويوجد فى العالم الاسلامى فرق خارجة عن الاسلام وہى تنتسب إليه، وتدعى أنها مسلمة، لكنها فى الحقيقة غير مسلمة، لأن عقائدها عقائد كفر بالله وبآياته و وحدانيته''۔۔۔

(اس کے بعد باطنی، جو ہندوستان، شام، ایران، عراق میں ہیں، اور قادیانی و بہائی کا ذکر کیا ہے (و بن الحق/ ۱۴۵، مصنف: عبدالرحمن بن حماد آل عمر)۔

''أخذت من هذا أن مدعى النبوة كافر إجماعًا و واجب القتل، وشأن الملعون القاديانى بعينه شأن مسيلمة الكذاب، بأنه ادعى النبوة، ولم ينكر رسالة النبى صلى الله عليه وسلم ونبوته'' (العرف الشذى للعلامة انور شاه الكشميرى ۲/ ۳۷۰)۔

آیت: ''لقد كفر الذين قالوا إن الله هو المسيح بن مريم'' کے تحت وضاحت سے بہائی فرقہ کو کافر قرار دیا ہے۔

''سواء كان المسيح أو البها أو الحاكم بأمر الله الفاطمى أو القاديانى أو غيره مدعيا أنه يعبد الله فى هذا الشخص، وكذلك حكم بالكفر على من عبدة الملائكة أو الأنبياء، فقال سبحانه: ''ولا يأمركم أن تتخذوا الملائكة والنبيين أربابا أيأمركم بالكفر بعد إذ أنتم مسلمون'' (فتنة البهائية/ ۵۱)

نیز: ''وقد افتى به العلماء سواء فى مشيخة الأزہر أو مجمع البحوث الإسلامية بمصر، أو دار الإفتاء بمصر، أو المجلس الشرعى الإسلامى الأعلى بفلسطين، أو لجان الفتوى بمصر والمملكة السعودية فتاوى العلماء هذه ليست تعبيرًا عن آرائهم الشخصية، ولكنها تعبّر عن حكم فى هذه الطائفة'' (حوالہ سابق: ۵۱)۔

''و أماما ادعاه ميرز اغلام أحمد من النبوة والرسالة ونزول الوحى عليه إنكار صريح لما ثبت من الدين بالضرورة ثبوتًا قطعيًا يقينيًا من ختم الرسالة والنبوة بسيدنا محمد، وأنه لاينزل وحى على أحد بعده. وهذه الدعوى من ميرزا غلام أحمد تجعله و سائر من يوافقونه عليها مرتدين خارجين عن الإسلام و أما اللاهورية فإنهم كالقاديانية فى الحكم عليهم بالرد' بالرغم من وصفهم ميرزا غلام بأنه ظل وبروز لنبينا محمد'' (قرارات و توصيات مجمع الفقه

الإسلامي التابع لمنظمة المؤتمر الاسلامي ۱۱۸۳ (ص: ۴)، قرار نمبر: ۴ (۴/ ۳) بشأن القاديانية مجلة المجمع عدد ۲، ۱/ ۲۰۹)۔

''ومن هنا أجمع المسلمون على أن العقيدة البهائية أو البابية ليست عقيدة إسلامية، وأن من اعتنق هذا الدين ليس من المسلمين'' (فتنه البهائية/ ۴۴، فتوى: شيخ احمد محمد عبد العال هرى، الامام الاكبر الشيخ جاد الحق على جاد الحق)۔

- شیخ عبدالعزیز بن باز کا فتویٰ:

''أنه لاشك فى كفرهم، وقال رحمه الله: لايجوز دفنهم فى مقابر المسلمين. لأن من أدعى النبوة بعد نبينا ﷺ فهو كاذب و كافر بالنص وإجماع المسلمين، لأن ذلك تكذيب لقوله تعالى: ''وما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين'' ولما تواترت به الأحاديث عن رسول الله ﷺ أنه خاتم الأنبياء'' لانبى بعده'' (فتنة البهائية: ۴۷)۔ البهائية مرتدون عن الاسلام ويجب أن ينفذ فيهم حكم الله'' (حوالہ سابق: ۵۰)۔

''عقيدة الباهية قد اسفرت الديانة البابية عن إنكار القيامة و ما جاء فى وصفها فى القرآن، و زعم أنها قيام الروح الإلهية فى مظهر بشرى جديد و أن البعث هو الايمان بألوهية هذا المظهر، وعن لقاء الله يوم القيامة بأنه لقاء الباب، لأنه هو الله، وعن الجنة: بأنها الفرح الذى يجده الشخص عندما يؤمن بالباب. وعن النار: بأنها الحرمان من معرفة الله فى تجلياته فى مظاهره البشرية، وزعم أنه البرزخ المذكور فى القرآن، لأنه كان بين موسى وعيسى، كما أنه خرج عن تعاليم الإمامية الاثنى عشرة حول مفهوم الرجعة. حيث بينها بأنها رجوع الصفات الإلهية وتجليها مع آثارها فى مظهر جديد للحقيقة الإلهية'' (فرق معاصره لغالب عواجى، ۲/ ۶۵۵، الموسوعة الفرق المنتسبة للإسلام)۔

البابية أو البهائية فرقة ضالة كافره انبثقت من الشيعة الاثنى عشرية (الرافضة)، (الموجز فى الاديان والمذاهب المعاصرة لناصر القفارى وناصر العقل/ ۱۵۶)۔

''ومن خيال زعيمهم الأول دعواه فى تفسيره لسورة يوسف أنه أفضل من رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلل هذا الكلام بما لايفهمه إلا من يفهم لغة المبرسمين إذا قال: (لأن مقامه (الباب) مقام النقطة، ومقام النبى ﷺ مقام (الف) وقال: (كما أن محمد امن عيسى فكتابه (البيان) أفضل من القرآن، وقال: إن أمر الله فى حقى أعجب من أمر محمد رسول الله من قبل لو كنتم تتفكرون'' (رسائل الاصلاح لمحمد الخضر حسين ۲/ ۱۹۰، الموسوعة الفرق المنتسبة للإسلام الدرر السنية ۹/ ۳۶۳، الشامله)۔

-'' السيخ جماعة دينية من الهنود الذين ظهروا فى نهاية القرن الخامس عشر الميلاديين داعين إلى دين جديد، زعموا أن فيه شيئًا من الديانتين الإسلامية والهندوسية تحت شعار (لا هندوس ولا مسلمون) وقد عادى المسلمين خلال تاريخهم وبشكل عنيف، كما عادى الهندوس بهدف الحصول على وطن خاص بهم، وذلك مع الاحتفاظ بالولاء الشديد للبرطانيين خلال فطرة استعمار الهند، وكلمة سيخ كلمة سنسكرتية تعنى المريد أو التابع'' (موسوعة الملل والأديان البحث الخامس: السيخية ۲/ ۱۳۴)، (تفصیل کے لئے مقالات: مفتی باقرارشد قاسمی، مفتی جمشید جوہر قاسمی وغیرہ)۔

سوال نمبر ۵: نسلی قادیانی اور ازخود قادیانیت اختیار کر کے مرتد ہونے والے قادیانی کے احکام میں فرق ہے؟ کیا نسلی قادیانی کو اہل کتاب کہا جاسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں بھی تمام مقالہ نگاران متفق ہیں کہ ازخود اس ملعون فرقہ کی پیروی کرنے والا، اور نسلی طور پر چلے آرہے اس نظریہ کے حامل قادیانی چونکہ جب اس کے باپ دادانے ہی کتاب چھوڑ دی تو پھر یہ اہل کتاب کہاں رہے، دونوں کافر وزندیق اور مرتد ہیں، اس پر پوری امت کا اتفاق ہے، اور اس پر کسی کلام کی گنجائش نہیں ہے۔

دلائل:

''دعوة النبوة بعد نبينا ﷺ كفر بالإجماع'' (شرح الفقه الاكبر للقارى: ۱۶۴)۔

''ولاينجو من الكفر إلا من أكفر ذلك الملحد (اى غلام احمد القاديانى) بلا تلعثم و تردد'' (رسالہ اكفار الملحدين: ١٠)

''وفى فتح القدير: ويدخل فى عبدة الأوثان، عبدة الشمس والنجوم والصور التى استحسنوها والمعطلة والزنادقة والباطنية والاباحية، وفى شرح الوجيز: وكل مذهب يكفر به معتقده، فهو يحرم نكاحها، لأن اسم المشرك يتناولهم جميعا'' (البحر ٨/ ٥٤)۔

''يعتقد القاديانيون أن الله يصوم ويصلي وينام ويصحو ويكتب ويخطي ويجامع تعالى الله عما يقولون علوا كبيرًا، ويعتقد القادياني بأن إلهه إنجليزي، لأنه يخاطبه بالإنجليزية، تعتقد القادنية بأن النبوة لم تختم بمحمد صلى الله عليه وسلم، بل هى جارية، والله يرسل الرسول حسب الضرورة و إن غلام أحمد بو أفضل الأنبياء جميعا، يعتقدون أن جبريل عليه السلام كان ينزل على غلام أحمد وأنه كان يوحى إليه و إن إلهاماته كالقرآن'' (موسوعة الفرق المنتسبة للإسلامة ١/ ٩٨)۔

نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: (قاموس الفقہ ۲/ ۲۵۷، فتاوی دار العلوم دیوبند، اور دیگر سلف وخلف کے فتاوی)، مزید دلائل سوال نمبر: ۴/ کے ضمن میں نقل کئے جاچکے ہیں، حسب خواہ وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

سوال نمبر ۶: دار الاسلام میں رہنے والے اہل کتاب اور دار الکفر میں رہنے والے کے درمیان نکاح میں کوئی فرق ہے یا دونوں کا حکم یکساں ہے؟

اس سوال کی دو شقیں ہیں:

الف- دار الاسلام میں اہل کتاب خواتین سے نکاح کرنے کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں ۴۰ رمقالہ نگاران نے دار الاسلام میں کتابی عورتوں سے نکاح کو مکروہ تحریمی، یا تنزیہی، یا پھر مطلق مکروہ، اور نکاح نہ کرنے کو اولی قرار دیا ہے، اس وجہ سے کہ آج کل عام طور سے بجائے شوہروں کے بیوی پر اثر انداز ہونے کے بیویاں ہی اثر انداز ہوتی ہیں، اور بچے چونکہ ماں سے زیادہ مانوس ہوتے ہیں، انہیں کے عادات واطوار کو اپناتے ہیں، اس لئے مسلم ملکوں میں بھی نہ تو دینی فوائد حاصل ہوں گے اور نہ سماجی، لہٰذا اس کو ممنوع قرار دیا جانا ہی مستحسن ہے۔

جبکہ مولانا محمد فاروق دربھنگوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا عظمت اللہ میر، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا اکرام الحق ربانی ندوی، مولانا شاہ جہاں ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا مصطفی قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی عبد المنان آسام، مفتی لطیف الرحمن ممبئی، مولانا آزاد بیگ قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی۔

ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ جو صورت حال ہے اور سیاسی اور سماجی طور پر جو نقصانات اب تک سامنے آئے ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے قطعا ناجائز ہے البتہ مولانا جمشید جوہر قاسمی، مولانا ابوالمکارم معروفی کے نزدیک مباح ہے۔ مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی کہتے ہیں کہ سیاسی قائدین، مذہبی شخصیات، مصنفین ومبلغین، افسران اور ملکی عہد داران کے لئے درست نہیں ہے۔ عام لوگوں کے لئے بعض شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ مولانا اختر امام عادل کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم معلل بالفتنہ ہے، جہاں فتنہ کا اندیشہ ہوگا وہاں ممنوع اور جہاں نہیں ہوگا وہ مباح ہوگا۔ دار الاسلام اور دار الکفر کی کوئی قید نہیں ہے۔

کتابیہ سے نکاح سے متعلق دلائل آگے ذکر کئے جارہے ہیں، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

ب- دعوتی مقاصد کے پیش نظر مغربی ممالک یا دار الکفر میں اہل کتاب خواتین سے شادی:

اس مسئلہ میں مقالہ نگاران کی دو آراء سامنے آئی ہیں:

ایک: مکروہ تحریمی یا تنزیہی یا ممنوع کی۔ دوسرے جواز کی۔

جو حضرات دعوتی یا مغربی ملکوں میں معاشی اور ویزہ وغیرہ کی سہولت کے پیش نظر کتابیہ عورتوں سے نکاح کی گنجائش دیتے ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا عبدالرب سعادتی، مولانا محمد شکیل سعادتی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مولانا محمد شوکت ثناء قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی عابد الرحمن بجنوری، مولانا محمد سعد نور قاسمی، مفتی صادق محمد پٹیل، مولانا محمد شباب، مولانا سعود عالم قاسمی، مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی، مفتی باقر ارشد قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی۔

مباح قرار دینے والوں میں مولانا شوکت ثناء کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمہ میسر نہ ہو اور گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو جائز ہے۔ باقر ارشد کہتے ہیں تحفظ جان اور تحفظ ایمان اور دعوت کے پیش نظر مستحسن ہے، اسی طرح مولانا محمد عثمان بستوی کہتے ہیں کہ دار الکفر میں قیام کا مقصد دعوت وتبلیغ یا اضطرار ہو اور نکاح فرض یا وجوب کے درجہ میں ہو اور مسلمہ سے نکاح کی قدرت بھی نہ ہو تو بلا کراہیت جائز ہے۔ مجوزین میں حافظ کلیم اللہ عمری کہتے ہیں کہ جو حضرات قوی ایمان کے حامل ہوں ان کے حق میں کتابیہ سے نکاح جائز اور اگر کمزور ہو اور دیندار گھرانہ میسر نہ ہو تو دور رہنے میں ہی سلامتی ہے اور کراہیت سے خالی نہیں ہے۔ مفتی اشرف عباس قاسمی کی رائے یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ اسے جائز ہی ہونا چاہئے، مگر مخصوص حالات اس جواز کے دروازے کو بند رکھنا ہی اولی ہے۔

دلائل:

''الأمور بمقاصدها'' (الأشباه)۔

''إنما الأعمال بالنيات'' (صحیح بخاری)۔

''وقد أجمع العلماء على إباحة الزواج بالكتابية، لقوله تعالى: ''اليوم أحل لكم الطيبات وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم، والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم''۔ والمراد بالمحصنات في الآية: العفائف ويقصدها حمل الناس على التزوج بالعفائف ولما فيه تحقيق الود والألفة بين الزوجين و إشاعة السكون والاطمينان'' (الفقيه الاسلامي وأدلته ۷/ ۱۵۳)

''الراجح لديّ هو قول الجمهور لا طلاق الأدلة القاضية بجواز الزواج بالكتابيات دون تقييد بشيء'' (الفقه الاسلامي وأدلته ۷/ ۱۶۱)۔

''واتفق جماعة من الصحابة ﷺ على إباحة أهل الكتاب الذميات سوى ابن عمر رضی اللہ عنہ'' (احکام القرآن ۲/ ۴۰۹)۔

''يجوز تزوج الكتابيات والأولى أن لا يفعل ولا يأكل ذبيحتهم إلا لضرورة'' (الدر مع الرد ۲/ ۴۵، البحر الرائق ۳/ ۱۱۱، أحكام القرآن للرازي ۲/ ۳۳۶)۔

دوسری رائے:

اس بارے میں دوسری رائے یہ ہے کہ ہر حال میں مکروہ تحریمی یا تنزیہی یا ممنوع ہے اور کسی بھی طرح اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اس دوسری رائے کے حاملین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا محمد یوسف قاسمی، مفتی سلطان قاسمی، مفتی محمد ارشاد پالن پوری، مولانا اکرم رشید لوناواڑا، مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا عقیل الرحمن قاسمی، مولانا ارشد علی رحمانی، مولانا محمد فاروق دربھنگوی مفتی اعجاز الحسن پانڈے، مولانا عظمت اللہ میر، مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی شبیر احمد قاسمی دیولوی، قاری ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا ریاض ارمان قاسمی، اکرام الحق ربانی غلام رسول منظور القاسمی، مولانا ارشاد اللہ قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی شاہ جہاں ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا مصطفی قاسمی، مفتی عبدالمنان قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی لطیف الرحمن ممبئی، مولانا اسرار احمد آبادی، مفتی ثناء الہدی قاسمی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا آزاد بیگ قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا عبید الرحیم سعادتی، مولانا جعفر ملی، مولانا اشرف گونڈوی قاسمی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مفتی اشرف عباس قاسمی۔

متفرق خیالات:

البتہ مولانا ابوسفیان مفتاحی کہتے ہیں کہ اگر کوئی مفاسد نہ ہوں تو جائز ہے، اور مفتی سلطان قاسمی کہتے ہیں کہ جواز کے باوجود حالات کی وجہ سے کلی اجتناب

ضروری ہے۔ اور مولانا محمد شکیل سعادتی کہتے ہیں کہ اگر ایمان کی امید ہو تو جائز، ورنہ مکروہ، جبکہ ان مانعین میں مفتی شاہ جہاں ندوی، عقیل الرحمن قاسمی، مولانا مصطفی قاسمی، قاضی محمد حسن ندوی نے مکروہ تحریمی کو حرمت پر محمول کیا ہے۔

عدم جواز اور کراہیت کی دلیل:

''إذا تعارض المانع والمقتضی فإنه یقدم المانع'' (الاشباہ لابن نجیم، دیکھئے مقالہ قاضی محمد حسن ندوی)۔

''وفی البحر: والأولی أن لایتزوج کتابیة ولا یأکل ذبائحهم إلا لضرورة'' (مختارات النوازل ۲/ ۴۰، فتح القدیر ۳/ ۲۱۸، البحر الرائق ۳/ ۱۱۰)۔

''ویحرم تزوج الکتابیة إذا کانت فی دار الحرب غیر خاضعة لأحکام المسلمین، لأن ذلك فتح لباب الفتنة، فقد تزعمه علی التخلق بأخلاقها التی یأبها الإسلام ویعرض ابنه للتدین بدین غیر دینه، ویزوج نفسه فیها لا قبل له به من ضیاع سلطته التی یحفظ بها عرضها وغیر ذلك من المفاسد، فالعقد وإن کان یصح، إلا أن الإقدام علیه مکروه تحریمًا لما یترتب علیه من المفاسد، وأما إذا کانت ذمیة و یمکن اخضاعها للقوانین الاسلامیة، فإنه یکره نکاحها تنزیها'' (کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ۴/ ۷۴، مبحث المحرمات لاختلاف الدین، فتاوی فریدیه ۴/ ۲۷۱، ما یجوز تزویجها وما لا یجوز، دیکھئے: مقالہ مولانا محمد جعفر ملی رحمانی)۔

''یکره تزوج نساء أهل الحرب من الکتابیات'' (الفقه الاسلامی و ادلته ۷/ ۱۵۹)۔

''أما الحربیة، فیحرم تزوجها عند الحنفیة إذا کانت فی دار الحرب، لأن تزوجها فتح لباب الفتنة، و تکره عند الشافعیة، وعند المالکیة فی رأی، والزواج بها خلاف الأولی عند الحنابلة، ففی الزواج بالکتابیات، وبالأولی الحربیات مضار اجتماعیة و وطنیة ودینیة؛ فقد ینقلن لبلادهن أخبار المسلمین، و قد یرغبن الأولاد فی عقائد وعادات غیر المسلمین، و قد یؤدی الزواج بهن إلی إلحاق ضرر بالمسلمات بالإعراض عنهن، وقد یکون الکتابیة منحرفة السلوك'' (الفقه الاسلامی و ادلته ۷/ ۱۵۴، ماخوذ از مفتی باقر ارشد بنگلوری)۔

''تنکح المرأة لاربع لما لها، ولحسبها، وبجمالها، ولدینها فاظفر بذات الدین'' (مشکوۃ کتاب النکاح)۔

''الدنیا کلها متاع و خیر متاع الدین المرأة الصالحة'' (مسلم، مشکوۃ)۔

''لاتزوجوا النساء لحسنهن . . . ولکن تزوجوهن علی الدین، ولأمة خرماء سوال ذات دین أفضل'' (ابن ماجه)۔

''إذا خطب إلیکم من ترضون دینه و خلقه فزوجوه أن تفعلوه تکن فتنة فی الأرض وفساد عریض'' (ترمذی، مشکوۃ علی مرقاۃ المصابیح ۶/ ۱۸۸،۱۹۲، مکتبہ اشرفیہ)۔

''والواقع فی الزواج الکتابیات و بالأولی الحربیات مضار اجتماعیة و وطنیة و دینیة . . . تبین من ذلك أن عمر رضی الله عنه منع حذیفة من الزواج بالکتابیة لما فیه من الضرر. و بو إما الوقوع فی زواج المؤمنات منهن، أو تتابع المسلمین فی زواج الکتابیات و ترك المسلمات بلازواج'' (الفقه الاسلامی ۹/ ۶۶۵۴)۔

''وتکره الحربیة إجماعا لانفتاح باب الفتنة من إمکان التعلق المستدعی للمقام معها فی دار الحرب وتربص الولد علی التخلق بأخلاق أهل الکفر الخ'' (فتح القدیر ۳/ ۲۲۹)۔

''لاتتخذوا الیهود والنصاری أولیاء بعضهم أولیاء بعض ومن یتولهم منکم فإنه منهم'' (مائدہ: ۵۱)۔

''لاتتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء'' (سورہ الممتحنة: ۱)۔

''إلا أن تتقوا منهم تقة'' (سورہ آل عمران: ۲۸)، دیکھئے: تفصیل بیان القرآن: ۱۰۸)۔

''و أصحابنا یکرہون مناکحات أهل الحرب من أهل الکتاب'' (أحکام القرآن جصاص رازی ۲/ ۴۱۱)۔

''إثمهما أکبر من نفعهما'' (سورہ البقرہ: ۲۱۹)۔

مذکورہ فقہی نصوص کے علاوہ بہت سے مقالہ نگاران نے حضرت تھانوی کی ''الحیلۃ الناجزۃ''، مفتی محمود گنگوہی کے فتاوی جواہر الفقہ، مفتی شفیع ''احسن الفتاوی''، ''فتاوی دار العلوم'' نیز مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے حوالے سے اکابر کے فتاوی بھی نقل کیے ہیں اور الحیلۃ میں درج اہل کتاب سے نکاح کے دونوں شرائط: یعنی اصل یہودیہ، نصرانیہ اسلام سے مرتد ہو کر اہل کتاب میں شامل نہ ہوئی ہو، بھی درج کی ہیں۔

''درأ المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارض مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبًا. لأن اعتناء الشارع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمامورات'' (الاشباہ والنظائر/۸۷)۔

''إني أخشى أن تدعوا المسلمات وتنكحوا المؤمسات'' (السنن الکبری للبیہقی ۷/ ۱۷۲ (۱۴۳۶۱)، ابن ابی شیبہ ۳/ ۱۵۸، (۱۶۴۱۷)۔

''الحنفية قالوا: يحرم تزوج الكتابية إذا كانت في دار الحرب غير خاضعة لأحكام المسلمين، لأن ذلك فتح لباب الفتنة ... والمالكية: لهم رأيان في ذلك أحدهما: أن نكاح الكتابية مكروه مطلقا سواء كانت ذمية أو حربية، ولكن الكراهة في دار الحرب أشد. ثانيهما: أنه لايكره مطلقا عملا بظاهر الآية. لأنها قد اباحته مطلقًا ... والشافعية قالوا: يكره تزوج إذا كانت في دار الاسلام وتشتد كراهة إذا كانت في دار الحرب، كما هو رأي بعض المالكية، ولكنهم اشترطوا للكراهة شروطا: الأول أن لايرجو إسلام الكتابية، والثاني: أن يجد مسلمة تصلح له، والثالث: أنه إذا لم يتزوج الكتابية يخشى الزنا ... والحنابلة قالوا: يحل نكاح الكتابية بلا كراهة لعموم قوله تعالى: والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم'' (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۴/ ۴۵، ماخوذ از مولانا جمشید جوہر قاسمی)۔

''عن جابر بن عبدالله: أنه سئل أ يتزوج الرجل المرأة من أهل الكتاب؟ فقال: ماله و لأهل الكتاب وقد أكثر مقال المسلمات، فإن كان لا بد فاعلًا فليعمد إليها حصانا غير مسافحة قال الرجل: ما المسافحة؟ قال: هي التي إذا لمح الرجل إليها بعينه تبعته'' (روح المعانی للآلوسی ۳/ ۳۸۳)۔

سوال نمبر ۷: کیا ویدوں کو الہامی کتاب اور ہندوؤں کے اوتاروں کو پیغمبر تصور کیا جا سکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں اکثر یعنی ۶۴ میں سے ۵۰ رمقالہ نگار حضرات نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ کسی بھی ہستی کو اللہ کا رسول یا پیغمبر اور کسی بھی مذہبی کتاب کو الہامی اور منزل من اللہ ماننے کے لئے قطعی دلائل درکار ہوتے ہیں، اور کتاب وسنت میں ان شخصیات اور ہندوؤں کے اوتاروں کے نبی ہونے کا ذکر نہ صراحتًا ہے اور نہ دلالۃً، نہ اشارۃً اور نہ اقتضاءًا۔ اس لئے نہ تو ہندوؤں کے اوتاروں کو اللہ کا پیغمبر مانا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کی مذہبی کتابوں کو الہامی کتاب قرار دیا جا سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ توقف اور اس پر سکوت اختیار کیا جا سکتا ہے اور بس۔

نیز اس سلسلہ میں جتنی بھی تحریریں اور وضاحتیں اب تک سامنے آئی ہیں ان کی بنیاد پر نہ تو ان کو اہل کتاب قرار دیا جا سکتا ہے، نہ ان کے اوتاروں کو پیغمبر کے زمرے میں رکھا جا سکتا ہے، اور نہ ہی ان کی مذہبی کتابوں کو توریت وانجیل اور زبور کی طرح الہامی اور منزل من اللہ کتاب قرار دیا جا سکتا ہے۔

جبکہ ۱۴ رحضرات مقالہ نگاران نے یا تو خاموشی اختیار کی ہے یا انہوں نے سوال نمبر ۷ کا جواب تحریر نہیں کیا ہے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مولانا ارشاد اللہ قاسمی، مفتی سلطان قاسمی، مفتی شباب، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مولانا محمد سعد نور، مفتی عابد الرحمن بجنوری، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا اکرم رشید لوناواڑا، مفتی ارشاد پالن پوری، مولانا ریحان مبشر قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، مفتی فضیل الرحمن عثمانی۔

متفرق آراء:

البتہ مولانا محمد صابر حسین ندوی کہتے ہیں کہ وید اور پران کا وہ حصہ جو توحید اور کتاب وسنت کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہیں ان کو الہامی کہا جائے، بقیہ کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے، اور فطرت سلیمہ کے خلاف ہونے کی تردید کی جائے۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ہندو حضرات اپنے رشیوں کو رسول اور بھگوان کا اوتار کہتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ ان کی حیثیت مبلغ کی ہوگی، ان کی کتابیں تو قطعی الہامی نہیں ہیں۔ مولانا فاروق دربھنگوی کہتے ہیں وہ تمام ویدوں اور اوتاروں جن کے پیغامات شریعت سے ہم آہنگ اور مبنی بر توحید ہیں اور

آخرت کا تصور بھی ہے ان کے بارے میں رسول یا نبی ہونے اور ان کی کتاب کے الہامی ہونے کا امکان ہے، لیکن چونکہ کتاب وسنت میں ان کا ذکر نہیں، اس لئے حتمًا نہیں کہہ سکتے اور مولانا عبید اللہ ندوی کی رائے یہ ہے کہ ان کے بارے میں صرف شک کیا جاسکتا ہے۔ اور مفتی شبیر احمد قاسمی کہتے ہیں کہ نہ انکار کر سکتے ہیں اور نہ ثابت کر سکتے ہیں (دیکھئے مذکورہ حضرات کے مقالات)۔

مولانا غلام رسول منظور القاسمی، مولانا جمشید جوہر قاسمی، مفتی باقر ارشد قاسمی اور بعض دوسرے مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ اس بارے میں توقف اختیار کیا جانا ہی بہتر ہے۔

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی صاحب فرماتے ہیں: ''ہندو بھائیوں کے پاس وید کی شکل میں جو کچھ موجود ہے وہ یقینی طور پر الہامی نہیں ہے، اس لئے محض امکان کی وجہ سے ہندوؤں کو اہل کتاب قرار نہیں دیا جاسکتا، زیادہ سے زیادہ مشابہ اہل کتاب کے زمرے میں رکھا جاسکتا ہے''۔

موصوف کا ایک قیمتی اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

ہندو برادران وطن کا اہل کتاب ہونا:

''اب ایک اہم سوال کا جواب دینا ضروری ہے کہ ویدوں کے کچھ مضامین کی تعلیماتِ اسلامی سے مطابقت اور ان میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کو دیکھتے ہوئے کیا ویدوں کو کلام الٰہی اور خدائی الہام قرار دیا جاسکتا ہے اور اس بنیاد پر ہندو برادران کو اہل کتاب میں شامل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں ہمیں ایک قرآنی اصول کا بہر حال لحاظ رکھنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (سورۃ النساء آیت ۸۲)۔

(اگر یہ کلام اللہ کے سوا کسی (اور) کی طرف سے ہوتا تو اس کے اندر بڑا اختلاف پاتے)۔

اس اصول قرآنی سے معلوم ہوا کہ کلام الٰہی اور کلام انسانی میں یہ بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ کہ کلام انسانی میں بیان میں تناقض، تحقیقات میں فرق مراتب، عبارت کی عدم یکسانی، معنوی اور ادبی بے آہنگی، ہر طرح کا جھول جھال پایا جاتا ہے، جبکہ کلام الٰہی ان سے یکسر خالی ہے۔ اور ویدوں میں کلام انسانی جیسی ناہموار باتیں پائی جاتی ہیں۔

خود ویدوں کی اندرونی شہادت سے اس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ مختلف رشیوں نے اپنے اپنے دیوتاؤں کی عقیدت میں منتروں کو مختلف زمانوں میں وضع کیا ہے اور اپنے دشمنوں کی تحقیر وتذلیل اور ان کو نیست ونابود کرنے کی تمنا کی ہے۔ اس کی مثالیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کے لئے مقالہ نہیں پوری کتاب درکار ہے۔

جہاں تک اسلامی تعلیمات سے مطابقت کی بات ہے تو اس میں بھی تضادات کی اتنی بھرمار ہے کہ اس کی موجودگی میں اسے کلام الٰہی قرار دینا بہت مشکل ہے۔ چند مثالیں دیکھئے:

(۱) ویدوں میں ایک طرف توحید ہے تو دوسری طرف ایشور اور برہم کی شکل میں دو خدا۔ اور برہما، وشنو، مہیش کی شکل میں تین خدا۔ اور دیوی دیوتاؤں کی شکل میں ۳۳ کروڑ خداؤں کا شرک آمیز تصور بھی موجود ہے۔

(۲) ایک طرف ویدوں میں عقیدۂ آخرت پرلوک، برزخ پترلوک، جنت سورگ اور جہنم نرک کے ابدی قیام گاہ میں اعمال کی جزاء وسزا، اور دنیاوی زندگی کے خاتمہ کے بعد دوبارہ نئی زندگی جسے پنر جنم کہا گیا ہے کا اسلامی تصور پایا جاتا ہے۔ تو دوسری طرف آواگون کا فلسفہ ہے جو مذکورہ عقیدے کے خلاف بالکل متضاد عقیدہ ہے۔

(۳) ایک طرف اوتار واد ہے جو اپنے مخصوص زاویہ نگاہ سے بندے کو خدا بنا دیتا ہے۔ تو دوسری طرف۔ عقیدۂ رسالت ہے جس میں نبی ورسول صرف خدا کا بندہ اور انسان ہونے کی حیثیت سے خدائی احکام کی تبلیغ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس میں نہ خدا حلول کرتا ہے اور نہ وہ خدا کی ہستی کا کل یا جز ہوتا ہے۔

(۴) ایک طرف وید میں شراب پینے کی برائی بیان کی گئی ہے۔

شراب پینے کے بعد اس کا نشہ شراب پینے والے کے دل میں اپنی جگہ بنانے کے لئے جنگ کرتا ہے۔ (رگوید ۸۔۲۔۱۲)

اے خدا! ریاضت نہ کرنے والے انسان شراب پی کر بدمست ہو جاتے ہیں اور وہ تمہیں تکلیف پہنچانے کی طرف مائل ہوتے ہیں، اس لئے تم ایسے لوگوں کو دولت ہونے پر بھی اپنا سہارا نہیں دیتے۔ (رگوید ۸۔۲۱۔۱۲)

دوسری طرف اسی رگوید میں ہے:

میں سوم رس (نشہ آور پتی) سے پیٹ بھر کر جو دھرم کا اپدیش کرنے لگا ہوں اس کو وہ لوگ جو اپنے مطلب کی سدھی (درستی) چاہتے ہیں۔ بغور سنیں اگر اس حالت میں ہم سے کوئی لغزش ہو جائے تو آس پاس بیٹھنے والے لوگ ہمیں معاف کریں۔ (رگوید ۳۔۱۲۶)

"میں ان عالموں کے جو اعلیٰ درجہ کے عالم اور سورج کی ہیئت سے واقف ہیں، جو کوٹ پیٹ کر نکالے ہوئے سوم رس کو نوش کئے ہوئے لوگوں کے مانند بیٹھے ہوئے ہوں، ان کی بغل میں جیسے شہوت اکسانے والی عورت بغل گیر ہو، اسی طرح میں بھی بغل گیر ہوتا ہوں۔ (رگوید ۳۔۱۶۸)

پتہ چلا کہ شراب پینے کا تعلق ممانعت سے نہیں، بلکہ صرف ذاتی پسند اور ناپسند سے ہے۔

(۵) ایک طرف رگوید میں جوے کی سماجی برائیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا گیا:

اے جواری! جوا کھیلنا چھوڑ کر کھیتی کر۔ اس میں جو نفع ہے اسی میں مطمئن رہو۔ (رگوید ۱۰۔۳۴۔۱۳)

دوسری طرف جوا کھیلنے کی وعید یا سزا کا کوئی ذکر ہے نہ اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض تہواروں میں جوا کھیلنا مذہبی اعمال کا حصہ بن چکا ہے۔

(۶) رگ وید میں ایک طرف عورت کے لئے حیا اور پردے کا حکم ہے:

چونکہ برہم نے تمہیں عورت بنایا ہے اس لئے نظریں نیچی رکھو اوپر نہیں۔ اپنے پیروں کو سمیٹے ہوئے رکھو۔ ایسا لباس پہنو کہ کوئی تمہارا جسم دیکھ نہ سکے۔ (رگوید ۸۔۲۔۱۲)

دوسری طرف "یجروید" میں بے حیائی کی انتہائی مذموم صورت درج ہے جس کو لکھتے ہوئے قلم بھی شرمندہ ہے۔

معلومات کے لئے دیکھئے: (یجروید ۲۳۔۱۹، یجروید ۲۳۔۲۰، یجروید ۲۳۔۲۱/ مترجمہ محترمہ سوما سبلوک، ہندی مضمون "ویدوں میں عورت")۔

اس طرح تضاد و تناقض کی ۱۹ رمثالیں جناب محمد فاروق خاں صاحب نے اپنی کتاب "اسلام کی اہمیت ہندو دھرم کے پس منظر میں" اختصار کے ساتھ بیان کی ہیں جو بہت اہم اور قابل مطالعہ ہیں۔

رہ گئی ویدوں یا ہندو دھرم پشتکوں کی کچھ باتوں کی قرآنی اور اسلامی تعلیمات سے مطابقت تو محض اس بنیاد پر انھیں الہامی یا آسمانی کتاب قرار دینا غیر حقیقی بنیاد ہے، کیونکہ خود قرآن میں لقمان حکیم یا سکندر ذوالقرنین اور خضر کے اقوال کو الہامی قرار نہیں دیا گیا، جبکہ ان کے نبی ہونے کا احتمال بھی ظاہر کیا گیا ہے۔

دنیا کے بہت سے عبد صالح اور ریفارمر جیسے ایران کے زرتشت، ہندوستان کے مذہبی رہنما گرونانک جی اور مشہور فلسفی سقراط کی ایک عظیم الشان نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیدا ہونے کی خوشخبری، یا اٹلی کے سات سو سال سے مقفل چلے آرہے مکان کے اندر محفوظ کتبہ میں اسلام کی خوبی اور دور عمر فاروق میں تالہ کھلنے اور خلیفہ ہونے کی پیشین گوئی اور ایمان لانے والوں کو مبارکباد وغیرہ۔ اسی طرح ان مصلحین کی مذہبی کتابیں، زرتشت کی "دساتیر (Dasatir)" اور زندوستہ (Zendwasta) گرونانک جی کی "گروگرنتھ صاحب" بدھ جی کی "مجھم نکائے اور دھمپڈ دگو" اور (Gospelofbuddha)

نیز (Mohammad-Inbuddh-Ist Scriptures) میں اسلامی تعلیمات اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کی موجودگی کے باوجود جس طرح وہ الہامی اور آسمانی کتابیں قرار نہیں دی جاسکتیں، اسی طرح ویدوں کو غیر الہامی اور غیر آسمانی کلام مانتے ہوئے کلام صالحین قرار دے کر ان کی پیشین گوئیوں کو درست قرار دیا جاسکتا ہے۔ جیسے بائبل کے "مکاشفۂ یوحنا" اور مسلمانوں کے بہت سے اولیاء جیسے حضرت شیخ عثمان کی پیشین گوئیوں کا حال ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندو بھائیوں کے پاس وید کی شکل میں جو کچھ موجود ہے وہ یقینی طور پر الہامی نہیں ہے، اس لئے محض وید کے امکانی الہامی بنیاد پر ہندوؤں کو "اہل کتاب" قرار نہیں دیا جاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ انھیں "مشابہ اہل کتاب" کے زمرے میں رکھا جاسکتا ہے جیسا کہ پچھلے حوالوں میں ذکر کیا جاچکا ہے۔

دلائل:

وہ حضرات جنہوں نے کسی بھی قیمت پر اوتاروں کو پیغمبر اور ویدوں کو الہامی کتاب ہونے سے انکار کیا ہے انہوں نے مندرجہ ذیل نصوص کو بنیاد بنایا ہے۔

"أولم یکفهم إنا أنزلنا علیك الكتاب یتلی علیهم إن فی ذلك لرحمة وذکری لقوم یؤمنون" (سورہ العنکبوت:۵۱)

''عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أدری تبع أكان نبيا أو غير نبي'' (معالم التنزيل سورہ الدخان تحت آیۃ ''أهم خير أم قوم تبع'')۔

''وید اور گرنتھ یا زردشت وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحی الٰہی اور آسمانی کتاب ہونے کا ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے اور یہ امکان کہ شاید زبور اور صحف ابراہیم ہی کی مسخ شدہ وہ صورت ہو جس کو بدھ مت کی کتاب یا وید یا گرنتھ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے، امکان محض اور احتمال محض ہے جو ثبوت کے لئے کافی نہیں'' (معارف القرآن: مفتی شفیع ۳/۶۱)۔

''عن أبي هريرة قال: كان أهل الكتاب يقرؤون التوراة بالعبرانية ويفسرونها بالعربية لأهل الإسلام فقال رسول الله ﷺ: لاتصدقوا أهل الكتاب ولاتكذبوهم. وقولوا آمنا بالله ما أنزل'' (بخاری ۲/ ۱۱۲۵، حدیث نمبر: ۴۴۲۱، ۴۵۴۲)۔

''ذهب الحنفية والحنابلة إلى أنه لايجوز النظر فی کتب أهل الكتاب، و نقل ابن عابدين قول عبد الغنی النابلسی: نهينا عن النظر فی شئ من التوراة والإنجيل سواء نقلها إلينا الكفار أو من أسلم منهم، وسئل عن أحمد عن قرأة التوراة والإنجيل والزبور ونحو ذلك فغضب، وظاهره الإنكار، وذخره القاضی واحتج بأن النبی ﷺ لما رأى فی يد عمر قطعة من التوراة غضب، وقال: ألم آت بها بيضاء نقية، وقد ذكر ابن حجر نص الحديث قال: نسخ عمر كتابا من التوراة بالعربية فجاء به إلى النبی فجعل يقرأ، و وجه رسول الله ﷺ يتغير فقال له رجل من الأنصار: ويحك يابن الخطاب ألا ترى وجه رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ: لاتسألوا أهل الكتاب عن شئ فإنهم لن يهدوكم وقد ضلوا و أنكم إما أن تكذبوا بحق أو تصدقوا بباطل، والله لو كان موسى بين أظهركم ما حل له إلا أن يتبعنی، وقد أهدى رجل إلى السيدة عائشة هدية فقالت: لا حاجة لی فی هديته بلغنی أنه يتتبع الكتب الأول. والله تعالى يقول: ''أولم يكفهم أنا أنزلنا عليك الكتاب يتلی عليهم'' (الموسوعة الفقهية ۳۴/ ۱۸۳،۱۸۴، ماخوذ از مقالہ مفتی باقر ارشد قاسمی)۔

''إن كيت من أحسن الكتب فی فلسفة الدين والأخلاق مع أنه ليس إلهاميا مثل أسمرتی'' (مجلہ الجامعة الاسلامیہ بالمدینة المنورة ۲/ ۴۶۵) (بقول ڈاکٹر رادہا کرشنا)۔

''أنا لا اعتقد فی كيتا صحة وجوده التاريخی، بل هو كتاب تمثيلی و تخيلی وضعه المصنف لتقريب معانی (مهابهارت)، لأنه لم يثبت عندی وجود كرشنا تاريخيا'' (ہندو دھرم: ۱۸، مجلہ الجامعة الاسلامیہ مدینہ منورہ ۳/ ۴۶۶، (بقول مہاتما گاندھی) (تفصیل کے لئے دیکھئے مقالہ: مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی ارریاوی)۔

''ثم المشرك ثلاثة: مشرك ظاهرا و باطنا كعبدة الأصنام، ومشرك باطنا لا ظاهرًا كالمنافقين، ومشرك معنیً كأهل الكتاب'' (البحر الرائق ۲/ ۱۱۱)۔

"قل الله ینجیکم منها ومن کل کرب ثم أنتم تشرکون" (سورہ الانعام:۶۴)۔

"إن یتبعون إلا الظن وإن هم إلا یخرصون" (سورہ انعام:۱۱۶)۔

"ومایتبع أکثرهم إلا ظنا إن الظن لایغنی من الحق شیئًا إن الله علیم بما یفعلون" (سورہ یونس:۳۶)۔

"إن یتبعون إلا الظن وما تهوی الأنفس ولقد جاءهم من ربهم الهدی" (سورہ النجم:۲۳) (ماخوذ از مقالہ: مفتی شاہ جہاں ندوی)۔

''و أما الأنبياء والمرسلون فعلينا الإيمان بمن سمى الله تعالى فی كتابه من رسله والإيمان بالله تعالى أرسل رسلا سواهم و أنبياء لايعلم أسمائهم وعددهم الا الله تعالى الذی أرسلهم، فعلينا الإيمان بهم جملة: لأنه

لم یأت في عددهم نص، وقد قال الله تعالیٰ: ورسلًا قد قصصناهم علیك من قبل و رسلا لم نقصصهم علیك'' (شرح العقیدہ الطحاویۃ/۲۲۷ لابن العرض)۔

''و أما المبعوثون فالإیمان لهم واجب ومن ثبت شرعًا تعینه منهم وجب الإیمان بعینه، ومن لم یثبت تعینه کفی الإیمان به إجمالًا'' (المسامرۃ شرح المسایرۃ/۲۲۵، ماخوذ از مقالہ: مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

سوال نمبر ۸: الف: عیسائی مشنریز کے تعلیمی اداروں میں داخلہ کا حکم:

اس مسئلہ پر تقریباً تمام مقالہ نگاران کا اتفاق ہے کہ ایسے تعلیمی ادارے جہاں دین واخلاق، عقائد ونظریات اور عادات واطوار تک تبدیل ہونے کا خطرہ ہو وہاں ایک مسلم والدین کے لئے اپنے بچوں کو تعلیم دلانا یا ان کو داخل کرنا بالکل درست نہیں ہے، بلکہ یہ تعاون علی الاثم اور اپنے بچوں کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے اور اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے کی طرف توجہ دینی چاہئے، نیز مشنریز کے لوگوں کی بالکل حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے۔

وہیں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ جب تک اپنا کوئی متبادل ادارہ نہ ہو اس وقت ایک وہیں تعلیم حاصل کرے اور دین وعقیدہ کی اصلاح وپختگی کے لئے کوئی نظم کرلے۔ اور کیا ہی اچھا ہو کہ مسلمان اپنے دینی ماحول کے ادارے قائم کرلیں اور مسلمان بچے وہاں تعلیم حاصل کریں۔

دلائل:

اور اس کے لئے مندرجہ ذیل کا سہارا لیا ہے:

"یأیها الذین آمنوا لا تتخذوا الیهود والنصاری أولیاء" (سورۃ المائدۃ: ۵۱)۔

"تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (سورہ مائدۃ: ۲)۔

''من تشبه بقوم فهو منهم'' (حدیث)۔

''الحکمة ضالة المؤمن فحیثما وجده أحق بها'' (ترمذی ابواب العلم)۔

''أن النبي صلی الله علیه وسلم قال: الرجل علی دین خلیله فلینظر أحدکم من یخالل'' (سنن أبي داؤد، باب من یومر أن یجالس: ۲۶۴)۔

''عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ومثل جلیس الصالح کمثل صاحب المسك إن لم یصبك منه شئ أصابك من ریحه، ومثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیر، إن لم یصبك من سوائه أصابك من دخانه، وعن أبي سعید رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ قال: لا تصاحب إلا مؤمنا ولا یأکل طعامکم إلا تقی'' (سنن ابی داؤد ۳۶۶، کتاب الأدب)۔

"إثمهما أکبر من نفعهما" (سورۃ البقرۃ: ۲۱۹)۔

"یأیها الذین آمنوا قوا أنفسکم و أهلیکم نارا وقودها الناس والحجارة" (سورۃ التحریم: ۶)۔

''کل مولود یولد علی الفطرة و أبواه یهودانه أو ینصرانه أو یمجسانه'' (مشکوۃ)۔

ان دلائل کے علاوہ بہت سی مصالح کی طرف بھی مقالہ نویسوں نے توجہ دلائی ہے ان کی تفصیلات کے لئے مقالہ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

جبکہ مولانا سید باقر ارشد قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا پروفیسر سعود عالم قاسمی، مولانا اعجاز الحسن پانڈے، مولانا ثابت شمیم رشادی کی رائے ہے کہ وقتی طور پر اور مجبوری میں ناجائز نہیں ہے، ان اداروں میں بچوں کو تعلیم دیتے ہوئے دینی تعلیم کے ذریعہ اس کا تدارک کیا جائے، متبادل کی تلاش ہر حال میں ضروری ہے، البتہ مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا ارشاد پالن پوری، مولانا عظمت اللہ میر، مولانا سلطان احمد قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا نعیم اختر قاسمی نے اس سوال کا جواب تحریر نہیں کیا ہے۔

متفرق خیالات:

مولانا اشرف گونڈوی قاسمی نے لکھا ہے کہ عیسائی مشنریز کے اسکولوں کی مخالفت نہ کی جائے اور اپنا متبادل نظام بنایا جائے، کیونکہ دور نبوی میں بھی بدر کے

قیدیوں سے ان کی زبانیں سیکھی گئی اور یہودی اساتذہ سے بھی علوم حاصل کئے گئے ہیں جو تاریخی طور پر ثابت ہے، مفتی شاہ جہاں ندوی کی رائے یہ ہے کہ عیسائی مشنریز کے اسکولوں میں بھی بچوں کو داخل کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ والدین دینی تربیت پر قادر ہوں۔

سوال ۸ ب- کیا مسلمہ اور کتابیہ دونوں کے حقوق بیوی ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگاران اس بات پر متفق ہیں کہ حسن معاشرت، نان ونفقہ اور بیوی کے جو حقوق اسلام نے متعین کئے ہیں ان میں مسلمہ اور ذمیہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ حقوق دونوں کے یکساں ہیں، البتہ اختلاف دین ہونے کی وجہ سے کتابیہ شوہر کے مال میں وراثت کی حقدار نہیں ہوگی، باقی حقوق دونوں کے مساوی ہوں گے، بلا ضرورت جس طرح مسلمہ کو طلاق نہیں دے سکتا ہے، اسی طرح اسے بھی نہ چھوڑ کر فرار اختیار کرنا جائز ہے اور نہ ہی طلاق دینا، چونکہ حقوق کے وجوب کا سبب صرف نکاح ہے وہ یہاں بھی پایا جاتا ہے۔

دلائل:

دلائل وہی نقل کئے ہیں جو کتاب وسنت اور ذخائر فقہ میں ائمہ مجتہدین سے بیوی کے حقوق کے سلسلہ میں منقول ومصرح ہیں: مثلاً:

"ولهن مثل الذي عليهن" (سورة البقرة: ۲۲۸)۔

"وعاشروهن بالمعروف" (سورة النساء: ۱۹)۔

''ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف'' (مسلم في كتاب الحج باب حجة الوداع)۔

"فان خفتم ألا تعدلوا فواحدة أو ما ملكت أيمانكم" (سورة النساء: ۳)۔

"لينفق ذو سعة من سعته ومن قدر عليه رزقه فلينفقه مما أتاه الله" (سورة الطلاق: ۷)۔

"وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (سورة البقرة: ۲۳۳)۔

"ولن تستطيعوا أن تعدلوا بين النساء ولو حرصتم فلا تميلوا كل الميل فتذروها كالمعلقة" (سورة النساء: ۱۲۹)۔

''قال النووي: الكتابية كالمسلمة في النفقة والقسم والطلاق وعامه حقوق النكاح لكن لا توارث بينهما وبين المسلم'' (روضة الطالبين ۵/ ۴۷۳)۔

''لا توارث بين المسلم وغيره ولذلك لا ترث الزوجة الكتابية زوجها المسلم ولا يرثها'' (فتاوى قطاع الافتاء الكويت ۵/ ۲۲)۔

''وكل الشروط التي تشترط لانعقاد الزواج وصحته ونفاذه كما يجب توافرها في عقد زواج المسلم المسلمة يجب توافرها في عقد زواج المسلم بالكتابية وجميع الحقوق والواجبات التي تترتب على عقد زواج المسلم بالمسلمة تترتب على عقد زواج المسلم بالكتابية. فالكتابيتان المحرمان لا يجوز للمسلم أن يجمع بينهما كالمسلمتين المحرمين. والكتابية ان كانت كبيرة مكلفة تباشر عقد زواجها بنفسها كالمسلمة وإن كانت صغيرة أو في حكمها لجنون أو عتة يباشر عقد زواجها وليها المتحد معها في الدين، وإذا تم عقد زواجها بالمسلم سواء أكانت بمباشرتها أم بمباشر وليها وجب لها من المهر والنفقة وعدم الإضرار بها والعدل بينها بين ضرائها ما يجب للزوجة المسلمة ــــ ويجب لكل منهما على الآخر حسن المعاشرة'' (احكام الاحوال الشخصية ۱/ ۱۲۶)۔

''العدل بين الزوجات ولو مختلفات في الدين واجب'' (ابن عابدين ۲/ ۴۰۰. الشرح الكبير ۲/ ۳۳۹. والمهذب ۲/ ۶۸. والمغني ۷/ ۳۶. الموسوعة الفقهية ۷/ ۱۳۶)۔

''من كان له أكثر من واحدة وجب عليه العدل بينهن. فيجعل لكل واحدة يوما وليلة وتستوى المريضة والحائض والنفساء والمحرمة والكتابية'' (القوانين الفقهية لابن جزى ۲/ ۷۰)۔

''ألا وحقهن عليكم أن تحسنوا إليهن في كسوتهن وطعامهن'' (ترمذى. باب في حق المرأة)۔

"لم يفرق الدين في حقوق الزوجية بين الزوجة المسلمة والزوجة الكتابية." (الاسلام والآخر الحوار هو الحل/ ۴۳، المفصل في احكام الهجرة ۵/ ۵۶)۔

"قال ابن المنذر: أجمع كل من تحفظ عنه من أهل العلم على أن القسم بين المسلمة والذمية سواء و ذلك؛ لأن القسم من حقوق الزوجية فاستوت فيه المسلمة والكتابية كالنفقة والسكنى، وهذا عند جميع الفقهاء" (ابن ۲/ ۴۰۰، والشرح الكبير ۲/ ۳۲۹، والمهذب ۷/ ۶۸، والمغني ۷/ ۳۶، الأم ۵/ ۲۱۵)۔

"نفقة المرأة واجبة على زوجها سواء حرا كان أو عبدًا والمرأة مسلمة كانت أو كتابية" (مختارات النوازل ۲/ ۱۹۱)

بعض حضرات مقالہ نگاران نے مسلمان اور کتابیہ بیوی کے درمیان پائے جانے موانع ارث کے فرق کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ جو اولاد اس سے پیدا ہوگی وہ مسلم ہوگی، اگر نکاح کے بعد کوئی دوسرا آسمانی مذہب اختیار کرلیتی ہے تو نکاح باقی رہے گا، لیکن اگر بے دین ہوجاتی ہے، کمیونسٹ وغیرہ تو نکاح باقی نہیں رہے گا (دیکھئے احوال شخصیہ عبدالوہاب خلاف ۱/ ۶۶۱، ماخوذ از مقالہ باقرارشد قاسمی)۔

سوال ۸ ج- کتابیہ بیوی کا اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی رسومات ادا کرنا:

اس مسئلہ میں دو رجحانات ہیں:

پہلا رجحان:

اس سوال کے جواب میں ۲۶ مقالہ نگاران کی رائے یہ ہے کہ کتابیہ بیوی اپنے شوہر کے گھر میں اپنے عقیدے کے مطابق مذہبی رسومات ادا کرسکتی ہے، شوہر کو روکنے کا حق نہیں ہے۔ البتہ دعوتی انداز سے افہام وتفہیم کا سہارا لے سکتا ہے، مذہبی آزادی دینا شوہر کی ذمہ داری اور بیوی کا حق ہے، اس رجحان کے حاملین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

مفتی شاہ جہاں ندوی، مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مولانا محمد آزاد بیگ، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا اختر امام عادل، مولانا قمر الزماں ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا ارشاد اللہ قاسمی، مولانا غلام رسول منظور القاسمی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، قاری ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا محمد سعد نور القاسمی، محمد اکرم رشید لوناواڑا، مفتی عابد الرحمن بجنوری، مولانا ثابت شمیم رشادی، مولانا محمد شکیل سعادتی، مولانا عبدالرب سعادتی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا محمد فاروق دربھنگوی، مفتی باقرارشد قاسمی۔

مجوزین میں بعض حضرات نے اپنے مقالہ میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ مذہبی رسومات ادا کرنے کی اجازت تو ہے، تاہم اس کی ادائیگی کے لئے شوہر گھر سے باہر جانے سے کتابیہ بیوی کو روک سکتا ہے، انہیں میں سے بعض حضرات نے اس بات کی قید بھی لگائی ہے کہ شرکیہ اعمال نہیں کرسکتی، گھر میں صلیب نہیں لگاسکتی، اپنے مذہبی رسوم تنہائی میں انجام دے گی، جس سے گھر کے بچے اور افراد کے ایمانیات متاثر نہ ہوں، اور اس کی اسلامی اور اخلاقی تربیت پر پوری توجہ دے، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی نے اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ جس طرح لہسن اور بدبودار چیز کھانے سے شوہر مسلمہ بیوی کو روک سکتا ہے اسی طرح کتابیہ کو شراب سے روکنے کا شوہر کو حق ہے (دیکھئے موصوف کا مقالہ)۔

دلائل:

-"لا إكراه في الدين قد تبين الرشد من الغي" (سورۃ البقرۃ: ۲۵۶)۔۔۔۔-"لكم دينكم ولي دين" (سورۃ الکافرون: ۶)۔

"لا يأذن لها أن تخرج إلى عيد أو تذهب إلى بيعة وله أن يمنعها ذلك" (المغني لابن قدامه ۱۰/ ۶۲۰. ماخوذ از مقالہ: شوکت ثناء قاسمی)۔

"هل يمنعها أن تدخل منزله الصليب قال (احمد) يأمرها. فأما أن يمنعها فلا. (احكام الذمة فصل اداء الزوجة الكتابية شعائرها التعبدية/ ۸۲۲) وقال في رواية محمد بن يحي الكحال في الرجل: تكون له إمرأة أو أمه

نصرانية تقول اشتر لي زنارًا فلا يشترى لها تخرج، تخرج هي تشترى'' (حوالہ سابق)

وأما الخروج إلى الكنيسة والبيعة فله منعها منه، لايأذن لها الخروج إلى عيد النصارى أو البيعة'' (أحكام الذمة/ ۸۱۹ فصل ۱۶۰) وله منعها من السكر، لأنه يتأذى به'' (حوالہ سابق/ ۸۲۱، فصل ۱۶۱)، (دیکھئے مقالہ مفتی اقبال احمد قاسمی)۔

''وله منعها من السكر، لأنه يتأذى به'' (حوالہ سابق/ ۸۲۱، فصل ۱۶۱)، (دیکھئے مقالات: مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی)

''ويجب على أهل الذمة الامتناع عما فيه غضاضة على المسلمين و استنقاص دين الإسلام'' (موسوعة ۷/ ۱۳۴)۔

''وليس له منعها من صيامها الذى تعتقد وجوبه، و إن فوت عليه الاستمتاع فى وقته، ولا من صلاتها فى بيته إلى الشرق وقد مكن النبى صلى الله عليه وسلم وفد نصارى نجران من صلاتهم فى مسجد إلى قبلتها... وليس له حملها على أكل الشحوم واللحوم المحرمة عليهم'' (احكام أهل الذمة لابن قيم ۲/ ۸۲۲)۔

دوسرا رجحان:

اس سلسلہ میں دوسرا رجحان یہ ہے کہ شوہر کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ کتابیہ بیوی کو مذہبی رسومات ادا کرنے سے روکے، نیز اس کی وجہ سے گھر میں دین مخالف ماحول پیدا ہوگا اور شرکیہ اعمال انجام پائیں گے، اس لئے مذہبی رسومات ادا کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، اس نقطۂ نظر کے حاملین مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا اسرار احمد آبادی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا محمد شباب، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مفتی شبیر احمد قاسمی مرادآباد، مولانا محمد ارشد علی رحمانی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی سلمان پالنپوری، مولانا عقیل الرحمن قاسمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مفتی یوسف قاسمی۔

دلائل:

- تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر'' (سورۂ آل عمران: ۱۱۰)۔

''من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده، و إن لم يستطيع فبلسانه و إن لم يستطيع فبقلبه'' وذلك أضعف الإيمان'' (ترمذی كتاب الفتن باب ما جاء فى تغييب المنكر باليد (۲۱۷۲)۔

- يايها الذين آمنوا قوا أنفسكم وأهليكم نارًا'' (سورۃ التحريم)...- ولا تعاونوا على الاثم والعدوان'' (سورۂ مائدہ: ۲)۔

''المسلم إذا تزوج ذمية فله أن يمنعها عن الخروج إلى الكنائس والبيع وبيت النار، وليس على اجبارها على الغسل من دم الحيض والنفاس والجنابة'' (فتاوى تاتارخانية ۴/ ۷۲)۔

''ولاتنصب فى بيته صليبا وتصلى فى بيته حيث شائت'' (الجوهرة النيرة ۲/ ۳۰۸)۔

''وذكر الاسبيجابي أن للمسلم منع الذمية إذا تزوجها من الخروج إلى الكنائس والبيع وله أن يمنعها عن إتخاذ الخمر فى المنزل'' (البحر الرائق ۳/ ۱۸۳، الهندية ۱/ ۲۸۱، ۷/ ۳۴۷، دیکھئے مقالات: مولانا زبیر احمد قاسمی، اور مفتی شبیر احمد قاسمی، مفتی یوسف قاسمی، محفوظ الرحمن شاہین جمالی وغیرہ)۔

متفرق خیالات:

مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی کہتے ہیں کہ مذہبی رسومات کے لئے گھر میں تو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، البتہ علاحدہ کوئی نظم کرسکتی ہے۔ مفتی اشرف عباس قاسمی کہتے ہیں کہ گھر میں مذہبی رسوم انجام دے سکتی ہے، بشرطیکہ اولاد پر غلط اور منفی اثر نہ پڑے، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی کہتے ہیں کہ مباح امور کی انجام دہی کی اجازت دینا درست ہے، غیر مباح امور کے لئے اجازت کی گنجائش نہیں ہوگی۔ اور اکرام الحق ندوی کہتے ہیں کہ جب اس سے نکاح ہی جائز نہیں ہے تو اس تفصیل کا کوئی فائدہ نہیں۔ جبکہ مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی اعجاز الحسن باندے، مولانا عظمت اللہ میر، مفتی صادق محمد پٹیل، مولانا سعود عالم قاسمی، مفتی لطیف الرحمن ممبئی، قاضی تبریز عالم، مفتی عبدالمنان آسام نے اس سوال کا جواب تحریر نہیں فرمایا ہے (دیکھئے مذکورہ حضرات کے مقالات)۔

سوال ۸: عیسائی مشنریز کے رفاہی ادارے جو رفاہی کام بھی کرتے ہیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ بھی کرتے ہیں ان اداروں میں کام کرنے اور ان کی خدمات سے استفادہ کرنے کا کیا حکم ہے:

اس سوال کے جواب میں ۳۸ مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ ایسا ادارا جہاں ایمان و اخلاق کو خطرہ میں ڈالنے کا اندیشہ ہو ایسے ادارے میں ملازمت اختیار کرنا یا ان سے استفادہ کرنا درست اور اس سے حتی الامکان محفوظ رہنا واجب وضروری ہے، اس رجحان کو مندرجہ ذیل حضرات نے ظاہر کیا ہے۔

مفتی شبیر احمد قاسمی مرادآبادی، محمد صادق مبارکپوری، مفتی صادق محمد پٹیل، مفتی محمد یوسف قاسمی، محمد ممتاز خان ندوی، عبدالرب سعادتی، محمد شکیل سعادتی، عقیل الرحمن قاسمی، سلمان پالن پوری، مولانا زبیر احمد قاسمی، محمد ارشد علی رحمانی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی اعجاز الحسن باندے، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا ریاض ارمان قاسمی، اکرام الحق ندوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا مصطفی قاسمی، مولانا قمر الزمان ندوی، قاضی تبریز عالم، مفتی عبدالمنان آسام، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا اسرار احمد آبادی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا محمد عثمان بستوی، مولانا احسن عبدالحق ندوی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، عبیدالرحیم سعادتی، جمشید جوہر قاسمی، باقر ارشد قاسمی، مولانا ارشاد اللہ قاسمی، مفتی اشرف عباس قاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی۔

دلائل:

۱۔ "ولا تعاونوا على الإثم والعدوان" (سورہ مائدہ: ۲)۔

۲۔ "يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر" (بقرہ: ۱۸۵)۔

۳۔ "يحرم طلب العلم الديني لأجل الدنيا ويحرم تعليم من يرى فيه الغرض الفاسد لوجوه منها: أن مثله لايخلو غالبًا من تحريف الدين لأغراض الدنيا بتأويل ضعيف فوجب سد الذريعة" (حجۃ اللہ البالغۃ ۳/ ۱۳۲)۔

۴۔ "إني لم أبعث باليهودية ولا بالنصرانية ولكن بعثت بالحنفية السمحة" (مسند احمد ۴۵/ ۴۵۵، حدیث (۲۱۲۶۰)۔

۵۔ "خير رسول الله صلى الله عليه وسلم بين أمرين أحدهما أيسر من الآخر إلا اختار أيسرهما مالم يكن إثما" (صحیح مسلم ۱۱/ ۴۷۳، حدیث نمبر (۴۲۹۵)، بخاری ۲۱/ ۴۵، حدیث نمبر: (۶۲۸۸)۔

۶۔ "المشقة تجلب التيسير، إذا ضاق الأمر اتسع، الضرورات تبيح المحظورات، ما أبيح للضرورة يقدر بقدرها"

۷۔ "من قصد الكفر ساعة أو يوما فهو كافر جميع العمر" (البحر الرائق ۱/ ۱۲۳، باب المرتد)۔

۸۔ "إن المباح يجوز تركه والإتيان به إذا لم يترتب عليه محرم، لأن ما أفضى إلى الحرام حرام" (نتائج الافکار تکملہ فتح القدیر ۸/ ۱۴۳)۔

بدرجہ مجبوری جائز ہے:

ایسے ادارے سے حتی الامکان بچنا چاہئے، بدرجہ مجبوری منسلک ہونے کی گنجائش ہے۔ مندرجہ ذیل حضرات نے یہ موقف اختیار کیا ہے:

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی شوکت ثنا قاسمی، مفتی عابد الرحمن بجنوری، مفتی شاہ جہاں ندوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، محمد صابر حسین ندوی۔

جائز ہے:

مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مفتی لطیف الرحمن ممبئی، ڈاکٹر سعود عالم قاسمی کی رائے یہ ہے کہ مشنریز کے ادارے سے استفادہ کی گنجائش ہے۔

ثابت شمیم رشادی: اگر مذہبی دعوت وتبلیغ سے ہٹ کر صرف انسانیت کی خدمت ہو تو خدمت کرنا اور استفادہ دونوں جائز ہے:

"وهذا كله إذا كان الإيجار لعمل لايتضمن تعظيم دينهم و شعائرهم، فإن كانت الإجارة على عمل يتضمن ذلك لم يجز"۔

متفرق آراء:

مفتی شبیر احمد قاسمی مرادآبادی: اور اگر کوئی مسلمان عالم دین اسلام کی تبلیغ کی خاطر ایسے اداروں میں رہ کر تبلیغ کرتا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

مفتی اقبال احمد قاسمی: علاج یا قرض کے لئے غیر مسلموں سے استفادہ میں فی نفسہ کوئی قباحت نہیں، البتہ ایمان پر استقامت ضروری ہے، مسلمانوں کی ایمان کی کمزوری کی وجہ سے امت مسلمہ متبادل اور معیاری اسپتال اور رفاہی ادارے قائم کریں یہ فرض کفایہ ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا جواب لکھنے سے پہلے امت مسلمہ کی زبوں حالی اور عالم اسلام کی مجرمانہ غفلت پر ایک بار پھر قائم کرتے چلیں کہ سرکار دو عالم کی ''خير الناس من ينفع الناس'' اور ''الخلق عيال الله فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله'' کے ہوتے ہوئے امت مسلمہ مفید ہونے کے بجائے اب مستفید ہی رہے گی پھر تو کاسۂ گدائی ہی اس کا مقدر بن گیا ہے؟

مولانا سعود عالم قاسمی: ایسے اداروں میں کام کرنا اور انسانی خدمت میں حصہ لینا درست ہے، البتہ جہاں عیسائی عقائد کی تبلیغ کا مرحلہ ہو یا شریعت اسلامی کے خلاف امر درپیش ہو وہاں اپنے آپ کو بچانا لازم ہے، تعاون خدمت میں ہو نہ کہ معصیت میں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں اعلان فرمادیا ہے:

''لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق'' (بخاری)۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی: اگر کسی اور جگہ سے قرض مل سکتا ہو تو وہاں سے لے لیں، بصورت دیگر اس شخص کو اجازت ہونی چاہئے جو اپنے دین میں پختہ اور راسخ العقیدہ ہو، ایسی حکم ملازمت کا بھی ہے، دوسری جگہ پر تلاش معاش کی کوشش کی جائے، ناکافی کی صورت میں اجازت ہونی چاہئے، پھر بھی دوسری جگہوں پر کوشش جاری رکھے، ملتے ہی وہاں سے مستعفی ہو جائے۔

مولانا محمد صابر حسین ندوی: ایسے میں از راہ مجبوری، مجبوری شخص کے لئے ان اداروں میں خدمت و ملازمت کی اجازت دی جاسکتی ہے ساتھ ہی ان کی خدمات سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، لیکن ضروری یہ ہے مسلمان خود خیر و فلاح کے کاموں میں پیش قدمی کریں اور ہر ممکن ان کی خدمات سے پرہیز کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

مولانا غلام رسول منظور القاسمی: احوط یہ ہے کہ ملازمت اختیار نہ کرے، اور خوب بڑھ چڑھ کر استفادہ بھی نہ کرے۔ ایمان وعقیدہ کو بچاتے ہوئے استفادے کی گنجائش ہے۔

مولانا لطیف الرحمن ممبئی: ایسے ادارے میں نوجوان ملازمت کر سکتے ہیں بشرطیکہ ان کی خدمات سے مرعوب ہونے کا اور اپنے دین اسلام کو ہلکا سمجھنے کی مصیبت میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی: دعوت دین کے ساتھ مشنری اسکولوں اور اسپتالوں میں خدمات انجام دینا جائز، بلکہ بعض حالات میں واجب ہو جاتا ہے۔

مولانا محمد شاہ جہاں ندوی: بدرجہ مجبوری استفادہ اور افادہ میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ محتاج رویہ اختیار کیا جائے اور ان شبہات سے بچنے کے لئے علماء کے ربط میں رہا جائے۔

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی: خدمت خلق کے لئے اسپتال قائم کرنا مسلمانوں کی روایت رہی ہے اور دینی و دعوتی ضرورت بھی ہے۔

خاموشی:

جبکہ محمد فاروق در بھنگوی، مولانا ارکرم رشید لوناواڑا، مولانا محمد سعد نور القاسمی، مولانا عظمت اللہ میر، مولانا محمد شباب، مفتی محمد سلطان القاسمی، مفتی ارشاد پالن پوری، مولانا ریحان مبشر قاسمی، حافظ کلیم اللہ عمری، اور مولانا نعیم اختر قاسمی نے اس سوال کا جواب تحریر نہیں کیا ہے، بلکہ خاموشی اختیار کی ہے۔



عرض مسئلہ:

اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام

(سوال نمبر ۱، ۲، ۳)

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی [1]

الحمد للّٰہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وبعد

اس عاجز کو اہل کتاب اور ان سے متعلق مسائل کے سوال ۱ تا ۳ پر عرض کی ذمہ داری دی گئی ہے، اکیڈمی کے توسط سے کل ۶۲ مقالات موصول ہوئے جن میں سے دو مقالے مولانا محمد عمران فرید آبادی و مولانا محمد سلمان ندوی دہلوی کے ہیں، جو قسم الافتاء معہد الشریعۃ دار العلم ندوۃ العلماء کے طالب عالم ہیں اور ایک مقالہ مولانا محفوظ عالم شعبہ افتاء جامعہ ربانی منورا شریف سمتی پور کے طالب علم کا ہے، بقیہ کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا محمد ثناء الہدی قاسمی، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا ارشاد اللہ قاسمی، پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مولانا محمد ممتاز خاں ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی سلمان پالنپوری، مفتی محمد ارشاد پالنپوری، مفتی محمد سلطان قاسمی کشمیری، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا اکرام الحق ربانی ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی صادق محمد پٹیل دیولوی، مفتی محمد عثمان، مفتی محمد شباب کیرالہ، مولانا عبید الرحیم سعادتی، مولانا حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا محمد اکرم بن مولانا اسلم رشید، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا اسرار احمد آبادی قاسمی، مفتی لطیف الرحمن ولایت علی، مولانا محمد صادق مبارک پوری، مولانا محمد شکیل سعادتی، مولانا ثابت شمیم قاسمی، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مفتی باقر ارشد قاسمی بنگلوری، مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی عبد المنان، مولانا عقیل الرحمن قاسمی، مولانا عبد الرب سعادتی، مفتی ابوحماد غلام رسول منظور قاسمی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی عابد الرحمن بجنوری، مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا ابومحمد محمد سعد نور قاسمی، مولانا محمد ارشد رحمانی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا تبریز عالم قاسمی، مولانا ابوعبد اللہ عظمت اللہ میر، مولانا محمد فاروق قاسمی، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی اعجاز الحسن باندے قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا محمد یوسف قاسمی، راقم سطور ظفر الاسلام صدیقی۔

پہلا سوال - اہل کتاب کی تعریف کیا ہے؟

تمام مقالہ نگاروں نے اہل کتاب کی تعریف کی ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ اور جمہور ائمہ (مالکی، شافعی، حنبلی) کے اقوال پیش کئے ہیں، آیات قرآنی اور فقہاء کے اقوال سے استدلال کیا ہے، ۳۸ رحضرات نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے، جبکہ ۱۳ رحضرات جمہور ائمہ کی رائے کو راجح قرار دیتے ہیں، ۱۱ رحضرات نے دونوں کے اقوال تو نقل کئے مگر کسی کو راجح قرار نہیں دیا، فقہاء احناف کے اقوال کو ترجیح دینے والے یہ ہیں:

مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی، مولانا ثابت شمیم رشادی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا اکرام الحق ربانی، مولانا ارشاد اللہ، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا شباب کیرالہ، مولانا اکرم بن مولانا اسلم، مولانا ارشد علی رحمانی، مولانا تبریز عالم، مولانا ممتاز خاں ندوی، مولانا اسرار احمد، مفتی ارشاد، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی عابد الرحمن بجنوری، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا محمد آزاد بیگ، مولانا محفوظ عالم قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا محمد نعیم اختر قاسمی، مولانا عبد الرحیم سعادتی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی لطیف الرحمن ولایت علی، مفتی

[1] شیخ الحدیث وپرنسپل، جامعہ دار العلوم مئو۔

عبدالمنان، مولانا محمد یوسف قاسمی، مفتی ابوحماد غلام رسول، مولانا عقیل الرحمن قاسمی، مولانا محمد عمران فرید آبادی، مفتی سلمان پالنپوری، مولانا محمد شکیل سعادتی، مفتی محمد عثمان بستوی۔

مولانا محمد شکیل سعادتی لکھتے ہیں:

بظاہر احناف کا قول: ''وکل من یعتقد دینا سماویا وله کتاب منزل کصحف ابراهیم وشیث... الخ یا الکتابی من یؤمن بنبی ویقر بکتاب'' (مجمع الانہر ا/ ۳۲۸، شامی ۹/ ۴۳۱، فتح القدیر ۳/ ۱۳۵)

راجح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ کتاب ہونے کے لئے اس میں احکام کا ہونا کوئی ضروری نہیں، نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صرف کتاب منزل پر ایمان لائے اور نبی وقت پر ایمان نہ لائے تو یہ ایمان معتبر نہیں ہے، ظاہر ہے جس طرح یہود تورات پر اور حضرت موسی علیہ السلام پر نصاری انجیل پر اور حضرت عیسی علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کو اہل کتاب کہا گیا اسی طرح جو قوم بھی منزل من اللہ صحیفہ اور وقت کے نبی پر ایمان رکھتی ہو وہ اہل کتاب قرار دی جائے گی، نیز صحیفہ اور کتاب میں کوئی فرق نہیں بلکہ دونوں ایک ہی چیز ہے، اسی لئے علامہ قرطبی نے "فیها کتب قیمة" کے ذیل میں ایک اعتراض کو ذکر کرتے ہوئے بعض اہل علم سے دونوں کا اتحاد نقل کیا ہے،

''وقال بعض اهل العلم الصحف هي الكتب'' (الجامع لاحکام القرآن ۲۰/ ۱۴۳)۔

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی دونوں اقوال مع دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اس سے پتہ چلا کہ اہل کتاب صرف یہود ونصاری ہی نہیں بلکہ وہ تمام گروہ ہیں جو کسی نبی اور معتبر آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اگر چہ عملاً اس دنیا میں صرف یہود ونصاری ہی ہیں۔

مولانا زبیر احمد صاحب قاسمی بھی یہی کہہ کر آگے رقم طراز ہیں، البتہ اس میں وضاحت ضروری ہے کہ اس کتاب کو کتاب الہی ہونا بتصدیق قرآن ثابت ہو، مولانا ابوالکارم معروفی ''وإن كان متدينا ببعض الأديان المنسوخة والكتب المنسوخة خص باسم الكتابي'' (شرح المقاصد ۲/ ۲۶۸) سے استدلال کرتے ہیں، مولانا عقیل الرحمن قاسمی تحریر فرماتے ہیں: بندہ کی رائے ہے کہ مصداق اور مراد کی حد تک تو اہل کتاب کو تو عام رکھا جائے یعنی ہر وہ شخص اہل کتاب کے زمرہ میں آئے گا جو کسی بھی آسمانی شریعت کا ماننے والا ہو در آں حالیکہ اس کے پاس آسمانی کتاب بھی ہو، خواہ وہ حضرت موسی وعیسی علیہما السلام سے پہلے کا زمانہ ہو لیکن ذبیحہ اور نکاح کی جب بات آئے تو پھر اہل کتاب سے صرف یہود ونصاری ہی کو مراد لیا جائے۔

مولانا عبید الرحیم سعادتی نے قاموس الفقہ (۲/ ۲۵۵) اور موسوعہ فقہیہ (۷/ ۱۴۰) سے تحریریں پیش کی ہیں، مفتی محمد اشرف قاسمی نے حاشیہ کنز الدقائق (ص ۹۹) سے استدلال کیا ہے، مولانا ممتاز احمد خاں رقم فرماتے ہیں: انبیاء کی وحی پر کتاب کا اطلاق ہے خواہ وہ لکھی ہو یا نہ لکھی ہو (مفردات)۔

مولانا تبریز عالم صاحب لکھتے ہیں: راقم امام ابوحنیفہ وامام احمد بن حنبلؒ کی رائے کو مشروط طور پر راجح سمجھتا ہے کیونکہ ان کا نظریہ تمام آیات قرآنی کو جامع ہے کیونکہ قرآن میں صحف ابراہیم، زبور، داؤد اور...... کا تذکرہ اہل ایمان کے ساتھ بطور عطف بیان اس طرح آیا ہے، کہ دیگر آیات کے پیش نظر ان آیات سے صرف نظر کرنا مشکل ہے، قائلین عموم نے (تبیین الحقائق ۲/ ۱۱۰، بحر الرائق ۳/ ۱۸۲، عالمگیری ۱/ ۲۸۱، قواعد الفقہ از سید عمیم الاحسان/ ۱۹۷، تفسیر ابن کثیر ۱/ ۲۵۵) وغیرہ سے استدلال کیا ہے۔

درج ذیل حضرات نے صرف فقہاء احناف وجمہور کے اقوال مع دلائل نقل کئے ہیں: مولانا محمد فاروق باردولی، مولانا کلیم اللہ عمری، مفتی شبیر احمد قاسمی، پروفیسر سعود عالم قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی محمد صادق مبارکپوری، مولانا ابوعبداللہ عظمت اللہ میر ان کے علاوہ بقیہ حضرات جمہور ائمہ کی تائید کرتے ہیں۔

مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی علامہ شہرستانی کی تعریف: ''أهل الكتاب الخارجون عن الملة الحنفية والشريعة الإسلامية ممن يقول بشريعة وأحكام وحدود أعلام... وما كان ينزل على ابراهيم وغيره من الأنبياء عليهم السلام ما كان يسمى كتابا بل صحفا'' لکھ کر کہتے ہیں کہ علامہ شہرستانی کی تصریح دل کو لگتی ہے کیونکہ اگر اس کو عام مان لیا جائے جیسا کہ احناف مانتے ہیں تو پھر ان ہی دونوں کو بطور خاص قرآن میں ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے، کیونکہ ان کے علاوہ جو چیزیں بھی آسمان سے اتری ہیں ان کو صحف کہا جاتا ہے، نیز دوسرے علماء کہتے ہیں کہ یہود ونصاری کے علاوہ حضرات اگر کسی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں تو ان میں مواعظ وامثال تھے احکامات ان میں نہیں تھے، لہذا ان پر ایمان لانے کی وجہ سے اہل کتا

ب نہیں ہوں گے، موصوف آیت ربانی: "ان تقولوا انما انزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا" (سورۂ انعام: ۱۵۶) بھی پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "حتی کہ ابن عطیہ نے اس پر اہل تاویل کا اجماع نقل کیا ہے کہ طائفتین سے مراد یہود ونصاریٰ ہی ہیں" آپ نے حاشیہ ابن عابدین (۴/ ۱۹۸)، المغنی (۲/ ۲۷۲)، الاحکام السلطانیہ للفراء (/ ۱۵۳)، المحلی (۷/ ۵۶۲) سے بھی استدلال فرمایا ہے۔

مفتی اقبال احمد صاحب کانپور امام صاحب کی رائے کو فی زمانہ مرجوح قرار دیتے ہیں، نیز شیخ محمد عبدہ مصری کی دو لغزشیں اول اہل کتاب کے مفہوم میں دنیا کے کفار مجوسی، ہندو، سکھ وغیرہ سب کو داخل کر کے اتنا عام کر دیا کہ پورے قرآن میں جو کفار اہل کتاب وغیر اہل کتاب کی تفریق وتقسیم کی گئی ہے وہ بالکل بے معنی اور بے حقیقت ہو جاتی ہے، دوسری غلطی اس سے بڑی یہ ہوئی کہ طعام اہل کتاب کے مفہوم میں اہل کتاب کے ہر کھانے کو بلا کسی شرط کے حلال کر دیا خواہ وہ جانور کو ذبح کریں یا نہ کریں اس پر اللہ کا نام لیں یا نہ لیں"، ذکر کر کے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے تعاقب کو پیش کیا ہے، آپ نے احکام القرآن للجصاص (۲/ ۴۱۰) کی عبارت "ان اطلاق اهل کتاب ینصرف إلی طائفتین الخ"، نیز تفسیر قرطبی (۲/ ۲۶) "وطعام الذین أوتوا الکتاب حل لکم (سورۂ مائدہ: ۵) یعنی ذبیحة الیهود والنصاری وغیرہ پیش کر کے جمہور کی تائید فرمائی ہے۔

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی - راجح قول یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ اپنے تمام فرقوں اور گروہوں کے ساتھ اہل کتاب ہیں، مفتی سید باقر ارشد المغنی مع الشرح (۱۰/ ۵۶۸)، الفقہ الاسلامی وأدلتہ (۷/ ۱۵۲) کے حوالہ سے "أهل الکتاب هم أهل التوراة والإنجیل" پیش کرتے ہیں، مولانا محمد صابر حسین ندوی تحریر کرتے ہیں کہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ کو تسلیم کیا جائے اور دیگر ادیان جنہیں تو سعاً فقہاء احناف نے اہل کتاب میں شمار کیا ہے انہیں اس زمرہ سے باز رکھا جائے۔

راقم سطور کے خیال میں سارے وہ لوگ جو کتب سماویہ میں سے کسی کتاب پر اور کسی نبی پر جس کی تصدیق قرآن عزیز میں کی گئی ہے ایمان لانے والے اہل کتاب ہیں جس کی چند وجوہ ہیں، ۱- صحیفہ پر بھی کتاب کا اطلاق ہوتا ہے۔

شیخ محمد بن طاہر بن علی پٹنی (م: ۹۸۶ھ) (۳/ ۲۹۹) پر لکھتے ہیں: "الصحیفه الکتاب"۔

۲- تفسیر فتح القدیر للشوکانی (۵/ ۴۷۵) پر مرقوم ہے: "وبهذا یتدفع ماقیل الصحف هي الکتب"۔

۳- شرح المقاصد (۲/ ۲۶۸) کی تحریر "وان کان متدینا ببعض الأدیان المنسوخة والکتب المنسوخة خص باسم الکتابي" بھی اسی پر دال ہے

۴- علامہ قرطبی نے "فیها کتب قیمة" (سورۂ بینہ: ۳) کے تحت ایک اعتراض کو ذکر کرتے ہوئے بعض اہل علم سے دونوں میں اتحاد نقل فرمایا ہے۔

"وقال بعض أهل العلم الصحف هي الکتب" (الجامع لاحکام القرآن ۲۰/ ۹۷ عباس احمد الباز مکة المکرمه)

۵- حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی بخاری کی تقریر جسے حضرت مولانا عبد الوحید صاحب فتحپوری نے مرتب کیا ہے (ص ۳۱) پر یہ تحریر موجود ہے: "نوح علیہ السلام سے اب باقاعدہ انتظام شروع ہوا، نوح علیہ السلام کے زمانہ میں سزا کا نفاذ ہوا، انہیں کے زمانہ میں احکام کا نزول ہوا، نیز تزکیہ نفس کی تعلیم دی گئی، ۶- یہی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تحریر فرماتے ہیں:

"أن تقولوا إنما أنزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا. یعني الیهود والنصاری والاختصاص "بإنما لأن الباقي المشهور من الکتب السماویة حینئذ لم یکن غیر التوارة والانجیل" (تفسیر مظہری ۳/ ۳۰۸ زکریا)

کتب سماویہ مشہورہ میں سے اس وقت صرف توریت وانجیل ہی باقی تھی اس لئے انہیں دونوں کا ذکر کیا۔

سوال نمبر ۲- قرآن مجید میں اہل کتاب کی حیثیت سے یہود ونصاریٰ اور صائبین کا ذکر آیا ہے، ان میں سے یہود ونصاریٰ تو معروف ہیں؛ لیکن صائبین سے کون لوگ مراد ہیں اور کیا اب یہ گروہ پایا جاتا ہے؟ اس بات کی وضاحت فرمائیں۔

مفتی کلیم اللہ عمری مدنی نے صائبین سے کلیۃ تعرض نہیں کیا، مفتی عبد المنان، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا ابو الکارم معروفی نے اقوال مختلفہ نقل کئے مگر ان کے وجود وعدم وجود سے کلام نہیں کیا، بقیہ تمامی حضرات نے تعریف کے ساتھ ساتھ وجود وعدم سے بحث کی ہے، اس طرح نقاط نظر چار ہیں: ۱- ان کا وجود ہے، ۲- نہیں ہے، ۳- دوسرے مذہب میں ضم ہو گئے، ۴- یہ فطرت پر تھے نہ یہود نہ نصاریٰ نہ مجوسی نہ مشرک۔

تیسری رائے کے قائل مفتی محمد صادق مبارکپوری اور مولانا ارشاد اللہ ہیں، اول الذکر فرماتے ہیں مارے ڈر اور خوف کے نصرانیت میں داخل ہو گئے، مولانا

ارشاداللہ کی رائے ہے کہ ایک قول کے مطابق یہ فرقہ اس وقت قدریہ کے نام سے موسوم ہے، دوسرے قول کے مطابق یہ فرقہ دور حاضر میں حکمائے اشراقیین کے قول کے مطابق مستشرقین کی اتباع کرنیکی وجہ سے مستشرق قرار دیا گیا ہے، ۲۲ مقالہ نگار اس فرقہ کے وجود کے قائل ہیں، اور ۳۳ حضرات عدم وجود کے۔

اول الذکر کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں: مولانا صابر حسین ندوی، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مفتی محمد سلطان قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، پروفیسر سعود عالم قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی اعجاز الحسن باندے، مولانا محفوظ عالم قاسمی، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا محمد شباب کیرالہ، مولانا ابوعبداللہ عظمت اللہ میر، مولانا اکرام الحق ربانی، مفتی صادق محمد پٹیل، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا شبیر احمد دیولوی۔

ماقبل کی تحریر سے صنف ثانی کے اسماء از خود معلوم ہوسکتے ہیں، مفتی اقبال احمد قاسمی کانپور ائمہ اربعہ وصاحبین کے اقوال (الشرح الصغیر ۱/ ۱۵۴، المغنی ۹/ ۲۴۳، شرح المہذب ۹/ ۷۹، احکام القرآن جصاص ۲/ ۴۱۳) کی عبارات پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''صائبین کے بارے میں جس قدر تحقیق میں اختلاف در اختلاف اور اقوال پر اقوال ہیں اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فرقہ کوئی چوں چوں کا مربہ تھا، جواب قصہ پارینہ بن چکا ہے، اور اب بعد کے محققین خواہ مخواہ ٹامک ٹُیاں مار رہے ہیں، اصولی بات طے ہوگئی کہ اس فرقہ کا حکم اس کے معتقدات پر موقوف ہے الخ۔

مفتی اشرف قاسمی صائبین اہل کتاب تھے، لا الہ الا اللہ کہتے تھے، لیکن مشرک تھے، یمن کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے، یمن میں آج بھی شیام اور ہند نامی قلعے موجود ہیں، فرشتوں کی پجاری قوم تھی، جماعت ستارگاں اور نجوم کے پرستار تھے، آگ کی پوجا کرتے تھے، مذہبا دن میں کئی مرتبہ اشنان کرنا وغیرہ

مولانا ثابت شمیم رشادی نے ان سے متعلق آٹھ اقوال نقل کئے ہیں، آٹھواں قول یہ ہے:

''قال بعض العلماء الصائبون الذين لم تبلغهم دعوة نبي'' (تفسیر ابن کثیر ۱/ ۱۳۲)۔

مفتی عابد الرحمن مظاہری بجنوری: یہ لوگ روحانی طاقتوں کا احترام عبادت کی حد تک کیا کرتے تھے، حضرت یحیی علیہ السلام کو حضرت عیسی علیہ السلام پر ترجیح دیتے تھے، موصوف نے شہرستانی کی الملل (۵۳ صفحات پر اس موضوع پر مقالے) کا خلاصہ بھی درج فرمایا ہے، مولانا ریاض ارمان قاسمی نے ان سے متعلق گفتگو کے دوران یہ بھی ذکر کیا ہے کہ وہ اپنے عقیدے کو چھپاتے تھے، جہاں جیسا موقع ہوتا ویسا ہی اپنا عقیدہ ظاہر کرتے تھے، اسماعیلی فرقہ نے انہیں سے کتمان مذہب سیکھا ہے (بحوالہ احکام القرآن للجصاص ۲/ ۴۱۳)۔

قاضی محمد حسن ندوی نے لکھا ہے کہ مجموعی طور پر صائبین کے متعلق تین اقوال ہیں: اہل کتاب، اہل کتاب سے خارج، موحد راقم کے نزدیک پہلا قول راجح ہے، مولانا اکرام الحق ربانی ندوی نے ابن کثیر کے حوالہ سے کئی تحریریں پیش کی ہیں، ایک تحریر اس طرح ہے:

''إنهم ليسوا على دين اليهود ولا النصارى ولا المجوس ولا المشركين، وانما هم باقون على فطرتهم ولا دين مقرر لهم يتبعونه وتقيفونه... الخ'' (ابن کثیر ۱/ ۱۴۰)۔

مقالہ نگاروں میں سے کئی حضرات نے بھی اسے نقل فرمایا ہے، مولانا محمد صابر حسین ندوی لکھتے ہیں: انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (۱۹/ ۷۹۰) کے مطابق صابی کا نیم نصرانی فرقہ تھا جو الکسائیہ کے نام سے مشہور تھا، ..... کے ساتھ ان کی بہت قریبی مشابہت تھی، یا سینٹ جون بپٹسٹ کے نام نہادی مسیحی تھے، ایک روایت کے مطابق وہ قدیم ایران اور خالدیہ کا ایک فرقہ تھا جو خدا کی توحید کا قائل تھا لیکن وہ بظاہر قدرت یعنی آسمانی مخلوقات کی عبادت کرتا تھا۔

مولانا عبد الرب رقم طراز ہیں: ان کے حالات مشتبہ ہیں، اس لئے مختلف اور منتشر اقوال ہیں موصوف (روح المعانی ۱/ ۲۷۹، فتح القدیر للشوکانی ۱/ ۷۸) سے لغوی تحقیق بھی پیش کرتے ہیں، ابن حزم اندلسی کی کتاب ''الفصل فی الملل والاہواء والنحل'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ان کے یہاں مدبر عالم ایک سے زائد ہیں کواکب سبعہ کی تعظیم کرتے ہیں، بارہ بروج کے قائل ہیں، اپنے بت خانوں میں ان کی تصویریں بناتے ہیں، قربانیاں چڑھاتے ہیں، عود کی دھونی دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے (الرد علی المنطقی / ۲۳۴-۲۳۶) پر بڑا محققانہ کلام کیا ہے، علامہ ابن الجوزی کی (زاد المسیر فی علم التفسیر/ ۶۵) سے صائبین کے تحت سات اقوال نقل کئے ہیں۔

مفتی صادق محمد پٹیل لکھتے ہیں ان کی بابت مفسرین کے اقوال میں اضطراب ہے، مولانا عقیل الرحمن قاسمی کے خیال میں ان تمام اور دیگر اقوال کی روشنی میں اگر صائبین کی مراد کو طے کیا جاتا ہے تو بہتر قول وہ ہوسکتا ہے جس کو امام رازی۔ اختیار فرمایا ہے:

''إن الصائبين قوم يعبدون الكواكب بمعنى ان الله جعلها قبلةً للعبادة والدعاء أو بمعنى أن الله فوض تدبير أمر هذا العالم إليها''۔

مفتی ابوحماد غلام رسول منظوران کی بابت دس اقوال پیش فرماتے ہیں، ان اقوال میں سے اس عاجز نے چند کا ذکر مفتی اشرف گونڈوی کے ذکر میں کردیا ہے، مولانا محمد یوسف قاسمی راجستھان نے آٹھ اقوال ذکر کئے ہیں، ساتویں قول میں لکھتے ہیں: ابن سعید اصطخری ان پر کفر کا فتوی دیتے تھے، مولانا عبیداللہ ندوی رقم فرماتے ہیں: امام صاحب کا قول ناقص رائے میں، بہتر وراجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ بھی عراقی تھے، اس لئے براہ راست صابئوں کے واقفیت کا موقع رکھتے تھے، مولانا اکرام الحق ربانی لکھتے ہیں وہ لوگ اگر چہ عیسائی نہیں ہیں تاہم جان دی بپتسٹ کو مانتے ہیں، عراق میں ان کو امت یحیی کہتے ہیں۔

عدم وجود کے قائلین نے اکثریت سے احکام القرآن للجصاص (۲/ ۴۱۳)، بنایہ (۵/ ۴۷)، قاموس الفقہ (۴/ ۲۱۵) وغیرہ کتب سے استدلال کیا ہے، راقم سطور نے بھی بغوی شافعی (م:۵۱۶ھ) کی تفسیر معالم التنزیل (۱/ ۷۹ تالیفات اشرفیہ ملتان) کے حوالہ سے عبدالعزیز بن یحیی کا قول ''انقرضوا فلا عين ولا أثر''، نیز امام طبرانی نے آیت ۶۲ کی تفسیر میں یہی لکھا ہے، نیز شیخ محمد طاہر بن عاشور لکھتے ہیں:

''وكان اهل هذا الدين نبطا فى العراق فلما ظهر الفرس على اقليم العراق ازالوا مملكة الصائبين ومنعوهم من عبادة الأوثان... الخ'' (تفسير التحرير والتنوير ۱/ ۵۳۲)۔

واحدی کی تفسیر بسیط (۲/ ۶۱۹) پر ہے کہ وہ فرقہ موجود نہیں، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی بھی یہی رائے ہے، جس کا اکثر مقالہ نگاروں نے حوالہ دیا ہے، جسے قاموس الفقہ (۴/ ۲۱۵) پر دیکھا جاسکتا ہے۔

مولانا محمد شکیل سعادتی عبدالعزیز بن یحیی کا قول ''قد درجوا وانقرضوا... الخ'' نقل کرنے کے بعد کلبی کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے عضو مخصوص کو کٹوادیا کرتے تھے، اس سے بھی یہی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شاید ان کی نسل منقطع ہوگئی یا یہ کہ صابی کوئی مخصوص قوم نہیں بلکہ ہر اس شخص کو صابی کہا جاسکتا ہے جس نے اپنے سابقہ مذہب کو چھوڑ کر نیا مذہب اختیار کیا (دیکھئے: احکام اہل الذمہ ۱/ ۲۳۳ تا ۲۳۶)۔

محترم سعادتی صاحب کی دوسری رائے کے قائل مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی، ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی، مولانا عبدالرحیم سعادتی بھی ہیں، آخر الذکر لکھتے ہیں صائبین کا دو مفہوم ہے، لغوی اور اصطلاحی، لغوی موجود ہیں اصطلاحی نہیں۔

عضو مخصوص کے کٹوانے کا ذکر مولانا ابومحمد سعید نور قاسمی نے بھی کیا ہے، ڈاکٹر صاحب موصوف رقم طراز ہیں یہ گروہ نہیں بلکہ افراد ہوتے ہیں، ہر دور میں اس طرح کے دہریے ملحد اور زندیق لوگ پائے جاتے ہیں، مولانا تبریز عالم صاحب لکھتے ہیں عمومی اور جماعت کی شکل میں تو اس کا وجود نہیں ہے، البتہ جزئی طور پر پایا جاتا ہے کیونکہ ستارہ پرست لوگ آج بھی دنیا کے مختلف گوشوں میں موجود ہیں، مولانا ثابت شمیم رشادی ''لا يوجد فى هذا العصر'' (بحوالہ التسہیل الضروری ۲/ ۱۰ از عاشق الہی برنی) نقل فرماتے ہیں، پروفیسر سعود عالم قاسمی لکھتے ہیں: آج کل عراق میں یزیدی فرقہ کے لوگ اپنے آپ کو صابی کہتے ہیں، مولانا مظاہر حسین عماد القاسمی کی رائے ہے کہ آریوں اور یزیدیوں پر صائبین کا شبہ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا اختر امام عادل بحوالہ (الموسوعة الميسرة فى الاديان والمذاهب المعاصرة ۱/ ۳۱۷ تا ۳۲۵) کہتے ہیں اس کا ایک فرقہ بطائحہ اب بھی موجود ہے، جو ایران وعراق کے سواحل پر پایا جاتا ہے، لیکن میرے خیال میں یہ بحث بے موقع ہے، کیونکہ اگر ان کا وجود آج متحقق بھی ہوجائے تو ان کا اہل کتاب ہونا متحقق نہیں الخ۔

مفتی محمد سلطان قاسمی اتحاد الجمعیات المندائیہ کے بیان کے مطابق اردن، شام، کردستان میں اب بھی تقریبا ستر ہزار کی تعداد میں موجود ہیں، تو مولانا صابر حسین ندوی کی بھی یہی رائے ہے کہ سانحہ بغداد کے بعد ان کی ایک بڑی تعداد کردستان ہجرت کرگئی جہاں وہ اب محفوظ ہیں، مولانا ریحان مبشر قاسمی بحوالہ ''الصابئة المندائيون العقيدة والتاريخ منذ ظهور آدم حتى اليوم/ ۳۵۸'' رقم فرماتے ہیں کہ ان کی تعداد کناڈا، ہالینڈ، برطانیہ، آسٹریلیا میں اب بھی موجود ہے۔

مولانا عبیداللہ ندوی نے تاریخ ایران پر ایک مستند مستشرق کی کتاب (جس کا ترجمہ اردو ترجمہ شیخ محمد اقبال پرنسپل اورینٹل کالج لاہور نے کیا ہے) سے تفصیلات پیش کی ہیں، نیز (چمبرز انسائیکلو پیڈیا ۷/ ۵۰) سے عراق میں ان کی تعداد چھ ہزار بیان کی ہے۔

مولانا محفوظ عالم قاسمی نے بھی ان کے ایک گروہ بگائحہ کا ذکر کیا ہے، مولانا ابوعبداللہ عظمت اللہ میر بحوالہ (موسوعه ماذا تعرف عن الفرق والمذاهب ۱۳۱۸/۳) لکھتے ہیں کہ صائبہ مندائیونی نہر دجلہ وفرات کے سفلی ساحل میں پائے جاتے ہیں، اسی طرح کچھ لوگ ایران کارون اور دز نہر کے ساحلی علاقوں نیز بصرہ اور فارس کے نو آباد علاقوں کے پہاڑی علاقوں میں آباد ہیں۔

مولانا محمد قمر الزماں ندوی نے مفسرین کے اقوال پیش کئے ہیں، بعدہ لکھتے ہیں: صائبین دراصل وہ لوگ ہیں جو یقینا ابتداء میں کسی دین کے پیرو ہے ہوں گے، اس لئے کہ قرآن مجید میں یہودیت وعیسائیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن بعد میں وہ اپنے اصل مذہب سے بالکل الگ ہو گئے الخ، اب اس نام سے کوئی قوم معروف ومتعارف نہیں ہے۔

مولانا اعجاز الحسن، مولانا ابومحمد محمد سعد نور لکھتے ہیں اب بھی عراق وشام میں ایک قلیل فرقہ پایا جاتا ہے جو اپنے آپ کو صبی کہتا ہے، یہی مولانا ریاض ارمان بھی لکھتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ انہیں عراقی زبان میں صبہ کہتے ہیں، راقم عرض کرتا ہے کہ صائبین اصلا کسی دین پر گامزن رہے ہوں گے حالات کی نامساعدت کے باعث مختلف علاقوں میں بودوباش اختیار کرلی اور از خود یا بجبر واکراہ یا جیسا کہ جصاص کی تحریر کے مطابق ان میں غایت درجہ کتمان مذہب تھا اغیار کے مذاہب سے متاثر ہوکر مختلف گروہ اور فرقہ میں تقسیم ہوکر فرشتہ پرستی یا نجوم پرستی یا نصرانیت ویہودیت یا لامذہبیت ولادینیت اختیار کرلی ہو، سلف صالحین نے جس کو دیکھا اس کے مطابق صائبین کی تعریف کردی جن حضرات نے صائبین کی موجودگی کا ذکر فرمایا ہے ان کے یہاں بھی اس نام سے نہیں بلکہ کسی نے قدریہ، کسی نے استشراق، کسی نے مندئین، کسی نے امت یحیی، کسی نے بطائحہ، کسی نے جان بپٹسٹ کے حامی مسیحی، کسی نے خالدیہ، کسی نے الکسائیہ وغیرہ ذکر فرمایا ہے، اس لئے ان حضرات کا قول بظاہر بہتر معلوم ہوتا ہے، کہ اب اس نام سے کوئی قوم مشہور ومتعارف نہیں، لیکن مولانا ریاض ارمان قاسمی، مولانا اعجاز الحسن بانڈے و مولانا محمد سعد نور کے اقوال کے مطابق صبہ یا صبی نامی لوگ آج بھی عراق وشام میں پائے جاتے ہیں، احقر کی ناقص رائے میں یہ لفظ صابی کے کافی حد تک ہم آہنگ ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر یہ موجود ہوتے تو ان کی بابت اس قدر اضطراب واشتباہ نہ پایا جاتا۔

سوال نمبر ۳- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہود ونصاریٰ تھے، وہ بہت سی گمراہیوں کے باوجود ایک خدا کے قائل تھے، اگرچہ عیسائی تین کے مجموعہ کو ایک مانتے تھے۔ اسی طرح وہ وحی، نبوت، ملائکہ اور آخرت میں جزاوسزا کو بھی تسلیم کرتے تھے؛ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتے تھے؛ لیکن موجودہ دور میں یہ صورت حال نہیں ہے، خاص کر مغربی ملکوں میں جو لوگ اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے ہیں، ان میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے، جو خدا کے وجود ہی کی قائل نہیں ہے، اگر خدا کو مانتے ہیں تو وحی ورسالت اور آخرت کو نہیں مانتے، کیا ایسے لوگوں کا شمار بھی یہود ونصاریٰ میں ہوگا اور نکاح وذبیحہ کے معاملہ میں ان کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ کیا جائے گا؟

۱- تحقیق حال کے بعد ہی کوئی حکم لگے گا، اس کے قائلین مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی صادق محمد پٹیل، مولانا محمد فاروق، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا عبدالرب سعادتی ہیں۔

۲- سوائے ارتداد کے اہل کتاب سے بے نیاز کرنا مناسب نہیں، مولانا صابر حسین ندوی اس کے قائل ہیں اور استدلال میں

''الأحكام تتبني على الظاهر لاتتوقف على التحقيق، والأصل بقاء ما كان على ما كان'' (الاشباه والنظائر والشرح الصغير)

پیش کرتے ہیں، بعدہ لکھتے ہیں مگر کتابیہ سے شادی کر کے اس کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے بالخصوص ان ممالک میں جہاں دوشیزائیں حربے کے طور پر استعمال ہوتی ہیں اور مستقل مشن ومنصوبہ بندی کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کو گزند پہنچانے کی سازشیں کی جاتی ہیں۔

مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی نے شیخ جمیل محمد بن مبارک کی ایک تحریر ''نظرية الضرورة الشرعيه/ ۲۸۷'' ''إن ماذبحه أهل الكتاب اليوم بما لايخالف الطريقة الإسلامية فإنه جائز أكله نظرًا؛ لأنهم يزعمون بأنهم أهل الكتاب؛ ولأن الذين يتولون الذبح لايعلم هل هم متمسكون بدينهم أم لا. والحاصل أنهم متمسكون بدينهم'' پیش کرنے کے بعد ہندوستانی اکابرین افتاء کی دورائے حلت وحرمت پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''دونوں آراء ہیں، معاملہ صرف اعتبار کا ہے، جن لوگوں نے انہیں دہریہ اور دین بیزار مانا ہے ان کے یہاں حرمت کا حکم ہوگا، اور جنہوں نے انہیں اپنے معتقدات پر قائم مانا ہے ان کے یہاں حلت کا حکم ہوگا''۔

مفتی اشرف قاسمی گونڈوی لکھتے ہیں: جب تک اپنے کو یہودی یا عیسائی ہونے سے صاف انکار نہ کریں یورپین قومیں اہل کتاب ہیں، ان کا ذبیحہ حلال ہوگا، البتہ شادی سے گھر وخاندان میں بددینی کے شیوع کا مشاہدہ ہوتا ہے، اس لئے شادی سے سختی سے منع کیا جائے گا۔

مولانا مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی کی بھی یہی رائے ہے، مولانا محمد عثمان گورینی، مولانا عبیداللہ ندوی لکھتے ہیں کہ نام سے اور ظاہری علامات سے نصرانی معلوم ہوتا ہے تو وہ نصرانی ہے، جب تک یہ ظاہر نہ ہو کہ اس کے عقائد مادہ پرستوں کے ہیں، مولانا اکرام الحق ربانی لکھتے ہیں کہ تقریباً تمام محققین ومورخین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ آج جو لوگ یہودی ہونے کا دعوی کرتے ہیں وہ تاریخی اعتبار سے عہد قدیم میں فلسطین میں قیام پذیر یہودی نہیں ہیں، بنیامین فریدمان نے اپنی کتاب ''حقائق الحیاۃ'' میں اس فریب کا پردہ چاک کیا ہے کہ آج یہودی تاریخی اعتبار سے خزر کی نسل سے ہیں جو قدیم بت پرست فنصندی مغولانی قوم ہے الخ (موسوعہ یہودیہ ۴/۱-۵ یہود الیوم لیسوا یہودا بنیامین فریدمان)۔

مذکورین کے ماسوا تمامی حضرت آج کل کے یہود ونصاری کو ملحد، دہریہ قرار دیتے ہیں، مفتی شکیل سعادتی کہتے ہیں: ''حضرت علیؓ تو اپنے زمانہ کے نصاری بنو تغلب کے سلسلہ میں مقاتلہ کا ارادہ رکھتے تھے، صرف اس بنیاد پر کہ وہ حقیقی معنی میں نصرانی نہیں تھے اور انہوں نے نقض عہد کیا تھا، علامہ ابن القیم نے ابوداؤد شریف سے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے،

''ففي سنن أبي داؤد من حديث ابراهيم بن مهاجر عن زياد بن جدير قال: قال علي: لئن بقيت لنصارى بني تغلب لأقتلن المقاتلة ولا سبين الذرية فإني كتبت الكتاب بينهم وبين النبي ﷺ إلا ينصروا أبناء هم الخ'' (احکام اهل الذمه ۱/ ۲۷تا۲۹)۔

دیکھیے حضرت علیؓ نے بنی تغلب کے نقض عہد کی بنیاد پر ان سے قتال کا ارادہ فرمایا اور ان کی لادینیت کی بنیاد پر ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا تو موجودہ دور کے یہود ونصاری تو لادینیت میں ان سے کئی درجہ بڑھے ہوئے ہیں، ان کو اہل کتاب کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

راقم سطور کے خیال میں انہیں قبل از تحقیق یا بعد از تحقیق ملحد ودہریہ مانا جائے یا نہ مانا جائے بہر دوصورت ان سے نکاح نہیں کرنا چاہئے نہ ہی ان کا ذبیحہ حلال ہونا چاہئے، خواہ وہ حربیہ ہوں یا غیر حربیہ، اس کے مفاسد ومضرات اصحاب خبرۃ پر فی زمانہ بالکل مخفی نہیں، احقر کچھ مفاسد کا ذکر اپنے مقالہ میں، بحوالہ کتاب الأم (۵/ ۶۷ دار الکتب العلمیہ، بیروت) اور فقه النوازل للاقليات المسلمة تاصيلا وتطبيقا للدكتور محمد يسرى ابراهيم (۲/ ۹۶۷-۹۶۸) وکتاب الفتاوی (۴/ ۳۵۴-۳۵۵ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی) کر چکا ہے۔

نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تحریر فرماتے ہیں:

''ولا شك أن النصارى فى هذا الزمان لايذكون بل يقتلون بالوقذ غالبا. فلا يحل طعامهم'' (تفسیر مظهری ۲/ ۱۷)

بنا بریں نکاح وذبیحہ دونوں درست نہیں۔

☆☆☆

اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام

(سوال نمبر ۴-۵)

مفتی محمد عثمان بستوی[1]

الحمد للہ کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔

أما بعد! اہل کتاب اوران سے متعلق سوالات میں سے سوال نمبر ۴ (شریعت محمدی کے بعد ایجاد کئے گئے ادیان باطلہ مثلا بابی بہائی سکھ قادیانی وغیرہ کا شمار اہل کتاب میں ہوگا یانہیں؟) اور سوال نمبر ۵ (نسلی قادیانیوں کو اہل کتاب میں شمار کیا جاسکتا ہے یانہیں؟) کے جوابات پر عرض مسئلہ کی ذمہ داری اس ناچیز کے سپرد کی گئی ہے، اس موضوع سے متعلق فقہ اکیڈمی کے توسط سے احقر کو کل ۶۳ رعلماء کرام ومفتیان عظام کے مقالات موصول ہوئے ،جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر مولانا شاہجہاں ندوی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی، مولانا محمد ممتاز خان ندوی، مفتی محمد ارشاد پالنپوری، مفتی محمد سلطان قاسمی کشمیری، مفتی شبیر احمد دیولوی، مولانا مظاہر حسین حماد قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مفتی صادق محمد پٹیل دیولوی، مفتی محمد شباب، مولانا عبیدالرحمن سعادتی، حافظ مولانا کلیم اللہ عمری، مولانا محمد اکرم بن مولانا اسلم رشید، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مولانا اسراراحمد، احمد آبادی قاسمی، مفتی لطیف الرحمن قاسمی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا محمد جمشید عادل قاسمی، مولانا ارشاد اللہ قاسمی، مولانا ریاض ارمان قاسمی، مفتی اشرف، مفتی محمد حسن ندوی، مفتی سلمان پالنپوری، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا اکرام الحق ربانی، مولانا شکیل سعادتی، مولانا ثابت شمیم، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مولانا مفتی ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا ریحان مبشر قاسمی، مولانا محمد فاروق، مفتی اعجاز الحسن بانڈے کشمیر، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مفتی عبدالمنان، مولانا عقیل الرحمن قاسمی، مولانا عبدالرب سعادتی، مفتی ابوحماد غلام رسول منظور قاسمی، مولانا شوکت ثناء قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مفتی عابدالرحمن مظاہری، مولانا ابومحمد محمد سعدنور قاسمی، مولانا محمد ارشد رحمانی، مولانا نعیم اختر قاسمی، مولانا قمر الزماں اختر ندوی، مولانا محمد آزاد بیگ قاسمی، مولانا تبریز عالم قاسمی، مولانا ابوعبداللہ عظمت اللہ میر، مولانا محمد مصطفی قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی محمد جعفر ملی رحمانی، مولانا محمد یوسف قاسمی، مفتی شبیر احمد قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی اور احقر عارض محمد عثمان بستوی۔

موصولہ مقالات میں سے بعض میں متعلقہ سوالات کے جوابات بڑی تفصیل سے لکھے گئے ہیں، خصوصا بابی، بہائی، سکھ، قادیانی جیسے فرقہ باطلہ کے عقائد اوران کی تعلیمات پر بہت ہی مفید معلومات پیش کی گئیں ہیں، اور بعض میں "خیر الکلام ماقل ودل" کا نمونہ پیش کیا گیا ہے، اور بعض میں اس مسئلے سے چشم پوشی کی گئی ہے (مولانا حافظ کلیم اللہ عمری اور مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی نے ان دونوں سوالوں سے بالکل صرف نظر کیا ہے) بہرحال اگر سوال نمبر ۴ ر سے متعلق مقالات کا تجزیہ کیا جائے، تو کل تین امور زیر بحث لائے گئے ہیں:

(۱) مسئولہ فرقوں کے عقائد ونظریات۔ (۲) ان پر عائد ہونے والے حکم شرعی اور اس کے دلائل۔ (۳) ان فرقوں کا اہل کتاب میں داخل ہونا اور نہ ہونا۔

مسئولہ فرقوں کا مختصر تعارف اوران کا حکم:

(۱) بابیہ اور بہائیہ مذہب کے بانی:۔ مقالات میں جن حضرات نے بھی اس سے تعرض کیا ہے، ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ فرقہ بابیہ کا بانی ایران

[1] مدرسہ عربیہ ریاض العلوم چوکیہ، گورینی، جونپور۔

کے ''شیخیہ فرقہ'' سے تعلق رکھنے والا ''مرزا علی محمد'' ہے، پیدائش ۱۸۱۹ء اور سزائے موت ۱۸۵۰ء ہے اور فرقہ بہائیہ کا بانی ''علی محمد'' کا ایک معتقد شیعہ ''حسین علی نوری'' ہے مرزا علی محمد نے جن خیالات ونظریات کی اشاعت کی انسے بابیت سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ کیونکہ اس نے حضرت مہدی تک پہنچنے کا باب (دروازہ) ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور اس کے جانشین حسین علی نوری نے جن خیالات ونظریات کی اشاعت کی اسے بہائیت سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ اس لیے کہ اس نے اپنے لیے بہاء اللہ اور اپنے ماننے والے کے لیے بہائی نام تجویز کیا تھا۔

(۲) ان دونوں فرقوں کے عقائد ونظریات:۔ اس سے متعلق مقالہ نگار حضرات کی گفتگو کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ا:...... ختم نبوت کا انکار ۲:...... حسین علی بہاء اللہ میں الوہیت کا حلول کر جانا ۳:...... بہائیت کو تمام ادیان کے لیے ناسخ ماننا ۴:...... جہاد و جزیہ کا ناجائز و حرام ہونا اور سود کا جائز ہونا ۵:...... اپنی عبادتوں میں کعبۃ اللہ سے انحراف کرنا اور اپنی عبادت کا مرکز توجہ بہاء اللہ کی قبر کو بنانا ۶:...... نماز با جماعت کو حرام قرار دینا ۷:...... پنجوقتہ نمازوں میں سے صرف تین وقت: صبح، دوپہر اور شام کے اوقات میں تین تین رکعتوں کی نماز ادا کرنا ۸:...... مہینوں کے ایام ۱۹ دن متعین کرنا ۹:...... آخری مہینہ کا نام علاء رکھنا اور اس میں روزہ کو فرض قرار دینا اور جماع کو مباح سمجھنا ۱۰:...... ماں کے علاوہ تمام عورتوں سے نکاح کو مباح قرار دینا ۱۱:...... روز جزاء وسزاء کا انکار کرنا ۱۲:...... طلاق کی تعداد کا ۱۹ رہونا اور عدت طلاق کا ۱۹ ردن ہونا اور عدت وفات کا ۹۵ ردن ہونا ۱۳:...... میراث کا استحقاق صرف سات لوگوں یعنی بیٹے بیٹیوں، شوہر، بیوی، ماں، باپ، بھائی کو قرار دینا اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کے وراثت کی نفی کرنا وغیرہ ان جیسے عقائد ونظریات ان دونوں فرقوں کے بیان کئے گئے ہیں۔

قادیانی مذہب (۱) قادیانی مذہب کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی ہے، یہ صوبہ پنجاب کے قصبہ قادیان میں پیدا ہوا اور اس نے کبھی مسیح موعود اور کبھی نبی بروزی اور کبھی نبی ظلی، کبھی مستقل صاحب شریعت ورسالت ہونے کا دعویٰ کیا، اس فرقے کے دیگر بہت سے عقائد باطلہ حضرات اکابر کی کتابوں میں درج ہیں۔

سکھ مذہب کی تفصیل: ۱:...... سکھ مذہب کے بانی گرونانک ہیں، جو متحدہ ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں ایک ہندو کے گھر ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے، ان کی تعلیم میں توحید کے عقیدے پر بہت زور دیا گیا ہے، وہ بت پرستی کے مخالف تھے، ان کے جانشینوں میں یکے بعد دیگرے ۹ / گرو ہوئے اور ان کے آخری گرو گووند سنگھ ہیں جن کی تعلیمات کے ۵ / اصول یہ تھے (۱) ایک خدا کی پرستش کرنا (۲) گرونانک اور دوسرے گروؤں کی تعظیم کرنا (۳) ہر سکھ کے لیے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ وہ کنگھی، کڑا، کرپان اور کیس رکھے اور کچھ جانگھیا پہنے (۴) آدی گرنتھ کو اپنی مقدس کتاب ماننا (۵) ایک خاص طریقے سے ایک دوسرے کو سلام کرنا۔

فرقۂ باطلہ کے عقائد ونظریات سے متعلق یہ تحقیق کم وبیش جن حضرات کے مقالوں میں موجود ہے، ان کے اسماء یہ ہیں:

مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا ارشاد اللہ قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، قاضی محمد حسن ندوی مدھوبنی، مفتی سلمان پالنپوری قاسمی، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا اکرام الحق ربانی، مولانا محمد شکیل سعادتی، مولانا ثابت شمیم قاسمی، مفتی باقر ارشد بنگلوری، مولانا ریحان مبشر قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد فاروق قاسمی، مفتی اعجاز الحسن پانڈے قاسمی واحقر محمد عثمان بستوی۔

۲:...... **گرونانک کی تعلیمات:** اس مذہب کی تعلیمات کو نقل کرنے میں مقالہ نگار حضرات کے درمیان اختلاف موجود ہے، بعض لوگوں نے گرونانک کی ایسی تعلیمات نقل کی ہیں، جس سے انکا مومن خالص ہونا ثابت ہوتا ہے (مقالہ مفتی اشرف علی گونڈوی ومولانا فاروق قاسمی وغیرہ) اور بعض مقالات میں ان کی کچھ تعلیمات اسلام کے مطابق نقل کی گئی ہیں اور کچھ اسلام کے خلاف مثلاً تناسخ ارواح، شراب وخنزیر کو حلال قرار دینا اور گائے کو حرام (قاضی حسن مدھوبنی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا ریحان مبشر مئوی، مولانا، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی صاحبان وغیرہ) اور بعض حضرات نے ان کے عقائد ونظریات کے بیان سے سکوت اختیار کیا۔

سوال میں درج فرق باطلہ کے احکام:

فرقہ بابیہ وبہائیہ وقادیانیہ اور سکھوں کے کفر اور ان کے اہل کتاب میں شامل نہ ہونے پر تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے، البتہ سکھ مذہب کے متبعین کے بارے میں ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی صاحب کو توقف ہے، وہ فرماتے ہیں: سکھوں کے بارے میں توقف معلوم ہوتا ہے، اور مولانا فاروق

صاحب لکھتے ہیں کہ اگر کوئی سکھ اپنے اصلی مذہب گرونانک جی کے عقائد وملت پر موجود ہو تو اسے اہل کتاب کہنا برمحل ہوگا، لیکن بندۂ عارض کا خیال اس سلسلے میں یہ ہے کہ گرونانک کی تعلیمات چونکہ یقینی ذرائع سے ہم تک نہیں پہنچیں اور جو تعلیمات ہم تک پہنچی ہیں، ان میں انتہائی اضطراب ہے، جیسا کہ مقالہ نگار کی آراء سے ظاہر ہے، اس لیے گرونانک کے بارے میں توقف اور سکوت ہی انسب ہے، لیکن زمانہ موجودہ کے سکھ جب خود اپنے کو اسلام اور دیگر مذاہب سماویہ کا متبع ہونے سے انکار کرتے ہیں، اور اپنے معاملات اور معاشرت اور شادی بیاہ اور موت بعد الموت اور عبادات وغیرہ میں ہندوؤں کے طریقہ کو اختیار کرتے ہیں، لہٰذا ان کے انکار کے ساتھ ان کو اہل کتاب یا مسلمانوں میں نہیں شمار کیا جا سکتا، بلکہ ان کا حکم دیگر غیر مسلمین کی طرح ہوگا۔ اور یہی بات تقریباً مفتی اعجاز الحسن صاحب بھی نے لکھی ہے:

''الکفار اصناف اربعة صنف یقرون وجود الله ووحدانیته الا أنهم ینکرون النبوة والرسالة'' (الفقه الاسلامی: ۲۲۶/ ج ۲)۔ ''الدروز والتیامنیة والنصیریة فلا تحل مناکحتهم ولا تؤکل ذبیحتهم لأنهم لیس لهم کتب سماوی'' (شامی: ۱۲۵/ ۴، م زکریا)۔

''وقال فی البزازیة: ویجب اکفار الروافض بقولهم برجعة الاموات الی الدنیا وتناسخ الارواح وانتقال روح الاله الی الأئمة... الخ'' (رسائل ابن عابدین: جلد ۱/ ص: ۳۲۷)۔

دلائل:

فرقہ بابیہ بہائیہ قادیانیہ اور سکھ وغیرہ کے اہل کتاب میں داخل نہ ہونے پر مقالات میں جو دلائل دئے گئے ہیں وہ مع اسمائے ناقلین ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱) ''ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبیین الآیة، انا خاتم النبیین لانبی بعدی'' (الحدیث)۔

''دعوی النبوة بعد نبینا ﷺ کفر بالاجماع'' (شرح فقه الاکبر: ۲۰۲)۔

مفتی سید باقر ارشد، قاضی محمد حسن ندوی، پروفیسر سعود عالم قاسمی، مولانا اکرام الحق ربانی، مولانا محمد احسن عبدالحق، مفتی محمد شباب، مفتی عبدالمنان، مولانا محمد سلطان، مولانا سفیان احمد، مولانا ثابت شمیم صاحبان وغیرہم۔

(۲) ''کل دعوة للنبوة بعده فکذب وضلال وغی وہوی'' (عقیدة الطحاوی)۔

مولانا اختر امام عادل، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، ڈاکٹر محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی شبیر احمد دہلوی صاحبان۔

(۳) ''وکان یؤذن للنبی صلی الله علیه وسلم ویشهد فی الأذان أن محمدا رسول الله وکان یؤذن عبدالله بن النواحة وکان الذی یقیم له حجیر بن عمیر، ویشهد له وکان مسیلمة إذا دنا حجیر من الشهادة قال: صرح حجیر فیزید فی صوته ویبالغ لتصدیق نفسه'' (تاریخ طبری: ۲/ ۲۸۳) (مفتی شوکت ثناء قاسمی حیدرآباد)

(۴) ''ان انکر بعض ضرویات الدین کفر بها'' (شامی: ۱/ ۵۶۱)۔

قاضی محمد ارشد علی رحمانی، مولانا محمد یوسف قاسمی، مولانا محمد آزاد بیگ صاحبان۔

(۵) ''إن تصرفات المرتد نافذ بالاتفاق ... وباطل بالاتفاق کالنکاح والذبیحة'' (بدایة: ۲/ ۵۸۳) (مولانا عابد الرحمن بجنوری)۔

سوال (۵) (نسلی قادیانی اہل کتاب میں داخل ہیں یا نہیں؟) سے متعلق مقالات کا تجزیہ:

اس کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کی جو آراء سامنے آئی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) تمام حضرات کا نسلی قادیانیوں کے اہل کتاب میں شامل نہ ہونے پر اتفاق ہے اور اس سے متعلق مقالات میں جو دلائل درج ہیں وہ یہ ہیں:

۱... '' الظاهر أن الغلاة من الروافض المحكوم بكفرهم لاينفكون عن اعتقادهم الباطل فى حال اتيانهم بالشهادتين وغيرهما من أحكام الشرع كالصوم والصلاة فهم كفار لا مرتدون ولا أهل كتاب'' (رسائل ابن عابدين بحواله فتاوى رحيميه) '' المناكحة بين أهل السنة وأهل الاعتزال لايجوز'' (خلاصة الفتاوى ۲/ ۶)۔

مولانا زبیر احمد، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا عبد الرب سعادتی، مولانا عبد الرحیم سعادتی، مولانا اعجاز الحسن، مولانا ممتاز خان ندوی، مولانا جعفر علی رحمانی صاحبان۔

۲... ''ويدخل فى عبد الأوثان وعبدة الشمس... وفى شرح الوجيز وكل مذهب يكفر به معتقده فهو يحرم نكاحها؛ لأن اسم المشرك يتناولهم جميعا'' (بحر الرائق: ۳/ ۱۱۰، شامی: ۴/ ۱۲۵)۔

مولانا اقبال کانپوری، مولانا شکیل سعادتی، مفتی ریحان مبشر قاسمی، مفتی ابو الکارم، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا محمد صابر، مفتی شبیر، مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی، مولانا ابو محمد ابو سعد نور قاسمی، مولانا نعیم اختر صاحبان۔

۳... '' ان تقولوا إنما انزل الكتاب على طائفتين من قبلنا(انعام: ۱۵۶)۔ والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب من قبلكم (مائده: ۵)۔وان كان متدينا ببعض الاديان والكتب المنسوخة خص باسم الكتابي وان كان مع اعترافه بنبوة النبى ﷺ واظهاره شعائر الاسلام ببطن عقائد وهى كفر بالاتفاق خص باسم الزنديق'' (شرح المقاصد: ج ۲/ ص ۲۶۹)۔

مولانا تبریز عالم، مولانا عبید اللہ، مولانا ابوحماد، مولانا محمد اکرم، مولانا اسرار احمد، مولانا محمد مظاہر حسین حماد، مولانا ابوعظمت اللہ صاحبان۔

۴... ''فتاویٰ اکابر''۔

مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا صادق، مولانا ارشاد اللہ قاسمی، مفتی لطیف الرحمن، مفتی سلمان پالنپوری، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آواپوری صاحبان۔

(۲) دوسری رائے:

نسلی قادیانی اگر مرتد کی اولاد صلبیہ ہوں یعنی ان کے باپ نے ارتداد اختیار کیا ہے، تو وہ بھی مرتد ہیں، ورنہ دیگر مشرکین وکفار کے حکم میں ہوں گے۔

مولانا اختر امام عادل، مولانا اکرام الحق ربانی، مولانا عقیل الرحمن قاسمی، مولانا ابو محمد محمد سعد نور قاسمی، مفتی سلطان قاسمی کشمیری، مولانا شوکت ثناء قاسمی حیدر آباد، مولانا ارشد علی رحمانی، مولانا محمد یوسف قاسمی، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا عبد الرحیم سعادتی، مولانا ابو الکارم، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا ابوعبد اللہ عظمت اللہ ہدایت اللہ صاحبان۔

(۳) کافر وزندیق ہیں، اہل کتاب میں شامل نہیں۔

مولانا تبریز عالم، مولانا محمد اکرم لوناواڑی، مولانا محمد سفیان، مولانا آزاد بیگ، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، مولانا ممتاز احمد خان ندوی، مفتی ارشاد پالنپوری، مولانا محمد جمشید جوہر، مفتی شبیر احمد دہلوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا محمد صابر ندوی، مفتی مولانا اقبال کانپوری، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مولانا نعیم اختر، مولانا محمد صادق، مولانا محمد احسن عبد الحق، مولانا اسرار احمد احمد آبادی، مولانا محمد فاروق، مفتی لطیف الرحمن، مفتی عبد الرحیم، مولانا ریحان مبشر صاحبان، مولانا محمد عثمان بستوی۔

(۴) زندیق مرتد ہیں۔

مولانا ثابت شمیم، قاضی محمد حسن ندوی، مولانا سید باقر ارشد بنگلوری، مولانا سعود عالم قاسمی، مفتی عبد الرب، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا شکیل سعادتی، مفتی شبیر احمد، مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی صاحبان۔

(۵) نسلی قادیانیوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ (محمد عثمان عفی عنہ)

(۶) ترجیح (محمد عثمان عفی عنہ)

جن مقالات میں نسلی قادیانیوں کا مطلقاً مرتد ہونا یا زندیق و مرتد ہونا بغیر کسی تفصیل کے مذکور ہے، یہ رائے حضرات فقہاء کی عبارات سے میل نہیں کھاتی ہے؛ کیونکہ محققین فقہاء کے مطابق قادیانی کی صرف اولاد صلبیہ ہی مرتد کے حکم میں ہوگی، اس کے بعد والی نسل پر ارتداد کے احکام عائد نہ ہوں گے، اسی طرح زنادقہ کی نسلی اولاد کا بھی یہی حکم ہے، کیونکہ زندیقیت ارتداد ہی کی ایک قسم ہے گو اس کے احکام اس سے کچھ سخت ہیں، زنادقہ کی اولاد صلبیہ کے علاوہ بعد والی نسل کو قتل وغیرہ کی اجازت نہیں، البتہ اہل عرب اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

”وأما حكم الأولاد فولد الأب يجبر على الإسلام ولا يقتل؛ لأن هذا ردة حكمية لا حقيقية ولا يجبر ولد ولده على الاسلام؛ لأن ولد الولد لايتبع الجد فى الاسلام: إذ لوكان كذالك لكان الكفار كلهم مرتدين لكونهم أولاد آدم وليس كذلك بالإجماع“ (بدائع الصنائع جلد۶/ ص ۱۲۶)۔ ”ان من اعتقد مذهبا يكفر به إن كان قبل تقدم الاعتقاد الصحيح فهو مشرك وإن طرا عليه فهو مرتد“ (شامی: جلد۴/ ص ۱۵۲، مر زکریا)۔

”الزنديق على ثلاثة اقسام: إما أن يكون زنديقا من الاصل على الشرك أو يكون مسلما فيتزندق أو يكون ذميا فيتزندق فالأول يترك على شركه إن كان من العجم بخلاف شرك العرب، فإنه لايترك، والثانى يقتل؛ لأنه مرتد والثالث يترك: لان الكفر ملة واحدة“ (شامی جلد۶/ ص ۳۸۳، رسائل ابن عابدین: جلد۱/ ص ۳۱۹)۔

مذکورہ بالا آراء کے بارے میں احقر کا خیال یہ ہے کہ مقالات میں درج آراء میں سب سے متوازن رائے مولانا اختر امام عادل و مولانا زبیر احمد صاحبان وغیرہم کی ہے کہ قادیانی باتفاق علماء مرتد ہیں اور مرتد کی اولاد کو بھی فقہاء نے والدین کے تابع قرار دیا ہے، البتہ ان کی اولاد کی اولاد کو مرتد کے حکم سے خارج کیا ہے اور ان کو عام پیدائشی کافروں میں شمار کیا ہے، لیکن یہ اہل کتاب کسی حال میں نہیں ہیں۔

اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جواب نمبر ۴ و ۵ ر کے تحت ذکر کردہ دلائل پر بھی ایک نظر ڈال دی جائے تا کہ پوری بصیرت کے ساتھ مسئلہ کی تنقیح ہو سکے، چنانچہ نقل کردہ دلائل میں بہت سی نصوص اور عبارت فقہیہ ایسی ہیں کہ ان سے اثبات کفر ہوتا ہے، اور ظاہر ہے صرف اثبات کفر نفی اہل کتاب کو مستلزم نہیں، اسی طرح ”إنما أنزل الكتاب على طائفتين من قبلنا (انعام:۱۵۶)۔ والمحصنت من الذين اوتوا الكتاب من قبلكم“ (مائدہ:۵) یہ جمہور کی دلیل تو ہے، لیکن احناف کے نزدیک یہ استدلال بالمفہوم المخالف ہے، جو شرعاً حجت نہیں، البتہ فتح القدیر، شامی، بحر کی نقل کردہ عبارت اور رسائل ابن عابدین کی عبارت اور علامہ تفتازانی کی شرح المقاصد سے کتابی اور زندیق کی نقل کردہ تعریف سے نسلی قادیانیوں اور اسلام کا دعویٰ کرنے والے فرق ضالہ مستحدثہ کا اہل کتاب میں داخل نہ ہونا واضح ہوتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ شامی کی یہ عبارت ”على أنهم ليسوا بادنى حالا من أهل الكتاب بل هم مقرون بأشرف الكتب“ (شامی: جلد۴/ ص ۱۳۵)۔ ”فكيف ادنى حالا من النصرانى المثلث“ (شامی: جلد۹/ ص ۴۴۳)، مزید برآں بعض اکابر کا ان عبارتوں سے ان کے اہل کتاب ہونے پر استدلال سے اس مسئلہ کی پیچیدگی کچھ زیادہ ہی ہوگئی، اس لیے ضرورت تھی حضرات فقہاء و اکابر کے متعارض فتاویٰ و عبارات کو نقل کر کے کسی ایک جہت کو ترجیح دینے کی جس کی کوشش بندہ نے اپنے مقالے میں کی ہے، اور مقالہ میں احقر نے نسلی قادیانیوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا اہل کتاب میں شامل ہونا یا نہ ہونا غیر منصوص مجتہد فیہ ہے اسی بناء پر ان کے بارے میں حضرات فقہاء و مفتیان کرام کا اختلاف ہوا ہے، چنانچہ علامہ خیر الدین رملی، علامہ نجیم مصری، علامہ حصکفی، علامہ رافعی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا عبد الکریم گمتھلوی، مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی وغیرہم کی عبارات و فتاویٰ سے نسلی قادیانیوں کا اہل کتاب میں شامل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

”وجعل الرملى فى حاشية المنح: المعتزلى والرافضى بمنزلة أهل الكتاب حيث قال: قوله (وصح نكاح كتابية) اقول: يدخل فى هذا الرافضة بأنواعها والمعتزلة فلا يجوز أن يتزوج المسلمة السنية من الرافضى، لأنها مسلمة وهو كافر، فدخل تحت قولهم لايصح تزوج مسلمة بكافر الخ۔ وقال الرستغنى: لاتصح المناكحة بين أهل السنة والاعتزال الخ۔ فالرافضة مثلهم أو أقبح۔ والرملى جعلهم من قبيل أهل الكتاب فيجوز نكاح نسائهم ولا يجوزون

ولعله أعدل الاقوال ؛ لأنه لايشك في كفر الرافضة الخ سندي'' (تقریرات رافعی: ج۱/ ص:۲۴۶)۔

''لا تحل ذبيحة غير كتابي من وثني ومجوسي ومرتد وجبري لو ابوه سنيا ولو ابوه جبريا حلت'' (الاشباہ)۔

''الظاهر ان صاحب الاشباه أخذه من القنية ونص عبارتها بعد أن رقم لبعض المشائخ عن أبي على أنه تحل ذبيحة المجبرة إن كان أباهم مجبرة، فإنهم كأهل الذمة، وإن كان أباهم من أهل العدل لم تحل؛ لأنهم بمنزلة المرتدين'' (شامی: ج/۹ ص:۴۳۲)۔

مولانا ظفر احمد صاحب کا فتوی (امداد الاحکام: ج ۲/ص ۲۲۴-۲۲۵) اور مولانا عبدالکریم گمتھلوی کا فتوی (امداد الاحکام: ج ۱/ص ۷۸-۸۰) اور مفتی کفایت اللہ صاحب کا فتوی (کفایت المفتی: ۱/ص ۳۲۰) پر موجود ہے۔

اور اس کے برعکس علامہ شامی اپنے رسالہ ''تنبيه الولاة والحكام على احكام شاتم خير الأنام أو أحد أصحابه الكرام'' میں علامہ چلپی کا ایک سوال وجواب ''(سئل ابن الشلبي عن طائفة ينطقون بالشهادتين غير انهم لايصلون ولايصومون ويعظمون الصليب والكنائس ويتبركون بها (فاجاب) بما حاصله إن تطقوا بالشهادتين مقرين بهما في وقت ما ثم صدر منهم ما ذكر فهم مرتدون تجرى عليهم أحكام المرتدين ويجبر نساؤهم وصبيانهم المميزون على الاسلام ولا يقتلون، وإن نطقوا بهما غير منفكين عن تعظيم الصليب فهم كفار ولا ينفعهم نطقهم بهما مالم يتبرؤا عما يخالف ملة الاسلام ثم اذا حكمنا بكفرهم، فإن كانوا أهل كتاب يحل وطئ نسائهم بالنكاح وملك اليمين وإلا فلا انتهى ملخصا) '' نقل کرکے فرماتے ہیں:'' الظاهر ان الغلاة من الروافض المحكوم بكفرهم لاينفكون عن اعتقادهم الباطل في حال اتيانهم بالشهادتين وغيرهما من أحكام الشرع كالصوم والصلاة فهم كفار لا مرتدون ولا أهل كتاب، والله الموفق للصواب'' (رسائل ابن عابدین: جلد۱/ ص ۳۴۸)

علامہ شامی کی اس عبارت سے اور حضرت تھانوی، مفتی محمد شفیع صاحب، مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی، مفتی عبدالرحیم صاحب، مولانا خالد سیف اللہ صاحب وغیرہ کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں کیا جاسکتا۔

اور یہ اختلاف ایسے ہی ہے جیسے کہ شرک وکفر میں مبتلا یہود ونصاریٰ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، البتہ یہود ونصاریٰ کا باوجود شرک کے اہل کتاب میں داخل ہونا راجح ہے، اور نسلی قادیانیوں وغیرہ کا کفریہ عقائد وغیرہ کی بنا پر اہل کتاب میں شامل ہونا مرجوح ہے۔ جس کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) یہود ونصاریٰ کے عقیدہ تثلیث وغیرہ کے باوجود انکا اہل کتاب میں داخل ہونا منصوص علی خلاف القیاس ہے۔

(۲) اور منصوص علی خلاف القیاس اپنے مورد کے ساتھ خاص ہوتا ہے، اس کے حکم کا تعدیہ صحیح نہیں (یعنی اس پر کسی دوسرے کو قیاس کرنا صحیح نہیں)۔

(۳) دین محمدی کے بعد وجود میں آنے والے فرق باطلہ جو کتاب ورسالت پر بھی ایمان رکھتے ہوں ان کے اہل کتاب میں داخل ہونے پر قیاس کے علاوہ کوئی اور دلیل نہیں اور مقیس علیہ کے منصوص غیر معقول المعنی ہونے کی وجہ سے قیاس درست نہیں، لہٰذا قیاسا ان کو اہل کتاب میں شمار کرنا محل نظر ہے۔

(۴) ملحدانہ عقائد ونظریات کے تکذیب رسالت پر متضمن ہونے کی وجہ سے کفر اور حرمت نکاح اور حرمت ذبائح یقینی ہے، لہٰذا حرمت قطعیہ یقینہ دلیل ظنیہ شکیہ سے زائل نہ ہوگی۔

''(اليقين لايزول بالشك) فإذا كان جواز نكاح الكتابيات على خلاف القياس بآية المائدة أن يقتصر على الكتابيات التي علم كونهن من أهل الكتاب بالنص أو بدليل قطعي غيره'' (اعلاء السنن: ۷/ ۴۲)۔

(۵) نکاح اور ذبیحہ دونوں میں اصل حرمت ہے، لہٰذا یہ دونوں احتیاط کے متقاضی ہیں اور احتیاط ان کو اہل کتاب میں شامل نہ کرنے میں ہی ہے۔ چنانچہ مفتی رشید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ اکثر علماء شیعہ کو اہل کتاب نہیں شمار کرتے، لہٰذا احتیاط واجب ہے (احسن الفتاوی: جلد ۵ /ص ۹۰)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے دو باتیں معلوم ہوئیں: نمبر ایک: نسلی قادیانیوں کو اہل کتاب میں شامل نہ کرنا اقوی بالدلیل اور احوط ہے اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اہل کتاب میں شمولیت کا قول بلا دلیل نہیں، گو دلیل مرجوح ہے۔

بہر حال اس مسئلہ کی تحقیق و تنقیح کے لیے درج ذیل امور پر توجہ لازم ہے۔

۱...... یہود و نصاریٰ کے شرک و کفر کے منصوص ہونے کے باوجود ان کے ذبائح اور عورتوں کی حلت کا استثناء معلول بعلت ہے یا نہیں؟

۲...... اگر استثناء معلول بعلت ہے، تو وہ علت متعدیہ ہے یا نہیں؟

۳...... اور اگر اہل کتاب کا استثناء معلول بعلت ہے تو وہ علت ان فرقوں میں موجود ہے یا نہیں؟

۴...... دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد کے گئے فرق ضالہ کے کتاب و رسالت کے اقرار کے باوجود ان کے اہل کتاب میں شامل نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ کیا ان کا کفر و شرک اہل کتاب کے کفر و شرک سے زائد ہے؟ یا کم؟ زائد اور کم ہونے کی وجہ کیا ہے؟

۵...... اسی طرح بعد کے ایجاد کئے گئے فرق باطلہ کا فسادِ اعتقاد اور تحریف دین اگر اہل کتاب ہونے سے مانع ہے، تو یہی فسادِ اعتقاد اور تحریف دین و کتاب یہود و نصاریٰ کے اہل کتاب ہونے سے مانع کیوں نہیں ہے؟

اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے مذکورہ بالا امور پر غور کرنا بہر حال لازم ہے، اور صرف یہ کہہ دینے سے کہ یہ فلاں حضرت کی ذاتی رائے ہے، جس کی کوئی دلیل نہیں، اس سے نہ تو مسئلہ محقق ہوگا اور نہ ہی تشنگان طلب و تحقیق کو تشفی ہی ہو سکتی ہے اور اپنے اسلاف و مقتدیٰ جن کے دیانت، تقویٰ و طہارت علم و تحقیق کی ہم قسمیں کھاتے ہیں ان کے بارے میں اس طرح کے کلمات ہم جیسے خوردوں کے لیے ہرگز زیب نہیں دیتے، اور اگر انہیں حضرات کے فتاویٰ اپنی ذاتی رائے پر مبنی ہونے لگیں تو یہ مقولہ صادق آئے گا "چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"

نوٹ:...... اس عرض میں ذمہ داران اکیڈمی کو ترمیم و تنسیخ کا مکمل اختیار ہے۔



اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام

عرض مسئلہ: (سوال نمبر ۶-۸)

مولانا اقبال احمد قاسمی [1]

معزز حاضرین وفقہاء عابدین!

مجھے اہل کتاب سے متعلق سوالنامہ کے آخری تین سوالوں کے بارے میں عرض ومعروض کا حکم ملا ہے۔ جملہ مقالات وہی پیش نظر ہیں جنکا ذکر پیش روعارضِ محترم فرما چکے ہیں اس لئے مقالہ نگار حضرات کے اسماء گرامی حذف کرتے ہوئے عرض مسئلہ کو آگے بڑھاتے ہیں۔

اہل کتاب سے متعلق سوالنامہ کا چھٹا سوال کتابیہ سے نکاح کے بارے میں ہے اور فقہاء نے اس مسئلہ میں جو دارالاسلام اور دارالکفر کا فرق کیا ہے۔ موجودہ حالات میں مسلم ممالک اور مغربی ممالک کے حالات کے تناظر میں یہ حکم وہی رہے گا یا مختلف ہوگا (یہ سوال کا خلاصہ ہے تفصیل سوالنامہ میں ہے)۔ اس سلسلہ میں جہاں تک حقیقی کتابیہ سے نکاح کے نفسِ جواز کا مسئلہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ صحابی کی رائے مختلف رہی ہے ان کے نزدیک کتابیہ مشرکات میں داخل ہے اور ہر طرح کی کتابیہ سے نکاح ناجائز ہے۔ اس میں کوئی استثناء نہیں۔

''وكان ابن عمر يمنع نكاح الكتابيه مطلقًا حرة كانت أو أمة ذمية كانت أو حربية لاندراجها في المشركات.
وقال الله تعالى: ولاتنكحو المشركات حتى يؤمن'' (تفسیر مظہری ۲/ ۷۲)۔

جمہور صحابہ وفقہاء کے نزدیک کتابیہ سے نکاح اپنے شرائط کے تحت جائز ہے اور مشرکہ سے نکاح کی ممانعت والی آیت غیر اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے۔

''واتفق جماعة من الصحابة على إباحة أهل الكتاب الذميات سوى ابن عمر وجعلو ا قوله: ولاتنكحو المشركات، خاصًا في غير أهل الكتاب'' (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۴۰۹)۔

جمہور کے نزدیک کتابیہ سے نکاح کے جواز کیلئے ضروری ہے کہ (۱) واقعی وہ کتابیہ ہو (۲) اسلام سے مرتد ہوکر کتابیہ نہ بنی ہو (۳) نکاح طریقہ اسلام کے مطابق کیا ہو (۴) نکاح سے کوئی یقینی ضرر اسلام ومسلمانوں کو نہ ہو۔

نیز کتابیہ سے نکاح کی اجازت کے معنی یہ ہیں کہ ضرورت کے موقع پر اس جواز سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے یعنی عام حالات میں ایسے نکاح پسندیدہ نہیں فقہاء نے بلاضرورت نکاح کو خلاف اولیٰ قرار دیا ہے۔

''ويجوز تزويج الكتابيات والأولى أن لايفعل ولايأكل ذبيحتهم إلا للضرورة'' (فتح القدیر ۲/ ۳۷۲ المکتبة الاسلامیه بیروت)، علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں: ''إذا ثبت هذا فالأولى أن لايتزوج كتابية'' (المغنی ۹/ ۲۱۲ داراحیاء التراث)

امام مالک کا قول ہے: ''أكره نكاح نساء أهل الذمة اليهود والنصرانية وما احرمه'' (المدونة الکبریٰ للامام مالك بن انس ۲/ ۳۰۶)

امام شافعی کا فرمان ہے: ''أحب إلىّ لولم ينكحهن مسلم'' (الام ۵/ ۷ مکتبة الکلیات الاظهریة)۔

اگر کتابیہ حربیہ ہو تو اس سے نکاح کی کراہت اشد ہو جاتی ہے اسی لئے باتفاق فقہاء اربعہ دارالکفر میں کتابیہ سے نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

''وتاكد الكره- أى الكراهة - إن تزوجها بدار الحرب، لأن لها قوة بها لم تكن بدرالإسلام فربما ربت ولده على دينها ولم تبال باطلاع أبيه على ذالك'' (الشرح الصغير ۲/ ۴۲۰)۔

---

[1] مدرسہ مظہر العلوم ۱۳۶ / ۹۸ بیکن گنج، کانپور (یوپی)۔

کتابیہ سے نکاح کی کراہت کے اسباب بھی فقہاء نے ذکر کئے ہیں (جیسا کہ الفقہ الاسلامی ۹/ ۶۶۵۴ کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعہ ج: ۴: ص: ۷۴ مبحث المحرمات لاختلاف الدین میں ہے) جسکا خلاصہ یہ ہے۔

۱- کتابیہ، فاسقہ ہوتی ہے کم از کم فسق اعتقادی میں مبتلا ہوتی ہے جبکہ اسلام میں دیندار سے نکاح پسند کیا گیا ہے۔

۲- کتابیہ سے نکاح غیر مسلم سے مؤدت ومحبت کا سبب ہے جسکی اسلام میں ممانعت ہے۔

۳- کتابیہ اگر غیر مسلم ملک کی باشندہ ہے تو یہ نکاح دار الکفر میں قیام کا سبب بنے گا۔

۴- کتابیہ کے دین مذہب واخلاق سے خود شوہر اور اولاد وخاندان کے متاثر ہونے کا شدید خطرہ ہے، دار الحرب میں مزید برآں۔

۵- اہل اسلام کے راز غیر مسلمین تک منتقل ہونے کا خطرہ ہے۔

۶- مسلم عورتوں کے بلا نکاح رہ جانے کا سبب ہے۔

۷- دار الکفر میں کتابیہ سے نکاح مسلمانوں کا سرمایہ واملاک دار الکفر میں منتقل ہونے کا ذریعہ بنے گا۔

اس ضروری تمہید کے بعد اب جو سوال اٹھایا گیا ہے اسلامی ممالک مغربی ممالک میں کتابیہ سے نکاح کے حکم کا تو موجودہ صورتحال یعنی بدلتے ہوئے حالات اور اسکے پس منظر میں مقالہ نگار حضرات کے چار نقطہائے نظر سامنے آئے ہیں۔

(۱)......موجودہ زمانہ میں ہر قسم کی کتابیہ سے ہر جگہ نکاح مطلقاً حرام ہے خواہ دار الاسلام ہو یا دار الکفر (دونوں کے حکم یعنی عدم جواز میں کوئی فرق نہیں۔ یہ رائے ہے مولانا محمد مصطفی قاسمی آدا پوری اور ڈاکٹر مفتی شاہ جہاں ندوی کی اسی کی طرف میلان معلوم ہوتا ہے۔ مفتی محمد صاحب کیرالہ اور مفتی ابو عبداللہ عظمت اللہ کشمیری کا۔

مولانا محمد مصطفی قاسمی آدا پوری فرماتے ہیں: فقہاء نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے دار الاسلام میں مباح اور دار الکفر میں مکروہ قرار دیا ہے مگر صحیح بات یہی ہے کہ عصر حاضر میں دار الاسلام اور دار الکفر دونوں میں یہ نکاح حرام ہے شرعاً عقلاً دیانۃً سیاسۃً کسی طرح یہ جائز نہیں حتی کہ امام حرم السدیس بھی بیت اللہ میں کسی یہودیہ کا نکاح مسلمان سے پڑھائیں گے تو وہ نکاح نہیں سفاح ہوگا۔ ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ ان خبیثوں کی ازلی دشمنی سے بچنا چاہتے ہیں تو اس موقع پر تمام علماء کرام ومفتیان عظام اتفاق واتحاد کے ساتھ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے کے سلسلہ میں حرمت کا فتویٰ صادر فرمائیں اور اس سلسلہ میں پہل کریں ہمت مرداں مدد خدا۔

ڈاکٹر مفتی محمد شاہ جہاں ندوی لکھتے ہیں:

موجودہ دور میں کتابی خواتین سے خواہ یہودی ہو یا نصرانی نکاح ناجائز ہے اس لئے کہ عقد نکاح مصلحت پر مبنی عقد ہے۔

''النكاح عقد مصلحة في الأصل لاشتماله على المصالح الدينية والدنيوية'' (بدائع الصنائع ۲/ ۲۶۷ بیروت)۔

نیز قرآن کی آیت: "اليوم أحل لكم الطيبات" الاية (المائدہ: ۵) میں "الیوم" سے، سکی طرف اشارہ ہے کہ اس حالت میں کتابی خاتون سے نکاح درست ہے جس میں مرد مسلمان گھر کا مالک ہو اسکی مرضی کے مطابق گھر کا نظام چلے اور شوہر دین پسند ہو جسکی بنا پر عورت متاثر ہونہ کہ مؤثر ہونے کا رول ادا کرے لیکن موجودہ دور میں اس نکاح کا اُلٹا اثر ہو رہا ہے سو ایسی حالت میں اہل کتاب خواتین سے نکاح کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ موصوف لکھتے ہیں کسی بھی محرک کے تحت دار الکفر میں اہل کتاب سے نکاح ناجائز ہے کیونکہ ایک دو نسل کے بعد اولاد یا تو عیسائیت کے دامن میں چلی جاتی ہے یا نام کی مسلمان باقی رہ جاتی ہے جیسا کہ موجودہ امریکہ صدر بارک اوبامہ کی مثال سامنے ہے جو مسلم اور عیسائی خاتون کے نکاح کا نتیجہ ہیں۔

(۲)......دوسرا نقطہ نظر: یہ ہے کہ کتابیہ سے نکاح دور حاضر میں مکروہ تحریمی ہے دار الاسلام اور دار الکفر اب دونوں کا حکم یکساں ہے عوارض ومفاسد نقصانات ومضرات کے پیش نظر دار الاسلام میں بھی اب کراہت تحریمی ہوگئی ہے اور دار الکفر میں جو کراہت تحریمی تھی وہ برقرار ہے یہ رائے ہے ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی شبیر احمد دیولوی، مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی، مولانا احسن عبد الحق ندوی، مفتی عبد المنان آسام، مولانا محمد ارشد علی رحمانی، مولانا قمر الزماں ندوی، قاضی محمد حسن ندوی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا جمشید جوہر قاسمی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا محمد

ممتاز خاں ندوی، مفتی سلمان پالنپوری، مفتی ارشاد پالنپوری، مولانا عبید اللہ ندوی، عبید الرحیم سعادتی، مولانا محمد اکرم لوناواڑی، مفتی لطیف الرحمن ممبئی، مولانا اسرار احمد آبادی، مولانا محمد صادق مبارکپوری، مولانا شکیل سعادتی، مولانا آزاد بیگ ممبئی، مولانا فاروق گجرات، مفتی ابوحماد، غلام رسول منظور قاسمی، مولانا ارشاد اللہ قاسمی، مفتی سعد نور قاسمی کانپوری، حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مولانا مظاہر حسین عماد قاسمی کی۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی فرماتے ہیں فی زمانہ پورا عالم سلام مغرب زدہ ہے اور پورا تسلط صیہونیوں کا ہے اس لئے دار الاسلام میں بھی نکاح مکروہ تحریمی ہونا چاہئے۔ آپ نے "فقه النوازل للأقليات المسلمة" کے حوالہ (۲/ ۹۶۸) سے یورپی ممالک میں نصرانیہ سے نکاح کے برے نتائج کے واقعات بھی ذکر فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ کسی بھی مقصد کے تحت اُن سے نکاح پُر خطر ہے مفتی شبیر احمد دیولوی فرماتے ہیں تمام مفاسد کو بالائے طاق رکھ کر صرف ایک جزء دعوتِ اسلام کو مدنظر رکھتے ہوئے اتنا بڑا قدم اٹھانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اس لئے کہ یہ بات یقینی نہیں کہ وہ شادی کے نتیجہ میں اسلام کو قبول کرلے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی اسکے جال میں پھنس جائے اور ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے لہذا سدّ اللباب کتابیہ سے نکاح ناجائز ہی کہا جائے گا۔

مفتی سلطان قاسمی لکھتے ہیں کہ مقاصد شریعت میں سے حفظ دین مقدم ہے اور حفظ نفس وحفظ نسل مؤخر ہیں لہذا اس بنا پر اسکی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ جہاں تک دعوتی نقطۂ نظر کا معاملہ ہے تو اس سلسلہ میں بھی کوشش یہی ہونی چاہئے کہ وہ نکاح سے پہلے مسلمان ہوجائے یا پھر نکاح کے بعد مسلمان ہوجانے کی شرط رکھی جائے۔

مولانا عبید اللہ ندوی دامن اسلام میں داخل ہوجانے کے احتمال کو "إثمهما أكبر من نفعهما" (سورۂ بقرہ: ۲۱۹) کا مصداق قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس احتمال کی وجہ سے کراہت کا حکم بدلا نہیں جاسکتا۔

قاضی محمد حسن ندوی، مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی لکھتے ہیں:

ویزہ وغیرہ کی سہولت کی بنا پر کتابیہ سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ جب دینی اور دنیاوی غرض کا ٹکراؤ ہو تو دینی غرض کو ترجیح دینا لازم ہے یہاں مصلحت ومفسدہ کا ٹکراؤ ہے، لہذا "اذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبًا" (الاشباہ والنظائر/ ص ۳۲۲) کی رو سے یہ نکاح درست نہیں دعوتی نقطۂ نظر سے دار الحرب میں گنجائش پر قاضی حسن سوال کرتے ہیں کہ کیا اس وقت دار الحرب کا حال اچھا ہوگیا ہے؟ ساتھ ہی اس صورت میں مانع ومقتضی کا ٹکراؤ ہے، لہذا مانع کو مقتضی پر ترجیح ہوگی "إذا تعارض المانع والمقتضي فانه يقدم المانع" (الاشباہ والنظائر ۱/ ۳۹۵)۔

اکثر مقالہ نگار حضرات نے موجودہ مسلم ممالک میں کتابیہ سے نکاح کی کراہت تحریمی کی تائید میں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے جو کتاب الفتاویٰ (۴/ ۳۵۴، قاموس الفقہ) وغیرہ میں ہے کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔

(۳) تیسرا نقطۂ نظر: مقالہ نگار حضرات میں سے بعض کا نقطۂ نظر وہی ہے جو فقہاء کے یہاں پہلے سے موجود ہے یعنی دار الکفر میں کتابیہ سے نکاح مکروہ تحریمی اور دار الاسلام میں مکروہ تنزیہی۔ یہ رائے ہے مفتی عبد الرحیم قاسمی بھوپال، مفتی جعفر ملی رحمانی، مفتی اعجاز الحسن قاسمی، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا عقیل الرحمن قاسمی مفتی شوکت ثناء قاسمی مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی کی۔

مفتی عبد الرحیم قاسمی لکھتے ہیں کہ عیسائی عورتوں سے نکاح کرنا دار الکفر میں مکروہ تحریمی ہے اور دار الاسلام میں مکروہ تنزیہی

"والاولى ان لايفعل يفيد كراهة التنزيه في غير الحربية ومابعده يفيد كراهة التحريم في الحربية" (شامی ۲/ ۲۸۹)

مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی لکھتے ہیں: مقاصد خواہ ویزہ کا حصول ہو یا کچھ اور بہر صورت اس سے پرہیز لازم ہے اور جب امام محمدؒ نے فقہاء احناف کا قول دار الاسلام میں کراہت کا لکھا ہے تو دار الکفر میں بدرجہ اولیٰ کتابیہ سے نکاح مکروہ ہوگا۔ اس سلسلہ میں قبول اسلام کی بات جو کہی جاتی ہے وہ محض امکان ومظنہ ہے جبکہ اسکے مقابل مفاسد کثیر ہیں اس لئے کراہت سے خالی نہیں جیسا کہ علامہ شامی نے دار الکفر میں کتابیہ سے نکاح کو مکروہ تحریمی اور دار الاسلام میں مکروہ تنزیہی لکھا ہے۔ مولانا محمد ریاض، ارمان القاسمی نے بھی یہی بات لکھی ہے۔

مفتی شوکت ثناء قاسمی نے دار الحرب میں کتابیہ سے نکاح کے مکروہ تحریمی ہونے پر فقہاء اربعہ کے اقوال اور نکاح کے نقصانات کو ذکر کرکے

کراہت تحریمی کو مدلل کیا ہے۔ البتہ دعوتی مقصد کے تحت گنجائش کی بات بھی لکھی ہے۔

(۴)......چوتھا نقطۂ نظر: فقہاء کے بیان کردہ مذکورہ فرق وحکم کے برعکس آج کے بدلے حالات میں حکم کی تبدیلی کا ہے یعنی مصالح کی موجودگی میں دار الکفر میں نکاح کی حرمت وکراہت ختم ہوجائے گی اور دارالاسلام میں غیر معمولی نقصان کے مشاہدہ وتجربہ کی بناپر کتابیہ سے نکاح کی کراہت بڑھ جائے گی یہ رائے ہے: مولانا اختر امام عادل، مولانا زبیر احمد قاسمی، پروفیسر سعود عالم قاسمی، مفتی محمد اشرف قاسمی گونڈوی، مولانا ابوالمکارم معروفی، مفتی سید باقر ارشد بنگلوری، مفتی عابد الرحمن مظاہری بجنوری، مفتی صادق محمد پٹیل، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا اکرام الحق زبانی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا تبریز عالم دہلی، مولانا سعود عالم قاسمی، مولانا ممتاز خاں ندوی کا خیال ہے جولوگ غیر مسلم ممالک میں یہودی یا عیسائی عورتوں سے نکاح دعوتی مقصد سے اشاعت اسلام کی خاطر کرتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں اس میں اصل اعتبار نیت کا ہے: ''انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی''۔ اسلام کی دعوت اور اشاعت مسلمان کا بنیادی فریضہ ہے اس میں ہر جائز طریقوں سے مدد لینی چاہئے۔

مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی نے دار الکفر میں نیک جذبہ سے کتابیہ سے نکاح کے جواز کے لئے فقہ شافعی کی مشہور کتاب ''تحفۃ المحتاج'' سے ایک جزئیہ بھی نقل کیا ہے۔

''بحث الزرکشی ندب نکاحھا اذا رجئ بہ اسلامھا ولم یخش فتنۃ بھا بوجہ کما ھو واضح'' (تحفۃ المحتاج ۷/ ۳۲۷ فصل فی حل نکاح الکافرۃ)۔ (علامہ زرکشی نے بحث کرتے ہوئے ایسے نکاح کو مندوب کہا ہے جبکہ اسکے اسلام کی امید ہو اور کسی بھی قسم کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، جیسا کہ واضح ہے)

یہی بات مولانا ابوالمکارم معروفی نے صاحب نہایہ المحتاج کے حوالہ سے لکھی ہے:

''والأوجہ کما بحثہ' الزرکشی ندب نکاحھا کما وقع لعثمان إنہ نکح نصرانیۃ کلبیۃ فأسلمت وحسن إسلامھا (وفی حاشیۃ) قولہ ندب نکاحھا أی الذمیۃ ویظھر أن مثلھا الحربیۃ'' (۶/ ۲۹۰ دار احیا بیروت)۔

مولانا اختر امام عادل لکھتے ہیں کہ فقہاء نے دار الاسلام اور دار الحرب کا جو فرق کیا ہے وہ منصوص نہیں ہے یہ حکم معلل بالفتنہ ہے آج اگر واقعی حالات بدل جائیں یعنی دار الاسلام میں اہل کتاب سے نکاح زیادہ باعث مضرت وفساد کا باعث ہو اور اسکے برعکس غیر مسلم ملکوں میں ان سے نکاح دعوتی مقاصد کو پورا کرنے کا سبب بنے یا مسلمانوں کیلئے باعث تقویت ہو تو اصول کے مطابق حکم تبدیل ہوجائے گا۔ زیلعی لکھتے ہیں:

''وتکرہ الکتابیۃ الحربیۃ إجماعا لافتتاح باب الفتنۃ من إمکان التعلق المستدعی للمقام معھا فی دار الحرب أو تعریض الولد علی التخلق بأخلاق أھل الکفر''۔

مولانا زبیر احمد قاسمی نے یہی رائے اس عبارت کی روشنی میں اختیار کی ہے۔

مفتی محمد عثمان بستوی گورینی نے کتابیہ سے نکاح کا دار الاسلام اور دار الکفر میں مختلف صورتوں کے تحت مختلف حکم ذکر کیا ہے۔ یعنی

(۱) اگر دار الاسلام میں کتابیہ سے نکاح کیا جائے اور ملکی قانون، شخصی احوال کی بنا پر کتابیہ کے دین واخلاق سے آل واولاد کے متاثر ہونے کا نیز اسکی جاسوسی وغیرہ کا بھی ظن غالب اور یقین نہ ہو تو ایسی حالت میں کتابیہ سے نکاح کرنا مکروہ تنزیہی (خلاف اولیٰ) ہوگا۔

(۲) دار الاسلام میں کتابیہ سے نکاح کیا جائے اور ملکی قانون وشخصی احوال کی بنا پر اسکے مذہب واخلاق سے آل واولاد کے متاثر ہونے کا ظن غالب ہو، یا جاسوسی کرنے کا ظن غالب ہو تو نکاح مکروہ تحریمی ہوگا اور اگر اسباب وقرائن سے یہ خطرہ حد یقین کو پہونچا ہو تو نکاح کرنا ناجائز وحرام ہوگا۔

(۳) دار الکفر میں کتابیہ سے نکاح کیا جائے اور دار الکفر میں قیام اضطرار ومجبوری کی بنا پر ہو یا دعوت وتبلیغ کے مقصد سے ہو اور نکاح کی ضرورت حد فرض اور وجوب کو نہ پہنچی ہو اور کتابیہ سے نکاح کی مجبوری بھی نہ ہو تو اس صورت میں اس سے نکاح کرنا مکروہ تنزیہی ہوگا۔

(۴) دار الکفر میں قیام کا مقصد دعوت وتبلیغ یا اضطرار ہو اور نکاح کرنا فرض یا وجوب کے درجہ میں ہو اور مسلمہ عورت سے نکاح کی قدرت بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں بلا کراہت جائز ہے۔

(۵) دار الکفر میں قیام کا مقصد دعوت وتبلیغ اور اضطرار نہ ہو بلکہ صرف معاشی ترقی وخوشحالی مقصود ہو تو اس صورت میں نکاح فساق وفجار سے اختلاط وتکثیر سواد وغیرہ کی بنا پر مکروہ تحریمی ہوگا۔

(۶) دار الکفر میں قیام کا مقصد دعوت وتبلیغ، ضرورت اضطرار اور معاشی خوشحالی بھی نہ ہو بلکہ غرض فاسد مثلاً انکی تہذیب سے مرعوبیت ان سے محبت وغیرہ کی بنا پر ہو تو اس صورت میں نکاح سے اولاد کا متاثر ہونا ظن غالب ہی نہیں بلکہ یقین کے درجہ میں ہے لہذا ایسی حالت میں نکاح ناجائز وحرام ہوگا۔

احقر کا خیال ہے کہ دار الاسلام ودار الکفر (دار الحرب) کا جو فرق ہے وہ تقریبا مٹ چکا ہے زیادہ تر ممالک اب نہ دار الاسلام ہیں نہ دار الحرب اب اکثر سیکولر اسٹیٹ بن گئے ہیں لہذا دار کے فرق کے بجائے مصلحت وفساد پر ہی بنا رکھی جا سکتی ہے۔ اور اسکے لئے مفتی عثمان کی ذکر کردہ تفصیلات کے مطابق حکم لگانا انسب معلوم ہوتا ہے۔

سوال: ۷- قرآن مجید میں یہ بات فرمائی گئی ہے، کہ اللہ تعالی نے ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں اور ہر زبان میں اپنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ لیکن جن انبیاء اور آسمانی کتابوں کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ دوسری شخصیتوں اور کتابوں کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ کیا وہ اپنے عہد کے پیغمبر تھے اور کیا ان کے ماننے والوں کے پاس جو مذہبی کتاب موجود ہے۔ اور وہ ان کو خدائی تعلیمات کا مجموعہ قرار دیتے ہیں، کیا وہ آسمانی کتابیں ہیں جن میں تورات وانجیل کی طرح ان کے ماننے والوں نے آمیزشیں کردی ہیں، اسی سے یہ سوال ابھرتا ہے کہ ہندو مذہب کی کتابوں خاص کر ویدوں میں توحید کی واضح تعلیمات موجود ہیں آخرت کا تصور بھی ہے، یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوش خبری بھی ہے اور اس میں قریب قریب صراحت کے ساتھ آپ کے اسماء مبارکہ احمد اور محمد کا لفظ استعمال ہوا ہے تو کیا برادران وطن جن شخصیتوں کو خدا کا اوتار مانتے ہیں کیا یقین کیا جاسکتا ہے کہ یہ اپنے اپنے عہد میں اللہ کے پیغمبر رہے ہونگے اور جیسے عیسائیوں نے حضرت عیسی کے معاملہ میں مبالغہ سے کام لیا، ان کے ماننے والوں نے ان کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا ہوگا اور کیا ان کی کتابوں کو قرآن مجید کی بیشتر اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں موافقت کی بنیاد پر الہامی کتاب تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات نے ایک ہی موقف اختیار کیا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ کسی کتاب کا سماوی ہونا اور کسی شخص کا نبی ورسول ہونا یہ دونوں مسئلے اعتقادیات سے متعلق ہیں اور اعتقادیات کے لئے دلائل قطعیہ کا ہونا لازم ہے اور ہنود کی مذہبی کتب ویدوں اور ان کے مقتداؤں کے نبی ورسول ہونے پر کوئی واضح دلیل نہیں۔ "لا عبرة باالظن فی باب الاعتقادیات" (شرح عقائد مع نبراس ص: ۲۸۲)، "ای لا بد فی الاعتقادیات الدلیل الیقینی" (التعلیقات السنیہ مع شرح عقائد ص: ۳۵۲)، لہذا ادیان باطلہ (ہنود) کی کتابوں ویدوں وغیرہ کا قرآن مجید کی بہت سی اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں موافقت کی بنیاد پر ان کتابوں کو آسمانی الہامی کتاب تسلیم ویقین کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ ہی ان شخصیتوں کو پیغمبر تسلیم کیا جاسکتا ہے جن کو اہل وطن خدا کا اوتار مانتے ہیں، کسی کتاب کے منزل من اللہ ہونے یا کسی شخص کے نبی ہونے کا اعتقاد قائم کرنے کیلئے صرف امکان اور احتمال یا قرائن واشارات کافی نہیں بلکہ دلیل قطعی اور نص کا ہونا ضروری ہے۔ البتہ امکان واحتمال کے درجہ میں گمان وشک ضرور پیدا ہوتا ہے اس لئے ان کی کتب مذہبیہ اور ان کے اوتاروں کے متعلق "لا تصدقوھم ولا تکذبوھم" کا معاملہ رکھنا ہی احوط ہے اور کتاب وسنت میں غیر مذکور انبیاء وکتب پر اجمالی ایمان کافی ہے اس موقف کو مقالہ نگار حضرات نے زیادہ تر (کفایت المفتی ۱/ ۹۹، ص: ۱۰۸، امداد الفتاوی ۵/ ۴۵۰، وجلد ۶/ ۱۱۷، مفتی محمود حسن گنگوہی کی فتاوی محمودیہ: ۱/ ۴۵۵، و ۳/ ۲۱۳ مفتی شفیع صاحب کی معارف القرآن ۳/ ۲۱۳، مولانا یوسف لدھیانوی کی آپ کے مسائل: ۱/ ۳۳) کے حوالہ سے اختیار کیا ہے۔

مولانا ارشد علی رحمانی نے دار العلوم دیوبند کے ایک مدلل فتوی کا حوالہ دیا ہے لکھتے ہیں: قطعی اور یقینی طور پر یہ کہہ دینا کہ کرشن وغیرہ نبی تھے جائز نہیں ہے۔ یہ امر بذریعہ وحی کسی نبی کو ہی معلوم ہوسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تک وحی سے یہ معلوم نہ ہوا کہ فلاں شخص نبی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی نبوت کا اظہار نہ فرمایا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"لا أدری اتبع نبی ام لا" (میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھے یا نہیں؟)... "وفی معالم التنزیل بسندہ: عن ابی ھریرة قال: قال رسول اللہ ﷺ: ما ادری تبع أکان نبیًا او غیر نبی" (معالم التنزیل سورة الدخان)۔

الغرض جن انبیاء کا نام اللہ تعالی نے نہیں بتلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نبوت ظاہر نہیں فرمائی ان کی نسبت یقین نبوت کا رکھنا خلاف حکم

شریعت ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۹ / ۲۷۶)۔

مفتی سید باقر ارشد بنگلوری (موسوعہ فقہیہ کویتیہ ۲۳ / ۱۸۳) سے ایک لمبی عبارت کے بعد لکھتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے توریت کی تلاوت سے منع فرمایا تو پھر دوسری وہ کتب جو الہامی ہیں اور نہ آسمانی بلکہ ان کی صحت میں بھی شبہ ہے اور ادیان باطلہ سے منسوب ہیں ان کی تلاوت کرنا یا استفادہ کرنا کہاں سے جائز ہو سکتا ہے البتہ ان کی تحقیر و تنقیص بھی جائز نہیں۔

مولانا لطیف الرحمن بہرائچی مولانا قاسم نانوتوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ "وید کا کلام خدا ہونے کیلئے برہما کا دعویٰ پیغمبری کرنا پھر ان کا وید کو کلام خدا بتانے کے لئے روایت صحیح کی ضرورت ہے جو ان کے پاس نہیں ہے (ملخصا قبلہ نما: ۳۰)۔

مولانا شوکت شاہ قاسمی کہتے ہیں قرآن مجید کے نزول کے وقت یہود و نصاریٰ کے علاوہ ہندومت، بدھ مت، اور جین مت وغیرہ مذاہب دنیا میں موجود تھے۔ اور ان کے مذہبی کتابیں بھی موجود تھیں اسکے باوجود انکو اہل کتاب میں شامل نہیں کیا گیا اور نہ ہی ان کی کتابوں کو آسمانی اور الہامی کتاب قرار دیا گیا لہذا محض اس بنیاد پر کہ اس میں توحید و رسالت کا ذکر ہے آسمانی و الہامی کتاب قرار دینا قطعا درست نہیں ہے اور نہ اسکی ضرورت البتہ برادران وطن میں دعوت و تبلیغ کے لئے ان کی مذہبی کتابوں سے توحید و رسالت والی عبارتوں سے استفادہ جائز و درست ہے۔ مفتی محمد شاہد الہدیٰ قاسمی نے سوال میں مقدمہ الہامی پر تنقیح و توضیح فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ وحی الٰہی، کتاب الٰہی، اور الہامی کتابوں میں بڑا فرق ہے۔ شاعر کے تخیلات بزرگوں کے ملفوظات، رشیوں کے اپدیش بھی الہامی ہوتے ہیں لیکن انہیں کلام الٰہی، احکام الٰہی وحی الٰہی کے مرتبہ میں قطعا اور ہرگز نہیں رکھا جاسکتا۔ مفتی ابوتہ وغلام رسول نے بھی لکھا ہے کہ ان کتابوں کو ملہم کہہ سکتے ہیں منزل من السماء نہیں، مولانا جمشید جو برقاسمی نے بھگوت گیتا اور چاروں وید ورامائن کا تفصیلی ذکر "مجلة الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة" (ضیاء الرحمن اعظمی ۳ / ـــ) کے حوالے سے رقم فرمائی ہیں۔

اسی طرح مولانا مقام حسین عماد قاسمی نے "ہندو مذہب مطالعہ اور جائزہ" مرتبہ پروفیسر محسن عثمانی اور "ہندو دھرم ایک مطالعہ" مرتبہ محمد فاروق خان سے بہت مفید معلومات مقالہ میں جمع کی ہیں اس میں مرزا مظہر جان جاناں خواجہ حسن نظامی، امیر خسرو کے خیالات (جس سے ہندوؤں کے اہل کتاب ہونے کا شبہ ہوتا ہے) نقل کر کے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ باتیں بطور ظن کہی ہیں نہ کہ بطور یقین نیز یہ حضرات صوفی و ادیب ہیں نہ کہ مفسر ومحدث وفقیہ لہذا اس باب میں ان کا اعتبار نہیں مفتی محمد شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں۔

مشرکین عرب بھی دین ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے اور کچھ مشترک چیزیں بھی تھیں لیکن قرآن نے سختی سے ان کی تردید کی۔ مولانا قمر الزماں ندوی نے بھولا ہوا سبق یاد دلاتے ہوئے (تعلیم الاسلام کے دو سوال جواب حصہ چہارم ص: ۱۲-ص: ۱۳) سے نقل کئے جو اس موضوع پر اہم ہیں ساتھ ہی موصوف نے بہت سے مقررین وخطیب جو اپنی تقریروں میں کھینچ تان کر کے رام جی کو ابراہیم، مہا منو کو نوح قرار دیتے ہیں ایودھیا کو جودی پہاڑ کہتے ہیں اسی طرح شمس نوید عثمانی مرحوم کی کتاب، "اگر اب بھی نہ جاگے تو" کی غلطیوں کو واضح کیا ہے اور اسکے لئے مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب کا انتہائی تحقیقی مضمون کا اقتباس "مطالع علم وفکر" (ص: ۸۱-۳۸۰) سے نقل کیا ہے۔

مولانا موصوف نیز مولانا عبد الرب بانسوت وغیرہ نے اُن آیات کریمہ کے تحت جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر امت اور ہر قوم میں انبیاء بھیجے گئے مثلا انما أنت منذر ولکل قوم هاد (رعد: ۷) جن سے کا ہر ایسی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں بھی ہر زمانہ میں پیغمبر آئے ہوں گے۔

اسکی وضاحت میں معارف القرآن کے حوالے سے لکھا ہے کہ "اس آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کوئی قوم اور کوئی خطہ ملک اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور ہدایت کرنے والوں سے خالی نہیں ہو سکتا، خواہ وہ کوئی نبی ہو یا اس کے قائم مقام نبی کی دعوت پھیلانے والا ہو جیسا کہ سورہ یسین میں نبی کی طرف سے کسی قوم کی طرف پہلے دو شخصوں کو دعوت وہدایت کے لئے بھیجنے کا ذکر ہے جو خود نبی نہیں تھے۔ اور پھر تیسرے آدمی کو ان کی تائید ونصرت کے لئے بھیجنا مذکور ہے اس لئے اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندوستان میں بھی کوئی نبی ورسول پیدا ہوا ہو البتہ دعوت رسول کے پہونچانے اور پھیلانے والے علماء کا کثرت سے یہاں آنا بھی ثابت ہے۔ اور پھر یہاں بے شمار ایسے ہادیوں کا پیدا ہونا بھی ہر شخص کو معلوم ہے (معارف القرآن سورہ رعد ج ۵۔ ص: ۱۷۶)۔

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی کے فتاویٰ میں ہے کہ ولکل قوم ہاد ـ استدلال تام نہیں ہے کیونکہ اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ خبر ثانی

ہے مبتدا کی پوری آیت ہے: "إنما أنت منذر ولكل قوم هاد" (رعد: ۷) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں:

''و أخرج ابن مردويه عن ابن عباس وابن جرير عن عكرمة وأبي الضحى أن المنذر والهادى هو رسول الله صلى الله عليه وسلم ووجه ذلك بأن (هاد) عطف على (منذر) ولكل قوم هاد متعلق به قدم عليه للفاصلة'' (روح المعانی ج۱۳۔ ص: ۱۰۸)
(محمودیہ ج۱۷۔ ص: ۴۵۰)

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ (تفسیر ماجدی ج: ۲، ص: ٦٦٦) میں رقمطراز ہیں:

ولكل قوم هاد (رعد: ۷) "هاد"، لفظ ہادی عام و وسیع ہے پیغمبر کا مرادف نہیں، اسکے تحت میں نبی اور نائبان سب ہی آجاتے ہیں۔ اس آیت سے جن لوگوں نے ہندوستان میں کسی نبی کا آنا لازمی قرار دیا ہے، ان کا استدلال قوی نہیں، البتہ درجۂ احتمال میں اسکا مان لینا ضروری ہے اور اسی لئے مفسر تھانوی نے فرمایا کہ اس میں زیادہ بحث و مباحثہ غیر ضروری ہے (تفسیر سورہ رعد)، لہذا اب ہم غیر ضروری بحث سے صرف نظر کرتے ہوئے آخری سوال پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔

آٹھواں اور آخری سوال: اہل کتاب سے سماجی تعلقات کے سلسلہ میں ہے جسکے تین جزء ہیں۔

الف: عیسائی مشنریز تعلیم پر خصوصی توجہ دیتی رہی ہیں اور پورے ملک میں ان کے اسکولوں کا جال بچھا ہوا ہے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان اسکولوں سے پڑھ کر نکلنے والے طلباء و طالبات کی ایک اچھی خاصی تعداد الحاد و دہریت کا شکار ہو جاتی ہے اور ان کے ذہن میں شکوک وشبہات کے کانٹے جڑ پکڑ لیتے ہیں۔ ان حالات میں مسلمان لڑکوں و لڑکیوں کا ایسے اداروں میں داخلہ لینے کا کیا حکم ہے؟ کیا مسلمانوں کو اپنے علاقہ میں ایسے اسکولوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے تاکہ ان کے بچے عصری تعلیم سے آراستہ ہو سکیں اور ان کو روزگار کے مواقع حاصل ہو سکیں یا اس سے اجتناب کرنا چاہئے اور متبادل معیاری تعلیمی درسگاہوں کے قیام پر توجہ دینی چاہئے؟

اس سوال کے جواب میں تمام ہی مقالہ نگاران نے عیسائی مشنریز کے اسکولوں میں تعلیم کے ضمن میں پائے جانے والے برے نتائج اور دینی واخلاقی مفاسد کے پیش نظر یہی حکم لگایا ہے کہ جہاں اس بات کا قوی امکان ہو کہ وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مسلم طلباء و طالبات الحاد و دہریت کا شکار ہوں گے اور ان کے ذہنوں میں اسلام کے تئیں شکوک وشبہات کے کانٹے جڑ پکڑیں گے اور وہ صرف نام کے مسلمان رہ جائیں گے ایسے اسکول اور کالجز میں مسلمانوں کو داخلہ و تعلیم دلانا جائز نہیں، ایسے اسکولوں کی کسی قسم کی حوصلہ افزائی ناجائز اور تعاون علی الاثم ہے۔ ہمدردان قوم وملت علماء وعوام پر لازم ہے کہ اپنے اپنے علاقوں میں اس پر نظر رکھیں اور متبادل معیاری درسگاہوں کے قیام پر توجہ دیں۔

مولانا زبیر احمد قاسمی لکھتے ہیں جن مفاسد کے پیش نظر فقہاء کرام نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے وہ مفاسد (یعنی دین وایمان کا خطرے میں پڑ جانا، بچوں کے اخلاق و کردار کا بگڑ جانا وغیرہ) ان عیسائی اسکول میں بھی پائے جاتے ہیں لہذا ایسے اسکولوں میں داخلہ لینا مکروہ ہوگا۔

مولانا ارشد علی رحمانی نے ''فتاوی محمودیہ'' اور ''فتاوی دارالعلوم دیوبند'' کے فتاوی استدلال میں نقل کئے ہیں، ''فتاوی دار العلوم'' میں ہے: مسلمانوں کے بچوں کو ایسے مشن اسکولوں اور بورڈنگ ہولوں میں تعلیم دلوانا اور رکھنا درست نہیں، دوسری جگہ لکھتے ہیں: ''جبکہ وارد ہے: ''الرجل على دين خليله'' اور صحبت کے آثار مروی ہیں اور وہ بھی استاد و معلم کی صحبت وتربیت کے آثار تو کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ غیر مذہب والوں سے ناواقف اطفال کو تعلیم دلائی جائے اس سے لازمی نتیجہ یہ ہونے والا محسوس ومشاہد ہے کہ وہ اطفال خوگر اسی تربیت اور آثار کے ہونگے اور عقائد اسلامیہ میں فتور وقصور آوے گا (فتاوی دارالعلوم ۱۷/ ۲۵۲)۔

مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا اکرم لوناواڑی، مولانا ارشاد احمد قاسمی نے بھی فتاوی محمودیہ کی عبارات پیش کی ہیں (ج ۳، ص: ۳۹۰ تا ص: ۳۹۴)۔
نیز فتاوی رحیمیہ اور آپ کے مسائل وان کا حل (ج ۸۔ ص: ۱٦۹) کے حوالے نقل کئے ہیں۔

مولانا اختر امام عادل، مفتی شوکت ثنا قاسمی، مولانا ابوالمکارم معروفی نے الاشباہ والنظائر کا مشہور قاعدہ ''درأ المفاسد اولى من جلب المصالح

" سے استدلال کیا ہے، مفتی محمد حسن گوڑیتی نے اسی کے ساتھ آیت: "یایہا الذین آمنوا قوا انفسکم واہلیکم نارا الایۃ" (سورۂ تحریم: ۶) مع تفسیر اور حدیث "کل مولود یولد علی الفطرۃ" الخ (مشکوۃ باب الایمان بالقدر ص: ۲۱) اور "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ" الخ سے بھی استدلال کیا ہے۔

مولانا محمد زبیر ندوی، مولانا تبریز عالم نے بھی ان آیت واحادیث کو ذکر کیا ہے۔ مفتی جعفر علی رحمانی نے مزید استدلال میں آیت: "ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار" (ہود: ۱۱۳) مع متعلقہ تفسیر اور آیت: "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (سورۂ مائدہ: ۲) مع تفاسیر اور حدیث: "من تشبہ بقوم فہو منہم" (مشکوۃ کتاب اللباس) مع تشریح از مرقات کو ذکر کیا ہے، مفتی شبیر صاحب دہلوی نے ان آیات کے علاوہ "فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین" (سورۂ انعام: ۶۸) کو ذکر کیا ہے۔

مفتی جعفر علی رحمانی نے "الاشباہ" کے مذکورہ قاعدے کے علاوہ "کل ما ادی الی ما لا یجوز لا یجوز" (در مختار مع الشامی کتاب الحظر والاباحۃ ج ۵ ص: ۰ فصل فی اللبس) اور موسوعہ فقہیہ تعلیم الصغار (ج ۱۳ ص: ۱۲) سے بھی عبارت استدلال میں نقل فرمائی ہے نیز محمد ہمیں مولانا مقیت الشاطبی (الموافقات ج ۲ ص: ۱۱) سے "مجموع الضروریات خمسۃ وھی حفظ الدین والنفس والنسل والمال والعقل" سے بھی استدلال کیا ہے۔

مفتی محمد شاہ جہاں ندوی نے بھی اس سے استدلال کیا ہے۔ مولانا مظہر حسین عماد قاسمی نے عیسائی اسکول میں تعلیم دلانے والوں کیلئے آیت: "ان ھؤلاء یحبون العاجلۃ ویذرون وراءھم یوما ثقیلا" (دہر: ۲۷) کے ذریعہ تعبیر کی ہے، جبکہ مولانا جمشید جوہر قاسمی نے "ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم" (مسلم ۱/ ۲۲) کے ذریعہ آگاہ کیا ہے لیکن محمد ابن سیرین کا یہ قول غالبا صرف علم دین اور اخذ حدیث کے حصول کے بارے میں ہے۔

مفتی سید باقر ارشد، پروفیسر سعود عالم قاسمی، مولانا عبدالرب باسوت، مفتی صابر حسین ندوی اور احقر اقبال احمد قاسمی نے لکھا ہے کہ غیر مسلموں سے تعلیم وتعلم فی نفسہ جائز ہے اسلام نے تعلیم وتعلم کے لئے کسی مخصوص ادارے، جماعت، کالج، یونیورسٹی، ملک وشہر کی قید وبند نہیں لگائی۔ بلکہ فرمایا:

"الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن فہو احق بہا من حیث وجدہا" (ترمذی ابواب العلم ص: ۲۶۶)

آج جس تعلیم کو عصری تعلیم یا جدید تعلیم کہتے ہیں وہ اس حکمت کا مصداق ہے، اسیران بدر جو کفار تھے ان کا فدیہ مسلمان بچوں کو تعلیم دلانا طے کیا گیا تھا (مسند احمد حدیث نمبر ۲۲۱۵ بروایت عبداللہ بن عباس، سیرت النبی ج ۱ ص: ۳۴۳) بضرورت زید بن حارثہ کو یہودیوں سے عبرانی زبان سیکھنے کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا: "فامر زیدا فتعلمہا فی بضعۃ عشر یوما" (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۲ ص ۵۳۸، کنز العمال ۳۷۰۵۹)، یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ لیکن جب تعلیم میں کفر وشرک کا زہر گھول دیا جائے اور اس تعلیم کو عریانیت وفحاشی سے آلودہ کر دیا جائے ثقافت کے نام پر اسلامی تہذیب کا مذاق اڑایا جائے اور رقص وسرود کی محفل کو آرٹ اور ہنر کا درجہ دیا جائے تو کیا ایسے غیر اسلامی ماحول اور حیا سوز مخرب اخلاق لٹریچر کے ساتھ بھی مسلمان بچوں کو ایسے زہریلے اسکولوں میں خواہ وہ کتنے ہی معیاری ہوں بھیجنے کا جواز باقی رہ جاتا ہے؟ ظاہر ہے کوئی انصاف پسند اسکو جائز کہنے کی جسارت نہ کرے گا۔

مولانا عبدالرب باسوت گجرات نے حضرت تھانوی کی "امداد الفتاوی" اور اسکے بعد کتاب "مسلمان بچے اور فرنگی تعلیم" کا تتمہ "دین اسلام کی روشنی میں" کے حوالہ سے مشن اسکولوں کے ذریعہ عیسائیت کے ناپاک عزائم کو طشت از بام کرتے ہوئے حکم لگایا ہے کہ جو مباح کسی حرام کا ذریعہ بن جائے وہ بھی حرام ہوجاتا ہے اس لئے ایسے مشنری اسکولوں اور فرنگی درسگاہوں میں داخلہ لینا ناجائز وحرام ہے۔

پروفیسر مولانا سعود عالم قاسمی لکھتے ہیں مقابلہ کی دنیا میں مطلوب تو یہ ہے کہ مسلمان خود اپنے تعلیمی ادارے قائم کریں اور ان کو معیاری بنائیں، مگر جب تک ایسا نہ ہو مسلمان بچوں کو عیسائی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہوگی اور یہ والدین کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اپنے بچوں کی نگرانی کریں اور تعلیم کے لئے دین وعقیدہ کو خراب نہ ہونے دیں۔ دین برباد کر کے دنیا نہ آباد کریں۔ ورنہ

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم ☆☆☆ کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

مولانا قمر الزماں ندوی نے حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سے ایک اہم اقتباس نقل کر کے متبادل تعلیمی اداروں کے قیام کی طرف توجہ دلائی ہے (تحفۂ انسانیت)۔

مولانا محمد فاروق نے بھی مولانا تقی عثمانی کی ایک فکر انگیز تحریر ہمارا تعلیمی نظام۔ص:۱۳۱ سے نقل فرما کر عیسائی اداروں سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

لیکن ان سب کے برخلاف مولانا محمد اشرف قاسمی گونڈوی کا خیال ہے کہ کانوینٹ اسکولوں کا قیام ابتدائی دور میں اسلام کے خلاف سازش کے طور پر ہوا ہے لیکن سب کو جوڑنے اور کمائی کی سوچ سے کلی طور پر اب یہ اسکول اسلام مخالف نہیں بچے بلکہ اسلام کے لئے بطور سیڑھی استعمال ہو سکتے ہیں۔ موصوف نے ملک میں پائے جانے والے چار طرح کے نظام تعلیم (۱) مشنری اور کانوینٹ اسکولس (۲) آر ایس ایس کے اسکولس (۳) اسلامی مدارس (۴) سرکاری اسکولس کا تفصیلی تذکرہ تبصرہ تجزیہ کیا ہے۔ اور آخر میں یہ رائے بھی دی ہے کہ دعوتی ذہن کے ساتھ مشنری اسکولوں اور اسپتالوں میں خدمات انجام دینا جائز بلکہ بعض حالات میں واجب کے درجہ میں ضروری ہو جاتا ہے۔ (لیکن یہاں بات ملازمت کے بجائے اصلاح گفتگو معصوم بچوں کو محفوظ تعلیم دلانے کی ہے) جہاں تک مشنری اور کانوینٹ اسکولوں کے حقائق کی ہے اسکا ذکر مولانا عبدالرب صاحب ہانسوٹ نے ''مسلمان بچے اور فرنگی تعلیم گاہیں'' کتاب کے حوالہ سے ہو چکا ہے۔

مفتی عابد الرحمن مظاہری بجنوری نے بھی اپنے مقالہ میں عیسائی اسکولوں کے داخلی نصاب و نظام کا قریب سے جائزہ لیا ہے اور اسلام مخالف ان کے طرز عمل کو مثالوں کی روشنی میں بے نقاب کیا ہے۔ اور جو مسلم اسکول کالجز کھل رہے ہیں وہ بھی انہیں کے نقش قدم پر نظر آتے ہیں انہیں معیاری اور اسلامی اسکول بنانے کی کوشش کرنی چاہئے اسکے لئے موصوف نے لائحۂ عمل بھی پیش کیا ہے۔ قاضی حسن ندوی مدھوبنی نے بھی مفتی عتیق صاحب کی کتاب ''عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں اور مسلمان'' سے کئی اقتباسات ذکر کئے ہیں۔

مفتی عثمان صاحب گورینی جونپور لکھتے ہیں: قدرت ہو تو شرعاً مسلمانوں کے ذمہ عصری تعلیم کا قیام واجب ہے لیکن اگر کسی علاقہ یا ملک میں مسلمان اپنی انفرادی قلت یا وسائل کی کمی یا قانونی مجبوری کی بنا پر ایسی تعلیمی ادارے قائم کرنے سے عاجز و مجبور ہوں اور غیروں کے قائم کردہ تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری بقدر ضرورت عصری علوم ان کالجوں میں داخلہ لے کر حاصل کرنا جائز ہے لیکن دین وایمان کے تحفظ کے لئے ایسے بچوں کا مساجد و مکاتب کے نظام سے جوڑے رکھنا فرض ہوگا جیسا کہ آپ کے مسائل اور ان کا حل (۸/ ۱۶۹) میں ہے: اللہ تعالی نے اس عالم اسباب میں ہر چیز کا تریاق رکھا ہے جو اسکے زہریلے اور خراب اثرات کو ختم کرتا ہے دنیوی وعصری تعلیم کے زہر کیلئے صباحی ومسائی مکاتیب قرآن وحدیث کی تعلیم اور اسلامی تربیت تریاق ہے ایسے بچوں کی مساجد و مکاتب، علماء وصلحاء اور تبلیغی کاموں سے وابستگی ان کے مرض کا علاج ہے۔

آٹھویں سوال کا دوسرا جزء

(ب) کتابیہ کے حقوق سے متعلق ہے یعنی اگر اہل کتاب خاتون سے نکاح کیا جائے تو اس کے کیا حقوق ہونگے؟ کیا اسکے وہی حقوق ہونگے جو مسلمان بیویوں کے ہیں، کیا نکاح کرنے کے بعد ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنے اور ان کو چھوڑ کر بھاگ آنے یا محض غیر مسلم ہونے کی بنا پر طلاق دے دینے کی اجازت ہوگی، جو اہل کتاب خواتین مسلمان مردوں کے نکاح میں ہوں وہ اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام دے سکتی ہیں یا نہیں؟

سوال کے اس جزء میں تین بحثیں مطلوب ہیں (۱) کتابیہ منکوحہ مسلم کے حقوق (۲) کتابیہ منکوحہ کے حقوق سے فرار اور غیر مسلم ہونے کی بنا پر طلاق کا حکم (۳) کتابیہ منکوحہ کو اپنے مذہبی مراسم انجام دینے کے حدود۔ ہر ایک پر مختصر تفصیل عرض ہے۔ تمام مقالہ نگار حضرات کا کتابیہ کے حقوق کے بارے میں اتفاق ہے کہ (۱) اگر اہل کتاب خاتون سے نکاح کیا جائے اور وہ نکاح صحیح ہو تو پھر اسکے بھی وہی حقوق ہونگے جو مسلمان بیویوں کے ہیں کیونکہ حقوق نکاح کا سبب ''نکاح'' ہے اور اس سبب میں کتابیہ اور مسلمہ دونوں یکساں ہیں اور اس سلسلہ میں جو نصوص ہیں مثلاً "عاشروهن بالمعروف" (النساء ۱۹)۔ اور "لهن مثل الذی علیهن" (بقرہ۔۲۸۱) وغیرہ یہ تمام بیویوں کو شامل ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا کتابیہ: ''والکتابیة فی استحقاق النفقة علی زوجها المسلم کالمسلمة لاستوائهما فی سبب الاستحقاق'' (بدائع الصنائع ج۴ ص ۲۲ / دار الکتب العلمیه) ''الکتابیة کالمسلمة فی النفقة والقسم والطلاق وعامة احکام النکاح'' (روضۃ الطالبین۔ج۷، ص: ۱۳۶ / المکتب الاسلامی بیروت)۔

اس لئے جو بنیادی حقوقِ زوجیت ہیں مثلاً مہر، نان ونفقہ، سکنیٰ، کسوۃ، متعدد بیویوں کی صورت میں باری کی تعیین اور عدل ومساوات کا سلوک، حسن معاشرت، نیز بچوں کی پرورش کا حق (حضانت) اپنی ملکیت میں مالکانہ تصرف وغیرہ یہ سارے حقوق جیسے ایک مسلمان بیوی کے ہوتے ہیں ایسے ہی کتابی زوجہ کے ہونگے بعض مقالہ نگار مولانا شوکت ثنا قاسمی مفتی سعد نور قاسمی وغیرہ نے ہر ایک حق کی تفصیل بھی ذکر کی ہے البتہ بعض حقوق میں مسلمہ وکتابیہ میں فرق بھی ہے لیکن اکثر مقالہ نگار حضرات نے اس سے تعرض نہیں کیا ہے، البتہ مفتی سید باقر ارشد بنگلوری نے احکام الاحوال الشخصیۃ فی الشریعۃ الاسلامیہ کے حوالہ سے اس سلسلہ میں اچھی وضاحت کی ہے۔ جسکا خلاصہ یہ ہے:

(۱) مسلم عورت کے لئے عند النکاح دو مسلم گواہ ضروری ہیں مگر اہل کتاب عورت سے نکاح کے وقت دو اہل کتاب مرد بھی ہو سکتے ہیں خواہ یہودی ہوں یا عیسائی۔

(۲) مسلم زوجین کے درمیان توارث جاری ہوتا ہے جبکہ اہل کتاب عورت اپنے مسلم شوہر کی وارث نہ ہوگی اسی طرح مسلم شوہر بھی کتابیہ کا وارث نہ ہوگا کیونکہ اختلاف دین موانع ارث میں سے ہے۔

(۳) مسلم شوہر کی کتابیہ زوجہ سے پیدا شدہ اولاد مسلم قرار پائے گی اور وہ صرف اپنے باپ کے تابع ہوگی دین اور وراثت میں ماں کے تابع نہ ہوگی جبکہ زوجین مسلمین میں اولاد دونوں کی وارث ہوتی ہے اور والدین بھی اولاد کے وارث ہوتے ہیں۔

(۴) کتابیہ زوجہ مذہب تبدیل کر کے دوسرے آسمانی مذہب کو اختیار کرے مثلاً عیسائی سے یہودی بنے تو نکاح باقی رہتا ہے جبکہ مسلمہ عورت کتابیہ ہو جائے تو ارتداد کے سبب نکاح ختم ہو جاتا ہے (عربی عبارت ص: ۱۲۶۔ ج۔ ۱۔ احکام الاحوال الشخصیۃ فی الشریعۃ الاسلامیہ)۔

مولانا جمشید جوہر قاسمی نے مزید فرق یہ ذکر کیا ہے کہ کتابیہ زوجہ پر مسلم شوہر کی وفات پر احداد یعنی ترک زینت ارتداد کے سبب واجب نہیں اسی طرح لعان کے لئے اسلام شرط ہے یعنی کتابیہ زوجہ پر تہمت سے لعان نہ ہوگا۔ اگرچہ ان دونوں مسئلوں میں فقہاء کا اختلاف بھی ہے۔ جیسا کہ (شرح النووی علی مسلم ج۔ ۱۰ ص: ۱۱۲۔ الخلاصہ فی احکام الذمہ۔ ج: ۲۔ ص: ۲۱۰۔ الموسوعۃ الفقہیہ۔ ج ۳۸۔ ص: ۱۵۶) سے موصوف نے نقل کیا ہے۔

اب رہا مسئلہ کتابیہ سے نکاح کر لینے کے بعد اسکے حقوق سے جان چرانے اور ان کو چھوڑ کر بھاگ آنے یا محض غیر مسلم ہونے کی بنیاد پر طلاق دیدینے کی اجازت کا تو سارے ہی مقالہ نگار جنہوں نے اس مسئلہ کو لکھا ہے ان کی رائے یہ ہے کہ اہل کتاب خاتون سے نکاح کر لینے کے بعد حقوق سے راہ فرار اختیار کرنے اسی طرح چھوڑ کر بھاگ آنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ ”فتذروھا کالمعلقة التی لیست ذات بعل و لا مطلقة“ (تفسیرات احمدیہ ص: ۲۱۱ ومدارک)۔

البتہ طلاق دینے کے سلسلہ میں مفتی محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی، مولانا عبد الرحیم سعادتی، مولانا محمد شکیل سعادتی، مولانا ابوالمکارم معروفی وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ اسکے غیر مسلم ہونے کی بنا پر طلاق دینا جائز ہے بلکہ بعض نے مستحب لکھا ہے دلیل میں حضرت عمرؓ کے طلاق دینے کے فرمان کا ذکر کیا ہے۔ باقی کئی مقالہ نگار حضرات کا کہنا ہے کہ محض غیر مسلم (کتابیہ) ہونے کی بنا پر طلاق دینے کی اجازت ہوتی تو نکاح ہی کیوں جائز کیا جاتا اس لئے محض غیر مسلم ہونے کی بنا پر طلاق دینا جائز نہیں۔ اگر نکاح کے بعد انفرادی یا اجتماعی نقصان کا اندازہ ہو تو پھر حضرت عمرؓ کے فرمان کے مطابق عمل کرنے کا موقع ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے اسی قسم کی مصلحتوں کے پیش نظر نکاح ختم کرنے کا حکم دیا تھا تاکہ کتابیہ سے نکاح کے اقدام سے لوگ دور رہیں۔ باقی کتابیہ سے نکاح کا جواز اور پھر محض کتابیہ ہونے کی وجہ سے طلاق کی اجازت یہ تو دھوکہ اور بدعہدی معلوم ہوتی ہے جسکی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں۔

اس سوال کی تیسری بحث کتابیہ منکوحہ مسلم کو اپنے مخصوص مذہبی مراسم وغیرہ شوہر کے گھر انجام دینے کا مسئلہ ہے۔ تو مذہبی مراسم میں عبادات نماز روزہ کو اپنے مذہب کے مطابق انجام دینے کی اجازت سارے مقالہ نگار دیتے ہیں باقی صلیب پہننے، رکھنے، گرجا و معبد میں جانے، خنزیر کھانے وشراب نوشی وغیرہ کے سلسلہ میں متضاد آراء ہیں۔

مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اسرار احمد آبادی، مولانا صادق مبارکپوری، مولانا ممتاز خاں ندوی کی رائے میں خلاف اسلام کسی قسم کے مذہبی مراسم کی اسکو اجازت نہیں شوہر ”من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدیہ“ (الحدیث) پر عمل کرے گا۔

- مولانا محمد فاروق سورتی نے کتابیہ کے لئے خنزیر کھانے اور شراب نوشی کی اجازت کو بھی ثابت کیا ہے۔

"وعللوا الكراهة بأن الكتابية تشرب الخمر وتاكل الخنزير فلاتؤمن على تربية اولاده" الخ۔

- مولانا محمد اکرم لوناواڑی، مولانا عبدالرب ہانسوٹ، مفتی باقر ارشد وغیرہ نے صلیب پہننے، مسلمان شوہر کے گھر میں صلیب رکھنے کا حق بھی ذکر کیا ہے۔

"قال أحمد فى رواية: منها وقد سأله هل يمنعها أن تدخل منزله الصليب ؟ قال يأ مرها فاما أن يمنعها فلا" (احكام اهل الذمة ج:۲ص:۸۲۲)۔

لیکن شوہر کے لئے ان مذہبی مراسم میں شرکت یا کسی قسم کا عملی تعاون جائز نہیں ہے۔ نہ ہی کتابیہ کو اجازت ہے کہ وہ اپنے بچوں یا دیگر اہل خانہ کو اس میں شریک کرے مفتی شاہ جہاں ندوی لکھتے ہیں کہ شوہر کے لئے صلیب کا خود خرید کر دینا یا ان کے مذہبی تہوار پر گفٹ دینا یا مبارکباد دینا جائز نہیں، احکام اہل الذمہ لابن القیم کی لمبی عبارت ہے جس میں یہ بھی ہے: "فلايشترى لها، تخرج هى تشترى" (ج:۲ ص:۸۲۲)۔

"وأما التهنئة بشعائر الكفر المختصة به فحرام بالاتفاق" (احكام اهل الذمه ج۱۔ ص: ۴۴۱)۔

مفتی محمد عثمان بستوی کی رائے ہے کہ چونکہ مسلمان گھروں میں شعائر اسلام کو ظاہر کرنا واجب ہے، لہذا علی الاعلان کتابیہ کو مذہبی رسوم وشعائر کفر کے اظہار کی اجازت نہیں ہوسکتی البتہ اہل کتاب کے جو معابد ہیں وہاں جاکر مذہبی رسوم انجام دے سکتی ہے لیکن اس سے بھی شوہر اپنی مصالح کے تقاضے سے روک سکتا ہے موصوف نے بدائع کی لمبی عبارت پیش کی ہیں جو بلا د اسلام میں شعائر کفر کے ظہار کی ممانعت پر دال ہیں، البتہ مولانا ابوالکارم معروفی ومولانا جعفر ملی رحمانی نے صلیب کی ممانعت کا جزئیہ نقل کیا ہے:

"كماكانت نصرانية تحت مسلم لايمكنها نصب الصليب فى بيته؛ لأن نصب الصليب كنصب الصنم" (بدائع۔ ج۳۔ ص: ۸۵۔ زكريا ديوبند)۔

اوپر صلیب کی اجازت کا ذکر آچکا ہے اس عبارت میں ممانعت ہے احقر کا خیال ہے کہ اگر نصبِ صلیب اور وضعِ صلیب میں فرق رکھا جائے تو علامہ کاسانی حنفی اور ابن قیم حنبلی کی عبارتوں کا تعارض نہ رہے۔ یعنی نصب صلیب ناجائز اور وضعِ صلیب جائز رہے گا۔ واللہ اعلم

اسی طرح حقوق کتابیہ زوجہ میں مذہبی عبادت کے لئے باہر نکلنے اور شوہر کو روکنے کے حق کا مسئلہ بھی مختلف فیہ ہوگیا ہے۔ اکثر مقالہ نگاران نے احکام اہل الذمہ لابن القیم الجوزی اور المغنی لابن قدامہ حنبلی کی عبارت کی روشنی میں شوہر کو منع کرنے کا حق دیا ہے۔

"قال الامام احمد فى الرجل له المرأة النصرانية لايأذن لها أن تخرج الى عيد أو تذهب الى بيعة وله أن يمنعها ذلك" (المغنى ج۔۱۰۔ص: ۶۲۰)، "وأما الخروج الى الكنيسة والبيعة، فله منعها منه نص عليه أحمد" (ج:۲۔ ص: ۸۲۲)

- جبکہ مولانا جمشید جوہر قاسمی ارریاوی نے لکھا ہے کہ کتابیہ زوجہ کو عبادت خانوں میں جانے سے شوہر کو روکنے کا حق نہیں ہے جیسا کہ امام مالک کا قول ہے:

"ولا الذهاب الى الكنيسة" (الفقه على المذاهب الاربعه۔ ج۴: ص۴۵)۔

امام محمدؒ سے منقول ہے: "جعل من حقوق الزوجة الكتابية على زوجها المسلم أن تتمتع بالبقاء على عقيدتها والقيام بفروض عبادتها والذهاب إلى كنيستها او بيعتها" ... الخ (الخلاصه فى فقه الاقليات ج:۱۔ص:۹۷)۔

"المفصل فى شرح الأية "لااكرها فى الدين" (ج۲۔ص: ۳۳)

فتاوى الشبكة الاسلاميه میں ہے: "وليس له منعها من ذالك ولا من الذهاب للكنيسة" (ج:۹ص:۱۴۰۵)

لیکن غور کیا جائے تو مصنفین نے اپنے اپنے مذہب کے مطابق رائے کا اظہار کیا ہے اور یہ اختلاف عبارت اختلافِ مذاہب کی طرف مشیر ہے یعنی مالکی وحنفی مذہب میں کتابیہ زوجہ کو کنیسہ میں جانے سے شوہر کو روکنے کا حق نہیں ہے جبکہ حنابلہ کے یہاں اس سے شوہر کو روکنے کا حق ہے۔ اس طرح عبارتوں کا تضاد ختم ہوسکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ زوجہ کتابیہ کو ابتداءً حکمت سے دین اسلام کی ترغیب دیتا رہے اور قبول ایمان کیلئے اسکی ذہنی تربیت کرتا رہے۔ کما قال تعالی: "قوا انفسكم وأهليكم ناراً" (سورۂ تحریم: ۶) لیکن قبول اسلام پر جبر واکراہ نہ کرے، "لا اكراه فى الدين" (البقره۔ ۲۵۶)، اگر وہ مذہبی

مراسم اپنے مذہب کے مطابق انجام دینا چاہے تو اس میں تعاون دلچسپی کا اظہار نہ کرے۔ خفیہ انداز میں بلا آواز ان امور کو انجام دینے کی چھوٹ دے دے اور خود اپنے بچوں کو اس سے علیحدہ رکھے یہ معتدل طریقہ ہوگا۔

اہل کتاب سے سماجی تعلقات کے تحت سوال کا آخری جزء (ج) کے تحت ہے کہ: عیسائی مشنریز کثرت سے ہاسپٹل اور قرض مہیا کرنے والے ادارے بھی قائم کرتی ہیں یہ ادارے خدمت خلق کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ اور کم سے کم دوسروں کو انکے مذہب سے دور کردینے میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔ ایسے اداروں میں خدمت کرنے اور انکی خدمات سے استفادہ کرنے میں مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟

ظاہر ہے اسکا جواب اسکے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے اداروں میں خدمت کرنے اور انکی خدمات سے استفادہ کرنے سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہئے اکثر مقالہ نگار حضرات نے اس شق کو عیسائی مشنریز اسکول کے تحت ملاکر جواب دیا ہے۔ بعض نے مستقلاً ذکر کیا ہے کچھ نے شدت کے ساتھ منع کیا ہے بعض نے نرم لہجہ میں احتیاط کی بات کہی ہے۔ دراصل فی نفسہ مسلمانوں کے لئے یہ بات درست ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کے یہاں ملازمت کریں خود حضرت علیؓ نے ایک یہودی کے یہاں مزدوری کی (کنز العمال۔ ج۔ ۲۔ ص: ۳۲۱) (مقالہ مولانا عبدالرب ہانسوٹ)۔

حضرت خباب نے عاص ابن وائل کے یہاں لوہاری کا کام کیا۔

''قال خباب کنت رجلاً قینا فعملت للعاص بن وائل'' (بخاری ص: ۲۲۷۵) مسلم ص: ۲۰۶۲)

اسی طرح اہل کتاب سے قرض وغیرہ کا استفادہ بھی منقول ہے:

''انه ﷺ اشتری من یهودی طعامًا الی اجله ورهنه درعه'' (اخرجه البخاری فی الرهن)

اس لئے بوقت ضرورت عیسائی رفاہی اداروں میں خدمت کرنے اور استفادہ کرنے میں فی نفسہ کوئی قباحت ہے اور نہ کوئی حرج، یوں بھی مسلمان سرکاری اسپتالوں، بینکوں اور غیر مسلم ڈاکٹروں سے رجوع ہی کرتے ہیں علاج وقرض کا تعلق انسانی ضروریات سے ہے۔ مذہب کی بنا پر اس میں تفریق نہیں ہے، البتہ قرض کی فراہمی اور رفاہی خدمات کے ذریعہ خصوصاً طب کے میدان میں دعوت وتبلیغ کا اہم رول رہا ہے۔ لوگوں کی زندگی سے طبیب کا بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے اور لوگ اس سے تعلق بنا کر چلتے ہیں اور الانسان عبدالاحسان بھی ایک حقیقت ہے اس لئے ان شعبوں کو تبلیغی مقاصد کے لئے بآسانی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ امام شافعیؒ نے علم طب میں مسلمانوں کی عدم دلچسپی دیکھ کر کہا تھا کہ مسلمانوں نے علم کا تیسرا حصہ یہود ونصاریٰ کے حوالہ کرکے کھودیا ہے (مقالہ عبدالرب ہانسوٹ)۔

اس لئے اگر کوئی مسلمان ڈاکٹر عیسائی ہاسپٹل میں کام کرے تو اس کے مغلوب ہونے کا گمان کم ہے۔ باقی بیماروں یا مقروضوں میں عیسائیت کے جراثیم کی بیماری لگ سکتی ہے۔ اس لئے ''حفظ الدین ارجح من حفظ النسل'' کے قاعدے کے مطابق محتاط رویہ رکھا جائے۔ اور اگر ان اداروں میں کسی ملازم کے ذمہ کوئی ایسا کام سپرد کیا جائے یا استفادہ کے نتیجہ میں کوئی ایسا کام کرنا پڑے جس میں عیسائیت کے مشن کی اعانت یا ترویج ہو تو ایسے عمل سے اجتناب واجب اور اس میں تعاون نہ کرنا لازم ہے۔ ''ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان'' (سورہ مائدہ: ۲) اور یہ خدمت واستفادہ جب ہی جائز ہوگا جب کہ ان کے دین وشعائر کی تعظیم وتبلیغ لازم کے درجہ میں نہ ہو۔

''وهذا کله إذا کان الإیجار لعمل لایتضمن تعظیم دینهم وشعائره، فإن کانت الإجارة علی عمل یتضمن ذالك لم یجز'' (احکام اہل الذمہ۔ ص: ۸۲۲۔ جلد ۲) ن

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں اس مسئلہ کا تعلق تسبب وتعاون علی الاثم سے ہے اس سلسلے میں قول فیصل یہ ہے کہ اگر صلب عقد میں معصیت کا ارتکاب مشروط ہو یا اس محل میں معصیت کے ماسوی کسی جائز استعمال کی گنجائش نہ ہو یا قصداً ہی ارتکاب معصیت کا ہو تو اس قسم کا تعاون حرام ہے۔ رفاہی اداروں کی ملازمت وخدمت میں تعاون حرام کی یہ تینوں صورتیں عام طور پر نہیں پائی جاتیں سبب کے درجہ میں شرکت مانی جاسکتی ہے، لہذا کراہت سے خالی نہیں۔ ساتھ ہی عامۃ المسلمین کو ایمانی کمزوری کے سبب انکے دام تزویر سے بچانے کے لئے متبادل معیاری اسپتال اور رفاہی اداروں کا قیام ملی تنظیموں اور باحیثیت افراد کے ذمہ فرض کفایہ ہے۔ ورنہ عیسائیت کے فروغ کے گنہگار یہ سب لوگ بھی ہونگے۔

☆☆☆

دوسرا باب: تفصیلی مقالات

اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام

ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی[1]

۱- ابوالفتح محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر احمد الشہرستانی (۴۷۹-۵۴۸) تحریر فرماتے ہیں:

''وأهل الكتاب كانوا ينصرون دين الأسباط ويذهبون مذهب بني اسرائيل... اليهود والنصارى وهاتان الأمتان من كبار أمم اهل الكتاب والأمة اليهودية أكبر؛لان الشريعة كانت لموسى عليه السلام وجميع بني إسرائيل كانوا متعبدين بذالك، متكلفين بالتزام أحكام التوراة والإنجيل النازل على المسيح عليه السلام ولا يتضمن أحكاما ولا يستبطن حلالا ولاحراما، ولكنه رموز وامثال ومواعظ ومزاجرو ماسوا ها من الشرائع والأحكام فمحالة على التوراة كما سنبين، فكانت اليهودية لهذا القضية لم ينقادوالعيسى بن مريم عليه السلام، وادعوا عليه أنه كان ماموراً بمتابعة موسى عليه السلام وموافقة التوراة فغير وبدل وعدوا عليه تلك التغيرات،منها: تغيرا السبت إلى الأحد، ومنها: تغييراً كل لحم الخنزير، يروكان حراما في التوراة، ومنها: الختان والغسل وغير ذلك...وهم أمة موسى عليه السلام، وكتابهم التوراة، وهو أول كتاب نزل من السماء'' (الملل والنحل ۱/ ۲۰۸ تا ۲۱۰ دار المعرفة بيروت)۔

(اہل کتاب وہی ہیں جنہوں نے اسباط (اولاد یعقوب علیہ السلام) کے دین کی نصرت اور بنی اسرائیل کے مذہب کی پیروی کی...... یہود ونصاریٰ اہل کتاب میں بڑی امت ہیں، لیکن یہودی نصاریٰ سے فائق ہیں، اس لئے کہ شریعت موسوی بھی اصل تھی اور بنی اسرائیل اسی کے مطابق عمل کے مکلف تھے اور احکام تورات کے پابند بنائے گئے تھے، انجیل میں صرف رموز وامثال ومزاجر تھے اور اس میں جو کچھ احکامات تھے اس کا مدار تورات ہی تھی، اسی لئے یہود عیسیٰ علیہ السلام کا اتباع نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ نصاریٰ تو موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے مکلف ہیں، لیکن انہوں نے بہت سے احکامات جو تورات میں تھے مثلاً سبت کی عظمت کو اتوار کی جانب اور خنزیر کے گوشت کی حرمت کو حلت کی جانب منتقل کردیا وغیرہ، یہود موسیٰ علیہ السلام کی امت ہیں جن کی کتاب تورات ہے یہی وہ پہلی کتاب ہے جو آسمان سے اتری)۔

صاحب ''الجامع لأحكام القرآن'' امام ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی لکھتے ہیں:

''(والذين هادوا)نسبوا إلى يهوذ أو بوأكبرو لد يعقوب عليه السلام فقلبت العرب الذال دالا... سموا لذالك لقرية تسمى ناصرة كان ينزلها عيسى عليه السلام فنسب اليها ''عیسیٰ علیہ السلام کا نزول چونکہ قریہ ناصرہ کی طرف ہوا تھا اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے انہیں نصرانی کہا جاتا ہے (دیکھئے: ۱/ ۴۳۲ تا ۴۳۴ دار احیاء التراث العربی بیروت)۔

شیخ محمد علی صابونی ''صفوۃ التفاسیر'' (۱/ ۶۳ دار القرآن الکریم بیروت) میں تحریر فرماتے ہیں:

''(والذين هادوا) اليهود اتباع موسى (والنصارى) اتباع عيسى'' (نیز دیکھئے: المغنی مع الشرح الکبیر ۷/ ۵۰۱ مطبعہ المنار مصر)

امام محمود بن عمر الزمخشری (م ۵۲۸) لکھتے ہیں:

---

[1] شیخ الحدیث وپرنسپل، دار العلوم مئو۔

''والذین هادوا وإما معرب یهوذا کأنهم سموا باسم أکبر أولاد یعقوب علیه الصلوٰة والسلام والنصاری... سموا؛ لأنهم نصروا المسیح'' (الکشاف ۱/۱۳۶ مطبعه الاستقامة بالقاهرة)۔

تفسیر ابی سعود میں اس طرح ہے: ''والنصاری جمع نصران کندامی جمع ندمان. یقال: رجل نصران وامرء ة نصرانة... سموا بذالك، لأنهم نصروا المسیح علیه السلام أو لأنهم کانوا معه فی قریة. یقال لها: نصران فسموا باسمها'' (علی حاشیة مفاتیح الغیب المشتهر بالتفسیر الکبیر ا/ ۲۲۹۲۳۰ المطبعة الخیریة مصر)۔

نیز مختصر تفسیر ابن کثیر من عماد الدین ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر دمشقی (م ۷۷۴ھ) ''فکان إیمان الیهود أنه من تمسك بالتوراة وسنته موسی علیه السلام حتی جاء عیسی فلما جاء عیسی کان من تمسك بالتوراة وأخذ بسنته موسی فلم یدعها ولم یتبع عیسی کان هالکا، وإیمان النصاری أن من تمسك بالإنجیل منهم وشرائع عیسی کان مؤمنا مقبولا منه حتی جاء محمد ﷺ'' (۱/ ۷۱ دار القرآن بیروت)۔

یہود موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے مکلف تھے، لیکن عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بعد بھی دین موسوی پر عمل پیرا رہے، اس لئے ہلاک ہونے والوں میں شمار ہوئے اور نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے مکلف رہے، حضور اکرم ﷺ کی آمد تک، یعنی عیسائی حضور ﷺ پر اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور ﷺ دونوں پر ایمان نہیں لائے۔

صاحب سواطع الالہام لکھتے ہیں: ''والذین هادوا صاروا هودا هود هم هواهم والربط النصاری هم ربط روح الله سموا لما هم راعوه وأسعدوه والربط'' (۲۵ نولکشور)۔

علامہ شہرستانی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: ''النصاری أمة المسیح عیسی بن مریم رسول الله وکلمته علیه السلام... وکانت مدة دعوته ثلاث سنین وثلاثة أشهر وثلاثة أیام''

نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی امت ہیں...... عیسیٰ مسیح کی دعوت تین سال تین ماہ تین دن تھی، اس کے بعد شہرستانی نے عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماء کے بعد خوارین کے مابین اختلاف اور ان کی نوعیتوں کا ذکر فرما کر آخر میں لکھا ہے:

''ثم افترقت النصاری اثنتین وسبعین فرقة وکبار فرقهم ثلاثة الملکانیة والنسطوریة والیعقوبیة'' (تفصیلات کے لئے دیکھئے: الملل والنحل ا/ ۲۲۰ تا ۲۲۸ دار المعرفه بیروت)۔

''أهل الکتاب، ذهب جمهور الفقهاء إلی أن أهل الکتاب هم الیهود والنصاری بفرقهم المختلفة وتوسع الحنفیة فقالوا: إن أهل الکتاب هم کل من یؤمن بنبي ویقر بکتاب یشمل الیهود والنصاری ومن آمن بزبور داؤد وصحف إبراهیم و شیث وذلك؛ لأنهم یعتقدون دینا سماویا منزلا بکتاب'' (موسوعه فقهیه ۲۶/ ۱۴۰)۔

مولانا بدر الحسن قاسمی کی تحریر بھی اسی کے قریب ہے:

''فأهل الکتاب هو کل من یؤمن بکتاب سماوی وینتمي إلی نبی من الأنبیاء السابقین فمن یؤمن بالتوراة أو الإنجیل أو الزبور بصحف إبراهیم و شیث فهو من أهل الکتاب، وهذا ما ذهب إلیه الأحناف من الفقهاء وبنوا علیه مسائل کثیرة'' (قضایا فقهیه معاصره/ ۱۰۱، ایفا نئی دہلی، نیز دیکھئے: فقه النوازل للاقلیات المسلمة تأصیلا وتطبیقا للدکتور محمد یسری ابراہیم ۲/ ۹۳۷)

اہل کتاب وہ لوگ ہیں جو کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں اور انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کی طرف منسوب ہوں، لہٰذا جو توریت یا انجیل یا زبور یا صحف ابراہیم وشیث پر ایمان رکھتے ہوں وہ اہل کتاب ہیں، فقہاء میں سے احناف کی یہی رائے ہے، اسی پر بہت سے مسائل کی تخریج فرمائی ہے)۔

فی زمانہ عزیر یہ ہیں یا نہیں؟ اس سے قبل ابن العربی کا قول منقول ہے:

''قال ابن العربي فی شرح الترمذی: تبرأت الیهود فی هذه الأزمان من القول بأن العزیر ابن الله، وهذا

لايمنع كونه موجودا فى زمن النبى ﷺ؛ لأن ذلك نزل فى زمنه واليهود معه بالمدينة وغيرها فلم ينقل عن أحدمنهم أنهم رووا ذلك ولا تعقبه، والظاهر أن القائل بذلك طائفة منهم لا جميعهم بدليل أن القائل من النصارى: إن المسيح ابن الله طائفة منهم لا جميعهم، فيجوز أن تلك الطائفة انقرضت فى هذه الأزمان كما انقلب اعتقاد معظم اليهود عن التشبيه إلى التعطيل وتحول معتقد النصارى فى الابن والأب إلى أنه من الأمور المعنوية لا الحسية، فسبحان مقلب القلوب'' (فتح الملہم ۱/ ۱۸۹ مدینہ پریس بجنور)۔

(ابن العربی ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں کہ عصر حاضر کے یہود عزیر علیہ السلام کے ابن اللہ کے قول سے اپنی براءت ظاہر کرتے ہیں، حضور ﷺ کے زمانہ میں اس طرح کے یہودیوں کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا، نیز یہ عقیدہ یہودیوں میں سے کسی سے منقول بھی نہیں ہے، اگر یہود کا قول تسلیم کرلیا جائے تو ظاہر یہ ہے کہ اس کے قائل بعض ہوں گے نہ کہ سب، جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کے قائل بعض نصرانی ہیں نہ کہ سارے، لہٰذا یہ ممکن ہے کہ یہ گروہ فی زمانہ ختم ہو چکا ہو، جیسا کہ یہود کے ایک بڑے گروہ کا عقیدہ تشبیہ سے تعطیل کی طرف اور نصاریٰ کا عقیدہ ابن اور اب سے امور معنویہ کی جانب نہ کہ حسیہ کی جانب بدل گیا)۔

اس تحریر کے بعد علامہ عثمانی صاحبؒ رقم طراز ہیں:

''قلت: وقداخبرنى بعض كبرائنا الثقات(الى مخدومنا الحاج امير شاه خان) أنه بالغ فى تفتيش مازعمته يهودعصره فى مسئلة ابنيته عزير عليه السلام واجتهد فى تحقيقة غاية الجهد فتبرأ لحل يهودى لقيه من هذا الاعتقاد والشنيع حتى لقى بعض علمائهم ببيت المقدس وسأله فاعترف بأن فيهم شرذمة قليلة تزعم بأن عزيرا ابن الله وهم موجودون الأن، وعددهم لايزيد على مأته الف فى العالم. قال: ثم لقيت ببعض افراد تلك الفرقة وشافهتهم وهم فى نهاية من الذلة والصغار، ويقال لهم: العزيرية ولواحد بم عزيرى، فستلته فأقربما اخبرت به، وقال نؤمن بأن عزيرا ابن الله من غير شك وتردد تعالى الله عما يقول الظالمون علوا كبيرا'' (فتح الملہم ۱/ ۱۸۹)۔

الحاج امیر شاہ خاں صاحبؒ کی تفتیش سے معلوم ہوا کہ اب بھی تھوڑی تعداد میں عزیر یہ ہیں جو بدون شک وتردد عزیر علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کے قائل ہیں۔

۲۔ ''وأما الصائبون فالخلاف فى شأنهم بين وتضاربت النقول والأقوال حولهم'' (فقه النوازل للاقليات المسلمه ازڈاکٹر محمد یسری ابراہیم ۲/ ۹۳۹ ادارہ شئون الاسلامیہ دولۃ قطر)۔

ڈاکٹر صاحب کے قول کے مطابق صابئین کی بابت متضاد اقوال ہیں، علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

''فالصابئون قدخرجوا من دين أهل الكتاب لاخلاف فى أن اليهود والنصارى أهل كتاب ولأجل كتابهم جاز نكاح نساءهم وأكل طعامهم...فقال السدى: هم فرقة من أهل الكتاب، وقال ابوحنيفة: لابأس بذبائحهم ومناكحة نساءهم. وقال اسحاق بن راهويه، قال ابن المنذر: وقال اسحاق: لا بأس بذبائح الصابئين؛ لأنهم طائفة من أهل الكتاب، قال الخليل: قوم يشبه دينهم دين النصارى. وقال مجاهد والحسن وابن ابى نجيح ؛هم قوم تركب دينهم ابن اليهودية والمجوسية لاتؤكل ذبائحهم وقال الحسن ...وقتاده: هم قوم يعبدون الملائكة ويصلون إلى القبلة ويقرء ون الزبور ويصلون الخمس...والذى يحصل من مذہبهم فيما ذكره بعض علمائنا أنهم موحدون و معتقدون تأثير النجوم، وأنها فعالة، ولهذا افتى أبوسعيد الأصطخرى القادر بالله بكفرهم حين سأله عنهم'' (الجامع لاحكام القرآن ۱/ ۴۳۴-۴۳۵ داراحیاء التراث العربی بیروت)۔

''وقال ابوالعالية: قوم من أهل الكتاب ذبائحهم كذبائح أهل الكتاب... الخ'' (التفسير الكبير المسمى البحر المحيط الاثير الدين ابى عبدالله محمد بن يوسف الشهير بابى حيان ۱/ ۲۳۹ داراحیاء التراث العربی بیروت)۔

نیز ابوجعفر طبری (م۳۱۰ھ) تحریر فرماتے ہیں: ''اخبرنا ابن وہب قال: قال ابن زید فی قوله: الصابئون، قال: الصابئون دین من الأدیان کانوا بجزیرة الموصل یقولون: لا اله الا الله ولیس لهم عمل ولاکتاب ولا بنی إلاقول لا اله الا الله قال: ولم یؤمنوا برسول الله'' (جامع البیان ۱/ ۲۵۳)۔

قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی تحریر فرماتے ہیں: ''قال الکلبی: هم بین الیهود والنصاری وقال قتاده: ... هم قوم یقرء ون الزبور ویعبدون الملائکة ویصلون إلی الکعبة أخذوا من کل دین شیئا'' (التفسیر المظهری ۱/ ۷۷ زکریا بکڈپو)۔

قاضی صاحبؒ کے قول کے بموجب ہر دین سے کچھ نہ کچھ لے لیا ہے۔

''موسوعه فقهیه'' (۲۶/ ۲۹۵) پر یہ تحریر موجود ہے: ''وذکرهم المسعودی وأن لهم سبعة هیاکل بأسماء الزهره والمریخ والمشتری وزحل وغیرها وکذالك ذکرهم الشهرستانی وقداطنب''۔

سید ابوالفضل شہاب الدین محمود آلوسی (م: ۱۲۷۰) لکھتے ہیں:

''(والصابئین) هم قوم مدار مذاهبهم علی التعصب للروحانیین واتخاذهم وسائط ولما لم یتیسر لهم التقرب إلیها بأعیانها والتلقی منها بذواتها فزعت جماعة منهم إلی هیاکلها فصابئة الروم مغزعها السیارات وصابئة مغزعها الثوابت، وجماعة نزلواعن الهیاکل إلی الأشخاص التی لاتسمع ولا تبصرولاتغنی عن احد شیئا ... والإمام أبوحنیفة یقول: إنهم لیسوا بعبدة أوثان، وإنما یعظمون النجوم، کما تعظیمة الکعبة... وفی جواز مناکحتهم وأکل ذبائحهم کلام للفقهاء'' (روح المعانی ۱/ ۲۷۹ ادارة المنیریة مصر)۔

(صابی کے مذہب کی بنیادی علماء نصاری سے تعصب اور ان سے ہٹ کر بیچ کی راہ اپنا لینے پر ہے لیکن جب انہیں اس طرح تقرب حاصل نہ ہوسکا تو ان میں سے بعض نے گھبرا کر ہیکل کو ہی مشکل کشا سمجھ لیا، روم کے صابیوں نے سیارات (متحرک ستارے یعنی سورج، چاند، زہرہ، مریخ، زحل، عطارد، مشتری) کو اور بعض نے ثوابت و غیر متحرک ستارے) کو اور بعض ہیکل سے اتر کر اپنی نچلی سطح پر آ گئے کہ انہوں نے ان کو جو نہ سن سکتے اور نہ دیکھ سکتے اور نہ کسی کے کچھ کام آسکتے تھے اسے حاجت روا سمجھ لیا..... امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ وہ بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے ستاروں کی تعظیم ایسے ہی کرتے تھے جیسا کہ مسلمان کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں)۔

''موسوعہ فقہیہ'' (۲۶/ ۲۹۳-۲۹۴) پر بھی صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین و مفسرین کے اقوال بڑی تفصیل سے نقل فرمایا ہے اور وہی اقوال و آراء ہیں جو اس عاجز نے ماقبل میں نجما نجما نقل کر دیا ہے۔

جصاص رازیؒ لکھتے ہیں: ''عن مجاهد قال: الصابئون قوم من المشرکین والنصاری لیس لهم کتاب، وکذلك قول الأوزاعی ومالك بن انس... والصابئون فریقان أحدهما عبدة الأوثان والآخر لایعبدون الأوثان، ولکنهم مشرکون فی وجود آخر'' (احکام القرآن ۲/ ۱۱۲،۱۱۳)۔

صاحب کشاف کے قول کے مطابق یہودیت و نصرانیت کے درمیان ایک فرقہ ہے جو فرشتوں کی پرستش کرتا ہے۔

''وهومن صبا إذا خرج من الدین وهم قوم عدلوا عن دین الیهودیة والنصرانیة وعبدوا الملائکة'' (الکشاف ۱/ ۱۴۶ مطبعة الاستقامة بالقاهرة)۔

ان کے متعلق موسوعہ کی ایک دوسری تحریر پیش ہے: ''وأن المامون مر بدیار مضر فتلقاه الناس وفیهم جماعة من الحرنانیین فأنکر المامون زیهم فلما علم أنهم لیسوا یهودیا ولانصرانیا ولا مجوسا انظرهم الی رجوعه من سفرته وقال: إن انتم دخلتم فی الإسلام أو فی دین من هذه الأدیان التی ذکرها الله فی کتابه، وإلا امرت بقتلکم وأحل عنهم إلی أرض الروم وهی رحلته التی مات فیها... فمنهم من اسلم ومنهم من تنصر وبقی منهم شرذمة قلیله علی دینهم احتالوا بان سموا انفسهم الصابئة لیسلموا دیقوا فی الذمة وهذا لیقتضی ان هذه الطائفة لم یکن اسمهم

الصابئة اولاوانهم تسموا بذلك فى آخر عهد المامون" (موسوعه فقهيه۲۶/ ۲۹۶، ۲۹۳)۔

(مامون ارشید کا گذر دیار مضر سے ہوا تو لوگوں نے خلیفہ سے ملاقات کی، ملاقات کرنے والوں میں حرانیین کے لوگ بھی تھے (حران موصل وشام کے درمیان ہے) خلیفہ کو ان کی ہیئت عجیب سی لگی جب اسے معلوم ہوا کہ یہ لوگ نہ عیسائی ہیں نہ یہودی یا مجوسی تو اس نے اپنے سفر سے لوٹنے تک یہ کہہ کر مہلت دی کہ اگر تم لوگوں نے اسلام قبول کرلیا تو بہتر یا اللہ کے دین میں سے کسی دین کی جس کا ذکر خدا نے اپنی کتاب میں کیا ہے تسلیم نہیں کیا تو تمہارے قتل کا حکم صادر کردیں گے)۔

امام فخر الدین رازی تفسیر مفاتیح الغیب میں صابین کے تعلق سے مفسرین کے تین اقوال نقل فرماتے ہیں جن میں سے تیسرے قول کے متعلق لکھتے ہیں:

"وثالثها هو الأقرب أنهم قوم يعبدون الكواكب ثم لهم قولان: الأول أن خالق العالم هو الله سبحانه إلا أنه سبحانه أمر بتعظيم هذه الكواكب واتخاذها قبلة للصلواة والدعاوالتعظيم والثانى أن سبحانه خلق الأفلاك والكواكب، ثم إن الكواكب هى المدبرة للعالم الخ" (۱/ ۳۶۹ المطبعة الخيرية مصر)۔

ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں: "وأما الصابئون فاختلف فيهم السلف كثيرا... والصحيح فيهم أنهم إن كانوا يوافقون النصارى أو اليهود فى أصل دينهم ويخالفونهم فى فروع فهم ممن وافقوه، وإن خالفوهم فى اصل الدين فليس منهم" (المغنى مع الشرح الكبير۷/ ۵۰۱ المنار مصر)

صابین سے متعلق سلف میں بہت اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ صابی اگر یہود ونصاری کے اصل دین میں متفق ہیں، لیکن فروعات میں مخالف ہے تو انہیں میں شمار ہوگا، لیکن اگر اصل دین ہی میں مخالف ہو تو ان میں شمار نہ ہوگا۔

عبد الرحمن الجزیری لکھتے ہیں: "وعن عبدة الأوثان الصابئة وهم الذين يعبدون الكواكب ومن فهم أن مناكحتهم حلال أن لهم كتابا يؤمنون" (الكتاب الفقه على المذاهب الاربعة ۴/ ۶۳ دار الكتب العلمية بيروت)

جن حضرات نے ان سے نکاح کے جواز کا قول فرمایا ہے وہ اس صورت میں کہ ان کے پاس کتاب ہے جس پر ایمان رکھتے ہیں۔

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں: "والصحيح أنهم إن كانوا يعبدونها حقيقة فليسوا أهل كتاب، وإن كانوا يعظمونها كتعظيم المسلمين للكعبة فهم أهل الكتاب كذا فى المجتبى" (البحر الرائق۳/ ۱۰۲ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

اگر ستاروں کی پرستش حقیقت میں کرتے ہیں تو اہل کتاب نہیں، لیکن اگر ستاروں کی تعظیم ایسے ہی کرتے ہیں جیسے مسلمان کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں تو وہ اہل کتاب نہیں۔

مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی تحریر فرماتے ہیں: مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی (۱/ ۱۰۹) پر لکھتے ہیں: صابی ایک قدیم فرقہ تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں اس فرقہ کا بڑا زور تھا، شہر بابل اور نینوی کے لوگ بھی یہی مذہب رکھتے تھے یہ معلوم نہیں کہ اس گروہ کی ابتداء کب سے ہوئی اس کا اعتقاد تھا کہ خدا تعالی جو ہر مجرد ہے بندہ کی (جو مادی ہے) خدا تک کسی طرح رسائی ممکن نہیں اس کی پرستش اس کے مظاہر کی پرستش ہے پھر اس کے دو گروہ ہو گئے ایک وہ جو ستاروں آفتاب و ماہتاب اور عناصر کی پرستش کرتے تھے دوم وہ جو اصنام کو رب کا مظہر سمجھ کر پوجتے تھے، اس لئے یونان میں زہرہ وغیرہ ستاروں کے نام کے معبد بنے ہوتے تھے (معارف القرآن ۱/ ۷، ۱۴۷ مکتبہ عثمانیہ لاہور)۔

بعدہ سید قطب کی رائے عرض ہے: "صابی کون ہیں زیادہ راجح بات یہ ہے کہ صابی وہ گروہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل اپنی قوم کی بت پرستی کے بارے میں شبہ میں مبتلا ہوا اس نے صحیح عقیدے کی تلاش شروع کی اور بالآخر وہ توحید کو پا گیا یہ لوگ کہتے تھے کہ وہ حنفیت اولی (ملت ابراہیمی) کے طریقے پر خدا کی پرستش کرتے ہیں وہ اپنی قوم کی بت پرستی سے الگ ہو گئے، مگر وہ اپنی قوم کو اس کی دعوت نہ دیتے تھے اور اسی لئے انہیں صابی کہا جانے لگا (فی ظلال القرآن ۱/ ۲۰۲ ہندوستان پبلیکیشنز دہلی)۔

صابی فی زمانہ موجود ہیں یا نہیں؟ ذیل میں چند حوالے موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ گروہ نہیں ہے۔

محمد حسین ابن مسعود الفراء البغوی الشافعی (م ۵۱۶) تحریر فرماتے ہیں:

"والصابئين... قال عبد العزيز بن يحيى: انقرضوا" (تفسير البغوى المسمى معالم التنزيل ۱/ ۱۲۹ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان)

امام طبرانی آیت نمبر ۶۲ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "وقال عبد العزيز بن يحيى: قد انقرضوا فلا عين ولا اثر"۔

شیخ محمد طاہر بن عاشورؒ لکھتے ہیں:

"وكان أهل هذا الدين نبطا فى بلاد العراق فلما ظهر الفرس على إقليم العراق أزلوا مملكة الصابئين ومنعهم من عبادة الأدمان ظلمى... وأبعد على عبادة أوثانهم" (تفسير التحرير والتنوير ۱/ ۵۳۴)۔

یہی رائے واحدی کی تفسیر (بسط ۲/ ۶۱۹) پر بھی ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی بھی یہی رائے ہے وہ لکھتے ہیں:

سلف صالحین کے اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے آنے کے بعد بھی ایک ڈیڑھ سو سال تک یہ مذہب پایا جاتا تھا اور مختلف علاقوں میں شاید الگ الگ ٹکڑیوں میں آباد تھے (قاموس الفقہ ۴/ ۲۱۵)۔

ان سب کے برخلاف مولانا بدر الحسن قاسمی صاحب کی تحریر یہ ہے:

"وفى العراق وفى الوقت الحاضر أقلية من الصابئة وهم لعتيقدون بالخالق عزوجل يؤمنون بالآخرة ويدعون أنهم يتبعون لقاليم آدم عليه السلام وأن نبيهم يحيى جاء لينقى دين آدم مما علق به وعندهم كتاب سيمو به (الكانز ابرا) اى صحت آدم ومن عباداتهم الصلواة وتقتصر على الوقوف والركوع والجلوس على الأرض دون سجود ويؤدونها فى اليوم ثلاث مرات قبل طلوع الشمس وعند زوالها وقبيل غروبها ويتوجهون فى صلاتهم إلى النجم القطبى" (قضايا فقهيه معاصره/ ۱۰۲ ایفا)۔

(مولانا بدر الحسن قاسمی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ صابی اب بھی پائے جاتے ہیں جن کا دعوی ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کی تعلیمات پر کاربند ہیں اور ان کے نبی یحیی علیہ السلام ہیں جن کی بعثت آدم علیہ السلام کی تعلیمات کا تنقیہ ہے، ان کی ایک ہے جس کا نام "کانز ابرا" ہے ان کی عبادت نماز ہے، مگر نماز میں صرف رکوع وجلوس علی الارض ہے سجدہ نہیں ہے، دن میں تین بار یہ عمل ہے طلوع شمس سے پہلے زوال شمس کے وقت اور غروب آفتاب سے تھوڑا پہلے اور اس عمل میں اپنا رخ نجم قطبی (وہ دو ستارے جو شمال اور جنوب کے نقطوں کی سیدھ میں ہیں) کی طرف کرتے ہیں)۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ بھی ان کے وجود کے قائل ہیں، "عراق میں صابیوں کی اب تک تھوڑی سی آبادی ہے" (ارض القرآن/ ۲۰۵)۔

"[صابئین اپنے کو ماندین کہتے ہیں ساحل فرات پر بصرہ اور خواستان کے پاس ان کی مختصر آبادی ہے" (ارض القرآن/ ۲۰۵) اس کے بعد سید صاحب نے ان کی زبان، رسم الخط، لٹریچر، رسوم عقائد واصول مذہب وغیرہ (ص ۲۰۰ سے، ص ۲۱۶) تک بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے بعدہ ستارہ پرستوں اور صابیوں کے مابین تفریق کا ذکر ان الفاظ سے کرتے ہیں "عام ستارہ پرستوں اور صابیوں میں فرق یہ ہے کہ وہ ان ستاروں کو درحقیقت خدا سمجھتے ہیں اور صابی خدا کے اقرار کے ساتھ ان ستاروں کو خدا کا مظہر سمجھ کر ان کی عبادت وتعظیم کرتے ہیں (ارض القرآن/ ۲۱۴)۔

۳- مفتی محمد شفیع صاحبؒ (جواہر الفقہ ۲/ ۱۴۳) پر لکھتے ہیں: اگر عورت کتابیہ، یعنی یہودیہ یا نصرانیہ وغیرہ ہو تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہوسکتا ہے، اول یہ کہ وہ عام اقوام یورپ کی طرح صرف نام کی عیسائی اور درحقیقت لامذہب دہریہ نہ ہو، بلکہ اپنے مزہبی اصول کم از کم مانتی ہو اگر چہ عمل میں خلاف بھی کرتی ہو دوسرے یہ کہ وہ اصل سے ہی یہودیہ یا نصرانیہ ہو اسلام سے مرتد ہوکر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو جب یہ دونوں شرطیں کسی کتابیہ میں پائی جائیں تو اس سے نکاح صحیح ومنعقد ہوجاتا ہے، لیکن بلاضرورت شدیدہ اس سے بھی نکاح کرنا مکروہ اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے، اسی لئے فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنے کو منع فرمادیا تھا"، یہی قول (خیر الفتاوی: ۱/ ۴۵۶) پر ہے "عیسائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور یہودی حضرت عیسی علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کافر ہیں)۔

مفتی محمد کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: جو دہریہ عقیدہ رکھتے ہوں، یعنی نبوت ورسالت ہی کے قائل نہ ہوں اور نہ آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں وہ اہل کتاب نہیں (کفایت المفتی ۱/ ۱۱۰، نیز دیکھئے: فتاوی رحیمیہ ۸/ ۱۹۲، فتاوی عثمانی ۲/ ۲۵۷)۔

ان تحریروں کی روشنی میں آج کل کے یہود ونصاری کا حال واضح ہے، لہذا اہل کتاب کا سا معاملہ ان کے ساتھ نہیں ہونا چاہئے۔

۴- بہائی کے عقائد، پیدائش وعبادت وکتب سے متعلق مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: بہائی ایک گمراہ فرقہ ہے جو مرزا حسین علی بہاء کی طرف منسوب ہے، یہ ایران کے ایک گاؤں مازندان میں پیدا ہوا روس اور روسی حکمرانوں سے اس کے خاندان کے گہرے مراسم تھے، ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں جبکہ اس کی عمر ۲۷ سال تھی ایک اور مدعی نبوت "باب" کے دین میں داخل ہوگیا...... تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ ہمیشہ اس نے روس کے چشم وابرو پر مسلمانوں میں تفریق کا کام انجام دیا، ۱۸۵۴ء میں چار ماہ جیل کاٹنے کے بعد بغداد جلاوطن کردیا گیا، ۲۸ رمئی ۱۸۹۲ کو انتقال ہوا، اس کی سب سے اہم کتاب "الاقدس" ہے جو بہائیوں کے عقیدہ میں تمام آسمانی کتابوں کے لئے ناسخ ہے، صرف ۲۲ صفحات کی ہے، ان کے یہاں صبح دوپہر اور شام میں تین نمازیں ہیں اور ہر نماز میں تین رکعت، نماز میں جماعت حرام ہے، بہائیوں کے یہاں ۱۹ رماہ اور ہر ماہ ۱۹ ردن کے ہوتے ہیں، آخری ماہ کا نام "علاء" ہے، جس کا روزہ فرض ہے، لیکن روزہ میں بھی جماع کی اجازت ہے (قاموس الفقہ ۲ / ۲۳۸-۲۳۹)۔

کسی سائل نے حضرت لدھیانوی سے بہائی عقائد نقل کرکے جواب مانگا اس پر مولانا لکھتے ہیں: بہائی مذہب کے جو عقائد سوال میں ذکر کئے گئے ہیں ان کے الحاد و باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اس لئے کسی مسلمان کو ان کا مذہب اختیار کرنا جائز نہیں، کیونکہ بہائی مذہب اختیار کرنے کے بعد کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱ / ۵۵۲)۔

حاشیہ نجات پانے والے (ص ۲۱-۲۲ راز ڈاکٹر عبد اللطیف محمود آل محمود بحوالہ مفاہیم اسلامیہ از ڈاکٹر محمد ابراہیم جیوشی: ۱ / ۳۷) پر مذکور ہے: انہوں نے دعوی کیا کہ وہ خود قیوم ہیں پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر انہوں نے نبوت کا دعوی کیا اور اخیر میں ربوبیت والوہیت کا دعوی کر بیٹھا یہ بھی دعوی کیا کہ وہ حقیقۃ الہیہ کا مظہر ہیں، حقیقت الہیہ ان کے جسم میں حلول کرنے کے بعد ہی اپنے کمال کو پہنچی ہے، حضرت آدم سے لے کر تمام انبیاء تک جتنے بھی الہی ظہور رونما ہوئے وہ درحقیقت ادنی درجے کے تھے، الہی ظہور اپنے کمال کو اس وقت پہنچا جب اس نے ان کے جسم میں حلول کیا، بہاء اللہ ہمہ وقت اپنے چہرہ کو ڈھانپ کر رکھتا تھا...... اس جماعت کے متبعین بہاء کی عبادت کرتے ہیں، عبادت کے وقت وہ ان کی قبر کی جانب رخ کرتے ہیں...... یہ حضرات طلوع شمس زوال شمس اور غروب شمس کے وقت ۹ رکعتیں نماز پڑھتے ہیں، یہ حضرات ۹ کے عدد کو مقدس مانتے ہیں، کیونکہ بہاء حروف کا مجموعہ ۹ ہے، بہاء اللہ کی زندگی میں ان کا قبلہ اس کا محل تھا اور موت کے بعد ان کی قبر ہوگیا، زکوۃ اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس سو مثقال سونا ہو، زکوۃ ۱۹ مثقال لی جاتی ہے، ایک مرد دو عورتوں سے شادی کرسکتا ہے، مرد کے لئے ماں کے علاوہ کوئی عورت حرام نہیں، جہاد حرام ہے، بابیہ کی طرح یہ لوگ بھی آخرت کا انکار کرتے ہیں، ان کے یہاں بہت ساری تاویلات ہیں جو آخرت کے انکار پر مبنی ہیں، نیز قادیانی کے عقائد اس طرح ہیں: ۱- حضرت عیسی علیہ السلام اپنے جسم کے ساتھ آسمان پر نہیں اٹھائے گئے، بلکہ ان کی روح آسمان پر اٹھالی گئی اور ان کے جسم کو ہندوستان میں دفن کردیا گیا بعد کو انہون نے پھر دعوی کیا کہ حضرت مسیح کی روح ان کے اندر سما گئی، ۲- انہوں نے یہ بھی دعوی کیا کہ وہ مہدی منتظر ہیں، ۳- کسی بھی احمدی کی نماز غیر احمدی کے پیچھے نہیں ہوگی، ۴- احمدی خاتون کی شادی صرف احمدی سے ہوسکتی ہے (حاشیہ نجات پانے والے، ۱۹-۲۰، از ڈاکٹر عبد اللطیف محمود آل محمود بحوالہ مفاہیم اسلامیہ از ڈاکٹر محمد شامہ: ۱ / ۷۰)۔

بابیہ فرقہ جس کے متعلق علی محمد شیرازی کا یہ دعوی تھا کہ وہ اس امام غائب کا باب ہے جس کا شیعی فرقوں کو انتظار ہے ان کے عقائد یہ ہیں:

۱- اللہ تعالی انسان میں حلول کرجاتا ہے، ۲- یہ حضرات آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں ۳- موت کے بعد دوبارہ زندگی جنت وجہنم اور آخرت کے حساب وکتاب پر یہ حضرات ایمان نہیں رکھتے، ۴- انہوں نے پنج وقتہ نمازوں کو بھی منسوخ کردیا، ۵- ان کے یہاں مرد اپنی بیوی کو ۱۹ رطلاقیں دے سکتا ہے، اس کی مدت عدت ۱۹ ہے، ۶- اگر کوئی عورت بیوہ ہوجاتی ہے تو اس کی عدت کی مدت ۹۵ دن ہے، ۷- میراث کا حق سات لوگوں کو حاصل ہے، بیٹے اور بیٹیا بغیر کسی تفریق کے شوہر اور بیوی ماں اور باپ بھائی، بہن (حاشیہ نجات پانے والے بحوالہ مفاہیم اسلامیہ از ڈاکٹر محمد ابراہیم جیوشی: ۱ / ۶۴)۔

قرآن میں قادیان کا ذکر ہے، کہتا ہے اور یہ بھی مدت سے الہام ہوچکا ہے "إنا أنزلناه قريبا من القاديان" (قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ از پروفیسر الیاس برنی ۳۶۳)، مریم کی طرح عیسی کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا...... اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں بذریعہ اس الہام کے مجھے مریم سے عیسی بنادیا گیا پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا (بحوالہ کشتی نوح: ص ۴۷، روحانی خزائن: ۱۹/۵۰ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)۔

۱۲۲۷ صفحات پر مشتمل پروفیسر الیاس برنی نے قادیانی مذہب کا محاسبہ کیا ہے جو پڑھنے کے لائق ہے جوں جوں پڑھتے جایئے مرزا صاحب کے ہفوات

کا پتارہ کھلتا جاتا ہے، اسی لئے مولانا محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں: ''قادیانیوں کا حکم مرتد کا ہے...... قادیانیوں سے رشتہ ناتا جائز نہیں، جس طرح کسی سکھ اور ہندو سے جائز نہیں اسی طرح کسی قادیانی سے بھی جائز نہیں (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵ / ۷۳-۷۴)۔

سکھ مذہب:

سکھ مت اس بات کا قائل ہے کہ خدا اپنے نیک بندوں کو بھیجتا ہے اور ان کے منہ میں اپنا کلام ڈالتا ہے یہ لوگ سکھ مت میں گرو کہلاتے ہیں، سکھ مت میں گرو کا تصور اسلام کے تصور رسالت کے کافی قریب ہے، لیکن اسلام میں حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری رسول ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا، جبکہ سکھ مذہب میں دسویں گرو گوبند سنگھ جی آخری گرو ہیں (قرآن مجید اور عصر حاضر/۲۱۹)۔

نانک جی کی تعلیمات میں توحید کا تصور جگہ جگہ ملتا ہے، لیکن ساتھ ہی تناسخ ارواح (آواگون) کے بھی قائل ہیں، جو اسلامی نقطہ نظر سے درست نہیں، اسلام اور سکھ مت کا نقطہ دنیا کے بارے میں کافی حد تک ایک دوسرے کے قریب ہے (قرآن مجید اور عصر حاضر/ص ۲۱۸ تا ۲۳۲)۔

ان تحریروں کی روشنی میں عاجز کی رائے یہ ہے کہ قادیانی، بہائی، بابی کے کفر میں شبہ نہیں ہونا چاہئے ہاں سکھوں کے بارے میں توقف معلوم ہوتا ہے۔

۵- اگر اس کے عقائد قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ یا احمدی فرقہ کے مطابق نہ ہوں اور ان عقائد باطلہ سے براءت کرتے ہوئے ''یومنون بنبی ویقرون بکتاب منز من اللہ'' کا قائل ہے تو اہل کتاب میں شمار کرنے کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔

۶ الف، ب- کتابیہ سے نکاح:

اولا چند تحریریں پیش ہیں جن سے بعض مطلقا اور بعض غیر حربیۃ کی قید اور شرط کے ساتھ جواز کو بتلاتی ہیں تو بعض بلا ضرورت شدیدہ کتابیہ سے نکاح کو منع کرتی ہیں، موفق الدین محمود بن قدامہ (م ۶۳۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:-

''لیس بین أهل العلم اختلاف فی حل حرائر نساء أهل الکتاب، وبه قال سائر أهل العلم'' (۷/ ۵۰۰)۔

''النکاح الکتابیة جائز للمسلم سواء کانت حربیة أو غیر حربیة'' (فتاوی تاتارخانیہ ۳/ ۷۰) مسئلہ ۱۸۱۷۔

''وجائز للمسلم نکاح الکتابیة وهی الیهودیه والنصرانیة بالزواج'' (محلی لابن حزم ۹/ ۴۴۵ منیریہ مصر)۔

''والأولی أن لایتزوج کتابیة ولا یأکل ذبائحهم إلا لضرورة. وفی المحیط یکره تزوج الکتابیة الحربیة... وفی الخانیة تزوج الحربیة مکروه، فإن خرج بها إلی دار الإسلام بقی النکاح'' (البحر الرائق ۳/ ۱۰۳،۱۰۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

جصاص رازی لکھتے ہیں: ''یکره تزوج نساء أهل الحرب من الکتابیات'' (احکام القرآن ۱/ ۳۳)۔

حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ لکھتے ہیں:

''وأکره نکاح أهل الحرب ولو نکح وهو مسلم حربیة کتابیة لم افسخه وإنما کرهته؛ لأنی أخاف علیه هو أن یفتنه أهل الحرب علی دینه أو یظلموه، وأخاف علی ولده أن یسترق أو یفتین عن دینه'' (الام ۵/ ۷۶ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت الامام فرماتے ہیں اہل حرب سے نکاح کو میں مکروہ سمجھتا ہوں، لیکن اگر مسلمان نے حربیہ سے شادی کرلی تو میں اس نکاح کو فسخ نہیں کرتا، مگر مکروہ سمجھتا ہوں، اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حربیہ شوہر کو اس کے دین پر ثابت قدم رہنے پر فتنہ میں ڈال دے یا اہل حرب اس پر ظلم کرنے لگیں یا اس کی اولاد کو زبر کر کے انہیں دین سے باز رکھا جائے، حضرت امام شافعیؒ نے جو اندیشہ ظاہر فرمایا تھا وہ حقیقت بن کر بکثرت پیش آرہا ہے۔

فقہ النوازل للاقلیات المسلمة تأهیلا وتطبیقا میں ڈکتور محمد یسری ابراہیم لکھتے ہیں: ''حدث أحد الباحثین المقیمین فی الغرب فقال صدیق لی: تزوج بامرأة ألمانیة نصرانیة ولم یکن حسن الالتزام بدینه وکانت هی أیضا بعیدة عن دینها ویسر الله لهذا الرجل أن تعرف علی المسلمین الملتزمین وعلی المسجد حتی أصبح من أراده وأصبح داعیته للاسلام وکان له من زوجته خمسة أولاد لاتجاوز أعمارهم السبع سنوات... الخ'' (فقہ النوازل ۲/ ۹۶۸، ۹۶۷)۔

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مسلمان نے جرمنی کی نصرانیہ سے شادی کی جس کے بطن سے پانچ اولادیں ہوئیں، مسلمان ان بچوں کو مسجد لے جاتا، اسلام سکھلاتا، عورت کا دل اس سے کڑھتا رہتا اور وہ اسلام سے شدید نفرت کرنے لگی حتی کہ طلاق کا مطالبہ کر بیٹھی اور طلاق کا فیصلہ بھی ہو گیا اور عدالت نے باپ کو بچوں سے ہفتہ میں صرف ایک دن ملاقات کا وقت دیا، اب یہ عورت قانوناً پانچوں بچوں کی دیکھ ریکھ کرنے لگی اور اسے حق حضانت حاصل ہو گیا اور وہاں کے قانون کے اعتبار سے شوہر کے نصف مال کی بھی حقدار ہو گئی، اب آزادی سے اسے کنیسہ لے جاتی سور کا گوشت کھلاتی ہے، اور اسلام سے تنفر کرنے کی پوری کوشش وسعی کرتی ہے۔

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ بھی ڈاکٹر صاحب موصوف نے ذکر فرمایا ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد (جبکہ شوہر کے ورثاء مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہتے تھے) المانی قانون کے مطابق عورت کی بات مانی جاتی ہے، لہٰذا مسلمان شوہر نصاری کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا:

"فأراد أهله وأصدقاه دفنه في مقبرة المسلمين فرفضت زوجة وأحدت على أن يدفن في مقابر النصارى... فلم تقبل ودفن في مقابر النصارى، فالزوجة في القانون الألماني هي التي تأخذ القرار وليس لأهله أو اسرته حق في التدخل بهذا الشأن" (فقه النوازل للاقليات المسلمه ۲/ ۹۶۸)۔

انہیں وجوہات کے باعث حضرت مفتی نظام الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں: لیکن فقہاء کرام نے دوسرے دلائل سے حربی کتابیہ سے نکاح کو مکروہ تحریمی فرمایا ہے، اس لئے کہ اس سے فتنہ کے دروازے کھلنے کا خوف ہے، اس لئے اگر ہو سکے تو مسلمہ بنا کر نکاح کرے، ورنہ احتیاط کرنا اولی ہے۔

(منتخبات نظام الفتاوی ۲/ ۷۷-۷۸)۔

فی زمانہ پورا عالم اسلام مغرب زدہ ہے اور پورا تسلط صہیونیوں کا ہے اس لئے دار الاسلام میں بھی نکاح مکروہ تحریمی ہونا چاہئے، جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں: موجودہ حالات میں مسلم ملکوں میں بھی ایسی عورتوں سے نکاح کراہت سے خالی نہیں، علامہ شامی نے ان سے نکاح کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے،

"يفيد كراهة التنزيهية في غير الحرب"۔

علامہ شامی نے یہ بات اپنے عہد کے لحاظ سے فرمائی ہے موجودہ دور میں عرب حکمرانوں اور اعلی عہدیداروں کی زوجیت میں یہودی اور عیسائی خواتین کے رہنے نے ایسے فتنے پیدا کئے ہیں، اور عالم اسلام کو ایسا ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے کہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مغربی تہذیب کے اس دور میں مسلم ملکوں میں کتابیہ عورتوں سے نکاح مکروہ تحریمی ہوگا (کتاب الفتاوی ۴/ ۳۵۴-۳۵۵)، اس لئے امکانی پہلو کی بنیاد پر احکام کو بدلا نہیں جا سکتا۔

۷- ہندو مذہب کی مقدس شخصیات و کتابیں:

مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: "کرشن جی کو نبی کہنا بے دلیل اور بے ثبوت ہے، وید کا الہامی کتاب ہونا بے ثبوت ہے..... زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کرشن جی کی تعلیم صحیح اور ان کے افعال انبیاء علیہم السلام کے افعال کی طرح جادہ نبوت کے موافق تھے تو ممکن ہے کہ وہ نبی ہوں، لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ نبی تھے" (کفایت المفتی ۱/ ۱۲۹)۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی اسی سوال کے جواب "کیا گوتم بدھ کو پیغمبروں میں شمار کر سکتے ہیں" میں لکھتے ہیں: "قرآن وحدیث میں کہیں اس کا ذکر نہیں آیا، اس لئے ہم قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے شرعی حکم یہ ہے کہ جن انبیاء کرام علیہم السلام کے اسماء گرامی قرآن میں ذکر کئے گئے ہیں ان پر تو تفصیلاً قطعی ایمان رکھنا ضروری ہے، اور باقی حضرات پر اجمالاً ایمان رکھا جائے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱/ ۸۸، نیز دیکھئے: فتاوی محمودیہ ۱/ ۴۵۲-۴۵۳، کتاب الفتاوی از مفتی محمد اسماعیل بھڈ کودروی ۱/ ۱۸۲)۔

اب رہا کہ ذوالکفل کپل وستو کا معرب ہے تو اس کی تردید سید محمود آلوسی نے کر دی ہے۔

"وفي تسمية ذي الكفل أقوال مضطربه لا تصح" (روح المعانی ۱۷/ ۶۷)۔

بدھ کا عقیدہ ناخدا پرستی بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پرستش نہ کر کے بھی نجات مل سکتی ہے، حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو یہ فلسفہ سانکھیہ کی بنیادوں سے ملتا جلتا نظر آتا ہے..... بدھ مت کا سب سے بڑا نظریہ یہ ہے کہ غیر شادی شدہ زندگی ہی زندگی کی سب سے بڑی نیکی ہے (مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا/ ۲۳۹)۔

ایک مقالہ پر موصوف لکھتے ہیں: خدا کی ہستی کے بارے میں مہاتما بدھ خاموش رہے مسئلہ تناسخ یا آواگون کو قبول کیا (ہندو مذہب مطالعہ اور جائزہ از پروفیسر محسن عثمانی ندوی/ص ۴۷)۔

بدھ مت اور جین مت دونوں اہنسا کے قائل ہیں، ایک جگہ پروفیسر محسن عثمانی ندوی لکھتے ہیں: رشیوں یا کسی رشی کا اکتسابی کلام جس کا اپنا وجود مشکوک ہو اور جس کی ذات میں پاکیزگی اور صداقت کا ثبوت نہ ملتا ہو واضح، شفاف اور اعلی کلام کے مقابل کیسے ہوسکتا ہے، یا ان کا ئناتی صداقتوں کا کیسے حامل ہوسکتا ہے جو قرآن حکیم میں مذکور ہے (ہندو مذہب، مطالعہ اور جائزہ/ص ۳۵-۳۶ یونیورسل پیس فاؤنڈیشن دہلی)۔

مذاہب عالم اور اسلام از متین طارق باغپتی مطبوعہ مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، مذاہب عالم ایک معاشرتی وسیاسی جائزہ از احمد عبد اللہ المسدوسی مکتبہ خدام ملت کراچی پاکستان بھی رشی منی، اوتاروں کے تعلق سے مفید و معلوماتی بحث کرتی ہیں۔

۸- الف: متبادل معیاری تعلیم گاہوں کا نظم کر لینا چاہئے، بصورت دیگر دینی تعلیم کے حصول کی بھر پور کوشش کرنی چاہئے، چاہے کسی دینی ادارہ سے وابستہ ہوکر یا گھر پر یا جہاں کہیں ہوں راسخ العقیدہ اور متدین عالم سے دین و ایمان کی بقا کی خاطر تعلیم حاصل کرتے رہیں یعنی صلابت ایمانی اور بقاء روحانی کی جو بھی ممکن صورت ہو اپنایا جائے۔

ب- حضرت امام شافعیؒ کتاب الام (۵/ ۲۲ مکتبہ عباس احمد الباز مکہ مکرمہ) پر تحریر فرماتے ہیں:

''وله عليها ماله على المسلمة. إلا أنهما لايتوارثان باختلاف الدينين، فإن طلقها أو آلى منها أو ظاهرا وقذفها لزمه في ذلك كله ما يلزمه في المسلمه إلا أنه لأحد على من قذف كتابيته ويعذر وإذا طلقها فله عليها الرجعة في العدة وعدتها عدة المسلمة... وله جبرها على الغسل من الحيضته ولا يكون له إصابتها إذا طهرت من الحيض حتى تغتسل. لأن الله عز وجل يقول: ''حتى يطهرن'' فقال بعض أهل العلم الفرة... الخ''

(شوہر پر عورت کتابیہ کی وہی ذمہ داری ہوگی جو مسلمہ کی ہے مگر یہ کہ اختلاف فی الدین کی وجہ سے وراثت کے دوران مستحق نہ ہوں گے، طلاق دینے، ایلاء کرنے، ظہار کرنے اور تہمت لگانے پر وہی احکامات ہوں گے جو مسلمہ کے ہیں الا یہ کہ جس نے کتابیہ پر تہمت لگائی ہے اس پر حد قذف کا اجراء نہ ہو کر اس کی تعزیر کی جائے گی، کتابیہ جب تک حیض سے فراغت کے بعد غسل نہ کر لے استمتاع نہیں کرے گا اسے غسل پر مجبور کرے گا)۔

ابن قدامہ بھی یہی کہتے ہیں: ''وللزوج إجبار زوجته على الغسل من الحيض والنفاس مسلمة كانت أو ذمية حرة كانت أو مملوكة؛ لأنه يمنع الاستمتاع الذي هي حق له'' (المغني مع الشرح الكبير ۸/ ۱۳۰، ۱۲۸ مکتبہ منار مصر)۔

لیکن حنابلہ سے دوسرے قول کے بموجب جبر نہیں کرے گا، یہی مسلک امام مالک اور سفیان ثوری کا بھی ہے۔

''فأما الذمية ففيه روايتان إحداهما له إجبارها عليه؛ لأن كمل الاستمتاع تعيف عليه... والثانية ليس له اجبارها عليه، وهو قول مالك والثوري؛ لأن الوطئ لايقف عليه. فإنه مباح بدونه وللشافعي قولان كالروايتين''۔

حنابلہ کی طرح شافعیہ کے بھی دو اقوال ہیں، نیز اس بابت حنفیہ کے بھی دو اقوال ہیں:

''وله أن يجبرها على الغسل من الجنابة والحيض والنفاس. إلا أن تكون ذميته'' (البحر الرائق ۳/ ۲۲۱ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان. فتاوی ہندیہ ۱/ ۳۴۱)

لیکن فرید الدین ابن العلاء اندرپتی دہلوی تاتارخانیہ میں یوں نقل کرتے ہیں:

''ولأجل أن يأمر جارية الكتابية بالغسل على الجنابة. ويجبرها على ذلك والمرءة الكتابيه إذا كانت تحت مسلم على هذا القياس'' (مسئلہ ۶۲۶۰، ۴/ ۲۰۶)۔

باری کے تعلق سے عالمگیری میں اس طرح ہے: ''ومما يجب على الأزواج للنساء العدل والتسوية بينهن فيما يملكه والبيتونة عندها للصحبته والمؤانسة لافيما لايملك وهو الحب والجماع... فيسوى بين الجديدة والقديمة والبكر والثيب

والصحیحه والمریضه والرتقاء والمجنونة التی لایخاف منها والحائض والنفساء...وکذا بین المسلمه والکتابیة. کذا فی السراج الوهاج'' (۱/ ۳۴۰ دار الکتاب دیوبند)۔

''والقسم بین الحرائر علی السواء سواء کن مسلمات أو کتابیات، وفی السراجیة: وإن کانت إحداہما مسلمه والأخری کتابیته فکذلك'' (الفتاوی التاتار خانیه لاندریتی دہلوی ۴/ ۸۶،۴/ ۳۵۹)۔

''ویقیم لزوجته الأمة لیلة وللحرة لیلتین، وإن کانت کتابیة'' (مغنی مع الشرح الکبیر ۸/ ۱۲۸)۔

''الجوہرۃ النیرۃ'' میں اس طرح ہے: ''وإذا کان لرجل امرء تان حرتان فعلیه ان یعدل بینهما فی القسم بکرا کانتا أو ثیبتین أو احداہما بکرا والأخری ثیبا، أو کانت إحداہما حدیثة والأخری قدیمة وسواء کن مسلمات أو کتابیات أو احداہما مسلمه والأخری کتابیة، فإنه ینبغی أن یعدل بینهما فی المأکول والمشروب والملبوس'' (۲/ ۹۴ مکتبه حقانیه پاکستان)۔

ج-حضرت امام مالکؒ کے نزدیک کتابیہ عورت کو شوہر ہر اس چیز پر جو اس کے مذہب میں حلال نہیں اس پر مجبور نہیں کرسکتا۔

''ونص المالکیة علی أنه لایجوز للمسلم إکراہ زوجته الکتابیة علی ما لا یحل لها فی دینها'' (موسوعه فقهیه ۳۵/ ۳۱۰)۔

شافعیہ کے یہاں کتابیہ کی خنزیر کے گوشت کے نہ کھانے پر مجبور کیا جائے، کیونکہ شوہر کو اس سے تنفر ہوگا جس سے کمال تمتع میں رخنہ پڑسکتا ہے، برخلاف مالکیہ کے شوہر گرجا اور یہودیوں کے معبد خانہ میں جانے سے عورت کو روکے گا، اسی طرح عید نصاریٰ کی طرف جانے سے بھی، شوہر جنیؤ خرید کر کتابیہ کو نہیں دے گا عورت خود جا کر خریدے گی

''وأما الخروج إلی الکنیسة والبیعة فله منعها منه نص علیه احمد فی روایة یعقوب بن نجتان فی الرجل تکون له المرءۃ النصرانیة لایأ: فإن لها فی الخروج إلی عید النصاری أو البیعة...ولیس ومنعها من صیامها الذی تقتعد وجوبه...ولامن صلاتها فی بیته إلی الشرق، ولیس له منعها من قراءۃ کتابها إذا لم ترفع صوتها به'' (احکام اہل الذمه لابن القیم الجوزی ۲/ ۸۱۹ تا ۸۲۳ نیز دیکھئے: کتاب الام ۵/ ۱۳)۔

عورت کے مذہب میں جس روزہ کا وجوب ہو اس سے شوہر منع نہیں کرے گا اسی طرح گھر کے اندر مشرق کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے ساتھ ہی اگر تورات وانجیل بلند آواز سے نہ پڑھے تو اس کی قراءت کی بھی اجازت ہے، حنابلہ کے یہاں اسے سنیچر کے دن کی عظمت سے بھی روکا نہیں جائے گا۔

''نص الحنابله علی أنه لایکره المسلم امرأته الیهودیة علی إفساد یوم السبت مع تاکد حقه'' (الموسوعة الفقهیه ۳۵/ ۳۱۰)

واضح ہو کہ یہودیوں کے مقدس دنوں میں اہم دن سبت ہے، یہودیت نے دنیا کو ہفتہ کے چھ دن کام اور ساتواں دن عبادت اور آرام کے لئے مخصوص کردینے کی تعلیم دی، سبت جمعہ کو غروب آفتاب سے شروع ہوتا اور ہفتہ کو غروب آفتاب تک جاری رہتا، جمعہ کی رات کو سبت کا آغاز شراب یا روٹی پر دعا پڑھنے اور گھر کی عورتوں کے ہاتھوں میں سبت مشعلوں کی روشنی اور رحمت سے ہوتا ہے، روایتی اعتبار سے ہفتہ کا بہترین کھانا جمعہ کی شام کو پیش کیا جاتا ہے، رجعت پسند اور راسخ العقیدہ یہودی ہفتہ کی صبح میں کنشت (یہود ونصاریٰ کا معبد) کا اہتمام کرتے اور تورات کا ہفتہ وار حصہ تلاوت کرتے ہیں، سبت کے موقع پر راسخ العقیدہ یہودی آتش بازی، گاڑیوں میں سفر کرنے، تمباکو نوشی، رقم ساتھ لانے یا کسی بھی قسم کی محنت مزدوری سے منع کرتے ہیں (مذاہب عالم کا انسائیکلو پیڈیا/ ۱۰۶-۱۰۷، البلاغ پبلیکیشنز دہلی)۔

مولانا سید جلال الدین عنصر عمری صاحب فرماتے ہیں: نکاح اور ازدواجی تعلق کے معاملہ میں ذمی اسلامی قانون کے پابند نہیں ہوں گے، انہیں اپنے مذہب اور روایات پر عمل کی آزادی ہوگی (تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث: ۸۳) معلوم ہوا کہ کتابیہ کو اس کے مذہبی مراسم کی ادائیگی سے روکا نہیں جاسکتا۔

د-اگر کسی اور جگہ سے قرض مل سکتا ہو تو وہاں سے لیں بصورت دیگر اس شخص کو اجازت ہونی چاہئے جو اپنے دین میں پختہ اور راسخ العقیدہ ہو یہی حکم ملازمت کا بھی ہوگا، دوسری جگہوں پر تلاش معاش کی کوشش کی جائے، ناکامی کی صورت میں اجازت ہونی چاہئے پھر بھی دیگر جگہوں پر کوشش جاری رکھی جائے کامیابی پر ادارے سے علی الفور مستعفی ہوجائیں۔ ☆☆☆

اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی[1]

اہل کتاب کی تعریف کیا ہے؟

علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں: "وفی "التبیین: ثم کل من یعتقد دینًا سماویًا، وله کتاب منزل کصحف إبراهیم وشیث وزبور داؤد فهو من أهل الکتاب" (البحر الرائق ۲/ ۱۸۲ زکریا دیوبند)۔

("تبیین" میں لکھا ہے کہ جو شخص آسمانی شریعت کا اعتقاد رکھتا ہو اور نازل شدہ کتاب جیسے صحیفۂ ابراہیم وشیث اور زبور داؤد پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اہل کتاب تسلیم کیا جائے گا)۔

"وفی "فتح القدیر" الکتابي من یؤمن بنبي ویقرر بکتاب" (البحر الرائق ۲/ ۱۸۲)۔

(اور فتح القدیر میں ہے کہ جو شخص کسی نبی پر ایمان رکھتا ہو اور خدائی کتاب کا اقرار کرتا ہو وہ کتابی، یعنی اہل کتاب ہے)۔

صابئین سے کون لوگ مراد ہیں؟

اس سلسلے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی نہایت محققانہ جامع مانع تحریر کافی ہے۔

"الصابئون"۔ صابي کے لفظی معنی ہیں جو کوئی بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں آجائے یا اس کی طرف مائل ہوجائے۔

"قال أبو اسحق الزجاج: الصابئون الخارجون من دین إلی دین (تاج) قیل: لکل خارج من الدین إلی دین آخر صابي" (راغب) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں صابي اس لئے کہا جانے لگا تھا کہ آپ نے دین قریش کو چھوڑ کر دین اسلام اختیار کیا ہے۔

"وکانت العرب تسمّي بالنبي صلی الله علیه وسلم الصابي؛ لأنّه خرج من دین قریش إلی دین الإسلام"۔

اصطلاح میں صابیؤن (SABIANS) کے نام کا ایک مذہبی فرقہ جو عرب کے شمال ومشرق میں شام وعراق کی سرحد پر آباد تھا، یہ لوگ دین توحید اور عقیدۂ رسالت کے قائل تھے، اس لئے اصلاً اہل کتاب تھے، انھیں کو "نصارائے یحییٰ" بھی کہا جاتا تھا، گویا نسبت ایک پیغمبر حضرت یحییٰ کی جانب رکھتے تھے، حضرت عمرؓ جیسے مبصر ونکتہ رس خلیفۂ راشد اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے محقق صحابی نے صابیؤں کا شمار اہل کتاب میں کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال مانا ہے۔

"قال عمر بن الخطاب وابن عباس: هم قوم من أهل الکتاب، وقال عمر تحل ذبائحهم مثل ذبائح أهل الکتاب" (معالم)۔

اور اہل لغت بھی اسی طرف گئے ہیں، تابعین میں سے متعدد اکابر ان کے اہل کتاب یا موحد ہونے کے قائل ہیں:

"هم طائفة من أهل الکتاب (ابن جریر عن السدّی) فرقة من أهل الکتاب (ابن کثیر عن ابی العالیة والربیع بن انس والضحاك والسدّی والاسحاق بن راهویه"

ابن زید ان کے موحّد ہونے کے قائل تھے، اور قتادہ اور حسن بصری سے تو یہاں تک منقول ہے کہ اہل قبلہ تھے اور نماز پانچ وقت کی پڑھتے تھے۔ (ابن جریر) اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ جو خود بھی عراقی تھے، اس لئے صابیؤن سے براہ راست واقفیت کا موقع رکھتے تھے، ان کا فتویٰ ہے کہ

---

[1] شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ یوپی۔

ان کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور ان کے ہاں کی عورتوں سے نکاح بھی جائز۔ اور یہی قول بعض اور قدیم فقہاء اُمت کا ہے:

''ولهذا قال أبوحنيفة واسحاق: لا بأس بذبائحهم ومناكحتهم'' (ابن کثیر)

''قال أبوحنفية: لا بأس بذبائحهم ونكاح نسائهم'' (قرطبی)۔

تاریخ ایران پر ایک مستند مستشرق کی کتاب کا فرنچ سے اردو ترجمہ ابھی حال ہی میں سامنے آیا ہے (انجمن ترقی اردو، دہلی) اس کے صفحہ ۷۴ پر فاضل مترجم شیخ محمد اقبال مرحوم پرنسپل اورینٹل کالج لاہور، لفظ مینڈین (MANDAEAN) پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مینڈین بہ زبان آرامی بمعنی اولوالعلم، اس فرقہ کے لوگ عراق میں اب بھی موجود ہیں اور صابئون کہلاتے ہیں، وہ لوگ اگرچہ عیسائی نہیں ہیں، تاہم جان دی بپٹسٹ کو مانتے ہیں۔ عراق میں عوام الناس ان کو حضرت یحییٰ کی امت کہتے ہیں'' (ایران بعہد ساسانیان)۔

اور یہاں خود قرآن مجید ان کے نام کا عطف دو (۲) اہل کتاب قوموں پر کررہا ہے، یہ خود ایک قرینہ ان کے اہل کتاب اور اہل توحید ہونے کا ہے۔ ''جیوش انسائیکلو پیڈیا'' میں ان کے لقب ''نصارائے یحییٰ'' کو اگرچہ ایک غلط تسمیہ ٹھہرایا گیا ہے، تاہم یہ تصریحات اس میں درج ہیں:

''مینڈینہ (MANDAEAN) مشرقی مذہبی فرقہ ہے جس کے عقائد واعمال مسیحیوں، یہودیوں اور مشرکوں کے دین کا مخلوطہ ہیں، یہ لوگ جنوبی بابل، یعنی واسط وبصرہ کے علاقہ میں خوزستان کے قریب آباد ہیں اور مقامی زبانیں، یعنی عربی وفارسی بولتے ہیں، ان کے مذہبی نوشتے آرامی زبان میں ہیں جو بابل کے تالمود سے قوی مشابہت رکھتی ہے۔ یہ اپنے کو دوسرے فرقوں کے سامنے صابی ہی کہتے ہیں'' (تفسیر ماجدی ۸/ ۲۸۸)۔

اسی میں آگے ہے کہ یہ لوگ اگرچہ اور انبیاء برحق حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ وغیرہ کے منکر ہیں، لیکن حضرت یحییٰ کی نبوت کے قائل ہیں۔ ''انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس'' میں اس فرقہ کی تاریخ عقائد وغیرہ پر مقالہ بڑی ہی شرح وبسط کے ساتھ ہے (جلد ۸/ ص ۳۸۰/ تا ص ۳۹۲)، ان کا دوسرا لقب مغتسلہ بھی لکھا ہے کہ یہ غسل اور بپتسمہ اور پانی میں غوطہ دینے کے بہت قائل ہیں۔ ان کی تعداد قریب چار ہزار کے بیان کی ہے۔ نماز ان کے ہاں پانچ وقت کی فرض ہے، تین باردن میں اور دوبار رات میں اور ان کا قبلہ قطب تارہ یا سمت شمال ہے۔ ''چیمبرس انسائیکلو پیڈیا'' (نیوایڈیشن) میں ان کی آبادی عراق میں چھ ہزار بیان کی گئی ہے (جلد ۷/ ص ۵۰۷) (تفسیر ماجدی ص ۱۵۱/ ۱۵۲/ ج ۱/ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ)۔

اس تحقیق سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ ہندوستان کے قدیم ہندو کہلانے والے باشندے خواہ وہ آرین نسل سے تعلق رکھتے ہوں 'صابی' قرار نہیں دیئے جاسکتے، کیونکہ یہ ایک مستقل علیحدہ نام کی قوم ہیں۔ اور بعض عقاید واعمال کی صابی قوم سے مشابہت محض اتفاقی امر ہے جس سے وہ صابئین میں شامل نہیں ہوسکتے اور ان پر ''اہل کتاب'' کا اطلاق بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مذکورہ بالا تحقیق کے مطابق صابی قوم کا مقام رہائش، ان کی زبان، ان کا قبلۂ صلوٰۃ، ان کا نبی، ان کی تعداد اور ان کا ''اہل کتاب'' ہونا سب کچھ معلوم ہے، جبکہ ہندو قوم کے بارے میں یہ ساری چیزیں غیر متعین نامعلوم اور مجہول ہیں۔

یہاں یہ بھی قابل غور ہے کہ صابئین مذکورہ بالا تحقیق کے مطابق، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ ... کو نبی نہیں مانتے تھے۔ اس بنا پر انھیں حضرت نوحؑ کی قوم بتانا صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ شمس نوید عثمانی صاحب مرحوم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے (دیکھئے: ''اگر اب بھی نہ جاگے تو'' ص ۴۱)

بلکہ اس کے بالمقابل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام پیدائش ''اُر'' کی نسبت سے آریہ اور موہن جوڈارو کے کھنڈرات کی کھدائی سے دونوں تہذیبوں کے قریبی روابط اور ہندو دھرم گرنتھوں میں خانہ کعبہ کے تذکرے کو دیکھتے ہوئے انھیں قوم ابراہیم علیہ السلام میں شامل کیا جائے تو یہ زیادہ قرین قیاس ہوسکتا ہے، تاہم اس کی صحت پر اصرار نہیں کیا جاسکتا۔

رہ گیا حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد کہ:

''مسیح ضرور ایسے بزرگ تھے جنھوں نے اس تعلیم کو غیر اسرائیلی لوگوں میں بالفاظ دگر صابئین یا آرین قوموں میں بھی پہنچانے کی کوشش کی''

(رسالہ الفرقان بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر ص ۴۰۲-۳۰۳)۔

اور اس تحریر سے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا ہندو قوم کو یہ لکھ کر ''صابی'' قرار دینا کہ:

''ایران اس زمانے میں آرین، یعنی صابی قوموں کا مرکز بن چکا تھا۔ اس سے پہلے ہندوستان کو یہ مرکزیت حاصل تھی''۔

(رسالہ الفرقان، بریلی شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۱۰ / از مضمون مولانا عبید اللہ سندھیؒ)۔

تو یہ ان کی انفرادی رائے قرار دی جاسکتی ہے جس کی پشت پر مضبوط تاریخی شواہد موجود نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اگر چہ یہ خیال تو ظاہر کیا کہ:

مغضوب اور ضال جس طرح اہل کتاب میں ہیں۔ اپنی مزاجی کیفیت کی بناء پر وہی صورتیں متابعۃ ''شبہ اہل کتاب'' میں بھی ہیں جن کی دو جماعتوں سے ہم کو قرآن نے واقف کرایا ہے اور وہ مجوس اور صابئین ہیں جن میں ایران قدیم اور ہند قدیم کے باشندے بھی داخل ہیں۔

(ماخوذ از خطبہ صدارت مولانا سید سلیمان ندوی سالانہ اجلاس جمعیۃ علماء بمبئی فروری ۱۹۴۵ء بحوالہ حکومت الٰہیہ اور علماء مفکرین ص ۲۱۲ / مرتبہ ابو محمد امام الدین رام نگری، مطبوعہ مکتبہ نشاۃ ثانیہ حیدر آباد ۱۹۴۶ء)۔

مگر وہ ہندو قوم کو زیادہ سے زیادہ ''شبہ اہل کتاب'' کے ذیل میں ہی لاسکے اور اپنی دوسری عظیم تصنیف ''سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں ''اہل کتاب'' اور ''شبہ اہل کتاب'' میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھا:

''شبہ اہل کتاب، یعنی وہ لوگ جو قرآن اور توراۃ و زبور کو نہیں مانتے ،مگر وہ خود ان کے علاوہ کسی آسمانی کتاب پر ایمان لانے کے مدعی ہیں، جیسے ''صابی'' جو ایک آسمانی کتاب رکھنے کے دعویٰ کے باوجود ستاروں کو پوجتے تھے۔ اور مجوسی ،یعنی پارسی جو ایک آسمانی کتاب رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی سورج، آگ اور دیگر مظاہر قدرت کی پرستش کرتے ہیں۔ ترکستان اور سندھ کی فتح کے موقع پر علمائے اسلام نے ان ہی پر قیاس کر کے ہندوؤں اور بودھوں وغیرہ کو بھی اس صنف میں داخل کیا۔ ان دو باتوں کے علاوہ اہل کتاب کے بقیہ تمام حقوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عطا کئے ہیں۔ وہ اسلامی حکومتوں میں ادائے جزیہ کے بعد ہر قسم کے ملکی حقوق میں شریک ہیں۔ ان کی جان ومال وآبرو اور ان کے معبدوں کی حفاظت اسلامی حکومتوں کا فرض ہے۔

(سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۱۱ ج ۴ ر مکتبہ مدنیہ ۱۷ / اردو بازار لاہور)۔

اس تحریر کو بہت غور سے پڑھئے۔ اس میں سید صاحب نے علماء اسلام کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ انھوں نے صابی اور مجوس پر قیاس کر کے ہندوؤں اور بودھوں کو شبہ اہل کتاب قرار دیا ہے اور یہ قطعی اصولی بات ہے کہ مقیس اور مقیس علیہ میں فرق ہوتا ہے، دونوں ایک نہیں ہوتے۔ چنانچہ یہاں صابی اور مجوس مقیس علیہ ہیں اور ہندو اور بودھ مقیس ہیں۔ لہٰذا دونوں الگ قومیں ہیں۔ اور یہی سید صاحب کی رائے ہے، جیسا کہ ان کی تحریر سے ظاہر ہے۔ اب اس تحریر کی روشنی میں خطبہ صدارت والی عبارت کو پڑھئے تو صاف ہو جائے گا کہ ان کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مجوس اور صابئین کی جن دو جماعتوں سے قرآن نے واقف کرایا ہے وہ شبہ اہل کتاب کے حکم میں ہیں اور اسی حکم میں ایران قدیم اور ہند قدیم کے باشندے بھی داخل ہیں۔ یہاں یہ معنی بالکل نہیں ہے کہ ایران قدیم اور ہند قدیم کے باشندے صابی ہیں۔ اگر ایسا ہو تو دونوں تحریروں میں تضاد پیدا ہو جائے گا جو سید صاحب جیسے بالغ نظر مؤرخ ومحقق کے شایان نہیں۔

عہد حاضر کے یہود ونصاریٰ کے ساتھ دینی معاملات:

اس سوال کا واضح جواب مفتی محمود حسن صاحبؒ نے دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''آج کل کے عیسائی عامۃً مذہب کے منکر ہیں۔ کسی کتاب اور دین کے قائل نہیں، نہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے۔ لہٰذا اس کا حکم اہل کتاب کا نہیں'' (فتاویٰ محمودیہ ص ۳۱۴، ج ۲۔ مطبوعہ دیوبند)۔

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''آج کل کے اکثر عیسائی اور یہودی دہریہ ہیں اور دہریہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی عیسائی یا یہودی عورت کے بارے

میں تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ یہ دہریہ نہیں تو اس سے نکاح ہو جائے گا۔ مگر دوسرے خطرات کی بناء پر اس سے پرہیز واجب ہے، مثلاً اولاد کے کافر ہونے کا سخت خطرہ ہے بلکہ خود شوہر کا دین بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ علاوہ ازیں ایسی عورتیں جاسوسی کا کام کرتی ہیں لہٰذا یہ ملک کی سالمیت کے لئے بہت خطرناک ہیں (احسن الفتاویٰ ص ۹۰ / ج ۵ / دار الاشاعت دیوبند)۔

علامہ ابن نجیم نے تحریر فرمایا: "وفی فتح القدیر، الکتابي من یومن بنبي ویقر بکتاب" (البحر الرائق ۳/ ۱۸۲)۔

اس سے واضح ہوا کہ جب اہل کتاب وہی ہو سکتا ہے جو کسی نبی کو مانتا ہو اور اللہ کی نازل کردہ کتاب کا اقرار کرتا ہو۔ اور موجودہ دور کے یہود و نصاریٰ دونوں عقیدوں سے خالی ہیں تو اصولی طور پر نہ ان سے نکاح درست ہے نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے۔

بابی، بہائی، سکھ اور قادیانی کیا ان کا شمار اہل کتاب میں ہوگا؟

جواب یہ ہے کہ: مذکورۂ بالا سارے فرقے نزول قرآن اور ظہور اسلام کے بعد کی پیداوار ہیں اور اپنے باطل معتقدات کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ یہ لوگ اگر قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہوں اور محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہوں تب بھی اپنے باطل نظریات اور قرآن اور محمد ﷺ سے متعلق اپنے اضافی افکار و غیر اسلامی کشف و الہامات اور ان ہی پر مشتمل کتاب کے دعوے دار ہونے کے سبب قطعی طور پر "زندیق" اور کافر ہیں۔ وہ ہرگز اہل کتاب میں شامل نہیں ہیں۔ خواہ یہ نسلی طور پر بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی ہوں یا بعد میں ان فرقوں میں شامل ہوئے ہوں۔ ان سے رشتۂ نکاح قائم کرنا اور ان کا ذبیحہ کھانا قطعی حرام ہے۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ کمال ابن الھمامؒ کی "فتح القدیر" کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"ویدخل فی عبدة الأوثان عبدة الشمس والنجوم والصور التی استحسنوها، والمعطلة والزنادقة والباطنیة والاباحیة" (البحر الرائق ص ۱۸۱/ ج ۳/ مطبوعہ زکریا دیوبند)۔

(بت پرستوں میں سورج اور چاند کو پوجنے والے اور اپنی پسندیدہ مورتیوں کو پوجنے والے اور فرقہ معطلہ، زندیق، باطنیہ اور اباحیہ فرقے سب بت پرست مشرکین میں داخل ہیں)۔

مذکورہ بالا باطل فرقوں کے زمرۂ زندیق میں شامل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اصطلاح شریعت میں زندیق کی جو تعریف بیان کی گئی ہے وہ پورے طور پر ان فرقوں پر صادق آتی ہے۔ یہاں کچھ اہم حوالے ملاحظہ فرمائیں:

علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں:

"وإن کان مع اعترافه بنبوة النبی ﷺ وإظهاره شعائر الإسلام یبطن عقائد هی کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق" (شرح المقاصد ص ۲۶۹/ ج ۲)۔

(اور اگر محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اعتراف اور شعائر اسلام کے اظہار کے ساتھ ہی ایسے عقیدے چھپائے رکھتا ہو جو بالاتفاق کفر ہیں تو ایسے شخص کو خاص طور پر زندیق کہا جائے گا)۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تحریر فرمایا:

"وإن اعترف به ظاهرًا لکنه یفسر بعض ماثبت من الدین ضرورة بخلاف مافسره الصحابة والتابعون واجتمعت علیه الأمة فهو الزندیق" (المسویٰ شرح الموطا ص ۱۳۰/ ج ۲)۔

(اور اگر وہ ظاہری طور پر دین حق کا اعتراف کرتا ہو، مگر وہ دین کے لئے ثابت شدہ بعض نقصان وہ باتوں کی تفسیر صحابۂ کرام و تابعین کی تفسیر جس پر امت کا اجماع ہو چکا ہو اس کے برخلاف کرتا ہو تو وہ زندیق ہے)۔

محدث کبیر علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے زندیق کی اور بھی واضح تعریف لکھی ہے:

"قلت: الزندیق من یحرف معانی الألفاظ مع إبقاء الفاظ الإسلام کهذا للعین فی القادیان یدعی أنه یؤمن

بختم النبوة، ثم يخترع له معنى من عنده يصلح له بعده الختم دليلاعلى فتح باب النبوة، فهذاهوالزندقة حقًا، اى التغيير في المصاديق وتبديل المعاني على خلاف ماعرفت عند أهل الشرع وصرفها إلى أهوائه مع إبقاء اللفظ على ظاهره العياذ باللّٰہ'' (فيض البارى شرح البخارى ص ۷۲/ ج ۳)۔

(میں کہتا ہوں کہ زندیق وہ شخص ہے جو الفاظ اسلام کو باقی رکھتے ہوئے اس کے معنی میں تحریف کرتا ہو، جیسا کہ یہ قادیان میں رہنے والا لعین کرتا ہے کہ وہ دعویٰ تو ختم نبوت پر ایمان رکھنے کا کرتا ہے، مگر اپنی جانب سے ایسے معنی گھڑتا (اختراع کرتا) ہے جو اس کے لئے لفظ ختم اپنی نبوت کے دروازہ کھولنے کے لائق دلیل بنتی ہے، تو یہی زندیقیت ہے یقینا۔ یعنی لفظ کے صحیح مصداق ومعانی کو اس طرح بدل دینا کہ وہ اہل شریعت کے نزدیک متعارف معنی کے خلاف ہو۔ اور اس کو اپنی خواہشات کے موافق بنالینا اگر چہ لفظ اپنے ظاہر معنی پر باقی نظر آتا ہو۔ ایسی تحریف سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں)۔

انھیں تعریفات کے خلاصہ کے طور پر حضرت مولانا رشید احمد لدھیانویؒ نے لکھا کہ: ''تعریف زندیق۔ لغت میں بے دین اور بداعتقاد کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں جو اسلام ظاہر کرتا ہو اور غلط تاویلات سے اپنے ان عقائد کفریہ کو اسلام قرار دیتا ہو (احسن الفتاویٰ ص ۲۵۰/ ج ۴/ دارالاشاعت دیوبند)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی لکھتے ہیں: ''اس مسئلہ پر فقہی جزئیات کے مطالعہ اور بعض اہل علم کی رایوں کے مطالعہ سے اب دل جس بات پر مطمئن ہے وہ یہی ہے کہ نسلی قادیانی کو بوجہ ان کی زندیقیت کے عام کفار ومشرکین ہی کے حکم میں رکھا جائے گا نہ کہ اہل کتاب کے حکم میں۔ اور جو مسلمان قادیانیت میں گئے ہوں (العیاذ باللہ) وہ تو سراسر مرتد ہی ہیں (حاشیہ ''قاموس الفقہ'' ص ۲۵۷/ ج ۲)۔

براہ راست مرتد اور نسلی قادیانی کا حکم:

اس سوال کا مکمل مفصل جواب اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ نسلی قادیانی بھی اہل کتاب میں شمار نہیں ہوسکتے۔

''وينبغي أن من اعتقد مذهبا يكفر به معتقده إن كان قبل تقدم الاعتقاد الصحيح فهو مشرك، وإن طرأ عليه فهو مرتد كما لايخفى'' (البحر الرائق ص ۴۱/ ج ۳)۔

(جس شخص کے اعتقاد پر اسکو کافر قرار دیا جائے اگر چہ پہلے صحیح اعتقاد رکھتا تھا تو وہ مشرک ہے اور اگر بعد میں اس پر اعتقاد کفریہ طاری ہوا تو مرتد ہے)۔

اس عبارت سے واضح ہوا کہ نسلی اور بعد کا کفریہ اعتقاد رکھنے والا دونوں ہی اہل کتاب میں نہیں ہیں۔

دارالاسلام اور دارالکفر میں کتابیہ خواتین سے نکاح:

الف۔ اس سوال کی شق (الف) کا جواب ہے یہ کہ دارالاسلام میں یہودی یا عیسائی عورت سے نکاح اصلاً حلال ہے۔ قرآن وحدیث اور آثار صحابہ اور اجماع امت سے جواز ثابت ہے۔ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

اللہ کی حمد وثنا اور اس کا شکر ہے کہ اہل علم کے درمیان اہل کتاب کی آزاد عورتوں سے نکاح کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جن اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا جواز منقول ہے ان میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت سلمانؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ شامل ہیں۔

علامہ ابن المنذر فرماتے ہیں کہ امت کے ابتدائی دور کے اصحاب میں سے کسی سے بھی اس کی حرمت منقول نہیں ہے۔ خلال کی روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ، حضرت طلحہؓ، جارود ابن المعلیٰؓ اور اذینۃ العبدی نے بھی اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کیا ہے۔ یہی بات تمام اہل علم نے کہی ہے (ابن قدامہ، المغنی ص ۵۴۵/ ج ۹)۔

لیکن موجودہ دور میں دینی وملی مصالح وسیاسی دوراندیشی کا تقاضہ ہے کہ دارالاسلام میں بھی کتابیہ کے نکاح سے پرہیز کو واجب قرار دیا جائے۔

چنانچہ اسی مصلحت کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہؓ پر اپنی سخت برہمی کا اظہار کیا تھا۔

مشہور تابعی حضرت شقیق کی (صحیح سند کے ساتھ) روایت ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک یہودیہ سے شادی کی تو حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ اُسے طلاق دے دو۔ حضرت حذیفہؓ نے جواب میں دریافت کیا کہ اگر آپ اسے حرام سمجھتے ہیں تو بتائیں، میں اسے چھوڑ دوں۔ حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا:

''لاأزعم أنها حرام، ولكن أخاف أن تعاطوا المومسات منهن'' (طبری جامع البیان ص ۳۶۶/ ۳۶۷/ ج۲/ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن ص ۶۸/ ج۳)۔

(میں یہ تو نہیں کہتا کہ وہ حرام ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان میں سے بدکار عورتوں سے نکاح نہ کرنے لگو)۔

حضرت عمرؓ کی دوراندیشی یہ تھی کہ صالح عورتوں سے نکاح کی حوصلہ افزائی کے راستہ سے غلط مقاصد کو بروئے کار لانے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشی ذہن رکھنے والی عورتیں مسلمانوں کے گھروں میں نہ پہنچ جائیں، جیسا کہ آج کے دور میں اس کا بھرپور تجربہ ہو رہا ہے اور مسلم ملکوں میں یہ فتنہ اسلام اور مسلمانوں کے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔

اسی طرح کے سوال کے جواب میں مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

آج کل کے اکثر عیسائی اور یہودی دہریہ ہیں اور دہریہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی عیسائی اور یہودی عورت کے بارے میں تحقیق سے معلوم ہوجائے کہ وہ دہریہ نہیں ہے تو اس سے نکاح ہوجائے گا۔ مگر دوسرے خطرات کی بناء پر اس سے پرہیز واجب ہے۔ مثلاً اولاد کے کافر ہونے کا سخت خطرہ ہے۔ بلکہ خود شوہر کا دین بھی خطرہ سے خالی نہیں۔ علاوہ ازیں ایسی عورتیں جاسوسی کا کام کرتی ہیں۔ لہٰذا یہ ملک کے لئے بہت خطرناک ہیں (احسن الفتاویٰ ص ۹۰/ ج ۵)۔

ب- اس سوال کی دوسری شق (ب) کا جواب یہ ہے کہ غیر مسلم ملکوں میں مزاج کی ہم آہنگی یا ویزا حاصل کرنے کی سہولت کے پیش نظر کتابیہ سے نکاح مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ دارالکفر میں ایسی عورتوں سے پیدا ہونے والی اولاد کو وہاں کی دہریت کے ماحول سے بچانا سخت مشکل کام ہے۔

''وتكره الكتابية الحربية إجماعًا لافتتاح باب الفتنة'' (فتح القدير)۔
(فتنہ کا دروازہ کھل جانے کے سبب مکروہ ہے)۔

''وأصحابنا يكرهون مناكحات أهل الحرب من أهل الكتاب'' (جصاص)
(ہمارے احناف اہل کتاب کی عورتوں سے دارالحرب میں نکاح کو مکروہ کہتے ہیں)۔

''ويجوز للمسلم أن يتزوج كتابيةً في دار الحرب ولكنه يكره'' (مبسوط)
(مسلمان کیلئے دارالحرب میں کتابیہ سے نکاح جائز ہے، لیکن مکروہ ہے۔ یہی روایت حضرت علیؓ سے منقول ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں) (مبسوط)۔

لیکن علامہ شامی نے دارالاسلام میں کتابیہ سے نکاح کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے اور:

''ومابعده يفيد كراهة التحريم في الحربية'' (ردالمحتار)
اس کے بعد دارالحرب میں کتابیہ سے نکاح مکروہ تحریمی ہے (تفسیر ماجدی ص ۸۵۷/ ج ۱)۔

''البحر الرائق'' میں ہے:

''والأولى أن لايتزوج الكتابية ولايأكل ذبائحهم إلا لضرورة۔ وفي ''المحيط'': يكره تزوج الكتابية الحربية؛ لأن الإنسان لايأمن أن يكون بينهما ولدٌ فينشأ على طباع أهل الحرب ويتخلق بأخلاقهم فلايستطيع المسلم قلعه عن قلبه العادة۔ والظاهر أنها كراهته تنزيهية؛ لأن التحريمية لابدلها من نهي أو مافي معناه؛

لأنهافي رتبه الواجب" (علامہ ابن نجیم "البحر الرائق" ص۸۳/ ج۳/ زکریا دیوبند)۔

(اور بہتر یہی ہے کہ کتابیہ سے نکاح نہ کرے نہ ان کا ذبیحہ کھائے، مگر کسی خاص ضرورت سے ایسا کرسکتا ہے اور "محیط" میں ہے کہ دارالحرب کی کتابیہ سے نکاح کرنا مکروہ ہے کیونکہ انسان اس بات سے مطمئن نہیں ہوسکتا کہ ان کی اولاد پیدا ہوتو وہ اہل حرب کے مزاج پر پروان چڑھے گی اور انھیں کے عادت واخلاق کے سانچے میں ڈھلے گی۔ پس یہ مسلمان اس کی عادت واخلاق اوران کے حربی مزاج کی بیخ کنی پر قادر نہیں ہوسکے گا)۔

اور ظاہر یہ ہے کہ نکاح کی کراہت تنزیہی ہوگی، کیونکہ کراہتِ تحریمی کے لئے کوئی نہی یا اس کے ہم معنی کوئی دلیل چاہئے، کیونکہ حرمت تحریمیہ واجب کے درجہ میں ہوتی ہے۔

البتہ دعوتی نقطۂ نظر سے دارالاسلام میں کتابیہ سے نکاح میں کراہت تنزیہی باقی نہیں رہے گی بشرطیکہ وہ اسلام کے مزاج سے آشنا ہو۔ اور حربی عادات واطوار سے اس کو سروکار نہ ہو، ورنہ عام حالات میں دارالاسلام میں بھی کراہتِ تنزیہی باقی رہے گی۔

کیا ہندوؤں کی مذہبی اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں موافقت کی بنیاد پر الہامی کتاب تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کی کئی شقیں جواب طلب ہیں: (۱) وید کا کتاب آسمانی، الہامی یا کلام انسانی ہونا۔ (۲) ہندو مہا پرشوں، اوتاروں کا اسلامی عقیدۂ رسالت کے مطابق نبی ہونا۔ (۳) ویدک تعلیمات میں عقیدۂ توحید، تصورِ آخرت اور بشارات احمدی کا پایا جانا۔ (۴) ہندو برادرانِ وطن کا اہل کتاب ہونا۔

پہلی شق کا جواب یہ ہے کہ وید کے خدائی الہام ہونے کے سلسلے میں خود ہندو دھرم کے محققین کی آراء اتنی مختلف فیہ، متضاد ومتناقض ہیں کہ کسی صحیح اور یقینی فیصلے تک پہنچنا سخت دشوار ہے۔ سوامی دیانند سرسوتی جی لکھتے ہیں:

" پرتھم سرشٹی کی آدی میں پرماتمانے اگنی، وایو، آدتیہ، تتھا انگرا چار رشیوں کی آتما میں ایک ایک وید کا پرکاش کیا" (ستیارتھ پرکاش سملاس ۷ ص ۱۲۹)۔

یعنی پہلی خلقت کے آغاز میں پرماتما (ایشور) نے اگنی، وایو، آدیتیہ، اور انگرا ان چار رشیوں کی روحوں میں وید کا الہام کیا۔

پھر آگے ہندو قانون کی کتاب "منواسمرتی" کے حوالہ سے لکھا:

vfXu ok;q foH;Lrq =k;a czge lukrue nqnksg ;K fln~è;/Z e`X;tq% lkey{k.keA

(11euq09123)

جس پرماتمانے آدی سرشٹی میں منشیوں کو اُتپن کرکے اگنی آدی (وغیرہ) چاروں مہرشیوں کے دوارا وید برہما کو پراپت کرائے اور اس برہمانے اگنی، وایو، آدیتیہ، اور انگرا سے رگ، یجر، سام اور اتھروو وید کا گرہن کیا۔

یہاں ایک عجیب الجھن یہ ہے کہ آغاز تخلیق میں ایشور نے مذکورہ چاروں رشیوں کو وید کا الہام کیا، پھر برھمانے ان چاروں رشیوں سے وید کو حاصل کیا، تو مطلب یہ ہوا کہ برھما پر وید کا الہام نہیں ہوا بلکہ برھما ان چاروں رشیوں کے شاگرد ہوئے۔ جبکہ برھما کو منواسمرتی کے مطابق کائنات کا خالق بتایا گیا ہے، نہ کہ اگنی وغیرہ رشیوں کا شاگرد۔ دیکھئے یہ حوالہ:

مختلف قسم کی مخلوق کو پیدا کرنے کی غرض سے ان پرماتمانے دھیان کرکے سب سے پہلے اپنے جسم سے پانی پیدا کیا اور اس میں شکتی روپ بیج ڈال دیا۔ وہی بیج سورج کی مانند چمکنے والا سونے کا ایک انڈا سا بن گیا۔ اس میں سب جہانوں کے پیدا کرنے والے خود برھما پیدا ہوئے۔

(منواسمرتی، ادھیائے ۱/ اشلوک ۹،۸)۔

جب برھما جی سب جہانوں کے پیدا کرنے والے ہیں تو اگنی وغیرہ رشی بھی برھما کی مخلوق ہوئے، پھر خالق ہی اپنی مخلوق کا شاگرد کیسے بن گیا۔

اب اور آگے پڑھئے:

''اس انڈے کے اندر وہ برہما ٹھیک ایک برس تک رہا پھر اس نے خود اپنے دھیان سے اس انڈے کے دو ٹکڑے کر دیئے اور اس کے بعد برہما نے ان دونوں ٹکڑوں سے ہی آسمان اور زمین کو بنایا'' (منو اسمرتی ادھیائے ۱/ اشلوک ۱۲، ۱۳)۔

پھر سوامی دیانند جی نے اپنشد کا قول نقل کر کے خود ایک سوال اٹھایا اور جواب دیا:

;kSoSczkgu.kkfonk/friwoZ;ksoSSA

osnkJa izfg.ksfr rLeS 'osrkJ (v0 61 e0 18)

سوال: ''یہ اپنشد کا وچن ہے اس وچن سے برہما جی کے ہردیہ میں ویدوں کا اپدیش کیا ہے، پھر اگنی آدی رشیوں کے آتما میں کیوں کیا''
یعنی مذکورہ منترا اپنشد کا قول ہے، اس قول کے مطابق ایشور نے برہما کے قلب میں ویدوں کا الہام کیا ہے۔

پھر آپ نے رشیوں کی روحوں میں ویدوں کا الہام کیوں کہا۔

اُتر۔ (جواب) برہما کے آتما میں اگنی آدی کے دوارا استھاپت کرایا (ستیارتھ پرکاس، سملاس ۷ /ص ۱۲۹)۔

اب یہاں سے کچھ آگے بڑھئے اور پڑھئے کہ برہما کسی شخصی وجود کا نام ہی نہیں، خواہ انسان ہو یا خالقِ کائنات جس پر وید کا الہام ہوا ہو۔

پنڈت مدن موہن مالوی جی ''شیو پُران'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وہ ایک جنار دھن بھگوان، سرشٹی، پالن، اور سنہار (تخلیق، پرورش اور موت) کرنے والی برہما، وشنو، شیو نام کی تین سنگیا پراپت کرتے ہیں۔ یعنی وہ ایک ہی بھگوان پیدا کرنے والے، پالنے والے اور مارنے والے برہما وشنو اور شیو تین ناموں سے موسوم ہوتے ہیں (ایشور کی ستا اور مہتا ص ۳۹ / بحوالہ عقیدۂ رسالت اور اوتار ص ۲۶ / مصنفہ مولانا امام الدین رام نگری مکتبہ تحفظ ملت رام نگر، بنارس)۔

یہاں آکر برہما تین خانوں میں بٹ گئے۔ کبھی تو وہ دیوتا یا انسان دکھائی دیتے ہیں جس پر وید کا الہام ہوا۔ کبھی وہ خالق کائنات نظر آتے ہیں جنھیں وید کا الہام کرنا چاہئے، مگر وہ خود اپنی مخلوق اگنی وغیرہ رشیوں کے شاگرد بن کر انھیں سے وید حاصل کرتے ہیں۔ اور کبھی ان کا اپنا شخصی وجود ہی ختم ہو جاتا ہے اور وہ ایک ایشور کی صفت بن کر رہ جاتے ہیں۔ اب اس مشکل کا حل کیا ہے؟ کچھ پتہ نہیں۔

ابھی وید کے سلسلے میں کچھ اور باتیں بھی قابل ملاحظہ ہیں۔ جناب سید حامد علی اپنے مقالہ ''وید کیسے وجود میں آئے'' میں جو انھوں نے کتاب ''ویدوں کے ظاہر کنندہ'' مصنفہ پنڈت ستیہ دیو جی کے تعاون سے تحریر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

(الف) برہما جی نے ویدوں کو گائتری منتر سے پیدا کیا۔

(ب) وید برہما سے نہیں اندر سے پیدا ہوئے۔

(ج) وید بجیہ نامی دیوتا سے پیدا ہوئے۔

(د) وید کال نامی دیوتا سے پیدا ہوئے۔

(س) وید مہادیو کی سانس سے پیدا ہوئے۔

(ص) وید کو بہت سے دیوتاؤں نے دل کے سمندر سے کھود کر نکالا ہے۔

(ط) جناب ڈبلیو ہنٹر نے اپنی کتاب ''تاریخ ہند'' میں لکھا ہے کہ تین یا چار ہزار سال کا عرصہ ہوا کہ آریہ شاعروں نے وید تصنیف کئے (ہندومت ایک مطالعہ ص ۳۶ / مصنفہ وصی اقبال جیلانی پبلیکیشنز نئی دہلی)۔

سنسکرت کے کثیر المطالعہ عالم جناب فاروق خاں صاحب لکھتے ہیں:

وید ویاس (osnO;kl) نے چہار کتب میں وید کے منتروں کو جمع کیا، یہ وید مختلف رشیوں کی تخلیق ہیں۔ اور ان کی تخلیق کا زمانہ تین ہزار

سالوں تک وسیع ہے (اسلام کی اہمیت ہندودھرم کے پس منظر میں ص ۷ / مکتبہ اسلامی، دہلی)

اور بہت سے ہندودھرم کے محققین نے بھی وید کو غیر الہامی قرار دیا ہے۔ چنانچہ پنڈت نردیوشاستری، پنڈت ستیہ دیوجی سوامی دویکانند، عبدالرحمن سابق سوریا نائیڈو وغیرہ اسی خیال کے حامی ہیں۔

سابق صدر جمہوریہ ہند اور ہندودھرم کے بڑے فلسفی ومحقق جناب رادھاکرشنن اپنی کتاب ''مذہب اور سماج'' میں لکھتے ہیں:

''وید کے منتر بہر حال اس وقت مرتب کئے گئے تھے جب ہندوستانی، ایرانیوں سے جدا ہو چکے تھے اور ان منتروں کی تخلیق کے وقت ان کا وطن سندھ کا علاقہ تھا'' (ہندومت ایک مطالعہ ص ۳۵ / جیلانی پبلیکیشنز نئی دہلی)۔

سناتن دھرمی ہونے کے مدعی جناب مہاتما گاندھی اپنی کتاب ''ہندودھرم'' میں لکھتے ہیں:

وید، اُپنشد، اسمرتی، پُران اور اتہاس ایک ہی وقت میں سامنے نہیں آئے۔ ان میں سے ہر ایک کا ارتقا مخصوص ادوار کی ضرورتوں کی بناء پر ہوا۔ اور اسی لئے ان میں ٹکراؤ محسوس ہوتا ہے (ہندومت ایک مطالعہ ص ۳۵)۔

یہاں تک ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سناتن دھرمی اور آریہ سماجی پنڈتوں کے اس دعویٰ کے باوجود کہ وید الہامی آسمانی کتاب ہے۔ اس کے برخلاف وید کے غیر الہامی انسانی کلام ہونے کی شہادتیں آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ان کی روشنی میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ وید اگر الہامی کلام رہے ہوں تب بھی موجودہ دستیاب شکل میں اس کو الہامی کلام الٰہی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

ہندومہاپرشوں، اوتاروں کا اسلامی عقیدۂ رسالت کے مطابق نبی ہونا:

اسلامی عقیدہ کے مطابق رسول اور نبی کسے کہتے ہیں؟ علامہ نسفی فرماتے ہیں:

''والرسول انسان بعثه الله تعالى إلى الخلق لتبليغ الأحكام وقد يشترط فيه الكتاب بخلاف النبي فإنه أعم'' (شرح عقائد نسفيه ص۱۶/ مكتبه بلال ديوبند)۔

رسول ایک انسان ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی طرف اپنے احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہو۔ اور رسول کے لئے کتاب الٰہی کی شرط بھی ہوتی ہے جبکہ نبی عام ہوتا ہے، اس پر منجانب اللہ نزول کتاب کی شرط نہیں ہوتی۔

قاضی عبدالرسول احمد نگری نبی کے معنی شریعت کی اصطلاح میں بیان کرتے ہیں:

''وفي الشرع إنسان بعثه الله تعالى إلى الخلق لتبليغ الأحكام'' (دستور العلماء ص ۳۹۴/ ج۳)۔

اس تعریف کی روشنی میں ہندو عقیدۂ اوتار کو دیکھنا ضروری ہے۔

آچاریہ پرشوتم چترویدی راج پنڈت کاشی نریش (رام نگر) بنارس، سابق صدر شعبۂ سنسکرت میوکالج اجمیر نے اپنی کتاب ''بھارتیہ ورت آتسو'' میں اوتارواد کے سلسلہ میں لکھا ہے:

''سنسکرت میں اوپر سے نیچے اترنے (نازل ہونے) کو اوتار کہتے ہیں، لیکن یہاں اوتار کے معنی ایشور کا اترنا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ دیا پک روپ (حاضر وناظر) میں موجود پرمیشور جب ظاہری صورت میں ہماری آنکھوں کے سامنے اترتا ہے تو ہم اسے ایشور کا اوتار کہتے ہیں۔'' (بھارتیہ ورت آتسو، بحوالہ عقیدۂ رسالت اور اوتار ص ۶۰ / مطبوعہ بنارس)

اوتار کے یہی معنی شری جے دیال گوبندکا جی نے ''اوتار سدھانت'' میں بیان کئے ہیں:

اوتار کے معنی ہیں غیر ظاہر صورت سے ظاہر صورت میں ظہور پذیر ہونا (عقیدۂ رسالت اور اوتار ص ۸۸)۔

اسی معنی کو لے کر ''بھگوت گیتا'' میں شری کرشن جی نے ایشور کے اوتار لینے کا مقصد بھی بیان کیا ہے:

^^;nk;nkfgeeZL;XykfuZHkofrHkkjrA

vH;qRFkkueèeZkRetkE;ge~AA

ifj=kk.kk; lk/wuke~ fouk'kk; p nq"o`QrkeA

/eZlaLFkkiukFkkZ;aHkokfeqxsqxsAA**

(Jhen~Hkxon~xhrk]vè;k;&4]'yksd7&8)

ترجمہ: ''اے بھارت (ارجن) جب جب دھرم میں بگاڑ اور ادھرم (ظلم) کی زیادتی ہوتی ہے تب تب میں ہی اپنے وجود کو ظاہر کرتا ہوں (یعنی جسم اختیار کر کے ظاہر ہوتا ہوں) نیک لوگوں کو بامراد کرنے کے لئے، برے لوگوں کو تباہ کرنے کے لئے اور دھرم کو اچھی طرح قائم کرنے کے لئے میں ہر زمانے میں آتا ہوں۔'' (بھگوت گیتا، باب ۴/شلوک ۷، ۸)۔

^^;nk ;nsg /eZL;{k;ks o`f1⁄4;o ujUey%A

rnk rq Hkxokuh'k vkReku l`trs gfjAA**

(Jhen~Hkkxor1@24@56)

ترجمہ: ''جب جب دنیا میں دھرم کا زوال ہوتا ہے اور پاپ (برائی) بڑھ جاتا ہے تب تب قادر مطلق بھگوان شری ہری اوتار لیتے ہیں'' (بھاگوت مہاپران ۹، ۲۴، ۵۶)

انھیں تصورات کو دورِ جدید میں تلسی داس نے اس طرح بیان کیا ہے:

^^tc tc gksbZ /je ds gkuhA

ck<+fg vlqj v/e vfHkekuhAA

djfga vuhfr tkbZ ufga cjuhA

lhnfga fciz /suq lqj /juhAA

rc rc izHkw /fj fcfc/ ljhjkA

gjfga o`Qikfuf/ lTtu ihjkAA

vlqj ekfj Fkkifga lqjUg jk[kfg fut J`fr lsrqA

tx fcLrkkjfga fcln tl jke tUe dj gsrqAA

(jkepfjr ekul] ckydk.M&121)

ترجمہ: جب جب دھرم کو نقصان پہنچتا ہے کمینے، برے اور مغرور لوگوں کا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ ایسے مظالم ڈھاتے ہیں کہ جو بیان میں نہیں آسکتا۔ اس سے براہمن، گائے، دیوتا اور دھرتی کو بڑی تکلیف پہنچتی ہے۔ تب تب وہ مہربان خدا طرح طرح کے جسم اختیار کر کے نیک لوگوں کی مصیبتوں کو دور کرتے ہیں۔ وہ ظالموں کو مار کر دیوتاؤں (نیک لوگوں) کو قائم کرتے ہیں، اپنے ویدوں کی عظمت کی حفاظت کرتے ہیں اور دنیا میں اپنے جس (نیک نامی) پھیلاتے ہیں۔ رام کا جنم بھی اسی سبب سے ہوا ہے۔'' (رام چرت مانس، بال کانڈ، ۱۲۱)

غور کیا جائے کہ اوتار کے اس معنی میں کتنی بڑی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ غیر مجسم غیر مرئی اور لامحدود خدا (ایشور) مجسم، مرئی (دکھائی دینے والا) اور محدود ہو جاتا ہے۔ دوسری خرابی یہ کہ خدا جس اوتار کے جسم میں کامل یا جزوی طور پر حلول کرتا ہے وہ خود خدا بن جاتا ہے اسی واسطے ہندو دھرم میں اس کی پوجا کی جاتی ہے۔ ذرا سوچئے کہ اس تصورِ پیغمبری کا اسلامی تصورِ نبوت سے کیا جوڑ ہو سکتا ہے؟؟

پھر اوتار کی متعدد مختلف شکلیں سامنے آئیں۔ مختلف کتابوں میں اوتار کی تعداد مختلف بیان کی گئی ہے کہیں آٹھ، کہیں دس، کہیں سولہ، کہیں چوبیس اوتار بتائے گئے ہیں، لیکن دس اوتار کو قبولیت عام حاصل ہے۔ کلکی اوتار جسے دسواں مقام حاصل ہے وہ مستقبل میں ہونے والا ہے مشہور دس یہ ہیں:

۱- متسیہ (مچھلی) [eLI ۲-کورم (کچھوا) owQeZ
۳- وراہ (سور) ojkg ۴-نرسنگھ (نصف انسان نصف شیر) u`flag
۵- وامن (بونا) okeu ۶-پرشورام ij'kqjke
۷- رام jke ۸-کرشن o`Q.kk
۹- بدھ cq/4 ۱۰-کلکی dfYd

پرانوں میں جن چوبیس اوتاروں کا ذکر ہے اس کی فہرست اس طرح ہے:

۱-نارائن (عظیم شخصیت)۔ ۲-برہما ۳-سنک سنندن، ۴-نرنارائن ۵-کپل۔ ۶-دتاتریہ، ۷- سویش۔ ۸- ہے گریو۔ ۹-رشبھ، ۱۰-پرتھو۔ ۱۱-متسیہ۔ ۱۲-کورم، ۱۳-ہنس ۱۴-دھنونتری ۱۵-وامن، ۱۶-پرشورام ۱۷-موہنی ۱۸- نرسنگھ، ۱۹-ویدویاس ۲۰-رام ۲۱-بلرام۔ ۲۲-کرشن۔ ۲۳-بدھ ۲۴-کلکی

دس مشہور اوتاروں کے اوتار لینے یا پیدا ہونے کی تاریخ کو تیوہاروں کی شکل میں منایا جاتا ہے، اس کے لئے ہر اوتار کی یوم پیدائش کا ذکر ملتا ہے، الگ الگ گرنتھوں میں اوتاروں کی تاریخ پیدائش میں بڑا فرق بھی پایا جاتا ہے۔ ذیل میں ان دس اوتاروں کی یوم پیدائش درج کی جاتی ہے۔ یہ تاریخیں کرت سار سموچے (o`QrlkjleqPp;) کتاب سے لی گئی ہے۔

۱-متسیہ اوتار چیت ماہ شکل ۳ ۲-کورم اوتار، ویشاکھ پورنیا (یعنی شکل ۱۵)

۳-وراہ اوتار، بھادو شکل ۳ ۴-نرسنگھ اوتار، ویشاکھ ۱۴

۵-وامن اوتار، بھادو شکل ۱۲ ۶-پرشورام اوتار، ویشاکھ شکل ۳

۷-رام اوتار، چیت شکل ۹ ۸-کرشن اوتار، بھادو کرشن ۸

۹-بدھ اوتار، جیٹھ شکل ۲ ویشاکھ پورنیا ۱۰-کلکی اوتار، ساون شکل ۶

کچھ گرنتھوں میں کلکی اوتار کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ وہ مستقبل میں آئیں گے، جبکہ بعض دوسرے گرنتھوں میں ان کا اوتار ہو جانا ظاہر کیا گیا ہے۔

اوتاروں کے اقسام:

ان اوتاروں کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) پورن (۲) انش (۳) کلا (۴) آدیش (۵) ادھیکاری۔ اور فاروق صاحب نے سات قسمیں بتائی ہیں۔ انھیں میں ایک ارچا اوتار بھی ہے۔

پورن اوتار: اسے کہتے ہیں جس کی قوت پرماتما ہی کی قوت کی طرح لا انتہا اور لامحدود ہو۔ جیسے شری رام و شری کرشن۔

انش اوتار: اسے کہتے ہیں جس میں صرف کسی خاص کام کے لئے کسی خاص طرح کی قوت کا ظہور ہوتا ہے۔ جیسے نرسنگھ اوتار (آدھا شیر، آدھا انسان)۔

کلا اوتار: اسے کہتے ہیں جس میں انش اوتار سے بھی کم قوت کا ظہور ہوتا ہے۔ جیسے سنگ و منو کشیپ وغیرہ۔

ادھیکاری اوتار: انہیں کہتے ہیں جو اپنے مقررہ کام کے لئے ایشور تو (خدائی طاقت) کا استعمال کرتے ہیں۔ جیسے ویدویاس۔

آدیش اوتار: سے مراد ایک خاص کیفیت ہے جو انسان پر طاری ہوتی ہے (عقیدۂ رسالت اور اوتار ص ۶۵ تا ۶۹ / نیز حاشیہ ص ۲۱۷ / از ابو محمد امام الدین رام نگری)۔

اوتاروں کے مختلف اقسام و درجات کے تعین کا فلسفیانہ پہلو:

شاستروں میں سولہ کلاؤں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ کلائیں خاص خوبیاں یا صفات ہیں۔ ویدانت کے فلسفے کے مطابق پوری کائنات میں صرف خدا کا وجود ہے۔ اس کے ماسوا کوئی چیز موجود ہی نہیں۔ اس لئے ہر مخلوق میں خدا کا جز شامل ہے۔ اس لئے خدا کے اوتار کو بھی مختلف قسموں میں تقسیم کرکے جزوی اور کامل اوتار مانا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ کچھ فوق البشری مخلوقات کو اوتار مانا گیا ہے۔ اس کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

ذوی الارواح مخلوق میں نباتات کی دنیا خدا کی ابتدائی مخلوق ہے۔ اس لئے غذائی اجناس والے نباتاتی نوع میں خدا کی سولہ کلاؤں میں سے صرف ایک کلا کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی طرح آگے کی مخلوق مثلاً جوں، کیڑے مکوڑے وغیرہ میں خدا کی دو کلا ظاہر ہوتی ہیں۔ اس کے بعد انڈے سے پیدا ہونے والے جاندار (پرندے) میں تین کلاؤں کا اور جانوروں میں چار کلاؤں کا ظہور ہوتا ہے۔ انسان میں پانچ کلائیں ظاہر ہوتی ہیں لیکن یہ عام انسانوں تک ہی محدود ہے۔ جن انسانوں میں پانچ سے زیادہ آٹھ کلا تک کا ظہور ہوتا ہے وہ عام انسان سے بلند ''وبھوتی'' کے زمرے میں شمار کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ پانچ کلاؤں سے انسان کی معمولی قوت وصلاحیت کا ہی اظہار ہوتا ہے اور اس سے زیادہ چھ سے آٹھ کلاؤں کے اظہار سے خاص قوت وصلاحیت کا ارتقاء مانا جاتا ہے جسے وبھوتی کے زمرے میں رکھا گیا ہے۔

اس طرح ایک کلا سے لے کر آٹھ کلا تک قوت وصلاحیت کا ارتقاء دنیاوی یا فطری سطح پر Natural ہوتا ہے۔ نویں کلا سے لے کر سولہویں کلا تک کا ارتقاء مافوق الفطری (Super Natural) جسے جانداروں (دنیاوی مخلوق) کی سطح سے بالا اوتار کی سطح پر رکھا جاتا ہے۔ اس لئے جن مراکز کے ذریعہ خدا کی قدرت نویں کلا سے لے کر سولہویں کلا تک ارتقاء پذیر ہوتی ہے وہ سبھی مراکز جیو (مخلوق) نہ کہلا کر اوتار کہے جاتے ہیں۔ ان میں نویں کلا سے پندرہویں کلا تک کا ارتقاء جزوی اوتار (va'kkorkj) کہلاتا ہے اور سولہویں کلا سے بھر پور کلا کا مرکز کامل اوتار (iw.kZ vorkj) کا مرکز ہے۔

عقیدۂ اوتار کا معروضی مطالعہ:

اوپر کی پوری گہری تحقیق اور زبردست عالمانہ بحث کے بعد جناب ابو عبد اللہ ثناء اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اس عقیدہ اوتار پر جب ہم معروضی نظر ڈالتے ہیں تو عجیب بے ترتیبی نظر آتی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مختلف ادوار میں اس نظریہ کو ترتیب دیا گیا اور اسی وجہ سے ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش نہ کی جاسکی۔ اس لئے تعداد میں فرق، ناموں میں فرق ان کی تاریخ پیدائش میں فرق نمایاں ہے۔ اس کے ساتھ ہی کلاؤں پر مبنی جو فلسفہ پیش کیا جاتا ہے اس کی رو سے تو دس مشہور اوتاروں میں ابتدائی پانچ اوتار کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے، کیونکہ ان میں تین جانور ہیں جن میں اصولاً ایشور کی صرف چار کلاؤں کا ارتقاء ہونا چاہئے، جبکہ اوتار کے لئے کم از کم نو کلاؤں کا ہونا ضروری ہے۔ باقی دو بھی جانور سے تھوڑا آگے، یعنی معمولی انسان ہی ہو سکتے ہیں۔

آگے اس فہرست میں ایسی شخصیات ہیں جن میں سے کئی باہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں، مثلاً پرشورام اور رام۔ یہ دونوں ہم عصر رہے ہیں، جبکہ دو اوتار بیک وقت نہیں ہو سکتے۔ پرشورام شیو کا بھگت برہمن تھا، وہ چھتریوں کا بھاری دشمن تھا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اٹھارہ بار مار کاٹ کرکے اس نے زمین کو چھتریوں سے پاک کیا۔ رام چھتری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اسی لئے دشمنی لازمی تھی۔ تلسی داس نے بھی ''رام چرت مانس'' میں پرشورام کے جھگڑے کا نقشہ کھینچا ہے اور پرشورام کا قول نقل کیا ہے کہ ''میں دنیا بھر میں چھتری کل کا دشمن مشہور ہوں''۔

fcLofofnrNf=k;dqnzksghA

(ckydk.M272@3)

اسی طرح کرشن کو بھی برہمن مخالف بتایا جاتا ہے۔ بدھ کے بارے میں تو تاریخی طور پر ثابت ہے کہ وہ برہمنی عقائد اور نظام کے مخالف تھے (سہ ماہی ''السلام'' نئی دلی ص ۴۴ تا ۵۰ / مطبوعہ یونیورسل پیلیس فاؤنڈیشن نئی دہلی جنوری تا مارچ ۱۹۹۷ء جلد ۲ / شمارہ ۱)۔

ہندو دھرم کے اوتار اور اسلام کے نبی و رسول میں فرق:

اوپر کی نقل کردہ تفصیلات کی روشنی میں اوتار اور نبی و رسول کا فرق ملاحظہ کریں:

(۱) کلا کی کمی کے سبب اوتار جانور بھی ہوتا ہے جیسے متسیہ EkRl; (مچھلی اوتار) وراہ ojkg (سور اوتار) کورم oqQeZ (کچھوا اوتار) نرسنگھ u`flag (نصف انسان نصف شیر اوتار) ہنس gUl (بطخ اوتار)

جبکہ اسلام میں نبی اور رسول صرف انسان ہی ہوسکتا ہے جانور نہیں۔

قرآن پاک میں ارشادِ ربانی ہے:

''وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' (سورۃ النحل آیت ۴۳)

(اور ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے بھی یہی مرد (انسان رسول) بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی (احکام) بھیجتے تھے۔ پس اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے)۔

دوسری جگہ ارشادِ الٰہی ہے: ''قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ'' (سورۃ الکھف آیت ۱۱۰)

(آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں تمہاری ہی طرح ایک آدمی (انسان) ہوں صرف فرق یہ ہے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود (اللہ) ایک ہی معبود ہے)۔

قرآن پاک میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا'' (سورۃ الفرقان آیت ۷)

(اور یہ کافر لوگ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت) یوں کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ بھی (ہماری طرح) کھانا (بھی) کھاتا ہے اور (انتظام معاش کے لئے ہماری ہی طرح) بازاروں میں چلتا پھرتا ہے (مطلب یہ ہے کہ رسول و پیغمبر انسان کے بجائے فرشتہ ہونا چاہئے جو کھانے پینے وغیرہ کی ضروریات سے مستغنی ہوتا اور کم از کم اتنا تو ضرور ہی ہونا چاہئے کہ رسول اگر خود فرشتہ نہیں ہے تو اس کا مصاحب و مشیر کوئی فرشتہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ) اس (رسول) کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ اس کے ساتھ رہ کر (لوگوں کو عذاب الٰہی سے) ڈراتا) (معارف القرآن ۱۷۱، ۱۷۲)۔

بشریتِ انبیاء کے سلسلہ میں قرآن پاک کی آیات اور احادیث و آثار اتنے زیادہ ہیں کہ حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ نے ''بشریتِ انبیاء'' کے نام سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔

(۲) ہندو دھرم میں فوق الفطرۃ ہستی دیوتا کو اوتار بتایا گیا ہے۔ ان لازوال ازلی دیوتا کو کوئی شیو کوئی سدا ستیہ سوروپ وشنو اور کوئی برہما کہتا ہے۔ (ایشور کی ستا اور مہتا ص ۳۹ / از پنڈت مدن موہن مالوی) جبکہ اسلام میں انسانوں کی ہدایت کے لئے کوئی نبی انسان کے علاوہ فرشتہ اور دیوتا نہیں ہوسکتا۔ قرآن پاک میں ہے:

''وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓىِٕكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا'' (بنی اسرائیل آیت ۹۴، ۹۵)

(اور جس وقت ان لوگوں کے پاس ہدایت (یعنی رسالت کی صحیح دلیل مثل اعجاز قرآن کے) پہنچ چکی اس وقت ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا اور کوئی بات مانع نہیں ہوئی کہ انھوں نے بشریت کو رسالت کے منافی سمجھا اس لئے کہا) فرما دیجئے کہ اگر زمین میں فرشتے (رہتے) ہوتے کہ اس پر چلتے بستے تو ہم البتہ ان پر آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے۔ (لیکن چونکہ فرشتے زمین پر بود و باش اور رہائش نہیں رکھتے اور وہ انسان کی جنس نہیں

ہیں اس واسطے وہ ہدایت انسان کے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجے گئے)۔

(۳) اوپر کی ذکر کردہ اوتار کی تفصیلات کے مطابق ایشور اوتار کے جسم میں کامل طور پر یا جزوی طور پر حلول کرتا ہے اور اس میں سما جاتا ہے۔ اس طرح اوتار خود ایشور بن جاتا ہے جبکہ اسلام میں یہ کفر قرار دیا گیا ہے۔ یہی معنی ہیں وحدۃ الوجود کے جسکی اسلام میں قطعی گنجائش نہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے: "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ" (سورۃ المائدہ آیت ۷۲)

(یقیناوہ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا کہ خدا ہی تو مسیح ابن مریم ہے)۔

مولانا عبد الماجد دریا بادی اسی آیت کے تفسیری حاشیہ میں نقل کرتے ہیں:

مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ نے فرمایا کہ آیت میں صاف رد ہے حلول و اتحاد کا جس کے قائل جاہل صوفیاء ہوئے ہیں (تفسیر ماجدی ص ۹۴۸ ج ۱/ نشریات اسلام لکھنؤ)۔

اسی بدعقیدگی کی بیخ کنی کیلئے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار فرمایا:

''لا تطرونی کما اطرت النصارٰی عیسی ابن مریم فإنما انا عبدہٗ فقولوا عبد اللہ ورسولہ'' (جمع الفوائد ص ۱۵/ ج ۲/ کتاب الآداب والثناء والشکر)۔

(مجھے بندہ ہونے کی حد سے اوپر نہ اٹھاؤ (کہ خدا ہی بنادو) جیسے عیسائیوں نے عیسی ابن مریم کو بڑھا چڑھا کر خدا بنادیا تھا۔ اور میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں۔ پس مجھے خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہا کرو)۔

(۴) نظریۂ اوتار کے مطابق خدا انتہائی پست سطح پر اتر جاتا ہے جو اسکی بلند و بالا ارفع و اعلیٰ شان کے بالکل منافی ہے۔ رگوید میں ہے:

اندر یعنی پرماتما اپنی مایا (کرشمہ سازی) کے ذریعہ مختلف صورت اختیار کرکے وچرتا (گھومتا پھرتا) ہے (رگوید ۶-۷-۴-۱۸)۔

پرماتما بار بار مچھلی، کچھوا وغیرہ (جیسے سور) مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے (رگ وید ۳-۷-۲-۳)۔

مخلوق کی پرورش کرنے والا بھگوان حمل کے درمیان وچرتا (گھومتا پھرتا) ہے اگرچہ وہ اجنما (پیدا شدہ نہیں) ہے پھر بھی مختلف طریقوں سے پیدا ہوتا ہے۔

اسلام اس اوتارواد کے گھٹیا رجحان وفکر کا قطعی منکر ہے۔

''تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا'' (اللہ تعالی اس جاہلانہ وکافرانہ ذہنیت سے بہت بلند ہے)۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے: "لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" (سورۃ النحل آیت ۶۰)۔

(بری حالت ہے ان لوگوں کے لئے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اللہ کے لئے اعلیٰ صفات ثابت ہیں اور وہ بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے)۔

(۵) اسلام کے تصور رسالت کے مطابق نبی ورسول کی بعثت انسانوں کی دنیا وآخرت سنوارنے اور امن وامان قائم کرنے کیلئے ہوتی ہے، لیکن اوتاروں کی مذکورہ بالا فہرست میں پرشورام شری رام کی قوم چھتری کو نیست ونابود کرنے کیلئے اوتار لیتے ہیں۔ ہندو روایت کے مطابق پرشورام کا نام صرف رام تھا۔ لیکن گندھ مادن پہاڑ پر تپسیا کرکے انھوں نے مہادیو کو خوش کیا جس کے صلہ میں انھوں نے اپنے بھگت کو ایک جلالی پرشو یعنی کلھاڑا دیا اس وقت سے ان کا نام پرشورام پڑ گیا۔ انھوں نے اپنی ماں کا سر کاٹ ڈالا اور چھتریوں کا استیصال کرنے کے لئے ان پر اکیس ۲۱ بار حملہ کیا (بڑا ہندی شبد کوش۔ بحوالہ عقیدہ رسالت اور اوتار ص ۸۲)۔

(۶) اوپر ذکر آچکا ہے کہ ۲۴، اوتاروں کی لسٹ میں گوتم بدھ جی کا نام بھی شامل ہے۔ ہندو علماء کے بقول جو ویدوں کو ایشوریہ گرنتھ (خدا کی کتاب) نہ مانے وہ ناستک (کافر و بد مذہب) ہوتا ہے اور بدھ مذہب کی صحیح تحقیق کے مطابق بدھ جی نہ ایشور کے قائل تھے اور نہ ویدو شاشتر

کے اور نہ اوتار کے۔ اسی وجہ سے ہندو دھرم بدھ جی کی تعلیمات کو نہیں مانتا، کیونکہ وہ وید کے خلاف ہیں۔

آریہ سماج دھرم کے بانی سوامی دیانند سرسوتی جی شری رام چندر اور کرشن جی کو اوتار نہیں مانتے، لیکن ان کو بزرگ اور قابل احترام مانتے ہیں لیکن مہاتما بدھ جی کو انھوں نے کھلے لفظوں میں ناستک قرار دیا ہے۔ اس اعتبار سے ظاہر ہے کہ بدھ جی سناتن دھرم اور آریہ سماج دونوں کی رو سے نہ عوام کیلئے نمونہ ہو سکتے ہیں نہ سادھو سنتوں کیلئے اور نہ ان کا درشن بھگتوں کے لئے ایشور درشن ہو سکتا ہے، نہ ان کی اپاسنا ایشور کی اپاسنا ہی ہو سکتی ہے۔ پھر بھی ان کا اوتار ہونا چہ معنی دارد۔

(۷) شری رام و شری کرشن: ہندو دھرم میں ان کو وشنو کا پورن (کامل) اوتار مانا جاتا ہے اور بڑے دھوم دھام سے ''رام نومی'' اور ''جنم اشٹمی'' کا تیوہار بھی منایا جاتا ہے، لیکن تاریخی اعتبار سے ان کی شخصیتوں پر ایسے دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں کہ حقیقت تک رسائی مشکل بن گئی ہے۔ یہاں ہم سب سے پہلے شری رام کا ذکر کریں گے کہ ان کو اساطیری کردار یا تاریخی شخصیت یا دھارمک اوتار کے تینوں خانوں میں سے کس خانے میں رکھا جائے۔ پریشانی یہ ہے کہ رام چندر جی، سیتا جی، راجا دشرتھ اور رامائن جدید تحقیق کے نتیجہ میں مشتبہ صورت حال سے دوچار ہیں۔ آیئے ہم اپنی کھوج کا سفر سب سے پہلے لفظ ،،رام،، سے شروع کرتے ہیں۔

رام کی تحقیق:

رام سنسکرت یا ہندی کا لفظ نہیں، بلکہ قدیم عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی اکبر اور اعظم کے ہیں، اور اللہ کے صفاتی ناموں میں سے ہے جو قدیم عبرانی میں مستعمل تھا۔

''تورات'' کے بیان کے مطابق حضرت ''عبر'' کے ایک پوتے کا نام جو قحطان کا بیٹا تھا ہدورام تھا یہ نام دو لفظوں کا مجموعہ ہے۔ بدو۔ اور۔ رام۔ رام کے معنی بلند رتبہ، صاحب رفعت کے ہیں، یہ ایک تعظیمی لاحقہ ہے خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام ''ابی رام'' تھا پھر ابراہام ہوا اور قرآن میں ابراہیم آیا (نقش ملتانی ص: ۴۷، ۷۶ ج ۱)۔

اس تحقیق سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ''رام'' خدا کے ہم معنی لفظ ہے اور اسی معنی میں تاریخ کے قدیم دور سے استعمال ہوتا آرہا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ لفظ کسی مذہبی طبقہ اور کسی ایک ملک کے دائرے میں بند نہیں ہوا، ملیشیا اسلامی ملک ہے اور وہاں سلطان کے القاب میں سے ایک لقب ہے ikanqdk یعنی سلطان رام کے نمائندہ (خلیفۃ اللہ) ہیں۔ تھائی لینڈ کے موجودہ نریش کا لقب رام ہے (وشو پربھا کرونیت ہندی ڈائجسٹ جون ۱۹۶۸ء ج ۸۵)۔

مسٹر ملادی وینکٹار تنام سابق پرنسپل گورنمنٹ ٹریننگ کالج راج مهندری کی کتاب ہی کا نام ہے ''رام مصر کا فرعون ہے'' (سید سلیمان ندوی معارف میگزین اعظم گڑھ ص ۱۰۶ / جنوری ۱۹۳۷ء)۔

یہی بات ''دی راگھون'' کی کتاب ''دی رامائن ٹریڈیشن ان ایشیاء'' میں کہی گئی ہے کہ رام مصر کے سب سے بڑے راجہ تھے'' مطلب یہ ہے کہ بادشاہوں نے خدا سے اپنی نسبت جوڑنے کے لئے اپنا لقب یا نام ''رام'' اختیار کیا تھا۔

مولوی عبدالسمیع بیدل رامپوری نے اپنی کتاب ''خالق باری'' کے سب سے پہلے شعر میں یہ کہا

رحمن، رام اللہ کرتار پروردگار ہے پالن ہار

قدیم ایران میں رام قائم، طاقت وغیرہ کے معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔ فارسی کی پرانی ڈکشنریوں میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ (دیکھئے ''بہار عجم'' ص ۴ / ج ۲ / ''برہان قاطع'' ص ۵۴ تا ج ۱۳ / اور ''فرہنگ آنند راج)۔

قدیم فارسی شاعروں میں خاقانی، فردوسی، فرخی اور حافظ وغیرہ نے اپنے اشعار میں کثرت سے رام کو استعمال کیا ہے۔

سنسکرت کے ''نالندہ وشال شبد ساگر'' میں رام کے معنی لکھے ہیں۔ ایشور، گھوڑا، تین کی تعداد، راجہ رام چندر جی کا نام۔ اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساری زبانوں میں طاقت و عظمت کے معنی مشترک ہیں۔ اور خدا کو بھی رام اسی لئے کہا گیا کہ وہ سب سے زیادہ طاقت و عظمت کا مالک ہے۔ وید میں

بھی یہی معنی مراد لئے گئے ہیں اور کسی انسانی شخصیت سے اس کو منسوب نہیں کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر شیو پرساد سنگھ ''دھرم یگ'' میں لکھتے ہیں:

رگ وید میں اس لفظ (رام) کا استعمال صرف ایک مرتبہ ہوا ہے وہ بھی جاہ وجلال والی معزز ہستیوں کے ضمن میں جس سے یہ تو پتہ چلتا ہے کہ وہ کوئی راجہ تھے، لیکن ان سے رامائن کی کہانی کا کوئی تعلق نہیں ہو پاتا (دھرم یگ ۴ / اپریل ۱۹۷۶ء)۔

ہندو روایتوں میں ایک بہت اہم منتر کا ذکر آتا ہے جسے رام جی کا تارک منتر کہا جاتا ہے، یعنی رام جی کا پار لگانے والا منتر jka jkek;ue% اس کا مطلب رام کے رام (خدا) کی عبادت کرو، یعنی جن رام چندر جی کو جسمانی شکل میں دنیا میں مانتے ہیں ان کی طرف خود یہ منسوب کیا جا رہا ہے کہ انہوں نے اپنی عبادت کرنے کو نہیں، بلکہ اپنے اوپر کسی اور رام کی عبادت کو نجات کا ذریعہ بتایا تھا (اب بھی نہ جاگے تو ص ۱۷۰)۔

یہاں ایک اور ذائقہ دار تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔ جناب ڈاکٹر سید یحیٰ نشیط صاحب نے شیخ محمد قادری مہاراشٹری کی تصنیف ''یوگ سنگرام'' کے اٹھارہویں باب کا یہ خلاصہ اپنی زبان میں لکھتے ہیں:

رام سے مراد دشرتھی رام نہیں ہے۔ اپنے والدین کو کاندھے پر بیٹھا کر مقامات مقدسہ کی زیارت کرانے والے شراون کمار کو جب دشرتھ کا تیر لگا تھا تو مرتے بوقت اس کی زبان پر ''رام'' کا نام آیا تھا۔ اس واقعہ کے ظہور کے وقت تو دشرتھ کا لڑکا ''رام'' عالم وجود میں بھی نہیں آیا تھا۔

پس ثابت ہوا کہ شیخ محمد کا رام وہ وراء الوراء ہستی ہے جو دائم وقائم ہے (اردو مراٹھی کے تہذیبی رشتے ص ۱۶، ۱۷ / بحوالہ ''تسبیح وزنار'' مصنفہ ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل ص ۶۹ مطبوعہ سلمان فائن آرٹس موہن پورہ ناگپور)۔

اوپر کی تحقیقات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ، رام کسی خاص شخص کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک لاحقہ یا لقب ہے جو کسی شخصیت کے نام کے ساتھ بطور عظمت یا خدائی نسبت کے جوڑ دیا جاتا تھا۔ مسٹر ملا دی وینکا رتنام نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ سیریا (ملک شام) کے بادشاہ کا بھی یہی نام تھا۔

اب آیئے اس وادئ پرخار کے سفر میں کچھ دور اور آگے چلیں اور شری رام چندر کی شخصیت کو تلاش کریں۔

ہندو عقیدہ کے مطابق زمانے چار ہیں (۱) ست یگ (۲) ترتیے یگ (۳) دواپر یگ (۴) کل یگ۔ شری رام ترتیے یگ میں پیدا ہوئے۔ ان سارے یگوں میں کلیگ سب سے چھوٹا ہے باقی سب یگ لاکھوں سال پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ہندو مذہب کے مطابق اس دنیا کی عمر پونے دو ارب سال کے قریب ہے اور شری رام دس لاکھ سال پہلے پیدا ہوئے۔ یہ تاریخ کے وجود میں آنے سے پہلے کا زمانہ ہے۔ اس میں آدم علیہ السلام بھی وجود میں نہیں آئے ہیں اور ساری کائنات ارضی پر اس وقت جنات وشیاطین کا قبضہ ہے جن کی شرکشی کی سرکوبی کے لئے بعد میں خلیفۃ اللہ فی الارض (آدمؑ) کو پیدا کیا گیا۔

اگر شری رام اسی دور کی پیداوار ہیں جیسا کہ ہندو روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر شری جے دیال گوبند کا جی جو سناتن دھرمی ممتاز ومشہور عالم اور گیتا پریس گورکھپور اور اس کے ماہنامہ ''کلیان'' کے ادارہ کے رکن ہیں اپنے کتابچہ ''اوتار سدھانت'' میں فلسفۂ اوتار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بھگوان شری رام کے بھی اسی طرح چار ہاتھوں والی صورت ہی میں ماتا کوشلیا کے سامنے ظاہر ہونے اور پھر ان کی درخواست پر دو ہاتھوں والے بچے کی صورت میں تبدیل ہو جانے کی بات آتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھگوان اپنے بھگتوں کی خواہش کے مطابق ان کو درشن دے کر غائب ہو جاتے ہیں (عقیدۂ رسالت اور اوتار ص ۹۷)۔

تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شری رام جنات کی نسل سے تھے جو ناری مخلوق ہونے کے سبب تبدیلی شکل وصورت پر قادر ہوتے ہیں۔ اور ان کی پیدائش کا دور بھی جناتی دور تھا اور واقعہ بھی ان کے بچپن، یعنی ابتدائے پیدائش کا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم جس پرشوتم (پرشوں میں اتم، انسانوں میں اعلیٰ انسان) رام کی تلاش میں ہیں۔ یہ وہ رام نہیں ہیں۔ یہ تو جنات رام لگتے ہیں، جبکہ ہمیں انسان رام چاہئے۔

آیئے پرشوتم رام یا اعلیٰ درجہ کے انسان رام کی تلاش میں ہم اور آگے بڑھتے ہیں۔ چونکہ رام چندر جی کی شخصیت اور اہمیت رامائن ہی سے

متعین ہوتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم ایک نظر اس پر بھی ڈالتے چلیں۔

''روایات سے اتنا تو پتہ چلتا ہے کہ بالمیکی (رامائن کے مصنف) رام کے ہم عصر تھے، لیکن یہ کونسا زمانہ تھا اس کا پتہ نہیں چلتا۔ شری چنتامنی وید کی رائے ہے کہ رگوید کے دسویں منڈل میں جس رام کا تذکرہ ہے وہ یہی دشرتھ کے رام تھے۔ یورپین علماء نے دسویں منڈل کا عہد ڈیڑھ ہزار سال قبل مسیح قرار دیا ہے'' (عقیدۂ رسالت اور اوتار (۱۴۲)۔

''رام کی کتھا کے ارتقاء پر پورنڈر خاور کامل ٹلکے، نے جو عالمانہ کتاب شائع کی ہے اس کے مطابق رام کتھا سے متعلق حکائیہ نظموں کی واقعی تصنیف ویدک عہد کے بعد اک کھواکو (b{kokdq) خاندان کے راجاؤں کی اولاد نے شروع کی تھی۔ انھیں نظموں کی بنیاد پر بالمیکی رامائن کی تصنیف عمل میں آئی۔ اس زمانے تک رامائن ایک انسان کی منظوم کتھا تھی۔ رام ایک آدرش چھتری کی حیثیت سے بھارتی عوام کے سامنے پیش کئے گئے تھے اس کا پتہ ''گیتا'' کے اس مقام سے چلتا ہے جہاں کرشن نے ارجن سے کہا ہے jke% 'kLk=k Hk`rkege رام اشستر بھر تام اہم (میں ہتھیار اٹھانے والوں میں رام ہوں) (گیتا درشن ص ۱۱۳ / مصنفہ چودھری روشن لال)۔

لیکن رام چرت (ترقی یافتہ رامائن) جیسے جیسے عوام میں مقبولیت حاصل کرتی گئی اس میں ماورائے انسانیت رنگ پیدا ہو گیا، یہاں تک کہ ایک صدی قبل مسیح تک رام وشنو کے اوتار قرار دیئے گئے۔

بودھ اور جین لٹریچر کے علاوہ تمام بھارتی لٹریچر میں رام وشنو کے اوتار کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ البتہ بودھ دھرم کے ساتھ رام کا جو تصور بھارت کے باہر پہنچا اس میں رام نہ وشنو کے اوتار ہی رہے اور نہ ان کے متعلق عقیدۂ عبودیت ہی باقی رہا''۔

مولانا ابومحمد امام الدین رام نگری مذکورہ بالا عبارت کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

دِنکر جی (شری رام دھاری سنگھ دنکر جن کی کتاب ''ہندوستانی تہذیب کے چار باب'' ہے جس پر وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کا مقدمہ ہے اور صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرساد کے نام منسوب ہے اور ۱۹۵۶ء میں چھپی ہے) رام چندر جی کی ہستی اور ان کی اوتاری حیثیت کے متعلق انھوں نے عالمانہ تحقیق پیش کی ہے اس کی رو سے اوتار کی حقیقت قطعاً مشتبہ اور نا قابل اعتبار ہو جاتی ہے (عقیدۂ رسالت اور اوتار ص ۱۴۸)۔

آگے ''رامائن'' سے دوسری زبانوں میں دسیوں رامائن کے وجود میں آنے کا تذکرہ یہاں تک کہ بھارت سے باہر تبت، سنہیل، کھوتان، ہند، چین، سیام، برما، انڈونیشیا وغیرہ میں بھی اس کتھا پر نظمیں لکھی گئیں۔ گویا اس نے ایک زمانے میں ایشیا کے ایک بڑے حصہ کو متاثر کیا، اب دنکر جی کے متن پر ہندو دھرم کے کثیر المطالعہ بنارسی عالم دین مولانا ابومحمد امام الدین رام نگری کا حاشیہ پڑھئے:

یہاں تک پہنچ کر یہ حقیقت بالکل عیاں ہوگئی کہ موجودہ رامائن یا رام کتھا داستان در داستان ہے جس کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں ہے، پھر رام کا اوتار ہونا تو اور بھی بعید از حقیقت ہو جاتا ہے۔ ایسی چیز چاہے اور جو کچھ ہو عقیدے کی بنیاد نہیں بن سکتی (عقیدۂ رسالت اور اوتار ص ۱۵۰)۔

ابھی اس سفر کو جاری رکھئے اور شری رام کے اوتار ہونے کی حیثیت کو خود بالمیکی رامائن میں تلاش کیجئے تو واضح ہوگا کہ ان کی شخصیت اور اوتار ہونے کی حیثیت تو مشتبہ ہے ہی خود رامائن بھی کوئی تاریخی مستند سوانح عمری نہیں، بلکہ ایک اُپنیاس اور ناول جیسی کتاب ہے۔

شری رام چندر اور بالمیکی ckyehdh ہم عصر ہیں۔ بالمیکی رامائن تصنیف ہونے کے بعد عوام میں رائج ہوتی ہے۔ رام چندر تک پہنچتی ہے۔ وہ اس کو سنتے ہیں، لیکن رامائن کی تصنیف سے پہلے نہ بالمیک رام چندر سے واقف ہیں نہ رام چندر سے متعلق معلومات رکھنے والا کوئی انسان ان سے رام چندر کے واقعات بیان کرتا ہے، بلکہ نارد منی دیولوک سے ان کے پاس آجاتے ہیں۔ اور رامائن کی کہانی سناتے ہیں۔ رامائن کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

ر تپسوی بالمیکی نے سدا تپسیا کرنے والے اور شاستر چنتن (شاستروں کا مطالعہ) کرنے والے سب سے ممتاز عالم اور منیوں میں سب سے عالی مرتبہ منی نارد سے پوچھا۔ اس وقت دنیا میں کون شخص گُنی (خوبیوں والا) بہادر، دھرم کا ماہر، شاکر، اپنے قول و قرار اور عہد کی پابندی کرنے والا ہے؟ (بالمیکی رامائن بال کانڈ، ہندی مترجم ساہتیہ آچاریہ پنڈت چندر شیکھر شاستری، ناشر ساہتیہ پستک مالا کاریالیہ بنارس)۔

نارد منی جواب دیتے ہیں۔ میں سمجھ بوجھ کر آپ کو ویسا منشیہ (انسان) بتاتا ہوں۔ سنئے:

وہ پرش (آدمی) جنتا میں رام کے نام مشہور ہیں۔ ان کی پیدائش اکشواکو (bZ{kqokdq) خاندان میں ہوئی تھی۔ وغیرہ۔

نارد منی رام چندر کے وہ تمام اوصاف بیان کرجاتے ہیں جو کسی جامع الصفات انسان میں پائے جاسکتے ہیں۔ لیکن وہ یہ نہیں کہتے کہ رام چندر ایشور کے اوتار ہیں حالانکہ اگر وہ اوتار ہوتے تو سب سے پہلے یہی بات بتانے کی تھی (عقیدۂ رسالت اور اوتار ص ۱۶۰، ۱۶۱)۔

نارد منی کے بعد اب برھما جی کے بالمیک کے پاس آنے اور رام کتھا لکھنے کی ہدایت دینے کو بھی دیکھ لیجئے:

''عالی قدر منی بالمیک کو دیکھنے کے لئے چار منھ والے نہایت پر جلال، خلقت کو پیدا کرنے والے برہما وہاں آئے۔ رام چندر جی کے بارے میں کہا ''رشی شریشٹھ (عالی قدر رشی) آپ دھرماتما بھگوان رام چندر کے تمام سوانح بیان کریں، کیونکہ رام چندر دنیا میں دھرماتما اور بدھیمان ہیں۔''

یہاں خیال رہے کہ برہما نے رام چندر جی کو دھرماتما (مذہبی عالم) اور بدھیمان (صاحب عقل) تو کہا، لیکن اوتار نہیں کہا، البتہ ان کے معزز انسان ہونے کے لقب کے طور پر بھگوان کہا نہ کہ ان کے واقعی بھگوان ہونے پر۔ اس لئے کہ برہما تو خود بھگوان ہیں اور رام چندر بھگت ہیں، بھگوان نہیں۔ جیسا کہ پیچھے ان کے تارک منتر (پار اتارنے والا منتر) jka jkek; ue% میں گزر چکا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ بالمیکی رامائن سے رام چندر جی کے اوتار ہونے کا ثبوت فراہم نہیں ہوتا۔ رہ گئی تلسی کرت رامائن تو یہ اکبر بادشاہ کے زمانے کی تصنیف ہے اور ان دونوں رامائنوں میں باہم کافی اختلافات ہیں۔ پہلی رامائن واقعاتی رنگ میں ہے تو دوسری رامائن عقیدت و بھگتی کے رنگ میں ہے۔ بالمیکی رامائن میں رام چندر جی صرف اعلیٰ خوبیوں کے انسان ہیں، اور تلسی داس کی رامائن میں ان کی عقیدت کا رنگ چڑھا ہوا ہے، جس کی وجہ سے انھوں نے یکایک شری رام کو اوتار بنادیا ہے۔ اس کے علاوہ تلسی داس کی رامائن میں بال کانڈ اور اترا کانڈ کا اضافہ ہے جو بالمیکی رامائن میں نہیں ہے۔ جو حالات بالمیکی رامائن میں نہیں ہیں آخر وہ تلسی داس کی رامائن میں کیسے اور کہاں سے آگئے۔ یقیناً یہ خود ساختہ ہوں گے جن کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

ایشور کا اوتار ایشور بھگتی کی تعلیم، امن وامان کے قیام اور ظلم وستم کی بیخ کنی اور دھرم کا بول بالا کرنے کے لئے آتا ہے، جیسا کہ گیتا کے حوالے سے پیچھے نقل کیا جاچکا ہے، لیکن بالمیکی رامائن میں اس واقعہ کو ہم پڑھتے ہیں تو رام چندر جی کے اوتار ہونے کی حیثیت پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

جناب جگدیش چاوٗلہ صاحب بالمیکی رامائن کے سرگ 73 سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں:

ایک برہمن کے رام چندر جی سے یہ شکایت کرنے پر کہ شودر شنبوک کے ایشور کی تپسیا (خدا کی عبادت کرنے) کی وجہ سے اس کا بیٹا مرگیا۔ شری رام اس کے پاس جاتے ہیں اور اپنی کھنڈگ (اس زمانے کی تلوار) سے اس کا سر کاٹ دیتے ہیں اور اس کے قتل کرڈالنے پر اندر، اگنی وغیرہ دیوتا شری رام کو مبارکباد دیتے ہیں اور ہوا کے دیوتا چاروں طرف سے ان پر خوشبودار پھولوں کی بارش کرتے ہیں۔

لیجئے پورا واقعہ حوالے کے ساتھ ہندی میں پڑھئے:

okYehfd jkek;.k ds 73 osa lxZ esa 'kacwd o/ dk izlax vkrk gSA ,d czkge.k }kjk ;g dgus ij jke ml dk o/ dj nsrs gSa fd ml dk csVk ek=k blfy, ej x;k gS D;ksa dh 'kqnz 'kacqd riL;k djus yxk gS ukjn jke dks le>krs gSa lr ;qx esa czkge.k {kf=k; vkfn lHkh yksx ekal [kkrs FksA bl(=ksrk);qx esa vkfe"k dks eyor le>k tkus yxk vkSj [ksrhckMh ls yksx thoufuokZgdjusyxsA(74@17)

=ksrk esa dsoy czkge.k vkSj {kf=k; dks gh riL;k djus dk vf/dkj gSA nwljksa dk /eZ lsok gSA czkge.kkas ,ao 'kqnzksa dk vkSj [kklrkSj ls 'kqnzksa dk ije /eZ gSA (74@16&20&21)

=ksrk esa 'kqnzksa dk ri djuk v/eZ gS tgka tgka ,slk v/eZ ns[ks mls ogha jksd nsa bl ls vki ds /eZ vkSj vk;q dh o`f¼ gksxh vkSj bl czkge.k dk ckyd Hkh th mBsxkA (74oka lxZ)

cl jke iq"id foeku esa cSB dj tkrs gSa vkSj 'kacwd ls fliQZ bruk gh iwNrs gSa fd og riL;kD;ksadjjgkgSA\(74okalxZ)

vkSj 'kacwd dgrk gS gs jke panz eSa lR; dgrk gwa fd 'kwnz;ksfu esa mRiUu gks dj eSa('kacwd)nsoykssd thrus dh bPNk ls mxz ri esa layXu gwaA ml dh bl ckr ds lqurs gh /eZK jke us E;ku ls viuk fnO; [kMx fudky dj ml 'kqnz dk flj dkV fy;kA ml ds ejrs gh banz vfXu vkfn nsork jke dh cMkbZ djus yxsA ok;q nsork us mu ij pkjksa vksj ls lwxaf/r iwQyksa dh o"kkZ dhA(76&3&6)

lfjrk vDrqcj(izFke)1988

یہاں یہ بھی قابل غور ہے کہ رامائن کا دوسرا زبردست کردار سیتا جی جنھیں عام ہندو عالم رام چندر جی کی بیوی اور ہریانہ کے ریسرچ اسکالر ڈاکٹر کوچھر ان کی بہن قرار دیتے ہیں۔ رامائن ہی کا بیان ہے کہ یہ نام اس لئے پسند کیا گیا کہ جنک نے ہل چلاتے وقت ان کو زمین سے پایا تھا۔ بالفاظ دیگر وہ کسی عورت کے بطن سے پیدا نہ ہوئی تھیں، بلکہ دھرتی ماتا کی اولاد ہے۔ لیکن سیتا ایک بہت قدیم مصری نام ہے وہاں اب بھی دولت مند خواتین کے نام کے ساتھ عزت وادب کے لحاظ سے اس کو لگا دیا جاتا ہے۔ قاہرہ میں آج بھی ایک مسجد سیتا زینب کہلاتی ہے۔ مسٹر ملاوی دینکا نارتنام لکھتے ہیں:

ہندوستان کے قدیم آثار میں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے ثابت کیا جائے کہ رام چندر جی نے کسی خطہ پر حکومت کی تھی۔ یہ ایک مصری کہانی ہے جس کو ہندوؤں کے مزاج کے مطابق ایک مقدس رنگ دے دیا گیا ہے (ہندومت ص ۳۰، ۳۱)۔

ایودھیا اور رام کی جائے پیدائش:

کرنل خواجہ عبدالرشید کی تحقیق کے مطابق تو راجہ دشرتھ کا تعلق بھی ہندوستان کے بجائے مصر سے ہے۔ راجہ دشرتھ کی قوم جس کو مات آکادی بھی کہا جاتا ہے یہ وادی دجلہ وفرات کے شمالی حصے میں آباد تھی۔ بعض مستشرقین نے اس کا نام حل آغاد بھی کہا ہے اور بعض نے اسی علاقے کو ایودھیا جس کا ذکر رامائن میں پڑھتے ہیں کے ساتھ منسوب کیا ہے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ یہاں کے بادشاہوں کی فہرست میں ایک بادشاہ کا نام دشرتھ حل ہوا ہے۔ جب یہ لوگ مملکت آغاد پر حکمراں تھے تو ان میں ایک بادشاہ پیدا ہوا جس کا نام خط میخی کے کتبوں سے دشرتھ حل ہوا ہے۔ اس بادشاہ کی ایک نہایت دلچسپ خط وکتابت فرعون مصر امینوفس سوئم کے ساتھ ہوئی تھی جو اب تک برٹش میوزیم میں محفوظ ہے۔ اس بادشاہ کا زمانہ مؤرخین نے ۱۳۹۴ء سے لے کر ۱۳۶۲ء قبل مسیح بتایا ہے۔ یہ بادشاہ اپنے ذاتی عقیدہ کے مطابق آفتاب پرست تھا اور اپنے خاندان کا سولھواں فرد تھا (ہندومت ایک مطالعہ ص ۳۱)۔

اگر اس تحقیق کو صحیح مان لیا جائے تو مسٹر وینکٹارتنام کی رائے بالکل درست قرار پائے گی اور دشرتھ سے لے کر رام اور سیتا تک سب مصر سے وابستہ شخصیات ثابت ہوں گے۔ اور اس طرح شری رام کے ہندوستان میں پیدا ہونے اور ان کے اوتار ہونے کا تصور ثبوت کے درجہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔

شری کرشن اوتار اور مہابھارت کی حقیقت:

شری رام چندر جی کے بعد اب دوسری شخصیت شری کرشن جی کو ہندو دھرم پستکوں میں تلاش کریں۔ شری کرشن دواپر یگ میں پیدا ہوئے۔ جس

کا مطلب یہ ہوا کہ زمین پر جب سے انسانی زندگی شروع ہوئی شری کرشن انسانی جسم کے دور سے پہلے کی شخصیت ہیں۔ بالفاظ دیگر جنات یا کوئی اور مخلوق ہیں۔ اس کی تائید اس کتھا سے بھی ہوتی ہے جس کو شری دیال گو بند کا جی نے نقل کیا ہے:

کرشن جی جیل میں اپنے والدین کے سامنے اپنی وشنو کی اصل صورت میں ظاہر ہوئے۔ ان کے چار ہاتھ تھے ایک ہاتھ میں [illegible] دوسرے میں گدا، تیسرے میں چکر، اور چوتھے میں کنول کا پھول تھا۔

پھر اپنی ماں دیوکی کی درخواست پر دو ہاتھ والے بچے کی شکل میں لوٹ گئے (عقیدۂ رسالت اور اوتار ص ۱۶۷)۔

مہابھارت کی ایک کہانی سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شری کرشن جنات کی نسل سے رہے ہوں گے۔ لکھا ہے کہ کورکشیتر کی جنگ میں ایک [illegible] کی چھاتی ۸۰ کوس تک لمبی تھی جس سے اُس نے راکششوں کو مارا تھا اور اس جنگ میں شری کرشن پانڈووں کی رتھ بانی [illegible]۔

لیکن دوسرے ہندو علماء کہتے ہیں کہ ان کا زمانہ چھ ہزار سال پہلے تھا اور تین صدی قبل مسیح میں شری کرشن [illegible] اس طرح ان کا زمانہ شری رام چندر کے مقابلہ تاریخ سے قریب العہد تو ہو جاتا ہے، لیکن ان کی شخصیت کی صحیح تصویر سامنے نہیں آتی۔ ان کے حالات زندگی اور کارناموں کی جو تفصیلات مہابھارت، وشنو پران، بھاگوت پران اور خود گیتا میں ملتی ہیں وہ متضاد اور حد درجہ [illegible] سے گری ہوئی، ناقابل یقین ہیں۔ یہاں مسٹر وی آر نارلا کی کتاب ”The Truth About The Geeta“ [illegible] میں؛ شائع کردہ نارلا انسٹی ٹیوٹ آف نیو تھاٹ حیدرآباد سے کچھ اقتباسات نقل کریں گے۔ پہلے کورکشیتر کی جنگ [illegible]۔

کیا کورکشیتر میں واقعی کوئی جنگ ہوئی تھی؟ اگر ایسا ہے تو ویدک لٹریچر میں کوروؤں کا نام ہر جگہ ہے مگر پانڈوؤں کا [illegible] وید میں ایک معمولی قبائلی لڑائی تک کا ذکر ہے جو (موجودہ) دریائے راوی کے کنارے ہوئی تھی۔

لیکن اتنی بڑی لڑائی کا اس میں ذکر بھی نہیں ہے۔ اس جنگ کے جو اعداد و شمار مہابھارت میں مذکور ہیں [illegible] مہابھارت کے مطابق 118 کشوہنی (فوج کا ایک ڈویزن) اس جنگ میں شامل ہوئے تھے۔ 111 کشوہنی کوروں کی اور ۷ پانڈوں کی، ایک کشوہنی میں 21870 رتھ 21870 ہاتھی 65610 گھوڑ سوار 109350 پیادے ہوتے تھے۔ اتنی بڑی فوج کی نقل و حرکت اس دور میں [illegible] اگر ہر گھوڑے پر ایک سپاہی اور ہاتھی پر دو سپاہی اور ہر رتھ پر دو افراد کے حساب سے اندازہ لگائیں تو تقریباً 40 لاکھ [illegible] جب کہ مہابھارت اس جنگ میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک ارب 66 کروڑ بتاتی ہے۔ جس کا مطلب [illegible] مرتبہ ہلاک ہوا۔ یہ مبالغہ آرائی کی حد اور حساب سے لاعلمی کا ثبوت ہے۔

مہابھارت جس دور کی یہ جنگ بتاتی ہے وہ تاریخ کا حجری دور ہے ہڑپہ تہذیب اس دور کی سب سے ترقی یافتہ [illegible] سارے اسلحہ جو برآمد ہوئے ہیں پتھر کے ہیں پھر اس جنگ میں لوہے کے تیر تلوار اور ہتھیار کس طرح استعمال [illegible] موجودگی میں اتنی بڑی فوج کس طرح اکٹھا ہوئی؟

اس جنگ کے اصل کمانڈر شری کرشن جی ہیں، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ روایات کی بھول بھلیوں میں [illegible]

امریکہ کے مشہور ماہر ہندوستانیات اولڈ نمبرگ نے اپنی کتاب ”گریٹ ایپک آف انڈیا“ میں [illegible] لٹریچر میں دسیوں کرشن ہمارے سامنے آتے ہیں ایک کرشن وہ ہے جس کو رگ وید میں راکشش کہا گیا ہے [illegible] ہے تیسرا کرشن مہابھارت کا کرشن ہے، ایک وشنو پران کا کرشن ہے جو گوالیوں کی بیویوں اور لڑکیوں سے ہنسی مذاق کرتا ہے [illegible] دوسرا کرشن ہے جو تربوا ندی کے کنارے آباد بودھوں اور جینیوں کو راکشش بنا دیتا ہے، ایک کرشن وہ ہے جس کی [illegible] ہے، کرشن شتو پال اور اپنے ماموں کنس کو دھوکے سے قتل کر دیتے ہیں بھیشم ڈرونا چاریہ اور دریودھن کو [illegible] ہے، ایک کرشن بھگت مفسر سکھاتا مگر یہ کہہ کر بات ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ممکن ہے ۱۸ دن کی طویل جنگ [illegible] جنگ اور طویل؟

منور با جوہری نے اپنی کتاب ''قدیم ہندوستان میں سیاست اور اقدار'' میں لکھا ہے کہ کرشن کی وجہ سے کروکشیتر کی جنگ میں کئی بے گناہ اموات ہوئیں۔ جب دریودھن اور بھیم میں جنگ جاری تھی تو کرشن نے چپکے سے بھیم سے کہا کہ اس کی جانگھیں توڑ دے، کیونکہ یہی اس کا کمزور مقام ہے'' یہ وہ حقیقت تھی جو صرف کرشن کو معلوم تھی اور پیٹ کے نیچے کے حصے پر وار کرنا اصول جنگ کے خلاف تھا، اس لئے کرشن کا سوتیلا بھائی بلرام جب غصے میں بھیم کی طرف بڑھا تو کرشن نے اسے سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔ وجہ؟ صرف یہ کہ اصل ذمہ دار کرشن تھا۔

ہندو دھرم پستکوں۔ مہابھارت، وشنو پران، بھاگوت پران اور گیتا میں ایک طرف شری کرشن وشنو کے جسمانی مظہر (وشنو اوتار) خالق موجودات اور مدبر کائنات خدا کی توحید کا نغمہ گانے والے بھگتی۔ مکتی اور گیان کا درس دینے والے۔ بت پرستی اور توہمات وخرافات کی مخالفت کرنے والے موحد نظر آتے ہیں تو دوسری طرف انھیں کتابوں میں انکی ذات سے ایسے گندے واقعات منسوب ہیں کہ اوتار یا پیغمبر تو کجا ایک پاکیزہ اخلاق انسان تسلیم کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

کرشن کی ازدواجی زندگی بھی عجیب ہے، اس کی بیویوں کی تعداد ۱۶۰۲۲ بیٹوں کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار بتائی گئی ہے بہن کوئی نہیں ہے کرشن نے دوارکا شہر آباد کیا تو ہری ونش پران کے مطابق ہزاروں کی تعداد میں طوائفیں وہاں آباد کیں، ہزاروں شراب خانے بنائے۔

کرشن کے بیٹے سانبا نے تو غضب ہی کر دیا اور وہ کرشن کی سولہ ہزار بیویوں کو لے بھاگا جس پر کرشن نے اسے کوڑھی ہو جانے کی بددعا دی (تلخیص وتعارف۔ سہ ماہی ''السلام'' نئی دہلی۔ جنوری تا مارچ ۱۹۹۷ء)۔

شری رام وشری کرشن کیا نبی ہیں؟:

ہم اپنے حسن ظن کی بنیاد پر یہی کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح دنیا کی عظیم شخصیتوں کے ساتھ لوگوں نے اپنی کمزوریوں کو چھپانے کیلئے غیر واقعی کہانیاں منسوب کر دیں ایسا ہی کچھ شری رام چندر اور شری کرشن کے ساتھ بھی ہوا ہوگا۔

قرآن پاک میں معتقد شخصیات کے ساتھ حسن ظن اور جذبۂ احترام قائم رکھنے کی جو تعلیم ہے اسی کے عملی مظاہرہ کے طور پر ہمارے بزرگوں نے شری رام وشری کرشن کے نبی ہونے کے امکان کو ظاہر کیا یا وسیع المشربی کے ذیل میں ویدک بزرگوں کو پیغمبر کہا گیا۔ جیسا کہ معتبر مؤرخ ومحقق پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب نے مشہور بزرگ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے بارے میں لکھا ہے کہ:

ان کی وسیع المشربی کا یہ حال تھا کہ بڑی تعداد میں ہندو ان کے معتقد تھے آخر عمر میں وہ اپنے ایک ہندو معتقد رام کیول کے مکان میں رہتے تھے وہ وید کو الہامی کتاب مانتے تھے اور جن اکابر کا اس میں ذکر ہے ان کو پیغمبر تسلیم کرتے تھے (دہلی کے صوفیاء۔ ماہنامہ، معارف اعظم گڑھ ص ۴۳۶ دسمبر ۱۸۹۰ء)۔

ایک وضاحت:

پچھلی تصریحات کی روشنی میں واضح طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ ہندو دھرم کے عقیدۂ اوتار سے جب تک نزول اور حلول کے تصور کو خارج نہ کر دیا جائے اس وقت تک اس کا اطلاق نبی اور رسول کے اسلامی تصور پر درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ نبی ورسول کے اسلامی مفہوم ومعنی سے قریب تر ہندو دھرم کے دو الفاظ ''دوت'' اور ''رشی'' ہو سکتے ہیں۔ پہلے لفظ دوت کو پنڈت درگا شنکر ستیارتھی نے اور دوسرے لفظ رشی کو پنڈت وید پرکاش اُپادھیا نے نبی ورسول کے ہم معنی قرار دیا ہے اور اپنی تحقیق کے مطابق ہندو دھرم گرنتھوں کی پیشین گوئیوں میں ان دونوں الفاظ کو مختلف دلائل وشواہد کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ پر منطبق کیا ہے لیکن یہاں یہ بھی قابل غور ہے کہ رگوید میں کہا گیا ہے۔ vxfu nqra o`.khegs (رگوید۔ ۱۔ ۱۲۔ ۱۰)

ہم اگنی کو دوت (پیغمبر) چنتے ہیں۔ (رگوید۔ ۱۔ ۳۱۔ ۱۵) Roexus iz;r nf{k.a uja اگنی وہ انسان ہے جو عبادت گزاروں سے خوش ہوتا ہے۔

یہ معنی تو نبی ورسول پر پیغمبر انسانیت ہونے کے اعتبار سے صادق آسکتا ہے، لیکن دوسری جگہ رگوید کے منتروں میں اگنی کو خدا قرار دیا گیا ہے۔

اے اگنی (خدائے واحد) تم ہی نیکوں کی دلی تمنائیں پوری کرنے والے ہو وغیرہ (رگوید ۲۔ ۱۔ ۳)۔

اے اگنی (خدائے واحد) تم زور ہو تم پیتا ہو وغیرہ (رگوید ۲۔۱۔۶)۔

اے اگنی (خدائے واحد) تم وعدہ پورا کرنے والے راجہ ورن ہو وغیرہ (رگوید ۲۔۱۔۴)۔

اے اگنی (خدائے واحد) تم دولت دینے والے سویتا ہو وغیرہ (رگوید ۲۔۱۔۷)۔

اے اگنی (خدائے واحد) تم سب سے اول ہو وغیرہ (رگوید ۲۔۱۔۱۱)۔

یہاں بات پھر الجھ جاتی ہے کہ اگنی دوت (انسان پیغمبر) ہے تو وہی پھر غیر مجسم اور غیر انسان خدا کیسے ہوسکتا ہے، البتہ رشی عام طور پر نیک صالح بندوں اور انسان پیغمبر پر بولا جاتا ہے اور اس معنی میں پنڈت وید پرکاش اُپادھیائے جی نے اپنی کتاب ''انتم رشی محمدؐ'' میں ویدک پستکوں میں مذکور رشی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے اور یہ معنی اسلامی تصورِ نبی و رسول سے قریب تر ہے۔ اس معنی میں رشی اپنی انسانی حیثیت سے بلند ہوکر خدا کی صف میں کھڑا نہیں ہوتا۔

ہندو دھرم گرنتھوں میں تصور توحید و آخرت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت:

ویدوں کی بنیاد میں بلاشبہ توحید خالص کا تصور شامل ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) وہ ایک ہی ایش (خدا) سب لوگوں کا مالک ہے وہ ہی سب کا نگراں ہے۔ ہم اپنی بھلائی کے لئے اس کے حکموں پر چلتے ہیں۔ (رگوید ۸۔۲۵۔۱۶)

(۲) ایشور ہی اول ہے اور تمام مخلوقات کا اکیلا مالک ہے وہ زمینوں اور آسمانوں کا مالک ہے اسے چھوڑ کر تم کون سے خدا کو پوج رہے ہو۔ (رگوید ۱۰۔۱۲۱۔۱)

(۳);ks fo'okfHk fo i';fr Hkqouk lap i';fr

وہ ایشور ساری دنیا کو اچھی طرح جانتا ہے (رگوید ۱۰۔۱۸۷۔۴)۔

(۴) وہ ایشور (خدا) نہ دوسرا ہے نہ تیسرا اور نہ چوتھا کہا جاتا ہے۔ وہ پانچواں۔ چھٹا اور ساتواں بھی نہیں کہا جاتا ہے وہ آٹھواں، نواں اور دسواں بھی نہیں کہا جاتا ہے۔ وہ ایشور (خدا) حقیقۃً دنیا کے جانداروں اور غیر جانداروں کو مختلف انداز سے دیکھتا ہے۔ اسے پوری قدرت حاصل ہے وہ اکیلا موجود ہے۔ زمین وغیرہ سب اسی کے مظاہر ہیں (اتھروید ۲۱۔۱۶۔۴۔۱۳)۔

(۵) ایشور ہی روحانی اور جسمانی طاقتیں عطا کرنے والا ہے اور اس کی عبادت تمام دیوتا (فرشتے) کیا کرتے ہیں۔ اس ایشور کی خوشی ہمیشہ کی زندگی عطا کرنے والی ہے اور موت کا خاتمہ کرنے والی ہے اس ایشور کو چھوڑ کر تم کس دیوتا کی عبادت کر رہے ہو (رگوید ۱۰۔۱۲۱۔۲)۔

یہاں ہم نے انہیں منتروں کو نقل کیا ہے جن میں لفظ ''ایشور'' شامل ہے اور یہاں تک ویدوں میں خدا کی توحید خالص بے آمیز اور اسلامی تصور توحید سے ہم آہنگ و ہم رنگ نظر آتی ہے۔ ویدوں کے بنیادی تصور توحید کو سمجھنے کیلئے لفظ ''ایشور کو خصوصی اہمیت حاصل ہے''۔ ایشور خدائے واحد کی ذات کا علم (ذاتی نام) ہے یہ وہی درجہ ہے جسکی تعبیر اسلامی روایت میں: ''کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا'' (میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا) سے کی گئی ہے آگے چل کر اس میں ایک دوسری صفاتی حیثیت شامل ہوجاتی ہے جس کو فَاَرَدْتُ اَنْ اُعْرَفَ فخلقت الخلق (میں نے ارادہ کیا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا) کہا گیا ہے یہاں آکر ایشور کو ''برہم'' قرار دیا جاتا ہے۔ پہلے درجہ میں وہ نرگن (معرّیٰ عن الصفات) ہے اور دوسرے درجہ (برہم) میں خدا سرگن متصف بالصفات کہلاتا ہے، اس طرح ایشور اپنی وحدت سے نکل کر ثنویت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ اور یہاں سے دو متوازی خدا کا تصور ابھرتا ہے جو اسلامی عقیدۂ توحید کے برخلاف ہے۔

جناب عباد اللہ گیانی اپنی کتاب، ہندو دھرم۔ گرونانک کی نظر میں،، اس کی تشریح کرتے ہیں:

خدا تعالیٰ کے دو سروپ مذکور ہیں۔ ایک وہ جبکہ اس نے کوئی تخلیق نہیں کی تھی اور وہ اکیلا تھا۔ اس دور وحدت میں اس کے خالق یا اجونی وغیرہ

ہونے کی صفات ظہور میں نہیں آئی تھی۔ اس سے متعلق ہم کچھ بھی خیال اپنے دل میں نہیں لاسکتے یہ خدا کا نرگن روپ ہے۔ پھر اس نے تخلیق کی اور خود کو اپنی قدرت کے ذریعہ ظاہر کیا۔ جتنے گن یا صفات اس کی بیان کی جاتی ہیں وہ سب کی سب اس سرد گن روپ "برہم" کی ہیں۔ گویا ایک کا تعلق دور وحدت سے ہے، جبکہ خدا کے علاوہ کوئی چیز بھی وجود میں نہیں آئی تھی اور دوسرے کا تعلق دور خلق سے ہے، جبکہ اللہ تعالی نے عالم کائنات کو پیدا کیا (ہندومت ایک مطالعہ ص ۷)۔

ویدانت کے دو خداؤں کا یہ تصور بہت ممکن ہے ایران کے زرتشت مذہب سے لیا گیا ہو زرتشت اگر چہ خدائے واحد کے قائل تھے، لیکن بعد میں اس میں دو خدا (۱) یزداں نیکی کا خدا اور (۲) اہرمن بدی کا، خدا کا تصور پیدا ہو گیا۔ ہندوستان آنے سے پہلے آریہ تہذیبی اور نسلی اعتبار سے ایران کے زرتشتی مجوسیوں کے عقیدۂ ثنویت دو خدا اور آتش پرستی سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتے ہوں گے، کیونکہ وید کو چار حصوں میں تقسیم کرنے والے وید ویاس جی نے بھی شروع میں زرتشت کا دین اختیار کرلیا تھا۔ اس لئے اس کا قوی امکان ہے کہ ہندو مذہب میں دو خداؤں کا تصور اس دور کی پیداوار ہو۔

سوامی وویکانند جی "ویدوں کا ہندومت" میں لکھتے ہیں:

"یہ تصور توحید ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں بالکل ابتدائی دور میں آیا۔ وید سنہتاؤں کی اولین اور قدیم ترین حصہ میں موحدانہ نقطۂ نظر پایا جاتا ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تصور آریوں کے لئے تسلی بخش ثابت نہیں ہوا، انھوں نے اسے ایک ابتدائی تصور سمجھ کر جیسا کہ وہ فی الواقع ہے ایک طرف پھینک دیا اور آگے بڑھ گئے" (ہندومت ایک مطالعہ ص ۷)۔

مطلب یہ ہوا کہ آریہ لوگ خدا کی وحدت سے خدا کی ثنویت کی طرف بڑھ گئے، لیکن وہ یہاں بھی ٹھہر نہیں سکے، بلکہ زیادہ فلسفیانہ اور کامل ماورائی تصور تک رسائی حاصل کرنے کی جدو جہد میں وہ اور آگے نکل گئے اور ثنویت سے تثلیث (تین خداؤں) تک پہنچ گئے۔ وشنو پران میں لکھا ہے:

I'f"V fLFkR;ar dj.kkZa czge fo".kq f'kokfe /ke I laKk ;fr Hkxokusd ,d tuknZuA

برہما، وشنو، مہیش، مہادیو کی شکل میں تین خداؤں کو تراش لیا گیا۔ اگر چہ ان کو، خدا کے تین صفات۔ برہما تخلیق کی صفت وشنو پرورش کی صفت اور مہیش مارنے کی صفت قرار دیا گیا۔ لیکن درحقیقت یہ تین مستقل خدا بن گئے۔ کیونکہ ان تینوں کا جسمانی وجود ان کی ولادت، شہوت اور بیوی کے ساتھ عیش و عشرت اور ان سے اولاد کی پیدائش وغیرہ کی پوری داستانیں اور کتھائیں لکھی گئیں اور ان کی پوجا پاٹ وغیرہ حالات پر ہر ایک کے نام سے الگ الگ پران مرتب ہو گئے اور ان کے نام سے الگ الگ دھرم اور دو چار منچ قائم ہوا اور سب سے بڑی بات یہ کہ اوتار واد کی تھیوری کے مطابق ان میں مکمل طور پر بھگوان (خدا) کو اتار لیا گیا۔ کیا یہ سب باتیں اس بات کے ثبوت کیلئے کافی نہیں ہیں کہ یہ تینوں نام خدا کی صفت محض نہیں ہیں، بلکہ الگ الگ مستقل خدائی وجود ہیں۔

پھر بات یہاں آ کر بھی رکی نہیں، بلکہ کئی قدم آگے بڑھ گئی۔

ہندو کے زبردست عالم جناب محمد فاروق خاں "وید اور قرآن" ہندی ایڈیشن کے باب "ویدوں میں دیوتاواد" کے تحت لکھتے ہیں:

"ہندوؤں کے ساتھ سب سے بڑا المیہ یہ ہوا کہ جیسے جیسے ویدوں کو لے کر ہندو دھرم آگے بڑھا آریہ اپنے آپ کو ویدوں کے مؤید کہہ کر اپنی عظمت کے اظہار کے لئے ویدوں میں دیوتاواد کی تھیوری لے کر آگے بڑھتے رہے۔"

اس کی مثال دیکھنی ہو تو وید کی سب سے پہلی قدیم کتاب رگوید کا مطالعہ کریں۔ اس میں ۳۳ مختلف دیوتاؤں کی مدح و ثنا کی گئی ہے ان میں سے ۱۱ دیوتا زمین کے ۱۱ فضا کے اور ۱۱ آسمان کے ہیں۔

جناب فاروق خاں صاحب لکھتے ہیں:

رگوید کے تقریباً سارھے چار سو (۴۵۰) سوکتوں، یعنی نصف رگوید میں اندر اور اگنی دیوتا کے روپ میں چھائے ہوئے ہیں (اسلام کی اہمیت ہندو دھرم کے لئے خطرہ نہیں ص ۸)۔

اور پروفیسر آر سی دت کے بقول دیوتاؤں کی شکل میں بڑھتے بڑھتے خداؤں کی تعداد ۳۳ کروڑ ہوگئی۔ سنسکرت کے ماہر مناظر اسلام خلیل احمد بناری نے دیوتاؤں کی فہرست شمار کرنے کے بعد لکھا: ''ہندو قوم کی رو سے دیوتاؤں کی تعداد ۳۳ کروڑ ہے (رسالہ مصلح ص ۱۴۔ بنارس)۔

خلاصہ یہ کہ ہندو دھرم میں خدا کا خالص تصور توحید شرک آمیز تصور توحید میں جذب ہو کر رہ گیا۔ اگر چہ ایک جگہ رگوید میں اس کی صفائی یہ کہہ کر پیش کی گئی کہ:

bUnz fe=kka ojQ.kefXu ekgqjFkkS fnO; l uqi.kksa xqjQReku ,oaiQ lnzfoizk cgq/ onUr;fXua;eekrfj'okukekgq(Ìxosn]1%164%46¼)

اندر، متر، اگنی، یم، وایو، تریشوا۔ ایک ہی طاقت کے مختلف نام ہیں اور اہل بصیرت اور اہل علم نے ایشور کو صفات کی بنیاد پر مختلف ناموں سے پکارا ہے (رگوید ۴۶۔۱۶۴۔۱)۔

اپنشد یا ویدانت کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ ایک ہی برھم ساری کائنات میں ویاپت (سرایت کئے ہوئے) ہے یا ساری کائنات برھم ہی ہے۔ رگوید کے پرش سوکت میں واضح طور پر کہا گیا ہے iq:"k ,oan loZlq یہ سب پرش ہے (رگوید ۲۔۹۰۔۱۰)۔

جب ساری کائنات اور سارے انسان برھم خدا ہی ہیں تو پھر توحید کہاں رہی۔ جناب پنڈت درگا شنکر ستیارتھی جی نے ''دیوتا واد'' کی مخالفت میں ویدوں کے حوالوں سے بڑی جاندار تحقیق پیش کی ہے۔ کیونکہ خدا کی توحید اور ''دیوتا واد'' ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے:

ہندو دھرم میں دیوی دیوتاؤں کی کثرت پر اعتقاد رکھنے والوں کو اندھکار اور توہم وخرافات میں گرفتار بتایا گیا ہے اور سینکڑوں دیوتاؤں کے بائیکاٹ کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھئے رگوید اور یجر وید کے حوالے:

bZ'oj Li"V dgrk gS% nsoSjklfRlcfgZ"khA

(ÌXosn@12@14)

lSdMksansorkvksadkcfg"dkjdjksA

rFkk&

vU/re% izfo'kfUr ;s-------laHkwfreqiklrsA

(;tqosZm040@9)

vU/dkj esa izfo"V gsrs gSa] tks nsoh&nsorkvksa dh mikluk djrs gSaA (پنڈت درگا شنکر ستیارتھی۔ وید اور قرآن ص: ۳۵)

ہندو دھرم میں ''دیوتا وادیوں کو ''جانور'' کی صف میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔

'krir czkge.k esa gS%

;ksU;ka nsorkeqikLrs u l osn ;Fkk i'kqjsoa ls nsokuke~AA

(14@4@2@22)

tks nwljks esa bZ'oj cqfí djds mikluk djrk gS og dqN Hkh ugha tkurk] blfy, og fo}kuksa ds chp esa i'kq ds leku gSA

لیکن ان سب باتوں کے باوجود آج بھی عملی طور پر ہندو دھرم میں دیوتا وادی مروج ہے اور اس طرح عقیدۂ توحید حقیقی معنوں میں اپنا وجود کھو چکا ہے اور وحدت الٰہ کا تصور دیوتا واد کے فلسفہ میں الجھ کر گم ہو گیا ہے۔

ویدوں میں عقیدۂ آخرت:

جناب پنڈت درگاشنکر ستیارتھی جی لکھتے ہیں:

''ویدوں میں موجودہ زندگی اور مرنے کے بعد دوسری زندگی ملنے کے لئے ''دبیہ جنم'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ پیدائش کا عمل صرف دوبار ہوگا۔ تین چار ہزار بار نہیں اور نہ انسان کو ۸۴ لاکھ بار پیدا ہونا ہے۔ وید اس معاملہ میں کوئی گول مول بات نہیں کرتے ہیں کہ لوگوں کو شک وشبہ کا موقع ملے وید واضح طریقہ پر یہ اعلان کرتے ہیں کہ انسان صرف دوبارہ پیدا ہوگا (وید اور پنر جیون، بحوالہ ہندومت ایک مطالعہ ص ۱۷)۔

عالم برزخ یا پتر لوک:

موت کے بعد آخرت سے پہلے جو وقفہ پایا جاتا ہے اس میں آدمی کہاں اور کیسے رہتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی ویدوں میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سلسلے میں وید میں پتر لوک (عالم اجداد) کا تصور ملتا ہے۔ پتر لوک سے مراد وہ عالم ہے جہاں ہمارے باپ دادا اور دوسرے لوگ مرنے کے بعد پہنچتے ہیں۔ وید کے علاوہ پران اور مہا بھارت میں بھی پتر لوک کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی چند ایک مثالیں ہیں:

مرنے والے کو نصیحت کرتے ہوئے رگ وید میں کہا گیا ہے:

''کچھ پترگھی کے پاس بیٹھے ہیں جن کے لئے شہد بہتا ہے، تم اس کے پاس جاؤ۔ تپ کے زور سے جو لافانی ہیں، جو ریاضت کے زور سے سورگ کو چلے گئے ہیں، جنہوں نے بڑی جانفشانی کی ہے ان کے پاس تو بھی چلا جا۔ جو میدان جنگ میں لڑتے ہیں، یا جو مارے جاتے ہیں یا جو کافی خیرات کرتے ہیں، ان کے پاس تو بھی چلا جا۔ جو پہلے کے مرد نیک اعمال کے اجر کے مستحق ہوئے ہیں، جو نیکی کے چشمے کو وسیع کر چکے ہیں اور جنہوں نے محنت اور ریاضت کا ثمرہ مہیا کیا ہے، تو ان کے پاس پہنچ'' (رگ وید ۱۰، سوکت ۱۰۴)۔

نیکوں اور بروں کی روحوں کو نکالنے کی کیفیت:

''مہابھارت'' میں ہے:

(برے لوگ) کہیں روتے ہوئے اور کہیں درد سے کراہتے ہوئے یمراج کے گھر جاتے ہیں۔ ڈانٹ سہتے ہوئے، گھبراتے ہوئے، کانپتے ہوئے، خوفزدہ، دھکائے جاتے ہیں، جسم پر مار کھاتے ہوئے لوگ یمراج کے گھر جاتے ہیں'' (مہابھارت ص ۳۰۷)۔

''دنیا میں لوگ اعمال کے لحاظ سے تین قسم کے ہوتے ہیں...... تین راستے بلند، پست اور درمیانی طبقوں کے انسانوں کے لئے ہیں۔ پاکیزہ، متبسم! کس طرح یمراج کے فرستادے لے جاتے ہیں؟ وہ سنو: یمراج کے فرستادے اچھے لباس میں ملبوس ہو کر (بلند) لوگوں کو آرام والے اور خوشگوار راستے سے عزت کے ساتھ لے جاتے ہیں۔ یم دوت سپاہی کے لباس میں درمیانی طبقے کے لوگوں کو درمیان والے راستے سے لے جاتے ہیں۔ یم دوت چنڈال کے لباس پہنے ہوئے نیچ (برے) لوگوں کو پکڑ کر جھڑکتے ہوئے، پھندوں سے گھسیٹتے ہوئے دشوار گزار راستے سے لے جاتے ہیں۔ یمراج آئے ہوئے نیک لوگوں کا احترام کرتے ہیں۔ انہیں گلے لگا کر استقبال کرتے اور خیریت معلوم کرتے ہیں۔ ان کے نیک اعمال کی تعریف کرکے یمراج ان کی قیام گاہ بتاتے ہیں۔ نیک لوگ یمراج کی اجازت پاکر سورگ چلے جاتے ہیں'' (ص ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷)۔

برزخ کی زندگی:

یجر وید میں آیا ہے: ''یہ ان کی قوت مردانگی کو سلب نہیں کرتے انھیں سواری ملتی ہے۔ جس سے فضا میں طیران کرتے ہیں، انہیں شہپر عطا کرتے ہیں۔ جن سے وہ ماورائے فلک پرواز کرتے ہیں۔ اس خطے میں مکھن، شہد، شراب، دودھ اور دہی کی موجودہ نہریں بھی پائی جاتی ہیں۔''

پتر لوک کوئی بے لطف دنیا نہیں ہے۔ وہاں ہر طرح کے سامان عیش وعشرت پائے جاتے ہیں۔ اپنشد اور براہمن میں ہے:

''پتروں کا ایک لطف انسانوں کے سو لطف کے برابر ہے۔''

برزخ کہاں ہے:

مرے ہوئے لوگ کہاں رہتے ہیں۔ وید میں ان کا مقام خلا (varfj}k) بتایا گیا ہے۔ چنانچہ اتھر وید میں ہے:

''خلا کے اوپر تیسرے طبق میں پتر (آباء واجداد) رہتے ہیں۔'' (اتھر وید ۱۸۔ ۲۔ ۴۸)۔

شدھانت شرومنی میں ہے: ''چاند کے اوپر حصے میں پتر رہتے ہیں۔''

یجر وید میں ہے: ''جو آگ سے جلائے گئے اور جو نہ جلائے گئے درمیانی آسمان میں نذر و نیاز سے لطف اٹھاتے ہیں'' (یجر وید ادھیائے ۱۹ منتر ۶۰)۔

ویدوں اور شاستروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یم جس کا ذکر اوپر آچکا ہے پتر لوک کا نگراں ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے: ''ارواح یم لوک یا یم کی سلطنت میں رہتی ہیں'' (یجر وید ادھیائے ۱۹ منتر ۴۵)۔

نرکت کے مصنف نے بھی لکھا ہے: ''یم دیوتا چونکہ خلا میں رہتا ہے، اس لیے پتر جو گویا اس کی رعیت ہیں، خلا کے مقام والے مانے جاتے ہیں'' (نرکت باب ۱۱، کھنڈ ۱۸)۔

موت کے فرشتے کو ویدوں میں یم دوت یا مرتیو دوت کہا گیا ہے (اتھر وید ۱۱۔ ۸) ویدوں کے عقیدے کے مطابق انسان کی جان کو یم دوت (ملک الموت) نکال کر لے جاتے ہیں: ''ملک الموت بڑا عقلمند ہے وہ مردہ کی روح کو پتر لوک میں پتر بننے کو بھیج دیتا ہے'' (اتھر وید کانڈ ۱۸، سوکت ۲، منتر ۲۷)۔

رگ وید میں ہے: ''یم سے ملاقات کر، بزرگوں کی ارواح سے مل آزادی اور نیک اعمال کے اجر اعلیٰ بہشت میں حاصل کر۔ گناہ اور بدی کو ہٹا کر روشن جسم حاصل کر۔''

یہاں یہ بھی پیش نظر رہے کہ پتروں سے مراد صرف باپ دادا ہی نہیں ہیں، بلکہ اس میں دوسرے اعزا اور رشتہ دار بھی شامل سمجھے جاتے ہیں خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ چنانچہ باپ دادا، ماں اور دادی کے علاوہ اس میں بھائی، بہن، پھوپھی، اپنی بیوی، بیٹی، بیٹا اور پوتا وغیرہ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

پتر لوک کو اسلامی اصطلاح میں عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ عربی میں دو چیزوں کے درمیان کے پردے یا آڑ کو برزخ کہتے ہیں۔ اپنشد کی اصطلاح میں اسے سندھیا (lUè;k) کہا گیا ہے، کیونکہ یہ اس موجودہ زندگی کو آخرت کی زندگی سے ملاتا ہے۔ اپنشد کے یہ الفاظ ہیں:

''اس انسان کے لئے حقیقت میں دو عالم ہیں۔ ایک یہ سنسار اور دوسرا پتر لوک۔ تیسرے درمیانی کا نام سندھیا ہے۔ وہ نیند کا مقام ہے۔ اس مقام پر ٹھہرا ہوا وہ ان دونوں مقاموں، دنیا اور آخرت کو دیکھتا ہے۔'' (برہدارنیک اپنشد (czgnkj.;d mifu"kn) باب ۴)

کٹھ اُپنشد اور شت پتھ برہمن میں بتایا گیا ہے کہ عالم برزخ میں روح کی حالت خواب کی سی ہوتی ہے۔ شنکر اچاریہ نے بھی جو اپنشدوں کے مشہور شارح ہیں۔ لکھا ہے کہ اصل میں عالم دو ہی ہیں۔ ایک یہ موجودہ دنیا اور دوسرا آخرت۔ تیسرا مقام سندھیا یعنی درمیانی سرحد کا ہے جو ان دو عالم کے درمیان واقع ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کی مذہبی کتابوں اور یہاں کے قدیم افکار میں زندگی بعد موت کے بارے میں اچھی خاصی روشنی ملتی ہے، جو اسلامی تصور سے بہت قریب اور آواگون کے نظریہ کے بالکل خلاف ہے۔

عالمِ آخرت یا پرلوک:

قرآن کا بیان ہے کہ ایک وقت آئے گا جب موجودہ نظام کائنات درہم برہم ہوجائے گا۔ اس کے بعد دنیا نئے سرے سے وجود میں لائی جائے گی۔ مرے ہوئے لوگ زندہ کئے جائیں گے اور ان کے اعمال وعقائد کا جائزہ لیا جائے گا۔ لوگ اپنے اعمال وعقائد کے مطابق جنت یا جہنم میں داخل ہوں گے۔ کائنات کے موجودہ نظام کے درہم برہم ہونے کو قیامت یا پرلے (izy;) کہا جاتا ہے۔ پرلے کی اطلاع قرآن اور بائبل کے علاوہ

ہندوستان کی کتابوں میں بھی دی گئی ہے۔ مثال کے طور پر شریمد بھاگوت ۴: ۱۴۔ ۱۸ / میں صاف کہا گیا ہے کہ نہ دھرتی رہے گی، نہ آکاش، صرف برہما رہ جائے گا۔ اس کے بعد آخرت کا مرحلہ پیش آئے گا۔

آخرت کی زندگی وید کے لحاظ سے نہایت شاندار ہوگی۔ وید میں اسے دبیہ جنم (fnO;tUe) سے تعبیر کیا گیا ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ زندگی ان کو حاصل ہوتی ہے جو اپنی زندگی میں ہر آن خدائے ودود کو اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کی پاکیزگی اور رفعت کا راز بھی یہی ہے کہ خدا ان کی زندگیوں میں شامل و داخل ہوتا ہے۔ یہ چیز محض ظاہر رسوم کی ادائیگی سے کبھی حاصل ہونے کی نہیں۔ وید کے الفاظ ہیں:

''دبیہ جنم ہون کرنے والے کے لئے نہیں، ہر لحہ ولی العالمین کو اختیار کرنے والے کے لئے ہے۔''

جنت یا جہنم روحانی کیفیت کا نام نہیں، بلکہ جائے قیام ہے:

آخرت میں اچھے لوگوں کو جنت میں جگہ ملے گی جب کہ برے لوگوں کا ٹھکانا جہنم قرار پائے گا۔ ویدوں میں جنت کو سورگ اور جہنم یا دوزخ کو نرک سے موسوم کیا گیا ہے۔ سورگ کسی محض کیفیت یا حالت کا نام نہیں ہے جو کسی انسان پر موجودہ دنیا میں طاری ہو، جیسا کہ بعض مفکر قسم کے لوگ سمجھتے ہیں بلکہ سورگ درحقیقت ایک مستقل عالم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورگ اور اس کے مترادف الفاظ سکرتسیہ، سکرتام، دیو، ناکم کے ساتھ لوک (عالم) لفظ ویدوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی انھیں دیولوک، ناکم لوکم وغیرہ کہا گیا ہے (دیکھئے یجروید باب ۱۵، منتر ۱۰، ۱۴ / اتھروید کانڈ ۴، سوکت ۳۴، منتر ۲، ۵ تا ۷ / کانڈ ۹ سوکت ۵ / منتر ۱۸ / اتھروید کانڈ ۲ / سوکت ۱۰ / منتر ۷ / کانڈ ۹ / سوکت ۵ / منتر ۹ / اتھروید کانڈ ۱۸ / سوکت ۳ / منتر ۱۷ وغیرہ)۔

سورگ، سکرتسیہ، ناکہ، دیو وغیرہ الفاظ اعلیٰ لطفِ حیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ ناکہ کے معنی نرکت کے اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مقام کو حاصل کرنے والے کو کچھ بھی دُکھ نہیں ہوتا۔ (نرکت ادھیائے ۲ / کھنڈ ۱۴)۔ برہمن گرنتھ میں بھی یہی بات کہی گئی ہے کہ اس مقام پر پہنچنے والے کو کچھ بھی دُکھ نہ ہوگا۔ برہمن گرنتھ درحقیقت وید کی شرح ہے۔

سورگ، ناکم، دیو وغیرہ درحقیقت سکھ کے مقام کا نام ہیں۔ اسی نرکت کا بیان ہے کہ: ''جن کے اعمال نیک ہوتے ہیں وہی وہاں جاتے ہیں'' (نرکت ادھیائے ۲، کھنڈ ۱۴)۔

منو میں بھی سورگ کے جو استعمالات ملتے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص مقام کا نام ہے۔ مثلاً منو میں اس طرح کے فقرے ملتے ہیں:

''وہ سورگ کو جاتا ہے'' (منو ادھیائے ۳، اشلوک ۱۸)، ''وہ اوپر بلند مقام کو جاتا ہے'' (ادھیائے ۳، اشلوک ۹۳)، ''وہ عالم بقا کو جاتا ہے'' (ادھیائے ۲، اشلوک ۵)۔

ویدوں اور شاستروں میں لفظ لوک اکثر مقام اور جگہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ رگ وید میں یہ لفظ ۲۸ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ دو مرتبہ جمع کے صیغے میں بھی آیا ہے۔ یجروید میں تقریباً ۵۰ مرتبہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ سائن آچاریہ نے ان مقامات میں اس کا ترجمہ اکثر ستھان یا مقام ہی کیا ہے۔ ان سے کوئی کیفیت یا قلبی حالت مراد لینا ہرگز صحیح نہ ہوگا۔

میزان عمل:

سورگ یا جنت ان ہی لوگوں کے حصے میں آئے گی جو صحیح معنی میں اس کے مستحق ہوں گے۔ دنیا میں لوگ جیسے کچھ اچھے یا برے اعمال کرتے ہیں ان کا ریکارڈ محفوظ کیا جا رہا ہے۔ ہندوؤں کے مقدس نوشتوں کے مطابق یہ اعمال دیوتاؤں کے ذریعہ لکھے جا رہے ہیں۔ منو میں ہے:

''گنہگار لوگ سمجھتے ہیں کہ یہاں تنہائی میں ہمیں گناہ کرتے کوئی نہیں دیکھتا، حالانکہ ان کو دیوتا دیکھتے ہیں اور وہ ان کے اپنے ضمیر کے بھی سامنے ہوتا ہے'' (منو ادھیائے ۸، اشلوک ۸۴)۔

اعمال کو محفوظ کرنے والے کو پرانوں میں چترگپت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اعمال کو محفوظ کرنے والوں کو قرآن میں ''کراماً کاتبین'' کہا

گیا ہے۔ آخرت میں میزان عمل کا ذکر بھی شتپتھ برہمن میں ملتا ہے:

''آئندہ دنیا میں وہ اس کے بھلے اور برے اعمال کو ترازو میں رکھتے ہیں۔ ان دونوں میں سے جو بھاری ہوگا اسی کے پیچھے آدمی جائے گا، خواہ وہ بھلے ہوں یا برے۔ اب جو شخص اس بات کو مانتا ہے وہ اپنے آپ کو اس دنیا میں ترازوؤں میں رکھتا ہے اور آئندہ دنیا میں حساب سے چھوٹ جاتا ہے'' (کانڈ ۱۱ پاٹھک ۲ برہمن، کنڈ کا ۳۳)۔

مطلب یہ ہے کہ جو میزان عمل پر یقین رکھتا ہے وہ اس موجودہ دنیا میں اپنے اعمال کو وزن کرتا رہتا ہے، تاکہ آئندہ زندگی میں برائیوں کا پلہ بھاری نہ ہونے پائے اور وہ مبتلائے عذاب ہونے سے بچ سکے۔

جنت یا سورگ کہاں ہے؟:

اسی موجودہ دنیا کو سب کچھ سمجھ لینا بہت بڑی گمراہی ہے۔ اس کے علاوہ بھی ایک دنیا ہے، جہاں سورگ اور نرک ہیں۔ یہ بات قرآن ہی سے نہیں ہندوؤں کے نوشتوں سے بھی واضح طور پر ثابت ہوتی ہے۔ ویدوں کے بیان کے مطابق سورگ یا بہشت کی زندگی موجودہ زندگی کے علاوہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دنیا کے لئے اگر اِم، ایَم، اَیَۂ، اَتَرْ اَسْمن وغیرہ الفاظ اشارات قریبہ استعمال کیے گئے تو سورگ لوک کے لیے اَمُم، تَتر، تَسمن، پَرامَن، وغیرہ اشارات بعیدہ استعمال ہوئے ہیں۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سورگ لوک موجودہ دنیا میں نہیں، بلکہ کسی دوسرے عالم میں ہے۔

اس کے علاوہ ویدوں کے کتنے ہی منتروں میں سورگ لوک کو (۱) ترتییئے رجسے (۲) ترناکے (۳) ترود (۴) تری بھیہ کانڈ ئیہ (۵) ترتسیام بتایا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ کوئی تیسرا جہاں ہے، تیسری دنیائے راحت ہے، تیسری جگہ ہے آسمان کے اندر وہ تیسرے طبقے میں ہے اور یہاں سے تیسرا ہے۔

ویدوں میں موجودہ دنیا کو سورگ نہیں کہا ہے، رگ وید میں ہے: ''تیسرا لوک (یعنی سورگ) وہ ہے جو اوپر آسمانی روشنی میں ہے'' (۱۔۱۵۵۔۳)۔

اتھروید میں آیا ہے: ''زمین کی پشت سے میں افق پر چڑھ گیا۔ افق سے آسمان پر چڑھ گیا۔ آسمان کی پشت سے میں روشن مقام سورگ کو چلا گیا'' (اتھروید کانڈ ۴، سوکت ۱۴، منتر ۷۱، ۶۷)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورگ ایک خاص عالم ہے جو موجودہ دنیا سے فائق اور اعلی ہے۔ اتھروید میں اسے پرم لوک سے موسوم کیا گیا ہے۔

سورگ یا بہشت کیا ہے؟:

سورگ انسانوں کے لئے ایک مطلوب دنیا ہے۔ ایسی دنیا جس کی آرزو کی جائے، جو انسان کی آخری جائے قرار ہے، جس میں کوئی کمی اور نقص نہیں۔ رگ وید میں ہے: ''اے اندر، مجھے اس جگہ پہنچا جہاں موت نہیں، لازوال عالم میں جہاں روشنی ہے اور ابدیت کا نور برستا ہے'' (رگ وید منڈل ۹، سوکت ۱۱۳، منتر)۔

''مجھے اس خوشگوار تمناؤں کی دنیا میں غیر فانی بنا دے جو سراپا نور برہما (خالق) کی دنیا ہے، جہاں رزق اور کامل لطف و مسرت حاصل ہوتی ہے'' (منتر ۱۰)۔

''جہاں سرور اور احظاظ ہیں، لذات ہیں، اعلی محویات ہیں، جہاں اہل ذوق کی تمنائیں پہلے ہی سے حاصل ہیں، اس عالم میں مجھے نجات عطا کر'' (رگ وید منڈل ۹، سوکت ۱۱۳، منتر ۱۱)۔

''مجھے اس جگہ غیر فانی بنا دے جہاں حسب خواہش چلتے پھرتے ہیں۔ آسمان کے نہایت بالائی حصے میں جہاں روشن دنیائیں نور سے پر ہیں'' (منتر ۸)۔

جنت کی حوریں:

''مجھے اس لوک میں دوام عطا کر جہاں مود، مدہ اور پر مود تین قسم کی لذات حاصل ہوتی ہیں اور دیرینہ تمنائیں پوری ہوتی ہیں'' (منتر ۱۱)، یہ لذات (eksn] eqn% vkSj izeksn) جن کا ذکر اس منتر میں کیا گیا ہے جماع سے تعلق رکھنے والی لذات ہیں اور خاص طور پر 'پر مود' تو ویدوں میں جماع ہی کی لذت کے لئے آیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ سورگ میں لوگوں کو بیویاں بھی میسر ہوں گی۔ اس کا ثبوت وید کے دوسرے بیانات سے بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ اتھر وید میں ہے: ''سخاوت کرنے والے نے پہلے سُر بھم مقام (خوشگوار جنت) کو حاصل کیا۔ پھر اچھے لباس والی خوبصورت عورت اور تیز شراب کو'' (۷۔۱۰۷۔۱۰۹)۔

''وہ استخوانوں سے پاک، صاف ستھری تابناک بہشت کو جاتے ہیں ......ان کے لئے جنت میں عورتوں کی کثرت ہے'' (اتھر وید ۴۔۳۴۔۲)۔

جنت میں آدمی بوڑھا نہ ہوگا اور نہ وہاں کسی کو موت آئے گی: ''جنت میں کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ نہ وہاں موت ہے، نہ بڑھاپے کا ڈر ہے۔ انسان بھوک پیاس سے نجات پاکر جنت کی دنیا میں لطف اٹھاتا ہے'' (۱۳)۔

''یہ سورگ لوک امرت سے محیط ہے'' (اتھر وید ۱۸۔۴۔۴)۔

''اے انسان، رِت (J`r) کے اس راستے کو دیکھ جس پر پرہیزگار، نیکوکار اور انگرس چلتے ہیں۔ ان ہی راستوں سے تو جنت کی طرف چل، جہاں ادتیہ دیو شہد کھاتے ہیں'' (اتھر وید ۱۸۔۴۔۳)۔

رگ وید میں ہے: ''جہاں تمناؤں کی تمنائیں پوری ہوجاتی ہیں، وہاں مجھے ابدیت عطا کر'' (رگ وید ۱۱۱۔۷۔۱۱)۔

اتھر وید میں ہے کہ وہاں سے کوئی نکالا نہ جائے گا: ''ایسا غیر فانی، تو نہ مرے گا، نہ مرے گا، خوف نہ کر۔ وہاں نہ تو لوگ مرتے ہیں نہ وہاں سے کسی تاریک پستی میں گرتے ہیں'' (اتھر وید ۸۔۲۔۲۴)۔

''اس نجات کی دنیا میں ابدی نور ہے۔ ہر طرح کی روشنی اور عیش ہے۔ اس جنت میں انوکام ہے۔ وہاں کی دنیائیں روشن ہیں۔ وہاں کام، نکام، سودھا، ترپتی، آنند، مود اور پر مود ہیں۔ وہاں دل کی ساری آرزوئیں پوری ہوجاتی ہیں'' (رگ وید ۹۔۱۱۳۔۷۔۹)۔

''جس طرح لتا (بیلوں) سے ککڑی الگ ہوجاتی ہے اسی طرح میں موت سے آزاد ہوجاؤں اور ابدیت سے الگ نہ ہوسکوں'' (رگ وید، ۵۹۔۱۲)۔

جنت کی حیاتِ جسمانی:

جنت مجرد روحانی نہیں ہے، وہاں انسان جسم کے ساتھ رہے گا۔ چنانچہ وید میں ہے: ''اے ایشوران کو عالم ارواح عطا کر اور ان کا اپنا جسم جیسا کہ تیری مرضی ہو'' (رگ وید ۱۵۔۴۔۱۰)۔

''اے پترو، جسم کے ساتھ سورگ میں شادماں ہو'' (اتھر وید ۱۸۔۴۔۶۴)۔

''میری آتما اچھا پرکاش پاکر جسم حاصل کرے'' (اتھر وید ۱۸۔۲۔۱۰)۔

شت پتھ براہمن ('kriFlczkā.k) میں ہے:

''سورگ میں تو ہماری رہنمائی کر، وہاں ہم بیوی اور بچوں کے ساتھ رہیں......اعضاء کی کمی اور نقص وعیب سے پاک ہوکر ہم سورگ میں اپنے والدین اور بیٹوں کو دیکھیں'' (۶۔۶)۔

کٹھا اپنشد میں جنت کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''سورگ لوک میں کچھ خوف نہیں ہے......وہاں کوئی بڑھاپے سے نہیں ڈرتا۔ سورگ لوک میں بھوک پیاس دونوں کو پار کرکے آدمی غم سے اوپر

اٹھ کر شاد ماں ہوتا ہے" (۱:۱۲)۔

سورگ کے کچھ مناظر:

ویدک سورگ کے کچھ مناظر اور خصوصیات ملاحظہ ہوں:

"ہزاروں نہریں شہد کی لذت والی تیسرے آکاش (یعنی سورگ) میں بہتی ہیں" (اتھر وید ۴، ۳۴۔۶)۔

گھی کے حوض، شہد کے تالاب، شراب سے بہتی ہوئی، اور دودھ، دہی اور پانی کی لبریز سب شیریں نہریں تجھے سورگ میں ملیں گی اور سب نیلوفر والی جھیلیں تجھ کو حاصل ہوں گی" (اتھر وید ۴، ۳۴۔۶)۔

"وہ ایشور میرے پاس شہد، گھی اور شراب کی نہر کے ساتھ آیا ہے" (اتھر وید ۶۔۲۵۔۱۰)۔

"دان کرنے والوں نے پہلے عیش و آرام کا مقام (یعنی سورگ) حاصل کیا ہے۔ پھر اچھے لباس والی عورتوں اور نہایت تیز شراب کے جام کو" (۱۰۔۱۰۷۔۹)۔

"میں ان اپسراؤں (حوروں) کے لئے پرارتھنا کرتا ہوں جو نہایت لطف دینے والی ہیں۔" (اتھر وید ۲۔۲۔۲)۔

کوشتیکی براہمن میں ہے:

"اس کے پاس پانچ سو حوریں آتی ہیں۔ ایک سو پھولوں کے ہار لئے ہوئے۔ ایک سو خوشبودار منجن، ایک سو کجور اور زعفران کا سفوف، ایک سو قیمتی اور خوبصورت لباس اور زیورات اور ایک سو اپنے ہاتھوں میں پھول لئے ہوئے آتی ہیں اور اس بہشتی کو زیورات وغیرہ سے آراستہ کرتی ہیں" (کوشتیکی براہمن ۱۔۴)۔

مہابھارت کے بیان کے مطابق حقیقت میں سورگ اچھے اعمال سے ملنے والی دنیا ہے۔ اندر پوری اس میں سب سے فائق و برتر ہے۔ وہاں پر وہ نندن بن ہے جہاں اپنی خواہش کے مطابق شکل وصورت اختیار کر کے لوگ اپسراؤں (حوروں) کے ساتھ رہتے بستے ہیں (آدی ۸۹۔۱۶۔۱۹)۔

"وہاں بڑھاپا، غم اور تکان نہیں۔ وہاں کوئی خوف بھی نہیں۔ وہاں گندھرا اور اپسراؤں (غلمان اور حوریں) رقص، ساز اور گیتوں کے ذریعہ سے جنتیوں کے دل بہلاؤ کا سامان کرتی ہیں" (سبھا: ۷)۔

اپنشد بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ برھم لوک یا سورگ لوک پہنچ کر انسانی ارواح واپس نہیں آتیں۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہاں نہ گناہ ہے اور نہ ظلمت اور تاریکی کا نام ونشان پایا جاتا ہے۔ وہاں کوئی بیماری بھی نہیں۔ وہ مقام جزا ہے، ہمیشہ روشن رہتا ہے۔

سورگ کے بعض درختوں کا بھی ذکر وید میں آیا ہے مثلاً:

"وہ درخت کہ جس پر خوبصورت پرند شیریں پھل کھاتے ہیں۔ اسی پر وہ رہتے ہیں...... اس کی چوٹی پر، وہ کہتے ہیں کہ پھل بہت لذیذ ہے مگر وہ اس کو حاصل نہیں کر سکتا جو باپ (پرماتما) کو نہیں جانتا (رگ وید منڈل ۱، اسوکت ۱۶۴ منتر ۲۰۔۲۲)۔

"ہمارے اوپر تیسرے آسمان (یعنی سورگ) میں پیپل کا درخت کھڑا ہے۔ جو دیوتاؤں کی جائے رہائش ہے۔ وہاں دیوتاؤں نے کشٹھ کے پودے کو حاصل کیا جو حیات ابدی کا چشمہ ہے یا جو حیات ابدی کے چشمہ سے پیدا ہوتا ہے" (اتھر وید)۔

جنت میں ساز و نغمہ:

سورگ میں ساز اور گیتوں کا لطف بھی موجود ہے (رگ وید ۵ ۱۳۵ / ۷ / ۱۰۔ اتھر وید ۷ ۳ / ۴ / ۴)۔

"یہ گیت وشو وسو بھی بہشتی گندھرو درمیانی خلا کا رہنے والا ہمیں گا کر سنائے گا" (رگ وید منڈل ۱۰ اسوکت ۹ ۳ منتر ۷)۔

اس ساز و نغمہ کا ذکر چھاوندگیہ اپنشد ۸۲۸ میں ملتا ہے: "اگر وہ گیت اور ساز کے مقام کی خواہش کرتا ہے تو اس کے، خیال کے ساتھ گیت اور ساز

ظاہر ہوتے ہیں۔ اور وہ اسے پاکر لطف اٹھاتا ہے۔"

"جنگ میں مارے گئے سورما (شجاع) کا غم نہیں منانا چاہئے، کیونکہ مارا گیا سورما ماتم کے لائق نہیں ہے۔ وہ سورگ میں بزرگی حاصل کرتا ہے۔ جنگ میں مقتول کے لئے پنڈا پانی، غسل ونجاست کے احکام پر عمل نہیں کیا جاتا۔ کشتۂ جنگ کے استقبال کے لئے ہزاروں حسین اپسرائیں وحوریں دوڑتی ہیں اور آرزو کرتی ہیں کہ یہ میرا شوہر ہو" (مہابھارت، شانتی: ۹۸۔ ۴۴۔ ۴۷)۔

جنت کی دلکش نعمتیں:

"پاکیزہ نندن بن وغیرہ نیکوکاروں کی تفریح گاہیں ہیں۔ وہاں نہ بھوک پیاس ہے، نہ تکان ہے، نہ سردی گرمی اور نہ کوئی خطرہ پایا جاتا ہے۔ وہاں کوئی گندی اور منحوس شے نہیں ہے۔ ہر اعتبار سے سکون بخش اور معطر ہوائیں چلتی ہیں۔ منی وہاں نغمات لذت گوش اور ہر طرح سے دل پسند ہیں۔ نہ غم ہے، نہ بڑھاپا، نہ مشقت اور نہ کوئی رنج وغم۔ منی یہ دنیا اپنے اعمال کے نتیجے میں ملتی ہے۔ اپنے اعمال کے سبب لوگ یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ مور گلیہ! یہاں پیدا ہونے والے کے نورانی جسم اعمال کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں۔ والدین کے سبب سے ان کی تخلیق نہیں ہوتی۔ انھیں پسینہ، بدبو، پیشاب پاخانہ نہیں ہوتا۔ ان کے لباس گردوغبار سے میلے نہیں ہوتے۔ ان کے ملکوتی، معطر، دلکش ہار کبھی مرجھاتے نہیں...... حسد وحزن اور تکان ان کے قریب بھی نہیں آتے وہ حرص اور بغض سے خالی ہوتے ہیں" (مہابھارت، بن ۲۶۱: ۹۔ ۱۶)۔

"وہاں نہ غم ہے نہ حسد ہے، نہ حرص اور غصہ پایا جاتا ہے۔ وہاں سبھی نوجوان اور بیویوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور ہزار آفتاب کے مانند چمکتے ہیں" (دیوی بھاگوت ۱۲: ۱۲: ۵)۔

سورگ کے مستحق کون ہوں گے؟:

سورگ یا بہشت میں کون لوگ داخل ہوں گے اور کون لوگ اس سے محروم رکھے جائیں گے اس سلسلے میں بھی وید کے یا دوسرے بیانات یہاں نقل کیے جاتے ہیں: رگ وید میں ہے:

"ایشور کے نزدیک نیک کام کرنے والا اور سوچنے سمجھنے والا شخص محبوب ہوتا ہے" (رگ وید ۱۰۔ ۳۱۔ ۲)۔

"انسان کو چاہئے کہ سچائی کے راستے پر عجز ونیاز کے ساتھ چلے" (رگ وید ۱۰ / ۳۱ / ۲)۔

"تو نے اچھے اعمال کو جزا پانے والے مقام کو حاصل کرلیا" (اتھروید ۲ / ۱۰ / ۷)۔

"جو سفید پاؤں والی بھیڑ آگے مقام حاصل کرنے کی غرض سے صدقہ کرتا ہے وہ سورگ کو چڑھ جاتا ہے، جہاں کمزور طاقتور کو ٹیکس نہیں دیتا" (ایضاً ۳ / ۲۹ / ۳)۔

"دان (صدقہ) کرنے والے کے لئے آسانی سورگ ہے۔" (رگ وید ۱۰ / ۱۲۵)۔

"عقیدت کے ساتھ دان کرنے والے سورگ حاصل کرتے ہیں۔" (اتھروید ۹ / ۵ / ۱۸)۔

"یہ دھن میں برہمنوں کو سونپتا ہوں۔ پترلوک ہی سے سورگ جانے کا راستہ بناتا ہوں۔" (اتھروید ۱۸ / ۴ / ۲۵)۔

"سورگ لوک میں امرت (آب حیات) سے بھرپور رزق اور طاقت اس کو عطا ہوئی جو قربانی کرتا ہے۔" (اتھروید ۱۸ / ۴ / ۲۵)

بہشت حاصل کرنے کے لئے عمل ہی نہیں اخلاص بھی درکار ہے:

"اخلاص رکھنے والے اس بہشت کو حاصل کریں گے۔" (اتھروید کانڈ ۶، سوکت ۱۲۲ / منتر ۳)۔

"اتھروید" میں آیا ہے: "جزا اور انعام کے طور پر قربانی کرنے والا بہشت میں گھی سے لبریز نہریں اور اپنی خواہشات کو حاصل کرے گا۔" (اتھروید کانڈ ۴ / ۵ / ۱۸)۔

"ماں کی خدمت سے اس دنیا کو، باپ کی خدمت سے درمیانی عالم کو اور اُستاد کی خدمت سے بہشت کو پاتا ہے۔" (منو ۲ / ۲۱۲)

ویاس منی کہتے ہیں: ''پروپکار (دوسروں کی بھلائی) کرنے والا سورگ میں جاتا ہے اور دوسروں کو تکلیف دینے والا نرک میں۔'' (اتھروید کانڈ ۶، سوکت ۱۲۲/ منتر ۳)۔

نرک یا جہنم:

آخرت کی زندگی میں نرک ان لوگوں کا ٹھکانا ہے جو حق کے مخالف اور بے کردار ہوتے ہیں۔ ویدوں کے مطابق جہنم تاریکی کا مقام ہے۔ اس میں اُدھرمی (بے دین) اور پاپی داخل کئے جائیں گے۔ جہنم کئی ہیں اور سبھی تاریک ہیں۔

نرک کے بارے میں ''یجروید'' کا بیان ہے:

''وہ دنیائیں بغیر سورج کے ہیں۔ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ ان میں وہ لوگ جاتے ہیں جو خودکشی کرتے ہیں'' (یجروید ۴۰/۳/۲)

''جو دل کو ناپاک کرتا ہے اُس اسفل مقام میں گرنے والا بتاتے ہیں۔'' (اتھروید ۲۰/۱۲۸/۲)۔

ایشاواسیوپنشد (bZ'kkokL;;sifu"kn) میں بھی نرک کو ظلمت سے موسوم کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جہالت کے پرستار گھرے اندھیرے والے لوگوں میں داخل ہوتے ہیں۔

پُرانوں اور خاص طور سے وشنو پران (۲/۶/۱/تا ۲۹) اور شریمد بھاگوت (۵/۶/۱/تا ۳۷) میں نرک کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے۔ نرکوں کی تعداد سیکڑوں اور ہزاروں بتائی گئی ہیں۔ کم سے کم تعداد سات ہے جس کا ذکر وشنو پران، یوگ سوتر کا ویاس بھاشیہ (۳/۲۶) اور شنکراچاریہ (ویدانت بھاشیہ ۳/۱/۱۵) کرتے ہیں۔ بعد میں یہ تعداد اکیس ۲۱/ تک پہنچ گئی ہے۔ یہ نام منوسمرتی (۴/۸۸/۹۰) اور شریمد بھاگوت (۵/۲۶/۷) میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ وشنو پران (۲/۶/۲ تا ۵) اور شریمد بھاگوت (۷/۲۶/۶) میں نرکوں کا ذکر ہے۔

جہنم میں لے جانے والے اعمال:

سکھ ساگر میں بالتفصیل اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ کس عمل کے سبب انسان کس نرک میں جھونکا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر سکھ ساگر صفحہ ۲۹۳/ تا ۲۹۶/ اور شریمد بھاگوت (۵/۲۶) کے کچھ فقرے ملاحظہ ہوں:

''جو میرا، اور 'میں' کے غرور میں آ کر لوگوں سے دشمنی کرتا ہے اور اپنے ہی کنبے کی پرورش میں لگا رہتا ہے وہ رَ رے رو (jSjo) نام کے نرک میں پڑتا ہے...... جو مرد یا عورت اگمیہ (vxE) عورت یا مرد سے مباشرت کرے ان دونوں کو کوڑے سے مارتے پیٹتے تپرسرمی (ri`lfeZ) نام کے نرک میں لے جا کر پٹک دیتے ہیں۔ اور پھر گرم لوہے کے بنے بتوں میں باندھ دیتے ہیں جہاں وہ جلتے رہتے ہیں...... جو راجہ یا ان کے کارکن دھرم کی راہ یا عبادت گاہ وغیرہ مقامات کو برباد کرتے ہیں وہ غلاظت، پیشاب، خون، بال، ناخون، ہڈی، چربی وغیرہ سے بھری ہوئی بیتر نی ندی (oSrj.h unh) میں غوطہ کھاتے ہیں...... جو گواہی میں جھوٹ بولتے ہیں وہ اَویچ (vchfp) نام کے نرک میں سو یوجن اونچے پہاڑ سے گرائے جاتے ہیں۔ جو برہمن، چھتری، ویش یا ان کی عورتیں بے جھجک شراب پیتی ہیں انھیں اَیہ پان (v;% iku) نام کے نرک میں پٹک کر ان کے منہ میں آگ سے پگھلے ہوئے لوہے کے رس یم دوت ٹپکاتے ہیں...... جو دولت کے غرور میں آ کر دولت ختم ہونے کی فکر میں افسردہ منہ، حریص ہو کر شیطان کی طرح دولت کو جوڑتا رہتا ہے اور اس کو استعمال یا خیرات نہیں کرتا وہ مر کر سوچی مکھ (lwph eq[k) نام کے نرک میں جا گرتا ہے۔ وہاں یم دوت اسے سوئیوں سے چھیدتے ہیں۔''

جہنم کے اکیس طبقات کی اگر تجرید کی جائے تو یہ سات طبقات ٹھہرتے ہیں۔ ویدوں میں جہنم کے اکیس طبقات ٹھہرتے ہیں۔ ویدوں میں جہنم یا نرک کا واضح بیان ملتا ہے۔ مثلاً ''رگ وید'' میں ہے:

''وہ گناہ سے بھرے ہوئے ہیں، جھوٹے، بے وفا ہیں۔ ان ہی نے اس انتہائی گہرے مقام (نرک) کو پیدا کیا ہے (یعنی ان کے برے اعمال ہی کی وجہ سے نرک کو وجود میں لانے کی ضرورت پیش آئی)'' (رگ وید ۷۔۱۰۴۔۲)۔

''برے اعمال کا ارتکاب کرنے والے اتھاہ گڑھے میں تاریکی کے اندر ڈال دو جہاں سے ایسے لوگ نکل نہ سکیں۔ کوئی ان میں سے کبھی بھی

واپس نہ آئے گا'' (منتر ۳)۔

اس سے معلوم ہوا نرک کی سزا دائمی ہے، وقتی اور عارضی نہیں۔ یہ تصور اسلام کے عین مطابق ہے۔

نرک کس کا انجام ہوگا؟:

نرک یا جہنم ان لوگوں کے لیے ہے جو بے کردار اور برے ہوں۔ جو سورگ کے مستحق نہ ہو سکے ان کا ٹھکانا نرک ہے۔ اتھر وید میں ہے:

''ورن (ojQ.k) سے ڈراتے ہوئے میرے مخالف قریبی شریک اس لوک میں داخل ہوں جہاں روشنی نہیں، انتہائی گھرے اندھیرے میں جائیں۔'' (اتھر وید ۱۰۔۳۔۹)۔

''کہتے ہیں نرک اس کے لیے ہے جو برہمن کو مانگنے پر بھی دان نہیں دیتا۔'' (اتھر وید ۱۲۔۴۔۳۶)۔

''بھاگوت'' میں ہے: ''جو شوہر کو فریب دے کر اس کی بیوی سے استمتاع کرتا ہے اس کو یم راج کے سپاہی تیرہ و تاریک نرک میں ڈالتے ہیں، جہاں گر کر آدمی درد سے کراہنے لگتا ہے۔ انسان وہاں فوراً اندھا اور خبط الحواس ہو کر رہ جاتا ہے اور جڑ کٹے درخت کے مانند پڑا رہتا ہے۔ (دیوی بھاگوت ۱۸۔۵۔۶)۔

''یہ میں ہوں اور یہ میرا ہے، یہ سمجھتا ہوا جو شخص مخلوق سے حسد کرتا ہے، فریب کاری کے ساتھ اپنے خاندان کی پرورش کرتا ہے وہ مرنے کے بعد اپنے برے اعمال کے سبب یہاں گرتا ہے۔'' (ایضا ۸:۸۔۹)۔

''حد سے تجاوز کرنے والے لوگ 'بے ترنی' (ڈوبنے والی جس ندی سے تیر کر باہر آنا مشکل ہو) ندی میں گرتے ہیں۔ نارد! یہ ندی جہنم کے قلعہ کی خندق ہے۔'' (ایضا ۸:۳۹۔۴۰)۔

بودھ مت اور پرلوک کا تصور:

جین اور بودھ مذہب میں بھی سورگ اور نرک کا تصور ملتا ہے۔ اس سلسلے کے کچھ اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

''یہ خیال کہ دان کچھ نہیں ہے، نیک اعمال کچھ نہیں، بد اعمال کچھ نہیں، نہ لوک کچھ ہے نہ پرلوک کچھ ہے۔ گھر کے ذمہ دارو! یہ ہیں غیر مذہبی طرز عمل۔ اس طرح کے طرز عمل اختیار کرنے والے لوگ جسم چھوڑنے کے بعد نرک میں جاتے ہیں'' (مجھم نکائے ۱۔۵۔۱)

''دھرم کی پیروی کرے، برے کام نہ کرے، دھرم پر چلنے والا اس لوک اور پرلوک دونوں جگہ راحت کے ساتھ رہتا ہے'' (دھمپڑ: لوک وگو: ۳)۔

''یہ سنسار اندھے کی طرح ہے، اسے سجھائی کم پڑتا ہے۔ ایسے لوگ بہت ہی قلیل ہیں جو دام کی بندش سے آزاد پرند کی طرح سورگ کو جاتے ہیں'' (دھمپڑ: لوک وگو: ۸)۔

''صداقت کو ترک کر کے جو کذب بیانی سے کام لیتا ہے، دھرم سے تجاوز کرتا ہے، پرلوک کی جس کو فکر نہیں ہے، وہ آدمی کوئی بھی بڑے سے بڑا پاپ کر سکتا ہے'' (ایضا: لوک وگو: ۱۰)۔

''جو بہکا ہوا شخص دوسرے کی عورت کو ہاتھ لگاتا ہے وہ چار برے نتائج سے دو چار ہوتا ہے: اسے (۱) پاپ ملتا ہے (۲) سکھ سے سو نہیں سکتا (۳) سنسار میں اسے ملامت کی جاتی ہے (۵) اور اسے نرک میں جانا پڑتا ہے۔'' (دھمپڑ: نرے وگو، ۲۲: ۴)۔

''اسے (گنہگار کو) شعلہ زن جلتے ہوئے دہکتے انگاروں کے بڑے پہاڑ پر چڑھاتے اتارتے ہیں...... اسے اوپر پیر، نیچے سر پکڑ کر شعلہ زن جلتی دہکتی گرم لوہے کی کمبھی (دیگ) میں ڈالتے ہیں، جہاں وہ جھاگ پھینکتا ہوا پکتا ہے۔ وہ جھاگ پھینکتا ایک بار اوپر آتا ہے اور ایک بار نیچے جاتا ہے، ایک بار ترچھے جاتا ہے۔'' (خداوند کے پیامبر ۳:۳)۔

''تب بھکشوؤ! اسے نرک کے سپاہی نکال کر زمین پر رکھ کر کہتے ہیں: اے شخص، تو کیا چاہتا ہے؟ وہ کہتا ہے، میں بھوکا ہوں، تب اے بھکشوؤ

!ازرک کے سپاہی جلتے ہوئے، تپتے لوہے کی سلاخ سے منہ پھاڑ کر، جلتے ہوئے، سرخ تپتے آہنی سلاخ منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ جو اس کے ہونٹ ،حلق، سینے اور معدے کو جلاتا ہے اور انتڑیوں کو لیتا ہوا نچلے حصے سے باہر نکل جاتا ہے...... دوزخ کے سپاہی کہتے ہیں، اے شخص، تو کیا چاہتا ہے؟ وہ کہتا ہے، میں پیاسا ہوں۔ تب اس کو اے بھکشو! دوزخ کے سپاہی جلتے، تپتے ہوئے لوہے کے چھڑ سے منہ کو پھاڑ کر جلتے تپتے تانبے کو پلاتے ہیں۔ وہ انتڑی کو لیتا ہوا نیچے کے حصے سے نکل جاتا ہے۔'' (ایضاً)۔

خلاصہ بحث:

اوپر کی طویل تفصیلات ہم نے جناب محمد فاروق خاں صاحب ایم اے کی کتاب ''تصور آخرت اور ہندوستانی روایات'' سے اس لئے نقل کی ہیں، تاکہ بالغ نظر قارئین خود فیصلہ کرسکیں کہ ہندو بھائیوں کے پورے ویدک سرمائے اور ان کے دوسرے دھرم گرنتھوں میں عقیدۂ آخرت کے خلاف آواگون کا نظریہ قطعی طور پر غیر ثابت شدہ اور گمراہ کن۔ باطل نظریہ ہے۔ یہاں تک کہ بودھ اور جین دھرم کے اصل ماخذ میں بھی اس کا وجود نہیں ہے۔ ان تفصیلات سے یہ بھی واضح ہوا کہ ویدک پستکوں میں آخرت اور اس کی جزئیات۔ قرآن، حدیث اور اسلامی روایات سے قریب تر ہیں۔

آواگون کی حقیقت:

یہاں ہم تھوڑی سی تفصیل عقیدۂ آخرت سے متصادم اور متضاد نظریہ آواگون سے متعلق پیش کریں گے تاکہ اس نظریے کی مدلل علمی تردید بھی قارئین کے سامنے آجائے۔ اس نظریہ کو ایک زمانے میں بہت مقبولیت حاصل رہی ہے۔ یونان میں بھی کچھ لوگ اسے ماننے لگے تھے، اور روم میں بھی اس کو پذیرائی حاصل ہوگئی تھی۔ مصر کی قدیم تاریخ میں بھی اس عقیدے کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ خارجی اسباب واثرات کی وجہ سے ایک زمانے میں یہودیوں میں بھی یہ عقیدہ داخل ہوگیا تھا۔ لیکن اب یہ عقیدہ یا تو دنیا کی وحشی اور غیر مہذب قوموں میں پایا جاتا ہے یا پھر ہندوستان کے ہندوؤں ۔ بودھوں، جینیوں وغیرہ میں اسے مقبولیت حاصل ہے۔

وید اور براہمن ہندو دھرم کی دو بنیادی کتابیں ہیں ان دونوں دھرم گرنتھوں میں آواگمن نہیں ہے، اسکی تفصیل رام دھاری سنگھ دنکر جی کی تحقیقی کتاب ''سنسکرت کے چار ادھیائے'' میں ملتی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا مقدمہ سابق وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے لکھا ہے رام دھاری سنگھ دنکر جی نے پوری قوت سے لکھا ہے کہ۔

ابتدائی دور کے دو گرنتھوں میں جو ہندو دھرم میں سب سے بڑھ کر سند کی حیثیت رکھتے ہیں نہ آواگون مانا جاتا تھا نہ ان کا اعمال کے مطابق مختلف مخلوقات کی صورت میں پیدا ہونے کا عقیدہ تھا۔ نہ دنیا کی لا ابتدائیت کا۔ لا ابتدا چکر مانا جاتا تھا۔ نہ ایشور کو منصف ماننے کیلئے آواگمن کا اصول مانا جاتا تھا یہ سب بعد کے فلسفیوں کی اپج ہے (ہندومت ص ۱۹ بحوالہ سنسکرت کے چار ادھیائے)۔

جناب عباد اللہ گیانی جی اپنی کتاب، ہندو دھرم گرونانک جی کی نظر میں'' کے باب ''تناسخ یا آواگون اور گرونانک جی'' کے تحت لکھتے ہیں:

''ہندو دھرم کا ایک نہایت اہم مسئلہ تناسخ یا آواگمن ہے، اسکی رو سے ہر انسان اپنے سابقہ جنم کے بھلے اور برے اعمال کے نتیجے میں دوبارہ پیدا ہوتا اور مختلف جونوں (صورتوں یا حالتوں) میں آتا ہے اس بارے میں ہندو دھرم کا ایک مشہور مقولہ ہے ''پنر جنم کرتم پاینگ''، یعنی ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے اعمال کے نتیجے میں بار بار جنم ملتا ہے، اس بناء پر ان کے ہاں ہر جنم کے بعد کرم (عمل) اور ہر کرم کے بعد جنم مانا جاتا ہے اور اس جنم اور مرن (پیدا اور مرنے) کا سلسلہ قدیمی ہے، نہ اس کا شروع نہ آخر۔ گویا کہ اس عقیدے کی رو سے دنیا میں جتنی بھی جاندار چیزیں سبزیاں۔ ترکاریاں۔ درخت، پرندے، چرندے اور درندے یا رینگنے والے جاندار ہیں وہ سب کے سب اپنے پہلے جنم میں انسان تھے۔

منوجی نے اپنی دھرم شاستر ''منوسمرتی'' میں ان اعمال کی تفصیل بیان کی ہے جن کے نتیجے میں ایک انسان مختلف جونوں (حالتوں) کو حاصل کرتا ہے اور مختلف جونوں میں پیدا ہوتا رہتا ہے۔ منوجی کے نزدیک دنیا میں جتنے بھی گائے اور بیل پائے جاتے ہیں وہ سبھی اپنے پہلے جنم میں انسان تھے اور انھوں نے براہمنوں کو قتل کیا تھا۔ ان کے اس جرم کے بدلے میں خدا تعالی نے انھیں گائیوں اور بیلوں کی جون میں پیدا کردیا (ہندومت ایک مطالعہ ص ۲۰)۔

یہ نظریہ اپنی مقبولیت کے باوجود کب شروع ہوا؟ اس سلسلے میں جناب محمد فاروق صاحب لکھتے ہیں:

منتر (وید) اور برہمن (گرنتھ) کے زمانے میں پترلوک کا تصور پایا جاتا تھا جس میں آواگون کی سرے سے کوئی گنجائش نہ تھی۔ آگے چل کر سوتر کے زمانے میں (lq=k dky) پترلوک کے تصور کے ساتھ آواگون کا نظریہ بھی سامنے آتا ہے۔ اور آگے پرانوں کا دور آتے آتے پرلوک اور آواگون دونوں ہی نظریات یکساں طور پر ملنے لگتے ہیں۔ وید آواگون یا پنرجنم کے حق میں نہیں ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ ویدوں سے آواگون ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ انصاف سے کام نہیں لیتے۔ بعض لوگوں نے تو قرآن سے بھی آواگون ثابت کرنا چاہا ہے (جیسا کہ پنڈت سندر لال نے اپنی کتاب ''گیتا اور قرآن'' شائع کردہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ ۱۹۹۱ء میں یہ کوشش کی ہے) لیکن اس طرح کی کوششوں کا حق اور صداقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ڈاکٹر رادھا کرشنن نے لکھا ہے کہ ویدوں میں آواگون کا نظریہ نہیں ملتا۔

اور یہی خیال کتنے ہی ہندو علماء (رام دھاری سنگھ دنکر۔ پنڈت درگا شنکر ستیارتھی۔ پنڈت ستیارتھ ودیا النکار۔ ڈاکٹر پیراڈا چوہان وغیرہ کا ہے) مشہور مستشرق میکسمولر جس نے ویدوں پر کام کیا ہے، لکھتا ہے:

''ویدوں میں آواگون کا نظریہ نہیں ملتا بلکہ ایک یوم آخر کا نظریہ پایا جاتا ہے۔''

''وید'' میں ہے: ''وہ یوم آخر کو فراموش کر کے اور علم و عمل کو بالائے طاق رکھ کر ہماری مقرر کی ہوئی حدوں کو پکڑ رہے ہیں۔'' (رگ وید ۱۔۴۔۳)۔

''روزانہ جیسے گھوڑے کے لیے گھاس مقرر کی جاتی ہے، اے اگنی دھن کے محافظوں سے بھی انتم دن (آخری دن) میرے ذریعہ پرسش ہوگی۔'' (یجروید، ۵۔۱۱۔۷۵)۔

ستیارتھ ودیا النکار لکھتے ہیں: ''ویدوں میں آواگون کا نظریہ نہیں ہے، اس بات پر تو میں جوا بھی کھیل سکتا ہوں (یعنی بازی لگا سکتا ہوں)۔'' (آواگون ۱۰۴)۔

ڈاکٹر پیراڈا چوہان (Dr.Parada chaohan) نے لکھا ہے: ''ویدوں میں پنرجنم ملتا ہے، تو ضرور لیکن اس جنم کے بعد صرف ایک جنم کا ذکر ہے، پنر... جنموں کا نہیں'' (پنرجنم اور وید ص ۹۳)۔

وید میں ہے: ''اگنی کی اہمیت کو جاننے کے لیے سورج کو حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ ہمارے ذریعہ سے دونوں جنموں کو ماننے والے بھرگ ...(Hk x] ekrfj'ok) ہوئے ہیں۔'' (رگ وید ۱۔۱۔۱)۔

نظریہ آواگون نے اختراع کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ویدوں میں پرلے (قیامت) پرلوک (آخرت) پتر لوک (عالم برزخ) دویہ جنم (آخرت کی زندگی) سورگ (جنت) نرک (جہنم) اور پنرجنم (دنیا کی موت کے بعد آخرت کی دوبارہ زندگی) کے صحیح اور واضح معنوں کو بالکل الٹ دیا گیا اور سماج پر برہمنوں اور دھرم کے ٹھیکیداروں کی بالادستی قائم کرنے کے لئے پہلے جنم سے آگے لاانتہا جنموں تک اعمال کی جزا و سزا کے چکر کا فلسفہ گھڑا گیا۔ اور پنرجنم کو بار بار جنم کے معنی میں لیکر جنت اور دوزخ کی ابدی قیام گاہ کو صرف اجنبی جسموں میں چکر لگاتے رہنے کے درمیان سکھ اور دکھ کے احساس کو ہی سورگ اور نرک کے ہم معنی قرار دیا گیا۔ اور اس نظریہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے پرانک کتھاؤں کی بھرمار کردی گئی۔ ورنہ ویدوں میں بیان کردہ حقائق اور عقلی، نفسیاتی اور عملی دلائل کی روشنی میں اس نظریہ کا کوئی جواز نہیں ہے۔

جناب محمد فاروق خاں صاحب لکھتے ہیں: ''یہاں اگر کوئی عقلمند، یہ کہے کہ سزا کے طور پر انسانی روح کو ایسی حیوانی یا نباتی روح میں بدل دیا گیا ہے جو شعور ذات سے خالی ہے، تو اسے سوچنا چاہئے کہ انسانی روح اور حیوانی روح میں اتنا فرق ہے کہ اگر کسی انسانی روح کو حیوانی روح میں بدل دیا جائے تو وہ روح اور شخصیت ہی باقی نہ رہے گی جو پہلے تھی۔ اس طرح تو ایک دوسری ہی روح وجود میں آجاتی ہے۔ جب ذات اور شخصیت ہی باقی نہ رہی تو سزا کسے ملے گی۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ جانور اور درخت وغیرہ کسی سزا کا ظہور ہیں تو یہ سزا تو انسانی ارواح کو نہیں، بلکہ دوسروں ہی کو مل رہی

ہے، جن کا گناہ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ یہ نباتات اور حیوانات تو انسان کے لئے نعمت ہیں۔ ان کو پاپ اور گناہ کی کرشمہ سازی قرار دینا انتہا درجہ کا ظلم ہے۔ اگر پاپ اور گناہ کی بدولت ہمیں یہ چیزیں میسر ہوتی ہیں پھر تو پاپ اور گناہ کو انسانیت کے لئے ایک ناگزیر ضرورت قرار دینا پڑے گا۔ بلکہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس دنیا کی رونق اور آبادی ہی گناہ اور جرم کی بدولت ہے۔ اس صورت میں ہمارے دلوں میں خدا کے لئے شکر کا کوئی جذبہ نہ اُبھرے گا۔ ہم اس دنیا کو اور اس کی نعمتوں کو کسی اور ہی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے۔ غریبوں اور مصیبت زدہ لوگوں کو ہم اس نظر سے دیکھیں گے کہ یہ بڑے پاپی ہیں۔ پاپی نہ ہوتے تو اس حالت کو کیوں پہنچتے (تصور آخرت اور ہندوستانی روایات ص ۲۴)۔

عجیب بات یہ ہے کہ آواگون کے چکر کو لاانتہاء زمانوں تک دراز کر کے بالآخر نجات اور مکتی کی شکل میں اس کی انتہا کر دی گئی۔ اور بندے کو خدا میں ضم کر کے اس کے علاحدہ وجود کو ہی ختم کر دیا گیا۔

جناب فاروق خاں صاحب لکھتے ہیں: ''نجات اور مکتی کا عقیدہ بھی ہندوؤں میں پایا جاتا ہے۔ سب سے بڑی مکتی تو ان کے نزدیک یہی ہے کہ آدمی آواگون یا پنر جنم کے چکر سے آزاد ہو جائے۔ لیکن تفصیلات میں جا کر اس کی کئی قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ مثلاً:

۱- سالوکیہ ساندھیہ (lkyksD;kkfuè) یعنی پربھو کے عالم میں قیام کرنا۔

۲- سامیپ (ľehi;) یعنی قربِ خاص حاصل کر لینا۔

۳- ساروپ (lk:i) یعنی ایشور جیسا ہو جانا۔

۴- سایجیہ (lk;qT;) یعنی ایشور میں مل جانا (اسلام کی اہمیت ہندو دھرم کے پس منظر میں ص ۱۸)۔

ویدوں اور ہندو دھرم گرنتھوں میں بشاراتِ احمدی:

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ کیا ویدوں میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بشارات موجود ہیں تو بلاشبہ ویدوں اور ہندو دھرم گرنتھوں میں ان کی موجودگی ایک حقیقت ہے جس کا انکار اعترافِ حقیقت سے گریز کے ہم معنی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم یہاں خود اپنی ایک کتاب ''کیا اسلام پر اعتراض ہے؟'' سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں:

''مشہور بزرگ شاہ عبدالحق کانپوری فرزند مولانا شاہ غلام رسول صاحب سے ایک وید کے ماہر پنڈت نے جو رام پور اور بریلی کے درمیان چوڑہ ندی کے کنارے رہتے تھے، بتایا تھا کہ چوتھے وید میں اتنا ذکر تمہارے پیغمبر (محمد ﷺ) کا ہے کہ رام چندر جی سے کسی نے پوچھا کہ کتنے درجے ہیں جن کے طے کرنے سے بندہ اللہ سے ملتا ہے۔ انہوں نے کہا چودہ درجے، اس نے پوچھا کہ آپ نے وہ چودہ درجے طے کیے ہیں؟ رام چندر جی نے کہا نہیں۔ اس نے کہا تم طے کرو گے؟ کہا نہیں ہم اس سے آگے نہیں بڑھیں گے جتنے ہیں۔ اس نے کہا کوئی تم سے پہلے گزرا ہے جس نے یہ چودہ درجے طے کئے ہوں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ اس نے پوچھا آپ کے بعد کوئی ایسا ہوگا کہ ان درجوں کو طے کرے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ایک شخص آنے والا ہے۔ وہ یہ سب درجے طے کرے گا، مگر اب سے بہت دور ہے۔ اس نے پوچھا کہ نام اس کا کیا ہے؟ رام چندر جی نے کہا کہ نام ان کا محامد (egken) ہے۔ اس نے کہا وہ کہاں پیدا ہوں گے؟ رام چندر نے کہا ایک پتھروں کے ملک میں پیدا ہوں گے اور کھجوروں کے شہر میں جا کر رہیں گے اور وہیں سے ان کا دین ساری دھرتی پر پھیلے گا اور جو وہ کہیں گے وہی اللہ کرے گا جو ان کے دین کو پکڑے گا وہ بیکنٹھ میں جائے گا اور جو ان کے دامن کو نہ پکڑے گا یا پکڑ کر چھوڑ دے گا وہ نرک میں جائے گا۔ اس نے کہا ان کا لباس اور خوراک کیا ہوگی؟ رام چندر جی نے کہا ان کی خوراک دودھ اور گوشت اور شہد اور سرکہ ہے اور پوشاک ان کی تہمد اور پگیا ہے (بشارت احمدی ص ۱۱۸ / نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۴۰ء)۔

رسول اکرم ﷺ کی مذکورہ بالا پہچان اور نشانیوں کا پوری تفصیل سے تذکرہ جناب پنڈت سری واستو جی نے اپنی کتاب ''بھارتیہ دھرم گرنتھوں میں حضرت محمد صاحب'' میں کیا ہے۔ اسی طرح ''بھوشیہ پُران'' اور بھاگوت پران میں رسول پاک کا اسم گرامی ''محمد'' (egken) صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ اَلّو اپنشد (vYyksifu"kn)(1.2.3) میں اور بھی کھلے لفظوں میں (vYyks jlwy egken) ''اللہ کے رسول محمد'' کا تذکرہ ہے۔

ویدوں کے مرتب مانے جانے والے ویاس جی کے نام سے منسوب (O;klksifu'kn) ''ویاس اپنشد'' میں کئی مقامات پر نام ''محمد'' کی

صراحت ہے۔ /eZxqjQ eksgEen ijko[k;k% اور دوسری جگہ eksgEen ue% ue% اور تیسری جگہ eksgEensrh موجود ہے۔ شریمد بھاگوت پران Jhen Hkkxor iqjk.k میں eksger اور [ksy iqjk.k کھیل پران میں mUuek اور کلکی پران dfYd iqjk.k میں ظہور قدسی کی بہت سی علامتوں کے ساتھ dfYdcUnstxnxq: آیا ہے۔ جس کی پوری تحقیقات وتفصیلات پنڈت وید پرکاش اپادھیائے ایم۔ اے سنسکرت نے اپنی مشہور کتاب ''کلکی اوتار اور محمد صاحب'' میں پیش کی ہیں۔

چاروں ویدوں میں اسم گرامی احمد کے اشاراتی اسلوب میں osnkgesr اور vgfefn آیا ہے۔

vgen&

nkgesr iqjQ"k egkUrekfnRrpo.kZ------------;uk;AA

(;tqjosn 31%18)

vuqokn& ^^osn vgen egkure iqjQ"k gSa lw;Z ds leku va/sjkas dks ijkLr djus okys gSaa mUgha dks tkudj e`R;q dks ikj fd;k tk ldrk gS blds vfrfjDr y{; rd igqapus ds fy, vkSj dksbZ jkLrk ugha gSA**

,d nwljs LFkku ij&

vgfefn firq"ifj es?kke`rL; txHk vga lw;Z bok tkuhAA

(Hkfo"; iqjk.k izfrlxZ ioZ prqFkZ vè;k; dfyo`Q rfo".kq Lrqfr)

bl izdkj ^vgfen~* dk bruk egRo gS fd ÍXosn ea0 8 lwDr 6&10 vFkZo osn dk.M 20 lwDr 115] ea=k 1 rFkk lkeosn 152 oka rFkk 1500 oka ea=k esa vgfen~ 'kCn dk iz;ksx gS tks dsoy gt+jr eqgEen(lYy0) ij gh ?kfVr gksrk gSA

gt+jr eqgEen (lYy0) us i+Qjek;k& esjs vusdks uke gSa eSa eqgEen gwa] vkSj vgen gwaA (cq[k+kjh]eqfLye)

eqg+Een&

vKku gsrq o`Qr eksgenkU/kdkj uk'ka fo|k;a fgr nks n;rs foosdA

(Jh en~ Hkkxor iqjk.k 2%72)

^^;gka Li"V:i ls crk;k x;k gS fd eqgEen ds }kjk vU/dkj dk uk'k gksxk vkSj Kku o foosd dk izdk'k mn; gksxkA**

یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ آپ کے صفاتی نام ''تعرف کیا ہوا'' یا ستودہ صفات ''محمد جس کا ہم معنی سنسکرت لفظ ujk'kal ہے اور ''رگوید'' میں ۱۶ جگہ۔ ''یجروید'' میں ۱ جگہ ''اتھرو وید میں ۴ جگہ ''سام وید'' میں ایک جگہ کل ملا کر ۲۱ مقامات پر اسی لفظ نراشنس (محمد) کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وشخصیت کے نقوش اجاگر کئے گئے ہیں۔

پنڈت وید پرکاش اپادھیائے جی نے اپنی کتاب ''انتم رشی اور محمد ﷺ'' میں پوری تفصیلات کے ساتھ نبوت محمدی کو ثابت کیا ہے۔ ہم یہاں اسکی ہلکی سی جھلک دکھانا مناسب سمجھتے ہیں۔

1& ujk'kal fegkfiz; efj;;Ks------------------------------(ÍXosn lafgrk 1%13%3)

vuqokn&^^uj'kal dhiz'kalkdhtk,xhrFkklcdksfiz;gksxkA

2& m"V^k ;LFk izokguks--(vFkosZn 20%127%2)

vuqokn&^^uj'kallokjhds:iesamQaVksadkiz;ksxdjsxkA

3& ---------------------------e/qftgao gfo"o`Qre~AA (ÍXosn lafgrk 1%2%3)

vuqokn& ^^uj'kal dks ijks{k Kku fn;k tk,xkA *

4& ujk'kal izfr /kekU;tu frLizks fno% izfregk LofpZ% (ÌXosn 2%3%2)

vuqokn&^^uj'kalvR;f/dlqUnj,oaKkudsizklkjdgksaxsA

5& ujk'kal okftu okt;f=kg------------------------------(ÌXosn 1%106%4)

vuqokn&^^ujk'kalyksxksadksikiksalsfudkysxkA

6& ,oa b"kk; ekegs------------------------------------(vFkosZn 20%127%6)

vuqokn&^^ujk'kal dk ,d lalkfjd uke ekeg gksxkA

7& ,"k b"kk; ekegs 'koa fu"dku~-----------------------------(vFkosZn 20%127%6)

vuqokn&^^ujk'kaldkslkSfu"diznkufd,tk,axsA

8& ------------------------------n'k lzt% (vFkosZn 20%127%6)

vuqokn&^^ujk'kal nl ekykvksa okyk gksxkA

9& ------------------------------nl xksuke~% (vFkosZn 20%127%6)

vuqokn&^^ujk'kalnlgt+kjxkSvksals;qDrgksxkA

10&ujk'kalfegfiz;efLeu~;Kmigos;Ae/qftgoagfo"o`Qre~AA(ÌXosn1%13%3)

vuqokn&^^euq";ksa}kjkiz'kkafIrfiz;vfXudksbl;KLFkkuesacqykrkgwaAog

e/qftgokvkSjgfodslEiknd gSA** (vuqokn ia0 Jhjke 'kekZ)

11& ujk'kal% izfr /kekU;Otu~ frlzks fno% izfr egukLofpZ% ?k`r iq"kk eulk gR;eqUnu

eq?kZu~;KL;leuoqmsoku~A(ÌXosn2%3%2)

vuqokn& ^^ujk'kal uke okys vfXu nso viuh egRrk ls iznhi gq, rhuksa yksdksa dks

O;kirdir[illegible]gSA**

12& ujk'kal lq/'"Ve ei';a liz?kLree~A fnoksu l?ke Lole~A (ÌXosn 1%18%9)

vuqokn&^^izrkihfo[;krrFkk;'kLoheuq";ksa}kjkLrqfrfd;sx;svfXudkseSus

ns[kkgSA**

13&ujk'kallq"kwnrhea;KenkE;%dfofgZe/qgLR;%A(ÌXosnlafgrk5%5%2)

vuqo[illegible] ^^lceuq";ksalsiz'kalkds;ksX; vfXugekjsbl;Kdks izTofyrdjs

osv[illegible]deZ]dq'kyfo}kugSA**

بشارت احمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر جن حضرات کو تفصیل و تحقیق مطلوب ہے انھیں مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

(۱) میثاق النبین: از عبدالحق ودیارتھی (۲) بشارت احمدی مؤلفہ مولانا عبدالعزیز صاحبؒ۔ (۳) آخری فیصلہ از ڈاکٹر شعبان چتر دیدی۔ (۴) کلکی اوتار اور محمد صاحب۔ (۵) انتم رشی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ مولفہ پنڈت وید پرکاش اپادھیائے ایم اے سنسکرت۔ ڈی فل جرمن (۶) ہندو دھرم گرنتھوں میں محمد صاحب از پنڈت سری واستو (۷) انتم سندیشتا۔ مؤلفہ آچاریہ مفتی سرور ندوی۔

یہاں ایک بات وضاحت طلب ہے کہ بعض مسلم دانشوروں کا خیال ہے کہ بشارات احمدی کی تحقیق و جستجو اور ہندو دھرم پستکوں میں اس کی نشاندہی کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات مغلوں کے دور سے شروع ہوا ہے جس کا مقصد اسلام کی خصوصیات کو ختم کر کے اس کو ہندو مذہب میں ضم کرنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہندو پستکوں میں گم شدہ اوتار قرار دے کر اسلام کا ہندو کرن کرنا ہے، جیسے گوتم بدھ کو اوتار قرار دے کر بدھ دھرم کو

ہندو دھرم میں ضم کرلیا گیا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کسی حقیقت کی تلاش خواہ کسی دور میں کی گئی ہو۔ حقیقت ہی رہے گی۔ انجیل برناباس کو ڈھائی سو برس کے بعد دریافت کیا گیا جس میں خاص طور پر بشارات احمدی کا ذکر ہے تو کیا طویل دور تک گمشدگی سے اسکی صداقت مشتبہ ہوجائے گی؟

اسلام کو اللہ تعالی نے اتنا طاقت ور اور پاور فل بنایا ہے کہ قیامت تک وہ اپنی خصوصیات مٹا کر کسی دوسرے مذہب میں ضم نہیں ہوسکتا۔ وہ قانون قدرت کے مطابق لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کا مصداق ہے لہٰذا اسکی مغلوبیت کا سوال کسی بھی دور میں پیدا نہیں ہوسکتا۔ اسلام بدھ دھرم جیسا کمزور مذہب نہیں ہے کہ اسکو بدھ دھرم پر قیاس کیا جاسکے۔

ہندو برادران وطن کا اہل کتاب ہونا:

اب ایک اہم سوال کا جواب دینا ضروری ہے کہ ویدوں کے کچھ مضامین کی تعلیمات اسلامی سے مطابقت اور ان میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کو دیکھتے ہوئے کیا ویدوں کو کلام الٰہی اور خدائی الہام قرار دیا جاسکتا ہے اور اس بنیاد پر ہندو برادران کو اہل کتاب میں شامل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں ہمیں ایک قرآنی اصول کا بہر حال لحاظ رکھنا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ:

"أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا" (سورۃ النساء آیت ۸۲)

(اگر یہ کلام اللہ کے سوا کسی (اور) کی طرف سے ہوتا تو اس کے اندر بڑا اختلاف پاتے)۔

اس اصول قرآنی سے معلوم ہوا کہ کلام الٰہی اور کلام انسانی میں یہ بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ کہ کلام انسانی میں بیان میں تناقض، تحقیقات میں فرق مراتب، عبارت کی عدم یکسانی، معنوی اور ادبی بے آہنگی، ہر طرح کا جھول جھال پایا جاتا ہے، جبکہ کلام الٰہی ان سے یکسر خالی ہے۔ اور ویدوں میں کلام انسانی جیسی ناہموار باتیں پائی جاتی ہیں۔

خود ویدوں کی اندرونی شہادت سے اس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ مختلف رشیوں نے اپنے اپنے دیوتاؤں کی عقیدت میں منتروں کو مختلف زمانوں میں وضع کیا ہے اور اپنے دشمنوں کی تحقیر و تذلیل اور ان کو نیست و نابود کرنے کی تمنا کی ہے۔ اس کی مثالیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کے لئے مقالہ نہیں پوری کتاب درکار ہے۔

جہاں تک اسلامی تعلیمات سے مطابقت کی بات ہے تو اس میں بھی تضادات کی اتنی بھرمار ہے کہ اس کی موجودگی میں اسے کلام الٰہی قرار دینا بہت مشکل ہے۔ چند مثالیں دیکھئے:

(۱) ویدوں میں ایک طرف توحید ہے تو دوسری طرف ایشور اور برہم کی شکل میں دو خدا۔ اور برہما، وشنو مہیش کی شکل میں تین خدا۔ اور دیوی دیوتاؤں کی شکل میں ۳۳ کروڑ خداؤں کا شرک آمیز تصور بھی موجود ہے۔

(۲) ایک طرف ویدوں میں عقیدۂ آخرت پرلوک، برزخ پتر لوک، جنت سورگ اور جہنم نرک کے ابدی قیام گاہ میں اعمال کی جزاء وسزا، اور دنیاوی زندگی کے خاتمہ کے بعد دوبارہ نئی زندگی جسے پنر جنم کہا گیا ہے کا اسلامی تصور پایا جاتا ہے۔ تو دوسری طرف آواگون کا فلسفہ ہے جو مذکورہ عقیدے کے خلاف بالکل متضاد عقیدہ ہے۔

(۳) ایک طرف اوتار واد ہے جو اپنے مخصوص زاویۂ نگاہ سے بندے کو خدا بنا دیتا ہے۔ تو دوسری طرف۔ عقیدۂ رسالت ہے جس میں نبی و رسول بصرف خدا کا بندہ اور انسان ہونے کی حیثیت سے خدائی احکام کی تبلیغ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس میں نہ خدا حلول کرتا ہے اور نہ وہ خدا کی ہستی کا کل یا جز ہوتا ہے۔

(۴) ایک طرف وید میں شراب پینے کی برائی بیان کی گئی ہے۔

شراب پینے کے بعد اس کا نشہ شراب پینے والے کے دل میں اپنی جگہ بنانے کے لئے جنگ کرتا ہے (رگوید ۸۔ ۲۔ ۱۲)۔

اے خدا! ریاضت نہ کرنے والے انسان شراب پی کر بدمست ہوجاتے ہیں اور وہ تمہیں تکلیف پہنچانے کی طرف مائل ہوتے ہیں اس لئے تم

ایسے لوگوں کو دولت ہونے پر بھی اپنا سہارا نہیں دیتے (رگوید ۸۔۲۱۔۱۲)۔

دوسری طرف اسی رگوید میں ہے: میں سوم رس (نشہ آور پتی) سے پیٹ بھر کر جو دھرم کا اپدیش کرنے لگا ہوں اس کو وہ لوگ جو اپنے مطالب کی سدھی (درستی) چاہتے ہیں۔ بغور سنیں اگر اس حالت میں ہم سے کوئی لغزش ہوجائے تو آس پاس بیٹھنے والے لوگ ہمیں معاف کریں (رگوید ۳۔۱۷۶)۔

''میں ان عالموں کے جو اعلیٰ درجہ کے عالم اور سورج کی ہیئت سے واقف ہیں، جو کوٹ پیٹ کر نکالے ہوئے سوم رس کو نوش کئے ہوئے لوگوں کے مانند بیٹھے ہوئے ہوں، ان کی بغل میں جیسے شہوت اکسانے والی عورت بغل گیر ہو، اسی طرح میں بھی بغل گیر ہوتا ہوں (رگوید ۳۔۱۶۸)۔

پتہ چلا کہ شراب پینے کا تعلق ممانعت سے نہیں بلکہ صرف ذاتی پسند اور ناپسند سے ہے۔

(۵) ایک طرف رگوید میں جوے کی سماجی برائیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا گیا: اے جواری! جوا کھیلنا چھوڑ کر کھیتی کر۔ اس میں جو نفع ہے اسی میں مطمئن رہو (رگوید ۱۰۔۳۴۔۱۳)۔

دوسری طرف جوا کھیلنے کی وعید یا سزا کا کوئی ذکر ہے نہ اس کی ممانعت کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض تہواروں میں جوا کھیلنا مذہبی اعمال کا حصہ بن چکا ہے۔

(۶) رگ وید میں ایک طرف عورت کے لئے حیا اور پردے کا حکم ہے: چونکہ برہم نے تمہیں عورت بنایا ہے اس لئے نظریں نیچی رکھو اوپر نہیں۔ اپنے پیروں کو سمیٹے ہوئے رکھو۔ ایسا لباس پہنو کہ کوئی تمہارا جسم دیکھ نہ سکے (رگوید ۸۔۲۔۱۲)۔

دوسری طرف ''یجروید'' میں بے حیائی کی انتہائی مذموم صورت درج ہے جس کو لکھتے ہوئے قلم بھی شرمندہ ہے۔

یجمان کی سب بیویاں تین منتر (پڑھ کر) گھوڑے کے چاروں طرف چکر لگاتی ہیں وہ گھوڑے سے استدعا کرتی ہیں۔ اے گھوڑے! تم پیاروں کی پرورش کرنے والے ہو اور سکھ کا سامان ہو، اے گھوڑے! تم میرے پتی بن جاؤ۔ اے گھوڑے! میں حاملہ کرنے والا مادہ چھوڑتی ہوں اور تو بھی حاملہ کرنے والا مادہ (منی) چھوڑتا ہے (یجر گوید ۲۳۔۱۹)۔

اے گھوڑے اور اے خاص بیوی تم دونوں اپنی دو ٹانگوں کو پھیلاؤ۔ پھر پروہت کہتا ہے یگیہ کی جگہ کو ڈھانک دو۔ تب یجمان کی بیوی گھوڑے کے لنگ (عضو تناسل) کو کھینچ کر اپنی (شرمگاہ) میں داخل کرتی ہے اور کہتی ہے۔ یہ منی چھوڑنے والا گھوڑا میرے اندر منی چھوڑے (یجر گوید ۲۳۔۲۰)۔

اے گھوڑے! میری بیوی کی شرمگاہ کے اوپر سے منی چھوڑو۔ تم اپنے لنگ کو پھیلاؤ اور یونی (شرم گاہ) میں داخل کرو کیونکہ یہ لنگ (عضو تناسل) یونی میں جا کر عورتوں کو حیات اور مسرت دیتا ہے (یجروید ۲۳۔۲۱ / مترجمہ محترمہ سوما سلوک، ہندی مضمون ''ویدوں میں عورت'')۔

اس طرح تضاد و تناقض کی ۱۹ / مثالیں جناب محمد فاروق خاں صاحب نے اپنی کتاب ''اسلام کی اہمیت ہندو دھرم کے پس منظر میں'' اختصار کے ساتھ بیان کی ہیں جو بہت اہم اور قابل مطالعہ ہیں۔

رہ گئی ویدوں یا ہندو دھرم پستکوں کی کچھ باتوں کی قرآنی اور اسلامی تعلیمات سے مطابقت تو محض اس بنیاد پر انہیں الہامی یا آسمانی کتاب قرار دینا غیر حقیقی بنیاد ہے، کیونکہ خود قرآن میں لقمان حکیم یا سکندر ذوالقرنین اور خضر کے اقوال کو الہامی قرار نہیں دیا گیا، جبکہ ان کے نبی ہونے کا احتمال بھی ظاہر کیا گیا ہے۔

دنیا کے بہت سے عبد صالح اور ریفارمر جیسے ایران کے زرتشت، ہندوستان کے مذہبی رہنما گرونانک جی اور مشہور فلسفی سقراط کی ایک عظیم الشان نبی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیدا ہونے کی خوشخبری، یا اٹلی کے سات سو سال سے مقفل چلے آرہے مکان کے اندر محفوظ کتبہ میں اسلام کی خوبی اور دور عمر فاروقؓ میں تالہ کھلنے اور خلیفہ ہونے کی پیشین گوئی اور ایمان لانے والوں کو مبارکباد وغیرہ۔ اسی طرح ان مصلحین کی مذہبی کتابیں، زرتشت کی ''دساتیر'' (Dasatir) اور زندویستہ (Zendwasta) گرونانک جی کی ''گروگرنتھ صاحب'' بدھ جی کی ''مجھم نکائے اور دھمپڈ گو'' اور (Gospelofbuddha)۔

نیز (Mohammad-Inbuddh-Ist Scriptures) میں اسلامی تعلیمات اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارات کی موجودگی کے باوجود جس طرح وہ الہامی اور آسمانی کتابیں قرار نہیں دی جاسکتیں اسی طرح ویدوں کو غیر الہامی اور غیر آسمانی کلام مانتے ہوئے کلام صالحین قرار دے کر ان کی پیشین گوئیوں کو درست قرار دیا جاسکتا ہے۔ جیسے بائبل کے ''مکاشفۂ یوحنا'' اور مسلمانوں کے بہت سے اولیاء جیسے حضرت شیخ عثمان کی پیشین گوئیوں کا حال ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ہندو بھائیوں کے پاس وید کی شکل میں جو کچھ موجود ہے وہ یقینی طور پر الہامی نہیں ہے اس لئے محض وید کے امکانی الہامی بنیاد پر ہندوؤں کو ''اہل کتاب'' قرار نہیں دیا جاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ انھیں ''مشابہ اہل کتاب'' کے زمرے میں رکھا جاسکتا ہے جیسا کہ پچھلے حوالوں میں ذکر کیا جاچکا ہے۔

۷۔ الف، ب: اس سوال کی شق اول (الف) کا جواب یہ ہے کہ غیر مسلموں کی تعلیم گاہوں میں پڑھنے سے اگر مسلمان بچوں میں ان کے فکری الحاد ودہریت اور ان کی غیر اسلامی تہذیب وتمدن کے اثرات منتقل ہونے کا اندیشہ ہو تو ان درسگاہوں سے مسلم طلباء وطالبات کو بچانا واجب ہے مسلمانوں کو اپنے علاقوں میں ایسے اسکولوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے۔ بلکہ عصری تعلیم کے لئے متبادل مسلم اسکول وکالج قائم کرنا چاہئے۔ جس سے عصری تعلیم کی ضرورت بھی پوری ہو اور غیر اسلامی افکار ونظریات سے حفاظت بھی ہو۔ البتہ غیر مسلم ملکوں میں حکومت کی قائم کردہ درسگاہوں میں کسی خاص درجے تک تعلیم لازم ہو تو وہاں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی اسلامی درسگاہوں کی تعلیم کا بندوبست کرنا لازم ہے۔ چنانچہ یورپ میں آباد مسلمانوں میں یہ طریقہ رائج ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے اسی غیر اسلامی تہذیب وتمدن اور غیر اسلامی افکار ونظریات اختیار کر لینے کا اندیشہ تھا جس کی وجہ سے آپ نے تنبیہ فرمائی۔

''لتتبعن سنن من قبلکم شبرًا بشبر وذراعًا بذراع حتی لودخلوا جحر ضب تبعتموهم، قیل: یارسول اللہ! الیهود والنصاری، قال: فمن۔ متفق علیہ (مشکواۃ باب تغیر الناس ص ۴۵۸)۔

(تم لوگ اپنے پہلے لوگوں کی پیروی کرنے لگو گے بالشت در بالشت اور ہاتھ در ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی گھسو گے۔ عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس سے مراد یہودی اور نصرانی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اور کون)۔

اکبر الہ آبادی مرحوم نے اسی ماحول کی خرابی پر طنز کرتے ہوئے کیا خوب کہا تھا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

سوال کی شق ثانی (ب) کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں ''نکاح'' کوئی وقتی رشتہ نہیں بلکہ عمر بھر پاکیزہ زندگی گزارنے کا ایک معاہدہ ہے خواہ معاہدہ مسلمہ سے ہو یا کتابیہ سے دونوں کے حقوق معاشرت یکساں ہیں قرآن پاک میں ہے:

''وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ'' (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۸) (اور بیبیوں کے حقوق شوہروں پر ایسے ہی ہیں جیسے شوہروں کے حقوق بیویوں پر ہیں۔ دستور شرعی کے مطابق۔ اور مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے)۔

بنابریں ان کے حقوق کی ادائیگی سے راہ فرار اختیار کرنا اور انھیں بلا وجہ چھوڑ کر بھاگ جانا جائز نہیں ہوگا۔ البتہ بچے کیلئے فتنۂ دینی واخلاقی پیدا ہوجائے یا خود شوہر کے لئے باہمی اختلاط سے کوئی دینی واخلاقی مسئلہ ابھر جائے تو طلاق کے ذریعہ علحدگی اختیار کر لینے کی اجازت ہوگی۔

جہاں تک کتابیہ اور کتابیہ حربیہ کا مسلم شوہر کے گھر میں اپنے مذہبی مراسم انجام دینے کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں اصولی طور پر حکم یہ ہے کہ جو امور مسلم بیویوں کیلئے درست ہیں وہ کتابیہ کیلئے بھی درست ہوں گے اور جو مسلم کیلئے نادرست ہوں گے وہ ان کے لئے بھی نادرست ہوں گے۔ مثلاً قرآن کی تلاوت اور نماز روزہ کی عبادت مسلم کے لئے درست ہے تو کتابیہ کیلئے بائبل کی تلاوت اور اپنے مذہبی طریقہ پر عبادت درست ہوگی۔ لیکن بت پرستی اور حضرت عیسی و مریم وحضرت موسی کی مورتی گھر میں رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ اس کی اجازت مسلم کو بھی نہیں ہے، البتہ بعض چیزیں اس سے مستثنی ہوں گی۔

''ذکر الاسبیجابی أن للمسلم منع الذمیة إذا تزوجها من الخروج إلى الكنائس والبیع و لیس له إجبارها على الغسل من الحیض والجنابة۔......وفی الخانیة من فصل الجزئیة من السیر: مسلم له امرأة ذمیة لیس له أن یمنعها من شرب الخمر؛ لأن شرب الخمر حلال عندها وله أن یمنعها عن اتخاذ الخمر فی المنزل۔ اھ وهو مشكل. لأنه وإن كان حلال عندها لكن رائحتها تضره؛ فله منعها كمنع المسلمة من أكل الثوم وأكل البصل. ولذا قال الكرخی فی الفیض قبیل باب التیمم أن المسلم له أن یمنع زوجته الذمیه من شرب الخمر كالمسلمة لو أكلت الثوم والبصل. وكان زوجها یكره ذالك له أن یمنعها۔ اھ هذا هو الحق كما لا یخفی'' (البحر الرائق ص ۱۸۳ ج ۳)۔

(علامہ اسبیجابی فرماتے ہیں کہ مسلمان شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اگر ذمیہ (دار الاسلام میں کتابیہ) سے شادی کرلے تو وہ اپنی بیوی کو گرجا گھر اور یہودی عبادت خانے میں جانے سے منع کردے، لیکن اسکو یہ حق نہیں ہے کہ ذمیہ بیوی کو حیض اور جنابت کے غسل پر مجبور کرے۔ اور فتاوی خانیہ میں کتاب اسیر کے فصل جزیہ میں ہے کہ کسی مسلمان کی ذمیہ بیوی ہو تو اس کو شراب پینے سے منع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ شراب اس کے نزدیک حلال ہے، البتہ وہ اپنے گھر میں شراب بنانے سے روک دینے کا حق رکھتا ہے۔ مگر یہ بات مشکل ہے (درست نہیں ہے) اس لئے کہ اگر چہ ذمیہ کے نزدیک شراب پینا حلال ہے مگر اس کی بدبو مسلم شوہر کے لئے تو مضر ہے لہٰذا اس کو شراب سے منع کرنے کا حق رکھتا ہے جیسا کہ خود مسلمہ بیوی کو لہسن اور پیاز کھانے سے منع کرسکتا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ کرکی نے ''فیض'' میں باب التیمم کے کچھ پہلے لکھا ہے کہ مسلمان شوہر کو یہ حق ہے کہ اپنی ذمیہ بیوی کو شراب پینے سے منع کردے۔ جیسا کہ اسکو حق حال ہے کہ اپنی مسلمان بیوی کو لہسن۔ پیاز کھانے سے منع کردے جبکہ شوہر اس کو ناگوار سمجھتا ہو۔ یہ حق بات ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے)۔

(ج) عیسائی مشنریز کے اداروں سے استفادہ:

مسلمان کیلئے کسی غیر مسلم ادارے کی ملازمت یا کسی غیر مسلم کی اجرت کے لئے خدمت کرنا حدیث سے ثابت ہے خود صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند قیراط کی اجرت پر غیر مسلم کی بکریاں چرائیں۔

فقہ حنفی میں تو یہاں تک اجازت ہے کہ مسلمان کنیسہ (گھر جا گھر) کی تعمیر بھی اجرت لے کر کرسکتا ہے (الرد المحتار على الدر المختار ص ۳۴۴۔۳۴۵ ج ۵)۔

البتہ اس قسم کی ملازمت اور بالعوض خدمت کے لئے دو شرطیں ہیں، حافظ بن حجر عسقلانی محدث مہلب کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''كره أهل العلم ذالك۔ إلا لضرورة۔ بشرطین۔ أحدهما أن یكون عمله فیما یحل للمسلم، فعله والآخر أن لا یعینه على ما یعود ضرره على المسلمین'' (فتح الباری ص ۴۵۲ ج ۴)۔

(اہل علم نے اجرت پر غیر مسلم کا کام کرنے کو ناپسند کیا ہے، ہاں مجبوری ہو تو دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے ایک یہ کہ غیر مسلم جو کام لے اس کا کرنا مسلمان کے لئے حلال ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی ایسے کام میں اس کی معاونت نہ کرے جس کا نقصان بالآخر مسلمانوں کو پہنچے)۔

مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں دو امور واضح ہوئے۔ ایک یہ کہ غیر مسلم کا جو بھی کام کیا جائے وہ اسلام کی نظر میں حلال ہونا چاہئے۔ دوسرا یہ کہ اس عمل سے اسلام یا مسلمانوں کے مفاد کو نقصان نہ پہنچنا چاہئے۔ اس اصول کے پیش نظر عیسائی مشنریز اور اس کے رفاہی اداروں میں مسلمان کے لئے مستقل ملازمت کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اور نہ ایسے اداروں کی خدمات سے مسلسل فائدہ اٹھانا درست ہوگا، کیونکہ نتیجے کے اعتبار سے یہ دونوں اعمال مستقل ملازمت اور مسلسل حصول مفاد ایمان فروشی تک پہنچا سکتے ہیں۔ جو ہرگز جائز نہیں، البتہ سخت مجبوری میں عارضی چند روزہ ملازمت اور حصول خدمت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کیا تھا۔ کیونکہ عین عمل (ملازمت وحصول مفاد) معصیت نہیں بلکہ اس کے اثرات اور نتائج معصیت ہیں، لہٰذا جہاں تک اثر نہ پڑنے کی صورت ہو وہاں تک جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔ اور اس کے برعکس صورت کو جائز نہیں کہا جاسکتا۔

☆☆☆

اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام کا تحقیقی جائزہ

مفتی شبیر احمد قاسمی [1]

۱- اہل کتاب اس قوم کو کہا جاتا ہے جو دین سماوی کا اعتقاد رکھتی ہو اور آسمانی کتاب پر بھی ایمان رکھتی ہو اور اس قوم کی کوئی ایسی کتاب بھی ہو جس کا اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہونا قطعی طور پر ثابت ہو۔ اور یہ بات الگ ہے کہ اس قوم نے اپنی کتاب کو تحریف کر کے بگاڑ دیا ہو؛ لیکن فی الجملہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہو، جیسا کہ درج ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے:

اس کو "تبیین الحقائق" میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وكل من يعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم عليه السلام وشيث، وزبور داؤد عليه السلام فهو من أهل الكتاب، فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم۔ (تبيين الحقائق، زكريا ۲/ ۵۷۷،۵۷۸، ہندية قديم ۱/ ۲۸۱، جديد ۱/ ۳۴۷)

اس کو "الفقہ الإسلامي وأدلتہ" میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

"الكتابية: هي التي تؤمن بدين سماوي كاليهودية والنصرانية، وأهل الكتاب: هم أهل التوراة والإنجيل لقوله تعالىٰ: أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا" [الأنعام: ۶/ ۱۵۶] (الفقه الإسلامي وأدلته ۷/ ۱۵۸)

اس کو "الموسوعۃ الفقہیۃ" میں ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

"إن أهل الكتاب: هم كل من يؤمن بنبي ويقر بكتاب، ويشمل اليهود والنصارى، ومن آمن بزبور داؤد وصحف إبراهيم وشيث، وذلك؛ لأنهم يعتقدون دينا سماويا منزلا بكتاب" (الموسوعة الفقهية ۷/ ۱۳۰)۔

۲- صابئین سے کون سی قوم مراد ہے؟

آج کے دور میں جب بھی اہل کتاب بولا جاتا ہے، تو اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہوتے ہیں اور یہودی تورات کو مانتے ہیں اور نصاریٰ انجیل کو مانتے ہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صابئین کون سی قوم ہے؟ تو ان کے بارے میں علمائے محققین نے لکھا ہے کہ صابئین یہود و نصاریٰ میں سے ایک جماعت کا نام ہے، جو ان سے الگ ہو کر کے ایک فرقہ کی شکل اختیار کر لی تھی، جیسا کہ سامری اور سامری کے ساتھیوں کو صابئین سے تعبیر کیا جاتا ہے، گویا کہ یہود و نصاریٰ میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان سے الگ ہو کر کے الگ طائفہ زائغہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔

اور بعض علماء نے صابئین کے بارے میں لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے درمیان ایک بین بین قوم ہے، من وجہ یہودی ہیں اور من وجہ نصاریٰ ہیں اور ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ان کے بارے میں یہی ہے کہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اور ان کے ساتھ مناکحت بھی جائز نہیں ہے، مگر امام قرطبیؒ نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ ان کے ساتھ یہود و نصاریٰ کا معاملہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں کے ساتھ مناکحت بھی مباح ہے؛ لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ان کی عورتوں کے ساتھ مناکحت جائز نہیں ہے اور یہی صاحبین کا قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید میں ہے، جیسا کہ ذیل کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

اس کو امام قرطبیؒ نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

---

[1] جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی، مراد آباد۔

''فقال السدی: ہم فرقة من أهل الكتاب، وقاله إسحاق بن راهوية: قال ابن المنذر. وقال إسحاق: لا بأس بذبائح الصابئين؛ لأنهم طائفة من أهل الكتاب، وقال أبو حنيفة: لا بأس بذبائحهم ومناكحة نسائهم. وقال الخليل: هم قوم يشبه دينهم دين النصارى إلا أن قبلتهم نحو مهب الجنوب، يزعمون أنهم على دين نوح عليه السلام، وقال مجاهد والحسن وابن أبي نجيح: هم قوم تركب دينهم بين اليهودية والمجوسية لا تؤكل ذبائحهم. ابن عباس: ولا تنكح نسائهم ... والذي تحصل من مذهبهم فيما ذكره بعض علمائنا أنهم موحدون معتقدون تأثير النجوم. وأنها فعالة، ولهذا أفتى أبو سعيد الإصطخري القادر بالله بكفرهم حين سأله عنهم'' (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ۱/ ۴۳۴،۴۳۵)۔

اس کو ''تبیین الحقائق'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''قال رحمه الله: (والصابئة) أي حل تزوج الصابئة، وقال أبو يوسف ومحمد: لا يجوز نكاحها، وهذا الخلاف بناء على أنهم عبدة الأوثان أم لا، فعندهما عبدة الأوثان، فإنهم يعبدون النجوم. وعند أبي حنيفة ليسوا بعبدة الأوثان، وإنما يعظمون النجوم كتعظيم المسلم الكعبة'' (تبيين الحقائق، زكريا ۲/ ۲۷۸، هكذا في البناية ۵/ ۴۷)۔

اس کو ''الموسوعۃ الفقهیة'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''اختلف الفقهاء في الصابئة، فذهب أبو حنيفة إلى أنهم من أهل الكتاب من اليهود أو النصارى'' (الموسوعة الفقهية ۷/ ۱۴۰)

اس کو ''تفسیر مظہری'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''قال عمر وابن عباس: هم قوم من أهل الكتاب، فقال عمر: يحل ذبائحهم، وقال ابن عباس: لا يحل ذبائحهم ولا مناكحتهم، وقال مجاهد: هم قوم نحو الشام بين اليهود والمجوس من أهل الكتاب. وقال الكلبي: هم بين اليهود والنصارى، وقال قتادة: هم قوم يقرؤون الزبور ويعبدون الملائكة ويصلون إلى الكعبة أخذوا من كل دين شيئا'' (تفسير مظهري ۱/ ۸۸)

اس کو ''البنایہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''وقال عبدالعزيز بن يحيى: قد درجوا وانقرضوا فلا عين ولا أثر'' (البناية ۵/ ۴۷)۔

موجودہ دور کے یہود ونصاریٰ کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے مناکحت:

موجودہ دور میں یہود ونصاریٰ کی دو قسمیں ہیں:

۱- پہلی قسم کے وہ یہود ونصاریٰ ہیں جو خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے ہیں اور جب وہ لوگ خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں ہیں، تو اللہ کی طرف سے مبعوث کردہ نبی اور نازل کردہ کتاب کے بھی وہ لوگ قائل نہیں ہوں گے، تو ایسے یہود ونصاریٰ کی عورتوں کے ساتھ اُسی طرح نکاح جائز نہیں ہوگا جس طرح ایک مشرکہ عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس طرح کی یہودیہ ونصرانیہ عورت خالص مشرکہ عورتوں کے حکم میں ہوگی۔

۲- دوسری قسم وہ یہود ونصاریٰ ہیں جو مشرکانہ حرکتوں کے ساتھ خدا کے وجود کے قائل ہیں اور نبی مرسل کو بھی مانتے ہیں اور آسمانی کتاب کے بھی قائل ہیں، یہ وہ یہود ونصاریٰ ہیں جو سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام اور نزول قرآن کے زمانہ میں تھے؛ لہٰذا ایسے یہودیوں کا ذبیحہ حلال اور جائز ہے، جو اللہ کے نام سے ذبح کرتے ہیں اور ایسی یہودیہ عورت کے ساتھ مناکحت کا حکم بھی وہی ہے جو خیر القرون کے زمانے میں تھا۔

اب رہا نصاریٰ اور عیسائیوں کا مسئلہ تو عیسائی عام طور پر خدا کا نام لے کر ذبح نہیں کرتے؛ اس لئے ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا اور جو عیسائی عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں، ان کا حال وہی ہے جو سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں تھا؛ اس لئے ایسی عیسائی عورتوں کے ساتھ مناکحت کا وہی حکم ہوگا جو حضرت سید الکونین علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانے میں ا ر خیر القرون میں تھا؛ لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ قرآنی حکم کی وجہ سے

عیسائی عورتوں کے ساتھ مناکحت کو حرام تو نہیں کہہ سکتے ہیں، مگر بہت سی وجوہات ایسی ہیں جن کی وجہ سے علی الاطلاق بلا کراہت ان کی عورتوں سے نکاح کو جائز اور حلال بھی نہیں کہا جاسکتا؛ اس لئے کہ اولاد ماں سے متاثر ہوا کرتی ہے، تو اگر ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے تو مسلمانوں کی اولاد کا معاشرہ اور عقیدہ انہیں جیسا ہونے لگے گا، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خط میں لکھا تھا کہ آپ نے جس یہودیہ عورت سے نکاح کیا ہے میرے خط کے پہنچتے ہی آپ فوراً اسے اپنے نکاح سے الگ کردیں، تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا تھا کہ کیا وہ میرے لئے حرام ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ میں اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام نہیں کرتا؛ لیکن جب آپ جیسے لوگ ان کی عورتوں سے نکاح کریں گے تو پھر ان سے نکاح کرنا عام ہوجائے گا، اور مسلمانوں کا معاشرہ خراب ہوتا جائے گا اور آئندہ ان سے پیدا ہونے والی نسلیں ان کی عورتوں کی طرح اسلام سے بیزار ہونے لگیں گی، نیز ان کی عورتیں عام طور پر بدکار ہوتی ہیں اور تم ان کی اطاعت کرنے لگو گے؛ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس گہری دور بینی کے نقطہ نظر سے ایسے یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی کراہت سے خالی نہیں ہوگا، جو نزول قرآن کے زمانہ کے یہود و نصاری کی طرح ہیں۔

ہم اس سلسلے میں پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط کو نقل کرتے ہیں، اس کے بعد علماء امت کی تحریرات پیش کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط سنن کبریٰ کے حوالے سے ملاحظہ فرمایئے:

''سمعت أبا وائل يقول: تزوج حذيفة رضي الله عنه يهودية. فكتب عمر رضي الله عنه أن يفارقها، فقال: إني أخشى أن تدعوا المسلمات وتنكحوا المومسات، وهذا من عمر رضي الله عنه على طريق التنزيه والكراهة. ففي رواية أخرى: أن حذيفة كتب إليه أ حرام هي؟ قال: لا، ولكني أخاف أن تعاطوا المومسات منهن'' (السنن الكبرى للبيهقي، دار الفكر بيروت ١٠/ ٤٢٥، رقم: ١٤٣١، ودار الحديث القاهرة ٧/ ١٩٨، رقم: ١٣٩٨٣)

مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط ملاحظہ فرمایئے:

''عن شقيق قال: تزوج حذيفة يهودية. فكتب إليه عمر: أن خل سبيلها. فكتب إليه: إن كانت حراما خليت سبيلها. فكتب إليه: إني لا أزعم أنها حرام، ولكني أخاف أن تعاطوا المومسات منهن'' (المصنف لابن أبي شيبة ٩/ ٨٥، رقم: ١٦٤١٧)

اب علمائے امت کی تحریرات پیش کی جارہی ہیں، ملاحظہ فرمایئے۔ تفسیر مظہری میں ہے:

''قال ابن الجوزي: روى أصحابنا حديث ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن ذبائح نصارى العرب، وروى ابن الجوزي بسنده عن علي رضى الله عنه قال: لاتأكلوا من ذبائح نصارى بني تغلب، فإنهم لم يتمسكوا من النصرانية بشيء إلا شربهم الخمر ... فكذا حكم نصارى العجم إن كان عادتهم الذبح على غير اسم الله تعالى غالبا لايؤكل ذبيحتهم، ولا شك أن النصارى في هذا الزمان لايذبحون بل يقتلون بالوقذ غالبا، فلا يحل طعامهم'' (تفسير مظهري، زكريا ٣/ ٧٠٤١)

اس کو ''الفقہ الإسلامي وأدلتہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

''لا يحل للمسلم الزواج بالمرأة المشركة أو الوثنية، وهي التي تعبد مع الله إلها غيره كالأصنام أو الكواكب أو النار أو الحيوان، ومثلها المرأة الملحدة أو المادية، وهي التي تؤمن بالمادة إلها، وتنكر وجود الله ولا تعترف بالأديان السماوية مثل الشيوعية والوجودية والبهائية والقاديانية والبوذية'' (الفقه الإسلامي وأدلته ٧/ ١٥٤)

اس سلسلے میں بنایہ کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

''ويروى عن ابن عمر أنه كان لايجوز نكاح الكتابية، وقالت الإمامية: لايجوز نكاح الكتابية إلا عند عدم المسلمة لاختلاف العلماء في كونهم مشركين، قال الله تعالى: {وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ} أي حتى يسلمن من أهل

الکتاب'' (البنایة ۵/۴۳)

اس سلسلے میں بنایہ کی دوسری عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے:

''وقال الكافي: الأولى أن لايتزوج الكتابية، ولا تؤكل ذبيحتهم إلا للضروة لما روى أن عمر رضي الله عنه غضب على حذيفة وكعب وطلحة غضبا شديدا'' (البناية ۵/۴۴)

دین محمدی کے نزول کے بعد پیدا ہونے والی قوم کا حکم:

شریعت محمدی اور دین محمدی کے نزول کے بعد جو نئی قومیں پیدا ہوئی ہیں اور انہوں نے اپنا الگ دین بنالیا ہے، تو وہ دو قسم کی ہوسکتی ہیں:

(۱) ان کے وجود میں آنے سے پہلے ان کے باپ دادا مشرک تھے، جیسا کہ سکھ وغیرہ ہیں، ان کا حکم وہی ہوگا جو پہلے سے تھا، یعنی ان کے باپ دادا بھی مشرک تھے اور نئی قوم بننے کے بعد بھی وہ مشرک ہی ہوں گے؛ لہٰذا سکھ وغیرہ کو اہل کتاب تسلیم نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ وہ مشرک ہی ہیں۔

(۲) وہ قوم ہیں جن کے باپ دادا پہلے مسلمان تھے، پھر انہیں میں سے نئے دین ومذہب کے ساتھ نئی قوم وجود میں آئی ہے، جیسا کہ قادیانی وغیرہ، یہ اگر چہ قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول بھی مانتے ہیں؛ لیکن قرآن کے علاوہ کسی الہامی کتاب کے قائل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تسلیم نہیں کرتے؛ بلکہ کسی اور کے نبی ہونے کے دعویدار بھی ہیں؛ اس لئے یہ زندیق کے حکم میں ہیں؛ لہٰذا نہ تو ان کا ذبیحہ حلال ہے اور نہ ہی ان کی عورتوں کے ساتھ مناکحت جائز ہے، اور یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں، مسلمان نہیں ہیں، جیسا کہ ذیل کی عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

اس کو ''ہندیہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''إذا لم يعرف الرجل أن محمدا صلى الله عليه وسلم آخر الأنبياء عليهم وعلى نبينا السلام فليس بمسلم''

(ہندیة قدیم ۲/ ۲۶۳، جدید ۲/ ۲۷۵)۔

اور ''مجمع الانہر'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

''وأما الإيمان بسيدنا عليه الصلاة والسلام فيجب بأنه رسولنا في الحال، وخاتم الأنبياء والرسل، فإذا آمن بأنه رسول ولم يؤمن بأنه خاتم الأنبياء لايكون مؤمنا'' (مجمع الأنهر ۲/۵۰۶)۔

اور اس کو ''مرقاۃ شرح مشکوۃ'' میں ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

''وإنكار وجوب المجمع عليه إذا كان معلوما من الدين بالضرورة كفر اتفاقا، بل قال جماعة: إن إنكار المجمع عليه كفر وإن لم يكن معلوما'' (مرقاة المفاتيح، أشرفيه ديوبند ۴/۱۳۶)۔

اور صاحب بزازیہ نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

''يجب الإيمان بالأنبياء عليهم السلام بعد معرفة معنى النبي (وقوله) وأما الإيمان بسيدنا عليه الصلاة والسلام، فيجب بأنه رسولنا في الحال وخاتم الأنبياء والرسل، فإذا آمن بأنه رسول ولم يؤمن بأنه خاتم الرسل لاينسخ دينه إلى يوم القيامة لايكون مؤمنا'' (بزازية على الهندية ۶/ ۳۲۷)۔

اور ''بنایہ شرح ہدایہ'' میں ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

''ويدخل في الوثنيات عبدة الشمس وعبدة النجوم والصور التي أنحتوها، والمعطلة، والزنادقة، والباطنية، والإباحية، وفي شرح الوجيز: وكذا كل مذهب يكفر معتقده؛ لأن اسم الشرك يتناولهم جميعا'' (البناية ۵/۳۶)۔

نسلی قادیانی بھی زندیق:

قادیانی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ لوگ جو بذات خود قادیانی بنے ہیں، ان کے مرتد اور زندیق ہونے میں سب کا اتفاق ہے۔

(۲) وہ قادیانی ہیں جو باپ دادا سے نسلی طور پر قادیانی کہلائے جاتے ہیں، ایسے قادیانی کو جن علماء نے اہل کتاب کے درجے میں قرار دیا ہے وہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہے اور اس رائے پر کوئی دلیل نہیں، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بھی کفایت المفتی قدیم ۱/ ۳۶۵/ اور جدید ۱/ ۴۶۸/ میں اپنا رجحان اسی طرف ظاہر فرمایا ہے؛ لیکن یہ صرف حضرت کی اپنی ذاتی رائے ہے، اس پر کوئی دلیل نہیں ہے، حضرت نے شامی کی کسی عبارت سے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے، مگر حضرت کی اس رائے سے دوسرے بڑوں نے اتفاق نہیں کیا ہے: لہٰذا نسلی قادیانی بھی مرتد ہیں اور ان قادیانیوں کی اولاد اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہے؛ بلکہ خالص زندیق ہیں۔ (حاشیہ کفایت المفتی جدید ۱/ ۴۶۸، فتاوی رحیمیہ زکریا ۱۹۶/، فتاوی حقانیہ زکریا ۴/ ۳۴۲، آپ کے مسائل اور ان کا حل زکریا ۲/ ۱۱۷، احسن الفتاوی ۶/ ۳۵۹)۔

اس سلسلے میں ''بزازیہ'' کی عبارت ملاحظہ فرمایئے:

''يجب الإيمان بالأنبياء عليهم السلام بعد معرفة معنى النبي (وقوله) وأما الإيمان بسيدنا عليه الصلاة والسلام، فيجب بأنه رسولنا في الحال وخاتم الأنبياء والرسل. فإذا آمن بأنه رسول ولم يؤمن بأنه خاتم الرسل لاينسخ دينه إلى يوم القيامة لايكون مؤمنا'' (بزازية على الهندية ٦/ ٣٢٧)۔

اور اس کو ''مجمع الانہر'' میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

''وأما الإيمان بسيدنا عليه الصلاة والسلام فيجب بأنه رسولنا في الحال، وخاتم الأنبياء والرسل. فإذا آمن بأنه رسول ولم يؤمن بأنه خاتم الأنبياء لايكون مؤمنا'' (مجمع الأنهر ٢/ ٥٠٦)۔

کتابیہ عورت سے مناکحت میں دارالاسلام و دارالحرب کا فرق:

بعض فقہاء نے کتابیہ عورتوں سے مناکحت کے بارے میں دارالاسلام اور دارالکفر کے درمیان فرق کیا ہے، چنانچہ دارالاسلام میں مباح قرار دیا ہے اور دارالکفر میں مکروہ؛ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ان عورتوں سے نکاح کے بعد زندگی میں مرتب ہونے والی خرابی اور پیدا ہونے والی اولادوں کی تربیت اور ان کے عقائد کے بگاڑ کے خطرے کی وجہ سے دارالاسلام میں بھی ان کی عورتوں سے نکاح کرنا درجۂ کراہت سے خالی نہیں ہے؛ اس لئے جو لوگ دارالاسلام میں مباح قرار دیتے ہیں وہ صرف اس نظریہ کے پیش نظر مباح قرار دیتے ہیں کہ اولاد اپنی نشوونما میں اسلامی عقائد اور اسلامی طور وطریق اور احکام اسلام کو اپنی زندگی میں داخل کرے گی؛ لیکن تجربہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اولاد باپ کے مقابلے میں ماں سے زیادہ متاثر ہوتی ہے؛ اس لئے اولاد کے عقیدہ کے بگڑنے کا زیادہ خطرہ ہے۔

لہٰذا دارالاسلام میں بھی ان کی عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہوگا، جیسا کہ ذیل کی احادیث اور فقہی جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں ''مصنف ابن ابی شیبہ'' کی روایت ملاحظہ فرمایئے:

''عن ابن عمر: أنه كان يكره نساء أهل الكتاب ولا يرى بطعامهن بأسا'' (المصنف لابن أبي شيبة ٩/ ٨٦، رقم: ١٦٣١٩)

اور ''المصنف لابن أبي شيبة'' کی دوسری روایت ملاحظہ فرمایئے:

''عن ابن عمر: أنه كره نكاح نساء أهل الكتاب، وقرأ: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ'' (المصنف لابن أبي شيبة ٩/ ٨٦، رقم: ١٦٣٢٠)

اور ''مصنف ابن ابی شیبہ'' کی تیسری روایت ملاحظہ فرمایئے:

''عن شقيق قال: تزوج حذيفة يهودية، فكتب إليه عمر: أن خل سبيلها، فكتب إليه: إن كانت حراما خليت سبيلها، فكتب إليه: إني لا أزعم أنها حرام، ولكني أخاف أن تعاطوا المومسات منهن'' (المصنف لابن أبي شيبة ٩/ ٨٥، رقم: ١٦٣١٨)۔

اس سلسلے میں ''سنن کبریٰ بیہقی'' کی روایت ملاحظہ فرمائیے:

''سمعت أبا وائل يقول: تزوج حذيفة رضي الله عنه يهودية، فكتب عمر رضي الله عنه أن يفارقها، فقال: إني أخشى أن تدعوا المسلمات وتنكحوا المومسات، وهذا من عمر رضي الله عنه على طريق التنزيه والكراهة. ففي رواية أخرى: أن حذيفة كتب إليه أ حرام بي؟ قال: لا، ولكني أخاف أن تعاطوا المومسات منهن'' (السنن الكبرى للبيهقي، دار الفكر بيروت ١٠/ ٢٢٥، رقم: ١٤٢١، ودار الحديث القاهرة ٧/ ١٩٨، رقم: ١٣٩٨٣)۔

اور ''مصنف عبدالرزاق'' کی روایت ملاحظہ فرمائیے:

''عن قتادة: أن حذيفة نكح يهودية في زمن عمر. فقال عمر: طلقها. فإنها جمرة. قال: أ حرام بي؟ قال: لا فلم يطلقها حذيفة لقوله: حتى إذا كان بعد ذلك طلقها'' (المصنف لعبد الرزاق ٦/ ٤٨، رقم: ١٠٠٥٤)۔

اور اس کو ''بحر الرائق'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائے:

''وفي المحيط: يكره تزوج الكتابية الحربية؛ لأن الإنسان لايأمن أن يكون بينهما ولد فينشأ على طبائع أهل الحرب، ويتخلق بأخلاقهم فلا يستطيع المسلم قلعه عن تلك العادة'' (البحر الرائق. زكريا ٣/ ١٨٣، كوئٹہ ٣/ ١٠٣)

اور اس کو ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''والواقع في الزواج بالكتابيات وبالأولى الحربيات مضار اجتماعية ووطنية ودينية. فقد ينقلن لبلادهن أخبار المسلمين، وقد يرغبن الأولاد في عقائد وعادات غير المسلمين، وقد يؤدي الزواج بهن إلى إلحاق ضرر للمسلمات بالإعراض عنهن، وقد تكون الكتابية منحرفة السلوك'' (الفقه الإسلامي وأدلته ٧/ ١٦٠)۔

دعوتی نقطۂ نظر سے کتابیہ عورت سے نکاح کرنا:

اگر کوئی مسلمان کتابیہ عورت سے دعوتی نقطۂ نظر سے نکاح کرتا ہے اور واقعی وہ عورت دامن اسلام میں داخل ہو جاتی ہے، تو دار الاسلام اور دار الکفر دونوں میں اس کے ساتھ نکاح کرنا مباح ہوگا۔ اور یہ بات یاد رکھنا لازم ہے کہ عورت مسلمان مرد سے متأثر ہو جائے اور مسلمان مرد عورت سے متأثر ہو کر اس کے معاشرہ کو قبول نہ کرے؛ لیکن اگر شوہر منکوحہ کتابیہ سے اور ان کے معاشرہ سے متأثر ہو جاتا ہے اور بچوں کی طبیعتوں کے ان ہی کی فطرت کو قبول کرنے کا خطرہ ہو تو ان کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہوگا، جیسا کہ درج ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ملاحظہ فرمائیے:

''عن ابن عباس قال: لايحل نكاح نساء أهل الكتاب إذا كانوا حربا'' (المصنف لابن أبي شيبة ٩/ ٨٨، رقم: ١٦٢٣١)

اور اس کے متعلق مصنف ابن ابی شیبہ کی دوسری روایت ملاحظہ فرمائیے:

''عن أبي عياض. قال: نساء أهل الكتاب لنا حلال إلا أهل الحرب. فإن نسائهم وذبائحهم عليكم حرام'' (المصنف لابن أبي شيبة ٩/ ٨٨، رقم: ١٦٢٣٢)۔

اس کو علامہ ابن نجیم نے ''البحر الرائق'' میں ان الفاظ کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''يكره تزوج الكتابية الحربية؛ لأن الإنسان لايأمن من أن يكون بينهما ولد فينشأ على طبائع أهل الحرب، ويتخلق بأخلاقهم، فلا يستطيع المسلم قلعه عن تلك العادة.'' (البحر الرائق. زكريا ٣/ ١٨٣، كوئٹہ ٢/ ١٠٣)۔

اس کو علامہ شامیؒ نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے:

''وتكره الكتابية الحربية إجماعا؛ لانفتاح باب الفتنة من إمكان التعلق المستدعي للمقام معها في دار الحرب، وتعريض الولد على التخلق بأخلاق أهل الكفر'' (شامي، زكريا ٤/ ١٢٢، كراچی ٣/ ٤٥، وتبيين الحقائق. زكريا ٢/ ٤٧٧)۔

اس کو "البنایہ" میں ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

"وقال الكاكي: الأولى: أن لايتزوج الكتابية، ولا تؤكل ذبيحتهم إلا للضرورة لما روى أن عمر رضي الله عنه غضب على حذيفة وكعب وطلحة غضبا شديدا" (البناية ۵/ ۴۴، كذا في تبيين الحقائق ۲/ ۴۷۷)۔

اس کو "ہندیہ" میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

"وإذا تزوج المسلم كتابية حربية في دار الحرب جاز ويكره" (ہندية، قديم ۱/ ۲۸۱، جديد ۱/ ۳۴۷)۔

کیا ہندوؤں کے اوتار نبی تھے؟ اور ویدیں آسمانی کتابیں ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا ہے: "وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ" [الرعد: ۷]

اس کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں بھی یہاں کی قوم پر ہدایت لے کر کے کسی نبی یا رسول کو بھیجا ہو؛ لیکن ان کے اوتاروں میں سے کسی کا متعین طور پر اللہ کی طرف سے مبعوث کردہ نبی ہونا ہمارے سامنے ثابت نہیں ہے اور جب تک ہمارے سامنے متعین طور پر ثابت نہیں ہوگا، تب تک ہم کسی اوتار کو نبی مرسل تسلیم نہیں کر سکتے، اسی طرح ان کے ویدوں میں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی پیشین گوئیاں بھی موجود ہیں؛ لیکن جب تک دلیل شرعی سے ان کی کسی کتاب کا آسمانی کتاب ہونا ثابت نہ ہو جائے، اس وقت تک ہم انہیں آسمانی کتاب نہیں کہہ سکتے نیز اسی طرح ہم انہیں آسمانی کتاب ہونے کا نہ انکار کریں گے اور نہ ہی ثابت کریں گے اور یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں۔

حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ تورات وانجیل میں یہود ونصاری نے تحریف کر رکھا ہے؛ اس لئے ان کے بارے میں مثبت یا منفی پہلو سے متعلق امت محمدیہ کوئی بات ثابت نہیں کرے گی (مستفاد: کفایت المفتی قدیم ۱/ ۱۴۸، جدید ۲۷۴-۲۷۸)۔

اس سلسلے میں بخاری شریف کی روایت ملاحظہ فرمایئے:

"عن أبي هريرة قال: كان أهل الكتاب يقرؤون التوراة بالعبرانية ويفسرونها بالعربية لأهل الإسلام، فقال رسول الله ﷺ: لاتصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم، وقولوا: آمنا بالله ما أنزل" (صحيح البخاري ۲/ ۱۱۲۵ رقم: ۴۲۴۱، ف: ۷۵۴۲)۔

عیسائی اسکولوں میں تعلیم:

عیسائی اسکولوں میں اگر عیسائی مشنریز تعلیم پر خصوصی توجہ دے رہی ہیں اور ان اسکولوں میں پڑھنے والے طلبہ وطالبات کو عیسائی مشنریز کے مطابق عیسائیت کا عقیدہ ان کے دلوں میں راسخ کیا جاتا ہے، جس سے طلبہ وطالبات کے عقائد کے بگڑنے کا سخت خطرہ ہوتا ہے، تو ایسے اداروں میں مسلمانوں کو اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے داخل نہیں کرنا چاہئے؛ اس لئے کہ ایسے اسکولوں میں تعلیم کے لئے طلبہ کو داخل کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ دین وایمان کو خطرے میں ڈالنا ہے اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اچھی معیاری عصری تعلیم کے لئے اپنا متبادل اسکول قائم کریں، تا کہ ان اسکولوں میں پڑھنے کے بعد مسلمان بچوں کا عقیدہ اپنی جگہ برقرار رہے۔ اور اگر کہیں عیسائی اسکول میں داخلہ کی ضرورت پڑ جائے تو اس کے ساتھ ساتھ ان بچوں کی اسلامی تعلیم کا نظم بھی چالو رہنا چاہئے کہ دیگر اوقات میں بچے دینی اسلامی تعلیم بھی ساتھ ساتھ حاصل کرتے رہیں، تا کہ ان کے عقائد نہ بگڑیں اور وہ اپنے عقائد پر مضبوطی سے قائم رہیں، ورنہ ماں باپ اپنے بچوں کو ایسے اسکول میں داخل کر کے ان کی آخرت برباد کرنے کے شکار بن جائیں گے، جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی ہے اور یہود ونصاریٰ کی فکر یہی ہوتی ہے کہ وہ اسلام کی مخالفت کریں اور مسلمان اور دیگر اقوام انہیں کے دین کی اتباع کریں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

"وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ" [البقرة: ۱۲۰]۔

اس آیت شریفہ کے مقتضی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے بچوں کو ان کے اسکولوں میں تعلیم کے لئے داخل نہیں کرنا چاہئے

اور بچے اپنی فطرت کے اعتبار سے اسلام سے قریب ہوتے ہیں، مگر ماں باپ یہودی ماحول یہودی بنادیتے ہیں اور عیسائی ماحول عیسائی بنادیتے ہیں اور مجوسی ماحول مجوس بنادیتے ہیں اور ہندو ماحول ہندو بنادیتے ہیں۔ حدیث شریف ملاحظہ فرمائیے:

''عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: كل مولود يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه۔ الحديث'' (صحيح البخاري ۱/ ۱۸۵، رقم: ۱۳۶۹، ف: ۱۳۸۵)۔

اجتماعی کفالت کے لئے زکوۃ جمع کرنا:

اگر کوئی مسلمان کسی کتابیہ عورت سے نکاح کرلے، تو مسلمان شوہر پر وہ تمام حقوق لازم ہوجاتے ہیں جو ایک مسلمان عورت سے شادی کرنے کے بعد لازم ہوتے ہیں؛ لہٰذا جس طرح ایک مسلم خاتون کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد حقوق ادا کرنا لازم ہوتا ہے، اسی طرح تمام حقوق اس پر لازم ہوجائیں گے، نیز اگر دو بیویاں ہیں، ایک مسلمان دوسری کتابیہ، تو دونوں کے ساتھ برابری کا معاملہ کرنا بھی شوہر پر لازم ہوجاتا ہے، جو ذیل کی روایات سے واضح ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں اس بارے میں کئی روایات ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

''عن قتادة عن ابن المسيب والحسن في من يتزوج اليهودية والنصرانية على المسلمة قالا: يقسم بينهما سواء'' (المصنف لابن أبي شيبة ۹/ ۷۴، رقم: ۱۶۳۵۲)۔

''عن الزهري قال: قسمتهما سواء'' (المصنف لابن أبي شيبة ۹/ ۷۴، رقم: ۱۶۳۵۳)۔

''عن إبراهيم قال: يقسم لها كما يقسم للحرة'' (المصنف لابن أبي شيبة ۹/ ۷۴، رقم: ۱۶۳۵۴)۔

''عن الشعبي في الرجل يتزوج المسلمة واليهودية والنصرانية، قال: يسوى بينهما في القسمة من ماله ونفسه'' (المصنف لابن أبي شيبة ۹/ ۷۴، رقم: ۱۶۳۵۵)۔

اس کو ''قاضی خان'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''النفقة تتعلق بأشياء منها الزوجية والاحتباس، فتجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية'' (خانية على الهندية ۱/ ۴۲۴، جديد ۱/ ۲۵۴)۔

اس کو خانیہ میں مختصر الفاظ میں نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''والمسلمة والكتابية في القسم سواء'' (خانية على الهندية ۱/ ۴۲۹، جديد ۱/ ۲۵۹)۔

اس کو ''ہندیہ'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''ويجوز نكاح الكتابية على المسلمة، والمسلمة على الكتابية، وهما في القسم سواء لاستوائهما في محلية النكاح'' (هندية قديم ۱/ ۲۸۲، جديد ۱/ ۳۴۷)۔

اس کو ''البحر الرائق'' میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''تجب النفقة للزوجة على زوجها۔ (كنز الدقائق) وفي البحر: أطلق في الزوجة فشمل المسلمة والكافرة'' (البحر الرائق، زكريا ۴/ ۲۹۳۲۹۲)۔

نیز جب کتابیہ عورت مسلمان کے نکاح میں آجائے تو اس مسلمان کے ماتحت اور اس کے گھر میں رہتے ہوئے اپنے مذہبی رسوم ادا کرنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا شوہر کو حق ہے کہ وہ کنیسہ میں جانے سے روکے، اسی طرح گھر میں رہ کر کے اپنے مذہبی رسومات ادا کرنے سے روکے، جیسا کہ درج ذیل جزئیات سے واضح ہوتا ہے۔

اس کو ہندیہ میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے:

''إذا تزوج المسلم الكتابية فله منعها من الخروج إلى البيعة والكنيسة ومن اتخاذ الخمر في منزله، كذا في النهر الفائق'' (الهندية قديم ۱/ ۲۸۱، جديد ۱/ ۳۴۷)۔

''وقال القدوري في النصرانية تحت مسلم لاتنصب في بيته صليبا وتصلي في بيته حيث شاء ت. كذا في المحيط'' (ہندية قديم ۵/ ۳۴۶، جديد ۵/ ۴۰۱)۔

عیسائی مشنریز اداروں میں ملازمت:

عیسائی مشنریز کے ادارے جس میں ہسپتال اور قرض مہیا کرنے کے ادارہ وغیرہ ہوں، اور ان اداروں میں خدمت خلق کے ساتھ ساتھ عیسائی مذہب کی تبلیغ ہوتی ہے، اور دوسروں کو ان کے مذہب سے دور کر کے اپنے عیسائی مذہب سے قریب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو ان کے اپنے مذہب سے دور کرنے کا کردار ادا کیا جاتا ہے، تو ایسے اداروں میں کسی مسلمان کے لئے ان کی جماعت میں کردار ادا کرنے کے لئے ملازمت کرنا جائز نہیں ہوگا؛ ہاں البتہ اگر کوئی مسلمان عالم دین اسلام کی تبلیغ کی خاطر ایسے اداروں میں رہ کر اسلام کی تبلیغ کرتا ہے، تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس کے اندر معصیت پر تعاون سے ممانعت فرمائی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ [المائدة: ۲]

اور ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں اس کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

''أقول: يحرم طلب العلم الديني لأجل الدنيا، ويحرم تعليم من يرى فيه الغرض الفاسد لوجوه، منها: أن مثله لايخلو غالبا من تحريف الدين لأغراض الدنيا بتأويل ضعيف، فوجب سد الذريعة'' (رحمة الله الواسعة شرح حجة الله البالغة، مكتبه حجاز ديوبند ۲/ ۱۳۳)۔

''فصديق الإنسان من يسعى في عمارة آخرته وإن كان فيه ضررا لدنياه، وعدوه من يسعى في غارة آخرته وإن كان فيه نفع لدنياه، وقد قال الله تعالى: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'' [المائدة: ۲]

(مجالس الأبرار، ص: ۵۲۱، المجلس الخامس وثمانون، بحواله فتاوى محموديه ميرٹھ ۶/ ۳۶)۔



اہل کتاب سے متعلق احکام

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی[1]

تمہید:

ایک ایسے سماج میں جہاں مختلف افکار ونظریات اور عقائد و مذاہب کے ماننے والے طبقات ایک ساتھ زندگی بسر کررہے ہوں، اسلام انسانی تعلقات کو عدل وانصاف اور حسن اخلاق کے ساتھ نباہنے کی تاکید کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

"لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم أن تبروهم وتقسطوا إليهم، إن الله يحب المقسطين" (ممتحنہ:۸)

(اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملے میں نہ تم سے جنگ کی ہے اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہے، اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے)۔

اس آیت سے واضح ہے کہ تعدد رکھنے والے سماج میں اتحاد واتفاق، الفت ومحبت، امن وامان اور سکون واطمینان کے پھول اسی وقت کھل سکتے ہیں، جبکہ سماج میں بسنے والے مختلف عناصر کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے، اور عدل وانصاف کے دامن کو کسی حال میں چھوڑا نہ جائے، اور دوست ودشمن سب کے ساتھ ایک ہی پیمانہ عدل اختیار کیا جائے، جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

"يأيها الذين آمنوا كونوا قوامين لله شهداء بالقسط، ولا يجرمنكم شنأن قوم على ألا تعدلوا، اعدلوا هو أقرب للتقوى" (سورۂ مائدہ:۸)

(اے ایمان والو، عدل کے علم بردار بنو، اللہ کے لئے اس کی شہادت دیتے ہوئے، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی تقوی سے قریب تر ہے)۔

اسلام سماج کے تمام طبقات، خواہ اہل کتاب ہوں یا دیگر غیر مسلم گروہ ان کے ساتھ الفت ومحبت کی تعلیم دیتا ہے، اور نفرت وعداوت، ظلم وزیادتی اور استحصال اور حقوق کی پامالی سے روکتا ہے، کیونکہ وہ عالمی پیغام کا حامل مذہب ہے جو ساری انسانیت کی فلاح ونجات کا ذریعہ ہے، ارشاد الہی ہے:

"قل يأيها الناس إني رسول الله إليكم جميعا، الذي له ملك السموات والأرض" (اعراف:۱۵۸)

(کہہ دو، اے لوگو، میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں، اس اللہ کا جس کے لئے ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے)۔

اور یہ بات بالکل عیاں ہے کہ امن وامان کی فضا میں ہی دعوت کو پھلنے پھولنے کا موقع ملتا ہے، اس مختصر سی تمہید کے بعد سوالات کے جوابات درج ہیں:

۱- اہل کتاب انسانوں کا وہ گروہ یا افراد ہیں جو کسی معتبر آسمانی کتاب اور کسی نبی پر ایمان کا دعوی رکھتے ہیں، جیسے یہود ونصاری، چنانچہ فخر الدین عثمان بن علی زیلعی حنفی لکھتے ہیں: ''كل من يعتقد دينا سماويا، وله كتاب منزل، كصحف إبراهيم و شيث وزبور داؤد، عليهم السلام فهو من أهل الكتاب'' (زيلعي، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ۲/ ۱۱۰، بيروت، دار الكتاب الإسلامي، قاہرہ ۱۳۱۳ھ) (ہر وہ شخص جو آسمانی مذہب پر عقیدہ رکھتا ہو اور اسے دل سے مانتا ہو، جیسے ابراہیم اور شیث کے صحیفے اور داؤد علیہم السلام کی زبور، تو وہ اہل کتاب میں سے ہے)۔

اور شیخی زادہ عبد الرحمن بن محمد (م:۱۰۷۸ھ) نے بھی یہی بات لکھی ہے (دیکھئے: شيخي زاده، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ۱/ ۴۸۳، بیروت، العلمیہ، ۱۴۱۹ھ)، اور علامہ حصکفی رقم طراز ہیں: ''مؤمنة بنبي مرسل مقرة بكتاب منزل'' (حصكفي، الدر المختار، كتاب النكاح، فصل

[1] جامعہ اسلامیہ شانتاپورم، کیرالا۔

في المحرمات ۳/ ۴۵، بیروت، دار الفکر ۱۳۸۶ھ) (کتابیہ خاتون وہ ہیں جو اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی پر ایمان رکھتی ہو اور آسمان سے نازل کردہ کتاب کا اقرار کرتی ہو)۔

اور سامری افراد بھی یہود میں داخل ہیں، چنانچہ حصکفی تحریر فرماتے ہیں:

"يدخل في اليهود السامرة؛ لأنهم يدينون بشريعة موسى عليه الصلاة والسلام وفي والنصارى الفرنج والأرمن" (حصكفي، الدر المختار ۴/ ۱۹۸)

(سامری افراد بھی یہود میں داخل ہیں، اس لئے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو مانتے ہیں، اور نصاریٰ میں فرنگی اور ارمنی حضرات بھی داخل ہیں ۹۔

اس سے پتہ چلا کہ اہل کتاب صرف یہود ونصاریٰ ہی نہیں بلکہ تمام وہ گروہ ہیں جو کسی نبی اور معتبر آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، اگرچہ عملاً اس وقت دنیا میں صرف یہود ونصاریٰ کا وجود ہے۔

اور یہی حنابلہ کے مسلک میں ایک رائے ہے، چنانچہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں:

"وذكر القاضي فيهم وجها آخر أنهم من أهل الكتاب وتحل ذبائحهم ونكاح نسائهم" (ابن قدامه. المغني. كتاب النكاح/ ۵۰۰. بيروت. دار الفكر. طبع اول. ۱۴۰۵ھ) (اور قاضی حنبلی نے دیگر آسمانی صحیفے ماننے والوں کے سلسلے میں ایک دوسرا پہلو یہ بیان کیا ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے ہیں، اور ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی خواتین سے نکاح جائز ہے)۔

جبکہ شافعیہ اور مالکیہ کا مسلک ہے کہ اہل کتاب صرف یہود ونصاریٰ ہیں، چنانچہ احمد بن غنیم مالکی (م: ۱۱۲۵ھ) لکھتے ہیں:

"وأهل الكتاب هم اليهود والنصارى" (ابن غنيم، الفواكه الدواني ۲/ ۱۸۸، بيروت، دار الفكر ۱۴۱۵ھ)

(اہل کتاب یہود ونصاریٰ ہیں)

اور محمد بن عبداللہ خرشی مالکی (م: ۱۱۰۱ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"أهل الكتاب هم اليهود والنصارى، ومن عداهم مجوس تمسكوا بصحف شيث، أو إدريس، أو إبراهيم، أو زبور داؤد، وذلك؛ لأن تلك مواعظ لا أحكام، وكذلك من جمع بين دينين" (خرشي مالكي، شرح خليل ۱۱/ ۹۶ الشاملة)

(اہل کتاب یہود ونصاریٰ ہیں، اور ان کے علاوہ آتش پرست ہیں، جنہوں نے شیث یا ادریس یا ابراہیم کے صحیفے یا داؤد کی زبور کو تھام لیا ہے، اسلئے کہ یہ سب پند ونصیحت ہیں، احکام نہیں ہیں، اور ایسے ہی وہ شخص کتابی نہیں جو دو دین کو جمع کرے)۔

اور دمیاطی شافعی (م: ۱۳۰۲ھ کے بعد) تحریر فرماتے ہیں:

"وأهل الكتاب هم اليهود والنصارى، وخرج بذلك الوثني، والمجوسي، ونحو هما ممن لا كتاب له، كعابد الشمس والقمر" (دمياطي، حاشيه اعانة الطالبين ۲/ ۲۹۲ طبع يعسوب) (اور اہل کتاب یہود ونصاریٰ ہیں، اور اس قید سے بت پرست اور آتش پرست وغیرہما نکل گئے، جن کے پاس کوئی معتبر آسمانی کتاب نہیں، جیسے سورج اور چاند پرست)۔

۲- صابئین کی تحقیق:

یہ لفظ "صبوء" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: ایک شی کو چھوڑ کر دوسری چیز اختیار کرنا، اور مذہب تبدیل کرنا، ابن فارس لکھتے ہیں:

"فأما المهموز فهو يدل على خروج وبروز. يقال: صبأ من دين إلى دين، أي خرج، وهو قولهم: صبأ ناب البعير: إذا طلع. والخارج من دين إلى دين "صابئ" والجمع صابئون وصباء" (ابن فارس، معجم مقاييس اللغة ۳/ ۳۳۲، تحقيق: عبدالسلام هارون، بيروت، دار الفكر، ۱۳۹۹ھ)

(بہر حال صاد، باء اور ہمزہ تو یہ مادہ نکلنے اور ظاہر ہونے پر دلالت کرتا ہے، بولا جاتا ہے: "صبأ من دين" (اس نے ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کر لیا) اور اسی سے اہل عرب بولتے ہیں: "صبأ ناب البعير" (اونٹ کی کچلی کے دانت نکل گئے)، اور ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کو

اختیار کرنے والے کو ''صابی'' کہتے ہیں، اور اس کی جمع ''صابئون'' اور ''صباء'' ہے)۔

اور فیومی لکھتے ہیں: ''صبأ من دين إلى دين ''يصبا'' مهموز بفتحتين: خرج، فهو ''صابئ'' ثم جعل هذا اللقب علما على طائفة من الكفار، يقال: إنها تعبدالكواكب في الباطن، وتنتسب إلى النصرانية في الظاهر، وهم ''الصابئة'' و ''الصابئون ويدعون أنهم على دين صابئ ابن شيث بن آدم'' (فيومي، المصباح المنير/ ص۱۷۳، تحقيق: يوسف محمد، طبع المكتبة العصرية)

(صبأ صاد اور باء کے فتحہ کے ساتھ یہ لفظ مھموز ہے، اس کے معنی ہیں: ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کی طرف نکل جانا اور مذہب تبدیل کرنے والے کو ''صابئ'' کہتے ہیں، پھر اس لقب کو کفار کی ایک جماعت کا علم قرار دیا گیا ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بہ باطن ستارے کو پوجتی ہے، اور بہ ظاہر نصرانیت سے اپنی نسبت جوڑتی ہے، اور اس گروہ کو ''صابئة'' اور ''صابئون'' کہتے ہیں، اور اس کا دعوی ہے کہ وہ آدم کے پوتے اور ''صابئ'' کے دین پر ہے)۔

اور مرتضی زبیدی لکھتے ہیں:

''والصابئون في قوله تعالى: الخارجون من دين إلى دين، يقال: صبأ فلان يصبأ: إذا خرج من دينه، وهم أيضا قوم يزعمون أنهم على دين نوح عليه السلام بكذبهم وفي الصحاح. جنس من أهل الكتاب وقبلتهم من مهب الشمال عند منتصف النهار'' (زبيدي، تاج العروس من جواهر القاموس ۱/ ۲۰۷ طبع دار الهدايه)

(اور اللہ تعالی کے ارشاد میں ''الصابئون'' کا مفہوم ہے دین تبدیل کرنے والے ''صبأ فلان......'' اس وقت بولتے ہیں، جبکہ فلاں شخص دین سے نکل جائے، اور ''صابئون'' ایک قوم ہے جس کا جھوٹا دعوی ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی ملت پر ہیں، اور ''الصحاح'' میں ہے کہ یہ اہل کتاب میں سے ایک قوم ہے، اور ان کا قبلہ نصف النہار میں شمالی ہوا کا مقام ہے)۔

اس لغوی تحقیق کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ''صابئین'' سے کون لوگ مراد ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں کافی اختلاف ہے جو درج ذیل ہے:

۱- اہل علم کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ بے دین لوگ ہیں، یہ رائے مفسر قرآن مجاہد، حسن بصری اور ابن ابی نجیم وغیرہم سے مروی ہے۔

۲- یہ لوگ جزیرہ موصل کے رہنے والے تھے جو ''لا إله إلا الله'' کہتے تھے، لیکن نہ ان کا کوئی دینی عمل تھا، اور نہ ہی کسی معتبر آسمانی کتاب اور نبی پر ایمان تھا، یہ ابن زید کا قول ہے۔

۳- یہ وہ لوگ ہیں جو فرشتوں کو پوجتے ہیں اور قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور زبور کی تلاوت کرتے ہیں۔ یہ رائے قتادہ اور ابو العالیہ کی ہے۔

۴- یہ اہل کتاب کا ایک گروہ ہے، یہ قول سدی کا ہے (دیکھئے طبری، جامع البیان فی تاویل القرآن ۲/ ۱۴۷، تحقیق: احمد محمد شاکر، بیروت، موسسۃ الرسالۃ طبع ۱۴۲۰ھ)۔

۵- ابو الزناد کی رائے ہے کہ ''الصابئون قوم ممايلي العراق وهم بكوثى، وهم يؤمنون بالنبيين كلهم، ويصومون من كل سنة ثلاثين يوما، ويصلون إلى اليمن كل يوم خمس صلوات'' (ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم ۱/ ۲۸۶، تحقیق: سامی سلامی، دار طیبۃ طبع دوم، ۱۴۲۰ھ) (صابئون عراق سے متصل علاقہ کی قوم ہے، اور مقام ''کوثی'' کی باشندہ ہے، یہ لوگ تمام نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں، اور ہر سال تیس روزہ رکھتے ہیں اور یمن کی طرف رخ کر کے روزانہ پانچ نمازیں ادا کرتے ہیں)۔

۶- وہب بن منبہ کی رائے ہے: ''الذي يعرف الله وحده، وليست له شريعة يعمل بها، ولم يحدث كفرا'' (مرجع سابق ۱/ ۲۸۶)
(جو تنہا اللہ کی معرفت رکھتا ہو، لیکن اس کی کوئی شریعت نہیں جس پر عمل کرے، اور نہ ہی کفر کا شکار ہوا ہو، وہ ''صابئین'' میں سے ہے)۔

۷- بعض اہل علم کا قول ہے کہ ''الصابئون الذين لم تبلغهم دعوة نبي'' (مصدر سابق ۱/ ۲۸۷) (صابئین وہ لوگ ہیں جن کو کسی نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو)۔

۸- آلوسیؒ کہتے ہیں کہ یہ اصل دین سے نکل جانے والے لوگ ہیں جو مادی کثافتوں سے پاک، اعلی صفات و اقدار کے حامل انسان کے طرفدار و حمایتی ہیں، اور ان کو اپنے لئے واسطہ بناتے ہیں:

''هم قوم مدار مذاهبهم على التعصب للروحانيين واتخاذهم وسائط، ولما لم يتيسر لهم التقرب إليها بأعيانها،

والتلقي منها بذواتها، فزعت جماعة منهم إلى بياكلها، فصابئة الروم مفزعها السيارات، وصابئة الهند مفزعها الثوابت، وجماعة نزلوا عن الهيا كل إلى الأشخاص التي لاتسمع ولا تبصر ولا تغني عن أحد شيئا، فالفرقة الأولى: هم عبدة الكواكب، والثانية هم عبدة الأصنام، وكل من بأتين الفرقتين أصناف شتى مختلفون في الاعتقادات والتعبيرات'' (الوسی، روح المعانی ۱/ ۲۳۶۴۲۷ طبع موقع التفاسیر)

(یہ وہ لوگ ہیں جن کے مذہب کا دارومدار روحانی افراد کی سخت حمایت اور ان کو واسطہ بنانے پر ہے، اور چونکہ ان کی ذات اور شخصیات سے ان کو قربت اور وصال کا موقع نہیں ملا، سو ان کی ایک جماعت نے ان کے مجسموں کی پناہ لی، چنانچہ روم کے ''صابئین'' کی پناہ متحرک ستاروں میں ہے، اور ہندوستان کے ''صابئین'' کی پناہ ثابت اور ایک جگہ قائم رہنے والے ستاروں میں ہے، اور ایک جماعت مجسموں سے ان اشخاص کی طرف مائل ہوئی جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ کسی سے بے نیاز کرتے ہیں، سو پہلی جماعت ستارہ پرستوں کی ہے اور دوسری جماعت بت پرستوں کی ہے، اور ان دونوں جماعتوں میں سے ہر ایک کے مختلف گروہ ہیں جو عقائد اور عبادات میں مختلف ہیں)۔

۹- قرطبی کا خیال ہے کہ ''أنهم موحدون معتقدون تأثير النجوم وأنها فعالة'' (قرطبی، الجامع لأحکام القرآن ۱/ ۴۳۵، قاہرہ دار الشعب)

(وہ توحید کے ماننے والے، اور ستاروں کی تاثیر اور کارکردگی کے قائل ہیں)۔

۱۰- رازی کی رائے ہے: ''الأقرب أنهم قوم يعبدون الكواكب'' (رازی مفاتیح الغیب ۱/ ۴۵۷، بیروت، دار احیاء التراث العربی)

(زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ستاروں کو پوجتے ہیں)۔

۱۱- امام صاحب کی تحقیق کے مطابق ''صابئین'' ستارہ پرست نہیں ہیں، بلکہ کتاب و نبی پر ایمان رکھتے ہیں، محض ستاروں کی تعظیم کرتے ہیں، اور صاحبین کے نزدیک وہ ستارہ پرست ہیں، لہٰذا ان کا ذبیحہ حلال نہیں، اور نہ ہی ان کی خواتین سے نکاح درست ہے۔

زیلعی حنفی لکھتے ہیں: ''وهذا الخلاف بناء على أنهم عبدة الأوثان أم لا، فعندهما هم عبدة الأوثان، فإنهم يعبدون النجوم، وعند أبي حنيفة يسوا بعبدة الأوثان، وإنما يعظمون النجوم'' (زيلعي، تبيين الحقائق ۲/ ۱۱۰)

(صابیہ خاتون سے نکاح کے حلال ہونے یا نہ ہونے کا یہ اختلاف اس امر پر مبنی ہے کہ وہ بت پرست ہیں یا نہیں؟ چنانچہ صاحبین کے نزدیک وہ بت پرست ہیں کیونکہ وہ ستاروں کو پوجتے ہیں اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ بت پرست نہیں، وہ محض ستاروں کی تعظیم کرتے ہیں)۔

اور امام سرخسیؒ لکھتے ہیں: ''فوقع عند أبي حنيفة أنهم قوم من النصارى يقرؤون الزبور ويعظمون بعض الكواكب'' (سرخسي، المبسوط ۴/ ۲۸۵، تحقيق: خليل ميس، بيروت، دار الفكر، طبع اول، ۱۴۲۱ھ)

(سو امام ابوحنیفہؒ کی یہ تحقیق ہوئی کہ ''صابئین'' نصاریٰ کا ایک گروہ ہے جو زبور کی تلاوت کرتا ہے)۔

۱۲- علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں: ''أحدها أن نعلم أنهم يوافقون اليهود والنصارى في أصول دينهم، وفروعه، فيجوز أن يقروا بالجزية، وتنكح نساؤهم، وتؤكل ذبائحهم... والقسم الثالث: أن يوافقوا اليهود والنصارى في أصول دينهم ويخالفوهم في فروعي فيجوز أن يقروا بالجزية، وتستباح مناكحهم، وأكل ذبائحهم؛ لأن الأحكام تجري على أصول الأديان، ولا يؤثر الاختلاف في فروعها، كما لم يؤثر اختلاف المسلمين في فروع دينهم'' (ماوردي، الحاوي الكبير ۱۴/ ۶۵۳، بيروت، دار الفكر)

(صابئین کی ایک قسم یہ ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ وہ یہود و نصاریٰ کے دین کے اصول و فروع میں متفق ہیں، تو جزیہ لے کر ان کو ان کے مذہب پر برقرار رکھنا جائز ہے اور ان کی خواتین سے نکاح درست ہے، اور ان کا ذبیحہ کھانا حلال ہے، اور تیسری قسم یہ ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کے دین کے اصول میں متفق ہوں اور فروع دین میں مختلف ہوں، تو ان کو جزیہ لے کر ان کے مذہب پر برقرار رکھنا جائز ہے، اور ان کی خواتین سے نکاح درست ہے، اور ان کا ذبیحہ حلال ہے، اس لئے کہ احکام مذاہب کے اصول پر جاری ہوتے ہیں، اور فروع دین میں اختلاف موثر نہیں، جس طرح اپنے دین کے فروع کے سلسلہ میں مسلمانوں کا اختلاف موثر

نہیں)۔

۱۳- ابن مفلح حنبلی (م: ۸۸۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:

''وأما الصابئة فقال أحمد: هم من جنس النصارى...وفي ''المغني'': الصحيح أن من وافق اليهود والنصارى في أصل دينهم، وخالفهم في فروعه فهو منهم، ومن خالفهم في أصل دينهم فلا'' (ابن مفلح المبدع شرح المقنع ۷/ ۶۵، رياض، دار عالم الكتب ۱۴۲۳ھ)

(بہر حال ''صابئین'' تو امام احمد کا قول ہے کہ وہ نصاری کی قسم میں سے ہیں...... اور ''المغنی'' میں ہے کہ جو یہود و نصاری کے اصول دین میں ان سے متفق ہوں اور فروع میں ان سے مختلف ہوں، تو ان کا شمار ان ہی میں ہوگا، اور جو ان کے اصول دین میں مختلف ہوں، تو ان کا شمار ان میں نہ ہوگا)۔

۱۴- شہاب الدین احمد بن ادریس قرافی مالکی لکھتے ہیں:

''ولا تجوز ذبيحة من ليس بكتابي، ولا الصابئة المعتقدة تأثير النجوم؛ لأنهم كالمجوس'' (قرافي، الذخيرة ۴/ ۱۲۴، تحقيق: محمد حجي، بيروت، دار الغرب ۱۹۹۴ء) (جو کتابی نہیں اس کا ذبیحہ حلال نہیں، اور نہ ہی ''صابئین'' کا ذبیحہ حلال ہے، جو ستاروں کی تاثیر کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس لئے کہ وہ آتش پرستوں کی طرح ہیں)۔

قول راجح:

''صابئین'' بے دین لوگ ہیں جو اصل دین اور فطرت سلیمہ کی آواز سے ہٹ کر مختلف چیزوں جیسے زمانہ اور ستارہ وغیرہ کو ذاتی مؤثر مانتے ہیں، ان کا شمار اہل کتاب میں سے نہیں ہے، نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے، نہ ہی ان کی خواتین سے نکاح درست ہے، یہ گروہ نہیں، بلکہ افراد ہوتے ہیں، ہر دور میں اس طرح کے دہریئے، ملحد اور زندیق لوگ پائے جاتے ہیں، اس ترجیح کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''إن الذين آمنوا والذين هادوا والنصارى والصابئين من آمن بالله واليوم الآخر وعمل صالحا فلهم أجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون'' (بقرہ: ۶۲)

(بے شک جو ایمان لائے، جو یہودی ہوئے اور نصاری و صابئی، ان میں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا اور جس نے نیک عمل کیا، تو اس کے لئے اس کے رب کے پاس اجر و ثواب ہے، اور ان کے لئے کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے: ''إن الذين آمنوا والذين هادوا والصابئين والنصارى والمجوس والذين أشركوا إن الله يفصل بينهم يوم القيامة إن الله على كل شيء شهيد'' (سورہ حج: ۱۷) (جو لوگ ایمان لائے، جنہوں نے یہودیت اختیار کی اور صابئین، نصاری، آتش پرست اور جنہوں نے شرک کیا، اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا، بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے)۔

ان دونوں آیتوں کو جب ہم ملاتے ہیں تو یہ بات بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ ''صابئین'' نہ یہود ہیں، نہ نصاری، نہ آتش پرست اور نہ ہی مشرکین، بلکہ ان سب سے الگ ہیں، کیونکہ عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ ''صابئین'' بے دین لوگ ہیں، جو کسی مذہب پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔

۲- اس لفظ کے مادہ ''صبوء'' کے معنی نکلنے کے ہیں، یہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ اصل اور صحیح دین سے الگ تھلگ ہیں۔

۳- یہ لوگ فطرت سلیمہ کی آواز پر لبیک کہنے سے گریزاں ہیں، لہذا ان کو ''صابئین'' کہا جاتا ہے۔

۴- ایسے لوگ جو اللہ کے وجود ہی کے قائل نہیں، یا اگر اللہ کو مانتے ہیں تو وحی و رسالت اور آخرت کو نہیں مانتے، ان لوگوں کا شمار یہود و نصاری میں نہیں ہوگا، خواہ قومی اعتبار سے وہ اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے ہوں، لہذا ایسے لوگوں کا ذبیحہ حلال نہیں اور نہ ان کی خواتین سے نکاح درست ہے، اور یہی حکم مادہ پرستوں اور دہریوں کا ہے جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہیں، اور زمانہ کی بقا کے قائل ہیں، اس لئے کہ قرآن کریم نے یہود و نصاری کو ان کی گمراہیوں کے باوجود دیگر بت پرستوں سے ممتاز قرار دے کر ان کو اہل کتاب کے معزز لقب سے اس لئے نوازا ہے کہ وہ آسمانی کتاب کے دعوی دار ہیں، نبی پر ایمان رکھتے ہیں، اور آخرت اور دوزخ و جنت کا تصور رکھتے ہیں، لہذا جو لوگ اللہ کو نہیں مانتے ہیں، اور تورات اور انجیل پر ایمان نہیں رکھتے ہیں، اور نہ ہی یہودیت

اور نصرانیت کے بنیادی عقائد پر ایمان رکھتے ہیں، بلکہ سرے سے تمام مذاہب و ادیان کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کو محض اس وجہ سے اہل کتاب قرار دینا درست نہیں کہ وہ نصرانیت کی طرف منسوب ہوتے ہیں یا مردم شماری کے وقت ان کا نام "نصاریٰ" کی فہرست میں شامل ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کو حلال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے ذبیحہ پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام نہیں لیتے ہیں، اور جانور کو مشروع طریقے پر تیز دھار آلے سے ذبح کرتے ہیں، اور ان تمام لوگوں مثلاً گردن کی دو رگیں، حلقوم (سانس کی نالی) اور کھانے کی نالی کو کاٹتے ہیں، جن کا ذبح کرتے وقت کاٹنا ضروری ہے۔

چنانچہ پولس اپنے انحراف کے باوجود اہل "کورنثوس" کو تاکید کرتا ہے کہ اللہ کے نام پر ذبح کرنا واجب ہے، جیسا کہ وہ ان کی طرف اپنے پہلے رسالہ میں لکھتے ہیں:

"بل إن ما يذبحه الأمم، فإنما يذبحونه للشياطين، لا لله، فلست أريد أن تكونوا أنتم شركاء الشياطين، لاتقدرون أن تشربوا كأس الرب وكأس الشياطين، ولا تقدرون أن تشركوا في مائدة الرب وفي مائدة الشياطين" (پولس، کورنثوس ۱۰/ ۲۰۲۱)۔۔۔ (بلکہ جو قومیں جانور ذبح کرتی ہیں، وہ شیطان کے نام پر ذبح کرتی ہیں، اللہ کے واسطے ذبح نہیں کرتیں، میں نہیں چاہتا کہ تم شیطان کے ساجھیدار بن جاؤ، تم اس بات پر قادر نہیں کہ رب کے پیالے سے بھی پیو اور شیطان کے پیالے سے بھی پیو، اور نہ ہی تم اس پر قادر ہو کہ رب کے دسترخوان اور شیطان کے دسترخوان دونوں کو ایک ساتھ جمع کرلو)۔

اور ڈاکٹر ہربرڈ ینی لکھتے ہیں کہ ذبح کے جن احکام کا یہودی اعتبار کرتے ہیں، یہ اس شریعت کا ایک جزء ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر دی گئی تھی، جس کا خلاصہ پانچ باتیں ہیں:

۱- جانور کے گلے پر چھری چلانے کے دوران کوئی وقفہ نہ ہونا واجب ہے، بلکہ واجب یہ ہے کہ چھری کو آگے پیچھے مسلسل چلایا جائے۔

۲- ذبح کرتے وقت جانور پر کسی بھاری چیز کا وزن نہ ڈالنا ضروری ہے۔

۳- ذبح کرتے وقت جانور کی کھال پر یا اس کے گلے پر یا اس کی رگوں پر چھری کا دباؤ بھی نہ ڈالنا واجب ہے۔

۴- یہ بھی لازم ہے کہ ذبح کرتے وقت چھری حلق کی اس جگہ سے تجاوز نہ کرے جس جگہ سے اس کو کاٹا جا رہا ہے۔

۵- یہ بھی ضروری ہے کہ ذبح کا عمل نرخرہ یا رگوں کو اس کی جگہ سے ہٹانے میں کوئی اثر نہ کرے۔

(The Mishnahhullin, 1, p514, oxford, 1987)

اور یہ بالکل واضح ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کے قائل نہیں، یا اگر اللہ کو مانتے ہیں تو وحی و رسالت اور آخرت کو نہیں مانتے، وہ ان احکام کی پابندی بھی نہیں کریں گے۔

اور جب یہودیت اور نصرانیت کے بنیادی عقائد پر ایمان رکھنے والا کتابی، ان احکام کی پابندی نہیں کرے تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں، چنانچہ کاسانی لکھتے ہیں:

"فأما إذا سمع منه أنه سمى المسيح عليه الصلاة والسلام، وحده، أو سمى الله سبحانه و تعالى المسيح، لاتؤكل ذبيحته، كذا روي عن سيدنا علي رضى الله عنه ولم يروعن غيره خلافه، فيكون إجماعا" (كاسانی، بدائع الصنائع ۵/ ۴۶، بیروت، دار الكتاب العربي ۱۹۸۲ء)

(سواگر کتابی سے سنا گیا کہ اس نے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیا، یا اللہ تعالیٰ اور مسیح دونوں کے نام کو لیا، تو اس صورت میں اس کے ذبیحہ کا کھانا حلال نہیں، اسی طرح حضرت علیؓ سے مروی ہے اور کسی دوسرے صحابی سے اس کے خلاف کوئی بات مروی نہیں، لہٰذا یہ بات اجماعی ہوگی)۔

اور ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: "فالتسمية مشترطة في كل ذبح مع العمد، سواء كان مسلما أو كتابيا، فإن ترك الكتابي التسمية عن عمد، أو ذكر اسم غير الله، لم تحل ذبيحته روي ذلك عن علي، وبه قال النخعي والشافعي وحماد

وإسحاق وأصحاب الرأي'' (ابن قدامه، المغني ۱۱/ ۵۵، بیروت، دار الفکر، طبع اول ۱۴۰۵ھ)

(ہر ذبح کرنے والے پر قصداً بسم اللہ پڑھنا شرط ہے، خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابی، سو اگر کتابی نے عمداً تسمیہ چھوڑ دیا، یا ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا، تو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، حضرت علیؓ سے یہی بات مروی ہے، اور امام نخعی، شافعی (جبکہ استخفافاً تسمیہ ترک کردے، اور یہ عیاں ہے کہ کافر استخفافاً ہی بسم اللہ پڑھنا چھوڑتا ہے) اسحاق اور حنفیہ کا یہی مسلک ہے)، اسلام حقائق اور مضامین پر نگاہ رکھتا ہے نہ کہ نام اور عناوین پر، ''ہندیہ'' میں ہے: ''**الاعتبار للمعاني دون الصور و المباني**'' (ہندیہ ۴/ ۳، بیروت، دار الفکر ۱۴۱۱ھ) (اعتبار معانی اور حقائق کا ہے نہ کہ اشکال و الفاظ کا)۔

تو پھر جو لوگ حقیقت کے اعتبار سے کتابی نہیں ہیں، اور یہودیت اور نصرانیت کے بنیادی عقائد پر ان کا ایمان نہیں ہے، ان کو اہل کتاب کا درجہ کیسے دیا جاسکتا ہے؟ چنانچہ حقیقت پر نظر کرتے ہوئے ہی حضرت علی نے نصاری عرب کے ذبائح کو حرام قرار دیا، چنانچہ امام جصاص رازی رقم طراز ہیں:

''وروی محمد بن سيرين عن عبيدة، قال: سألت عليا عن ذبائح نصارى العرب، قال: لا تحل ذبائحهم، فإنهم لم يتعلقوا من دينهم بشي إلا بشرب الخمر'' (جصاص، أحكام القرآن ۳/ ۳۲۱، تحقيق: قمحاوي، بيروت، دار الإحياء ۱۴۰۵ھ)

(محمد بن سیرین نے عبیدہ سلمانی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے نصاری عرب کے ذبائح کے بارے میں دریافت کیا، تو انہوں نے جواب دیا: ان کے ذبائح حلال نہیں، اس لئے کہ ان کا اپنے دین سے شراب پینے کے علاوہ اور کوئی تعلق باقی نہیں ہے)۔

۳- صابئین کو اسی وجہ سے اہل کتاب نہیں قرار دیا گیا ہے کہ وہ بے دین لوگ ہیں، جن کا کسی دین پر اعتقاد نہیں ہے، چنانچہ علامہ ماوردی شافعیؒ لکھتے ہیں:

''والقسم الرابع: أن يوافقوا اليهود والنصارى في فروع دينهم، ويخالفوهم في أصوله، فلا يجوز أن يقروا بالجزية، ولا تستباح مناكحهم، ولا أكل ذبائحهم تعليلا باعتبار الأصول في الدين'' (ماوردی، الحاوی الکبیر ۱۴/ ۲۹۴، بیروت، العلمیہ طبع اول ۱۴۱۴ھ) (اور نصرانیت کی طرف منسوب ہونے کے اعتبار سے ''صابئین'' کی چوتھی قسم یہ ہے کہ وہ یہود و نصاری کے ساتھ دین کے فروعی امور میں متفق ہوں، اور دین کے اصولی امور میں مخالف ہوں تو ان کو جزیہ لے کر ان کے مذہب پر برقرار رکھنا جائز نہیں، اور نہ ان کی خواتین سے نکاح درست ہے، اور نہ ان کے ذبائح حلال ہیں، اس وجہ سے کہ دین میں اصولی اور بنیادی عقائد کا اعتبار ہے)۔

اور امام نووی شافعیؒ لکھتے ہیں:

''وحكي أن القاهر العباسي استفتى في الصابئة، فأفتاه أبو سعيد الإصطخري أنهم ليسوا من أهل الكتاب؛ لأنهم يقولون: إن الفلك حي ناطق، وإن الأنجم السبعة الهة'' (نووی، المجموع ۱۶/ ۲۳۶ طبع یعسوب)

(اور نقل کیا گیا ہے کہ قاہر باللہ عباسی حکمراں نے ''صابئین'' کے بارے میں فتوی دریافت کیا، تو ابو سعید اصطخری نے ان کو فتوی دیا کہ وہ اہل کتاب سے نہیں ہیں، اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ فلک زندہ اور متکلم ہے، اور سات ستارے معبود ہیں)۔

اور میدانی حنفی تحریر فرماتے ہیں:

''وإن كانوا كما قالا، فلا يجوز اتفاقا'' (میدانی، اللباب في شرح الكتاب ۱/ ۲۵۴، بیروت، دار الكتاب العربي)

(اور اگر ''صابئین'' ستارہ پرست ہوں، جیسا کہ صاحبین کا قول ہے، تو بالاتفاق ان کی خواتین سے نکاح جائز نہیں اور ان کا ذبیحہ حلال نہیں)۔

تو پھر جو لوگ اللہ تعالی کو نہیں مانتے، یا یہودیت و نصرانیت کے بنیادی عقائد پر ایمان نہیں رکھتے، ان کا شمار اہل کتاب میں کیوں کر ہوگا؟

۴- بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہے، اس لئے کہ اسلام آخری مذہب ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالی نے انسانیت پر اپنی نعمت شریعت مکمل کردی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ''اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي، ورضيت لكم الإسلام دينا'' (مائدہ ۳)

(اب میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کردیا، اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند فرمایا)۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے آخری نبی و رسول ہیں، جن کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

''ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين، وكان الله بكل شي عليما'' (احزاب: ۴۰)

(محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں، اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے)۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کی رسالت تمام انسانیت کے لئے ہے، وہ کسی گروپ، جماعت، ملک اور خطہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، ارشاد الٰہی ہے: "وما أرسلناك إلا كافة للناس بشيرا ونذيرا" (سبا: ۲۸) (اور ہم نے تو تم کو سب لوگوں کے واسطے خوشخبری اور انجام سے آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے)۔

اور قرآن کریم کے مخاطب تمام انسان ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قل يا أيها الناس إني رسول الله إليكم جميعا الذي له ملك السموات والأرض" (اعراف: ۱۵۸)

(کہہ دو، اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں، اس اللہ کا جس کے لئے ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے)۔

اور قرآن کریم کو رہتی دنیا تک آنے والے افراد اور اقوام کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنا کر نازل کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

"وأوحي إلي هذا القرآن لانذركم به ومن بلغ" (انعام: ۱۹)

(اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعہ سے تم کو ڈراؤں، اور ان کو بھی جن کو یہ پہنچے)۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کے عالمی ہونے کے امتیاز کو واشگاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے:

"أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلي: كان كل نبي يبعث إلى قومه خاصة، وبعثت إلى كل أحمر وأسود" (صحيح البخاري حديث نمبر ۳۳۵، ۴۳۸، صحيح مسلم رقم ۵۲۱)

(پانچ چیزیں مجھے دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں: ہر نبی خاص طور سے اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، اور مجھے ہر سیاہ و سرخ کی طرف بھیجا گیا) اور ایک روایت میں ہے: "بعثت إلى الناس عامة" (صحیح البخاری حدیث نمبر ۳۳۵) (اور مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا)۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے عالمی ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پائدار اور دائمی معجزہ قرآن کریم کی شکل میں دیا گیا جو رہتی دنیا تک برقرار رہے گا، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس امتیاز کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

"ما من نبي من الأنبياء إلا قد أعطي من الآيات ما مثله آمن عليه البشر، وإنما كان الذي أوتيته وحيا أوحى الله إلي، فأرجو أن أكون أكثرهم تابعا يوم القيامة" (صحيح البخاري حديث نمبر ۴۹۸۱، ۷۲۷۴، صحيح مسلم حديث نمبر ۱۵۲)

(ہر نبی کو وہ معجزہ دیا گیا جسے دیکھ کر اس زمانہ کے انسان ایمان لائے، اور مجھے جو معجزہ دیا گیا وہ وحی ہے جو میری طرف بھیجی گئی، سو مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میں تمام انبیاء سے زیادہ پیروکار والا ہوں گا)۔

اور اس عالمی دعوت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے قبیلوں کو دعوت دی، پھر بعد میں دنیا کے مشہور بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط بھی لکھے، اور ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے پیروکار کو اہل کتاب قرار دینا محال ہے۔

۵- قادیانی خواہ خود مرتد ہوا ہو یا نسلی طور پر قادیانی ہو، کسی صورت میں اس کا شمار اہل کتاب میں سے نہیں ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی درجہ اور کسی اعتبار سے خواہ نسلی طور پر کسی کو نبی قرار دینا مرتد ہونے کے لئے کافی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت و رسالت کا خاتمہ ہو چکا ہے، امام طحاویؒ لکھتے ہیں:

"وكل دعوى النبوة بعده فغي وهوى" (طحاوی، العقيدة الطحاوية مع شرح ابن ابي العزا الحنفي / ص ۴۲۹، دار السلام، طبع اول، ۱۴۲۶ھ)

(اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ گمراہی اور نفس پرستی ہے پھر جو اس نفس پرستی کی تائید کرے خواہ نسلی طور پر وہ بھی کافر، مرتد اور گمراہ ہے)۔

اور ابن ابي يعلى محمد بن محمد حنبلی (م: ۵۲۶ھ) لکھتے ہیں:

"ثم الإيمان بأن محمدا نبينا ﷺ خاتم النبيين وسيد المرسلين، وإمام المتقين، ورسول رب العالمين، بعثه إلينا، وإلى الخلق أجمعين" (ابن ابي يعلى، الاعتقاد / ص ۳۵، تحقيق: محمد الخميس، دار طلس الخجراء طبع اول، ۱۴۲۳ھ)

(پھر اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے آنے کا سلسلہ ختم کرنے والے آخری نبی، رسولوں کے سردار، پرہیز گاروں کے امام اور سارے جہاں کے رب کے رسول ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور تمام مخلوق کی طرف بھیجا ہے)۔

اور امام محمد بن جریر، ابو جعفر طبری (م: ۳۱۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"ولكنه رسول الله وخاتم النبيين، الذي ختم النبوة، فطبع عليها، فلا تفتح لأحد بعده إلى قيام الساعة" (طبری، جامع البيان في تأويل القرآن ۲۰/ ۲۷۸) (لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں، جنہوں نے نبوت کا سلسلہ ختم کر کے اس پر مہر لگادی، سو نبوت کا دروازہ قیامت ہونے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے وا نہ ہوگا)۔

اور امام ابو حامد غزالی (م: ۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:

"وأنه ليس فيه تأويل ولا تخصيص" (غزالي، الاقتصاد في الأعتقاد / ص ۸۳ طبع الوارق)

(بہ اجماع امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی صراحت کرنے والی آیت میں کسی تاویل یا تخصیص کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے)۔

اور علامہ ابو الفضل قاضی عیاض (م: ۵۴۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"وأجمعت الأمة على حمل هذا الكلام على ظاهره، وأن مفهومه المراد به دون تأويل ولا تخصيص، فلا شك في كفر هؤلاء الطوائف كلها قطعا إجماعا وسمعا" (قاضي عياض، الشفا بتعريف حقوق المصطفى ۲/ ۲۸۶ طبع يعسوب)

(امت نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ اس کلام یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے، اور اس پر بھی اجماع کیا ہے کہ اس آیت کا نفس مفہوم ہی بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے مراد ہے، چنانچہ ان تمام فرقوں کے کفر میں اجماع امت اور نقل یعنی کتاب وسنت کی نصوص کی بنا پر بالکل کوئی شک نہیں (جو کسی مدعی نبوت کو مانیں اور پیروی کریں)۔

اس سے پتہ چلا کہ خواہ نسلی طور پر ہی سہی اگر کوئی فرد کسی مدعی نبوت کو مانتا ہو، تو وہ بلاشبہ کافر، مرتد، خارج از ملت، گمراہ، نفس پرست اور گمراہ شخص کی تائید کرنے والا ہے، چنانچہ کسی اعتبار سے اس کا شمار اہل کتاب میں ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا ہے۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری نبی ہونے اور اپنے بعد نبوت کا دروازہ بند ہونے اور کسی کتاب کے نازل نہ ہونے کا اعلان واشگاف الفاظ میں فرمایا ہے اور جھوٹے مدعیان نبوت سے خبردار کیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

"وأنه سيكون في أمتي ثلاثون كذابون كلهم يزعم أنه نبي، وأنا خاتم النبيين لانبي بعدي" (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۴۲۵۲، بیروت، دار الفکر، سنن ترمذی، حدیث نمبر ۲۲۱۹، تحقیق: احمد محمد شاکر، بیروت، دار الاحیاء، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (اور یہ کہ میری امت میں تیس جھوٹے اشخاص ہوں گے جو سب کے سب اپنے نبی ہونے کا دعوی کریں گے، حالانکہ میں آخری نبی ہوں، اور میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں)۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إن مثلي ومثل الأنبياء من قبلي، كمثل رجل بنى بيتا فأحسنه وأجمله إلا موضع لبنة من زاوية، فجعل الناس يطوفون به، ويعجبون له، ويقولون، يصلا وضعت هذه اللبنة، قال: فأنا اللبنة وأنا خاتم النبيين" (صحيح البخاري حديث نمبر ۳۵۳۴، ۳۵۳۵، صحيح مسلم حديث نمبر ۲۲۸۶)

(میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک مکان بنایا، اور بہت خوبصورتی اور آرائش و زیبائش سے اسے مزین کیا، مگر ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی، چنانچہ لوگ اس میں گھومنے پھرنے لگے، اور اس کی خوبصورتیں پر حیرت زدہ ہو کر کہنے لگے کہ یہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سو وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں آخری نبی ہوں)۔

اس سے پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت کی پیروی خواہ نسلی طور پر ہو، ارتداد، گمراہی اور ضلالت ہے۔

یوں تو ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن عاقل بالغ ہونے کے بعد، اگر وہ اپنی فطرت کو برقرار نہ رکھے، تو اس پر کفر ہی کا حکم لگے گا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد ہے:

"کل مولود یولد علی الفطرة، فأبواه یهودانه أو ینصرانه أو یمجسانه" (صحیح البخاری حدیث نمبر ۱۳۸۵، صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۶۵۸) (ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں)۔

اس سے پتہ چلا کہ اصلی اور نسلی دونوں مرتد کا حکم یکساں ہی ہے، ہر ایک انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی عقل وفکر کا صحیح استعمال کر کے صحیح دین اسلام کی طرف آنے کی کوشش کرے، جسے لے کر آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کتاب کا نازل ہونا محال ہے، تو پھر کسی کو اہل کتاب میں شمار کرنا کیونکر صحیح ہوگا؟

۶ الف: موجودہ دور میں کتابی خاتون سے، خواہ یہودی ہو یا نصرانی، نکاح ناجائز ہے، اس لئے کہ عقد نکاح مصلحت پر مبنی عقد ہے، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

"النکاح عقد مصلحة في الأصل لاشتماله علی المصالح الدینیة والدنیویة" (کاسانی، بدائع الصنائع ۲/۲۶۷، بیروت، دار الکتاب العربی ۱۹۸۲ء)

(نکاح اصل میں مصلحت پر مبنی عقد ہے، اس لئے کہ وہ دینی اور دنیوی مصلحتوں پر مشتمل ہوتا ہے)، فقہاء نے دار الاسلام میں کتابی خاتون سے نکاح اس لئے مباح قرار دیا تھا کہ اسلامی معاشرہ کی شاندار روایات سے متاثر ہو کر وہ اسلام کے دامن میں پناہ لینے کو اپنی آزادی اور مرضی سے پسند کرے گی، چنانچہ قرآن نے لفظ "الیوم" (آج) جو آیت:

"الیوم أحل لکم الطیبات وطعام الذین أوتوا الکتاب حل لکم، وطعامکم حل لهم، والمحصنات من المؤمنات، والمحصنات من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم إذا آتیتموهن أجورهن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی أخدان" (مائدہ: ۵)

(اب تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں، اور اہل کتاب کا کھانا (ذبیحہ) تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے، اور شریف عورتیں مسلمان عورتوں میں سے اور شریف عورتیں ان اہل کتاب میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تمہارے لئے حلال ہیں، بشرطیکہ ان کو قید نکاح میں لا کر ان کے مہر ان کو دو، نہ کہ بدکاری کرتے ہوئے اور آشنائی گانٹھتے ہوئے) میں وارد ہے، اس سے اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس حالت میں کتابی خاتون سے نکاح درست ہے، جس میں مرد مسلمان گھر کا مالک ہو، اس کی مرضی کے مطابق گھر کا نظام چلے، اور شوہر دین پسند ہو، جس کی بنا پر عورت متاثر ہونہ کہ موثر ہونے کا رول ادا کرے، سوایسی صورتحال میں قوی امکان ہے کہ وہ اسلام کے قلعہ میں داخل ہو جائے، یا کم از کم اسلامی روایات کی پاسداری کرنے والی بن جائے، اگر وہ عقیدہ کے اعتبار سے اسلامی معاشرہ میں مدغم نہ ہو، تو کم از کم رویہ کے لحاظ سے اس میں ڈھل جائے۔

لیکن موجودہ دور میں اس نکاح کا الٹا اثر ہو رہا ہے، چنانچہ معروف کے فکری تسلط کی وجہ سے بیوی شوہر پر مکمل طور پر اثر انداز ہو رہی ہے، اور بالخصوص عرب ملکوں میں مسلمان ح کمرانوں، فوجی کمانڈروں اور اعلی سرکاری عہدہ داروں کے یہودی اور عیسائی عورتوں سے نکاح کرنے نے عالم اسلام کو غیر معمولی فوجی، سیاسی اور معاشی نقصان پہنچایا ہے، اور یہ حضرات اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی بجائے مغرب کے دم چھلے بن گئے ہیں، اور پوری قوم کے مفاد کو نظر انداز کر کے یہود و نصاری کے خدمت گذار ہو گئے ہیں، اور یورپ کی منہ بھرائی کی خاطر اسلام پسندوں اور دینداروں کا جینا دو بھر کر رہے ہیں، سوایسی صورت حال میں اہل کتاب خواتین سے نکاح کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟

اور فقہاء کے کلام میں غور کرنے سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ کتابی خواتین سے نکاح بدرجہ مجبوری اس وقت مشروع ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں اس کے اچھے نتائج برآمد ہونے کے امکانات ہوں، لیکن اگر ضرر کا قوی اندیشہ ہو تو یہ نکاح ممنوع ہوگا، ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

"والأولی أن لایتزوج کتابیة، ولا یأکل ذبائحهم إلا لضرورة" (ابن نجیم، البحر الرائق ۳/۱۱۱)

(بہتر یہ ہے کہ بدرجہ مجبوری کتابی خاتون سے نکاح کرے، اور اہل کتاب کا ذبیحہ استعمال کرے)۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ ضرر کا قوی خطرہ نہ ہو، سو جب ضرر قوی کا اندیشہ ہو، تو اس حالت میں یہ نکاح ممنوع ہوگا۔

ب- سوال کے اندر دار الکفر کی کتابی خواتین سے نکاح کے اثرات کو بہت خوشنما بنا کر پیش کیا گیا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دار الکفر میں کتابی خواتین

سے نکاح کرنے کی صورت میں ضرر قوی کا اندیشہ ہے، چنانچہ دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ ایسے نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اولاد، ایک دو نسل کے بعد یا تو عیسائی بن جاتے ہیں یا نام کے مسلمان باقی رہتے ہیں، جیسا کہ موجودہ امریکہ صدر براک اوبامہ کی مثال حقیقت کی آنکھ کھولنے کے لئے کافی ہے، جو مسلم اور عیسائی خاتون کے نکاح کا نتیجہ ہیں۔

اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ اس وقت مغربی معاشرہ میں پاک دامن اور عصمت مآب عورتوں کا وجود نادر ہی نہیں، بلکہ شاذ ہے، عفت، پاکدامنی اور شرافت وغیرت کی ان کے یہاں کوئی سماجی قدر و قیمت نہیں رہ گئی ہے، بلکہ جس دوشیزہ کا دوست نہ ہو، اسے سہیلیوں، بلکہ گھر والوں اور قریبی لوگوں کے ذریعہ بھی عار دلائی جاتی ہے، لہٰذا اس وقت کسی بھی محرک کی وجہ سے عیسائی یا یہودی خواتین سے نکاح مکروہ ہی نہیں، بلکہ ناجائز ہے، کیونکہ ضرر راجح اور محقق ہے، اور عالمی سطح پر مسلمانوں کے کمزور ہونے کی بنا پر قوی خطرہ ہے کہ بچے ماں کے رنگ میں رنگ جائیں۔

اسی کے ساتھ، مسلم عورتوں کے بے شوہر رہنے کا قوی خطرہ ہے، کیونکہ موجودہ دور میں تعدد ازواج شاذ صورت بن گئی ہے، چنانچہ یہ اور دیگر اسباب کی بنا پر حضرت عمر نے ایسے نکاح کو مکروہ قرار دیا، جیسا کہ ابن کثیر طبری کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"وإنما كره عمر ذلك لئلا يزهد الناس في المسلمات، أو لغير ذلك من المعاني" (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۱/ ۳۱۹، بیروت، دار الفکر ۱۴۱۴ھ) (حضرت عمر نے کتابی خاتون سے نکاح کو مکروہ قرار دیا اس وجہ سے کہ لوگ مسلم خواتین سے نکاح کرنے میں بے رغبتی نہ کریں، یا دیگر اسباب وعلل کی بنا پر مکروہ قرار دیا)۔

۷- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وإن من أمة إلا خلا فيها نذير" (فاطر: ۲۴) (اور کوئی امت ایسی نہیں گزری ہے جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو)، اس آیت سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں، اس کے باوجود ہندوؤں کے اوتار کو پیغمبر اور ان کی کتابوں کو الہامی کتاب تسلیم نہیں کیا جا سکتا ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- مشرکین عرب دین ابراہیمی پر ہونے کا دعوی کرتے تھے، اور ملت ابراہیمی کی بہت سی چیزیں ان کے اندر موجود بھی تھیں، چنانچہ وہ زمین وآسمانی کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"ولئن سألتهم من خلق السموات والأرض وسخر الشمس والقمر ليقولن الله فأنى يؤفكون" (عنکبوت: ۶۱)

(اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو، اور کس نے مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو؟ تو وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے، تو وہ کہاں اندھے ہو جاتے ہیں)، دوسری جگہ فرمان باری ہے: "ولئن سألتهم من خلق السموات والأرض ليقولن الله قل الحمد لله بل أكثرهم لا يعلمون" (لقمان: ۲۵) (اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو جواب دیں گے، اللہ نے، کہو شکر کا سزاوار بھی اللہ ہے، بلکہ ان کے اکثر اس بات کو نہیں جانتے)۔

اور ایک موقع سے ارشاد ہے: "ولئن سألتهم من خلق السموات والأرض ليقولن خلقهن العزيز العليم" (الزخرف: ۹)

(اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ لازما یہی جواب دیں گے کہ ان کو اللہ غالب اور علم والے نے پیدا کیا ہے)۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کے خالق ومالک، علم وحکمت اور اقتدار کے قائل تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو بت پرستی کی وجہ سے مشرک قرار دیا، اسی طرح ہندوستان کے ہندوؤں کی کتابوں کو قرآن مجید کی بیشتر اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں موافقت کی بنیاد پر الہامی کتاب نہیں قرار دے سکتے ہیں، کیونکہ بت پرست قوموں نے بہت سی چیزیں، عقائد اور اعمال اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں سے ہی لی ہیں، لیکن ان کو شرک کے رنگ میں رنگ دیا، اور ان کا قبلہ اللہ تعالیٰ کی بجائے، انسانوں کو قرار دیا، جس کی بنا پر وہ شرک میں مبتلا ہوئے اور بت پرستی اختیار کی، البتہ یہ کتابیں ان کے خلاف حجت ہیں کہ آخری نبی پر ایمان لانے اور توحید کی دعوت دینے کے باوجود وہ اسلام کیوں قبول نہیں کر رہے ہیں؟

۲- خود ہندوستان کے بت پرست اپنا رشتہ کسی نبی سے نہیں جوڑتے ہیں، اور نہ ہی اپنی مذہبی کتابوں کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب سمجھتے ہیں۔

۳- قرآن کریم نے یہود ونصاری کو ان کی گمراہیوں کے باوجود دیگر بت پرست قوموں سے ممتاز قرار دے کر ان کو اہل کتاب کا معزز لقب دیا ہے، کیونکہ

وہ آسمانی کتاب کے دعویدار اور بت پرستی سے الگ ہیں، جبکہ ہندوستان کی مشرک قوم سر سے پیر تک بت پرستی میں ڈوبی ہوئی ہے۔

۴- بت پرستی ایک ایسا سنگین جرم ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے آسمانی کتاب کا دعویدار ہونا اور کسی نبی سے رشتہ جوڑنا بھی مفید نہیں، چنانچہ مشرکین عرب کو دین ابراہیمی پر ہونے کے دعوت کے باوجود بت پرستی کی وجہ سے اہل کتاب کے درجہ میں نہیں رکھا گیا، اسی طرح اگر ہندو حضرات اپنے اوتاروں کو نبی بھی مانتے ہوئے، تو بھی بت پرستی کی وجہ سے ان کا شمار مشرکین میں سے ہوتا، اور اہل کتاب میں سے ہرگز نہیں ہوتا، کیونکہ اہل کتاب بھی اگر چہ ایک گونہ مشرک ہیں، جیسا کہ ابن نجیم "معراج الدرایۃ" کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"ثم المشرك ثلاثة: مشرك ظاهر أو باطنا كعبدة الأصنام، ومشرك باطنا لا ظاهرا كالمنافقين، ومشرك معنى كأهل الكتاب" (ابن نجیم، البحر الرائق ۲/ ۱۱۱) (پھر مشرک کی تین قسمیں ہیں: جو ظاہر و باطن دونوں کے لحاظ سے مشرک ہو، جیسے بت پرست، ۲- جو باطن کے اعتبار سے مشرک ہو نہ کہ ظاہر کے اعتبار سے، ۳- اور جو معنوی اعتبار سے مشرک ہو، جیسے اہل کتاب)۔

لیکن اہل شریعت کے عرف میں مشرک اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی نبی اور آسمانی کتاب کا دعویدار نہ ہو، اور غیر اللہ کی پوجا کرتا ہو، چنانچہ ہندو حضرات کسی آسمانی کتاب اور نبی کی پیروی کے دعویدار نہیں ہیں، لہذا وہ نرے مشرک ہیں، نہ ان کے اوتار کو پیغمبر ماننا صحیح ہے، اور نہ ہی ان کی کتابوں کو الہامی کتابوں کی فہرست میں رکھنا درست ہے۔

۵- ارشاد باری ہے: "قل الله ينجيكم منها ومن كل كرب ثم أنتم تشركون" (انعام: ۶۴) (کہہ دو اللہ ہی تم کو نجات دیتا ہے، اس مصیبت سے بھی اور دوسری ہر تکلیف سے، لیکن تم پھر شرک کرنے لگتے ہو)۔ اس آیت سے پتہ چلا کہ مشرکین عرب مصیبت کے وقت اللہ تعالی ہی کی دہائی دیتے تھے لیکن نجات پانے کے بعد پھر بت پرستی میں مبتلا ہو جاتے تھے، جس کی وجہ سے ان کو مشرک قرار دیا گیا، جبکہ ہندو حضرات ہر وقت شرک میں مبتلا رہتے ہیں، محسوسات کے خوگر اور بت پرستی کے رسیا ہیں، لہذا اہل کتاب میں ان کا شمار ہرگز نہیں ہوسکتا ہے۔

۶- عقیدہ کے باب میں قطعی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، اور ظن پر اعتقاد کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "إن يتبعون إلا الظن وإن هم إلا يخرصون (انعام: ۱۱۶)۔ (یہ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اٹکل کے تیر تکے چلاتے ہیں)۔ اور ایک جگہ ارشاد ہے:

"وما يتبع أكثرهم إلا ظنا إن الظن لا يغني من الحق شيئا، إن الله عليم بما يفعلون" (یونس: ۳۶)

(اور ان میں سے اکثر محض گمان کے پیچھے چل رہے ہیں، اور گمان حق کا بدل ذرا بھی نہیں ہوسکتا، اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں، اللہ اس سے خوب باخبر ہے)۔

اور ایک موقع سے ارشاد فرمایا:

"إن يتبعون إلا الظن وما تهوى الأنفس، ولقد جاءهم من ربهم الهدى" (نجم: ۲۳)

(یہ لوگ محض گمان اور نفس کی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے نہایت واضح ہدایت آچکی ہے)

اور ایک جگہ ارشاد ہے: "وما لهم به من علم، إن يتبعون إلا الظن وإن الظن لا يغني من الحق شيئا (نجم: ۲۸)

(حالانکہ اس باب میں ان کو کوئی علم نہیں، وہ محض گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور گمان کسی درجے میں بھی حق کا بدل نہیں)۔

چنانچہ محض ظن کی بنا پر کسی کو نبی قرار دینا، یا کسی کتاب کو آسمانی و الہامی قرار دینا درست نہیں ہے۔

ابن حجر ہیتمی شافعیؒ لکھتے ہیں: "فكيف يثبت له ذلك بمجرد الإمكان [illegible] يكتفي العاقل بذلك في باب العقائد" (ابن حجر ہیتمی الصواعق المحرقة ۲/ ۴۸۵، بیروت، مؤسسة الرسالة طبع اول ۱۹۹۷ء)

(پھر محض امکان سے اس کے لئے یہ بات کیسے ثابت ہوسکتی ہے، اور عقائد کے باب میں عقلمند آدمی اس پر اکتفا کیسے کرسکتا ہے؟)۔

۷- عقائد توقیفی چیز ہے، اس میں قیاس نہیں چلتا ہے، تو محض قیاس کی بنا پر ہندوؤں کے اوتار کو پیغمبر اور ان کی کتابوں کو الہامی کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے؟

۸- عقائد کے باب میں نص صحیح صریح اور قطعی کی ضرورت ہوتی ہے جو یہاں موجود نہیں، تو پھر کس بنیاد پر ہندوؤں کے اوتار کو پیغمبر اور ان کی کتابوں کو الہامی تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

۹- کسی عقیدہ کو سمجھنے کے لئے صحابہ اور سلف صالحین کی طرف رجوع ضروری ہے، اور سلف صالحین میں سے کسی نے ہندوؤں کے اوتار کو پیغمبر اور ان کی کتابوں کو الہامی تسلیم نہیں کیا ہے، جبکہ صحابہ اور تابعین کے قدم مبارک سے ہندوستان کی سرزمین پہلی صدی ہی میں مشرف ہو چکی ہے۔

۱۰- قرآن کریم کی اس صراحت کے باوجود کہ اللہ تعالی نے ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے، ماضی کے کسی عالم نے کسی دور میں بھی ہندوؤں کے اوتار کو پیغمبر اور ان کی کتابوں کو الہامی نہیں قرار دیا۔

۸- الف: امت اسلامیہ کا علم و تعلیم سے چولی دامن کا ساتھ ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے اپنی پہلی وحی کے اندر ہی علم حاصل کرنے پر زور دیا ہے، ارشاد ہے:

"اقرا باسم ربك الذی خلق" (العلق: ۱) (پڑھ اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا)، نیز فرمایا: "اقرأ وربك الأکرم الذی علم بالقلم علم الإنسان مالم یعلم" (العلق: ۳-۵) (پڑھ اور تیرا رب بڑا ہی کریم ہے جس نے قلم کے واسطہ سے تعلیم دی، اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)۔

کتاب وسنت کے اندر علم و تعلیم کی اہمیت پر دلالت کرنے والی نصوص بکثرت وارد ہیں، جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

"قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون، إنما یتذ کر أولو الألباب" (زمر: ۹)

(پوچھو، کیا علم وبصیرت رکھنے والے اور وہ جو علم وبصیرت نہیں رکھتے دونوں برابر ہوں گے، یاد دہانی تو اہل عقل ہی حاصل کرتے ہیں)۔

نیز ارشاد ہے: "یرفع الله الذین آمنوا منکم والذین أوتوا العلم درجات" (مجادلة: ۱۱)

(اللہ ان لوگوں کے جو تم میں سے اہل ایمان ہیں اور جن کو علم عطا ہوا ہے مدارج بلند کرے گا)۔

اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی نگاہ میں علم پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے، بلکہ تمام انسانی افراد کا یہ مشترکہ حق ہے، یہ مقابلہ آرائی کا کھلا بازار ہے جو چاہے مسابقت کرے، اور اپنی مہارت کا سکہ جمادے، اور اس کا حاصل کرنا صرف پسندیدہ امر نہیں بلکہ ایک مسلمان پر فرض ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "طلب العلم فریضة علی کل مسلم" (مسند ابی یعلی حدیث نمبر ۲۸۳۷، ۲۹۰۳، ۴۰۳۵، ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۲۴، بیہقی، شعب الایمان حدیث نمبر ۱۶۶۳، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (علم حاصل کرنا ہر مسلم پر فرض ہے)۔

چونکہ امت اسلامیہ پر فرض ہے کہ اہل علم کے گروہ کو وجود میں لائے، تاکہ مختلف دینی اور دنیوی امور میں ان ماہرین کی طرف رجوع کیا جاسکے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "فاسألوا أهل الذکر إن کنتم لاتعلمون" (نحل: ۴۳) (تو اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے)، اس آیت سے عبارۃ النص کے طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ علم نہ ہونے کے وقت اہل علم سے سوال کرنا واجب ہے، جبکہ اشارۃ النص سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اہل علم کو وجود میں لانا واجب ہے تاکہ ان سے پوچھا جائے، کیونکہ اہل علم کے وجود کے بغیر ان کی طرف رجوع ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔

لہٰذا امت پر واجب ہے کہ عیسائی مشنریز کے اسکول سے حتی الامکان اجتناب کرے، اور متبادل معیار تعلیمی درسگاہوں کے قیام پر خصوصی توجہ دے، اور اس مقصد کے لئے امت کے اغنیاء پر لازم ہے کہ دین وایمان کے تحفظ کی خاطر اپنے اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات سے فاضل مال خرچ کریں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: "ویسألونك ماذا ینفقون قل العفو" (بقرہ: ۲۱۹) (اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کتنا خرچ کریں؟ کہہ دو کہ جو ضروریات سے بچ رہے)، اور کار خیر میں تعاون امت کے اغنیاء پر فرض ہے، چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"والتعاون علی البر والتقوی یکون بوجوه: فواجب علی العالم أن یعین الناس بعلمه، فیعلمهم، ویعینهم الغنی بماله، والشجاع بشجاعته في سبیل الله، وأن یکون المسلمون متظاهرین کالید الواحدة" (قرطبی، الجامع الأحکام القرآن ۶/ ۴۷)

(پھر نیکی اور پرہیزگاری کے کام پر تعاون مختلف شکلوں سے ہوتا ہے، چنانچہ عالم پر واجب ہے کہ لوگوں کی اپنے علم سے مدد کرے، سو ان کو علم سکھائے، اور مالدار اپنے مال کے ذریعہ لوگوں کی مدد کرے، اور بہادر اللہ کی راہ میں اپنی بہادری کے ذریعہ مدد کرے، اور مسلمان ایک ہاتھ کی طرح متحد اور متفق ہوں)۔

۲- لیکن بدرجہ مجبوری اگر کسی مسلم بچہ یا بچی کو عیسائی مشنریز کے ادارہ میں داخلہ لینا ہی پڑے تو ان کے ماں باپ کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس بچہ یا بچی کی

ایسی تربیت کریں کہ وہ الحادو دہریت کے زہریلے اثرات سے دور رہیں، اوران کے ذہن میں شکوک وشبہات کے کانٹے جڑ نہ پکڑیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

"یا أیها الذین آمنوا قوا أنفسکم وأهلیکم نارا وقودها الناس والحجارة علیها ملائکة غلاظ شداد لا یعصون الله ما أمرهم ویفعلون ما یؤمرون" (تحریم: ۶) (اے ایمان والو، اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے، جس پر درشت اور سخت گیر فرشتے مامور ہوں گے، اللہ ان کو جو حکم دے گا، اس کی تعمیل میں وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گے، اور وہ وہی کریں گے جس کا ان کو حکم ملے گا)۔

۳- اگر ماں باپ ایسے ہوں کہ ان کی تربیت پر قادر نہ ہوں، اور گمان غالب ہو کہ بچے الحادو دہریت کے شکار ہو جائیں گے، یا ان کے ذہن میں شکوک و شبہات کے کانٹے جڑ پکڑ لیں گے، جس سے وہ اسلام سے دور ہو جائیں گے یا کم از کم وہ اسلام سے غیر مطمئن ہو جائیں گے، تو ایسی صورت حال میں عیسائی مشنریز کے اداروں میں مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کا داخلہ لینا ناجائز اور ممنوع ہے، کیونکہ دین وعقیدہ کا تحفظ جان ومال سب چیز پر مقدم ہے۔

علامہ شاطبی لکھتے ہیں: "ومجموع الضروریات خمسة، وهي حفظ الدین والنفس، والنسل، والمال والعقل" (شاطبی، الموافقات ۲/ ۲۰، دار عفان، طبع اول ۱۴۱۷ھ)

(شریعت کے ضروری مقاصد کا مجموعہ پانچ چیزیں ہیں اور وہ ہیں: دین کا تحفظ، جان کا تحفظ، نسل کا تحفظ، مال کا تحفظ اور عقل کا تحفظ) اور یہ امر اہل علم پر مخفی نہیں کہ اصول دین کا تحفظ تمام ضروری مقاصد شریعت پر مقدم ہے۔

ب- (الف) وراثت کے علاوہ، مسلمان بیویوں کے جو حقوق ہیں وہی کتابی بیویوں کے بھی ہیں، مثلاً حسن سلوک، ارشاد ربانی ہے: "وعاشروهن بالمعروف" (نساء: ۱۹) (اور ان کے ساتھ معقول طریقے کا برتاؤ کرو)، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "خیار کم خیار کم نساءهم" (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۹۷۸، اور یہ حدیث صحیح ہے) (تم میں سے سب سے بہترین وہ افراد ہیں جو اپنی خواتین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں)۔

ب- نان ونفقہ: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "لینفق ذو سعة من سعته، ومن قدر علیه رزقه فلینفق مما آتاه الله، لا یکلف الله نفسا إلا ما آتاها، سیجعل الله بعد عسر یسرا" (طلاق: ۷) (چاہئے کہ کشادگی والا اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جس کو کم ہی رزق دیا گیا ہے، وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اس کو دیا ہے، جتنا جس کو اللہ نے دیا ہے اس سے زیادہ کسی پر وہ بوجھ نہیں ڈالتا، اللہ تنگی کے بعد کشادگی بھی پیدا کرے گا)۔

اور ارشاد ربانی ہے: "وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف، لا تکلف نفس إلا وسعها" (بقرہ: ۲۳۳)

(اور بچے والے کے ذمے بچوں کی ماؤں کا دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا ہے، کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے)۔

اور حضرت معاویہ بن حیدہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"ما حق زوجة أحدنا علیه؟ قال: أن تطعمها إذا طعمت وتکسوها إذا اکتسیت ولا تضرب الوجه ولا تقبح، ولا تهجر إلا في البیت" (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۲۱۴۲، مسند احمد حدیث نمبر ۲۰۰۲۲، اور یہ حسن درجہ کی حدیث ہے)

(ہم لوگوں کی بیویوں کا ہم پر کیا ہے حق ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ، اور جب تم پہنو تو اس کو بھی پہناؤ، اور یہ کہ چہرے پر نہ مارو، اور برا بھلا مت کہو، اور اس کو مت چھوڑو مگر گھر میں)۔

ج- پاک دامن رکھنا، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"والذین هم لفروجهم حافظون إلا علی أزواجهم أو ما ملکت أیمانهم فإنهم غیر ملومین" (مؤمنون: ۵-۶)

(اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، بجز اپنی بیویوں اور لونڈیوں کی حد تک، سو اس بارے میں ان کو کوئی ملامت نہیں)۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں: "وللزوج أن یطالبها بالوطء متی شاء إلا عند اعتراض أسباب مانعة من الوطء کالحیض والنفاس والظهار والإحرام وغیر ذلك. وللزوجة أن تطالب زوجها بالوطء؛ لأن حله لها حقها کما أن حلها له حقه، وإذا طالبته یجب علی الزوج ویجبر علیه في الحکم مرة واحدة. والزیادة علی ذلك تجب فیما بینه وبین الله تعالی

من باب حسن المعاشرة واستدامه النكاح... وعند بعضهم يجب عليه في الحكم'' (کاسانی، بدائع الصنائع ۲/ ۳۳۱)

(اور شوہر کو حق ہے کہ بیوی سے جب چاہے وطی کا مطالبہ کرے، مگر وطی سے مانع اسباب مثلاً حیض، نفاس، ظہار اور احرام وغیرہ طاری ہونے کے وقت مطالبہ نہیں کرسکتا ہے، اور بیوی کو حق ہے کہ شوہر سے وطی کا مطالبہ کرے، اس لئے کہ شوہر کا اس کے لئے حلال ہونا اس کا حق ہے، جس طرح بیوی کا شوہر کے لئے حلال ہونا شوہر کا حق ہے، اور جب عورت مطالبہ کرے تو وطی شوہر پر واجب ہے، اور ایک مرتبہ قانونی طور پر مجبور کیا جائے گا، اور اس سے زائد بار حسن معاشرت اور نکاح برقرار رکھنے کے لئے دیانتاً واجب ہے...... اور ہمارے بعض فقہاء احناف کے نزدیک قانوناً بھی واجب ہے)۔

د- مہر: مہر شوہر پر بیوی کا حق ہے اور شرعاً واجب ہے، چنانچہ شرعی طور پر مہر کے بغیر نکاح کا وجود نہیں ہے حتی کہ عقد کے وقت مہر کا ذکر نہ کرے پھر بھی مہر مثل دینا ہی ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وآتوهن أجورهن بالمعروف محصنات غير مسافحات ولا متخذات أخدان" (نساء: ۲۵)

(اور دستور کے مطابق ان کو ان کے مہر دو، ان کو قید نکاح میں لاکر، نہ کہ بدکاری کرنے والیاں اور آشنائی گانٹھنے والیاں ہوں)، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فما استمتعتم به منهن فآتوهن أجورهن فريضة" (نساء: ۲۴) (سو ان میں سے جن سے تم نے تمتع کیا ہو تو ان کو ان کے مہر دو فریضہ کی حیثیت سے)۔

(ھ) نکاح کے بعد عورت کو جو بچہ پیدا ہوگا اس کا نسب خود بخود شوہر سے ثابت ہوجائے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''الولد للفراش وللعاهر الحجر'' (صحیح البخاری حدیث نمبر ۲۷۴۵، ۲۲۱۸، ۲۰۵۳، صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۴۵۷)

(بچہ کا نسب اس مرد سے ثابت ہوگا جس کی عورت منکوحہ ہے، اور زنا کار کو ناکامی ہاتھ لگے گی)۔

(و) حرمت مصاہرت: یعنی رشتہ نکاح کی بنا پر بیوی کے کچھ رشتہ دار شوہر پر، اور شوہر کے کچھ رشتہ دار بیوی پر نکاح کرنے کے سلسلے میں حرام ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وأمهات نسائكم وربائبكم اللاتي في حجوركم من نسائكم اللاتي دخلتم بهن، فإن لم تكونوا دخلتم بهن فلا جناح عليكم، وحلائل أبنائكم الذين من أصلابكم، وأن تجمعوا بين الأختين إلا ما قد سلف إن الله كان غفورا رحيما" (نساء: ۲۳)

(اور تمہاری ساسیں اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہیں، اور تمہاری ان بیویوں سے ہوں جن سے تمہارا زن وشو کا تعلق ہوچکا ہو، سوا گر وہ تمہاری مدخولہ نہ رہی ہوں تو ان سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہیں، اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں بھی حرام ہیں اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ تم دو بہنوں کو بیک وقت جمع کرو، مگر جو گزر چکا، بے شک اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے)۔

(ز) عدل کا برتاؤ: ایک سے زائد بیویاں ہوں تو سب کے درمیان نان ونفقہ، لباس وپوشاک، رہائش اور شب باشی میں برابری ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة" (نساء: ۳) (اور اگر ڈر ہو کہ ان کے درمیان عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی پر بس کرو)۔

اسی آیت سے معلوم ہوا کہ ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں عدل واجب ہے کیونکہ ایک سے زائد بیویاں ہونے کی حالت میں عدل نہ کرنے کے اندیشہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاتون سے نکاح کرنے کی ترغیب دلائی ہے، اور یہ واضح ہے کہ واجب کے چھوڑنے کا ہی اندیشہ ہوتا ہے۔

کاسانی لکھتے ہیں: ''ويستوي في القسم البكر والثيب والشابة والعجوز والقديمة والحديثة والمسلمة والكتابية، لما ذكرنا من الدلائل من غير فصل، ولأنهما يستويان في سبب وجوب القسم وهو النكاح، فيستويان في وجوب القسم'' (کاسانی، بدائع الصنائع ۲/ ۳۳۱) (برابری اور باری مقرر کرنے میں کنواری، شوہر دیدہ، جوان، بوڑھی، پرانی، نئی مسلمان اور کتابی خاتون برابر ہیں، ان دلائل کی وجہ سے جو حقوق میں فرق نہیں کرتے، اور اس لئے کہ دو یا دو سے زائد بیویاں باری مقرر کرنے کے وجوب کے سبب یعنی نکاح میں برابر ہیں، لہذا باری مقرر کرنے کے وجوب میں بھی برابر ہوں گی)۔

(ح) حق میراث: البتہ وراثت کا سبب نکاح پائے جانے کے باوجود کتابی بیوی کو حق میراث حاصل نہ ہوگا، اس لئے کہ اس کے حق میں اختلاف دین مانع پایا جارہا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''لا يرث المسلم الكافر، ولا الكافر المسلم'' (صحیح البخاری حدیث نمبر ۶۷۶۴، صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۶۱۴) (مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا)۔

اور اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ کافر مسلمان کا وارث نہ ہوگا، اور اہل کتاب کفار میں سے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"لم یکن الذین کفروا من أهل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تأتیهم البینة" (البینة: ۱)

(اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ اپنی ہٹ سے باز آنے والے نہیں ہیں، یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی ہوئی نشانی آجائے)۔

۲- نکاح کرنے کے بعد کتابی بیویوں کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا اور ان کو چھوڑ کر بھاگ آنا یا محض غیر مسلم ہونے کی بنا پر طلاق دے دینا، دھوکہ دہی میں داخل ہے، جو ایک مسلم کی شان نہیں ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"من غشنا فلیس منا" (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۰۲، سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۳۴۵۲) (جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں)۔

اور اس میں مسلمانوں کا ذکر محض تاکید واہتمام کے طور پر ہے، غیر مسلم کو دھوکہ دینا بھی درست نہیں ہے، اور حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا: "لا ضرر ولا ضرار" (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۲۳۴۰، مسند احمد حدیث نمبر ۲۲۷۷۸، اور یہ صحیح درجہ کی حدیث ہے) (نہ ابتداءً ضرر پہنچانا درست ہے اور نہ مقابلہ کے طور پر)، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من غشنا فلیس منا، والمکر والخداع في النار" (صحیح ابن حبان حدیث نمبر ۵۶۷، ۵۵۵۹، اور اس کی سند حسن درجہ کی ہے)

(جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں، اور دھوکہ اور فریب کا انجام جہنم ہے)۔

اور نکاح ایک عہد ہے جسے بلا سبب توڑنا جائز نہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وأوفوا بالعهد إن العهد کان مسئولا" (اسراء: ۳۴) (اور عہد کو پورا کرو، کیونکہ عہد کی پرستش ہوتی ہے)

اور امام طبری اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وأوفوا بالعقد الذي تعاقدون الناس في الصلح بین أهل الحرب والإسلام، وفیما بینکم أیضا" (طبری، جامع البیان في تأویل القرآن ۱۷/ ۴۴۴، بیروت، مؤسسة الرسالة طبع اول، ۱۴۰۲ھ)

(اور اس عہد کو پورا کرو جو تم مسلمانوں اور کفار کے درمیان صلح کے سلسلہ میں لوگوں سے کرتے ہو، اور باہمی معاہدے کو بھی پورا کرو)۔

اور بلا وجہ طلاق دینا شرعاً ممنوع ہے، طلاق دینا مباح تو صرف اس صورت میں ہے کہ میاں بیوی کی زندگی اس قدر پیچیدہ ہو جائے کہ اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو، چنانچہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

"الأصل في الطلاق هو الحظر، لما فیه من قطع النکاح الذي تعلقت به المصالح الدینیة و الدنیویة، والإباحة للحاجة إلی الخلاص" (ابن الهمام، فتح القدیر، کتاب الطلاق ۳/ ۴۶۲، بیروت، دار الفکر) (طلاق میں اصل ممانعت ہے، اس لئے کہ اس کے اندر اس نکاح کو ختم کرنا ہے جس سے دینی اور دنیوی مصالح وابستہ ہیں، اور طلاق کی اباحت نجات کی ضرورت کی وجہ سے ہے)۔

البتہ کتابی بیوی آزاد مشن، بدچلن، پیشہ ور، آوارہ، بدقوارہ اور بد اطوار ہو تو طلاق دینا مستحب ہے، لیکن واجب نہیں، علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

"ولا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة" (حصکفی، الدر المختار ۳/ ۵۰) (بدکار بیوی کو طلاق دینا شوہر پر واجب نہیں)۔

ج- ۱- جو اہل کتاب خواتین مسلمان مردوں کے نکاح میں ہوں، وہ اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم پوری آزادی کے ساتھ انجام دے سکتی ہیں، اس سلسلہ میں فقہاء نے بڑی فراخدلی کا ثبوت دیا ہے، چنانچہ ابن القیم لکھتے ہیں:

"هل یمنعها أن تدخل منزله الصلیب؟ قال: یأمرها، فأما أن یمنعها فلا... ولیس له منعها من صیامها الذي تعتقد وجوبه، وإن فوت علیه الاستمتاع في وقته، ولا من صلاتها في بیته إلی الشرق وقد مکن النبي ﷺ وفد نصاری نجران من صلاتهم في مسجده إلی قبلتهم... ولیس له حملها علی کسر السبت ونحوه، مما هو واجب في دینهم، وقد أقررناهم علیه ولیس له حملها علی أکل الشحوم واللحوم المحرمة علیهم" (ابن القیم، أحکام أهل الذمة ۲/ ۸۲۲، ۸۲۳، بیروت، دار ابن حزم، تحقیق: یوسف بکری طبع اول، ۱۴۱۸ھ)

(امام احمد سے پوچھا گیا کہ شوہر کتابی نصرانی بیوی کو اپنے گھر میں صلیب داخل کرنے سے روک سکتا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہدایت کر سکتا ہے، لیکن روک نہیں سکتا ہے......اور شوہر اسے اس روزہ کو رکھنے سے روک نہیں سکتا، جس کے واجب ہونے کا وہ عقیدہ رکھتی ہے، اگرچہ وہ اس وقت میں اسے لذت اندوز ہونے سے محروم کردے، اور نہ ہی شوہر اسے مشرق رخ ہو کر اپنے گھر میں نماز پڑھنے سے روک سکتا ہے، جبکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصرانی وفد کو اپنے قبلہ کی طرف رخ کر کے اپنی مسجد میں نماز پڑھنے دیا......اور نہ ہی شوہر یہودی بیوی کو ہفتہ (سنیچر) کے دن مذہبی رسوم وغیرہ واجب دینی امور ادا کرنے کو چھوڑنے پر آمادہ کر سکتا ہے، جبکہ ہم نے ان کو ان امور پر برقرار رکھا ہے، اور نہ ہی شوہر یہودی خاتون پر ان حرام گوشت اور چربی کھانے پر ابھار سکتا ہے)۔

بلکہ شوہر شراب نوشی اور خنزیر خوری سے بھی کتابی بیوی کو منع نہیں کر سکتا ہے، البتہ شراب کی بو زائل کرنے کا حکم دے گا، کیونکہ یہ چیز بوسہ لینے اور لذت اندوز ہونے میں مانع ہے، ابن نجیم لکھتے ہیں:

''وفي التاتارخانية: مسلم له امرأة من أهل الذمة، ليس له أن يمنعها من شرب الخمر. وله أن يمنعها من إدخال الخمر بيته...قال القدوري: في النصرانية تحت المسلم: لاتنصب في بيته صليبا. وتصلي في بيته حيث شاءت'' (ابن نجيم، البحر الرائق ۸/ ۲۳۰،۲۳۱)

(تاتارخانیہ نامی کتاب میں ہے کہ مسلمان کی کتابی بیوی ہو، تو وہ اسے شراب نوشی سے منع نہیں کر سکتا ہے، البتہ گھر کے اندر شراب داخل کرنے سے منع کر سکتا ہے......قدوریؒ نے اس نصرانی خاتون کے بارے میں فرمایا جو مسلمان کی بیوی ہو کہ وہ اس کے گھر میں صلیب کھڑا نہیں کرے گی، البتہ جہاں چاہے اس کے گھر میں نماز پڑھ سکتی ہے)۔

اور ابن القیم تحریر فرماتے ہیں:

''رجل تزوج نصرانية أله أن يمنعها من شرب الخمر؟ قال: يأمرها. قيل له: لاتقبل منه. أله أن يمنعها. قال: لا'' (ابن القيم، أحكام أهل الذمة ۲/ ۸۲۱)

(امام احمد سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے نصرانی خاتون سے شادی کی کہ کیا وہ اسے شراب نوشی سے منع کر سکتا ہے؟ تو امام احمد نے جواب دیا کہ ہدایت کرے، اس پر ان سے کہا گیا کہ وہ اس کی ہدایت قبول نہیں کرے گی، کیا وہ اسے شراب نوشی سے روک سکتا ہے؟ تو امام احمد نے جواب دیا نہیں)۔

غور کیجئے جس گھر میں خاتون شراب بھی پیئے اور خنزیر بھی کھائے تو بچوں کی تربیت پر کیسے سنگین اثرات مرتب ہوں گے، ان تمام پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے میرے نزدیک ابن عمرؓ کا قول راجح معلوم ہوتا ہے کہ کتابی خاتون بھی مشرکہ خاتون ہے، اس سے نکاح درست نہیں ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی پاکدامن عورت جب اسلام لے آئے تو اس سے بصد شوق نکاح کرنا چاہئے، اور اس کے ماضی کے مذہب پر نظر نہیں ہونی چاہئے (ابن نجیم، البحر الرائق ۳/ ۱۱۰)۔

۲- شوہر کتابی بیوی کو مذہبی چیزوں جیسے صلیب وغیرہ کا گفٹ نہیں دے سکتا ہے، اور کتابی خاتون کے مذہبی تہوار کے موقع پر ہدیہ نہیں کر سکتا ہے کہ اس میں اگرچہ کفر کے شعائر کی موافقت نہیں ہے، لیکن ایک گونہ مشابہت ضرور ہے، ابن القیم لکھتے ہیں:

''في الرجل تكون له امرأة أو أمة نصرانية، تقول: اشترلي زنارا. فلا يشتري لها، تخرج هي تشتري'' (ابن القيم، أحكام أهل الذمه ۲/ ۸۲۲) (امام احمد نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس کی نصرانی بیوی یا باندی ہو جو اس سے کہے کہ میرے لئے زنار خرید لاؤ، تو وہ اس کے لئے زنار (وہ پٹی جسے نصرانی کمر اور پیٹ پر باندھتے ہیں) نہ خریدے، بلکہ وہ خود جا کر خریدے)۔

۳- بعض معاصرین کتابی خاتون کے مذہبی تہوار کے موقع پر اس کو مبارکباد دینے کو جائز قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس میں اس کے دین کی موافقت یا اس کے باطل پر رضامندی نہیں ہے، بلکہ یہ خوش خلقی اور رکھ رکھاؤ کے کلمات ہیں جو لوگوں کے عرف میں جاری ہیں۔

لیکن میری رائے میں مبارکبادی کے مسئلہ کو اس سہل طریقہ پر لینے کے دوررس اثرات مرتب ہوں گے، اور یہ چیز غیر مسلم بیوی کے دل میں

اپنے مذہبی تہوار کے صحیح ہونے کا احساس پیدا کرے گا، نیز یہ مبارکبادی بہت سے مسلمانوں کو اس میں شرکت کی طرف لے جائے گی، اسی لئے سلف میں سے کسی سے منقول نہیں کہ انہوں نے مسلم شہروں میں بسنے والے یہود ونصاری کو ان کے مذہبی تہوار کے موقع پر مبارکبادی ہو، چنانچہ ابن القیم لکھتے ہیں:

''وأما التهنئة بشعائر الكفر المختصة به فحرام بالاتفاق'' (ابن القيم، أحكام أهل الذمة ۱/ ۴۴۱)

(بہر حال کفر کے ساتھ مخصوص شعائر کی مبارکباد دینا تو بالاتفاق حرام ہے)۔

و- ۱: ایک مسلمان کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایسی جگہ کام کرے جہاں اس کا دین وایمان محفوظ رہے کہ دین کا تحفظ تمام مقاصد شریعت پر مقدم ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "فمن الناس من يقول ربنا آتنا في الدنيا وماله في الآخرة من خلاق" (بقرہ: ۲۰۰) (لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جن کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں کامیابی عطا کر، حالانکہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے)، اور ایک جگہ ارشاد ہے: "يعلمون ظاهرا من الحيوة الدنيا وهم عن الآخرة هم غافلون" (روم: ۷) (وہ اس دنیا کی زندگی کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے وہ بالکل ہی بے خبر ہیں)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''من جعل الهموم هما واحدا هم آخرته، كفاه الله هم دنياه، ومن تشعبت به الهموم في أحوال الدنيا، لم يبال الله في أي أو ديتها هلك'' (سنن ابن ماجه حديث نمبر ۲۵۷، یہ حسن درجہ کی حدیث ہے)

(جو تمام فکرمندیوں کو ایک فکرمندی یعنی آخرت کی فکر میں تبدیل کردے تو اللہ تعالی اس کی دنیا کی فکر سے حفاظت فرمائے گا، اور جس شخص کی فکرمندیاں دنیا کے حالات کے سلسلہ میں پھیل جائیں، تو اللہ تعالی کو کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ وہ فکرمندیوں کی کس وادی میں ہلاک ہوجائے)۔

۲- دین وایمان کی حفاظت کے ساتھ کسی بھی جگہ کام اور ملازمت کرسکتا ہے کہ اصلا کام کرنا مباح ہے، لہذا عیسائی مشنریز کے ہاسپٹل اور ادارے میں خدمت کرنے اور ان کی خدمات سے استفادہ کرنے میں اصلا کوئی حرج نہیں ہے، البتہ ایک مومن کو ایسی جگہوں پر محتاط رویہ رکھنا چاہئے، اور عالم دین سے برابر تعلق رکھنا چاہئے، تاکہ ان کی طرف سے ابھارے جانے والے شکوک وشبہات دور ہوتے رہیں، نیز ان کے نیچر کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے، تاکہ ان کے کسی دھوکہ یا فریب میں نہ آئے، ارشاد باری تعالی ہے:

"ولن ترضى عنك اليهود ولا النصارى حتى تتبع ملتهم، قل إن هدى الله هو الهدى، ولئن اتبعت أهواءهم بعد الذي جاءك من العلم، مالك من الله من ولي ولا نصير" (بقرہ: ۱۲۰)

(نہ یہود تم سے راضی ہونے والے ہیں اور نہ نصاری تاوقتیکہ تم ان ہی کی ملت کے پیرو نہ بن جاؤ، ان سے کہو کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے، اور اگر تم اس علم حقیقی کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے، ان کی خواہشوں پر چلے، تو اللہ کے مقابل میں نہ تمہارا کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار)۔



اہلِ کتاب سے متعلق چند مسائل

مفتی محمد جعفر ملی رحمانی[1]

۱- جمہور فقہاء (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کے نزدیک اہلِ کتاب سے مراد: یہود و نصاریٰ ہیں، اپنے تمام فرقوں کے ساتھ۔ اور عند الاحناف- اہلِ کتاب سے مراد ہر وہ شخص ہے جو کسی نبی پر ایمان رکھے، اور کسی کتابِ الٰہی کو مانے۔ (اس تعریف میں یہودی و نصاریٰ اور حضرت داؤد پر نازل ہونے والی کتاب ''زبور''، اور حضرت ابراہیم و حضرت شیث علیہما السلام کے صحیفوں پر ایمان لانے والے لوگ داخل ہیں، اس لیے کہ یہ لوگ آسمانی دین کو جس کے ساتھ کتاب نازل ہوئی مانتے ہیں)۔ (۱)

۲- [الف]: صابئین ایک فرقہ تھا جس کے معتقدات اور طرزِ عمل کے بارے میں چوں کہ کسی کو پورا پتہ نہ چلا، اس لیے ان کے متعلق مختلف اقوال ہیں (۲)۔ الموسوعۃ الفقہیۃ میں صابئین کی تعریف میں دس اقوال مذکور ہیں۔ (۳)

''صابئین'' کی تعریف میں مختلف اقوال ہیں، اس لیے اُن کے دین و مذہب کی حقیقت میں بھی فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے:

امام ابو حنیفہ وامام احمد بن حنبل رحمہما اللہ اُن کو اہلِ کتاب مانتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ وہ ستاروں کی تعظیم کرتے ہیں عبادت نہیں، جیسے مسلمان کعبۃ اللہ کی تعظیم کرتے ہیں پرستش نہیں۔ اور صاحبین (امام ابو یوسف وامام محمد) اور علامہ قرطبی مالکی رحمہم اللہ اُن کو اہلِ کتاب نہیں مانتے، اس لیے کہ وہ ستارہ پرست ہیں جو بت پرستوں ہی کی طرح ایک قوم ہے۔ (۴)

[ب]: آیتِ کریمہ: ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والصّٰبئون والنصٰری من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر﴾ [المائدۃ: ۶۹] کی تفسیر میں مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آیت میں حق تعالیٰ شانہٗ نے چار قوموں کو مخاطب کر کے ایمان اور عملِ صالح کی ترغیب اور اس پر فلاحِ آخرت کا وعدہ فرمایا، ان میں سے پہلے- الذین اٰمنوا- یعنی مسلمان ہیں، دوسرے- الذین ھادوا- یعنی یہود، تیسرے صابئون، اور چوتھے نصاریٰ، ان میں تین قومیں؛ مسلمان، یہود، نصاریٰ معروف ومشہور، اور دنیا کے اکثر خطوں میں موجود ہیں، صابئون، صابئہ کے نام سے آج کل کوئی قوم معروف نہیں، اسی لیے اس کی تعیین میں علماء وائمہ کے اقوال مختلف ہیں۔ امامِ تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ نے بحوالہ قتادہ ایک یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ صابئون وہ لوگ ہیں جو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور قبلہ کے خلاف نماز پڑھتے ہیں، اور آسمانی کتاب ''زبور'' کی تلاوت کرتے ہیں (جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی)۔ (معارف القرآن: ۳/۱۹۹، سورۂ مائدہ، آیت: ۶۹، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند)

۳- مغربی ملکوں میں مذہب بیزار یہود و نصاریٰ کے ساتھ کیا نکاح وذبیحہ کے باب میں:

- ایسے لوگوں کا شمار اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) میں نہیں ہوگا، اور نکاح وذبیحہ کے معاملے میں اُن کے ساتھ اہلِ کتاب کا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔ (۵)

۴- بابی، بہائی، سکھ اور قادیانی کا شمار اہل کتاب ہوگا؟

اُن کا شمار اہلِ کتاب میں نہیں ہوگا، اس لیے کہ نصوص میں اہلِ کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ (۶)

۵- نسلی قادیانی کا حکم:

---

[1] دار الافتاء، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندربار، مہاراشٹر۔

مطلقاً قادیانی اہلِ کتاب میں شامل نہیں ہوں گے، خواہ مرتد ہوئے ہوں، یا نسلی قادیانی ہوں۔(۷)

۶- دار الاسلام اور دار الکفر میں کتابیہ سے نکاح:

[الف]: نکاح جائز اور درست تو ہے، لیکن احتیاط ازیں ہر ہمہ اولیٰ است۔(۸)

[ب]: مذکورہ صورت میں عدمِ نکاح اولیٰ وافضل ہے، اگر چہ نفسِ جوازِ نکاح (مع الکراھۃ) کا انکار نہیں، اگر اس کتابیہ کا اسلام قبول کرنا متیقن یا مظنون ہو، تو یہ نکاح مصلحتاً افضل ہے، ذاتاً افضل نہیں ہے، لیکن واقعات ومشاہدات یہ ہیں کہ ان کا اسلام قبول کرنا موہوم ہوتا ہے، اور شوہر، شوہر کی اولاد کا خلافِ اسلام اُمور سے مالوف ومانوس ہونا متیقن ومظنون ہوتا ہے، پس یہ حیلہ اور بہانہ کہ دعوتی نقطۂ نظر سے نکاح کر رہے ہیں، یا کتابیہ دامنِ اسلام میں آجانے کی امید ہے- سود مند نہیں۔(۹)

۷- دیگر مذاہب کی مذہبی کتابوں اور شخصیات کا حکم:

[الف]: ایک مسلمان کے لیے جس طرح ثابت النبوۃ نبی کی نبوت کا انکار جائز نہیں ہے، اسی طرح نبی غیر ثابت النبوۃ پر ایمان لانا اور اس کا اقرار کرنا بھی جائز نہیں ہے، بعض انبیاء علیھم الصلاۃ والسلام کے اسماء مبارکہ قرآن کریم اور حدیث شریف میں موجود ہیں، لیکن کرشن، رام چندر، گرونانک یا اُن کے علاوہ کسی بھی معین شخص کی نبوت پر ایمان واقرار شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ اجمالاً جس قدر انبیاء مبعوث ہوئے اُن تمام پر ہم اہلِ سنت والجماعت کا ایمان ہے۔(۹)

[ب]: ان کتابوں کو الہامی کتاب تسلیم نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ جن کتابوں کا سماوی وملھم من اللہ ہونا کتاب وسنت سے ثابت ہے، یعنی توراۃ، انجیل اور زبور، جب اُن کی صحت بھی مخدوش ہے، بوجہ اس کے کہ ان کتابوں کے ماننے والوں نے ان میں تحریف وتغییر کردی ہیں، تو پھر دیگر غیر ثابت کتابوں کا کیا حال ہوگا! اس لیے جن انبیاء وکتب کے احوال کو رب سبحانہٗ نے پردۂ خفاء میں رکھا اُن پر اجمالی ایمان کافی ہے، نہ تو ان کی بحث وتفتیش کرنی ہے، اور نہ اس کا علم انقطاعِ وحی (سلسلۂ وحی بند ہونے) کے بعد ہوسکتا ہے۔(۱۰)

۸- عیسائی مشنریز کے اسکولوں میں تعلیم:

[الف]: عیسائی مشنریز کی ایسی اسکولوں میں مسلمانوں کا اپنے بچوں کو بغرضِ تعلیم بھیجنا، داخلہ لینا، بالکل جائز نہیں ہے، کیوں کہ ایسے اسکولوں میں مسلمانوں کا اپنے بچوں کو بغرضِ تعلیم بھیجنا درحقیقت اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت کو تقویت وترجیح دینا لازم آتا ہے(۱۱)، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے علاقوں میں ایسے اسکولوں کی حوصلہ افزائی سے بالکلیہ اجتناب برتیں، تاکہ آیت: {ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار} (۱۲)- اور آیت: {ولا تعاونوا على الإثم والعدوان} (۱۳)- کی خلاف ورزی کا بار مسلمان بچوں کے والدین یا سرپرست پر عائد نہ ہو- اور اہلِ خیر حضرات وہمدردانِ قوم وملت (علماء وعوام) کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے علاقوں میں متبادل معیاری تعلیمی درس گاہوں کے قیام پر مکمل توجہ دیں!(۱۴)

[ب]: اگر اہلِ کتاب خاتون سے نکاح کیا جائے، تو اس کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمان بیوی کے ہوتے ہیں(۱۵)- اور نکاح کرنے کے بعد اُن کے حقوق سے راہِ فرار اختیار کرنے اور اُن کو چھوڑ کر بھاگ آنے کی، یا محض غیر مسلم ہونے کی بناپر، بلاضرورتِ شدیدہ طلاق دینے کی اجازت نہیں ہوگی(۱۶)- نیز جو اہلِ کتاب خاتون مسلمان مرد کے نکاح میں ہو، وہ اپنے شوہر کے گھر میں، اپنی مذہبی عبادتیں انجام دے سکتی ہے، البتہ شوہر کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے گھر میں اس کو اعلانِ منکر، نصبِ تماثیل، ضربِ ناقوس اور اظہارِ شعائر سے منع کرے(۱۷)، اور اُس پر یہ بھی لازم ہوگا کہ اپنی اولاد کو بیوی کی عبادت میں شرکت اور اس کے عقائد سے متاثر ہونے سے بچائے۔(۱۸)

[ج]: مسلمانوں کو ایسے اداروں میں خدمت کرنے اور اُن کی خدمات سے استفادہ کرنے سے حتی الامکان اجتناب کرنا لازم وضروری ہے۔(۱۹)

تمام جوابات کے ترتیب وار دلائل اور حوالہ جات:

الحجة على ما قلنا:

(۱) ما في " القرآن الكريم ": {لم يكن الذين كفروا من أهل الكتب والمشركين}. (سورة البينة:۱)

ما في " الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ": قوله تعالى: {من أهل الكتب} يعني اليهود والنصارى ---

.... قال ابن عباس: (أهل الكتاب): اليهود الذين كانوا بيثرب وهم قريظة والنظير وبنو قينقاع (۲۰/۱۴۰، ط: دار الكتاب العربي بيروت، المهذب للشيرازي: ۳/۲۵۰، باب الجزية، ط: عيسى الحلبي)

ما في " المغني والشرح الكبير ": فصل: وأهل الكتاب الذين هذا حكمهم، هم أهل التوراة والإنجيل. قال الله تعالى: {أن تقولوا انما أنزل الكتاب على طائفتين من قبلنا} فأهل التوراة اليهود والسامرة، وأهل الإنجيل النصارى، ومن وافقهم في أصل دينهم من الإفرنج والأرمن وغيرهم. (۷/۵۰۱، ط: دار الكتاب العربي بيروت)

ما في " الموسوعة الفقهية ": ذهب جمهور الفقهاء إلى أن (أهل الكتاب) هم: اليهود والنصارى بفرقهم المختلفة. وتوسع الحنفية فقالوا: إن أهل الكتاب هم: كل من يؤمن بنبيّ ويُقرّ بكتاب، ويشمل اليهود والنصارى، ومن آمن بزبور داود وصُحف إبراهيم وشيث، وذلك لأنهم يعتقدون دينًا سماويًا مُنزّلا بكتاب. (۷/۱۴۰، أهل الكتاب، التعريف، و: ۷/۱۲۱، أهل الذمة، أهل الكتاب، موسوعه فقهيه اردو: ۷/۲۰۲، اہل کتاب)

ما في " حاشية ابن عابدين ": والكتابي: من يعتقد دينًا سماويًا أي منزّلا بكتاب كاليهود والنصارى. (۳/۲۶۸، ط: احياء التراث العربي)

ما في " فتح القدير لابن الهمام ": والكتابي: من يؤمن بنبيّ ويقرّ بكتاب، والسّامرية من اليهود، أما من آمن بزبور داود وصحف إبراهيم وشيث فهم أهل كتاب. (۳/۲۲۸، ط: دار الفكر بيروت، و: ۳/۲۴۳، ط: بولاق مصر)

مافي "تفسيرات احمديه": "اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: {والمحصنٰت من المؤمنٰت والمحصنٰت من الذين اوتوا الكتٰب من قبلكم}۔ یعنی اہلِ کتاب کی آزاد اور پاک دامن عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لیے حلال ہے، اور اہلِ کتاب یہودی ونصاریٰ ہیں۔" (ص/۳۷۷، حصہ اول، کتابیہ عورتوں سے نکاح کا حکم، سورۂ مائدہ: آیت:۵)

ما في " دعوة التقريب بين الأديان ": قال ابن جرير رحمه الله: (يعني تعالى ذكره بقوله: {يا اهل الكتٰب}: يا أهل التوارة والإنجيل). وقال أيضًا: (عني بقوله: يا أهل الكتٰب}؛ أهل الكتابين؛ لأنهما جميعا من أهل الكتاب... فأهل الكتاب إذًا هم اليهود والنصارى، وهذا أمر واضح متقرر لدى جميع المفسرين ويزيد الأمر وضوحًا إضافة " الكتاب " إلى هاتين الطائفتين خاصة. إلخ (۱/۴۳، ۴۴، التمهيد، المبحث الثاني؛ أهل الكتاب، تأليف: الدكتور أحمد بن عبد الرحمن بن عثمان القاضي، ط: دار ابن الجوزي السعودية) (امداد الفتاوی: ۵/۳۵۰، رساله إرسال الجنود إلى ارسال الهنود، الأحكام المستفادة من الروايات، نمبر:۱)

(۲) (معارف القرآن شفیعی: ۱/۲۲۹، سورة البقرة، الآية/۶۲، بيان القرآن: ۱/۴۳، ط: اداره تاليفات اشرفيه پاكستان)

(۳) ما في " الموسوعة الفقهية ": وقد اختلف العلماء في تعريف الصائبة على أقوال بي: أ أنهم قوم كانوا على دين نوح عليه السلام، نقله الراغب في مفرداته. ونقل ابن منظور عن الليث: هم قوم يشبه دينهم دين النصارى، إلا أن قبلتهم نحو مهب الجنوب، يزعمون أنهم على دين نوح وهم كاذبون. ونقل قريبا منه القرطبي عن الخليل. ب أنهم صنف من النصارى ألين منهم قولا. وهو مروي عن ابن عباس وبه قال أحمد في رواية. ج وقال السّدي وإسحاق بن راهويه: هم طائفة من أهل الكتاب لأنهم يقرأون الزبور، وبه قال أبو حنيفة. د قال مجاهد والحسن وابن أبي نجيح: هم قوم تركّب دينهم بين اليهودية والمجوسية. ه وقيل: هم بين اليهود والنصارى. و وقال سعيد بن جبير هم قوم بين النصارى والمجوس. ز وقال الحسن أيضًا وقتادة: هم قوم يعبدون الملائكة، ويصلّون إلى القبلة ويقرأون الزبور، ويصلون الخمس. رآهم زياد بن أبي سفيان فأراد وضع الجزية عنهم حين عرف أنهم يعبدون الملائكة، ونقل القرطبي: أنهم موحدون

یعتقدون تأثیر النجوم ۔ ح وقیل: إنهم قوم کانوا یقولون: لا إله إلا الله ، ولیس لهم عمل ولا کتاب ولا نبي ۔ ط وقال الصاحبان من الحنفیة: إنهم لیسوا من أهل الکتاب ، لأنهم یعبدون الکواکب ، وعابد الکوکب کعابد الوثن ۔ ی وقال أحمد في روایة ثانیة: إنهم قوم من الیهود ؛ لأنهم یسبتون (۲۶/۲۹۳ ، ۲۹۴ ، صابئة)

(۴) ما في '' الموسوعة الفقهیة '': اختلف الفقهاء في حقیقة دین الصابئة أ هم من أهل الکتاب أم لا ؟ علی أقوال: القول الأول: أنهم من أهل الکتاب ، ولهذا قول أبي حنیفة وأحمد ، وقد جعلهم أبو حنیفة من أهل الکتاب ؛ لأنهم یقرأون الزبور ولا یعبدون الکواکب ولکن یعظمونها کتعظیم المسلمین للکعبة في الاستقبال إلیها ، وأما أحمد فقال في روایة: هم من النصاری ؛ لأنهم یدینون بالإنجیل ۔ اه ۔ ... القول الثاني: أنهم لیسوا من أهل الکتاب ... ۔ قال: ولهذا أفتی أبو سعید الاصطخري القاهر بالله بکفرهم حین سأله عنهم ، وهو قول أبي یوسف ومحمد بن الحسن فیهم ؛ لأنهم یعبدون الکواکب ، وعابد الکواکب کعابد الوثن ۔ (۲۶/۲۹۳ ، صابئة ، مذاهب الفقهاء في حقیقة الصابئة ، توضیح القرآن: ۱/۶۷ ، سورة البقرة ، الآیة/۶۲)

(۵) ما في '' تفسیر عثماني '': شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہمارے زمانے کے نصاریٰ عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں، ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہیں، نہ مذہب کے نہ خدا کے، اُن پر اہلِ کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا، لہٰذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہلِ کتاب کا سا نہ ہوگا...... موجودہ زمانے میں یہود ونصاریٰ کے ساتھ کھانا پینا، بےضرورت اختلاط کرنا، اُن کی عورتوں کے جال میں پھنسنا یہ چیزیں جو خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں، وہ مخفی نہیں، لہٰذا دینی اور بددینی کے اسباب وذرائع سے اجتناب ہی کرنا چاہیے۔'' (ص/۱۴۲، سورۂ مائدہ، آیت: ۵، حاشیہ نمبر: ۱۲)

ما في '' المصنف لابن أبي شیبة '': عن شقیق قال: تزوج حذیفة رضي الله تعالی عنه یهودیة فکتب إلیه عمر رضي الله تعالی عنه: أن خل سبیلها فکتب إلیه: إن کانت حرامًا فخلیتُ سبیلها ، فکتب إلیه: إني لا أزعم أنها حرام ، ولکني أخاف أن تعاطوا المومسات منهنّ '' (۹/۸۵/ ۱۶۴۱۷ ، باب من کان یکره النکاح في أهل الکتاب ، المجلس العلمي أفریقیا)

ما في '' المعجم الکبیر للطبراني '': وأخرج الطبراني بروایة ابن عباس رضي الله تعالی عنه قال: وقد نکح طلحة بن عبد الله رضي الله تعالی عنه یهودیة ونکح حذیفة بن الیمان رضي الله تعالی عنه نصرانیة فغضب عمر رضي الله تعالی عنه غضبا شدیدا حتی همّ أن یسطو علیها ، فقالوا: نحن نطلق ولا تغضب ، فقال عمر رضي الله عنه: لئن حل طلاقهنّ لقد حل نکاحهن ، ولکن لننزعهنّ صغرة قمأة '' ۔ (۱۲/۱۳۰۱۳ ، مکتبة العلوم والحکم)

ما في '' المصنف لابن أبي شیبة '': عن عبد الملك قال: سألت عطاء عن نکاح الیهودیات والنصرانیات ؟ فکرهه ، وقال: کان ذلك والمسلمات قلیل ۔

وعن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالی عنه: '' أنه کان یکره نکاح نساء أهل الکتاب ولا یری بطعامهنّ بأسًا ۔

وعن میمون بن مهران عن ابن عمر رضي الله تعالی عنه: '' أنه کره أهل الکتاب وقرأ: {ولا تنکحوا المشرکٰت حتی یؤمنّ} ۔ (۹/۸۵ ، باب من کان یکره النکاح في أهل الکتاب ، المجلس العلمي أفریقیا)

ما في '' الفتاوی الهندیة '': ویجوز للمسلم نکاح الکتابیة الحربیة والذمیة حرة کانت أو أمة ۔ کذا في محیط السرخسي ۔ والأولی أن یفعل ... وکل من یعتقد دینا سماویا وله کتاب منزل کصحف إبراهیم علیه السلام وشیث علیه السلام وزبور داود علیه السلام فهو من أهل الکتاب فتجوز مناکحتهم ۔ (۱/۲۸۱ ، القسم السابع المحرمات بالشرك)

ما في '' الشامیة '': ففي الفتح: ویجوز تزویج الکتابیات ، والأولی أن لا یفعل ، ولا یأکل ذبیحها إلا للضرورة وتکره الکتابیة الحربیة إجماعا لافتتاح باب الفتنة ۔ (۴/۱۳۴ ، کتاب النکاح ، فصل في المحرمات ، مطلب مهم في وطء السراري الخ ، البحر الرائق: ۳/۱۰۲ ، فصل في المحرمات ، ط: رشیدیه کوئٹه فتح القدیر: ۳/۲۲۸ ، فصل في بیان المحرمات ، دار الفکر بیروت)

ما في " دعوة التقريب بين الأديان ": وجماع القول: أن القوم ما داموا ينتسبون إلى أديانهم ويظهرون تعظيم أنبيائهم وبيعهم وكنائسهم ويحتفلون بأعيادهم الدينية وغير ذلك من شعائرهم الظاهرة وتقاليدهم الدينية الخاصة. فهم أهل الكتاب. الذي عنى الله بكتابه ورسوله ﷺ في سنته. فتتعلق بهم أحكام أهل الكتاب العلمية والعملية، ولا يزول هذا الوصف عن جملتهم وآحادهم إلا إذا فارقوا ذلك بإيمان بالله ورسوله ﷺ فيكونون من جملة المسلمين. أو تحولٍ إلى ملة من الملل الإلحادية أو الوثنية سوى اليهودية والنصرانية فحينئذ تجري عليهم أحكام سائر المشركين والملحدين وتزول عنهم خاصية أهل الكتاب (ص:۵۳. البحث الثاني؛ أهل الكتاب)

مافي "إمداد الفتاوی": حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس زمانے میں جو نصاریٰ کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاریٰ ہیں، مذہبی حیثیت سے محض دہری وسائنس پرست ہیں، ایسوں کے لیے یہ حکم جوازِ نکاح کا نہیں ہے۔" (۲/ ۲۱۳، کتاب النکاح، بیان القرآن: ۹/۳)

ما في "فتاوی دار العلوم دیوبند": "آج کل لوگ نصاریٰ کہلاتے ہیں، ان میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو دہری ہیں کسی مذہب ہی کو نہیں مانتے، بلکہ خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں، یہ لوگ اگرچہ باعتبار مردم شماری نصاریٰ کہلاتے ہیں، مگر حکمِ شرع میں ایسے لوگ اہلِ کتاب نہیں ہو سکتے۔" (بحوالہ فتاویٰ فریدیہ: ۴/ ۷۰ ۴، حاشیہ، معارف القرآن کاندھلوی: ۲/ ۴۴۶، سورۂ مائدہ، آیت: ۵، پارہ: ۶، ط: فرید بکڈپو دہلی، فتاویٰ فریدیہ: ۴/ ۴۷۲، عیسائی عورت سے نکاح الخ، فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۷/ ۳۹۳، سوال نمبر: ۱۸۵۶، موجودہ دور کے عیسائی اہلِ کتاب ہیں یا نہیں؟)

مافي "فتاویٰ دار العلوم زکریا": "موجودہ زمانے کے اہلِ کتاب کے ساتھ نکاح مکروہ ہے، اگرچہ نفسِ جواز کا انکار نہیں، لیکن ان کے اندر زنا، فحاشی اور ناجائز تعلقات کی اتنی کثرت ہے کہ جس کو سن کر انسانیت کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے، اور جس نے گویا حیوانوں کو بھی پسِ پشت ڈال دیا ہے، اس لیے عدمِ نکاح اولیٰ اور افضل ہے، نیز کتابیات سے وہ مراد ہیں جو دین سماوی کا انکار نہیں کرتے، ہاں! جو انکار کرتے ہیں اُن کے ساتھ نکاح بالکل حرام ہے۔" (۳/ ۶۰۵، کتابیات سے نکاح کا حکم) (امداد الفتاویٰ: ۲/ ۲۱۲، فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۳/ ۶۰۵، ۶۰۶، کتاب النکاح، فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/ ۵۰ ۴-۵۴ ۴، کراچی، جدید فقہی مسائل: ۱/ ۲۸۳)

ما في "فتاوی محمودیه": "عالمگیری میں ہے: " وكل من يعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم عليه السلام وشيث عليه السلام وزبور داود عليه السلام فهو من أهل الكتاب فتجوز مناكحتهم "۔

نیز درمختار (مع شامیہ): میں ہے: "وصح نکاح کتابية "۔

نیز قرآن مجید سے بھی ثابت ہے: {والمحصنٰت من المؤمنٰت والمحصنٰت من الذين اوتوا الكتٰب} الخ۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ مسلمان مرد کتابیہ (عیسائی ہو یا یہودی) سے نکاح کر سکتا ہے۔ الحیلۃ الناجزۃ: ص/ ۱۶۵/ میں لکھا ہے کہ- اگر عورت کتابیہ یعنی یہودیہ نصرانیہ وغیرہ ہو، تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہو سکتا ہے، اول یہ کہ وہ تمام اقوام یورپ کی طرح صرف نام کی عیسائی اور در حقیقت لامذہب (دہریہ) نہ ہو، بلکہ اپنے مذہبی اصول کو کم از کم مانتی ہو، اگرچہ عمل میں خلاف بھی کرتی ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اصل سے یہودیہ و نصرانیہ ہو، اسلام سے مرتد ہو کر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو۔ جب یہ دونوں شرطیں کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں، تو اس سے نکاح صحیح و منعقد ہو جاتا ہے، لیکن بلا ضرورتِ شدیدہ اس سے بھی نکاح مکروہ ہے، اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے، اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنے کو منع فرما دیا تھا، اور جب عہدِ فاروقی میں کہ زمانہ خیر تھا ایسے مفاسد موجود تھے، تو آج کل جس قدر مفاسد ہوں کم ہے۔ بالخصوص موجودہ اقوام یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقاتِ ازدواج تو بالکل ہی اُن کے دین و دنیا کو تباہ و برباد کر دینے والے ہیں، جن کا روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے، اور پھر یہ کہ اولاد عموماً کم سنی میں ماں سے زیادہ مانوس ہوتی ہے، اور اس کے اثرات سے متاثر ہونے کا مظنہ غالب ہے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت حذیفہ و طلحہ و کعب بن مالک نے کتابیہ سے نکاح کیا، تو آپ خفا ہو گئے، خفگی کی وجہ ابن ہمام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وإنما كان غضبه لخلطة الكافرة بالمؤمن وخوف الفتنة على الولد؛ لأنه في صغره ألزم الأمة "۔ [فتح القدير: ۳/۲۲۹، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات، بيروت]

نیز تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ انہوں نے مسلمانوں کے نکاح میں آکر اکثر غدر اور نقصان کیا ہے، لہٰذا سلامتی اسی میں ہے کہ اُن سے مناکحت کا سلسلہ کسی مجبوری کے بغیر نہ کیا جائے، اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے کسی حال میں جائز نہیں ہے، خواہ کفر کی کوئی قسم ہو کتابی ہو یا

غیر کتابی"۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ (۱۷/ ۸۲، ۸۳، کتابیہ سے نکاح، حرمتِ نکاح بسبب اختلافِ مذہب، مکتبہ محمودیہ میرٹھ، الحیلۃ الناجزۃ: ص/ ۱۷۰، خلاصہ حکم لأزواج مع اختلاف دین لأزواج، کتب خانہ اعزازیہ دیوبند)

مافي "فتاوی محمودیہ": "یہودی ونصرانی عورتوں سے نکاح کی گنجائش ہے، مگر اس میں مفاسد زیادہ ہیں، اس لیے پرہیز کرنا چاہیے۔"

(۱۷/ ۸۴، یہود ونصاریٰ عورتوں سے نکاح، سوال نمبر: ۶۲۲۵، میرٹھ، فتاویٰ دینیہ: ۳/ ۳۴۸، ۳۴۹، کیتھولک عیسائی لڑکی سے نکاح الخ، دینی وتعلیمی اہم مسائل کا انسائیکلو پیڈیا: ص/ ۷۴، مسئلہ نمبر: ۱۸۴)

(۶) مافي "أشرف الأحکام تتمہ إمداد الفتاوی": "فرمایا کہ: میرے نزدیک قادیانی عورت سے نکاح باطل ہے، جب ان کا کفر مسلّم ہے، اور مرتد بحکم کتابی نہیں ہوتا، اس لیے اہل کتاب میں اُن کو داخل نہیں کرسکتے، اور لاہوری گو مرزا کو نبی نہ کہیں، لیکن اس کے عقائد کفر کو کفر نہ سمجھنا بھی کفر ہے۔"

(ص: ۱۵۳، نکاح کے احکام، افادات تھانوی، جمع وترتیب: محمد اقبال قریشی، ط: ادارہ اسلامیات لاہور وکراچی، بحوالہ کمالات اشرفیہ: ص/ ۱۲۳)

مافي "المجمع الفقہ الإسلامي مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے": "قادیانیت (جسے احمدیت بھی کہتے ہیں) کا عقیدہ اسلام سے مکمل طور پر خارج ہے، اور اس کے ماننے والے کافر اور اسلام سے مرتد ہیں، اور ان کا اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا سراسر دھوکا ہے۔ المجمع الفقہی کا اجلاس اعلان کرتا ہے کہ مسلم حکومتوں، علماء، اہل قلم، مفکرین اور دعاۃ وغیرہ سبھوں کا یہ فریضہ ہے کہ دنیا کے ہر گوشہ میں اس گمراہ فرقہ کا مقابلہ کریں۔" (ص: ۳۴، ۳۵، تیسرا فیصلہ: قادیانیت اور اس سے وابستگی کا حکم)

مافي "المجمع الفقہ الإسلامي مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے": "بہایت کے اسلام کی اساس کو منہدم کردینے والے عقائد خصوصاً بہائیت کے بشری وثنیت پر مبنی دعوی الوہیت اور احکام شریعت میں تبدیلی کے اختیار سے متعلق واضح ومستند ثبوت اکیڈمی کے سامنے آئے، ان کی بنیاد پر اکیڈمی بالاتفاق طے کرتی ہے کہ بہائیت اور بابیت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ اسلام کے خلاف جنگ ہیں، ان کے متبعین کھلم کھلا کافر ہیں، جس میں ذرا بھی کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ اکیڈمی دنیا کے تمام خطوں کے مسلمانوں کو اس کافر اور مجرم فرقہ سے چوکنا کرتی ہے، اور انہیں آمادہ کرتی ہے کہ وہ اس کا مقابلہ کریں، ان سے پوری طرح چوکنا رہیں، خصوصاً جب کہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ استعماری ممالک اسلام اور مسلمانوں کی تباہی وانتشار کے لیے اس کا تعاون کرتے ہیں۔"

(ص/ ۳۷، چوتھا فیصلہ، بہائیت اور اس سے وابستگی کا حکم، ط: ایفا پبلی کیشنز)

(مزید دلائل کے لیے رجوع کریں جواب نمبر ۳/ کے حواشی)

(۷) مافي "فتاوی ختم نبوت": "احمدیوں (قادیانیوں) کو مسلمان اس لیے نہیں مانتے کہ ان کے پیشوا نے قرآن، انبیائے کرام اور دینِ اسلام کی توہین کی۔ عقیدہ ختم نبوت کا انکار کیا، چوں کہ پہلے مسلمان تھے، ارتداد کے بعد مرتد ہوگئے، (اور اُن کی اولاد تمام قادیانیوں کی طرح زندیق وملحد [ہے]) لہٰذا وہ مرتد ہیں، اہل کتاب نہیں، وہ خود بھی اہل کتاب نہیں کہتے، مسلمان کہلاتے ہیں، جو ارتداد کی وجہ سے ختم ہوگیا۔ اسلام سے نکلے مرتد ہونے کی وجہ سے، اہل کتاب اس لیے نہیں کہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں، نہ کہلاتے ہیں۔" (۱/ ۶۰، کتاب العقائد، باب چہارم، قادیانی اہل کتاب نہیں ہیں، مرتب: مفتی سعید احمد جلال پوری، ط: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان، وایضاً: ۳/ ۲۳۵، لاہوری اور قادیانی مرزائی دونوں کافر ہیں، مفتی ولی حسن ٹونکی)

مافي "فتاوی رحیمیہ": "قادیانیوں کی اولاد (نسلی مرزائی قادیانی) غلام احمد قادیانی کو نبی یا کم از کم مسلمان مانتے ہو تو بھی وہ کافر ہیں، ان کا ذبیحہ حرام اور مردار ہونا چاہیے، ان کو اہل کتاب کے حکم میں قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا ہے، علامہ شامی غالی روافض کو کافر مانتے ہیں اور ان کو اہل کتاب نہیں سمجھتے، تو قادیانیوں کی اولاد کا شمار اہل کتاب میں کیسے ہوگا؟

والظاهر أن الغلاة من الروافض المحکوم بکفرهم لاینفکون عن اعتقادهم الباطل في حال إتیانهم بالشهادتین وغیرهما من أحکام الشرع کالصوم والصلاة فهم کفار لا مرتدون ولا أهل کتاب ۔ (رسائل ابن عابدین: ص/ ۳۰۷، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور پاکستان)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم جو اس موضوع پر کافی بصیرت رکھتے ہیں رد قادیانیت پر کئی رسائل تصنیف فرمائے ہیں، وہ تحریر فرماتے ہیں، ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے:

○ جو شخص خود قادیانیت کی طرف مرتد ہوا، وہ مرتد بھی ہے اور زندیق بھی۔

○ اس کی صلبی اولاد بھی اپنے والدین کے تابع ہونے کی وجہ سے حکماً مرتد ہے اور زندیق بھی۔

○ اس کی اولاد کی اولاد مرتد نہیں بلکہ خالص زندیق ہے۔

○ مرتد اور زندیق دونوں واجب القتل ہیں، دونوں سے مناکحت باطل اور دونوں کا ذبیحہ حرام اور مردار ہے، اس لیے کسی قادیانی کا ذبیحہ کسی حال میں حلال نہیں۔ (رسالہ قادیانی ذبیحہ: ص/ ۲۴، ۲۵، شائع کردہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، حضوری باغ روڈ پاکستان) فقط واللہ اعلم بالصواب۔" (۱/ ۱۹۶، قادیانیوں کا کیا حکم ہے؟)

ما في "إمداد الفتاوی": "آج کل فرقہ مرزائیہ جن میں وہ مرزائی بھی داخل ہیں، جو مرزا کے صریح دعویٰ نبوت تاویل کرتے ہیں، کیوں کہ وہ منکر ضروریات کو کافر نہیں سمجھتے، جیسے کوئی شخص مسیلمہ کے دعویٰ نبوت میں تاویل کر کے اس کو مومن سمجھنے لگے کیا اس کو مومن کہا جاوے گا" (۵/ ۴۵۰، رسالہ إرسال الجنود إلی إرسال الهنود، لأحکام المستفادة من الروایات نمبر: ۴)

ما في "أشرف الأحکام تتمه إمداد الفتاوی": "فرمایا کہ: میرے نزدیک قادیانی عورت سے نکاح باطل ہے، جب ان کا کفر مسلّم ہے، اور مرتد بحکم کتابی نہیں ہوتا، اس لیے اہل کتاب میں اُن کو داخل نہیں کر سکتے، اور لاہوری گو مرزا کو نبی نہ کہیں، لیکن اس کے عقائدِ کفر کو کفر نہ سمجھنا بھی کفر ہے"

(ص/ ۱۵۳، نکاح کے احکام، افادات تھانوی، جمع و ترتیب: محمد اقبال قریشی، ط: ادارہ اسلامیات لاہور و کراچی، بحوالہ کمالاتِ اشرفیہ: ص/ ۱۲۳)

(مزید دلائل کے لیے رجوع کریں جواب نمبر ۱ / اور ۴ / کے حواشی)

(۸) ما في "القواعد الكلية والضوابط الفقهية": درء المفاسد أولى من جلب المصالح ۔ (ص/۱۸۲، قواعد الفقه: ص/۸۱، قاعدة: ۱۳۲، الأشباه والنظائر لإبن نجيم: ص/۷۸)

ما في "الدر المختار مع الشامية": كل ما أدى إلى ما لايجوز لايجوز ۔ (۹/۵۱۹، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس)

ما في "الفتاوى الحديثية": القاعدة المشهورة المقررة أن درء المفاسد مقدم على جلب المصالح (ص/۲۰۲، مطلب؛ الاجتماع للموالد والأذكار، وأيضًا: ص/۱۱۹، مطلب يكره تعليم النساء للكتابة)

ما في "بدائع الصنائع": الوسيلة إلى الحرام حرام ۔ (۱/۶۶۸)

ما في "المقاصد الشرعية للخادمي": إن الوسيلة أو الذريعة تكون محرمة إذا كان المقصد محرما ۔ (ص: ۴۶)

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند [عزیز الفتاویٰ]: ۷/ ۱۹۶، کتاب النکاح، عیسائی عورت سے نکاح درست ہے یا نہیں؟، ط: دار الاشاعت کراچی، وأیضاً: ۷/ ۲۰۷، یہودی یا عیسائی عورت سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟، و: ۷/ ۲۱۴، کتابیہ سے نکاح درست ہے، فتاویٰ محمودیہ: ۱۱/ ۴۵۰ تا ۴۵۴، باب المحرمات، ط: کراچی)

(۹) ما في "الفقه على المذاهب الأربعة": قال العلامة عبد الرحمن الجزيري: الحنفية قالوا: يحرم تزوج الكتابية إذا كانت في دار الحرب غير خاضعة لأحكام المسلمين ؛ لأن ذلك فتح لباب الفتنة فقد ترغمه على التخلق بأخلاقها التي يأباها الإسلام ويعرض ابنه للتدين بدين غير دينه ويزج بنفسه فيما لا قبل له به من ضياع سلطته التي يحفظ بها عرضها وغير ذلك من المفاسد فالعقد وإن كان يصح إلا أن الإقدام عليه مكروه تحريمًا لما يترتب عليه من المفاسد ، أما إذا كانت ذمية ويمكن اخضاعها للقوانين الإسلامية فإنه يكره نكاحها تنزيها ۴/۴۶، مبحث المحرمات لاختلاف الدين) (فتاوى فريديه: ۴/۴۷۱، مايجوز تزويجها وما لايجوز)

(مزید دلائل کے لیے رجوع کریں جواب نمبر ۳ / کے حواشی)

(۹،۱۰) ما في "القرآن الكريم": {ورسلا قد قصصناهم عليك من قبل ورسلا لم نقصصهم عليك} ۔ (سورة النساء: ۱۶۴)

ما في '' القرآن الكريم '': {آمن الرسول بما أنزل إليه من ربه والمؤمنون . كل آمن بالله وملٰئكته وكتبه ورسله ، لانفرّق بين أحد من رسله ، وقالوا سمعنا واطعنا غفرانك ربنا واليك المصير} ۔ (سورة البقرة:٢٨٥)

ما في '' شرح الفقه الأكبر '': يجب أن يقول: آمنت بالله وملائكته وكتبه ورسله ۔ (ص/٢٦)

ما في '' شرح العقائد النسفية '': والأولى أن لايقتصر على عدد في التسمية ... ولا يؤمن في ذكر العدد أن يدخل فيهم من ليس منهم أو يخرج منهم من هو فيهم .... ويحتمل مخالفة الواقع وهو عد النبي ﷺ من غير الأنبياء أو غير النبي من الأنبياء ۔ (ص/١٤٠،١٣٩)

ما في '' شرح عقيدة الطحاوية '': وأما الأنبياء والمرسلون فعلينا الإيمان بمن سمى الله تعالى فى كتابه من رسله ، والإيمان بأن الله أرسل رسلا سواهم وأنبياء لايعلم أسمائهم وعددهم إلا الله تعالى الذي أرسلهم ، فعلينا الإيمان بهم جملة لأنه لم يأت في عددهم نص ۔ وقد قال الله تعالى: {ورسلًا قد قصصناهم عليك من قبل ورسلًا لم نقصصهم عليك} [النساء: ١٦٤] وقال تعالى: {ولقد أرسلنا رسلًا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك} [الغافر: ٧٨] ۔ (ص/٢٨٩)

ما في '' شرح المقاصد '': ذكر بعض العلماء أن الأولى أن لايقتصر عددهم ، لأن خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الاعتقادات ، وبهنا حصر عددهم يخالف ظاهر قوله تعالى: {منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص} .... ويحتمل أيضًا مخالفة الواقع ، وإثبات نبوة من ليس بنبي إن كان عددهم في الواقع أقل مما ذكر ونفي النبوة عمن هو نبي إن كان أكثر، فالأولى عدم التنصيص على عدد (٢/٣١٧، فصل فى النبوة ، بحواله فتاوى محموديه:٤٥٢/١، كراچی ، كفايت المفتى: ١٠٨/١)ما في '' المسامرة شرح المسايرة '': وأما المبعوثون فالإيمان بهم واجب ومن ثبت شرعًا تعيينه منهم وجب الإيمان بعينه ومن لم يثبت تعيينه كفى الإيمان به إجمالا ۔ (ص/٢٢٥، الإيمان بالمبعوثين واجب ، مكتبه تجاريه مصر ، بحواله حاشيه فتاوى محموديه ميرٹھ:٢/٢١٥، وايضًا: ٤٥٢/١، كراچی)

(امدادالفتاوی:٥/ ٤٥٠، رساله إرسال الجنود إلى ارسال الهنود، الآحكام المستفادة من الروايات نمبر/ ٣، وأيضا:٦/ ١١٧، كتاب العقائد والاکلام، کیابدھ نبی تھااور کیاقرآن میں ایک پیغمبر کا نام ذوالکفل آیاہے اس سے مراد بدھ ہے؟)

ما في '' إمداد الفتاوی '': ''ہنود میں اہل کتاب ہونے کا ضعیف سے ضعیف احتمال بھی نہیں ہوسکتا، کیوں کہ کسی شخص کا نبی و مرسل ہونا اور کسی کتاب کا منزل من اللہ ہونا اور کسی دین کا سماوی ہونا جومدار ہے کتابیت کا،......امورِ قطعیہ سے ہے، اس لیے دلیل قطعی کا محتاج ہوگا، اور ظاہر ہے کہ اس قوم کے کسی پیشوا کے نبی ہونے پر یا ان کے کسی مذہبی کتاب کے آسمانی ہونے پر دلیل قطعی تو کیا ظنی بلکہ شکی بھی تک بھی قائم نہیں، جیسا کہ بلاشک وشبہ ظاہر ہے، پس یہ ایک ہی حکم مسئلہ زیر بحث کے فیصلے کے لیے کافی ہے، بقیہ احکام پر تفریع محض تبرّع ہے۔'' (٥/ ٤٥١، کتاب العقائد والکلام، رسالہ در بیان صاحب کتاب نبودن ہنود، تفریع علی احکام المذکورة)

مافي ''كفايت المفتي '': ''پس کسانے کہ شری کرشن رانبی می دانند خاطی ہستند چہ بر نبوت شری کرشن دلیلے در ادلہ شرعیہ موجود نیست، وہم چنیں حال دیگر پیشوایان واوتار ہنود است۔'' (٩٩/١، کتاب العقائد، انبیاء علیہم السلام۔تعلیم الاسلام: ٤/ ١٢، مطبوعہ دہلی)

(فتاوی محمودیہ: ١/ ٤٥٣، ٤٥٥، کراچی، فتاوی محمودیہ: ٣/ ٢١٢، سوال نمبر: ٣٦٩، رام لچھمن وغیرہ، وایضًا: ٣/ ٢١٣، سوال نمبر: ٣٧٠، و: ٣/ ٢١٤، ٢١٥، ٢١٦، رام کرشن کے متعلق کیا عقیدہ رکھے؟ مہاتما بدھ اور رام چندر جی کیا نبی تھے؟ لکل قوم هاد سے استدلال، میرٹھ، محقق ومدلل جدید مسائل: ٢/ ٥٥، مسئلہ نمبر: ١٤، درسی وتعلیمی اہم مسائل: ص/ ١٨، مسئلہ نمبر: ٤٨، محقق ومدلل مسائلِ ارکانِ اسلام غیر مطبوعہ: مسئلہ نمبر: ٢٦)

(١١) ما في '' القرآن الكريم '': {إن الدين عند الله الإسلام} ۔ [آل عمران: ١٩] ۔ وقوله تعالى: {ومن يبتغ غير الإسلام دينًا فلن يقبل منه وهو فى الآخرة من الخسرين} ۔ [آل عمران: ٨٥]

ما في '' روح المعاني '': {ومن يبتغ غير الإسلام دينًا فلن يقبل منه} نزلت في جماعة ارتدوا وكانوا إثني عشر

رجلا وخرجوا من المدينة وأتوا مكة كفارًا ، منهم الحارث بن سويد الأنصاري . والإسلام قيل: التوحيد والانقياد . وقيل: شريعة نبينا عليه الصلاة والسلام بَيَّنَ الله تعالى أن من تحرى بعد مبعثه غير شريعته فهو غير مقبول منه ، وقبول الشيء هو الرضا به وإثابة فاعله عليه ـ (۳/۲۴۵)

ما في '' مشكوة المصابيح '': عن جابر أن عمر بن الخطاب أتى رسول الله ﷺ بنسخة من التوراة فقال: يارسول الله ! هذه نسخة من التوراة فسكت فجعل يقرأ ، ووجه رسول الله ﷺ يتغير . فقال أبوبكر: ثكلتك الثواكل ما ترى ما بوجه رسول الله ؟ فنظر عمر إلى وجه رسول الله ﷺ فقال: أعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله ، رضينا بالله ربًا وبالإسلام دينًا ، وبمحمد نبيًا . فقال رسول الله ﷺ: ''والذي نفس محمد بيده لو بدا لكم موسیٰ فاتبعتموه وتركتموني لضللتم عن سواء السبيل ، ولو كان حيًا وأدرك نبوتي لاتبعني ''۔(ص/۳۲ ، كتاب الإيمان ، باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

(۱۲) ما في '' القرآن الكريم '': قوله تعالى: {ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار} ـ (سورة ہود: ۱۱۳)

ما في '' حاشية القونوي على تفسير البيضاوي '': قال ابن عباس: أي لاتميلوا . والركون المحبة والميل بالقلب ، وقال أبو العالية: لاترضوا بأعمالهم ، وقال عكرمة: لاتطيعوهم ؛ قال البيضاوي: لاتميلوا إليهم أدنى ميل . فإن الركون هو الميل اليسير كالتزي بزيهم وتعظيم ذكرهم ـ (۱۰/۲۲۶ ، تفسير المظهري: ۴/۲۲۰)

ما في '' البحر المحيط لأبي حيان الغرناطي '': والنهي متناول لانحطاط في بوابهم والانقطاع إليهم ومصاحبتهم ومجالستهم وزيادتهم ومداهنتهم ، والرضا بأعمالهم والتشبه بهم والتزي بزيهم ، ومد العين إلى زہرتهم وذكرهم بما فيه تعظيم لهم ـ (۵/۳۵۰)

ما في '' الجامع لأحكام القرآن للقرطبي '': قال قتادة: معناه لاتؤدوهم ولا تطيعوهم وقال ابن جريج: لاتميلوا إليهم ، وقال أبو العالية: لاترضوا بأعمالهم ـ (۹/۱۰۸)

ما في '' التفسير المنير '': ولا تميلو إلى الظالمين بمودة أو مداهنة ، أو رضئ بأعمالهم ، أو استعانة بهم ، أو اعتماد عليهم ، فتصيبكم النار بركونكم إليهم ـ (۶/۲۹۳)

ما في '' معارف القرآن شفيعي '': حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ ''مراد ہے کہ ظالموں سے دوستی نہ کرو اوران کا کہنا نہ مانو''، ابن جریجؒ نے فرمایا کہ '' ظالموں کی طرف کسی طرح کا بھی میلان نہ رکھو''، ابوالعالیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''ان کے اعمال وافعال کو پسند نہ کرو'' [قرطبی]، سدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ '' ظالموں سے مداہنت نہ کرو، یعنی ان کے برے اعمال پر سکوت یا رضا کا اظہار نہ کرو''، عکرمہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ '' ظالموں کی صحبت میں نہ بیٹھو''، قاضی بیضاویؒ نے فرمایا کہ '' شکل وصورت اور فیشن اور رہن سہن کے طریقوں میں ان کا اتباع کرنا یہ سب اسی ممانعت میں داخل ہے ''۔(۴/۶۷۳)

(۱۳) ما في '' القرآن الكريم '': {ولا تعاونوا على الإثم والعدوان} ـ (سورة المائدة: ۲)

ما في ''روح المعاني '': فيعم النهي ما هو من مقولة الظلم والمعاصي ويندرج فيه النهي عن التعاون على الاعتداء والانتقام ... وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما وأبي العالية أنهما فسرا الإثم بترك ما أمرهم به وارتكاب ما نهاهم عنه ـ (۴/۸۵)

ما في '' أحكام القرآن للجصاص '': قوله تعالى: {وتعاونوا على البر والتقوى} يقتضي ظاہره إيجاب التعاون على كل ما كان طاعة لله تعالى لأن البر ہو طاعات الله . وقوله تعالى: {ولا تعاونوا على الإثم والعدوان} نهي عن معاونة غيرنا على معاصي الله تعالى ـ (۲/۳۸۱)

ما في '' مختصر تفسير ابن كثير '': {ولا تعاونوا على الإثم والعدوان} قال الحافظ عماد الدين الدمشقي: نهاهم عن التناصر على الباطل والتعاون على المآثم والمحارم ـ (۱/۴۷۸)

ما في '' جامع الترمذي '': عن صفية قالت: قال رسول الله ﷺ: '' لاينتهي الناس عن غزو هذا البيت حتى يغزو جيش ، حتى إذا كانوا بالبيداء أو ببيداء من الأرض خسف بأولهم وآخرهم ولم ينج أوسطهم قلت: يا رسول الله ! فمن كره منهم ؟ قال: يبعثهم الله على ما في أنفسهم ''۔ (۲/۴۲ ، كتاب الفتن)

ما في '' تحفة الأحوذي '': قال النووي: وفي هذا الحديث من الفقه التباعد من أهل الظلم ، والتحذير من مجالستهم ومجالسة البغاة ونحوهم من المبطلين ، لئلا يناله ما يعاقبون به ۔ (۶/۴۱۷)

ما في '' مشكوة المصابيح '': قوله عليه السلام: '' أبغض الناس إلى الله ثلاثة ؛ ملحد في الحرم ، ومبتغ في الإسلام سنة الجاهلية ، ومطلب دم امرئٍ مسلم بغير حق ليهريق دمه ''۔ (ص/۲۷ ، صحيح البخاري:۲/۱۰۱۶)

ما في ''فتح الباري شرح صحيح البخاري لإبن حجر العسقلاني '': قوله: ومبتغ في الإسلام سنة الجاهلية۔ قيل المراد من يريد بقاء سيرة الجاهلية أو إشاعتها أو تنفيذها ۔ (۱۲/۲۶۲، ۱۲، رقم الحديث: ۶۸۸۲)

ما في '' مرقاة المفاتيح '':قوله ﷺ: (من تشبه بقوم فهو منهم) ۔ أي من شبه نفسه بالكفار ، مثلا في اللباس وغيره أو بالفساق والفجار أو بأهل التصوف والصلحاء والأبرار ۔ (۸/۲۲۲ ، كتاب اللباس ، الفصل الثاني ، رقم الحديث: ۴۳۴۷، موسوعة تكملة فتح الملهم:۱۰/ ۷۷ ، كتاب اللباس والزينة)

ما في '' المقاصد الشرعية للخادمي '': إن الوسيلة أو الذريعة تكون محرمة إذا كان المقصد محرما ۔ (ص/۴۶)

ما في '' القواعد الكلية والضوابط الفقهية '': درء المفاسد أولى من جلب المصالح (ص/۱۸۲، قواعد الفقه:ص/۸۱ ، رقم قاعدة:۱۳۳ ، الأشباه والنظائر لإبن نجيم:ص/۷۸)

ما في '' الدر المختار مع الشامية '': كل ما أدى إلى ما لايجوز لايجوز ۔ (۹/۵۱۹، كتاب الحظر والإباحة ، فصل في اللبس)ما في '' جمهرة القواعد الفقهية '': بقاعد فقهية: '' الإعانة على المحظور محظور ''۔ (۲/۶۴۳)(فتاوی بسم اللہ:۱/۲۷۱، ۲۷۲، مسئلہ نمبر:۱۷۰، ۱۷۱،كتاب العقائد، پردیس میں غیر مذہبی اسکولوں میں بچوں کی تعلیم، نیز؛ عیسائی اسکولوں میں مسلمان بچوں کی تعلیم، مفتی اسماعیل بن محمد بسم اللہ، ناشر:جامعة القرأت كفليته سورت)

(۱۳) ما في '' القرآن الكريم '': {يا أيها الذين امنوا قوآ أنفسكم وأهليكم نارًا وقودها الناس والحجارة} ۔ (سورة التحريم:۶)

ما في '' روح المعاني '': وأخرج ابن المنذر والحاكم وصححه ، وجماعة عن علي كرم الله تعالى وجهه أنه قال في الآية: علموا أنفسكم وأهليكم الخير وأدبوهم ، والمراد بالأهل على ما قيل: ما يشمل الزوجة والولد والعبد والأمة ، واستدل بها على أنه يجب على الرجل تعلم ما يجب من الفرائض وتعليمه لهؤلاء ، وأدخل بعضهم الأولاد في الأنفس لأن الولد بعض من أبيه ، وفي الحديث: '' رحم الله رجلا قال: يا أهلاه صلاتكم صيامكم زكاتكم مسكينكم يتيمكم جيرانكم لعل الله يجمعكم معه في الجنة '' ۔ وقيل: إن أشد الناس عذابا يوم القيامة من جهل أهله ۔ (۱۵/۲۳۲ ، الجزء الثاني ، سورة التحريم: الآية/۶ ، معارف القرآن:۸/۵۰۳ ، سورة التحريم)

ما في '' صحيح البخاري '': وقال مجاهد: {قوا أنفسكم وأهليكم} أوصوا أنفسكم وأهليكم بتقوى الله وأدبوهم ۔ (ص/۹۰۰ ، باب قوله: أن تتوبا إلى الله فقد صغت قلوبكما ، بيروت ، و:۲/۷۳۰ ، كتاب التفسير ، التحريم ، قديمي ، معارف القرآن:۸/۵۰۳)

ما في '' صحيح البخاري '': عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ''كلكم راع ، وكلكم مسؤول عن رعيته ، الإمام راع ومسؤول عن رعيته ، والرجل راع في أهله وهو مسؤول عن رعيته ،

والمرأة راعية في بيت زوجها ومسؤولة عن رعيتها ، والخادم راع في مال سيده ومسؤول عن رعيته '' ۔ (ص/۱۶۹، رقم:۸۹۳ ، كتاب الجمعة ، باب الجمعة في القرى والمدن ، بيروت ، صحيح مسلم:۲/۶۰ ، رقم: ۱۸۲۹ . كتاب الإمارة ، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق بالرعية الخ ، بيروت)

ما في '' اعلاء السنن '': تزكية الأخلاق من أهم الأمور عند القوم ... فكما أن العلم بالتعلم من العلماء كذلك الخلق بالتخلق على يد العرفاء فالخلق الحسن صفة سيد المرسلين ۔ (۱۸/۴۲۲ ، كتاب الأدب)

ما في '' الدر المختار مع الشامية '': وفي القنية: له إكراه طفله على تعلم قرآن وأدب وعلم لفريضته على الوالدين ۔ (۶/۱۳۰، كتاب الحدود ، باب التعزير ، مطلب في تعزير المتهم)

ما في '' الموسوعة الفقهية '': على الآباء والأمهات وسائر الأولياء تعليم الصغار ما يلزمهم بعد البلوغ . فيعلّم الصغير ما تصح به عقيدته من إيمان بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر . وما تصح به عبادته . ويعرفه ما يتعلق بصلاته وصيامه وطهارته ونحوها ، وذلك لقول النبي ﷺ: '' مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين ، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين ، وفرقوا بينهم في المضاجع '' ۔ ويعرفه تحريم الزنا واللواط والسرقة وشرب المسكر والكذب والغيبة وشبهها . كما يعلم أنه بالبلوغ يدخل في التكليف . ويعرف ما يبلغ به ۔ وقيل: هذا التعليم مستحب ، ونقل الرافعي عن الأئمة وجوبه على الآباء والأمهات . وهذا ما صححه النووي ۔ ودليل وجوب تعليم الصغار قول الله عز وجل: {يا أيها الذين آمنوا قوا أنفسكم وأهليكم نارًا} قال علي بن أبي طالب رضي الله عنه ومجاهد وقتادة: معناه علّموهم ما ينجون به من النار وهذا ظاهر . وثبت في الصحيحين عن ابن عمر رضي الله عنهما عن رسول الله ﷺ أنه قال: '' كلكم راع ومسئول عن رعيته '' ۔ قال القاضي أبو بكر بن العربي: إن الصبي أمانة عند والديه . وقلبه الطاهر جوهرة نفيسة ساذجة خالية عن كل نقش وصورة ، وهو قابل لكل نقش . وقابل لكل ما يمال به إليه فإن عُوّد الخير وعُلّمه نشأ عليه وسعد في الدنيا والآخرة . يشاركه في ثوابه أبواه وكل معلم له ومؤدب . وإن عود الشر وأهمل شقي وهلك . وكان الوزر في رقبة القيم به والولي عليه . ومهما كان الأب يصون ولده من نار الدنيا فينبغي أن يصونه من نار الآخرة . وهو أولى . وصيانته بأن يؤدبه ويهديه ويعلمه محاسن الأخلاق . ويحفظه من قرناء السوء . ولا يعود التنعم . ولا يحبب إليه الزينة وأسباب الرفاهية . فيضيع عمره في طلبها إذا كبر ويهلك هلاك الأبد ۔ وينبغي أن يعلمه أيضًا من أمور الدنيا ما يحتاج إليه من: السباحة والرمي وغير ذلك مما ينفعه في كل زمان بحسبه . قال عمر رضي الله عنه: '' علموا أولادكم السباحة والرماية . ومروهم فليثبوا على الخيل وثبًا '' ۔ (۱۳/۱۲ . تعليم الصغار)

ما في '' الموافقات في أصول الشريعة للشاطبي '': ومجموع الضروريات خمسة: وهي حفظ الدين والنفس والنسل والمال والعقل ۔ (۲/۱۱، كتاب المقاصد . النوع الأول . المسئلة الأولى)

(۱۵) ما في '' القرآن الكريم '': {وعاشروهن بالمعروف} ۔ (سورة النساء:۱۹)

ما في '' الموسوعة الفقهية '': ويسوي في القسم بين المسلمة والكتابية لما ذكرنا من الدلائل من غير فصل . ولأنهما يستويان في سبب وجوب القسم وهو النكاح . فيستويان في القسم ۔ (۱۱/۳۵۲ . تسوية . التسوية بين الزوجات في القسم)

ما في '' بدائع الصنائع '': ويستوي في القسم البكر والثيب . والشابة والعجوز . والقديمة والحديثة . والمسلمة والكتابية ۔ اه ۔ (۲/۳۳۲ ، ط: المكتبة العلمية بيروت ، جواهر الإكليل شرح مختصر خليل:۱/۳۲۷ . فصل . ط: دار الفكر بيروت ، المغني لابن قدامة:۷/۳۰۹ . مسألة . ط: مكتبة القاهرة)

ما في '' الموسوعة الفقهية '': ونصّ الحنفية والشافعية والحنابلة على أنه يستحب للزوج أن يسوّي بين زوجاته في جميع الاستمتاعات من الوطء والقبلة ۔ اه ۔ (۳۳/۱۸۵)

ما في '' الموسوعة الفقهية '': العدل بين الزوجات ولو مختلفات في الدين واجب ۔ قال ابن المنذر: أجمع كل من نحفظ عنه من أهل العلم على أن القسم بين المسلمة والذمية سواء . وذلك لأن القسم من حقوق الزوجية فاستوت فيه المسلمة والكتابية كالنفقة والسكنى ، وهذا عند جميع الفقهاء ۔ (۷/۱۳۶، أهل الكتاب ، العدل بين الزوجات المسلمات والكتابيات)

ما في '' الدر المختار مع الشامية '': (والبكر والثيب ، والجديدة والقديمة ، والمسلمة والكتابية سواء) لإطلاق الآية ۔ (در مختار) ۔ وفي الشامية: قوله: (لإطلاق الآية) أي قوله تعالى: {ولن تستطيعوا أن تعدلوا} ۔ [النساء:۱۲۹] أي في المحبة ، فلا تميلوا في القسم ، قاله ابن عباس ۔ وقوله تعالى: {وعاشروهنّ بالمعروف} ۔ [النساء:۱۹] وغايته القسم . وقوله تعالى: {فإن خفتم ألا تعدلوا} ۔ [النساء:۳] ولإطلاق أحاديث النهي ، ولأن القسم من حقوق النكاح ، ولا تفاوت بينهما في ذلك ۔ اه ۔ (۴/۳۸۲ ، كتاب النكاح ، باب القسم ، ط: دار الكتب العلمية بيروت)

(۱۶) ما في '' سنن أبي داود '': عن ابن عمر عن النبي ﷺ قال: '' أبغض الحلال إلى الله عزّ وجلّ الطلاق '' ۔ (ص/۲۹۶ ، كتاب الطلاق ، باب في كراهية الطلاق)

ما في '' الدرالمختار الشامية '': ومن محاسنه التخلص به من المكاره ۔ (در مختار) ۔ وفي الشامية: قوله: (ومن محاسنه التخلص به من المكاره) أي الدينية والدنيوية ۔ بحر ، أي كأن عجز عن إقامة حقوق الزوج ، أو كان لا يشتهيها ۔ (۴/۴۲۹ ، كتاب الطلاق)

ما في '' الشامية '': وأما الطلاق فإن الأصل فيه الحظر ، بمعنى أنه محظور إلا لعارض يبيحه ، وهو معنى قولهم: '' الأصل فيه الحظر '' ۔ والإباحة للحاجة إلى الخلاص ... ولهذا قالوا: إن سببه الحاجة إلى الخلاص عند تباين الأخلاق وعروض البغضاء الموجبة عدم إقامة حدود الله تعالى ... وعليه حديث: '' أبغض الحلال إلى الله الطلاق '' ۔ قال في الفتح: ويحمل لفظ المباح على ما أبيح في بعض الأوقات: أعني أوقات تحقق الحاجة المبيحة اه ۔ وإذا وجدت الحاجة المذكورة أبيح ... إن إباحته للحاجة إلى الخلاص ، فلم يبيحوه إلا عند الحاجة إليه لا عند مجرد إرادة الخلاص ، وإن أراد الخلاص عند الحاجة إليه فهو المطلوب ۔ (۴/۴۲۸ ، كتاب الطلاق ، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱۷) ما في '' موقع الإسلام سوال وجواب '': فليس للزوج أن يكرهها على الإسلام ولا أن يمنعها من عبادتها الخاصة بها ، لكن له الحق في منعها الخروج من المنزل ولو كان خروجها للكنيسة لأنها مأمورة بطاعته . وله الحق في منعها من إعلان المنكر في المنزل كنصب التماثيل وضرب الناقوس ۔ ... والزوج ليس له أن يجبر زوجته النصرانية على ترك اعتقادها هذا ، ولكنه ينكر إشاعتها للمنكر وإظهارها له ۔ (رقم الفتوى:۲۰۱۷۷ ، www.islamQA.com)

(۱۸) ما في '' القرآن الكريم '': {يا أيها الذين آمنوا قوا انفسكم واهليكم نارًا وقودها الناس والحجارة} . (سورة التحريم:۶)

ما في '' تفسير القرطبي '': وقال بعض العلماء لما قال: {قوا انفسكم} دخل فيه الأولاد ، لأن الولد بعض منه كما دخل في قوله تعالى: {ولا على أنفسكم أن تأكلوا من بيوتكم} فلم يفردوا بالذكر إفراد سائر القربات .

فیعلمه الحلال والحرام ، ویجنبه المعاصي والآثام ، إلى غیر ذلك من الأحکام ، وقال علیه السلام: '' حق الولد على الوالد أن یحسن اسمه ویعلمه الکتاب ویزوجه إذا بلغ ''۔ وقال علیه السلام: '' ما نحل والدٌ ولدًا أفضل من أدب حسن ''۔ وقد روی عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده عن النبي ﷺ: '' مروا ابنائکم بالصلاة لسبع واضربوهم علیها لعشر وفرّقوا بینهم في المضاجع '' خرّجه جماعة من أهل الحدیث ، وهٰذا لفظ أبي داود ... قال الکیا: فعلینا تعلیم أولادنا وأهلینا الدین والخیر وما لا یستغنی عنه من الأدب (۱۸/۱۹۵، ۱۹۶، سورة التحریم ، الآیة/۶)

ما في '' صحیح البخاري '': عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما یقول: سمعت رسول الله ﷺ یقول: '' کلکم راع ، وکلکم مسؤول عن رعیته ، الإمام راع ومسؤول عن رعیته ، والرجل راع في أهله وهو مسؤول عن رعیته ، والمرأة راعیة في بیت زوجها ومسؤولة عن رعیتها ، والخادم راع في مال سیده ومسؤول عن رعیته ''۔ (ص/۱۲۹، رقم: ۸۹۳ ، کتاب الجمعة ، باب الجمعة في القری والمدن ، بیروت ، صحیح مسلم: ۶/۲۶۰ ، رقم: ۱۸۲۹ ، کتاب الإمارة ، باب فضیلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث علی الرفق بالرعیة الخ ، بیروت)

(۱۹) ما في '' القرآن الکریم '': {ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان} ۔ (سورة المائدة: ۲)

ما في '' روح المعاني '': فیعم النهي ما هو من مقولة الظلم والمعاصي ویندرج فیه النهي عن التعاون علی الاعتداء والانتقام ... وعن ابن عباس رضي الله تعالی عنهما وأبي العالیة أنهما فسّرا الإثم بترك ما أمرهم به وارتکاب ما نهاهم عنه ۔ (۴/۸۵)

ما في '' أحکام القرآن للجصاص '': وقوله تعالی: {ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان} نهي عن معاونة غیرنا علی معاصي الله تعالی ۔ (۲/۳۸۱)

ما في '' الشامیة '': '' ما کان سببًا لمحظور فهو محظور '' (۵/۲۲۳ ، مکتبه نعمانیه)

ما في '' جمهرة القواعد الفقهیة '': '' الإعانة علی المحظور محظور '' (۲/۶۴۳)۔



اہل کتاب اور ہندوستان میں آباد غیر مسلم اقوام

(مفتی) محمد اشرف قاسمی گونڈوی[1]

اهل الكتاب:

"كل من يعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم وشيث و زبورداوود عليهم السلام فهم من اهل كتاب" (نقله الشيخ محمد احسن النانوتوى عن العينى والفتح فى حاشية كنز الدقائق ص۹۹ رقم الحاشية ۷/)۔

اہل کتاب ان لوگوں کو کہتے ہیں جو کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں۔ باتفاق امت آسمانی کتاب وہی کتاب کہلائے گی۔ جس کا کتاب اللہ ہونا، بتصدیق قرآن یقینی ہو، جیسے تورات، انجیل، زبور، صحف موسیٰ وابراہیم وغیرہ، اس لئے وہ قومیں جو کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھتی اور اس کو وحی الٰہی قرار دیتی ہوں جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن وسنت کے یقینی ذرائع سے ثابت نہیں، وہ قومیں اہل کتاب میں داخل نہ ہوں گی۔ جیسے مشرکین مکہ۔ قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق اہل کتاب سے مراد صرف یہود ونصاریٰ ہیں سورہ مائدہ آیت نمبر ۵ / میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت منقول ہے کہ

"وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم" (مائدہ:۵) یعنی "ذبيحة اليهود النصارى" (تفسیر قرطبی ص ۲۶ جلد ۲)۔

یہود ونصاریٰ میں وہ لوگ داخل نہیں، جو مذہبا دہریے ہیں، خدا اور رسول اور آخرت کے قائل ہی نہیں، جیسے آج کل یورپ کے بہت سے قومی عیسائیوں کا حال ہے کہ محض قومی طور پر وہ مسیحی یا عیسائی کہلاتے ہیں، مگر وہ خدا ہی کے وجود کے قائل نہیں پھر کسی رسول وپیغمبر کے کیا قائل ہوتے۔ اس لئے حضرت علیؓ نے نصاریٰ بنی تغلب کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا اور فرمایا کہ یہ لوگ دین نصرانیت میں سے سوائے شراب نوشی کے اور کسی چیز کو نہیں مانتے (تفسیر قرطبی ص ۲۶ جلد ۲)۔

ہاں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی اور توارت وانجیل کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں وہ اہل کتاب میں داخل ہیں۔ اگرچہ انھوں نے اپنے دین کو بدل ڈالا ہے۔ تورات وانجیل میں تحریف کرڈالی اور تثلیث وغیرہ جیسے مشرکانہ عقائد اختیار کر لئے ہیں۔ مگر یہ آج کے نہیں ہیں، نزول قرآن کے زمانے میں بھی ان کا یہ حال تھا ہیں" (ملخصا من جواہر الفقہ جلد اص ۷۴ / ۳ / مفتی محمد شفیع)۔

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہود ونصاریٰ کے اندر عملی اور اعتقادی فساد وبگاڑ کا تذکرہ بار بار قرآن میں آیا ہے۔

يحرفون الكلم من مواضعه" {سورۂ مائدہ:۴۱}، اور فرمایا گیا: "وقالت اليهود عزير بن الله وقالت النصرى المسيح ابن الله" (سورۂ توبہ:۳۰)، اور ان کے کفر کا اعلان اس طرح قرآن میں کیا گیا:

"يأهل الكتاب لم تكفرون بأيت الله وانتم تشهدون" {آل عمران:۷۰}

"يأهل الكتاب لم تلبسون الحق بالباطل و تكتمون الحق وانتم تعلمون" (آل عمران:۷۱)۔

"ويقولون على الله الكذب وهم يعلمون" (آل عمران:۷۸)۔

"لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح بن مريم" (مائدہ:۷۲)۔

"اتخذوا احبارهم ورهبانهم اربابا من دون الله و المسيح ابن مريم الا ليعبدوا إلها واحدا لا اله الا هو، سبحنه عما يشركون" (توبہ:۳۱)۔

"يأيها الذين أمنوا إن كثيرا من الأحبار و الرهبان ليأكلون أموال الناس بالباطل و يصدون عن سبيل الله" (توبہ:۳۴)۔

نیز انھوں نے رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار لاعلمی میں نہیں کیا قرآن کہتا ہے:

---

[1] دار الافتاء ، موتی بازار، شہر مہدپور، ضلع اجین ایم پی الھند۔

"یعرفونه کما یعرفون ابناءهم" (بقرۃ:۱۴۶)۔

اور یہ سب اعتقادی برائیوں اور کھلی ہوئی عملی بگاڑ کے باجود قرآن انھیں اہل کتاب قرار دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود ونصاری جب تک یہودیت و نصرانیت کو بالکل نہ چھوڑ دیں وہ اہل کتاب میں داخل ہیں خواہ وہ کتنے ہی عقائد فاسدہ اور اعمال سیئہ میں مبتلاء ہوں۔ ان سطور سے معلوم ہوا کہ مغربی اقوام کو مطلقا دہریہ اور ملحد نہیں کہا جاسکتا ہے کیونکہ وہ اپنے کو قومی سطح پر ہی صحیح! اپنے کو یہودیت وعیسائیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور اس وقت پوری دنیا میں جو معرکے یورپ کی طرف سے برپا کئے گئے ہیں، تقریبا وہ سب کے سب یہودیت یا عیسائیت کے استحکام استمرار اور توسیع کے لئے ہیں۔ اتنی ہمہ جہت، طویل المیعاد، صبر آزما، کامیاب اور دوررس لڑائی مذہبی جذبات سے خالی ہوکر وجود میں بھی آسکتی ہے۔ اُن کی اپنی کتابوں میں جو قیام قیامت اور ورود مسیح الدجال کی علامتیں ہیں انھیں کو سامنے رکھ کروہ اپنی تیاریاں کرتے اور آگے بڑھ رہے ہیں۔ چند سائنس دانوں کے الحادی افکار وخیالات کو ملاحظہ کر کے تمام اہل یورپ کو ملحد اور بے دین نہیں کہا جاسکتا ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اور دوسرے علماء نے، تکرار کے ساتھ، صاف صاف لفظوں میں موجودہ دور کے عام یہود ونصاری کو ملحدوں کی فہرست میں رکھا ہے۔ لیکن جس قسم کی عمومی بداعتقادی کو دیکھتے ہوئے ان بزرگوں نے انھیں اہل کتاب سے خارج کر کے ملحدوں کے صف میں کھڑا کیا ہے، وہی صورت حال عام مسلمانوں کی بھی ہے۔ نام نہاد مسلم اور عرب ملکوں کے بجائے راقم الحروف کے سامنے ہندوستان کے دو ضلعے سہارنپور اور مظفر نگر ہیں، جہاں کی دینی تعلیم کی صورت حال سے تقریبا پوری دنیا کے مسلمان واقف ہیں۔ وہاں دینی مدارس کی تعداد ۲۹۰۰ / سو سے بھی زیادہ ہے ان مدرسوں میں پڑھنے والے بچے ۹۹ / ہزار سے بھی زائد ہیں۔ (ماخوذ از ماہنامہ، ارمغان پھلت) دو سال قبل مظفر نگر میں مسلم مخالف فساد میں فساد زدہ مسلمان مختلف کیمپوں میں رہ رہے تھے۔ ایک کیمپ میں ۵۰۰ / سو کے قریب مسلمان پناہ لئے ہوئے تھے۔ اس میں صرف ۲۰ / ۲۱ / مسلمانوں کو کلمہ طیبہ یاد تھا۔ اسی زمانے میں آسام میں اسی قسم کے ایک کیمپ میں ۳۰۰۰ / مسلمان اقامت گزیں تھے۔ اس میں جن لوگوں کو کلمہ طیبہ یاد تھا ان کی بھی تعداد اتنی ہی (۲۰ / ۲۱ /) تھی۔ (ان دونوں مقامات پر رفاہی کاموں میں شریک، مولانا خالد بیگ ندوی، بانی ڈی اے پی ایس بنگلور، سے زبانی گفتگو پر مبنی، اشرف) مسلمانوں کی دینی صورت حال یہ ہے۔ اس کے باوجود انھیں مسلمان شمار کیا جاتا ہے۔ اور ان کے کفر کا فتوی نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح عام عیسائیوں اور یہودیوں کو اگر آخرت اور حشر نشر کا علم نہ ہو تو محض لاعلمی کی بنیاد پر اگر وہ حشر نشر کے بارے میں نہ بتا سکیں، تو انھیں اہل کتاب سے خارج کر دینا محل نظر ہے۔ ہمارے موقف کی تائید میں، خود حضرت مفتی محمد شفیع کی ایک تحقیقی شہادت کافی ہے۔ اہل کتاب میں بنی تغلب کے ذبیحہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ممانعت کے باوجود دوسرے اصحاب رسول ﷺ اپنی تحقیق کے مطابق انھیں عام نصرانیوں کی طرح سمجھتے تھے۔ کیوں کہ بنی تغلب بالکل دین کے منکر نہیں ہیں۔ اس لئے انھوں نے ان کا ذبیحہ بھی حلال قرار دیا۔ جن علماء امت نے موجودہ یہود ونصاری کے تعلق سے جو خیال قائم کیا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سوچ کی طرح درست ہے۔ لیکن جمہور اصحاب رسول ﷺ کا موقف یہ نہیں ہے۔ ذبیحہ بنی تغلب سے متعلق بحث کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

"خلاصہ یہ کہ جن نصرانیوں کے متعلق یہ بات یقینی طور پر معلوم ہوجائے کہ وہ خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے یا حضرت موسی وعیسی علیہما السلام کو اللہ کا نبی نہیں مانتے۔ وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں" (معارف القرآن جلد ۳ ص ۴۹ تفسیر سورہ مائدہ آیت ۵)۔

یقینی معلومات کا ذریعہ یہ ہے کہ وہ آپ کے سامنے ایسا اقرار کرے یا پھر شرعی شہادت ہو کہ یہ منکر خدا ورسول ہے۔ جب کہ عام حالات میں نہ کوئی ایسا مقر انکار ملتا ہے اور اس کے انکار رسالت وغیرہ پر شرعی شہادت دستیاب ہوتی ہے۔ اس لئے موجودہ دور کے عام یہودی وعیسائی اہل کتاب ہی کے حکم میں ہیں۔ اہل کتاب ساتھ احکام میں صائبین کو بھی شرک قرار دیا گیا ہے۔ ذیل میں صائبین کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

صائبین اور ہندو:

ارشاد باری تعالی ہے: "إن الذين أمنوا والذين هادوا والنصارى و الصّبئين .. من أمن بالله .. الخ" (بقرۃ:۶۲)۔

اس آیت میں صائبین کی تشریح کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

"......صائبین ایک فرقہ تھا جس کے معتقدات اور طرز عمل کے بارے میں کسی کو پورا پتہ نہ چلا، اس لئے مختلف اقوال ہیں واللہ اعلم۔" (معارف القرآن جلد ۱ ص ۲۳)

دوسری جگہ (سورہ مائدہ آیت نمبر ۶۹) "إن الذين أمنوا والذين هادوا والصّبئون و النصرى من امن بالله واليوم الاخر..." کے ذیل

میں لکھتے ہیں:

"صابئون یا صابئہ کے نام سے آج کل کوئی قوم معروف نہیں۔اس لئے اس کی تعیین میں علماء وائمہ کے اقوال مختلف ہیں امام تفسیر ابن کثیر نے بحوالہ قتادۃ ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ صابئون وہ لوگ ہیں جو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں، اور قبلہ کے خلاف نماز پڑھتے ہیں۔اور آسمانی کتاب زبور کی تلاوت کرتے ہیں، (جو حضرت داود علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی)" (معارف القرآن جلد ۳ص ۱۹۹)۔

حضرت مولانا ابوالاعلی مودودیؒ سورہ حج کی آیت نمبر ۱۷ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"۲۵۔ صابئی کے نام سے قدیم زمانے میں دو گروہ مشہور تھے۔ایک حضرت یحی علیہ السلام کے پیرو، جو بالائی عراق (یعنی الجزیرہ) کے علاقے میں اچھی خاصی تعداد میں پائے جاتے تھے، اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیروی میں اصطباغ کے طریقے پر عمل کرتے تھے، دوسرے ستارہ پرست لوگ جو اپنے دین کو حضرت شیث اور ادریس علیہما السلام کی طرف منسوب کرتے تھے، اور عناصر پر سیاروں کی اور سیاروں پر فرشتوں کی فرمانروائی کے قائل تھے۔ان کا مرکز حران تھا اور عراق کے مختلف حصوں میں ان کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔یہ دوسرا گروہ اپنے فلسفہ وسائنس اور فن طب کے کمالات کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوا ہے۔لیکن اغلب یہ ہے کہ یہاں پہلا گروہ مراد ہے کیوں کہ دوسرا گروہ غالباً نزول قرآن کے زمانے میں اس نام سے موسوم نہ تھا۔" (تفہیم القرآن جلد ۳ ص ۲۱۰/ تحت آیت ۱۷/ سورہ حج)۔

الشیخ احسن النانوتوی فتح اور عینی کے حوالہ سے کنز الدقائق کے حاشیہ پر نقل کرتے ہیں:

" والصابية، الحاصل تزوجها عند أبي حنيفة خلافا لهما ، وهذا مبنيٌّ على أنهم يعبدون النجوم فهم عبد الأوثان عندهما وعنده ليس كذالك، وإنما هم يعظمون النجوم كتعظيم المسلم الكعبة فإن كان الأمر كما فسره يجوز المناكحة بالإجماع وإن كان كما فسراه لايجوز بالإجماع۔ فتح وعيني" (حاشیہ علی کنز الدقائق الصفحہ ۹۹)۔

صائبین کے بارے مختلف و متضاد خیالات کو نوید عثمانی صاحب نے جمع کیا ہے۔جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔ صابئین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش 'اُر' کے رہنے والے تھے۔'اُر' اور ہڑپا در اوڑ کے درمیان تہذیبی مماثلت موجود ہے۔جو کہ ہندوؤں کی نظریات کی بنیاد قرار دی جاتی ہے۔

۲۔ اہل کتاب تھے۔

۳۔ لا الٰہ الا اللہ کہتے تھے، لیکن مشرک تھے۔

۴۔ یمن کی طرف منھ کر کے نماز پڑھتے تھے۔یمن میں آج بھی شیام اور ہندنامی قلعے موجود ہیں۔

۵۔ فرشتوں کی پجاری قوم تھی۔(ہندوؤں میں دیوی دیوتاؤں کا تصور فرشتوں کے قائم مقام ہے۔)

۶۔ صائبین عجمی (غیر عربی) نام ہے۔

۷۔ جماعت ستارگان اور نجوم کے پرستار تھے۔

۸۔ آگ کی پوجا کرتے تھے۔(زرتشتوں کی طرح ہندوؤں کے یہاں شادی بیاہ موت میت کے موقعوں پر 'اگنی' آگ جلانے کا معمول ہے)

۹۔ زرتشت اور آرین دونوں آگ کی پوجا کرنے والے اور آرین ہیں۔

۱۰۔ مذہبا دن میں کئی مرتبہ اشنان کرنا۔اجتماعی اشنان کرنا۔(اب بھی نہ جاگے تو۔۔؟ص ۴۲)۔

۱۱۔ "شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی صائبین کو آرین ہی مانتے تھے۔

مسیح ضرور ایسے بزرگ تھے جنھوں نے اس تعلیم کو غیر اسرائیل لوگوں میں بالفاظ دیگر صائبین یا آرین قوموں میں بھی پہنچانے کی کوشش کی [illegible] رسالہ

الفرقان بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۰۲ /] ''(اب بھی نہ جاگے تو ص ۴۳ /)۔

بائبل میں ہے: ''۔۔۔عالی مرتبت صائبین تمہارے پاس آئیں گے اور وہ تمہارے ہو جائیں۔ وہ تمہارے بعد آئیں گے۔ بائبل یسیعاہ نبی کی کتاب ۴۵۔۱۴''

''۔۔۔وہ سب کے سب شرمسار اور پشیمان ہوں گے، وہ صائبین جو بت بنانے والے ہیں، آپس میں شرمندہ ہوں گے۔'' بائبل یسیعاہ نبی کی کتاب ۴۵۔۱۶۔(اب بھی نہ جاگے ص ۴۴ /)

اس قسم کے متضاد خیالات و معتقدات کی مصداق دنیا میں ہندو قوم ہی ہے۔ ''ہندو قوم قوم نوح'' عنوان کے تحت مزید وضاحت ہوتی ہے۔

مفتی محمد شفیع صاحب کی تحقیق سے ایک قول فرشتوں کے پرستار کا نقل ہوا۔ مولانا مودودیؒ کے تحقیق کے مطابق وہ عناصر پر سیارہ اور سیارہ پر فرشتوں کی فرمانروائی کے قائل ہیں۔ یعنی وہ قوم، سیارہ پرست ہے عینی اور فتح القدیر کے حوالے کنز الدقائق کے حاشیہ میں گذرا کہ صاحبین اور امام ابوحنیفہؒ صائبین کو نجوم پرست مانتے ہیں۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ ان کے نجوم پرستی کو خدا پرستی کے قائم مقام نہیں مانتے ہیں، بلکہ جس طرح اللہ کی تعظیم و تکریم کے لئے حکم الٰہی کے مطابق نیک کام جان کر مسلمان کعبہ کا سجدہ کرتے ہیں اُسی طرح صائبین بھی نجوم پرستی کے ذریعے محض قبلہ کی تبدیلی کے گناہ میں مبتلا ہیں ورنہ حقیقت میں وہ اللہ کے پجاری ہیں۔ ان تینوں تحقیقات کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نجوم پرست قوم ہی صائبین ہے۔

ہندو قوم و مذہب:

ہندو مذہب ایک قدیم ترین ہندوستانی مذہب ہے۔ ''سناتن'' دھرم کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ لفظ 'سناتن' سنسکرت زبان سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں قدیم، بہت پرانا، پراچین، مذہبی کتابوں میں اسی طرح مؤرخین نے اس مذہب کو سناتن دھرم ہی کہا ہے۔ یہ ایک قدیم آریائی مذہب ہے۔ اسے عام طور پر ہندو مذہب نام سے شہرت ملی ہے۔ جب کہ لفظ 'ہندو' خود سنسکرت یا ہندی کے بجائے 'فارسی' زبان سے بنا ہے۔ اس لفظ سے مراد دریائے 'سندھ' سے ہے، جو لوگ دریائے سندھ کے آگے علاقوں میں بود و باش اختیار کئے ہوئے ہیں وہ ہندو کہلاتے ہیں (تلخیص از، اقبال اور مذاہب عالم ص ۱۳۳ / ڈاکٹر سید عروج احمد صاحب، ۲۰۱۱ء بحوالہ مذاہب عالم میں خدا کا تصور ص ۸ ڈاکٹر ذاکر نائک الحسنات بکس پرائیویٹ لمیٹیڈ ۲۰۰۸ء)۔

بابائے قوم مہاتما گاندھی نے ہندو دھرم کی تعریف کرتے ہوئے کہا: ''میرے خیال میں جو گائے کو ماں کے برابر درجہ دیتا ہے وہی ہندو ہو سکتا ہے۔''

سوامی وویکانند فرماتے ہیں: ''ہندو وہی ہو سکتا ہے جو ویدوں کو سپریم اتھارٹی کے طور پر قبول کرتا ہے۔'' (از اقبال اور مذاہب عالم ۱۴۷ / پی ایچ ڈی مقالہ، ورکرم یونیورسٹی اجین ایم پی، ڈاکٹر سید عروج احمد ریٹائرڈ ریجیس ٹیچر انڈین آرمی)

ڈاکٹر سید عروج احمد تحریر کرتے ہیں: ''ہندو مذہب کی تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مذہب کا بانی اعلیٰ کوئی ایک فرد نہیں جس کو ہم اس قدیم ترین مذہب کا مرکزی رہنما قرار دے سکیں، اسی طرح ہندو مذہب کی مقدس کتابوں کو بھی کسی ایک شخصیت کی جانب منسوب نہیں کیا جا سکتا ہے۔ زمانہ مابعد میں بعض ممتاز مذہبی اشخاص منظر عام پر آئے لیکن ہندو مذہب کے ابتدائی مزاج پر لاشخصیت کا ٹھپہ لگا ہوا ہے'' (از اقبال اور مذاہب عالم ص ۱۴۴ / پی ایچ ڈی مقالہ، ورکرم یونیورسٹی اجین ایم پی، ڈاکٹر سید عروج احمد ریٹائرڈ ریجیس ٹیچر انڈین آرمی)۔

مشہور فرانسیسی محقق ڈاکٹر لیبان اپنی کتاب میں لکھتا ہے: ''ہندوؤں کی کوئی تین ہزار سالہ تہذیب و تمدن کی کئی ہزار جلدوں میں جو تاریخ حال ہی میں سامنے آئی ہے اب تک اس کا ایک تاریخی واقعہ بھی صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہو سکا۔'' (از اقبال اور مذاہب عالم ص ۱۴۳ / پی ایچ ڈی مقالہ، ورکرم یونیورسٹی اجین ایم پی، ڈاکٹر سید عروج احمد ریٹائرڈ ریجیس ٹیچر انڈین آرمی، بحوالہ تقابل ادیان ص ۱۴۱ / پروفیسر محمد یوسف خان اریب پبلیکیشنز نئی دہلی ۲۰۰۸ء، بحوالہ تمدن ہند ص ۱۴۴ / ڈاکٹر لیبان)۔

ہندوستانی مذہب کی ابتداء یا ہندی تمدن کی بنیاد کہاں ہے۔ یہ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن ہندوستان میں تاریخ نویسی کا عمل تعطل میں پڑا رہا۔

سابق وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو لکھتے ہیں: ''اہل چین، اہل یونان اور عربوں کے برعکس قدیم ہندوستان کے لوگ مؤرخ نہیں تھے۔ یہ ہماری بدقسمتی

ہے، اور اس نے یہ دشواری پیدا کردی ہے کہ ہم گزشتہ عہد کے واقعات زمانہ یا تاریخ متعین کرسکیں۔ یہ واقعات کچھ اس قدر خلط ملط ہوتے ہیں کہ ان سے عجیب خلفشار پیدا ہو گیا...... ہمارے یہاں صرف ایک کتاب یعنی پنڈت کلھن کی راج ترنگنی ایسی ہے جسے ہم تاریخی کتاب کہہ سکتے ہیں۔ یہ کشمیر کی تاریخ ہے اور بارہویں صدی ۱۲۰۰ء میں لکھی گئی۔" (از اقبال اور مذاہب عالم ص ۱۴۳ / پی ایچ ڈی مقالہ، وکرم یونیورسٹی اجین ایم پی، ڈاکٹر سید عروج احمد ریٹائرڈ رلجیس ٹیچر انڈین آرمی، بحوالہ تقابل ادیان ص ۱۳۵ / بحوالہ دی ڈسکوری آف انڈیا ص ۷۷ / پنڈت جواہر لال نہرو دہلی ۱۹۷۶ء)۔

ڈاکٹر سید عروج احمد ریٹائرڈ رلجیس ٹیچر انڈین آرمی، قاضی شہر کھاچرود و ناگدہ، اپنے تحقیقی مقالے میں تحریر کرتے ہیں:

"محققین اس بات پر متفق ہیں کہ شرک و بت پرستی، ہندوستانی رواج نہیں تھا بلکہ آریوں کی آمد کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہوئے اور انھیں دیکھ کر لوگوں نے اس عمل کو ایسا اپنایا کہ یہی ہندو مذہب کا اصل عقیدہ بن گیا...... دریائے سندھ کی قدیم ترین تہذیب کے نشانات، ہڑپا اور موہنجوداڑو کی کھدائی سے حاصل معلومات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لوگ درختوں، جانوروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے، جو بابل مصر اور روم میں آباد بت پرست قوم دراوڑ سے متاثر تھے، انھیں رواجات کو ہندو مذہب نے اپنی تہذیب اور مذہب کا اہم فریضہ سمجھ لیا" (اقبال کی شاعری پر مذاہب عالم کے اثرات ۱۳۶ / پی ایچ ڈی مقالہ، وکرم یونیورسٹی اجین ایم پی، ڈاکٹر سید عروج احمد ریٹائرڈ رلجیس ٹیچر انڈین آرمی)

ہندو مذہبی رواجات، آریوں کی مرہون منت ہیں، آریوں کے وطن اصلی سے ان رواجات کو جوڑ کر دیکھیں گے تو یہ سب غیر ہندوستانی تہذیب اور کلچر معلوم ہوں گے۔ آریوں کے وطن اصلی کے تعلق سے، مشہور ہندو دانشور اور سیاست داں بال گنگادھر تلک کہتے ہیں، کہ ان کا وطن اصلی "منطقہ باردہ" ہے جب کہ جرمن پروفیسر میکس مولر جو کہ سنسکرت زبان اور ہندو تہذیب کے محقق مانے جاتے ہیں، آریوں کو وسط ایشیاء کے باشندے بتاتے ہیں، جو زیادہ قرین قیاس ہے۔ بعض مؤرخین کے نزدیک ان کا وطن روس کے مشرقی علاقے ہیں، اور ان کی آمد کا زمانہ تقریباً ۱۵۰۰۰ ق م ہے۔۔۔ آریہ قوم کا مذہب کیا تھا اس کی جھلک ویدوں میں ملتی، یہ مظاہر قطرت کی پرستش کرتے اور کھلی جگہوں پر عبادت کرتے تھے، مورتی کی پوجا کرتے تھے" (اقبال اور مذاہب عالم ۱۳۶ / پی ایچ ڈی مقالہ، وکرم یونیورسٹی اجین ایم پی، ڈاکٹر سید عروج احمد ریٹائرڈ رلجیس ٹیچر انڈین آرمی بحوالہ ہندومت اور اس کا فلسفہ ص ۳۰ / ڈاکٹر لوئیس رینو)۔

ہندو قوم قوم نوحؑ، احتمال!

ہندو قوم کی بت پرستی اور اس کی تہذیب و رسوم کی درآمدگی کے بارے میں معلوم ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا باہری قوم و تہذیب اور عقیدہ سے متاثر و مؤثر طبقے کا تعلق کسی نبی و رسول سے جڑتا ہے؟ یا نہیں۔

فرانسیسی مصنف ڈیوبائس (A.J.A.Dubels) جس نے چالیس سال تک ہندو مذہب اور ہندوستانی تہذیب کا مطالعہ کیا اور ہندو مذہبی رسم و رواج پر آج تک کی سب سے مستند اور ضخیم کتاب لکھی، اس نے اپنی کتاب (Hindu Manners,Customs,Cermonies ہندو شعائر، مراسم و مناسک) میں جو حقیقتیں بیان کی ہیں مختصراً ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

۱...... مختصر یہ کہ ایک مشہور شخصیت جس سے ہندوؤں کو بہت عقیدت ہے اور جسے وہ مہانووُ و ((MAHANUVU کے نام سے جانتے ہیں، (سیلاب کی) تباہی سے ایک کشتی کے ذریعہ بچ نکلی، جس میں سات مشہور رشی بھی سوار تھے...... مہانووُ و، دو الفاظ کا مرکب ہے۔ مہا کے معنی عظیم اور نووُ و، بلاشک و شبہ (حضرت) نوحؑ ہی ہیں، (Hindu Manners,Customs,Cermonies Page,N.40 ہندو شعائر، مراسم و مناسک)۔

۲...... عملاً یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان اس سیلاب عظیم کے فوراً بعد آباد ہوا تھا، جس نے پوری دنیا کو ویران کردیا تھا۔

(Hindu Manners,Customs,Cermonies,Page,N.100 ہندو شعائر، مراسم و مناسک)۔

۳...... دنیا کی تمام قومیں دو نسلوں میں تقسیم ہیں، سامی نسلیں (Semeticracens) غیر سامی نسلیں (Non.Semeticreces)

غیر سامی قوموں میں آرین نسل آتی ہے، اور سامی میں یہودی، عیسائی اور جزیرہ نما عرب کی بنی اسمٰعیل۔

"دنیا کی دو نسلوں میں تقسیم ہونے اور ان میں سے ایک نسل کا تعلق حضرت نوحؑ سے ہے جس کی قرآن بھی تصدیق کرتا ہے۔

"أولئك الذين أنعم الله عليهم من النبيين من ذرية آدم و ممن حملنا مع نوح و من ذرية ابراهيم و اسرائيل" (مريم: ۵۸)۔

قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ نسل آدم میں سے حضرت نوح کے ساتھیوں کی نسل الگ ہے اور حضرت ابراہیم ویعقوب علیہما السلام کی نسل یعنی بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل الگ نسلیں ہیں، ہم جانتے ہیں کہ بنی اسرائیل و بنی اسماعیل سامی نسلیں ہیں، صاف ظاہر ہے کہ حضرت نوحؑ کے ساتھیوں کی نسل غیر سامی یا آرین نسل ہونی چاہئے، آرین نسل دنیا کے بہت سے ملکوں کے علاوہ ہندوستان کے بیشتر حصے میں آباد ہے (اب بھی نہ جاگے تو؟ ص ۳۶۔ ۳۷/)۔

ویدوغیرہ، جنات، انبیاء پر نازل ہونے کا احتمال:

قدیم ویدوں میں توحید کی تعلیم جنت، دوزخ اور دوسرے آسمانی الہامی عقائد موجود تھے۔ (اقبال اور مذہب عالم، بحوالہ البیرونی، تاریخ ہند، تقابل ادیان ص ۴۴ احمد یوسف خان اریب پبلیکیشنز نئی دہلی ۲۰۰۸ء)۔

جس طرح اس مذہب کی کوئی تاریخ نہیں ملتی اسی طرح اس کی مذہبی کتابوں کی تخلیقی عہد کی صحیح تعیین کرنا بھی دشوار ہے۔

ویدوں کی تخلیق کس نے کی؟ یہ ٹیڑھا سوال ہے، راسخ العقیدہ ہندو مانتے ہیں وید غیر انسانی کلام، خدا کا کلام ہیں۔ مقصد یہ کہ وید خدائی علم ہیں۔

(ڈاکٹر سمپورنانند۔ ویدک ساہتیہ، پنڈت رام گوندترویدی، بھارتی پیٹھ، کاشی صفحہ ۲۳/ ۲۴/ ہندی)۔

ہندو محققین نے اپنی مقدس کتابوں کی درجہ بندی کی ہے۔ اور ان کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

اول۔ شروتی۔ جو سچائیاں رشی منیوں نے قدیم زمانے میں سنی ہیں۔ چاروں وید، رگ وید، یجروید، اتھروید، اور سام وید، شروتی کہلاتے ہیں۔ یہ ہندو عقیدے کی اساسی کتابیں ہیں، جنھیں سب سے زیادہ مقدس تسلیم کیا جاتا ہے۔

دوم۔ اسمرتی، یاد کیا ہوا۔ مذہبی عالموں اوتاروں، رشیوں کے اقوال۔ وید کے علاوہ تمام الہامی کتابوں کا شمار اسمرتی میں ہوتا ہے۔ ان کتابوں میں انسانی معاشرے کے لئے ضابطہ اخلاق، عبادت کی رسمیں، مذہبی مدارس، فلسفیانہ اسکول کی روداداں کا موضوع ہیں۔ ان میں دس کتابیں مشہور ہیں جن میں سے رامائن، مہابھارت، اور پران وغیرہ کو ہندو مذہب میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ پران کے معنی قدیم، پرانے، کے ہیں۔ اس میں پرمیشور کے مختلف اوتاروں اور ان کے اعمال، عظیم شخصیتوں کے کارنامے اور کمالات بیان ہوئے ہیں۔ یہ پران انسان اور خدا کے علاوہ کچھ اور ہی قسم کے مخلوق تھے۔ جیسا کہ درج ذیل چند پرانوں کے نام سے، بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

۴۔ وایو پران (ہوا) ۹۔ اگنی پران (آگ) ۱۱۔ ابراہم پران (آسمان) ۱۶۔ کورم پران (کچھوا) ۱۷۔ متیسہ پران (مچھلی) ۱۸۔ گروڑ پران (وشنو کا پرندہ) (تخلیص از اقبال کی شاعری پر مذاہب عالم کے اثرات ۱۴۸/ پی ایچ ڈی مقالہ، وکرم یونیورسٹی اجین ایم پی، ڈاکٹر سید عروج احمد ریٹائرڈ لیکچرس ٹیچر انڈین آرمی بحوالہ ہندو مذہب مطالعہ اور جائزہ ص ۱۲۱/ پروفیسر محسن عثمانی ندوی، یونیورسل پیس فاؤنڈیشن نئی دہلی ۲۰۰۱ء)۔

جن اسلاف اور بزرگوں نے ویدوں کو جنات پر نازل ہونے کا احتمال ظاہر کرتے ہوئے ہندوؤں کے موجودہ معبودوں کی شکلوں سے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے، پران کے مذکورہ بالا اسماء سے اس خیال کو مزید اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ انبیائے جنہ پر وحی نازل ہونے پر آیت ذیل سے استدلال کیا گیا ہے۔

یمعشر الجن والإنس الم یأتکم رُسل منکم یقصون علیکم ایتی ویُنذرونکم لقاء یومکم هذا ط قالوا شهدنا علیٰ انفسنا و غرتهم الحیوٰة الدنیا (انعام: ۱۳۰)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر کرتے ہیں کہ: "......لیکن جماعت علماء اس آیت کے ظاہری معنی کے اعتبار سے اس کی بھی قائل ہے کہ خاتم الانبیاء ﷺ سے پہلے ہر گروہ کے رسول اسی گروہ میں سے ہوتے تھے، انسانوں کے مختلف طبقات میں انسان رسول آتے تھے اور جناتوں کے مختلف طبقات میں جنات ہی میں سے رسول ہوتے تھے۔ حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کو سارے عالم کے انسانوں اور جناتوں کا واحد رسول بنا کر بھیجا گیا اور وہ بھی کسی ایک زمانہ کے لئے نہیں، بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جن وانس، آپ ﷺ کی امت ہیں۔ اور آپ ﷺ سب کے رسول ہیں۔ ائمہ تفسیر میں کلبیؒ اور مجاہدؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں اسی قول کو اختیار فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے پہلے جنات کے رسول جنات ہی کی قوم میں سے ہوتے تھے، اور جب کہ یہ ثابت ہے کہ زمین پر انسانوں سے ہزاروں سال پہلے جنات آباد تھے اور وہ بھی انسانوں کی طرح احکام شرع کے مکلف ہیں، تو از روئے عقل وشرع ضروری ہے کہ ان میں اللہ تعالی کے احکام پہنچانے والے

رسول و پیغمبر ہوں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہندوستان کے ہندو جو اپنی ویدوں کی تاریخ ہزار ہا سال پہلے کی بتلاتے ہیں اور اپنے مقتداء و بزرگ جن کو اوتار کہتے ہیں۔ اسی زمانہ کے لوگوں کو بتاتے ہیں۔ کچھ بعید نہیں کہ وہ بھی جنات کے رسول و پیغمبر ہوں اور انہیں کی لائی ہوئی ہدایات کسی کتاب کی صورت میں جمع کی گئی ہوں۔ ہندوؤں کے اوتاروں کی جو تصویریں اور مورتیاں مندروں میں رکھی جاتی ہیں، وہ بھی اسی انداز کی ہیں۔ جو عام انسانی شکلوں سے بہت مختلف ہیں، اور جنات کا ایسی شکلوں میں متشکل ہونا کچھ مستبعد نہیں۔ اس لئے کچھ بعید نہیں کہ ان کے اوتار جنات قوم میں آئے ہوئے رسول یا ان کے نائب ہوں اور ان کی کتاب بھی ان کی ہدایات کا مجموعہ ہو۔ پھر رفتہ رفتہ جیسے دوسری کتابوں میں تحریف ہوگئی، اس میں بھی تحریف کر کے شرک و بت پرستی داخل کر دی گئی"۔ (معارف القرآن جلد ۳ ص ۴۵۵ / و ۴۵۶ / تفسیر سورہ انعام آیت نمبر ۱۳۰ /)۔

شروع کلام میں بات آئی تھی کہ ہندوؤں کا تعلق حضرت نوح علیہ السلام سے بھی جڑتا ہے۔ طوفان نوح کے بعد ہی ہندوستان آباد ہوا۔ جہاں یہ احتمال ہے کہ ہندو قوم، حضرت نوحؑ کی قوم ہو اور اس کے موجود وید وغیرہ حضرت نوح کا صحیفہ ہو اسی طرح یہ بھی احتمال کہ جناتوں پر نازل شدہ آسمانی کتاب ہو، بہر حال دو جہتوں سے ان کتابوں کے آسمانی کتاب ہونے کا احتمال موجود ہے۔ گذشتہ سطور میں انسانی نسلوں کی صورت تقسیم بیان ہوئی، قوم نوح اگر عرب قوم نہیں ہے تو پھر اس خیال کو مزید تقویت ملتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ہم عصر، مرزا مظہر جان جاناںؒ، کے شاہ عبد العزیز کے نام لکھے گئے ایک مکتوب پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر خلیق احمد نظامی تحریر کرتے ہیں۔

"انھوں نے ہندوؤں کو مشرکانِ عرب کے مشابہ تسلیم کرنے سے انکار کیا بلکہ وید کو الہامی کتاب مانتے ہوئے ہندوؤں کو اہل کتاب کا مرتبہ دیا ہے"

(تاریخ مشائخ چشت جلد پنجم ص ۵۸ / بحوالہ مولانا احسن حسین قاسمی رسالہ روبی دہلی فروری ۱۹۸۸ ص ۱۳)۔

"مظاہر العلوم سہارنپور کے مفتی مولانا محمد یحیٰ صاحب کے ایک سوال کے جواب میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں نور اللہ مرقدہ کے مکتوب میں ویدوں کے متعلق تحریر موجود ہے کہ انھوں نے اس کو آسمانی اور الہامی کتاب قرار دیا ہے...... نیز مولانا شاہ عبد العزیز اور مولانا عبد الحئی صاحب لکھنوی کے فتاوی میں ان کے مقتداؤں کا ذکر موجود ہے۔ جن کو اوتار (اتارے ہوئے) کہتے ہیں۔ حاصل یہ کہ جو لوگ مثلاً آریہ اپنے مذہب کو آسمانی دھرم اور اپنی کتابوں کو الہامی کتاب کہتے ہیں، ان سے ان کے دعووں پر برہان طلب کی جاسکتی ہے، لیکن بے وجہ حتمی طور پر انکار نہ کیا جائے۔"

(مولانا اخلاق حسین قاسمی رسالہ روبی، فروری ۱۹۸۸ ص ۱۳ /) (اب بھی نہ جاگے تو؟ ص ۷۲ /)۔

ویدوں میں ذکر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اس کتاب کے الہامی ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس میں آج بھی توحید و معاد کے ساتھ ہی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر موجود ہے۔ چوں کہ تقریباً ہر ہندو فی الواقعہ ایک ہی خدا کو مانتا ہے اور اور اپنے کرموں (اعمال) کے مطابق سورگ (جنت) و نرک (دوزخ) کا بھی یقین رکھتا ہے۔ اس لئے اصل مسئلہ رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ سطور ذیل میں، ہم ویدوں کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی پیشین گوئی کو ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں، کیوں کہ توحید و معاد کی بہ نسبت، دعوتی نقطہ نظر سے یہ عقیدہ زیادہ دشوار ہوتا ہے۔

رگ وید (۸۔۶۔۹۔۷۔۱) میں "(احمد) احامذ" اور یجروید (۳۱۔۱۸۔) میں "(محمد) مہامیت" اس کتاب میں 'ذکوت' سے عام طور پر لکھا جاتا ہے۔ اتھروید (۲۰۔۱۲۵۔۱۴۔) "(احمد) احمد اتا حمدی" آیا ہے۔ (اب بھی نہ جاگے تو؟)۔

مہاراجہ کا سانند برہمچاری، اپنی کتاب 'اتم رشی کلکی اوتار' میں ویدوں میں موجود علامات خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"[۴] ۱۸۔ مہا پرانوں میں سے ایک پران کا نام بھوش پران ہے۔ اس پران میں پرتی سرگ ترتی، ادھیائے میں 'محامذ' کے نام ایک ایشد ود (خدا کے پیغمبر) کا الیکھ (تصریح) ملتا ہے۔ اس کو ملیچھ آچاریہ بھی کہا گیا ہے۔

[۵] الوپ نشد نام سے ایک اُپ نشد ہے، اس اُپنشد کو تری کچھ اُپنشد بھی کہا جاتا ہے۔ اس اُپنشد کے ۶ / ایوں (اور) ۹ / منتر میں 'محمد' شبد (لفظ) کا الیکھ

رسول کے روپ (صورت) میں، آرتھات (یعنی) اوتار (اُتارے گئے) کے روپ میں پایا جاتا ہے۔

جیم۔ اللوہ۔ رسول+محمّدرکوں ربّی۔ اللو عالم۔ (اللوپنشد منتر ۶) اور، ہری اوم۔ اتی اللام الا لے منتر اور دونوں راجاپُتر ڈھیو ہو یامی میتر والانکور قانی رسول محمّد نکوں ربّی اللّٰے اللو پُتر ڈھیو۔ (اللوپنشد منتر ۹)۔

پنڈت گریش چندرودھارتن کے شبدھ سار (لغت) میں 'اللہ' شبدھ (لفظ) کا ارتھ (معنی) پرم دیوتا آرتھات (یعنی) پرمیشور، اُپرُ وکت (مندرجہ بالا) کارنوں (وجوہات) کے درشٹی گت (روشنی میں) بھوش پرانوں تھا (نیز) اللوپ نشد میں ورنت (بیان کردہ) 'محامد' (محمد) نام سے ملیچھ آچاریہ، جو اسلامک سماج میں پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کا انوسندھان کرتا ہے۔" (مہاراجہ وکاسا سند برہمچاری، انتم رشی، کلکی اوتار ص ۴۲ / مطبوعہ ستیہ مارگ پرکاش، ڈالی گنج لکھنؤ، دیوناگری رسم الخط میں، بین القوسین عبارت بطور ترجمانی ناچیز محمد اشرف نے بڑھائی ہے۔) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں 'کلکی اوتار اور محمد صاحب' از ڈاکٹر وید پرکاش اُپادھیائے، دیوناگری رسم الخط میں، مطبوعہ مکتبہ شاہ ولی اللہ دہلی۔ ۲۰۱۱ء اور 'انتم مہرشی' اردو، مولانا شمس الدین نعمانی چترویدی، الھلال بک ڈپو برہمپوری دہلی۔

وید آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کی آخری کتاب کے بارے میں اپنے ماننے والوں کو اس طرح بتارہے ہیں۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ وید کے بعد انتم اوتار اور ایشور کی انتم پستک کو ماننے کی تعلیم ویدوں میں، اللہ کے طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں اللہ تعالی نے قرآن کی درج ذیل آیت میں اسی بات کا اعلان کیا ہے: "وانہ لفی زبر الاولین" (شعراء:۱۹۶)۔

حضرت نوح علیہ السلام سے متعلق واقعات کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"تلك من أنباء الغيب نوحيها إليك ج ما كنت تعلمها انت ولا قومك من قبل هذا"۔

کہیں نوحؑ کی نامعلوم قوم، یہی ہندو قوم تو نہیں!؟

مذکورہ بالا مطالعہ سے تقریبا یقین کی حد تک ہم کہہ سکتے ہیں، ہندو قوم قوم نوح ہے۔ شریعت سے اگرچہ کوئی نص نہیں ملتی ہے کہ وید وغیرہ آسمانی کتابیں ہیں لیکن تاریخی قرائن اس بات پر شاہد ہیں کہ وہ آسمانی کتابیں ہیں۔ تاریخی شواہد سے اگرچہ اس کے پیروکار کو اہل کتاب جیسے رتبے سے سرفراز کرکے، ان کے ذبیحہ اور بنات سے نکاح کی حلت کو، ہم ثابت نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان کتابوں کو آسمانی کتاب ہونے سے صاف صاف انکار کرنا بھی سمجھ داری کی بات نہیں ہوگی۔ نیز ہندوؤں کو دعوت الی الاسلام کے سلسلے میں، ویدوں کی تصریحات بالا، کلمہ سواء کی حیثیت سے کافی اہمیت رکھتی ہیں۔ مسلمانوں کو اپنی دعوتی ذمہ داری کو محسوس کر کے ملک میں کم وبیش ایک ارب برادرانِ وطن کو اپنے کامل یقین اور دِرڑھ شواس کے مطابق، نرک میں گرنے سے بچانے کے لئے ویدوں کی ان واضح ہدایات کو پیش کر کے اللہ ورسول پر ایمان لانے اور ان کے احکامات کی بجا آوری کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ آج ملک میں ہمارے ساتھ جو حالات پیش آ رہے ہیں، ممکن ہے کہ یہ اسی ذمہ داری کی ادائیگی میں ہماری غفلت کا نتیجہ ہو۔ آج ہندو قوم فتوحات کی منزلیں طے، اور وجئے پراپت کرتی ہوئے آگے بڑھ رہی ہے، بہت ممکن ہے کہ یہی قوم، قوموں کی امامت اور پیشوائی کے مناسب سے سرفراز ہوجائے، اور ساتھ ہی حرم کی پاسبانی کی سعادتوں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی پیشین گوئی شاید پوری ہونے جارہی ہے۔

جیسا کہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نقل کرتے ہیں:

" والذى اعتقد أنه انفق غلبة الهنود مثلا على اقليم هندوستان فلمه مستقرة عامة واجب فى حكمه الله تعالى ان يلهم رؤسا ئهم التدين بدين الاسلام" (التفهيمات الإلهية ص ١٠٢)۔

تنبیہ۔ کاتب یا ناقل سے عربی عبارت نقل کرنے میں املاء میں فروگذاشتیں ہوئیں ہیں۔

"اور جس بات کا مجھے یقین ہے وہ یہ کہ اگر مثلاً ہندوؤں کا ہندوستان کے ملک پر تسلط قائم ہوجائے، اور یہ تسلط مستحکم اور ہر پہلو کے اعتبار سے ہو۔ جب بھی اللہ تعالی کی حکمت کی رو سے یہ واجب اور ضروری ہے کہ ہندوؤں کے سردار اور لیڈروں کے دل میں یہ الہام کرے کہ وہ دین اسلام کو اپنا مذہب بنالیں" (تذکرہ شاہ ولی اللہ ص ۸۱ / مولانا مناظر احسن گیلانیؒ)۔

دیکھنا یہ ہے کہ ہندؤوں کو اسلام کی طرف لانے میں ہمارا کیا کردار رہتا ہے۔ اسی کے ساتھ برادران وطن ہندو بھائیوں سے بھی درخواست ہے کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ ایشور کے آخری قانون اور اس کے انتم مھرشی اور رسول کو اپنے ویدوں اور مقدس کتابوں کی رہنمائی میں پہچان کر ایشور کے آدیشوں انُسار جیون ویتیت کر کے سورگ کا مارگ چُنیں کریں۔

مختصر یہ کہ ہندؤوں میں جو نجوم پرست لوگ ہیں ان کے بارے میں صائبین ہونے کا رجحان، کافی قوی ہے۔ نیز وید وغیرہ کے بارے میں کوئی واضح نص نہیں موجود ہے کہ وہ آسمانی کتابیں ہیں۔ اس لئے یقینی طور پر انھیں آسمانی کتابیں تو نہیں کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے اہل کتاب کے سلسلے میں احکامات ہیں۔ ان کے ساتھ، ان احکامات کے اجراء سے رُکا جائے گا۔ البتہ اس بات پر بعض تاریخی اور عقلی، مضبوط قرائین موجود ہیں کہ وہ آسمانی کتابیں ہیں۔ اس لئے ان کا آسمانی کتاب ہونے انکار بھی نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ ان کو دعوت الی الاسلام کا سہارا بنا کر سو کروڑ سے انسانوں کو سورگ کا راستہ بتانا چاہئے۔

بدھ دھرم:

بدھ دھرم کے بانی مہاتما گوتم بدھ کی پیدائش ۵۳۶ق م شمالی ہند کے علاقہ نیپال کی ترائی میں واقع کپل وستو کے قریب لُمبینی کے جنگل میں ہوئی تھی۔ ان کا نام سدھارتھ رکھا گیا۔ ان کا کل "شاکیہ کشتریہ" تھا ان کا والد مہاراجہ شدودھن شاکیوں پر حکمراں تھے۔

بدھ مذہب قدیم آریائی مذاہب میں ایک غیر ویدک مذہب ہے اس کی ابتداء چھٹی صدی قبل مسیح، ہوئی۔ اس طرح یہ مذہب تقریباً ۲۶۰۰/ سال کی زائد مدت سے ہندوستان میں جاری ہے۔ ڈاکٹر سید عروج احمد نقل کرتے ہیں۔

"جس علاقے میں یہ مذہب ظہور میں آیا وہ اب بہار اور مغربی بنگال کے صوبوں پر مشتمل ہے۔ مورخین کے مطابق مہاتما بدھ کا علاقہ کلکتہ کے شمال مغرب میں ہمالیہ کے دامن میں واقع ہے۔ اس لئے خیال ہوتا ہے کہ مہاتما بدھ کا تعلق کسی ہندوستانی قوم سے تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کے دل میں برہمنوں اور ان کی روایات کا کوئی احترام نہیں تھا۔" (اقبال اور مذاہب عالم ۲۲۶ / پی ایچ ڈی مقالہ، وکرم یونیورسٹی اجین ایم پی، ڈاکٹر سید عروج احمد ریٹائرڈ ڈر لیجیس ٹیچر انڈین آرمی بحوالہ مذہب عالم ص ۲۰ / محمد مظہر الدین صدیقی فرید بک ڈپو، نئی دہلی ۲۰۰۵ء)۔

"اس بات پر مذہبی رہنماؤں کا اتفاق ہے کہ گوتم بدھ نے کوئی تحریر شدہ کتاب نہیں چھوڑی، ان کے بعد راج گرہ میں پانچ سو (۵۰۰) بودھ بھکشو جمع ہوئے اور آپس میں گوتم بدھ کی تقریروں کے متعلق تبادلہ خیال اور غور و فکر کیا اور اس کی بنا پر سری لنکا میں تین اہم کتابیں "تری پٹک" کے نام سے پالی زبان میں گوتم بدھ کے عقائد اور اصولوں کو مرتب کیا گیا۔ ان تین کتابوں کے نام یہ ہیں۔ اول۔ ونئے پٹک۔ دوم۔ ستیہ پٹک۔ سوم ابھی دھم پٹک۔ ایک اور گرنتھ "ملنڈ وں" ہے جو راجہ ملند اور بدھ بھکشوؤں کے درمیان بات چیت سے ماخوذ ہے۔ گوتم بدھ، تصور خدا، اور حیات بعد الموت کے تعلق سے خاموش ہیں۔ نروان (خود اعتمادی) ہی ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔" (اقبال اور مذاہب عالم ۲۳۶ / پی ایچ ڈی مقالہ، وکرم یونیورسٹی اجین ایم پی، ڈاکٹر سید عروج احمد ریٹائرڈ ڈر لیجیس ٹیچر انڈین آرمی، دنیا کے بڑے مذاہب، ص ۱۰۱ / عماد الحسن آزاد، بحوالہ بدھاز اینشیئٹ پاتھ ص ۱۶ / لندن ۱۹۶۴ء)۔

گوتم بدھ کے یہاں چوں کہ خدا کا تصور نہیں ہے، اس لئے گوتم بدھ کے پیروؤں نے انھیں کو خدا کے مسند پر لا کر رکھ دیا۔ مولانا آزاد تحریر کرتے ہیں۔

"گوتم بدھ اور ان کی تعلیم کی شرح و تصریحات، خدا کے بارے میں کچھ بھی رہی ہوں، مگر یہ واقعہ ہے کہ ان کے پیروؤں نے خدا تصور کی خالی مسند بہت جلد بھر دی۔" (اقبال اور مذاہب عالم ۱۹۸ / پی ایچ ڈی مقالہ، وکرم یونیورسٹی اجین ایم پی، ڈاکٹر سید عروج احمد ریٹائرڈ ڈر لیجیس ٹیچر انڈین آرمی، بحوالہ ام الکتاب ص ۲۰۴ مولانا ابوالکلام آزاد، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی ۱۹۸۷ء)۔

بدھ مت کا ایک فرقہ ہنیان ہے۔ جس میں خانقاہوں کی مشقت بھری زندگی ہوتی ہے۔ جس میں شامل ہونے کی شرائط میں یہ ہے کہ امیدوار، مجرم، قرض دار، غلام، دق، مرگی، برص والا نہ ہو، عمر بیس (۲۰) سال سے کم نہ ہو اور والدین کی رضامندی ہو۔

گوتم بدھ کے چار عظیم حقائق ہیں۔ جنھیں "آریہ ستیہ" بھی کہا جاتا ہے۔ ان میں چوتھا عظیم سچ "جو اشٹانگ مارگ (ہشت راستہ)" ہے۔ ان میں پانچواں راستہ سمیک اپار جین (صحیح رزق، حلال روزی) ہے۔ بدھ نے پانچ پیشے اختیار کرنے سے منع فرمایا۔

[۱] اسلحہ سازی [۲] جانوروں کا گوشت، کھال کا کاروبار [۳] نشہ آور اشیاء [۴] غلاموں کی خرید و فروخت [۵] زہریات کا کاروبار (تخلیص از اقبال

اور مذاہب عالم ۲۳۳ / پی ایچ ڈی مقالہ، وکرم یونیورسٹی اجین ایم پی، ڈاکٹر سید عروج احمد ریٹائرڈ رلیجیس ٹیچر انڈین آرمی ۲۰۱۱ء)

لاکھوں کی تعداد میں انسانوں کو قتل کرنے والے فاتح مہاراجہ اشوک کے مقابلے میں جب خواتین فوجی لباس میں میدان کارزار میں اتر آئیں، تو مہاراجہ اشوک نے جنگ سے توبہ کرلی۔ اور امن پسند سلطان بن کر حکومت کرنے لگا۔ مہاتما بدھ کے فلسفۂ مساوات انسانی سے متاثر ہو کر اس مذہب کی اشاعت کے لئے مہاراجہ اشوک نے ہندوستان کے آس پاس اور دور دراز ملکوں میں مبلغین بھیجا۔ اس کی کوشش سے بدھ مت مشرق سے ایشاء میں جنوبی ممالک مثلاً سری لنکا، برما، سیام میں پھیل گیا۔

اس وقت یہ ممالک ہنیان فرقے کے مرکز ہیں (تخلیص از، اقبال اور مذاہب عالم ۲۴۹ / پی ایچ ڈی مقالہ، وکرم یونیورسٹی اجین ایم پی، ڈاکٹر سید عروج احمد ریٹائرڈ رلیجیس ٹیچر انڈین آرمی، بحوالہ اسلام اور مذاہب عالم ص ۳۴۳ / محمد مظہر الدین صدیقی فرید بک ڈپو نئی دہلی ۲۰۰۵ء)۔

اسی امن پسند راجہ اشوک کا چکر ہندوستانی جھنڈے کا نشان ہے جس کے نیچے ملک امن وانصاف اور سکون وچین کے ساتھ منزلیں طے کر رہا ہے۔ گوتم بدھ نے زندگی اور کائنات کی علت العلل (خدائی تصور) کے بارے میں کسی قسم کا دعویٰ نہیں کیا، نیز انھوں نے پیغمبری کا بھی دعویٰ نہیں کیا، اس لئے ان کے مخصوص حالات اور تعلیمات کی روشنی میں انھیں ایک عظیم تر مصلح ضرور کہا جاسکتا ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے ہندو قوم میں برہمنوں کی عصبیت اور شودروں پر ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف بدھ کے افکار کی تبلیغ کی ہے۔ اور ہندوستان کی بدقسمتی بتائی کہ برہمنوں نے بدھ مت کے مساوات نسل انسانی کے فلسفہ کو رد کر کے اسے ہندوستان سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن ایشا کے دیگر ممالک مثلاً چین، جاپان تھائی لینڈ، کمبوڈیا، منچوریا، انڈونیشیا، وغیرہ میں وہ خوب ترقی کیا۔

اقبال کہتے ہیں۔ ع

قوم نے پیغام گوتم کی ذرا پرواہ نہ کی ۔۔۔ قدر پہچانی نہ اپنے گوہر یک دانہ کی
آہ! شودر کے لئے ہندوستاں غمخانہ ہے ۔۔۔ درد انسانی سے اس بستی کا دل بیگانہ ہے
برہمن سرشار ہے اب تک مئے پندار میں ۔۔۔ شمع گوتم جل رہی ہے محفل اغیار میں

(کلیات اقبال اردو ص ۳۳۷ / ۳۳۸ / بانگ دار، سرگذشت آدم کتابی دنیا دہلی)

گوتم نے انسانوں کی طبقاتی تقسیم اور برہمن ازم کو توڑا اور شودروں کو انسانی تقدس واحترام دلانے کی تعلیم پیش کی۔ اس لحاظ سے گوتم بدھ کی ذات میں شریعت اسلامیہ کے نزدیک کلمہ سواء ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ ان کے یہاں خدا کا تصور نہیں ہے، جنت دوزخ اور دوسرے عقائد حقہ کا کوئی سراغ نہیں ملتا ہے۔ اس لئے اب طبقہ کے پاس کوئی مضبوط کلمہ سواء نہیں ہے۔ پھر انسانی جانوں کا تقدس، مظلوں سے ہمدردی، اس طبقہ میں کس قدر ہے، عورتوں سے مقابلے سے قبل تک اس دھرم کے مبلغ اشوک کی زندگی۔ اور آج موجودہ دور میں سری لنکا اور خاص طور پر برما میں (جہاں مسلمانوں کو انسانی حقوق سے کلی طور پر محروم کر دیا گیا۔ یہی نہیں ڈھائی تین سال کے بچوں تک کو اجتماعی طور پر آگ کے الاؤ میں زندہ بھونا گیا، مردوں کو صف بستہ اوندھے منھ لٹا کر، ان کے ہاتھوں کو باہر نکال کر ان پر موٹر سائیکل چلائی گئی۔ تعلیم، علاج، موبائل، آمد ورفت، شادی بیاہ پر پابندی، مستزاد ہے۔) ان کے کردار وعمل کو دیکھ کر نہیں محسوس ہوتا ہے کہ بدھسٹ قوم انسانی محاسن واخلاق سے روآشنا ہے۔

سکھ طبقہ کے پیشوا حضرت گرونانکؒ:

کوئی بھی مذہب اس کے بانی کے نظریات اور معتقدات پر قائم ہوتی ہے۔ سکھ فرقے کا مستقل تعارف بیان کرنے کے بجائے سطور ذیل میں اولاً حضرت گرونانک کے معتقدات کو پیش کیا جارہا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ گرنانک کے نظریات درحقیقت اسلامی نظریات ہیں اور سکھوں کی اصل بنیاد اسلام ہے۔

توحید:

گرونانک فرماتے ہیں کہ: "کرنی اکھ کلمہ کے تان مسلمان سدائے"

(ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال کو کلمہ طیبہ کے مطابق بنائے، وہی حقیقی مسلمان کہلانے کا حق دار ہے) (گرو گرنتھ دار ما بھ شلوک محلہ ا ص ۱۴۱/)۔

ایک دوسری جگہ گرونانک کہتے ہیں:

"مرنے کی چنتا نہیں جیون کی نہیں آس — تو سرب جیاں پر تپال لدا لیکھے ساس گراس"

"اے میرے خدا میرے دل میں نہ تو موت کی فکر ہے اور نہ ہی زندگی کا لالچ ہے۔ اے خدا تو ہی تمام جانداروں کو پال رہا ہے۔ تو ہی ہر شخص کی زندگی کے اعمال کا حساب لے گا۔"

گرونانک نے پنجابی کی طرح فارسی اور عربی میں بھی اشعار کہے ہیں۔ سطور ذیل میں فارسی میں گرونانک کے عقیدہ توحید اور آخرت کے تعلق سے ایک مناجات ملاحظہ کریں۔

"یک عرض گفتم پیش تو در گوش کن — کر تارحقا کبیر کریم تو بے عیب پرور دگار

دنیا مقام فانی تحقیق دل ،دا نیسم سرموئے — پدر عزرائیل گرفتہ دل ہیچ نہ دانی

زن پسر پدر برادراں کس نیست دستگیر — آخر بیفتم کس نہ دارد چوں شود کبیر"

(گروگرنتھ صاحب تلنگ محلہ اص ۷۲۶)

"اے اللہ میں آپ سے یہ التجا کرتا ہوں کہ آپ میری دعا قبول فرمالیں۔ آپ تو سچے ہیں، اور سب سے بڑے کریم ہیں۔ اور پورے عالم کو پالنے والے ہیں، میں نے بڑی تحقیق کے بعد یہ بات سمجھ لی ہے کہ یہ دنیا فنا اور ختم ہونے والی ہے اور موت کے فرشتے عزرائیل نے میری پیشانی کو پکڑ لی ہے، مگر میرا دل اس سے بے پرواہ اور غافل ہے، یعنی مجھے اس کی کوئی فکر نہیں ہے کہ ایک نہ ایک دن عزرائیل میری پران اور جان میرے بدن اور تن سے نکال لیں گے۔ اور یہ بیوی بچے، ماں باپ اور بھائی وغیرہ میرا ہاتھ پکڑنے والے نہیں ہیں، مجھے یقین ہے کہ جب میں بے جان ہو جاؤں گا تو یہ لوگ میرے اوپر نماز جنازہ پڑھ کر مجھے دفن کردیں گے، تو اس وقت تیرے علاوہ تیرے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا، اے مالک تو ہی میرا سہارا بن جا بقیہ کسی کے سہارے کا کوئی بھروسہ نہیں ہے" (گرنانک اوران تعلیم ودعوت ص ۲۹)۔

رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم:

گرونانک فرماتے ہیں:

"محمد من توں من کتاباں چار ..... من خدائے رسول توں سچا اے دربار"

"اے لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور آسمانی چار کتابوں کو مانو، یاد رکھو! خدا اور خدا کا رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر ہی انسان خدا کے سچے دربار میں مقبول ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ خدا سے چھوٹنے کا کوئی راستہ نہیں ہے" (جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۱۴۱/)۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"لے پیغمبری آیا اس دنیا ما ہے — ناؤں محمد مصطفی ہو آ بے پروا ہے"

"جس کا نام محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے وہ اس دنیا میں پیغمبر بن کر آئے ہیں۔ ان کو کسی باطل شیطانی طاقت کا خوف اور ڈر نہیں ہے وہ بالکل بے پرواہیں" (جنم ساکھی ولایت والی ص ۱۴۸/)

"پاک پڑھیو کلمہ بکس وا محمد نال ملائے۔ — ہو یا معشوق خدائے وا ہو یا تل الال ہے"۔

"کلمہ طیبہ میں خدائے واحد کا ذکر ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر ہے جو خدا کے محبوب ہیں"

(جنم ساکھیاں ص ۱۱۷/ مہمان کوص ۲۳۲/ گروگرنتھ کوس ص ۷ ۳۴/ جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۱۴۱/ بحوالہ گرونانک اوران کی دعوت ص ۸۳/)

دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

"سوالاکھ پیغمبرتاں کے" (گروگرنتھ صاحب بھیرو کبیر ص ۱۱۶) "خدا کی طرف سے دنیا میں سوالاکھ پیغمبر آئے ہیں"۔

''سوالا کھ پیغمبر آئے دُنیا ماہیں...... آپوا پنی نوبتیں بھوں چلائے راہے'' (جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۱۴۳)۔

''اس دنیا میں سوالا کھ پیغمبر بھیجے گئے ہیں، ان لوگوں نے اپنے اپنے وقت پر لوگوں کو صراط مستقیم یعنی سیدھے راستے کا پتہ دیا ہے۔ اور لوگوں کو خدا تک پہنچایا ہے'' (گرو نانک اوران کی تعلیم ودعوت ص ۹۷)۔

مزید تفصیلات کے لئے رجوع کریں جنم ساکھی ولایت والی ص ۱۶۸ روص ۱۹۵ روص ۲۴۷۔ اور جنم ساکھی بھائی سنی سنگھ ص ۳۶۰ روص ۵۲ ۴ر نیز گرو گرنتھ صاحب ص ۴۲۰ ر۔ گرونانک اوران کی تعلیم ودعوت ص ۶۶۔

ارکان اسلام کے بارے میں گرونانک کے فرمودات

نماز کے بارے میں گرونانک کا قول ہے۔

''جماعت جمع کر پنج نماز گذار

باجھوں یاد خدائیدے ہوسیں بہت خوار'' (جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۲۴/)

''اے لوگو پانچوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کیا کرو اور اس بات کو ہمیشہ یاد رکھو کہ انسان خدا کی عبادت کے بغیر ہی ذلیل وخوار ہے۔''

مزید وضاحت کے ساتھ عبارتیں ملاحظہ کریں۔ جنم ساکھی ولایت والی بھائی بالا صاحب ص ۲۵ / وص ۳۲۷ / اور جنم ساکھی بھائی منی سنگھ جی ص ۹۷ / اور دین اسلام، گرونانک کی نظر میں، ص ۱۰۳ / تا ۱۰۵ / اور گرونانک اوران کی تعلیم ودعوت ص ۷۰ /)

روزہ کے سلسلے میں کہتے ہیں:

''دس دوارے مردا ہوئے رہو رنجول

ما رمنو آ درشٹ باد ھو دوڑ طلب دلیل

تیس دن سیون رنگ راکھو پاک مرد اصیل

سیرت کا توں راکھ رُوزہ نرت تجھے چاؤ

آتمے کو نگاہ راکھیو سنی تو علماؤ

تج سوا دسہج بے کار اندیش من دلگیر،

مہر لے من ما ہیں راکھیو کفر تج تکبیر

نام لہر بو جھائے من تے ہوئے رہو ٹھرور

کہئے نانک راکھ روزہ صدق رہی معمور''

(مہان کوش ص ۲۳۶ / گرد گرنتھ کوش ص ۵۶۸ / شبدارتھ گروگرنتھ ص ۲۴ / گروگرنتھ صاحب مترجم گرونانک درشن ص ۳۴ / سری راگ مترجم پنڈت تارا سنگھ نروتم والی ص ۴۴ / بانی پرکاش ص ۲۵ /)۔

''روزہ اور بندگی اسی صورت میں قبول ہوگی کہ انسان اپنے منہ اور کان اور آنکھ اور جسم کے ہر ہر حصے کو دھیان رکھ کر ہر وقت فکر مند رہے کہ اُن سے کوئی بُرا کام نہ ہو اپنے نفس کو مار کر اپنی آنکھوں کو قابو میں رکھو۔ اور مرشد کامل کی تلاش میں دوڑ بھاگ کرو ایسا مرد پاک اور اصیل کہلانے کا حق دار ہے جو اپنے پانچوں حصوں یعنی ناک، کان، منہ، آنکھ اور زبان کا بھی روزہ رکھتا ہے، تاکہ وسوسہ پیدا نہ ہو۔ اے عالم میری بات غور سے سُن، اپنی زبان کے سارے چسکے چھوڑ دے، اس طرح سے تیرے دل کے تمام اندیشے اور وسوسے دُور ہو جائیں گے'' (گرونانک اوران کی تعلیم دعوت ص ۴۷)۔

گرونانک جی مکہ شریف میں ایک سال تک رہے اس سلسلے میں ان کے خادم مردانہ نے گواہی دی کہ گرونانک وہاں مکہ شریف میں امامت کرتے تھے اور رمضان شریف کا روزہ رکھتے تھے اور اس کے علاوہ بھی اکثر روزہ سے رہا کرتے تھے، گرونانک کی اس حالت کو دیکھ کر مکہ والے کہا کرتے تھے کہ، نانک اس زمانے کا ولی پیدا ہوا ہے۔ (گرونانک اوران کی تعلیم دعوت ۴۷ / بحوالہ جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۱۹۶)

سوڈھی مہربان جی لکھتے ہیں کہ۔

"گرونانک جی نے مجھ سے فرمایا کہ میں روزے سے رہوں۔" (گرونانک اوران کی تعلیم دعوت ص ۷۵ / بحوالہ جنم ساکھی گرونانک دیو جی ص ۴۵۲ /)۔

زکوۃ کے تعلق سے گرونانک کا یہ فرمان ملاحظہ کریں:

"لعنت بَرسے تہاں جو زکوۃ نہ کڈھ دے مال دھکا پوندا غیب دا ہوندا سب زوال"

(جنم ساکھی بھائی منی سنگھ ص ۹۹ / اور جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۲۵)۔

"ان پر خدا کی لعنت ہو جو لوگ اپنے مال سے زکوۃ ادا نہیں کرتے، ان کا سارا مال سی نہ کسی آفت سے ضائع اور ہلاک ہو جاتا ہے" (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ گروگرنتھ صاحب سارنگ محلہ ا ص ۱۲۲۹ / جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۱۸۵ / جنم ساکھی بھائی منی سنگھ ۴۱۱ / تاریخ گروخالصہ ص ۴۱۰ / گرونانک اوران کی تعلیم دعوت ص ۷۷ /)۔

گرونانک کی سوانح حیات میں ان کے اذان دینے اور امامت کرنے اور سفر حج کے شواہد موجود ہیں (ملاحظہ ہوں۔ دارا بھائی گرداس وار کیم یوڑی ص ۲۵ / وص ۳۲ / جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۲۰۳)۔

کعبۃ اللہ واہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت بھی گرونانک کی زندگی کا حصہ ہے (تحقیق کے لئے ملاحظہ ہوں۔ جنم ساکھی بھائی منی سنگھ قلمی نسخہ ورق ۱۱۴ / جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۱۴۶ / وص ۵۳۶ / وص ۲۱ /)۔

قرآن اور دیگر کتب سماویہ پر ایمان:

گرونانک کہتے ہیں: "سوئی کلمے جو کیس رب کلام"

"کلمہ کے ذریعہ وہی شخص پاک صاف ہو سکتا ہے جو اللہ کے کلام یعنی قرآن مجید پر ایمان لائے" (جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۱۸۳ /)۔

دوسری جگہ گرونانک کہتے ہیں:

" کل پروان کتیت قرآن پوتھی پنڈت رہے پوران
نانک ناؤں بھیا رحمن کر کرتا تو ایکو جان"

(گروگرنتھ رام کلی محلہ ا ص ۹۰۳ /)۔

ترجمہ: "کل یگ زمانہ میں صرف قرآن خدا کی طرف سے منظور شدہ کتاب ہے، اس کے نازل ہونے کے بعد ساری دوسری پوتھیاں اور پوران وغیرہ ساری کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ اب خدا کی صفت رحمن ہی کا سکہ بازار میں چل رہا ہے" (گرونانک اوران کی تعلیم دعوت ص ۱۰۱ /)۔

حق وصداقت کے عاشق وشیدائی، گرونانک، قرآن کے بارے میں اپنا فیصلہ سناتے ہیں:

"ترییے کونا بھالیاں ترییے سودے بھید..... توریت انجیل زبور ترے پڑھ سن ڈٹھے وید
رہیا فرقان کتیبڑے کلجگ میں پروان" (جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ۲۷۴ /)۔

"میں نے چاروں طرف تلاش کیا اور بہت سوچ اور بچار اور تحقیق سے کام لیا، میں نے توریت اور انجیل اور زبور کو بھی خوب پڑھا اور ان کی چھان بین کی، ان کے علاوہ میں نے ویدوں کو خوب غور سے پڑھنے اور سننے کی کوشش کی، میری چھان بین اور کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب ساری کتابوں کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، موجودہ زمانے کو لوگوں کے لئے منظور شدہ اور قابل عمل کتاب صرف قرآن شریف ہے، بقیہ ساری دھرمی کتابیں مٹ چکی ہیں، قرآن شریف کو چھوڑ کر ان کے قانون پر عمل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا" (گرونانک اوران کی تعلیم دعوت ص ۱۰۲)۔

گرونانک فرماتے ہیں:

" تر بھے حرف قرآن دے تر بھے سپارے کین تس وچ بہت نصیحتاں سن کر کرو یقین"

(جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۱۷۱ / ۲۲)۔

"قرآن شریف کے اندر لوگوں کی ہدایت کے لئے بہت سی نصیحتیں ہیں۔ ان کو غور سنو اور یقین کرکے ان پر عمل کرو۔"

دیگر کتب سماویہ کے بارے میں گرونا نک کہتے ہیں:

"چار کتابیں اک ہیں چاروں قول خدائے...... چاروں قدم ثواب وے قاضی دل درج لائے"۔ (جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۱۴۸/)۔

"چاروں کتابوں میں خدا ہی کا ذکر ہے اور ان چاروں میں انھیں کی باتیں ہیں قاضی صاحب ثواب کے چاروں قدم اپنے دل میں بساؤ ثواب کی سچی عبادت اور ذکر الٰہی ہے" (گرونانک اوران تعلیم دعوت ص ۸۹/)۔

مزید فرماتے ہیں:

"دیکھو توریت انجیل نوں زبورے فرقان...... ایہو چار کتیب ہیں پڑھ کر دیکھ قرآن" (جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۱۷۶/)۔

"چاروں کتابیں خدا کی طرف سے اتاری گئیں ہیں، قرآن پڑھ کر دیکھ لیجئے، ان چاروں کتابوں کا تذکرہ اس میں موجود ہے" (مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ کریں۔ جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۲۲۲/ وص ۱۶۶/ جنم ساکھی ولایت والی ص ۲۶۵/ گرونانک اور ان کی تعلیم دعوت ص ۱۰۱/ و ۹۹/)۔

فرشتوں کے بارے میں گرونانک کا عقیدہ:

"صبر صبوری صادقاں توشہ ملائکاں" (گروگرنتھ صاحب سری راگ محلہ ا ص ۸۴/)۔

"فرشتوں کا توشہ صبر ہے ان کو کھانے پینے کی ضرورت نہیں"۔

چار بڑے فرشتوں کے بارے میں گرونانک کہتے ہیں:

" اسرا فیل، جبرائیل، میکا ئیل پچھان   عزرائیل فرشتہ چا ر مو کل جان
چا روں وا رث تخت دے حکمی بندے چار   سدا حضوری تس رہیں جو تھیوں سے اوتا ر"

(جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۲۴۱)۔

"اسرافیل، جبرئیل، میکائیل، عزرائیل یہی چار فرشتے ہیں جو اللہ کے خاص موکل کہلائے جاتے ہیں، یہ چاروں اللہ کے تخت کے وارث ہیں اور اللہ کے ہر حکم کی اطاعت پوری طرح انجام دیتے ہیں، ان کے اندر حکم کے خلاف کے کام کرنے کا مادہ ہی نہیں ہے، اور وہ اپنے وقت کے نبی اور رسول کے پاس آتے تھے اور پیغام بھی ان کے پاس لاتے تھے" (گرونانک اور ان کی تعلیم دعوت ص ۱۰۴)۔

ان چاروں فرشتوں کے بارے میں گرونانک کا وہی عقیدہ ہے جو قرآن وسنت سے ثابت ہے (تحقیق کے لئے ملاحظہ کریں۔ جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۲۲۳/ وص ۱۳۹/ وص ۳۶۱/ اور جنم ساکھی منی سنگھ ص ۴۲۸/ وص ۵۶۱/ اور گروگرنتھ صاحب تلنگ ص ۷۲۱/ گرونانک اور ان کی تعلیم ودعوت ص ۱۰۶/)۔

قیامت اور یوم الحساب پر ایمان:

گرونانک فرماتے ہیں:

" اللہ الکھ اگم قا در کرن ہار کریم   سب دنی آ ون جا ونی مقام ایک رحیم
مقام تس نوں آ کھیۓ جس سس ہو ئے دیکھ   آسماں دھرتی جلسی مقام او ہی ایک
ون روِ چلے نس سس چلے تار کا لکھ پلوئے   مقام او ہی ایک ہے تا نکا سچ بگوئے "

(گروگرنتھ صاحب، سری راگ محلہ ا ص ۶۴/)۔

"نہ سس سور منڈلو...... بہت دیپ نہ جلو...... آن پون تھر نہ کوئی...... ایک تو ہی ایک تو ہی" (شبدارتھ گروگرنتھ صاحب ۶۴)۔

ترجمہ "ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ یہ ساتوں آسمان اور چاند سورج ٹوٹ پھوٹ جائیں گے اور زمین کے اندر کی ساری چیزیں بھی ختم ہوجائیں گی۔ اس وقت صرف ایک ہی خدا کی ذات باقی رہے گی" (گرونانک اور ان کی تعلیم ودعوت ص ۱۱۰/)۔

حساب وکتاب اور یوجزاء کے بارے میں فرماتے ہیں:

" نانک آکھے رے منا نی سنئے سکھ سہی — لیکھا رب منگیسا بیٹھا گڈھ وہی
طلباں پوس عاقیاں باقی جہاں رہی — عزرائیل فرشتہ ہوسہی آتے تہی
آون نہ جان سو جھئی بھیڑی گلی پھہی — کوڑ نکھوٹے نانکا اوڑک سچ رہی۔"

(گروگرنتھ صاحب دار رام کلی شلوک ص ۹۵۲/)

"اللہ تعالی ہر شخص سے اس کے اعمال کا حساب لے گا اور اسی کے مطابق ہر شخص کو سزا اور جزاء دے گا، جن کے اعمال اچھے ہوں گے ان سے اچھا سلوک کیا جائے گا، اور جن لوگوں کے اعمال برے ہوں گے ان کو سزا دی جائے گی اور ان کے گلے میں طوق ڈالے جائیں گے، آخر جیت حق اور سچائی کی ہوگی، غلط اور باطل ہار جائے گا" (گرونانک اور ان کی تعلیم دعوت ص ۱۱۱)۔

گرنانک قیامت کی ہولنا کی کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"بییت تت دن کی جس دن عدل کرے...... باب اساڈے رکن دین کیہاں حکم کرنے" (جنم ساکھی ولایت والی ص ۲۵۰)۔

"مجھے اس دن کا خوف اور ڈر ہے۔ جس دن اللہ تعالی لوگوں سے ان کا حساب لے گا اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ کرے گا اے رکن الدین ہم اس دن سے اس لئے ڈر رہے ہیں کہ اللہ تعالی اس دن ہمارے ساتھ کیسا فیصلہ کرے گا؟" (مزید تفصیل کے لئے رجوع کریں، گروگرنتھ صاحب آسا محلہ ا ص ۴۲۳/ اور گرو گرنتھ صاحب موہی محلہ ا ص ۱۰۵۷، گرونانک اور ان کی تعلیم دعوت ص ۱۱۳)۔

پل صراط اور جنت دوزخ کے بارے میں عقیدہ:

پل صراط کے بارے میں گرونانک فرماتے ہیں:

"سنو کنیس پل صراط والوں کی کہائے — کھنڈے نالوں تر کھڑی اگ لوہے جیون تپتائے
تلے ندی خون رت دی اوتھے لیت ترائے — سب اٹھوئیں وچ پھریں جو کٹ کٹ پا پیاں کھائے
کٹ تارے پر صلات ایہہ کر کے کہے کھائے" — (جنم ساکھی بھائی بالا صاحب ص ۱۴۸)۔

"پل صراط بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہوگا اور جس طرح لوہا آگ میں گرم ہو جاتا ہے اسی طرح وہ تپ رہا ہوگا، اس کے نیچے خون اور پیپ کی ندی ہو گی اور اس ندی میں سانپ اور بچھو ہوں گے جو برے لوگ اس میں کٹ کر گر جائیں گے وہ سانپ اور بچھو ان کو کاٹ کاٹ کر کھائیں گے اور دوزخ میں گرنے والے خوب شور مچائیں گے اور چلائیں گے مگر ان کی ایک بات بھی سنی نہیں جائے گی وہ لوگ اپنی برائیوں کی سزا پاتے رہیں گے۔" (گرونانک اور ان کی تعلیم ودعوت ص ۱۱۵)۔

جنت کے سلسلے میں ارشاد فرماتے ہیں:

"گلیں بہشت نہ جائیے ... چھوٹے عمل کمائیے" (گروگرنتھ صاحب دار رام کلی شلوک محلہ ا ص ۹۵۱)۔

"کوئی انسان صرف باتیں بنانے سے جنت میں نہیں جائے گا اس کے اندر تو وہی لوگ جائیں گے جو لوگ اپنی زندگی نیکیوں میں گذارتے ہیں، اور اچھے کام کرتے ہیں۔"

دوزخ کے بارے میں کہتے ہیں:

"اٹھے پہر بھوندا پھرے کھاون سنڈے رسول...... دوزخ پوندا کیوں رہے جاں چت نہ ہوئے رسول" (گروگرنتھ صاحب گوڑی شلوک محلہ ا ص ۲۸۰)۔

”جن لوگوں کے دلوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبت نہیں ہے، وہ لوگ اس دنیا میں اُٹھوں پہر بھٹکتے پھریں گے اور مرنے کے بعد ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا“ (مزید تفصیل کے لئے رجوع کریں۔ گرو گرنتھ صاحب دار شلوک ۴۱ / گرو گرنتھ صاحب دار آسا شلوک محلہ ا ص ۴۹۳ / اور ص ۴۱ / وص ۷ ۴ / اور گرو گرنتھ صاحب دار رام کلی شلوک محلہ ا ص ۹۵۱ / نیز تواریخ گرو خالصہ ص ۲۷۶ / اور گرونانک اور ان کی تعلیم دعوت ص ۱۱۸ / وص ۱۱۹ /)۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں گرونانکؒ ایک صاحب ایمان انسان تھے۔ لیکن سکھ قوم کے موجودہ اعمال ومعتقدات عموماً اسلام مخالف ہیں مگر یہ طبقہ یہی نہیں کہ اپنے کو مسلمان نہیں مانتا، بلکہ اس کے کچھ مذہبی رسوم محض اسلام دشمنی اور مسلمانوں سے عداوت پر مبنی ہیں۔ اس لئے ان کے رہنما اگرچہ ولی صفت، صاحب ایمان تھے، سکھوں کو مسلمان نہیں کہا جاسکتا ہے۔ البتہ گرونانک کی تعلیمات کو سامنے رکھ کر قوت واعتماد کے انھیں دعوت الی الاسلام، دی جاسکتی ہے۔ سکھوں میں اور عام مسلمانوں میں دوری کی ایک دو بڑی وجوہات رہی ہیں۔ اولاً تصوف کے راستے ان کے اندر سنت سے دوری اور بداعتدالی آئی، پھر جانبین کے سلاطین اور حکمرانوں کے درمیان ہونے والی لڑائیاں اور ان لڑائیوں میں تعدی وظلم نے دونوں کو دور کر دیا اور آہستہ آہستہ، مسلمان دشمنی میں، سکھ طبقے نے مستقل ایک دھرم کی شکل اختیار کر لی۔ آج سکھوں کے کچھ اداروں میں مسلمان سلاطین کے ذریعے جنگوں میں مارے گئے سکھ افراد کی مظلومانہ تصاویر اور تحریریں، دیکھا کر منفی سوچ کے ساتھ اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کر کے اس خلیج کو وسیع کیا جارہا ہے۔ دوسری طرف مسلمانوں نے بھی انھیں اپنا دشمن سمجھ کر دعوتی لحاظ سے نظر انداز بلکہ اپنا حریف اور مقابل سمجھ لیا ہے۔ مذکورہ بالا سطور سے ہم اولاً مسلمانوں سے درخواست کرتے ہیں کہ سکھوں سے عداوت ودشمنی کے بجائے گرونانک کی تعلیمات کو سامنے رکھ کر سکھ قوم کو اسلام کی طرف لانے کی اپنی خدائی ڈیوٹی ادا کریں۔ دوسری طرف سکھ برادران سے التماس ہے کہ سلاطین کی بداعمالی کی وجہ آپ اپنی آخرت اور گرونانک کی تعلیمات کو فراموش نہیں کریں۔ اور گرونانک کی تعلیمات پر اس وقت عمل کرنا تقریباً ناممکن ہے جب تک کہ مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان ہوئی جنگوں میں پیش آمدہ جارحیت اور ظلم کی تصاویر اور تعلیم کا سلسلہ نہ بند کر دیا جائے۔ آخر ان مسلم سلاطین نے دوسرے مسلمانوں کو بھی اپنے اقتدار کے لئے اپنے ظلم کا نشانہ بنایا۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ سلاطین کے ظلم کی وجہ سے راہِ حق کو چھوڑ دیا جائے۔ مثلاً نوابین افغانستان نے اگر راجا رنجیت سنگھ وغیرہ سے جنگیں لڑیں، تو سید احمد شہید بریلوی کے کون ساتھ احسان اور انصاف کا معاملہ کیا۔ سید احمد تو نوابین افغان کے تحفظ واستمرار کا، بہت بڑا ذریعہ بن چکے تھے، پھر بھی ان کے قضاۃ اور علماء کو انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا۔ جب کہ سید احمد شہید نے رنجیت سنگھ سے باقاعدہ جنگ کیا اور اپنے رفقاء کے ساتھ بالاکوٹ میں شہید ہو گئے۔ یہاں اپنے مقابل میں ہونے کے باجود رنجیت سنگھ نے ان کی جنازہ اور تدفین کے کچھ لاش کے پاس کچھ پیسہ رکھا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ سید احمد شہید بریلویؒ مولانا ابوالحسن علی الندویؒ)، اس لئے مسلم حکمرانوں سے ہوئے معاملات کی وجہ سے دین اسلام سے دوری کے بجائے گرونانک کی تعلیمات کو سامنے رکھ سکھوں کو اسلام کا پاسبان بننا چاہئے۔ اور جو شکایتیں مسلم سلاطین سے ہوئیں، اپنی بہادری کے ذریعہ انھیں، مسلم سماج کو ان اخلاقی کمزوریوں سے پاک کرنے میں استعمال کرنا چاہئے۔

سکھ فرقہ بنیادی طور پر اسلام پر منحصر ہونے کے باوجود چوں کہ اپنے کو نسلاً بعد نسلٍ مسلمان نہیں کہتا ہے۔ بلکہ اسلام اور مسلمانوں سے اختلاف رکھتا ہے۔ اس لئے وہ مسلمان نہیں ہے اور نہ ہی مرتد ہے، بلکہ عام کفار کی طرح ہے۔ ان کے ساتھ مسلمانوں کے روابط جائز ہیں، گرونانک کی تعلیمات کو بنیاد بنا کر ان کے درمیان دعوت الی الاسلام کا کام کرنا کافی آسان ہے۔ مسلمانوں کو انھیں ہدایاتِ ربانی سے بہرہ مند کرنے کے لئے، فائدہ اٹھانا چاہئے۔



اہل کتاب-مسائل واحکام

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی[1]

اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات، ہدایات اور تعلیمات کے مطابق کئی مسائل میں اہل کتاب کا معاملہ عام کفار ومشرکین سے الگ ہے اور ان کے احکامات جدا ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام پر تفصیل سے بحث کی جائے، اس سلسلے میں بہت بنیادی سوال یہ ہے کہ شریعت اسلامی کی نظر میں اہل کتاب سے کیا مراد ہے؟ ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے:

''وكل من يعتقد دينا سماويا له كتاب منزل كصحف إبراهيم والشيث وزبور داؤد عليهم السلام فهو من أهل الكتاب، فيجوز مناكحته وأكل ذبائحه'' (۲/۸)۔

(ہر وہ شخص جو آسمانی دین کا معتقد ہو، اور اس دین کے لیے حضرت ابراہیم اور حضرت شیث کے صحیفے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے زبور کی طرح کتاب ہو تو وہ اہل کتاب ہے، اس سے مناکحت اور اس کے ذبیحہ کا کھانا جائز ہے)۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل کتاب سے اہل اسلام کے علاوہ وہ لوگ مراد ہیں جو دین سماوی پر ایمان رکھتے ہوں اور ان کے پاس ایسی آسمانی کتاب منزل من اللہ ہو، جس کی تصدیق قرآن کریم میں موجود ہو، احناف کا یہی موقف ہے؛ لیکن اس سلسلے میں راجح قول یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ اپنے تمام فرقوں اور گروہوں کے ساتھ اہل کتاب ہیں (ابن عابدین ۳/۲۶۸، فتح القدیر ۳/۳۷۳، تفسیر القرطبی ۲۰/۱۴۰، المغنی مع الشرح الکبیر ۷/۵۰۱)۔

خواہ ذمی ہوں یا حربی، مذکر ہوں یا مؤنث، آزاد ہوں یا غلام؛ بشرطیکہ وہ خدا کے وجود کے قائل ہوں، وحی اور آخرت کا تصور ان کے یہاں موجود ہو، دہریہ اور مذہب کا مذاق اڑانے والے نہ ہوں، تورات وانجیل کو خدا کی کتاب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا نبی وپیغمبر تسلیم کرتے ہوں، جن لوگوں میں یہ صفات وشرائط نہ پائی جائیں: چاہے مردم شماری کے رجسٹر میں وہ یہودی یا نصرانی ہوں، اہل کتاب نہیں قرار دیا جائے گا، محمد بن سیرینؒ نے حضرت عبیدہ کے حوالہ سے حضرت علیؓ کا فتویٰ عرب کے نصاریٰ کے ذبیحہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے؛ کیونکہ شرب خمر کے علاوہ ان کا کوئی تعلق نصاریٰ کے دین سے نہیں ہے۔

''روى محمد بن سيرين عن عبيدة قال: سألت عليا من ذبائح نصارى العرب. فقال: لاتحل ذبائحهم، فإنهم لم يتعلقوا من دينهم شئى إلا بشرب الخمر'' (احكام القرآن للجصاص ۲/۳۲۱)۔

(محمد بن سیرین نے عبیدہ سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت علیؓ سے عرب کے نصاریٰ کے ذبیحہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے؛ اس لیے کہ ان کا کوئی تعلق شراب پینے کے علاوہ نصاریٰ کے دین سے نہیں ہے)۔

اسی طرح ابن جوزیؒ کی ایک روایت سند صحیح سے حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے، جس میں حضرت علیؓ نے نصاریٰ بنی تغلب کا ذبیحہ کھانے سے منع کیا ہے؛ کیونکہ ان کے پاس شراب پینے کے علاوہ دین نصاریٰ کے اصول واحکام میں سے کچھ بھی نہیں ہے، تفسیر مظہری میں ہے:

''روى ابن الجوزى بسنده عن على قال: لاتاكلوا من ذبائح نصارى بنى تغلب، فإنهم لم يتمسكوا من النصرانية بشئى إلا شربهم الخمر ورواه الشافعي بسند صحيح عنه'' (تفسیر مظہری سورۃ مائدہ: ۳/۳۲)۔

ابن جوزی نے سند کے ساتھ حضرت علی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: نصاریٰ میں بنی تغلب کے ذبیحہ سے مت کھاؤ کیونکہ انہوں نے شراب پینے

---

[1] نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

کے علاوہ نصرانیت سے کچھ نہیں لیا ہے اسے امام شافعیؒ نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔

علامہ کاسانی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب اپنے عقیدہ کو چھوڑ کر دوسرے کفریہ اعمال کرنے لگیں تو ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا:

''إذا انتقل الكتابي إلى دين أهل الكتاب من الكفرة لاتؤكل ذبيحته ، لأنه لم يصر كتابيا وهذا لاخلاف فيه'' (الموسوعة الفقهية ۲۱/ ۱۸۲ بحث ذبائح)۔

(کتابی اگر اہل کتاب کے دین سے کفر کی طرف منتقل ہو جائے تو اس کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ اس لیے کہ وہ کتابی باقی نہیں رہا اور اس مسئلہ میں کسی اختلاف نہیں ہے)۔

ہندوستانی علماء اور اہل فتاویٰ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۴۴) مفتی محمد شفیع صاحبؒ (معارف القرآن ۲/ ۸۲) علامہ شبیر احمد عثمانی (تفسیر عثمانی: سورۂ مائدہ) مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ (فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۱۵۷)) مفتی رشید احمدؒ (احسن الفتاویٰ ۵/ ۹۰) اور مفتی نظام الدین صاحب (نظام الفتاویٰ ۱/ ۱۸۷) نے اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ آج کے نصاریٰ اور یہود جو اصلاً منکر خدا اور رسول ہیں، ان کا ذبیحہ کا کھانا حلال نہیں ہوگا، واقعہ یہ ہے کہ علماء کبار کی بڑی رائے آج بھی یہی ہے۔

پھر جن بنیادوں پر نام نہاد عیسائی و نصاریٰ کے ذبیحہ کا کھانا ممنوع قرار دیا گیا ہے، انہی بنیادوں پر ان کی خواتین سے نکاح کرنا درست نہیں ہوگا، اور ان کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ نہیں ہوگا، اسلامک فقہ اکیڈمی نے ساتویں فقہی سیمینار میں اس دور کے عیسائی اور یہودی کو کتابی تصور کرنے کی بات کہی ہے؛ لیکن ''الا یہ کہ ان کا ملحد، منکر خدا ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جائے'' کہہ کر ایسے تمام یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب سے نکال باہر کیا ہے جو ملحد اور منکر خدا ہیں (نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ۱۹۸ طباعت اپریل ۲۰۰۹)۔

جن حضرات نے موجودہ دور کے یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کا کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کو درست قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ دین پر قائم ہیں یا نہیں، اس صورت میں اصلاً یہ مانا جائے گا کہ وہ اپنے دین پر قائم ہیں، خصوصاً اس صورت میں جبکہ نصاریٰ کی جدو جہد اپنے دین کے فروغ اور اشاعت کے سلسلے میں معروف ہے اور وہ ترغیب و ترہیب کے ذریعہ سماج کے کمزور طبقات کے عقیدوں کو تبدیل کرنے میں لگے رہتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دہریہ نہیں؛ بلکہ دین سے جڑے ہوئے ہیں، شیخ جمیل محمد بن مبارک نے اپنی کتاب میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''إن ما ذبحه أهل الكتاب اليوم بما لايخالف الطريقة الاسلامية فإنه جائز اكله ، نظرا؛ لأنهم يزعمون بأنهم أهل الكتاب، ولأن الذين يتولون الذبح لايعلم هل هم متمسكون بدينهم أم لا، والأصل أنهم متمسكون بدينهم'' (نظرية الضرورة الشرعية ۲۸۷)۔

ان دنوں اہل کتاب کا وہ ذبیحہ جو طریقۂ اسلامی کے خلاف نہ ہو، اس کا کھانا جائز ہے، اس لیے کہ وہ خود کو اہل کتاب مانتے ہیں اور ذبح میں خیال رکھتے ہیں، ان کے دین کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ اپنے دین کے پابند ہیں یا نہیں، اصلاً مانا جائے گا کہ وہ اپنے دین کے پابند ہیں۔

ہندوستانی علماء میں مولانا ظفر احمد تھانویؒ (اعلاء السنن ۱۷/ ۸۶) مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ (کفایت المفتی ۸/ ۲۵۲) مفتی عزیز الرحمنؒ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند و عزیز الفتاویٰ ۷/ ۱۵۳) اور مفتی نظام الدین صاحب کے ایک فتویٰ سے آج کے یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ کی حلت کا پتہ چلتا ہے؛ لیکن اس کا مدار بھی اسی پر ہے کہ ان حضرات نے تسلیم کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے بیشتر لوگ اپنے کو دین سے منسوب کرتے ہیں اور اپنے مذہب کے معتقدات پر قائم ہیں۔ اس طرح دیکھیں تو ان دونوں آراء میں معاملہ صرف اعتبار کا ہے، جنہوں نے انہیں دہریہ اور دین بیزار مانا ہے وہ ان کے ذبیحہ کے کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح حرام قرار دیتے ہیں اور جنہوں نے انہیں اپنے دین پر قائم مانا ہے وہ حلال قرار دیتے ہیں اور ہر دو ان حضرات کے ذبیحہ اور عورتوں سے نکاح کو حرام سمجھتے ہیں جو واقعتاً دین کے خلاف ہیں، دہریہ ہیں اور ذبح کے بجائے قتل جانور کرتے ہیں، اسی لیے اہل کتاب کی تعریف کرتے وقت میں نے شروع میں ہی ان امور کو ذکر کر دیا ہے، جن کی بنیاد پر انہیں اہل کتاب قرار دیا جا سکے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

''اس موقع پر اس بات کی وضاحت کرنی بھی مناسب ہے کہ اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت کا حکم استثنائی اور تعبدی نوعیت کا ہے اور اس سے حلال و حرام کا حکم متعلق ہے لہٰذا جن حضرات کا یقینی طور پر کتابی ہونا معلوم ہو، انہیں پر اہل کتاب کے احکام جاری ہوں گے (جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۱۹)۔

ایک بحث یہاں پر یہ بھی ہے کہ اگر کتابی کے والدین میں سے ایک ایسا ہو؛ جس کا ذبیحہ حلال ہو اور دوسرا اس دین سے تعلق رکھتا ہو جس کا ذبیحہ حلال نہ ہو یا پھر ذبح کرنے والا تو کتابی ہے؛ لیکن اس کے والدین بت پرست یا مجوسی ہوں، تو کیا اس کے ذبیحہ کا کھانا درست ہوگا، اس سلسلے میں موسوعۃ الفقہیہ میں ائمہ کے اختلافات کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حنابلہ نے کہا کہ اس کا شکار اور ذبیحہ حلال نہیں، امام شافعیؒ نے کہا: اگر باپ غیر کتابی ہو تو حلال نہیں اور اگر باپ کتابی ہو تو اس میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ مباح ہے، یہی امام مالکؒ اور ابو ثورؒ کا قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ مباح نہیں؛ کیونکہ اس میں تحریم اور اباحت دونوں کے دواعی موجود ہیں، اسی لیے تحریم کا تقاضہ غالب ہوگا۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: بہرصورت اس کا ذبیحہ حلال ہے، اس لیے کہ آیت عام ہے اور اس لیے بھی کہ وہ کتابی ہے، اپنے دین پر برقرار ہے، لہذا اس کا ذبیحہ حلال ہوگا، جیسا کہ اگر اس کے والدین دونوں کتابی ہوتے۔''

ذابح کے والدین کے بت پرست اور مجوسی ہونے کی صورت میں لکھا ہے کہ ''ائمہ ثلاثہ کے مذہب کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا ذبیحہ حرام ہو اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کا تقاضہ یہ ہے کہ حلال ہو، اس لیے کہ اعتبار ذبح کرنے والے کے دین کا ہے نہ کہ اس کے والدین کے دین کا، اس کی دلیل یہ ہے کہ جزیہ قبول کرنے کے سلسلے میں اسی کا اعتبار ہے اور اس لیے کہ نص عام ہے اور قیاس بھی یہی ہے'' (موسوعہ فقہیہ اردو ۷/ ۲۰۵، بحث اہل کتاب کا ذبیحہ)۔

اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہ کا قول بہت ہی واضح اور حرف آخر ہے، فرماتے ہیں:

''إن كون الرجل كتابيا أو غير كتابي هو حكم يستفيد بنفسه لا بنسبه ؛ فكل من تدين بدين أهل الكتاب فهو منهم سواء كا أبوه أو جده قد دخل في دينهم أو لم يدخل ، وسواء أكان دخوله بعد النسخ والتبديل ام قبل ذالك وهو المنصوص الصريح عن احمد'' (المقنع ۳/ ۵۳۵)۔

(کسی آدمی کے کتابی یا غیر کتابی ہونے کا حکم اس کی ذات سے مستفاد ہوگا نہ کہ اس کی نسب سے، اس لیے جو اہل کتاب کے دین پر قائم ہے وہ اہل کتاب سے ہے خواہ اس کے باپ دادا اس دین میں داخل ہوں یا نہیں اور چاہے اس کا اس مذہب میں دخول نسخ وتبدیلی کے بعد ہوا ہو یا پہلے، حضرت امام احمدؒ سے صراحتاً یہ منقول ہے)۔

اسی طرح قرآن کریم میں تین جگہ سورۂ بقرۃ آیت ۶۲، سورۂ مائدہ آیت ۶۹، اور سورۂ حج آیت ۱۷، یہود ونصاریٰ کے ساتھ ایک اور گروہ صابئین کا ذکر کیا، یہ صابئین کون لوگ ہیں اور کیا یہود ونصاریٰ کی طرح اس جماعت کا وجود ان دنوں ہے یا نہیں اور اگر ہیں تو کیا انہیں بھی اہل کتاب میں شامل مانا جائے گا، یا ان کے ساتھ معاملہ دوسرے مشرکین جیسا ہوگا، خصوصاً اکل ذبائح اور نکاح کے سلسلے میں یہ وہ سوالات ہیں جو صابئین کے حوالے سے عموماً ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں اور خلجان میں مبتلا کرتے ہیں، اس لیے اس موضوع پر بھی غور وفکر اور تحقیق کی ضرورت ہے۔

لغت کے اعتبار سے صابئین صابی کی جمع ہے، اس کا اطلاق اس شخص پر ہوگا ہے جو ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہو جائے، اسی لیے ان لوگوں کو جو اپنے دین سے نکل گیے ان کے لیے عربی میں ''صبا'' ''فلان يصبئا'' کہا جاتا ہے، ستارے نکلتے ہیں تو اس کے لیے صبأت النجوم کی تعبیر اختیار کی جاتی ہے۔

(لسان العرب صبا) فالصابي: التارك لدينه الذى شرع له الى دين غيره كما ان الصابي على القوم تارك لارضه ومنتقل الى سواها (المحرر الوجيز لابن عطية ج١/ ٢٢٧)

صابی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کی طرف جانے والا ہے، جیسے صابی کا اطلاق اس قوم پر ہوتا ہے جو اپنا وطن چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہو جائے۔

اہل لغت نے اسی معنی میں صابئین کو لیا ہے؛ لیکن اس کی تعیین میں ان حضرات دیگر محدثین اور علماء سے کافی اختلافات مرقوم ومذکور ہیں؛ راغب نے مفردات میں انہیں ایسی قوم قرار دیا ہے، جو دین نوح پر قائم تھے۔ (المفردات: صبا، یصبو) ابن منظور نے لیث سے نقل کیا ہے کہ ان کا دین نصاریٰ کے دین کے مشابہ تھا وہ کہتے تھے کہ وہ دین نوح پر قائم ہیں، لیکن ان کا خیال صحیح نہیں تھا، اسی طرح کی باتیں خلیل نے قرطبی سے نقل کی ہے: (لسان العرب: صبا) حضرت ابن عباس اور امام احمد کا ایک قول یہی ہے کہ وہ تو لا نصاریٰ سے زیادہ قریب تھے۔ (المغنی ۶/ ۵۹۱، تلبیس ابلیس لابن الجوزی ص ۷۴)، حسن ابن ابی نجیح اس

مذہب کو یہودیت اور مجوسیت، (تفسیر قرطبی ۱/ ۴۳۴ سورۃ بقرۃ آیت ۶۲) سعید بن جبیر، نصاریٰ اور مجوس (تلبیس ابلیس ۴۷) نیز دوسرے بعض یہود اور نصاریٰ سے مرکب مانتے ہیں، امام احمد کی دوسری روایت یہ بھی ہے کہ وہ یہود سے ہیں (المبدع ۳/ ۴۰۴) جبکہ حسن اور قتادہ کی رائے یہ ہے کہ وہ قوم ہے جو ملائکہ کی پوجا کرتے ہیں، قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور زبور کی تلاوت کرتے ہیں، قرطبی نے زیاد بن ابوسفیان کا قول نقل کیا ہے کہ وہ موحد ہیں اور ستاروں کے اثرات کے قائل ہیں۔ (تفسیر القرطبی ۱/ ۴۳۴ آیت بقرہ: ۶۲) بعضوں کے نزدیک یہ صرف لا الٰہ الا اللہ کو مانتے ہیں؛ لیکن ان کے پاس کوئی کتاب اور کوئی عمل نہیں ہے (تلبیس ابلیس ص ۷۷)۔

تفسیر ابن کثیر میں مختلف اقوال کو مختلف حضرات سے سنداً نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

’’والأظهر الأقوال . والله اعلم . قول مجاهد ومتابعيه ووهب بن منبة: انهم قوم ليسوا على دين اليهود ولا النصارىٰ ولا المجوس ولا المشركين، وانما هم قوم باقون على فطرتهم ولا دين مقرر لهم يتبعونه ويتفقونه‘‘ (تفسير القرآن العظيم: حافظ ابوالفداء اسماعيل بن عمر بن كثير القرشي دمشقي م ۷۷۴) ص ۱/ ۱۲۷)۔

اور اظہر الاقوال، اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے، مجاہد اور ان کے ساتھ وہب بن منبہ کا قول ہے کہ وہ ایسی قوم ہے جو نہ یہودی ہے، نہ نصرانی، نہ مجوسی اور نہ مشرک، وہ اپنی فطرت پر باقی ہیں، ان کا کوئی دین نہیں جس کی وہ اتباع کریں اور اس پر متفق ہو جائیں۔

معالم التنزیل میں علامہ امام محی السنۃ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی (م ۵۱۶ھ) نے حضرت عمر بن الخطابؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے ہیں، البتہ حضرت عمرؓ اہل کتاب کے ذبائح کی طرح ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیتے ہیں جبکہ حضرت ابن عباسؓ نہ تو ان کے ذبیحہ کو حلال مانتے ہیں اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں:

’’قال عمر بن الخطاب وابن عباس: هم قوم من أهل الكتاب. قال عمر: تحل ذبائحهم مثل ذبائح أهل الكتاب. وقال ابن عباس: لا تحل ذبائحهم ولا مناكحتهم‘‘ (۱/ ۲۳)۔

حضرت عمر بن خطابؓ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ اہل کتاب سے ہیں، حضرت عمر نے فرمایا: اہل کتاب کی طرح ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ابن عباس نے فرمایا: ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ صابئین سے متعلق احکام میں قرون اولیٰ میں ہی اختلاف ہو گیا تھا، حضرت عبداللہ بن عباس کتابی ماننے کے باوجود ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرنے کو درست نہیں سمجھتے تھے، یہ اختلاف بعد کے دنوں میں منتقل ہوتا چلا گیا، ائمہ میں حضرت امام شافعی ان کے اہل کتاب ہونے کے بارے میں متردد رہے؛ جبکہ امام مالکؒ امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ نے انہیں اہل کتاب تسلیم نہیں کیا۔ اس لیے کہ ستاروں کی پوجا کرنا، اصنام کی عبادت کی طرح ہے اور ستاروں کو موثر ماننا اسے فاعل حقیقی تصور کرنے کے مترادف ہے اور یہ دونوں چیزیں بلاشبہ کفر کے لیے کافی ہیں، اسی لیے ابو سعید اصطرخی نے ان کے بارے میں کفر کا فتویٰ دیا (تفسیر القرطبی ۱/ ۴۳۴) سورۃ بقرۃ آیت ۶۲ کتاب الخراج ص ۱۲۲)

البتہ امام ابو حنیفہ اور امام احمدؒ نے انہیں اہل کتاب مانا ہے، اور ستاروں کی پوجا کے سلسلے میں برأت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ وہ ستاروں کی پوجا نہیں کرتے؛ بلکہ اس کی تعظیم کرتے ہیں جیسے مسلمان کعبہ کی تعظیم کیا کرتے ہیں (المغنی لابن قدامۃ ۸/ ۴۹۶، فتح القدیر لابن الہمام ۵/ ۲۰۹۱، ۳/ ۳۰، رد المحتار ۳/ ۲۶۸)۔

واقعہ یہ ہے کہ صابئین کا اہل کتاب ہونا مشکوک ہے، اس لیے ان کے اوپر اہل کتاب کے احکام جاری نہیں ہوں گے، ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا اور ان سے رشتۂ مناکحت حرام ہوگا۔

جہاں تک صابئین کے ان دنوں پائے جانے کا سوال ہے تو یہ ہر دور میں رہے ہیں اور اب بھی ہیں، کیونکہ جو لوگ بھی دین اسلام سے دور ہیں اور وہ مذہب اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہوئے ہیں وہ لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے بھی صابئین میں داخل ہیں۔

یہ بحث ان لوگوں کے سلسلے میں تھی جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے اور ان کے بارے میں احکام الٰہی نازل ہوئے، لیکن نزول قرآن کے بعد سے لے کر آج تک بہت سے باطل فرقوں نے اپنے بال و پر پھیلائے، انہوں نے قرآن کریم کو اللہ کی کتاب اور محمد رسول اللہ ﷺ کو رسول تسلیم

کیا، جیسے مسلمان اجمالی طور پر تمام انبیاء ورسل کو مانتے اور کتب وصحائف سماویہ پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول اور قرآن کریم کو آخری آسمانی کتاب نہیں تسلیم کیا وہ سب کے سب اہل کتاب نہیں، کافر ومشرک ہیں، چنانچہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔ اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: ''موجودہ دور میں ہندؤں اور بدھشٹوں کے بارے میں بھی بعض حضرات کی تحقیق ہے کہ ان کے پاس الہامی کتاب ہے، یہ بہرحال ایک مشکوک دعویٰ ہے، اس کو بنیاد بنا کر ان پر اہل کتاب کا حکم نہیں لگایا جاسکتا'' (جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۱۹)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں: اس زمانہ میں جتنے فرقے اور جماعتیں غیر مسلموں کی موجود ہیں، ان میں صرف یہود ونصاریٰ ہی دو قومیں ہیں جو اہل کتاب میں شمار ہوسکتی ہیں، باقی موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں، آتش پرست یا بت پرست ہندو یا سکھ، آریہ بدھ وغیرہ سب اسی عموم میں داخل ہیں (معارف القرآن ۳/ ۶۱)۔

یہی حکم قادیانیوں کا بھی ہے، چاہے وہ نسلی طور پر قادیانی ہو یا خود مرتد ہوگیا ہو، اہل کتاب میں شمار نہیں ہوگا، بلکہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے اس مسئلے پر تحقیقی وتفصیلی بحث کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

''جو شخص قادیانیت کی طرف مرتد ہوا وہ مرتد بھی ہے اور زندیق بھی، اس کی صلبی اولاد بھی اپنے والدین کے تابع ہونے کی وجہ سے حکماً مرتد ہے اور زندیق بھی، اس کی اولاد کی اولاد مرتد نہیں؛ بلکہ خالص زندیق ہے، مرتد اور زندیق دونوں واجب القتل ہیں، دونوں سے مناکحت باطل اور دونوں کا ذبیحہ حرام اور مردار ہے، اس لیے کسی قادیانی کا ذبیحہ کسی حال میں حلال نہیں (فتاویٰ رحیمیہ ۷/ ۶۹ بحوالہ قادیانی ذبیحہ ۲۴، ۲۵)۔

حضرت مولانا عبدالرحیم لاجپوریؒ ایک سوال (نمبر ۱۹۵۵) جس میں بعض علماء کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ فرماتے ہیں: ''اگر کوئی شخص پہلے سے مسلمان تھا، بعد میں قادیانی ہوا تو وہ مرتد ہے اور اس پر مرتدین ہی کے احکام جاری ہوں گے؛ لیکن جو شروع ہی سے قادیانی ہے (یعنی پیدائش سے قادیانی ہے......) تو وہ اہل کتاب کے حکم میں ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر یہ بات صحیح ہو تو ان کے ذبیحہ کا کیا حکم ہوگا؟''

''قادیانیوں کی اولاد (نسلی مرزائی قادیانی) غلام احمد قادیانی کو نبی یا کم از کم مسلمان مانتی ہو تو بھی وہ کافر ہیں، ان کا ذبیحہ حرام اور مردار ہونا چاہیے، ان کو اہل کتاب کے حکم میں قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا ہے، علامہ شامی غالی روافض کو کافر مانتے ہیں اور ان کو اہل کتاب نہیں سمجھتے تو قادیانیوں کی اولاد کا شمار اہل کتاب میں کیسے ہوگا۔

''والظاهر أن الغلاة من الروافض والمحكوم بكفرهم لاينفكون عن اعتقادهم الباطل في حال اتيانهم بالشهادتين وغيرهما من أحكام الشرع كالصوم والصلوٰة فهم كفارون لا مرتدون ولا أهل كتاب'' (رسائل ابن عابدين ۲۷۰ فتاوىٰ رحيمية ۷/ ۶۸)۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے قادیانیوں کو ان کے عقائد کفریہ کی وجہ سے اسلام سے خارج اور مرتد مانا ہے اور اس کے کفریہ عقائد کی تصدیق کرنے والے کو بھی اسی کے حکم میں داخل کیا ہے اور لکھا ہے کہ

''اگر کوئی شخص مرتد ہوجائے تو اس کا نکاح فسخ ہوجاتا ہے، بیوی نکاح سے خارج ہوجاتی ہے، ایسے شخص سے سلام وکلام بیع وشراء ختم کردینا لازم ہے (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۷۸)۔

معتزلی تک سے نکاح کرنے کو فقہاء نے ناجائز لکھا ہے، حالانکہ وہ اہل قبلہ ہیں، خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

''المناكحة بين أهل السنة وأهل الاعتزال لايجوز'' (خلاصة الفتاوىٰ ۲/ ۶)۔

اہل سنت اور معتزلیوں کے مابین رشتۂ نکاح جائز نہیں ہے۔

اہل کتاب کے بارے میں جو کچھ پہلے ذکر کیا گیا اس کو سامنے رکھیں، تو معلوم ہوگا کہ عصر حاضر میں اہل کتاب کا وجود کمیاب ہے؛ لیکن جو لوگ واقعتہ اہل کتاب ہیں اور فقہاء کے مذکور شرائط پر پورا اترتے ہیں، ان کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہوگا، اس لیے کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"والمحصنت من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم" (المائدۃ: ۵)۔

مشرکہ سے نکاح کی ممانعت کے باوجود اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی؛ کیونکہ آسمانی مذاہب کے ماننے کی وجہ سے دوسرے کفار ومشرکین سے ان کا معاملہ کچھ مختلف ہے اور ہلکا ہے؛ اس لیے مفاسد زیادہ نہیں ہیں، اس کے باوجود یہ پسندیدہ نہیں ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس اجازت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مردوں کو نکاح کی اجازت کے بھی معنی یہ ہیں کہ اگر نکاح کرلیا جائے تو نکاح صحیح ہوجائے گا اولاد ثابت النسب ہوگی، لیکن روایات حدیث اس پر شاہد ہیں کہ یہ نکاح بھی پسندیدہ نہیں"۔ (معارف القرآن ۱/ ۵۳۶ سورۃ بقرۃ: ۲۲۱)

اسی لیے حضرت عمر فاروقؓ کو جب عراق وشام میں مسلمانوں اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کی خبر ملی تو اسے بذریعہ فرمان روک دیا اور توجہ دلائی کہ ازدواجی تعلقات ان لوگوں سے دیانۃً اور سیاسۃً دونوں مضر ہیں، اس لیے اس سے احتراز ہی بہتر ہے۔

جصاص نے احکام القرآن میں شقیق بن سلمہ کی روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت حذیفہ بن یمان کو مدائن میں یہ فرمان ملا، جہاں انہوں نے ایک یہودی عورت سے شادی کرلی تھی کہ اس کو طلاق دیدو تو حضرت حذیفہ نے دریافت کیا کہ کیا وہ میرے لیے حرام ہے، حضرت عمر نے جواب دیا کہ میں حرام نہیں کہتا؛ لیکن ان کے یہاں عفت وپاکدامنی کا تصور نہیں ہے، اس لیے اندیشہ ہے کہ ان کے ذریعہ مسلم گھرانوں میں فحاشی اور بدکاری داخل نہ ہوجائے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دوسرے خط میں لکھا کہ میرا یہ خط اپنے ہاتھ سے رکھنے کے پہلے ہی اس کو طلاق دے کر آزاد کردو؛ کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ دوسرے مسلمان بھی آپ کی اقتدا نہ شروع کردیں، خط کے الفاظ ہیں:

"إن لزم علیك أن لا تضع کتابي حتی تخلی سبیلها فإني أخاف أن یقتدیك المسلمون" (کتاب الآثار: ۱۵۶)
میں تمہارے لیے ضروری سمجھتا ہوں کہ میرا خط رکھنے سے پہلے اس کا راستہ صاف کردو اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمان تمہاری اقتدا نہ کرنے لگیں۔

حضرت طلحہؓ اور کعب بن مالکؓ کو بھی حضرت عمرؓ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنے پر سخت تنبیہ فرمائی اور انہیں طلاق دینے کا حکم دیا۔ (فتح القدیر ۳/ ۲۳۰)

خصوصاً اس صورت میں جب یہودی یا عیسائی لڑکیوں کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے عالم اسلام کو غیر معمولی فوجی، سیاسی اور معاشی نقصان ماضی میں اٹھانا پڑا ہے اور آن دنوں تو اس میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا ہے، اور نکاح کے زیر اثر اہل کتاب خواتین کے داخل اسلام ہونے کا جو فائدہ تھا وہ بھی مفقود ہوتا جارہا ہے؛ بلکہ ہمارے مسلم حکمراں، ولی عہد اور جوانان، مغرب کے فکری تسلط کی وجہ سے بیویوں کے حلقۂ اثر میں زیادہ آتے جارہے ہیں، جو دینی، اخلاقی سیاسی اور سماجی طور پر نقصان دہ ہے؛ اس لیے جواز کے باوجود اہل کتاب خواتین سے نکاح کا نہ کرنا اور اس سے احتراز ہی اولی اور انسب ہے۔ حضرت امام محمدؒ نے فقہاء احناف کا مذہب لکھا ہے کہ وہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو مکروہ سمجھتے ہیں، مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں۔

"الغرض قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہ کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی پرہیز کریں (معارف القرآن ۳/ ۶۴)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی اس عبارت سے واضح ہے کہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح خواہ دار الاسلام میں کیا جائے یا دار الکفر میں، مقاصد خواہ ویزہ کا حصول ہو یا کچھ اور، بہر صورت اس سے پرہیز لازم ہے اور جب امام محمدؒ نے فقہاء احناف کا قول دار الاسلام میں کراہت کا لکھا ہے تو دار الکفر میں بدرجہ اولی کتابیہ سے نکاح مکروہ ہوگا، اس سلسلے میں قبول اسلام کی جو بات کہی جاتی ہے وہ محض امکان اور مظنہ ہے، جبکہ اس کے مقابل مفاسد کثیر ہیں؛ اس لیے کراہت سے خالی نہیں، علامہ شامی نے دار الکفر میں کتابیہ سے نکاح کو مکروہ تحریمی اور دار الاسلام میں مکروہ تنزیہی لکھا

ہے۔

''(والاولی أن لا یفعل) یفید کراھة التنزیه فی غیر الحربیة وما بعده یفید کراھةالتحریم فی الحربیة''(ردالمحتار)۔

قرآن کریم میں جن انبیاء اور آسمانی کتابوں کا ذکر موجود ہے ان پر تو نام بنام ہمارا ایمان ہے، ان کے علاوہ اللہ کے اس قول پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ ہر قوم اور ہر زبان میں اللہ نے رسول اور کتب وصحائف بھیجے۔ لیکن یہ ایمان اجمالی ہے، کسی کتاب میں خواہ اس میں توحید وآخرت اور خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیوں نہ ہو، اسے اللہ کی کتاب ہم نہیں کہہ سکتے؛ کیونکہ ہمارے پاس اسے متعین کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے، ایمان یقین کا نام ہے، محض امکان اور مظنہ کی وجہ سے ہم اس پر کوئی حکم نہیں لگا سکتے۔

جہاں تک ان کتابوں کے الہامی ہونے کا تعلق ہے، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن یہاں پر ہمیں خوب اچھی طرح یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ وحی الٰہی، کتاب الٰہی اور الہامی کتابوں میں بڑا فرق ہے، شاعر کے تخیلات، بزرگوں کے ملفوظات ریشیوں کے اپدیش بھی الہامی ہوتے ہیں، لیکن انہیں کلام الٰہی، احکام الٰہی وحی الٰہی کے مرتبے میں قطعا اور ہرگز نہیں رکھا جاسکتا۔

اہل کتاب سے سماجی تعلقات رکھے جاسکتے ہیں، دعوتی نقطہ نظر سے یہ ضروری بھی ہے، لیکن ایسے تعلقات جو ہمارے دین وایمان کے لیے مضر ہوں، اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، عیسائی مشنریز کے اسکول ہمارے بچوں میں مذہبی اعتبار سے شکوک وشبہات اور الحاد ودہریت کے جراثیم پیدا کرتے ہیں، اس لیے حتی الامکان ان اسکولوں میں مسلمانوں کو اپنے بچے داخل نہیں کرنے چاہیے اور ایسے اداروں کی حوصلہ افزائی بھی نہیں کرنی چاہیے، اگر بہت ضروری ہو بایں طور کہ تعلیم وتدریس کے دوسرے ادارے موجود نہ ہوں تو داخل کرانے کی اجازت ہوگی؛ لیکن اس صورت میں ضروری ہوگا کہ بچوں کی تربیت کا اپنے طور پر نظم کیا جائے تاکہ اسکول کے عقائد ونظریات سے بچوں کی حفاظت ہوسکے۔

خصوصا اس دور میں جب دیومالائی تہذیبوں کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کی بھرپور جدوجہد جاری ہے، ہمیں متبادل اسکولوں کا نظم کرنا چاہیے اور اگر یہ ممکن نہیں ہو پارہا ہے تو کم ازکم مولانا گیلانی کی تجویز کے مطابق ایسی اقامت گاہیں طلبہ وطالبات کے لیے الگ الگ بنانی چاہیے کہ اسکول سے ۔۔ٹنے کے بعد وہاں ان کی رہائش ہو اور ان کی تربیت اسلامی بنیادوں پر کی جائے۔

اہل کتاب خواتین سے نکاح کی صورت میں ان کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمان بیویوں کے ہیں، ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنے اور ان کو چھوڑ کر بھاگ آنے کی اجازت نہیں ہوگی، البتہ ان سے نکاح کرنے کے جو مفاسد اور خرابیاں ہیں اور جن کی بنا پر حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہ بن یمان اور کئی دوسرے صحابہ کرام کو فوری طلاق دینے کو کہا تھا، اس بنیاد پر انہیں طلاق دینے کی اجازت ہوگی، تاکہ وہ جمہور صحابہ اور تابعین کے اجماع کے مطابق اس مکروہ نکاح سے گلوخلاصی کرسکے، اسی طرح گھریلو نظام تربیت کے غیر اسلامی انداز پر متاثر ہونے کے خوف سے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام دینے کی اجازت نہیں ہوگی، البتہ اگر عورت اپنے مال سے کوئی الگ جگہ بنالے تو اسے اس کے مذہبی مراسم کی ادائیگی سے روکا نہیں جائے گا۔

عیسائی مشنریز کے ذریعہ قائم کردہ ہاسپیٹل اور قرض مہیا کرنے والے ادارے جو خدمت خلق کے ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ اور دوسرے مذہب سے دور کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں، ایسے اداروں میں ملازمت ابتداءً نہیں البتہ بقاءً کی جاسکتی ہے تاہم ممکنہ حد تک ان کی مذہبی سرگرمیوں سے دور رہنا ضروری ہوگا؛ بلکہ ممکن ہو تو اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کے مواقع نکالے اور اسی نیت سے کام کرے تو انشاء اللہ عند اللہ ماخوذ نہیں ہوگا۔

☆☆☆

اہل کتاب سے متعلق بعض احکام

مفتی اقبال احمد قاسمی [1]

۱- کتاب اور اہل کتاب:

انسانوں کی ہدایت کیلئے اللہ رب العزت کی طرف سے جو آسمانی کتب وصحیفے نازل کئے گئے ان میں سب سے جامع، کامل مکمل اور ہر دور کیلئے راہنما و ھادی کتاب "قرآن مجید" ہے چنانچہ مطلق "کتاب" کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو اس سے مراد بھی قرآن ہوتا ہے۔ عام اصطلاح ہے "کتاب وسنت" جس کے معنی ہیں قرآن وحدیث۔ "ذلك الكتاب لاريب فيه" (البقرة ۱)، "كتاب انزلناه مبارك" (الانعام ۱۵۵)۔

قرآن مجید کے بعد جن کتابوں کی خود قرآن نے تعریف کی اور نام لے کر جن کا ذکر کیا وہ کتاب "توراۃ، انجیل" ہیں۔

"ذالك مثلهم في التوراة و مثلهم في الإنجيل" (سورة حجرات، پ: ۲۶)۔

اسکے علاوہ صحف ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام نیز زبور کا بھی ذکر آیا ہے، لیکن توراۃ، انجیل کا جس قدر ذکر بار بار ہے وہ کسی اور سابقہ آسمانی کتاب کا نہیں۔ اس لئے توراۃ وانجیل کو اور اسکے ماننے والوں کو اسلام نے خصوصی اہمیت دی ہے۔

نزول قرآن کے زمانہ میں جو لوگ اسلام سے منحرف رہے اور قرآن اور صاحب قرآن علیہ السلام کو ماننے سے انکار کیا ان میں عام کفار ومشرکین کے علاوہ سابقہ آسمانی کتب توراۃ وانجیل کو ماننے والے لوگ بھی تھے قرآن نے توراۃ وانجیل کے ماننے والوں کو عام کفار ومشرکین سے الگ رکھا اور ان کو کافر قرار دیتے ہوئے بھی دیگر کافر ومشرک میں شمار نہیں کیا یہ قرآن کا عادلانہ مزاج اور حقیقت پسندانہ خطاب ہے۔ ارشاد ہے:

"لم يكن الذين كفروا من أهل الكتاب و المشركين الأية" (پ: ۳۰، سورة بينه)، "ولا يرتاب الذين أوتوا الكتاب والمؤمنون ويقول الذين في قلوبهم مرض والكافرون" (مدثر: ۳۰)۔

قرآن کریم کے اس انداز سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اہل کتاب اگر چہ کافروں کی ایک قسم ہے، لیکن عام مشرکین وکفار سے ممتاز بھی ہیں اسی بنا پر بعض احکام میں اہل کتاب کا معاملہ دیگر منکرین اسلام سے مختلف ہے، جیسا کہ سوالنامہ کی تمہید سے بخوبی واضح ہے۔ بس اہم سوال اہل کتاب کی تحقیق ومصداق کا ہے۔ اس میں یہ بات تو واضح ہے کہ "اہل کتاب" قرآن وسنت کی ایک اصطلاح ہے ہر کتاب کا ماننے والا اہل کتاب کہلانے کا مستحق نہیں کتاب سے مراد آسمانی کتاب ہے اور آسمانی کتاب کا مصداق صرف وہ کتاب ہے، جسکا نزول من السماء ہونا قرآن سے ثابت ہے جیسا کہ علامہ شامی نے لکھا ہے۔

"واعلم ان من اعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف ابراهيم وشيث وزبور داؤد فهو من اهل الكتاب فتجوز مناكحتهم واكل ذبائحهم" (شامی کتاب النکاح ص: ۱۳۴- ۴ زکریا دیوبند)۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: "(ويجوز تزوج الكتابيات) جمع كتابية و الذكر كتابي وهو الذى يومن بنبي ويقر بكتاب ولا خلاف للائمة الأربعة في جواز نكاح الكتابية الحرة وهو النصرانية واليهودية، ومن آمن بزبور داؤد و صحف ابراهيم و شيث عليه السلام" (البناية شرح بداية كتاب النكاح ص: ۵۴۰- ۴۲- بيروت)۔

مذکورہ بالا عبارات سے "اہل کتاب" کا لفظ تمام آسمانی کُتب میں سے کسی بھی کتاب کے ماننے والے پر اطلاق کا جواز فراہم کرتا ہے، جیسا کہ فقہاء احناف کی یہی رائے ہے۔ اور اہل کتاب کا لفظ صرف غیر آسمانی کتب کے ماننے والوں کو اہل کتاب سے خارج قرار دیتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم سے پہلے انجیل اور توراۃ کا زمانہ ہے انجیل وتوراۃ سے قبل جو کتب سماویہ گذری وہ گذری بسری ہو چکی تھیں صرف توراۃ وانجیل کے ماننے والے ہی گروہ رہ گئے تھے لہذا قرآن

---

[1] صدر مدرس ومفتی مدرسہ مظہر العلوم 136/98 بیکن گنج، کانپور، یوپی۔

جب بھی "یا یہا الذین أوتوا الکتاب" کا خطاب کرتا تو اسکے مخاطب وہی ہوتے جنہیں یہود ونصاریٰ کہا جاتا ہے۔ لہذا عہد نبوت ہی سے اہل کتاب کا لقب یہود ونصاریٰ دو گروہوں کے ساتھ خاص ہو گیا بلکہ قرآن سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے ارشاد ربانی ہے:

"أن تقولوا إنما أنزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا" (الانعام، پ:۸۔ آیت ۱۵۶)۔

تفسیر بحر محیط میں ہے: "وظاهر قوله اؤتوا الکتاب انه مختص ببنی إسرائیل و النصاریٰ الذین أنزل علیهم التوراة والإنجیل" (ص: ۴۳۱، ج: ۳)۔

تفسیر قرطبی میں ہے: "وطعام الذین أوتوا الکتاب حل لکم یعنی ذبیحة الیهود و النصاریٰ" (ج۲: ص:۲۶)۔

"احکام القرآن للجصاص" میں ہے: "إن إطلاق لفظ أهل الکتاب ینصرف إلی الطائفتین من الیهود و النصاری دون المسلمین و دون سائر الکفار ولا یطلق أحد علی المسلمین إنهم أهل الکتاب کما لا یطلق علیهم انهم یهود او نصاری" (ص: ۴۱۰، ج:۲۔ طبع زکریا دیوبند)۔

خلاصہ یہ کہ اہل کتاب سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی کتاب کے ماننے والے اور اسکے اتباع کے دعویدار ہوں جن کا آسمانی کتاب اور وحی الٰہی ہونا قرآن وسنت کی نصوص سے ثابت ہے اور ظاہر ہے وہ توراۃ وانجیل ہی ہیں، جنکے ماننے والی کچھ قومیں اس وقت دنیا میں موجود ہیں باقی زبور اور صحف ابراہیم علیہ السلام نہ کہیں محفوظ وموجود ہیں اور نہ کوئی قوم ان کے اتباع کی دعویدار ہے اور وید اور گرنتھ یا زردشت وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں اُن کے وحی الٰہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے اور صرف یہ امکان کہ شاید زبور اور صحف ابراہیم ہی کی مسخ شدہ وہ صورت ہو جسکو بدھ مت کی کتاب یا وید یا گرنتھ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے، امکان محض اور احتمال محض ہے جو ثبوت کیلئے کافی نہیں، اس لئے باجماع امت یہ بات ثابت ہوگئی کہ موجودہ زمانے کے مختلف مذاہب میں سے صرف یہود ونصاریٰ ہی اہل کتاب کا مصداق ہیں۔

احقر کی ذکر کردہ تفصیل سے اُن لوگوں کے قول کی تردید ہوگئی جو اہل کتاب کے مفہوم میں توسع کے قائل ہیں جن میں تفسیر المنار کے مصنف شیخ مفتی عبدہ مصری جیسے نامور اہل علم بھی شامل ہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے انکا سخت تعاقب کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"اس مقام پر مصر کے مشہور عالم مفتی عبدہ سے ایک سخت لغزش ہوگئی ہے جسکے غلط اور کتاب وسنت اور جمہور امت کے خلاف ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں موصوف سے "تفسیر المنار" میں اس جگہ دوہری غلطی ہوئی ہے۔

اول تو اہل کتاب کے مفہوم میں دنیا کے کفار مجوسی، ہندو، سکھ وغیرہ سب کو داخل کرکے اتنا عام کر دیا کہ پورے قرآن میں جو کفار اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کی تقسیم وتفریق کی گئی ہے وہ بالکل بے معنی اور بے حقیقت ہو جاتی ہے۔

اور دوسری غلطی اس سے بڑی یہ ہوئی کہ طعام اہل کتاب کے مفہوم میں اہل کتاب کے ہر کھانے کو بلا کسی شرط کے حلال کر دیا، خواہ وہ جانور کو ذبح کریں یا نہ کریں اور اس پر اللہ کا نام لیں یا نہ لیں ہر حال میں وہ جانور کو جس طرح کھاتے ہیں اسکو مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا۔

جس وقت ان کا یہ فتویٰ مصر میں شائع ہوا اس وقت خود مصر کے اور دنیا کے تمام اکابر علماء نے اسکو غلط قرار دیا اس پر بہت سے مقالے اور رسالے لکھے گئے مفتی عبدہ کو عہدہ فتویٰ سے معزول کرنے کے مطالبات ہر طرف سے ہوئے۔ ادھر مفتی صاحب موصوف کے شاگردوں اور کچھ مغرب زدہ یورپین معاشرے کے دلدادہ لوگوں نے بحثیں چلائیں، کیونکہ یہ فتویٰ ان کی راہ کی تمام مشکلات کا حل تھا۔ کہ یورپ کے یہود ونصاریٰ بلکہ دہریوں کا کھانا ان کے لئے حلال ہو گیا۔

لیکن اسلام کا یہ بھی معجزہ ہے کہ خلاف شریعت کام خواہ کتنے ہی بڑے عالم سے کیوں نہ ہو جائے عام مسلمانوں کے قلوب اس سے کبھی مطمئن نہیں ہوتے اس معاملہ میں بھی یہی ہوا اور پوری دنیا کے مسلمانوں نے اس کو گمراہی قرار دیا اور اس وقت یہ معاملہ دب کر رہ گیا۔ مگر زمانہ حال کے ملحدین جنکا مقصد ہی یہ ہے کہ اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کیا جائے کہ جس میں یورپ کی ہر لغویت کھپ جائے اور نئے جوانوں کی نفسانی خواہشات کو پورا کرے انہوں نے پھر اس بحث کو اس انداز سے نکالا کہ گویا وہ خود کوئی اپنی تحقیق پیش کر رہے ہیں حالانکہ وہ سب نقل مفتی عبدہ کے مذکورہ مقالہ کی ہے (معارف القرآن ربانی عکسی ص: ۵۸۔ ج: ۳/ مائدہ)۔

یہ طویل اقتباس نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اب جبکہ اہل کتاب کا موضوع پھر چھیڑا گیا ہے تو اس سلسلہ میں اکابر کا نظریہ بھی پیش نظر رہے کہ وہ ہرگز اہل کتاب کے مفہوم میں توسع کے قائل نہیں بلکہ احناف متقدمین نے جو زبور وصحف ابراہیم علیہ السلام کے ماننے والوں کو اہل کتاب کے مفہوم میں شامل مانا ہے۔

(جیسا کہ بنایہ، شامی وغیرہ کی عبارات مذکورہ سے واضح ہے) عصر حاضر میں یہ قول بھی راجح نہیں ہے بلکہ یقینی طور پر اہل کتاب کا مصداق صرف توراۃ وانجیل کے حاملین یعنی یہود ونصاریٰ ہیں (جیسا کہ تفسیر بحر محیط واحکام القرآن وغیرہ کے حوالہ سے گذرا) وہ بھی صرف نام کے نہیں بلکہ بعض شرائط وتفصیلات کے ساتھ جس کا ذکر سوال نمبر ۳ کے تحت میں آرہا ہے۔

۲- صابئین؟

گذشتہ معروضات سے یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ اس زمانہ میں جتنے فرقے اور جماعتیں غیر مسلموں کی موجود ہیں ان میں صرف یہود ونصاریٰ ہی دو قومیں ہیں جو اہل کتاب میں شمار ہوسکتی ہیں، باقی موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں آتش پرست۔ یا بت پرست ہندو یا سکھ یا آریہ، بدھ وغیرہ سب اہل کتاب سے خارج ہیں البتہ صابئین کا معاملہ مشتبہ ومختلف فیہ رہا ہے کہ آیا یہ اہل کتاب میں داخل ہیں یا خارج؟ جن حضرات کے نزدیک یہ لوگ زبور داؤد علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں وہ ان کو اہل کتاب میں داخل وشامل مانتے ہیں اور جنکی تحقیق اس سے مختلف ہے ان کا نظریہ بھی مختلف ہوگیا کہ یہ اہل کتاب سے خارج ہیں۔

دراصل ''صابی'' کے بارے میں اقوال واحوال بہت متضاد اور انتہائی مختلف منقول ہیں بلکہ اگر دیکھا جائے تو صابی کا لفظ ابتداء اسلام میں بددین کے معنیٰ میں بدنام ہوچکا تھا (جیسا کہ آج کل وہابی کا لفظ ہندو پاک میں غلط معنیٰ میں معروف ہے) چنانچہ اگر کوئی شخص ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرتا تو اسے صابی کہا جاتا اسی طرح اسلام قبول کرنے والے کو بھی اہل مکہ صابی کے نام سے یاد کرتے تھے (الجامع لأحکام القرآن ص: ۴۳۴، ج: ۱)۔

بہر حال دستیاب تحقیق کے مطابق صابئین کے بارے میں حقائق وواقعات کے مختلف ومتضاد ہونے کی بنا پر فقہاء کے یہاں اختلاف رائے ہوا کہ یہ اہل کتاب کے حکم میں ہیں یا عام مشرکین کے حکم میں ہیں؟ اصولی طور پر فقہاء ان کے حکم کو ان کے معتقدات پر موقوف مان کر حکم لگاتے ہیں۔ ائمہ اربعہ کے اقوال کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

☆ حضرت امام مالکؒ کا فرمان یہ ہے کہ عام عیسائیوں سے ان کے عقیدے بہت کچھ مختلف ہیں اور ان کا مذہب آتش پرستوں سے قریب تر ہے (الشرح الصغیر ص: ۱۵۴، ج: ۱)۔

☆ حضرت امام احمدؒ کا قول ہے کہ وہ عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے، پھر جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ یوم السبت کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں تو انہیں یہودیوں کے حکم میں قرار دیا (المغنی ص: ۲۶۳-۹)۔

☆ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے عقائد عیسائیوں اور یہودیوں کے مطابق ہوں تو ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہوگا ورنہ نہیں (شرح المہذب ص: ۷۹-۹)۔

☆ فقہاء احناف میں حضرت امام ابو یوسف اور امام محمدؒ ان کو اہل کتاب سے خارج جبکہ امام ابوحنیفہؒ ان کو اہل کتاب میں داخل مانتے ہیں اختلاف کی بنیاد وہی تحقیق کا اختلاف ہے امام کرخیؒ کا خیال ہے کہ ان کا ایک فرقہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا اور زبور کی تلاوت کرتا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ نے اپنی رائے میں اسی کو پیش نظر رکھا ہے اور ایک فرقہ نبوت ووحی کا منکر اور سورج کا پرستار تھا صاحبین نے اسی کی روشنی میں اپنی رائے دی ہے۔

''وقد اختلف في الصابئين هم من أهل الكتاب أم لا. فروى عن أبي حنيفة أنهم أهل كتاب. و قال أبويوسف و محمد: ليسوا أهل كتاب و كان أبوالحسن الكرخي يقول الصابئون الذين هم عنده من أهل الكتاب قوم ينتحلون دين المسيح و يقرؤن الإنجيل. فأما الصابئون الذين يعبدون الكواكب (وهم الذين بناحية حرّان) فإنهم ليسوا بأهل كتاب عندهم جميعًا'' (احکام القرآن للجصاص: ص: ۴۱۳، ج۲- زکریا)۔

صابئین کے بارے میں جس قدر تحقیق میں اختلاف در اختلاف اور اقوال پر اقوال کتابوں میں منقول ہیں اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فرقہ کوئی ''چوں چوں کا مربہ'' تھا جواب قصہ پارینہ بن چکا ہے اور اب بعد کے محققین خواہ مخواہ ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں اصولی بات طے ہوگئی کہ اس فرقہ کا حکم اس کے معتقدات پر موقوف ہے، ان کے معتقدات اگر وہ ہیں جو امام ابوحنیفہؒ نے بیان کئے تو سب کے نزدیک وہ اہل کتاب میں داخل ہوجائیں گے۔ اور اگر ان کے عقائد وہ ہیں جو صاحبین نے بتائے تو کوئی فقیہ اہل کتاب میں ان کو داخل کرنے کی غلطی نہیں کرے گا۔ چنانچہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں۔

''فإذًا لاخلاف بينهم في الحقيقة، لأنهم إن كانو كما قال أبو حنيفة: جاز مناكحتهم عندهما أيضا وإن كانوا كما قالا، فلايجوز مناكحتهم عنده أيضًا'' (بنایہ شرح ہدایہ ص: ۵۴۵۔ ۴۔ کتاب النکاح۔ بیروت)۔

اب اس سلسلہ کی آخری بات کہ یہ فرقہ موجود ہے یا اب ندارد ہے تو اس سلسلہ میں علامہ عینی نے جو فقیہ عبدالعزیز بن یحییٰ کی تحقیق نقل فرمائی ہے وہی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ وہ سب ختم ہو گئے اور ان کا نام ونشان مٹ گیا۔

''وقال عبدالعزيز بن يحيٰ قد درجوا وانقرضوا فلاعين ولاآثر'' (بنایہ ص: ۵۴۵۔ ج۴)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ہر چند کہ اس دور میں اس نام سے کوئی قوم معروف ومتعارف نہیں لیکن صابئین کے بارے میں فقہاء کی احتیاط سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ کوئی بھی گروہ جس کا اہل کتاب ہونا مشکوک ہو تو جب تک اس کا اہل کتاب میں سے ہونا تحقیق نہ ہو جائے ذبیحہ اور عورتوں کی حلت کے باب میں ان کو اہل کتاب کا درجہ نہیں دیا جاسکتا'' (قاموس الفقہ ص: ۲۱۶۔ ج: ۴ صابی)۔

۳-عصر حاضر کے یہود ونصاریٰ کا حکم:

اس زمانہ کے یہود ونصاریٰ کو اہل کتاب کہنے کیلئے اور ان کے ذبیحہ ونکاح کو جائز قرار دینے کیلئے کوئی حدود ہیں؟ یا مطلقاً جو اپنے کو یہود ونصاریٰ میں شمار کرے وہ اہل کتاب کے زمرہ میں آجائے گا؟ اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات کے مطابق اگرچہ یہود ونصاریٰ کو اہل کتاب میں سمجھنے وشامل ہونے میں یہ شرط ہرگز نہیں ہے کہ وہ پورے طور پر اصلی تورات وانجیل پر عمل پیرا ہوں، بلکہ محرف تورات وانجیل کے ماننے والے اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا شریک قرار دینے والے یا حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے والے یہود ونصاریٰ کو ہی قرآن نے اہل کتاب سے پکارا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اہل کتاب ہونے کیلئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ وہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہوں کسی نبی کے ماننے کا دعویٰ کرتے ہوں خواہ وہ انحراف وتحریف دین کے کتنے ہی بڑے مجرم ہوں قرآن پاک نے ایسے ہی اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی مذمت میں فرمایا:

"يحرفون الكلم عن مواضعه" (پ: ۶۔ سورہ مائدہ)۔

"وقالت اليهود عزير بن الله وقالت النصارىٰ المسيح ابن الله" (پ: ۱۰ البراءة)۔

احکام القرآن للجصاص میں حضرت عمر فاروقؓ کے حوالہ سے اس سلسلہ میں اس بات کی صراحت منقول ہے کہ جو لوگ توراۃ کو مانیں اور یوم السبت کی تعظیم کریں لیکن آخرت کے منکر ہوں پھر بھی وہ اہل کتاب کا ہی فرقہ کہلائیں گے۔ ملاحظہ ہو:

''عن غضيف بن الحارث: أن عاملا لعمر بن الخطاب كتب إليه إن ناسا من السامرة يقرؤن التوراة ويسبتون السبت ولايومنون بالبعث فما ترىٰ؟ فكتب إليه عمر رضي الله عنه أنهم طائفة من أهل الكتاب'' (احکام القرآن۔ ص: ۴۰۶۔ سورہ مائدہ زکریا دیوبند)۔

خلاصہ یہ کہ یہود ونصاریٰ جب تک تورات وانجیل اور کسی پیغمبر کے ماننے کے مدعی ہیں تو خواہ وہ کتنا ہی گمراہی کا شکار ہو جائیں وہ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں اہل کتاب ہونگے اور ان کا ذبیحہ حلال اور انکی عورتوں سے نکاح جائز رہے گا۔

لیکن آج کل ایسے یہود ونصاریٰ کی تعداد نہ کے برابر ہے، جبکہ عیسائی یا یہودی کہے جانے والے ممالک یورپ وغیرہ میں ایک بڑی تعداد بلکہ زیادہ تر ایسے لوگوں کی ہے جو مردم شماری میں مذہب کے خانہ میں یہودی یا نصرانی لکھواتے ہیں مگر در حقیقت وہ خدا کے وجود اور کسی مذہب ہی کے قائل نہیں نہ توراۃ وانجیل کو مانیں نہ کسی پیغمبر، وحی، آخرت کو تسلیم کریں ظاہر ہے مردم شماری میں یہودی یا نصرانی درج کرادینے سے کوئی اہل کتاب کے حکم میں نہیں داخل ہوسکتا۔ اس لئے اس زمانہ میں یہودی ونصاریٰ کے ذبیحہ کی حلت اور ان کی عورتوں سے نکاح کے جواز کیلئے اس بات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ یہود ونصاریٰ، واقعۃً اہل کتاب کا مصداق ہوں یعنی کم از کم نزول قرآن کے زمانہ میں یہود ونصاریٰ جو عقائد رکھتے تھے ان کے قائل ہوں۔ تورات وانجیل پر ایمان رکھتے ہوں خدا کے وجود کو تسلیم کرتے ہوں، وحی، نبوت اور فرشتوں کے قائل ہوں۔ لہذا جو یہودی عیسائی دہریہ قسم کے ہیں کہ وہ خدا کا نبی کا مذاق بناتے ہوں دین دشریعت کو بیکار سمجھتے ہوں صرف نسلاً یہودی یا عیسائی ہیں ان کو ہرگز اہل کتاب نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ اہل کتاب کے اعتبار کی یہ شرط ہے کہ عہد نبوت کے اہل کتاب کے جو عقائد تھے

اس حد تک دین کو ماننا ان کے نزدیک لازم ہو۔ اسی لئے حضرت علیؓ اُن عرب نصاری کے بارے میں جو برائے نام عیسائی تھے فرمایا ان کا ذبیحہ حلال نہیں کہ سوائے شراب نوشی کے ان کے پاس عیسائیت کا کوئی عمل نہیں ہے۔

"عن علی رضی اللہ عنہ أنہ قال: لاتحل ذبائح نصاری العرب؛ لأنھم لم یتعلقوا من دینھم بشئ إلا بشرب الخمر" (احکام القرآن ص: ۴۰۷۔ ج۳ زکریا دیوبند)۔

یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے یہود و نصاری کے ذبیحہ اور نکاح کے سلسلہ میں فقہاء تقریباً اس بات پر متفق ہیں کہ جب تک اُن کا سابقہ ملت پر قائم رہنے اور خدا و رسول کو ماننے کا اطمینان نہ ہو جائے ان کا ذبیحہ و نکاح حلال نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

"ذبیحۃ المسلم والکتابی حلال لما تلونا وإطلاق الکتابی ینتظم الکتابی والذمی والحربی والعربی والتغلبی. لأن الشرط قیام الملۃ علی ما مر" (ہدایہ مع الفتح ۴۹۷۔ ج۹)۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے تفسیری فوائد میں سورہ مائدہ کی آیت و طعام الذین اوتوالکتاب کے تحت فرماتے ہیں: "مگر یاد رہے کہ ہمارے زمانہ کے نصاریٰ عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی کتاب آسمانی کے قائل ہیں نہ مذہب کے نہ خدا کے ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا، لہذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا نہ ہوگا" (تفسیر عثمانی ص: ۱۴۲)۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن میں لکھتے ہیں: "خلاصہ یہ ہے کہ جن نصرانیوں کے متعلق یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے یا حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی نہیں مانتے وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں۔" (معارف القرآن ربانی ص: ۴۹۔ ۳)

مولانا محمد تقی عثمانی ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: "عیسائی عورت سے مسلمان کا نکاح شرعاً منعقد ہو جاتا ہے شرط یہ ہے کہ عورت واقعۃً عیسائی مذہب پر ہو۔ آج کل کے عیسائیوں کی طرح نہ ہو جو نام کے تو عیسائی ہوتے ہیں اور ان کے عقائد دہریوں کے عقائد ہوتے ہیں کہ خدا، رسول کسی کو نہیں مانتے۔ نیز دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح شرعی طریقہ پر دو گواہوں کے سامنے ہوا ہو اگر یہ دونوں شرطیں موجود ہیں تو وہ نکاح درست ہو چکا ہے" (فتاویٰ عثمانی ص: ۲۵۷ فتویٰ نمبر ۲۸/ ۳۱۱)۔ (عصر حاضر میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح حلال ہونے کی باقی مکمل تفصیلات و شرائط (۶) "دار الاسلام و دار الکفر میں کتابیہ سے نکاح" کے تحت آگے ملاحظہ فرمائیں)۔

۴- قادیانی وغیرہ باطل ادیان کا حکم:

اہل کتاب کے ضمن میں ایک اہم مسئلہ ان ناپاک گروہوں کا ہے جو اسلام کی بیخ کنی کیلئے عہد اسلام کے بعد ایجاد کئے گئے، لیکن وہ اپنے کو مسلمان بھی کہتے ہیں حالانکہ وہ اپنے عقائد باطلہ کی بنا پر بدترین کافر ہیں مثلاً قادیانی، بہائی، بابی، ذکری، پرویزی، وغیرہ سوال یہ ہے کہ ایسے خارج اسلام فرقوں کو کس زمرہ و طبقہ میں شمار کیا جائے گا مسلمانوں میں یا اہل کتاب میں؟ یا عام کفار کے حکم میں؟ ایسے باطل فرقے اپنے کو مسلمان کہلانے کیلئے اپنے کو اہل قبلہ و کلمہ گو ہونے کی سند پیش کرتے ہیں حالانکہ اہل قبلہ یا کلمہ شہادت کا اعتبار جب ہی ہے جبکہ خلاف اسلام عقائد اسکے نہ ہوں، جن لوگوں کا کفر وارتداد معلوم ہو جائے ان کا حکم قرآن نے یہ بیان فرمایا ہے: "لاتعتذروا قد کفرتم بعد إیمانکم" (التوبۃ ۶۶) "بہانے نہ بناؤ تم دعویٰ ایمانی کے بعد کافر ہو چکے ہو" لہذا قادیانی وغیرہ گمراہ فرقوں کا کلمہ پڑھنا ان کو مسلمان نہیں بناتا، لہذا یہ باطل فرقے مسلمان تو ہو نہیں سکتے۔ اب ایک درجہ کم اہل کتاب میں کیا ان کو مان سکتے ہیں؟ ظاہر ہے اسکا جواب بھی نفی میں ہوگا کیونکہ اہل کتاب کی تعریف و تحقیق جو گذری اس میں صرف توراۃ و انجیل کے ماننے والی دو قوموں یہود و نصاریٰ کے ساتھ یہ مخصوص لفظ اور خاص رعایت منحصر ہے اسلام کے بعد پیدا ہونے والی کسی نئی مذہبی جماعت جسکے اپنے خاص عقائد خلاف اسلام ہوں ان کو اہل کتاب نہیں کہا جاسکتا۔

قال اللہ تعالیٰ: "إنما أنزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا" (الانعام پ ۸)۔

اب جبکہ یہ بد دین فرقے نہ مسلمان ٹھہرے نہ اہل کتاب، تو خواہ ان کو عام کفار و مشرکین میں کہیں یا ان کو مرتد و زندیق نام دیں بہر حال نہ ان سے نکاح درست ہے اور نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے۔

قال تعالیٰ: "ولاتنکحوا المشرکات حتی یؤمن" (البقرۃ پ: ۲)۔

"والنص عام یدخل تحتہ جمیع المشرکات حتی المعطلہ والزنادقۃ والباطنیۃ والإباحیۃ وکل مذھب یکفر بہ

معتقداته؛ لأن إسم الشرك يتناولهم جميعا'' (مجمع الانہر ص: ۷۸۴۔ ج ۱ بیروت ، شامی زکریا ص: ۱۳۵، ج: ۴)۔

''ولاتحل ذبيحة المرتد و إن إرتد إلى دين أهل الكتاب وذبيحة المجوسي حرام'' (تاتار خانیہ ص: ۱۱/۳۹۱۔ زکریا دیوبند)۔

جن حضرات نے باطل ادیان خصوصًا قادیانی، بابی، بہائی، ذکری، پرویزی وغیرہ فرقوں کا مطالعہ کیا ہے وہ ان فرقوں کی زہرناکی سے واقف ہیں اور یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ فرقے مسلمان اور اہل کتاب میں تو کیا داخل ہوتے ان کا شمار عام کفار میں بھی نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ زندیق اور مرتد ہیں اسلامی حکومت کے لئے اہل کتاب اور کھلے ہوئے کافروں کا وجود تو قابل برداشت ہے لیکن یہ غدار قوم وملت مرتد وزندیق قابل برداشت نہیں، بلکہ واجب القتل ہیں ان کو بغیر توبہ کا موقع دیئے ان کو قتل کئے جانے کا حکم ہے۔

''وقتل الزنديق بعد الاطلاع عليه بلااستتابة وهو من أسر الكفر و أظهر الاسلام وكان يسمى فى زمن النبى ﷺ وأصحابه منافقا بلا قبول توبة من حيث قتله ولابد من توبة لكن إن تاب قتل حدًا و إلا كفرًا'' (الشرح الصغير۔ ص: ۴/۴۳۸)۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ قادیانی وغیرہ کو زندیق ہونا ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قلت الزنديق من يحرف معاني الألفاظ مع ابقاء ألفاظ الإسلام كهذا اللعين فى القاديان يدعي أنه يومن بختم النبوة ثم يخترع له معنى من عنده يصلح له بعده الختم دليلا على فتح باب النبوة، فهذا ہوالزندقة حقًا... الخ'' (فیض الباری ص: ۴۷۲/ ۴)۔

علامہ ظفر احمد عثمانی نے اس سے بھی زیادہ واضح انداز میں لکھا ہے:

''فمتنبى البنجاب القاديانى كافر مرتد عن الاسلام، وكذا من لم يقل بكفره وارتداده وظنه وليا اومجددًا او مصلحا، فإنه كذاب دجال قد افترىٰ على الله ورسوله كذبا'' (اعلاء السنن ص: ۶۳۷ ۔ ج ۱۲) ادارۃ القرآن)۔

مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ لکھتے ہیں: ''قادیانیوں کے بارے میں دنیا بھر کے علماء امت فیصلہ دے چکے ہیں کہ یہ مرتد ہیں مرتدوں سے تعلقات رکھنا جائز نہیں وہ اللہ ورسول کے باغی ہیں اور باغیوں سے روابط رکھنے والا بھی باغیوں کی صف میں شمار کیا جاتا ہے'' (آپ کے مسائل ص: ۱۰۰۔ ج: ۲ جدید)۔

اسی طرح ذکری فرقہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''ذکری فرقہ مسلمان نہیں ان کے ساتھ مسلمانوں کا بیاہ شادی جائز نہیں اور وہ اہل کتاب نہیں۔ بلکہ قادیانیوں کی طرح زندیق اور مرتد ہیں'' (آپ کے مسائل: ص ۵۵۴ ج ۲)۔

مفتی محمد سلمان منصور پوری، فرقہ بابیت وبہائیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''یہ اسلام سے الگ مستقل فرقہ ہے اسکا دین محمدی اور شریعت مصطفوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسکے ماننے والے بلاشبہ کافر اور زندیق ہیں کسی بھی مسلمان کے لئے اس فرقہ کے لوگوں کے ساتھ رشتہ مناکحت کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ ان کے مابین مسلمانوں کی وراثت بھی جاری نہ ہوگی۔ اور ان کا مسلم قبرستانوں میں دفن کرنا بھی درست نہیں (کتاب النوازل ص: ۲/۹۴)۔

خلاصہ یہ کہ قادیانی ہوں یا بہائی۔ آغاخانی ہوں یا ذکری یہ سب اپنے کفریہ عقائد اور ختم نبوت ورسالت کے انکار کے سبب نہ ہی مسلمان ہیں نہ اہل کتاب، بلکہ یہ غیر مسلم کفار کی بدترین قسم زنادقہ ومرتدین ہیں جنکا حکم یہ ہے۔

۱- کسی مسلمان مرد وعورت کا ان کے ساتھ نکاح صحیح نہیں۔

''وحرم نكاح الوثنية وفى شرح الوجيز وكل مذهب يكفر به معتقده... الخ'' (شامی۔ ص: ۴۵/ ج ۳)۔

۲- انکا ذبیحہ حلال نہیں۔

''فلاتؤكل ذبيحة أهل الشرك و المرتد'' (عالمگیری ص: ۲۸۵/ ج ۵)۔

۳- ان کے جنازے میں شرکت جائز نہیں۔

''الصلاة على الجنازة وشرطها اسلام الميت'' (عالمگیری ص: ۱۶۲/ ج: ۱)۔

۴- ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا درست نہیں۔

''أما المرتد فلا یغسل ولا یکفن وإنما یلقی فی حفیرة کالکلب'' (البحر الرائق۔ ص: ۲۰۵/ ج: ۲)۔

۵- ان مرتدین وباغیان اسلام کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو حضرت صدیق اکبرؓ نے مسیلمہ کذاب کی جماعت کے ساتھ کیا۔

ثم اعلم أن المرتد، فإن تاب، فبها وإلا قتل'' (شرح فقہ اکبر ص: ۲۰۲ دہلی)۔

۶- مسلمانوں کو ایسے ایمان کے لٹیروں سے میل جول، تعلقات، تجارت وغیرہ سے مکمل پرہیز کرنا چاہئے کہ ایمان کا تحفظ سب پر مقدم ہے۔

"یاایھا الذین آمنو لا تتخذوا عدوی وعدو کم أولیاء" (پ: ۲۸۔ الممتحنہ)۔

۵- نسلی قادیانیوں کا حکم:

جو لوگ اسلام سے پھر کر قادیانی یا بہائی وغیرہ بنے ان کا حکم تو واضح ہے کہ وہ مرتد ہیں اب اگر مرتد کی اولاد در اولاد اپنے مرتد آباء واجداد کے عقائد باطلہ پر قائم رہے تو ان کو (قادیانی کی نسل کو) مرتد ہی مانا جائے گا یا اُن کا حکم مختلف ہوگا؟ یعنی اہل کتاب یا عام کافر شمار کیا جائے گا اس سلسلہ میں آرا مختلف ہیں مفتی کفایت اللہ صاحب اسکو نہ مرتد مانتے ہیں نہ عام کافر وزندیق بلکہ ایسے نسلی قادیانیوں کو اہل کتاب میں شمار کرتے ہیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

"نسلی مرزائی اہل کتاب کے حکم میں ہیں جس طرح یہود ونصاری (کفایت المفتی ص: ۳۲۵/۱)۔

مفتی رشید احمد لدھیانوی علیہ الرحمہ اگر چہ ایسے قادیانی کو جو خود مرتد یا مرتد کا بیٹا نہیں، بلکہ باپ دادا سے اس باطل عقیدے پر ہے اس کو مرتد نہیں مانتے لیکن اہل کتاب بھی شمار نہیں کرتے یعنی نہ تو مرتد کا حکم لگے گا نہ اہل کتاب کا البتہ زندیق کا فر جیسا معاملہ اسکے ساتھ کیا جائے گا۔ لکھتے ہیں۔

"اس میں یہ تفصیل ہے کہ وہ قادیانی جس سے ان کے تجارتی تعلقات ہیں اگر یہ پہلے مسلمان تھا بعد میں العیاذ باللہ مرتد ہوا یا اسکا باپ مرتد ہوا تو وہ قادیانی چونکہ خود اپنے مال کا مالک نہیں ہے اور اسکا کوئی عقد صحیح نہیں۔ اس لئے یہ شخص اگر ان سے تجارت کرتا ہے تو یہ تجارت ہی صحیح نہ ہوگی۔ اور اگر وہ قادیانی مرتد یا مرتد کا بیٹا نہیں، بلکہ باپ دادا اس باطل عقیدے پر ہے تو ایس قادیانی سے تجارت کرنے سے مال کا مالک تو ہو جائے گا لیکن ایسے لوگوں سے تجارت کا معاملہ جائز نہیں اس میں یہ مفاسد ہیں'' (احسن الفتاوی ص: ۱/۴۰۱)۔

عام اہل علم، قدیم وجدید قادیانیوں یا نسلی اور کسبی قادیانیوں میں فرق نہیں کرتے، بلکہ جن مسلم حکومتوں نے قادیانیوں کو مرتد قرار دیا ہے وہاں بھی جدید یا نسلی قادیانیوں میں تفریق وتفصیل نہیں کی گئی ہے اس لئے رد قادیانیت پر جتنا لٹریچر ہندو پاک میں ملتا ہے اس میں اس طرح کا فرق یا نسلی قادیانیوں کے حکم میں تخفیف کا کوئی ذکر نہیں ملتا تاہم اصولی بات یہ ہے کہ ارتداد جو اسلام سے پھر جانے کا نام ہے اسکے تحقق کے لئے اسلام کا پہلے تصور لازم ہے پھر اس سے ہٹنے کا نام ارتداد ہے۔ لیکن مرتد کی اولاد جو مرتد باپ دادا کے عقائد کو اپنائے اس نے اسلام چھوڑ کر قادیانی بننے کا عمل نہیں کیا، بلکہ ابتداء ہی سے وہ قادیانی رہا۔ لہذا اسکو مرتد کہنا تو صحیح نہ ہوگا البتہ قادیانی عقائد (جو زندیقیت کا مصداق ہے۔) اختیار کرنے کی وجہ سے وہ زندیق اور بدترین کافر سے کم درجہ نہ پائے گا اور اسکو اہل کتاب میں شامل کرنا قادیانیوں کو سر پر بٹھانا ہے۔ بس قادیانی یا تو مرتد ہو کر زندیق ہوتا ہے، جیسا کہ نیا قادیانی یا نسلی طور پر زندیق ہوتا ہے اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے۔ اسلئے کسی بھی قادیانی سے نہ نکاح جائز ہے اور نہ اسکا ذبیحہ حلال ہے اور نہ اس سے میل جول کی اجازت ہے۔

جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے یہی موقف اختیار کیا ہے لکھتے ہیں: "جو لوگ اسلام سے قادیانیت کی طرف گئے وہ تو مرتد ہیں۔ اور ان سے نکاح کے جواز کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جو لوگ نسلی طور پر قادیانی ہیں وہ بھی زندیق اور بددین ہیں اور ان سے بھی نکاح جائز نہیں اسی بناء پر فقہاء نے اہل قبلہ میں سے ہونے کے باوجود معتزلہ سے نکاح کی اجازت نہیں دی ہے۔

''المناکحة بین اھل السنة واھل الاعتزال۔ لا یجوز'' (خلاصة الفتاوی ص: ۶/۲)۔

اس لئے قادیانی اہل کتاب کے حکم میں نہیں بلکہ زندیق ہیں ان سے کسی بھی قسم کا شادی بیاہ کا تعلق جائز نہیں'' (جدید فقہی مسائل۔ ص: ۱/۲۸۶)۔

مولانا رحمانی موصوف کی یہ آخری رائے ہے جیسا کہ خود فرماتے ہیں: "اس مسئلہ پر فقہی جزئیات کے مطالعہ اور بعض اہل علم کی رایوں کے مطالعہ سے اب دل جس بات پر مطمئن ہے وہ یہی ہے کہ نسلی قادیانی کو بوجہ ان کے زندیقیت کے عام کفار ومشرکین کے حکم میں رکھا جائے گا نہ کہ اہل کتاب کے حکم میں اور جو

مسلمان قادیانیت میں گئے ہوں (العیاذ باللہ) وہ تو سراسر مرتد ہی ہیں (حاشیہ قاموس الفقہ ص: ۲۵۷/ ج ۱)۔

۶- دارالاسلام و دارالکفر میں کتابیہ سے نکاح:

اس میں شبہ نہیں کہ اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے۔ اور کتابیہ سے نکاح میں فقہاء دارالاسلام و دارالحرب میں کراہت کے اعتبار سے فرق بھی کیا ہے، لیکن جن کتابیہ عورتوں سے نکاح جائز ہے اسکی کچھ حدود و قیود ہیں ساتھ ہی دارالاسلام و دارالحرب کا فرق بھی موجودہ زمانہ میں قابل تحقیق ہے۔ دارالاسلام اور دارالحرب کی جو تعریفات فقہاء بیان کرتے ہیں آج کل کی جمہوری حکومتوں پر وہ صادق نہیں آتیں موجودہ دور میں زیادہ تر ممالک ایسے ہیں کہ ان کو نہ دارالاسلام کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی دارالحرب، بلکہ ان کو دارالجمہوریہ، دارالمعاہدہ کہہ سکتے ہیں یا دارالامن یا سیکولر اسٹیٹ کا نام دیا جاسکتا ہے علامہ شامی نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔

''لو أجريت أحكام المسلمين و أحكام اهل الشرك لاتكون دار حرب'' (شامی زکریا ص: ۲۸۸/ ۶)۔

البتہ بعض ممالک میں جہاں اقتدار اعلیٰ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور ارباب حکومت مسلمان ہوں اور غیر مسلم کو کوئی کلیدی اختیار حاصل نہ ہو جیسا کہ پاکستان، بنگلہ دیش، سعودی عرب امارات وغیرہ (خواہ وہ اسلامی احکام کلی طور پر نافذ نہ کریں) یہ دارالاسلام کہلائیں گے اگرچہ اجراء حدود و قصاص اور نفاذ شریعت نہ کرنے کے سبب یہ حکومتیں گنہگار ہیں لیکن اسکی وجہ سے دارالاسلام سے خارج نہیں (جیسے کوئی مسلمان ہوتے ہوئے نماز نہ پڑھے تو وہ مسلمان ہی ہے)۔

اسکے برعکس جہاں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہے اور امور حکومت میں مسلمان بے دست و پا ہوں جیسا کہ چین، برما، اسرائیل وغیرہ یہ سب دارالحرب کا مصداق ہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب موجودہ دور کے غیر مسلم اکثریتی ممالک کے بارے میں لکھتے ہیں:

''موجودہ دور میں جو غیر مسلم مملکتیں ہیں ان میں اکثر وہ جمہوریائیں ہیں جن میں سلطنت کا کوئی مذہب نہیں اور مختلف مذاہب کے لوگ بقاء باہم کے اصول پر حکومت میں شریک ہیں یا سلطنت کا ایک مذہب ہوتا ہے، مگر دوسری اقلیتیں بھی اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہیں جیسے امریکہ، برطانیہ اور نو آزاد نیپال، جن ملکوں میں بادشاہتیں قائم ہیں وہاں بھی سیاسی قید و بند کے باوجود مذہبی امور میں آزادی دی گئی ہے اور تمام شہریوں کے لئے جان و مال کے تحفظ کی دستوری ضمانت موجود ہے۔ یہ تمام حکومتیں ''دارالامن'' کے زمرہ میں داخل ہیں کمیونسٹ بلاک ٹوٹنے کے قریب ہے اور جو باقی ہیں ان میں بھی حالیہ تبدیلیوں کے باوجود شاید ہی دو تین ملک ہوں جن کو دارالحرب کہنا صحیح ہو۔ یوگوسلاویہ اور اسرائیل کی موجودہ کیفیت کی بنا پر وہ البتہ دارالحرب شمار ہوں گے''۔

(قاموس الفقہ ص: ۳۹۹۔ ج: ۳)

دارالاسلام و دارالکفر کے سلسلہ میں اس مختصر گفتگو کے بعد اب اہل کتاب جو اس زمانہ میں ہیں ان پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے تا کہ حکم لگانے میں سہولت ہو اولاً تو جو لوگ آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری میں یہودی یا نصرانی رجسٹرڈ کراتے ہیں وہ درحقیقت عقیدہ کے اعتبار سے بالکل لامذہب اور دہریئے ہوتے ہیں نہ ان کا تورات و انجیل پر عقیدہ ہے نہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر۔ ایسے لوگ یہودی یا عیسائی اہل کتاب ہرگز نہیں، لہٰذا ان کی خواتین کو کتابیہ سمجھ کر حلال سمجھنا جائز نہ ہوگا، لیکن جیسا کہ ممالک کے اعتبار سے دارالاسلام یا دارالحرب بالکل ختم نہیں ہوگئے ایسے ہی اہل کتاب کا مصداق ناپید نہیں ہے۔ سب سے پہلے ہمیں اس علت و حکمت کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ جسکی بنیاد پر اسلام نے اہل کتاب کے ذبیحہ اور ان کے نساء سے نکاح کی اجازت دی ہے پھر دیکھنا چاہئے کہ وہ بنیاد اب موجود ہے یا نہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام کفار میں سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے دین میں سینکڑوں تحریفات ہونے کے باوجود ان دو مسئلوں میں ان کا مذہب بھی اسلام کے مطابق ہے، یعنی وہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا عقیدۃً ضروری سمجھتے ہیں اس کے بغیر جانور کو مردار ناپاک اور حرام قرار دیتے ہیں اسی طرح مسئلہ نکاح میں جن عورتوں سے اسلام میں نکاح حرام ہے ان کے مذہب میں بھی حرام ہے اور جس طرح اسلام میں نکاح کا اعلان اور گواہوں کے سامنے ہونا ضروری ہے اسی طرح ان کے موجودہ مذہب میں بھی یہی احکام ہیں امام تفسیر ابن کثیر نے یہی قول اکثر صحابہ و تابعین کا نقل فرمایا ہے (ابن کثیر مائدہ ص: ۱۹۔ ج: ۳ معارف القرآن ص ۵۲۔ ج ۳)۔

لہٰذا دارالاسلام ہو یا دارالکفر کسی مسلمان مرد کا کتابیہ عورت سے نکاح کے جواز کیلئے:

۱- اولاً تو یہ لازم ہے کہ وہ کتابیہ واقعۃً اہل کتاب میں سے ہو یعنی وحی رسالت و آخرت وغیرہ کی قائل ہو محض نام کی یہودی، عیسائی نہ ہو جو دہریہ ہیں۔ اسی طرح

وہ مسلمان سے پھر کر یہودی عیسائی نہ بنی ہو ورنہ ان سے نکاح جائز نہیں۔

۲- دوسرے یہ بھی لازم ہے کہ وہ پاک دامن ہو فاحشہ طائفہ نہوں جیسا کہ "والمحصنات" کے معنی ومفہوم کے تحت اکثر مفسرین نے مراد لیا ہے (معارف القرآن ص: ۶۰۔ ج ۳)۔

اگر چہ یہ شرط ترغیبی ہے نکاح، غیر محصنات سے بھی ہوجاتا ہے، لیکن گناہ ہے۔ اس لئے اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۳- تیسرے کتابیہ سے نکاح کیلئے ضروری ہے کہ طریقہ نکاح میں اسلام واہل کتاب کا جو مشترک طریقہ ہے (اور وہ ایک ہی ہے) نکاح اسی کے مطابق انجام دیا گیا ہو یعنی ایجاب وقبول دو مسلمان گواہوں کے سامنے ہوا ہو۔ ورنہ شرعا وہ نکاح منعقد نہ ہوگا (فتاوی عثمانی: ۲۵۷۔ ج ۲)۔

۴- چوتھے نکاح کرنے والا مرد اسکی قوی امید رکھتا ہو کہ وہ کتابیہ بیوی سے متاثر ہو کر اسکی بددینی کو قبول نہ کرے گا۔ بلکہ خود اسکو اسلام کی طرف مائل کرنے کا جذبہ رکھتا ہو کہ الرجال قوامون علی النساء کی بنا پر ہی مرد کو کتابی عورت سے نکاح کی اجازت اور مسلم عورت کو کتابی مرد سے نکاح کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس لئے جس شوہر کو یہ خوف ہو کہ وہ اس پر قائم نہ رہ سکے گا تو اسکے لئے نکاح درست نہوگا جیسا کہ جو شوہر بیوی کے حق سے عاجز ہو اسکو نکاح کرنا منع ہے۔

مذکورہ شرائط وضوابط کے ساتھ جبکہ نکاح کی اجازت ہے تو اس میں بھی فقہاء نے اپنے اپنے زمانہ کو سامنے رکھتے ہوئے کتابیہ سے نکاح کو جائز ہونے کے باوجود اسکے دیگر مفاسد ومضار کی بنا پر منع کیا ہے نیز دار الحرب ودار الاسلام کے اعتبار سے بھی فرق کیا ہے۔ چنانچہ خیر القرون کے زمانہ ہی سے اس مسئلہ کی نزاکت کو فاروقی دور بین نگاہوں نے بھانپ لیا تھا اور جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بعض صحابہ وتابعین نے آیت مائدہ کی بنا پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرلیا تو جب فاروق اعظمؓ کو اسکی اطلاع ملی تو سخت ناراض ہوئے اور ان کو حکم دیا کہ طلاق دیدیں۔ جیسا کہ احکام القرآن میں ہے۔

"عن شقيق بن سلمة قال: تزوج حذيفة بيهودية فكتب إليه عمر أن خَلِّ سبيلها. فكتب إليه حذيفة أحرام هي ؟ فكتب اليه عمر لا ولكني أخاف أن تواقعوا الموسمات منهن، قال أبوعبيد: يعني العواهر" (احکام القرآن لجصاص ص: ۴۰۸۔ ج۔ ۲۔ زکریا)۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ "حضرت طلحہؓ اور کعب بن مالکؓ کو بھی حضرت عمرؓ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح پر سخت تنبیہ فرمائی اور طلاق دینے کا حکم دیا" (فتح القدیر ص: ۲۳۰۔ ج ۳)۔

ملاحظہ فرمائیے فاروق اعظم کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ ہے جب اسکا کوئی احتمال نہ تھا کہ کوئی یہودی نصرانی عورت کسی مسلمان کی بیوی بنکر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی سازش کر سکے اس وقت تو صرف یہ خطرات سامنے تھے کہ کہیں ان میں بدکاری ہو تو ان کی وجہ سے ہمارے گھرانے گندے ہوجائیں یا ان کے حسن وجمال کی وجہ سے لوگ ان کو ترجیح دینے لگیں جسکا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمان عورتیں تکلیف میں پڑ جائیں۔ مگر فاروقی نظر دور بین اتنے ہی مفاسد کو سامنے رکھ کر ان حضرات کو طلاق پر مجبور کرتی ہے اگر آج کا نقشہ ان حضرات کے سامنے ہوتا تو اندازہ کیجئے کہ ان کا اسکے متعلق کیا عمل ہوتا؟

اس لئے دار الاسلام اور دار الکفر سے قطع نظر کسی بھی صورت سے کتابیہ عورتوں کو نکاح میں لانا اپنی نسل کو ہلاکت میں ڈالنا اور اپنے گھرانہ کو یہود ونصاریٰ کے حوالہ کرنا ہے جسکے بھیانک نتائج سے امت مسلمہ جوجھ رہی ہے اس لئے مطلقاً مسلمانوں کو اس مباح پر عمل کرنے سے عوارض ومفاسد کے سبب روکا جائے گا اور ایسے نکاحوں کو مکروہ وممنوع قرار دیا جائے گا۔

جہاں تک دار الحرب ودار الاسلام کے حکم میں فرق کی بات ہے تو بیشک فقہاء نے اسکی تفصیل کی ہے کہ دار الحرب میں چونکہ یہ مسلمان خود کافروں کے رحم و کرم پر ہوگا وہاں اسکا زیادہ خطرہ ہے کہ مرد عورت کے فتنہ میں پڑ کر خود مبتلائے معصیت نہ بن جائے اس لئے وہاں کتابیہ سے نکاح کی ممانعت اور شدید کراہت رہے گی یعنی نکاح تو ہوجائے گا لیکن مکروہ تحریمی ہوگا جیسا کہ امام ابوبکر جصاصؒ نے صراحت فرمائی ہے۔

"وأصحابنا يكرهون مناكحات أهل الحرب من أهل الكتاب" (ص: ۴۱۱۔ ج: ۲)۔

بعض فقہاء (حنابلہ) کا قول ہے دار الحرب میں نکاح کر بھی لے تو ان سے اولاد پیدا نہ کرے۔

"قال: أكره أن يتزوج الرجل في دار الحرب من أجل ولده" (احکام اہل الذمہ لابن قیم۔ ص: ۸۰۹)۔

اگر یہی کتابیہ اسلامی ریاست کی باشندہ ہو تو بھی نکاح میں کراہت ہے، لیکن اس درجہ کی نہیں، بلکہ کراہت تنزیہی ہے وجہ ظاہر ہے کہ اسلامی ریاست میں مرد اسکو اپنے مذہب سے قریب کرنے میں زیادہ خود مختار ہوگا اور اسکا کتابیہ سے متاثر ہونا احوال کے اعتبار سے بعید ہوگا۔

علامہ شامی نے اس فرق کو واضح کیا ہے فرماتے ہیں: ''فقوله: والاولى ان لايفعل يفيد كراهة التنزيهية في غير الحربية ومابعده يفيد كراهة التحريم في الحربية'' (شامی زکریا: ص: ۱۳۴۔ ۴)۔

اب اگر دار الحرب میں کسی کتابیہ میں احوال وقرآن سے اسکا مائل بہ اسلام ہونا نظر آئے اور نکاح کر لینے سے مستقبل میں اچھے ثمرات کی امید ہو تو یہ استثنائی صورت ہوگی اور دار الحرب میں نکاح کی حرمت کی علت مفقود ہونے کی وجہ سے اسکا حکم بھی مختلف ہو جائے گا اور حرمت وکراہت میں تخفیف ہو کر جواز، بلکہ حسن نیت کی وجہ سے ممکن ہے بعض صورتوں میں استحباب کا بھی درجہ حاصل ہو جائے لیکن دفع مضرت کا جلب منفعت پر مقدم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں بھی دور ہی رہا جائے۔ مذکورہ بالا صورت کے برعکس اگر اسلامی ممالک میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کی وجہ سے مسلمانوں یا اسلامی حکومتوں کو شدید نقصان پہنچتا ہو اور خطرہ ہو کہ وہ اہل کتاب عورت سازش کے تحت مسلم شوہر اور بچوں پر اثر ڈال کر انہیں اسلام سے دور کرنے کا رول ادا کرے گی یا ان کی وجہ سے زنا، فحاشی اور بے حیائی کا سیلاب در آئے گا تو ظاہر ہے کہ دار الاسلام میں ہونا کراہت کو ختم نہ کرے گا، بلکہ مغربی تہذیب کے اس دور میں مسلم ملکوں میں بھی جہاں اس قسم کے اندیشے ہونگے، وہاں کتابیہ عورتوں سے نکاح مکروہ تنزیہی نہیں، بلکہ مکروہ تحریمی ہوگا اور نکاح کرنے والے مسلم معاشرہ کو برباد کرنے کے جرم میں برابر کے شریک قرار پائیں گے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی ایک فتویٰ میں اسی بات کی صراحت کی ہے فرماتے ہیں کہ

''بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مغربی تہذیب کے اس دور میں مسلم ملکوں میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہوگا۔ (کتاب الفتاویٰ ص: ۳۵۵۔ ج: ۴)۔

۷- دیگر مذاہب غیر سماویہ کی کتابوں کو الہامی کتب قرار دینا:

از آدم تا ایں دم ہزاروں پیغمبر مبعوث ہوئے بلکہ مشہور قول کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے اور ان میں بہت سے صاحب کتاب اور حامل شریعت پیغمبر تھے، لیکن اُن پیغمبروں کے علاوہ جنکے نام قرآن وحدیث نے بیان کر دیئے دیگر نبیوں کو نام کی صراحت کے ساتھ جاننے کا کوئی یقینی ذریعہ امت کے پاس نہیں ہے اسی طرح آسمانی کتابوں میں سے جن کتابوں کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے ان کو چھوڑ کر باقی کسی کتاب کو آسمانی کتاب کہنے کی کوئی یقینی بنیاد نہیں ملتی قرآن کریم نے خود آگاہ کر دیا۔

"ولقد أرسلنا رسلًا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك" (سورة غافر: ۷۸)۔

چونکہ یہ حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں پیغمبر ہوئے اور ہر قوم میں ہادی گذرے۔

"وان من أمة إلا خلا فيها نذير" (سورہ فاطر پ ۲۲) "ولكل قوم هاد" (سورہ رعد، پ ۱۳)

لہٰذا یہ جستجو باقی رہ جاتی ہے کہ گذرے ہوئے زمانہ میں وہ گذرے ہوئے پیغمبر کون کون ہیں؟ قرآن کریم نے تو سب پیغمبروں کی تفصیلات یا نام تو ذکر نہیں کئے نہ ہی احادیث میں اسکی صراحت ہے لہٰذا اب تاریخی اعتبار سے کسی کا پیغمبر ہونا اور کسی کتاب کو آسمانی کتاب کہنا بھی ایک کمزور ذریعہ رہ جاتا ہے اسی تاریخ کے کمزور سہارے یا کمزور بنیاد پر بعض کمزور محققین نے بہت سے افراد اور بہت سی کتابوں کو نامزد کر کے ان کو آسمانی درجہ دیدیا اور اس طرح دعویٰ کر کے میدان میں آ گئے کہ اہل علم کو بھی تشویش میں ڈال دیا قریبی زمانہ میں مولانا شمس نوید عثمانی نے اپنی کتاب ''اگر اب بھی نہ جاگے تو'' میں یہی کارنامہ انجام دیا ہے۔ بہت سے قرائن اور تاریخ کے حوالوں سے ہندو قوم کو قوم نوح اور وید وغیرہ کو آسمانی الہامی کتاب گردانا ہے۔

ابھی گذشتہ سال ہندوؤں کے شنکر اور پاروتی کو آدم وحوا کہنے کا حوصلہ مفتی محمد الیاس گونڈوی کو اسی کتاب سے ملا۔ بہر حال بعض احتمالات وقرائن سے کسی شخصیت یا کتاب کو آسمانی الہامی کہہ دینا یہ ایک غیر معمولی فیصلہ ہے صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ احتمال کو احتمال کے درجہ میں رکھتے ہوئے صرف امکان کا قول اختیار کیا جائے کہ ممکن ہے جیسا کہ ان قرائن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بھی گذشتہ پیغمبروں میں شامل ہوں یا یہ سابقہ آسمانی کتاب رہی ہوں لیکن دوٹوک فیصلہ کر لینا کسی طرح جائز نہیں۔ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی کرشن جی وغیرہ کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

''جن انبیاء علیہم السلام کے نام نصوص میں آ گئے ہیں ان پر علی التعین ایمان لانا لازم ہے اور کسی ایسے شخص کے متعلق نبوت کا اعتراف کرنا جس کا نام نصوص میں نہیں نہ لازم ہے نہ درست البتہ کسی کو برا کہنا بھی بغیر دلیل کے درست نہیں۔ کرشن اور گوتم بدھ اور رام چندر وغیرہ کے صحیح حالات ہمارے علم میں نہیں، تاریخ میں

رطب ویابس سب کچھ ہے جو کہ مفید یقین نہیں ہے۔ اس لئے کف اللسان چاہئے'' (فتاوی محمودیہ ص:۴۴۹۔ ج ا۔ ڈابھیل)۔

''جس طرح کسی نبی ثابت النبوۃ کی نبوت کا انکار جائز نہیں، اسی طرح کسی غیر ثابت النبوۃ کی نبوت کا اقرار بھی جائز نہیں ہے۔ بعض انبیاء علیہم السلام کے نام قرآن کریم وحدیث شریف میں آئے ہیں (ان میں کرشن جی کا نام نہیں) ان کے علاوہ کسی معین شخص کی نبوت پر ایمان کی تعلیم اسلام نے نہیں دی، بلکہ اجمالی طور پر ایمان کا حکم ہے اس طرح کہ جس قدر انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ان تمام پر ہمارا ایمان ہے'' (فتاوی محمودیہ ص:۴۵۱۔ ج ا۔ ڈابھیل)۔

''وأما الانبياء والمرسلون فعلينا الإيمان بمن سمى الله تعالى فى كتابه من رسله۔ والإيمان بأن الله تعالى أرسل رسلًا سواهم و انبياء لايعلم أسماء هم وعددهم إلاالله تعالى الذى أرسلهم فعلينا الإيمان بهم جملة؛ لأنه لم ياءت فى عددهم نص وقد قال الله تعالى: ورسلًا قد قصصنا هم عليك من قبل ورسلا لم نقصصهم عليك '' (النساء ۱۶۴) (شرح العقيده الطحاويه لابن ابى العز ص:۲۲۷۔ كراچى)۔

''وأما المبعوثون فالإيمان لهم واجب ومن ثبت شرعًا تعينه منهم وجب الإيمان بعينه ومن لم يثبت تعينه كفى الايمان به اجمالًا'' (المسامرة شرح المسايرة ص:۲۲۵: مصر)۔

''وقد ورد أن عليه السلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم الصلوة والسلام فقال: مأة ألف وأربعة وعشرون ألفا۔ وفى رواية۔ مأتا الف وأربعة وعشرون ألفا۔ إلا أن الأولى أن لايقتصر على عدد فيهم'' (شرح الفقه الاكبر لملا على قارى ص:۵۶)۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''اور وید اور گرنتھ یا زردشت وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحی الٰہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت شرعی دلیل سے نہیں ہے اور صرف یہ امکان کہ شاید زبور اور صحف ابراہیم ہی کی مسخ شدہ صورت ہو جسکو بدھ مت کی کتاب یا وید یا گرنتھ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے امکان محض اور احتمال محض ہے جو ثبوت کے لئے کافی نہیں'' (معارف القرآن ربانی ص:۶۱۔ ۳۔ مائدہ)

خلاصہ یہ کہ قرآن وحدیث کی صراحت کے بغیر محض قرائن یا تعلیمات کی کسی قدر ہم آہنگی کی بنا پر کسی شخصیت کو نبی اور کسی کتاب کو آسمانی الہامی کتاب گردانا ہرگز درست نہیں۔

۸- عیسائی مشنریز کے اسکولوں میں بچوں کو تعلیم دلوانا:

اسلام میں علم کی بڑی اہمیت ہے اسلام کا آغاز ہی ''اقراء'' کے حکم سے ہے۔ مسلمانوں کا اس میدان میں پیچھے رہ جانا زبردست المیہ اور ایک بڑا لمحہ فکریہ ہے علم وحکمت مؤمن کی گمشدہ متاع ہے اسکے حصول کو ہر ممکن بنانا مسلمانوں کا ملّی فریضہ ہے۔ اسکے لئے مسلمانوں کا خود کفیل ہونا اور جہاں مسلم حکومتیں ہیں ان کو دینی ودنیاوی ہر طرح کی اعلی تعلیم کے اداروں کا شرعی حدود میں رہ کر بندوبست کرنا اسلامی فریضہ ہے اور جہاں پوری طرح اپنا اختیار نہ ہو وہاں جتنا ممکن ہو ضرورت کے بقدر اسکی منصوبہ بندی اور اس پر عملدرآمد فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سمت میں بہت سی تنظیمیں الحمدللہ میدان عمل میں ہیں اسکے باوجود عیسائی مشنری کی جو بہتات ہے اور تعلیم کے میدان میں جس طرح وہ نیک نام ہیں۔ یہ مقام تو مسلمانوں کا تھا، خیر۔ کوشش وکاوش مقدور بھر کی جائے اہم سوال ان مقامات پر بچوں کو ان اسکولوں میں تعلیم دلانے کا ہے جہاں متبادل موجود نہیں اور فی الحال اسکی توقع نہیں یا جو معیار، مشنری اسکول کا ہے وہ معیار دیگر اسکولوں کا نہیں تو کیا ایسی صورت میں مسلمان اپنے بچے کو مشنری اسکول میں داخلہ دلا سکتا ہے؟

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ فی نفسہ کوئی بھی جائز تعلیم کسی بھی مسلم غیر مسلم سے حاصل کرنے پر کوئی پابندی اسلام نہیں لگاتا بلکہ ضرورت پر کفار دشمنان اسلام سے بھی مسلمان بچوں کو تعلیم دلانے کی مثال ملتی ہے، جیسا کہ اسیران بدر جو فدیہ دینے سے عاجز تھے ان کو بطور اجرت مسلمان بچے پڑھانے کے لئے سپرد کردیئے گئے تھے وہی اجرت اُن کا فدیہ بن گئی تھی خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''الكلمة الحكمة۔ ضالة المومن'' (مشكوٰة)۔

لیکن اگر کسی تعلیم میں کفر وشرک کا زہر گھول دیا جائے اور اس تعلیم کو عریانیت وفحاشی سے آلودہ کردیا جائے تعلیم کے میدان کو رقص وسرود کا اڈہ بنادیا جائے۔ ثقافت کے نام پر اسلامی تہذیب کا جنازہ نکال دیا جائے کیا ایسے غیر اسلامی ماحول، اور حیا سوز مخرب اخلاق لٹریچر کے ساتھ بھی مسلمان بچوں کو ایسے زہریلے

اسکولوں میں (خواہ وہ کتنے ہیں معیاری ہوں) بھیجنے کی اسلام اجازت دے سکتا ہے؟ ظاہر ہے اسکا جواب ہر انصاف پسند کے نزدیک نفی میں ہوگا اور کوئی اسکو جائز کہنے کی جسارت نہ کرے گا کیونکہ

۱- دین وایمان کا تحفظ فرض ہے جو سب پر مقدم ہے کفر وشرک سے بیزاری بھی قبول ایمان کی شرط ہے عیسائی مشنری اسکول میں داخلہ اسکے لئے مضر ہے۔

۲- اولاد کو حصول تعلیم کے ساتھ اسلامی تربیت دینا والدین کی ذمہ داری ہے اسکے لئے غیر اسلامی تہذیب اور مغربی ثقافت سے بچانا لازم ہے اور عیسائی مشنری میں داخلہ کے بعد یہ ممکن نہیں۔

۳- اگر ہم نے بچوں کی نگرانی رکھی کہ وہ اسکولوں کے مضر اثرات قبول نہ کریں تو بھی تعاون علی الاثم۔ اور تکثیر جماعت اہل عصیان کا سبب ہے لہذا نگرانی کیساتھ بھی وہاں تعلیم دلانا جائز نہیں ''قال اللہ تعالیٰ: ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان'' (سورۂ مائدہ: ۲)۔

۴- مشنری اسکولوں میں داخلہ دلانا فی زمانہ اس حدیث کا مصداق ہے۔

''کل مولود یولد علی الفطرۃ وأبواہ یھوّدنہ و ینصّرانہ ویمجسانہ'' (مشکوٰۃ)۔

۵- عیسائی مشنری اسکولوں وکالجوں میں مخلوط تعلیم کا رواج ہے۔ اور غیر اسلامی یونیفارم لازم ہے جو ایک مسلمان کے لئے قابل قبول نہیں۔

کریم نے متعدد مواقع پر یہود ونصاری کے ساتھ دوستی اور ان سے میل جول رکھنے سے منع فرمایا ہے اُن کے اسکولوں میں مسلمانوں کا پڑھنا اُن سے دوستی و محبت کا سبب ہے جو جائز نہیں ''یایھا الذین آمنوا لاتتخذوا الیھود والنصاری أولیاء'' (المائدہ پ ۶)۔

۸- (ب) کتابی زوجہ کے حقوق:

زوجہ خواہ کتابی ہو یا غیر کتابی (مسلمان) جو بھی شرعاً جائز منکوحہ ہے اسلام نے اسکو بھرپور حقوق دیئے ہیں اور زوجیت کے حقوق میں مذہب کو آڑے نہیں آنے دیا، بلکہ انسانیت اور ضرورت آدمی کے پیش نظر بلا تفریق سب کیلئے یکساں ہدایت دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف'' (البقرۃ: ۲۲۸) ''وقال اللہ تعالیٰ: وعاشروھن بالمعروف'' (النساء ۱۹)۔

شرعاً بیوی کے بنیادی حقوق مندرجہ ذیل ہوتے ہیں:

(۱) مہر (۲) نفقہ (۳) تعدد ازدواج کی صورت میں عدل (۴) حضانت (بچوں کی پرورش کا حق) (۵) حسن معاشرت (۶) حق میراث (۷) اپنی ملکیت میں مالکانہ تصرف وغیرہ یہ سارے ہی حقوق جیسے ایک مسلمان بیوی کے ہوتے ہیں ویسے ہی کتابی زوجہ کو ملیں گے۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں: ''اہل کتاب کی عورتوں کو اگر رکھنا ہی ہے تو باقاعدہ نکاح کرکے بیوی کی حیثیت سے رکھیں، اُن کے حقوق مہر وغیرہ ادا کریں'' (معارف القرآن ص: ۲۰۴/۵)۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: ''ونفقۃ المراۃ واجبۃ علی زوجھا سواء حرا کان أو عبدًا والمرأۃ مسلمۃ کانت أو کتابیۃ الخ''. ''وحق الحضانۃ للام وقومھا من النساء سوا. کان مسلمۃ أوکتابیۃ أو مجوسیۃ'' (مختارات النوازل ص: ۱۹۱/۲). ''وھکذا فی مسائل اُخریٰ''

کتابی زوجہ کے حقوق میں کتابیہ کا اپنے مذہب کے مطابق (غیر اسلامی) مراسم انجام دینے یا شراب وغیرہ استعمال کرنے کی بحث بھی فقہاء نے کی ہے۔ جسکا خلاصہ یہ ہے کہ شوہر بیوی کے مذہبی شعار کی انجام دہی میں نہ تو حصہ لیگا۔ اور نہ کسی طرح شریک ہوگا نہ اسکو ایسا کرنے کو کہے گا، لیکن وہ اسکو اپنے مذہبی رسومات ادا کرنے سے روکے گا بھی نہیں بلکہ اسے اس معاملہ میں آزادی دے گا کہ وہ جیسے جب چاہے اپنی مرضی کی عبادت وغیرہ کرلے۔ ہاں اگر وہ گھر سے نکل کر کلیسا اور گرجا وغیرہ جاکر عبادت کرنا چاہے تو شوہر اسکو روک دے گا اور اس طرح نکلنے کی اجازت دینا اسکے لئے جائز نہ ہوگا۔ شراب جیسی موذی چیز سے بھی اسکو روکنے کا حق ہے اور باطل مذہبی طریقہ کو انجام دینے کیلئے کسی قسم کا سامان بھی شوہر خود خرید کر لاکر نہ دے گا، بلکہ اسکے خریداری کے لئے اسکو نکلنے کی اجازت دیدیگا۔ چنانچہ علامہ ابن القیمؒ نے اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے ایک جگہ فرماتے ہیں۔

''ھل یمنعھا أن تدخل منزلہ الصلیب قال (احمد) یأمرھا. فأما أن یمنعھا فلا۔ أحکام الذمہ۔ (فصل اداء

الزوجة الكتابية شعائرها التعبدية) (ص ۸۲۲)وقال في رواية محمد بن يحيى الكحال: في الرجل تكون له امراءة أو أمة نصرانية تقول اشترلي زناراً فلايشتري لها تخرج تخرج هي تشتري'' (حوالۂ بالا)۔

''وأما الخروج إلى الكنيسة والبيعة فله منعها منه۔ لايأذن لها في الخروج إلى عيدالنصارى اوالبيعة ''(احكام الذمة ص: ۸۱۹ فصل ۱۶۰) وله منعها من السكر. لأنه يتاذى به الخ''(ص:۸۲۱ فصل ۱۶۱)۔

اب رہا مسئلہ کتابیہ سے نکاح کر لینے کے بعد اسکے حقوق سے جان چرانے اور ان کو چھوڑ کر بھاگ آنے یا محض غیر مسلم ہونے کی بنیاد پر طلاق دیدینے کی اجازت کا۔ تو اس کا حکم اس کی نیت و منشاء کے پیش نظر مختلف ہوگا ہاں یہ ضرور ہے کہ جب تک وہ اسکی زوجیت میں ہے اسکے تمام تر حقوق بالا کی ادائیگی شوہر کی ذمہ داری ہے۔ اس میں کوتاہی حرام ہے۔ اور یہ حسن معاشرت کے حکم عاشروھن بالمعروف کے بھی خلاف ہے۔ اس حرکت سے اس کتابیہ کے دل میں اسلام اور مسلمان کی طرف سے منفی اثر پڑے گا۔

ہاں اگر کتابیہ کو چھوڑ کر بھاگ آنے یا طلاق دیدینے کی کوئی جائز وجہ ہو یا اُن سے نکاح کے بعد نقصانات کا اندازہ ہو تو جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت سے صحابہ کو ایسے نکاح ختم کر دینے کا حکم دیا تو کتابی عورتوں سے کئے ہوئے نکاح اسی قسم کی مصلحتوں سے ختم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن ''بائے زود و پشیماں کا پشیماں ہونے'' سے اچھا ہے کہ پہلے ہی ہوش کے ناخن لے لے اور کتابی عورتوں کے پھندے میں نہ پھنسے اور شادی بیاہ اُن سے نہ رچائے۔ فقط۔

۸- (ج): اب رہا عیسائیوں کے اُن اداروں کا مسئلہ جو قرض مہیا کرتے ہیں اور وہ اسپتال جو جسمانی مریضوں کے علاج کے بہانے روحانی روگ بھی مریضوں کو سپلائی کرتے ہیں ایسے اداروں و اسپتالوں سے مسلمان کس حد تک استفادہ کر سکتے ہیں؟ اسکا جواب لکھنے سے پہلے امت مسلمہ کی زبوں حالی اور عالم اسلام کی مجرمانہ غفلت پر ایکبار پھر ماتم کرتے چلیں کہ رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ''خير الناس من ينفع الناس'' اور ''الخلق عيال الله فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله'' وغیرہ ہوتے ہوئے کیا۔ امت مسلمہ مفید ہونے کے بجائے اب مستفید بن رہ گئی یہ گویا کاسۂ گدائی ہی اسکا مقدر بن گیا ہے؟ بہرحال اس مسئلہ میں بھی تعلیمی اداروں کی طرح مسلمانوں کو اپنے رفاہی ادارے اور اپنے نجی اسپتالوں کے ذریعہ خود کفیل ہونے کی ضرورت ہے ورنہ بیمار اپنی صحت کے لئے اپنے دین کا سودا کرے گا اور مجبور و محتاج اپنا پیٹ پالنے کیلئے اپنے مذہب کو فروخت کرے گا۔ جہاں تک مسئلہ ان اداروں سے استفادہ کے جواز کا ہے تو فی نفسہ سکی گنجائش ہے در اصل علاج یا قرض کا تعلق انسانی ضروریات سے ہے مذہب کی بنیاد پر اسمیں تفریق نہیں ہے۔ غیر مسلموں سے قرض لینا یہودی کے پاس گروی رکھ کر اناج حاصل کرنا وغیرہ احادیث سے ثابت ہے۔ اسی طرح علاج کیلئے بھی بڑے نرم احکام دیئے گئے ہیں تداوی بالحرام تک کی اجازت ہے اس لئے کسی یہودی عیسائی سے نہ قرض لینے میں فی نفسہ قباحت ہے نہ علاج کرانے میں یوں بھی مسلمان سرکاری اسپتالوں اور بینکوں سے رجوع کرتا ہے اور غیر مسلموں کی ایجادات و مصنوعات سے فائدہ اُٹھاتا ہے تو اُن کے اسپتالوں سے علاج کرنے اور ان سے قرض لینے کی فی نفسہ کوئی ممانعت نہیں، البتہ اپنے دین پر استقامت شرط لازم ہے۔ اور عام امت مسلمہ کو اِن خطرات سے بچانے کیلئے اسکے متبادل معیاری اسپتال اور اداروں کا قیام فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے۔



عصر حاضر کے اہل کتاب اور ان کا حکم

مولانا محمد عثمان بستوی[1]

اہل کتاب کی تعریف:

اہل کتاب سے مراد اصلاح شرع میں وہ لوگ ہیں جو کسی متیقن آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں اور کسی یقینی نبی کی نبوت کا اقرار کرتے ہوں۔

''وقد عرفوا بانهم كل من يؤمن بنبي ويقر بكتاب، ويشمل اليهود والنصارى ومن آمن بزبور داؤد وصحف ابراهيم وشيث وذلك لانهم يعتقدون دينا سماويا منزلا بكتاب'' (مصطلحات الفاظ الفقيه ا/ ۲۳۰)۔

''والكتابي من يؤمن بنبي ويقر بكتاب'' (فتح القدير ۳/ ۲۲۹، شامی ۴/ ۱۳۴، بحر ۳/ ۱۰۳)۔

اہل کتاب کا مصداق:

جمہور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اہل کتاب کے مصداق صرف یہود ونصاری ہیں دوسرا کوئی فرقہ اہل کتاب کا مصداق نہیں۔

''ذهب الجمهور الفقهاء إلى أن أهل الكتاب هم اليهود والنصارى بفرقهم المختلفة وتوسع الحنفية فقالوا: إن أهل الكتاب هم كل من يؤمن بنبي ويقر بكتاب ويشمل اليهود والنصارى، ومن آمن بزبور داؤد وصحف ابراهيم وشيث، وذلك؛ لأنهم يعتقدون دينا سماويا منزلا بكتاب۔

واستدل الجمهور بقوله تعالى: أن تقولوا إنما انزل الكتاب على طائفتين من قبلنا'' (موسوعه فقهيه ۷/ ۱۴۰، احكام القرآن جصاص ۲/ ۱۱۸)۔

عصر حاضر کے اہل کتاب اور ان کا حکم:

ہمارے زمانے کے جو یہود ونصاری حضرت عیسی، حضرت مریم، اور حضرت عزیر علیہم الصلوۃ والسلام وغیرہم کی پرستش کرتے ہیں وہ بھی اہل کتاب میں داخل ہیں ان کو عام مشرکین کے حکم میں نہیں رکھا جاسکتا ہے، کیونکہ خود قرآنی تصریحات سے یہ بھی ثابت ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں جو یہود ونصاری موجود تھے اور جن کے کھانے اور عورتوں کی حلت کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے یہ وہی یہود ونصاری ہیں جن کے بارے میں قرآن کریم نے یہ بھی تصریح فرمادی ہے کہ یہ لوگ اپنی آسمانی کتابوں میں تحریف کیا کرتے تھے اور یہ کہ انہوں نے حضرت عیسی ومریم علیہما السلام کو خدا تعالی کا شریک اور معبود بنا رکھا تھا اور اسی لئے قرآن کریم نے ان کو کافر قرار دیا ہے: "لقد كفر الذين قالوا إن الله هو المسيح بن مريم" (سورۂ مائدہ: ۷۲) اس سے معلوم ہوا کہ طعام اہل کتاب جس کے حلال ہونے کا اس آیت میں ذکر ہے ان اہل کتاب کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اصل تورات وانجیل پر عمل کرتے ہوں، بلکہ وہ سب یہود ونصاری بھی اس میں داخل ہیں جو اصلی تورات وانجیل میں تحریف کرکے شرک میں مبتلا ہو گئے تھے اور تورات وانجیل کے بہت سے احکام کو بھی بدل ڈالا تھا تفسیر ابن جریر، ابن کثیر، بحر محیط وغیرہ میں تمام صحابہ وتابعین اور جمہور امت کا یہی مسلک نقل کیا گیا ہے (جواہر الفقہ ۲/ ۳۷۴)۔

''قال في المستصفى! قالوا: هذا يعنى إذا لم يعتقدوا المسيح إلها، أما إذا اعتقدوه فلا، وفي مبسوط شيخ الاسلام: ويجب أن لايأكلوا ذبائح أهل الكتاب إذا اعتقدوا أن المسيح إله وأن عزير اله، ولا يتزوجوا نساءهم، وقيل: عليه الفتوى، ولكن بالنظر إلى الدلائل ينبغي أن يجوز الأكل والتزوج بو موافق لما في رضاع مبسوط شمس الأئمة في

---

[1] جامعہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور۔

الذبيحة، قال: ذبيحة النصراني، حلال مطلقا سواء قال بثالث ثلاثة، أولا، وموافق لا طلاق الكتاب هنا، والدليل هو قوله تعالى: والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم'' (فتح القدير ۳/ ۲۲۹، شامی ۴/ ۱۳۴)۔

حاصل یہ کہ اہل کتاب میں ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ توحید خالص کا ایمان رکھتا ہو، اور نہ یہ شرط ہے کہ وہ موجود تورات اور انجیل کی تحریف پر ایمان رکھتا ہو، اور نہ یہ شرط ہے کہ حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ کی شریعتوں کے منسوخ ہونے پر ایمان رکھتا ہو، بلکہ اہل کتاب ہونے کے لئے صرف ان بنیادی عقائد پر ایمان کافی ہے جن پر یہود ونصاریٰ ایمان لاتے ہیں اور جس کے ذریعہ وہ دوسرے مذہب والوں سے ممتاز ہوجاتے ہیں (فقہی مقالات: ۴/۲۲۱)۔

جواب: ۲، ۵، ۷- فرقہ صابیہ:

قرآن کریم میں فرقہ صابیہ کا ذکر کل تین مقامات سورۂ مائدہ، سورۂ بقرہ: ۶۲، سورہ حج: ۱۷ میں کیا گیا ہے، قرآن کریم کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی یہود ونصاریٰ کی طرح کوئی مستقل فرقہ ہے، لیکن چونکہ اس نام سے جانے والے فرقے مختلف علاقوں میں بہت آباد تھے جن کے اعتقادات میں اختلافات بھی پایا جاتا ہے اسی وجہ سے مفسرین وفقہاء کا ان کے اعتقادات نقل کرنے میں خاصا اختلاف ہوگیا چنانچہ مجاہد اور حسنؒ کے نزدیک یہ لوگ کسی خاص دین کے پیرو نہیں تھے، بلکہ یہودیت اور مجوسیت کے بین بین تھے، ان لوگوں کے نزدیک ان کا ذبیحہ حرام ہے، ابن زید کا قول ہے کہ یہ ایک مخصوص دین کے پیرو تھے اور جزیرہ موصل میں آباد تھے ان کا عقیدہ توحید کا تھا، لیکن یہ نہ تو کسی نبی اور کتاب کے پیرو تھے اور نہ ہی ان کے یہاں شرعی اعمال کا کوئی مخصوص نظام تھا، قتادہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ملائکہ کی پرستش کرتے ہیں، قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور زبور کی تلاوت کرتے تھے، ابو...... اور سفیان کے نزدیک یہ لوگ اہل کتاب میں سے ایک فرقہ تھے (تدبیر قرآن ۱/ ۲۳۰)۔

وفي الصابئين سبعة اقوال:

أحدها: أنه صنف من النصارى والمجوس ألين قولا منهم وهم السائحون المحلقة أوساط رؤوسهم روى ابن عباس مجوس اور نصاریٰ کی ایک قسم ہے۔

والثاني: أنهم قوم بين النصارى أو المجوس ليس لهم

والثالث: أنهم قوم بين اليهود والنصارى۔

والرابع: قوم كالمجوس۔

والخامس: فرقة من أهل الكتاب يقرؤن الزبور

والسادس: قوم يصلون إلى القبلة ويعبدون الملائكة ويقرؤن الزبور

والسابع: قوم يقولون: لا اله الا الله فقط وليس لهم عمل ولا كتاب ولا نبي (زاد المسير ۱/ ۶۲)۔

اختلاف آراء کی وجوہات:

یہ فرقہ کسی ایک مقام پر نہیں، بلکہ مختلف مقامات پر آباد تھے اور ہر علاقے کے فرقے کے اعتقادات مختلف تھے اسی وجہ سے حضرات مفسرین وفقہاء کا ان کے بارے میں اختلاف ہوگا کسی نے ان کو اہل کتاب یہود ونصاریٰ میں سے کسی نے مجوس میں سے کسی نے عبدۃ الاوثان میں سے کسی نے عبدۃ الکواکب میں سے مانا تو کسی نے شیث کسی نے داؤد اور کسی نے زکریا کے دین کے پیروگار مان کر اہل کتاب میں سے شمار کیا ہے (احکام القرآن ۳/ ۱۱۸، تفسیر قرطبی ۱/ ۴۳۴، موسوعۃ الفقہیہ ۲۶/ ۲۹۴)۔

صابی سے متعلق احکام فقہیہ:

امام احمدؒ کا ایک قول یہ ہے کہ وہ عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے پھر جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ یوم السبت کا احترام کرتے ہیں تو انہیں یہودیوں کے حکم میں قرار دیا، امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ اگر ان کے عقائد عیسائیوں اور یہودیوں کے مطابق ہوں تو ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہوگا، ورنہ تو نہیں، مالکیہ کا خیال ہے

کہ چونکہ عام عیسائیوں سے بہت کچھ مختلف ہیں اوران کا مذہب آتش پرستوں سے قریب تر ہے اس لئے ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

حضرت امام یوسف اور امام محمدؒ نے بھی ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا ہے، امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ آپ ان کو اہل کتاب میں شمار کرتے ہیں یہی رائے مشہور مفسر سدیؒ اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ کی ہے (قاموس الفقہ ۴ / ۲۱۵)۔

فقہاء کا یہ اختلاف حقیقی نہیں، حضرات فقہاء کے درمیان پایا جانے والا یہ اختلاف حقیقی نہیں ہے، بلکہ ان کے مذہب کے اشتباہ کی وجہ سے ہے، جن حضرات کے نزدیک اس کا مشرک اور مجوس ہونا معلوم ہوا تو انہوں نے ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا اور جن کو ان کا یہود ونصاری ہونا معلوم ہوا یا کسی دوسرے نبی کے دین کا متبع ہونا معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو اہل کتاب کے حکم میں رکھا ہے، اگر ان کے اعتقادات کو سمجھنے میں حضرات فقہاء کو اشتباہ نہ ہوا ہوتا تو ان کے احکام میں بھی کوئی اختلاف نہ ہوتا۔

”وأما الصابئات فقد قال أبوحنيفة: إنه يجوز للمسلم نكاحهن وقال ابو يوسف ومحمد لايجوز. وقيل: ليس هذا باختلاف فى الحقيقة، وانما الاختلاف لاشتباه مذهبهم فعند ابى حنيفة هم قوم يؤمنون بالكتاب فإنهم يقرؤون الزبور ولا يعبدون الكواكب، ولكن يعظمونها كتعظيم المسلمين الكعبة فى الاستقبال إليها. إلا أنهم يخالفون غيرهم من أهل الكتاب فى بعض دياناتهم ولا يمنع المناكحة كاليهود مع النصارى. وعند أبى يوسف و محمد أنهم قوم يعبدون الكواكب وعابد الكوكب كعابد الوثن فلا يجوز للمسلمين مناكحاتهم“ (بدائع الصنائع ۲/ ۵۵۳)۔

عصر حاضر میں فرقہ صابیہ کا وجود:

مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ صابیوں یا صابئہ کے نام سے معروف آج کل کوئی قوم نہیں (معارف القرآن ۲/ ۲۳۳)۔

علامہ فراہی ”تدبر القرآن“ میں فرماتے ہیں کہ اس مذہب (صائبت) کے ماننے والوں کا وجود اب کہیں باقی نہیں ہے اور نہ ہی ان کی کوئی مستند تاریخ موجود ہے اس وجہ سے اعتماد سے ان کے متعلق کوئی بات کہنا مشکل ہے (تدبر القرآن ۱/ ۲۳۱)۔

قاموس الفقہ میں بھی اس زمانہ میں اس کے وجود کی نفی کی گئی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: سلف صالحین کے اقوال سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک ڈیڑھ سو سال تک ظہور اسلام کے بعد یہ مذہب پایا جاتا تھا، لیکن اس دور میں اس نام سے کوئی قوم معروف اور متعارف نہیں (قاموس الفقہ ۴/ ۲۱۵)۔

۳-صرف نام کے یہود ونصاری:

شرعاً اہل کتاب کے حکم میں داخل ہونے کے لئے صرف یہود ونصاری کی طرح نام کا ہونا اور مردم شماری کے وقت ان کا نام یہود ونصاری کی فہرست میں لکھا جانا کافی نہیں، بلکہ یہ ضروری ہے کہ ان کے عقائد اہل کتاب جیسے عقائد ہوں، صرف نام کے یہود ونصاری جو بحقیقت دہریہ ہیں، اہل کتاب میں داخل نہیں، آج کل یورپ کے یہود ونصاری میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنی مردم شماری کے اعتبار سے یہودی یا نصرانی کہلاتے ہیں، مگر درحقیقت وہ خدا کے وجود کے اور کسی مذہب کے قائل نہیں وہ نہ تو تورات وانجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں اور نہ ہی حضرت عیسی اور حضرت موسی علیہما السلام کو اللہ کا پیغمبر تسلیم کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ محض مردم شماری کی وجہ سے اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتے، لہذا نہ تو ان کا ذبیحہ حلال ہے اور نہ ہی ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے، اس کی دلیل بالکل واضح ہے وہ یہ کہ اہل کتاب اپنے خاص عقائد کی وجہ سے دوسرے کفار سے ممتاز ہیں، مثلاً وہ اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہیں اسی طرح آسمانی کتابوں اور رسولوں کے حق ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، لہذا جو شخص اللہ کے وجود کا قائل نہ ہو اور نہ ہی رسولوں کے حق ہونے پر ایمان رکھتا ہو اور نہ ہی کتاب سماوی پر ایمان رکھتا ہو، اس کو اہل کتاب میں شمار کرنا جائز نہیں، چنانچہ نصاری بن تغلب کے بارے میں حضرت علیؓ سے ایسا ہی حکم مروی ہے۔

”روى محمد بن سيرين عن عبيدة قال سئلت عليا عن ذبائح نصارى الحرب فقال: لاتحل ذبائحهم. فإنهم لم يتعلقوا من دينهم بشئ إلا شرب الخمر“ (احکام القرآن جصاص ۲/ ۲۲۳)۔

ظاہری علامات پر فیصلہ:

جس یہودی اور نصرانی کے بارے میں یقین سے کچھ معلوم نہ ہو کہ اللہ کے وجود رسولوں کی رسالت اور آسمانی کتابوں پر اس کا ایمان ہے، یا نہیں البتہ نام اور

ظاہری علامات سے نصرانی اور یہودی معلوم ہوتا تو اس کو نصرانی اور یہودی سمجھنا جائز ہے اور ان کا ذبیحہ بھی حلال ہے، جب تک یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ اس کے عقائد مادہ پرستوں کے عقائد کی طرح ہیں (فقہی مقالات ۴ / ۲۴۳)۔

الحاد (زندقہ):

جس طرح کفر ارتداد کی ایک قسم تبدیل مذہب ہے اسی طرح دوسرے قسم بھی یہ ہے کہ ضروریات دین اور قطعیات اسلام (وہ احکام قطعیہ جو مسلمانوں کے ہر طبقہ خاص عام میں اس طرح مشہور و معروف ہوں کہ ان کا حاصل کرنا کسی خاص اہتمام اور تعلیم و تعلم پر موقوف نہ رہے، بلکہ عام طور پر مسلمانوں کو وراثۃً وہ باتیں معلوم ہو جائیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا فرض ہونا چوری شراب خوری کا گناہ ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا وغیرہ تو ایسے احکام قطعیہ کو ضروریات دین کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے) میں سے کسی چیز کا انکار کر دیا جائے یا ضروریات دین میں سے کوئی ایسی تاویل کی جائے جس سے اس کے معروف معانی کے خلاف معنی پیدا ہو جائے اور غرض معروف بدل جائے تو یہ بھی ارتداد کی ایک قسم ہے اور اس قسم کا نام قرآن کی اصطلاح میں الحاد ہے:

"قال تعالیٰ إن الذين يلحدون فی آياتنا لا يخفون علينا" (فصلت: ۴۰)

(جو لوگ ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکتے)

اور حدیث میں اس قسم کے ارتداد کا نام زندقہ رکھا گیا ہے جیسا کہ صاحب مجمع البحار نے حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

"أتی علی بزنادقه ہی جمع زنديق إلی قوله ثم استعمل فی کل ملحد فی الدين والمرد هنا قوم ارتدوا عن الاسلام" (مجمع البحار: ۶۹۵)

اور علماء کلام اور فقہاء اس خاص قسم ارتداد کا نام باطنیت رکھتے ہیں اور کبھی وہ بھی زندقہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

"کما ذکره الشامی حيث قال: فإن الزنديق يموه کفره ويروج عقيدته الفاسدة ويخرجها فی الصورة الصحيحة وهذا معنی إبطال الکفر فلا تنافی إظهار الدعوی أی الضلال" (شامی ۶/ ۳۸۴)۔

زندیق کی تعریف:

زندیق کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اسلام کا مدعی ہو اور اپنے کفریہ عقائد کا برملا اعلان کرتا ہو اور انہیں کفریہ عقائد کو اسلام قرار دیتا ہو تو وہ زندیق ہے،

"فإن الزنديق يموه کفره ويروج عقيدته الفاسدة ويخرجها فی الصورة الصحيحة" (شامی ۶/ ۳۸۴) "وإن اعترف به ظاهرا وباطنا لکنه يفسر ماثبت من الدين ضرورة بخلاف ما فسره الصحابة والتابعين واجتمعت عليه الأمة فهو زنديق کما إذا اعترف بأن القرآن حق وما فيه من ذکر الجنة والنار حق لکن المراد بالجنة الابتهاج والمدراد بالنار هی الندامة فهو زنديق" (المسوی ۲/ ۲۶۸)۔

فرقہ بابیہ اور بہائیہ:

فرقہ بابیہ اور بہائی درحقیقت دونوں ایک ہی فرقہ ہیں، اس فرقہ کا وجود اولا بابیہ کے نام سے ہوا، اس کے موجود کے قتل کے بعد اس کے جانشین نے اس کو بہائیت سے ملقب کیا، جس کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے:

"ایران میں شیعوں کے شیخیہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے علی محمد نامی شخص (پیدائش ۱۸۱۹ء موت ۱۸۵۰ء) نے ۱۸۴۴ میں یہ دعوی کیا کہ وہ حضرت مہدی تک پہنچانے کا "باب" یعنی دروازہ ہے ایرانی حکومت نے اس کو اسلام مخالف عقائد و نظریات کی وجہ سے پھانسی دے کر ۱۸۵۰ء میں قتل کر دیا اس کے بعد حسین علی نوری پیدائش ۱۸۱۷ء نام کے ایک شیعہ معتقد نے اس کی جانشینی کا دعوی کر کے "بہاء اللہ" ہونے کا دعوی کیا مرزا علی محمد نے "باب" ہونے کا دعوی کر کے جن خیالات و نظریات کی اشاعت کی اسے بابیت سے تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ بہاء اللہ نے اپنے ماننے والوں کا نام "بہائی" تجویز کیا ہے، اور اس کا یہ اعلان ہے کہ

"تعين لأحد أن يتمسك اليوم إلا بما ظهر فی هذا الظهور" (اقدس/ ۸)

یعنی بہاء اللہ نے جو کچھ کہا ہے اب وہی حجت ہے اس سے ماقبل جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب منسوخ ہے بہاء اللہ نے واضح طور پر یہ بھی کہا ہے کہ بہائیت اسلام کے مقابل نہیں، بلکہ مذہب اسلام کی جگہ ایک نئی تحریک ہے، خدا کی تعلیمات وہدایات کا قدیم ایڈیشن اسلام تھا اور جدید ایڈیشن بہائیت ہے، نعوذ باللہ خدا نے اسلام کو منسوخ کیا تو بہائیت کو رائج کیا ان کے نزدیک اقدس نامی بہاء اللہ کی تصنیف کو قرآن کی جگہ نازل مانا گیا، علاوہ ازیں البنیان ایقان کلمات تکفونہ وغیرہ ہیں ان کی اہم کتابیں تھیں۔

اس فرقے سے متعلق فتوی:

فرقہ "بابیت و بہائیت" اسلام سے الگ مستقل فرقہ ہے اس کا دین محمدی اور شریعت محمدی ﷺ سے کوئی تعلق نہیں اس فرقے کے مذہبی کتابوں سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ:

الف- ان کے نزدیک پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد بھی نبوت ورسالت اور وحی کا سلسلہ جاری ہے (جیسا کہ سوال نامہ میں ان کی مقدس کتاب "الواح" /ص ۷۳ کے حوالے سے وضاحت موجود ہے)۔

ب- خود بہاء اللہ نے اپنے مبعوث اور رسول ہونے کا دعوی کیا ہے (کتاب مبین /ص ۶۷ اخبار کوکب ہند کار ۴/۱۰)۔

ج- بہاء اللہ نے مسیح موعود ہونے کا بھی دعوی کیا ہے (کوکب ہندا / ۱۹۲۴ء)۔

د- اس فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ دین محمدی (۱۲۶۰ھ) میں منسوخ ہو چکا ہے اور اب دین بہائی ہی معمول بہ ہے (معیار الصحیح فی معرفۃ ظہور المہدی والمسیح ۶۳-۶۴) بلاشبہ یہ فرقہ کافر اور زندیق ہے، ان سے نہ تو مناکحت جائز ہے اور نہ ہی وراثت جاری ہوگی (کتاب النوازل ملخصا ۲/ ۶۷-۹۴)۔

زنادقہ میں شمارے فرقے:

۱- شیعہ، یہ زنادقہ کا قدیم ترین فرقہ ہے اور سب سے بڑا دشمن اسلام اور سب سے زیادہ بدترین خبیث ہے (یعنی کفریہ عقائد رکھنے والے شیعہ)۔

۲- مرزائی، قادیانی ولاہوری، ۳- آغا خانی، اسماعیلی، ۴- بوہری، ۵- بہائی اور بابی علی محمد (م: ۱۸۵۰ھ) نے یہ دعوی کیا کہ وہ حضرت مہدی تک پہنچنے کا باب ہے، اس کے ماننے والوں کو بابی کہا جاتا ہے، اس کے بعد حسین علی نوری نے بہاء اللہ ہونے کا دعوی کیا اور اس کے ماننے والوں کو بہائی کہا جاتا ہے۔

۶- مہدوی، اور اس کی شاخیں ذکری وغیرہ۔

۸- انجمن دینداران، مدعی الوہیت "چن بسویشور" کے باندے۔

زنادقہ میں شمار فرقوں کے احکام:

۱- حکومت پر فرض ہے کہ ان کے قتل کا حکم دے، خواہ کوئی خود زندیق بنا ہو یا باپ دادا سے اس مذہب میں چلا آتا ہو، جبکہ مرتد کی اولاد واجب القتل نہیں، اسی طرح عورت مرتدہ ہو جائے تو واجب القتل نہیں، مگر زندیقہ عورت بھی واجب القتل ہے۔

۲- گرفتار ہونے کے بعد ان کی توبہ قبول نہیں، جبکہ مرتد کی توبہ گرفتاری کے بعد بھی قبول ہے۔

۳- ان کے کسی مرد یا عورت سے کسی مسلمان کا نکاح جائز نہیں۔

۴- ان کا ذبیحہ حرام قطعی ہے۔

۵- ان سے کسی قسم کا کوئی معاملہ بھی جائز نہیں۔

۶- ان کے جنازے میں شرکت جائز نہیں۔

۷- مسلمانوں، بلکہ کافروں کے قبرستان میں بھی دفن کرنا جائز نہیں، کہیں گڑھا کھود کر اسمیں پھینک کر مٹی ڈال دی جائے (احسن الفتاوی ۶/ ۳۸۷-۸۸)۔

اسلام کی طرف نسبت کرنے والے فرقوں کی تین حالتوں میں سے کوئی ایک ضرور ہوگی:

اول:...... یہ کہ ان میں سے کسی شخص یا فرقہ کے متعلق یقینی طور سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ ضروریات دین میں سے کسی کا منکر ہے، اگرچہ انکار میں تاویل بھی کرتا ہے اور صاف انکار کرنے سے تبری کرتا ہو مثلاً قرآن مجید کے محرف و ناقابل اعتبار ہونے پر اگر کسی شخص کی ایسی صاف عبارت ہے کہ اس سے یقینی طور سے بھی یہی مفہوم نکلتا ہے پھر باوجود اس کے وہ اپنی عبارت کو غلط مان کر اس سے رجوع ظاہر نہیں کرتا مگر عقیدہ تحریف قرآن سے تبری کرتا ہے تو اس تبری کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ وہ اتفاق اجماع کافر اور مرتد ہے اس کے ساتھ کسی قسم کا اسلامی معاملہ رکھنا جائز نہیں، نہ اس سے کسی مسلمان کا نکاح جائز ہے نہ اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال نہ اس پر نماز جنازہ جائز وغیرہ (شامی ۴/۳۵،۱۳۵،۶/۲۹۹)۔

دوم:...... دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص یا فرقہ کے متعلق یقینی طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ ضروریات دین میں سے کسی کا منکر نہیں، مگر صرف اس میں اختلاف رکھتا ہے کہ جمہور امت کے خلاف حضرت علیؓ کو خلیفہ اول سمجھتا ہے تو وہ شخص فاسق و گمراہ ہے، مگر کافر و مرتد نہیں، اس کے ساتھ اسلامی معاملات جائز ہے جو کسی فاسق و گمراہ کے ساتھ کئے جاسکتے ہیں، مثلاً اس کا ذبیحہ حلال ہے اور اس کے جنازے پر نماز جائز ہے، نکاح کے معاملے میں اس سے بھی اجتناب بہتر ہے، کیونکہ وہ فاسق کی مباشرت کے اثرات و نتائج خطرناک ہیں (شامی ۴/۳۵،۱۳۵،۶/۳۷۸)۔

سوم:...... تیسری صورت یہ ہے کہ یقینی طور پر کسی امر کا ثبوت نہ ملے یعنی نہ ضروریات دین میں سے کسی چیز کے منکر ہونے اور نہ ہونے کا یقین نہ ہو، بلکہ ایک مشتبہ حالت ہو خواہ اشتباہ اس وجہ سے ہو کہ اس فرقہ کے اقوال و عقائد ہی مشتبہ ہیں یا اس وجہ سے کہ اس شخص کے متعلق یہ یقین نہیں کہ اس کا تعلق باعتبار مذہب و عقائد کے کسی فرقہ سے ہے ایسے لوگوں کے متعلق شرعی فیصلہ بھی دشوار ہے، اس میں سب سے زیادہ احوط و اسلم وہ حکم ہے جو حضرت تھانویؒ نے "امداد الفتاویٰ" میں تحریر فرمایا ہے: کہ اگر کسی شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جائے نہ اسلام کا حکم اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا یعنی نہ اس کے عقد مناکحت کی اجازت دیں گے نہ اس کی اقتداء کریں گے اگر تحقیق کی قدرت ہو اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو ویسے ہی احکام جاری کر دیں گے۔

اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو تو سکوت کریں گے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے، اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے:

"لاتصدقوا أهل الكتاب ولا تكذبوهم وقولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا الآية" (رواه البخاري)۔

دوسری فقہی نظیر احکام خنثیٰ کے ہیں:

"يوخذ بالأحوط والأوثق في أمور الدين وان لايحكم بثبوت حكم وقع في ثبوته واذا وقف خلف الإمام قام بين صف الرجال والنساء ولا تصلي بقناع ويجلس في صلاته جلوس المرأة ويكره له في حياته لبس الحرير والحلي وأن يخلو به غير محرم من رجل أو امرأة او يسافر مع غير محرم من الرجال والاناث ولا يغسله رجل ولا امرأة وتيمم بالصعيد ويكفن كما يكفن الجارية وامثاله مما فصله الفقهاء" (جواہر الفقہ ا/ ۲۶۴)۔

ایک سوال:...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ارکان اسلام نماز، روزہ، حج، زکوۃ کو تسلیم کرنے کے باوجود بعض ضروریات دین کے انکار کی بناء پر تکفیر سے اہل قبلہ کی تکفیر ہو جاتی ہے، جس کی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے۔

جواب:...... لفظ اہل قبلہ کی ایک شرعی اصطلاح ہے جس کے معنی اہل اسلام کے ہیں اور اسلام وہی ہے جس میں کوئی بات کفر کی نہ ہو، لہذا یہ صرف ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے جو تمام ضروریات دین کو تسلیم کریں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام پر (بشرط ثبوت) ایمان لائیں نہ کہ ہر اس شخص کے لئے جو قبلہ کی طرف منہ کرے (جواہر الفقہ: ص ۳۲)۔

"ومن قواعد أهل السنة والجماعة أن لايكفر واحد من اهل القبلة" (شرح العقائد النسفيه/ ص ۱۲۱، شرح التحرير ۳/ ۳۱۸)۔ "وسياقها عن ابي حنيفة ولانكفر أهل القبلة بذنب انتهى فقيده بالذنب في عبارة الإمام وأصله في حديث أبي داؤد كما مر أنفا"

(اہل سنت والجماعت کے قواعد میں سے ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی شخص کی تکفیر نہ کی جائے، شرح عقائد نسفی اور شرح تحریر میں ہے کہ یہ مضمون امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ اہل قبلہ میں کسی شخص کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے ہیں سو اس میں بذنب کی قید موجود ہے اور غالباً یہ قید حدیث ابوداؤد کی بنا پر لگائی گئی ہے)۔

سوال میں درج فرقوں کا حکم:

تفصیلات مذکورہ کی روشنی میں یہ واضح ہوگیا کہ فرقہ بہائیہ اور قادیانیہ، مرتد وزندیق ہیں یہ اہل کتاب میں داخل نہیں لہذا نہ توان کا ذبیحہ حلال ہے اور نہ ہی ان کی عورتوں سے مناکحت جائز، جیسا کہ تمام کتب فتاوی حاضرہ (امداد الفتاوی ۱/ ۴۹، ۶۶، دار العلوم محمودیہ، کتاب النوازل) میں اس کی تصریح موجود ہے، اور اگر آبائی زندیق ہیں تو کافر کا حکم ہوگا مرتد کا نہیں (کمافی البدائع ۶)۔

سکھ نہ تو مسلم ہیں اور نہ ہی اہل کتاب، لہذا نہ توان کا ذبیحہ حلال اور نہ ہی مناکحت جائز، کیونکہ اسلام کے لئے نبی پاک ﷺ کی رسالت اور کتاب اللہ پر ایمان واتقان کا ہونا لازم ہے اور اہل کتاب میں داخل ہونے کے لئے کسی دین سماوی منسوخہ پر ایمان کا ہونا شرط ہے، اور سکھ نہ تو اسلام کو مانتے ہیں اور نہ ہی کسی دیگر دین سماوی کو اس لئے ان کا شمار اہل کتاب کے علاوہ دیگر کافرین میں ہوگا۔

نسلی قادیانی:

جس شخص نے خود قادیانیت اختیار نہ کیا ہو بلکہ آباء واجداد سے اس کو قادیانی مذہب ملا ہو تو اس کے اہل کتاب میں داخل ہونے کے بارے میں اہل علم کی آراء مختلف معلوم ہوتی ہیں، چنانچہ امداد الاحکام، کفایت المفتی، شامی وغیرہ سے نسلی قادیانیوں (نسلی زنادقہ) کا اہل کتاب میں داخل ہونے سے معلوم ہوتا ہے، لیکن حضرت تھانویؒ اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی تحریر سے نسلی قادیانیوں کا اہل کتاب میں داخل نہ ہونا معلوم ہوتا ہے، اس لئے ہم اولا دونوں طرح کی تحریریں نقل کریں، بعد انشاء اللہ اپنی رائے بھی ذکر کریں گے۔

وہ تحریریں جن سے نسلی قادیانی کا اہل کتاب ہونا معلوم ہوتا ہے:

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ مرد سنی ہو اور وہ عورت رافضیہ سے نکاح کرے جس کا رفض جدید نہیں، بلکہ آباء واجداد سے قدیم ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے اور وہ رافضیہ مثل کتابیہ کے اس کی زوجہ ہے، اور اس کی اولاد اس کی وارث ہوگی، اور زوجین میں توارث نہ ہوگا، غرض سنی مرد کا نکاح تو رافضیہ سے صحیح ہے، مگر مکروہ ہے، مگر سنیہ عورت کا نکاح رافضی مرد سے نہ ابتداء صحیح ہے نہ بقاء (امداد الاحکام ۲/ ۲۲۵)۔ اس کی عبارت یہ ہے:

"وفي تحرير المختار وجعل الوصلي في حاشية المنح: المعتزلي والرافضي بمنزلة أهل الكتاب حيث قال: قوله صح نكاح كتابية أقول يدخل في هذا الرافضة بأنواعها والمعتزلة. فلا يجوز أن تتزوج المسلمة السنية من الرافضي لانها مسلمة وهو كافر فدخل تحت قولهم لايصح تزوج مسلمة بكافر... اهـ قال الرستغفني: لاتصح المناكحة بين أهل السنة والاعتزال اه فالرافضة مثلهم أو اقبح والرملي جعلهم من قبيل أهل الكتاب. فيجوز نكاح نساء نهم ولايزوجون ولعله الاقوال؛ لأنه لايشك فى كفر الرافضة اه" (امداد الاحکام ۲/ ۲۲۲)۔

مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ کے فتوی سے بھی ان کا اہل کتاب میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے (امداد الاحکام ۱/ ۷۸-۸۰)۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص خود مرزائی عقیدہ اختیار کرنے والا ہے، یعنی اس کے ماں باپ مرزائی نہ تھے تو یہ مرتد ہے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست نہیں ہے، لیکن اگر اس کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مرزائی تھا تو یہ اہل کتاب کے حکم میں ہے اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی درست ہے (کفایت المفتی ۱/ ۳۲۰)۔

شامی کی رائے: "وإن وقع التصريح بكفر المعتزلة ونحوهم عند البحث معهم في رد مذهبهم، بأنه كفر على أنهم ليسوا بأدنى حالا من أهل الكتاب، بل هم مقرون بأشرف الكتب" (شامی ۴/ ۱۳۵)

اور شامی کتاب الذبائح میں ہے: "لا تحل ذبيحة غير كتابي من وثني ومجوسي ومرتد وجني وجبرلي لو ابوه سنيا ولوأبوه

جبر یا حلت، أشباه: الظاهر أن أصحاب الأشباه أخذه من القنية ونص عبارتها بعد أن رقم لبعض المشائخ: وعن أبي علي أنه تحل ذبيحة المجيرة إن كان آباؤهم مجيرة، فإنهم كاهل الذمة. وإن كان آباؤهم من أهل العدل لم تحل؛ لأنهم بمنزلة المرتدين'' (شامی ۹/ ۴۳۲)۔

امداد الاحکام اور شامی کی عبارت نسلی قادیانی سے متعلق نہیں ہے، لیکن بلاشبہ یہ عبارات نسلی زندیق سے متعلق ہیں، اور نسلی قادیانی نسلی زندیق میں داخل ہے، لہذا معلوم ہوا زندیق رافضی زندیق جبری کی طرح قادیانی زندیق بھی اہل کتاب کے حکم میں ہوگا (احسن الفتاوی ۵ / ۹۰)۔

وہ تحریریں جن سے نسلی قادیانیوں کا اہل کتاب میں داخل نہ ہونا معلوم ہوتا ہے:

حضرت تھانویؒ کے نزدیک جو شخص قرآن کی طرف منسوب ہوتا ہے مگر قطعیات وضروریات کا منکر ہوا میں تاویل بھی بحکم انکار ہے، وہ مثل غیر کتابی کے ہو جاتا ہے، جیسے آج کل فرقہ مرزائیہ جن میں وہ مرزائی بھی داخل ہیں جو مرزا کے صریح دعوی نبوت میں تاویل کر کے اس کو مومن سمجھنے لگے کیا اس کو مومن کہا جائے گا۔

''وحرم نكاح الوثنية والمعطلة والزنادقة والباطنية والإباحية وفي شرح الوجيز وكل مذهب يكفر به معتقده اه قلت وشمل ذلك الدروز والنصيرية والتامنة ولا تحل مناكحتهم ولا توكل ذبيحتهم؛ لأنهم ليس لهم كتاب سماوي'' (شامی ۴/ ۱۲۵، امداد الفتاوی ۶/ ۴۴۳، ۴۳۲)۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حکومت پر فرض ہے کہ ان کے قتل کا حکم دے خواہ کوئی زندیق بنا ہو یا باپ دادا سے اس مذہب میں چلا آتا ہو (احسن الفتاوی ۶ / ۳۸۸)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ''قاموس الفقہ'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں: راقم الحروف نے جدید فقہی مسائل کے پہلے ایڈیشن میں قادیانیوں کو مطلقا مرتدین کے حکم میں رکھا تھا، لیکن دل میں برابر یہ کھٹک تھی کہ جس نے اسلام چھوڑ کر قادیانیت قبول کیا ہو اس پر ارتداد کا اطلاق تو صحیح ہے، لیکن جو نسلی قادیانی ہیں بوجہ قرآن پر ایمان رکھنے کے کیوں کر ان کو اہل کتاب سے خارج کیا جا سکتا ہے؟ یہ خلش تھی کہ کفایت المفتی میں ایک فتوی ملا کہ نسلی قادیانیوں کا شمار اہل کتاب میں ہوگا، اس مسئلہ پر فقہی جزئیات کے مطالعہ اور بعض اہل علم کی رایوں کے مطالعہ کے بعد اب دل جس بات پر مطمئن ہے وہ یہی ہے کہ نسلی قادیانیوں کو بوجہ زندیقیت کے عام کفار ومشرکین ہی کے حکم میں رکھا جائے گا، نہ کہ اہل کتاب کے حکم میں اور جو مسلمان قادیانیت میں گئے ہوں وہ تو سراسر مرتد ہیں (حاشیہ قاموس الفقہ ۲/ ۲۵۷)۔

ترجیح:

ثانی الذکر حضرات کی رائے بندہ کے نزدیک راجح ہے، یعنی نسلی قادیانی کا حکم عام کفار ومشرکین کا ہوگا، ان کا شمار نہ تو مرتدین میں ہوگا اور نہ ہی اہل کتاب میں اس کو سمجھنے کے لئے درج ذیل چند اصولی باتیں پیش نظر رکھنی چاہئے۔

۱- ضروریات دین اور ختم رسالت کا انکار کرنے کی وجہ سے ان کا خروج عن الاسلام اور کفر یقینی ہے، لہذا یہ اسلام میں داخل نہیں (الکفار ملحدین، جواہر الفقہ ۱/ ۲۷-۲۸، امداد الفتاوی)۔

۲- یہود ونصاری کا باوجود شرک کے اہل کتاب میں داخل ہونا منصوص ہے اور قیاس کے مطابق یہ مشرک ہیں اہل کتاب میں داخل نہیں '

'أما الآية فهي في غير الكتابيات من المشركات؛ لأن أهل الكتاب. وإن كانوا مشركين على الحقيقة'' (بدائع ۲/ ۵۵۳ مکتبہ نعیمیہ) ''كان جواز نكاح الكتابيات على خلاف القياس بآية المائدة'' (اعلاء السنن ۷/ ۴۲ مکتبہ اشرفیہ، فتح القدیر، بحر الرائق)۔

۳- جو حکم خلاف قیاس بطریق نص ثابت ہو اس کا تعدیہ صحیح نہیں، لہذا خارج عن الاسلام کو یہود ونصاری پر قیاس کر کے اہل کتاب میں شمار کرنا غیر منصوص کو منصوص غیر معقول المعنی پر قیاس کرنا ہوگا جو شرعا صحیح نہیں۔

''أما شرط القياس أن لا يكون الأصل معدولا عن القياس'' (شامی / ۹۷)۔

۴- باب بضع (فروج) میں اصل حرمت ہے، لہذا اس کی حلت کسی شک وشبہ سے ثابت نہ ہوگی۔

"قاعدة الأصل فى الإبضاع التحريم، وكذا قال فى كشف الاسرار: الأصل فى النكاح الحظر وأبيح للضرورة فإذا تقابل فى المرأة حل وحرمة غلبت الحرمة" (الاشباہ)۔

۵- اسی طرح لحم حیوانات میں بھی اصل حرمت ہے، جو ذکاۃ شرعیہ یقینیہ کے بغیر حلال نہیں ہوسکتا ہے، حدیث:

"إنى أرسل كلبه أحد معه كلبا آخر لا أدرى أيهما أخذه فقال: لا تاكل الخ" (بخاری شریف حدیث/۵۴۸۶)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حیوانات کے اندر اصل حرمت ہے (فقہی مقالات/۲۰۸)۔

۶- زنادقہ وملحدین کے کفر کی وجہ سے ان کا ایمان کتاب ورسالت سے جاتا رہا، لہذا وہ بغیر کتاب ونبی کے ہوگئے۔

"والعدول عنها أى عن الظواهر إلى معان يدعيها أهل الباطن. الحاد أى ميل وعدول عن الإسلام واتصال واتصاف بكفر لكونة تكذيبا للنبى عليه السلام ورد النصوص كفر لكونة تكذيبا صريحا لله تعالى ورسوله عليه السلام" (عقائد نسفی/ ۱۶۲)، "ويدخل فى عبرة الأوثان عبدة الشمس... والمعطله والزنادقة والباطنية والإباحية وكل مذهب يكفربه معتقده قلت وشمل ذلك الدروز والنصيرية والتيامنية، فلا تحل مناكحتهم ولا توكل ذبيحتهم؛ لأنهم ليس لهم كتاب سماوى" (شامی ۴/ ۱۲۵)۔

اول الذکر اصول ثلاثہ کی روشنی میں یہ بات متحقق ہوگئی کہ اسلام کی طرف نسبت کرنے والے ملحدین وزنادقہ کا اسلام سے خارج ہونا یقینی ہے اور اہل کتاب میں داخل ہونا محتمل ومشکوک، لہذا ان سے مناکحت کی صحت اور ذبیحہ کی حلت جس میں اصل حرمت کا ہونا ثابت ہو چکا ہے) احتمال اور شک سے ثابت نہ ہوگی، اس کی تائید اعلاء السنن ۷/ ۴۲ اور بدائع کی درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے۔

"فإذا كان جواز نكاح الكتابيات على خلاف القياس بأية المائدة لابدان يقتصر على الكتابيات التى علم كونهن من أهل الكتاب بالنص أو بدليل قطعى غيره" (اعلاء السنن ۷/ ۴۲)۔

"ولو كان المجوس من أهل الكتاب لكان أهل الكتاب ثلاث طوائف فيؤدى إلى الخلف فى حبره عزوجل اى انما أنزل الكتاب على طائفتين من قبلنا" (بدائع ۲/ ۵۵۳)۔

اور نمبر (۶) کے تحت مذکورہ عبارات گویا اس مسئلہ میں نص اور صراحت کا حکم رکھتی ہیں، زنادقہ کی اولاد اور نسل خواہ وہ قادیانی ہوں یا دوسرے گروہ وجماعت کے افراد سب کافر ومشرک ہیں ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہوگا، ان سے مناکحت حرام اور ان کا ذبیحہ مردار ہے، جیسا کہ شامی کا یہ لفظ "كل مذهب يكفربه معتقده" اس باب میں عموم پر دلالت کرتا ہے اور اہل کتاب میں شمار نہ ہونے کی وجہ بھی ظاہر ہوگئی، شرح عقائد وشامی کی عبارت سے کہ ان کے کفر والحاد وزندیقیت کی بنا پر خدا اور رسول کی تکذیب ہوئی ہے، اس لئے ان کا نہ تو کسی رسول برحق پر ایمان ہوا اور نہ ہی کسی کتاب سماوی پر ایمان باقی رہا، لہذا یہ مشرک وکافر ہوگئے لیکن اہل کتاب نہیں۔

خلاصہ:

اسلام کی طرف نسبت کرنے وہ فرقہ ضالہ جن کے عقائد کی تفتیش وتحقیق کرکے علماء امت نے تکفیر کردی ہے، ان کا شمار اہل کتاب میں نہ ہوگا، یہ اگر اسلام کو ترک کرکے الحاد اور زندیقیت اختیار کر چکے ہیں تو یہ مرتد ہوں گے، اور اگر اسلام کو ترک کرکے الحاد وزندیقیت اختیار نہیں کیا ہے بلکہ ان کا الحاد قدیم اور آبائی ہے تو یہ مرتد تو نہ ہوں گے، لیکن دیگر کفار ومشرکین کی طرح ان کا بھی حکم ہوگا، اور ان کا بھی شمار اہل کتاب میں نہیں ہوگا۔

"أما حكم الأولاد فولد الأب يجبر على الاسلام ولا يقتل... لأن هذا ردة حكمية لا حقيقة ولا يجبر ولد ولده على الاسلام؛ لأن ولد الولد لايتبع الجد فى الإسلام اذ بوكان كذلك لكان الكفار كلهم مرتدين لكونهم أولاد آدم... وليس كفر الثالث بالاجماع" (بدائع ۶/ ۱۳۶)۔

۵-نکاح کتابیہ (منکوحہ کے انتخاب میں تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم):

شریعت مقدسہ کی نظر میں نکاح زندگی کی رفاقت کا ایک پختہ عہد ہے، جو اسی وقت کامیابی کے ساتھ انجام پا سکتا ہے جبکہ عہد کرنے دونوں فریقوں (زن و شوہر) کے درمیان انس ومحبت پیدا کرنے کے اسباب کامل طور پر پائے جائیں اور دونوں ایک دوسرے کا پورا خیال رکھیں، جس کے لئے شریعت مطہرہ نے جانبین میں دین کو ملحوظ رکھنے کی تاکید کی ہے، ذیل میں چند روایات دین کو ملحوظ رکھنے سے متعلق ذکر کی جاتی ہیں:

''عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: تنكح المرأة لاربع لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين'' (متفق عليه مشكوة)

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے چار وجہوں کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے، اس کے مال، حسب، نسب حسن و جمال اور دینداری کی وجہ سے مگر تم دینداری کو ملحوظ رکھا کرو)۔

''وقال النبي ﷺ الدنيا كلها متاع وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة'' (مسلم)

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی سب چیزیں تھوڑے عرصہ کا سامان ہے، اور دنیا بہترین سامان نیک و دیندار بیوی ہے)۔

''وقال النبي ﷺ لاتزوجوا النساء لحسنهن... ولكن تزوجوهن على الدين ولأمة خرماء سواد ذات دين أفضل'' (ابن ماجه مرقاة)

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسن کی بنا پر نکاح نہ کرو، البتہ دین کو ملحوظ رکھا کرو کنکٹی، کالی کلوٹی دیندار عورت بہتر ہے)۔

''وقال النبي ﷺ: إذا أخطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه أن لاتفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض'' (ترمذی، مشكوة على المرقاة ٦/ ١٨٨، ١٩٢ مكتبه اشرفيه)

(آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دین واخلاق سے راضی ہو اس سے نکاح کرو، ورنہ زمین میں فتنہ اور فساد عریض پھیل جائے گا)۔

روایات بالا سے معلوم ہوا کہ نکاح کرنے میں سب سے زیادہ دین کا خیال رکھنا چاہئے فوقیت ہمیشہ دین ہی کو دینا چاہئے نہ کہ دوسری وجوہات کو کیونکہ زوجہ کا دین خود شوہر کے دین میں معین ہوگا، اور اسکی اولاد کو بھی دیندار ہونے کا موقع میسر آئے گا، نیز دین ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی میں بھی مؤثر ہوگا، اور ظلم و تعدی سے مانع۔

کتابیہ سے نفس نکاح کا حکم:

کتابیہ سے نفس نکاح (دیگر عوارض واسباب سے قطع نظر) مکروہ تنزیہی ہے، اور کراہت تحریم کا حکم دیگر عوارض واسباب کی بنا پر ہوتا ہے، اگر کوئی سبب نہ ہو تو اس کا فسق اعتقادی کراہت کا سبب بہرحال ہوگا، اسی لئے حضرات فقہاء نے کتابیہ سے نکاح کو منع کیا ہے۔

''ويجوز تزويج الكتابيات والأولى أن لايفعل ولا يأكل ذبيحتهم إلا للضرورة'' (فتح القدير ٣/ ٢٢٨)۔

''واستدل الجمهور على الحل بقوله تعالى والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم دلت الآية لعمومها على حل الكتابية مطلقا ذمية او حربية'' (حاشيه شامی ٢/ ١٣٠)۔

کتابیہ سے کراہت نکاح کے اسباب:

اسلام دیندار عورتوں سے نکاح کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، اور غیر متدین عورتوں سے نکاح کو پسند نہیں کرتا ہے، اور کتابیہ کا فسق اعتقادی بہرحال ہے اور بعض مرتبہ فسق عملی...... وغیرہ بھی ہوگا، نکاح کتابیہ غیر مسلم سے مؤدت ومحبت کا سبب بنے گا، جس کی اسلام ممانعت کرتا ہے، کتابیہ اگر غیر مسلم ملک کی باشندہ ہے تو یہ نکاح دار الکفر میں قیام کا سبب بنے گا، کتابیہ کے دین مذہب واخلاق سے خود شوہر اور اولاد و خاندان کے متاثر ہونے کا شدید خطرہ رہتا ہے، اہل اسلام کے راز غیر مسلمین تک منتقل ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، مسلم عورتوں کے بلا نکاح رہنے کا سبب بنے گا۔

''والواقع الزواج بالكتابيات وبالأولى الحربيات مضار اجتماعية وطنية ودينية فقد ينقلن لبلادهن اخبار

المسلمین. وقد یرغبن الاولاد فی عقائد وعادات غیر المسلمین وقد یؤدی الزواج بہا إلی الحاق ضرر بالمسلمات بالأعراض عنہن. وقد تکون الکتابیة منحرفة السلوك ... تبین من ذلك ان عمر رضی اللہ عنہ منع حذیفة من الزواج بالکتابیة لما فیہ من الضرر وہو أما الوقوع فی زواج الموسات منہن أو تتابع المسلمین فی زواج الکتابیات وترك المسلمات بلا زواج'' (الفقہ الاسلامی ۹/ ۶۶۵۴ اشاعت دوم)۔

''وتکرہ الحربیة إجماعا لانفتاح باب الفتنة من إمکان التعلق المستدعی للمقام معہا فی دار الحرب وتعریض الولد علی التخلق بأخلاق أہلا لکفر... الخ'' (فتح القدیر ۳/ ۲۲۹)۔

مذکورہ بالا اسباب میں سے بعض کراہت تحریم کا اور بعض کراہت تنزیہی کا سبب ہیں اور بعض اسباب تفصیل طلب ہیں، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسباب مذکورہ کا تجزیہ اور ان کی تفصیل ذکر کردی جائے تاکہ حکم بالکل منقح ہوکر سامنے آجائے۔

اسباب کراہت کی تفصیل اور تجزیہ:

مذکورہ بالا اسباب میں سے دو سبب (غیر مسلم سے مؤدت اور محبت نیز دار الکفر میں قیام) خاص طور پر تفصیل طلب ہیں، لہٰذا اولاً ان دونوں اسباب کا حکم بالتفصیل ذکر کیا جاتا ہے۔

۱- غیر مسلم سے دوستی کا تفصیلی حکم:

اس مسئلہ پر حضرت تھانویؒ نے بیان القرآن میں فرمایا ہے: کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملات ہوتے ہیں: موالات یعنی دوستی، مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی، مواسات یعنی نفع رسانی۔

۱- موالات یعنی دلی دوستی کا حکم:

کافر کے ساتھ موالات (دلی دوستی) کسی حال میں جائز نہیں، اور آیت "لا تتخذو الیہود والنصاری أولیاء بعضہم أولیاء بعض ومن یتولہم منکم فإنہ منہم" (مائدہ: ۵۱) اور آیت "لا تتخذوا عدوی وعدو کم اولیاء" میں یہی مراد ہے (ممتحنہ: ۱)۔

۲- مدارات کا حکم:

مدارات، یعنی ظاہری خوش خلقی تین حالتوں میں درست ہے: دفع ضرر کے واسطے، اس کا مرکز مصلحت دین، یعنی توقع ہدایت کے واسطے، اکرام ضیف کے لئے اور اپنی مصلحت و منفعت مال یا جاہ کے لئے درست نہیں اور بالخصوص جبکہ ضرر دینی کا خوف ہو تو بدرجہ اولی یہ اختلاط حرام ہوگا اس مقام کی آیت: إلا أن تتقوا منہم تقة" (آل عمران: ۲۸) میں اسی دفع ضرر کی حالت کو مستثنی کیا ہے اور توقع ہدایت کے لئے مداراۃ کرنا سورۂ عبس کی آیت: "فأنت لہ تصدی" (عبس: ۶) میں مذکور ہے، اور ضیف ہونے کی وجہ سے مداراۃ کرنا اس حدیث میں ہے جس میں بنی ثقیف کو آپ نے مسجد میں ٹھہرایا (بیان القرآن)۔

مواسات کا حکم:

اور مواسات کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ ناجائز ہے اور غیر اہل حرب کے ساتھ جائز، سورہ ممتحنہ کی آیت "لا ینہا کم اللہ عن الذین لم یقاتلو کم" (سورۂ ممتحنہ: ۸) میں اس کی تصریح ہے اور اس آیت میں مواسات کو مجازاً تولی سے تعبیر کردیا گیا ہے اور یہی حکم اہل بدعت وفساق کا ہے جیسا کہ روایات سے ظاہر ہے (بیان القرآن/ ۱۰۸)۔

نوٹ: ..... اور تقاۃ کے ترجمے میں اندیشہ قوی کی قید اسی لئے لگائی کہ توہم کا اعتبار نہیں چنانچہ آیت "یقولون نخشی ان تصیبنا دائرة" (مائدۃ: ۵۲) میں اسی پر انکار ہے۔

کتابیہ سے نکاح کس قسم میں داخل ہے؟

مذکورہ بالا تفصیل میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیہ سے نکاح دوسری اور تیسری قسم میں داخل ہے دوسری قسم میں داخل ہونے کی بنا پر اپنی ضرورت

اور کتابیہ کی توقع ہدایت کی صورت میں نکاح کرنا جائز ہے، بشرطیکہ کتابیہ حربیہ نہ ہو، اور تیسری قسم میں دخول کا تقاضہ ہے کہ کتابیہ حربیہ سے نکاح ناجائز، یعنی مکروہ تحریمی ہو، اس طرح حضرات فقہاء کا بیان کردہ حکم پوری طرح منطبق ہو جاتا ہے، حاصل یہ کہ کتابیہ غیر حربیہ سے نکاح اپنی ضرورت اور اس کی ہدایت کی امید سے کرنا جائز ہے۔

''أن الأصل لايجوز للمسلم أن ينكح الكافرة، لأن ازدواج الكافرة والمخالطة معها مع قيام العداوة الدينية لايحصل السكن والمودة الذي هو قوام مقاصد النكاح إلا أنه جوز نكاح الكتابية لرجاء إسلامها؛ لأنها أمنت بكتب الأنبياء والرسل في الجملة'' (بدائع ۲۶/ ۵۵۳)۔

البتہ کتابیہ حربیہ سے نکاح مکروہ تحریمی ہوگا، کیونکہ نکاح مدارات سے خالی ہو ہی نہیں سکتا اس وجہ سے کہ مدارات حقوق زوجیہ میں داخل ہے، اور اہل حرب کے ساتھ مدارات کا ممنوع ہونا معلوم ہو چکا ہے، لہذا کتابیہ حربیہ سے نکاح مکروہ تحریمی یعنی ناجائز ہوگا،

''وماكان مقتضى هذا الحديث تحريم كتابة الحربية لكن العمومات التي وردت بالحل أفادت صرف الحديث إلى الكراهة (اي تحريمية'' (حاشيه شامي ۴/ ۱۳۱)۔

دار الکفر میں قیام:

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: کسی غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرنا اور اس ملک کے باشندے اور شہری ہونے کی حیثیت سے اس کو اپنا مستقل مسکن بنالینا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا حکم زمانہ اور حالات کے اختلاف اور رہائش اختیار کرنے والوں کے اغراض و مقاصد کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے (جس کی کل پانچ صورتیں ہیں):

۱- اپنے مسلم ملک میں جان یا مال یا عزت و آبرو محفوظ نہ رہے اور کسی غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرنے کے سوا ان مظالم سے بچنے کی کوئی صورت نہ رہے تو ایسی حالت میں کسی ایسے غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرنا جائز ہے جہاں جا کر عملی زندگی میں دین پر عمل کرنا اور اس جگہ رائج شدہ منکرات و فواحش سے اپنے کو محفوظ رکھنا ممکن ہو (فقہی مقالات ۱/ ۲۳۶)۔

۲- کسی مسلم ملک میں معاشی وسائل حاصل نہ ہوں یہاں تک کہ وہ نان جویں تک کا محتاج ہو جائے ایسی حالت میں اگر کسی ایسے غیر مسلم ملک میں کوئی جائز ملازمت مل جائے جہاں احکام شریعت پر عمل کرنا اور اس ملک میں رائج فواحش سے بچنا ممکن ہو تو اس غیر مسلم ملک میں معاش کے لئے قیام کرنا جائز ہے، کیونکہ حلال کمانا دوسرے فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے، جس کے لئے شریعت نے کسی مکان اور جگہ کی قید نہیں لگائی ہے، بلکہ عام اجازت دی ہے۔

"هو الذي جعل لكم الأرض ذلولا فامشوا في مناكبها وكلوا من رزقه واليه النشور (فقہی مقالات ۱/ ۲۳۲)۔

۳- کسی غیر مسلک میں وہاں کے غیر مسلم باشندوں کو دعوت اسلام دینے اور ان کو مسلمان بنانے یا وہاں کے مسلم باشندوں کو احکام شریعت کی تعلیم اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینے کی نیت سے قیام کرنا (اپنے دین و اخلاق کی حفاظت کے ساتھ) جائز ہی نہیں، بلکہ موجب اجر و ثواب ہے جیسا کہ حضرات صحابہ و تابعین نے اسی نیک مقصد کے تحت غیر مسلم ملکوں میں قیام کیا (فقہی مقالات ۱/ ۲۳۳)۔

۴- اپنے مسلم ملک میں اتنے معاشی وسائل حاصل ہوں جس کے ذریعہ وہ اپنے شہر کے معیار کے مطابق زندگی گذار سکتا ہو، لیکن صرف معیار زندگی بلند کرنے اور خوش حال عیش و عشرت کی زندگی گذارنے کی غرض سے کسی غیر مسلم ملک میں قیام کرنا کراہت سے خالی نہیں، اس لئے کہ بغیر دینی یا دنیوی ضرورت کے اپنے دینی و اخلاقی حالت کو خطرہ میں ڈالنا کسی طرح بھی درست نہیں اسی وجہ سے حدیث شریف میں شدید ضرورت کے بغیر مشرکین کے ساتھ رہائش اختیار کرنے کی ممانعت آتی ہے، حدیث درج ذیل ہے:

۱۔ ''من جامع المشرك وسكن معه فإنه مثله'' (ابوداؤد کتاب الضحایا)

جو شخص مشرک کے ساتھ موافقت اختیار کرے اور اسکے ساتھ رہائش اختیار کرے وہ اسی کے مثل ہے۔

۲۔ ''انا بري من كل مسلم يقيم بين أظهر المشركين قالوا: يا رسول الله! قال لاترى اى ناراهما'' (۳/ ۴۳۷)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہائش اختیار کرے، سوال کیا گیا کیوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اسلام کی آگ اور کفر کی آگ ایک ساتھ نہیں رہ سکتی، تم امتیاز نہیں کر سکو گے کہ یہ اسلام کی آگ ہے یا مشرکین کی آگ ہے، مختلف اہل علم نے اس قول کی شرح مختلف طریقوں پر کی ہے کہ مسلمان اور مشرک حکم کے اعتبار سے برابر نہیں ہو سکتے دونوں کے احکام مختلف ہیں بعض دوسرے اہل علم، یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دارالاسلام اور دارالکفر دونوں کو علاحدہ علاحدہ کر دیا ہے، لہٰذا کسی مسلمان کے لئے کافروں کے ملک میں ان کے ساتھ رہائش اختیار کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ جب مشرکین اپنی آگ روشن کریں گے اور مسلمان ان کے ساتھ سکونت اختیار کئے ہوئے ہوگا تو دیکھنے سے یہی خیال کریں گے کہ یہ بھی انہیں میں سے ہیں، اس سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان تجارت کی غرض سے دارالکفر جائے تو اس کے لئے وہاں ضرورت سے زیادہ قیام کرنا مکروہ ہے۔
(معالم السنن للخطابی ۳/ ۷ ۴۳، فقہی مقالات ۱/ ۳۳۴)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی اولاد کو مشرکین کے درمیان مت چھوڑو (تہذیب السنن لابن قیم ۳/ ۷ ۴۳ فقہی مقالات ۱/ ۳۳۵)۔

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ صرف تجارت کی غرض سے مشرکین کے درمیان رہائش اختیار کرنے سے عدالت مجروح ہو جاتی ہے
(فقہی مقالات ۱/ ۳۳۵ عن تکملۃ ردالمحتار)۔

۵- پانچویں صورت غیر مسلم ملک میں رہائش اختیار کرنے کی یہ ہے کہ دینی، دنیاوی، معاشی، تجارتی اور اغراض میں سے کوئی غرض نہ ہو، بلکہ صرف دوسرے مسلمانوں پر اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے دارالکفر کی شہریت اور قومیت کو دارالاسلام کی شہریت پر فوقیت دینے اور ظاہری زندگی میں ان کی مشابہت اختیار کرنے کے لئے رہائش اختیار کرنا مطلقاً حرام ہے، جس کی حرمت محتاج دلیل نہیں۔

خلاصہ: دارالکفر میں قیام کی کل پانچ صورتیں ذکر کی گئی ہیں جن میں دو حالت اضطراری ہیں، یعنی دارالکفر میں قیام کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، اس لئے بلا کراہت جائز ہے اور تیسری حالت دعوت وتبلیغ کی نیت سے قیام یہ استحباب سے خالی نہیں اور چوتھی حالت نہ تو دعوت وتبلیغ کی ہو اور نہ ہی اضطرار کی اس صورت میں قیام کراہت سے خالی نہیں اگرچہ غرض فاسد و حرام نہ ہو، پانچویں حالت غرض فاسد کی بنا پر دارالکفر میں قیام ہو تو یہ الامور بمقاصدھا کے ضابطہ سے حرام ہے۔

تفصیل مذکور سے معلوم ہو گیا کہ حربیہ کتابیہ سے نکاح میں قیام دارالحرب کراہت کا سبب صرف دو صورتوں میں بنے گا اور تین صورتوں میں قیام بدارالحرب کراہت نکاح کتابیہ کا سبب نہیں ہوگا، کیونکہ جن صورتوں میں قیام جائز ہے ان صورتوں میں وہ کراہت کا سبب بھی نہیں بنے گا، البتہ جن دو صورتوں میں قیام ناجائز ہے ان صورتوں میں یہ کراہت وحرمت کا سبب ہوگا۔

بقیہ اسباب کراہت کا تجزیہ:

اسباب کراہت میں سے دو سبب پر تفصیلی کلام ہو چکا اب ذیل میں بقیہ اسباب کراہت پر گفتگو کی جاتی ہے اسباب کراہت میں سے ایک سبب کتابیہ کے اخلاق ومذہب سے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے، اور دوسرا سبب جاسوسی کا خطرہ، ان دونوں اسباب کے تحقق میں احوال واشخاص کا بہت دخل ہے، لہٰذا اس کا حکم احوال واشخاص کے اعتبار سے ہوگا، تمام حالات میں اس کا حکم یکساں نہیں۔

کتابیہ کے اخلاق اور مذہب سے متاثر ہونے کا جو اندیشہ ہوگا اس کی کل تین صورتیں ہوں گی: ۱- کتابیہ اور نکاح کرنے والے کے حالات ایسے ہوں کہ آل واولاد کے متاثر ہونے کا یقین ہو تو ظاہر ہے ایسی صورت میں نکاح کی ہرگز اجازت نہ ہوگی، مثلاً کتابیہ ایک داعیہ متمول ہنرمند ہو اور نکاح کرنے والا اس کے مقابل میں کوئی حیثیت نہ رکھتا ہو تو قانونی مجبوری وغیرہ کی بنا پر بچوں کو اس سے علاحدہ کرنا بھی ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں اس سبب کا تحقق یقینی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں نکاح کی ہرگز اجازت نہ ہوگی اور نکاح حرام ہوگا۔

۲- متاثر ہونے کا یقین نہ ہو، بلکہ ظن غالب کے درجہ میں تو بھی اس کے ساتھ مناکحت کی اجازت نہ ہوگی، پہلی صورت میں مناکحت حرام اور دوسری صورت میں مکروہ تحریمی (ناجائز) ہوگی۔

۳- متاثر ہونے کا نہ تو یقین ہو اور نہ ہی ظن غالب تو ایسی صورت میں مناکحت جائز تو ہے، لیکن کراہت سے خالی نہیں۔

اور یہی حکم جاسوسی کا بھی ہے کہ اگر زوجہ کتابیہ کی طرف سے جاسوسی کا یقین ہو تو حرام اور اگر ظن غالب ہو تو مکروہ تحریمی ورنہ مکروہ تنزیہی کا حکم عائد ہوگا، اور

کتابیہ کا عدم تدین کراہت تنزیہی کا سبب ہوگا، لیکن اگر کتابیہ بدکار فاحشہ ہو تو کراہت تحریمیہ کا سبب ہوگا اور مسلمان عورتوں کا بلا نکاح کے رہ جانے کا اندیشہ چونکہ یہ ظن غالب اور یقین کے درجہ میں نہیں، اس لئے کراہت تنزیہی کا سبب بنے گا، البتہ اگر ملک قانون احوال کی وجہ سے یہ خطرہ یقین اور ظن غالب کی حد تک پہنچ جائے تو پھر حرمت اور کراہت تحریم کا سبب ہو جائے گا، حاصل یہ کہ بقیہ اسباب میں خطرہ و اندیشہ کی کیفیت اور نوعیت کے اعتبار سے حکم ہوگا، یقین پر حرمت کا اور ظن غالب پر کراہت تحریم کا، اور ظن مغلوب (وہم) پر کراہت تنزیہی کا حکم ہوگا، کیونکہ اسباب کی حضرات فقہاء نے کل تین قسمیں کی ہیں: قطعیہ ویقینیہ، ۲-ظنیہ (ظن غالب)، ۳-وہمیہ (ظن مغلوب) قطعیت پر فرضیت وحرمت کا حکم متحقق ہوتا ہے اور ظنیت پر وجوب اور کراہت تحریم کا تحقق ہوتا ہے اور وہم وظن مغلوب سے اولویت وافضلیت اور کراہت تنزیہی کا ثبوت ہوگا۔

''اعلم أن الأسباب تنقسم إلى مقطوع به كالماء المزيل لضرر العطش وإلى مظنون وإلى موهوم أما المقطوع به فليس تركه من التوكل بل تركه حرام'' (ہندیہ ۴/ ۳۵۵) وإنما يتحقق الإكراه إذا كان يعلم يقينا أو يكون في غالب رايه أنه لولم يفعل أمره به أجرى عليه مابدد به'' (قاضي خان على هامش الهنديه ۳/ ۴۹۰). ''أن الظن في أبواب العمليات جاد مجرى العلم'' (الموافقات للشاطبي ۲/ ۳۶۰)۔ ''وما يخرج من دارالحرب كسنجاب إن علم دبغه بظاهر فطاهرا وبنجس فنجس وإن شك فغسله افضل'' (شامی ۱/ ۳۵۹)، ''ويجب طلبه قدر غلوة إن ظن ظناقديااقربه دون ميل وأن لايغلب على ظنه قربه لايجب بل يندب'' (شامی ۱/ ۴۱۴۴۱۵)۔

دار الاسلام میں کتابیہ سے نکاح کی صورتیں اور ان کا حکم:

۱- دار الاسلام میں کتابیہ سے نکاح کیا جائے اور ملکی قانون وشخصی احوال کی بنا پر کتابیہ کے دین واخلاق سے آل واولاد کے متاثر ہونے کا، نیز اس کی جاسوسی وغیرہ کا بھی ظن غالب اور یقین نہ ہو تو ایسی حالت میں کتابیہ سے نکاح کرنا مکروہ تنزیہی (خلاف اولی) ہوگا۔

۲- دار الاسلام میں کتابیہ سے نکاح کیا جائے اور ملکی قانون وشخصی احوال کی بنا پر اس کے مذہب واخلاق سے آل واولاد کے متاثر ہونے کا ظن غالب ہو یا جاسوسی کرنے کا ظن غالب ہو تو نکاح مکروہ تحریمی ہوگا، اور اگر اسباب وقرائن سے یہ خطرہ حد یقین کو پہنچا ہو تو نکاح کرنا ناجائز وحرام ہوگا۔

دار الکفر میں نکاح کتابیہ کی صورتیں:

۱- دار الکفر میں کتابیہ سے نکاح کیا جائے اور دار الکفر میں قیام اضطرار ومجبوری کی بنا پر ہو یا دعوت وتبلیغ کے مقصد سے ہو اور نکاح کی ضرورت حد فرض اور وجوب کو نہ پہنچی ہو اور کتابیہ سے نکاح کی مجبوری بھی نہ ہو تو اس صورت میں اس نکاح کو کرنا مکروہ تنزیہی ہوگا۔

۲- دار الکفر میں قیام کا مقصد دعوت وتبلیغ یا اضطرار ہو اور نکاح کرنا فرض یا وجوب کے درجہ میں ہو اور مسلم عورت سے نکاح کی قدرت بھی نہ ہو تو ایسی صورت میں بلاکراہت جائز ہے۔

۳- دار الکفر میں قیام کا مقصد دعوت وتبلیغ اور اضطرار نہ ہو، بلکہ صرف معاشی ترقی وخوشحالی مقصود ہو تو اس صورت میں نکاح فسق وفجار سے اختلاط وتکثیر سواد وغیرہ کی بنا پر مکروہ تحریمی ہوگا۔

۴- دار الکفر میں قیام کا مقصد، دعوت وتبلیغ، ضرورت واضطرار، اور معاشی خوشحالی بھی نہ ہو، بلکہ غرض فاسد مثلاً ان کی تہذیب سے مرعوبیت ان سے محبت وغیرہ کی بنا پر ہو تو اس صورت میں نکاح سے اولاد کا متاثر ہونا ظن غالب ہی نہیں، بلکہ یقین کے درجہ میں ہے، لہذا ایسی حالت میں نکاح ناجائز وحرام ہوگا۔

۶- کیا ہنود اہل کتاب اور ان کی کتب مذہبی کتب سماویہ ہیں؟

کسی کتاب کا سماوی ہونا اور کسی شخص کا نبی اور رسول ہونا یہ دونوں مسئلے اعتقادیات سے متعلق ہیں، اور اعتقادیات کے لئے دلائل قطعیہ کا ہونا لازم ہے،

''ولاعبرة بالظن في باب الاعتقاديات'' (شرح عقائد مع نبراس/ ۲۸۲)، ''لابد في الاعتقاديات الدليل اليقيني'' (التعليقات السنيه مع شرح عقائد/ ۳۵۶)۔

اور ہندوں کی مذہبی کتب (وید) اور ان کے مقتداؤں کے نبی ورسول ہونے پر کوئی دلیل نہیں نہ تو قطعی اور نہ ہی ظنی زیادہ سے زیادہ ان کی نبوت کا

امکان اور احتمال ہے، اس لئے نہ تو ان کی کتب کو کتب سماویہ کہنا جائز ہے اور نہ ہی ان کے سماوی ہونے کا اعتقاد رکھنا، اسی طرح نہ تو ان کے مقتداؤں کے بارے میں نبی اور رسول ہونے کا اعتقاد رکھنا جائز ہے اور نہ ہی ان کو نبی و رسول کہنا، بلکہ ان کے متعلق سکوت میں احتیاط ہے، کیونکہ جس طرح ان کی نبوت و رسالت کی دلیل نہیں اسی طرح اس کے عدم کی بھی کوئی دلیل قطعی نہیں، بلکہ امکان و احتمال بہر حال ہے، لہذا ان کی کتب مذہبیہ ان کے اوتاروں کے متعلق "لاتصدقوھم ولا تکذبوھم" کا معاملہ رکھنا احوط اور مسلم ہے، البتہ ہندو کا فی زمانہ اہل کتاب میں داخل نہ ہونا یقینی اور قطعی ہے، یہ مشرک وثنی و بیت پرست ہیں، فتاوی محمودیہ میں ہے: جب تک دلیل شرعی سے ثبوت نہ ہو کسی کی پیغمبری کا یقین کرنا درست نہیں، بلا وجہ کسی کو برا کہنا بھی درست نہیں، لہذا سکوت ہی احوط ہے (فتاوی محمودیہ ۱/ ۴۵۳)۔

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان أهل الكتاب يقرؤن التوراة بالعبرانية ويفسرونها بالعربية لأهل الإسلام، فقال رسول الله ﷺ: لاتصدقوا الكتاب ولا تكذبوهم، وقولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا" (رواالبخاری، امداد الفتاوی ۴/ ۶۴)۔

اس کے بعد ہم ہنود کے اہل کتاب ہونے اور نہ ہونے اور ان کی کتب مذہبیہ کے کتب سماویہ ہونے اور نہ ہونے اسی طرح ان کے مقتداؤں کے نبی اور رسول ہونے سے متعلق مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی تحریروں سے اقتباس نقل کرتے ہیں:

حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں ان احکام کو دیکھ کر سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ہنود میں اہل کتاب ہونے کا ضعیف سے ضعیف احتمال بھی نہیں ہوسکتا، کیونکہ کسی شخص کا نبی و مرسل ہونا اور کسی کتاب کا منزل من اللہ ہونا اور کسی دین کا سماوی ہونا جو مدار ہے کتابیت کا جیسا نمبر (۱) میں مذکور ہے، امور قطعیہ سے ہے اس لئے دلیل قطعی کا محتاج ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس قوم کے کسی پیشوا کے نبی ہونے پر یا ان کے کسی مذہبی کتاب کے آسمانی ہونے پر دلیل قطعی تو کیا ظنی بلکہ شک تک بھی قائم نہیں، جیسا کہ بلا شک و شبہ ظاہر ہے، پس یہ ایک ہی حکم مسئلہ زیر بحث کے فیصلے کے لئے کافی ہے، بقیہ احکام پر تفریع محض تبرع ہے، تفریع کی تقریر یہ ہے، یعنی اگر بفرض محال یہ لوگ اہل کتاب کسی زمانے میں ہوتے بھی تب بھی اب مدت طویلہ سے جو ان کی حالت ہے اس سے کتابیت کو مس بھی نہیں، غیر اللہ کیا اغیار اللہ کے الوہیت کے قائل ہیں، شاید کسی کو آریوں کے دعوے توحید سے شبہ ہو تو در حقیقت ان کا شرک تو اس درجہ قبیح ہے جس کی نظیر آج تک کسی شرک قوم میں پائی نہیں جاتی، چنانچہ ان کی تالیفات میں روح اور مادہ کے قدیم بالذات ہونے کی صراحت ہے، اور مشرکین بعض تو غیر اللہ کے حدوث زمانی کے بھی قائل ہیں اور بعض جو مجردات کے قدیم زمانی کے قائل ہوئے ہیں وہ بھی ان کو قدیم بالذات نہیں کہتے، بلکہ ان کو ان کے وجود میں محتاج واجب تعالی کا مانتے ہیں، ولو بالایجاب، غرض صفت قدیم بالذات میں جو کہ خواص واجب سے ہیں، کسی کو حق تعالی کا مساوی و مماثل نہیں مانتے تو ان کا شرک سب شرکوں پر اقبح و اشنع و اقطع ہے نعوذ باللہ منہ۔

تو ہنود کی حالت مثل نمبر (۲)، و نمبر (۴) کے بھی نہیں ہیں جس میں علماء کا قدرے اختلاف ہے، بلکہ مثل نمبر (۳) کے ہیں، جس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر اصل میں کتابی ہوتے تب بھی کتابی نہ رہتے اور اب تو اصل میں بھی کتابی نہیں ہیں جیسا تفریع کی ابتداء میں بدلیل اس کی تقریر کردی گئی ہے (امداد الفتاوی ۶/ ۴۴۳)۔

اور قرآن کریم کی وہ آیات جن سے ہر قوم میں اور ہر ملک میں انبیاء کا مبعوث ہونا معلوم ہوتا ہے، اس سلسلے میں مفصل کلام کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا: "ولقد بعثنا في كل أمة رسولا" (نحل: ۳۶) سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان والوں کے لئے بھی زمانہ قدیم میں کچھ رسول مبعوث ہوئے ہیں خواہ ہند ہی میں پیدا ہوئے اور رہے ہوں یا کسی اور ملک میں رہتے ہوں، اور یہاں ان کے نائب تبلیغ کے لئے آتے ہوں اور اگر آیت: "لتنذر قوما ما أتاهم من نذير من قبلك" (قصص: ۴۶) سے اس کے تعارض کا شبہ ہو تو دو طرح مدفوع ہوسکتا ہے ایک یہ کہ کل امۃ میں لفظ کل تکثر کے لئے ہو (اسی طرح "وان من أمة إلا خلا فيها نذير" (فاطر: ۲۴) (میں استغراق عرفی ہو) اس لئے ہند میں رسول آنے کے مضمون میں میں نے لفظ ظاہراً بڑھایا ہے دوسرے یہ کہ ہر امت اور قوم کے اوائل میں ایک رسول آ گئے ہوں اس طرح کہ اگر وہ لوگ اس شریعت کا سلسلہ قائم و باقی رکھنا چاہتے تو ممکن ہوتا اور ضرورت اسی قدر سے مرتفع ہوسکتی ہے اور اواخر میں رسول آنے کی ضرورت نہیں رہتی، گو اوائل کی تقصیر سے اواخر تک وہ سلسلہ نہ پہنچا ہو پس حکم بعث کا کل امم میں باعتبار اوائل کے ہو اور "ما أتاهم من نذير" (سجدہ: ۳) باعتبار اواخر کے ہو اور اس صورت میں احتمال ہے کہ بعض جگہ جبال و جزائر میں تبلیغ نہ ہوئی، واللہ اعلم

سورہ نحل (اور علماء کا اس مسئلہ سے بحث کرنا جس مقام پر دعوت نہ پہنچی ہو اس کا حکم کیا ہے مؤید ہے اس احتمال کے جائز رکھنے کا) اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ خود انبیاء علیہم السلام کا ہندوستان میں تشریف لانا بھی آیت کا یقینی مدلول نہیں، ممکن ہے کہ ان کے نائبین کے تشریف لانے پر اکتفا فرمایا گیا ہو یا بالکل اوائل میں

کوئی نبی آگئے ہوں پھر سلسلہ جاری نہ رکھا گیا ہو، چنانچہ احتمال اول کو وہ مضمون قریب کئے دیتا ہے (امداد الفتاوی ۶ / ۴۴۵، ۴۴۶)۔

اور ہنود کی کتب مذہبیہ کے مضامین کا دیگر کتب سماویہ کے مضامین سے موافقت واتحاد پر کلام کرتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں: "توافق فی التعلیم" سے ان تعلیمات کا مستفاد من الوحی ہونا اور ان اہل تعلیم کا صاحب وحی ہونا ثابت نہیں ہوتا اگر وہ علوم مدرک بالعقل ہیں جیسا کہ اس مقام پر ہے تو ممکن ہے کہ وہ لوگ حکماء ہوں اور اگر موقوف علی السمع ہیں تو ممکن ہے کہ اصحاب انبیاء سے ماخوذ ہوں (امداد الفتاوی ۶ / ۴۵۱)۔

اور ان کی کتب مذہبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت موجود ہونے پر گفتگو کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ رگ وید کی عبارت نبی یا رسول ہونے پر نہ دال ہے نہ اس کی دلالت حجت ہے، کیونکہ یہ امکان ہے کہ ان کے اصحاب نے خود انبیاء سے سنا ہو، اس کے بعد نتیجہ کلام کے طور پر فرماتے ہیں، حضرات ناظرین! تحقیق بالا سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ مقدمات مذکورہ لیکچر سے خود بھی ثابت نہیں ہوتا کہ ہندوستان میں کسی نبی مرسل یا کتاب منزل کا وجود بھی تھا اب میں ترقی کر کے یا یوں کہئے کہ تنزل کر کے مطلب یہ کہ بلا دلیل ایسی کتاب اور ایسے صاحب کو تسلیم کر کے بھی کہتا ہوں کہ پھر بھی کسی خاص شخص متوحد یا متعدد کا مرسل ہونا اور کسی خاص کتاب متوحد یا متعدد کا منزل ہونا تو ثابت ہو ہی نہیں سکتا ممکن ہے کہ کوئی ایسے بزرگ نبی ہوئے ہوں جن کا آج نام نہیں اور ایسی کتاب نازل ہوئی ہو جس کا آج نشان نہیں اور جب نام ونشان نہیں تو ایسے اعتقاد وانقیاد کا جو کہ شرط ہے کتابی ہونے کی امکان نہیں پھر ہنود کے کتابی ہونے کا حکم اگر تحریف نہیں احکام شرعیہ کی تو کیا ہے۔

"نعوذ باللہ من الضلال الموقع فی النکال ولعل ھذا القدر یکفی لتحقیق المقام واللہ المفضل المتعام وبہ الاستعانۃ والاعتصام فقط خامس" (رسالہ ارسال الجنود الی الہنود، امداد الفتاوی ۶/ ۴۴۰۵۴)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں: "ولقد بعثنا فی کل أمۃ رسولا" (نحل: ۳۶) (یعنی ہر قوم میں اللہ کے رسول آئے ہیں اور اس قوم کی زبان میں ہی اللہ کا پیغام لائے ہیں اس لئے یہ بات عین ممکن ہے کہ ہندوستان میں بھی یہاں کی مقامی زبان میں کوئی رسول اللہ کا کلام لے کر آئے ہوں ہندو مذہب کی قدیم کتابیں وید اور پران وغیرہ میں توحید، اللہ تعالی کی صفات اور آخرت وغیرہ کا ذکر بہت واضح طور پر موجود ہے، نیز ہندو قوم میں بعض ایسی اخلاقی تعلیمات اور رسوم وعبادت دیکھنے کو ملتی ہے جو قرآن مجید کی تعلیمات سے بہت قریب ہیں، اسی لئے ممکن ہے کہ اس قوم میں بھی اللہ کے نبی آئے ہوں اللہ کی کتاب نازل کی گئی ہو جس کو برہمنوں نے اپنے خاص مقاصد کے لئے چھپادیا ہو اس میں تبدیلی کردی ہو یا اس کے معنی بدل دیئے ہوں، حضرت مسیح علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو سال سے بھی کم کا فاصلہ ہے، لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کو ایسا مسخ کردیا گیا کہ اللہ کے رسول کو لوگوں نے اللہ کا بیٹا بناڈالا تو ویدک دھرم تو بہت قدیم ہے، اس میں کیا کچھ تبدیلیاں نہ آئی ہوں گی، البتہ جن شخصیتوں کے نبی ہونے کا قرآن وحدیث میں ذکر نہیں آیا ہے اور جن کتابوں کے آسمانی کتاب ہونے کی اللہ تعالی کی طرف سے تصدیق نہیں ہوئی ہے ان کو ہم یقین کے ساتھ رسول یا آسمانی کتاب نہیں کہہ سکتے، اس لئے ہندو قوم کو اہل کتاب کے حکم میں نہیں رکھا جاسکتا یا ویدوں کو یقینی طور پر آسمانی نہیں مانا جاسکتا ہے، جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں، کیونکہ کسی بات کے ممکن ہونے اور واقع ہونے میں بہت فرق ہے (آسان تفسیر/ ص ۷۷۹، معارف القرآن)۔

۷- مخرب اخلاق ودین تعلیم گاہوں میں داخلہ:

عصری تعلیم کے وہ ادارے جس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کے دین اور اخلاق برباد ہوجاتے ہوں، ایسی تعلیم گاہوں میں نہ تو تعلیم حاصل کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس میں کسی طرح کا تعاون کرنا جائز ہے، خواہ وہ ادارے کسی مسلمان کے سرپرستی میں چلتے ہوں یا عیسائی یہودی مشنریوں کی سرپرستی میں کیونکہ خود اپنے کو اور اپنے اہل وعیال کو ایسے مواقع سے دور رکھنا فرض وواجب ہے، جہاں دین وایمان محفوظ نہ رہ سکتا ہو، کیونکہ شریعت کا قانون ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کے بجائے خرابی سے دور رہنا اور برائی سے بچنا ضروری ہے، "الاشباہ والنظائر" میں ہے:

"قاعدہ خامسۃ وھی درأ المفاسد أولی من جانب المصالح. فإذا تعارضت مفسدۃ ومصلحۃ قدم رفع المفسدۃ غالبا إعتناء الشرع المنہیات أشدۃ من إعتناءہ بالمامورات" (/ ص ۱۱۴)۔

پس اسلامی عقائد اور اسلامی اخلاق وغیرہ پر مضبوطی سے قائم رہنے کا یقین نہ ہو اور برے ماحول سے محفوظ رہنے کا بھی پورا اطمینان نہ ہو تو جس طرح مہلک مرض اور مفسد صحت آب وہوا سے اولاد کی حفاظت کی جاتی ہے اسی طرح مذکورہ تعلیم اور کلچر سے بھی ان کی حفاظت کرنا ضروری ہے، اولاد کی خیر خواہی اس میں ہے

کہ ان کے دین کی درستگی کی فکر دنیا کی درستگی کی فکر سے زیادہ ہو صاحب مجالس الابرار فرماتے ہیں:

''صديق الإنسان من يسعى في عمارة أخرته، وإن كان فيه ضرر لدنياه وعدوه من يسعى فى خسارة أخرته وإن كان فيه نفع لدنياه'' (مجالس الابرار)۔

بچوں کے سرپرستوں کا فرض ہے کہ بچوں کا دین درست رکھنے کی فکر بہ نسبت دنیوی درستگی کے زیادہ رکھیں، والدین پر بڑی ذمہ داری ہے، قرآن کریم کا فرمان ہے: "یایھا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأھلیکم نارا" (سورۂ تحریم: ٦) (اے ایمان والو تم اپنے گھر والوں کو جہنم سے بچاؤ، اگر اس میں کوتاہی کرو گے تو خدا کے یہاں باز پرس ہوگی)۔

فرمان نبوی ﷺ ہے: "ألا کللم راع و کللم مسئول عن رعیته" (یاد رکھو تم میں سے ہر شخص نگراں اور ذمہ دار ہے ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی) (بخاری و مسلم)، ایک اور حدیث میں ہے: "کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ، أو لینصرانہ، أو یمجسانہ أو کمال قال النبی ﷺ" (مشکوۃ باب الایمان بالقدر/ص ۲۱) (ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں)۔

حضرات فقہاء نے فرمایا کہ اس آیت "قوا أنفسکم وأھلیکم نارا" سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کے احکام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرنے کے لئے کوشش کرے، اور بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل وعیال دین سے جاہل وغافل ہوں (معارف القرآن ۸/ ۵۰۳، ۵۰۲، سورہ تحریم/ ۸)۔

عصری اداروں کا قیام:

جب معاشیات اور دیگر علوم ضروریہ جس کی عامۃ المسلمین کو اکثر بیشتر ضرورت پڑتی رہتی ہے کا حاصل کرنا فرض اور واجب تفایہ ہے تو ایسے تعلیمی اداروں کا قیام بھی شرعا واجب اور لازم ہوگا، جس میں تعلیم حاصل کرنے والے افراد کے دین وایمان سلامت رہ سکتے ہوں اور قدرت کے باوجود اس میں کوتاہی جرم عظیم اور باعث گناہ ہوگا۔

''واعلم أن تعلم العلم يكون فرض عين وفرض كفايه، قال فيتناول ماهودين كاصلاة الجنازة ودنيوى كالضائع المحتاج اليها، أما فرض الكفايه فى العلوم فهو كل علم لايستغنى عنهم فى قوام أمور الدنيا كالطلب، والحساب، والنحو، واللغة وأصول الصناعة، والفلاحة، كالحياكة، والسياسة، والحجامة، وفي ذخيرة الناظر، تعلمه فرض لردساحر أهل الحرب'' (شامی زکریا/ ۱۲۶، شامی ۱/ ۱۳۴)۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر قدرت ہو تو شرعا مسلمانوں کے ذمہ لازم اور واجب ہے کہ ایسے عصری تعلیم ادارے قائم کریں جس میں مسلم طلباء اپنے دین وایمان کی حفاظت کے ساتھ ساتھ بقدر ضرورت علوم عصریہ حاصل کر سکیں۔

مجبوری کا حکم:

اگر کسی علاقہ یا ملک میں مسلمان اپنی انفرادی قلت یا وسائل کی کمی یا قانونی مجبوری کی بنا پر ایسے تعلیمی ادارے قائم کرنے سے عاجز ومجبور ہوں اور غیروں کے قائم کردہ تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہ ہو تو بدرجہ مجبوری بقدر ضرورت عصری علوم ان کالجوں میں داخلہ لے کر حاصل کرنا جائز ہے، لیکن اپنے دین وایمان کی حفاظت ہر حال فرض ہوگی، دین وایمان ضائع کر کے کسی بھی ادارہ میں اور کسی بھی حال میں تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں اور ایسی تعلیم سے جاہل رہنا ہی بہتر ہے، اور مجبوری کے وقت ایسے کالجوں میں داخلہ لینے کی صورت میں اپنے بچوں کو مساجد اور مکاتب کے نظام سے جوڑے رکھنا فرض ہوگا، تا کہ ان کے دین وایمان محفوظ رہ سکیں، اور نئی نسل گمراہی کا شکار نہ ہو۔

''فى الدر المختار: عن القنية: ولذا أكره طفله على تعليم القرآن وادب وعلم لفرضيته على الوالدين () يا ايها الذين آمنوا قوا انفسكم، بترك المعاصر وفعل الطاعات وأهليكم بأن تأخذوهم بما تأخذون به أنفسكم''

(تفسیر نسفی ۳/ ۵۰۶، شامی ٦/ ۱۳۰)۔

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، سب سے بہتر تو یہ ہے کہ مسلمان ان ممالک میں اپنے اسکول قائم کریں اور ان اسکولوں میں بہترین عصری علوم کا انتظام کریں اور اسکے ساتھ ساتھ ان اسکولوں میں دینی تعلیم بھی ضرورت کے مطابق دی جائے، بہر حال اگر اپنے اسکول قائم نہ رکھے جاسکیں تو دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان لازمی طور پر اپنے بچوں کو اسکول کے بعد مساجد میں بھیجیں اور ان مساجد میں قرآن کی تعلیم کے ساتھ ضروریات دین کی تعلیم دی جائے بچوں کے ذہنوں میں اسلام سے محبت اور وابستگی پیدا کریں اس طرح نئی نسل میں اسلامی شعور پیدا ہوگا، قوم اور نئی نسل گمراہ نہ ہوگی (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۸/ ۱۶۹-۱۷۰)۔

اللہ تعالی نے اس عالم میں ہر چیز کا تریاق رکھا ہے جو اس کے زہریلے اور خراب اثرات کو ضم کرتا ہے، دنیوی اور عصری تعلیم کے زہر کے لئے قرآن وحدیث کی تعلیم اور اسلامی تربیت تریاق ہے، اگر ہمارے بچوں نے بنیادی تعلیم ٹھوس طریقہ پر حاصل نہ کی اور اسلامی عقائد اور احکامات کا علم بقدر فرض بھی حاصل نہ کیا اور علماء کرام سے ربط وضبط اور دینی اور تبلیغی کاموں سے وابستگی نہ رکھی تو عصری (دنیوی) تعلیم ہم کو ضلالت اور ہلاکت تک پہنچا کر چھوڑے گی اور دنیا وآخرت میں اس کا زبردست خمیازہ بھگتنا پڑے گا (فتاوی رحیمیہ)۔

۸- زوجہ کتابیہ اور مسلمہ کے حقوق:

بیوی ہونے کے اعتبار سے کتابیہ اور مسلمہ دونوں کے حقوق مساوی ہیں، ان کے درمیان فرق نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ حقوق زوجہ جس کا شمار حضرات فقہاء نے کرایا ہے وہ دو طرح کے ہیں: حقوق مالیہ جس کا تعلق مہر، نفقہ، سکنی وغیرہ سے ہے، ۲- حقوق غیر مالیہ جس کا تعلق عدل بین الزوجات، عدم اضرار، حسن معاشرت سے ہے، ان دونوں قسموں کے حقوق میں زوجہ مسلمہ اور زوجہ کتابیہ کے درمیان کوئی فرق نہیں، بلکہ ان دونوں کے حقوق مساوی ہیں، کیونکہ حقوق سے متعلق نصوص میں اطلاق ہے کوئی قید نہیں، لہذا یہ نصوص زوجہ مسلمہ اور زوجہ کتابیہ دونوں کو شامل ہوں گی، اور اگر کوئی فرق ہوتا تو تقابل کے وقت حضرات فقہاء اس کو ضرور واضح کرتے، لیکن حضرات فقہاء کا تقابل کے وقت بھی دونوں کے حقوق کا مساوی قرار دینا دونوں کے حقوق میں مساوات کی بین دلیل ہے، البتہ زوجہ کتابیہ اور زوج مسلم کے درمیان اختلاف دین کی وجہ سے توارث جاری نہ ہوگا۔

''ویستوی فی القسم البکر والثیب والشابة والعجوز والقدیمة والحدیثة والمسلمة والکتابة لما ذکرنا من الدلائل من غیر فصل ولأنهما یستویان فی سبب وجوب القسم وهو النکاح یستویان فی وجوب القسم'' (بدائع ۲/ ۳۲۸، کذا فی الشامیة) للزوجة حقوق مالیة وہی المهر والنفقة وحقوق غیر مالیة وہی احسان العشرة والمعاملة الطیبة والعدل والمراد من العشرة ما یکون بین الزجین من الالفة والاجتماع ویلزم کل واحد من الزوجین معاشرة الآخر بالمعروف من الصحبة الجمیلة وکف الأذی وأن لایمطله حقه مع قدرته ولا یظهر الکراهة فیما یبذله له بل یعامله ببشر وطلاقة ولا یتبع عمله منة ولا اذی لان هذا من المعروف لقوله تعالی: وعاشروهن بالمعروف'' (الفقه الاسلامی ۹/ ۶۸۴۲، ۶۸۴۳) والمسلمة والکتابیة سواء لاطلاق الآیة ولان القسم من حقوق النکاح وتفاوت بینهما فی ذلك'' (شامی ۴/ ۳۸۴)۔

حقوق کی ادائیگی میں تاکید:

حقوق کی ادائیگی خواہ مسلمہ بیوی کے حقوق ہوں یا کتابی بیوی کے ان کی ادائیگی واجب اور لازم ہے، اس میں کوتاہی شرعاً ظلم ناجائز وحرام ہے، اور حقوق سے متعلق بازپرس بڑی سخت ہوگی، جب ایک جانور کی دوسرے جانور پر زیادتی کا بدلہ دیا جائے گا تو کسی انسان پر ظلم وزیادتی سے چھٹکارہ کیوں کر مل سکے گا، ذیل میں حقوق کی ادائیگی کے متعلق کچھ روایات ذکر کی جاتی ہیں:

۱ ''عن ابی هریرةؓ ان رسول اللہ ﷺ قال: لتؤدن الحقوق إلی أهلها حتی تقاد الشاة الجلحاء من الشاة القرناء'' (ترمذی ۲/ ۶۴ فی شان الحساب والقصاص)۔

۲ ''وروی عن النبی ﷺ قال: اتقوا اللہ فی النساء. فإنهن عندکم عوان لایملکن شیا اتخذتموهن بأمانة اللہ واستحللتم فروجهن بکلمة اللہ'' (مسلم باب حجة النبی ﷺ برقم/ ۱۲۱۸)

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، وہ تمہارے پاس قیدی ہیں کسی چیز کی مالک نہیں، عورتیں اللہ کی امانت ہیں اور تم نے ان کے جسم کو اللہ کے کلمہ سے حلال کیا ہے)۔

''کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیته الامام راع ومسئول عن رعته'' (بخاری کتاب الجمعة: ص ۸۵۳)
(ہر شخص اپنے گھر والوں کا نگراں ہے، لہذا اس سے ان کے حقوق وغیرہ سے متعلق سوال ہوگا)۔

''من کان له امرأتان فمال إلی أحدهما دون الأخری جاء یوم القیامة وشقه مائل'' (ابوداؤد حدیث/ ۱۹۷۱)
(جو شخص دو بیویوں کے حقوق میں برابری نہیں کرے گا وہ قیامت میں اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا)۔

''عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ استوصوا بالنساء خیرا فانهن خلقن من ضلع وإن اعوج شي فی الضلع اعلاه فان ذهبت تقیمه کسرته وإن ترکته لم یزل اعوج فاستوصوا بالنساء'' (متفق علیه. مشکوة)۔

''عن عائشة قالت: قال رسول اللہ ﷺ: إن من أکمل المؤمنین إیمانا أحسنهم خلقا والطفهم بأهله''

''عن عائشة قالت قال رسول اللہ ﷺ خیرکم خیرکم لاهله واناخیرکم لاهلی'' (مشکوة)۔

''عن حکیم بن معاویة القشیری عن أبیه ما حق زوجة احدنا قال: إن تطعمها إذا طعمت وتکسوها إذا اکتسبت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر إلا فی البیت'' (مشکوة شریف)۔

''عن عبداللہ بن زمعة قال قال رسول اللہ ﷺ لایجلد أحدکم امراة جلب العبد ثم یجامعها فی آخر الیوم فی روایة یعمد أحدکم فیجلد امرأته جلد العبد فلعله یجامعها فی آخر یومه'' (مشکوة)۔

زوجہ کتابیہ کو چھوڑ کر غائب ہوجانا:

مذکورہ نصوص سے معلوم ہوا کہ بیوی کے حقوق ادا کرنے میں تغافل شرعاً حرام وناجائز ہے، اسی وجہ سے اس کو چھوڑ کر غائب ہوجانا، اور اس کے حقوق کی فکر نہ کرنا یا اس کو معلقہ کی طرح چھوڑ دینا (یعنی نہ تو اس کے حقوق ادا کرنا اور نہ ہی طلاق دے کر علاحدہ کردینا) یہ سب ظلم میں داخل ہے، کتاب وسنت میں اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، اور اس حکم میں کتابیہ اور مسلمہ دونوں برابر ہیں، دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ''لا طلاق النصوص''۔

بیوی خواہ کتابیہ ہو یا مسلمہ چار مہینہ سے زائد بغیر اس کی اجازت کے اس سے جدا رہنا جائز نہیں، کیونکہ چار مہینہ میں ملاقات بیوی کا حق ہے۔

''فی الدر المختار یجب وظاهر الآیة فرض ان یعدل فیه ای فی القسم وفی الملبوس والماکول... والبکر والثیب والجدیده والقدیمة والمسلمة والکتابیة سواء لا طلاق الآیة. لان القسم من حقوق النکاح ولا تفاوت بینهما ذلك'' (شامی ۴/ ۳۸۴)۔

''فلا تمیلوا کل المیل تتذروها کالمعلقة'' (الآیة) ''فجعل من حقها ترك اظهار المیل الی غیرها ویدل علیه ان علیه وطأها بقوله تعالی (فتذروها کالمعلقة) یعنی لافارغة فتتزوج ولاذات فروج اذا لم یومها حقها من الوطء. ومن حقها ان لایمسکها ضرارا لقوله تعالی: ولا تمسکوهن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذلك فقد ظلم نفسه'' (سورة بقره: ۲۳۱، احکام القرآن ۱/ ۴۷۳)۔

''واعلم ان ترك الجماع مطلقا لایحل له صرح اصحابنا بأن جماعها واجب أحیانا. ویجب أن لایبلغ مدة الإیلاء إلا برضاها وطیب نفسها به ویؤید ذلك أن عمر امر امراء الأجناد أن لایتخلف عن أهله أکثر منها'' (شامی ۴/ ۳۸۰، ۶۷۹ زکریا باب القسم)۔

کتابیہ کو اس کے کفر کی وجہ سے طلاق دینا:

بیوی ناسقہ ہو تو اس کو طلاق دینا واجب تو نہیں، لیکن مستحب ضرور ہے، اور کفر یہ فسق اعتقادی ہے، جو فسق عملی سے بہر حال بڑھا ہوا ہے، لہذا کفر کی بنا پر (کتابیہ ہونے کی وجہ سے) طلاق دے دینا استحباب سے خالی نہیں، البتہ اگر بیوی کے کفر کا شوہر یا اولاد کے دین واخلاق میں مؤثر ہونے کا ظن غالب ہو یا علمٌ

المسلمین کے حق میں ضرر رساں ہونے کا ظن غالب ہو تو ایسی صورت میں طلاق دینا مستحب ہی نہیں، بلکہ واجب ہوگا، اور کتابیہ بیوی کے ساتھ معاشرت ایسی صورت میں ہرگز جائز نہ ہوگی، کیونکہ جب سبب حظر واباحت دونوں جمع ہو جائیں تو سبب حظر کو ترجیح ہوگی، اسی طرح مفاسد ومصالح کے اجتماع کی صورت میں مفاسد کو تقدم حاصل ہوتا ہے، نیز ضرر عامہ کے لئے نفع خاصہ کو ترک کر دینا اصولی مسلمات میں سے ہے، اسی طرح اگر زوجہ فاحشہ ہو تو بھی طلاق دے دینا واجب ہے، خواہ کتابیہ ہو یا مسلمہ، اور جاسوسی موجب قتل وموجب سزا جرم ہے، لہذا اس جرم کا سبب بننا جائز نہیں اگرچہ نکاح کے ذریعہ ہو۔

''لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة ولا عليها تسريح الفاجر إلاإذا خافا أن لايقيما حدود فلا بأس أن يتفرقا... يستحب لومؤذية أو تاركة صلاة ويجب لو فات الإمساك بالمعروف فظاهر أنه استعمل لابأس هنا للوجوب اقتداء للآية... يستحب لو مؤذية أو تاركة صلاة ومفاده أن لا اثم بمعاشرة من لايصلى ويجب لوفات الإمساك بالمعروف'' (شامی ۴/ ۴۲۸)۔

''عن ابن عباس قال جاء رجل إلى النبی ﷺ فقال: إن لی امرأة لاترديد لا مس فقال النبی ﷺ: طلقها قال منی أحبها قال فأمسكها إذا'' (مشکوۃ باب اللعان، الفصل الثانی / ۲۸۷)۔

''وفی المرقا: هذا الحديث يدل على أن تطليق مثل هذه المرأة أولى؛ لأنه عليه الصلاة والسلام قدم الطلاق على الامساك فلو لم يتيسر تطليقها بأن يكون يحبها أو يكون له منها ولد يشق مفارقة الولد الأم أو يكون لها عليه دين ولم يتيسرله قضاء ه، فحينئذ يجوز ان يطلقها، ولكن بشرط أن يمنعها عن الفاحشة. فإذا لم يمكنه أن يمنعها عن الفاحشة يعصى بترك تطليقها'' (مرقاۃ ۶/ ۴۳۷)۔

''عن مسلمة بن الاكوع قال: أتى النبی ﷺ عين من المشركين وهو فی سفر فجلس عند أصحابه يتحدث ثم انفتل فقال النبی ﷺ أطلبوه واقتلوه، فقتلته فنفله سلبه (رواه البخاری) قال الحافظ فی الفتح عن النووی فيه قتل الجاجوس الحربی الكافر وهو باتفاق وأما المعاهد والذی فقال مالك والاوزاعی: ينتقض عهده بذلك وعند الشافعية خلاف أما لو شر عليه ذلك فی عهده فينتقض اتفاقا'' (اعلاء السنن ۸/ ۶۳)۔

کتابیہ کا مذہبی رسوم انجام دینا:

مسلم شوہروں کے گھروں میں زوجہ کتابیہ کو علی الاعلان مذہبی رسوم کو انجام دینے کی شرعاً اجازت نہ ہوگی، کیونکہ مسلمان کے گھروں میں شعائر اسلام کو ظاہر کرنا واجب ہے اور جن مقامات میں شعائر اسلام کا اعلان واظہار واجب ہو ان مقامات میں شعائر کفر کو ظاہر کرنے کی ہرگز اجازت نہ ہوگی، البتہ اہل کتاب کے جو معابد ہوں اس میں جا کر مذہبی رسوم انجام دینے کی اجازت ہوگی، لیکن شوہر کو اپنی مصالح کے تقاضے سے روکنے کا حق ہوگا، یعنی شوہر کے ذمہ معابد جانے کی اجازت دینا واجب نہیں، لہذا خروج الی المعابد سے روکنے کا حق ہوگا۔

''فی شرح الطحاوی: المسلم اذا تزوج ذمية فله أن يمنعها عن الخروج إلى الكنائس والبيع وبيت النار وليس على إجبارها على الغسل من دم الحيض والنفاس والجنابة مسلم له امرأة ذمية ليس له أن يمنعها من شرب الخمر؛ لان شرب الخمر حلال'' (تاتار خانیہ ۴/ ۷۲)۔

''مسلم له امرأة ذمية ليس له ان يمنعها من شرب الخمر لان شرب الخمر حلال عندها وله أن يمنعها من اتخاذ الخمر فی المنزل'' (خانیہ علی ہامش الہندیہ ۳/ ۵۹۱، تاتار خانیہ ۷/ ۲۲۵، نیز دیکھئے: بدائع ۶/ ۸۲، البحر الرائق ۳/ ۱۰۴)۔

۹- مشن کے اداروں میں ملازمت اور استفادہ:

ایسے ادارے کی جائز ملازمت، جس میں معصیت کو انجام دیا جاتا ہے، حضرات فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے، چنانچہ مفتی اعظم پاکستان علامہ ماوردی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ ماوردیؒ نے سیاست شرعیہ سے متعلق اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ بعض حضرات نے "اجعلنی علی خزائن الأرض" (سورۂ یوسف: ۵۵) کی بنا پر کافر اور ظالم حکمرانوں کی طرف سے عہدہ قبول کرنا اس شرط کے ساتھ جائز کہا ہے کہ خود اس کو خلاف شرع کوئی کام نہ کرنا پڑے اور بعض

حضرات نے اس شرط کے ساتھ بھی اس کو اس لئے جائز نہیں رکھا ہے کہ اس میں بھی ظالم کے ظلم وجور کی تائید اور تقویت ہوتی ہے، جس کی تائید "فلن اکون ظهیرا للمجرمین" سے ہوتی ہے، مگر جمہور علماء وفقہاء نے پہلے ہی قول کو اختیار فرما کر جائز قرار دیا ہے، اس لئے راجح جواز ہے، کیونکہ جب ملازم سے کوئی ایسی خدمت متعلق نہ ہو جس کا تعلق براہ راست معصیت سے ہو تو سبب بعید غیر جالبہ ہونے کی وجہ سے حرام و ناجائز تو نہ ہوگا، لیکن احتراز بہر حال اولی ہوگا۔

(معارف القرآن ملخصا ۵/۹۲)۔

لہذا مشن کے رفاہی اداروں میں جائز خدمت انجام دینا اصولاً تو جائز ہے، لیکن دیگر عوارض اور مفاسد کی بنا پر حکم عدم جواز کا دیا جائے گا، وہ مفاسد درج ذیل ہیں:

۱- کفر فساق وفجار کی مخالطت شرعاً ناجائز ہے، البتہ ضرورت کے وقت اجازت ہے، کیونکہ ملازمت، مواسات اور مدارات سے خالی نہ ہوگی جس کی بلاضرورت شدیدہ ممانعت آئی ہے (التفصیل فی بیان القرآن/۱۰۸)۔

۲- دین باطل کی تبلیغ کرنے والوں کی تکثیر ہے، یہ بھی "من کثر سواد قوم فهو منهم" کی بنا پر ناجائز ہے۔

۳- اگرچہ اپنے عقائد وایمان کے محفوظ رہنے کا اطمینان ہو لیکن دوسرے سادہ لوح مسلمان کے متاثر ہونے کا سبب وذریعہ تو بہر حال بنے گا۔

۴- نیز تہمت کا اندیشہ بھی ہے۔

۵- جس چیز کی شناعت وقباحت حد سے زائد ہو اس میں شبہ، اندیشہ بھی حقیقت کے درجہ میں ہوتا ہے، مثلاً شبہ ربوی بھی ربوی کے درجہ میں رکھا گیا ہے۔ اور کفر کی شناعت وقباحت کا سود کی قباحت سے زائد ہونا، ظاہر اسلمات میں سے ہے لہذا اس میں بھی شبہ ارتداد کا اعتبار حقیقت کے درجہ میں ہوگا۔

۶- ارتدار کے پھیلنے کا ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔

لہذا ان مفاسد کی بنا پر مشن کے اداروں میں بلاضرورت ومجبوری کے جائز خدمت کا انجام دینا بھی جائز نہ ہوگا، نیز بلا سخت مجبوری کے ایسے اداروں سے استفادہ کی اجازت بھی نہ ہوگی، اس مسئلہ پر ان مباحث سے جو دار الکفر میں قیام اور کفار کے ساتھ معاملات سے متعلق مقالہ میں تحریر کئے گئے ہیں مفید روشنی پڑتی ہے، تفصیل چونکہ ہو چکی ہے اس لئے اعادہ کی ضرورت وحاجت نہیں۔

خلاصہ کلام:

۱- مشن کے اداروں میں بلاضرورت ومجبوری کے جائز ملازمت بھی (سد اللباب) ناجائز ہوگی۔

۲- اور ایسے اداروں سے استفادہ کی بھی اجازت نہ ہوگی، البتہ ضرورت ومجبوری کے احکام جداگانہ ہیں۔



اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی [1]

۱- اہل کتاب کی تعریف:

اہل کتاب کی تعریف کے سلسلہ میں جمہور واحناف کے مابین اختلاف ہے، جمہور یہود ونصاری میں منحصر کرتے ہیں، بشرطیکہ اصول دین: وجود صانع، قیام ملت، انزال رسل اور انزال کتب وغیرہ امور کو مانتے ہوں، جمہور کے خیال میں تورات وانجیل کے ماسوا آسمانی کتابیں وعظ ونصیحت ومواعظ وامثال کا مجموعہ ہیں، لہذا ان کتابوں پر عمل پیرا حضرات احکام پر مشتمل کتابوں پر عمل پیرا حضرات کے مساوی نہیں ہوسکتے ہیں، جامعین موسوعہ نے جمہور کے مسلک کو ان الفاظ میں قلم بند کیا ہے:

"ذهب الجمهور إلى أن أهل الكتاب هم: اليهود والنصارى بفرقهم المختلفة... وقالوا: لأن تلك الصحف (زبور وصحف ابراهيم) كانت مواعظ وأمثالا لا أحكام فيها، فلم يثبت لها حكم الكتب المشتملة على أحكام" (موسوعه فقهيه ۷/ ۱۴۰ طبع کويت)

(جمہور کی رائے یہ ہے کہ اہل کتاب بس یہود ونصاری اپنے مختلف گروہوں سمیت کا نام ہے، فرماتے ہیں: یہ اس لئے کہ دیگر صحف آسمانی (زبور، صحف ابراہیم) مواعظ وامثال ہیں ان میں احکام نہیں ہیں، پس ان کے لئے ان کتابوں کا حکم ثابت نہیں ہوگا جو احکام پر مشتمل ہیں)۔

علامہ نووی لکھتے ہیں:

"والمراد بالكتابيين: اليهود والنصارى، فأما المتمسكون بكتب سائر الانبياء الأولين كصحف شيث وادريس وإبراهيم وزبور داؤد، فلا تحل مناكحتهم على الصحيح" (روضة الطالبين للنووى ۶/ ۱۳۱ كتاب النكاح طبع دار الفكر)

(اہل کتاب سے مراد یہود ونصاری ہیں، بہر حال دیگر انبیاء سابقین کی کتابوں: حضرت شیث، حضرت ادریس اور حضرت ابراہیم کے صحیفوں نیز حضرت داؤد کی زبور کو ماننے والے تو صحیح قول میں ان سے نکاح حلال نہیں ہے)۔

اس کے برخلاف سادات حنفیہ کے نزدیک اہل کتاب میں ہر وہ شخص داخل ہے جو کسی دین سماوی پر یقین رکھتا ہو اور اس کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہو خواہ وہ زبور یا کوئی اور صحیفہ آسمانی ہی کیوں نہ ہو، مفتی عمیم الاحسان تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"أهل الكتاب: هم اليهود المشهور بنبي إسرائيل والنصارى وغيرهما ممن اعتقدوا دينا سماويا ولهم كتاب منزل كصحف إبراهيم وتوراة موسى وزبور داؤد وإنجيل عيسى على نبينا وعليهم الصلاة والسلام" (التعريفات الفقهيه مع قواعد الفقه/ ۱۹۸ طبع دار الكتاب ديوبند)

(اہل کتاب وہ یہود ہیں جو بنی اسرائیل سے مشہور ہیں اور نصاری نیز ان کے علاوہ جو لوگ دین سماوی پر اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے جیسے حضرات ابراہیم کے صحیفے، حضرت موسی کی تورات، حضرات داؤد کی زبور اور حضرت عیسی علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کی انجیل)۔

فتاوی شامی وہندیہ وغیرہ میں بھی یہی تعریف کی گئی ہے:

"كل من يعتقد دينا سماويا له كتاب منزل كصحف إبراهيم والشيث وزبور داؤد عليهم السلام، فهو من أهل

---

[1] استاذ حدیث مدرسہ حسینیہ کا ئم کلم کیرالا۔

الکتاب فیجوز مناکحته وأکل ذبائحه'' (فتاوی ہندیہ ۲/ ۸، ردالمحتار ۲/ ۲۱۴ رشیدیہ پاکستان)

(جو بھی شخص کسی دین سماوی کا معتقد ہو اور اس کے پاس کوئی منزل کتاب ہو جیسے حضرت ابراہیم وحضرت شیث کے صحیفے، حضرت داؤد کی زبور تو وہ اہل کتاب میں سے ہے اس سے نکاح کرنا جائز اور اسکا ذبیحہ کھانا حلال ہے)۔

لہذا حنفیہ کے نزدیک تعریف کے دو بنیادی عنصر ہوئے، دونوں کا بیک وقت پایا جانا ضروری ہے، ورنہ اہل کتاب سے خارج ہو جائیں گے۔

۱- ان کے پاس کوئی کتاب ہو اور کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جس کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا معروف ومشہور ہو، نیز ایسی شخصیت پر نازل ہوئی جس کا نبی ہونا قطعی ویقینی ہو، لہذا ایسی شخصیات کی الہامی کتاب جن کا بزرگ اور اللہ کا ولی ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے، لیکن نبی ہونے پر کوئی نص نہیں ہے تو وہ آسمانی کتاب نہیں کہلائے گی اور نہ صاحب کتاب کو نبی کا درجہ دیا جائے گا، علامہ شامی حرمت نکاح پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حرم نكاح الوثنية ويدخل في عبدة الأوثان عبدة الشمس والنجوم والصور التي استحسنوها والمعطلة والزنادقة والباطنية والإباحية، وفي شرح الوجيز: وكل مذهب يكفر به معتقده قلت: وشمل ذلك الدروز والنصيريه والتيامنة. فلا تحل مناكحتهم ولا تؤكل ذبيحتهم؛ لأنهم ليس لهم كتاب سماوي'' (ردالمحتار مع الدر المختار ۲/ ۲۱۴ كتاب النكاح، باب المحرمات، رشيديه پاكستان)

(وثنیہ سے نکاح حرام ہے، بت پرست میں سورج، ستارے اور حسین صورتوں کو پوجنے والے نیز معطلہ، زنادقہ، باطنیہ، اباحیہ سب داخل ہیں۔

''شرح الوجیز'' میں ہے: ہر وہ نظریہ جس کی بنا پر اس کی معتقد کی تکفیر کی جائے، میں (شامی) کہتا ہوں کہ اس میں دروز، نصیریہ تیامنہ شامل ہیں، لہذا ان سے نکاح حلال نہیں اور ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا)۔

۲- دوسرا اہم عنصر یہ ہے کہ وہ اصول دین کا معتقد ہو، اگر صانع کو نہیں مانتا، یا رسالت کا اقراری نہیں، کتابوں پر ایمان ہیں، یا حشر ونشر کا قائل نہیں تو وہ اہل کتاب سے خارج ہے، البتہ وہ قبائح جو نزول قرآن کے وقت تھے، مثلاً تثلیث کا عقیدہ سراسر شرک ہے مگر اس کے ہوتے ہوئے بھی اس کو اہل کتاب میں شمار کیا گیا، کواکب پرست پر کلام کرتے ہوئے علامہ شامی نے محاکمہ نقل کیا ہے جو اہم ہے:

''وقال في البحر: وظاهر الهداية أن منع مناكحتهم مقيد بقيدين: عبادة الكواكب وعدم الكتاب، فلو كانوا يعبدون الكواكب، ولهم كتاب تجوز مناكحتهم، وهو قول بعض المشائخ زعموا أن عبادة الكواكب لاتخرجهم عن كونهم أهل كتاب والصحيح أنهم إن كانوا يعبدونها حقيقة. فليسوا أهل كتاب وإن كانوا يعظمونها كتعظيم المسلمين للكعبة، فهم أهل كتاب'' (ردالمحتار ۲/ ۲۱۵ باب المحرمات، طبع رشيديه پاكستان)۔

(بحر میں ہے: ہدایہ کا ظاہر یہ ہے کہ ان سے نکاح کی ممانعت دو قید کے ساتھ مقید ہے: کواکب کی عبادت، اور عدم کتاب، پس اگر وہ کواکب کی پرستش کرتے ہیں اور ان کے پاس کتاب ہو تو ان سے نکاح جائز ہے، یہی بعض مشائخ کا قول ہے، ان کا خیال ہے کہ کواکب پرستی ان کو اہل کتاب سے خارج نہیں کرے گی، صحیح یہ ہے کہ اگر وہ حقیقت میں کواکب کے پرستان ہیں تو اہل کتاب میں سے نہیں ہیں، اور اگر کعبہ کی طرح صرف ان کی تعظیم کرتے ہیں تو اہل کتاب ہیں)۔

راقم کا خیال ہے دراصل اہل کتاب کی تحقیق مطلوب نہیں، بلکہ حلت نکاح اور اکل ذبیحہ کی حلت وحرمت مقصود ہے، بضعہ کا معاملہ ہو یا حیوانات وذبائح کا معاملہ ہو اہل اصول اور ارباب تحقیق کے نزدیک ان میں اصل حرمت ہے، جب تک کہ یقینی طور پر دلیل حلت موجود نہ ہو جائز قرار نہیں دیا جائے، اس لئے اس نظریہ میں بہت حد تک احتیاط کا پہلو ہے کہ نزول قرآن کے وقت جو معائب وقبائح تھے ان کو تو گوارہ کر لیا جائے اور ان کی بنا پر ان کو اہل کتاب سے خارج نہ کیا جائے لیکن ان کے علاوہ کوئی ایسا عمل یا عقیدہ جو سراسر کفر وشرک ہے، نیز ان کا اس کو اختیار کرنا کسی تاویل کی بنا پر بھی نہ ہو تو خواہ ان کو عرف میں اہل کتاب سمجھا جاتا ہو، مگر نکاح کے معاملہ میں خاص طور پر ان کے ساتھ معاملہ عام کفار کا کیا جائے۔

۲- الف: صابی کی تحقیق:

"صبا یصبو" کے معنی خروج کے آتے ہیں، صابی کون لوگ تھے، قرآن کریم نے بھی اہل کتاب کے سیاق میں اس فرقہ کا ذکر کیا ہے:

"إن الذين آمنوا والذين هادوا والصابئون والنصارى من آمن بالله واليوم الآخر وعمل صالحا فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون" (مائدہ:۶۹)

(اہل مکہ بھی ان تمام حضرات کو جو اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر خاص طور پر دین اسلام میں داخل ہوتا ان کو صابی کہہ کر گویا چڑھایا و مذاق اڑایا کرتے تھے، مفسرین وفقہاء سب کے سب اس فرقہ کی تحقیق میں مختلف نظر آتے ہیں، ابوالعالیہ، ابن تیمیہ، امام ابوحنیفہ وغیرہ ان کو اہل کتاب میں شمار کرتے ہیں، بعض تو تبعین تورات ہی خیال فرماتے ہیں، بعض زبور پر عمل کرنے والے، بعض ان کے نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام کو باور کرتے ہیں، ذیل میں ان نصوص کو ذکر کیا جارہا ہے:

"قال أبو العالية: الصابئين: فرقة من أهل الكتاب يقرؤون الزبور، هم منسوبون إلى صابي بن متوشلخ عم نوح عليه السلام" (فتح الباری ۱/ ۵۹۸ کتاب التیمم، باب التیمم فی الصعید الطیب)

(ابوالعالیہ نے فرمایا: صابئین: اہل کتاب کا ایک گروہ ہے جو زبور پڑھتے ہیں، یہ گروہ صابی بن متوشلخ جو حضرت نوح علیہ السلام کے عم زاد تھے ان کی طرف منسوب ہے)۔

"قال ابن تيمية: إنهم كانوا من الفلاسفة، وزعم أنهم كانوا فرقة من أهل الكتاب لقوله تعالى: إن الذين آمنوا والذين هادوا والنصارى والصابئين من آمن بالله واليوم الآخر وعمل صالحا حيث سوى فيه أمرهم وأمراهر الكتاب ووعد بالأجرلمن آمن منهم، كما وعد اليهود والنصارى فهو صريح في كونهم أهل الكتاب" (فیض الباری ۱/ ۴۱۰ كتاب التيمم، بال يتم في الصعيد الطيب)

(ابن تیمیہ نے کہا: صابئین فلاسفہ میں سے تھے، ابن تیمیہ کا خیال ہے کہ یہ اہل کتاب کی ایک جماعت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "ان الذین آمنو الخ" میں ان کے اور اہل کتاب کے امر کو برابر کردیا ہے، اور جو بھی ان میں سے ایمان لے آئے ان کے لئے اجر کا وعدہ کیا ہے، جیسا کہ یہود ونصاریٰ کے لئے وعدہ کیا ہے، پس یہ صریح ہے اس بات میں کہ یہ اہل کتاب ہیں)۔

علامہ آلوسی مختلف حضرات کے اقوال نقل کرتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ کی رائے تحریر فرماتے ہیں:

"والإمام أبوحنيفة يقول: إنهم ليسوا بعبدة الأوثان، وإنما يعظمون النجوم كما تعظم الكعبة، وقيل: هم قوم موحدون يعتقدون تاثير النجوم ويقرون ببعض الأنبياء كيحيى عليه السلام، وقيل: هم يقرون بالله تعالى ويقرؤن الزبور، ويعبدون الملائكة ويصلون إلى الكعبة" (روح المعانی للآلوسی البغدادی ۱/ ۲۷۹ طبع دار الفکر ۱۴۰۳ھ)

(امام ابوحنیفہ کہتے ہیں: یہ حضرات بت پرست نہیں ہیں، نیز وہ ستاروں کی تعظیم اسی طرح کرتے ہیں، جیسے کعبہ کی تعظیم کی جاتی ہے، کہا گیا ہے: یہ لوگ توحید پرست ہیں، تاثیر سیارات کے قائل ہیں، بعض انبیاء حضرات یحییٰ علیہ السلام کے معتقد ہیں، کہا گیا ہے: اللہ کا اقرار کرتے ہیں، زبور پڑھتے ہیں، ملائکہ کو پوجتے ہیں، کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے ہیں)۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبور پڑھنے والی قوم ہیں، مفتی صاحبؒ کے الفاظ ہیں: قرآن کریم کے اس سیاق سے بظاہر اسی کی تائید ہوتی ہے کہ چار آسمانی کتابیں جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے تورات، زبور، انجیل اور قرآن اس میں ان چار کتابوں کے ماننے والوں کا ذکر آ گیا۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع عثمانی ۳/ ۱۹۹، سورہ مائدہ)۔

ب- اس کے برخلاف صاحبین، قاضی بیضاوی، مجاہدؒ اور ان کے متبعین وغیرہ ان کو اہل کتاب میں شمار نہیں کرتے ہیں، مفتی عمیم الاحسان صابئہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الصابئون: هم الذين أعرضوا عن الأديان كهلا وأشركوا بالله تعالى واختاروا عبادة الملائكة

والكواكب هٰذا عند أبي يوسف ومحمد، وعند ابي حنيفة قوم من النصارى'' (التعريفات الفقهيه مع قواعد الفق/ ۳۴۵ طبع دار الكتاب) (صابئین وہ لوگ ہیں جنہوں نے تمام ادیان سے اعراض کیا اور اللہ کے ساتھ شرک کیا، نیز ملائکہ وستاروں کی عبادت کو اختیار کیا، یہ حضرت امام ابو یوسف وحضرت امام محمدؒ کے نزدیک ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ نصاریٰ کی ایک جماعت ہے)۔

''قال البيضاوي: ان الصابئين كانوا عبادا للنجوم، وقيل: إنهم كانوا ينكرون النبوة وكانوا على مضادة الحنفية ثم صار من القاب الذم'' (فيض البارى ۱/ ۴۱۰ كتاب التيمم باب التيمم فى الصعيد الطيب)

(قاضی بیضاوی کہتے ہیں: صابئین ستارہ پرستوں کی جماعت ہیں، کہا گیا ہے: یہ لوگ نبوت کے منکر تھے اور دین حنیف کے خلاف مذہب پر تھے، پھر یہ امت والا لقب ہو گیا)۔

ابن کثیر لکھتے ہیں: ''أظهر الأقوال والله أعلم، قول مجاهد ومتابعيه ووهب بن منبه أنهم قوم ليسوا على دين اليهود ولا النصارى ولا المجوس والمشركين، وإنما هم باقون على فطرتهم ولا دين مقرر لهم يتبعونه وليقتفونه، ولهذا كان المشركون ينبزون من أسلم بالصابئي أي: أنه قد خرج عن سائر أديان أهل الأرض إذ ذاك، وقال بعض العلماء: الصابئون الذين لم تبلغهم دعوة نبي والله أعلم'' (تفسير ابن كثير ۱/ ۱۰۳ سوره بقره طبع دار الفكر ۱۴۲۲ھ)۔

(ظاہر قول- واللہ اعلم- مجاہد اور ان کے متبعین نیز وہب بن منبہ کا قول ہے: یہ لوگ نہ تو یہود ونصاریٰ کے دین پر ہیں اور نہ ہی مجوس ومشرکین ہیں، یہ اپنی فطرت پر باقی ہیں کوئی متعین دین نہیں کہ ان کی اتباع کریں، اور اس کے پیچھے چلیں اسی وجہ سے مشرکین مسلمان ہونے والے کو صابی کا الزام دیتے تھے، یعنی اس وقت روئے زمین پر موجود تمام ادیان سے خارج ہو گیا، بعض علماء کی رائے ہے: صابئین وہ لوگ ہیں جن تک کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی)۔

ج- حضرت امام شافعی اور ان کے پیروکار فقہاء کے یہاں کبھی تو جماعت نصاریٰ میں شمار کیا گیا ہے، پھر شرط کے ساتھ اس کے حکم پر کلام کیا گیا ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں: ''الصابئون: طائفة تعد من النصارى، والسامرة تعد من اليهود، فإن كانوا يخالفون اليهود والنصارى في أصل دينهم ولا يتألون نص كتابهم لم يناكحوا كالمجوس، وإن خالفوهم في الفروع دون الأصول، وتأولوا نصوص كتابهم جازت مناكحتهم هٰذا هو المذهب'' (روضة الطالبين ۶/ ۱۴۴ كتاب النكاح طبع دار الفكر)

(صابی نصاریٰ کی ایک جماعت ہے اور سامرۃ یہود کی ایک جماعت ہے، پس اگر یہ لوگ یہود ونصاریٰ کی اصل دین میں مخالفت کریں اور نصوص کی تاویل نہ کریں تو نکاح جائز نہیں ہوگا، جس طرح مجوس سے جائز نہیں ہے، اور اگر فروع میں مخالفت کریں اصول میں نہیں، نیز نصوص میں تاویل کریں تو نکاح جائز ہے یہی مذہب ہے)۔

جامعین موسوعہ نے بھی حضرات شافعیہ کا یہی مسلک تحریر کیا ہے:

''قال الشافعية: إن خالف الصابئة النصارى في أصل دينهم حرمت ذبائحهم ونساؤهم على المسلمين، أما إن لم يخالفوهم في ذلك، فلا تحرم ذبائحهم ونساؤهم علينا مالم تكفر هم النصارى، فإن كفرهم النصارى حرمت نساؤهم وذبائحهم'' (الموسوعة الفقهيه ۲۶/ ۳۰۰ طبع كويت)

(حضرات شافعیہ نے کہا: اگر صابئہ نصاریٰ کی مخالف اصل دین میں کریں تو ان کا ذبیحہ حلال نہیں اور ان کی عورتیں مسلمانوں پر حرام ہوں گی، ہر حال اگر مخالفت نہ کریں تو ذبائح حرام نہیں اور ہمارے لئے ان کی عورتیں بھی حرام نہیں، جب تک کہ نصاریٰ ان کی تکفیر نہ کریں، پس اگر نصاریٰ ان کی تکفیر کریں تو ان کی عورتیں اور ذبیحہ حرام ہوں گے)۔

حضرات شافعیہ نے جس قول کو اختیار کیا ہے احناف کے محققین نے بھی اسی کے قریب قریب بات کہی ہے، جس کا حاصل یہ کہ حضرات امام ابوحنیفہ نے جس صابی قوم پر اہل کتاب کا اطلاق کیا ہے اور ان کی عورتوں کو مسلمانوں کے لئے حلال قرار دیا ہے وہ یقیناً عقیدہ ومسلک کے لحاظ سے اہل کتاب تھے، لیکن حضرات صاحبین نے جس صابی قوم پر مشرک وزندیق ہونے کا حکم لگایا ہے اس سے مراد وہ ہیں جو واقعتاً اسی وصف کے مستحق تھے، ہدایہ کی عبارت بھی اسی طرف مشیر ہے۔

"ويجوز تزويج الصابئات إن كانوا يؤمنون بدين نبي ويقرون بكتاب؛ لأنهم من أهل الكتاب، وإن كانوا يعبدون الكواكب ولا كتاب لهم لم تجز مناكحتهم؛ لأنهم مشركون. والخلاف المنقول فيه محمول على اشتباه مذهبهم، فكل أجاب على ما وقع عنده، وعلى هذا حل ذبيحتهم" (هدایہ علی فتح القدیر ۲/ ۲۲۲)

(صابئات سے نکاح کرنا جائز ہے اگر وہ لوگ کسی نبی کے دین پر ایمان رکھتے ہوں اور کسی کتاب کا اقرار کرتے ہوں اس لئے کہ وہ اہل کتاب ہیں اور اگر کواکب کی عبادت کرتے ہوں اور ان کے پاس کتاب نہیں ہو تو نکاح جائز نہیں، اس لئے کہ وہ مشرک ہیں، اس سلسلہ میں جو اختلاف منقول ہے وہ ان کے مذہب کے مشتبہ ہونے کی بنا پر ہے، پس ہر ایک نے وہ جواب دیا جیسا کہ ان کو معلوم تھا، اسی بنا پر ان کے ذبیح کی حلت بھی ہے)۔

جصاص کچھ اس طرح کی بات لکھتے ہیں: "قال أبو الحسن الكرخي: الصابئون الذين هم عندهم من أهل الكتاب قوم ينتحلون دين المسيح ويقرؤون الإنجيل، فأما الصابئون الذين يعبدون الكواكب، وهم الذين بناحية حران، فإنهم ليسوا بأهل كتاب عندهم جميعا" (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۴۶۳ سورہ مائدہ) (ابو الحسن کرخی فرماتے ہیں: صابئین جو فقہاء کے نزدیک اہل کتاب میں سے ہیں وہ وہ ہیں جو حضرت مسیح کے دین کے پیروکار ہیں اور انجیل کو پڑھنے والے ہیں، بہر حال وہ صابئین جو کواکب کی عبادت کرتے ہیں وہ وہ ہیں جو حران کے گرد و نواح میں آباد ہیں پس وہ لوگ کسی کے نزدیک اہل کتاب میں سے نہیں ہیں)۔

خلاصہ اس بحث کا یہ نکلتا ہے کہ صابئین کے مختلف فرقے تھے، بعض ان میں اہل کتاب میں سے تھے، جبکہ بعض اہل شرک بلکہ اہل زندقہ میں سے تھے، لہذا حکم لگاتے وقت پہلے اس جماعت کے نظریات و معتقدات پر غور کرنا ہوگا اگر کسی نبی کو مانتے ہیں اور کسی کتاب کے قائل ہیں اور اصول دین کے منکر نہیں تو یقیناً اہل کتاب میں سے ہیں، ان سے نکاح کا معاملہ کرنے میں حرج نہیں ہے، ان کا ذبیحہ کھانے کی بھی گنجائش ہے، لیکن جو لوگ عقیدے کے لحاظ سے اہل شرک میں سے ہیں یا مجوس و زندیق جیسے معتقدات کو اختیار کرنے والے ہیں ظاہر ہے کہ ان کا حکم اہل کتاب کا نہیں ہوسکتا۔

ب- صابئین کی جماعت موجود ہے یا دنیا سے ناپید ہوگئی:

یہ جماعت دنیا کے کسی حصہ میں ہے اس کا تعلق درحقیقت تاریخ سے ہے، مفسرین و فقہاء کے کلام سے یوں لگتا ہے کہ اس جماعت کا اب وجود باقی نہیں رہا، علامہ عینی نے بنایہ میں صابی سے نکاح پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: "لم يبق له أثر ولا عين" کہ اب اس کا اتا پتہ باقی نہیں رہا ہے، مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بھی اس کی صراحت کی ہے: صابئوں یا صابئہ کے نام سے آج کل کوئی قوم معروف نہیں ہے، اسی لئے اس کی تعیین میں علماء وائمہ کے اقوال مختلف ہیں۔

(معارف القرآن عثمانی ۳/ ۱۹۹ سورہ مائدہ)۔

۳- آج کل کے یہود و نصاریٰ:

جس اہل کتاب کو قرآن کریم میں خطاب کیا گیا ہے اس سے مراد وہ عیسائی و یہودی ہیں جو وجود صانع کے قائل، وحی و نبوت کے معترف اور ملائکہ و آخرت پر یقین رکھنے والے تھے، ہر چند کہ بہت سی گمراہیوں کے مرتکب بھی تھے حتی کی تثلیث تک کا من گھڑت عقیدہ رکھتے تھے مگر اصول دین کو بہر حال تسلیم کرتے تھے، مگر آج کے یہود و نصاریٰ نام کے اہل کتاب تو باقی ہیں، لیکن عقیدہ و نظریہ کے لحاظ سے وہ ملحد و زندیق کے حکم میں ہیں اگر ان کا الحاد و زندقہ ثابت ہو جائے تو ان کے ساتھ معاملہ ملحد و زندیق جیسا ہی کیا جائے گا، "رد المحتار" میں مختلف مواقع پر اس سے بحث کی گئی ہے، ایک جگہ زندقہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ويحتمل أن يكون المراد به الذي لا يستقر على دين أو الذي يكون اعتقاده خارجا عن جميع الأديان والثاني هو الظاهر" (ردالمحتار ۵/ ۲۲۶، باب المرتد طبع رشیدیہ پاکستان)

(احتمال ہے کہ اس سے مراد: جو کسی دین پر جما ہوا نہ ہو یا اس کا اعتقاد تمام ادیان سے خارج ہو، ثانی صورت ہی ظاہر ہے)۔

اگر یہود و نصاریٰ وجود صانع و خالق کے منکر ہیں تو دہریہ ہوئے اور دہریہ سے نکاح کا عدم جواز متفق علیہ ہے، فقہ شافعی کی مشہور کتاب نہایۃ المحتاج میں صابئہ کی بحث کرتے ہوئے صاف طور پر لکھا ہے: "لو خالفوا النصارى في أصل دينهم ولو احتمالا كأن نفوا الصانع أو عبدوا كوكبا حرم نساؤهم علينا" (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۶/ ۲۹۵ طبع کویت) (اگر نصاریٰ کی مخالفت اصل دین میں کریں خواہ اس کا احتمال ہی کیوں نہ ہو، جیسے صانع کا انکار کردیا یا ستارے کی پرستش کی تو ان کی عورتیں ہمارے لئے حرام ہوجائیں گی)۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ایک تحریر آج کے یہود و نصاری کا نقشہ کھینچنے کے لئے کافی ہے: اول تو وہ لوگ جو آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی و نصرانی لکھواتے ہیں ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدہ کی رو سے یہودیت و نصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں، ان کا تورات و انجیل پر عقیدہ ہے نہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ پر، وہ عقیدہ کے اعتبار سے بالکل لامذہب اور دہریے ہیں محض قومی یا اسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی یا نصرانی کہتے ہیں۔

(معارف القرآن عثمانی ۳/ ۶۳)۔

صرف نام رکھ لینے سے اہل کتاب نہیں ہوں گے، بلکہ اہل کتاب کا عقیدہ اختیار کرنا بھی لابدی ہے، محض یہ کہہ کر ان سے نکاح کا معاملہ قطعی دلائل سے ثابت ہے، لہٰذا جو بھی اہل کتاب ہے اس کی عورت سے نکاح کرنا جائز ہی ہوگا، خواہ عقیدہ کے لحاظ سے کتنے ہی پراگندہ ہو اور عام کفار و مجوس سے بھی ناپاک جراثیم عقیدے میں رکھتے ہوں، صاف ستھری بات یہ کہ یہودی و نصرانی کہلانے والے کے عقیدہ کو تھوڑا پرکھ لیا جائے تفتیش حال کے بعد ہی حکم لگایا جائے۔

۴- دیگر ادیان باطلہ کے حاملین کا حکم:

شریعت محمدی کے بعد بہت سے گمراہ فرقے وجود پذیر ہوئے، بعض نے تو اسلام کا قلادہ پھینک کے ارتداد کو ہی قبول کرلیا، اور گمراہ گروہوں میں شامل ہو گئے، بعض نے دوسرے مذاہب سے منحرف ہو کر الگ مذہب و مسلک کی داغ بیل ڈالی، نتیجۃً نہ اسلام کو خیرباد کہنے والے ہی راہ راست پر رہ سکے اور نہ ہی دوسرے مذہب سے انحراف کرنے والے ہی صحیح راہ پاسکے ان کے بارے میں اصولی بات تو یہ ہے کہ اگر اسلام سے منحرف ہو کر دوسرے راہ کو اختیار کیا ہے تو وہ مرتد ہے، جس سے شادی بیاہ کا تعلق ہی نہیں دیگر تمام تعلقات کو منقطع کردینے کا حکم ہے، اور اگر دوسرے مذاہب سے نئے مذہب میں داخل ہوئے تو اگر کسی دین سماوی کو اختیار کرتے ہیں اور کتاب بھی موجود ہے تو وہ اہل کتاب میں شمار ہوں گے اور اگر ایسا نہیں، بلکہ امر متواتر فی الدین کا منکر ہے تو وہ عام کفار کے حکم میں ہیں۔

اس تناظر میں ان فرقوں کا جائزہ لینا چاہئے:

سکھ مذہب:

یہ سولہویں صدی عیسوی کا ہندوستانی مذہب ہے، جس کے بانی گرونانک ہیں، گرونانک شیخ فرید الدین گنج شکرؒ سے متاثر تھے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آئیڈیل تصور کرتے تھے، اس مذہب کی بنیاد اصلاحی نقطۂ نظر سے ڈالی گئی، ''آدی گرنتھ'' نامی کتاب کو مقدس سمجھا جاتا ہے، جس کی تالیف ۱۶۰۴ء میں پانچویں گرو ''ارجن دیو'' کے ذریعہ مکمل ہوئی، توحید پر زور ضرور پایا جاتا ہے، اوتاروں کے نظریہ کو قبول نہیں کیا جاتا، لیکن ان سب کے باوجود آخری پیغمبر ہونے کا تصور، یعنی ختم نبوت کا بنیادی عقیدہ اس مذہب میں موجود نہیں، نیز اس مذہب میں دس گروؤں کی شخصیات ہی بنیادی حیثیت رکھتی ہیں (مستفاد: مطالعہ مذاہب، ڈاکٹر محسن عثمانی/ ص ۱۵۳)۔

لہٰذا اس کے حاملین کو گروہ مسلم میں نہیں سمجھا جاسکتا اور اس سے ازدواجی تعلقات یا ان کے ذبیحے کو حلال نہیں سمجھا جاسکتا ہے۔

فرقہ بابیہ و بہائیہ:

یہ فرقہ انیسویں صدی عیسوی کی پیداوار ہے، مرزا علی محمد رضا شیرازی نے اس کی داغ بیل ڈالی، یہودیت کی سرپرستی اور شیعوں کی حمایت سے پروان چڑھایا گیا، اس کے مؤسس نے بعد میں چل کر رسول ہونے کا دعوی بھی کیا، بلکہ اپنے آپ کو حضرت موسیٰ و عیسیٰ حتی کہ خاتم الانبیاء سے افضل گردانا، اس نے اپنا لقب ''باب'' رکھا، اس فرقے کے بنیادی عقائد میں خاتم الانبیاء کا انکار، بانی فرقہ یعنی باب میں الوہیت کا حلول، الٰہی عقوبات کا انکار اور اس فرقے کی کتاب ''بیان'' قرآن کے لئے ناسخ ہونا ہے، ایسے مجرمانہ عقائد کے ہوتے ہوئے اس کو مسلمان کیوں کر سمجھا جائے، جریدہ مدینہ کے مطابق ''مجمع الفقہ الاسلامی مکہ'' اور ''دار الافتاء مصر'' نے اس فرقہ کو خروج عن الاسلام اور مرتد ہونے کا فتوی صادر کیا (الموسوعۃ المیسرۃ فی الأدیان والمذاہب ا/ ۴۱۴ طبع دار الندوۃ العالمیۃ)۔

قادیانی فرقہ:

قادیانی جماعت کے بارے میں علماء امت کا اتفاق ہے کہ مرتدین کی جماعت ہے جو کفار سے بھی بدتر ہے، تمام ملکوں کے مفتیان نے اس کے کفر کا فتوی دیا، وہ قرآن کو مقدس مانتے ہیں، مگر امور متواترہ کا انکار ان کے کفر کے لئے کافی ہے، اس لئے ایسے تمام باطل مذاہب جن کے نظریات اسلامی نظریات سے متصادم

ہوں اور امر متواتر کا انکار پایا جارہا ہو خواہ شہادتین کے قائل ہوں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام ان کے قلب و ذہن پر ہو، مگر وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، ان سے غیر مسلموں والا سلوک کیا جائے گا، علامہ شامی نے ایسے ہی چند فرقوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ حضرات حشر، صوم وصلاۃ کے منکر ہیں خواہ شہادتین زبان سے ادا کرتے ہیں، مگر اس کی وجہ سے وہ اسلام کے ماننے والے نہیں سمجھے جاسکتے، بلکہ وہ مرتد بھی نہیں، زندیق وملحد ہوں گے۔ (ردالمحتار ۵/۲۲۶ باب المرتد طبع رشیدیہ پاکستان)۔

قادیانیوں کی اولاد کا حکم:

جس طرح اصل قادیانی یعنی جس نے اسلام سے منہ موڑ کر مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا اعتراف کیا وہ خارج از اسلام ہے اسی طرح اس کی نسل بھی اسلام سے خارج، بلکہ ملحد وزندیق ہیں، اصلی قادیانی تو مرتد کے حکم میں ہے اس کو توبہ کا بھی موقع دیا جائے گا، لیکن زندیق کو تو توبہ کا موقع بھی نہیں دیا جائے گا، جب بھی قدرت ہوگی اس کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جائے گا، بعض عبارتیں اس طرف مشیر ہیں بعض نصوص سے قادیانی کی اولاد کا کافر حربی کے حکم میں ہونا معلوم ہورہا ہے، علامہ شامیؒ زندقہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''المعروف أي: بالزندقة ، الذي يدعو الناس إلى زندقته، فإن قلت: كيف يكون معروفا داعيا إلى الضلال وقد اعتبر في مفهومه الشرعي أن يبطن الكفر؟ قلت: لا بعد فيه؛ فإن الزنديق يموه كفره ويروج عقيدته الفاسدة ويخرجها في الصورة الصحيحة، وهذا معنى إبطان الكفر، فلا ينافي إظهاره الدعوى إلى الضلال وكونه معروفا بالإضلال'' (ردالمحتار ۵/ ۲۲۴ کتاب المرتد، طبع رشیدیہ پاکستان)۔ (زندقہ میں معروف ہو، یعنی لوگوں کو اپنے زندقہ کی طرف بلائے، اگر آپ کہیں: کیسے معروف ہوسکتا ہے اور ضلالت کا داعی ہوسکتا ہے، حالانکہ اس کے مفہوم شرعی میں ابطان کفر ملحوظ ہے؟ میں کہوں گا: اس میں کچھ بعد نہیں ہے، اس لئے کہ زندیق اپنے کفر کی ملمع سازی کرتا ہے، اپنے فاسد عقیدہ کی اشاعت کرتا ہے اور اس کو صحیح شکل میں پیش کرتا ہے، ابطان کفر کا یہی مطلب ہے، لہذا یہ منافی نہیں ہے اس کے ضلال کی طرف اظہار دعوت اور اس کے اضلال میں معروف ومشہور ہونے کے)۔

قادیانی کی مشنریاں اپنے فاسد خیالات ٹھیک اسی طرح پیش کرتی ہیں، لہذا زندیق وملحد ہونے میں شک وشبہ نہیں رہتا ہے، ایک دوسری عبارت سے اس کے کافر ہونے کی تائید ہوتی ہے:

''زوجان ارتدا لحقا فولدت المرتدة ولدا، وولدله، أي: لذلك المولود ولده فظهر عليهم جميعا، فالولدان فئ كأصلهما والولد الأول يجبر بالضرب على الإسلام ، أي: والحبس، أي بخلاف أبويه فإنهما يجبران بالقتل، وإن حبلت به ثمة لتبعيته لأبويه لا الثاني لعدم تبعيته الجد على الظاهر، فحكمه كحربي في أنه ليسترق وتوضع عليه الجزية أو يقتل، وأما الجد فيقتل لا محالة لأنه المرتد بالأصالة أو يسلم'' (ردالمحتار مع الدرمختار ۵/ ۲۳۵، باب المرتد طبع رشیدیہ پاکستان) (زوجین مرتد ہوکر دارالحرب چلے جائیں پس مرتدہ کو بچہ پیدا ہوا نیز اس مولود کو اولاد ہوئی، بعد وان سب پر اسلامی فوج کا غلبہ ہوجائے تو اولاد اور اولاد کی اولاد مال غنیمت ہیں، صلبی اولاد کو اسلام پر حبس کے ذریعہ مجبور کیا جائے برخلاف ان کے والدین کے کیوں کہ ان کو بالجبر قتل کردیا جائے گا اگرچہ مرتدہ کو حمل دار الحرب میں ہوا ہو، اس لئے کہ اولاد اپنے ابوین کے تابع ہوتے ہیں، پوتے نہیں، اس لئے کہ ظاہر میں وہ دادا کے تابع نہیں ہوتے ہیں، لہذا پوتوں کا حکم حربی کا حکم ہوگا، پس غلام بنایا جاسکتا ہے، اس پر جزیہ نافذ کیا جاسکتا ہے، اس کو قتل کیا جاسکتا ہے، لیکن جد کو تو بالیقین قتل کیا جائے گا، اس لئے کہ اصلی مرتد ہے الا یہ کہ وہ دوبارہ اسلام لے آئے)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی قادیانی کی صلبی اولاد بھی مرتد کے حکم میں ہیں ہاں اولاد کی اولاد کافر حربی کے درجے میں ہیں، خلاصہ یہ ہوا کہ خواہ اصلی قادیانی ہو یا نسلی قادیانی کوئی بھی دائرہ اسلام میں داخل نہیں، لہذا ان کی عورتیں بھی مسلمان کے لئے حلال نہیں اور ان کا ذبیحہ بھی جائز نہیں۔

جامعین موسوعہ بھی لکھتے ہیں: ''ولكن من كان حمله خلال ردة أبويه كليهما ففيه خلاف. فذهب الحنفية والمالكية وهو المذهب عند الحنابلة، والأظهر عند الشافعية إلى أنه يكون مرتدًا تبعا لأبويه فيستتاب إذا بلغ، وفي رواية للحنابلة وقول للشافعية أنه يفقر على دينه بالجزية كالكافر الأصلي'' (الموسوعة الفقهیہ ۲۲/ ۱۹۹)۔

(لیکن جو حمل والدین کے ارتداد کے زمانہ میں ہے اس کی بابت اختلاف ہے، حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ کا مذہب مختار اور شافعیہ کے یہاں اظہر یہی ہے کہ وہ اپنے والدین کے تابع ہو کر مرتد ہوگا، لہذا بالغ ہونے پر توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، حنابلہ کی ایک روایت اور شافعیہ کا ایک قول ہے کہ اس کو اپنے مذہب پر باقی رکھا جائے گا، اور کافر اصلی کی طرح جزیہ لیا جائے گا)۔

۶۔الف- مسلم ممالک میں اہل کتاب عورتوں سے رشتہ ازدواج:

کتابیہ عورت سے نکاح کا جواز وعدم کراہت اس وقت ہے، جبکہ وہ بھی دارالاسلام میں ہو، اگر دارالحرب میں ہی رہے تو حنفیہ نے بھی تصریح کی ہے کہ نکاح مکروہ ہے، علامہ جصاص رازی لکھتے ہیں:

"قال ابن عباس: لاتحل نساء أهل الكتاب إذا كانوا حربيًا... وهذا عندنا إنما يدل على الكراهة، وأصحابنا يكرهون مناكحات أهل الحرب من أهل الكتاب" (احکام القرآن ۲/ ۴۶۲ سورۂ مائدہ، طبع دارالفکر ۲۰۱۰ء)۔

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: حربی اہل کتاب عورتوں سے نکاح حلال نہیں ہے...... ہمارے نزدیک یہ مکروہ ہونے کی دلیل ہے، فقہاء حربی کتابی کی عورت سے نکاح کو مکروہ کہتے ہیں)۔

اس کراہت کی وجہ تحفظ نسل اور تحفظ دین کا پامال ہونا ہے، اس لئے کہ بچوں کا میلان عام طور پر اپنی ماں کی طرف زیادہ ہوتا ہے، اس کے نظریات و خیالات سے جتنا متاثر ہوتے ہیں والد کے خیالات موثر نہیں ہوجاتے ہیں، ماں حربیہ ہے تو وہ اس سلسلہ میں زیادہ ہی کوشاں رہے گی کہ اس کا بچہ اس کا ہم مشرب وہم ملک ہوجائے، بچوں میں تاثر وانفعال کی بھرپور صلاحیت بھی ہوتی ہے، اس لئے ان کا متاثر ہونا ایک بدیہی امر ہے، بچے تو بہرحال بچے ہیں مرد شوہر بھی خاص طور پر اس مادیت کے دور میں اپنی بیوی سے کم متاثر نہیں ہوتا ہے اس لئے نہ تو بچے کا ایمان واخلاق محفوظ رہ پائیں گے اور نہ ہی شوہر اپنے عقائد ونظریات کی حفاظت کر پائے گا۔

حضرات شافعیہ نے ذمہ سے نکاح کو بھی اسی خطرے کے پیش نظر پسند نہیں کیا، علامہ نووی رقم طراز ہیں:

"الكتابيون فيجوز للمسلم مناكحتهم سواء كانت الكتابية ذمية أو حربية لكن تكره الحربية، وكذا الذمية على الصحيح لكن أخف من كراهة الحربية" (روضة الطالبين للنووی ۶/ ۱۳۰ کتاب النکاح طبع دارالفکر)

(مسلمان کے لئے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے، خواہ ذمیہ ہو یا حربیہ، لیکن حربیہ سے مکروہ ہے، اسی طرح صحیح قول کے مطابق ذمیہ سے بھی، لیکن حربیہ سے جتنی کراہت ہے اس میں اس سے کم کراہت ہے)۔

علامہ ہیتمی نے اس کی وجہ یہی بیان کی ہے: "وكذا ذمية على الصحيح لئلا تفتنه بفرط ميله إليها أو ولده" (تحفة المحتاج ۷/ ۲۷۶ فصل في حل نكاح الكافرة) (اسی طرح صحیح قول کے مطابق ذمیہ سے نکاح مکروہ ہے، تاکہ بہت زیادہ اس کی طرف میلان کی وجہ سے شوہر یا اس کی اولاد فتنہ میں مبتلا نہ ہو)۔

دنیا کا منظرنامہ ہمارے سامنے ہے، مسلمانوں کے نام پر حکومت قائم ہے، مگر افکار وخیالات پر پورے طور پر مغرب مسلط ہے، ظاہر کے لحاظ سے غالب و حاکم ہے، لیکن حقیقت کے لحاظ سے مردہ ومغلوب قوم کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، خواہ اس کے اسباب کچھ بھی ہوں، آج کسی ایسے مسلمان کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی کہ اس کی ماں کتابیہ ہو، مگر اس نے باپ کے مذہب سے زیادہ متاثر ہو کر اسلام اور اسلامی نظام کو گلے لگایا ہو، ہاں اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام سے محبت والفت آج جتنا ان جدید مسلمانوں کو ہے جو اپنے قدیم مذہب سے چھٹکارا حاصل کر کے اسلام کے دامن کو تھام چکے ہیں ہم روایتی وقدیمی مسلمانوں میں نہیں، مگر اس الفت میں ان کے والد کا حصہ نہیں بلکہ خارجی اثرات، اور داخلی تعلیمات کا اثر ہوگا، لیکن ایسی مثالیں بہت ملیں گی کہ باپ مسلمان مگر بیٹا ماں کے مسلک ومشرب پر قائم، ہندو بیرون ہند کی عظیم شخصیات اور ان کی اولاد کو دیکھا جاسکتا ہے، آج جس کو سپر طاقت سمجھا جاتا ہے اس کا پاسبان وسربراہ اس کی واضح مثال بھی ہے، اس لئے حضرات شافعیہ کا نظریہ اس بابت حالات کے بہت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر حقیقی کتابیہ عورت سے اس سے نکاح کرنا کم از کم مکروہ ضرور ہوگا، نسل کی حفاظت بھی ضروری ہے اور دین وایمان کی حفاظت بھی بہت ضروری ہے، لہذا اس طرح سد باب اس حفاظت کے لئے قلعہ ثابت ہوسکتا ہے۔

ب- دارالکفر میں نیک جذبہ سے کتابیہ سے نکاح:

جو حضرت دارالحرب کی کتابیہ عورت سے نکاح کو مکروہ کہتے ہیں ان کا منشا یہ ہے کہ اس قسم کا نکاح دینی لحاظ سے خود اس کے لئے اور اس کی اولاد کے لئے فتنہ کا باعث ہے، اگر اس قسم کا خطرہ نہیں، بلکہ دینی نفع ہے، قوی امید ہے کہ ایک مستحق نار اسلام کے دامن سے وابستہ ہو کہ ابدی زندگی کو استوار کر لے، تو جن حضرات نے حربیہ سے نکاح کو مکروہ سمجھا ہے، شاید ان کے نزدیک بھی کراہت نہ ہو، فقہ شافعی کی مشہور کتاب تحفۃ المحتاج میں یہ جزئیہ اس طرح موجود بھی ہے:

''بحث الزركشي ندب نكاحها إذا رجي به إسلامها ولم يخش فتنة بها بوجه كما هو واضح'' (تحفة المحتاج ۷/ ۲۷۷، فصل في حل نكاح الكافرة)

(علامہ زرکشی نے بحث کرتے ہوئے ایسے نکاح کو مندوب کہا ہے، جبکہ اس کے اسلام کی امید ہو اور کسی بھی قسم کے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، جیسا کہ واضح ہے)۔

۷- برادران وطن اور ان کی مذہبی:

یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ اللہ نے بہت سے پیغمبر و رسل انسانیت کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا ہے، بعض کا ذکر قرآن میں اور بعض کا ذکر اپنے نبی کی زبانی کرایا بھی ہے لیکن بیشتر رسولوں اور پیغمبروں کے بارے میں ہمیں نہیں بتایا گیا ہے، اللہ کے ان برگزیدہ بندوں اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں پر اعتقاد ایمان کا اہم جزء ہے، لیکن نبی کی نبوت، اور کتاب کا منزل من اللہ ہونا دلیل قطعی پر موقوف ہے، الہام و کیف و کرامات برحق ہیں، مگر دلیل قطعی نہیں ہیں، اگر غیر نبی کو اس بنیاد پر نبی، یا نبی کو غیر نبی کہہ دیا تو ایمان سلامت نہیں رہے گا، اس کا انکار نہیں کہ ہر قوم میں نبی مبعوث ہوئے، اور عمل کرنے کے لئے کتابیں اتاری گئیں، مگر جہاں تک ایمان و اعتقاد کا معاملہ ہے تو اس میں احتیاط لازم ہے، عقائد و حدیث کے شارحین نے جہاں ملائکہ، کتابوں اور رسولوں پر ایمان کے مسئلہ پر بحث کرتے ہیں اس پر خاص طور پر متنبہ کرتے ہیں کہ مخصوص تعداد پر ایمان لانے سے احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ ممکن ہے اس مخصوص تعداد سے کم و بیش تعداد ہو تو پھر یا تو غیر پر ایمان ہو جائے گا جو کہ خطرناک ہے یا پھر کوئی ایمان لائے جانے سے رہ جائے گا وہ بھی ایمان کے لئے مضر ہوگا (شرح عقائد/ ۸ ۱۳، مرقاۃ ۱/ ۵۰ حدیث جبرئیل)۔

یہ بات بھی صحیح ہے کہ اپنے بزرگوں میں سے حضرت مرزا مظہر جان جاناں اور حضرت شاہ عبدالعزیز علیہما الرحمہ نے ان کتابوں اور اوتاروں کے تئیں حسن ظن کا خیال ظاہر کیا ہے، اس لئے ان اوتاروں کے تئیں اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا اور زبان کو کنٹرول میں رکھنا بھی مناسب ہے، اسلام میں تو ان بتوں کو بھی سب و شتم سے منع کیا گیا ہے جس کی وجہ سے اسلام و اسلامی شعائر کو سب و شتم کیا جائے۔

لیکن جہاں تک ویدوں کو آسمانی کتاب ماننے کا تعلق ہے تو راقم کا خیال ہے کہ بعض بزرگوں نے اس کی کوشش بھی کی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جن کتابوں کے بارے میں یقین سے معلوم ہے کہ کسی زمانے میں اس وقت کے انبیاء پر نازل ہوئی تھیں اور ان میں واضح طور پر اسلام و مسلمان اور خاتم النبیین کی بابت ہدایات موجود تھیں اور ہیں مگر خاتم الانبیاء نے تنبیہی حکم فرمایا: ''لا تصدقوا ولا تکذبوا'' ہمارا رویہ ان ویدوں کے متعلق اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا کہ ''لا تصدقوا ولا تکذبوا'' یعنی ہم نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سماوی کتاب ہے اور نہ ہی انکار کر سکتے ہیں، لہذا اس تذبذب کی حالت میں اس کے ماننے والوں کو اہل کتاب کے زمرے میں بھی نہیں رکھا جا سکتا۔

۸، الف: عیسائی درسگاہوں میں تحصیل علم:

ایک مسلمان کے لئے سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ اس کا ایمان اور آخرت پر یقین ہے، معیار زندگی سے بلند سے بلند تر ہو، مگر دل ایمان کی معرفت سے خالی ہو، یا اس کے تئیں شکوک و شبہات جڑ پکڑے ہوئے ہوں تو خواہ دنیا کی تھوڑی زندگی کتنی ہی باعث رشک ہو جائے، مگر آخرت کی لافانی زندگی کے لئے عظیم خسارہ ہے، نیز اولاد اللہ کی امانت ہیں جن کی صحیح تربیت اور اسلام کے مطابق ذہن سازی باشعور مسلمان کا منصبی فریضہ ہے، ایسی مشنریوں میں داخلہ کا مشورہ دے کر اور ایسے درسگاہوں سے وابستہ کر کے حقیقی زندگی کے گلشن کو خاکستر کرنا ہے، لہذا نہ تو ان اسکولوں میں داخلہ کا مشورہ دیا جا سکتا اور نہ ایسے اسکولوں کے قیام کی حوصلہ افزائی کی جا سکتی ہے، یہ ایمان کی نیلامی ہے، روزی کا مالک اللہ ہے، معرفت الٰہی سے مزین کرنے والی تعلیم سے آراستہ کرنا انسان کی ذمہ داری ہے، البتہ عصری ایسی تعلیم کی بھی کوشش کی جائے جس میں اندیشۂ و فتنہ کے بجائے اسباب کے درجہ میں خود کفالت کا ذریعہ ہو۔

ب- کتابیہ بیوی کے حقوق:

بیوی خواہ کتابیہ ہو یا مسلمان دونوں کے حقوق میں کوئی فرق نہیں، ان حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں ہے، محض اس وجہ سے کہ وہ مسلمان نہیں ہے، طلاق دینے کی بھی اجازت نہیں ہوگی، ہاں طلاق کے محرکات موجود ہیں تو جس طرح مسلمان بیوی کو طلاق دینے کی گنجائش ہوتی ہے اس کو بھی دینے کی گنجائش ہوگی۔

شافعی کتب میں پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ موجود ہے، علامہ نووی لکھتے ہیں:

''والكتابية كالمسلمة في النفقة والقسم والطلاق وعامة أحكام النكاح لكن لا توارث بينهما وبين المسلم''
(روضة الطالبين ٦/ ١٣١، كتاب النكاح طبع دار الفكر)

(کتابیہ بیوی مسلمان بیوی کی طرح ہے، نفقہ شب گزاری، طلاق اور عام احکام نکاح میں، لیکن اس کے اور مسلمان کے مابین توارث نہیں ہوگا)۔

ج- کتابیہ بیوی کے لئے خاوند کے گھر میں مذہبی مراسم:

نصوص وعبارات سے ایسا لگتا ہے کہ کتابیہ بیوی کو شوہر ہر ایسے مراسم سے روک سکتا ہے جو استمتاع کے لئے مانع یا نفریں ہو، مثلاً گھر میں شراب بنانے پر پابندی لگا سکتا ہے، کیونکہ اس کی بدبو سے شوہر کو نفرت ہوگی، جس طرح مسلمان بیوی کو لہسن اور کچی پیاس کھانے سے منع کر سکتا ہے، البتہ شرب خمر سے منع نہیں کر سکتا الایہ کہ اس سے اس کے منہ میں بدبو پیدا ہو جو ازدواجی تعلقات کے لئے مخل ہے۔

اسی طرح ہر ایسے طریقے سے منع کر سکتا ہے جس سے بچوں کے دین وایمان کو نقصان پہنچ سکتا ہے، صاحب بحر لکھتے ہیں:

''ذكر الاسبيجابي أن للمسلم منع الذمية إذا تزوجها من الخروج إلى الكنائس والبيع وليس له إجبارها على الغسل من الحيض والجنابة. وفي الخانية: ليس له أن يمنعها من شرب الخمر؛ لأن شرب الخمر حلال عندها، وله أن يمنعها عن اتخاذها في المنزل، وهو مشكل؛ لأنه وإن كان حلالا عندها ،لكن رائحتها تضره فله منعها كمنع المسلمة من أكل الثوم والبصل'' (البحر الرائق ٢/ ١٠٣ فصل المحرمات طبع رشيديه پاكستان)

(اسبیجابی نے ذکر کیا کہ مسلمان کے لئے جائز ہے کہ ذمیہ کو جبکہ اس سے شادی ہو جائے منع کرے چرچ وگرجا کے لئے نکلنے سے، لیکن غسل حیض وجنابت پر جبر نہیں کر سکتا۔

خانیہ میں ہے: اس کے لئے جائز نہیں کہ شرب خمر سے منع کرے، اس لئے کہ شرب خمر اس کے لئے حلال ہے، البتہ اس کے لئے جائز ہے کہ گھر میں بنانے سے منع کر دے، اس پر اشکال یہ ہے کہ خواہ شرب خمر اس کے نزدیک حلال ہے، مگر اس کی بدبو سے شوہر کو ضرر ہوگا تو اس سے منع کرنا جائز ہونا چاہئے، جیسے مسلمان بیوی کو لہسن و پیاس کے استعمال سے منع کرنا جائز ہے)۔

''فتح القدیر'' میں حضرت عمرؓ کا بعض صحابہ کے کتابیہ سے نکاح کرنے پر اظہار ناراضگی نقل کرتے ہوئے وجہ بیان کی گئی ہے:

''وإنما كان غضبه لخلطة الكافرة بالمؤمن وخوف الفتنة على الولد؛ لأنه في صغره ألزم لأمه، ومثله قول مالك: لصير تشرب الخمر وهو يقبل ويضاجع لا لعدم الحل'' (فتح القدير ٢/ ٢٣٠ طبع مصر)۔

(حضرت عمر کا غیض وغضب اس لئے تھا کہ کافر عورت کا مومن مرد سے اختلاط ہوگا، نیز بچوں کے لئے فتنہ کا اندیشہ ہوگا، اس لئے کہ بچہ بچپن میں اپنی ماں سے زیادہ چمٹا رہتا ہے، اسی طرح امام مالک کا قول ہے: وہ شراب پیتی رہے گی اور شوہر اس سے قبلہ ومباشرت کرتا رہے گا، اس لئے کہ شراب پینا اس کے لئے حرام نہیں ہے)۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لئے ایسے امور کی گنجائش ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ ذمیہ ہے یا حربیہ، اگر حربیہ ہے اور دار الحرب میں ہے تو شوہر کا اس پر کوئی اختیار نہیں ہے، قانونی طور پر اس کو ایسے امور کی انجام دہی کی اجازت ہے، اور اگر ذمیہ ہے تو بھی اس کے مذہبی مراسم پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی ہے، ہاں کھلے عام اس کی چھوٹ بھی نہیں ہوگی اور نہ اس کا تعاون کیا جائے گا، تاکہ گناہ پر جرأت کی عادت نہ ہو اور بچوں کا دل ودماغ آلودہ نہ ہو۔

''قال القدوري في النصرانية تحت مسلم: لاينصب في بيته صليبا وتصلي في بيته حيث شاءت، ومن سأل من أهل الذمة مسلما طريق البيعة، فلا ينبغي له أن يدل مليه'' (تاتارخانیہ ۱۸۳۱۶۷ کتاب الكراهية، أهل الذمة أحكامها)

(کسی مسلمان کی بیوی نصرانیہ ہو اس کی بابت قدوری نے کہا: شوہر کے گھر میں صلیب نصب نہیں کرے گی، البتہ جہاں چاہے اس کے گھر میں نماز پڑھے، ذمی میں سے کوئی کسی مسلمان سے بیعہ کا راستہ معلوم کرے تو مناسب ہے کہ اس کو نہ بتائے)۔

ذمی کی بحث کرتے ہوئے علامہ شامی رقم طراز ہیں:

''بل بمعنى نتركهم وما يدينون فهو من جملة المعاصي التي يقرون عليها كشرب الخمر ونحوه، ولانقول إن ذلك جائز لهم، فلا يحل للسلطان ولا للقاضي أن يقول لهم: افعلوا ذلك، ولا أن يعنهم عليه، ولا يحل لأحد من المسلمين أن يعمل لهم فيه'' (ردالمحتار ۲۹۷/۵ فصل فی الجزیۃ طبع رشیدیہ پاکستان)

(بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو ان کے مذہب پر عمل کرنے دیں، پس یہ ان میں جملہ معاصی میں سے ہے جن پر ان کو برقرار رکھا جاتا ہے جیسے شرب خمر وغیرہ، ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ ان کے لئے جائز ہے پس بادشاہ اور قاضی کے لئے جائز نہیں کہ ان کو اس کے کرنے کا حکم دیں، اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کی مدد کریں، نیز کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ ان کے لئے کام کریں)۔

د- عیسائی مشنریز کے اسپتال وغیرہ کے ساتھ معاملہ:

عیسائی مشنریز کا اہم مقصد اپنے مذہب کی ترویج واشاعت ہے، خدمت خلق کے نام پر رفاہی کاموں سے بھی ان کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے ایسے رفاہی ادارے میں خدمت بدرجہ مجبوری ہی کرنی چاہئے اس لئے کہ کسی نہ کسی درجہ میں تعاون علی الاثم ہوتا ہے، نیز جس طرح ارتکاب معصیت حرام ہے اس کا تعاون بھی کراہت سے خالی نہیں۔

اس مسئلہ کا تعلق تسبب وتعاون علی الاثم سے ہے اس سلسلہ میں قول فیصل یہ ہے کہ اگر صلب عقد میں معصیت کا ارتکاب مشروط ہو، یا اس محل میں معصیت کے ماسوا کسی جائز استعمال کی گنجائش نہ ہو، یا قصداً ہی ارتکاب معصیت کا ہو تو اس قسم کا تعاون حرام ہے۔

اسی طرح وہ سبب جو قریب ومحرک ہو ممنوع ہے، سبب محرک کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو اس معصیت کا تحقق نہیں ہو پاتا اس کو سبب في معنى العلة سے تعبیر کرتے ہیں، مفتی محمد شفیع صاحب عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اس کا خلاصہ اوپر درج ہوا۔

اب غور کرنا ہے کہ ایسے رفاہی اداروں میں ملازمت وغیرہ کا تعلق تعاون حرام کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں اسی طرح معصیت کا سبب قریب ومحرک ہے یا نہیں، راقم کا خیال ہے کہ تعاون کی تینوں صورتیں عام طور پر نہیں پائی جاتی، اس لئے کہ اصل مقصود خدمت خلق ہے، اشاعت وترویج کا تعلق اس کے عمل سے نہیں ہے، مسلمان اس کی نیت بھی نہیں کرسکتا ہے، البتہ سبب کے درجے میں یک گونہ مانا جاسکتا ہے کہ اس کی شرکت ہے، اس لئے کم از کم ایسے ادارے کی خدمت کراہت سے خالی نہیں ہوگی، دوسری ملازمت نہ ملنے تک گوارہ کرنا چاہئے۔

جہاں تک مسئلہ ہے اس سے استفادہ کا تو ناچیز سمجھتا ہے کہ ایسے ادارے کی طرف اگر التفات نہ ہو تو اپنی موت خود ہی مرجائے گا، اسی لئے جہاں تک ہوسکے اس سے استفادہ سے بھی بچتے رہنا چاہئے، لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کی خدمات دوسری تنظیموں کے مقابلے میں زیادہ سودمند ہوتی ہے، اگر انسانی حاجت کے مرحلے میں پہنچ چکا ہے تو اپنے آپ کو ان کے نظریات وخیالات کے فتنوں سے بچاتے ہوئے خدمات بھی حاصل کرسکتا ہے، اس لئے کہ یہ ضروریات کے مرحلے کی چیز ہوئی، الضرورات تبيح المحظورات۔

☆☆☆

اہل کتاب اور ان سے متعلق بعض جدید فقہی مسائل

مولانا محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی [1]

نکاح سے نسل انسانی کی بقاء، عفت وعصمت کی حفاظت اور خاندان کا وجود متعلق ہے، یہ مرد کے لئے بھی وجہ سکون وطمانینت اور رحمت وبھلائی کا ذریعہ ہے، اور عورت کے لئے بھی، جسے قدم قدم پر ایک ظاہری سہارا ومحافظ کی ضرورت ہے، اسی لئے شریعت اسلامیہ میں نکاح وطلاق سے متعلق احکام میں اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ اس رشتہ کو سوچ سمجھ کر وجود میں لایا جائے، زوجین کے درمیان فکری، سماجی، معاشی اور تہذیبی ہم آہنگی پائی جائے، اسی نقطہ نظر سے کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی غیر مسلم مرد سے یا کسی مسلمان مرد کا نکاح اہل کتاب عورتوں کے سوا کسی اور غیر مسلم عورت سے نہیں ہوسکتا، اس لئے بھی کہ نکاح کے ذریعہ زوجین ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور دونوں مل جل کر اپنے بال بچوں کی فکری واخلاقی تربیت کرتے ہیں، تو ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان خاندان میں غیر مسلم مرد یا عورت کا داخل ہو جانا اس خاندان کے دینی مزاج پر اثر انداز ہونے لگے۔

آج دنیا کے بیشتر علاقوں میں انسان ایک کثیر مذہبی معاشرہ میں زندگی گذارتا ہے، جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان سماجی تعلقات پائے جاتے ہیں اور میل جول کا ماحول رہتا ہے، اس لئے اہل کتاب اور دوسرے مذاہب والوں کے ساتھ زندگی گذارنے میں بہت سارے مذہبی امور سے مسلمان دوچار ہو رہے ہیں، جن کے بارے میں ان کو شریعت اسلامیہ کی رہنمائی کی ضرورت ہے، چنانچہ اسی پس منظر میں اہل کتاب سے متعلق بعض پیش آمدہ جدید فقہی مسائل کا شرعی حل قرآن وحدیث، آثار صحابہ وتابعین، ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین کے اجتہادات کی روشنی میں قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

اہل کتاب کی تعریف:

۱- اہل کتاب کی تعریف کیا ہے؟

قرآن کریم میں مذکور اہل کتاب سے مراد کون لوگ ہیں؟ اس کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، چنانچہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک یہود ونصاری ہے، مستدل اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "أن تقولوا إنما أنزل الكتاب على طائفتين من قبلنا" (انعام: ۱۵۵) (کہیں تم کہنے لگو کہ کتاب تو ہم سے پہلے کے دونوں گروہوں پر اتاری گئی) لہذا جو صرف داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور اور حضرت شیث، حضرت ادریس اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے صحائف پر ایمان رکھتے ہوں وہ اہل کتاب کے زمرہ میں نہیں آئیں گے۔ (المنہاج ومغنی المحتاج ۳/ ۱۸۷، المغنی والشرح الکبیر ۷/ ۵۰۹)۔

نیز شافعیہ فقہاء کا بیان ہے کہ اہل کتاب سے مراد نسلی یہود ونصاری ہیں، وہ یہود ونصاری اس میں شامل نہیں ہیں جو اقوام عالم میں مذہب یہودیت و عیسائیت قبول کئے ہوں، جبکہ جمہور فقہاء کے نزدیک اہل کتاب سے، یہود ونصاری اپنے تمام فرقوں کے ساتھ مراد ہیں، دلیل وہی اللہ تعالی کا ارشاد ہے، جس سے شوافع نے استدلال کیا ہے: "أن تقولوا إنما أنزل الكتاب على طائفتين من قبلنا" (انعام: ۱۵۶) (کہیں تم کہنے لگو کہ کتاب تو ہم سے پہلے کے دونوں گروہوں پر اتاری گئی) (کتاب الأم للإمام الشافعي: ۵/ ۶، السنن الكبرى للبيهقي ۷/ ۱۷۳، جامع البيان عن تأويل آي القرآن للطبري: ۳/ ۲۴، المهذب ۲/ ۲۵۰، الحلبي، المغني مع الشرح الكبير ۷/ ۵۰۱)۔

احناف کے یہاں اہل کتاب کی تعریف میں قدر توسع ہے، وہ کہتے ہیں: اہل کتاب وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان رکھنے کی طرف سے نازل کردہ آسمانی کتاب کا اقرار کرتے ہوں، اس اساس وبنیاد پر یہود ونصاری، حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب الہی زبور پر، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت شیث

---

[1] استاذ جامعۃ الصالحات، کڑپہ، آندھرا پردیش۔

علیہ السلام کے صحائف پر ایمان رکھنے والے، سب اہل کتاب کہلائیں گے۔

حنفیہ نے اللہ تعالی کے دو ارشادوں سے استدلال کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے:

"اليوم أحل لكم الطيبات وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم و طعامكم حل لهم والمحصنات من المؤمنات. والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم" (مائدہ:۵)

(آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کردی گئیں، نیز جو اہل کتاب ہیں، ان کا کھانا تمہارے لئے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے، اور پاک دامن مومن عورتیں بھی حلال ہیں، نیز ان لوگوں میں سے بھی پاک دامن عورتیں حلال ہیں، جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی)۔

یہاں مطلق اہل کتاب کہا گیا ہے، یہود و نصاریٰ کی کوئی تخصیص نہیں ہے، پس آیت پاک کے اطلاق میں جہاں یہود و نصاریٰ آئیں گے وہیں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جو اللہ پر ایمان رکھنے کے ساتھ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے کسی برحق نبی ورسول پر ایمان رکھتے ہوں اور ان پر اللہ کی طرف سے نازل کردہ آسمانی کتاب کا اقرار کرتے ہوں، پس اللہ کی طرف سے حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کردہ کتاب زبور اور حضرت ابراہیم وحضرت شیث علیہ السلام کے صحائف پر ایمان رکھنے والے لوگ اہل کتاب کہلائیں گے، اسی طرح سامریہ جو یہودیوں کا ایک فرقہ ہے وہ بھی اہل کتاب میں سے ہے، گو وہ اکثر احکام میں مذہب یہودیت کی مخالفت کرتے ہیں (فتح القدیر ۳/ ۲۱۹، موسوعہ فقہیہ ۷/ ۱۴۰)۔

اللہ تعالی کا دوسرا ارشاد ہے: "إن الذين آمنوا والذين هادوا والنصارى والصابئين" (بقرہ:۶۲)

(بے شک مسلمان اور وہ یہودی، نصاریٰ اور صابی)۔

اس میں صابی کو یہود و نصاریٰ پر عطف کیا گیا ہے، یہ ایک قرینہ اس بات پر ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح صابی بھی اہل کتاب میں سے ہیں، معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے علاوہ دوسرے لوگ جو اللہ پر ایمان رکھنے کے ساتھ کسی برحق نبی ورسول اور اس پر نازل کردہ آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں، وہ بھی اہل کتاب میں شمار ہوں گے۔

کیا اہل کتاب سے نسلی یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟

اس بات پر علماء کا اتفاق ہے جو یہود و نصاریٰ نسلی وخاندانی ہیں وہ اہل کتاب ہیں، اور جو ایسا نہیں، بلکہ ان کے باپ دادا نے یہودیت یا عیسائیت قبول کیا تھا ان کے نسل سے ہیں، یا خود راست یہودی مذہب یا عیسائی مذہب قبول کئے ہوں تو ان لوگوں کے اہل کتاب ہونے کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، امام شافعی اور بعض دوسرے علماء ان کو قرآن کی اصطلاح اہل کتاب میں شمار نہیں کرتے ہیں، جبکہ دوسرے علماء ان کو اہل میں شمار کرتے ہیں، یہی امام طبری اور جمہور امت کا قول ہے (جامع البيان عن تأويل آي القرآن للطبری ۳/ ۲۷، ۲۴، کتاب الأم للإمام الشافعی ۵/ ۶، السنن الکبری للبیہقی ۷/ ۱۷۳، الجامع لأحكام القرآن ۶/ ۵۳)۔

کیا اہل کتاب کے لئے موحد ہونا شرط ہے؟

حضرات صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ کے یہاں موحد کی شرط ہے، اسی کو امام حسنؒ، طاؤسؒ اور ربیعہؒ نے اختیار کیا ہے، جمہور علماء امت کے نزدیک موحد ہونا شرط نہیں ہے، لہذا موحد یہودی وعیسائی کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح بالاتفاق حلال ہوگا، اور اگر جو یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور جو عیسائی حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہوں تو ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح جمہور کے نزدیک حلال ہوگا اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ وغیرہ کے نزدیک حلال نہیں ہوگا، دلیل اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه وإنه لفسق" (انعام:۱۲۱) (اور ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، یہ یقینا گناہ ہے)۔

جمہور علماء کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

"وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم" (مائدہ:۵)

(اور جو اہل کتاب ہیں، ان کا کھانا تمہارے لئے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے، اور پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں، نیز ان لوگوں میں سے بھی پاک دامن عورتیں حلال ہیں، جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی) (احکام القرآن لابن العربی ۲/ ۴۳، النامع لأحکام القرآن ۶/ ۵۲، روح المعانی للآلوسی ۶/ ۹۷، التفسیر المظہری ۳/ ۴۲)۔

۲- صابی کا تاریخی پس منظر اور اس کے عقائد و اعمال:

صابی کے لفظی معنی ہیں جو کوئی بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں آجائے یا اس کی طرف مائل ہو جائے، کہا جاتا ہے، بصأت النجوم: ستارے اپنے مطلع سے طلوع ہو گئے (جامع البیان عن تأویل آي القرآن للطبری ۱/ ۶۲، مفاتیح الغیب للرازی ۲/ ۱۴۷، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۱/ ۲۹۵)۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں صابی اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ نے دین قریش چھوڑ کر دین اسلام اختیار کیا ہے (تاج العروس، مادہ: صبا)۔

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو صابئین کے نام سے قدیم زمانہ میں دو گروہ مشہور تھے: ایک حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پیرو جو شام و عراق کی سرحد پر بالائی عراق (یعنی جزیرہ) کے علاقے میں اچھی خاصی تعداد میں پائے جاتے تھے، یہ لوگ دین توحید اور عقیدہ رسالت کے قائل تھے، اور حضرت یحییٰ کی پیروی میں اصطباغ (بپتسمہ) کے طریقے پر عمل کرتے تھے، اسی وجہ سے ان کو "نصاریٰ یحییٰ" کہا جاتا تھا، دوسرے ستارے پرست لوگ جو اپنے دین کو حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام کی طرف منسوب کرتے اور عناصر پر سیاروں کی اور سیاروں پر فرشتوں کی فرماں روائی کے قائل تھے، ان کا مرکز حران تھا اور عراق کے مختلف حصوں میں ان کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں، یہ دوسرا گروہ اپنے فلسفہ و سائنس اور فن طب کے کمالات کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوا ہے، کیونکہ دوسرا گروہ نزول قرآن کے زمانے میں اس نام سے موسوم نہ تھا (جامع البیان عن تأویل آي القرآن للطبری ۱/ ۶۲، مفاتیح الغیب للرازی ۲/ ۱۴۷، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۱/ ۲۹۵)۔

کہا جاتا ہے کہ صابئین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام ان ہی کی طرف مبعوث ہوئے تھے، ان لوگوں کا مسکن حران تھا، اور یہی صابیوں کا گھر ہے، ان کی دو قسمیں تھیں، ایک قسم دین حنیف پر قائم تھی اور دوسری مشرک تھی، ان میں جو مشرک تھے، سات ستاروں اور بارہ برجوں کی تعظیم کیا کرتے تھے اور اپنے مندروں میں ان کی تصویریں بنا کر رکھتے تھے، ان ستاروں کے لئے ان کے یہاں مخصوص مندر پائے جاتے تھے، یہی ان کے بڑے عبادت خانے تھے ایسے ہی جیسے عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کے بیعے (عبادت خانے)، چنانچہ انہوں نے بڑا مندر سور کے لئے بنا رکھا تھا، ایک چاند کے لئے، ایک زہرہ کے لئے، ایک مشتری کے لئے، ایک عطارد کے لئے، ایک مریخ کے لئے، ایک زحل کے لئے اور ایک علت روی کے لئے، ان کے نزدیک ہر ستارے کے لئے مخصوص عبادت اور مخصوص دعا ہے، مسلمانوں کی طرح ان کے یہاں بھی پانچ نمازیں ہیں۔

ان میں کچھ لوگ رمضان کے مہینے میں روزے بھی رکھتے ہیں، اور کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز بھی پڑھتے ہیں، مکہ کی بھی تعظیم کرتے ہیں اور حج کے لئے مکہ جانے کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں، مردار، خون اور سور کے گوشت کو حرام قرار دیتے ہیں، شادی کے معاملہ میں ان ہی رشتہ داروں کو حرام قرار دیتے ہیں جنہیں مسلمان حرام سمجھتے ہیں، بغداد کے ارکان سلطنت کی ایک جماعت اسی مذہب پر کاربند تھی۔

خیال کیا جاتا ہے کہ اس دین کی اصل یہ تھی کہ یہ لوگ دنیا کے مذاہب کی خوبیاں لے لیا کرتے تھے اور ان کی برائیوں سے قولاً اور عملاً علاحدگی اختیار کرتے تھے، اسی لئے انہیں صابئہ کہا گیا، یعنی خارج، چنانچہ یہ لوگ ہر مذہب کی جملہ اور تفصیلی کام سے نکل گئے اور صرف ان امور پر کاربند رہے جنہیں انہوں نے حق سمجھا (تفہیم القرآن ۳/ ۲۱۰، سیرت سرور عالم (حاشیہ از نعیم صدیقی و عبد الوکیل علوی) ۱/ ۵۹۹، ۶۰۰، تفسیر ماجدی ۱/ ۱۷۰)۔

مولانا عبد الماجد دریابادیؒ اس سلسلہ میں اپنی تحقیق یوں پیش کرتے ہیں: مینڈنیہ (Mandaean) مشرقی مذہبی فرقہ ہے جس کے عقائد و اعمال مسیحیوں، یہودیوں اور مشرکوں کے دین کا مخلوطہ ہیں، یہ لوگ جنوبی بابل یعنی واسطہ و بصرہ کے علاقہ میں خوزستان کے قریب آباد ہیں اور مقامی زبانیں یعنی عربی و فارسی بولتے ہیں، ان کے مذہبی نوشتے آرامی زبان میں ہیں جو بابل کے تالمود سے قوی مشابہت رکھتی ہے...... یہ اپنے کو دوسرے فرقوں کے سامنے صابی ہی کہتے ہیں (تفسیر ماجدی ۱/ ۱۷۰)۔

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (۸/ ۳۸۰-۳۹۲) میں اس فرقہ کی تاریخ عقائد وغیرہ پر مقالہ بڑی ہی شرح و بسط کے ساتھ ہے، ان کا دوسرا لقب مغتسلہ بھی لکھا ہے کہ یہ غسل اور بپتسمہ اور پانی میں غوطہ دینے کے بہت قائل ہیں ان کی تعداد قریب چار ہزار کے بیان کی ہے، نماز ان کے ہاں پانچ وقت کی فرض

ہے، تین بار دن میں اور دو بار رات میں اور ان کا قبلہ قطب تارہ یا سمت شمال ہے، چیمبرس انسائیکلو پیڈیا ایڈیشن ۷۰۵ میں ان کی آبادی عراق میں چھ ہزار بیان کی گئی ہے (تفسیر ماجدی: ۱/۱۷۰)۔

کیا صابئین اہل کتاب ہیں؟

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا صابئین اہل کتاب ہیں یا نہیں؟ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا بیان ہے کہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں (احکام القرآن للجصاص: ۲/۴۱۳)، علامہ آلوسیؒ صاحبین سے مزید تفصیل نقل کیا ہے: صابئین کے نام سے دو گروہ ہیں: ایک گروہ زبور پڑھتے ہیں اور فرشتوں کی پرستش کرتے ہیں، دوسرا گروہ کسی کتاب کا قائل نہیں، وہ ستاروں کو پوجتا ہے، پس یہ لوگ اہل کتاب نہیں ہو سکتے (روح المعانی للآلوسی ۶/۹۶)۔

امام مجاہد اور حسن کا خیال ہے: مجوسیوں اور یہودیوں میں سے ایک گروہ ہے، ان کے ذبائح حلال نہیں اور نہ ہی ان کی عورتوں سے نکاح درست ہے (مفاتیح الغیب للرازی: ۳/۱۴۷)، حضرات صحابہؓ میں سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے: ان کے ذبائح حلال نہیں ہیں اور ان کی عورتوں سے نکاح نہیں کیا جا سکتا۔

(الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۱/۲۹۵، البحر المحیط لأبي حیان ۱/۲۳۹)۔

امام ابو حنیفہؒ اور بعض دوسرے علماء امت کہتے ہیں: وہ اہل کتاب میں سے ایک جماعت ہے (احکام القرآن للجصاص ۱/۴۱۳، جامع البیان عن تأویل اي القرآن للطبری ۱/۲۳۱)، حضرات صحابہؓ میں سے حضرت عمر بن خطابؓ سے ایسا ہی منقول ہے، ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عباسؓ نے ایسا ہی فرمایا ہے (تفسیر ابن کثیر ۱/۱۲۷، تفسیر قرطبی ۱/۵۹۵، البحر المحیط لأبي الحیان ۱/۲۳۹، المغنی والشرح الکبیر ۷/۵۰۹، ۵۰۲)۔

امام نووی کا بیان ہے: صابئین عیسائیوں کا ایک گروہ ہے، پس اگر یہ لوگ یہود و نصاریٰ کے اصل دین میں مخالفت کریں اور ان کی کتاب کے نصوص کی تاویل نہ کریں تو مجوسی کی طرح ان سے نکاح کا معاملہ درست نہیں ہوگا، اور اگر دین کے اصول کے بجائے فروع میں ان سے مخالفت کریں اور ان کی کتاب کے نصوص کی تاویل کریں، تو ان سے مناکحت درست ہے، یہی مذہب، اور جمہور نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، اور اگر کسی گروہ کے بارے میں شک ہو کہ ان کی مخالفت اصول دین میں ہے یا فروع میں، تو ان لوگوں سے شادی بیاہ نہیں ہوگی (روضۃ الطالبین: ۷/۱۳۹)۔

وہب بن منبہ اور مجاہد وغیرہ کہتے ہیں: یہ لوگ نہ ہی دین یہود و نصاریٰ اور نہ ہی مجوسی و مشرکین کے مذہب پر تھے، حقیقت یہ ہے کہ ان کا کوئی مقرر دین نہیں تھا، یہ لوگ اپنی فطرت پر تھے (تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۲۷)۔

امام ابو الحسن کرخی امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے قول کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جو صابئین اہل کتاب میں سے ہیں وہ مذہب عیسائیت کے پابند و متبع ہیں اور انجیل پڑھتے ہیں، جہاں وہ صابئین جو ستاروں کے پرستار ہیں اور حران علاقے میں رہتے ہیں وہ بالاتفاق اہل کتاب نہیں ہیں۔

(أحکام القرآن للجصاص: ۲/۴۱۳)۔

پچھلی تحریر سے واضح ہو گیا کہ صابئین کے دو گروہ ہیں، ایک موحد مومن حضرت یحیی علیہ السلام کے متبع یا حضرت ابراہیم علیہما السلام کے پیرو ہیں، یا عیسائیوں کا ایک گروہ ہے جو دین مسیح کے پیرو اور انجیل کے قاری ہیں، دوسرا گروہ بت پرست اور پرستار نجوم یا ان کا کوئی مذہب نہیں، پہلی قسم کے گروہ اہل کتاب ہیں اور دوسری قسم کے گروہ اہل کتاب نہیں ہیں، دیکھا جائے تو علماء سلف کے درمیان اختلاف الفاظ و تعبیر کا اختلاف ہے حقیقی واساسی اختلاف نہیں ہے۔

دور حاضر میں صابئین کا وجود:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صابی فرقہ موجود تھا، کیونکہ قرآن نے دیگر اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ساتھ اس فرقہ کا بھی ذکر کیا ہے، ارشاد باری ہے:

"إن الذین آمنوا والذین ھادوا والنصاری والصابئین" (بقرہ: ۶۲)

(بے شک مسلمان اور وہ یہودی، نصاریٰ اور صابی) اللہ تعالیٰ نے صابئین کا عطف اہل کتاب کے دو گروہ یہود و نصاریٰ پر کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ عہد رسالت میں یہ گروہ معروف تھا اور صحابہ کرامؓ اس گروہ سے اچھی طرح واقف تھے، ورنہ اس کا ذکر عبث ہوتا، معلوم ہوا کہ حضرت یحیی علیہ السلام کے زمانہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک موجود تھے، اقوال صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ صابئین کا ایک گروہ توحید پر قائم ائمہ مجتہدین کے دور تک رہا ہے، اس کے بعد ان میں توحید سے انحراف اور شرک و بت پرستی آپڑی اور ان کی مذہبی حالت جہالت کے دبیز پردہ تلے دب کر رہ گئی،

یہاں تک امام ابوبکر جصاص کا دور آتا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ جو لوگ صابئین کے نام سے اس وقت جانے جاتے ہیں، ان میں اہل کتاب کوئی نہیں ہے۔ (احکام القرآن للجصاص: ۲؍۴۱۳)۔

مولانا عبدالماجد دریابادی لکھتے ہیں: ''تاریخ ایران پر ایک مستند مستشرقین کی کتاب کا فرنچ سے اردو ترجمہ ابھی حال میں نکلا ہے (انجمن ترقی اردو دہلی) اس کے صفحہ ۷۴ پر فاضل مترجم شیخ محمد اقبال مرحوم پرنسپل اورینٹل کالج لاہور، لفظ مینڈین (Mandaean) پر حاشیہ دیتے ہیں: مینڈین بہ زبان آرامی بمعنی اولوالعلم-اس فرقہ کے لوگ عراق میں اب بھی موجود ہیں اور صابئون کہلاتے ہیں، وہ لوگ اگرچہ عیسائی نہیں ہیں، تاہم جان دی بپٹسٹ کو مانتے ہیں، عراق میں عوام الناس ان کو حضرت یحیی علیہ السلام کی امت کہتے ہیں'' (ایران بعہد ساسانیان)۔

مزید آگے لکھتے ہیں: ''مینڈنیہ (Mandaean) مشرقی مذہبی فرقہ ہے جس کے عقائد و اعمال مسیحیوں، یہودیوں اور مشرکوں کے دین کا مخلوطہ ہیں، یہ لوگ جنوبی بابل یعنی واسط و بصرہ کے علاقہ میں خوزستان کے قریب آباد ہیں اور مقامی زبانیں یعنی عربی و فارسی بولتے ہیں، ان کے مذہبی نوشتے آرامی زبان میں ہیں جو بابل کے تالمود سے قوی مشابہت رکھتی ہے...... یہ اپنے کو دوسرے فرقوں کے سامنے صابی ہی کہتے ہیں (تفسیر ماجدی: ۱؍۱۷۰)۔

معلوم ہوا کہ دور حاضر میں صابئین کے نام سے لوگ عراق میں پائے جاتے ہیں، لیکن عقیدے اور اعمال کے اعتبار سے ان میں اب اہل کتاب نہیں ہیں۔

۳- موجودہ یہود و نصاری اہل کتاب ہیں؟

یہود و نصاری اہل کتاب کے بارے میں جو تفصیلات پیچھے گذر چکی ہے، کی روشنی میں موجودہ دور کے نام نہاد اہل کتاب خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی کا حکم معلوم کیا جا سکتا ہے، چنانچہ جو یہودی یا عیسائی اللہ کے وجود، وحی، نبوت، فرشتے اور آخرت میں جزا و سزا کو تسلیم نہ کرے وہ ہمارے مذہب اسلام کی نظر میں اہل کتاب میں سے نہیں ہے گو وہ اپنے آپ کو خاندانی اعتبار سے اہل کتاب کہتا ہو، اسی طرح یہود و نصاری میں سے وہ لوگ بھی اہل کتاب میں شمار نہیں ہوں گے جو صرف اللہ کے قائل ہوں، لیکن دیگر ایمانیات جیسے وحی و رسالت، ملائکہ اور آخرت میں جزا و سزا کو نہ تسلیم کرتے ہوں، ایسے لوگوں کے ساتھ نکاح و ذبیحہ کے معاملہ میں اہل کتاب کا، جیسا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔

ہاں ان میں سے وہ یہودی و عیسائی اہل کتاب میں شمار ہوں گے اور ان کے ساتھ نکاح و ذبیحہ کے بارے میں اہل کتاب کا، جیسا معاملہ کیا جائے گا، جو اللہ کے وجود پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ نبوت، وحی، ملائکہ اور آخرت میں جزا و سزا کا عقیدہ رکھتے ہوں، گو وہ حضرت محمد ﷺ کی رسالت و نبوت کا انکار کرتے ہوں۔

۴- کیا باطل ادیان و مذاہب کے ماننے والے اہل کتاب ہیں؟

یہ لوگ اہل کتاب میں شمار نہیں ہوں گے، کیونکہ قرآن نے لفظ ''اہل کتاب'' کا اطلاق دو جماعتوں، یعنی یہود و نصاری پر کیا ہے، ان دو کے علاوہ کسی اور کو اہل کتاب سے تعبیر نہیں کیا ہے، نہ ہی مسلمانوں کو، کفار و مشرکین کو اور نہ ہی کسی گمراہ فرقہ کو اہل کتاب کہا ہے، دلیل اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''أن تقولوا إنما أنزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا'' (انعام: ۱۵۶) (کہیں تم لوگ کہنے لگو کہ کتاب تو ہم سے پہلے کے دونوں گروہوں پر اتاری گئی)۔

اسی طرح قرآن نے صابئین کو یہود و نصاری پر عطف کرتے ہوئے اہل کتاب میں شمار کیا ہے، چنانچہ ارشاد الہی ہے:

''إن الذین آمنوا والذین ہادوا والنصاری والصابئین'' (بقرہ: ۶۲) (بے شک مسلمان اور وہ یہودی، نصاری اور صابی)۔

معلوم ہوا کہ اہل کتاب یہود و نصاری اور صابئین ہیں، ان کے علاوہ دوسرے لوگ اہل کتاب نہیں ہیں۔

۵- کیا قادیانی اہل کتاب میں شمار ہوں گے؟

قادیانی مطلق اہل کتاب میں سے نہیں ہیں، خواہ وہ نسلی طور پر قادیانی ہوں یا خود اسلام سے مرتد ہوئے ہوں؛ بلکہ وہ باتفاق علماء امت کافر ہیں؛ کیونکہ وہ حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے کے منکر ہیں، لہذا ان کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا اور ان سے نکاح کا معاملہ کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

اہل کتاب کا ذبیحہ:

موجودہ اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت پر سب کا اتفاق ہے، اس میں اہل علم صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد کے علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے، اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ وہ ذبیحہ پر اللہ کو چھوڑ کر حضرت عزیر کا نام لے اگر وہ یہودی ہے، اور حضرت عیسی کا نام لے اگر وہ عیسائی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: ایسی صورت میں ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، یہی تابعی ربیعہؒ کا قول ہے، مستدل اللہ تعالی کا عمومی ارشاد ہے:

"ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ" (انعام: ۱۲۱) (اور ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو)۔

جمہور علماء امت اس بات کی طرف گئے ہیں کہ اہل کتاب یہود ونصاری کا ذبیحہ مطلق حلال ہوگا، خواہ وہ نسلی وخاندانی ہوں یا مذہب یہودیت وعیسائیت قبول کرنے والے ہوں، اسی طرح گرچہ وہ ذبیحہ پر حضرت عزیر علیہ السلام کا نام لیں اگر وہ یہودی ہیں، اور حضرت عیسی کا نام لیں اگر وہ عیسائی ہیں، کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: "طعام الذین أوتوا الکتاب حل لکم" (مائدہ: ۵) (اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے)، آیت میں طعام کی تفسیر "ذبائح" سے کی گئی ہے، یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ سے منقول ہے، ایسا ہی مجاہد اور قتادہ نے کہا، یہی شعبی، عطاء اور امام شافعی کا قول ہے، احناف کا بھی راجح مذہب یہی ہے، جمہور علماء کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اہل کتاب کے ذبائح کو حلال کیا ہے، جبکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، اور نصاری حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، اور وہ عقیدہ تثلیث کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ (تفسیر طبری ۳/ ۲۵، احکام القرآن لابن العربی ۲/ ۴۳، تفسیر قرطبی ۶/ ۵۳، روح المعانی للآلوسی ۶/ ۹۷، المغنی لابن قدامہ ۱۱/ ۳۶، درمختار ورد المحتار ۴/ ۱۰۱)۔

۶- دور حاضر کے اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح:

موجودہ دور میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کا مسئلہ دورخی بن چکا ہے، جہاں بعض دفعہ بعض فوائد حاصل ہوتے ہیں وہیں بعض مرتبہ بعض نقصانات بھی مرتب ہوتے ہیں، اور بعض اوقات نقصان ناتلافی حد تک پہنچ جاتا ہے، بہرحال اس وقت دو مسئلے زیر غور ہیں:

اول اسلامی ملک میں اہل کتاب خواتین سے نکاح...... دوسرا غیر مسلم مغربی ممالک میں اہل کتاب خواتین سے نکاح کا حکم۔

مسلم ممالک میں اہل کتاب خواتین سے نکاح کا حکم:

اوپر جو صورت حال ذکر کی گئی ہے، اس میں کتابیہ عورت خواہ یہودی ہو یا عیسائی سے مسلمان مرد کے لئے نکاح کرنا مکروہ ہوگا، اس لئے کہ کتابیہ عورت سے نکاح کا بنیادی مقصد آہستہ آہستہ مسلم ماحول سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف مائل ہوگی اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ وہ بالآخر اسلام قبول کرلے گی، لیکن موجودہ دور میں بعض داخلی اور خارجی عوامل کی وجہ سے اس مقصد کا حصول دور کی بات رہی، معاملہ الٹا ہو جارہا ہے کہ مرد خود عورت کے مذہب کی طرف مائل ہوتا ہوا نظر آرہا ہے، مرد اس کے زلف کے اسیر کچھ اس طرح بن جارہا ہے اپنا سب کچھ لٹانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، اگر وہ حاکم ووالی یا فوجی کمانڈر ہے تو ملت کا سودا بھی کر بیٹھتا ہے، اور اسلام اور مسلمان کو ناتلافی نقصان پہنچا دیتا ہے، تاریخ میں ایک سے زائد بار ایسا ہو چکا ہے، جب مرد شوہر کا حال یہ ہے کہ تو اولاد کے بارے میں کہاں تک اطمینان حاصل ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے مذہب اسلام کے بارے میں فتنہ سے دوچار نہ ہوں، نیز بچے ماں سے زیادہ قریب ہوتے ہیں تو تربیت کی پہلی منزل ہی میں ماں کے دین کی طرف رجحان کا پیدا ہونا کوئی مستبعد نہیں۔

عام حالات میں جمہور علماء نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا، اور اس حکم جواز میں حربی وذمی کتابیہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا، اور مرد اور بچوں کے اوپر کفر وشرک اور الحاد کے فتنہ سے حفاظت کے وقت مکروہ بھی قرار نہیں دیا، معلوم ہوا کہ کفر وشرک اور الحاد کے فتنہ کا اندیشہ مرد پر یا اولاد پر ہو تو نکاح مکروہ ہوگا (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۴۰۹، مفاتیح الغیب للرازی ۵/ ۵۷۶، تفسیر ابن کثیر ۲/ ۲۸، فتح القدیر ۳/ ۲۱۹، بدائع الصنائع ۳/ ۴۴۱-۴۴۲، درمختار ورد المحتار ۴/ ۱۰۱، المدونۃ الکبری ۳/ ۲۱۵، المنہاج ومغنی المحتاج ۳/ ۱۸۷، المغنی لابن قدامہ ۷/ ۵۰۰، جامع البیان عن تاویل آی القرآن للطبری ۳/ ۲۸ تفسیر مظہری ۳/ ۴۱)، پس مذکورہ بالا صورتحال میں کتابیہ عورت سے نکاح کراہت سے خالی نہیں ہوگا۔

غیر مسلم ممالک میں کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کے نکاح کا حکم:

مسلم ممالک سے مسلمان مرد غیر مسلم ممالک کا سفر مختلف مقاصد کے تحت کرتے ہیں، بعض لوگ تعلیم، بعض لوگ کاروبار، بعض لوگ سیاحت، بعض لوگ

کمپنی، کالج اور اسکولوں میں ملازمت کی غرض سے سفر کرتے ہیں، اور بعض لوگ وہاں کی مساجد میں امامت اور دوسرے مقاصد کے لئے سفر کرتے ہیں، بہرحال جس مقصد کے لئے بھی سفر ہو، یا قیدی بنا کر لایا گیا ہو، یا وہاں پہنچنے کے بعد قید کر لیا گیا ہو، مجموعی اعتبار سے دو حالتیں ہوں گی، ایک اپنے اختیار سے سفر ہوا ہو اور اپنے اختیار سے وہاں رہنا ہو رہا ہو، دوسری حالت یہ ہے کہ بغیر اختیار و عرضی کے بغیر مسلم ممالک میں داخلہ ہوا ہو اور مجبوراً وہاں رہنا پڑ رہا ہو۔

پہلی حالت: غیر مسلم ممالک میں کسی مسلمان کا اپنے اختیار سے داخل ہونا:

کوئی مسلمان کسی غیر مسلم ممالک خاص طور پر غیر مسلم مغربی ممالک میں اپنے اختیار سے قدم رکھتا ہے، خواہ اس کی آمد کسی بھی غرض ہو، اور وہ یہاں مقیم بنتا ہے، اور یہاں عفت نفس اور گناہ کبیرہ سے بچنے کی غرض سے شادی کرنا چاہتا ہے، یا کسی اور مقصد کے حصول کے لئے شادی کا خواہاں ہوتا ہے، بہرحال جمہور علماء امت کے نزدیک اسلامی قانون کی رو سے اس کے لئے کتابیہ عورت سے نکاح کرنا درست ہے تاہم بہتر نہیں ہے، کیونکہ اس کے بچے جب پیدا ہوں گے تو کفر و شرک کے اقدار و اخلاق پر تربیت پائیں گے، اور ماں غیر مسلم ہونے کی وجہ سے بچے ماں کے دین کی طرف مائل ہو سکتے ہیں، اور ملک ماں کا ہے، یہاں ماں کا زور زیادہ چلے گا، اور باپ بعض اوقات بے بس نظر آئے گا (احکام القرآن للجصاص ۲/۱۱۴، تفسیر مظہری ۳/۴۱)۔

استحبابی پہلو سے غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلم نوجوان کے لئے درج ذیل مرحلہ وار احکام ہوں گے:

۱- مناسب یہ ہے کہ وہ صبر کرے اور روزہ رکھے اور کتابیہ عورت سے نکاح کرنے کا اقدام نہ کرے۔

۲- اگر نفسانی شہوت کا غایت درجہ غلبہ ہو کہ اگر وہ شادی نہیں کرے گا تو زنا میں مبتلا ہو جائے گا، ایسی صورت میں وہاں مقیم مسلمان عورت کو تلاش کرے اور اس سے شادی کر لے، اگر وہاں کوئی مقیم مسلم عورت نہ مل سکے جس سے وہ شادی کر سکے، اگر اپنے ملک واپس آنا ممکن ہو تو واپس آ جائے، اور یہاں مسلمان عورت سے شادی کر لے اور اپنے ساتھ لے کر چلا جائے، اور جب تک وہاں رہنا ہوگا شریک حیات کے ساتھ رہے۔

۳- اگر مسلمان عورت سے شادی کے لئے اپنے ملک واپس آ کر اور شادی کر کے دوبارہ واپس جانا ممکن نہ ہو، تو وہیں، یعنی غیر مسلک ملک ہی میں کسی کتابیہ عورت سے شادی کر لے۔

۴- غیر مسلم ملک میں شادی کرنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ ایسی کتابیہ عورت کو تلاش کرے جس کا میلان اسلام کی طرف ہو اور اسلام قبول کرنے کی امید ہو۔

۵- اگر بیوی کتابیہ عورت ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس سے عزل کیا جائے، اگر وہ اسلام قبول کر لے یا کسی مسلمان عورت سے نکاح کیا ہے تو بہتر عزل نہ کرنا ہے

(ملخص از المفصل في أحكام المرأة و بيت المسلم في الشريعة الإسلامية از دکتور عبد الکریم زیدان ۷/۲۳-۲۲)۔

یہ تفصیلات اس غیر اسلامی ملک کے بارے میں ہے جو دار الحرب، یا غیر مسلم جمہوری ملک ہے تو لیکن مسلمانوں کے حق میں عملاً دار الحرب کا جیسا ہے، جیسے فرانس، اور برما وغیرہ۔ اور اگر ہندوستان اور اس جیسے جمہور ممالک ہوں جن میں مسلمانوں کو تمام مذہبی حقوق حاصل ہیں، اور اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی حاصل ہے، تو یہ ممالک فقہ کی اصطلاح میں دار الامن والمعاہدہ ہے، اس طرح کے ملکوں میں مسلم ملک سے آئے ہوئے نوجوان مسلم کے لئے کتابیہ عورت سے شادی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ مسلم عورتیں بہت ہیں، جس سے چاہے اپنی پسند سے کر سکتا ہے۔

دوسری حالت: مسلم قیدی کی شادی غیر اسلامی ملکوں میں:

جب مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں قیدی کی حیثیت سے ہو، اس ملک سے اس کے لئے اپنی مرضی و اختیار سے نکلنا ممکن نہ ہو، تو اس کے لئے اس حالت میں وہاں کسی کتابیہ یا مسلم عورت سے شادی کرنا درست نہیں، کیونکہ اس کا مستقبل شب تاریک ہے، اس کا انجام مجہول ہے، اگر بالفرض وہ شادی کر لے تو فتنہ و فساد برپا ہوگا، اس طور پر کہ وہ اپنی بیوی کی پوری نگرانی اور اس کی عصمت کی حفاظت نہیں کر سکے گا، اور کوئی مستبعد نہیں ہے کہ اس کی بیوی کے غلط تعلقات دوسرے مرد کے ساتھ قائم ہو جائیں؛ کیونکہ وہ تو قید خانہ میں رہے گا اور اس کی بیوی باہر رہے گی، نیز اس کی نومولود بچے کی تعلیم و تربیت غیر اسلامی طرز پر ہوگی، اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل اور امام زہری نے دشمنوں کے ہاتھ میں مسلم قیدی کے لئے شادی کرنے کو حلال قرار نہیں دیا ہے (المغنی لابن قدامہ: ۸/۴۵۶)۔

مغربی ممالک میں دعوتی نقطہ نظر سے کتابیہ سے شادی:

مغربی ممالک میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ نہیں ہے، کیونکہ جمہور علماء امت کے نزدیک نکاح درست ہے، البتہ دینی

مفاد و مصلحت کے پیش نظر مکروہ قرار دیتے ہیں، دینی مصلحت یہ ہے کہ چونکہ مغربی فکر کا غلبہ ہے اور دینی حمیت کمیاب ہے، تو ہوسکتا ہے مسلم شوہر کتابیہ عورت کی محبت میں گرفتار ہو کر اس کی خواہش کی تکمیل میں اس کے دین کی طرف مائل ہو جائے، نیز اس سے ہونے والی اولاد کو کفر و شرک کے اخلاق اپنانے کی طرف دھکیلنا لازم آئے گا، اور بعض اوقات کفر و شرک پر بھی مجبور کیا جاسکتا ہے، اگر ان تمام خطرات کا اندیشہ نہ ہو اور کتابیہ عورت جس سے مسلمان شادی کرنا چاہتا ہے، اس کا اسلام کی طرف قوی میلان ہو اور اسلام قبول کرنے کی بڑی امید ہو محض وہم و خیال نہ ہو کہ ہوسکتا ہے کہ اسلام قبول کرلے۔

اس کے اسلام قبول کرنے کی بڑی امید کا مطلب یہ ہے کہ اس سے اس کی حسن سیرت اور حیا ٹپکتی ہو، اسلام اور مسلمانوں کی تعریف میں رطب اللسان ہو، عام اسلامی محفلوں اور محاضرہ میں شریک ہوتی ہو اور اسلامی کتابوں اور مجلات کا مطالعہ کرتی ہو (المفصل فی أحکام النساء ۷/ ۲۳)۔

۷- برادران وطن کے اوتار اور ان کی مذہبی کتابوں کا حکم:

اصولی طور پر کسی کتاب کے الہامی و آسمانی ہونے اور کسی شخصیت کے پیغمبر و رسول ہونے کے لئے ضروری ہے اس کی صراحت قرآن و حدیث دونوں میں یا کم از کم کسی ایک میں ہو اور جس کے بارے میں کوئی صراحت نہ ہو تو ہم توقف اختیار کریں گے، نہ ہی اس کی تصدیق کریں گے اور نہ ہی تکذیب اس اصول کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ برادران وطن کی مذہبی کتابیں ویدوں کے الہامی و آسمانی ہونے کی نہ تصدیق کرسکتے ہیں اور نہ ہی تکذیب، کیونکہ ہمارے قرآن و حدیث دونوں میں اور نہ ہی کسی ایک میں اس کا ذکر ہے، اسی طرح ان کے اوتار کے پیغمبر و رسول ہونے کی ہم تصدیق نہیں کرسکتے اور نہ ہی تکذیب، اس لئے کہ قرآن یا حدیث یا دونوں میں برادران وطن کے اوتار کے نبی و رسول ہونے کا تذکرہ نہیں ہے۔

۸- غیروں کے ادارے میں مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کے داخلہ لینے کا حکم:

ایک طرف جہاں عیسائی اسکولوں سے فارغ ہونے والے مسلم طلبہ الحاد و دہریت کا شکار ہو رہے ہیں تو دوسری طرف ہندو فرقہ پرست اور شرپسند عناصر لوگوں کے اسکولوں میں سوریہ نمسکار (سورج کی پرستش)، یوگا (جو کہ سوریہ نمسکار اور خصوصی اشلوک یعنی منتروں کے بغیر ناممکن) اور وندے ماترم (مادر وطن کو معبود بنانا) مسلم طلبہ کے لئے بھی لزوم یا اختیاری کیا جارہا ہے، جو ہمارے مذہب اسلام کے بالکل مغائر ہے، مذکورہ بالا حقائق کی بنا پر ہمارا شرعی فریضہ ہے کہ ہم اپنے نونہالوں کو ایسے تعلیمی اداروں میں شریک نہ کرائیں جہاں اسلام مخالف تہذیب اپنائی گئی ہو بلکہ حق بات یہ ہے کہ از روئے شرع شریک کرانا درست نہیں ہوگا، کیونکہ ہمارا دینی فریضہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو اور اپنے نونہالوں کو حق کے راستہ پر قائم رکھیں اور باطل عقیدہ سے محفوظ رکھیں، اس لئے کہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

"یا أیھا الذین آمنوا قوا أنفسکم و أھلیکم نارا" (تحریم:۶) اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہم اپنی سرپرستی کا حق ادا کرنے والوں میں سے نہیں ہوں گے، اور اللہ تعالی کے حضور میں قیامت کے دن جوابدہ ہوں گے۔

نیز چونکہ پانچ بنیادی مقاصد شریعت میں سے پہلا اور سب سے مقدم مقصد شرع "حفظ دین" ہے، جب ایسے تعلیمی اداروں میں بچوں کا دین و ایمان اور بنیادی عقائد محفوظ نہیں رہ سکتے تو ان میں شریک کرانا کیسے درست ہوسکتا؟

ہمارے مذہب اسلام کا اصول یہ ہے کہ جو کام شرعاً ناجائز ہو تو جہاں اس ناجائز کام کا کرنا بذات خود ناجائز و گناہ ہے، وہیں کسی اور سے کرنے کے لئے کہنا، یا اس کو اس کام کے کرنے پر آمادہ کرنا اور کرنے والے کی تائید و حوصلہ افزائی کرنا شرعاً درست نہیں ہوگا، "ما حرم فعلہ حرم طلبہ" (الأشباہ والنظائر لابن نجیم المصری ۱/ ۱۵۵)، اسی بات کی طرف قرآن مجید نے اشارہ کیا: "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ إن اللہ شدید العقاب (مائدہ:۲) (گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں)۔

غور و فکر کا مقام ہے کہ آدمی کی تعلیم کا بنیادی مقصد معرفت الٰہی ہے اور جو تعلیم بندے کو اس کے بنیادی مقصد سے پھیر دے تو وہ ہامان و فرعون کے کالج کی تعلیم ہوگی، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: "إنما یخشی اللہ من عبادہ العلماء" (فاطر:۲۸)۔ یہاں علماء سے مراد دینی مدارس سے فارغ ہونے والے فضلاء نہیں ہیں، بلکہ یہ عام ہے، اور ایسے لوگ مراد ہیں جن کے اندر علوم سے اللہ کی معرفت پیدا ہو، لہذا اسلام کے نزدیک ایسے علوم کا حاصل کرنا جائز و پسندیدہ ہوگا اور ان کی تعلیم و تعلم درست ہوگا جن سے اللہ کی معرفت پیدا ہوتا ہو اور اس میں اضافہ ہوتا ہوا چلا جائے، اور ایسے علوم کی تحصیل اور ان کا پڑھنا پڑھانا ناجائز و ممنوع ہوگا جو اللہ کی معرفت سے روکے اور برگشتہ کردے، تعلق مع اللہ سے بیزاری پیدا کرے، اللہ سے قریب کرنے کے بجائے دور کرے، اللہ کی خوشنودی دلانے کی جگہ ناراضگی

لائے، اللہ کے محبوب بندہ بنانے کے بجائے مبغوض بندہ بنادے اور اللہ کے مطیع وفرمانبردار بندہ بنانے کی جگہ باغی وسرکش بنادے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جو صورتحال سوال میں ذکر ہے، ان حالات میں مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایسے اداروں میں داخلہ لینا اور کرانا شرعاً جائز نہیں ہے، لہذا مسلمانوں کے لئے اپنے علاقہ میں ایسے اسکولوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور ان میں داخلہ کی ترغیب دینا درست نہیں ہوگا، اسی طرح اس طرح کے اسکولوں سے مسلمان اجتناب کریں اور متبادل معیاری تعلیمی درسگاہوں کے قیام پر توجہ دیں۔

ب- کتابیہ بیوی کے حقوق اور اس کو طلاق دینے کا حکم:

اہل کتاب خاتون سے نکاح کیا جائے تو اس کے حقوق وہی ہوں گے جو مسلمان بیویوں کے ہیں؛ کیونکہ بیوی کے حقوق واجب ہونے کی علت زوجیت ہے نہ کہ بیوی کا مسلمان ہونا، اور زوجیت میں مسلمان بیوی اور کتابیہ بیوی دونوں برابر ہیں ("لا شتراكهما في الزوجية" (مغنی المحتاج ۳/ ۱۸۸، نیز دیکھئے: المبسوط ۵/ ۲۱۸، المغنی لابن قدامہ ۷/ ۳۱)، قرآن نے جہاں بیویوں کے حقوق بیان کئے ہیں وہاں مسلمان اور کتابیہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے، فرمایا:

"ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة" (بقرہ: ۲۲۸) (اور جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں، ایسے ہی مردوں پر عورتوں کے حقوق بھی ہیں، ہاں! البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے)، نیز اللہ تعالی نے بدکردار، بدزبان اور بد خلق بیوی کے تذکرہ کے بعد بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور خوش معاشرت کا حکم دیا، اور آگے ایک ساتھ رہنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا کہ بیویوں میں خامیاں تلاش کرنے اور ان میں ناپسندیدہ عادتوں کو ڈھونڈنے اور ان پر نظر رکھنے کے بجائے ان میں کوئی اچھی عادت تلاش کرو جو تمہیں بھائے، کے پیش نظر ان کے ساتھ زندگی بسر کرو، تو کتابیہ بیوی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی ترغیب بدرجہ اولی ہوگا، اور قرآن نے جو بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم دیا ہے، اس حکم میں مسلمان اور کتابیہ بیوی کے درمیان فرق نہیں کیا ہے، ارشاد ربانی ہے: "وعاشروهن بالمعروف، فإن كرهتموهن فعسى أن تكرهوا شيئاً ويجعل الله فيه خيرا كثيرا" (نساء: ۱۹) (اور ان کے ساتھ اچھی طرح گذر بسر کرو، اگر وہ تم کو نہیں بھاتی ہیں، تو ہو سکتا ہے کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ نے اسی میں بہت سی خوبیاں رکھی ہوں)، لہذا اہل کتاب خاتون سے نکاح کرنے کے بعد ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنے اور ان کو چھوڑ کر بھاگ آنے یا محض غیر مسلم ہونے کی بنا پر طلاق دے دینے کی اجازت نہیں ہوگی۔

اور قرآن نے معروف طریقہ سے معاشرتی زندگی کا حکم دیا ہے، اس سے مراد کے بارے میں مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی خواہ مسلمان عورت ہو یا کتابیہ خاتون، اس کے ساتھ حسن اخلاق اور خوش کلامی سے پیش آیا جائے، خوش لباس و پوشاک، مناسب وضع قطع اور اچھی ہیئت کے ساتھ اس کے ساتھ گذر بسر کیا جائے، اس کا مہر ادا کیا جائے، اس کے نان ونفقہ کا پورا خیال رکھا جائے، بدکلامی سے پیش نہ آیا جائے، اس سے گفتگو میں سکت لب و لہجہ اختیار نہ کیا جائے، جہاں ناحق جسمانی مار پیٹ سے احتراز کیا جائے وہیں الفاظ و جملے کے مار سے دل نہ دکھایا جائے، ہر وقت غصہ سے بات نہ کی جائے، منہ بگاڑ کر بات نہ کی جائے، اور ہر وقت غصہ والا مزاج بنا کر نہ رکھا جائے، اس کے ساتھ بے تکلف فری ہو کر بات کی جائے اور زندگی گذاری جائے، ایک مسلمان شوہر اپنے کردار و گفتار سے اپنی بیوی، خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ کے سامنے یہ تاثر نہ دے کہ وہ کسی اور خاتون کو اپنے دل میں بسائے ہوئے ہے، بلکہ اس کے ساتھ اس طرح محبت و پیار سے پیش آئے کہ اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہو کہ میرا شوہر مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتا ہے اور مجھے پوری دنیا سے زیادہ چاہتا ہے، غرضیکہ اس کے ساتھ ایسا حسن معاشرت ہو کہ وہ شوہر کے دل میں اپنی اپنائیت محسوس کرے اور اس کو خوب احساس ہو کہ میرا شوہر سچا وفادار ہے۔

(أحكام القرآن للجصاص ۲/ ۱۰۹، تفسیر زمخشری ۱/ ۴۹۰، تفسیر رازی ۱۰/ ۱۲، تفسیر قرطبی ۵/ ۹۷، تفسیر ابن کثیر ۱/ ۴۶۶)۔

کیا اہل کتاب خاتون مسلمان شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام دے سکتی ہے؟

"امام مالکؒ نے فرمایا: مسلمان مرد کے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنی عیسائی بیوی کو خنزیر کے گوشت کھانے سے روکے، شراب پینے سے باز رکھے، اور کنائس (چرچ) جانے نہ دے۔

"قال مالك: ليس للرجل أن يمنع امرأته النصرانية من أكل الخنزير وشرب الخمر والذهاب إلى الكنائس إذا كانت نصرانية" (المدونة الكبرى ۲/ ۲۱۶)۔

امام مالکؒ کے اس قول سے مستفاد ہوتا ہے کہ اہل کتاب خواتین اپنے شوہروں کے گھروں میں مذہبی مراسم انجام دے سکتی ہیں، شوہروں کے لئے ان کو

اپنے مذہب پر عمل کرنے اور مذہبی مراسم پر عمل پیرا ہونے سے نہیں روک سکتے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ تاتارخانیہ میں تجرید کے حوالہ سے لکھا ہے: نصرانی عورت مسلمان مرد کی زوجیت میں ہو، تو وہ عیسائی بیوی اپنے مسلمان شوہر کے گھر میں صلیب نصب نہیں کرے گی، البتہ گھر میں جس طرح چاہے نماز پڑھ سکتی ہے۔ ''وفي التجريد: قال في النصرانية تحت المسلم لا تنصب في بيته صليبا. وتصلي في بيته حيث شاءت'' (فتاوی تاتارخانیہ ۱۹/ ۲۹۱)۔

فقہ حنفی کے جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیزیں یہود ونصاری کے مذہبی شعائر کی حیثیت رکھتی ہوں وہ گھر میں رکھنے کی اجازت نہیں ہوگی، جیسے صلیب، حضرت مریم علیہا السلام، عیسیٰ علیہ السلام کی مورتیاں، بقیہ دوسرا مذہبی مراسم برتنے کی اجازت ہوگی۔

ج- عیسائی ہاسپیٹل اور مالی ادارے سے مسلمانوں کے لئے استفادہ کا حکم:

مشہور مقاصد شریعت پانچ ہیں: حفظ دین، حفظ نفس، حفظ عقل، حفظ نسل، حفظ مال اور حفظ دین کا درجہ سب سے بلند ہے اور تعارض کے وقت حفظ دین کو سب پر ترجیح وتقدیم حاصل ہے (نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی/ص ۵۶، ۵۸، ۵۹)۔

حفظ دین کی خاطر جہاد مشروع ہوا، جس میں انسان کی جانیں جاتی ہیں، لہذا اس اصولی گفتگو کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے عیسائی ہاسپیٹل اور مالی اداروں میں خدمت کرنا اور ان کی خدمات سے استفادہ کرنا درست نہیں ہوگا، تا کہ ان کا ایمان محفوظ رہے، اس لئے کہ ان کے ادارے میں خدمت انجام دینے یا استفادہ کرنے سے مقصد حفظ نفس ہے، اور حفظ نفس سے زیادہ اہمیت حفظ دین کی ہے، جس کے لئے جانیں قربان کرنا جائز ہی نہیں بلکہ بعض اوقات فرض ہوجاتا ہے۔

اجتماعی طور پر مسلمانوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ایسے ادارے قائم کریں جہاں سے مسلمانوں کو غیر سودی قرض مل سکے، اسی طرح ہاسپیٹل قائم کریں جہاں مسلمانوں کو مفت میں علاج میسر ہوسکے، اس طریقے سے اپنے دین وایمان کی حفاظت بآسانی کرسکیں گے۔



فرقہ باطلہ کا تعارف اور اہل کتاب کے احکام

مفتی سید باقر ارشد بنگلوری[1]

۱- اہل کتاب کی تعریف:

''احکام القرآن للجصاص'' میں ہے: قولہ تعالیٰ "من الذین أوتوا الکتاب" فإن أھل الکتاب من الکفار ھم الیھود و النصاریٰ لقولہ تعالیٰ: أن تقولوا إنما أنزلَ الکتابُ علیٰ طائفتینِ من قبلنا" (الانعام: ۱۵۶، احکام القرآن للجصاص ۲/۱۱۸)۔

احناف کے نزدیک اہل کتاب ''کسی بھی آسمانی کتاب پر ایمان رکھنے والوں کو کہا جاتا ہے''۔ یعنی یہ لفظ اہل کتاب اس قوم کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کا کسی بھی آسمانی کتاب پر ایمان رکھنا محقق اور ثابت ہو۔ چنانچہ قرآن سے پہلے نازل شدہ کتب سماویہ توریت و انجیل پر جو قومیں ایمان رکھتی ہیں، ان کو قرآن نے اہل کتاب سے پکارا۔ یہودی جو توریت پر ایمان رکھتے تھے اور حضرت موسیٰ کو اللہ کا نبی اور حضرت عزیز کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے، اور نصاریٰ، یعنی عیسائی الہامی کتاب انجیل کو مانتے اور حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارک میں جو یہودی و عیسائی آباد تھے، وہ توریت و انجیل پر ایمان رکھتے تھے، گو وہ کتب اس وقت تک محرف ہو چکی تھیں، مگر اس کے باوجود وہ خدا کے منکر نہیں تھے۔

مگر آج اس دور میں جو عیسائی یا یہودی قومیں آباد ہیں اور اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتی ہیں، وہ اپنے آباء و اجداد کے عقیدہ کو چھوڑ چکی ہیں، اور ان میں سے اکثر محض نام کے یہودی یا نام کے عیسائی ہیں جب کہ وہ خدا کے وجود کے منکر، رسالت و نبوت کے منکر، وحی کا انکار کرتے ہیں، قیامت، دوزخ، جنت، حساب و کتاب ان تمام عقائد کے منکر ہیں۔ ان پر اہل کتاب کے احکام جاری نہیں ہو سکتے، بلکہ وہ کفار و مشرکین کے زمرے میں آتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ساتھ بہ نسبت مشرکین و کفار کے خصوصی رعایت کا معاملہ فرمایا اور ان کی خواتین سے نکاح کو جائز قرار دیا اور ان کے ذبیحہ کو حلال۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے قاموس الفقہ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، جلد دوم، ص ۲۵۵)۔

اہل کتاب کے تحقق کے سلسلہ میں دو اقوال منقول ہیں؛ ایک جمہور اور دوسرے احناف، چنانچہ جمہور کے نزدیک یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کہا جاتا ہے، اور احناف کے ہاں اہل کتاب ہر اس شخص یا قوم کو کہا جاتا ہے جو کسی نبی پر ایمان رکھتا ہے اور کسی بھی آسمانی کتاب کو مانتا ہے۔ جیسے یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ صحف ابراہیمؑ، صحف شیثؑ، صحف موسیٰؑ وغیرہ پر ایمان رکھنے والے بھی بقول احناف اہل کتاب کو شامل ہیں۔

چنانچہ الموسوعۃ الفقہیۃ میں لکھا ہے: '' ذھب الجمھور الفقھاء الی أن (اھل الکتاب) ھم: الیھود و النصاریٰ بفرقھم المختلفۃ۔ و توسع الحنفیۃ فقالوا: إن أھل الکتاب ھم: کل من یؤمن بنبیٍ و یقرّ بکتاب، ویشمل الیھود و النصاریٰ، ومن آمن بزبور داؤد، و صحف إبراھیم و شیث، و ذلک؛ لأنھم یعتقدون دینًا سماویًا منزلًا بکتاب۔ و استدل الجمھور بقولہ تعالیٰ: '' أن تقولوا إنما أُنزِلَ الکتابُ علیٰ طائفتینِ من قَبلِنا''۔ قالوا: ولأن تلک الصحف کانت مواعظ و امثالًا لأحکام فیھا، فلم یثبت لھا حکم الکتب المشتملۃ علی الأحکام۔ و السامرۃ من الیھود، وإن کانوا یخالفونھم فی کثیر الأحکام''۔۔۔ (الموسوعۃ الفقھیۃ ج۷/ ص ۱۴۰)۔

(جمہور کا قول ہے کہ یہود و نصاریٰ اور ان کے تمام فرقے اہل کتاب کہلائے جاتے ہیں۔ اور احناف کے ہاں اہل کتاب ہر وہ شخص ہے جو کسی نبی پر ایمان رکھے اور کسی کتاب الٰہی کو مانے، اور اس میں یہود و نصاریٰ اور حضرت داؤد کی زبور اور حضرت ابرہیم و شیثؑ کے صحائف پر ایمان لانے

---

[1] سرپرست ''المفتی ریسرچ، اسٹڈی سرکل اینڈ پبلیکیشنز''، چن پٹن، بنگلور۔

والے داخل ہیں، اس لئے کہ یہ لوگ آسمانی دین کو جس کے ساتھ کتاب نازل ہوئی، مانتے ہیں۔ جمہور کی دلیل یہ فرمان باری ہے: "أن تقولوا إنما أنزل الكتابُ على طائفتينِ من قَبلِنا"...... (سورۃ الانعام/۱۵۶)۔ (اور اس لئے بھی کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگتے کہ کتاب تو بس ان دو گروہوں پر اتاری گئی جو ہم سے پہلے تھے)۔ اور انہوں نے کہا: اور اس لئے کہ ان صحائف میں مواعظ و امثال تھیں، احکام نہ تھے، لہٰذا ان کا حکم ان کتابوں کا سا نہیں جن میں احکام تھے)۔

سامرہ یہودیوں میں سے ہیں اگر چہ اکثر احکام میں ان سے اختلاف رکھتے ہیں (موسوعہ فقہیہ: اردو ترجمہ و مطبوعہ اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا ج ۷/ ص ۲۰۲)۔

یہودی و عیسائی یا نصرانی اصل میں بنی اسرائیل میں سے ہیں، اور پہلے پہل صرف بنی اسرائیل نام ہی معروف و مشہور تھا، یہود یا یہودی اور یہودی مذہب کا نام تیسری صدی قبل مسیح سے معروف ہوا۔ اور یہود اصل میں یہوذ تھا جو حضرت یعقوب کا بیٹا "یہوذا" کے نام سے منسوب ہے۔ یہود اسی کی نسل و خاندان کو کہا جاتا ہے جو دین موسیٰ پر قائم تھا۔ یہوذ چلتے چلتے یہود پڑ گیا اور اسی نام سے آج تو م آباد ہے اور مذہب بھی اسی نام سے موجود ہے۔ بنی اسرائیل یا یہودی قوم میں اللہ تعالیٰ کئی پیغمبروں کو ان کی ہدایت کے لئے بھیجا، چنانچہ سب سے زیادہ نبی اسی یہودی قوم میں بھیجے گئے۔ حضرت یعقوبؑ کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا گیا، چنانچہ یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت عزیرؑ، حضرت عیسیٰؑ، وغیرہ وغیرہ

یہودی و یہودیت کی طرح عیسائیت یا عیسائی کا نام بھی بعد کے زمانے کی پیداوار ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی قوم میں بھیجے گئے، چنانچہ آپ علیہ السلام کے لائے ہوئے مذہب کو آپ ہی کے نام سے منسوب کر کے "عیسائیت" کہا جانے لگا اور اس مذہب کو ماننے والے کو "عیسائی" کہا جانے لگا۔

چنانچہ اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں، یعنی وہ حضرات جو توریت یا انجیل کو ماننے والے ہیں۔

"المغنی" میں ہے: وأهل الكتاب الذين هذا، حكمهم هم أهل التوراة والأنجيل قال الله تعالىٰ (أن تقولوا انما أُنزلَ الكتابُ علىٰ طائفتينِ من قَبلِنا) فأهل التوراة اليهود والسامرة و أهل الإنجيل النصارىٰ ومن وافقهم فى أصل دينهم من الأفرنج والأرمن وغيرهم... (المغنى مع الشرح الكبير/٧، ٥٠١،١٠/٥٦٨)۔

و قال الدكتور وهبة الزحيلي في الفقه الاسلامي و ادلته: الكتابية هي التي تؤمن بدين سماوي، كاليهودية و النصرانية۔ و أهل الكتاب: هم أهل التوراة و الانجيل. لقوله تعالىٰ: (أن تقولوا انما أُنزلَ الكتابُ علىٰ طائفتينِ من قَبلِنا)... (الفقه الاسلامي و أدلته: ٧/ ١٥٢)۔

۲- صابئین سے مراد کون لوگ ہیں؟

صابی، جمع الصابئة یا صابئین ہے، صابی کے معنی نکلنے کے آتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے "صبا فلان يصبأ"۔ اگر کوئی ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرتا ہے تو اس کو صابی کہا جاتا ہے۔ (والصابی، من خرج من دين الى دين) (الموسوعة الفقهية، ای یک ۲۶/ ۲۱۸)۔

اور عرب تارا نکلنے پر کہتے ہیں: "صبأت النجوم" (الموسوعة الفقهية، ای یک ۲۶/ ۲۱۸)۔

صابئین کا ذکر قرآن مجید نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ کیا ہے: "إن الذين آمنوا والذين هادوا والنصارىٰ و الصابئين... الخ" (سورۃ البقرۃ: ۶۲)۔

جہاں تک صابئین کی تعریف و تعارف ہے، اس سلسلہ میں علماء کبار و فقہاء اسلام نے مختلف تعبیرات پیش کی ہیں:

علامہ راغب الاصفہانی نے صابئین کے حضرت نوح کے دین پر ہونے کا قول نقل کیا ہے، چنانچہ "المفردات" میں لکھا ہے کہ:

"والصابئون قوم كانوا على دين نوحٍ، و قيل لكل خارج من الدين الى دين آخر صابي، من قولهم صبأ ناب البعير

إذا طلع"... (المفردات فی غریب القرآن،۲۷۳)۔

اور"الموسوعۃ الفقھیۃ" میں لکھا ہے:" وقد اختلف العلماء فی تعریف الصابئة علیٰ أقوال ہی: أنهم كانوا علیٰ دین نوح علیہ السلام. نقله الراغب فی مفرداته" (الموسوعة الفقهية، ای بلٹ ۲۶/۲۱۸)۔

اسی طرح ابن منظورؒ نے اللیث سے نقل کیا ہے؛ کہ ان کا دین نصاریٰ کے دین کے مشابہ تھا، لیکن وہ جنوب کو اپنا قبلہ بناتے تھے، اور دین نوح پر ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، جبکہ وہ اس میں کاذب تھے۔

" ونقل ابن منظور عن اللیث؛ هم قوم یشبه دینهم دین النصاریٰ وإلا أن قبلتهم نحو مهب الجنوب ، یزعمون أنهم علیٰ دین نوح وهم كاذبون، و نقل قریبًا من القرطبی عن الخلیل..." (الموسوعة الفقهية، ای بلٹ ۲۶/۲۱۸)

السدیؒ واسحاق بن راہویہؒ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ یہ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے کیونکہ وہ زبور کی تلاوت کیا کرتے ہیں۔

"وقال السدی و اسحاق بن راہویة: هم طائفة من أهل الكتاب؛ لأنهم یقرؤون الزبور. وبه قال أبوحنیفة" (الموسوعة الفقهية، ای بلٹ ۲۶/۲۱۸)۔

صابئین نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے، اس فرقہ کو "یوحنَّاسِیَّة" کہا جاتا ہے، اس فرقہ کے تعلق سے امام ابوحنیفہؒ نے اہل کتاب میں سے ہونے کا حکم لگایا ہے۔

چنانچہ احکام القرآن میں ہے:" والنصاریٰ تسمیهم یوحنَّاسِیَّة، فهذه الفرقة یجعلها أبو حنیفة رحمه الله من أهل الكتاب و یبیح أكل ذبائحهم و مناكحة نسائهم۔ وفرقة أخری قد تسمّت بالصابئین. وهم الحرّانیون الذین بناحیة حرّان. وهم عبدة الأوثان و لاینتمون إلیٰ أحد من الأنبیاء ولا ینتحلون شیئا من كتب الله. فهؤلاء لیسوا أهل الكتاب ۔ ولا خلاف أن هذه النحلة لاتؤكل ذبائحهم ولا تُنكح نساؤهم. فمذهب أبي حنیفة فی جعله الصابئین من أهل الكتاب محمول علیٰ مراده الفرقة الأولیٰ۔ و أما أبویوسف و محمد فقالا: " إن الصابئین لیسوا أهل الكتاب" ... الخ (احكام القرآن للجصاص، مطلب فی الصابئین و فی بعض فرق النصاری، ۳/ ۱۱۸۔۱۱۹)۔

مجاہد اور حسن بصری نیز ابن ابی نجیح کہتے ہیں کہ ان کا مذہب یہودیت و مجوسیت کا مرکب تھا۔" قال مجاهد و الحسن و ابن أبي نجیح: هم قوم تركب دینهم بین الیهودیة و المجوسیة" ... (الموسوعة الفقهية، ای بلٹ ۲۶/۲۱۸)۔

اسی طرح سعید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ وہ نصاریٰ و مجوسی کے مابین جماعت ہے،

" وقال سعید بن جبیر: هم قوم بین النصاریٰ و المجوس" (الموسوعة الفقهية، ای بلٹ ۲۶/ ۲۱۸)۔

قتادہ و حسن بصریؒ کا ایک قول ہے کہ وہ ملائکہ کی پرستش کرتے ہیں، قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کرتے ہیں، اور زبور کی تلاوت کرتے ہیں، پنج وقتہ نماز پڑھتے ہیں

"وقال الحسن ایضًا و قتادة: هم قوم یعبدون الملائكة. یصلون إلیٰ القبلة. و یقرؤون الزبور. و یصلون الخمس" ... (الموسوعة الفقهية، ای بلٹ ۲۶/۲۱۸)۔

قرطبیؒ نے بعض حضرات سے نقل کیا کہ وہ تھے تو موحد ہی لیکن ستاروں کو کائنات میں مؤثر اور متصرف باور کرتے تھے۔

" ونقل القرطبی أنهم موحّدون یعتقدون تأثیر النجوم" ... (الموسوعة الفقهية، ای بلٹ ۲۶/۲۱۸)۔

کچھ لوگوں نے کہا کہ وہ لا الہ الا اللہ پر تو ایمان رکھتے تھے مگر نہ عمل صالح کا تصور رکھتے، نہ کسی کتاب کو مانتے تھے اور نہ ہی کسی نبی پر اعتقاد رکھتے تھے۔

" وقیل: إنهم قوم كانوا یقولون لاإله إلا الله ، ولیس لهم عمل ولا كتاب ولا نبی "... (الموسوعة الفقهية، ای بلٹ ۲۶/ ۲۱۸)۔

صاحبینؒ کہتے ہیں کہ وہ اہل کتاب میں سے نہیں ہیں، کیونکہ وہ ستارون کی پرستش کرتے ہیں، اور ستاروں کی پرستش گویا کہ اوثان کی پرستش کرنا ہے۔

"وقال صاحبان من الحنفية: إنهم كانوا ليسوا من أهل الكتاب ،لأنهم يعبدون الكوكب، و عابد الكوكب كعابد الوثن"... (الموسوعة الفقهية، اى بك ٢٦/٢١٨)۔

دراصل صابئین دو طبقے تھے، ایک وہ جو ایک خدا کا، نبوت ورسالت کا اور کتاب سماوی کا اعتقاد رکھتا تھا اور ایک وہ جو خدا کا منکر تھا، نبوت اور رسالت کا، کسی کتاب سماوی کا منکر تھا، بلکہ سورج کا پرستار تھا، چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں؛ امام کرخیؒ کا خیال ہے کہ ان کا ایک فرقہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا اور زبور کی تلاوت کرتا تھا، امام ابوحنیفہؒ نے اپنی رائے میں اسی کو پیش نظر رکھا ہے اور ایک فرقہ نبوت ووحی کا منکر اور سورج کا پرستار تھا، امام ابویوسفؒ وامام محمدؒ نے اسی کے پیش نظر اپنی رائے دی ہے (قاموس الفقہ، جلد چہارم، ۲۱۴ بحوالہ الخانیۃ علی ہامش الھندیۃ، ۳/ ۳۶۸)۔

"احکام القرآن للجصاص" میں لکھا ہے کہ: "والصابئون فريقان، أحدهما عبدة الأوثان و الآخر لايعبدون الأوثان و لكنهم مشركون فى وجوه أخر.... الخ" (احكام القرآن للجصاص، مطلب فى الصابئين و فى بعض فرق النصارى، ٣/١١٩)۔

ان تمام عبارات واقوال فقہاء سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صابئین میں سے کچھ اہل کتاب ہی کے اعتقادات رکھا کرتے تھے اور کچھ کفار، ملحدین و مشرکین کے اعتقادات کے حامل تھے۔ مگر اکثر فقہاء نے ان کے متضاد ومختلف فیہ اعتقادات کی وجہ سے ان پر اہل کتاب کے احکام کا ترتب نہیں کیا ہے، چنانچہ امام شافعیؒ، مالکیہ اور امام ابویوسفؒ وامام محمدؒ نے ان کے ذبیحہ کو حلال قرار نہیں دیا ہے (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو؛ شرح المہذب ۹/ ۷۹، الشرح الصغیر ۱/ ۱۵۴، فتاویٰ الھندیۃ ۳/ ۳۶۸)۔

صابئہ کے سلسلہ میں جو اختلاف ہوا ہے وہ ان کے مختلف فیہ اعتقادات سے پیدا شدہ اشتباہ کی وجہ سے ہے، چنانچہ جنہوں نے صابئۃ کا کواکب و ستاروں کی پرستش کرنے کا اعتبار کیا انہوں نے ان کو اہل کتاب یا یہود ونصاریٰ میں شامل نہیں کیا، اور ان سے نکاح جائز قرار نہیں دیا۔ اور جنہوں نے ان کے نصاریٰ کی طرح کتاب پر ایمان رکھنے کا اعتبار کیا انہوں نے انہیں اہل کتاب ونصاریٰ ہی کے ایک فرقہ میں شامل کیا، اور ان سے نکاح جائز قرار دیا۔ اور احناف کا مذہب اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ان صابئہ عورتوں سے نکاح درست ہے جو نبی پر ایمان رکھتی اور الہامی کتاب کی تلاوت کرتی ہیں، اور جو ستاروں کی پرستش کرتی ہیں اور کسی کتاب پر عقیدہ نہیں رکھتیں تو ان سے نکاح جائز نہیں ہے۔

وفى الفقه الاسلامى و ادلته: "السامرة: طائفة من اليهود. و الصابئة: طائفة من النصارىٰ... قال أبو حنيفة و الحنابلة: انهم أهل الكتاب، فيجوز للمسلم الزواج بالصابئات؛ لأن الصابئة قوم يؤمنون بكتاب. فإنهم يقرؤون الزبور، ولا يعبدون الكواكب، ولكن يعظمونها كتعظيم المسلمين الكعبة فى الاستقبال اليها . ولكنهم يخالفون غيرهم من أهل الكتاب فى بعض دياناتهم. و ذا لايمنع الزواج كاليهود مع النصارىٰ۔ قال الصاحبان: لايجوز الزواج بهن؛ لأن الصابئة قوم يعبدون الكواكب وعابد الكواكب كعابد الوثن. فلا يجوز للمسلمين مناكحتهم۔ وقيل ؛ ليس هذا باختلاف فى الحقيقة. وإنما الاختلاف لاشتباه مذهبهم. لذا من اعتبر الصابئة من عبدة الاوثان؛ وهم الذين يعبدون الكواكب. حرم مناكحتهم. ومن فهم أن مناكحتهم حلال. فهم أن لهم كتابًا يؤمنون به... وهٰذاهو ما قرره القدورى فى الكتاب. وهو حجة لدى الحنفية. فقال: يجوز تزوج الصابئيات إذا كانوا يومنون بنبى و يقرون بكتاب. وإن كانوا يعبدون الكواكب. و لا كتاب لهم. لم يجز مناكحتهم" {اللباب: ٣/ ٧} (الفقه الاسلامى و ادلته ٨/ ١٥٦)۔

احقر کی رائے وہی احناف کا قول ہے کہ صابئہ میں سے اہل کتاب وہ ہیں جو نبی پر اعتقاد رکھتے ہیں اور کسی الہامی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، اور ان صابئہ کا اہل کتاب میں شمار نہیں، بلکہ وہ کفار وملحدین کو شامل ہیں جو نبی کا اعتقاد نہیں رکھتے اور کسی الہامی کتاب کی تلاوت نہیں کرتے۔

کیا صابئین کا گروہ ابھی بھی پایا جاتا ہے؟

عصر حاضر میں صابئین کا گروہ موجود نہیں ہے، عہد رسول اکرم ﷺ سے پہلے اور پھر آپ کے وصال کے بعد بھی کئی دہائیوں تک یہ گروہ اپنے مختلف فیہ اور متضاد اعتقادات کے ساتھ موجود تھا۔ پھر یہ ختم ہو گیا۔ اب اس نام سے ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔

چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: اور سلف الصالحین کے اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے آنے کے بعد بھی ایک، ڈیڑھ سو سال تک یہ مذہب پایا جاتا تھا اور مختلف علاقوں میں شاید الگ الگ ٹکڑیوں میں اس کے ماننے والے آباد تھے اور ان میں خاصا اعتقادی اختلاف بھی پایا جاتا تھا۔ (قاموس الفقہ، جلد چہارم، ۲۱۵)۔

۳- ایک خدا کے وجود کے منکر کیا یہود و نصاریٰ میں شمار ہیں؟

اصل میں یہود و نصاریٰ کی جو قومیں نزول قرآن سے پہلے آباد تھیں یا کم از کم رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں موجود تھیں، وہ ایک خدا کے وجود کی قائل تھیں، انہی اختلاف تھا تو نبوت اور کتب سماوی کے سلسلہ میں تھا، نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو اور یہود حضرت عزیز، حضرت موسیٰ کو مانتے تھے، حضرت محمد رسول اکرم ﷺ کی نبوت سے ان کو انکار تھا۔ اسی طرح یہودی توریت اور عیسائی انجیل کو مانتے اور ان کی تلاوت کیا کرتے تھے، ان کو قرآن کریم سے انکار تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے توحید کا عقیدہ رکھنے، نیز آسمانی والہامی کتاب کو ماننے کی وجہ سے ''اہل کتاب'' کا نام دیا اور بعض احکام میں ان سے رعایت برتی۔

اب اہل کتاب میں اس طبقے یا مذہب کو شامل کیا جا سکتا ہے جو ایک خدا کا منکر نہ ہو اور کسی مصدقہ آسمانی کتاب اور نبی و رسول کا اقرار کرتا ہو۔ اس کے علاوہ جو ایک خدا کے عقیدہ کا انکار کرتے ہوں ان کو اہل کتاب میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

سورۃ التوبۃ کی آیت: "فأقتلوا المشركين حيث وجدتموهم" کے ذیل میں کلام کرتے ہوئے ابوبکر الجصاص کہتے ہیں:

قال أبوبكر: قوله تعالىٰ '' فأقتلوا المشركين حيث وجدتموهم'' يقتضى قتل سائر المشركين. فمن الناس من يقول؛ ان عمومه مقصور على عبدة الأوثان دون أهل الكتاب و المجوس. لان الله تعالىٰ قد فرق فى اللفظ بين المشركين و بين أهل الكتاب و المجوس بقوله تعالىٰ: '' إن الذين آمنوا هادوا و الصابئين و النصارى و المجوس والذين أشركوا'' (الحج: ۱۷) فعطف بالمشركين على هٰذه الأصناف. فدل ذلك على أن اطلاق هٰذا اللفظ يختص بعبدة الأوثان و إن كان الجميع من النصارى و المجوس و الصابئين مشركين و ذلك؛ لأن النصارى قد اشركت بعبادة الله عبادة المسيح و المجوس مشركون من حيث جعلوا لله ندًا مغالبًا. والصابئون فريقان، أحدهما عبدة الأوثان و الآخر لايعبدون الأوثان. و لكنهم مشركون فى وجوه أخر. . . . الخ'' (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۱۱۹)

اس عبارت سے یہ معلوم پڑتا ہے کہ جو شرک کرتے ہیں، اہل کتاب کی مراعات حاصل نہیں کر سکتے حتیٰ کہ یہود و نصاریٰ ہی کیوں نہ ہوں اگر انہوں نے بھی ایک خدا کے وجود کا انکار کیا تو وہ بھی مشرکوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ "فدل ذلك على أن اطلاق هذا اللفظ . . الخ "کی عبارت بتاتی ہے کہ اوثان کی پرستش مشرک کی علامت ہے، اگر نصاریٰ نے اللہ کی عبادت میں مسیح کی عبادت کو شریک کیا تو وہ بھی مشرک ہیں؛ اہل کتاب نہیں۔

جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مجوس کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہے۔ ابن عابدین ''حاشیۃ ردالمحتار'' میں لکھتے ہیں: '' و ذهب الجمهور من الفقهاء، ومنهم الأئمة الأربعة إلى أنهم ليسوا من أهل الكتاب. فلاتحل نساؤهم للمسلمين. . . (ردالمحتار: ۴/ ۱۳۶)

المغنی لابن قدامہ میں ہے: '' فأهل الكتاب اليهود و النصارىٰ و من دان بدينهم كالسامرة يدينون بالتوراة و يعلمون بشريعة موسىٰ عليه السلام و إنما خالفوهم فى فروع دينهم و فرق النصارى من اليعقوبية و النسطورية و الملكية و الفرنجة و للروم والارمن وغيرهم ممن دان بالإنجيل و انتسب إلى عيسى عليه السلام و العمل بشريعته. فكلهم من أهل الإنجيل و من عدا هٰؤلاء من الكفار فليس من أهل الكتاب بدليل قول الله تعالىٰ(أن تقولوا انما أُنزِلَ الكتابُ على طائفتين من قبلنا). . . '' (المغنی مع الشرح الکبیر ۱۰/ ۵۶۸)۔

معلوم ہوا کہ یہود ونصاریٰ جن کو اہل کتاب کہا گیا ہے وہ ایک خدا کے وجود کے قائل تھے۔اب وہ قوم یا وہ فرد جو ایک خدا کے وجود کا منکر ہے اس کو یہود ونصاریٰ میں شمار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اہل کتاب میں، بلکہ اس کا شمار کفار میں ہوگا۔

یہود ونصاریٰ میں خدا کے منکر کیا اہل کتاب کے حکم میں ہیں:

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو یہودی وعیسائی آباد تھے وہ ایک خدا کے منکر نہیں تھے، اپنے بعض باطل اعتقادات کے باوجود وہ ایک خدا کے قائل تھے، نبوت ورسالت کے حامی تھے، آسمانی کتاب کو مانتے اور تلاوت کرتے تھے، ملائکہ پر ایمان رکھتے تھے، آخرت، قیامت، حشر ونشر، حساب و کتاب، جرم ونیکی، سزا وجزا کے قائل تھے۔حضرت محمد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے کے وہ قائل نہیں تھے۔

لیکن آج کل جو اپنے آپ کو یہود ونصاریٰ کہتے ہیں وہ ہوسکتا ہے کہ ان یہود ونصاریٰ کی نسل سے ہوں لیکن اعتقادات ان کے بالکل الگ ہونے کی وجہ سے ان پر اہل کتاب کے احکام کا ترتب نہیں ہوتا۔حضرت محمد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا انکار تو کرتے ہی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ نہ ایک خدا کے قائل ہیں اور نہ ہی ان کے یہاں نبوت، وحی، حشر ونشر، حساب وکتاب، جرم ونیکی، سزا وجزا، جنت ودوزخ، مابعد الموت حیات کا تصور موجود ہے۔وہ ان تمام اعتقادات کا انکار کرتے ہیں۔لہٰذا ان کو اہل کتاب کے احکام لاگو نہیں ہوتے۔نہ ان سے نکاح جائز ہے اور نہ ہی ان کا ذبیحہ حلال۔

جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مجوس کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہے، کیونکہ وہ موحد نہیں مشرک ہیں، البتہ عقائد میں وہ یہود ونصاریٰ سے مطابقت رکھتے ہیں: " و ذهب الجمهور من الفقهاء، و منهم الأئمة الأربعة إلى أنهم ليسوا من أهل الكتاب، فلا تحل نساؤهم للمسلمين۔۔۔" (ردالمحتار ۴/ ۱۳۶)۔اس سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ فی زمانا جو یہود ونصاریٰ ہیں جن کے عقائد تبدیل ہو چکے ہیں؛ وہ مجوس کی طرح ہیں اور ان پر مجوس کے احکام کا ترتب ہوتا ہے نہ کہ اہل کتاب کا۔

مغنی کی عبارت ہے:" فأهل الكتاب اليهود و النصارىٰ و من دان بدينهم كالسامرة يدينون بالتوراة و يعلمون بشريعة موسىٰ عليه السلام، و إنما خالفوهم في فروع دينهم، و فرق النصارى من اليعقوبية و النسطورية و الملكية و الفرنجة و للروم والأرمن وغيرهم ممن دان بالإنجيل و انتسب الىٰ عيسىٰ عليه السلام و العمل بشريعته فكلهم من أهل الانجيل و من عدا هؤلاء من الكفار فليس من أهل الكتاب بدليل قول الله تعالىٰ(أن تقولوا انما أنزلَ الكتابُ علىٰ طائفتينِ من قَبلِنَا)۔۔۔" (المغنی مع الشرح الکبیر ۱۰/ ۵۶۸)۔

معلوم ہوا کہ یہود ونصاریٰ جن کو اہل کتاب کہا گیا ہے وہ ایک خدا کے وجود کے قائل تھے۔یعنی یہود ونصاریٰ کو اہل کتاب کہے جانے کی وجہ ان کا الہامی کتاب اور نبی ورسول کے عقیدے کا حامل ہونا ہے۔اب جب کوئی ایک خدا کے وجود کا منکر ہے، الہامی کتاب و نبی ورسول کے عقیدے کا حامل نہیں ہے تو چہ جائیکہ وہ خود کو یہودی یا نصرانی ہی کہتے ہوں اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن اگر کوئی یہودی یا نصرانی اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس کے اعتقادات؛ وہی ہیں جو عہد نبوی کے اہل کتاب کے تھے، یعنی ایک خدا کا وہ قائل ہے نبوت ووحی کا بھی اقرار کرتا ہے تو پھر اس کا شمار اہل کتاب میں ہوگا اور اس پر اہل کتاب کے احکام مرتب ہوں گے۔

ایسی کوئی یہودی یا نصرانی خاتون ہے جو اس بات کا اقرار کرتی ہو کہ ایک خدا کا وجود ہے، نبوت، وحی، قیامت، آخرت، حساب وکتاب، حشر ونشر، جنت ودوزخ، جرم ونیکی، سزا وجزا کی قائل ہو، اگرچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی منکر، ایسی عورت کا شمار اہل کتاب میں ہوگا اور اس پر اہل کتاب کے احکام مرتب ہوں گے اور اس سے نکاح جائز ہوگا (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۱۵۲/ ۷، ردالمحتار علی الدر المختار ۴/ ۱۳۴)۔

"واعلم أن من اعتقد دينًا سماويًّا وله كتاب منزل كصحف ابراهيم و شيث و زبور داؤد فهو من أهل الكتاب فتجوزمناكحتهم و أكل ذبائحهم۔۔۔۔۔۔اذا اعتقدوا أن المسيح إله و ان عزيزًا اله ۔۔۔انه يجوز الاكل و التزويج۔۔۔" (ردالمحتار شرح الدر المختار ۴/ ۱۳۴)۔

"وقد أجمع العلماء على اباحة الزواج بالكتابيات، لقوله تعالى: { اليوم أحل لكم الطيبات، وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم، و طعامكم حل لهم، و المحصنات من المؤمنات ، والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم} و المراد بالمحصنات في الآية: العفائف، و يقصد ها حمل الناس على التزوج بالعفائف، لما فيه من تحقيق الود و الألفة بين الزوجين، وإشاعة السكون و الاطمئنان. . . " (الفقه الاسلامی و ادلتہ/ ۱۵۳)۔

۴- شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وجود میں آنے والے فرق:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إن الدين عندالله الإسلام وما اختلف الذين أوتوا الكتاب إلا من بعد ما جاء هم العلم بغيا بينهم و من يكفر بايات الله فإن الله سريع الحساب. . . " (سورة آل عمران: ۱۹)۔

یعنی اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ: "اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي و رضيت لكم الإسلام دينا"...(سورة المائدة: ۳)

(یعنی آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تمام نعمت کردیا اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کرلیا)۔

ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا گیا: ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله و خاتم النبيين...(سورة الاحزاب: ۴۰) (محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں)۔

غار حرا میں پہلی وحی، پہلے پیغام رب العالمین "اقراء بأسم ربك الذى خلق" (سورة العلق: ۱) کے ساتھ ہی آخری شریعت، حتمی دین، خاتم الادیان "اسلام"، خاتم الکتب والصحائف "القرآن" اور خاتم النبیین "محمد رسول اللہ" کا اعلان عام ہوگیا۔ اب کسی کو یہ گنجائش نہیں کہ اس دین سے اعراض کر کے کسی دوسرے دین پر چلے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کو چھوڑ کسی اور شریعت یا طریقہ کو اختیار کرنے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے اللہ کے آخری واکمل واتم کلام "قرآن" سے گریز کرتے ہوئے کسی دوسرے انسانی کلام کے الہامی ہونے کا عقیدہ رکھے اور اس کی تلاوت کرے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لایا ہوا دین خاتم الادیان ہے، پہلے کے تمام ساوی ادیان کو منسوخ کردیا ہے، آپ پر نازل کردہ کتاب "القرآن" ناسخ ہے اور اس کی تنزیل نے پچھلی تمام الہامی وآسمانی کتب وصحائف کو منسوخ کردیا ہے۔

اب دور نبوی، عہد رسالت کے بعد کسی بھی طرح کا کوئی مذہب جو اس سے سرے سے مؤانحراف کرتا ہو یا جزوی اختلاف رکھتا ہو؛ قابل قبول نہیں ہے۔ اب اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ قرآن (ودیگر آسمانی کتب) کے علاوہ کسی اور کتاب کو الہامی کتاب کا درجہ دیں، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور کو خدا کا اوتار، خدا کا فرستادہ مانیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں کہ ختم نبوت یعنی ذات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر قسم کی نبوت کا ختم ہوجانا امت کا اجماعی عقیدہ ہے اور جو اجراء نبوت کا اب بھی قائل ہے، اہل تحقیق نے تصریح کردی ہے کہ وہ اجماع امت سے زندیق، بلکہ مرتد ہے...... (تفسیر ماجدی)۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لانبی بعدی. . ." (الحدیث) (یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں)۔

اب اگر کوئی رسول اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دنیا سے رحلت کرجانے کے بعد نبوت کا دعویٰ کرتا ہے یا اگر کوئی فرد یا جماعت کسی اور کو نبی مانتا ہے یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں شریک مانتا ہے تو ایسی صورت میں وہ زندیق ہے، مرتد ہے، کفار میں اس کا شمار ہے۔

کما فی شرح فقہ اکبر: "دعوى النبوة بعد نبينا ﷺ كفر بالإجماع" . . . (شرح فقہ اکبر ۲۰۲)۔

بابی اور بہائی مذہب کا حکم:

بابی مذہب کا بانی سید علی محمد اور لقب "باب اللہ" تھا، اسی لقب کی وجہ سے اس کے مذہب کا نام بابیہ ہوا۔ ۱۸۴۱ء میں باب نے ایک نئے دین کی بنیاد رکھی، باب نے پیغمبری کا دعویٰ کیا، اس نے اپنے ماننے والوں کو نئی شریعت دی۔ پھر یہی مذہب باب کے مرنے کے بعد بہائی مذہب بن گیا اور یہ بہاء اللہ کی نسبت سے بہائیہ کہلایا، باب کی طرح بہاء نے بھی نبی ورسول ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور انہی عقائد کا پرچار کیا جن کو باب نے اپنے دور

میں بابیہ کے نام سے کیا تھا۔ یعنی بابیہ اور بہائیہ یہ دونوں ایک ہی مذہب ہیں، ایک دوسرے کے عقائد بھی قریب قریب وہی ہیں۔ بابیہ کی شروعات 1844ء میں ایران سے ہوئی، پہلے یہ مذہب بابیہ کے نام سے مشہور ہوا پھر باب کے بعد یہ بہائیہ مذہب بن گیا۔

البابية أو البهائية فرقة ضالة كافرة انبثقت من الشيعة الاثنى عشرية (الرافضة)... (الموجز فى الاديان و المذاهب المعاصرة لناصر القفارى و ناصر العقل، ص:١٥٦)... فهى حركة، نبعث من المذهب الشيعى الشيخى سنة ١٢٦٠ھ م١٨٤٤ء تحت رعاية الاستعمار الروسى و اليهودية العالمية والاستعمار الانجليزى بهدف افساد العقيدة الاسلامية و تفكيك وحدة المسلمين وصرفهم عن قضاياهم الأساسية... (الموسوعة الميسرة)... وموطنها الاول ايران و سميت بالبابية نسبة لأول زعيم لها و الذى لقب نفسه بالباب و سميت بالبهائية نسبة لزعيمها الثانى والذى لقب نفسه بهاء الله۔ وقد ادعى كل من الباب و البهاء النبوة و الرسالة ثم زعم كل واحد منهما ان الله قد حل فيه تعالى الله عما يقولون علوًا كبيرا'' ...(الموجز فى الأديان و المذاهب المعاصرة لناصر القفارى وناصر العقل، ص:١٥٦)... (موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام ٩/ ٤٣٦، موبائيل ايپلى كيشن'' المكتبة الشاملة'')۔

''موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام'' میں بابیہ کے عقائد کی تفصیل میں لکھا ہے:

أولا: عقيدة البابية: قد اسفرت الديانة البابية عن إنكار القيامة و ماجاء فى وصفها فى القرآن الكريم و زعم أنها قيام الروح الإلهية فى مظهر بشرى جديد، وأن البعث هوالإيمان بألوهية هذا المظهر. و عن لقاء الله يوم القيامة، بأنه لقاء الباب؛ لأنه هو الله. و عن الجنة بأنها الفرح الذى يجده الشخص عند ما يؤمن بالباب و عن النار بأنها الحرمان من معرفة الله فى تجلياته فى مظاهره البشرية. و زعم أنه البرزخ المذكور فى القرآن. لأنه كان بين موسى و عيسى. كما أنه خرج عن تعاليم الإمامية الأثنى عشرة حول مفهوم الرجعة: حيث بينها بأنها رجوع الصفات الإلهية و تجليها مع آثارها فى مظهر جديد للحقيقة الإلهية ...(فرق معاصرة لغالب عواجى:٢/ ٦٥٥)۔

آگے لکھا ہے:'' و من خبال زعيمهم الاول دعواه فى تفسيره لسورة يوسف أنه أفضل من رسول الله ﷺ و علل هذا الكلام بما لايفهمه، إلا من يفهم لغة المبرسمين إذا قال: (لان مقامه (الباب) مقام النقطة و مقام النبى ﷺ مقام (الف)۔ وقال: (كما أن محمدا من عيسى فكتابه (البيان) أفضل من القرآن)۔: وقال: (ان امر النه فى حقى أعجب من أمر محمد رسول الله من قبل لو كنتم تتفكرون)... رسائل الاصلاح لمحمد الخضر حسين. ٢/ ١٩٠ ... (موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام۔ الدرر السنية، ٩/ ٣٦٣، موبائيل ايپلى كيشن المكتبة الشاملة)۔

اس عبارت سے پتہ چلا کہ باب نے ایک تو خدائی کا دعویٰ کیا اور دوسری طرف نبوت کے ساتھ ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ سے افضل ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے۔

بابیہ کا ایک اور عقیدہ ہے کہ باب کی لائی ہوئی شریعت ناسخ ہے اور قرآن کا بدل، قرآن کا ناسخ اس کی کتاب البیان ہے۔ چنانچہ ''موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام'' میں لکھا ہے کہ: ولما كان الباب يزعم انه جاء ناسخا. فإنه ولابد و أن يضمن كتابه (البيان) بديلا عن الإسلام فى عباداته و شرائعه و غير ذلك و هكذا سولت له نفسه، فمن تشريعاته أنه نسخ الصلاة بصلاة جديدة تصلى عند الزوال و يقول فى ذلك: (رفع عنكم الصلوات كلهن إلا من زوال تسعة عشر ركعة واحدا واحدا بقيام و قنوت و قعود لكم لعلكم يوم القيامة بين يدى تقومون ثم تسجدون ثم تقنتون و تقعدون)(١)۔ ثم نسخ صلاة الجماعة و أباح الحضور الى المساجد و الجلوس على كراسى فقال: أنتم بالجماعة لاتصلون و لكنكم تحضرون المساجد، و أنتم على الكرسى بما يحبه الله تذكرون و توعظون(٢)...(عقيدة ختم النبوة بالنبوة المحمدية٣٩لأحمد بن سعد الغامدى، ص٢١٠ (موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام۔ الدرر السنية، ٩/ ٣٦٣، موبائيل ايپلى كيشن المكتبة الشاملة)۔

باب نے پنج وقتہ نمازوں، نماز جمعہ کو، نیز باجماعت نماز کو منسوخ کر دیا اور غسل جنابت کو غیر واجب قرار دیا۔ نیز اس فرقہ کا قبلہ کعبۃ اللہ نہیں، بلکہ

شیراز کا وہ گھر ہے جس میں باب کی ولادت ہوئی، وہ نماز اسی گھر کی طرف رخ کر کے ادا کرتے ہیں، زندگی میں ایک بار حج فرض ہے اور وہ حج اسی شیراز میں موجود باب کے گھر کی زیارت کو کہتے ہیں۔ ان کا رمضان انیس دن کا ہوتا ہے، اور انیس روزے ان پر واجب ہیں، روزہ کا وقت شروق شمس سے اس کے غروب تک ہے۔ روزہ کے مہینہ کو وہ شہر العلاء کہتے ہیں۔

كما فى الموسوعة الفرق المنتسبة: الغى الصلوات الخمس وصلاة الجمعة و صلاة الجماعة الا فى الجنازة، و قرر أن الطهر من الجنابة غير واجب، وإن القبلة هى البيت الذى ولد فيه بشيراز، ومكان سجنه والبيوت التى عاش فيها هو و اتباعه، وهى نفس الأماكن التى فرض على اتباعه الحج إليها، و أما الصوم فهو تسعة عشر يوماً، يصوم الشخص فيه من شروق الشمس الى غروبها... فرق معاصرة لغالب عواجى: ۲/ ۶۵۵...

فقد أمر بصيام تسعة عشر يوما من كل سنة وهو عندهم شهر و يسميه شهر العلاء يقول فى ذلك، ثم الثامن من بعد العشر انتم فى كل حول شهر العلاء لتصومون، و قبل أن يكمل المرء احدى عشرة سنة من حين ما ينعقد نطفته أن يريدون أن حين الزوال ليصومون(۳)... (عقيدة ختم النبوة بالنبوة المحمدية لأحمد بن سعد الغامدى، ص ۲۱۰ (موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام - الدرر السنية، ۹/ ۳۶۴، موبائل ایپلی کیشن المکتبة الشاملة)۔

ان کے علاوہ اور بھی ان کے ایسے عقائد ہیں جو عام اسلامی عقائد سے ہٹ کر ہیں جن کی تفصیل "موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام، مجموعة من الباحثين باشراف الشيخ علوى بن عبدالقادر السقاف، الباب الثالث عشر: الباطنية و فرقها، الفصل التاسع: البابية و البهائية، المبحث الرابع: عقائد البابية و البهائية، المطلب الاول: اهم عقائد البابية..." (موبائل ایپلی کیشن المکتبة الشاملة") میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

چنانچہ ان کے یہ تمام عقائد عقائد اہل سنت والجماعت سے ہٹ کر ہیں، اور ان عقائد سے بابیہ جماعت پر کفر و شرک، نیز اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی اور تنقیص ثابت ہوتی ہے کہ ایک طرف یہ خدائی کا دعوی دار ہے تو دوسری طرف نبوت اور فضیلت علی النبی ﷺ کا دعوی دار، نیز قیامت، حشر و نشر، حساب و کتاب کا بھی یہ فرقہ منکر ہے، اور تو اور یہ قرآن کو منسوخ قرار دے کر اپنی کتاب البیان کو ناسخ قرار دیتا ہے، اعمال صالحہ وعبادات کا بھی یہ منکر ہے، انہی گمراہ وضال عقائد کی وجہ سے یہ فرقہ زندیق ومرتد ہے اور کھلے کفر کا مرتکب ہے، لہٰذا اس کو اہل کتاب میں شمار کرنا تو بہت دور کی بات ہے، اس کا تصور بھی دینی اور شرعی لحاظ سے جرم عظیم ہے۔

كما فى شرح فقه اكبر: "دعوى النبوة بعد نبينا ﷺ كفر بالإجماع"... (شرح فقه اكبر/ ص ۲۰۲)۔

بہائی مذہب کا حکم:

بہائی مذہب ایک رسول اکرم ﷺ کے بعد وجود میں آنے والا مذہب ہے جو سراسر گمراہی وضلالت پر مبنی ہے۔ اس کا بانی مرزا حسین علی بہاء ہے جس کا تعلق مازندان، ایران کے ایک گاؤں سے ہے۔ چنانچہ بہائی مذہب ایک الگ ہی مذہب ہے اس کا تعلق کہیں سے بھی نہ تو اسلام سے ہوتا ہے اور نہ ہی اہل کتاب کے اعتقادات سے جڑتا ہے۔

بابیہ مذہب ہی کی یہ دوسری کڑی بہائیہ مذہب ہے۔ فرق باطنیہ میں سے ایک یہ فرقہ عقائد کے اعتبار سے خبیث فرقہ ہے جو اسلامی عقائد اور اسلامی تہذیب وتشخص کو ختم کرنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ چونکہ بابیہ مذہب کے حکم میں تفصیلاً اس کی تعریف اور عقائد کا ذکر کر دیا گیا ہے یہاں بہائیہ کے حکم کے سلسلہ میں دوبارہ تکرار یا تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ بہائیہ اور بابیہ دونوں ایک ہی مذہب ہے۔

چنانچہ موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام میں لکھا ہے:

"البهائية إحدى الفرق الباطنية الخبيثة التى حاولت بدم الإسلام واخراج اهله منه باساليب و طرق شتى قديماً و حديثًا... والواقع ان البابية و البهائية و الشيخية و الرشتية حلقات متصلة بعضها بالبعض الأخر و تعتبر الشيخة و الرشتية بما النواة الأولى للبابية، كما تعتبر البابية هى الدرجة الأولى للبهائية..." (فرق معاصرة لغالب

عواجی: ۲/ ۶۶۳)...(موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام ۹ / ۴۳۷)۔

گگن کے مذاہب عالم نمبر میں لکھا ہے کہ: دین بہائی میں کل تین نمازیں ہیں، تین میں سے کسی ایک کا پڑھنا فرض ہے۔ پہلی نماز جو دن رات میں کسی بھی وقت میں پڑھی جاسکتی ہے''بڑی نماز'' کہلاتی ہے، دوسری نماز درمیانی نماز ہے جو تین مختلف اوقات (صبح دوپہر شام) میں سے کسی ایک وقت پڑھی جاسکتی ہے، تیسری نماز کو چھوٹی نماز کہا جاتا ہے وہ چاشت کے وقت سے غروب آفتاب کے وقت تک ادا کی جاسکتی ہے۔ نماز سے پہلے ہاتھ منہ کا دھونا ضروری ہے جس کو وہ وضو کہتے ہیں اور اس کی دعا بھی پڑھی جاتی ہے۔ نماز بہاء اللہ کی قبر (واقع حیفۃ اسرائیل) کی طرف منہ کر کے پڑھی جاتی ہے جو بہائیوں کا قبلہ ہے، نماز ستر برس بعد معاف ہے۔ بہائی کا رمضان ۱۹ دن کا ہوتا ہے جو بہائی سال کا آخری ماہ''شہر العلاء'' ہوتا ہے۔ مقام حج بیت مبارک بہاء اللہ بغداد میں اور بیت مبارک باب اللہ شیراز میں ہیں، زندگی میں ایک بار ان میں ایک مقام پر جانا فرض ہے (ماہنامہ''گگن'' مذاہب عالم نمبر، مارچ ۱۹۸۴ء، ص ۲۲۴) (بہائیہ وبابیہ فرقوں کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام۔ الدرر السنية، ۹/ ۶۴ ۴۴، موبائیل ایپلی کیشن المکتبۃ الشاملۃ)۔

اوپر کی اس عبارت سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ بہائی مذہب کی بنیاد بہاء اللہ کے نظریات وقوانین ہیں نہ کہ اسلامی شریعت جو کہ اکمل الشرائع ہے۔ لہٰذا شریعت اسلامی سے سرے سے انحراف اور عقیدۂ ختم نبوت سے گریز کی وجہ سے یہ فرقہ''کفر وشرک'' کے دائرہ میں آتا ہے، لہٰذا ان کو اہل کتاب میں شامل کرنا اور ان کو اہل کتاب کی مراعات دینے کی گنجائش نہیں ہے۔

سکھ مذہب کا حکم:

سکھ مذہب کی بنیاد''گرونانک'' نامی شخص نے پندرہویں صدی عیسوی کے اواخر میں رکھی، کہا جاتا ہے کہ اس کی بنیاد سے پہلے یہ ہندو مذہب پر تھا، ایک قول یہ بھی ہے کہ گرونانک مسلمان تھا۔ مگر سکھ ازم نہ ہندومت کو شمار ہے اور نہ ہی اسلام سے اس کا کوئی تعلق، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ازم انگریزوں کی چالبازی خصوصاً اسلام دشمن طاقتوں کی سازش سے وجود میں آیا، تاکہ اسلامی عقائد واسلامی تاریخ میں خلل ڈالا جاسکے اور اسلام کو کمزور کیا جاسکے۔ سکھ یہ سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی مرید یا تابع ہونے کے آتے ہیں، اس لفظ کے ایک معنی سید یا فارق کے بھی بیان کئے گئے ہیں، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مذہب کی بنیاد ہندوستان کو تفریق میں ڈالنے اور اس کو توڑ کر ایک الگ ریاست بنانے کے لئے ڈالی گئی۔

''موسوعة الملل والأديان میں الموسوعة الميسرة للندوة العالمية للشباب الاسلامی'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ

''السيخ جماعة دينية من الهنود الذين ظهروا في نهاية القرن الخامس عشر، وبداية القرن السادس عشر الميلاديين، داعين الى دين جديد، زعموا أن فيه شيئًا من الديانتين الاسلامية و الهندوسية، تحت شعار (لا هندوس ولا مسلمون)، وقد عادى المسلمين خلال تاريخهم، و بشكل عنيف، كما عادى الهندوس بهدف الحصول على وطن خاص بهم، و ذلك مع الاحتفاظ بالولاء الشديد للبريطانيين خلال فترة استعمار الهند۔ وكلمة شيخ كلمة سنسكريتية تعني المريد أو التابع''...(موسوعة الملل والاديان، المبحث الخامس: السيخية، ۲/ ۱۳۴)۔

نانک کا کاشتری طبقہ سے تعلق تھا، سکھ ازم کی ابتداء سے پہلے ان کا تعلق ہندومت ہی کے ایک فرقہ سے تھا، فطرت غور وفکر کرنے کی عادی تھی، اپنے اعتقادات واعمال پر غور کیا، تسلی نہ ہوئی، ہندومت کی بتوں اور اصنام کی پرستش کی عادت سے بیزاری ہوئی پھر ارادہ کیا اسلام کی طرف مائل ہونے اور اس کی تعلیم کے حصول کا، مگر اس وقت پنجاب میں اکثر مسلم طبقات میں اصل اسلامی عقائد کے ساتھ ساتھ ان میں غیر اسلامی رسوم ورواج کی آمیزش تھی، اس کو دیکھ کر نانک اسلام کی سچی تعلیم کو حاصل کرنے، اصل دین کو سمجھنے کی تلاش کرتے کرتے صوفیاء کرام میں وحدۃ الوجود کے عقیدے کے داعی سید حسین درویش سے ملاقات کی اور ان سے سیکھا کہ تمام ادیان حق ہیں، رہے اصنام؛ یہ تو حق کے مظاہر وتجلیات ہیں، جس نے ان کی عبادت کی گویا کہ اس نے حقیقت میں اللہ کی عبادت کی، نانک نے اسی عقیدے کو اپنایا اور لوگوں میں اس کا پرچار کرنا شروع کیا، جو نہ تو ہندومت سے تعلق رکھتا ہے اور نہ ہی اسلام سے اس کا کوئی رشتہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نانک نے حج کے ارادہ سے مکہ کا سفر بھی کیا۔

جیسا کہ''موسوعة الملل والادیان'' میں ہے:

''السیخیة دین هندوسی ظهر فی القرن التاسع الهجری (الخامس عشر المیلادی) علی ید رجل یدعی (نانك).
أصله من طبقة الكاشتریا، قفی صدرا من حیاته فی التأمل و التفكر، و رفضت فطرته عبادة الأصنام و التماثیل التی
تكثر عن الهندوس، كما رفضت نظام الطبقات المقیت، فأخذ یسیح فی الأرض باحثا عن الحقیقة، و أراد أن یتعلم
الاسلام، ولكن المسلمین فی بلاده (البنجاب) كانوا یعبدون الاولیاء، و یقدسون الأضرحة، كما یفعل
الهندوس بالأصنام. فلم یجد (نانك) فرقا كبیرًا بین الطائفتین، ولم یوفق لمقابلة من یعلمه الاسلام الصحیح۔ ثم
انه لقی صوفیا من أصحاب وحدة الوجود یدعیٰ (سید حسین درویش) فتعلم منه أن الأدیان كلها حق؛ لأن
الأصنام ما ہی إلا مظاہر و تجلیات للحق، ومن عبدها فإنما یعبد الله فی الحقیقة، تعالى الله عن ذلك علوًا
كبیرًا'' (موسوعة الملل والادیان، البحث الخامس، السیخیة ۲/ ۱۳۴)۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: أصول الفرق و المذاهب الفكریة
لسفر الحوالی صفحه۱۱۱، موسوعة الملل و الادیان، البحث الخامس: السیخیة ۲/ ۱۳۴)۔

بہرکیف! سکھ ازم؛ ادیان باطلہ میں سے ایک مذہب ہے، اس کے عقائد خالصتاً غیر اسلامی ہیں، اور ان کی بنیاد ہی شرک پر مبنی ہے۔ اسی بناء پر اس مذہب کے معتقدات اہل کتاب سے بھی بالکل ہٹ کر ہیں، نہ ہی ان کا اعتقاد کسی نبی پر ہے اور نہ ہی یہ کسی الہامی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، بلکہ ان کے یہاں جو مقدس کتاب ہے وہ ''آدی گرنتھ'' نامی کتاب ہے جس کو سکھوں ہی کے پانچویں گرو ارجن دیو نے پچھلے چار گروؤں کی تحریروں اور دیگر سنتوں کی تصانیف کے ساتھ اپنے کلام کو بھی شامل کر کے ۱۶۰۴ء میں لکھی تھی۔ یہ کتاب مستقل طور پر گولڈن ٹمپل میں رکھ دی گئی ہے۔ آدی گرنتھ میں سنسکرت، پراکرت، فارسی، عربی اور مراٹھی سے الفاظ لئے گئے ہیں۔ یہ اس وقت کے مروج مختلف اصناف سخن مثلاً ساکھی، پد اور سویوں کے انداز میں ہے۔ آدی گرنتھ کے مصرعوں کو ''شبد'' کہا جاتا ہے، اس کا موجودہ نسخہ طبع شدہ شکل میں ہے جو ۱۴۳۰ صفحات پر ہے، جس کو ۱۳۳ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کا پہلا باب نانک کا تصنیف کردہ ''جپ جی'' سے شروع ہوتا ہے جس کو سکھ حضرات روزانہ پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کا احترام سکھوں کے ایمانیات میں داخل ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: مطالعہ مذاہب؛ محسن عثمانی/ ص ۱۴۱)۔

سکھوں کا یہ عقیدہ اور اس جیسے ان کے دوسرے عقائد و تعلیمات کی وجہ سے ان کو اہل کتاب میں شامل نہیں کیا جاسکتا اور ان کے ان عقائد کی وجہ سے انہیں مشرک و کفار میں شمار کیا جاتا ہے اور کہا جائے گا۔

قادیانی مذہب کا حکم:

اسلام کے دو اہم بنیادیں ہیں: ایک توحید اور دوسرا عقیدۂ ختم نبوت؛ ان دونوں میں سے اگر ایک بنیاد بھی ختم ہوجائے تو پھر اس فرد یا جماعت کا ایمان غیر معتبر ہے۔ چنانچہ شریعت نے ان دو بنیادوں کو، عقیدۂ توحید و عقیدۂ ختم نبوت و رسالت کو خاص الخاص اہمیت دی ہے، ہر نظریہ، ہر فکر، ہر اعتقاد، ہر سوچ کا اعتبار انہی دو بنیادوں کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کسی فرد کا اگر عقیدۂ توحید و عقیدۂ ختم نبوت و رسالت مضبوط، راسخ اور مکمل رہا تو پھر اس کا سارا دین و ایمان معتبر قرار دیا جائے گا۔ اب شریعت نے جس انداز میں ان بنیادوں کی حفاظت کی ہے، ان کو منہدم کرنے کے لئے اسلام دشمن طاقتوں نے بڑا زور شروع ہی سے لگایا ہے۔ دشمنان اسلام نے ایک طرف اپنی توانائی ان دو بنیادوں کو ختم کرنے، ان عقیدوں کو مجروح کرنے میں لگادی تو دوسری طرف اپنے کارندوں کو جو مسلمان اور اسلام نوازوں کے بھیس میں ہوتے ہیں؛ استعمال کیا اور مسلمانوں کے دین و ایمان کو متزلزل کرنے کی کوشش کی۔ انہی سازشوں میں سے ایک سازش ''قادیانیت'' ہے جو نبوت و رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش ہے۔ ختم نبوت کا انکار درحقیقت دین اسلام کا صریح انکار ہے۔

ایک طرف مرزا قادیانی نے اسلام کے مسلم معتقدات کو توڑنے کی کوشش کی تو دوسری طرف اپنے ناپاک مفاد کے حصول کے لئے اسلام کی توہین اور اہانت جیسے جرم کا ارتکاب کیا اور خود بھی ایک گندہ و ناپاک مذاق بن کر رہ گیا۔

چنانچہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنے رسالے ''قادیانیت کا ظہور'' میں ڈاکٹر علامہ اقبال کے مقالے کا اقتباس پیش فرماتے ہیں کہ: علامہ اقبال نے یہ حکیمانہ و مبصرانہ بات کہی ہے کہ ''دین و شریعت کی بقاء تو کتاب و سنت سے ہے، لیکن امت کی بقاء ختم نبوت کے عقیدے سے وابستہ ہے

اور یہ امت جب ہی تک ایک امت ہے جب تک وہ محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین مانتی ہے اور یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں''...... {علامہ محمد اقبال کا مقالہ ''اسلام اینڈ احمد ازم'' بجواب مضمون پنڈت جواہر لال نہرو ملاحظہ ہو} (قادیانیت کا ظہور، ۱۱)۔

اس نامعقول وملعون فرقہ کے معتقدات کی وضاحت ''موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام'' میں ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''يعتقد القاديانيون ان الله يصوم و يصلي و ينام و يصحو و يكتب و يخطئي و يجامع۔ تعالى الله عما يقولون علوًا كبيرًا۔ يعتقد القادياني بأن الهه انجليزي لانه يخاطبه بالانجليزية!!!... تعتقد القاديانية بان النبوة لم تختم بمحمد ﷺ بل هي جارية، والله يرسل الرسول حسب الضرورة، وان غلام احمد هو افضل الانبياء جميعًا... يعتقدون أن جبرئيل عليه السلام كان ينزل على غلام احمد و انه كان يوحى اليه، وان الهاماته كالقرآن ... الخ...'' (موسوعة الفرق المنتسبة للاسلام، ۱۰/۹۸، موبائیل ایپلی کیشن'' المكتبة الشاملة'')۔

جو جماعت یا شخص اللہ رب العزت کے بارے میں اس طرح کے غلیظ اعتقاد رکھے اس کو ذہنی اعتبار سے صحیح سالم انسانوں کی فہرست میں بھی نہیں رکھا جاسکتا، اسی لئے علماء اسلام نے مرزا قادیانی اور قادیانیوں کو کذاب، فاسق، زندیق و مرتد اور خارج اسلام قرار دیا ہے۔ اس اعتبار سے اس فرقہ کو اہل کتاب میں شمار کئے جانے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۵-نسلی قادیانی کیا اہل کتاب میں شامل ہیں؟

پچھلے عنوان کے تحت گزری ہوئی تفصیل کی روشنی میں نسلی اعتبار سے جو قادیانی ہیں ان کا بھی وہی حکم ہے جو فی نفسہ قادیانی بن کر مرتد ہوئے ہیں۔ اس خبیث وقبیح فرقہ کے مذموم عقائد کا وبال ہر اس شخص پر ہے جو کسی بھی طرح سے اس فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، چنانچہ جو خود مرتد نہیں ہوئے، بلکہ نسلی اعتبار سے قادیانی ہیں، وہ پہلی فرصت میں تائب ہو کر اسلام کی آغوش میں پہونچ جائیں تا کہ ان کی آخرت بہتر ہو۔ ایسے افراد جو نسلاً قادیانی ہیں، کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اہل کتاب کا مراد کسی بھی آسمانی والہامی کتاب کے حاملین ہیں نہ کہ قرآن کے مقابل اپنے ذہنی اپج یا دماغی فتور کے نتیجہ میں نکلنے والے بے سروپا، بے کار وعبث الفاظ وجملوں کے مجموعہ پر ایمان رکھنے والے۔ قادیانیوں کے یہاں بجائے قرآن کے تاویلات قرآن کو درجہ دیا گیا ہے اور بجائے حدیث رسول اکرم ﷺ کے مرزا کے بے بنیاد وجھوٹے دعووں کا مقام ہے، جیسا کہ مرزا بشیر ملعون کے بیان سے واضح ہے، وہ اس کو مرزا غلام کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں، آپ نے فرمایا: یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا چند مسائل میں ہے، اللہ کی ذات، رسول کریم ﷺ، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک جزء میں ہمیں ان سے اختلاف ہے (قادیانیت تحلیل وتجزیہ مولانا ابوالحسن علی ندوی بحوالہ خطبہ جمعہ مرزا بشیر الدین محمود مندرجہ اخبار الفضل مورخہ ۳/ جولائی ۱۹۳۱ء)۔

۶-اہل کتاب عورتوں سے نکاح:

نکاح کے سلسلہ میں شریعت نے غیر مسلم مرد یا عورت سے نکاح کی اجازت نہیں دی ہے۔

ارشاد باری ہوتا ہے: ''ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن و لأمة مؤمنة خير من مشركة ولو أعجبتكم، ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا ولعبد مؤمن خير من مشرك ولو أعجبكم''... (سورۃ البقرۃ: ۲۲۱)

(یعنی اور نکاح نہ کرو مشرک عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجائیں، اور مسلمان عورت خواہ لونڈی ہی کیوں نہ ہو بہتر ہے مشرک عورت سے، اگر چہ کہ وہ تم کو اچھی کیوں نہ لگے، اور عورتوں کو مشرک مرد کے نکاح میں مت دو، جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجائیں اور مسلمان غلام مرد بہتر ہے مشرک مرد سے گو وہ تم کو اچھے کیوں نہ معلوم ہوں)۔

البتہ اہل کتاب عورتوں کے سلسلہ میں مسلمان مرد کو شریعت نے نکاح کی اجازت دی ہے اور اس پر تمام فقہاء وآئمہ کا اتفاق ہے۔ لیکن مسلمان عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی اہل کتاب مرد سے کسی بھی حال میں نکاح کرے۔ مسلمان عورتیں غیر مسلم مردوں کے لئے حرام ہیں۔ جب کہ مسلمان مرد کے لئے غیر مسلم اہل کتاب عورتیں حلال قرار دی ہیں۔

چنانچہ اہل کتاب عورتوں کے سلسلہ میں قرآن میں ارشاد ہوا: "والمُحصنٰتُ مِن الذين أوتوا الكتابَ من قبلكُم" ...... (سورۃ المائدۃ: ۵) (اوران کی پاک دامن عورتوں سے جن کوتم سے قبل کتاب مل چکی ہے)۔

علامہ ابن عابدین نے سنن ابوداؤد کی روایت کوذکر کیا چنانچہ لکھا ہے: "وهي ما رواه جابر بن عبدالله عن رسول الله ﷺ أنه قال: نتزوج نساء أهل الكتاب ولا يتزوجون نساء نا" ... (ابوداؤد فی سننہ ۲/ ۵۹)۔

وعن عبدالرزاق و ابن جرير عن عمر بن الخطاب قال: " المسلم يتزوج النصرانية، ولا يتزوج النصراني المسلمة" ... (ردالمحتار ۴/ ۱۳۹)۔... وفي الدرالمختار: (وصح نكاح كتابية) وان كره تنزيهًا (مومنة بنبي) مرسل (مقرة بكتاب) منزل وان اعتقدوا المسيح الهًا ... (ردالمحتار علی الدرالمختار ۴/ ۱۳۴)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ فرماتے ہیں: "وقد أجمع العلماء على إباحة الزواج بالكتابيات، لقوله تعالى: اليوم أحل لكم الطيبات، وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم، و طعامكم حل لهم. و المحصنات من المؤمنات. والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم} و المراد بالمحصنات في الآية: العفائف، و يقصد ها حمل الناس على التزوج بالعفائف، لما فيه من تحقيق الود و الألفة بين الزوجين، و إشاعة السكون و الاطمئنان..." (الفقہ الاسلامی و ادلتہ ۷/ ۱۵۳)۔

اہل کتاب عورتوں سے جمہور فقہاء نے نکاح کومباح قرار دیا ہے، دارالاسلام میں اہل کتاب عورتوں سے نکاح عند الفقہاء بالاتفاق جائز ہے۔ بشرطیکہ اہل کتاب اپنے عقائد پر ہوں، یعنی ایک خدا کے وجود کا اقرار، نبوت ووحی اور یوم آخرت کا اعتقاد رکھتے ہوں۔

اہل کتاب سے مراد وہ یہودی وعیسائی ہیں جو ایک خدا کے وجود کا عقیدہ رکھتے ہوں، نبوت اور وحی کا اقرار کرتے ہوں اور حشر ونشر، حساب و کتاب، نیکی و جرم، سزا وجزا، جنت ودوزخ کا تصور رکھتے ہیں۔ ایسی عقائد کی حامل یہودی وعیسائی عورت سے نکاح جائز ہے۔

اس جواز کی تفصیل یہ ہے کہ دارالاسلام میں اس اہل کتاب عورت سے نکاح مکروہ تنزیہی ہوگا جو تثلیث یا حضرت عزیز علیہ السلام کے اللہ کے بیٹا ہونے کا عقیدہ رکھتی ہو۔

چنانچہ قرآن میں آیا ہے کہ: "وقالت اليهود عزيز ابن الله" ...... (سورۃ التوبۃ: ۳۰) (یعنی یہود کہتے ہیں کہ عزیز اللہ کے بیٹے ہیں)۔

شامی میں ہے: " يفيد كراهة التنزيه في غير الحربية" ... (ردالمحتار ۴/ ۱۳۴)۔

اہل کتاب کی عورتوں سے بہ مقابلہ مشرک عورت سے نکاح کی اجازت ونکاح کو مباح قرار دینے کا سبب یہ ہے کہ اہل کتاب اپنے عقائد، وحدانیت، نبوت ووحی اور عقیدۂ آخرت کی وجہ سے اسلام سے ایک درجہ مناسبت رکھتی ہے۔ اس کے اعمال میں شرک وبدعات جیسی قباحتیں شامل نہیں ہوا کرتی، نیز اس سے اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ آگے چل کر شوہر کی اطاعت اور اس کی محبت میں اسلام کو گلے لگالے جس سے ان کی اولاد دین اسلام پر رہے گی یا کم از کم خود نہیں تو اپنی اولاد کو اسلام کی ترغیب دے سکے۔ اس کے بالعکس مشرکہ عورت سے نکاح میں ایک طرف اعتقادی قباحتیں موجود ہوتی ہیں اور دوسری طرف ان سے آگے اسلام کے سلسلہ میں کوئی امید ہی نہیں رکھی جاسکتی۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں: "والسبب في إباحة الزواج بالكتابية بعكس المشركة: هو أنها تلتقي مع المسلم في الإيمان ببعض المبادئ الأساسية، من الاعتراف بإله، والإيمان بالرسل و باليوم الآخر، وما فيه من حساب و عقاب، فوجود نواحي الالتقاء و جسور الاتصال على هذا الأسس يضمن توفير حياة زوجية مستقيمة غالبًا، و يرجى إسلامها؛ لأنها تؤمن بكتب الانبياء و الرسل في الجملة" ... (الفقہ الاسلامی و ادلتہ ۷/ ۱۵۳)۔

دارالکفر میں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کا جواز:

دارالکفر میں اہل کتاب عورتوں سے نکاح مکروہ تحریمی ہے۔ "المبسوط" میں لکھا ہے کہ:

"يجوز للمسلم أن يتزوج كتابية في دارالحرب، لكنه يكره، لأنه إذا تزوجها ثمة ربما يختار المقام فيهم ...... الخ" (المبسوط للسرخسی، ۵/ ۵۰، موبائیل ایپلی کیشن المکتبۃ الشاملۃ)۔

دار الکفر میں اگر اہل کتاب عورت جو کہ اسلامی احکام کی پابند نہیں ہے؛ سے نکاح جائز نہیں ہے، اور اگر نکاح کرلیا ہے تو مکروہ تحریمی ہے۔

کما فی الاحکام القرآن للجصاص ''یکرہ تزوج نساء أهل الحرب من الکتابیات''... (احکام القرآن ۱/ ۳۲)۔

اس کراہت تحریمی کی وجہ عورت کا اسلامی احکام کی پابند نہ ہونا، نیز اسلامی احکام کی پابند نہ ہونے کی وجہ سے معصیت میں گرفتار ہوجانا اور شوہرو اولاد کو بھی معصیت میں مبتلا کردینا ہے۔ نیز اسلامی مفادات کو نقصان وضرر سے دوچار کردینا وغیرہ ہے۔ کیونکہ دار الاسلام کی بہ نسبت دالکفر یا دار الحرب میں اعمال میں بے راہ روی، نیز غیر اسلامی ماحول وقوانین کی وجہ سے اہل کتاب عورتوں کے اسی ماحول میں رنگے جانے کا خدشہ قوی تر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ نے اس کی وضاحت کی ہے: ''أما الحربیة فیحرم تزوجها عند الحنفیة إذا کانت فی دار الحرب، لأن تزوجها فتح لباب الفتنة، وتکره عند الشافعیة، وعندالمالکیة فی رأی، والزواج بها خلاف الأولی عندالحنابلة۔ ففی الزواج بالکتابیات و بالأولی الحربیات مضار اجتماعیة و وطنیة و دینیة. فقد ینقلن لبلادهن أخبار المسلمین، وقد یرغبن الأولاد فی عقائد و عادات غیر المسلمین، و قد یؤدی الزواج بهن إلی الحاق ضرر بالمسلمات بالإعراض عنهن، وقد یکون الکتابیة منحرفة السلوك،... الخ''... (الفقہ الاسلامی و ادلتہ ۷/ ۱۵۴)۔

لیکن دار الکفر یا دار الحرب میں جس اہل کتاب عورت سے نکاح کیا جارہا ہو اگر اس کے بارے میں یہ اطمینان ہو کہ وہ معصیت میں گرفتار نہیں ہوگی، اسلامی احکام کی رعایت کرے گی اور یہ یقین مرد کو ہو کہ وہ آہستہ آہستہ اس اہل کتاب بیوی کو اسلام کی طرف مائل کرسکتا ہے تو ایسی صورت میں دار الکفر یا دار الحرب میں اس اہل کتاب عورت سے نکاح جائز ہے۔

بلکہ احقر کی رائے میں اگر مرد کو یہ اطمینان ویقین ہو کہ وہ دار الکفر یا دار الحرب میں اس اہل کتاب عورت کو بعد نکاح کے مائل بہ اسلام کرسکتا ہے اور اسلام میں اس کو داخل کرسکتا ہے اور عورت کے اخلاق ایسے ہیں کہ وہ اپنے اصل عقائد پر کاربند ہے تو ایسی صورت میں اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہوگا، بلکہ دعوتی نکتۂ نظر سے یہ ایک مستحسن امر ہوگا۔

دار الاسلام میں موجود اہلِ کتاب خواتین سے نکاح کا حکم؟

اہل کتاب؛ یعنی عیسائی عورت جو تثلیث کا عقیدہ رکھتی ہو یا یہودیہ جو حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتی ہو، لیکن وہ پاک دامن، باعفت وباعصمت ہو اور دار الاسلام میں ہو تو اس سے نکاح مکروہ تنزیہی ہوگا۔

کما فی ردالمحتار: ''یفید کراهة التنزیه فی غیرالحربیة''... (ردالمحتار ۳/ ۴۵ کراچی)۔

عصر حاضر میں جو حضرات اہل کتاب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، درحقیقت ان کے عقائد ویسے نہیں ہیں جیسے اول اوائل کے اہل کتاب حضرات کے تھے، اب صرف نام کے یہودی، نام کے عیسائی ہیں جب کہ عقیدۃً وہ کفر وشرک میں مبتلاء ہیں۔ یعنی ایک خدا کے وجود سے انکار، نبوت و وحی سے انکار اور حشر ونشر، حساب وکتاب، نیکی وجرم، سزا وجزا، جنت ودوزخ کا تصور نہیں رکھتے۔ لہٰذا ایسی عیسائی یا یہودی عورتوں کا جو دار الاسلام میں رہتی ہوں؛ حکم یہ ہے کہ وہ مشرک وکفار کو شامل ہیں۔ ان سے نکاح جائز نہیں ہے، الا یہ کہ وہ اسلام قبول کرلیں یا اہل کتاب کے عقائد پہ آجائیں۔

اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ اگر کوئی یہودی یا عیسائی عورت اہل کتاب ہے، اور اپنے اصلی عقائد پر گامزن ہے تو قرآن کے حکم کی رو سے اس سے مسلمان مرد نکاح کرسکتا ہے۔ لیکن اگر وہ عیسائی یا یہودی عورت اپنے اصل اعتقادات پر نہیں ہے، بلکہ وہ خدا کے وجود کی منکر، نبوت و وحی و آخرت کی منکر ہے تو پھر وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہے۔ اس کو پہلے اسلام قبول کرایا جائے گا پھر بعد میں اس سے نکاح کیا جاسکتا ہے۔

دعوتی نکتۂ نظر سے اہل کتاب خواتین سے نکاح کا حکم:

دعوتی نکتۂ نظر سے اہل کتاب عورت سے نکاح کا جواز ہونا چاہئے، کیونکہ مسلمان امت وسط ہے، اس کا فریضہ ہے کہ وہ اسلام کی دعوت پیش کرے؛ اب اگر کوئی اہل کتاب اسلام سے متاثر ہو اور وہ اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہوں تو ان کا سب سے بڑا مسئلہ بالخصوص عورتوں کا ان کی بازآبادکاری کا ہے، اگر وہ اپنے دین کو ترک کرتے ہیں تو پھر ان سے سب کچھ چھوٹ سکتا ہے، گھر، رشتہ دار وغیرہ، لہٰذا اب اگر ان کے لئے گھر اور اسی

طرح ان کے نکاح کا، رشتہ داری کے قائم ہونے کا امکان بلکہ ایقان ہوتو پھر وہ اسلام میں بخوشی داخل ہوں گے، لہٰذا اس نکتہ کے پیش نظر دار الکفر میں اہل کتاب عورت سے نکاح جائز ہے۔

''المبسوط'' میں لکھا ہے: ''یجوز للمسلم أن یتزوج کتابیة في دار الحرب، لکنه یکره، لأنه إذا تزوجها ثمة ربما یختار المقام فیهم...... الخ'' (المبسوط للسرخسی، ۵/۵۰، موبائیل ایپلی کیشن المکتبة الشاملة)۔

''ردالمحتار'' میں ہے: ''ففي الفتح: ویجوز تزوج الکتابیات، والأولیٰ أن لایفعل، ولا یأکل ذبیحتها إلا لضرورة، وتکره الکتابیة الحربیة إجماعًا''... (ردالمحتار شرح الدر المختار: ۴/۱۳۴)۔

دار الحرب میں اہل کتاب عورت سے نکاح کی ممانعت فتنہ کے خوف کی وجہ سے ہے اور شوہر کے دین و ایمان میں بگاڑ اور اولاد کے بے دین ہونے کے خدشہ کے پیش نظر ہے، اگر اس طرح کا کوئی خدشہ نہیں تو دار الحراب میں نکاح کیا جا سکتا ہے۔

ویزہ کی سہولت کے لئے اہل کتاب عورت سے نکاح:

آج کل مغربی ممالک میں ویزہ وغیرہ کے حصول کے لئے نکاح بھی ایک شرط ہے۔ یہ قانون شاید ملک کی سکیوریٹی کے لئے بنایا گیا ہو، مگر اسلامی اعتبار سے اس کا کوئی جواز موجود نہیں ہے۔ مگر جب یہ قوانین عالمی سطح پر بنا دیئے گئے ہیں تو مجبوراً ان کی پابندی ضروری ہے، لہٰذا ایسے نوجوان جو اپنا مستقبل سنوارنا چاہتے ہیں اگر انہیں یہ شرط پوری کرنے کے لئے کسی اہل کتاب لڑکی سے نکاح کی ضرورت پڑ رہی ہو تو ''عند الضرورة جواز'' سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ دار الحرب میں نکاح کر سکتا ہے، مگر اس سلسلہ میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ وہ اہل کتاب عیسائی یا یہودی عورت جس سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو، ایک خدا کے وجود کا عقیدہ رکھتی ہو، نبوت ووحی یعنی کسی نبی پر ایمان اور کسی الہامی و آسمانی مصدقہ و توثیق شدہ کتاب پر ایمان رکھتی ہو اور بعد الموت زندگی، حشر ونشر، حساب و کتاب، نیکی و جرم، سزا و جزا، جنت و دوزخ کا تصور رکھتی ہو تو اس سے نکاح جائز ہے، مگر کراہت پھر بھی رہتی ہے، البتہ وہ مکروہ تنزیہی ہے۔

اس سلسلہ میں بہتر یہی ہوگا کہ ملکی و عالمی سرحدوں کے قوانین کی رو سے ویزہ کی سہولت یا کوئی اور قابل قبول وجہ سے نکاح ضروری ہو تو کسی غیر مسلم (مشرکہ یا کتابیہ) عورت کو حلقۂ اسلام میں داخل کر لیں اور نکاح کریں (المبسوط للسرخسی، ۵/۵۰، موبائیل ایپلی کیشن المکتبة الشاملة)۔

''ففي الفتح: ویجوز تزوج الکتابیات، والاولیٰ أن لایفعل، ولا یأکل ذبیحتها الا لضرورة، وتکره الکتابیة الحربیة اجماعًا''... (ردالمحتار شرح الدر المختار: ۴/۱۳۴)۔

دار الحرب میں اہل کتاب عورت سے نکاح کی ممانعت فتنہ کے خوف کی وجہ سے ہے اور شوہر کے دین و ایمان میں بگاڑ اور اولاد کے بے دین ہونے کے خدشہ کے پیش نظر ہے، اگر اس طرح کا کوئی خدشہ نہیں تو دار الحراب میں نکاح کیا جا سکتا ہے۔

اہل کتاب مردوں سے مسلم خاتون کے نکاح کا حکم:

اہل کتاب مردوں سے مسلم خاتون کے نکاح کا قطعاً جواز نہیں ہے، یہ حرام و ناجائز ہے کہ مسلمان عورت ایک غیر مسلم بلکہ اہل کتاب سے نکاح کرے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہوا: "ولا تنکحوا المشرکات حتیٰ یؤمن و لأمة مؤمنة خیر من مشرکة ولو أعجبتکم، ولا تنکحوا المشرکین حتیٰ یؤمنوا ولعبد مؤمن خیر من مشرك ولو أعجبکم"...... (سورۃ البقرۃ: ۲۲۱)۔ (یعنی اور نکاح نہ کرو مشرک عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں، اور مسلمان عورت خواہ لونڈی ہی کیوں نہ ہو بہتر ہے مشرک عورت سے، اگرچہ کہ وہ تم کو اچھی کیوں نہ لگے، اور عورتوں کو مشرک مرد کے نکاح میں مت دو، جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان غلام مرد بہتر ہے مشرک مرد سے گو وہ تم کو اچھے کیوں نہ معلوم ہوں)۔

و فی الفقه الاسلامی و ادلته: ''وعلیه لایجوز زواج الکتابي بالمسلمة، کما لایجوز زواج الوثني و المجوسي بالمسلمة أیضًا؛ لأن الشرع قطع ولایة الکافرین عن المؤمنین بقوله تعالیٰ: {ولن یجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلًا} فلو جاز تزویج الکافر المؤمنة لثبت له علیها سبیل، وہذا لایجوز''... (الفقه الاسلامی و ادلته/۷ ،۱۵۳، ۱۵۴)۔

غیر اسلامی مذہبی مقدس کتابوں کا حکم:

غیر اسلامی، قرآن کریم سے غیر توثیق شدہ وغیر مصدقہ وہ کتابیں جن کو اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کے ماننے والوں نے اپنی مقدس کتاب مانا ہے، چہ جائیکہ اس میں توحید کی واضح اور اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات موجود ہوں؛ ایسی کتابوں کو الہامی کتاب تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام وقرآن کے عقیدے کے مطابق قرآن کے علاوہ تین کتابیں توریت، انجیل اور زبور کو الہامی وآسمانی کتابیں مانا جاتا ہے، نیز صحف ابراہیم، صحف شیثؑ وصحف موسیٰ کا بھی ذکر آیا ہے۔ بقیہ قرآن نے صرف سرسری طور پر صحائف اور انبیاء ورسل کا ذکر کیا ہے۔ وید جیسی جتنی بھی کتابیں ہیں جن کو لوگوں نے الہامی کتاب اور اپنے مذہب کی مقدس کتاب کا درجہ دے رکھا ہے، تعلیمات واعتقادات میں بھلے ہی وہ اچھی کتابیں ہوں، توحید کی تعلیم، نبی کریم ﷺ کا ذکر، نیز آخرت کا تصور بھی موجود ہو، مگر ان کو آسمانی والہامی کتابیں تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

تمام مذاہب وادیان میں اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ مذہب ہے۔ اسی طرح اللہ نے قرآن کریم کو محکم، اتم، اکمل اور مستند کتاب قرار دیا، اور قرآن کے بعد دیگر آسمانی کتابوں کو برقرار تو رکھا مگر ساتھ ہی ساتھ ان کی منسوخیت کا بھی فیصلہ فرمادیا۔ کیونکہ بہ مقابلۂ قرآن وہ آسمانی کتابیں تحریف کا شکار تھیں اور ان میں وہ بہت کچھ داخل کردیا گیا تھا جس کو اللہ نے نہیں بیان کیا تھا۔ اب اگر کوئی ایسی کتاب ہے جس میں توحید کے بھی مضامین ہوں، اخلاقی واعتقادی تعلیمات بھی ہو اور آخرت کے تصور کو بیدار کرنے والی ہدایات بھی ہوں تو اس کتاب کو کوئی وجہ نہیں ہے کہ محض اس کو ماننے والے الہامی کتاب کہتے ہیں، اللہ کی کتاب یا آسمانی کتاب قرار دیں۔ بالفرض محال اگر وہ الہامی کتابیں ہوں بھی تو پھر قرآن کے آجانے کے بعد وہ منسوخ ہو چکی ہیں؛ قرآن کو چھوڑ کر ان کو ماننے کا کوئی جواز ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کو الہامی کتاب ماننے کا۔

یہی نہیں، بلکہ خود انجیل، توریت وزبور کو جو اس زمانے میں دستیاب ہیں، جو اکثر سے زیادہ تحریف کا شکار ہیں؛ الہامی کتاب ہونے کے باوجود ان کی تلاوت کرنے اور ان کو قابل عمل ماننے میں کلام ہے، علماء وفقہاء ان کتابوں کے آسمانی کتاب کے طور پر ماننے میں پس وپیش کا شکار ہیں۔ بلکہ فتویٰ یہی ہے کہ اب جو اناجیل دستیاب ہیں اور جو ٹیسٹی منٹ الہامی کتب کے طور پر زمانے میں موجود ہیں وہ تحریف شدہ ہیں اصلی اناجیل سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے لہٰذا ہمارا ایمان ہے کہ جو کتابیں؛ انجیل، توریت وزبور اللہ نے متعلقہ پیغمبروں پر نازل کی وہ الہامی ہیں، آسمانی ہیں اور ہمارا ان پر ایمان ہے، ہم ان کو مانتے ہیں، لیکن ان کو پڑھنے اور ان کی تلاوت کرنے نیز ان کو سمجھ کر ان کے احکام کو ماننے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ نے ان سے بہتر اور اکمل واتم کتاب ''قرآن'' کو نازل کر کے ان کتابوں اور دیگر صحائف سے ہمیں نہ صرف بے نیاز کردیا بلکہ ان کتب وصحائف کو بھی منسوخ کردیا اور قرآن کو ناسخ۔

کہنا یہ ہے کہ جو کتابیں دیگر مذاہب کی مقدس کتابیں ہیں، ان کو الہامی وآسمانی کتابوں کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ ان کی تحقیر یا ان کی تنقیص کرنا اسلام نے روا نہیں رکھا ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں لکھا ہے: "أولم یکفهم أنّا انزلنا علیك الكتاب یُتلیٰ علیهم" ... (سورة العنكبوت: ۵۱)۔

وفی الموسوعة الفقهیة: ''ذهب الحنفیة و الحنابلة إلی أنه لایجوز النظر فی كتب أهل الكتاب. نقل ابن عابدین قول عبد الغنی النابلسی: نهینا عن النظر فی شئی من التوراة و الإنجیل، سواء نقلها إلینا الكفار أو من أسلم منهم، وسئل احمد عن قراءة التوراة و الانجیل و الزبور و نحو ذلك فغضب، وظاهره الإنكار و ذخره القاضی، و احتج بأن النبی ﷺ لما رأی فی ید عمر قطعة من التوراة غضب وقال: ألم آت بها بیضاء نقیة۔ وقد ذكر ابن حجر نص الحدیث قال '' نسخ عمر كتابًا من التوراة بالعربیة فجاء به الی النبی ﷺ فجعل یقرأء ووجه رسل الله ﷺ یتغیر فقال له رجل من الانصار: ویحك یا بن الخطاب ألا تریٰ وجه رسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ: لاتسألوا أهل الكتاب عن شیء، فإنهم لن یهدوكم و قد ضلّوا۔ وأنكم إما أن تكذّبوا بحق أو تصدقوا بباطل، والله لو كان موسیٰ بین أظهركم ما حل له إلا أن یتبعنی۔ وقد أهدی رجل إلی السیدة عایشة هدیةً فقالت؛ لا حاجة لی فی هدیته بلغنی أنه یتتبع الكتب الأول، والله تعالیٰ یقول ''أولم یکفهم أنّا انزلنا علیك الكتاب یُتلی علیهم'' (الموسوعة الفقهیة الكویتیة: ۳۴/ ۱۸۴، ۱۸۳)۔

جب رسول اللہ ﷺ نے توریت کی تلاوت سے منع فرمایا تو پھر دوسری وہ کتب جو الہامی ہیں اور نہ آسمانی، بلکہ ان کی صحت میں بھی شبہ ہے، اور ادیان باطلہ سے منسوب ہیں، ان کی تلاوت کرنا، تعظیم وتکریم کرنے کا کہاں سے جواز ہوسکتا ہے۔ نہ ہی ان کو الہامی کتب مانا جائے گا اور نہ ہی ان کا مطالعہ کرنے کی اجازت ہوگی، البتہ دوسرے مذاہب اور ان کی مقدس ہستیوں، نیز کتابوں کی تحقیر وتنقیص جائز نہیں ہے۔

غیر اسلامی مقدس شخصیات: مبینہ اوتار کا حکم:

جن انبیاء کے نام قرآن میں یا پھر حدیث میں ملتے ہوں ان پر ان کی نبوت کا عقیدہ رکھنا ایک مسلمان پر فرض ہے اور ایمانیات میں داخل ہے۔ اس کے علاوہ سرسری واجمالی طور پر اور مجملاً تمام انبیاء کرام پر ایمان لانے کا حکم ہے۔ جن کا ذکر قرآن میں نہ ہو اور رسول اکرم ﷺ سے جن کے متعلق کوئی صراحت نہ ملتی ہو ان کے بارے میں پیغمبر یا رسول کا عقیدہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ ہاں ایسی شخصیات جن کو دوسرے مذہب میں اوتار یا مقدس شخصیت مانا جاتا ہو، ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ان کی تحقیر کریں، ان کے بارے میں نازیبا تبصرہ یا تنقید کریں۔ اسلام میں کسی دوسرے مذہب کی مقدس ہستی کے تعلق سے تحقیر وتنقید کو روا نہیں رکھا گیا۔ بلکہ وہ اگر موجود ہوں تو ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے اور ان کی عزت کرنے کا حکم ہے۔

چنانچہ ارشادِ سبحانہٗ وتعالیٰ ہے: "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ...الخ"... (سورۃ ابراھیم: ۴)

(ہم نے نہیں بھیجے رسول، مگر اس کی قوم کی لسان میں کتاب دے کر تا کہ ان کے لئے واضح ہوجائے)۔

ایک جگہ پر ارشاد ہوا: "لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ"...... (سورۃ الرعد: ۷)۔ (یعنی ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے)۔

اس لحاظ سے ان شخصیات کے سلسلہ میں کف لسان اولیٰ ہے جن کو ان کی قوم مانتی ہے، لیکن قرآن وحدیث میں ان کی کوئی صراحت نہ آئی ہو۔ اور نہ ہی ان کی تنقیص وتسبیب جائز ہے، چنانچہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ"...... (سورۃ الانعام: ۱۰۸) (وہ اللہ کے علاوہ جن کی عبادت کرتے ہیں، تم ان کو برا بھلا نہ کہو)۔

عیسائی مشنریز کے اداروں سے استفادہ:

ایسا بالکل بھی نہیں ہے کہ غیر اسلامی اداروں میں تعلیم کا حصول مسلمان بچوں کے لئے جائز نہ ہو۔ بلکہ بلا قید ومذہب عصری تعلیم یا پھر مفاد عامہ یا مشترکہ مفاد سے جڑے ہوئے کسی موضوع کی تعلیم کا جواز موجود ہے۔ عہد نبوی ﷺ غزوات میں جب قیدی قید ہوکر آتے تو تعلیم یافتہ، ماہر اللسان قیدیوں کی رہائی کا فدیہ مسلمانوں کی تعلیم ہوا کرتا تھا، چنانچہ کئی مسلمانوں نے کفار سے تعلیم حاصل کی ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے مسلمان بچوں کی تعلیم دینے کی غزوۂ بدر کے مشرک قیدیوں کو حکم دیا اور اسی کو ان کی رہائی کے لئے فدیہ قرار دیا...... (مسند احمد، حدیث رقم: ۲۲۱۵/ ۳۷۹)۔

"الاستیعاب في معرفة الاصحاب" میں حضرت زید ابن ثابتؓ کے سلسلہ میں آتا ہے کہ آپ نے رسول اکرم ﷺ کے حکم سے یہودیوں سے سریانی زبان سیکھی،...... "فأمر زیدًا فتعلمها في بضعة عشر یومًا" (الاستیعاب فی معرفة الاصحاب: ۲/ ۵۳۸، موبائیل ایپلی کیشن المکتبة الشاملة)۔

اس کے علاوہ رسول اکرم ﷺ کی ایک اور حدیث ہے:

"عن ابي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: "الكلمة الحكمة ضالة المؤمن . فحيث وجدها فهو أحق بها"... (الجامع الترمذی، حدیث رقم: ۲۶۶۹، کتاب العلم)۔ (حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: علم وحکمت مومن کی متاع گمشدہ ہے، اس لئے مومن اس کو جہاں پائے وہی اس کا مستحق ہے)۔

نیز ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی اجازت دی کہ بنی اسرائیل سے حدیث بیان کریں۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے:

"قال رسول الله ﷺ: بلغوا عني ولو آية، وحدثوا عن بني اسرائيل ولا حرج، ومن كذب عليَّ متعمدًا فليتبوّأ من النار"... (الجامع الترمذی، کتاب العلم، حدیث رقم: ۲۶۶۸)۔

(حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث سن کر دوسروں تک پہونچاؤ، اگر چہ کہ ایک جملہ ہی سہی، اور بنی اسرائیل سے حدیث بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں، ہاں جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ دوزخ جانے کی تیاری کرلے)۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تعلم کے معاملہ میں مسلمانوں کو روکا نہیں، بلکہ غیر مسلمین سے بالخصوص یہودیوں سے حصول تعلیم کا حکم دیا ہے، اس کی عہد نبوی میں مثالیں بھی موجود ہیں۔ لیکن قابل فکر بات یہ ہے کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ میں بچوں کے ایمان واخلاق کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ اس کے لئے اس اطمینان کی ضرورت ہے کہ بچہ جہاں تعلیم حاصل کررہا ہے یا جس جگہ تعلیم حاصل کررہا ہے وہاں اس کے ایمان و دین کے لئے کوئی خطرہ تو نہیں۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ''باب تعلیم الرجل أمتہ وأھلہ'' کے تحت ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں موجود یہودیوں کا مدرسہ بیت المدارس کا معائنہ فرمایا۔ چنانچہ اس انتظام واحتیاط کے ساتھ فی زمانہ بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ ہمارے بچے عیسائی مشنریز میں تعلیم حاصل کریں، البتہ اس کے ساتھ ساتھ بچوں کے ایمان و دین کے تحفظ کی تدبیر کو ضرور مدنظر رکھیں۔

عیسائی مشنریز کے زیر انتظام چلنے والے تعلیمی اداروں میں خدمت:

عموماً عیسائی مشنریز کے دو بنیادی مقاصد ہوتے ہیں: ایک تعلیم اور دوسرا اپنے عقائد و مذہب کی تبلیغ و تشہیر۔ عیسائی مشنریز میں ایک مسلمان کے لئے تعلیم کے شعبہ میں خدمت جائز ہے۔ وہ صرف اسی حد تک ان اداروں میں خدمت کرسکتا ہے جس میں تعلیم سے متعلق امور ہوں اور رہی عیسائیت اور اس کے عقائد کی تشہیر و تبلیغ؛ اس سے ایک مسلمان اعراض کرے اور حتیٰ المقدور اس سے گریز کرنے کی کوشش کرے۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: "تعاونوا علی البرّ والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (سورۃ المائدۃ:۲)

(یعنی: نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور برائی و نافرمانی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دو)۔

حدیث میں آیا ہے: ''لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق''... (مشکوۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء، الفصل الثانی، ۲/۳۲۱)

(خالق کی نافرمانی کے اندر کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عیسائی مشنریز میں تعلیم کا نظام بہتر ہوتا ہے۔ تعلیم کے ہر شعبہ میں یہ مشنریز نمایاں خدمت انجام دے رہی ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ مسلم ادارے بھی اسی طرز پر کام کریں اور اسی انداز و نہج کو اپنائیں۔ بہتر ہوگا کہ مسلمان ادارے قائم ہوں اور اس میں مسلمان اپنے بچوں کو تعلیم دیں۔ لیکن اگر اس طرح کی سہولت نہ ہو تو ان اداروں میں کام کرنے والے مسلمان عیسائی مشنریز کے دوسرے ہدف یا دوسرے مقصد کی تکمیل میں کوئی تعاون و مدد نہ کریں۔ اگر تعاون و مدد سے گریز محال ہے، اجتناب ناممکن ہے، تعلیمی شعبوں کے ساتھ ساتھ مذہبی اشاعتی شعبہ میں بھی ان کی خدمت مقرر کی گئی ہے تو پھر ایسے اداروں میں کام کرنا جائز نہیں ہے اور یہ (اوپر مذکورہ آیت و حدیث) قرآنی حکم: "ولا تعاونوا علی الاثم و العدوان"...... (سورۃ المائدۃ:۲)

نیز حدیث مبارک: ''لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق''...... (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الامارۃ والقضاء، الفصل الثانی، ۲/۳۲۱) کے تحت گناہ و نافرمانی کے کاموں میں تعاون کرنا لازم آتا ہے جو ایک مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔

ب- اہل کتاب خاتون سے نکاح اور اس کے حقوق:

جب اہل کتاب سے نکاح کرلیا جاتا ہے تو اس کے تمام حقوق کو ادا کرنا مرد پر واجب ہے۔ اہل کتاب بیوی کے وہی حقوق ہیں جو ایک مسلمان بیوی کے ہوا کرتے ہیں۔ ان حقوق میں کوئی تفریق، کمی بیشی جائز نہیں ہے۔

ایک مسلم مرد کے مسلمہ عورت سے نکاح کے سلسلہ میں نکاح کے انعقاد، اس کی صحت اور اس کے نفاذ کے ضمن میں جو شرطیں ضروری ولازم ہیں؛ وہ تمام شرطیں ایک مسلمان مرد کے اہل کتاب عورت سے نکاح کے سلسلہ میں بھی ضروری ولازم ہیں۔ یعنی جو شرطیں ایک مسلمہ سے نکاح کی ہیں وہی شرطیں اہل کتاب عورت سے ایک مسلمان کے نکاح کی ہیں۔

مسلم عورت و مسلم مرد کے نکاح میں جن احکام، حقوق و واجبات کا ترتب ہوتا ہے وہی احکام، حقوق و واجبات مسلم مرد سے اہل کتاب عورت

سے نکاح میں بھی مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ احکام الاحوال الشخصية فی الشريعة الاسلامية میں ہے:"وكل الشروط التی تشترط لانعقاد الزواج و صحته و نفاذه، كما يجب توافرها فی عقد زواج المسلم بالمسلمة يجب توافرها فی عقد زواج المسلم بالكتابية۔ وجميع الأحكام والحقوق و الواجبات التی تترتب على عقد زواج المسلم بالمسلمة تترتب على عقد زواج المسلم بالكتابية۔ فالكتابيتان المحرمتان لايجوز للمسلم أن يجمع بينهما كالمسلمتين المحرمين۔ والكتابية إن كانت كبيرة مكلفة تباشر عقد زواجها بنفسها كالمسلمة، وإن كانت صغيرة أو فی حكمها لجنون أو عته يباشر عقد زواجها وليها المتحد معها فی الدين۔ وإذا تم عقد زواجها بالمسلم سواء أكانت بمباشرتها أم بمباشرة وليها وجب لها من المهر، والنفقة، وعدم الإضرار بها. والعدل بينها وبين ضرائيرها مايجب للزوجة المسلمة۔ ووجب لزوجها المسلم عليها من الحقوق و الواجبات ما يجب له على الزوجة المسلمة، فعليها طاعته و له ولاية تأديبها بالمعروف و منعها عن الخروج من بيته إلا بإذنه، وله أن يطلقها متى شاء وأن يتزوج عليها واحدة أو اثنتين أو ثلاثا، و تثبت بينهما حرمة المصاهرة، ويجب لكل منهما على الآخر حسن المعاشرة"(احكام الاحوال الشخصية فی الشريعة الاسلامية لعبدالوهاب خلاف(المتوفی۱۳۷۵ھ)، الزواج، زوج المسلم بالكتابيات،۱/۱۲۶)۔

اہل کتاب خاتون کا اپنے مسلمان شوہر کے گھر اپنے مذہبی مراسم کا انجام دینا:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:"وأن يخلى بينهم و بين أحكامه"......(مجمع الزوائد، رقم حدیث: ۹۸۰۳) (یعنی، ہم غیر مسلموں کے مذہبی احکام کے سلسلہ میں آزاد رکھیں)۔ یعنی اسلامی ریاست میں ان کی عبادات ورسوم وغیرہ کے سلسلہ میں مسلم کسی قسم کی مداخلت نہ کرے۔ چنانچہ مسلمان شوہر اپنی اہل کتاب بیوی کے مذہبی معاملات میں کوئی جبر نہیں کرسکتا، نہ ہی کوئی مداخلت کا اس کو حق ہے۔ بلکہ اہل کتاب بیوی اپنے مسلمان شوہر کے گھر میں پورے اطمینان سے اپنے مذہبی مراسم انجام دے سکتی ہے۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

"وليس له منعها من صيامها الذی تعتقد وجوبه، وإن فوّت عليه الاستمتاع فی وقته، ولا من صلاتها فی بيته إلى الشرق، وقد مكن النبی ﷺ وفد نصارى نجران من صلاتهم فی مسجد إلى قبلتهم .... وليس له حملها على أكل الشحوم واللحوم المحرمة عليهم"...(احكام اهل الذمة ؛ علامه ابن القيم، ۲/ ۸۲۲، موبائيل ايپلی کيشن. المكتبة الشاملة)

(مسلمان شوہر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی اہل کتاب بیوی کو ان روزوں سے روکے، جس کو وہ واجب سمجھتی ہو، اگر چہ روزے کے وقت مرد اس سے استمتاع کے حق سے محروم ہوتا ہے۔ اور مرد اس کو اپنے گھر میں اپنے قبلہ (مشرق) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے سے منع نہیں کرسکتا۔ جب کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائی وفد کو مسجد نبوی میں اپنے مذہب کے مطابق اور اپنے قبلہ کے مطابق نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ اپنی اہل کتاب بیوی کو چربی اور کوئی ایسے گوشت کھانے پر مجبور کرے جو اس کے عقیدے کے مطابق حرام ہے)۔ اسی طرح آگے لکھا ہے کہ:

"وليس له منعها من قراءة كتابها اذا لم ترفع صوتها به"...(احكام اهل الذمة ؛ علامه ابن القيم، ۲/ ۸۲۲، موبائيل ايپلی کيشن. المكتبة الشاملة)

(اگر آواز اونچی نہ کرے تو مسلم شوہر کے لئے جائز نہیں کہ اپنی اہل کتاب بیوی کو اپنی کتاب کی تلاوت سے روکے)۔



اہل کتاب سے متعلق احکام کا جائزہ

مولانا عبید اللہ ندوی[1]

اہل کتاب کی لغوی تعریف:

"الکتاب" کا لفظ قرآن مجید کیلئے، عموماً کسی آسمانی کتاب کیلئے، بحیثیت مجموعی تمام سابقہ وحیوں کیلئے، غرض اللہ کی طرف سے نازل شدہ تمام کتب کیلئے اختیار کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن میں ہے:

" كان الناس أمة واحدة فبعث الله النبيين مبشرين ومنذرين وأنزل معهم الكتاب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه.....الخ" (بقرہ ۲۱۳)

(لوگ ایک امت تھے پھر اللہ نے انبیاء بھیجے، خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی، کہ وہ لوگوں کے درمیان اس باب میں فیصلہ کرے جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے)۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ "الکتاب" سے کوئی مخصوص اور متعین کتاب الٰہی مراد نہیں، بلکہ "ال" جنس کتاب کیلئے ہے اور کتاب سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جو مختلف پیغمبروں پر مختلف زمانوں میں اترتی رہیں گویا لفظ "الکتاب" صورۃً واحد اور معنیً جمع ہے (تفسیر ماجدی بقرہ ۲۱۳)۔

اہل کتاب کی اصطلاحی تعریف:

ظاہر ہے کہ کتاب کے لغوی معنی ہر لکھا ہوا ورق تو مراد نہیں ہوسکتا ہے، وہی کتاب مراد ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف سے آئی ہو، اس لئے باتفاق امت کتاب سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جس کا کتاب اللہ ہونا بتصدیق قرآن یقینی ہو، جیسے توریت، انجیل، زبور، صحف ابراہیم وموسیٰ وغیرہ، چنانچہ "فتاوی عالمگیری" میں اہل کتاب کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"كل من يعتقد دينا سماويا له كتاب منزل كصحف ابراهيم وشيث وزبور داؤد عليهم الصلاة والسلام فهو من أهل الكتاب" (عالمگیری ۱/۲۸۱)

(ہر وہ شخص جو کسی آسمانی دین کو مانتا ہو اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار کرتا ہو جیسے توریت، انجیل صحف ابراہیم وشیث اور حضرت داؤد کا زبور وغیرہ، تو وہ اہل کتاب میں سے ہوگا) خصوصا توریت وانجیل کے ماننے والے (یہود ونصاری) چنانچہ علامہ ابن کثیر آیت کریمہ:

"يأهل الكتاب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم أن لا نعبد إلا الله ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله" (آل عمران: ۶۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "هذا الخطاب يعم أهل الكتاب من اليهود والنصارى ومن جرى مجراهم" (تفسیر ابن کثیر ۱/۳۸۴) ترجمہ: یہ خطاب عام ہے یہود ونصاری کے علاوہ تمام قومیں اسکی مخاطب ہیں جو ان جیسی ہیں"۔

اہل کتاب کا ذکر قرآن مجید میں تین طرح آیا ہے:

الف: تاریخی شواہد کے طور پر، اس سلسلہ کا آغاز حضرت آدم اور نوح علیہما السلام سے ہوتا ہے۔

ب: ان کے ذکر کا دوسرا موقع دعوت اسلام کے سلسلہ میں ہے۔

ج: اور تیسرا مسلمانوں کے ساتھ ان کے تعلقات کی قانونی اور معاشرتی نوعیت سے متعلق ہے (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو دائرہ معارف اسلامیہ اہل کتاب ۳/۵۹۶)۔

---

[1] استاذ حدیث وادب دار العلوم ماٹلی والا بھروچ، گجرات۔

اہل کتاب میں کون کون سے گروہ شامل ہیں:

اہل کتاب کے متعلق اس امر میں اختلاف ہے کہ کون کون سے گروہ اس میں شامل ہیں؟ جمہور فقہا فرماتے ہیں کہ اہل کتاب صرف یہود ونصاری ہیں اپنے مختلف فرقوں کے ساتھ، امام شافعی فرماتے ہیں: کہ اہل کتاب صرف وہ یہودی ونصرانی ہیں جو بنی اسرائیل سے ہوں، رہیں دوسری قومیں جنہوں نے یہودیت یا نصرانیت قبول کرلی ہے تو وہ اہل کتاب نہیں ہیں، کیونکہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے، دوسری قومیں ان کی دعوت کی مخاطب نہ تھیں، احناف نے ذرا توسع سے کام لیا وہ فرماتے ہیں: اہل کتاب ہر وہ قوم ہے جو کسی نبی کو مانتی ہو اور کسی کتاب الہی پر ایمان رکھتی ہو، اور یہ یہود ونصاری کو بھی شامل ہے اور ان لوگوں کو بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے زبور اور ابراہیم وشیث علیہما السلام کے صحیفوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

(الموسوعۃ الفقہیہ ۷/ ۱۴۰، تفہیمات ۲/ ۳۳۱)۔

صابئین کی تحقیق:

صابی کے لغوی معنی ہیں: جو کوئی بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں آجائے یا اسکی طرف مائل ہو جائے چنانچہ امام راغب فرماتے ہیں:

''قيل لكل خارج من الدين إلى دين آخر صابي'' (المفردات کتاب الصاد ص: ۲۷۴)

(ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کی طرف جانے والے کو صابی کہا جاتا ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شروع میں اسلئے صابی کہا جانے لگا تھا کہ آپ نے دین قریش کو چھوڑ کر دین اسلام اختیار کیا ہے، چنانچہ امام ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں:

''وكانت العرب تسمي بالنبي ﷺ الصابي؛ لأنه خرج من دين قريش الى دين الإسلام'' (النہایۃ بحوالہ تفسیر ماجدی ۱۶۹/ البقرہ: ۶۲) (اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صابی کہتے تھے اسلئے کہ آپ دین قریش کو چھوڑ کر دین اسلام میں آگئے تھے)۔

اصطلاح میں صابئون (SABIANS) کے نام کا ایک مذہبی فرقہ جو عرب کے شمال ومشرق میں شام وعراق کی سرحد پر آباد تھا، یہ لوگ دین توحید اور عقیدہ رسالت کے قائل تھے، البتہ اس امر میں علماء کے اقوال مختلف ہیں کہ یہ کس نبی کے متبعین ہیں، بعض نے حضرت یحییٰ کا پیروکار بتایا ہے چنانچہ مولانا عبدالماجد دریابادی صابی کی تعریف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: انھیں ''نصارائے یحییٰ'' بھی کہا جاتا ہے، گویا نسبت ایک پیغمبر حضرت یحییٰ کی جانب رکھتے تھے (تفسیر ماجدی ۱/ ۱۶۹، البقرہ: ۶۲) امام راغب اصفہانی کا خیال ہے کہ یہ لوگ حضرت نوح کے پیروکار تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''والصابئون قوم كانوا على دين نوح'' (المفردات کتاب الصاد ص: ۲۷۴) (صابئین وہ لوگ ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر تھے) بعض حضرات کے نزدیک یہ لوگ حضرت داؤد علیہ السلام کے زبور پر ایمان رکھتے ہیں) (معارف القرآن سورہ مائدہ ۳/ ۲۷۴)۔

صابئین اہل کتاب میں شامل ہیں یا نہیں؟

علماء وفقہاء کا صابئین کے بارے میں بڑا اختلاف ہے اور ان کے دین ومذہب سے عدم معرفت واحاطہ کی وجہ سے علماء پر ان کا معاملہ مشکل اور پیچیدہ ہو گیا ہے، چنانچہ امام صاحب اور ایک قول کے مطابق امام احمد کے نزدیک وہ اہل کتاب، یعنی یہودی ونصاری میں سے ہیں، امام ابو یوسف اور محمد کے نزدیک وہ اہل کتاب میں سے نہیں ہیں (احکام القرآن / ۲۸۳، الموسوعۃ الفقہیہ ۷/ ۱۴۰)۔

امام شافعی کا مذہب ہے، اور حنابلہ میں سے ابن قدامہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ اگر یہ لوگ یہودی ونصاری کے دینی اصول، یعنی رسولوں کی تصدیق اور کتابوں پر ایمان لانے سے متفق ہوں تو انہی میں شمار ہوں گے اور اگر ان کے دینی اصول کے خلاف ہوں تو ان میں سے نہیں ہوں گے اور انکا حکم بت پرستوں کی طرح ہوگا (الموسوعۃ الفقہیہ ۷/ ۱۴۰) مجاہد فرماتے ہیں: وہ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے وہ زبور کی تلاوت کرتے ہیں۔ عبدالرحمان بن زید فرماتے ہیں: وہ اہل دین ہیں، جو جزیرہ موصل میں رہتے تھے لا الہ الا اللہ کے قائل تھے، لیکن انکا کوئی عمل نہیں تھا کسی کتاب اور نبی کا اقرار نہ کرتے تھے سوائے لا الہ الا اللہ کے۔ قرطبی فرماتے ہیں: ان کے مذہب سے جو بات سمجھ میں آتی ہے اور جسکو بعض علماء نے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ وہ موحد تھے، البتہ نجوم کی تاثیر کے قائل تھے اسکو فاعل سمجھتے تھے، امام رازی فرماتے ہیں: کہ وہ کواکب پرست تھے، اسی بنا پر فقہا کے نقطہ ہائے نظر ان سے نکاح کے بارے میں مختلف ہیں، بعض لوگ انھیں اہل کتاب مانتے ہیں اور انھیں یہود ونصاری میں شامل کرتے ہیں البتہ ان میں تحریف وتبدیل کے بھی قائل ہیں، جیسے امام صاحب، اور بعض علماء ان کی حقیقت حال

سے عدم واقفیت کی بنیاد پر تردد میں ہیں جیسے شوافع (فقہ السنہ ۲/ ۷، ۱۷)، سعید عن قتادہ: وہ ملائکہ کی عبادت کرتے تھے، قبلہ کی طرف نماز پڑھتے تھے اور زبور کی تلاوت کرتے تھے۔ لیث مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ یہود اور مجوس سے مخلوط ایک قوم ہے انکا کوئی دین نہیں (احکام اہل الذمہ، فصل الصابئہ ص: ۶۷)، شہرستانی نے صابئین کو اہل کتاب مانا ہے (دائرہ معارف اسلامیہ ۵۹۴/۳)۔

میری رائے میں امام صاحب کا قول زیادہ راجح اور درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ:

الف: حضرت عمر فاروقؓ جیسے مبصر و نکتہ رس، خلیفہ راشد اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے محقق صحابی نے صابئین کو اہل کتاب شمار کیا ہے اور حضرت عمرؓ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال مانا ہے چنانچہ معالم التنزیل میں ہے:

" قال عمر بن الخطاب و ابن عباس: هم قوم من أهل الكتاب . و قال عمر: تحلّ ذبائحهم مثل ذبائح أهل الكتاب" (معالم التنزيل بحواله تفسير ماجدى ۱۲۹/۱ البقره: ۶۲) (حضرت عمر بن خطاب اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ اہل کتاب میں سے ایک قوم ہیں، اور حضرت عمر نے فرمایا: کہ ان کا ذبیحہ اہل کتاب کے ذبیحہ کی طرح حلال ہے)۔

ب: اہل لغت بھی اس طرف گئے ہیں: "هم جنس من أهل الكتاب" (صحاح للجوہری بحوالہ تفسیر ماجدی ۱۲۹/۱ البقرہ: ۶۲) (وہ اہل کتاب کی جنس سے ہیں)۔

ج: تابعین میں متعدد اکابر انکے اہل کتاب یا موحد ہونے کے قائل ہیں مثلاً ابن جریر، ابن کثیر، ربیع بن انس، ضحاک، سدی اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ، چنانچہ ابن جریر لکھتے ہیں: "هم طائفة من أهل الكتاب" (ابن جریر بحوالہ تفسیر ماجدی ۱/ ۷۰ البقرہ: ۶۲) (وہ اہل کتاب کا ایک گروہ ہے؛ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: "فرقه من اهل الكتاب" (تفسیر ابن کثیر بحوالہ تفسیر ماجدی ۱/ ۷۰ البقرہ: ۶۲) ترجمہ: وہ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے؛ ابن زید ان کے موحد ہونے کے قائل تھے اور حضرت قتادہ و حسن بصری سے تو یہاں تک منقول ہے کہ اہل قبلہ تھے اور نماز پانچ وقت کی پڑھتے) (ابن جریر بحوالہ تفسیر ماجدی ۱/ ۷۰ البقرہ: ۶۲)

د: امام اعظم حضرت ابوحنیفہ خود بھی عراقی تھے اس لئے براہ راست صابئوں سے واقفیت کا موقع رکھتے تھے اس لئے انکا فتوی زیادہ معتبر اور درست معلوم ہوتا ہے، یہی قول بعض قدیم فقہاء امت کا بھی ہے۔

ہ: قرآن مجید نے ان کے نام کا عطف دو اہل کتاب قوموں (یہود و نصاری) پر کیا ہے۔

صابئین کا وجود ہے یا نہیں؟

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے مستند تاریخی حوالوں اور کتابوں سے بڑی نفیس وعمدہ تحقیق پیش کی ہے، اسلئے ہم ذیل میں ان کی عبارت کو نقل کرتے ہیں:

"تاریخ ایران پر ایک مستند مستشرق کی کتاب کا فرنچ سے اردو ترجمہ ابھی حال میں نکلا ہے (انجمن ترقی اردو دہلی) اس کے ص ۷۰۴ پر فاضل مترجم شیخ محمد اقبال مرحوم پرنسپل اورینٹل کالج لاہور، لفظ مینڈین (MANDAEAN) پر حاشیہ دیتے ہیں: مینڈین بزبان آرامی بمعنی اولوا العلم۔ اس فرقہ کے لوگ عراق میں اب بھی موجود ہیں اور صابئون کہلاتے ہیں، وہ لوگ اگرچہ عیسائی نہیں ہیں، تاہم جان دی بپٹسٹ کو مانتے ہیں، عراق میں عوام الناس انکو حضرت یحیی کی امت کہتے ہیں"، (ایران بعہد ساسان)

"جیوش انسائیکلوپیڈیا" میں ان کے لقب "نصارائے یحیی" کو گرچہ ایک غلط تسمیہ ٹھہرایا گیا ہے، تاہم یہ تصریحات اس میں درج ہیں:

مینڈین (MANDAEAN) مشرقی مذہبی فرقہ ہے جس کے عقائد و اعمال مسیحیوں اور یہودیوں اور مشرکوں کے دین کا مخلوطہ ہیں، یہ لوگ جنوبی بابل یعنی واسطہ و بصرہ کے علاقہ میں خوزستان کے قریب آباد ہیں اور مقامی زبانیں مثلاً فارسی وعربی بولتے ہیں، ان کے مذہبی نوشتے آرامی زبان میں ہیں جو بابل کے تالمود سے قومی مشابہت رکھتی ہے...... یہ اپنے کو دوسرے فرقوں کے سامنے صابی ہی کہتے ہیں" (۲۸۸/۸)۔

اسی میں آگے ہے کہ یہ لوگ اگرچہ انبیائے برحق حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسی وغیرہ کے منکر ہیں، لیکن حضرت یحیی کی نبوت کے قائل ہیں، "انسائیکلوپیڈیا آف ریلجن اینڈ ایتھکس" میں اس فرقہ کی تاریخ عقائد وغیرہ پر مقالہ بڑی شرح وبسط کے ساتھ ہے (۳۸۰/۸ تا ۳۹۲)۔ ان کا دوسرا لقب مغتسلہ بھی لکھا ہے کہ یہ غسل اور بپتسمہ اور پانی میں غوطہ دینے کے بہت قائل ہیں، ان کی تعداد قریب چار ہزار کے بیان کی ہے، نماز ان کے یہاں پانچ وقت کی فرض ہے، تین بار دن میں اور دو بار رات میں اور انکا قبلہ قطب تارہ یا سمت شمال ہے، "چیمبرز انسائیکلوپیڈیا" (نیو ایڈیشن ۷۰۵/۷) میں ان کی آبادی عراق میں چھ

ہزار بیان کی گئی ہے (تفسیر ماجدی ۱/۱۰۷ سورہ بقرہ: ۶۲)۔

موجودہ دور کے یہودی اور عیسائی جو خدا کے وجود کے منکر ہیں، اہل کتاب ہیں؟

اہل کتاب سے نکاح کا جواز اور ان کے ذبیحہ کے حلال ہونے کا حکم اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ کے دین پر قائم ہوں اور اس دین کے بنیادی عقائد کا عقیدہ رکھنے والے ہوں، اگر چہ وہ بنیادی عقائد اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں مثلاً "تثلیث" کا عقیدہ، "کفارہ" کا عقیدہ، تحریف شدہ تورات وانجیل پر ایمان وغیرہ، وجہ اسکی یہ ہے کہ نزول قرآن کے وقت اگر چہ وہ مذکورہ بالا باطل عقائد رکھتے تھے، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انکو اہل کتاب کا لقب دیا، اور قرآن کریم میں ان کے باطل عقائد کی صراحت فرمائی، چنانچہ فرمایا: "وقالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصارى المسيح بن الله" (توبہ: ۳۰) (یہودی کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں)، دوسری جگہ فرمایا: "لقد كفر الذين قالوا ان الله ثالث ثلاثة" (مائدہ: ۷۳) (یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے)، اور ایک جگہ فرمایا: "يحرفون الكلم عن مواضعه" (مائدہ: ۱۳) (وہ کلام کو اس کے موقع ومحل سے بدل دیتے ہیں)۔

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں: "وروى عبادة من نسي عن غضيف بن الحارث أن عاملا لعمر بن الخطاب كتب إليه أن ناسا من السامرة يقرأون التوراة ويسبتون السبت ولا يؤمنون بالبعث فماترى؟ فكتب إليه عمر أنهم طائفة من أهل الكتاب" (احکام القرآن ۳/۳۲۱)

(حضرت عمر بن خطابؓ کے ایک عامل (گورنر) نے آپؓ کو لکھا کہ "سامرہ" قوم کے کچھ لوگ تورات پڑھتے ہیں اور ہفتہ کے دن اپنا مذہبی تہوار مناتے ہیں اور بعث بعد الموت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت عمرؓ نے ان کو لکھا کہ یہ اہل کتاب کا ایک گروہ ہے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے "اہل کتاب" میں سے ہونے کیلئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ توحید خالص پر ایمان رکھتا ہو اور نہ یہ شرط ہے کہ وہ موجودہ تورات اور انجیل کی تحریف پر ایمان رکھتا ہو اور نہ یہ شرط ہے کہ وہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی شریعتوں کے منسوخ ہونے پر ایمان رکھتا ہو جیسا کہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے، بلکہ "اہل کتاب" ہونے کیلئے صرف ان بنیادی عقائد پر ایمان کافی ہے جن پر یہود ونصاریٰ ایمان رکھتے ہیں اور جس کے ذریعہ وہ دوسرے مذہب والوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔

لیکن کسی شخص کے اہل کتاب میں سے ہونے کیلئے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ اسکا نام "نصاریٰ" کے نام کی طرح ہو اور نہ یہ کافی ہے کہ سرکاری مردم شماری کے وقت اسکا نام "نصاریٰ" کی فہرست میں لکھا جاتا ہو، بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس کے عقائد بھی اہل کتاب جیسے ہوں آج کل ہمارے اس دور میں مغربی ممالک میں عیسائیوں اور یہودیوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی بھی ہے جو اپنی مردم شماری کے اعتبار سے یہودی یا نصرانی کہلاتے ہیں، مگر درحقیقت وہ مادہ پرست اور دہریے ہوتے ہیں، وہ خدا کے وجود اور کسی مذہب ہی کے قائل نہیں، نہ توریت وانجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں اور نہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی و پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، دوسرے عقائد رکھنا تو دور کی بات ہے، بلکہ وہ ایسے تمام مذاہب کا مذاق اڑاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے لوگ محض مردم شماری کے نام کی وجہ سے "اہل کتاب" کے حکم میں داخل نہیں ہوسکتے، اور نہ انکا ذبیحہ حلال ہوگا نہ ان کی عورتوں سے شادی جائز ہوگی۔

اسکی دلیل بالکل واضح ہے وہ یہ کہ "اہل کتاب" اپنے خاص عقائد کی وجہ سے دوسرے کفار سے ممتاز ہیں، مثلاً وہ اللہ کے وجود کے قائل ہوتے ہیں، رسولوں کے برحق ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، لہٰذا جو شخص سرے سے اللہ کے وجود کا ہی قائل نہ ہو اور نہ رسولوں کے برحق ہونے پر ایمان رکھتا ہو اور نہ ہی کتب سماویہ پر ایمان رکھتا ہو اسکو "اہل کتاب" میں کیونکر شمار کیا جاسکتا ہے، حضرت علیؓ نے "نصاریٰ بنی تغلب" کے ذبیحہ کی عدم حلت کا جو فتویٰ دیا تھا اسکی وجہ یہ بتائی کہ یہ لوگ دین نصرانیت میں سے بجز شراب نوشی کے اور کسی چیز کے قائل نہیں، چنانچہ امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:

"روى محمد بن سيرين عن عبيدة قال: سألت عليا عن ذبائح نصارى العرب فقال: لا تحل ذبائحهم، فإنهم لم يتعلقوا من دينهم بشئ إلا بشرب الخمر" (احکام القرآن ۳/۳۲۱)

(محمد بن سیرین حضرت عبیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے نصاریٰ عرب کے ذبائح کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: ان کے ذبائح حلال نہیں، اسلئے کہ انکا اپنے مذہب نصرانیت سے بجز شراب نوشی کے اور کوئی تعلق باقی نہیں ہے)۔

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ نہ تو تورات وانجیل پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی یہودیت ونصرانیت کے بنیادی عقائد پر انکا ایمان ہے، لہذا صرف نصرانیت کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے انکو اہل کتاب میں شمار کرنا ممکن نہیں۔

خلاصہ یہ کہ جن نصرانیوں کے متعلق یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ وہ خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے یا حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی نہیں مانتے وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہیں۔ البتہ اگر ایک شخص نام سے اور ظاہری علامات سے نصرانی معلوم ہوتا ہے تو اس کو نصرانی سمجھنا جائز ہے جب تک یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ اس کے عقائد مادہ پرستوں کے عقائد کی طرح ہیں (معارف القرآن ۳/ ۴۸-۴۹، فقہی مقالات ۴/ ۲۳۹ تا ۲۴۳، تفسیر ماجدی ۲/ ۲۰ سورہ مائدہ:۵، قاموس الفقہ ۲/ ۲۵۵)۔

اہل کتاب سے نکاح کے مسئلہ میں دار الکفر اور دار الاسلام کا فرق:

مسلمان کیلئے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح حلال ہے چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"الیوم أحل لکم الطیبات وطعام الذین أوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لهم والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم..." (مائدہ:۵)

(آج جائز کردی گئیں تم پر (لذیذ) پاکیزہ چیزیں، اور جو لوگ اہل کتاب میں ہیں انکا کھانا تمہارے لئے جائز اور تمہارا کھانا ان کے لئے جائز، اور (اسی طرح تمہارے لئے جائز ہیں) مسلمان پارسائیں اور ان کی پارسائیں جنکو تم سے قبل کتاب مل چکی ہے،، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ سلف نے عموما اس آیت کریمہ کو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی عام اجازت پر محمول کیا ہے اور محمول ہی نہیں کیا، بلکہ اس کے مطابق عمل بھی کیا ہے چنانچہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے نائلہ بنت فرافصہ کلبیہ سے نکاح کیا جو نصرانیہ تھی اور بعد میں ان کے ہاتھ اسلام قبول کرلیا، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے ایک شامی یہودی سے نکاح کیا، حضرت حذیفہؓ نے مدائن کی یہودیہ سے نکاح کیا اور بہت سے صحابہ کرامؓ نے کتابیات سے نکاح کیا (فقہ السنہ ۲/۱۰۰، تفہیمات ۲/ ۱۶۲، قاموس الفقہ ۲/ ۲۵۵)

صحابہ میں صرف حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ہیں جنہوں نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح مطلقا ناجائز قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے مشرک عورتوں کو حرام کیا ہے فرمایا: "ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن" (بقرہ:۲۲۱) (اور مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں)۔

''ولا أعرف شیئا من الإشراك أعظم من أن تقول المرأة: ربها عیسیٰ ﷺ أو عبد من عباد اللہ'' (فقہ السنہ ۲/۱۰۰)

(اور میں اس سے بڑھ کر کسی چیز کو نہیں سمجھتا کہ ایک عورت یہ کہے: کہ میرا رب عیسیٰ ہیں۔ یا اللہ کے بندوں میں سے کوئی بندہ ہے)۔

البتہ سوال یہ ہے کہ دار الکفر میں رہنے والی کتابیہ عورت سے نکاح اور دار الاسلام میں رہنے والی کتابیہ عورت کے درمیان کچھ فرق ہے یا نہیں؟ صحابہ کرامؓ میں سے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے نکاح کتابیات کی اجازت کو محدود کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف ذمی عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے اہل کتاب میں سے جو لوگ اسلامی سلطنت کی رعایا ہوں صرف انہی کی عورتوں سے نکاح کیا جاسکتا ہے، خواہ ان کے اعتقاد میں کیسا ہی فساد ہو، رہے اہل حرب (یعنی وہ لوگ جو حدود دار الاسلام سے باہر رہتے ہوں) تو انکی عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔ لیکن عام فقہاء اسکی کراہت کی طرف مائل ہیں جسکی تفصیل یوں ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ کتابیہ کے ساتھ نکاح اس صورت میں حرام ہے جبکہ وہ دار الحرب (غیر اسلامی ملک) میں ہو اور اسلامی احکام کو تسلیم نہ کرتی ہو ایسا کرنے سے فتنہ کا دروازہ کھل جائیگا، کیوں کہ وہ اپنے شوہر کو خلاف اسلام طور طریقوں کی پابندی پر مجبور کریگی اور اپنی اولاد کو اس کے دین سے پھیر کر دوسرے دین کی پیروی کی رغبت دلائے گی، اور اپنے نام ونمود کیلئے ایسے کاموں پر اکسائے گی جس سے اسکا وقار خاک میں مل جائے، اس کے علاوہ اور بھی مفاسد ہیں، پس اگرچہ نکاح درست ہے لیکن مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ اس سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، لیکن اگر وہ عورت ذمی ہو (اسلامی سلطنت کی رعایا ہو) اور اسے قوانین اسلام کا پابند کرنا ممکن ہو تب بھی اسکے ساتھ نکاح مکروہ تنزیہی ہے، چنانچہ شمس الائمہ سرخسی 'المبسوط' میں تحریر فرماتے ہیں:

''یجوز للمسلم أن یتزوج کتابیة فی دار الحرب ولکنه یکره؛ لأنه إذا تزوجها ثمة ربما یختار المقام فیهم ... وإذا ولدت تخلق الولد بأخلاق الکفار وفیه بعض الفتنة فیکره لهذا... وسئل علی ﷺ عن مناکحة أهل الکتاب فکره ذالك'' (المبسوط ۵/۵۰)

(مسلمانوں کیلئے دار الحرب میں کتابیہ سے شادی کرنا جائز تو ہے مگر مکروہ ہے کیونکہ وہ اگر وہاں شادی کریگا تو ممکن ہے کہ کفار ہی کے ملک میں رہ پڑے

"......اور جب کتابیہ کے پیٹ سے اولاد پیدا ہوتو وہ کفار کے اخلاق پر پروان چڑھے، نیز اس میں اور بھی فتنے ہیں، اسلئے یہ مکروہ ہے۔

حضرت علیؓ سے حربی عورتوں کے ساتھ نکاح کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؓ نے اسکو مکروہ فرمایا،۔ نیز ہدایہ میں ہے:

"ویجوز تزویج الکتابیات و الأولی أن لایفعل ولا یأکل ذبیحتهم الا لضرورة . و تکره الکتابیة الحربیة إجماعا لانفتاح باب الفتنة من إمکان التعلق المستدعی للمقام معها فی دارالحرب وتعریض الولد علی التخلق بأخلاق أهل الکفر" (ہدایہ کتاب النکاح)

(کتابیات سے نکاح کرنا جائز تو ہے مگر بہتر یہی ہے کہ نہ کیا جائے اور نہ انکا ذبیحہ کھایا جائے، الا یہ کہ کوئی ضرورت آپڑے اور حربی کتابیہ سے نکاح کرنا تو بالاجماع مکروہ ہے کیونکہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے مثلاً یہ کہ اس سے ایسا گہرا تعلق ہوجائے کہ مسلمان شوہر اس کے ساتھ کافروں کے ملک میں سکونت اختیار کرلے اور یہ کہ اسکی اولاد اہل کفر کے اخلاق سے متخلق ہوکر اٹھے)۔

بڑی حد تک یہی رائے مالکیہ اور شوافع کی بھی ہے، حنابلہ کے نزدیک کتابیہ عورت سے نکاح بغیر کسی کراہت کے حلال ہے، کیونکہ اللہ کا ارشاد: "والمحصنات من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم" عام ہے (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۹۸/۴ تا ۱۰۰، قاموس الفقہ ۲/۲۵۵)۔

کتابیہ سے جواز نکاح کی حکمتیں:

الف: اسلام نے ان سے نکاح کی اجازت اس لئے دی کہ اہل کتاب اور اہل اسلام کے درمیان رکاوٹیں ختم ہوں، دعوت کا راستہ ہموار ہو، کیونکہ رشتۂ ازدواج سے معاشرت، میل جول اور دو خاندانوں کی ایک دوسرے قربت بڑھتی ہے اور اسلام کے متعلق معلومات کے مواقع زیادہ میسر آئیں گے، اور اسلام کے اصول ومبادی، اسکے حقائق اور قدروں کے جاننے کا موقع ملیگا، گویا اہل کتاب اور اہل اسلام کے درمیان یہ نکاح تقریب علمی کے اسالیب میں سے ایک اسلوب ہے اور ہدایت ودین حق کی دعوت ہے، لہذا جو بھی ان سے شادی کی خواہش رکھتا ہو وہ اپنے مقاصد واہداف میں سب سے بڑا اور اہم مقصد اس کو بنائے (فقہ السنۃ ۲/۷۱)۔

ب: ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کسی غیر مسلم (کتابیہ) عورت کے عشق میں مبتلا ہوجائے اور حصول مقصود کا دروازہ بند پاکر حرام کی طرف جھک پڑے۔

ج: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کسی ایسی جگہ رہتا ہو جہاں مسلمان عورت بہم نہ پہونچ سکتی ہو، اور مجرد رہنے کی وجہ اسکے اخلاق بگڑنے اور خانگی زندگی خراب ہونے کا اندیشہ ہو، ایسے مخصوص حالات کیلئے کسی حد تک رخصت کا دروازہ کھول دینا ضروری تھا چنانچہ شارع نے یہ دروازہ کھول دیا (تفہیمات ۳/۳۳۱)۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ فی الواقع یہ (کتابیات سے نکاح) ایک بہت بڑا فتنہ ہے، ہندستان، مصر اور شام وغیرہ ممالک میں تو اس کا اثر صرف اسی حد تک رہا ہے کہ میم صاحبات نے اسلامی نظام معاشرت میں گھس کر تہذیب اسلامی کی خوب بیخ کنی فرمائی، لیکن ترکی میں اسکے سیاسی نتائج بھی نہایت خطرناک ثابت ہوئے ہیں، یہاں اہم اسباب میں سے ہے جن کی بدولت ترکوں کی عظیم الشان سلطنت تباہ وبرباد ہوئی، عالم اسلام کے وہ قائدین جن کے ہاتھوں میں پوری قوم کی زمام اور پوری دنیائے اسلام کی کلید ہے ان کے قصور عیش ومحلات عشرت کی زینت یہی عیسائی اور یہودی عورتیں ہیں جن سے مسلمان شدید نقصان اور سیاسی مضرت واستحصال سے دوچار ہیں۔ ان حالات میں کسی بھی طرح اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

دوسری طرف اختلاف مذہب کا نقصان بہت زیادہ ہے، اس میں سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ ایک غیر مسلم ماں کی آغوش میں جو اولاد تربیت پاکر اٹھے گی وہ دین واخلاق کے اعتبار سے اسلامی سوسائٹی کے کسی کام کی نہ رہے گی، اس کے علاوہ یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ ایک مسلمان گھر میں غیر اسلامی طریقے رائج کریگی اور جن جن کے گھروں سے اس کے روابط ہوں گے وہ سب کم وبیش اس عضو فاسد کے شر سے متاثر ہوں گے، پھر خود شوہر بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہے گا، اگر وہ اسکی محبت میں زیادہ گرفتار ہوتو ممکن ہے کہ اپنے ایمان ودین کو بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے، لیکن اگر یہ فساد اس حد تک نہ بھی پہونچے تو اسکا کم سے کم یہ اثر تو ضرور ہوگا کہ وہ اپنے گھر میں اپنی آنکھوں سے اسلامی اخلاق واقدار اور اسلامی تہذیب کے بہت سے ارکان کو برباد ہوتے ہوئے دیکھے گا اور اسکو گوارہ کریگا (جو کسی بھی طرح فکری ارتداد سے کم نہیں) سیاسی حیثیت سے بھی اس قسم کی شادیاں مضرت سے خالی نہیں، سازش، جاسوسی اور اسلامی سلطنت کی بیخ کنی کیلئے مسلمان گھر کی کافر بہو بہت آسانی کے ساتھ استعمال کی جاسکتی ہے اور اگر وہ زیادہ ہوشیار ہوتو اپنے شوہر کو بھی ان اغراض کیلئے آلۂ کار بناسکتی ہے، یہ سب مضرتیں ہیں جو پہلے بھی ظاہر

ہو چکی ہیں اور آج بھی ظاہر ہو رہی ہیں۔

جو لوگ شریعت کی روح سے اچھی طرح واقف تھے انھوں نے اسی بنا پر اجازت کو ہمیشہ رخصت کی قبیل سے سمجھا اور اس کو پسند نہ کیا کہ مسلمانوں میں کتابیات سے شادی کا عام رواج ہو، شریعت کے سب سے بڑے رازدان اپنے عہد میں حضرت عمرؓ تھے، انھوں نے حضرت حذیفہؓ کو جو کچھ لکھا تھا وہ شریعت کے مقصد پر خوب روشنی ڈالتا ہے، زمانہ اسلام کے غلبہ کا تھا، مسلمان علاقہ شام میں فاتح اور حکمران کی حیثیت سے تھے، ان کو ہر طرح تہذیبی بالاتری حاصل تھی کہ مسلمان دوسروں سے متاثر نہ ہوتے تھے، بلکہ دوسرے اسلام کی تقلید کو ایک فیشن سمجھتے تھے، معاملہ ایک ایسے جلیل القدر مسلمان کا تھا جس نے براہ راست شمع نبوت سے نور ایمان کا اکتساب کیا تھا اسلامی تہذیب اور اسلامی اخلاق میں اس سے بڑھ کر اور کون پختہ ہو سکتا تھا، مگر اس کے باوجود حضرت عمر نے حضرت حذیفہ کو ایک کتابیہ کے ساتھ ازدواجی تعلق رکھنے سے منع فرمایا اور طلاق دے دینے کا حکم فرمایا تھا، پھر یہ نہیں فرمایا کہ ان سے نکاح حرام ہے، بلکہ یہ فرمایا کہ اس سے مسلمان گھروں میں اہل کتاب کی بداخلاق عورتوں کے گھس آنے کا اندیشہ ہے، لہذا اس اجازت سے فائدہ نہ اٹھانا ہی بہتر ہے۔

غور کیجئے جب غلبہ کی حالت میں کتابیات سے نکاح کے متعلق اسلام کا یہ طرز عمل ہے تو اب جبکہ حالات بدل چکے ہیں، مسلمان مفتوح و مغلوب اور مرعوب علم وفن کے اعتبار سے پسماندہ اور تہذیب وتمدن کے لحاظ مسحور قوم بن کر رہ گئے ہیں، کیا طرز عمل ہونا چاہیئے نیز ان حالات میں اثر ڈالنے کا امکان کم، اثر قبول کرنے کا امکان زیادہ ہے، اس لئے اس کی کراہت میں کوئی شبہ نہیں، بلکہ کراہت اور زیادہ بڑھ جائے گی۔

اب رہ گیا سوال یہ کہ مغربی ممالک میں مسلمان مختلف محرکات مثلاً مزاجی ہم آہنگی، ویزہ کی سہولت اور قومیت کے حصول وغیرہ کیلئے عیسائی اور یہودی عورتوں سے نکاح کرتے ہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ نکاح دعوتی نقطہ نظر سے کیا ہے اور یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ اکثر و بیشتر مسلمان مردوں کے نکاح میں آنے والی عورتیں دامن اسلام میں آجاتی ہیں اور پھر وہ ایمان کی روشنی اپنے خاندان اور سماج تک پہونچانے کی کوشش کرتی ہیں، تو کیا اس صورتحال میں بھی ان لوگوں کے قول پر اہل کتاب سے نکاح کرنے کی کراہت باقی رہیگی جو دارالکفر میں اہل کتاب سے نکاح کو مکروہ قرار دیتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ درجہ ذیل وجوہات سے کراہت باقی رہے گی:

الف: حدیث شریف میں آیا ہے: "من كثر سواد قوم فهو منهم" (المقاصد الحسنہ رقم: ۱۱۷۰، المطالب العالیہ، رقم: ۴۴۵۴، نصب الرایہ، کتاب الجنایات ۵/۱۰۲) ترجمہ: جو مسلمان کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کرے گا وہ ان ہی میں شمار ہوگا"۔

ب: فقہا نے کراہت کے اسباب میں ایک سبب یہ لکھا ہے: "لأنه يكثر سواد أهل الحرب" (فقہ السنۃ ۲/۷۰) ترجمہ: اس لئے کہ وہ اہل حرب کی تعداد میں اضافہ کرے گا"۔

ج: یہود و نصاریٰ آج کل اپنے دعوتی مشن کے لئے عورتوں کا کثرت سے استعمال کر رہے ہیں اور یہ ان کیلئے بہت بڑا ہتھیار ہیں۔

د: نیز مغربی ممالک میں جھوٹی آزادی نسواں کے نام پر عورتوں کو جو قانونی سہولیات و مراعات حاصل ہیں اسکی وجہ سے مرد بعض حالات میں عورت کے سامنے مجبور و بے بس ہو جاتا ہے اور یہ سخت نقصان اور خطرہ کی باعث بن سکتی ہے، مثال طور پر ایک سچا واقعہ اپنے ایک رشتہ دار، جو ساؤتھ افریقہ میں مقیم ہیں، کا بیان کرتا ہوں، انھوں نے شہریت کے حصول کیلئے ایک عیسائی عورت سے شادی کی، مقصد میں کامیاب ہو گئے، شہریت مل گئی، مگر آپسی ناچاقی کیوجہ سے میاں بیوی میں نباہ نہیں ہو سکا، دونوں میں جدائی ہو گئی، انکے اس عورت سے دو بچے ہیں، ابھی دو سال قبل وہ بچوں کے ساتھ انڈیا آنا چاہتے تھے جب ویزہ کیلئے ایمبسی گئے تو ان کو تو ویزہ مل گیا، مگر بچوں کیلئے ماں کی رضامندی کا خط لازمی قرار دیا گیا، خیر انھوں نے فون پر رابطہ کر کے فیکس سے خط منگوایا، ویزہ مل گیا وہ بچوں کے ساتھ انڈیا آگئے انھوں نے سوچا کہ اپنی بچی کو یہیں انڈیا میں کسی مدرسۃ البنات میں داخل کر دیں تا کہ صحیح تعلیم و تربیت کا انتظام ہو سکے، ماں کو کسی ذریعہ سے پتہ چلا اس نے فوراً فون کیا کہ میں اجازت نہیں دیتی ہوں، اب غور طلب بات یہ ہے کہ جب عورتوں کو اتنی قانونی حیثیت طلاق ہو جانے کے بعد بھی حاصل ہے کہ بغیر اسکی اجازت کے بچے کہیں آجا نہیں سکتے، انھیں ویزہ نہیں مل سکتا، تو کیا کتابیہ عورت اپنے اس قانونی مراعات کا غلط استعمال نہیں کر سکتی ہے یقیناً کر سکتی ہے، راقم کی رائے میں کچھ فوائد۔ مثلاً دامن اسلام میں داخل ہو جانا جو محض ایک احتمال ہے۔کو دیکھ کر کراہت کا حکم بدلا نہیں جا سکتا، بلکہ یہ شراب اور جوا کے متعلق آیت قرآنی "إثمهما أكبر من نفعهما" (بقرہ: ۲۱۹) ترجمہ: ان دونوں کا گناہ نفع سے بڑھ کر ہے" کے مصداق ہے۔

بحیثیت بیوی اہل کتاب خاتون کے حقوق:

تاہم اگر اہل کتاب خاتون سے نکاح ہو گیا تو اس کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمان زوجہ کے ہوتے ہیں، نکاح کے بعد ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا درست نہیں ہے، چنانچہ "الموسوعة الفقهية" میں ہے: بیویوں کے درمیان عدل وانصاف واجب ہے اگر چہ ان کے دین الگ الگ ہوں، ابن المنذر نے فرمایا: ہمارے علم کے مطابق تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ مسلمان اور ذمی بیویوں کی باری میں مساوات ہوگی اس لئے کہ باری زوجیت کے حقوق میں سے ہے لہذا اس میں مسلمہ اور کتابیہ دونوں اسی طرح برابر ہیں جیسا کہ نفقہ اور سکنیٰ میں، یہ حکم تمام فقہاء کے نزدیک ہے" (موسوعہ فقہیہ مترجم: ۷/۲۱۰) البتہ اس کو طلاق دینے کی اجازت ہوگی، چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"رجل یرید أن یطلق امرأته بغیر ذنب إن أوفاها المهر ونفقة العدة وسع له ذالك؛ لأنه تسریح باحسان" (عالمگیری ۱/۳۴۲) (کوئی آدمی اگر اپنی بیوی کو بغیر کسی جرم کے طلاق دینا چاہتا ہے تو اسکے لئے گنجائش ہوگی بشرطیکہ وہ مہر اور عدت کا نفقہ دے دے اس لئے کہ یہ "تسریح بالاحسان" ہے)۔ بلکہ میرے خیال میں ان قباحتوں (جنکا ذکر سابق میں کیا گیا) کے پیش نظر طلاق دینا بہتر ہوگا۔

کیا کتابیہ مسلمان شوہر کے گھر میں اپنے مذہبی مراسم انجام دے سکتی ہے؟

مسلمان شوہر کے گھر میں رہتے ہوئے اس کو اپنے مذہبی مراسم ادا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہوگی چنانچہ عالمگیری میں ہے:

"ثم إذا تزوج المسلم الكتابية فله منعها من الخروج إلى البيعة و الكنيسة. كذا في السراج الوهاج. و من اتخاذ الخمر في منزله كذا في النهر الفائق" (عالمگیری ۱/ ۳۸۱) (تاہم اگر مسلمان نے کتابیہ سے شادی کر لی تو اسکو کلیسا اور بیعہ جانے سے روکنے کا شوہر کو حق ہوگا) اسی طرح "السراج الوهاج" میں ہے اور شوہر کے گھر میں شراب بنانے سے روکنے کا حق ہوگا اسی طرح "النہر الفائق" میں ہے"۔

اہل کتاب سے سماجی تعلق کا مسئلہ:

اہل کتاب سے سماجی تعلق کے سلسلہ میں چند باتیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں:

الف:..... عیسائی مشنریز تعلیم پر خصوصی توجہ دے رہی ہیں اور پورے ملک میں ان کے اسکولوں کا جال بچھا ہوا ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان اسکولوں سے پڑھ کر نکلنے والے طلبہ وطالبات کی ایک اچھی خاصی تعداد الحاد و دہریت کا شکار ہو جاتی ہے اور ان کے ذہن میں شکوک وشبہات کے کانٹے جڑ پکڑ لیتے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ بظاہر پکے مسلمان، نماز روزے کے پابند ہوتے ہیں، لیکن ذہنی وفکری اعتبار سے وہ اسلام سے خارج ہوتے ہیں غیر مسلموں کیطرح انھیں بھی حضور ﷺ کی گیارہ ازواج مطہرات پر اعتراض ہوتا ہے، اسلام کا قانون طلاق انھیں سمجھ میں نہیں آتا، قرآن میں بتائے گئے تقسیم میراث کے اصول کو وہ ظلم تصور کرتے ہیں، اسلامی حدود وقصاص کو وہ وحشیانہ عمل قرار دیتے ہیں، ان مشنری اسکولوں کے چند مسلم طلبہ کا فکری اور ذہنی ارتداد ملاحظہ کیجئے:

ایک طالب علم سے (جس کی ابتدائی تعلیم کانونٹ میں ہوئی تھی) ملازمت کیلئے انٹرویو کے دوران ممتحن نے جب سوال کیا کہ اسلام میں جب مرد کو طلاق دینے کا حق حاصل ہے تو عورت اس حق سے کیوں محروم ہے؟ مرد کو ایک ساتھ چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے جبکہ عورت کیلئے اس طرح کی کوئی گنجائش نہیں، اس سلسلہ میں بحیثیت مسلمان آپ کا کیا خیال ہے؟ ان اعتراض کا جواب دینے کے بجائے اس نوجوان نے کہا مجھے خود بھی اسلامی قوانین پر اعتراض ہے عورتوں کے سلسلہ میں اسلام کی یہ ناانصافی خود میرے سمجھ سے باہر ہے، میرے خیال میں عورت کو بھی مرد کی طرح بیک وقت چار شادیوں کی اجازت ہونی چاہئے۔

ہندوستان میں ایک اسلامی ادارے کی طرف سے بعض مشنری اسکولوں کا جائزہ لیا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ ان میں خود عیسائیوں کی تعداد ۲۰ فیصد سے زائد نہیں ہے ہندو طلبہ کا تناسب ۱۰ فیصد کے قریب ہے، باقی ۷۰ فیصد مسلم طلبہ یہاں زیر تعلیم ہیں بعض مسلم طلبہ کی دینی تعلیم کا جائزہ لیا گیا تو بائبل کی معلومات انھیں قرآن سے زیادہ تھیں، گھر میں فارغ اوقات میں خانگی طور پر اردو پڑھنے والے طلبہ سے الف، ب، ت، سے بننے والے الفاظ پوچھے گئے تو ان کی زبان سے الف سے اللہ کے بجائے انجیل، م، سے محمد کے بجائے مسیح اور ک، سے کعبہ کے بجائے کلیسا بے ساختہ نکلا، وہ چرچ کو بیت اللہ اور حضرت عیسیٰ کے ساتھیوں کو صحابہ اور بائبل کو کتاب مقدس اور اس کے اقتباسات کو آیات سماویہ کہہ رہے تھے۔

غرض یہ کہ برصغیر میں ان مشنری اسکولوں نے مسلم طلبا وطالبات اور نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی پیدا کر دی ہے جو بظاہر مسلمان ہیں، نماز

روزے کے پابند بھی ہیں، شناختی کارڈ اور ووٹر لسٹ میں مذہب کے خانہ میں اپنے کو بظاہر مسلمان ہی درج کرار ہے ہیں، لیکن ذہنی وفکری اعتبار سے مرتد اور اسلام سے خارج ہیں۔

لہٰذا ایسے حالات میں (جبکہ سچر کمیٹی کی رپوٹ بھی یہ ہے کہ صرف ۴ فیصد مسلم طلبا مدارس میں جاتے ہیں باقی ۹۶ فیصد اسکول اور کالج کا رخ کرتے ہیں) مسلمان خصوصا نوجوان طلبا و بالیات کے ایمان وعقیدے کی فکر ہماری اولین ذمہ داری اور وقت کا بڑا جہاد ہے، مسلمانوں کو اپنے علاقہ میں ایسے مشنری اسکولوں کی قطعا حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے اور نہ ہی اپنے نونہالوں کا اس میں داخلہ کرانا چاہئے، بلکہ اس سے سخت اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ ایسی تعلیم سے، جس سے الحاد اور دہریت پیدا ہوتی ہو اور شکوک وشبہات جنم لیتے ہوں اور ایمان وعقیدہ خطرہ میں ہو، جہالت کی موت بہتر ہے، قرآن پاک میں اللہ نے زمانہ جاہلیت میں بچوں کے زندہ درگور کئے جانے کا جوتذکرہ کیا ہے: "واذا الموؤدۃ سئلت بأی ذنب قتلت" (تکویر: ۹،۸) ترجمہ: اور جب زندہ درگور کی گئی بچی سے سوال کیا جائیگا کہ کس جرم میں اسکو قتل کیا گیا" میں سمجھتا ہوں کہ ایسی تعلیم، جس سے بچوں کے عقائد متاثر ہوتے ہوں بلکہ بچے اور بچیاں ارتداد کے دہانے پر پہونچ جائیں، دلانے والے اولیاء سے بھی قیامت کے دن یہی سوال ہوگا،

حضرت یعقوبؑ ایسے نبی ہیں جنکا پورا خاندان نبوت سے سرفراز تھا لیکن اس کے باوجود جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے بچوں کو جمع کر کے پوچھا: "ما تعبدون من بعدی" (تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟) تو بیٹوں نے جو خاندان نبوت کے چشم وچراغ تھے، جواب دیا:

"نعبد إلٰهك وإله آبائك إبراهيم وإسماعيل وإسحٰق إلٰها واحدا ونحن له مسلمون" (بقرہ: ۱۳۲)

(ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا حضرت ابراہیم واسماعیل واسحاق علیہم السلام کے معبود کی عبادت کریں گے جو صرف ایک معبود ہے اور ہم اسی کے تابع فرمان ہوں گے)۔ اس واقعہ سے دو باتیں خاص طور پر سمجھ میں آتی ہیں:

۱- حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ فکر اس لئے دامن گیر ہوئی کہ ہمارا خاندان اس ملک میں اقلیت میں ہے اور اکثریت مشرکین کی ہے ایسا نہ ہو کہ اکثریت اقلیت کو اپنے اندر جذب کرلے اور ہماری نسل بگڑ جائے اور انکا ایمان وعقیدہ محفوظ نہ رہے۔

۲- اللہ نے قرآن میں یہ واقعہ ایک ایسے نبی کا بیان فرمایا جنکی کئی پشتوں میں نبوت چلی آرہی تھی، حضرت یعقوب علیہ السلام خود نبی، ان کے والد نبی، ان کے دادا نبی، ان کے بیٹے نبی، پورا خاندان نبوت سے سرفراز، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کے متعلق یہ اطمینان ضروری سمجھا، لہٰذا ہر مسلمان پر ضروری بلکہ فرض ہے، جس طرح نماز فرض روزہ فرض ہے، کہ اپنی آئندہ نسلوں اور پسماندگان کے صحیح العقیدہ مسلمان رہنے کی ضمانت اور جیتے جی اسکا اطمینان ویقین کرلے، یہی ہر مسلمان کی شان ہونی چاہئے، اپنے متعلق بھی ہمیشہ ڈرتا رہے اور اپنے ایمان کی خیر مناتا رہے، دعا کرتا رہے کہ ہمارا ایمان سلامت رہے، ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو اور اپنی اولاد کے متعلق بھی اطمینان حاصل کرلے کہ یہ ہماری زندگی میں بھی اور ہمارے بعد بھی اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے آستانہ پر سر نہیں جھکائے گی، یہ اطمینان، یہ گارنٹی (GUARANTEE) سب سے زیادہ ضروری ہے، اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم ایسے اسکول قائم کریں جو معیاری ہوں اور ہر طرح کی سہولیات کے ساتھ نصاب میں اسلامیات کا غلبہ ہو، اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو مستقبل میں ہم اپنے بچوں کو ارتداد سے بچا نہیں پائیں گے اور بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ "یہ تاریخ اسلام کا سب سے المناک اور خطرناک موڑ ہے اگر اس طوفان بلاخیز اور فکری ارتداد کی طغیانی کو روکا نہیں گیا تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اسلام وایمان کے باقی رہنے کی کوئی ضمانت نہیں" ۱۹۴۸ء میں جب اسرائیل کا قیام ہوا تو وہاں سے مسلمانوں کو نکال دیا گیا اور وہ برطانیہ میں پناہ گزین ہوئے مگر برطانیہ میں ان لوگوں نے اپنے بچوں کے ایمان وعقیدہ اور تعلیم کی فکر نہیں کی تو اب صرف ان کے نام کے ساتھ الف لام (الفلاں) رہ گیا ہے جو ان کے اسلام سے تعلق کو ظاہر کرتا ہے، مگر حقیقی اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ب: عیسائی مشنریز کثرت سے ہاسپیٹل اور قرض مہیا کرنے والے ادارے قائم کرتی ہیں، یہ ادارے خدمت خلق کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ اور کم سے کم دوسروں کو ان کے مذہب سے دور کرنے میں اہم کردار ادا کررہے ہیں، ایسے اداروں میں خدمت کرنا یا انکی خدمات سے استفادہ کرنا درست نہیں کیونکہ: یہ ان کے مذہب کی تبلیغ میں تعاون ہے اور تعاون علی الاثم جائز نہیں ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (مائدہ: ۲) ترجمہ: اور تم گناہ اور زیادتی کے کاموں پر ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو" بلکہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ خود ایسے ادارے اور ہاسپیٹل قائم کریں تاکہ مسلمان بھی اس سے فائدہ اٹھائیں اور غیر بھی، اور فی زماننا یہ غیر مسلموں میں دعوت کا اہم اور موثر ذریعہ ہے۔ ☆☆

اہل کتاب، فرق باطلہ اور ہندو مذہب سے متعلق بعض احکام

مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی ارریاوی[1]

کیا بابی، بہائی، قادیانی اور سکھ کا شمار اہل کتاب میں ہوگا؟

۱- "ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شيء عليما" (احزاب: ۴۰)۔

۲- "إن الدين عند الله الإسلام" (آل عمران: ۱۹)۔

۳- "ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه، وهو في الآخرة من الخاسرين" (آل عمران: ۸۵)۔

۴- ''عن أبي هريرة عن رسول الله ﷺ أنه قال: والذي نفس محمد بيده لايسمع بي أحد من هٰذة الأمة يهودي ولانصراني ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار'' (صحیح مسلم ۱/ ۳۶۵ (۲۱۸))۔

۵- ''عن جابر بن عبدالله قال: قال رسول الله ﷺ: لاتسألوا أهل الكتاب عن شيء، فإنهم لن يهدوكم وقد ضلوا فإنكم إما أن تصدقوا بباطل أو تكذبوا بحق، فإنه لو كان موسى حيا بين أظهركم ما حل له إلا أن يتبعني'' (مسند احمد ۲۹/ ۱۵۳ (۱۴۱۰۴))۔

۶- ''عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: لاتقوم الساعة حتى يخرج ثلاثون دجالون كلهم يزعم أنه رسول الله'' (سنن ابی داؤد ۱۱/ ۴۰۹ (۳۷۷۲))۔

۷- ''عن حذيفة أن نبي ﷺ قال: في أمتي كذابون ودجالون سبعة وعشرون منهم أربع نسوة وإني خاتم النبيين لانبي بعدى'' (مسند احمد ۴۷/ ۳۳۸ (۲۲۳۶۹))۔

۸- ''عن ثوبان قال: قال رسول الله ﷺ: وإنه سيكون في أمتي كذابون ثلاثون كلهم يزعم أنه نبي وأنا خاتم النبيين لانبي بعدي'' (سنن ابی داؤد ۱۱/ ۳۲۲ (۳۷۱۰))۔

۹- ''عن ثوبان قال: قال رسول الله ﷺ: لاتقوم الساعة حتى تلحق قبائل من أمتي بالمشركين وحتى يعبدوا الأوثان، وإنه سيكون في أمتي ثلاثون كذابون كلهم يزعم أنه نبي وأنا خاتم النبيين لانبي بعدي، قال أبو عيسى: هٰذا حديث حسن صحيح'' (سنن الترمذی ۸/ ۱۵۶ (۲۱۳۵))۔

۱۰- ''عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: إن مثلي ومثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتا فأحسنه وأجمله إلاموضع لبنة من زاوية، فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له، ويقولون: هلا وضعت هٰذه اللبنة، قال: فأنا اللبنة وأنا خاتم النبيين'' (صحیح البخاری ۱۱/ ۳۶۶ (۳۲۷۱)، صحیح مسلم ۱۱/ ۳۰۴ (۴۲۳۹))۔

۱۱- ''عن أبي ذر قال: قلت: يا رسول الله! كم الأنبياء؟ قال: مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا، قلت: يا رسول الله، كم الرسل منهم؟ قال: ثلاثمائة وثلاثة عشر جم غير، قلت: يا رسول الله! من كان أولهم؟ قال: آدم، قلت: يا رسول الله! نبي مرسل؟ قال: نعم، خلقه الله بيده، ونفخ فيه من روحه، ثم سواه قبلا، ثم قال:

---

[1] خادم التدریس بدار العلوم الہیہ شاہ فیصل کالونی صورہ، سرینگر، کشمیر۔

یاأباذر! أربعة سريانيون، آدم، وشيث، ونحو، وخنوخ، وهو إدريس، وهو أول من خط بقلم وأربعة من العرب: بود، وصالح، وشعيب، ونبيك يا أباذر، وأول نبي من أنبياء بني إسرائيل موسى، وآخرهم عيسى، وأول النبيين آدم، وآخرهم نبيك''۔

۱۲۰- ''عن ابي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: إني خاتم ألف نبي أو أكثر''۔

۱۲۰- ''عن أبي سعيد قال: قال رسول الله ﷺ: إني أختم ألف ألف نبي أو أكثر''۔

۱۲۰- ''عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: إني لخاتم ألف نبي أو أكثر'' (تفسیر ابن کثیر ۲/ ۴۷۳)۔

ان دلائل قطعیہ کے بعد گرچہ اور کچھ کہنے کی گنجائش نہیں، تاہم بات کی مزید وضاحت کے لئے چند فقہی عبارتیں اور ان لوگوں کے بارے میں علماء کی آراء پیش خدمت ہیں۔

بابی اور بہائی:

بابی کا لفظ دراصل ''باب'' سے نکلا ہے اور اس کی تقدیری عبارت یہ ہے: ''الواسطة الموصلة إلى الحقيقة الإلهية''۔ یہ ایک شیعی اصطلاح ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث: ''أنا مدينة العلم وعلي بابها'' سے ماخوذ ہے۔

بکر بن عبد اللہ ابوزید فرماتے ہیں کہ روسی، انگریزی سامراج اور یہودیوں نے کچھ فرقوں کی بنیاد اسلام کے نام پر ڈالی، درحقیقت وہ اسلام کے دشمن ہیں، اور ان کا مقصد اسلام کی دیوار کو کمزور کرتا ہے، انہیں میں سے ''بابی'' فرقہ بھی ہے، جو مرزا علی محمد الشیر ازی، الملقب، باب المهدی المولود سنہ ۱۲۳۵ھ، الہالک ۱۲۶۵ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور بہائی فرقہ بھی بہاء حسین بن المرزا المولود بایران ۱۲۳۳ھ الہالک سن ۱۳۰۹، کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

اور قادیانی بھی ہے جو مرزا غلام احمد القادیانی الہالک سن ۱۳۲۵ کی طرف منسوب ہے۔

آگے ان فرقوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''المحكوم بكفرها أي هذه الفرق بإجماع المسلمين، وقد صدرت بكفرها قرارات شرعية دولية'' (الابطال لنظرية الخلط بين دين الإسلام وغيره من الأديان: ص ۱۱۲ لبکر بن عبد اللہ ابی زید) اور الرسل والرسالات: ص ۱۷۸ پر ہے: ''وسار على نهجة تلميذه الذي لقب (ببهاء الدين) وأتباعه يديون البهائية'' گویا بہائی کوئی غیر نہیں بلکہ بابی ہی کی دوسری شاخ ہے۔

اسی طرح دین الحق نامی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ بابی فرقہ کا بانی شیعہ کے اثنا عشریہ فرقہ میں سے تھا، بعد میں مستقل مذہب کا دعوی اور اپنے آپ کو مہدی منتظر مشہور کرلیا، اس کے مرنے کے بعد اس کا نائب ''بہاء'' ہوا، اس نے کچھ دن کے بعد اپنی الگ جماعت بنالی جو بہائی کہلاتی ہے۔

(دین الحق / ص ۱۴۶ عبد الرحمن بن حماد آل عمر)۔

سکھ:

پنجابی میں گرو کا مطلب ''خدا''، ''عارف''، یا ''پیغمبر'' کے ہوتے ہیں، سکھ مذہب کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے اس مذہب کے بانی اول کے بارے میں مختصر طور پر سمجھ لیں، کہ اس کا بانی گرونانک ہیں۔

گرونانک دیوجی کی پیدائش سن ۱۴۶۹ء میں ہوئی، گاؤں تلونڈی، ضلع شیخ پورہ جو لاہور سے ۶۵ میل کی دوری پر واقع ہے، بچپن میں ہی اس نے مقامی زبانوں کے علاوہ فارسی اور عربی میں دسترس حاصل کی تھی، جوانی میں ہی اسے مردانا، نامی ایک مسلمان افسر (ملازم) سے واقفیت ہوئی، سال ۱۴۹۶ء میں اسے عرفان وآگہی نصیب ہوئی، خدا سے راز و نیاز کی باتیں ہونے کے بعد اس نے یہ اطلاع دی کہ نہ کوئی ہندو ہے اور نہ کوئی مسلمان، گرونانک کو جو عزت اور قدر ومنزلت لوگوں کی طرف سے ملی وہ پنجابیوں کے اس مقولے سے واضح ہے: گرونانک شاہ فقیر- ہندو کا گرو، مسلمانوں کا پیر۔

اس نے لوگوں کو سچائی، محبت، ایمانداری، اور بلند اخلاق کی تعلیم دی، اس کی موت پر ہندوؤں نے اسے ہندو اور مسلمانوں نے مسلمان قرار دیا، ہندو اس کی

میت کو چتا دینے اور مسلمان دفنانے کے درپے تھے، اس سے متاثر ہو کر ہی اکبر بادشاہ کے درباری شاعر عرفی نے لکھا: اے عرفی! اچھوں اور بروں کے ساتھ اس طرح بسر کر کہ مر کر مسلمان تجھے زمزم سے غسل دینا چاہے اور ہندو چتا دینا چاہے۔

عقیدہ:

گرونانک کا بنیادی عقیدہ اخوت انسانی اور خدائے پدر پر ایمان ہے، خدا کو پدر کہنا عیسائی کی طرف لے جاتا ہے اور یہ قرآن کے صریح حکم کے خلاف ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "أنى تكون له ولد ولم تكن له صاحبه" (انعام:۱۰۱)، "قالوا اتخذ الله ولدا سبحانه هو الغني" (یونس:۶۸)، "وقل الحمد لله الذي لم يتخذ ولدا" (اسراء:۱۱۱)، "وينذر الذين قالوا اتخذ الله ولدا" (کہف:۴)، "وقالوا اتخذ الله ولدا سبحانه" (بقرہ:۱۱۶)، "الذي له ملك السموات والارض ولم يتخذ ولدا" (فرقان:۲)، "ولد الله وإنهم لكاذبون" (صافات:۱۵۲)، "لم يلد ولم يولد" (اخلاص:۳)۔

وہ ساری زندگی گرونانک کے لقب سے یاد کئے گئے، گرونانک کو اپنی پیغمبری پر پورا بھروسہ تھا اور وہ جانتا تھا کہ اس کا تقرر خدا کی طرف سے ہوا ہے، چنانچہ وہ کہا کرتا تھا: اے لالو! جیسے الفاظ مجھے خدا کی طرف سے آئے ہیں وہیں میں بیان کرتا ہوں۔

یہ ختم نبوت کا انکار ہے، جبکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شيء عليما" (احزاب:۴۰)، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وأنا خاتم النبيين" (صحيح بخاری ۳۶۶/۱۱، صحيح مسلم ۴۰۴/۱۱)، "ألا إنه لا نبي بعدي" (كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ۲۴۷/۵)۔

گرونانک کے بعد جو آٹھ گرو یکے بعد دیگرے تخت نشیں ہوئے وہ بھی اپنے آپ کو خدا کا پیغمبر ہی مانتے تھے، گرونانک مانتے تھے کہ خدا نے اسے ایک نیا دین جاری کرنے کا حکم دیا ہے جس کا بنیادی عقیدہ اخوت انسانی اور خدا کا باپ ہونا ہے، جو ہر طرح کی بری رسومات اور دینی پیشوائی سے پاک ہو، ان کی یہ بات قرآن کے اس حکم کے خلاف ہے: "إن الدين عند الله الإسلام" (آل عمران:۱۹)، "ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخاسرين" (آل عمران:۸۵)۔

گرونانک اور ۸ گروؤں کی تعلیمات:

سکھ اس کتاب کو زندہ گرو تصور کرتے ہیں، ہندو مذہب کی مذہبی کتب کے برعکس "گرنتھ صاحب" ہر کوئی پڑھ سکتا ہے۔

اس میں کل دعائیہ کلمات ۳۳۸۴ ہیں: ۱-گرونانک: (۹۷۴ شلوک)، گروانگند (۶۲ شلوک)، ۳-گروامرداس (۹۰۷ شلوک)، ۴-گرورامداس (۶۷۹ شلوک)، ۵-گروارجن (۲۲۱۸ شلوک)، ۶-گروتیغ بہادر (۵۹ شلوک)، ۷-گروگوبند سنگھ (۱ شلوک)، ۸-بھگتی کبیرداس (۲۹۱ شلوک)، ۹-شیخ فرید (۶ دعائیہ کلمات، ۱۳۰ شلوک)۔

اسی طرح حرام کاری سے بچنا، تمباکو نوشی، شراب نوشی اور دوسری نشہ آور چیزوں سے مکمل پرہیز کرنا، اور گوشت نہ کھانا، خاص طور سے جو مسلمانوں کی طرح ذبح کیا گیا ہو۔

ان کا یہ حکم ہماری شریعت سے متصادم ہے، چنانچہ بخاری میں ہے:

"عن انس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذي له ذمة الله وذمة رسوله، فلا تخفروا الله في ذمته" (صحيح بخاری ۱۵۰/۲ (۳۷۸))۔

چنانچہ اب کچھ ایسی چیزیں درج کی جارہی ہیں جن میں سکھ مت اور اسلام کے مابین تضاد ہے:

اسلام: مرتد ہونا ناپسند۔ سکھ مت: مرتد ہو جانا کوئی بری بات نہیں، کیونکہ ضمیر کی آزادی ہے، جبکہ اسلام میں حکم ہے:

"عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من بدل دينه فاقتلوه" (سنن ابن ماجه ۳۲۷/۷ (۲۵۳۶)، صحيح بخاری ۳۱۱/۱۰ (۲۷۹۴))۔

اسلام پانچ وقت کی نماز، سکھ مت: سکھ عبادت کے لئے آزاد۔

اسلام: زکوۃ ضروری، سکھ مت: خیرات کی ترغیب دی جاسکتی ہے، مگر کسی کو دینے کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

"وویل للمشرکین الذین لایؤمنون الزکاۃ وھم بالآخرۃ ھم کافرون" (فصلت: ۶،۷)۔

اسلام ختنہ کرنے کا حامی، سکھ مت: کوئی ختنہ نہیں۔

اسلام: ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا، تینوں رگوں (مری، حلقوم، ودجین) کو کاٹنا، کیونکہ اس طرح سے ذبح کرنے میں جانوروں کی موت آسانی سے ہوتی ہے۔

سکھ مت: مسلمانوں کی طرح کا ذبیحہ جس میں جانور کی موت آسانی سے ہوجاتی ہے، ناپسند کرتا ہے، گائے مارنا ناپسند کرتا ہے، سبزی کا استعمال، دودھ اور دہی وغیرہ کا استعمال پسند کرتا ہے (Some social and religious ideals of Gru Nanak Sb State and Culture an Medieval India by Khaliq Ahmad Nizami, Adam Publisher & Distributors, New Delhi)

لہٰذا ان کے متبعین کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہوسکتا ہے، کیونکہ وہ ختم نبوت کے منکر ہیں، چنانچہ طحاوی میں ہے: "وکل دعوی النبوۃ بعدہ فغي وھوی"۔

عبارت مذکورہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں معلوم ہوا کہ قادیانی، بہائی، بابی اور سکھ وغیرہ جتنے فرقے ہیں ان کو اہل کتاب میں کسی طرح شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، بلکہ یہ گمراہ فرقے ہیں، جن کے افراد ہندوستان، المانیا، امریکہ وغیرہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ چنانچہ "التعلیقات المختصرۃ علی متن العقیدۃ الطحاویۃ/ ص ۲۴" پر ہے: "وقد کفرہ العلماء وطردوہ من البلاد الإسلامیۃ، وکفروا أتباعہ؛ لأن ھذا تکذیب اللہ ولرسولہ، وتکفیرھم بإجماع المسلمین، لم یخالف فی ھذا أحد"۔

اسی طرح عبدالرحمن بن حماد آل عمر نے "اسلام سے خارج" فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "ویوجد في العالم الإسلامي فرق خارجۃ عن الإسلام، وھي تنتسب إلیہ، وتدعي أنھا مسلمۃ، لکنھا في الحقیقۃ غیر مسلمۃ؛ لأن عقائدھا عقائد کفر باللہ وبآیاتہ ووحدانیتہ" اس کے بعد باطنی جو ہندوستان، شام، ایران، عراق وغیرہ قادیانی، بہائی کا ذکر کیا ہے (ص ۱۴۵)۔

علامہ انورشاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: "أخذت من ھذا أن مدعي النبوۃ کافر إجماعا وواجب القتل، وشأن الملعون القادیاني، بعینہ شأن مسلمۃ الکذاب، بأنہ ادعی النبوۃ، ولم ینکر رسالۃ النبي ﷺ ونبوتہ" (العرف الشذي للکشمیری ۲/ ۲۷۰)۔

فتنۃ بہائیہ میں قرآن کریم کی اس آیت:

"لقد کفر الذین قالوا إن اللہ ھو المسیح بن مریم" سے ان تمام لوگوں کا کافر ہونا ثابت کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"سواء کان المسیح أو البھاء أو الحاکم بأمر اللہ الطاففمي أو القادیاني أو غیرہ مدعیا أنہ یعبد اللہ فی ھذا الشخص، وکذلك حکم بالکفر علی من عبد الملائکۃ أو الأنبیاء فقال سبحانہ: ولا یأمرکم أن تتخذوا الملائکۃ والنبیین أربابا أیأمرکم بالکفر بعد إذ أنتم مسلمون" (فتنۃ البھائیۃ/ ص ۵۱)۔

آگے لکھتے ہیں: "وھذا ما أفتی بہ العلماء سواء فی مشیخۃ الأزھر أو مجمع البحوث الإسلامیۃ بمصر أو دار الإفتاء بمصر أو المجلس الشرعي الإسلامي الأعلی بفلسطین أو لجان الفتوی بمصر والمملکۃ السعودیۃ فتاوی العلماء ھذہ لیست تعبیرا عن آرائھم الشخصیۃ ولکنھا تعبر عن حکم اللہ فی ھذہ الطائفۃ" (فتنۃ البھائیہ/ ۵۱)۔

اسی طرح مجمع الفقہ الاسلامی کا فتوی ہے: "أن ما ادعاہ میرزا غلام أحمد من النبوۃ والرسالہ ونزول الوحي علیہ إنکار صریح لما ثبت من الدین بالضرورۃ ثبوتا قطعیا یقینا من ختم الرسالۃ والنبوۃ بسیدنا محمد، وأنہ لاینزل وحي علی أحد بعدہ، وھذہ الدعوی من میرزا غلام أحمد تجعلہ وسائر من یوافقونہ علیھا مرتدین خارجین عن الإسلام، وأما اللاھوریۃ فإنھم کالقادیانیۃ في الحکم علیھم بالردۃ، بالرغم من وصفھم میرزا غلام أحمد بأنہ ظل وبروز لنبینا محمد" (مجلۃ المجمع ۲،۱۶/ ۲۰۹)۔

دار العلوم دیو بند کا فتوی:

ہاں ہم سب لوگ اس فیصلے سے متفق ہیں کہ جماعت احمدیہ بھی قادیانی جماعت کا ایک شعبہ ہے اور مثل قادیانیوں کے دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

(کتبہ الاحقر نظام الدین، مفتی دار العلوم دیو بند)۔

مظاہر العلوم کا فتوی:

مرزا غلام احمد قادیانی کافر تھا اس کو پیغمبر ماننے والے بھی کافر ہیں، عرصہ دراز سے تمام علماء اہل سنت والجماعت اس کو کافر سمجھتے ہیں۔

(الجواب صحیح عبد القیوم غفرلہ، کتبہ یحیی غفرلہ)۔

ندوۃ العلماء کا فتوی:

اس فیصلہ سے اتفاق ہے (محمد ظہور ندوی)۔

شیخ الازہر شیخ سلیم البشری نے مرزا عباس بہائی کے کفر کا فتوی دیا تھا، اور یہ فتوی مصر کے اخبار (الفتاۃ میں ۲۷/ ۱۲/ ۱۹۱۰ بالعدد ۶۹۲ کو شائع ہوا تھا)۔

اسی طرح ''المجلس الشرعي الاسلامي'' نے فلسطین میں بہائیوں کے کافر ہونے کا فتوی دیا ہے۔

نیز فتوی مفتي الديار المصرية الشيخ عبد المجيد سليم رحمه الله الصادرة برقم (۲۵۲۲) بتاریخ ۳/ ۱۱/ ۱۹۳۹ میں ہے:
''ونفيذ أن هذه الطائفة ليست من المسلمين''۔

شیخ احمد محمد عبد العال ہری، الامام الاکبر الشیخ جاد الحق علی جاد الحق وغیرہ نے بھی ان کے کفر کا فتوی دیا ہے (فتنۃ البہائیۃ: ص ۴۴)۔

اس کے بعد اسی کتاب میں مذکور ہے: ''ومن هنا أجمع المسلمون على أن العقيدة البهائية أو البابية ليست عقيدة إسلامية، وأن من اعتنق هذا الدين ليس من المسلمين'' (فتنہ بہائیۃ: ص ۴۶)۔

نیز شیخ عبد العزیز بن باز مفتی مملکت سعودیہ نے ان کے بارے میں فرمایا:

''أنه لا شك في كفرهم وقال رحمه الله: لايجوز دفنهم في مقابر المسلمين؛ لأن من ادعى النبوة بعد نبينا محمد ﷺ فهو كاذب وكافر بالنص وإجماع المسلمين؛ لأن ذلك تكذيب لقوله تعالى: ماكان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين، ولما تواترت به الأحاديث عن رسول الله ﷺ أنه خاتم الأنبياء لانبي بعده'' (فتنہ بہائیہ/ ص ۴۷)۔

شیخ احمد طنطاوی نے فرمایا: ''البهائية مرتدون عن الإسلام، ويجب أن ينفذ فيهم حكم الله''، اسی طرح مجموع البحوث الاسلامیہ کے علماء بھی اس گروہ کے کفر کا فتوی دے چکے ہیں (فتنہ بہائیہ: ص ۵۰)۔

لہذا ایسے لوگوں کا شمار ہرگز اہل کتاب میں نہ ہوگا، کیونکہ قرآن اللہ کی آخری الہامی کتاب ہے، اس کے بعد کسی کتاب کا الہامی ہونے کو ماننا دراصل قرآن کی تنقیص وتکذیب ہے۔

اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے بعد کسی نبی کا دعوی دار ہونا درحقیقت اللہ کے نبی کی نبوت میں کمی کا اعتراف کرنا ہے، جبکہ آپ کی نبوت کامل تھی اور آخری نبی آپ ہی تھے۔

۵- نسلی قادیانی کا حکم:

قادیانی چاہے نسلی ہی کیوں نہ ہو اس کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ وہ ختم نبوت کا منکر ہے، جو ایک اجماعی مسئلہ ہے، لہذا وہ اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے مسلمانوں میں تو شمار نہیں ہوسکتا، اور فقہی نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شمار اہل کتاب میں بھی نہ ہوگا، بلکہ وہ عام کفار کے حکم میں ہوں گے، اسی بناپر نہ ان سے رشتہ نکاح درست ہوگا، اور نہ ہی ان کا ذبیحہ حلال ہوگا، فقہاء نے ایسے لوگوں کو ''زندیق'' سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ زندیق کہتے ہیں:

''والزنديق هو الذي يظهر الإسلام ويستتر بالكفر، وهو المنافق، كان يسمى في عصر النبي ﷺ منافقا، ويسمى اليوم زنديقا'' (المغني ۱۴/ ٦٦)۔

فقہاء نے زندیق کو عام بت پرستوں اور کافروں کے حکم میں رکھا ہے، علامہ ابن نجیم مصری نے فتح القدیر کے حوالہ سے لکھا ہے:

''وفي فتح القدير: ويدخل في عبدة الأوثان عبدة الشمس والنجوم والصور التي استحسنوها والمعطلة والزنادقة والباطنية والإباحية وفي شرح الوجيز وكل مذهب يكفر به معتقده فهو يحرم نكاحها، لأن اسم المشرك يتناولهم جميعا'' (البحر الرائق ۸/ ۵۴)۔

جب قادیانی زندیق ہیں تو زندیق کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جاسکتا، اسی وجہ سے صاحبین ''صابئین'' کو زنادقہ وعام مشرکین کے حکم میں رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔

''وقال صاحباه هم من الزنادقة والمشركين، فلا تحل نساؤهم ولا ذبائحهم'' (موسوعه فقهيه ۲٦/ ۲۰۰)۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں: ''أخذت من هذا أن مدعي النبوة كافر إجماعا وواجب القتل، وشأن الملعون القادياني بعينه شأن مسلمة الكذاب، بأنه ادعى النبوة، ولم ينكر رسالة النبي ﷺ ونبوته'' (العرف الشذي للكشميري ۲/ ۲۷۰)۔

نیز امام شافعیؒ کی صراحت بھی موجود ہے: ''وأما من سوى هؤلاء من الكفار، مثل المتمسك بصحف إبراهيم، وشيث وزبور داؤد، فليسوا بأهل كتاب، ولا تحل مناكحتهم ولا ذبائحهم وهذا قول الشافعي'' (المغني ۱۵/ ۱۴۷)۔

اسلامی تعلیمات سے موافقت کی بنیاد پر ہندو مذہب کی مذہبی کتابوں کا حکم:

ہندو اوتاروں کا حکم:

سنسکرت زبان میں اوتار کا معنی نزول ہے، اور ہندوؤں کی اصطلاح میں: رب کا انسانی شکل میں زمین پر لوگوں کی اصلاح کے لئے اترنا ہے۔ قرآن کریم نے ۲۵ انبیاء کرام کا نام کی صراحت کے ساتھ کیا ہے، جن میں سے اٹھارہ انبیاء کا ذکر ان آیات میں ہے:

"وتلك حجتنا آتيناها إبراهيم على قومه نرفع درجات من نشاء إن ربك حكيم عليم ووهبنا له إسحاق ويعقوب كلا هدينا ونوحا هدينا من قبل ومن ذريته داؤد وسليمان وأيوب ويوسف وموسى وهارون و كذلك نجزي المحسنين وزكريا ويحيى وعيسى والياس كل من الصالحين وإسماعيل واليسع ويونس ولوطا وكلا فضلنا على العالمين" (انعام: ۸٦-۸۳)

اس کے بعد قرآن اجمالی طور پر کہتا ہے: "ومن آبائهم وذرياتهم وإخوانهم واجتبيناهم وهديناهم إلى صراط مستقيم" (انعام: ۸۷)، چنانچہ ان سات انبیاء کا ذکر مختلف آیات میں ہے: آدم، ادریس، ہود، صالح، شعیب، ذو الکفل، محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

نیز اسی طرح سورہ مریم میں کچھ انبیاء کے ذکر کے بعد مذکور ہے: "أولئك الذين أنعم الله عليهم من النبيين من ذرية آدم وممن حملنا مع نوح ومن ذرية إبراهيم وإسرائيل وممن هدينا واجتبينا إذا تتلى عليهم آيات الرحمن خروا سجدا وبكيا" (مریم: ۵۸)۔

اسی طرح قرآن کریم نے سورہ نساء ۱٦۴ سے قبل کچھ انبیاء کا ذکر نام کے ساتھ کیا ہے اس کے بعد ارشاد ہے: "ورسلا قد قصصناهم عليك من قبل ورسلا لم نقصصهم عليك" (نساء: ۱٦۴)، نیز سورہ غافر میں مذکور ہے: "ولقد أرسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك" (غافر: ۷۸)۔

اگر چہ اجمالی طور پر تمام انبیاء پر ایمان لانا واجب ہے، چاہے اس کا نام قرآن وحدیث میں مذکور ہو یا نہ ہو، اس لئے کہ سورہ بقرہ میں کچھ انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد قرآن کہتا ہے: "وما أوتي النبيون من ربهم لانفرق بين أحد منهم ونحن له مسلمون" (بقرہ: ۱۳٦)، اسی طرح سورہ آل عمران میں بھی آیا ہے: "والنبيون من ربهم لانفرق بين أحد منهم ونحن له مسلمون" (آل عمران: ۸۴)، اسی طرح تمام آسمانی کتابوں پر اجمالی طور پر ایمان لانا

واجب ہے کیونکہ ارشاد ہے: "والذين يؤمنون بما أنزل اليك وما أنزل من قبلك وبالآخرة هم يوقنون أولئك على هدى من ربهم وأولئك هم المفلحون" (بقرہ: ۴،۵)۔

ذکر کردہ آیتوں سے دو باتیں معلوم ہوئی:

۱- نبی کریم ﷺ اور قرآن پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ گذشتہ تمام انبیاء اور ان پر نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۲- دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ گذشتہ تمام انبیاء اور ان کی کتابوں کا نام قرآن میں صراحتہ مذکور نہیں ہے، البتہ کچھ روایتوں میں چند انبیاء اور ان کی کتابوں کا ذکر ملتا ہے، چنانچہ ابن کثیر سورہ نساء کی مذکورہ آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں: "وقد اختلف في عدة الأنبياء والمرسلين"،

اس کے بعد حضرت ابوذرؓ کی لمبی حدیث ابن مردویہ کے حوالہ نقل کر کے فنی جائزہ بھی لیا ہے: "عن أبي ذر قال: قلت: يا رسول الله، كم الأنبياء ؟ قال: "مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا"، قلت: يارسول الله، كم الرسل منهم؟ قال: "ثلاثمائة وثلاثة عشر جم غفير"، قلت: يارسول الله، من كان أولهم؟ قال: "آدم"، قلت: يا رسول الله، نبي مرسل؟ قال: "نعم، خلقه الله بيده، ونفخ فيه من روحه، ثم سواه قبلا"، ثم قال: "يا أباذر، أربعة سريانيون: آدم، وشيث، ونوح، وخنوخ، وهو ادريس، وهو أول من خط بقلم وأربعة من العرب: هود، وصالح، وشعيب، ونبيك أباذر، وأول نبي من أنبياء بني إسرائيل موسى، وآخرهم عيسى، وأول النبيين آدم، وآخرهم نبيك"

اسی طرح ابوامامہ اور حضرت انسؓ کی روایت ذکر کرنے کے بعد ان پر کلام بھی کیا ہے:

"عن أبي أمامة قال: قلت: يا نبي الله، كم الأنبياء؟ قال: مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا، من ذلك ثلاثمائة وخمسة عشر جما غفيرا"، "عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: "بعث الله ثمانية آلاف نبي، أربعة آلاف إلى بني إسرائي، وأربعة آلاف إلى سائر الناس" (تفسير ابن كثير ۲/ ۴۷۰)۔

"عن أنس قال: قال رسول الله ﷺ: كان فيمن خلا من إخواني من الأنبياء ثمانية آلاف نبي، ثم كان عيسى ابن مريم، ثم كنت أنا"۔

"عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله: بعثت على إثر من ثلاثة آلاف نبي من بني إسرائيل"۔

اسی طرح حضرت ابوذرؓ کی اس روایت کو بھی ذکر کیا ہے جس میں گذشتہ انبیاء ورسل کے ذکر کے ساتھ ان کی کتابوں کا بھی ذکر ہے:

"عن أبي ذر قال: دخلت المسجد فإذا رسول الله ﷺ جالس وحده، فجلست إليه فقلت: يا رسول الله، إنك أمرتني بالصلاة، قال: "الصلاة خير موضوع فاستكثر أو استقل"]، قال: قلت: يا رسول الله، فأي الأعمال أفضل؟ قال: "ايمان بالله، وجهاد في سبيله"، قلت: يا رسول الله، فأي المؤمنين أفضل؟ قال: "أحسنهم خلقا"، قلت: يا رسول الله، فأي المسلمين أسلم؟ قال: "من سلم الناس من لسانه ويده"، قلت: يا رسول الله، فأي الهجرة أفضل؟ قال: "من هجر السيئات"، قلت: يا رسول الله، أي الصلاة أفضل؟ قال: "طول القنوت"، قلت: يا رسول الله، فأي الصيام أفضل؟ قال: "فرض مجزى وعند الله أضعاف كثيرة"، قلت: يا رسول الله، فأي الجهاد أفضل؟ قال: "من عُقر جواده وأهريق دمه"، قلت: يا رسول الله، فأي الرقاب أفضل ؟ قال: "اغلاها ثمنا وأنفسها عند أهلها"، قلت: يا رسول الله فأي الصدقة أفضل؟ قال: "جهد من مقل، وسر إلى فقير"، قلت: يا رسول الله، فأي آية ما أنزل عليك أعظم [منها]؟ قال: "آية الكرسى"، ثم قال: "يا أباذر، وما السموات السبع مع الكرسي إلا كحلقة ملقاة بأرض فلاة، وفضل العرش على الكرسي كفضل الفلاة على الحلقة"، قال: قلت: يا رسول الله، كم الأنبياء؟ قال: "مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا"، قال: قلت: يا رسول الله! كم الرسل من ذلك؟ قال: "ثلاثمائة، وثلاثة عشر جم غفير كثير طيب"، قلت: فمن كان أولهم؟ قال: "آدم"، قلت: أنبي مرسل؟ قال: "نعم، خلقه الله بيده، ونفخ فيه من

روحه، وسواه قبيلا ثم قال: ''يا أباذر، أربعة سريانيون: آدم، وشيث، وخنوخ، وهو إدريس، وهو أول من خط بقلم و نوح، وأربعة من العرب: هود، وشعيب، وصالح، ونبيك يا أباذر، وأول أنبياء بني إسرائيل موسى، وآخرهم عيسى، وأول الرسل آدم، وآخرهم محمد''، قال: قلت: يا رسول الله، كم كتابا أنزله الله؟ قال: ''مائة كتاب وأربعة كتب، وأنزل الله على شيث خمسين صحيفة، وعلى خنوخ ثلاثين صحيفة، وعلى إبراهيم عشر صحائف، وأنزل على موسى من قبل التوراة عشر صحائف والإنجيل والزبور والفرقان'' الخ۔

اسی روایت میں ہے حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام اور آپ پر جو باتیں نازل ہوئی تھیں ان میں سے کچھ ہمارے پاس ہیں؟ تا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر ان آیتوں کی تلاوت کر: "قد أفلح من تزكى، وذكر اسم ربه فصلى، بل تؤثرون الحياة الدنيا، والآخرة خير وأبقى، إن هذا لفي الصحف الأولى، صحف إبراهيم وموسى" (اعلیٰ: ۱۹-۱۴)

بہر حال روایتوں میں بھی کچھ انبیاء اور ان کی کتابوں کا ذکر ملتا ہے، لیکن قطعیت کے ساتھ ہندوؤں کے اوتاروں اور ان کی کتابوں کے بارے میں ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ وہ انبیاء ہی تھے اور ان کی کتابیں یقیناً الہامی ہیں، چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ آیت کریمہ 'إن هذا لفي الصحف الأولى، صحف إبراهيم وموسى' (اعلیٰ: ۱۸، ۱۹) کے متعلق فرماتے ہیں:

اس کی کوئی صریح دلیل تو میرے پاس نہیں ہے لیکن تمام انبیاء میں صرف دو پیغمبروں کا یہاں انتخاب ایک اشارہ معلوم ہوتا ہے، ایسا خیال گذرتا ہے کہ مغربی ممالک عموماً مسیح علیہ السلام (جو موسوی دین پر لوگوں کو قائم کرتے تھے) ان کو پیغمبر مانتے ہیں، بلکہ ان کا عمل درآمد ان کی شریعت ہی موسیٰ کی شریعت ہے، اور مشرقی اقوام ایرانی، ہندی وغیرہ کے متعلق تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ ایرانی اپنا پیغمبر اول مہ آباد، بانی کعبہ کو ٹھہراتے ہیں، ہندو، وید کے متعلق مدعی ہیں کہ برہما کے منہ سے نکلا ہے، اسی بنیاد پر وید والے اپنے کو برہمن کہتے ہیں، نون آرین زبانوں میں یائے نسبت کا قائم مقام ہے (پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ۲/ ۷۰)۔

مولانا یعقوب نانوتویؒ کبھی کبھی یہ فرماتے کہ "ہردوار" ہر معنی "خدا" اور "دوار" معنی گھر یعنی بیت ہے، اب دونوں کا معنی ہوا بیت اللہ، وہاں ہر کی پیڑی کے نام سے جو مقام موسوم ہے، مجھے اس میں ایک لاہوتی نسبت محسوس ہوتی ہے (پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم)۔

اسی طرح مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوب بنام فرزند سعید لکھتے ہیں: جو انبیاء علیہم السلام ہند میں مبعوث ہوئے ہیں اور اس جگہ (براس، سرہند، پنجاب) پر آرام کئے ہوئے ہیں وہ مجھ پر ظاہر ہوئے ہیں، میں دیکھتا ہوں کہ ان کی قبروں سے نور کے شعلے آسمانی تک جارہے ہیں، اور مراقبہ کے بعد لوگوں سے فرمایا: نظر کشفی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس ٹیلے پر انبیاء کے مقبرے ہیں، بلکہ ان لوگوں نے مجھ سے ملاقات بھی کی ہیں، اور مجھے کہا کہ ہم اس جگہ پر آرام کئے ہوئے ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے مرید حاجی محمد حسین کو بتایا کہ انہوں نے اس جگہ (براس) پر مراقبہ کیا اور ان حضرات کی روحوں سے ملاقات کی جو گنتی میں تیرہ ہیں، ان کے علاوہ مولانا افتخار الحسن کاندھلوی، مولانا محمد یوسف کاندھلوی، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب وغیرہ اس مقام کی زیارت کرنے کے لئے آئے ہیں (گلشن اولیاء کرام، ص ۷ ۲ و مابعدہا)۔

لیکن ان سے ہندوؤں کے اوتاروں کا نبی ہونا یا رسول ہونا تب بھی ثابت نہیں ہو رہا ہے، اس لئے ان کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ "ولكل قوم هاد" (رعد: ۷) کی تفسیر میں مفتی شفیع صاحب "معارف القرآن جلد ۵" میں لکھتے ہیں: اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندوستان میں بھی نبی و رسول پیدا ہوا ہو، البتہ دعوت رسول کے پہنچانے اور پھیلانے والے علماء کا کثرت سے یہاں آنا بھی ثابت ہے، پھر یہاں پر بے شمار ایسے ہادیوں کا پیدا ہونا بھی ہر شخص کو معلوم ہے۔

البتہ جب قرآن کی تصریح کے مطابق ہر قوم کے لئے الگ الگ نبی آئے ہیں تو کیا بعید ہے کہ ہر قوم کے الگ قبلے ہوں، الگ کتاب ہوں، یہودی وعیسائی اگر بیت المقدس جاتے تھے تو دنیا کی دوسری قوم میں مختلف تیرتھ گاہوں کو جاتی تھیں، ان کی ضرور کوئی نہ کوئی اصل ہوگی، البتہ ان پر یقین نہیں کرسکتے، کیونکہ آیت کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء کا خیال ہے کہ آیت میں ہادی سے مراد نبی ہے، جبکہ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ ہادی سے صرف نبی مراد نہیں، بلکہ داعی وغیرہ بھی داخل ہیں "ولكل قوم من قبله هاد ومنذر وداع" (تفسیر الرازی ۹/ ۱۴۸)، لہٰذا ان کتابوں کے بارے میں یقین کے ساتھ تو الہامی کتاب ہونے کا

فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان مقدس شخصیات کو یقین کے ساتھ انبیاء ہی کہہ سکتے ہیں۔

ہندو اوتاروں کو نبی ماننا قادیانی عقیدہ ہے:

ہندوؤں کے اوتاروں کو نبی ماننا قادیانیوں کا عقیدہ ہے، چنانچہ غلام داہیہ ماگر سے قادیانی نے ہندوؤں کے ایک معبود کرشنا کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے:

''إن القديس كرشنا كان نبيا، وينزل عليه روح القدس، وأنه قام بتطهير الأرض من الأريين'' (موسوعة البحوث والمقالات العلمية/ ۱۱)۔ اس لئے عجلت کے ساتھ ان کے نبی ہونے کا فیصلہ کرنا یا محض اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت ان کی کتابوں میں ہونے کی وجہ سے ان کو الہامی کہنا درست نہیں، جب تک کوئی قطعی ثبوت نہ مل جائے، توقف کرنا ہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔

ایک نظر بھگوت گیتا کے بارے میں:

یہ کتاب کرشنا کے فرمودات کا مجموعہ ہے، جس میں ارجن کی جنگی مہارت وغیرہ کا بیان ہے، ہندوؤں کے یہاں اس کتاب کو بڑا مقام حاصل ہے، جس کی وجہ سے ہندو اکثر اس کتاب کو اپنا نمونہ اور آئیڈیل بناتے ہیں، اور اس کو پڑھ کر اپنے اندر کرشنا جیسی بہادری، اخلاق پیدا کرنا چاہتے ہیں، اور لوگوں کے ظلم وستم سے انسانوں کو بچانے کی تدبیر اختیار کرتے ہیں، اسی وجہ سے مہاتما گاندھی کا قول ہے: ہماری یہ کتاب نہایت ہی مقدس کتاب ہے اس کے برابر اور اس کے مقابل کوئی دوسری کتاب نہیں، کیونکہ اس میں اچھے عقائد، اخلاق حسنہ کا بیان ہے، لہذا تمام اصحاب فکر ودعوت کو چاہئے کہ وہ اس کتاب کی عظمت کو جانے، اور اس کا احترام کرے، اس کی تعظیم کرے، اور اسے اپنے دین کے لئے راہنما بنائے (ہندو دھرم)۔

لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر رادھا کرشنا کا کہنا ہے: ''إن كيتا من أحسن الكتب في فلسفة الدين والأخلاق مع أنه ليس إلها ميا مثل أسمرتي'' (مجلة الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة ۳/ ۴۶۵) مذکورہ بالا عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ الہامی کتاب نہیں ہے۔

اسی طرح مہاتما گاندھی کا کہنا ہے: ''أنا لا أعتقد في كيتا صحة وجوده التاريخي بل هو كتاب تمثيلي وتخيلي وضعه المصنف لتقريب معاني (مها بهارت) لأنه لم يثبت عندي وجود كرشنا تاريخيا'' (ہندو دھرم/ ص۱۸، مجلة الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة ۳/ ۴۶۶، بقلم الطالب: محمد ضياء الرحمن اعظمی)۔

گاندھی جی کی بات سے معلوم ہوا کہ نہ تو اس کتاب کو الہامی کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی کوئی تاریخی حیثیت پایہ ثبوت تک پہنچتی ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خود کرشنا کی بھی تاریخی حیثیت ثابت نہیں ہے تو پھر ان کتابوں کو الہامی یا ان کے اوتاروں کو نبی کا درجہ کیسے دیا جاسکتا ہے؟

کیونکہ خود گاندھی جی کا کہنا ہے کہ میں گیتا کی تاریخی صحت کا اعتقاد نہیں رکھتا ہوں، بلکہ یہ ایک تمثیلی اور تخیلی کتاب ہے، اس کے مصنف نے اس کو (مہابھارت) کو قریب الی الفہم کرنے کے لئے لکھا ہے، کیونکہ میرے نزدیک کرشنا کا تاریخی وجود ثابت ہی نہیں ہے (ہندو دھرم/ ص۱۸، مجلة الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة ۳/ ۴۶۶)۔

مزید یہ کہ بہت سارے نئے محققین نے اس کتاب پر طعن بھی کیا ہے کیونکہ یہی کتاب (مہابھارت) جنگ عظیم ہند کا سبب ہے، جس میں لاکھوں لوگوں کی جانیں ختم ہوئی اور کروڑوں کے اموال ضائع ہوئے ہیں، اور اب بھی یہی کتاب ہمیں جنگ وجدال کی دعوت دے رہی ہے، جبکہ یہ بات ہندوازم کے اصولوں کے سراسر خلاف ہے، کیونکہ ہندوازم میں ہے: ''أهنسا ير مودهر ما''، ''افضل الدين ترک القتال والحرب'' یعنی افضل دین وہی ہے جس میں قتل وقتال نہ ہو، اسی اصول کو گاندھی بھی مانتے ہی نہیں تھے بلکہ اس کے بہت بڑے داعی بھی تھے۔

البتہ جہاں تک پرتاثیر ہونے کی بات ہے تو وہ بات اس کتاب میں موجود ہے، کیونکہ افکار ہندی میں اس کا اہم رول ہے۔

رامائن:

یہ کتاب گیتا وغیرہ سے مقدم ہے، اس میں راما چندر کی سیرت کو بیان کیا گیا ہے، اور راما چندرا کا زمانہ کرشنا کے زمانہ سے قبل ہے۔

رامائن کی دو قسمیں ہیں:

۱- بالمیکی رامائن: یہ اصل میں سنسکرت زبان میں لکھی ہوئی ہے، بالمیکی راما چندر کے ہم عصر تھے، اس بالمیکی کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان

ہندوؤں کا کہنا ہے کہ اوتار منی نے اس کتاب کو خود سنا ہے اور اس کی تصدیق کی ہے، پھر برہما بالمیکی کے پاس آئے اور ان سے رامائن لکھنے کو کہا، اس بات پر ان کو ڈانٹا کہ راما کی کوئی بات چھپائے یا اس پر کسی جھوٹ بات کا تہمت لگائے (باب بالکاند بالمیکی رامائن)۔ لیکن اس قدر اہتمام اور سعی کامل کے بعد بھی بالمیکی رامائن ہندوستان کے گوشہ گوشہ تک نہیں پہنچ سکا کیونکہ اس کی زبان سنسکرت ہے وہ آج کل متروک ہو چکی ہے۔

۲- تلسی رامائن: اس کتاب کی بھی اصلی زبان سنسکرت ہے، اس کو سنسکرت زبان سے ہندو زبان میں چار سو سال قبل منتقل کیا گیا، یعنی اسلامی حکومت جلال الدین اکبر کے زمانے میں، لہذا یہ کتاب ہندوستان کے ہر گوشہ تک پہنچی، لوگوں نے بالمیکی سے زیادہ اس کی طرف توجہ دی کیونکہ یہ ہندی زبان میں تھی، اسی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس کی بہت قدر و منزلت ہے۔

لیکن اس کتاب کو بھی بعض محققین نے جھوٹی کتابوں میں شامل کیا ہے، چنانچہ گاندھی جی کا کہنا ہے کہ کیا تم تلسی کو نہیں دیکھتے ہو کہ وہ عورتوں کے ساتھ کس طرح کا مذاق کرتا ہے، اور ان کی حقارت کرتا ہے، اور بلیشن کی تعریف کرتا ہے جس نے اس کے حقیقی بھائی کے ساتھ خیانت کی تھی، اور راما کو اس کے وطن کی فتح کی رہنمائی کرتا ہے، اور اس کو اس معبود کا مقام دیتا ہے جس نے اپنی بیوی پر ظلم کیا تھا (ہندو دھرم/ص ۳۳)، اسی طرح تلسی ان لوگوں کو جو چھوٹے طبقہ یعنی شودروں کی تحقیر کرتا ہے، اور ان کو ہر کسی گناہ پر مارنے کا حکم دیتا ہے (مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورہ ۳/۴۶۶)۔

عقیدہ اوتار:

سنسکرت زبان میں اوتار کا معنی نزول ہے، اور ہندوؤں کی اصطلاح میں: رب کا انسانی شکل میں زمین پر لوگوں کی اصلاح کے لئے اترنا ہے، جیسا کہ گیتا میں ہے، کہ جب حق باطل کے مقابلہ میں تزلزل کا شکار ہو جاتا ہے، اور فساق لوگ نیک لوگوں پر غالب آجاتے ہیں، تو بھگوان (اللہ) احقاق حق اور نیک لوگوں کی حفاظت کے لئے اترتا ہے۔

اوتار کے چار مقاصد ہوتے ہیں:

۱- نیک اور زاہدوں کو بد اور فاسق لوگوں پر غلبہ دلانا، ۲- دنیا کی فلاح اور دجال کا خاتمہ، ۳- زمین کے بوجھ کو اٹھانا، ۴- اسوہ حسنہ کا اظہار۔

اوتار کی چار قسمیں ہیں:

۱- بورن اوتار: ہندو اس سے نزول کامل مراد لیتے ہیں، اور اس کی شرط یہ ہے کہ مرسل غیر متناہی قوتوں کا مالک ہو یعنی برہما کی طاقت کے برابر جیسے: راما اور کرشنا اوتار۔

۲- اَنسن اوتار: جنہیں کسی خاص غرض کے لئے بھیجا جاتا ہے، اور یہ پہلے سے کمتر ہوتے ہیں، جیسے: نرسنگ اوتار۔

۳- کلا اوتار: جو اَنسن سے کمتر ہوتے ہیں جیسے: منو کشیپ اوتار۔

۴- اوہیا کاری اوتار: جنہیں اس کی زندگی میں کبھی برہما کی طرف قوت وقتی طور پر دے دی جاتی ہے پھر وہ قوت کبھی سلب کرلی جاتی ہے، جیسے: ویدویاس اوتار، جس کو "وید" کی تالیف کے وقت برہما جیسی قوت ملی پھر اس کے بعد سلب کرلی گئی (مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورہ ۳/۴۶۷)۔

یہ وہ عقائد ہیں جو ہندوؤں کے یہاں ہر چھوٹے بڑے میں مشہور ہیں، اور جن کا وہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں، لیکن جب ہم ان کی مقدس کتاب "وید" کو دیکھتے ہیں تو جمہور ہندو جن باتوں کی طرف جارہے ہیں ان سے ان کی تصدیق نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ تو رسولوں کے آنے کا مدعی حضرت آدم ہی سے ہیں جیسا کہ اسلامی عقیدہ ہے۔

اب یہاں یہ سوال رہ جاتا ہے کہ ان ہندوؤں نے پھر کیسے رسولوں کے صفات کو اپنے معبودوں پر چسپاں کردیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہندو قوم میں عقیدہ صالحہ کا خاتمہ ہو گیا تو وہ اپنے اعمال و عقائد میں آزاد ہو گئی، کیونکہ میزان عدل ہی نہ رہا، جس کی وجہ سے آج تک وہ اسی کشمکش میں مبتلاء ہیں، چنانچہ جب کبھی انہوں نے انبیاء وغیرہ سے کسی معجزہ کا ظہور کا مشاہدہ کیا تو اسے وہ انسانوں سے بالاتر سمجھ بیٹھے، بلکہ ان کو معبودوں کا درجہ دے دیا، اور کہنے لگے یہ آسمان سے اترے ہیں، لہذا اس کی تعظیم شروع کردی، اور پھر اسی کی عبادت بھی ہونے لگی (مجلۃ الجامعۃ الاسلامیۃ المدینۃ المنورہ ۳/۴۶۹)۔

اسی طرح ان کے یہاں خالق وجود ذات مبہم کے طور پر ہے وہ کسی صفات سے متصف نہیں ہوتے ہیں، وہ ہر جگہ ہر زمانہ میں موجود ہوتا ہے لیکن انسانی ادراک اس کا تصور کرنے سے عاجز ہے، لہٰذا انسان ایک ظاہری معبود کا محتاج ہے، تاکہ جب کبھی اس پر مصیبت آئے تو وہ اس سے مدد مانگ لے، اسی تصور کی بناء پر جب انہوں نے دیکھا کہ دریا کھیتوں، درختوں کو سیراب کرتا ہے، تو اسے معبود بنا ڈالا، جب آگ کو دیکھا کہ وہ کھانے وغیرہ بنانے کے کام آتی ہے تو اس کی پوجا شروع کردی، جب انہوں نے گائے کو دیکھا کہ وہ دودھ دیتی ہے تو اس کی پرستش شروع کردی، الغرض ان کے علاوہ جن چیزوں میں اسے نفع سمجھ میں آیا اسے ہی معبود بنا ڈالا، جبکہ یہ ساری وہ باتیں ہیں جو ان کی کتاب مقدس "وید" کے خلاف ہے، لیکن ان کے ذہن ودماغ میں یہ بات اس طرح رچ بس گئی ہے کہ جس سے وہ خلاصی نہیں پاسک رہے ہیں، چنانچہ اسی کی طرف ایک ہندو عالم (ذکر) نے اپنی کتاب "العناصر الأربعة للحضارة الهندية" میں اشارہ کیا ہے:

"كان من عقيدة ويدهرم أن قدرة الخالق منقسمة إلى أشخاص متعددة (ديوتا) فكان الإنسان يتوجه في دعائه إلى هؤلاء الأشخاص لقضاء الحاجة التي يملكها هذا الشخص، فمثلا كانوا يتوجهون في استنزال المطر إلى (اندرا) وفي اشعال النار إلى أكني، وفي طلب الأولاد إلى (كامديو) وهكذا"

بس ہندوؤں کے یہاں تعدد الٰہ کا یہی فلسفہ ہے (مجلة الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة ۳/ ۴۷۰)۔

الف- مشنریز اسکول میں مسلم بچوں کی تعلیم کا مسئلہ:

آج لوگوں میں عجیب خبط سوار ہے کہ وہ ان عیسائی مشنریز اسکولوں میں اپنے بچوں کا ایڈمیشن کرانے کے لئے دیوانہ وار سرگرداں رہتے ہیں، جبکہ یہاں سرینگر کے کچھ لوگوں کی حالات اس سے بھی عجیب تر دیکھنے اور سننے کو مل رہی ہے، کہ ابھی بچہ ماں کے پیٹ میں ہی ہوتا ہے اور بیوی امید سے ہی ہوتی ہے کہ اس بچہ کا فرضی نام بھی رکھ دیا جاتا ہے اور عیسائی مشنریز اسکولوں میں قبل از ولادت ہی بچہ کا ایڈمیشن کردیا جاتا ہے، یا تو یہ سمجھ کر کہ ممکن ہے کہ آئندہ رول بڑھ جانے کی وجہ سے اس کے بچہ کا ایڈمیشن عیسائی اسکول میں نہیں ہو پائے گا یا پھر ایڈمیشن فیس کچھ سالوں میں بہت زیادہ ہوجائے گی، سو نہیں ہم پہلے ہی ایڈمیشن لے کر رکھیں۔

جبکہ کچھ لوگوں کو عجیب وغریب اور اس سے بھی افسوسناک حالت ہے کہ وہ لاکھوں روپئے ان عیسائی اسکولوں کو ایڈمیشن لینے کی خاطر پیشگی ادا کرتے ہیں، اور یہ بھی سننے کو ملا ہے کہ رات کے بارہ بجے ہی سے فارم کی حصولیابی کے لئے لائن میں کھڑے رہتے ہیں، اور اس سے بھی اچنبھے کی بات یہ ہے کہ بعض والدین اپنے ایمان کو فروخت کرتے ہیں تاکہ اس میں بچہ کا ایڈمیشن ہوجائے، اسی وجہ سے کبھی والدین کو اسکول تنہا آنے کو کہا جاتا ہے، یا کسی بند کمرے میں اس کا وعدہ لیا جاتا ہے، یا فارم میں اس طرح کا کالم ہوتا ہے جس میں مسلمان ہونے کے بجائے اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کرنا اور لکھنا پڑتا ہے۔

اور یہ ساری چیزیں محض اس بناء پر برداشت نہیں کرتے ہیں کہ وہاں بہت ہی اچھی تعلیم ہوتی ہے بلکہ اس کی بنیاد تفاخر پر ہے، تاکہ لوگوں کے بیچ اونچی آواز میں بول سکے کہ میرا بچہ بسکو، کشمیر ہارورڈ، دینٹ سلمانیہ، سینٹ جوزف، برتہا، میلنس وغیرہ جیسے اعلی عیسائی اسکول میں زیر تعلیم ہے، "اعلموا أنما الحياة الدنيا لعب ولهو وزينة وتفاخر بينكم وتكاثر في الأموال والأولاد" (حدید: ۲۰)، "ألهاكم التكاثر حتى زرتم المقابر" (تکاثر: ۱،۲)۔

یہ وہ رونگٹے کھڑے کردینے والے حالات ہیں جو آج اہل ایمان شربت سمجھ کر زہر کا گھونٹ بآسانی پیتے جارہے ہیں، اس لئے اعلی معیاری تعلیمی درسگاہوں کا قیام کرنا مسلمانوں پر نہ صرف یہ کہ اولی ہے، اور اس میں توجہ دینے کی ضرورت ہے، بلکہ اگر اسکی نوعیت سے غور کیا جائے تو اہل ثروت حضرات پر فرض ہے۔

لہٰذا اگر علم حاصل کرنے کی وجہ سے ایمان جاتا رہتا ہے تو ایسا علم مطلوب نہیں ہے، اسی وجہ سے مسلم شریف میں اس کی تاکید آئی ہے کہ جس سے علم حاصل کیا جائے وہ بھی صحیح العقیدہ ہو، "عن محمد بن سيرين قال: إن هذا العلم دين فانظروا عمن تأخذون دينكم" (صحیح مسلم ۱/ ۳۳)۔

البتہ ان کی زبان کا سیکھنا آج ضروری امر بن چکا ہے، اس لئے اس میں کوئی قباحت نہیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد ہی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کا ان کی کتابوں کا دیکھنا اور پڑھنا ثابت ہے جو کہ سریانی زبان میں ہوتی تھی، اسی طرح حضرت زید بن ثابت ؓ کا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہی میں عبرانی، سریانی، فارسی، رومی، قبطی اور حبشی وغیرہ زبان، اہل زبان سے سیکھنا ثابت ہے (مصادر الشعر الجاہلی)۔

لیکن انگریزی زبان آج اتنی عام ہوگئی ہے کہ اس کے لئے ان اسکولوں میں داخلہ لینا ضروری نہیں، کیونکہ بہت سارے مسلم اسکول بھی قائم

دور حاضر کے اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام

مولانا محمد ارشد علی رحمانی[1]

۱- قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وإن من أهل الكتاب لمن يؤمن بالله وما أنزل إليكم وما أنزل إليهم" (سورۂ آل عمران/ ۱۹۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور تورات و انجیل پر اور قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہوں اسے خدا کی کتاب سمجھتے ہوں، دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: "ليسوا سواء من أهل الكتاب أمة قائمة يتلون آيات الله آناء الليل وهم يسجدون يؤمنون بالله واليوم الآخر" (آل عمران/ ۱۱۴) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ کی رسالت پر بھی ایمان لائے، اگرچہ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے جس کی تفصیل علامہ جصاصؒ نے لکھی ہے (دیکھئے: احکام القرآن للجصاص: ۲/ ۳۱۰)، البتہ اتنی بات تو طئے ہے کہ صحیح طور پر اہل کتاب وہی ہیں جو اللہ کے وجود، نبوت، وحی اور فرشتوں پر ایمان رکھتے ہوں، خدا کے منکر نہ ہوں (دیکھئے جدید فقہی مسائل: ۱/ ۲۷۹)۔

جبکہ حضرات فقہاء اہل کتاب کی تعریف میں بڑی وسعت سے کام لیتے ہوئے فرماتے ہیں: "وكل من يعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم وشيث وزبور داؤد عليه السلام فهو من أهل الكتاب" (فتاوی عالمگیری، کتاب النکاح القسم السابع: ۱/ ۲۸۱، فتاوی شامی، مطلب مهم في وطء السراري: ۳/ ۴۵، النهر الفائق: ۲/ ۱۹۴، ۱۹۵، وکذا في البحر الرائق: ۳/ ۱۸۲)۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں: کہ قرآن کی بے شمار تصریحات سے واضح ہے کہ اہل کتاب ہونے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ وہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہوں، اس کی اتباع کرنے کے دعویدار ہوں، خواہ وہ اس کی اتباع میں کتنی ہی گمراہیوں میں جا پڑے ہوں،، (معارف القرآن: ۳/ ۴۸)، بہرحال اتنی بات تو واضح ہے کہ جو لوگ کسی آسمانی کتاب پر اللہ کے وجود کے ساتھ ایمان رکھتے ہوں اور اس پر عمل کے دعویدار بھی ہوں تو وہ اہل کتاب میں شمار ہوں گے۔

۲- صابئین سے کون لوگ مراد ہیں اس سلسلے میں قدرے اختلاف ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صابئین اہل کتاب ہیں، جبکہ حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں، اور حضرت ابوالحسن کرخیؒ فرماتے ہیں کہ بعض صابئین وہ ہیں جو انجیل پڑھتے ہیں اور مذہب عیسوی کو مانتے ہیں وہ تو اہل کتاب ہیں، لیکن بعض صابئین وہ ہیں جو ستاروں کی عبادت کرتے ہیں وہ اہل کتاب نہیں ہیں، امام ابو بکر جصاصؒ تحریر فرماتے ہیں کہ امام اعظم نے ان صابئین کو دیکھا ہوگا جو مذہب عیسوی کی طرف منتقل ہوگئے اس لئے انہوں نے ان کو اہل کتاب کہہ دیا ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ لوگ ستاروں کے پجاری تھے اہل کتاب نہیں تھے (دیکھئے احکام القرآن للجصاص: ۲/ ۴۱۳)، اسی صفحہ پر امام ابو بکر جصاصؒ نے اس بات کی بھی وضاحت کردی ہے کہ یہ قوم اب موجود نہیں ہے، حوالہ مذکورہ، حضرت مفتی شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں: ایک قوم جس کو صابئین کہتے ہیں ان کے حالات مشتبہ ہیں جن حضرات کے نزدیک یہ لوگ زبور داؤد پر ایمان رکھتے ہیں وہ ان کو بھی اہل کتاب میں شامل کرتے ہیں، اور جن کو یہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ زبور سے ان کا کوئی تعلق نہیں یہ نجوم پرست قوم ہیں وہ ان کو بت پرستوں اور مجوسی کے ساتھ شریک قرار دیتے ہیں،، (معارف القرآن: ۳/ ۴۷)۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی معرکۃ الآراء تفسیر میں بہت سارے اقوال نقل فرمائے ہیں، اہل کتاب کے ایک فرقے کا نام ہے

---

[1] قاضی شریعت امارت شرعیہ راجستھان۔

جو زبور پڑھا کرتے تھے، یہی مسلک امام ابوحنیفہؒ اور امام اسحاقؒ کا ہے، ۲۔ حضرت حسنؒ اور حضرت حکمؒ فرماتے ہیں: یہ گروہ مانند مجوسیوں کے ہے، یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کے پجاری تھے، ۳۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں، لیکن کسی شریعت کے پابند نہ تھے کفار ہیں، ۴۔ عبدالرحمٰن بن زیدؒ کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک مذہب ہے جزیرہ موصل میں یہ لوگ تھے لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے اور کسی کتاب یا نبی کو نہیں مانتے تھے، ۵۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہود ونصاریٰ سے خلط ملط یہ مذہب تھا، حضرت مجاہدؒ، حضرت حسنؒ اور ابن ابی نجیحؒ کا یہی مذہب ہے، ۶۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں: کہ یہ لوگ موحد تھے لیکن تاروں کی تاثیر اور نجوم کے معتقد تھے، ۷۔ ابن سعید اصطخریؒ ان پر کفر کا فتویٰ دیتے تھے، ۸۔ رازیؒ فرماتے ہیں یہ ستارہ پرست لوگ تھے، اخیر میں علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: حقیقت حال کا علم تو محض اللہ کو ہے مگر بظاہر یہی قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ یہودی تھے، نہ نصرانی، نہ مجوسی، نہ مشرک بلکہ یہ لوگ فطرت پر تھے کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے اور اسی معنی پر مشرکین اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہا کرتے تھے، یعنی ان لوگوں نے تمام مذاہب ترک کردیئے، بعض علماء کا قول ہے کہ صابی وہ لوگ ہیں جن کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی (تفسیر ابن کثیر اردو: ۱/ ۱۲۳، ۱۲۴) تفسیر مظہری میں بھی مختلف اقوال نقل کئے گئے ہیں (دیکھئے تفسیر مظہری: ۱/ ۱۱۰) بہرحال صائبین کو حتمی طور پر نہ اہل کتاب کہہ سکتے نہ کافر بلکہ تمام اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ ایک لامذہب گروہ تھے جن کا اب وجود نہیں۔

۳۔ مفتی شفیع صاحبؒ نے اہل کتاب کی تعریف میں جس وسعت سے کام لیتے ہوئے یہ لکھا ہے: کہ اہل کتاب ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہوں اور اس پر عمل کے دعویدار ہوں،، (معارف القرآن: ۳/ ۴۸)، اس تعریف کی رو سے تو جتنے لوگ اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے ہیں وہ سب شامل ہوجائیں گے، لیکن دور صحابہ سے اب تک کے تحقیقی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں مغربی ملکوں میں جو لوگ اپنے کو اہل کتاب کہتے ہیں ان کے اندر اہل کتاب ہونے کی دور دور تک کوئی علامت نہیں ملتی یہ سب دہریہ بن چکے ہیں، اور ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا دور خلافت جو تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہے، اس وقت کی حالت مفسرین نے یہ لکھی ہے، کہ حضرت حذیفہؓ جب یمن تشریف لے گئے تو انہوں نے ایک یہودیہ عورت سے نکاح کرلیا، فاروق اعظمؓ کو جب اس کی خبر ملی تو آپؓ نے اولاً تو ہلکے انداز میں منع فرمایا، اور ثانیاً طلاق دینے کا حکم فرمایا، اور حضرت حذیفہؓ کے استفسار کرنے پر فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح حرام ہے، لیکن ان سے نکاح کرنے میں بڑا مفسدہ ہے اور نسل کی تباہی کا خطرہ ہے،، (معارف القرآن: ۳/ ۴۹) حضرت تھانویؒ نے الحیلۃ الناجزہ میں کتابیہ سے نکاح کے سلسلے میں بڑی لمبی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے، بالخصوص موجودہ اقوام یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے ازدواجی تعلقات تو بالکل ہی ان کے دین ودنیا کو تباہ وبرباد کردینے والے ہیں، جن کا روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے،...... چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں حضرت حذیفہؓ، حضرت طلحہؓ اور کعب بن مالکؓ نے کتابیہ عورت سے نکاح کرلیا تو آپ خفا ہوگئے، خفگی کی وجہ ابن ہمام لکھتے ہیں: "وانما کان غضبہ لخلطۃ الکافرۃ بالمؤمن وخوف الفتنۃ علی الولد، لأنہ فی صغرہ ألزم لامہ" (فتح القدیر: ۲/ ۲۳۰) الحیلۃ الناجزہ/ ۱۶۵)۔

اور من وعن تفصیل فتاوی محمودیہ میں بھی ہے (دیکھئے: محمودیہ: ۱۱/ ۴۵۱)، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی بڑی مفصل بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہاں سپرد قلم ہے: تاریخ بتاتی ہے کہ مسلم حکمرانوں کے تحت کتابیہ عورتوں کے ہونے کی وجہ سے اسلامی حکومتوں کو شدید نقصانات پہنچے ہیں اور اس کی وجہ سے ان ممالک میں جہاں اس کا رواج ہے مسلمانوں کے اخلاقی حالات کو بھی بہت نقصان پہونچا ہے، اور موجودہ دور میں جو عیسائی اور یہودی عورتیں ہیں اور اہل کتاب کہلاتی ہیں ان کے اندر زنا، فحاشی اور ناجائز تعلقات کی اتنی کثرت ہے جس کو سن کر انسانیت کی پیشانی پر پسینہ آتا ہے اور جس نے گویا حیوانوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے، دوسرے ان کی اکثریت الحاد مذہب بیزاری انکار آخرت وغیرہ کی شکار ہے ظاہر ہے ایسے لوگ قطعاً اہل کتاب شمار نہ ہوں گے اور ان کا ذبیحہ بھی درست نہ ہوگا،، (دیکھئے جدید فقہی مسائل: ۱/ ۳۸۳ تا ۳۸۴)، کچھ ایسی ہی تفصیل حضرت مولانا ومفتی نظام الدین صاحبؒ نے بھی لکھی ہے (دیکھئے: منتخبات نظام الفتاوی: ۲/ ۲۶)، لہٰذا مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں احقر کے نزدیک موجودہ دور کے مغربی ممالک میں رہنے والے ایسے یہودی اور عیسائی جو خدا تک کے قائل نہیں یا کسی درجے میں خدا کے قائل بھی ہیں تو وحی، رسالت اور آخرت کے قائل نہیں، ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہوگا، وہ لوگ دہریہ ہیں ان سے نہ نکاح درست ہے نہ ہی اُن کا ذبیحہ حلال ہے۔

۴۔ فرقہ باطلہ خواہ بہائی ہو یا بابی، سکھ ہو یا قادیانی، اگرچہ قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتے ہوں، لیکن

قرآن کے بعد کسی کتاب کے الہامی ہونے کا یا محمد ﷺ کے بعد بھی کسی کے نبی ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوں تو یہ ضروریات دین کے منکر ہیں اور ظاہر ہے کہ ضروریات دین کے منکر کافر ہیں، صاحب اشباہ لکھتے ہیں: اذالم یعرف أن محمدًا آخر الأنبیاء فلیس بمسلم؛ لأنہ من ضروریات الدین''(الاشباہ والنظائر:۲/ ۹۱) اور علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

''وان أنکر بعض ماعلم من الدین ضرورۃ کفر بھا،،(فتاوی شامی:۱/ ۵۶۱)

اور اس سلسلے میں فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فیصلے میں اچھی وضاحت ہے بطور استشہاد اقتباس سپرد قلم ہے، اکیڈمی کا یہ اجلاس قادیانیت کے عقیدہ، آغاز، اس کی بنیادیں اور اسلام کے صحیح عقیدہ کی بیخ کنی اور مسلمانوں کو اپنے عقیدہ سے گمراہ کرنے والے ان کے خطرناک مقاصد سے متعلق ان تمام ثبوت و دلائل اور ان کے علاوہ دیگر بہت سارے تفصیلی ثبوت کی بنیاد پر بالاتفاق یہ فیصلہ کرتا ہے کہ قادیانیت (جسے احمدیت بھی کہتے ہیں) کا عقیدہ اسلام سے مکمل طور پر الگ ہے اور اس کے ماننے والے کافر اور اسلام سے مرتد ہیں اور ان کا اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا سراسر دھوکہ ہے،، (دیکھئے فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فیصلے / ۵۱ فیصلہ نمبر ۳) اور فیصلہ نمبر ۴ میں ہے: اکیڈمی بالاتفاق یہ طے کرتی ہے کہ بہائیت اور بابیت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، وہ اسلام کے خلاف جنگ ہیں، ان کے متبعین کھلم کھلا کافر ہیں، جس میں ذرا بھی تاویل کی گنجائش نہیں،، (حوالہ بالا ۵۴)۔

لہٰذا مذکورہ بالا مباحث کی روشنی میں اس طرح کا عقیدہ رکھنے والے کسی کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ کافر اور مرتد ہیں۔ اس سے ملتی جلتی تفصیل (آپ کے مسائل اور ان کا حل از صفحہ ۱۵۱ تا ۱۵۳) پر بھی موجود ہے۔

۵- قادیانی خواہ مرتد ہوں، خواہ نسلاً بعد نسل ہوں بہر صورت بد دین ہیں، ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہوسکتا، چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے: جو لوگ اسلام سے قادیانیت کی طرف گئے ہیں وہ تو مرتد ہیں...... لیکن جو لوگ نسلی طور پر قادیانی ہیں وہ بھی زندیق اور بد دین ہیں...... اس لئے قادیانی اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہیں بلکہ زندیق ہیں،، (جدید فقہی مسائل:۱/ ۲۸۶)، مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ لکھتے ہیں: ''مرزا غلام احمد کی حیثیت صرف کافر اصلی کی نہیں بلکہ مرتد کی تھی اور ارتداد بھی وہ جو کہ زندیق میں ہوتا ہے، آج بھی جو شخص مرزا کے عقائد کو اختیار کرے گا اس پر بھی شریعت مرتد کا حکم لگائے گی'' (فتاوی محمودیہ:۲/ ۱۲۳، فتاوی شامی، باب المرتد:۴/ ۲۲۱ بحوالہ محمودیہ)

اذا رأی منکرا معلومًا من الدین بالضرورۃ فلم ینکرہ ولم یکرھہ ورضی بہ استحسنہ کان کافرًا،، (مرقاۃ المفاتیح:۸/ ۸۶۱) ''من أنکر من شرائع الاسلام فقد أبطل قول لا الہ الا اللّٰہ'' (السیر الکبیر:۵/ ۳۶۸) ''وفی فصول العمادی من لم یقر ببعض الأنبیاء بشیء أو لم یرض بسنۃ من سنن سید المرسلین علیہ السلام فقد کفر'' (مجمع الأنہر:۱/ ۶۹۱)

''لاخلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام وان کان من أھل القبلۃ المواظب طول عمرہ علی الطاعات کمافی شرح التحریر،، (مجموعہ رسائل الکشمیری:۳/ ۱۷)

بہر حال مذکورہ مباحث کی روشنی میں دونوں طرح کے قادیانی (خواہ نسلی ہوں یا مرتد ہوئے ہوں) بد دین اور زندیق ہیں۔ فقط

۶ الف- مسلم ممالک میں رہنے والی کتابیہ عورت سے نکاح کرنے کی اجازت اگر چہ حضرات فقہاء نے دی ہے اور خود نص سے بھی اس کی صراحت ہے، لیکن حضرات فقہاء نے اس کی بھی صراحت فرمائی ہے کہ مسلم ممالک میں رہنے والی کتابیہ عورتوں سے نکاح نہ کرنا ہی بہتر ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

ویجوز تزوج الکتابیات والأولی أن لایفعل ولایأکل ذبیحتھم إلا لضرورۃ وتکرہ الکتابیۃ الحربیۃ إجماعًا لافتتاح باب الفتنۃ'' (الدر مع الرد:۳/ ۴۵) ''وفی البحر الرائق والأولی أن لایتزوج الکتابیۃ ولایأکل ذبائحھم الا بالضرورۃ،، (البحر الرائق:۳/ ۱۱۱، وکذا فی احکام القرآن للجصاص:۲/ ۲۳۶)۔

اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کا زمانہ جس کو اللہ کے نبی ﷺ نے خیر القرون فرمایا ہے، اس میں بہت ہی خیر اور صلاح وفلاح کا زمانہ خلافت فاروقی ہے، لیکن جب ہم خلافت فاروقی کا مطالعہ کرتے ہیں تو چند واقعات ایسے ملتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے بہت سختی

کے ساتھ شدید ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کتابیہ عورت سے نکاح کرنے سے منع فرمایا، جس میں ایک واقعہ تو حضرت حذیفہؓ کا ہے کہ جب وہ مدائن تشریف لے گئے تو انہوں نے ایک یہودیہ عورت سے نکاح کرلیا، فاروق اعظمؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپؓ نے حضرت حذیفہؓ کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دیدو، حضرت حذیفہؓ نے دریافت کیا کہ کیا وہ میرے لئے حرام ہے تو فاروق اعظمؓ نے جواب دیا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ حرام ہے لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاکدامنی نہیں ہے اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانے میں اس راہ سے فحاشی و دکاری داخل ہوجائے،، (احکام القرآن للجصاص: ۲/ ۳۲۳)، ٹھیک اسی طرح کا واقعہ علامہ ابن الہمامؒ نے بھی نقل فرمایا ہے، اور انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت کعب بن مالکؓ کو بھی کتابیہ عورت سے نکاح کرنے پر فاروق اعظمؓ نے سخت تنبیہ فرمائی اور حکم دیا کہ اسے طلاق دیدو، (فتح القدیر: ۲/ ۲۳۰)، علامہ ابن ہمامؒ نے اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے کہ فاروق اعظمؓ کا غصہ اس وجہ سے تھا کہ اس سے فتنہ پیدا ہوگا اور اولاد کی زندگی تباہ وبرباد ہوگی (حوالہ بالا)، یہ تو خیر والقرون کی بات ہے اور اس کے بعد کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو محسوس ہوتا ہے کہ مسلم مملکت کی تباہی کا ایک بڑا ذریعہ کتابیہ عورت سے نکاح کرنا ہے، دوسری طرف پورے عالم میں انسانیت کو شرمسار کرنے والی، اور گلی کوچوں میں زنا و بدکاری کو پھیلانے والی بے حیا عورتیں یہی ہیں جو اپنے کو کتابیہ کہتی ہیں، کچھ ایسی ہی تفصیل جدید فقہی مسائل جلد ا / ۲۸۴ / میں بھی ہے، فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فیصلے میں بھی اس کی وضاحت ہے، بطور استشہاد ایک اقتباس سپرد قلم ہے، البتہ مسلمان کے لئے بہتر یہی ہے کہ آزاد مسلم خواتین کے ہوتے ہوئے کتابی عورت سے شادی نہ کرے، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے آزاد مسلم خواتین کی موجودگی میں کتابیہ سے شادی کو مکروہ قرار دیا ہے، اختیارات نامی کتاب میں ہے کہ قاضی اور اکثر علماء کا قول یہی ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ نے اہل کتاب عورتوں سے شادی کرنے والوں سے کہا تھا کہ انہیں طلاق دیدیں تو حضرت حذیفہؓ کے سوا سب لوگوں نے طلاق دیدی تھی بعد میں حضرت حذیفہ نے بھی طلاق دیدی تھی، اس کی وجہ یہ کہ جب مسلمان کتابیہ عورت سے شادی کرے گا تو اس کا دل اس عورت کی طرف مائل ہوگا اور وہ اسے فتنے میں ڈال سکتی ہے اور اگر اولاد ہو تو اولاد بھی عورت کی طرف مائل ہوسکتی ہے،، (فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فیصلے/ ۹۹) لہٰذا اس پس منظر میں احقر کی رائے یہ ہے کہ مسلم ممالک میں رہنے والی کتابیہ عورت سے نکاح بھی کراہت سے خالی نہیں ہے۔

ب- دارالکفر میں رہنے والی کتابیہ عورتوں سے نکاح کے مکروہ تحریمی ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے، اس سلسلے میں حضرت مفتی یوسف لدھیانویؒ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بڑی اچھی وضاحت کی ہے: پہلے سے مسلمان بیوی کا نکاح میں ہونا تو عیسائی عورت کے ساتھ نکاح سے مانع نہیں ہے، البتہ چند وجوہ کی بناء پر ایسی شادی ناجائز ہے، اولاً اہل کتاب کی جن عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے ان سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو دارالاسلام کے شہری ہوں جن کو ذمی کہا جاتا ہے دارالکفر کے باشندے مراد نہیں، لہٰذا اسلامی مملکت کے ذمی عورتوں سے جبکہ وہ اہل کتاب ہوں، نکاح کی اجازت ہے مگر مکروہ تنزیہی ہے، اور جو اہل کتاب دارالحرب میں رہتے ہیں ان کی عورتوں سے نکاح مکروہ تحریمی ہے (اور مکروہ تحریمی حرام کے قریب قریب ہونے کی وجہ سے ناجائز کہلاتا ہے) لہٰذا یہ نکاح ہوجائے گا مگر مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا، اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا۔

''ویجوز تزوج الکتابیات والأولی أن لا یفعل ولا یأکل ذبیحتھم إلا لضرورۃ وتکرہ الکتابیة الحربیة إجماعًا لافتتاح باب الفتنة'' (الدر مع الرد: ۳/ ۴۵) ''وفی البحر الرائق والأولی أن لا یتزوج الکتابیة ولا یأکل ذبائحھم الا بالضرورۃ'' (البحر الرائق: ۳/ ۱۱۱، وکذا فی احکام القرآن للجصاص: ۲/ ۲۳۶) وکذا فی العالمگیری: ۱/ ۲۸۱)۔

ثانیًا:...... اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ واقعتًا اہل کتاب ہوں بھی، محض نام کے یہودی عیسائی نہ ہوں۔

''وکل من یعتقد دینًا سماویاً وله کتاب منزل کصحف ابراھیم وشیث وزبور داؤد علیه السلام فھو من أھل الکتاب'' (فتاوی عالمگیری، کتاب النکاح القسم السابع: ۱/ ۲۸۱، فتاوی شامی، مطلب مھم فی وطء السراری: ۳/ ۴۵، النھر الفائق: ۲/ ۱۹۴، ۱۹۵، وکذا فی البحر الرائق: ۳/ ۱۸۲)۔

آج کل کے بہت سے یہود و نصاریٰ صرف نام کے یہودی، عیسائی ہیں ورنہ واقع کے اعتبار سے وہ قطعًا ملحد ہوتے ہیں، وہ نہ کسی کتاب کے قائل ہیں، نہ کسی نبی کے، نہ دین و مذہب کے، اگر ایسی عیسائی عورت ہو جو صرف قومی طور پر عیسائی کہلاتی ہے، واقعتًا ملحد اور لادین ہو، اس کے ساتھ

نکاح منعقد نہیں ہوگا، اور ایسا جوڑا شرعی نقطۂ نظر کے لحاظ سے بدکاری وزناکاری کا مرتکب شمار ہوگا۔

لايجوزنكاح المجوسيات ولا الوثنيات ،ويدخل فى عبدة الأوثان عبدالشمس والنجوم والصور التى استحسنوها والمعطلة والزنادقة ،والباطنية ،والإباحية، وكل مذهب يكفربه معتقده كذافى فتح القدير.،(فتاوى عالمگیری:۱/ ۲۸۱) ایسی ہی تفصیل معارف القرآن جلد ۳/ ۴۸، ۴۹ اور ۶۰ تا ۶۴ میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

ثالثاً: کسی مسلمان نے اہل کتاب کی عورت سے شادی کی ہو تو شرعی قانون کے لحاظ سے اولاد مسلمان شمار ہوگی۔

''فإن كان أحد الزوجين مسلمًافالولدعلى دينه ،،(هدايه:۲/ ۳۴۶)

لیکن دیار غیر میں عیسائی عورتوں سے جو شادیاں رچائی جاتی ہیں ان سے پیدا ہونے والی اولاد اپنی ماں کا مذہب اختیار کرلیتی ہیں، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے یہ جوڑا طے کرلیتا ہے کہ آدھی اولاد شوہر کی ہوگی اور آدھی بیوی کے مذہب پر ہوگی، اگر ایسی شرط لگائی جائے تو ایسی شادی کرنے والا مسلمان یہ شرط لگاتے ہی مرتد ہوجائے گا، کیونکہ اس نے اپنی اولاد کے کافر ہونے کو گوارا کرلیا اور اس پر رضامندی دے دی، اور کسی کے کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔

''وفية (أى فى الظهيرية) أن الرضاء بكفرغيره أيضًا كفر.،(شرح فقه اكبر:۲۱۸) ''والرضابالكفر كفر.،(فتاوى قاضيخان على الهندية:۳/ ۵۷۳)، لہٰذا ایسی شرط لگاتے ہی یہ شخص ایمان سے خارج ہوکر مرتد ہوجائے گا، مايكون كفرًا يبطل العمل والنكاح'' (الدر مع الرد:۳/ ۲۴۷)۔

رابعاً: ہمارے بھولے بھالے نوجوان امریکہ وغیرہ کی شہریت حاصل کرنے اور روٹی کمانے کا ذریعہ پیدا کرنے کی خاطر عیسائی عورتوں کے چکر میں تو پڑجاتے ہیں، لیکن ان ممالک کے قانون کے مطابق چونکہ طلاق کا حق مرد کے بجائے عورت کو حاصل ہے، لہٰذا ایسی عورتیں جن کے جال میں ہمارے بھولے بھالے نوجوان پھنسے ہیں، ان کو طلاق دیکر گھر بار پر بھی اور اولاد پر بھی قبضہ کرلیتی ہیں، اور یہ شوہر صاحب '' خسر الدنیا والآخرۃ'' کا مصداق دونوں جہان میں راندہ درگاہ ہوجاتا ہے، چونکہ فقہ کا قاعدہ ہے، المعروف کالمشروط،، یعنی جس چیز کا عام رواج اور عرف ہو، اس کو ایسا سمجھنا چاہئے کہ گویا عقد کے وقت اس کی شرط رکھی گئی تھی، لہٰذا ان ممالک کے عرف کے مطابق گویا یہ شخص اس شرط پر نکاح کررہا ہے کہ عورت جب چاہے اس کو طلاق دے کر بچوں پر قبضہ کرلے۔

ان وجوہات کی بنا پر غیر ممالک میں مسلمان نوجوانوں کا عیسائی عورتوں سے شادی کرنا ناجائز ہے، اور دوسری وجہ کی بنا پر نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا، اور تیسری وجہ چونکہ موجب کفر ہے اس لئے اس صورت میں اس کا پہلی بیوی سے نکاح فسخ ہوجائے گا، اور چوتھی وجہ میں بھی اندیشہ کفر ہے، البتہ اگر کوئی کفریہ شرط نہیں رکھی گئی تھی اور نہ معروف تھی تو پہلی بیوی اس کے نکاح میں رہے گی مگر یہ شخص عیسائی عورت سے نکاح کرنے کی بنا پر گنہگار ہوگا (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۶/ ۱۵۹ تا ۱۶۰)۔

مفتی شفیع صاحبؒ نے بھی اس سلسلے میں بڑی لمبی بحث فرمائی ہے اس میں سے دو اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے: آجکل یورپ کے عیسائی اور یہودیوں میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنی مردم شاری کے اعتبار سے یہودی یا نصرانی کہلاتے ہیں درحقیقت وہ خدا کے وجود اور کسی مذہب ہی کے قائل نہیں، نہ تورات وانجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں اور نہ موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی وپیغمبر تسلیم کرتے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ وہ شخص مردم شاری کے نام کی وجہ سے اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہوسکتے...... الغرض قرآن وسنت اور اسوہ صحابہ کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آجکل کے کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی پرہیز کریں (معارف القرآن:۳/ ۴۸ تا ۶۴)۔

اس کے علاوہ ایک سچی بات یہ بھی ہے کہ دور نبوت سے اب تک اہل کتاب نے اسلام اور مسلمانوں کو جتنا نقصان پہونچا ہے شاید کسی قوم سے اتنا نقصان پہنچا ہو اس لئے محض اس امید پر کہ نکاح کے بعد یہ دامن اسلام میں داخل ہوجائیں گی، میری حقیر رائے میں درست نہیں ہے، اس کی اجازت نہیں ملنی چاہئے۔

۷- برادران وطن جن کو خدا کا اوتار مانتے ہیں ان کے بارے میں قرآن وحدیث میں کہیں صراحت نہیں ملتی کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے

پیغمبر ہیں، اس لئے صحیح بات تو یہی ہے کہ نہ ہم ان کو نبی کہہ سکتے ہیں نہ ہی ان کے ماننے والوں کو اہل کتاب، اسی طرح کے ایک سوال کا جواب لکھتے ہوئے حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں: قطعی اور یقینی طور پر یہ کہہ دینا کہ کرشن وغیرہ نبی تھے جائز نہیں ہے، یہ امر بذریعہ وحی کسی نبی کو ہی معلوم ہوسکتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تک وحی سے یہ معلوم نہ ہوا کہ فلاں شخص نبی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نبوت کا اظہار نہ فرمایا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "لا أدری أتبع نبی أم لا" نہیں جانتا کہ تبع نبی تھے یا نہیں؟

"وفی معالم التنزیل بسندہ: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ما أدری تبع أکان نبیًا أو غیر نبی" (معالم التنزیل: سورۃ الدخان، تحت تفسیر الآیۃ أهم خير أم قوم تبع)۔

الغرض جن انبیاء کا نام اللہ تعالیٰ نے نہیں بتلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نبوت ظاہر نہیں فرمائی ان کی نسبت یقین نبوت کا رکھنا خلاف حکم شریعت ہے (فتاوی دار العلوم دیوبند: ۱۸ / ۲۷۶)، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے بھی کچھ ایسی ہی تفصیل لکھی ہے، ایک سوال کا جواب لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: "قرآن وحدیث میں صراحتاً آپ کے پیغمبر ہونے کا ذکر نہیں، اس لئے صحیح نقطہ نظر یہی ہے کہ نہ ہم آپ کو نبی قرار دے سکتے ہیں اور نہ آپ کے ماننے والوں کو اہل کتاب، اور آپ کی شان میں بدگوئی بھی جائز نہیں، کیونکہ آپ کے نبی ہونے کا امکان تو ہے ہی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے پیغمبروں کو بھیجا ہے تو کسی قوم میں گوتم بدھ کا بحیثیت نبی آنا ناممکن نہیں، جب کہ ان کی تعلیمات میں ایسی باتیں بھی موجود ہیں جو آسمانی کتابوں میں آئی ہیں، پس حاصل یہ کہ نہ گوتم بدھ کے نبوت کی تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ آپ کی ہتک شان کرنا جائز ہے،، (کتاب الفتاوی: ۱ / ۳۶۲)۔

اور میرا تجربہ ومشاہدہ یہ ہے کہ اس وقت برادران وطن کی جو حالت ہے، کہ ہر قبیلہ اور ہر برادری کا الگ الگ اور جدا جدا (بھگوان) یعنی خدا کے اوتار ہیں بلکہ اکثریت تو ایسی ہے جو عورتوں کو مثلاً: درگا ماں، کالی ماں، سرسوتی ماں وغیرہ کو اپنا بھگوان (خدا کا اوتار) مانتے ہیں اور یہ بات نصوص سے ثابت ہے کہ کوئی عورت نبی نہیں ہوسکتی، اسی طرح موجودہ دور میں ان کے پاس جو کتابیں ہیں خواہ وہ وید ہوں یا رامائن وغیرہ، ان میں اگرچہ بعض باتیں آسمانی کتابوں سے ملتی جلتی ہیں، لیکن اکثر باتیں ایسی ہیں جو اسلام کی روح کے خلاف ہیں، اور زیادہ تر مضامین مرد وعورت کے متعلق قصے کہانیوں پر مشتمل ہیں، لہٰذا موجودہ دور کے برادران وطن کو اہل کتاب کہنے کی گنجائش ہی نہیں، اسی طرح وہ جن کو اپنا بھگوان (خدا کا اوتار) مانتے ہیں ان میں جو عورتیں ہیں ان کے نبوت کے تصدیق کی تو گنجائش ہی نہیں، اور جو مرد ہیں ان کے نبوت کی تصدیق وتکذیب تو نہیں البتہ توقف ہے، اور ان کی کتابوں میں جس قدر اختلاط ہے کہ ان کو الہامی کتاب نہیں کہا جاسکتا۔

۸-(الف) عیسائی اسکولوں میں راقم کی تحقیق کے مطابق ہر کلاس کا سبجیکٹ اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ اس میں ایک نہ ایک کتاب مذہب عیسائیت سے متعلق ہوتی ہے، اور یہ سلسلہ از ابتدا تا انتہا جاری رہتا ہے اور ان کے اسکول میں داخل ہونے والے بچوں اور بچیوں کو وہ کتاب چاہے نہ چاہے پڑھنی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے بچے کے ذہن ودماغ میں عیسائیت رفتہ رفتہ گھر کر جاتی ہے، اور نہ چاہتے ہوئے وہ بچے اور بچیاں اس مذہب کے بہی خواہ بن جاتے ہیں، دوسری چیز عریانیت اور فحاشی کے لئے باضابطہ ان کے اسکولوں میں ایک وقت مقرر ہوتا ہے جسے وہ تفریح کے نام سے موسوم کرتے ہیں لیکن وہ ایسا زہر ہے جو بچے اور بچیوں کو حرام کاری کا خوگر بنا کر چھوڑتے ہیں، جس کی بنیاد پر پورا معاشرہ تباہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ ان کے مخصوص ترانے بھی ہوتے ہیں جو ان کے اسکول میں داخل ہر بچے بچیوں کیلئے ضروری ہوتے ہیں اور عام طور پر وہ اپنے ترانوں میں حضرت عیسیٰؑ کی خدائی کا اظہار کرواتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ ان کے اسکول میں داخل بچے اور بچیاں چاہے نہ چاہے کرتے ہیں، اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ان کے ۹۰٪ اسکولوں میں مخلوط تعلیم ہی کا نظم ہے اور ظاہر ہے کہ مخلوط تعلیم کی شرعاً گنجائش نہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر علماء نے ایسے تمام اسکولوں میں جہاں مخلوط تعلیم کا نظم ہو چاہے وہ عیسائی کے اسکول ہوں یا غیر عیسائی کے تعلیم حاصل کرنے سے بالکلیہ منع فرمایا ہے، اس سلسلے میں فتاوی دار العلوم سے ایک دو اقتباس سپرد قلم ہے، مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: مسلمانوں کے بچوں کو ایسے مشن اسکولوں اور بورڈنگ ہولوں میں تعلیم دلوانا اور رکھنا درست نہیں، دوسری جگہ لکھتے ہیں: جبکہ وارد ہے الرجل علی دین خلیلہ، اور صحبت کے آثار مروی ہیں اور وہ بھی استاد ومعلم کی صحبت وتربیت کے آثار؛ تو کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ غیر مذہب والوں سے ناواقف اطفال کو تعلیم دلائی جائے؛! اس سے

لازمی نتیجہ یہ ہونے والا محسوس ومشاہد ہے کہ وہ اطفال خوگر اسی تربیت اور آثار کے ہونگے اور عقائد اسلامیہ میں فتور وقصور آوے گا'' (فتاوی دار العلوم: ۱۷/ ۲۵۲،۲۵۱)۔

''عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: الرجل على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل'' (سنن ابی داؤد، باب من يؤمر أن يجالس: ۶۶۳) ''عن أنس رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ ... ومثل جليس الصالح كمثل صاحب المسك إن لم يصبك منه شيء أصابك من ريحه، ومثل جليس السوء كمثل صاحب الكير، إن لم يصبك من سواده أصابك من دخانه، وعن أبي سعيد رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: لاتصاحب الامؤمنا ولايأكل طعامك الاتقى،، (سنن ابی داؤد: ۶۶۴، کتاب الادب)۔

مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ لکھتے ہیں: ایسی تعلیم دلانا جس کے اثر سے بچے بگڑ جائیں اور دین سے بے تعلق ہو کر بے دین بن جائیں (عقائد، اخلاق اعمال خراب ہو جائیں) جائز نہیں یہ ان کے ساتھ خیر خواہی نہیں بلکہ ان کو تباہ اور برباد کرنا ہے، اس بگاڑ سے حفاظت کا انتظام ہو جائے تو دنیوی تعلیم بھی درست ہے،، (فتاوی محمودیہ: ۳/ ۳۸۸)، ایک عیسائی معلمہ سے تعلیم حاصل کرنے کے عدم جواز پر بھی مفتی صاحب نے بڑی لمبی بحث فرمائی ہے، سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۵۱/ کی تفسیر نقل کرنے کے بعد مفتی صاحب لکھتے ہیں: عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ عیسائی کو ولی بنانا جائز نہیں یعنی اس پر اعتماد کرنا اور اس کے ساتھ احباب جیسا معاملہ کرنا درست نہیں، نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے عیسائی سے خط پڑھوانا بھی گوارہ نہیں کیا اور جب تک کسی شخص پر دینی اعتماد نہ ہو، یعنی شریعت مقدسہ کے نزدیک اس کا دین قابل اعتماد نہ ہو اس سے علم حاصل نہیں کرنا چاہئے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ معصوم بچوں کو معلمہ موصوفہ (عیسائی) کے سپرد کرنا اس بناء پر کہ وہ تربیت کا سلیقہ رکھتی ہیں اور بچوں کو صاف ستھرا رہنے اور مکان پر جا کر سب کو جداگانہ سلام کرنے کا طریقہ بتادیتی ہیں درست نہیں، اور یہ چیز بچوں کے حق میں زہر قاتل ہے، گو وہ زہر ابھی ہر ایک کو نظر نہیں آتا مگر اس کے جراثیم ابھی سے پیدا ہو کر پرورش پاتے ہیں اور غیر شعوری طور پر ان کے قلب ودماغ اثر قبول کرتے ہیں، پھر جب معلمہ موصوفہ پر سب سے زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے اور وہ ماہر نفسیات بھی ہیں تو اگر وہ اپنے مذہب کی پابند ہیں تو ان کی دوڑ دھوپ زیادہ سے زیادہ اس لئے ہوگی کہ آہستہ آہستہ بچوں پر بلکہ تمام ادارے پر اپنا مذہبی رنگ جمائیں، اور اگر وہ اپنے مذہب کی پابند نہیں تو غور کریں کہ جو اپنے مذہب سے آزاد ہے وہ دوسروں کے مذہب کا خیال کیا کرے گی؟ بلکہ وہ تو چاہے گی کہ میری طرح سب آزاد ہو جائیں، میڈیکل کالج کی نرسیں بھی بہت سلیقہ شعار اور ماہر نفسیات ہوتی ہیں، مریضوں کو ان کے حوالے کر دیا جاتا ہے وہ بہت ہوشیاری اور اخلاص کے ساتھ خدمت کرتی ہیں، لیکن ۷۴ء سے پہلے کی بات ہے کہ لدھیانہ میڈیکل کالج سے ایک ہزار سے زائد لڑکیاں عیسائی بنا کر فرار کرادی گئیں، ان کے ورثاء باپ شوہر وغیرہ ملنے کیلئے گئے تو کہدیا گیا کہ وہ تو صحت یاب ہو کر یہاں سے چلی گئیں (اخبارات میں تفصیل آئی تھی) اس لئے للہ ان معصوم بچیوں پر رحم کیجئے (فتاوی محمودیہ ۳(۳۹۲ تا ۳۹۳) بخوف طوالت تفسیری عبارت نقل نہیں کی گئی ہے دیکھئے (تفسیر مظہری: ۳/ ۱۲۴،۱۲۵)۔

لہذا عیسائی اسکولوں میں تعلیم دلانا احقر کی رائے میں درست نہیں وجوہات اوپر ذکر کر دیئے گئے اور دوسری بات یہ ہے کہ اب متبادل اسکول موجود ہیں لہذا اسکی ضرورت ہی نہیں، اور ان اسکولوں کی حوصلہ افزائی کرنا بھی درست نہیں، مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ لکھتے ہیں: ''جس کالج یا اسکول میں خلاف اسکول تعلیم ہوتی ہے، عقائد، اعمال، اخلاق سب غلط ذہن نشین کرائے جاتے ہیں اس کا ممبر بننا اور تقویت پہنچانا ہرگز جائز نہیں،، (فتاوی محمودیہ: ۳/ ۳۸۳)، امت مسلمہ کی بڑی ذمہ داری ہے کہ ان دشمنان دین کے اسکول سے کلیتا پرہیز کریں اور اس کے لئے متبادل اسکول کے قیام کی فوری فکر کریں۔

ب۔ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: ''کہ اہل کتاب کی عورتوں کو اگر رکھنا ہی ہے تو باقاعدہ نکاح کر کے بیوی کی حیثیت سے رکھیں، ان کے حقوق مہر وغیرہ ادا کریں، ان کو داشتہ کے طور پر رکھنا اور کھلے طور پر بدکاری کرنا یہ سب چیزیں حرام ہیں'' (دیکھئے معارف القرآن: ۳/ ۶۴) صاحب تاتارخانیہ علامہ فرید الدینؒ لکھتے ہیں: ''والقسم بين الحرائر على السواء سواء كن مسلمات أو كتابيات، وفي

السراجية: وإن كانت إحداهما مسلمة والأخرى كتابية فكذلك، أخرج سعيد بن منصور عن الشعبي قالا: اذا تزوج اليهودية والنصرانية على المسلمة فالقسم بينهما سواء'' (فتاوی تاتار خانیہ: ۳/ ۲۵۹)۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کتابیہ عورت سے نکاح کرلیا تو اس کے بھی وہی حقوق ہونگے جو مسلمہ عورت کے ہوتے ہیں، لہٰذا نکاح کرنے کے بعد محض حقوق کی ادائیگی کے ڈر سے طلاق دینا درست نہیں ہوگا، اسی طرح محض کتابیہ ہونے کی وجہ سے بھی طلاق دینا مطلقاً درست نہیں ہوگا بلکہ اس پر ضروری ہوگا کہ وہ اس کے ساتھ ایسا اخلاق پیش کرے کہ وہ دامن اسلام سے وابستہ ہوجائے، ہاں اگر صورت حال ایسی ہو کہ اس کے ساتھ رہنے میں خود اسے اپنے ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا اس کی نسل کی تباہی وبربادی کا سخت اندیشہ ہو، یا پھر وہ عورت مکمل طریقے پر زنا وفاشی کی خوگر ہو تو ایسی صورت میں طلاق دینے کی گنجائش ہے، جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے انہیں خطرات کے پیش نظر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے والے صحابہ کو طلاق دینے کا حکم فرمایا تھا، تفصیل اوپر آچکی ہے۔

ب- فتاوی تاتارخانیہ میں ہے: ''المسلم اذا تزوج ذمية فله أن يمنعها عن الخروج إلى الكنائس والبيع وبيت النار، وليس على إجبارها على الغسل من دم الحيض والنفاس والجنابة'' (فتاوی تاتار خانیہ: ۲/ ۷۲)۔

مذکورہ بالا عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کسی مسلمان مرد کے نکاح میں کوئی ذمی عورت ہو تو وہ اسے کنیسا اور گرجا گھر وغیرہ میں جاکر عبادت کرنے سے روک سکتا ہے، لہٰذا احقر کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کے نکاح میں کوئی کتابیہ عورت ہو تو اسے بھی اپنی بیوی کو اس کے مذہبی مراسم کی ادائیگی سے روکنا چاہئے۔

ج- تاریخ عالم کے مطالعہ سے عموماً اور تاریخ ہند کے مطالعہ سے خصوصاً معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے اکثر ممالک پر اپنی حکومت قائم کرنے اور مذہب عیسوی کو فروغ دینے کا سب سے بڑا ذریعہ تجارت ہی کو بنایا ہے، چنانچہ تاریخ ہند کا مطالعہ کیجئے تو صاف طور پر ظاہر ہوگا کہ عیسائیوں نے اولاً تجارت ہی کے ذریعہ ہندوستان میں اپنے قدم جمائے اور پھر رفتہ رفتہ وہ دن بھی آیا کہ ہندوستانی باشندوں کو پابہ زنجیر ہونا پڑا اور حاکموں کو غلامی پر مجبور کردیا گیا، اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ مسلمانوں کی سلطنت مکمل طور پر زوال پذیر ہوئی اور حاکموں کے گلے میں سلاسل ڈالے گئے، مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا گیا اور ان کی عزت وناموس پر حملے ہوئے، بالآخر ہمارے بزرگوں نے ترک موالات کا مفصل فتویٰ دیا، جس کی ترتیب کا سہرا حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کے سر بندھا، اور اس فتوے کے بعد ان کے اشیاء کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا، موجودہ وقت میں جو حالات پورے عالم کے مسلمانوں کے سروں پر منڈلا رہے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ عیسائیوں کے تمام مشنریز کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے، اس لئے ابھی انہوں نے بڑے پیمانے پر جو کام بینک اور ہاسپیٹل کی شکل میں شروع کیا ہے جس کے پیچھے بڑے مقاصد کارفرما ہیں نہ صرف یہ کہ ان سے ربط نہ رکھا جائے بلکہ اس کا مکمل بائیکاٹ کیا جانا چاہئے، اور یہ اس لئے بھی چونکہ عیسائیوں کے ادارے جو قرض مہیا کرواتی ہے اس کا سارا سسٹم تقریباً سود پر مبنی ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، اب یہ صاف ہے کہ جو ان اداروں سے قرض لے گا وہ کچھ نہ کچھ سود کے کام میں معاون بنے گا اور قرآن نے گناہ کے کاموں میں تعاون کرنے سے صراحتاً منع کیا ہے "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (مائدہ: ۲) لہٰذا اس اعتبار سے بھی ان کے اداروں سے تعلق قائم کرنا درست نہیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عیسائی مشنریاں جس پلیٹ فارم سے بھی کام کرتی ہیں ان کا اولین مقصد اپنے مذہب کی ترویج واشاعت اور اسلام کے تئیں نفرت پھیلانا ہوتا ہے، ثانیاً مذہب عیسوی سے قریب کرنا اور اسلام سے دور کرنا ہوتا ہے، ثالثاً مسلمانوں کو گناہوں کے دلدل میں پھنسا کر دین سے دور کرنا ہوتا ہے، لہٰذا ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو نہ صرف یہ کہ عیسائی اداروں کی نہ صرف یہ کہ خدمت نہیں کرنی چاہئے بلکہ ان سے مکمل طور پر الگ رہنا چاہیئے، البتہ یہ کہ ان کے بالمقابل ایسے اداروں اور تنظیموں کے قیام کی حتی الوسع کوشش کرنی چاہئے۔

☆☆☆

عہد حاضر کے چند فرق باطلہ کا تعارف اور احکام

مولانا شاہ عالم گورکھپوری[1]

راقم سطور کا موضوع اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے تحت منعقد کیے جانے والے پچیسویں فقہی سمینار کی طرف سے جاری سوالنامہ کا شق نمبر ۴، ۵، ہے سوالنامہ کے متن میں بابیت، بہائیت، سکھ ازم، اور قادیانیت جن چار ادیان باطلہ کا ذکر ہے ان کے تعلق سے بطور تمہید چند بنیادی امور دلائل کے ساتھ عرض ہیں:

(۱)...... سابقہ سماوی ادیان کی مسلسل تاریخ یہ رہی ہے کہ وہ مرور ایام کے ساتھ محرف اور مسخ ہوتے گئے یہاں تک کہ کچھ دنوں کے بعد ان کے اصل چہرے کی نشاندہی کرنے والا بھی کوئی نہ رہا، ان کی تنسیخ وتحریف کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو دیگر اسباب کے ساتھ ایک سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے ساتھ خدائی حفاظت کا وعدہ نہیں تھا، اور دوسرا سبب یہ بھی ہے کہ ان کا وجود ہی محدود وقت کے لیے تھا، اس لیے اُن میں تراش وخراش اور لفظی ہو یا معنوی تحریف و تنسیخ کو جگہ ملتی چلی گئی، تا آنکہ ان کا وجود ہی مٹ گیا، دنیا میں آج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے، اور دیگر بیشمار انبیاء کے صحف کا وجود ہی نہیں ملتا۔ توریت، زبور اور انجیل کے جو نسخے بزبان دیگر تراجم کی شکل میں موجود ہیں ان کے اصل کا تو وجود ہی نہیں اور تراجم بھی حد درجہ مشکوک و ناقابل اعتبار ہیں بعض عیسائی اور یہودی مؤرخین کا اعتراف ہے کہ توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پانچ سو سال کے بعد مرتب کی گئی اور اب جو کچھ توریت کے نام پر ہے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سوانح وسیرت ہے جس کے مرتب کے نام کا بھی پتہ نہیں کہ کون ہے، اصل توریت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ہی سے مفقود ہے۔ جب سب سے مشہور صحیفے، یہ حال ہے تو غیر مشہور صحیفوں کا حال کیا ہوگا؟ اسی پر قیاس کر لیا جائے۔ یہ صرف اور صرف اسلام کا اختصاص واحسان عظیم ہے کہ اس نے آکر اُن ادیان کے پیروکاروں کو ان کے دین اور آسمانی کتابوں کا صحیح پتہ بتایا جو کچھ انھوں نے تحریفات کی تھیں اُن سے باخبر کیا اور اپنے متبعین مسلمانوں کو بھی اُن کے اصل حقائق سے واقف کرایا۔

مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی صاحب یہی تحقیق ہے کہ اصل توریت میں بھی تحریف ہوئی ہے جیسا کہ اپنے محاضرہ "یہودی قوم اور تحریف تورات" میں موصوف نے بالتفصیل ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی مشہور تصنیف "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" کے حاشیہ میں اس کے محشی اور شارح مفتی سعید احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

"وقال جماهير العلماء: إن التحريف قد وقع في الكتب السماوية بكل نحو من اللفظي والمعنوي كثيراً"۔

جمہور علماء اسی بات کے قائل ہیں کہ لفظی اور معنوی ہر طرح کی تحریفات واقع ہوئی ہیں (حاشیہ الفوز الکبیر صفحہ ۲۷ مطبوعہ مکتبہ حجاز دیوبند)۔ ان حوالوں کی روشنی میں اہل علم کے لیے ان حقائق سے انکار کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ سابقہ کتب سماویہ میں لفظی ومعنوی ہر طرح کی تحریفات ہوئی ہیں۔

(۲)...... قرآن مجید میں جا بجا ان اُدیان باطلہ کے حاملین کو "اهل الكتاب" کے خاص خطاب سے مخاطب بنایا گیا ہے اور دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں ان کو دو خصوصی رعایتیں دی گئی ہیں:

(۱) یہ کہ اہل کتاب کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال کیا گیا "وطعامُ الذين أوتوا الكتاب حِلٌ لكم وطعامُكم حِلٌ لهم (مائدہ:۵)

(اور جو لوگ کتاب دیے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے)۔

(۲) یہ کہ کتابی عورتوں سے نکاح۔ "والمحصناتُ من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم" (مائدہ:۵) (اور وہ لوگ کہ جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اُن اہل کتاب کی نیک خصلت عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں)۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ یہ دونوں امتیازی احکام انہی اہل کتاب سے متعلق ہیں جو مذہب بیزار، ملحد

[1] ناظم تحفظ شعبہ ختم نبوت دار العلوم دیوبند۔

اور دہریہ نہ ہوں، یعنی خدا کے وجود کے قائل ہوں، اپنے نبی پر ایمان رکھتے ہوں۔

قرآن مجید میں جہاں جہاں "اہل الکتاب" کا محل استعمال ہے استقراء سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی خاص اصطلاح ہے اور یہ اصطلاح ان لوگوں پر استعمال کی گئی ہے جن کے پاس نزول قرآن سے پہلے کوئی آسمانی صحیفہ یا کتاب تھی۔ ان کے اعمال وعقائد اگر چہ ان کی اصل کتابوں کے مطابق نہیں تھے لیکن ان کے زعم کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن مجید نے ان کو ایسے لقب سے یاد کیا جو احسن الخطابات میں سے ہوسکتا ہے۔ مثلاً:

"يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ" (آل عمران آیت ۶۴) "يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" (۶۵) "يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ" (۷۰) "يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ" (۷۱) وغیرہا من الآیات۔

یا یہ بھی ممکن ہے کہ خطاب کے اس طریق سے اہل کتاب کو ان کی بے راہ روی اور بنیادی غلطیوں پر تنبیہ مقصود ہو کیونکہ اس خطاب کے تحت قرآن مجید نے جو خامیاں ذکر کی ہیں وہ انہی کے ساتھ خاص ہیں کسی اور قوم میں نہیں پائی جاتی تھیں، ان دونوں صورتوں میں خطاب کی تخصیص کا سبب، بذات خود اس بات کی بڑی دلیل ہوگی کہ اس کو عام نہ کیا جائے، اس لیے کہ خطاب کی جو علت ہے وہ اپنے اندر متعدی ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اس علت کے سبب کسی دوسرے پر قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا۔

مفسرین کرام نے بھی "اہل الکتاب" سے صرف یہود ونصاریٰ کو مرادلیا ہے۔

"يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ الخطاب يعمُّ أهلَ الكتابين يعني اليهود والنصارىٰ" (تفسیر مظہری)۔

"يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قيل: هم اهلُ الكتابين، و قيل: وفد نجران و قيل: يهود المدينة" (کشاف)

"يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هم نصارىٰ بني نجران" (درمنثور) "يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ اليهود والنصارىٰ" (روح البیان)۔

(۳)..... خود وہ لوگ جو "اہل کتاب" کا مصداق ومخاطب تھے اپنے حق میں اس اصطلاح کی تخصیص کو اس حد تک سمجھتے تھے کہ اپنے ماسوا کے لیے اس اصطلاح کا استعمال نہیں کرتے تھے، خود کو اہل کتاب اور اپنے ماسوا کو "الْاُمِّيّٖنَ" سے تعبیر کرتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر قرآن نے اہل کتاب کا قول نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے: "ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ" (آل عمران ۷۵) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اس کا ترجمہ اردو میں کیا ہے "یہ اس لیے کہ وہ (اہل کتاب) کہتے ہیں کہ غیر اہل کتاب کے مال کے سلسلہ میں ہم پر کوئی گناہ نہیں" یعنی "الْاُمِّيّٖنَ" کا ترجمہ "غیر اہل کتاب" سے کیا گیا ہے۔ تفسیر کرتے ہوئے اگرچہ حضرت موصوف نے بعض مفسرین کے قول کو اختیار کرتے ہوئے وضاحت فرمائی ہے کہ "الْاُمِّيّٖنَ" سے مشرکین مراد ہیں، یعنی یہ بے جا طریقہ پر مشرکین عرب کا مال ہڑپ لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے" لیکن الْاُمِّيّٖنَ سے مشرکین کی تخصیص لازم نہیں بلکہ یہ عام ہے مسلمان اور مشرکین عرب وغیرہ سب کے لیے۔ کیونکہ بعض مفسرین نے غیر اہل کتاب کی تفسیر "قریش" سے بھی کی ہے۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں مدعیان اہل کتاب کے نزدیک "غیر اہل کتاب مثلاً قریش کا مال چرا لینا یا چھین لینا سب جائز ہے" (بیان القرآن) امام رازیؒ نے مذکورہ آیت کے تحت تفسیر کبیر میں لکھا ہے:

"إنهم يقولون ليس علينا فيما أصبنا من أموال العرب سبيل (تفسیر کبیر) و ههنا مسائل: الثالث: إن اليهود إنما ذكروا هذا الكلام لا مطلقًا لكل من خالفهم ، بل للعرب الذين آمنوا بالرسول ﷺ" (تفسیر کبیر)۔

"(الأمي) منسوب الى الأم وسمي النبيّ صلى الله عليه وسلم أميًا، قيل: لأنه كان لايكتب وذالك، لأن الأم أصل الشئ و فمن لايكتب فقد بقي على أصله في أن لايكتب ، و قيل: نسب إلى مكة و هي أم القرى" (کبیر)۔

علامہ محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی اپنی تفسیر میں مذکورہ آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"أي في مال العرب اثم ... ذالك بأن اليهود قالوا: إموال العرب حلال لنا" (تفسیر بغوی)۔

علامہ حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر "امیین" کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ليس علينا في ديننا حرج في أكل أموال الأميين وهم العرب" (ابن کثیر)۔

احکام القرآن لابن العربی میں لکھا ہے:

''المعنى فعلوا ذالك لاعتقادهم أن ظلمهم لأهل الإسلام جائز ، تقدير كلامهم ليس علينا فى ظلم الاميين سبيل أى اثم'' (احکام القران ابن عربی)۔

قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے: "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ" (سورۂ جمعہ: ۲)، یہاں سے بھی مطلق عرب کے معنی کی تائید ہوتی ہے۔ الغرض قدیم وجدید تمام تفاسیر میں اہل کتاب کے مصداق میں بالتخصیص یہود ونصاریٰ ہی کا نام لکھا ہے۔ ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ اہل کتاب خود کو ''اہل کتاب'' اور اپنے ماسوا کو "الْأُمِّيِّينَ" سے تعبیر کرتے تھے اور اپنے حق میں اس تخصیص پر مطمئن بھی تھے۔ لہٰذا اس کو اب کسی بھی طرح عام نہیں کیا جاسکتا کہ اُن کے ماسوا دورِ حاضر کے کسی تحریک یا مذہب کو اس میں شامل مانا جائے۔

(۴) ... علاوہ ازیں مفسرین ومحدثین امت میں سے کسی سے بھی اس کا استعمال صرف انہی لوگوں پر پایا جاتا ہے جن کے پاس اسلام سے ماقبل کوئی آسمانی کتاب تھی، فقہائے امت نے بھی اہل کتاب کے جو احکام وحدود بیان فرمائے ہیں اس کی مثال میں پچھلی آسمانی کتابوں میں سے کسی کتاب کے ماننے والوں کے سوا، دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۵) ......اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس خاص اصطلاح کا مصداق جو لوگ خود کو سمجھتے تھے وہ دوسروں کو اس میں شامل نہیں مانتے تھے، جبکہ ان کے سامنے ایک آخری آسمانی کتاب قرآن مجید کا حامل مسلمان بھی تھے۔ یہ اصطلاح اُن سابقہ ادیان کے ساتھ اس قدر خاص ہے کہ قرآن مجید نے اہل اسلام اور اپنے او پر ایمان لانے والوں پر بھی کبھی اس کا استعمال نہیں کیا۔ "و الذين أوتوا الكتب من قبلكم"، اور اس جیسی دیگر آیات میں مفسرین صرف یہود و نصاریٰ کا ہی ذکر کرتے ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید کی اس خاص اصطلاح کو عام کر کے دورِ حاضر کے ان مذاہب پر اس کا استعمال ہرگز نہیں کیا جاسکتا جو اس کے خطاب کے دور میں نہیں تھے، محض لغوی معنی کو سامنے رکھ کر چہ جائے کہ دوسروں پر اس کا استعمال کیا جائے خود اسلام اور اس کے متبعین کو بھی اہل کتاب کی اصطلاح میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا اگر کسی نے روافض کو یا اور کسی ایسی جماعت کو اہل کتاب میں شامل مانا ہے تو وہ اس اصول کے خلاف ہوگا۔

(۶) ......اسی طرح قابل توجہ یہ نکتہ بھی ہے کہ سابقہ ادیان میں اُن ادیان کے زمانے کی تحدید اور خدائی حفاظت کے نہ ہونے کے سبب ان میں ارتداد کا خانہ بھی نہیں رکھا گیا تھا اور نہ ان میں ارتداد کے احکام رکھے گئے تھے۔ ان کے مذہب میں یا تو اپنے نبی کی صحیح صحیح اتباع تھی یا پھر کفر وخروج عن المذھب۔ اور احکامات میں تنسیخ وتحریف کے سبب چونکہ حق تک رسائی کے لیے ان کے پاس کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا، اس لیے مذہب اسلام میں بعض احکام میں ان کے ساتھ تخفیف رکھی گئی، مثلاً، ذبیحہ کی حلت، نکاح وغیرہ۔ لیکن اسلام کی آمد کے بعد احکاماتِ اسلام میں اُس کے دائمی مذہب ہونے کے سبب تنسیخ وتحریف کا امکان بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا اور حق تک رسائی کے لیے تمام دروازے بھی مکمل طور پر کھلے ہوئے ہیں، لہٰذا اس تخفیف کا فائدہ ان لوگوں کو نہیں ملے گا جو قرآن مجید کو آسمانی کتاب ماننے کے ساتھ ضروریات دین کا انکار کر کے مابعد اسلام وجود میں آئے ہیں، ان کے لیے ایک ہی حکم ہے کہ یا تو اپنے ارتداد سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہوں اور اپنے شکوک وشبہات رفع کریں، یا پھر ان پر اسلام کے وہ احکامات نافذ ہوں گے جو مرتد کے باب میں وارد ہیں۔ اگر یہ دونوں شکلیں نہیں تو ان کے لیے تخفیف کا کوئی دروازہ کھلنے کی شریعت میں گنجائش نظر نہیں آتی، یہاں سے ان کو اہل کتاب کی اصطلاح میں شامل کرنے کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

(۷) ......اسی طرح ''مرتد'' کی اصطلاح کو شرعی اصطلاح کے طور پر سابقہ ادیان کے پیروکاروں پر بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا کہ یہ خاص مذہب اسلام کی اصطلاح ان لوگوں کے لیے ہے جو اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس سے خروج کریں۔ فقہاء نے جابجا اس کی وضاحت کی ہے:

''...اذا ارتد مسلم عن الإسلام، والعياذ بالله عرض عليه الإسلام فإن كانت له شبهة كشفت عنه و يحبس ثلاثة أيام... الخ'' (ہدایہ اوّلین صفحہ ۵۸۰) ''لا تؤكل ذبيحة المجوسى...و المرتد؛ لأنه لا ملة له ، فإنه لا يقر على ما انتقل إليه'' (ہدایہ آخرین کتاب الذبائح ص ۴۳۲)۔

(جب کوئی اسلام سے پھر جائے تو اس کو اسلام میں واپس لانے کی پوری کوشش کی جائے، مرتد کا ذبیحہ اس لیے نہیں کھایا جائے گا کہ اس کا کوئی دین ومذہب نہیں، کیوں کہ اس نے جو مذہب اختیار کیا ہے اسے اس پر قائم نہیں رہنے دیا جائے گا)، گویا اسلام میں واپس لانے کی کوشش جس شخص پر ہو سکے اسی پر ''ارتداد''

کی اصطلاح استعمال کی جائے گی اور جہاں اس کی گنجائش بھی نہ ہو اس جگہ اس کا استعمال شرعی اعتبار سے بے معنی و بے محل ہے۔ اس لحاظ سے بابیوں، بہائیوں، سکھوں، اور قادیانیوں کو اہل کتاب کی اصطلاح میں لانے کی بحث ہی خارج عن الموضوع ہوجاتی ہے۔ کیونکہ بابی، بہائی اور سکھ تو اسلام میں کبھی داخل ہی نہیں رہے کہ انھیں اسلام میں واپس لانے کی سعی کی جائے اور قادیانی مرتدوں کو واپس لانے کی سعی باقی رہے گی، لیکن ان کا ارتداد چونکہ مطلق نہیں، بلکہ الحاد و زندقہ سے ملوث ہے، اس لیے یہ اضافی علت ان کو خارج عن الموضوع بنا دیتی ہے۔ چنانچہ ان کا نسبت الی الاسلام کا دعویٰ بھی ان کے کفر و زندقہ ہی کے سبب باطل و بے سود ہے۔ اس کی تفصیل آگے مقالے میں آرہی ہے۔

(۸)......ان ادیان کے مقابل دین اسلام کی تاریخ یہ رہی ہے کہ بارہا دین اسلام کے ساتھ بھی تنسیخ و تحریف کی تاریخ دہرانے کی ناپاک کوششیں کی گئیں، لیکن دشمنان اسلام اپنے منصوبوں میں نہ کبھی کامیاب ہوئے اور نہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ ہوسکیں گے۔ اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے تو اس کے اسباب بھی ایسے پیدا ہوتے رہیں گے کہ قیام قیامت تک یہ آخری دین تحریف و تنسیخ سے محفوظ رہے گا۔

سابقہ ادیان سماویہ میں تحریف و تنسیخ کی طویل تاریخ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دانشوران فرنگ نے اسلام کو محرف و منسوخ بنانے کے لیے جو تجربات کیے انہی تجربات کا نام بابیت و بہائیت اور قادیانیت ہے۔ ان کی حریفانہ نگاہوں نے یہ دیکھا کہ سابقہ ادیان سماویہ میں بڑی آسانی سے جدت پسند طبیعتیں اور افراد پیدا کر کے ان کا اصل چہرہ ہی مسخ کردیا گیا تو یہ فکر و فلسفہ ''اسلام'' میں کامیاب کیوں نہیں ہوگا، چنانچہ اپنی اسی ناپاک ذہنیت اور فکر و مزاج کو لے کر انھوں نے مذہب اسلام میں تحریف و تنسیخ کا عمل دہرانے کے لیے ۱۸۳۹ء میں بابیت کو جنم دیا پھر بابیت کے عنوان سے اپنے مذموم مقاصد میں ناکامی کے بعد اس کی جگہ ''ازلی فرقہ'' وجود پذیر ہوا، پھر اس عنوان سے بھی جب کامیابی کے امکانات معدوم ہوگئے تو تیسرے مرحلے میں اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے جو شکل انھوں نے تجویز کی اس کا نام بہائیت اور شکل رابع کا نام قادیانیت ہے۔ گویا یہ تحریکات اپنے اصل کے اعتبار سے، فتنہ ہیں جو اپنے اپنے وقت میں اسلام کو نقصان پہنچانے کی غرض سے وجود میں لائی گئی ہیں، جب ان کا وجود اسلام کے مد مقابل ہے تو اسلام کی جانب سے از راہ رعایت و تخفیف جو احکام ہوں گے اور جو اصطلاحات وضع ہوں گی اُن کا حق دار ایسے مذاہب کو کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ یہ تو اسلام کے منشاء کے قطعاً خلاف ہوگا۔ رہی بات اسلام سے ماقبل ادیان باطلہ یہودیت و نصرانیت کی تو یہ مذاہب بالاصلہ و بنفسہ فتنہ نہیں ہیں، اس لیے اسلام نے اصل کو ملحوظ رکھ کر ان کے ساتھ بعض احکام میں تخفیف و رعایت دی ہے۔

(۹)......سکھ فرقہ کا تعلق اس کڑی سے نہیں، بلکہ سکھ فرقہ ہندوازم کے فکر و فلسفہ سے وابستہ ہے اس کی کڑی ہندتو سے ملتی ہے، البتہ اس نے اپنے مذہبی خاکہ میں جہاں بودھ ازم اور دیگر ہندوستانی مذاہب سے بہت کچھ لیا وہیں، جمہوریت پیدا کرنے کی غرض سے کہیں کہیں مسلمان صوفیا اور شاعروں سے بھی تھوڑا بہت کچھ لے لیا ہے۔ جن لوگوں نے اس کو مذہب اسلام سے جوڑنے کی کوشش کی ہے، یہ ایک ایسی کوشش ہے کہ جس میں کوئی حقیقت نہیں، اس لیے کہ ان کے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں جو کچھ بھی ہے وہ ظنیات کے قبیل سے ہے۔ شبہات پر شرعی دلائل کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی جبکہ ''اہل کتاب'' جو اصطلاح زیر بحث ہے وہ اپنے اندر احکام بھی رکھتی ہے۔

سکھ مذہب کی بنیاد گرونانک کے ذریعہ پڑی جن کی پیدائش ۱۴۴۹ء اور موت ۱۵۳۹ء میں ہوئی۔ گرونانک کے بارے میں مسلمان ہونے کا شبہ بعض لوگوں نے ظاہر کیا ہے، لیکن اُن کا یہ خیال وہم اور وسوسہ سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا، علاوہ ازیں سکھ ازم صرف گرونانک کے فکر و فلسفہ پر مبنی نہیں، بلکہ اس میں کل دس گرو مانے گئے ہیں جن کی تعلیمات و ہدایات کے مجموعہ کا نام سکھ مذہب پڑ گیا۔ اسکے آخری گرو گوبند سنگھ مانے گئے ہیں جنھوں نے سکھ ازم کو مذہب کی شکل دی، ان کی موت ۱۷۰۸ء میں ننکانہ صاحب میں ہوئی، گرونانک کے بعد بقیہ گروؤں کے بارے غیر مسلم ہونے میں کسی کو شک و شبہ بھی نہیں۔ ان کی مذہبی کتابوں میں صوفیا کے کلام سے مشتق توحید پرستی کی کچھ باتیں پائی جاتی ہیں، لیکن ایسا ہرگز نہیں کہ ان کا توحید خالص سے کوئی تعلق ہے، صرف اتنی سی بات ہے کہ بت پرستی اور انسانوں کی بنائی ہوئی مورتی کی پرستش اس میں عملاً نہیں پائی جاتی۔ سکھ ازم کا وجود بھی اسلام کے مد مقابل نہیں ہے، اسی لیے اس کی ساخت بھی بدھ مذہب، ہندو مذہب وغیرہ اُن ادیان کے موافق ہے جو مذاہب غیر آسمانی اور خالص ہندوستان کی پیداوار ہیں۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ سوالنامہ میں بابیت، بہائیت اور قادیانیت کے ساتھ ''سکھ'' فرقہ کا ذکر ہی بے جوڑ ہے اور ان کو اہل کتاب کے زمرے میں لانے یا نہ لانے کی بحث تو مہا بے سود و باطل معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے راقم سطور اس کو زیر بحث لانے سے قاصر ہے۔

سید علی محمد معروف بہ باب اللہ ایرانی (بابی مذہب کا تعارف):

بابی مذہب کا بانی علی محمد شیرازی ایرانی (ولادت یکم محرم ۱۲۳۵ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۸۱۹ء م ۱۸۴۹ء) کو بتایا جاتا ہے۔ خاندان میں تعلیمی فقدان کے سبب علی محمد کی تعلیم بھی ناقص وادھوری رہ گئی، ترک تعلیم کے ساتھ جوانی میں قدم رکھتے ہی اگرچہ اہل خانہ نے تجارت میں لگایا لیکن تجارت راس نہیں آئی اور پچیس سال کی عمر میں ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء میں اس نے مہدی غائب تک پہنچنے کا باب یعنی دروازہ ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اسی لیے اس کے معتقدین اور اُن کے ساتھ بہاء اللہ ایرانی کے معتقدین بہائی بھی، اس کو ''باب'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ حشمت اللہ بہائی نے اپنے ایک تجزیاتی مضمون میں لکھا ہے کہ:

''میرزا سید علی محمد کے دعوے کو جن لوگوں نے سچا تسلیم کیا تھا اُن کا نام بابی مشہور ہو گیا۔ اور ان بابیوں کی تاریخ نہایت قابل رحم اور دردناک ہے۔ کیونکہ اکثر ان میں اَن پڑھ، خوش عقیدت، سادہ اور پاک باطن آدمی تھے۔ جنھوں نے بچپن سے مسجدوں میں اور امام باڑوں میں امام معصوم قائم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر دل کو بیتاب کرنے والے فقروں میں سنا تھا۔ اور جب کبھی ان کا ذکر ہوتا تو عجل اللہ فرجہ کہنا سیکھا تھا۔ اور سکڑوں فسانے جو کہ واعظوں کے جوش نے اُن کی تشویق کے لیے گھڑے تھے اُن کے ذہن میں موجود تھے۔ اور ان کی رکاب میں چل کر جہاد اور شہادت کا جوش ہر ایک کو متوالا کئے ہوئے تھا۔ ان لوگوں کو میرزا علی محمد کی حسن صورت اور سیرت نے اپنا دلدادہ کر لیا اور اُن کے پرجوش بیانات نے اِن کا دل چھین لیا (بہاء اللہ کی تعلیمات، ص ۱۲)۔

سید علی محمد کی پشت میں اگرچہ یہودی دانشور کام کر رہے تھے لیکن اس کے وضع کردہ عقائد ونظریات کا فکری سرچشمہ اور اصول وقوانین کا اصلی ماخذ ومصدر شیعیت اور تشیع ہے۔ تشیع میں بطور خاص عقیدۂ امامت اور عقیدۂ ظہور مہدی کے تعلق سے پائے جانے والے فاسد مواد بابی مذہب کا خمیر ہیں۔ شیعوں نے اپنے ماننے والوں کو ایک ''غائب مہدی'' کا تصور دے کر ہمہ وقت انتظار کی ایک ایسی غیر یقینی کیفیت اور اذیت ناک وہم میں مبتلا کر رکھا ہے کہ جو اُن کو ہر آن اور ہر لمحہ کسی بھی راستے پر جا پڑنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ اسی طرح ''مہدی المنتظر'' کو پالینے کے تصوراتی نظریہ اور بے سروپا فضائل ومحامد نے کسی بھی تیز طبع طالع آزما کے لیے دعویٰ مہدویت کرنے کا دہانہ کھول رکھا ہے۔ علی محمد باب کو بھی جو کچھ راستہ ملا وہ اسی نظریہ سے ملا۔ لیکن مہدی غائب تک پہنچنے کا باب ہونا، یعنی دروازہ ہونا اس کے سفر مقصود کی آخری منزل نہیں تھی، بلکہ اس کا منزل مقصود اس راستے سے اسلام کو منسوخ ومحرف کر کے سیدھے سیدھے لفظوں میں ایک نئے مذہب کا اضافہ کرنا تھا۔

دعاوی علی محمد:

سید علی محمد کے دعاوی کے تعلق سے مصطفی رومی بہائی نے لکھا ہے: ''جب انہوں نے مذہبی دعوت شروع کی تو سب سے پہلے بابیت کا اظہار کیا لفظ بابیت سے مراد ان کی یہ تھی کہ میں ایک ایسے جلیل القدر شخص کے فیض پہنچانے کا ذریعہ ہوں جو دنیا میں موجود ہیں، لیکن ان کے وجود سے لوگ ناواقف ہیں اور ان کے کمالات غیر متناہی ہیں۔ میری حرکات وسکنات ان کے ارادہ کے تابع ہیں اور میں ان کی محبت میں جکڑا ہوا ہوں'' (باب الحیات ص ۳)۔

پس جب حضرت باب نے کہا کہ میں دروازہ ہوں تو معنی چھوڑ کر اصطلاح کا خیال کیا...... لیکن جب کچھ دن بعد ان کی الواح اور گفتگو میں دیکھا کہ وہ کہتے ہیں کہ میں ہی ہوں ''قائم آل محمد'' تو سمجھا کہ انہوں نے اپنا خیال بدل دیا۔ اور مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، کیوں کہ حضرت امام مہدی کا لقب ایران میں اور ائمہ آل رسول اللہ کے بیانات میں ''قائم آل محمد'' ہے...... حضرت باب کی کتابیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے تئیں وہ شخص خیال کرتے تھے کہ جو مسلمانوں میں عام طور سے ''حضرت امام مہدی'' کے نام سے مشہور ہیں (بہاء اللہ کی تعلیمات ص ۵، ۶ حشمت اللہ)۔

مثیل یحییٰ ہونے کا دعویٰ:

حشمت اللہ بابی نے لکھا ہے: ''اپنی تمام کتابوں میں انہوں نے کوئی جملہ غالباً ایسا نہیں لکھا ہے جس میں وہ اُس شخص کے ظہور کی بشارت نہ دیتے ہوں جس کا نام کہ انہوں نے ''من یظہرہ اللہ'' رکھا تھا۔ جس کے معنی ہیں ''وہ جس کو کہ خدا ظاہر کریگا'' اور جو کہ مسلمانوں میں ''حضرت عیسیٰ'' کے نام سے مشہور ہیں۔ مثلاً کتاب بیان کے چوتھے باب تیسرے واحد میں لکھتے ہیں کہ میں مثل یحییٰ کے ہوں اور من یظہرہ اللہ جل ذکرہ مثل عیسیٰ کے ہیں'' (بہاء اللہ کی تعلیمات: ۷)۔

پیغمبری کا دعویٰ:

حشمت اللہ بابی نے لکھا ہے: ”سید مرزا علی محمد باب نے بھی پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے اور اس کا فیصلہ اس وقت کیا جاسکتا ہے، جبکہ پیغمبری کی پہچان مقرر کرلی جاوے، البتہ ان کی تاریخ ایسی ہے جس کو تفصیل کے ساتھ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی زندگی میں بہت سے واقعات ایسے ضرور پیش آئے ہیں جیسے کہ پیغمبروں کو پیش آئے“ (بہاء اللہ کی تعلیمات ص ۱۰/ مولفہ حشمت اللہ بابی آگرہ)۔

خدائی کا دعویٰ:

جمال ابھیٰ نامی کتاب میں شیعی مجتہد موسوی نے باب کا ایک خط نقل کیا ہے جو اس نے اپنے جانشین صبح ازل مرزا یحیٰ کے پاس لکھا ہے۔ اس میں علی محمد باب لکھتا ہے: ”هٰذا كتاب من الله الحي القيوم إلى الله الحي القيوم قل كل من الله يبدؤن ۔ قل كل الى الله يعودون ۔“ (جمال ابھیٰ صفحہ ۱۸۲ مطبوعہ حکمت قم ایران)۔

(یہ خط ہے اس خدا کی جانب سے جو زندہ اور قیوم ہے اُس خدا کی جانب جو زندہ اور قیوم ہے۔ کہہ دو کہ سب کچھ خدا کی جانب سے شروع ہوتا ہے اور سب کچھ خدا ہی جانب لوٹنے والا ہے)۔

علی محمد کے دعاوی کے یہ چند نمونے ہیں جو باحوالہ پیش کیے گئے ہیں۔ مزید تفصیل کتاب ”بابیت اور بہائیت ایک تعارف و تجزیہ“ شائع کردہ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دار العلوم دیوبند، کی طرف رجوع کیا جائے۔ حکومت وقت کو باب کے باغیانہ خیالات و عمل سے خطرہ محسوس ہوتا تھا، دعویٰ مہدویت کے نام پر جہاد وفساد اس کا شیوہ تھا۔ اس نے اپنے معتقدین کو یہ امید دلائی تھی کہ جب حکومت ہماری ہوگی تو تمھارے حقوق کا خیال رکھا جائے گا۔ اس لیے حکومت وقت کی جانب سے اس کے قتل کا حکم صادر کردیا گیا۔ اور ۲۸ شعبان ۱۲۶۶ھ مطابق ۹ جولائی ۱۸۵۰ء میں تبریز کے مقام پر سولی پر لٹکا کر بندوق کی گولیوں سے ہلاک کردیا گیا۔ حشمت اللہ نے اس سلسلے میں لکھا ہے:

”حضرت علی محمد باب نے بوشہر میں اعلان کرنے کے بعد بیت اللہ کا سفر کیا اور خاص حج کے دن اپنا دعویٰ پیش کیا۔ اُس کے بعد بوشہر واپس آئے اور شیراز روانہ ہوئے...... اصفہان کے زمانہ سے ان کی قید و حراست کا زمانہ شروع ہوا اور قریب چھ سال کی مدت میں چہریق اور ماکو وغیرہ میں قید رہے ...... ان کی عمر شہادت کے زمانے تک ۳۲ سال سے زیادہ نہ تھی ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۰ء کے درمیان میں آذر بائیجان کے دار الخلافہ میں شہید ہوئے“ (بہاء اللہ کی تعلیمات ۹، ۱۰ مولفہ حشمت اللہ بابی آگرہ)۔

بابیوں اور بہائیوں کی مذہبی کتاب:

بعض تاریخ نگاروں نے بہائیوں کی ایک کتاب ”ظہور مہدی ومسیح“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب علی محمد ”ماہ کو“ کے قلعہ میں قید تھا تو اس نے ”البیان“ نامی کتاب لکھنی شروع کی تھی جس کو اس نے قرآن مجید کا ناسخ قرار دیا تھا، مگر مکمل کرنے سے قبل ہی ہلاک ہوگیا۔ اس کی ہلاکت کے بعد کتاب کی تکمیل اس کے گدی نشین مرزا یحیٰ صبح ازل نے ”المستیقظ“ کے نام سے کی اور اس کو ”البیان“ کا تتمہ قرار دیا۔ مگر بہاء اللہ جب گدی پر قابض ہوا تو اس نے ابیان اور المستیقظ دونوں کو منسوخ قرار دے کر ۱۸۷۳ء میں ”اقدس“ نامی کتاب لکھی اور سابقہ رہنماؤں کی تصنیفات کو منسوخ قرار دے کر اپنی تازہ تصنیف کو رائج کیا۔ اب یہی کتاب (نعوذ باللہ) قرآن مجید کی جگہ بہائیوں کی آسمانی کتاب مانی جاتی ہے۔

بابیت و بہائیت کا مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ ایک جدید تحریک اور مذاہب کے باب میں اسلام کے مدمقابل ایک نئے مذہب کا اضافہ ہے، اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہوئے خود ایک بہائی دانشور مصطفی رومی نے لکھا ہے:

”دُنیا کا کوئی قطعہ ایسا نہ ہوگا جہاں کے لوگوں کو اجمالی طور پر اتنا علم نہ ہو کہ تیرہویں صدی ہجری کے وسط میں سرزمین ایران میں حضرت بہاء اللہ اور حضرت ”باب“ دو شخص گذرے ہیں انھوں نے دنیا میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ اور اُن کے سبب سے تاریخ میں اس زمانہ کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک نئے مذہب کا اضافہ ہوا ہے“ (دیباچہ باب الحیات صفحہ ا، مصطفی رومی مطبوعہ ۱۹۰۸ء نولکشور لاہور)۔

میرزا حسین علی نوری معروف بہ بہاء اللہ ایرانی:

نام حسین علی اور لقب ''بہاء اللہ'' ہے اس کو اپنے لقب سے ہی زیادہ شہرت ملی، اس لیے نام بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ طہران کے قریب نور نامی ایک گاؤں میں ۲/محرم ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوا۔ اس لیے اس کو حسین علی نوری کہا جاتا ہے۔ باپ کا نام آقا بزرگ ہے حشمت اللہ بابی کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ۱۸۵۲ء میں حسین علی نوری نے عیسیٰ مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس میں کس حد تک صداقت ہے اس کا ثبوت پیش کرنا مشکل ہے، کیونکہ بعض بہائی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہاء اللہ ۱۸۶۶ء تک صبح ازل مرزا یحییٰ کے ساتھ ہی تھا۔ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ بعد میں بہائیوں نے یہ تاریخ گھڑی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اندرون خانہ پہلے سے ہی بہاء اللہ نے اپنے سوتیلے بھائی مرزا یحییٰ کے خلاف سازش شروع کر دی ہو اور موقع پا کر ۱۸۶۶ء میں اس کا اظہار کیا ہو۔

بہائی تحریک:

مرزا علی محمد نے ''باب'' ہونے کا دعویٰ کر کے جن خیالات ونظریات کی اشاعت کی اسے ''بابیت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے جانشین مرزا یحییٰ ملقب بہ ''صبح ازل'' نے باب کے نقش قدم پر چل کر جو کچھ آگے بڑھایا اس کو ''ازلیت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مرزا یحییٰ کے خیالات وتعلیمات میں وہی بغاوت وفساد کی بوتھی جو مدعی بابیت علی محمد میں پائی جاتی تھی۔ تخت جانشینی پر قبضہ کر کے مرزا حسین علی نوری نے ایک ایسے نظریے کی بنیاد رکھی جو ''باب'' اور ''صبح ازل'' سے ہٹ کر ہے۔ اس کا تعلق نہ بابی خیالات سے ہے اور نہ ''ازلی'' خیالات سے، بلکہ اس نے صلح وآشتی کا ایک نیا چولہ تیار کیا اور امن وامان کے بینر تلے زمانے کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر کچھ اپنے اختراعات کے ساتھ دیگر مذاہب کے بعض معتقدات کو بھی شامل کر لیا۔ اس کھچڑی ملغوبہ کا نام بہائیت ہے۔ بلکہ بہاء اللہ نے اس معاملے کو اور زیادہ واضح کر دیا کہ اس کے خیالات ونظریات کسی بھی طرح سے اسلام کے موافق نہیں۔ بطور نمونہ چند دعاوی بہاء اللہ کے درج کیے جاتے ہیں۔

رسول موعود ہونے کا دعویٰ:

'' هذا هو الذی ذکره محمد رسول الله و من قبله الروح و من قبله الکلیم '' (یہ (بہاء اللہ) وہی ہے جس کے آنے کی نسبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن سے پہلے عیسیٰ اور اُن سے پہلے موسیٰ نے پیشگوئی کی تھی)۔ (ریویو آف ریلیجنز قادیان نمبر ۶ ص ۴۶۸۔ بحوالہ اخبار کوکب ہند آگرہ جلد ا شمارہ نمبر ۴۔ ۲۵ جون ۱۹۲۴ء)۔

' تا الله قد ظهر الموعود باسمه الودود '' (خدا کی قسم موعود ظاہر گیا اپنے اسم ودود کے ساتھ) (کتاب مبین ص ۲۴۶ مطبوعہ بمبئی، بحوالہ کوکب ہند جلد ا نمبر ۴ ص ۳)۔

مسیح موعود ہونے کا دعویٰ:

'' قل یا ملاء الانجیل قد فتح باب السماء وأتی من صعد الیها ۔ إنه ینادی فی البر و البحر و یبشر الکل بهذا الظهور الذی نطق به لسان العظمة قد أتی الوعد و هذا الموعود. '' (ترجمہ بالفاظ ایڈیٹر رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان)

(اے اہل انجیل آسمان کا دروازہ کھولا گیا ہے اور جو اوپر چڑھ گیا تھا وہ اب نیچے آ گیا ہے اور وہ بحر و بر میں ندا کر رہا ہے اور سب لوگوں کو اپنے ظہور کی یہ خوشخبری سنا رہا ہے جو عظمت کی زبان سے نکلی۔ کہ بیشک وعدہ اب پورا ہو گیا ہے اور موعود سامنے کھڑا ہے) (اخبار کوکب ہند جلد ا ص ۴ مورخہ ۲۵ جون ۱۹۲۴ء)۔

'' قل یا ملاء الفرقان قد أتی الموعود الذی وعد تم به فی الکتاب ۔ اتقوالله ولا تتبعوا کل مشرك اثیم '' (الواح مبارکہ ص ۲۳۵)۔ (کہہ دے اے گروہ قرآن یقیناً وہ موعود آ گیا جس کا وعدہ تمہیں کتاب میں دیا گیا تھا۔ خدا سے ڈرو اور ہر مشرک گنہگار کی پیروی نہ کرو) (کوکب ہند آگرہ کا قادیان نمبر ۱۹۲۴ء)۔

مسیح بن کر دوبارہ آسمان سے نزول کا دعویٰ:

'' إنه أتی من السماء مرة أخری کما أتی منها اول مرة إیاك أن تعترض علیه کما اعترض الفریسیون من دون بینة و برهان '' (لوح پوپ) (یہ (حضرت بہاء اللہ بحیثیت مسیح موعود) آسمان سے دوبارہ آیا ہے جیسا کہ پہلی بار آیا تھا۔ خبردار ایسے اعتراض

نہ کرنا چاہیے کہ فریسیوں نے بغیر دلیل وحجت کے کئے تھے) (کوکب ہند آگرہ کا قادیان نمبر ۱۹۲۴ء)۔

مستقل صاحب شریعت نبی و مسیح موعود ہونے کا دعویٰ:

”اگر چہ آج تک بیسیوں مدعیوں نے دعویٰ کیا، مگر اُن میں سے کسی ایک کو بھی اس پایہ کا پیشرو نہ ملا جو حضرت باب کی طرح امام مہدی کی موعودہ صفات رکھتا ہو اور نہ ایسا مصدق ملا جس پر حضرت بہاء اللہ کی طرح حضرت عیسیٰ کا رتبہ صادق آتا ہو اور جو صاحب شریعت مستقل کا دعویٰ رکھتا ہو، یہ خصوصیت صرف حضرت باب اور حضرت بہاء اللہ کو حاصل ہے (اخبار کوکب ہند آگرہ جلد نمبر ۵ ص ا کیم جولائی ۱۹۲۴ء)۔

ان دعاوی اور واضح اعلانات کے بعد صاحب شریعت جدیدہ ہونے کے لیے اور کیا دلیل چاہیے؟ جس کا اعتراف خود بہائیوں کو بھی ہے۔ بہائیت اسلام کے مقابل نہیں، بلکہ مذہب اسلام کی جگہ ایک نئی تحریک ہے۔ خدا کی تعلیمات وہدایات کا قدیم ایڈیشن اسلام تھا اور جدید ایڈیشن بہائیت ہے۔ نعوذ باللہ خدا نے اسلام کو منسوخ کیا تو بہائیت کو رائج کیا۔ اُن کے نزدیک ”اقدس“ نامی کتاب کو قرآن مجید کی جگہ نازل مانا گیا ہے۔ یہ کتاب بہاء اللہ نے اس وقت تصنیف کی تھی جبکہ وہ عکہ میں قید تھا۔

بہائی تحریک سے دین اسلام کی منسوخی کا اعلان:

بہائی مذہب کے زعماء کا کھلا دعویٰ ہے کہ مذہب اسلام کی مدت صرف ۱۲۶۰ھ تک تھی اس کے بعد (نعوذ باللہ) مذہب اسلام کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے اور خدا کے وعدہ کے موافق بابیت اور بہائیت کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہمارے قارئین کو حیرت ہوگی کہ یہ ساری ڈھٹائی قرآن مجید کی آیات اور احادیث مبارکہ کے نام پر کی جاتی ہے۔ مصطفی رومی بہائی نے لکھا ہے:

”الغرض امت محمدی بھی دوسری امتوں کے مانند ایک مستقل امت ہے۔ اس امت کے مقرر وقت اور معین ٹائم (وقت) کی بابت حق تعالیٰ شانہ اپنے کلام قدیم میں اسطرح پر بیان فرماتا ہے۔ سورہ سجدہ کی ابتدا اکیس پارہ کے تیرہ رکوع میں ”یدبر الأمر من السماء إلی الأرض ثم یعرج إلیہ في یوم کان مقدارہ ألف سنة مما تعدون“ (سورہ سجدہ:۵) (تدبیر فرماتا ہے۔ اور ٹھیک جماوٹ کے ساتھ انتظام دیتا ہے خدائے تعالیٰ اپنے امر یعنی اپنے سچے دین اور شریعت کو آسمان سے زمین کی طرف۔ پھر چڑھ جائے گا یہ امر یعنی یہ سچا دین اور شریعت اس پروردگار کی جانب (ایسے) ایک دن کی مدت میں جس کی مقدار اور درازی ایک ہزار سال کی ہے جن کو تم گنتی کرتے ہو)...... احادیث صحیحہ میں بھی دین کا اور علم کا اور قرآن کا اٹھ جانا اچھی تصریح کے ساتھ مذکور ہے جن میں سے دو چار حدیثیں...... عرض کرتا ہوں...... ”عن أبي قتادة قال: قال رسول اللہ ﷺ: الآیات بعد المأتین“ (حضرت ابی قتادہ کہتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے آیات اور علامتیں ”اختلاف اور فتنہ وفساد کا برپا ہونا دین محمدی کو جو موعود اسلام کا ظہور نزدیک ہونے کی علامتیں ہیں“ آنحضرت کی وفات دوسو برس گذرنے کے بعد شروع ہوں گی)۔ شیعوں کی احادیث میں ان کے علماء میں سے مجلسی بحار الانوار میں فرماتے ہیں کہ سن ہجری نبوی کے دوسو ساٹھ سال تک عترت پیغمبر میں سے ائمہ ھدیٰ علیہم السلام دین اسلام کے رواج دینے میں سرگرم تھے۔ اسی کتاب کے پندرہویں باب میں امام حسن عسکری کے قول سے مذکور ہے کہ فرمایا ”سن ہجری کے دوسو ساٹھویں سال میں مؤمنین شیعہ میں اختلاف پڑ جائے گا اور چوطرف بکھر جائیں گے...... ان آیات اور حدیثوں سے...... واضح طور پر معلوم ہو چکا کہ ہمارے محمدی امت والے بھائیوں کی مدت دنیا کے ایک ہزار برس کی ہے اور دین اسلام کے پھیلنے اور...... برقرار رہنے کی مدت دوسو ساٹھ برس کی ہے۔ جب ہم ان دونوں مدتوں کو ملا کر جمع کریں تو ایک ہزار دوسو ساٹھ سال ہوتے ہیں اور یہ مدت حضرت مہدی کے ظہور فرمانے کے لئے مقرر کی گئی ہے...... چنانچہ سن ہجری ایک ہزار دوسو ساٹھ ۱۲۶۰ میں ماہ جمادی الاوّل کی پانچویں تاریخ جمعرات کے دن سوا آٹھ بجے شب کو حضرت سید علی محمد باب...... حضرت مہدی موعود کے نام سے ظاہر ہو چکے ہیں“ (خلاصہ من لفظہ صفحہ ۵۵ تا ۶۸۔ معیار الصحیح فی معرفۃ ظہور المہدی والمسیح۔ مصنفہ مصطفی رومی، مطبوعہ ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء مطبع انوار محمدی ویلسلی کلکتہ)۔

ناظرین! مذکورہ طویل اقتباس میں آپ غور کریں کہ کس طرح دیدہ دلیری کے ساتھ ملحدانہ تحریفات کے ذریعہ قرآن وحدیث کے نام سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسری آیت میں ملحدانہ تحریف کرتے ہوئے شیعوں کے مذہبی رسم وروایات کے مطابق استدلال کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:

”(کتاب کشف الغمہ میں) تاویل آیات کے باب میں لکھا ہے کہ آیہ مبارکہ ”واللہ متم نورہ“ کی تاویل وتفسیر یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ اپنے نور کو حضرت مہدی کے ظہور فرمانے کے زمانہ میں پورا کرے گا۔ یعنی حضرت مہدی کو دنیا کے سب موجودہ دینوں پر غالب کرے گا۔ چنانچہ صاحبان فہم ودرایت یعنی

سمجھ اور بچار والے لوگ جانتے ہیں کہ یہ سب واقعات ۱۲۶۰ھ دوسو ساٹھ ہجری کے بعد سے لے کر ایک ہزار برس کی مدت میں گذر چکے ہیں۔ اور جو وعدہ کہ خدا نے قرآن میں دیے تھے سب ۱۲۶۰ ہجری میں پورے ہو چکے۔ اس بیان سے ارباب دانش وہوش سمجھ سکتے ہیں کہ دین محمدی خدا کے پاس چڑھ جانے کی مدت۔ اور دوسری سب نشانی اور علامتوں کے ظاہر ہونے کی میعاد پوری ہو چکی ہے۔ نیز حضرت محمد کی امت کا مقرر کیا ہوا ٹائم (وقت) بھی پورا ہو چکا" (معیار الصحیح فی معرفۃ ظہور المہدی والمسیح صفحہ ۶۳، ۶۴، مصنفہ مصطفی رومی بہائی مطبوعہ ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء مطبع انوار احمدی کلکتہ)۔

حروف ابجد کی تعداد سے استدلال:

فرقہ باطنیہ کے طرز پر یہ استدلال اپنی نوعیت کا انوکھا استدلال ہے، لیکن حیرت ہوگی کہ یہ ساری خرافات شیعوں نے حدیث کے نام سے پیدا کی ہوئی ہیں۔ جس کے نتیجے میں یکے بعد دیگرے خود کو اسکا مصداق ٹھہرانے والے کبھی بابی، کبھی بہائی، اور کبھی مرزائی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ کتاب باب الحیات میں بہائیوں نے اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ اس طرز استدلال کے اصل موجد یہودی دانشور ہیں اور یہی ان کا قدیم طریقہ کار ہے۔ بہائیوں سے استفادہ کرتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی ابجد کے حروف سے خوب استدلال کیا ہے۔ مصطفی رومی نے شیعی کتابوں کے حوالے سے ایک طویل عربی عبارت حدیث کے نام سے نقل کی ہے اور پھر خود ہی اسکا ترجمہ کیا ہے۔ غیر ضروری اجزا کو چھوڑ کر جن اجزا سے بات پوری سمجھ میں آجائے اُن کو نقل کیا جاتا ہے۔ اس کا خیال رہے کہ نقل میں قدیم رسم الخط کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے تاکہ مزید پیچیدگی نہ ہو۔

"مختصر ترجمہ حدیث کا یہ ہے کہ کہ عالم ومفسر عیاشی ابی لبید مخزومی سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا ابوجعفر علیہ السلام نے کہ اے لبید...... مجھکو حروف مقطعہ قرآن میں بیحد اور بے اندازہ علم اور سمجھ ہے۔ جب خداوند تبارک وتعالیٰ نے "الٓمٓ ذالك الكتاب" کو نازل فرمایا تو محمد ﷺ نے قیام کیا...... حضرت کے تولد فرمانے کے دن دنیا کی تاریخ یعنی آدم علیہ السلام کے ظہور فرمانے کے دن سے حضرت محمد کے تولد فرمانے کے دن تک چھے ہزار ایک سو تیس برس گذر چکے تھے۔ پھر فرمایا کہ اس نکتے کا خلاصہ بیان قرآن شریف کے حروف مقطعات میں ہے اگر اس کو بلا تکرار تم گنتی کرو۔ اور قرآن کے حروف مقطعہ میں سے کسی حرف کا زمانہ گذرنے نہیں پائے گا، مگر اینکہ اس کے پورے ہونے پر بنی ہاشم میں کا کوئی قائم ظاہر ہوگا...... اور جب قرآن کے سورتوں کی ابتدا کے حروف مقطعہ کی گنتی (الٓمٓ سے لیکر) الٓمٓرٰ تک پہنچے گی اور ختم ہو جائے گی تب ہمارا قائم یعنی حضرت مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے۔ پس اس نکتہ کو یاد رکھ اور اس بات کو چھپا رکھ۔ ...... پس حضرت امام ابوجعفر کے فرمانے کے مطابق...... الٓمٓ ذالك الكتاب سے لے کر الٓمٓرٰ تک ابجد کے حساب سے گنتی کریں تو ایک ہزار دوسو سڑسٹھ ۱۲۶۷ برس ہوتے ہیں...... چنانچہ سب مورخین واہل سیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آنحضرت نے ہجرت فرمانے سے سات برس پیشتر لوگوں کو دین اسلام کی طرف برملا دعوت کرنا شروع کیا تھا...... تو اس حساب سے ۱۲۶۷ سال۔ رسول اللہ کی برملا دعوت کے اعلان کرنے کی تاریخ سے ٹھیک آتے ہیں۔ لیکن ہجرت نبوی کے سن سے حساب کرنے کے لئے جب ہم ان سات برسوں کو نکال دیتے ہیں تو ۱۲۶۰ سال پورے ہم کو ملتے ہیں اور یہ تاریخ سید علی محمد باب مہدی موعود اور قائم آل محمد کا شیراز میں ظاہر ہو کر پھر حج اکبر کے دن مکہ معظمہ میں اپنی دعوت کے اعلان کرنے کے زمانہ سے نہایت مطابق ہوتی ہے" (معیار الصحیح فی معرفۃ ظہور المہدی والمسیح صفحہ ۷۳ تا ۷۵، مطبوعہ ۱۳۲۸ھ)۔

بہائیت کے نام سے اسلام سے الگ ایک نئی تحریک کا اعلان:

مرزا قادیانی کے لیکچر کا جواب دیتے ہوئے مرزا محمود ایرانی بہائی، خود مرزا قادیانی اور دیگر تمام مرزائیوں کو للکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: "مرزا صاحب قادیان کا بڑا دعویٰ یہ ہے کہ میں مصلح امت ہوں! اور الحمد للہ مسلمان محمدی ہوں...... یعنی آپ مرزا صاحب بالاستقلال من جانب اللہ مبعوث ہونے کے ہرگز مدعی نہیں ہیں۔ اور ایسی کوئی کتاب احکام اور شریعت مستقل جس سے کل اہل عالم کی ضرورت رفع ہووے من جانب اللہ لانے کا دعویٰ بھی وہ نہیں رکھتے ہیں۔ دین اسلام کی ٹٹی کی آڑ میں بیٹھ کر شکار کھیلنا اور مسلمانوں کی جمعیت میں بہتر کے تہتر تہتر کے چوہتر فرقے بنانا کچھ بڑی بات اور نیا کام نہیں ہے۔ صدہا اسلام سے آج تک یہ حال اسی منوال پر چلا آتا ہے۔ کوئی مثیل مسیح ہونے کا قائل ہے! اور کوئی مثیل ابراہیم بننے کا ناطق ہے کوئی کہتا ہے میں مثیل محمد ہوں۔ کوئی کہتا ہے میں مثیل خدائے واحد ہوں...... ایسے مزمہ اور لاف وگزاف بہت سے کر گئے اور جمعیت اسلام میں تفرقہ ڈال کر بنیاد دین توحید کو خراب ومنہدم کر گئے اور مٹ مٹا گئے۔ انی علی قدم موسیٰ۔ انی علی قدم عیسی وغیر ذالک، کو آج قادیان کے مرزا صاحب مشابہت ومثلیت سے تعبیر فرما رہے ہیں۔ اور شریعت دین اسلام کی راہ راست سے لوگوں کو بہکا رہے ہیں۔ حال یہ کہ کسی پیغمبر کے نام اور شریعت کے سایہ میں بس بسا کر ایک نیا طریقہ اور مذہب ایجاد کرنا نہایت ہی آسان ہے

۔اور یہ دعوے ہرگز مظہریت مطلقہ اور بعثت مستقلہ یا نئے بانی اور شارع اور مدعیِ حق کا نہیں ہے۔آپ کی مہدویت وعیسویت کی اڑ عامحض فضول ہے۔غیر مہدوی اور سوڈانی اور مجدّدی وغیرھم اس طرح کے دعویٰ کرنے والے اسلام کے لباس اور پیرایہ میں بہت آچکے ہیں اور مٹ مٹا کر نابود ہو گئے۔.....(مرزا قادیانی کے مقابلہ میں بہاء اللہ کی صداقت کے دلائل میں سے ایک دلیل) واز جملہ شئون وصفاتِ حقیقت مظہر ظہور الٰہی اُن (بہاء اللہ) پر نئے دین اور نئی کتاب کا خدا کے پاس سے نازل ہونا اور گذشتہ پیغمبروں کے اصول شرائع روحانی کو باقتضائے ضرورت وقت وزمان اور اہل زمانہ کی حیثیت وحالت کی قدر بعضے جزئیات کی تعدیل و درستی کے رواج دینا ہے (جواب لیکچر قادیانی از حکیم مرزا محمود ایرانی بہائی، ترجمہ مصطفی رومی بہائی، صفحہ ۷ تا ۸ مطبوعہ بار اول ۱۹۰۷ء در مطبع نظامی بدایوں)۔

اس طویل اقتباس سے بہت کچھ نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں اس میں بہائیوں کے سرغنہ حکیم مرزا محمود ایرانی نے مرزا قادیانی کی زندگی میں ہی اس کو للکارا تھا ،چنانچہ اخبار پیسہ لاہور (جلد ۲ شمارہ نمبر ۲-۳۔ ۱۵ نومبر ۱۹۰۴ء بروز منگل) میں یہ مضمون فارسی زبان میں شائع ہوا۔جسکا اردو ترجمہ ۱۹۰۷ء میں شائع کیا گیا،مگر مرزا قادیانی کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔مرزا محمود بہائی نے جس انداز میں مرزا قادیانی ،جی کو للکارا ہے وہ بھی کیا خوب ہے کہ''چھاج بولے تو بولے چھانی بھی بولے جس میں بہتر چھید''یعنی ان تمام عیوب کا جو مجموعہ ہے وہ دوسرے عیب والے کو عیب دکھلا رہا ہے اور ایک ایک عیب کو تفصیل سے شمار کرا رہا ہے۔مگر بہائیوں نے مرزائیوں سے جنگ کے درمیان جو بہادری دکھائی ہے اس میں وہ یقیناً قابل مبارکباد ہیں کہ انھوں نے کھل کر اپنے آپ کو اسلام اور مسلمانوں سے الگ رکھا ۔اپنا نیا دھرم،نئے دھرم کی نئی نئی تعلیمات وہدایات،نئی آسمانی کتاب،نیا دھرم گرو وغیرہ سب کچھ مسلمانوں سے الگ کر کے مرزا قادیانی کو جو سبق سکھایا ہے وہ دور حاضر کے مرزائیوں کے لیے تو قابل عبرت ہے ہی اس کے ساتھ ہی دور حاضر کے اُن بہائیوں کے لیے بھی زوردار طمانچہ ہے جو خود کو بہائی بتا کر مسلمانوں میں بھی شامل رہنا چاہتے ہیں اور اسی طرح اُن دانشوروں کے لیے بھی کافی سبق ہے جو بہائیوں کو اسلام میں شامل رکھنے کی وکالت کرتے پھرتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور قادیانیوں کا ارتداد:

مرزا غلام احمد قادیانی خود اپنا تعارف کراتے ہوئے لکھتا ہے:''میرا نام غلام احمد میرے والد صاحب کا نام غلام مرتضیٰ اور دادا صاحب کا نام عطا محمد اور میرے پردادا صاحب کا نام گل محمد تھا اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ہماری قوم مغل برلاس ہے۔اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جواب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے'' (کتاب البریہ،مصنفہ مرزا قادیانی،حاشیہ روحانی خزائن ص ۱۶۲ ج ۱۳)۔

مقام پیدائش سے متعلق تحریری طور پر اس نے جو وضاحت کی ہے وہ یہ ہے کہ اس کا آبائی وطن قصبہ قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداس پور پنجاب ہے۔اور تاریخ پیدائش کے سلسلہ میں لکھا ہے:''میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی ہے اور میں ۱۸۵۷ء میں سولہ برس کا یا سترہویں برس میں تھا'' (کتاب البریہ ص ۱۵۹،خزائن ص ۱۷۷ ج ۱۳)۔

تعلیم وملازمت:

ابتدائی تعلیم کے دوران ہی کچھ بے راہ روی کا شکار ہوا جس کے سبب تعلیم بھی ادھوری رہ گئی،کم عمری میں ہی اہل خانہ نے خاندان کی ایک لڑکی سے نکاح کردیا جس سے دو اولادیں ہوئیں لیکن جوانی میں قدم رکھتے ہی کسی وجہ سے گھر سے فرار ہو کر سیالکوٹ کچہری میں منشی گیری کی ملازمت کرنے لگا،ملازمت کے ہی دوران انگریز دانشوروں کی اس پر نظر پڑی اور پھر ہمیشہ کے لیے ان کا منظور نظر ہو گیا۔۱۸۸۶ء میں بلا کسی معقول عذر کے ملازمت ترک کر کے کتابوں کے مطالعہ میں مشغول ہو گیا۔

دعاوی کا آغاز:

۱۸۸۰ء سے بھانت بھانت کے دعوؤں کا آغاز کردیا،۱۸۹۱ء میں مثیل مسیح،پھر مسیح عیسیٰ ابن مریم ہونے کا دعویٰ کیا،اس کے بعد مہدی ہونے کا مدعی ہوا حتیٰ کے ۱۹۰۰ء میں نبوت کا باضابطہ کیا اور ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء میں بمرض ہیضہ لاہور میں مر گیا،نعش قادیان میں لاکر زیر زمین دبادی گئی۔

دعاوی کی مختصر تفصیلات حسب ذیل ہیں:

۱۸۸۱ء: ملہم من اللہ ہونے کا دعویٰ:

''خدا نے اپنے الہامات میں میرا نام بیت اللہ بھی رکھا ہے'' (اربعین ص ۴،روحانی خزائن ۱۷/۴۴۵)۔

۱۸۸۲ء: مجدد ہونے کا دعویٰ:

"جب تیرہویں صدی کا اخیر ہوا اور چودہویں صدی کا ظہور ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی کہ تُو اس صدی کا مجدد ہے"۔(کتاب البریہ ص ۱۶۸ بر حاشیہ، روحانی خزائن ج ۱۳ ص ۲۰۱)۔

۱۸۹۱ء: مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ:

اللہ جل شانہٗ کی وحی اور الہام سے مَیں نے مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اور یہ بھی میرے پر ظاہر کیا گیا ہے کہ میرے بارہ میں پہلے سے قرآن شریف اور احادیث نبویہ میں خبر دی گئی ہے اور وعدہ دیا گیا ہے (تذکرہ: ص ۱۷۲، تبلیغ رسالت: ۱/۱۵۹)۔

۱۸۹۱ء: مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ:

الہام: جَعَلْنَاكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ "(ہم نے تجھ کو مسیح ابن مریم بنایا) اِن کو کہہ دے کہ مَیں عیسیٰ کے قدم پر آیا ہوں" (تذکرہ ۱۸۵، ازالہ اوہام، در روحانی خزائن ۴۴۲ ج ۳)۔ ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو، اس سے بہتر غلام احمد ہے (دافع البلاء خزائن ۲۴۰ ج ۱۸)۔

۱۸۹۴ء: مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ:

الہام: "بَشَّرَنِيْ وَقَالَ اِنَّ الْمَسِيْحَ الْمَوْعُوْدَ الَّذِيْ يَرْقُبُوْنَهٗ وَ الْمَهْدِيَّ الْمَسْعُوْدَ الَّذِيْ يَنْتَظِرُوْنَهٗ هُوَ اَنْتَ۔" (خدا نے مجھے بشارت دی اور کہا کہ وہ مسیح موعود اور مہدی مسعود جس کا انتظار کرتے ہیں وہ تو ہے) (تذکرہ ۲۵۷، اتمام الحجۃ، خزائن ص ۲۷۵ ج ۸)۔

۱۸۹۸ء: امام زماں ہونے کا دعویٰ:

"سو میں اس وقت بے دھڑک کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے فضل و عنایت سے وہ امام الزماں مَیں ہوں" (ضرورۃ الامام، در روحانی خزائن ص ۴۹۵ ج ۱۳)۔

۱۹۰۰ء: نبوت و رسالت کا دعویٰ:

۱۔ "اِنَّآ اَنْزَلْنَاهُ قَرِيْبًا مِّنَ الْقَادِيَانِ" (ہم نے اس کو قادیان کے قریب اتارا ہے)۔ (براہین احمدیہ خزائن ج ۱ ص ۵۹۳، الحکم جلد ۴ شمارہ نمبر ۳۰ مورخہ ۲۴/ اگست ۱۹۰۰ء)۔

۲۔ "مَیں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں۔ یعنی بھیجا گیا بھی اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا بھی" (ایک غلطی کا ازالہ خزائن ص ۲۱۱ ج ۱۸)۔

مستقل صاحب شریعت نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ:

"اور اگر کہو کہ صاحب الشریعت افترا کر کے ہلاک ہوتا ہے نہ ہر ایک مفتری۔ تو اول تو یہ دعویٰ بے دلیل ہے۔ خدا نے افترا کے ساتھ شریعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔ ماسوا اس کے یہ بھی تو سمجھو کہ شریعت کیا چیز ہے جس نے اپنی وحی کے ذریعہ سے چند امر اور نہی بیان کئے اور اپنی امت کے لئے ایک قانون مقرر کیا وہی صاحب الشریعت ہو گیا۔ پس اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں، کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔ مثلاً یہ الہام:

"قل للمومنين يغضوا من ابصارهم و يحفظوا فروجهم ذالك ازكى لهم" (نور: ۳۰)

یہ براہین احمدیہ میں درج ہے اور اس میں امر بھی ہے اور نہی بھی اور اس پر تیئیس برس کی مدت بھی گذر گئی اور ایسا ہی ابتک میری وحی میں امر بھی ہوتے ہیں اور نہی بھی۔ اور اگر کہو کہ شریعت سے وہ شریعت مراد ہے جس میں نئے احکام ہوں تو یہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"إن هٰذا لفي الصحف الاولىٰ صحف ابراهيم و موسىٰ" (اعلیٰ: ۱۸،۱۹)

یعنی قرآنی تعلیم توریت میں بھی موجود ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ شریعت وہ ہے جس میں باستیفاء امر اور نہی کا ذکر ہو تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ اگر توریت یا قرآن شریف میں باستیفاء احکام شریعت کا ذکر ہوتا تو پھر اجتہاد کی گنجائش نہ رہتی (اربعین نمبر ۴، خزائن ص ۴۳۵، ۴۳۶ ج ۱۷)۔

مدار نجات مرزا قادیانی کی ذات ہے:

(۱) ”جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا۔ اور تیرا مخالف رہے گا۔ وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے (مجموعہ الہامات مرزا تذکرہ صفحہ ۳۳۶)۔

(۲) ”خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے۔ کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے اور خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے (تذکرہ ۶۰۷)۔

(۳) ”اور مجھے بشارت دی ہے کہ جس نے تجھے شناخت کرنے کے بعد تیری دشمنی اور تیری مخالفت اختیار کی وہ جہنمی ہے (تذکرہ ص ۱۶۸)۔

(۴) ”اب ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے۔ کہ یہ خدا کا فرستادہ خدا کا مامور خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے“ (انجام آتھم خزائن ۶۲ ج ۱۱)۔

(۵) ”جو میرے مخالف تھے اُنکا نام عیسائی اور یہودی اور مشرک رکھا گیا“ (نزول المسیح خزائن ص ۳۸۲ ج ۱۸)۔

(۶) ”ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا یا محمد کو مانتا ہے مگر مسیح موعود کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے (کلمۃ الفصل، ص ۱۱۰ / از مرزا بشیر احمد ایم اے)۔

(۷) ”کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے، خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں (آئینہ صداقت، ص ۳۵ / از مرزا بشیر الدین محمود)۔

(۸) ”قرآن شریف میں انبیاء کے منکرین کو کافر کہا گیا ہے اور ہم لوگ مسیح موعود کو نبی اللہ مانتے ہیں اس سے ہم آپ کے منکروں کو کافر کہتے ہیں۔ ہر ایک جو مسیح موعود کی بیعت میں داخل نہیں ہو چکا کافر ہے۔ جو حضرت صاحب کو نہیں مانتا اور کافر بھی نہیں کہتا وہ بھی کافر ہے، آپ نے اس شخص کو بھی جو آپ کو سچا جانتا ہے مگر مزید اطمینان کے لیے اس بیعت میں توقف کرتا ہے کافر ٹھہرایا ہے، بلکہ اس کو بھی جو آپ کو دل میں سچا قرار دیتا ہے اور زبانی بھی آپ کا انکار نہیں کرتا ابھی بیعت میں اسے کچھ توقف ہے کافر ٹھہرایا ہے (تشحیذ الاذہان جلد نمبر ۶ بابت ماہ اپریل ۱۹۱۱ء)۔

مرزا قادیانی کے دعاوی کی ایک طویل فہرست ہے، اس لیے زیر بحث موضوع سے متعلق جو دعاوی تھے صرف انہی کے ذکر پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ اس میں اخیر کے آٹھ حوالے بطور خاص قابل توجہ ہیں جن پر علمی مجلس کی بحث کا مدار ہے۔

تاریخی صداقت:

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ قادیانیت کو بھی اسلام دشمن دانشوروں نے جو راستہ فراہم کیا ہے وہ تشیع کے عقیدۂ امامت اور عقیدۂ خروج مہدی غائب کے اُسی تصوراتی و نظریاتی دنیا پر طبع آزمائی کرنے والے بابیوں اور بہائیوں کی کامیابی و ناکامی کو سامنے رکھ کر کیا ہے۔ اور سیاسی اعتبار سے اس کے جنم داتا بھی اسلام مخالف قوتیں یہود و نصاریٰ ہیں اور مرزا قادیانی بقول خود ”انگریزوں کا خود کاشتہ پودا“ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قادیانیت اور بہائیت میں ہمہ جہت مماثلت ہے حتیٰ کہ طریق استدلال اور طرز الہام میں بسا اوقات دونوں ایک ہی استاذ کے دو شاگرد معلوم ہوتے ہیں۔ جس کسی معاملے میں مرزائی، بہائیوں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں؛ بہائی اسی کو پلٹ کر وار کر دیتے ہیں کہ جب مرزا قادیانی کو اپنے دعاوی میں سچا مانا جا سکتا ہے تو اس سے قبل دعویٰ کرنے والا بہاء اللہ ایرانی کو کیوں نہیں سچا جانا جا سکتا؟۔

قابل توجہ نکتہ:

قادیانیت کے تعلق سے اصولی بات یہ ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کا مدار کلمہ طیبہ ہے، لیکن قادیانیوں کے نزدیک اسلام میں داخل ہونے کا مدار کلمہ طیبہ نہیں، بلکہ مرزا قادیانی کی ذات ہے۔ قادیانیوں کا یہ اعلانیہ اصول ہے کہ اسلام کا پیش کردہ کلمہ پڑھنے سے کوئی شخص اس وقت تک اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مرزا قادیانی کی ذات پر ایمان نہ لاوے۔ دائمی طور پر مسلمان، اسلام میں دخول کے لیے اسلامی کلمہ ”محمد رسول اللہ“ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے آگے نہیں بڑھتے، بلکہ محمد مصطفی کی ذات کو اسلام اور کفر کے مابین حد فاصل مانتے ہیں اور قادیانی، دخول اسلام کے لیے مرزا قادیانی کی ذات سے دائمی طور پر پیچھے نہیں

بنتے، مرزا کی ذات کو ہی حرف آخر مانتے ہیں۔ قادیانیت میں خروج عن الاسلام اور ارتداد کی یہ علت ایک ایسی علت ہے جو قادیانیت کو ارتداد کی تاریخ میں دیگر مرتد جماعتوں سے بالکل الگ کر دیتی ہے، مرتد ہونے والے قادیانیوں کی اولاد میں دائمی طور پر پشتہا پشت یہ علت باقی رہے گی، کبھی بھی اُن سے جدا نہ ہوگی۔ لہٰذا احکامات کے باب میں اس اضافی علت قبیحہ کے سبب قادیانیت کے احکامات، ماضی کی مرتد جماعتوں کے احکامات سے قدرے مختلف ہوں گے، مثلاً ماضی کی اُن مرتد جماعتوں پر جن میں ارتداد دائمی نہیں رہتا، قدیم فقہاء نے جو احکامات صادر فرمائے ہیں، مطلق وہ احکامات قادیانیت پر نافذ نہ ہوں گے، بلکہ اس علت کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا۔

قادیانیوں کا کتب سماویہ سے کوئی واسطہ نہیں:

مذکورہ اصول کی بنیاد پر قادیانیوں کو اسلام سے قبل ماضی کے آسمانی کتب وانبیاء میں سے کسی پر بھی ایمان رکھنے والا نہیں ٹھہرایا جاسکتا کیونکہ مرزا قادیانی کی ذات، جو قادیانی ایمان کا جزو ہے چونکہ اس کا کوئی ذکر سابقہ آسمانی کتابوں میں نہیں ہے، اس لیے وہ قادیانیوں کو سابقہ کتب سماویہ سے جدا کر دیتی ہے۔ اگر مرزا قادیانی کے متبعین، سابقہ کتب سماویہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کریں بھی تب بھی اُن کا دعویٰ اس لیے قابل قبول نہیں ہوگا کہ ان کے دعویٰ اور سابقہ کتب سماویہ کے درمیان مرزا قادیانی کی ذات حائل ہے جو کسی بھی طرح مصدقہ نہیں ہے۔ کسی کو بھی اہل کتاب میں شمار کیے جانے کا واحد راستہ یہی تھا کہ وہ شخص سابقہ کتب سماویہ پر ایمان رکھتا ہو، اور جب قادیانی اصول کے بموجب مرزا قادیانی کی ذات نے اس راستہ کو بند کر دیا، کیونکہ مرزا قادیانی کے متبعین کسی بھی طرح مرزا قادیانی کی ذات سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں اور قادیانی فتنہ کا جو خمیر ہے اس کے پیش نظر ان کے لیے دست بردار ہونا ممکن بھی نہیں ہے تو اب قادیانیوں کو اہل کتاب میں شمار کرنے کا دوسرا اور کونسا راستہ ہوسکتا ہے۔

قادیانی دعویٰ اور مرزا قادیانی کی حیثیت:

یہی علت اور سبب اہل اسلام کے نزدیک بھی کارفرما ہے کہ آخری آسمانی کتاب ''قرآن مجید'' سے قادیانیوں کا ربط کسی بھی طرح نہیں مانا جاسکتا کیونکہ قادیانیوں کے دعویٰ تسلیم اور آخری آسمانی کتاب کے درمیان، دائمی طور پر مرزا قادیانی کی ذات اور شخصیت حائل ہے۔ اور قادیانیوں کے زعم میں مرزا قادیانی کی ذات کو مدار ایمان ماننے کے ہی سبب اہل اسلام کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ اگر مرزا قادیانی کے متبعین آخری کتاب پر ایمان لانے کا دعویٰ کریں تب بھی قابل قبول اس لیے نہیں ہوگا کہ ان کے دعویٰ اور آخری کتاب کے درمیان مرزا قادیانی کی ذات دائمی طور پر حائل ہے جو کسی بھی طرح مصدقہ نہیں ہے۔ لہٰذا قادیانی نہ اہل کتاب میں سے ہوسکتے ہیں اور نہ اہل ایمان میں سے ہیں۔ فقہائے اسلام کی اصطلاح میں قادیانیوں پر زندقہ کی مکمل تعریف صادق آتی ہے۔

زندیق کی تعریف:

حافظ ابن قدامہ المقدسی حنبلی نے لکھا ہے:

'' والزنديق الذى يظهر الإسلام و يستر الكفر و ہوا لذى يسمى منافقًا فى عصر النبى ﷺ و يسمى اليوم زنديقًا ''(المغنی جلد ۷ صفحہ ۱۷۱، الشرح الکبیر جلد ۷ صفحہ ۱۶۷)۔

حافظ بدالدین عینیؒ لکھتے ہیں: ''ہو المبطن للكفر المظهر للإسلام كالمنافق'' (عینی جلد ۲۴ صفحہ ۷۹)۔

مرزا کے متبعین اس کے دعاوی کے مطابق مرزا قادیانی کو نبی مانتے ہیں اور قرآن پر ایمان کا دعویٰ کر کے مرزا کے نبی ماننے کو اسلامی عقیدہ منواتے ہیں، فقہاء کی اصطلاح میں اسی کا نام زندقہ ہے۔ اور زندقہ کی یہ نوعیت قادیانیوں کی اولادوں میں بھی دائمی طور پر پائی جاتی ہے، کوئی شخص خود کو قادیانی کہے اور اس علت سے خالی ہو ایسا ممکن ہی نہیں ہے، الا یہ کہ وہ اپنے قادیانی ہونے کو ہی نہ سمجھتا ہو۔

قادیانی زندیق ہیں اہل کتاب نہیں:

مذکورہ بالا دلائل کی تائید میں قادیانی فتنہ کے تئیں مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''قادیانی ذبیحہ'' نامی رسالہ میں ''قادیانی زندیق ہیں'' کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے:

''اکابر امت کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ ایسا شخص شرعی اصطلاح میں زندیق کہلاتا ہے:

☆ جو اسلام کا اظہار کرتا ہو ☆ جو دعویٰ اسلام کے باوجود کفریہ عقائد رکھتا ہو ☆ اور جو اپنے کفریہ عقائد کو تاویل باطل کے پردہ میں چھپاتا ہو اور کتاب وسنت کے نصوص کو توڑ موڑ کر اُن سے اپنا عقیدہ باطلہ کشید کرتا ہو، یا اسلام کے عقائد متواترہ پر طعن کرتا ہو۔

زندیق کی یہ تعریف قادیانیوں پر حرف بحرف صادق آتی ہے۔ وہ خالص کفریہ عقائد رکھتے ہیں جن کا اسلام کے ساتھ ذرا بھی تعلق نہیں، مثلاً:

☆ وہ ختم نبوت کے منکر ہیں جو اسلام کا قطعی عقیدہ ہے اور وہ اس اسلامی عقیدہ کو "لعنت" قرار دیتے ہیں، نعوذ باللہ۔

☆ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع ونزول کے منکر ہیں جو اسلام کا قطعی عقیدہ ہے۔

☆ وہ مرزا غلام احمد قادیانی دجال کو مسیح موعود، مہدی معہود، نبی ورسول، اور ظلی محمد رسول اللہ مانتے ہیں، جو سراسر کفر ہے۔

☆ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات مع نبوت محمدیہ کے لعین قادیان کیلئے ثابت کرتے ہیں۔

☆ وہ غلام احمد قادیانی کو معاذ اللہ صاحب تجدید شریعت نبی مانتے ہیں۔

☆ وہ غلام احمد قادیانی پر وحی قطعی کا نزول مانتے ہیں، اسے تورات وانجیل اور قرآن کی طرح واجب الایمان کہتے ہیں اور اس میں شک وتردد کو موجب کفر قرار دیتے ہیں۔

☆ وہ مرزا قادیانی الدجال الاعور کی وحی وتعلیم اور اسکی تجدید شریعت کو تمام انسانیت کیلئے واجب الاتباع اور مدار نجات قرار دیتے ہیں۔

☆ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں ہیں، پہلی بعثت مکہ میں ہوئی اور دوسری بعثت مرزا قادیانی کی بروزی شکل میں، قادیان میں ہوئی۔ تیرہ صدیوں تک پہلی بعثت کا دور رہا۔ اور چودہویں صدی سے قادیانی بعثت کا دور شروع ہوا۔

☆ وہ اُن خالص کفریہ عقائد کے باوجود بڑی شدومد سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں، گویا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین، جس کے مسلمان قائل ہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک طبقہ در طبقہ متواتر چلا آرہا ہے، وہ قادیانیوں کے نزدیک کفر ہے اور اس کے ماننے والے کافر ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کا لایا ہوا دین اُن کے نزدیک اسلام ہے۔

☆ ان کے نزدیک محمد رسول اللہ ﷺ کا کلمہ پڑھنے سے آدمی مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ مرزا قادیانی کو "محمد رسول اللہ" مان کر اُس کا کلمہ نہ پڑھیں۔ گویا قادیانیوں کے نزدیک محمد رسول اللہ ﷺ کا کلمہ منسوخ ہو چکا، جیسا کہ مسلمانوں کے نزدیک حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا کلمہ منسوخ ہے۔

مرزا بشیر احمد قادیانی لکھتا ہے: "ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے، مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا، یا عیسیٰ کو تو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا، یا محمد کو مانتا ہے پر مسیح موعود (مرزا قادیانی) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر، بلکہ پکا کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے (کلمۃ الفصل ص ۱۱۰)۔

مرزا بشیر احمد دوسری جگہ لکھتا ہے:

"مسیح موعود (مرزا قادیانی) خود محمد رسول اللہ ہے، جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے، اس لئے ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت نہیں، ہاں! محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔ فتدبر" (کلمۃ الفصل ص ۱۵۸)۔

☆ اُن کا یہ عقیدہ ہے کہ شریعت محمدیہ کی پیروی موجب نجات نہیں جب تک کہ مرزا قادیانی کی پیروی نہ کی جائے، پس جس طرح کہ مسلمانوں کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے حضرات انبیاء سابقین کی شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں اور اب اُن کی پیروی موجب نجات نہیں۔ اسی طرح قادیانیوں کے نزدیک شریعت محمدیہ بھی منسوخ ہو چکی ہے اور مرزا قادیانی کی پیروی کے بغیر نجات نہیں (قادیانی ذبیحہ مطبوعہ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دار العلوم دیوبند)۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قادیانیوں کو اہل کتاب میں شامل ماننے کی گنجائش تو کیا ہوتی، اس کو موضوع بحث بنانا ہی بے سود وباطل نظر آتا ہے۔ بفرض محال اگر تھوڑی دیر کے لیے قادیانیوں کا دعویٰ اس باب میں تسلیم بھی کرلیا جائے تو محض قرآن مجید کو ماننے کی وجہ سے اور اس پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرنے کی وجہ سے گو دعویٰ کھوکھلا ہی سہی؛ اہل کتاب نہیں کہا جاسکتا کیونکہ قرآن نے اس اصطلاح کو مسلمانوں پر استعمال ہی نہیں کیا ہے۔

زیر بحث موضوع میں خلجان:

اس علمی وفقہی سمینار کے لیے جاری سوالنامہ میں شق نمبر ۴ کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسئولہ مذاہب (یعنی بابیت، بہائیت، سکھ اور قادیانیت) میں سے بعض گروہ قرآن کو بھی اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں یا محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے بعد کسی اور الہامی کتاب کے اور خاتم النبیین ﷺ کے بعد کسی اور شخص کے نبی ہونے کے دعویدار ہیں، کیا ان کا شمار بھی اہل کتاب میں ہوگا؟۔ اس متن کا مصداق سوائے قادیانیوں کے اور کسی گروہ کو قرار ہی نہیں دیا جاسکتا۔ قادیانی ہمیشہ سے یہ مغالطہ دیتے رہے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے رہے ہیں کہ قادیانی کم از کم قرآن کریم پر ایمان تو رکھتے ہیں، اس لیے ان کا شمار اہل کتاب میں یا قرآن کریم کے ماننے والوں میں کیا جانا چاہئے۔

زیر بحث مسئلہ، تاریخی صداقت کے تناظر میں:

راقم سطور کا خیال یہ ہے کہ کسی بحث میں جانے سے پہلے اس سوال کی تاریخ پر نظر ڈال لینا ارباب علم کے لیے نہایت مفید ہوگا، دعویٰ مسیحیت کے بعد جب علماء اسلام نے مرزا قادیانی کی تکفیر کی تو اس میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ ۱۸۹۱ء میں مرزا قادیانی نے کھل کر قرآن مجید کی بے شمار آیات کی معانی میں ملحدانہ تحریف کر کے اپنی دعویٰ مسیحیت کی بنیاد رکھی ہے نیز حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے رفع ونزول کا منکر ہے جو ضروریات دین اور قطعیات اسلام میں سے ہے لہٰذا اس کا قرآن مجید یا اسلام پر ایمان لانے کا دعویٰ باطل ہے۔ فقہ کا مشہور اصول ہے

"التاویل فی ضروریات الدین لایدفع الکفر" (حموی شرح الاشباہ والنظائر)۔

علماء اسلام نے مرزا قادیانی کا زبردست تعاقب کیا اور اسکا ناطقہ بند کردیا تو سب سے پہلے دہلی میں مرزا قادیانی نے ۱۸۹۱ء میں ایک اشتہار کے ذریعہ مذکورہ بالا مغالطہ دینے کی کوشش کی، لیکن علمائے امت نے قرآن مجید پر اس کے دعویٰ ایمان کی فریب کاری کی بخیہ ادھیڑ کر ایسا رکھ دیا کہ اس کا کوئی پہلو تشنہ بحث نہیں چھوڑا۔ حتیٰ کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، دار العلوم دیوبند کے مفتی اوّل حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب، حضرت مولانا عبدالسمیع، حضرت مولانا مولانا حبیب الرحمن عثمانی، حضرت مولانا محمد مسلمؒ نے اور پھر بغیر کسی انقطاع کے تسلسل کے ساتھ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور ان کے عالی مقام شاگردوں کی ایک بڑی جماعت: حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مفتی محمد شفیع صاحبؒ، وغیرہ نے اس مسئلہ کو واضح اور منقح کر کے اُن بدیہیات میں سے بنا دیا کہ اس میں کسی بھی جہت سے اب شک وشبہ کی بھی گنجائش نہیں چھوڑی، حضرت مولانا مفتی عبدالغنی صاحب شاہجہاں پوری شاگرد رشید مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے قادیانی عقائد ونظریات پر ایک مفصل کتاب تصنیف فرمائی تو حضرت تھانویؒ نے اس کا نام تجویز فرمایا: "ہدایت الممتری عن غوایۃ المفتری"، معروف بہ اسلام اور قادیانیت کا تقابلی مطالعہ (حضرت تھانویؒ کا خط بنام مفتی کفایت اللہ ثانی شاہجہاں پوری خلیفہ ومجاز حضرت تھانویؒ)۔ گویا اس مسئلہ پر علمائے اسلام اور بطور خاص علماء دیوبند کو اپنی ذمہ داریوں سے فارغ ہوئے پورے ایک سو بیس سال سے بھی زائد کا وقت گذر چکا ہے۔

سب سے پہلے اس معقول ومنصفانہ علمی مواد سے عدالت عالیہ بھاولپور نے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۷ فروری ۱۹۳۵ء میں مرزائیوں کے دعویٰ اسلام اور دعویٰ ایمان بالقرآن کو خارج کر کے ان کے کافر ومرتد ہونے کا حکم صادر کیا۔ بھاولپور کے مقدمہ میں علماء دیوبند کے بیانات نے قادیانیوں کو اس قابل بھی نہیں چھوڑا کہ وہ اپنے بارے میں اہل کتاب میں شامل ہونے کا شوشہ چھوڑ کر یا کم از کم شبہ پیدا کر کے حکم میں کچھ تخفیف حاصل کرلیں، جبکہ عدالتیں تو معمولی شبہات کا بھی فائدہ اٹھاتی ہیں۔ پھر تقسیم ہند کے بعد جب مصر میں محمد شلتوت نامی ایک شخص کے ذریعہ، قادیانی فتنہ نے سر ابھارا تو علمائے دیوبند کے تیار کردہ اسی علمی مواد سے مصر، فلسطین اور دیگر عرب ممالک نے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ اس کی مفصل تاریخ "عرب ممالک میں فتنۂ قادیانیت کی منصوبہ بند سو سالہ سازش" ہمارے پاس محفوظ ہے۔ غیر مسلم ممالک کی عدالتیں ہوں یا مسلمان ممالک کی تمام ہی چھوٹی بڑی عدالتوں نے علماء دیوبند کے پیش کردہ علمی ذخیرے کی تائید کی ہے۔ ہندوستانی عدالتوں نے بھی اس کی تائید کی ہے، چنانچہ مسٹر شیخم جوشی بھٹ سب جج ہبلی ریاست کرناٹک نے بھی اپنے ججمنٹ میں یہی کہا ہے کہ قادیانیوں کو کچھ بھی کہا جائے مسلمان نہیں کہا جاسکتا۔ ۱۹۷۴ء میں رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے دنیا کے ۱۰۴ ممالک کی تائید سے قادیانیوں کے کفر وزندقہ کی توثیق کی، پھر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں بھی ان کے اہل کتاب ہونے اور نہ ہونے کی بحث آئی قومی اسمبلی نے مرزا قادیانی کے جانشین مرزا ناصر کے بیانات کے بعد بھرپور دلائل کی روشنی میں قادیانی جانشین کے لاجواب ہونے پر قادیانیوں کو جو غیر مسلم قرار دیا، تاریخ اسلام کی اس زبردست شہادت کے بعد اب بھی

قادیانیوں کے اسی پرانے سوال کو ایک بار پھر علمی مجالس کا موضوع بنایا جائے تو یہ ایسا لگتا ہے جیسے کہ کسی بدیہی مسئلے کو نظری بنانے کی سعی لاحاصل کی جارہی ہو۔ جہاں تک اہل علم کا تعلق ہے تو اب بھی اگر کسی کو کوئی شبہ ہے تو احتساب قادیانیت کے نام سے پورے ساٹھ جلدوں میں مجلس تحفظ ختم نبوت نے جو کتابیں منظر عام پر پیش کردی ہیں تشفی کے لیے ان کتب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

قادیانی مغالطہ پر ایک جج کا تبصرہ:

قادیانی ہمیشہ لفظ اہل کتاب کا لغوی معنیٰ سامنے رکھ کر لوگوں کو مغالطہ دیتے پھرتے ہیں حالانکہ اس خاص اصطلاح کے استعمال اور اس کے حکم کا اس لفظ کے لغوی معنیٰ سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے، جیسا کہ ماسبق میں تفصیل سے کلام کیا جاچکا ہے۔ ایک دوسری بات یہاں یہ بھی قابل غور ہے کہ اگر قادیانیوں کے دعویٰ کے مطابق محض قرآن کریم پر ایمان رکھنے کی وجہ سے ان کو اہل کتاب میں شامل ماننے کی بات کی جائے تو سب سے بڑی خرابی یہ پیدا ہوگی کہ قرآن پر ان کا ایمان مان لینے کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم کہنے کا کوئی جواز ہی نہیں رہے گا۔ چنانچہ یہ دلیل جب قادیانیوں نے خاص اس موضوع سے متعلق پڑوسی ملک کی قومی اسمبلی میں زیر سماعت مسائل میں پیش کی تو فاضل جج نے جواب دیا کہ:

"درحقیقت قادیانیوں کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھنے کی وجہ ہی یہ ہے کہ قرآن شریف کے وہ مطلب تسلیم نہیں کرتے جس پر سارے مسلمانوں کا ایمان ہے، بلکہ اپنا مطلب پورا کرنے کے لیے انھوں نے قرآن کریم کی آیات توڑ موڑ کر انھیں نئے معنیٰ پہنا دیئے ہیں، قادیانی قرآن کریم کو اس صورت میں تسلیم نہیں کرتے جس صورت میں وہ تیرہ سو سال سے قائم ہے اور اسے اس صورت میں تسلیم نہیں کرتے جس صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا، بلکہ مرزا غلام احمد نے جس طرح پیش کیا اُسے وہ مانتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عیسائیوں نے بھی اپنی الہامی کتاب (انجیل) میں بے جا تبدیلیاں کی ہیں اور اس کے باوجود انھیں اہل کتاب تصور کیا جاتا ہے، لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان حضرت عیسیٰ کو خدا کا نبی مانتے ہیں اس لیے ان کے پیروکاروں کو (اہل کتاب) سمجھتے ہیں (قومی اسمبلی کی کاروائی ۱۹۷۴ء)۔

۱۸۹۱ء سے لے کر تا حال مسلمانوں کے تمام ہی مشہور مکاتب فکر کے علماء کا موقف دیکھا جائے یا ۱۹۳۲ء سے لے کر پاکستان کی قومی اسمبلی کی کارروائی ۱۹۷۴ء تک اور اسکے بعد کی دیگر قومی عدالتیں ہوں؛ ان سب کا موقف اس باب میں یکساں ہے۔ ان حقائق سے معلوم ہوا کہ قادیانیوں کا یہ استدلال اور دعویٰ صرف ایک مفروضہ ہے اور اس پر ایک سو سال سے بھی زائد کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اگر مسلمانوں کی طرف سے اسکو علمی مجالس میں موضوع بحث بنانے کی گنجائش نکالی جاتی ہے تو اس کا ایک واضح پیغام یہ بھی جائے گا کہ علمائے اسلام گویا ابھی اپنی ذمہ داریوں سے فارغ نہیں ہوئے، ابھی انہیں کچھ کہنے سننے کی ضرورت باقی ہے، حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔ یا یہ کہ قومی عدالتوں نے بھی اس مسئلے کو ابھی نہیں سمجھا، ابھی بحث کا کوئی گوشہ تشنۂ تحقیق ہے، حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ قادیانی، قرآن مجید پر ایمان لانے کی جو بات کرتے ہیں وہ ایمان مرزا غلام احمد کے پیش کردہ اُس قرآن پر ہے جسکا معنیٰ مرزا قادیانی طے کرتا ہے، جبکہ مسلمانوں کے نزدیک مرزا غلام احمد کے پیش کردہ قرآن یا اُس کے معانی پر ایمان لانے کی بات کرنا ہی کفر و زندقہ ہے۔

ارتداد کے اقسام اور قادیانیت:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ لکھتے ہیں: "اصطلاح شرع میں ایمان و اسلام سے پھر جانے کو ارتداد اور پھرنے والے کو مرتد کہتے ہیں۔ اور ارتداد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی کمبخت صاف طور پر تبدیل مذہب کر کے اسلام سے پھر جائے۔ جیسے عیسائی، یہودی، آریہ سماجی وغیرہ مذاہب اختیار کرے یا خداوند عالم کے وجود یا توحید کا منکر ہو جائے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کردے (والعیاذ باللہ تعالیٰ)۔

دوسرے یہ کہ صاف طور پر اس طرح تبدیل مذہب یا انکار نہ کرے لیکن کچھ اعمال یا اقوال یا عقائد ایسے اختیار کرے جو انکار قرآن مجید یا انکار رسالت کے مرادف و ہم معنی ہیں، مثلاً اسلام کے کسی ایسے ضروری و قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے جس کا ثبوت قرآن مجید کی نص صریح سے ہو یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق تواتر ثابت ہوا ہو۔ یہ صورت بھی باجماع امت ارتداد میں داخل ہے اگر چہ ایک حکم کے سوا تمام احکام اسلامیہ پر شدت کے ساتھ پابند ہو۔

ارتداد کی اس دوسری صورت میں اکثر مسلمان غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو مسلمان سمجھتے ہیں، اور یہ اگر چہ بظاہر ایک معمولی غلطی ہے لیکن اگر اس کے ہولناک نتائج پر نظر کی جائے تو اسلام اور مسلمان کے لیے اس سے زیادہ کوئی چیز مضر نہیں، کیوں کہ اس صورت میں کفر و اسلام کے حدود ممتاز

نہیں رہتے، کافر ومومن میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ اسلام کے دشمن اسلامی برادری کے ارکان بن کر مسلمانوں کے لیے ''مار آستین'' بن سکتے ہیں، اور دوستی کے لباس میں دشمنی کی ہر قرار واد کو مسلمانوں میں نافذ کر سکتے ہیں (تکفیر کے اصول: ص ۸)۔

قادیانیوں کا تعلق اسی دوسری قسم کے ارتداد سے ہے۔ وہ کسی چیز کا انکار اسلامی برادری کا فرد بن کر کرتے ہیں اور اس راستے سے دشمن کی ہر قرار داد کو مسلمانوں میں نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر اسکے ہولناک نتائج پر نظر کی جائے تو اسلام اور مسلمان کے لیے اس سے زیادہ کوئی چیز مضر نہیں۔

قادیانیوں کے اہل کتاب نہ ہونے پر دلیل نمبر ا ماسبق میں تمہید کے عنوان سے جو معروضات پیش کی گئی ہیں اُن سے بخوبی واضح ہے کہ اہل کتاب میں قادیانیوں کے شامل ہوتے یا نہ ہونے کو موضوع بحث بنانا ہی بے سود ہے کیوں کہ اولاً تو قادیانیت کوئی مذہب ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایک نوعیت کا سیاسی فتنہ ہے جسے انگریزوں نے مذہبی لبادے میں جنم دیا ہے، جیسا کہ خود قادیانیوں کا اعتراف بھی ہے، اسی وجہ سے اس کی وضع وساخت میں مذہبیت نہیں پائی جاتی، نیز اسلام سے خروج اور ان کا ارتداد وزندقہ اپنی نوعیت کا ایسا مکروہ وقبیح ارتداد وزندقہ ہے جو ان کے حق میں اس بحث کو ہی خارج عن البحث بنا دیتا ہے۔ عقلی اور نقلی دونوں قسم کے دلائل اس کے مؤید ہیں۔

علاوہ ازیں زیر بحث موضوع پر ایک بدیہی مثال یہ بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو قرآن مجید ہے اس میں حضرت عیسیٰ ابن مریم کے نزول کا ذکر ہے جس کو ایک صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قسم کھا کر مسلمانوں کو اطمینان دلاتے ہیں (بخاری شریف کتاب الانبیاء) اور مرزا قادیانی جو قرآن پیش کیا ہے اس میں تیس آیات وفات عیسیٰ پر نازل مانی گئی ہیں (ازالہ اوہام مصنفہ مرزا قادیانی) اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں کے پاس جو قرآن مجید ہے اس میں ''قادیان'' کا کوئی ذکر نہیں، مگر مرزا قادیانی کا خواب، کشف یا مجنونانہ بڑ نہیں بلکہ الہامی دعویٰ ہے کہ قرآن میں قادیان کا نام موجود ہے۔ (اشتہار چندہ منارۃ المسیح مرزا قادیانی) یہ اور اس طرح کی دیگر بیشمار مثالوں کی روشنی میں بآسانی یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ قادیانی جس قرآن پر ایمان کی بات کرتے ہیں اس کے معانی بھی وہ مرزا قادیانی ہی کا پیش کردہ مانتے ہیں اُس معانی پر اُن کا ایمان نہیں جس پر مسلمان ایمان لاتے ہیں۔ حقیقت جب یہ ہے تو پھر قادیانیوں کے دعویٰ ایمان کے بے حقیقت قضیہ کو موضوع بحث بنا کر ان کے اہل کتاب میں شامل کیے جانے کی بات کرنا بھی بے نتیجہ گفتگو کا درجہ رکھے گی۔

دلیل نمبر ۲: اگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ قرآن اور اسکے معانی پر ایمان رکھتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ اس کے لیے مرزا غلام احمد قادیانی کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ قرآن کے الفاظ یا اس کے معانی پر ایمان رکھنے کے لیے مرزا قادیانی کی ضرورت ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قادیانیوں کا دعویٰ ایمان بالقرآن کھوکھلا دعویٰ ہے؛ اس پر کسی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ اسی طرح جب مرزا قادیانی کی ذات وشخصیت عند اللہ مصدقہ نہیں تو اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عیسائیوں پر قیاس کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی کہ ہے کہ ان کو اہل کتاب میں شامل ہونے یا نہ ہونے پر بحث کی جائے۔

دلیل نمبر ۳: علاوہ ازیں اس قیاس کو مرزا قادیانی بھی پسند نہیں کرتا اس کا فیصلہ واضح لفظوں یہ ہے کہ کسی بھی معاملہ میں بمثلاً تقیسونی باحد ولا احد بی۔ ترجمہ: ''مجھے کسی دوسرے کے ساتھ قیاس مت کرو اور نہ کسی دوسرے کو میرے ساتھ'' (خطبہ الہامیہ، خزائن ص ۵۲ ج ۱۶) اس سے معلوم ہوا کہ مرزا قادیانی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یا مرزائیت کو عیسائیت پر قیاس کرنا مرزا قادیانی کی تعلیمات وہدایات کے صریح خلاف ہے، مرزا قادیانی کے متبعین صرف الوقتی کے لیے اور مسلمانوں میں گھس کر سیاسی اور وقتی فائدہ اٹھانے کے لیے ''اہل کتاب'' میں شمولیت کی بات کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۴ شرح مقاصد میں کافروں کی قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''وإن کان مع اعترافه بنبوة النبي ﷺ و اظهاره شعائر الاسلام يبطن عقائد هي كفر بالاتفاق خص باسم الزنديق'' (شرح مقاصد ج ۲ ص ۲۶۹)۔

(اور اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا قائل ہونے اور اسلامی شعائر کا اظہار کرنے کے باجود ایسے عقائد کو چھپاتا ہو جو بالاتفاق کفر ہیں تو ایسے شخص کا نام زندیق ہے)۔

کفر کو چھپانے کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص اپنے کفریہ عقائد کا تو برملا اظہار کرتا ہے اور لوگوں کو ان کی دعوت بھی دیتا ہے، لیکن اپنے کفریہ عقائد پر اسلام کا لیبل چپکا تا ہے۔ کتاب وسنت کی غلط تاویل کے ذریعہ اپنے عقائد فاسدہ کو برحق ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور لوگوں کے سامنے ایسی ملمع سازی کرتا ہے کہ ناواقف لوگ ان عقائد باطلہ ہی کو اسلام سمجھنے لگیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ''مسوی شرح عربی موطا'' میں منافق اور زندیق کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بیانُ ذلك ان المُخالف للدّينِ الحقِ إن لَم يعترف به، ولم يُذ عِن له لا ظاهرًا ولا باطنًا فهو كافرٌ، و إن اعترف بلسانه و قلبه على الكفرِ فهوُ المنافق ، وان اعترف به ظاهرًا لكنه يفسرُ بعضَ ما ثبت من الدينِ ضرورةً بخلاف ما فسّرهٔ الصحابةُ والتابعون و اجمعت عليه الأمةُ فهو الزنديق"

(شرح اس کی یہ ہے کہ جو شخص دین حق کا مخالف ہے اگر وہ دین اسلام کا اقرار ہی نہ کرتا ہو اور نہ دین اسلام کو مانتا ہو نہ ظاہری طور پر اور نہ باطنی طور پر، تو وہ کافر کہلاتا ہے اور اگر زبان سے دین کا اقرار کرتا ہو، لیکن دین کے بعض قطعیات کی ایسی تاویل کرتا ہو جو صحابہ کرام و تابعین اور اجماع امت کے خلاف ہو تو ایسا شخص زندیق کہلاتا ہے)۔

آگے تاویل صحیحہ اور تاویل باطل کا فرق بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ثم التاويلُ تاويلان، تاويل لايخالف قاطعًا من الكتاب والسنة واتفاق الأمة و تأويل يصادم ما ثبت بقاطع فذالك الزندقة۔"

(پھر تاویل کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ تاویل جو کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ کسی قطعی مسئلے کے خلاف نہ ہو اور دوسری وہ تاویل جو ایسے مسئلے کے خلاف ہو جو دلیل قطعی سے ثابت ہے، پس ایسی تاویل زندقہ ہے)۔

زندیقانہ تاویلوں کی مثالیں ذکر کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"أو قال إن النّبى صلى الله عليه وسلم خاتمُ النُبوةِ، ولكنْ معنىٰ هذا الكلام أنه لايجوزُ أن يُسمىٰ بعدهٔ أحدٌ بالنبى، و أمّا معنىٰ النبوة و هو كونُ الانسانِ مبعوثًا مِن الله تعالىٰ إلى الخلق مفترضُ الطاعة معصومًا مِن الذنوب و مِنَ البقاء علىٰ الخطاء فيما يرىٰ فهو موجود فى الائمة بعدهٔ فذالك الزنديق" (مسوی ج ۲ ص ۱۳۰)۔

یا کوئی شخص یوں کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ خاتم النبیین ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کسی کا نام نبی نہیں رکھا جائے گا لیکن نبوت کا مفہوم کہ کسی انسان کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوق کی طرف مبعوث ہونا، اُس کی اطاعت کا فرض ہونا اور اس کا گناہوں سے اور خطاء پر قائم رہنے سے معصوم ہونا، یہ آپ کے بعد بھی اماموں میں موجود ہے تو یہ شخص زندیق ہے۔

قادیانیوں کا یہی خاصہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننے کی جو بات کرتے ہیں وہ مرزا قادیانی کے بیان کردہ معنیٰ و مفہوم کے مطابق ہوتا ہے، نہ کہ اہل اسلام کے موافق۔ اسی طرح مرزائی، جس نبوت کو ماننے کی بات کرتے ہیں وہ بھی مرزا قادیانی کے بیان و تشریح کے مطابق ہوتی ہے نہ کہ اہل اسلام اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک کے علمائے امت کے بیان کے مطابق۔ اس لیے وہ ایسے مرتد اور زندیق کہے جائیں گے کہ جن کے اہل کتاب میں شامل ہونے کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے۔

دلیل نمبر ۵: قادیانی اعترافات: قادیانیوں کو اہل کتاب میں شامل ہونے یا نہ ہونے کے قضیہ سے خارج کرنے کے لیے خود قادیانیوں کے اعترافات کافی ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے "خاتم النبیین" کے بارے میں مرزا قادیانی کے خیالات:

حوالہ ا: "من فرق بینی و بین المصطفی فما عرفنی و ما رأی (خطبہ الہامیہ خزائن صفحہ...... جلد ۱۷) (یعنی مرزا قادیانی اور محمد مصطفی ﷺ ایک شخصیت کا نام ہے۔ دونوں میں اگر کسی نے فرق مانا تو اس نے مرزا قادیانی کو پہچانا ہی نہیں (نعوذ باللہ)

حوالہ ۲: "جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ کے میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کونسا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا" (ایک غلطی کا ازالہ، در خزائن ص ۲۱۲ ج ۱۸)

حوالہ ۳: "وہ دین دین نہیں ہے اور نہ وہ نبی نبی ہے جس کی متابعت سے انسان خدا تعالیٰ سے اس کے نزدیک نہیں ہو سکتا کہ مکالمات الٰہیہ سے مشرف ہو سکے وہ دین لعنتی اور قابل نفرت ہے" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم خزائن صفحہ ۳۰۶ جلد ۲۱)۔

حوالہ ۴: "خاتم النبیین کے معنی بھی یہی ہیں کہ کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا جب تک آنحضرت ﷺ کی غلامی نہ اختیار کرے، ورنہ نبوت کا دروازہ مسدود نہیں اور

جبکہ باب نبوت کھلا ہوا ہے تو مسیح موعود بھی ضرور نبی ہے" (حقیقۃ النبوۃ صفحہ ۲۳۲ ، مرزا محمود پسر مرزا قادیانی)۔

حوالہ ۵: "میں نبیوں کی تین اقسام مانتا ہوں: (۱) جو شریعت والے ہوں (۲) جو شریعت نہیں لائے۔ لیکن ان کو نبوت بلا واسطہ ملتی ہے۔ اور کام وہ پہلی ہی امت کا کرتے ہیں۔ جیسے سلیمان زکریا اور یحییٰ علیہم السلام۔ (۳) اور ایک جو نہ شریعت لائے ہیں اور نہ ان کو بلا واسطہ نبوت ملتی ہے، لیکن وہ پہلے نبی کی اتباع سے نبی ہوتے ہیں" (قول فیصل، مرزا بشیر الدین محمود ص ۱۴)۔

حوالہ ۶: "اس جگہ یاد رہے کہ نبوت مختلف نوع پر ہے اور آج تک نبوت تین قسم پر ظاہر ہو چکی ہے (۱) تشریعی نبوت۔ ایسی نبوت کو مسیح موعود نے حقیقی نبوت سے پکارا ہے۔ (۲) وہ نبوت جس کے لیے تشریعی یا حقیقی ہونا ضروری نہیں ہے۔ ایسی نبوت حضرت مسیح موعود کی اصطلاح میں مستقل نبوت ہے۔ (۳) ظلی اور امتی نبی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے مستقل اور حقیقی نبوتوں کا دروازہ بند کیا گیا اور ظلی نبوت کا دروازہ کھولا گیا" (مسئلہ کفر و اسلام کی حقیقت، مرزا بشیر احمد ایم اے ص ۱۳)۔

حوالہ نمبر ۷: "انبیاء کرام دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) تشریعی (۲) غیر تشریعی پھر غیر تشریعی بھی دو قسم کے ہوتے ہیں نمبر ۱۔ براہ راست نبوت پانے والے۔ نمبر ۲۔ نبی تشریعی کی اتباع سے نبوت حاصل کرنے والے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشتر صرف پہلی دو قسم کے نبی آتے تھے" (مباحثہ راولپنڈی ص ۱۷۵)۔

اسی طرح اب ملاحظہ فرمایئے "نبوت" کے بارے میں مرزا قادیانی کا اقرار و اعتراف کہ جس نبوت کی وہ بات کرتا ہے اس کا مذہب اسلام سے کوئی ربط ہی نہیں وہ انگریزوں کی خود ساختہ نبوت ہے جو خدا کی طرف سے نہیں بلکہ نبی کی اتباع و پیروی سے ملتی ہے:

حوالہ ۱۔ " ما نعني من النبوة ما يُعنى في الصحف الأولى۔

نبوت سے ہماری مراد وہ نہیں جو پہلے آسمانی کتابوں میں لی گئی ہے (الاستفتاء ضمیمہ حقیقۃ الوحی، ص ۱۶ خزائن ۷، ۶۳ ج ۲۲)۔

حوالہ ۲۔ "یاد رہے کہ بہت سے لوگ میرے دعوے میں نبی کا نام سنکر دھوکہ کھاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ گویا میں نے اُس نبوت کا دعویٰ کیا ہے جو پہلے زمانوں میں براہ راست نبیوں کو ملی ہے، لیکن وہ اس خیال میں غلطی پر ہیں" (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص، خزائن ۱۵۴ ج ۲۲)۔

مرزا قادیانی کے اعترافات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ حجۃ الہند شاہ ولی اللہ صاحب نے زندیق کی جو تعریف بیان فرمائی ہے، مرزائی سو فیصد اس کا اقراری مصداق ہیں۔ لہٰذا ان کو کسی بھی طرح اہل کتاب میں شامل ماننے کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور احناف کا قول ہے کہ: " لا تحلّ ذبيحتهُ و لانكاحُ نسائهم و إن انتقلوا إلى دينِ أهلِ الكتاب" (المغنی مع الشرح الکبیر، کتاب الفرائض، ج۷، ص ۱۷۰)۔

مرتد کا نہ ذبیحہ حلال ہے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہے خواہ انہوں نے اہل کتاب کے مذہب کی طرف ارتداد اختیار کیا ہو۔

"ولا يُؤكلُ صيدُ مرتدٍ ولا ذبيحتهُ وإن تدين بدينِ أهلِ الكتابِ" مرتد کا ذبیحہ اور اس کا شکار کیا ہوا گوشت نہ کھایا جائے، چاہے اس نے اہل کتاب کے مذہب کی طرف ارتداد اختیار کیا ہو۔ (المغنی مع الشرح الکبیر، کتاب الصید ج ۱۱ ص ۴۲)۔

" وأمّا المُرتدُّ فإنّ الجُمهورَ على أنّ ذبيحتهُ لاتُؤكلُ"

(لیکن مرتد پس جمہور اس پر ہیں کہ اس کا ذبیحہ حلال نہیں) (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۶۸۰)

ائمہ کرام کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ جب مرتد کا ذبیحہ کسی حالت میں بھی حلال نہیں، خواہ اُس نے کوئی سا مذہب اختیار کیا ہو تو قادیانیوں کا ذبیحہ بھی کسی حال میں جائز نہیں ہوگا اور نہ وہ اہل کتاب میں سے مانے جاسکتے ہیں۔ اگر کوئی اس کے خلاف کہتا ہے تو اسکی بات بالکل غلط اور قواعد شرعیہ کے خلاف ہوگی۔

مرتد کی اولاد کا حکم:

جس نے خود ارتداد اختیار کیا ہو وہ اصلی مرتد ہے، اس کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر وہ اسلام نہ لائے تو حالات اور ملکی قوانین کے لحاظ سے اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے۔ مرتد والدین کی صلبی اولاد بھی والدین کے تابع ہونے کی وجہ سے حکماً مرتد کہلاتی ہے، اس لئے ان کے بالغ ہونے کے بعد ان کو بھی اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، لیکن اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو حبس و ضرب کی سزا دی جائے گی، البتہ تیسری پشت میں مرتد کی اولاد پر مرتد کے احکام جاری نہیں ہوتے بلکہ کافر اصلی کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے۔

"زوجان ارتدّا وَلحقا فولدت المرتدۃُ ولدًا وَ وُلِد له ای لذالك المولود ولَدٌ فظهرَ عليهم جميعًا فالولد ان فَیْ كأصْلِهما والولدُ الاول يُجبرُ بالضرب (ای و بالحبس ، نہر) علی الاسلام و ان حَبلتْ به ثمّه لتبعيته لابويهِ لا الثانی لعدمِ تبعية الجدّ علی الظاهر فحكمه كحربي" (الشامی: باب المرتد ج ۶ ص ۴۰۲)

(میاں بیوی مرتد ہو کر دارالحرب چلے گئے، وہاں مرتد عورت نے بچہ جنا اور آگے اس لڑکے کے لڑکا ہوا، پھر یہ سب جہاد میں مسلمانوں کے قابو میں آ گئے تو مرتد جوڑے کی طرح ان کا بیٹا اور پوتا بھی مال غنیمت ہیں۔ ان کے بیٹے کو تو ضرب (حبس) کے ذریعہ اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا خواہ وہ دارالحرب میں حاملہ ہوئی تھی، کیونکہ وہ اپنے والدین کے تابع ہونے کی وجہ سے حکمًا مرتد ہے۔ مگر پوتے کو مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ظاہر روایت کے مطابق پوتا دادے کے تابع نہیں ہوتا، پس اس کا حکم عام حربی کافر کا حکم ہے۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی تحریر فرماتے ہیں: "اور جب یہ معلوم ہو چکا کہ تیسری پشت میں جا کر مرتد کی اولاد کا حکم عام کافروں کا ہو جاتا ہے تو دیکھنا یہ ہوگا کہ اس نے کونسا دین و مذہب اختیار کیا ہے؟ اور یہ کہ اس مذہب کے لوگوں کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟۔ سب جانتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے صرف اہل کتاب کا ذبیحہ حلال قرار دیا گیا ہے اور بت پرستوں اور مجوسیوں کا ذبیحہ حلال نہیں، پس اگر مرتد نے اہل کتاب کا مذہب اختیار کر لیا تھا تو تیسری پشت میں اس کی اولاد بھی ہندو یا سکھ یا مجوسی شمار ہوگی اور اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

اور اگر اس نے ان مذاہب معروفہ میں سے کوئی بھی مذہب اختیار نہیں کیا، بلکہ یا لامذہب اور دہریہ بن گیا، یا اُس نے نیا مذہب اختیار کر لیا تو اُس کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہوگا۔ پس یہ جو مشہور ہے کہ مرتد کی اولاد کا ذبیحہ جائز ہے یہ مطلقًا صحیح نہیں بلکہ اُس میں مندرجہ بالا تفصیل کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قادیانیوں نے اہل کتاب کا مذہب اختیار نہیں کیا، بلکہ انہوں نے ایک نیا دین اختیار کیا ہے لہٰذا اُن کی اولاد کا ذبیحہ کسی حال میں بھی جائز نہیں ہوگا۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتوی میں قادیانی اور اس کی اولاد میں جو فرق کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں" (رسالہ قادیانی ذبیحہ مطبوعہ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند)۔

بعض ارباب فقہ و فتاوی نے اس مسئلہ کو روافض پر یا دیگر جماعتوں پر قیاس کرنے کی بھی کوشش کی ہے تو واضح رہے کہ قادیانیت کا کفر و زندقہ ایسا ہے کہ اس پر کسی دوسرے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اور کسی عام دلیل سے اس خاص مسئلہ کا کوئی حل بھی نکالا نہیں جا سکتا۔ قادیانیت کا زندقہ خاص ہے، اس کے مقابل اہل کتاب کی بعض اہل علم سے منقول تعریفات عام ہیں، لہٰذا اس اصول کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ قادیانیوں کے معمولات و معاملات:

واضح رہے کہ مسئلہ ارتداد میں قادیانیوں کا بھی یہی معمول و مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص قادیانیت سے پھر جائے اور مسلمان ہو جائے تو اس کو وہ مرتد سے ہی تعبیر کرتے ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ایسے شخص کو دوبارہ قادیانیت کی طرف پھیریں، اس کی توبہ بھی قبول نہیں کرتے اور ایسے شخص اور اس کی اولاد کے ساتھ بھی مرتد ہی کا معاملہ کرتے ہیں۔ مثلاً:

واقعہ نمبر ۱:

مرزا قادیانی نے اپنی پہلی منکوحہ "حرمت بیوی" کو صرف اس وجہ سے طلاق دے دی کہ وہ مسلمان تھی، لیکن بقول مرزا قادیانی، اس کے خودساختہ "دین" سے بیزار تھی اور اس کے مخالفین (یعنی مسلمانوں) سے ملی ہوئی تھی (سیرت المہدی)۔

واقعہ نمبر ۲:

مرزا قادیانی نے اپنے چھوٹے بیٹے فضل احمد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی صرف اس وجہ سے کہ وہ مسلمان تھا، لیکن مرزا کی ذات و شخصیت پر ایمان نہیں لایا تھا جبکہ وہ اپنے باپ یعنی مرزا قادیانی کا نہایت فرمانبردار بیٹا تھا (اخبار الفضل قادیان، ۱۹۲۱ء و ۴ر رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۷ جولائی ۱۹۴۳ء ص ۲) اور اپنے بڑے لڑکے مرزا سلطان احمد کو عاق کر دیا اس کی وجہ یہ تھی وہ بھی مسلمان ہونے کی وجہ سے اپنے باپ کے بیہودہ دعووں سے بیزار تھا (سیرت المہدی جلد اول صفحہ ۲۹)۔ اس معاملہ میں اتنی شدت تھی کہ مرزا کے پہلے جانشین حکیم نورالدین بھیروی نے مرزا قادیانی کے مرنے کے بعد ایک دفعہ مرزا سلطان احمد کو خط لکھا تو اس میں سلام تک نہیں لکھا،

اسے اس طرح مخاطب کیا جیسے کسی مرتد وکافر کو مخاطب بنایا جاتا ہے (ریویو آف ریلیجنز ۱۹۱۴ء میں مندرج مضمون، وحیات نور الدین پر ایک نظر صفحہ ۶۰)۔

واقعہ نمبر ۳:

علامہ اقبال کے والد جناب شیخ نور محمد صاحب سیالکوٹ کی قادیانی جماعت کے صدر تھے، جب ان پر حقیقت منکشف ہوئی اور انھوں نے مرزا قادیانی کے پاس سیالکوٹ کی قادیانی جماعت سے استعفیٰ نامہ بھیجا تو مرزا نے جو جواب دیا وہ ملاحظہ ہو:

''چند سال بعد جب سر اقبال، کالج میں پہنچے، تو ان کے خیالات میں تبدیلی آگئی۔ اور انھوں نے اپنے باپ کو بھی سمجھا بوجھا کر احمدیت (قادیانیت) سے منحرف کردیا۔ چنانچہ شیخ نور محمد (والد علامہ اقبال) صاحب نے حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر کیا کہ سیالکوٹ کی جماعت چونکہ نوجوانوں کی جماعت ہے اور میں بوڑھا آدمی ان کے ساتھ چل نہیں سکتا۔ لہٰذا آپ میرا نام اس جماعت سے الگ رکھیں۔ اس پر حضرت صاحب کا جواب میر حامد شاہ صاحب مرحوم کے نام گیا۔ جس میں لکھا تھا۔ کہ شیخ نور محمد کو کہہ دیویں کہ وہ جماعت سے ہی الگ نہیں بلکہ اسلام سے بھی الگ ہیں۔ اس کے بعد شیخ نور محمد صاحب نے بعض اوقات چندہ وغیرہ دینے کی کوشش کی۔ لیکن ہم نے قبول نہ کیا (سیرت المہدی جلد ۳ صفحہ ۲۴۹)۔

جماعت سے استعفیٰ دینے کو مرزا قادیانی اسلام سے اخراج بتاتا ہے، ظاہری بات ہے کہ یہ اخراج مرزا قادیانی کے اس خودساختہ تحریک سے اخراج ہے جس کا نام مرزا قادیانی نے اپنے طور پر ''اسلام'' رکھا ہوا ہے۔ ورنہ بتایا جائے کہ شیخ نور محمد میں کون سے کفریہ اسباب پائے گئے تھے؟ جس کے سبب مرزا قادیانی ان کو اسلام سے خارج گردانتا ہے جبکہ وہ پختہ موحد اور مسلمان تھے۔

واقعہ نمبر ۴:

حافظ محمد یوسف صاحب امرتسری، ڈاکٹر عبدالحکیم خاں پٹیالوی، وغیرہ بے شمار لوگوں کو محض اس وجہ سے مرزا قادیانی ''مرتد'' لکھتا ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ کلمہ گو مسلمان تھے، لیکن کسی زمانے میں مرزا قادیانی کے فریب کا شکار ہوگئے تھے اور جب حقیقت ان پر منکشف ہوئی تو مرزا قادیانی سے علیحدہ ہوگئے۔ مرزا کی تحریر اور انداز تخاطب ملاحظہ ہو کہ جگہ جگہ مرتد کے ہی لفظ سے یاد کرتا ہے: ''اب کہاں ہیں میاں عبدالحکیم خان مرتد جو میری اس تحریر سے مجھ سے برگشتہ ہوگیا...... اب اٹھو اور آنکھ کھولوائے میاں عبدالحکیم مرتد! (حقیقۃ الوحی خزائن ۱۳۱، ۱۳۶، ج ۲۲)۔

واقعہ نمبر ۵:

ایک شخص قادیانیوں میں پڑھا لکھا تھا اور کسی مرزائی معبد میں ان کو پوجا کراتا تھا اس نے اپنی لڑکی کا نکاح کسی مسلمان لڑکے سے کردیا، اس واقعہ پر مرزائیوں نے مرتدوں مرتد کی سزا نافذ کرتے ہوئے اسکو جماعت مرزائیہ سے خارج کردیا، مرزا البشیر الدین محمود لکھتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود نے اس احمدی پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے جو اپنی لڑکی غیر احمدی کو دے۔ آپ سے ایک شخص نے بار بار پوچھا اور کئی قسم کی مجبوریوں کو پیش کیا۔ لیکن آپ نے اسکو یہی فرمایا کہ لڑکی کو بٹھائے رکھو، لیکن غیر احمدیوں میں نہ دو۔ آپ کی وفات کے بعد اس نے غیر احمدیوں کو لڑکی دے دی تو حضرت خلیفہ اوّل نے اس کو احمدیوں کی امارت سے ہٹادیا اور جماعت سے خارج کردیا، اور اپنی خلافت کے چھ سالوں میں اس کی توبہ قبول نہ کی۔ باوجودیکہ وہ بار بار توبہ کرتا رہا'' (انوار خلافت از مرزا البشیر الدین محمود صفحہ ۹۴ مطبوعہ امرتسر ۱۹۱۶ء)۔

ایک خدشہ:

بعض اطلاعات کے مطابق شاید بعض افریقی اور عرب ممالک میں قادیانی ''اہل کتاب'' ہونے کا کارڈ اس لیے کھیلنا چاہتے ہیں کہ اہل کتاب کے زمرے میں داخل ہوکر مسلمانوں میں شادی بیاہ کے راستے سے ارتداد کا ایک نیا دہانہ کھولا جائے۔ مسلمانوں کو اس سے ہوشیار رہنا چاہئے کہ ان کی اولاد تیسری اور چوتھی پشت میں داخل ہوکر بھی اسلام سے دست بردار نہیں ہوتی، بلکہ اُس اسلام کی قائل رہتی ہے جو مرزا قادیانی کی تشریح کے مطابق ہے، لہٰذا وہ زندیق ہی کے حکم میں رہے گی۔ اس کی بدیہی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنا نام ''احمدی مسلمان'' رکھتے ہیں خواہ وہ کسی بھی پشت میں داخل ہوجائیں۔ ان کا نام بتاتا ہے کہ وہ اپنے اُس ''مزعومہ اسلام'' کو منوانے پر ہر دم بضد ہیں جس کو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سعودی عرب نے پوری دنیا کے مسلمانوں کے متفقہ فیصلے کے مطابق کفر وزندقہ قرار دے رکھا ہے

کتابیہ عورت سے نکاح، حکم اور اصول

مولانا حافظ کلیم اللہ عمری مدنی[1]

نکاح اسلامی نقطہ نظر سے زوجین کے مابین ایک معاہدہ ہے جس میں ایک طرف سے کفالت اور پرورش کی ذمہ داری ہے تو دوسری طرف سے اطاعت وفرمانبرداری کا اقرار ہے اور یہ نکاح درحقیقت ایک دائمی معاہدہ ہے یہ نکاح انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً" (الرعد ۳۸)

(ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان سب کو بیوی بچے والا بنایا تھا)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "النکاح من سنتی" (سنن ابن ماجہ، ۱۸۴۶ حسنہ الألبانی) (یعنی نکاح میری سنت ہے)۔ اسی سنت محمدی کے ذریعہ دین کامل ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: (جب بندہ ازدواجی زندگی سے منسلک ہوتا ہے تو اس نے اپنے نصف دین کی تکمیل کرلی، لہذا اسے باقی نصف دین کے تعلق سے اللہ کا تقوی اختیار کرنا چاہیے) (المعجم الأوسط ۷۶۴۷)۔

دین اسلام میں نکاح کے ذریعہ عورت اور مرد چند دن کے عیش یا تفریح کے لئے نہیں ملتے، بلکہ زندگی بھر کی رفاقت الفت ومحبت کی خاطر ایک مضبوط عہد کے تحت رشتہ نکاح سے منسلک ہوجاتے ہیں قرآن کریم نے اسے "میثاقا غلیظا" سے تعبیر فرمایا (النساء ۲۱) (یعنی مضبوط عہد و پیان، اسلام نے سکون دل کے واسطے جنسی جذبات کی تسکین کی خاطر نکاح کی ترغیب دی" کیونکہ یہ ایک انسان کی ضرورت ہے اسی وجہ سے شریعت نے نکاح کو عبادت کا درجہ دیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: (اپنے بیوی سے ہم آغوش ہونے میں بھی تمہارے لئے صدقہ کا ثواب ہے) (مسلم)۔

نکاح کی حکمت:

۱- نکاح شرم گاہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: (اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جسے نکاح کرنے کی استطاعت ہوا سے نکاح کرنا چاہیے، کیونکہ نکاح نگاہ کو نیچی کرنے والا اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جسے اس کی استطاعت نہ ہو اس کے لئے روزہ کا اہتمام ضروری ہے اس لئے کہ روزہ اس کے لئے ڈھال ہے)۔ (بخاری مسلم)

۲- نکاح سکون کا ذریعہ ہے، ارشاد الہی ہے: "هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا" (الاعراف ۱۸۹) (وہ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو تن واحد سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے)۔

۳- خاندانوں اور قبیلوں میں روابط کی استواری کا ذریعہ نکاح ہے۔

۴- نوع انسانی کی بقاء صحیح اور سالم طریقہ سے اور صالح معاشرہ کی تشکیل نکاح کے ذریعہ ہی قائم ہے۔

۵- نکاح کا مسنون طریقہ نہ ہوتا تو زناکاری اور لواطت عام ہوجاتی اور پاکیزہ رشتوں کا تقدس پامال ہوجاتا۔

۶- حرام کاری اور بدنگاہی سے حفاظت کا اہم ذریعہ نکاح ہے۔

۷- نصف دین کی تکمیل کا ذریعہ نکاح ہے۔

---

[1] استاذ و مفتی جامعہ دار السلام، عمرآباد۔

ارکان نکاح اور مہر:

ارکان نکاح چار ہیں: ۱-ایجاب وقبول، ۲-دومعتبر گواہ، ۳-ولی کی اجازت، ۴-مہر کی تعیین۔

شریعت اسلامیہ میں مہر کی کم سے کم مقدار کی کوئی حد متعین نہیں کی گئی ہے بلکہ زوجین جس چیز پر راضی ہوں وہ مہر بن سکتی ہے۔

مہر عورت کا خالص حق ہے اس میں کم اور زیادہ کی کوئی حد نہیں ہے مہر معجل یعنی پیشگی ادائیگی افضل ہے۔ مہر کی تعیین کے وقت ادائیگی کی نیت ہونا ضروری ہے ورنہ یہ تمتع از روئے شرع متین زنا کے حکم میں ہوگا۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہر کی ادائیگی کے ساتھ نکاح کراتے تھے، جیسا کہ ایک صحابی کی شادی لوہے کی ایک انگوٹھی کے عوض کرادی (حاکم) دوسرے سے فرمایا۔ جن کے پاس کچھ نہ تھا۔ میں نے تمہاری شادی اس خاتون سے قرآنی سورتوں کے یاد کرانے پر کرادی (بخاری) بہترین مہر وہ ہے جو کم سے کم اور آسان ہو (المستدرک علی الصحیحین ۲ / ۱۸۲ و احمد)۔

مستحب تو یہی ہے کہ دخول سے قبل (خلوت صحیحہ سے پہلے) مہر ادا کیا جائے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مہر ادا کرو تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہاں ہے وہ حطمی زرہ؟ تو حضرت علیؓ نے وہی زرہ مہر میں حضرت فاطمہؓ کو دیدی (صحیح ابوداؤد للالبانی ۱۸۶۵)۔

کتابیہ سے نکاح اور اس کے احکامات:

اسلام اپنے پیروؤں کو غیر مسلم سے شادی کی اجازت نہیں دیتا ہاں کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کی شادی ہوسکتی ہے۔ مگر وہاں بھی اختلاف ادیان کی وجہ سے کتابیہ عورت کو مسلمان شوہر کے ترکہ میں وراثت کا حق نہیں ہے۔ اور نہ اس مرد کو اس عورت کے ترکہ میں سے حصہ ملے گا۔ الّا یہ کہ مسلمان مرد کے مرنے سے پہلے وہ عورت اسلام قبول کرلے اس صورت میں وہ عورت اس کی وراثت میں حصہ پاسکتی ہے، اور اس کی موت کے بعد اس کے شوہر کو اس کی وراثت میں حصہ مل سکتا ہے۔

اسلام نے جن عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، انہی میں سے کتابیہ یعنی یہودی اور نصرانی عورتیں جو اپنے مذہب پر قائم ہوں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ" (سورۃ المائدۃ: ۵)

(اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جب کہ اُن کا مہر دے دو اور اُن سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی۔ اور جو شخص ایمان سے منکر ہو اس کا عمل ضائع ہوا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا)۔

مذکورہ آیات (سورہ مائدہ آخری سورت ہے جس میں حلال وحرام سے متعلق غیر منسوخ احکامات بیان کئے گئے ہیں) کا پس منظر یہ ہے کہ اس دور میں کفار ومشرکین، اور اہل کتاب کا دبدبہ ختم ہو چکا تھا مسلمان ایک ناقابل شکست طاقت بن چکے تھے کتابیہ عورت سے شادی کی وجہ سے مسلمان احساس کمتری یا تہذیب ومعاشرت اسلامی کی روح مفقود ہونے کا خوف نہ تھا بلکہ ان کتابیات پر مسلم قوم موثر ہونے کا قوی احتمال تھا اسی وجہ سے کتابیہ سے نکاح کی اجازت دی گئی اور اس حکم کو تا قیامت ضرورۃً باقی رکھا گیا، کتابیہ سے نکاح ایک اجازت ہے جو مستحسن نہیں ہے، شریعت کی بعض رخصتیں اور اجازتیں بھی خاص ماحول اور خاص حالات کے ساتھ ہی مشروط ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کے علاوہ جمہور علماء کرام اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اجمعین کا اتفاق ہے کہ مذکورہ نص کی روشنی میں کتابیہ سے نکاح کرنا جائز ہے، جیسا کہ صحابہ کرامؓ میں سے بہت سے لوگوں نے عیسائی عورتوں سے نکاح کیا، انہیں میں سے حضرت عثمان بن عفان، حذیفہ بن یمان، طلحہ بن عبید اللہ اور جارود بن معلی رضی اللہ عنہم، وغیرہم کے نام سرفہرست ہیں، مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک مسلمان کا پاک دامن عورتوں سے نکاح جائز ہے اسی طرح پاکدامن اہل کتاب کی عورتوں (یہودیہ، نصرانیہ) سے نکاح جائز ہے، اور شرعاً منعقد ہو جاتا ہے شرط یہ ہے کہ کتابیہ عورت واقعۃً عیسائی ر یہودی مذہب پر باقی ہو اور یہ نکاح بھی شرعی طریقے پر دو گواہوں کے سامنے مہر کے ساتھ منعقد ہو۔

اصول وضوابط:

کتاب وسنت کی روشنی میں مندرجہ ذیل اصولوں اور احکامات کا پاس ولحاظ ضروری ہے۔

۱- کتابیہ پاکدامن ہو، بدکار نہ ہو، Boy friend نہ رکھتی ہو، کسی فحش کام میں ملوث نہ ہو باعزت، شریف اور اچھے اخلاق والی ہو۔

۲- پاک وصاف رہتی ہو، غسل جنابت کا اہتمام کرتی ہو، عصمت وعفت کی حفاظت کرنے والی ہو، یعنی شوہر کے حق میں خیانت نہ کرتی ہو۔

۳- کتابیہ آزاد عورت ہو لونڈی نہ ہو، پیشہ ور آوارہ اور بدکردار نہ ہو۔

۴- اسلامی شریعت کے مطابق مہر کی ادائیگی ہو۔

۵- نکاح اسلامی طریقہ کے مطابق ہو، ولی کی اجازت، دو انصاف پسند معتبر گواہوں کی گواہی، اور مہر کی مقدار (مہر معجل یا مؤجل) معلوم ہو۔

۶- نکاح کا اعلان چرچ میں نہ ہو "من تشبہ بقوم فھو منھم" (حدیث) بلکہ عام مجلس میں نکاح کا انعقاد ہو۔

۷- وقتی طور پر تمتع کا ارادہ نہ ہو، بلکہ شادی کا مقصد دائمی رشتۂ ازدواج قائم کرنا ہو، اور ایک دوسرے سے سکون حاصل کرنے کا مقصد مقدم ہو، یعنی یورپ کی اگریمنٹ کی شادی کی طرح مؤقت نہ ہو۔

۸- مسلمہ اور کتابیہ کے مابین ترجیح کی صورت میں مسلمہ ہی کو ترجیح دی جائے۔

۹- اختلاف دین کی وجہ سے زوجین آپس میں کبھی بھی شرعاً ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔

۱۰- نکاح کے بعد وہ اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کی کوشش نہ کرے اور نہ ہی نصرانیت کے مبلغین ودعاۃ سے تعلق رکھے۔

۱۱- بچوں کی تربیت میں یہودیت اور نصرانیت کی تبلیغ یا ان بچوں کے مذہب کی تبدیلی کی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔

اہل علم کے فتاوے:

موضوع کی مناسبت سے علماء کرام ومفتیان عظام کے فتاوے نقل کئے جاتے ہیں، تاکہ ارباب بصیرت کے لئے حجت قائم ہوجائے کہ موجودہ پرفتن دور میں کتابیہ سے شادی کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے، ایمان کو بچانا اولین فریضہ ہے پھر اس کے بعد جائز کاموں کی طرف توجہ دینا مندوب اور مستحسن ہے، مندوب و مستحسن کو واجب کا درجہ دینا یا ترجیحات دین کو مدنظر نہ رکھنا دینی لحاظ سے نقصان کا باعث ہے، اس موضوع میں قدیم وجدید اہل علم ودانش کے فتاوے میں سے چند کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے، شاید موضوع کو سمجھنے میں معاون ومددگار ثابت ہوسکے۔

۱- فتاوی محمودیہ:

سوال۔ زید مسلمان ہے وہ کتابیہ سے شادی کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتا ہے تو کوئی شرط وغیرہ تو نہیں؟

الجواب۔ حامدا ومصلیا۔ عالمگیری میں ہے: "وكل من يعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف ابراہيم وشيث وزبور داؤد عليه السلام فهو من أهل الكتاب فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم" (الفتاوى العالمگيرية، كتاب النكاح و القسم السابع، المحرمات بالشرك ۱/۲۸۱ رشیدیہ)۔

نیز (درمختار، ۲/۲۸۹ علی ہامش رد المحتار) میں ہے: "وصح نكاح كتابية" (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل فی المحرمات، ۳/۴۵ سعید)۔ نیز قرآن مجید سے بھی ثابت ہے: "والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب" (سورة المائدة/۵)۔

ذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ مسلمان مرد کتابیہ (عیسائی ہو یا یہودی) سے نکاح کرسکتا ہے۔

الحیلۃ الناجزہ ص ۱۶۵ میں لکھا ہے کہ اگر عورت کتابیہ یعنی یہودیہ نصرانیہ وغیرہ ہو تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہوسکتا ہے۔

اول یہ کہ وہ تمام اقوام یورپ کی طرح صرف نام کی عیسائی اور درحقیقت لامذہب (دہریہ) نہ ہو بلکہ اپنے مذہبی اصول کو کم از کم مانتی ہو، اگرچہ

عمل میں خلاف بھی کرتی ہو دوسری شرط یہ کہ وہ اصل سے یہودیہ ونصرانیہ ہو اسلام سے مرتد ہوکر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو، جب یہ دونوں شرطیں کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں تو اس سے نکاح صحیح ومنعقد ہوجاتا ہے، لیکن بلاضرورت شدیدہ اس سے بھی نکاح مکروہ ہے اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے، اس لئے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنے کو منع فرمادیا تھا، اور جب عہد فاروقی میں۔ کہ وہ زمانہ خیر تھا۔ ایسے مفاسد موجود تھے تو آج کل جس قدر مفاسد ہوں کم ہیں (الحیلۃ الناجزۃ، رسالہ حکم الازدواج مع اختلاف دین الأزواج، ص ۱۰۴)۔

بالخصوص موجودہ اقوام یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات ازدواج تو بالکل ہی ان کے دین ودنیا کو تباہ کردینے والے ہیں جن کا روزہ مرہ مشاہدہ ہوتا ہے، اور پھر یہ کہ اولاد عموماً کم سنی میں ماں سے زیادہ مانوس ہوتی ہے اور اس کے اثرات سے متاثر ہونے کا مظنہ غالب ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں حضرت حذیفہؓ وطلحہؓ وکعب بن مالکؓ نے کتابیہ سے نکاح کیا تو آپ خفا ہوگئے، خفگی کی وجہ ابن ہمامؒ بیان کرتے لکھتے ہیں:

" وانما كان غضبه لخلطة الكافرة بالمومن وخوف الفتنة على الولد. لأنه في صغره ألزم لأمه" (فتح القدير. كتاب النكاح / ۲۸۳)

نیز تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ انہوں نے مسلمانوں کے نکاح میں آکر اکثر نقصان ہی پہنچایا ہے، لہذا اسلامتی اسی میں ہے کہ ان سے مناکحت کا سلسلہ کسی مجبوری کے بغیر نہ کیا جائے، اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے کسی حال میں جائز نہیں، خواہ کفر کی کوئی قسم ہو، کتابی ہو یا غیر کتابی (فتاوی محمودیہ، مولانا مفتی محمود الحسن صاحبؒ، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند ۱۱/ ۴۵۱-۴۵۲)۔

۲۔ فتاوی رحیمیہ:

عورت عیسائی ہو یا یہودی، اپنے مذہب کے اصول اور پیغمبر اور کتب سماویہ کو مانتی ہو، محض برائے نام کتابیہ اور درحقیقت لامذہب دہریہ اور سائنس پرست نہ ہو تو اس کے ساتھ نکاح جائز ہے، لیکن فی زماننا شرعی مصلحت کی بنا پر شادی کرنے اور خلط ملط رکھنے کی اجازت نہیں، بالخصوص دار الحرب اور کفرستان میں (تلخیص فتاوی رحیمیہ/ص ۲۱۶)۔

۳۔ فتاوی برکاتیہ:

مسلمان مرد کا نکاح عیسائی عورت سے جائز ہے وہ مشرک تو ہے لیکن مشرک ہونے کے باوجود شریعت نے اجازت دی ہے، اولاد باپ کے تابع ہوکر مسلمان ہوگی اگر اس کے برخلاف ہونے کا اندیشہ ہو تو شادی سے اجتناب کریں، کتابیہ عورت سے یوں بھی بغیر مجبوری کے نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس نکاح پر پابندی لگادی تھی، تصدیق۔ حضرت العلام حافظ محمد گوندلویؒ (فتاوی اہل حدیث خورد المعروف بہ فتاوی برکاتیہ شیخ الکل فی الکل حضرت علامہ ابوالبرکات احمدؒ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ ص ۲۱۱)۔

۴۔ فتاوی شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالواجد عمری رحمانی (سابق ناظم ومفتی جامعہ دارالسلام، عمرآباد):

جواب: حامداً ومصلیاً أما بعد: علمائے دین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ موجودہ دور کے اہل کتاب کیا وہی اہل کتاب ہیں جو نبی ﷺ کے دور میں تھے یا ان کا حکم کفار ومشرکین کا ہے۔ ولو بالفرض مان بھی لیا جائے کہ موجودہ دور کے اہل کتاب کا وہی حکم ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھے جب بھی یہ باتیں قابل غور ہیں۔ جس دور میں اس کی اجازت نازل ہوئی تھی حکومت واقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا اور بچہ باپ کے مذہب کا پابند ہوتا تھا لیکن موجودہ دور میں اس کی کوئی صورت نہیں۔ دوسری بات اگر مسلمان مرد اہل کتاب عورت سے شادی کریں جبکہ خود مسلمان عورتیں بھی موجود ہیں جن سے نکاح کیا جاسکتا ہے تو پھر اس صورت میں مسلمان عورتوں کا کیا ہوگا اور کسی مسلمان باپ کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنے اختیار سے اپنے بچے کو کسی مذہب کا پابند بنائے اگر مذکورہ بالا باتوں کا خوف نہ ہو تو اہل کتاب عورتوں سے شادی کی جاسکتی ہے (فتاوی شیخ الحدیث مولانا حافظ عبدالواجد عمری رحمانیؒ)۔

۵۔ نصرانی عورت سے شادی کے بعد اسے قبول اسلام پر مجبور کرنا صحیح ہے؟

جواب۔ جب آپ نصرانی عورت سے شادی کرلیں تو پھر اسے اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ" (سورۃ البقرۃ/۲۵۶) (دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے تو جو شخص بتوں سے اعتقاد نہ رکھے اور اللہ پر ایمان لائے اُس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ (سب کچھ) سنتا اور جانتا ہے)۔

معلوم ہوا کہ شادی کے بعد آپ کا اسے قبول اسلام پر مجبور کرنا درست نہیں، البتہ شادی سے پہلے ہماری آپ کو نصیحت ہے کہ آپ اس سے شادی نہ کریں، اسے چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ وہ آپ کے دل کو اس سے بہتر اور اچھی عورت کی طرف مائل کردے، جب اسے اللہ کے لئے ترک کیا جائے گا تو پھر اللہ ضرور اس کا نعم البدل بھی عطا فرمائیں گے، کیونکہ حدیث میں موجود ہے کہ جو بھی کسی چیز کو اللہ کے لئے ترک کرتا ہے تو اللہ اسے اس کا نعم البدل عطا فرماتا ہے (واللہ اعلم۔ شیخ محمد المنجد) (فتاویٰ نکاح وطلاق، ترتیب وتخریج حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ/ص ۱۱۷)۔

۶۔ کیا نصرانی عورت کسی مسلمان سے شادی کر سکتی ہے؟

جواب۔ اگر نکاح میں مندرجہ ذیل تین اشیاء پائی گئی ہیں تو نکاح صحیح ہے۔

۱۔ ولی یعنی والد یا اس کے نائب وقائم مقام کی طرف سے شادی کی اجازت ہو۔

۲۔ خاوند کی طرف سے قبول کرنا، یعنی وہ کہے کہ میں نے اسے قبول کیا۔

۳۔ نکاح دو مسلمان گواہوں کی موجودگی میں ہوا ہو۔

اس طرح نکاح صحیح ہوگا اور اگر شروط نکاح میں سے کوئی ایک شرط بھی ناقص ہوئی تو نکاح صحیح نہیں اور آپ کو دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔ الشیخ محمد المنجد (فتاویٰ نکاح وطلاق، ترتیب وتخریج حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ ص ۱۱۹)۔

مفسرین عظام کی رائے:

موجودہ دور میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کے سلسلہ میں مفسرین عظام کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان سے نکاح کرنا اگرچہ جائز ہے، مگر شریعت کے اصول اور حکمتوں کی روشنی میں مسلم عورتوں کو ترجیح دینا ہی قابل قبول عمل اور وقت کی اہم مصلحت ہے، یعنی جلب مصلحت مقدم ہے، ذیل میں بعض مؤقر مفسرین کی تفاسیر سے اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں:

ا۔ تفسیر ابن کثیر:

سورہ مائدہ کی آیت کریمہ میں کتابیہ سے نکاح کے سلسلہ میں ابن کثیرؒ نے المحصنات سے مراد عفیفات کے معنی کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ میں سے بہت سے اصحاب نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کیا جیسے حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے ایک نصرانیہ سے اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے ایک یہودیہ سے نکاح کیا، ابو جعفر بن جریرؒ نے کتابیات سے نکاح کے مباح ہونے پر اجماع نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے محض اس وجہ سے کتابیہ سے مسلمانوں کے نکاح کو ناپسند فرمایا کہ کہیں وہ لوگ مسلم عورتوں سے بے رغبت نہ ہو جائیں (تفسیر ابن کثیر، ۱/۵۸۳)۔

۲۔ معارف القرآن:

جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک اگرچہ از روئے کتاب وسنت اہل کتاب کی عورتوں سے فی نفسہ نکاح حلال ہے، لیکن ان سے نکاح کرنے پر جو دوسرے مفاسد اور خرابیاں اپنے لئے، اپنی اولاد کے لئے، بلکہ پوری امت اسلامیہ کے لئے از روئے تجربہ لازمی طور پر پیدا ہوں گی، ان کی بناء پر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو وہ بھی مکروہ سمجھتے ہیں، جصاصؒ نے شفیق بن سلمہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کیا، حضرت عمرؓ کو اطلاع ملی تو ان کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دے دو۔

انہوں نے جواب میں لکھا کہ کیا وہ میرے لئے حرام ہے؟ پھر حضرت عمرؓ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں حرام نہیں کہتا، لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاکدامنی نہیں ہے، اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانے میں اس راہ سے فحش و بدکاری داخل نہ ہو جائے، اس واقعہ کو محمد بن حسنؒ نے کتاب الآثار کے ص ۱۶۵ میں بروایت امام ابو حنیفہؒ کے نقل کیا ہے، اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ فقہاء حنفیہ اسی کو اختیار کرتے ہیں کہ اس نکاح کو حرام تو نہیں کہتے، لیکن دوسرے مفاسد اور خرابیوں کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہیں (معارف القرآن، مولانا مفتی محمد شفیع ۳ / ۱۶۵)۔

۳۔ تدبر قرآن:

(جس طرح تمہارے لئے شریف اور پاکدامن مسلمان عورتوں سے نکاح جائز ہے اسی طرح شریف اور پاکدامن کتابیات سے بھی نکاح جائز ہے، یہاں لفظ محصنات استعمال ہوا ہے یہاں قرینہ اس سے مراد باعزت شریف اور اچھے اخلاق کی عورتیں ہیں یعنی یہ اجازت مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ یہ عورتیں بدچلن، پیشہ ور، آوارہ نہ ہوں، جس طرح تمہارے لئے ان کے دستر خوان کی صرف طیبات جائز ہیں اسی طرح ان کی عورتوں میں سے صرف محصنات جائز ہیں)۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ یہ اجازت صرف ایک اجازت ہے یہ کوئی مستحسن چیز نہیں ہے، اگر ماحول اسلامی تہذیب و معاشرت کا ہو اور آدمی کسی نیک چال چلن کی کتابیہ سے نکاح کرلے تو اس میں مضائقہ نہیں لیکن کافرانہ ماحول میں جہاں کفر اور اہل کفر کا غلبہ ہو اس قسم کا نکاح چاہے اس آیت کے الفاظ کے خلاف نہ ہو، لیکن اس کے فحوی، اور اس کی روح اور اس کے موقع محل کے خلاف ضرور ہے (تدبر قرآن، مولانا امین اصلاحیؒ ۲/ ۲۶۵-۲۶۶)۔

۴۔ تفہیم القرآن:

اس سے مراد یہود و نصاری ہیں نکاح کی اجازت صرف انہی کی عورتوں سے دی گئی ہے اور اس کے ساتھ شرط یہ لگادی گئی ہے کہ وہ محصنات (محفوظ عورتیں) ہوں، اس حکم کی تفصیلات میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے، ابن عباسؓ کا خیال ہے کہ یہاں اہل کتاب سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو اسلامی حکومت کے رعایا ہوں، رہے دار الحرب اور دار الکفر کے یہود و نصاری تو ان کی عورتوں سے نکاح کرنا درست نہیں، حنفیہ اس سے تھوڑا اختلاف کرتے ہیں، ان کے نزدیک بیرونی ممالک کے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا حرام تو نہیں ہے مگر مکروہ ضرور ہے (تفہیم القرآن، مولانا سید ابوالاعلی مودودیؒ۔ ۱/ ۴۴۷)۔

۵۔ احسن البیان:

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت کے ساتھ ایک تو پاکدامنی کی قید ہے جو آج کل اکثر اہل کتاب کی عورتوں میں مفقود ہے، دوسرے اس کے بعد فرمایا گیا کہ جو ایمان کے کے ساتھ کفر کرے اس کے عمل برباد ہو گئے، اس سے یہ تنبیہ مقصود ہے کہ اگر ایسی عورت سے نکاح کرنے میں ایمان کے ضیاع کا اندیشہ ہو تو بہت ہی خسارہ کا سودا ہوگا اور آج کل اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح میں ایمان کو جو شدید خطرات لاحق ہوتے ہیں، محتاج وضاحت نہیں، درآں حالیکہ ایمان کو بچانا فرض ہے، ایک جائز کام کے لئے فرض کو خطرے میں نہیں ڈالا جاسکتا، اس لئے اس کا جواز بھی اس وقت تک ناقابل عمل رہے گا جب تک مذکورہ دونوں چیزیں مفقود نہ ہو جائیں، علاوہ ازیں آج کل کے اہل کتاب ویسے بھی اپنے دین سے بالکل ہی بیگانہ بلکہ بیزار اور باغی ہیں، اس حالت میں کیا وہ واقعی اہل کتاب میں شمار بھی ہو سکتے ہیں؟ (تفسیر احسن البیان، مولانا صلاح الدین یوسف صاحب، ص ۲۸۶)۔

۶۔ تیسیر الرحمن لبیان القرآن:

ابن جریرؒ نے علمائے سلف کی ایک جماعت کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد ہر پاکدامن کتابیہ ہے، چاہے وہ آزاد ہو یا لونڈی، بعض لوگوں نے محصنات سے مراد آزاد کتابیہ عورتیں لی ہیں، ان کے نزدیک کتابیہ لونڈی سے شادی کرنی جائز نہیں ہے۔

امام بیہقیؒ، عبدالرزاقؒ اور ابن جریرؒ وغیرہم نے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مسلمان نصرانی عورت سے شادی کرے گا، لیکن نصرانی مرد کسی مسلمان عورت سے شادی نہیں کرے گا بہت سارے صحابہ کرامؓ نے نصرانی عورتوں سے شادی کی تھی، اور ان پر کسی نے نکیر نہیں کی حضرت عثمانؓ نے نائلہ سے شادی کی تھی جو نصرانیہ تھی، طلحہ بن عبید اللہؓ نے ایک یہودیہ سے شادی کی تھی وابن عمرؓ نے اسے مکروہ جانا اور کہا کہ اس سے بڑھ کر شرک کیا ہو سکتا ہے کہ کوئی عیسی کو اپنا رب سمجھے (تیسیر الرحمن لبیان القرآن، محمد لقمان سلفی ص ۳۲۹)۔

ارباب علم ودانش کی رائے:

مذکورہ مسئلہ میں مؤقر علماء کی رائے پیش خدمت ہے تا کہ مسئلہ کی نوعیت کی وضاحت ہو جائے، اور صحیح نقطہ نظر سامنے آئے اور فیصلہ کرنے میں دقت نہ پیش آئے، اللہ سے امید ہے کہ اس مسئلہ میں صحیح رہنمائی فرمائے گا۔

۱-امام مالکؒ کی رائے:

امام مالکؒ نے کتابیہ سے نکاح کو ناپسند فرمایا اس لئے کہ وہ شراب اور سور کو بطور غذا استعمال کرتی ہے اور اپنے بچوں کو بھی یہی ممنوع چیزیں کھلائے اور پلائے گی، اس کا شوہر اس سے بوس وکنار کرے گا اور اس سے جماع بھی کرے گا شوہر کو ان ممنوعات سے روکنے کا حق نہ ہوگا خواہ وہ اس شراب کی بدبو سے نقصان بھی اٹھائے، نیز ایک مسلمان اپنی کتابیہ بیوی کو چرچ رکنیسہ وغیرہ جانے سے روک نہیں سکتا، کبھی ایسا بھی ہوگا کہ اس کی وفات حالت حمل میں ہوگی پھر وہ کفار کے قبرستان میں دفنائی جائیگی حالانکہ وہ دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوگا (موسوعہ فقھیہ کویتیہ ۵ ۲۷/۳، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲۶۷/۲)۔

۲-امام شوکانیؒ کی رائے:

واضح رہے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کے لئے پاکدامنی کی قید لگائی گئی ہے یعنی اگر وہ پاکدامن نہیں تو نکاح جائز نہیں، علاوہ ازیں آیت کا آخری ٹکڑا بھی قابل غور ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ: "ومن یکفر بالإیمان فقد حبط عمله (مائدہ: ۵) گویا یہاں پر تنبیہ مقصود ہے ان سے نکاح کرنے میں ایمان کے ضیاع کا اندیشہ نہ ہو اگر ایسا ہے تو یہ بے حد خسارے کا سودا ہے، اس لئے کہ ایمان کا بچانا فرض ہے اور کتابیہ سے نکاح مباح ہے لہذا ایک مباح کام کے لئے ایک فرض کو خطرہ میں ڈالنا کہاں کی عقلمندی ہے (فقہ الحدیث للشوکانیؒ ۱۷۰/۲)۔

۳-شیخ ابن بازؒ کی رائے:

اہل کتاب سے نکاح کرنے کی بجائے پاکدامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا بہتر اور افضل ہے جیسا کہ عمر بن خطابؓ اور آپ کے صاحب زادے عبداللہؓ اور سلف صالح کی ایک جماعت سے ثابت ہے کیونکہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنے میں خصوصا غربت اسلام کے اس دور میں بے حد خطرات ہیں جس میں نیک اور دین میں سمجھ رکھنے والا آدمی بہت کم ہیں اور عورتوں کی طرف میلان رکھنے والوں اور ہر چیز میں ان کی سمع واطاعت بجالانے والوں کی کثرت ہے الا ماشاء اللہ لہذا اس میں یہ بھی خطرہ ہے کہ کتابیہ عورت اپنے مسلمان شوہر اور اسکی اولاد کو اپنے دین واخلاق ہی کی طرف نہ لے جائے (فتاوی ابن بازؒ ص ۱۹۵)۔

۴-مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

موجودہ زمانے میں جو عیسائی اور یہودی عورتیں ہیں اور اہل کتاب کہلاتی ہیں ان کے اندر زنا، فحاشی اور ناجائز تعلقات کی اتنی کثرت ہے جس کو سن کر انسانیت کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اور جس نے گویا حیوانوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے دوسرے ان کی اکثریت الحاد مذہب بیزاری، انکار آخرت وغیرہ کی شکار ہے ظاہر ہے ایسے لوگوں سے نکاح قطعاً حلال نہ ہوگا اور قرآن کی اصطلاح میں اہل کتاب شمار نہ ہوگا۔

غیر مسلم ملک میں بسنے والی یہودی یا عیسائی عورت سے نکاح کرنا بعض فقہاء کے نزدیک حرام اور احناف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی رائے میں اگر یہ سب باتیں نہ بھی پائی جائیں تو بھی اہل کتاب عورتوں سے نکاح کراہیت سے خالی نہ ہوگا (جدید

فقہی مسائل ۱/ ۱۴۴)۔

۵- حضرت مولانا عبدالخالق صاحب کی رائے:

مشرق وسطی کے ممالک میں اہم عہدوں تک یہود ونصاری کی رسائی کے دو راستے ہیں، ایک تو یہ ہے کہ اسلام میں یہود ونصاری کی عورتوں سے مناکحت جائز ہے، وہ اس کا فائدہ اٹھا کر اس سلسلے کو جاری کئے ہوئے ہیں، ان سے نکاح اکثر وہی طبقہ کرتا ہے جو مذہبی کم سیکولر اور لبرل زیادہ ہوتا ہے، اب ان سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں ان کی پرورش مائیں اپنے مذہب پر کرتی ہیں، انہیں اپنی مذہبیات ہی سکھاتی ہیں، بلکہ ان میں انتہا پسندی کے بیج بو دیتی ہیں، دوسرا راستہ یہ ہے کہ ان ممالک میں جو فوجی انقلاب آئے وہ استعماری طاقتوں کی مدد سے آئے، فوجی سربراہوں نے اپنی فوج، پولیس اور خفیہ جنس منظم کرنے کے لئے انھیں طاقتوں سے مدد بھی مانگی اس راستے سے ان کے ایجنٹ اہم عہدوں تک پہنچ گئے (جامعہ الباقیات الصالحات ویلور کا علمی، فکری، دعوتی واصلاحی وادبی مجلہ۔ الباقیات/ص ۳۵۶)۔

کتابیہ عورت سے نکاح اور موجودہ حالات:

علمائے دین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ موجودہ دور کے اہل کتاب کیا وہی اہل کتاب ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھے یا ان کا حکم عام کفار کا ہے؟ ولو بالفرض مان بھی لیا جائے کہ موجودہ دور کے اہل کتاب کا وہی حکم ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے جب بھی یہ باتیں قابل غور ہیں۔ جس دور میں اس کی اجازت نازل ہوئی تھی حکومت واقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا اور بچہ باپ کے مذہب کا پابند ہوتا تھا لیکن موجودہ دور میں اس کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

اگر مسلمان مرد اہل کتاب عورتوں سے شادی کریں جبکہ خود مسلمان عورتیں موجود ہیں جن سے نکاح کیا جاسکتا ہے تو مسلمان عورتوں کا کیا ہوگا؟ خواہ وہ یورپی ممالک میں ہی کیوں نہ ہو، اور کسی مسلمان باپ کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنے اختیار سے اپنے بچے کو کسی اور مذہب کا پابند بنائے، اس لئے کہ بچے ماں سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، اسی سے متاثر ہوتے ہیں، موجودہ دور میں بہت ساری کتابیہ عورتیں اپنے مذہب کی خاطر بڑی سے بڑی تن من دھن کی قربانیاں پیش کرنے کے لئے تیار رہتی ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کرتی ہیں، ایمان واسلام خطرے میں پڑنے کے اندیشے ہوں تو محض ایک جائز چیز کو اپنا کر خطرات مول لینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ صاحب عزیمت کا مقصد نیک ہو کہ کتابیہ کو اسلام کی دعوت دینا اور اسے مسلمان بنانا ہو تو از روئے شرع قابل تعریف ہے، مذکورہ نکاح دعوتی مقاصد کے تحت ہو تو اس کے جواز میں دو رائے نہیں ہوسکتی (فتاوی اسلامیہ ۱۷۲/۳)۔

حضرت عمر فاروقؓ کی فراست ہی تو تھی کہ جب انہیں حضرت حذیفہؓ کے کتابیہ عورت سے مدائن میں نکاح کی اطلاع ملی تو فوراً طلاق دینے کا حکم صادر فرمایا، تو حضرت حذیفہؓ نے جواب میں خط لکھا کہ کیا وہ میرے لئے حرام ہے؟ پھر جواب میں حضرت عمر فاروقؓ نے تحریر فرمایا کہ میں حرام نہیں کہتا لیکن ان کی عورتوں میں عفت وعصمت کا لحاظ نہیں ہوتا، اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانے میں اس راہ سے فحش وبدکاری داخل نہ ہو (الآثار لمحمد بن حسن، ص ۱۵۶ بحوالہ معارف القرآن ۳/ ۶۳)۔

نیز اسی طرح کا واقعہ حضرت طلحہ اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہما کے ساتھ بھی پیش آیا، حضرت عمرؓ نے انہیں بھی کتابیہ عورت سے نکاح کرنے کی وجہ سے سرزنش کی اور طلاق دینے کا حکم دیا (معارف القرآن، ۳/ ۶۳)۔

حضرت عمر فاروقؓ کا دور خیر القرون کا تھا حالات قابل اطمینان تھے، یہ احتمال نہ تھا کہ کتابیہ عورت کسی مسلم گھرانے میں داخل ہو کر ملت اسلامیہ کے خلاف سازش کر سکے گی، اس کے باوجود عصمت وعفت کا معاملہ اہم تھا اسلامی تہذیب کی حفاظت اہم تھی، بدکاری کا راستہ مسدود کرنا اہم تھا، نیز مسلمانوں کو ان کے حسن وجمال سے فریفتہ ہونے سے بچانا مقصود بھی تھا، فاروقی نظروں میں فراست ہی تو تھی جس نے حضرت صحابہ کرام کو کتابیہ سے نکاح کی وجہ سے طلاق دینے کا حکم جاری ہوا، کہیں مسلمان دہریے اور بے دین نہ ہو جائیں، محض ایک جائز چیز کو قبول کر کے مسلمان اپنے اصل پونجی (ایمان کی دولت) کو نہ کھو دیں، ملت کو تباہی کے دہانے پر نہ کھڑا کر دیں؟ جواز کا مطلب یہ تو نہیں کہ مسلمان اپنی نسل کو دین سے دور کر دیں؟ اس لئے کہ بچے عام طور پر اپنی ماں کے آغوش میں ہی تربیت پاتے ہیں، بچوں کا سنورنا اور بگڑنا ماں کے رحم وکرم پر موقوف ہے، اسی لئے عربی شاعر نے کیا

ہی خوب کہا:

"الأم مدرسة إذا اعددتها أعددت شعب طيب الأعراق" یعنی ایک صالح ماں کی تعلیم سے ایک مدرسہ کی تعلیم اور اس کی بنیاد پڑ جاتی ہے، جس کے پیچھے نسلوں کی تعلیم وتعلم مضمر ہے، مگر یہی عورت صالح نہ ہو، پاکباز نہ ہو، پاکدامن نہ ہو، بدخواہ ہو، بدچلن ہو تو اس گھر کا حال کیا ہوگا؟

شریعت نے نکاح کے لئے خصوصی طور پر معیار انتخاب مقرر فرمادئے ہیں تاکہ مسلمان کی دینی اور دنیوی زندگی پرسکون ہو، میاں بیوی کا انتخاب تقوی طہارت، دینداری اور اخلاق وکردار پر ہونا چاہیے جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، عورت سے نکاح چار اسباب کی بنیاد پر کیا جاتا ہے (۱) مال کی وجہ سے (۲) خاندان کی وجہ سے (۳) حسن وجمال کی وجہ سے (۴) دین کی بناء پر، پس تم دین دار عورت کا انتخاب کرلو تاکہ تمہارا بھلا ہو (بخاری ہسلم)۔

مال ومتاع، حسن وجمال اور خاندان کا اثر ورسوخ وغیرہ عارضی چیزیں ہیں مگر دین ہر اعتبار سے فلاح دارین کا ذریعہ ہے۔ دیندار خاتون کے ذریعہ ایک خاندان اور نسل کی اصلاح مقصود شرعی ہے سچ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا سامان زندگی ہے اور دنیا کی بہترین متاع (سامان) نیک بیوی ہے (مسلم) مذکورہ بالا حدیثوں میں رفیقہ حیات کے انتخاب میں دینداری کو ترجیح دینے کے احکامات دئے گئے ہیں، کتابیہ سے نکاح کی صورت میں مذکورہ تعلیمات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے ورنہ فلاح دارین مفقود ہوسکتا ہے۔

فضیلۃ الشیخ محمد علی صابونیؒ نے کیا خوب فرمایا کہ "رحم الله عمر رضی اللہ عنہ فقد كان ينظر إلى مصالح المسلمين ويسوسهم بالنظر والمصلحة وما أحوجنا إلى مثل هذه السياسة الحكمية" (روائع البیان، ۱/۲۸۹) (یعنی اللہ رحم فرمائے حضرت عمرؓ پر۔ وہ بڑی دور اندیشی کے ساتھ مسلمانوں کی مصلحتوں کو مقدم رکھتے تھے اور اسی کے مطابق شرعی سیاست کرتے تھے، اس طرح کی سیاست کے ہم کیا ہی محتاج ہیں؟

الغرض مذکورہ بالا خطرات کا اندیشہ نہ ہو تو کتابیہ عورت سے شادی کی جاسکتی ہے، اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے بلکہ منصوص حکم ہے کہ کتابیہ سے نکاح جائز ہے مگر موجودہ صورت حال کسی ہوش مند انسان سے مخفی نہیں ہے، یعنی اہل کتاب نہ اپنی آسمانی کتابوں پر کما حقہ ایمان رکھتے ہیں اور نہ اپنے رسولوں پر ان کا ایمان کامل ہے، سچ تو یہ ہے کہ موجودہ اہل کتاب لادین ولا مذہب ہیں، ایسی صورت حال میں ایک جائز مسئلہ کی خاطر اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنا، اپنی نسلوں کو لادین بنانا، کفر کے قریب پہنچانا اور شرعی اصولوں سے بے پرواہ ہونا از روئے شرع متین کراہت سے خالی نہیں ہے، نیز ناقابل اعتبار عورتوں سے نکاح کا رشتہ جوڑنا دین ودنیا کی سعادت سے محروم ہونے کے مترادف ہے، اہل کتاب کی ایک بڑی تعداد محرف دین پر عمل پیرا ہے، بلکہ ایک بڑا طبقہ اپنے دین کو بطور تہذیب/کلچر اور شناخت کے اپنائے ہوئے ہے تو ایسی صورت میں پاکدامن مسلمان عورتوں کو ترجیح دینا ہی فلاح دارین کے لئے ضامن ہے، اسی میں اپنے ایمان کی سلامتی مضمر ہے، ممکن ہے بعض مسلمان کتابیہ سے نکاح کرنے کے بعد وہ ان پر حاوی ہوا ور مؤثر ہوں، اسلام کی طرف انہیں راغب کرسکیں، اسی نیت سے شادی کرتے ہوں، جزاہم اللہ خیرا، اور یہ شادی ان کے حق میں خیر کا باعث ہو، لیکن اکثریت کا حال اس کے برعکس ہے لہذا جو حضرات قوی ایمان کے حامل ہوں ان کے حق میں آج کے دور میں کتابیہ سے نکاح جائز ہے، البتہ جو لوگ ایمانی اعتبار سے کمزور ہوں، ماحول دینی نہ ہو، دیندار گھرانہ میسر نہ ہو تو ایسی صورت میں اپنے آپ کو اس ارادہ سے دور رکھنا ہی بہتر اور ایمان کی سلامتی ہے، اور ایسے لوگوں کے حق میں کتابیہ سے نکاح کراہت سے خالی نہیں ہے۔



موجودہ دور کے اہل کتاب کا حکم اور فرق باطلہ

مولانا محمد شکیل سعادتی اسلام پوری[1]

موجودہ دور کے یہود ونصاری کا حکم:

موجودہ دور کے یہود ونصاری کی بابت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ آج کل کے عیسائی عامۃً مذہب کے منکر ہیں کسی کتاب اور دین کے قائل نہیں نہ انکے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے، لہٰذا اسکا حکم اہل کتاب کا نہیں ہوگا اور وہ لوگ جو انجیل مقدس کو مانتے ہیں تو اسمیں ہمیشہ تغیر اور ترمیم کرکے پرانے احکام کو خارج اور نئے احکام کو جو زمانہ کی رفتار کے مطابق ہوں داخل کرتے رہتے ہیں جس پر نئی طبع ہونے والی انجیل پرانی انجیل کے لئے ناسخ بنتی رہتی ہے پس اگر چہ انکا دین کوئی آسمانی دین نہیں نہ انکی کتاب آسمانی کتاب رہی، تاہم انکا حکم اہل کتاب کا حکم ہوگا یہی حکم یہود کا ہے (فتاوی محمودیہ ص ۷۴-۷۵ ج ۲ میرٹھ)۔

اسی طرح مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ واقعۃً اہل کتاب ہوں بھی محض نام کے عیسائی یا یہودی نہ ہوں آج کل کے بہت سے یہود ونصاری محض نام کے یہودی عیسائی ہیں، ورنہ واقع کے اعتبار سے وہ واقعۃً قطعاً ملحد ہیں وہ نہ کسی کتاب کے قائل ہیں نہ کسی نبی کے نہ دین ومذہب کے اگر ایسی عیسائی عورت ہو جو صرف قومی طور پر عیسائی کہلاتی ہو واقعۃً ملحد اور لادین ہو اسکے ساتھ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا اور ایسا جوڑا شرعی نقطہ نظر کے لحاظ سے بدکاری اور زنا کاری کا مرتکب شمار ہوگا (آپ کے مسائل اور ان کا حل ص ۱۵۹ ج ۶)۔

اس سلسلے میں غور طلب بات یہ ہے کہ اہل کتاب کو اہل کتاب کہنے کے لئے کیا یہ شرط ہے کہ وہ صحیح معنی میں اصلی تورات وانجیل پر عمل پیرا ہوں یا صرف تورات اور انجیل کا اتباع کرنے والے اور حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت مریم یا حضرت موسی علیہ السلام کو خدا کا شریک ٹھہرانے والا بھی اہل کتاب ہے۔

کتاب اللہ کی بے شمار تصریحات اور صحابہ کرام کے اثر سے ثابت ہے کہ اہل کتاب کے اہل کتاب ہونیکے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ وہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہوں اور اس کی اتباع کرنے کے دعویدار ہوں، خواہ وہ اسکی اتباع میں کتنی ہی گمراہیوں میں جا پڑے ہوں قرآن مقدس نے جن کو اہل کتاب کا خطاب دیا انہیں کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ وہ آسمانی کتابوں میں تحریف کرتے ہیں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"یحرفون الکلم عن بعض مواضعه" (نساء: ۴۶)

اسی طرح یہ بھی فرمایا کہ نصاری حضرت عیسیٰؑ اور یہود حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں ارشاد ہے:

"وقالت الیہود عزیر بن اللہ وقالت النصاری مسیح بن اللہ" (توبہ: ۳۰)

اس کے باوجود قرآن مقدس نے ان کو اہل کتاب قرار دیا معلوم ہوا کہ یہود ونصاری جب تک یہودیت ونصرانیت کو بالکل ترک نہ کردیں وہ اہل کتاب سے خارج نہیں ہیں گرچہ کتنے ہی عقائد فاسدہ اور اعمال سیئۃ کے شکار کیوں نہ ہوں (معارف القرآن ص ۴۸ ج ۳)۔

اسی طرح امام جصاص رازی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں آپکے کسی عامل یا گورنر نے خط لکھ کر یہ دریافت کیا کہ یہاں کچھ لوگ ہیں جو تورات پڑھتے ہیں ہفتہ کے دن کی تعظیم بھی یہود کی طرح کرتے ہیں، مگر قیامت پر انکا ایمان نہیں ہے، ایسے لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا وہ اہل کتاب ہی کا ایک فرقہ تصور کیا جائے۔

''عن غضيف بن الحارث أن عاملا لعمر بن الخطاب كتب اليه إن ناسا من السامرة يقرؤون التورات و يسبتون السبت ولا يؤمنون بالبعث فما ترى. فكتب إليه عمررضى الله عنه أنهم طائفة من أهل

---

[1] خادم جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ ضلع بھروچ گجرات۔

الکتاب'' (احکام القرآن للجصاص ص۳۲۱ ج۳)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ لاکھ خرابیوں کے باوجود اگر یہود ونصاریٰ کسی کتاب سماوی کو مانتے ہیں اور کسی نبی کا اقرار کرتے ہیں تو وہ اہل کتاب ہیں۔

نام نہاد یہود ونصاریٰ کا حکم:

مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں آجکل یورپ کے عیسائی اور یہودیوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنی مردم شماری کے اعتبار سے یہودی یا نصاریٰ کہلاتے ہیں، مگر درحقیقت وہ خدا کے منکر اور کسی بھی مذہب کے قائل نہیں نہ تورات وانجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں نہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا نبی وپیغمبر تسلیم کرتے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ وہ شخص مردم شماری کے نام کی وجہ سے اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہوسکتے (معارف القرآن ص۸ ج۳-جواہر الفقہ ص۲۰۳ ج۶)۔

بنو تغلب کے نصاریٰ جو عرب میں مقیم تھے انکے ذبیحہ کو ائمہ ثلاثہ نے حلال نہیں کہا، اسی طرح علامہ ابن الجوزی نے ایک روایت نقل کی جس میں آپ ﷺ نے نصاریٰ عرب کے ذبیحہ کو کھانے سے منع فرمایا، نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نصاریٰ بنی تغلب کے ذبیحہ سے منع کرنا اسی بنیاد پر ہے کہ انہوں نے سوائے شراب نوشی کے اور مذہب نصرانیت میں سے اور کسی بھی چیز کو اختیار نہیں کیا۔

''وقالت الأئمة الثلاثة: لايحل ذبيحة نصارى من العرب من بنى تغلب. قال ابن الجوزى روى أصحابنا حديث ابن عباس ان النبى ﷺ نهى عن ذبائح نصارى العرب و روى ابن الجوزى بسنده عن على رضى الله عنه قال: لاتأكلوا من ذبائح نصارى بنى تغلب، فإنهم لم يتمسكوا من النصرانية إلا شربهم الخمر'' (تفسیر مظہری ص۲۹ ج۳)۔

البتہ جمہور امت کے نزدیک نصاریٰ بنو تغلب کا ذبیحہ حلال ہے، دیکھئے امام قرطبی فرماتے ہیں:

''أما ذبيحة نصارى بنى تغلب و ذبائح كل دخيل فى اليهودية والنصرانية فكان على رضى الله عنه ينهى عن ذبائح بنى تغلب، لأنهم عرب، و يقول إنهم لم يتمسكوا بشئ من النصرانية إلا بشرب الخمر. و هو قول الشافعى، و على هذا فليس ينهى عن ذبائح النصارى المحققين منهم، و قال جمهور الأمة إن ذبيحة كل نصرانى حلال سواء كان من بنى تغلب أو غيرهم و كذالك اليهودى'' (الجامع لاحکام القرآن ص۷۸ ج۶)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن نصرانیوں کے متعلق یقینی طور پر یہ بات معلوم ہوجائے کہ وہ خدا کے وجود کو نہیں مانتے یا حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا نبی نہیں مانتے وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں (جواہر الفقہ ص۲۰۴ ج۶)۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں ''اہلِ کتاب کسی قوم کا نام نہیں، بلکہ اس مذہب والوں کا لقب ہے جو کسی نبی مرسل کی تصدیق کرتے ہوں، کسی کتاب منزل کا اقرار کرتے ہوں، کذا (فی الدر المحتار کتاب النکاح) حضرت آگے تحریر فرماتے ہیں: آجکل جو اہل یورپ کے حالات مسموع ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اکثر ایسے ہیں جو محض قوم کے اعتبار سے عیسائی سمجھے جاتے ہیں، لیکن مذہب کے اعتبار سے وہ عیسائی بالکل نہیں بلکہ خود وہ لوگ نفس مذہب ہی کو بیکار بتاتے ہیں اور محض الحاد ودہریت کا خیال رکھتے ہیں جو کہ ان میں سائنس کے اشتغال اور انہماک سے یا ایسے لوگوں کی صحبت سے پیدا ہوگئے ہیں چنانچہ انکی تقریرات وتحریرات اس پر شاہد ہیں، پس ان لوگوں کا قوم عیسائی سے شمار کیا جانا یا اپنے آپکو بمصلحت تمدنی عیسائی کہہ دینا کافی نہیں، جب عیسائی نہیں تو ایسے لوگوں کے احکام بھی مثل اہلِ کتاب کے نہ ہوں گے (امداد الفتاویٰ ص۵۴۴ ج۳ ص۲۱۳ ج۲)۔

مفسر قرآن حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: مگر یہ یاد رہے کہ ہمارے زمانہ کے نصاریٰ عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہیں نہ مذہب کے نہ خدا کے ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا (فوائد عثمانی سورۂ مائدہ ص۱۴۲ /۶)۔

فتاویٰ دار العلوم میں ہے آجکل جو لوگ نصاریٰ کہلاتے ہیں ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دہرئے ہیں کسی مذہب ہی کو نہیں مانتے، بلکہ خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں یہ لوگ اگرچہ باعتبار مردم شماری میں نصاریٰ کہلاتے ہیں، مگر حکم شرع میں ایسے لوگ اہل کتاب نہیں ہوسکتے (فتاویٰ دار العلوم ص۱۶۰ ج۱-۲ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ص۷۰ ج۵)۔

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب "حضرت علیؓ" کا قول نصاری بنی تغلب کے بارے میں نقل کرتے ہوئے موجودہ زمانہ کے یہود ونصاری کے بارے میں لکھتے ہیں: "حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ کے بنی تغلب کے نصاری کے حالات دیکھ کران کے ذبیحہ کو حرام فرمایا" آجکل کے یہود ونصاری کے حالات توان سے کئی درجہ بدتر ہیں، پھر کس طرح انکا ذبیحہ حلال کہا جاسکتا ہے (فتاوی رحیمیہ ص ۱۷۳ ج ۵)۔

حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے اہل کتاب میں سے ہونے کے لئے یہ کافی نہیں کہ اسکا نام نصاری کے نام کی طرح ہواور نہ یہ کافی ہے کہ سرکاری مردم شماری کے وقت اسکا نام نصاری کی فہرست میں لکھا جاتا ہو، بلکہ یہ ضروری ہے کہ اسکے عقائد بھی اہل کتاب کے عقائد کی طرح ہوں، آج ہمارے دور میں خاص طور پر مغربی ممالک میں ایسے لوگوں کی بہت بڑی تعداد نظر آتی ہے جنکے نام تو نصاری کے نام کی طرح ہوتے ہیں اور مردم شماری کے وقت انکا نام نصاری کی فہرست میں درج کردیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ دہریے اور مادہ پرست ہوتے ہیں اس کائنات کے پیدا کرنے والے پر بھی انکا ایمان نہیں ہوتا دوسرے عقائد رکھنا تو دور کی بات ہے، بلکہ ایسے تمام مذاہب کا مذاق اڑاتے ہیں اس قسم کے لوگ نصاری میں سے نہیں ہیں لہذا انکو اہل کتاب میں سے خیال کرنا جائز نہیں انکا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے (فقہی مقالات ص ۲۴۲ ج ۴)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں: دہریئے اور خدا کے منکرین جو صرف نام کے عیسائی اور یہودی کہلاتے ہوں انکا یہ حکم نہ ہوگا انکی اکثریت الحاد، مذہب بیزاری، انکار آخرت وغیرہ کی شکار ہے ظاہر ہے ایسے لوگوں سے نکاح قطعا حلال نہ ہوگا اور وہ قرآن کی اصطلاح میں اہل کتاب شمار نہ ہوں گے (جدید فقہی مسائل ص ۲۸۳-۲۸۴ ج ۱)۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کے جو فیصلے کئے گئے ان میں اس مسئلہ کے متعلق تجویز کی عبارت یہ ہے "آج کے زمانہ میں جو لوگ اپنے آپکو عیسائی یا یہودی کہتے ہیں انہیں کتابی تصور کیا جائیگا اور انکا ذبیحہ حلال ہوگا، الا یہ کہ انکا ملحد ومنکر خدا ہونا یقینی طور پر معلوم ہوجائے۔ (نئے مسائل اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے ص ۲۲۸)۔

ان تمام تصریحات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ موجودہ دور میں یورپی ممالک کے نصاری و یہود سوال میں درج کردہ صفت پر ہیں، تو انکو کسی بھی حال میں اہل کتاب نہ کہا جائیگا جو صرف مردم شماری کے اعتبار سے یہودی یا نصرانی ہے، ورنہ مذہب یہودیت ونصرانیت سے انکا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

یہ تو موجودہ دور کے یہود ونصاری کے باب میں یہ حکم ہے کہ انکو اہل کتاب نہ کہا جائے، ورنہ حضرت علیؓ تو اپنے زمانہ کے نصاری بنو تغلب کے سلسلے میں مقاتلہ کا ارادہ رکھتے تھے صرف اس بنیاد پر کہ وہ حقیقی معنی میں نصرانی نہیں تھے اور انہوں نے نقض عہد کیا تھا علامہ ابن القیمؒ نے "ابوداؤد شریف" سے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے:

"ففي سنن أبي داؤد من حديث ابراهيم بن مهاجر عن زياد بن حدير قال: قال علي: لئن بقيت النصارى بني تغلب لأقتلن المقاتلة ولأسبين الذرية. فإني كتبت الكتاب بينهم و بين النبي ﷺ ألا ينصّروا أبنائهم" (احكام اهل الذمة ص ۲۷ ج ۱)۔ "قال مغيرة: فحدثت إن عليا قال: لئن تفرغت لبني تغلب ليكونن لي فيهم راى لأقتلن مقاتلتهم ولأسبين ذراريهم فقد نقضوا العهد وبرئت منهم الذمة حين تنصروا أولادهم۔۔" (احكام اهل الذمة ص ۲۹ ج ۱)۔

دیکھئے حضرت علیؓ نے بنو تغلب کے نقض عہد کی بنیاد پر ان سے قتال کا ارادہ فرمایا اور انکی لادینیت کی بنیاد پر ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا تو موجودہ دور کے یہود ونصاری لادینیت میں ان سے کئی درجہ بڑھے ہوئے ہیں انکو اہل کتاب کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔

بعثت نبوی اور نزول قرآن کے پیدا ہونے والے فرق باطلہ

فرقہ بہائیہ اور بابیہ کی حقیقت:

فتاوی اسلامیہ میں فرقہ بہائیہ اور فرقہ بابیہ کے متعلق یہ لکھا ہے اسلامی فقہی کونسل نے فرقہ بہائیہ کا جائزہ لیا جو گزشتہ صدی کے نصف آخر میں بلاد فارس (ایران) میں ظاہر ہوا اور آج اسلامی وغیر اسلامی ملکوں میں اس سے وابستہ لوگ پھیلے ہوئے ہیں

اس کے بارے میں علماء اور مصنفین اور اس فرقہ کی حقیقت سے آگاہ لوگوں نے جو اسکی نشات "دعوت" کتابوں اور اس فرقہ کے بانی مرزا حسین مازندرانی جو ۲۰ محرم الحرام ۱۲۳۳ھ، بمطابق ۱۲ نومبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوا اسکے پیروکاروں کے کردار واخلاق، اس کے خلیفہ ولی عہد عباس آفندی مسمی عبدالبھاء اور اس فرقہ

کی دینی تنظیموں کے بارے میں جو لکھا ہے اس کا جائزہ لیا ہے۔

بہت سے قابل اعتماد مصادر و ماخذ کے مطالعہ کے بعد ''جن میں سے کچھ کتابیں'' خود بہائی مصنفین کے قلم سے ہیں کونسل اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ بہائیت ایک نیا ایجاد کردہ دین ہے جو بابیت کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اور خود بابیت بھی ایک نیا ایجاد کردہ دین ہے جسے ''علی محمد'' جو ارمحرم الحرام ۱۲۳۵ھ، بمطابق ۱۱ اکتوبر ۱۸۱۹ء کو شیراز میں پیدا ہوا'' نے ایجاد کیا تھا ابتداء میں یہ شخص صوفی اور فلسفی تھا اور طریقہ شیخیہ سے وابستہ تھا جس کا بانی اس کا گمراہ شیخ کاظم رشتی خلیفہ تھا جو کہ احمد زین الدین احسائی کے نام سے مشہور تھا طریقہ شیخیہ کے اس گمراہ بانی کا خیال یہ تھا کہ اسکا جسم ملائکہ کی طرح نورانی ہے اس طرح اور بھی بہت سے باطل ہفوات و خرافات کو اس شخص نے اختیار کر رکھا تھا۔ علی محمد بانی بابیہ پہلے اپنے شیخ کے ان اقوال کا قائل تھا، لیکن پھر یہ اس سے الگ ہو گیا اور پھر کچھ عرصہ بعد ایک نئے روپ میں ظاہر ہوا اور دعوی کرنے لگا کہ میں وہ علی بن ابی طالب ہوں جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

''أنا مدينة العلم و علي بابها'' (جامع الترمذی کتاب المناقب باب انا دار الحکمة و علی بابها)۔

اس طرح علی محمد نے اپنے آپ کو باب کہلانا شروع کر دیا پھر اسکے بعد اس نے یہ دعوی کیا کہ وہ مہدی منتظر کیلئے باب ہے اور پھر ایک قدم اور آگے بڑھ کر مہدی ہونے کا دعوی کیا۔ پھر اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس نے الوہیت کا دعوی کرتے ہوئے اپنے آپکو اعلی کہنا شروع کر دیا۔ جب مرزا حسین علی مازندرانی مسمی بالبھاء نے اپنی دعوت کو شروع کیا تو باب نے بھی اس دعوت کو قبول کر لیا۔ لیکن جب اس کے کفر و فتنہ کی وجہ سے باب قتل کر دیا گیا تو مرزا حسین علی نے اعلان کیا کہ باب نے اسکے حق میں یہ وصیت کی ہے کہ بابیوں کا سربراہ بھی یہی ہے، اس طرح یہ از خود بابیوں کا بھی سربراہ بن گیا اور اسنے اپنے آپ کو بہاء الدین کے نام سے موسوم کر لیا تھا۔

چند عقائد باطلہ:

گویا فرقہ بہائیہ اور فرقہ بابیہ دونوں کا سربراہ مرزا حسین علی مازندرانی ہی ہے، جس نے بہت سے موجب تکفیر باطل عقائد اختیار کر رکھے تھے۔

(۱) اسی مرزا حسین علی مازندرانی نے پھر ایک اور زقند لگائی اور یہ اعلان کیا کہ سابقہ تمام ادیان اسکے ظہور کے پیش خیمہ کے طور پر دنیا میں آئے تھے (۲) اور اسکے دین کے سواء تمام دین ناقص ہیں (۳) یہ خود اللہ تعالی کی صفات سے متصف ہے (۴) اللہ تعالی کے تمام افعال کا یہ سرچشمہ ہے (۵) اللہ تعالی کا اسم اعظم یہی ہے (۶) رب العالمین سے مراد بھی یہی ہے (۷) جس طرح اسلام کی آمد سے سابقہ تمام دین منسوخ ہو گئے، اسی طرح بہائیہ کی آمد سے اسلام منسوخ ہو گیا۔

باب اور اسکے پیروکاروں نے قرآن عظیم کی آیات میں جو تاویلیں کیں وہ حد درجہ عجیب و غریب اور انکی باطنیت کا مظہر تھیں یہ تاویلیں انہوں نے اسلئے کیں تاکہ قرآنی آیات کو اپنی خبیث دعوت کے لئے استعمال کر سکے (۸) اس نے یہ دعوی بھی کر دیا تھا کہ آسمانی شریعتوں کے بدل دینے کا اسکو اختیار حاصل ہے، پھر اس نے عبادتوں کی بھی نئی نئی صورتیں ایجاد کیں جنکے مطابق اسکے پیروکار عمل کرتے تھے۔

ثابت شدہ نصوص کی شہادت کی روشنی میں کونسل کے سامنے یہ واضح ہو گیا ہے کہ بہائیوں کا عقیدہ اسلام کے بالکل خلاف ہے، اس عقیدہ کا قیام انسانی بت پرستی کی بنیاد پر ہے کہ اس عقیدہ میں بہاء کی الوہیت کا دعوی بھی کیا گیا ہے اور یہ دعوی بھی کہ اسے اسلامی شریعت کے احکام بدلنے کا اختیار حاصل ہے۔

بہائیہ کے ان افکار و آراء کی بنیاد پر کونسل نے باتفاق رائے یہ قرار دیا کہ بہائیت اور بابیت دائرہ اسلام سے خارج ہیں بلکہ اسلام کے خلاف اعلان جنگ ہیں ان کے پیروکار کھلم کھلا کافر ہیں ان کے کفر میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں (فتاوی اسلامیہ ص ۲۳۱-۲۳۲ / ج ۱)۔

ان عقائد کو جان لینے کے بعد ان کے کفر میں کوئی شک باقی نہیں رہتا اور جن کفار کو اللہ تعالی نے اہل کتاب کے نام سے یاد کیا اس کے سواء کسی بھی طرح کے کافر کو اہل کتاب نہیں کہا جا سکتا، بلکہ وہ مشرک اور بت پرست کے حکم میں ہے اسکو کسی بھی حال میں اہل کتاب نہیں کہا جا سکتا لہذا اس کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے جیسا کہ ''صاحب فتح القدیر'' فرماتے ہیں:

''ويدخل في عبدة الأوثان عبده الشمس والنجوم والصور التي استحسنوها والمعطلة والزنادقة والباطنية والإباحية، وفي شرح الوجيز: وكل مذهب يكفر به معتقده؛ لأن اسم المشرك يتناولهم جميعا'' (فتح القدیر ص ۱۳۷/ ۳)۔

علامہ رستغانی نے تو معتزلہ کے ساتھ بھی نکاح کو جائز قرار نہیں دیا اسی طرح علامہ فضلی نے اس شخص کے ساتھ نکاح کی اجازت نہیں دی جو مومن ہونے کا

دعوی کرتا ہے، مگر اپنے ایمان کو مشیت الٰہی پر معلق کرتا ہے:

''وقال الرستغاني: لاتجوز المناكحة بين أهل السنة والاعتزال والفضلي ولا من قال أنا مؤمن ان شاء الله تعالى لأنه كافر'' (فتح القدير ص ۱۲۷ / ج ۳)۔

جب اس درجہ کی کوتاہی کی بنیاد پر کفر کا فتوی دیا گیا ہے تو پھر اتنے خراب عقائد جس میں الوہیت کا دعوی کیا جائے اس کے کفر میں کیا شک ہو سکتا ہے، لہذا یہ فرقہ نہ مسلمان ہے نہ اہل کتاب بلکہ مشرک اور کافر ہے۔

افرنگی نبی اور اس کے متبعین کی حقیقت:

اجماعی مسئلہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اور آپ کے بعد کسی نبی کا دنیا میں مبعوث نہ ہونا آپ کا آخری پیغمبر ہونا اور ہر مدعی نبوت کا کاذب و کافر ہونا یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابہ کرام کے زمانہ سے لیکر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع واتفاق رہا ہے۔

دلائل ختم نبوت آیات قرآنی سے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونے کے لئے بطور دلیل کے صرف یہی آیت کافی تھی:

(۱) "ما كان محمد أبا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين" (احزاب/۴۰)۔

لیکن اس کے سواء درجنوں آیات اور احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین ہونے اور آپ کے بعد کسی بھی نبوت کے باقی نہ ہونے پر واضح طور پر دال ہیں جن میں سے بطور نمونہ چند ذکر کرتا ہوں:

(۲) "وإذ أخذ الله ميثاق النبيين لما آتيتكم من كتاب وحكمة ثم جاء كم رسول مصدق لما معكم لتؤمنن به ولتنصرنه" (آل عمران: ۸۲)

مذکورہ آیت پاک میں اللہ تعالی نے تمام انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ میں تم کو کتاب وحکمت عطاء کرتا ہوں، پھر تمہارے پاس ایک رسول آئیں گے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کریں گے بس تم اس پر ضرور ایمان لانا اور انکی ضرور مدد کرنا یہ تفسیر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ سے ان الفاظ میں منقول ہے:

''ما بعث الله نبيا من الأنبياء إلا أخذ عليه الميثاق لئن بعث محمد ﷺ وهو حي ليؤ منن به ولينصرنه'' (شرح مواهب للزرقاني ص ۱۶۳ / ج ۳)۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ آیت پاک سے ختم نبوت کو ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں اس جگہ ہمارا مطمح نظر: "ثم جاء كم رسول" کے الفاظ ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انبیاء کے بعد آنے کو "ثم" سے تعبیر کیا گیا جو لغت عرب میں تراخی کے لئے آتا ہے جب کہا جاتا ہے: "جاءني القوم ثم عمر" تو لغت میں اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ پہلے قوم آگئی پھر کچھ مہلت کے بعد آخر میں عمر آیا۔

لہذا اب "النبیین" کے بعد "ثم جاء كم" کے معنی ہوئے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام آگئے پھر سب سے اخیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ جب "اخذ میثاق" میں کوئی نبی اور رسول مستثنی نہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اخیر میں آنا متعین ہو گیا اور یہ واضح ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی پیدا نہیں ہوگا تشریعی وغیر تشریعی ظلی و بروزی میں سے خود ساختہ قسموں میں سے کوئی بھی قسم اب باقی نہیں ہے۔

(۳) "قل يا ايها الناس إني رسول الله إليكم جميعا الذي له ملك السموت والأرض" (انعام: ۱۵۸)۔

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگوں میں تمہارے تمام لوگوں کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جس کے لئے آسمان وزمین کی سلطنت ہے۔

(۴) "تبارك الذي نزل الفرقان على عبده ليكون للعلمين نذيرا" (فرقان: ۱۸)۔

بابرکت ہے وہ ذات جس نے قرآن کو اپنے بندہ پر نازل کیا، تاکہ وہ تمام جہاں والوں کو خدا کے عذاب سے ڈرائے۔

(۵) "وأرسلناك للناس رسولا" (نساء/پ۵). (یعنی ہم نے آپ کو اے محمد تمام انسانوں کیلئے رسول بنا کر بھیجا ہے)۔

(۶) "إن هو إلا ذكر للعلمين" (ص:۸۷). یہ قرآن تمام جہاں والوں کے لئے نصیحت نامہ ہے

آیات مذکورہ سے واضح ہوا کہ آں حضرت ﷺ تمام انسانوں کی طرف رسول ہو کر تشریف لائے ہیں جس میں عرب وعجم شرق وغرب کے انسان داخل ہیں خواہ آپ کے زمانے میں موجود ہوں یا آپ کے بعد قیامت تک پیدا ہوں۔ جیسا کہ خود آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "انا رسول من أدرك حيا ومن يولد بعدي" (رواه ابن سعد عن ابی الحسن ص ۱۰۱ / ج ۲) میں ان لوگوں کا بھی رسول ہوں جن کو میں پاؤں اور ان کے لئے بھی جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔

دلائل ختم نبوت احادیث مبارکہ سے:

اسی طرح درجنوں احادیث آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر دال ہے معدود چند یہ ہیں:

(۱) "إن مثلي ومثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل نبي بيتا فاحسنه وأجمله الاموضع لبنة من زاوية فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له ويقولون هلا وضعت هذه اللبنة . وأنا خاتم النبين. وفي بعض ألفاظه. فكنت أنا سددت موضع اللبنة وختم بي البنيان" (بخاری ص ۵۰۱/ ج ا مسلم ص ۲۴۸ ج ۲)۔

مذکورہ حدیث پاک میں آپ ﷺ نے اپنے آپکو اس طرح حسین عمارت کی آخری اینٹ بتایا ابھی اگر کوئی نیا نبی وجود میں آتا ہے تو پھر اس مجمع الامراض مصدر الھفوات اینٹ کو کہاں لگایا جائیگا جب کہ یہ حسین عمارت نبوت آپ ﷺ کے ذریعہ پوری ہوگئی، حدیث سے ثابت ہوا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۲) مسلم شریف میں ایک روایت ہے: "كانت بنو اسرائيل تسوسهم الأنبياء كلما بلك نبي خلفه نبي و أنه لانبي بعدي سيكون خلفاء فيكثرون" (مسلم شریف حدیث نمبر ۱۸۴۲)۔

(بنی اسرائیل کی سیاست اور انتظام خود انبیاء کے ہاتھ میں تھا جب ایک نبی کی وفات ہوجاتی تو دوسرا نبی اسکا قائم مقام ہوجاتا تھا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ میرے خلیفہ ہونگے جو بہت ہوں گے)۔

(۳) اسی طرح ابو ہریرہؓ سے اور حضرت عائشہؓ اور اور حضرت ام کرز کعبیہؓ سے روایت مروی ہے: "لا يبقى بعدى من النبوت شيء إلا المبشرات، قالوا: يا رسول الله! و ما المبشرات؟ قال: الرؤيا الصالحة يراها المسلم أو ترى له" (مسند احمد ص ۳۸۱ ج ۶) (مکتبہ احیاء التراث العربي)۔

(۴) اسی طرح امام ترمذی نے روایت کی تخریج کی ہے: "إن الرسالة والنبوة قدانقطعت فلا رسول بعدي ولا نبي" (ترمذی)۔

ان آیات واحادیث سے آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا ایسا عیاں ہے کہ اب اسکے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ تو بطور نمونہ مشت از خروارے کے طریق پر نصوص پیش کی ورنہ اسپر نصوص لاتعد ولا تحصی ہیں جسا کہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

"والأيات في هذا كثيرة، كما أن الأحاديث في هذا أكثر من أن تحصر وهو معلوم في دين الإسلام ضرورة. أنه عليه السلام رسول إلى الناس كلهم" (تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۳ / ج ۲)۔

منکر ختم نبوت کا حکم علماء اسلام کے نزدیک:

اتنے واضح دلائل کے بعد بھی اب کوئی ختم نبوت کا انکار کرے اور اپنے یا کسی اور کے نبی ہونے کا دعوی کرے وہ علماء امت کی نظر میں کذاب ہے، دجال ہے، ضال اور مضل ہے قیامت کی صبح تک اسکی بات سچ نہیں ہوسکتی چنانچہ ایسوں کی بارے میں علماء نے بہت سخت رویہ اختیار کیا اور بالاجماع اس کو کافر قرار دیا، دیکھئے علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

(۱) "وقد اخبر الله تبارك وتعالى في كتابه ورسول الله ﷺ في السنة المتواترة عنه أنه لانبي بعده ليعلموا أن كل من ادعى هذا المقام بعده فهو كذاب افاك دجال مضل ولو تخرق وشعبذ واتى بأنواع السحر والطلاسم والنيرنجيات

فكلها محال وضلال عند أولى الالباب، كما أجرى الله سبحانه وتعالى على يد الأسود العنسى باليمن ومسيلمة الكذّاب باليمامة من الأحوال الفاسده والأقوال البارده ما علم كل ذى لب وفهم حجى أنهما كاذبان ضالان لعنهما الله تعالى، وكذا كل مدع لذلك إلى يوم القيامة حتى يختمو ابه بالمسيح الدجال'' (ابن کثیر ۳/ ۴۹۵)

(اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث متواترہ میں خبر دی کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تا کہ لوگ سمجھ لیں کہ آپ کے بعد جو بھی اس منصب کا دعوی کرے وہ کذاب، مفتری، دجال، خود گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے اگر چہ وہ کتنی ہی شعبدہ بازی کر لے اور قسم قسم کے جادو، طلسم اور نیرنگیاں دکھلائے کہ سب کے سب محال اور گمراہی ہیں عقل مندوں کے نزدیک جیسا کہ اللہ تعالی نے اسود عنسی (مدعی نبوت) کے ہاتھ پر یمن میں اور مسیلمہ کذاب کے ہاتھ پر یمامہ میں اسی طرح کے بے ہودہ اقوال اور حالات فاسدہ ظاہر کرائے جن کو دیکھ کر سن کر ہر عقل وفہم والے نے سمجھ لیا کہ یہ دونوں کاذب و گمراہ ہیں اللہ ان پر لعنت فرمائے اسی طرح جو شخص بھی قیامت تک نبوت کا دعوی کرے وہ کاذب و کافر ہے یہاں تک کہ مدعیان نبوت کا یہ سلسلہ مسیح دجال پر ختم ہوگا)۔

امام غزالی اپنی ''الاقتصاد فی الاعتقاد'' میں فرماتے ہیں:

''وليس فيه تأويل ولا تخصيص ومن أوله بتخصيص، فكلامه من الهذيان لايمنع الحكم بتفكيره؛ لأنه مكذب. لهذا النص الذى اجتمعت الأمة على أنه غير مؤول ولا مخصوص'' (الاقتصاد فی الاعتقاد بحوالہ معارف القرآن ۷/ ۴۷)۔

(۳) قاضی عیاض اپنی کتاب 'شفا' میں فرماتے ہیں:

''اجتمعت الأمة على حمل هذا الكلام على ظاهرى وأن مفهومه المراد به دون التاويل ولا تخصيص فلا شك فى كفر هؤلاء الطوائف كلها قطعا إجماعا وسمعا'' (معارف القرآن بحوالہ شفاء/ ۴۸)۔

آیت پاک: "ما كان محمد أبا احد" (احزاب: ۴۰) کسی تاویل و تخصیص کی محتمل نہیں، بلکہ بہر صورت یہ آیت اپنے معنی میں ظاہر ہے، لہذا اس میں تاویل و تخصیص کی راہ اختیار کرنے والوں کے کفر میں کوئی شک نہیں۔

ہفوات قادیانی:

مرزا غلام احمد قادیانی انیسویں صدی عیسویں میں پیدا ہوا جو اپنے آپ کو احمدیہ جماعت سے موسوم کرتا تھا مرزا غلام احمد ۱۸۷۶ء میں تھا جس نے اپنے نبی ہونے کا، نیز مسیح موعود ہونے کا اور اپنے آپ پر نزول وحی کا دعوی کیا (۱) مرزا غلام احمد نے یہ دعوی کیا تھا کہ نبوت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نہیں ہوئی، بلکہ ابھی بھی نبوت کا سلسلہ جاری ہے پہلے تو مرزا قادیانی نے اپنے آپ کو مسیح موعود بتایا اور نصوص سے جو حضرت عیسی کی آمد ثابت ہے اس کا انکار کیا اور دلیل یہ دی کہ اگر عیسی علیہ السلام جو کہ بنی اسرائیل کے نبی ہیں ان کی دوبارہ آمد کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین نہ رہیں گے (براہین احمدیہ ص ۲۲۸ بحوالہ قادیانیت ص ۴۷) (معارف القرآن ۷/ ۴۲)۔

لیکن جواب ظاہر ہے کہ ختم نبوت کا مطلب یہ ہے کہ اب کوئی دوسرا شخص وصف نبوت سے متصف ہو کر نہیں آسکتا، البتہ جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت میں اصلاح و تبلیغ کے لئے آئیگا وہ اپنے منصب نبوت پر قائم ہوتے ہوئے اس امت میں اصلاح کی خدمت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی کے تابع انجام دے گا (معارف القرآن ۷/ ۴۲)۔

اسی کو علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے حضرت مفتی شفیع صاحب نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

''والمراد بكونه عليه السلام خاتمهم انقطاع حدوث وصف النبوة فى أحد من الثقلين بعد تخلية عليه السلام بها فى هذه النشاة ولا يقدح فى ذلك ما اجتمعت عليه الأمة واشتهرت فيه الأخبار ولعلها بلغت مبلغ التواتر المعنوى ونطق به الكتاب على قول ووجب الإيمان به، وأكفر منكره كا لفلاسفه من نزول عيسى عليه السلام آخر الزمان؛ لأنه كان نبيا قبل أن يحلى نبينا عليه السلام بالنبوة فى هذه النشأة'' (معارف القرآن ۷/ ۴۳ بحوالہ ابن کثیر)

(۱) پھر اس نے نبوت کا دعوی کیا کہ وہ خود نبی ہے اس پر دس ہزار سے زیادہ آیات نازل ہو چکی ہیں۔

(۲) جو اس کی تکذیب کرے وہ کافر ہے۔

(۳) مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ قادیان کا حج کریں کیونکہ یہ شہر مکہ اور مدینہ کی طرح مقدس ہے اسی شہر کا نام قرآن مجید میں مسجد اقصی ہے، (براہین احمدیہ اور التبلیغ بحوالہ فتاوی اسلامیہ ۱/ ۲۳۲)

اسی طرح اس کا خلیفہ مرزا بشیر الدین بن غلام احمد قادیانی نے بھی ہفوات بکی ہے دیکھئے۔

(۴) ہر وہ مسلمان جو مسیح (یعنی اس کا والد یعنی غلام احمد قادیانی) کی بیعت نہ کرے خواہ وہ ان کے بارے میں سنے یا نہ سنے وہ کافر ہے دائرہ اسلام سے خارج ہے (آئینہ صداقت ص ۳۵)۔

(۵) اپنے اخبار "الفضل" میں لکھتا ہے اپنے والد کے حوالہ سے کہ ہم ہر چیز میں حتی کہ اللہ، رسول، قرآن، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے بارے میں مسلمانوں سے اختلاف رکھتے ہیں ان میں سے ہر چیز میں ہمارا اور مسلمانوں کا جوہری اختلاف ہے (اخبار الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء)۔

(۶) اسی اخبار کی تیسری جلد میں لکھا ہے مرزا غلام ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے قرآن مقدس میں حضرت عیسی علیہ السلام کی طرف سے جو بشارت آخری نبی کی ملی ہے: ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد اس سے مراد مرزا غلام احمد قادیانی ہے (انذار خلافت ص ۲۱)۔

(۷) مرزا نے اپنی کتاب "شہادت القرآن" میں لکھا ہے میرا ایمان ہے کہ جیسے جیسے میرے پیروکاروں میں اضافہ ہوتا جائے گا ان کی تعداد زیادہ ہوتی چلی جائے گی جہاد پر ایمان لانے والوں کی تعداد کم ہوتی جائیگی، کیونکہ میرے مسیح اور مہدی ہونے پر ایمان لانے کا مطلب ہی جہاد کا انکار ہے۔ (قادیانیت) یہ کچھ ہفوات فتاوی اسلامیہ ص ۲۳۳/ج ا پر نقل کی گئی ہیں۔

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے بھی ان ہی کی کتابوں سے کچھ کاذکر کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

(۸) خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو یعنی اس عاجز کو ہدایت دین حق اور تہذیب اخلاق کے ساتھ بھیجا ہے (اربعین ۳/ ۴۴)۔

(۹) میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی (اشتہار ایک غلطی کا ازالہ مندرجہ حقیقت النبوۃ ص ۲۶۵)

(۱۰) میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اس نے مجھے بھیجا ہے اسی نے میرا نام نبی رکھا ہے اسی نے مجھے مسیح موعود کے نام سے پکارا ہے اسی نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشان ظاہر کئے ہیں جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں (تتمہ حقیقت الوحی ص ۶۸)۔

(۱۱) مسیحا و خدا وہ ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا (دافع البلاء ص ۱۱)۔

(۱۲) میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ (مرزا صاحب کا آخری خط مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

(۱۳) ہمارا دعوی ہے کہ ہم رسول نبی ہیں (بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء)۔

(۱۴) سخت عذاب بغیر نبی کے قائم ہونے کے آتا ہی نہیں جیسا کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" (اسراء: ۱۵) پھر کیا بات ہے کہ ایک طرف طاعون ملک کو کھا رہی ہے دوسری طرف ہیبت ناک زلزلے پیچھا نہیں چھوڑتے۔

اے غافلو! تلاش کرو شاید تم میں کوئی خدا کا رسول قائم ہو گیا ہے جس کی تم تکذیب کر رہے ہو (تجلیات الٰہیہ ص ۹۰۸)۔

(۱۵) الہامات میں میری نسبت بار بار کہا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہوا ہے جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اس کا دشمن جہنمی ہے (انجام آتھم ص ۷۹)۔

(۱۶) مسیح ہونے کا دعوی کرتے ہوئے لکھتا ہے میری آنکھیں اس وقت تک بالکل بند رہیں جب تک کہ خدا نے بار بار کھول کر مجھ کو نہ سمجھایا کہ عیسی ابن مریم اسرائیلی تو فوت ہو چکا اور واپس نہیں آئے گا اس زمانہ اور اس امت کے لئے تو ہی عیسی ابن مریم ہے (براہین احمدیہ ۸۵/۵)۔

(۱۷) پھر حضرت عیسی علیہ السلام پر فضیلت کا دعوی کیا ہے اسکے لڑکے مرزا بشیر احمد نے مرزا جی کا یہ قول نقل کیا ہے میں مسیح علیہ السلام کی خدائی کا منکر ہوں ہاں بے شک! وہ خدا کے نبیوں میں سے ایک نبی تھا مگر خدا نے مجھے اس سے برتر مرتبہ عطا کیا ہے (تبلیغ ہدایت ص ۱۶۹)۔

دیکھو! آج تم میں ایک ہے جو مسیح سے بڑھ کر ہے (دافع البلاء ص ۱۳)۔

(۱۸) آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے لکھتا ہے: ہاں آپ کو (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو گالیاں دینے اور بدزبانی کی عادت تھی ادنیٰ ادنیٰ بات میں غصہ آجاتا اور اپنے نفس کو جذبات سے روک نہیں سکتے تھے (ضمیمہ انجام آتھم ص ۵)۔

(۱۹) مسیح کی راست بازی اپنے زمانے کے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی، بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت حاصل ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اسکی خدمت کرتی تھی اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں اسکا نام حصور رکھا، مگر مسیح کا یہ نام نہیں رکھا، کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے (ازلۃ الاوہام ۱/۱۵۸)۔

یہ پورا مضمون فتاوی رحیمیہ ص ۱۵۷ تا ۱۵۹ ج ۱ مکتبۃ الاحسان دیوبند سے لیا گیا ہے۔

قادیانی کے بارے میں اکابرین کے فتاویٰ:

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی نے عقائد کفریہ اختیار کئے جس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج اور مرتد ہو گیا جو شخص بھی اسکے عقائد کفریہ کی تصدیق کرے گا اس کا بھی یہی حکم ہوگا (فتاوی محمودیہ میرٹھ ص ۸۷ ج ۴)۔

"من ذهب الى ان النبوة مكتسبة لا تنقطع فهو زنديق. وهذا يليق بذلك الشقي المتنبي، فإنه قد سلب الإيمان ومات شرميتة" (ملخصا اكفار الملحدين ص ۱۱۵ بحواله فتاوى محموديه)۔

(۲) قادیانی عقائد کا ثقہ اور قابل اعتماد لیٹریچر سے مطالعہ کرنے کے بعد کونسل نے باتفاق رائے یہ قرارداد پاس کی ہے کہ قادیانی یا احمدی جماعت بلاشک وشبہ مکمل طور پر دائرہ اسلام سے خارج ہے (فتاوی اسلامیہ ۱/۲۳۳)۔

(۳) مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال کفریہ میں سے چند اقوال کفریہ بطور نمونہ نقل کئے گئے ان سے صراحۃ یہ ثابت ہو رہا ہے کہ وہ نبوت کا مدعی تھے اور اسکے معتقدین بھی اسکی نبوت کے قائل ہیں، لہذا غلام احمد قطعی طور پر اسلام سے خارج اور اسکے متبعین بھی جو اسکی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں یا دعویٰ نبوت کے باوجود دائرہ اسلام میں سمجھتے ہیں وہ بھی قطعی طور پر کافر مرتد اور خارج از اسلام ہیں (فتاوی رحیمیہ ۱/۱۷۶)۔

(۴) ایسا شخص جو صوم وصلاۃ کا پابند ہے، لیکن اسکے تعلقات قادیانی جماعت کے ساتھ ہے اور وہ دل سے بھی انکو اچھا سمجھتا ہو تو وہ مرتد ہے اور بلاشبہ وہ خنزیر سے بدتر ہے (احسن الفتاوی ۱/۴۶)۔

(۵) خود مرزا قادیانی کے بقاء اسلام کے قائل ہونے کی تو اسکے اقوال دیکھنے کے بعد کچھ گنجائش نہیں، چنانچہ خود مرزا کے رسائل اور اسکے رد میں لکھے گئے رسائل میں وہ اقوال بکثرت موجود ہیں جن میں تاویل کرنا ایسا ہی ہے جیسے بت پرستی کو اس تاویل سے کفر نہ کہا جاوے کہ توحید وجودی کی بناء پر یہ شخص غیر خدا کا عابد نہیں اب رہ گئے انکے پیرو تو قادیانی تو اسکے اقوال کو بلا تامل مانتے ہیں، اسلئے ان پر بھی حکم بالاسلام کی گنجائش نہیں اور لاہوری پارٹی مرزا کی نبوت کو تاویلا مانتی ہے ان پر حکم بالاسلام کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ مرزا کو کاذب کہیں اور اگر اسکو صادق کہیں گے تو ان پر بھی اسلام کا حکم نہیں کہا جا سکتا (امداد الفتاوی ۶/۵۹)۔

بس قادیانی یا اسکے متبعین کے کفر میں اب کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہا بالاتفاق یہ گروہ کافر ہے اسکے اہل کتاب ہونیکا کوئی سوال ہی نہیں بلکہ یہ سب کے سب مرتد واجب القتل ہیں۔

نسلی قادیانی کا حکم:

یہ تو انکا حکم ہے جو پہلے مسلمان تھے پھر قادیانیت اختیار کرلی وہ تو مرتد ہونے کی وجہ سے کافر ہیں البتہ نسلی قادیانی کا کیا حکم ہے؟

اس سلسلے میں مفتی کفایت اللہ فرماتے ہیں نسلی مرزائی اسی طرح اہل کتاب کے حکم میں ہے جیسا کہ یہود ونصاریٰ (کفایت المفتی ۱/۳۱۷)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ''جدید فقہی مسائل'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ جو لوگ اسلام سے قادیانیت کی طرف گئے ہیں وہ مرتد ہیں۔ لیکن جو لوگ نسلی طور پر قادیانی ہیں وہ بھی زندیق اور بددین ہیں انسے بھی نکاح جائز نہیں ہے، اسی بناء پر فقہاء نے اہل قبلہ میں سے ہونے کے باوجود معتزلہ سے نکاح کی اجازت نہیں دی ''المناکحة بین أهل السنة و أهل الاعتزال لایجوز'' (فتح القدیر ۳/ ۳۷)اس لئے قادیانی اہل کتاب کے حکم میں نہیں، بلکہ زندیق ہیں اوران سے کسی قسم کا شادی بیاہ کا تعلق جائز نہیں (جدید فقہی مسائل ۱/ ۲۸۶)۔

البتہ بعد میں چل کر قاموس الفقہ میں مولانا موصوف نے نسلی قادیانی کے مرتدین قرار دینے میں اپنے دلی خلش کا اظہار کیا ہے، پھر اسی دلی خلش کے اظہار کیلئے کفایت المفتی کے اوپر ذکر کردہ مسئلہ نے مہمیز کا کام کیا اور طبع دوم میں نسلی قادیانی کو اہل کتاب لکھا، البتہ مولانا آگے حاشیہ میں لکھتے ہیں: '' تاہم دل میں یہ خلش اب بھی تھی اس مسئلہ پر فقہی جزئیات کے مطالعہ اور بعض اہل علم کی رایوں کے مطالعہ سے اب دل اس پر مطمئن ہے وہ یہی ہے کہ نسلی قادیانی کو بوجہ انکے زندیقیت کے عام کفار و مشرکین کے حکم ہی میں رکھا جائیگا، نہ کہ اہل کتاب کے حکم میں (قاموس الفقہ ص ۲۵۷ ج ۲ حاشیہ)۔

پھر فتاوی رحیمیہ میں بھی ایک مسئلہ اسی کے مطابق ذکر کیا ہے جیسا کہ مولانا خالد صاحب نے اخیر میں اپنے دلی خیال کا اظہار کیا ہے، چنانچہ مفتی عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ قادیانیوں کی اولاد (نسلی، مرزائی قادیانی) غلام احمد قادیانی کو نبی یا کم از کم مسلمان مانتی ہو تو وہ بھی کافر ہے انکا ذبیحہ حرام اور مردار ہونا چاہیے ان کو اہل کتاب کے حکم میں قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا ہے، علامہ شامی غالی روافض کو کافر مانتے ہیں وہ انکو اہل کتاب نہیں سمجھتے تو قادیانیوں کی اولاد کا شمار اہل کتاب میں کیسے ہوگا:

''والظاهر أن الغلاة من الروافض المحکوم بکفرهم لاینفکون عن اعتقادهم الباطل فی حال اتیانهم بشهادتین وغیرهما من أحکام الشرع کالصوم والصلوة فهم کفار لامرتدون ولا اهل الکتاب'' (رسائل ابن عابدین ۱/ ۳۶۰)

مولانا یوسف صاحب لدھیانوی ؒ جو اس موضوع پر کافی بصیرت رکھتے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) جو شخص خود قادیانیت کی طرف مرتد ہوا وہ مرتد بھی ہے اور زندیق بھی۔

(۲) اسکی صلبی اولاد اپنے والدین کے تابع ہونے کی وجہ سے حکماً مرتد ہے اور زندیق بھی۔

(۳) اسکی اولاد کی اولاد مرتد نہیں بلکہ خالص زندیق ہے۔

(۴) مرتد و زندیق دونوں واجب القتل ہیں دونوں سے مناکحت باطل، دونوں کا ذبیحہ حرام ہے مردار ہے اسلئے کسی قادیانی کا ذبیحہ کسی حال میں حلال نہیں (رسالہ قادیانی ذبیحہ ص ۲۴۔ ۲۵) (فتاوی رحیمیہ ۱/ ۱۵۵)۔

بہرحال قادیانی کی نسلی اولاد بھی قادیانی کی نبوت پر ایمان لانے اسکے معتقدات کے معتقد ہونے اور اسکو کافر نہ گردانے کی وجہ سے زندیق ہے جو کافر کے حکم میں ہوتا ہے اسکو اہل کتاب نہیں کہا جاسکتا نہ مسلمان کہا جاسکتا ہے چنانچہ صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں:

''ویدخل فی عبدة الاوثان عبدة الشمس والنجوم والصور التی استحسنوها والمعطلة والزنادقة والباطنیة والاباحیة، وفی شرح الوجیز کل مذهب یکفر به معتقدة؛ لأن اسم المشرك یتناولهم جمیعا'' (فتح القدیر ۳/ ۱۳۷)۔

میرا خیال بھی ہے کہ یہ کافر مرتد ہوں گے جن کے کفر میں کوئی شک نہیں خواہ وہ نسلی ہی کیوں نہ ہو اسلئے کہ جن عقائد کی بنیاد پر ان کے آباء و اجداد کو کافر قرار دیا گیا ہے انہیں عقائد کے حامل یہ لوگ بھی ہیں لہذا یہ بھی کافر ہی ہونگے۔

سکھ ازم پر طائرانہ نظر:

اب سے پانچ صدیوں قبل دہلی کے پڑوس میں سکھ ازم کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس دور میں سکھ مت ایک نئے مذہب کی صورت میں ابھرا اس کے بانی نانک ایک سیدھے اور نیک آدمی تھے۔ وہ لوگوں سے محبت کرتے تھے ان کا مقصد یہ تھا کہ ہندو مسلم میں اتحاد پیدا ہو ایک ایسا طریق زندگی اور ایسا عقیدہ ابھر کر آئے جس سے محبت کو فروغ حاصل ہو۔ لیکن اصلاح کی یہ تحریک رفتہ رفتہ ایک نئے مذہب میں ڈھل گئی (مطالعہ مذاہب ص ۴۶)۔

سکھ لٹریچر کے مطابق نانک ۷ مہینہ کی عمر میں ہی یوگا کی مہارت کے حامل تھے۔ انہوں نے اپنے دیہات میں پنڈت سے ہندو مذہب کی اور ایک مسلم

اسکول سے اسلامی تعلیمات حاصل کی۔ اور عربی فارسی زبانیں پڑھیں۔ وہ ۱۶ برس کی عمر میں دولت خاں کے محاسب کی حیثیت سے ملازم ہوئے۔ یہیں پر انہیں مروانہ کی رفاقت حاصل ہوئی جو اس وقت دولت خاں کا درباری موسیقار تھا۔ بعد میں ان کا قریبی ساتھی ثابت ہوا۔ اسی دوران نانک نے اپنے متبعین کا ایک گروہ تیار کیا۔ جس کی سرگرمیاں یہ تھیں کہ وہ صبح کے وقت ایک ساتھ ندی میں اشنان کرتے اور شام کے وقت نانک کے گھر جمع ہو کر بھجن گاتے تھے جب نانک کی عمر ۳۰ برس کی ہوئی تو انہیں خدا کا پیغام موصول ہوا۔ ایک دن صبح میں وہ ندی میں غسل کے بعد واپس نہ ہوئے۔ ان کے احباب ندی کے کنارے ان کے کپڑے پڑے ہوئے دیکھ کر ان کا جسم پانی میں تلاش کرتے رہے، لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ تین دن بعد نانک پھر ظاہر ہوئے اور اپنی گمشدگی کا یہ مزید بیان دیا، نہ کوئی ہندو ہے، نہ مسلمان پھر میں کس کا راستہ اختیار کروں، میں خدا کے راستہ پر چلوں گا خدا نہ تو ہندو ہے نہ مسلمان اور جو راستہ میں چلتا ہوں وہی خدا کا ہے۔

بعد میں نانک نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ انہوں نے مراقبہ میں دیکھا کہ انہیں خدا کے حضور لے جایا گیا وہاں پر آب حیات کا ایک پیالہ پلا کر خدا نے انہیں یہ پیغام دیا۔

میں تیرے ساتھ ہوں میں نے تجھے مسرت بخشی اور میں ان سب کو خوش رکھوں گا جو تیرا نام لیتے رہیں گے۔ تو جا اور میرے نام کا ورد کر دوسروں کو اس کا ورد کرنے والا بنا۔ دنیا میں ملوث ہو کر خراب نہ ہو۔ صدقہ کیا کر، پاک رہا کر اور پوجا و مراقبہ کیا کر میرا نام خدا ہے، یعنی ازلی برہما تو مقدس ہے یہی وہ موقع ہے جب نانک نے گرو کا لقب اختیار کیا (مطالعہ مذاہب ص ۱۴۷)۔

انہوں نے نہ کوئی مذہبی کتاب چھوڑی اور نہ ہی رسومات ثنویت کے مقابلہ میں وحدت پر زور دیتے تھے۔ اور اس بات کی تعلیم دیتے تھے کہ راہ نجات یعنی اتصال باللہ کی راہ پر انسانوں کو مصائب کا سامنا کرتے ہی رہنا ہوگا ہندو ازم کی ویدانت روایات کے برعکس یہ لوگ اس دنیا ہی کو خدا نہیں قرار دیتے تھے بلکہ ان کے نزدیک مخلوق ہی خدا کی مظہر ہے (مطالعہ مذاہب ص ۱۴۷)۔

کچھ عقائد:

(۱) ان کا عقیدہ یہ ہے کہ قوت کل جن کا نام "اوم" ہے صرف ایک ہے وہ ہمیشہ رہنے والی صداقت وہ خالق کائنات ہے اور اس میں ساری ہے وہ بے خوف ہے۔ اس کی کسی سے دشمنی نہیں۔ اس کا وجود غیر فانی ہے۔ وہ پیدا نہیں ہوتا، بلکہ خود ظہور میں آنے والا ہے۔ اس کا علم گرو کی عنایت سے حاصل کیا جا سکتا ہے (مطالعہ مذاہب ص ۱۴۸)۔

(۲) جیو آتما کی پیدائش بھی پرماتما سے ہوئی یہ اسی کا جزء ہے اس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرنے والے انسان میں اسی نور کا پرتو اور بھی فروزاں ہوتا ہے (مطالعہ مذاہب ص ۱۴۹)۔

(۳) سکھ ازم میں خالص وحدت الوجود کی تعلیم کی گئی ہے۔

(۴) اسی مطابقت سے سکھ ازم اوتاروں کے نظریہ کو تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی عقیدہ رکھتا ہے اور نہ ہی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ کوئی پہلا آخری یا خصوصی پیغمبر ہو سکتا ہے۔

(۵) سکھ ازم یہ تسلیم کرتا ہے کہ صرف ایک خدا غیر مرئی شکل میں ہے اور مرئی شکل میں ہے اونکار (خدا) اپنی لاتعداد صفات کے ساتھ موجود ہے جس کے مختلف نام ہو سکتے ہیں۔

(۶) سکھ ازم ذات برادری بت پرستی رسومات اور ظاہر داری کے تکلفات کے خلاف ہے۔

(۷) سکھ ازم یہ تعلیم دیتا ہے کہ "مایا" خدا کی خالقیت کا اظہار ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ انسان میں پانچ روایتی گناہ، یعنی کام (لذت نفس) کرودھ (غصہ) لوبھ (حرص) موہ (دنیوی لگاؤ) اور اہنکار (انانیت) کو بھی جنم دیتی ہے ان برائیوں کو دعاء، مراقبہ اور خدمت خلق کے ذریعہ ختم کیا جا سکتا ہے۔

(۸) سکھ ازم میں مایا کے جال سے چھٹکارا پانے کے لئے بھگتی کا راستہ تجویز کیا گیا ہے۔

(۹) گرو نانک نے سنیاس نہیں تجویز کیا، بلکہ وہ مکتی کی راہ میں خانگی زندگی کو رکاوٹ بھی نہیں سمجھتے تھے اور اسے سماجی زندگی کا ایک اہم شعبہ قرار دیتے ہیں۔

(۱۰) سکھ ازم اگر چہ ہندو کلچر اور ہندو تصور کائنات سے وابستہ ایک ہندوستانی مذہب ہے۔ تاہم وہ ویدک ہندو ازم اور اسلام دونوں ہی سے ماوراء اور آزاد ہے لیکن اس کے ساتھ ہی سکھ ازم میں یہ تعلیم بھی نہیں دی جاتی کہ مذہب اسلام یا ہندو مذہب غلط ہے (مطالعہ مذاہب ۱۴۹۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴)۔

سکھ ازم کے عقائد اکثر و بیشتر اسلامی تعلیمات کے موافق ہیں لیکن پھر بھی بظاہر یہ گویا اللہ تعالی سے ملاقات کا دعوی دار ہے ساتھ ہی نبوت کا منکر ہے اسی طرح اپنے مذہب کو اسلام سے بہتر مانتا ہے ان عقائد کو دیکھتے ہوئے اس کو اہل کتاب کہنا دشوار ہے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ آج سے پانچ سو سال پہلے وجود میں آیا اور ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا دین اور مذہب یا نئی کتاب نہیں آسکتی لہذا اس معنی کر بھی ان کو اہل کتاب کہنا دشوار ہے۔

اوتار و دیگر مذاہب کی کتابوں کا حکم:

کسی شخص کو نبی ماننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی نبوت دلائل قطعیہ سے ثابت ہو۔ محض کسی کے عقائد یا اس کی تعلیمات کا درست اور صحیح ہونا نبی ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی نبوت دلائل قطعیہ سے ثابت ہو صرف تعلیمات کا صحیح ہونا کافی نہیں دیکھئے قرآن مقدس میں اللہ تعالی نے کتنی ایسی شخصیات کا ذکر کیا ہے جن کی تعلیمات توحید سے بھرپور اور مثالی تھیں اور خداوند قدوس نے ان کی تعلیمات اور ان کے کئے گئے نصائح کو قرآن مقدس میں بطور مثال کے پیش کیا جیسے حضرت لقمان حکیم، ذوالکفل، ذوالقرنین اسی طرح اللہ تعالی کے وہ تین فرستادہ برگزیدہ بندے جن کو اللہ تعالی نے حبیب نجار کی بستی میں بھیجا تھا۔ ان حضرات کی تعلیمات کو اللہ تعالی نے بطور نمونہ اور بطور مثال کے پیش کیا ہے۔ لیکن صرف تعلیمات کا صحیح ہونا نبی ہونے کے لئے کافی نہیں لہذا ہم ان کو قطعی طور پر نبی یا رسول نہیں کہہ سکتے۔ اور ایمان تفصیلی ان کی نبوت پر نہیں لا سکتے بلکہ اجمالی ایمان کافی ہے کہ اگر اللہ کے بھیجے ہوئے رسول یا نبی ہیں تو وہ رسول ورنہ نہیں بس اتنی بات کافی ہے تفصیلی ایمان کی ضرورت نہیں کیونکہ قطعی طور پر دلائل قطعیہ سے ان کی نبوت ثابت نہیں۔ بس ایسی برگزیدہ ہستیوں کو ہم نبی نہیں کہہ سکتے حالانکہ ان کی تعلیمات وعقائد کا صحیح ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے تو پھر دوسری قوم جن کو اپنا اوتار مانتی ہیں ان کو ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ان کی کتابوں میں موجود تعلیمات انہی کی دی ہوئی ہے۔ اور اگر یہ ثابت ہو بھی جائے کہ یہ تعلیمات ان ہی کی ہے تو بھی ان کا نبی ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت نہیں اس لئے ان کو کسی بھی حال میں نبی نہیں مان سکتے البتہ اجمالا ایمان کافی ہے۔

بعض جاہل پیر اور موجودہ دور کے پڑھے لکھے مرد وزن جو خود کو سیکولر، اسکالر، پروفیسر وغیرہ کہتے ہیں، اور ہندوؤں کی کتاب وید، بائبل، قرآن وغیرہ کو ایک ہی تصور کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں سب پر عمل کرنا واجب ہے یہ سب آسمانی کتابیں ہیں تو یہ کلمات کفر ہیں۔ اس قسم کا عقیدہ رکھنے والے اس کی دعوت دینے والے سب دائرۂ اسلام سے خارج اور مرتد ہیں (محقق مدلل جدید مسائل ص ۶۷)۔

بلکہ اگر عقائد کی خرابی کا خطرہ ہو تو ایسی کتابوں کے پڑھنے سے بھی احتراز ہونا چاہئے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ تورات کا ایک حصہ لے کر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنا شروع کیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے پھر فرمایا اگر موسی علیہ السلام آئے اور تم مجھ کو چھوڑ کر ان کا اتباع شروع کر دو تو راہ راست سے بھٹک جاؤ گے بلکہ اب تو حضرت موسی علیہ السلام بھی آجائیں تو وہ بھی میری اتباع کرتے:

”عن جابر ان عمر بن الخطاب اتى رسول الله ﷺ بنسخة من التورات فقال يا رسول الله! هذه نسخة من التورات فسكت فجعل يقرأ ووجه رسول الله ﷺ يتغير فقال أبوبكر ثكلتك الثواكل ما ترى ما بوجه رسول الله ﷺ فنظر عمر رضی اللہ عنہ الى رسول الله ﷺ فقال اعوذ بالله من غضب رسوله رضينا بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد نبيا فقال رسول الله ﷺ والذى نفس محمد بيده لو بدا لكم موسى فاتبعتموه وتركتمونى لضللتم عن سواء السبيل ولو كان حيا وادرك نبوتى لاتبعنى“ (مشكوة المصابيح ص ۳۲)۔

اسی طرح فتاوی ہندیہ میں ہے: ”من اعتقد ان الايمان والكفر واحد فهو كافر ومن لايرضى بالايمان فهو كافر كذا فى الذخيرة“ (ہندیہ ۲/ ۲۵۷)۔

ان نصوص اور جزئیات کے ہوتے ہوئے ان کتب کو کتب سماویہ اور ان حضرات کو نبی قطعی اور یقینی طور پر کیسے کہا جا سکتا ہے۔



کیا ہندو اہل کتاب ہیں؟

ایک فکر انگیز بحث

جناب عبدالرشید اگوان[1]

ہندو رہنماؤں کی جانب سے بار بار یہ سوال اٹھایا جاتا رہا ہے کہ مسلمان انہیں کافر کیوں کہتے ہیں؟ کچھ عرصہ قبل وشو ہندو پریشد کی جانب سے مسلم علماء سے یہ اپیل کی گئی کے وہ ہندوؤں کو کافر کہنے کے خلاف فتویٰ جاری کریں، کیونکہ ایسا کہنا نہ صرف غلط ہے، بلکہ یہ دونوں مذہبی فرقوں کے باہمی تعلقات کو متاثر بھی کرتا ہے۔ اس سے قبل بابری مسجد کے انہدام کے معا بعد 18 دسمبر 1992 کو وشو ہندو پریشد کے صدر شری اشوک سنگھل نے بی بی سی کو دیئے ایک انٹرویو میں اپنی یہ شکایت درج کی کہ مسلمان ہندوؤں کو کافر سمجھتے ہیں جو کہ خود مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف ہے، کیونکہ کافر تو وہ ہوتا ہے جسے اسلام پیش کیا جائے اور وہ اسکا انکار کردے، جبکہ ہمارے سامنے کبھی اسلام پیش ہی نہیں کیا گیا تو ہم کافر کیسے ہوگئے؟ ممکن ہے بعض لوگوں کو اس طرح کے سوال کھڑے کرنے میں وشو ہندو پریشد کے قائدین کی کوئی شرارت نظر آئے، مگر اس سوال کی وجہ سے اور مسلمانوں کے عدم رد عمل کو پیش نظر رکھتے ہوئے عام ہندوؤں میں یہ تاثر پیدا ہوتا اور باقی رہتا ہے کہ واقعی مسلمان انہیں کافر سمجھتے ہیں۔ اگر ایک لمحے کے لئے یہ مان لیا جائے کہ ہندو قائدین اس سوال کو لیکر واقعی سنجیدہ ہیں تو پھر مسلمانوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ انہیں اپنے مناسب رد عمل سے آگاہ کریں۔ اس سوال کا جواب دینے کی جو کچھ بھی فوری کوششیں ہوئیں ہیں تو ان میں صرف یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ کافر لفظ کوئی گالی یا توہین آمیز لفظ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک فکری و عملی کیفیت کا نام ہے، لہٰذا ہندوؤں کو اس پر برا ماننے کی وجہ نہیں ہے، یا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مسلمان تو عام طور پر ہندوؤں کو اہل وطن اور برادرانِ وطن کہتے ہیں نہ کہ کافر۔

شدید فرقہ ورانہ تناؤ کے وقت جو سوال اٹھتا ہے، اور جن حالات میں اور جن حلقوں کی جانب سے اٹھایا جاتا ہے وہ ایک سنجیدہ اور معقول جواب چاہتا ہے۔ بلکہ اگر اس سوال پر بین المذاہب مذاکرات منعقد ہوں تو شاید دونوں طبقات کے درمیان موجود کشیدگی کو دور کرنے میں مدد مل سکے۔ بہر حال یہ کہنا آسان ہے اور کرنا مشکل، کیونکہ یہ مسئلہ کہ شرعاً ہندوؤں کا درجہ کیا ہے؟ ایک بہت ہی پیچیدہ اور حساس موضوع ہے لیکن اس کا حل نہ صرف ملک میں بہتر ہم آہنگی کے لئے ضروری ہے، بلکہ اس ملک میں دعوت اسلامی کو فروغ دینے کے لئے بھی اسکی اشد ضرورت ہے۔ اسلامی حلقوں میں اس مسئلہ پر غور وفکر کا عام طور پر فقدان ہے اور اسکی وجوہات بھی ہیں۔ اسکی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ہم متنازعہ مسئلوں سے عام طور پر گریز کرتے ہیں، ایسے مسئلے جو بڑے پیمانے پر فکر انگیز بحث میں مبتلا کردیں اسکے لئے ہم خود کو متحمل نہیں پاتے۔ دوسری وجہ ہمارا دعوتی کام ہے جس میں مسائل اور حالات کو تعمیری رخ دیکر نئے اور پر کشش انداز میں کام کرنے کی عموماً حوصلہ افزائی کا نہ ہونا ہے۔ پھر ہم یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ جب ایک سیدھے سادے طریقے سے کام چل رہا ہے تو کسی نئے مسئلے کو جنم دینا شاید مناسب نہ ہو۔ ہمارے یہ اندیشے اور سہل پسندی دراصل دعوت کے لئے اور اس ملک میں اپنی ذمہ داریاں کما حقہ ادا کرنے کے لیے نقصان دہ ثابت ہو رہی ہے اور ملک میں اٹھنے والے مذہبی مسائل پر ہمارے مناسب موقف کی کمی ہماری مشکلات میں مزید اضافہ کا باعث بن رہی ہے۔ اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہاں ایک بحث اٹھائی گئی ہے، تا کہ ہندوؤں کے بیچ اٹھنے والے فکری اور مذہبی سوالات کو سمجھ کر ہم ان پر اپنا ردعمل ظاہر کرنے کی کوشش کرسکیں۔

اہل کتاب:

---

[1] صدر، یونیورسل نولج ٹرسٹ، نئی دہلی۔

قرآن کریم میں 'اہل کتاب' کی اصطلاح کا استعمال 30 بار کیا گیا ہے اور ایک جگہ اہل انجیل بھی کہا گیا ہے۔ یہ اصطلاح عام طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو اہل کتاب اس لئے مانا جاتا ہے، کیونکہ انکا عقیدہ ان کتابوں پر مشتمل ہے جنہیں یہود و نصاریٰ آسمانی کتابیں تسلیم کرتے ہیں اور جنکا ذکر قرآن میں ہوا ہے۔ بعض مورخین کے نزدیک اہل کتاب وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے بنیادی عقائد مثلاً توحید، فرشتوں، آسمانی کتابوں، نبیوں اور آخرت پر کسی نہ کسی درجے کا ایمان رکھتے ہوں۔ مسلمانوں کو اہل کتاب کے سلسلے میں کچھ خصوصی ہدایات دی گئی ہیں، مثلاً مسلمان مرد کسی کتابیہ سے (اس کا مذہب بدلے بغیر) نکاح کر سکتے ہیں، مگر ایک بار میں ایک سے زائد نہیں، مسلمان اہل کتاب کا ذبیحہ کھا سکتے ہیں، اہل کتاب کو ذمی بنا کر اسلامی حکومت اسے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دیگی اور جزیہ لے کر انکی حفاظت کریگی، انکے درمیان انصاف انکی اپنی کتابوں کے مطابق کیا جائے گا، وغیرہ۔

بعد کے زمانے میں صابئین اور مجوسیوں کو بھی اہل کتاب کا درجہ دیا گیا۔ اسکے جواز میں قرآن کی تین آیات پیش کی جاتی ہیں جہاں یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ صابئین کا ذکر اور ایک آیات میں ان سبھی کے ساتھ مجوس کا ذکر بھی آیا ہے۔ دیکھیں آیات 2:62، 5:69 اور 22:17۔ اسکے علاوہ حضورؐ کا یہ فرمان کہ مجوسیوں کو اہل کتاب کے برابر سمجھا جائے بھی اس موقف کے لئے جواز فراہم کرتا ہے۔

جن 31 آیات کا ذکر اوپر ہوا ہے ان میں سے 12 آیات سورۃ آلِ عمران میں، 7 سورۃ مائدۃ میں اور 4 سورۃ نسا میں اور باقی 8 مختلف سورتوں میں موجود ہیں۔ ان سورتوں میں عام طور پر اہل کتاب کا حق کے معاملے میں غلط رویہ اور انکی کجروی پر تنقید کرتے ہوئے انہیں حق کو قبول کرنے پر ابھارا گیا ہے۔ اس حوالے سے انہیں بتایا گیا ہے کہ انکا کون سا عمل انکی طرف نازل کی گئی تعلیمات کے خلاف ہے اور کون سا عمل ایسا ہے کہ جو ان تعلیمات میں تحریف کی وجہ سے فاسد ہو چکا ہے۔ گویا قرآن بین المذاہب مباحثہ (Interfaith Dialogue) کے ذریعہ یہود و نصاریٰ کو حق کی جانب بلا رہا ہے۔ جہاں ایک طرف ''کلمہ سوا'' (64:2) کی دعوت دیکر بین المذاہب اتحاد اور ہم آہنگی کی کوشش کی گئی ہے، وہیں یہود و نصاریٰ کی اپنی کتب میں دی گئی تعلیمات پر نفاق اور بدعملی کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ ان آیات میں جہاں خدا ترس اہل کتاب کے عمل صالح کو پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے وہیں بعض اہل کتاب کے فسق و فجور کو بھی منظر عام پر لایا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کی دعوتی حکمت عملی کا یہ ایک شاہکار نمونہ ہے جو ان آیات اور ان سے جڑی تمام آیات میں نظر آتا ہے۔ گویا کہ جہاں یہود و نصاریٰ کو عام عربوں سے الگ ایک خاص خطاب 'اہل کتاب' سے نوازا گیا ہے اور انہیں کچھ شرعی شہری حقوق بھی دئے گئے ہیں، مگر اس خطاب یا درجہ بندی کا اصل پہلو دعوت حق کو مبین کرنا اور یہود و نصاریٰ کو باور کرانا ہے کہ دعوت اسلامی کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ انکے جانے پہچانے عقائد کو اپنانے کی ہی دعوت ہے اور انکے غلط رویے اور ماضی کی تحریفات پر صاف صاف تنقید کرنا ہے، تا کہ وہ اس رویے کی وجوہات پر غور کر سکیں اور قبول حق انکے لیے آسان ہو سکے۔

ہندو قوم:

ہندو کون ہیں اور انکی بنیادی پہچان کیا ہے، اسے شاید اس میدان کے ماہرین بھی نہ بتا سکیں، البتہ دامودر ویر ساور کر سے لیکر اب تک ہندو مورخین نے 'ہندو' کی تعریف میں جو کچھ فرمایا ہے اسکا لب ولباب صرف یہی ہے کہ ہندو وہ ہوتا ہے جو دو چیزوں پر اعتقاد رکھتا ہو، پہلا ایک مافوق الفطرت ہستی پر جو اس کائنات کے وجود کے پیچھے ہے اور دوسرا موت کے بعد کسی نہ کسی روپ میں ایک دوسری زندگی پر۔ اگر دیکھا جائے تو یہ دونوں باتیں صرف ہندوؤں میں ہی نہیں، بلکہ دنیا کے تمام مذہبی گروہوں میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہیں۔ بہرحال اہل فارس نے برِاعظم ہند میں بسنے والے تمام لوگوں کو ہندو کہنا شروع کیا، چاہے اسکا عقیدہ جو بھی رہا ہو اور یہ لفظ عام طور پر جغرافیائی تناظر میں استعمال ہوتا رہا۔ پھر مسلمانوں کی آمد کے بعد جو مسلمان نہیں تھے ان سبھی کو غلطی سے ہندو کہا جانے لگا اور دھیرے دھیرے ہندو لفظ کا استعمال عقائد کے ایک خاص مجموعے کا نام ٹھہرا، اور آج تک اسی طرح چلا آرہا ہے۔ جب ہم لفظ ہندو بولتے ہیں اور انہیں بودھ، سکھ اور جینیوں سے الگ سمجھ کر بولتے ہیں تو ہماری مراد کم سے کم تین مختلف عقائد کو ماننے والے گروہوں سے ہوتی ہے؛ جن میں سب سے بڑی اجتماعیت ویشنو فرقہ کی ہے، پھر شیوں کا نمبر آتا ہے اور ایک بڑی تعداد شاکت فرقہ کی بھی ہے۔ ویشنوی لوگ 'وشنو' کو سب سے بڑا خدا مانتے ہیں؛ اسکے اوتاروں کی پوجا کرتے ہیں، بھکتی پر زور دیتے ہیں اور جنت - دوزخ کا تصور رکھتے ہیں۔ انکی بساوٹ (آبادی) عموماً بھارت کے شمالی حصے میں زیادہ ہے۔ شیو پنتھی 'شیو- پاروتی - گنیش' کی پوجا کرنے والے عام طور پر جنوبی حصے میں بسے ہیں، شاکت کائنات کی اصل قوت کو عورت کی شکل میں دیکھتے ہوئے اور اسکی 'پرکرتی - درگا - شکتی' کے روپ میں پوجا کرتے ہیں، جادو ٹونوں پر

زور دیتے ہیں وہ عام طور پر مشرقی بھارت میں اکثریت میں ہیں۔ مگر ویدانت اور وحدۃ الوجود (ادویت) کا اثر اتنا زیادہ پایا جاتا ہے کہ ان تینوں یا دوسرے چھوٹے مذہبی گروہ بھی اس طرح تشکی کے شکار ہیں کہ تمام لوگ کسی نہ کسی حیثیت سے ایک دوسرے کے مذہب کی موٹی موٹی باتوں پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں۔ دور حاضر میں ہندوؤں میں سیکڑوں اصلاحی تحریکیں چل رہی ہیں جنکا مجموعی اثر یہ ہوتا ہے کہ نہ تو کسی خاص طرز فکر کی طرف ایک ہندو جا پاتا ہے اور نہ وہ عقائد کے جنگل میں سے کچھ بہتر چن پاتا ہے۔ ۴۰۰۰ سے زائد مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے بھی یہی پہلو واضح ہوتا ہے کہ کبھی توحید کی تحریک نمایاں ہوتی نظر آتی ہے تو پھر کبھی شرک غالب نظر آتا ہے۔

بہر حال جب یہ مسئلہ چھڑتا ہے کہ اسلام کی روشنی میں ہندوؤں کا کیا درجہ مقرر کیا جائے تو کبھی وہ کافر نظر آئیں گے تو کبھی مشرک، کبھی موحد نظر آئیں گے تو کبھی منافق اور کبھی ان کا تعلق انبیا کی تعلیمات سے نظر آئے گا تو کبھی لگے گا کہ ایسی تعلیمات کا ان سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اس سب کے باوجود یہ سوال ہمارے سامنے کھڑا ہے کہ اتنے بڑے مذہبی گروہ کا ذکر نہ صرف قرآن میں موجود نہیں ہے، بلکہ ان کے ساتھ کسی قسم کا مذہبی تعامل بھی مناسب نہیں سمجھا گیا۔ اپنے عقائد کو لے کر جس طرح ہندو الجھن میں نظر آتے ہیں اسی طرح ان سے مذہبی بنیادوں پر رابطہ رکھنے کے حامی مسلمان بھی نظر آتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جس طرح مذہبی کتابوں کی ایک لمبی فہرست اور مذہبی تحریکات کی طویل داستاں اس ملک میں پائی جاتی ہے ویسی اور کہیں نہیں ملے گی۔ دراصل ہزاروں سال کی مدت میں ہونے والی تحریکات، اصل زبانوں سے مقامی زبانوں میں ترجمہ، علاقوں کی تبدیلی وغیرہ نے بہت سی آسمانی تعلیمات اور مقدس شخصیات کو یکسر نئے قالب میں اس طرح ڈھال دیا ہے کہ ہندو مذہبی روایات سے سچ اور جھوٹ کی پہچان خود ان کے لئے مشکل ہوگئی ہے۔ مگر 660 سال کے مسلم دور حکومت اور اس سے پہلے تقریباً اتنے ہی عرصہ تک عربوں اور اہل ہند کے درمیان ثقافتی رشتوں اور دور حاضر کے مختلف رجحانات کی گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو ہمارے سامنے ایسے بہت سے پہلو کھل کر سامنے آئیں گے جو نہ صرف ہمارے باہمی رشتوں کو ایک نئے قالب میں ڈھالیں گے، بلکہ خود ہندوؤں کو ان مذہبی تشکی سے باہر نکالیں گے جس میں وہ ایک عرصے سے مبتلا ہیں۔

ہندو بحیثیت اہل کتاب:

جب ہندوؤں کے مذہبی عقائد کی روشنی میں ان سے اسلامی راہ و رسم کی بات اٹھائی جاتی ہے تو یہ سوال اٹھنا لازم ہے کہ اسلام کی روشنی میں انکا درجہ کیا ہے؟ عام طور پر انہیں اہل کفر یا اہل شرک سمجھ کر ان سے معاملہ کیا جاتا ہے۔ بعض قرائن سے یہ لگتا ہے کہ سوچنے کا یہ انداز غلط ہے۔ نبی کریمؐ کے زمانے میں انکے سامنے دو قسم کے لوگ تھے ایک اہل مکہ اور ان سے منسلک قبائل، جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے اور کوئی مذہبی کتاب بھی ان کی رہنمائی کے لئے موجود نہیں تھی اور وہ محض خیالات کے پیرو تھے۔ انہیں اُمی کہا گیا۔ دوسری جانب بنی اسرائیل کے دو بڑے فرقے تھے جنکے پاس آسمانی کتابیں موجود تھیں جو انکی رہنمائی کرتی تھیں۔ جہاں اہل مکہ میں موحد تھے تو اہل کتاب میں خدا ترس لوگ بھی تھے۔ شرک کسی نہ کسی روپ میں دونوں میں پایا جاتا تھا۔ اگر اہل وطن پر نظر ڈالی جائے تو انکا شرک اہل مکہ کے شرک سے کسی طرح بھی الگ نہیں ہے، وہیں ان کے پاس کچھ ایسی کتابیں بھی ہیں جنکے ذریعہ وہ مذہبی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اہل وطن میں شرک کی جڑیں کافی گہری ہیں، اس لئے اہل دعوت انہیں مشرکین سمجھنے کے لئے مجبور ہیں، مگر مندرجہ ذیل حقائق کی روشنی میں ہندوؤں کو یا کم سے کم ان کے بعض طبقات کو اہل کتاب سمجھا جا سکتا ہے۔

۱۔ ہندوؤں کا دعوی ہے کہ ان کے پاس آسمانی کتابیں ہیں۔ مثلاً وہ ویدوں کو شروتی گرنتھ تسلیم کرتے ہیں، یعنی وہ براہ راست آواز کی شکل میں تقریباً ۳۱۵ ریشیوں پر نازل ہوئے اور رشیوں نے انہیں سن کر یاد رکھا اور لوگوں کے بیچ پہنچایا۔ حسن اتفاق سے حضرت ابوذر غفاری کی ایک روایت میں بھی رسولوں کی کل تعداد ۳۱۵ ہی بتائی گئی ہے۔ ہندوں میں عام طور پر ویدوں کو 'اپوروشے یٔ' یعنی غیر انسانی کلام تسلیم کرنے کی روایت موجود ہے۔ ویدوں کے علاوہ سمہیتا کی دوسری کتابوں مثلاً اپنیشدوں کو بھی 'اپوروشے یٔ' مانا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں رائج چھ اہم مسالک میں ویدوں کی اس حیثیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ ویدوں کے نزول کا دور 1000-2500 قبل مسیح مانا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں ویدوں کو آسمانی کتابیں ماننے سے انکار کرنے کا رجحان اس لئے رہا ہے کیونکہ ان کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے لیکن اس انکار کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ آسمانی کتابیں نہیں ہو سکتیں۔ گزشتہ عرصہ میں شمس نوید عثمانی اور انکے معتقدین نے اس سے آگے بڑھ کر یہ بات کہی ہے کہ قرآن میں

ویدوں کا ذکر صحف اولی (133:20) اور زبر الاولین (196:26) کے نام سے موجود ہے۔ انکا ماننا ہے کہ نہ صرف ویدوں کے مضامین اور قرآن کی تعلیمات میں بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے بلکہ چونکہ ان کا ذکر قرآن نے نام کے ساتھ کیا ہے لہٰذا انہیں آسمانی کتب تسلیم کیا جانا چاہئے۔ (اگر اب بھی نا جاگے تو، P.69-95)۔ ویدوں کی قدامت کے دعوے، انکی مذہبی تعلیمات اور اسلامی تفاسیر میں ان آیات پر مزید تحقیق کے ذریعہ اور کسی مختلف خیال کی عدم موجودگی میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تاوقت کہ کوئی اور ثبوت سامنے آئے، ویدوں یا انکے ایک حصہ کو تحریف شدہ آسمانی کتب مانا جاسکتا ہے۔

۲۔ کسی قوم کی مذہبی روایت اور معروف مقدس کتابوں کا تعلق ماضی کے کسی نزول آسمانی سے ہے یا نہیں، یہ دیکھنے کے لئے جو پیمانہ ہوسکتا ہے اس کی رو سے بھی اس معاملے پر غور کیا جاسکتا ہے۔ ہندو معاشرے میں پائے جانے والے واضح شرک کے باوجود ان کی مقدس کتابوں میں توحید کی تعلیمات بکھری ہوئی نظر آتی ہے۔ برہم، اوم، اشور، پرمیشور، پربھو، پورش، پرماتما، بھگوان وغیرہ ناموں سے ایک ایسی مافوق الفطرت ہستی کو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے جو کہ کائنات کا موجد ہی نہیں، بلکہ اس کا پروردگار اور فرمارواں بھی ہے، حالانکہ بھگوان ایسے انسانوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جن کے بارے میں یہ گمان ہو کہ انہیں اسی زندگی میں نجات مل چکی ہے۔ اسی طرح جنت و دوزخ (سورگ اور نرک)، فرشتوں (دیوتا)، اور سزا و جزا (کرم) کے متعلق بہت سی باتوں میں بعض ہندو عقائد اسلام سے قریب نظر آتے ہیں حالانکہ ہندوؤں میں نبوت کا واضح تصور نہیں پایا جاتا ہے مگر ان میں اس کا یکسر انکار بھی نہیں ہے۔ مثلاً وہ ریشیو کی مقدس حیثیت کو مانتے ہیں۔ سنسکرت میں ریشی کے تقریباً وہی معنی ہیں جو عربی میں نبی کے ہیں یعنی غیب کی ایسی باتوں کو بتانے والا جو عام انسانوں کے مشاہدے میں آنا مشکل ہو۔ تارا ناتھ کی سنسکرت لغت میں ریشی کے معنی ہیں ''وہ جو اپنے روحانی علم سے سنسار کو اس کے مادی وجود سے آگے دیکھ سکے''۔ ریشی لفظ اس کے مصدر ''رش'' سے بنا ہے جس کا مطلب ہے ''آگے جانے یا بڑھنے والا'' اور رسول لفظ اپنے مصدر ''رسل'' سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ''بھیجا گیا''۔ اس طرح یہ دونوں اصطلاحات تقریباً ایک ہی مقصد کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ مزید یہ کہ جس طرح قرآن سے پہلے کی آسمانی کتابوں میں نبی آخرالزماں کی تشریف آوری کی پیشن گوئیاں پائی جاتی ہیں، ویسی ہی بشارتیں ویدوں اور دوسری کتابوں میں بھی ملتی ہیں، جہاں ''نراشنس'' یا ''کلکی اوتار'' کے روپ میں آپ کا انتظار تھا۔

۳۔ جس طرح وحدۃ الوجود کے فتنے میں کئی مسلم زاہد الجھ گئے اسی طرح ہندوؤں میں بھی ادویت کے نظریہ نے خالص توحید پر ان کے عمل کو متاثر کیا ہے۔ بارہویں صدی کے جید مفکر البیرونی نے اپنی مشہور کتاب ''تاریخ ہند'' میں تبصرہ کیا ہے کہ ''ہندوؤں کا خدا پر ایمان ہے کہ: وہ ایک ہے، بے انتہا ہے، ازل سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، خود مختار ہے، حکیم ہے، شئ قدیر ہے، زندہ اور جاوید ہے، حیات بخش ہے، حکیم ہے، صابر ہے، اپنے آپ وہ ہی حیرت انگیز قوتوں کا مالک ہے، ہر قسم کی تمثیل اور غیر تمثیل سے ماورا ہے، نہ وہ کسی کی طرح کا ہے اور نہ کوئی اس جیسا ہے''۔ ان کا خیال تھا کہ ہندوؤں میں جو عالم ہیں وہ ایسے ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں، جبکہ عام ہندو ہر کسی چیز کی پرستش میں مبتلا رہتے ہیں۔ ان کا اور ان کے شیخ ابوسہل کا خیال تھا کہ ہندوؤں کے عقائد کے سلسلہ میں مسلم علماء میں ایک نامناسب تعصب پایا جاتا ہے۔ اصغر علی انجنئر کے مطابق اٹھارہویں صدی کے مشہور صوفی عالم مظہر جانجاناں نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا ''ہندوؤں کو کافر نہیں کہا جاسکتا کیونکہ کافر وہ ہے جو اپنی حقیقت کو چھپاتا ہے جبکہ ہندوؤں کے پاس ویدوں جیسی مقدس کتابیں ہیں جو اللہ کی نازل کردہ سچائی کی مظہر ہیں، ہندوؤں کا توحید پر ایمان ہے یعنی ایشور کے روپ میں ایک ایسے خدا پر ایمان جو صفات اور شکل دونوں سے ماوریٰ ہو''۔ ایک مضمون نگار خورشید امام نے اپنے حالیہ مضمون ''ہندوؤں کی مقدس کتابیں- ایک تعارف'' میں ان حوالوں کا ذکر کرتے ہوئے کہ ویدوں یا دیگر کتابوں میں توحید کی کیا تعلیمات ہیں، یہ لکھا ہے: ''حالانکہ مسلمانوں کی اکثریت ویدوں کے آسمانی کتابیں ہونے کے بارے میں یا تو خاموش ہے یا انکاری، مگر ویدوں کے توریت، زبور اور انجیل کی طرح آسمانی کتابیں ہونے کے کئی ثبوت موجود ہیں''۔ ان حوالوں میں اگر علماء دمشق کے آٹھویں صدی کے اس فتوے کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو انہوں نے سندھ کے ہندوؤں اور بودھوں کے اہل کتاب ہونے کے سلسلے میں صادر کیا تھا تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوؤں میں پائی جانے والی توحید اور انکی خصوصی حیثیت کے بارے میں مسلمانوں میں ایک اعتماد مسلسل موجود رہا ہے۔

یہودیوں میں حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا مانا جاتا ہے اور عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ مسیح کو۔ جیند اوستھا کی تعلیمات میں اہور ماجدا (خدا) اور اہیر

مان (شیطان) کی طاقت تقریباً برابر مانی جاتی ہے اور اس پر ایمان رکھنے والے مجوسی آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ ان تینوں مذاہب کے ماننے والوں میں کئی قسم کی مشرکانہ روایات کے باوجود چند حقائق کے پیش نظر انہیں اہل کتاب تسلیم کیا جاتا ہے، یہ حقائق ہیں ایک مافوق الفطرت خدا پر ان کا ایمان، رہنمائی کیلئے کسی مقدس انسانی ہستی کی ضرورت جو اسے خدا تک پہنچانے کا ذریعہ ہو، کسی آسمانی کتاب کا ہدایت کے لئے ضروری سمجھا جانا، زندگی کے بعد موت پر یقین، جزا و سزا پر ایمان، وغیرہ۔ ان امور میں توریت، انجیل اور جیند پر ایمان رکھنے والے لوگوں کے ساتھ ساتھ وید کے ماننے والوں کے درمیان بھی یکسانیت پائی جاتی ہے، چاہے وہ قرآن کے مطابق صحیح عمل ہو یا پھر غلط، اپنی تمام تر گمراہیوں اور مبین شرک پر عمل کے باوجود یہود، نصاریٰ اور مجوسیوں کو 'اہل کتاب' تسلیم کیا جاتا ہے۔ لہذا ہندوؤں میں ویدوں کے ماننے والے اور سگون- نراکار ایشور پر ایمان رکھنے والوں کو یہی درجہ دیا جانا چاہئے۔

۴۔ عام طور پر اسلام کا جب تصور آتا ہے اور اس سے جڑے ہوئے انبیاء کا پس منظر ذہن میں جاگزیں ہوتا ہے تو ہمارے سامنے محض مشرق وسطی کا علاقہ رہتا ہے جو اُر، فلسطین، مصر اور مکہ معظمہ کی چوہدی کے درمیان گھومتا نظر آتا ہے۔ اور اسکا واسطہ بھارت سے تو کسی حال میں نظر نہیں آتا۔ حالانکہ بعض روایات کے مطابق جنہیں ضعیف سمجھا جاتا ہے، بھارت وہ ملک ہے جہاں اللہ کے پہلے نبی حضرت آدمؑ نہ صرف جنت سے اتارے گئے بلکہ یہ علاقہ انکی سرگرمیوں کا ایک بڑا مرکز رہا ہے۔ بھوپال کے قاضی سید عابد علی وجدی کی مشہور کتاب 'ہندوستان اسلام کے سائے میں' بھارت کو مسلمانوں کا آبائی وطن قرار دیتی ہے۔ موصوف نے حضرت آدمؑ کے بھارت کے حصے صندلیپ یا دکن میں نزول کے قائل جن بزرگوں کے نام گنائے ہیں انمیں حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ، ابن کثیر، امام حسن بصری، علاء الدین بغدادی، نصر الدین قاضی بیضاوی، علامہ شیخ سلیمان جمل، علامہ ابو العاص کزمائی، سیوطی، علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، اور سید غلام نبی آزاد بلگرامی، وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے علامہ بلگرامی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ" جب حضرت آدمؑ ہندوستان میں اترے تو وحی الٰہی نے انکی توبہ کی قبولیت کی بشارت دی ۔۔۔ اور اس سرزمین میں سکونت کے لئے رہنمائی اور ہدایات عطا فرمائی تو اس سے ہمارے ملک ہندوستان کا سب سے پہلے وحی الٰہی کا مھب یا جائے نزول ہونا ثابت ہوتا ہے۔" (P125)

۵۔ حضرت آدمؑ کے بعد کے دو اور انبیاء حضرت شیثؑ اور حضرت ایوبؑ کا تعلق بھی سرزمین ہند سے رہا ہے۔ حضرت شیث غالباً بائبل کے حضرت شیتھ (Seth) ہیں جو حضرت آدمؑ کے تیسرے بیٹے تھے اور جن سے انبیاء کا سلسلہ جاری رہا، کیونکہ ہابیل کی وفات اور قابیل کے ان کے قتل میں ملوث ہونے کی وجہ سے حضرت آدمؑ کے دو بڑے بیٹوں سے نبوت کا سلسلہ ممکن نہیں تھا۔ مولوی عبد الکریم صاحب نے اپنی کتاب مدینۃ الاولیاء میں حضرت شیثؑ کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور انکی قبر ایودھیا میں بتائی ہے۔ انکے علاوہ انکے بارے میں تواریخ انبیاء، علامہ شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب ''خلاصۃ الوقائع''، علامہ ابو الفضل کی کتاب ''آئینہ اکبری''، محدث دہلوی کی کتاب ''خلاصۃ الاحادیث''، مولوی سید ناصر الدین نوید جاویدی کی کتاب ''سراج الہدایہ''، سید عابد حسین سہرامی کی کتاب ''تاریخ جائس''، ''تواریخ نو''، ''العصر جغرافیہ ملک اودھ''، وغیرہ میں ذکر ہوا ہے۔

''آئین اکبری'' میں لکھا ہے کہ "حضرت شیثؑ اور حضرت ایوبؑ کی قبریں اودھ میں ہے۔" سراج الہدایہ میں ہے "در ہند شہر پست کی اور اودھ گوسیند میانے دو بلندی قبر دو نبی شیش و ایوب علیہ السلام"۔ ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھارت کی سرزمین نہ صرف حضرت آدمؑ کی سرگرمیوں کا ایک اہم مرکز رہی ہے، بلکہ انکے صاحبزادے حضرت شیشؑ (جنہیں ہندو گنیش کے روپ میں جانتے ہیں) اور انکے پوتے وغیرہ بھی یہاں کافی عرصے تک دعوت حق کا کام کرتے رہے ہیں اور انکی تدفین بھی یہیں ہوئی اور ایودھیا کو جو مذہبی حیثیت حاصل ہے اسکی اصلی وجہ بھی یہی دونوں اجداد انسانیت ہے۔ ویدوں کی روایات کے مطابق حضرت شیثؑ کا نام اتری اور حضرت ایوب کا نام انگرس ہے جنہیں شروع کے دس راجاوں میں شمار کیا گیا ہے۔ مزید ایسے حوالے ملتے ہیں جن سے یہ گمان ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ اور انکے بیٹوں کا قصہ غیر محسوس طریقہ سے ہندوؤں کی قدیم کتابوں میں درج ہے جس کے مطابق اتھومنو کے بیٹے کپل نے شونک (مقتول) کو منانامی جگہ پر ہلاک کیا تھا اور باغی ہو گیا تھا اور اسی نے شولینگ کی عبادت کا چلن دیا اور منو کے سکھائے ہوئے یوگا کو کئی قسم کے یوگا میں تبدیل کر دیا۔ اگر بائبل میں درج حضرت آدمؑ کی عمر ((930، حضرت شیث کی عمر ((912 اور حضرت ایوب کی عمر ((905 کو جوڑا جائے تو ان روایات کے مطابق یہ مقدس خاندان بھارت کی سرزمین پر ایک عرصہ تک سرگرم رہا ہے۔ حالانکہ اس خاندان کے بعد کے مقدس لوگ جنکا نام سنسکرت میں پُلستیہ، پُلاہا، وششٹھا، بھرگو، نارد، وغیرہ ہیں کا ذکر پایا جاتا ہے جو ویوتسیہ منو (نوحؑ) سے

پہلے کے رشی ہیں مگر چونکہ انکے سلسلے میں مسلم علماء میں عام طور پر خاموشی ہے، اور اس میں کئی مسائل تحقیق طلب ہیں اس لئے یہ سلسلہ حضرت ایوبؑ تک محدود رکھا جاتا ہے۔

۶۔ مشہور عرب جغرافیہ نویس علامہ یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ بُقیر ابن یقطین ابن حام ابن نوح کی اولاد میں سندھ اور ہندو دو بھائی تھے جنکے نام پر یہ دونوں ملک مشہور ہوئے (معظم البلدان P291) گویا بھارت کو عربی روایات میں ہند اس لئے کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ نوحؑ کے بعد چوتھی پیڑھی کی ہستی ہند کے نام سے مشہور ہوئی۔ کیرل کے مورخ ٹی محمد نے اپنی کتاب 'ون گاڈ ون کریڈ' (One God One Creed) میں درج کیا ہے کہ دراوڑ قوم مذکور بقیر کی اولاد ہیں جو کہ سندھ تہذیب کے ایک اہم ستون تھے۔ ان روایات سے حضرت نوحؑ اور انکے اہل خاندان کا تعلق بھارت سے جڑا نظر آتا ہے۔ بقول موصوف کے نوحؑ اور منو کے ناموں میں بڑی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ نام کی یکسانیت کے علاوہ دونوں کے ارد گرد کی داستاں تقریباً ملتی جلتی ہے۔ اس موضوع پر شمس نوید عثمانیؒ اور انکے حلقہ اثر میں جو تحریریں سامنے آئی ہیں ان سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ اے۔ جے۔ اے۔ ڈُبسں نے اپنے چالیس سالہ مطالعہ کے بعد اپنی جو مشہور کتاب (Hindu Manners Customs and Ceremonies) لکھی ہے اس میں وہ رقم طراز ہیں "..... مختصر یہ کہ ایک مشہور شخصیت جن سے ہندوؤں کو بہت عقیدت ہے اور جسے وہ مہانُو کے نام سے جانتے ہیں (سیلاب کی) تباہی سے ایک کشتی کے ذریعہ بچ نکلی جسمیں سات مشہور رشی بھی سوار تھے۔ مہانو دو الفاظ کا مرکب ہے۔ مہا کے معنی 'عظیم' ہے اور 'نو' بلا شک وشبہ نوح ہی ہیں (P49)"۔ مارکنڈے اور بھاگوت پران میں اس سیلاب کا ذکر تفصیل سے آیا ہے۔ سلسلہ انبیاء کے ضمن میں سورۃ مریم کی آیت (58:19) "من جملہ انبیاء آدم سے تھے اور بعض انکی نسل سے تھے جو نوح کے ساتھ کشتی میں سوار تھے اور بعض ابراہیم اور یعقوب کی نسل سے ہیں" کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آدمؑ سے نوحؑ تک انبیاء کا ایک سلسلہ تھا اور اسکے بعد دو الگ سلسلے ایک اولاد نوح سے اور دوسرا اولاد ابراہیم سے جاری ہوا۔ اولاد ابراہیم میں بنی اسرائیل کے تمام اہم انبیاء سے ہم واقف ہیں جنکا سلسلہ آنحضرتؐ تک جاری رہا، مگر اولاد نوح کے نبیوں سے ہم واقف نہیں ہیں بلکہ قوم نوح اور اسکی تاریخ اور کتابوں سے بھی ہم عام طور پر ناواقف ہیں یا بے یقینی میں مبتلا ہیں۔ ابوسعید خدریؓ کی روایت کردہ ایک حدیث کے مطابق روز آخرت قوم نوح اپنے نبی کو نہیں پہچان پائیگی۔ آج بھی اگر ہندوؤں سے پوچھا جائے کہ تمہارا نبی کون ہے تو وہ اسکا جواب دینے سے قاصر رہیں گے۔ مگر جس طرح روز آخرت امت محمدیہ قوم نوح میں شہادت حق کی گواہی دیگی اسی طرح آج بھی وہ اسے اپنے کھوئے ہوئے نبی کی صحیح تعلیمات سے روشناس کرا سکتی ہے۔ شاہ ولی اللہ، مولانا سلیمان ندوی، مولانا عبید اللہ سندھی ان اشخاص میں سے ہیں جو نوح اور منو میں مماثلت کے قائل تھے۔

۷۔ قدیم اسلامی لٹریچر میں اہل ہند کے عقائد کے متعلق بہت کم معلومات دستیاب ہے، تاہم صابئین کے مذہبی اعتقادات کے بارے میں جو کچھ نقل کیا جاتا ہے وہ ہندوؤں کے مجموعی مذہبی تصورات سے ہم آہنگ نظر آتا ہے، حالانکہ ایسا کوئی براہ راست ثبوت دستیاب نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ صابئین اور ہندو ایک ہی قوم ہیں مگر دونوں کے عقائد میں مماثلت کی بنیاد پر دونوں کی شرعی حیثیت کے بارے میں ایک مثبت حکم پر غور کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے روایت کیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب جیسا سلوک کرو۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ مجوسیوں کی مذہبی کتاب زیند اوستا کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اور نہ انکے کسی نبی کا ذکر قرآن میں ہوا اسکے باوجود انہیں اہل کتاب کی طرح سمجھا گیا ہے۔ مزید یہ کہ مجوسی آگ کی پوجا کرتے تھے اور اس لحاظ سے مشرک تھے مگر پھر بھی انہیں ایک خاص درجہ دیا گیا۔ جہاں صابئین کا ذکر اہل کتاب کے ساتھ قرآن میں تین بار آیا وہیں مجوس کا ذکر صرف ایک بار (17:22) آیا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ہندوؤں میں صابئین اور مجوس دونوں کی خوبیاں پائی جاتی ہیں یعنی ہندو آگ کی پوجا بھی کرتے ہیں اور وہ ستارہ پرست بھی ہیں۔

۸۔ قرآن کریم کی تین آیات 69:5، 62:2 اور 17:22 میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ صابئین کا ذکر آیا ہے اور اسی لئے انہیں اہل کتاب میں شمار کیا جاتا ہے یا انہیں 'مثل اہل کتاب' کہا جاتا ہے۔ صابئین کے سلسلے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو عراق میں موصل کے آس پاس بس گئ اور ندی کے پانی میں بار بار نہانے کو پسند کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ ہرین کے آس پاس بس گئ اور کچھ یمن میں جو کہ بنیادی طور پر ستارہ پرست تھے۔ شیخ الہند حضرت محمود حسن کے مطابق یہ فرشتوں کی پرستش کرنے والے لوگ ہیں جو

حضرت ابراہیم کو مانتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں۔

مختلف تفسیری لٹریچر سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ صابئین بنیادی طور پر ستارہ پرست، ملائکہ پرست، بار بار نہانے والے، اور مائل ہونے والے اور جھکنے والے بتائے جاتے ہیں۔ صابئین کے بارے میں حضرت عمرؓ، امام ابوحنیفہؒ، امام اسحاقؒ، امام قرطبیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، امام غزالیؒ، امام راغب اصفہانیؒ، ابن جریرؒ، ابن کثیرؒ، وغیرہ کے اقوال درج ہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں عبد الرحمن بن زید کا یہ قول درج ہے کہ صابئین اپنے آپ کو حضرت نوح کے دین پر بتاتے ہیں۔ آٹھویں صدی کے مورخ الخلیل احمد الفرہیدی نے بھی صابئین کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ حضرت نوح کو اپنا نبی مانتے تھے۔

چونکہ صابئین کو اہل کتاب کے زمرے میں شامل کیا گیا ہے جو کہ قوم نوح میں سے ہیں، لہٰذا قوم نوح کے تمام افراد کو یہ درجہ شرعاً حاصل ہو جاتا ہے۔ بظاہر نوح پر نازل کسی کتاب کا ذکر قرآن میں نہیں ہے اس کے باوجود صابئین کو اہل کتاب کے زمرے میں داخل کیا گیا ہے تو یہ کوئی سخت شرط نہیں ہے کہ کسی مذہبی گروہ کو جو اپنی مذہبی کتب رکھتا ہو، مگر اسکا نام قرآن میں نہ پایا جائے تو اہل کتاب میں شمار نہ کیا جائے۔ جو عقائد صابئین کے بتائے گئے ہیں وہ بھی اس بات کا اشارہ کرتے ہیں کہ ہندو قوم کا بڑا حصہ صابئین ہیں، کیونکہ جیوتش کے روپ میں ستارہ پرستی، دیویوں کے روپ میں فرشتوں کی پوجا اور غسل پر زور جتنا برہمنوں میں پایا جاتا ہے ویسا کہیں اور نظر نہیں آتا۔

ابن قیم نے احکام الذمہ کے تحت صابئین کے عقائد پر جو تفصیل بیان کی ہے وہ قابل ذکر ہے، جو ہندوؤں کی شرعی حیثیت متعین کرنے میں رہنما ہو سکتی ہے۔ موصوف نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ سے پہلے کے لوگ تھے، جن کی ریاست ہاران میں تھی، وہ کتابیں لکھتے تھے اور اہل علم تھے، ان میں بڑی تعداد فلسفیوں کی تھی جنہوں نے تفصیلی مضامین لکھے جن کا ذکر فلسفوں پر تحقیق کرنے والوں نے اپنے حوالوں میں کیا ہے، نہ انہوں نے نبیوں کا انکار کیا ہے اور نہ ان کی پیروی کو فرض تسلیم کیا ہے، ان کے نزدیک انبیاء کی پیروی کرنے والے راہ راست پر ہیں اور عذاب سے محفوظ ہو گئے، مگر ایسے لوگ جو کہ نبیوں جیسے راستے پر اپنے فہم اور ادراک سے گامزن ہیں وہ بھی کامیاب ہیں، ان کے نزدیک نبیوں کی دعوت برحق ہے اگر نجات کے لئے کوئی ایک مخصوص طریقہ متعین نہیں ہے، ان کا ماننا تھا کہ کائنات کے خالق اور پروردگار تک ہماری براہ راست رسائی آسان نہیں اس لئے مراقبے میں درمیان کے وسیلوں پر غور کرتے ہوئے اس تک پہنچا جا سکتا ہے۔

ابن القیم نے مزید فرمایا کہ صابئین کے عقائد و فلسفوں کا مطالعہ کرنے والے علماء نے نقل کیا ہے کہ اس قوم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اس کے ناموں اور صفات کے ساتھ ایمان رکھتے تھے اور فرشتوں، نبیوں اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے، ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو نبیوں کی تعلیمات کے ایسے حصے پر ایمان رکھتے تھے اور ان کی پیروی کرتے تھے جو ان کے اپنے خیال اور تفقہ سے انہیں صحیح لگتا تھا، بنیادی طور پر دوسرے مذاہب میں سے جو انہیں مناسب لگتا تھا اس کو لے لیتے تھے اور کسی خاص مذہبی طریقہ کو نہ اپنا قریبی سمجھتے تھے اور نہ دور، انہیں صابئین اسی لئے کہتے تھے کیونکہ وہ کسی خاص دین کی پیروی کرنے کے بجائے ان میں سے جس عمل کو بہتر سمجھتے تھے اسے اختیار کر لیتے تھے۔

تفسیر شیبان میں قتادہ رقم طراز ہیں کہ صابی لوگ فرشتوں کی عبادت کرتے تھے۔ عبد الرحمن ابن زید (م:۸۹۷) نے ذکر کیا ہے کہ جزیرۃ الموصل کے صابئین کہتے تھے کہ ''کوئی خدا نہیں ہے، پس ایک وہی ہے''۔ اسی وجہ سے مشرکین مکہ کو اللہ کے رسولؐ اور صحابہ کرام کو صابئین میں شمار کرتے تھے کیونکہ توحید کے اظہار کے لئے یہی کلمہ ان کی زبان پر رہتا تھا۔ زیاد ابن عابدی (م:۶۷۲) نے لکھا ہے کہ صابئین نبیوں پر ایمان رکھتے تھے اور پانچ وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ مجاہد ابن جریر (م:۷۲۲) کا خیال تھا کہ صابئین کسی خاص دین کی پیروی نہیں کرتے ہیں اور یہود اور مجوسیوں کے درمیان ہیں۔ حسن بصری (م:۸۲۸) کی رائے ہے کہ صابئین زبور کی تلاوت کرتے ہیں اور فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ قتادہ ابن دمامہ (م:۷۳۶) نے فرمایا ہے کہ صابئین فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں، زبور کی تلاوت کرتے ہیں اور پانچ وقت کی عبادت ان کا معمول ہے، مزید یہ کہ وہ سورج کو بھی پوجتے ہیں۔ خلیل ابن احمد (م:۷۸۶) کا خیال تھا کہ صابئین کا تعلق حضرت نوح سے تھا۔

حالانکہ کئی مفسرین اور محدثین صابئین کو یہودیوں یا عیسائیوں کا ایک فرقہ سمجھتے تھے، مگر دوسرے محققین کا خیال تھا کہ ایسا نہیں ہے، مثلاً مجاہد اور ابن کثیر، قرطبی، وغیرہ کی رائے ہے کہ یہ قوم حضرت نوح کو اپنا نبی مانتی ہے، ابو یوسف اور ابن حسن کا خیال تھا کہ یہ لوگ ستارہ پرست تھے اور انسانی

زندگی پر ستاروں کے اثرات کے قائل تھے، اسلامی مراجع اور قرآن کی ابتدا پر تحقیق کرنے والے مغربی مصنف ڈبلیو۔ ایسٹی۔ کلیر ٹسڈل (W.St. Clair-Tisdall) کے مطابق صابئین ۳۰ دن کے روزے رکھتے تھے اور عید مناتے تھے جس میں اپنے اجداد کی روحوں کے لئے دعا کرتے تھے، مگر اس میں سجدہ نہیں کرتے تھے۔ موصوف یہ بھی مانتے تھے کہ وہ حضرت عیسیٰ اور ادریس کے پیرو بھی تھے، جبکہ کچھ ماہرین کا خیال تھا کہ صابی نام حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے صبی سے ماخوذ ہے۔

ان تفصیلات سے یہ یقیناً ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوؤں کا صابئین سے براہ راست تعلق ثابت ہو یا نہ ہو، مگر دونوں کے حالات اور عقائد میں بڑی حد تک مناسبت پائی جاتی ہے۔ صابیوں کی طرح ہندو بھی دیویوں کے روپ میں فرشتوں کی پوجا، ستارہ پرستی، نجات کے لئے مختلف راستوں کے وجود، فلسفوں کی پیروی کرنے، تفصیلی مذہبی کتابیں لکھنے اور پڑھنے، روح پرستی، وغیرہ کے قائل ہیں۔ ہندو بھی منو کی شکل میں حضرت نوح سے عقیدت رکھنے اور شیو کے روپ میں آدم کو ماننے اور سورج کی پوجا کرنے والے ہیں۔ صابی کے قدیم معنی میں انہیں پانی میں غوطہ لگا کر نہانے والا بتایا گیا ہے اور ہندوؤں میں بھی یہ طریقہ نمایاں طور پر موجود ہے۔ صابی کی طرح ہندوں میں بھی چندراین ورت کی شکل میں ایک قمری ماہ کے روزے کا ذکر ہے۔ لہٰذا شریعت میں جو حکم صابئین کے لئے ہے وہی حکم ہندوؤں کے لئے بھی ہونا چاہئے۔

۹۔ ڈاکٹر قاسم رشید (پرنس طلال بن ولید اسکول آف اسلامک اسٹڈیز، ہارورڈ یونیورسیٹی کے ویزٹنگ فیلو) نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں دو حوالوں کا ذکر کیا ہے جن میں شری کرشن کو نبی بتایا گیا ہے۔ ان میں سے ایک کے بارے میں حدیث ہونے کا گمان ہے اور دوسرے میں مولانا قاسم نانوتویؒ کے اظہار خیال کا ذکر ہے۔ انہوں نے دلامی کی کتاب فردوس الأکبر کی ایک روایت نقل کی ہے: (كان في الهند نبي اسود اللون اسمه كهينا) - ''ہند میں ایک نبی آیا تھا جو سیاہ رنگ کا تھا اور اس کا نام کاہنا تھا''۔ یہاں کہینا سے مراد کنہیا یا کرشن سے لیا گیا ہے۔ شاہ جہاں پور مناظرے کے حوالے سے محقق کہتا ہے کہ مولانا نانوتوی کی رائے تھی کہ ''شواہد اور مذکور روایت کی رو سے شری کرشن ایک حقیقی نبی لگتے ہیں''۔

۱۰۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک بار فرمایا تھا کہ ''رام اور شری کرشن شاید اپنے دور کے نبی تھے مگر یہ بات وثوق کے ساتھ تسلیم نہیں کی جاسکتی، کیونکہ قرآن اس سلسلے میں خاموش ہے۔'' اٹھارہویں صدی کے مشہور صوفی عالم مظہر جان جاناں ان دونوں شخصیات کو نبی تسلیم کرتے تھے۔ علمائے فرنگی محل کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ شری کرشن کو نبی تسلیم کرتے تھے۔ کچھ دانشور شری کرشن اور حضرت موسیٰ کی زندگیوں میں پائی جانے والی مماثلت کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔ ان تمام حوالوں کو یہاں پیش کرنے کی غرض محض یہ ظاہر کرنا ہے کہ گیتا اور شری کرشن کے تعلق سے مسلم معاشرے میں ہمیشہ سے دلچسپی رہی ہے اور خاص طور پر یہ دیکھ کر کہ گیتا کی تعلیمات کا قرآن کی بنیادی تعلیمات سے اختلاف ہونے کے باوجود دونوں میں بہت کچھ مماثلت بھی پائی جاتی ہے جو کہ ہندوؤں کے بعض طبقات کو اسلام سے قریب کردیتی ہے۔

۱۱۔ اس معاملے میں ایک اور طریقہ سے بھی روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔ قرآن میں 'امّی' لفظ دو جگہ استعمال ہوا ہے اور دونوں جگہ وہ کتاب کا علم نہیں رکھنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، سورہ بقرہ آیت ۷۸ میں فرمایا گیا ہے کہ: ''ان میں (یہود) میں بعض ایسے ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے ہیں اور صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں''۔ ایک اور جگہ سورۂ جمعہ آیت ۲ میں ارشاد ہوا ہے: ''وہی تو ہے جس نے ان بے کتاب لوگوں (امّیوں) کے درمیان ایک پیغمبر بھیجا ہے جو ان کے سامنے (اس کتاب) کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔۔۔''۔ ظاہر ہے کہ قرآن کے نزدیک 'امّی' وہ شخص ہے جسے کسی آسمانی کتاب کا علم نہ ہو، اور جسے کسی آسمانی کتاب کا علم ہوگا وہ کتاب والا کہلائے گا۔ یہودی اہل کتاب ہیں اور ان میں اکثر تعلیم یافتہ بھی تھے مگر پھر بھی ان میں سے کچھ لوگ کتاب کا علم نہیں رکھنے کی وجہ سے 'امّی' قرار دیے گئے، وہیں مکہ کے لوگ جو کتاب کا علم نہیں رکھنے کی بنیاد پر 'امّی' قرار دیئے گئے تھے انہیں اللہ کے رسول کے ذریعہ کتاب کا علم دیا جارہا ہے، اس لئے ان کی حیثیت 'امّی' سے 'کتاب کا علم رکھنے والے اور ان کی پیروی کرنے والوں میں' تبدیل ہورہی تھی۔

عام طور پر 'امّی' لفظ کے معنی ان پڑھ اور ناخواندہ لیا جاتا ہے، مگر قرآن کی یہ آیتیں اسے اور کئی معنوں میں استعمال کرتی نظر آتی ہیں، جس کی رو سے کسی آسمانی کتاب کا علم نہ رکھنے والے لوگ یا قوم 'امّی' کہلائیں گے۔ عربی لغت میں 'امّی' لفظ جہاں ان پڑھ اور ناخواندہ لوگوں کے لئے بیان کیا گیا

ہے وہیں بیضاویؒ کے مطابق اس کے ایک معنی یہ بھی درج ہیں کہ ایسے لوگ جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہ ہو۔

اس لئے نزول قرآن سے پہلے کے ایسے لوگ جو کسی نہ کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں جس کا ذکر چاہے قرآن میں ہو یا نہ ہو اہل کتاب کہلائے، گویا کہ اہل کتاب 'امی' کی ضد ہے۔ اس لحاظ سے ہندوؤں میں سے جو طبقات شروتی گرنتھ پر ایمان رکھتے ہوں ان کا شمار اہل کتاب میں کیا جانا چاہئے اور جو ایسا نہ کرتے ہوں انہیں 'امی' کا درجہ دیا جانا چاہئے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قرآن نے ان دونوں الفاظ کا استعمال کر کے اجمالی احکام کی دو کیفیات کو بیان کیا ہے۔ ایک وہ جس میں تمام تحریفات کے باوجود عقائد کی بنیاد کوئی تسلیم شدہ کتاب ہو جسے آسمانی بھی سمجھا جاتا ہو، چاہے گردش ایام میں اس کے پیرو شرک یا کفر میں مبتلا ہو گئے ہوں اور دوسری وہ جس میں لوگ اپنے وہم و گمان اور ظن کے سہارے اپنے من مانے خداؤں کی پیروی کرتے ہوں۔ پہلا گروہ "اہل کتاب" شمار کیا جاتا ہے اور دوسرا "امی"۔ ہندوؤں کو اہل کتاب کا درجہ دینے میں یہ پہلو رہنمائی کر سکتا ہے۔

۱۲۔ ہندؤں کے مذکورہ عقائد خاص طور پر توحید پر انکے ایمان کو سمجھنے کے لئے ویسے تو بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے مگر یہاں چند حوالے پیش خدمت ہیں

"صرف وہی ایک یکتا خود سے قائم ہے" (اتھر وید 13-1-12)

"سنسار کا خالق آگے، پیچھے، اوپر، نیچے سب جگہ ہے" (رگ وید 10-34-14)۔

"وہ ایک ہی ہے، دوسرا نہیں ہے، نہیں ہے، نہیں ہے، ذرا بھی نہیں ہے" (برہم سوتر)۔

"اسی ایک کو صالح لوگ اندر، متر اور ورون کہتے ہیں، وہی آسمان میں براجمان ہے، وہی اگنی، یم اور ماترشوا ہے" (رگ وید 1-164-46)۔

"ہے اگنی تم ہی نیک لوگوں کی آرزوں کو پورا کرنے والے ہو، تم ہی عبادت کے لائق ہو، تم ہی بہتوں کی حمد کے سزاوار ہو، تم ہی برہم اور برہسپتی ہو" (رگ وید 2-1-3)۔

"ایک ہی خدا کے مختلف نام ہیں، اہل علم اسے الگ الگ ناموں سے یاد کرتے ہیں" (رگ وید 10-114-05)۔

"اس کی کوئی مورت نہیں، اس کا نام ہی اعلی اور قابل حمد ہے" (یجروید 32-3)۔

"وہ لوگ ظلمت میں جا پڑتے ہیں جو مخلوقات کی عبادت کرتے ہیں، وہ لوگ اور گہری ظلمت میں داخل ہوتے ہیں جو اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے خداؤں کی عبادت کرتے ہیں" (یجروید 40-9)۔

"اے نفس! تو انسانی کلام اور ظن سے دور رہ کر اس مقدس کلام کی پیروی کو قبول کر اور اپنے رفقاء کے ساتھ حق کی پیروی کر" (اتھروید)۔

"اس جیسا اور کوئی نہیں ہے" (چھاندوگیہ اپنشد 6-1-2)۔

"ہمیں سیدھا راستہ دکھا اور ہمارے ان گناہوں کو ہم سے دور کر جو ہمیں برباد یا گمراہ کر دیں" (رگ وید 40-16)۔

"جو برہم کو نہیں جانتا وہ وید سے کیا فائدہ اٹھا پائے گا" (رگ وید 1-164-39)۔

"شادمانی اور انسیت جہاں موجود ہو، جہاں سبھی خواہشات فوراً پوری ہوتی ہوں اس خلد میں ہمیں پناہ دو" (رگ وید 9-113-11)۔

"اس کائنات کے خالق کی حمد ہو" (رگ وید 5-81-1)۔

"جو سارے خداؤں کا ایک خدا ہے" (رگ وید 10-121-8)۔

جوا، شراب، سود، قتل، بے حیائی، وغیرہ گناہوں کے خلاف بھی ویدوں میں حرمت پائی جاتی ہے، مثلاً فرمایا گیا ہے: "چونکہ برہم نے تمہیں عورت بنایا ہے، اسی لئے نظریں نیچی رکھو، اوپر نہیں، اپنے پیروں کو سمیٹے رکھو، ایسا لباس پہنو کہ کوئی تمہارا جسم نہ دیکھ سکے" (رگ وید 8-33-19)۔

اوپر کے حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ عام ہندوؤں کا عمل چاہے جو ہو ان کی بعض مقدس کتابوں میں توحید کی تعلیم ملتی ہے۔

۱۳۔ اسماعیل فاروقی مرحوم نے اپنی کتاب "کلچرل اٹلس آف اسلام" (Cultural Atlas of Islam) میں محمد بن قاسم کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب یہ نوجوان سپہ سالار سندھ کو فتح کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اسے سندھ کا تمام انتظام اپنے ہاتھ میں لینا پڑا۔ اس نے اہل سندھ کے برہمنوں اور بدھوں اور ان کے عقائد کے بارے میں خلیفہ کے پاس معلومات بھیجتے ہوئے استصواب کیا کہ انہیں کیا سمجھا جائے؟ تو دارالخلافت سے جواب آیا کہ انہیں مثل اہل کتاب کے تسلیم کیا جائے اور انہیں ذمیوں کے تمام حقوق حاصل ہوں گے۔ اس طرح سے ہندوؤں اور بدھوں کے بارے میں عام رائے بن گئی کہ ان کے ساتھ اہل کتاب کی طرح معاملہ کیا جائے۔ اس واقعہ کا تفصیل کے ساتھ سندھ کی تاریخ میں بار بار ذکر ہوا ہے خاص طور پر چچ نامہ میں۔ اس دور کے برہمنوں کا توحید پر عقیدہ اتنا مضبوط تھا کہ جب محمد بن قاسم کو واپس بلا لیا گیا تو انہوں نے اس کا ایک بت بنا کر محمد بن قاسم کی پوجا شروع کر دی۔ اس زمانے سے یہی چلن شروع ہوا کہ بیشتر ہندوؤں کو اہل کتاب کا درجہ حاصل رہا اور ان سے ایک لمبے عرصے تک جزیہ لیا جاتا رہا، ہندو عورتیں مسلمانوں کے گھروں میں ہندو بن کر رہیں مثلاً جودھا بائی، اور انہیں اپنے مذہبی معاملات میں آزادی دی گئی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلم دور حکومت میں ہندوؤں کی اکثریت باقی نہ رہتی۔ محمد بن قاسم سے لے کر بیرونی اور شاہ ولی اللہ تک ایک طویل سلسلہ ہے جس میں ہندوؤں یا ان کے کچھ خاص طبقات کو اہل کتاب سمجھا جاتا رہا ہے۔

ہندوؤں کو اہل کتاب ماننے کے خلاف جو آراء سامنے آتی ہیں وہ اس طرح ہیں:

ا۔ ہندو مشرک ہیں اور توحید کو نہیں مانتے۔

ب۔ ان کے پاس کوئی ایسی آسمانی کتاب نہیں ہے جسکا ذکر قرآن میں ہوا ہو۔

ت۔ وہ کسی نبی کے پیرو نہیں ہیں جسکا ذکر قرآن نے صراحت سے کیا ہو۔

ج۔ اسکی ضرورت ہی کیا ہے؟

۱۴۔ مندرجہ بالا بحث میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہود، نصاریٰ، صابئین اور مجوس سبھی کسی نہ کسی درجے کا شرک کرتے تھے، قرآن نے انہیں اس پر متنبہ کرتے ہوئے بھی انہیں ایک خاص درجہ دیا ہے جو اس زمانے کے اہل عرب کو حاصل نہیں تھا۔ لہٰذا کسی کا مشرک ہونا اسکے اہل کتاب بننے میں مانع نہیں ہے۔ یہ بات اوپر ذکر کی جاچکی ہے کہ ہندوؤں کی مقدس کتابوں کا ذکر قرآن میں زبر الاولین اور صحف اولیٰ کے نام سے کیا گیا ہے پھر بھی یہ مان لیں کہ یہ ذکر انکے بارے میں نہیں ہے تو بھی چونکہ ہندو بھی زبور اور صحائف کی طرح وید اور دوسری کتابیں رکھتے ہیں۔ دوسری طرف معروف معنی میں جنکو صابئین سمجھا جاتا ہے ان کے پاس تو کہنے کے لئے بھی کوئی آسمانی کتاب نہیں پھر بھی انہیں ایک درجہ خاص دیا گیا ہے، لہٰذا اس دلیل میں بھی کوئی خاص وزن نہیں ہے۔ جہاں تک اسکی ضرورت کا سوال ہے تو اسلامی دعوت کے میدان میں اس کی سخت ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ اسکے الٹ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ اگر ہندوؤں کو اہل کتاب تسلیم کر لیا جائے گا تو اہل اسلام کے عقیدہ میں کیا فرق واقع ہو جائے گا؟ ایسا کرنا در اصل نبی کریم کی روایت اور آپ کے عطا کردہ اصول کی ہی پیروی ہوگی۔

حالانکہ مسلم دور حکومت میں تمام ہندوؤں کو "ذمی" قرار دے کر ان سے جزیہ لیا جاتا رہا ہے اور محمد بن قاسم سے لے کر بہادر شاہ ظفر تک ان کی اس حیثیت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی، مگر یہ سوال آج کے ہندو معاشرہ کے بارے میں اٹھنا لازم ہے کہ ان کی شرعی حیثیت کیا ہو؟ اس لحاظ سے اہل کتاب یا شبہ اہل کتاب کے جو پیمانے فقہاء نے متعین کئے ہیں ان کے لحاظ سے ہندوؤں کی درجہ بندی بھی کی جاسکتی ہے۔ اس درجہ بندی کے لئے جو خصوصیات مخصوص رکھی جاسکتی ہیں وہ یہ ہیں:

۱- ایک ایسی حقیقت پر ایمان جو اس کائنات کا خالق، مالک، پروردگار اور فرمانروا ہو۔

۲- فرشتوں یا ان جیسی مخلوقات پر ایمان۔

۳- انسانی رہنمائی کے لئے کسی آسمانی کتاب کی ضرورت، وجود اور اس کے متعلق زندگی گذارنے کی اہمیت کو تسلیم کرنا۔

۴- کائنات کے فرمارواکی جانب سے انسانوں کی رہنمائی کے لئے اسکے فرستادہ کے وجود پر ایمان۔

۵- تقدیر پر ایمان۔

۶- زندگی بعد موت پر ایمان۔

۷- عمل کے مطابق سزا اور جزا اور اس ضمن میں جنت اور دوزخ کا تصور۔

۸- تمام ظاہری اور باطنی اختلافات اور مقدس کتابوں میں تحریفات کے باوجود اس حقیقت کو تسلیم کرنا کہ اپنی اصل میں تمام ادیان، تمام آسمانی کتابیں اور تمام فرستادہ ہستیاں اسی ایک فرمارواکی جانب سے ہیں جو کائنات کا خالق اور پروردگار ہے۔

۹- آخری نبی کے سلسلے میں اپنی مقدس کتابوں میں موجود پیشن گوئیوں پر غور وخوض کی اہمیت کو سمجھنا۔

۱۰- عمل صالح کے لئے کسی نہ کسی شکل میں عبادت، روزہ، صدقہ، تسبیحات، مقدس مقامات کی زیارت، قربانی، وغیرہ کی ضرورت کو تسلیم کرنا۔

۱۵- یہاں یہ سوال بھی اہم ہے کہ کیا سارے ہندوؤں کو مثل اہل کتاب تسلیم کیا جائے یا ان میں سے جو واقعی کسی آسمانی کتاب کا تصور رکھتے ہوں صرف انہیں۔ حقیقت میں 'ہندو' لفظ کسی عقیدے یا عقائد کے مضمون کی غمازی نہیں کرتا بلکہ یہ کسی خاص علاقے میں رہنے والے لوگوں کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ مسلم دور حکومت میں ہندو ایسے تمام لوگوں کو کہا جاتا تھا جو مسلمان نہیں تھے۔ اس ملک کا نام جو کبھی دارالسلام بھی تسلیم کیا جاتا تھا کو 'ہندوستان' کہنے میں مسلمانوں کو کبھی تردد نہیں ہوا۔ خود ہندو اہل علم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ 'ہندو' لفظ یا تو فارسی سے مستعار ہے یا پھر قدیم زمانہ میں افغانستان، پاکستان اور پنجاب کے ایک حصہ پر مشتمل علاقے میں رہنے والے لوگوں کو ہندو کہا جاتا تھا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندوؤں کی اصل مقدس کتابوں میں ہندو لفظ کا استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ ان کو ان کے عقائد کی بنیاد پر مختلف زمروں میں داخل کیا گیا ہے مثلاً وشنو کو خدا تسلیم کرنے اور اس کے اوتاروں کو تسلیم کرنے والوں کو ویشنو کہا گیا، شیو کو اپنا مقصود ماننے والوں کو شیو کہا گیا، اور کائناتی حقیقت کو مؤنث طاقت کے روپ میں پوجنے والوں کو شاکت کہا گیا، اس کے علاوہ صرف ویدوں کی پیروی کرنے والے لوگ بھی رہے ہیں، مثلاً آج کے دور کے آریہ سماجی۔ وحدۃ الوجود کے علم بردار ہمیشہ توحید کے بنیادی تقاضوں سے دور رہے ہیں، جبکہ خالق اور مخلوق کے امتیاز کو تسلیم کرنے والے لوگوں کا بھی تسلسل پایا جاتا ہے، مثلاً لنگایت، برہم سماج، پرنامی فرقہ، وغیرہ۔

خلاصہ کلام:

اس پوری بحث کے نتیجے میں یہ موقف اختیار کیا جانا چاہئے کہ مذہبی ہندو اگر اہل کتاب نہ سہی مثل اہل کتاب کا درجہ تو یقینا رکھتے ہیں اور بھارت کے مسلمانوں کو ان کے تئیں اس اعتبار سے اپنے رویے میں تبدیلی کرنی چاہئے۔ اگر تمام ہندوں کے بارے میں ایک رائے رکھنا دشوار ہو تو مسلمہ اصولوں کے مطابق ہندوؤں کے مختلف فرقوں اور مذہبی تحریکات کا جائزہ لے کر ان کے بارے میں واضح موقف اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ہندوں کو اہل کتاب تسلیم کرنا آسان کام نہیں ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ مسلمانوں میں ہندوں کے عقائد اور مذہبی تصورات کا گہرا علم رکھنے والے لوگ عام طور پر شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں اور جو موجود ہیں وہ بھی اپنے علم کے ذریعہ قرآن وحدیث کی روشنی میں متعین نتیجہ اخذ کرنے سے قاصر ہوتے ہیں، کیونکہ نصوص سے ان کی واقفیت کما حقہ نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے ضروری ہے کہ اگر علماء کرام اس فقہی سمینار میں کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکیں تو علماء اور محققین و دانشوروں کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو اس مسئلہ میں مزید تحقیقات کے ذریعہ کسی واضح رائے پر پہنچنے میں مدد کر سکے۔

☆☆☆

صابئین اور ان سے متعلق احکام

ایک تحقیقی جائزہ

مولانا ابوعبداللہ عظمت اللہ ہدایت اللہ میر

صابئین سے کون لوگ مراد ہیں؟

لغت کی دنیا میں اس کی تحقیق یوں ملتی ہے: صابئة صبأ سے ماخوذ ہے: "صبأ الناب ونحوه (ف) صبوءا"، دانت نکلنا، پودے کا اگنا، "من الشئی الی الشئی"، ایک شئی کو چھوڑ کر دوسری اختیار کرنا، مذہب تبدیل کرنا، صابی ہونا، "صبأ عليه"، کسی پر چڑھائی کرنا، حملہ کرنا، کہا جاتا ہے "هو صابئی" (القاموس المحیط ا/۹۰۶، کتب خانہ حسینیہ دیوبند)۔

علامہ محمد بن قاسم الانباریؒ اپنی کتاب "الزاهر في معاني كلمات الناس" میں "الصابئين" کی تحقیق بیان کرتے ہوئے اس کے معنی "طلوع ہونا، ظاہر ہونا، صابئین کے دین کو اختیار کرنا" بتایا ہے، قریش مکہ بھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے صحابہ کو "صابئین" پکارتے تھے، اور اس کی وجہ وہ اجداد کے دین کو چھوڑ کر کے دین اسلام کو اپنانا بیان کرتے تھے۔ اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض علماء نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ: تمام ادیان باطلہ کو ترک کر کے صرف دین اسلام کو تسلیم کرنا۔ علامہ انباری تحریر فرماتے ہیں:

"وقولهم" هو من الصابئين، قال أبو بكر: الصابئون قوم من النصارى، قولهم: ألين من قول النصارى سموا صابئين لخروجهم من دين إلى دين، وكانت قريش تسمى رسول الله صلى الله عليه وسلم صابئا ويسمون أصحابه كذالك لخروجهم من دين إلى دين ـ يقال صبأت الثنية إذا طلعتها وصبأت الثنية إذا طلعت وصبأ النجم وأصبأ إذا طلع الخ" (الزاهر فى معانى كلمات الناس ۲/ ۱۷۶، دار النشر بيروت) نیز ملاحظہ ہو المحيط فى اللغة ۲/ ۲۲۴، وكتاب العين للخليل بن احمد البصرى ۷/ ۱۷۱)۔

صابئین کون ہیں؟:

صابئین ایک قدیم قوم ہے اور ان کا دین، دین قدیم ہے اس دین کو "دين الصابئة" سے جانا جاتا ہے، سب سے پہلے اس دین کا ظہور ملک عراق کے "کلدان" شہروں میں ہوا بعدہ رفتہ رفتہ دوسرے ملکوں اور جزیروں میں پھیلا۔ اس دین کو ماننے والے کثیر لوگ "خابور، دجلہ، فرات" اور سواد واسط کے "بطائح اور کسکر" نیز بلاد جزیرہ کے "حران" شہروں میں پھیل گئے۔

صابئین "دين الصابئة" کی نسبت صابئ بن شیث بن آدم علیہم السلام، یا صابئ عم نوح علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں۔ تفاسیر کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ "حران" کے اطراف میں مسکون صابئین کے متعلق یہ بات زبان زد تھی کہ وہ نصاری کی ایک قسم ہے اور خود نصاری بھی انکی نسبت حضرت یحیٰ (یوحنا) علیہ السلام کیطرف کرتے ہوئے ان کو "یوحناسیۃ" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ دوسرے شہروں میں بسنے والے صابئین کے متعلق یہ مشہور تھا کہ وہ "عبدة الاوثان" ہیں۔

صاحب "المختصر فى أخبار البشر" نے اپنی کتاب میں "أمة السريان والصابئين من كتاب أبي عيسى المغربي" عنوان کے تحت صابئین کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے:

صابئین کی ملت کے سلسلے میں یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ انہوں نے دین کو حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام سے لیا ہے، ان کے

پاس کتاب بھی ہے جس کو وہ حضرت شیث علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور اس کا نام صحف شیث بتاتے ہیں۔ اس کتاب کے مضامین محاسن اخلاق جیسے صدق، شجاعت، غرباء کے ساتھ ہمدردی اور اس جیسی چیزوں پر مشتمل ہیں۔ اور صابئین ایک دوسرے کو ان محاسن کا حکم بھی کرتے ہیں یعنی ان کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ اس کتاب میں رذائل کا تذکرہ بھی موجود ہے اور صابئین ان سے اجتناب کی دعوت بھی ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔

عبادت کے اعتبار سے صابئین کی اہم ترین عبادت نماز مانی جاتی ہے، البتہ ان کے یہاں نمازوں کی تعداد سات ہے، پانچ نمازیں مسلمانوں جیسی ہیں اس کے علاوہ صلاۃ الضحی اور رات کے اخیر حصہ میں پڑھی جانے والی نماز ہے گویا یہ نمازیں ان کے یہاں فرض نمازوں جیسا درجہ رکھتی ہیں۔ نیت کے اعتبار سے ان کی نماز مسلمانوں کی نماز ہی کے مانند ہیں یعنی اللہ ہی کے لئے نماز کو اللہ ہی کے حکم کے تحت پڑھا جاتا ہے، نماز کے دوران انسان نماز کے علاوہ کسی اور چیز کو اس میں نہ ملائے یعنی خارج صلاۃ جو چیزیں کی جاتی ہیں ان سے پرہیز کیا جانا ضروری ہے تاکہ نماز صحیح اور درست ہو جائے اور فاسد ہونے سے بچ جائے، یہ چیزیں بھی ان کی عبادات میں ملحوظ رہتی ہیں۔

صابئین کے یہاں "صلاۃ علی المیت" بھی مشروع ہے جس میں نہ رکوع ہے نہ سجود۔ صابئین تیس دن یعنی ایک مہینہ کے روزے بھی رکھتے ہیں۔ اگر مہینہ انتیس کا بھی ہو تب بھی اس پر کسی چیز کی زیادتی کے بغیر انتیس دن ہی کے روزہ رکھتے ہیں۔ روزہ میں یہ لوگ فطر یعنی افطار کی بھی رعایت کرتے ہیں اور افطار کرنے کا وقت ان کے یہاں غروب شمس ہی ہے۔

صابئین متعدد عیدیں مناتے ہیں اور ان عیدوں میں وہ نزول کواکب خمسہ: زحل، المشتری، المریخ، الزھرۃ، عطارد کی رعایت کرتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ وہ سورج کے اپنے برج میں عود کرنے پر ایک عید مناتے ہیں جس کو وہ باعتبار شرف کے بڑا اہم تصور کرتے ہیں۔ ان کے یہاں بیت اللہ کی تعظیم کا عقیدہ بھی پایا جاتا ہے وغیرہ۔

الغرض صابئین کے مختصر تعارف پر مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"ملة الصابئين ويذكرون أنهم أخذوا دينهم عن شيث وإدريس، ولهم كتاب يعزونه إلى شيث، ويسمونه صحف شيث، يذكر فيه محاسن الأخلاق، مثل الصدق والشجاعة والتعصب للغريب وما أشبه ذالك، ويأمر به ويذكر الرذائل ويأمر بجتنابها، وللصابئين عبادات منها سبع صلوات، منهن خمس توافق صلوات المسلمين والسادسة صلاة الضحى، والسابعة صلاة يكون وقتها في تمام الساعة السادسة من الليل، وصلاتهم كصلاة المسلمين من النية، وأن لايخالطها المصلي بشئي من غيرها۔

ولهم الصلاة على الميت بلا ركوع ولا سجود، ويصومون ثلاثين يوما، وإن نقص الشهر الهلالي صاموا تسعا وعشرين يوما، وكانوا يراعون في صومهم الفطر والهلال، بحيث يكون الفطر وقد دخلت الشمس الحمل، ويصومون الليل من ربع الاخير الى غروب قرص الشمس۔

ولهم أعياد عند نزول الكواكب الخمسة المتحيرة: زحل والمشترى والمريخ والزهرة وعطارد، ويعظمون بيت مكة، ولهم بظاهر حران مكان يحجونه، ويعظمون اهرام مصر، ويزعمون أن أحدها قبر شيث بن آدم والآخر قبر ادريس، وهو حنوخ، والاخر قبر صابي بن ادريس الذى ينتسبون إليه، ويعظمون دخول الشمس برج الحمل، فيتهادون فيه ويلبسون افخر ملابسهم، وهو عندهم من أعظم الأعياد لدخول الشمس برج شرفها۔

قال ابن حزم: والدين الذى انتحله الصابئون أقدم الأديان على وجه الدهر، والغالب على الدنيا، إلى أن أحدثوا فيه الحوادث، فبعث لله تعالى اليهم إبراهيم خليله عليه السلام، بالدين الذى نحن عليه الآن۔ قال الشهرستاني: والصابئون يقاتلون الحنفية، ومدار مذهبهم التعصب للروحانين، كما أن مدار مذهب الحنفات التعصب للبشر والجسمانيين... الخ" (المختصر في اخبار البشر ۱/ ۵۳، بیروت، الشاملة)۔

صابئین فقہاء کی نظر میں:

الف- مالکیہ کے مشہور امام علامہ ابن عبد البر النمری المالکیؒ لکھتے ہیں کہ "صابئین" غیر یہود، غیر نصاری، غیر مجوس ہیں، جیسا کہ ظاہر القرآن اس پر دال ہے۔

"والذی یدل علیه ظاهر القرآن ان الصابئین غیر الیهود وغیر النصاری وغیرالمجوس قال الله تبارك وتعالی: (إن الذین آمنوا والذین هادوا والصابئین والنصاری والمجوس والذین اشرکوا)(سورة الحج آیت /۱۷(الاستذکار ۵/ ۲۸۲)

مالکیہ ہی کے دوسرے مشہور امام علامہ احمد بن محمد الصادی المالکی "کذاقال أهل المذهب" کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ: صابئین اگرچہ اصل کے اعتبار سے نصاری ہیں، لیکن نصاری کی مخالفت کی وجہ سے ان کو مجوس کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے۔

"ولا الصابئین وإن کان أصلهم نصاری لکن لعظم مخالفتهم للنصاری ألحقوا بالمجوس، کذا قال أهل المذهب" (بلغة السالك لاقرب المسالك/۹ ۹۹، بیروت العلمیه) نیز ملاحظہ ہو (حاشية الصاوی علی الشرح الصغیر کتاب الذبائح ۲/ ۹۴ ،بیروت دار الکتب العلمیة)۔

ب-شوافع کے مشہور و معروف امام علامہ ابوالحسن الماوردیؒ نے امام شافعیؒ کے حوالے سے تین قول نقل کئے ہیں:

۱- صابئین نصاری کی ایک قسم ہے اگر یقین کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ یہ لوگ اصول میں ان کی مخالفت نہیں کرتے ہیں۔

۲- صابئین نصاری کی مطلقاً صنف نہیں ہے۔

۳- تیسرا قول ان کے بارے میں توقف کا نقل کیا ہے۔

علامہ ماوردیؒ نے ان تینوں اقوال کے درمیان تطبیق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کے اقوال کا یہ اختلاف ان کے ذاتی آرا کی وجہ سے نہیں، بلکہ صابئین کے حال کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے وہ اس لئے کہ:

اگر صابئین نصاری کے اصل عقائد میں ان کی موافقت کے ساتھ ساتھ حضرت عیسی علیہ السلام اور ان پر نازل شدہ کتاب توراۃ کے بھی معتقد ہوں تب تو وہ نصاری کی ایک صنف ہوگی اور ان پر اہل کتاب جیسے احکامات جاری ہونگے۔

اگر صابئین نصاری کے اصل عقائد میں موافق تو نہیں ہیں، لیکن فروعات میں ان کے موافق ہیں ساتھ ساتھ وہ حضرت عیسیٰ اور توراۃ کی تکذیب بھی کرتے ہیں تو اس صورت میں یہ عبدۃ الاوثان ہونگے اور عام کفار میں شامل ہونگے۔

اور اگر ان کے بارے میں شک و تردد ہو کہ آیا وہ یہود و نصاری کی فروع کے علاوہ اصول میں موافق ہیں یا مخالف، یا اصول کے علاوہ فروع میں مخالف ہیں یا موافق، تو اس صورت میں ان کا حکم ان لوگوں کا سا ہوگا جن کے بارے میں تیقن کے ساتھ معلوم نہ ہو کہ وہ یہودیت یا نصرانیت میں ان ادیان میں رد و بدل ہونے سے پہلے داخل ہو چکے ہیں یا ان ادیان میں رد و بدل ہونے کے بعد داخل ہو چکے ہیں۔ یعنی نصاری کی ایک صنف مانا جائے گا اگر یہ بات معلوم ہو کہ وہ اصول میں ان کے موافق ہیں اگرچہ فروع میں ان کے مخالف ہیں اور نصاری ہی کے احکام ان پر جاری ہونگے۔ مگر یہ تب ہے جب ان لوگوں کا تعلق اس اصل کے ساتھ ہوگا جو نصرانیت میں تحریف سے پہلے متصور تھے۔

اور اگر ان کا تعلق نصرانیت کے اصول کے ساتھ نصرانیت میں تحریف ہونے کے بعد کا ہے تو پھر ان کو نصاری کی صنف تصور کرنا درست نہیں ہو گا۔ علامہ ماوردیؒ لکھتے ہیں:

"وأما الصابئون فهم صنف من النصاری وافقوهم علی بعض دینهم وخالفوهم فی بعضه ویسمی باسمهم ویضاف الیه قوم یعبدون الکواکب ،ویعتقدون أنها صانعة مدبرة ،فنظر الشافعی فی دین الصابئین والسامرة فوجده مشتبها فعلق القول فیهم، لاشتباه أمرهم:فقال هاهنا ! إنهم من الیهود والنصاری، إلا أن یعلم أنهم یخالفوهم فی أصل ما یحلون ویحرمون فیحرمون ،وقطع فی موضع أخر أنهم منهم ،وتوقف فی موضع أخر فیهم،

ولیس ذالك لاختلاف قوله ،ولکن لایخلوا حالھم من ثلاثة اقسام:

فقال: إن وافقوا الیھود والنصاری فی أصل معتقدھم ،ویخالفوھم فی فروعه فیقر السامرة بموسی والتوراة ویقر الصابئون بعیسی والإنجیل ،فھؤلاء کالیھود ،والنصاری فی قبول جزیتھم وأکل ذبائحھم ،ونکاح جزء التاسع نسائھم لانھم إذا جمعھم أصل المعتقد لم یکن خلافھم فی فروعه مؤثرا،کما یختلف المسلمون مع اتفاقھم علی أصل الدین فی فروع لاتوجب تباینھم ولا خروجھم عن الملة۔

والقسم الثانی:أن یخالفوالیھود والنصاری فی أصول معتقدھم وان یوافقوھم فی فروعه ، ویکذب السمرة بموسیٰ والتوزة و یکذبالصابئون بعیسیٰ والإنجیل فھولاء کعبدة الاوثان لا یقبل لھم جزیة ولا یو کل لھم ذبیحةو لاتنکح منھم امراة ،لانھم لم یکونوا علی حق فیراعی فیھم ولاتمسکو ا بکتاب فیحفظ علیھم حرمته فیؤخذوا بالاسلام او بالسیف... الخ

والقسم الثالث:أن یشك فیھم:فلا یعلم ھل وافقوالیھود والنصاری فی الأصول دون الفروع ،أو فی الفروع دون الاصول ،فھولاء کمن شك فی دخوله فی الیھودیة والنصرانیة ھل کان قبل التبدیل أوبعده فیقرون بالجزیة حقنا لدمائھم ولا تؤکل ذبائحھم ولا تنکح نسائھم" (الحاوی الکبیر ۹/ ۵۷۵، دارالفکر بیروت)۔

شوافع ہی کے دوسرے امام علامہ ابن قدامہ الشافعیؒ نے امام شافعیؒ سے اس بارے میں توقف کا قول نقل فرمایا ہے آپ الشرح الکبیر میں لکھتے ہیں:

"وتوقف الشافعی فی أمرھم... الخ" (الشرح الکبیر ۱۰/ ۵۸۹ دار الکتب العلمیة)۔

ج۔حنابلہ میں سے امام احمد ابن حنبلؒ کے شاگرد رشید،علامہ اسحٰق ابن منصور الکوسجؒ نے علامہ ابن القیمؒ کے حوالے سے اپنی مشہور کتاب "مسائل الامام احمدبن حنبل واسحاق بن راھویة" میں لکھا ہے:

صابئین کی تین قسمیں ہے ایک قسم وہ ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات،اس کے اسماء،صفات ملائکہ،رسل،اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو مطلقا کافر ہیں۔

تیسری قسم ان کی ہے جو تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں،اور تمام شریعتوں پر عمل پیرا ہیں اس اعتبار سے کہ جو چیز ان شریعتوں کی ان کے عقول کے موافق ہوں اور وہ ان کو اپنانا یا اس پر عمل کرنا اچھا سمجھتے ہوں تو وہ اس کو دین سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ صابئین کی ان مختلف قسموں کو مدنظر رکھتے ہوئے ان میں سے ایک جماعت کو صابئین حنفاء اور دوسروں کو صابئین مشرکین کہیں گے۔

صابئة حنفاء سے مراد وہ لوگ ہونگے جو ملت ابراہیمی سے وابستہ ہوں اور اپنے آپ کو اس کے متبعین میں سے جانتے ہوں۔

صابئة مشرکون سے مراد وہ ہیں جو اس کے علاوہ ہوں۔علامہ اسحٰق ابن منصور الکوسج لکھتے ہیں:

"قال ابن القیم: الصابئة أمة فیھم المؤمنون باللہ ،وأسمائه ،وصفاته ،وملائکته، ورسله، والیوم الأخر، وفیھم الکافر، وفیھم الأخذ من دین الرسل ۔بما وافق عقولھم واستحسنوا فدانوا به ،ورضوہ لأنفسھم ،وعقد أمرھم إنما یأخذون بمحاسن ما عند اھل الشرائع بزعمھم ولا یوالون اھل ملة ،ویعادون اخری ،ولا یعصبوب لملة علی ملة، والملل عندھم نوامس لمصالح العالم ،فلا معنی لمحاربة بعضھا بعضا ، بل یؤخذ بمحاسنھا ،وما تکمل به النفوس، وتتھذب به الاخلاق ولذالك سموا الصابئین ،کأنھم صبئوا عن التعبد بکل ملة من الملل والانتساب الیھا، ولذا قال غیر واحد من السلف:لیسوا یھودا ،ولا نصاری ، ولا مجوسا۔

وھم نوعان:صابئة حنفاء ،وصابئة مشرکون ۔فالحنفاء ھم الناجون منھم وبینھم مناظرات ورد من

بعضهم على بعض وهم قوم ابراهيم كما أن اليهود قوم موسى ـ والحنفاء منهم اتباعه'' (مسائل الامام احمد بن حنبل واسحق بن راهوية ۸/ ۳۹۵۷، دار الكتب العلمية)۔

حنابلہ ہی کے ایک امام علامہ شمس الدین محمد بن فتح البعلی الحنبلیؒ لکھتے ہیں کہ: صابئین ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں اور زبور داود علیہ السلام کو پڑھتے ہیں۔

''الصابئون يعبدون الملائكة ويقرؤون الزبور، وقال غيره: الصابئون طائفة من اليهود'' (المطلع على ابوات المقنع ۱۶/ ۲۲۳، دار الفكر بيروت)۔

صابئة حنفاء اور صابئة مشركين کی حقیقت بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب ''الرد على المنطقين'' میں قدرے وضاحت یوں بیان فرمائی ہے:

صابئین کی دو قسمیں ہیں: ''صابئة حنفاء و صابئة مشركين''۔

صابئة حنفاء: وہ ہیں جو بمنزلہ ان یہود و نصاری کے ہیں جو شریعت توراۃ اور انجیل کے متبعین ہیں ان کتابوں میں نسخ، تحریف اور رد و بدل ہونے سے پہلے، اور یہی وہ طبقہ ہے جن کی تعریف و تحمید قرآن پاک میں آئی ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ صابئین کے پاس کوئی ایسی شریعت نہیں ہے جو کسی نبی سے ماخوذ ہو، یہ دراصل یہود، نصاری، مجوس میں کی ایک قوم ہے جن کا مستقل کوئی دین نہیں ہے۔ لیکن وہ اللہ کو ایک جانتے اور ایک مانتے ہیں اور کافرانہ باتیں نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ مشترک اسلام کے حاملین ہیں، یعنی تمام شرائع کے متبعین ہیں اور وہ ایک اللہ کی عبادت کرنا ہے اور صدق اور عدل کو قبول کرنا ہے اور فواحش و ظلم کو حرام جاننا ہے اور اس جیسی اور چیزیں جن پر تمام انبیاء کا ایجاب اور تحریم کے اعتبار سے اتفاق تھا۔ وہ فقط ''لا الہ الا اللہ'' کا کلمہ پڑھتے ہیں ان کے پاس نہ کوئی مستقل آسمانی کتاب ہے اور نہ ہی وہ مستقلا کسی نبی کے متبعین ہیں، اور یہ بات صحیح ہے کہ یہ لوگ سرزمین یمن میں ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام سے قبل پائے جاتے تھے۔

صابئة مشركون: پس وہ وہ طبقہ ہے جو ملائکہ کی پرستش کرتے ہیں اور زبور کو پڑھتے ہیں اور نماز بھی پڑھتے ہیں پس وہ روحانیات علویہ کی عبادت کرتے ہیں۔

الغرض اسی بنیاد پر جن صابئین نے اہل کتاب کے دین کو قبول کیا تو وہ اہل کتاب ہی ہیں اور جنہوں نے اہل کتاب کے دین کو قبول نہیں کیا وہ مشرک ہیں اور ان کی مثال ان لوگوں کی ہے جو کواکب کی عبادت کرتے ہیں جیسے کہ وہ صابئین جو ارض حران میں پائے جاتے ہیں جب کہ اسلام کی دعوت بھی ان تک پہنچی۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں:

''أن الصابئة نوعان: صابئة حنفاء، وصابئة مشركون''۔

''أما الصابئة الحنفاء فهم بمنزلة من كان متبعا لشريعة التوراة والانجيل قبل النسخ والتحريف والتبديل من اليهود والنصارى ـ وهؤلاء حمدهم الله واثنى عليهم: والثابت أن الصابئين ليس لهم شريعة مأخوذة عن نبي، وهم قوم من المجوس واليهود والنصارى ليس لهم دين، ولكنهم عرفوا الله وحده، ولم يحدثوا كفرا وهم متمسكون ''بالاسلام المشترك'' وهو عبادة الله وحده وايجاب الصدق والعدل وتحريم الفواحش والظلم ونحو ذالك مما اتفقت الرسل على ايجابه وتحريمه وهم يقولون ''لا اله الا الله'' فقط وليس لهم كتاب ولا نبي، والصحيح انهم كانوا موجودين قبل ابراهيم عليه الصلوة والسلام بأرض اليمن ـ

وأما الصابئة المشركون فهم قوم يعبدون الملائكة ويقرؤون الزبور، ويصلون فهم يعبدون الروحانيات العلوية۔

وعلى ذالك فمن دان من الصابئة بدين الكتاب فهو من أهل الكتاب، ومن لم يدن بدين أهل الكتاب

فهو مشرك ومثالهم من يعبد الكواكب كمن كانوا بأرض حران عند ما أدركهم الاسلام... الخ" (الموسعة الميسرة في الاديان والمذاهب ،الصابئة المندائيون - الجزء ۱۳۶ الصفحة ۱، الشاملة)۔

علامہ ابومحمد علی بن احمد بن حزم الظاہری "الکلام فی ابراھیم علیہ السلام" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

اس لئے کہ ان کی قوم کے لوگ دین صابئین پر تھے وہ کواکب کی عبادت کرتے تھے اور ھیاکل میں بتوں کی تصویریں ان کی صورتوں اور ان کے اسماء پر بنایا کرتے تھے، ان کے نام سے عید منایا کرتے تھے، ان کے نام پر جانوروں کو ذبح کرتے تھے اور ان نام پر عبادتیں بھی انجام دیتے تھے۔

علامہ لکھتے ہیں: "الكلام في ابراهيم عليه السلام:... لانهم كانوا على دين الصابئين يعبدون الكواكب و يصورون الأصنام على صورها واسمائها في هياكلهم ويعيدون لها الأعياد ويذبحون لها الذبائح ويقربون لها القرب... الخ۔ (الفصل في الملل والاهواء والنحل ۶/۴ بيروت لبنان. الشاملة)۔

"اسم اللہ السبوح" کتاب کے مصنف صابئین کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

اور جب متوجہ ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کے صابئین مشرکین کی طرف تو یاد دلائی ان کو وہ چیز جس نے ان کو شرک میں مبتلا کر دیا۔ اور وہ "ظن السوء برب العالمین" ہے۔

"ولما اوجه إبراهيم عليه السلام الصابئين المشركين من قومه ذكرهم بما أوقعهم في شركهم وهو ظن السوء برب العالمين... الخ" (اسم الله السبوح ۱/۳۸، الشاملة)۔

د۔ احناف کے یہاں صابئین کے سلسلے میں دو قول بیان کئے گئے ہیں: ایک امام اعظم ابوحنیفہؒ کا اور دوسرا صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کا۔ امام صاحب کے یہاں صابئین نصاریٰ کی ایک قسم ہے اور اہل کتاب میں شامل ہیں جب کہ صاحبین کے یہاں صابئین مطلقاً مشرکین میں سے ہیں۔

احناف میں صاحب "الجوهرة النيرة" نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حوالے سے صابئین کو "فرقة من النصارى" بیان فرمایا ہے، البتہ ان کے ذبائح وغیرہ کے حلال ہونے کے لئے صابئین کا "يؤمنون بنبي ويقرون بكتاب" کی قید بیان فرمائی ہے، آپ لکھتے ہیں:

"الصابئين وهم فرقة من النصارى فعند ابي حنيفة تؤكل إذا كانوا يؤمنون بنبي ويقرون بكتاب، وإن كانوا يعبدون الكواكب ولا يقرون بنبوة عيسى عليه السلام لم تؤكل" (الجوهرة النيرة ۵/ ۲۵۸، بيروت)۔

علامہ سرخسیؒ نے بھی امام صاحبؒ سے یہی قول نقل فرمایا ہے البتہ انہوں نے "يقرؤون الزبور ويعظمون الكواكب" کی زیادتی کو بیان کیا ہے۔

علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

"أن الصابئين منهم فوقع عند أبي حنيفة أنهم قوم من النصارى يقرؤون الزبور ويعظمون بعض الكواكب" (المبسوط للسرخسي ۴/ ۳۸۵، بيروت)۔

آگے اسی کتاب کی جلد ۱۱/ ۲۴۷ میں علامہ کرخیؒ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ صابئین کی ایک جماعت ایک قوم ایسی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتی ہے اور زبور کو پڑھتی ہے یہ قوم یہ طبقہ نصاریٰ کی ایک صنف ہے۔ ایک جماعت ان میں کی ایسی بھی ہے جو اصلاً نبوت کے بھی منکرین ہیں اور کتابوں کے بھی منکر ہیں اور وہ سورج کی عبادت کرتے ہیں یہی قسم عبدۃ الاوثان میں شامل ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ سرخسی کی یہ عبارت:

"ولكن في الصابئين قوم يقرون بعيسى عليه السلام ويقرؤون الزبور فهم صنف من النصارى...وفيهم من ينكر النبوات والكتب أصلا وإنما يعبدون الشمس وهؤلاء كعبدة الأوثان" (المبسوط للسرخسي ۱۱/ ۲۴۷، بيروت)

صابئین کا مذہب:

صاحب "تلبیس ابلیس" علامہ عبدالرحمن بن علی بن الجوزیؒ نے "ذکر تلبیسه علی الصابئین" عنوان کے ذیل میں صابئین کے مذہب کے متعلق علماء کے دس اقوال نقل فرمائے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے مذہبی انتساب کا یہ مسئلہ تابعین کے دور سے ہی مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔

قول اول: صابئین نصاری اور مجوس میں کی ایک مشترک قوم ہے۔ یہ قول حضرت سعید ابن جبیرؒ اور حضرت مجاھدؒ کا ہے۔

اس قول کو ابن الجوزی نے اپنی تفسیر "زاد المسیر ۱/ ۹۲" میں سالم بن عجلان اور لیث بن ابی سلیم کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔

قول ثانی: صابئین یہود اور مجوس میں کی ایک مشترک قوم ہے۔ یہ قول بھی حضرت مجاھدؒ سے منقول ہے۔

اس قول کو تفسیر مجاھد ۱/ ۷۷، عبدالرزاق ۱/ ۴۷، الطبری ۲/ ۱۴۶، ابن ابی حاتم ۱/ ۱۲۸، تفسیر الثوری ص ۶۴، البغوی ۱/ ۱۰۲، ابن الجوزی ۱/ ۹۲، ابن کثیر ۱/ ۱۰۸۔ نے ابن نجیح کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔

قول ثالث: صابئین یہود و نصاری میں کی ایک مشترک قوم ہے۔ اس قول کو قاسم بن ابی بزۃؒ نے حضرت مجاھدؒ سے ہی نقل فرمایا ہے

الطبری ۲/ ۱۴۶، ابن ابی حاتم ۱/ ۱۲۷، البغوی ۱/ ۱۰۲، زاد المسیر ۱/ ۹۲، الدر المنثور ۱/ ۱۸۳۔

قول رابع: صابئین نصاری کی ایک "الین قولا منهم" قوم ہے۔ یہ قول ابوصالحؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے۔ زاد المسیر ۱/ ۹۲ لابن الجوزیؒ۔

قول خامس: صابئین مشرکین ہی کی ایک قوم ہے جن کو پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے اور نہ وہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہیں۔ اس قول کو قاسم نے حضرت مجاھدؒ سے نقل فرمایا ہے۔ الدر المنثور ۱/ ۱۸۳ للسیوطیؒ۔

قول سادس: یہ مجوس میں سے ہیں۔ یہ قول حضرت حسن بصریؒ کا ہے۔ ابن ابی حاتم ۱/ ۱۲۸، ابن کثیر ۱/ ۱۰۸، زاد المسیر ۱/ ۹۲ لابن الجوزیؒ۔

قول سابع: صابئین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور کی تلاوت کرتے ہیں۔ یہ قول ابوالعالیہؒ کا ہے۔ ابن ابی حاتم ۱/ ۱۲۸، ابن کثیر ۱/ ۱۰۸، زاد المسیر ۱/ ۹۲ لابن الجوزیؒ، الدر المنثور ۱/ ۱۸۳، ابن جریر ۲/ ۱۴۷۔

قول ثامن: یہ قوم قبلہ کی طرف نماز بھی پڑھتی ہے، ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں، اور زبور داود کی تلاوت بھی کرتے ہیں۔ یہ قول حضرت قتادۃؒ اور حضرت مقاتل بن حیان النبطیؒ کا ہے۔ ابن کثیر ۱/ ۱۰۸، زاد المسیر ۱/ ۹۲ لابن الجوزیؒ، الدر المنثور ۶/ ۱۶، الطبری ۲/ ۱۴۷، عبدالرزاق فی تفسیره ۲/ ۳۹۔

قول تاسع: یہ اہل کتاب کی ایک جماعت ہے۔ یہ قول علامہ سدی (اسماعیل بن عبدالرحمن الکوفی السدی) کا ہے۔ ابن جریر ۲/ ۱۴۷۔ الدر المنثور ۱/ ۱۸۳، ابن کثیر ۱/ ۱۰۸۔

قول عاشر: یہ قوم "لا اله الا الله" کا اقرار کرتی ہے ان کے پاس نہ کوئی عمل ہے، نہ ہی کوئی آسمانی کتاب، اور نہ ہی کسی نبی کے متبعین ہیں۔ یہ قول ابن زیدؒ (عبدالرحمن بن زید بن اسلم العدوی) کا ہے۔ ابن کثیر ۱/ ۱۰۸، زاد المسیر ۱/ ۹۲ لابن الجوزیؒ، الطبری ۲/ ۱۴۷۔

ملاحظہ ہو "تلبیس ابلیس" کی مندرجہ عبارات:

ذکر تلبیسه علی الصابئین: ....وللعلماء فی مذهبهم عشرة اقوال:

احدها: أنهم قوم بین النصاری والمجوس، رواه سالم عن سعید بن جبیر، ولیث عن مجاهد۔

الثانی: أنهم بین الیهود والمجوس، رواه ابن ابی نجیح عن مجاهد۔

الثالث: أنهم بین الیهود والنصاری، رواه القاسم بن ابی بزة عن مجاهد۔

الرابع: أنهم صنف من النصاری ألین قولا منهم، رواه ابوصالح عن ابن عباس۔

الخامس: أنهم قوم من المشركين يقرأون الزبور، رواه القاسم ايضا عن مجاهد۔

السادس: أنهم كالمجوس، قاله الحسن۔

السابع: أنهم فرقة من أهل الكتاب يقرأون الزبور، قاله ابو العالية۔

الثامن: أنهم قوم يصلون (القبلة) ويعبدون الملائكة ويقرأون الزبور، قاله قتادة ومقاتل۔

التاسع: أنهم طائفة من أهل الكتاب، قاله السدى۔

العاشر: أنهم كانوا يقولون: لا اله الا الله، وليس لهم عمل ولا كتاب ولا نبى الا قول: لا اله الا الله، قاله ابن زيد۔ (تلبيس ابليس ۲/ ۴۵۰ دار الوطن للنشر)۔

صابئین کے فرقے:

ڈاکٹر احمد عبد العزیز الحصین نے اپنی مشہور کتاب "موسوعة ماذا تعرف عن الفرق والمذاهب ۳/ ۱۳۱۶ دار عالم الکتب" میں علامہ آمدی کے حوالے سے "فرق الصابئة" چار فرقوں کا تذکرہ فرمایا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱- فرق اول کو "اصحاب الروحانیات" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس فرقے سے تعلق رکھنے والے صابئین کا گمان ہے کہ کواکب فلکیہ ان کے لئے مجسمات عبادت ہیں، یعنی یہ کواکب فلکیہ ہمارے معبد خانوں میں خالق اور مخلوق کی عبادت کو انجام دیے جانے کا درمیانی واسطہ ہیں۔

۲- فرق ثانی کو "اصحاب الهیاکل" کہا جاتا ہے۔ جن کا عقیدہ ہے کہ ہیاکل ہی پورے عالم کے تکوینی نظام کو چلاتے ہیں۔

۳- تیسرے فرقے کو "اصحاب الاشخاص" سے جانا جاتا ہے۔ جن کا گمان ہے کہ انسان جب اپنے معبود حقیقی کی عبادت کرتا ہے تو اس کے لئے متوسط مرئی کا ہونا ضروری ہے بغیر اس کے وہ معبود حقیقی تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی اپنی عبادات کو اس تک پہنچا سکتا ہے۔ لہذا کواکب اگرچہ متوسط مرئی ہیں، لیکن ان کا طلوع دائمی نہیں ہیں بلکہ وہ کبھی طلوع ہوتے ہیں اور کبھی غروب۔ لہذا کسی ایسے واسطہ کی ضرورت ہے جو طلوع و غروب سے خالی ہوں۔ جس لے لئے ایسے اشخاص جن کا مشاہدہ ممکن ہو کا انتخاب ضروری ہے جو اپنی زندگی ان ہیاکل میں ہی صرف کریں جو روحانیات کے لئے وسیلہ ہیں اور جو اللہ تعالی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔

۴- چوتھے فرقے کو "الحلولیة" کے نام سے جانا جاتا ہے، یہی وہ طبقہ ہے جن کو ابن بطوطہ نے "حرانیہ" کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔ ان کا گمان ہے کہ اللہ اپنی ذات میں یکتا ہے اور اللہ پاک نے ہی اجرام افلاک کو پیدا فرمایا ہے اور ان میں سے کواکب بھی ہیں، اللہ پاک نے ہی کواکب کو سفلی عالم کے نظام کے لئے مدبر بنایا ہے۔ اللہ پاک ان کواکب کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور ان کواکب سبعہ میں حلول فرماتے ہیں۔ اور ان کواکب ہی کی شکل میں بغیر تعدد ذات کے نگاہوں کے سامنے آتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں عبارات:

"فرق الصابئة: للصابئة فرق كثيرة كما ذكر الآمدى (ت ۶۳۱ھ) وهى:

الفرقة الاولى: اصحاب الروحانيات: ويزعم اصحابها أن الكواكب الفلكية هياكل هذه الروحانيات: أى هناك رابطة بين الانسان وبين الاله المعبود۔

الفرقة الثانية: أصحاب الهياكل: وهذه الهياكل هى المدبرة لكل مافى عالم الكون۔

الفرقة الثالثة: أصحاب الاشخاص: وهم الذين يزعمون انه اذا كان لا بد من متوسط مرئى فلكواكب وان كانت مرئية الا انها قد ترى فى وقت دون وقت لطلوعها وأفولها وظهورها نهارا فدعت الحاجة الى وجود اشخاص مشاهدة نصب الاعين تكون وسيلة الى الهياكل التى هى وسيلة الى الروحانيات التى هى وسيلة الى الله تعالى۔ فاتخذوا لذالك اصناما وصورها على صور الهياكل السبعة ۔ كل صنم من جسم مشارك فى طبيعته لطبيعة ذالك الكوكب۔

الفرقة الرابعة: الحلولية (وهم الذين سماهم ابن بطوطة بالحرانية) زعموا أن الإله حد فى ذاته وانه خلق

أجرام الافلاك وما فيها من كواكب ـ وجعل الكواكب مدبرة لما فى العالم السفلى ـ واله يظهر ويحل فى الكواكب السبعة ويتشخص باشخاصها من غير تعدد فى ذاته'' (موسوعة ما ذا تعرف عن الفرق والمذاهب ۳/ ۱۳۱۷، ۲۱۲ دار عالم الكتب)۔

صابئین کی مقدس کتابیں:

صابئین کی تمام کتب مقدسہ ''سامی'' زبان میں ہیں جو کہ ''سریانی'' زبان کے قریب قریب ہے اوران کی کتابیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ الکنزاربا: جس کو یہ ''الکتاب العظیم'' کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ اس کتاب کے متعلق ان کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ وہ صحیفہ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام پر نازل ہوا ہے۔ اس کتاب کے موضوعات تکوین عالم کے نظام، مخلوق کے حساب وکتاب، دعا وقصص پر مبنی ہے۔ اس کتاب کا ایک مکمل قدیمی نسخہ ''خزانة المتحف العراقی'' میں اس وقت بھی موجود ہے جس کی طباعت ''مطبع'' کوبنھاجن'' میں ۱۸۱۵م، اور مطبع لابیزیغ ۱۸۶۷م میں ہوئی ہے۔

۲۔ دراشة ادیھیا: اس کتاب میں حضرت یحیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اوران کی حیات مبارکہ کا ذکر ہے۔

۳۔ الفلستا: اس کتاب کے موضوعات نکاح، احکام نکاح اور احکام مجالس نکاح وخطبات نکاح ہیں۔

۴۔ سدرۃ اذنشماثا: یہ کتاب ان موضوعات۔ تعمید، دفن، لحد کی مذہبی رسومات کے بیان اور انتقال روح جسم سے زمین اور پھر اس کا عالم انوار میں پہنچنا وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ نیز اس کتاب کا جدید نسخہ عراق کے کتب خانہ میں موجود ہے جو ''مندائی'' زبان میں شائع ہوا ہے۔

۵۔ کتاب الدیونات: اس کتاب میں قصص اور بعض روحانیین کی سوانح مع ان کے صورتوں کے مذکور ہیں۔

۶۔ کتاب اسفرملواشة: اس کتاب میں علم فلک اور علم نجوم کے ذریعے سے آنے والے سال کے حوادثات زمانہ کو جاننے کا ذکر ہے انتقال بروج کے ذریعے سے۔

۷۔ کتاب النیانی: جس میں شعروشاعری اوراذکار دینیہ کا ذکر ہے۔ اس کا ایک نسخہ مکتبہ عراق میں پایا جاتا ہے۔

۸۔ کتاب قماھاذھیقل زیوا: یہ کتاب ایسی دوسوسطروں پر مشتمل ہیں جو کتاب حجاب سے لے لی گئی ہیں جن کے بارے میں صابئین کا عقیدہ ہے کہ جو شخص ان پر عمل پیرا ہوگا اس پر آلہ حرب اور آگ کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

۹۔ فیسر بغرۃ: جس میں علم تشریح الاعضاء اور تمام کھانے کی پاک چیزوں کا ذکر ہے، جن کا اولاد الصابئین کے لئے کھانا جائز ہے۔

۱۰۔ کتاب ترسسر ألف شیالة: یہ کتاب بارہ ہزار سوالات پر مشتمل ہے۔ جو سوالات پاکیزگی میں خطاء اوراس کے طریقہ تلافی پر مشتمل ہے نیز ان شعائر دینیہ کو شامل ہیں جو دین صابی میں پائے جاتے ہیں۔

۱۱۔ دیوان طقوس التطھیر: اس کتاب میں بشکل دیوان دین صابیہ میں انجام دی جانے والی رسوم کو ان کی اقسام کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔

۱۲۔ کتاب کداوا کدفیاتا: اس کتاب کے مضامین اللہ پاک سے نجات مانگنے، پناہ مانگنے وغیرہ امور پر مشتمل ہیں۔

ڈاکٹر احمد عبدالعزیز الحصین اپنی مشہور کتاب ''موسوعة ماذا تعرف عن الفرق والمذاھب ۳/ ۱۳۱۶ دار عالم الکتب'' میں صابئین کی کتب مقدسہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ''کتبھم المقدسة'' عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

كتبهم المقدسة: وكتبهم المقدسة هى باللغة السامية قريبة من السريانية وكتبهم هى:

اولا: الكنزاربا: أى الكتاب العظيم ويعتقدون بانه مصحف آدم عليه السلام، فيه موضوعات كثيرة عن نظام تكوين العالم وحساب الخليقة وادعية وقصص، وتوجد فى خزانة المتحف العراقى نسخة كاملة منه، طبع فى كوبنهاجن سنة ۱۸۱۵م، وطبع فى لايبزيغ سنة ۱۸۶۷م۔

ثانيا: دراشة اديهيا: أى تعاليم يحيى، وفيه تعاليم وحياة النبى يحيى عليه السلام۔

ثالثًا: الفلستا: ای کتاب عقد لازواج،ویتعلق بالا حتفالات ولانکاح الشرعی والخطبة۔

رابعًا:سدرة انشماثا:یدور حول التعمید الدفن والحداد،وانتقال س الروح من الجسد إلى الأرض ومن الاثور،وفی خزانة المتحف العراقی نسخة حدیثة منه مکتوبة باللغة المندائیة۔

خامسًا:کتاب الدیونات:فیه قصص وسیر بعض الروحانین مع صور لهم۔

سادسًا:کتاب اسفر مدواه:أی سفر البروج لمعرفة حوادث السنة المقبلة عن طریق علم الفلك والتنجیم۔

سابعًا: کتاب النیانی:أی الأناشید والأذاکر الدینة،وتوجد نسخة منه المتحف العراقی۔

ثامنًا:کتاب قماها ذهیقل زیوا:ویتألف من ۲۰۰سطر وهو عبارة عن حجاب یعتقدون بأن من یحمله لایؤثر فیه سلاح أونار۔

تاسعا:فسیر بغره:یختص فی علم تشریح جسم الانسان وترکیبه والاطعمة المناسبة لکل طقس مما یجوز لابناء الطائفة تناوله۔

عاشرا: کتاب ترسسر ألف شیاله:أی کتاب الاثنی عشر ألف سوال،یتناول الاخطاء فی الطقوس وطریقة غفرانها ،وکذا لك الشعائر الدینیة المصاحبة ذالك۔

احد عشر:دیوان طقوس تطهیر:وهو کتاب یبین طرق التعمید بأنواعه علی شکل دیوان۔

اثنی عشر:کداوا کدفیاتا:ای کتاب العوذ۔(موسوعة ما ذا تعرف عن الفرق والمذاهب ۲/ ۱۳۰۸،۱۳۰۷دار عالم الکتب)۔

موجودہ دور میں صابئین کا وجود اور ان کا مسکن:

دولت اسلامیہ کے قیام کے بعد صابئین کا جائے وقوع ''حران'' اور ''بغداد'' تھا۔

دور حاضر کے وہ صابئین جن کو ''صابئة مندائیون'' کے نام سے جانا جاتا ہے نہر دجلہ وفرات کے سفلی ساحل میں پائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ بصرہ اور فارس کے درمیان نو آباد علاقوں کے پہاڑی علاقوں، اور عرب کے ساحلی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ ان کے ایران میں ''کارون'' اور ''دز'' نھر کے ساحلی علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

مساکنهم:کانوا یسکنون حین قیام الدولة الاسلامیة فی: حران۔ وبغداد۔أما مساکن الصابئة المندائیون الیوم فهی:

الصابئة المندائیون الحالیون ینتشرون علی ضفاف السفلی من نهری دجلة والفرات ،ویسکنون فی منطقة الاهواز وشط العرب ....کذالك ینتشرون فی ایران ،وتحدیدا علی ضفاف نهر الکارون والدز ویسکنون فی مدن ایران الساحلیة۔الخ۔(موسوعة ما ذا تعرف عن الفرق والمذاهب ۲/ ۱۳۱۸دار عالم الکتب)۔

☆☆☆

دارالاسلام اور غیر مسلم ممالک میں کتابیہ سے نکاح

مولانا آزاد بیگ، ممبئی

دارالاسلام میں بھی اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنے میں متوقع مناسب کی بنا پر فقہاء کرام نے کراہت تنزیہی کا قول اختیار کیا ہے، اور یہ بھی اس صورت میں ہے کہ وہ یہودیہ یا نصرانیہ عورت واقعی اہل کتاب ہو بھی ورنہ اگر وہ ملحد اور بے دین ہو اور اولاد کے بگڑ جانے کا اور بے دین ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس سے شادی جائز نہیں، "ویجوز تزویج الکتابیات والأولی أن یفعل ولا یأکل ذبیحتھم إلا للضرورة" کہ کتابیہ عورتوں سے شادی کرنا جائز ہے اور اولی یہ ہے کہ نہ کرے اور ان کا ذبیحہ کا کھانا مگر کسی ضرورت کے تحت (فتح القدیر ۳/ ۱۳۵، فتاوی عالمگیری ۱/ ۲۸۱)

"وقال الکاکی: الأولی أن لایتزوج الکتابیة ولا تؤکل ذبیحتھم إلا للضرورة"

علامہ کاکی فرماتے ہیں کہ اولی یہ ہے کہ کتابیہ عورت سے شادی نہ کی جائے مگر کسی خاص ضرورت کے تحت (النہایہ شرح الہدایہ ۴/ ۵۴۲)

اور دارالحرب میں نکاح کتابیہ عورت سے مکروہ تحریمی ہے، "وتکرہ تزوج الکتابیة الحربیة اجماعا" (فتح الباری ۳/ ۱۳۵)۔

اکثر فقہاء کرام نے اہل کتاب سے نکاح کو فاسد کی بنا پر مکروہ قرار دیا ہے۔

"الأولی أن لایتزوج کتابیة ولا یأکل ذبائح إلا لضرورة، وفی المحیط یکرہ تزوج الکتابیة الحربیة؛ لأن الإنسان لامن أن یکون بینھا ولاء فینشاء علی طبائع أھل الحرب ویتخلف بأخلاقھم ولا یستطیع قلعه عن تلك عادة"

اور اولی ہے کہ کتابیہ عورت سے نکاح نہ کیا جائے اور ان کا ذبیحہ کھائے اور محیط میں ہے کہ مکروہ ہے کتابیہ حربیہ سے نکاح کرنا، اس لئے کہ امید ہے کہ لڑکا پیدا ہو پھر اس کی تربیت حربیوں کے طور طریقہ پر ہو اور ان کے اخلاق اپنائے پھر مسلمان شوہر کے بس میں اس کی بری عادتوں کو دور کرنا ممکن نہ ہو سکے (البحر الرائق ۳/ ۱۸۳، شامی ۴/ ۱۳۴)۔

۲ "لکنه یکرہ نکاح الکتابیة مطلقا إجماعا لاستلزام النکاح مصاحبة الکافرة وموالاتھاوتعریض الولد علی المتخلف بأخلاف الکفار لأجل مصاحبة الأم وموانتسھا"

یعنی کتابیہ عورت سے نکاح مکروہ ہے، باتفاق کہ یہ نکاح کافر عورت کی مصاحبت وموافقت کو مستلزم ہے اور بچہ کو کفار کے اخلاق اپنانے کے لئے پیش کرنا ہے ماں کے بچہ کے ساتھ رہنے اور مانوس رہنے کی وجہ سے (تفسیر مظہری ۳/ ۴۱)، جن مقاصد کو مدنظر رکھ کر حضرات فقہاء کرام نے کراہتا کا قول نقل فرمایا ہے اس کی وجہ وہ اندیشہ ہے جس کو حضرت عمرؓ جیسے مدبر خلیفہ راشد نے محسوس کر کے اپنے مبارک زمانہ میں منع فرمایا تھا تا کہ فتنہ کا دروازہ نہ کھلے۔

لما روی أن عمر غضب علی حذیفة وکعب وطلحة غضب شدیدا، فقالوا ینطلق یا أمیرالمؤمنین ولا تغضب، وکان حذیفة بن الیمان تزوج یھودیة، وکذالك مالك وطلبه بن عبیداللّٰه" (النہایہ شرح الہدایہ ۴/ ۵۴۲، کذافی التفسیر ۲/ ۴۱)۔

"عن شفیق قال تزوج حذیفة: امرأة یھودیة، فکتب إلیه عمر خل سبیلھا، فکتب إلیه إن کانت حراما فعلت فکتب عمر أن لا ازعم أنھا حرام لکن أخاف أن تکون أي فاجرة"

کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک یہودیہ عورت سے شادی کی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، حضرت حذیفہؓ نے کہا کیا وہ حرام ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں حرام نہیں کہتا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ وہ فاجر ہو (رواہ ابن ابی شیبہ لاباس بہ تلخیص الجبیر ۲/ ۳۰۳، اعلاء السنن ۱۱/ ۳۹، کذافی مصنف عبدالرزاق عن قتادہ ۶/ ۷۸)

"وتکرہ الکتابیة الحربیة إجماعا لانفتاح باب الفتنة من إمکان التعلق المستدعي للمقام معھا"۔

مفتی محمد سعید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ کتابیہ عورتوں سے نکاح کے سلسلہ میں اب صورت حال بدل گئی ہے، خاص طور پر غیر مسلم ممالک (یورپ و امریکہ) میں عورتیں مردوں کے زیر اثر نہیں رہیں، اور کتابی عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرتے ہیں وہ بھی عام طور پر دین سے آشنا نہیں ہوتے، اس لئے ان عورتوں کے اسلام قبول کرنے کے واقعات بہت ہی کم ہیں، عام طور پر مرد ہی عورت کا اثر قبول کر لیتا ہے اور بچے تو ماں کے زیر اثر ہوتے ہی ہیں، اسی کے مطابق پروان چڑھتے ہیں، اس لئے اب یہ نکاح باعث فتنہ ہے، پس اس سے احتراز ضروری ہے، حضرت عمرؓ نے اس ہلکے فتنے کی وجہ سے حضرت حذیفہؓ کو جب انہوں نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کیا تھا تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ اسے فوراً چھوڑ دو حضرت حذیفہؓ نے دریافت کیا کہ یہ نکاح حرام ہے، تو آپ نے فرمایا کہ میں نہیں حرام نہیں کہتا: "ولکنی أخاف أن یغاطوا المؤمنات منهن "لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ ان کی وجہ سے مسلمان عورتوں کو سخت غصہ آئے گا۔

اور ایک روایت میں ہے: "فإني أخاف أن یقتدر بك المسلمون فیختاروا النساء أصل الذمة لجمالهن، وکفی بذلك فتنة نساء المسلمات"

یعنی مجھے اندیشہ ہے کہ مسلمان پیروی کریں گے اور ذمیوں کی عورتوں کو ان کی خوبصورتی کی وجہ سے ترجیح دیں گے اور یہ بات مسلمان عورتوں کے فتنہ کے لئے کافی ہے، یعنی لوگوں کی توجہ مسلمان عورتوں سے ہٹ جائے گی (ازالۃ الخفاء رحمۃ اللہ واسعہا شرح حجۃ اللہ البالغہ ۵ / ۱۰۲)، مفتی یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان مرد کی اہل کتاب عورت سے شادی کرے اس میں بھی یہی شرط ہے کہ وہ عورت واقعی اہل کتاب ہو بھی، ورنہ اگر وہ ملحد اور بے دین ہے تو اس سے شادی جائز نہیں ہے، دوسری شرط یہ ہے کہ اپنی اولاد بگڑ جانے اور بے دین ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ شادی جائز نہیں (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶ / ۱۴۴)۔

دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں: اہل کتاب کی جن عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے، ان سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو دار الاسلام کے شہر میں ہوں جن کو "ذمی" کہا جاتا ہے، دار الکفر کے باشندے مراد نہیں ہیں، لہذا اسلامی مملکت کی عورتوں سے، جبکہ وہ اہل کتاب ہوں نکاح کی اجازت ہے، مگر مکروہ تنزیہی ہے، اور جو اہل کتاب دار الحرب میں رہتے ہیں ان کی عورتوں سے نکاح مکروہ تحریمی ہے اور مکروہ تحریمی حرام کے قریب قریب ہونے کی وجہ سے ناجائز کہلاتا ہے، لہذا یہ نکاح منعقد تو ہو جائے گا، مگر مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا، اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا، لیکن دیار غیر میں عیسائی عورتوں سے جو شادی رچائی جاتی ہے ان سے پیدا ہونے والی اولاد اپنی ماں کا مذہب اختیار کر لیتی ہے، بلکہ بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ شادی سے پہلے یہ جوڑا طے کر لیتا ہے کہ آدھی اولاد شوہر کی ہوگی اور آدھی بیوی کے مذہب پر ہوگی، اگر ایسی شرط لگائی جائے تو ایسی شادی کرنے والا مسلمان یہ شرط لگاتے ہی مرتد ہو جائے گا، کیونکہ اس نے اپنی اولاد کے کافر ہونے کو گوارا کر لیا اور اس پر رضامندی دے دی اور کسی کے کفر پر رضامند ہونا بھی کفر ہے، لہذا ایسی شرط لگاتے ہوئے ہی یہ شخص ایمان سے خارج ہو کر مرتد ہو جائے گا۔

آپ فرماتے ہیں: ہمارے بھولے بھالے نوجوان امریکہ وغیرہ میں شہریت حاصل کرنے اور روزی کمانے کا ذریعہ پیدا کرنے کی خاطر عیسائی عورتوں کے چکر میں تو پڑ جاتے ہیں، لیکن ان ممالک کے قانون کے مطابق چونکہ طلاق کا حق مرد کے بجائے عورتوں کو حاصل ہے، لہذا ایسی عورتیں جن کے جال میں ہمارے نوجوان پھنستے ہیں ان کو طلاق دے کر گھر بار بھی اور اولاد پر بھی قبضہ کر لیتی ہیں، اور یہ شوہر صاحب "خسر الدنیا والآخرة" کا مصداق دونوں جہاں میں راندہ درگاہ ہو جاتا ہے، چونکہ فقہ کا قاعدہ ہے: "المعروف کالمشروط" یعنی جس چیز کا عام رواج اور عرف ہو اس کو ایسا سمجھنا چاہئے کہ گویا عقد کے وقت اس کی شرط رکھی گئی تھی، لہذا ان ممالک کے عرف کے مطابق گویا یہ شخص اس شرط پر نکاح کر رہا ہے کہ عورت جیسا چاہے اس کو طلاق دے کر بچوں پر قبضہ کرے ان وجوہات کی بنا پر غیر مسلم ممالک میں مسلمان نوجوان کا عیسائی عورتوں سے شادی کرنا ناجائز ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید ۶ / ۱۵۹)۔

مفتی رشید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں: آج کل کے اکثر عیسائی اور یہودی دہریہ ہیں اور دہریہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا، اگر کسی عیسائی یا یہودی عورت کے بارے میں تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ یہ دہریہ نہیں تو اس سے نکاح ہو جائے گا، مگر دوسرے خطرات کی بنا پر اس سے پرہیز واجب ہے، مثلاً اولاد کے کافر ہونے کا سخت خطرہ ہے، بلکہ خود شوہر کا دین بھی خطرہ سے خالی نہیں، علاوہ ازیں عورتیں جاسوسی کا کام کرتی ہیں، لہذا یہ ملک کی سالمیت کے لئے بہت خطرناک ہیں (احسن الفتاویٰ ۵ / ۹۰)۔

حضرت تھانویؒ "الحیلۃ الناجزۃ" میں تحریر فرماتے ہیں اگر عورت کتابیہ یعنی یہودیہ یا نصرانیہ وغیرہ ہو تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہو سکتا ہے، اول یہ کہ وہ تمام اقوام یورپ کی طرح صرف نام کے عیسائی اور در حقیقت مذہب (دہریہ) نہ ہو، بلکہ اپنے مذہبی اصول کو کم از کم مانتے ہوں اگرچہ عمل میں

خلاف بھی کرتی ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اصل سے یہودیہ ونصرانیہ ہو اسلام سے مرتد ہو کر یہودیت نصرانیت اختیار نہ کی ہو جب یہ دونوں شرطیں کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں تو اس سے نکاح صحیح منعقد ہو جاتا ہے، لیکن بلا ضرورت شدیدہ اس سے بھی نکاح مکروہ ہے اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے، اس سے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورت سے نکاح کرنے کو منع فرمایا تھا اور جب عہد فاروقی میں زمانہ خیر کا تھا ایسے مفاسد موجود تھے تو آج کل جس قدر مفاسد ہوں کم ہیں (الحیلۃ الناجزۃ/ص ۱۰۴ رسالہ حکم الازدواج مع اختلاف دین الازواج، جواہر الفقہ ۲/ ۱۲۳)۔

حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں: بالخصوص موجودہ اقوام یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات ازدواج تو بالکل ہی اس کے دین ودنیا کو تباہ و برباد کردینے والے ہیں جن کا روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے اور پھر یہ کہ اولاد عموماً کم سنی میں ماں سے زیادہ مانوس ہوتی ہے اور اس کے اثرات متاثر ہونے کا مظنہ غالب ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں حضرت حذیفہؓ وطلحہؓ وکعب بن مالکؓ نے کتابیہ سے نکاح کیا تو آپ خفا ہو گئے، خفگی کی وجہ ابن ہمامؒ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ويدل على الحل تزوج بعض الصحابة منهم وخطبة بعضهم فمن المتزوجين حذيفة وطلحة وكعب بن مالك، وإن كان غضبه لخلطة الكافرة بالمؤمن وخوف الفتنة على الولد؛ لأنه في صفرة ألزم لأمه" (فتح القدير ۳/ ۱۳۶ کتاب النکاح)

نیز تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ انہوں نے مسلمانوں کے نکاح میں اکثر غدر اور نقصان کیا ہے، لہذا سلامتی اسی میں ہے کہ ان سے مناکحت کا سلسلہ کسی مجبوری کے بغیر نہ کیا جائے (فتاوی محمودیہ جدید ۱۱/ ۴۵۱ باب المحرمات)، دوسرے مقام پر آپ فرماتے ہیں: اہل کتاب عورت سے مسلمان مرد کی شادی کی گنجائش ہے، لیکن اس میں مفاسد ہیں، حضرت عمرؓ نے اس سے منع فرمایا ہے اس لئے جہاں تک ہو سکے ایسا قدم نہ اٹھایا جائے، اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مقام میں ہو جہاں مسلم عورت نہ مل سکتی ہو اور دوسری جگہ سے انتظام دشوار ہو اور اس کو معصیت میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں تنگی نہیں بچے مسلمان ہوں گے (فتاوی محمودیہ جدید ۱۱/ ۴۵۳، باب المحرمات)، درمختار وشامی کی عبارت: "وصح نكاح كتابية، وإن كره تنزيها مومنة بني مرسل مقرة بكتاب منزل (الى قوله) فقوله: والأولى أن لايفيد كراهة التنزيه في غير الحربية ومابعده يفيد كراهة التحريم في الحزبية تأمل الخ" (درمختار مع شامی ۴/ ۱۳۴ باب المحرمات كذافي البحر الرائق ۳/ ۱۸۲، كذافي التبيين ۲/ ۴۷۷) نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں، عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جو فرقے کتابی ہیں کسی نبی رسول پر ایمان رکھتے ہیں کسی آسمانی کتاب کے مقر ہیں اور معتقد ہیں ایسے فرقوں سے نکاح کرنا صحیح ہے، مگر ایسا کرنا مکروہ ہے، پھر بعض علماء کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی اور بعض فرماتے ہیں کہ کتابیہ ذمہ سے تو مکروہ تنزیہی ہے اور حربیہ سے مکروہ تحریمی ہے ذمہ وہ ہے جو اسلامی حکومت میں مسلمان بادشاہ کی رعیت بن کر رہے، حربیہ وہ ہے جو ایسی نہ ہو (فتاوی محمودیہ جدید ۲/ ۳۱۵ متفرقات الفرق)، بالغ نظر علماء کرام ومفتیان کرام کی تحریرات اور متقدمین فقہاء کرام کی آراء کی روشنی میں یہ بات واضح طور پر کہی جا سکتی ہے کہ دار الاسلام میں بھی مذکور مفاسد کی وجہ کراہت کا حکم برقرار رہے، نہایت شدید عذر کے بغیر فتنہ کے اندر نہ مبتلا ہو جائے بطور خاص دار الحرب، یعنی مغربی ممالک میں تو کراہت تحریمی کا حکم بدرجہ اولی برقرار رہے گا، کیونکہ عورتوں کے مردوں کے مقابلہ میں مؤثر ہونے کی وجہ سے اور ملکی قوانین کے ان کے حق میں ممد ومعاون ہونے کی وجہ سے بچوں کے ایمان واخلاق اور خود شوہر کے ایمان کے زوال کا ظن غالب ہوتا ہے اس لئے دعوتی پہلو کے باوجود نکاح مکروہ وممنوع ہوگا، کیونکہ "اثمهما أكبر من نفعهما" کا مصداق ہیں نفع کم مفاسد زیادہ ہیں جاسوسی، غدر وغیرہ جیسے خطرات کا سامنا ہوتا ہے، جیسا کہ ماضی کے تجربات اس پر شاہد ہیں صاحب ایمان کو ایمان پر محفوظ وبرقرار رکھنا دوسرے کو ایمان میں داخل کرنے سے زیادہ اہم ہے، خلاصہ یہ کہ متعدد مفاسد کے پیش نظر دار الاسلام میں بھی کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ وممنوع رہے گا، بغیر شدید عذر کے اس کی گنجائش نہ ہو سکے گی، اور دار الحرب (مغرب ممالک) میں دعوتی پہلو کی افادیت کے باوجود شوہر اور بچوں کے ایمان واعتقاد کے محفوظ رکھنے کے لئے نظر مکروہ تحریمی کا یہی حکم رہے گا۔

۷- تمام انبیاء کرام اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا ایمانیات میں سے ہے جیسا کہ حدیث جبرئیل میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

"قال: فاخبرني عن الأيمان قال: إن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر وتؤمن بالقدر خيره وشره" (یعنی اس نو وارد شخص نے) کہا اے محمد! اب ایمان کی حقیقت کے بارے میں بتلایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اس کے رسولوں کو اور قیامت کے دن کو دل سے مانو اور اس بات میں یقین رکھو کہ برا بھلا جو کچھ پیش آتا ہے وہ سب نوشتہ تقدیر کے مطابق ہوتا ہے (مشکوۃ/ص ۱۱، کتاب الایمان، مظاہر حق جدید ۱/ ۶۷)، "يجب أن يقول أمنت بالله وملائكته وكتبه ورسله" (شرح فقہ الاکبر ۱۲/ ۱۱)۔

اس حدیث شریف میں کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب اس بات میں یقین واعتقاد رکھنا ہے کہ اللہ تعالی نے مختلف ادوار میں وقتا فوقتا اپنے پیغمبروں پر جو کتابیں نازل فرمائی ہیں اور جن کی تعداد ایک سو چار ہے وہ سب کلام خداوندی اور احکام وفرمان الہی کا مجموعہ ہیں اور ان میں چار کتابیں تورات انجیل زبور اور قرآن مجید سب سے اعلی وافضل ہیں اور پھر ان میں سب سے افضل قرآن مجید ہے (مظاہر حق جدید ا / ۶۸)، یہ آخری ہدایت نامہ ہے جو خداوند قدوس کی طرف سے بندوں کے پاس بھیجا گیا اب اس کی پیروی سارے انسانوں کے لئے لازم اس میں سارے انسانیت کی نجات ہے، جو شخص اللہ تعالی کی اس آخری کتاب سے روگردانی کرے گا وہ ناکام ونامراد ہوگا (آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید ا / ۴۲)۔

اور رسولوں کو ماننے کا مطلب اس بات میں یقین واعتقاد رکھنا ہے کہ اولاد الانبیاء حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی ﷺ تک تمام نبی اور رسول اللہ کے سب سے سچے سب سے پیارے اور سب سے افضل بندے ہیں جن کو اس نے اپنے احکام وہدایات دے کر مختلف زبانوں مختلف علاقوں اور مختلف قوموں میں مبعوث کیا اور انہوں نے ان خدائی احکام کو بندوں تک پہنچا کر اپنا فریضہ پورے طور پر ادا کیا اور یہ کہ ان تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد ﷺ ہیں جو کسی خاص زمانہ کسی خاص علاقہ اور کسی خاص قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے، بلکہ اللہ کا ابدی دین اسلام لے کر تمام دنیا اور پوری کائنات کی طرف مبعوث ہوئے اور تا قیامت انہیں کی نبوت اور انہی کی شریعت جاری ونافذ رہے گی (مظاہر حق جدید ا / ۶۸)۔

''قوله: و كتبه أي نعتقد بوجود كتبه المنزل على الرسله تفصيلا فيما علم يقينا كالقرآن والتورات والزبور والإنجيل وإجمالا فيما عداه وأنها منسوخة بالقرآن، وأنه لا يجوز عليه نسخ ولا تحريف إلى قيام الساعة''

(کہ اللہ کے پیغمبروں پر اتری ہوئی کتابوں کے وجود پر تفصیلا ایمان لانا ہے جن کے بارے میں ہم کو یقینی طور پر معلوم ہے اور اجمالا ان تمام کتابوں پر ایمان لانا ہے جو اس کے سوا ہیں اور قرآن کے ذریعہ تمام کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں اور قرآن کریم قابل نسخ نہیں اور نہ اس میں تحریف کی کوئی گنجائش ہے) (مرقاۃ ا / ۵۰)۔

''قوله: ورسله بأن تعرف أنهم بلغوا ما أنزل أنه إليهم وأنهم معصومون وتؤمن بوجودهم فيتمن علم بنص تواتر تفصيلا وفي غيرهم إجمالا''

یعنی انبیاء ورسولوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا یقین کیا جائے جو کچھ اللہ تعالی ان کو احکام وہدایت دیا اس کو انہوں نے بندوں تک پہنچا دیا اور یہ کہ وہ معصوم ہیں اور ان کے وجود کا تفصیلی طور پر یقین کیا جائے، جن کے بارے میں نص سے یقینی طور پر معلوم ہے اور ان کے علاوہ اجمالی یقین رکھا جائے (مرقاۃ شرح مشکوۃ ا / ۵۰)، اس سے اتنی بات واضح ہوئی کہ جن انبیاء کرام اور جن کتابوں کا شرعی اور یقینی دلائل سے اللہ تعالی کا نبی ہونا اور اس کی برحق کتاب منزل ہونا معلوم ہو جائے اس پر تفصیلی لانا ضروری ولازم ہے اور بقیہ پر اجمالا ایمان واجب وضروری ہے، اس حدیث شریف کے ذیل میں محدثین فرماتے ہیں کہ جس میں آپ ﷺ سے انبیاء کرام کی تعداد کے بارے میں صحابی رسول حضرت ابوذرؓ نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں اور ان میں تین سو پندرہ رسول ہیں:

''عن أبي أمامة قال أبوذر: قلت يارسول الله! كم وفاء عدة الأنبياء؟ قال: مأة ألف وأربعة وعشرون ألفا الرسل من ذالك ثلاثمائة وخمسة عشر جما غفيرا'' (مشکوۃ: ص ۵۱۱)

صاحب مرقاۃ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں انبیاء کرام کی تعداد قطعی اور حتمی نہیں بتلائی گئی ہے، اس لئے بغیر کسی تعداد میں منحصر کیتے ہوئے اجمالا تمام ہی انبیاء کرام اور رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے تاکہ ان میں سے خارج نہ ہوں اور نہ کوئی دوسرا ان میں داخل ہو سکے،

''العدد في هذا الحديث إن كان مجزوبا به لكنه ليس بمقطوع فيجب الإيمان بالأنبياء والرسل مجملا من غير هو في عدد لئلا يخرج أحد منهم ولا يدخل أحد من غيرهم فيهم'' (مرقاۃ شرح مشکوۃ ۹۳ / ۲۱، تحت الحدیث ۵۷۳۷)۔

صاحب مظاہر حق جدید فرماتے ہیں کل انبیاء کی تعداد کے بارے میں اس حدیث میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کا ذکر ہے اور بعض روایتوں میں یہ تعداد دو لاکھ چوبیس ہزار بیان کی گئی ہے ظاہر ہے دونوں عدد میں زبردست تضاد ہے، اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ اس بارے میں زیادہ تحقیق وجستجو نہ کی جائے اور نہ کوئی خاص عدد متعین کیا جائے، بلکہ عقیدہ یہ رکھا جائے کہ انبیاء کی ٹھیک تعداد اللہ تعالی ہی جانتا ہے اور اجمالی طور پر اسی طرح ایمان لانا چاہئے کہ اللہ تعالی نے جتنے رسول اور

نبی بھیجے ہیں ہم ان سب کو برحق رسول اور نبی مانتے ہیں اس عقیدہ اور اجمالی ایمان سے نہ کوئی نبی انبیاء کے زمرہ سے باہر رہے گا اور نہ کوئی غیر نبی ان کے زمرہ میں شامل ہوگا (مظاہر حق جدید ۶/ ۵۹۹)، آیت کریمہ "انما أنت منذر ولكل قوم هاد" (کہ تیرا کام تو ڈر سنا دینا ہے اور ہر قوم کے لئے ہوا ہے راہ بتا دینے والا) (سورہ رعد ۷)۔ جو ارشاد ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے اس سے ثابت ہوا کہ کوئی قوم اور کوئی نبی ہو یا اس کے قائم مقام نبی کی دعوت کو پھیلانے والا ہو جیسا کہ "سورہ یسین" میں اس کی طرف سے کسی قوم کی طرف پہلے دو شخصوں کو دعوت وہدایت کے لئے بھیجنے کا ذکر ہے جو خود نبی نہیں تھے اور پھر تیسرے آدمی کو ان کی تائید ونصرت کے لئے بھیجنا مذکور ہے اسی لئے اس آیت کریمہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندوستان میں بھی کوئی نبی ورسول پیدا ہوا ہو، البتہ دعوت رسول پہنچانے والے علماء کا کثرت سے یہاں آنا ثابت ہے اور پھر یہاں بے شمار ہادیوں کا پیدا ہونا بھی ہر شخص کو معلوم ہے (معارف القرآن ۵/ ۱۷۶)۔

مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ "لكل قوم هاد" سے استدلال تام نہیں ہے کیونکہ اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ خبر ثانی ہے، مبتدا کی پوری آیت ہے: "إنما أنت منذر ولكل قوم هاد" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں۔

"وأخرج ابن مردويه عن ابن عباس وابن جرير عن عكرمة وابي الضحى أن المنذر والهادى هو رسول الله ﷺ ووجه ذلك بأن أحادا عطف على (منذر) ولكل قوم هاد معتلق به قدم عليه للفاصلة" (روح المعانی ۱۳/ ۱۰۸ فتاوی محمودیہ جدید ۱/ ۴۵۰)

آیت کریمہ کے ترجمہ وتفسیر سے واضح ہوا کہ "لکل قوم ہاد" میں ہاد سے مراد نبی رسول مراد نہیں، بلکہ ان کے قائم مقام بھی مراد ہو سکتا ہے، لہذا ہر ہر علاقہ خطہ میں نبی کا آنا ضروری نہیں ہوگا، اب ہندوستان جن شخصیات کو لوگ خدا کا اوتار مانتے ہیں جیسے کرشن، گودم بدھ، رام چندر وغیرہ اور جن کتابوں میں توحید کی تعلیم موجود ہو خود پیغمبر علیہ السلام کے بارے میں بشارت موجود ہے اور ان کے بارے میں بالیقین نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اپنے عہد کے پیغمبر خدا رہے ہوں گے اور نہ ان کی تعلیمات کو وحی الٰہی محض ظن وتخمین کی بنا پر نہیں دیا جا سکتا، جبکہ شرعی دلیل سے یہ ثابت نہ ہو جائے، مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں: اور وید، گرنتھ، اور زرتشت وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحی الٰہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے، اور صرف یہ امکان کہ شاید زبور اور مصحف ابراہیم کی ہی ایک مسخ شدہ صورت ہو جس کو برہمت کی کتاب یا وید یا گرنتھ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے، امکان محض اور احتمال محض ہے جو ثبوت کے لئے کافی نہیں۔

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں اس سوال کے بارے میں کہ ہو سکتا ہے کہ رام لکشمن اپنے زمانے کے پیغمبر ہوں، جبکہ دلیل شرعی سے ثبوت نہ ہو کسی کی پیغمبر کا یقین کرنا درست نہیں، اس سے ثابت ہوا، جبکہ قطعی ویقینی شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو جائے کہ موجودہ غیروں کی مقدس کتابیں یا ان کے مقدس پیشوا اللہ تعالیٰ کے فرستادہ تھے اور ان کی تعلیمات منزل من اللہ تھی تب تک نہ ان کو اللہ کا پیغمبر تسلیم کیا جانا لازم ہوگا اور نہ مذکورہ مذہبی کتابوں کو وحی الٰہی کا درجہ حاصل ہو سکے گا، اس لئے کہ جس طرح کسی نبی ثابت النبوت کی نبوت کا انکار جائز نہیں اسی طرح غیر ثابت النبوت کی نبوت کا اقرار جائز نہیں جن انبیاء کرام علیہم السلام کے نام نصوص میں آ گئے ہیں ان پر علی التعیین ایمان لازم ہے اور کسی ایسے شخص کے متعلق نبوت کا اعتراف کرنا جس کا نام نصوص میں نہیں ہے نہ لازم ہے نہ درست

"وقد ورد أنه عليه السلام سئل عن عدد الأنبياء عليهم الصلوة والسلام فقال: مأة الف واربعة وعشرون ألفا. وفى رواية: مائتا الف وأربعة وعشرون ألفا، والأولى أن لا يقتصر على عدد فى التسمية، فقد قال الله تعالى: منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك" ولا يومن فى ذكر العدد أن يدخل فيهم من ليس منهم أن ذكر أكثر من عددهم أو يخرج منهم من هو فيهم إذكر أقل من عددهم ويحتمل مخالفة الواقع وهو على النبى من غير الأنبياء أو غير النبى من الأنبياء" (شرح العقائد/ ۱۰۱)۔

ماحصل ان عبارات کا یہ ہوا کہ جن بعض انبیاء کرام کے نام قرآن کریم میں وحدیث شریف میں آئے ہیں ان کے علاوہ کسی متعین شخص کی نبوت پر ایمان کی تعلیم اسلام نے نہیں دی ہے، بلکہ اجمالی طور پر ایمان کا حکم ہے اسی طرح کہ جس قدر انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ان تمام پر ہمارا ایمان ہے (کذا فی شرح العقیدۃ الطحاویہ لابن ابی العز/ ص ۲۲۷، المسامرہ شرح المسایرہ/ ص ۲۲۵، شرح المقاصد ۲/ ۱۷۳، فضائل فی النبوۃ، مستفاد فتاوی محمودیہ جدید ۱/ ۴۴۹-۴۵۱، باب ما یتعلق بالانبیاء واتباعھم)۔

حضرت مفتی اعظم ہند سے کرشن کے نبی ہونے اور ان کی تصنیف کردہ کتاب گیتا کی منزل من اللہ ہونے کے سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں یہ کہنا

کہ کرشن جی نبی تھے بے دلیل بے ثبوت بات ہے قرآن مجید کی جن آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر قریہ میں کوئی نبی یا نذیر آیا ہے وہ اس کو مستلزم نہیں کہ کرشن جی کو نبی کہہ دیا جائے اور اگر کرشن جی کی سیرت انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے ملتی بھی ہو اور ان کی تعلیم آسمانی تعلیم کے خلاف نہ ہو تو کیا یہ کہنا جائز ہوگا کہ ان کے نبی ہونے کا امکان ہے، لیکن یہ کہنا کہ وہ یقیناً نبی تھے بغیر ثبوت کے قابل قبول نہیں (کفایت المفتی ۱/ ۸۹ کتاب العقائد)۔

خلاصہ یہ کہ برادران وطن جن شخصیات کو خدا کا اوتار مانتے ہیں ان کے بارے میں کسی دلیل شرعی سے یہ ثابت نہیں ہے، کہ وہ خدا کے پیغمبر تھے اسی طرح ان کی مقدس کتابوں کے بارے میں شرعاً ثابت نہیں ہے کہ یہ منزل من اللہ ہے، لہٰذا نہ برادران وطن کے پیشواؤں کو خدا کے پیغمبر کے طور پر تسلیم کیا جائے گا اور نہ ان کی کتابوں کو الہامی کتاب ہونے کا نظریہ قائم کیا جائے گا، اس سلسلہ میں کف لسانی سے کام لیا جائے گا، کیونکہ ان کے صحیح حالات کا علم ہمیں حاصل نہیں تاریخ میں رطب و یابس کچھ ہے، جو مفید یقین نہیں ہے (مستفادہ فتاوی محمودیہ جدید ۱/ ۴۴۹)۔

۸- الف: اولاد کے تئیں اولاد والدین کو اللہ نے حکم دیا ہے: "یا یہا الذین آمنوا قوا أنفسکم وأھلیکم نارا" (سورۂ تحریم: ۷) (یعنی تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ)، اور حدیث شریف میں "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته" (کہ تم میں سے ہر ایک شخص سے اپنے ماتحت کے بارے میں سرپرست و ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے متعلق سوال کیا جائے گا)، حضرات فقہاء کرام نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر شخص پر فرض ہے کہ اپنی بیوی اور اولاد کو فرائض شرعیہ اور حلال وحرام کی تعلیم دے اور اس پر عمل کرانے کی کوشش کرے (الی قولہ) بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب میں وہ شخص ہوگا جس کے اہل و عیال دین سے جاہل وغافل ہوں (روح المعانی معارف القرآن ۸/ ۵۰۲-۵۰۳)۔

اس لئے والدین کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنی اولاد کو اسلامی آداب سکھائیں اسلامی عقائد اور اسلامی اخلاق سکھائیں، دینی فرائض و ذمہ داریوں سے آگاہ کرائیں بچوں کی دینی تعلیم و تربیت سے غفلت بڑے خطرناک نتائج کا سبب ہے اولاد کے بگڑنے کی تمام ذمہ داری والدین پر ہے اولاد کی زندگی بنانا بگاڑنا والدین کے ہاتھ میں ہے، اولاد کو جیسی تعلیم و تربیت دی جائے گی اولاد ویسے ہی بنے گی، حدیث شریف میں ہے:

"ما من مولود إلا یولد علی الفطرة فأبواه یهودناه أو ینصرانه أو یمجسانه"

یعنی ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے (کہ دین اسلام قبول کرنے کی بوجہ اتم اس میں استعداد ہوتی ہے) مگر اس کے والدین (تعلیم و تربیت کے ذریعہ) اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں، یا مجوسی بنا دیتے ہیں) (مشکوۃ: ۲۱)۔

عیسائی مشنریز کے قائم کردہ اسکول یا دیگر بے دینی کے ماحول والے تعلیمی اداروں میں بچوں اور بچیوں کو بھیجنا ان کے حق میں خیر خواہی نہیں، بلکہ بدخواہی ہے، کیونکہ دینی بیزاری اور ذہنی آوارگی جنم لیتی ہے اور دیگر مفاسد پیدا ہوتے ہیں، دین و ایمان پر برا اثر پڑتا ہے، غیر اسلامی کلچر غیر اسلامی اخلاق و عادات اختیار کرنے کا ذریعہ بنتی ہے، جب ایسے اسکولوں میں داخلہ کرانے سے اتنے دینی ضرر موجود ہوتے ہیں تو پھر ایسے اداروں میں داخلہ کیوں کر جائز ہو سکتا ہے۔

المجالس الابرار میں "فصدیق الإنسان من یسعی فی عمارة آخرته، وإن کان فیه ضرر لدنیاه وعدوه من یسعی فی خسار آخرته، وإن کان فیه نفع لدنیاه، وقد قال الله تعالی: وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان"

یعنی آدمی کا دوست وہی ہے جو اس کی آخرت کی اصلاح اور درستی میں کوشاں ہو اگرچہ اس میں اس کی دنیا کا کچھ نقصان ہو اور اس کا دشمن ہے وہ جو اس کی آخرت میں نقصان میں کوشش کرے اگرچہ اس کی دنیا کا فائدہ ہو، اللہ تعالی نے فرمایا نیک بھی اور پرہیزگاری کے بارے میں تعاون کرو اور گناہ و سرکشی کے بارے میں تعاون نہ کرو (مجالس الابرار/ ص ۵۰۰ مجلس/ ص ۸۵ بحوالہ فتاوی رحیمیہ جدید ۲/ ۱۱۵)، ایسے اسکولوں میں پڑھنے سے دنیوی ترقی ممکن ہے کہ ہو جائے لیکن آخرت کے اعتبار سے خسارہ ہی خسارہ ہے یہ "اثمهما اکبر من نفعهما" کے مصداق ہے خسارہ والا عمل حرام و ممنوع ہوگا۔

حضرت شیخ الہند کا ارشاد ہے کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت رنگ میں رنگ جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومت وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لئے جاہل رہنا ہی اچھا ہے (خطبہ صدارت علی گڑھ/ ۱۹۴۰ء بحوالہ رحیمیہ جدید ۲/ ۱۰۵)۔

لہٰذا ہم کو اپنے علاقہ میں ایسے اسکولوں کی نہ حوصلہ افزائی کرنی چاہئے اور نہ اپنے نونہالوں کو اس میں داخل کر کے بے دین اور نصرانی بنا کر جہنم کی بھٹی میں جھونکنا چاہئے، بلکہ مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اسلامی اقدار اسلامی طرز معاشرت اور مسلم تشخص و دینی نظریات و عقائد قائم رکھنے کے لئے پورا عزم

اور اس کے لئے پوری جدو جہد سعی وکوشش کریں، جس طرح یہ مسلمانوں کا انفرادی مسئلہ ہے اجتماعی مسئلہ بھی ہے، لہٰذا انفرادی اجتماعی دونوں طریقہ پر کوشش کریں، اور اپنے متبادل ومعیاری تعلیم درسگاہوں کے قیام پر توجہ دیں جس میں دینی واسلامی ماحول میں عصری تعلیم کا نظم ہو، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں میں یہ قسم کہتا ہوں کہ اگر تعلیم جدید کے یہ آثار نہ ہوتے جو علی العموم اس وقت اس پر مرتب ہورہے ہیں تو علماء اسی سے ہرگز منع نہ کرتے (فضل العلم والعمل/ص ۸)، اور یہ ہمارے اکابرین کا بہت قدیم سے نظریہ رہا ہے اور خواہش رہی ہے کہ لوگ اپنے تعلیم گاہوں کا خود نظم کریں جو بے دینی کے ماحول سے پاک ہوں۔

خلاصہ یہ کہ ایسے اسکول جہاں پر دین واخلاق برباد ہونے کے قوی امکانات ہوں ایسے اسکولوں میں اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو داخل کرانا اسلامی تعلیمات کی رو سے جائز نہیں ہے ایسے اسکولوں کی پذیرائی نہ ہونی چاہئے، بلکہ اس کے متبادل کا انتظام کرنا چاہئے، جہاں اسلامی ماحول میں دینی وعصری تعلیم کا نظم ہو۔

ب- اگر اہل کتاب عورت سے نکاح کر ہی لیتا ہے تو اب اس کے جملہ حقوق نان نفقہ کسوہ سکنی میں عدل ومساوات قائم کرنا ضروری ہوگا، جو ایک حرہ منکوحہ کے حقوق ہوتے ہیں وہی حقوق اس کے شوہر پر عائد ہوں گے اس کو کسی قسم کی ایذا رسانی اور حق تلفی جائز نہ ہوگی اور نہ ہی اس سے راہ فرار اختیار کرنا درست ہوگا اور غیر مسلمہ ہونے کو بنیاد بنا کر طلاق دینا بھی جائز نہ ہوگا، حضرات فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ باتیں واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں، النہر الفائق میں ہے:

''والمسلمة كالكتابية فيه أي في القسم وهو التسوية في البيتونة لا في المحبة، كما في الهداية''

کہ قسم یعنی حقوق زوجیت میں مسلمان عورت اور کتابیہ عورت برابر ہیں یعنی بیتوتت میں برابری کرنا ہے، نہ کہ محبت میں جیسا کہ ہدایہ میں ہے (النہر الفائق ۲/ ۲۹۳ باب القسم)، اسی طریقہ سے البحر الرائق میں ہے: ''والمسلمة كما لكتابية فيه أي في القسم تلونا وماروينا، ولأن القسم من حقوق النكاح ولا تفاوت بينهما في ذلك'' یعنی قسم میں مسلمان عورت اور کتابیہ عورت برابر ہے اس آیت کریمہ اور روایت کے اطلاق کی بنا پر جو ہم نے نقل کیا ہے، اور اس لئے کہ قسم نکاح کے حقوق میں سے ہے اور اس میں دونوں میں کوئی تفاوت نہیں (البحر الرائق ۳/ ۲۱۹ باب القسم)۔

شرح الوقایہ میں ہے: ''ويجب العدل فيه والبكر والثيب والجديدة والقديمة والمسلمة والكتابة سواء'' (شرح الوقايه ۲/ ۶۳ باب القسم) کہ باری میں عدل واجب ہے اور اس باکرہ ثیبۂ اور پرانی مسلمان اور کتابیہ سب برابر کی شریک ہیں۔

مولانا عبد الحئی فرنگی محلی فرماتے ہیں: ''قوله سواء اى في وجوب القسم والعدل في البتوتة بأن يبيت عندها ليلا وعندها ليلا: لأن القسم من حقوق النكاح والمسلمة والكتابية مستويتان فيه'' (عمدة الرعاية حاشيه شرح الوقايه ۲/ ۶۳ باب القسم) کہ باری میں اور شب گذاری میں برابری واجب ہے بایں طور کہ ایک رات اس کے پاس گزارے اور ایک رات اس کے پاس گزارے اس بارے میں مسلمان عورت اور کتابیہ عورت دونوں برابر ہیں، اس لئے کہ باری یہ حقوق نکاح میں سے ہے۔

''يجب وظاہر الاية أنه فرض نهر أن يعدل أى أن لايجوز فيه أي في القسم بالتسوية في البيتوتة، وفي الملبوس والماكول والصحبة لا في المجامعة كالمحبة بل يستجب قوله في الملبوس والمأكول والسكنى، ولو عبر بالنفقة يشمل الكل (الى قوله) والمسلمة والكتابية سواء لا طلاق الاية''. (درمختار مع شامی زکریا ۴/ ۳۸۲-۳۸۴)۔

یعنی عدل واجب ہے عورتوں میں نان ونفقہ میں اور اس میں مسلمان وکتابیہ کا حکم یکساں ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: ''فيسوى بين الجديدة والقديمة (الى قوله) كذا بين المسلمة والكتابية كذا في الشرح الوهاج'' (عالمگیری ۱/ ۳۴۰) مسلمان اور کتابیہ میں برابری کی جائے گی۔ ''والقسم بين الحرائر على السواء سواء كن مسلمات أو كتابيات وكما لا فرق بين الجديدة والقديمة، كذالك لا فرق بين البكر والثيب والمسلمة والكتابية الحريتن'' (فتح القدير ۳/ ۳۰۱، هكذا فيا لعناية على الفتح ۳/ ۳۰۱) (یعنی مسلمان عورت اور کتابیہ عورت میں حقوق کے بارے میں کوئی فرق نہیں ہے)۔

''والمسلمة والكتابية في القسم سواء'' (فتاوى قاضي خاں على الهنديه ۱/ ۴۳۹)۔

(حرہ عورتوں میں برابری لازم ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا کتابیہ ہوں)۔

''وفي السراجيه وإن كانت أحدها مسلمة والأخرى كتابية فكذلك'' (الفتاوى السراجيه/ ص ۲۰۷)۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے: ''العدل بين الزوجات ولو مختلفات في الدين واجب قال ابن المنذران القسم بين

المسلمة والذمية سواء وذلك؛ لأن القسم من حقوق الزوجية فاستوت فيه المسلمة والكتابية كالنفقة والسكنى وهذا عند جميع الفقهاء'' (موسوعہ فقہیہ ۷/ ۱۳۶ بحوالہ شرح الکبیر ۲/ ۳۳۹ المهذب ۲/ ۶۸. المغنی ۷/ ۳۷) (یعنی عدل تمام بیویوں کے درمیان خواہ دین کے اعتبار سے مختلف ہوں واجب ہے، ابن المنذر نے فرمایا کہ مسلمان عورت اور ذمیہ عورت کے درمیان باری برابر سرابر ہونی چاہئے اس لئے کہ یہ قسم حقوق زوجیت میں سے ہے، لہذا اس میں مسلمان اور کتابیہ سب برابر ہوں گی، جیسے کہ نفقہ وسکنی ہیں اور یہ تمام فقہاء کرام کے نزدیک ہے)۔

خلاصہ یہ کہ اہل کتاب عورت سے نکاح کرنے کی صورت میں اس کے جملہ حقوق مسلمان عورت کی طرح ہوں گے جن کی ادائیگی شوہر کے ذمہ لازم ہوگی غیر مسلم ہونے کی بناء پر حقوق کی ادائیگی سے راہ فرار اختیار کرنا اور طلاق دے کر علاحدہ ہوجانا درست نہ ہوگا۔

ج- اگر اہل کتاب عورت مسلمان مرد کے نکاح میں ہو تو شوہر اس کو گھر سے باہر عبادت خانہ جانے سے روک سکتا ہے، البتہ گھر کے اندر اپنے مذہبی امور کی انجام دہی سے نہیں روکے گا، جیسا کہ حضرات فقہاء کرام کے اس جزئیہ سے روشنی ملتی ہے:

''وفی شرح الطحاوی المسلم اذا تزوج ذمية فله ان يمنعها عن الخروج إلى الكنائس والبيع وبيت النار، وليس على اجبارها على الغسل من دم الحيض والنفاس والجنابة'' (فتاوی تاتارخانیہ ۳/ ۷۳، نمبر ۵۵۵۴)

اور فتاوی ہندیہ میں ہے: ''ثم إذا تزوج المسلم الكتابية فله منعها من الخروج إلى البيعة والكنيسة، كذا فی السراج الوهاج، ومن اتخاذه الخمر فی منزله، كذا فی النهر الفائق'' (عالمگیری ۱/ ۲۸۱)۔

یعنی جب کسی مسلمان نے کسی کتابیہ سے شادی کرلی تو اس کو حق ہے گھر سے باہر ان کے عبادت خانے بیعہ اور کنیسہ میں جانے سے اور اپنے گھر میں شراب بنانے سے، یعنی وہ کام جس سے شوہر کا حق ضائع ہو، جیسے گھر سے باہر جانا اور جس سے اخلاق متاثر ہوں، جیسے کہ شراب بنانا اس سے شوہر کو روکنے کا حق ہے، اور جس سے ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے اس کے انجام دہی میں خارج نہ بنے، جیسا کہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

''ولا يجبرها على الغسل من دم الحيض والنفاس والجنابة، كذا فی الشرح الوهاج'' کہ شوہر اس کو غسل حیض ونفاس اور غسل جنابت پر مجبور نہیں کرے گا (فتاوی عالمگیری ۱/ ۲۸۱)۔ النہر الفائق میں ہے: ''يتحتم للمسلم منع زوجته الذمية من الخروج الى الكنائس واتخاذ الخمر فی منزله أما شربها منه فلا؛ لأنه حلال عندها، كذا فی الخانية لكن المذكور فی ظهار البزازية، أن له المنع كالمسلمة إذا كلت الثوم والبصل، أوما ينشف الفم، لأن القبلة حقه، وذلك يحل بها لو يكره''

کہ مسلمان شوہر کے لئے اپنی ذمیہ (کتابیہ) عورت کو روکنے کا حق ہے، کنیسہ جانے سے اور اپنے گھر میں شراب کے بنانے سے اور اسی کو پینے سے روکنے کا حق نہیں ہے، اس لئے کہ کتابیہ کے نزدیک شراب حلال ہے، لیکن بزازیہ میں ہے کہ اس کو شراب پینے سے بھی منع کرنے کا حق ہے جیسے کہ کوئی بدبودار چیز مثلاً پیاز لہسن کھانے سے یا جو منہ کو بدبودار کرے اس سے روکنے کا حق ہے، اس لئے کہ بوسہ لینا شوہر کا حق اور یہ اس میں مخل ہے یہ اس وقت ہے اگر شوہر کو یہ ناپسند ہو (النہر الفائق ۲/ ۱۹۵)، خلاصہ یہ کہ گھر کے اندر ایسے مذہبی مراسم کی انجام دہی کی اجازت رہے جس میں شوہر کے اخلاق متاثر نہ ہوں اور اس کا حق ضائع نہ ہو۔

د- شریعت کا قانون اور قاعدہ ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کے بجائے خرابی اور نقصان سے دور رہنا اور برائی سے بچنا ضروری ہے۔

''قاعده خامسة، وهی درأ المفاسد أولی من جلب المصلحة، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمامورات'' (الاشباه والنظائر ۱/ ۲۶۲ در المفاسد اولی من جلب المنافع قاعده/ ص ۱۳۲، قواعد الفقه/ ص ۸۱)۔

عیسائی مشنریز کے ایسے خدمت خلق کے ادارے جن سے اپنے مذہب سے دوری یا بیزاری پیدا ہو ان کی کسی بھی اسکیم سے فائدہ اٹھانا یا اس میں اپنی خدمات فراہم کرنے سے مسلمانوں کو احتراز کرنا چاہئے، کیونکہ دین کا ضرر نہایت اہم ہے، اگر ایسا کوئی مسلمان نہیں کرتا ہے تو وہ باقی و پائیدار آخرت پر فانی و ناپائیدار دنیا کو ترجیح دیتا ہے، ارشاد خداوندی ہے: ''بل تؤثرون الحيوة الدنيا والآخرة خير وابقى''

(بلکہ تم دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت (دنیا سے) بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے، خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کو اپنے دین وایمان کے تحفظ کے لئے ایسے اداروں کی خدمت سے اور اپنی خدمت سے اداروں کو فراہم کرنے سے غایت درجہ محتاط رہنا چاہئے)۔

☆☆☆

موجودہ دور کے اہل کتاب سے متعلق احکام

مولانا شوکت ثنا قاسمی[1]

تقریباً اہل علم کا اتفاق ہے کہ اہل کتاب کی عورتیں جو واقعی اہل کتاب ہوں سے مسلمان مردوں کے لئے نکاح کرنا جائز ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"اليوم أحل لكم الطيبات وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم إذا آتيتموهن أجورهن" (مائدہ:۵)

(آج حلال ہوئیں تم کو سب ستھری چیزیں اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے اور حلال ہیں تم کو پاک دامن عورتیں مسلمان اور پاک دامن عورتیں ان میں سے جن کو دی گئی کتاب تم سے پہلے جب دو ان کو مہر)۔

بعض صحابہ سے بھی عیسائی اور یہودی عورتوں سے نکاح کرنا ثابت ہے، موسوعہ فقہیہ میں ہے:

"ويجوز للمسلم زواج الحرائر من نساء أهل الكتاب وهم اليهود والنصارى لقول الله تعالى: والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم" "ولأن الصحابة رضي الله تعالى عنهم تزوجوا من أهل الذمة فتزوج عثمان رضي الله عنه نائلة بنت الفرافصة الكلبية وهي نصرانية وأسلمت عنده وتزوج حذيفة رضي الله تعالى عنه بيهودية من أهل المدائن" (موسوعہ فقہیہ ۳۵/ ۲۷)

(اور مسلمان کے لئے اہل کتاب یہود ونصاری کے عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے، اللہ تعالی کہ اس فرمان کی وجہ سے کہ اور پاک دامن عورتیں ان میں سے جن کو دی گئی کتاب تم سے پہلے، اور صحابہ نے بھی ذمیوں کی عورتوں سے نکاح کیا ہے، چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ نے نائلہ بنت فرافصہ کلبیہ سے نکاح فرمایا، حالانکہ وہ نصرانی تھی، اور آپ کے پاس اس نے اسلام بھی قبول کرلیا، حضرت حذیفہؓ نے مدائن کی ایک یہودی عورت سے نکاح کیا تھا)۔

البتہ نام نہاد اہل کتاب جو خدا کے منکر ہوں یا وحی و رسالت اور آخرت کو تسلیم نہ کرتے ہوں، ایسے نام نہاد اہل کتاب جو محض اپنی مردم شماری کے اعتبار سے یہودی یا نصرانی کہلاتے ہوں نکاح اور ذبیحہ یا کسی اور معاملہ میں بھی اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہوں گے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "لیکن اس زمانہ میں جو نصاری کہلاتے ہیں وہ اکثری قومی حیثیت سے نصاری ہیں، مذہبی حیثیت سے محض دہری وسائنس پرست ہیں، ایسوں کے لئے یہ حکم جواز نکاح کا نہیں" (امداد الفتاوی ۲/ ۲۱۴)۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: "مگر یاد رہے کہ ہمارے زمانہ کے نصاری عموماً برائے نام نصاری ہیں، ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی کتاب آسمانی کے قائل ہیں، نہ مذہب کے نہ خدا کے ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا، لہذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا" (تفسیر عثمانی: تفسیر سورہ مائدہ:۵)۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں: "آج کل یورپ کے عیسائی اور یہودیوں میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنی مردم شماری کے اعتبار سے یہودی یا نصرانی کہلاتے ہیں، مگر درحقیقت وہ خدا کے وجود اور کسی مذہب ہی کے قائل نہیں، نہ تورات وانجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں اور نہ موسی وعیسیٰ کو اللہ کا نبی و پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ وہ شخص مردم شماری کے نام کی وجہ سے اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہوسکتے (معارف القرآن، تفسیر سورہ مائدہ:۵)۔

---

[1] مفتی واستاذ شعبہ تربیت افتاء جامعہ عائشہ نسواں، وارا ب جنگ کالونی، حیدرآباد۔

فتاوی دار العلوم میں ہے: ''آج کل جو لوگ نصاری کہلاتے ہیں ان میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کہ دہری ہیں، کسی مذہب کو نہیں مانتے، بلکہ خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں، یہ لوگ اگرچہ باعتبار مردم شماری نصاری کہلاتے ہیں، مگر حکم شرع میں ایسے لوگ اہل کتاب نہیں ہو سکتے'' (فتاوی دار العلوم)۔

مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری صاحبؒ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''آج کل کے جو یہود و نصاری ہیں ان میں سے اکثر ملحد، بد دین، دہریہ، سائنس پرست اور نجوم پرست ہیں صرف برائے نام اہل کتاب ہیں ان کو مذہب سے بالکل لگاؤ نہیں بلکہ ان کے اقوال و افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذہب سے بیزار ہیں، جب ان کی یہ حالت ہے تو وہ اہل کتاب کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور ان کے ذبیحہ کو کس طرح حلال کہا جا سکتا ہے؟'' (فتاوی رحیمیہ جدید ترتیب ۱۰/ ۷۰ کتاب الذبائح)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: ''البتہ ہمارے زمانہ میں عیسائیوں اور یہودیوں کا ایک بہت بڑا طبقہ وہ ہے جو محض عیسائی ہے، ورنہ درحقیقت وہ خدا کے وجود، نبوت، وحی، والہام، حشر و نشر وغیرہ کا منکر ہے، ایسے لوگ درحقیقت یہودی، عیسائی اور اہل کتاب نہیں ہیں اور نہ اس نوعیت کے دہریہ اور کمیونسٹ نام نہاد مسلمان ہیں، ان کے احکام عام کافروں کے ہیں اہل کتاب کے نہیں'' (قاموس الفقہ ۲/ ۲۵۵)۔

شریعت محمدی کے نزول کے بعد ایجاد کئے گئے بعض باطل ادیان کا حکم:

صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنھم کے دور سے آج تک امت مسلمہ کے تمام طبقات کا اس عقیدہ پر اجماع اور اتفاق ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ بعد کوئی شخص کسی قسم کا نبی یا رسول نہیں ہو سکتا ہے، جو نبوت و رسالت کا دعوی کرے وہ جھوٹا، دجال منکر قرآن اور کافر ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنھم کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر ہوا، اور مسیلمہ کذاب کو کافر و مرتد قرار دے کر اس سے اور اس کے ماننے والوں سے جہاد کر کے ان کو قتل کیا گیا، محمد رسول اللہ ﷺ کا آخری اور خاتم النبیین ہونا قرآن کریم کے متعدد آیات اور تقریباً دو سو احادیث مبارکہ سے ثابت ہے، اور اس عقیدہ پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنھم کے دور سے آج تک امت مسلمہ کے تمام طبقات کا اجماع اور اتفاق بھی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی اور شخص کے نبی ہونے کے دعوے دار ہو تو اس کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہوگا، بلکہ وہ کافر و مرتد اور واجب القتل ہوگا، مسیلمہ کذاب بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اپنی نبوت کا بھی مدعی تھا، یہاں تک کہ اس کی اذان میں ''اشھد ان محمد رسول اللہ'' پکارا جاتا تھا اور خود بھی بوقت اذان اس کی شہادت دیتا تھا۔

چنانچہ تاریخ طبری میں ہے:

''وكان يؤذن للنبي ﷺ ويشهد في الأذان أن محمدا رسول الله وكان الذي يؤذن له عبدالله بن النواحة، وكان الذى يقيم له حجير بن عمير ويشهدله، وكان مسيلمة إذا دنا حجير من الشهادة، قال: صرح حجير، فيزيد في صوته، ويبالغ لتصديق نفسه'' (تاریخ طبری ۳/ ۲۸۳)

(نبی کریم ﷺ کے لئے اذان دیتا تھا اور اذان میں یہ گواہی دیتا تھا کہ محمد اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور اس کا مؤذن عبد اللہ بن نواحہ اور اقامت کہنے والا حجیر بن عمیر تھا اور حجیر جب شہادت پر پہنچتا تھا تو مسیلمہ بآواز بلند کہتا تھا کہ حجیر نے صاف بات کہی اور پھر اس کی تصدیق کرتا تھا)۔

مسیلمہ کذاب کے اس اہتمام کے باوجود صحابہ کرامؓ نے اس کو کافر و مرتد اور واجب القتل قرار دے کر اس سے جہاد کیا اور اس کو اور اس کے ماننے والوں کو قتل کیا، کیونکہ وہ مردود شخص نبی کریم ﷺ کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے کا قائل نہیں تھا، اسی طرح آج کل کے ملعون و مردود فرقہ قادیانی اگرچہ کہ نبی کریم ﷺ کو نبی تسلیم کرتا ہے لیکن وہ آپ ﷺ کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے کا قائل نہیں ہے، اس لئے اس کا حکم بھی مسیلمہ کذاب اور اس کے ماننے والوں کی طرح ہے، اسی طرح وہ تمام فرقہ باطلہ جو محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی اور شخص کے نبی ہونے کے دعوے دار ہو تو اس کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہوگا، بلکہ وہ کافر و مرتد اور واجب القتل ہوگا۔

جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا ہے، اسی طرح آپ ﷺ پر نازل شدہ کتاب قرآن کریم بھی آخری آسمانی کتاب ہے، اس کے بعد اب کوئی آسمانی اور الہامی کتاب نازل نہیں ہوگی، قرآن کریم کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا بھی مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وأنزلنا إليك الكتاب بالحق مصدقا لما بين يديه من الكتاب ومهيمنا عليه" (مائدہ:۴۸)

(اور تجھ پر اتاری ہم نے کتاب سچی تصدیق کرنے والی سابقہ کتابوں کی اور ان کے مضامین پر نگہبان)۔

اس آیت سے بالکل واضح ہے کہ قرآن کریم سابقہ تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی کتاب اور اس کے مضامین پر نگران ونگہبان ہے اور آخری آسمانی کتاب ہے، کیونکہ اگر یہ آخری کتاب نہ ہوتی تو اس کی تصدیق اور اس کی نگہبانی کے لئے کسی اور کتاب کی ضرورت ہوتی تھی، تو اس کا تذکرہ قرآن وسنت میں ضرور ملتا، لیکن اس طرح کوئی بات قرآن وسنت میں نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالی نے اس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری کا صاف طور پر اعلان کیا ہے:

"إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون" (سورۂ حجر:۹) (ہم نے ہی اس قرآن کو نازل فرمایا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں)۔

سورہ بقرہ میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "والذين يؤمنون بما أنزل إليك وما أنزل من قبلك وبالآخرة هم يوقنون" (سورۂ بقرہ:۴) (اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تیری طرف اور اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں)۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں: آیت کے اس طرز بیان سے ایک اہم اصولی مسئلہ بھی نکل آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کی وحی آخری وحی، کیونکہ اگر قرآن کے بعد کوئی اور کتاب یا وحی بھی نازل ہونے والی ہوتی تو جس طرح اس آیت میں پچھلی کتابوں اور وحی پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے، اسی طرح آئندہ نازل ہونے والی کتاب اور وحی پر ایمان لانے کا ذکر بھی ضرور ہوتا، بلکہ اس کی ضرورت زیادہ تھی، کیونکہ تورات وانجیل اور تمام کتب سابقہ پر ایمان لانا تو پہلے سے جاری اور معلوم تھا، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی سلسلہ وحی اور نبوت جاری ہوتا تو ضرورت اس کی تھی کہ اس کتاب اور اس نبی کا ذکر زیادہ اہتمام سے کیا جاتا جو بعد میں آنے والے ہوں تاکہ اشتباہ نہ رہے، مگر قرآن نے جہاں ایمان کا ذکر کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نازل ہونے والی وحی اور پہلے انبیاء کا ذکر فرمایا، بعد میں آنے والے کسی وحی یا نبی کا کہیں قطعاً ذکر نہیں، پھر صرف اسی آیت میں نہیں بلکہ قرآن کریم میں یہ مضمون اول سے آخر تک مختلف مقامات میں چالیس پچاس آیتوں میں آیا ہے سب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء، پہلی وحی، پہلی کتابوں کا ذکر ہے، کسی ایک آیت میں اس کا اشارہ تک نہیں کہ آئندہ بھی کوئی وحی یا نبی آنے والا ہے جس پر ایمان لانا ہے (معارف القرآن ۱/ ۱۰۳)۔

سیدنا ابوبکرؓ کا ارشاد ہے: "قد انقطع الوحی وتم الدین" (جامع الاصول) (وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا اور دین مکمل ہو گیا)۔

الحاصل یہ کہ قرآن کریم کے بعد کسی اور الہامی کتاب اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور شخص کے نبی ہونے کے دعویدار کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہو سکتا ہے۔

نسلی قادیانیوں کا حکم:

جو مسلمان (العیاذ باللہ) قادیانیت اختیار کرلے ہو تو سراسر مرتد ہے، البتہ نسلی قادیانی پر اگر چہ کہ ارتداد کی تعریف صادق نہیں آتی ہے، لیکن ان لوگوں پر زندیق کی تعریف صادق آتی ہے، اس لئے ان کی زندیقیت کی وجہ سے ان کا شمار اہل کتاب میں نہ ہوگا، بلکہ وہ عام کفار کے حکم میں ہوں گے، نہ ان سے رشتہ نکاح درست ہوگا، اور نہ ان کا ذبیحہ، اور زندیق کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"والزنديق هو الذی يظهر الإسلام ويستتر بالكفر، وهو المنافق، كان يسمى فی عصر النبی ﷺ منافقا ويسمى اليوم زنديقا" (المغنی ۶/ ۳۷۰) (اور زندیق وہ شخص ہے جو کفر کو چھپاتے ہوئے اسلام ظاہر کرتا ہو، اور وہ منافق ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ان کو منافق کہا جاتا تھا اور اس دور میں ان کو زندیق کہا جاتا ہے)۔

فقہی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ زندیقیت ارتداد سے بھی بڑا جرم ہے، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ زندیق کو قتل کر دیا جائے گا، اور اس کی توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی، جبکہ کھلے مرتد کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے۔

"(وقتل الزنديق): بعد الاطلاع عليه بلا استتابة: وهو من أسر الكفر وأظهر الإسلام، وكان يسمى فی زمن

النبی ﷺ وأصحابه: منافقا (بلا) قبول (توبة) من حيث قتله، ولا بدمن توبته، لكن إن تاب قتل حدا، وإلا كفرا'' (حاشية الصاوی علی الشرح الصغير ۴/۴۳۸)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی شرح مؤطا کی عبارت جس میں ختم نبوت کے بالواسطہ انکار کرنے والوں کو زندیق قرار دیا گیا ہے، نے تو اس بات کو بالکل واضح اور بے غبار کر دیا ہے کہ قادیانی بھی زندیق ہی کے حکم میں ہیں اور ان کا حکم نکاح اور ذبیحہ کے معاملہ میں اہل کتاب کا نہیں، بلکہ عام کافروں کا ہے (قاموس الفقہ ۲/۲۵۸)۔

دارالاسلام میں اہل کتاب عورت سے نکاح:

جمہور علماء کے نزدیک دارالاسلام میں اہل کتاب عورت سے نکاح کرنا جائز ہے، البتہ ان سے نکاح نہ کرنا بہتر ہے (حاشیہ ابن عابدین ۳/۴۵، الشرح الصغیر ۲/۴۲۰، المجموع شرح المهذب ۱۶/۲۳۶) لیکن صلیبی جنگوں کے دوران اور موجودہ دور میں اہل کتاب کی عورتوں نے شاہوں اور کمانڈروں کی زوجیت میں آ کر اسلام اور مسلمانوں کو جو شدید نقصان پہنچایا ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے، اس صورت حال میں ان سے نکاح کی اجازت دینا دینی مصلحت اور اسلام اور مسلمان کے مفاد میں نہیں ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے، چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

ہمارے زمانہ میں اہل کتاب سے نکاح ایک فتنہ بن کر رہ گیا ہے اور نہ صرف عام مسلمانوں بلکہ عالم اسلام کے وہ قائدین جن کے ہاتھوں میں پوری قوم کے زمام اور پوری اسلام دنیا کی کلید ہے، کے قصور عیش اور محلات کی زینت عیسائی اور یہودی عورتیں ہیں، جن سے مسلمان شدید نقصان اور سیاسی مضرت واستحصال سے دوچار ہیں، ان حالات میں تو کسی طرح بھی اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں حضرت حذیفہؓ کو اس یہودی خاتون کو طلاق دے دینے کا حکم فرمایا تھا جس سے حضرت حذیفہؓ نے نکاح کیا تھا۔

پھر فقہاء اسلام کا زمانہ وہ تھا جب اسلام کو غلبہ حاصل تھا، دنیا کا ایک بڑا حصہ اسلام کے زیرنگیں تھا اور جہاں مسلمانوں کو سیاسی غلبہ حاصل نہ تھا وہاں بھی مسلمانوں کی بین الاقوامی پوزیشن، ان کی علمی اور ایجادی ترقی اور علم واکتشافات کی امامت کی وجہ سے ان کی حیثیت فاتح کی تھی، ان کو اس طرح تہذیبی بالاتری حاصل تھی کہ مسلمان دوسروں سے متاثر نہ ہوتے تھے، بلکہ دوسرے اسلام کی تقلید کو ایک فیشن اور عصریت سمجھتے تھے، اب حالات بدل چکے ہیں، مسلمان مفتوح، علم وفن کے اعتبار سے پسماندہ اور تہذیب وتمدن کے لحاظ سے مسحور اور مرعوب قوم بن کر رہ گئے، ان حالات میں اثر ڈالنے کا امکان کم ہے اور اثر قبول کرنے کا زیادہ، اس لئے اس کی کراہت میں کوئی شک نہیں (قاموس الفقہ ۲/۲۵۶)۔

غیر اسلامی ممالک میں اہل کتاب عورت سے نکاح:

غیر اسلامی ممالک میں اہل کتاب عورت سے نکاح کرنا جمہور علماء کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے:

حنفیہ کے ترجمان علامہ ابن عابدین شامی نے دارالحرب میں کتابیہ عورت سے نکاح کے سلسلہ میں کراہت تحریمی والے قول کو راجح قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''(قوله: وإن كره تنزيها) أی سواء كانت ذمية أو حربية. فإن صاحب البحر استظهر أن الكراهة فی الكتابية الحربية تنزيهية فالذمية أولى اهـ. ح قلت: علل ذلك فی البحر بأن التحريمية لا بدلها من نهى أو ما فی معناه؛ لأنها فی رتبة الواجب. ا‍هـ. وفيه أن إطلاقهم الكراهة فی الحربية يفيد أنها تحريمية. والدليل عند المجتهد على أن التعليل يفيد ذلك. ففی الفتح ويجوز تزوج الكتابيات والأولى أن لا يفعل، ولا يأكل ذبيحتهم إلا للضرورة. وتكره الكتابية الحربية إجماعا؛ لا فتتاح باب الفتنة من إمكان التعلق المستدعی للمقام معها فی دار الحرب. وتعريض الولد على التخلق بأخلاق أهل الكفر. وعلى الرق بأن تسبى وهی حبلى فيولد رقيقا. وإن كان مسلما اهـ. فقوله: والأولى أن لا يفعل يفيد كراهة التنزيه فی غير الحربية. وما بعده يفيد كراهة التحريم فی الحربية'' (حاشیہ رد المحتار على الدر المختار ۳/۴۵)۔

مالکی مسلک کی مشہور کتاب شرح صغیر میں دارالحرب میں کتابیہ عورت سے نکاح کو مکروہ تحریمی قرار دیا گیا ہے۔

''وتأكد الكره أى الكراهة إن تزوجها بدار الحرب، لأن لها قوة بها لم تكن بدار الإسلام، فربما ربت ولده على دينها، ولم تبال باطلاع أبيه على ذلك'' (الشرح الصغير ۲/ ۴۲۰)۔

شافعی مسلک کے ترجمان علامہ کمال الدین ابوالبقاء محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ دمیریؒ لکھتے ہیں:

''وتحل كتابية لكن تكره حربية، وكذا ذمية على الصحيح'' (النجم الوهاج فى شرح المنهاج ۷/ ۱۹۲، منهاج الطالبين ۱/ ۲۱۲)۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں: ''وتحل كتابية، ولكن تكره حربية، وكذا ذمية على الصحيح، وقال فى الحاشية: لكن الحربية أشد كراهة منها'' (المنهاج ۹۸ حاشيه ۲/ ۱۸۷)۔

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی دارالحرب میں کتابیہ عورت سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں:

''وقال ابن القيم رحمه الله: وإنما الذى نص عليه أحد، ما رواه ابنه عبدالله، قال: كره أن يتزوج الرجل فى دار الحرب، أو يتسرى، من أجل ولده، وقال فى رواية إسحاق بن ابراهيم: لايتزوج ولا يتسرى الأسير، ولا يتسرى بمسلمة، إلا أن يخاف على نفسه، فإذا خاف على نفسه لايطلب الولد'' (أحكام أهل الذمة ۲/ ۴۲۰)۔

دارالحرب میں کتابیہ عورت سے نکاح کرنے میں بے شمار نقصانات ہیں:

۱- موجودہ دور میں غیر مسلم ممالک اور خاص طور پر یورپ کی جو صورت حال ہے، ان ماحول میں کسی بالغہ یہودی وعیسائی لڑکی عفت وعصمت کا محفوظ رہنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، جبکہ قرآن مجید میں پاکدامن کتابیہ عورت سے نکاح کو حلال کیا گیا ہے، اور یہ شرط آج کل عموماً مفقود ہے۔

۲- موجودہ دور میں امریکہ اور دیگر یورپین ممالک میں بے حیائی اور بے شرمی کا جو ماحول ہے، ان حالات میں کسی مسلمان کا کسی اہل کتاب سے نکاح کر کے اس کو اپنے اخلاق اور اسلامی تعلیمات سے متاثر کرنے کے بجائے یہ امکان ہے کہ یہ خود بیوی کی محبت میں گرفتار ہو کر ان کی چیزوں سے متاثر نہ ہو جائے۔

۳- امریکہ اور دیگر یورپین ممالک میں شراب نوشی، خنزیر کا گوشت کھانا اور محارم اور غیر محارم مرد سے بلا جھجک عورتوں کا ملنا بالکل عام اور معمولی سی بات ہے، رقص وسرور کی محفلوں میں اجنبی مردوں کے ساتھ رقص بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے، بلکہ بیوی کے بوائے فرینڈ کا مسکراتے ہوئے استقبال کرنا بھی ان کی تہذیب کا ایک حصہ ہے، ان ماحول میں اگر کوئی مسلمان مرد کسی کتابیہ عورت سے نکاح کر لے تو ان ساری چیزوں پر اس کے لئے روک لگانا آسان نہیں ہے، اور ان سب چیزوں کو برداشت کرتے ہوئے اگر اس سے رشتہ نکاح کو باقی رکھتا ہے تو شریعت کی نظر میں وہ دیوث قرار پائے گا، اور دیوث پر اللہ کی لعنت ہے۔

۴- اولاد کی تربیت میں ماں کے اہم رول اور کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، ماں کے اچھے اور برے اخلاق وتعلیمات سے اس کے آغوش میں تربیت پانے والے بچہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، بلکہ بسا اوقات ماں کی غلط تربیت کا اثر اتنا قوی ہوتا ہے کہ اگر اللہ کا خصوصی فضل نہ ہو تو نور نبوت سے بھی وہ اثر زائل نہیں ہوتا ہے، اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی صورت میں جب اولاد ہوگی تو اس کا اپنی ماں کے اخلاق اور عقائد سے متاثر ہونے کا امکان زیادہ ہے، اس لئے کہ وہ عورت اپنے بچہ کو گرجا اور دیگر مذہبی محفلوں میں لے کر جائے گی، جس کی وجہ سے اس کے عقائد کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے، اور رقص وسرور اور دیگر لہو ولعب کے مقامات پر لے کر جانے کی وجہ سے اس کے اخلاق کے بگڑ جانے کا امکان ہے، اور ممکن ہے کہ بڑے ہونے کے بعد اپنے باپ کے مذہب کو ہی خیر باد کہہ دے۔

۵- اگر کسی ناگزیر حالات کی وجہ سے مرد اپنی کتابیہ بیوی کو طلاق دینا چاہے تو اس صورت میں مرد اپنی جائداد کے ایک بڑے حصہ سے محروم ہو جائے، اور اولاد ہو تو وہ اٹھارہ سال تک ماں کی زیر تربیت رہے گی، اور باپ اپنی اولاد کی اسلامی تربیت سے بھی محروم ہو جائے گا۔

۶- امریکہ اور دیگر یورپین ممالک میں مقیم مسلم عورتوں کی ایک بڑی تعداد نکاح کا منتظر ہے، اور بہت ساری مسلم لڑکیاں غیر مسلم مردوں سے

ازدواجی تعلق قائم کرلیتی ہیں، ان کو چھوڑ کر کتابیہ عورت سے نکاح کرنے میں ان عورتوں کو فتنہ میں مبتلا کرنا ہے، اس لئے مسلم عورتوں سے اعراض کرتے ہوئے کتابیہ سے نکاح قطعا مناسب نہیں ہے، سیدنا عمر فاروقؓ نے حضرت طلحہ اور حذیفہؓ کے یہودی عورت سے نکاح کو اسی لئے ناپسند سمجھ کر طلاق کا حکم دیا تھا کہ دوسرے لوگ اس کو مثال بنالیں گے اور مسلم عورتوں سے نکاح کرنے میں گریز کریں گے۔

علامہ ابن جریرؒ لکھتے ہیں: ''وإنما كره عمر لطلحة وحذيفة نكاح اليهودية والنصرانية حذرا من أن يقتدى بهما الناس في ذلك، فيزهدوا في المسلمات، أو لغير ذلك من المعاني فأمرهما بتخليتهما'' (جامع البيان عن تاويل القرآن ۲/۳۷۸)۔

اور یہ سارے مفاسد وخرابیاں صرف امکانی اور فرضی نہیں بلکہ حقیقی ہیں اور اس طرح کے متعدد واقعات ان علاقوں میں پیش آرہے ہیں، اس لئے ان حالات میں ان ممالک میں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، اور رہا ویزہ وغیرہ سہولت کا مسئلہ تو یہ مقصد اس ملک کے مسلم عورتوں سے نکاح کرنے سے بھی حاصل ہوسکتا ہے، البتہ اگر کوئی کتاب عورت دین اسلام سے متاثر ہو اور اس سے نکاح کرنے کی صورت میں اسلام قبول کرنے کا قوی امکان ہو اور وہ آئندہ دعوتی کام میں معاون بھی بن سکتی ہو تو اس مقصد سے اس سے نکاح کیا جاسکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی مسلمان ان ممالک میں ایسی جگہ ہو جہاں مسلمان عورت نکاح کے لئے میسر نہ ہو، اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں زنا میں پڑ جانے کا گمان غالب ہو تو ایسی صورت میں کتابیہ عورت سے نکاح کی گنجائش ہوگی۔

تورات وانجیل کے علاوہ دیگر مذہبی کتابیں:

قرآن مجید کے نزول کے وقت یہود ونصاری کے علاوہ ہندومت، بودھ مت اور جین مت وغیرہ مذاہب دنیا میں موجود تھے، اور ان کی مذہبی کتابیں بھی موجود تھیں، اس کے باوجود ان کو اہل کتاب میں شامل نہیں کیا گیا اور نہ ہی ان کی کتابوں کو آسمانی اور الہامی کتاب قرار دی گئی، اور جب کسی دھرم کے مذہبی کتابوں کے قرآن وحدیث کے یقینی ذرائع سے آسمانی اورالہامی ہونا ثابت نہ ہو تو محض اس بنیاد پر کہ اس میں توحید ورسالت کا ذکر ہے، آسمانی اور الہامی کتاب قرار دینا قطعا درست نہیں ہے، اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہے، اور نہ ہی اسلام کی حقانیت، اور توحید ورسالت کی تعلیم وثبوت کے لئے ان کتابوں کی اشلوک وعبارت کی کوئی ضرورت ہے، البتہ برادران وطن میں دعوت وتبلیغ کے لئے ان کی مذہبی کتابوں سے توحید ورسالت والی عبارتوں سے استفادہ جائز ودرست ہے۔

عیسائی مشنریز اسکولوں میں تعلیم:

عیسائی مشنری اسکولوں کا مزاج ومذاق اور ان اسکولوں میں داخل ہونے سے لے کر باہر نکلنے تک کی تمام کارروائیاں نصاب تعلیم، وضع قطع مخلوط تعلیم، سال بھر کے مختلف ناموں سے منعقدہ حیاء سوز پروگرام اور خود وہاں کے معلمین ومعلمات کا خاص مذہبی ڈھنگ کا لباس، بچوں کی تعلیم کے ساتھ بچوں کی آزاد مزاجی کی ذہن سازی اور عیسائیت کی فکر سازی، ان ماحول میں مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت یقینا ان کو الحاد ودہریت کی طرف لے جائے گی، اور ان کی اسلامی فکر اور ایمان وعقیدہ کی حفاظت بہت مشکل ہوگی، عیسائی مشنری اسکولس کے تعلیم یافتہ اکثر مسلم نوجوانوں کی صورت حال اہل علم سے مخفی نہیں، اس لئے ایسے اداروں میں مسلم بچوں کی تعلیم قطعا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ اصول متفق علیہ ہے کہ جلب منفعت سے درء مفاسد مقدم ہے۔

''درء المفاسد أولى من جلب المصالح'' (الاشباہ والنظائر ۱/۷۸)۔

عیسائی مشنری اسکولوں میں مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت اور اس کی ہمت افزائی کے بجائے، ارباب فکر، اہل علم، دردمند سیاست داں، علماء وفضلاء اس کی روک تھام کے لئے عملی اقدام کریں اور ایسے اسکول وکالجز قائم کریں جہاں ہر سمت سے ماحول سازگار ہو، اور مزاج ومذاق صاف وشفاف ہو جس سے ہمارا مذہب ومسلک بھی مضبوط ہو، اور ملک وقوم کا ملکی وملی شعار بھی باقی رہے، لیکن عصری علوم وفنون میں کوئی نقص وکمزوری نہ ہو، کیونکہ ایسے اداروں میں تعلیم کا مقصد انہی علوم میں درک وکمال حاصل کرنا ہوتا ہے، اگر اس میں کمی کوتاہی رہی تو شاید وہ ادارہ مستقبل میں زیادہ کامیاب اور مفید

ثابت نہ ہوسکے۔

کتابیہ بیوی کے حقوق:

بنیادی حقوق مہر، نان ونفقہ، سکنی، کسوۃ، متعدد بیویوں کی صورت میں باری کی تعیین، حسن معاشرت وغیرہ حقوق میں کتابیہ بیوی اور مسلمان بیوی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

مہر:

اگر کوئی مسلمان شخص کسی اہل کتاب عورت سے نکاح صحیح کرلے تو اس پر متعینہ مہر واجب ہوگا، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

"وأتوا النساء صدقاتهن نحلة. فإن طبن لكم عن شئ منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا" (سورۂ نساء:۴)

(اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو، ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے ذوق وشوق سے کھالو)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: "اليوم أحل لكم الطيبات وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم إذا أتيتموهن أجورهن محصنين غير مسافحين ولا متخذي أخدان ومن يكفر بالإيمان فقد حبط عمله وهو في الاخرة من الخاسرين" (سورۂ مائدہ:۵)

(آج حلال ہوئیں تم کو سب ستھری چیزیں اور اہل کتاب کا کھانا تم کو حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے اور حلال ہیں تم کو پاک دامن عورتیں مسلمان اور پاک دامن عورتوں ان میں سے جن کو دی گئی کتاب تم سے پہلے جب وہ ان کو مہر ان کے قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو اور نہ چھپی آشنائی کرنے کو اور جو منکر ہوا ایمان سے تو ضائع ہوئی محنت اس کی اور آخرت میں ٹوٹے والوں میں ہے)۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر بیوی کا حق ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا اہل کتاب۔

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ شوہر پر بیوی کا مہر واجب ہے، بیوی خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ" وانعقد الإجماع على وجوب المهر على الزوج لزوجته مسلمة كانت أم كتابية" (المغنی لابن قدامہ۶/ ۱۴۶ بحوالہ حقوق الزوجة الكتابية في الشريعة الإسلامية/ ص۲۵۳)۔

لباس وپوشاک:

بیوی کے لباس وپوشاک کا انتظام بالاتفاق شوہر کے ذمہ ہے، بیوی خواہ مسلمان ہو یا اس کا تعلق اہل کتاب سے ہو، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (بقرہ: ۲۳۳) (اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہوگا)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: کہ خبر دار! بیویوں کا تمہارے اوپر یہ حق ہے کہ ان کے ساتھ کھانے پینے اور لباس وپوشاک میں احسان کا معاملہ کرو،

"ألا وحقهن عليكم أن تحسنوا إليهن في كسوتهن وطعامهن" (ترمذی: باب ما جاء في حق المرأة على زوجها، وقال هذا حديث حسن صحيح) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم پر بیویوں کی رزق اوران کا لباس معروف طریقہ پر واجب ہے)۔

"ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (صحيح مسلم: مسلم في كتاب: الحج. باب: حجة النبي ﷺ ۱۲۱۸)

(ان نصوص میں کسوۃ کو مطلقا واجب قرار دیا گیا ہے، بیوی خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ ہو)۔

نفقہ (خوراک):

شوہر پر بیوی کے نفقہ کا وجوب قرآن وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے، چنانچہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے گا خواہ وہ عورت

مسلمان ہو یا کتابیہ ہو اس پر اپنی بیوی کا کھانا خوراک دینا واجب ہوگا (بدائع الصنائع ۴/ ۲۲)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لینفق ذو سعة من سعته ومن قدر علیه رزقه فلینفق مما آتاه الله لایکلف الله نفسا إلا ما آتاها سیجعل الله بعد عسر یسرا" (سورۂ طلاق: ۷)۔ (خوشحال آدمی اپنی خوشحالی کے مطابق نفقہ دے، اور جس کو رزق کم دیا گیا ہو وہ اسی مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے، اللہ نے جس کو جتنا کچھ دیا ہے اس سے زیادہ کا وہ اسے مکلف نہیں کرتا، بعید نہیں کہ اللہ تنگ و دستی کے بعد فراخ دستی بھی عطا فرمادے)۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ تم پر بیویوں کے رزق اور ان کا لباس معروف طریقہ پر واجب ہے

"ولهن علیکم رزقهن وکسوتهن بالمعروف" (صحیح مسلم: مسلم فی کتاب: الحج، باب: حجة النبی ۱۲۱۸)۔

رہائش:

شوہر پر بیوی کے لئے مناسب رہائش کا انتظام بھی کرنا ضروری ہے، بیوی خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ، موسوعہ فقہیہ میں ہے:

''السکنی للزوجة علی زوجها واجبة، وهذا الحکم متفق علیه بین الفقهاء'' (موسوعه فقهیه ۲۵/ ۱۰۸)
(بیوی کی رہائش شوہر پر واجب ہے اور یہ حکم فقہاء کے درمیان متفقہ ہے)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "أسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم" (سورۂ طلاق: ۶) (ان کو گھر دو رہنے کے واسطے جہاں تم آپ رہو اپنے مقدور کے موافق۔

متعدد بیویوں کے درمیان باری کی تقسیم:

اگر کسی شخص کے پاس متعدد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان شب باشی میں باری کی تقسیم ضروری ہوگی، بیوی خواہ مسلمان ہو یا کتابیہ ہو، علامہ نووی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''(مسألة) وإن کان عنده مسلمة وذمیة سوی بینهما فی القسم لقوله تعالی (وعاشروهن بالمعروف) ولم یفرق، ولعموم الوعید فی حدیث أبی هریرة عن النبی ﷺ (من کانت له امرأتان یمیل لاحداهما علی الاکری جاء یوم القیامة یجر أحدشقیه ساقطا أو مائلا) رواه أحمد وأصحاب السنن'' (المجموع ۱۶/ ۴۳۱)
(اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بود و باش رکھو اور اس آیت میں کوئی تفریق نہیں ہے، اور اس حدیث کے وعید کے عموم کی وجہ سے جو حضرت ابو ہریرۃ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور ان میں سے کسی ایک کی طرف بالکلیہ مائل ہو جائے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک دھڑ ایک طرف جھکا ہوا ہوگا)۔

تقریباً تمام فقہاء کرام کی یہی رائے ہے (دیکھئے: البدائع ۲/ ۳۳۲، المغنی ۷/ ۳۰۹، حاشیہ ابن عابدین ۲/ ۴۰۰، الشرح الکبیر ۲/ ۳۳۹)۔

کتابیہ بیوی کا مسلم شوہر کے گھر مذہبی مراسم:

کتابیہ عورت کے مسلمان شوہر کے لئے بہتر ہے کہ اپنی اس بیوی کی ذہنی تربیت کرتا رہے اور اس کو نرمی اور پیار و محبت سے حکمت کے ساتھ دین اسلام سے قریب کرے، اور پھر اس کی دعوت دے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "یاایها الذین آمنوا قوا أنفسکم وأهلیکم نارا وقودها الناس والحجارة علیها ملائکة غلاظ شداد لایعصون الله ما أمرهم ویفعلون ما یؤمرون" (تحریم: ۶) (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر نہایت تندخو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں)۔ لیکن دین اسلام قبول کرنے پر مجبور نہ کرے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان

ہے: "لا إکراہ فی الدین" (بقرہ:۲۵۶) (دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں)۔ اور اگر وہ دین اسلام کو قبول نہ کرے اور وہ اپنی مذہبی رسومات مثلاً نماز، روزہ اور کتاب مقدس کی قرأت ومطالعہ کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہوگی، البتہ گھر سے باہر مذہبی اجتماع میں شریک ہونے یا گرجا اور معبد میں جانے سے روک سکتا ہے۔

سیدنا امام احمد حنبلؒ نے ایسے شخص کے بارے میں جس کی بیوی کتابیہ ہو کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی کو اس کے مذہبی تقریبات میں شرکت کی اجازت نہیں دے گا اور نہ ہی گرجا جانے کی اجازت دے گا، اور شوہر کو اس سے روکنے کی اجازت ہے۔

"قال الإمام أحمد فی الرجل له المرأة النصرانیة: لا یأذن لها أن تخرج إلی عید، أو تذهب إلی بیعة، وله أن یمنعها ذلك" (المغنی ۱۰/ ۶۲۰)۔

عیسائی مشنریز ادارے میں خدمات:

ایسے عیسائی مشنریز اسکولس، اسپتال، اور خدمت خلق کے وارے جو اپنے مذہب کی تبلیغ میں بہت زیادہ سرگرم عمل ہوں اور دوسروں کو ان کے مذہب سے دور کرنے میں اہم رول ادا کررہے ہوں، ان اداروں میں مسلمانوں کے لئے کوئی ایسی ملازمت جس میں ان چیزوں میں براہ راست تعاون ہوتا ہو جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اثم وعدوان میں تعاون ہے، اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان واتقوا الله إن الله شدید العقاب" (مائدہ:۲)

(اور گناہ ظلم زیادتی میں مدد نہ کرو اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالی سخت سزا دینے والا ہے)۔

البتہ ایسی ملازمت جس میں ان چیزوں میں براہ راست تعاون نہ ہوتا ہو جائز ہے، لیکن قطعاً مناسب نہیں، اس ملازمت کو جاری رکھتے ہوئے متبادل کی پوری کوشش کرنی چاہئے۔

عیسائی مشنریز اسکولوں میں بچوں کی تعلیم اور ان کے کسی ادارے سے قرض حاصل کرنے میں بالکلیہ طور پر احتیاط اور گریز کرنا چاہئے، اس کے بے شمار مفاسد ہیں، البتہ ان کے اسپتالوں سے بوقت ضرورت استفادہ کی گنجائش ہے۔

☆☆☆

صابی اور بعض دیگر مذاہب کی تحقیق اور احکام

مولانا ریحان مبشر مئوی قاسمی [1]

صابئین قرآن کی نظر میں:

قال اللہ تعالی: "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ" (بقرہ: ۶۲) (حق تو یہ ہے کہ جو لوگ بھی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا نصرانی یا صابی، اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں گے اور نیک عمل کریں گے، وہ اپنے پروردگار کے پاس اجر کے مستحق ہوں گے، اور ان کو نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے)۔

"إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ" (حج: ۱۷) (بلاشبہ مؤمن ہوں یا یہودی، صابی ہوں یا نصرانی اور مجوسی، یا وہ جنھوں نے شرک اختیار کیا ہے، اللہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا گواہ ہے)۔

صاحبین کے نزدیک: وہ بتوں کے پوجنے والے ہیں؛ کیونکہ وہ ستاروں کی پرستش کرتے ہیں؛ اس لیے وہ مشرک ہیں۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک: وہ بتوں کی پرستش کرنے والوں میں سے نہیں ہیں، رہا ان کا ستاروں کو مقدس ماننا تو وہ ایسے ہی ہے جیسے مسلمانوں کا بیت اللہ کو مقدس و معظم ماننا۔ اسی اختلاف کی وجہ سے صابیہ عورت سے نکاح میں بھی اختلاف ہوا ہے: امام صاحب کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز۔ بعض لوگوں نے کہا ہے اس مذہب میں دو جماعت ہے (ایک مشرک اور ایک موحد) اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ نصاریٰ کی ایک قسم ہے جو زبور کو مانتے ہیں۔ سدی کہتے ہیں: یہ یہودیوں کی ایک جماعت ہے۔ قتادہ مقاتل کہتے ہیں: یہ اللہ کو مانتے ہوئے فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز ادا کرتے ہیں، اور انھوں نے تمام دین سے تھوڑے تھوڑے احکام لیے ہیں (تبیین الحقائق: ۲/۱۱۰، کتاب النکاح فصل فی المحرمات، ط: بولاق، مصر ۱۳۱۳ھ)۔

امام جصاص رازیؒ نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس قوم میں بھیجا گیا تھا وہ صابئین ستاروں کی پرستش کرنے والے مشرک تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انھیں دوسرے مقام پر بتوں کو پوجنے والا بتلایا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ عالم کے تغیرات سات ستاروں (کواکب سبعہ) کی قدرت میں ہیں اور سب سے بڑا ستارہ سورج ہے، ذات باری کا انکار کرتے ہوئے وہ انھیں کواکب سبعہ کو اپنا خدا مانتے ہیں۔

''أن القوم الذي بعث إبراهيم عليه السلام كانوا صابئين عبدة أوثان على أسماء الكواكب السبعة. وقد حكى الله عنهم في غير هذا الموضع أنهم كانوا يعبدون الأوثان ولم يكونوا يقرون بالله تعالى، وكانوا يزعمون حوادث العالم كلها في حركات الكواكب السبعة وأعظمها عندهم الشمس ويسمونها وسائر الكواكب آلهة والشمس عندهم هو الإله الأعظم الذي ليس فوقه إله وكانوا لايعترفون بالباري جل وعز'' (أحكام القرآن: ۲/۱۷۰، سورة البقرة: ۲۵۸، ط:)۔ (لیکن یہ فرقہ ناپید ہو چکا ہے، آگے اس کی وضاحت آرہی ہے)

یہ تو اجمالی بات ہوئی..... لیکن صابئین پر جو کتابیں تصنیف کی گئی ہیں ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذہب، ابوالبشر سیدنا حضرت آدمؑ کے زمانے سے ایک مستقل مذہب رہا ہے، اور ''کنزا ربا'' نامی ان کی ایک مقدس کتاب ہے اور مستقل عقائد ہونے کے ساتھ مخصوص عبادات بھی ہیں۔

اب ہم یہاں قدرے تفصیل سے ان کے تعلق سے ذکر کرتے ہیں:

---

[1] جامعہ گلزار حسینیہ اجراڑہ میرٹھ۔

صابئین کی تاریخ:

ان کا نام صابئہ کیسے ہوا؟ اس سلسلے میں ابن خلکان لکھتے ہیں کہ: حضرت ادریس علیہ السلام کے پوتے "صابی بن متوشلخ" کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ صابئین کہلاتے ہیں، اور صابی بن متلوشخ دین حنیف پر قائم تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ لوگ صابی بن ماری کی طرف یہ لوگ نسبت کرتے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ "قد اختلفوا في هذه النسبة، فقيل: إنها إلى صابئي بن متلوشخ بن إدريس عليه السلام وكان على الحنيفية الأولى۔ وقيل: إلى صابئي بن ماري وكان في عصر الخليل عليه السلام" (وفيات الأعيان: ۱/۵۴، دار صادر، بيروت)۔

صابئین کے اقسام: اس کے چار مشہور فرقے ہیں:

(۱) اصحاب روحانیات: ان کا عقیدہ ہے کہ اس کائنات کو بنانے والی ایک ذات ہے، جو حکیم ہے، فنا ہونے سے پاک وصاف ہے، ہم اس کے جاہ وجلال تک پہنچنے سے عاجز ودرماندہ ہیں، البتہ اس ذات کے نزدیک جو مقدس لوگ ہیں ان کے ذریعے ہم اس ذات مبارکہ کا تقرب حاصل کر سکتے ہیں، وہ مقرب لوگ "روحانیین" ہیں، جو بدنی طاقت اور جسم وتن سے مبرا ہیں، جسمانی حرکات سے پاک صاف ہیں؛ لہٰذا وہ لوگ بھی قوت شہوانیہ کو قابو میں رکھ کر ان روحانیوں سے مناسبت پیدا کرتے ہیں۔ نیز ان کا کہنا ہے کہ انبیاء تو ہماری ہی طرح ہیں، ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں، شکل وصورت میں مماثل ہوتے ہیں تو پھر ان کی اطاعت کیوں ضروری ہو (الملل والنحل: ۲/ ۶۴-۶۵)، یہی اصحاب روحانیات عالم فلکیات اور عالم سفلیات کے منتظم ہیں اور انہیں کے ذریعے سارے تغیرات ہوتے ہیں۔

(۲) اصحاب ہیاکل: ان کا ماننا ہے کہ اس ذات کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جب انسان کو کسی ثالثی کی ضرورت ناگزیر ہے تو اس کا ایسا ہونا ضروری ہوگا جو مشاہد ہو جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں؛ تاکہ تقرب آسان ہو، چناں چہ انہوں نے "ہیکل" (سات ستارے) کا سہارا لیا، پھر آہستہ آہستہ اس کی منازل، مطلع ومغرب، دن ورات اور لمحات کی تقسیم کو پہچانا اور ہر ستارے کے لیے ایک دن خاص کر لیا، مثلاً: زحل کے لیے شنبہ کا دن، اس دن وہ مخصوص لباس پہنتے ہیں، بخور جلاتے ہیں، مخصوص دعا کر کے ان سے اپنی ضروریات مانگتے ہیں، وہ انھیں رب اور اللہ تعالیٰ کو رب الارباب مانتے ہیں، یہ لوگ ہیکل کو روحانیات کا بدن مانتے ہیں؛ اسی وجہ سے ہیکل سے روحانیین اور روحانیین سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔

(۳) اصحاب اشخاص: ان کا کہنا ہے کہ اس ذات کا مقرب بننے کے لیے جب انسان کو کسی ثالثی کا ہونا لازمی ہے تو وہ ایسا ہو جسے ہر وقت ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں، وہ کبھی نظروں سے اوجھل نہ ہو، روحانیات اگرچہ وسائل ہیں تو ہم انھیں دیکھ نہیں سکتے، جہاں تک ستاروں کا تعلق ہے تو وہ کبھی نکلتے ہیں اور کبھی غروب ہو جاتے ہیں؛ اس لیے ان کو ذریعہ تقرب بنانا مناسب معلوم نہیں ہوتا، اس طرح انھوں نے "ہیاکل سبعہ" کی طرح "سات اشخاص (بت)" بنا لیے، اسی کے بارے میں قرآن کریم نے کہا ہے کہ وہ بتوں کی پوجا کرنے والے ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے جس مذہب کے بتوں کو توڑا تھا اور ان سے مناظرہ کیا تھا، علماء نے لکھا ہے کہ وہ یہی اصحاب ہیاکل اور اصحاب اشخاص تھے، جیسا کہ امام جصاص رازیؒ نے اس کی صراحت کی ہے، جیسا کہ ابھی اوپر گزرا۔

(۴) حلولیہ یا حرانیہ: بعض لوگوں نے انھیں "حرنانیہ" لکھا ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ الٰہ ومعبود حقیقت میں ایک ہے، اور اسی نے ستاروں کو پیدا کیا ہے، ان کا ماننا ہے کہ کواکب آباء، عناصر امہات اور مرکبات اولاد ہیں، وہ آباء زندہ ہیں، ناطق ہیں اور اثرات کو امہات کی ارحام میں پہونچاتے ہیں، پھر اس سے اولاد وجود میں آتی ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سارے اولاد کی عمدہ صفات کسی ایک میں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور وہ کامل الاستعداد بن جاتا ہے، اور الٰہ دنیا میں اس کے ذریعے سے مجسم ہو کر سامنے آتا ہے (الملل والنحل ۲/ ۱۱۳)۔

تنبیہ: قرآن کریم نے جن صابئین کا ذکر کیا ہے وہ حرانیین کے عقیدوں سے بالکل میل نہیں کھاتے، اسی طرح انیس کی تیسری دہائی میں عراق میں صابئین کا جو فرقہ تھا اس کے عقائد بھی حرانیین کے عقیدوں سے قطعاً مختلف تھے۔ اس سلسلے میں صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس مذہب کے تمام فرقوں میں عقائد کے تعلق سے بہت زیادہ اختلاف رہا ہے، اور بہت سے نئے فرقوں نے صابئین کا لبادہ اوڑھ کر اپنے آپ کو "صابئین" باور کرانے کی کوشش کی ہے۔ قرآن میں مذکور صابئین، اسلام، نصرانیت اور یہودیت سے بہت قبل بلاد عرب اور مصر میں آباد تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نسلیں ختم ہو گئیں اور ان کے آثار ناپید ہو گئے؛ اس لیے ان کے عقائد کو بالتفصیل جاننا مشکل ہے۔ البتہ انیسویں صدی کی تیسری دہائی میں عراق میں رہنے والے صابئین--- جو بطائح کہلاتے ہیں--- نے متقدمین صابئین سے بہت کچھ لیا ہے، بطائح کے علاوہ اس وقت ان کے تمام فرقے ناپید ہو گئے ہیں، اس وقت وہ عراق اور ایران کے ساحلی

علاقوں میں آباد ہیں، ان کی اپنی تہذیب ہے، وہ عادات واخلاق، لباس وپوشاک اور زبان کے اعتبار سے عام عراقیوں سے مختلف تھے، اور زندگی کے ہر شعبے میں حتی کہ شکل وصورت میں بھی وہ عام عراقیوں سے جداگانہ نظر آتے تھے۔ ذیل میں ان کے عقائد، عبادات اور کچھ اہم امور ذکر کیے جاتے ہیں جس سے کسی صحیح نتیجہ تک پہنچنا ممکن ہوسکتا ہے۔

في الموسوعة الميسّرة (۲/۷۲۱): "لم يبق من الصّابئة اليوم إلاّ صابئة البطائح المنتشرون على ضفاف الأنهر الكبيرة في جنوب العراق وإيران"۔

انبیاء صابئین:

صابئین کا عقیدہ ہے کہ پہلے مندائی صابئی نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں، پھر شیتل بن آدم نبی بنائے گئے، پھر سام بن نوح کی بعثت ہوئی، پھر اخیر میں حضرت یحیی کو مبعوث کیا گیا، اور وہ اپنے آپ کو ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیمات کی اتباع کرنے والے مانتے ہیں، ان کا دعوی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام پر نازل صحیفے (کنزاربا) ہیں، لیکن مرور ایام اور نئے مذاہب کے وجود میں آنے کی وجہ سے دینی ڈھانچہ کمزور ہوگیا تھا اور اس میں من چاہی تعلیمات داخل کردی گئی تھیں، حضرت یحیی علیہ السلام کی بعثت دین کی مسخ صورت کو درست کرنے اور باطل وخرافات کو دین سے ختم کرنے کے لیے ہوئی تھی، اسی وجہ سے ان کا ماننا ہے کہ وہ عام رسول نہیں تھے؛ بل کہ وہ ان کے درمیان خصوصیت سے مبعوث کیے گئے تھے، حضرت یحیی علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلے میں ان کی مقدس کتاب "کنزاربا" میں عجیب عجیب واقعات منقول ہیں (الصابئة المندائيون العقيدة والتاريخ منذ ظهور آدم حتى اليوم: ۲۵)۔

کتب صابئین:

یہ حضرات اپنے مذہب کی بنیادی باتوں اور اپنی دینی کتابوں کو چھپانے میں نہ صرف حریص ہیں؛ بل کہ غیر کو مذہب کی باتیں بتلانا ان کے نزدیک امر محظور ہے حتی کہ ان کے مذہبی پیشوا اپنے متبعین کو بھی بتانے سے گریز کرتے ہیں، لیکن بہت سے مستشرقین زر کثیر صرف کرکے اور انتھک کوشش کے بعد ان کی بعض کتابیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے، ان کتابوں کی زبان مندائی ہے، یہ سریانی زبان سے ملتی جلتی ہے، لیکن اب وہ اپنی کتابوں کو دیگر رائج اور مشہور زبانوں میں ترجمہ کرکے شائع کررہے ہیں۔ صابئین کا ماننا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام یہی زبان بولتے تھے، سب سے اہم کتاب ان کی "کنزاربا" ہے، اسے "سدرا آدم" بھی کہا جاتا ہے، یہ حضرت آدمؑ پر نازل شدہ صحیفوں کا مجموعہ بتایا جاتا ہے، اس کتاب میں مخلوقات کی پیدائش، انسانوں پر آنے والے حادثات، خالق کی صفات، وعظ وارشاد اور دینی احکام وعقائد کا تذکرہ ہے، اس کتاب کے دیگر زبانوں میں بھی ترجمے ہوئے، لاطینی زبان میں یہ کتاب چار جلدوں میں ۱۸۱۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اور اب عربی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوچکا ہے، اور اب اس کے مطالعہ کی انٹرنیٹ پر آن لائن سہولیات بھی فراہم کردی گئی ہیں۔

کتاب آدرافشادہی: اسے "سدرادیہی" یعنی یحیی کی تعلیمات بھی کہتے ہیں، (ان کے عقیدے کے مطابق) حضرت جبرئیلؑ نے یحیی بن زکریا کے پاس وحی بھیجی کہ تم اس نام کی ایک کتاب لکھو، اس میں یحیی علیہ السلام کی پیدائش، ان کا جنت میں تربیت پانا، زمین پر اترنا، وفات، معراج جیسے مضامین پر مشتمل ہے بعض مستشرقین نے ۱۹۱۵ء میں اس کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

کتاب القلستاء: اس کتاب میں خوشی ومسرت کے تعلق سے احکام ذکر کیے گئے ہیں، چناں چہ اس میں نکاح اور اس موقعہ کی دیگر تقریبات کے تعلق سے احکام مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب سدرا دنشماتا (کتاب النفوس)، کتاب الدیونان، کتاب اسفرملواشی (کتاب المعراج)، کتاب الانیانی (کتاب الاذکار الدينية) بھی پائی جاتی ہیں۔

علماء صابئین:

صابئین ایسی قوم ہے جس میں دینی اختیارات علماء کو حاصل ہیں، چناں چہ تمام دینی امور انھیں علماء کے ہاتھ انجام پاتے ہیں، مثلا: نومولود کا نام رکھنا، ذبح، نکاح خوانی، نماز، جنازہ۔ دینی پیشوا بننے کے کچھ شرائط ہیں کہ وہ پیدائشی عیوب سے پاک صاف ہو، حواس خمسہ درست ہوں، خارش یا برص کی بیماری میں مبتلا نہ ہو، ماں کا نکاح اس کے باکرہ ہونے کی حالت میں ہوا ہو۔ علماء کے پانچ طبقات ہیں:

(۱) حلالی: یہ ایسا شخص ہے جس نے بعض دینی کتابوں کا مطالعہ کرلیا ہو، اور اپنے آپ کو جنازہ میں جانے اور لوگوں کے ذبیحے کے لیے خاص کررکھا ہو، ایسا آدمی

کسی شیبہ عورت کا نکاح نہیں کر سکتا اگر کر لے گا تو وہ حلالی کے رتبے سے نیچے ہو کر عام آدمی کے زمرہ میں آجائے گا۔

(۲) ترمیدہ: حلالی اگر دو مقدس کتاب کا کچھ حصہ یاد کر لے تو وہ حلالی سے ترمیدہ بن سکتا ہے، البتہ اس کے لیے کچھ مشکل ریاضتیں کرنی پڑتی ہیں، مثلاً: ایک مخصوص جگہ جا کر سات دن رات تک نیند یا اونگھ کے بغیر مخصوص اوراد و وظائف کا ورد کرنا پڑتا ہے، ترمیدہ اگر متقی ہو تو اس کے لیے شیبہ عورت کا نکاح درست ہے، اگر وہ ایک مرتبہ شیبہ عورت کا نکاح کر لے تو وہ اپنے سے اعلی مرتبے (کنزبرا) تک نہیں پہنچ سکتا، اور اس کی ذمہ داری صرف شیبات کے نکاح پڑھانے تک محدود ہو جاتی ہے، کسی اور دینی امور کو انجام دینا اس کے لیے درست نہیں رہتا۔

(۳) کنزبرا: اگر کوئی ترمیدہ تفسیر یا دینی شروحات کا کثرت سے مطالعہ کرے اور کتاب مقدس ''کنزاربا'' کو محفوظ کر لے، نیز شادی کے بعد لاولد نہ ہو تو وہ تیسرے درجے میں پہنچ سکتا ہے، البتہ اس مرتبے تک پہنچنے کے لیے بھی، بہت سخت مجاہدے ہیں۔ انیسویں صدی کی تیسری دہائی میں ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔

(۴) الارشمہ: (قوم وملت کا سردار) اس مرتبے تک پہنچنے کے لیے'' کنزبرا'' کا بڑا عالم ہونا، بااہل اور ممتاز و فائق ہونا ضروری ہے، اس کے لیے بھی، معمولی فرق کے ساتھ وہی مخصوص ریاضتیں اور مجاہدے ہیں جو'' ترمیدہ'' کو'' کنزبرا'' بننے کے لیے کرنے پڑتے ہیں۔

(۵) ربانی: کنزبرا کو الارشمہ بننے کے لیے جن شرائط پر پورا اترنا ضروری ہوتا ہے، انھیں شرائط کے ساتھ الارشمہ ربانی بن سکتا ہے، البتہ ربانی بننے میں اس رسم کے دوران کچھ مخصوص افراد کا ایک متعین تعداد کے برابر ہونا ضروری ہوگا، مثلاً: ترمیدہ، کنزبرا اور ارشمہ میں سے سات افراد کا ہونا وغیر ذلک۔ جب کوئی ربانی بن جاتا ہے تو وہ عالم انوار میں پہنچ جاتا ہے، اور جب کسی شریعت یا کسی حکم کی ضرورت ہوتی ہے تو تبلیغ کے لیے وہ روئے زمین پر آتا ہے، ان کے عقیدے کے مطابق اس عظیم رتبہ تک حضرت یحیی بن زکریا علیہ السلام کے علاوہ کوئی نہیں پہنچ سکا ہے (الصابئون فی حاضرہم وماضیہم: ۷۷-۸۲)۔

ماوی و مسکن اور ان کی تعداد:

ان کے نزدیک ماء جاری کو بہت اہمیت حاصل ہے حتی کہ وہ تمام امور دینیہ میں اس کے استعمال کو --- جو ان کے نزدیک ایک مخصوص طریقہ ہے -- لازم اور ضروری سمجھتے ہیں؛ اسی لیے وہ اپنی سکونت کے لیے عموماً انھیں جگہوں کا انتخاب کرتے ہیں جہاں ماء جاری بآسانی میسر ہو سکے۔ عباسی دور حکومت میں مشرقی ممالک میں جو مقامات ساحل سمندر واقع تھے ان مقامات کو انھوں نے اپنا مسکن بنایا تھا، لیکن حوادث زمانہ کی وجہ سے وہ جنوبی عراق میں دجلہ اور فرات کے کنارے، اور ایران میں واقع نہر کارون اور روز کے ساحلی شہروں میں سٹ کر رہ گئے۔ ۱۹۵۶ء میں عراق میں جو سالانہ مردم شماری ہوئی تھی اس وقت ان کی تعداد سرکاری اعداد کے مطابق ۶۵۹۷ تھی، جن میں ۳۴۲۱ مرد اور ۳۱۷۶ عورتیں تھیں، ۱۹۱۷ء میں جب عراق میں برطانوی سامراج نے اپنا پنجہ گاڑا تو وہاں سے صابئین کی ایک جماعت پریشان ہو کر طلب رزق کے لیے ملک شام، لبنان اور مصر کی طرف ہجرت کر گئی، اور کچھ نے فلسطین کا رخ کیا، لیکن انھیں وہاں سے جلاوطن کیا گیا تو وہ حران کی طرف چلے، پھر حران سے جنوبی عراق اور جنوبی ایران کا قصد کیا، اور آج وہ لوگ وہیں آباد ہیں، جنھیں ''صابئہ بطائح'' کے نام سے جانا جاتا ہے (الصابئون فی حاضرہم وماضیہم: ۱۲۳-۱۲۵)، لیکن اس وقت وہ ایران و عراق تک محدود نہیں ہیں؛ بل کہ ان لوگوں کی ایک تعداد کناڈا، امریکا، ہالینڈ، برطانیہ، آسٹریلیا اور دیگر ممالک میں بھی بسی ہوئی ہے۔

وفي الموسوعة الميسرة: الصّابئة المندائيّة هي طائفة الصّابئة الوحيدة الباقيّة اليوم ... كانوا يقيمون في القدس، وبعد الميلاد طردوا من فلسطين فهاجروا إلى مدينة حرّان فتأثّروا هناك بمن حولهم وتأثّروا بعبدة الكواكب والنّجوم من الصّابئة الحرّانيين، ومن حرّان هاجروا إلى موطنهم الحالي في جنوبي العراق وإيران، وما يزالون فيه حيث يعرفون بصابئة البطائح '' (الموسوعة الميسرة: ۲/۷۱۵، ط: دار الندوة، الرياض)۔

''أمّا بالنّسبة إلى أماكن تواجدهم فلم تعد حصرا في العراق وإيران ولو أنّ الأغلبية لايزالون في بغداد ... فتجدهم الآن في كندا وأمريكا والسويد وهولندا وبريطانيا وأستراليا ودول أخرى'' (الصابئة المندائيون: العقيدة والتاريخ منذ ظهور آدم حتى اليوم: ۲۵۸، الصابئة اليوم)۔

۳- قرآن کریم میں اہل کتاب کو دین کے فرق ہونے کے باوجود کئی سارے مسائل میں مسلمانوں کی صف میں کھڑا کیا ہے، مثلاً: ان کی عورتوں سے نکاح اور

ان کے ذبیحے کا حلال ہونا، لیکن یہ بھی محقق بات ہے کہ اہل کتاب کی مقدس کتابیں تحریف سے محفوظ نہیں رہ سکیں اور اس میں من چاہی تحریفات کی گئی ہیں اور یہ صورت حال خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی رہی ہے، یہی نہیں بہت سے بنیادی عقیدوں میں جن پر دین کی بقاء اور آخرت میں نجات موقوف تھی، ان میں بھی تغیر وتبدیلی کرڈالی، مثلاً: توحید کے سلسلے میں اقانیم ثلاثہ (اللہ، مسیح اور روح القدس یا اللہ، مسیح اور مریم) کے مجموعے کو خدا ماننا؛ اسی لیے فقہاء میں اختلاف ہوا کہ وہ اپنے ان فاسد عقیدوں کی روشنی میں اہل کتاب رہیں گے یا نہیں، اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال رہے گا یا نہیں؟ فقہاء کی ایک جماعت نے ان کی عورتوں سے نکاح اور ذبیحے کی حلت کے سلسلے میں یہ قید لگائی ہے کہ وہ عیسی علیہ السلام یا عزیر علیہ السلام کو خدا نہ مانتے ہوں۔

''قال في المستصفى: هذا يعني الحلّ إذا لم يعتقدوا المسيح إلهًا، أمّا إذا اعتقدوه فلا۔ وفي مبسوط شيخ الإسلام: ويجب أن لا يأكلوا ذبائح أهل الكتاب إذا اعتقدوا أنّ المسيح إله وأنّ عزيرًا إله''(فتح القدير: ۳/۲۱۹ كتاب النكاح، ط: زكريا ديوبند)۔

لیکن دلائل کی طرف نظر کرتے ہوئے مطلقاً جواز معلوم ہوتا ہے۔

قال اللہ تعالی: ''وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ'' (مائدہ: ۵)۔

یہاں ''المحصنات'' سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عمرؓ اس سے مسلم عورتوں کو مراد لیتے ہیں، اور کتابیہ عورت سے مطلقاً نکاح کی ممانعت کے قائل تھے؛ کیوں کہ قرآن نے ان کے مسیح اور عزیر کے خدا ماننے کے عقیدے سے اپنی برأت کا اعلان کیا ہے:

''وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ إلى قوله: سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ'' (توبہ: ۳۰-۳۱)۔

لیکن یہود کا فرقہ عزیر یہ جو حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا کرتے تھے، ناپید ہو چکا ہے، اور موجودہ یہودی بھی اس سے اپنے آپ کو بری مانتے ہیں، البتہ عیسائی اب بھی مسیح علیہ السلام کو اپنا بیٹا مانتے ہیں۔ اس آیت میں اگر واقعی المحصنات سے المومنات مراد لیا جائے تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ تم میں سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان کی مسلمان عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں، اب تین صورت ہوگی: اول یہ کہ وہ لوگ موجود نہ رہے ہوں تو یہ زندہ لوگوں کے لیے فوت شدہ عورتوں کو حلال کرنا ہوگا جو ایک بے معنی سی بات معلوم ہورہی ہے، اور اگر انھیں موجود مانا جائے تو وہ امت محمدیہ میں داخل ہوں گی یا نہیں، اگر داخل مانا جائے تو مسلمان عورتیں تو پہلے سے ہی حلال ہیں، پھر یہ کہ اس سے پہلے کی آیت میں [وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ] آیا ہے، اس کا مطلب تب یہ ہوگا کہ ''المسلمات من المؤمنات'' جس کا کوئی واقعی مفہوم ہی نہیں، اور اگر ہم انہیں اپنے دین میں نہ مانیں تو معنی ہوگا کہ جو کتابیہ عورتیں اپنے دین پر قائم ہیں وہ تمہارے لیے حلال ہیں، تو اس سے تو ہمارا مدعا خود ثابت ہوتا ہے۔ نیز ان کے حلال ہونے کی سب سے بڑی دلیل بعض صحابہ، مثلاً: حضرت حذیفہ، طلحہ، کعب بن مالک اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کا کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا ہے (فتح القدیر ۳/۲۱۹-۲۲۰، ط: زکریا دیوبند)۔

لیکن اوپر جن اہل کتاب کا ذکر آیا ہے وہ لوگ خدا کے وجود، نبی اور آخرت کے امور کے قائل تھے، لیکن آج کل کے بعض نام نہاد عیسائی جو محض خاندانی نسبت کی بناء پر یہودی یا عیسائی کہلاتے ہیں اور دہریوں کے مانند خدا کے وجود یا نبی اور آخرت کے قائل نہیں ہیں وہ اہل کتاب میں شامل نہیں ہیں، شیخ الاسلام حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کتابیہ عورت سے نکاح کے سلسلے میں ایک فتوے میں تحریر فرماتے ہیں: عیسائی عورت سے مسلمان کا نکاح شرعاً منعقد ہو جائے گا شرط یہ ہے کہ عورت واقعتاً عیسائی مذہب پر ہو، آج کل کے عیسائیوں کی طرح نہ ہو، جو نام کے عیسائی ہوتے ہیں اور ان کے عقائد دہریوں کے عقائد ہوتے ہیں کہ خدا اور رسول کسی کو نہیں مانتے (فتاوی عثمانی: ۲/۲۵۷، کتاب النکاح فصل فی المناکحۃ بالکفار الخ، ط: زکریا دیوبند)۔

''الحیلۃ الناجزۃ'' میں لکھا ہے: اگر عورت کتابیہ یعنی یہودیہ نصرانیہ وغیرہ ہو تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہو سکتا ہے: اول یہ کہ وہ تمام اقوام یورپ کی طرح صرف نام کی عیسائی اور درحقیقت لامذہب (دہریہ) نہ ہو؛ بل کہ اپنے مذہبی اصول کو کم از کم مانتی ہو اگر چہ عمل میں خلاف بھی کرتی ہو، دوسری شرط یہ کہ وہ اصل سے یہودیہ ونصرانیہ ہو، اسلام سے مرتد ہو کر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو، یہ دونوں شرطیں کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں تو اس سے نکاح صحیح ومنعقد ہو جاتا ہے (الحیلۃ الناجزۃ: ۱۰۴، رسالہ حکم الازدواج مع اختلاف دین الأزواج، ط: دارالاشاعت کراچی)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب لکھتے ہیں: جو لوگ نام کے عیسائی اور یہودی ہوں لیکن عقیدے کے اعتبار سے خدا کے وجود، نبوت، وحی اور ملائکہ وغیرہ کے قائل نہ ہوں وہ ملحد ہیں ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں (کتاب الفتاوی: ۴/۵۴، کتاب النکاح، ط: نعیمیہ دیوبند)۔

۴-بہائیت وبابیت کی تاریخ:

ایران میں شیعوں کے ''شیخیہ فرقہ'' سے تعلق رکھنے والے علی محمد شیرازی نامی شخص (۱۸۱۹ء تا ۱۸۵۰ء) نے ۱۸۴۴ء میں یہ دعوی کیا کہ وہ حضرت مہدی تک پہنچانے کا ''باب'' یعنی دروازہ ہے، ایرانی حکومت نے اس کو اسلام مخالف عقائد ونظریات کی وجہ سے پھانس کی سزا دے کر ۱۸۵۰ء میں قتل کردیا، اس کے بعد حسین علی نوری مازندانی (پیدائش ۱۸۱۷ء) نام کے ایک شیعہ معتقد نے اس کی جانشینی کا دعوی کرکے ''بہاء اللہ'' ہونے کا دعوی کیا، مرزا علی محمد نے ''باب'' ہونے کا دعوی کرکے جن خیالات ونظریات کی اشاعت کی اسے ''بابیت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، جب کہ بہاء اللہ نے اپنے ماننے والوں کا نام ''بہائی'' تجویز کیا ہے اور اس کا یہ اعلان ہے کہ: ''ليس لأحد أن يتمسك اليوم إلا بما ظهر في هذا الظهور'' (الاقدس: ۸۰)، یعنی بہاء اللہ نے جو کچھ کہا ہے اب وہی حجت ہے، اس سے ما قبل جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب منسوخ ہے۔ بہاء اللہ نے واضح طور پر یہ بھی کہا تھا کہ بہائیت اسلام کے مقابل نہیں؛ بل کہ مذہب اسلام کی جگہ ایک نئی تحریک، اور خدا کی تعلیمات کا نیا ایڈیشن ہے، گویا اللہ نے اسلام کو منسوخ کرکے بہائیت کو رائج کیا ہے (نعوذ باللہ) بہاء اللہ کے دعوے سے حکومت ایران نے بغاوت کا خطرہ محسوس کرکے انھیں قید وبند میں ڈال دیا، چناں چہ ۱۸۶۸ء سے ۱۸۹۲ء تک بہاء اللہ عکہ (فلسطین کے شمال میں ایک جزیرہ نما مقام ہے، جہاں چور ڈاکو اور دیگر خطرناک قسم کے مجرموں کو دائمی قید کیا جاتا تھا) میں چالیس سال تک قید رہا اور وہیں اپنی موت آپ مرگیا، اور وہیں اس کو زیر زمین دبا دیا گیا ہے؛ اس لیے بہائی اسے اپنا مرکز مانتے ہیں، اپنی موت سے قبل اس نے اپنے بڑے لڑکے عبدالبہاء عباس آفندی کو اپنا جانشین بنایا، پھر اس نے اپنے بیٹے شوقی آفندی کو اپنا گدی نشین بنایا، اب جانشینی کے مسئلہ پر شدید جنگ وجدال کے باعث اب سارا نظام ''بیت العدل'' کے سپرد ہے (ماخوذ از: کتاب النوازل: ۲/ ۷۶، ۷۷)۔

اولاد: حسین علی نے تین شادیاں کی تھیں، پہلی کا نام ''نوابہ خانم'' اور لقب ''ام الکائنات'' تھا، اس سے بڑا لڑکا ''عباس آفندی'' اور ''مرزا مہدی'' اور ایک بیٹی ''بہائیہ خانم'' پیدا ہوئیں، دیگر تین اور مذکر اولاد: صادق، علی محمد اور علی محمد ثانی تھیں، مگر ان تینوں کا انتقال بچپن میں ہی ہوگیا تھا۔ دوسری بیوی کا نام ''مہد علیا'' تھا، یہ چچازاد بہن تھی، ۱۸۴۹ء میں شادی ہوئی تھی، اس سے مرزا محمد، مرزا بدیع اللہ، مرزا ضیاء اللہ اور بیٹی صمدیہ خانم پیدا ہوئی، اس سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور بھی تھیں جن کا بچپن میں انتقال ہوگیا تھا۔ تیسری بیوی کا نام ''گوہر خانم'' تھا، اس سے صرف ایک بیٹی ہوئی جس کا نام ''فروغیہ خانم'' تھا (البھائیۃ: ۴۶)۔

مقدس کتابیں: ...... ان کی سب سے مقدس کتاب ''اقدس'' ہے، یہ بہاء اللہ کی تصنیف ہے، وہ لوگ اسے قرآن مجید کی جگہ منزل من السماء مانتے ہیں، اس کے علاوہ التبیان، ایقان، کلمات مکنونہ وغیرہ بھی ان کی اہم کتابیں ہیں۔

تعلیمات: دین اسلام کی تعلیمات انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ چونکہ نہایت واضح تھیں، نیز تمام مسائل کے حل سے مالا مال بھی؛ اس لیے بہاء اللہ نے اپنے دعوی کے بعد یہ سوچا کہ کچھ ایسی نئی تعلیمات پیش کرنی چاہئے جو اب تک دنیا کے سامنے نہ آسکی ہوں، چناں چہ وہ اور اس کے بیٹے نے پانچ بنیادی تعلیمات سے لوگوں کو آگاہ کیا، (۱) وحدت ادیان (۲) وحدت اوطان (۳) وحدت لسان (۴) امن عالم اور جنگوں سے اجتناب (۵) مرد وعورت میں باہمی مساوات (البھائیت: ۸۶)۔

بہائیوں کا دعوی ہے کہ ان کی تحریک دین اسلام کے لیے ناسخ ہے، مذہب اسلام کی مدت ۱۲۶۰ھ تک رہی ہے، اس کے بعد مذہب اسلام کا زمانہ ختم ہو جاتا ہے، اور خدا کے وعدے کے موافق بابیت اور بہائیت کا زمانہ شروع ہوجاتا ہے، چناں چہ مصطفی بہائی نے قادیانیوں کے جواب میں لکھا ہے: ''کتاب کشف الغمہ میں تاویل کے باب میں لکھا ہے کہ آیت مبارکہ "وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ" کی تاویل وتفسیر یہ ہے کہ حق تعالی جل شانہ اپنے نور کو حضرت مہدی کے ظہور فرمانے کے زمانے میں پورا کرے گا، یعنی حضرت مہدی کو دنیا کے سب موجودہ دینوں پر غالب کرے گا، چناں چہ صاحبان فہم ودرایت یعنی سمجھ اور بچار والے لوگ جانتے ہیں کہ یہ سب واقعات ۱۲۶۰ھ کے بعد سے لے کر ایک ہزار برس تک کی مدت میں گزر چکے ہیں اور جو وعدہ کہ خدا نے قرآن میں دیے تھے سب ۱۲۶۰ھ میں پورے ہو چکے، اس بیان سے ارباب دانش وہوش سمجھ سکتے ہیں کہ دین محمدی خدا کے پاس چڑھ جانے کی مدت اور دوسری سب نشانی اور علامتوں کے ظاہر ہونے کی میعاد پوری ہوچکی ہے، نیز حضرت محمد کی امت کا مقرر کیا ہوا ٹائم بھی پورا ہو چکا'' (معیار الصحیح فی معرفۃ ظہور المہدی والمسیح: ۶۳، ۶۴)۔

بہائی شریعت:

(۱) دعائے آغاز: مسلمان اپنا ہر کام بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں، لیکن بہائی اپنی تحریر وتقریر کو یا کسی کام کو بسم اللہ سے نہیں کرتے؛ بلکہ ان کے یہاں اس کے لیے دوسرے مخصوص الفاظ ہیں، مثلاً: ''بسم ربنا العلي الأبهى، هو العلي الأبهى''

(۲) بہائی پوجا (نماز): یہ ان کے نزدیک فرض عین ہے، چنانچہ کتاب اقدس میں بہاء اللہ لکھتا ہے:

''فرض عليكم الصّلاة والصّوم من أوّل البلوغ أمرًا من لدن الله ربّكم وربّ آبائكم الأوّلين''

البتہ جو شخص بیماری سے یا بوڑھاپے سے کمزور ہو گیا ہو تو ان کی پوجا کلیۃ معاف ہے، مسافرین سے تخفیف کرتے ہوئے پوری پوجا کرنے کے بجائے زمین پر ماتھا ٹیک دینا بھی کافی ہو جاتا ہے۔

''من كان في نفسه ضعف من المرض أو الهرم عفا الله عنه الصّلاة والصّوم، فضلًا من عنده إنّه لهو الغفور الكريم'' - و ''عفى المسافرون عن الصّلاة والصّوم وجعل بدل الصّلاة سجدةً واحدةً'' (الأقدس: ۲۲)

اس کے تین اوقات ہیں: (۱) صبح (۲) زوال کے وقت (۳) شام میں۔ اور رکعات کی تعداد نو ہیں۔

''قد كتب الله عليكم الصّلاة تسع ركعات لله، منزّل الآيات، حين الزّوال في البكور والآصال. وعفونا عدة أخرى أمرًا في كتاب الله إنّه لهو الآمر المقتدر المختار'' (الأقدس، الفقرة: ۱۳)

ان کا نام کبری، وسطی اور صغری ہے، یہ تینوں پوجائیں واجب نہیں؛ بل کہ اگر کوئی صغری کرلے تو کبری اور وسطی کی ضرورت نہیں، اسی طرح اگر وسطی پڑھ لے تو کبری اور صغری کی حاجت نہیں (خزینۃ آداب واحکام، ص: ۲۲)، ان دونوں پوجامیں:

''شهد الله أنّه لا إله إلّا هو المهيمن القيّوم، فإن قال هذا فقد أدّى الصّلاة الوسطى. وفي السّفر يكفي عن الصّلاة أن يقول ساجدًا: سبحان الله'' کہہ دینا کافی ہو جاتا ہے (الأقدس، الفقرة: ۳۲)۔

مسلمانوں کی مقدس عبادت ''نماز'' سے مشابہت سے بچنے کے لیے جماعت کے ساتھ اپنی پوجا کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے، البتہ اگر کوئی گھر میں انجام دینا چاہے تو اجتماعی پوجا کی جاسکتی ہے۔ ''كتب عليكم الصّلاة فرادى، قد رفع حكم الجماعة إلا في صلاة البيت، إنه لهو الآ مر الحكيم'' (الاقدس، الفقرة: ۳۰)، البتہ اس کے بیٹے نے جماعت کی خصوصیات اور اس کے فوائد کو دیکھتے ہوئے اجتماعی پوجا کو مباح قرار دیا ہے۔

پوجا کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ اس سلسلے میں اقدس میں مذکور ہے: ''قد فصلنا الصّلاة في ورقة أخرى، طوبى لمن عمل بما أمر به من لدن ملك الرقاب'' (الاقدس، الفقرة: ۱۹) لیکن بسیار تلاش کے باوجود بھی وہ طریقہ اقدس میں وہ طریقہ نہیں ملا، البتہ اس کی دوسری کتابوں میں مذکور ہے۔

للمصلّي أن يقوم مقبلًا إلى الله، وإذا قام واستقرّ في مقامه ينظر إلى اليمين والشّما ل كمن ينتظر رحمة ربّه الرّحمن الرّحيم، ثمّ يقول: يا إله الأسماء... ثمّ يرفع يديه للقنوت لله تبارك وتعالى ويقول: يا مقصود العالم... ثمّ يسجد ويقول: سبحانك... ثمّ يقوم ويقول:... ثمّ يرفع يديه للقنوت مرّةً أخرى ويقول: يا من في فراقك... ثمّ يرفع يديه ويكبّر ثلاث مرّات ثمّ ينحني للرّكوع لله تبارك وتعالى ويقول: يا إلهي ترى... ثمّ يقوم ويرفع يديه للقنوت مرّةً بعد أخرى ويقول: لا إله إلاّ أنت... ثمّ يرفع يديه ثلاث مرّات ويقول: الله أعظم من... ثمّ يسجد ويقول: سبحانك من أن... ثمّ يقعد ويقول: أشهد بما شهدت... ثمّ يقوم مستقيمًا ويقول: يا إله الوجود... ثمّ يكبّر ثلاث مرّات ويركع ويقول: لك الحمد... ثمّ يقوم ويقول: إلهي إلهي... ثمّ يكبّر ثلاث مرّات ويسجد ويقول: لك الحمد... ثم يرفع رأسه يقعد ويقول: أشهد يا إلهي''۔

ان کے معابد کا نام ''مشرق الاذکار'' ہے، دہلی یا اور دیگر بڑے شہروں میں ان کے عبادت خانوں کو ''بہائی ٹیمپل'' یا ''بہائی مندر'' کہا جاتا ہے، ان کی عبادت کا ایک طریقہ ان عبادت خانوں میں خاموش رہ کر اللہ کی آیتوں میں غور کرنا ہے، اس خاموشی کو وہ عبادت سمجھتے ہیں۔

(۳) برت (بہائی روزہ): روزہ چونکہ تمام شریعت میں فرض رہا ہے؛ اس لیے انھوں نے بھی اپنی خود ساختہ شریعت میں مشروع رکھا ہے۔ روزہ کے تعلق سے چند تعلیمات درج ذیل ہیں:

(الف) یہ فرض ہے: ''يقول حسين علي في الصّوم: يا قلمي الأعلى قل يا ملأ الإنشاء قد كتبنا عليكم الصّيام أيام معدودات وجعلنا النيروز عيدًا لكم بعد أكمالها، كذلك أضاء شمس البيان من أفق الكتاب من لدن مالك المبدأ والمآ ب'' (الاقدس، الفقرة: ۴۰)۔

(ب) روزہ "ماہ علاء" میں رکھا جائے گا (ان کے نزدیک مہینوں کی تعداد انیس ہے، اور ہر ماہ انیس دن کا ہوتا ہے۔)

"قد كتب لكم الصّيام في شهر العلاء، صوموا لوجه ربّكم العزيز المتعال (لوح كاظم للمازندراني)"

(ج) طلوع شمس سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے سے باز رہنا ہے۔ "كفوا أنفسكم عن الأكل والشرب من الطّلوع إلى الأفول، إيّاكم أن يمنعكم الهوى عن هذا الفضل الّذي قدر في الكتاب" (الاقدس، الفقرة: ۴۷)

(د) مسافر، مریض، حاملہ، مرضعہ، حائضہ، بوڑھا اور سست آدمی سے روزہ معاف ہے۔ "ليس على المسافر والمريض والحامل والمرضع حرج، عفا الله عنهم فضلًا من عنده إنّه لهو العزيز الوهّاب" (الأقدس، الفقرة: ۴۴)، "وعند التكسر والتكاسل لايجوز الصّلاة والصّيام، وهٰذا حكم الله من قبل ومن بعد" (خزينة حدود وأحكام: ۳۷) "من كان في نفسه ضعف من المرض والهرم، عفا الله عنه فضلًا من عنده إنّه لهو الغفور الكريم" (الأقدس، الفقرة: ۳۴) "وقد عفا الله عنه عن النّساء حينما يجدن الدّم الصّوم والصّلاة" (الأقدس، الفقرة: ۳۱)۔

(س) جو شخص محنت ومشقت والا کام کررہا ہے اس سے روزہ معاف ہے: "الّذين يشتغلون بالأمور الهامّة والأعمال الشّديدة هل عليهم الصّوم؟ قال: الصّوم عن النّفوس المذكورة رفع" (خزينة حدود وأحكام: ۳۶)

(ہ) اگر روزہ، باب اور بہاء اللہ کی پیدائش کے دن واقع ہو تو روزہ معاف رہے گا: "إن وقع عيد المولود أو المبعث في أيام الصّيام فلا صوم يومئذ" (رسالة سوال وجواب نقلا عن الخزينة: ۲۹)۔

یہ ہے ان کے برت (روزہ) کی حقیقت، جس میں نہ تو سحری وافطار کا ذکر ہے اور نہ مفسدات ومکروہات کا۔ ثانیا: مذکورہ بالا لوگوں سے روزہ جن حالات میں معاف رکھا گیا ہے ان میں سے کسی نہ کسی کیفیت وحالت سے تو تقریبا تمام ہی انسان دوچار رہتے ہیں، کوئی مریض ہے، کوئی مسافر ہے، کسی کی طبیعت میں اضمحلال ہے، کوئی طلب معاش کے لیے سرگرداں ہو کر تھکا ہوا ہے تو پھر روزہ فرض کس پر ہوگا؟

(۴) خیرات (بہائی زکوۃ): زکوۃ فرض ہے۔ "قد كتب عليكم تزكية الأقوات ومادونها بالزكاة، هذا ما حكم به منزل الآيات في هذا الرق المنيع" (الأقدس، الفقرة: ۳۵) لیکن کس پر فرض ہے؟ اس کا مصرف کون ہے؟ نصاب کیا ہے؟ کب واجب ہوگی؟ یہ ساری تفصیلات کہیں نہیں ملتی، جب حسین علی سے اس سلسلے میں سوال کیا گیا تو اس نے وعدہ کیا تھا کہ عنقریب میں بتاؤں گا؛ لیکن وہ تا آخر نہ بتا سکا، اور بتا تا بھی کیسے؟ زکوۃ کی فرضیت تو محض اسلام کے "نظام زکوۃ" کی نقالی تھی، اور عقل سلیم سے کورا شخص نقالی کرے بھی تو کیسے؟ "نقل را عقل باید"۔ ہاں پیچھا چھڑانے کے لیے اس نے اپنے معتقدین کو اسلام کے "نظام زکوۃ" پر یہ کہہ کر محول کیا:

"يعمل في الزّكاة كما نزل في الفرقان أي القرآن" (لوح زين المقرّبين للمازندراني)۔

(۵) سفر (بہائی حج): کہ بہائیوں کے یہاں بیت اللہ سے مراد "بیت الاعظم" ہے، جو بغداد میں ہے، اس کے لیے یا پھر "بيت النقطة الأولى" جو شیراز میں واقع ہے، اس کا سفر کیا جائے، دونوں میں سے جس کا بھی حج کے نام پر سفر کرلے کافی ہوجائے گا، مکہ مدینہ ان کے حج میں شامل نہیں، عورتوں سے حج کا سفر معاف ہے۔ "المقصود بحجّ البيت المفروض على الرّجال هو البيت الأعظم في بغداد، وبيت النقطة الأولى في شيراز، ولكنه أعفى النساء من أداء الحجّ" (الأقدس: ۲۰۲-۱۳۲)۔

(۶) تلاوت کتب مقدسہ: سب سے مقدس کتاب "اقدس" ہے، یہ لوگ اسے قرآن کے لیے ناسخ مانتے ہیں، بہاء اللہ نے اپنے معتقدین کو اس کی تلاوت کا صاف حکم دیا ہے۔ "اتلوا آيات الله كلّ صباح ومساء، إنّ الذي لم يتل لم يوف بعهد الله وميثاقه" (الأقدس: ۸۸)، دوسری جگہ لکھا ہے: "من يقرء آية من آياتي لخير له من أن يقرء كتب الأوّلين والآخرين" (الأقدس: ۸۱)۔

(۷) نظافت وطہارت: منی پیشاب وغیرہ نجس اشیاء ان کے نزدیک پاک ہے: "قد حكم الله بالطّهارة على ماء النّطفة، رحمة من عنده على البريّة ... ويقول في موضع آخر: وكذلك رفع حكم دون الطّهارة عن كلّ الأشياء قذرة كانت أم نجسة وعن ملل أخرى موهبة من الله، إنّه لهو الغفور الكريم" (الأقدس، الفقرة: ۱۵۸-۱۶۱)۔

(۸) امور آخرت: جو امور آخرت سے متعلق ہیں مثلاً: عذاب قبر، قیامت، بعث بعد الموت، حشر ونشر، جزاء وسزا، جنت وجہنم وغیرہ، ان کا تذکرہ بہائی شریعت میں ملتا ہی نہیں؛ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اور دنیا میں شریعت پر عمل اور اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ کچھ پتا نہیں ہے۔

(۹) نکاح: عائلی تعلق سے صرف باپ کی بیوی حرام ہے، اس کے علاوہ دنیا کی تمام عورتیں حلال ہیں، مقام حرمت کی جگہ صرف باپ کی منکوحہ کو ذکر کیا گیا ہے۔ "قد حرمت عليكم أزواج آ بائكم" (اقدس، الفقرة:۲۳۵)، دو سے زائد بیویوں سے نکاح حرام ہے، "قد كتب الله عليكم النكاح إياكم أن تتجاوزوا عن الاثنتين" (اقدس، الفقرة:۱۴۲)، نکاح کو طرفین (لڑکا لڑکی) کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے، اس سے مقصد زوجین میں باہمی الفت ومحبت کو پیدا کرنا ہے، پھر دوسرے نمبر پر والدین کی مرضی ہے؛ تاکہ بغض وعداوت نہ رہے۔

"إنّه قد حدّد في البيان برضاء الطرفين. إنّا لمّا أزدنا المحبّة الوداد واتّحاد العباج؛ لذا علّقناه بإذن الأبوين بعدهما؛ لئلاّ تقع بينهم الضّغينة والبغضاء، ولنا فيه مآرب أخرى. وكذلك كان الأمر مقضيًّا" (الأقدس:۳۹)۔

(۱۰) زنا: زنا کا تحقق اسی وقت ہوگا جب طرفین میں سے کوئی راضی نہ ہو، یا پیسہ کی ادائیگی نہ ہوئی ہو، بہر حال اگر کسی سے زنا کا صدور ہو جائے تو اس کی سزا یہ ہے کہ وہ بیت العدل میں تیس مثقال سونا جمع کردے، "قد حكم الله لكل زان وزانية دية مسلمة إلى بيت العدل وهي تسعة مثاقيل من الذهب" (اقدس، الفقرة:۱۱۷) (یہ سزا بھی زانی غیر محصن کی ہے، اگر زانی محصن ہو تو عند الشرع اس پر کوئی چیز واجب نہیں الا یہ کہ بیت العدل ان پر کچھ جرمانہ لگا دے، یہ اس کی صواب دید پر موقوف ہے)۔

(۱۱) استبدال زوج: سفر کی وجہ سے، طلاق یا خلع لیے بغیر عورت اپنا شوہر عارضی مدت تک کے لیے بدل سکتی ہے۔

(۱۲) مہر: شہری اور دیہاتی میں مہر کے سلسلے میں فرق کیا گیا ہے، چناں چہ شہریوں کے لیے انیس مثقال سونا، اور دیہاتی کے لیے اتنی ہی مقدار میں چاندی ہے، بچانوے مثقال سے زائد ادا کرنا جائز نہیں (اقدس، فقرہ:۱۴۷)۔

(۱۳) ماکولات ومشروبات وملبوسات: ان کے متعلق حلال وحرام کے تئیں کوئی واضح احکامات موجود نہیں ہیں، البتہ برتنوں کے تعلق سے کچھ اشارات ملتے ہیں، مثلاً: سونے چاندی کے برتن کا استعمال حلال ہے۔ "من أراد أن يستعمل أواني الذهب والفضّة لا بأس عليه" (اقدس، الفقرة:۱۱۱)، ماکولات کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کے سلسلے میں یہ بات پہلے آچکی ہے کہ ان کے نزدیک تمام چیز پاک ہے۔ "وكذلك رفع حكم دون الطّهارة عن كلّ الأشياء قذرة كانت أم نجسة وعن ملل أخرى موهبة من الله، إنّه لهو الغفور الكريم، قد انغمست الأشياء في بحر الطّهارة في أوّل الرضوان إذ تجلّينا على من من في الإمكان بأسمائنا الحسنى وصفاتنا العليا" (اقدس، الفقرة:۱۶۱)، ملبوسات میں آلات حرب مردوں کے لیے زینت اور قوم کے لیے فخر کی چیز ہوتی ہے، مگر انھوں نے اسے حرام قرار دیا ہے، ریشم حلال ہے۔ "وأحلّ لكم لبس الحرير، قد رفع الله عنكم الحدّ في اللّباس واللّحى، فضلاً من عنده إنّه لهو الآ مر العليم" (اقدس، الفقرة:۳۸۳) بل کہ ملبوسات میں اپنی خود ساختہ شریعت کی زمام عوام کے ہاتھ میں دے دی ہے، انھیں اختیار ہے وہ جو چاہیں پہنیں، اور جو چاہیں اتاریں۔ "البشارة السابعة: أنّ زمام الألبسة وترتيب اللّحى وإصلاحها تركناها في أيدي العباد، يعملون ما يشاؤن وليس لهم أيمنع في ذلك" (لوح البشارات للمازندراني:۲۴)۔

(۱۴) مذہبی آزادی: (الف) بہائیت میں کسی صنعت وحرفت یا کسی پیشے میں مشغول رہنا عبادت پر مقدم ہے، اس طرح ان کے نزدیک مکمل طور پر مذہبی آزادی دی گئی ہے۔ (بہاء اللہ کی چند علمی اور عملی تعلیمات) (ب) عیش ومستی اور گانا بجانا حلال ہے۔ "إنّا قد أحللنا لكم إصغاء الأصوات والنّغمات، إيّاكم أن يخرجكم الإصغاء عن شأن الأدب والوقار، إفرحوا بفرح إسمي الأعظم" (الأقدس:۳۲)۔

ان ساری تفصیلات سے درج ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

اس فرقے کے نزدیک نبوت ورسالت کا سلسلہ جاری ہے، اس کے بانی نے مہدی، مسیح پھر نبی اور نئی شریعت کا دعوی کیا ہے، اور دین بہائی کو اسلام کے لیے ناسخ مانتا ہے۔ اس کی بعض تحریروں میں الوہیت کے دعوی کی بھی عکاسی ہے۔ قرآن کریم کی جگہ ان کی مقدس کتاب "اقدس" ہے، جو قرآن کے لیے ناسخ اور معیار زیست ہے اور قرآن کی جگہ اس کی تلاوت موجب اجر ہے۔ نیز ان کے بعض اعمال وعقائد قرآن وسنت اور احادیث متواترہ کے قطعاً خلاف ہیں؛ اس لیے یہ فرقہ اسلام سے خارج ہے اور اس فرقے کے پیروکار کافر ومرتد ہیں، ان کا شمار اہل کتاب میں قطعاً نہیں ہوگا، ان کی عورتوں سے نکاح حرام ہوگا اور ان کا ذبیحہ

بھی مردار کے حکم میں ہوگا۔ دلائل درج ذیل ہیں:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" (مائدہ:۳)....... "قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا" (اعراف:۱۵۸)....... "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" (آل عمران:۱۹)۔

"وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ" (آل عمران:۸۵)۔

''والمراد بالضروريات على ما اشتهر في الكتب: ما علم كونه من دين محمد ﷺ بالضرورة. بأن تواتر عنه واستفاض وعلمته العامة كالوحدانية والنبوة وختمها بخاتم الأنبياء وانقطاعها بعده هذا مما شهد الله به في كتابه وشهدت به الكتب السابقة وشهد به نبينا ﷺ [إكفار الملحدين) دعوى النبوة بعد نبينا ﷺ كفر بالإجماع'' (شرح الفقه الأكبر:۲۰۲)۔

مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے اس فرقے کے بارے میں سوال وجواب کو بہ غرض افادہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

زید نے دین بہائی قبول کیا، یعنی بہاء اللہ کو موعود کل ادیان، ناسخ قرآن تسلیم کرتے ہوئے اس نئی شریعت پر ایمان لایا جس کے مدعی بہاء اللہ ہیں، اس کتاب کا نام ''اقدس'' ہے، جس کی تعلیمات کی رو سے تمام انبیاء ورسل اور آسمانی کتب برطرف ہیں، اور سلسلۂ رسالت کبھی ختم نہیں ہوتا، یعنی حضور اکرم ﷺ کو خاتم الرسل تسلیم نہیں کرتے۔ کیا اب زید دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا حالانکہ وہ 'لا إله إلا الله محمد رسول الله' پڑھتا ہے؛ کیونکہ اس سے اس کے مندرجہ بالا عقائد پر ضرب نہیں پڑتی، اگر زید دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا تو کیا اس کا نکاح فسخ ہوجائے گا، اگر نکاح فسخ ہوجائے گا تو زوجہ دین مہر کا مطالبہ کرسکتی ہے؟ جب کہ وہ مسلمان ہے؟

جواب:......ان عقائد کے اختیار کرنے کے بعد زید ایمان سے خارج ہوگیا، اس کا نکاح فسخ ہوگیا، جب شوہر کے ساتھ وہ رہ چکی ہے تو پورا مہر لازم ہوگیا، اب اپنا مہر وصول کرسکتی ہے اور اس سے بالکل الگ رہے کوئی تعلق زوجیت نہ رکھے (فتاوی محمودیہ: ۲/۳۰۷)۔

سکھ:

پندرہویں صدی کے اختتام اور سولہویں صدی کے آغاز میں ہندوستان میں، دین اسلام اور ہندو دھرم کی منتخب تعلیمات سے مرکب، ''نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلمان'' کے نظریے کے تحت ایک نئے مذہب کی بنیاد پڑی، جس کا بانی وموجد گرونانک تھا، اس کی پیدائش ۱۵/ اپریل ۱۴۶۹ء میں لاہور سے چالیس میل کے فاصلے پر جنوب مغرب میں واقع ایک گاؤں تلونڈی میں ہوئی، جسے اب ننکانہ صاحب کہا جاتا ہے، والد کا نام مہتا کالو تھا، بیدی کھتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے، گرونانک نے ابتدائی عمر میں سنسکرت اور ہندو مذہب کی مقدس کتابوں کا علم حاصل کیا، پھر گاؤں کی مسلمانوں کی مسجد کے مکتب میں عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی، بچپن ہی سے مذہبی لگاؤ رکھتے تھے جو روز بروز بڑھتا گیا، پنجاب کے مشہور صوفیاء کرام: شیخ اسماعیل بخاری، بابا فرید، علاء الحق، جلال الدین بخاری، مخدوم جہانیاں اور دیگر بزرگوں سے کسب فیض کیا، اسی وجہ سے ان کے مسلمان ہونے کا عقیدہ ان کی زندگی سے ہے مسلمانوں کے یہاں چلا آرہا ہے، نانک صاحب نے پچیس سال تک سفر کیے، پہلا سفر انھوں نے مشرقی ہندوستان میں بنگال، آسام، اڑیسہ اور راجستھان کا کیا، (اس دوران وہ لوگوں میں بسی بت پرستی اور بدعات وخرافات کو چیلنج کرتے اور ان کا مقابلہ کرتے، اور لوگوں میں اس کی شناعت وقباحت بیان کرتے۔ السیخ، تاریخھم وعقائدھم:۱۱)، دوسرے سفر میں جنوب کی طرف گئے اور سری لنکا تک پہنچے، تیسرا سفر شمال کی طرف کیا، اس سفر میں ہمالیہ کی پہاڑی راستوں اور کشمیر ہوتے ہوئے تبت تک گئے، چوتھا سفر سعودی عرب، عراق، ایران اور وسط ایشاء تک ہوا، اس سفر میں گرونانک نے ایک حاجی اور مسلم فقیر جیسا لباس اختیار کیا اور حج بھی کیا، واپسی پر ایک گاؤں کی بنیاد ڈالی جس کا نام کرتا پور رکھا اور وہیں بس گئے، زندگی کے آخری ایام میں اپنے ایک مرید ''راہنا'' کو گرو کے منصب پر فائز کیا اور خود رحلت فرما گئے۔ (ہندوستانی مذاہب:۶۷) ۱۵۳۹ء میں ان کا انتقال ہوا ہے۔

تعلیمات، عقائد ونظریات:

گرونانک خالص توحید کے قائل تھے، رسالت کے قائل تھے، تمام ارکان اسلام: نماز، روزہ، حج اور زکوۃ کے قائل تھے، خود حج کیا تھا قرآن مجید اور آسمانی کتابوں کے قائل تھے، قیامت کے قائل تھے ختم نبوت کے قائل تھے اور اس پر ایمان لانے کا حکم فرماتے تھے (گرنتھ صاحب، راگ محلہ:۲۹، بہ حوالہ ہندوستانی مذاہب:۶۷) وہ تناسخ کے بھی قائل تھے۔ یہ بھی مانتے تھے کہ ہر گرو کی روح منتقل ہوکر دوسرے گرو میں حلول کرتی ہے۔

''حقًّا أنّ بعض المصادر التّاريخيّة تذكر أنّه حجّ مع رفقائه ۔(السّيخ أو العدو الخفي:١٠) وكانت من عقائده البارزة الكفران بالآلهة الهندوسيّة جميعًا ،والاعتراف بالله الواحد الأحد، وأظهر بطلان نظام الطّبقات الهندوس، وأنّ النّاس سواسيّة في الخلق، وأنّه يرى الله وحده في جميع المخلوقات؛لكنّه أقرّ بعقيدة التّناسخ ،ووضع كتابًا باللّغة البنجابيّة الكورمكية ،إسمه:كرانت صاحب ۔(السيخ عقائدهم وتاريخهم:١٢) يعتقدون بأنّ كلّ روح كلّ واحد من المعلّمين تنتقل منه إلى المعلّم التّالي له ... يؤمنون بولادة الإنسان وموته ،ثمّ إعادة ولادته كارمًا بحيث تتقرّر حياة الإنسان المستقبلية على ضوء حياته السّابقة ،ويتوقّف خلاصه على هذه المرحلة ۔ (الموسوعة الميسرة: ٢/٧٦٦) یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ بابا گرونانک کو مسلمان سمجھتے ہیں، اور ان لوگوں کے مطابق سکھ مذہب میں جو خلاف اسلام باتیں ہیں وہ بعد کے ان کے پیروکاروں کی اپنی جانب سے گڑھی ہوئی ہیں؛ کیونکہ ان کی مشہور کتاب ''گرنتھ'' گرونانک نے نہیں، بلکہ سکھوں کے پانچویں گرو''ارجن سنگھ'' نے لکھی تھی۔

گرونانک نے شراب اور خنزیر کے گوشت کو حلال، اور گائے کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے۔

''أباح ناناك الخمر، وأكل لحم الخنزير وقد حرّم لحم البقر مجاراةً للهنادكة'' (الموسوعة الميسرة:٢/٧٦٥)۔

معجزات اور سابقہ قصص کا انکار کرتے ہیں:

''معلّموا السّيخ ينكرون المعجزات والقصص والخرافات ذات الأساطير'' (الموسوعة الميسرة:٢/٧٦٥)۔

''گرو'' کا درجہ اللہ تعالی کے بعد ہے، وہی حق اور سچائی کی طرف راہ نمائی کرسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ گروؤں کی طرف سے تیار کردہ دینی نظموں کو اللہ تعالی کی عبادت کے طور پر پڑھتے ہیں۔ ''للمعلّم ويسمّى عندهم غورو درجة دينية تأتي بعد مرحلة الرّب ،فهو الّذي يدلّ في نظرهم على الحقّ والصّدق ، كما أنّهم يتعبّدون الإله بإنشاد الأناشيد الدّينيّة الّتي نظمها المعلّمون'' (الموسوعة الميسرة:٢/٧٦٦)۔

پانچ کا عدد ان کے نزدیک مقدس ہے۔

''يقدّسون العدد خمسة ،الّذي له معنى صوفي في أرض البنجاب أي الأنهار الخمسة'' (الموسوعة الميسرة:٢/٧٦٦)۔

ایک ہی شادی کی اجازت ہے۔''يتزوّجون من زوجة واحدة فقط'' (الموسوعة الميسرة:٢/٧٦٦)۔

انتقال کے بعد مردوں کو جلانے کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔''واستنكر حرق جثث الموتى الّذي كان قد كرسه الهنود'' (السّيخ أو العدوّ الخفي:٩)'' وفي موضع:وناناك كان يرى الدّفن لا التّحريق؛فإنّه قال:الّذين يدخلون القبور وهم أطهار من آثار الخطايا لايقرب منهم عذاب القبر'' (السّيخ أو العدوّ الخفي:١٣)۔

گرنتھ صاحب کے سارے کلام میں مول منتر (بنیادی کلمہ) کو سب سے مقدس سمجھا جاتا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے: خدا ایک ہے، اس کا نام سچ ہے، وہی قادر مطلق ہے، وہ بے خوف ہے، اسے کسی سے دشمنی نہیں، وہ ازلی وابدی ہے، بے شکل وصورت ہے، قائم بالذات ہے، خود اپنی رضا وتوفیق سے حاصل ہوجاتا ہے (ہندوستانی مذاہب:۶۳)، مول منتر کے بعد دوسرا درجہ جپ جی کو حاصل ہے، گرونانک کی تعلیمات میں عشق الٰہی کے حصول پر بڑا زور دیا گیا ہے، انھوں نے کہا کہ عشق الٰہی حاصل کرنے کے لیے انسان کو انانیت، خواہشات نفس، لالچ دنیا سے تعلق اور غصہ کو چھوڑنا ضروری ہے، سکھ مذہب میں بنیادی طریق عبادت ''نام سمرن'' یعنی ذکر الٰہی ہے، خدا کا نام لیتے رہنا ایک عام طریقہ ہے، جس کے لیے چھوٹی چھوٹی تسبیحات کا بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور اجتماعی شکل میں باجماعت موسیقی کے ساتھ گرنتھ صاحب کے کلام کا ورد ہوتا ہے۔ عشق الٰہی کے حصول کے لیے نام سمرن کے علاوہ، سادھوسنگت سیلوا، ایمانداری کی روزی، عجز وانکساری اور مخلوق خدا سے محبت وہمدردی کو بھی لازمی قرار دیا گیا ہے، سکھ گروؤں کے مطابق بابا گرونانک تناسخ کے قائل بھی بتلائے گئے ہیں، ان کے خیال میں جب تک انسان عشق الٰہی میں کمال حاصل کر کے خدا کو نہیں پالیتا وہ بار بار اسی دنیا میں جنم لیتا رہتا ہے، اس طرح ان بے شمار زندگیوں کی تعداد ایک لاکھ چوراسی ہزار بتلائی گئی ہے (ہندوستانی مذاہب:۶۳-۶۹)۔

گرو تصور:

گرونانک کی تعلیم میں ''گرو'' کا تصور مرکزی حیثیت رکھتا ہے، یعنی خدا تک پہنچنے کے لیے ایک گرو کی رہبری اور رہنمائی ضروری ہے، چناں چہ سکھوں میں دس گرو گزرے ہیں، پہلے گرو ''راہنا'' کو گرونانک نے ''انگد'' کا خطاب دیا تھا، گرو انگد نے گرونانک اور دوسرے صوفی سنتوں کا کلام لکھنے کے لیے سکھوں کا اپنا رسم الخط ''گرومکھی'' ایجاد کیا۔ تیسرے گرو ''امرداس'' زیادہ مشہور ہوئے، جنہوں نے سکھ عقیدت مندوں کو منظم کرنے کے لیے بڑی خدمات انجام دیں۔ چوتھے گرو ''رام داس'' نے سکھوں کی شادی اور مرنے کی رسومات ہندو مذہب سے الگ کی اور ''ستی'' کی رسم کی مخالفت کرتے ہوئے بیوہ کی شادی پر زور دیا۔ پانچویں گرو ''ارجن سنگھ'' نے گروگرنتھ صاحب تیار کی، امرتسر کے تالاب میں سکھوں کے لیے ایک مرکزی عبادت گاہ ''ہری مندر'' قائم کی جسے اب ''دربار صاحب'' کے نام سے جانا جاتا ہے، گرو ارجن سنگھ نے سکھوں سے ''دسونتھ'' (عشرہ) وصول کرنے کا انتظام کیا، اور تین شہر: ترن تارن، کرتاپور اور ہرگوبند پور آباد کیے، پھر اس کی بادشاہ وقت جہانگیر سے مخالفت ہوگئی، جہانگیر نے اسے قتل کرا کے اس کا سارا مال ضبط کرالیا۔ چھٹے گرو ''ہرگوبند سنگھ'' تھے۔ ساتویں گرو ہرگوبند کے پوتے ''ہررائے'' تھے۔ آٹھویں گرو ہررائے کے بیٹے ''ہرکرش'' تھے۔ نویں گرو ''تیغ بہادر'' تھے، دس سال تک گرو رہے، اورنگ زیب عالمگیر نے انہیں دہلی بلوایا اور اسلام پیش کیا انکار کرنے پر اسے قتل کرادیا۔ دسویں اور آخری گرو تیغ بہادر کے بیٹے ''گروگوبند سنگھ'' تھے، انھوں نے سکھوں کو منظم کرنے کے لیے باقاعدہ ارادت کا سلسلہ شروع کیا، وفاداری کے سخت ترین امتحان کے بعد مختلف ذاتوں سے تعلق رکھنے والے پانچ سکھوں کو ایک مخصوص رسم ''امرت چکھنا'' کے ذریعہ حلقۂ مریدین میں داخل کرنا شروع کیا، اور انھیں ''خالصہ'' کا لقب دیا، اور معتقدین کو حکم دیا کہ اپنے نام کے آگے سنگھ (شیر) لگائیں، اس کے بعد اس حلقے میں عمومی داخلہ ہوا اور ہزاروں سکھ خالصہ میں شامل ہوئے، گروگوبند سنگھ شیر اور عورتوں کے لیے ''کور'' (شہزادی) کا استعمال اور ''ک'' سے شروع ہونے والی پانچ چیزوں کا رکھنا ضروری قرار دیا: (۱) کیس، یعنی بال ۔ اسے (۲) کنگھنا۔ (۳) کڑا، ہاتھ میں پہننے کے لیے ۔ (۴) کچھ، یعنی جانگھیہ ۔ (۵) کرپان ، یعنی تلوار (ہندوستانی مذاہب: ۶۴-۶۶، الشیخ او العدو الخفی: ۱۷) گروگوبند سنگھ کی مغلوں سے شروع ہی سے مخالفت رہی ہے، خالصہ کی تشکیل کے بعد مغل حکومت سے لڑنے کے لیے انہوں نے فوجی کارروائیاں شروع کیں، لیکن اورنگ زیب کے مقابلے میں انہیں سخت ہزیمت اٹھانی پڑی، ان کی فوجی قوت پارہ پارہ ہوئی اور ان کے خاندان کے تمام افراد بھی مارے گئے، گروگوبند سنگھ نے بھیس بدل کر زندگی کے آخری ایام دکن میں گزارے جہاں دو افغانیوں نے انہیں قتل کردیا، گروگوبند سنگھ نے یہ طے کردیا تھا کہ آئندہ سکھوں کا گرو نہ ہوگا؛ بل کہ ان مذہبی کتاب ''گرنتھ صاحب'' ہی ہمیشہ گرو کا کام دے گی (ہندوستانی مذاہب: ۶۶)۔

گرونانک کا اسلام: دلائل، تجزیہ اور تحقیق:

(۱) ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے لفظ ''اللہ و محمد'' کا اقرار کیا ہے، نیز اللہ کے راستے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قربانیاں پیش کیں ان کا بھی اقرار کیا ہے۔

'' أقرّ كلمة الإله التي معها اسم محمد ﷺ؛ فإنّ اسم محمد محبوب ،وقد ضحّى محمد بما لديه في سبيل الله '' (السّيخ أو العدوّ الخفي: ۱۴)۔

(۲) اصول اسلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: جو شخص تیس روزے، پانچ نمازیں اور کلمہ طیبہ سے اعراض کرے گا تو وہ درحقیقت اللہ تعالی سے اعراض کرنے والا ہوگا، ان کا کھانا پینا یہاں تک کہ ان کا چلنا بھی سب نجس ہے۔ جن لوگوں نے صراط مستقیم چھوڑ کر ٹیڑھے راستے اختیار کیے وہی لوگ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں، ان کا کلمہ طیبہ، نماز، روزہ کہاں صحیح ہوگا؟ (السيخ أو العدوّ الخفي: ۱۵)۔

(۳) جو اللہ تعالی اور کلمے سے اعراض کرے گا وہ رزق حسن اور جنت سے محروم ہو جائے گا، اور جو اسلام پر مرے گا تو اسے جہنم سے دور کردیا جائے گا اور اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے، اور یہ حساب و کتاب کے دن ہوگا۔

'' ويحرم من الرّزق الحسن والجنّة من عصى الله وأعرض عن الكلمة . ومن مات على الإسلام بوعد بينه وبين النّار ،وتفتح له أبواب الجنّة ،وذلك يوم الحساب '' (السّيخ أو العدوّ الخفيّ: ۱۵)۔

(۴) ان کی کتابوں میں قرآن، رسول، آخرت، رحمن، رحیم اور ان کے علاوہ بہت سے اسلامی کلمات پائے جاتے ہیں۔ '' وكذلك يذكر في كتابه القرآن والرّسول واليوم الآخر، والرحمن والرحيم وغيرها من الكلمات في مواضع كثيرة '' (السّيخ أو العدوّ الخفي: ۱۵)۔

لیکن اس کے باوجود ہم انھیں بہ چند وجوہ مسلمان نہیں کہہ سکتے: وہ تناسخ کے قائل تھے، اپنے آپ کو اسلام کے احکام کے مطابق نہیں ڈھالا، ہدایت کا نیا

طریقہ ایجاد کیا تھا اور چند ادیان کو سامنے رکھ کر من چاہے احکام کو متعین کیا، حالاں کہ شریعت سازی اور احکام کا تعلق انسان کے ذاتی اجتہادات سے نہیں ہے؛ بل کہ اس کا مبنی وحی الٰہی ہے، دین اسلام کو کامل و مکمل دین نہیں مانا اور الگ سے ایک دین کی بنیاد ڈالی گو اپنے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، کبھی اپنے ایمان و اسلام کا اقرار نہیں کیا، ان کے متبعین خود ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ وہ نہ تو مسلمان تھے نہ ہندو، شریعت کے بعض محرمات قطعیہ کو اپنے دین کی مصلحتوں کے پیش نظر یا مقامی حضرات کو رجھانے کے لیے حلال قرار دیا، جس جگہ ان کی پیدائش ہوئی تھی اسے ننکانہ صاحب کہا جاتا ہے، سکھ ہر سال اس کا حج کرنے کے لیے آتے ہیں۔

”ويجب إكفار الرّوافض في قولهم برجعة الأموات إلى الدّنيا، وبتناسخ الأرواح وبانتقال روح الإله إلى الإئمّة“ (الفتاوى الهندية: ۲/۲۶۴، كتاب السّير، الباب التاسع في أحكام المرتدّين، ط: زكريا ديوبند) ”من لم يقرّ ببعض الأنبياء عليهم الصّلاة والسّلام، أو لم يرض بسنّة من سنن المرسلين فقد كفر“ (الفتاوى الهندية: ۲/۲۶۳، كتاب السّير، الباب التاسع في أحكام المرتدّين، ط: زكريا ديوبند) قال تعالى: ”إنّ الدّين عند الله الإسلام“ (سورة آل عمران: ۱۹) وقال تعالى: ”ومن يبتغ غير الإسلام دينًا فلن يقبل منه و هو في الآخرة من الخاسرين“ (سورة آل عمران: ۸۵)

قال النّبيّ ﷺ: ”لا يؤمن أحدكم حتى يكون هواه متّبعًا لما جئت به“ ـ الحكيم وأبو نصر السّجزي في الإبانة وقال: حسن غريب، و الخطيب عن ابن عمرو“ (كنز العمّال: ۱۰۸۴)، ”وذهب جمهور المحقّقين إلى أنّه هو التّصديق بالقلب، و إنّما الإقرار شرط لإجراء الأحكام في الدّنيا؛ لما أنّ القلب أمر باطن لابدّ له من علامة، فمن صدّق بقلبه ولم يقرّ بلسانه فهو مؤمن عند الله وإن لم يكن مؤمنًا في أحكام الدّنيا“ ـ (شرح العقائد النّسفية، مبحث الإيمان) ”من اعتقد الحرام حلالًا، أو على القلب يكفر... وفي الاعتقاد هذا إذا كان حرامًا لعينه وهو يعتقده حلالًا حتّى يكون كفرًا، أمّا إذا كان حرامًا لغيره فلا. وفيما إذا كان حرامًا لعينه إنّما يكفر إذا كنت الحرمة ثابتةً بدليل مقطوع به، أمّا إذا كانت بالأخبار الآحاد فلا يكفر، كذا في الخلاصة“ (الفتاوى الهندية: ۲/۲۷۳، كتاب السّير، الباب التّاسع في أحكام المرتدّين، ط: زكريا ديوبند)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے سکھوں کے ذبیحے کے تعلق سے استفسار کیا گیا تھا بہ غرض تائید اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے:

”شریعت مقدسہ اسلامیہ میں سکھوں کے کئے ہوئے جھٹکے کا گوشت مسلمان کے لیے حلال ہے یا حرام؟ اور یہ دلیل قرآن مجید میں ذبیحہ کی حلت کے لیے صرف خدا کا نام لیا جانا مذکور ہے اور چوں کہ سکھ بھی جھٹکا کرتے وقت ”واہگرو“ یعنی خدا کا نام پڑھتے ہیں؛ اس لیے ان کا جھٹکہ قرآن مجید کے حکم کی رو سے حلال ہے، قرآن مجید میں اہل کتاب کی شرط نہیں ہے، اسی طرح عربی میں خدا کا نام لینا ضروری قرار نہیں دیا گیا، اسلامی اصول کے لحاظ سے درست ہے یا نہیں؟

جواب هو الموفق: ذبیحہ کی حلت کے لیے ذابح کا مسلمان ہونا یا کتابی ہونا شرط ہے، غیر کتابی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، پس جاٹوں یا سکھوں کا جھٹکہ حلال نہیں؛ اس لیے یہ کتابی نہیں، غیر کتابی کے ذبیحہ کی حرمت پر علمائے سلف کا اجماع ہے، تفسیر خازن میں ہے:

”وأجمعوا على تحريم ذبائح المجوس وسائر أهل الشّرك من مشركي العرب وعبدة الأصنام ومن لا كتاب له“ یعنی علماء کا اس پر اجماع ہے کہ مجوسیوں اور عرب کے تمام مشرکوں اور تمام بت پرستوں اور غیر کتابی کافروں کا ذبیحہ حرام ہے (کفایت المفتی: ۸/ ۲۴۷، کتاب الاضحیۃ والذبیحۃ، ط: دار الاشاعت کراچی)۔

اخیر میں ہم موسوعہ کی تحریر پر اپنی بات ختم کرتے ہیں جس میں انھیں دین اسلام سے دور اور جادۂ حق سے منحرف بتلایا گیا ہے:

”إنّ عقيدة السّيخ تعتبر إحدى حركات الإصلاح الدّيني الّتي تأثّرت بالإسلام، واندرجت ضمن محاولات التّوفيق بين العقائد. ولكنّها ضلّت الطّريق حيث لم تتعرّف على الإسلام بما فيه الكفاية من ناحية، ولأنّ الأديان ينزل بها الوحي من السّماء ولا مجال لاجتهاد البشر بالتّلفيق والتّوليف واختيار عناصر العقيدة من هنا وهناك“ (الموسوعة الميسرة: ۲/۶۶۹-۶۷۰)۔

”ويبدو من قراءة كتابه أنّه قد درس تعاليم الإسلام ما استطاع منها وكان قد تأثّر ببعضها فآمن بها، ولو أنّه

بلغه الإسلام الصّحيح أو وجد كتبًا إسلاميّةً بلغته ،لكان أسلم .والهداية بيد الله .إنّما نظنّ به هٰذا لبعض تعاليمه ، وقد كتب بعض المؤرّخين أنّه كان مسلماً مخلصًا ويترخمون عليه أيضًا . ولكن هٰذا بعيد جدًّا ؛ فإنّه لو كان مسلمًا حقًّا لما احتاج إلى اختراع دين جديد ؛ بل أعلن إسلامه على ملأ من النّاس. ولم يثبت أنّه قال يومًا ما أنّه مسلم أو مؤمن " (الشيخ أو العدو الخفي: ١٤)۔

قادیانی اور نسلی قادیانی:

مرزا غلام احمد قادیانی نے جو دعوے کیے، ان کی روشنی میں وہ کافر و مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، یہی حکم اس کے ماننے والوں کا ہے، ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہوگا۔ اس کے دعوے کی چند جھلکیاں اور اس کی قرآن وحدیث سے تردید اور اس کا بطلان نقل کیا جاتا ہے:

اس نے اپنے نبی ہونے کا دعوی کرکے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار کیا ہے، حالاں کہ آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا قرآن کریم میں مذکور ہے: "ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين" (الأحزاب: ٤٠)

"ودعوى النّبوّة بعد نبيّنا صلّى الله تعالى عليه وسلّم كفر بالإجماع" (شرح الفقه الأكبر للقاري: ١٦٤)

،لہذا جو شخص آپ کے بعد نبوت کا دعوی کرے وہ شخص نص قرآنی کا منکر ہے اور قرآن شریف کی کسی ایک آیت کا انکار کفر ہے۔

"ومن جحد القرآن :أي كلّه أو سورةً منه أو آيةً ،قلت: وكذا كلمةً أو قراءةً متواترةً ،أو زعم أنّها ليست من كلام الله تعالى كفر" (شرح الفقه الأكبر للقاري: ١٦٧)

یہی حال اس شخص کا ہے جو ایسے مدعی نبوت پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کرے۔ "إذا رأى منكرًا معلومًا من الدّين بالضّرورة فلم ينكره ولم يكرهه ورضي به واستحسنه ،كان كافرًا" (مرقاة المفاتيح: ٨/٨٦١ ،كتاب الآداب ،باب الأمر بالمعروف) "ولا ينجو من الكفر إلاّ من أكفر ذلك الملحد (أي غلام أحمد القادياني) بلا تلعثم وتردّد" (رسالة إكفار الملحدين: ١٠)۔

قادیانی دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو مسلمان ہو، پھر وہ العیاذ باللہ دین اسلام سے پھر کر قادیانی بنا ہو، اس کے ارتداد میں تو کوئی شبہ نہیں، وہ بلا شبہ کافر اور مرتد ہوگا۔ دوسرے وہ جو نسلی طور پر قادیانی ہوں، اور ابا عن جد قادیانی چلے آرہے ہوں، مگر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہوں اور کفریہ عقائد کے حامل ہوں اور اپنے کفر کو عام مسلمانوں سے چھپاتے ہوں، ایسے لوگ زندیق و کافر اور دین اسلام سے خارج ہوں گے، ان کا شمار بھی اہل کتاب میں نہیں ہوگا۔ فقہاء نے "زندیق" کی جو تعریف ذکر کی ہے وہ ان پر صادق آتی ہے:

" هو الّذي يظهر الإسلام، ويسر بالكفر وهو المنافق، وكان يسمى في عصر النّبيّ ﷺ منافقًا ،ويسمّى اليوم زنديقًا" (مجمع الفقه الحنبلي: ١/١٤٤)

مسلمانوں فقہاء نے ایسے زندیق کو عام بت پرستوں اور کافروں کے حکم میں رکھا ہے، علامہ ابن نجیم مصری نے فتح القدیر کے حوالے سے تحریر کیا ہے:

" ويدخل في عبدة الأوثان الصّور الّتي استحسنوها والمعطلة والزنادقة والباطنية والإباحية ـ وفي شرح الوجيز وكل مذهب يكفر به معتقده هو يحرم نكاحها ؛لأنّ اسم المشرك يتناولهم جميعًا" (البحر الرائق: ٣/١١٠)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب لکھتے ہیں: "نسلی قادیانی کو بہ وجہ ان کے زندیقیت کے عام کفار و مشرکین ہے کے حکم میں رکھا جائے گا نہ کہ اہل کتاب کے حکم میں، اور جو مسلمان قادیانیت میں گئے ہوں، (والعیاذ باللہ) وہ تو سراسر مرتد ہی ہیں" (قاموس الفقہ: ٢/ ٢٥٧)۔

دار العلوم دیو بند کا فتوی بھی یہی ہے کہ وہ عقیدہ ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے خارج از اسلام اور کافر و مرتد ہیں، اور ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں۔ (دیکھیے ویب سائٹ دار الافتاء دار العلوم دیو بند، فتوی: (د)٢٦٩=٢٠٨، ١٤٣٢/٣/٢، سوال نمبر: ٣٠٨٥١)۔

☆☆☆

اہل کتاب اور ان سے وابستہ شرعی احکام

مولانا محمد ریاض ارمان القاسمی [1]

بہائی اور بابی کا تعارف:

بہائی کی تعریف:...... یہ آزاد حیثیت رکھنے والے مذاہب میں سے دنیا کا سب سے نومولد مذہب ہے جس کے بانی مرزا حسن علی نوری ۱۸۱۷ء تا ۱۸۹۲ء کو اس کے ماننے والے، ابراھیمی وغیر ابراھیمی مذاہب کے پیامبروں میں سے حالیہ (نیا ترین) پیامبر قرار دیتے ہیں، بعد میں مرزا حسن علی کے بڑے فرزند عبدالبھاء نے بہائیت کو مشتھر کرنے اور وسعت دینے میں اہم کردار ادا کیا، بہائیت کو ایک الگ مذہب سمجھا جاتا ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود پیدائش و آغاز بہائیت پر اسلام کی جغرافیائی حدود، معاشرتی نفسیات اور اس کے فکری محرکات جیسے عوامل کے اثر کی وجہ سے پیدا ہونے والی نسبت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بہائیت اور اسلام کی اس تاریخی و معاشرتی نسبت سے بعض اوقات ایک ابہام کی کیفیت بھی دیکھنے میں آتی ہے جوان افراد میں زیادہ پیدا ہوتا ہے کہ جو بہائیت کی تاریخی پس منظر سے ناواقف ہوں یہ ابہام بہائی مت کے دستاویزات کے مطالعہ کے دوران سامنے آنے والی قرآنی آیات واحادیث کے حوالوں کی موجودگی میں اس وقت واضح ہو جاتا ہے کہ جہاں ان کی تفسیر بہائیت کے نظریات کے مطابق پیش کی گئی ہو، جیسے رسول نبی میں فرق کا نظریہ، بہائی مت کے ماننے والوں کی موجودہ تعداد بعض ذرائع کے مطابق پچاس لاکھ اور خود ایک بہائی موقع کے مطابق ۶۰ لاکھ سامنے آتی ہے۔

بابی اور بہائی مت کی تاریخی تفصیل:

شیخ احمد احسائی (۱۷۵۳ء تا ۱۸۲۶ء جو ایک ایرانی نہیں، بلکہ خلیج کے علاقے سے ایک عرب تھا اس نے انیسویں صدی میں اہل تشیع کے درمیان ایک تحریک (مکتبہ خیال) کی بنیاد رکھی جس کو شیخیہ کہا گیا بعد میں اس تحریک کی رہنمائی شیخ احمد احسائی کے ایک طالب علم سید کاظم رشتی (۱۷۹۳ء تا ۱۸۴۳ء کو دی گئی، ان دونوں ابتدائی اشخاص کا تعلق "اثنا عشریہ اہل تشیع" سے تھا، جبکہ پانچ پشتوں قبل شیخ احمد احسائی کے اجداد "سنی" فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔

شیخ احمد احسائی کا رجحان تصوف میں پائے جانے والے تصورات، "مشاہدہ نفس"، "گوشہ نشینی" اور "رہبانیت" کی جانب مائل تھا، اور انہیں ذاتی طور پر بصارت کے تجربات بھی درپیش آچکے تھے، مثلاً وہ دیکھنا اور سننا کہ جو دوسرے نا دیکھ سکیں اور نا سن سکیں، اور یا عالم غیب کے خواب وغیرہ، انہوں نے متعدد ایسے بیانات دیئے جن پر دیگر مسلم علماء نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا، جیسے انہوں نے امامیان (فارسی برائے ائمہ) کے بارے میں کہا کہ وہ تخلیق کی طاقت رکھتے ہیں، گو احمد احسائی نے کبھی کسی فرقہ کا دعوی نہیں کیا لیکن ان کے بیان کردہ مافوق الفطرت واقعات اور خوابوں کی مدد سے ان کے شاگرد کاظم رشتی نے شیخ احمد احسائی کو براہ راست امام حسین سمیت دیگر امامیان سے علم حاصل کرنے کی وجہ سے دیگر علماء سے اشرف اور جدا حیثیت میں پیش کرنا شروع کر دیا۔

MAC EOIN کے مطابق سید کاظم رشتی نے احمد احسائی کو اسلام کی بارہ سوسالہ ظاہری تعلیمات کے بعد اندرونی سچ (مشاہدہ نفس) یا باطنی تعلیمات کو رائج کرنے والا قرار دیا۔ کاظم رشتی کی جانب اسلام کے عمومی اجتماع سے الگ انتہاء پسندانہ رجحانات ان کی موت کے بعد دو فرقوں کے بنیاد بنے ایک کی رہنمائی الحاج محمد کریم خاں کرمانی (۱۸۱۰ء تا ۱۸۱۷ کو ملی جبکہ دوسرا سید علی محمد شیرازی (۱۸۱۹ء تا ۱۸۵۰ء) کے گرد مرتکز ہوا اول الذکر نے شیخ احمد احسائی کی شدت پسند تعلیمات سے دور رہتے ہوئے مجموعی طور پر اہل تشیع سے تعلق استوار کرنے کی کوشش کی اور بعد الذکر نے اسی خیالات

[1] قاضی شریعت دار القضاء ہریانہ۔

پر عمل جاری رکھا کہ جن کو علماء کی اجماعیت قبول نہیں کرتی تھی، سید علی احمد شیرازی نے اپنے لیے ''باب'' کا لقب اختیار کیا۔

اس بات کی شہادتیں ملتی ہیں کہ سید علی احمد شیرازی کے اپنے لیے باب کا لقب اختیار کرنے سے قبل شیخیہ میں ایسے افراد بھی تھے کہ جو شیخ احمد احسائی اور سید کاظم رشتی کے لیے بابان (فارسی برائے ابواب) کا تصور رکھتے تھے، شیخ احمد احسائی کی تعلیمات سے متاثرہ اس دوسرے فرقے سے جس کی قیادت علی احمد شیرازی (باب) کے ہاتھ میں تھی بابیت کی (BABISM) کی بنیادیں تیار ہوئیں۔

شیعوں میں شیخ احسائی کا ظہور:

اخباری اور اصولی شیعوں میں کشمکش کی شدت کے زمانے میں شیعی نظریات کو اساس کے طور پر استعمال کرتے ہوئے شیخ احسائی نے ایک نیا راستہ اختیار کیا کہ بلا تنقید نا تو احادیث پر قائم ہوا جا سکتا ہے اور نا ہی اجتہاد (یا علماء) پر اقرار کیا جا سکتا ہے۔ شیخی مدرسہ فکر کے مطابق ''الشیعہ الکامل'' بارھویں غیبی امام اور انسانوں کے مابین ایک رابطہ یا دروازہ ''باب'' کا قیام کرتا ہے ۸۷۴ء تا ۹۴۱ء کے دوران چار ابواب کے نام دئے جاتے ہیں، (۱) عثمان بن سعید العمری السدی، (۲) ابو جعفر محمد بن عثمان، (۳) ابو القاسم حسین بن روح النوبختی اور (۴) حسن علی بن محمد السمری۔ یہاں سے غیبت صغریٰ کا اختتام اور غیبت کبریٰ کا آغاز ہوتا ہے۔ شیخ احسائی کے مطابق ایمان کے ''الارکان الاربعہ'' کو یوں بیان کیا جاتا ہے (۱) توحید (۲) نبوت (۳) امامت (۴) اولیا الامام (الشیعہ الکامل) شیخ احمد احسائی کے مکمل نظریات ہمیشہ سے قابل بحث رہے ہیں اور اس کی ایک وجہ شیعہ دنیا میں موجود تقیہ کا طرز عمل بھی بیان کی جاتی ہے جو احسائی مخالفین کے پیش نظر اختیار کیا گیا۔

عقیدہ غیبت سے بابیت تک:

امامت کے جاری رہنے اور غیبت صغریٰ و کبریٰ سے مدرسہ شیخیہ میں ایک ''الرجل الغائب'' یا ''غیبی انسان'' کا تصور ملتا ہے جسے روحانی مرتبہ حاصل ہے اور وہ ''الشیعۃ الکامل' براہ راست امام سے رابطہ میں رہتا ہے اور اسکا ناطق ''الواحد'' ہے، ان نظریات کی رو سے اللہ ناطق ہے اور وہ کلام کرتا ہے اور جبرئیل صامت سننے والے ہیں پھر جبرئیل ناطق ہیں اور محمد ﷺ سننے والے صامت، پھر محمد ﷺ ناطق ہیں اور امام صامت پھر امام ناطق اور ان کے باب صامت سننے والے ہیں پھر باب ناطق ہے اور تمام انسان (شیعہ) صامت سننے والے ہیں یعنی ایک باب کا تصور اور فلسفہ اللہ ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ پھر حضرت علیؓ کے بارے میں وہ حدیث بیان کی جاتی ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ (باب) ہیں۔ اسی کے بعد حضرت علی کے باب حضرت سلمان فارسی ہوئے اور اسی طرح تمام امامیان کا بارھویں امام تک کوئی نہ کوئی باب رہا ہے جو اپنے امام کے لیے صامت خاموش اور انسانوں کا ناطق (متکلم) ہوتا ہے۔

مورخین کے مطابق ایران میں امام اور امامت کے تصور میں غلو شامل کرنے والے اقلیتی بھی تھے جن کے لیے بادشاہ یا رہنما کے الٰہیاتی اور ربانی تعلق کا ساسانی فلسفہ موجود تھا، ان اقلیتی افراد نے امام کا درجہ معصوم سے بڑھا کر سماوی خداوندی یا ربانی تک پہنچا دیا، ان افراد کے لیے کتب میں غالی کی اصطلاح بھی مستعمل ملتی ہے جو امام کی صفت میں لغو کے مرتکب ہوئے ہیں۔

احسائی کے انتقال کے بعد سید کاظم رشتی جس کے بارے میں محققین نے کہا ہے کہ وہ رشت میں نہیں بلکہ ولاڈ واسٹک (Vladivostok) میں پیدا ہوا تھا اور روس کا سیاسی کارندہ تھا، جس نے شیخیہ نظریات استعمال کرتے ہوئے اہل تشیع میں نفاق پیدا کونے کا سلسلہ شروع کیا اس رشتی کی جماعت میں علی احمد شیرازی تھا یہ انیسویں صدی کا وسط تھا جب مسلم دنیا میں یورپی تسلط کے خلاف جذبات بھڑک رہے تھے اور ان ہی جذبات اور رجحانات سے استفادہ کرتے ہوئے مسلم دنیا میں تین اطراف میں مہدی نمودار ہوئے، ایران میں علی احمد شیرازی (۱۸۱۹ء تا ۱۸۵۰) کا ظہور ہوا تو سوڈان میں محمد احمد المہدی ۱۸۴۴ تا ۱۸۸۵) اور ادھر ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۵۳ تا ۱۹۰۸) منظر عام پر آیا، شیعہ فلسفہ سے کائل آگاہی علی محمد شیرازی کی پہلی کتاب زیارت نام سے ظاہر ہوتی ہے اور اس نے ملا احمد بشروی ۱۸۱۳ تا ۱۸۴۹ کے سامنے اپنے باب ہونے کا بیان دیتے وقت ۱۲۶۰ھ یعنی ۱۸۴۴ کی اہمیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا، ملا احمد بشروی ہی کو بابیت پر سب سے پہلے ایمان لانے والا تسلیم کیا جاتا ہے لوجان مومن نے اس تاریخ کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

''۱۲۶۰ھ کے قرب کا زمانہ عمومی طور پر غائب امام کے ظہور کا امکان زیادہ اٹھتا تھا یہ وہ زمانہ تھا جو بارھویں امام کے غائب ہونے اور غیبت کا

زمانہ شروع ہونے کے ہزار سال مکمل ہونے کی جانب اشارہ کرتا ہے قرآن اور حدیث میں متعدد اشارے ملتے ہیں کہ محمد ﷺ کی مدت ہزار سال طویل ہوگی لہذا اتمام شیعہ دنیا میں ۱۲۶۰ھ کو بہت زیادہ متوقع سمجھا جارہا تھا۔

بابیت سے اظہار اللہ تک:

تصوف کے عمل دخل کو بابیت کے پس منظر سے خارج نہیں کیا جاسکتا اور علی محمد شیرازی کے خود باب کہنے کے پس منظر میں امام مہدی ء کے تصور کے ساتھ ساتھ قرآن کی باطنی تعلیمات کی جانب باب (دروازے) کا تصور بھی شامل تھا مذکورہ بالا قطع میں درج کاظم رشتی نے عین اسی عہد میں پائے جانے والے عیسائی دنیا کے متوقع نزول مسیحا کے رجحانات کی مماثلت میں مسلم دنیا کے عقیدہ غیبت میں پوشیدہ انتظار مسیحا کے رجحانات سے استفادہ کرتے ہوئے اختتام انتظار اور آمد مسیحا کے افکار کی تشہیر شروع کردی تھی، شیرازی نے ۱۸۴۱ میں کچھ عرصہ کربلا میں بھی صرف کیا اور سید کاظم رشتی کی جماعتوں میں شرکت (یعنی تعلیم حاصل کی) خود کو باب کی حیثیت میں پیش کرنے کے بعد جب علی محمد شیرازی کے پاس معتقدین کی تعداد کثیر ہوگئی تو اس نے اپنے دعوی کو امام مہدی تک وسعت دے دی جس کی نا صرف شیعہ بلکہ خود شیخیہ تحریک میں بھی مخالفت ظاہر ہوئی۔ جو اس کی اپنی کتاب بنام ''بیان'' میں خود کو نبوت پر فائز کرنے کے بعد انتہائی شدت اختیار کرگئی اور اس کتاب کو نئی الہامی کتاب کا درجہ دیا گیا اور قرآن منسوخ ہوگیا باب یا شیرازی کی جانب سے کیے جانے والے دعوی میں قائم باب امام مہدی نبی اور پھر خود خدا آ کا مظہر اظہار اللہ کے دعوی شامل ہیں، شیرازی نے ابتدائی دعوے بارھویں امام کے باب سے بذات خود بارھوں امام بنتے وقت اپنے پچھلے دعوے کے اخفاء پر بھی توجہ نہ دی شیعہ علماء اور عوام کی جانب سے باب کے اپنے لیے امام مہدی کے دعوی اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے اختتام کے بیان کی شدید مخالفت ہوئی اور ۱۸۴۵ میں اس کی گرفتاری اور پھر سزائے موت کا ۱۸۵۰ کا سبب بنی۔

اظہار اللہ سے بہاء اللہ تک:

علی محمد شیرازی کی وفات کے بعد باقی رہ جانے والے بابی خاموشی سے اپنے مقصد پر کام کرتے رہے ان کے سامنے باب (شیرازی) کے وہ بیانات تھے جو اس نے جلد ہی کسی ''مظہر اللہ'' کے نمودار ہونے کے بارے میں دئے تھے ان کا جذبہ اس بات سے سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ ایک عظیم دور (نزول مهدی) سے گذر رہے تھے اور امام مہدی ظاہر ہو چکے تھے جب کہ اس وقت کی حکومت ان کے قتل (شہادت) کی مرتکب ہوئی تھی مورخین کے مطابق باب سے محروم ہوجانے کے بعد تحریک بابیت میں متعدد رہنماء یا جانشینی کے دعویدار نمودار ہوئے جن میں ملا شیخ علی ترشیزی (ترشیز کاشمر کا پرانا نام ہے) اور مرزا عباس نوری وفات ۱۸۳۹ کے دوفرزند بنام مرزا حسین علی بہاء اللہ اور مرزا یحی (صبح ازل) شامل ہیں صبح ازل یا یحی کو ابتداء میں زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی اور بابیوں نے یحی کو عمومی طور پر باب کا جانشیں تسلیم کرنا شروع کردیا۔

بہائیوں کے عقائد:

(۱) اسلام صرف ایک ہزار سال کے لیے آیا تھا۔

(۲) مرزا علی محمد باب اور امۃ مسلمہ کے لیے مہدی بن کر آئے تھے۔

(۳) مرزا حسین علی بہاء اللہ نہ صرف نبی ہونے کا دعوی کرتے ہیں، بلکہ کتاب اقدس بہاء اللہ میں وزن کا خیال رکھتے ہوئے بہاء اللہ نے صاف لفظوں میں ''لا الہ الا انا'' جیسے الفاظ ادا کئے یعنی نہیں ہے کوئی خدا سوائے میرے (نعوذ باللہ)۔

(۴) بہائیوں کا مہینہ ۱۹/ دنوں کا ہوتا ہے اور سال میں چار دن ان کو آزادی ہوتی ہے کہ جو چاہیں کریں اس کا حساب وکتاب نہیں ہوتا۔

(۵) بہائیوں کا قبلہ عطا یعنی اسرائیل میں ہے جہاں بہاء اللہ کی قبر ہے۔

(۶) اسرائیل اور بہائی ایک سکہ کے دو رخ ہیں۔

(۷) لوگوں کی بیویاں دوستوں کے لئے جائز ہیں۔

بہائی اور ''المجمع الفقہی الاسلامی'' مکہ مکرمہ کا فیصلہ:

اسلامی فقہ اکیڈمی کے سمینار میں گذشتہ صدی کے نصف آخری میں ایران کے اندر ظاہر ہونے والے بہائی فرقہ کا جائزہ لیا گیا جسے مسلم اور غیر مسلم ممالک میں پھیلے کچھ لوگ اپنا مذہب قرار دیتے ہیں۔

اجلاس نے اس مذہب کی حقیقت، اس کے قیام، اس کی دعوت، اس کی کتابوں اور اس کے بانی مرزا حسین علی مازندرانی بتاریخ ۲۰ محرم الحرام ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۸۱۷ء کے حالات زندگی اور اس کے متبعین پھر اس کے خلیفہ اور بیٹے عباس آفندی مشہور بہ عبد البہاء کی زندگی اور اس فرقہ کے اعمال وسرگرمیوں کو منظم کرنے والے ان کے مذہبی امور سے متعلق بہت سارے علماء، اہل قلم اور واقفیت رکھنے والے اصحاب کی تحریروں کا جائزہ لیا۔

بیشتر مستند ثبوت جنھیں خود بعض بہائیوں نے بھی پیش کیا ہے، سے آگاہی اور جائزہ کے بعد اکیڈمی کا اجلاس درج ذیل قرارداد منظور کرتا ہے:

(۱) ''بہائیہ'' ایک گھڑا ہوا نیا مذہب ہے جو اس ''بابیہ'' مذہب کی بنیاد پر قائم ہے جو خود بھی ایک گھڑا ہو نیا مذہب ہے جس کا بانی علی محمد نامی شخص ہے، اس شخص کی پیدائش یکم محرم ۱۲۳۵ھ مطابق اکتوبر ۱۸۱۹ء کو شیراز میں ہوئی۔ ابتداء میں اس کے رجحانات شیخیہ کے طریقہ پر صوفیانہ اور فلسفیانہ تھے، طریقہ شیخیہ کی ابتداء اس کے گمراہ استاذ کاظم رشتی خلیفہ احمد زین الدین الاحسائی نے کی تھی، جس کا خیال تھا کہ اس کا جسم فرشتوں کے جسم کی طرح نورانی ہے اور وہ بہت سے دوسرے باطل مغالطوں اور خرافات کا قائل ہوا۔

علی محمد نے بھی اپنے استاذ کی یہی بات کہی، پھر اس سے علاحدہ ہو گیا اور ایک عرصہ کے بعد ایک نئے روپ میں ظاہر ہو کر دعویٰ کیا کہ وہ علی ابن ابی طالب ہے، جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ (باب) ہے اسی لئے اس نے اپنا نام'' باب'' رکھ لیا، پھر اس نے دعویٰ کیا کہ وہ مہدی منتظر کا باب ہے، پھر اس نے دعویٰ کیا کہ وہ خود مہدی ہے، پھر اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس نے الوہیت کا دعویٰ کیا اور اپنا نام ''اعلیٰ'' قرار دیا، جب مرزا حسین علی مازندرانی جو بہاء نام رکھتا تھا) پروان چڑھا جو ''باب'' کا ہم عصر تھا، تو ''باب'' کی دعوت کا پیرو کار رہا، لیکن جب اس کو اپنے کفر اور فتنہ کی وجہ سے قتل کر دیا گیا، تو مرزا حسین علی نے اعلان کیا کہ بابیوں کی سربراہی کے لئے ''باب'' کی طرف سے اس کے حق میں وصیت کی گئی ہے اور اس طرح وہ ان کا سربراہ بن گیا اور اپنا نام بہاء الدین رکھ لیا پھر آگے چل کر اس نے اعلان کیا کہ تمام مذاہب اس کے ظہور کے لئے پیش خیمہ تھے اور وہ سب ناقص تھے، یہی دین ان کی تکمیل کرتا ہے اور وہ خود اللہ کی صفات سے آراستہ ہے اور اللہ کے افعال کا سرچشمہ ہے اور اللہ کا اسم اعظم خود اس کا نام ہے، رب العالمین کا وہی مصدق ہے اور جس طرح اسلام نے سابقہ تمام ادیان کو منسوخ کر دیا تھا، اسی طرح بہائیت سے اسلام منسوخ ہو گیا ہے (معاذ اللہ)۔

''باب'' اور اس کے متبعین نے قرآنی آیات کی ایسی تاویلات کیں جن سے آیات قرآنی ان کے عقائد باطلہ کے موافق ہو جائیں اور اسے شریعت کے احکام میں تبدیلی کا اختیار حاصل ہو جائے، اس نے عبادات کے نئے طریقے جاری کئے جن پر اس کے پیروکار اس کی عبادت میں عمل کرتے ہیں۔

بہائیت کے اسلام کی اساس کو منہدم کر دینے والے عقائد خصوصاً بہائیت کے بشری وثنیت پر مبنی دعوائے الوہیت اور احکام شریعت میں تبدیلی کے اختیار سے متعلق واضح ومستند ثبوت اکیڈمی کے سامنے آئے، ان کی بنیاد پر اکیڈمی بالاتفاق طے کرتی ہے کہ بہائیت اور بابیت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ اسلام کے خلاف جنگ ہیں، ان کے متبعین کھلم کھلا کافر ہیں جس میں ذرا بھی کسی تاویل کی گنجائش نہیں (المجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے ص ۵۲ تا ۵۴)۔

سکھوں کا تعارف:

سکھ مذہب (سکھ مت کی ابتداء آج سے ساڑھے چار سو سال پہلے ہوئی) سکھ کے پیروکار کو سکھ کہتے ہیں سکھ پنجابی زبان کا لفظ ہے اور سنسکرت سے آیا ہے اور اس کا مطلب ہے سیکھنے والا۔ اور اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ لفظ سکھ دراصل سیسیا نامی لفظ سے نکلا ہے اس کے معنی مرید یا پیروکار

کے ہیں اور تیسرا قول یہ ہیکہ سکھ کے معنی شاگرد کے ہیں سکھ ساری دینا میں پھیلے ہوئے ہیں، لیکن ان کی زیادہ تعداد ہندوستان میں ہے۔

سکھ ہونے کے شرائط:

(۱) ایک خدا کو ماننا۔

(۲) ۱۰ گروؤں کو ماننا جو گرونانک سے گروگو بند سنگھ تک ہیں۔

(۳) گروگرنتھ صاحب سکھوں کی مقدس کتاب کو ماننا جو "ادی گرنتھ صاحب" کے نام سے بھی مشہور ہے۔

(۴) ۱۰ گروؤں کی تعلیمات کو ماننا۔

(۵) ایک ایمان دارانہ زندگی گذارنا، ظلم سے باز رہنا اور نیک لوگوں کی عزت کرنا۔ دنیا بھر میں سکھوں کی تعداد دو ۲ کروڑ ۳۰ لاکھ ہے اور اس کا ۶۰ فیصد ہندوستان کے صوبہ پنجاب میں رہتے ہیں۔

پانچ کک:

وہ پانچ چیزیں جس کو سکھ ہمیشہ ساتھ رکھتے ہیں اس لیے کہ سکھ مذہب میں ہر سکھ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی شناخت کے لیے پانچ چیزوں کو اپنائے یا اپنے پاس رکھے۔

(۱) کرپان: چھوٹا خنجر جو اپنے دفاع کے لیے رکھا جاتا ہے۔

(۲) کیس: بال نہ کاٹے جائیں کیونکہ تمام گرو بھی بال نہیں کاٹتے تھے۔

(۳) کڑا: اسٹیل یا دھات کی موٹی چوڑی جو قوت کے لیے پہنی جاتی ہے۔

(۴) کچھا: پھرتی اور چستی کے لیے پہنا جانے والا زیر جامہ جس کی لمبائی گھٹنوں تک ہوتی ہے۔

(۵) کنگھا: سر کے بالوں کو ہموار اور صاف رکھنے کے لیے۔

سکھوں کی تاریخ:

سکھ مذہب ایک غیر سامی، آریائی مگر غیر ویدک مذہب ہے یہ ہندومت سے پھوٹنے والی ایک شاخ ہے جس کی بنیاد "بابا گرونانک" نے پندرھویں صدی کے آخر میں رکھی تھی اس کا مسکن پاکستان اور شمالی مغربی ہندوستان کا وہ علاقہ ہے جسے پنجاب بھی کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے پانچ دریاؤں کی سرزمین گرونانک نے ایک ہندو خاندان کی کھشتری یا (جنگجوذات) میں آنکھ کھولی مگر وہ اسلام اور مسلمانوں سے بہت متاثر ہوئے تھے۔

سکھوں کے عقائد "مل منترا":

خدا کے تصور کے حوالے سے کسی بھی سکھ کے تصورات کو بہتر انداز میں "مل منترا" میں بیان کیا جاتا ہے، "مل منترا" سکھوں کے بنیادی عقائد کے مجموعہ کو کہتے ہیں اسے گروگرنتھ صاحب کے شروع میں بیان کیا گیا ہے سری گرنتھ صاحب کی جلد اول "جپجی" کا پہلا شعر ہے صرف ایک خدا کا وجود ہے جو حقیقتاً تخلیق کرنے والا ہے، وہ خوف اور نفرت سے عاری ہے، وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا مگر لافانی ہے، وہ خود سے وجود رکھنے والا، عظیم اور رحیم ہے۔

اسی طرح ان کا عقیدہ ہے کہ خدا کی تخلیقی صفت ومایا نے انسان کے اندر پانچ گناہوں کو جنم دیا ہے، نفس، غصہ، حرص، عشق اور غرور، ان برائیوں کو دعا، مراقبہ اور خدمت خلق کے ذریعہ ختم کیا جاسکتا ہے۔

سکھوں کے یہاں گرو کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، گرو دولفظوں سے مرکب ہے "گو" اور "رو" گو کے معنی اندھیروں کو دور کرنے والا اور "رو" کے معنی روشنی پھیلانے والا سکھوں کے دس گرو ہیں سب سے پہلے گرو گرونانک جنھوں نے سکھ مذہب کی بنیاد ڈالی سکھ لوگ پیغمبروں اور نبیوں اور

اوتاروں کو نہیں مانتے بلکہ اس عقیدہ کی مخالفت کرتے ہیں۔

سکھوں کی مقدس ترین کتاب ''گروگرنتھ صاحب'' ہے جس کی تالیف سکھوں کے پانچویں گرو جن دیو نے کی پھر بعد میں گرو گوبند سنگھ نے اس میں گرو تیغ بہادر کا کلام شامل کر کے اسے قطعی شکل دیدی، اس کے ۳۳/ ابواب ہیں پہلا باب گرونانک کی تصنیف کردہ ''جپ جی'' سے شروع ہوتا ہے جسے سکھ لوگ روزانہ پڑھتے ہیں۔

سکھ مذہب اپنے ماننے والوں کو وحدانیت کی سختی سے تلقین کرتا ہے اس کا مطلب ہے کہ ایک ہی رب اعلی ہے وہ ایک غیر واضح اور مبہم صورت میں موجود ہے جسے ایک اومکار'' کہا جاتا ہے۔

جب خدا کی واضح صفات بیان کی جاتی ہے تو اسے اومکار کہا جاتا ہے سکھ مذہب میں خدا کی کئی ایک صفات بیان کی جاتی ہیں، کرتار، خالق، صاحب بادشاہ، اکال، ابدی، ستنانام، مقدس نام، پروردگار، محبت سے پرورش کرنے والا، رحیم، رحم کرنے والا، کریم خیر خواہی کرنے والا۔

سکھ مذہب میں خدا کے لیے ''واہے گرو'' یعنی ایک سچا خدا کے الفاظ بھی آئے ہیں چونکہ سکھ مذہب وحدانیت کی سختی سے تلقین کرتا ہے اس لیے اس میں اوتار، ویدپر اعتقاد بالکل نہیں ہے، جسے تجسم اور حلول کا عقیدہ کہا جاسکتا ہے، سکھ مذہب میں خدا اپنی تجسم کر کے دوسری شکلوں میں نہیں ڈھلتا یوں اوتار کا تصور بالکل نہیں ہے سکھ مذہب، بت پرستی کی بھی شدید مخالفت کرتا ہے۔

گرونانک پر کبیر کا اثر:

گرونانک سنت کبیر کے فرمودات سے بہت متاثر تھے، لہذا سری گروگرنتھ صاحب کے متعدد ابواب میں سنت کبیر کے اشعار جا بجا ملتے ہیں ان میں سے چند مشہور اشعار یہ ہیں ''ہر کوئی مشکل میں تو خدا کو یاد رکھتا ہے مگر امن اور خوشی میں اسے کوئی یاد نہیں کرتا، جو آسودگی اور خوشحالی میں بھی خدا کو یاد رکھے گا اس پر مصیبت کیوں آئے گی۔

قادیانیت کا تعارف اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کی زبانی:

اسلامی فقہ اکیڈمی کے سمینار میں قادیانی جماعت کا جائزہ لیا گیا جس کا ظہور انیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان میں ہوا تھا اور جسے احمدیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اجلاس نے اس مذہب کا مطالعہ کیا جس کی دعوت اس کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۷۶ء نے دی ہے اور اس کا دعوی ہے کہ وہ نبی ہے ،اس پر وحی آتی ہے، وہ مسیح موعود ہے اور یہ کہ پیغمبر اسلام سیدنا محمد بن عبداللہ ﷺ پر نبوت ختم نہیں ہوئی ہے (جیسا کہ قرآن کریم اور سنت کی صراحت کے مطابق ختم نبوت کا عقیدہ تمام مسلمانوں کا ہے) اس کا دعوی ہے کہ اس پر دس ہزار سے زائد آیتیں اتاری اور وحی کی گئی ہیں، اس کی تکذیب کرنے والا کافر ہے نیز یہ کہ قادیان کا حج تمام مسلمانوں پر واجب ہے، کیونکہ قادیان مکہ اور مدینہ کی طرح مقدس ہے اور قرآن کریم میں اسی کا نام مسجد اقصی بتایا گیا ہے یہ تمام باتیں اس کی مطبوعہ کتاب ''براھین احمدیہ'' اور ''التبلیغ'' نامی رسالہ میں صراحت کے ساتھ موجود ہیں۔

اکیڈمی کے اجلاس نے غلام احمد قادیانی کے بیٹے اور خلیفہ مرزا بشیر الدین کے اقوال وتصریحات کا بھی جائزہ لیا۔ اس کی کتاب ''آئینہ صداقت'' میں اس کا یہ قول موجود ہے کہ ''جو مسلمان بھی مسیح موعود (یعنی اس کے والد مرزا غلام احمد) کی بیعت میں داخل نہ ہو خواہ اس نے اس کا نام سنا ہو یا نہ سنا ہو، وہ کافر اور اسلام سے خارج ہے (کتاب مذکور ص/ ۳۵)۔

قادیانی اخبار ''الفضل'' میں خود اس نے اپنے والد غلام احمد قادیانی کا یہ قول نقل کیا ہے: ''مسلمانوں سے ہمارا ہر چیز میں اختلاف ہے: اللہ رسول، قرآن نماز، روزہ، حج، زکاۃ، ان میں سے ہر چیز میں ان کے ساتھ ہمارا جوہری اختلاف ہے (اخبار الفضل)) ۳۰ جولائی ۱۹۳۱)۔

اسی اخبار کی تیسری جلد میں یہ عبارت بھی ہے کہ ''بے شک مرزا ہی نبی محمد ﷺ ہیں'' اس نے حضرت عیسی علیہ السلام کی زبان سے قرآن کے ان الفاظ "ومبشرا برسول یأتی من بعدی اسمہ احمد" کا مصداق خود اپنی ذات کو قرار دیا ہے (کتاب انذار الخلافۃ ص ۲۱)۔

اجلاس نے معتبر مسلمان علماء اور اہل قلم کی ان تحریروں کو بھی اپنے پیش نظر رکھا جن میں فرقہ قادیانی احمدی کے اسلام سے مکمل طور پر خارج ہو

نے کی وضاحت کی گئی ہے۔

اسی بنیاد پر پاکستان میں شمالی حدود کی صوبائی اسمبلی نے ۱۹۷۴ء میں اپنے تمام ممبران کی متفقہ آراء سے یہ فیصلہ کیا کہ باشندگان پاکستان میں قادیانی فرقہ ایک غیر مسلم اقلیت ہے۔

اس عقیدہ کے علاوہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ہندوستان کی انگریز حکومت جس کی تائید وحمایت اسے حاصل رہی ہے، کے نام اپنے خطوط میں حرمت جہاد کا اعلان بھی کیا، اس نے جہاد کے تصور کی نفی کی تاکہ مسلمان ہندوستان کی استعماری انگریزی حکومت کے وفادار بن جائیں، کیونکہ کچھ جاہل مسلمانوں کی طرف سے نظریہ جہاد کی اشاعت مسلمانوں کی طرف سے انگریزوں کی وفاداری میں مانع بنتی ہے۔

وہ اپنی کتاب ''شہادۃ القرآن'' طبع ششم کے ضمیمہ میں صفحہ ۱۷ ر پر لکھتا ہے: ''مجھے یقین ہے کہ میرے متبعین جتنے زیادہ ہوں گے اور ان کی تعداد جس قدر بڑھے گی جہاد پر ایمان رکھنے والے کم ہوتے جائیں گے، کیونکہ میرے مسیح یا مہدی ہونے پر ایمان لانے سے جہاد کا انکار لازم آتا ہے'' (دیکھئے: مولانا ابوالحسن علی ندوی کا رسالہ، شائع کردہ رابطہ، صفحہ ۲۵)۔

اکیڈمی کا یہ اجلاس قادیانیت کے عقیدہ، آغاز، اس کی بنیادیں اور اسلام کے صحیح عقیدہ کی بیخ کنی اور مسلمانوں کو اپنے عقیدہ سے گمراہ کرنے والے ان کے خطرناک مقاصد سے متعلق ان تمام ثبوت ودلائل اور ان کے علاوہ دیگر بہت سارے تفصیلی ثبوت کی بنیاد پر بالاتفاق یہ فیصلہ کرتا ہے کہ قادیانیت (جسے احمدیت بھی کہتے ہیں) کا عقیدہ اسلام سے مکمل طور پر الگ ہے اور اس کے ماننے والے کافر اور اسلام سے مرتد ہیں اور ان کا اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا سراسر دھوکہ ہے۔ (رابطہ عالم اسلامی کے تحت قائم المجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے ص/ ۴۹ تا ۵۱)۔

بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی کے تعارف کے بعد ان کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔

جمہور کے یہاں یہ مذکورہ ادیان اہل کتاب میں سے تو قطعی طور پر شمار نہیں ہوں گے کیوں کہ جمہور کے یہاں اہل کتاب صرف یہود اور نصاریٰ ہیں البتہ حنفیہ کے یہاں اہل کتاب کی تعریف میں توسع ہے کہ وہ لوگ جو کسی نبی مرسل اور کتاب منزل پر ایمان رکھتے ہوں وہ بھی اہل کتاب ہیں، لیکن مذکورہ ادیان میں سے بہائیت اور بابیت کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ آیا کہ وہ کسی نبی کو نہیں مانتے اور نہ آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں بلکہ ان کے بانی کا عقیدہ ہے کہ وہ ''خدا'' ہے ''علی محمد نے بھی اپنے استاذ کی یہی بات کہی، پھر اس سے علاحدہ ہو گیا اور ایک عرصہ کے بعد ایک نئے روپ میں ظاہر ہو کر دعویٰ کیا کہ وہ علی ابن ابی طالب ہے، جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ (باب) ہے اسی لئے اس نے اپنا نام ''باب'' رکھ لیا۔

پھر اس نے دعویٰ کیا کہ وہ مہدی منتظر کا باب ہے، پھر اس نے دعویٰ کیا کہ وہ خود مہدی ہے، پھر اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس نے الوہیت کا دعویٰ کیا اور اپنا نام ''اعلیٰ'' قرار دیا، جب مرزا حسین علی مازندرانی جو بہاء نام رکھتا تھا) پروان چڑھا جو ''باب'' کا ہم عصر تھا تو ''باب'' کی دعوت کا پیروکار رہا، لیکن جب اس کو اپنے کفر اور فتنہ کی وجہ سے قتل کر دیا گیا، تو مرزا حسین علی نے اعلان کیا کہ بابیوں کی سربراہی کے لئے ''باب'' کی طرف سے اس کے حق میں وصیت کی گئی ہے اور اس طرح وہ ان کا سربراہ بن گیا اور اپنا نام بہاء الدین رکھ لیا پھر آگے چل کر اس نے اعلان کیا کہ تمام مذاہب اس کے ظہور کے لئے پیش خیمہ تھے اور وہ سب ناقص تھے، یہی دین ان کی تکمیل کرتا ہے اور وہ خود اللہ کی صفات سے آراستہ ہے اور اللہ کے افعال کا سرچشمہ ہے اور اللہ کا اسم اعظم خود اس کا نام ہے، رب العالمین کا وہی مصدق ہے اور جس طرح اسلام نے سابقہ تمام ادیان کو منسوخ کر دیا تھا اسی طرح بہائیت سے اسلام منسوخ ہو گیا ہے (معاذ اللہ)''۔

بہائیوں کے مذکورہ بالا عقائد سے یہ بات صاف ہو گئی کہ وہ کافر ہیں ان کو کسی بھی صورت میں اہل کتاب میں سے شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح سکھ بھی ہیں کہ وہ کسی نبی کو نہیں مانتے ہیں بلکہ وہ نبی اور اوتار کے عقیدہ کی مخالفت کرتے ہیں ہاں وہ ایک خدا کے قائل ہیں لیکن اہل کتاب ہونے کے لیے یہ کافی نہیں ہے جیسا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ سکھ ہونے کے لیے پانچ چیزوں کو ماننا ضروری ہے۔

سکھ ہونے کے شرائط:

(۱) ایک خدا کو ماننا (۲) ۱۰ گرووں کو ماننا جو گرونانک سے گروگوبند سنگھ تک ہیں (۳) گروگرنتھ صاحب سکھوں کی مقدس کتاب کو ماننا جو ''ادی گرنتھ صاحب'' کے نام سے بھی مشہور ہے (۴) ۱۰ گرروں کی تعلیمات کو ماننا (۵) ایک ایمان دارانہ زندگی گذارنا، ظلم سے باز رہنا اور نیک لوگوں کی عزت کرنا۔

سکھوں کے عقائد سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ نہ تو کسی نبی اور نہ کسی کتاب منزل کو مانتے ہیں اس لیے وہ بھی اہل کتاب میں شمار نہیں کئے جاسکتے ہیں۔

قادیانی اگر چہ ظاہرا اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور قرآن کو اللہ کی کتاب اور محمد ﷺ کو اللہ کا نبی لیکن ان کی کتابوں اور ان کے اعمال اور ان کے پیشواؤں کے دعوی سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ مسلمان بھی نہیں ہیں اسی طرح وہ مرزا کو نبی مانتے ہیں اور کبھی مہدی اور کبھی اللہ کا مظہر اور ان کا ماننا ہے کہ مرزا پر دس ہزار آیتیں اتری ہیں لہذا ان دونوں باتوں سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ نہ تو کسی نبی مرسل کے قائل ہیں اور نہ کسی کتاب منزل کے لہذا قادیانیوں کا بھی شمار اہل کتاب میں سے نہیں ہوسکتا'' اسی طرح اسلام کے بعد ظاہر ہونے والے جھوٹے مذاہب جو قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا اقرار کرتے ہوں، وہ بھی اہل کتاب میں شمار نہیں ہوں گے جیسے قادیانی، یہ زندیق کے حکم میں ہیں اور ان کا حکم عام مشرکین اور مرتدین کا ہے، بلکہ ان سے بھی بڑھ کر، کیوں کہ ان کی توبہ قابل قبول ہے اور فقہاء کے نزدیک زندیق کی توبہ قابل قبول نہیں ان سے نکاح حرام ہے اور ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں (جدید فقہی مسائل ج ۲/ ۲۱۷ تا ۲۲۰)۔

اسی طرح معارف القرآن میں ہے ''سابقہ بیان میں یہ واضح ہو چکا کہ اس زمانہ میں جتنے فرقے اور جماعتیں غیر مسلموں کی موجود ہیں۔ ان میں صرف یہود و نصاری ہی دو قومیں ہیں جو اہل کتاب میں شمار ہوسکتی ہیں، باقی موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں۔ آتش پرست، یابت پرست، ہندو یا سکھ آریہ، بدھ وغیرہ سب اسی عموم میں داخل ہیں۔ کیونکہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جس کسی ایسی کتاب کے ماننے والے اور اس کے اتباع کے دعویدار ہوں جس کا آسمانی کتاب اور وحی الٰہی ہونا قرآن وسنت کی نصوص سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تو توراۃ وانجیل ہی ہیں۔ جن کی ماننے والی کچھ قومیں اس وقت دنیا میں موجود ہیں، باقی زبور اور صحف ابراہیم علیہ السلام نہ کہیں محفوظ و موجود ہیں، نہ کوئی قوم ان کے اتباع کی دعویدار ہے اور ''وید'' اور ''گرنتھ'' یا زردشت وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحی الٰہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے۔ اور صرف یہ امکان کہ شاید زبور اور صحف ابراہیم ہی کی مسخ شدہ وہ صورت ہو جس کو بدھ مت کی کتاب یا ''وید'' یا گرنتھ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ امکان محض اور احتمال محض ہے جو ثبوت کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے باجماع امت ثابت ہو گیا کہ موجودہ زمانہ کے مختلف مذاہب میں سے صرف یہود ونصاری کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حلال ہے۔ اور کسی قوم کی عورت سے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے نکاح حرام ہے (معارف القرآن جلد ۳/ ۶۱)۔

کیا نسلی مرزائی اہل کتاب میں شمار ہوں گے؟

وہ لوگ جو نسلی طور پر قادیانی ہیں وہ اہل کتاب میں سے ہوں گے یا نہیں اس سلسلہ میں کفایت المفتی میں مفتی کفایت اللہؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

مرزائیوں کے ذبیحہ کا حکم:

(سوال) جو شخص احمدی فرقہ (المعروف مرزائی فرقہ) سے تعلق رکھنے والا ہو۔ خواہ مرزا آنجہانی کو نبی مانتا ہو یا مجدد اور ولی وغیرہ اس کے ہاتھ کا مذبوحہ حلال ہے یا حرام؟

(جواب ۳۴۹) اگر یہ شخص خود مرزائی عقیدہ اختیار کرنے والا ہے یعنی اس کے ماں باپ مرزائی نہ تھے تو یہ مرتد ہے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست نہیں۔ لیکن اگر اس کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مرزائی تھا تو یہ اہل کتاب کے حکم میں ہے اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے۔ (حاشیہ میں

یہ عبارت بطور حوالہ درج ہے)

''وعن أبي علي أنه تحل ذبيحة المجبرة إن كان آبائهم مجبرة، فإنهم كأهل الذمة، وإن كان آبائهم من أهل العدل لم تحل؛ لأنهم بمنزلة المرتدين'' (ردالمحتار على الدر المختار جلد۵ص۲۰۹کتاب الذبائح)۔

اسی طرح مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ایک اور سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ نسلی مرزائی اہل کتاب ہیں:

(سوال) آنجناب نے مرزائیوں کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے کہ نسلی مرزائی کو اہل کتاب کا حکم دیا جائے گا۔ یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیسے اہل کتاب ہو سکتے ہیں۔ مفصل دلائل ارشاد فرمائیں۔

(جواب ۳۵۶) ''نسلی مرزائی اسی طرح اہل کتاب کے حکم میں ہیں جس طرح یہود و نصاری شامی میں اس مسئلہ کی بحث ہے اور یہی راجح ہے اور حاشیہ میں شامی سے اہل کتاب کی تعریف نقل کی ہے ''واعلم أن من اعتقد دينا سماويا له كتاب منزل كصحف ابراهيم و شيث وزبور داود فهو من أهل الكتاب فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم (شامی جلد دوم ۳۱۴ کتاب النکاح فصل فی المحرمات) (کفایۃ المفتی جلد اول ص/۳۶۵)۔

کفایت المفتی کے جامع اور مرتب نے نسلی مرزائی کے اہل کتاب ہونے پر اس عبارت کو دلیل میں پیش کی ہے۔

''وعن أبي علي انه تحل ذبيحة المجبرة، إن كان آبائهم مجبرة، فإنهم كأهل الذمة، وإن كان آبائهم من أهل العدل لم تحل لانهم بمنزلة المرتدين''

علامہ شامی نے الدر المختار کی عبارت کا مطلب بیان کیا ہے جو کچھ اس طرح ہے کہ صاحب الدر المختار نے الاشباہ والنظائر سے یہ عبارت نقل کی ''لاتحل ذبيحة غير كتابي من وثني ومجوسي ومرتد وجني وجبري لو ابوه سنيا ولو ابوه جبريا حلت اشباه؛ لأنه صار كمرتد قنية (الدر المختار على رد المحتار جلد ۵/ ۲۰۹تا۲۱۰ کتاب الذبائح)

الاشباہ والنظائر کی دوسری جلد صفحہ ۲۷۹ میں بعنہ یہی عبارت لکھی ہوئی ہے ''لاتحل ذبيحة الجبرى إن كان أبوه سنيا، وإن كان جبريا حلت '' (الاشباہ والنظائر جلد۲ صفحہ ۲۷۹ کتاب الصید، والذبائح والاضحیۃ)۔

فتاوی تاتار خانیہ (۲۷۵۹۵) میں ہے: ''سالت بعضهم عن أهل الجبر فقال: أبو علي: أهل الجبر يحل ذبائحهم، إلا أنهم بمنزلة المرتدين'' (الفتاوى التاتارخانيه جلد۱۷/ ۳۹۰ کتاب الذبائح) اسی طرح سکب الانہر علی مجمع الانہر میں ہے ''لا يحل ذبيحة غير كتابي من وثني او مجوسي او مرتد او جني او جبري لو ابوه سنيا ولو ابوه جبريا حلت كما فى الاشباه لانه صار كمرتد كما فى القنية (سکب الانهر على مجمع الانهر جلد۴/ ۱۵۴کتاب الذبائح)۔

خلاصہ یہ کہ اہل کتاب کے سلسلہ میں نقل کی گئی تعریف اور جمہور و حنفیہ کے مسلک کی وضاحت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نسلی مرزائی بھی اہل کتاب میں شمار نہ ہوں جمہور کے یہاں تو اس لیے کہ وہ اہل کتاب صرف یہود و نصاری کو مانتے ہیں اور حنفیہ کے یہاں اس لیے کہ مرزائی خواہ نسلی ہوں یا اصلی دونوں غلام احمد کو نبی مانتے ہیں، اور قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے بلکہ غلام احمد خود اپنے اوپر دس ہزار آیتوں کے نزول کا قائل ہے اسی طرح اس کا بیٹا اپنے باپ کی بات نقل کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہمارا مسلمانوں سے ہر چیز میں جوہری اختلاف ہے ''قادیانی اخبار ''الفضل'' میں خود اس نے اپنے والد غلام احمد قادیانی کا یہ قول نقل کیا ہے: ''مسلمانوں سے ہمارا ہر چیز میں اختلاف ہے: اللہ رسول، قرآن نماز، روزہ، حج، زکاۃ؛ ان میں سے ہر چیز میں ان کے ساتھ ہمارا جوہری اختلاف ہے (اخبار الفضل)) ۳۰ جولائی ۱۹۳۱) جب ان کا مسلمانوں سے قرآن اور رسول دونوں میں اختلاف ہے تو وہ کیسے اہل کتاب میں شمار ہوں گے، اور یہی رائے حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ اور مولانا مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی بھی ہے۔

(سوال) اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ مرتد تو وہ ہوتا ہے جو دین اسلام سے پھر جائے، یعنی پہلے مسلمان تھا بعد میں نعوذ باللہ کافر ہو گیا۔ لیکن جو شخص پیدائشی قادیانی ہو وہ تو مرتد نہیں کیونکہ اس نے اسلام کو چھوڑ کر قادیانی کفر اختیار نہیں کیا بلکہ وہ ابتداہی سے کافر ہے۔ وہ مرتد کیسے ہوا؟

(جواب) اس شبہ کا جواب یہ کہ ہر قادیانی ''زندیق'' ہے۔ اور ''زندیق'' وہ شخص ہے جو اسلام کے خلاف عقائد رکھتا ہو، اس کے باوجود اسلام کا دعوی

کرتا ہو اور تاویلات باطلہ کے ذریعہ اپنے عقائد کو عین اسلام قرار دیتا ہو، اور ''زندیق'' کا حکم بعینہ مرتد کا ہے۔البتہ ''زندیق'' اور مرتد میں یہ فرق ہے کہ مرتد کی توبہ بالاتفاق لائق قبول ہے اور زندیق کی توبہ کے قبول کئے جانے یا نہ کئے جانے میں اختلاف ہے۔اس ایک فرق کے علاوہ باقی تمام احکام میں مرتد اور زندیق برابر ہیں۔اس لئے قادیانی مرزائی خواہ پیدائشی مرزائی ہوں یا اسلام کو چھوڑ کر مرزائی بنے ہوں دونوں صورتوں میں ان کا حکم مرتد کا ہے (آپ کے مسائل اور ان کا حل جلد ۵ /۱۷، کتاب النکاح)۔

جدید فقہی مسائل میں: ''اسی طرح اسلام کے بعد ظاہر ہونے والے جھوٹے مذاہب جو قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اقرار کرتے ہوں، وہ بھی اہل کتاب میں شمار نہیں ہوں گے جیسے قادیانی، یہ زندیق کے حکم میں ہیں اور ان کا حکم عام مشرکین اور مرتدین کا ہے، بلکہ ان سے بھی بڑھ کر، کیوں کہ ان کی توبہ قابل قبول ہے اور فقہاء کے نزدیک زندیق کی توبہ قابل قبول نہیں ان سے نکاح حرام ہے اور ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں (جدید فقہی مسائل ج ۲ /۲۱۷ تا ۲۲۰)، اور زندیق کا حکم ''کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' میں اس طرح لکھا ہوا ہے۔

حکم الزندیق:

''المالکیة ،والحنابلة ـ قالوا: ویجب قتل الزندیق بعد الإطلاع علیه بلا طلب توبة منه .وهو الذی یسر الکفر ،ویظهر الاسلام ،وهو الذی کان یسمی منافقا فی زمن النبی ﷺ واصحابه رضوان الله علیهم اجمعین ،ولا بد من قتله وان تاب ،لکن ان تاب قتل حدا ،لا کفرا، فیحکم له بالإسلام ویغسل ویکفن ویصلی علیه ویدفن فی مقابر المسلمین ویترك امره الی الله عز وجل ''۔

اسی طرح زندیق کے سلسلہ میں احناف اور شافعیہ کا مسلک نقل کیا ہے: ''الحنفیة ،والشافعیة ـ قالوا: إن الزندیق إذا تاب وأظهر الإسلام تقبل توبته ،ویستتاب ولا یقتل ،ویلحق بالکافر الأصلی إذا اعتنق الإسلام ،فإنه یقبل منه ویترك''

(کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه جلد۵/ ۳۷۷-۳۷۶،کتاب الحدود ،حکم الزندیق) ۔

خلاصہ یہ کہ:

(۱) اسلام کے بعد پیدا ہونے والے ادیان جیسے بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی وغیرہ کا اہل کتاب میں شمار نہیں ہوگا اس لیے کہ وہ نبی مرسل اور کتاب الٰہی پر عقیدہ نہیں رکھتے ہیں صرف ان کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول لیکن ضروری ہے کہ وہ نبی مرسل کی بات اور کتاب منزل پر عمل کرنے والے ہوں۔

(۲) نسلی مرزائی بھی اہل کتاب میں سے شمار نہیں ہو سکتے اس لیے کہ ان کے اندر اہل کتاب کی شرائط موجود نہیں ہیں نیز وہ زندیق ہیں اور زندیق اور مرتد میں کوئی فرق نہیں ہے سوائے توبہ کی قبولیت کے اور زندیق کا معاملہ اور زیادہ سخت ہے۔



اہل کتاب کی تعریف اور مصداق

مولانا عقیل الرحمن قاسمی[1]

اہل کتاب کی تعریف مختلف حضرات نے مختلف انداز سے کی ہے، چنانچہ ایک تعریف ہے: ''كل من يعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف ابراهيم وشيث وزبور داؤد فهو من أهل الكتاب'' (فتاوی عالمگیری ۱/ ۲۸۱ الباب الثالث في بيان المحرمات شامی ۲/ ۴۵ فصل في المحرمات. فتح القدير ۳/ ۲۲۸ فصل في المحرمات)۔

یعنی ہر وہ شخص جو آسمانی شریعت پر اعتقاد رکھتا ہو اور اس کے پاس اللہ کی نازل کردہ کتاب بھی ہو مثلاً حضرت ابراہیم وشیث علیہما السلام کے صحیفے اور داؤد علیہ السلام کی زبور، تو وہ شخص اہل کتاب کہلائے گا، اس تعریف سے اہل کتاب کے مصداق میں بہت عموم ہو جاتا ہے، اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی (القاموس الفقہ ۲/ ۲۵۵) پر اسی سے ملتی جلتی تعریف کی ہے، وہ فرماتے ہیں ''اہل کتاب سے نزول قرآن سے پہلے کے وہ لوگ مراد ہیں جن کا کسی آسمانی کتاب کا حامل ہونا محقق ہو''۔

جب کہ حضرت مفتی شفیع صاحب تفسیر قرطبی کے حوالہ سے اہل کتاب کے مصداق کے بارے میں فرماتے ہیں ''قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق اہل کتاب سے مراد صرف یہود ونصاریٰ ہیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے ''وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم. يعني ذبيحة اليهود والنصراني'' (قرطبی ۲/ ۲۶ بحوالہ جواہر الفقہ ۲/ ۳۷۴) اس تعریف کے اعتبار سے صرف یہود ونصاری ہی اہل کتاب کے مصداق ہوتے ہیں۔

دونوں تعریفات پر نظر رکھتے ہوئے بندہ کی رائے یہ ہے کہ مصداق اور مراد کی حد تک تو اہل کتاب کو عام رکھا جائے یعنی ہر وہ شخص اہل کتاب کے زمرہ میں آئے گا، جو کسی بھی آسمانی شریعت کا ماننے والا ہو، دراں حالیکہ اس کے پاس آسمانی کتاب بھی ہو، خواہ وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام سے پہلے زمانہ کا ہو لیکن ذبیحہ اور نکاح کی جب بات آئے تو پھر اہل کتاب سے صرف یہود ونصاری ہی کو مراد لیا جائے۔

۲- صابئین سے کون لوگ مراد ہیں؟

دراصل صابئین صابی کی جمع ہے صابی یعنی ''خرج من دينه إلى دين آخر''، اپنے مذہب کو ترک کر کے دوسرا مذہب اختیار کرنا اسی لئے اہل عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صابی کہتے تھے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے دین کی مخالفت کی اور ان کی نظر کے حساب سے نیا دین اختیار فرمایا (تفسیر کبیر ۳/ ۹۷)۔

ٹھیک اسی طرح ابتدائے اسلام میں اگر کوئی شخص مسلمان ہوتا تو اہل مکہ اس کو اسی نام سے ذکر کیا کرتے تھے (احکام القرآن ۱/ ۴۳۴)۔

قرآن کریم نے مختلف مقامات پر صابئین کا تذکرہ کیا ہے:

۱- ''ان الذين أمنوا والذين هادوا والنصرىٰ والصابئين من أمن بالله واليوم الأخر'' (البقرہ ۶۲)۔

۲- ''ان الذين أمنوا والذين هادوا والصابئون والنصرىٰ من أمن بالله واليوم الأخر'' (الانعام ۶۸)۔

۳- ''ان الذين أمنوا والذين هادوا والصابئين والنصرىٰ والمجوس والذين اشركوا'' (الحج ۱۷)۔

قرآن کریم کے مذکورہ بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات ایک خاص مذہب کے حاملین ومعتقدین تھے، مگر اس مذہب کے بنیادی اصول یا عقائد کیا تھے اس کی کوئی وضاحت کتاب اللہ میں موجود نہیں ہے، اسی لئے ان کے مصداق اور تعریف میں علماء محققین کے بے شمار اقوال کتابوں میں ملتے

---

[1] جامعہ اسلامیہ جلالیہ، پوسٹ آفس: گوپال نگر، ضلع: ہوجائی، آسام۔

ہیں، چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وللمفسرين في تفسير مذهبهم اقوال ـ قال مجاهد والحسن: هم طائفة من المجوس واليهود لاتؤكل ذبائحهم ولا ينكح نساؤهم ـ وقال قتادة: هم قوم يعبدون الملائكة ويصلون إلى الشمس كل يوم خمس صلوات" (تفسیر کبیر ۳/ ۹۸)۔

امام قرطبی اور ابن کثیر رحمہم اللہ نے اپنی تفسیر کے اندر اور بھی اقوال نقل کئے ہیں، مثلاً:

قال السفيان الثوري: الصابئون قوم بين المجوس واليهود والنصارى وليس لهم دين ـ قال وهب بن منبه: الذي يعرف الله وحده وليست له شريعة يعمل بها۔

قال خليل: هم قوم يشبه دينهم دين النصارى إلا أن قبلتهم نحومهب الجنوب يزعمون أنهم على دين نوح عليه السلام" (قرطبی ۱/ ۲۹۵، ابن کثیر ۱/ ۱۰۴)۔

بندہ کے خیال میں ان تمام اور دیگر اقوال کی روشنی میں اگر صابئین کی مراد کو طے کیا جائے تو بہتر قول وہ ہوسکتا ہے جس کو امام رازی رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا ہے اور وہ یہ ہے: "إن الصابئين قوم يعبدون الكواكب بمعنى إن الله جعلها قبلة للعبادة والدعاء أو بمعنى ان الله فوض تدبير أمر هذا العالم اليها" یعنی صابئین ستاروں کی عبادت کرنے والی قوم کو کہا جاتا ہے، وہ عبادت چاہے اس حیثیت سے ہو کہ اللہ نے ستاروں کو عبادت اور دعاء کا قبلہ قرار دیا ہے، یا اس طور پر کہ باری تعالیٰ نے کائنات کی تدبیر کا معاملہ ان کے حوالے کر رکھا ہے۔

کیا صابئین دنیا میں موجود ہیں؟

بندہ پوری دنیا کے اقوام سے واقف نہیں اس لئے یقینی طور پر کچھ کہنے اور لکھنے سے قاصر ہے، البتہ بعض محققین کے طرز کلام سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے موجود تھے، مگر اب نہیں ہیں، مثلاً مولانا خالد سیف اللہ صاحب فرماتے ہیں: "سلف صالحین کے اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے آنے کے بعد بھی ایک ڈیڑھ سو سال تک یہ مذہب پایا جاتا تھا" (قاموس الفقہ ۲/ ۲۱۵)۔

اسی طرح عبدالرحمن بن زید کا قول ہے "یہ لوگ جزیرہ موصل میں قیام پذیر تھے" (احکام القرآن ۱/ ۴۳۴)۔

"پایا جاتا تھا" اور "قیام پذیر تھے" یہ دونوں ہی جملے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اب اس کا وجود نہیں ہے، ورنہ دوسری تعبیر اختیار کی جاتی۔

۳- موجودہ اہل کتاب کے ساتھ معاملہ:

جو یہود و نصاریٰ اللہ کے وجود کے قائل ہیں حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو نبی مانتے ہیں اور تورات و انجیل کو اللہ کی کتاب، وہ اہل کتاب میں داخل ہیں، اگرچہ انہوں نے اپنے دین کو بدل ڈالا ہے، تورات و انجیل میں تحریف کثیر کر رکھی ہے، تثلیث وغیرہ جیسے مشرکانہ عقائد اختیار کر لئے ہیں، نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ اور یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا تصور کرتے ہیں، اس لئے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں بھی ان کا یہی حال تھا، اور قرآن نے ان حالات کے باوجود ان کو اہل کتاب قرار دیا ہے اور ان کے ذبائح کو حلال کہا، نیز ان کی عورتوں سے نکاح کو بھی جائز شمار کیا، ابن کثیر نے اس پر علماء کا اجماع نقل کر کے ذبیحہ اہل کتاب کے حلال ہونے کی وجہ یوں بیان کی ہے: "لأنهم يعتقدون تحريم الذبح لغير الله ولا يذكرون على ذبائحهم الا اسم الله وان اعتقدوا فيه تعالى ماهو منزه عنه تعالى وتقدس" (تفسیر ابن کثیر ۲/ ۱۹)۔

ترجمہ: اہل کتاب غیر اللہ کے نام پر ذبح کو حرام سمجھتے ہیں اور اپنے ذبیحہ پر اللہ ہی کا نام لیتے ہیں، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کچھ ایسے عقائد رکھتے ہیں جن سے وہ (اللہ) بالکل پاک صاف ہے۔

لیکن ہمارے زمانے میں یہود و نصاریٰ کا ایک بہت بڑا طبقہ وہ ہے جو محض نام کے یہودی اور عیسائی ہیں، ورنہ درحقیقت وہ خدا کے وجود کا شدت سے انکار کرتے ہیں، کسی نبی کی نبوت کو نہیں مانتے، وحی اور الہام پر جملہ کستے ہیں، اور حشر و نشر کا مذاق اڑاتے ہیں، اور یہ وہ باتیں ہیں جو اہل کتاب کے اندر نزول قرآن کے زمانہ میں نہیں پائی جاتی تھیں، اس لئے ایسا طبقہ اہل کتاب کہلانے کا حق نہیں رکھتا ہے۔

اب بات رہ جاتی ہے کہ ایسے یہود و نصاریٰ کے ساتھ نکاح و ذبیحہ کے حوالے سے اہل کتاب کا معاملہ کیا جائے گا یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ

قرآن نے تو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے اور ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے، لیکن جب یہ حضرات اہل کتاب نہیں تو ان کی عورتوں سے نکاح بھی درست نہیں ہوگا، اور ان کا ذبیحہ بھی مسلمانوں کے لئے حلال نہیں ہوگا، چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں "ان کی اکثریت الحاد، مذہب بیزاری اور انکار آخرت وغیرہ کی شکار ہے، ظاہر ہے ایسے لوگوں سے نکاح قطعاً حلال نہ ہوگا، اور وہ قرآن کی اصطلاح میں اہل کتاب شمار نہ ہوں گے" (جدید فقہی مسائل/ص ۲۸۳)۔

۴- قادیانی، بہائی، سکھ وغیرہ اہل کتاب نہیں:

اس سوال میں مذکور سارے باطل مذاہب اور فرقے مثلاً بہائی، بابی، سکھ، اور قادیانی وغیرہ کا وجود بعد از اسلام ہوا ہے، لہذا ہر چند کہ یہ حضرات نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہوں اور قرآن کو کتاب خداوندی تسلیم کرتے ہوں، مگر چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کے قائل ہیں، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، نبوت کا سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے، ارشاد خداوندی ہے "ماکان محمد أبا أحد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" (الاحزاب) اور فرمان رسالت ہے: "أنا خاتم النبیین لانبی بعدی"۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعوئ رسالت کرنے والا اور اس کی تصدیق کرنے والا ہر دو کافر ہیں "ودعوی النبوۃ بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع" (شرح الفقہ الاکبر، ملا علی قاری ص ۱۶۴)۔

نیز "إذا لم یعرف ان محمدا آخر الأنبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات" (الاشباہ والنظائر ۲/۹۱)۔

اسی طرح قرآن اللہ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لئے آخری کتاب الٰہی ہے، جو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ہے، اور نبوت ورسالت کے ساتھ ساتھ وحی کا سلسلہ بھی رسول اللہ پر ختم ہو چکا ہے، اس لئے قرآن کے بعد کسی اور کتاب کے کلام الٰہی ہونے کا اعتقاد رکھنا کفر کو مستلزم ہے، "قال الطیبی: اغلق باب الوحی وقطع طریق الرسالۃ وسد" (مرقات المفاتیح کتاب الفضائل ۱۰/۱۴)۔

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ جو انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول نہ مانے اور قرآن کو آخری کتاب الٰہی تسلیم نہ کرے وہ کافر ہے، اور کافر کا شمار اہل کتاب میں قطعاً نہیں ہو سکتا ہے، چنانچہ حضرت مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں "اس زمانے میں جتنے فرقے اور جماعتیں غیر مسلموں کی موجود ہیں ان میں سے صرف یہود ونصاریٰ ہی دو قومیں ہیں جو اہل کتاب میں شمار ہو سکتی ہیں، باقی موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں آتش پرست یا بت پرست، ہندو یا سکھ، آریہ، بدھ وغیرہ سب اسی عموم میں داخل ہیں" (معارف القرآن ۳/۶۱)۔

۵- نسلی قادیانی زندیق ہیں:

ہر وہ شخص جو لعین ومردود مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانے ان کی پیش کردہ من گھڑت کہانیوں اور بکواس کو نئی شریعت سمجھے اسے قادیانی کہا جاتا ہے، جو خارج از اسلام ہے، البتہ جس نے مذہب اسلام کو چھوڑ کر بلا واسطہ قادیانیت کو اختیار کیا وہ مرتد ہے اس پر مرتد کے احکام نافذ ہوں گے، اور جو نسلی یعنی بالواسطہ قادیانی ہے وہ زندیق ہے، اس کا شمار اہل کتاب میں قطعاً نہیں ہو سکتا ہے، اس لئے کہ اہل کتاب کی تعریف ہے: "کل من یعتقد دینا سماویا ولہ کتاب منزل فھو من اھل الکتاب" (عالمگیری ص ۲۸۱) یعنی جو آسمانی دین کو مانتا ہو اور اس کے پاس اللہ کی نازل کردہ کتاب بھی ہو (خواہ صحیفہ کی شکل میں) وہ اہل کتاب ہے، بلکہ امام قرطبی کے قول سے تو اہل کتاب کے مصداق صرف یہود ونصاریٰ معلوم ہوتے ہیں، (قرطبی ۲/۲۶) اور قادیانیوں کے پاس نہ کوئی آسمانی کتاب ہے اور نہ ہی وہ کسی دین سماوی کو مانتے ہیں، لہذا قادیانی کسی بھی صورت میں اہل کتاب کہلانے کے مستحق نہیں ہیں، چنانچہ مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی موطا کی شرح المسوی کے اندر ختم نبوت کے بالواسطہ انکار کرنے والوں کو زندیق قرار دیا ہے۔

۶- الف: دار الاسلام میں اہل کتاب خواتین سے نکاح کا حکم:

گذشتہ سطور میں موجودہ دور کے یہود ونصاریٰ کی جس اصلیت کو بیان کیا گیا ہے اس لحاظ سے ان کا شمار اہل کتاب میں ہرگز درست نہیں، خواہ وہ دار الکفر میں رہتے ہوں یا دار الاسلام کے باشندہ ہوں، غضب بالائے غضب یہ کہ اس زمانہ میں جو عیسائی اور یہودی خواتین ہیں اور نام کے واسطے اہل کتاب کہلاتی ہیں عموماً ان کے اندر زنا، فحاشی، اور ناجائز تعلقات کی اتنی کثرت ہے جس کو سن کر انسانیت کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے، اور جس نے گویا حیوانوں کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے، مزید برآں عالم اسلام کے مسلم حکمرانوں، فوجی کمانڈروں، اور اعلیٰ سرکاری عہدیداروں کے یہودی اور عیسائی عورتوں سے نکاح کرنے نے اسلامی

دنیا کو جو غیر معمولی فوجی، سیاسی اور معاشی نقصان پہنچایا ہے وہ ہر خاص وعام کے سامنے کھلی کتاب ہے، نیز اس وقت عالمی سطح پر صلیب کی حکمرانی ہے، صلیبی طاقتیں ہر وقت اس کوشش اور پلاننگ میں ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے، خواہ اس کے لئے پانی کی طرح مال خرچ کرنا پڑے یا اپنی کمسن خوبصورت حسیناؤں کی عزت وناموس کو داؤ پر لگانا پڑے، لہذا مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ دارالاسلام میں بھی کتابیہ عورتوں سے نکاح کو ناجائز اور حرام قرار دیا جائے۔

ب- دار الکفر میں اہل کتاب سے نکاح کا حکم:

اسلام میں نکاح ایک مقدس اور پاکیزہ رشتہ ہے، اس سے ایمان میں پختگی اور کمال پیدا ہوتا ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"إذا تزوج العبد فقد استكمل نصف الإيمان" (مشكاة ص ۲۶۷)

نیز اس سے عفت اور پاکدامنی بھی حاصل ہوتی ہے، فرمان رسالت ہے:

"يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج" (مشكوة ۲/ ۲۶۷)

نکاح کا مقصد حصول اولاد بھی ہے آپ نے فرمایا: "تزوجوا الودود الولود فاني مكاثر بكم الأمم" (مشكاة ۲/ ۲۶۷)

گویا کہ نکاح کے اندر مختلف جہات سے عبادت کے پہلو پائے جاتے ہیں اس لئے صرف مغربی ممالک کے ویزا وغیرہ کے حصول کے لئے بے دین نام نہاد اہل کتاب یہودی یا عیسائی لڑکیوں سے شادی رچانا نکاح کے عبادتی پہلو کو دنیا کی حقیر شئ کے بدلہ فروخت کرنے اور اس کی اصل حیثیت کو ختم کرنے کے مترادف ہوگا، جو ہرگز درست نہیں، جہاں تک سوال ہے دعوتی نقطہ نظر سے نکاح کرنے کا تو اس حوالہ سے یہ عرض ہے کہ دار الکفر میں اہل کتاب خواتین سے نکاح بعض فقہاء کے نزدیک حرام اور احناف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، جو حرام کے قریب ہے (خلاصۃ الفتاوی ۴/ ۳۸۱)، اور حرام کا ارتکاب یقیناً معصیت ہے، اور اصلاح وتبلیغ کی نیت سے معصیت کا ارتکاب ناجائز ہے بلکہ کسی مصلحت کی بناء پر حکم شرعی کو چھوڑ دینا الحاد اور بے دینی ہے (احسن الفتاوی ۸/ ۱۹۰)۔

علاوہ ازیں صحابہ کرام کا دور تو سراپا خیر اور بھلائی کا زمانہ تھا اس وقت دعوت وتبلیغ اور اشاعت اسلام کی آج سے زیادہ ضرورت تھی، نیز صحابہ کرام صحبت رسول کی برکت سے بہت سارے گناہوں بلکہ ان کے خیالات سے بھی پاک تھے، اسی لئے انہیں من جانب اللہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مبارک تمغہ ملا ہوا تھا، دوسری طرف عیسائیوں اور یہودیوں پر عالم اسلام کا رعب، دبدبہ اور خوف طاری تھا ان کے پاس اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کی اتنی شکلیں بھی موجود نہیں تھیں جتنی آج ہیں، مگر ان سب کے باوجود سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں مسلم گورنروں کو اہل کتاب کے ساتھ نکاح کرنے سے باز رہنے کی خصوصی ہدایات فرمائیں (جس کی مکمل تفصیلات احکام القرآن ۳/ ۴۲۳، اور فتح القدیر ۳/ ۲۳۰ میں موجود ہیں)۔

لہذا جب خیر القرون میں کتابیہ سے نکاح کو امر مستحسن نہیں سمجھا گیا تو آج جب کہ ہر طرف بے دینی کا ماحول ہے اور دشمنان اسلام، اسلام اور مسلمانوں کو نیست ونابود کردینے کے درپے ہیں، ایسے حالات میں دوسروں کے ایمان کی انتہائی کمزور امید پر اپنے اور آنے والی نسلوں کے ایمان وعقیدہ کو داؤ پر لگا دینا کہاں کی دانشمندی ہوگی، اس لئے دار الکفر میں کتابیہ عورت سے نکاح کے حوالہ سے فقہاء احناف کے نقطہ نظر کو ہی اختیار کرنا مناسب ہوگا۔

۷- برادران وطن کے اوتار اور ان کی مذہبی کتابیں:

اس سوال کو ہم دو شق میں تقسیم کرسکتے ہیں:

(الف) برادران وطن جن شخصیتوں کو خدا کا اوتار مانتے ہیں، کیا یقین کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے عہد میں اللہ کے پیغمبر رہے ہوں؟

(ب) کیا برادران وطن کی مذہبی کتابوں کو قرآن مجید کی بیشتر اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں موافقت کی بنیاد پر الہامی کتاب تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

درحقیقت انبیاء کرام سے متعلق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ کتاب وسنت میں جن انبیاء کا ذکر آیا ہے ان پر ایمان لانا ان کو نبی ماننا واجب ہے ، اور جن کی نبوت ورسالت کا ذکر نہ قرآن میں ہو اور نہ حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں بالتعیین یہ کہنا کہ یہ اللہ کا نبی ہے حرام ہے، چنانچہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جس طرح کسی نبی ثابت النبوت کی نبوت کا انکار کرنا جائز نہیں اسی طرح کسی غیر ثابت النبوۃ کی نبوت کا اقرار بھی جائز نہیں ہے، بعض انبیاء کے نام قرآن وحدیث میں آئے ہیں ان کے علاوہ کسی معین شخص کی نبوت پر ایمان لانے کی تعلیم اسلام نے نہیں دی، بلکہ اجمالی

طور پر ایمان کا حکم ہے" (فتاوی محمودیہ: ۳/۲۱۳)۔

تقریباً یہی بات ملا علی قاریؒ نے بھی تحریر کی ہے: "فیجب الإیمان بالأنبیاء والرسل مجملا من غیر حصر لئلا یخرج أحد منهم ولا یدخل أحد من غیرهم فیهم" (مرقات ۵/ ۳۵۰۶ باب بدأالخلق) (بغیر کسی تعیین کے انبیاء و رسل پر اجمالی ایمان لانا ضروری ہے تاکہ کوئی نبی سلسلۂ انبیاء سے خارج نہ ہو جائے اور کوئی غیر نبی اس سلسلۂ نبوت میں داخل نہ ہو سکے)۔

مزید برآں حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے تو برادران وطن کے چند اوتار کا نام ذکر کر کے فرمایا کہ ان کو نبی ماننے والا خطا کار ہے "پس کسانے کہ شری کرشن را نبی می دانند خاطی ہستند" پس جو لوگ شری کرشن کو نبی جانتے ہیں خطا کار ہیں، اس لئے کہ شری کرشن کی نبوت پر کوئی دلیل ادلۂ شرعیہ میں موجود نہیں ہے، یہی حال ہندوؤں کے دیگر اوتار اور پیشواؤں کا بھی ہے (کفایت المفتی: ۱/۹۹)۔

بعینہ یہی صورت حال وید وغیرہ کے آسمانی والہامی کتاب ہونے کی ہے، چنانچہ حضرت مفتی شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں "وید اور گرنتھ یا ژند وشت وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحی الٰہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے، اور صرف یہ امکان کہ شاید زبور اور صحف ابراہیم علیہ السلام ہی کی مسخ شدہ وہ صورت، ہو جس کو بدھ مت کی کتاب یا وید یا گرنتھ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے امکان محض اور احتمال محض ہے جو ثبوت کے لئے کافی نہیں" (معارف القرآن ج ۳)۔

علاوہ ازیں، بہت سے ہندو محققین نے بھی وید کو الہامی کتاب ماننے سے انکار کیا ہے، چنانچہ نمونہ کے طور پر یہاں صرف جواہر لال نہرو کی ایک تحریر نقل کی جاتی ہے، وہ لکھتے ہیں "بہت سے ہندو ویدوں کو الہامی کتاب سمجھتے ہیں یہ میرے نزدیک ہماری بڑی بدقسمتی ہے، کیونکہ اس طرح ان کی حقیقت ہم سے اوجھل ہو جاتی ہے، وید صرف اس زمانہ کے معلومات کا مجموعہ ہیں" (دی ڈسکوری آف انڈیا ص ۷۷)۔

مذکورہ تفصیلات کے پیش نظر بندہ کی رائے اس مسئلہ میں یہ ہے کہ برادران وطن کے کسی بھی اوتار کو بالیقین نبی یا رسول نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح ان کی کسی بھی مذہبی کتاب کو آسمانی اور الہامی کتاب قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

۸- الف: اسلامی ماحول میں عصری درس گاہوں کا قیام:

(الف) خالق کائنات نے اپنے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کا روشن چراغ بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا اس لئے قرآن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ جس حیثیت کو نمایاں کیا ہے وہ یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "معلم" ہیں، ارشاد باری ہے: یعلمهم الکتاب والحکمة۔ (آل عمران: ۱۶۴) نبوت ملنے کے بعد ہر چند کہ مکہ تمام تر برائیوں کی آماج گاہ بنا ہوا تھا، لیکن سب سے پہلی وحی میں نہ تو شرک کی تردید ہے اور نہ خدا پر ایمان لانے کا صراحت کے ساتھ تذکرہ، حتی کہ اس میں آپ کی نبوت و رسالت کا بھی اعلان نہیں ہے اور نہ ہی اس ظلم و جور اور نا اتفاقی اور جنگ و جدال کی مذمت، جو عرب سماج کے مزاج میں داخل ہو گیا تھا، بلکہ پہلی وحی میں انسانیت کو تاکید کے ساتھ تعلیم کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، فرمان الٰہی ہے: "اقرأ باسم ربك الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربك الاکرم، الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم" (علق) اسی تاکید کا نتیجہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام تر مشکلات اور دشواریوں کے باوجود مکی زندگی میں صفا کی چوٹی پر واقع دار ارقم کو تعلیم و تربیت کا مرکز بنایا، پھر ہجرت سے قبل ہی اہل مدینہ میں علم کی روشنی بکھیرنے کے لئے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا: "فکان یقرأهم القرآن ویعلمهم" (طبقات ابن سعد ۴/۱۱۸) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی، اور اسی سے متصل ایک چبوترہ تعلیمی مقصد کے لئے بنایا جسے صفہ کہا جاتا تھا، گویا یہ اسلامی تاریخ کا پہلا مدرسہ تھا، اس کے علاوہ مختلف زاویے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی فضیلت اور اہمیت اور ضرورت کو بیان کر کے پوری انسانیت کا ذہن اس کی جانب مبذول کرایا، یہی وجہ ہے کہ دور نبوت کے کئی سو سال بعد تک پوری دنیا میں ہر میدان کے اندر مسلمانوں ہی کے علمی کمالات کا چرچہ ہوتا تھا۔

مگر افسوس صد افسوس کس کی نظر بد لگ گئی کہ رفتہ رفتہ مسلمان علم سے اتنا دور ہوتے گئے جتنا وہ اس سے قریب تھے، اور یہ مکمل سرمایہ خصوصاً عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا، اور انہوں نے سوچی سمجھی پلاننگ کے تحت اپنے مذہب کی ترویج و اشاعت اور مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے کے لئے پوری دنیا میں خصوصاً عصری اسکول کا جال بچھا دیا، اچھے معلم کا انتظام کیا، تعلیم پر خصوصی توجہ دی اور پانی کی طرح مال کو بہایا، مگر ساتھ ساتھ مسلمانوں کو ان کے اسلامی عقائد سے دور کر دینے کی ناپاک کوشش بھی کی، ہم مسلمان ان کے تعلیمی نظام سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہم نے اپنے معصوم نونہالوں کو ان کے حوالہ کر دیا، یہ صحیح ہے کہ وہ تعلیمی

میدان میں بہت حد تک کامیاب تو ہوگئے، مگر اکثر و بیشتر اس طرح کے تعلیم یافتہ نوجوان الحاد و دہریت کا شکار ہو گئے، اسلام کے حوالے سے ان کے ذہنوں میں شکوک وشبہات کے کانٹوں نے جڑ پکڑ لیا، اور بالآخر ایک بڑی تعداد نے اپنے سب سے بڑے سرمایہ ایمان کو کھو دیا۔

اس لئے تمام مسلمانوں پر آج کے حالات میں ضروری ہے کہ اپنے بچوں کو حتی الامکان عیسائی اسکولوں سے بچائیں، اور انہی کے معیار کے برابر بلکہ ان سے بھی عمدہ نظام والا اسکول اپنے اپنے علاقوں میں قائم کریں تاکہ ان کے بچے ایمان کی حفاظت کے ساتھ معیاری عصری تعلیم بھی حاصل کر سکیں، اور ان کو روزگار کے مواقع فراہم ہو سکیں۔

۸، ب: کتابیہ بیوی کے حقوق:

عصر حاضر کے یہود ونصاریٰ صرف مردم شماری کی حد تک اہل کتاب ہیں ورنہ عموماً یہ حضرات خدا کے وجود کا انکار کرتے ہیں، نبوت اور رسالت کو ماننے کے لئے تیار نہیں، اسی طرح عقیدہ آخرت سے انکا کوئی سروکار نہیں، لہٰذا یہ سب الحاد اور بے دینی کے شکار ہیں، ان کی عورتوں سے اب نکاح کرنا بالکل درست نہیں تو پھر حقوق کا کیا مطلب؟ ہاں اگر کسی نے ان سب کے باوجود کسی کتابیہ سے شادی کر رکھی ہے، تو دانش مندانہ قدم تو یہ ہوگا کہ آپسی رضامندی کے ساتھ ان کو طلاق پر آمادہ کرلے اگر یہ بھی مشکل نظر آرہا ہو تو ان فقہاء کے قول پر عمل کرتے ہوئے میاں بیوی ازدواجی زندگی بسر کرے جو کتابیہ سے نکاح کے جواز کے قائل ہیں، اس صورت میں اہل کتاب بیوی کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو مسلمان بیوی کے ہوتے ہیں، جن کی مکمل تفصیلات کتاب وسنت میں موجود ہیں، اور اس کی تائید فتاویٰ عالم گیری کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے، "یجب علی الرجل نفقة امرته المسلمة والذمية" (۱/ ۵۴۴ کتاب الطلاق)۔

البتہ کسی بھی اہل کتاب خاتون کو مسلمان مرد کے نکاح میں رہتے ہوئے اپنے شوہر کے گھر میں ان مذہبی مراسم کو انجام دینے کی قطعاً اجازت نہیں ہوگی، جو اسلام کے معارض اور مقابل ہوں، اس لئے کہ اس سے زوجین کے مابین نزاع اور اختلاف پیدا ہونے کا امکان قوی ہوگا، نیز عام طور پر بچے اس طرح کے امور میں اپنی ماں کے نقش قدم پر چلتے ہیں، اور مسلمان باپ کی اولاد اگر اپنی کتابیہ ماں جیسی عبادت اور مذہبی رسوم انجام دینے لگے تو آہستہ آہستہ وہ اسلام سے دوری کا سبب بن جائیگا، جس کا وبال باپ پر ہوگا، ارشاد خداوندی ہے: "یایھا الذین اٰمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا" (التحریم: ۶)۔

۸، ج: عیسائی مشنریز کی خدمات سے استفادہ:

ہمارا تعلق آسام سے ہے جہاں اکثر علاقے ہر سال مہینوں سیلاب کی زد میں رہتے ہیں، اس کے علاوہ مختلف ممالک کی سرحدوں سے یہ صوبہ ملا ہوا ہے، جس کی بناء پر یہاں بسنے والے لوگ مختلف مصائب اور آفات سے دوچار رہتے ہیں، سیلاب کی تباہی اور دیگر آفات سے پہنچنے والے ناقابل بیان نقصانات کے بعد متاثرہ علاقوں میں عیسائی مشنریز حرکت میں آجاتی ہیں اور بڑی چالاکی اور عیاری کے ساتھ خصوصاً مسلم علاقوں میں ان کے عملہ تقسیم ریلیف کا کام کرتے ہیں، لیکن مالی تعاون اور خدمت خلق کے ساتھ ان کا ہدف اصلی یہ ہوتا ہے کہ وہ غریب اور پسماندہ مسلمانوں کے متاع عزیز یعنی ایمان کو ان سے چھین لے، چنانچہ کئی سال قبل نشیبی آسام میں اسی طرح کے حالات پیدا ہو گئے تھے، اور بہت سارے معتبر اور قابل وثوق ذرائع سے یہ خبریں موصول ہوئیں کہ ان علاقوں میں ریلیف تقسیم کرنے والے عیسائی مبلغین مسلمانوں کو مرتد بنانے کی جان توڑ کوشش کر رہے ہیں، یہ تو اللہ کا خاص کرم ہوا کہ پورے آسام کے علماء حرکت میں آگئے اور رب ذوالجلال نے محض اپنے فضل وکرم سے بھولے بھالے مسلمانوں کو اس فتنہ سے بچایا۔

یہ واقعہ اگرچہ ایک علاقہ کا ہے، لیکن آئے دن کے اخبارات اور مختلف ذرائع ابلاغ سے خبریں موصول ہوتی رہتی ہیں کہ اس جیسی بلکہ اس سے زیادہ خطرناک سرگرمیاں عیسائیوں کی طرف سے پوری دنیا میں چل رہی ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے اور انہیں چاہیے کہ حتی الامکان اس طرح کی خدمات سے استفادہ نہ کریں۔



ہندو مذہب کی مذہبی کتابیں اور شخصیات سے متعلق احکام

مولانا عبدالرب سعادتی[1]

جواب: اس سلسلے میں دو رائیں ملتی ہیں:

(الف): - بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہندو مذہب میں توحید، نبوت اور آخرت کے بنیادی تصورات پائے جاتے ہیں، مرزا مظہر جان جاناں ہندوؤں کو موحدین شمار کرتے تھے، جو ان کے بقول ضلال وانحراف کا شکار ہو گئے، البیرونی کا نظریہ یہ ہے کہ مورتی پوجا عوام کا مذہب ہے، خواص کا نہیں، شاہ عبدالعزیزؒ کہتے ہیں کہ رام اور کرشن اولیاء ہوں گے، اس لئے انہیں برے القاب سے یاد نہیں کیا جانا چاہئے، یہ بات یقیناً غور وفکر کی ہے کہ اگر قرآن کے مطابق ہر قوم اور ہر قریہ میں انبیاء بھیجے گئے تو یہ قوم بھی ان سے خالی نہ رہی ہوگی (مذاکرات کی شرعی بنیادی، ایفا پبلیکیشنز/ص ۱۳۵)۔

نیز بعض تعلیم یافتہ جدید ذہن کے لوگ گوتم بدھ کو بھی پیغمبروں میں شمار کرتے ہیں (آپ کے مسائل اور ان کا شرعی حل ۱/ ۲۳)، اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ چونکہ وہ علاقہ کپل (کپل وسط) کے بادشاہ تھے جس کا محرف کفل ہے اور قرآن کریم میں ایک پیغمبر کو ذوالکفل لکھا ہے، تو وہاں بدھ ہی مراد ہیں (مستفاد از امداد الفتاوی ۶/ ۱۱۶)۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ کرشن جی نبی اور وید الہامی کتاب ہے (کفایۃ المفتی ۱/ ۱۲۰)، اور نئی روشنی اور انگریزی تہذیب کے چند آدمی کہتے ہیں کہ ہندو کے اوتار کرشن کیا تعجب ہے کہ نبی ہوں اور اس کی تصنیف کردہ گیتا منزل من اللہ ہے اور استشہاداً کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں: "وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولاً" اور ہندوستان میں کوئی نبی تو آیا نہیں تو یقینی ہے کہ کرشن ہی نبی تھا، نیز کہتے ہیں کہ "اسود الھند نبی" ایک حدیث ہے اس کے مصداق وہی کرشن کو بتلاتے ہیں (کفایۃ المفتی ۱/ ۱۳۹-۱۴۰)۔

اسی طرح بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ "رگ وید کی تعلیمات کا ایک بڑا حصہ توریت اور صحف ابراہیم سے ماخوذ ہے":

ان جزءاً كبيرًا من تعليمات "ريج فيدا" أخذت من التوراة و صحف إبراهيم" (دراسات في اليهودية والمسيحية واديان الهند للدكتور محمد ضياء الرحمن اعظمي/ ص ۷۰۶. بحواله ميثاق النبيين/ ص ۹۶)۔

(ب): - محقق رائے یہ ہے کہ برادران وطن جن شخصیتوں کو خدا کا اوتار مانتے ہیں، ان کے حالات معتبر اور باوثوق ذرائع سے ہم تک نہیں پہنچے ہیں، اور جو حالات ہندوؤں کی کتابوں میں ملتے ہیں وہ قابل اعتماد نہیں ہیں، اس لئے ہم قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے، ہاں احتمال کے درجے میں بغیر جزم کے بیان کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ نے آیت کریمہ "یٰمعشر الجن و الانس الم یأتکم رسل منکم۔۔الخ (سورۂ انعام: ۱۳۰) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے "حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے فرمایا کہ ہندوستان کے ہندو جو اپنی وید کی تاریخ ہزار سال پہلے کی بتلاتے ہیں اور اپنے مقتدا اور بزرگ جن کو وہ اوتار کہتے ہیں، اس زمانے کے لوگوں کو بتلاتے ہیں، کچھ بعید نہیں کہ وہ ہی جنات کے رسول و پیغمبر ہوں اور ان ہی کی لائی ہوئی ہدایات کسی کتاب کی صورت میں جمع کی گئی ہوں، ہندوؤں کے اوتار کی جو تصویریں اور مورتیاں مندروں میں رکھی جاتی ہیں، وہ بھی اسی انداز کی ہیں کہ کسی کے کئی چہرے ہیں، کسی کے بہت سے ہاتھ پاؤں ہیں، کسی کے ہاتھی کی طرح سونڈ ہے، جو عام انسانی شکلوں سے بہت مختلف ہیں اور جنات کا ایسی شکلوں میں متشکل ہونا کچھ مستبعد نہیں، اس لئے کچھ بعید نہیں کہ ان کے اوتار جنات کی قوم میں آئے ہوئے رسول یا ان کے نائب ہوں اور ان کی کتاب بھی ان کی ہدایات کا مجموعہ ہو، پھر رفتہ رفتہ جیسے دوسری کتابوں میں تحریف ہو گئی، اس میں بھی تحریف کر کے شرک وبت

[1] جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، گجرات۔

پرستی داخل کردی گئی (معارف القرآن، سورۂ انعام، /ص ۴۵۶)۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی اصل عبارت درج ذیل ہے: ''ومن هنا ظهر ان ما يدعوا أهل الهند من البرازخ و يسمونهم أوتارا يذكرون في تواريخهم الوف و مأة الوف من السنين لعلهم كانوا من الجن برازخ مبعوثين إلى الجن. ولعل لأهل الهند دين منزل من الله تعالى عن الجن استفاد منهم الإنس'' (تفسير المظهرى ۳/ ۳۱۴)۔

الغرض ہندوؤں کے اوتار میں سے کسی خاص شخص کے بارے میں نہ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ نبی ہیں اور نہ اعتقاد رکھ سکتے ہیں جب تک کہ اس کی نبوت کا ثبوت ہمیں نہ مل جائے، اس لئے کہ بدون قطعی دلیل کے کسی کی پیغمبری کا اعتقاد جائز نہیں، ہاں امکان ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوں، اس لئے کہ انبیاء ورسل تو بہت سے مبعوث ہوئے ہیں، لیکن سب کے نام قرآن یا احادیث میں مذکور نہیں صرف چند پیغمبروں کے نام آئے ہیں۔

''ولقد أرسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص عليك'' (سورۂ مومن: ۷۸)۔

شریعت کا حکم اس سلسلے میں یہ ہے کہ جن انبیاء کرام کے نام واحوال معلوم ہیں (اور وہ غالباً چھبیس ۲۶ ہیں) ان پر تو تفصیلاً ایمان رکھنا ضروری ہے، باقی حضرات پر اجمالاً ایمان رکھا جائے، یہی حکم ویدوں کو الہامی کتاب ماننے کا بھی ہے، چند ارباب افتاء کی عبارات درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت تھانویؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا مہاتما بدھ پیغمبر ہے چونکہ وہ علاقہ کپل (کپل وسط) کے بادشاہ تھے، جس کا محرف کفل ہے، اور قرآن کریم میں جہاں ایک پیغمبر کو ذوالکفل لکھا ہے کہ کیا وہاں بدھ ہی تو مراد نہیں؟ تو حضرت نے جواباً لکھا: ''کیا یہ قرائن استدلال کے لئے کافی ہوسکتے ہیں، اور کیا بدون دلیل قطعی کے کسی کی پیغمبری کا اعتقاد جائز ہے، جیسا کہ فسق وکفر کا بھی بدون ایسی دلیل کے اعتقاد رکھنا جائز نہیں، ایسا ہی استدلال مرزا نے بھی کیا ہے کہ حدیث ''فيقلته (اى يقتل عيسى الدجال) بباب لد'' میں لد سے مراد لدھیانہ ہے، کیا ان دونوں میں کوئی معتد بہ فرق ہے؟'' (امداد الفتاوی ۶/ ۱۱۶)۔

(۲) اسی طرح مفتی کفایت اللہ صاحب ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں ''کرشن جی کو نبی کہنا بے دلیل اور بے ثبوت ہے، وید کا الہامی کتاب ہونا بے ثبوت ہے، ہاں نبی اور رسول بہت ہوئے ہیں، اور سب کے نام قرآن مجید اور حدیثوں میں نہیں آئے، صرف تھوڑے سے پیغمبروں اور رسولوں کے نام آئے ہیں، مگر جس شخص کو نبی کہا جائے اس کی نبوت کا ثبوت بھی تو درکار ہے، اور کرشن جی کی نبوت کا کوئی ثبوت موجود نہیں، اس لئے ان کو نبی کہنا غلط ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں اگر کرشن جی کی تعلیم صحیح تھی اور ان کے افعال انبیاء علیہم السلام کے افعال کی طرح جادۂ نبوت کے موافق تھے تو ممکن ہے کہ وہ نبی ہوں، لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ نبی تھے، ہاں ہر قوم میں ہادی کا آنا آیت سے ثابت ہے، لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ ہر قوم کے کسی خاص شخص کو ہم نبی کہنے لگیں (کفایۃ المفتی ۱/ ۱۲۹-۱۳۰)۔

(۳) ایک دوسرے استفتاء کے جواب میں رقم طراز ہیں ''جو اوتار اور رشی ہندوستان میں آئے ان کے حالات معتبر ذرائع سے ہم تک نہیں پہنچے ہیں، اور جو حالات کہ ہندوؤں کی کتابوں میں ملتے ہیں قابل اعتماد نہیں اور اس صورت میں اس امر کا امکان ہے کہ ان میں سے کوئی شخص صحیح العقیدہ اور صحیح الاعمال بھی ہو، اور حق تعالیٰ کی طرف سے مبعوث بھی ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ''ولکل قوم ہاد'' کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ہندوستان میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہادی اور رہنما ضرور آیا ہوگا، لیکن ہم ان اوتاروں میں سے کسی خاص شخص کو نہ مبعوث جانتے ہیں، نہ کہہ سکتے ہیں، نہ اعتقاد رکھ سکتے ہیں، جب تک کہ اس کی نبوت کا ثبوت ہمیں نہ مل جائے اور اس کے حالات اور تعلیم کی نوعیت قطعی دلائل سے معلوم نہ ہوجائے (کفایۃ المفتی ۱/ ۱۴۸)۔

(۴) مفتی شفیع صاحب نے معارف القرآن میں دوٹوک انداز میں لکھا ہے ''باقی زبور اور صحف ابراہیم علیہ السلام نہ کہیں محفوظ ن موجود ہیں، نہ کوئی قوم ان کی اتباع کی دعویدار ہے، اور ''وید'' اور ''گرنتھ'' یا ''زردشت'' وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں، ان کے وحی الٰہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے، اور صرف یہ امکان کہ شاید زبور اور صحفِ ابراہیم کی مسخ شدہ وہ صورت ہو جس کو بدھ مت کی کتاب یا ''وید'' یا ''گرنتھ'' وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے، امکانِ محض اور احتمالِ محض ہے۔ جو ثبوت کے لئے کافی نہیں

(معارف القرآن ۳/ ۶۱)۔

(۵) مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحبؒ سے سوال کیا گیا کہ تعلیم یافتہ اور جدید ذہن کے لوگ گوتم بدھ کو بھی پیغمبروں میں شمار کرتے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ''قرآن وحدیث میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں آیا ہے، اس لئے ہم قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے، شرعی حکم یہ ہے کہ جن انبیاء کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی قرآن کریم میں ذکر کئے گئے ہیں ان پر تو تفصیلاً قطعی ایمان رکھنا ضروری ہے اور باقی حضرات پر اجمالی ایمان رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے بندوں کی ہدایت کے لئے جتنے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے، خواہ ان کا تعلق کسی خطۂ ارضی سے ہو، اور خواہ وہ کسی زمانے میں ہوئے ہوں، ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱/ ۳۳-۳۴)۔

اور رہیں وہ آیات کریمہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر امت اور ہر قوم میں انبیاء بھیجے گئے مثلاً: "إنما أنت منذر ولكل قوم هاد" (سورۂ رعد: ۷) اور "ولقد بعثنا في كل امة رسولا" (سورۂ نحل: ۳۶) نیز "وإن من أمة الا خلا فيها نذير" (سورۂ فاطر: ۲۴) وغیرہ جن سے ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں بھی اللہ کے پیغمبر ضرور آئے ہوں گے تو مفتی شفیع صاحب نے لکھا ہے ''اس آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ کوئی قوم اور کوئی خطۂ ملک اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور ہدایت کرنے والوں سے خالی نہیں ہوسکتا، خواہ وہ کوئی نبی ہو یا اس کے قائم مقام نبی کی دعوت کو پھیلانے والا ہو، جیسا کہ سورۂ یٰسین میں نبی کی طرف سے کسی قوم کی طرف پہلے دو شخصوں کو دعوت و ہدایت کے لئے بھیجنے کا ذکر ہے، جو خود نبی نہیں تھے، اور پھر تیسرے آدمی کو ان کی تائید ونصرت کے لئے بھیجنا مذکور ہے، اس لئے اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندوستان میں بھی کوئی نبی ورسول پیدا ہوا ہو البتہ دعوت رسول کے پہنچانے اور پھیلانے والے علماء کا کثرت سے یہاں آنا بھی ثابت ہے، اور پھر یہاں بے شمار ایسے ہادیوں کا پیدا ہونا بھی ہر شخص کو معلوم ہے (معارف القرآن، سورہ رعد/ ص ۱۷۶)۔

سوال (۸):- اہل کتاب سے سماجی تعلقات کے سلسلہ میں دو باتیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں!

جواب:- اس سوال میں کل چار باتیں حل طلب ہیں:

(الف):- موجودہ حالات میں مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کا مشنری اسکولوں میں داخلہ لینے کا کیا حکم ہے؟ کیا مسلمانوں کو اپنے علاقے میں ایسے اسکولوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے یا متبادل معیاری درسگاہوں کے قیام پر توجہ دینی چاہئے؟ اس کا جواب دینے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تھانوی کے ایک مضمون کا خلاصہ ذکر دیا جائے، حضرت تھانوی نے ایک مضمون بعنوان ''تحقیق تعلیم انگریزی'' تحریر فرمایا تھا، جس میں دس مقدمات کے بعد انگریزی تعلیم کا حکم شرعی تحریر فرمایا تھا، اس پورے مضمون کو نقل کرنا تو تطویل ممل کا سبب ہوگا، البتہ اس کا خلاصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے جو حضرت تھانوی ہی کے قلم سے امداد الفتاویٰ (امداد الفتاوی ۶/ ۱۵۶) کا جزء بن کر شائع ہو چکا ہے، جو حسب ذیل ہے: ''رسالۂ تحقیق تعلیم انگریزی میں مفصل جواب لکھا ہے، مختصر یہ ہے کہ انگریزی مثل اور زبانوں کے ایک مباح زبان ہے، مگر تین عوارض سے اس میں خرابی آجاتی ہے۔

اول بعض علوم اس میں ایسے ہیں جو شریعت کے خلاف ہیں، اور علم شریعت سے واقفیت ہوتی نہیں، اس لئے عقائد خلاف ہو جاتے ہیں جس میں بعض عقائد قریب کفر، بلکہ کفر ہیں، دوسرے اگر ایسے علوم کی بھی نوبت نہ آئے تو اکثر صحبت بد دینوں کی رہتی ہے ان کی بددینی کا اثر اس شخص پر آجاتا ہے کبھی اعتقاداً جس کا حکم اوپر معلوم ہو چکا کبھی عملاً جس سے نوبت فسق کی آجاتی ہے۔ تیسرے اگر صحبت بھی خراب نہ ہو یا وہ مؤثر نہ ہو تو کم از کم اتنا ضرور ہے کہ یہ نیت رہتی ہے کہ اس کو ذریعہ معاش بناویں گے، خواہ طریقۂ معاش حلال ہو یا حرام اور یہ مسئلہ عقلاً نقلاً ثابت ہے کہ جو مباح ذریعہ کسی حرام کا بن جائے وہ حرام ہو جاتا ہے، پھر ایسا عزم خود معاصی قلب سے ہے تو اس صورت میں فسق ظاہری کے ساتھ فسق باطنی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اگر کوئی ان عوارض سے مبرا ہو یعنی عقائد بھی خراب نہ ہوں جس کا آسان طریقہ بلکہ متعین طریقہ یہی ہے کہ علم دین حاصل کر کے یقین کے ساتھ اس کا اعتقاد رکھے اور اعمال بھی خراب نہ ہوں عزم بھی یہ رہے کہ اس سے وہی معاش حاصل کریں گے جو شرعاً جائز ہوگی۔ اور پھر اسی کے موافق عمل در آمد بھی کرے تو ایسے شخص کے لئے انگریزی مباح اور درست ہے اور اگر اس سے بڑھ کر یہ قصد ہو کہ اس کو ذریعہ خدمت دین بناویں گے تو اس کے

لئے عبادت ہوگی، لیکن اس اخیر صورت میں پاس حاصل کرنے کی کوشش کرنا اس دعوے کا مکذب ہوگا کیونکہ اس خدمت کے لئے صرف استعداد کافی ہے، حاصل یہ کہ انگریزی کبھی حرام کبھی مباح کبھی عبادت'' (امداد الفتاوی ۶/ ۱۵۶-۱۵۷)۔

اب پورے مضمون پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں سے تعلیم و تعلم فی نفسہ مباح اور جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الحکمة ضالة المؤمن (ترمذی شریف ۲۶۸۷)، آج جس تعلیم کو ہم عصری تعلیم یا جدید تعلیم کہتے ہیں وہ اس حکمت کا مصداق ہے، چنانچہ جنگ بدر کے قیدیوں میں جو لوگ پڑھنے لکھنے سے واقف تھے، آپؐ نے اس کا فدیہ یہی مقرر کیا تھا کہ وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں، اس لئے تعلیم و تعلم کے مقدس رشتے میں مذہب کی بنیاد پر کوئی تفریق روا نہیں رکھی گئی ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام اور جدید سائنس وٹکنالوجی دو متضاد چیزیں ہیں، اور اگر اسلام اس کا مخالف نہیں تو کم از کم علمائے اسلام اس کے مخالف ہیں، لیکن یہ دونوں باتیں خلاف واقع ہیں، اسلام کسی بھی فن علم کے حصول کا مخالف نہیں ہے، آج کے اس ترقی یافتہ دور میں سائنس وٹکنالوجی کی تعلیم اسلام کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لئے نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ایک حد تک ضروری ہے، قرآن کی سینکڑوں آیات کا تعلق آج کے جدید انکشافات سے ہے، علم جغرافیہ وتاریخ کے بغیر پچھلی امتوں کے حالات صحیح طور پر سمجھے نہیں جاسکتے، علم ریاضی کے بغیر اسلام کے ایک اہم رکن تقسیم میراث سے واقفیت ہو ہی نہیں سکتی، معاشیات کا علم تو قرآن کے اعجاز کو سمجھنے کے لئے از حد ضروری ہے، اسلام میں جدید وقدیم کی کوئی تقسیم نہیں، یہ سب علوم تو بہت پرانے ہیں اب صرف نام بدل گئے ہیں، تو جو چیز اسلام کے خلاف نہ ہو، علماء کی طرف سے اس کی مخالفت کے کوئی معنی نہیں۔

بہر حال غیر مسلموں سے تعلیم و تعلم فی نفسہ جائز ہے، البتہ خرابی تین عوارض کی وجہ سے اس میں آتی ہے:

(اول):- ان مشنری اداروں (اس سے مراد وہ تعلیم گاہیں ہیں جو عیسائیوں کی جماعتیں عیسائیت کی ترویج اور اس کی دعوت وتبلیغ کے لئے قائم کرتی ہیں) کے عزائم نہایت ہی خطرناک ہیں، جس پر ان کے قائدین اور واکابرین کی تصریحات شاہد ہیں، اور خود ان کا اپنا اقرار ان کے خلاف نہایت قوی حجت ودلیل ہیں، مثلاً عیسائی مبلغین کی جماعتوں کا سربراہ پادری ''زویمر'' کہتا ہے: ''ہم مبلغین کی اصل جدوجہد اور مقصد اساسی یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو دین اسلام سے خارج کرائیں اور اپنے مذہب وافکار کے تابع اور اپنا ماتحت بنائیں، اپنے اس منصوبے میں ہم پورے طور سے کامیاب ہیں، اس لئے کہ جو شخص ہماری تعلیم گاہوں سے پڑھ کر نکلتا ہے وہ واقعتاً اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، چاہے نام کا مسلمان باقی رہے اور وہ سمجھے یا نہ سمجھے ہمارا امدادگار اور معاون ہوتا ہے، اور ہم اس کی طرف سے بالکل مطمئن ہوجاتے ہیں، ہمیں اس سے کسی قسم کا خطرہ نہیں رہتا، ہمیں اس سلسلے میں بے مثال کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔ (مسلمان بچے اور فرنگی تعلیم گاہیں/ص ۲۷)۔

نیز ان کے سرکردہ رہنماؤں میں سے ایک اور رہنما کہتا ہے کہ ''دین اسلام کا طاقت کے ذریعہ مقابلہ کرنا اسے اور زیادہ پھیلانے کا ذریعہ بنتا ہے، اس لئے اس کی بیخ کنی کے لئے نہایت فعال مہلک اور تباہ کن طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کو مشنری تعلیم گاہوں میں تربیت دی جائے اور بچپن ہی سے ان کے عقیدے خراب کرنے کے لئے شکوک وشبہات کے بیج ان میں اس طرح بودئے جائیں کہ انھیں پتہ بھی نہ چل سکے (مسلمان بچے اور فرنگی تعلیم گاہیں/ص ۲۷)

یہ مشنری اسکول وہ درسگاہیں ہیں جہاں خدا رسول کا کوئی ذکر نہیں، جہاں آخرت کا تصور نہیں، جس میں اخلاقیات کو از کار رفتہ خیالات کا درجہ دیا جاتا ہے، جہاں مخلوط تعلیم اور لڑکیوں کے لئے کھلی ہوئی ٹانگوں پر مشتمل یونیفارم کو تہذیب وشائستگی کی علامت باور کیا جاتا ہے، جہاں بچوں کو حضرت مسیح علیہ السلام کی تصویر کے سامنے کھڑا کیا جاتا ہے، اور دعا کروائی جاتی ہے، اور اگر یہ تعلیم گاہیں ہندو انتہا پسند تنظیموں کے زیر انتظام ہیں تو ''وندے ماترم'' کا ترانہ پڑھوایا جاتا ہے، اور سوریہ نمسکار اور یوگا بھی کرایا جاتا ہے۔ غرضیکہ بچوں کو ان کے مذہبی عقائد سے مانوس کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور مسلمانوں کی تاریخ اس طرح پڑھائی جاتی ہے کہ مسلمان سلاطین گویا غارت گروں کا ایک گروہ تھے، انہوں نے تو ملک کی تعلیم وترقی کے لئے کوئی کام نہیں کیا البتہ اپنی عیش کوشی کے ایک سے ایک سامان کئے اور لوگوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھاتے۔

اس کے علاوہ موقع بموقع مسلمان طلبہ وطالبات کو احساس کمتری میں بھی مبتلا کیا جاتا ہے، کبھی انھیں دہشت گردی کا طعنہ دیا جاتا ہے، کبھی طلاق وتعدد ازدواج کا مسئلہ اٹھایا جاتا ہے، کبھی پردہ ونقاب پر تنقید کی جاتی ہے، عورتوں کے متعلق اسلامی تعلیمات کو نا انصافی پر مبنی قرار دیا جاتا ہے، یہ

مضامین چاہے کتاب میں لکھی ہوئی حالت میں موجود نہ ہوں، لیکن سبق کے دوران استاذ اسے وقتاً فوقتاً طلبہ کے ذہن میں ڈالتا رہتا ہے اور درسگاہ کے پورے ماحول میں یہ سوالات ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں کہ مسلمان طلبہ وطالبات اپنے آپ کو سخت احساس کمتری کا شکار پاتے ہیں، یہ محض فرضی واقعات اور امکانی سوالات نہیں، بلکہ غیر مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والی کسی بھی تعلیم گاہ کے دو چار مسلمان بچوں کو اگر آپ کریدنے کی کوشش کریں تو وہ اس کڑوی حقیقت کو آپ کے سامنے اگل دیں گے۔

پھر جدید نفسیاتی تحقیق کے مطابق مصنف ومؤلف کے اخلاق کا بھی اثر جب قارئین پر پڑتا ہے تو کسی استاذ کی ذہنیت وکردار کا اثر کیوں طالب علم پر نہیں پڑے گا؟

الغرض برصغیر میں ان مشنری اسکولوں نے مسلم طلباء ونوجوانوں کی ایک تعداد بھی پیدا کر دی ہے، جو بظاہر تو مسلمان ہے اور نماز روزہ کی پابند بھی ،شناختی کارڈ اور ووٹر لسٹ میں مذہب کے خانے میں اپنے کو بطور مسلمان میں درج کرا رہے ہیں، لیکن ذہنی اور فکری طور پر وہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں، یہ وہ طبقہ ہے جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں گیارہ بیویوں کی موجودگی پر اعتراض ہے، اسلام کا قانون طلاق اس کو سمجھ میں نہیں آتا، اسلام کے قانون وراثت میں تبدیلی کی آواز خود ان کی طرف سے آرہی ہے، یکساں سول کوڈ کا مطالبہ کرنے میں ہندوؤں کے ساتھ وہ شریک ہے، اسلامی حدود میں زنا وچوری وغیرہ کے لئے قصاص، رجم اور ہاتھ کاٹنے کی سزا کو وہ وحشیانہ سزائیں قرار دے رہا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا کوئی بھی مسلمان ان اسلامی قوانین پر اعتراض کر کے مسلمان باقی رہ سکتا ہے؟ اسلام اتنا نازک ہے کہ صرف ایک قرآنی آیت کے انکار سے آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، چہ جائے کہ وہ اسلام کی بنیادوں میں شک کرے اور ایمان باقی رہے؟

(ثانی):- دوسری خرابی یہ ہے کہ اکثر صحبت بد دینوں کی رہتی ہے، ان کی بددینی کا اثر اس پڑھنے والے پر آتا ہے، کبھی اعتقاد اجس کا حکم اوپر معلوم ہو چکا، کبھی عملاً جس سے فسق کی نوبت آجاتی ہے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"لا تصاحب إلا مؤمنًا ولا يأكل طعامك إلا تقي" نیز ایك او رحدیث میں ہے "يحشر المرأ على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل"۔

(ثالث):- اگر صحبت بھی خراب نہ ہو یا وہ مؤثر نہ ہو کم از کم اتنا ضرور ہی کہ یہ نیت رہتی ہے کہ اس کو ذریعہ معاش بنادیں گے، خواہ طریقہ معاش حلال ہو یا حرام۔

اور یہ بات عقلاً ونقلاً ثابت ہے کہ جو مباح کسی حرام کا ذریعہ بن جائے وہ بھی حرام ہو جاتی ہے۔

الغرض ایسی مشنری اسکولوں اور فرنگی درسگاہوں میں داخلہ لینا ناجائز اور حرام ہے، جیسا کہ محدث جلیل شیخ حسن بن محمد المشاط نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے، جس کا اردو ترجمہ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار نے کیا ہے، وہ لکھتے ہیں "ایسا اقدام کرنا ناجائز اور حرام ہے" (مسلمان بچے اور فرنگی تعلیم گاہیں/ ص ۸)۔

اگر مسلمانوں نے اس صورت حال کی طرف توجہ اور اس کے سد باب کو نہیں سوچا تو ان کی نسلوں کو ذہنی طور پر اغوا کر لیا جائے گا اور وہ اسے محسوس بھی نہ کر سکیں گے، ان کا رشتہ آباء واجداد سے ضرور قائم رہے گا لیکن ان کا ایمانی رشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹ چکا ہوگا، اور یہی غفلت خدانخواستہ ہماری صفوں سے سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین، جسٹس ہدایت اللہ، عصمت چغتائی، خواجہ احمد عباس، محمد علی چھاگلہ، عارف محمد خاں، سکندر بخت اور عباس نقوی جیسی دین بیزار شخصیتوں کو جنم دے گی، حالانکہ تسلیمہ نسرین کے والد عالم تھے اور مابقیہ لوگوں کا گھرانہ دین دار تھا لیکن گھر والوں کی دینداری ان کو ان کی تعلیم گاہوں کے ناپاک وغیر محسوس اسلام غالب اثرات سے بچا نہیں سکی، دراصل یہ سب اس منصوبہ بند پالیسی کا اثر ہے جو کہ آہستہ آہستہ مسلم معاشرے میں ظاہر ہو رہا ہے۔

اپنے بچوں کو شعوری طور پر مسلمان باقی رکھنے اور احساس کمتری سے محفوظ رکھنے کے لئے چند باتیں ضروری ہیں:

(۱) مسلمان خود معیاری اسکول قائم کریں اس لئے کہ اس وقت جن مسلمانوں نے عصری تعلیم کے ادارے قائم کر رکھے ہیں چار چھ کو چھوڑ کر سبھوں

کا مقصد لوگوں سے بھاری قیمت اور ڈونیشن کی رقمیں وصول کرنا معلوم ہوتا ہے۔

پھر ان درسگاہوں میں جدید تعلیم اور سرکاری نصاب کی رعایت کے ساتھ ساتھ بنیادی دینی تعلیم نصاب کا جز ہو، اس لئے کہ اسوقت مسلمانوں کے زیر انتظام جو اسکول قائم ہیں، ان میں سے اکثر میں تو دینی تعلیم کا کوئی نظم ہی نہیں اور اگر بعض اداروں میں ہے تو وہ بھی انگشت ششم کی طرح ہے، نہ اساتذہ اسے اہمیت دیتے ہیں اور نہ طلبہ وطالبات، انتظامیہ نے بھی اسے ایک ترغیبی ہتھیار کے طور پر رکھا ہے، کیونکہ اس قسم کی ترغیبات اولیائے طلبہ کو متوجہ کرتی ہے۔

پھر ان اسکولوں کا ماحول شریعت کی مقرر کردہ حدود سے ہم آہنگ ہو، ان میں اعلیٰ اخلاقی اسلامی تربیت کا نظم ہو، ان کے لئے نمازوں کا اہتمام کیا جائے، بالغ اور قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے جداگانہ تعلیم کا نظم کیا جائے، بچوں کو ایسے ترانے پڑھائے جائیں جو اسلامی تصورات سے ہم آہنگ ہوں، درسگاہوں کا مجموعی ماحول اسلامی ہو، اساتذہ کی تربیت ایسی ہو کہ خواہ وہ کوئی بھی مضمون پڑھائیں، لیکن اس کے ضمن میں اسلام کی عظمت دلوں میں بٹھاتے جائیں۔

نیز تعلیم کا نظام اس طرح ہو کہ قوم کے اصحاب ثروت سے فیس وصول کی جائے اور غریب بچوں کے لئے مفت تعلیم کا انتظام ہو، اس طرح مستقبل میں دیندار ڈاکٹر، انجینیر، وکیل اور مختلف شعبوں میں اسلامی فکر وعمل کے ترجمان اور نقیب تیار ہوں گے، اور پورے معاشرے پر ان کی گہری چھاپ ہوگی، ذرا آپ کسی ایسے معاشرے کا تصور کیجئے جس میں مسجد کے امام سے لے کر الیکٹریشین اور پلمبر تک ہر پیشہ کا آدمی دین شناس اور دین دار ہو کہ وہ سماج کس قدر صاف ستھرا اور پاکیزہ ہوگا؟

دراصل ہر مسلمان پر یہ بات واجب ہے کہ وہ پوری امت کا خیر خواہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ سے اسی پر بیعت لی کہ وہ تمام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کریں گے، "والنصح لکل مسلم" (بخاری:۵۸، مسلم:۵۶)، اور کیا اس سے بھی بڑھ کر خیر خواہی ہوسکتی ہے کہ ہم مسلمان باقی رہنے میں ان بچوں کا تعاون کریں۔

(۲):- اردو میڈیم اسکولوں کو تقویت پہنچائی جائے کیونکہ زبان کی بجائے خود ایک تہذیب ہوتی ہے اور اردو پڑھنے والے بچے ایک عظیم الشان اسلامی ورثہ سے جڑ جاتے ہیں، یہ تعلق ان میں اسلامی فکر کو پروان چڑھاتا ہے، نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام، مسلم دنیا کو ایٹمی بم سے واقف کرانے والے ڈاکٹر عبدالقدیر اور اگنی وپیرتھوی میزائل کے بانی ڈاکٹر ابوالکلام وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں، جن میں سے اکثر کی ابتدائی تعلیم خود ان کے کہنے کے مطابق اردو میڈیم اسکولوں میں ہوئی ہے۔

(ب) اگر اہل کتاب خاتون سے نکاح کیا جائے تو اس کے کیا حقوق ہوں گے؟ کیا اس کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمان بیویوں کے ہیں؟

جواب:- تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نفقہ وغیرہ حقوق زوجیت کتابیہ کو اسی طرح حاصل ہوں گے جیسے مسلمان بیوی کو حاصل ہوتے ہیں اس لئے کہ تعلق زوجیت، سبب استحقاق اور شرط استحقاق میں دونوں مساوی ہیں اس لئے کہ نصوص میں شوہر پر زوجہ کے لئے نفقہ کو واجب کیا گیا اور مسلمہ اور کتابیہ کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے

"لینفق ذو سعة من سعته و من قدر علیه رزقه فلینفق مما آتاه الله. لا یکلف الله نفسًا إلا ما آتاها" (سورۃ طلاق:۷).

بلکہ جس آیت کریمہ میں کتابیہ سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے اس کے اخیر میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اہل کتاب عورتوں کو رکھنا ہے تو باقاعدہ نکاح کر کے بیوی کی حیثیت سے رکھیں، ان کے حقوق مہر وغیرہ ادا کریں، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے

"والمحصنٰت من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم إذا آتیتموهن اجورهن" الخ (سورۂ مائدہ:۵)، لہٰذا ان سے نکاح کرنے کے بعد ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنے اور ان کو چھوڑ کر بھاگ آنے یا محض غیر مسلم ہونے کی بناء پر طلاق دینے کی اجازت نہ ہوگی۔

" اتفق الفقهاء علی وجوب النفقة للزوجة مطلقًا ، فالکتابیة کالمسلمة فی استحقاق النفقة و غیره من حقوق

الزواج ، سواء أكانت الزوجة في اثناء الزواج فعلًا أم في العدة ، لاشتراكهما (أي المسلمة و غيرها) في رابطة الزوجية وفي سبب الاستحقاق و شرطه ، فهو محبوسة على زوجها ، لقوله عز وجل: لينفق ذوسعة من سعته ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله لايكلف الله نفسًا إلا ما آتاها ، ولم تفرق النصوص بين المسلمة الكتابية '' (موسوعه فقهیہ ۷/ ۱۱۳)۔

(ج):- جو اہل کتاب خواتین مردوں کے نکاح میں ہوں، وہ اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام دے سکتی ہیں یا نہیں؟

جواب:- اسلام نے غیر مسلموں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی دی ہے، قرآن مجید نے صاف طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے مشرکین مکہ کو کہلایا "لکم دینکم ولی دین" (سورۂ کافرون: ۶)، اور دوسری جگہ ارشاد ہے "لنا أعمالنا ولکم أعمالکم" (سورہ شوری: ۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رواداری کا حال یہ تھا کہ نجران کا وفد حاضر خدمت ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے مذہب کے مطابق اور ان کے قبلہ کی طرف رخ کر کے مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی (احکام اھل الذمہ ۱/ ۳۱۶)۔

زیر بحث مسئلہ میں فقہاء نے لکھا ہے کہ ''اگر کسی مسلمان کی بیوی یہودی یا عیسائی ہو اور اس کے عقیدہ کے مطابق کسی خاص دن روزہ رکھنا واجب ہو تو مسلمان شوہر اسے روزہ رکھنے سے روک نہیں سکتا، گو اس کی وجہ سے وہ جنسی استفادہ سے اس دن محروم ہوتا ہے، اسی طرح اگر وہ اپنے عقیدہ کے مطابق صلیب پہنے، یا مسلمان شوہر کے گھر میں صلیب رکھے تو اسے یہ حق ہے اور شوہر اسے روک نہیں سکتا'' (احکام اھل الذمہ ۱/ ۳۱۶)۔

(د):- عیسائی مشنریز کے قائم کردہ ہاسپٹل قرض مہیا کرنے والے اداروں میں خدمت کرنے اور ان کی خدمات سے استفادہ کرنے میں مسلمانوں کا رویہ کیا ہونا چاہئے؟

جواب:- فی نفسہ مسلمانوں کے لئے یہ بات درست ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کے یہاں ملازمت کریں، چنانچہ حضرت علی نے ایک یہودی کے یہاں مزدوری کی (کنز العمال ۲/ ۳۲۱)، حضرت خباب لوہاری کے فن سے واقف تھے۔ انہوں نے عاص بن وائل کے لئے کام کیا۔

'' قال خباب كنت رجلًا قينا فعملت للعاص بن وائل '' (بخاری ۲۲۷۵، مسلم: ۵۰۶۲)

اس لئے ایک مسلمان کے لئے غیر مسلم کے اداروں میں ملازمت اختیار کرنے اور خدمت کرنے میں کوئی حرج نہیں پھر طبابت انسانی خدمات اور آمدنی کا بہترین ذریعہ ہے، طبیب کا بطور ملازمت کسی ہاسپٹل میں اجرت پر کام کرنا اور علاج کرنا جائز ہے، لیکن اگر کوئی ایسا عمل اس کے ذمہ پر کیا جائے جس میں اس کا یا کسی بھی ملک یا شہر کے مسلمانوں کا دینی یا دنیوی ضرر ہو تو اس عمل سے اجتناب کرنا اور اس معاملے میں ان کے ساتھ تعاون نہ کرنا واجب ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے "وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان" (سورۂ مائدہ: ۲) چاہے اس اجتناب کے لئے اس کو اپنی ملازمت سے استعفی ہی کیوں نہ دینا پڑے، واللہ اعلم (مستفاد از فقہی مقالات ۱/ ۲۶۲ مع تغییر یسیر)۔

جہاں تک تعلق ہے اس بات کا کہ عیسائی مشنریز کے قائم کردہ ہاسپٹل اور اداروں کی خدمات سے استفادہ کرنے میں مسلمانوں کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حتی الامکان گریز کرنا چاہئے، اس لئے کہ اس کے نتائج بڑے خطرناک اور سنگین نکلتے ہیں، بلکہ مسلمانوں کو خود ایسے معیاری ادارے اور ہاسپٹل قائم کرنا چاہئے، اس لئے کہ امام شافعی نے علم طب میں مسلمانوں کی عدم دلچسپی دیکھ کر کہا تھا کہ مسلمانوں نے علم کا تیسرا حصہ یہود و نصاری کے حوالے کر کے کھو دیا ہے، طب کے میدان میں دعوت و تبلیغ کی بڑی اہمیت ہے، دعوت و تبلیغ کے لئے ہسپتال کی زمین بڑی زرخیز ثابت ہوتی ہے، لوگوں کی زندگی سے طبیب کا بڑا گہرا اور بنیادی تعلق ہوتا ہے، دنیا کا ہر انسان لامحالہ بیمار پڑتا ہے اور اسے طبیب کی مدد لینی پڑتی ہے، یوں وہ چاہتا ہے کہ طبیب سے اس کا خوشگوار تعلق قائم ہو اور تا دیر قائم رہے، لوگ عام طور پر طبیب کی باتوں کا برا نہیں مانتے، چنانچہ ایک اچھے مسلمان طبیب کو چاہئے کہ وہ پیشہ وارانہ امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ بھی انجام دیتا رہے۔

☆☆☆

اہل کتاب اسلام کی نظر میں

مفتی عابد الرحمن مظاہری بجنوری[1]

کتابی کا مفہوم:

کتابی کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ جو کسی نبی مرسل اور کسی نازل شدہ کتاب پر ایمان وس اقرار رکھے، یا بالفاظ دیگر جو کسی دین سماوی پر اعتقاد رکھے، بہت سے علماء نے اس میں یہ بھی قید لگائی ہے کہ غیر اللہ کی الوہیت کا معتقد نہ ہو، جیسے بعض عیسائیوں کی حالت ہے، لیکن کچھ علماء نے ایسی قید نہیں لگائی ہے، لہذا ان تشریحات سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب میں یہود ونصاری تو بدرجہ اولی شامل ہیں، مگر ان کے علاوہ اور دیگر بھی اہل کتاب میں شامل ہیں، جن میں ''صابی'' سرفہرست ہیں، جیسا کہ قرآن پاک نے واضح کیا ہے:

صابئین سے کون لوگ مراد ہیں؟

"إن الذين آمنوا والذين هادوا والنصارى والصابئين من آمن بالله واليوم الآخر وعمل صالحا فلهم أجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون" (بقرة:٦٢)۔

اس بارے میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ''معارف القرآن'' میں فرمایا ہے: ''صابئین ایک فرقہ تھا جس کے معتقدات اور طرز عمل کے بارے میں چونکہ کسی کو پورا نہیں چل سکا اس لئے مختلف اقوال ہیں (معارف القرآن ۱/۲۲۹)۔

اور مولانا شمس نوید صاحب عثمانیؒ نے صابئین کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''قرآن پاک میں بہت سی ایسی قوموں کا تذکرہ ملتا ہے جنہیں مفسرین کرام آج تک متعین نہیں کر سکے ہیں، جیسے ''اصحاب الرس'' اور ''قوم تبع''، خصوصا ''صابئین'' کا ذکر تو کلام پاک میں جگہ جگہ مومنین اور یہود اور نصاری کے ساتھ اس طرح کیا ہے کہ جیسے یہ بھی بہت بڑی قوم ہوں یا دنیا کے منفرد گروہوں میں سے ایک ہوں، اور قرآن پاک کی اس آیت شریفہ سے بھی اسی طرف اشارہ مل رہا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا:

"إن الذين آمنوا والذين هادوا والصابئون والنصارى من آمن بالله واليوم الآخر وعمل صالحا فلا خوف عليهم ولاهم يحزنون" (مائدة:٦٥)۔

اس آیت شریفہ میں بھی صابئین کا ذکر مومنین، یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ کیا گیا ہے، اور صرف یہی نہیں بلکہ جہاں بھی قرآن پاک میں ''صابئین'' کا ذکر آیا ہے انہیں بڑی قوموں کے ساتھ آیا ہے، لہذا جب اتنے شد ومد کے ساتھ قرآن پاک میں ''صابئین'' کا ذکر آیا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ قوم کون ہے؟ اور کیا اب بھی موجود ہے؟

صابی کون تھے؟

علماء نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں: ایک گروہ کے یہاں یہ عراق کے ان عیسائیوں کا نام تھا، جنہوں نے اپنے مذہب میں بعض یہودی، نیز پارسی رسوم وعقائد شامل کر لئے تھے، اور حضرت یحیی علیہ السلام کو حضرت مسیح علیہ السلام پر ترجیح دیتے تھے، یہ پہلی صدی میلادی میں ظاہر ہوئے تھے، اور ان کے کچھ افراد بعض ممالک میں اب تک موجود ہیں۔

ایک گروہ کے یہاں یہ حران (شام) کا ایک لا مذہب فرقہ تھا، جو اپنے آپ کو محض اس لئے صابی کہتا تھا، تا کہ وہ اسلامی سلطنت سے وہی

---

[1] مدنی دار الافتاء، بجنور۔

رعایات لے سکے، جو یہود ونصاریٰ کو حاصل تھیں (شامی: ص ۴۷۷)۔

علامہ شہرستانی لکھتے ہیں: صابی، صبا سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: ایک طرف کا جھک جانا، چونکہ یہ لوگ راہ صداقت چھوڑ بیٹھے تھے، اس لئے صابی کے نام سے مشہور ہو گئے (الملل ۲/۵)۔

شہرستانی نے "الملل" میں صابئین پر ۳۵ صفحات کا ایک طویل مقالہ لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: یہ لوگ روحانی طاقتوں (فرشتے، ارواح) کا احترام عبادت کی حد تک کیا کرتے تھے، ان کا اعتقاد یہ تھا کہ بندے خدائے مقدس تک، جو عقل کل، حی قیوم اور عظیم بھی ہے، انہیں روحانی طاقتوں کی وساطت سے پہنچ سکتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہم خواہشات کو کچلیں، گناہوں سے بچیں اور عبادت سے روح کو پاک کریں، سورج، چاند، ستاروں اور عناصر پہ انہیں طاقتوں کی حکومت ہے، انہیں کی خواہش سے مادہ مختلف صورتیں بدلتا ہے، زلزلوں، بجلیوں اور سیلابوں پہ انہی کی سلطانی ہے، یہ تین نمازیں پڑھتے، سور، کتے، پنجوں سے پکڑنے والے پرندوں اور کبوتر کو حرام سمجھتے تھے۔

چند عباسی خلفاء مثلاً مامون، القاہر، اور المطیع نے انہیں مٹانا چاہا، لیکن بعض صابی فضلا (جو ان کے دربار میں تھے) کی سفارت کی وجہ سے رک گئے (شاس/ص ۴۷۷)۔

بغداد کے بیت الحکمۃ اور عباسی خلفاء کے درباروں میں متعدد صابئی علماء علمی وطبی خدمات سرانجام دیتے رہے، ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں:

ثابت بن قرہ، ابراہیم بن ہلال، ابواسحاق بن ہلال، ابراہین بن زہرون، ثابت بن ابراہیم بن زہرون، البتانی، خازن، ابن الوحشیہ (حکمائے عالم)۔

حران میں صابیہ کا ایک مشہور معبد تھا، جس میں چاند کی پرستش ہوتی تھی، اسے مصر کے فاطمیوں نے گرادیا، اور گیارہویں صدی میلادی میں حران سے اس فرقے کے آثار مٹ گئے (شاس/ص ۴۷۷)۔

یہ صرف دو پیغمبروں پر ایمان رکھتے تھے: ادریس علیہ السلام (ہرمس) اور شیث علیہ السلام (عاذیمون) (ملل ۲/۴)۔

ان کا قبلہ جنوب کی طرف تھا، اور ایک روایت کے مطابق یہ دین نوح کے پیرو تھے (ڈاس/ص ۵۵۱، بحوالہ معجم القرآن/ص ۲۶۵)۔

اور حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب بجنوریؒ نے فرمایا: قرآن شریف میں صابیوں کا ذکر تین جگہ آیا ہے: سورہ بقرہ (۶۲)، سورہ مائدہ (۶۵)، سورہ حج (۱۷)، ان تینوں جگہ ان کا ذکر یہود ونصاریٰ کے ساتھ ہے، ان کی کچھ تعداد (عراق (بغداد)، دمشق (شام) حران، موجودہ ہبرون یا الخلیل میں تھی۔

مولانا مودودی صاحب نے سورۂ حج کے حاشیہ (۲۵) پر تحریر کیا ہے کہ قدیم زمانہ میں دو گروہ صابی کے نام سے مشہور تھے، ایک اپنے کو یحیی علیہ السلام کا پیرو قرار دیتا تھا، اور دوسرا اپنے کو شیث علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کے دین پر بتلاتے تھے، انہوں نے سبع سیارہ (زحل ومشتری) وغیرہ کے نام پر مندر بنا رکھے تھے، اور ہر ستارے کی جداگانہ طور پر عبادت کیا کرتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ عناصر اربعہ پر سبع سیاروں کی حکمرانی ہوتی ہے اور ان سیاروں پر کسی ایک فرشتہ کی حکمرانی ہوتی ہے۔

بلوغ الارب کے مصنف محمود شکری نے لکھا ہے کہ: دو بڑی امتوں میں سے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں کی طرف مبعوث ہوئے تھے، ان کی دو قسمیں ہیں: ایک ستارہ پرست کافر اور دوسرے مسلمان حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانے والے یہ لوگ اہل اسلام کے تمام تر مراسم انجام دیتے تھے، خلافت عباسیہ کے میر منشی بلال بن المحسن اسی دین صابی پر تھے (ملخصا ۳/۱۲۰، ۱۲۱)۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ: قاضی شوکانی نے "تفسیر فتح القدیر" میں لکھا ہے کہ لغت میں صابی وہ ہے جو ایک دین سے نکل کر دوسرے دین کی طرف مائل ہو، اس لئے جب کوئی مسلمان ہوتا تھا تو کافر کہتے تھے "قد صبا" وہ دین سے پھر گیا۔

"احکام القرآن" میں جصاص نے لکھا ہے کہ: صابئین کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ اہل کتاب میں سے تھے یا نہیں، امام ابوحنیفہؒ اہل کتاب میں سے قرار دیتے ہیں، جبکہ امام ابو یوسفؒ امام صحہ کہتے ہیں کہ وہ اہل کتاب میں سے نہیں ہیں، امام کرخیؒ نے کہا کہ امام صاحب کے نزدیک

وہ صابی اہل کتاب ہیں جو دین مسیح علیہ السلام کے قائل ہیں اور انجیل پڑھتے ہیں۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: یہ لوگ نہ یہودی تھے، نہ نصرانی، نہ مجوسی نہ مشرک، بلکہ یہ لوگ فطرت پر تھے کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے اور اسی معنی پر مشرکین اصحاب رسول ﷺ کو صابی کہا کرتے تھے، یعنی ان لوگوں نے تمام مذاہب ترک کر دیئے (تفسیر ابن کثیر ۱/۱۲۱)۔

تنبیہ:

۱- تفسیر ابن کثیر میں صابی کے معنی ان الفاظ میں درج ہیں؛ صابی کے معنی ایک تو بے دین اور لا مذہب کئے گئے ہیں (تفسیر ابن کثیر ۱/۱۲۱)۔

۲- صابی کے یہی معنی "تفسیر احسن البیان" میں بھی موجود ہیں: یہ کسی بھی دین کے پیرو نہ رہے، اسی لئے لا مذہب لوگوں کو صابی کہا جانے لگا (تفسیر احسن البیان/ص ۲۳۳)۔

صابی وہ لوگ تھے جنہوں نے ادیان سماویہ میں سے ہر ایک سے کچھ نہ کچھ لے لیا، چنانچہ وہ زبور پڑھتے تھے، ملائکہ کی عبادت کرتے تھے، اور نماز کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھا کرتے تھے، صاحب تفسیر ابن کثیر نے حضرت عبد الرحمن بن زیدؒ کا یہ قول بھی درج فرمایا ہے: صابئین اپنے آپ کو حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر بتاتے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے صابئین کو آرین نسل مانا ہے، فرمایا:

"مسیح ضرور ایسے بزرگ تھے جنہوں نے اس تعلیم کو غیر اسرائیلی لوگوں میں بالفاظ دیگر صابئین یا آرین قوموں میں پہنچانے کی کوشش کی" (رسالہ الفرقان بریلی شاہ ولی اللہ نمبر: ۳۰۴)۔

نیز حضرت شاہ محدث دہلویؒ کا رسالہ "الفرقان" سے یہ قول بھی نظر نواز ہو کہ:

ایران اس زمانے میں آرین، یعنی صابی قوموں کا مرکز بن چکا تھا، اس سے پہلے ہندوستان کو یہ مرکزیت حاصل تھی (رسالہ الفرقان بریلی شاہ ولی اللہ نمبر/ص ۳۱۰)، حضرت مولانا سید سلیمان احمد صاحب ندویؒ نے ممبئی میں جمعیۃ العلماء ہند کے سالانہ اجلاس مورخہ فروری ۵ ۱۹۴ کے موقع پر فرمایا: مغضوب اور ضال جس طرح اہل کتاب میں ہیں اپنی مزاجی کیفیت کی بنا پر وہی صورتیں متابعۃ اہل کتاب میں بھی ہیں جن دو جماعتوں سے ہم کو قرآن نے واقف کرایا ہے وہ مجوسی اور صابئین ہیں جن میں ایران قدیم اور ہند و قدیم کے باشندے بھی داخل ہیں (حکومت الہیہ اور علماء مفکرین/ص ۲۱۴)۔

صابئین کے اخلاقیات واطوار کے بارے میں صحابہ کرامؓ، علماء کرام وفقہاء عظام کی مختلف آراء ہیں جن کا ذکر اجمالاً درج ذیل کیا جاتا ہے:

ایک ایسی قوم جو دن میں کئی مرتبہ غسل کرتی تھی، یہ ستاروں اور نجوم وکواکب کے معتقد تھے، صابئین عجمی نام ہے عربی نہیں، صابئین یمن کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، اہل کتاب تھے، صابئین لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتے تھے، لیکن مشرک تھے، یہ لوگ آتش پرست تھے، عراق کے اس مقام کے رہنے والے لوگ تھے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، نیز یہ لوگ نجوم پرست تھے۔

......امام غزالیؒ، حضرت امام راغبؒ، معالمؒ، ابن جریرؒ، ابن کثیرؒ، امام سہیلیؒ، علامہ شوکانیؒ، قاضی بیضاویؒ، حضرت مولانا سید سلمان احمد صاحب ندویؒ اور حضرت مولانا عبد الماجد دریابادیؒ وغیرھم۔

مشہور عالم راغب مفردات میں صابئین کے بارے میں لکھا ہے: صابئین یہ ایک گروہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کا پیروکار تھا، ان کا ذکر یہود ونصاری کے ساتھ ساتھ کرنا بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ لوگ کسی آسمانی دین کے پیرو تھے، اور خدا وقیامت پر ایمان رکھتے تھے، رہا کہ بعض لوگ انہیں مشرک اور ستارہ پرست کہتے ہیں، یا بعض اور لوگ انہیں مجوسی کہتے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ سورہ حج کی آیت ۱۷ میں مشرکین اور مجوسیوں کو صابئین کے مدمقابل قرار دیا ہے، لہذا یہ مجوس اور مشرکین کے علاوہ ایک مستقل گروہ ہے۔

کتاب "التنبیہ والاشراف" میں امثال وحکم کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ: زرتشت نے جب مجوس آئین ودین گشتاسب کے سامنے پیش کیا اور اس نے قبول کیا، اس سے قبل اس ملک کے لوگ "صفا" مذہب کے پیرو تھے، اور وہ صابئین تھے، یہ وہ مذہب ہے جسے "بوذاسپ" نے طہورس" کے زمانے میں پیش کیا تھا (التنبیہ والاشراف/ص ۶۶۶)۔

اس گروہ کے بارے میں اختلافات اور ایسی گفتگو کی وجہ یہ ہے کہ ان کی جمعیت تھوڑی تھی اور وہ اپنے مذہب کو پوشیدہ رکھنے پر مصر تھے اور اس

کی دعوت وتبلیغ سے منع کرتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ ان کا مذہب خصوصی ہے عمومی نہیں، اور ان کا پیغمبر انہی کی نجات کے لئے مبعوث ہوا ہے اور بس۔

یہی وجہ ہے کہ ان کی حالت ایک بھید ہی رہی اور ان کی جمعیت بھی روز بروز ختم ہوتی گئی، اور یہ بھی کہ ان کے ہاں مفصل غسل اور طولانی تعمیدوں جیسے خاص احکام تھے، یہ انہیں سردیوں اور گرمیوں میں انجام دینا پڑتے تھے، وہ اپنے مذہب کے علاوہ کسی سے شادی حرام سمجھتے تھے، ان کے ہاں حتی الامکان رہبانیت اور عورتوں سے ترک مباشرت کا تاکیدی حکم تھا اور مسلمانوں سے زیادہ میل جول کی وجہ سے اپنے مذہب کو بدل دیتے تھے۔

کتاب ''بلوغ الادب'' کا مولف کہتا ہے: صابئین ایک بہت بڑی قوم ہے ان کے بارے میں اختلاف اس مذہب کے افراد کی معرفت کے لحاظ سے ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جمعیت دو گروہوں مومن اور کافر میں تقسیم ہوتی ہے۔

یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی وہی قوم ہے جس کی دعوت پر آپ مامور تھے، یہ لوگ ''حران'' میں جو صابئین کی سرزمین ہے زندگی گزارتے تھے، اور دو طرح کے تھے ''صابئین حنیف'' اور ''صابئین مشرک''۔

صابئین مشرک: ستاروں، آفتاب، ماہتاب کا احترام کرتے تھے، ان میں سے کچھ لوگ نماز وروزہ کو بھی انجام دیتے تھے، کعبہ کو محترم سمجھتے تھے، اور حج بھی بجالاتے تھے، یہ لوگ مردار، خون اور خنزیر کے گوشت، نیز محرام سے نکاح کو مسلمانوں کی طرح حرام سمجھتے تھے، اس مذہب کے پیروکاروں میں سے کچھ لوگ بغداد میں حکومت کے اہم مناصب پر فائز تھے، جن میں ایک ہلال بن محسن صابی بھی تھا۔

ان لوگوں نے اپنے گمان کے مطابق اپنے دین کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ دنیا کے ہر مذہب کی اچھائی لے لو اور اس کی برائی سے دور رہو، انہیں اسی بنا پر صابئین کہتے ہیں یعنی وہ لوگ جو کسی دین کے تمام احکام کی انجامدہی کی قید سے سرکشی کرتے ہیں، لہذا یہ لوگ ایک لحاظ سے تمام ادیان کے موافق اور تمام ادیان کے مخالف ہیں۔

صابئین حنیف: کا ایک گروہ مسلمانوں سے ہم آہنگ ہو گیا ہے اور ان کے مشرک بت پرستوں کے ساتھ ہو گئے ہیں۔

کیا مجوسی بھی اہل کتاب ہیں؟

قرآن پاک اس بارے میں فرماتا ہے: "إن الذين آمنوا والذين هادو والصابئين والنصارى والمجوس والذين أشركوا" (حج: ۱۷)۔

مقدمہ صحیح بخاری اردو میں بحوالہ الرسالہ میں لکھا ہے کہ:

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ''مجوس'' کا ذکر کیا اور کہنے لگے ''مجھے نہیں معلوم کہ ان کے متعلق کیا حکم ہے''، تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے فرمایا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ نے فرمایا: ان کے ساتھ اہل کتاب والا سلوک کرو (الرسالہ/ص ۴۳۰)۔

مجوس اور ان کے عقائد ونظریات:

مجوس ایک خدا کے بجائے دو خدا کو مانتے ہیں، ایک خدا کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ خیر اور بھلائی کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ اس کو یزدان کہتے ہیں، دوسرے خدا کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ ہر برائی اور شر کو پیدا کرتا ہے، اس کا نام اہرمن رکھتے ہیں، مجوسیت کے عقیدہ کے مطابق آگ بڑی مقدس چیز ہے، اس کو پوجتے ہیں، ہر وقت اس کو جلائے رکھتے ہیں، ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو بجھنے نہیں دیتے، مجوس آگ کے ساتھ ساتھ سورج اور چاند کی بھی پرستش کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ مذہب بھی باطل اور شرک ہے کہ اس مذہب میں دو خدا مانے جاتے ہیں اور آگ، سورج اور چاند کو پوجا جاتا ہے، مسلمانوں کو ان کے ساتھ بہت سے معاملات میں اہل کتاب جیسا معاملہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا، لیکن ان کا ذبیحہ کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا، اسلام پھیلنے کے ساتھ ساتھ یہ مذہب ختم ہوتا چلا گیا (احکام القرآن للقرطبی ۱/ ۴۳۳، الفصل فی الملل والاہواء والنحل ۱/ ۴۹)۔

اہل کتاب کے ساتھ نکاح کا کیا حکم ہے؟

شریعت کی رو سے اہل کتاب کہلانے کے وہی مستحق ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے کا محکم عقیدہ رکھتے ہوں اور وحی ورسالت اور یوم آخرت کو تسلیم کرتے ہوں اور کسی آسمانی کتاب کے معتقد و پیرو ہوں، اور شرک سے بیزار ہوں تبھی وہ اہل کتاب کہلانے کے مستحق ہوں گے، اور تبھی ان کا ذبیحہ حلال ہوگا اور ان کی عورتوں سے مناکحت جائز ہوگی، حضرات فقہاء کرام اور ائمہ مجتہدین نے فرمایا:

''وكل من يعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف ابراهيم عليه السلام وشيث وزبور وداؤد عليه السلام فهو من اهل الكتاب فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم''

(فتاوی عالمگیری ۱/ ۲۸۱، شامی زکریا ۴/ ۱۳۴، البحر الرائق ۳/ ۱۱۰، مجمع الانہر ۱/ ۳۸۳، تبیین الحقائق ۲/ ۱۱۰)

ہر وہ شخص جو کسی بھی دین سماوی کا معتقد ہو اور اس کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہو جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کا صحیفہ اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام کا صحیفہ، پس وہ اہل کتاب میں شامل ہے، چنانچہ ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنا اور ان کا ذبح کردہ جانور کھانا شرعی اعتبار سے جائز ہوگا۔

اور مبسوط سرخسی میں ہے:

''ولا بأس بأن يتزوج المسلم الحرة من أهل الكتاب، لقوله تعالى (والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب''۔

...وصح نكاح كتابية. اور کتابیہ عورت سے نکاح درست ہے خواہ حربیہ ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ شامی کی عبارت اس پر دال ہے:

''قوله: كتابية أطلقه فشمل الحربية والذمية والامة'' (شامی ۴/ ۱۲)۔

حضرات صحابہ کرام سے بھی کتابیہ سے نکاح کرنا ثابت ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کی دور خلافت میں حضرت حذیفہؓ نے ایک کتابیہ سے نکاح فرمایا جب حضرت عمر فاروقؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت حذیفہؓ سے فرمایا کہ تم اس کو طلاق دے دو، کیونکہ یہ ایک چنگاری ہے، حضرت حذیفہؓ نے عرض کیا: امیر المؤمنین کیا یہ حرام ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا حرام تو نہیں ہے پھر حضرت حذیفہؓ نے امیر المؤمنین کے کہنے کی وجہ سے طلاق تو نہیں دی، لیکن پھر کچھ زمانے کے بعد اس کو طلاق دے کر اپنے نکاح سے نکال دیا (مصنف عبدالرزاق ۶/ ۷۶)۔

شریعت میں غیر مسلموں اور عام کافروں کے مقابلے میں اہل کتاب کو مسلمانوں سے تعلقات اور روابط کے لحاظ سے ایک گونہ فوقیت دی گئی ہے، چنانچہ ان کا ذبیحہ حلال قرار دیا گیا اور ان کی عورتوں سے مسلمان مردوں کے لئے نکاح کی اجازت دی گئی ہے، خود قرآن مجید (مائدہ: ۵) میں اس کا ذکر موجود ہے، مگر اس سلسلہ میں یہ باتیں پیش نظر رہیں:

۱- کسی مسلمان عورت سے کوئی عیسائی یا یہودی مرد نکاح نہیں کرسکتا، قرآن پاک میں ہے:

"ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن ولامة مومنة خير من مشركة ولو اعجبتكم ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا ولعبد مومن خير من مشرك ولو أعجبكم" (بقرہ: ۲۲۱)۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ

:''عن جابر بن عبدالله قال: قال رسول الله ﷺ: نتزوج نساء أهل الكتاب ولا يتزوجون نساءنا'' ()۔

۲- ایسی کتابی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا جو پاک دامن اور عصمت مآب ہوں، اس کے اظہار کے لئے قرآن مجید نے محصنات کا لفظ استعمال کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اليوم أحل لكم الطيبات وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم إذا اتيتموهن أجورهن محصنين غير مسافحين ولا متخذى أخدان" (مائدہ: ۵)۔

۳- وہ واقعۃً عیسائی یا یہودی ہوں یعنی وحی، رسالت و آخرت وغیرہ پر ایمان رکھتی ہوں، دہریئے اور خدا کے منکرین جو صرف نام کے عیسائی اور یہودی کہلاتے ہوں ان کا یہ حکم نہ ہوگا۔

۴- غیر مسلم ملک میں بسنے والی یہودی یا عیسائی عورت سے نکاح کرنا بعض فقہاء کے نزدیک حرام اور حنفیہ کے یہاں مکروہ تحریمی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے موجودہ دور کے یہودی اور عیسائی عورتوں سے نکاح کو نا جائز قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: اس زمانے میں جو نصاری کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاری ہیں، مگر مذہبی حیثیت سے محض دہری و سائنس پرست ہیں، لہذا ایسوں کے لئے یہ حکم جواز کا نہیں ہے، فقط واللہ اعلم (امداد الفتاوی ۲/ ۲۱۳)۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: جو اہل کتاب عیسیٰ و موسیٰ کی اتباع کے دعوی کرتے ہوں خواہ ابن اللہ کہہ کر یا رسول اللہ کہہ کر، ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے، مگر نکاح کرنا جائز تو ہے لیکن بچنا افضل ہے، کیونکہ یہ بہت سارے فتنوں کا چور دروازہ ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں: جو لوگ نام کے عیسائی اور یہودی ہوں، لیکن عقیدے کے اعتبار سے خدا کے وجود، نبوت و وحی اور ملائکہ وغیرہ کے قائل نہ ہوں، وہ ملحد ہیں ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہوگا، اگرچہ خاندانی مناسبت سے یہودی یا نصرانی کہلاتے ہوں۔

جو لوگ مذہبی اعتبار سے واقعی یہودی یا عیسائی ہوں، اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ٹھہراتے ہوں، لیکن عفت اور عصمت نیز پاکدامنی کا ان کے یہاں لحاظ نہ ہو، ایسے عورتوں سے کسی مسلمان مرد کا نکاح کرنا مکروہ ہے، کیونکہ قرآن میں پاک دامن کتابیہ سے نکاح کی اجازت دی ہے۔

جو لوگ واقعی اہل کتاب ہوں اور ان کی عورتوں کے بارے میں پاک دامن ہونے کا گمان ہو، لیکن وہ مسلمان کا ملک نہ ہو، بلکہ غیر مسلموں کو غلبہ حاصل ہو تو ایسی جگہ کتابیہ عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے (احکام القرآن للجصاص ۱/ ۲۳)۔

موجودہ حالات میں مسلم ملکوں میں بھی ایسی عورتوں سے نکاح کرنا کراہت سے خالی نہیں، علامہ شامیؒ نے ان سے نکاح کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے (شامی ۴/ ۱۳۴)۔

علامہ شامی نے یہ بات اپنے عہد کے لحاظ سے فرمائی ہے کہ موجودہ دور میں عرب حکمرانوں اور اعلی عہدے داروں کی زوجیت میں رہنے کی وجہ سے یہودی اور عیسائی خواتین نے ایسے مفاسد پیدا کئے ہیں جس کا عالم اسلام کو نا قابل تلافی نقصان برداشت کرنا پڑا ہے، لہذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مغربی تہذیب کے اس دور میں مسلم ملکوں میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے (کتاب الفتاوی ۴/ ۳۵۴)۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمدؒ احسن الفتاوی میں رقم طراز ہیں: آج کل کے اکثر عیسائی اور یہودی دہریہ ہیں اور دہریہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح نہیں ہوسکا، اگر کسی عیسائی یا یہودی عورت کے بارے میں یہ تحقیق ہو جائے کہ یہ دہریہ نہیں ہے تو اس سے نکاح ہو جائے گا، مگر دوسرے خطرات کی بنا پر اس سے پرہیز واجب ہے مثلاً اولاد کے کافر ہونے کا سخت خطرہ ہے، بلکہ خود شوہر کا دین بھی خطرے سے خالی نہیں، علاوہ ازیں ایسی عورتیں جاسوسی کا بھی کام کرتی ہیں، اور یہ ملک کی سالمیت کے لئے بڑا خطرہ ہے (احسن الفتاوی ۵/ ۹۰)۔

موجودہ زمانہ میں جو عیسائی اور یہودی عورتیں ہیں اور اہل کتاب کہلاتی ہیں ان کے اندر زنا، فحاشی اور نا جائز تعلقات کی اتنی کثرت ہے جس کو سن کر انسانیت کی پیشانی پر پسینہ آ جاتا ہے، انہوں نے حیوانوں کو بھی مات دے دی ہے، علاوہ ازیں ان کی اکثریت الحاد، مذہب بیزاری، انکار آخرت وغیرہ کی شکار ہے، ظاہر ہے ایسے لوگوں سے نکاح قطعا حلال نہ ہوگا اور قرآن کی اصطلاح میں یہ اہل کتاب شمار نہ ہوں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ موجودہ دور کے اہل کتاب کی عورتوں سے نہ تو نکاح حلال ہے اور نہ ان کا ذبیحہ حلال ہوگا، اس وجہ سے کہ موجودہ اہل کتاب عقائد کے اعتبار سے بالکل آزاد ہیں صرف نام اور شناخت کے اعتبار سے مسیحی یا یہودی ہیں، مگر عملاً دہریہ اور لامذہب اور کمیونسٹ ہیں، فتاوی عالمگیری کی اس عبارت سے مزید وضاحت ہو رہی ہے: "فإن انتقل الكتابي إلى دين غير أهل الكتاب من الكفرة لا تؤكل ذبيحته" (فتاوی ہندیہ ۵/ ۲۸۵)۔

کیا قادیانی اہل کتاب میں داخل ہیں؟

پوری امت مسلمہ اور عالم اسلام کے تمام علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ قادیانی کافر اور مشرک ہیں اور فرق ضالہ میں سے ہیں اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں، اس لئے اس گمراہ اور فرقہ ضالہ کو اہل کتاب میں شامل نہیں کیا جاسکتا ہے، شریعت کی ایک اصطلاح میں اہل کتاب کا اطلاق صرف ان

لوگوں پر ہوتا ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل موجود ہوں اور کتب سماویہ میں سے کسی کے پیرو ہوں اور کسی رسول اور نبی پر ایمان رکھتے ہوں، جس کی قرآن مجید نے تصدیق کی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اگر کوئی شخص قرآن مجید کے علاوہ دیگر کسی کتاب کو آسمانی یا الہامی تسلیم کرتا ہو اور اس کے برحق ہونے پر عقیدہ رکھتا تو وہ اب اہل کتاب شمار نہیں ہوگا بلکہ کافر اور مشرک ہوگا، اس لئے کہ قرآن مجید کی رو سے صرف وہی اہل کتاب ہوں گے جن کی وجاحت قرآن پاک نے فرمادی ہو، اسی طرح سے اور دیگر فرقے چاہے وہ قادیانی ہوں یا بہائی، یا سکھ آتش پرست، آرین وغیرہ اہل کتاب میں شمار نہ ہوں گے۔

جہاں تک یہ سوال کہ قادیانی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو خود مرے ہوئے ہیں دوسرے وہ جن کے آباء واجداد مرتد ہوئے اور وہ نسلی طور پر قادیانی ہیں تو کیا قادیانی کے اس دوسرے گروہ کو اہل کتاب میں داخل کیا جاسکتا ہے؟ اس لئے قادیانی زندیق اور مرتد ہیں، اور مرتد کا نکاح نہ کسی مسلمان سے ہوسکتا ہے نہ کسی کافر سے اور نہ کسی مرتد سے۔

ہدایہ میں ہے: ''اعلم أن تصرفات المرتد على أقسام نفاذ بالاتفاق كالاستيلاء والطلاق وباطل بالاتفاق كالنكاح والذبيحة لأنه يعتمد الملة ولا ملة له'' (ہدایہ ۲/ ۵۸۳)۔

جاننا چاہئے کہ مرتد کے تصرفات کی چند قسمیں ہیں: ایک قسم بالاتفاق نافذ ہے، جیسے: استیلاء اور طلاق، دوسری قسم بالاتفاق باطل ہے، جیسے: نکاح اور ذبیحہ کیونکہ یہ موقوف ہے ملت پر اور مرتد کی کوئی ملت نہیں)۔

درمختار میں ہے: پس مرتد کو اجازت نہیں کہ وہ نکاح کرے کسی مسلمان عورت سے، نہ کسی مرتدہ سے، نہ ذمی عورت سے، نہ آزاد سے اور نہ باندی سے۔

فقہ شافعی کی مستند کتاب ''شرح مہذب'' میں ہے:

''لا يصح نكاح المرتد والمرتدة لأن القصد بالنكاح الاستمتاع ولما كان دمهما مهدر ووجب قتلهما فلا يتحقق الاستمتاع ولأن الرحمة تقتضي ابطال النكاح قبل الدخول فلا ينعقد النكاح معها'' (شرح مہذب ۱۶/ ۲۱۴)۔

اور مرتد اور مرتدہ کا نکاح صحیح نہیں، کیونکہ نکاح سے مقصود نکاح کے فوائد کا حصول ہے، چونکہ ان کا خون مباح ہے اور ان کا قتل واجب ہے، اس لئے میاں بیوی کا استمتاع متحقق نہیں ہوسکتا، اور اس لئے بھی کہ تقاضائے رحمت یہ ہے کہ اس نکاح کو رخصتی سے پہلے ہی باطل قرار دیا جائے، اس بنا پر نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ''المغنی مع الشرح الکبیر'' میں ہے: ''والمرتدة يحرم نكاحها على أي دين كانت لأنه لم يثبت لها حكم أهل الدين الذي انتقلت إليه في اقرارها عليه ففي حلها أولى'' (المغنی مع الشرح الکبیر ۷/ ۵۰۳)۔

دار الاسلام اور دار الکفر میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کا حکم:

فقہاء متقدمین نے مسلمان مرد کا کتابیہ عورت سے نکاح کے سلسلہ میں دار الاسلام اور دار الحرب کے مابین فرق کیا ہے، ان کے نزدیک دار الکفر میں مکروہ اور دار الاسلام مباح ہے، لیکن موجودہ دور میں اس وقت جو عالم اسلام کی صورت حال ہے، اور مسلم حکمرانوں پر بے حسی طاری ہے اور مغربیت سے مرعوب ہیں، اور مغربی ممالک جن کی اکثریت عیسائیوں کی ہے اور کچھ حد تک اسرائیلی ہیں جن کا مطمح نظر عالم اسلام کو پامال، عیش پرست اور اسلام بیزار کرتا ہے، جس کا مشاہدہ بھی کیا جارہا ہے، اس لئے کسی بھی نقطہ نظر سے چاہے وہ دعوتی ہو یا اخلاقی غیر مسلموں میں مناکحت مناسب نہیں ہے، اور موجودہ اہل کتاب غیر مسلموں ہی کی ایک شکل ہے، اس لئے ان میں شادی بیاہ کرنے کے کچھ الٹے اثرات مرتب ہوتے ہیں، دیکھا گیا ہے کہ کسی اہل کتاب سے شادی کرنے کے نتیجہ میں مسلمان ہی مرتد ہوجاتے ہیں، یہودی یا عیسائی بن جاتے ہیں، اور یہود ونصاری کی عورتیں مسلم گھرانوں اور مسلم حکمرانوں کی جاسوسی بھی کرتی ہیں اور اخلاقی طور پر ان کو تباہ وبرباد کردیتی ہیں، اس لئے ان حالات کے پیش نظر دار الاسلام میں بھی کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا ایمانی اور اخلاقی وسیاسی ومعاشی خطرے کے پیش نظر کراہت سے خالی نہیں، جن فقہاء نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو دار الاسلام میں مباح قرار دیا ہے، انہوں نے بھی یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح اسی صورت میں مباح قرار دیا ہے جبکہ اس سے کوئی دینی

دو نیاوی مفسدہ نہ ہو، اور عام حالات میں بھی کتابیہ سے نکاح نہ کرنا ہی بہتر و افضل ہے اور اسی میں خیر ہے، شامی میں ہے:

"ويجوز تزوج الكتابيات والاولى ان لا يفعل" (شامی ۴/ ۱۳۴)۔

نوٹ:......دار الکفر اور دار الاسلام میں اہل کتابیہ سے مناکحت کے سلسلہ میں سابقہ صفحات میں گفتگو کی جاچکی ہے۔

دعوتی نقطہ نظر سے کتابیہ سے نکاح کا شرعی حکم:

ماقبل میں ذکر کیا جاچکا ہے کہ اس وقت دنیا میں جتنے بھی اہل کتاب یہود و نصاریٰ موجود ہیں، وہ بظاہر عیسائی یا یہودی ہیں، لیکن عقیدہ مشرک، دہریہ اور کمیونسٹ اور سائنس پرست اور مادیت پرست ہیں، مذہب ان کے نزدیک خام خیالی اور واہمہ ہے، اس لئے اس طرح کے افراد اہل کتاب میں شمار نہیں ہوں گے، بلکہ وہ ملحد اور کافر ہیں، اس لئے دعوت و تبلیغ کا بہانہ بنا کر ان سے نکاح کرنا اور ازدواجی تعلق قائم کرنا، اور ان کے ساتھ حیات مستعار کو گزارنا بہرحال مکروہ ہوگا، کیونکہ دار الکفر کا ماحول ہی کافرانہ، ملحدانہ، زندقانہ، مرتدانہ اور مشرکانہ اور جاہلانہ ہوتا ہے، ہاں اگر کامل یقین ہو کہ نکاح کے بعد وہ کتابیہ مسلمان ہوجائے گی اور اس کے خاندان کے افراد کو بھی اس کے ایمان لانے سے فیض ہوگا تو ایسی کتابیہ عورت سے دعوتی نقطہ نظر سے دار الکفر میں نکاح کرنے کی اجازت ہوسکتی ہے۔

کتابیہ بیوی کے شرعی حقوق:

اسلام نے شوہر کے ذمہ بیوی کے مستقل حقوق متعین کئے ہیں، چنانچہ ایک کتابیہ عورت جب کسی مسلم کی منکوحہ بن جائے گی تو اسلام نے اس کے بھی وہی حقوق متعین کئے ہیں جو کسی مسلم بیوی کے ہوتے ہیں، اب چونکہ ایک کتابیہ سے نکاح کر لینے کے بعد اب وہ مسلمان مرد کے حق میں عام مسلمان بیوی کی طرح ہوگئی ہے، اس لئے جس طرح ایک عام مسلمان بیوی کے حقوق شوہر کے ذمہ ہوتے ہیں جن کو ادا کرنا واجب ہوتا ہے اسی طرح کتابیہ بیوی کے بھی حقوق ہوں گے، جن کی ادائیگی مسلمان شوہر پر لازم ہے، اور اس کے لئے بھی وہی تمام حقوق ہیں جو ایک مسلمان بیوی کے لئے ہوتے ہیں، شرعاً حقوق زوجیت کی ادائیگی اور نان ونفقہ وغیرہ میں دونوں قسم کی بیویاں مساوی ہیں، حضرات فقہاء کرام نے اسلامی نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں کے مساوی حقوق بیان کئے ہیں، اور باندی کے حقوق الگ سے بیان کئے ہیں اور حرہ اور باندی میں فرق کیا ہے لیکن کتابیہ اور مسلمہ بیوی کے حقوق کو جداگانہ طور پر کہیں بھی بیان نہیں کئے ہیں، اور یہ حدیث پیش نظر رہے۔

"وعن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: إذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)۔

حضرت ابوہریرہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے نکاح میں ایک سے زائد مثلاً دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان عدل و برابری نہ کرتا ہو تو وہ قیام کے دن (میدان حشر) میں اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ ساقط ہوگا جو اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں کے حقوق برابر ہیں، کتابیہ سے نکاح کرنے کے بعد ان کے حقوق واجبہ کی ادائیگی سے پہلوتہی اختیار کرنا اور راہ فرار اختیار کرنا یا محض غیر مسلم کتابیہ ہونے کی وجہ سے طلاق دینے کی از روئے شرعی اجازت نہ ہوگی، ہاں اگر کوئی خاص وجہ ہو جو طلاق کا متقاضی ہو تو پھر دے سکتے ہیں، اب چونکہ اسلام نے اہل کتاب کی عورتوں سے مشروط نکاح کی اجازت دی ہے، اس لئے یہ کتابیہ عورت اپنے عقائد کے بارے میں آزاد ہوگی چاہے اپنے باطل عقیدہ پر قائم رہے یا اپنے گھر اور شوہر کی خاطر اسلام قبول کر لے، مسلمان مرد کو چونکہ یہ معلوم تھا کہ وہ ایک باطل عقیدے والی عورت سے نکاح کر رہا ہے، اس لئے خاوند اس کتابیہ عورت کو اس کے مذہبی رسوم کی ادائیگی سے نہیں روک سکتا، شرعاً کتابیہ عورت آزاد ہوگی کہ وہ اپنے مذہبی مراسم اپنے عقائد کے مطابق ادا کرے، ان رسومات کی ادائیگی کی وجہ سے عقد نکاح متاثر نہ ہوگا۔

☆☆☆

برادران وطن کے اوتار اور مذہبی کتابوں کا حکم

قاضی محمد حسن ندوی مدھوبنی[1]

۱- اس مسئلہ کی دوشقیں ہوتی ہیں، ایک شق یہ ہے کہ برادران وطن جن شخصیتوں کو خدا کا اوتار مانتے ہیں کیا ان کو اپنے عہد کے نبی کا مقام حاصل ہوسکتا ہے؟

۲- ان اوتار کی کتابوں کو ان کے ماننے والوں کی طرف سے تورات وانجیل کی طرح آمیزش کرنے کے باوجود الہامی کتاب تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ دونوں شقوں پر یہاں بحث کی جارہی ہے:

۱- سب سے پہلے یہ تحقیق طلب امر ہے کہ نبی ہونے کے لئے کن صفات سے متصف ہونا ضروری ہے اور یہ کن شرائط پر موقوف ہے؟

قرآن وحدیث میں غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالی کے معتمد وکیل اور نائب ہوتے ہیں، اس لئے ان میں ایسے پاکیزہ اوصاف اور حقیقی خوبیاں ہونی چاہئے جو ان کی شایان شان ہوں بالخصوص ان میں خدا کی محبت اخلاص، اخلاق حسنہ، فہم وفراست امتیوں کے اعتبار سے اعلی درجے کی ہیں، چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں اولا تو خدا کی محبت اور اخلاص اس درجہ ہو کہ ارادہ معصیت کی گنجائش ہی نہ نکلے، دوسرے یہ کہ اخلاق پسندیدہ ان کے اندر فطری طور پر راسخ ہوں تا کہ جو کام کریں، قابل اقتداء اور جو فعل بھی سرزد ہو باعث ہدایت سمجھا جائے۔

تیسرے یہ کہ فہم وفراست ان میں امتیوں کے اعتبار سے اعلی درجہ کی ہو (اسلام کے بنیادی عقائد: ص ۵۳، مطبع مکتبہ ملت دیوبند)۔

اسی طرح ملا علی قاریؒ نے انبیاء علیہم السلام کی بعض امتیازی کمالات کی طرف اشارہ کیا ہے:

''لأن الأنبياء عليهم السلام معصومون مامونون عن خوف الخاتمة بالوحي حتى في المنام ويمشاهدة الملائكة الكرام مامورون بتبليغ الأحكام وإرشاد الأنام بعد الاتصاف بكمالات الأولياء العظام'' (شرح فقہ اکبر/ ص ۱۴۸)

(بلاشبہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، خاتمہ بالوحی کا اندیشہ نہیں ہوتا حتی کہ خواب میں بھی الہام ہوتا ہے، معزز فرشتے مشاہدہ ہوتا ہے، احکام کی تبلیغ اور امت کی رہنمائی کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور نفسہ اولیاء عظام کی کمالات سے مالا مال ہوتے ہیں)۔

ان صفات کے علاوہ اللہ تعالی نے جن کو بھی منصب نبوت سے سرفراز کیا ان ہی کوئی معجزہ ضروری عطا کیا، تا کہ اس کے ذریعہ امت کو راہ دکھانے میں کوئی فزع وجزع محسوس نہ کریں، اس کی وضاحت امام قاضی علی بن علی بن محمد بن ابی العز الدمشقی نے کی ہے۔

مولانا دمشقی قلمبند کرتے ہیں: ''لم يبعث نبيا إلاومعه آية تدل على صدقة فيما اخبر به تعالى لقد ارسلنا بالبينات (حديد ۲۵) وماأرسلنا من قبلك إلا رجالا نوحي اليهم فسئلوا أهل الذكر انكنتم لاتعلمون'' (نحل: ۴۳)، ''وقال تعالى: قل قد جاء تكم رسل من قبلي بالبينات'' (آل عمران، شرح العقيدة الطماوية/ ص ۴۹)۔

اب یہاں قابل لحاظ بات یہ ہے کہ صفات انبیاء کے سلسلہ میں اوپر جو کمالات وصفات عظیمہ ذکر کی گئی ہیں کیا ان اوتاروں میں پائی جاتی ہیں،

---

[1] استاذ حدیث وفقہ دار العلوم ماٹلی والا بھروچ، گجرات۔

یا نہیں، اگر نہیں پائی جاتی ہیں تو ان میں نبوت کا رتبہ حاصل نہیں ہوگا۔

توصورت حال یہی ہے کہ براداران وطن جن کو اوتار کا درجہ دیتے ہیں ان میں بعض جزوی صفات ہیں تو ضرور ہیں، لیکن وہ بنیادی صفات (جو انبیاء کے لئے ضروری ہیں یعنی معصوم عن الخطاء ہونا، معجزہ کا ظہور، ملائکہ کا مشاہدہ وغیرہ) سے محروم ہیں، تو کیسے ان کو نبی کا درجہ حاصل ہوا؟

چنانچہ صاحب تقابل ادیان لکھتے ہیں: اسلام میں ''عصمت انبیاء'' عقیدہ انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، لیکن یہودیوں نے اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس عقیدہ کی خوب دھجیاں بکھیری ہیں (تقابل ادیان/ص ۱۹۹ مطبع لاہور)۔

دوسری اہم قابل لحاظ بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی اوتار کو کسی نبی کے درجہ پر فائز کرنے میں ایک اجماعی مسئلہ کے خلاف ایک چیز کو ثابت کرنا لازم آئے گا اور یہ شرعاً درست نہیں، یعنی حضرت محمد ﷺ آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اس پر امت کا اتفاق ہے، جیسا کہ ملاعلی قاری نے لکھا ہے:

''ودعوى النبوة بعد النبي ﷺ كفر بالإجماع وكل دعوة نبوة بعده ففي وهوى'' (شرح العقیدۃ الطحاویۃ/ ۱۶۷، شرح فقہ اکبر)۔

مذکورہ بحث اور تصریحات کے آئینہ میں یہ بات واضح ہوئی کہ براداران وطن کے اوتار کو ہرگز نبی کا درجہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

۲- دوسری شق یہ ہے کہ ان اوتاروں کی کتابوں کو الہامی کتاب تسلیم کیا جاسکتا ہے؟

جہاں تک کہ اس شق کا تعلق ہے تو پہلے یہ طے کرنا ہوگا کہ الہامی کتاب ہونے کے لئے کیا اصول اور بنیاد ہیں؟ آیا ان اصولوں پر ان اوتاروں کی کتابیں صادق آرہی ہیں؟

یہ بات مسلم ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اس کتاب کے علاوہ دوسرے انبیاء کی کتاب کا ذکر کیا ہے، مثلاً تورات، انجیل، زبور صحف ابراہیم وغیرہ۔

"انا انزلنا التورات فيها هدى ونور" (مائدہ:۴۴)، "إن هٰذا لفي الصحف الأولى. صحف ابراهيم و موسى" (سورۂ اعلی)، "قد جاء كم رسل من قبلي بالبينات" (آل عمران:۱۸۳)۔

بہرحال قرآن پاک میں جن کتابوں کا ذکر ہے انہیں الہامی کتاب تسلیم کرنے میں کوئی شبہ نہیں، لیکن وہ کتابیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے ان پر بھی درجہ ذیل امور کی بنا پر الہامی کتاب کا اطلاق نہیں ہوگا، چاہے قرآن سے پہلے کی کتاب ہو یا بعد کی۔

۱- ایک وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔

۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ تورات وانجیل میں تمام تر تحریفات کے باوجود ان میں اللہ کی وحدانیت، رسول اللہ کی رسالت اور جنت وجہنم اور موت کے بعد حساب وکتاب کا ذکر ہے، لیکن ان کتابوں میں ان عقائد کا ذکر نہیں ہے، چنانچہ صاحب تقابل ادیان لکھتے ہیں:

ہندوؤں کے موجودہ عقائد یہ ہیں کہ موت کے بعد ایک نئی ارضی اور زمینی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، جس میں انسان کو اپنے گذشتہ جنم کے اعمال کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہے گا، یعنی اعمال کے اعتبار سے اچھے اور برے جانور اور پرندے، پھل پھول کی شکل میں ہوتا رہے (تقابل ادیان/ص ۴۸)۔

اسی طرح پنڈت وید پرکاش کی ایک کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ: کالکی اوتار یہ اخری رسول ہیں (کالکی اوتار اور اسلام)۔

دوسری جگہ پر لکھتے ہیں: ہندوؤں کے یہاں تناسخ، جہان نو، نکاح اور نیوگ، مادہ کا تصور، گائے کو ایک مقدس جانور سمجھ کر اس کی پرستش کرنا، انسان کی قربانی جیسے عقائد ان کی کتابوں میں ہیں (تقابل ادیان/ص ۷۵)۔

ان ہی وجوہ کی بنا پر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے لکھا ہے: موجودہ دور میں ہندوؤں اور بدھشٹوں کے بارے میں بعض حضرات کی تحقیق ہے کہ ان کے پاس الہامی کتاب ہے، یہ بہرحال ایک مشکوک دعوی ہے، اس کو بنیاد بنا کر ان پر اہل کتاب ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا (جدید

فقہی مسائل/۲۱۹)۔

۳- تیسری بات یہ ہے کہ قرآن پاک کے بعد کسی اوتار کی کتابوں کو الہامی کتاب تصور کرنے میں ایک بڑی خرابی لازم یہ آئے گی کہ قرآن پاک کی موجودگی میں ہدایت انسانی کے لئے کسی الہامی کتاب کی ضرورت باقی رہے ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ قران پا کی اس آیت کے خلاف ہے جس میں اللہ نے تکمیل دین کا اعلان فرمایا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے:"الیوم أکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتي ورضیت لکم الاسلام دینا" (مائدہ:۳) (آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا)۔

مفتی شفیع صاحب اس آیت کے تحت تحریر فرماتے ہیں: خلاصہ یہ ہے کہ اکمال دین کا مطلب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق یہ ہے کہ دین کے تمام احکام کو مکمل کر دیا گیا، اب نہ اس میں کسی زیادتی کی ضرورت باقی ہے نہ منسوخ ہو کر کمی کا احتمال، کیونکہ اس کے بعد ہی متصل سلسلہ وحی وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منقطع ہونے والا تھا (معارف القرآن ۳/۳۶)۔

لیکن امام راغبؒ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ کسی چیز کا ''اکمال و تکمیل'' اس کو کہتے ہیں کہ اس چیز سے جو غرض اور مقصود تھا وہ پورا ہو گیا، اس ''اکمال دین'' کا حاصل یہ ہوا کہ قانون الٰہی اور احکام دین کے اس دنیا میں بھیجنے کا جو مقصد تھا وہ آج پورا کر دیا گیا، اور ''اتمام نعمت'' کا مطلب یہ ہوا کہ اب مسلمان کسی کے محتاج نہیں (حوالہ سابق/ص ۳۷)۔

ایک حدیث میں مذکور ہے:"لقد ترکتکم علی مثل البیضاء لیلها و نهارها سواء" (ابن ماجہ:۲)

(میں نے تمہیں صاف روشن راہ مستقیم پر چھوڑا ہے کہ جس کی رات اور دن برابر رہے)۔

قاری عثمان منصور پوری اس آیت کے تحت مفسرین کی رائے لکھنے کے بعد لکھتے ہیں: جو دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا وہی آخری اور مکمل دین ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آخری نبی ہیں، اور امت محمد یہ آخری امت ہیں، اب اگر کسی اور نبی کو بحیثیت نبی کے دنیا میں انا تجویز کیا جائے تو اس کی یہ آمد بلا ضرورت اور عبث ہوگی (ردقادیانیت/ص ۲۱)۔

غرض مذکورہ بحث سے یہ بات عیاں ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کی کتاب ''قرآن مجید'' آخری کتاب ہے، جس میں قیامت تک آنے والی امت کی مکمل رہنمائی ہے، دین کے ہر شعبہ میں مکمل ہدایت ہے، اس بنا پر برادران وطن کے اوتار کو نبی کا درجہ دینا اور ان کی کتاب کو الہامی کتاب قرار دینا غیر ضرورت اور عبث ہوگا (جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ۹ اور سورہ مائدہ (۲) کے خلاف لازم آئے گا۔

اس لئے ان کے اوتار کو نہ نبی کا مقام حاصل ہوگا اور نہ ان کی کتابوں کو الہامی کتاب تسلیم کیا جا سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:"قال رسول اللہ ﷺ إن الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی" (ترمذی شریف حدیث نمبر ۲۲۷۲) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رسالت و نبوت منقطع ہو گئی میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ کوئی نبی)۔

۸- الف: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تعمیر انسانی میں اور نسل انسانی کی ہدایت میں علم اور تعلیم کا بڑا دخل ہوتا ہے، جو انسان زیور تعلیم سے آراستہ ہوتا ہے اس کی پوری زندگی میں اخلاق کی بلندی ہوتی ہے انسانوں سے ہمدردی اور اخوت سے پیش آتا ہے، اس وجہ سے اسلام سے قبل عرب میں تمام برائیاں عام تھیں، شراب جیسی (ام الخبائث) اہل عرب کی گھٹی میں رچی بسی تھی۔

ایسے حالت میں قرآن پاک کی پہلی سورہ، پہلی آیت نازل ہوتی ہے، اس میں نہ شراب کا ذکر ہے، نہ قتل و قتال کی ممانعت کا ذکر ہے بلکہ وہ آیت ہے جس میں پڑھنے، علم حاصل کرنے اور اس سے نسل انسانی کو روشناس کرنے کا ذکر ہے، "اقراء باسم ربك الذی خلق...اقرا وربك الا کرم علم بالقلم علم الإنسان مالم یعلم" (اقراء، ۱-۴) (اے پیغمبر آپ قرآن اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، آپ قرآن پڑھا کیجئے، اور آپ کا رب بڑا کریم ہے)۔

سب سے پہلے یہ آیت اس لئے نازل ہوئی کہ علم آئے گا تو تاریکی کا پردہ چھٹے گا، علم کا نور جب جگمگ کرے گا تو شرک و کفر اور بدعت و خرافات

کا پردہ تار تار ہوگا، اور ساری معاشرتی ناسور برائیاں اور بیماریاں دور ہوجائیں گی، اللہ تعالی نے صحیح کہا ہے:"ان الحسنات یذہبن السیئات"(ہود:۱۱۴)۔

علامہ ابن قیم کا قول یہاں ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے: انسانی معاشرہ میں جو برائیاں اور خرابیاں ہیں وہ جہالت کا نتیجہ ہے، اور جو دنیا اور انسانی معاشرہ میں خوبی اور اچھائیاں ہیں وہ دراصل علم اور تعلیم کا نتیجہ ہے۔

عام طور پر علماء نے علم کی دو قسمیں کی ہیں: علم مفید اور علم غیر مفید۔

علم مفید:

یہ وہ علم ہے جس کی وجہ سے انسان کو دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں فائدہ ہی پہنچے، جیسے قرآن وحدیث کا علم اور معاشی مسئلہ کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے اور رزق حلال کے حصول کے لئے موجودہ سائنس اور ٹکنالوجی تعلیمات سے آراستہ ہونا یہ سب گرچہ فن کے درجہ میں ہیں لیکن مفید ہیں، اس لئے اس کی بازیابی کے لئے کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں، قرآن وحدیث میں بڑی ترغیب دی گئی ہے:

"فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الأرض وابتغوا من فضل اللہ"(جمعہ:۱۰)۔

علم غیر مفید:

ایسی کتاب کا پڑھنا، ایسے ادارے اور اسکول میں تعلیم حاصل کرنا جس کے نصاب اور سلیبس میں کفر وشرک اور الحاد اور دہریت کی باتیں ہیں اور گمراہی کی راہ پر گامزن کرنے والیں ہوں تو وہ علم غیر مفید ہے، کیونکہ اس سے روپیہ حاصل ہوجائے گا، دنیا حاصل ہوجائے گی، مگر آخرت تباہ ہوجائے گی، اس لئے ہر ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ اپنی اولاد کو ایسے اسکول میں داخل کرے جہاں کی تعلیم اور علم اللہ تعالی سے قریب کرنے والا ہو، اور جس کے ذریعہ زندگی میں اللہ تعالی کی معرفت اور ایمان اور عقیدہ مضبوط ہو۔

عیسائی اسکول کی تعلیم کا اثر:

لیکن عیسائی مشنریز کے ماتحت پورے ملک میں اسکول چل رہے ہیں، اس میں ایسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں کہ طلبہ اور طالبات اچھی خاصل تعداد الحاد ودہریت کے شکار ہوجاتی ہیں، اس کا اندازہ مفتی عتیق صاحب کی کتاب ہوتی ہے، مولانا لکھتے ہیں: تعلیم ذہن سازی کا بنیادی ذریعہ ہے، تعلیم کے ذریعہ ذہنوں کو بگاڑا جاتا ہے، خصوصا ابتدائی بنیادی تعلیم بچوں کا ذہنی سانچہ تیار کرتی ہے اور نسل نو کی تعمیر یا تخریب میں بنیادی رول ادا کرتی ہے (عیسائی مشنریز اور اس کی سرگرمیاں/ص ۱۱)۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: عیسائی مشنریز سماجی رفاہی اور طبی خدمات کے ذریعہ لاکھوں انسانوں کا دل جیت لیتے ہیں، ان میں ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی بھی ہوتی ہے، بہت سے جاہل مفلوک الحال مسلمان جنہیں دین وایمان کی خبر نہیں ہوتی، ایمان واسلام کی بیش بہا دولت گنوا کر عیسائیت کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور متاع ایمان سے دھو بیٹھتے ہیں (عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں اور مسلمان/ص ۱۴-۱۵)۔

تیسری جگہ پر لکھتے ہیں: ہماری بچے جوان اسکولوں میں جاتے ہیں ان میں سے نوے فیصد وہ ہیں جو دین وایمان وعقیدہ سے بالکل نابلد ہوتے ہیں، اور ان اداروں میں اسلام مخالف عقائد وافکار کی تعلیم دی جاتی ہے، دیومالائی اور وشنی عقیدہ پڑھائے جاتے ہیں، وہاں سے تعلیم کے نام پر سلمان رشدی جیسے اشخاص پیدا ہوتے رہتے ہیں (حوالہ سابق/ص ۲۱)۔

مفتی عتیق صاحب دوسری جگہ پر مزید عیسائی مشنریز کو اس طرح واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عیسائی مشنریز اور گرجاؤں نے پوری دنیا میں تعلیمی اداروں کا جال بچھا دیا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ہر مذہب اور قوم کے لوگ مسیحی تعلیمی اداروں میں اپنے بچوں اور بچیوں کو داخل کرانا کامیابی کی کنجی سمجھنے لگے، مشنریز اسکول میں بڑی خاموشی اور حکمت سے یسوع مسیح اور عیسائی مذہب اور حقانیت معصوم بچیوں کے دل ودماغ میں پلادی جاتی ہے، ان اسکولوں کے ذریعہ سالان ہر ملک میں ہزاروں بچے بچیاں عیسائیت کی گود میں جارہے ہیں (عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں اور مسلمان/ص ۱۰-۱۱)۔

غرض مولانا کی تفصیلات اور موجودہ صورتحال سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ عیسائی اسکول میں مسلمان کا اپنے بچے اور بچیوں کو تعلیم دلانا۔ انتہا کی

من نفعھما" مصداق ہے بلکہ ان اسکولوں میں تعلیم حاصل ہونے کے بجائے ایمان جیسی دولت سے محروم ہونا پڑتا ہے والدین کا ایسے اداروں میں داخلہ اپنے بچوں کا کرانا جہنم کی طرف دعوت دینا ہے اور یہ ناجائز ہے اور حرام رہے، بلکہ اللہ تعالی نے ہر ماں باپ پر ذمہ داری عائد کی ہے کہ ایسی تعلیم اپنے بچے کو دلائے جو جہنم کی آگ سے نجات دینے والی ہو۔

ارشاد الٰہی ہے: "یایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا" (تحریم: ٦) (اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ)۔

اس لئے عیسائی اسکول میں مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کا داخلہ لینا درست نہیں ہوگا، البتہ مسلمانوں پر ضروری ہوگا کہ اپنے علاقے میں ایسے ادارے اور اسکول کا قیام کرے جس میں دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم سے آراستہ ہونے کا پورا انتظام ہو، اور متبادل معیاری تعلیمی درسگاہوں کے قیام کی طرف توجہ دی، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں دار ارقم کو خاص کیا تھا اور مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد سب سے پہلے تعلیم و تعلم کے لئے مقام صفہ کو خاص کیا جہاں تعلیم کا انتظام کیا۔

۸- ب: اس سوال میں تین صورتیں ہیں، اس لئے علاحدہ علاحدہ ہر ایک پر بحث کی گئی، اگر اہل کتاب خاتون واقعۃ اہل کتاب ہیں تو ان سے نکاح کے بعد اس کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمان بیویوں کے ہیں، کوئی فرق کرنا درست نہیں، چنانچہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

"العدل بين الزوجات المسلمات والكتابيات واجب قال ابن المنذر: أجمع كل من نحفظ عنه من أهل العلم على أن القسم بين المسلمة والذمية سواء، وذلك لأن القسم من حقوق الزوجية فاستوت فيه المسلمة والكتابية كالنفقة والسكنى، وهذا عند جميع الفقهاء" (الموسوعۃ الفقہیہ ۷/۱۳۶) کیونکہ قرآن وحدیث میں ایسے لوگوں کے بارے میں بڑی وعید فرمائی کہ جو تمام بیویوں میں سے ایک کے حقوق کو ادا کرے اور دوسرے کے ساتھ حق تلفی کرے۔

"فإن خفتم ان لاتعدلوا فواحدة" (نساء: ۳)، اور حدیث میں ہے:

"إذا كان عند الرجل امراتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط" (ترمذی حدیث نمبر ۱۱۴۱)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں: "فإنه تعالى امر بالاقتصار على واحدة إذا خاف الإنسان الجور ومجافاة العدل بين الزوجات" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۱۷۲)۔

اسی وجہ سے قدیم اور جدید ثیبہ اور باکرہ کے مابین شب باشی میں فرق کرنا درست نہیں عند الاحناف، بلکہ دونوں کے ساتھ مساوات ضروری ہے (ہدایہ)۔

دوسری جگہ پر ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ نے لکھا ہے کہ امام شافعی کے علاوہ تمام ائمہ کے یہاں نفقہ میں برابری ضروری ہے:

"فمن كان له إمرأتان أو أكثر فيجب عليه عند الجمهور غير الشافعية العدل بينهن في القسم والنفقة" (الفقہ الاسلام وادلتہ: ۷/۳۲۱)

(جن کے نکاح میں دو یا اس سے زیادہ بیویاں ہوں جمہور ائمہ کے یہاں اس پر واجب ہے کہ ان کے مابین عدل و [illegible] کرے، البتہ امام شافعی نے جمہور کی رائے سے اختلاف کیا ہے)۔

۲- رہا یہ مسئلہ کہ اہل کتاب سے نکاح کرنے کے بعد ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنے اور ان کو چھوڑ کر بھاگ آنے کا مسئلہ تو اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کے آئینہ میں فقہاء کا نظریہ واضح ہے کہ اگر یہ عورتیں اصل کتابی ہیں (جن سے مسلمانوں نے نکاح کیا ہے) تو ان کے تمام حقوق کی ادائیگی شوہروں پر ایسی ہی واجب ہے جس طرح مسلمان عورتوں کی ادائیگی ضروری ہے۔

اللہ تعالی نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے: "ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف" (بقرہ: ۲۲۸) اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل ان ہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدہ کے موافق۔

دوسری جگہ پر ارشاد ربانی ہے: "فلا تذروھا کالمعلقة" (بقرہ)، "فامساك بمعروف أو تسريح باحسان" (بقرہ: ۲۲۹)۔

ایک اور جگہ پر ہے: "لینفق ذوسعة من سعته" (بقرہ:)۔

حدیث شریف میں ہے:

"من كانت له امرأتان ومال إلى أحدهما في القسم جاء يوم القيامة وشقه مائل" (بحوالہ ہدایہ ثانی)۔

مذکورہ آیات اور حدیث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اہل کتاب سے نکاح کے بعد بغیر عذر شرعی کے ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا ان کو چھوڑ کر بھاگ آنا درست نہیں، ہاں اگر ان کے ساتھ وہاں رہنے میں اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا لازم آئے تو ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنے میں کوئی قباحت نہیں، مثلاً وہ عورتیں اہل کتاب کے عقیدہ کو چھوڑ کر دہریہ اور الحاد کو قبول کرلے یا یورپ کی تہذیب سے متاثر ہو کر کسی حد تک عمل کا خوگر ہو جائے، منع واصلاح کے باوجود وہ بری عادت سے باز نہ آئے تو انہیں ناشزہ سمجھ کر اور اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے راہ فرار اختیار کرنا درست ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے: "لا ضرر ولا ضرور" (مسند احمد ۱/ ۳۶۷ مطبع دار الحدیث القاہرہ) (نہ اپنا نقصان کرو اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ)، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب عورتوں کے ساتھ رہنے میں اپنے ایمان وعقیدہ کے خراب ہونے اور شعائر کے مجروح ہونے کا یقین ہو جائے تو راہ فرار اختیار کرنا اولی ہوگا کیونکہ ان کے ساتھ رہنے میں اپنا نقصان ہے۔

۳- اہل کتاب بیویاں جب غیر مسلم ہو جائیں تو انہیں طلاق دینے کی اجازت ہوگی؟

بلاشبہ اسلام کی نگاہ میں نکاح ایک پاکیزہ اور ٹھوس رشتہ ہے اس لئے اسلام یہ چاہتا ہے کہ جن دو مرد اور عورت کے مابین نکاح ہوا ہے وہ ہمیشہ اس عہد پر قائم رہیں اور معمولی باتوں کی بنا پر اس مضبوط رشتہ کو نہ توڑیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ شیطان کو سب سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ میاں بیوی میں جدائیگی پیدا کر دی جائے، نیز بلا وجہ شرعی جو عورت شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے، اور فقہاء نے بلاضرورت طلاق دینے کو حرام قرار دیا ہے۔

لیکن جب عورتوں کے ساتھ رکھنے میں نکاح کے مقاصد فوت ہونے کا اندیشہ ہو، عورتوں کے غلط کردار کی بنا پر طلاق دینا ضرورت میں شامل ہو جاتی ہے، اور طلاق دینا جائز ہو جاتا ہے جس طرح عورتوں کو فتنہ کے اندیشہ سے خلع کی اجازت شریعت نے دی ہے۔

"فإن خفتم ان لا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به" (بقرہ:۲۲۹)

(سو اگر تم لوگوں کو یہ احتمال ہو کہ وہ دونوں ضوابط خداوندی کو قائم نہ کرسکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا اس میں جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑا لے)

اسی طرح جب اہل کتاب عورتوں کے کردار مشکوک ہو جائے تو ان کے شوہروں کے لئے طلاق دینے کی اجازت ہوگی، "لا تطلق النساء الا من ريبة" (المبسوط ۶/ ۲) عورتوں کو طلاق نہ دی جائے، مگر اس وقت جبکہ اس کا کردار مشکوک ہو۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے اسباب فسخ میں زوجہ کا مرتد ہونے کو ایک سبب میں شامل کیا ہے، اور اس کی اجازت دی ہے لکھتے ہیں:

"الفسخ يكون اما بسبب حالات طارئة على العقد ثنا في الزواج فمن امثله ردة الزوجة أو إباها الاسلام... وهو الحاجة إلى الخلاص من تباين الاخلاق وطروء البغضاء الموجبة عدم إقامة الله تعالى" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۳۴۵)

طلاق کی اجازت عورتوں کی بداخلاقی سے بچنے کے لئے ہے اور اس وقت بھی ہے جبکہ ان کے ساتھ رہنے میں اللہ تعالی کے حدود پامال ہونے کا اندیشہ ہو۔

مجموعہ قوانین اسلام میں مذکور ہے: یہ بھی واقعہ ہے کہ اگر زوجین کے مزاج ہم آہنگ نہ ہوں، مرد یہ محسوس کرے کہ وہ بحیثیت زوج عورت کے حقوق ادا نہیں کرسکتا، یا طبیعتوں کے اختلاف کی وجہ سے اللہ کے حدود کو قائم نہیں رکھا جاسکتا تو ایسے حالات میں نکاح کو برقرار رکھنا اور قانونی پابندیوں کے ذریعہ مرد وعورت کو رشتہ ازدواج منسلک رکھنے پر مجبور کرنا معاشرہ کے لئے زیادہ فساد کا موجب ہے، اس لئے شریعت نے طلاق کو ایک ناپسندیدہ عمل ہونے کے باوجود مباح قرار دیا (مجموعہ قوانین اسلام ۱/ ۱۲۵)۔

ظاہر ہے کہ جب اہل کتاب خاتون اسلام سے مرتد ہوجائے گی تو مزاج میں بڑی تبدیلی آجائے گی، سب سے بڑا ضرر یہ سامنے ابھر کر آئے گا اللہ کے حدود اور شعائر پر قائم رہنا متعذر ہوجائے گا یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہ کو اپنے نکاح سے کتابیہ عورت کو خلاصی کرنے کا حکم فرمایا اور فقہاء نے خیر القرون بھی اس سے نکاح کرنے کو مکروہ قرار دیا۔

اس لئے مسلمان کا مذکورہ مقاصد (ایمان کی حفاظت) کے خاطر اہل کتاب خاتون کے غیر مسلم ہونے کی بنا پر طلاق دینا درست ہوگا۔

سوال نمبر ۸ (ج): موجودہ عالمی پس منظر میں (جبکہ پوری دنیا ایک گاؤں کے درجہ میں ہوگئی ہے) اہل کتاب کیا، بلکہ غیر مسلموں سے تعلقات کا مسئلہ بڑی اہمیت کے حامل ہے، کیونکہ اسلام کی نظر میں پوری انسانیت ایک ہی کنبہ اور خاندان ہے، یہ ایک ہی درخت کی شاخیں اور ایک ہی گلدستہ کے پھول ہیں، جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اسی طرح ہر انسان انسانی رشتہ سے ہمارا بھائی ہے، اللہ تعالی نے قرآن میں صحیح فرمایا ہے: "ولقد کرمنا بنی آدم" (بنی اسرائیل: ۷۰) (ہم نے انسان کو معزز بنایا ہے)۔

ایک بار ایک یہودی کا جنازہ جارہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے لوگوں نے عرض کیا کہ یہودی کا جنازہ ہے، آپ نے فرمایا کہ جان تو اس میں بھی ہے (بخاری شریف حدیث نمبر: ۱۳۱۲)۔

غرض اسلام نے غیر مسلمین کے ساتھ اخوت، ہمدردی اور اس کے تمام حقوق کی حفاظت کی تاکید کی ہے، اور باہمی تعلقات اور روابط کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے سماجی تعلقات، معاشی تعلقات، سیاسی تعلقات اور مذہبی تعلقات ان میں سے ہر ایک تعلقات کا اسلام نے خاطر خواہ لحاظ کیا ہے، لیکن یہاں سوال مذہبی تعلقات اور مراسم سے متعلق ہے اس لئے اس کے متعلق اسلام کی روشنی میں کچھ ہدایات کا زیور قرطاس کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات بالخصوص قرآن وحدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کے معاملہ میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں، اپنے دین پر استقامت اور دوسروں کے مذہبی جذبات کا احترام۔

مسلمان جہاں کہیں ہوں دین کے چار شعبوں میں ان کے لئے قانون شریعت کا التزام ضروری ہے، اعتقادات، عبادات، احوال شخصیہ اور معاملات۔

یہ حقیقت پر مبنی ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے جس طرح دوسرے مذاہب کا احترام کیا اور اس کی ترغیب دی ہے یہ کسی اور مذہب میں نہیں ہے، قرآن مجید نے صاف کہا ہے کہ ہر شخص کو عقیدہ کی آزادی حاصل ہے، اور کسی مذہب کے قبول کرنے کے لئے جبر و تشدد جائز نہیں، "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" (سورہ بقرہ: ۲۵۶) (دین میں کوئی جبر نہیں، ہدایت گمراہی کے مقابلہ میں واضح ہوچکی ہے)۔

مذہب پر عمل کی آزادی:

عقیدہ کے علاوہ غیر مسلموں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی بھی مکمل آزادی حاصل ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "لکم دینکم ولی دین" (کافرون: ۶) (تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رواداری کا حال یہ تھا کہ نجران کے عیسائیوں کا وفد بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے مذہب کے مطابق اور ان کے قبلہ کی طرف رخ کر کے مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی (احکام الذمۃ ۱/ ۳۱۶)۔

یہاں تک کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی مسلمان کی بیوی یہودی یا عیسائی ہو اور اس کے عقیدہ کے مطابق کسی خاص دن روزہ رکھنا واجب ہو تو مسلمان شوہر اسے روزہ سے نہ روکے (احکام اہل الذمہ ۱/ ۳۱۶)۔

چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی اس کی اجازت دی ہے، وہ لکھتے ہیں: اسی طرح اگر وہ اپنے عقیدہ کے مطابق صلیب پہننے یا مسلمان شوہر کے گھر میں صلیب رکھے تو اسے یہ حق ہے اور شوہر اس کو روک نہیں سکتا (اسلام اور جدید فکری مسائل: ۱۳۶)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات عیاں ہوئی کہ اہل کتاب خواتین مسلمان مردوں کے نکاح میں ہوں وہ اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام دے سکتی ہیں۔ لیکن ایک بات ضرور یاد رہے کہ اگر اہل کتاب خواتین کا اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم کی ادائیگی میں گھر کے بچے متاثر ہونے کا اندیشہ ظاہر ہوجائے تو بر سر عام ادا کرنے پر شوہر روک لگا سکتے ہیں، کیونکہ بچے باپ کے مقابلہ میں ماں سے قریب ہونے کی وجہ سے زیادہ

مانوس رہتے ہیں، اوران کی تہذیب اور نقوش کو بہت جلد قبول بھی کرتے ہیں، ایسی صورت میں دو مضرات لازم ہوں گے۔

۱۔ بچے ماں کی تہذیب کو اختیار کرنے کی کوشش کریں گے، یا کم از کم ان سے مشابہت اختیار کریں گے، اور یہ دونوں درست نہیں ہیں، کیونکہ اس میں اسلام اور مسلمان کی جو شناخت ہے وہ باقی نہیں رہے گی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری اقوام کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا، حضرت عمرو بن العاص سے مروی ہے:

''لیس منا من تشبه بغيرنا لاتشبهوا باليهود ولا بالنصارى'' (الجامع الترمذی حدیث نمبر ۲۶۹۵)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دوسروں کی مشابہت اختیار کرے وہ ہم میں سے نہیں، یہودیوں اور عیسائیوں سے مماثلت اختیار نہ کرو)۔

۲۔ دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ بچے کے دل میں یہود و نصاریٰ کی تہذیب راسخ ہوتی چلی جائے گی، اور اپنی تہذیب سے دوری، جیسے صلیب یا زنار مسلمان بچے پہننے لگیں گے، اسی وجہ سے فقہاء نے اسے باعث کفر قرار دیا ہے، ''ولو وضع على راسه قلنسوة المجوس كفر'' (الملتقط فی الفتاوی الحنفیۃ: ص ۲۲۵)

ان نقصانات کی بنا پر اہل کتاب خواتین کو مذہبی مراسم کی ادائیگی کی اجازت اس شرط کے ساتھ دیں گے کہ مسلمان بچے ان کی تہذیب سے متاثر نہ ہوں اور نہ ان کے عقیدہ پر کوئی ضرب پڑے۔

۸۔ (د): چونکہ سوال (۸-الف) کے تحت تفصیل کے ساتھ یہ بحث آچکی ہے کہ عیسائی مشنریز کے ذریعہ انسانوں کے رفاہی کام بہت زیادہ انجام پا رہے ہیں، لیکن اس کے پس پردہ ان اداروں کا مقصد اپنے مذہب سے دور ہی کرنا نہیں ہے، بلکہ عقائد عیسائیت کو اپنے احسانات کے ذریعہ ان غریب مفلوک الحال انسان پر لازم کرنا ہے تاکہ اپنے عقیدہ ایمان و اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے اور عیسائی ہو کر زندگی گزارے، اور مذہب عیسائیت کا علم بردار ہو جائے۔

ظاہر ہے ایسے حالات میں عیسائی مشنریز کے ہاسپٹل اور اداروں میں خدمت کرنا اور ان کی خدمات سے استفادہ کرنا دراصل چند کوڑیوں کے بدلے جہنم کو خریدنا لازم ہوگا، آخرت پر دنیا کو ترجیح دینا اور معصیت کی تشہیر کے لئے معاونت کرنا لازم آئے گا، قرآن پاک میں ہے:

"فأما طغى وآثر الحيوة الدنيا فإن الجحيم هي المأوى" (نازعات: ۳۹-۳۷)

دوسری جگہ پر ہے: "من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هزوا أولئك لهم عذاب مهين" (لقمان: ۶)

(اور جو ان باتوں کو خریدتا ہے جو غافل کرنے والی ہے تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے)۔

تیسری جگہ پر ارشاد ہے: "تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان" (مائدہ: ۲)

(ایک دوسرے کی بھلائی اور تقوی میں مدد کرو اور گناہ اور عدوان میں مدد نہ کرو)۔

ان آیات کے آئینہ میں یہ بات بے غبار ہوگئی کہ اگر عیسائی ہاسپٹل اور ان کے ادارے میں کام کرنے اور ان کی خدمات سے استفادہ کرنے میں مسلمانوں کا اپنے عقیدہ ایمان سے ہاتھ دھونا لازم آئے یا ان کی تہذیب کی عظمت مسلمانوں کے ذہنوں میں بیٹھ جانے کا اندیشہ ہو ایسے حالات میں ان عیسائی اداروں میں ملازمت کرنا اور ان کی خدمت سے استفادہ کرنا درست نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالی نے جہاں رزق کی بازیابی کے لئے محنت اور ملازمت کرنے کی حوصلہ افزائی کی وہی ان اداروں سے دور رہنے کا بھی حکم فرمایا جو ایمان کے لئے مضر اور غیر نافع ہوں۔

ہاں اگر یہ نقصانات نہ ہوں تو ان کے ادارے میں خدمت کرنے اور ان کی خدمات سے استفادہ کرنے کی گنجائش ہوگی، جیسے حضرت عمرؓ نے حساب و کتاب کے نظام میں روم و ایران کے طریقوں سے استفادہ کیا تھا (الفاروق ۲ / ۱۳۰)۔

اور ایسے ہی غزوہ احزاب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر اہل فارس کے طریقہ پر خندق کھدائی تھی (البدایہ والنہایہ ۴ / ۹۵)۔



تیسرا باب مختصر تحریریں

اہل کتاب سے متعلق سوالوں کے جوابات

مولانا نازبیر احمد قاسمی[1]

۱- عام طور پر فقہاء احناف نے اہل کتاب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہیں:

"كل من يعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم وشيث وزبور داؤد فهو من أهل الكتاب" (بحر ۳/ ۱۸۲)

(یعنی اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی دین سماوی پر ایمان رکھتے ہوں اور ان کے پاس کتاب منزل موجود ہو)۔

البتہ اس میں اتنی وضاحت ضروری ہے کہ اس کتاب کا کتاب الٰہی اور منزل من اللہ ہونا بتصدیق قرآن ثابت ہو۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اس کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: باتفاق امت کتاب سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جس کا کتاب اللہ ہونا بتصدیق قرآن یقینی ہو، جیسے تورات، انجیل، زبور صحف موسیٰ وابراہیم وغیرہ، اس لئے وہ قومیں جو کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھتی اور اس کو وحی الٰہی قرار دیتی ہو جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن وسنت کے یقینی ذرائع سے ثابت نہیں وہ قومیں اہل کتاب میں داخل نہیں ہوں گی (معارف القرآن ۳/ ۴۷)۔

۲- "صائبين صبا يصبو" سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی خروج اور نکلنا ہے، صابی اس شخص کو کہا جاتا تھا جو اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں داخل ہو جائے، اسی وجہ سے کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو صابی کہتے تھے کیونکہ یہ حضرات قریش کے دین کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔

"وكانت العرب تسمي بالنبي ﷺ الصابي، لأنه خرج من دين قريش إلى دين الإسلام" (نہایہ بحوالہ تفسیر ماجدی)۔

نزول قرآن کے زمانہ میں یہ فرقہ موجود تھا، البتہ دین وعقیدہ کے اعتبار سے ان کے حالات مشتبہ تھے اس لئے مفسرین کرام کے درمیان اس سلسلہ میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس سے مراد کون لوگ ہیں اور ان کا دین وعقیدہ کیا تھا؟ چنانچہ بعض حضرات کی رائے ہے کہ ان لوگوں کا مستقل کوئی دین نہیں تھا، بلکہ یہ لوگ یہودیت اور نصرانیت کے درمیان تھے، بعض کی رائے ہے کہ یہ لوگ مجوسیت اور یہودیت کے درمیان تھے، اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ لوگ یحییٰ علیہ السلام کو مانتے تھے اسی وجہ سے ان کو نصاریٰ یحییٰ کہا جاتا تھا، اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر سمجھتے تھے، اور بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق یہ لوگ کواکب پرست تھے، اسی وجہ سے صاحبین ان کے ذبیحہ اور ان سے مناکحت کو ناجائز قرار دیتے ہیں، اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ لوگ زبور داؤد علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے، اور ستاروں کی عبادت نہیں بلکہ اس کی تعظیم کرتے تھے، ایسے ہی جیسے ہم لوگ خانہ کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ نے ان کے ذبیحہ کو حلال اور ان سے مناکحت کو جائز قرار دیا ہے۔

حاصل یہ کہ حتمی طور پر تو اس سلسلہ میں کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہے کہ صابئین سے مراد کون لوگ ہیں اور ان کا دین ومذہب کیا تھا، البتہ ان مختلف اقوال سے اتنی بات واضح ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں اس نام سے ایک ایسی قوم موجود تھی جو توحید رسالت پر ایمان رکھتی تھی، اور اپنے کو کوئی ایسے پیغمبر سے منسوب کرتی تھی جن کی نبوت کی قرآن مجید نے تصدیق کی ہے۔

یہ گروہ اب موجود ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے اپنی تفسیر ماجدی میں بعض مستشرقین کے حوالے سے نقل کیا ہے یہ فرقہ عراق کے علاقے میں اب بھی موجود ہے، اور اس کی آبادی تقریباً چھ ہزار ہے، لیکن ان کے علاوہ دیگر معاصر علماء اسلام نے اپنی

[1] ناظم جامعہ اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی، بہار۔

تفسیروں میں اس فرقہ کے موجود ہونے کی صراحت نہیں کی ہے، بلکہ ان کی تحریزوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ گروہ نزول قرآن کے زمانہ میں تھا اب نہیں ہے۔ نیز سب لوگوں نے اس فرقہ کے مذہبی حالات کے تعلق سے صرف قدیم مفسرین کرام کے اختلاف کو نقل کیا ہے اپنی کوئی تحقیق پیش نہیں کی ہے اگر واقعی یہ گروہ اب بھی موجود ہوتا تو صرف قدیم اختلاف کو نقل کرنے پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ اس سلسلہ میں کچھ نہ کچھ اپنی بھی تحقیق پیش کرتے اس لئے احقر کا خیال ہے کہ یہ گروہ اب دنیا میں موجود نہیں ہے۔

۳- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہود ونصاری بہت سی گمراہیوں کے باوجود چند بنیادی عقائد مثلاً توحید، سلسلہ وحی ونبوت اور آخرت وغیرہ میں مسلمانوں کے ہم خیال تھے، اس کے برخلاف عام کفار ومشرکین ان بنیادی عقائد میں بھی مسلمانوں سے مختلف تھے، چنانچہ اسی اتحاد واشتراک کی وجہ سے اسلامی شریعت نے یہود ونصاری کے ذبیحہ کو حلال اور ان کی عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا اور کفار ومشرکین کے ذبیحہ اور ان سے مناکحت کو حرام قرار دیا۔ چنانچہ معروف فقیہ وھبہ زحیلی صاحب رقمطراز ہیں:

"والسبب فی إباحة الزواج بالکتابية بعکس المشرکة هو أنها تلتقی مع المسلم فی الإیمان ببعض المبادی الأساسية من الاعتراف بالله والإیمان بالرسل وباليوم الآخر وما فيه من حساب وعقاب" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۱۵۱)۔

اس لئے موجودہ زمانہ میں جو لوگ محض نسلی یا رسمی اعتبار سے یہود ونصاری کہلاتے ہیں، اور حقیقۃً ملحد ودہریہ ہیں خدا کے وجود کے منکر یا وحی ورسالت کو تسلیم نہیں کرتے ان کے ساتھ ذبیحہ ونکاح کے معاملہ میں اہل کتاب جیسا معاملہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ جس بنیاد پر ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا تھا جب وہ بنیاد باقی نہ رہی تو حکم بھی بدل جائے گا، اسی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نصاری بنی تغلب کے ذبیحہ کو کھانے سے منع فرمایا تھا، کیونکہ ان لوگوں کے سلسلے میں ان کی تحقیق یہی تھی کہ یہ لوگ عام نصاری کی طرح توحید ورسالت کے قائل نہیں اور بجز شراب نوشی کے نصرانیت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

"وروی ابن الجوزی بسنده عن علی قال: لا تأکلوا من ذبائح بنی تغلب، فإنهم لم یتمسکوا من النصرانية بشیء إلا شربهم الخمر" (تفسیر مظہری ۳/۲۹)۔

البتہ جمہور کی تحقیق اس سلسلہ میں یہ تھی کہ یہ لوگ بھی عام نصاری کی طرح توحید رسالت کے قائل ہیں اس لئے انہوں نے ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا۔

"وقال جمهور الأمة: إن ذبیحة کل نصرانی حلال سواء کان من بنی تغلب أو غیرهم" (تفسیر قرطبی بحوالہ معارف القرآن ۳/۲)

حاصل یہ کہ موجودہ یہود ونصاری میں سے جن لوگوں کے بارے میں یہ تحقیق ہو کہ یہ لوگ خدا کے منکر یا وحی ورسالت اور آخرت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، ان کے ساتھ ذبیحہ ونکاح کے سلسلے میں اہل کتاب جیسا معاملہ نہیں کیا جائے گا، حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب علیہ الرحمۃ اور دیگر معاصر علماء کرام کی یہی رائے ہے۔

۴- شریعت محمدی کے بعد جتنے بھی باطل ادیان ومذاہب وجود میں آئیں ان کی دو قسمیں ہیں:

اول وہ لوگ جو اپنے باطل عقائد ونظریات (جو کہ نصوص قطعیہ سے متصادم ہیں) کے باوجود مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں، جیسے قادیانی، غالی شیعہ، بابی، بہائی وغیرہ، دوسرے وہ لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھتے جیسے سکھ وغیرہ، دوسری قسم کا حکم تو ظاہر ہے کہ یہ لوگ عام کفار ومشرکین کے حکم میں داخل ہیں، ان کو اہل کتاب میں شامل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ لوگ کسی ایسی کتاب منزل کے حامل نہیں ہیں، جن کا کتاب اللہ ہونا بتصدیق قرآن ثابت ہو۔

رہی پہلی قسم تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ ان لوگوں کے یہ باطل عقائد طاری ہیں، یعنی پہلے وہ شخص صحیح العقیدہ تھا بعد میں ان باطل عقائد کا قائل ہوا تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص مرتد ہے اور مرتد کا حکم ہماری شریعت میں اہل کتاب سے مختلف ہے۔

دوسرے وہ لوگ جن کے باطل عقائد اصلی ہیں یعنی شروع ہی سے یہ شخص نسلی طور پر ان باطل عقائد کا قائل ہے جیسے وہ لوگ جو نسلی طور پر قادیانی ہیں خود مرتد نہیں ہوئے تو ایسے لوگوں کو فقہاء کرام نے عام کفار ومشرکین کے حکم میں رکھا ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں:

"وینبغی أن من اعتقد مذهبا یکفر به إن کان قبل تقدم الاعتقاد الصحیح فهو مشرك وإن طرأ علیه فهو مرتد کما لا یخفی" (بحر ۳/۱۸۱)۔

اور علامہ شامیؒ غالی شیعوں کے بارے میں رقمطراز ہیں: "والظاهر أن الغلاة من الروافض المحکوم بکفرهم

لاینفکون عن اعتقادهم الباطل فی حال اتیانهم بالشهادتین وغیرهما من أحکام الشرع کالصوم والصلاۃ فهم کفار لا مرتدون ولا أهل کتاب'' (رسائل ابن عابدین بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۱/۱۹۶)۔

اور صاحب فتح القدیر نے تو اس طرح کے باطل فرقوں میں سے بعض کو ان کے نام کی صراحت کے ساتھ بت پرستوں کے حکم میں شامل کیا ہے۔

وفی الفتح: ''ویدخل فی عبدۃ الأوثان عبدۃ الشمس والنجوم والصور التی استحسنوها والمعطلة والزنادقة والباطنیة والإباحیة. وفی شرح الوجیز: وکل مذهب یکفر به معتقده قلت: وشمل ذالك الدروز والنصیریة والتیامنة ولا تحل مناکحتهم ولا توکل ذبیحتهم لأنهم لیس لهم کتاب سماوی'' (شامی ۴/ ۱۲۵ کتاب النکاح)۔

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ شریعت محمدی کے بعد جتنے بھی باطل ادیان ومذاہب وجود میں آئے ان سب کے ماننے والے یا تو مرتد ہیں یا عام کفار ومشرکین کے حکم میں ہیں، ان میں سے کسی کو بھی فقہاء کرام نے اہل کتاب کے حکم میں شامل نہیں کیا حالانکہ ان میں بہت سے فرقے وہ ہیں جو آپ کی نبوت کے قائل اور قرآن کو خدا کی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔

۵- ماقبل کی گفتگو سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ قادیانیوں کی دوسری قسم یعنی نسلی قادیانیوں کو بھی اہل کتاب میں شامل نہیں کیا جاسکتا، وہ لوگ بھی عام کفار ومشرکین کے حکم میں داخل ہوں گے، بلکہ بعض اکابر مثلاً حضرت مفتی یوسف صاحب لدھیانوی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے تو ان لوگوں کو زندیق قرار دیا ہے جو عام کافروں سے بدتر اور مرتد کی طرح واجب القتل ہے، بلکہ بعض احکام میں مرتد سے بھی بدتر ہے (دیکھئے: احسن الفتاوی ۱/ ۶، قاموس الفقہ ۲/ ۲۵۷)۔

۶- کتابیہ سے نکاح فی نفسہ جائز ہے البتہ بعض مفاسد کے پیش نظر بعض صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب کچھ صحابہ نے کتابیہ عورتوں سے نکاح کیا تو وہ بہت ناراض ہوئے۔

''فمن المتزوجین حذیفة وطلحة وکعب بن مالك وغضب عمر فقالوا: انطلق یاأمیرالمؤمنین، وانما کان غضبه لخلطة الکافر بالمومن وخوف الفتنة علی الولد، لأنه فی صغره ألزم لأمه'' (فتح القدیر ۳/ ۱۳۶)۔

چونکہ دارالحرب کے اندر جہاں عورتیں اسلامی احکام کی پابند نہیں ہوتی یہ خطرہ زیادہ ہوتا ہے اور اسلامی ریاست کے اندر یہ خطرہ بہت کم ہوتا ہے اس لئے فقہاء احناف نے دار الحرب کے اندر نکاح کو مکروہ تحریمی اور دارالاسلام کے اندر مباح یا مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔

''فقوله: والأولی أن لایفعل ،یفید کراهة التنزیه فی غیر الحربیة وما بعده یفید کراهة التحریم فی الحربیة'' (شامی ۴/ ۱۳۴)

لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب مسلمانوں کو سیاست، تہذیب وتمدن اور علم وفن ہر اعتبار سے غلبہ حاصل تھا وہ دوسری قوموں سے متاثر ومرعوب نہیں ہوتے تھے، لیکن اب جب کہ حالات بدل گئے مسلمان ہر اعتبار سے مفتوح ومغلوب اور تہذیب وتمدن کے اعتبار سے دوسری قوموں سے مرعوب ہوچکے ہیں تو ان حالات میں اثر ڈالنے کا امکان کم اور اثر قبول کرنے کا امکان زیادہ ہے، اور یہ صرف احتمال ہی نہیں، بلکہ مشاہدہ اور تجربہ بھی ایسا ہی ہے کہ جب مسلم ممالک کے حکمرانوں، فوجی کمانڈروں اور اعلیٰ عہدیداروں نے یہود ونصاری کی عورتوں سے نکاح کیا تو اس سے عالم اسلام کو کتنا نقصان پہونچا یہ کسی سے مخفی نہیں، اس لئے موجودہ حالات کے پیش نظر اسلامی ریاست میں بھی اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح مکروہ ہوگا، اور جن فقہاء کرام نے دارالاسلام میں مباح قرار دیا تھا اگر آج وہ بھی ہوتے تو شاید یہی فتوی دیتے۔

رہا مغربی ممالک میں اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کرنا تو ظاہر ہے اسلامی ممالک کے مقابلہ میں مغربی ممالک کے اندر مفاسد زیادہ ہی ہیں اس لئے وہاں کی عورتوں سے نکاح بدرجۂ اولی مکروہ ہوگا، البتہ مغربی ممالک کے سارے باشندے یکساں نہیں، ان میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو غیر متعصب، تحقیق پسند، حق کے متلاشی اور مغربی طرز زندگی سے غیر مطمئن، لہذا اگر کسی اللہ کے بندے کو اپنے تجربات ومشاہدات کی روشنی میں یہ معلوم ہوجائے کہ ان سے نکاح کرنے میں دینی اعتبار سے کوئی مضرت نہیں بلکہ یہ نکاح بہت سے لوگوں کے اسلام لانے کا ذریعہ بن سکتا ہے تو ایسی صورت میں بلا کراہت نکاح درست ہونا چاہیے، کیونکہ کراہت وعدم کراہت کی بنیاد مفسدہ اور مصلحت پر ہے۔

''ومن هذا یتضح ان المسألة دائرة وراء المصلحة والمفسدة فإذاترتب علی زواجها مصلحة کان الزواج

ممدوحا واذا ترتب علیه مفسدة کان مکروها'' (الفقة علی المذاهب الاربعة / ص ۷۷)۔

۷- کسی بھی شخص کی نبوت اور کسی بھی کتاب کا کتاب الٰہی ہونا اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ کتاب وسنت کے یقینی ذرائع سے اس کی تصدیق نہ ہوجائے، لہذا برادران وطن کی جو مذہبی شخصیتیں ہیں جن کو وہ خدا کا اوتار سمجھتے ہیں اسی طرح ان کی مذہبی کتابیں مثلاً، وید، وغیرہ کا قرآن وحدیث میں کوئی تذکرہ نہیں، اس لئے یقین کے ساتھ نہ تو ان لوگوں کو نبی مانا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان کتابوں کو آسمانی کتاب تسلیم کیا جاسکتا ہے، اور جن قرائن کا سوال نامہ میں ذکر کیا گیا ہے وہ مفید ظن تو ہوسکتے ہیں مگر مفید یقین نہیں۔ ''وان الظن لایغنی من الحق شیأ''۔

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب ؒ فرماتے ہیں: ،وید، یا، گرنتھ، یا زردشت وغیرہ کی کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحی الٰہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے اور صرف یہ امکان کہ شاید زبور اور صحف ابراہیم ہی کی مسخ شدہ وہ صورت ہو جس کو بدھ مت کی کتاب یا، وید، یا، گرنتھ، ، وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے، امکان محض اور احتمال محض ہے جو ثبوت کے لئے کافی نہیں (معارف القرآن ۳/ ۱۴۸)۔

اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب ؒ فرماتے ہیں: پس جو لوگ سری کرشن کو نبی مانتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ سری کرشن کی نبوت پر ادلۂ شرعیہ میں کوئی دلیل موجود نہیں، اور یہی حکم ہندوؤں کے دیگر پیشواؤں اور اوتاروں کے متعلق بھی ہے (کفایت المفتی ۱/ ۱۴۸)۔

جب تک دلیل شرعی سے ثبوت نہ ہو کسی کی پیغمبری کا یقین کرنا درست نہیں (فتاوی محمودیہ ۱/ ۴۸۳)۔

۸- الف: جن مفاسد کے پیش نظر فقہاء کرام نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے وہ مفاسد (یعنی دین وایمان کا خطرے میں پڑجانا، بچوں کے اخلاق وکردار کا بگڑ جانا وغیرہ) ان عیسائی اسکولوں میں بھی پائے جاتے ہیں، کیونکہ یہ تعلیمی ادارے درحقیقت عیسائیوں کے تبلیغی ادارے ہیں، ان کا اولین مقصد عیسائیت کی تبلیغ اور دوسروں کو ان کے دین ومذہب سے برگشتہ کرنا ہے، تعلیم ثانوی مقصد ہے، لہذا ایسے اسکولوں میں داخلہ لینا مکروہ ہوگا، مسلم علاقوں میں ایسے اسکولوں کی ہرگز حوصلہ افزائی نہیں کی جانی چاہیے، چند روپیوں کی خاطر اپنے بچوں کے دین وایمان کو خطرہ میں ڈالنا کسی طرح درست نہیں، مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے اسکولوں سے کلی طور پر اجتناب کریں اور متبادل معیاری تعلیمی درسگاہوں کے قیام پر توجہ دیں۔

(ب) وہ تمام حقوق جو کسی مسلمان عورت کو زوجیت کی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً نفقہ، سکنی، حسن معاشرت وغیرہ یہ سب کتابیہ کو بھی حاصل ہوں گے، کیونکہ یہ حقوق مسلمان عورت کو مسلمان ہونے کی وجہ سے نہیں ملے ہیں، بلکہ نکاح اور زوجیت کی وجہ سے ملے ہیں اور اس میں مسلمہ اور کتابیہ دونوں برابر ہے۔

''والمسلمة کالکتابیة فیه أی فی القسم لإطلاق ماتلونا وماروینا، ولأن القسم من حقوق النکاح ولا تفاوت بینهما فی ذالك'' (بحر ۳/ ۳۸۱)۔ ...... ''ولما ارتفعت المسلمة عن الکتابیة بالاسلام فربما توهم عدم استواء ها معها فی القسم فدفع هذا الوهم بقوله والمسلمة کالکتابیة فیه'' (نہر کتاب النکاح / ص ۲۹۲)۔

جس طرح کسی مسلمان عورت سے نکاح کر کے اس کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا درست نہیں اسی طرح کتابیہ کے حقوق سے بھی راہ فرار اختیار کرنا درست نہیں، نیز محض غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اس کو طلاق دینے کی بھی اجازت نہیں ہوگی، الا یہ کہ اس عورت کا نکاح میں رہنا اسلام و مسلمین کے حق میں اگر مضر ہو تو اس صورت میں طلاق دینے کی اجازت ہوگی جیسا کہ حضرت عمر ؓ حضرت حذیفہ کو طلاق دینے کے لئے کہا تھا۔

''اعزم علیك أن لاتضع کتابی حتی تخلی سبیلها فانی أخاف أن یقتدیك المسلمون فیختاروا نساء اهل الذمة لجمالهن وکفی بذالك فتنة لنساء المسلمین'' (کتاب الآثار ۱/ ۴۳۶)۔ فقہاء کرام نے مسئلہ لکھا ہے کہ شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی بیوی کو اہل کتاب کے عبادت گاہوں میں جانے سے روکے اسی طرح اپنے گھر میں شراب بنانے سے منع کرے۔

''وذکر الإسبیجابی أن للمسلم منع الذمیة إذا تزوجها من الخروج إلی الکنائس والبیع وله أن یمنعها عن اتخاذ الخمر فی المنزل'' (بحر ۳/ ۱۸۳)۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کتابیہ عورت اپنے مسلم شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام نہیں دے سکتی۔

(ج) جب ان اداروں کا مقصد خدمت خلق کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ اور دوسروں کو اپنے دین سے برگشتہ کرنا ہے تو مسلمانوں کو ان اداروں کی خدمات سے استفادہ نہیں کرنا چاہیے خصوصاً ان اداروں میں خدمت کرنے سے تو بہت زیادہ بچنا چاہیے، کیونکہ ایک طرح سے یہ تعاون علی المعصیة ہے۔

☆☆☆

اہل کتاب اور ان سے متعلق مسائل

مولانا ابوسفیان مفتاحی[1]

۱- اہل کتاب سے مراد کون لوگ ہیں "الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ" میں ہے: اختلف العلماء فی المراد بأهل الکتاب، فذهب الحنفية إلى أن المراد بهم كل من يؤمن بنبي ويقر بكتاب ويدخل فى ذلك اليهود والنصارى ومن آمن بزبور داؤد عليه السلام وصحف إبراهيم عليه السلام، وذلك؛ لأنهم يعتقدون دينا سماويا ومنزلا بكتاب" (موسوعہ فقہیہ ۱۵/ ۱۶۶-۱۷۰)۔

"ذهب جمهور الفقهاء إلى أن المراد بهم اليهود والنصارى بجميع فرقهم المختلفة أن غيرهم ممن لا يؤمن إلا بصحف ابراهيم وزبور داؤد استدلوا لذلك بقوله تعالى: "أن تقولوا إنما أنزل الكتاب على فائفتين من قبلنا وإن كنا عن دراستهم لغافلين" فالطائفتان التان أنزل عليهما الكتاب من قبلنا: هما اليهود والنصارى، كما قال ابن عباس ومجاهد وقتادة وغيرهم من المفسرين وما صحف ابراهيم داؤد: فقد كانت مواعظ وأمثالا لا أحكام فيها، فلم يثبت لها حكم الكتب المشتملة على أحكام" (حوالہ مذکور)۔

"قال الشهرستانی: أهل الكتاب الخارجون عن الملة الحنيفية والشريعة الاسلامية ممن يقول بشريعة وأحكام وحدود اعلام وماكان ينزل على ابراهيم وغيره من الأنبياء عليهم السلام ما كان يسمى كتابا، بل صحفا مذهب أبوحنيفة إلى أن الصابئة من أهل الكتان أنهم يقرء ون الزبور ولا يعبدون الكواكب، ولكن يعظمونها كتعظيم المسلمين والكعبة فى استقبالها واستدل لذلك بقول إلى العالية والربيع بن انس والسدى إلى الشعثاء وجابر بن زيد والضحاك فتؤخذ منهم الجزية، كما تؤخذ من أهل الكتاب" (حوالہ سابق)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی نبی پر ایمان رکھتے ہوں اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار کرتے ہوں اور ان ہی میں یہود ونصاریٰ اور جو حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں پر ایمان رکھتے ہوں داخل ہیں اور یہ اس لئے کہ یہ لوگ آسمانی دین کا اور کتاب منزل کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

۲- صابئین سے مراد: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ان الذین آمنوا والذین هادوا والصابئون والنصارىٰ من آمن بالله واليوم الآخر وعمل صالحا فلا خوف عليهم ولاهم يحزنون" (مائدہ:۶۹) (بے شک جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور فرقہ صابئی اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لادے اللہ پر اور قیامت پر اور عمل کرے نیک یہ ان پر ڈر ہے نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (فوائد القرآن/ص ۱۵۹) میں تحریر کرتے ہیں؛ میرے نزدیک زیادہ صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ صابئین عراق میں ایک فرقہ تھا جن کے مذہبی اصول عموماً حکما اشراقیین اور فلاسفہ طبیعین کے اصول سے ماخوذ تھے، یہ لوگ روحانیت کے متعلق نہایت غلو رکھتے تھے، بلکہ ان کی پرستش کرتے تھے، ان کا خیال یہ تھا کہ ارواح مجردہ اور مدبرات فلکیہ وغیرہ کی استعانت واستمداد سے ہی ہم رب الارباب، یعنی بڑے معبود تک پہنچ سکتے ہیں، لہٰذا ریاضات شاقہ اور کسر شہوات روح میں تجرد اور صفائی پیدا کر کے عالم روحانیات کے ساتھ ہم کو اپنا رشتہ پیدا کرنا چاہئے پھر ان کی

---

[1] شیخ الحدیث جامعہ مفتاح العلوم مئو۔

خوشنودی اور دستگیری سے خدا تک پہنچ سکتے ہیں، اتباع انبیاء کی ضرورت نہیں، کواکب کی ارواح مدبرہ اور اسی طرح دوسری روحانیت کو اپنے سے خوش رکھنے کے لئے ہیاکل بناتے تھے اور اپنی ارواح کے لئے نماز، روزہ اور قربانی وغیرہ کرتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفاء کے مقابلہ میں صابئین کی جماعت تھی جن کا سب سے بڑا حملہ نبوت اور اس کے لوازم وخواص پر ہوتا تھا، حضرت ابراہیمؑ کی بعثت کے وقت نمرود کی قوم صابئی العقیدہ تھی جس کے رد میں ابراہیمؑ نے جانبازی دکھلائی۔

علامہ ابن قدامہؒ (المغنی ۶ / ۵۹۱) میں لکھتے ہیں: ''وأما الصابئيون فاختلف فيهم السلف كثيرا فروى عن أحمد أنهم من جنس من النصارى، ونص عليه الشافعي، وعلق القول فيهم في موضع آخر عن أحمد أنه قال: بلغني أنهم يسبتون فهؤلاء كلهم يشبهون اليهود، والصحيح فيهم أنهم كانوا يوافقون النصارى أو اليهود في أصل دينهم، ويخالفونهم في فروعهم ممن وافقوه، وإن خالفوهم في أصل الدين فليس هم منهم''۔

''وأما من سوى هؤلاء من الكفار مثل المتمسك بصحف ابراهيم وشيث وزبور وداؤد فليس بأهل كتاب لاتحل مناكحتهم ولاذبائحهم، وهذا قول الشافعي، وذكر القاضي فيهم وجها آخر أنهم من أهل الكتاب، وتحل ذبائحهم ونكاح نسائهم، ويقرون بالجزية؛ لأنه تمسكوا بكتاب من كتب الله فاشبهوا اليهود والنصارى، ولنا قول الله تعالى: أن تقولوا إنما أنزل الكتاب على طائفة من قبلنا'' ولأن تلك الكتاب كانت مواعظ وأمثالا لا أحكام فيها فلم يثبت لها حكم الكتب المشتملة على الأحكام''۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے کہ یہ گروہ اب نہیں پایا جاتا۔

۳- موجودہ دور میں خصوصا مغربی ملکوں میں جو لوگ اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے ہیں ان میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اللہ کے وجود ہی کے قائل نہیں ہیں، اگر اللہ کو مانتے ہیں تو وحی و رسالت اور آخرت کو نہیں مانتے تو ایسے لوگوں کا شمار یہود ونصاری میں نہیں ہوگا اور نکاح وذبیحہ کے معاملہ ان کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ نہیں کیا جائے گا وہ کافر قرار دیئے جائیں گے اور ان کی عورتیں حلال نہیں ہوں گی، اور ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

۴- بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی ان میں سے جو بعض گروہ قرآن کو بھی اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں یا محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے بعد کسی اور الہامی کتاب اور حضور ﷺ کے بعد کسی اور شخص کے نبی ہونے کے دعویدار ہیں، تو ان کا شمار ہرگز اہل کتاب میں نہ ہوگا، بلکہ وہ کفار میں شمار ہوں گے، کیونکہ باتفاق اہل سنت والجماعت ختم نبوت کا منکر کافر ہے، اور جب نبی ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قرآن مجید خاتم کتب منزلہ من السماء ہے جیسا کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، حدیث "ختم بی النبیون" (مشکوۃ) اور حدیث "لانبی بعدی" کی صراحت سے معلوم ہوا تو اس سے معلوم یہ ہوگیا کہ قرآن کے بعد کوئی الہامی کتاب نازل نہیں ہوگی، چنانچہ ملا علی قاریؒ حدیث جبرئیل کے اندر (الکتبہ) کی شرح میں لکھتے ہیں:

''أى ونعتقد بوجود كتبه المنزلة على رسوله تفصيلا فيما علم يقينا كالقرآن والتوراة والزبور والإنجيل، وإجمالا فيما عداه، وأنها منسوخة بالقرآن. وأنه لايجوز عليه نسخ ولا تحريف إلى قيام الساعة لقوله تعالى: إنا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون. وقال العلامة الآلوسى فى روح المعانى(۳۰/ ۱۱۱)اخرج عبد بن حميد وابن مردويه وابن عساكر عن أبي ذر قال: قلت يا رسول الله: كم انزل الله من الكتاب؟قال مائة واربعة كتب، أنزل على شيث خمسين صحيفة، وعلى إدريس ثلاثين صحيفة، وعلى ابراهيم عشر صحائف، وعلى موسى قبل التوراة عشر صحائف، وأنزل التوراة والإنجيل والزبور والفرقان. والله تعالى أعلم بصحة الحديث، وذكر الشيخ العلامة العثمانى فى فتح الملهم(۱/ ۳): قال الشيخ الأنور فى الكفار الملحدين، وهذا إلى ختم النبوة بخاتم الأنبياء وانقلا عها بعده ماشهدالله به فى كتابه وشهدت به الكتب السابقة وشهد به نبينا ﷺ وشهد به الأموات أيضا كزيد بن خارجة الذى تكلم بعد الموت فقال محمد رسول الله النبى الأمى خاتم النبيين لانبى بعده''۔

''وقد ذكرت في المقدمة أن أحاديث ختم النبوة قدجمعها بعض فضلاء عصرنا، فبلغت أزيد من مائة وخمسين منها نحوثلاثين من الصحاح الستة، وأجمع عليه الأمة المرحومة وكفروا، من جهده، وصرح به صاحب الفتوحات الذين يحاول التشبه بازياله بعض الرجالين في بقاء النبوة بعد خاتم الأنبياء ﷺ'' (الفتوحات ۳/ ۵۲۸)۔

خلاصہ کلام: یہ تمام فرقے کافر ہیں، ان کا شمار اہل کتاب میں ہرگز نہیں ہوگا۔

۵- قادیانیوں میں سے دوسرے گروہ نسلی قادیانیوں کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

۶ الف- آج کل مسلم ممالک میں اگر کوئی مسلمان لڑکا اہل کتاب یہودی یا عیسائی لڑکی سے نکاح کرے تو مغرب کے فکری تسلط کی وجہ سے بیوی کے شوہر پر اثر انداز ہوکر یہودی یا عیسائی ہونے کا پورا خطرہ، بلکہ یقین کے درجہ میں ہے، بنابریں ان حالات میں دارالکفر میں اہل کتاب خواتین سے نکاح کرنا شرعاً جائز ہوگا، لیکن تبدیلی مذہب کے یقینی ہونے کی وجہ سے اجازت نہیں دی جائیگی۔

ب- مذکورہ صورت مسئولہ میں اس صورت حال میں اہل کتاب سے نکاح کرنے کی کراہت باقی نہیں رہے گی۔

۷- قرآن کریم میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: "ولكل أمة رسول فاذا جاء رسولهم قضي فيهم بالقسط وهم لا يظلمون" (یونس: ۴۷) (یعنی ہر فرقہ کا ایک رسول ہے پھر جب پہنچا ان کے پاس رسول ان کا فیصلہ ہوا ان میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہیں ہوتا)۔

اب عام اقوام کا ضابطہ بتلاتے ہیں کہ ہر جماعت وفرقہ کے پاس اللہ کے احکام پہنچانے والے بھیجے گئے ہیں جن کو رسول کہئے، تا کہ اللہ کی حجت تمام ہو، اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیا جاتا لوگ عمل پہلے سے کرتے ہیں، مگر دنیا میں ان کو سزا رسول پہنچنے اور حجت تمام کرنے کے بعد دی جاتی ہے، اللہ کے یہاں یہ ظلم اور اندھیر نہیں کہ بدون بیشتر سے آگاہ کرنے اور ملزوم ثابت ہونے کے مجرموں کو فیصلہ سنادیا جائے، قیامت میں بھی باقاعدہ پیشی ہوگی فرد جرم لگائیں گے گواہ پیش ہوں گے ہر قوم کے ساتھ ان کے پیغمبر موجود ہوں گے ان کے بیانات وغیرہ کے بعد نہایت انصاف سے فیصلہ ہوگا (فوائد قرآن علامہ عثمانیؒ/ص ۲۸۳)۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر جماعت وفرقہ کے پاس اللہ کے احکام پہنچانے والے بھیجے گئے، جن کو رسول کہئے اس آیت کریمہ کے پڑھنے کے بعد ایک دوسری آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیں: "لقد بعثنا في كل أمة رسول أن اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت" (اور ہم نے اٹھائے ہیں ہر امت میں رسول کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو جھوٹے معبودوں سے)، علامہ عثمانیؒ (فوائد القرآن/ص ۳۵۸) میں لکھتے ہیں: اور ہم نے بھیجا ہر امت میں رسول اپنے اپنے وقت پر پھر آخر میں پیغمبر عربی ﷺ کو رسول الثقلین بنا کر بھیجا۔

تنبیہ......: اس آیت سے لازم نہیں آتا کہ ہر قوم وبستی میں رسول بلا واسطہ بھیجا گیا ہو، ہوسکتا ہے کہ ایک نبی کسی قوم میں اٹھایا جائے اور اس کے نائب جنہیں ہادی ونذیر کہا جاسکتا ہے دوسری اقوام میں بھیجے جائیں، ان کا بھیجنا گویا بالواسطہ اسی پیغمبر کا بھیجنا ہے۔

تو برادران وطن جن شخصیتوں کو اللہ کا اوتار مانتے ہیں، اگر رسول الثقلین ﷺ سے پہلے ہیں تو یہ یقین کیا جاسکتا ہے کہ ان کا بھیجنا بالواسطہ اس سے پہلے نبی ورسول کا بھیجنا ہے یہ اس نبوی ورسول کے احکام کے مبلغ ہیں، جیسا کہ علماء امت محمدیہ یقین کے ساتھ اللہ کی طرف سے ان کا بھیجنا نہیں کہا جاسکتا۔

اور اگر یہ رسول الثقلین ﷺ کی بعثت کے بعد میں ہیں تو یقین کیا جاسکتا ہے کہ ان کا بھیجنا بالواسطہ رسول الثقلین ﷺ کا بھیجنا ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کے احکام کے مبلغ ہیں، جیسے کہ علماء امت محمدیہ، یقین کے ساتھ اللہ کی طرف سے ان کا بھیجنا نہیں کہا جاسکتا۔

پس برادران وطن جن کو اوتار کہتے ہیں ان کی حیثیت فقط مبلغ کی ہوگی اس سے زیادہ نہیں اور ان کی کتابوں کو خاص گرویدوں کو الہامی کتاب تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے، اگرچہ ان کتابوں نے بیشتر اعتقادی واخلاقی تعلیمات میں قرآن مجید کی موافقت کی ہے۔

۸ الف- عیسائی تعلیمی اداروں میں تبلیغ عیسائیت پر زیادہ زور ہوتا ہے درپردہ تو ان حالات میں مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایسے اداروں میں داخلہ لینا

شرعاً ناجائز ہے، اور مسلمانوں کو اپنے علاقہ میں ایسے اسکولوں کی حوصلہ افزائی کرنا جائز نہیں، ایسے اسکول اگر برادران وطن کے ہیں جن میں در پردہ ہندو مذہب کی تبلیغ کارفرما ہے تو ان کا حکم بھی عیسائی تعلیمی اسکول کا حکم ہے، اور اگر برادران وطن کے اسکولوں میں ہندو مذہب کی تبلیغ کارفرما نہیں ہے، جیسا کہ ہندو اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں یہ بات نہیں ہوتی تو ایسے اسکول وغیرہ میں مسلمان لڑکے ولڑکیاں داخلہ لے سکتے ہیں، مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے طور پر عصری تعلیم کے بڑے بڑے اسکول اور کالج قائم کریں اور ان سے پہلے مذہبی تعلیمی اداروں میں داخلہ لے کر اپنے عقیدہ کو اتنا مضبوط کرلیں کہ کہیں سے کمزوری نہ ہو تب اپنے قائم کردہ اور حکومتی اداروں کو داخل کرلیں، تاکہ عقیدہ میں کہیں سے کمزوری نہ آئے، اور روزگار کے مواقع اللہ تعالیٰ ان کی طرف رہنمائی کرے گا کہ رزاق اللہ ہے کہ اس نے روزی دینے کا وعدی کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وما من دابۃ فی الأرض الاعلی اللہ رزقہا''۔

ب- اہل کتاب خاتون سے نکاح کرنے کی صورت میں اس کے حقوق وہی ہوں گے جو مسلمان بیویوں کے ہیں، اور اہل کتاب خاتون سے نکاح کرنے کے بعد ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنے اور ان کو چھوڑ کر بھاگ آنے یا محض غیر مسلم ہونے کی بنا پر طلاق دینے کی اجازت ہوگی، اور جو اہل کتاب خواتین مسلمان مردوں کے نکاح میں ہوں وہ اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام نہیں دے سکتیں۔

ج- عیسائی ہاسپٹل اور ان کے قرض مہیا کرنے والے اداروں مسلمانوں کا رویہ یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان کو ایسے اداروں میں ان کی خدمت کرنا درست نہیں اور ان کی خدمات سے مسلمان استفادہ نہ کریں، ورنہ تو مذہب اسلام سے ہاتھ دھونا پڑے گا، کیونکہ درحقیقت یہ ادارے مسلمانوں کو اسلام سے دور کرنے کے ادارے ہیں، اور ایسے اداروں سے اپنے دین وایمان اسلام کو بچانا فرض ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایسے اداروں سے دور ہی رہنا فرض ہے۔



اہل کتاب سے متعلق احکام ومسائل

مولانا اختر امام عادل قاسمی[1]

نکاح دنیا میں انسانوں کے درمیان ہونے والا سب سے اہم معاملہ ہے جس سے انسانیت کی بقاوابستہ ہے، اسی لئے شریعت نے اس کے لئے بہت سی ہدایات دی ہیں، جن کی روشنی میں خوشگوار ازدواجی زندگی گذاری جاسکتی ہے، اور ایک بہتر نسل تعمیر ہوسکتی ہے۔

اسلام نے مسلمان مردوں کے لئے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، جبکہ اہل کتاب اسلامی عقیدہ کے مطابق غیر مسلم ہیں، وہ نہ قرآن کو مانتے ہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو، بلکہ بہت سے مشرکانہ عقائد بھی رکھتے ہیں۔ عہد نبوی کے اہل کتاب بھی اسی قسم کے تھے۔ البتہ نفس مذہب، خدا، رسالت ونبوت، آخرت جنت وجہنم وغیرہ پر وہ یقین رکھتے ہیں، اور ایک ثابت شدہ آسمانی کتاب مذہبی دستور العمل کے طور پر ان کے پاس موجود ہے، اہل کتاب سے نکاح کا معاملہ گوکہ دستور اسلامی کا حصہ ہے، لیکن محدود سماجی تعلقات یا آمدورفت کے محدود وسائل کی بنا پر اس طرح کے بین مذاہب نکاح پہلے کم ہوتے تھے، لیکن جب سے دنیا سمٹ کر ایک مستوی پر آگئی ہے، اور بین الاقوامی تعلقات میں وسعت پیدا ہوئی ہے، اس کے نتیجہ میں ایسے ملکوں اور علاقوں میں جہاں کثیر مذہبی معاشرہ کا غلبہ ہے اہل کتاب سے نکاح کا رجحان بڑھا ہے، بلکہ کچھ لوگوں کی یہ بھی خواہش ہے کہ دیگر مذاہب واقوام کو بھی کسی نہ کسی عنوان سے اہل کتاب کے دائرے میں لاکر نکاح کا دائرہ ان تک بھی وسیع کردیا جائے، اس لئے ضرورت ہے کہ بنیادی قانونی اور تفسیری مآخذ سے اہل کتاب کے مفہوم ومعیار کا تعین کیا جائے، فقہ اکیڈمی کا سوالنامہ بھی اسی پس منظر میں ہے:

۱- اہل کتاب سے مراد فقہاء کے نزدیک وہ غیر مسلم ہیں جو کسی دین سماوی پر اعتقاد رکھتے ہوں اور ان کے پاس کوئی نازل شدہ آسمانی کتاب بھی موجود ہو، مثلاً توراۃ، انجیل، زبور، صحف ابراہیم اور صحف موسی وغیرہ، خواہ ان کا عقیدہ وعمل بگڑ چکا ہو، اس تعریف کے مطابق جو قومیں اپنے مذہب کے آسمانی ہونے کی مدعی ہیں، لیکن ان کے پاس کوئی منزل آسمانی کتاب موجود نہیں ہے، وہ اہل کتاب کے مصداق نہیں ہیں، اسی طرح کسی کتاب کے آسمانی ہونے کے لئے اس کا ثابت شدہ ہونا ضروری ہے، محض دعوی کافی نہیں، اور نہ قرائن پر کلی اعتماد کیا جاسکتا ہے، ابن عابدین لکھتے ہیں:

’’في النهر عن الزيلعي: واعلم أن من اعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم وشيث وزبور داؤد فهو من أهل الكتاب، فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم قوله: (على المذهب) أي خلافا لما في المستصفى من تقييد الحل بأن لايعتقدوا ذلك ويوافقه ما في مبسوط شيخ الإسلام يجب أن لايأكلوا ذبائح أهل الكتاب إذا اعتقدوا أن المسيح إله وأن عزيرا إله ولا يتزوجوا نساءهم، قيل: وعليه الفتوى، ولكن بالنظر إلى الدليل ينبغي أنه يجوز الأكل والتزوج اه قال في البحر وحاصله أن المذهب الإطلاق لما ذكر شمس الأئمة في المبسوط من أن ذبيحة النصراني حلال مطلقا سواء قال: ’’بثالث ثلاثة‘‘ أو لإطلاق الكتاب هنا، والدليل ورجحه في فتح القدير بأن القائل بذلك طائفتان من اليهود والنصارى انقرضوا لأكلهم مع أن مطلق لفظ الشرك إذا ذكر في لسان الشرع لاينصرف إلى أهل الكتاب، وإن صح لغة في طائفة أو طوائف لما عهد من إرادته به من عبد مع الله تعالى غيره ممن لايدعي اتباع نبي وكتاب، إلى آخر ماذكره اه قوله (وفي النهر الخ) مأخوذ من الفتح، حيث قال: وأما المعتزلة فمقتضى الوجه حل مناكحتهم؛ لأن الحق عدم تكفير أهل القبلة، وإن وقع إلزاما في المباحث بخلاف من خالف القواطع

[1] جامعہ ربانی منوراشریف، سمستی پور بہار۔

المعلومة بالضرورة من الدين مثل القائم بقدم العالم ونفي العلم بالجزئيات على ما صرح به المحققون'' (حاشية ردالمحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفه ابن عابدين ۲/ ۴۶ ناشر دار الفكر للطباعة والنشر ۱۴۲۱ھ بیروت، جز ۸)۔

۲- قرآن کریم میں مختلف اقوام وملل کے ضمن میں صابئین کا بھی ذکر آیا ہے:

"إن الذين آمنوا والذين هادوا والصابئين والنصارى والمجوس والذين أشركوا إن الله يفصل بينهم يوم القيامة إن الله على كل شيء شهيد" (حج: ۱۷) (مسلمان، یہود، صابئین، نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین کے درمیان اللہ پاک قیامت کے دین فیصلہ فرمائے گا، بے شک اللہ ہر چیز کے گواہ ہیں)۔

صابئین کی تفسیر میں بہت سے اقوال منقول ہیں، بعض لوگوں نے ان کو اہل کتاب ہی کا ایک فرقہ تسلیم کیا ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے یہودیت اور نصرانیت سے مرکب ایک دین تیار کیا تھا، کچھ لوگ حضرت نوحؑ اور کچھ حضرت داؤدؑ پر ایمان رکھنے والی جماعت کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں، کچھ بے دین لوگوں کو صابئین کہتے ہیں، بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ قوم حضرات ابراہیمؑ کے زمانے میں پائی جاتی تھی، کچھ کا خیال ہے کہ ملوک فارس میں طہمورث کے زمانے میں اس کا ظہور ہوا تھا، امام رازی وغیرہ نے زیادہ صحیح قول یہ قرار دیا ہے کہ یہ کواکب پرست جماعت ہے، جو ستاروں کی بے پناہ تاثیر کی قائل ہے، وغیرہ (روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی ۱۳/ ۲۵، مولف: شہاب الدین محمود بن عبداللہ حسنی آلوسی (م: ۱۲۷۰ھ)، تفسیر الفخر الرازی، المشتہر بالتفسیر الکبیر و مفاتیح الغیب ۱۱/ ۱۰۴ مولف: ابوعبداللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی المقلب بفخر الدین الرازی خطیب الری (م: ۶۰۶ھ)، تفسیر القرآن العظیم ۵/ ۴۰۲ مولف: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (م: ۷۷۴ھ) المحقق: سامی بن محمد سلامة الناشر دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: الثانية ۱۴۲۰ھ، عدد الأجزاء: ۸، الدر المنثور في التأويل بالمأثور المؤلف: عبد الرحمن بن أبو بكر، جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱ھ) زیادہ تر اہل تاریخ کی رائے بھی یہی ہے (المختصر في أخبار البشر ۱/ ۵۹ المؤلف: أبو الفداء عماد الدين اسماعيل بن علي (م: ۷۳۲ھ)۔

یہ فرقہ آج موجود ہے یا نہیں؟ مختلف اقوال ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا ایک فرقہ بطائحہ اب بھی ایران وعراق کے سواحل پر پایا جاتا ہے۔ (الموسوعة الميسرة في الاديان المذاهب العاصرة ۱/ ۳۱۷ تا ۳۲۵ مطبوعہ الریاض ۱۴۰۹ھ)۔

لیکن میرے خیال میں یہ بحث بے موقعہ ہے، کیونکہ اگر ان کا وجود آج محقق بھی ہوجائے تو ان کا اہل کتاب ہونا متحقق نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن کریم میں اہل کتاب کی حیثیت سے ان کا ذکر نہیں آیا ہے، بلکہ مسلمانوں سے مختلف چند ادیان واقوام (یہود ونصاریٰ اور مجوس وغیرہ) کے ضمن میں ان کا ذکر آیا ہے، اس لئے ان کا اہل کتاب ہونا ثبوت طلب ہے، جب تک یقین سے ان کا اہل کتاب ہونا ثابت نہ ہوجائے ان پر اہل کتاب کے احکام عائد نہیں ہوسکتے، اور نہ ان کی موجودگی فقہی طور پر زیر بحث آسکتی ہے۔

۳- موجودہ دور کے عیسائیوں اور یہودیوں کو ان کی لامذہبیت، دین بیزاری اور دہریت کی بنا پر ہمارے بہت سے اہل علم نے اہل کتاب کا مصداق قرار نہیں دیا ہے، گو کہ عیسائی گھرانوں میں وہ پیدا ہوئے ہوں، اس لئے آج کے عہد تشکیک میں جب تک کسی یہودی یا عیسائی کے تعلق سے یہ ثابت نہ ہوجائے کہ وہ مذہب اور اپنی آسمانی کتاب پر یقین رکھتا ہے، گو کہ عمل میں کوتاہ ہو اور دوسری شرکیات میں بھی مبتلا ہو اس سے نکاح کی اجازت نہ ہوگی اور نہ اس کا ذبیحہ حلال ہوگا، ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہ کی یہی رائے ہے، اور میرے خیال میں آج کے دور میں یہ رائے بہت احتیاط پر مبنی ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۲۱۴ طبع ادارہ تالیفات اولیاء، معارف القرآن، فوائد عثمانی تفسیر سورہ مائدہ/ ص ۱۴۲)۔

۴- وہ باطل ادیان ومذاہب جو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد کئے گئے، مثلاً قادیانی، بہائی، سکھ وغیرہ جو قرآن کو خدائی کتاب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق تسلیم کرنے کے باوجود دیگر کتابوں یا نبوتوں پر عقیدہ رکھتے ہیں (ایسی کتابیں اور شخصیات جن کا آسمانی کتاب یا نبی ہونا ثابت نہیں) یہ اہل کتاب کے دائرہ میں نہیں آتے، یہ کافر یا مرتد ہیں، ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں اور نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد نہ کوئی نبوت ہے اور نہ کوئی آسمانی کتاب، "وكل دعوة للنبوة بعده فكذب وضلال وغي وهوى" (عقيدة الطحاوی (م ۳۲۱ھ)/ ص ۵۲ طبع دیوبند) (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعوی نبوت کفر وضلالت کے سوا کچھ نہیں)۔

۵- قادیانی باتفاق علماء مرتد ہیں، ان پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے، اور مرتد کی اولاد کو بھی فقہاء نے والدین کے تابع قرار دیا ہے، البتہ ان کی اولاد کی اولاد کو مرتد کے حکم سے خارج کیا ہے اور ان کو عام پیدائشی کافروں (کافر اصلی) میں شمار کیا ہے، لیکن یہ اہل کتاب کسی حال میں نہیں ہیں، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''وأما حكم ولد المرتد فولد المرتد لايخلو من أن يكون مولودا في الإسلام، أو في الردة، فإن كان مولودا في الإسلام، بأن ولد للزوجين ولد وهما مسلمان، ثم ارتدا لايحكم بردته ما دام في دار الإسلام، لأنه لما ولد وأبواه مسلمان فقد حكم بإسلامه تبعا لأبويه، فلا يزول بردتهما لتحول التبعية إلى الدار، إذ الدار وإن كانت لاتصلح لإثبات التبعية ابتداء عند استتباع الأبوين، تصلح للإبقاء؛ لأنه أسهل من الابتداء، فما دام في دار الإسلام يبقى على حكم الإسلام، تبعا للدار، ولو لحق المرتدان بهذا الولد بدار الحرب فكبر الولد، وولد له ولد وكبر، ثم ظهر عليهم أما حكم المرتد والمرتدة فمعلوم، وقد ذكرنا أن المرتد لايسترق ويقتل، والمرتدة تسترق ولا تقتل وتجبر على الإسلام بالحبس، وأما حكم الأولاد فولد الأب يجبر على الإسلام، ولا يقتل، لأنه كان مسلما بإسلام أبويه تبعا لهما، فلما بلغ كافرا فقد ارتد عنه، والمرتد يجبر على الإسلام إلا أنه لايقتل؛ لأن هذه ردة حكمية لا حقيقية لوجود الإيمان حكما بطريق التبعية لا حقيقة، فيجبر على الإسلام لكن بالحبس لا بالسيف إثباتا للحكم على قدر العلة، ولا يجبر ولد ولده على الإسلام؛ لأن ولد الولد لايتبع الجد في الاسلام، إذ لو كان كذلك لكان الكفار كلهم مرتدين لكونهم من أولاد آدم ونوح عليهما الصلاة والسلام فينبغي أن تجري عليهم أحكام أهل الردة، وليس كذلك بالإجماع، وإن كان مولودا في الردة بأن ارتد الزوجان ولا ولد لهما، ثم حملت المرأة من زوجها بعد ردتها، وهما مرتدان على حالهما، فهذا الولد بمنزلة أبويه له حكم الردة، حتى لو مات لايصلى عليه؛ لأن المرتد لايرث أحدا، ولو لحقا بهذا الولد بدار الحرب فبلغ، وولد له أولاد فبلغوا، ثم ظهر على الدار وسبوا جميعا، يجبر ولد الأب وولد ولده على الإسلام، ولا يقتلون، كذا ذكر محمد في كتاب السير. وذكر في الجامع الصغير: أنه لايجبر ولد ولده على الإسلام۔

(وجه) ما ذكر في السير أن الأب تبع لأبويه، فكان محكوما بردته تبعا لأبويه، وولد الولد تبع له فكان محكوما بردته تبعا له، والمرتد يجبر على الإسلام، إلا أنه لايقتل؛ لأن هذه ردة حكمية، فيجبر على الإسلام بالحبس لا بالقتل وجه) المذكور في الجامع أن هذا الولد إنما صار محكوما بردته تبعا لأبيه، والتبع لايستتبع غيره۔

وأما حكم الإسترقاق: فذكر في السير أنه يسترق الإناث والذكور الصغار من أولاده؛ لأن امهم مرتدة وهي تحتمل الإسترقاق، والولد كما تبع الأم في الرق يتبعها في احتمال الإسترقاق۔

وأما الكبار: فلا يسترقون لانقطاع التبعية بالبلوغ، ويجبرون على الإسلام، وذكر في الجامع الصغير: الولدان فيء أما الأول فلأن أمه مرتدة

وأما الأكر فلأنه كافر أصلي؛ لأن تبعية الأبوين في الردة قد انقطعت بالبلوغ، وهو كافر، فكان كافرا أصليا، فاحتمل الإسترقاق ولو ارتدت'' (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ۱۵۶/۳-۲۰۷ تالیف: علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی ۵۸۷ھ دار الكتب العلمية بيروت، لبنان، الطبعة الثانية ۱۴۰۶ھ)۔

مجمع الانہر میں ہے: ''زوجان ارتدا فلحقا، بدارهم الأولى بالواو (فولدت المرأة ثم ولد للولد فظهر عليهم فالولدان) أي ولدهما وولد ولدهما (فيء) لأن المرتدة تسترق فكذا ولدها؛ لأنه يتبع الأم (ويجبر الولد) أي ولدهما (على الإسلام) تبعا لأبويه (لا ولده) أي لايجبع ولد الولد على الإسلام بالإجماع إلا في رواية الحسن فإنه يجبر أيضا، وهذا بناء على أن ولد الولد لايتبع الجد في الإسلام في ظاهر الرواية ويتبعه في رواية'' (مجمع الانهر في شرح

ملتقى الابحر ۲/ ۴۹۹ عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولى المدعو بشيخي زاده (م:۱۰۷۸ھ) تحقيق خرج آياته وأحاديثه خليل عمران المنصور الناشر دار الكتب العلميه ۱۴۱۹ھ، لبنان، عدد الأجزاء ۴)۔

زیلعی لکھتے ہیں: ''فيكون حجة لأبي حنيفة في توقفهما في أطفال المشركين، فإذا تبعهما يجبر على الإسلام كما يجبران عليه ولا يقتل تبعا لأبيه؛ لأنه كافر أصلي وليس بمرتد حقيقة. فيكون حكمه في القتل حكم الكافر الأصلي وولد الولد يسترق ولا يقتل لما ذكرنا وهل يجبر على الإسلام ففيه روايتان في رواية يجبر رواها الحسن عن أبي حنيفة تبعا لجده، وفي رواية لايجبر؛ لأنه لو أجبر إما أن يجبر تبعا لأبيه ولا وجه له ،لأن أباه كان تبعا لأبويه والتبع لايكون له تبع أو تبعا لجده ولا وجه له، لأن تبعيه الآباء في الدين على خلاف القياس ولا يلحق به الجد ولو الحق لكان الناس كلهم مسلمين تبعا لآدم وحواء عليهما السلام ولم يوجد في ذريتهما كافر غير المرتد وأصل هاتين الروايتين مبني على أن ولد الولد يكون مسلمان بإسلام جده أم لا ففى رواية الحسن يكون مسلمان فإذا تبعه في الإسلام تبعه في الإجبار عليه أيضا، وفي رواية لايتبعه في الإسلام، فكذا في الإجبار'' (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ۳/ ۲۹۲ فخر الدين عثمان بن على الزيلعي الحنفي، الناشر دار الكتب الإسلامي، ۱۳۱۳ھ، قاهره، عدد الأجزاء ۳۶)۔

۶- اہل کتاب سے نکاح کے تعلق سے فقہاء نے دارالاسلام اور دارالحرب کا جو فرق کیا ہے وہ منصوص نہیں ہے، بلکہ حالات کی بنا پر دارالاسلام میں اجازت دی گئی اور دارالحرب میں مکروہ قرار دیا گیا ہے، آج اگر حالات واقعی طور پر بدل جائیں یعنی دارالاسلام میں اہل کتاب سے نکاح زیادہ باعث مضرت وفساد ثابت ہو اور اس کے برعکس غیر مسلم ملکوں میں ان سے نکاح دعوتی مقاصد کو پورا کرنے کا سبب بنے، یا مسلمانوں کے لئے باعث تقویت ہو تو اصول کے مطابق حکم تبدیل ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ حکم معلل بالفتنہ ہے، یعنی مومن کی اپنی ذات کے لئے فتنہ یا نسل کے بگڑنے کا اندیشہ وغیرہ، ورنہ اس باب میں بذات خود دارالاسلام اور دارالحرب کا فرق اصل نہیں ہیں، زیلعی لکھتے ہیں:

''وتكره الكتابية الحربية إجماعا لانفتاح باب الفتنة من إمكان التعلق المستدعي للمقام معها فى دارالحرب، أو تعريض الولد على التخلق باخلاق اهل الكفر'' (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشلبى ۲/ ۱۰۹، مؤلف: عثمان بن على بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م:۷۴۳ھ) الحاشية: شهاب الدين احمد بن محمد بن احمد بن يونس بن اسماعيل بن يونس الشلبي (م:۱۰۲۱ھ) الناشر: المطبعة الكبرى الأميرية بولاق، قاهره، طبع اول ۱۳۱۳ھ)۔

۷- قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ اللہ پاک نے ہر قوم میں پیغمبر و ہادی بھیجے ہیں، لیکن جب تک یقینی دلائل سے کسی مذہب وکتاب کا من جانب اللہ ہونا ثابت نہ ہو جائے، محض قرائن وآثار کی بنیاد پر حتمی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، اس لحاظ سے ہندوستان کے ہندو مشرک ہیں، اہل کتاب نہیں ہیں، گو کہ ان کے یہاں بعض مماثلتیں اسلامی تعلیمات سے موجود ہیں، مگر یہ صرف قرائن ہیں، ان کے آسمانی مذہب ہونے کا ثبوت قرآن وحدیث یا معتبر تاریخی ذرائع سے نہیں ملتا، ہمارے بعض بزرگوں: مثلاً حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ وغیرہ نے بعض آثار وقرائن کی بنیاد پر ہنود کو اہل کتاب میں شمار کئے جانے کا رجحان دیا ہے، اس موضوع پر ان کا ایک تفصیلی مکتوب شائع شدہ ہے، جو حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ کی تحقیق اور حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی دہلویؒ کی تعلیق کے ساتھ دہلی سے شائع ہوا ہے، مگر یقینی ثبوت نہ ہونے کی بنا پر کم از کم نکاح اور ذبیحہ کے مسائل میں اس مکتوب کو سند بنانا مشکل ہے، مفتی شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اس باب میں احتمالات کا اعتبار نہیں ہے (معارف القرآن ۳/ ۶۱)۔

۸- الف: عیسائی یا یہودی مشنریز کے جن اسکولوں اور اسپتالوں سے ان کے عقائد کی تشہیر کی جاتی ہو اور ان میں داخلے یا ملازمت سے اسلامی عقیدہ وفکر کے بگڑنے کا اندیشہ ہو ایسے اداروں سے حتی الامکان اجتناب کرنا ضروری ہے، مسلمانوں کو ایسے اداروں کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے، اس لئے کہ قانون اسلامی کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ مفاسد کا ازالہ مصالح کے حصول سے زیادہ ضروری ہے: ''رعاية درء المفاسد أولى من رعاية حصول المصالح'' (انوار البروق فى انواع الفروق ۸/ ۲۸۱، مولف: ابو العباس شهاب الدين احمد بن ادريس المالكى الشهير بالقرافى (م:۶۸۴ھ)۔

ب- اہل کتاب خواتین سے عام حالات میں نکاح کرنا بہتر نہیں ہے، جیسا کہ حضرت عمرؓ کی ان ہدایات سے سمجھ میں آتا ہے جو انہوں نے اپنے حدود مملکت کے عمال کے لئے جاری فرمائے تھے، لیکن نکاح کر لینے کے بعد ان کو وہ تمام حقوق زوجیت حاصل ہوں گے جو مسلم بیویوں کو حاصل ہوتے ہیں، ان سے فرار کی گنجائش نہیں ہے، کتب فقہ میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ آیا ہے:

"فتجب (النفقة... هي الطعام والكسوة والسكنى) للزوجة، وهذا ظاهر الرواية... ولو) كانت (مسلمة أو كافرة أو كبيرة أو صغيرة تطيق الوطى" (ردالمحتار على الدر المختار: شرح تنوير الابصار ۱۲/ ۷۹ مولف: ابن عابدين، محمد امين بن عمر (م: ۱۲۵۲ھ) كذا فى التاتارخانيه ۵/ ۲۵۸)۔

محض غیر مسلم ہونے کی بنا پر طلاق نہیں دی جاسکتی، اس لئے کہ پھر شریعت ان سے نکاح کی اجازت ہی نہ دیتی۔

ج- یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ مسلمان شوہر اپنی کتابیہ بیوی کو اسلامی اعمال کے لئے مجبور نہیں کرسکتا اور نہ اس کے مذہبی اعمال و مراسم کی ادائیگی پر پابندی عائد کرسکتا ہے، اس لئے کہ اسلام اپنے غیر مسلم شہریوں کو مذہبی آزادی دیتا ہے، قرآن نے اعلان کیا ہے: "لا اکراہ فی الدین" (سورۂ بقرہ: ۲۵۶) (دین میں کوئی زور زبردستی نہیں)، "لکم دینکم ولی دین" (سورۂ کافرون: ۶) (تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے)، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں ان کے اپنے طریق پر عبادت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی (احکام اہل الذمة لابن القیم ۱/ ۳۱۶) وغیرہ، مذہبی رواداری کی ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں پھر گھر کی ممبر غیر مسلم خواتین کو جبر و اکراہ کا نشانہ بنانا کیونکر روا ہوسکتا ہے؟

د- اس سوال کا جواب (الف) میں گذر چکا، ایسے اداروں سے مسلمانوں کو حتی الامکان اجتناب کرنا چاہئے اور دنیا کے قلیل منافع پر نگاہ نہیں رکھنی چاہئے۔



اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام

پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی [1]

۱،۲- جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک اہل کتاب سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں اس میں ان کے مختلف فرقے شامل ہیں (موسوعہ فقہیہ ۷ / ۱۴۰، وزارت اوقاف کویت)، قرآن پاک میں اہل کتاب کی اصطلاح مذکورہ دونوں فرقوں کے لئے استعمال ہوئی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے: "أن تقولوا إنما أنزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا وإن کنا عن دراستھم لغافلین" (انعام: ۱۵۶) (ہم نے یہ قرآن اس لئے نازل کیا ہے کہ کبھی تم یہ کہنے لگو کہ وہ کتاب (توریت وانجیل) جو اتری تھی وہ انہیں دو فرقوں پر (یہود ونصاری) جو ہم سے پہلے تھے اور ہم کو ان کے پڑھنے پڑھانے کی خبر ہی نہ تھی۔

فقہاء احناف کے یہاں اہل کتاب کے مصداق میں قدرے توسع ہے، ان کے یہاں اہل کتاب میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو انبیاء علیہم السلام میں سے کسی بھی نبی پر ایمان رکھتے ہوں، اور آسمانی کتابوں میں سے کسی بھی کتاب کو مانتے ہوں، چنانچہ اس میں عام یہود ونصاری کے ساتھ حضرت داؤد علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور صحیفہ ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والے سب شامل ہیں (ایضا) علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

"والکتابي من یعتقد دینا سماویا أی تزل بکتاب کالیھود والنصاری" (ردالمحتار علی الدرالمختار ۲/ ۲۹۳، مکتبہ رشیدیہ کراچی)۔

مذکورہ گروہوں کے علاوہ کچھ اور قومیں بھی ہیں جو آسمانی کتابوں کی حامل ہونے کی دعویدار ہیں، مگر ان کے عقائد اور اعمال کی بنیاد انبیاء کی تعلیمات اور کتب آسمانی کی ہدایت پر نہیں ہے، تو ایسی قوم پر اہل کتاب کا اطلاق درست نہیں ہے، اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں کو اہل کتاب شمار نہیں کیا، جبکہ ان کے عقائد زردشت کی تعلیمات سے ملتے تھے، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل کتاب نہیں قرار دیا، البتہ ان سے اہل کتاب جیسا سلوک فرمایا:

"قال عبدالرحمن بن عوف اشھد لسمعت رسول اللہ یقول: سنوا بھم سنة أھل الکتاب" (موطا امام مالک، کتاب الزکاۃ، باب جزیۃ اھل الکتاب والمجوس) (حضرت عبدالرحمن بن عوف فرماتے ہیں کہ میں شاہد ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا سلوک کرو، اور اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے علاقہ ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا)۔

اہل کتاب میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اصلی توریت وانجیل اور زبور کے حامل ہیں، اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنے دین میں تحریف وترمیم کرلی ہے، اور دین کی محرف شکل کی پیروی کرتے ہیں یا دوسری گمراہیوں میں مبتلا ہیں، قرآن پاک میں اہل کتاب کی دین میں تحریف وترمیم اور باطل عقیدہ کو اختیار کرنے کی حرکت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کے مشرکانہ اعمال کی خبر دی گئی ہے، اس کے باوجود ان کو مشرکوں کے زمرہ میں نہ شامل کرکے اہل کتاب کے زمرہ میں رکھا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: "یا أھل الکتاب لاتغلوا في دینکم ولا تقولوا علی اللہ إلا الحق إنما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وکلمته ألقاھا إلی مریم وروح منه، فأمنوا باللہ ورسوله ولا تقولوا ثلاثة انتھوا خیرا لکم انما اللہ اله واحد سبحانه أن یکون له ولد" (نساء: ۱۷۱)۔

مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی بے شمار تصریحات سے واضح ہے کہ اہل کتاب ہونے کے لئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ وہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہوں اور اس کی اتباع کرنے کے دعویدار ہوں، خواہ وہ اس کے اتباع میں کتنی گمراہیوں میں جا پڑے ہوں (معارف القرآن ۳/ ۴۸، سورہ مائدہ: ۵، مکتبہ مصطفائیہ دیوبند)۔

---

[1] صدر شعبہ دینیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

۳- جولوگ حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ کی رسالت کے منکر ہوں، اور توریت وزبور وانجیل کو آسمانی کتاب نہ مانتے ہوں اگر چہ قومی اور نسلی اعتبار سے یہودی یا عیسائی ہوں وہ اہل کتاب کا مصداق نہ ہوں گے، کیونکہ اہل کتاب کا مطلب حامل یا حامی کتاب ہے نہ کہ منکر کتاب، منکر کتاب کو اہل کتاب نہیں مانا جاسکتا، صابئین صابی کی جمع ہے، اور صابی لغت میں اس کو کہتے ہیں جو ایک دین چھوڑ کر دوسرے دین میں داخل ہو جائے، لہٰذا صابی وہ لوگ تھے جو اہل کتاب کے دین سے نکل گئے تھے، بعض علماء نے صابئین کا اطلاق ستارہ پرست لوگوں پر کیا ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ صابی وہ لوگ تھے جنہوں نے ادیان سماویہ میں سے ہر ایک سے کچھ نہ کچھ لے لیا، چنانچہ وہ زبور پڑھتے تھے، ملائکہ کی عبادت کرتے تھے، اور نماز کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے پڑھا کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی درست ہے، علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ نہ یہودی تھے نہ نصرانی نہ ہی مجوسی، بلکہ یہ لوگ فطرت پر تھے اور کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے، بعض علماء کا قول ہے کہ صابی وہ ہیں جنہیں کسی نبی کی دینی دعوت نہیں پہنچی (تفسیر ابن کثیر، سورہ بقرہ: ۶۲)۔

آج کل عراق میں یزیدیہ فرقہ سے جولوگ تعلق رکھتے ہیں وہ اپنے آپ کو صابئی عقائد کا حامل قرار دیتے ہیں۔

۴- مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ قرآن کریم کو آخری آسمانی کتاب ہدایت سمجھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول اور نبی تسلیم کرے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدي ولا نبي" (ترمذی)، اب جولوگ قرآن کریم کو بھی مانتے ہیں اور اس کے بعد کسی اور کتاب کو آسمانی ہدایت نامہ تسلیم کرتے ہیں، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانتے ہیں، مگر ان کے بعد کسی اور شخص کی نبوت یا رسالت کا عقیدہ رکھتے ہیں، وہ مسلمان نہیں کہے جاسکتے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، مسلمان ہونے کے لئے نبوت کے ساتھ ختم نبوت پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، اور قرآن کی صراحت کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاتم النبیین" تسلیم کرنا لازم ہے، اس کے منکر کو نہ مسلمان کہا جاسکتا ہے اور نہ اہل کتاب کہا جاسکتا ہے، بلکہ مرتد کہا جاسکتا ہے۔

۵- جولوگ شریعت محمدی کو نہیں مانتے اور عیسائی اور یہودی ہوں وہ تو اہل کتاب ہیں لیکن جولوگ اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر اسلام کی مخالفت کرتے ہوں اور اس کی جڑیں کاٹتے ہوں، ایسے لوگ زندیق کہلاتے ہیں، بظاہر مسلم اور بباطن منکر (ردالمحتار علی الدرالمختار ۳/ ۲۹۴)، زندیق وملحد اہل کتاب کے علاوہ ہیں، علماء نے قادیانیوں کے عقائد کی تحقیق کرنے کے بعد ان کو مرتد قرار دیا ہے، خواہ وہ مسلمان ہونے کے بعد قادیانی ہو گئے ہوں یا خاندانی اور نسلی طور پر قادیانی ہوں، وہ سب زندیق اور مرتد کے زمرہ میں آتے ہیں، ان سے نکاح درست نہیں ہے، اور ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے، اس لئے کہ منکرین ختم نبوت اور قادیانی خواہ پیدائشی ہوں یا دین محمدی کو چھوڑ کر بنے ہوں دونوں کا حکم مرتد کا ہے۔

"فأما المرتد فإن الجمهور على أن ذبيحته لا تؤكل" (بداية المجتهد ۱/ ۴۵)۔

۶- اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا درست ہے جبکہ وہ واقعی اہل کتاب ہوں، یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کے قائل ہوں، قرآن پاک میں اس کی حلت اس طرح مذکور ہے: "اليوم احل لكم الطيبات وطعام الذين اوتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم. والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب من قبلكم" (مائدہ: ۵)، مگر جس فتنہ سے امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں آگاہ کیا تھا، وہ فتنہ تو آج بھی موجود ہے، اس لئے جہاں اجتماعی یا انفرادی فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں کتابیہ سے نکاح کو مکروہ کہا جائے گا اور اسے اسلام اور امت کے وسیع تر مفاد میں دیکھا جائے گا، آج بھی عیسائیوں میں بہت سے لوگ مسیحی عقائد کے حامل ہیں، مگر بہت سے لوگ صرف قومیت کے لحاظ سے عیسائی ہیں، عملی طور پر منکر وملحد ہیں، وہ دین ومذہب کے اور خدا اور رسول کے نظریہ کے قائل ہی نہیں ہیں، نہ ان کو اہل کتاب میں شمار کیا جاسکتا ہے، نہ ان کے ذبیحہ کو حلال سمجھا جاسکتا ہے، اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کو جائز کہا جاسکتا ہے، صرف مردم شماری میں عیسائی یا یہودی ہونا کافی نہیں ہے بلکہ ان کے مذہبی مسلمات کو ماننا لازم ہے۔

اسلامی شریعت میں غیر مسلموں اور عام کافروں کے مقابلے میں اہل کتاب کو مسلمانوں سے تعلقات اور روابط کے لحاظ سے ایک گونہ فوقیت دی گئی ہے، چنانچہ ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا گیا ہے اور ان کی عورتوں سے مسلمان مردوں کو نکاح کی اجازت دی گئی ہے، جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۵ میں ذکر ہے، مگر اس

سلسلے میں چند باتیں پیش نظر رہنی چاہئے۔

۱- کسی مسلمان عورت سے کوئی عیسائی یا یہودی مرد نکاح نہیں کرسکتا۔

۲- ایسی کتابی عورت سے نکاح کیا جائے گا جو پاک دامن اور عصمت مآب ہو اس کے اظہار کے لئے قرآن نے "محصنات" کا لفظ استعمال کیا ہے، مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ آیت میں پارسا کی جو تخصیص ہے بیان اولیت کے لئے ہے (بیان القرآن ۳/ ۷، سورۂ مائدہ: ۵)۔

۳- کتابیہ سے نکاح کی صرف اجازت ہے، سفارش نہیں ہے، مطلوب تو مومنہ عورت سے نکاح کرنا ہے، کیونکہ نکاح ذریعہ ایک خاندان وجود میں آتا ہے، اور بچوں کی دینی واخلاقی تربیت وابستہ ہوتی ہے، اس کے لئے ایمان مطلوب ہے۔

۴- وہ عورتیں واقعۃً عیسائی یا یہودی ہوں، یعنی وحی، رسالت وآخرت وغیرہ پر ایمان رکھتی ہوں، دہریئے اور خدا کے منکرین، جو صرف یہودی، عیسائی نام کے ہوں، ان کا حکم یہ نہ ہوگا، بلکہ ان کا حکم مشرکوں اور کافروں کا ہوگا۔

۵- غیر مسلم ملک میں بسنے والی یہودی یا عیسائی عورت سے نکاح کرنا بعض فقہاء کے نزدیک حرام اور احناف کے یہاں مکروہ ہے، حلت وکراہت کا تعلق تین باتوں سے ہے ایک تو یہ کہ موجودہ زمانے میں جو عیسائی اور یہودی عورتیں اہل کتاب کہلاتی ہیں ان کے اندر فحاشی اور ناجائز تعلقات کی کثرت ہے، اگر یہ معلوم ہو کہ جس سے نکاح کیا جارہا ہے اس کے یہاں نکاح کا تصور نہیں ہے بلکہ مروجہ مغربی اباحیت اور بوائے فرینڈ اور لوان پارٹنر کا تصور ہے تو نکاح مناسب نہیں، دوسرے یہ کہ ان کی اکثریت الحاد، مذہب بیزاری، انکار آخرت وغیرہ کی شکار ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں سے نکاح قطعاً حلال نہ ہوگا، ایسی عورتوں کا خود قرآن کی اصطلاح میں اہل کتاب میں شمار نہیں ہوگا۔

سوم یہ کہ ان عورتوں کا مسلمان گھروں میں آنا گھر کے دینی ماحول اور مزاج کو بگاڑ سکتا ہے، مسلم حکمرانوں کے گھر میں اہل کتاب عورتوں کے ہونے سے اسلامی حکومت کو شدید نقصان پہنچتا ہے اور مسلم معاشرہ میں انتشار کا دروازہ کھلتا ہے۔

اسی وجہ سے جن ممالک میں اس کا رواج ہے جہاں مسلمانوں کے اخلاقی حالات کو بھی نقصان پہنچتا ہے، خاندان ٹوٹ جاتا ہے، خود سیدنا عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس نقصان کو محسوس کیا اور مسلم گورنر کو اس سے باز رہنے کی ہدایت دی۔

حضرت شقیق بن سلمہؓ سے مروی ہے کہ جناب حذیفہؓ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کیا، حضرت عمر فاروقؓ کو اطلاع ملی تو ان کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دے دو۔

حضرت حذیفہؓ نے جواب میں خط لکھا کہ کیا یہ میرے لئے حرام ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں حرام نہیں کہتا، لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاکدامنی نہیں ہے، اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانے اس راہ سے فحاشی وبدکاری میں داخل نہ ہوجائیں (ابوبکر الجصاص، احکام القرآن ۳/ ۲۲۳، بیروت)۔

علامہ ابن ہمام نے نقل کیا ہے کہ حضرت طلحہؓ اور کعب بن مالکؓ کو بھی سیدنا عمرؓ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنے پر سخت تنبیہ کی اور حکم دیا کہ طلاق دے دو۔ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فی حد ذاتہ کوئی وجہ تحریم کی نہیں، لیکن اگر خارجی اثرات وحالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے منتفع ہونے میں بہت سے حرام کا ارتکاب کرنا پڑے بلکہ کفر میں پڑنے کا احتمال ہو تو ایسے حلال کے انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے گی (ترجمہ شیخ الہند محمود حسن، حاشیہ عثمانی، سورہ مائدہ: ۵)۔

جو لوگ غیر مسلم ممالک میں یہودی یا عیسائی عورتوں سے نکاح دعوتی مقصد سے اشاعت اسلام کی خاطر کرتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اس میں اصل اعتبار نیت کا ہے، رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "انما الاعمال بالنيات وانما لكل امرء مانوى" (الصحيح البخاري، باب كيف كان بدء الوحي الى رسول الله ﷺ) عمل کا مدار نیت پر ہے اور ہر انسان کو اس کی نیت کا ثواب ملتا ہے، اسلام کی دور اور اشاعت مسلمان کا بنیادی فریضہ ہے، اس میں ہر جائز طریقوں سے مدد لینی چاہئے۔

۷- جن انبیاء علیہم السلام کے اسماء گرامی قرآن پاک میں مذکور ہیں ان پر یقین کے ساتھ ایمان لانا لازم ہے، اور کسی ایسے شخص کو نام کی صراحت کے ساتھ نبی تسلیم

کرنا جس کا نام قرآن وحدیث میں نہیں ہے، درست نہیں ہے۔

قرآن کی آیت "لکل قوم هاد" سے غیر منصوص شخص کی نبوت پر استدلال کرنا کافی نہیں ہے، کیونکہ آیت میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ آپ ہر قوم کے ہادی ورہنما ہیں:

"إنما أنت منذر ولكل قوم هاد" (سورۂ رعد: ۷) یعنی خطاب نبی علیہ السلام سے ہے کہ آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں۔

دوسرے یہ کہ ہادی کا لفظ نبی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، غیر نبی پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، انبیاء کی تعلیمات کو جو لوگ پہنچاتے ہیں وہ بھی ایک قسم کی ہدایت دیتے ہیں، عام طور معلمین اخلاق کو ہادی کہہ دیا جاتا ہے، گوتم بدھ، زردشت اور کنفیوشش وغیرہ کتاب وسنت اور آثار صحابہؓ میں ان کے پیغمبر یا نبی ہونے کی صراحت کہیں موجود نہیں ہے، حالانکہ معروف مذاہب ہونے کی وجہ سے یہ ضروری تھا کہ یہود ونصاری وغیرہما کی طرح ان کے بارے میں تصریح ہوتی۔

کسی شخص کے فکر وفلسفہ کے درست ہونے سے اس کا نبی یا رسول ہونا لازم نہیں آتا، اس لئے گوتم بدھ، زرتشت، اور کنفیوشس کی تعلیمات کے اچھے پہلوؤں سے ان کی نبوت ورسالت ثابت کرنا درست نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ نبی رہے ہوں مگر قرآن وسنت میں اس کی صراحت نہ ہونے کی وجہ سے ان کو نبی قرار نہیں دیا جاسکتا، یعنی ان کے نبی ہونے کے اعتقاد قائم کرنے کے لئے صرف امکان اور احتمال کافی نہیں ہے بلکہ نص ضروری ہے۔

۸- تعلیم کا حصول مسلمانوں پر لازم ہے، علم ودانائی کا سرمایہ جہاں کہیں پایا جائے، مسلمانوں کو حاصل کرنا چاہئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"كلمة الحكمة ضالة المؤمن فحيثما وجدها فهو أحق بها" (سنن ترمذی، ابواب العلم)۔

اسی لئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے مشرک قیدیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیں تو ان کو بغیر تاوان کے رہا کردیا جائے گا (مسند احمد بروایت عبد اللہ بن عباسؓ)، ہمارے ملک میں عموماً عیسائی حضرات کے تعلیمی ادارے مسلمانوں کے مقابلہ میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور تعلیم وترقی میں ان کے بہتر نتائج سامنے آئے ہیں، حالانکہ اسی کے ساتھ وہ عیسائی مذہب کی بھی تبلیغ کرتے ہیں اور ذہن سازی بھی کرتے ہیں، مقابلہ کی دنیا میں مطلوب تو یہ ہے کہ مسلمان خود اپنے تعلیمی ادارے قائم کریں اور ان کو معیاری بنائیں، مگر جب تک ایسا نہ ہو مسلمان بچوں کو عیسائی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہوگی، اور یہ والدین کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اپنے بچوں کی نگرانی کریں اور محض تعلیم کے لئے دین وعقیدہ کو خراب نہ ہونے دیں، دین برباد کرکے دنیا نہ آباد کریں، یعنی بحالت مجبوری ہی مسلمان بچوں کو عیسائی اداروں میں بھیجنا چاہئے، اگر متبادل موجود ہو تو اسی پر عمل کرنا چاہئے، یہ مسلمانوں کی دینی اور قومی ذمہ داری ہے، ورنہ وہ افسوس کے ساتھ یہی کہتے رہ جائیں گے:

"ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم" ....."کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ"

یہ ایک سماجی حقیقت ہے کہ عیسائی حضرات خدمت خلق کے کاموں میں دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں زیادہ سرگرم اور فعال ہیں، اسی وجہ سے ان کے ہسپتال اور طبی ادارے ہر جگہ کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں۔

ان اداروں میں کام کرنا اور ان کی انسانی خدمت میں حصہ لینا درست ہے، البتہ جہاں عیسائی عقائد کی تبلیغ کا مرحلہ ہو یا شریعت اسلامی کے خلاف امر درپیش ہو تو وہاں اپنے آپ کو بچانا لازم ہے، تعاون خدمت میں ہو نہ کہ معصیت میں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف لفظوں میں اعلان فرمادیا ہے:

"لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" (بخاری، کتاب الاحکام)

(جس کام میں اللہ کی نافرمانی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے)۔



اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی [1]

قرآن مجید میں ہے: "إن الذين اٰمنوا والذين هادوا والنصرىٰ والصّٰبئين من اٰمن باللہ واليوم الاٰخر وعمل صالحًا فلهم اجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون" (سورۂ بقرہ/۶۲)۔

(بیشک جو لوگ مسلمان ہوئے اور یہود ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین جو ایمان لائے (ان میں سے) اللہ پر اور روز قیامت پر اور کام کئے نیک تو ان کے لئے ان کا ثواب ان کے پاس اور نہیں ان پر کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: "إن الذين اٰمنوا والذين هادوا والصّٰبئين والنصرىٰ والمجوس والذين أشركوا إن اللہ يفصل بينهم يوم القيامة إن اللہ على كل شئ شهيد" (سورہ حج/۱۷)۔

(جو لوگ مسلمان ہیں اور جو یہود ہیں اور صابئین ہیں اور نصاریٰ اور مجوس اور جو شرک کرتے ہیں مقرر اللہ فیصلہ کریگا ان میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے ہے ہر چیز)۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تفسیر عثمانیؒ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "یہود کہتے ہیں حضرت موسیٰؑ کی امت کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کی امت کو، صابئین ایک فرقہ ہے جس نے ہر ایک دین میں سے اچھا سمجھ کر کچھ اختیار کرلیا اور حضرت ابراہیم کو مانتے ہیں اور فرشتوں کی بھی پرستش کرتے ہیں اور اور زبور پڑھتے ہیں اور کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں" (تفسیر عثمانی صفحہ ۱۳)۔

صاحب جلالین کہتے ہیں کہ: "والصّٰبئين طائفة من اليهود او النصرىٰ" (روح القرآن جلد اول صفحہ ۷۷)

(صابئین یہود یا نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے)۔

صابئین کے بارے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں لکھتے ہیں کہ: "صابئ کے نام سے قدیم زمانے میں دو گروہ مشہور تھے ایک حضرت یحیٰ علیہ السلام کے پیرو، جو بالائی عراق (یعنی الجزیرہ) میں اچھی خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں، اور حضرت یحیٰ کی پیروی میں اصطباغ کے طریقے پر عمل کرتے تھے۔ دوسرے ستارہ پرست لوگ جو اپنے دین کو حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام کی طرف منسوب کرتے تھے اور عناصر پر سیاروں کی اور سیاروں پر فرشتوں کی فرماں روائی کے قائل تھے ان مرکز حران تھا اور عراق کے مختلف حصوں میں ان کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ دوسرا گروہ اپنے فلسفہ وسائنس اور فنِ طب کے کمالات کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوا ہے۔ لیکن اغلب یہ ہے کہ یہاں پہلا گروہ مراد ہے کیونکہ دوسرا گروہ غالباً نزول قرآن کے زمانے میں اس نام سے موسوم نہ تھا" (تلخیص تفہیم القرآن صفحہ ۵۲۹)۔

قرآن مجید اہل کتب سے یہود اور نصاریٰ مراد لیتا ہے اگر ان میں عقائد کا بگاڑ آبھی گیا ہو تب بھی جب تک ان کا شمار ان فرقوں میں ہوتا ہے ان پر وہی احکام نافذ وجاری ہوں گے رہا عقیدہ اور عمل کا فساد وہ ایسا ہی ہے جیسے خود مسلمانوں میں بھی قبر پرستی وغیرہ کی شکل میں پایا جاتا ہے۔

جہاں تک دوسرے باطل ادیان کا معاملہ ہے ان میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں شمار نہیں کیا گیا ہے۔ اگرچہ ہندو مذہب کی

[1] مالیر کوٹلہ، پنجاب۔

کتابوں میں توحید اور آخرت کے متعلق تعلیمات پائی جاتی ہیں اور یہ بھی امکان ہے کہ ان میں بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی پیغمبر مبعوث کیا ہو چونکہ ان سب چیزوں کا تعلق امکان سے ہے اس لئے اہل کتاب کے عنوان سے جو خطاب ہوگا اور جو احکام متعلق ہوں گے ان سے مراد صرف یہود و نصاریٰ ہی ہوں گے۔

اس وقت دنیا کی جو صورت حال ہے اس میں دارالکفر اور دارالاسلام کی تقسیم دشوار ہے کیونکہ بہت سے ملکوں میں جمہوری نظام ہے اور ہم ان کو دارالامن کہہ سکتے ہیں جیسے ہمارا ملک ہندوستان ہے کہ موجودہ آئین کی صورت میں اس کو دارالحرب یا دارالکفر کے بجائے دارالامن کہنا مناسب ہوگا۔

جہاں تک مسلمان مردوں کا اہل کتاب عورتوں کے ساتھ شادی بیاہ اور نکاح مسئلہ ہے تو یہ بات ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے کہ نکاح کے منعقد ہونے کی شرطوں میں سے جہاں ہم مذہب ہونے کی شرط رکھی گئی ہے وہاں شریعت اتنی حساس اور حقیقت پسند ہے کہ ایک ہی مذہب کے افراد کے اسٹیٹس اور عدم کفائت کا بھی ایک درجہ میں لحاظ رکھا گیا ہے کیونکہ اس سے خانگی زندگی میں دراڑیں پڑسکتی ہیں۔

بیشک شریعت نے مسلمان مردوں کو کتابیہ عورت سے نکاح کی اجازت دی قرآن مجید میں ہے کہ: "الیوم احل لکم الطیبات ...والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذینا وتوا الکتاب من قبلکم " (سورہ مائدہ آیت نمبر ۵) (آج تمہارے لئے ساری پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں...... نیز مومن شریف عورتیں، اوران میں کی بھی شریف عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی)۔

یہ صرف اجازت ہے پسندیدگی کا سرٹیفکٹ نہیں ہے۔ چنانچہ کعب بن مالکؓ نے کتابیہ سے نکاح کرنا چاہا تو آپؐ نے ان کو یہ کہہ کر منع فرمادیا کہ "انها لاتحصنک" یہ تجھے محصن نہیں بناسکتی یعنی احصان کی اصل روح مودت ومحبت پیدا نہیں ہوگی۔ حضرت حذیفہ نے ایک یہودیہ سے نکاح کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ اسے چھوڑ دو۔

حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے کتابیات سے نکاح کو بصراحت مکروہ فرمایا۔ حضرت علیؓ نے کراہت کی دلیل میں فرمایا:

"لاتجد قوما یومنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاداللہ ورسولہ" (

مومن ایسے لوگوں سے محبت نہیں کرسکتا جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہوں)۔ اور جب زوجین میں الفت ومحبت ہی نہ ہو تو ایسا نکاح کس کام کا؟ دراصل نکاح کا تعلق قائم کرنے کے لئے مقاصدِ نکاح سامنے رہنے چاہئیں۔

نکاح کا پہلا مقصد ہے اخلاق اور پاکیزگی کی حفاظت، دوسرا مقصد ہے نسل انسانی کی بقا اور افزائش، تیسرا مقصد ہے سکون قلب اور مودت ورحمت، اور کبھی کبھی مقصد ہوتا ہے دینی اور معاشرتی مصالح۔

اس لئے نکاح کرنے والے کو خود اپنے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اور مقاصد نکاح کا خیال کرتے ہوئے فیصلہ کرنا چاہئے اور اگر کتابیہ عورت سے نکاح ہوجائے تو اس خاتون کے وہی حقوق ہوں گے اور شوہر کی وہی ذمہ داریاں ہوں گی جو مسلمان عورت سے نکاح کرنے میں ہوتی ہیں۔

کیونکہ اسلام نے مذہبی آزادی دی ہے اس لئے کتابیہ عورت کو اپنے شوہر کے گھر میں جو کہ اب اس کا بھی گھر ہے مذہبی مراسم انجام دینے کی آزادی ہوگی۔

اہل اسلام کو اپنے فکرِ اسلامی کے مطابق اپنا نظام تعلیم قائم کرنا چاہئے تاکہ ہمارے بچے دینی اقدار سے عملی طور پر وابستہ رہ سکیں۔ اسی طرح خدمت خلق کے سلسلہ میں ہسپتال قائم کرنا مسلمانوں کی روایت رہی ہے اور دینی اور دعوتی ضرورت بھی ہے۔

☆☆☆

عام اہل کتاب اور اہل ہنود کے احکام

مولانا محمد نعمت اللہ قاسمی[1]

برادران وطن یعنی ہنود اہل کتاب ہیں یا نہیں، اس موضوع پر حضرت تھانویؒ نے ایک رسالہ مسمی "ارسال الجنود الی ارسال الھنود" تحریر فرمایا ہے، مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اولا ہدایہ، فتح القدیر اور شامی سے بالاختصار کچھ فقہی روایات اور عبارتیں نقل فرمائی ہیں، اس کے بعد ان فقہی روایات وعبارت سے جو احکام مستفاد ہوتے ہیں ان کو تحریر فرمایا اور پھر ان احکام پر حضرت کی طرف سے ایک تفریع ہے، حضرت تحریر فرماتے ہیں:

"الروايات، في الهداية ويجوز تزويج الكتابيات ولا يجوز تزويج المجوسيات ولا الثنيات ويجوز تزويج الصابئات ان كانوا يؤمنون بدين نبي ويقرون بكتاب وان كانوا يعبدون الكواكب ولا كتاب لهم لم تجز مناكحتهم وعلى هذا حل ذبيحتهم اه مختصرا في فتح القدير الكتابي من يؤمن بنبي ويقر بكتاب والسامرية من اليهود اما من آمن بزبور داؤد وصحف ابراہيم وشيث فهم اهل الكتاب تحل مناكحتهم عندنا. ثم قال في المستصفى: قالوا: هذا يعني الحل اذا لم يعتقدوا المسيح الها اما اذا اعتقدوه فلا وقيل عليه الفتوى ...الخ" (الاحكام المستفادة من الروايات)۔

۱- کتابی کا مفہوم شرعی یہ ہے کہ جو کسی نبی مرسل اور کتاب منزل پر ایمان واقرار رکھے اور بعنوان اگر جو کسی دین سماوی پر اعتقاد رکھے۔

۲- بہت سے علماء نے اس میں یہ قید بھی لگائی ہے کہ غیر اللہ کی الوہیت کا معتقد نہ ہو، جیسے بعض عیسائیوں کی حالت ہے گو بعض نہیں لگائی۔

۳- اگر کسی وقت کسی قوم کے بزرگ کے پاس کوئی کتاب سماوی ہو، مگر اب اس کتاب سے کچھ تعلق نہ رہا ہو، بلکہ اس قوم کا طرز ومعاشرت مشرکین کا ہو گیا ہو وہ اہل کتاب نہ رہیں گے، جیسے کہ مجوس کی حالت ہے۔

۴- اگر کتاب سے ایمان واقرار کا بھی تعلق ہو، مگر وہ شرک حقیقی کا ارتکاب کرنے لگے ہوں تب بھی بہت سے علماء کے نزدیک وہ اہل کتاب میں سے نہ رہیں گے، جیسے بعض تفسیر پر صابئین کی حالت ہے، اسی طرح جو قرآن کی طرف منتسب ہوتا ہو، مگر قطعیات وضروریات کا منکر ہو ان میں تاویل بھی بحکم انکار ہے وہ بھی مثل غیر کتابی کے ہو جاتا ہے جیسے آج کل فرقہ مرزائیہ جن میں وہ مرزائی بھی داخل ہیں جو مرزا کے صریح دعوی نبوت میں تاویل کرتے ہیں، کیونکہ وہ منکر ضروریات کو کافر نہیں مانتے جیسے کوئی شخص مسیلمہ کے دعوی نبوت میں تاویل کر کے اس کو مومن سمجھنے لگے، کیا اس کو مومن کہا جائے گا؟۔

۵- اگر تمام شرائط بھی اہل کتاب ہونے کے پائے جائیں، مگر وہ کتابیہ حربی ہو تو اس سے نکاح مکروہ تحریمی ہوگا۔

تفریع علی الاحکام المذکورۃ:

ان احکام کو دیکھ کر سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ہنود میں اہل کتاب ہونے کا ضعیف سے ضعیف احتمال بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ کسی شخص کا نبی مرسل ہونا اور کسی کتاب کا منزل من اللہ ہونا اور کسی دین کا سماوی ہونا جو مدار ہے کتابیت کا جیسا کہ نمبر (۱) میں مذکور ہوا، امور قطعیہ سے ہے، اس لئے دلیل قطعی کا محتاج ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس قوم کے پیشوا کے نبی ہونے پر یا ان کے کسی مذہبی کتاب کے آسمانی ہونے پر دلیل قطعی تو کیا ظنی، بلکہ شکی تک بھی قائم نہیں، جیسا کہ بلاشک وشبہ ظاہر ہے پس یہ ایک ہی حکم مسئلہ زیر بحث کے فیصلہ کے لئے کافی ہے، بقیہ احکام پر تفریع محض تبرع ہے۔

تفریع کی تقریر یہ ہے، یعنی اگر بفرض محال یہ لوگ اہل کتاب کسی زمانہ میں ہوتے بھی تب بھی اب مدت طویلہ سے جو ان کی حالت ہے اس سے کتابیت کو مس بھی نہیں، غیر اللہ کیا اغیار اللہ کے الوہیت کے قائل ہیں، شاید کسی کو آریوں کے دعوی توحید سے شبہ ہو تو در حقیقت ان کا شرک تو اس درجہ

[1] جامعہ اسلامیہ دار العلوم بابا، ضلع کھگڑیا، بہار۔

قبیح ہے جس کی نظیر آج تک کسی مشرک قوم میں نہیں پائی جاتی، چنانچہ ان کی تالیفات میں روح اور مادہ کے قدیم بالذات ہونے کی تصریح ہے، اور مشرکین بعض تو غیر اللہ کے حدوث زمانی کے قائل ہیں اور بعض جو مجردات کے قدم زمانی کے قائل ہوتے ہیں وہ بھی ان کو قدیم بالذات نہیں کہتے، بلکہ ان کے وجود میں محتاج واجب تعالی کا مانتے ہیں، ولو بالا یجاب، غرض صفت قدم لابذات میں جو کہ خواص واجب سے ہے، کسی کو حق تعالی کا مساوی و مماثل نہیں مانتے تو ان کا شرک سب مشرک سے ربح واشنع واقطع ہے، نعوذ باللہ، تو ہنود کی حالت (۲)، (۴) کے بھی نہیں ہے جس میں قدرے اختلاف ہے، بلکہ مثل (۳) کے ہے جس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر اصل میں کتابی بھی ہوتے تب بھی کتابی نہ رہتے اور اب تو اصل میں بھی کتابی نہیں ہیں، جیسا تفریع کی ابتداء میں بدلیل اس کی تقریر کر دی گئی ہے اور اس صورت میں (۵) کا ان سے کوئی تعلق ہی نہیں، محض تتمیم فائدہ کے لئے لکھ دیا ہے کہ جو لوگ ایسی عورتوں کو انگلستان کا بڑا تبرک سمجھتے ہیں ان کو تنبیہ ہو اور وہ بھی جبکہ وہ عورت بتفسیر بالا کتابیہ ہو، ورنہ اس وقت جو الحاد و دہریت یورپ میں پھیل رہی ہے اس پر نظر کر کے تو کسی مدعی عیسائیت کو کتابی کہنے کی گنجائش نہیں ہے، ''اللھم الاعلی القدرة والندرة فی حکم العدم'' جیسے بعض مدعیان اسلام کو مسلمان کہنے کی گنجائش نہیں جن کا ذکر (۴) میں گذر چکا۔

سوالات کے جوابات

۱- کتابی یا اہل کی تعریف:

اہل کتاب اس شخص کو کہیں گے جو کسی نبی مرسل اور کتاب منزل پر ایمان واقرار رکھے ''والکتابی من یومن بنبي ویقر بکتاب'' (فتح القدیر/۲۱۹)۔

۲- ستارہ پرست لوگوں کو صابئین کہتے ہیں جو زبور پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔

''وقع عند أبي حنیفة أنهم من أهل الکتاب یقرؤن الزبور ولایعبدون الکواکب لکنهم یعظمونها کتعظیمنا القبلة فی الاستبقال إلیها ووقع عندهما أنهم یعبدون الکواکب'' (فتح القدیر/۲۲۲)۔

۳- جو یہود و نصاری خدا کے وجود کے قائل نہیں ہیں یا خدا کے وجود کے قائل ہیں، لیکن وحی اور نبوت و رسالت اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں وہ اہل کتاب نہیں ہیں، اہل کتاب وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو کسی دین سماوی پر ایمان رکھتے ہوں، جیسا کہ اہل کتاب کی تعریف سے واضح ہے۔

۴- قرآن کریم کا آخری کتاب ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا قطعیات وضروریات دین میں سے ہے اور قطعیات وضروریات دین کا منکر کافر ہے، پس جو شخص قرآن کریم کو اللہ کی کتاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول تو تسلیم کرتا ہے، لیکن قرآن کریم کو آخری کتاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول تسلیم نہیں کرتا ہے وہ کافر ہے اور اہل کتاب بھی نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں اہل کتاب یا تو یہود و نصاری ہیں یا وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم سے پہلے نازل کردہ کتابوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تشریف لائے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر ایمان رکھتے ہوں، لیکن قرآن کریم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ رکھتے ہوں، پس جو لوگ قرآن کریم کو اللہ کی کتاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول تسلیم کرنے کے بعد اس بات کے مدعی ہیں کہ قرآن کریم کے بعد بھی اللہ تعالی نے کوئی کتاب نازل فرمائی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اللہ نے کسی نبی کو بھیجا ہے، یعنی قرآن کریم کو آخری کتاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آکری نبی نہیں تسلیم کرتے ہیں ایسے لوگ اہل کتاب نہیں ہیں، بلکہ کافر ہیں، اسی لئے ہمارے فقہاء کرام نے اہل کتاب کی بحث کرتے ہوئے صاف تحریر فرمایا ہے کہ قرآن مجید کو اللہ کی کتاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول تسلیم کرنے کے باوجود اگر کسی نے قطعیات وضروریات دین میں سے کسی ایک شئ کا بھی انکار کر دیا یا قرآن کریم میں کوئی تحریف کی تو وہ کافر ہے اس سے نکاح جائز نہیں اور ان کا ذبیحہ جائز ہے۔

فتح القدیر میں ہے: ''وأما المعتزلة فمقتضی الوجه حل مناکحتهم؛ لأن الحق عدم تکفیر أهل القبلة، وإن وقع الزباني المباحث بخلاف من خالف القواطع المعلومة بالضرورة من الدین مثل القائل بقدم العالم ونفی العلم بالجزئیات... وکذا القول بالإیجاب بالذات ونفی الاختیار'' (ص ۲۲۲)۔

اور یہ امر مسلمات میں سے اور ضروریات دین میں سے ہے کہ قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں پس جو

لوگ یہ اور اس جیسی دوسری قطعیات وضروریات دین کے منکر ہیں وہ کافر ہیں ان سے نکاح جائز نہیں ہے اور نہ ان کا ذبیحہ جائز ہے پس جب وہ کافر ہیں ان سے نکاح جائز نہیں اور نہ ان کا ذبیحہ جائز تو وہ اہل کتاب کیسے ہوسکتے ہیں؟

اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے فقہاء کرام معتزلہ سے جواز نکاح پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ رافضی اگر قطعیت وضروریات دین کا منکر ہو تو وہ کافر ہے اس سے نکاح جائز نہیں ہے اور صاحب بحر تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کفریہ عقیدہ رکھتا ہو تو دیکھا جائے کہ یہ کفریہ عقیدہ اس نے اعتقاد صحیح کے بعد اختیار کیا ہے یا شروع ہی سے اس کا یہ عقیدہ ہے، اگر اعتقاد صحیح کے بعد اس نے یہ عقیدہ اختیار کیا ہے تو وہ مرتد ہے اور اگر شروع سے ہی اس کا یہ عقیدہ ہے تو وہ مشرک ہے اور مشرک سے نکاح جائز نہیں۔

''قال فی البحر: وينبغي أن من اعتقد مذهبا يكفر به ان كان قبل تقدم الاعتقاد الصحيح فهو مشرك، وإن طرأ عليه فهو مرتدا، وبهذا ظهر أن الرافض إن كان ممن يعتقد الألوهية فی علی أو ان جبرئيل غلط فی الوحی أو كان ينكر صحبته الصديق أو يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة بخلاف ما إذا كان يفضل عليا أو يسب الصحابة فانه مبتدع لا كافر'' (ردالمحتار ۴/ ۱۳۵)۔

حاصل یہ ہے کہ اہل کتاب قرآن کریم کی ایک خاص اصطلاح ہے جس کے مصداق وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم سے پہلے نازل کردہ کتابوں کے ماننے والے ہیں یا یوں کہیں کہ ادیان منسوخہ کے ماننے والے ہیں، رہے وہ لوگ جو قرآن کریم کو بھی مانتے ہیں، یہ لوگ یا تو مومن ہیں یا کافر اگر قطعیات وضروریات کے منکر ہیں، اہل کتاب نہیں ہوسکتے ہیں۔

غور کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے شارع کرنے والوں کو کچھ زیادہ پابند بنایا گیا ہے اور جو چشم پوشی یہود ونصاریٰ کے سلسلہ میں کی گئی ہے کہ ان کے بعض عقائد شرکیہ کے باوجود انہیں اہل کتاب کیا گیا، قرآن کریم کے تسلیم کرنے والوں کے ساتھ یہ چشم پوشی نہیں برتی گئی ہے، انہیں کہا گیا ہے کہ تم یا تو مؤمن ہو یا کافر، اور ایسا ہونا ضروری بھی تھا کہ یہ دین آخری دین ہے اور رہتی دنیا تک کے لئے اس میں ڈھیل ڈھال برداشت کرنا دین کو مسخ کردینا، اس لئے قرآن کریم کے تسلیم کرنے والوں کو زیادہ پابند بنایا گیا۔

۵- مرتد قادیانی اور نسلی قادیانی دونوں دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور ان میں سے کوئی اہل کتاب بھی نہیں ہیں اہل کتاب ادیان منسوخ کے ماننے والوں کو کہتے ہیں، شریعت محمدی منسوخ نہیں ہے، اصل میں ہمارے بعض علماء کو اہل کتاب کی تعریف سے اشتباہ ہوگیا ہے، ہمارے قدیم فقہاء نے اہل کتاب کی تعریف یوں کی ہے ''والکتابی من یومن بنبی ویقر بکتاب'' اب ہمارے علماء نے نبی، کتاب اور ''من'' کو اتنا عام سمجھ لیا کہ اس عموم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم اور قادیانی جیسے گروہوں کو بھی شامل کرلیا حالانکہ یہ تعریف اس قدر عام نہیں ہے، بلکہ صرف ادیان منسوخہ کے ماننے والوں کو یہ تعریف شامل ہے، اس تعریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم اور قادیانی، جیسے گروہ شامل نہیں ہیں، چنانچہ علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں اقسام کفر کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''قد ظهر أن الكافر اسم لمن لا إيمان له، فإن أظهر الايمان خص باسم المنافق، وإن طرأ كفره بعله الإسلام خص باسم المرتد لرجوعه عن الإسلام، وإن قال بالهين أو أكثر خص باسم المشرك لاثباته الشريك فی الالوهية، وإن كان متد نابعض الأديان والكتب المنسوخة خص باسم الكتابي كاليهودی والنصرانی، وإن كان لايثبت الباری تعالى خص باسم المعطل، ون كان مع اعترافه بنبوة النبی ﷺ وإظهاره شعائر الاسلام يبطن عقائد هی كفر بالاتفاق خص باسم الزنديق، وهو فی الأصل منسوب إلى زنديق اسم كتاب أظهره مزدك فی ايام قباد وزعم أنه تاويل كتاب المجوس الذی جاء به زرادشت الذی يزعمون أنه بينهم'' (شرح المقاصد ۵/ ۲۲۴ بیروت)

غور کیا جائے اہل کتاب ادیان منسوخہ کے ماننے والوں کو کہا گیا ہے، پس درج بالا اہل کتاب کی تعریف میں نبی، کتاب اور من سے ادیان منسوخہ ہی کے ماننے والے لوگ مراد ہوسکتے ہیں، نہ کہ وہ لوگ بھی جو غیر منسوخ شریعت محمدی کو بھی آسمانی مذہب تصور کرتے ہیں، پس قادیانی جو مذہب اسلام کو بھی آسمانی مذہب تصور کرتے ہیں وہ نسلی طور پر قادیانی ہوں یا مرتد ہوئے ہوں ان میں سے کوئی بھی ہرگز اہل کتاب نہیں ہیں۔

یہاں صاحب شرح مقاصد نے زندیق کی جو تعریف کی ہے اس تعریف کے لحاظ سے قادیانی اہل کتاب تو نہیں زندیق ہیں، اس لئے کہ یہ لوگ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی اپنے اور مرزا کے کفریہ عقائد کی توجیہ اور ملمع سازی بھی کرتے ہیں اور زندیق سے مسلمان مرد وعورت کا نکاح جائز نہیں ہے اور نہ ان کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے جائز ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ علامہ ابن ہمام نے زندیق کی جو تعریف کی ہے وہ "شرح مقاصد" کی تعریف سے مختلف ہے، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: زندیق وہ ہے جو کسی دین کا قائل نہ ہو "الزندیق الذی لایتدین بدین" (درمختار مع ردالمحتار ۶/ ۳۸۶)، اس تعریف کی رو سے مرزائی گرچہ زندیق نہیں ہیں، لیکن ضروریات دین کے منکر ضرور ہیں اور ضروریات دین کے منکر مشرکوں کے مانند ہوتے ہیں اور مشرکوں سے مسلمان مرد وعورت کا نکاح جائز نہیں ہے، علامہ ابن ہمام ہدایہ کی عبارت کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"(قوله ولا الوثنيات)وهو بالإجماع والنص ويدخل فى عبدة الأوثان عبدة الشمس والنجوم والصور التى استحسنوها والمعطلة والزنادقة والباطنية والإباحية، وفى شرح الوجيز: وكل مذهب يكفربه معتقده؛ لأن اسم المشرك يتناولهم... وأما المعتزلة فمقتقى الوجه حل مناكحتهم لان الحق عدم تكفير أهل القبلة. وإن وقع الزاما فى المباحث بخلاف من خالف القواطع المعلومة بالضرورة من الدين مثل القائل يقدم العالم ونفى العلم بالجزئيات" (۲۲۱)۔

علامہ شامی اس پر اضافہ فرماتے ہیں کہ دروز، نصیریہ، اسماعیلیہ، یتامنہ اور قرابطہ سے بھی نکاح جائز نہیں ہے اور نہ ان کا ذبیحہ جائز ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو بظاہر نماز روزہ بھی کرتے ہیں، کلمہ شہادت بھی پڑھتے ہیں اور ساتھ ہی کفریہ عقائد بھی رکھتے ہیں۔

"وشمل ذلك الدروز والنصيرية والتيامنة. فلا تحل مناكحتهم ولا تؤكل ذبيحتهم" (شامی ۴/ ۱۲۵)۔

تنبيه:... "يعلوما هناحكم الدروز والتيامنه. فإنهم فى البلاد الشامية يظهرون الاسلام والصوم والصلوة مع أنهم يعتقدون تناسخ الأرواح وحل الخمر والزنا. وإن الالوهية تظهر فى شخص بعد شخص، الحشر والصوم والصلوة والحج. ويقولون إن المسى به غيرالمعنى المراد. ويتكلمون فى جناب نبينا ﷺ كلمات فظيعة وللعلامة المحقق عبد الرحمن العمادى فيهم فتوى مطولة وذكرفيها أنهم ينتحلون عقائد النصيرية والإسماعيلية الذين يلقبون بالقرامطة والباطنية الذين ذكرهم صاحب المواقف. ونقل عن علماء المذاهب الأربعة أنه لايحل اقرارهم فى دارالاسلام بجزية ولاغيرها ولا تحل مناكحتهم ولا ذبائحهم وفيهم فتوى فى الخيرية ايضا فراجعها. والحاصل أنهم يصدق عليهم اسم الزنديق والمنافق والملحد. ولا يخفى أن اقرارهم بالشهادتين مع هذا الاعتقاد الخبيث لايجعلهم فى حكم المرتد لعدم التصديق ولا يصح اسلام أحدهم ظاهرا إلا بشرط التبري عن جميع مايخالف عن الإسلام. لأنهم يدعون الاسلام ويقرون بالشهادتين" (شامی ۶/ ۳۸۶،۳۸۷ مکتبہ زکریا)۔

حضرت تھانویؒ کا رسالہ "ارسال الجنود الی ارسال الھنود" کی جو عبارت میں نے اوپر نقل کی ہے اس میں بھی غور کرلیا جائے، حضرت صاف تحریر فرماتے ہیں کہ قطعیات وضروریات کا منکر اور ان میں تاویل کرنے والا کافر اور مثل غیر کتابی کے ہے، بلکہ قطعیات وضروریات کے منکر کے کفر کی تاویل کرنے والا بھی کافر غیر کتابی ہے۔

"امداد الفتاویٰ" ہی سے ایک اور سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے، اس پر بھی غور کرلیا جائے۔

مرزائی اور سنی میں مناکحت کا حکم:

سوال: ۳۱۶:...... مناکحت باہم ایسے مرد وعورت کی کہ ایک ان میں سے سنی حنفی اور دوسرا مرزا غلام احمد قادیانی کا معتقد اور متبع ہو اور ان کے جملہ دعاوی اور الہامات کی تصدیق کرتا ہو، جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ دونوں یا ایک ان میں سے نابالغ ہو تو بولایت والدین جو ایسے ہی مختلف العقیدہ ہوں کیا حکم ہے؟

جواب:...... مرزا کے بعض اقوال حد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں، مگر یہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی معتقد خاص اس قول کی خبر نہ رکھتا ہو، اس لئے مرزا کا معتقد ہونا

اس کو مستلزم نہیں کہ خاص اس کفر کا بھی معتقد ہے، پس اگر یہ مرزائی، خواہ مرد ہو یا عورت بالخصوص اس قول کفری کا بھی معتقد ہو تو اس کا نکاح مسلمان مرد یا عورت سے نہیں ہو سکتا، لیکن اگر یہ مرزائی بالغ ہے تو خود اس کا عقیدہ دیکھا جائے گا اور اگر نابالغ ہے تو اس کے ماں باپ کا عقیدہ دیکھا جائے گا، یعنی اگر ماں باپ دونوں مرزائی ہوں گے تو اس نابالغ کو مرزائی قرار دیں گے اور اگر ایک بھی غیر مرزائی ہے تو اس کو غیر مرزائی قرار دے کر یہ حکم مذکور ثابت نہ کریں گے اور اگر یہ مرزائی خاص کر ایسے امر موجب کفر کا معتقد نہیں تو مبتدع ہے اور سنی حنفی کا دیانۃً میں کفو نہیں (۲/ ۲۲۱، ۲۲۲)۔

نوٹ (۱): یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ (امداد الاحکام ۳/ ۲۲۱ تا ۲۲۶ مکتبہ زکریا) میں حضرت ظفر احمد تھانویؒ نے رافضی کے سلسلہ میں ایک سوال کا جواب تحریر فرمایا ہے اس وضاحت کے ساتھ کہ رافضی کے سلسلہ میں یہ آخری تحقیق ہے، اس سے پہلے کی تحقیقات کو منسوخ سمجھا جائے، حضرت نے فرمایا کہ حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ نے تمام رافضیوں کو کافر قرار دیا ہے اور کافر قرار دینے کی وجہ حضرت مولانا عبد الشکور صاحبؒ (محولہ کتابوں میں) یہ تحریر فرمایا ہے کہ رافضی لوگ اپنے عقیدہ کو چھپاتے ہیں، ورنہ یہ سارے لوگ قرآن کریم کو محرف مانتے ہیں، یعنی موجودہ قرآن کو نامکمل مانتے ہیں، اس لئے یہ لوگ کافر ہیں۔

نیز یہ بھی تحریر فرمایا کہ رافضی اہل کتاب کے مانند ہیں اور کافر رافضی کے اہل کتاب ہونے کے سلسلہ میں حضرت عثمانیؒ نے ''ردالمحتار'' شامی پر علامہ رافعی کے نوٹس مسمی ''التحریر المختار'' سے ایک عبارت نقل فرمائی ہے جسے علامہ رافعی نے ''تنویر الابصار'' کی شرح ''منح الغفار'' کے حاشیہ میں نقل کیا ہے اور یہ حاشیہ مولانا خیر الدین رملیؒ کا ہے گویا مولانا خیر الدین رملیؒ کی رائے ہے کہ رافضی جو کافر ہے وہ اہل کتاب ہے، مولانا رملیؒ نے کافر رافضی کے اہل کتاب ہونے کی کوئی دلیل ذکر کی یا نہیں، علامہ رافعی نے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، حاصل یہ کہ کافر رافضی کو اہل کتاب مولانا خیر الدین رملیؒ نے فرمایا ہے، دلیل کی کچھ خبر نہیں، اور حضرت مولانا عثمانیؒ نے بھی کوئی دلیل نہیں ذکر فرمائی ہے، جبکہ حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز کے رسالہ مذکورہ (جو امداد الفتاوی کا جزء ہے) اور فتوی سے اور شامی و فتح القدیر اور شرح مقاصد کی عبارتوں سے احقر نے مؤکد کیا ہے کہ مرزائی کافر غیر کتابی ہے، پس کافر رافضی کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے کہ وہ کافر غیر کتابی ہو، اس لئے کہ دونوں اپنے آپ کو اسلام کی طرف نسبت کرنے کے ساتھ ضروریات دین کے منکر بھی ہیں۔

نوٹ ۲: اوپر کے صفحات پر (کتاب الجہاد باب المرتد ۶/ ۳۸۶، ۳۸۷) سے میں نے ایک عبارت نقل کی ہے جس میں علامہ شامی نے فرقہ دروز اور تیامنہ اور بعض دیگر کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ یہ لوگ بظاہر نماز روزہ کرتے ہیں اور شہادتین کا اقرار بھی کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی عقائد کفریہ بھی رکھتے ہیں، اس لئے نماز و روزہ اور شہادتین کے اقرار کے باوجود یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں، ان سے نکاح اور ان کا ذبیحہ جائز نہیں ہے (یعنی کافر ہیں، اہل کتاب نہ یں ہیں، اگر اہل کتاب ہوتے تو ان کا ذبیحہ جائز ہوگا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا بھی جائز ہوتا) لیکن دوسری طرف علامہ شامی خود کتاب النکاح فصل فی المحرمات کے اندر ایک مقام پر ایسی عبارت لائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ دروز اور تیامنہ کسی آسمانی کتاب اور رسول کو تسلیم نہیں کرتے ہیں (اس لئے کافر اور بت پرست ہیں) اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے اور نہ ان کا ذبیحہ جائز ہے، اس عبارت کا مفہوم یہ ہوا کہ اگر یہ لوگ کسی آسمانی شریعت کو بشمول شریعت اسلامی کے تسلیم کرے تو کفریہ عقائد کے سبب کافر تو ہوتے، لیکن اہل کتاب میں سے ہوتے اور ان سے نکاح جائز ہوتا، عبارت یہ ہے:

''قلت وشمل ذلك الدروز والنصيرية والتيامنه فلا تحل مناكحتهم ولا تؤكل ذبيحتهم، لأنهم ليس لهم كتاب سماوي'' (۴/ ۱۲۵ مکتبہ زکریا)۔

غور فرمائیں کتاب الجہاد فصل فی المرتد کی عبارت سے معلوم ہوا کہ فرقہ دروز اور تیامنہ وغیرہ مذہب اسلام کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور بظاہر نماز پڑھتے ہیں اور روزہ بھی رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ لوگ کفریہ عقائد رکھنے کے سبب ایسے کافر ہیں کہ ان کا ذبیحہ جائز ہے نہ ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

اسی طرح کتاب النکاح میں علامہ شامی کی ایک دوسری عبارت ہے، جس سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ معتزلی جو اپنے کو مذہب اسلام کی طرف نسبت کرتے ہیں، اگر انہیں کافر تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ اہل کتاب ہیں، اس لئے کہ وہ اشرف کتب، یعنی قرآن مجید کے ماننے والے ہیں:

''على انهم ليسوا بادنى حالا من أهل الكتاب، بل هم مقرون باشرف الكتب'' (شامی کتاب النکاح فصل فی المحرمات ۴/ ۱۲۵ زکریا)۔

ان متضاد یا غیر واضح عبارتوں سے جہاں علامہ شامی کا تردد ظاہر ہوتا ہے وہیں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ علامہ شامی نے اس سلسلہ میں اپنی کوئی تحقیقی رائے نہیں ظاہر فرمائی ہے، جبکہ شرح مقاصد کی عبارت بالکل واضح ہے اور حضرت تھانویؒ کی رائے اور فتوی پہلے سامنے آچکا ہے کہ ایسے لوگ اہل کتاب نہیں ہیں۔

اور یہ بھی عرض کردوں کہ اصل مسئلہ اہل کتاب کی تعریف ہی کا ہے کہ اہل کتاب کی تعریف کو جتنا عام سمجھا جارہا ہے تعریف اس قدر عام نہیں ہے، خود قرآن کریم کا سیاق وسباق اس عموم کا مؤید نہیں ہے قرآن کریم نے ادیان منسوخہ کے ماننے والوں کو اہل کتاب کہا ہے نہ کہ قرآن کے ماننے والوں کو غور فرمایا جائے۔

۶- الف: ایسے حالات میں عیسائی یا یہودی لڑکیوں سے نکاح کرنا دارالاسلام میں بھی جائز نہیں ہے، گناہ ہے، گرچہ اس سے ازدواجی تعلق قائم کرنا زنا نہیں کہلائے گا اور نہ اس سے پیدا ہونے والی اولاد ولد الزنا کہلائیگی۔

دارالکفر میں کتابیہ سے نکاح کو جمہور فقہاء اسلام مکروہ تحریمی لازما جائز فرماتے ہیں (دراسۃ وتحقیق وتعلیق علی ردالمحتار ۴ / ۱۳۱)، اور کراہت کے درج ذیل وجوہ بیان کئے جاتے ہیں:

دارالکفر کے اندر قیام کی صورت میں تکثیر سواد کفار ہوگا، اپنے آپ کو اجراء احکام کفر کے لئے پیش کرنا لازم آئے گا، غیر اسلامی ماحول میں اولاد کی پرورش ہونے کے سبب اولاد اور خود والد کے ذہن میں بھی کفر کی قباحت کم ہوجائے گی اس طرح ایمان کمزور ہوجائے گا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غیر مسلموں سے اتنے فاصلہ پر رہائش اختیار کرو کہ دونوں کو ایک دوسرے کی آگ نظر نہ آئے۔

ان مذکورہ وجوہ کا تقاضا جو یہ ہے کہ دارالکفر میں قیام ہی نہ کیا جائے، لیکن اگر کسی مسلمان نے اپنی مجبوریوں کے سبب دارالکفر میں قیام کیا تو سوال میں ذکر کردہ مصالح کے پیش نظر کتابیہ سے نکاح کی اجازت ہونی چاہئے، لیکن چونکہ جمہور فقہاء امت کراہت تحریمی کے قائل ہیں، اس لئے جمہور کے قول سے عدول کر کے عدم کراہت کا حکم لکھنے کی جرات نہیں کر پاتا ہوں۔

۷- اس سوال کا جواب اوپر کے صفحات میں درج کئے گئے حضرت تھانویؒ کی تفریع میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۸- لف- ہرگز ہرگز عیسائی اسکولوں میں اپنے بچوں کو تعلیم نہیں دلانا چاہئے، زہرۃ الحیوۃ الدنیا کی خاطر تین کو تباہ وبرباد کرنا کوئی دانشمندی نہیں ہے، بے وقوفی ہے، اگر ایمان باقی رہ گیا تب بھی گناہ کبیرہ ہے کہ یہ تعلیم دین سے دوری اور بہت سے مفسدہ کا سبب ہے اور اگر ایمان ہی چلا گیا تو سب کچھ چلا گیا پھر تو ٹھکانہ جہنم ہے۔

ب- نان ونفقہ، حقوق زوجیت اور حسن معاشرت کے تعلق سے جو حقوق مسلمان بیویوں کے ہیں وہی حقوق کتابیہ بیویوں کے بھی ہیں، محض کتابیہ ہونے کی بنا پر ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا اور چھوڑ کر بھاگ آنا درست نہیں ہے، ہاں اگر کتابیہ بیویوں کو رفاقت سے دین متاثر ہورہا ہو تو پھر اس سے علاحدگی اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

ج- ایسے ادارے جہاں خدمت کرنے یا وہاں کی خدمات سے استفادہ کرنے سے مسلمانوں کا دین متاثر ہوتا ہو وہاں مسلمانوں کو اپنی خدمات پیش کرنا یا وہاں کی خدمات سے استفادہ کرنا جائز نہیں ہے۔

☆☆☆

اہل کتاب کی حقیقت اور ان سے متعلق احکام

مولانا بدر احمد مجیبی ندوی[1]

۱- اہل کتاب کی تعریف فقہاء کرام نے اس طرح کی ہے کہ جو کسی نبی پر ایمان رکھتا ہو اور کسی آسمانی کتاب پر اعتقاد رکھتا ہو وہ کتابی ہے۔

علامہ زیلعی لکھتے ہیں: ''كل من يعتقد دينًا سماويًا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم وشيث وزبور داؤد عليهم السلام، فهو من أهل الكتاب'' (تبیین الحقائق، فصل فی المحرمات)۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: ''الكتابي: من يؤمن بنبي ويقر بكتاب'' (فتح القدير، فصل في بيان المحرمات)۔

دستور العلماء میں ہے: ''وإن تدين ببعض الأديان والكتب المنسوخة فهو الكتابي'' (دستور العلماء)۔

''كشاف اصطلاحات الفنون'' میں ہے: ''هوالكافر الذى تدين ببعض الأديان المنسوخة والكتب المنسوخة'' (كشاف اصطلات الفنون ۲/ ۵۶۴)۔

ان تعریفات کا مفہوم یہ ہے کہ کسی ایسے نبی پر ایمان رکھتا ہو جن کا نبی ہونا یقینی ہو اور کسی ایسی کتاب پر عمل کرنے کا دعویدار ہو جس کا آسمانی ہونا یقینی ہو۔ یہ اسی وقت ہوگا جب قرآن میں یا احادیث نبویہ میں ان کے نبی ہونے کا ذکر موجود ہو۔ اسی طرح اس کتاب کے منزل من السماء ہونے کا قرآن یا حدیث میں ذکر موجود ہو۔ اس لئے اگر کوئی جماعت کسی ایسی شخصیت کو مانتی ہے جن کے نبی ہونے کا ذکر قرآن یا حدیث میں موجود نہیں ہے تو وہ اہل کتاب میں شمار نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس شخصیت کا نبی ہونا مشکوک ہے، یقینی نہیں ہے۔ اسی طرح کسی ایسی کتاب کو مانتی ہے جس کا تذکرہ آسمانی کتاب کی حیثیت سے قرآن وحدیث میں نہیں ہے تو وہ اہل کتاب میں شمار نہیں ہوگی۔

۲- صابئین کا ذکر قرآن کریم میں دو مرتبہ آیا ہے۔ سورہ بقرہ اور سورہ حج میں۔ وہ آیات درج ذیل ہیں۔

"إن الذين آمنوا والذين هادوا والنصارى والصابئين من آمن بالله واليوم الآخر وعمل صالحًا فلهم أجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا يحزنون" (البقرة ۶۲)۔

"إن الذين آمنوا والذين هادوا والصابئين والنصارى والمجوس والذين أشركوا إن الله يفصل بينهم يوم القيامة ان الله على كل شيئ شهيد" (الحج ۱۷)۔

صابی کس کو کہتے ہیں؟ اس کا کیا مفہوم ہے؟ یہ کون سی جماعت تھی؟ کسی نبی کی امت اور پیروکار تھی یا آسمانی مذہب سے لاتعلق کفر وشرک میں مبتلا کوئی جماعت تھی؟ اس جماعت کی حقیقت کے بارے میں اور اس کے مذہب کے بارے میں شدید اختلاف ہے۔

علامہ ابن کثیر ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مجاہدؒ، عطاءؒ اور سعید بن جبیرؒ سے منقول ہے کہ صابئین یہود ونصاری اور مجوس کے درمیان کی ایک جماعت ہے۔ ان کا کوئی دین نہیں ہے۔ بعض تابعین مثلاً ابوالعالیہؒ، ابوالشعثاءؒ، ضحاکؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ یہ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے۔ یہ لوگ زبور پڑھتے ہیں۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ صابی مجوس کی طرح ایک قوم ہے۔ یہ لوگ ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں۔ ابوالزنادؒ کہتے ہیں کہ یہ عراق کے قریب رہنے والی قوم ہے جو کوثی میں رہتی ہے۔ یہ تمام انبیاء پر ایمان رکھتی ہے۔ ہر سال تیس دن روزہ رکھتی ہے۔ روزانہ یمن کی طرف رخ کر کے پانچ اوقات نماز پڑھتی ہے۔ وہب بن منبہؒ کہتے ہیں کہ صابی وہ ہے جو اللہ تعالی کی وحدانیت کا قائل ہو، اس کی کوئی معمول بہا شریعت نہ ہو اور اس نے کفر نہ کیا ہو۔ عبد الرحمن بن زیدؒ کہتے ہیں۔ صابی لوگ کسی دین کو ماننے والے ہیں۔

[1] امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ۔

یہ جزیرہ موصل میں تھے۔ یہ لوگ لا الہ الا اللہ کہتے تھے۔ ان کے پاس نہ کوئی عمل ہے نہ کوئی کتاب اور نہ نبی۔ سوائے اس کے کہ لا الہ الا اللہ کہتے تھے۔ ان کا کسی رسول پر ایمان بھی نہیں تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صابی لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ مجاہدؒ اور حسن بصریؒ وغیرہ سے منقول ہے کہ ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح نہیں کیا جائے گا۔ امام قرطبی کہتے ہیں کہ ان کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ موحد ہیں، لیکن ستاروں کی تاثیر کے قائل ہیں یعنی ستارے ہی اس دنیا سارا کام انجام دے رہے ہیں۔ اسی لئے خلیفہ قادر باللہ کے سوال پر امام ابوسعید اصطخریؒ نے ان کے کفر کا فتوی دیا تھا۔ امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ صابی ستاروں کی عبادت کرتے ہیں، یا تو اس معنی میں کہ اللہ تعالی نے ستاروں کو عبادت یا دعا کے لئے قبلہ بنایا ہے یا اس معنی میں کہ اللہ تعالی نے اس دنیا کی تدبیر ستاروں کے سپرد کردی ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ان کے بارے میں سب سے واضح قول مجاہدؒ، وہب بن منبہؒ وغیرہ کا ہے کہ یہ لوگ یہود ونصاری، مجوس ومشرکین کسی کے دین پر نہیں ہیں۔ یہ لوگ اپنی فطرت پر باقی ہیں۔ ان کا کوئی مقرر دین نہیں ہے جس کی اتباع کرتے ہوں۔'' (تفسیر ابن کثیر ۱/ ۲۸۵ تا ۲۸۷)۔

امام ابوبکر جصاص رازیؒ فرماتے ہیں: ''صابئین کے بارے میں اختلاف ہے کہ اہل کتاب ہیں یا نہیں؟ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ وہ اہل کتاب ہیں۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ سے منقول ہے کہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں۔ امام ابوالحسن کرخیؒ فرماتے ہیں کہ وہ صابئین جو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اہل کتاب میں سے ہیں وہ ایسی جماعت ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کے دین پر چلتی ہے اور انجیل پڑھتی ہے۔ وہ صابئین جو ستاروں کی پرستش کرتے ہیں اور وہ جو حران کے علاقہ میں رہتے ہیں وہ ابن کے نزدیک اہل کتاب نہیں ہیں۔ امام ابوبکر جصاص رازیؒ لکھتے ہیں کہ اس وقت صابئین کے نام سے جو جماعت معروف ہے ان میں اہل کتاب نہیں ہیں۔ میری مراد ان سے ہے جو حران کے علاقہ میں ہیں اور سواد واسط میں بطائح کے علاقہ میں ہیں۔ ان کا اصل اعتقاد سات ستاروں کی تعظیم، ان کی پرستش اور ان کو معبود ماننا ہے۔ یہ حقیقت میں بت پرست ہیں۔ مگر اسلام سے پہلے جب ان کے علاقے پر ایرانی غالب ہوگئے تو انہوں نے ان کو اس سے روک دیا۔ اسی طرح ان کے جس علاقے پر رومی غالب آئے تو وہاں ان کو زبردستی عیسائیت میں داخل کرلیا۔ لیکن ان میں سے بہت سارے لوگ پوشیدہ طور سے اپنے مذہب پر باقی رہے۔ اسلام کے آنے کے بعد ان کو نصاری میں شمار کیا گیا کیونکہ یہ اپنے عقائد کو بہت پوشیدہ رکھتے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان لوگوں کا مشاہدہ کیا جو اپنے کو نصاری ظاہر کرتے تھے اور انجیل پڑھتے تھے اور تقیہ کے طور پر مسیحی دین اختیار کئے ہوئے تھے۔ لیکن صابئین کے جن عقائد کا میں نے ذکر کیا ہے اس کے اعتبار سے فقہاء کے نزدیک وہ اہل کتاب نہیں ہیں۔ نہ ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا'' (احکام القرآن للجصاص رازی ۳/ ۳۲۶ تا ۳۲۹)۔

علامہ ابن تیمیہؒ کے نزدیک صابئین نمرود کی قوم کے لوگ تھے جس کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت ہوئی تھی۔ یہ لوگ ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔ یہ قوم بعد میں بھی باقی رہی۔ یہ لوگ شام، الجزیرہ، عراق، جزائر بحر وغیرہ میں آباد تھے۔ نمرود کے کافی زمانے کے بعد بخت نصر ان کا مشہور بادشاہ گزرا ہے جس نے بنی اسرائیل پر بڑے مظالم کئے تھے (مجموع الفتاوی ۲/ ۴۴۶)۔

علامہ ابن قیم الجوزیہؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی قوم تھی۔ جس کی طرف وہ مبعوث ہوئے تھے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ صابئہ حنفاء اور صابئہ مشرکین۔ صابئہ مشرکین سات ستاروں اور بارہ برجوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ اپنے ہیکلوں میں ان کی تصاویر بناتے ہیں۔ ان ستاروں کے لئے ان کے مخصوص ہیکل یعنی عبادتگاہیں ہیں۔ سورج کے لئے ہیکل کبیر، چاند کے لئے ہیکل، زہرہ، مشتری، مریخ وغیرہ کے لئے ہیکل ہیں۔ ان ستاروں کے لئے مخصوص عبادات اور مخصوص دعائیں ہیں۔ ان ہیکلوں میں ان کی تصاویر اور ان کے مخصوص بت بناتے ہیں اور ان کے لئے قربانی دیتے ہیں۔ رات دن میں ان کے لئے پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے ہیں۔

ان کی ایک جماعت (حنفاء) رمضان میں روزے رکھتی ہے۔ اپنی نمازوں میں کعبہ کا استقبال کرتی ہیں۔ مکہ کا احترام کرتی ہے اور حج کرتی ہے۔ میتہ، خون اور لحم خنزیر کو حرام سمجھتی ہے مسلمانوں کی طرح قریبی رشتوں سے نکاح کو حرام سمجھتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ قوم دوسری قوموں کے ساتھ شریک بھی ہے اور جدا بھی ہے۔ ان میں سے جو حنفاء ہیں وہ حنیفیت میں اہل اسلام کے شریک ہیں۔ اور ان میں سے مشرکین بت پرستوں کے شریک ہیں'' (اغاثۃ اللھفان ۲/ ۲۵۰، ۲۵۱)۔

شہرستانی نے ''الملل والنحل'' میں صابئہ اور اس کی ایک جماعت حرنانیہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے (الملل والنحل ۱/ ۲۲۸، ۲/ ۵۳)۔

علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: "امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صابی عورت سے مسلم مرد کا نکاح جائز ہے۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت میں اختلاف نہیں ہے۔ یہ اختلاف ان کے مذہب کے مشتبہ ہونے کی وجہ سے ہوا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ قوم کتاب پر ایمان رکھتی ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگ زبور پڑھتے ہیں۔ ستاروں کی پرستش نہیں کرتے، بلکہ ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ مسلمان کعبہ کا استقبال کر کے کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ مگر یہ لوگ دین کے بعض کاموں میں دوسرے اہل کتاب سے جدا ہیں۔ یہ مناکحت سے مانع نہیں ہے۔ امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ قوم ستاروں کی پرستش کرتی ہے اور ستاروں کی پرستش کرنے والا بت پرست ہے۔ اس لئے مسلمانوں سے ان کی مناکحت جائز نہیں ہے" (بدائع، کتاب النکاح، فصل ان لاتکون امرأة مشرکة)۔

یہ لوگ زمانہ قدیم سے الجزیرۃ کے علاقہ میں حران شہر میں آباد تھے۔ حران شہر کی نسبت سے ہی یہ مذہب مشہور ہوا۔ اسی لئے عقائد کی کتابوں میں اس مذہب کے ماننے والوں کو حرنانیہ (خلاف قیاس نسبت) کہا جاتا ہے (معجم البلدان)۔

اس وقت بھی صابی جماعت کے لوگ موجود ہیں۔ یہ جنوب عراق اور ایران میں آباد ہیں۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد یورپ اور امریکا بھی منتقل ہوگئی ہے (الموسوعة الميسرة، عنوان الصابئة المندائيون)۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ صابی جماعت اہل کتاب میں سے نہیں ہے۔ یہ ستاروں کی پرستش کرتے ہیں اور ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے۔ اور اس جماعت کے لوگ ابھی بھی دنیا میں موجود ہیں۔

۳- اہل کتاب کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ جو کسی نبی پر ایمان لائے اور کسی آسمانی کتاب کا اقرار کرے وہ کتابی ہے۔ اس لئے ایسے لوگ جو سرے سے وجود باری تعالیٰ کے ہی منکر ہیں وہ اہل کتاب میں سے نہیں ہیں۔ یا وہ لوگ جو وجود باری تعالیٰ کے تو قائل ہیں مگر رسالت کے منکر ہیں وہ بھی اہل کتاب نہیں ہوں گے۔ اس لئے ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے مسلم مردوں کی مناکحت جائز نہیں ہے۔

"وفي التبيين: ثم كل من يعتقد دينًا سماويًا وله كتاب منزل كصحف ابراهيم وشيث وزبورداؤد، فهو من أهل الكتاب، فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم خلافًا للشافعي فيما عدا اليهود والنصارى والحجة عليه ماتلونا، وفي فتح القدير: الكتابي من يؤمن نبي ويقر بكتاب" (البحر الرائق، كاب النكاح، فصل في المحرمات في النكاح)۔

"وقال طائفة: إذاسمعت الكتابي يسمى غير اسم الله عزوجل فلا تأكل، وقال بهذا من الصحابة على وعائشة وابن عمر رضى الله عنهم وهو قول طاؤس والحسن متمسكين بقوله تعالى: {ولاتأكلوا ممالم يذكراسم الله عليه وانه لفسق} (الانعام ۱۲۱) وقال مالك: أكره ذلك ولم يحرمه" (الجامع لاحكام القرآن للقرطبي ۶/۷۶)۔

"والصحيح المختار عندنا هو القول الأول يعني ذبائح الكتابي تاركا للتسمية عمدًا أو على غير اسم الله تعالى لايؤكل إن علم ذلك يقينًا أوكان حالهم ذلك --- ولاشك أن النصارى في هذا الزمان لايذبحون بل يقتلون بالوقدغالبًا، فلايحل طعامهم" (التفسير المظهري، سوره مائده)۔

مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ہمارے زمانے کے نصاریٰ عمومًا برائے نام نصاریٰ ہیں۔ ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی کتاب آسمانی کے قائل ہیں، نہ مذہب کے، نہ خدا کے۔ ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا (تفسیر عثمانی ص ۱۴۲)۔

۴- بہائی فرقہ یا بابی فرقہ اسی طرح سکھ یا قادیانی جماعت یہ سب باطل مذاہب کو ماننے والے ہیں۔ یہ کفار میں شمار ہوں گے۔ ان کو اہل کتاب نہیں کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اہل کتاب ان ہی کو کہا جائے گا جو کسی نبی پر ایمان لائے ہوں اور کسی آسمانی کتاب کی اتباع کرتے ہوں۔ قرآن کریم یا حدیث نبوی میں جن انبیاء کرام کا تذکرہ آیا ہے ان میں سے کسی نبی پر ایمان رکھتے ہوں۔ اس لئے زمانہ قدیم کی کسی ایسی شخصیت جس کا نبی ہونا متیقن نہ ہو اس پر ایمان رکھنے سے کسی جماعت پر اہل کتاب کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ اسی طرح مابعد اسلام کسی شخص کو نبی ماننے سے بھی کوئی جماعت اہل کتاب نہیں کہلائے گی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرنے گا وہ جھوٹا اور مکار ہے۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج اور کافر ہے۔

مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں: اس لئے باتفاق امت کتاب سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جس کا کتاب اللہ ہونا بتصدیق قرآن یقینی ہو جیسے تورات،

انجیل، زبور، صحف موسیٰ وابراہیم وغیرہ۔ اس لئے وہ قومیں جو کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھتی اور اس کو وحی الٰہی قرار دیتی ہوں جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن وسنت کے یقینی ذرائع سے ثابت نہیں وہ قومیں اہل کتاب میں داخل نہیں ہوں گی۔ جیسے مشرکین مکہ، مجوس، بت پرست ہندو، بدھ، آریہ، سکھ وغیرہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہود ونصاریٰ جو تورات وانجیل پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ باصطلاح قرآن اہل کتاب میں داخل ہیں۔ تیسری قوم جس کو صابئین کہتے ہیں ان کے حالات مشتبہ ہیں۔ جن حضرات کے نزدیک یہ لوگ زبور داؤد علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں وہ ان کو بھی اہل کتاب میں شامل قرار دیتے ہیں۔ اور جن کو یہ تحقیق ہوا کہ زبور سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ نجوم پرست قوم ہیں۔ وہ ان کو بت پرستوں اور مجوس کے ساتھ شریک قرار دیتے ہیں۔ بہر حال یقینی طور پر جن کو باتفاق اہل کتاب کہا جاتا ہے وہ یہود ونصاریٰ ہیں (معارف القرآن، سورہ مائدہ)۔

۵- قادیانی جماعت اہل کتاب میں شمار نہیں ہوسکتی ہے اور ان کا کوئی گروہ کتابی نہیں ہوسکتا ہے۔ خواہ وہ خود قادیانی مذہب اختیار کرکے مرتد ہوئے ہوں یا ان کے آباء واجداد مرتد ہوئے ہوں اور یہ ان کی نسل سے ہوں۔ کیونکہ وہ کسی حقیقی نبی کو نہیں مانتے۔ وہ ایک جھوٹی نبوت کا دعوی کرنے والے کو مانتے ہیں۔ اور ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب بھی نہیں ہے۔

۶- الف: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ مسلمان مردوں سے کتابیہ عورتوں کے نکاح کی اجازت صرف اس وقت ہے جب وہ دارالاسلام میں ذمیہ ہوں۔ اگر کتابیہ عورتیں دارالحرب میں ہوں تو ان سے نکاح جائز نہیں ہے۔ لیکن قرآن میں عموم ہے۔ اسی طرح احادیث نبویہ میں بھی ایسی کوئی قید نظر نہیں آتی۔ اس لئے فقہاء کرام ذمیہ اور حربیہ دونوں قسم کی کتابیہ سے مسلم مرد کے نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی خاص مصلحت سے کتابیہ سے نکاح کرنے سے منع فرماتے تھے۔ امام جصاص رازیؒ کہتے ہیں کہ دارالحرب کی کتابیہ سے شادی ہمارے یہاں مکروہ ہے۔

ممکن ہے کہ خاص مصلحت کی بناء پر یہ قول اختیار کیا گیا ہو کہ دارالحرب میں نکاح کرنے سے کتابیہ عورت مسلم شوہر پر حاوی ہوسکتی ہے اور مسلمان کے اسلام کو خطرہ پیش آسکتا ہے۔ اس لئے اس اندیشہ کی وجہ سے اس کراہت ہونی چاہئے اور دارالاسلام میں مسلمان شوہر اس پر حاوی رہے گا اور کتابیہ اسلامی ماحول سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلے گی۔ اس لئے اس میں کوئی کراہت نہیں ہونی چاہئے۔

''عن شقيق بن سلمة قال تزوج حذيفة بيهودية فكتب إليه عمر أن خل سبيلها، فكتب إليه حذيفة: أحرام هي؟ فكتب إليه عمر: لا، ولكني أخاف أن تواقعوا الموسات منهن. قال أبوعبيد: يعني العواهر'' (أحكام القرآن للجصاص الرازي ۲/ ۳۲۳)۔

''روى عن ابن عباس في قوله تعالى: {والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب} هو على العهد دون دارالحرب فيكون خاصًا. وقال غيره: يجوز نكاح الذمية والحربية لعموم الآية'' (الجامع لاحكام القرآن للقرطبي ۶/ ۷۹)۔

''وقد اختلف في نكاح الكتابيات في وجه آخر فقال ابن عباس: لاتحل نساء أهل الكتاب إذا كانوا حربا وتلا هذه الآية {وقاتلوا الذين لايؤمنون بالله ولا باليوم الآخر الى قوله وهم صاغرون} --- وهذا عندنا إنما يدل على الكراهة وأصحابنا يكرهون مناكحات أهل الحرب من أهل الكتاب'' (احكام القرآن للجصاص الرازي ۲/ ۳۲۶)۔

کتابیہ عورتوں سے نکاح شرعاً جائز ہے، مگر حالات کے اعتبار سے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ مسلم عورتوں کی موجودگی میں کتابیہ سے شادی کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس لئے دارالاسلام میں بھی احتیاط کرنا چاہئے۔

(ب) کتابیہ سے شادی کی اباحت تو قرآن سے ثابت ہے۔ اس لئے ممانعت تو نہیں ہوسکتی۔ البتہ حالات کے اعتبار سے حکم ہوگا۔ اگر اس سے فائدہ ہے تو شادی کی جاسکتی ہے اور اگر نقصانات ہیں تو نہیں کرنا چاہئے۔

۷- ہندو قوم کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اوپر اہل کتاب کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ جو لوگ ایسی شخصیت کو مانتے ہوں جس کا ذکر قرآن یا حدیث میں نبی کی حیثیت سے موجود ہو۔ اسی طرح ایسی کتاب کو مانتے ہوں جس کا تذکرہ قرآن یا حدیث میں آسمانی کتاب کی حیثیت سے ہو وہ اہل کتاب ہیں۔

ہندو قوم خواہ اس کا تعلق سناتن دھرم سے ہو یا بدھ مت سے ہو یا جین دھرم سے ہو یہ لوگ اہل کتاب نہیں ہوسکتے کیونکہ ان کے پیشوا رام چندر جی،

مہاتما بدھ یا مہاویر جی کا ذکر قرآن یا حدیث میں نہیں ہے۔ اسی طرح ان کی کتابوں کا ذکر بھی موجود نہیں ہے۔ اس لئے ان کا نبی ہونا یقینی نہیں ہے اور ان کی کتابوں کا آسمانی ہونا یقینی نہیں ہے۔

مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں: ''اس زمانے میں جتنے فرقے اور جماعتیں غیر مسلموں کی موجود ہیں ان میں صرف یہود و نصاری ہی دو قومیں ہیں جو اہل کتاب میں شمار ہو سکتی ہیں۔ باقی موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں۔ آتش پرست، یا بت پرست ہندو، یا سکھ، آریہ، بدھ وغیرہ سب اسی عموم میں داخل ہیں۔ کیونکہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی کتاب کے ماننے والے اور اس کی اتباع کے دعویدار ہوں جس کا آسمانی کتاب اور وحی الہی ہونا قرآن وسنت کے نصوص سے ثابت ہو۔ اور ظاہر ہے کہ وہ تو تورات وانجیل ہی ہیں جن کی ماننے والی کچھ قومیں اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔ باقی زبور اور صحف ابراہیم علیہ السلام نہ کہیں محفوظ وموجود ہیں نہ کوئی قوم ان کے اتباع کی دعویدار ہے۔ اور وید اور گرنتھ اور زردشت وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحی الہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے۔ اور یہ صرف امکان کہ شاید زبور اور صحف ابراہیم ہی کی مسخ شدہ وہ صورت ہو جس کو بدھ مت کی کتاب یا وید یا گرنتھ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے امکان محض احتمال محض ہے جو ثبوت کے لئے کافی نہیں۔ اس لئے باجماع امت ثابت ہو گیا کہ موجودہ زمانے کے مختلف مذاہب میں صرف یہود و نصاری کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حلال ہے۔ اور کسی قوم کی عورت سے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے نکاح حرام ہے'' (معارف القرآن، سورہ مائدہ)۔

۸- الف: اصل کام تو یہی ہونا چاہئے کہ عصری علوم کے لئے مسلمانوں کے اپنے اسکول ہوں، اپنے کالج ہوں۔ جہاں مسلم طلبہ اسلامی ماحول میں تعلیم حاصل کریں۔ عصری علوم کی تحصیل کے ساتھ دین سے گہری وابستگی بھی برقرار رہے۔ اس کے لئے کوششیں ہونی چاہئے اور جو مسلم اہل ثروت ایسے اسکوم اور کالج قائم کرنا چاہیں ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ان کو مسلم عوام کا پورا تعاون حاصل ہو۔

البتہ جس جگہ ایسے حالات نہ ہوں کہ مسلمانوں کے علیحدہ اسکول اور قائم کئے جا سکیں وہاں جو مسلم بچے مشنریز کے ان اسکولوں میں پڑھ رہے ہوں ان کے لئے گھروں میں دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے یا شام میں کسی مکتب میں ان کو دینی تعلیم دی جائے۔ یہ انتہائی ضروری ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو ان اسکولوں میں پڑھنے والے تمام بچے الحاد و دہریت کا شکار ہو جائیں گے۔

اگر ان بچوں کے لئے گھروں میں یا مکتبوں میں دینی تعلیم کا نظم کیا جانا بہت مشکل ہو تو ایسی صورت میں ہم کہیں گے کہ مسلم بچوں کو مشن کے ان اسکولوں میں داخل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے ان کے ایمان پر اثر پڑ رہا ہے۔ دشمنان اسلام انہیں بڑی آسانی سے الحاد و دہریت کا شکار بنا دیں گے۔

ب- مسلمان بیوی کے جو حقوق ہیں وہی حقوق کتابیہ بیوی کے بھی ہیں۔ جس طرح مسلم بیوی کا نفقہ واجب ہے اسی طرح کتابیہ بیوی کا نفقہ بھی لازم ہے۔ مہر کا بھی یہی حکم ہے۔ حسن سلوک اور حسن معاشرت میں بھی دونوں کا حکم یکساں ہے۔ جب کتابی عورت سے نکاح کیا ہے تو اس کے تمام حقوق کی ادائیگی واجب ہوگی۔

البتہ طلاق کا جہاں تک تعلق ہے تو طلاق ابغض الحلال الی اللہ ہے۔ ناگزیر حالات کے تحت اس کی اباحت ہوئی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص کتابیہ بیوی سے اپنے یا اپنے بچوں پر ایمان کا خطرہ محسوس کرے اور اس کو اندیشہ ہو کہ نکاح برقرار رہنے میں ایمان متاثر ہوگا تو ایسی صورت میں وہ طلاق دے کر علیحدگی اختیار کر لے۔ اس میں اس کو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

ج- خدمت خلق کا کام اسلام کے حکم کے عین مطابق ہے۔ اسلام نے مخلوق کی خدمت اور اس کی پریشانی کو دور کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو خدمت خلق کے لئے اپنے ادارے، اسپتال وغیرہ قائم کرنا چاہئے۔ اس سے دوسرے مذہب والوں تک اسلام کی اشاعت بھی ہوگی۔

عیسائی مشنریز کے ذریعہ اس طرح کے جو کام ہوتے ہیں ان میں کام کرنے یا ان سے فائدہ اٹھانے سے پہلے دیکھ لینا چاہئے کہ اسے دین پر کوئی آنچ تو نہیں آرہی ہے۔ اگر اس سے اپنا دین متاثر ہو رہا ہے تو اس میں کام کرنا یا اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہوگا۔

☆☆☆

اہل کتاب اور ان کے متعلق احکامات شرعیہ

مفتی حبیب اللہ قاسمی [1]

اس میں شک نہیں کہ آج دنیا کے بیشتر ممالک میں لوگ ایک کثیر مذہبی معاشرہ میں زندگی گزار رہے ہیں جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان سیاسی، سماجی، اقتصادی، معاشرتی تعلقات بھی پائے جاتے ہیں ایک دوسرے کی تقریبات میں شرکت اور خوشی وغمی میں آمد ورفت بھی ہوتی ہے۔

الغرض اس انداز کا مخلوط معاشرہ بین المذاہب لوگوں کا بن چکا ہے کہ ایک خالص دینی و مذہبی ذہن وفکر رکھنے والے حضرات کے لئے بہت سے مسائل بھی پیدا ہو گئے ہیں، جن پر نظر رکھنا اور ان کا شرعی حل پیش کرنا علماء امت کی شرعی ذمہ داری بنتی ہے، اللہ جزاء خیر دے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے ارباب حل وعقد کو کہ انہوں نے اس بات کو محسوس کیا اور امت کے دین دار طبقہ کی خصوصا رہنمائی کے لئے علماء وفقہاء وقت کو پیدا شدہ مسائل کی طرف متوجہ کیا۔

اس مختصری تمہید کے بعد اب سوالات کے جوابات سپرد قرطاس ہیں:

۱- اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو نزول قرآن کے زمانہ میں، یعنی حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارکہ میں موجودہ یہود ونصاریٰ کا جو عقیدہ تھا اس کے وہ قائل ہوں، مزید براں تورات پر ان کا ایمان ہو، اللہ جل شانہ کے وجود، نبوت، وحی اور فرشتوں پر ایمان ہو، اللہ جل شانہ کے وہ منکر نہ ہوں، جو لوگ مذکورہ بالا امور کے قائل نہ ہوں، صرف نسلا یہودی یا عیسائی ہوں یا اپنے کو یہودی یا عیسائی کہتے ہوں تو ایسے لوگ اسلامی شریعت کی نظر میں اہل کتاب نہیں ہیں (فتح القدیر)۔

۲- صابئین صابی کی جمع ہے اور صابی لغت میں اس کو کہتے ہیں جو ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں داخل ہو جائے، عہد قدیم میں صابی وہ لوگ کہلاتے تھے جو اہل کتاب کے دین سے نکل گئے تھے، حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں: صابی وہ لوگ تھے جنہوں نے ادیان سماویہ میں سے ہر ایک سے کچھ نہ کچھ لے لیا تھا، چنانچہ وہ زبور پڑھتے تھے، لیکن ملائکہ کی عبادت کرتے تھے اور اسی کے ساتھ کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے نماز بھی پڑھتے تھے، اس زمانہ میں یہ گروہ دنیا کے کسی خطہ میں پایا جاتا ہے یا نہیں، یہ تو کوئی عالمی سیاح ہی بتا پائے گا اس خادم کے علم میں فی زمانا ان کے وجود عدم کے سلسلہ میں کوئی تحقیق نہیں ہے۔

۳- اس میں شک نہیں کہ اسلام میں عام کافروں کے مقابلہ میں اہل کتاب سے تعلقات اور روابط کو ایک درجہ فوقیت دی گئی ہے، چنانچہ قرآن مجید میں بھی اس کی صراحت موجود ہے ان کے ذبیحہ کو بھی حلال قرار دیا گیا ہے اور ان کی عورتوں سے مسلمان مردوں کو نکاح کی بھی اجازت دی گئی ہے لیکن بشرطیکہ وہ واقعتا یہودی یا عیسائی ہوں اگر صرف نام کے یہودی یا عیسائی ہیں تو ان کا حکم یہ نہیں، فی زمانا مغربی ممالک میں جو لوگ اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے ہیں ان میں اکثریت ان کی ہے جن پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہو سکتا، اس لئے مطلقا ان سے نکاح اور ذبیحہ کی اجازت نہیں دی جا سکتی، جب تک کہ اس بات کی صراحت نہ ہو جائے کہ واقعتا اہل کتاب ہیں تاہم مسلمانوں کو ان کی عورتوں سے نکاح سے پرہیز کرنا اولی ہے، حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں مسلم گورنروں کو اس سے باز رہنے کی خصوصی ہدایت فرمائی تھی اور اس کی وجہ یہ

---

[1] صدر دار الافتاء جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڑھ۔

بیان فرمائی تھی کہ یہود ونصاریٰ کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاکدامنی نہیں پائی جاتی ہے، اس سے مجھے اندیشہ ہے کہ مسلم گھرانوں میں اس سے فحاشی اور بدکاری داخل ہوجائے گی، اسی وجہ سے حضرت طلحہ اور حضرت کعب بن مالک بھی ان کی عورتوں سے نکاح سے منع فرمایا کرتے تھے (احکام القرآن وفتح القدیر)۔

اس زمانہ میں خاص طور پر یہود ونصاریٰ کی عورتوں کی عریانیت اور فحاشی نے تو جانوروں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

''آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں''...... ''محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی''

اس لئے اس زمانہ میں تو مسلمانوں کو بہت زیادہ احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔

۴- ادیان باطلہ بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی یہ سب کافر مرتد زندیق ہیں ان کا شمار اہل کتاب کے ساتھ ہرگز نہیں ہوسکتا، اس لئے ان کا ذبیحہ یا ان کی عورتوں سے نکاح قطعاً جائز نہیں۔

معتزلہ جب کہ اہل قبلہ میں سے ہیں اس کے باوجود حضرات فقہاء نے ان کی عورتوں سے نکاح کو ناجائز قرار دیتے ہوئے یہ فرمایا:

''المناكحة بين أهل السنة وأهل الاعتزال لا يجوز'' (خلاصة الفتاوى)۔

پھر وہ فرقے جو صراحتاً کافر یا مرتد یا زندیق ہیں ان کو اہل کتاب میں سے کیسے شمار کیا جاسکتا ہے اور ان سے نکاح کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے۔

الغرض بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی کافر مرتد زندیق ہیں ان کا شمار اہل کتاب کے ساتھ ہرگز نہیں ہوگا۔

۵- جو حکم اصل قادیانیوں کا ہے وہی حکم نسلی قادیانیوں کا بھی ہے، چونکہ نسلی قادیانیوں کا بھی عقیدہ وہی ہوتا ہے جو اصلی قادیانیوں کا ہوتا ہے الا یہ کہ وہ تائب ہوکر قادیانیت سے براءت کا اعلان کردیں اس وقت حکم یقیناً بدل جائے گا ورنہ تو جو حکم اصلی کا ہے وہی نسلی کا بھی ہے، یعنی دونوں زندیق اور مرتد ہیں ان کو اہل کتاب کے ساتھ شمار نہیں کیا جاسکتا۔

۶- الف: جن حضرات نے اہل کتاب سے نکاح کے مسئلہ میں دار الاسلام اور دار الکفر کے درمیان فرق کیا ہے، یعنی دار الاسلام میں مباح اور دار الکفر میں مکروہ اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو دار الاسلام کے شہری ہوں جن کو ذمی کہا جاتا ہے اور دار الکفر کے باشندے مراد نہیں ہیں، لہذا وہ کتابیہ عورت جن کے والدین دار الحرب میں رہتے ہوں اور وہ خود دار الاسلام میں بحیثیت ذمیہ رہتی ہو ایسی عورت سے نکاح کو بھی فقہاء نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، لہذا یہ نکاح منعقد تو ہوجائے گا، لیکن مکروہ تحریمی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا، اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا، ایک زمانہ سے عرب ملکوں میں مسلم حکمرانوں نے یہودی اور عیسائی عورتوں سے بلا تحقیق شرعی صرف کتابیہ کا سہارا لے کر اپنی عیاشی کا سامان فراہم کر رکھا ہے جس کا سیاسی وسماجی اقتصادی ومعاشرتی غیر معمولی نقصان مشاہد ومرئی ہے اس کو سوائے عیاشی اور اسلام سے انحراف کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا اور اس کی سخت الفاظ میں مذمت ہونی چاہئے اور علماء وفقہاء کو افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر کا مصداق بننا چاہئے، جو حضرت عمر طلحہ اور کعب بن مالک جیسے کبار صحابہ کی تعلیمات اور اسلامی مزاج وروح کو مکمل فراموش کرچکے ہیں۔

ب- جو لوگ ویزہ وغیرہ کی سہولت کے لئے صرف یہودی وعیسائی عورتوں سے نکاح کرتے ہیں اور دوسروں کو فریب دینے کے لئے دعوتی نقطہ نظر کا سہارا لیتے ہیں ایسے لوگوں کی ذہنیت اور سوچ انتہائی درجہ قابل صد افسوس ہے، ایسے مسلمانوں کو اپنی سوچ میں تبدیلی لانی ہوگی، رہ گیا مسئلہ دار الکفر اور دار الاسلام کا اور نکاح کی کراہیت اور عدم کراہیت کا تو یہ بات اوپر آچکی ہے کہ ایسی عورتوں سے نکاح مکروہ تحریمی ہے جو حرام کے قریب ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوگا۔

۷- ہندو مذہب کی جن کتابوں میں توحید آخرت اور امام الانبیاء سرکار دوعالم ﷺ کی تشریف آوری کے بارے میں جو باتیں مبنی بر حقیقت ہیں وہ حق ہیں لیکن جن کو برادران وطن اپنا بھگوان تسلیم کرتے ہیں، یعنی گوتم بدھ، رام، کرشن وغیرہ ان کے صحیح حالات چونکہ غیر معلوم ہیں، نیز ان کی

تاریخوں میں رطب و یابس کا انبار ہے اس لئے یقین کے ساتھ ان کے بارے میں کچھ کہنے اور لکھنے سے اہل علم و فقہاء کو قلم روک لینا چاہئے، جیسا کہ اکابر افتاء کی تحریرات سے بھی یہی بات صراحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہے (فتاوی محمودیہ ۱/ ۳۳۸)۔

۸- الف: اس میں شک نہیں کہ یہود و نصاری نے اس وقت پورے ملک میں اپنے اسکولوں کا جال بچھا دیا ہے اور مسلم قوم آنکھ بند کر کے اپنے بچوں کو یہودیت و نصرانیت کے حوالے کر رہے ہیں، جہاں عصری تعلیم کے نام پر شروع ہی سے مسلم بچے اور بچیوں کے ذہنوں کو اسلام کے سلسلے میں اپنے مشن کے مطابق مشکوک کرنے میں جٹ جاتے ہیں، لیکن افسوس آج کے مسلمانوں کو مادیت اور دنیا کے آگے اپنی اور اپنے بچوں کی جوان کے لئے معاد بھی ہیں کوئی فکر نہیں، فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے تمام شرکاء کو پوری قوت کے ساتھ اس رجحان کی مذمت کرنے کی ضرورت ہے۔

ب- کتابیہ عورت اگر واقعتاً اسلامی نقطۂ نظر سے کتابیہ ہے یا مومنہ ہے تو اس کے وہی حقوق ہوں گے جو اسلام نے ایک بیوی کے حقوق بیان کئے ہیں اور اگر وہ کتابیہ نہیں ہے صرف نام کی کتابیہ ہے تو اس کے ساتھ الحاد اور لادینیت کی وجہ سے نکاح ہی نہیں ہوا یہ تو بدکاری اور زناکاری ہوگی اس میں شرعی حقوق کا کیا مطلب ہے، بلکہ ایسی عورتیں تو خود اپنے شوہروں کو طلاق دے دیتی ہیں اور شوہروں کی جائداد وغیرہ پر قبضہ جما لیتی ہیں، جیسا کہ یورپ و لندن میں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

ج- اسلام سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ہو سکتی، اس کی حفاظت تادم آخر ہر مسلمان کا اپنا ذاتی فریضہ ہے، مادیت کی رو میں بہنے سے پہلے اپنی آخرت پر ایک نظر ہر مسلمان کو ہر حال میں ڈالنا چاہئے، اگر کسی چیز سے یا کسی جگہ سے یا کسی کام سے یا کسی انسلاک سے کسی بھی درجہ میں اگر اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے یا اس کا ایمان متاثر ہو رہا ہے تو اس سے فوری دوری بنانا اپنے کو علاحدہ کرنا ہر مسلمان کا دینی فریضہ بنتا ہے۔



اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام

مفتی عبدالرحیم قاسمی[1]

۱- اہلِ کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی کتاب کے ماننے والے اور اس کے اتباع کے دعویدار ہوں جس کا آسمانی کتاب اور وحی الٰہی ہونا قرآن وسنت کی نصوص سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تو تورات اور انجیل ہی ہیں جن کی ماننے والی کچھ قومیں اس وقت دنیا میں موجود ہیں اس لئے باجماع امت ثابت ہوگیا کہ موجودہ زمانہ کے مختلف مذاہب میں سے صرف یہود ونصاریٰ کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حلال ہے (معارف القرآن ص ۶۱، ج ۳)۔

۲- ایک قوم جس کو صابئین کہتے ہیں ان کے حالات مشتبہ ہیں، جن حضرات کے نزدیک یہ لوگ زبور داؤد علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں وہ ان کو بھی اہل کتاب میں شامل کردیتے ہیں اور جن کو یہ تحقیق ہوا کہ زبور سے ان کا کوئی تعلق نہیں، یہ نجوم پرست قوم ہے وہ ان کو بت پرستوں اور مجوسوں کے ساتھ شریک قرار دیتے ہیں (معارف القرآن ص ۷۴، ج ۳)۔

"والصائبين قوم بين النصارىٰ والمجوس، وقيل: أصل دينهم دين نوح عليه السلام، وقيل: هم عبدة الكواكب صائبين" نصاریٰ اور مجوس کے درمیان ایک قوم ہے، کہا گیا کہ ان کے دین کی اصل نوح علیہ السلام کا دین ہے اور کہا گیا کہ وہ فرشتوں کی عبادت کرنے والے ہیں اور کہا گیا کہ وہ ستارہ پرست ہیں (تفسیر بیضاوی ص ۷۹)۔

حاشیہ جلالین میں ہے: "هو قوم عدلو عن دين اليهود والنصرانية وعبد الملائكة"

یہ ایک قوم ہے جو یہود اور نصاریٰ کے دین سے علیحدہ ہوکر فرشتوں کی عبادت کرنے لگی (حاشیہ جلالین ص ۱۱)۔

۳- جو آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی یا نصرانی لکھواتے ہیں ان میں بہت سے لوگ وہ ہیں کہ نہ ان کا تورات وانجیل پر عقیدہ ہے نہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر۔ وہ عقیدے کے اعتبار سے بالکل لامذہب اور دہریے ہیں۔ محض قومی یا رسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی اور نصرانی کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی عورتیں مسلمانوں کے لیے کسی طرح حلال نہیں (معارف ۶۴، ج ۳)۔

اس زمانہ میں جو نصاریٰ کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاریٰ ہیں مذہبی حیثیت سے محض دھری وسائنس پرست ہیں ایسوں کے لیے یہ حکم جواز نکاح کا نہیں (امداد الفتاویٰ ص ۲۱۴، ج ۲)۔

جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ان میں کی پاکدامن عورتیں حلال ہیں (قرآن کریم سورہ مائدہ)۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی نے تحریر فرمایا ہے، مگر یاد رہے کہ ہمارے زمانہ کے نصاریٰ عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہیں نہ مذہب کے نہ خدا کے، ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا، لہٰذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا۔ نیز یہ ملحوظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فی حد ذاتہ کوئی وجہ تحریم کی نہیں، لیکن اگر خارجی اثرات وحالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے منتفع ہونے میں بہت سے حرام کا مرتکب ہونا پڑتا ہو، بلکہ کفر میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو تو ایسے حلال سے انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے

---

[1] امیر مرکز دعوت وارشاد وافتاء، وناظم جامعہ حسینیہ خیر العلوم نور محل روڈ بھوپال۔

گی (فوائد سورۃ المائدۃ ص ۱۷۱، پ ۶)۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے کتابی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، مگر مسلمانوں کی عمومی مصلحت کا تقاضہ یہی ہے کہ اس اجازت پر عمل نہ کیا جائے۔ حضرت فاروق اعظم نے اس زمانہ کی عیسائی عورتوں کے متعلق یہ ممانعت فرمائی تھی، جبکہ وہ مذہب پرست اور کتابی تھیں، مگر ہمارے اس دور میں نہ صحیح کتابیت ہے نہ مذہب، بلکہ دہریت اور سراسر سائنس پرستی ہے۔ اس وقت زیادہ ضروری ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی ممانعت پر عمل کیا جائے اور نکاح نہ کیا جائے۔ تفسیر حقانی میں ہے آج کل کے ملاحدۂ یورپ تو ہرگز عیسائی شمار نہ ہوں گے (فتاویٰ رحیمیہ ۲ / ۱۰۲)۔

فی زمانا شرعی مصلحت کی بناء پر یہودی اور نصرانی عورت کے ساتھ شادی کرنے اور خلط ملط رکھنے کی اجازت نہیں بالخصوص دار الحرب اور کفرستان میں کہ اس میل جول اور خراب ماحول کے اثر سے اولاً خود اس کے پھر اولاد کے عقائد اور اخلاق بگڑنے کا پورا اندیشہ ہے (فتاویٰ رحیمیہ ۲ / ۱۰۲)۔

۴- قرآن مجید کے بعد کسی الہامی کتاب کا قائل ہونا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی ماننا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار ہے اور قرآن ماننے سے اعراض ہے، اس لئے جو فرقے ایسا عقیدہ رکھیں وہ کافر ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ قادیانی عورت سے نکاح باطل ہے جب ان کا کفر مسلم ہے اور مرتد بحکم کتابی نہیں ہوتا اس لئے اہل کتاب میں ان کو داخل نہیں کر سکتے اور لاہوری مرزا کو نبی نہ کہیں لیکن اس کے عقائد کفریہ کو کفر نہیں کہتے، کفر کو کفر نہ سمجھنا یہ بھی کفر ہے (امداد الفتاویٰ ۲ / ۲۲۴)۔

اگر کسی وقت کسی قوم کے بزرگوں کے پاس کوئی کتاب سماوی ہو، مگر اب اس کتاب سے کچھ تعلق نہ رہا ہو، بلکہ اس قوم کا طرز معاشرت مشرکین کا ہو گیا ہو وہ اہل کتاب نہ ہوں گے۔ جیسے مجوس کی حالت ہے۔ اگر کتاب سے ایمان و اقرار کا بھی تعلق ہو، مگر وہ شرک حقیقی کا ارتکاب کرنے لگے ہوں تو بھی بہت علماء کے نزدیک وہ اہل کتاب میں سے نہ رہیں گے جیسے بعض تفسیر پر صابئین کی حالت ہے، اسی طرح جو قرآن کی طرف منتسب ہوتا ہو، مگر قطعیات وضروریات کا منکر ہو ان میں تاویل بھی بحکم انکار ہے، وہ بھی مثل غیر کتابی ہو جاتا ہے جیسے آجکل فرقہ مرزائیہ جن میں وہ مرزائی بھی داخل ہیں جو مرزا کے صریح دعویٰ نبوت میں تاویل کرتے ہیں، کیونکہ وہ منکر ضروریات کو کافر نہیں سمجھتے (امداد الفتاویٰ ۵ / ۴۴۳)۔

بہائی فرقہ بھی قادیانیوں کی طرح کافر ہیں، بہائی فرقہ کی بنیاد پچھلی صدی میں ایران میں ہوئی تھی، ان کے عقائد اسلام کے بنیادی عقائد کے خلاف ہیں اور وہ گمراہ فرقہ ہے، اس لئے جو بھی شخص اہل سنت والجماعت کو چھوڑ کر ان کے عقائد ماننے لگے گا تو وہ اسلامی نظریہ سے مرتد سمجھا جائے گا اور مرتد کے جو احکام فقہاء نے بیان کئے ہیں وہ اس پر جاری ہوں گے، ایسے مرتد کے ساتھ تمام قسم کے تعلقات ختم کر دینے چاہئے۔ ان کی بیوی کے ساتھ نکاح کا تعلق ختم ہو گیا (فتاویٰ دینیہ ۱ / ۱۸۲)۔

۵- جو قادیانی خود مرتد ہوئے وہ کافر ہیں اور ان کی نسل کے لوگ جو ان کے عقائد پر قائم ہیں وہ بھی کافر ہیں۔

۶- عیسائی عورتوں سے نکاح کرنا دار الکفر میں کراہت تحریمی ہے اور دار الاسلام میں کراہت تنزیہی۔

"فقوله والأولى أن لايفعل يفيد كراهة التنزية في غير الحربية وما بعده يفيد كراهة التحريم في الحربية" (شامی ۲ / ۲۸۹) "علل ذالك في البحر، بأن التحريمية لابد لها من نهي أو في معناه؛ لأنها في رتبة الواجب"۔ بحر میں یہ علت بیان کی ہے کہ کراہت تحریمی ثابت کرنے کے لئے نہی ہونا ضروری ہے، کیونکہ وہ واجب کے مقابلہ میں ہوتی ہے، اس لئے دار الاسلام میں کراہت تنزیہی ہوگی لیکن بلا ضرورت نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

"والأولى أن لايفعل ولا يأكل ذبيحتهم إلا للضرورة" اس کے بالمقابل کتابیۃ حربیہ سے نکاح مکروہ تحریمی ہے اجماع کی بناء پر "و تكره الكتابية الحربية إجماعا لافتتاح باب الفتنة" (شامی ۲ / ۲۸۹)۔

۷- جو قومیں کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھتی ہیں، اور اس کو وحی الٰہی قرار دیتی ہوں جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن وسنت کے یقینی ذرائع سے ثابت نہیں وہ قومیں اہل کتاب میں داخل نہیں ہوں گی جیسے مشرکین مکہ، مجوس، بت پرست ہندو، بودھ، آریہ، سکھ وغیرہ (معارف القرآن ۳/ ۴۷)۔

اس زمانہ میں جتنے فرقے اور جماعتیں غیر مسلموں کی موجود ہیں ان میں صرف یہود ونصاریٰ ہی دو قومیں ہیں جو اہل کتاب میں شمار ہوسکتی ہیں باقی موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں، آتش پرست یا بت پرست ہندو ہو یا سکھ آریہ بودھ وغیرہ سب اسی عموم میں داخل ہیں (معارف القرآن ۳/ ۶۱)۔

۸- الف: عیسائی مشنریوں کے اسکولوں میں بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخل کرنا شرعاً جائز نہیں، کیونکہ وہاں الحاد ودہریت اور شرک وکفر، شکوک وشبہات سے بچوں کے ذہن کو خراب کیا جاتا ہے، البتہ اس کے بالمقابل معیاری عصری تعلیمی درسگاہوں کے قیام پر توجہ دینا ضروری ہے۔

ب- اگر اہل کتاب عورت سے نکاح کیا جائے تو اس کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمان بیوی کے شوہر پر لازم ہوتے ہیں معارف القرآن میں ہے، آخر آیت میں یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کو اگر رکھنا ہی ہے تو باقاعدہ نکاح کرکے بیوی کی حیثیت سے رکھیں، ان کے حقوق مہر وغیرہ ادا کریں، ان کو داشتہ کے طور پر رکھنا اور کھلے طور پر بدکاری کرنا یہ سب چیزیں حرام ہیں (معارف القرآن ۳/ ۶۴) جو کتابیہ عورت مسلمان کے نکاح میں ہو، اس کے لیے شوہر کے گھر میں اپنی مذہبی مراسم ادا کرنے کی بھی گنجائش ہوگی۔

ج- عیسائی مشنریز کے ہسپتالوں اور قرض مہیا کرنے والے اداروں سے فائدہ حاصل کرنا مسلمانوں کے لیے عام حالات میں جائز نہیں، اضطراری حالات میں بدرجۂ مجبوری بقدر ضرورت اس کی گنجائش ہوگی۔

☆☆☆

دورِ جدید کے اہل کتاب

مفتی سلمان پالنپوری قاسمی [1]

۱- اہل کتاب سے وہ قومیں مراد ہیں جو کسی سماوی دین کا اعتقاد رکھتی ہوں اور کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھتی ہوں جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن وسنت کے یقینی ذرائع سے ثابت ہو، جیسے توراۃ، زبور، انجیل، صحف موسی وابراہیم وغیرہ، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ یہود ونصاری جو تورات وانجیل پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ باصطلاح قرآن اہل کتاب میں داخل ہیں، ''فتاوی ہندیہ'' میں ہے:

''وکل من یعتقد دینا سماویا وله کتاب منزل کصحف إبراهیم علیه السلام وشیث وزبور داؤد علیه السلام فهو من أهل الکتاب'' (فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۸۱) (اور ہر وہ شخص جو آسمانی دین کا اعتقاد رکھتا ہو اور اس کے لئے کوئی (آسمانی) نازل شدہ کتاب ہو جیسے حضرت ابراہیم وشیث علیہما السلام کے صحیفے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور بس وہ اہل کتاب میں سے ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی تحریر فرماتے ہیں:

''الکتابیة هی التی تؤمن بدین سماوی کالیهودیة والنصرانیة. وأهل الکتاب: هو أهل التوراة والإنجیل لقوله تعالی: أن تقولوا إنما أنزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا'' (انعام: ۱۵۶، الفقه الاسلامی وادلته ۹/ ۶۶۵۳)

(کتابیہ وہ عورت ہے جو کسی آسمانی دین پر ایمان رکھتی ہو جیسے یہودیہ اور نصرانیہ، اور اہل کتاب وہ توراۃ وانجیل والے ہیں، اللہ تعالی کے فرمان کی وجہ سے، کہ کہیں تم کہو کہ کتاب ہم سے پہلے کی دو جماعتوں پر اتاری گئی (یعنی یہود ونصاری پر)۔

اہل کتاب کی تعریف کرتے ہوئے مفتی سید محمد عمیم الاحسان المجد دی البرکتی تحریر فرماتے ہیں:

''أهل الکتاب هو الیهود المشهور ببنی اسرائیل والنصاری وغیرهما ممن اعتقدوا دینا سماویا ولهم کتاب منزل کصحف ابراهیم و توراة موسی وزبور داؤد وانجیل عیسی علی نبینا وعلیهم الصلوة والسلام'' (التعریفات الفقهیه مع قواعد الفقه/ ص ۱۹۷)

(اہل کتاب وہ یہود ہیں جو بنی اسرائیل سے مشہور ہیں اور نصاری اور ان کے علاوہ وہ لوگ جو کسی آسمانی دین پر اعتقاد رکھتے ہوں اور ان کے لئے (آسمان سے) نازل شدہ کوئی کتاب ہو جیسے حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے اور حضرت موسیٰ کی توراۃ، حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور اور حضرت عیسی علیہ السلام کی انجیل)۔

مذکورہ بالا عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہود ونصاری اہل کتاب میں داخل ہیں اگرچہ وہ محرف توراۃ وانجیل کا اتباع کرنے والوں ہوں اور حضرت عیسی ومریم علیہما السلام کو خدا کا شریک قرار دیتے ہوں، خواہ وہ اس کی اتباع میں کتنی ہی گمراہیوں میں جا پڑے ہوں، قرآن کریم نے جن کو اہل کتاب کہا ہے انہیں کے بارے میں جا بجا ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنی آسمانی کتاب میں تحریف کرتے ہیں "یحرفون الکلم عن مواضعه" (سورۂ مائدہ: ۱۳) (اور وہ لوگ یعنی ان کے علماء کلام الہی یعنی توراۃ کو) اس کے الفاظ یا مطالب کے مواقع سے بدلتے ہیں یعنی تحریف لفظی یا تحریف معنوی کرتے ہیں، اور قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا ہے کہ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا اور نصاری نے حضرت عیسی علیہ السلام کو "وقالت الیهود عزیر ابن الله وقالت النصاری المسیح ابن الله" (سورۂ توبہ: ۳۰) (اور یہود (میں سے بعض نے) کہا کہ (نعوذ

[1] جامعہ خلیلیہ ماہی، بناس کانٹھا شمالی گجرات۔

باللہ) عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور نصاری (میں سے اکثر نے) کہا مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں، ان حالات وصفات کے باوجود جب قرآن کریم نے ان کو اہل کتاب قرار دیا تو معلوم ہوا کہ یہود ونصاری جب تک یہودیت ونصرانیت کو بالکل نہ چھوڑ دیں وہ اہل کتاب میں داخل ہیں خواہ وہ کتنے ہی عقائد فاسدہ اور اعمال سیئہ میں مبتلا ہوں۔

۲- صبا کے اصل معنی "نکلنے" کے ہیں، اسی لئے جب تارا نکل آئے تو عرب کہتے ہیں "صبأت النجوم" اور اسی سے "صابی" کا لفظ ماخوذ ہے، چنانچہ جب کوئی شخص ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرتا تو عرب اسے صابی کہتے تھے۔

"والصابئون جمع صابئي وقبل صاب ولذلك اختلفو في همزه، وهمزه الجمهور إلا نافعا فمن همزه جعله من صبات النجوم اذا طلعت، و صبأت ثنية الغلام إذا خرجت ومن لم يهمز جعله من صبا يصلو إذا مال فالصابي في اللغة من كرج ومال من دين إلى دين، ولهذا كانت العرب تقول لمن أسلم قد صبأ. فالصابئون قد خرجوا من دين اهل الكتاب" (الجامع لاحكام القرآن ۱/ ۲۹۵)۔

(اور صابئین صابی کی جمع ہے اور بعضوں نے کہا ہے "صاب" کی جمع ہے اور اسی وجہ سے اس کے ہمزہ کے متعلق اختلاف ہے، امام نافع کے سوا جمہور علماء نے اس کلمہ کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے، پس جن حضرات نے اس کلمہ کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے اس کلمہ کو "صبأت النجوم" اور "صبأت ثنیة الغلام" سے قرار دیا ہے، جبکہ تارا اور بچہ کے اگلے دانت نکل آوے، اور جس نے اس کلمہ کو بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے، "صبا یصبو بمعنی مائل ہوا" سے قرار دیا ہے، پس لغت میں صابی اس شخص کو کہتے ہیں جو ایک مذہب سے نکل کر دوسرے مذہب کی طرف مائل ہو چکا ہو، اور چونکہ صابئین بھی اہل کتاب کے مذہب سے نکل چکے تھے۔

اور اصطلاح "صابئین" امام ابوحنیفہ کے نزدیک نصاری کی ایک قوم ہے، جو زبور کی تلاوت کرتی ہیں اور مسلمانوں کے اپنے قبلہ کی تعظیم کرنے کی طرح بعض ستاروں کی تعظیم کرتی ہیں اور صاحبین کے نزدیک صابئین وہ قوم ہے جو تمام مذاہب سے اعراض کر بیٹھے اور اللہ تعالی کے ساتھ شرک کریں اور ملائکہ وستاروں کی عبادت کریں۔

"فتاوی ہندیہ" میں ہے: "وأما الصابئات فتجوز للمسلم عند أبي حنيفه وتكره، ولا تجوز عندهما وكذلك ذبائحهم، وهذا الاختلاف بناء على أنه وقع عند أبي حنيفة أنهم قوم من النصارى يقرء ون الزبور ويعظمون بعض الكواكب كتعظيمنا القبلة وهما جعلا تعظمهم لبعض الكواكب عبادة منهم لها، فكانوا كعبدة الأوثان، كذا في الكافي، وهكذا في اكثر شروح الهداية" (فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۸۱)۔

حضرت مفتی عمیم الاحسان المجددی البرکتی "صابئین" کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"الصابئون: هم الذين اعرضوا عن الأديان كلها واشركوا بالله تعالى واختاروا عبادة الملائكة والكواكب هذ عند ابي يوسف ومحمد، وعند ابي حنيفة قوم من النصارى" (التعريفات الفقهيه مع قواعد الفقه/ ص ۳۳۵)۔

سلف صالحین کے اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے آنے کے بعد بھی ایک ڈیڑھ سو سال تک یہ مذہب پایا جاتا تھا اور مختلف علاقوں میں اس کے ماننے والے آباد تھے اور ان میں خاصا اعتقادی اختلاف بھی پایا جاتا تھا؛

"واختلف في الصابئين: فقال السدى هو فرقة من أهل الكتاب وقاله اسحاق بن راهويه. قال ابن المنذر وقال إسحاق: لا بأس بذبائح الصابئين، لأنهم طائفة من أهل الكتاب، وقال ابوحنيفة: لا بأس بذبائحهم ومناكحة نسائهم وقال الخليل: هو قوم يشبه دينهم دين النصارى إلا أن قبلتهم نحو مهب الجنوب، يزعمون أنهم على دين نوح عليه السلام، وقال مجاهد والحسن وابن ابي نجيح: هو قوم تركب دينهم بين اليهودية والمجوسية، لاتؤكل ذبائحهم، ابن عباس: ولا ينكح نساءهم، وقال الحسن أيضا وقتادة: هو قوم يعبدون الملائكة ويصلون إلى القبلة ويقرء ون الزبور ويصلون الخمس، رآهو زياد ابن ابي سفيان، فاراد وضع الجزية عنهم حين عرف أنهم

يعبدون الملائكة، والذى تحصل من مذهبهم فيما ذكره بعض علمائنا أنهم موحدون معتقدون تأثير النجوم وأنها فعالة، ولهذا افتى أبوسعيد الاصطخرى القادر بالله بكفرهم حين سأله عنهم'' (الجامع لاحکام القرآن ۱/ ۲۹۵)۔

اور صابئین کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے، پس امام سدی اور اسحاق بن راہویہ نے فرمایا کہ وہ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے، اور امام منذر اور اسحاق نے فرمایا کہ صابئین کے ذبائح کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے کہ وہ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے، اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ان کے ذبائح کھانے اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور امام خلیلؒ نے فرمایا کہ ان کا مذہب عیسائیت سے قریب تھا یہ جنوب کو اپنا قبلہ بناتے تھے، اور اپنے آپ کو حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر تصور کرتے تھے، اور امام مجاہد و حسن و ابن ابی نجیح نے فرمایا کہ ان کا مذہب یہودیت اور آتش پرستی کا مرکب تھا، لہذا ان کے ذبائح نہ کھائے جائیں، اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان کی عورتوں سے نکاح نہ کیا جائے، اور امام حسن وقتادہؒ نے فرمایا کہ وہ فرشتوں کے پرستار تھے قبلہ رخ نماز پنجگانہ ادا کرتے تھے اور زبور کی تلاوت کرتے تھے، جبکہ بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ تھے تو موحدین، لیکن ستاروں کو کائنات میں مؤثر و متصرف باور کرتے تھے، اسی وجہ سے جب ابوسعید الاصطخریؒ سے ان کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے ان کے متعلق کفر کا فتوی دیا۔

صابئین کے بارے میں متضاد و مختلف روایات کی بنا پر فقہاء کے یہاں اختلاف رائے پیدا ہوا ہے کہ یہ اہل کتاب کے حکم میں ہیں یا عام مشرکین کے حکم میں؟ اکثر علماء نے ان کے حکم کو ان کے حالات و معتقدات پر موقوف رکھا ہے، امام ابوحنیفہ وحنابلہؒ سے منقول ہے کہ صابئین اہل کتاب میں ہیں اور امام ابو یوسفؒ و محمدؒ نے صابئین کو بت پرستوں میں سے شمار کیا ہے، اور ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے عقائد عیسائیوں اور یہودیوں کے مطابق ہوں تو ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہوگا ورنہ نہیں۔

لیکن اصل میں یہ اختلاف رائے اس بات پر مبنی ہے کہ ان لوگوں کا عقیدہ کیا تھا؟ امام کرخیؒ نے ذکر کیا کہ ان کا ایک فرقہ حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا، اور زبور کی تلاوت کرتا تھا، امام ابوحنیفہؒ نے اپنی رائے میں اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کو اہل کتاب کہا ہے، اور ایک فرقہ نبوت و وحی کا منکر اور سورج کا پرستار تھا، امام ابو یوسفؒ و محمدؒ نے اسی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کو اہل کتاب سے خارج قرار دیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۹/ ۶۶۵۵، ۶۶۵۶)۔

''فتاوی خانیہ'' میں ہے: ''وتكره ذبيحة الصابي إلا أنه يحل فى قول ابى حنيفة وقال ابويوسف ومحمد رحمهما الله تعالى لايحل. وذكر الكرخى رحمه الله تعالى: أنه لا خلاف بينهم فى الحقيقة، وإنما اختلفوا؛ لأنهم صنفان، صنف يقرون بنبوة عيسى عليه السلام ويقرءون الزبور فهم صنف من نصارى، وإنما أجاب ابوحنيفة بحل ذبيحة الصابي إذا كان من هذا الصنف، وصنف منهم ينكرون النبوة والكتب اصلا ويعبدون الشمس فهم كعبدة الأوثان لا يؤكل صيدهم ولا تحل ذبيحتهم، وإنما أجاب ابويوسف متعمد بحرمة الصيد والذبائح فى حق هؤلاء'' (الخانیۃ علی ہامش الہندیہ ۳/ ۳۶۸)۔

ہر چند کہ اس دور میں اس نام سے کوئی قوم معروف و متعارف نہیں ہے، لیکن صابئین کے بارے میں فقہاء کی احتیاط سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ کوئی بھی گروہ جس کا اہل کتاب ہونا مشکوک ہو تو جب تک اس کا اہل کتاب میں سے ہونا تحقیق (قرآن وسنت) سے ثابت نہ ہو جائے ذبیحہ اور عورتوں کی حلت کے باب میں ان کو اہل کتاب کا درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے (قاموس الفقہ ۴/ ۲۱۵)۔

۳- علامہ شامیؒ اہل کتاب کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''وأعلم أن من اعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف ابراهيم وشيث وزبور داؤد فهو من أهل الكتاب فتجوز مناكحتهم واكل ذبائحهم'' (ردالمحتار ۴/ ۱۰۱)

(جو شخص کسی آسمانی مذہب پر ایمان رکھتا ہو اور اس کے لئے کوئی (آسمانی) نازل شدہ کتاب ہو جیسے حضرت ابراہیم وشیث علیہما السلام کے صحیفے

اور حضرت داؤد کی زبور پس وہ اہل کتاب میں سے ہے، لہذا ان کی (عورتوں سے) نکاح کرنا اور ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہوگیا کہ کسی یہودی و عیسائی کے اہل کتاب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی آسمانی مذہب پر ایمان رکھتا ہو، اور اس کے پاس کوئی آسمانی کتاب بھی ہو، لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو یہود و نصاری موجود تھے اگر چہ بہت سی گمراہیوں، عقائد فاسدہ و اعمال سیئہ میں مبتلا تھے، لیکن وہ ایک خدا کے قائل تھے اگر چہ عیسائی تین کے مجموعہ کو مانتے تھے، اسی طرح وحی، نبوت، ملائکہ اور آخرت میں جزا و سزا کو بھی تسلیم کرتے تھے، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتے تھے، پھر بھی قرآن نے ان کو اہل کتاب فرمایا ہے، لہذا وہ یہود و نصاری تو اہل کتاب ہی تھے، البتہ ہمارے زمانے میں موجود یہود و نصاری کے متعلق مفتی شفیع صاحبؒ معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

کہ آج کل یورپ کے عیسائی اور یہودیوں میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنی مردم شماری کے اعتبار سے یہودی یا نصرانی کہلاتے ہیں مگر در حقیقت وہ خدا کے وجود اور کسی مذہب ہی کے قائل نہیں، نہ توراۃ و انجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں، اور نہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ نبی و پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، یہ ظاہر ہے کہ وہ شخص مردم شماری کے نام کی وجہ سے اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتے ہیں (معارف القرآن ۳/۴۸)۔

نیز ایک اور جگہ مفتی شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: وہ لوگ جو اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی یا نصرانی لکھواتے ہیں ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدہ کی رو سے یہودیت و نصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں، نہ ان کا توراۃ و انجیل پر عقیدہ ہے نہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر، وہ عقیدہ کے اعتبار سے بالکل لامذہب اور دہریئے ہیں، محض قومی یا رسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی اور نصرانی کہتے ہیں (معارف القرآن ۳/۶۴)۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں: مگر یاد رہے کہ ہمارے زمانے کے نصاری عموماً برائے نام نصاری ہیں، ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہیں نہ مذہب کے نہ خدا کے، ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہو سکتا، لہذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا۔

(تفسیر عثمانی ۱/۳۲۹)۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کے متعلق ایک استفتا کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: لیکن اس زمانہ میں جو نصاری کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاری ہیں، مذہبی حیثیت سے محض دہری و سائنس پرست ہیں ایسوں کے لئے یہ حکم جواز نکاح کا نہیں ہے۔

(امداد الفتاوی ۲/۲۱۳)۔

مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ تحریر فرماتے ہیں: مگر ہمارے اس دور میں نہ صحیح کتابیت ہے نہ مذہبیت، بلکہ دہریت اور سراسر سائنس پرستی ہے۔

(فتاوی رحیمیہ ۴/۲۹۲)۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: موجودہ زمانے کے یہود و نصاری جو حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر اور توراۃ و انجیل کو آسمانی کتاب مانتے ہوں تو وہ اہل کتاب ہیں اگر چہ تثلیث کے قائل ہوں، باجود ہر یہ عقیدہ رکھتے ہوں، یعنی نبوت و رسالت ہی کے قائل نہ ہوں اور نہ آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں وہ اہل کتاب نہیں (کفایت المفتی ۱/۵۸)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ ہمارے زمانہ میں عیسائیوں اور یہودیوں کا ایک بہت بڑا طبقہ وہ ہے جو محض نام کا عیسائی اور یہودی ہے ورنہ در حقیقت وہ خدا کے وجود، نبوت، وحی والہام، حشر و نشر وغیرہ کا منکر ہے، ایسے لوگ در حقیقت اہل کتاب نہیں ہیں اور اس نوعیت کے دہریوں اور کمیونسٹوں کے احکام عام کافروں کے ہیں، اہل کتاب کے نہیں۔

ہاں البتہ کوئی یہودی یا عیسائی صحیح معنی میں اپنے مذہب کا پابند ہو وہ شخص اہل کتاب ہو سکتا ہے، لیکن ان کی عورتوں سے نکاح کے معاملہ میں متعدد خرابیوں کے پیش نظر کلی پرہیز کرنا ہی مناسب ہے (مستفاد از معارف القرآن ۳/۶۴)۔

۴- بعض ایسے باطل ادیان جو شریعت محمدی کے نازل ہونے کے بعد ایجاد کئے گئے جیسے بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی وغیرہ تو کیا ان کا شمار اہل کتاب میں ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں مفتی شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

اس زمانے میں جتنے فرقے اور جماعتیں غیر مسلموں کی موجود ہیں ان میں صرف یہود و نصاریٰ ہی دو قومیں ہیں جو اہل کتاب میں شمار ہو سکتی ہیں، باقی موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں، آتش پرست یا بت پرست، ہندو یا سکھ، آریہ، بدھ سب اسی عموم میں داخل ہیں کیونکہ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی کتاب کے ماننے والے اور اس کے اتباع کے دعویدار ہوں جس کا آسمانی کتاب اور وحی الٰہی ہونا قرآن وسنت کی نصوص سے ثابت ہو اور ظاہر ہے کہ وہ توراۃ وانجیل ہی ہے جن کو ماننے والی کچھ قومیں اس وقت دنیا میں موجود ہیں، باقی زبور اور صحف ابراہیم نہ کہیں محفوظ وموجود ہیں نہ کوئی قوم ان کی اتباع کی دعویدار ہے، اور ''وید'' اور ''گرنتھ'' یا ''زردشت'' وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحی الٰہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے، اور صرف یہ امکان کہ شاید زبور اور صحف ابراہیم ہی کی مسخ شدہ وہ صورت ہو جس کو ''بدھ مت'' کی کتاب یا ''وید'' یا ''گرنتھ'' وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے یہ امکان محض اور احتمال محض ہے جو ثبوت کے لئے کافی نہیں، اس لئے باجماع امت ثابت ہو گیا کہ موجودہ زمانے کے مختلف مذاہب میں سے صرف یہود ونصاریٰ کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حلال ہے، اور کسی قوم کی عورت سے جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے نکاح حرام ہے (معارف القرآن ۳/۶۱)۔

بہائی فرقہ کے متعلق مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: بہائی ایک گمراہ فرقہ ہے جو مرزا حسین علی بہائی کی طرف منسوب ہے، یہ ایران کے علاقہ مازندان کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا، روس اور روسی حکمرانوں سے اس خاندان کے گہرے مراسم تھے، ۱۲۶۰ھ میں جب کہ اس کی عمر ۲۷ سال تھی ایک اور مدعی نبوت ''باب'' کے دین میں داخل ہو گیا تاہم اپنی بزدلی کی وجہ سے کبھی ان معرکہ آرائیوں میں شرکت کی جرأت نہ کر سکا (قاموس الفقہ ۲/۳۳۸)۔

علامہ یوسف القرضاوی اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں: اسی طرح (مرتدہ کی طرح) بہائی عورتوں سے شادی کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کا شمار یا تو مشرک عورتوں میں ہوگا یا مرتد عورتوں میں (فتاویٰ یوسف القرضاوی ۱/۴۳۸)۔

فرقہ قادیانی مرتد اور کافر ہونے کے متعلق فتاویٰ دار العلوم میں متعدد جگہ وضاحت موجود ہے، ایک جگہ پر ہے: جس شخص کے اعتقاد قادیانی کے سے ہیں وہ شخص جماعت اہل سنت بلکہ اہل اسلام سے خارج ہے، قادیانی کے عقائد کفریہ ہونے میں اہل حق کو خلاف نہیں پس اس شخص سے میل جول کرنا اور رشتہ تعلق رکھنا درست نہیں (فتاویٰ دار العلوم ۱۶/ ۳۸۳)۔

ایک اور جگہ پر ہے: فرقہ مرزائیہ کے کفر وارتداد میں کچھ شبہ نہیں، لہٰذا ان کو مسلمان نہ سمجھنا چاہئے ان سے بالکل علاحدگی کر لینی چاہئے (فتاویٰ دار العلوم ۱۶/ ۳۸۴)۔

اور ایک جگہ پر ہے: مرزائی ہر دو فریق لاہوری وقادیانی مرتد وکافر ہیں اور قطعیات وضروریات دین کے منکر ہیں ان کے ساتھ شرکت کو کھانے پینے میں اور ان کی غم وشادی میں شریک ہونا اور طعام ولیمہ کھانا سب حرام اور ناجائز ہے (فتاویٰ دار العلوم ۱۶/ ۳۸۹)۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ فرقہ قادیانی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: قادیانی فرقہ جمہور علماء اسلام کے فتوی کے بموجب دائرہ اسلام سے باہر ہے، اس لئے اس فرقہ کے ساتھ میل جول اور تعلقات رکھنا سخت مضر اور دین کے لئے تباہ کن ہے، اس حکم میں قادیانی اور لاہوری دونوں برابر ہیں، اگر نادانستگی سے ان لوگوں کے ساتھ رشتہ گم ہو گیا ہو تو معلوم ہونے پر اسے منقطع کر دینا لازم ہے تاکہ خدا اور رسول کی ناخوشی اور آخرت کے وبال سے نجات ہو (کفایت المفتی ۱/ ۳۲۲)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ اس زمانے میں جتنے فرقے اور جماعتیں موجود ہیں ان میں سے صرف یہود ونصاریٰ

ہی (جو صحیح معنی میں اپنے مذہب کی پابند ہوں) اہل کتاب میں داخل ہیں باقی تمام ادیان باطلہ جو شریعت محمدی کے نازل ہونے کے بعد ایجاد کئے گئے مثلاً بہائی، بابی، سکھ، قادیانی وغیرہ وغیرہ کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں ہے۔

۵- قادیانی کا وہ گروہ جو خود مرتد نہیں ہوا ہے، بلکہ اس کے اباء واجداد مرتد ہوئے ہیں اور وہ نسلی طور پر قادیانی ہیں ان کے متعلق کتب فقہ میں دو رائیں ملتی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: اگر یہ شخص خود مرزائی عقیدہ اختیار کرنے والا ہے، یعنی اس کے ماں باپ مرزائی نہ تھے تو یہ مرتد ہے اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست نہیں، لیکن اگر اس کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مرزائی تھا تو یہ اہل کتاب کے حکم میں ہے اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے (کفایت المفتی ۱/ ۳۲۰)۔

ایک اور جواب میں تحریر فرماتے ہیں: نسلی مرزائی اسی طرح اہل کتاب کے حکم میں ہیں جس طرح یہود ونصاری، شامی میں اس مسئلہ کی بحث ہے اور یہی راجح ہے (کفایت المفتی ۱/ ۳۲۴)۔

دوسری رائے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی ہے، وہ لکھتے ہیں: اہل کتاب اور اہل کفر جو اپنے کفر کے برملا معترف ہوں، کا معاملہ بالکل واضح ہے، لیکن مسئلہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں اور اپنے معتقدات کے لحاظ سے اصلاوہ کافر ہیں ان کو کس زمرہ میں رکھا جائے گا، مسلمانوں میں یا اہل کتاب میں، یا وہ عام کفار کے حکم میں ہوں گے؟

یہ تو ظاہر ہے کہ ان کے عقائد کفریہ کی وجہ سے مسلمانوں میں ان کا شمار نہ ہوگا، اور فقہی نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا شمار اہل کتاب میں بھی نہ ہوگا، بلکہ وہ عام کفار کے حکم میں ہوں گے، نہ ان سے رشتہ نکاح درست ہوگا اور نہ ان کا ذبیحہ حلال ہوگا، فقہاء نے ایسے لوگوں کو "زندیق" سے تعبیر کیا ہے، اور زندیق کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"هو الذي يظهر الاسلام ويسر بالكفر وهو المنافق وكان يسمى في عصر النبي ﷺ منافقا ويسمى اليوم زنديقا"۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی شرح مؤطا کی عبارت جس میں ختم نبوت کی بالواسطہ انکار کرنے والوں کو زندیق قرار دیا گیا ہے، نے تو اس بات کو بالکل واضح اور بے غبار کر دیا ہے کہ قادیانی بھی زندیق ہی کے حکم میں ہیں اور ان کا حکم نکاح اور ذبیح کے معاملہ میں اہل کتاب کا نہیں، بلکہ عام کافروں کا ہے اور یہ نہ صرف فقہاء کی تصریحات کے مطابق ہے، بلکہ شریعت کی اس روح کے بھی موافق ہے کہ ایسے تمام مسائل میں ایمان کا تحفظ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اسی لئے جہاں اہل کتاب سے فتنہ کا اندیشہ ہو وہاں فقہاء نے کتابیہ سے بھی نکاح کی اجازت نہیں دی ہے۔

(قاموس الفقہ ۲/ ۲۵۷)۔

مذکورہ بالا دونوں رایوں میں سے یہی دوسری رائے راجح سمجھ میں آرہی ہے کہ نسلی قادیانی زندیق ہے نہ کہ اہل کتاب، بایں وجہ کہ جب ان کے آباء واجداد جو خود مرتد ہو کر قادیانی بنے ہیں باجود ان کے قرآن پر ایمان ہونے کے چند قطعیات دین کا انکار کرنے کی وجہ سے اہل کتاب میں سے نہیں ہیں تو ان کی ذریات جو نسلی قادیانی ہیں وہ بھی اہل کتاب میں داخل نہ ہوں گے۔

☆☆☆

موجودہ عہد میں کتابیہ سے نکاح اور احکام

مولانا محمد جلال الدین چودھری[1]

غیر مسلموں سے نکاح اور ذبیحہ کے سلسلہ میں شریعت مطہرہ نے صاف حکم دیا ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح اور مرد کا نکاح کسی غیر مسلم یا تو کسی غیر مسلمہ سے بالکل جائز نہیں، خواہ د مشرک سے ہو یا عام کفار سے ہو، لیکن اہل کتاب کے سلسلے میں حکم ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح کی گنجائش ہے، لیکن اہل کتاب مردوں سے مسلم عورتوں کی نکاح جائز نہیں ہے دوسری بات اہل کتاب کی ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے کتب فقہ کی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب سے نکاح کی گنجائش اور غیر مسلموں سے گنجائش نہ ہونے کے سلسلہ میں دینی اثر انداز پر ایک خاص نظر ڈالا گیا۔

آپ نے اہل کتاب اور بعض ایسے ادیان کے بارے میں سوال کیا ہے کہ وہ اہل کتاب کی وسعت کتنے حد تک ہے اور کن کن مذہب کو اس کے ماتحت لایا جاسکتا ہے، بظاہر لفظ سے سمجھا جاتا ہے کہ اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے پاس من جانب اللہ کتاب پہنچی اور وہ لوگ کتاب ماننے والے کی دعویدار ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کتاب من جانب اللہ ہونے پر قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے تصدیق یافتہ ہو اگر دعویدار ہیں لیکن تصدیق قطعی موجود نہ ہو یا تو تصدیق ہے، لیکن دعویدار نہیں تو ایسی صورت میں کسی افراد کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جائے اسی لئے عام کتب تفاسیر میں اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ لیتے ہیں جیسا کہ تفسیر ابن جریر طبری میں ہے: ''(وقوله وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم)وذبائح أهل الكتاب من اليهود والنصارى وهم الذين أوتوا التورات والانجيل وأنزل عليهم، فدانوابهما أو بأحدهما''۔

تفسیر بیضاوی میں ہے: ''ويعم الذين أوتوا الكتاب اليهود والنصارى واستثنى على... ومن دخل فى دينهم من سائر الأمم قبل مبعث النبي ﷺ حلال لكم، فأما من دخل فى دينهم بعد مبعث محمد ﷺ، فلا تحل ذبيحته''۔

''الدر المنثور فى التفسير بالماثور'' میں ہے: ''عن ابن عباس قال: إنما أحلت ذبائح اليهود والنصارى من أجل أنهم آمنوا بالتورات والإنجيل''۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے: ''ثم ذكر حكم ذبائح أهل كتابيين من اليهود والنصارى''۔

تفسیر قرطبی میں ہے: ''وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم يعني ذبيحة اليهود والنصارى''۔

اوپر کے چند سطروں اور دلائل سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ اہل کتاب کے پہلا مصداق یہود اور نصاریٰ ہیں گرچہ لفظ دوسری آسمانی کتاب والوں پر مشتمل ہوا تقاعلماء امت سے یقین اور دلجمش عنایت نہیں ملتی ہے کہ وہ اہل کتاب میں سے ہو، کیونکہ نہ ان کے پاس دوسری کوئی کتاب ملتی اور نہ وہ لوگ اور کوئی کتاب کو اتباع کرنے والے تھے اور نہ کسی کتاب کے دعویدار تھے، ہم نے دیکھا اسلاف سے صابئین کے متعلق اختلاف چلا آرہا ہے حتی کہ نصاریٰ بنی تغلب پر اختلاف کا اثر پڑا اور مجوسوں کو بھی اہل کتاب میں شمار نہیں کیا گیا، نیز تفسیر بحر محیط کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اہل کتاب کو یہود اور نصاریٰ پر خاص کر دیا ہے، جیسا کہ ''وقوله أوتوا الكتاب أنه مختص بني اسرائيل والنصارى الذين نزل عليهم التوارة والإنجيل''۔

---

[1] دارالحدیث جامیرا، آسام۔

گلوبلائیزیشن کے زمانہ میں سارے دنیا ایک فیملی ہوگئی، اس لئے ایک دوسرے پر فکر انداز اور اثر انداز ہونے کا وسیع موقع سامنے آگیا عصر حاضر میں امت مسلمہ جن خدمات انجام دے رہی ہے اس سے بڑھ کر ایڈوکیشن کے مختلف فیلڈ میں غیر مسلموں کی خدمات مشاہدہ ہوتی ہے اس وجہ سے مختلف شعبے میں ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ ہم بہت پیچھے ہیں ہندوستان کے North East میں مسلمان بچوں عیسائیوں کے اختلاط سے ایسے موثر ہوئے کہ اپنے دین کی تہذیب وتمدن تک بھول گئے یہاں تک کہ اپنے شعار بھی چھوڑنے لگے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی تہذیب اور تمدن کی حفاظت اور یہود ونصاری کی مخالفت کا حکم فرمایا، چنانچہ فرمایا: "خالفوا الیھود والنصاری" یہود اور نصاری کے علاوہ کوئی دوسرے گروہ اہل کتاب نہ تھے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں سے سماجی تعلقات کے بارے میں حکم فرمایا ہے، لیکن یہ حکم نہیں دیا کہ ان کے ذبیحہ حلال ہیں یا تو ان کی عورتوں کو مسلمانوں کے لئے نکاح کرنا حلال ہے۔

اہل کتاب کے ذبیحہ حلال ہونے پر جو حکمت ہے اس کو ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر میں نقل کیا ہے کہ

"لأنهم يعتقدون تحريم الذبح لغير الله ولا يذكرون على ذبائحهم إلا اسم الله، وإن اعتقدوا فيه تعلى ماهو منزه عنه تعالى وتقدس"

اور عورتوں سے نکاح حلال ہونے کی حکمت یہ ہے کہ کتابیہ کے نکاح سے وہ اسلام پر آنے کا توقع ہے فرماتے ہیں:

"إلا أنه يجوز نكاح الكتابية لرجاء إسلامها، لأنها أمنت بكتب الأنبياء والرسل في الجملة"۔

مراد صابئین کی تحقیق:

صابئین سے مراد کن لوگ ہیں اس بارے میں علماء احناف کے درمیان کچھ اختلاف نظر آتا ہے اور اسی کو ابوبکر جصاص ؒ نے بالتفصیل نقل فرمایا ہے کہ

"وقد اختلف في الصابئين هم من أهل الكتاب أمرلا فروري عن أبي حنيفة أنهم أهل كتاب وقال أبويوسف و محمد: ليسوا أهل كتاب و كان أبو الحسن كرخي يقول الصابئون هم عنده من أهل الكتاب قوم ينتحلون دين المسيح ويقرؤن الإنجيل. فأما الصابئون الذين يعبدون الكواكب وهم الذين بناحية حران بأنهم ليسوا بأهل كتاب عندهم جميعا"۔

جصاص کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حلت مشتبہ ہے اس لئے جن حضرات کو یقین ہو ان کی حالت پر تو اہل کتاب سے شمار کیا ہے اور جن کو یقین نہیں ہوا اہل کتاب سے شمار نہیں کئے کتب فقہ اور تفاسیر کی مطالعہ سے صاف ہوتا ہے کہ یہود اور نصاری کے بارے میں جو شرائط لگائی گئیں اگر وہ شرائط پائی جائے تو ان کو اہل کتاب میں شمار کیا جائے گا، نیز بدائع میں ہے:

"وأما الصابئات: فقد قال أبوحنيفة: إنه يجوز للمسلم نكاحهن، وقال أبويوسف ومحمد: لايجوز، وقيل: هذا باختلاف في الحقيقة، وإنما الاختلاف لا شتباه مذهبهم فعند أبي حنيفة هم قوم يؤمنون بكتاب، فإنهم يقرؤن الزبور ولا يعبدون الكواكب يخالفون غيرهم من أهل الكتاب في بعض دياناتهم وذالا يمنع المناكحة كاليهود مع النصارى وعند أبي يوسف و محمد أنهم معبدون الكواكب كعابد الوثن، فلايجوز للمسلمين مناكحتهم"۔

دوسری بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہود ونصاری تھے وہ بے حد گمراہیوں کے باوجود وحی رسالت نبوت ملائکہ کو مانتے تھے اور آخرت پر ایمان رکھتے تھے فقہاء کرام نے ایمان کے Fundamental Element کی وجہ سے تجویز نکاح کی بات نقل کی ہے، جیسا کہ بدائع میں ہے:

''إلا أنه جوز النكاح الكتابية لرجاء إسلامها؛ لأنها أمة بكتب الأنبياء والرسل والجملة''

دوسری طرف ان اختلاط کی وجہ سے فقہاء کرام نے فتنہ کا خوف کیا ہے اس وجہ سے حضرت عمر فاروق کی زمانہ میں حضرت حذیفہ، طلحہ اور کعب بن مالکؓ نے کتابیہ سے نکاح کیا تو آپ ان پر خفا ہوئے، جیسا کہ ''فتح القدیر'' میں ہے:

''وإنما كان غضبه لخلطة الكافرة بالمؤمن وخوف الفتنة على الولد؛ لأنه في صغره ألزم لأمه''

اسی طرح اہل کتاب مسلمانوں کے نکاح میں آکر اکثر غدر اور نقصان کیا ہے، لہذا فقہاء کرام بلاضرورت کتابیات سے مناکحت کی اجازت نہیں دیتے ہیں، مجبوری کے بغیر ان سے نکاح نہ کیا جائے اور اکثر فقہاء کرام نے اہل کتاب سے نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے، جیسے ''البحر الرائق'' میں ہے:

''والأولى أن لايجوز كتابية ولا يأكل ذبائحهم إلا لضرورة، وفي المحيط: يكره تزوج الكتابية الحربية؛ لأن الإنسان لايأمن أن يكون بينهما ولد فينشأ على طبائع أهل الحرب ويتخلق بأخلاقهم فلا يستطيع المسلم قلعه عن تلك العادة'' اور عبدالرحمن جزیری فرماتے ہیں: ''الحنفية قالوا: يحرم تزوج الكتابية إذا كانت في دار الحرب غير فاضحة لأحكام المسلمين؛ لأن ذلك فتح لباب الفتنة... فالعقد وإن كان يصح، إلا أن الأقدام عليه مكروه تحريما لما يرتقب عليه من المفاسد، أما إذا كانت ذمية ويمكن إفضاعها للقوانين الإسلاميه، فإنه يكره نكاحها تنزيها''۔

بعض علماء اہل کتاب ذمہ سے نکاح مکروہ تنزیہی اور حربیہ سے تحریمی قرار دیتے ہیں اور بعض حضرات شرط لگاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیرؑ سے مشرکی اعتقاد والی نہ ہو...... حضرت ابن عمر سے ممانعت کی رائے صاف ملتی ہے، جیسا کہ آج کل یورپ کے بہت سے یہودیوں اور نصرانیوں میں ایک بڑے گروہ جو محض census کے حیثیت سے یہود اور نصاریٰ ہیں اسی حیثیت سے ہندوستان کے North East میں بہت بڑے تعداد میں لوگ ہیں جو نام کے واسطے عیسائی ہیں، لیکن اصلا ہندو مذہب کے تمام مشرکانہ اور کفریہ اعتقاد رائج ہیں، اور بعض ایسے ہیں کہ صرف نام کے واسطے نصاریٰ ہیں کسی مذہب کے قائل نہیں، اس لئے گذشتہ صدی کے علماء کرام کے ان کے ذبیحہ حلال ہونے اور ان کے عورتوں سے نکاح کرنے کو صاف منع فرمایا ہے کیونکہ ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ ابوبکر جصاص نے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے نصاریٰ بن تغلب کے بارے میں فرمایا:

''لاتأكلوا من ذبائح نصارى بني تغلب، فإنهم لم يتمسكوا من النصرانية بشئ إلا لشربهم الخمر''۔

بعض ایسے باطل ادیان جو شریعت محمدی کے نازل ہونے کے بعد ایجاد کئے گئے جیسے بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی ہیں ان کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ دعویٰ نبوت دین کے لئے دوسری اور دین کا نکالنا ہے دین کے قطعی حکم کے منکر کافر ہے جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے شرح الفقہ الاکبر میں فرمایا:

''دعوى النبوة بعد نبينا صلى الله عليه وسلم كفر بالإجماع''۔

نیز علماء اسلام نے قادیانیوں کو مرتد ہونے کا فتویٰ دیا ہے، اس لئے ان کو اہل کتاب سے شمار نہیں کیا جائے گا اور نسلی قادیانیوں کو بھی اہل کتاب نہ مانا جائے گا۔ جب تک کہ وہ لوگ اپنے باپ دادا کے راستے سے تائب ہو کر نہ آوے، مرقاۃ کی وہ عبارت ان پر صادق آئے گی،

''إذا رأى منكرا معلوما من الدين بالضرورة فلم ينكره ولم يكرهه ورضي به واستحسنه كان كافرا''۔

جہاں قرآن وسنت ہمارا رول ماڈل ہے، پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شرعی قطعی شہادت قرآن اور سنت سے نہ ہونے تک ہمیں کسی کو یا کسی کتاب کو من جانب اللہ کتاب یا نبی یا پیغمبر قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، ہوسکتا ہے ہزاروں تحریفات کے بعد ایسے قانون غیر تحریف رہ گیا ہے، ذہن انسانی اس طرف مائل ہوتا ہے، لیکن تصدیق شرعی ہونا ضروری ہے، پس دلیل شرعی نہ ہونے کی حالت میں کسی کو پیغمبر تسلیم کرنا یا تو کسی کتاب کو من جانب اللہ ہونے کا یقین کرنا درست نہیں ہے، لہذا سکوت اختیار کرنا اولیٰ ہے۔

☆☆☆

اہل کتاب سے وابستہ احکام ومسائل

مولانا محمد ممتاز خان ندوی[1]

جولوگ کسی نبی یا الہامی کتاب کے آنے کے قائل ہیں یہ لوگ کافر ہیں:

ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، اور جو کتاب، یعنی قرآن مجید آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی ہے، یہ بھی آخری کتاب ہے، اب اگر کوئی شخص آخری نبی کے بعد کسی اور نبی کے آنے یا قرآن مجید کے بعد کسی اور الہامی کتاب کا دعویدار ہے، راقم کے نزدیک ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہوگا، بلکہ یہ لوگ کافر ہیں، اور آپ کے کسی نبی یا رسول اور کسی الہامی کتاب کا نہ ہونا یہ ایسا مسئلہ ہے، جس پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع رہا ہے، خود قرآن کریم میں آپ کے آخری نبی ہونے کا اعلان ہے، سورۂ احزاب میں ہے: "ما كان محمد أبا أحد من رجالكم، ولكن رسول الله وخاتم النبيين، وكان الله بكل شئ عليما" (سورۂ احزاب: ۴۰) (مسلمانو! (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں، اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا ہے)۔

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے: "لم يبق من النبوة إلا المبشرات" (رواہ بخاری کتاب التعبیرات المبشرات ۶۹۹۰) (نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا، بجز مبشرات کے)۔

مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا يبقى بعدي من النبوة شئ إلا المبشرات قالوا يا رسول الله وما المبشرات؟ قالوا الرؤيا الصالحة يراها المسلم أو يرى له" (مسند احمد ۲/ ۱۲۹ (۲۵۴۹۰))

(میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا، بجز مبشرات کے، صحابہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول مبشرات کیا چیز ہے؟ فرمایا: سچے خواب جو مسلمان خود دیکھے یا اس سے متعلق کوئی دوسرا دیکھے)۔

مسند احمد اور ترمذی میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إن الرسالة والنبوة قد انقطع فلا رسول بعدي ولا نبي" (بے شک رسالت اور نبوت میرے بعد ختم ہو چکی ہے، میرے بعد کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی)۔

مشہور مفسر قرآن علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں اس آیت: "ما كان محمد أبا أحد من رجالكم" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"فهذه الآية في أمة بعده، وإذا كان لا نبي بعده، فلا رسول بالطريق الأولى؛ لأن مقام الرسالة أخص من مقام النبوة، فإن كل رسول نبي ولا ينعكس بذلك وردت الأحاديث المتواترة عن رسول الله ﷺ من حديث جماعة من الصحابة" (تفسیر ابن کثیر ۳/ ۶۵۰)

(یہ آیت نص صریح ہے، اس عقیدہ کے لئے آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، اور جب نبی نہیں تو بدرجہ اولی رسول بھی نہیں، کیونکہ لفظ نبی عام اور لفظ رسول خاص ہے، اور یہ وہ عقیدہ ہے جس پر احادیث متواترہ شاہد ہیں جو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کی روایت سے ہم تک پہنچی ہے)۔

قادیانی اہل کتاب میں سے نہیں:

مسلمان ہونے کے بعد جو لوگ قادیانی ہو گئے، یہ لوگ مرتد تو ہیں ہی، اور جو لوگ نسلی اعتبار سے قادیانی ہیں، یہ لوگ بھی راقم کے نزدیک مرتد ہی ہیں، اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہوں گے۔

---

[1] مدرسہ ضیاء العلوم، میدان پور تکیہ کلاں، رائے بریلی۔

علامہ شامیؒ غالی روافض کو کافر مانتے تھے، اور ان کو اہل کتاب نہیں سمجھتے تھے، تو جو نسلی اعتبار سے قادیانی ہیں، وہ اہل کتاب میں سے کیسے ہوسکتے ہیں۔

''والظاهر أن الغلاة من الروافض المحكوم بكفرهم لا ينفكون عن اعتقادهم الباطل في حال اتيانهم بالشهادتين وغيرهما من أحكام الشرع كالصوم والصلوة فهم كفار لا مرتدون ولا أهل كتاب'' (رسائل ابن عابدین / ص ۲۷۰) (اور ظاہر ہے کہ روافض میں سے جو غلو کرنے والے ہیں، یہ اپنے باطل عقائد سے الگ نہیں ہوتے ہیں، دونوں شہادتوں کے لانے کی حالت میں اور ان کے علاوہ شریعت کے دیگر احکام میں، جیسے روزہ، نماز، تو یہ لوگ کافر ہیں، مرتد نہیں ہیں اور نہ اہل کتاب میں سے ہیں)۔

ہماری اس رائے کی تائید ''فتاوی رحیمیہ'' کے اس فتوی سے بھی ہوتی ہے، استفادہ کی غرض سے استفتاء وفتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں:

سوال: اگر کوئی شخص پہلے سے مسلمان تھا، بعد میں قادیانی ہوا، تو وہ مرتد ہے، اور اس پر مرتد کے احکام جاری ہوں گے، لیکن جو شخص شروع ہی سے قادیانی یعنی پیدائشی قادیانی ہے، جو آج کل کے اکثر قادیانیوں کا حال ہے تو وہ اہل کتاب کے حکم میں ہیں، کیا یہ بات صحیح ہے، اگر یہ بات صحیح ہو تو ان کے ذبیحہ کا کیا حکم ہوگا؟

جواب: قادیانیوں کی اولاد (نسلی مرزائی قادیانی) غلام احمد قادیانی کو نبی کا کم از کم مسلمان مانتی ہو تو وہ بھی کافر ہیں، ان کا ذبیحہ حرام اور مردار ہونا چاہئے، ان کو اہل کتاب کے حکم میں قرار دینا سمجھ میں نہیں آتا (فتاوی رحیمیہ)۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ جو اس موضوع پر کافی بصیرت رکھتے ہیں، رد قادیانیت پر کئی رسائل تصنیف فرمائے ہیں، وہ تحریر فرماتے ہیں: ان تمام مباحث کا خلاصل یہ ہے:

۱- جو شخص خود قادیانیت کی طرف مرتد ہو، وہ مرتد بھی ہے اور زندیق بھی۔

۲- اس کی صلبی اولاد بھی اپنے والدین کے تابع ہونے کی وجہ سے حکماً مرتد ہیں اور زندیق بھی۔

۳- اس کی اولاد کی اولاد مرتد نہیں، بلکہ خالص زندیق ہے۔

۴- مرتد اور زندیق دونوں واجب القتل ہیں، دونوں سے مناکحت باطل اور دونوں کا ذبیحہ مردار ہے، اس لئے کسی قادیانی کا ذبیحہ کسی حال میں حلال نہیں (رسالہ قدیانی ذبیحہ/ ص ۲۴-۲۵)۔

مسلم ممالک میں کتابی عورت سے نکاح:

فقہاء کرام نے مسلم ممالک میں کتابی عورت سے نکاح کرنے کو جو مباح قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی ماحول میں رہ کر کتابی عورت اسلام سے متاثر ہوسکتی ہے، اور اسی کے نتیجہ میں وہ دامن اسلام میں آسکتی ہے، لیکن جب صورتحال اس کے برعکس ہے، جیسے کہ سوال نامہ میں ذکر ہے، تو راقم کے نزدیک ایسی صورت میں اسلامی ممالک میں بھی کتابی عورت سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہوگا، اس کی تائید حضرت عمرؓ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔

''لا أعزم أنها حرام ولكن أخاف أن تعاطوا المومسات'' (جامع البیان فی تاویل القرآن / ۳۶۷/۴)
(میں نہیں کہتا کہ وہ حرام ہے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم ان کی بدکار عورتوں سے نکاح کرنے لگو)۔

مغربی ممالک میں کتابی عورت سے نکاح:

اگر ایک مسلمان مغربی ممالک میں مزاج کی ہم آہنگی یا ویزہ کی سہولت کے لئے نکاح کرتا ہے تو راقم کے نزدیک ایسی کتابی عورت سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ شوہر کتابی عورت کے ساتھ رہ کر مغربی افکار کا دلدادہ ہوسکتا ہے، اور ایمان جیسے دولت جو کہ ایک مسلمان کی اصل پونجی ہے، وہ خطرہ میں پڑسکتی ہے، لیکن اگر کوئی اس نیت سے نکاح کرتا ہے کہ کتابی عورت سے نکاح کرنے سے وہ دامن اسلام میں آسکی ہے، اور اس کے نتیجہ میں وہ اسلام کی روشنی اپنے خاندان اور سماج تک بھی پہنچائے گی، تو اس نیت سے مغربی ممالک میں کتابی عورت سے نکاح کرنا: ''إنما الأعمال بالنيات'' (رواہ بخاری، کتاب الایمان حدیث نمبر ۱) کے تحت راقم کے نزدیک جائز ہوگا۔

اس کی تائید سورہ نحل کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے: "أدع إلی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی أحسن إن ربك هو أعلم بمن ضل عن سبیله وهو أعلم بالمهتدین" (سورہ نحل: ۱۲۶) (اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو، اور اگر بحث کی نوبت آئے تو ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو، یقیناً تمہارا پروردگار ان لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے، جو اس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں، اور ان سے خوب واقف ہیں، جو راہ راست پر قائم ہیں)۔

کسی مصلح کو پیغمبر اور ویدوں کو الہامی کتاب قرار دینا:

راقم کے نزدیک نبی اور رسول اور الہامی کتاب صرف انہیں کو قرار دیا جائے گا جس کی تصدیق قرآن مجید نے کی ہو، اور جن مصلح جیسے کہ گوتم بدھ وغیرہ اور جن کتابوں، جیسے کہ وید وغیرہ کی تصدیق کلام اللہ میں نہیں ہے، ان کو پیغمبر اور الہامی کتاب قرار دیا جائے گا، لیکن ان کی توہین اور ان کے سلسلہ میں بدگوئی کسی حال میں بھی درست نہیں ہوگی، قرآن کریم میں ہے: "ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله فیسبوا الله بغیر علم" (سورہ انعام: ۱۰۸) (یہ کفار اللہ کو چھوڑ کر جن معبود کو پوجتے ہیں، تم لوگ انہیں برا نہ کہو کہ وہ بھی اللہ کی ضد میں بے جانے بوجھے برا نہ کہیں)۔

راقم کی اس رائے کی تائید مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے اس فتوی سے بھی ہوتی ہے، استفادہ کی غرض سے استفتاء و فتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں:

سوال (۸۴): گوتم بدھ کا اسلام سے کیا تعلق ہے؟

جواب: گوتم بدھ کی تعلیمات میں توحید کا عنصر بہت زیادہ ہے، اور اللہ کی وحدانیت اور عمل صالح کی طرف بار بار دعوت دی گئی ہے، نیز پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بابت پیشن گوئی بھی آپ کے کلام میں پائی جاتی ہے، اس لئے بعض اہل علم کا خیال ہے کہ بدھ جی ممکن ہے کہ اپنے زمانہ میں اللہ کے پیغمبر رہے ہوں، ایسا سوچنا بعید از قیاس نہیں، لیکن چونکہ قرآن وحدیث میں صراحۃ کہیں آپ کے پیغمبر ہونے کا ذکر نہیں ہے، اسلئے صحیح نقطہ نظر یہی ہے کہ نہ ہم آپ کو نبی قرار دے سکتے ہیں، اور نہ آپ کے ماننے والوں کو اہل کتاب، اور آپ کی شان میں بدگوئی بھی جائز نہیں، کیونکہ آپ کے نبی ہونے کا امکان تو ہے ہی، اس لئے کہ اللہ تعالی نے ہر قوم میں اپنے پیغمبروں کو بھیجا ہے، تو کسی قوم میں گوتم بدھ کا بہ حیثیت نبی آنا کوئی ناممکن نہیں، جبکہ ان کی تعلیمات میں ایسی باتیں بھی موجود ہیں، جو آسمانی کتابوں میں آئی ہیں، پس حاصل یہ ہے کہ نہ گوتم بدھ کی نبوت کی تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ ہتک کرنا جائز ہے (کتاب الفتاوی ۱/ ۳۶۱-۳۶۲)۔

فتاوی محمودیہ کا بھی ایک فتوی ملاحظہ فرمائیں، استفادہ کی غرض سے استفتاء و فتوی دونوں نقل کئے جاتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

سوال: (۳۷) خدا تعالی نے تمام روئے زمین کے لئے مختلف اوقات اور مختلف زمانہ میں ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے ہیں، جو "لکل قوم ہاد" سے ثابت ہے، اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے آئے ہیں، جو سب مسلمان اور اسلام کی تعلیم سے آراستہ تھے، اور سبھوں نے خدا کی وحدانیت کی تعلیم دی ہے، قرآن میں صرف عرب کی زمین ہی کے چند پیغمبروں کے نام ہیں، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد یا عبرانی نسل سے تعلق رکھتے تھے، باقی ان عظیم ہستیوں کے نام نہیں ہیں، مہاتما گوتم بدھ کو ہندوستان، چین اور جاپان کے کروڑوں لوگ پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح کرشن جی اور رام چندر جی کو بھی کروڑوں لوگ اپنی زندگی کے ہیرو یا پیغمبر مانتے ہیں، کیا ایک مسلمان "لکل قوم ہاد" کے فصیح وبلیغ اور معنی خیز جملہ کے تحت شک کی بنا پر کرشن جی یا مہاتما گوتم بدھ کو پیغمبر کہا جاسکتا ہے؟ اور ان کی تعظیم وتکریم کے لئے حضرت مہاتما بدھ یا حضرت کرشن جی کہتے ہیں، ایک مسلمان کے لئے کوئی قباحت تو نہیں ہے، جبکہ ایک دوسرے عالم نے ان دونوں ہستیوں کے ساتھ حضرت کا لفظ لگانا مکروہ اور خلاف شریعت قرار دیا ہے، ہم آپ سے ملتجی ہیں کہ اس کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: حامداً ومصلیاً: جن انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے نام نصوص میں آگئے ہیں، ان پر علی الیقین ایمان لانا لازم ہے، اور کسی ایسے شخص کے متعلق نبوت کا اعتراف کرنا جس کا نام نصوص میں نہیں ہے، نہ لازم ہے نہ درست، البتہ کسی کو برا کہنا بھی بغیر دلیل کے ثابت نہیں، "لکل قوم ہاد" سے استدلال تام نہیں، کیونکہ اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ خبر ثانی ہے، پوری آیت ہے: "إنما أنت منذر ولكل قوم هاد" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کہ آپ ڈرانے والے ہیں، اور ہر قوم کو ہدایت دینے والے ہیں، علاوہ ازیں ہادی کا لفظ نبی کے ساتھ مخصوص نہیں، غیر نبی پر بھی اس کا اطلاق آیا ہے، اور نبی سے، بلکہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی بھی کی گئی ہے، "إنك لا تهدی من أحببت" انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات وغیرہ کے صحیح حالات ہمارے علم میں نہیں، تاریخ میں رطب ویابس

سب کچھ ہے، جو کہ مفید یقین نہیں، اس لئے کف اللسان چاہئے (فتاویٰ محمودیہ ۱۸/ ۵۹)۔

عیسائی اسکول یا کالج میں تعلیم:

اگر عیسائی اسکول میں اسلام کے خلاف تعلیم نہیں دی جاتی ہے، بس ان کے قیام کا مقصد طلباء اور طالبات کو عصری علوم سے آراستہ کرنا ہے، راقم کے نزدیک ایسے عیسائی ادارہ میں مسلمان لڑکوں اور مسلمان لڑکیوں کا تعلیم حاصل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ تعلیم مخلوط نہ ہو، بلکہ لڑکوں اور لڑکیوں کا علاحدہ نظام ہو، سورۂ زمر میں ہے: "قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون" (کہو کہ: کیا وہ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے سب برابر ہیں)، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أطلبوا العلم ولو بالصين" (شعب الإيمان للبيهقي ۲/ ۲۵۳) (تم لوگ علم حاصل کرو، اگر چہ کہ چین جاکر)۔

"خذ ما صفا ودع ما كدر" (تم اچھی اور صاف ستھری چیز کو لے لو اور خراب چیز کو چھوڑ دو)۔

لیکن اگر عیسائی اداروں میں عصری علوم کے ساتھ ساتھ اسلام کے خلاف تعلیم دی جاتی ہو، اور جس کے نتیجہ میں مسلمان لڑکوں اور مسلمان لڑکیوں کے دل و دماغ میں اسلام کے خلاف شکوک وشبہات کے کانٹے پیدا ہوتے ہوں، تو پھر ایسے اداروں میں راقم کے نزدیک تعلیم حاصل کرنا جائز نہیں ہوگا، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے: "من رتع حول الحمى يوشك أن يقع فيه" (بدائع الصنائع ۳/ ۳۲۳) (جو شخص چراہ گاہ کے ارد گرد رہے گا قریب ہے کہ وہ اس میں واقع ہو جائے)۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کا ایک فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیں، جس سے ہماری رائے کی تائید ہوتی ہے، استفادہ کی غرض سے استفتاء وفتویٰ دونوں نقل کئے جاتے ہیں:

سوال: میرا فرزند لکھنؤ کے بہترین اسکول CMS میں پڑھتا ہے، جو کہ بہائیوں کے زیر انتظام ہے، یہاں نبی کریم ﷺ کے بعد کسی اور نبی کے آنے کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس انکشاف نے مجھے بے چین کر رکھا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنے بچہ کو اس اسکول سے نکال لوں، جبکہ میری بیوی اس کے خلاف ہے، براہ کرم اس مسئلہ سے متعلق شرعی رہنمائی کے ذریعہ ہماری مشکلات آسان فرمائیں:

جواب: اگر اسکول بہائیوں کے زیر اثر ہو اور غلط عقائد کی تعلیم دی جاتی ہو، تو ایسے اسکول سے نام خراج کرالینا ضروری ہے (فتاویٰ ندوۃ العلماء ۱/ ۵۷-۵۸)۔

فتاویٰ محمودیہ کا بھی ایک فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:

سوال (۵۲۷): شبلی کالج جس میں انگریزی اور ہندی ہی کی تعلیم ہوتی ہے، اسی طرح نسواں ہائی اسکول میں انگریزی اور ہندی کی تعلیم دی جاتی ہے، اس کا ممبر بننا فتویٰ اور تقویٰ کی رو سے کیسا ہے؟

جواب: جس کالج یا اسکول میں خلاف اسلام تعلیم دی جاتی ہے، عقائد واعمال اخلاق سب غلط ذہن نشین کرائے جاتے ہیں، اس کا ممبر بننا اور تقویت پہنچانا ہرگز جائز نہیں (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۴۲۰)۔

مولانا عتیق احمد قاسمی لکھتے ہیں: "ہمارے جو بچے زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں، ان میں سے نوے فیصد سے زیادہ ایسے اسکول کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جن میں دین اسلام سکھانے کا بندوبست تو کیا ہوتا، وہاں تو اسلام مخالف عقائد واحکام کی تعلیم دی جاتی ہے، دیومالائی اور وثنی عقیدے پڑھائے جاتے ہیں، اور اگر عیسائی مشنری اسکول ہیں، تو ان میں عیسائی عقائد سکھائے جاتے ہیں، یسوع مسیح کو انسانوں کا نجات دہندہ بتایا جاتا ہے، تاریخ اور آسانی علوم کے نام پر کفر والحاد کا زہر پلایا جاتا ہے، اس طرح کی تعلیم کے نتیجہ میں مسلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے محروم اور بدنصیب پیدا ہوتے ہیں (عیسائی مشنریز کی سرگرمیاں اور مسلمان/ ص ۲۱)۔

اپنے علاقوں میں ایسے اسکولوں اور کالجوں کی حوصلہ افزائی:

ایسے عیسائی اسکول اور کالج جن میں عصری علوم کے ساتھ ساتھ اسلام کے خلاف تعلیم دی جاتی ہو اپنے علاقوں میں ایسے اداروں کی حوصلہ افزائی کرنا راقم کے نزدیک اعانت علی الاثم کے تحت جائز نہیں ہے، قرآن کریم میں اعانت علی الاثم سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، سورہ مائدہ کی آیت ہے: ولا تعاونوا علی

الإثم والعدوان" (سورۂ مائدہ:۲) (اور تم لوگ برائی اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)۔

دبستان فقہ شافعی کے شارح وترجمان امام نوویؒ ایک حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: "فيه إعانة التحريم على الباطل" (شرح مسلم للنووی ۳/۶۵۰) (اس حدیث میں باطل کے کاموں پر مدد وتعاون کا حرام ہونا مذکور ہے)۔

متبادل معیاری تعلیمی ادارہ کا قیام:

لیکن وہ عیسائی ادارے جن میں عصری علوم کے ساتھ ساتھ اسلام کے خلاف تعلیم بھی دی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ ان اداروں میں تعلیم حاصل کرنے میں فوائد اور مصالح بھی ہیں اور دینی نقصانات بھی، واضح رہے کہ جس چیز میں مصالح اور فوائد ہوں، اس کو بالکل حرام قرار دینا کافی نہیں ہے، کیونکہ یہ چیز تو کبھی لوگوں کو تنگی وحرج میں مبتلا کردے گی اور کبھی تو ارتداد کی طرف لے جائے گی۔

اس لئے مسلمانوں میں اہل خیر حضرات کو متبادل معیاری تعلیمی درسگاہوں کے قیام کی طرف توجہ دینی چاہئے۔

کتابی بیوی کے حقوق:

ایک مسلمان جب کسی کتابی عورت سے نکاح کرلیتا ہے، تو شرعی لحاظ سے وہ اس کی بیوی ہوجاتی ہے، لہذا راقم کے نزدیک اس کے شوہر کے ذمہ وہی حقوق ہوں گے، جو مسلمان بیوی کے لئے ہیں، نکاح کر لینے کے بعد جبکہ شوہر کیلئے کوئی مجبوری نہ ہو، جیسے کہ شوہر کو پریشان نہ کیا جائے، یا شوہر کو اہل کتاب کے عقیدے کے اختیار کرنے پر مجبور نہ کیا جائے، شوہر کے لئے کتابی بیوی کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا راقم کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ شوہر پر بیوی کے جو حقوق قرآن وحدیث میں بتادیئے گئے ہیں، وہ مطلق ہیں، ان میں مسلمان اور کتابی بیوی کے درمیان کوئی تفریق ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ہے: "ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة والله عزيز حكيم" (سورۂ بقرہ:۲۲۸) (اور ان عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں، جیسے مردوں کو ان پر حاصل ہیں، ہاں مردوں کو ان پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے)۔

"عن ابي هريرة قال، قال رسول الله ﷺ إن اكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خلقا وخياركم خياركم نساءهم" (رواه ترمذی، باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها/ ۱۱۶۲) (حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ مومنین میں کامل ترین ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں، اور تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنی بیویاں کے ساتھ زیادہ بہتر ہوں)۔

مسلم شریف کی روایت ہے: "عن أبي هريرة عن النبي ﷺ استوصوا بالنساء خيرا فإن المرأة خلقت من ضلع وان أعوج شئ فی الضلع أعلاه إن ذهبت تقيمه كسرته وإن تركته لم يزل أعوج استوصوا بالنساء خيرا" (رواه مسلم، كتاب الطلاق باب الوصية بالنساء/ ۱۴۶۸) (حضرت ابوہریرہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: عورتوں کے ساتھ بھلا سلوک کرو، بے شک عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور پسلی میں سب سے ٹیڑھی چیز اس کے بالائی حصہ میں ہے، اگر تم اس کو سیدھا کروگے، تو اس کو توڑ بیٹھوگے، اور اگر تم اس کو چھوڑے رہے تو وہ ٹیڑھی رہے گی، عورتوں کے ساتھ نیک بہتر سلوک کرو)۔

کتابی بیوی کو طلاق دینا:

جیسے کہ تحریر کیا گیا ہے کہ ایک جب کسی کتابی عورت سے نکاح کر لیتا ہے، تو وہ شرعی لحاظ سے اس کی بیوی ہوجاتی ہے، تو جس طرح بغیر کسی سبب کے مسلمان بیوی کو طلاق دینا شریعت کی نظر میں اچھا نہیں ہے، اسی طرح کتابی بیوی کو بھی بغیر سبب کے طلاق دینا راقم کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے، اس کی تائید درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔

۱- طبرانی کی روایت ہے: "تزوجوا ولا تطلقوا فإن الله يحب الذواقين ولا الذواقات" (رواه طبرانی فی المعجم الكبير كتاب الطلاق باب أول كتاب الطلاق / ۲۱۷۸) (شادی کرو، طلاق نہ دو، بلاشبہ اللہ تعالی پسند نہیں فرماتا ہے، ذائقہ چکھنے والوں اور ذائقہ چکھنے والیوں کو)۔

۲- فیض القدیر کی روایت ہے: "تزوجوا ولا تطلقوا فإن الطلاق يهتز العرش" (فیض القدیر حدیث نمبر ۳۲۸۹) (شادی کرو اور طلاق نہ دو پس بے

شک طلاق سے (رحمن کا) عرش دہل جاتا (تھرتھراتا) ہے۔

۳- سنن ابی داؤد کی روایت ہے: ''عن أبی ہریرة عن النبی ﷺ البغض الحلال إلی اللہ الطلاق'' (رواہ مسلم کتاب الطلاق باب الوصیة بالنساء ۱۴۶۸) (حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند حلال چیز طلاق ہے)۔

البتہ اگر شوہر اپنی بیوی کے عقائد سے متاثر ہونے کا خدشہ محسوس کررہا ہے یا اس کو خدشہ ہے کہ اس کے بچے اس کے عقائد کو اختیار کریں گے یا کتابی بیوی کا کیریکٹر صحیح نہیں ہے، تو ایسی صورت میں شوہر کتابی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔

سورۂ طلاق میں ہے: ''لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک أمرا'' (سورۂ طلاق: ۱) (تم نہیں جانتے، شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردے)۔

سورۂ نساء میں ہے: ''وإن یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ'' (سورۂ نساء: ۱۳۰) (اور اگر دونوں جدا ہوجائیں تو اللہ اپنی (قدرت اور رحمت کی) وسعت سے (دونوں کو ایک دوسرے کی حاجت سے) بے نیاز کردے گا)۔

حدیث پاک ہے: ''لا تطلقوا النساء إلا من ریبة، فإن اللہ لا یحب الذواقین ولا الزواقات'' (عورتوں کو طلاق نہ دو، مگر تہمت سے (وہ کسی برائی کا ارتکاب کریں) بس بے شک اللہ تعالیٰ شانہ جوڑیاں بدل کر ذائقہ چکھتے رہنے والوں اور ذائقہ چکھنے والیوں کو پسند نہیں کرتا ہے)۔

کتابی بیوی کا اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام دینا:

اسلام مشرک اور کفر کے معاملہ میں بہت حساس واقع ہوا ہے، اسلام میں مشرک کے شائبہ کی بھی گنجائش نہیں ہے، لہذا کتابی عورت کا اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام دینا راقم کے نزدیک جائز نہیں ہے، اگر بیوی مذہبی مراسم انجام دیتی ہے، تو شوہر اس کو حکمت کے ساتھ روک دے گا، قرآن مجید میں ہے: ''تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر'' (سورۂ آل عمران: ۱۱۰) (تم لوگ نیکی کا حکم دیتے ہو، اور برائیوں سے روکتے ہو)۔

''سنن ترمذی'' کی روایت ہے: ''من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ، فمن لم یستطع فبلسانہ، ومن لم یستطع فبقلبہ وذلک أضعف الإیمان'' (رواہ ترمذی، کتاب الفتن باب ماجاء فی تغییر المنکر بالید الخ/ ۲۱۷۲) (جو شخص تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے، اور جس کے اندر اس کی استطاعت نہ ہو تو اس کو زبان سے روک دے، اور جس کے اندر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اسکو زبان سے روک دے، اور جس کے اندر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو اس کو اپنے دل میں برا سمجھے، اور یہ ایمان کا سب سے کمزور حصہ ہے)۔

عیسائی اداروں میں خدمت اور ان کی خدمات سے استفادہ کرنا:

عیسائی مشنریز جو ہاسپٹل اور قرض مہیا کرنے والے جو ادارے قائم کرتی ہے، تا کہ ان کے ذریعہ سے اپنے مذہب کی تبلیغ اور کم سے کم دوسروں کو ان کے مذہب سے دور کردیں، ایسے اداروں میں خدمت کرنے اور ان کی خدمات سے استفادہ کرنا اعانت علی الاثم اور مزید ان کے مشن کو تقویت پہنچانے کی وجہ سے راقم کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

سورۂ مائدہ میں ہے: ''ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان'' (سورۂ مائدہ: ۲) (اور تم لوگ برائی اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)۔

امام نووی ایک حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: ''وفیہ إعانة التحریم علی الباطل'' (شرح مسلم للنووی ۲ / ۲۸)، اس حدیث میں باطل کے کاموں پر مدد وتعاون کا حرام ہونا مذکور ہے۔

☆☆☆

اہل کتاب کی شرعی حیثیت

مفتی محمد ارشد فاروقی [1]

۱- اہل کتاب کی تعریف:

اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن کے نازل ہونے سے پہلے کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں جیسے یہود جو توریت کو اور عیسائی انجیل کو مانتے ہیں۔ بعض اقوام کے بارے میں کچھ فقہاء احناف اہل کتاب کا معاملہ کرتے ہیں اور دوسرے انہیں اہل شرک مانتے ہیں اور وجہ اختلاف یہی ہے کہ ان کا اہل کتاب ہونا بعض کے نزدیک محقق تھا اور بعض کے نزدیک نہیں۔

جمہور فقہاء یہود و نصاریٰ کے تمام فرقوں کو اہل کتاب کا مصداق مانتے ہیں۔ ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور دیگر مفسرین مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں وارد "طائفتین" کا مصداق یہود و نصاریٰ کو قرار دیتے ہیں۔

"اَن تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ" (انعام:۱۵۶/ الموسوعہ الفقہیہ ۷/۱۴۰)۔

قرآن کریم نے اہل کتاب کو چار انداز سے ۳۱/ مقامات پر مخاطب کیا ہے: "اُوْتُوا الْكِتٰبَ، اُولُوا الْكِتٰبِ، اُورِثُوا الْكِتٰبَ، وَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ" اور مفسرین نے یہاں یہود و نصاریٰ مراد لیا ہے (احکام القرآن جصاص ۳/۱۱۸)۔

احادیث کے ذخیرے میں اہل کتاب کا ذکر موجود ہے، بطور مثال ابو ہریرہؓ کی روایت پیش ہے: أتریدون أن تقولوا کما قال أهل الكتابين من قبلكم سمعنا و عصينا، بل قولوا سمعنا و أطعنا غفرانك ربنا و إليك المصير" (صحیح مسلم/۱/۱۱۵)۔

احناف کے یہاں ہر وہ شخص جو کسی نبی پر ایمان رکھے اور کسی کتاب الٰہی کو مانے وہ اہل کتاب کا مصداق ہے اور اس تعریف میں یہودی و عیسائی اور زبور داؤد علیہ السلام وعلی نبینا پر ایمان رکھنے والا اور شیث و ابراہیم علیہما السلام وعلی نبینا کے صحیفوں پر ایمان رکھنے والے داخل ہیں۔

''الموسوعة الفقهية'' میں ہے:'' و توسع الحنفية: فقالوا: إن أهل الكتاب هم كل من يؤمن بنبي و يقر بكتاب و يشمل اليهود والنصارى و من آمن بزبور داؤد و صحف ابراهيم وشيث؛ لأنهم يعتقدون دينا سماويا منزلا بكتاب'' (الموسوعة الفقهية مادہ اہل الکتاب ۷/۱۴۰)۔

جمہور اور احناف کی دو تعریفوں میں سے احناف کے یہاں راجح تعریف احناف ہی کی قرار دی گئی ہے۔

مفتی محمود حسن سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: جو قوم کسی نبی کی نبوت پر ایمان رکھے اور کسی کتاب سماوی کے تسلیم کرنے کی مقر، مدعی ہو تو اس کے ذبیحہ کو استعمال کرنے کی گنجائش ہے (فتاویٰ محمودیہ ۷/۲۳۴)۔

سوال: صابئین سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صابئین کے تعارف میں رقم طراز ہیں: ''صابئین ایک فرقہ ہے جس نے ہر ایک دین میں سے اچھا سمجھ کر کچھ اختیار کر لیا ہے اور حضرت ابراہیم کو مانتے ہیں اور فرشتوں کی بھی پرستش کرتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں اور کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں'' (حاشیہ ترجمہ شیخ الہند مع فوائد علامہ شبیر عثمانی، ص ۱۲، آیت ۶۲، سورہ بقرہ)۔

صابئین کی تعریف و تعیین میں مفسرین و فقہاء کے اس قدر اقوال ہیں کہ ان کو متعین کرنا اور حکم لگانا دشوار ترین امر ہے، اس لئے جب یقین کے

---

[1] چیرمین، فتویٰ آن موبائل سروس، دیوبند۔

ساتھ ان کا تعین نہیں ہوسکتا تو یہ طے ہے کہ محض خیال اور شک کی بنیاد پر انہیں کتابی قرار دے کر ان کا ذبیحہ یا ان کی عورتوں سے مسلمان کا نکاح جائز نہیں قرار دیا جاسکتا۔

دعوتی نقطۂ نظر:

یہ تاثر بھی سامنے آیا کہ بعض داعیوں نے صابئین کا مصداق ہندو اقوام کو قرار دیا ہے اور صابئین کے سلسلے میں فقہاء کے مختلف اقوال کی روشنی میں انہوں نے یہ رائے قائم کی ہے تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اس طرح کی کاوشوں کی ستائش دعوتی نقطۂ نظر سے کی جائے گی لیکن ان تخمینی بنیادوں پر حلت وحرمت کے مسائل کی تخریج نہیں کی جاسکتی۔

صابئین مختلف اقوال کی روشنی میں:

خلیل کا خیال ہے کہ ان کا مذہب عیسائیت سے قریب تھا، یہ جنوب کو قبلہ بناتے تھے اور اپنے آپ کو نوح علیہ السلام وعلیٰ نبینا کے دین پر تصور کرتے تھے۔

مجاہد وحسن بصری کہتے ہیں کہ ان کا مذہب یہودیت اور آتش پرستی کا مرکب تھا۔

قتادہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتوں کے پرستار تھے، قبلہ رخ نماز ادا کرتے، زبور کی تلاوت کرتے تھے۔

عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ یہ کچھ لوگ تھے جو جزیرہ موصل میں قیام پذیر تھے لیکن کتاب ونبوت کے قائل نہ تھے اور نہ عملِ صالح کا تصور رکھتے تھے (ابن کثیر ۱/ ۱۰۴)۔

ابن عباس کا قول نقل کیا گیا ہے کہ "ولا تنكح نسائهم" (ابن كثير ١/ ٢٥٦).

''والصابئن طائفة من اليهود والنصارى'' (روح القرآن ۱/ ۷۷)۔

قرطبی نے مجاہد وحسن کی بات نقل کی ہے: ''انهم قوم تركب دينهم بين اليهود والمجوس ولا تؤكل ذبائحهم'' (ابن كثير ۱/ ۲۵۶)۔

امام کرخی نے فرمایا کہ ان کی حقیقت میں اختلاف نہیں ہے، ان کی دو قسم ہونے کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ ایک قسم عیسیٰ علیہ السلام وعلیٰ نبینا کو مانتی ہے، زبور کی تلاوت بھی کرتی ہے، دوسری قسم نہ نبوت کی قائل ہے اور نہ کتاب پر ایمان رکھتی ہے بلکہ سورج کی پوجا کرتی ہے، اس لئے دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔ پہلی قسم کا شمار اہل کتاب میں ہوگا اور دوسری قسم کا بت پرستوں میں ہوگا، ان کا کیا ہوا شکار اور ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ ابو یوسف ومحمد اسی کے قائل ہیں:

''لا خلاف بينهم في الحقيقة، وإنما اختلفوا، لأنهم صنفان، صنف منهم يقرون بنوة عيسى عليه السلام ويقرءون الزبور، الصابي إذا كان من هذا الصنف، منهم ينكرون النبوة والكتاب أصلا ويعبدون الشمس فهم كعبدة الأوثان لايؤكل صيدهم ولا تحل ذبيحتهم، وإنما أجاب يوسف ومحمد رحمهما الله بحرمة الصيد والذبح في حق هولاء'' (فتاویٰ قاضی خاں ۳/ ۲۶۱، ۲۶۲)۔

ہدایہ کی شرحوں اور الکافی میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے مسلک کی ترجمانی صابئین کے بارے میں اسی طرح کی گئی ہے:

''وأما الصابئات فتجوز للمسلم عند أبي حنيفة وتكره، ولا تجوز عندهما وكذلك ذبائحهم وهذا الاختلاف بناء على أنه وقع عند ابي حنيفة أنهم قوم من النصارى يقرؤن الزبور ويعظمون بعض الكواكب كتعظيمنا القبلة، وهما جعلا تعظيمهم لبعض الكواكب عبادة منهم لها فكانوا كعبدة الأوثان'' (فتاوىٰ هنديه ۱/ ۲۸۱/ و بدائع الصنائع ۴/ ۵۵۴)۔

محمد یسری ابراہیم ''فقه النوازل للأقليات المسلمة'' میں لکھتے ہیں:

''وأما الصابئون فالخلاف فی شانهم بین، وتضاربت النقول والأقوال حولهم'' (۲/۲۳۹)۔

شوافع سے یہ تفصیل نقل کی گئی ہے کہ اگر صابئین عیسائیوں کے دین کے پیرو ہیں تو ان کا حکم اہل کتاب جیسا ہوگا ورنہ نہیں۔

''وهذا هو الحق ويتفق مع رای الشافعية القائلين ان خالف السامرة۔ اليهود والصابئون فی أصل دينهم حرمن وإلا فلا، أی وإن وافقت السامرة اليهود والصائبة النصاری فی أصل دينهم حلت'' (الفقه الاسلامی وأدلته ۹/ ۶۶۵۶)۔

حنابلہ میں صابئین کو اہل کتاب میں شمار کرتے ہیں:

''والحنابلة: انهم أهل الكتاب فيجوز للمسلم الزواج بالصائبات'' (الفقه الاسلام وأدلته زحيلی ۹/ ۶۶۵۵)۔

امام ابوحنیفہ صابئہ سے نکاح مسلم مرد کا جائز سمجھتے ہیں'' فتجوز للمسلم عند أبي حنيفة وتكره'' (فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۸۱)۔

امام ابو یوسف وامام محمد صابئہ سے مسلمان مرد کا نکاح ناجائز قرار دیتے ہیں: "ولا تجوز عندهما" (فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۸۱) مکمل عبارت امام ابوحنیفہ وصاحبین کے مسالک کی اس سے پہلے نقل کی جا چکی ہے۔

سید قطب شہید نے ''فی ظلال القرآن'' میں یہ رجحان ظاہر کیا ہے کہ صابئین شریعت مصطفوی سے پہلے کچھ لوگ تھے جو ثنیت سے متنفر ہوئے اور عقیدہ حقہ کے جویا ہوئے انہیں توحید کے عقیدے کو جوہر نایاب کی طرح پالیا اور وہ اس کے قائل ہوئے کہ ہم فطرت کے تقاضے کے مطابق اللہ کی پرستش کرتے ہیں، لیکن یہ خیر ان ہی تک محدود رہا وہ دعوت کے فریضے کی ادائیگی نہ کر سکے (۱/ ۲۰۲)۔

صابی فرقہ کا وجود:

صابی فرقہ کا وجود کتاب کتابی دنیا میں اس درجہ یقین کے ساتھ پایا جاتا ہے کہ اس کے وجود پر ایمان ضروری ہے، لیکن خارجی وجود کے بارے میں دورائے ہے، پہلی یہ کہ دنیا میں وجود نہیں ہے، دوسری یہ کہ تقریباً میں ستر ہزار کی تعداد ایران، موصل، عراق، روم اور شام اور کناڈا میں پائی جاتی ہے، اس سلسلہ میں مزید تفصیلات تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملی، البتہ ''جواہر الفقہ'' میں یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

''وانقرضوا فلا عين ولا أثر'' (۶/ ۲۰۳-۲۰۴) (صابئین مٹ مٹا گئے ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا)۔

صابئین اور دیو مالائی نظام:

ہندوستان کی اکثریت ہندو ہے اور اصنام پرست ہے، مشرک اور کافر ہے، ان کی مذہبی کتابیں اور شخصیات کے متعلق معتقدات ہیں اور دیو مالائی نظام سے وابستہ ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن نے صراحت کی ہے کہ "لکل قوم هاد" اس ضابطے کے مطابق ہندو اقوام کے لئے بھی سامان ہدایت، رسول مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کیا گیا ہوگا، لیکن کسی شخصیت کی یا کسی کتاب کی یقینی طور پر تعیین نہیں کی جا سکتی کہ فلاں کتاب آسمانی ہے یا فلاں شخص نبی گذرا ہے، اس لئے کہ ضابطہ متفق علیہ کہ جن کتابوں کے نام اور جن نبیوں و رسولوں کے نام شریعت نے صراحت کے ساتھ بتایا ان پر ایمان رکھنا جزو ایمان ہے اور جس قدر انبیاء و رسل اور کتب و صحف کا نزول ہوا ان پر اجمالی ایمان لانا ضروری ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں گذری ہوئی کسی شخصیت کے متعلق جو ہندو مذہبی رہنما میں ہیں یقینی طور پر نبی کہنا درست نہیں ہے اور نہ ان کی کسی کتاب کو آسمانی کتاب کہنا درست ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں گذری ہوئی کسی شخصیت کے متعلق جو ہندو مذہبی رہنما ہیں یقینی طور پر نبی کہنا درست نہیں ہے اور نہ ان کی کسی کتاب کو آسمانی کتاب کہنا درست ہے۔

البتہ بعض داعیوں نے ویدوں میں موجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش گوئیوں سے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اس کا تعلق کسی نہ کسی آسمانی کتاب سے معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح ہند: مذہبی پیشواؤں کے ناموں کی اس انداز میں تشریح کی گئی کہ قرآن کریم میں ذکر کردہ ناموں سے مطابقت پیدا ہو رہی ہے۔ اس

سلسلے میں عندیہ واضح ہے کہ اس طرح کی تقریبی کاوشیں دعوتی نقطۂ نظر سے جاری رکھی جائیں جو قابل ستائش ہیں۔

لیکن ان تشنہ تحقیقات کی بنیاد پر ہندو اقوام کا اہل کتاب میں شمار کرنا قطعی غلط ہے۔

وضاحت:

اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ راقم سطور نے سیاسی پارٹی سے وابستہ ایک مسلمان کو کئی درجن لوگوں کے درمیان کہتے سنا کہ اکبر بادشاہ نے جو شادی جودھا بائی سے کی اس سلسلے میں "لکل قوم ھاد" سے پتہ چلتا ہے کہ ہدایت جو اس کافرہ کے پاس پہنچی اس سلسلے میں اس پر غور کرنا چاہئے۔ یہ تعبیر بہت محتاط انداز میں نقل کی گئی ہے۔ راقم نے اسی مجلس میں ان پر نکیر کی۔ اس لئے علماء کو ایسے لوگوں پر نظر رکھنی چاہئے جو "خسر الدنیا والآخرة" کے مصداق بن رہے ہیں۔

سوال: قرآن میں سورۂ مائدہ کی آیت: "اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ" (سورہ مائدہ: ۵)۔

اس آیت پر علامہ شبیر عثمانی نے ایک جامع نوٹ تحریر فرمایا ہے "اہل کتاب کے ایک مخصوص حکم کے ساتھ دوسرا مخصوص حکم بھی بیان فرمادیا، یعنی یہ کہ کتابی عورت سے نکاح کرنا شریعت میں جائز ہے، مشرکہ سے اجازت نہیں "ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن" (بقرہ، رکوع ۲۷)۔

مگر یاد رہے کی ہمارے زمانے میں نصاریٰ عموماً برائے نام نصاریٰ ہیں، ان میں بکثرت وہ ہیں جو نہ کسی کتاب آسمانی کے قائل ہیں نہ مذہب کے، نہ خدا کے، ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا، لہٰذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا۔ نیز یہ ملحوظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فی حد ذاتہ کوئی وجہ تحریم کی نہیں، لیکن اگر خارجی اثرات و حالات ایسے ہوں کہ اس حلالی سے منتفع ہونے میں بہت سے حرام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، بلکہ کفر میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو تو ایسے حلال سے انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ موجودہ زمانہ میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانا، پینا بے ضرورت اختلاط کرنا، ان کی عورتوں کے جال میں پھنسنا یہ چیزیں جو خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں، وہ مخفی نہیں، لہٰذا بدی اور بد دینی کے اسباب و ذرائع سے اجتناب ہی کرنا چاہئے (ترجمہ شیخ الہند مع فوائد مولانا شبیر عثمانی ۱۴۲، فرید بک ڈپو، دہلی)۔

قرآن کریم نے واضح اور دوٹوک انداز میں اہل کتاب کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کے جواز کی بات کہی ہے، اس لئے اصل حکم قیامت تک یہی رہے گا کہ کتابیہ سے نکاح جائز ہے۔

قرآن نے اہل کتاب کے کفر کو نقل کرتے ہوئے بھی دیگر کافروں کے مقابلے میں ان کو دو امتیازی حکم میں خاص رکھا۔ اس لئے اس دور کے یہود و نصاریٰ کے بارے میں بھی وہی حکم رہے گا جو قرآن نے بیان کیا ہے، البتہ ہر دور کے علماء نے احوال کے پیش نظر کتابیہ سے نکاح پر پابندی اسباب و ذرائع کی بنیاد پر لگانے کا مشورہ دیا ہے، جسے سد الذرائع کا نام دیا جاسکتا ہے۔ اور عام اصول یہی رہے گا کہ جو کتابی عیسائی ہو کہ یہودی جب تک خود کو عیسائی یا یہودی کہتے ہیں اور آسمانی کتاب کے قائل ہیں وہ اہل کتاب شمار ہوں گے اور ان کے ساتھ اہل کتاب کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ رہی بات آج کے دور کے عیسائیوں اور یہودیوں کے بارے میں یہ تبصرہ کرنا کہ وہ صرف نام کے اہل کتاب ہیں وہ خدا و دین اور نبی و کتاب کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ تو ابھی تک شاید کوئی سروے رپورٹ اس سلسلے میں نہیں آئی ہے، اس کے برخلاف مشاہدہ بتاتا ہے کہ جو عیسائی یا یہودی دکھائی دیتا ہے سفر میں ملتا ہے، یا جہاں ان کی آبادیاں اور کالونیاں ہیں وہاں مذہبی رسوم کی ادائیگی اور صلیب کی علامت جیسی چیزیں پائی جاتی ہیں اس لئے کوئی عام حکم لگانا اور ان سب کو اہل کتاب سے خارج کردینا واقعہ کے خلاف ہوگا۔

سوال: شریعتِ محمدی کے بعد جو باطل مذاہب ایجاد کئے گئے جیسے بہائی، بابی اور قادیانی ان میں سے بعض گروہ قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں یا محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے بعد کسی اور الہامی کتاب اور خاتم النبیین کے بعد کسی اور شخص کے نبی ہونے کے دعویدار ہیں کیا ان کا شمار بھی اہل کتاب میں ہوگا؟

جواب: ایسے باطل مذاہب کے لوگ کفریہ عقائد کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوسکتے اور فقہاء کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا شمار اہل کتاب

میں بھی نہ ہوگا، بلکہ عام کافروں کے حکم میں ہوں گے، ان کا ذبیحہ حرام، ان کی عورتوں سے مسلمان کے لئے نکاح بھی حرام ہوگا اور ایسے لوگ زندیق کے حکم میں ہوں گے۔ زندیق کی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے: ''هو الذي يظهر الإسلام و يسر بالكفر وهو المنافق و كان يسمى في عصر النبي صلى الله عليه وسلم منافقا و يسمى اليوم زنديقا'' (مجمع الفقه الحنبلي ۱/ ۱۴۴)۔

جس کی زبان پہ اللہ اللہ اور دل کفر سے بھرا ایسا شخص دورِ نبوی میں منافق اور موجودہ دور میں زندیق ہے اور زندیق کی سزا بہت سخت تجویز کی گئی ہے، اس کا وجود زمین پہ بوجھ ہے، اس لئے قتل ضروری ہے۔ یہ فقہاء نے تجویز بتائی ہے۔

قادیانی کے کفر پر عالم اسلام کے علماء کا اتفاق:

مفتی محمود حسن، صدر مفتی دار العلوم دیوبند کا ایک فتویٰ بطور مثال پیش ہے: مرزا غلام احمد قادیانی نے عقائد کفریہ اختیار کئے جس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج اور مرتد ہوگیا، جو شخص بھی اس کے کفریہ عقائد کی تصدیق کرے گا اس کا حکم یہی ہوگا۔ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے تو اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے، بیوی نکاح سے خارج ہو جاتی ہے، ایسے شخص سے سلام وکلام، بیع وشراء سب ختم کر دینا لازم ہے، اس کو مسجد میں آنے سے روک دیا جائے، اس سے وہ شخص بات کرے جو اس کے غلط عقائد کی تردید کر سکتا ہو، اگر وہ توبہ کر کے اسلام میں دوبارہ داخل ہو چکا ہے تو نکاح دوبارہ کیا جائے۔

اس فتویٰ کی تصویب مفتی نظام الدین صاحبؒ نے کی ہے (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۸۸ زکریا بک ڈپو، دیوبند)۔

بہائی کافر ہیں:

اس کافر گروہ کے عقائد! ختم نبوت کے منکر، وہ کہتے ہیں کہ خدا ہر ایک ہزار سال کے بعد مصلح پیدا کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا۔ جہاد وجزیہ ناجائز وحرام ہے، وہ وحی کے نزول کے رہتی دنیا تک کے قائل ہیں۔ قرآن سے منحرف اور بہاء اللہ کی تصنیف ''کتاب اقدس'' سے لگے ہوئے ہیں، کعبہ کی جگہ اسرائیل بہاء اللہ کی آخری قیام گاہ ہے، پردہ ناجائز ہے، سود جائز ہے۔ اس طرح کے عقیدے کے حامل کافر ہیں (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱/ ۱۸۴)۔

بہائی کافر ہیں، ان کا شمار عام کافروں میں ہوگا، اہل کتاب میں یہ شامل نہیں ہوں گے۔

''مجمع الانہر'' کی عبارت ہے:

''من لم يقر ببعض الأنبياء أو لم يرضى بسنة من سنن سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم فقد كفر'' (۱/ ۶۹)۔

اور کتب فقہ کی مشہور عبارت: ''لا خلاف في كفر المخالف في ضروريات الاسلام و ان كان من أهل القبلة المواظب طول عمره على الطاعات'' (مرقاة المفاتيح ۸/ ۸۶۱)۔

اسلام کے مبادیات واساسیات کا منکر باتفاق علماء کافر قرار پائے گا، چاہے زندگی بھر قبلہ رو ہو کر تسبیح ہلاتا رہے۔

سوال: دو طرح کے قادیانی مرتد اور اس کی نسل: جس نے قادیانیت کی ضلالت قبول کی وہ مرتد وکافر ہے، اسی طرح ایسے قادیانیوں کی وہ نسلیں جو آباء واجداد کی گمراہی پر قائم ہیں وہ بھی کافر ہیں، اہل کتاب میں شمار نہ اولین کا ہوگا نہ آخرین کا، البتہ ان کا شمار اسفلین میں ہوگا۔

سکھ کافر ہیں:

سکھوں کا شمار ہندوستانی ہندوؤں میں کرتے ہیں، گو وہ خود کو ہندو نہیں کہتے، وہ گرونانک کو رہنما اور ان کی کتاب پر عمل کرتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں نہ گرونانک کو نبی کہا جا سکتا ہے اور نہ ان کی کتاب کو آسمانی کتاب قرار دیا جا سکتا ہے، اس لئے عام کافروں کے زمرے میں انہیں رکھا جائے گا۔ لیکن بابا فرید الدین گنج شکر کے ملفوظات ان کے یہاں رائج ہیں، اس لئے دعوتی کاز کے لئے انہیں ذریعہ تقریب بنانا چاہئے۔

۶- الف: فقہ اکیڈمی انڈیا کی فکر مندی اور عالم اسلام کے حکمرانوں کے تئیں غیرت مندانہ جذبہ کا اظہار چھٹے سوال سے ہوتا ہے، البتہ یہ سوال ضرور اٹھتا ہے کہ ایفا متفقہ طور پر اس سلسلے میں تجویز لائے اور اس کی اشاعت بھی کرے تو اس کے اثرات عالم اسلام پر کیا مرتب ہوں گے، اس لئے

کہ یہ موضوع فقہی کی بجائے دعوتی مساعی سے تعلق رکھتا ہے۔

عالم اسلام کے علماء، فقہاء، دین دار عوام سب جانتے ہیں کہ ان کے مسلم حکمرانوں سے انہیں کیا نقصانات پہنچ رہے ہیں لیکن وہاں کلمہ حق کہنے کی بھی بالعموم اجازت نہیں ہے۔

یقیناً جو صورت حال سوال میں بیان کی گئی ہے وہ باعث تشویش ہے، ہمیں ختم خواجگان کا اہتمام کرکے دعاخوانی کرنی چاہئے یا عزیمت پر عمل کرکے علماء کا ایک وفد تشکیل دیا جائے جو عالم اسلام کا دورہ کرے اور اصلاحات کا بیڑا اٹھائے یا کم از کم عالم عرب میں کثیر الاشاعت اخبارات میں علماء دعوتی و اصلاحی کالم لکھنا شروع کریں، لب ولہجہ داعیانہ، مصلحانہ، خیر خواہانہ اور جرأت مندانہ ہو۔ جہاں تک فقہی حکم کی بات ہے وہ عیاں راچہ بیاں اور تذکیر کے طور پر بار بار اعادہ بے مفید ہے۔

یہ تو اصولی طور پر طے ہے کہ کتابیہ سے نکاح جائز ہے۔ البتہ فقہ حنفی میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ دار الحرب میں جہاں عورت احکام واسلام کی پابند نہ ہو وہاں اس اندیشہ سے کہ شاید مرد معصیت میں مبتلا ہو جائے نکاح جائز نہ ہوگا، اگر نکاح کرلے تو مکروہ تحریمی ہوگا اور دار الاسلام کی کتابیہ میں بھی اندیشے ہوں تو نکاح مکروہ تنزیہی ہوگا۔ یہ رائے جہاں احناف کی ہے وہیں مالکیہ اور شوافع کی بھی ہے، البتہ حنابلہ کے یہاں جواز ہے (الفقہ علی المذاھب الاربعہ ۲/۷۷)۔

اس سلسلے میں واضح حکم یہ ہے کہ یہ مسئلہ فقہاء کی اصطلاح میں معلل بالفتنہ ہے، اگر کتابیہ سے نکاح نفع بخش ہے تو خوب، ورنہ دور رہنا چاہئے۔ اور واقعات ومشاہدات کی روشنی میں کتابیات کی طرف اس دور میں میلان ایسے ہی مسلمانوں کا ہوتا ہے جن کی دینی حالت بہتر نہیں ہوتی ہے، اس لئے کتابیہ کی رفاقت ان کی حالت بدکو دوآتشہ کردیتی ہے، بلکہ پورا کنبہ تباہی کے دہانے پر کھڑا ہو جاتا ہے، اس لئے ''ایفا'' مسلم ممالک کے ارباب حل وعقد کے سامنے تجویز رکھے کہ وہ اپنے ملک کے مردوں کو پابند کریں کہ کتابیہ سے نکاح نہ کریں اور اسے قانونی شکل دی جائے۔ کتابیہ کی بات تو بہت دور کی ہے، رسول ہدایت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتخاب کے سلسلے میں فاظفر بذات الدین فرمایا جس میں یہ ہدایت ہے کہ دین دار لڑکی کی نکاح کے لئے منتخب کی جائے جس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر دین دار لڑکے کو ایسی لڑکی مل رہی ہو جس کی دین داری مشتبہ ہے اور اس سے دین دار لڑکے کی دین داری متاثر ہوگی تو فقہ کی روح کا تقاضہ ہوگا کہ اس سے شادی نہ کرنے کا مشورہ دیا جائے۔

۶- ب: ''انما لکل امرئ ما نوی'' (بخاری و مسلم)۔

اگر کوئی عالم وفقیہ داعی ونبیہ یا دین دار تاجر و پیشہ ور کو غلبہ ظن حاصل ہے کہ وہ کتابیہ سے نکاح کے ذریعہ خود کتابیہ اور اس کے گھر، خاندان اور علاقے میں تبدیلی لاسکتا ہے، ان کے گھروں میں ہدایت کے چراغ روشن کرسکتا ہے تو بسم اللہ، مبارک ہو اسے یہ جذبہ فراواں، لیکن اگر گھر ہی کے چراغ بجھنے کا اندیشہ ہو تو توبہ واستغفار!

دور اول ہی میں کتابیات سے نکاح کی مضرات کا احساس خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہو گیا تھا، اسی لئے زمانہ خلافت میں حضرت حذیفہؓ کو ان کی یہودی بیوی کو طلاق دینے کا حکم فرمایا تھا، اسی لئے فقہاء کی رائے ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اہل کتاب سے نکاح کو مکروہ سمجھتے تھے (المغنی ۶/۵۶)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں:

''إن عمر رضی اللہ عنہ منع حذیفة من الزواج بالکتابیة لما فیه من الضرر'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۹/ ۶۶۵۴)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں: ''یکرہ تزوج نساء أهل الحرب من الکتابیات الفقه الاسلامی وأدلته'' (۷/ ۱۵۹)۔

''الفقه علی المذاهب الأربعة'' میں طویل عبارت درج ہے جس میں ائمہ کے مسالک کی ترجمانی کی گئی ہے۔ احناف کی رائے ہے کہ حربی کتابیہ جو مسلم ملک کے قوانین کی پابند نہ ہو اس سے مسلم کی شادی حرام ہو کیوں کہ اس سے فتنے کے دروازے کھلیں گے۔

مالکیہ کی دو رائے ہے، ایک تو یہ کہ ہر طرح کی کتابیہ سے نکاح مکروہ ہے، خواہ حربیہ ہو کہ ذمیہ، البتہ حربیہ سے نکاح میں کراہت زیادہ ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ آیت کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے کراہت بھی نہیں ہے، اس لئے آیت سے مطلق اباحت ثابت ہوئی ہے۔

شوافع کہتے ہیں کہ کتابیہ دارالاسلام میں ہو تو نکاح مکروہ ہے اور دارالحرب میں ہو تو کراہت، کریلا نیم چڑھا کے مانند ہو جاتی ہے جیسا کہ یہی ایک رائے مالکیہ کی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں: ''یحل نکاح الکتابیة بلا کراهة لعموم قوله تعالی والمحصنات من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم۔

الحنفیة قالوا: یحرم تزوج الکتابیة إذا کانت فی دار الحرب غیر خاضعة لأحکام المسلمین، لأن ذلك فتح لباب الفتنة، والمالکیة لهم رایان فی ذلك أحدهما: أن نکاح الکتابیة مکروه مطلقا سواء کانت ذمیة أو حربیة، ولکن الکراهة فی دار الحرب أشد ثانیهما أنه لایکره مطلقا عملا بظهار الآیة، لأنها قد أباحته مطلقا۔

والشافعیة قالوا: '' یکره التزوج ان کانت فی داز الإسلام و تشتد کراهة إذا کانت فی دار الحرب کما هو رای بعض المالکیة۔

والحنابلة قالوا: یحل نکاح الکتابیة بلا کراهة لعموم قوله تعالیٰ والمحصنات من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم'' (۴/۴۵)۔

۷- قرآن وحدیث نے جن انبیاء کا نام اور جن کتابوں کا تذکرہ کیا ہے ان کے علاوہ کسی شخصیت کو نبی یا کسی کتاب کو آسمانی کتاب قرار دینا منافی ایمان ہے۔ البتہ مختلف باطل مذاہب کی کتابوں میں جو باتیں مطابق فطرت وشریعت مذکور ہیں تو وہ فطرت کی اور وحی الٰہی سے ماخوذ ومستفاد ہے، اس یہ کہا جائے کہ یہ حقیقی وفطری تعلیم سے لی گئی ہیں، نہ یہ کہ ان کتابوں میں ہونے کی وجہ سے درست ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی پیشین گوئیاں جو ہندو مذہبی کتابوں سے نقل کی جاتی ہیں اس کی حقیقت بھی یہی ہے، البتہ دعوتی حیثیت سے ویدوں اور ہندو مذہبی کتابوں میں موجود کچھ حقائق کی ایسی تشریحات جن سے ہندو دعوت اسلامی سے قریب ہوں دعوتی نقطہ نظر سے مفید ہے۔ لیکن یقینی طور سے کوئی بات متعین کرنا یقینی طور پر غلط ہے اور ان کو اہل کتاب ثابت کرنا تو گمراہی وضلالت اور زندیقیت ہے، جس کی وضاحت اس پہلے جواب میں کی جا چکی ہے۔

المسامرہ کی یہ عبارت بہت واضح ہیں: '' و أما المبعوثون فالإیمان لهم واجب ومن ثبت شرعا تعینه منهم وجب الإیمان بعینه ومن لم یثبت تعینه کفی الإیمان به إجمالا '' (المسامرة شرح المسایرة۲۲۵)۔

دوسری عبارت ہے: ''وأما الأنبیاء والمرسلون فعلینا الإیمان بمن سمی الله تعالی فی کتابه من رسله والإیمان بالله تعالی أرسل رسلا سواهم و انبیاء لایعلم أسماء هم و عددهم الا الله تعالی الذی أرسلهم فعلینا الإیمان بهم جملة، لأنه لم یأت فی عددهم نص وقد قال الله تعالی '' و رسلا قد قصصنهم علیك من قبل و رسلا لم نقصصهم علیك'' (شرح عقیدة الطحاویة ۲۲۷)۔

۸-(الف) عیسائی مشنریز کے ماحول میں تعلیم:

اسلام کا مکمل تعلیمی نظام کا خاکہ موجود ہے جو عملی دنیا میں منتشر ومفقود ہے، اس کے احیاء وترویج کی ضرورت ہے، مدارس اسلامیہ دینی تعلیم کے اجزاء کی اشاعت میں لگے ہوئے ہیں جن کے مفید ودیرپا نتائج مرتب ہو رہے ہیں۔

علماء مدارس میں ملت اسلامیہ ہند کے نونہالوں کی دینی وتعلیمی جال بچھایا گیا اور ان میں مختلف دینی، عصری ضروریات کی تکمیل کرنے والا نصاب رائج ہے جیسے یوپی میں عدیل عباسی اور ان کے رفقاء کی کاوشوں سے دینی تعلیمی کونسل کا قیام اور اس کا نصاب اسی طرح جمعیۃ علماء ہند اور جماعت اسلامی ہند کے تیار کردہ نصاب اور حیدرآباد ودیگر صوبوں کے رائج نصاب جن اسکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں ان سے نئی نسل کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

اصولی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''کل مولود یولد علی الفطرة و أبواه یهودانه أو ینصرانه أو یمجسانه'' (مشکوۃ

المصابیح)، میں اس اس بات کا اشارہ ہے کہ بچوں کو غیر دینی ماحول سے بچایا جائے، اس اعتبار سے ملک میں چلنے والے عیسائی مشنریز کے تحت چلنے والے انگلش میڈیم اسکولوں یا خود مسلمانوں کی زیر نگرانی چلنے والے انگلش میڈیم اسکولوں یا ہندو مندروں کے تحت چلنے والے اسکولوں یا سرکاری، نرسری اسکول کا تجزیہ کیا جائے تو ان کا ماحول غیر دینی ہوتا ہے۔

اب تین چار سال کے ننھے بچے کو ان اسکولوں میں پڑھانا نصرانہ کے مرادف ہے، اس لئے حوصلہ افزائی نہیں بالکل روکنا ضروری ہے۔ اور ملت اسلامیہ ہند کی ذمہ داری ہے کہ وہ تعلیم کے باب میں خود کفیل ہونے کے اقدامات کرے اور یہ خوش آئند بات ہے کہ اب بہت سے علماء معیاری اسکول قائم کررہے ہیں، ملت کو ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔

اس سلسلے کی ضروری بات یہ ہے کہ فرض عین کی تعلیم کا بندوبست والدین کی ذمہ داری ہے، اگر مکتب کی معیاری تعلیم دینی ماحول میں ہوجائے اور عقیدہ وایمان کے تحفظ کا سامان ہوجائے تو اس کے آگے کی تعلیم کے لئے اداروں کا رخ کیا جاسکتا ہے۔

اگر عیسائی طرز کے اسکول کے علاوہ کوئی اسکول نہ ہو تو گھریلو تربیت کا مکمل انتظام کیا جائے اور دینی تعلیم فرض عین کی حد تک ٹیوشن کے ذریعہ دلائی جائے اور اسکول میں انجام پانے والی دین مضر کارروائی سے بچوں کو برابر آگاہ کیا جائے۔

ب- کتابیہ کے حقوق:

کتابیہ کا بیوی کی حیثیت سے وہی حق ہے جو مسلمہ بیوی کا ہے، البتہ کتابیہ مسلم شوہر کی وارث نہ ہوگی۔ عام حالات میں طلاق بھی بغیر معقول وجہ کے نہ دے، ہاں اگر شادی کے بعد شوہر کو یہ اندازہ ہو کہ وہ اس کے دینی امور میں مخل اور مفید ثابت ہورہی ہے تو اسے طلاق تحفظ کی خاطر دینے کا حق ہوگا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''الکتابیة کالمسلمة فی النفقة والقسم والطلاق و عامة حقوق النکاح، لکن لاتوارث بینها و بین المسلم'' (روضة الطالبین ۵/ ۴۷۳)۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے کہ: ''المسلم إذا تزوج میة فله أن یمنعها عن الخروج إلی الکنائس والبیع وبیت النار، ولیس علیه اجبارها علی الغسل من دم الحیض والناس والجنابة'' (۴/ ۴۷)۔

اس کا تقاضہ یہ ہے کہ کتابیہ مسلم شوہر کے گھر میں رہ کر ایسی عبادتیں انجام دے سکتی ہے جس سے گھر کے ماحول میں تبدیلی نہ ہو، اسی لئے گھر سے باہر جاکر گرجا گھر وغیرہ میں عبادت کرنے سے شوہر روکے گا۔ اور مذہبی آزادی کا تقاضا یہ ہے کہ کتابیہ اپنے طور پر عبادتی رسوم ادا کرلے، اس کی اجازت شوہر کی طرف سے ہوگی۔

اسی طرح شوہر کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنے اسلامی اخلاق سے کتابیہ کو متاثر کرے اور اسلام کی ترغیب دیتا رہے، دعوتی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتا رہے۔

ج- عیسائی مشنریز کے اداروں میں معاوضہ لے کر کام کرنا مباح ہے، اگر دین میں فساد آنے کا خطرہ ہو تو فتنہ سے بچنے کی کوشش کرے۔ عیسائی کے ہسپتال سے علاج معالجہ کرانا بھی درست ہے، بوقت ضرورت قرض بھی لیا جاسکتا ہے، لیکن علاج یا قرض کے ذریعہ لبھانا مقصد ہو اور کوئی فتنہ کا شکار ہوسکتا ہو تو ایمان و دین کا بچانا ضروری ہے، اضطراری احوال جداگانہ ہیں۔ ''المشقة تجلب التیسیر، الضرورات تبیح المحظورات'' جیسے ضابطے دلیل کے طور پر فقہاء پیش کرتے ہیں۔

البتہ یہ منصب مسلمانوں کا تھا کہ خدمت خلق کے ادارے کھولیں اس لئے اس جانب توجہ ہونی چاہئے۔



اہل کتاب سے متعلق احکام ومسائل

مفتی سعید الرحمن فاروقی قاسمی[1]

۱- قرآن کریم:۔ جس سے زیادہ مستند، معتبر اور محفوظ کوئی کتاب روئے زمین پر موجود نہیں ہے اس کتاب میں جن دیگر آسمانی کتابوں کا نام آگیا ہے وہ بھی قرآن کی بدولت آسمانی کتابیں ہیں، اگر چہ ان کا وجود نہیں بلکہ معدوم ومنسوخ ہیں نا قابل عمل واتباع ہیں جیسا خود قرآن میں ہے:"ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا...الخ" لیکن اس استغناء کی وجہ سے اس کے ماننے والوں کو اہل کتاب نہیں کہا جائے گا۔

پس اہل کتاب اسلامی قانون کے مطابق وہ لوگ ہیں جو کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے مانتے بھی ہیں، جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے چاہے وہ کتاب معدوم ونا پید ہو چکی ہو اور کتابوں مثلاً صحف شیثؑ وابراہیمؑ وزبور کا نہ تو وجود ہے نہ اس کے ماننے والوں کا اور نہ ہی ان لوگوں کی کوئی خبر ہے لیکن توریت وانجیل کے ماننے والے موجود ہیں جن ذکر خود قرآن میں ہے:"أن تقولوانما انزل الكتاب علی طائفتین ...الخ"، جن کی تائید فقہ درج ذیل تصریحات سے بھی ہوتی ہے۔

"ذهب جمهور الفقهاء إلى أن (أهل الكتاب)هم اليهود والنصارى بفرقهم المختلفه" (ابن عابدین ج/ ۲ص/ ۲۶۸، فتح القدیر ج۳/ ۳۷۲، تفسیر قرطبی ج۲۰۲/ ۱۴۰) "وتوسع الحنفيه فقالوا إن أهل الكتاب هم كل من يؤمن بنبي ويقر الكتاب ويشمل يهود والنصارى ومن امن بزبور داؤد وصحف إبراهيم وشيث وذلك بأنهم يعتقدون دينًاسماويًامنزلًا بكتاب، والستدل الجمهور بقوله تعالى أن تقولوا إنما أنزل الكتاب على طائفتين ...الخ" (سورة الانعام ۱۵۶) (الموسوعة الفقهيه، اهل الكتاب-۱-۲-ج۷، ص۱۴۰)۔

۲- صابئین؟

صاحب "معارف القرآن" لکھتے ہیں کہ صائبین ایک فرقہ تھا جس کے معتقدات اور طرز عمل کے بارے میں چونکہ کسی کو پورا پتہ نہ چلا اس لئے اقوال مختلف ہے۔ لفظی طور پر صابئین، صابی یا صاب کی جمع ہے صابی کا لفظی ترجمہ یہ ہے 'اپنا دین چھوڑ کر دوسرے کا دین قبول کر لینا'، لیکن بعض کی تحقیق کے مطابق صابی عرب کا ایک فرقہ تھا جو سیدنا ابراہیمؑ کو مانتا تھا یا نوحؑ کے دین پر تھا فرشتوں کی پرستش کیا کرتا تھا عبادت کے وقت اپنا رخ کعبہ کی طرف کرتا تھا (جامع قرطبی ج ۱/ ۳۹۵) پر تفصیلی بحث موجود ہے:

"الرابعة قوله تعالى (الصابئين)جمع صابي وقيل صاب ولذلك اختلفوافي همزة، وهمزة الجمهور إلا نافعًا فمن بمزة جعله من صبأت النجوم اذاطلعت وصبأت ثنية الغلام إذاخرجت ومن لم يهمز جعله من صبا يصبوإذامال، فالصابي في اللغة، من خرج ومال من دين إلى دين ولهذاكانت العرب تقولولمن اسلم قد صبا فالصابئون قد خرجو امن دين اهل الكتاب" (الجامع الاحکام للقرطبی ۷/ ۲۹۵)۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صابئین اہل کتاب میں سے نہیں ہے مگر امام اعظم ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ اہل کتاب میں سے ہیں، اس لئے نکاح وذبیحہ کے حلت کا قول ان کے طرف منسوب ہے:

---

[1] مفتی دار الافتاء دار العلوم امدادیہ ممبئی۔

''قال أبوحنيفة والحنابلة إنهم أهل الكتاب فيجوز للمسلم الزواج للصابيات، لأن صابئة قوم يؤمنون بكتاب فانهم يقرون الزبور ولا يعبدون الكواكب لكن يعظمونها كتعظيم مسلم الكعبة فى الاستقبال اليها لكنهم يخالفون غير هم من أهل الكتاب فى بعض دياناتهم وذالا يمنع الزواج كاليهود مع النصارىٰ'' (الفقه الاسلامي وادلته ۷/۱۵۶)۔

مگر حضرت قتادہؒ حضرت حسن بصریؒ حضرت مجاہدؒ وغیرہم کے اقوال وآراء ان حقیقت (تحقیق) کرنے کے بجائے حکیم الامتؒ کی رائے گرامی درست معلوم ہوتی ہے کہ ان حقیقت غیر واضح ہے (واللہ تعالیٰ اعلم) اوراب کتابوں کی دنیا میں ان کا ذکر ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے لیکن واقع وہ روئے زمیں کب موجود تھے اوراب ان کی نسل ہے یا نہیں ان کی تحقیق نہیں ہوسکتی۔

۳- موجودہ دور کے اہل کتاب:

موجودہ دور کے مغربی ملک کے رہنے والے یہودی وعیسائی جو قولی یہودی وعیسائی ہیں مذہب سے ان دوری کوئی تعلق نہیں ہے وہ دین، مذہب، رسول، پیغمبر حتیٰ کہ وجود باری تعالیٰ کے بھی قائل نہیں ہیں نہ وہ اہل کتاب میں شامل ہیں نہ ان کے احکام اہل کتاب کے احکام ہیں سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں ''قرآن کریم کے بعد کسی سماوی کتابوں کے دعوے داروں اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے قائلین کا شمار اہل کتاب نہیں کیا جاسکتا ہے اولاً تو اس لئے کہ اہل کتاب کے لئے قرآن کریم کی نصوص شرعیہ کی اصطلاح ہیں، اس لئے اس کی مراد متعین ومعروف ہیں۔

''موسوعہ فقہیہ'' میں اہل کفر کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں ''من لا کتابه لهم'' (جن کے پاس کوئی کتاب نہیں)، ''من لهم کتاب'' (جن کے پاس کوئی مذہبی کتاب ہے) اور ''عبدة الاوثان'' (بتوں کے پجاری)، یہ ''من لهم کتاب منزل وان کان محرفاً'' میں شامل نہیں ہیں اس لئے یہ مرتد اور خارج اسلام یا بنیادی اصول اسلام کے انکاری ہونے کی وجہ سے کافر ہیں، ''فتاویٰ محمودیہ'' میں ہے:

جو فرقے کتابی ہیں کسی نبی رسول پر ایمان رکھتے ہیں، کسی آسمانی کتاب کے مقر اور معتقد ہیں ایسے فرقوں کی عورتوں سے نکاح کرنا صحیح ہے، مگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ پھر بعض علماء کے نزدیک یہ مکروہ تنزیہی ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ کتابیہ ذمیہ سے تو مکروہ تنزیہی ہے اور حربیہ سے مکروہ تحریمی ہے۔ ذمیہ وہ ہے جو اسلامی حکومت میں بادشاہ کی رعیت بن کر رہے اور حربیہ وہ جو ایسی نہ ہو۔ اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ کتابیہ اس وقت نکاح جائز ہے، جبکہ وہ حضرت عیسیٰؑ یا حضرت عزیرؑ کے متعلق یہ اعتقاد نہ رکھتی ہو کہ وہ معبود ہیں یعنی اس کا عقیدہ مشرکانہ ہو ورنہ جائز نہیں اور ایک جماعت نے اسی پر فتویٰ دیا ہے (فتاویٰ محمودیہ ج ۲ / ۴۷، مکتبہ محمودیہ میرٹھ)۔

۵- قادیانیوں کی کوئی قسم اہل کتاب میں نہیں ہے خواہ نسلی ہو یا مرتد۔ کیونکہ اصول اسلام کے منکر ہیں اور اس انکار کے بغیر وہ قادیانی نہیں بن سکتے ہیں، پھر یہ قرآن کریم کی اصطلاح کے مطابق اہل کتاب نہیں ہے، ''فتاوی رحیمیہ'' میں لکھا ہے کہ:

قادیانیوں کی ا: دنسلی مرزائی قادیانی غلام احمد قادیانی کو نبی یا کم ازکم مسلمان مانتی ہو تو وہ بھی کافر ہیں ان کا ذبیحہ حرام اور مردار ہونا چاہیے ان کو اہل کتاب کے حکم میں قر، ردینا سمجھ میں نہیں آتا، علامہ شامیؒ غالی روافض کو کافر مانتے، ہیں اور ان کو اہل کتاب نہیں سمجھتے تو قادیانی کا شمار اہل کتاب میں کیسے ہوسکتا ہے۔ حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی اس موضوع پر کافی بصیرت رکھتے ہیں اور رد قادیانیت پر کئی رسائل تصنیف فرمائے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ:

- ☆ جو شخص قادیانیت کی طرف مرتد ہوا وہ مرتد بھی ہے اور زندیق بھی۔
- ☆ اس کی صلبی اولاد بھی اپنے والدین کے تابع ہونے کی وجہ حکماً مرتد ہے اور زندیق بھی۔
- ☆ اس کی اولاد کی اولاد مرتد نہیں بلکہ خالص زندیق ہے۔

☆ مرتد اور زندیق دونوں واجب القتل ہیں دونوں سے مناکحت باطل اور دونوں کا ذبیحہ حرام اور مردار ہے، اس لئے کسی قادیانی کا ذبیحہ کسی حال میں حلال نہیں (فتاویٰ رحیمیہ ج ۷ /ص ۶۸ / ۶۹، مکتبہ رحیمیہ راندیر سورت (گجرات)۔

۶- اہل کتاب عورت سے نکاح:

اہل کتاب خواتین سے مسلمانوں کا دارالاسلام میں نکاح جائز نہیں تو دار الکفر میں بدرجہ اولیٰ درست نہیں، کیونکہ اہل کتاب خواتین اسلام سے مانوس ہونے اور سچائی قبول کرنے کے بجائے مسلمان مردوں کو اسلام سے دور اور باطل راستوں پر ڈال دیتی ہے، اور اسلام سے دوری کا راستہ اور سبب بہت بڑا فتنہ ہے اور فتنہ سے اجتناب اور احتیاط اور اس کا سد باب ضروری ہے۔

اکابر صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر علماء دیوبند نے اسی موقف کو ترجیح دی ہیں، فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ ''آج کل کے عیسائی مذہب کے منکر ہیں کسی کتاب اور دین کے قائل نہیں نہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہے، لہٰذا ان کا حکم اہل کتاب کا نہیں (فتاویٰ محمودیہ ج ۲ /ص ۴۷)۔

۷- قرآن کریم کے علاوہ کسی کتاب کو محفوظ الہامی کتاب ماننا ممکن نہیں:

برادران وطن کی کتابوں کو آسمانی کتاب نہ ہی ان کے رہنماؤں کو نبی اور رسول قرار دیا جاسکتا ہے دونوں باتوں کو ماننے کے لئے دلیل قطعی لازم ہے اور وہ معدوم ہے، اس لئے ان کتابوں اور رہنماؤں کے بارے میں یقین اور اعتقاد کی کوئی بنیاد نہیں ہے، دعوتی نقطہ نظر سے بدرجہ ظن تقرب اذہان کے لئے کوئی بات ظاہر کی جائے تو کوئی حرج بھی نہیں بلکہ "أدع إلى سبيل ربك بالحكمة ... الخ" کا حصہ ہے۔

مشنریز کے اداروں سے استفادہ:

(الف) عروس البلاد شہر کے غیور مسلمانوں عیسائی مشنریز اور اس قسم کے دیگر مخرب اخلاق وعقائد اداروں کے مضر اثرات ونتائج کو دیکھتے ہوئے متبادل عصری، دینی، تربیتی تعلیم گاہوں کا نظم ابتدائی درجے میں کیا جو بہت مفید اور کارآمد ہے۔ اور امت مسلمہ کے نقش قدم کا دے سکتے ہیں جس میں قابل ذکر صفا اسلامک اسکول، ملت اسکول وغیرہ ہیں۔

(ب) اہل کتاب اور اہل اسلام دونوں کے حقوق ہر معاملہ میں یکساں نہیں ہیں تاہم کچھ معاملات میں یکساں ہیں ان ہی میں سے بلاوجہ شرعی ''طلاق دیدینا اور چھوڑ دینا بھی ہے خاص طور پر اگر مقصد نکاح تکمیل شہوت ہو اور طلاق دے جائے تو متعہ کی مشابہت ہے یہ صورت اور زیادہ قبیح اور ممنوع ہونی چاہیے۔

وہ مذہبی مراسم جس میں عقیدہ کا فساد نہ ہو اور گھر کے ماحول میں بگاڑ نہ پیدا ہوتا ہو تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے تو وہ خلوت خانہ میں ادا کر لیا کریں بصورت دیگر فتنے کا سد باب ضروری ہے۔

(ج) عموماً ان اداروں سے استفادہ کرنے اور کام کرنے میں دین وایمان کو خطرہ لاحق ہوتا ہے اور ان اداروں کا مقصد بھی یہی ہے اس لئے ہر شخص کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، البتہ وہ جو اہل علم اور اہل دیانت سے مربوط ہیں اور ان کی نگرانی میں زندگی گزارنے پر یقین رکھتے ہیں ان کو اپنے ان اہل علم وفضل کی اجازت ومشورے سے مالی استفادہ کرنے اور کام کرنے بوقت مجبوری وضرورت اجازت ہونی چاہیے۔



قرآن مجید میں اہل کتاب کا تذکرہ اور ان سے متعلق احکام

مفتی اشرف عباس قاسمی[1]

قرآن مقدس نے جہاں ایک مکمل دستور اور نظام کا تصور پیش کیا ہے وہیں اس نے امم ماضیہ کے احوال اور شرائع سابقہ کی بھی بعض تفصیلات کو ذکر کیا ہے تاکہ آنے والی انسانیت کے لیے سامان عبرت ثابت ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

"لقد کان فی قصصھم عبرۃ لأولی الالباب" (یوسف:۱۱۱) (ان (انبیاء وامم سابقین) کے قصہ میں سمجھ دار لوگوں کے لیے (بڑی) عبرت ہے)۔

قرآن میں چار گروہوں کا تذکرہ:

یوں تو قرآن مقدس نے مختلف اقوام کا تذکرہ کیا ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ چار مذاہب ایسے ہیں جن کے احوال و معتقدات کو ذکر کرنے کے ساتھ ان پر زبردست چوٹ کی گئی ہے اور انہیں واضح دلائل و براہین قائم کر کے ہوش کے ناخن لینے کی دعوت دی گئی ہے، مسند الھند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ان گروہوں کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

''قد وقعت المخاصمة فی القرآن العظیم مع الفرق الاربع الضالة: المشرکین والیھود والنصاری والمنافقین، وھذہ المخاصمة علی طریقین الأول ان یذکر سبحانه و تعالی العقیدہ الباطله مع التنصیص علی شناعتھا و یذکر استنکارھا فحسب. والثانی ان یبین شبھاتھم الواھیه و یذکر حلّھا بالأدله البرھانیة او الخطابیة'' (الفوز الکبیر ص ۱۹/ دیوبند)۔

''قرآن کریم میں چار فرق ضالہ کے ساتھ مخاصمت ہوئی ہے، مشرکین، یہود، نصاری، اور منافقین، اور یہ مخاصمت دو طریقوں پر ہے ایک تو یہ کہ اللہ تعالی عقیدہ باطلہ کا تذکرہ اس کی قباحت کی وضاحت کے ساتھ کرتے ہیں اور فقط اس پر نکیر کردیتے ہیں دوسرے یہ کہ ان کے شبہات واہیہ کو واضح کر کے ادلہ برہانیہ یا خطابیہ کے ذریعہ اس کا جواب دیتے ہیں''

ان چاروں گروہوں میں سے یہود و نصاری کو سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی اعتبار سے خاص امتیاز حاصل تھا، یہ شرائع سابقہ سے وابستگی، علم و دانش، اور دولت و اقتدار کی وجہ سے اقوام عالم پر فوقیت رکھتے تھے اس لیے قرآن مقدس نے بھی ان کی حیثیت عرفی کا خیال رکھا اور دیگر اقوام و ملل کے برعکس انہیں 'اہل کتاب' سے موسوم کیا۔

اہل کتاب کے تذکرے:

قرآن مقدس نے خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب کا تذکرہ کیا ہے مختلف پیرائے سے اہل کتاب کو مخاطب بنانے کے علاوہ جابجا بنی اسرائیل پر انعامات الہیہ کا ذکر کیا ہے، قرآن مقدس میں اہل کتاب کے خصوصی تذکرے کی بہ ظاہر تین وجوہ ہیں:۔

۱- یہود و نصاری بھی امت دعوت میں شامل اور کتاب ہدایت کے آفاقی اور عالمگیر پیغام کے مخاطب ہیں: "یأیھا الناس إنی رسول اللہ إلیکم جمیعًا" (اعراف:۱۵۸)، اس سے واضح ہے محسن انسانیت، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام طبقات انسانی کے لیے ہے ورنہ انبیاء سابقین مخصوص خطے اور مخصوص قوم کے لیے مبعوث ہوتے تھے، یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آپ سے پہلے کسی نبی نے عالم گیریت کا دعوی نہیں کیا یہ دعوی صرف اور صرف پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے؛ اس لیے یہاں کسی انتخاب اور مباحثے کی چنداں ضرورت نہیں، اس کی ضرورت تو وہاں پیش

---

[1] استاذ دارالعلوم دیوبند۔

آتی جہاں ایک سے زائد عویدار ہوتے لہذا عالم گیریت کا سہرا صرف خاتم النبین کے سر ہے، دیگر مذاہب کے متبعین جو اپنے مذہب کو سارے عالم کے لیے نجات دہندہ بنا کر پیش کرتے ہیں وہ خود اپنے مقتدا اور صاحب مذہب پیغمبر کی مخالفت کر رہے ہیں۔

۲- یہود نصاری اس وقت کی دیگر اقوام وملل کے مقابلے میں کسی نہ کسی درجے میں زیادہ علم رکھتے تھے، تورات کا ذخیرہ ان کے پاس تھا، انجیل کی تلاوت وہ کیا کرتے تھے، ان کے پاس اپنا ایک آئین تھا، شرعی نظام تھا، ان میں لکھنے پڑھنے والوں کی بھی خاصی تعداد تھی ان کے پاس معابد کے علاوہ مدارس بھی تھے

۳- ان کا دعوی تھا کہ وہ انبیاء سابقین کی شرائع مانتے اور صحیح معنوں میں ان انبیاء کرام کے پیروکار ہیں وہ اولاد انبیاء سے ہیں اور انبیاء کی وراثت نسلاً بعد نسل ان میں منتقل ہوتی رہی ہے، قرآن مقدس نے بھی ایک ایسی شریعت پیش کی تھی جو انہی انبیاء کے شرائع کا تسلسل تھی اس لیے خصوصیت کے ساتھ جا بجا اہل کتاب کو متوجہ کیا۔

قرآن مقدس کا انداز تخاطب:

قرآن مقدس کتاب ہدایت ہے، توحید کا وہ پیغام جسے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنے اپنے زمانے میں اپنی قوموں کے سامنے پیش کرتے رہے، قرآن مقدس اس کا سب سے بڑا داعی اور نقیب ہے، مرور زمانہ کے ساتھ اہل کتاب کے عقیدہ توحید میں دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ اور یہود عزیر علیہ السلام کو اور نصاری نے عیسی مسیح کو ابن اللہ قرار دے رکھا تھا، "إن الله ثالث ثلاثة" کا عقیدہ گڑھ رکھا تھا، اس پر طرہ یہ کہ ان سب کے باوجود بھی وہ اپنے آپ کو اہل توحید ہی شمار کرتے تھے، قرآن مقدس نے بہت بلیغ انداز میں ان کے سامنے توحید کا صحیح تصور پیش کیا۔ "قل هو الله احد، الله الصمد، لم يلد ولم يولد، ولم يكن له كفوا احد"۔ اور واضح طور پر انہیں صحیح عقیدہ توحید کی طرف عود کرنے کی دعوت دی۔

"قل يأهل الكتاب تعالو الى كلمة سواءٍ بيننا وبينكم أن لانعبد الا الله ولانشرك به شيئًا ولا يتخذ بعضنا بعضا أربابا من دون الله فان تولو فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون" (آل عمران: ۶۴)

(آپ فرما دیجئے کہ اہل کتاب آ و ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ بجز اللہ تعالی کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے خدا تعالی کو چھوڑ کر، پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ تم اس کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں)۔

یہود نصاری میں جو اخلاقی اور معاشرتی برائیاں در آئی تھیں جس کی وجہ سے انہیں نہ صرف سیادت وقیادت سے محروم ہونا پڑا بلکہ ذلت ورسوائی کو ان کا مقدر بنا دیا گیا؛ قرآن مقدس نے ان کے اسباب وعلل پر تفصیل سے روشنی ڈالی، نہایت عبرت انگیز انداز میں بنی اسرائیل کے عروج وزوال کی کہانی سنا کر قرآن کریم نے واضح کر دیا کہ بنی اسرائیل اگر آئندہ بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے تو قدرت کے نادیدہ ہاتھوں انہیں سبق سکھایا جاتا رہے گا (دیکھئے سورۃ بنی اسرائیل: ۴ سے ۹ تک)۔

قرآن مقدس نے مختلف مقامات پر اہل کتاب بالخصوص یہود کی کارستانیوں کی قلعی کھولی ہے۔ یہود کا مختلف زمانے میں حق جل مجدہ کے پاکیزہ پیغمبروں کے ساتھ گھناؤنا طرز عمل رہا ہے؛ ایذا رسانی، الزام تراشی حتی کہ انبیاء کے خون ناحق سے بھی ان کے دامن داغدار رہے ہیں، قرآن مجید نے ان کی ان غلط کاریوں پر زبردست تنقید کر کے انہیں صحیح راہ عمل دکھائی ہے "وضربت عليهم الذلة والمسكنة وباء وا بغضب من الله، ذلك بأنهم كانو ا يكفرون بأيات الله ويقتلون النبين بغير حق، ذلك بما عصوا وكانو يعتدون" (البقرہ: ۶۱) (اور جم گئی ان پر ذلت اور پستی، اور مستحق ہو گئے غضب الہی کے، یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے احکام الہیہ کے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق، اور یہ اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ سے نکل جاتے تھے)۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قرآن میں موجود یہود کی درجہ ذیل گمراہیوں اور ناہنجاریوں کو ذکر کیا ہے۔

(۱) توراۃ کے احکام میں لفظی یا معنوی تحریف (۲) آیات توراۃ کا کتمان (۳) تورات میں اپنی طرف سے اضافے (۴) احکام توراۃ کی تنفیذ میں کوتاہی (۵) اپنے مذہب کے تعلق سے آخری درجے کی عصبیت (۶) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی

اور آپ پر بلکہ ذات باری تعالی پر طعن وتشنیع (۷) بخل، طمع اور اس طرح کی دیگر صفات ذمیمہ میں ابتلاء (دیکھیے: الفوز الکبیر ص ۲۶، ۳۰)۔

جب کہ نصاریٰ میں بنیادی طور پر یہ گمراہی در آئی تھی کہ انہوں نے ذات باری تعالی کے لیے تین اجزا کا عقیدہ گڑھ لیا تھا، اسی طرح وہ عیسی علیہ السلام کی مصلوبیت کے بھی قائل تھے، فارقلیط کے لفظ میں بھی تحریف کر ڈالی تھی۔

قرآن مقدس ہر حال میں عدل وانصاف کی تاکید کرتا ہے وہ اپنے ماننے والے کو تلقین کرتا ہے کہ وہ کسی بھی حال میں حق اور انصاف کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑیں اگر چہ سامنے دشمن قوم ہی کیوں نہ ہو، "ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا، اعدلو ھو اقرب للتقوی" (المائدہ: ۳) (اور کسی خاص لوگوں کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو کہ وہ تقوی سے زیادہ قریب ہے)۔

چنانچہ قرآن کریم نے اپنے اسی عادلانہ اور فراخ دلانہ ضابطے کے تحت اہل کتاب کی ان شخصیات کو سراہا ہے جنہوں نے سازشوں اور دسیسہ کاریوں سے باز رہ کر تلاوت کتاب، ایمان اور عمل صالح کی باد بہاری سے اپنے قلب ونظر کی انجمن کو سجا رکھا تھا۔

"لیسو سواءً، من أهل الكتاب أمة قائمة يتلون آيات الله آناء الليل وآناء النهار وهم يسجدون، يومنون بالله واليوم الآخر و يسارعون في الخيرات، و اولئك من الصالحين، وما يفعلوا من خير فلن يكفروه، والله عليم بالمتقين" (آل عمران: ۱۱۴)

(یہ سب برابر نہیں، ان اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو قائم ہیں، اللہ کی آیتیں اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں، اللہ پر اور قیامت والے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام بتلاتے ہیں اور بری باتوں سے رکتے ہیں نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہ لوگ شائستہ لوگوں میں ہیں اور یہ لوگ جو نیک کام کرتے ہیں اس سے محروم نہ کیے جائیں گے اور اللہ تعالی اہل تقوی کو خوب جانتے ہیں) سورۃ مائدہ کی آیت نمبر 84، اور 85 میں قرآن کریم ان اہل کتاب کی صفات حمیدہ کو ذکر کر کے انہیں جنت کی بشارت سنا رہا ہے جبکہ سورہ اسرا میں انہیں نہ صرف اہل کتاب بلکہ اہل علم کہہ کر زبردست اعزاز عطا کیا ہے۔

اہل کتاب کے متعلق دو خصوصی احکام:

قرآن مقدس نے دیگر تمام اقوام وملل کے مقابلے میں اہل کتاب کے تعلق سے دو امتیازی احکام ذکر کیے ہیں جو دیگر ملل کے مقابلے میں اہل کتاب کے تئیں اسلام کے خاص طرز عمل کو واضح کرتے ہیں یہ دو احکام یہ ہیں:۔

(۱) اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے:۔ قرآن مقدس نے جانوروں کے ذبح کے سلسلے میں خاص احکام دیئے ہیں فرمایا: "ولا تأکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق" (انعام: ۱۲۱) (اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ، جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور بلاشبہ یہ گناہ کی بات ہے)، اس لیے اگر کوئی غیر مسلم کسی جانور کو ذبح کرتا ہے تو وہ حلال نہیں ہے بلکہ از روئے شرع وہ میتہ ہے۔ لیکن قرآن نے ذبح کے سلسلے میں اہل کتاب کو بھی اہل ایمان کے درجہ میں رکھا ہے اور کہا ہے "وطعام الذین أوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم" (المائدہ: ۵) (اور جو لوگ کتاب دئے گئے ہیں ان کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے)۔

۲- اہل کتاب خواتین سے نکاح جائز ہے:

دوسرا ایک اور امتیازی مسئلہ جس کا تعلق بین مذاہب شادی سے ہے قرآن نے اس سلسلے میں واضح ہدایات دیتے ہوئے مشرکین سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے لیکن اہل کتاب کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے، اگر چہ یہاں بھی اسلام نے اپنی برتری کو باقی رکھتے ہوئے جانبین سے نکاح کو جائز قرار دینے کے بجائے صرف اس حد تک گنجائش دی ہے کہ مسلم مرد، کتابیہ عورت سے نکاح کر سکتا ہے مسلم خاتون کا کتابی مرد سے نکاح تو بہر حال کسی بھی طرح جائز نہیں ہے" والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم" (المائدہ: ۵) (اور پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم میں سے پہلے کتاب دئے گئے ہیں (حلال ہیں)۔

قرآن کریم نے امتیازی طور پر کتابیہ سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے اور مشرکات کے نکاح سے منع کر دیا ہے، اس کی متعدد حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ کتابیہ بعض بنیادی اصول مثلاً اللہ پاک کا اعتراف، رسولوں، یوم آخرت اور حساب وعقاب پر ایمان میں مسلمان کے ساتھ شریک ہے

؛ گویا ان بنیادوں پر اتصال کی راہیں موجود ہیں جن سے ایک خوش گوار ازدواجی زندگی کی امید کی جاسکتی ہے اور اس کے اسلام کی بھی توقع ہے اس لیے کہ بہر حال وہ انبیاء ورسل کی کتابوں پر ایمان رکھتی ہے۔ اب رہی بات کہ مسلمان تو کتابیہ سے نکاح کر سکتا ہے لیکن کتابی کا مسلم خاتون سے نکاح کیوں صحیح نہیں ہے تو اس کی حکمت یہ ہے کہ مسلمان تمام انبیاء اور ادیان پر (اس کے صحیح ابتدائی اصول کی روشنی میں) ایمان رکھتا ہے لہذا اس کی طرف سے زوجہ کے عقیدے یا جذبات مجروح ہونے کا خطرہ نہیں ہے جب کہ غیر مسلم مرد، اسلام کا منکر ہے اس لیے اس بات کا خطرہ موجود رہے گا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے دین ومذہب سے شاید متاثر کردے ویسے بھی عورت بہت منفعل المزاج اور اثرات کو نہایت تیزی سے قبول کرتی ہے نیز وقتاً فوقتاً اس مرد کی طرف سے عورت کی جذبات ومعتقدات کے مجروح ہونے کا بھی اندیشہ ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی ۷/ ۱۵۹)۔

موضوع سے متعلق ان تفصیلات کے بعد ذیل میں اختصار کے ساتھ اکیڈمی کی طرف سے اٹھائے گئے سوالات کے جوابات تحریر کیے جارہے ہیں:

۱- اہل کتاب کا مفہوم:

یہودیت میں اہل کتاب کا اطلاق فقط یہودیوں پر ہوتا ہے، اور کتاب سے توراۃ یا تلمود کو مراد لیا جاتا ہے اس طرح یہودیت، عیسائیت کو اہل کتاب کا مصداق نہیں مانتی ہے (دیکھئے، ویکیپیڈ یا الموسوعۃ الحرۃ، نیٹ ایڈیشن)۔

جب کہ قرآن مقدس کی اصطلاح میں اہل کتاب وہ یہود ہیں جن کے پیغمبر موسی علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی، اور وہ نصاری ہیں جن کے پیغمبر حضرت عیسی علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی۔

اہل کتاب کے بجائے ان کو اہل کتابین بھی کہا جاتا ہے، یہ گویا قرآن مقدس کی طرف سے ان کا اعزازی لقب ہے، بعض حضرات کی رائے میں انہیں ''اہل کتاب'' سے موسوم کیا جانا درحقیقت زجر وتوبیخ کے لیے ہے گویا انہیں عار دلایا جارہا ہے کہ تم تو اصحاب علم وفراست ہو آسمانی کتاب تمہارے پاس ہے اس کے باوجود اپنی ناہنجاریوں سے باز آکر راہ راست نہیں اختیار کررہے ہو۔

۲- صائبین اہل کتاب میں ہیں؟

بعض حضرات نے صائبین کو بھی اہل کتاب میں شمار کیا ہے، ان کے مطابق یہ وہ اہل توحید ہیں جو حضرت یحیی علیہ السلام کے متبعین تھے اور ان پر نازل شدہ آسمانی کتاب کے پیروکار تھے جس کا تذکرہ آیت ذیل میں ہے: "يحيى خذ الكتاب بقوة" (مریم: ۱۲) (اے یحییٰ! کتاب کو مظبوط ہو کر لو)، لیکن صائبین کے سلسلے میں کوئی حتمی بات کہنا مشکل ہے، علامہ آلوسی نے صائبین کی تفسیر میں مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

''قيل: هم قوم موحدون يعتقدون تأثير النجوم ويقرون ببعض الأنبياء كيحيى عليه السلام، وقيل: إنهم يقرون بالله تعالى ويقرأون الزبور ويعبدون الملائكة ويصلون إلى الكعبة، وفي جواز مناكحتهم وأكل ذبائحهم كلام للفقهاء يطلب في محله'' (روح المعانی ۱/ ۲۹۱)

(ایک قول یہ ہے کہ موحد ہیں جو کواکب کے مؤثر ہونے کا عقیدہ رکھتے اور بعض انبیاء مثلاً یحی علیہ السلام کو مانتے ہیں، دوسرا قول یہ ہے یہ اللہ تعالی کو مانتے اور زبور کی تلاوت کرتے ہیں ملائکہ کی پرستش کرتے ہیں اور خانہ کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے ہیں ان سے نکاح کے جواز اور ذبیحہ حلال ہونے میں فقہاء نے کلام کیا ہے جسے اپنی جگہ پر دیکھا جاسکتا ہے)۔

اس سلسلے میں امام اعظم ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان اختلاف معروف ہے لیکن درحقیقت وہ بھی اپنی اپنی معلومات پر مبنی ہے۔

''وقيل: ليس هذا باختلاف في الحقيقة وإنما الاختلاف لا شتباه مذاهبهم، لذامن اعتبر الصائبة من عبدة الأوثان وهم الذين يعبدون الكواكب، حرم مناكحتهم ومن فهم أن مناكحتهم حلال، فهم أن لهم كتابا يؤمنون به'' (الفقہ الاسلامی ۷/ ۱۶۲)

(اور کہا گیا ہے کہ یہ حقیقی اختلاف نہیں ہے بلکہ یہ اختلاف صائبین کے مذاہب کے واضح نہ ہونے کے سبب ہے، چنانچہ جنہوں نے صائبین کو بتوں کا پجاری اور کواکب پرست قرار دیا انہوں نے نکاح حرام قرار دیا اور جنہوں نے نکاح جائز قرار دیا ان خیال میں ان کے پاس ایک (آسمانی)

کتاب ہے جس پر وہ ایمان رکھتے ہیں)۔

تاریخ ایران پر ایک مستند مستشرق کی کتاب کا اردو ترجمہ ابھی حال ہی میں نکلا ہے (انجمن ترقی اردو، دہلی) اس کے صفحہ ۷۴ پر فاضل مترجم ،ڈاکٹر شیخ محمد اقبال اورینٹیل کالج لاہور، لفظ مینڈین پر حاشیہ دیتے ہیں: مینڈین بہ زبان آرامی بمعنی اولوالعلم، اس فرقے کے لوگ عراق میں اب بھی موجود ہیں، اور صابیون کہلاتے ہیں، وہ لوگ اگرچہ عیسائی نہیں ہیں؛ تاہم جان دی بپٹسٹ کو مانتے ہیں، عراق میں عوام الناس ان کو حضرت یحیی کی امت کہتے ہیں۔

۳-موجودہ اہل کتاب:

قرآن مقدس میں اہل کتاب کے حوالے سے مختلف آیات ربانیہ میں جو تفصیلات وہدایات ذکر کی گئی ہیں اس کا سرسری جائزہ پیش کر دیا گیا۔ اب رہی بات کہ موجودہ اہل کتاب کون ہیں جن سے خاص احکام وابستہ ہیں تو یہ مسئلہ نازک بھی ہے اور طویل الذیل بھی، قرآن مقدس نے اہل کتاب کے تعلق سے دو خاص احکام ذکر کیے ہیں یعنی ذبیحہ کی حلت اور کتابیہ سے نکاح کا جواز تو اگر ثابت ہو جائے کہ موجودہ یہود ونصاری وہی ہیں جنہیں قرآن نے اہل کتاب کہا ہے تو یقینی طور سے موجودہ یہود ونصاری کے تعلق سے بھی یہ دونوں امتیازی احکام ثابت ہو جائیں گے اور اگر ان کا اہل کتاب ہونا ثابت نہ ہو سکا تو یہ احکام بھی ان سے متعلق نہ ہو سکیں گے۔ اہل کتاب مومن ہیں؟ یہاں سب سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے کہ بعض حضرات متجددین نے اہل کتاب کے ساتھ چند استثنائی احکام کو دیکھ کر انہیں بھی ناجی مومنین میں شمار کر رکھا ہے جو سراسر ناواقفیت اور کتاب مقدس میں تحریف ہے، سورۂ بینہ میں یہود ونصاری دو جگہ کفر کا اطلاق کیا گیا ہے۔ دوسری آیت میں واضح طور پر کہا گیا ہے: "إن الذين كفروا من أهل كتاب و المشركين في نار جهنم خالدين فيها اولئك هم شر البريه" (البینہ:٦) (بے شک جو اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہوئے وہ آتش دوزخ میں جاویں گے جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ بدترین ہیں)۔

اس لیے "آیت قرآنیہ" نیز دیگر بے شمار دلائل سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مومنین وہی لوگ ہیں جو آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو دل سے مانتے ہیں، لہذا یہود ونصاری کو مومنین کی فہرست میں شامل کرنا خطرناک تلبیس اور مداہنت فی الدین ہے ،اگر واقعۃً اس کا اعتقاد بھی ہو تو اندیشۂ کفر ہے" (چند اہم عصری مسائل ص ٦٢)۔

اکثر اہل کتاب ملحد ہیں:

یوں تو نزول قرآن کے وقت بھی یہود نصاری عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے بگڑے ہوئے تھے لیکن بعد کے ادوار میں یوروپ میں لادینیت کی فضا کے طوفان اور مذہب بیزاری کے رجحان نے اس میں مزید اضافہ کر دیا اس لیے موجودہ یہود ونصاری پر اہل کتاب کا اطلاق کر کے ان کے لیے استثنائی احکام ثابت کرنا غور طلب بن گیا ہے۔

مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: وہ لوگ جو آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹروں میں یہودی یا نصرانی لکھواتے ہیں ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدے کی رو سے یہودیت یا نصرانیت کو لعنت سمجھتے ہیں ان کا تو ارۃ انجیل پر عقیدہ ہے اور نہ حضرت موسی علیہ السلام پر، وہ عقیدے کے اعتبار سے بالکل لامذہب ہیں اور دہریے ہیں، محض قومی یا رسمی طور سے اپنے آپ کو یہودی اور نصرانی کہتے ہیں" (معارف القرآن ۳/ ٦٤)۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

"قلت الظاهر ان المراد باهل الكتاب فى الاية موحدوهم بدليل قوله تعالى " ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن " وقال ابن همام: ويهود ديارنا مصرحون بالتنزيه عن ذلك والتوحيد واما النصارى فلم ار إلا من يصرح بالابنية لعنهم الله " (تفسير المظهرى ٢/ ٤٢)

"میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ آیت میں اہل کتاب سے مراد موحد ہیں کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: "ولا تنكحوا المشركات حتى

یو من" یعنی مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو، ابن ہمام فرماتے ہیں ہمارے دیار کے یہود ذات خداوندی اور اس کے توحید سے واضح طور پر الگ ہیں جہاں تک عیسائیون کا معاملہ ہے تو میں نے جتنے بھی عیسائی افراد کو دیکھا ہے سبھی حضرت عیسی کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہو" مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: "جو لوگ نام کے عیسائی اور یہود ہوں لیکن عقیدہ کے اعتبار سے خدا کے وجود، نبوت و وحی اور ملائکہ وغیرہ کے قائل نہ ہوں وہ ملحد ہیں ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں" (کتاب الفتاوی ج ۴ ص ۳۵۴)۔

ان اقتباسات سے صاف واضح ہے کہ موجودہ یہود ونصاری کو علی الاطلاق اہل کتاب کا مصداق قرار دینا درست نہیں ہے بلکہ ان میں سے اکثر لادین اور ملحد ہیں جو وحی یا آسمانی کتاب کو نہیں مانتے ہیں کیمونزم کی آندھی نے صورت حال کو مزید پیچیدہ بنادیا ہے لیکن بہر حال آج بھی یہودیت اور عیسائیت کا ایک طبقہ انہی معتقدات پر قائم ہے جن پر وہ نزول قرآن کے وقت تھے۔ بالخصوص یہودیوں میں صہاینہ اور عیسائیوں میں کیتھولک عیسائیوں کی بڑی تعداد پرانے نظریات پر قائم ہے اس لیے یہ بات اس طرح کہی جاسکتی ہے کہ جس طرح مسلمانوں میں جو برائے نام مسلمان ہوں، ان کے نظریات ملحدانہ اور افکار دہریت پسند ہوں وہ مسلمان نہیں اسی طرح جو یہود ونصاری آزاد خیال ہو کر مذہبی معتقدات سے منہ موڑ چکے ہیں وہ اہل کتاب کا مصداق نہیں ہیں۔ موجودہ اہل کتا سے مناکحت اب اسی تناظر میں موجودہ اہل کتاب سے مناکحت اور ذبیحے کے مسئلے کو بھی دیکھنا چاہیے۔

۴- جن باطل ادیان سکھ اور قادیانی وغیرہ کا تذکرہ سوال نامے میں کیا گیا ہے؛ ان میں سے کسی کو اہل کتاب میں سے شمار نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ اہل کتاب ایک اعزازی لقب ہے جو خصوصیت سے یہود ونصاری کو عطا کیا گیا ہے، لیکن ان کو یہ لقب دیا جانا اور بعض احکام میں استثنا توقیفی ہے، اور اگر محض کسی کتاب کے مان لینے سے اہل کتاب ہونا ثابت ہو جاتا تو مجوس بھی اس میں شامل ہو جاتے؛ اس لیے کہ ان کا بھی دعوی ہے کہ ان کے پاس موجود کتاب الہامی اور آسمانی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قادیانی وغیرہ کے بارے میں یہ تصور کہ یہ قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہیں؛ محض خام خیالی ہے، کیونکہ اگر یہ قرآن کو تسلیم کر لیتے تو اہل اسلام سے ان کا اختلاف ہی ختم ہو جاتا، اور ختم نبوت جیسے مسائل کھڑے ہی نہ ہوتے؛ اس لیے کہ خود قرآن میں اس کی صراحت ہے۔ پاکستان کی عدالت نے بھی اپنے ایک فیصلے میں صاف کر دیا ہے کہ قادیانیوں کو اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جاسکتا ہے، عدالت نے کہا: مدعیہ کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ قادیانی قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، اس لیے وہ اہل کتاب ہیں، لیکن یہ مان لینے کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم کہنے کا سرے سے کوئی جواز ہی باقی نہیں رہتا، کیوں کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ قرآن کریم پر قادیانیوں کا ایمان ہے تو انہیں غیر مسلم کہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہے گی۔ قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھنے کی وجہ ہی یہ ہے کہ قرآن شریف کے وہ مطلب تسلیم نہیں کرتے جس پر سارے مسلمانوں کا ایمان ہے، بلکہ اپنا مطلب پورا کرنے کے لیے انھوں نے قرآن کریم کی آیات توڑ مروڑ کر انھیں نئے معنی پہنا دیئے ہیں (دیکھئے: ختم نبوت فورم، ویب سائٹ پر)۔

۵- اوپر کی تفصیل سے واضح ہے کہ قادیانی خواہ خود مرتد ہوئے ہوں یا نسلی قادیانی ہوں، دونوں ہی کافر، خارج از اسلام اور خارج از اہل کتاب ہیں۔

۶- اہل کتاب سے نکاح:

اتنی بات تو یقینی ہے کہ قرآنی آیات کے پیش نظر اصولی اعتبار سے یہود ونصاری کی عورتوں سے مسلمانوں کے لیے شادی کے جائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے" تاہم بعض سلف اور اہل علم نے چند خارجی امور کی بناء پر اس نکاح سے منع کیا ہے جن میں حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ اور حضرت عطاء وغیرہ شامل ہیں۔

"وكان ابن عباس يقول: لايجوز نكاح الحربية، وكان ابن عمر يمنع نكاح الكتابية مطلقا حرة كانت او امة ذمية كانت او حربية لاندراجها في المشركات" (تفسير المظهري ۲/۲۷)

بعض نے جواز کو چند شرائط کے ساتھ مقید کیا ہے جیسا کہ اس کی تفصیلات کتب تفسیر وفقہ میں مذکور ہیں؛ اور ایک قول وہ بھی ہے جو سوال نامہ میں مذکور ہے یعنی دار الاسلام اور دار الکفر میں فرق ہے؛ تاہم جواز والا قول ہی راجح معلوم ہوتا ہے کیوں کہ جمہور اسی کے قائل نظر آتے ہیں، ابو بکر

جصاص رازیؒ فرماتے ہیں:

''ولا نعلم عن أحد من الصحابة والتابعين تحريم نكاحهن'' (احکام القرآن ۱/ ۳۰۲)

یعنی ہمارے علم میں یہ بات نہیں کہ حضرات صحابہ وتابعین میں سے کسی نے بھی کتابیات سے نکاح کو حرام قرار دیا ہو' اور اس سلسلے میں جو شدت یا ممانعت حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اس کو رازی نے خلاف اولی پر محمول کیا ہے، البتہ یہاں بنیادی طور پر یہ سوال ضرور اٹھے گا موجودہ دور کے عیسائی بالعموم حضرت عیسی علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کے قائل ہیں، لہذا ان کی عورتیں مشرکات ہوئی اور مشرکات سے نکاح قطعا حرام ہے؟ اس سلسلے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے نزول قرآن کے وقت بھی یہود ونصاری فکر وعمل کی کئی گمراہیوں میں مبتلا تھے بہت سے یہودی عزیر کو ابن اللہ اور نصاری عموماً تثلیث کا عقیدہ رکھتے تھے جیسا کہ آیات قرآنی سے واضح ہے، ان سب کے باوجود قرآن مقدس نے ان کی خواتین سے نکاح کی اجازت دی ہے اس لیے اسے شارع پر ہی چھوڑ دینا چاہیے اور آیت کے الفاظ کو دیکھ کر جواز کا ہی قول کرنا چاہیے۔

(الف) لہذا کتاب اللہ سے مناکحت کے نفس جواز کا انکار تو مناسب نہیں ہے تا ہم مخصوص حالات کے پیش نظر اس کی حوصلہ افزائی قطعاً نہیں کی جاسکتی، بلکہ اس جواز کے دروازے کو بند رکھنا ہی اولی ہوگا چنانچہ مشہور فقیہ دکتور وہبہ زحیلی نے اس پر لمبی بحث کرنے کے بعد جہاں یہ کہا ہے:

''والراجح لدیٔ هو قول الجمهور لاطلاق الادلة القاضيه بجوز الزواج بالكتابيات دون تقييد بشئی'' (الفقہ الاسلامی ۷/ ۱۶۱)۔

''میرے نزدیک جمہور کا قول ہی راجح ہے کیوں کہ کتابیات سے نکاح کے جواز کو ثابت کرنے والے دلائل مطلق ہیں ان میں کوئی قید نہیں ''وہیں انہوں نے یہ بات بھی فرمائی ہے: ''والواقع في الزواج بالكتابيات و با لاول الحربيات مضار اجتماعية ووطنية و دينية فقد ينقلن لبلا دهن اخبار المسلمين وقد ير غبن الا ولاد في عقائد و عادات غير المسلمين ، وقد يودي الزواج بهن الى الحاق ضرر لمسلمات بالا عراض عنهن'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۱۶۰)۔

''حقیقت ہے کہ کتابیات بالخصوص حربیات سے نکاح میں بہت سے سماجی، قومی اور مذہبی نقصانات ہیں، کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے ملکوں کے لیے مسلمان کی جاسوسی کریں اور اپنی اولاد کو غیر اسلامی عقائد ورواج کی تلقین کریں اور بہت ممکن ہے کہ ان سے نکاح کی بناء پر مسلم خواتین کو ضرر پہنچے''۔

(ب) مذکورہ بالا تفصیلات کی وجہ سے عام حالات میں کتابیہ سے نکاح کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی ہے؛ لیکن بعض صالح محرکات اور مقاصد کی صورت میں جس کا تذکرہ سوالنامے میں ہے، کتابیہ سے نکاح کی قباحت ''الامور بمقاصدہا'' کے تحت کم ہوجائے گی، البتہ علی الاطلاق اس صورت میں بھی جواز کا قول مناسب نہیں ہے۔

۷- "ولكل قوم هاد" (الرعد: ۷) کی روشنی میں اتنی بات تو یقینی ہے کہ اللہ پاک نے ہندو مذہب کے ماننے والوں کے لیے بھی ہادی اور رہبر بھیجے ہیں: لیکن کیا وہ پیغمبر تھے؟ اس کا فیصلہ محض ظن سے نہیں کیا جاسکتا، اور نہ کسی کتاب کو اپنی رائے یا برادران وطن کے ادعا کی وجہ سے الہامی قرار دیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

اہل کتاب سے متعلق بعض فقہی احکام

مفتی محمد سلطان القاسمی [1]

۱- اہل کتاب کی تعریف:

جمہور فقہاء کے نزدیک یہود ونصاری اپنے تمام فرقوں کے ساتھ اہل کتاب کہلاتے ہیں (موسوعہ فقہیہ ۱۴۰/۱۷)۔

حنفیہ کے ہاں توسع ہے؛ چنانچہ صاحب ردالمحتار نے ''نہر'' کے حوالہ سے علامہ زیلعی کے الفاظ نقل کئے ہیں کہ اہل کتاب ہر وہ شخص ہے جو کسی آسمانی دین کو مانے اور جس کے پاس کوئی نازل شدہ کتاب ہو جیسے ابراہیم اور شیث کے صحائف اور زبور داؤد، تو وہ اہلِ کتاب میں سے ہے (ردالمحتار ۴۵/۳)۔

صاحب قاموس الفقہ رقم طراز ہیں: ''اہل کتاب سے نزول قرآن سے پہلے کے وہ لوگ مراد ہیں جن کا کسی آسمانی کتاب کا حامل ہونا محقق ہو مثلاً یہود جو تورات پر ایمان رکھتے ہیں اور نصاری جو انجیل پر ایمان رکھتے ہیں'' (قاموس الفقہ ۲۵۵/۲)۔

مولانا رحمانی صاحب کی یہ تعریف جہاں جمہور کی تعریف کے مطابق ہے وہیں اس کو بنیاد بنانے سے اہل کتاب سے متعلق دوسرے مسائل میں بھی فرق واقع ہوگا۔

۲- صابئین سے کون لوگ مراد ہیں؟

صابی اصل میں ایک دین سے نکل کر دوسرا دین قبول کرنے والوں کو کہتے ہیں (لسان العرب: صبأ) صابئین کا ذکر قرآنِ کریم میں تین جگہ آیا ہے (سورۃ البقرۃ: ۶۲، سورۃ الحج: ۱۷، سورۃ المائدۃ: ۶۹)۔

صابئین کی تعریف کے سلسلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں؛ لیث رحمہ اللہ کے حوالہ سے منقول ہے کہ ان کا دین نصاری کے دین کے مشابہ ہے، البتہ ان کا قبلہ جنوب کے رُخ پر ہے اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ نوح علیہ السلام کے دین پر ہیں حالانکہ یہ اپنے دعوی میں جھوٹے ہیں (لسان العرب: صبا یصبو) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ نصاری کی ایک قسم ہے اور ان سے نرم گفتار ہیں' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت یہی ہے (المغنی ۵۹۱/۶) سدی اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے کہ یہ ایک گروہ اہلِ کتاب ہے کیونکہ یہ زبور پڑھتے ہیں' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے (تفسیر القرطبی: ۴۳۴/۱، البقرۃ: ۶۲)

مجاہد، حسن اور ابن ابی نجیح فرماتے ہیں کہ یہ ایسی جماعت ہے جن کا دین یہودیت اور مجوسیت سے مرکب ہے (حوالہ سابق)

حسنؒ کا دوسرا قول اور قتادہؒ کا قول یہ ہے کہ یہ فرشتوں کو پوجتے ہیں، قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں، زبور پڑھتے ہیں اور پانچ نمازیں ادا کرتے ہیں (حوالہ سابق) امام ابو یوسف اور محمد کا قول ہے کہ یہ اہل کتاب میں سے نہیں ہیں کیوں کہ یہ ستاروں کی پوجا کرتے ہیں (بدائع الصنائع ۴۳۳۰/۹)

امام احمد کی دوسری روایت ہے کہ یہ یہود کی ایک جماعت ہے اس لئے کہ یہ سبت کے قائل ہیں (المبدع ۴۰۴/۳)

مذاہب فقہاء کو دیکھیں تو صابئین کے تعلق سے چار اقوال ہیں:

۱) یہ اہل کتاب میں سے ہیں جیسے کہ امام ابوحنیفہ اور احمد رحمہما اللہ کا قول ہے (فتح القدیر ۱۹۱/۵، ردالمحتار ۲۶۸/۳، المغنی ۴۹۶/۸، کشاف القناع

---

[1] صدر مفتی، سراج العلوم، ولال محلہ، نواب بازار، سرینگر، کشمیر۔

(۱۱۸/۳)۔

۲) یہ اہل کتاب میں سے نہیں ہے کیونکہ یہ ستاروں کی تاثیر کے قائل ہیں اور انکی پوجا کرتے ہیں لہذا ان کا حکم بت پرستوں کا ہوگا' یہی قول صاحبین کا ہے (القرطبی ۱/ ۴۳۴)۔

۳) شوافع اس سلسلہ میں متردد ہیں' امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ نصاری کے اصل دین کی مخالفت کرتے ہیں تو ان میں سے نہیں ہیں ورنہ انہی میں سے ہیں اور اصل دین سے مراد انجیل اور عیسی علیہ السلام ہیں (شرح المنہاج ۳/ ۲۵۲' الأم ۴/ ۱۹۳)۔

۴) صابئین دو جماعتیں ہیں ایک جماعت حرانی ہے جو نصاری سے بھی پرانے دور ابراہیمی کے ہیں، سات ستاروں کی پوجا کرتے ہیں، لہذا یہ اہل کتاب میں سے نہیں ہیں (موسوعہ فقہیہ ۲۶/ ۲۹۸) دوسری جماعت اہل کتاب میں سے ہے اور نصاری سے ملتے جلتے ہیں؛ جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ عراق کے علاقہ کسکر اور بطائح میں پائے جاتے ہیں، یہ اپنی نسبت یحییٰ علیہ السلام اور شیث علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جماعت کو اہل کتاب میں سے کہا ہے (موسوعہ فقہیہ ۲۶/ ۲۹۶) علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو صابئینِ حنفاء اور صابئینِ مشرکین میں تقسیم کیا ہے' یہی بات ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے (الرد علی المنطقیین ۲۸۷' ۲۹۰' ۴۵۴-۴۵۸) (احکام اھل الذمۃ ۱/ ۹۲)۔

البتہ کچھ مفسرین نے ان کو سب سے الگ رکھا ہے اور ان سے متعلق سے کہا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو اپنی فطرت پر باقی ہیں اور ان کا کوئی مقررہ دین نہیں ہے؛ چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''وأظهر الأقوال والله أعلم' قول مجاهد ومتابعيه ووهب بن منبه' أنهم قوم ليسوا على دين اليهود ولا النصارى ولا المجوس ولا المشركين- وإنما هم باقون على فطرتهم' ولا دين مقرر لهم يتبعونه ويقتفونه'' (۱/ ۱۲۰' البقرة: ۶۲)

ابن العثیمین نے بھی اپنی تفسیر میں اسی رائے کو اقرب قرار دیا ہے (تفسیر العثیمین، البقرة: ۶۲)۔

موجود دور میں صابئین:

موسوعہ فقہیہ کویتیہ میں اس کے ایک فرقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ یہ نصاری میں سے ہیں، انکو مندائیین کہتے ہیں، انکے کچھ لوگ جنوبی عراق میں پائے جاتے ہیں (موسوعہ فقہیہ ۲۶/ ۲۹۷) اس وقت ان کا مرکز بغداد ہے، اسکے علاوہ یہ عراق کے دوسرے علاقوں جیسے عمارہ، بصرہ، ناصریہ، کوت، دیالی اور دیوانیہ میں رہتے ہیں، اور ایران کے شہر اہواز اور محمرہ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ موجودہ دور کی سیاسی اور اقتصادی بے چینی اور جرائم کی وجہ سے یہ بھی یورپ کے مختلف شہروں، امریکہ اور کینیڈا منتقل ہونے پر مجبور ہوئے۔ اس وقت انکی کئی جمعیات ہیں جو انکے احوال کی فکر کرتے ہیں، انکے حقوق کیلئے سرگرم ہیں، ''اتحاد الجمعيات المندائية في المهجر'' کے بیان کے مطابق انکے بہت سارے خاندان اردن، شام اور کردستان میں بھی رہتے ہیں اور انکی تعداد پوری دنیا میں تقریباً ۷۰ ہزار ہے (تفصیل کیلئے دیکھئے (www.wikipaedia.com□www.mandaeanunion.com

۳- موجود دور کے اہل کتاب:

یہ بات مشاہدہ کی حد تک صحیح ہے کہ موجودہ دور کے یہود و نصاری میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں اور اگر خدا کو مانتے ہیں تو وحی و رسالت اور آخرت کو نہیں مانتے، لیکن اس کے باوجود ان میں سے جو طبقہ اپنے دین کا پابند ہو اسکے لئے اہل کتاب کا ہی حکم ہوگا؛ چنانچہ قرآنِ کریم نے ایک طرف ان کے ساتھ نکاح کی اجازت اور ان کے ذبیحہ کھانے کی رعایت بیان کی ہے تو دوسری طرف ان کے اس عقیدہ کو بھی بیان کیا ہے کہ وہ تین کے تیسرے کو اللہ مانتے ہیں (المائدة: ۷۳) اسی طرح عزیر اور مسیح علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں (التوبہ: ۳۰)۔

البتہ جو محض نام کا عیسائی اور یہودی ہے خدا کے وجود، نبوت و وحی، حشر و نشر وغیرہ کا منکر ہے تو ایسے لوگوں کے احکام کافروں کے جیسے ہوں گے جیسے کہ صاحبِ قاموس الفقہ نے بیان کیا ہے (قاموس الفقہ ۲/ ۲۵۱) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اکثر نصاری برائے نام

ہیں، ایسوں کا حکم نصاریٰ کا سا نہیں ہے اور یہی سب تقریر نکاح میں بھی سمجھو (بیان القرآن، المائدۃ: ۵)۔

احناف کے ہاں تو کتابیہ سے اُس وقت نکاح حرام ہے، جبکہ وہ دار الحرب میں ہو، کیونکہ وہ اس کو اپنے ایسے اخلاق سے رنگنے پر مجبور کرے گی جن سے اسلام روکتا ہے اور اسکی اولاد کو اسکے دین کے علاوہ کسی دوسرے دین پر ڈال دے گی۔ نکاح کرنے پر اگرچہ نکاح صحیح ہوگا لیکن مفاسد کی بنا پر مکروہ تحریمی ہوگا، البتہ اگر ذمیہ ہو اور اسکو اسلامی احکام کے تحت لایا جاسکتا ہو تو پھر نکاح مکروہ تنزیہی ہوگا (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ ۴/ ۷۳)۔

موجودہ دور میں مسلم ممالک میں رہنے والی اہلِ کتاب عورتوں سے بھی نکاح کراہت سے خالی نہیں، انکے ساتھ نکاح کی وجہ سے جہاں مسلمانوں کے اخلاق متاثر ہوتے ہیں وہیں ان کی حکومتوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے؛ شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اپنے گورنران کو کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنے سے باز رہنے کی خصوصی ہدایات دیں؛ چنانچہ حضرت حذیفہؓ سے اُن کی مراسلت ہم کو دعوتِ عبرت و ژرف نگاہی دیتی ہے، جس میں اخیر میں حضرت عمرؓ نے حذیفہؓ سے فرمایا کہ میں (ان سے نکاح کو) حرام نہیں کہتا لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاکدامنی نہیں ہے، مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانے میں اس راہ سے فحش و بدکاری داخل نہ ہوجائے (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۳۲۳ بیروت) امام محمد نے کتاب الآثار میں یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ فقہاء احناف اہل کتاب سے نکاح کو مکروہ سمجھتے ہیں (کتاب الآثار محمد: ص ۱۵۲) علامہ ابن الھمام نے حضرت طلحہؓ اور کعب بن مالکؓ کے تعلق سے نقل کیا ہے کہ انہیں بھی حضرت عمرؓ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنے پر تنبیہ فرمائی اور طلاق دینے کو کہا (فتح القدیر ۳/ ۲۲۰)۔

حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ نے کتابیہ سے نکاح کے دو شرائط بیان کئے ہیں؛ ایک یہ کہ وہ عام اقوام یورپ کی طرح نام کی عیسائی نہ ہو بلکہ کم سے کم اپنے مذہبی اصول کو مانتی ہو اگرچہ عمل میں خلاف کرتی ہو، دوسری یہ کہ وہ اصل ہی سے یہودیہ یا نصرانیہ ہو، اسلام سے مرتد ہو کر یہودیہ یا نصرانیہ نہ بنی ہو لیکن بلاضرورت شدیدہ اس سے بھی نکاح کرنا مکروہ اور مفاسد کثیرہ پر مشتمل ہے (جواہر الفقہ ۴/ ۲۸۷، کراچی)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے اہل کتاب سے نکاح کرنے کے فتنہ کے نتائج سے آگاہ فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ ان حالات میں تو کسی بھی طرح اجازت نہیں دی جاسکتی (قاموس الفقہ ۲/ ۲۵۶)۔

اس کے علاوہ ہمیں سورہ المائدہ کی اس آیت کریمہ کے اختتام پر بھی غور کرنا چاہئے کہ اہل کتاب کے ذبیحہ اور انکی عورتوں سے نکاح کی اجازت کے بعد کہا گیا "وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ" اور ایمان کی حفاظت کی طرف دھیان دلایا گیا؛ لہٰذا اگر ایمان کو خطرہ ہو تو کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہوسکتا۔

۴- شریعتِ اسلامی کے بعد کے باطل ادیان:

ایسے باطل ادیان جو شریعتِ اسلامی کے نازل ہونے کے بعد ایجاد کئے گئے، چاہے وہ اسلام سے جدا ہو کر اسکے بعض اجزاء کو مانتے ہوں یا قرآن کریم کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتے ہوں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتے ہوں، لیکن اسکے ساتھ قرآن کریم کے بعد کسی اور الہامی کتاب، اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور شخص کے نبی ہونے کے دعوے دار ہوں، ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہوسکتا، کیونکہ اہل کتاب ہونے کیلئے ضروری ہے کہ وہ قرآن سے پہلے نازل شدہ کسی کتاب آسمانی کو مانتے ہوں اور اسکا آسمانی ہونا مصدق و محقق ہو جیسے کہ یہود و نصاریٰ کا معاملہ ہے کہ ان کی کتاب کا آسمانی اور ماقبل نزولِ قرآن ہونا محقق ہے اور ان دونوں کے اہل کتاب ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں (التفسیر المنیر ۱/ ۱۹۵- البقرۃ: ۶۲) اور قرآن کریم نے بھی ان کو اہل کتاب کے لقب سے پکارا (آل عمران: ۶۴) بلکہ اگر کسی کے تعلق سے اس بات کا شبہہ ہے کہ ان کے پاس نزولِ قرآن سے پہلے کوئی آسمانی کتاب ہے جس پر وہ ایمان رکھتے ہیں تو بھی وہ اہل کتاب میں شامل نہیں ہوسکتے جیسے کہ مجوس کا معاملہ ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۷۲، ملخص)۔

قرآن کریم نے دین کی تکمیل کا اعلان کردیا (المائدۃ: ۳) اور نبی ﷺ نے فرمایا: "أنا خاتم النبيين لا نبي بعدي" (ا، د: ۴/ ۴۵۲، ت: ۴/ ۴۹۹) بلکہ خود قرآن نے آپ ﷺ کیلئے خاتم النبیین کا لقب استعمال فرمایا (الأحزاب: ۴۰) کیا اسکے بعد بھی کسی نبی اور کتاب کی گنجائش ہے چہ جائیکہ پھر اُس نبی اور کتاب کو ماننے والوں کو صرف اس بنا پر اہل کتاب کہا جائے کہ وہ قرآن کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں اور/ یا محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانتے ہیں، لیکن کچھ بدیہی باتوں اور ضروریاتِ دین کا انکار کرتے ہیں؛ ایسے لوگ متنبی اور جھوٹے نبی کے ماننے والے تو ہو سکتے ہیں، لیکن اہل کتاب نہیں ہو سکتے۔

۵-نسلی قادیانیوں کا حکم:

خود سے مرتد ہونے والے قادیانیوں کا مرتد ہونا واضح ہے البتہ جو نسلی قادیانی ہیں کیا وہ اہل کتاب میں سے شمار ہوں گے؟ اس کا جواب بھی واضح ہے کہ اہل کتاب میں شمار نہیں ہو سکتے کیوں کہ بالغ ہونے کے بعد وہ اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ حقیقت کی تلاش کریں اور متبنی قادیانی کی کتب اور حقیقی اسلام کا موازنہ کر کے دیکھیں کہ آخر وہ کہاں کہاں حقیقی اسلام سے مختلف ہیں۔ صرف قرآن پر ایمان رکھنا اُن کو اہل کتاب نہیں بنا سکتا، خاص طور پر جبکہ وہ ختم نبوت کا انکار کرتے ہیں جس کی خود قرآن نے صراحت کردی (الاحزاب: ۴۰) کیا اس کے بعد بھی قرآن پر ان کا ایمان معتبر ہوگا اور وہ اہل کتاب کہلائیں گے؟ ہاں یہ گنجائش ہے کہ نسلی قادیانیوں کو عام کفار و مشرکین کے حکم میں رکھا جائے جیسے کہ موجودہ دور کے اہل کتاب کے تعلق سے علماء و فقہاء کی آراء ہیں۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی (قاموس الفقہ ۲/ ۲۵۷) میں "قادیانیوں کا حکم" عنوان کے تحت حاشیہ میں نسلی قادیانیوں کو انکی زندیقیت کے بسبب عام کفار و مشرکین کے حکم میں ہی رکھنے کی بات بیان فرمائی ہے۔

۶) (الف) دارالاسلام میں اہل کتاب خواتین سے نکاح کا حکم:

سوال میں بیان شدہ کوائف و احوال اس وقت مشاہدہ کی حد تک صحیح ہیں؛ لہٰذا اس طرح کی عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہوگا، چاہے وہ دارالاسلام ہی کیوں نہ ہو۔ اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت حذیفہؓ کے ساتھ مراسلہ چشم کشا ہے؛ چنانچہ ابوبکر جصاص نقل فرماتے ہیں:

"عن شقيق بن سلمة قال: تزوج حذيفة يهودية فكتب إليه عمر أن خلِّ سبيلها، فكتب اليه حذيفة أحرام هي، فكتب إليه عمر لا، ولكن أخاف أن تواقعوا المومسات منهن۔ قال أبوعبيد: يعني العواهر" (أحكام القرآن ۲/ ۳۲۲)۔

اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی کئی سندوں سے نقل فرمایا ہے کہ وہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کو مکروہ سمجھتے تھے اور فرماتے:

"ان الله حرم المشركات على المسلمين، ولا أعلم من الشرك شيئًا أعظم من أن تقول ربُّها عيسى بن مريم أو عبد من عبيد الله" (أحكام القرآن ۲/ ۳۲۲)۔

اس سب سے بڑھ کر جو بات ہمیں موجودہ اہلِ کتاب سے نکاح کی اجازت نہ دینے کے بارے میں زیر غور رکھنی چاہئے وہ یہ کہ مقاصد شریعت میں سے "حفظ دین" مقدم ہے اور "حفظ نفس" و "حفظ نسل" مؤخر ہیں۔ لہٰذا اس بنا پر اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

(ب) دعوتی نقطہ نظر سے:

جہاں تک دعوتی نقطۂ نظر کا معاملہ ہے تو اس سلسلہ میں بھی کوشش یہی ہونی چاہئے کہ وہ نکاح سے پہلے مسلمان ہو جائیں یا پھر نکاح کے بعد مسلمان ہو جانے کی شرط رکھی جائے۔

یہاں ایک اور بات کو اگر مباحثہ میں شامل کیا جائے تو بہتر ہوگا کہ کیا دعوتی نقطۂ نظر سے اس کی اجازت دینا مکمل طور پر منع کرنے کے مقابلہ میں کم نقصان دہ ہوگا یا دعوتی نقطۂ نظر سے بھی سد ذرائع کے طور پر اس سے روکا جائے کیونکہ امت کیلئے عمومی خطرہ کو دیکھتے ہوئے بعض افراد کے ذاتی فائدہ (اگرچہ اس کے ساتھ دعوتی پہلو بھی کام کر رہا ہے) کو ترجیح نہیں دی جا سکتی؛ البتہ کوئی عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر عیسائی یا یہودی ہو تو دعوتی

نقطۂ نظر سے اس کو کچھ عرصہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے کی اجازت دی جاسکتی ہے تاکہ اس کے شوہر کو بھی غور وفکر کا موقع مل جائے۔

۷- کسی کتاب کو اس کے مضامین کی بنا پر الہامی کتاب کہنا:

جن افراد کا نبی ہونا مصدقہ اخبار سے معلوم نہ ہو اگر چہ ان کی تعلیمات اور ان کی طرف منسوب کتابوں میں اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور اعتقادی امور سے موافق تعلیمات موجود ہوں، تب بھی ہم ان کو صراحتاً نبی نہیں کہہ سکتے اگر چہ اس بات کا احتمال ہے کہ وہ نبی رہے ہوں۔ اسی طرح ہم ان کی طرف منسوب کتابوں کی بنا پر ان کے ماننے والوں کو اہل کتاب نہیں کہہ سکتے کیوں کہ اہل کتاب وہ ہیں جن کی کتاب کا الہامی ہونا مصدقہ ہو، صرف شبہہ کی بنا پر کسی کو اہل کتاب میں شامل نہیں مانا جاسکتا، اسی شبہ کی بنا پر صابئین کے تعلق سے علماء کے اقوال مختلف ہیں حالانکہ ان کا تذکرہ قرآن کریم نے ایمان والوں، اور اہلِ کتاب یہود ونصاری کے ساتھ کیا ہے (سورۃ البقرۃ: ۶۲) جس سے یہی احتمال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے پاس بھی کوئی آسمانی کتاب موجود رہی ہو۔

اب اگر ہندوؤں کی کتب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری، آپ کے آسماء کا تذکرہ یا آپ کی دوسری صفات کا بیان ہو تو ان باتوں سے ہم دعوت کے میدان میں مستفید ہو سکتے ہیں اور انہیں اسلام سے قریب کرنے کیلئے اس کا استعمال کر سکتے ہیں لیکن صرف اس بنا پر ان کی کتاب کو الہامی نہیں کہا جاسکتا البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا احتمال ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی کتابوں کے ساتھ ان اسرائیلی روایات کا سا معاملہ کیا جاسکتا ہے جن کی کوئی نظیر شریعت میں نہ ہو، چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے: "حدثوا عن بني اسرائيل ولا حرج" (البخاری: ۳۴۶۱) عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، ایک دوسری روایت میں ہے: "إذا حدثكم أهل الكتاب فلا تصدقوهم ولا تكذبوهم" (رواه أحمد ۱۷۲۲۵، الطبرانی الکبیر ۲۲ (۸۷۹)، عبدالرزاق ۱۰۱۶۰، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان ۱۱۰)۔

علامہ ابن تیمیہؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فإنه رخص في الحديث عنهم ومع هذا نهى عن تصديقهم وتكذيبهم، فلولم يكن في التحديث المطلق عنهم فائدة لما رخص فيه وأمر به، ولو جاز تصديقهم بمجرد الاخبار لما نهى عن تصديقهم" (مجموع الفتاوى ۱۸/۶۸)۔

۸- اہل کتاب سے سماجی تعلقات:

مسلمانوں کے موجودہ سماجی احوال کے تعلق سے اور ان کے مستقبل کے آفاق کو طے کرنے میں تعلیم بنیادی عنصر ہے۔ اس میں اگر ہم اب بھی مشنری اسکولوں کی حوصلہ افزائی کریں گے اور اعلی معیاری تعلیم کی فراہمی کی بنا پر اپنے بچوں کا داخلہ وہاں کریں گے تو یہ "اشتراء الضلالة بالهدى" کے مترادف ہوگا اور اس سے بڑھ کر ہمارے لئے کوئی خسارہ نہیں ہوگا۔

ایسے عصری تعلیمی اداروں کا قیام جو معیاری تعلیم فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ بچوں کے ایمان کی حفاظت کا سامان بھی کریں، وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ کچھ علماء وصلحاء نے اس طرف توجہ دینے کی ابتداء کی ہے اور عصری تعلیمی ادارے قائم کئے ہیں لیکن وہ مسلمانوں کی مجموعی آبادی اور مشنری اسکولوں کو دیکھتے ہوئے دال میں نمک برابر ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں قرآنِ کریم کی سب سے پہلی تعلیم اِقرأ باسم ربك (پڑھو رب کے نام سے) پروگرام کو اپنا مشن بنانا چاہئے اور رب کائنات سے قریب کرنے والی تعلیم فراہم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

"کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته اور کل مولود یولد علی الفطرة فأبواه یهودانه أو ینصرانه أو یمجسانه"

جیسے ارشاداتِ نبوی کو دیکھتے ہوئے متبادل معیاری تعلیمی ادارے قائم کرنے کے بعد ان والدین کو بھی اپنے اداروں کی طرف راغب کرنا چاہئے جو نادانی میں یا اعلی معیاری تعلیمی ادارہ کی تلاش کے چکر میں اپنے بچوں کو مشنری اسکولوں میں داخل کر چکے ہوں۔ اسکے ساتھ یہ پیغام بھی دینا چاہئے کہ عصری تعلیم اور دینی تعلیم یہ غیر اسلامی تقسیم ہے اسلام کی نظر میں تعلیم صرف دو طرح کی ہے، علم نافع اور علم غیر نافع؛ لہذا اگر کوئی عصری تعلیم نیک مقاصد کیلئے حاصل کرتا ہے اور اپنے دین کا پابند رہتا ہے تو یہ اسکے حق میں علم نافع ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گمراہی

کے راستہ پر جاتا ہے یا دوسروں کو گمراہی کے راستہ پر لے جاتا ہے تو اس کے حق میں یہ غیر نافع تعلیم ہے۔ باقی یہ مغرب کی کلاکاری ہے کہ اس نے تعلیم کو عصری اور دینی میں تقسیم کر دیا کیونکہ ان کو جس نے علم کے حصول سے روکا تھا وہ ان کے گرجا گر اور معابد ہی تھے لیکن اسلام میں ایسا نہیں۔

ب- اہل کتاب خاتون سے نکاح کر ہی لیا تو:

اہل کتاب خاتون سے نکاح کو بصورتِ شدید احتیاج کے اگر کسی نے کر ہی لیا تو پہلے اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ مسلمان ہو جائے لیکن اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتی تو وہ بھی حقوق میں ایک مسلمان بیوی کی طرح ہوگی؛ لہٰذا ان کے ساتھ کسی طرح کی ناانصافی کی اجازت نہیں ہوگی؛ چنانچہ ان کے درمیان باری، نفقہ اور رہائش سب میں مساوات واجب ہے (موسوعہ فقہیہ ۱۱/ ۳۵۸)۔

اس لئے دعوت کی اہمیت کے پیش نظر عقدِ نکاح کے بعد شوہر پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ پوری تفصیل کے ساتھ وہ اسکے سامنے شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کو واضح کرے، اس کے بعد اگر بیوی اپنے مذہب پر قائم رہنے پر ہی مصر رہے تو شوہر پر وہ تمام حقوق عائد ہوں گے جو عام حالات میں ایک شوہر پر عائد ہوتے ہیں۔ یہ حکم شریعت کے اس قاعدہ کے تحت راقم نقل کرتا ہے جو فقہاء نے اختیار کیا ہے، چنانچہ انہوں نے عورت کے نکاح میں آنے کے بعد ذمیہ اور مسلمان عورت میں کوئی فرق نہیں کیا ہے؛ بلکہ اس کو مطلق رکھا ہے؛ "المطلق یجری علی اطلاقہ"۔

لہٰذا اگر وہ اپنے مذہبی اصولوں کے مطابق عبادت بھی کرنا چاہتی ہے تو شرعاً اسکی بھی اجازت ہوگی۔ راقم کے نزدیک اسکی نظیر وہ مسئلہ ہے جو فقہاء نے نقل کیا ہے اور احادیث میں بھی موجود ہے کہ ایک ذمی اگر دارالاسلام میں ہے تو اسے اپنے طرز پر عبادت انجام دینے سے حکومت اسلامیہ مانع نہیں ہوگی۔

اسکے باوجود بہتر تو یہی ہے کہ آدمی ایسے اقدام سے بچے کیونکہ اولاد باپ کے مقابلہ میں ماں کا اثر زیادہ قبول کرتے ہیں، غالب گمان یہی ہے کہ وہ بچوں کو شریعتِ محمدی سے محروم رکھے گی۔

ج- خدمتِ خلق کے مشنری ادارے اور ان سے استفادہ:

عیسائی مشنری کے اداروں سے استفادہ کے سلسلہ میں مسلمانوں کو محتاط رہنا چاہئے بلکہ اس سلسلہ میں بھی متبادل فراہم کرنے کی فکر کرنی چاہئے، خاص طور پر جبکہ ایسے خیراتی ادارے اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہوں اور مستفید ہونے والوں کو ان کے مذہب سے دور کرنے کا کام کرتے ہوں، یہ اپنے آپ کو خود ہی ہلاکت میں ڈالنے کی طرح ہوگا جس سے روکا گیا ہے۔

البتہ ایسے اداروں میں خدمت کرنے کی گنجائش ہوسکتی ہے جبکہ ملازم کی نیت متعلقہ ادارے کے افراد تک حق کی تعلیم پہنچانا اور ادارے میں رہ کر آنے والے مسلمانوں کو ان کی سازشوں سے آگاہ کرنا ہو، پھر اس کے لئے وہاں ملازمت نہ صرف جائز بلکہ ایک مطلوب کام ہوگا۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر وہاں خدمت انجام دینے سے بھی بچنا چاہئے کیونکہ جہاں خود اسکے دین کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے وہیں یہ تعاون علی الاثم والعدوان ہوگا۔



کتابیہ خواتین سے نکاح اور اہل کتاب کے ذبائح

مولانا محمد صادق مبارکپوری[1]

اسلامی شریعت کافر و مشرک سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں دیتی ہے، بلکہ اس کو حرام و ناجائز قرار دیتی ہے، مگر دینی آسمانی کتابوں کے ماننے والوں کے لئے چند خصوصی احکام دیئے ہیں، مثلاً ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا ہے، ان کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، قرآن کریم میں ہے:

"والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم" (سورۂ مائدہ: ۵).

مگر اس سلسلہ میں چند باتیں پیش نظر رہنی چاہئے۔

۱- ایسی کتابیہ خواتین سے نکاح کیا جائے، جو پاک دامن ہوں۔

۲- وہ کتابی خواتین وحی و رسالت اور آخرت پر ایمان رکھتی ہوں۔

۳- وہ خواتین غیر مسلم ملک میں بسنے والی نہ ہوں، کیونکہ غیر مسلم ملک میں بسنے والی ایسی خواتین سے نکاح کرنا بعض فقہاء کرامؒ کے نزدیک حرام اور احناف کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے۔

ردالمحتار شرح الدر المختار میں ہے: ''ويجوز تزوج الكتابيات والأولى أن لايفعل... وتكره الكتابية الحربية إجماعا لانفتاح باب الفتنة'' (۹/ ۳۰۹) کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے، بہتر ہے کہ نکاح نہ کرے، ......اور حربی کتابیہ عورت سے بالاجماع نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھلے گا۔

مشہور درسی کتاب ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں ہے: ''وتكره الكتابية الحربية إجماعا'' (۶/ ۲۹۱ المحرمات)۔

فقہ حنفی کی مشہور و متعارف کتاب البحر الرائق میں ہے: ''وحل تزوج الكتابية لقوله تعالى والمحصنات من الذين اوتوا الكتاب'' (۸/ ۵۶ فصل في المحرمات) کتابیہ سے نکاح کرنا حلال ہے، دلیل اللہ تعالیٰ کا قول: اہل کتاب کی پاکدامن عورتیں ہیں۔

المبسوط میں ہے: ''ويجوز للمسلم أن يتزوج كتابية في دار الحرب ولكنه يكره'' (۶/ ۱۶۱ باب نكاح أهل الحرب)۔ مسلمان کے لئے دارالحرب میں کتابیہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے، لیکن مکروہ (تحریمی) ہے۔

حاشیہ محیط برہانی میں ہے: ''ونكاح الكتابية يجوز للمسلم سواء كانت حربية أو غير حربية'' (۶/ ۱۵۳) (کتابیہ عورت سے مسلمان کے لئے نکاح کرنا برابر ہے خواہ حربی ہو یا غیر حربی ہو)۔

اسی طرح حنفیہ کی مشہور ترین کتاب ہدایہ میں ہے:

''ويجوز تزوج الكتابيات لقوله تعالى: المحصنات من الذين أوتوا الكتاب'' (۱/ ۱۸۶ فصل في بيان المحرمات)۔

اور حنفیہ کی مشہور کتاب ''بدائع الصنائع'' میں ہے: ''ويجوز أن ينكح الكتابيات'' (۵/ ۴۵۲) اور کتابی خواتین سے نکاح کرنا جائز ہے

درر الحکام شرح غرر الاحکام میں ہے: ''صح نكاح الكتابية قال الكمال والأولى أن لايفعل'' (۲/ ۶۳ نکاح الکتابیہ) (کتابیہ عورت سے نکاح کرنا جائز ہے، کمال نے کہا کہ بہتر ہے کہ نہ کرے)۔

قدوری کی شرح ''الجوہرۃ النیرۃ'' میں ہے: ''ويجوز تزوج الكتابيات'' (۲/ ۴۹۴) (کتابیہ خواتین سے نکاح کرنا جائز ہے)۔

---

[1] ناظم تعلیمات، جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارکپور، اعظم گڑھ۔

مشہور درسی کتاب ''شرح وقایہ'' میں ہے: ''صح نکاح الکتابیة و لو کانت أمة'' (۳/ ۲۲۱) (کتابیہ عورت سے نکاح کرنا صحیح ہے اگر چہ باندی ہو)۔

''الاختیار لتعلیل المختار'' میں ہے: ''ویجوز تزوج الکتابیات'' (۲/ ۱۲۹) (کتابیہ خواتین سے نکاح کرنا حلال ہے)۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کا دور خلافت غلبہ اسلام کا دور تھا، مسلمانوں کے جذبات نہایت پاکیزہ تھے، اس کے باوجود حضرت عمرؓ کتابیہ خواتین سے مناکحت کو منع فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا: میں حلال کو حرام نہیں قرار دیتا، بے شک اللہ تعالیٰ نے کتابیہ عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، مگر مسلمانوں کی عمومی مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ اس پر عمل نہ کیا جائے۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کرلیا، حضرت عمر فاروقؓ کو اس کا علم ہوا تو ان کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دے دو، حضرت حذیفہؓ نے جواب میں لکھا کہ کیا میرے لئے حرام ہے؟ امیر المومنین نے جواب دیا کہ میں اس کو حرام نہیں کہتا مگر ان لوگوں کی عورتوں میں عفت و پاکدامنی نہیں ہے، اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانے میں اس راہ سے فحاشی و بدکاری داخل نہ ہوجائے (احکام القرآن ۳/ ۳۲۲)۔

چنانچہ امام محمدؒ نے اپنی کتاب میں سیدنا حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کر کے تحریر فرمایا ہے کہ فقہاء حنفیہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو مکروہ سمجھتے تھے، اسی طرح علامہ ابن ہمامؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت طلحہؓ اور کعب بن مالکؓ کو بھی حضرت عمر فاروقؓ نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح پر سخت تنبیہ فرمایا اور حکم دیا کہ طلاق دے دیں (فتح القدیر ۳/ ۲۳)۔

یہ یاد رہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس زمانہ کی عیسائی خواتین کے متعلق ممانعت فرمائی تھی، جبکہ وہ مذہب پرست اور کتابی تھیں، آج کل کی طرح سراسر دہریہ اور سائنس پرست نہ تھیں۔

موجودہ دور کی اہل کتاب خواتین کے اندر زنا، فحاشی اور ناجائز تعلقات کی اتنی کثرت ہے، جس کو سن کر انسانیت کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے، اور جس نے گویا حیوانوں کو بھی پیچھے ڈال دیا، دوسرے ان کی اکثریت الحاد، مذہب بیزاری، انکار آخرت وغیرہ کی شکار ہے، لہذا ایسی خواتین سے قطعا نکاح کرنا حلال نہ ہوگا، نہ انہیں اہل کتاب میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اب چند مفتیان کرام کے فتاوی نقل کئے جاتے ہیں:

مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں: لیکن اس زمانہ میں جو نصاری کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاری ہیں، مذہبی حیثیت سے محض دہری وسائنس پرست ہیں، ایسوں کے لئے یہ حکم جواز نکاح نہیں ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۲۱۴)۔

''فتاوی دار العلوم دیوبند'' میں ہے: آج کل جو لوگ نصاری کہلاتے ہیں ان میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو دہری ہیں، کسی مذہب ہی کو نہیں مانتے بلکہ خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں، یہ لوگ اگر چہ باعتبار مردم شماری نصاری کہلاتے ہیں، مگر حکم شرع میں ایسے لوگ اہل کتاب نہیں ہوسکتے (فتاوی دار العلوم قدیم ۱، ۲/ ۱۶۰)۔

''فتاوی رحیمیہ'' میں ہے: لیکن فی زمانہ شرعی مصلحت کی بنا پر یہودی و نصرانی عورت کے ساتھ شادی کرنے اور خلط ملط رکھنے کی اجازت نہیں، بالخصوص دار الحرب اور کفرستان میں کہ اس میل جول اور خراب ماحول کے اثر سے اولا خود اس کے پھر اولاد کے عقائد اور اخلاق بگڑنے کا پورا پورا اندیشہ ہے (۲/ ۱۰۱، ۱۰۲)۔

''احسن الفتاوی'' میں ہے: آج کل اکثر عیسائی اور یہودی دہریہ ہیں اور دہریہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح نہیں ہوسکتا، اگر کسی عیسائی یا یہودی عورت کے بارے میں تحقیق سے معلوم ہوجائے کہ یہ دہریہ نہیں، تو اس سے نکاح ہوجائے گا، مگر دوسرے خطرات کی بنا پر اس سے پرہیز واجب ہے، مثلاً اولاد کے کافر ہونے کا سخت خطرہ ہے، بلکہ خود شوہر کا دین بھی خود خطرہ سے خالی نہیں، علاوہ ازیں ایسی عورتیں جاسوسی کا کام کرتی ہیں، لہذا یہ ملک کی سالمیت کے لئے بہت خطرناک ہیں (۵/ ۹۰)۔

''فتاوی محمودیہ'' میں ہے: بالخصوص موجودہ اقوام یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات از دواج تو بالکل ہی ان کے دین و دنیا کو تباہ و برباد کردینے والے ہیں، جن کا روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے، اور پھر یہ کہ اولاد عموماً کم سنی میں ماں سے زیادہ مانوس ہوتی ہے اور اس کے اثرات سے متاثر

ہونے کا مظنہ غالب ہے، نیز تجربہ سے ثابت ہوا کہ انہوں نے مسلمانوں کے نکاح میں آکر اکثر غدر اور نقصان کیا ہے، لہذا اسلامتی اسی میں ہے کہ ان سے مناکحت کا سلسلہ کسی مجبوری کے بغیر نہ کیا جائے (۱۱/ ۴۵۱)۔

حضرت شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کی تحقیق درج ذیل ہے: مگر یاد رہے کہ ہمارے زمانہ کے نصاری عموما برائے نام نصاری ہیں، ان میں بہ کثرت وہ ہیں جو نہ کسی آسمانی کتاب کے قائل ہیں نہ مذہب کے، نہ خدا کے، ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا ہے، لہذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا، نیز یہ ملحوظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں فی حد ذاتہ کوئی وجہ تحریم کی نہیں، لیکن اگر خارجی اثرات وحالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے منتفع ہونے میں انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے گی (فوائد عثمانی سور مائدہ)۔

جو لوگ خدا کے وجود کے قائل نہیں یا وحی و رسالت و آخرت کے منکر ہیں، ان کا شمار یہود و نصاری میں نہیں ہوگا، اور نکاح و ذبیحہ کے معاملہ میں ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ جو خدا کے وجود کے قائل نہیں، وہ دہریہ ہیں، ان کا اہل کتاب میں شمار کیوں کر ہوسکتا ہے، اہل کتاب تو اللہ تعالی کے وجود کے قائل ہیں، اسی طرح جو وحی و رسالت کے منکر ہیں وہ بھی اہل کتاب نہیں ہوسکتے، کیونکہ اہل کتاب تو نبی پر ایمان رکھتے ہیں:

''الکتابي من یومن بنبي ویقر بکتاب'' (فتح القدیر ۶/ ۳۹۱)۔

بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی کو اہل کتاب میں شمار کرنا جائز نہیں ہے، فرقہ بہائیہ کے پیروکار کے متعلق علماء ازہر میں سے ایک عالم شیخ عصام الدین شعار فرماتے ہیں: ''بأن الذی یعتنق البهائیة کافر بالإجماع، فلا یجوز زواج المسلم من البهائیة؛ لأنها مشرکة من غیر أهل الکتاب'' (اثر اختلاف الدین فی احکام الزواج/ ۸۱)۔ (جو شخص بہائی مذہب کو اختیار کرے، بالاجماع وہ کافر ہے، مسلمان کا بہائیہ عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ مشرک ہے، اہل کتاب میں سے نہیں ہے۔

مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ لکھتے ہیں: بہائی مذہب کے بارے میں جو عقائد سوال میں درج کئے گئے ہیں، ان کے الحاد و باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اس لئے کسی مسلمان کو ان کا مذہب اختیار کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ بہائی مذہب اختیار کرنے کے بعد کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا (آپ کے مسائل ان کا حل ۱/ ۵۵۲)۔

مفتی محمود حسن گنگوہی تحریر فرماتے ہیں: مرزا غلام احمد قادیانی نے عقائد کفریہ اختیار کئے، جس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج اور مرتد ہوگیا، جو شخص اس کے عقائد کفریہ کی تصدیق کرے گا، اس کا بھی وہی حکم ہوگا (فتاوی محمودیہ ۲/ ۱۱۶)۔

قادیانیوں میں سے دوسرا گروہ یعنی نسلی قادیانیوں کو اہل کتاب میں شمار کرنا جائز نہیں ہے، وہ زندیق اور بددین ہیں، اس لئے ان سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: جو لوگ نسلی طور پر قادیانی ہیں وہ زندیق ہیں اور بددین ہیں، ان سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے قادیانی اہل کتاب کے حکم میں نہیں (جدید فقہی مسائل ۳/ ۱۹۱)۔

۶- الف: ان حالات میں دار الاسلام میں اہل کتاب خواتین سے نکاح کرنا کراہت سے خالی نہیں، کیونکہ مسلم حکمرانوں کے تحت اہل کتاب خواتین کے ہونے کی وجہ سے اسلامی حکومتوں کو نقصان پہنچتا ہے، اور اس کے رواج سے مسلمانوں کی اخلاقی حالات کو بھی نقصان پہنچا ہے (جدید فقہی مسائل ۱/ ۱۹۰)۔

ب- ہاں ان لوگوں کے قول پر اہل کتاب سے نکاح کرنے کی کراہت برقرار رہے گی، جو دار الکفر میں اہل کتاب سے نکاح کو مکروہ قرار دیتے ہیں، کیونکہ جہاں فائدے نظر آرہے ہیں، وہاں نقصانات بھی اس سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہیں، مثلاً عیسائی عورت سے پیدا ہونے والی اولاد اپنی ماں کا مذہب اختیار کرلیتی ہے، بلکہ بسا اوقات یہ طے ہوجاتا ہے کہ آدھی اولاد شوہر کی ہوگی، اور آدھی بیوی کے مذہب پر ہوگی۔

☆☆☆

اہل کتاب کے ساتھ نکاح

مفتی رحمت اللہ قاسمی[1]

اہل کتاب:

اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن کے نازل ہونے سے پہلے دیگر آسمانی کتابوں پر ایمان واعتقاد رکھتے تھے، اور ان کی باتوں پر عمل کرتے تھے، جیسے یہودی تورات پر اور نصاری انجیل پر۔

البتہ ہمارے زمانے میں عیسائیوں اور یہودیوں کا ایک بہت بڑا گروہ وہ ہیں جو محض نام نہاد عیسائی و یہودی ہے، ورنہ فی زمانا ان دونوں طبقات کے اکثر لوگ خدا کے وجود، نبوت، وحی، حشر ونشر پر ایمان نہیں رکھتے، اور ان تمام کے منکر ہیں، لہذا موجودہ زمانے میں عیسائی اور یہودی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا، امام ابن جریرؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے روایت نقل کی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا مسلمان اہل کتاب کی عورت سے نکاح کرسکتا ہے تو فرمایا مسلمان کو اہل کتاب کی عورتوں سے کیا غرض جبکہ اللہ تعالی نے مسلمان عورتوں کو بہت زیادہ کردیا ہے (تفسیر طبری، نیز آیت: "والمحصنات من الذین" ۶ / ۱۲۶، بحوالہ تفسیر درمنثور ۲ / ۷۱۸)۔

"فتاوی محمودیہ" میں لکھا ہے کہ "الحیلۃ الناجزہ" (ص ۱۶۵) میں لکھا ہے کہ اگر عورت کتابیہ، یعنی یہودیہ ونصرانیہ وغیرہ ہو تو اس سے مسلمان مرد کا نکاح دو شرطوں کے ساتھ ہوسکتا ہے، اول یہ کہ وہ تمام اقوام یورپ کی طرح صرف نام کی عیسائی اور درحقیقت لامذہب (دہریہ) نہ ہو، بلکہ اپنے مذہبی اصول کو کم از کم مانتی ہو، اگرچہ عمل میں خلاف بھی کرتی ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اصل سے یہودیہ ونصرانیہ ہو، اسلام سے مرتد ہوکر یہودیت یا نصرانیت اختیار نہ کی ہو، جب یہ دونوں شرطیں کسی کتابیہ عورت میں پائی جائیں تو اس سے نکاح صحیح ومنعقد ہوجاتا ہے، لیکن بلاضرورت شدیدہ اس سے بھی نکاح مکروہ ہے، اور بہت سے مفاسد پر مشتمل ہے، اس لئے حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنے سے منع فرمایا تھا اور جب عہد فاروقی میں ایسے مفاسد موجود تھے تو آج کل جس قدر مفاسد کم ہیں۔

(الحیلۃ الناجزہ /ص ۱۷۰، خلاصہ حکم الازواج مع اختلاف دین الازواج بحوالہ فتاوی محمودیہ ۱۷ / ۸۲، ۸۳)۔

"فتاویہ محمودیہ" میں آگے لکھا ہے کہ تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ انہوں (یہودی وعیسائی عورتوں) نے مسلمانوں کے نکاح میں آکر اکثر نقصان کیا ہے، لہذا اسلامتی اس میں ہے کہ ان سے مناکحت کا سلسلہ کسی مجبوری کے بغیر نہ کیا جائے۔

"نیز فتاوی دار العلوم" میں ہے کہ آج کل جو لوگ نصاری کہلاتے ہیں ان میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو دہریہ ہیں کسی مذہب ہی کو نہیں مانتے، بلکہ خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں، اگرچہ باعتبار مردم شماری نصاری کہلاتے ہیں، مگر حکم شرعی میں ایسے لوگ اہل شرع نہیں ہیں۔

(فتاوی دار العلوم قدیم ۱ / ۱۹۰)۔

عمدۃ التفسیر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی کی تحقیق:

مگر یاد رہے کہ ہمارے زمانے کے نصاری برائے نام نصاری ہیں، ان میں بہ کثرت وہ ہیں جو کسی آسمانی کتاب کے قائل نہیں نہ مذہب کے، نہ

---

[1] دار العلوم شیخ علی متقی، برہان پور، مدھیہ پردیش۔

خدا کے، ان پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا، لہٰذا ان کے ذبیحہ اور نساء کا حکم ایک سا نہیں ہوگا (فتاوی رحیمیہ ۸ / ۱۹۳)، ان تمام مفاسد کی بناء پر اکثر فقہاء نے کتابیہ عورتوں سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے:

"قال ابن النجيم: وحل تزوج لكتابية لقوله تعالى والمحصنات من الذين او توالكتاب، والاولى ان لايتزوج كتابية" (البحر الرائق ۳/ ۱۰۳)، "وقال العلامه الحصكفي: وصح نكاح كتابية وإن كره"۔

قادیانی چونکہ باجماع امت مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، اس لئے ان سے کسی قسم کا رشتہ ناطہ شرعاً جائز نہیں، جس طرح کسی قادیانی سے مسلمان عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا، ایسے ہی کوئی مسلمان شخص کسی قادیانی عورت سے نکاح نہیں کرسکتا، اس لئے کہ قادیانی اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہیں، بلکہ مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

"قال شيخ الإسلام برهان المرغيناني إن تصرفات المرتد على أقسام نافذ بالاتفاق كالستيلاء، والطلاق، وباطل بالاتفاق كالنكاح والذبيحة، لأنه يعتمد الملة" (الهدايه ۲/ ۶۰۳ باب المرتد)

"وفي تاتارخانيه والمرتدة لايجوز نكاحها مع احد" (فتاوى تاتارخانيه ۳/ ۸)۔

قادیانی فرقہ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے اور پھر مرزا غلام احمد قادیانی کو آخری رسول اور نبی بھی تسلیم کرتا ہے ایسے لوگ منافقین سے زیادہ ضرررساں اور دین کو نقصان پہنچانے والے ہیں، لہٰذا انہیں زندیق سے تعبیر کیا جاتا ہے:

"هو الذين يظهر الإسلام ويسر بالكفر والمنافق وكان يسم في عصر النبي ﷺ منافقا يوسمى اليوم زنديقا" (مجموع الفقه الحنبلي ۱/ ۱۴۴، بحواله لمغنى)۔

چنانچہ فقہاء کرام نے زندیق کو عام بت پرستوں اور کافروں کے حکم میں رکھا ہے، علامہ ابن نجیم مصری نے "فتح القدیر" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

"يدخل في عبدة الأوثان الصور التي استحسنوها والمعطلة والزنادقة" (البحر الرائق ۳/ ۱۱۰)

اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے شرح موطا کی عبارت جس میں ختم نبوت کا بالواسطہ انکار کرنے والوں کو زندیق قرار دیا گیا ہے آپؒ نے اس بات کو بالکل واضح کردیا کہ قادیانی بھی زندیق ہی کے حکم میں ہیں اور ان کا حکم نکاح اور ذبیحہ کے باب میں اہل کتاب کا نہیں بلکہ عام کافروں کا ہے اور یہ نہ صرف فقہاء کی تصریحات کے مطابق، بلکہ شریعت کی اس روح کے بھی موافق ہے کہ ایسے تمام مسائل میں ایمان کی حفاظت سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں اس لئے اہل کتاب سے نکاح کو حرام قرار دیا گیا، تاکہ افراد امت مسلمہ فتنہ وفساد اور عقائد کی بے راہ روی سے محفوظ ہوسکیں، یہود ونصاری کا تو فسق وفجور کھلا ہوا ہے، لیکن ان قادیانیوں کا فتنہ چھپا ہوا ہے یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن درحقیقت یہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

لہٰذا موجودہ دور میں ہندو پاک میں عیسائیوں اور یہودیوں سے زیادہ اس فتنہ سے اجتناب کرنا از حد ضروری ہے، اسی لئے قادیانیوں سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہوگا، اور اسی میں امت مسلمہ کی دینی ودنیا کی فلاح وبہبودی مضمر ہیں۔

صابئین:

صابی: "صبوأ" کے اصل معنی خروج (نکلنا) ہیں، اور "صبأفلان" اس لفظ کا استعمال عرب اس وقت کیا کرتے تھے جب کوئی ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہوتا تھا "صبأناب البعير" اس وقت بولا جاتا ہے جب اونٹ کا دانت نکل آتا ہے اور فرقہ صابئین اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کسی دین میں بھی داخل نہیں ہر دین سے نکلے ہوئے ہیں (تفسیر مظہری ۱/ ۱۱۰)۔

صابی کے لفظی معنی ہے جو کوئی بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں آجائے یا اس کی طرف مائل ہوجائے۔

"قال واسحاق الصابئون الخارجون من دين إلى دين، قيل لكل خارج من الدين إلى دين ...صابي" (راغب)

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں صابی اس لئے کہا جانے لگا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین قریش چھوڑ کر دین اسلام اختیار کر لیا تھا۔

''وكانت العرب تسمى بالنبي ﷺ الصابي؛ لأنه خرج من دين قريش ... دين الإسلام'' (نهاية)۔

اصطلاح میں صابیوں سے مراد ایک ایسا مذہبی فرقہ ہے جو عرب کے شمال ومشرق میں شام وعراق کی سرحد پر آباد تھا یہ لوگ دین وتوحید اور عقیدہ رسالت کے قائل تھے، اور اس لئے اصلاً اہل کتاب تھے، اسی لئے انہیں ''نصارائے یحیی'' کہا جاتا تھا، گویا نسبت ایک پیغمبر حضرت یحیی کی جانب رکھتے تھے، حضرت عمرؓ جیسے مبصر ونکتہ رس خلیفہ راشد اور عبداللہ بن عباس جیسے محقق صحابی رسول نے صابیوں کا شمار اہل کتاب میں کیا ہے، اور حضرت عمرؓ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال مانا ہے

''وقال عمر بن الخطاب وابن عباس هم قوم من أهل الكتاب وقال عمر تحل ذبائحهم مثل ذبح اهل لكتاب''

اور اہل لغت بھی اسی طرف گئے ہیں: ''هم جنس من أهل الكتاب (صحاح جوهرى)''۔

تابعین میں متعدد اکابر ان کے اہل کتاب یا موحد ہونے کے قائل ہیں ''هم طائفة من اهل الكتاب'' (ابن جرير ... عن السدى) ''فرقة من أهل الكتاب'' (ابن كثير عن إلى العالية وربيع بن انس الضحاك والسدى واسحاق بن راهويه)۔

ابن زیدانؒ ان کے موحد ہونے کے قائل تھے، اور قتادہؒ اور حسن بصریؒ سے تو یہاں تک منقول ہے کہ اہل قبلہ تھے، اور نماز پانچ وقت کی پڑھتے تھے (ابن جریر)، اور ہمارے امام ابوحنیفہؒ جو خود بھی عراقی تھے، اور اس لئے صابیوں سے براہ راست واقفیت کا موقع رکھتے تھے، ان کا فتوی ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور ان کے ہاں کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہے اور یہی قول بعض اور قدیم فقہاء امت کا ہے۔

''ولهذا قال أبوحنيفة واسحاق لا بأس بذبائحهم ومناكحتهم'' (ابن كثير) ''قال أبوحنيفة لا بأس بذبائحهم ونكاح نسائهم'' (قرطبى)۔

تاریخ ایران پر ایک مستند مستشرق کی کتاب کا فرنچ سے اردو ترجمہ شائع ہوا (انجمن اردو دہلی) اس کے (صفحہ نمبر ۴۶) پر فاضل مترجم شیخ محمد اقبال پرنسپل اورینٹل کالج لاہور لفظ مینڈین (mandaean) پر حاشیہ دیتے ہیں، مینڈین بہ زبان آرامی ''بمعنى أولو العلم'' لکھا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس فرقہ کے لوگ اب بھی عراق میں موجود ہیں، اور صابی کہلاتے ہیں، وہ لوگ اگر چہ عیسائی نہیں ہیں، تاہم جان دی بپٹسٹ کو مانتے ہیں، عراق میں عوام ان کو حضرت یحیی کی امت کہتے ہیں (ایران بعہد ساسانیاں) اور یہاں خود قرآن مجید ان کے نام کا عطف دو اہل کتاب قوموں پر کر رہا ہے، یہ خود ایک قرینہ ان کے اہل کتاب اور اہل توحید ہونے کا ہے، جیوش انسائیکلو پیڈیا میں یہ تصریحات موجود ہے کہ ''میڈینہ'' مشرقی مذہبی فرقہ ہے، جس کے عقائد واعمال مسیحیوں، یہودیوں اور مشرقوں کے دین کو مخلوط ہیں، یہ لوگ جنوبی بابل یعنی واسطہ وبصرہ کے علاقے میں خوزستان کے قریب آباد ہیں، اور زبانیں یعنی عربی وفارسی بولتے ہیں، ان کے مذہبی نوشتے آرامی زبان میں ہیں جو بابل کے تالمود سے قوی مشابہت رکھتی ہیں، اور اپنے کو دوسرے فرقوں کے سامنے صابی ہی کہتے ہیں (جیوش انسائیکلو پیڈیا ۸/ ۲۸۸)۔

اسی میں آگے لکھا ہے کہ یہ لوگ گرچہ اور انبیاء برحق حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرموسیٰ کے منکر ہیں، لیکن حضرت یحیی کی نبوت کے قائل ہے ''انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجین اینڈ ایتھکس'' میں اس فرقہ کی تاریخ عائد وغیرہ پر مقالہ بڑی ہی شرح وبسط کے ساتھ ہے (۸/ ۳۸۰ تا ۳۹۲)۔

ان کا دوسرا لقب مغتسلہ بھی لکھا ہے، یہ غسل اور پانی میں غوطہ دینے کے بہت قائل ہیں، ان کی تعداد قریب چار ہزار بیان کی جاتی ہے، نماز ان کے ہاں پانچ وقت کی فرض ہے، تین بار دن میں اور دو بار رات میں اور ان کا قبلہ قطب تارہ یا سمت شمال ہے۔

چمبرز انسائیکلو پیڈیا (نیو ایڈیشن) میں ان کی آبادی عراق میں چھ ہزار بیان کی گئی ہے (۷/ ۷۰۵، بحوالہ تفسیر ا/ ۱۷۰)۔

صابئین کے بارے میں حقائق وواقعات سے متعلق ان متضاد ومختلف روایات کی بنا پر فقہاء کے یہاں اختلاف پیدا ہوا ہے کہ یہ اہل کتاب کے حکم میں ہے یا عام مشرقین کے حکم میں ہیں؟ اور اکثر علماء نے ان کے حالات ومعتقدات پر موقوف رکھا ہے۔

امام احمد کا ایک قول ہے کہ وہ عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے پھر جب ان کو معلوم ہوا کہ وہ یوم سبت کا احترام کرتے ہیں تو پھر انہیں یہودیوں میں شمار کیا (المغنی ۹/ ۲۶۳)۔

امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ اگر ان کے عقائد عیسائیوں اور یہودیوں کے مطابق ہوں تو ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال ورنہ نہیں۔ (شرح المہذب ۹/ ۷۹)۔

مالکیہ کا خیال ہے کہ چونکہ عام عیسائیوں سے ان کے عقائد بہت کچھ مختلف ہے اور ان کا مذہب آتش پرستوں سے قریب تر ہے اس لئے ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا (الشرح الصغیر ۱/ ۱۵۴)۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے بھی ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا ہے (ہندیہ ۳/ ۳۶۸)۔

امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ؟ آپ ان کو اہل کتاب میں شمار کیا کرتے تھے (الجامع الاحکام القرآن ۱/ ۴۳۴)۔

لیکن اصل میں یہ اختلاف رائے اس بات پر مبنی ہے کہ ان لوگوں کا عقیدہ کیا تھا؟ امام کرخیؒ کا خیال ہے کہ ان کا ایک فرقہ حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا، اور زبور کی تلاوت کرتا تھا، امام ابو حنیفہؒ نے اپنی رائے میں اسی کو پیش نظر رکھا ہے، اور ایک فرقہ نبوت و وحی کا منکر اور سورج کا پرستار تھا، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے اسی کے پیش نظر اپنی رائے دی ہے (الخانیہ علی ہامش الھندیہ ۳/ ۳۶۸)۔

ہر چند کہ اس دور میں اس نام سے کوئی قوم معروف و متعارف نہیں ہے، لیکن صابئین کے بارے میں فقہاء کی احتیاط سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ کوئی بھی گروہ جس کا اہل کتاب ہونا مشکوک ہو تو جب تک اس کا اہل کتاب میں سے ہونا متحقق نہ ہو جائے، ذبیحہ اور عورتوں کی حلت کے باب میں ان و اہل کتاب کا درجہ نہیں دیا جا سکتا (قاموس الفقہ ۴/ ۱۱۵ تا ۱۱۶)۔

لہذا ان تمام باتوں پر غور وخوض کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شاید اس دور میں یہ فرقہ موجود ہی نہ ہو، اور اگر موجود بھی ہو تو دیگر اہل کتاب کی طرح ان کی تعلیمات، عقائد، توحید و رسالت، حشر و نشر میں تبدیل و خرد برد کر دی گئی ہو، لہذا احتیاط کا پہلو یہ ہے کہ نہ تو ان کا ذبیحہ حلال ہونا چاہئے اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرنا درست قرار دیا جانا چاہئے۔

''وقال ابن عابدین ففی الفتح: ویجوز تزوج الکتابیات والأولی وبی أن لایفعل'' (ردالمحتار ۳/ ۴۵)

ان تمام مباحث کی روشنی اور موجودہ دور کے اصحاب حل وعقد کے نظریہ اور موجودہ زمانہ کے حالات و واقعات کے پیش نظر کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنے ہی میں عافیت محسوس ہوتی ہے۔

☆☆☆

ہندو مذہبی کتابیں اور شخصیات اسلامی تناظر میں

مولانا محمد مصطفی قاسمی آواپوری[1]

مادر وطن ہندوستان بھی روم وفارس اور امریکہ وروس کی طرح قدیم زمانے میں سپر پاور ملک اور تہذیب وتمدن کا گہوارہ رہ چکا ہے، علم وادب اور طب کا مرکز تھا، یہاں کی یونیورسٹی میں باہر ممالک کے لوگ آکر تعلیم حاصل کرتے تھے، یہاں کی تین یونیورسٹیاں پوری دنیا میں معروف ومشہور تھیں: نالندہ یونیورسٹی، وکرم شلا یونیورسٹی، ٹکشلا یونیورسٹی، یہاں کے سپوت علوم وفنون کے حاذق و ماہر تھے، ان کو اپنے مذہبی علوم کے اندر بھی اعلی درجہ کا کمال حاصل تھا، پیغمبروں وریفارمروں اور رشیوں ومنیوں کی یہ سرزمین کہلاتی تھی: مہارشی گوتم، بالمیکی، رام، کرشن وغیرہ یہیں کے باشندے تھے، اپنے دور کے صالحین و مصلحین کے زمرے میں شمار کئے جاتے تھے، ان لوگوں کے بعد گوتم بدھ، مہاویر گذرے ہیں، بدھ مت کے بانی گوتم بدھ (۵۶۳ ق م) نیز جین مت کے بانی مہاویر (۵۹۹ ق م)۔ (دیکھئے: سو عظیم آدمی/ص ۱۴۱ تا ۱۴۴ مائکل ہارٹ)، ہندو مذہب کی کتابوں خاص کر ویدوں مین توحید ورسالت کی واضح تعلیمات موجود ہیں، آخرت کا تصور بھی ہے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوشخبری بھی ہے اور آپ کے خاندان اور جائے ولادت کی تفصیلات صراحت ووضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور مزید فیہ اس کے اندر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ احمد، اور محمد کا لفظ صراحت کے ساتھ استعمال ہوا ہے، ان شواہد کی روشنی میں اگر ان کی کتابوں کو قرآن مجید کی بیشتر اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں موافقت کی بنیاد پر برادران وطن کے رشیوں ومنیوں کے سلسلے میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ اپنے عہد ودور میں ممکن ہے کہ اللہ تعالی کے پیغمبر رہے ہوں اور جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے سلسلہ میں مبالغہ سے کام لیا، اسی طرح مادر وطن ہندوستان میں ان کے ماننے والوں نے ان کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا ہوگا، ان کی کتابوں کے بارے میں بھی ان شواہد کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے سابقہ کتابوں کی طرح یہ بھی الہامی کتاب ہو (سورۂ بنی اسرائیل: ۳۶)۔

مولانا قاسم نانوتویؒ نے لکھا ہے کہ ہندو مذہب کے سادھو سنت اور رشیوں ومنیوں مثلاً مہارشی گوتم، بالمیکی، رام چندر، کرشن وغیرہ کو برا بھلا نہیں کہنا چاہئے، وہ اپنے زمانے کے مصلحین میں سے تھے ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالی کے پیغمبروں میں ہوں اس لئے مسلمانوں کو اس سلسلے میں سکوت اختیار کرنا چاہئے، مزید فیہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ حضرات ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پہلے گذرے ہیں اور ہم کو ہماری شریعت نے کسی کو بھی برا بھلا کہنے سے ممانعت کردی ہے (سورۂ انعام: ۱۰۸)۔

زبدۃ الخلاصہ:

اور وید اور گرنتھ یا زردشت وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحی الہی اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے، اور صرف یہ امکان کہ شاید زبور اور صحف ابراہیم ہی کی مسخ شدہ وہ صورت ہو جس کو بدھ مت کی کتاب یا وید یا گرنتھ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے، امکان محض احتمال محض ہے، جو ثبوت کے لئے کافی نہیں (معارف القرآن ۳/۶۱)۔

برادران وطن جن شخصیتوں کو خدا کا اوتار مانتے ہیں ان کو یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اپنے عہد کے اللہ کے پیغمبر رہے ہوں گے، اور ان کی کتابوں کو قرآن مجید کی بیشتر اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں موافقت کی بنیاد پر یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ الہامی کتاب ہے۔

---

[1] مدرسہ اسلامیہ، شکر پور بھر وارہ، در بھنگہ، بہار۔

اہل کتاب سے سماجی تعلقات قائم کرنے کا حکم شرعی نقطہ نظر سے:

الف: عیسائی مشنریز تعلیم پر خصوصی توجہ دیتی رہی ہیں اور پورے ملک میں ان کے اسکولوں کا جال بچھا ہوا ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان اسکولوں سے پڑھ کر نکلنے والے طلبہ وطالبات کی ایک اچھی خاصی تعداد الحاد ودہریت کا شکار ہوجاتی ہے اور ان کے ذہن میں شکوک وشبہات کے کانٹے جڑ پکڑ لیتے ہیں، ان حالات میں مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایسے اداروں میں داخلہ لینے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا، کیونکہ یہ اقدام اپنے آپ کو جہنم میں دھکیل دینے کے مترادف ہے، شریعت اسلامیہ میں خودکشی حرام ہے، اسی طرح شتر بے مہار اداروں میں اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کا داخلہ کرنا گویا اپنے آپ کو خودکشی کرنے کے مترادف ہے، اسلام ہمارا محتاج نہیں ہے، بلکہ ہم لوگ اسلام کے محتاج ہیں، ہمیں مرتے دم تک اسلام کا قلادہ گردن میں ڈال کر رکھنے کی اشد ضرورت ہے، مسلمانوں کو اپنے علاقہ میں ایسے اسکولوں کی حوصلہ افزائی کرنی نہیں چاہئے، بلکہ ان کی حوصلہ شکنی کی جائے ایسے عصری تعلیم سے آراستہ ہونا اور ان کے ذریعہ روزگار کے مواقع حاصل کرنا مسلمان کے لئے زیبا نہیں دیتا ہے، جب ہمارے اندر اسلام کی کوئی چنگاری ہی باقی نہ رہے گی تو تعلیم یافتہ ہونے اور روزگار کے مواقع مل جانے سے کیا فائدہ، ایسے خرافات سے صدفی صد احتراز واجتناب کرنا چاہئے اور مسلمان قوم کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی ضرورت ہے، اور اس کا متبادل معیاری تعلیمی درس گاہوں کے قائم کرنے کے لئے اپنی پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے، تا کہ ہمارے بچے بچیاں عصری تعلیم سے آراستہ ہوسکیں اور ان کو روزگار کے مواقع حاصل ہوسکیں، عصر حاضر میں مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایسے اداروں میں داخلہ لینا شرعاً قطعاً حرام ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

"یایها الذین آمنوا قوا أنفسکم وأهلیکم نارا وقودها الناس والحجارة علیها ملائکة غلاظ شداد لایعصون الله ما امرهم ویفعلون مایؤمرون" (سورۂ تحریم: ۶)

(اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اس پر مقرر ہیں فرشتے تندخو زبردست نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جو بات فرمائے ان کو اور وہی کام کرتے ہیں جو ان کو حکم ہو)۔

ب- اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمان مردوں کو شادی کرنا حرام ہے:

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے کے بعد ان کے حقوق کی ادائیگی سے راہ فرار اختیار کرنے اور ان کو چھوڑ کر بھاگ آنے یا محض غیر مسلم ہونے کی بناء پر طلاق دے دینے کی اجازت ہرگز نہ ہوگی، اس کے ساتھ اسلامی رواداری اور حسن سلوک کا اعلیٰ نمونہ پیش کرنے کی ضرورت ہے تا کہ اس کا دل مذہب اسلام کی طرف مائل ہوجائے اور خود بہ خود اسلام قبول کرلے، نیز اگر نباہ مشکل ہوجائے تو معروف طریقے سے طلاق دے دے، تا کہ وہ اپنی باقی ماندہ زندگی کسی دوسرے کے ساتھ بسر کرسکے، اس کو بے سہارا چھوڑ کر بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس کا متبادل نظم ونسق کر کے ہی اپنے ملک کو لوٹنا چاہئے، مذہب اسلام کی یہی تعلیم ہے، اس کی خلاف ورزی مذہب اسلام کی جگ ہنسائی کے مترادف ہوگی۔

(موسوعہ فقہیہ ۲۴/ ۵۶ تا ۶۰، وزارت الاوقاف کویت)۔

جو اہل کتاب خواتین مسلمان مردوں کے نکاح میں ہوں، وہ اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام نہیں دے سکتی ہیں، اگر وہ واقعہ اپنے مذہبی مراسم کی ادائیگی کی بڑی پابند ہوں تو وہ گرجا، چرچ میں جا کر انجام دینے کی کوشش کریں۔

زبدۃ الخلاصہ: قرآن وسنت اور اسوہ صحابہ کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی طور پر پرہیز کریں، اہل کتاب کی عورتوں کو اگر رکھنا ہی ہے تو باقاعدہ نکاح کر کے بیوی کی حیثیت سے رکھیں ان کے حقوق مہر وغیرہ ادا کریں، ان کو داشتہ کے طور پر رکھنا اور کھلے طور پر بدکاری کرنا یہ سب چیزیں حرام ہیں، عصر حاضر میں بلاچوں وچرا اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے کے سلسلے میں

حرمت کا فتویٰ صادر کردیا جائے۔ میری رائے میں اہل کتاب کی عورتوں سے چاہے وہ دارالاسلام میں رہتی ہوں یا دارالکفر میں ہر حال میں نکاح کرنا حرام ہے۔

ج- عیسائی مشنریز ہاسپٹل، قرض مہیا کرنے والے ادارے قائم کرتی ہیں، یہ ادارے خدمت خلق کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب کی تبلیغ اور کم سے کم دوسروں کو اپنے مذہب سے دور کرنے کا اہم کردار ادا کررہے ہیں، ایسے اداروں میں مسلمانوں کو خدمت کرنے کی شرعاً اجازت نہیں دی جائے اور نہ ان کی خدمات سے استفادہ کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، کیونکہ اس صورت میں کفر وارتداد کا بہت ہی زیادہ خطرہ ہے۔

عیسائی مشنریز کے ماتحت کسب معاش کرنا اپنے آپ کو خودکشی کرنے کے مترادف ہے، جب سب کو معلوم ہے کہ وہاں مذہب اسلام پر برقرار رہنا مشکل ترین مرحلہ ہے، شرعاً ایسی ملازمت کرنا حلال وجائز نہیں، ایسی ملازمت کا ترک کردینا فرض وواجب ہے۔

اسلام نے انسان کو جو اعزاز واکرام بخشا ہے اس کا لحاظ وخیال کرنا ہر انسان کے لئے لازم ہے، بلاضرورت کسی بھی شخص کے سامنے گداگری کے لئے ہاتھ پھیلانا عزت وآبرو کے خلاف ہے، ایسی روزی کی تلاش شرعی نقطہ نظر سے ممنوع ہے، ہر آدمی اپنی لیاقت وقابلیت کے اعتبار سے روزی کی تلاش میں کوشاں رہے، ایسی روزی کی تلاش میں نہیں رہنا چاہئے جس سے اسلام ہی خطرے میں پڑ جائے۔

زبدۃ الخلاصۃ:

یہودی اور عیسائی کی شرارت کی روداد سے قرآن مجید اور کتب حدیث بھری ہوئی ہے پھر بھی ہم لوگ اسی سے عبرت حاصل نہ کریں تو اس میں کسی کا قصور نہیں ہے خود ہمارا قصور ہے، ہم دشمن کس دشمن سمجھ رہے ہیں، بلکہ اس کے برعکس اس کو اپنا خیر خواہ سمجھ کر اس کے ساتھ دوستی کا کردار ادا کررہے ہیں، عیسائی اداروں میں خدمت کرنے اور ان کی خدمات سے استفادہ کرنے میں مسلمانوں کا رویہ منفی عمل کا ہونا چاہئے مزید فیہ ایسے اداروں کی بیخ کنی عصر حاضر میں مسلمانوں پر ضروری لازم ہے، تاکہ وہ اسلام کی شبیہ نہ بگاڑ سکے، اس قسم کا ادارہ صاحب ثروت کو قائم کرنا چاہئے، تاکہ مسلم قوم اس سے فائدہ اٹھائے اور عیسائی ادارے کی طرف للچائی نگاہ سے نہ دیکھے۔

☆☆☆

اہل کتاب عورتوں سے نکاح اور اس سے متعلق احکام

مولانا اشتیاق احمد قاسمی [1]

نسل انسانی کی بقا، عفت وعصمت کے تحفظ اور تمدنی زندگی بسر کرنے کے لئے اللہ تعالی نے نکاح کو مشروع فرمایا ہے، یہ زوجین کے لئے قلبی سکون کا ذریعہ ہے، نکاح سے پہلے زوجین کو ہزار بار سوچنا چاہئے، اور نکاح کے بعد جدائی کے سلسلہ میں کبھی نہیں سوچنا چاہئے، سکون وعافت کی زندگی گزارنے کے لئے زوجین کے درمیان، ہم آہنگ کے لئے مذہبی، فکری، معاشی اور تہذیبی ہم آہنگی ضروری ہے، اسی مقصد کے پیش نظر مسلمان کا نکاح کافرہ سے جائز نہیں ہوگا اور کافر کا مسلمان عورت سے جائز نہیں ہے، قرآن پاک میں مشرکین کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں:

۱- جس کا مذہب آسمانی نہیں ہے ۲- جس کا مذہبی آسمانی ہے۔

پہلی قسم سے رشتہ نکاح قطعاً جائز نہیں ہے، اس کو قرآن مجید میں "ولا تنکحوا المشرکات" (بقرہ: ۲۲۱) سے بیان کیا گیا ہے، اور دوسری قسم سے نکاح جائز ہے، قرآن پاک میں "والمحصنات من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم" (مائدہ: ۵) سے بیان کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے جواز کو بیان کیا گیا ہے، اس لئے پوری امت اس کے جواز کو مانتی ہے، صحابہ کرام تابعین عظام اور ائمہ اربعہ سب کے سب جواز پر متفق ہیں، صحابہ کرام میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے ایک یہودیہ سے حضرت حذیفہ بن الیمان نے ایک عیسائی سے اور حضرت عثمان بن عفان نے کسی یہودیہ یا نصرانیہ سے نکاح کیا (جامع البیان ۲/ ۳۷۶)۔

وہ خیر القرون تھا اس زمانے میں یہود ونصاری گمراہیوں کے باوجود خدا کے قائل تھے، وحی، نبوت اور ملائکہ کو تسلیم کرتے تھے ان کا آخرت کے جزا وسزا پر بھی ایمان تھا، لیکن ہمارے زمانے کے یہود ونصاری کی حالت مختلف ہے، یہ قول علامہ شبیر احمد عثمانی: "ہمارے زمانے کے نصاری برائے نام نصاری ہیں، ان میں اکثر نہ تو آسمانی کتاب کو مانتے ہیں اور نہ اللہ تعالی کو" (تلخیص از فوائد عثمانی، سورہ مائدہ: ۵)۔

مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: اس زمانے میں جو نصاری کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاری ہیں، مذہبی حیثیت سے محض دہری اور سائنس پرست ہیں (امداد الفتاوی ۲/ ۲۱۴)۔

آج کے یہود ونصاری کی ایک بڑی تعداد بنیادی عقیدے کی منکر ہے، نہ تو ان کا ایمان خدائے واحد پر ہے اور نہ وہ رسالت اور آخرت ہی کو مانتے ہیں۔ جب صورتحال یہ ہے تو حکم لگانے میں تفصیل ہوگی جب کہ اہل کتاب عورت اپنے معروف عقیدہ پر ہوگی بس اسی سے نکاح جائز ہوگا کہ کوئی اور اس میں نہ ہو، نیز مضبوطی سے اسلام پر رہنے کی ہمت ہو اور بیوی سے کسی قسم کا خطرہ نہ کرتا ہو اور جو دہریت کی قائل ہو اس سے مسلمان کا نکاح جائز نہیں ہوگا (امداد الفتاوی ۲/ ۲۱۴ فوائد عثمانی)۔

جواز کا قول بھی حضرت عمر ابن عمر اور ابن عباس کے آثار کی روشنی میں خلاف اولی اور کراہت تنزیہی کے ساتھ مقید ہے اور وہ بھی دار الاسلام میں رہنے کی حالت میں دار الحرب میں فقہاء کرام کراہت تحریمی کے قائل ہیں۔

اہل کتاب سے نکاح میں دار الاسلام اور دار الحرب کا فرق:

پہلے زمانے میں دار الاسلام اور دار الحرب میں بنیادی فرق تھا، دار الاسلام کا ماحول بالکل اسلامی تھا، ہر چیز پر اسلام اور احکام اسلام کو ترجیح حاصل

---

[1] مدرس دار العلوم دیوبند، سہارنپور۔

تھی، دارالحرب میں مسلمانوں کے لئے رہنا جائز نہ تھا، ہجرت ضروری تھی، اور ہجرت میں آج کی طرح دشواری بھی نہیں تھی، اس لئے فقہاء کرام نے بہت سے احکام میں دونوں ملکوں کے لحاظ سے فرق بیان فرمائے تھے، دارالحرب میں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی صورت میں کئی خطرات تھے۔

الف-بیوی کے اثر انداز ہونے کی صورت میں شوہر کے دین کا خطرہ تھا۔

ب-کفروالحاد کے غلبہ کے ماحول میں اولاد کے دین پر باقی رکھنے کا مسئلہ بھی اہم تھا کہ کہیں بچپن سے ماں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے غیر مسلم نہ ہو جائے۔

ج-بیوی اور بچے کی وجہ سے دارالحرب کو مستقل طور پر وطن بنا لینے کا بھی خطرہ تھا۔

ان خطرات کے پیش نظر فقہاء کرام نے دارالحرب میں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کو مکروہ بتایا (بدائع ۵/ ۵۰)، اور علامہ شامیؒ نے کراہت کو تحریمی کے ساتھ مقید فرمایا ہے (ردالمحتار ۳/ ۴۵)، دارالاسلام میں نکاح کو مکروہ تنزیہی کہا گیا تھا، اس لئے وہاں اس قسم کے خطرات بھی نہیں تھے۔

لیکن اب حالات بدل گئے حقیقی دارالاسلام نہیں رہے، اسلام کے غلطبہ کے بجائے اب وہاں مسلمانوں کا غلبہ ہے، اس لئے وہ مسلمانی ممالک ہیں اسلامی نہیں اور ماحول میں مغربیت کا غلبہ ہو رہا ہے، جو خطرات دارالحرب میں تھے، آج وہی خطرات دارالاسلام میں نہیں، اس لئے اب دونوں کا حکم برابر ہونا چاہئے، یعنی اصل کے لحاظ سے حقیقی کتابیہ سے نکاح جائز ہے، مگر خارجی حالات کے لحاظ سے مکروہ تحریمی ہوگا، اس لئے احتیاط ضروری ہے، یہ بات حضرت عمرؓ کے اثر سے بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ جب ان کو حضرت حذیفہؓ کے بارے میں نصرانیہ سے نکاح کے بارے میں معلوم ہوا تو ناراض ہوئے طلاق دینے کا مشورہ دیا، تو حضرت حذیفہؓ نے خط لکھا کہ کیا یہ حرام ہے؟ اگر حرام ہے تو میں چھوڑتا ہوں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: نہیں حرام نہیں ہے، مگر میں بہتر نہیں سمجھتا (احکام القرآن جصاص ۱/ ۳۳۳)، گویا حضرت عمرؓ کا منع فرمانا مصلحت پر مبنی تھا، اس موقع سے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا اقتباس نقل کرنا بہتر سمجھتا ہوں، فرماتے ہیں:

اگر خارجی اثرات وحالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے منتفع ہونے میں بہت سے حرام کا ارتکاب کرنا پڑتا ہو، بلکہ کفر میں مبتلا ہونے کا احتمال ہو تو ایسے حلال سے انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے گی، موجودہ زمانہ میں یہود ونصاری کے ساتھ کھانا پینا، بے ضرورت اختلاط کرنا ان کی عورتوں کے جال میں پھنسنا، یہ چیزیں خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں، وہ مخفی نہیں، لہذا ابدی اور بددینی کے اسباب وذرائع سے اجتناب ہی کرنا چاہئے (مائدہ آیت: ۵)۔

آج کل مسلم ممالک میں اہل کتاب سے نکاح کا انجام:

آج پوری مسلم دنیا میں یہود ونصاری کا اثر ورسوخ حاوی ہے، اور عالم اسلام کے مسلمان اپنی داخلی اور خارجی زندگی میں انہیں کے نقش قدم پر نہیں، اہل کتاب عورتوں سے نوجوان نکاح کر لیتے ہیں، پھر بیوی کا اثر ونفوذ شروع ہونے لگتا ہے، بچے بے دین ہو جاتے ہیں، خاص کر عرب ملکوں میں مسلمان حکمرانوں، فوجی کمانڈروں اور اعلی سرکاری عہدہ داروں کی یہودی اور عیسائی بیویاں کیا کچھ گل کھلا رہی ہیں، سب کو معلوم ہے، اس سے عرب کو غیر معمولی نقصان ہو رہا ہے، سیاسی بھی، فوجی بھی اور معاشی بھی، اس لئے ان حالات کے پیش نظر حقیقی اہل کتاب عورتوں سے نکاح نہ کرنا ہی قرین مصلحت ہے، اور فقہی تعبیر میں ان سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے، رہی وہ اہل کتاب عورتیں جو دہریت زدہ ہیں خدا، رسول، اور آخرت کی منکر ہیں تو ان سے نکاح کسی حال میں جائز نہیں، اس لئے کہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں۔

مغربی ممالک میں اہل کتاب سے نکاح:

مغربی ممالک میں جو عورتیں دہریہ ہیں ان سے تو نکاح جائز نہیں اور جو اہل کتاب میں خدا رسول اور آخرت پر ان کا ایمان ہے، آسمانی کتاب تو مانتی ہیں ان سے نکاح کرنا جائز ہے، مگر مصلحت دینی ودنیوی کے خلاف ہے، غیر مسلمین کے غلبہ والے ماحول اور ملک میں رہنے کی وجہ سے بھی مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔

دعوتی نقطہ نظر سے اہل کتاب سے نکاح:

اسلام آفاقی اور ابدی مذہب ہے، ہر مسلمان اس کی دعوت کا ذمہ دار ہے، اسلام غالب ہونے کے لئے آیا ہے، مغلوب ہونے کے لئے نہیں، کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ بیوی سے مغلوب ہو کر اپنے دین کو خیر آباد کہہ بیٹھے، بیوی پر مرد کو قوام اور نگراں بنایا گیا ہے، مسلمان شوہر کی ہر لمحہ

یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کو اسلام اور احکام اسلام کی تلقین کرتا ہے، اگر بیوی خدانخواستہ اہل کتاب میں سے ہو تو اسلام سے قریب کرنے کی وہری ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، یہ تو ہر شوہر کی شرعی ذمہ داری ہے۔

یہاں سوال یہ ہے کہ کیا دعوتی نقطہ نظر سے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنے کی شریعت اجازت دیتی ہے؟ اس لئے کہ بسا اوقات اہل کتاب عورتیں مسلمان شوہروں کی محنت سے ایمان لے آتی ہیں، پھر ان کے ذریعہ ایمان کی دعوت ان کے اہل خاندان تک پہنچتی ہے۔

اس سلسلے میں علامہ کاسانی کی رہنمائی بڑی واضح ہے، انہوں نے اس پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے، فرماتے ہیں: "یجوز نکاح الکتابیات لرجاء اسلامھا" (بدائع الصنائع ۳/۱۴۱۴) (اہل کتاب عورتوں سے ان کے اسلام لانے کی امید کی وجہ سے نکاح جائز ہے)۔

پھر تھوڑی تفصیل کے بعد آگے لکھتے ہیں: "فیجوز نکاحھا لھذہ العاقبة المحمودة بخلاف المشرکة" (ایضا)

(اسی نیک انجامی کی وجہ سے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے، برخلاف مشرکہ کے (کہ ان سے نکاح جائز نہیں ہے)۔

صحابہ کرامؓ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیا تھا تو وہ ان کی محنت سے مسلمان ہوگئی تھیں، حضرت عثمان بن عفانؓ کے بارے میں "حاشیة المنھاج نووی" میں پوری صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ ان کی کتابیہ بیوی مسلمان ہوگئی تھیں (۳/۱۸۷)۔

غرض یہ کہ اگر کوئی داعی نفسانی خواہش سے الگ ہو کر محض دعوتی نقطہ نظر سے کسی حقیقی کتابیہ سے نکاح کرے اور مؤثر بننے کا عزم رکھے، بیوی کے اثر و نفوذ کا اس کو خطرہ نہ ہو تو آج بھی انفرادی طور پر ایسے شخص کو نکاح کی اجازت کراہت تنزیہی کے ساتھ دی جاسکتی ہے، مگر عمومی طور پر اس کا فتوی دینا مناسب نہیں، اس لئے کہ اس کو آڑ بنا کر بہت سے لوگ پھنس سکتے ہیں، کیونکہ یہ بڑی حیلہ باز قوم ہے، اس سے دور رہنے ہی میں عافیت ہے، اولی کراہت کے باقی رہنے کی وجہ یہی ہے۔

اہل کتاب بیوی کے حقوق:

اہل کتاب بیوی کے لئے آزاد ہونا ضروری ہے، اگر وہ باندی ہے تو اس سے نکاح جائز نہیں ہے، آزاد عورتوں کے حقوق فقہی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں، وہی حقوق اہل کتاب بیوی کے ہوں گے، بلا وجہ ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا جائز نہیں اور نہ ہی غیر مسلم ہونے کی وجہ سے طلاق دینے کی کھلی چھوٹ ہوگی، جب نکاح کرلیا تو نبھانا ضروری ہوگا، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ یہ نکاح کراہت کے ساتھ ہی چونکہ جائز ہے اس لئے مسلمان آزاد عورت کے نکاح کی طرح بہت زیادہ مستحکم بھی نہیں ہوگا، حضرت عمرؓ کے اثر کو سامنے رکھ کر یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

اہل کتاب بیوی کے اس کے مذہب پر باقی رہنے کے ساتھ ہی نکاح کا عمل سامنے آیا ہے، اس لئے جب تک وہ اپنی رضا و رغبت سے ایمان قبول نہیں کرلیتی اس کو اپنے مذہب کی کتاب پڑھنے اور اس کے مراسم ادا کرنے کی اجازت ہوگی، شوہر زبردستی اس کو روک نہیں سکتا، اخلاق اور اسلامی دلائل سے مطمئن کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔

اہل کتاب کا ذبیحہ:

جو نکاح کا حکم ہے وہی ذبیحہ کا حکم ہے، یعنی جو اہل کتاب واقعتاً اہل کتاب ہیں، آسمانی مذہب اور آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، رسالت و آخرت کے قائل ہیں، مذہبی رسومات بھی انجام دیتے ہیں ان کا ذبیحہ چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

۱- وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے ہوں، ۲- جانور حلال ہو، ۳- وہ رگیں جن کا کٹنا ضروری ہے، ذبح کے وقت کٹ جائیں اور خون بھی اچھی طرح نکل جائے۔

معلوم ہوا کہ آج بھی یہود جانور کو اللہ کا نام لے کر ہی ذبح کرتے ہیں، ان کا طریقہ ذبح اسلامی قانون کے مطابق ہے، مذہبی رسومات کے پابند ہیں، محرم کا روزہ آج بھی رکھتے ہیں، اس لئے قرآن مجید میں ان کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی صراحت کی گئی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وطعام الذین أوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم" (مائدہ: ۵) (اہل کتاب کا کھانا (یعنی ذبیحہ) تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے)، متعدد مفسرین نے طعام کی تفسیر ذبیحہ سے کی ہے (جلالین: ۹۵ تھانوی دیوبند)۔

اگر جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو یا غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو تو اہل کتاب کا ایسا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا (تفسیر مظہری ۳/۳۹)۔

اگر اسلامی طریقہ ذبح کی مخالفت ہو، متعین رگیں نہ کٹیں تو بھی ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، رہے وہ لوگ جو حقیقتاً دہریہ ہیں، ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں، چاہے وہ ظاہری طور پر یہود ونصاری کہلاتے ہوں، معارف القرآن (۴۸ تا ۶۴) میں اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔

عیسائی اسکولوں میں تعلیم:

آج عیسائیت تعلیم اور تہذیب کے راستے سے پھیل رہی ہے، پورے ملک میں ان کے اسکولوں کا جال بچھا ہوا ہے، ان کے یہاں تعلیم کا معیار بلند ہے، انہوں نے اپنے مذہب کو پھیلانے کے لئے ''مشن اسکول'' قائم کر رکھے ہیں، وہ اس راستے سے ہندوستان کی کایا پلٹ دینا چاہ رہے ہیں، ان کی حکومت تو ختم ہوگئی، مگر مشن ختم نہیں ہوا، دوسرے برادران وطن کو تو وہ اپنے مذہب میں شامل بھی کر رہے ہیں، مسلمانوں کے لئے یہ لمحہ فکریہ ہے، آج مسلمان بچے بھی ان کے اسکولوں میں بھیجے جا رہے ہیں، وہ نہایت ہی آسانی سے ان سادہ لوح بچوں کو اسلام سے دور اور عیسائیت سے قریب کر رہے ہیں، اس کی بہت سی مثالیں اور شواہد موجود ہیں۔

ایسی صورت حال میں مسلمانوں کو ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے، اور ان کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ علم معاش پر دین مقدم ہے، دین کے حفاظت پہلے کرنے کی ضرورت ہے، اس کے بعد ہی علم کا نمبر آتا ہے، ایسی صورت حال میں اپنے بچوں کو مسلمانوں کے اسکولوں میں بھیجنا چاہئے اور جس علاقے میں مسلمانوں کے اسکول نہ ہوں وہاں نئے اسکول قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور اگر قائم نہ کر سکتے ہوں تو اپنے بچوں کو اپنے علاقے سے دور کہیں اچھے ماحول کے اسکول میں داخل کرنا چاہئے، اگر آدمی ایمان اور اعمال کی حفاظت کو اچھی طرح محسوس کرلے تو عقیدہ وعمل کو بچاتے کے ساتھ ساتھ بھی اپنے بچوں کو تعلیم دے سکتا ہے۔

عیسائی مشنریز کے اسکولوں کی تائید اور حوصلہ افزائی بالکل نہیں ہونی چاہئے، یہ عمل ہرگز جائز نہیں ہے۔

عیسائی ہاسپٹل اور رفاہی ادارے:

عیسائیت کے فروغ کے لئے انہوں نے ہاسپٹل بھی قائم کئے ہیں، اور دیگر رفاہی ادارے بھی جو قرض فراہم کرتے ہیں اور حادثات میں مدد کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، ایسے ادارے ظاہری طور پر اپنا معروف کام انجام دیتے ہیں، مگر جو بھی ان سے قریب ہوتا ہے، ان کی خدمات سے متاثر ہوتا ہے، اس کو وہ اپنے مذہب میں داخل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایسے اداروں سے مسلمانوں کو چوکنا رہنا چاہئے، معاوضہ دے کر ہاسپٹل میں علاج کرانے میں کوئی مضائقہ نہیں، ہاں اگر دوسرے ہاسپٹل اس طرح کا علاج مہیا کرتے ہوں تو ان کو ترجیح دینی چاہئے، رفاہی اداروں سے دور رہنا ہی بہتر ہے، ان سے استفادہ مناسب نہیں خلاف اولی یعنی مکروہ تنزیہی ہے۔

رہا ان اداروں میں ملازمت کرنا تو مسلمان ملازم اگر اپنی متعینہ جائز ڈیوٹی کر کے اجرت حاصل کر لیتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ''تعاون علی الاثم'' میں داخل نہیں ہے، ہاں اگر عیسائیت کی تبلیغ کا کوئی کام کرتا ہے تو اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا: "تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" (مائدہ: ۲) (نیکی اور پرہیزگاری کی باتوں میں ایک دوسرے کو مدد اور گناہ اور دشمنی کی بات میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو)۔

جن ادیان کا ذکر نصوص میں نہیں ان کے ماننے والے ہرگز اہل کتاب نہیں:

یہود ونصاری بالاتفاق اہل کتاب ہیں، صابئین بھی امام اعظمؒ کے قول کے مطابق اہل کتاب ہیں یہی قول راجح ہے، آگ پرست مجوس (پارسی) اہل کتاب نہیں یہی راجح ہے، ان کے علاوہ بعض ادیان و مذاہب ایسے ہیں جن کی مذہبی کتابوں میں توحید کی تعلیم، آخرت کا تصور اور رسالت کی باتیں ملتی ہیں، لیکن چونکہ ان کے سلسلہ میں واضح دلائل موجود نہیں ہیں، اس لئے ان کو اہل کتاب نہیں کہا جا سکتا۔

مثال کے طور پر ''وید'' ہے، اس میں توحید، آخرت اور رسالت کا ذکر موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت بھی موجود ہے، بلکہ دعوی کرنے والوں نے ''محمد اور احمد'' کے معانی بھی ان سے تخریج کئے ہیں، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان باتوں کی وجہ سے ان کو آسمانی کتاب مان لیا جائے گا۔

پس اس کا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں مانا جا سکتا، اس کے ایک واضح دلیل یہ ہے کہ ویدوں کے ماننے والے غیر مسلمین بھی اس کو آسمانی کتاب نہیں مانتے اور نہ ہی اس کے دلائل ان کے پاس ہیں، تو مسلمان اگر اس آسمانی کتاب ہونے کی سند دیں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہنا ممکن ہے کہ یہ کسی

اچھے آدمی کی لکھی ہوئی کتاب ہے، جس کی تعلیمات برحق تھیں، بعد میں آنے والوں نے خود کو خدا مان لیا اور ان کے بارے میں یہ خیال کر لیا کہ خدا نے خود آ کر مخلوق کی صورت اختیار لی اور اوتار بن گیا، اسلامی عقیدے کے مطابق ان کو ہرگز ہرگز پیغمبر کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، اس کے لئے واضح دلائل کی ضرورت ہے، یہودی اور عیسائی نے اپنے مذہب کو بدل لیا، کتاب اللہ میں تحریف کر ڈالی مگر اس کے لئے نصوص میں دلائل موجود ہیں، اس لئے وہ اہل کتاب ہیں بے شک ہر قوم میں اللہ تعالی نے رسول بھیجے ہیں، "ولکل أمة رسول" (یونس: ۴۷) میں اس کی صراحت ہے، اور ہر نبی کو اپنی قوم کی زبان میں تبلیغ کا حکم ملا تاکہ وہ اچھی طرح احکام الہی کو واضح کرسکیں، قرآن پاک میں ہے: "وما أرسلنا من رسول إلا بلسان ..." (ابراہیم: ۴) (اور ہم نے پیغمبر کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ ہی مبعوث کیا، تاکہ وہ اپنی قوم کے سامنے (دلائل توحید و رسالت کو) واضح کریں۔

جب کسی کی رسالت واضح دلائل سے ثابت نہ ہو اس وقت رسول اور نبی ہونا کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے، یہ تو بے دلیل بات ہو جائے گی، اس لئے بس انہیں پیغمبر کو رسول اور نبی کہہ سکتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالی نے صراحت فرمادی ہے، جن کی صراحت اللہ تعالی نے نہیں فرمائی ان کو پیغمبر کہنا اللہ تعالی کے خلاف جھوٹ باندھنے کے مرادف ہوگا۔

جن لوگوں نے بھی جناب رام، کرشن اور گوتم بدھ کے سلسلے ایسی باتیں کہی ہیں وہ غلطی پر ہیں ان کا یہ کہنا شرعا جائز نہیں، اس کے لئے ایک روایت ہماری رہنمائی کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ایک نیک آدمی گزرے ہیں، ان کا نام "تبع" تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ وحی کے ذریعہ واضح طور پر ان کے بارے میں نہیں بتایا گیا تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: "ما أدري أتبع أكان نبيا أوغير نبي" (معالم التنزیل/ص ۸۰۶) (میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھے، یا نبی نہیں تھے)۔

غرض یہ کہ صالح اور نیک کہنے کے لئے تو کسی بھی آدمی کی تعلیمات کے شواہد کافی ہیں، نبی اور رسول کہنے کے لئے قطعی دلیل کی ضرورت ہے، یہی حال کتاب کا ہے، آسمانی کہنا آسان بات نہیں، پھر یہ کہ جب قرآن مجید نے پچھلی ساری کتابوں کو منسوخ کر دیا تو اس بحث کا حاصل کیا نکلے گا؟ کچھ بھی نہیں، اس لئے یہ بحث فضول ہے (فتاوی دار العلوم دیوبند ۱۸ / ۲۷۶، ۲۷۷ میں بھی اس کی قدرے تفصیل موجود ہے)۔

اسلام کے بعد پیدا ہونے والے باطل ادیان:

بعض ادیان و مذاہب ایسے ہیں جو اسلام کے بعد وجود میں آئے، مثلاً بہائی، بابی، سکھ اور قادیانیت وغیرہ یہ باطل ہیں، اگرچہ ان میں سے بعض قرآن مجید اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو مانتے ہیں، مگر ساتھ ہی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبوت کے اجراء کو تسلیم کرتے ہیں، یہ سب ہرگز اہل کتاب نہیں، ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں اور نہ ہی ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے، چاہے ذبح کرتے وقت یہ اللہ کا نام لیں؟ اس لئے کہ یہ مرتد ہیں، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: "یہ بحکم مرتد ہیں، اور مرتد کا نکاح مسلمان عورت سے اور اسی طرح مرتدہ کا نکاح مسلمان مرد سے صحیح نہیں اور نکاح ہو جانے کے بعد اگر عقائد کفریہ اختیار کریں تو نکاح فسخ ہو جائے گا (امداد الفتاوی ۲ / ۲۲۴)۔

حضرت تھانویؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: مرتد بحکم کتابی نہیں ہوسکتا (امداد الفتاوی ۲ / ۲۲۴)۔

غرض یہ کہ بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی اور اس طرح کے مذاہب و ادیان والے ہرگز اہل کتاب نہیں ہیں، نہ تو ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور نہ ہی ان کا ذبیحہ جائز ہے۔

نسلی قادیانی:

وہ لوگ جنہوں نے قادیانیت اختیار کی وہ مرتد ہیں، اور ان کی نسل بھی مرتد کہلائے گی، اہل کتاب ہرگز نہیں کہے جاسکتے کیونکہ وہ اپنے آباء و اجداد پر راضی ہیں، رضا بالکفر بھی کفر کے حکم میں ہے (مستفاد امداد الفتاوی ۲ / ۲۲۴)

اگر ان کی نسل اپنے آباء و اجداد کے کفریہ عقائد سے توبہ کرلے اور بالکل براءت کا اظہار کرے تو ان کو مسلمان مانا جائے گا۔

(ایضا فتاوی دار العلوم دیوبند ۱۸ / ۴۵۸)۔



اہل کتاب اور کتابیہ خواتین سے نکاح

مولانا ابو محمد محمد سعد نور قاسمی[1]

۱-اہل کتاب کی تعریف قرآن وسنت کی اصطلاح میں:

اس میں یہ تو ظاہر ہے کہ کتاب کے لغوی معنی، یعنی ہر لکھا ہوا ورق تو مراد ہو نہیں ہوسکتا وہ ہی کتاب مراد ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف سے آئی ہو، اس لئے اتفاق امت کتاب سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جس کا کتاب اللہ ہونا یقینی ہو جیسے تورات، انجیل، زبور، صحف موسیٰ وابراہیم وغیرہ۔ چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں

وأن اعني من اعتقد دينا سماويًا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم وشيث وزبور داؤد فهو من أهل الكتاب، فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم'' (شامی کتاب النکاح ۴/۱۳۴، زکریا دیوبند)۔

علامہ عینیؒ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں: ''(تحت قوله: ويجوز تزوج الكتابيات) جمع كتابية والذكر كتابي وهو الذي يؤمن بني ولقي كلهاب، ولاخلاف الأئمة الأربعة في جواز نكاح الكتابية الحرة وهي النصرانية واليهودية وممن آمن بزبور داؤد و صحف ابراهيم وشيث عليهم السلام'' (البناية ۴/۵۴۰ كتاب النكاح، دار الفكر بيروت)۔

لہذا اب اہل کتاب کی تعریف شریعت کی اصطلاح میں یہ ہوئی کہ وہ قوم جو یقینی طور پر سابقہ کسی دین سماوی کو مانتی اور نازل شدہ کسی آسمانی کتاب اور نبی پر رکھتی ہو۔

۲-اہل کتاب کے مصداق:

اب یہاں ایک مسئلہ یہ ہے کہ کیا اہل کتاب میں تمام آسمانی کتابوں کے حاملین شامل ہوں گے یا صرف اس کا اطلاق یہود ونصاریٰ اور جماعتوں پر ہوگا تو اس سلسلے میں متقدمین کے یہاں دونوں قول ملتے ہیں۔ جیسا کہ (شامی ۴/ ۱۳۴ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعی ۲/ ۱۱۰، عالمگیری ۱/ ۲۸۱) وغیرہ کتابوں کی عبارتوں سے ظاہر ہے۔ البتہ راجح قول دوسرا ہے، اس لئے کہ قرآن کریم نے جہاں جہاں اہل کتاب کا اطلاق کیا ہے وہاں یہود ونصاریٰ ہی مراد ہیں اور یہ لقب انہیں کے ساتھ خاص ہے جیسے کہ "أن تقولوا إنما أنزل الكتاب على طائفتين من قبلنا" (سورۃ الانعام الایۃ ۱۵۶)، اس بارے میں صریح ہے۔ کہ اہل کتاب قرآن کریم کے عرف میں یہود ونصاری پر ہی بولا جاتا ہے۔ اسی قول کی الامام جصاص حنفی نے بھی صراحت کی ہے (دیکھئے: احکام القرآن للجصاص ۲/ ۴۱۱-۴۱۲ زکریا)۔

نیز تفسیر بحر محیط میں ہے: '' وظاهر قوله أوتواالكتاب أنه مختص بني اسرائيل و النصارى الذين أنزل عليهم التوراة والإنجيل '' (ج۲/۴۳۱)، اسی طرح تفسیر قرطبی میں حضرت ابن عباس سے روایت منقول ہے: '' وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم يعني ذبيحة اليهود والنصارى '' (ج۲/۲۵۷)۔

سابقہ بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس زمانے میں جتنے فرقے اور جماعتیں غیر مسلموں کی موجود ہیں ان میں صرف یہود ونصاریٰ ہی دوقومیں ہیں جو اہل کتاب میں شمار ہوسکتی ہیں۔ باقی موجودہ مذاہب میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں۔

۳-صابی:

[1] مدرس ومفتی، مدرسہ مظہر العلوم بیکن گنج، کانپور۔

غیر مسلموں کا دوسرا ایک گروہ جس کو صابی کہا جاتا ہے اس کے بارے میں بہت اختلاف ہیں قرآن کریم نے مسلمانوں، یہودیوں اور نصرانیوں کے ساتھ صابیوں کا ذکر کچھ اس طرح کیا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک خاص مذہب کے حاملین ومعتقدین تھے (سورۃ البقرۃ پ ۱ آیت ۶۲)۔

۱- صابئین کے لغوی تحقیق:

لغت کے اعتبار سے "صباء" کے اصل معنی نکلنے کے ہیں اسی لئے تارا نکل آئے تو عرب کہتے ہیں "صبأت النجوم"۔ اسی سے صابی کا لفظ ماخوذ ہے (دیکھئے القاموس الوحید ص: ۹۰۶)، چنانچہ اگر کوئی شخص ایک مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرتا تو اُسے صابی کہا جاتا ہے، ابتدائے اسلام میں اگر کوئی شخص مسلمان ہوتا تو اہل مکہ اس کا اسی نام سے ذکر کیا کرتے (الجامع لأحکام القرآن ۱ / ۴۳۴)۔

۲- صابئین کے بارے میں سلف کے اقوال:

صابئین کے بارے میں سلف کے اقوال مختلف ہیں چنانچہ خلیلؒ کا خیال ہے کہ انکا مذہب عیسائیت سے قریب ہے یہ جنوب کو اپنا قبلہ بناتے تھے اور اپنے آپ کو حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر تصور کرتے تھے۔ مجاہدؒ سے روایت ہے کہ وہ یہودیت اور مجوسیت سے مرکب ایک بے دین قوم تھی ابوالعالیہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں کہ وہ فرشتوں کے پرستار تھے، قبلہ۔ رخ پنجگانہ نماز ادا کرتے تھے اور زبور کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ عبدالرحمن بن زیدؒ سے مروی ہے کہ یہ کچھ لوگ تھے جو جزیرہ موصل میں قیام پذیر تھے جو لا الہ الا اللہ کہتے تھے لیکن نہ کتاب ونبوت کے قائل تھے اور نہ عمل صالح کا تصور رکھتے تھے۔

سفیان نے سدی سے نقل کیا ہے کہ وہ اہل کتاب کی ایک جماعت ہے کلبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ نصاری کی ایک قوم ہے جو سروں کے بیچ کا حلق کراتے ہیں اور اپنے اعضائے تناسل کو کاٹ دیتے ہیں غرضیکہ اسی طرح کے بہت سے متضاد اقوال اُن کے بارے میں منقول ہیں۔ (دیکھئے الجامع لأحکام القرآن ۱ / ۳۵-۴۳۴) تفسیر ابن کثیر ۱ / ۱۰۴ احکام أهل الذمہ ص: ۲۳۱) البنایہ شرح ہدایہ ۴ / ۵۴۵)۔

۳- صابئین کے بارے میں فقہائے عظام کے مسالک:

صابئین کے بارے میں حقائق وواقعات کے مختلف ومتضاد ہونے کی وجہ سے فقہاء کے یہاں اختلاف رائے ہوا کہ یہ اہل کتاب کے حکم میں ہیں یا عام مشرکین کے حکم میں ہیں؟ اکثر علماء نے اُن کے حکم کو اُن کے معتقدات پر موقوف رکھا ہے۔ امام احمدؒ کا ایک قول ہے کہ وہ عیسائیوں کا ایک فرقہ ہے پھر جب اُن کو معلوم ہوا کہ وہ یوم السبت کی تعظیم واحترام کرتے ہیں تو انہیں یہودیوں کے حکم میں قرار دیا دیکھئے (المغنی ۹ / ۲۶۳)، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے عقائد عیسائیوں اور یہودیوں کے مطابق ہوں تو ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال ہوگا ورنہ نہیں (دیکھئے: شرح المہذب ۹ / ۷۷)، حضرت امام مالکؒ کا بیان ہے کہ چونکہ عام عیسائیوں سے اُن کے عقیدے بہت کچھ مختلف ہیں اور اُن کا مذہب آتش پرستوں سے قریب تر ہے اس لئے ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا (الشرح الصغیر ۱ / ۱۵۴)۔

فقہائے حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے بھی اُن کے ذبیحے کو حرام قرار دیا ہے (ہندیہ ۳ / ۳۶۸)، جبکہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ آپ اُن کو اہل کتاب میں شمار کرتے تھے۔ یہی رائے مشہور مفسر سدیؒ اور اسحاق بن راہویہ کی بھی ہے (الجامع لأحکام القرآن ۱ / ۴۳۴، المغنی ۹ / ۲۶۳)۔

۴- اختلاف کا مبنیٰ:

لیکن اصل میں یہ اختلاف رائے اس بات پر مبنی ہیکہ ان لوگوں کا عقیدہ کیا تھا؟ امام کرخیؒ کا خیال ہے کہ ان کا ایک فرقہ حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا اور زبور کی تلاوت کرتا تھا۔ امام ابو حنیفہؒ نے اپنی رائے میں اس کو پیش نظر رکھا ہے اور ایک فرقہ نبوت ووحی کا منکر اور سورج کا پرستار تھا۔ امام ابو یوسف اور محمدؒ نے اسی کے پیش نظر اپنی رائے دی ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: الخانیه علی هامش الهدایة ۳/۳۲۸، هدایه ۲/۳۱۰، کتاب النکاح۔ بنایه شرح هدایه للعینی ۴/۵۴۴ بیروت، شامی ۴/۱۳۵ زکریا، بدائع الصنائع ۲/۵۵۴ زکریا، فتح القدیر ۳/۲۲۱، بیروت احکام اهل الذمه: لابن قیم، احکام الذمیین والمستأمنین فی دارالاسلام الدکتور عبدالکریم زیدان استاذ جامعه بغداد، قاموس الفقه ۲۱۶، ۴/۲۱۵ تحت

کلمۃ "صابی")۔

اور اگر دیکھا جائے تو یہ اختلاف کوئی حقیقی اختلاف نہیں، بلکہ اُن کے معتقدات اگر وہ ہیں جو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں، تو پھر حضرات صاحبینؒ کے نزدیک بھی اُن کا حکم اہل کتاب کا ہوگا اور نکاح وغیرہ جائز ہوگا اور اگر اُن کے عقائد ونظریات صاحبینؒ کے مطابق ہیں تو پھر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی اُن کا حکم اہل کتاب کا نہیں ہوگا اور اُن کے ساتھ نکاح ودیگر معاملات جائز نہیں ہوں گے۔ چنانچہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں۔

''فاذًالاخلاف بينهم في الحقيقة؛ لأنهم إن كانوا كما قال أبوحنيفة: جاز مناكحتهم عندهما أيضًا، وإن كانوا كما قالا، فلايجوز مناكحتهم عنده أيضًا'' (بنايه شرح هدايه ۴/۵۴۵، كتاب النكاح بيروت لبنان)۔

۵- کیا اب یہ فرقہ موجود ہے؟

اب رہا یہ مسئلہ کہ اس زمانے میں اُن کا وجود ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں مشہور حنفی عالم علامہ ابومحمود بن احمد العینیؒ عبدالعزیز بن یحیٰؒ کی قول نقل فرماتے ہیں "کہ وہ سب ختم ہوگئے اور اُن کا نام ونشان مٹ گیا"۔

''وقال عبدالعزيز بن يحيى: قد درجوا وانقرضوا فلاعين ولاأثر'' (بنايه ۴/۵۴۵)۔

مولانا خالد سیف اللہ صاحب کی بھی یہی رائے ہے، وہ فرماتے ہیں: "ہر چند کہ اُس دور میں اس نام سے کوئی قوم معروف ومتعارف نہیں لیکن صابئین کے بارے میں فقہاء کی احتیاط سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کوئی بھی گروہ جس کا اہل کتاب ہونا مشکوک ہو تو جب تک اس کا اہل کتاب میں سے ہونا تحقیق نہ ہوجائے، ذبیحہ اور عورتوں کی حلت کے باب میں اُن کو اہل کتاب کا درجہ نہیں دیا جاسکتا (دیکھئے قاموس الفقہ ۴/۲۱۶ تحت کلمۃ (صابی)۔

اہل کتاب سے نکاح:

شریعت میں غیر مسلموں اور عام کافروں کے مقابلے میں اہل کتاب کو مسلمانوں سے تعلقات اور روابط کے لحاظ سے ایک گونہ فوقیت دی گئی ہے، چنانچہ ان کا ذبیحہ حلال قرار دیا گیا اور ان کی عورتوں سے مسلمان مردوں کے لئے نکاح کی اجازت دی گئی ہے خود قرآن مجید (مائدہ:۵) میں اس کا ذکر موجود ہے، مگر اس سلسلے میں یہ باتیں پیش نظر رہیں:

(۱) کسی مسلمان عورت سے کوئی عیسائی یا یہودی مرد نکاح نہیں کرسکتا۔

(۲) ایسی کتابی عورتوں سے نکاح کیا جائے گا جو پاک دامن اور عزت مآب ہوں اسی کے اظہار کے لئے قرآن نے محصنت کا لفظ استعمال کیا ہے۔

(۳) واقعۃً عیسائی یا یہودی ہوں یعنی وحی، رسالت وآخرت وغیرہ پر ایمان رکھتی ہوں۔ دہریئے اور خدا کے منکرین جو صرف نام کے عیسائی اور یہودی کہلاتے ہیں ان کا یہ حکم نہ ہوگا۔

پھر فقہ حنفی میں اس کی تفصیل یوں ہے کہ دار الحرب میں جہاں عورت احکام اسلامی کی پابند نہ ہو اس اندیشہ سے کہ شاید وہ معصیت میں مبتلا ہوجائے نکاح جائز نہ ہوگا اور اگر نکاح کر ہی گزرے تو یہ نکاح تو ہوجائے گا، مگر مکروہ تحریمی ہوگا۔ چنانچہ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں:

''واتفق جماعة من الصحابة رضي الله عنهم على إباحة أهل الكتاب الذميات سوى ابن عمر'' (۲/۴۰۹ أحكام القرآن)

''وأصحابنا يكرهون مناكحات أهل الحرب من أهل الكتاب'' (۲/۴۱۱، أحكام القرآن)۔

علامہ شامیؒ فتح القدیر کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ: ''فقوله: فالأولى ان لايفعل يفيد كراهة التنزيه في غير الحربية ومابعده يفيد كراهة التحريم في الحربية'' (شامی ۴/۱۳۴، زکریا)۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ دار الحرب میں بھی کوئی عورت ایسی ہو کہ جس کے اندر اسلام سے دشمنی اور عداوت نہ ہو، بلکہ وہ قدرے اسلام کی طرف مائل ہو اور اسکے ساتھ نکاح کرنے میں اس بات کا قوی اندیشہ اور ظن غالب ہو کہ وہ کلمہ پڑھ کر صدق دل سے مسلمان ہوجائے گی تو یہ ایک استثنائی صورت ہوگی ظاہر ہے کہ اس کا حکم دار الحرب کی عام کتابیہ خواتین کی طرح نہ ہوگا، بلکہ اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ کراہت میں تخفیف ہوجائے بلکہ یہ بھی ہوسکتا ہے کراہت مبدل بہ استحباب ہوجائے یہ اس عاجز کی ناقص رائے ہے۔

دار الاسلام میں کتابیہ سے نکاح:

اور اگر وہ خاتون اسلامی ریاست کی باشندہ کتابیہ لڑکی ہو تو بھی اس سے نکاح مکروہ ہی ہوگا، مگر یہ مکروہ تنزیہی ہوگا، یعنی اس کی کراہت کم درجہ کی ہوگی۔ بڑی حد تک یہی رائے امام مالکؒ اور امام شافعی کی بھی ہے۔ البتہ امام احمدؒ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے (دیکھئے الفقہ علی المذاہب الأربعہ ۲/۶۷۔۷۷)، لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ اُن سے یہ خطرہ نہ ہو کہ شوہر اور بچوں پر اثر ڈال کر اسلام سے دور کردے گی۔ اور اگر اس بات کا خطرہ ہو کہ وہ اپنے شوہر اور بچوں پر اثر ڈال کر انہیں اسلام سے دور کردے گی تو ایسی عورت سے نکاح کرنا گناہ ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ اگر اس نے نکاح کر لیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اور اولاد کو حرام نہیں کہا جائے گا (دیکھئے: آسان ترجمہ قرآن مفتی تقی عثمانی ۱/۳۲۷)۔

موجودہ زمانہ میں معاشی اور ناجائز تعلقات کی اتنی کثرت ہے جس کو سن کر انسانیت کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے اور جس نے گویا حیوانوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

دوسرے ان کی اکثریت الحاد، مذہب بیزاری، انکار آخرت وغیرہ کا شکار ہے ظاہر ہے ایسے لوگوں سے نکاح قطعاً حلال نہ ہوگا اور وہ قرآن کی اصطلاح میں اہل کتاب شمار نہ ہوں گے۔

لیکن اگر یہ سب نہ بھی پائی جائیں تو بھی ہمارے عہد میں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کراہت سے خالی نہ ہوگا۔ بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مغربی تہذیب کے اس دور میں مسلم ملکوں میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہوگا (کتاب الفتاویٰ ۴/۳۵۵)، اس لئے کہ مسلم حکمرانوں کے تحت اہل کتاب عورتوں کے ہونے کی وجہ سے اسلامی حکومتوں کو شدید نقصان پہنچا ہے اور اس کی وجہ سے ایسے ممالک میں جہاں اس کا رواج ہے مسلمانوں کے اخلاقی حالات کو بھی بے پناہ نقصان پہنچا ہے۔ یہ تو ہمارا دور ہے۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے خود اپنے زمانے میں اس نقصان کو محسوس کیا اور مسلم گورنروں کو اس سے باز رہنے کی خصوصی ہدایات فرمائیں۔ جیسا کہ حضرت حذیفہؓ کو اس یہودی خاتون کو طلاق دینے کا حکم فرمایا تھا جس سے انہوں نے نکاح کیا تھا (احکام القرآن ۲/۴۰۸)، نیز علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ حضرت طلحہؓ عنہ اور کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح پر سخت تنبیہ فرمائی اور طلاق دینے کا حکم دیا (فتح القدیر۔ ۳/۲۳۰)، اسی لئے فقہا کی رائے ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل کتاب سے نکاح کو مکروہ سمجھتے تھے (المغنی ۶/۵۶)۔

نیز حضرت امام محمدؒ اپنی کتاب میں سیدنا عمرؓ یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ فقہاء احناف اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو مکروہ سمجھتے ہیں (کتاب الآثار: ۱۵۶)۔

الغرض قرآن وسنت اور اسوۂ صحابہ کی رُو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی طور پر پرہیز کریں (تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ۳/۶۲۔۶۴، جدید فقہی مسائل ۲۸۳۔۲۸۵، قاموس الفقہ ۲/۲۵۵۔۲۵۶ تحت کلمۃ "اہل کتاب" وغیرہ)۔

کتابی زوجہ کے حقوق:

قرآن مجید میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں: "ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف" (البقرۃ ۲۲۸)، عورتوں کا حق مردوں پر ویسا ہی ہے، جیسا دستور کے موافق مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔ لہذا جس طرح شوہر کے حقوق بیوی پر ہیں اسی طرح اور اسی قدر بیوی کے حقوق بھی شوہر کے ذمے ہیں۔

بیوی کے حقوق:

جو شوہر کے ذمے ہیں وہ اس طرح ہیں:

(۱) مہر یعنی وہ مال جو عقد نکاح یا جنسی ارتباط کی وجہ سے کسی عورت کا مرد پر واجب ہوتا ہے (الأحوال الشخصية في الشريعة الإسلامية ۱۲۵) اگر عقد

نکاح صحیح ہو تو محض عقد ہی مہر واجب ہونے کے لئے کافی ہے اور اگر نکاح فاسد ہو تو عورت سے جنسی ارتباط کے بعد ہی مہر واجب ہوتا ہے۔ اور یہ جیسے مسلمان عورت کا حق ہے ایسے ہی کتابیہ عورت کا حق ہے۔ چنانچہ مفتی شفیع صاحب معارف القرآن میں فرماتے ہیں ''آخر یت میں یہ ہدایت بھی کردی گئی ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کو اگر رکھنا ہی ہے تو باقاعدہ نکاح کر کے بیوی کی حیثیت سے رکھیں اُن کے حقوق مہر وغیرہ ادا کریں (معارف القرآن ۳ / ۶۴)۔

(۲) نفقہ اصطلاح میں خوراک، پوشاک اور رہائش کے انتظام کو کہتے ہیں (درمختار علی ہامش الرد ۲ / ۶۴۴)۔

اور بیوی کا نفقہ واجب ہونے پر امت کا اجماع واتفاق ہے (المغنی ۸ / ۱۵۶)۔

اور یہ حکم مسلمان اور کتابیہ سب کو شامل ہے: ''نفقة المراء ة واجبة على زوجها سواء حرًا كان او عبدًا والمراء ة مسلمة كانت أو كتابية... الخ'' (مختارات النوازل ۲/۱۹۱)۔

نیز یہی رائے مولانا خالد سیف اللہ صاحب کی ہے فرماتے ہیں: ''بیوی کا نفقہ نکاح صحیح کی وجہ سے واجب ہوتا ہے نکاح فاسد یا باطل کی وجہ سے واجب نہیں ہوتا مسلمان ہو یا کتابیہ'' (قاموس الفقہ ۵ / ۲۰۴)۔

۳- عدل یعنی اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو سب کے درمیان عدل وانصاف اور مساوات و برابری کا برتاؤ کرنا بھی ضروری ہے۔ اور یہ حکم بھی مسلمان عورت کی طرح کتابیہ کو شامل ہوگا۔ لعموم قوله "فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدة أو ماملكت أيمانكم" (۴ سورۃ النساء)۔

۴- حضانت: یعنی زوجین کی علاحدگی کی صورت میں عورت کو بچوں کے حق پرورش میں کچھ خصوصی مراعات حاصل ہوتی ہیں چنانچہ فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حق پرورش میں ماں سب سے پہلے اور مقدم ہے۔ پھر اسکے بعد دوسرے رشتہ ہوں گے۔ روایت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے ایک خاتون کو حق پرورش دیتے ہوئے فرمایا تھا "أنت أحق به مالم تنكحي" (شرح المہذب ۱۸ / ۳۲۵ بدائع ۴ / ۴۲)، یہی وجہ ہے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جب تک بچوں میں دین کو سمجھنے کی صلاحیت نہ پیدا ہو جائے کافرہ ماں کو بھی بچہ پر حق پرورش حاصل ہے (ہدایہ ربع دوم ۴۳۷)، یہی رائے فقہائے مالکیہ میں ابن قاسم مالکیؒ کی ہے (شرح المہذب ۱۸ / ۳۲۴)، لہذا جب کافرہ ماں کو حق پرورش حاصل ہے تو کتابیہ جو اس سے بدرجہا بہتر ہے اس کو بدرجۂ اولیٰ یہ حق حاصل ہوگا۔ چنانچہ صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں:

''وحق الحضانة للأم وقومها من النساء سواء كان مسلمة أو كتابية أو مجوسية'' (مختارات النوازل ۲/۱۸۸ ایضا)۔

۵- حسن معاشرت یعنی زندگی کے تمام گوشوں میں ایک دوسرے کے جذبات، ضروریات اور مزاج و مذاق کی رعایت اور باہم عفوو درگذر اور مسامحت۔ یہی اصل میں ازدواجی زندگی کی خوشگواری کا اصل راز ہے اور یہ جانبین سے مطلوب لیکن عورت اپنی فطری نزاکت، ذکاوت حس، جذباتیت کی وجہ سے اس کی زیادہ حقدار ہے اس لئے قرآن مجید نے مردوں کو تلقین کی کہ: "عاشروهن بالمعروف" (النساء ۱۹)۔ عورتوں کے ساتھ خوش معاملگی سے رہو۔ اور ظاہر ہے حسن معاشرت جسے مسلمہ بیوی کے ساتھ مطلوب ہے اسی طرح بحیثیت بیوی کے کتابیہ کے ساتھ بھی مطلوب ہوگا۔

۶- حق میراث: بیوی کو شوہر کے ترکہ میں لازماً حق میراث حاصل ہوتا ہے وہ میراث کی اصطلاح میں اصحاب الفروض میں سے ہے جس کے حقوق خود قرآن مجید نے بیان کردیئے ہیں ان کے حصہ موروثی میں دوسرے ورثہ کی وجہ سے کمی تو واقع ہوسکتی ہے، مگر ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی وارث ان کو میراث سے مکمل طور پر محروم کردے۔ اگر شوہر متوفی نے بیوہ کے علاوہ اولاد بھی چھوڑی ہو تو بیوہ کا حصہ اس کے متروکہ میں آٹھواں (۱/۸) ہوگا اگر اس کی اولاد نہ تھی تو بیوہ ایک چوتھائی (۱/۴) کی حقدار ہوگی۔ "ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين" (النساء: ۱۲) (مستفاد: قاموس الفقہ ۴ / ۱۱۲ - ۱۱۴ مع حذف واضافہ)۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ کتابیہ سے نکاح کرنے کے بعد ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے اس کو چھوڑ بھاگنے یا غیر مسلم ہونے کی بناء پر اس کو طلاق دینے کی گنجائش ہوگی یا نہیں؟ تو ظاہر ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نکاح اس لئے شروع نہیں ہوا کہ اس کو نکاح کے بعد چھوڑ کر بھاگا جائے یا اس کے حقوق سے راہ فرار اختیار کیا جائے اس کی تو عقل سلیم بھی اجازت نہیں دیتی۔ نیز یہ عاشروھن کے بالمعروف تقاضائے حسن معاشرت کے بھی خلاف ہے۔ یہ تو سراسر ظلم ہے۔ اس سے اس کتابیہ کے دل میں اسلام کی محبت کے بجائے نفرت اور دشمنی جنم لے گی جو یقیناً اس کے کفر پر ڈٹ جانے کا سبب بنے گی۔ اور جس کے گناہ کی زد سے یہ شخص بھی نہ بچ پائے گا۔ چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"الأصل فيه (في الطلاق) الحظر عندنا والإطلاق يعارض الحاجة إلى الخلاص لقوله عليه السلام تزوجوا ولاتطلقوا، و قوله عليه السلام: ماخلق الله تعالى مباحًا أحب إليه من العتاق ولاخلق مباحًا أبغض إليه من الطلاق، ولأن في الطلاق قطع الوصلة التي تعلقت به المصالح الدينية والدنيوية" (مختارات النوازل ۲/۹۸)۔

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ اصل طلاق میں ممانعت ہے۔ اگر اباحت ہے تو خلاصی کی ضرورت کی وجہ سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق سے زیادہ کوئی مباح مبغوض نہیں۔ اور ضرورت کی بقدر ضرورت ہی گنجائش ہوتی ہے۔ اور صورت مذکورہ میں چونکہ طلاق دینے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اگر یہ طلاق دے گا تو بلا وجہ طلاق دینے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ اور عند اللہ اس سے مؤاخذہ ہوگا۔ اس لئے صورت منقولہ میں طلاق دینے کی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔

یہاں پر یہ بھی زیر غور ہے کہ کتابیہ عورت اگر شوہر کے گھر میں اپنے مذہبی مراسم ادا کرتی ہے تو شوہر کا اس پر کیا ردعمل ہونا چاہئے؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ شوہر بیوی کے مذہبی شعائر میں نہ تو حصہ لیگا اور نہ کسی طرح شریک ہوگا لیکن وہ اس کو اپنے مذہبی مراسم ادا کرنے سے روکے گا بھی نہیں بلکہ وہ جیسے چاہے جب چاہے اپنے مذہبی مراسم کو ادا کرنے میں خود مختار ہوگی۔

چنانچہ علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

"فصل (أداء الزوجة الكتابية شعائرها التعبدية، وقال أحمد في رواية: منها وقد سأله: هل يمنعها أن تدخل منزله الصليب، قال: يأمرها، فأما أن يمنعها فلا، وقال في رواية محمد بن يحي الكحال: في الرجل تكون له امراءة أو أمة نصرانية تقول اشترلي زنارًا فلايشتري لها تخرج هي تشتري" (أحكام الذمة ۸۲۲)۔

ہاں اگر وہ گھر سے نکل کر کلیسا اور گرجا وغیرہ جا کر عبادت کرنا چاہے یا نصاریٰ کی عید وغیرہ میں شرکت کرنا چاہے تو شوہر اس کو روک دے گا اور اس طرح نکلنے کی اس کی اجازت نہیں دیگا۔ جیسا کہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

"وأما الخروج إلى الكنيسة والبيعة فله منعها منه، نص عليه أحمد في رواية يعقوب بن بختان في الرجل تكون له المراءة النصرانية لايأذن لها في الخروج إلى عيد النصارى أو البيعة" (أحكام الذمة ص: ۸۱۹ فصل ۱۶)۔



موجودہ دور کے یہود و نصاریٰ اور ذبیحہ و نکاح کے احکام

مولانا عبدالرحیم سعادتی[1]

۱- آج کل یورپ کے عیسائی اور یہودیوں میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اپنی مردم شماری کے اعتبار سے تو یہودی و نصرانی کہلاتے ہیں، مگر وہ درحقیقت خدا کے وجود اور کسی مذہب ہی کے قائل نہیں، نہ تورات و انجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں، اور نہ موسیٰ عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا نبی و پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ محض مردم شماری کی وجہ سے اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتے، ان کے احکام عام کافروں کے ہیں، چنانچہ نصاریٰ بنی تغلب کے بارے میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں، اس کی وجہ یہی بتلائی ہے کہ یہ لوگ دین نصرانیت میں سے بجز شراب نوشی کے اور کسی چیز کے قائل نہیں،

حضرت علی کا ارشاد ہے: ''روی ابن الجوزی بسنده عن علی قال: لاتأكلوا من ذبائح نصارى بني تغلب، فإنهم لم يتمسكوا من النصرانية بشئ إلا شربهم الخمر'' (تفسیر مظہری ۳/ ۳۵)

یعنی حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نصاریٰ بنی تغلب کے ذبائح کو نہ کھاؤ اس لئے کہ انہوں نے مذہب نصرانیت میں سے شراب نوشی کے سوا کچھ نہیں لیا، دیکھئے: حضرت علیؓ کو یہ معلوم تھا بنی تغلب کے بارے میں کہ وہ بے دین ہیں، نصرانی نہیں ہیں، اگرچہ نصرانی کہلاتے ہیں، خلاصہ یہ کہ جن نصرانیوں کے متعلق یہ بات بالیقین معلوم ہو جائے کہ وہ خدا کے وجود کو نہیں مانتے، نبوت، الہام، حشر و نشر وغیرہ کے منکر ہیں وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہیں (جواہر الفقہ ۶/ ۲۰۳)۔

۲- مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ فرماتے ہیں کہ بے شک قرآن مجید میں ہے: ''وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم'' (سورۂ مائدہ: ۶)، مگر اس آیت کا تعلق ایسے یہود و نصاریٰ سے تھا جو اپنے مذہب کے اصول اور رسول و کتب سماویہ کو مانتے تھے، سائنس پرست اور نجوم پرست نہیں تھے، ذبیحہ پر غیر اللہ کا نام نہ لیتے تھے، اللہ کا نام لے کر ذبح کرتے تھے، تو ایسے یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ حلال تھا، اگر آج بھی اس قسم کے یہود و نصاریٰ ہوں اور بوقت ذبح غیر اللہ کا نام نہ لیتے ہوں تو ان کا ذبیحہ اس آیت کی رو سے درست ہونے میں کوئی کلام نہیں، لیکن آج کل جو یہود و نصاریٰ ہیں ان میں سے اکثر ملحد، بددین، دہریہ، سائنس پرست، اور نجوم پرست ہیں، صرف برائے نام اہل کتاب ہیں، ان کو مذہب سے بالکل لگاؤ نہیں ہے، بلکہ ان کے اقوال و افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مذہب بیزار ہیں، جب ان کی یہ حالت ہے تو وہ اہل کتاب کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور ان کے ذبیحہ کو کس طرح حلال کہا جا سکتا ہے؟ اس لئے ضروری ہے کہ ان سے نکاح و ذبیحہ سے بالکل احتراز کرنا چاہئے (فتاویٰ رحیمیہ ۵/ ۳۶۹)۔

۳- مفتی محمود حسن گنگوہی فرماتے ہیں کہ موجودہ اقوام یورپ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات ازدواج تو بالکل ہی ان کے دین و دنیا کو تباہ و برباد کر دینے والے ہیں، جن کا روزمرہ مشاہدہ ہوتا ہے اور پھر یہ کہ اولاد عموماً کم سنی میں ماں سے زیادہ مانوس ہوتی ہے اور اس کے اثرات سے متاثر ہونے کا مظنہ غالب ہے، چنانچہ حضرت عمر کے زمانہ میں حضرت حذیفہ، طلحہ، کعب بن مالک نے کتابیہ سے نکاح کیا تو آپ خفا ہو گئے، خفگی کی وجہ سے ابن ہمام بیان فرماتے ہیں:

''وإنما كان غضبه لخلطة الكافرة بالمؤمن وخوف الفتنة على الولد؛ لأنه في صغره ألزم لأمه'' (تفسیر مظہری ۳/ ۳۹)

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں: موجودہ زمانے میں جو عیسائی اور یہودی عورتیں ہیں اور اہل کتاب کہلاتی ہیں ان کے اندر زنا فحاشی اور ناجائز تعلقات کی اتنی کثرت ہے جن کو سن کر انسانیت کی پیشانی پر پسینہ آ جاتا ہے اور جس نے گویا حیوانوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے، دوسرے ان کی اکثریت الحاد، مذہب بیزاری، انکار آخرت وغیرہ کی شکار ہے، ظاہر ہے ایسے لوگوں سے نکاح قطعاً حلال نہیں ہوگا اور وہ

[1] جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، گجرات۔

قرآن کی اصطلاح میں اہل کتاب شمار نہ ہوں گے (جدید فقہی مسائل ۲ / ۲۸۳-۲۸۴)، نیز ذبیحہ کے سلسلے میں فرماتے ہیں: موجودہ زمانے کے ایسے یہود ونصاری جو برائے نام اپنے مذہب کی طرف منسوب ہوں اور فی الواقع خدا کے وجود، وحی، اور مابعد الطبیعی امور کے قائل نہ ہوں، دہریہ وخدا کے منکر ہوں، مذہب کا مذاق اڑاتے ہو، دوسری مشرک اقوام کی طرح مورتیوں اور دیوتاؤں کے پرستار ہوں وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہیں، جیسا کہ ماقبل میں حضرت علیؓ کا قول گزرا، لہذا ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہوگا (جدید فقہی مسائل ۲۱۸، تفسیر مظہری ۳/ ۳۹)۔

۴- مفتی تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ آج ہمارے دور میں خاص طور پر مغربی ممالک میں ایسے لوگوں کی بہت بڑی تعداد نظر آتی ہے، جن کے نام تو نصاری کے نام کی طرح ہوتے ہیں اور بعض اوقات مردم شماری کے وقت ان کا نام نصاری کی فہرست میں درج کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ دہریہ ہیں، اور مادہ پرست ہوتے ہیں، اور اس کائنات کے پیدا کرنے والے پر بھی ایمان نہیں رکھتے، اس قسم کے لوگ نصاری میں سے نہیں ہیں، لہذا ان کو اہل کتاب میں سے خیال کرنا جائز نہیں اور ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں، اور دلیل میں حضرت علیؓ کا قول ہی نقل کیا ہے:

''فقال لاتحل ذبائحھم، فإنھم لم یتعلقوا من دینھم بشيء إلا بشرب الخمر'' (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۳۲۱، تفسیر مظہری ۳/ ۳۹)

آگے یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جس کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ نہ اللہ کے وجود پر ایمان ہے اور نہ رسولوں پر اس کا ایمان ہے، اور نہ ہی آسمانی کتابوں پر اس کا ایمان ہے، ان کو اہل کتاب میں شمار کرنا ممکن نہیں۔

۵- مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں: کہ اس زمانہ میں جو نصاری کہلاتے ہیں وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاری ہیں، مذہبی حیثیت سے محض دہری و سائنس پرست ہیں، ایسوں کے لئے حکم جواز نکاح کا نہیں ہے، اس سے ذبیحہ کا حکم بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

۶- ''فتاوی دار العلوم'' میں ہے: آج کل جو لوگ نصاری کہلاتے ہیں ان میں سے بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو دہری ہیں، کسی مذہب ہی کو نہیں مانتے، بلکہ خدا کے وجود ہی کے قائل نہیں ہیں، یہ لوگ گرچہ باعتبار مردم شماری نصاری کہلاتے ہیں، مگر حکم شرعی میں ایسے لوگ اہل کتاب نہیں ہوسکتے۔

خلاصہ یہ کہ ہمارے اسلاف کے اقوال ہیں، ماحصل یہی ہے (کہ) جو یہود ونصاری موجودہ زمانہ میں ہیں اور دہریہ ہیں، مادہ پرست ہیں، وجود باری تعالی کے منکر ہیں، بالاتفاق تمام اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب میں سے نہیں ہیں، ان کے ساتھ اہل کتاب کی طرح معاملہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ عام کفار کی طرح ہوں گے، اور تمام حضرات ہی نے دو چیز کو بنیاد بنایا ہے، ایک کا تعلق ذبیحہ سے ہے اور ایک کا تعلق نکاح سے ہے۔

۱- چنانچہ نکاح کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا عمل پیش کیا ہے کہ انہوں نے حضرت حذیفہؓ، کعب بن مالکؓ، اور طلحہؓ کو کتابیہ سے نکاح کرنے سے منع کیا تھا، اس لئے کہ اولاد کے برباد ہونے کا خوف فتنہ تھا، تو اب موجودہ زمانے میں یہ خوف فتنہ اور اولاد کے بگاڑ کا اندیشہ بھی ہے، نیز بے حیائی وعریانیت سے حال بد سے بدتر ہوجائے گا، نیز اگر یہ مسلمان کے نکاح میں آئی تو ہوسکتا ہے دین وملت کو بھی نقصان پہنچا سکتی ہے، لہذا مناسب وراجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی کتابیہ سے نکاح درست نہ ہونا چاہئے۔

۲- دوسری بات یہ کہ ذبیحہ کے سلسلہ میں اکثر نے حضرت علیؓ کے قول: ''لا تأکلوا من ذبائح نصاری بني تغلب، فإنھم لم یتمسکوا من النصرانیة بشيء لا شربھم الخمر'' (تفسیر مظہری ۳/ ۳۹) سے استدلال کیا ہے، حضرت علیؓ نے فرمایا بنی تغلب کے ذبائح نہ کھاؤ اور وجہ یہ کہ وہ حقیقۃً نصرانی نہیں ہیں، اور اس زمانہ میں صرف نام کے اہل کتاب ہیں، لہذا ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، یہی راجح معلوم ہوتا ہے، نیز شریعت کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول سد الذرائع ہے، یعنی ایک عمل فی نفسہ جائز ہے، لیکن اس کے اختیار کرنے کی وجہ سے کسی حرام شئی کا ارتکاب لازم آتا ہے یا اس کا یقین یا ظن غالب ہے تو وہ جائز شئی بھی حرام ہوجاتی ہے، اس کے نظائر بے شمار ہیں، موجودہ زمانے کے یہود ونصاری کے ساتھ کھانے پینے میں اختلاط رکھنے میں جو خطرناک نتائج سامنے آسکتے ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں، لہذا بطور سد ذریعہ بھی احتراز ہی کیا جانا چاہئے، لیکن ہاں! یہ حکم اس نصرانی ویہودی کے بارے میں ہے جس کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہوجائے کہ یہ دہریہ ہے، مادہ پرست منکر آخرت ہے، ورنہ جن کے بارے میں یقین نہ ہو تو ان کو تو اہل کتاب ہی کہا جائے گا، اس لئے کہ نزول قرآن کے وقت جو حضرات

بنیادی عقائد اسلام کے خلاف تھے، لیکن پھر بھی ان کو اہل کتاب کہا گیا ہے، لہذا جن کے بارے میں علم ہو وہ اہل کتاب نہیں اور جن کے بارے میں یقینی علم نہ ہو وہ اہل کتاب ہی ہوں گے اور احکامات بھی جاری ہوں گے۔

موجودہ دور میں دار الاسلام میں کتابیہ سے نکاح کا حکم:

الف-موجودہ حالات میں دار الاسلام میں یہودی وعیسائی عورتوں سے نکاح کرنے نے اسلامی حکومتوں کو شدید نقصانات پہنچائے ہیں، اور جہاں کتابیہ کے ساتھ نکاح کا رواج ہے خصوصاً عرب ملکوں میں وہاں مسلمانوں کو اخلاقی اعتبار سے بے پناہ نقصان پہنچا ہے، لہذا اس دور میں دار الاسلام میں اہل کتاب خواتین سے نکاح مکروہ تحریمی ہونا چاہئے۔

یہ تو ہمارا دور ہے، حضرت عمرؓ نے خود اپنے زمانے میں اس نقصان کو محسوس کیا اور مسلم گورنروں کو اس سے باز رہنے کی خصوصی ہدایت فرمائی، جیسا کہ

''عن شقيق بن سلمة قال: تزوج حذيفة يهودية، فكتب إليه عمر أن خل سبيلها، فكتب إليه حذيفة أحرام هي؟ فكتب إليه عمر: لا، ولكني أخاف أن تواقعوا المومسات منهن'' (كتاب الآثار/ ۱۸۹)

(یہ مدائن کا واقعہ ہے) یعنی حضرت عمر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اہل کتاب کی عورتوں میں عام طور پر عفت وعصمت نہیں ہے، اس لئے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانے میں اس راہ سے فحاشی وبدکاری داخل نہ ہو جائے، دیکھئے: مسلم گھرانے کی بربادی وہلاکت کیا اندیشہ سے حضرت عمرؓ کتابیہ کے ساتھ نکاح کو منع فرماتے ہیں، نیز امام محمدؒ اپنی کتاب ''کتاب الآثار'' میں حضرت عمرؓ کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ فقہاء احناف اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو مکروہ سمجھتے ہیں، حرام نہیں کہتے، ''قال محمد وبه نأخذ لا نراه حراما'' (حوالہ سابق)، اسی طرح صاحب فتح القدیر ابن ہمام نے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہؓ، طلحہؓ اور کعب بن مالک کو حضرت عمرؓ نے کتابیہ سے نکاح پر سخت تنبیہ فرمائی اور طلاق کا حکم دیا۔

''فمن المتزوجين حذيفة وطلحة وكعب بن مالك وغضب عمر رضي الله عنه'' (فتح القدير ۳/ ۱۳۶)۔

۲- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نقل کرتے ہیں کہ جو لوگ مذہبی اعتبار سے یہودی وعیسائی ہوں خواہ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے ہوں، لیکن عفت وعصمت کا ان کے یہاں لحاظ نہ ہو تو ایسی عورت سے مسلمان کا نکاح کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ قرآن پاک میں پاک دامن کتابیہ سے نکاح کی اجازت دی ہے، "والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم" (سورۂ مائدہ: ۶)، یہاں محصنات سے پاک دامن عورتیں مراد ہیں، چنانچہ احکام القرآن میں سدی کے حوالے سے نقل کیا ہے "إنهم العفائف"۔ (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۳۲۳)۔

ب-نیز اگر کتابیہ کے پاک دامن ہونے کا گمان ہو، لیکن دار الاسلام نہ ہو دار الحرب میں ہو تو کتابیہ عورت سے نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

''يكره تزوج نساء أهل الحرب من الكتابيات'' (الفقه الاسلامي وادلته ۷/ ۱۵۹)۔

۵- موجودہ حالات میں دار الاسلام میں بھی کتابیہ سے نکاح کرنا کراہیت سے خالی نہیں، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ان سے نکاح مکروہ تنزیہی ہے۔

''يفيد كراهة التنزيه هي في غير الحربية'' (حواله سابق)۔

اس کے بعد مولانا نقل فرماتے ہیں کہ موجودہ دور میں عرب حکمرانوں کی زوجیت میں یہودی اور عیسائی خواتین کے رہنے نے ایسے فتنے پیدا کئے ہیں اور عالم اسلام کو ایسا ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے کہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ اس دور میں دار الاسلام میں کتابیہ عورت سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے (کتاب الفتاوی ۴/ ۳۵۵)۔

۳- مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

خلاصہ: اہل کتاب سے نکاح کے مسئلہ میں دار الاسلام میں مباح اور دار الکفر میں مکروہ تھا، لیکن موجودہ حالات میں دار الاسلام مسلم مملکتوں میں بھی نکاح مکروہ تحریمی ہوگا، یہی راجح معلوم ہوتا ہے، ایک تو اس لئے کہ جب حضرت عمرؓ کو خیر القرون میں کتابیہ سے نکاح پر اندیشہ ہلاکت و بربادی اور فحاشی وبدکاری کا تھا تو اب تو حالات ہمارے سامنے ہیں، لہذا مناسب ہے کہ مکروہ تحریمی ہو، دوسرے علامہ شامی نے بھی دار الاسلام میں کتابیہ سے نکاح کو مکروہ تنزیہی لکھا ہے، لیکن اب یہ از دیاد فتن کا باعث ہوسکتا ہے، لہذا ایک قدم آگے بڑھ کر مکروہ تحریمی کہا جائے گا، تیسرے اب

اس زمانے میں دار الاسلام میں کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنا نقصان متعدی کا باعث بن سکتا ہے، پورا معاشرہ وسماج بلکہ پورا ملک خطرہ میں پڑسکتا ہے، اس لئے نقصان متعدی ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی راجح معلوم ہوتا ہے، چوتھے دار الکفر میں کراہت کی علت یہی اندیشہ ہلاکت وخوف فتنہ ہے اور اولاد کا ماں سے متاثر ہونا ظن غالب ہے اور یہی علت موجودہ زمانہ میں دار الاسلام میں نکاح کے سلسلہ میں متحقق ہوتی جارہی ہے، لہذا علت مشترکہ جامعہ کی بنیاد پر بھی مکروہ تحریم ہونا چاہئے۔

انبیاء وآسمانی کتب کے سلسلہ میں تفصیل:

الف: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ ہر قوم میں پیغمبر بھیجے گئے ہیں اور کم وبیش لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث ہوئے اور ہر زبان میں اپنی کتاب نازل فرمائی ہے قرآن وحدیث میں ان میں سے صرف بعض انبیاء کا تذکرہ ہے اور جن انبیاء وآسمانی کتاب کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے یہ تو تمام کے تمام نبی برحق وکتاب منزل ہے الا یہ کہ توریت وانجیل میں بعد میں تحریف کی گئی، لیکن جن شخصیتوں اور کتابوں کا قرآن وحدیث میں ذکر نہیں ان کے سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ جن شخصیات اور کتب کا قرآن میں تذکرہ نہیں ان میں سے کسی کو اللہ کا نبی وپیغمبر کہہ دینا اور کسی کتاب کو آسمانی کتاب قرار دے دینا یہ بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے، لہذا کسی متعین شخص کو نبی اور پیغمبر تسلیم کرلینا اور ان کی تعلیمات کو کتاب منزل مان لینا اس وقت تک درست نہیں جب تک قرآن وحدیث سے ان کی نبوت وپیغمبر ثابت نہ ہوجائے، اس لئے کہ جب حلال وحرام اور دین کے دوسرے عقائد بغیر صحیح دلیل کے قابل قبول نہیں ہوتے تو نبوت جیسے اہم عقیدہ کو بغیر ثبوت وقوی دلیل کے کیسے تعلیم کرلیا جائے، لہذا مجملا ایمان لانا کافی ہے کہ ہم اللہ کے تمام پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں، تاکہ کسی نبی کی نبوت کا انکار بھی نہ ہو اور کسی غیر نبی کو نبی ماننا بھی لازم نہ آئے، پس اجمالا ایمان لانا کافی ہے اور قرآن میں جن کا نام ہے ان پر تفصیلی ایمان لانا واجب ہے۔

ب- رہی بات ہندو مذہب کی کتابوں کی خاص کر ویدوں کی کہ جن میں توحید کی تعلیمات ہے آخرت کا تصور ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء ہیں تو ان کے حکم کے سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ کسی کتاب کی چند باتیں قرآن کے موافق ہوجائے تو اس سے اس کے حق وصحیح ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا اور چند امور میں موافقت ومماثلت کی بنیاد پر ان کو قطعی طور پر الہامی کتاب نہیں کہا جاسکتا، لہذا وید وغیرہ میں جو اچھی باتیں ہیں وہ تو ٹھیک ہے اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرکے تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ذکر کردیا ہے، لہذا اس سے یہ سمجھ لینا کہ وید آسمانی صحیفہ ہے صحیح نہیں ہے، اس لئے اس کو آسمانی صحیفہ قرار دینا مناسب نہیں ہے ان امور کی صراحت مذکورہ عبارت سے ہوتی ہے۔

۱- ''قال: قلت یا رسول اللہ! کم وفی عدۃ الأنبیاء؟قال مئۃ الف وأربعۃ وعشرون ألفا الرسل من ذلک ثلاث مئۃ وخمسۃ عشر جما غبیرا'' (مسند احمد رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر)۔

۲- ''إن النبوۃ لاتثبت بالعقول ولا بالخبر الواحد الذی لایحصل بہ العلم ولا تثبت أیضا بقرینۃ الحال وأیضا بنص علی نبوتہ نبی آخر نصا متواترا لایحتمل التاویل کما نص اللہ تعالی فی محکم کتابہ علی الستۃ والعشرین الذین أولھم آدم وآخرھم محمد... ھم الأنبیاء حقا، ومن أثبت نبوۃ غیرھم علی التعیین فعلیہ الدلیل'' (ماخوذ از فتاوی فلاحیہ/ ۶۱، بحوالہ تنزیہ الأولیاء وما نسب الیھم حثالۃ الاغنیاء ۱۲۱ / ۲)۔

اسی طرح ''مرقاۃ المفاتیح'' میں ہے کہ ''ورسلہ بأن تعرف أنھم بلغوا ما أنزل اللہ إلیھم وأنھم معصومون وتؤمن بوجودھم فیمن علم بنص أو تواتر تفصیلا وفی غیرھم إجمالا'' (مرقاۃ المفاتیح ۱/ ۱۲۰)۔

اسی طرح شرح العقیدۃ الطحاویۃ میں مذکور ہے: ''وأما الأنبیاء والمرسلون فعلینا الإیمان بمن سمی اللہ تعالی فی کتابہ من رسلہ والإیمان بأن اللہ تعالی أرسل رسلا سواھم وأنبیاء لایعلم أسماءھم وعددھم إلا اللہ تعالی الذی أرسلھم فعلینا الایمان بھم جملۃ؛ لأنہ لم یأت فی عددھم نص'' (شرح العقیدۃ الطحاویہ ۲/ ۴۲۴)۔

خلاصہ یہ کہ جن انبیاء اور آسمانی کتب کا قرآن نے تذکرہ کیا ہے وہ تمام کے تمام نبی برحق وکتاب منزل ہے، لہذا ان پر تفصیلا ایمان لانا ضروری ہے، اور جن کا تذکرہ قرآن واحادیث میں نہیں ہے، ان پر اجمالا ایمان لانا کافی ہے، اور رہی بات ان کتابوں کی جن میں توحید ورسالت کا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے، ان کو محض مماثلت وموافقت مضامین کی بنیاد پر آسمانی صحیفہ کہنا مناسب نہیں ہے۔

مشنری تعلیم گاہیں:

عیسائی مشنریاں جو تعلیم گاہیں اسلامی ملکوں میں قائم کرتی ہیں وہ بہت ہی خطرناک ہوتی ہیں ان کا بنیادی مقصود یہ چیزیں ہیں:

۱- مسلمانوں کو دین اسلام سے خارج کرنا اور اپنے مذہب وافکار کا تابع اور اپنا ماتحت بنانا۔

۲- مسلمان اسلام سے اس طرح خارج ہوجائیں کہ وہ ایک ایسی مخلوق بن جائیں جس کا اللہ سے کوئی تعلق نہ ہو اور ایسے اخلاق سے ان کا رابطہ منقطع ہوجائے جن پر قومیں اپنی زندگی میں اعتماد کرتی ہیں۔

۳- مسلمان بچوں کو مشنری تعلیم گاہوں میں تربیت دینا اور بچپن ہی سے ان کے عقیدے خراب کرنے کے شکوک وشبہات کے بیج اس طرح ان میں بونا کہ انہیں پتہ ہی نہ چلے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے مقاصد ہوسکتے ہیں اس میں شک نہیں کہ انسان ایک عرصہ تک جس ماحول اور معاشرے میں رہتا ہے اس کے اثرات بھی اس میں بہت گہرے ہوتے ہیں اور اس کے لئے اپنے ایمان واسلام کی حفاظت کرنا دشوار ہوجاتا ہے۔

خلاصہ ایسی تعلیم گاہوں سے بالکل اجتناب کیا جائے، اولاً تو اس لئے کہ عصری تعلیم کوئی اتنی ضروری نہیں ہیں جتنا اپنے عقائد کو محفوظ رکھنا ضروری ہے اور اسلام وایمان کو بچانا لازم ہے، ثانیاً عصری تعلیم ہی روزی روٹی کے مسئلہ کو حل کرسکے یہ بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے، ثالثاً اگر عصری تعلیم دینی ہی ہے تو یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کی اسکولوں میں دی جائے بلکہ اس کا کوئی متبادل تلاش کرلیا جائے، جیسا کہ بہت سے مقامات پر بعض اداروں اور جامعات نے اس طرف پیش قدمی کی ہے اور اسلامک اسکولوں کا قیام عمل میں آیا ہے۔

کتابیہ کے حقوق:

اگر کتابیہ سے نکاح کرے تو حقوق زوجیت کی ادائیگی میں یہ بھی مسلمان عورت کی طرح ہوگی، البتہ اس کو کنیسہ جانے سے روک سکتا ہے اور گھر میں رہتے ہوئے اس کے معتقدات کے خلاف کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا، اور اپنے معتقدات کو زبردستی اس پر ٹھوس بھی نہیں سکتا، مثلاً حیض ونفاس کے غسل پر مجبور نہیں کرسکتا،

''ثم اذا تزوج المسلم الكتابية، فله منعها من الخروج إلى البيعة والكنيسة ومن اتخاذ الخمر في منزله ولا يجبرها على الغسل من دم الحيض والنفاس والجنابة'' (فتاوی عالمگیری ۱/ ۲۸۱)

صاحب بحر فرماتے ہیں کہ کنیسہ اور گرجا جانے سے روک سکتا ہے، اپنے گھر میں شراب بنانے سے بھی روک سکتا ہے۔

''أن للمسلم منع الذمة اذا تزوجها من الخروج إلى الكنائس والبيع وليس له إجبارها على الغسل من الحيض والجنابة'' (البحر الرائق لابن نجيم المصری ۳/ ۱۸۳)۔

خلاصہ: کتابیہ عورت کو اس کے مذہبی رسومات سے نہیں روک سکتا، بلکہ جو چیزیں اس کے مذہب کے مطابق عبادات کے قبیل سے ہے اس کو ادا کرنے کی اجازت دینی ہوگی، ہاں محض غیر مسلم ہونے کی بنیاد پر طلاق دے دینے کی اجازت ہے، اس لئے کہ اوپر حضرت عمرؓ نے صرف اسی بنیاد پر بعض صحابہ کو طلاق دینے کے لئے کہا یہ عورتیں اہل کتاب میں سے ہے۔

عیسائی ہاسپیٹل اور قرض مہیا کرنے والے ادارے:

ظاہر ہے کہ عیسائی مشنری جو ہاسپیٹل یا قرض مہیا کرنے والے ادارے قائم کرتی ہیں ان کے مقاصد بھی وہی ہیں جو کہ عصری اسکول قائم کرنے کے ہیں، ظاہر ہے کہ ان مقاصد کے ہوتے ہوئے ان میں خدمت کرنا اور استفادہ کرنا مناسب نہیں ہے۔

(دیکھئے: مسلمان بچے اور فرنگی تعلیم گاہیں، مطبع کراچی)۔



اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام

مولانا تبریز عالم [1]

۱- اہل کتاب کا سادہ سا مطلب 'کتاب والا' ہے، تاہم یہ اتنا بھی عام نہیں کہ کوئی بھی کتاب ہو اور اسے اپنانے والا کوئی بھی ہو اسے 'اہل کتاب' سے خطاب کیا جائیگا؛ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ نزول قرآن سے قبل جو شریعت اس روئے زمین پہ نافذ رہی، خواہ وہ یہودیت ہو یا عیسائیت ، یا کوئی اور؛ بہر صورت اس کے پاس اس شریعت کے نفاذ کے لئے ان کے پیغمبروں کے واسطے سے آسمانی کتاب رہی ہو، خواہ زمانہ مابعد میں وہ محرف ہی کیوں نہ ثابت ہوئی ہو، بہر حال اس شریعت کے پیروکاروں کو اس 'آسمانی کتاب' کی بنیاد پہ 'اہل کتاب' کہا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں کم وبیش ان اوصاف والے کو اس لفظ سے اکتس (۳۱) مرتبہ یاد کیا گیا ہے، ان تمام آیتوں میں باتفاق مفسرین وہ حضرات 'اہل کتاب' ہیں جن کو آسمانی کتابوں سے سرفراز کیا گیا تھا، مثلاً یہود کو تورات تو عیسائیوں کو انجیل دی گئی۔

علامہ ابن جریر طبریؒ ''تفسیر طبری'' میں رقم کرتے ہیں:

"قل یااهل الکتاب تعالوا":-...وهم اهل التوراة والانجیل" (دیکھئے: تفسیر طبری: ۳:ج: ص ۲۱۲)۔

علامہ قرطبیؒ رقم کرتے ہیں: ''قل یأهل الکتاب تعالوا: قیل: هو للیهود النصاری جمیعا '' (دیکھئے: قرطبی: ۴/۶۸)۔

علامہ فخر الدین رازی رقم کرتے ہیں: ''وقال آخرون: بل المراد جمیع اهل الکتاب من الیهود و النصاری ، و احتجوا علیه بان قوله تعالیٰ (الذین اوتوا الکتاب) صیغة عموم ، فیتناول الکل'' (تفسیر رازی جلد۴: صفحہ: ۵۰۸)

- جبکہ 'الذین اوتوا الکتاب' کی تعیین کرتے ہوئے علامہ آلوسیؒ رقم کرتے ہیں: ''وما اختلف الذین اوتوا الکتاب '': قیل المراد بالموصول 'الیهود والنصاریٰ' وبالکتاب الجنس ، والظاهر ان المراد من الموصول مایعم الفریقین '' (تفسیر روح المعانی: ج: ۳: ص: ۱۷۳، ۱۷۲)۔

مفتی شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر ''معارف القرآن'' میں مذکورہ آیت کی تفسیر ان الفاظ میں رقم کرتے ہیں: ''کتاب کے لغوی معنیٰ ہر لکھا ہوا ورق تو مراد نہیں ہوسکتا، وہی کتاب مراد ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف سے آئی ہو، اس لئے باتفاق امت کتاب سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے، جس کا کتاب اللہ ہونا بتصدیق قرآن یقینی ہو، جیسے تورات انجیل زبور، صحف موسیٰ وابراہیم وغیرہ، اس لئے وہ قومیں جو کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھیں اور اس کو وحی الٰہی قرار دیتی ہو، جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن وسنت کے یقینی ذرائع سے ثابت نہیں، وہ قومیں اہل کتاب میں داخل نہیں ہوں گی، جیسے مشرکین مکہ، مجوس بت پرست، ہندو، بدھ، آریہ سکھ وغیرہ، اس سے معلوم ہوا کہ یہود ونصاریٰ جو توراۃ وانجیل پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ باصطلاح قرآن اہل کتاب میں داخل ہیں'' (معارف القرآن: ج ۳: ص ۴۷)۔

ان تمام تحقیق سے یہ بات بالکل بے غبار ہو جاتی ہے کہ 'اہل کتاب' انہیں کہا جاتا ہے؛ جنہیں باضابطہ ان کے پیغمبروں کے واسطے سے آسمانی کتابوں سے نوازا گیا تھا۔ جس کی مثال میں سبھی مفسرین یہود ونصاریٰ کو ہی پیش کرتے ہیں اور ان کو اہل کتاب ماننے میں کسی کو کوئی تردد نہیں۔

اب ان میں صرف یہود ونصاریٰ ہی آتے ہیں یا دیگر مذاہب کے پیروکار بھی، اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ احناف کے یہاں اس میں وسعت ہے، جبکہ دیگر مسالک میں یہ صرف یہود ونصاریٰ تک ہی محدود ہے۔ اس کی تفصیل اگلے سوال کے جواب میں پیش کی جارہی ہے۔

---

[1] آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ دہلی۔

۲- لفظ صابئ کا مادہ 'ص ب ؤ' ہے اس کے معنی 'نکل آنا' ہیں، چنانچہ عرب 'صبأ ناب البعیر'، اس وقت بولتے ہیں جب اونٹ کو کچلی نکل آئے اور 'صبأت النجوم من مطالعھا' اس وقت کہتے ہیں جب سورج اپنے مطالع سے نکل آئے، چناچہ علامہ راغب اصفہانی، صاحب معالم التنزیل علامہ بغوی اور متکلم اسلام فخر الدین رازیؒ نے اس کی لغوی معنیٰ کے پیش نظر 'صابئ' کو اس شخص کو قرار دیتے ہیں جو ایک دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لے۔

(دیکھئے: معالم التنزیل: ۱/ ۱۰۲، مفردات القرآن للاصفہانی مادہ ص ب ؤ) تفسیر رازی: ۳/ ۱۴۷-۱۴۸)۔

صحابہؓ کا نقطہ نظر: امام بغویؒ نے صحابہ میں سے حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ کا موقف یہ بیان کیا ہے 'صابئین' بھی من جملہ اہل کتاب میں سے ہیں؛ البتہ حضرت عمرؓ نے انکے ذبیحہ کو جائز ٹھہرایا ہے، جبکہ ابن عباسؓ نے اس سے روکا ہے۔ ان کی تفسیر معالم میں مرقوم ہے:

''قال عمر وابن عباس: هم قوم من أهل الكتاب، قال عمر رضى الله عنه ذبائحهم ذبائح أهل الكتاب، وقال بن عباس : لاتحل ذبائحهم ولا مناكحتهم '' (معالم التنزيل: ۱/۱۰۲)۔

امام ابو حنیفہؒ واسحاق بن راہویہ وغیر ہم کا نقطہ نظر: تفسیر و احکام آیات کی کتابوں کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں باضابطہ صابئین' بھی اہل کتاب میں ہی شامل ہیں، البتہ صاحبین کا ان سے اختلاف ہے وہ ان کو اہل کتاب میں شمار نہیں کرتے، صاحب تفسیر ابن کثیر اور امام قرطبی اپنی تفسیر میں امام ابو حنیفہ، اسحاق بن راہویہ، ضحاک، سدی، ابو العالیہ، ربیع بن انس، ابو الشعثاء، جابر بن زید سبھی کا مسلک یہی ان کے اہل کتاب ہونے کا نقل کرتے ہیں، تفسیر ابن کثیر میں ہے:

''وقال ابوالعاليه والربيع والسدى وابوالشعثاء جابر بن زيد وضحاك واسحق بن راهويه: الصابئون فرقة من أهل الكتاب يقرؤن الزبور، ولهذا قال: أبوحنيفة واسحق لابأس بذبائحهم ومناكحتهم '' (تفسیر ابن کثیر ۱/۹۹)۔

قرطبی میں رقم کرتے ہیں:''وقال اسحق: لا بأس بذبائح الصابئين لأنّهم طائفة من أهل الكتاب، وقال ابوحنيفة: لابأس بذبائحهم ومناكحة نسائهم '' (قرطبی: ۱/۲۹۵)۔

تاہم احناف کی احکام القرآن پہ لکھی گئی ''احکام القرآن للجصاص رازی'' میں یہ بات منقول ہے، کہ احناف میں اس بابت اختلاف ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ انہیں اہل کتاب تصور کرتے ہیں جبکہ صاحبین نے اس کی نفی ہے، وہ رقم کرتے ہیں:

''وقداختلف فى الصابئين هم من أهل الكتاب أم لا؟ فروى عن أبي حنيفة أنّهم أهل الكتاب وقال أبويوسف ومحمد: ليسوا من أهل الكتاب '' (احكام القرآن للجصاص: ۲/۴۱۲)۔

دراصل اس کی حقیقت یہ کہ اگر یہ حضرات خود کو عیسائیت سے منسوب کرتے ہیں اور انجیل پڑھا کرتے ہیں تو یہ امام صاحب کے نزدیک اہل کتاب ہی گردانے جائیں گے، اور اگر یہ کواکب پرستی میں مبتلا ہوتے ہیں جیسا کہ حرانی لوگ، تو پھر یہ مطلق احناف کے نزدیک اہل کتاب سے خارج مانے جائیں، بالفاظ دیگر یہ امام ابو حنیفہ امام ابو یوسف امام محمد رحمھم اللہ سبھی حضرات کی نگاہ میں اہل کتاب کی جماعت سے خارج ہونگے۔ جصاص رازی رقم کرتے ہیں:

''قال أبوالحسن الكرخي: يقول: الصابئون الذين هم عنده من أهل الكتاب قوم ينتحلون دين المسيح ويقرئون الإنجيل، فأمّا الصابئون الذين يعبدون الكواكب وهم الذين بناحيةحرّان فانّهم ليسوا بأهل الكتاب عندهم جميعا'' (احكام القرآن للجصاص: ۲/۴۱۳)۔

اسی کے ساتھ ساتھ گر صاحب ہدایہ کی بات بھی ذہن میں رکھی جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے چناچہ انہوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ ان بزرگوں کے بیچ اختلاف خیال و علم کا اختلاف ہے صابی مذہب کو سمجھنے میں امام صاحب اور صاحبین میں اختلاف ہوا ہے ورنہ واقع میں کوئی اختلاف نہیں

''والخلاف منقول فيه محمول على اشتباه مذهبهم، فكلٌ أجاب على ماوقع عنده وعلى هذا حال ذبيحتهم '' (دیکھئے: ہدایہ جلد دوم ص: ۲۹۰)۔

پھر بھی مذکورہ عبارت سے امام ابوحنیفہؒ کا مسلک دمشرب صاف معلوم ہورہا ہے، البتہ ان کے صاحبین کا اس سلسلے میں ان سے اختلاف ہے ؛لیکن امام ابوالحسن کرخیؒ وامام مرغینانیؒ نے جو تطبیقی بات یہاں کہی ہیں، اس سے مسئلہ بالکل بے غبار ہوجاتا ہے، جصاص رازی مذکورہ تمام تفاصیل دیگر حضرات سے بھی نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ بہر صورت گر یہ لوگ واقعی قرأت انجیل وانتحال عیسائیت رکھتے ہیں تو ان پر احکام 'اہل کتاب' والے ہی نافذ ہونگے ورنہ نہیں:

''ومن كان اعتقاده من الصابئين ماوصفنا فلاخلاف بين الفقهاء أنّهم ليسو أهل كتاب ،وانّه لاتوكل ذبائحهم ولاتنكح نسائهم ''(احكام القرآن للجصاص:۲/۴۱۳)

ان کے برعکس ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ صرف یہود ونصاریٰ کو ہی اہل کتاب مانتے ہیں یہ حضرات صحف ابراہیم کا ماننے والا ہو یا شیث کا، زبور داود کا پیروکار ہو یا عیسائیت سے منسوب انجیل پڑھنے والا صابئی ان میں سے کسی کو اہل کتاب نہیں مانتے ہیں، البتہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک سامری یہود میں، ارمنی نصاریٰ میں اور ایک قول کے مطابق 'صابئی' بھی شامل ہیں، بشرطیکہ وہ یہود ونصاریٰ کے موافق ہوں۔ ورنہ ان کا شمار بھی ان کے نزدیک اہل کتاب میں نہیں ہوسکتا!

راقم امام ابوحنیفہؒ وامام احمد بن حنبلؒ کی رائے کو مشروط طور پر راجح سمجھتا ہے کیونکہ ان کا نظریہ تمام آیات قرآنی کو جامع ہے، کیونکہ قرآن میں صحف ابراہیم، زبور داود اور صابئین کا تذکرہ اہل ایمان کے ساتھ بطور عطف بیان اس طرح آیا ہے کہ دیگر آیات کے پیش نظر ان آیات سے صرف نظر کرنا مشکل ہے۔

۳- قرآن کریم میں یہود ونصاریٰ کا کئی ایک جگہ پہ تذکرہ آیا ہے کہ وہ اپنے عقاید مزعومہ کی بنیاد پر کافر ہیں، چناچہ عیسائیوں کے بارے میں "لقد كفر الذين قالوا ان الله هو المسيح ابن مريم" (مائدۃ:۷۲) اور اسی طرح "لقد كفر الذين قالوا ان الله ثالث ثلاثة" (مائدۃ:۷۳) تو یہودیوں کی بابت ان کی شرارت کہیں "وقالت اليهود يد الله مغلولة" (مائدۃ:۶۴) تو کہیں "وقالت اليهود عزير ابن الله" اور مشترکہ طور پہ ان کا زعم باطل "وقالت اليهود والنصارىٰ نحن ابناء الله واحباؤه" (توبہ ۳۰) واضح طور سے موجود ہے۔

ان تمام تر شرارتوں کے باوجود قرآن میں ربّ ذوالجلال نے اہل کتاب کی عورتوں سے اہل اسلام کو شادی کرنے اور ان کے ذبیحہ کو کھانے کی اجازت دی ہے: "اليوم أحلّ لكم الطيبت وطعام الذين أوتوالكتاب حلّ لكم وطعامكم حلّ لهم والمحصنت من المومنات والمحصنت من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم" (دیکھئے: سورہ مائدہ آیت نمبر ۵)، جبکہ ان کا کفر واضح ہوچکا ہے، ان کا شرک بھی معلوم ہورہا ہے ؛لہذا "ولا تنكحوا المشركات حتىٰ يومن" (سورہ البقرۃ:۲۲۱) کی روشنی میں اس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے تھی، جیسا ابن عمرؓ اور حضرت علیؓ کا ذوق بھی یہی کہتا تھا (دیکھئے: احکام القرآن: ۲/۴۰۹ اور تفسیر مظہری: جلد ۳: ص: ۴۲)۔

مگر ان کے علاوہ دیگر صحابہ وتابعین کا نظریہ 'اہل کتاب' کے حوالے سے اور ہی تھا، چناچہ احکام القرآن للجصاص رازی میں باضابطہ یہ صراحت عموم کے ساتھ موجود ہے:

''وقوله تعالىٰ (وطعام الذين أوتوالكتاب حلّ لكم) روى عن ابن عبّاس وأبي الدرداء والحسن ومجاهد وابراهيم وقتادة والسدّى: أنّه ذبائحهم ،وظاهره يقتضي ذلك؛ لأنّ ذبائحهم من طعامهم .ولواستعلمنا اللفظ على عمومه لانتظم جميع طعامهم من الذبائح وغيرها ''(دیکھئے: احکام القرآن: ۲/۴۰۵)۔

اور آگے علامہ جصاص رازی نکاح کتابیہ کی بحث پہ رقم کرتے ہیں:

''واتفق جماعة من الصحابة على اباحة اهل الكتاب الذميّات سوى ابن عمر وجعلوا قوله: (ولاتنكحوا المشركات)'' [البقرة:۲۲۱] ''خاصًاً في غير اهل الكتاب ،.....عن حماد قال: سألت سعيد بن جبير عن نكاح اليهودية والنصرانية قال لابأس ؛قال: قلت ،فانّ الله تعالى قال: (ولاتنكحوالمشركات حتّى يومنّ) قال: أهل الاوثان

والمجوس ... وتروى اباحة ذلك عن عامة التابعين ،منهم الحسن وابراهيم والشعبي في آخرين منهم'' (احکام القرآن: ۲/۴۰۹)۔

مذکورہ بحثوں سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ اس وقت بھلے ہی ان کے عقائد شرک وکفر پہ مبنی تھے؛ پھر بھی غنیمت یہ تھا کہ یہود ونصاریٰ اللہ پہ ایمان رکھتے تھے، چنانچہ اکثر صحابہؓ وتابعینؒ نکاح کی بحث میں انہیں ان کے مزعومہ عقائد کے باوجود مجوس یا کافر کی صف میں شامل نہیں کررہے ہیں ؛ بلکہ اہل کتاب کو کافر ومجوس کا اور کافر ومجوس کو اہل کتاب کا مغایر قرار دے رہے ہیں۔

بیان القرآن میں حضرت تھانویؒ ان کے بارے میں جو کچھ فرماتے ہیں وہ دور حاضر کے نام نہاد اہل کتاب کے حوالے سے بہت واضح پیغام اور ہدایت ہے:

''مسئلہ: کتابی کا ذبیحہ حلال ہے دو شرط سے ایک یہ کہ اصلی کتابی ہو یعنی مرتد نہ ہو اور کوئی غیر مسلم نصرانی ہوجائے تو اس کا حکم نصرانی کا سا ہوگا اور دوسری شرط یہ کہ ذبح کے وقت اللہ کے سوا اور کا نام نہ لے ورنہ حرام ہوگا۔ [درمختار] اور یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے زمانہ میں اکثر نصاریٰ برائے نام ہیں ایسوں کا حکم نصاریٰ کا سا نہیں ہے اور یہی سب تقریر نکاح میں بھی سمجھو'' (دیکھئے: بیان القرآن: ۱/ ۴۴۸)۔

ماضی قریب کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب نے اپنی تفسیر معارف القرآن میں دور حاضر کے ملحد ودہریے یوروپی یہودیوں اور عیسائیوں کی بابت تفصیل سے ان کے احکام بیان کئے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی رقم کردیا جائے:

''آج کل یورپ کے عیسائی اور یہودیوں میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنی مردم شماری کے اعتبار سے یہودی یا نصرانی کہلاتے ہیں؛ مگر درحقیقت وہ خدا کے وجود اور کسی مذہب ہی کے قائل نہیں نہ تورات وانجیل کو خدا کی کتاب مانتے ہیں اور نہ موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کو اللہ کا نبیو پیغمبر تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ شخص مردم شماری کے نام کی وجہ سے اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہوسکتے ،نصاریٰ کے بارے میں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا کہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں اس کی وجہ یہ بتلائی کہ یہ لوگ دین نصرانیت میں سے بجز شراب نوشی کے اور کسی چیز کے قایل نہیں'' (معارف القرآن: جلد ۳: صفحہ ۴۸-۴۹)۔

خلاصہ کلام: مذکورہ تمام عبارتوں اور فقہائے اسلام کی باتوں سے نصاریٰ بنی تغلب کے عادات وحرکات اور ان پہ لاگو ہونے والے احکام کو دھیان میں رکھتے ہوئے ہم اسی نتیجہ پہ پہونچتے ہیں کہ آج کے نام نہاد عیسائی ویہودی اگر خدا کے وجود کے قائل نہیں ہیں، آسمانی وحی، کتاب، حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام اور آخرت پہ یقین نہیں رکھتے ہیں تو 'نصاریٰ بنی تغلب' کے پیش نظر قرآن کی اصطلاح میں معروف کے مطابق انہیں اہل کتاب نہیں قرار دیا جاسکتا؛ لہٰذا اب مذکورہ صورت میں ان کی عورتوں سے نکاح درست ہوگا نہ ہی ان کا ذبیحہ حلال قرار دیا جائیگا۔ راقم کی نظر میں یہی بات زیادہ احوط ہے۔

۴- ''اہل کتاب'' قرآن وسنت نیز ان سے مستنبط شدہ احکام میں ایک خاص مفہوم کا حامل لفظ ہے۔ اس کا اطلاق دراصل اس قوم پہ ہی ہوسکتا ہے جسے آسمانی کتاب سے نوازا گیا ہے، جس کی تائید قرآن وسنت سے بالتصریح و بالیقین ہو؛ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ قوم اور اس کی کتاب قرآن وسنت سے قبل رہی ہو نہ کہ اس کے بعد، بھلے یہ عقلاً ممکن ہے کہ جس کی تائید کی جائے وہ بعد میں آئے اور جو تائید کرے وہ پہلے؛ تاہم شرعاً ایسا واقع نہیں ہوا ہے۔ اس کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

چنانچہ ایک فقیہ جب قرآن کریم کی آیتوں کا جائزہ لیتا ہے تو اسے قرآن کی پہلی سورۃ کے پہلے رکوع میں اس امر کی وضاحت ملتی ہے کہ قرآن کریم اپنے سے ماقبل کتابوں کا موید ہے اور اس کے پیروکار ان پر بھی ایمان رکھتے ہیں تبھی ہدایت یافتہ مومن کہلاتے ہیں۔ حالانکہ بعض حضرات نے اہل کتاب میں سے جو مومن ہیں ان کو ہی یہاں مراد لیا ہے۔ بہرحال سورہ بقرہ کی پہلے رکوع میں دیکھئے:

"والذين يومنون بما أنزل اليك وما أنزل من قبلك وبالآخرة هم يوقنون" (رقم الآية: ۴)۔

علامہ بغویؒ اس کی تفسیر میں رقم کرتے ہیں: ''(وما أنزل من قبلك) من التوراة والإنجيل وسائر الكتب المنزلة على الأنبياء عليهم الصلوة والسلام'' (دیکھئے تفسیر بغوی: ۱ص: ۶۲)۔

ان کی باتوں سے صاف صاف یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اب آخری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو کوئی نبی مانتا ہے تو ایک جھوٹی شی کو مانتا ہے، اسی طرح درجن بھر مقامات پہ عمومی لحاظ سے "مصدقا لما بين يديه" (بقرہ: ۹۷) اور اہل کتاب سے مخاطب ہوتے ہوئے "مصدقا لما معكم" (بقرہ: ۴۱) سے قرآن کریم کی اہم حقیقت بیان کی گئی ہے، جن میں کہیں بھی 'بعد والی' کسی کتاب کا اشارۃ کنایۃ بھی تذکرہ موجود نہیں ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سوال میں مذکور گروہ کا حکم ان سے ملتے جلتے ان گروہوں پر ہی قیاس کر کے نکالا جاسکتا ہے جن کا تذکرہ قرآن یا احادیث یا پھر فقہی کتابوں میں موجود ہے۔

قرآن کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ایک فرقہ مجوس ہوا کرتا تھا جن کے بارے میں دو رائیں سامنے آئیں: ایک یہ کہ وہ بھی اہل کتاب ہیں اس رائے ماننے والے بہت ہی کم لوگ تھے، دوسری یہ کہ یہ اہل کتاب نہیں ہیں۔

بہرکیف علامہ جصاص رازیؒ ان گروہوں سے ملتے جلتے اسی گروہ مجوس کو اہل کتاب سے خارج کرنے کے لئے سورہ انعام کی آیت:

"وهذا كتاب انزلناه مبارك فاتبعوه واتقوا لعلكم ترحمون أن تقولوا إنما أنزل الكتاب على طائفتين من قبلنا" (نمبر ۱۵۵) کی تفسیر سے مستنبط شدہ حکم مزید احادیث کی روشنی میں انہیں اہل کتاب قرار نہیں دیتے،

۵- قادیانی خواہ نسلی ہوں یا غیر نسلی، وہ اہل کتاب میں شامل نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ نے "مصدقا لما بين يديه" (بقرہ: ۹۷) اور 'والذين يومنون بما أنزل اليك وما أنزل من قبلك وبالآخرة هم يوقنون' (بقرہ: ۴) جیسی آیتوں میں اہل کتاب کی تعریف بیان کی ہے، اور یہ واضح کر دیا ہے کہ اہل کتاب صرف وہی گروہ ہوگا جو شریعت محمدی سے پہلے نازل کردہ کتابوں پر ایمان رکھتا ہو، شریعت محمدی کے بعد کسی بھی الہامی کتاب پر ایمان لانے والا صرف کافر ہے اہل کتاب نہیں۔

۶- قرآن میں کتابی عورت سے شادی کرنے کی مطلق اجازت دی گئی ہے اور اس کو مباح قرار دیا گیا ہے، البتہ فقہاء کرام نے اہل کتاب عورت سے شادی کرنے میں دار الاسلام اور دار الکفر کا فرق کیا ہے، اس فرق کی بنیادی وجہ ماحول اور مزاج کی وجہ سے مسلم مرد پر پڑنے والا اثر تھا، کیونکہ دار الکفر میں زیادہ امکان ہے کہ کتابی عورت اپنے مزاج سے شوہر کو متاثر کر دے جبکہ اسکے امکانات دار السلام میں بہت کم ہیں، اس لئے اگر مقصد کی طرف نظر کرتے ہوئے دیکھا جائے تو آج کے زمانہ میں بجائے دار الاسلام اور دار الکفر کی تفریق کے یہ تفریق شخصی بناء پر ہوگی دار الاسلام میں اگر مسلم مرد کے ایمان کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو یا اس سے مسلمانوں کا کافی نقصان ہونے کا خطرہ ہو جس کا ذکر سوال نامہ میں کیا گیا، تو ایسی صورت میں کتابی عورت سے نکاح مکروہ ہوگا، اور اگر دار الکفر میں کسی کتابی لڑکی سے شادی کرنے پر اس کے اہل خانہ کے متاثر ہونے کے امکانات ہوں تو دار الکفر میں بھی یہ مباح ہوگا۔

۷- اہل کتاب کی تعریف میں یہ بات واضح طور پر آگئی ہے کہ اہل کتاب صرف انہیں لوگوں کو کہا جاسکتا ہے جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں صراحت کے ساتھ اہل کتاب ہونے کا ذکر آیا ہو۔ باتفاق مفسرین وہ حضرات 'اہل کتاب' ہیں جن کو آسمانی کتابوں سے سرفراز کیا گیا تھا، مثلاً یہود کو تورات تو عیسائیوں کو انجیل دی گئی۔

اپنے وقت کے مشہور مفسر قرآن ابن جریر طبریؒ اپنی تفسیر طبری میں رقم کرتے ہیں:

''قل يأهل الكتاب تعالوا'': ... وهم أهل التوراة والإنجيل'' (دیکھئے: تفسیر طبری: ۲؍ص ۲۱۳)۔

علامہ قرطبیؒ رقم کرتے ہیں: ''قل یا اهل الکتاب تعالوا: قیل: هو للیهود النصاری جمیعا '' (دیکھئے: قرطبی: ۶۸/۴)۔

''الذین اوتوا الکتاب'' کی تعیین کرتے ہوئے علامہ آلوسی رحمہ اللہ رقم کرتے ہیں: ''وما اختلف الذین اوتوا الکتاب'': قیل المراد بالموصول 'الیهود والنصاریٰ' وبالکتاب الجنس ، والظاهر ان المراد من الموصول مایعم الفریقین ''

(تفسیر روح المعانی: ج: ۲: ص: ۱۴۳، ۱۴۲)۔

اسی طرح مفتی شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن میں مذکورہ آیت کی تفسیر ان الفاظ میں رقم کرتے ہیں:

''کتاب کے لغوی معنی ہر لکھا ہوا ورق تو مراد نہیں ہوسکتا، وہی کتاب مراد ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف سے آئی ہو، اس لئے باتفاق امت کتاب سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے، جس کا کتاب اللہ ہونا بتصدیق قرآن یقینی ہو، جیسے تورات انجیل زبور، صحف موسیٰ وابراہیم وغیرہ، اس لئے وہ قومیں جو کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھی اور اس کو وحی الٰہی قرار دیتی ہو، جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن وسنت کے یقینی ذرائع سے ثابت نہیں، وہ قومیں اہل کتاب میں داخل نہیں ہوں گی، جیسے مشرکین مکہ، مجوس بت پرست، ہندو، بدھ، آریہ سکھ وغیرہ، اس سے معلوم ہوا کہ یہود ونصاریٰ جو توراۃ وانجیل پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ باصطلاح قرآن اہل کتاب میں داخل ہیں''۔ (معارف القرآن: ج ۳: ص ۴۷)۔

لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہمارے ہندو برادران وطن کے بارے بتصدیق قرآن ان کا اہل کتاب ہونا یقینی نہیں ہے، اس لئے ان کا شمار اہل کتاب میں نہیں ہوسکتا۔

۸- الف: مسلمان کے لئے سب سے زیادہ فکر اپنے ایمان کی حفاظت کی ہونی چاہئے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام نے تعلیم پر زور دیا ہے مگر جس تعلیم سے ایمان خطرہ میں پڑ جائے ایسی تعلیم اور ایسے ادارے کی نہ تو حوصلہ افزائی کی جاسکتی ہے اور نہ ہی ایسے اسکولوں میں اپنے بچوں کو تعلیم دلائی جاسکتی ہے، ورنہ اس حدیث کے مطابق (کل مولود یولد علی فطرة الاسلام وابواه یهودانه او یمجسانه) والدین گنہگار ہوں گے اس لئے مسلمانوں کو اپنا ادارہ قائم کرنے پر زیادہ توجہ دینی چاہئے۔

ب: اہل کتاب عورت سے نکاح کرنے کے بعد اس کے وہ تمام حقوق ہوں گے جو ایک مسلم عورت کے ہوتے ہیں اور مسلم اور اہل کتاب کا فرق صرف نکاح کرنے میں ہے نہ کہ نکاح کو باقی رکھنے کے لئے اور صرف اس بنیاد پر طلاق دینے کی اجازت نہیں ہوسکتی۔

د: ہر وہ ادارہ جس کے بارے میں یہ یقین ہے کہ وہ دہریت کو فروغ دے رہا ہے یا جو اسلام سے مسلمانوں کو دور کر رہا ہے اس ادارے میں نوکری کرنا ان کا تعاون کرنا درست نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کہا ہے کہ "ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان"۔



کتابیہ خاتون سے نکاح کا شرعی حکم

مولانا ثابت شیم رشادی[1]

شریعت اسلامیہ میں نکاح کی حیثیت محض معاشرتی معاہدہ ہی کی نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت ایک عبادت کی ہے، اس کے ذریعہ متعدد دینی و روحانی فوائد کا حصول اور اخلاق کی اصلاح مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے نہ صرف بے نکاحی زندگی کو ناپسند فرمایا بلکہ نکاح کو اپنی سنت قرار دیا (بخاری ۲/۵۷۷، باب الترغیب فی النکاح)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''أربع من اعطيهن فقد أعطي خير الدنيا والآخرة. قلبا شاكرا، ولسانا ذاكرا، وبدنا على البلاء صابرا، وزوجة لا تبغيه حوبا في نفسها و ماله'' (رواه الطبرانی فی کبیر والاوسط ۹/ ۲۴۰)

(چار چیزیں ہیں جس کو دی گئیں اس کو دنیا و آخرت کی ساری بھلائی دے دی گئی، ایک وہ دل کہ خدا جو کچھ دے اس پر وہ شکر ادا کرے، دوسرے وہ زبان جو خدا کا ذکر کرنے والی ہو تیسرے وہ بدن جو مصیبتوں کے مقابلہ میں ٹھہرنے کی قوت رکھتا ہو، چوتھے وہ بیوی جو شوہر کا مال اور اپنی عصمت میں کسی خیانت کی طرف مائل نہ ہو)۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا: ''من أراد أن يلقى الله طاهرًا مطهرًا فليتزوج الحرائر'' (ابن ماجة: ۱۳۴)

(جو کوئی اللہ سے پاک وصاف ملنا چاہتا ہو اسے شریف عورتوں سے شادی کرنی چاہئے)۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ نکاح کے موقع پر دیکھنے کی جو چیز ہے وہ دینداری ہے، فرمایا کہ ایک کالی کلوٹی کم عقل لونڈی بھی اگر دین دار ہو تو وہ دوسری عورتوں سے افضل ہے۔

''لا تزوجوا النساء لحسنهن فعسى حسنهن أن يرديهن، ولا تزوجوهن لأموالهن فعسى أموالهن أن تطغيهن، ولكن تزوجوهن على الدين، ولأمة خرقاء سوداء ذات دين أفضل'' (ابن ماجه: ص۱۳۷)

(عورتوں سے ان کے حسن کی خاطر شادیاں نہ کرو، ممکن ہے کہ ان کا حسن ان کو بگاڑ دے، اور تم ان کے مال کی خاطر بھی شادیاں نہ کرو، ہوسکتا ہے کہ ان کے اموال ان کو سرکش بنادیں، تم کو ان میں جو چیز دیکھنی چاہئے وہ دین ہے، ایک کالی کلوٹی کم عقل لونڈی بھی اگر دین دار ہو تو وہ دوسری عورتوں سے افضل ہے)۔

اس قسم کی بہت احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نکاح کی حیثیت ایک تمدنی ضرورت کو پورا کرنے ہی کے لئے نہیں ہے، بلکہ سب سے بڑا مقصد تحسین نفس، طہارت اخلاق، تہذیب اسلامی کا فروغ اور خالص مسلمان نسلیں پیدا کرنا ہے، اور ان اغراض کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ مسلمان نکاح کریں، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے نکاح ایسی عورتوں سے ہوں جو مسلمان ہوں، دیندار ہوں، شریف اور باعصمت ہوں، کیونکہ ایک صالح اسلامی سوسائٹی ایسی ہی اور عورتوں کی ازدواج سے وجود میں آسکتی ہے، اور ایک صالح مسلمان نسل ایسی ہی ماں کے بطن سے پیدا ہوسکتی ہے۔

مخلوط شادیوں کی مضرت:

نیز اس حقیقت سے بھی انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مخلوط شادیوں سے بڑھ کر کوئی چیز نظام معاشرت اور خاندانی زندگی کو تباہ وتاراج کرنے والی ہوسکتی ہے۔

دو ایسے میاں بیوی جن کے خیالات میں بعد المشرقین اور جنہوں نے دو مختلف ماحول میں مختلف روایات اور مختلف معاشرتوں کے زیر اثر پرورش پائی ہو اپنے باہمی اختلاط سے نہ تو خود اپنی زندگی میں سکون وراحت حاصل کر سکتے ہیں، اور نہ ہی گھر کو کسی نظام معاشرت کا صالح رکن بنا سکتے ہیں

[1] مدرسہ اشرف العلوم، میسور، کرناٹک۔

، ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ ایک ہی سوسائٹی سے تعلق رکھنے کے باوجود شہری و دیہاتی تک کا فرق بار ہا نا موافقت کا موجب بن جاتا ہے، نکاح کے لئے ضروری ہے زوجین اور ان کے خاندانوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ امور میں اتحاد ہو، اور صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ان کا دین ایک ہو، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان کا طرز معاشرت ایک ہو، ان کے خیالات اور اصول حیات میں یکسانی ہو، ان کے معاشی و معاشرتی مرتبے میں ہمواری ہو، یہی چیز ہے جو شریعت کی اصطلاح میں کفاءت کہلاتی ہے، اور شارع نے اس کو بڑی اہمیت دی ہے۔

موجودہ عیسائی اور یہودی عورت سے نکاح کی صورت میں سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ ایک غیر مسلم ماں کی آغوش میں جو اولاد تربیت پا کر اٹھے گی وہ دین و اخلاق کے اعتبار سے اسلامی سوسائٹی کے کسی کام کی نہ ہوگی، اس کے علاوہ یہ خطرہ بھی ہے کہ ایک مسلمان کے گھر میں غیر اسلامی طریقے رائج کرے گی، پھر خود شوہر بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہے گا، یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے دین ایمان کو بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے، کم از کم یہ اثر تو ضرور ہوگا کہ وہ اپنے گھر میں اپنی آنکھوں سے اسلامی اخلاق، اور اسلامی تہذیب کے بہت سے ارکان کی بربادی ہوتے دیکھے گا اور اس کو گوارہ کرے گا۔

سیاسی حیثیت سے بھی اس قسم کی شادیاں خالی از مضرت نہیں، سازش اور جاسوسی اور اسلامی حکومت کے بیخ کنی کے لئے مسلمان گھر کی غیر مسلم بہو بہت آسانی کے ساتھ استعمال کی جاسکتی ہے، بلکہ اگر وہ ہوشیار ہو تو اپنے شوہر کو بھی ان اغراض کے لئے آلہ کار بنا سکتی ہے، اہل عرب کے لئے تو اس قسم کی شادیاں سم قاتل کا درجہ رکھتی ہیں۔

قرآن نے جہاں کتابیہ عورت سے نکاح کی اجازت دی ہے وہیں اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ یہ کام خطرے سے خالی نہیں، تاہم یہ رخصت اس لئے عطا کی گئی ہے تا کہ تم بدکاری میں مبتلا نہ ہو۔

"والمحصنت من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم اذا اتيموهن أجورهن محصنين غير مسافحين ولا متخذي أخدان ومن يكفر بالإيمان فقد حبط عمله وهو في الأخرة من الخاسرين" (سورۂ مائدہ:۵)

(اور حلال کی گئی ہیں تمہارے لئے ان لوگوں کی عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر کے انہیں قید نکاح میں لاؤ، علانیہ یا چوری چھپے زنا کاری نہ کرو، (اور یاد رکھو کہ) جو شخص اپنے ایمان سے پھرا اس کا سب کیا کرایا غارت ہو جائے گا، اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا)۔

آخری فقرہ قابل غور ہے، اس میں صاف طور پر متنبہ کر دیا گیا ہے کہ غیر مسلم عورت سے شادی کرنے میں ایمان کا خطرہ ہے، اس کے بعد ظاہر ہے کہ ایسے خطرناک کام کی اجازت دی گئی ہے تو وہ غیر معمولی حالات وضروریات ہی کے لئے ہے۔

صحابہ کا احتیاط:

یہی وجہ ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کی بالکل اجازت نہیں دیتے تھے کہ کوئی مسلمان مرد کتابیہ عورت سے شادی کرے۔

''عن ابن عمر انه كان سئل عن نكاح اليهودية و النصرانية قال: إن الله حرم المشركات على المسلمين''
(احکام القرآن للجصاص ۱/ ۲۲۲، نیز ۲/ ۳۲۵، باب تزوج الکتابیات)۔

اسی طرح دن بن مہران کے سوال پر حضرت ابن عمرؓ کا آیت تحریم وتحلیل کا سنا دینا اور صراحتا کوئی جواب نہ دینا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جانتے تھے کہ آیت محکم ہے، اور تحریم کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا، مگر حالات کے پیش نظر وہ کتابیہ سے نکاح کو پسند نہیں فرماتے تھے

(تفصیل کے لئے دیکھئے: احکام القرآن للجصاص ۱/ ۲۳۲، نیز ۲/ ۳۲۵)۔

حضرت عمر فاروقؓ جیسے صاحب بصیرت اور راز دار شریعت نے بھی کبھی اس کو پسند نہیں کیا کہ مسلمانوں میں کتابیات سے شادی کرنے کا رواج عام ہو، انہوں نے حضرت حذیفہ کو جو کچھ لکھا وہ مقصد شریعت پر خوب روشنی ڈالتا ہے، وہ زمانہ اسلام کے غلبہ کا تھا، معاملہ ایک جلیل القدر صحابی رسول کا تھا، اسلامی اخلاق، اور اسلامی تہذیب میں ان سے بڑھ کر اور کون پختہ ہوسکتا تھا، مگر اس کے باوجود جب حضرت عمر کے علم میں یہ بات آئی کہ حضرت حذیفہؓ نے ایک کتابیہ سے نکاح کیا ہے تو فرمایا اس کو طلاق دیدو، حضرت حذیفہؓ نے استفسار فرمایا کہ کیا کتابیہ سے نکاح حرام ہے؟

حضرت عمرؓ نے جواب دیا، میں حرام نہیں کہتا، لیکن مجھے خطرہ ہے کہ کہیں اس کی وجہ سے مسلمان گھروں میں اہل کتاب کی بداخلاق عورتیں نہ

گھس آئیں، لہٰذا اس اجازت سے فائدہ نہ اٹھانا ہی بہتر ہے۔

''وروی عن حذیفة ایضا أنه تزوج یهودیة وکتب إلیه عمر ان خل سبیلها، فکتب إلیه حذیفة أحرام هی، فکتب إلیه عمر لا . ولکن أخاف أن تواقعوا المومسات منهن'' (احکام القرآن للجصاص ۱/ ۳۳۳)۔

امام محمد بن حسنؒ نے کتاب الآثار میں اس واقعہ کو بروایت امام ابوحنیفہؒ اس طرح نقل کیا کہ دوسری مرتبہ فاروق اعظمؓ نے جب حضرت حذیفہؓ کو خط لکھا تو تواس کے الفاظ یہ تھے:

''أعزم علیك ان لاتضع کتابی حتی تخلی سبیلها فإنی أخاف أن یقتدیك المسلمون فیختار واالنساء أهل الذمة لجمالهن وکفی بذلك فتنة لنساء المسلمین'' (کتاب الآثار/ ص۱۵۶)

(میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط رکھنے سے پہلے ہی اس کو طلاق دیدینا، کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں دوسرے مسلمان بھی تمہاری اقتداء نہ کرنے لگیں، اور ذمیوں کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمان عورتوں پر ترجیح دینے لگیں، پھر مسلمان عورتوں کے لئے اس بڑی مصیبت کیا ہوگی)۔

کتابیہ عورت سے نکاح عصر حاضر میں:

حضرت مولانا عاشق الٰہی برنیؒ لکھتے ہیں: ''وقد شاع فی عصرنا أن الشباب من المسلمین یقیمون فی أوربا و أمریکا و کنادا و استریلیا و یرغبون فی النساء النصرانیات زاہدین فی المسلمات الطاهرات العفیفات ،ولا یجدأولیاء المسلمات رجالا لتزویج بناتهم وهذه فتنة عظیمة، کما قال سیدنا عمر رضی اللہ عنه'' (التسهیل الضروری فی مسائل القدوری ۲/ ۱۰) (ہمارے زمانے میں یہ بات عام ہے کہ بہت سے وہ مسلم نوجوان جو یورپ، امریکہ، کناڈا، آسٹریلیا وغیرہ میں مقیم ہیں بجائے نیک پارسا مسلم خواتین کے عیسائی عورتوں سے نکاح کررہے ہیں، اس صورت حال میں مسلم خواتین کے اولیاء اپنی بچیوں کی شادی کے لئے مناسب رشتہ نہیں پاتے، واقعی جیسا سیدنا عمرؓ نے فرمایا تھا، یہ بہت بڑا فتنہ ہے)۔

حضرت عمرؓ کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا، اسلام کے غلبہ کا دور تھا، اس وقت مسلمان بجائے اس کے کہ دوسروں سے متاثر ہوں وہ دوسروں پر اپنا اثر ڈالا کرتے تھے، آج جب کہ مسلمان مغلوب ہیں ان کی ایک بڑی تعداد مغرب سے مرعوب ہے، اباحیت پسندی کا دور دورا ہے، مغربی خواتین کی ایک بڑی تعداد ساری اخلاقی بندشوں سے آزاد ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مغربی سوسائٹی میں انہیں بنسبت مردوں کے ایک گونہ تفوق حاصل ہے، ان حالات میں کراہت پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء نے عموماً کتابیہ سے نکاح کو مکروہ اور دار الکفر میں نہایت مکروہ قرار دیا ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: ''ویجوز تزویج الکتابیات والأولی أن لایفعل ولا یأکل ذبیحتهم إلا للضرورة وتکره نکاح الکتابیة الحربیة إجماعًا لانفتاح باب الفتنة من إمکان التعلق المستدعی للمقام معها فی دار الحرب وتعریض الولد علی التخلق بأخلاق اهل الکفر'' (فتح القدیر ۲/ ۱۳۵)

(کتابیات سے نکاح کرنا تو جائز ہے، مگر بہتر یہی ہے کہ نہ کیا جائے اور نہ ان کا ذبیحہ کھایا جائے، الا یہ کہ کوئی ضرورت آپڑے، اور حربی کتابیہ سے نکاح کرنا تو بالاجماع مکروہ ہے، کیونکہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے، مثلاً عورت سے ایسا گہرا تعلق ہوجائے کہ مسلمان شوہر اسی کے ساتھ کافروں کے ملک میں رہ پڑے اور یہ کہ اس کی اولاد اہل کفر کے اخلاق سے متخلق ہوکر اٹھے (کیونکہ ہر بچہ اپنی ماں سے مانوس ہوتا ہے اور اس کا طور طریقہ سیکھتا ہے)۔

مفتی شفیع صاحبؒ آیت "والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اول تو وہ لوگ جو آج اپنے نام کے ساتھ مردم شماری کے رجسٹر میں یہودی یا نصرانی لکھواتے ہیں۔۔ان میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو اپنے عقیدہ کی رو سے یہودیت و نصرانیت کو ایک لعنت سمجھتے ہیں، نہ تو ان کا توریت و انجیل پر عقیدہ ہے، نہ حضرت موسیٰ وعیسیٰ پر۔ وہ عقیدہ کے اعتبار سے بالکل لامذہب اور دہریئے ہیں۔ محض قومی یا رسمی طور پر اپنے آپ کو یہودی یا نصرانی کہتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی عورتیں مسلمانوں کے لئے کسی

طرح حلال نہیں۔اور بالفرض اگروہ اپنے مذہب کے پابند بھی ہوں تو ان کو کسی مسلمان گھرانہ میں جگہ دینا اپنے پورے خاندان کے لئے دینی اور دنیوی تباہی کو دعوت دینا ہے۔اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں اس راہ سے اس آخری دور میں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں، جن کے عبرتناک روز آنکھوں کے سامنے آتے ہیں کہ ایک لڑکی نے پوری مسلم قوم اور سلطنت کو تباہ کر دیا یہ ایسی چیزیں ہیں کہ حلال وحرام سے قطع نظر بھی کوئی ذی ہوش انسان اس کے قریب جانے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

الغرض قرآن وسنت اور اسوہ صحابہ کی رو سے مسلمانوں پر لازم ہے کہ آج کل کی کتابی عورتوں کو نکاح میں لانے سے کلی پرہیز کریں''
(معارف القرآن ۳/ ۶۴)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب فرماتے ہیں:'' ہمارے زمانے میں اہل کتاب سے نکاح ایک فتنہ بن کے رہ گیا ہے، نہ صرف عام مسلمانوں بلکہ عالم اسلام کے وہ قائدین جن کے ہاتھوں میں پوری قوم کی زمام اور پوری اسلامی دنیا کی کلید ہے، کے قصور عیش اور محلات عشرت کی زینت عیسائی اور یہودی عورتیں ہیں، جن سے مسلمان شدید نقصان اور سیاسی مضرت واستحصال سے دوچار ہیں، ان حالات میں تو کسی بھی طرح اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی''

پھر آگے لکھتے ہیں:'' فقہائے اسلام کا زمانہ وہ زمانہ تھا جب اسلام کو غلبہ حاصل تھا، دنیا کا ایک بڑا حصہ اسلام کے زیر نگین تھا، اور جہاں مسلمانوں کو سیاسی غلبہ حاصل نہ تھا وہاں بھی مسلمانوں کی بین الاقوامی پوزیشن، ان کی علمی اور ایجادی ترقی اور علم واکتشافات کی امامت کی وجہ سے ان کی حیثیت فاتح کی تھی، ان کو اس طرح تہذیبی بالاتری حاصل تھی کہ مسلمان دوسروں سے متاثر نہ ہوتے تھے، بلکہ دوسرے اسلام کی تقلید کو ایک فیشن اور عصریت سمجھتے تھے، اب حالات بدل چکے، مسلمان مفتوح، علم وفن کے اعتبار سے پسماندہ اور تہذیب وتمدن کے لحاظ سے مسحور اور مرعوب وقوم بن کر رہ گئے، ان حالات میں اثر ڈالنے کا امکان کم ہے اور اثر قبول کرنے کا زیادہ، اس لئے اس کی کراہت میں شک نہیں'' (قاموس الفقہ ۲/ ۲۵۶)۔

خلاصۂ کلام:

ایسی عورتوں سے نکاح جائز ہوگا جو

۱۔ اللہ کے وجود کی قائل ہوں، نبوت ورسالت کو تسلیم کرتی ہوں، آخرت پر ایمان رکھتی ہوں، دہریہ اور مذہب کی منکر نہ ہوں۔

۲۔ لیکن یہ نکاح کراہت سے خالی نہیں، اگر مسلم ممالک میں ہوں تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر غیر مسلم ممالک میں ہو تو قریب بہ حرام ہے۔

۳۔ وہ عورتیں جو صرف نام کی عیسائی یا یہودی ہیں لیکن درحقیقت دہریہ اور لا مذہب ہوں، ان سے نکاح جائز نہیں۔

۴۔ وہ عورتیں جو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی یا یہودی بن گئی ہوں ان سے بھی نکاح جائز نہیں۔

مخصوص حالات میں کتابیہ سے نکاح:

اگر واقعی یہ نکاح دعوتی نقطۂ نظر سے ہو، ایسی عورت سے ہو جو اپنے دین کے بنیادی اصول وعقائد کو دل سے تسلیم کرتی ہو، نکاح کی صورت میں اس کے اسلام قبول کر لینے کی امید قوی ہو، وہ مسلمان شخص اپنے ایمان وعقیدہ پر پختہ ہو، احکام شریعت پر عمل کرنے والا ہو، اس کے اخلاق وکردار اور دینی معاملات سے متاثر ہو کر ہی وہ خاتون اس سے نکاح کی خواہش مند ہو، تو اس صورت میں راقم سطور کا خیال ہے کہ کراہت باقی نہ رہے گی۔

جیسا کہ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:'' ویجوز ان ینکح الکتابیۃ لقولہ عز وجل '' والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم '' والفرق ان الأصل أن لایجوز للمسلم ان ینکح الکافرۃ، لأن الازدواج الکافرۃ والمخالطۃ معہا مع قیام العداوۃ الدینیۃ لایحصل السکن والمؤدۃ الذی ھو قوام مقاصد النکاح. إلا أنہ جوز نکاح الکتابیۃ لرجاء اسلامہا، لأنہا آمنت بکتب الأنبیاء والرسل فی الجملۃ'' (بدائع الصنائع ۲/ ۵۵۲)

(ارشاد باری تعالیٰ '' والمحصنت من الذین اوتوا الکتاب ...... کی وجہ سے کتابیہ سے نکاح جائز ہے۔ اصل یہ ہے کہ کافرہ عورت سے نکاح جائز نہ ہونا چاہئے، کیونکہ وہ اطمینان قلبی اور محبت جو کہ نکاح کے بنیادی مقاصد میں داخل ہیں، اختلاف دین کی صورت میں حاصل نہیں ہو سکتے، لیکن

اس کے باوجود کتابیہ سے نکاح کی اجازت اسی لئے دی گئی ہے کہ یہ امید ہے کہ وہ ایمان قبول کرلیں گی، کیونکہ مجملہ وہ دیگر آسمانی کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھتی ہیں)۔

کتابیہ کے حقوق:

اگر اہل کتاب خاتون سے نکاح کیا جائے تو اور وہ نکاح صحیح ہو تو پھر اس کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو مسلمان بیویوں کے ہیں، کیونکہ اس سلسلہ میں جو نصوص ہیں مثلاً "عاشروھن بالمعروف" (النساء:۱۹) اور "لھن مثل الذین علیھن" (بقرہ:۲۸) وغیرہ یہ تمام بیویوں کو شامل ہیں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا کتابیہ۔

"ویجوز نکاح الکتابیة علی المسلمة والمسلمة علی الکتابیة وھما فی القسم سواء لاستوائھما فی محلیة النکاح" (فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۸۲)۔

لہٰذا نکاح کے بعد ادائیگی حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا، ان کو چھوڑ کر بھاگ آنا یا محض غیر مسلم ہونے کی وجہ سے طلاق دینے کی بالکل اجازت نہ ہوگی۔

نیز "إذا اٰتیتموھن أجورھن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی أخدان" کا جملہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ اگر اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرتے ہیں تو ان کے مہر ادا کریں، دیگر حقوق واجبہ کو ادا کریں، محض چند دنوں کی شہوت رانی مقصود نہ ہو۔

علامہ ابن عابدین "البکر والثیب والجدیدة والقدیمة والمسلمة والکتابیة سواء" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ادائیگی حقوق کے ضمن میں خاص طور پر کتابیہ کا ذکر اسی لئے کیا گیا تا کہ ان کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ مسلم وغیر مسلم خاتون کے درمیان مساوات لازم نہیں ہے۔

"نص علی الأولیین؛ لأن فیھما خلاف الائمة الثلاثة و علی الأخیرة لدفع ما یتوھم من عدم مساواة الکتابیة للمسلمة بسبب ارتفاعھا علیھا بالإسلام" (ردالمحتار علی درالمختار ۲/ ۴۳۳)۔

اسی طرح الموسوعة الفقھیة میں یہ ذکر کیا گیا کہ "العدل بین الزوجات: ولو مختلفات فی الدین واجب. قال ابن المنذر: أجمع کل من نحفظ من أھل العلم علی ان القسم بین المسلمة والذمیة سواء وذلك لان القسم من حقوق الزوجیة فاستوت فیه المسلمة والکتابیة کالنفقة والسکنی، وھذا عند جمیع الفقھاء" (الموسوعة الفقہیہ ۷/ ۱۳۶)

(بیویوں کے درمیان اگر چہ ان کے دین الگ الگ ہوں عدل واجب ہے۔ ابن منذر نے کہا: ہمارے علم کے مطابق تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ مسلمان اور ذمی بیوی کے درمیان مساوات ہے، اس لئے کہ باری حقوق زوجیت میں سے ہے)۔

لہٰذا جس طرح نفقہ اور رہائش میں مساوات ہے اسی طرح باری میں بھی برابری لازم ہوگی، اور یہ حکم تمام فقہاء کے نزدیک ہے۔

مذہبی مراسم کی ادائیگی:

جب شریعت نے نکاح کی اجازت دی ہے اور عبادت انسان کا بنیادی حق ہے تو اہل کتاب خواتین کے لئے بھی اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم کے ادائیگی کی اجازت ہوگی، جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے وفد نجران کو مسجد نبوی میں ان کے اپنے مذہب کے مطابق عبادت کی اجازت عطا فرمائی۔ راوی فرماتے ہیں:

"وحانت صلاتھم فقاموا فصلوا فی مسجد النبی ﷺ الی المشرق فقال النبی ﷺ "دعوھم" (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۴/ ۴، تفسیر ابن کثیر ۱/ ۳۵۲، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: احکام اہل الذمة ۲/ ۸۲۲، مکتبہ شاملہ)۔

لیکن شوہر کے لئے ان مذہبی مراسم میں شرکت، یا کسی قسم کا عملی تعاون جائز نہ ہوگا۔ نیز اس خاتون کو اس کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ اپنے بچوں یا دیگر اہل خانہ کو اس میں شریک کرے۔

☆☆☆

اہل کتاب کی شرعی حیثیت اور ان سے متعلق احکام

مولانا محمد صابر حسین ندوی[1]

مشنریز کے تعلیمی ادارے:

حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل دنیا میں گھٹا ٹوپ اندھیرا اور شب دیجور کا بسیرا تھا، یہودی اور یہودیت نوازوں، عیسائی اور عیسائیت نوازوں نے انسانیت کو پامال و رسوا کر دیا تھا، کیتھولک کی من مانی، زرتشت کی زرتشتی، اور نصرانیوں کی صلیبیت پرستی نے انسانیت کو بے تعلیمی و بد دینی اور بے راہ روی کا عادی بنا دیا تھا، حتی کہ نبی رحمت ﷺ کی بعثت کے بعد نور الہی سے دوری اور فیض نبوی سے بعد کو ان کی طرف ہی رکھتے رہے، لیکن جب انکی ظلمت پر نورانیت نے ضیاء بکھیری تو ہدایت کے پیکر اور اسلام و مسلمین کو دیرینہ و کہنہ دشمن مانتے ہوئے میدان کارزار میں برسرپیکار ہو گئے جس کے نتیجہ میں نہ صرف غزوۂ بنو نظیر و قریظہ اور خیبر کی گھماسان ہوئی، بلکہ سدا کیلئے سر بکف، خم ٹھونکتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف معرکہ آرائی اور صف بندی کو لازم کر لیا، چنانچہ تاریخ اسلامی میں سب سے طویل سالہا سال چلنے والی جنگوں میں انہیں ظلمت و نور، حق و باطل کے درمیان ہونے والی جنگ کا تذکرہ ملتا ہے: جسے جنگ صلیبی ((cruceed war کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جس کا فاتح و ہیرو، سپہ سالار صلاح الدین ایوبیؒ (یعنی حکمت عملی نے انکی اینٹ سے اینٹ بجادی) کو مانا جاتا ہے (Cruceedwar.com)۔

واقعہ یہ ہے کہ یہی وہ جنگ ہے جس نے یہود و نصاری کو میدان کارزار میں اسلام سے مقابلہ آرا نہ ہونے پر مجبور کر دیا، اور اس تدبر و فکر میں شب و روز گزارنے لگے کہ کیونکر مسلمانوں کو شکست فاش دی جائے اور انکی بڑھتی و پھیلتی پھولتی بیلوں کی کس طرح حاشیہ برداری کی جائے؟ لہذا ۱۰۰۰ء (یہی وہ سال ہے جس سے پہلے کی صدیوں کو وہ "dark ages" یعنی گمراہیوں کا زمانہ مانتے ہیں) (Darkages.com اور اس پر موجود مختلف مضامین) میں ان کے سپہ سالاروں اور قائدوں نے یہ عزم و ارادہ کیا کہ کیتھولک کی پابندی تعلیم و پاپاؤں کی بالادستی کے طوق اپنے گلے سے اتار پھینکیں اور علم و فن، تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت کے میدان سر کیے جائیں، چونکہ ان سالوں میں مسلمان جنگ کے میدانوں میں پے در پے جنگ و قتال کی وجہ سے خستہ حال اور پراگندہ بال ہو گئے تھے، ایسے میں عیسائی مشنریز نے پوری منصوبہ بندی اور لائحہ عمل کے ساتھ اپنے قدم بڑھائے اور جستہ جستہ کامیابی و کامرانی ان کے قدم بوس ہونے لگی اور بالآخر پوری دنیا میں اپنی تہذیب و ثقافت اور تعلیم و فکر کا جال بچھا دیا، بنی آدم کو لگا یہ سبز باغات خوب بھائے مگر جب اس نے اپنے بال و پر نکالے تو پھولوں میں پوشیدہ خار نے زخم دینا شروع کر دیا، اور آج یہ حال ہے کہ پوری دنیا بالخصوص امت مسلمہ شکوک و شبہات، الحاد و دہریت میں جکڑ لی گئی، تعلیم گاہیں نہ صرف تعلیم، بلکہ فحاشی و عیاری، لادینیت و لامذہبیت کا مرکز بن گئیں، اور اس طرح مسلمانوں کی شکستگی کا ساماں ہونے لگا۔ اللھم ارحم۔۔۔

بالآخر اب امت مسلمہ تعلیم و تربیت اور تمدن کے اعتبار سے اپنی بالادستی سے تقریباً محروم ہو چکی ہے، ایسے میں یہ سوال درپیش ہے کہ ان حالات میں مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کا ایسے اداروں میں داخلہ لینے کا کیا حکم ہے اس سوال کی سنگینی تب اور دوبالا ہو جاتی جبکہ عموماً معیاری ملازمتوں اور روزگار کے مواقع کا انحصار انہیں اسانید پر ہو، لیکن کیا بحیثیت مسلمان ایسے اداروں کی اس طرح حوصلہ افزائی مناسب ہے یا بہتر یہ ہے کہ متبادل معیاری تعلیمی درسگاہوں کے قیام پر توجہ دی جائے؟

بہرکیف: حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے تعلیم و تعلم کیلئے کسی مخصوص ادارے، جماعت، کالج، یونیورسٹیز، ملک و شہر کی قید و بند نہیں لگائی، یہی وجہ ہے کہ اسیران بدر جو کفار تھے ان کا فدیہ مسلمان بچوں کو تعلیم دینا متعین کیا گیا، (سیرۃ النبی ۱/ ۳۲۳ بحوالہ مسند احمد) اور بہ ضرورت زید بن حارثہ کو عبرا

[1] استاذ: جامعہ ضیاء العلوم، کنڈلور، کرناٹک۔

نی زبان سیکھنے کیلئے بھی کہا گیا،

"عن زید بن ثابت قال قال رسول اللہ ﷺ: إنها تأتيني كتب لأحب أن يقرئها كل أحد، فهل تستطيع أن تتعلم كتاب العبرانية... فقلت نعم" (کنز العمال ۲۹۰۵۹) لیکن ان اداروں میں تعلیم کیلئے قرآن وحدیث کی روشنی میں لڑکے اور لڑکیوں کیلئے چند شرطیں لازم معلوم ہوتی ہیں ؛اول یہ کہ: جو بھی پڑھا اور سیکھا جائے وہ اللہ کے نام (نیت ومقصود کی درستگی) کے ساتھ ہو"اقراء باسم ربك اللذى خلق" (علق: ۲) دوم یہ کہ: مخلوط تعلیم سے پرہیز کیا جائے، اگر اعلی تعلیم کیلئے ممکن نہ ہو تو اسلامی دائرے ولبادہ کی پابندی کو فرض عین سمجھتے ہوئے، درجات کا الگ الگ ہونا، علم کا فی نفسہ جائز ہونا اور عورتوں کی فطری صلاحیتوں کے مغائر نہ ہونا اپنے سرپرستوں اور شوہروں سے اجازت حاصل کرنا بھی ضروری ہے (دیکھئے: اسلام میں بچوں کے حقوق، ۲۴ ویں IFA سیمینار کا ملخص مقالہ)۔

لیکن اس سکہ کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایسے اداروں مین تعلیم اپنے ایمان واسلام کا سودا، بلکہ شیطانیت ومردودیت کے نقش پا کی اتباع کے ما نند ہے، اور یہ مسلم بات ہے کہ اسلام نے مقاصد شریعہ میں حفظ دین کو بڑا عظیم مقام دیا ہے، چنانچہ دین وایمان کی حفاظت اور اس فقہی (درء المفا سد أولى من جلب المنافع) اصول کی بنا پر عصر حاضر میں ایسے اداروں کی تعلیم مین کراہت محسوس ہوتی ہے۔ اسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عموما ان اداروں کی تعلیم زر پرستی، شکم پیری اور حب جاہ ومال میں کی جاتی ہے اور یہ گمان کیا جاتا ہے کہ اسی کے ذریعہ معاشرے میں الوہیت وللّٰہیت سے پرے دینار وفلوس کی فہرست میں برسر اعلی مقام پالینگے، حالانکہ محنت کشی وجفاکشی سے روزگاری کے لاتعداد اور معیاری مواقع فراہم کئے جاسکتے ہیں اور ثروت عظمی (ایمان) کو بھی بچایا جاسکتا ہے۔

نیز شریعت اسلامی نے کسی بھی برائی وفضیحت کی حوصلہ افزائی پر سخت تنقید کی ہے، اسی لئے نہی ومنکر کو دیکھ کر اسے روکنے کو لازم قرار دیتے ہوئے ایمان کی علامتوں میں سے بتلایا، اور برائی کو نہ روکنے والے کو ضعف ایمان کا شکار بتلایا ہے۔ "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه ذلك أضعف الايمان" (صحیح مسلم (بیان کون النھی عن المنکر من الایمان......)، سنن ابن ماجہ/ ۴۰۱۳) ظاہر ہے ایسے میں مؤمنین کیلئے کس رو سے یہ روا ہوگا کہ وہ ان ہوس پرستی وجاہ پرستی کے مراکز کو اپنی اولادوں سے آباد کریں؟

لمحہ فکریہ:

واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے دنیا کی زمام واقتدار چھن جانے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی رہی کہ؛ ملت تعلیم وتعلم کے میدان میں پچھلی صفوں کی زینت بنی رہی، اور عموما اس میدان میں پیش قدمی ومبارزت آزمائی نہیں کی، ! جبکہ قرآن وحدیث میں اس ملت کی سب سے زیادہ حوصلہ افزائی حصول علم کیلئے ہی کی گئی ہے، یہاں تک کہ اسے جہاد سے بھی افضل قرار دیا گیا ہے۔ "الغدو والرواح في تعليم العلم أفضل عند الله من الجهاد في سبيل الله" (کنز العمال ۲۰۲۴۰) بلکہ مقدمۂ اسلام کی سرخی ہی یہ قائم کی گئی تھی اور ہے: "اقرأ باسم ربك الذى خلق" (علق: ۲) اور حقیقتا جب تک امت مسلمہ نے اس مقدمہ کو مقدم رکھا وہ دنیا میں سرخ رو رہی، اغیار علوم وفنوں کیلئے ان کے سامنے کاسۂ گدائی دراز کرتے رہے، لیکن آج مقدمہ کو مؤخر کرنے کی بنا 'خاکم بدہن' اسی کاسۂ گدائی کے عطیات کی رہین منت بنے ہوئے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ: اولین کے 'علم' کو بلند کرتے ہوئے سرخیٔ اسلام کی پاسداری کی جائے، اور ایسی متبادل تعلیمی درسگاہیں قائم کی جا ئیں جہاں سے قال اللہ وقال الرسول کے ساتھ ساتھ جدید ٹکنالاجی وایجادات میں مہارت پیدا کی جائے، تاکہ اسلامی روح ومعیشت، اور وقت کی ضرورت پوری کرتے ہوئے دین وایمان کی حفاظت کی جاسکے۔

مشنریز کے ادارے سے استفادہ میں احتیاطی پہلو:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی شفافیت اور دینی sprit کو باقی رکھنے اور روز افزوں ترقی دینے کیلئے یہ لازم قرار دیا ہے کہ: ادیان باطلہ کے کسی بھی فعل کی مشابہت (copy) نہ کی جائے، بلکہ ایسوں کو بسا اوقات اسلام سے خارج بھی تسلیم کیا گیا ہے: "من تشبه بقوم فهو منهم" (سنن

ابن داؤد ۴۰۳۱) اور بالخصوص یہود ونصاریٰ کے کسی بھی طرز پر پروانہ وارنہ گرا جائے، چنانچہ جابجا امت مسلمہ کو یہود ونصاریٰ کی مخالفت کی تاکید کی گئی ہے، ساتھ ہی مخالفت کی سب سے بڑی وجہ بتاتے ہوئے قرآن مجید نے یوں نقشہ کھینچا ہے "ولن ترضی عنك اليهود ولا النصارى حتى تتبع ملتهم" (بقرة: ۱۲۰) یعنی ان کے نقش پا کی تقلید واتباع اپنے ایمان سے دست برداری کی ابتداء ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عصر حاضر میں مسلمانوں کے ایمان کو وہ خطرات درپیش ہیں جو غالبًا اس سے قبل کی صدیوں میں نہیں تھے، آج اگر ایک طرف گلہ میں سونے، چاندی، ہیرے جواہرات کے ہار پہنائے جا رہے ہیں تو دوسری طرف طوق وسلاسل اور بیڑیوں کے ذریعہ پیروں کو جکڑا جا رہا ہے، اب جبکہ مسلمان عمومًا سلطنتی وذہنی اعتبار سے محکوم اور یہود ونصاریٰ حاکم ہو گئے ہیں، اور اللہ نے بھی ان کے لئے فتوحات کے دروازے اور اپنے خزانوں کی بارش کردی ہے، ایسے میں عہد ماضی کے ہر واقعے کو لوٹانے اور مسلمانوں کو ایڑیوں کے بل پھیرنے کے لئے ہر ممکن حربہ آزما رہے ہیں؛ اسی سلسلہ کی یہ کڑیاں بھی ہیں جن میں رفاہی کام کی کثرت، ہاسپٹل کی تعمیر، قرض دہی وغیرہ شامل ہیں۔ ان ہی حقیقتوں کی بنا پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا ان کے خدمات خلق کے نام پر اپنے دین کی تبلیغ اور اسلام سے متنفر کرنے والے اداروں میں ایک مومن کیلئے ملازمت کرنا اور ان سے مستفید ہونا مناسب ہے؟

شریعت اسلامی کے نقطہ نظر سے اس سوال کے جواب میں مومنین کو از راہ حیثیت دو طبقوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اولاً: وہ مسلمان جس کا دامن بے روزگاری تھامے ہوئے ہو اور قوت لا یموت کا محتاج ہو یا اس نوکری کے بنا زندگی اجیرن ہونے کا خدشہ ہو، ایسے میں ان اداروں میں ملازمت کرنے کا موقع ملے (بشرطیکہ اس کا دل اس پر مطمئن نہ ہو اور نعم البدل کی تلاش جاری رکھے) تو اسے قبول کر لینا درست معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "كاد الفقر أن يكون كفرا..." (شعب الایمان ۶۶۱۲) یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر میں سودی بینکوں کے متعلق فقہاء نے یہ فتوی دیا ہے کہ "ان میں وقتی طور پر ملازمت جائز ہے تاکہ فقر وفاقہ میں اس کے ایمان کی حفاظت ہو سکے" (محمود الفتاوی ۵ / ۴۴۷، باب الربا) مشنری خدمات یا استفادہ اگر چہ فی نفسہ ناجائز نہیں تب بھی ان میں ملازمت اور ان سے مستفید مسلمانوں کیلئے لازم ہوگا کہ اگر کوئی دوسرا حلال متبادل ذریعہ معاش و مستقل مل جائے تو اسے چھوڑ دیں تاکہ ایمان واسلام اور غیرت ایمانی کی حفاظت ہو سکے۔

دوم: اس مسئلہ میں مسلمانوں کا وہ طبقہ بھی ہو سکتا ہے جنہیں معیشت وذریعہ معاش کی کوئی قلت نہ ہو، ایسے صاحب خیر کیلئے "خالفوا اليهود والنصارى" کے تحت مناسب ہے کہ: انکی ملازمت کا بدنما تاج اپنے سر پر نہ رکھیں، بلکہ ہر ممکن یہ کوشش کریں کہ کچھ ایسا دائرۂ عمل تیار کیا جائے جہاں خود اپنی اور دوسرے مخلوق خدا بالخصوص مسلمانوں کی بھرپور مدد ہو سکے۔

اسی طرح آج عیسائی مشنریز کی ترقی وایجادات کا دور دورہ ہے، زندگی کا کوئی شعبہ نہیں جس میں انکی صنعت وحرفت نے دخل اندازی نہ کی ہو، ایسے میں مسلمان ان کی خدمات سے مستفید نہ ہوں اور ضروریات کی تکمیل نہ کریں تو زندگی کی دشواریاں دو چند ہو سکتی ہیں، جبکہ قرن اول میں بھی مسلمانوں نے اہل کتاب سے معاملات کئے اور اپنی ضروریات پوری کی ہیں، خود حضور اکرم ﷺ نے اہل کتاب سے قرض لیا۔

"انه اشترى من يهودي سلعة الى الميسرة" (اخرجه احمد، دیکھئے: الفتح الربانی: ۱۵/ ۱۹۸) "انه ﷺ اشترى من يهودي طعامًا الى أجل ورهنه درعه" (اخرجه البخاری فی الرهن، الفتح: ۵/ ۱۴۲۹، مسلم فی المساقات ۲/ ۱۲۲۶...)

ان کے برتنوں کا استعمال کیا، اور کھانا بھی تناول فرمایا: "وثبت عنه أنه أكل من طعامهم" (اخرجه البخاری، الفتح: ۵/ ۲۲۲۸)

یہاں تک کہ ان سے مزارعت ومساقات بھی فرمائی: "وثبت عنه أنه زارعهم وساقاهم (دیکھئے: احکام اهل الذمه ۱/ ۲۲۱، المكتبة الشاملة)۔

حیات طیبہؐ کے پیش نظر ان کی خدمات سے استفادہ کرنے میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی، لیکن حالات حاضرہ کا تقاضہ اور مصلحت کے مدنظر "خذ ما صفا ودع ما كدر" کی فکر، اور ہر ممکن انکی خدمات سے پرہیز کرنے اور اور متبادل ذرائع وانتظام کیلئے کوشش کرنی چاہئے۔

☆☆☆

اہل کتاب خاتون سے نکاح کے احکام

مفتی اعجاز الحسن باندے القاسمی[1]

مرد وعورت کے درمیان رشتۂ ازدواج کے قیام کو نکاح کا نام دیا جاتا ہے۔ قرآن مقدس میں نکاح کو "احصان" سے تعبیر کیا گیا ہے احصان قلعہ بندی کو کہتے ہیں مرد یعنی ناکح کو مُحْصِن یعنی قلعہ تعمیر کرنے والا اور عورت، یعنی منکوحہ کو مُحصنہ یعنی اس قلعہ کی حفاظت میں آنے والی بتلایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ" (ان عورتوں کو چھوڑ کر تمام عورتوں کے بارے میں یہ حلال کر دیا گیا ہے کہ تم اپنا مال (بطور مہر) خرچ کر کے انہیں (اپنے نکاح میں لانا) چاہو (تو لا سکتے ہو) (النساء: ۲۴)۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ" (النساء: ۲۵) (لہذا ان کنیزوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرلو، اور ان کو قاعدے کے مطابق ان کے مہر ادا کرو)۔

نکاح کا یہ قانون مرد وعورت کے اس بندھن کو مضبوط و مستحکم کرتا ہے۔

نکاح کی حیثیت:

اسلام میں نکاح کی ایک حیثیت تو معاملہ اور معاہدہ کی ہے معاملہ کی اس حیثیت کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء کرام نے آیات قرآن واحادیث پاک کی روشنی میں نکاح میں دو گواہوں کا ہونا۔ "عن عائشة عن النبی ﷺ أنه قال: لابد فی النكاح من أربعة، الولی، والزوج، والشاهدان" (دارقطنی: ۳/ ۲۲۴، بحوالہ المغنی: ۲/ ۱۵۸۴)۔

اور مہر ادا کرنا "قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ" (الاحزاب: ۵۰) لازم قرار دیا ہے،

نوٹ:...... (مہر کی حیثیت معاوضہ یا بدل کی نہیں ہے بلکہ یہ مرد کی طرف سے ہدیہ، انعام، منکوحہ کے ساتھ اظہارِ الفت ومودّت اور آنے والی زندگی میں خرچہ جات وذمہ داریوں کے ادراک وشعور کا احساس واعلان ہے)۔

نکاح کی اسی کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے بعض حضرات اسے کالبیع تجارت کے مثل قرار دیکر عقد ومعاملہ کہتے ہیں۔

اسی لئے عقد نکاح کے منعقد ہونے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں ہو، ایجاب قبول کرنے والے عاقل وبالغ ہوں، اور یہ سب وہ شرائط ہیں جو بیع کیلئے بھی لازم قرار دی گئی ہو۔

نکاح کی ایک دوسری حیثیت امرِ الٰہی کی اطاعت اور عبادتِ رب کی ہے جس میں ایک رسمی بندھن یا کاروبار ولین دین کی کوئی حیثیت نہیں، بلکہ نکاح ایک عظیم سنت، عبادت اور تکمیل ایمان کا باعث ہے ایسی عظیم عبادت جو ابتداءِ کائنات حضرت آدمؑ سے لیکر قیامت تک اور پھر جنت میں بھی مشروع قرار پائی ہے (مشکوٰۃ: ۲/ ۲۶۸)

نکاح کے عباداتی پہلو کو اجاگر کرنے کیلئے ہی رسول محترم ﷺ نے یہ تاکید فرمادی کہ نکاح کا اعلان کیا کرو اور نکاح خوانی مسجد میں کیا کرو، "أعلنوا النكاح واجعلوه فی المساجد" (ترمذی: ۱۰۸۹) اور ہم سب جانتے ہیں کہ کائنات میں سب سے بابرکت جگہ مسجد ہی ہے اور عبادت کیلئے مسجد سے بہتر اور متبرک کوئی اور جگہ نہیں ہوسکتی۔ اسلام سے پہلے تو نکاح دو جسموں کا ملاپ اور لذت پرستی کا عنوان تھا۔ اسلام نے نکاح کو مودّت ومحبت کیلئے لباس (البقرہ: ۱۸۷)۔

---

[1] صدر مفتی، جامعہ سبیل الہدیٰ، بمنہ، سرینگر، کشمیر۔

توالد وتناسل اور نسل انسانی کی بقاء کیلئے سنگ میل (النساء:۱، البقرہ: ۲۲۳) نگاہ کی حفاظت، عفت و پاکدامنی کا حصول اور نتیجہ کے اعتبار سے محصِن ومحصنہ کا خطاب وہ انعامات رب ہیں کہ اگر نکاح کی فضیلت سے سرشار بندے کا رُواں رُواں شکر الٰہی میں مگن رہے پھر بھی شکر کا حق ادا نہیں ہوگا۔

''سُبحٰنَکَ مَا شَکَرنَاکَ حَقَّ شُکرِکَ''۔

نکاح کی عمر:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: کہ تین کاموں میں جلدی کرو، نماز میں جب وقت ہوجائے، جنازہ میں جب تیار ہوجائے، بچوں کی شادی میں جب شادی کی عمر کو پہونچ جائیں (ترمذی: ۱۰۷۵)۔

سیدنا حضرت عمر اور سیدنا حضرت انس سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس کی بیٹی بارہ سال کی ہوگئی اور اسکی شادی نہ کی اور پھر اسکی بیٹی کسی گناہ میں مبتلا ہوگئی تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا (مشکوٰۃ شریف: ۲/۲۷۱)۔

خیال رہے جسمانی نشوونما موسمی اعتبار سے مختلف ہوا کرتا ہے گرم علاقوں میں سرد علاقوں کی بنسبت بلوغیت جلدی آتی ہے۔

اُمّ المؤمنین صدیقہ کائنات حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کرتے وقت میری عمر چھ (۶) سال اور نو (۹) سال کی عمر میں میری رخصتی ہوئی (مسلم شریف: ۳۴۸۲)۔

نکاح کیلئے معیار:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: کسی عورت کے ساتھ شادی چار وجوہات کی بناء پر کی جاتی ہے، عورت کے حسن اور خوبصورتی کی وجہ سے، خاندانی شرافت اور وجاہت کی وجہ سے، عورت کی مالداری کی وجہ سے اور عورت کی دینداری کی وجہ سے، پس تم عورت کی دینداری دیکھ کر اس کے ساتھ شادی کر کے کامیاب ہوجاؤ۔

''عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تنكح المرأة لأربع لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك'' (بخاری شریف: ۵۰۹۰)۔

دیکھا جائے تو مال، خاندانی خصوصیات اور جمال سب ہی دنیوی اور فانی چیزیں ہیں ایک حق پرست اور صاحب خرد کیلئے وجہ ترجیح وافتخار فانی چیزیں نہیں لافانی اور آخرت پسندی قرار پائی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف خدا کے آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث میں صراحتاً فرمادیا ہے کہ آخرت کی فلاح وکامیابی چاہتے ہو تو دین پسندی کو وجہ ترجیح بناؤ۔

طبرانی میں حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی عورت کے ساتھ اسکے عزت دار ہونے کی لالچ میں شادی کرے تو اللہ تعالیٰ اس مرد کی ذلت میں اضافہ کرے گا اور جو کسی عورت کے ساتھ مالدار ہونے کی لالچ میں شادی کرے تو اللہ تعالیٰ اس مرد کے فقر میں اضافہ کرے گا اور جو کسی عورت کے ساتھ اسکے حسب (خاندانی وجاہت) کی لالچ میں شادی کرے تو اللہ تعالیٰ اسکی رذالت میں اضافہ کرے گا اور جو کسی عورت کے ساتھ نظر کی حفاظت اور پاکدامنی کے حصول کی نیت سے شادی کرے تو اللہ تعالیٰ اُس شادی کے بدلے میں لڑکے کیلئے لڑکی میں اور لڑکی کیلئے لڑکے میں برکت عطا فرمائے گا {ردالمحتار ۲:۲۸۴} اسی کے قریب قریب ابن ماجہ میں بھی روایت موجود ہے {حدیث نمبر: ۱۸۵۹}۔

''روى الطبراني عن انس عن النبي ﷺ من تزوج امرأة لعزها لم يزده الله الا ذلًا ومن تزوجها لمالها لم يزده الله الا فقرًا ومن تزوّجها لحسبها لم يزده الله الا دناءةً ومن تزوّج امرأة لم يرد به الا ان يغض بصره و يحصن فرجه أو يصل رحمه بارك الله له فيها و بارك لها فيه''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی مفادات کو وجہ ترجیح بنانے پر اسکے نقصانات سے مطلع کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی امت کو یہ درس بھی دیدیا کہ انسان کی طبیعت میں کیسے کیسے خیالات آسکتے ہیں، مگر تمہارا نفع اس طرح کے انتخاب میں ہے۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ کی بیان کردہ تفصیل وترتیب نفع سے خالی نہیں آپ نے مندرجہ ذیل ترتیب کے ساتھ معیارات واوصاف کو

بیان فرمایا ہے:

۱۔ لڑکی دین دار ہو کہ حدیث میں "فعلیک بذات الدین" آیا ہے۔

۲۔ بچے جننے کی صلاحیت رکھتی ہو کہ حدیث میں "تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ فَاِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَم" (ابوداؤد عن معقل بن یسار: ۲۰۵۰) آیا ہے۔ (تم زیادہ بچے جننے والی عورت کے ساتھ نکاح کرو کہ کل قیامت میں اپنی امت کی کثرت پر فخر کرسکوں)۔

۳۔ باکرہ یعنی غیر شادی شدہ ہو، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ کو یہ مشورہ مرحمت فرمایا۔ (بخاری ومسلم، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۹:۶۴۹۶)۔

۴۔ ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو جو دینداری اور قناعت (کم پر گذارہ) میں معروف ہو۔

۵۔ شریف گھرانے کی ہو، کہ جب خاندانی شرافت ووجاہت ہوگی تو آنے والی نسل میں بھی اسکے اثرات ہونگے۔

۶۔ خوبصورت اور مناسب شکل وشباہت والی ہو کہ یہ باعث سکون اور محبت میں اضافہ کا باعث ہے۔

۷۔ اجنبی لڑکے سے نکاح کرے زیادہ قریبی رشتہ دار نہ ہو، کئی اور وجوہات کے علاوہ ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ خدانخواستہ اگر کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آجائے تو اس کی بنیاد پر پرانا رشتہ متاثر ہوجائیگا جس سے صلہ رحمی کے حقوق پامال ہونگے۔

۸۔ اگر ایک بیوی کے ذریعہ اسکی ضرورت پوری ہوجاتی ہے عفت وعصمت محفوظ ہوجاتی ہے تو پھر دوسری بیوی کی حاجت نہیں ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: "إذا كان عند الرجل امرأتان فَلَمْ يَعْدِلْ بينهما، جاء يوم القيامة، و شقه ساقط" جس شخص کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں عدل وانصاف اور مساوات سے کام نہ لے تو وہ قیامت میں خدا کے حضور اس حال میں آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ گرا ہوا ہوگا (ترمذی: ۱۱۴۱)۔ اسلئے کہ بیک وقت چار نکاح جائز ہونے کے باوجود نکاح میں اصل ایک بیوی کا ہونا ہے متعدد نہیں (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۹:۶۴۹۶)۔

حرمتِ نکاح کے اسباب:

• نکاح منعقد ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ کوئی ایسا سبب ومانع نہ پایا جائے جس کی بناء پر نکاح حرام ہوتا ہو۔ اسکی دو حیثیتیں ہیں، (۱) حرمت مؤبدہ: یعنی جن کی وجہ سے نکاح ہمیشہ کیلئے حرام ہو۔ (۲) حرمت مؤقتہ: یعنی جن مرد وعورتوں کے ساتھ عارضی اور وقتی اسباب کی بناء پر نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

پہلی قسم حرمت مؤبدہ کے تحت تین اسباب آتے ہیں (۱) نسبی قرابت جیسے مائیں، نانیاں، باپ، دادا، بیٹے، بیٹیاں، بھائی، بہن، بھانجیاں، نواسے، چچا، پھوپی، ماموں، خالہ۔

(۲) دوسرا سبب سسرالی قرابت یعنی سسرالی رشتہ سے ہونے والی حرمت جیسے ساس، ساس کی ماں، دادی، اپنی مدخولہ بیوی کی اولاد، بیٹے، پوتے وغیرہ کی بیویاں۔ وہ عورت جس کے ساتھ شبہہ کی بناء پر وطی کی ہو، مزنیہ عورت کی اولاد (صرف عندالاحناف وحنابلہ)۔

(۳) حرمت مؤبدہ کا تیسرا سبب رضاعت یعنی دودھ کی بناء پر پیدا ہونے والی حرمت ہے وہ تمام رشتے جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوجاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: "یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب ومثلہ" (بخاری: ۵۰۹۹، کتاب النکاح)۔
علامہ ابن نجیم مصریؒ کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق دو صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(۱) رضاعی بہن کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے جبکہ نسبی بہن کی ماں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ یا تو حقیقی ماں ہوگی یا سوتیلی ماں۔

(۲) رضاعی بیٹے کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے جبکہ نسبی بیٹے کی بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے کہ وہ یا تو صلبی بیٹی ہوگی یا سوتیلی بیٹی ہوگی (ہدایہ مع الفتح: ۳/۴۴۸۔۴۴۷) متذکرہ بالا اسباب حرمت نکاح کیلئے ابدی دائرے میں آتے ہیں۔

حرمت نکاح کے چند عارضی اسباب:

دو ایسی محرم عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا کہ اگر ان دو میں سے کسی ایک کو بھی مرد تسلیم کرلیا جائے تو ان دونوں کا نکاح آپس میں حرام قرار پائے جیسے پھوپھی اور بھتیجی، خالہ اور بھانجی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے (ابو داؤد شریف، باب ما یکرہ ان یجمع بینھن من النساء: ۲۰۶۶)۔

ایسے ہی دو بہنوں کو ایک ہی شخص کے نکاح میں ایک وقت میں جمع کرنا، "وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ" (النساء: ۲۳)۔

اسی طرح رضاعی رشتہ سے پھوپھی، بھتیجی، خالہ، بھانجی اور دو رضاعی بہنوں کو بھی نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ''یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب'' (بخاری، کتاب النکاح)۔

حرمت نکاح کا ایک اہم سبب شرک ہے، ایک مسلمان مرد کا نکاح کسی کافر عورت کے ساتھ نہیں ہوسکتا، اسی طرح ایک مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر مرد کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ" (اور مشرک عورتیں جب تک مسلمان نہ ہوجائیں ان سے نکاح نہ کرو) (البقرہ: ۲۲۱)

اسی آیت میں آگے فرمایا: "وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا" (اور (مسلمان عورتوں) کا مشرک مردوں سے جب تک وہ مسلمان نہ ہوجائیں نکاح نہ کرو)۔

گرچہ شان نزول کے اسباب میں مختلف واقعات کو بیان کیا گیا ہے لیکن اس امر پر امت کا اتفاق واجماع ہے کہ تمام مشرک اقوام (چاہے جس نام سے بھی ہو) کے ساتھ مرد ہوں یا عورتیں مشرک رہتے ہوئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے البتہ ایمان لانے کے بعد ان کے ساتھ عام مومنوں کی طرح بلاکسی کراہت کے نکاح کرنا جائز ہے۔

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح:

قرآن کریم کی تصریح "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ" (نیز ان لوگوں میں سے بھی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنکو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی یعنی اہل کتاب کی عورتیں) (المائدہ: ۵) کے مطابق مسلمانوں کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی کتابی یعنی یہودیہ یا عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کرلے، اسلام کی طرف سے دی گئی یہ رعایت اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے ورنہ دیگر مشرکین کی عورتوں کے ساتھ کسی مسلمان کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

"وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ" (اور مشرک عورتیں جب تک مسلمان نہ ہوجائیں ان سے نکاح نہ کرو اور ایک مسلمان باندی بھی (آزاد) مشرک خاتون سے بہتر ہے چاہے وہ مشرک عورت تم کو پسند ہی کیوں نہ ہو، اور (مسلمان عورتوں کا) مشرک و کافر مردوں سے جب تک وہ مسلمان نہ ہوجائیں نکاح نہ کرو، اور ایک مسلمان غلام بھی (آزاد) کافر مرد سے بہتر ہے چاہے وہ کافر مرد تم کو کتنا ہی پسند کیوں نہ ہو) (البقرۃ: ۲۲۱)۔

اسلام نے اہل کتاب کے ساتھ کئی معاملات میں رعایتیں برتی ہیں وہ ذبیحے کا معاملہ ہو، عیسائی رہتے ہوئے کلمۂ توحید پر اتحاد کی دعوت ہو۔ "تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ"۔ اہل کتاب کے برتنوں کے استعمال کا معاملہ ہو، اہل کتاب کے ساتھ لین دین اور خرید فروخت کا معاملہ ہو وغیرہ وغیرہ ان سب رعایتوں میں سب سے اہم رعایت یہ ہے کہ اسلام نے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دی ہے۔

"وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ" (نیز ان لوگوں میں سے بھی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنکو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی یعنی اہل کتاب کی عورتیں) (المائدہ: ۵) ارشاد خداوندی میں اس اجازت کی صراحت کی گئی ہے زمانۂ نبوت میں صحابہ اس پر عمل بھی کرتے تھے حضرت عثمانؓ نے نائلہ بنت الفرافصۃ الکلبیۃ سے نکاح کیا یہ نصرانیہ تھی اس نے حضرت عثمان کے پاس ہی بعد میں اسلام قبول کیا، اسی طرح حضرت حذیفہؓ نے اہل مدائن کی ایک یہودیہ سے نکاح کیا تھا، اسی طرح حضرت جابرؓ سے اہل کتاب کے ساتھ نکاح کرنے کی بابت دریافت کیا گیا آپؓ نے فرمایا ہم نے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ کوفہ کو فتح کرنے کے زمانے میں بھی نکاح کیا دراں حالیکہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی موجود تھے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۱۵۹)۔

اگر دیکھا جائے تو اہل کتاب حقیقت میں اہل اسلام کے قریب ہیں کفار کی بنسبت، بلکہ بعض مبادیات اور اساسی عقائد میں تو تقریباً اشتراک ہی ہے جب انکے ساتھ نکاح کیا جائے گا تو ان نصرانی عورتوں کیلئے باقی بعض عقائد کو تسلیم کرنا اور اسلام کے اعمال پر کھڑا ہونا نسبۃً آسان اور ممکن ہے۔

ان تفصیلات اور حقائق کی روشنی میں فقہاءِ عظام نے اہل کتاب خواتین کے ساتھ نکاح کے معاملے میں مندرجہ ذیل تفصیل بیان کی ہے۔

جمہور علماء کرام کے نزدیک کتابیہ کے ساتھ بلا کسی شرط وقید کے نکاح کرنا جائز ہے۔ سیدنا امام شافعیؒ کے نزدیک یہ جواز مطلق نہیں مقید ہے فرماتے ہیں کتابیہ کے ساتھ تو نکاح کرنا جائز ہے، لیکن اگر کتابیہ حربیہ ہو یا کتابیہ ذمیہ ہو تو نکاح کرنا مکروہ ہوگا۔ اہل کتاب سے مراد نصرانیہ یا یہودیہ ہے زبور یا دوسرے آسمانی صحائف کو ماننے والی کے ساتھ نکاح کرنا مطلقاً ممنوع ہے کہ وہ بحکم مشرکہ ہے (المہذب ۲/۴۴)۔

سیدنا امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کی ایک رائے میں بھی ذمیہ کتابیہ کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے، لیکن اگر کرلیا تو مع الکراہت نکاح جائز ہوگا اور اگر یہ کتابیہ عورت دار الحرب میں رہنے والی ہو جہاں صالحانہ ماحول مشکل سے ہی میسر ہوتا ہے اگر معصیت میں مبتلا ہونے کے خوف سے مسلمان مرد کتابیہ خاتون سے نکاح کرلے کراہیت پھر بھی برقرار رہے گی اور یہ کراہیت کراہت تحریمی ہوگی اور اگر معصیت میں مبتلا ہونے کا کوئی خوف نہیں بس نکاح کی خواہش تھی اور کرلیا تو یہ نکاح عند الاحناف ممنوع اور حرام ہوگا کہ یہ نکاح فتنوں کے دروازے کھولدے گا اور شوافع کے نزدیک صرف مکروہ تحریمی ہوگا ،جبکہ علماء حنابلہ کے نزدیک کتابیہ خاتون کے ساتھ نکاح کرنا حرام نہیں، مکروہ تہیں صرف خلاف اولیٰ ہے اس لئے کہ جن صحابہ کرام نے نصاریٰ خواتین کے ساتھ نکاح کیا تھا انکو حضرت سیدنا عمر بن الخطابؓ نے اپنے دور خلافت میں حکماً یہ فرمایا کہ تم اپنی ان بیویوں کو طلاق دیدو سب ہی صحابہ نے ایسی خواتین کو طلاق دیدی سوائے ایک صحابی سیدنا حضرت حذیفہؓ جنہوں نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی جب حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ سے فرمایا کہ اسکو طلاق دیدو تو حضرت حذیفہؓ نے کہا کیا آپ اس نکاح کو حرام مانتے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا بس یہ ایک نشہ ہے (دوبار یہی سوال وجواب ہوا) تیسری بار حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ ایک نشہ ہے، لیکن ہمارے لئے تو حلال ہے (یعنی ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے) جب کچھ دن گذر گئے تو حضرت حذیفہؓ نے اس نصاریٰ منکوحہ کو طلاق دیدی، کسی نے حضرت حذیفہؓ سے کہا کہ جب حضرت عمرؓ نے کہا تھا اس وقت کیوں نہیں طلاق دی تو حضرت حذیفہؓ نے جواباً کہا کہ اگر میں ایسا کرتا تو لوگ سمجھتے کہ شاید میں نے کوئی غلط کام کیا تھا (اس خدشہ کو دور کرنے کیلئے میں نے اس وقت طلاق نہیں دی)۔

موجودہ دور کے اہل کتاب:

زمانۂ نبوت میں موجود اہل کتاب کی طرح اس زمانے میں بھی انہی عقائد کے حاملین اہل کتاب پائے جاتے ہیں نص صریح کے مطابق ان کے ساتھ نکاح کرنا بلا کراہت جائز ہونا چاہیے، موجودہ زمانے کے اہل کتاب دو طرح کے ہیں ایک طبقہ تو وہ ہے جو قطعاً عیسائی یا یہودی ہوتے ہوئے اپنے مذہب کو سختی سے تھامے ہوئے ہیں اور یہ سختی اس درجہ کی ہے کہ وہ مسلمانوں کو کسی بھی حال میں اپنا نہیں سمجھتے بلکہ وہ اپنا دشمن مسلمانوں کو ہی سمجھتے ہیں کہ نبوت کو تو یہودی اپنے گھر کا ورثہ سمجھتے تھے۔ لیکن جب یہ بنو ہاشم کی طرف منتقل ہوئی تو انہیں یہ کسی بھی حال میں قبول نہیں تھا لہذا یہ دشمنی زمانۂ نبوت سے چلی آرہی ہے اور تا حال برقرار ہے، بلکہ قرآن نے تو انکی دشمنی کو اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً سے تعبیر فرمایا ہے اور رب سے زیادہ کوئی ذات نبض شناس اور باطن سے واقف نہیں ہوسکتی، رہا نصاریٰ کا معاملہ تو وہ اُس زمانے میں بھی تین کو ایک اور ایک کو تین کہہ کر الوہیت میں ہی شریک کھڑا کرتے تھے نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا تو انکار کیا ہی تھا یہ سلسلہ اب بھی باقی ہے اس حقیقت کے باوصف قرآن مقدس نے انکی عورتوں کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے، لیکن تاریخ اسلام اس عقدہ کی نقاب کشائی کیلئے چند اسباب کو بطور معیار گرداتنا ہے وہ یہ کہ اہل ایمان کے ہاں انکی خواتین کے ساتھ نکاح ایک رعایت ہے تیز توسیع اسلام کا ایک ذریعہ ہے مگر ابتدائی ایام سے لیکر آج تک یہ ایک مشاہدہ اور حقیقت ہے کہ انکے نزدیک مسلمانوں کے ساتھ نکاح اہل ایمان کیلئے ایک آزمائش اور فتنہ ہے۔ مسلمانوں کو اس راستے سے تباہ کرنا ایک آزمودہ نسخہ ہے، بلکہ یہ حضرات اپنی لڑکیوں کو یہ سبق پڑھاتے ہیں کہ اپنے مذہب کیلئے اپنی عصمت کی قربانی ایک مقبول عبادت ہے۔

خلفاء راشدین پر سلام ہو، اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو منور فرمائے خاص کر امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر کہ انھوں نے فراست ایمانی سے اس خطرے کو بھانپ لیا تھا اسی لئے اپنے دور خلافت میں صحابہ رضی اللہ عنھم کے سامنے اس فتنے کے خدوخال رکھے اور اسکو مدہوش کرنے والا نشہ قرار دیکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سے باز رہنے کیلئے فرمایا ہمارے بعض اہل علم نے نصاریٰ کے ایک سوال پر جو جواب عنایت فرمایا وہ

زبردست لائق توجہ ہے سوال یہ کیا گیا کہ اسلام کیسا مذہب ہے جو اسلام پر قائم رہنے کیلئے زکوٰۃ کا مال خرچ کرنے کی اجازت دیدیتا ہے۔ درحقیقت قرآن کریم نے زکوٰۃ کی آٹھ مدات بیان کیں ہیں ان میں سے والمؤلفۃ القلوب ہے یعنی میلان قلب اور استقامت علی الحق کیلئے اگر نومسلموں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جائے تو اسکی اجازت ہے، عیسائی مؤرخوں نے اس مد کو لیکر اسلام کی حقانیت پر ہی اعتراض کرڈالا جو مسلمان مؤرخین نصاریٰ اور یہود کی اس بے ہودہ و فحش سازش سے واقف تھے انہوں نے بے دھڑک یہ جواب تحریر فرمایا کہ ارے عیسائیو ارے یہودیو تم کس منہ سے اسلام پر اعتراض کرتے ہو، اسلام میں ایمان قبول کروانے کیلئے زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ ایمان قبول کرنے کے بعد عسرت کی صورت میں اس رقم سے مدد کرنے کی صرف اجازت ہے۔

اگر تمہاری بات کو بالفرض صحیح بھی مان لیا جائے تو پھر بھی تم اعتراض کرنے کا حق نہیں رکھتے کہ ہمارے مذہب میں تو ایمان پر استقامت کیلئے مالی تعاون کی اجازت ہے تم نے تو آج تک ہمیشہ مذہب عیسائیت اور یہودیت کیلئے اپنی عصمتوں کو بھی داؤ پر لگادیا ہے اور اسے سب سے عظیم قربانی و عبادت قرار دیتے ہو۔

سچ یہی ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے ہمیشہ دین اسلام کو کمزور کرنے کیلئے اپنی نوجوان خاتون نسل کا سہارا لیا ہے ان کے ساتھ نکاح کی اجازت میں مضرت منفعت سے بہت بڑی ہے، یہ ایک واضح سچ ہے کہ مسلمان ملکوں کے بہت سارے وہ قائدین جن کے ہاتھوں میں زمام اقتدار ایک لونڈی بن کر رہ گئی ہے کہ وہ خود اپنی یہودی یا نصرانی بیوی کے ہاتھوں لونڈی کا کردار ادا کررہے ہیں، ایسی صورت حال میں امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کا صحابہ کو اس سے منع کرنا جنہوں نے کیا تھا انکو طلاق کیلئے فرمانا اور پھر فقہاء کرام کا بھی انکے ساتھ نکاح کو کبھی حرام کبھی مکروہ تحریمی اور کم سے کم مکروہ قرار دینا یہ بات سمجھاتا ہے کہ عیسائی یا یہودی خاتون کے ساتھ نکاح کرنا پسندیدہ اور مرغوب کبھی بھی نہیں رہا، اسلئے موجودہ عیسائی یا یہودی خواتین کے ساتھ نکاح جب کہ مسلمانوں کی حالت زار ہم سب کے سامنے ہے اور اس حالت تک پہونچانے میں ان عیسائی و یہودی خواتین کا کردار کسی سے مخفی بھی نہیں ہے، لہٰذا اس بات کی اجازت قطعاً نہیں دی جاسکتی کہ ان کے ساتھ رغبت کے ساتھ نکاح کیا جائے، نیز اہل ایمان خواتین کے مقابلے میں ان مخدوش العقیدہ اور ضار و مضر کتابیہ خواتین کو نکاح کیلئے چننا کسی بھی حال میں درست نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کہ قرآن کریم نے بھی "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ" پہلے فرمایا اور اسکے بعد الگ سے "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ" کی اجازت مرحمت فرمائی۔

دوسرے طبقہ کے اہل کتاب اس زمانے میں وہ ہیں جو نسلاً تو عیسائی یا یہودی کہلاتے ہیں مگر وہ عملاً، اعتقاداً ہر لحاظ سے اہل کفر کے مثل ہیں اور خدا کا بھی انکار کرتے ہیں نبوت و رسالت کے بھی منکر ہیں وحی و الہام کا بھی سرے سے انکار کرتے ہیں، حشر و نشر کو بھی نہیں مانتے بلکہ دہریہ اور مطلقاً منکر مذہب ہیں ایسے لوگ نام کے تو عیسائی یا یہودی ہوسکتے ہیں حقیقت میں حکماً عیسائی یا یہودی نہیں ہیں لہٰذا انکا حکم عیسائیوں یا یہودی جیسا نہیں کافر و مشرک جیسا ہے اس لئے جو حکم کفار کی خواتین کے ساتھ نکاح کے معاملے میں ہے وہی حکم ان کی عورتوں یا بذات خود ایسی عورتوں کا ہوگا۔ یعنی مسلمانوں کیلئے ان عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

بعض باطل فرقے مثلاً بہائی، بابی، سکھ، قادیانی:

جہاں تک سکھ فرقے کا تعلق ہے ممکن ہے کہ گرونانک جی کسی درجے میں اسلام کی حقانیت کے قائل رہے ہوں مگر انکے معتقدین یعنی پورا سکھ فرقہ اپنے عقائد، طریقہ عبادت، شادی بیاہ، موت اور بعد الموت غرض تقریباً تمام ہی معاملات میں ہندوازم کے قریب قریب ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ شادی بیاہ بھی کرتے ہیں۔

ایک دوسرے کی عبادت گاہوں میں ماتھا ٹیکنے بھی جاتے ہیں محرمات کا بھی کھلم کھلا ارتکاب ہے مرنے کے بعد جلاتے بھی ہیں، لہٰذا وہ عقائد سے معاملات سے عبادات سے ہندو ہیں لہٰذا ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے اور وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہیں۔

"وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا" (البقرۃ: ۲۲۱).

جہاں تک بہائی اور بابی فرقہ وغیرہ کا تعلق ہے گرچہ قبلہ کے اعتبار سے مسلمانوں جیسے ہیں مگر غلط افکار اور گمراہ عقائد کی بناء پر جادۂ حق سے بہت دور جاپڑے ہیں فرقہ بہائیہ تو اپنے پیر و مرشد کے اندر اللہ کے حلول کرنے کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں یعنی وہ اسی کو معبود کا درجہ دیتے ہیں قرآن مقدس کو تحریف شدہ مانتے ہیں صحابہ کرام کو غیر معتبر بلکہ بہت ساروں کو کافر قرار دیتے ہیں۔

مصر یونیورسٹی الازہر کے وائس چانسلر شیخ محمد ابوزہرہ کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق فرقہ بہائی کو اپنے بانی وموجد مرزا علی محمد باب کی طرف منسوب کرتے ہوئے بابی فرقہ بھی کہتے ہیں۔ مرزا علی محمد باب کا اصل تعلق فرقہ اثنا عشریہ سے ہے یہ ایرانی النسل ہے اس کا عقیدہ ہے کہ ذات باری تعالیٰ نے مجھ میں اپنی تمام صفات کے ساتھ حلول کیا ہے اور یہ حلول مجھ تک ہی محدود نہیں میرے بعد بھی جاری رہے گا (جیسا کہ آج کل بھی موجود پیر ومرشد کے متعلق انکا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں حلول کیے ہوئے ہے) مرزا علی محمد باب روز آخرت، بعد از حساب، دخول جنت یا دخول جہنم پر ایمان نہیں رکھتا، روز آخرت کو وہ جدید روحانی زندگی کی طرف اشارہ قرار دیتا ہے اسکا عقیدہ ہے کہ رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسالت نہیں ہے۔

اپنے بارے میں اسکا عقیدہ ہے کہ میں تمام انبیاء سابقین کی نمائندگی کرتا ہوں اور یہ کہ میں مجموعۂ رسالات ومجموعۂ ادیان ہوں (تاریخ المذاہب اسلامیہ، شیخ ابوزہرہ ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری ۲۹۳ خلاصہ)۔

خلاصہ یہ کہ فرقہ بہائی یا بابی یہودیت، نصرانیت، منافقت، زندیقیت اور کچھ اسلامی چیزوں کا معجون مرکب ہے۔

جب بعض فقہاء حضرات نے معتزلہ حضرات (جو کہ اہل قبلہ بھی ہیں کتاب اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں) کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کیا کہ اہل سنت والجماعت کا نکاح معتزلہ کے ساتھ جائز نہیں ہے۔

''المناكحة بين أهل السنة وأهل الاعتزال لايجوز كذا اجاب الشيخ الا مام الرستغفني'' (خلاصة الفتاوىٰ ۲/۶)

تو فرقہ بہائیہ اور فرقہ بابی جو قطعاً گمراہ عقائد رکھتے ہیں کیونکر مسلمانوں جیسے قرار دیے جاسکتے ہیں، لہٰذا انکے ساتھ نکاح کرنا کفریہ عقائد کی بناء پر قطعاً جائز نہیں ہوگا۔

اہل کتاب خاتون کے ساتھ نکاح کے بعد والے حقوق:

اہل کتاب خاتون کے ساتھ نکاح کے بعد وہ اُن تمام حقوق کی حق دار ہوگی جو حقوق ایک مسلمان خاتون کو حاصل ہیں یہاں تک کہ باری میں بھی مساوات لازمی ہے جب مسلمان خاتون اور ذمیہ کے درمیان مساوات ہے تو اہل کتاب خاتون بدرجۂ اولیٰ ان حقوق کی حقدار ہوگی اور یہ مساوات باری کے علاوہ نفقہ، رہائش اور باقی تمام حقوق زوجیت میں لازم ہوگی، جیسا کہ ابن المنذرؒ نے بھی اس کی وضاحت فرمائی ہے، خیال رہے مذہب، عقائد اور دین کے اندر اختلاف کی صورت میں سکون واطمنان والی زندگی میسر ہونا ممکن نہیں ہے اور شادی کا ایک اہم مقصد حصول سکون بھی ہے جس کا ایمان نہیں اسکی کوئی تہذیب نہیں لہٰذا نکاح بھی ان کے درمیان جائز نہیں ہوگا کہ شادی کرنا دین اور عبادت ہے۔

خلاصۂ بحث:

(۱) نکاح کی ایک حیثیت معاہدہ اور معاملہ کی ہے جب کہ دوسری حیثیت امر الٰہی کی اطاعت، سنت اور عبادت کی ہے۔

(۲) نکاح میں وجہ ترجیح صرف اور صرف حسن سیرت اور دین واخلاق کو بنایا جائے۔

(۳) حرمت نکاح کے دو بڑے اسباب ہیں ایک حرمت مؤبدہ اور دوسرا حرمت موقتہ۔

(۴) صائبین بت پرست قوم ہے جو مشرک وکافر ہیں ان کے ساتھ رشتۂ ازدواج قائم کرنا جائز نہیں ہے۔

(۵) اگر حقیقی عیسائی یا یہودی ہیں تو بھی اسلامی مفادات کو ترجیح دیتے ہوئے ان کی خواتین کے ساتھ نکاح کرنا ہر حال میں مکروہ ہوگا اگر صرف شوقیہ نکاح کیا تو یہ کراہت تحریمی ہوگی اور اگر مجبوراً وضرورتاً یہ نکاح کیا تو بھی کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔ اور اگر صرف نام کا اہل کتاب ہو حقیقت میں ملحد یا زندیق ہو تو پھر انکے ساتھ نکاح کرنا ناجائز اور حرام ہوگا۔

(۶) بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی یہ چاروں فرقے مشرکین کے حکم میں ہیں لہٰذا ان کے ساتھ رشتۂ ازدواج قائم کرنا قطعاً حرام ہے۔

(۷) اگر ضرورتاً کسی اہل کتاب خاتون کے ساتھ نکاح کر لیا تو اس کے حقوق زوجیت وغیرہ ایک مسلمان بیوی کے برابر ہونگے۔

☆☆☆

اہل کتاب سے نکاح

مولانا نعیم اختر قاسمی[1]

اسلام وکفر، توحید وشرک دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، دونوں کی راہیں اور منزلیں الگ الگ ہیں، ایک تباہی وبربادی کا راستہ ہے جو جہنم پر جا کر ختم ہوتا ہے، دوسرا فلاح وکامرانی کا راستہ ہے جو جنت تک پہنچاتا ہے، اولائك يدعون الى النار والله يدعو الى الجنة والمغفرة باذنه (بقرہ: ۲۲۱)، جو لوگ ان متضاد نظریات کے حامل ہوں ان کے درمیان دلی وابستگی نہیں ہو سکتی، اسی لئے مومن ومشرک کے درمیان ازدواجی تعلقات سے منع کیا گیا ہے کہ نکاح کا مقصد باہمی الفت ومحبت اور سکون واطمینان کا حصول ہے اور میاں بیوی میں سے ایک کی زندگی مشرکانہ تصورات پر مبنی ہو اور دوسرا توحید کی راہ چلنا چاہے تو قدم قدم پر تصادم ہوگا اور گھر کا نظم اور سکون باقی نہیں رہ سکے گا۔

البتہ شریعت نے مسلمانوں کو اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنے کی یکرخی اجازت دے رکھی ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ چونکہ اہل کتاب عقائد کے اعتبار سے مسلمانوں سے قریب ہوتے ہیں ان کا ایمان بھی اصلاً خدا کے وجود رسالت آخرت اور کتاب وشریعت پر مبنی ہوتا ہے ایسی صورت میں اگر کوئی مسلمان کسی نیک دل کتابیہ کو اپنے نکاح میں لاتا ہے تو مرد کی قوامیت اور عورت کی طبعاً مردوں کے تابع فرمان ہونے کی وجہ سے قوی امید ہے کہ جب شوہر اس کے سامنے اسلام اور قرآن کی حقانیت واضح کرے تو وہ بھی اسلام کے سائے میں آجائے (کذا فی البدائع ۲/ ۵۵۲)۔

ظاہر ہے ایسا اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جبکہ عورت صحیح معنوں میں کتابیہ ہو نیک خصلت ہو اور اسلامی ماحول اسے میسر ہو، اسی لئے فقہاء نے دارالحرب میں مقیم کتابیہ سے نکاح کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے (ردالمحتار ۴/ ۱۳۴)، کیونکہ غیر اسلامی ماحول ہونے کی وجہ سے ایسی عورت پر اسلامی معاشرتی اثرات مرتب نہیں ہو سکیں گے اور شوہر کے موثر ہونے کے بجائے اس کے متاثر ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ: اس میں امکان ہے کہ آدمی بیوی کی محبت میں دارالحرب میں رہ پڑے اس سے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا پھر ماں کی تقلید میں اولاد بھی غیر اسلامی آداب واطوار اختیار کر سکتی ہے (فتح القدیر ۳/ ۲۱۹)۔

کتابیہ سے نکاح کا جواز چونکہ منصوص ہے اور تقریباً ایک اجماعی مسئلہ ہے (المغنی ۹/ ۵۴۵)، اس لئے شرائط پائی جانے کی صورت میں نکاح بہر حال منعقد ہو جائے گا، تاہم عام حالات میں اس سے منع کیا جائے گا، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے بعض ان صحابہ پر برہمی کا اظہار فرمایا تھا جنہوں نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیا تھا، چنانچہ انہیں اپنی بیویوں کو طلاق دینے کا حکم دیا اور وجہ بیان کی کہ اس طریقہ سے ان کی غلط کار عورتیں مسلمانوں کے گھروں میں پہنچنے لگیں گی (جامع البیان للطبری ۴/ ۳۶۶)۔

حضرت عمر کی منشا یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کی وجہ سے ایک غلط روش چل پڑے اور لوگ مسلمان عورتوں کی دینداری سے زیادہ کتابیہ عورتوں کی ظاہری خوبصورتی اور حسن وجمال کو ترجیح دینے لگیں، ظاہر ہے کہ اس کے جو برے اثرات مسلم معاشرہ پر پڑیں گے وہ محتاج بیان نہیں۔

یہ بات غور طلب ہے کہ حضرت عمر کا زمانہ خیر القرون اور مسلمانوں کی تہذیبی شناخت اور غلبہ کا زمانہ شادی کرنے والے کبار صحابہ اور ان کی یہودی یا نصرانی بیویوں کا تعلق ایک مفتوح قوم سے، پھر بھی حضرت عمر کی دینی وسیاسی بصیرت نے ایک بڑا خطرہ محسوس کرتے ہوئے اس پر روک لگائی

---

[1] جامعہ عربیہ مصباح العلوم، کوپاگنج مئو۔

اور جواز کے باوجود لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کیا، آج جبکہ صورتحال کچھ اور ہے پوری دنیا میں مغربی تہذیب وتمدن کی گہری چھاپ ہے اور اس کی اثر انگیزی سے ہر کوئی متاثر اور مرعوب نظر آرہا ہے، مسلمان احساس کمتری کا شکار ہیں ان کے لئے اپنے تہذیبی ورثہ کی حفاظت دشوار ہو رہی ہے، ایسی صورت میں کتابیہ سے نکاح کی سنگینی مزید بڑھ جاتی ہے، اولاً تو صحیح معنوں میں کسی کتابیہ کا ملنا ہی دشوار ہے، کیونکہ مغربی ممالک میں جو لوگ اپنے کو یہودی یا عیسائی کہتے ہیں، خدا، رسول، وحی، آخرت وغیرہ پر ان کا ایمان بہت موہوم سا لگتا ہے، ان کی بے حیائی، فحاشی، عریانیت اور دین بے زاری کو دیکھ کر نہیں لگتا وہ کسی آسمانی مذہب کے پیروکار ہیں اللہ کے کسی نبی کی امت اور کسی شریعت پر عمل پیرا ہیں اور جزاء وسزا اور آخرت کا کوئی تصور ان کے دل میں ہے حتی کہ ان میں بہت سے خدا کے وجود کے ہی منکر ہیں اور الحاد ولا دینی نظریہ رکھتے ہیں، ظاہر ہے کہ جو خدا وحی اور رسالت وغیرہ ہی کا منکر ہو یا اس کا ایک موہوم سا تصور رکھتا ہو وہ کتابی کیونکر کہلائے گا اور ایسی کسی عورت سے رشتہ مناکحت کیسے درست ہوگا۔

کتابی کی تعریف:

کتابی کی تعریف تو یہ کی گئی ہے کہ: ''واعلم أن من اعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف ابراہيم وشيث وزبور داؤد فهو من اهل الكتاب فيجوز مناكحتهم واكل ذبائحهم'' (ردالمحتار ۴/ ۱۳۴)

(جو کسی آسمانی مذہب پر عقیدہ رکھے اور کوئی نازل کردہ کتاب اس کے پاس ہو، مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام اور شیث علیہ السلام کے صحیفے یا حضرت داؤد کی زبور تو وہ اہل کتاب ہے ان کی عورتوں سے نکاح بھی درست ہے اور ان کا ذبیحہ بھی حلال ہے)۔

دین سماوی اور کتاب کے ضمن میں خدا، رسول، وحی، آخرت وغیرہ سب داخل ہیں، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں جو اہل کتاب یہود ونصاری موجود تھے وہ عقیدہ تثلیث اور بعض باطل نظریات کے باوجود مذکورہ عقائد کے قائل تھے۔

لہٰذا ایک پرسکون اور اسلامی ماحول میں ازدواجی زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے کہ عورت کے انتخاب کے وقت قرآن وحدیث کی ان ہدایتوں کو پیش نظر رکھا جائے جن میں عورت کی امانت ودیانت عفت وپاکبازی اور فطرت کی سلامتی کو معیار انتخاب بنایا گیا ہے اور اسے ازدواجی زندگی کی کامیابی کی کلید بتایا گیا ہے۔

تاہم اگر کوئی عورت واقعی کتابیہ ہو تو اس سے نکاح کرنا فی نفسہ درست ہونے کے باوجود نتائج کے اعتبار سے انتہائی سنگین مسئلہ ہے اس لئے ایک مسلمان کو اس اجازت سے فائدہ اٹھانے سے پہلے بہت احتیاط سے اپنے ذاتی حالات اور ملی مفادات کا جائزہ لینا ہوگا، وہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا جو دینی پہلو سے اس کے لئے یا ملت کے لئے ضرر رساں ثابت ہو جہاں اس پہلو سے اسے اطمینان ہو وہاں اس جواز سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے۔

کتابیہ بیوی کے حقوق:

بیوی ہونے کی حیثیت سے جو حقوق شوہر سے متعلق ہوتے ہیں وہ حقوق کتابیہ بیوی کو بھی حاصل ہوں گے، مثلاً نفقہ، سکنی، تبییت اور عدل ومساوات اور مؤانست وغیرہ عالمگیری میں ہے:

''ومما يجب على الأزواج للنساء العدل والتسوية بينهن فيما يملكه والبيتوتة عندها الصحبة والمؤانسة، فيما لا يملكه وهو الحب والجماع، فيسوى بين الجديدة والقديمة، وكذا بين المسلمة والكتابية''

(مرد پر واجب ہے کہ وہ اختیاری چیزوں میں عورتوں کے درمیان عدل کرے اور شب باشی اور ہمدردی وغمخواری میں انصاف سے کام۔ البتہ غیر اختیاری چیزوں مثلاً محبت اور ہمبستری میں یہ ضروری نہیں، چنانچہ پرانی بیوی اور نئی بیوی میں اسی طرح مسلمہ اور کتابیہ میں انصاف اور برابر کرے)۔

مذہبی آزادی:

کتابیہ اپنے مسلمان شوہر کے گھر اپنے مذہبی مراسم کسی مذہبی علامت مثلاً صلیب وغیرہ نصب کئے بغیر انجام دے سکتی ہے اور نماز گھر کے اندر جہاں چاہے پڑھ سکتی ہے: ''وقال القدوری فی النصرانیة تحت مسلم لاتنصب فی بیته صلیبا وتصلی فی بیته حیث شاءت'' (ہندیہ ۵/ ۳۴۶)۔

البتہ ایک مسلمان شوہر کی دینی واخلاقی ذمہ داری ہے کہ اپنی کتابیہ بیوی کو اسلام کے سائے میں لانے کی پوری کوشش کرے گا اگر کامیابی نہ ملے تو جب تک گھر کے دینی ماحول پر اس کے منفی اثرات پڑنے کا اندیشہ نہ ہو محض اس کے غیر مسلم ہونے کی بنا پر اسے طلاق دینا یا اس کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا غیر مناسب اور ایک غلط پیغام کا سبب ہے، شامی میں ہے:

''لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرة (در) إلا اذا خافا ان لایقیما حدود الله فلا بأس أن یتفرقا'' (ردالمحتار ۹/ ۱۱۱)

(فاسقہ عورت کو طلاق دینا شوہر پر واجب نہیں، البتہ اگر اندیشہ ہو کہ حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ پائیں گے تو جدا ہونے میں کوئی حرج نہیں)۔

حضرت عمرؓ کا حضرت حذیفہؓ کو ان کی کتابیہ بیوی کو طلاق دینے کا حکم ایک خاص مصلحت کے پیش نظر تھا۔

صابئین اور دوسرے مذہبی گروہ:

قرآن نے اصلاً یہود ونصاریٰ کو اہل کتاب کا نام دیا ہے، البتہ بعض مواقع پر یہود ونصاریٰ کے ساتھ صابئین کا بھی نام لیا گیا ہے، لیکن ایسی کوئی وضاحت نہیں ہے کہ صابی بھی اہل کتاب ہی کا کوئی فرقہ ہے یا اس سے علاحدہ کوئی اور مذہبی گروہ ہے، ان کے عقائد کے بارے میں متضاد باتیں منقول ہونے کی وجہ سے ان کے اہل کتاب میں شامل ہونے نہ ہونے میں اہل علم کا اختلاف رہا ہے، تفسیر ابن کثیر میں ہے:

''والصابئون طائفة من النصاری والمجوس قاله مجاهد وعنه من الیهود والمجوس، وقال قتادہ: هم قوم یعبدون الملائكة ویصلون إلی غیر القبلة ویقرأون الزبور، وقیل غیر ذلك'' (مختصر تفسیر ابن کثیر ا/ ۵۳۵)

(مجاہد نے فرمایا کہ صابئین نصاریٰ اور مجوس کا ایک گروہ ہے اور انہیں سے منقول ہے کہ یہود ونصاریٰ کا گروہ ہے، قتادہ کا کہنا ہے کہ یہ لوگ ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں اور غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں، اور اسکے علاوہ بھی اقوال ہیں۔

صاحب ہدایہ نے اپنی طرف سے کوئی تحقیقی بات نہ کہہ کر کے ایک اصولی بات بیان کی ہے کہ ''صابیہ عورت سے نکاح جائز ہے اگر وہ کسی دین کو مانتے ہوں اور کسی کتاب کا اقرار کرتے ہوں کیونکہ بایں صورت وہ اہل کتاب میں سے ہیں، اور اگر وہ گروہ ستاروں کو پوجتے ہوں اور ان کے پاس کوئی کتاب نہ ہو تو ان کے مشرک ہونے کی وجہ سے ان سے مناکحت درست نہیں'' (ہدایہ ۲/ ۳۳۲)۔

''الموسوعة المیسرة'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گروہ آج بھی عراق وایران کے بعض علاقوں میں موجود ہے اور ان میں بھی کئی فرقے ہیں تاہم مجموعی طور پر ان کے عقائد ونظریات انہیں اہل کتاب کی حد سے خارج کرتے ہیں

(الموسوعة المیسرة فی الادیان والمذاهب والاحزاب المعاصرة ۲/ ۷۲۲)۔

اور جن کا کتابی ہونا مشکوک ہو خواہ وہ صابی ہو یا کوئی اور مذہبی گروہ ان سے رشتہ مناکحت درست نہیں ہوگا کیونکہ کتابیات سے نکاح کا جواز خلاف قیاس ثابت ہے اور قاعدہ ہے کہ جو حکم خلاف قیاس ثابت ہوتا ہے وہ اپنے دائرہ تک محدود ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس گروہ کا اہل کتاب سے ہونا منصوص یا دلیل قطعی سے ثابت ہو،

''فإذا كان جواز نكاح الكتابیات علی خلاف القیاس بآیة المائدة لابد أن یقتصر علی الكتابیات التی علم كونهن من أهل الكلتاب بالنص أو بدلیل قطعی غیرہ'' (اعلاء السنن ۱۱/ ۴۲)۔

لہذا وہ مذہبی گروہ جو غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے اور شرک وبت پرستی میں مبتلا ہے اس کے مذہبی پیشوا کا اپنے عہد کا پیغمبر ہونا یا ان کی مذہبی کتابوں کا خدا کی کتاب ہونا دلیل قطعی سے ثابت نہیں ہے، اس لئے اسے اہل کتاب میں شامل نہیں مانا جاسکتا۔

البتہ وہ گروہ جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے، مگر اسلام کے کسی اجماعی عقیدہ کا منکر ہے تو قرآن اور نبی پر ایمان رکھنے کی وجہ سے بظاہر تو وہ اہل کتاب میں شامل لگتا ہے بلکہ ان سے اعلی اور ارفع معلوم ہوتا ہے، مگر ایسے شخص کو فقہاء نے اہل کتاب نہ مان کر اسے مرتد ملحد اور زندیق جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے اور ان کا ذبیحہ کھانے اور ان سے رشتہ مناکحت کو حرام قرار دیا ہے، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''فإن الزنديق يموه كفره يروج عقيدته الفاسدة في الصورة الصحيحة'' (ردالمحتار ۲/ ۲۹۶، قدیم)

(زندیق اپنے کفر کو ملمع کرتا ہے اور اپنے باطل عقیدہ کو صحیح صورت میں پیش کرتا ہے)۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''والملحد هو من مال عن الشرع القويم إلى جهة من جهات الكفر'' (ردالمحتار ۲/ ۲۹۶ قدیم)

(ملحد وہ ہے جو شرع متین سے کسی کفریہ عقیدہ کی طرف مائل ہو جائے)۔

اور علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

''وكل مذهب يكفر به معتقده فهو يحرم نكاحها'' (البحر الرائق ۳/ ۱۱۰)

(ایسا مذہب جس کے معتقد کی تکفیر کی جاتی ہو اس سے نکاح حرام ہے)۔

اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ اسلام کا نام لے کر اسی کے قلعہ میں سیندھ لگانے والوں کی دنیا میں کم سے کم سزا یہ ہونی چاہئے کہ ان کا مکمل سماجی بائیکاٹ کیا جائے اور ان سے کسی بھی طرح کا رشتہ ناتا اور تعلق نہ رکھا جائے کیونکہ اس میں تھوڑی سی بھی مداہنت اور تساہل سے اسلام اپنی اصلی صورت باقی نہیں رکھ سکتا اور صحیح العقیدہ مسلمان کا ایمان بھی شکوک وشبہات اور باطل نظریات وخیالات کا شکار ہو سکتا ہے خواہ کوئی ابتداء ایسا عقیدہ اختیار کرنے کی وجہ سے مرتد ہوا ہو یا وہ مرتد کی اولاد ہو۔



ہندو مذہبی کتابیں اور ان کے مذہبی شخصیات کی شرعی حیثیت

مولانا محمد قمر الزماں ندوی[1]

مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ کی کتاب ''تعلیم الاسلام'' (حصہ چہارم) میں دو سوالات اور ان کے جوابات موضوع سے مناسبت رکھتے ہیں:

سوال ۱- قرآن مجید میں ہے: "وإن من أمة إلا خلا فيها نذير" (فاطر: ۲۴) یعنی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں خدا کی طرف سے کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو، اور دوسری جگہ فرمایا ہے: "ولكل قوم هاد" (رعد: ۷) (یعنی ہر قوم کے لئے ہدایت کرنے والا (بھیجا گیا) ہے، ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کی طرف سے کوئی پیغمبر بھیجا گیا ہے، تو کیا ہندوستان میں بھی کوئی پیغمبر آئے تھے؟

جواب: ہاں ان آیتوں سے بے شک یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر قوم کے لئے خدا نے کوئی ہادی اور ڈرانے والا بھیجا ہے اور اس لئے ممکن ہے کہ ہندوستان میں بھی کوئی نبی آئے ہوں۔

سوال ۲- کیا یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوؤں کے لئے پیشوا جیسے کرشن جی اور رام چندر جی وغیرہ خدا کے پیغمبر تھے؟

جواب: نہیں کہہ سکتے کیونکہ پیغمبری ایک خاص عہدہ تھا جو خدا کی طرف سے اس کے برگزیدہ اور خاص بندوں کو عطا فرمایا جاتا تھا تو جب تک شریعت سے یہ بات معلوم نہ ہو کہ یہ خاص عہدہ خدا تعالی نے فلاں شخص کو عطا فرمایا تھا اس وقت تک ہم بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ خدا کا نبی تھا، اگر ہم نے بلا دلیل شرعی صرف اپنی رائے سے کسی شخص کو پیغمبر سمجھ لیا اور فی الواقع وہ پیغمبر نہیں رہا ہوگا تو خدا تعالی کے حضور میں ہم سے اس غلط عقیدے کا مواخذہ ہوگا۔

یوں سمجھو کہ اگر صرف اپنے خیال سے کسی شخص کو سمجھ لو کہ وہ بادشاہ کا نائب، یعنی گورنر جنرل ہے اور فی الواقع گورنر جنرل نہ ہو تو تم حکومت کے نزدیک مجرم ہوگے کہ ایک شخص کو جسے بادشاہ نے گورنر جنرل نہیں بنایا ہے تم نے گورنر جنرل مان کر بادشاہ کی طرف ایک غلط بات کی نسبت کی ہے۔

پس گذشتہ لوگوں میں سے ہم خاص طور پر انہیں بزرگوں کو پیغمبر کہہ سکتے ہیں جن کا پیغمبر ہونا شریعت سے ثابت ہو اور قرآن مجید یا حدیث شریف میں ان کو پیغمبر بنایا گیا ہو۔

ہندوؤں یا اور قوموں کے پیشواؤں کے متعلق ہم زیادہ سے زیادہ اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ اگر ان کے عقائد اور اعمال درست ہوں اور ان کی تعلیم آسمانی تعلیم کے خلاف نہ ہو اور انہوں نے خلق خدا کی ہدایت اور رہنمائی کا کام بھی کیا ہو تو ممکن ہے کہ وہ نبی ہوں، مگر یہ کہنا کہ وہ یقیناً نبی تھے بے دلیل بات اور انکل کا تیر ہے (تعلیم الاسلام ۴ / ۱۲، ۱۳)۔

کیا ہر قوم اور ہر ملک میں نبی کا آنا ضروری ہے:

"ولكل قوم هاد" (رعد: ۷) آیت کریمہ کے اس حصہ کی تفسیر و توضیح کرتے ہوئے مولانا عبد الماجد دریابادیؒ (تفسیر ماجدی جلد دوم صفحہ ۲۶۹ مطبوعہ مجلس تحقیقات لکھنؤ) لکھتے ہیں: ''ہاد'' بلفظ ہادی عام و وسیع ہے، پیغمبر کا مرادف نہیں، اس کے تحت میں نبی اور نائبان سب ہی آجاتے ہیں، ان آیت سے جن لوگوں نے ہندوستان میں کسی نبی کا آنا لازمی قرار دیا ہے، ان کا استدلال قوی نہیں، البتہ درجہ احتمال میں اس کا مان لینا ضروری ہے، اور اسی لئے مفسر تھانویؒ نے فرمایا کہ اس میں زیادہ بحث مباحثہ غیر ضروری ہے۔

---

[1] مدرسہ نور الاسلام، کنڈہ پرتاپ گڑھ، یوپی۔

مفتی شفیع صاحب ''معارف القرآن'' میں اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

''اس آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ کوئی قوم اور کوئی خطہ ملک اللہ تعالی کی طرف سے دعوت دینے اور ہدایت کرنے والوں سے خالی نہیں ہوسکتا، خواہ وہ کوئی نبی ہو یا اس کے قائم مقام نبی کی دعوت پھیلانے والا ہو جیسا کہ سورۂ یس میں نبی کی طرف سے کسی قوم کی طرف پہلے دو شخصوں کو دعوت و ہدایت کے لئے بھیجنے کا ذکر ہے، جو خود نبی نہیں تھے، اور پھر تیسرے آدمی کو ان کی تائید و نصرت کے لئے بھیجنا مذکور ہے، اس لئے اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندوستان میں بھی کوئی نبی و رسول پیدا ہوا ہو، البتہ دعوت رسول کے پہنچانے اور پھیلانے والے علماء کا کثرت سے یہاں آنا ثابت ہے، اور پھر یہاں بے شمار ایسے ہادیوں کا پیدا ہونا بھی ہر شخص کو معلوم ہے (معارف القرآن ۵/۱۷۶، سورۂ رعد)۔

گوتم بدھ کے بارے میں اسلامی تصور:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں، جس سے سوال کے نمبرے کو سمجھنا بالکل آسان ہو جاتا ہے، مولانا لکھتے ہیں:

''گوتم بدھ کی تعلیمات میں توحید کا عنصر بہت زیادہ ہے اور اللہ کی وحدانیت اور عمل صالح کی طرف بار بار دعوت دی گئی ہے، نیز پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بابت پیشن گوئی بھی آپ کے کلام میں پائی جاتی ہے، اس لئے بعض اہل علم کا خیال ہے کہ بدھ جی ممکن ہے کہ اپنے زمانے میں اللہ کے پیغمبر رہے ہوں، ایسا سوچنا یقینا بعید از قیاس نہیں، لیکن چونکہ قرآن و حدیث میں صراحۃً کہیں آپ کے پیغمبر ہونے کا ذکر نہیں، اس لئے صحیح نقطہ نظر یہی ہے کہ نہ ہم آپ کو نبی قرار دے سکتے ہیں اور نہ آپ کے ماننے والوں کو اہل کتاب، اور آپ کی شان میں بدگوئی بھی جائز نہیں، کیونکہ آپ کے نبی ہونے کا امکان تو ہے ہی، اس لئے کہ اللہ تعالی نے ہر قوم میں اپنے پیغمبروں کو بھیجا ہے، تو کسی قوم میں گوتم بدھ کا بہ حیثیت نبی آنا کوئی ناممکن نہیں، جب کہ ان کی تعلیمات میں ایسی باتیں بھی موجود ہیں جو آسمانی کتابوں میں آئی ہیں، پس حاصل یہ ہے کہ نہ گوتم بدھ کی نبوت کی تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ آپ کی تنقیص شان کرنا جائز ہے (بحوالہ کتاب الفتاوی ۱/ ۳۶۲)۔

خلاصہ کلام یہ کہ ہندوؤں کی وہ مذہبی کتابیں (ویدرامائن وغیرہ) جن کو وہ (اپنے گمان کے مطابق) خدائی تعلیمات کا مجموعہ قرار دیتے ہیں ان کو آسمانی کتاب سمجھنا اور یہ تصور کرنا کہ تورات اور انجیل کی طرح ان کے ماننے والوں نے آمیزش کردی ہیں؟ سراسر اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اور یہ غیر اسلامی سوچ اور نظریہ ہے، اگرچہ ہندو مذہب کی کتابوں میں خاص کر ویدوں میں توحید کی واضح تعلیمات موجود ہوں، آخرت کا تصور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشخبری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ احمد اور محمد کا اس میں ذکر ہی کیوں نہ ہو۔

لہذا ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کو الہامی کتاب یقینی تسلیم کرنا اور وہ لوگ جن شخصیتوں کو خدا کا اوتار مانتے ہیں ان کو اپنے عہد کا پیغمبر اور رسول خیال کرنا اور یہ کہ ان کے ماننے والوں نے عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح ان کے معاملے میں مبالغہ سے کام لیا ہوگا، اور ان کی کتابوں کو قرآن مجید کی بیشتر عقائد اور اخلاقی تعلیمات میں موافقت کی بناء پر الہامی کتاب تسلیم کرنا کسی طرح درست نہیں ہوگا، بلکہ اس موضوع کو حد سے زیادہ کریدنا اور اس کے لئے بے سروپا تاویل کرنا باعث گناہ ہوگا، جیسا کہ بیان القرآن میں مفسر تھانویؒ نے لکھا ہے۔

بعض حضرات کا یہ خیال کہ اگر ہندوؤں کو صابئین (یعنی نوح علیہ السلام کی قوم قرار دے دیا جائے ان لوگوں کے گمان کے مطابق) قرار دے دیا جائے، اور ان کی مذہبی کتابوں خصوصاً وید کو الہامی کتاب تسلیم کرلیا جائے تو اس طرح ہندوؤں کو ان کے اصل یاد دلا کر اسلام کی طرف لوٹنے کی دعوت دے کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنا آسان ہوگا، محض خام خیالی ہے اور اس میں بہت کچھ محمل نظر بھی ہے، اور یہ سوچ اور فکر ان حضرات کی خوش فہمی پر مبنی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہود و نصاری کو قرآن و سنت نے صاف طور پر اہل کتاب کہا اور ان کی کتابوں کے نام لے کر تصدیق کی اور انہیں ان کی اصل یاد دلائی، مگر اس کے باوجود وہ قریب نہ ہوئے خاص طور پر یہودیوں میں اور دوری آگئی اور نہ ان کی تیش زنی میں کمی آئی اس لئے یہ دلیل دینا کہ اس طرح برادران وطن کو ان کی اصل یاد دلا کر اسلام سے قریب کیا جاسکے گا، محض اسے ایک خیال یا خوش فہمی کے سوا اور کیا قرار دیا جاسکتا ہے؟ جس کا فائدہ تو کچھ نہیں ہوگا البتہ نقصان کا سو فیصد امکان ہی نہیں یقین ہے۔

ہنود کو (اصحاب) اہل کتاب قرار دینے کے لئے بے جا کوشش:

بعض اہل علم نے محض اس خیال کی بنیاد پر کہ اگر ہندوستان کے ہندوؤں کو "لکل قوم ھاد" کو دلیل بنا کر اہل کتاب قرار دے جائے تو اس طرح ان کو ان کا ماضی یاد دلا کر اسلام کی طرف لوٹنے کی دعوت دینا اور اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنا بہت کچھ آسان ہوگا، آج کے بہت مسلمان مقرر اور خطیب بھی اپنی تقریروں میں اس طرح کی بے جا تاویلات اور کھینچ تان کرتے ہیں اور اپنے کو اچار یہ قرار دیتے ہیں، ''رام جی'' کو ابراہیم علیہ السلام اور ''مہامنو'' کو نوح علیہ السلام قرار دیتے ہیں، نیز ایودھیا کو جودی پہاڑ کہتے ہیں اور یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی یہاں لنگر انداز ہوئی تھی، یہ تمام تحقیقات محل نظر ہیں، بلکہ ان مصنفین اور مقررین کی خوش فہمی معلوم ہوتی ہے۔

مولانا شمس نوید عثمانیؒ کی کتاب ''اگر اب بھی نہ جاگے تو......'' جب منظر عام پر آئی تو عوام وخواص میں یہ کتاب کافی مقبول ہوئی، لیکن جب اصحاب علم وتحقیق کی نظروں سے یہ کتاب گزری تو اس میں بہت سی ایسی خامیاں نکلیں کہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ ان پر تدارک ومحاکمہ نہیں کیا گیا تو مستقبل میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں گی، اور بہت سے مسلمات کا انکار لازم آئے گا اور کتنے مسلم عقیدوں پر زد پڑے گی۔

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب نے اس کتاب کا ناقدانہ مطالعہ فرمایا اور قابل گرفت چیزوں پر مثبت انداز میں تبصرہ فرمایا اگر چہ کہ عدیم الفرصتی کی بنا پر پوری کتاب پر تبصرہ اور نقد نہیں فرما سکے، صرف چند قابل نقد اجزاء پر گفتگو کی، مگر مولانا کے اس مختصر نقد سے اس کتاب کی حیثیت کا اندازہ کر لینا آسان ہو جاتا ہے۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''کتاب کا معتد بہ حصہ اس دعوت کے اثبات میں ہے کہ ''مہامنو'' ہی حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور ہندو قوم نوح ہے، لیکن جو کچھ بھی اس بارے میں پیش کیا گیا ہے وہ تمام غیر مصدق کتابوں سے ماخوذ اور قیاس پر مبنی ہے، اس لئے ان تفصیلات سے اگر وہ سب درست مان لی جائیں تو زیادہ سے زیادہ اس کا امکان واحتمال ثابت ہوتا ہے کہ مہامنو، نوح تھے اور ہندو قوم نوح ہے (یقین واعتقاد نہیں) حالانکہ متعین طور پر کسی شخص کو نبی ماننے کے لئے یقینی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ کسی شخص کا متعین طور پر نبی ہونا ''مومن بہ'' میں شامل ہے اور اعانیات کا اثبات دلائل قطعیہ سے ہوتا ہے، مجرد احادیث صحیحہ سے بھی نہیں ہوتا (یعنی جو درجہ تواتر یا شہرت کی نہ ہوں) ظاہر ہے کہ مصنف کے استدلالات کتب غیر مصدقہ پر مبنی قیاسات واحتمالات ہیں جو صحیح اخبار وآحاد کے درجہ کے تو کیا ہوتے، اضعاف (بلکہ منکر وموضوع) روایات کے درجہ کے بھی شکل قرار دیئے جا سکتے ہیں، پھر ان سے یہ عقیدہ کیوں کر ثابت ہو سکتا ہے کہ ''مہامنو'' نوح تھے، اگر کتاب کا ناواقف قاری، مصنف کے زور بیان سے مرعوب ہو کر ایسا اعتقاد کر لے تو وہ کلامی وفقہی اعتبار سے ضلال ہی کے زمرہ میں آنے کے لائق ہوگا، کتاب کا یہ پہلو وہ ہے جس پر بہت سنجیدگی سے توجہ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے اثرات بڑے خطرناک اور گمراہ کن ہو سکتے ہیں، ایسا ہی کچھ معاملہ ''وید'' کو آسمانی کتاب اور ہندوؤں کو (سابق زمانہ اور اپنی اصل کے لحاظ سے) اہل کتاب ماننے کا ہے، اس سے بھی زیادہ خطرناک نتائج کتاب میں مندرجہ ان تحقیقات سے نکل سکتے ہیں جن کی رو سے ایودھیا کا حرم، حقیقتاً احمد یا محمد کا رام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہندوستان آمد، ہندو مذہب سناتن دھرم کا اسلام، مکہ معظمہ مکتیشور، شیولنگ کا حجر اسود ہونا ثابت کیا گیا ہے، اگر چہ مصنف کا مقصد تو ہندوؤں کو اسلام اور شعائر اسلام نیز نبی سے عقیدہ قریب ثابت کرنا ہے، مگر تصویر کا دوسرا رخ بھی اگر سامنے ہو کہ اس سے ہندوؤں کے اس دعوی کو تقویت پہنچے گی کہ ''یہ تمام مقامات کعبہ، مکہ مکرمہ'' مجھ جو دو، اصلا ہندوؤں کے ہیں، لہذا انہیں واپس ملنے چاہئیں'' (متاع علم وفکر / ص ۳۸۰-۳۸۱)۔

اہل کتاب سے سماجی تعلقات کی شرعی حیثیت:

الف- عیسائی مشنریز کے اسکولوں میں مسلم بچوں کی تعلیم کا شرعی حکم: وہ (عیسائی مشنریز) کے اسکول جہاں اس بات کا قوی اور یقینی امکان ہو کہ وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد مسلم طلباء اور طالبات الحاد ودہریت کا شکار ہو جائیں گے اور ان کے ذہنوں میں اسلام کے تئیں شکوک وشبہات کے کانٹے جڑ پکڑ لیں گے اور وہ مسلمان صرف نام کے رہ جائیں گے، میری رائے میں ایسے اسکولوں اور اداروں میں مسلمان سرپرستوں کا اپنی اولاد کو

تعلیم دلانا شرعاً درست نہیں ہوگا، اور مسلمانوں کا اپنے علاقہ میں جہاں خاص طور پر ان کی اکثریت ہے ایسے اسکولوں کی حوصلہ افزائی کرنا اس کے لئے زمین فراہم کرنا خواہ قیمۃً ہو یا ہدیۃً ناجائز ہے، محض اس لئے کہ ان کے بچے عصری تعلیم سے آراستہ ہوجائیں اور ان کو روزگار کے مواقع حاصل ہوجائیں، مسلمانوں کو اس سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہئے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ فرمایا کرتے تھے اور اس راقم نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے کہ ''وہ تعلیم جس سے خدا بیزاری آئے الحاد اور دہریت آئے اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوں اس سے ہزار گنا بلکہ لاکھ گنا بہتر وہ جہالت ہے جس جہالت کے باوجود انسان توحید پرست رہے ان کے اندر خوف خدا رہے اور وہ اللہ کا مطیع وفرمانبردار رہے''۔

لہذا ایسے علاقوں میں مسلمانوں پر خاص طور پر اہل ثروت اور متمول حضرات پر ضروری ہے کہ وہ متبادل معیاری تعلیمی درسگاہوں کو قائم کریں اگر ایسا نہیں کریں گے تو وہ عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ ان حالات میں ایسے اداروں کے قیام پر زور دیا کرتے تھے، مولاناؒ نے تقریباً ۳۵ سال قبل مدھیہ پردیش میں ایک جلسہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''مانٹیسری اسکول، نرسری اسکول، منڈر گارڈن وغیرہ قسم کے مدارس نہایت ضروری ہوگئے ہیں، ہم مسلمانوں کو توجہ دلائیں گے کہ اب صرف کنویں بنانا اور صرف مسجد کے مقابلے میں مسجد بنانا صرف یہی ایک نیکی کا کام نہیں ہے، بلکہ بڑی نیکی کا کام یہ ہے کہ آپ اس نئی نسل کو بچائیں اور ایسے معیار اسکول قائم کریں جن کا انتظام، جن کے اساتذہ کی سطح یعنی کوالیفیکیشن، ان کا تجربہ کسی طرح سے دوسرے اسکولوں سے کم نہ ہو، جس کو دوسرے فرقوں نے قائم کیا ہوا ہے، بلکہ بہتر ہونا چاہئے، مسلمانوں کو ہر میدان میں سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہئے، اور پھر اس کا ڈسپلین، رکھ رکھاؤ، اس کی صفائی اور اس کا نظم ونسق وہ ہر طرح سے ایسا ہو کہ کھاتے پیتے لوگ اور جن کا معیار زندگی بلند ہے وہ اپنے بچوں کو وہاں بھیجنے میں ذرا بھی تامل نہ کریں، آپ سب جانتے ہیں کہ میں مدرسہ کا آدمی ہوں، اب بھی مدرسہ کا خادم ہوں اور عربی مدارس کی دعوت دیتا ہوں، لیکن اس کے ساتھ میں ہی آپ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ اب آپ زمانہ کو سمجھئے زمانہ کے تیور کو سمجھئے اور آپ ہر جگہ ایسے اسکول قائم کیجئے جہاں اچھے خوشحال اور تعلیم یافتہ لوگ اپنے بچوں کو بے تکلف بھیجیں، آپ یہ امید نہ رکھیں کہ سب عربی مدارس میں آجائیں گے، ہوجاتا تو بڑا اچھا ہوتا، لیکن ہر تمنا پوری نہیں ہوتی ہے، اس کا ہمیں لحاظ رکھنا چاہئے کہ ایسا نہیں ہوسکے گا، ان کے لئے ایسے اسکولوں کو قائم کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے کہ جہاں بقدر ضرورت دینیات سے واقفیت ہوجائے، نماز اور روزے کے پابند ہوجائیں، اردو پڑھ لکھ سکیں، اور اسلام کی خوبی کا نقش ان پر قائم ہوجائے، وہ اپنے مسلمان ہونے پر فخر کریں اور اس کی کوشش کریں کہ مسلمان رہیں اور پھر دوسرے یہ بھی ایک نظام ہی ہے کہ ان میں وہ نہ صرف یہ کہ ان کے برابر تیار ہوں جو غیر مسلم اسکولوں میں پڑھتے ہیں، بلکہ آپ کا تعلیمی نتیجہ ان سے بہتر ہونا چاہئے، آپ کے بچے جب وہاں جائیں چھٹی میں یا اوپر ہائی اسکول وغیرہ میں داخل ہوں تو وہ ان کے مقابلہ میں بہتر ہوں، اگر آپ اس میں کامیاب ہوئے تو بڑی خدمت انجام دیں گے، اور کبھی یہ نہ سمجھئے گا کہ آپ کوئی غلط کام کررہے ہیں، کوئی صاحب اگر آپ کو اس میں وسوسہ پیدا کردیں کہ میاں! کہاں کسی جھنجھٹ میں پڑے ہو، سیدھے سیدھے ایک سرائے بناؤ، جہاں مسافر ٹھہریں، یا کسی لنگر کا انتظام کرو، یا مسجد میں ایک اور منارہ بنادو، تو آپ کبھی ایسے آدمیوں کی بات میں نہ آیئے گا، ہم بھی دین کا تھوڑا بہت علم رکھتے ہیں، خدا کے فضل سے دینی مدارس ہی کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، اور بس چلے تو آپ سب بھی اس کے لئے مدد کریں اور اپیل کریں، لیکن آج جو کام کررہے ہیں اس کو ہم سراہتے ہیں، ہم اس کی قدر کرتے ہیں اور ہم خود اس کی ضرورت سمجھتے ہیں'' (بحوالہ تحفہ انسانیت یا حدیث مالوہ)۔

ب- کتابیہ عورت اگر مسلمان کی زوجیت میں ہو تو اس کے حقوق کیا ہوں گے؟

کتابیہ عورت اگر کسی مسلمان کی زوجیت میں ہو تو اس کے بھی (نان ونفقہ اور سکنی) وہی حقوق ہوں گے جو مسلمان بیویوں کے ہیں اس میں مسلمان بیوی اور کتابیہ میں کوئی فرق نہیں، مجموعہ قوانین دفعہ (۱۶۳) میں لکھا ہے:

''بیوی کا نفقہ نکاح کے نتیجے میں واجب ہوجاتا ہے، اس لئے بیوی مسلمان ہو یا کتابیہ، امیر ہو یا غریب، تندرست ہو یا بیمار، اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے

"تجب النفقة للزوجة (كنز) اطلق في الزوجة فشمل المسلمة والكافرة الغنية والفقيرة" (البحر الرائق: باب النفقة، مجموعہ قوانین اسلامی / ص ۱۲۷-۱۲۸)۔

کتابیہ عورت سے نکاح کرنے کے بعد محض ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنے اور ان کو چھوڑ کر بھاگ آنے یا محض غیر مسلم ہونے کی بنیاد پر طلاق دے دینے کی اجازت میری نظر میں شریعت کے مزاج کو دیکھتے ہوئے مناسب نہیں معلوم ہوتا اس لئے اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی ہوسکتی ہے اور غیروں تک غلط پیغام جاسکتا ہے، ممکن ہے لڑکی والے عادلتی چارہ جوئی کریں اور اس بہانے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کریں، اور یہ ایک طرح سے وعدہ خلافی بھی ہے اور اسلام وفائے عہد کی بھرپور تلقین کرتا ہے، بلکہ ایسے شوہروں کو تو اپنے اخلاق و کردار کو اتنا اعلیٰ بنانا چاہئے کہ وہ بیوی ان سے متاثر ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوجائے اور ہمہ وقت ان کے قبول اسلام کے لئے دعا بھی کرتا رہے۔

ہاں اگر اس کتابیہ بیوی سے ان کو اور ان کی اولاد کو ایمان اور عقیدے کے بگڑ جانے کا خطرہ ہو اور یہ خطرہ یقینی ہو، نیز یہ اندیشہ ہو کہ یہ عورت ان کی اولاد کو عیسائی بنا دے گی تو پھر اس صورت میں "الإسلام يعلو ولا يعلى عليه" کو سامنے رکھتے ہوئے ایسی عورت سے راہ نجات حاصل کرنا اور ان کو چھوڑ کر اور طلاق دے کر اپنی اولاد کو ساتھ لے کر اپنے سابقہ ملک آجانا یہ عین اسلامی طریقہ اور راستہ ہوگا اس میں کسی طرح کی کوئی کراہت نہیں ہونی چاہئے، اسی بنا اور خدشہ پر تو حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی کتابیہ بیوی کو طلاق دے دیں، اور اس کی متعدد مثالیں بھی کتب تاریخ میں موجود ہیں جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

کیا کتابیہ عورت اپنے شوہر کے گھر مذہبی مراسم انجام دے سکتی ہے؟

وہ اہل کتاب خواتین جو مسلمان مردوں کے نکاح میں ہیں وہ اپنے شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام دے سکتی ہیں، مذہبی مراسم کی ادائیگی کے لئے وہ کنیسہ نہیں جاسکتی ہے، اگر شوہر سے اس کے لئے اجازت لے اور شوہر اجازت دے دے تو جانے کی گنجائش ہے، کتابیہ عورت اپنے مذہبی مراسم کو صرف اس حد تک انجام دے سکتی ہے جس سے کہ ان کی اولاد پر عیسائیت اور یہودیت کا رنگ نہ چڑھنے پائے اور وہ اپنے شوہر کے گھر میں صلیب اور مجسمہ نہیں لگا سکتی ہے اور نہ ہی ناقوس بجا سکتی ہے اور نہ ہی کرسمس ڈے، عیسیٰ علیہ السلام کا یوم ولادت وغیرہ منا سکتی ہے، اگر کتابیہ عورت اپنے مسلمان شوہر کے گھر میں ان مذکورہ چیزوں سے ہٹ کر اپنے مذہبی مراسم ادا کرتی ہیں تو اس کے شوہر کو حق نہیں ہے کہ وہ ان کو اس سے منع کرے اور اسی طرح شوہر کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس کو اسلام لانے پر مجبور کرے کیونکہ قرآن صاف کہتا ہے کہ "لا إكراه في الدين" (آل عمران: ۲۵۶)، البتہ حکمت اور ترغیب کے ذریعہ وہ اس کو اسلام سے قریب تر کرتا ہے تو اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں ہے، بلکہ یہ کار خیر و الافضل ہوگا۔

اب اخیر میں اس مسئلہ پر ایک عرب عالم دین و مفتی کا فتویٰ نقل کرتے ہیں اور ساتھ ہی استفتا بھی تاکہ اس مسئلہ کی اچھی طرح وضاحت ہوجائے اور مسئلہ کا مالہ وما علیہ بالکل سامنے آجائے:

سوال: "لما ذا لايسمح للفتاة الكاثوليكية المتزوجة من مسلم الإحتفال بأعيادها الدينية؟ مع أنها متزوجة من مسلم وهي باقية على عقيدتها هل يمكنها أن تتعبد حسب إعتقادها؟"۔

جواب: "اذا رضيت الفتاة النصرانية بالزواج من مسلك، فانه ينبغي أن يتعلم أمورا:

۱) أن الزوجة مأمورة بطاعة زوجها، في غير المعصية، لافرق في ذلك بين الزوجة المسلمة وغيرها. فاذا امرها زوجها بغير معصية لزمها طاعتها، وقد جعل الله هذا الحق للرجل، لأنه قوام في الأسرة ومسئول عنها، ولا يستقيم الحياة الأسرية إلا بأن تكون هناك كلمة مسموعة مطاعة من فرد من أفرادها. لكن هذا لايعني أن يتسلط الرجل ويستغل هذا الحق للإساءة إلى زوجته وأولاده، بل يجتهد في الصلاح والإصلاح والنصح والتشاور، لكن لاتخلو الحياة من مواقف تحتاج إلى حسم وكلمة فاصلة، لابدمنها، ومن الإستجابة لها. فينبغي

للفتاة النصرانية أن تفقهم هذا المبدأ قبل اقدامها على الزواج من مسلم

إن إباحة الإسلام الزواج من نصرانية أو يهودية يعني الزواج بها مع بقاءها على دينها فليس للزوج أن يكرهها على الإسلام وأن لايمنع من عبادتها الخاصة بها، لكن له الحق في منعها من الخروج من المنزل، ولو كان خروجها للكنيسة، لأنها مأمورة بطاعة، وله الحق في منعها من اعلان المنكر في المنزل، كنصب التماثيل، وضرب الناقوس، ومن ذلك: الإحتفال بالأعياد المتبدعة، كعيد قيامة المسيح، لأن ذلك منكر في الإسلام، من جهتين: من جهة كونه بدعة لا أصل لها، مثله الإحتفال بمولد الرسول ﷺ أو بعيد الأم، ومن جهة ما يتضمنه من الإعتقاد الفاسد من أن المسيح قتل وصلب وأدخل القبر ثم قام منه، والحق أن عيسى عليه السلام لم يقتل ولم يصلب وانما رفع إلى السماء حيًا" (النظرى السوال ۱۰۲۷۷۳۱۴۸)۔

ج - عیسائی رفاہی اداروں میں مسلمانوں کی ملازمت:

عیسائی مشنریز کے وہ ادارے (مثلاً اسپتال، ہاسٹل، بینک وغیرہ) جو خدمت خلق کے ساتھ عیسائیت کی منصوبہ بند تبلیغ کرتے ہیں یا کم از کم مسلمانوں کو ان کے مذہب سے دور کر دینے میں اہل کردار ادا کرتے ہیں ایسے اداروں میں مسلمانوں کا بحیثیت ملازم اور کارکن خدمت کرنا اور تنخواہ لینا ازروئے شرع جائز نہ ہوگا، اور نہ ہی بلا شدید مجبوری اور ضرورت کے ان اداروں سے استفادہ کرنا جائز ہوگا، کیونکہ یہ عمل دراصل عیسائیت کے فروغ کا ذریعہ ہوگا، اور یہ "تعاونوا علی البر والتقوی" کے برعکس "تعاونوا علی الاثم والعدوان" کے مترادف ہوگا۔

البتہ الضرورات تبیح المحظورات کے قاعدہ کو سامنے رکھتے ہوئے، نیز المشقۃ تجلب التیسیر کے ضابطے کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ایسے شخص کے لئے جو معاشی اعتبار سے بالکل مفلوج ہو کوئی دوسری ملازمت اور ذریعہ معاش حاصل نہ ہو اور ایسے اداروں میں ملازمت ترک کر دے تو فاقہ کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں وہ اس میں ملازمت کرے، لیکن اس ملازمت سے دل میں کراہت محسوس کرے اور جب تک متبادل نہ ہو جائے ایک مجبوری کے بطور اسے کرتا رہے، اس لئے کہ اگر وہ اس ادارہ کی ملازمت ترک کرے گا اور کوئی دوسری صورت سامنے نہ ہوگی تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ فقر و فاقہ اور افلاس ان کو کسی اور گناہ میں مبتلا کر دے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ "والفقر أن یکون کفرا" لیکن یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ رعایت صرف ان لوگوں کے لئے ہوگی جو اقتصادی اعتبار سے بالکل مجبور و بے بس ہوں نہ یہ کہ تعیش اور راحت طلبی اس ملازمت سے مقصود ہو۔

جہاں تک مسلمانوں کا ان اداروں سے استفادہ کرنے کا سوال ہے تو بلا شدید مجبوری اور ضرورت کے عیسائی مشنریز کے ہاسپٹل اور بینکوں سے فائدہ اٹھانا مسلمان کے لئے جائز نہ ہوگا، کیونکہ یہ خطرہ بہر حال ہے کہ کہیں مادیت کا لالچ دلا کر وہ عیسائیت کی طرف راغب نہ کرے، اور مسلمانوں کو اسلام سے دور کر کے برائے نام کا مسلمان نہ چھوڑے۔

ایسے علاقوں میں وہاں صاحب ثروت مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ مسلمانوں کے لئے رفاہی طبی اور مالیاتی ادارے قائم کریں اور اس کے لئے وہاں کے مسلمان سر جوڑ کر بیٹھیں، یا ایسے علاقوں کے مسلمان ان کی مدد کریں تا کہ وہ اپنا علاج و معالجہ کرا سکیں، اور کوئی ذریعہ معاش تجارت کی شکل میں نکالی جا سکے۔



موجودہ دور کے اہل کتاب کے احکام

مفتی صادق محمد پٹیل دیلوی [1]

اس وقت دنیا میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں، ان لوگوں میں بعض قومیں اپنے ''کتاب والا'' کہتی ہیں، آسمانی کتاب والوں میں کون لوگ ہیں اور کون نہیں ہیں، اس کا امتیاز قرآن کریم میں ان الفاظ میں ہی: اہل کتاب سے مراد لغت میں کتاب والے ہیں، نیز قرآن مجید کی اصطلاح میں یہود ونصاریٰ ہیں:

"هذا كتاب أنزلناه مبارك فاتبعوه ..إنما انزل الكتاب على طائفتين من قبلنا. وإن كنا عن دراستهم للغافلين" (سورۂ انعام: ۱۵۶، ۱۵۷) (یہ کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، برکت والی ہے، بس اس کی پیروی کرو، اور پرہیزگاری کا شیوا اختیار کرو عجیب نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے، ہم نے اس کتاب...... تم یہ کہو کہ صرف دو جماعتوں، یعنی یہود ونصاریٰ پر کتاب نازل کیا)۔

قرآن کریم میں اہل کتاب کی حیثیت سے یہود اور نصاریٰ اور صابئین کا ذکر ہے، یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والوں کو کہتے ہیں یہ معروف ہیں صابئین عربی لفظ ہے، یہ صابیٔ اسم فاعل کی جمع ہے، حالت نصبی میں...... ہے، اکثر مفسرین کے نزدیک مہموز الام ہے، باب فتح سے ہے صأ یصب، اور مصدر صبا ہے، جس کا معنی خروج کے ہے، عرب لوگ اس وقت بولتے ہیں جس وقت ایک دین سے نکل کر دوسرے دین کی طرف مائل ہو جائے۔

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ ''أصله الخروج يقال صبأ فلان أى خرج من دين إلى دين أخر وصبأناب اليعير اذا خرج'' (معالم التنزيل)۔

اکثر مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ صابئین قدیم ترین فرقہ ہے جو ملت ابراہیم کے متبعین ہے، صاحب جلیلینؒ نے یہود اور نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے طائفة من اليهود والنصارى مقصد یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ سے نکل کر ستارہ پرست ہو گئے اس لئے اصل فرقہ بے دین ہے، علامہ بغویؒ تحریر کرتے ہیں کہ "فهؤلاء سموا به لخروجهم من دين إلى دين"، ان لوگوں کو صابئین اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایک دین سے نکل کر دوسرے دین کی طرف مائل ہوئے، ان کی صحیح کیفیت اور ابتداء کسی کو معلوم نہیں ہے، مفسرین کے اقوال میں اضطراب ہے، تاہم ان کے عقیدہ میں اللہ...... ہے، اور انسان خاص مادی اس لئے انسان کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں، بجز اس کے مظاہر قدرت چنانچہ بعض نے سورج، چاند، ستاروں کو پرستش کا شعار بنالیا اور بعض نے بتوں کو قدرت مظہر سمجھ لیا ان کی پرستش شروع کردی یونان زہرہ سورج کے نام کے مندر بنے ہوئے ہیں، آگے چل کر ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے بت پرست بھی انہی کی شاخیں ہو گئیں گو کسی نے ان کو یہودی کسی نے نصرانی کسی نے مجوسی سمجھا ہے اس طرح یہ گروہ دنیا کے مختلف ملکوں میں پایا جاتا ہے۔

آج کل مغربی ملکوں میں یہودی اور نصاریٰ کی جڑیں تعداد جو خدا کے وجود ہی کے منکر ہے اور دہریہ قسم میں ان کا شمار ہے، ان کا ذبیحہ اور ان سے نکاح درست نہیں ہے، اسی طرح خدا تعالیٰ کو مانتے ہیں ان کا معاملہ اہل کتاب کی طرح نہیں کیا جائے گا، احتیاطا، مگر آج کل اسلامی ملکوں میں رات دن کفریہ کلمہ بکنے والوں کے ذبیحہ باوجود مسلم ملکوں میں بارروں کے گوشتوں کو حلال قرار دیا جاتا ہے صرف اس بنا پر کہ مسلمانوں کا ملک ہے جب تک ذابح کا غیر مسلم ہونے کی قطعی دلیل نہ ہو یہی سمجھا جائے گا یہ کسی صحیح العقیدہ مسلمان کا ذبیحہ ہے اسی طرح اہل کتاب کہ بارے میں تسلیم

[1] دار العلوم حسنیہ، مانگرول، گجرات۔

کرلیا جائے اس میں بہت سے لوگ دہریہ ہوگئے تو سب کا حال ایسا نہیں ہے، جیسا اسلامی ملک میں ذبیحہ ناجائز قرار نہیں دیا جاتا ہے ایسے اہل کتاب کے ملکوں کا ذبیحہ ناجائز نہیں قرار دیا جائے گا، فقہ کی کتابوں میں موجود ہے اہل کتاب ذبیحہ لے کر آئے تو اس کا ذبیحہ کھانا حلال ہے اسی طرح مسلمان کے سامنے ذبح کرے اور بسم اللہ اللہ اکبر نہ سنا گیا تو اس کا ذبیحہ حلال ہے، البتہ یہودی یا نصرانی (اہل کتاب) نے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا تو اس کا کھانا حرام ہے۔

”قال فی التنویر وشرط کون الذابح مسلما حلالا خارج الحرم ان کان عیدا أو کتابیا ذمیا أو حربیا، وقال الإمام الحصکفی إلا إذا سمع عند الذبح ذکر المسیح“ (۲۰۵/۵...)۔

”وفی الشرح الطحاوی: وذبیحة أهل الکتاب إذا أتی بها مذبوحة وإن ذبح بین یدیك، فإن سمی اللہ تعالی لا بأس بأکلها، وکذا لم یسمع منه شئ، وإن سمی باسم المسیح وسمع عنه فلا یؤکل“ (تکملہ البحر ۸/۱۶۱)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب ملکوں میں سے آئے ہوئے گوشت کھانے کی گنجائش ہے اگر چہ احتیاط نہ کھانے میں ہے۔

اس زمانے میں اکثر یہود ونصاری مذہبی حیثیت سے دہریہ ہیں ایسے کے نکاح کا جواز کا حکم نہیں ہے، وقت کے بدلنے کے ساتھ ساتھ امت میں ایسے گروہ اور جماعتیں مذہب کے نام سے شروع ہوئی جیسے سکھ، بابی، قادیانی، بہائی وہ لوگ نبی اکریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور قرآن کو اللہ کی کتاب کے ساتھ ساتھ دوسری الہامی کتاب کے دعویدار ہیں تو ان کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ یہ کافر ہے۔ ان کو اہل کتاب میں شمار کرنے والوں کے لئے قرآن آخری آسمانی کتاب اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہونے میں شک لگ رہا ہے، ایسے لوگوں کو توبہ واجب ہے، یہ قرآن آخری کتاب ہے اس کے ذریعہ ساری کتابیں منسوخ ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہاں سکھ، بابی اور قادیانی کافر ہیں اور قادیانی کی نسل اگر منصوص علیہ عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتی ہے تو وہ بھی کافر ہے۔

آج کل مسلم ممالک میں یہود اور نصاری لڑکی سے نکاح کرنے والے مسلمان حکمرانوں کمانڈروں اور اعلی سرکاری عہدیداروں کی وجہ عالم اسلام میں غیر معمولی فوجی سیاسی اور معاشی نقصان پہنچا ہے، ان حالات میں اہل کتاب سے نکاح کرنا مکروہ ہے، اگر عیسائی یا یہودی مذہب کے منکر ہو کسی کتاب اور دین کے قائل نہ ہو نہ ان کے پاس آسمانی کتاب ہے ان کا حکم اول کتاب کا نہیں ہے، اس سے نکاح جائز نہیں ہے، اور اس طرح اس کا ذبیحہ بھی جائز نہیں ہے، عیسائی اور یہودی حضرت عیسیٰ اور عزیر کو معبود نہ مانتے ہوں ورنہ مشرک ہے اس سے نکاح جائز نہیں ہے۔

”(وصح نکاح کتابیة) وإن کره تنزیها مأمتن بنبی مرسل مقرة بکتاب منزل وإن اعتقدوا المسیح إلها، وکذا ذبیحتهم علی المذاهب“ (درمختار)۔

”ففی الفتح: ویجوز تزوج الکتابیات والأولی أن لا یفعل ولا یأکل ذبیحتهم إلا بلاضرورة“ ()۔

مغربی ممالک میں مجاز ہم آہنگی اور ویزہ کی سہولت کی بنیاد پر لوگ یہود ونصاری عورتوں سے نکاح کرتے ہیں اور ان عورتوں کو دینی ماحول ملنے کی وجہ سے ایمان میں پختگی آتی ہے ان کے سماج کو دینی دعوت دینے کا موقع فراہم ہوتا ہے ان سے فتنہ کے دروازہ بند ہونے کی وجہ سے کراہت باقی نہیں رہتی ہے کیونکہ یہ دعوت الی اللہ کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

”ویجوز تزوج الکتابیة والأولی أن لا یفعل ولا یأکل ذبیحتهم إلا للضرورة وتکره الکتابیة الحربیة إجماعا لانفتاح باب الفتنة من إمکان التعلیق المستوق للمر... معها فی دار الحرب“۔

مذکورہ عبادت سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب سے نکاح کے ممنوع ہونے کی علت فتنوں کے دروازہ ہے اگر وہ دروازہ صحیح دینی ماحول ملنے کی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں تو وہ کراہت رہتی نہیں ہے دار الکفر میں دین اسلام کے فروغ میں رکاوٹ نہ ہو تو یہ مکروہات نہیں رہتا ہے۔

دنیا میں ہر ملک میں بڑے لوگوں کے احوال اچھے ملتے ہیں، ان کی تعلیمات فطرت کے مطابق ہوتی ہے، بعد میں لوگوں نے اس میں تحریف کردی جیسے حضرت عیسیٰ کی تعلیمات لوگوں نے تبدیل کردی ایسے ہندوستان اور دنیا کے بہت سے ملکوں میں اوتاری لوگ مانتے ہیں اور ان کی تعلیم کو

لوگوں نے تبدیل کردیا، قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں ان کا نبی ہونا ثابت نہیں ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء انسانوں کی ہدایت کے لئے آئے۔

"عن أبي أمامة باهلي قال: قلت: يارسول الله! كم وفي عدة الأنبياء قال مائة الف وأربعة وعشرون ألفا الرسول من ذلك ثلث مئة وخمسة عشر جما غير" (مسند احمد ۳۹/۶۱۹)۔

قرآن کریم میں ہے کہ ہر قوم میں نبی ان کی زبان میں بھیجا گیا "وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه" (ابراہیم: ۴)۔

اب قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں غور کرنے سے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان میں انبیاء کی بعثت ہوئی یا نہیں، اس سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ ان کی تعلیم میں ہمدردی اور اخلاق کی تعلیم ہے، سابقہ امم کی طرح ان کی تعلیم بھی لوگوں نے بدل دیا ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ بھی نبی ہوں، لیکن یقینی طور پر ان کی نبوت کا ثبوت نہیں ہے۔

۸- اہل کتاب سے متعلق خاص دو باتیں ہیں: اس ملک میں اور دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی عیسائی مشنری تعلیمی خصوصی توجہ دیتی رہی اور ملک میں اسکولوں کی جال بچھائی جاتی ہے ان تعلیمات کے ذریعہ طلبہ میں دہریت پھیلائی جارہی ہے مسلمان بچوں کو شکوک میں ڈالا جاتا ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان عیسائی اسکولوں میں تعلیم لینے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا متبادل معیاری درسگاہوں کی قیام پر توجہ دے، اس مسئلہ میں حقیقی بات یہ ہے کہ یہ کفریہ اور شرکیہ تعلیم ہے اور بچوں کے ایمان جانے کا خطرہ ہے، اس لئے عیسائی اسکولوں اپنے بچوں کو بھیجنا یہ درحقیقت اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت کو تقویت اور ترجیح دینا لازم آتا ہے، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے مدارس میں اپنے بچوں کو برائے تعلیم نہ بھیجا کریں تاکہ آیت "ولا تقعد بعد الذكر مع القوم الظالمين" (انعام: ۶۸) اور آیت "ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار" (ہود: ۱۱۳) اور آیت "ولا تعاونوا على الاثم والعدوان" (سورۂ مائدہ: ۲) کی خلاف ورزی کا بار مسلمان بچوں کے والدین یا سرپرست پر عائد ہوگا، اس لئے معیاری تعلیم اسلامی ماحول میں دینے کی صورتیں پیدا کرے اور عیسائی اسکولوں میں بچوں کو بھیجنے سے احتراز کریں۔

اہل کتاب خاتون سے نکاح کیا جائے تو اب دو حال سے خالی نہیں ہے اگر وہ عورت دہریت اور مشرکانہ عقائد کی حامل ہے تو اس سے نکاح ہوا ہی نہیں اور وہ صحیح العقائد عورت ہے تو اس سے حقیقی مسلمان عورت کے جو حقوق ہیں وہی حقوق کتابیہ خواتین کے بھی ہیں، "إن أموالهم كاموالنا" منصوص علیہ ہے جزء بول کر کل مراد لیا ہے "صلوا كما رأيتموني"۔ اصلی کی طرح پوری شریعت کا حکم دیا گیا ہے، اس طرح اہل کتاب کے ساتھ نکاح کرنے سے ان کا حقوق ادا کریں اگر ان کے حقوق کی پامالی سے آخرت میں مواخذہ ہوگا، نکاح والی اہل کتاب میں سے عورت ہو تو بھی ان کو طلاق دے کر فرار ہونے کی اجازت نہیں ہے، اللہ تعالی کے نزدیک حلال کاموں میں ناپسندیدہ کام طلاق ہے، وہ مطلق ہے، اس میں مسلمان عورت اور اہل کتاب عورت دونوں داخل ہے۔

جو خواتین اہل کتاب میں سے مسلمان سے نکاح کرلے وہ مذہبی مراسم ادا کرنے کے بارے میں دو چیزیں ہیں: ایک اگر وہ مذہب کے نام پر دہریت کے عقائد کی نشر واشاعت کا ذریعہ بنے وہ جائز نہیں ہے دوسرے اگر ان سے دہریت اور مشرکانہ عقائد نہیں، بلکہ عمدہ اخلاق اور عمدہ تعلیم حاصل کرنے سے متعلق ہو تو وہ جائز ہے، لیکن مسلمان مردوں کو ان کے مذہب کے مراسم کے بجائے گھروں میں دینی تعلیم دے دے اور گھروں میں ایمانی ماحول بنانے کی کوشش کرے۔

ان کے اداروں کے ذریعہ عیسائیت کی تعلیم کی فروغ ہوتی ہے تو ان اداروں میں خدمت انجام دینا اسلام کے مٹانے کے مراد ہے، احتراز ضروری ہے۔



ادیان باطلہ مثلاً بہائی، سکھ اور قادیانی کے احکام

مولانا محمد سمیر قاسمی[۱]

علامہ تفتازانی نے "شرح المقاصد" میں اہل کتاب کی جو تعریف کی ہے وہ ان حضرات پر صادق نہیں آتی، چنانچہ اہل کتاب کی تعریف یہ ہے:

"وإن كان متدينا ببعض الأديان والكتب المنسوخة خص باسم الكتابي"

البتہ کفر کی اقسام مختلفہ میں سے کفر زندقہ کی تعریف ان حضرات پر صادق آتی ہے۔

کفر زندقہ کی تعریف یہ ہے: "وإن كان مع اعترافه بنبوة النبي ﷺ وإظهاره شعائر الإسلام ببطن عقائد هي كفر بالاتفاق خص باسم الزندقة"، اور اگر گروہ حضور ﷺ کی نبوت کا قائل ہونے اور اسلامی شعائر کا اظہار کرنے کے باوجود ایسے عقائد کو چھپاتا ہے جو بالاتفاق کفر ہیں تو ایسے شخص کا نام زندیق ہے (شرح المقاصد ۲/ ۲۶۹)۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: "قلت: والزنديق من يحرف في معاني الالفاظ، مع إلقاء الالفاظ الاسلام كهذا اللعين في القاديان، يدعي أنه يؤمن بختم النبوة، ثم يخترع له معنى من عنده يصلح له بعد الختم دليلا فتح باب النبوة، فهذا هو الزندقة حقا أي التخيير في المصاديق، وتبديل المعاني على خلاف ما عرفت عند أهل الشرع، وصرفها إلى أهوائه مع إلقاء اللفظ على ظاهره والعياذ بالله" (فيض الباري ۲/ ۴۷۲)۔

نسلی قادیانیوں کا شمار اہل کتاب میں ہوگا؟

مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ اپنے رسالہ "قادیانی ذبیحہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ مرتد والدین کی صلبی اولاد بھی والدین کے تابع ہونے کے بعد ان کو بھی اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، لیکن اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو اس کو قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ حبس وضرب کی سزا دی جائے گی، البتہ تیسری پشت میں مرتد کی اولاد پر مرتد کے احکام جاری نہیں ہوتے ہیں، بلکہ کافر اصلی کے احکام جاری ہوتے ہیں، چنانچہ درمختار میں ہے:

"زوجان ارتداوالحقا بدار الحرب فولدت المرتدة والداوولد له أي لذلك المولود ولد فظهر عليهم جميعا فالولدان فئ كاصلهما والولد الأول يجبر بالضرب الحبس (نهر) على الإسلام، وإن حبلت منه ثمة لتبعية لأبويه لا الثاني لعدم تبعيته الجد على الظاهر، فحكمه حكم الحربي" (شامي مع درمختار/ ص ۴۵۶)۔

میاں بیوی مرتد ہو کر دارالحرب چلے گئے وہاں بیوی نے بچے جنا اور آگے اس لڑکے کے لڑکا ہوا پھر یہ سب جہاد میں مسلمانوں کے قابو میں آ گئے تو مرتد جوڑے کی طرح ان کا بیٹا اور پوتا بھی مال غنیمت ہیں، ان کے بیٹے کو تو ضرب وحبس کے ذریعہ اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا خواہ وہ دارالحرب میں حاملہ ہوئی تھی اپنے والدین کے تابع ہونے کی وجہ سے، مگر پوتے کو مجبور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ظاہر روایت کے مطابق پوتا کے تابع نہیں ہوتا اس کا حکم عام حربی کافر کا حکم ہے۔

اور جب یہ معلوم ہو چکا کہ تیسری پشت میں جا کر مرتد کی اولاد کا حکم عام کافروں کا ہو جاتا ہے تو دیکھنا یہ ہوگا کہ اس نے کون سا دین اختیار کیا ہے، پس اگر مرتد نے اہل کتاب کا مذہب اختیار کر لیا تھا تو تیسری پشت میں جا کر اس کی اولاد کا حکم اہل کتاب کا ہوگا اور اگر اس نے ہندوؤں، سکھوں اور

---

[۱] مدرسہ انعام العلوم، سردار نگر، مالیگاؤں، ناسک، مہاراشٹرا۔

مجوسیوں کا مذہب اختیار کرلیا تھا تو تیسری پشت میں جا کر اس کی اولاد بھی ہندو، یا سکھ یا مجوسی شمار ہوگی، اور اگر اس نے مذاہب معروفہ میں سے کوئی مذہب اختیار نہیں کیا، بلکہ یا تو لا مذہب اور دہریہ بن گیا یا اس نے کوئی نیا مذہب ایجاد کرلیا تو بھی نہ ان کا ذبیحہ حلال ہوگا اور نہ ان سے نکاح درست ہوگا (مستفاد از قادیانی ذبیحہ)۔

الف- دار الاسلام میں اہل کتاب خواتین سے نکاح کا حکم؟

اہل کتاب عورتوں سے نکاح اگرچہ جائز و مباح ہے، لیکن ان سے نکاح کرنے میں انفرادی اور اجتماعی اور دینی وسیاسی مفاسد وخرابیاں پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہے اس بناء پر ان سے نکاح نہ کرنا بہتر ہے، نیز یہ قابل لحاظ ہے کہ کسی چیز کے جائز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں فی نفسہ حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں، لیکن خارجی حالات اور اثرات ایسے ہوں کہ اس ایک حلال اور جائز طریقے سے فائدہ اٹھانے میں بہت سے مفاسد اور محرمات کا ارتکاب کرنا پڑتا ہو، بلکہ کفر میں مبتلا ہونے کا قوی احتمال ہو تو ایسے حلال اور جائز سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں دی جائے گی (مستفاد از فوائد عثمانی / ص ۱۴۲)۔

نیز بلاد اسلامیہ میں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنے میں ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ اہل کتاب عورتوں کے حسن و جمال کی وجہ سے مسلمانوں میں ان سے نکاح کا سلسلہ چل پڑے گا، اور مسلمان عورتیں بلا نکاح کے رہ جائیں گے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ کو اسی مفسدہ کی وجہ سے طلاق دینے کا حکم فرمایا تھا، اس واقعہ کو امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں اس طرح نقل کیا ہے:

''عن حذيفة بن اليمان أنه تزوج يهودية بالمدائن فكتب إليه عمر بن الخطاب: أن خل سبيلها فكتب اليه: أحرام هي يا امير المؤمنين؟ فكتب إليه أعزم اليك أن لاتضع كتابي حتى تخلي سبيلها، فإني أخاف أن يقتديك المسلمون فيكتاروا نساء أهل الذمة لجمالهن، وكفى بذلك فتنة نساء المسلمين'' (كتاب الآثار ۱/ ۲۳۵)۔

مذکورہ بالا اثر کو نقل کرکے امام محمدؒ فرماتے ہیں:

''وبه نأخذ: لانراه حراما، ولكن نرى أن يختار عليهن نساء المسلمين وهو قول ابي حنيفة'' (ايضا)۔

ڈاکٹر محمد فوزی فیض اللہ مذکورہ بالا اثر کو نقل فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''ويبد من كلام سيدنا عمر أن زواج الكتابيات مكروه خشية الفتنة على الفتيات المسلمات، كلما برع الرجال الى الزواج من الكتابيات الجميلات، فتنعقد حياتهن أو يصبن بالنعنس، فيبتئسن في الحياة أو تبتئس الحياة بهن، وكفى بذلك أذى وضررا بهن'' (الزواج وموجباته في الشريعة والقانون / ص ۸۶)۔

علامہ ابن تیمیہ نے بھی امام احمد اور اکثر علماء سے مسلم عورت کے ہوتے ہوئے کتابیہ سے نکاح کے مکروہ ہونے کو نقل کیا ہے:

''قال الشيخ الاسلام ابن تيميه: ويكره نكاح الحرائر الكتابيات مع وجود الحرائر المسلمات قال له القاضي... القاضي ابو يعلى الحنبلي وأكثر العلماء كما يكره أن يجعل أهل الكتاب ذباحين مع كثرة ذباحين مسلمين ولكن لايحرم'' (الجامع في فقه الاسلامي بحواله الاختيارات الفقيه من فتاوى شيخ الاسلام ابن تيميه ۷/ ۲۰)۔

نیز فقہ السنہ کی عبارت تو اس بارے میں بالکل صریح ہے کہ فتنہ کے خوف کے وقت دار الاسلام میں بھی کتابیہ سے نکاح مکروہ ہے۔

''والزواج بهن... وإن كان جائزا... الا أنه مكروه؛ لأنه لايؤمن أن يميل إليها فتفتنه عن الدين أو يتولى أهل دينها فإن كانت حربية فالكراهية أشد، لأنه يكثر سواد أهل الحرب'' (فقه السنه ۲/ ۱۰۱)۔

ب- دعوتی نقطہ نظر سے جب کہ اہل کتاب کے اسلام میں داخل ہونے کی امید ہو تو تب بھی دار الحرب میں نکاح کی کراہت باقی رہے گی؟

بدائع الصنائع کی عبارت سے تو یہی مترشح ہوتا ہے کہ کتابیہ سے نکاح کی حلت ومشروعیت کی حکمت ہی یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے ان حضرات کے اسلام میں آنے کی راہیں آسان ہو۔

''أنه جوز الكتابية لرجاء اسلامها، لأنه آمنت بكتب الأنبياء ورسله في الجملة... والزواج يدعوها إلى الإسلام

وبنيها إلى حقيقة الأمر فكان فى نكاح المسلم إياها رجاء إسلامها، فجاز نكاحها، لهذه العاقبة الحميدة" (بدائع الصنائع ۲/ ۳۵۹، دار الكتب العلميه بيروت)۔

مگر کتابی عورتوں سے نکاح کے سلسلہ میں اب صورتحال بدل گئی ہے خاص طور پر غیر مسلم ممالک (یورپ، امریکہ) وغیرہ میں عورتیں مردوں کے زیر اثر نہیں رہیں اور کتابی عورتوں سے جو مسلمان نکاح کرتے ہیں وہ بھی عام طور پر دین آشنا نہیں ہوتے، اس لئے ان عورتوں کے اسلام قبول کرنے کے واقعات بہت کم ہیں، عام طور پر مرد ہی عورت کا اثر قبول کر لیتا ہے اور بچے تو ماں کے زیر اثر ہی پروان چڑھتے ہیں، اس لئے اب یہ نکاح باعث فتنہ ہے اس سے احتراز ضروری ہے (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵/ ۱۰۲)۔

غیر مسلموں کی مذہبی کتابوں کو کتب سماویہ کہہ سکتے ہیں، نیز ان میں جن اوتار کا تذکرہ ہے انکو پیغمبر کہہ سکتے ہیں؟

باتفاق امت آسمانی کتاب وہی سمجھی جائے گی جس کی تصدیق قرآن وحدیث سے یقینی ہو جیسے تورات، انجیل، زبور، صحف ابراہیم وموسیٰ وغیرہ اسلئے مشرکین، مجوس، بت پرست، ہندو، بدھ، آریہ، سکھ وغیرہ قومیں جو اگر چہ اپنی مذہبی کتابیں رکھتی ہیں مگر وہ اہل کتاب نہیں سمجھی جائے گی، کیونکہ قرآن وحدیث نے ان کی تصدیق نہیں کی (مستفاد انوار القرآن ۳/ ۳۳)۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی رائے بھی معارف القرآن میں یہی ہے کہ کسی بھی کتاب کے کتب سماویہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ثبوت کسی شرعی دلیل سے ہو، امکان محض اور احتمال محض ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے (مستفاد از معارف القرآن ۳/ ۶۱)۔

غیر مسلموں کی مذہبی کتابیں میں جن اوتار کا تذکرہ آتا ہے ان کے رسول ہونے نہ ہونے کے سلسلے میں مفتی کفایت اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ہم ان اوتاروں میں سے کسی خاص شخص کو نہ مبعوث جانتے ہیں اور نہ کہہ سکتے ہیں اور نہ اعتقاد رکھ سکتے ہیں، جب تک کہ اس کی نبوت کا ثبوت ہمیں نہ مل جائے اور اس کے حالات اور تعلیم کی نوعیت قطعی دلائل سے معلوم نہ ہو جائے (کفایت المفتی ۱/ ۲۷۶)۔

اہل کتاب سے نکاح کی صورت میں ان کے کیا حقوق رہیں گے؟ اور کیا انہیں صرف غیر مسلم ہونے کی وجہ سے طلاق دینے کا اختیار ہوگا؟

فقہ حنفی کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تعدد ازدواج کی صورت میں عدل و یکسانیت برتنے کے معاملے میں زیادہ پابندیاں ہیں، اسی وجہ سے بیویوں کے اندر ایسے اوصاف کا نمایاں فرق جو طبعی طور پر ترجیح کا باعث ہوا کرتا ہے اسے بھی وجہ ترجیح اور فرق کرنے کے لئے وجہ جواز نہیں قرار دیا گیا۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: "يجب عليه أن يعدل بينهما فى المأكول والمشروب والملبوس والسكنى والبيتوتة... يستوى فى القسم البكر والثيب والشابة والعجوز والقديمة والحديثة والمسلمة والكتابية... لأنهما يستويان فى سبب وجوب القسم وهو النكاح، فيستويان فى وجوب النكاح" (بدائع الصنائع ۲/ ۶۱۰)۔

ڈاکٹر محمد فوزی فیض اللہ اپنی کتاب "الزواج وموجبات فى الشريعة والقانون" میں فرماتے ہیں:

"ولا يفرق فى المبيت بين البكر والثيب والجديدة والقديمة والمسلمة والكتابية؛ لأن سبب المبيت عندهن واحد وهو الزوجية فيشتركن فى الحكم المرتب عليها، وهو البيتوتة كما يشتركن فى الأحكام الأخرى المرتبة على الزواجية من المأكل والملبس والمسكن" (الزواج وموجباته فى الشريعة والقانون: ص ۱۸۹)۔

عیسائی مشنریز کے زیر انصرام جاری اداروں میں داخلہ کا حکم؟

مغربی تعلیمی نظام اپنی ایک روح اور اپنا ایک منفرد ضمیر رکھتا ہے، جو اپنے مصنفین ومرتبین کے عقیدہ وذہنیت کا عکس، ہزاروں سال کے طبعی ارتقاء کا نتیجہ اہل مغرب کے مسلمہ افکار واقدار کا مجموعہ اور ان کی تعبیر ہے، یہ نظام تعلیم جب کسی اسلامی ملک یا مسلمان سوسائٹی میں نافذ کیا جائے گا تو اس سے ابتدائی ذہنی کشمکش، پھر اعتقادی تزلزل پھر ذہنی اور بعد میں (الا ماشاء اللہ) دینی ارتداد ضروری ہے، ایک مسلم الطبع مغربی مبصر جس کو مغرب کے

نظام تعلیم اور مشرق میں اس کے نتائج کا وسیع تجربہ ہے، صحیح لکھتا ہے:

اسلام اور مغربی تمدن جو زندگی کے دو متضاد نظریوں پر قائم ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتے، جب واقعہ یہ ہے تو ہم کیسے اس بات کی توقع کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی نئی نسل کی مغربی بنیادوں پر ایسی تعلیم و تربیت (جو مجموعی طور پر یورپ کے علمی و ثقافتی تجربوں اور ان کے تقاضوں پر مبنی ہے) مخالف اسلام اثرات سے پاک ہو سکتی ہے۔

اہل کتاب بیوی اپنے شوہر کے یہاں مذہبی مراسم انجام دے سکتی ہے؟

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ مسلمان شوہر کی بیوی، یہودی، عیسائی بیوی کو اس کا شوہر بھی عبادت اور اس کے مذہبی فرائض سے نہیں روک سکتا اور نہ اس کو ایسی چیزوں کے کھانے پر مجبور کر سکتا ہے جو اس کے مذہب میں حرام ہو (بحوالہ احکام الذمہ، سہ ماہی بحث ونظر اپریل، ستمبر ۲۰۱۳ء)۔



اہل کتاب کا مصداق اور احکام

مفتی شبیر احمد دیولوی [1]

۱- اہل کتاب کی تعریف میں احناف نے وسعت رکھی ہے، چنانچہ احناف فرماتے ہیں: اہل کتاب وہ لوگ ہیں جو کسی نبی پر ایمان رکھتے ہوں اور آسمانی کتاب پر بھی رکھتے ہوں، اس تعریف سے ہر وہ گروہ اس میں داخل ہوگا جو حضرت داؤد حضرت ابراہیم وحضرت شیثؑ پر ایمان رکھتے ہوں اس لئے کہ وہ بھی دین سماوی کا اعتقاد رکھتے ہیں، یہود ونصاری کی طرح لیکن جمہور فقہاء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ یہود ونصاری اپنے مختلف فرقوں کے ساتھ اہل کتاب ہیں اور جمہور کا استدلال باری تعالی کے فرمان: "ان تقولوا إنما انزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا" (انعام: ۱۵۷) ہے، وہ صحیفے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل شدہ ہیں اس میں مواعظ اور امثال ہیں، احکام نہیں ہیں، لہذا یہود و نصاری اہل کتاب کہلانے کے مستحق ہیں (الموسوعۃ الفقہیہ ۷/ ۱۴۰)۔

۲- اس فرقہ کی تعیین میں فقہاء امت محدثین، مفسرین کا کلام بڑی شرح وبسط کے ساتھ کتب فقہ وحدیث وتفسیر میں موجود ہے لیکن طرز کلام اللہ سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ یہ فرقہ اپنے زمانہ کا موحد اور توحید پرست تھا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس فرقہ صابیہ کو اہل کتاب میں شمار کرتے ہیں، اور حضرت عمرؓ نے ایک قدم آگے بڑھ کر ان کے ذبیحہ کو حلال اور ان کی لڑکیوں سے نکاح کا جواز فراہم کیا ہے، اور متعدد کبار تابعین انہیں موحد یا اہل کتاب قرار دیتے ہیں، چنانچہ حضرت عبدالرحمن بن زید فرماتے ہیں یہ ایک مذہب ہے جس کے ماننے والے جزیرہ موصل میں آباد تھے اور "لا إلہ إلا اللہ" پڑھتے تھے، لیکن وہ کسی کتاب یا نبی کو نہیں مانتے تھے، یہی وجہ ہے کہ مشرکین مکہ نبی کریم ﷺ کو اور آپ کے اصحاب کو صابی کہتے تھے، ان کا دین نصرانیوں سے ملتا جلتا تھا اور ان کا قبلہ سمت جنوب تھا اور یہ لوگ اپنے تئیں اس بات کے قائل تھے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر ہیں (تفسیر ابن کثیر)۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے اس فرقہ کو اہل کتاب میں شمار فرمایا ہے اس لئے کہ یہ لوگ زبور کی تلاوت کرتے تھے اور وہ ستارہ پرست بھی نہیں تھے، البتہ مخصوص ستاروں کی تعظیم کرتے تھے جس طرح مسلمان کعبۃ اللہ کی تعظیم کرتے ہیں۔

مفسر قرآن امام قرطبی مالکی فرماتے ہیں کہ یہ فرقہ موحد تھا، لیکن یہ فرقہ تاروں کی تاثیر ونجوم کا معتقد تھا یہی مسلک صاحبینؒ کا بھی ہے، حقیقت حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن بظاہر یہ قول اچھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہ یہود تھے اور نصرانی اور نہ ہی مشرک بلکہ یہ لوگ کسی خاص مذہب وملت کے پابند تھے۔

البتہ فی زماننا اس فرقہ کا وجود ہے یا نہیں اس سلسلہ میں تاریخ ایران پر ایک مستند مستشرق کی کتاب کا فرنچ سے اردو ترجمہ کچھ سال پہلے ہوا ہے اس کے صفحہ ۷۴ پر مترجم شیخ محمد اقبال لفظ "میڈین" پر حاشیہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس فرقہ کے لوگ عراق میں اب بھی موجود ہیں، اور صابعون کہلاتے ہیں، تاہم وہ (جان دی بپٹسٹ) کو مانتے ہیں عراق میں عوام الناس ان کو امت یحیی کے نام سے جانتے ہیں۔

۳- صحیح اور راجح ونصوص ظاہر سے مؤید بات یہ ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے اس وقت حلال ہے جب وہ ذبح کی ان تمام شروط کی

---

[1] خادم التدریس دار الافتاء جامعہ قاسمیہ، کھروڈ، گجرات۔

رعایت کریں جو قرآن وحدیث میں بیان کی گئی ہیں، پھر اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کا حکم اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ذبح کرنے والا یہودی اور نصاری کے دین پر قائم ہو اور اس دین کے بنیادی عقائد رکھنے والا ہو اگر چہ وہ بنیادی عقائد اسلام کے خلاف ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ نزول قرآن وقت وہ مذکورہ بالا عقائد رکھتے تھے، لیکن اس کے باوجود اللہ نے ان کو اہل کتاب کا لقب دیا اور قرآن کریم میں ان کے ان باطل عقائد کی صراحت فرمائی، لیکن کسی شخص کے اہل کتاب میں سے ہونے کے لئے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ اس کا نام نصاری کی طرح ہو اور مردم شماری کے وقت اس کا نام نصاری کی فہرست میں لکھا جاتا ہو، بلکہ یہ ضروری ہے کہ اس کے عقائد بھی اہل کتاب جیسے عقائد ہوں اس کی دلیل بالکل واضح ہے وہ یہ ہے کہ اہل کتاب اپنے خاص عقائد کی وجہ سے دوسرے کفار سے ممتاز ہیں، مثلاً وہ اللہ کے وجود کے قائل ہوتے ہیں، رسولوں کے حق ہونے اور آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، لہذا جو شخص سرے سے ان چیزوں کا قائل ہی نہ ہو اس کو اہل کتاب میں شمار کرنا جائز نہیں، چنانچہ نصاری بنی تغلب کے بارے میں حضرت علیؓ سے ایسا ہی حکم مروی ہے۔

امام جصاصؒ فرماتے ہیں: ''روی محمد بن سیرین عن عبیدة قال سألت علیا رضی الله عنه عن ذبائح نصاری العرب فقال لاتحل ذبائحهم، فانهم لم یتعلقوا من دینهم بشئ إلا بشرب الخمر'' (احکام القرآن للجصاص)

آج ہمارے دور میں خاص طور پر مغربی ممالک میں ایسے لوگوں کی تعداد نظر آتی ہے جو اسماً نصاری ہیں اور حقیقت میں دہریئے اور مادہ پرست ہوتے ہیں، لہذا ان کو اہل کتاب میں سے خیال کرنا جائز نہیں اور ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے، لیکن یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جس کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہو کہ وہ اللہ کے وجود کا منکر اور رسولوں پر اس کا ایمان نہیں ہے۔

۴، ۵- اہل کتاب سے نزول قرآن سے پہلے کہ وہ لوگ مراد ہیں جن کا کسی آسمانی کتاب کا حامل ہونا محقق مثلاً یہود ونصاری نیز جواب نمبر (۱) میں ذکر کردہ تعریف کے پیش نظر، بہائی اور بابی اور سکھ کو اہل کتاب میں سے شمار نہیں کیا جائے گا، اس لئے یہ کہ اسلام سے الگ مستقل فرقہ ہیں اس طرح فقہ اکیڈمی بالاتفاق طے کر چکی ہے کہ ان کے متبعین کھلم کھلا کافر ہیں جس میں ذرا بھی تاویل کی گنجائش نہیں۔

رہی بات قادیانیوں کی تو قادیانی کے سلسلہ میں امت مسلمہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ زندیقوں کا گروہ ہے ان کو اہل کتاب میں سے شمار نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ یہ زندیق ہیں اور اپنے آپ کو غیر مسلم اقلیت نہیں سمجھتے، بلکہ عالم اسلام کے مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں، امام ابن قدامہ لکھتے ہیں:

''والزندیق کالمرتد وحکم سائر الکفار''۔

اور جو نسلاً قادیانی ہیں ان کے سلسلہ میں شامی کی عبارت ملاحظہ ہو:

''(زوجان ارتدا ولحقا فولدت) المرتدة (ولدا أو ولده) أی لذلك المولود(ولدفظهم علیهم) جمیعا (فلولدات فئ) کأصلهما (والولد الأول یجبر) بالضرب أی وبالحبس نهر(علی الاسلام) وان حبلت به أئمة لتبعیته لأبویه (لا الثانی)لعدم تبعیته الجد علی الظاهر فحکمه کحربی'' (الدر المختار)۔

اس سے معلوم ہوا کہ تیسری پشت میں جا کر مرتد کی اولاد کا حکم عام کافروں کا ہوجاتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اس نے مذاہب معروفہ میں سے کوئی مذہب اختیار کیا یا لامذہب بن گیا نیا مذہب ایجاد کر دیا پس اگر مرتد نے اہل کتاب کا مذہب اختیار کیا تھا تو تیسری پشت میں جا کر اس کی اولاد کا حکم اہل کتاب کا ہوگا، اور ظاہر ہے کہ قادیانیوں نے اہل کتاب کا مذہب اختیار نہیں کیا، بلکہ نیا مذہب اختیار کیا اس لئے قادیانی کی اولاد کو اہل کتاب کے زمرے میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

۶- فرمان خداوندی ہے: "ولاتر کنوا إلی الذین ظلموا فتمسکم النار" (ہود: ۱۱۳)

(اے مسلمانوں ان ظالموں کی طرف مت جھکو کہ تم کو دوزخ کی آگ چمٹ جائے گی)۔

شامی میں (۲/ ۳۵۷) پر ہے: ''ويجوز تزوج الكتابية والأولى أن لايفعل... وتكره الكتابية العربية إجماعا لانفتاح باب الفتنة من إمكان التعلق المستدعي للمقام معها في دارالحرب وتعرض الولد على التخلق بأخلاق أهل الكفر''۔

ہمارے زمانہ میں اہل کتاب سے نکاح ایک فتنہ بن کر رہ گیا ہے اور نہ صرف عام مسلمانوں، بلکہ عالم اسلام کے وہ قائدین جن کے ہاتھوں میں پوری قوم کی زمام ہے ان کے قصورعیش ومحلات عشرت کی زینت عیسائی اور یہودی عورتیں ہیں جن سے مسلمان شدید اور سیاسی مضرت واستحصال سے دوچار ہیں ان حالات میں تو کسی طرح بھی اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کا دور غلبہ اسلام کا دور تھا اور ہر ایک پر اسلامی ذوق غالب تھا، اس کے باوجود آپ نے کتابی عورتوں سے نکاح کی ممانعت فرمادی مزید حضرت عمرؓ اس زمانہ کی اہل کتاب عورتوں کے متعلق یہ ممانعت فرمائی تھی جبکہ وہ یقینی کتابیہ تھی، مگر اس دور میں دہریت اور سائنسی پرستی ہے تو اور زیادہ پورے شدومد کے ساتھ حضرت عمرؓ کے فتوی پر عمل کرنے کی ضرورت ہے، رہی بات دار الحرب میں اہل کتاب سے نکاح کرنے سے متعلق، اس بارے میں عندالاحناف...... میں بسنے والی عورت سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے اور دیگر مسلک کے فقہاء کے نزدیک تو حرام ہے اور ناجائز تعلقات کی اتنی کثرت ہے جس کو سن کر حیرانی ہوتی ہے دوسرے ان کی اکثریت الحاد کی شکار ہے، ظاہر ہے ایسے لوگوں سے نکاح قطعا حلال نہ ہوگا، اگر یہ سب باتیں نہ بھی مانی جائیں تو بھی ہمارے عہد میں ان سے نکاح کراہت سے خالی نہیں، لہذا ان تمام مفاسد کو بالائے طاق رکھ کر صرف ایک جزء کو مدنظر رکھتے ہوئے (دعوت اسلام) اتنا بڑا قدم اٹھانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اس لئے کہ یہ بات یقینی نہیں کہ وہ شادی کے نتیجہ میں اسلام کو قبول کرلے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی اس کے جال میں پھنس جائے اور ایمان سے ہاتھ دھوبیٹھے، ایک کافر کا اپنے کفر پر مرجانے سے زیادہ سخت ایک مسلمان کا مرتد ہوکر مرنا ہے، اور شادی کے بعد بھی بہت سارے مفاسد مثلاً اولاد کی تربیت وغیرہ وغیرہ لہذا ان تمام مفاسد کے مدنظر دار الکفر میں اہل کتاب سے نکاح کرنے کو ناجائز ہی قرار دیا جائے، ورنہ جائز کہہ کر عوام الناس کو جری بنانا لازم آئے گا، لہذا سد باب کے لئے یہ حکم مناسب ہے۔

۷- بہت سے صوفیا کرام اور علماء عظام سے اس بارے میں بڑی تحقیق کے ساتھ یہ بات پائی جاتی ہے کہ ہوسکتا ہے ہندوقوم جن اوتار کو اپنا مذہبی پیشوا خیال کرتی وہ درحقیقت خداشناس لوگ ہوں اس سلسلہ میں مرزا مظہر جان جاںؒ کے ایک مکتوب میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ "وإن من أمة إلا خلافيها نذير" (فاطر: ۲۴)، "ولكل امة رسول" (یونس: ۴۷) ان آیات کے پیش نظر ہندوستان میں بھی انبیاء ورسل ہوئے ہیں، ان کا حال ان کی کتابوں میں مرقوم ہے اور ان کی نشانیوں میں سے جو کچھ باقی رہ گئی ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مبعوث انبیاء ورسل بڑے درجہ وکمالات کے حامل تھے۔

سلسلہ نقشبندیہ کے ایک مقدس بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندیؒ اپنے ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اے فرزند سرزمین ہند میں نبوت و رسالت کی خوشبو پائی گئی ہے''۔

حضرت نانوتویؒ کا موقف ہے کہ ہندو اقوام کے بڑوں کو مثلاً: رام چندر جی، کرشن جی وغیرہ کو برا بھلا نہ کہو ممکن ہے کہ اپنے وقت میں یہی مردان حق ہوں جو بہ طور ہادی ونذیر (نبی ورسل) بھیجے گئے ہوں، مذکورہ بالا باتوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یقینی طور پر کسی مخصوص اوتار کا نام لے کر ان کی نبوت ورسالت کو ثابت نہیں کیا، جیسا کہ فتاوی دار العلوم میں ہے: ''متعین طور پر کسی کے لئے نبوت ورسالت کو ثابت نہیں کرسکتے کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے: "منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك" (غافر: ۷۸) تو ہماری کیا بساط کہ نام لے کر ثابت ومتعین کردے۔

حدیث میں ہے: ''وفي معالم التنزيل بسند عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ما أدري تبع كان نبيا أو غير نبي''۔

الغرض یہ امر مخفی ہے جو بذریعہ وحی ہی اللہ تعالی اپنے نبی کو بتاسکتے ہیں، لہذا تشدد روا نہیں ہے اس مسئلہ میں۔

جہاں تک سوال ہے ان کی مذہبی کتابوں کے بارے میں چاہے وہ وید ہو یا گیتا، ان میں بھی یہ بات پائی جاتی ہے کہ انسانوں کو پیغام خداوندی پہنچانے کے حوالہ سے جو فریضہ رسول و نبی کو سپرد کیا گیا وہی فریضہ ان مقدس ہستیوں کو سونپا گیا تھا، جن کو ہندو سماج نے اصل حیثیت و مقام سے کچھ نامعلوم وجوہ سے ہٹادیا ہے اور وقت کی رفتار کے ساتھ بہت زیادہ تحریف و ترمیم ہوئی ہے، لیکن محفوظ رہ گئے کچھ کلمات جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اگلے انبیاء کے نام اور ان کی نبوت و رسالت کا بھی اشلوک اور منتروں میں ذکر ملتا ہے لیکن چونکہ یہ بھی محرف ہو چکی ہیں اس لئے ہم یقینی طور پر اس پر بھی حکم نہیں لگا سکتے۔

۸- الف: اللہ تعالی نے ظالم لوگوں کی صحبت سے بچنے کا حکم فرمایا: "ولا تقعد بعد الذکر مع القوم الظالمین" (انعام: ۶۸)، اس سے امام جصاصؒ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ظالم بے دین اور در بدہ دین لوگوں کی مجلس میں شرکت کرنا مطلقاً گناہ ہے خواہ وہ فی الوقت کسی ناجائز گفتگو میں مشغول ہو یا نہ ہو، حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں میلان سے مراد ظالموں کی صحبت میں نہ بیٹھنا ہے، ان آیات کے پیش نظر فی زمانا مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کو ایسے اسکولوں میں بھیجنا اسلام کے مقابلہ عیسائیت کو تقویت و ترجیح دینا لازم آتا ہے اور مسلمانوں کو اپنے علاقہ میں ایسے اسکولوں کی حوصلہ افزائی کرنا "ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (مائدہ: ۲) کی خلاف ورزی ہے اس لئے اس سے بچنا چاہئے، اور ان حالات میں صحیح العقیدہ مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بھی ایسے ادارے قائم کریں جہاں صحیح اسلامی تعلیمات اور ملی شناخت کے تحفظ کے ساتھ جدید علوم وفنون بھی سکھلائے جائیں، تاکہ "وتعاونوا علی البر والتقوی" (مائدہ: ۲) کے گروہ میں شامل ہو جائے۔

ب- فتاوی عالمگیری میں ہے: "تجب علی الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية" اور فتاوی تاتارخانیہ میں ہے: "تجب علی الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة والغنية دخل بها أولم يدخل بها"، مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابیہ بیوی کے حقوق مسلمان بیوی کے حقوق کے مانند ہیں لہذا ان سے نکاح کرنے کے بعد ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا اور ان کو بے سہارا چھوڑ کر بھاگ جانا درست نہیں اور اہل کتاب خواتین مسلمان مردوں کے گھروں میں ایسے مراسم انجام دے سکتی ہے جو اسلامی بنیادی عقائد کے متصادم نہ ہو اور گھر کا موحول متاثر اور اس کی طرف شوہر کا میلان نہ ہو۔

ج- قرآن کریم میں ہر ایسی مجلس سے بچنے کی تلقین کی گئی جس میں شرکت کرنے سے دین کا نقصان لازم آتا ہو، چنانچہ ارشاد فرمایا:

"واذا رأيت الذين يخوضون في آياتنا فاعرض عنهم حتى يخوضوا في حديث غيره واما ينسنك الشيطان فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين"، اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر وہ مجلس یا یاد خدا سے غفلت کا ذریعہ یا کسی گناہ اور منکر پر مشتمل ہو اس میں شرکت کرنا اور بدعقیدہ لوگوں سے لگاؤ رکھنا جائز نہیں، لہذا ایسے اداروں اور تنظیموں سے جو اپنے مذہب کی تبلیغ اور دوسروں کو ان کے مذہب سے دور کر رہی ہو مسلمانوں کو خدمت کرنے اور استفادہ کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔



ہندوستانی مذاہب کی مذہبی کتابیں اور احکام

مولانا مظاہر حسین عماد عاقب القاسمی[1]

کیا وید الہامی کتاب ہے:

ویدوں کو اکثر ہندو خدائی کلام مانتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان کو الہامی کتاب ماننے میں بہت سے اشکالات اور دشواریاں سامنے آتی ہیں، جن کو دور کرنا آسان کام نہیں ہے، ویدوں میں ایسے منتر بکثرت موجود ہیں جن سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ ان میں انسانی کلام کا بڑا حصہ شامل و داخل ہے۔ وید یا تو محض انسانی کلام ہیں یا پھر کلام الٰہی میں تحریف اور حذف و اضافہ پوری بے دردی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

وید کو کلام الٰہی نہ ماننے والے ہندو پنڈت اور شاستری:

یہ خیال بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ وید ان ۱۴۰ رشیوں کے کلام کا مجموعہ ہے جن کے نام ویدوں میں پائے جاتے ہیں، یورپی علماء کے علاوہ سوامی وویکانند، ابناش چندردت، پنڈت منمتھ ناتھ دت، ستیہ ورتھ شاستری، سائن اچاریہ، سوامی ہری پرساد، بھائی پرمانند، یاسک آچاریہ (مؤلف ترکت) لالہ لاجپت رائے، پنڈت جواہر لال نہرو (ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم اور مجاہد آزادی) اور آزاد ہندوستان کے پہلے نائب صدر اور دوسرے صدر جمہوریہ ڈاکٹر رادھا کرشن وغیرہ (ماخوذ از ہندو دھرم ایک مطالعہ/ ص ۲۲-۲۱ محمد فاروق خاں، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، اور ہندو مذہب مطالعہ اور جائزہ/ ص ۳۳ پروفیسر محسن عثمانی، یونیورسل پیس فاؤنڈیشن، ۲۰۰۲ء)۔

جماعت اسلامی ہند کے مشہور عالم مولانا محمد فاروق خاں ویدوں کے الہامی کتابیں نہ ہونے سے متعلق متعدد شہادتیں اور ہندو محققین کے اقوال و آراء نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: یہ ساری تفصیلات یہ اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں کہ ویدوں کی حالت نہایت مشتبہ ہے، وہ ذہنی و فکری پریشانیوں اور عملی دشواریوں سے نجات دلانے کے بجائے آدمی کو مختلف قسم کی مشکلات اور پریشانیوں میں ڈال دیتے ہیں جن سے نجات ممکن نظر نہیں آتی (ہندو دھرم ایک مطالعہ/ ص ۳۰ مولانا محمد فاروق خاں، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۱ء)۔

وحی اور وید:

وحی خصوصاً قرآن حکیم میں وحی کا جو تصور پیش کیا گیا ہے، اور خدا کے فرستادہ جس طرح وحی کی صورت میں خدا کے احکام وصول کرتے تھے، یہ سب باتیں اور اسلامی عقائد جزا، سزا، قیامت وغیرہ اور اعمال نماز روزہ، حج، زکوۃ اور جہاد اسلام ہی کا خلاصہ ہیں اور اپنی اصلی صورت میں دین اسلام میں موجود ہیں، ہندومت میں ان امور کا کوئی واضح تصور نہیں ہے اور نہ ہی ہندو مذہبی رہنما ان کو مانتے ہیں، اس لئے وہ لوگ جو ہندومت میں توحید خدا ورسول اور وحی وغیرہ کے نظریات تلاش کرتے ہیں یا بعض تاویلات کے ذریعہ ہندو کتب میں ان باتوں کے وجود کو ثابت کرتے ہیں وہ غلطی خوردہ ہیں یا تو وہ ہندومت کا صحیح ادراک نہیں رکھتے یا انہیں اسلامی عقائد و نظریات کی درست تفہیم نہیں ہے (ہندو مذہب قبل از اسلام، مقالہ ڈاکٹر ظفر اللہ بیگ، ہندو مذہب مطالعہ اور جائزہ/ ص ۲۷)۔

چاروں وید ہندو برہمنوں، رشیوں کا کلام ہے جو سنسکرت میں ہے، ہندو ان معنوں میں انہیں الہامی نہیں مانتے جیسے مسلمان قرآن کو مانتے ہیں اور نہ ہی ایسا انڈو آریائی مذہب میں ممکن ہے۔ بعض مغربی مفکرین "وحی" کی دو قسمیں بتاتے ہیں: ایک وحی نبوت، دوسری کائناتی وحی۔

وحی نبوت سامی مذاہب میں پائی جاتی ہے، اس میں خدا اپنے بندے کو نبی و رسول مقرر کرتا ہے اور اسے اپنا پیغام وحی کر کے ایک قوم کی طرف

---

[1] استاذ حدیث وفقہ، الجامعۃ الاسلامیہ شانتاپورم، پوسٹ پٹیکاڈ، ضلع ملاپورم، کیرالا۔

ہدایت پھیلانے کے لئے مبعوث فرماتا ہے۔

کائناتی وحی میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ اس میں خدا بغیر وحی کے بندوں پر اپنی معرفت کا دروازہ کھول دیتا ہے، ہندومت اور بدھ مت میں اس کائناتی انکشاف کا ذکر ہے، اس کے مجموعے کو مقدس کتاب کہا گیا ہے۔ گذشتہ صدی کے مشہور ہندو رہنما سوامی ہری پرشاد لالہ لاجپت رائے، بھائی پرمانند ایم اے وغیرہ ویدوں کو الہامی نہیں مانتے، صرف اپنے رشیوں کی یادگار سمجھ کر اس کی حفاظت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو فرماتے ہیں: بہت سے ہندو ویدوں کو الہامی کتاب سمجھتے ہیں، میرے نزدیک یہ ہماری بدقسمتی ہے، کیونکہ اس طرح ان کی حقیقت ہم سے اوجھل ہو جاتی ہے، وید صرف ازمانہ کی معلومات کا مجموعہ ہیں وہ بہت سی چیزوں کا غیر مرتب شدہ ذخیرہ ہیں، دعائیں، قربانی کی رسومات، جادو، نیچرل شاعری وغیرہ (Pandit J. L. Nehru□Discovery of India Page 78 دیکھئے مقالہ: از ڈاکٹر رادھا کرشن جو The Legacy of India میں شامل ہے)۔

وید کی حقیقت:

وید 414 رشیوں کا کلام ہے، جن کے نام ویدوں میں درج ہیں: ہر ایک سوکت (ایک رشی کے مکمل کلام) پر اس رشی کا نام موجود ہے، ہندو ویدوں کو مقدس کلام مانتے ہیں، کیونکہ رشیوں کے ذریعہ انہیں زبانی ملا، اس کے برعکس خدا کی وحی جو کسی نبی پر اترتی ہے وہ اس کی کتاب ہوتی ہے، ہندومت کے مطابق رشی نیک اور صاحب عرفان لوگ تھے، اس لئے وہ پردہ غیب میں جس چیز کا ادراک کرتے اس کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے، اس لئے ویدوں کے الفاظ الہامی نہیں، جبکہ قرآن وحی معجزہ ہے، ان رشیوں کو ایک تو منتروں کا جاپ کرنے والے اور بعض اوقات منتروں کا تخلیق کار کہا جاتا ہے، وید کتاب کی صورت میں رشیوں کو نہیں ملے، بلکہ مختلف زمانوں میں مختلف رشیوں نے انہیں مرتب کیا۔

وید پر توجہ کا سبب:

اسلام کی سچی سادہ اور فطرت کے مطابق تعلیم کے نتیجے میں ہندومت کے عقائد میں تدریجی تبدیلی آتی رہی، ہندوؤں نے جب دیکھا کہ مسلمان اپنے نبیوں اور رسولوں پر ایمان لانے پر زور دیتے ہیں اور ان کو غیر معمولی انسان قرار دیتے ہیں تو ہندوؤں نے اپنے رشیوں کو مہا پرش (بہت بڑے آدمی گیان دھیان کے حامل اور روحانیت اور معرفت میں ڈوبے ہوئے افراد بتایا) انہوں نے سخت ریاضت کرکے عرفان حاصل کیا، یہ تمام رشی موجودہ گمراہی کے دور، یعنی کل یگ سے پہلے ہوئے، ان کی اتھارٹی کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوؤں کا یہ بھی کہنا ہے کہ رشی تو نہیں رہے، لیکن اوتاروں کے ذریعہ اعلی استعداد رکھنے والے لوگ اب بھی معرفت حاصل کرتے ہیں اور لوگوں کی مذہبی رہنمائی کرتے ہیں، اس لحاظ سے کائناتی وحی کا دروازہ کھلا ہے، اسلام نے وحی کا دروازہ بند کر دیا ہے، قرآن حکیم میں خدا کا انسان کے ساتھ تین طرح سے کلام کرنے کا ذکر ہے، وحی کے ذریعہ، یا پردے کے پیچھے سے کلام، یا فرشتہ کے ذریعہ سے وحی، رشی یا ان کے بعد کے ہندو ایسے کسی تجربے سے نہیں گذرے، اس لئے وید کو الہامی کتاب، رشیوں یا اوتاروں کو رسول و نبی ان کی کائناتی معرفت کو وحی و الہام کہنا سراسر غلطی ہے (ہندو مذہب مطالعہ اور جائزہ/ص ۳۵-۳۳ (مرتب محسن عثمانی) کے مقالہ ہندو مذہب قبل از اسلام سے ماخوذ، مقالہ نگار ڈاکٹر ظفر اللہ بیگ)۔

ہندو مذہب میں وحدانیت کا تصور اسلامی تعلیمات کا نتیجہ:

• محمد بن قاسم کے سندھ پر حملے (۷۱۲ء) کے وقت ہندوستان مختلف علاقائی راجاؤں کے زیر تسلط تھا، ہندوؤں کے مذہبی معتقدات کو اسلام کی خالص توحید اور سادہ تعلیمات نے بہت متاثر کیا، عربوں نے سندھ پر حکومت کے دوران لوگوں کے رسوم و رواج اور عادات پر گہرے نقوش چھوڑے، ہندو مسلم تہذیبی اختلاط کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کو خدا کی وحدانیت کا تصور دیا، کیونکہ یہ اسلام ہی ہے جو خدائے واحد پر کامل یقین پیدا کرتا ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ ہندو بتوں کی پوجا کے باوجود خدائے واحد کو مانتے ہیں، بعض ہندو فرقے خدائے واحد کی ذات کا پرچار کرتے رہے اور اس کو ویدوں کی تعلیم کا خلاصہ بتاتے تھے، آریہ لیڈر سوامی دیانند نے بتوں کی پوجا اور ذات پات کی سخت مخالفت کی، بھگتی تحریک (کبیر اور نانک وغیرہ کی تحریکات) اسی اثر کا نتیجہ ہے، رامانج جو مدراس کا شیوجی کا ایک پجاری تھا اس نے ۱۰۱۶ء میں خدا کا تصور اجاگر کیا جو یکتا اور قادر مطلق ہے، وہ روح اور مادہ کا پیدا کرنے والا ہے۔

مشہور مورخ ڈاکٹر تارا چند اپنے مشہور مقالے ''ہندو تمدن پر اسلام کے اثرات'' میں لکھتے ہیں کہ وشنو سوامی نمبارک اور مادھو جو دونوں رامانج کے خاص چیلے تھے انہوں نے خدائی اور انسان کی نوعیت پر جو مابعد الطبعی بحثیں کی ہیں ان کو پڑھ کر نظام، اشعری اور غزالی کے مذاکرات و مباحث یاد آتے ہیں۔ (حوالہ سابق/ص ۵۳)۔

ویدوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ:

ہندو دھرم کی کتابوں کے اندر بہت سی ادھر ادھر کی باتوں کے جھرمٹ میں کچھ باتیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جن کو دیکھ کر کسی قدر وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ یا تو بذات خود وحی الٰہی ہیں یا پیغمبرانہ تعلیمات سے ماخوذ اور انہیں پر مبنی ہیں، ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ان کتابوں میں بہت سی واضح پیشن گوئیاں بھی ہیں جو کہیں سے نقل کر لی گئیں ہیں، سب سے تفصیلی ذکر اتھر وید میں ہے یہ کل چودہ منتر ہیں جو اتھر وید کانڈ ۲۰، سوکت ۱۲۷ منترا تا ۱۴ پر مشتمل ہیں۔ (حوالہ سابق/ص ۱۸۹، مقالہ ویدوں میں نراشنس کی تحقیق از ابن اکبر اعظمی)۔

ہندو مذہب کو آسمانی مذہب سمجھنے والے مسلم علماء و صوفیا:

۱- امیر خسرو برادران وطن کی دلجوئی کی خاطر ہندو مذہب کی بہت سی چیزوں کی تعریف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے بہت سے عقائد اسلام کے عقائد سے مشابہ ہیں، ان کے یہاں وحدانیت کا تصور بھی پایا جاتا ہے، وہ خداوند تعالیٰ کی وحدت، قیامت اور اس کی قدرت ایجاد اور اس کے رازق اور خالق اور فاعل ومختار ہونے کے قائل ہیں، ان کا کہنا تھا کہ یونان کی حکمت مشہور ہے، لیکن ہندوستان بھی اس سے تہی مایہ نہیں ہے، یہاں بھی منطق، فلسفہ، علم نجوم، علم کلام علم ریاضی اور علم ہیئت موجود ہے (ہندو مذہب مطالعہ اور جائزہ، مرتب محسن عثمانی ندوی، دیباچہ طبع سوم: ۶)۔

۲- مرزا مظہر جان جاناں ایک صوفی بزرگ تھے (اور بڑے پایہ درجے کے شاعر اور ادیب بھی تھے) لیکن ہندو مذہب کے بارے میں ان کا مطالعہ وسیع تھا، وید کو الہامی کتاب مانتے تھے، اور ہندوؤں کو شبیہ اہل کتاب قرار دیتے تھے، انہوں نے عربوں کی بت پرستی اور ہندوؤں کی بت پرستی میں فرق ثابت کیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ عرب بت پرست اور بتوں کو ذات الٰہی کی طرح متصرف اور مؤثر حقیقی سمجھتے تھے، اور ہندو بتوں کے تصرف کو ان کا تصرف نہیں، بلکہ تصرف الٰہی سمجھتے ہیں، ان کا سجدہ عبودیت کا سجدہ نہیں ہے، بلکہ سجدہ تحیت ہے جو اسلام سے پہلے کے مذاہب میں جائز تھا، ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں ''من قریۃ الا خلا فیھا نذیر'' اس سے ظاہر ہے کہ ہندوؤں میں بشیر و نذیر ضرور آیا ہوگا، اور ممکن ہے رام چندر جی اور کرشن ان میں نبی رہے ہوں۔

۳- خواجہ حسن نظامی: ہندوستان کے دو پیغمبر رام اور کرشنا سلام اللہ علیہم ماخوذ مجتبیٰ فتح اللہ ہندو مسلم کلچرل ریلیشنز نئی دہلی۔

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر خسرو ہندوؤں کو اہل کتاب نہیں کہتے تھے وہ صرف ان چیزوں کے ہندو مذہب میں ہونے کا اقرار کرتے ہیں جو آسمانی مذاہب کا خاصہ ہیں، مرزا مظہر جان جاناں نے بھی ہندوؤں کو شبیہ اہل کتاب سمجھا یا نہیں، یہ بھی شک کے دائرے میں ہے، اس لئے پروفیسر محسن عثمانی نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے، جبکہ اتنی بڑی بات کا حوالہ دینا از حد ضروری تھا۔

خواجہ حسن نظامی کے بارے میں بھی ہمیں صرف یہ معلوم ہوسا کہ وہ رام اور کرشن کو پیغمبر سمجھتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ تینوں حضرات صوفی اور ادیب و شاعر ہیں، ان کی پہچان اک محقق مفسر، محدث اور فقیہ کی نہیں ہے، اس لئے ان کے اقوال تصوف اور ادب میں تو قابل قبول ہو سکتے ہیں، تفسیر حدیث اور فقہ میں نہیں۔ مرزا مظہر جان جاناں اور خواجہ حسن نظامی کے علاوہ کسی بھی قابل ذکر عالم سے یہ ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے رام اور کرشن کو پیغمبر سمجھا ہو، یا ہندوؤں کو اہل کتاب یا شبہ اہل کتاب سمجھا ہو۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ ''معارف القرآن'' میں لکھتے ہیں: وید اور گرنتھ یا زردشت وغیرہ کتابیں جو دنیا میں مقدس کہی جاتی ہیں ان کے وحی الٰہی ہونے اور آسمانی کتاب ہونے کا کوئی ثبوت کسی شرعی دلیل سے نہیں ہے، اور صرف یہ امکان کہ شاید زبور اور صحف ابراہیم ہی کی مسخ شدہ وہ صورت ہو جس کو بدھ مت کی کتاب یا وید یا گرنتھ وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے، امکان محض اور احتمال محض ہے، جو ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے، اس لئے باجماع امت ثابت ہو گیا کہ موجودہ زمانے کے مختلف مذاہب میں سے صرف یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حلال ہے (یعنی صرف یہود و نصاریٰ ہی اہل کتاب ہیں) اور کسی قوم کی عورت سے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے نکاح حرام ہے۔

میری رائے:

۱- ویدوں کا کلام الٰہی ہونا نہ شرعی دلائل سے ثابت ہے اور نہ تاریخی حقائق سے۔

۲- اکثر ہندو محققین بھی ویدوں کو کلام الٰہی نہیں مانتے۔

۳- ویدوں کو ۱۴ رشیوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جن کے زمانے مختلف ہیں۔

۴- ویدوں میں جو اسلامی عقائد و اعمال سے ملتی جلتی باتیں ہیں ان کو ان نیک لوگوں نے لکھا ہوگا جو اپنے زمانے کے آسمانی دین کے تابعدار رہے ہوں گے، وہ نیک حضرات اپنی زندگی میں ہی ہندو عوام وخواص میں مقبول ہوگئے ہوں گے، یا ان کی وفات کے بعد ان کو رشی کا درجہ دے دیا گیا ہوگا، ویدوں کا دور ۶۰۰-۲۰۰۰ قبل مسیح ہے (ہندو مذہب مطالعہ اور جائزہ/ص ۳۶)، اور اسی درمیان میں مشہور پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور ہے، یہ ممکن ہے کہ کچھ یہودی رہبان اور عالم ہندوستان آئے ہوں، ان کی نیکی، تقویٰ اور کرامتوں سے ہندوستانی عوام وخواص متاثر ہوئے ہوں، اور انہیں بزرگوں نے توحید وآخرت اور حضرت محمد ﷺ سے متعلق کچھ باتیں لکھ دی ہوں، حضرت محمد ﷺ سے متعلق جو چودہ منتر ہیں وہ سب سے آخری اور بعض لوگوں کے نزدیک کم حیثیت کے وید اتھر وید میں ہیں (حوالہ سابق)۔

اس امکان کو پیش کرنے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آج بھی بہت سارے ہندو، مسلم بزرگان دین، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت نظام الدین اولیاؒ، حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ وغیرہم سے عقیدت رکھتے ہیں، بہت سارے مزاروں پر مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں کی بھیڑ رہتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہندوستانی عوام، علم وفن، کرامت اور چمتکار سے بہت جلد متاثر ہوتی ہے، خاص طور سے صاحب کرامت اور چمتکاری لوگوں کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں کرتی، اور ہندوستانیوں کی اس خصوصیت سے بہت سارے ڈھونگی لوگ بھی خوب خوب استفادہ کرتے ہیں، آج کل یہ خبر بھی بڑے زور وشور سے ذرائع ابلاغ میں چل رہی ہے کہ مشہور مجاہد آزادی شبھاش چندر بوس نے کئی سالوں تک ''بابا'' کے بھیس میں آزاد ہندوستان میں زندگی گزاری، جبکہ ان کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ آزادی سے قبل ہی ایک طیارے حادثے میں ان کی وفات ہوگئی تھی۔

جب بیسویں اور اکیسویں صدی کی یہ حالت ہے کہ کسی ''بابا'' کے بارے میں کوئی تحقیق نہیں کی جاتی تو کیا چھ سو قبل مسیح یا پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں باہر سے آنے والے کسی یہودی یا عیسائی (میں عیسائی راہب اس لئے کہہ رہا ہوں کہ پہلی صدی عیسوی سے ہی مسیحی علماء کا ہندوستان آنا ثابت ہے اور وید کے دور کی صحیح تعیین بھی مشکوک ہے، لوئیس رینو نے ویدوں کا دور ۵۰۰-۲۰۰۰ بتایا ہے، جبکہ بعض ہندو دھرم پر چارک ویدوں کو پانچ، آٹھ دس ہزار سالہ پرانی کتب بتاتے ہیں، دیکھئے: ہندو مذہب مطالعہ اور جائزہ/ص ۳۶، چونکہ ویدوں کا عہد مضبوط دلائل سے متعین نہیں ہے اس لئے ہم اسے قبل اسلام تک کھینچ سکتے ہیں)، راہب کے متعلق تحقیق کی گئی ہوگی، وہ یہودی یا مسیحی راہب جنہوں نے توحید وآخرت اور رسول اکرم ﷺ سے متعلق باتیں لکھی ہوں گی، انہوں نے مصلحۃً اپنا لباس و وضع وقطع ہندو عالموں اور باباؤں جیسا کرلیا ہوگا، اور ان کے علم، وگیان اور تقویٰ کی اتنی دھوم مچی ہوگی کہ ہندوستانیوں نے انہیں بھی رشیوں کا درجہ دے دیا ہوگا۔

۵- کچھ لوگ ہندوؤں کو نوح علیہ السلام یا ابراہیم علیہ السلام کی قوم بتاکر یا ان کے متبعین بتاکر انہیں صابئین بتاتے ہیں، اور پھر انہیں اہل کتاب کہنے کی جرات کرتے ہیں، مگر میرا خیال یہ ہے کہ ہندوؤں کا نوح علیہ السلام یا ابراہیم علیہ السلام کا پیروکار ہونا واضح اور مضبوط دلائل سے ثابت نہیں ہے۔

۶- محققین کے نزدیک بدھ مت اور جین مت دونوں ہندو مت کی اصلاحی تحریکیں ہیں۔

۷- رام، کرشن، گوتم بدھ اور مہاویر وغیرہ کا نبی یا رسول ہونا شرعی دلائل سے ثابت نہیں ہے اور نہ ہی تاریخی حقائق سے یہ ثابت ہوسکتا ہے۔

۸- اور اگر یہ ثابت بھی ہوجائے کہ ہندو، بدھ یا جین اہل کتاب ہیں تب بھی انہیں ہندو، بدھ یا جین کو اہل کتاب سمجھا جائے گا جو شرک نہیں کرتے ہوں اور اللہ آخرت ملائکہ کتاب اور نبیوں پر ایمان رکھتے ہوں۔

☆☆☆

چند فرق معروفہ اور ان کا حکم

مولانا محمد فاروق[1]

۱-فرقہ بابی یا بہائی:

یہ دونوں نام ایک ہی فرقہ کے دو تدریجی نام ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایران میں شیعہ کے ''شیخیہ فرقہ'' سے تعلق رکھنے والے علی محمد نامی شخص (۱۸۱۹-۱۸۵۰ء) نے ۱۸۷۷ء میں یہ دعوی کیا کہ وہ حضرت مہدی تک پہنچانے کا باب، یعنی دروازہ، ایرانی حکومت نے اس کو اسلام مخالف عقائد و نظریات کی وجہ سے پھانسی کی سزا دے کر ۱۸۵۰ء میں قتل کردیا، وہ ختم تو ہو گیا، لیکن اس کے عقائد و خیالات اور فاسد نظریات یونہی باقی رہے، بعد میں یہی خیالات و نظریات ''بابیت'' سے موسوم ہوئے، اور ان کے حاملین و معتقدین کو ''بابی'' کہا جانے لگا۔

اس کے بعد حسین علی نوری ولادت ۱۸۱۷ء نامی شخص جو فرقہ شیعہ سے تعلق رکھتا تھا اس کے جانشین ہونے کا اعلان کرتے ہوئے اپنے لئے بہاء اللہ ہونے کا دعوی کیا، اور اپنے ماننے والے کا نام ''بہائی'' تجویز کیا، اور یہ اعلان کیا کہ:

''لیس لأحد ین متمسك الیوم إلا بما ظهر فی هذا الظهور'' (اقدس: ۸۰)

(یعنی بہاء اللہ نے جو کچھ کہا ہے، اب وہی حجت ہے اس سے ماقبل جو کچھ کہا گیا ہے وہ سب منسوخ ہے)، نیز انہوں نے واضح طور سے یہ بھی کہا کہ: بہائیت اسلام کے مقابل نہیں، بلکہ مذہب اسلام کی جگہ ایک نئی تحریک ہے، خدا کی تعلیمات و ہدایات کا قدیم ایڈیشن اسلام تھا اور جدید ایڈیشن بہائیت ہے نعوذ باللہ خدا نے اسلام کو منسوخ کیا، تو بہائیت کو راجح کیا، ان کے نزدیک ''اقدس'' نامی بہاء اللہ کی تصنیف کو قرآن مجید کی جگہ مانا گیا (مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے: کتاب النوازل/ص ۷۶ تا ۹۴ مفتی سلمان منصور پوری)۔

مذکورہ خیالات فاسدہ اور نظریات باطلہ سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ لوگ کس قدر اپنی ریشہ دوانیوں کے ذریعہ امت مسلمہ کو دامن تزویر میں پھانسنے اور اسیر بنانے کی تدبیریں کرتے ہیں، لہذا ان کا حکم مفتی سلمان منصور پوری کی زبانی سن سکتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

حکم: یہ اسلام سے الگ ایک مستقل فرقہ ہے، اس کا دین محمدی اور شریعت مصطفوی سے کوئی تعلق نہیں، اس فرقہ کی مذہبی کتابوں سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ:

الف-ان کے نزدیک پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد بھی نبوت اور رسالت اور وحی کا سلسلہ جاری ہے (الواح: ۳۷)۔

ب-خود بہاء اللہ نے اپنے مبعوث اور رسول ہونے کا دعوی کیا ہے (کتاب معین: ۶۷)۔

ج-انہوں نے مسیح موعود ہونے کا بھی دعوی کیا ہے (کوکب ہند ۱۹۲۴ء)۔

د-اس فرقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ دین محمدی ۱۲۶۰ھ میں منسوخ ہو چکا ہے، اب دین بہائی ہی معمول بہ ہے (معیار الصحیح: ۶۳)۔

ھ-اس فرقہ کی مقدس کتاب کا نام ''کتاب اقدس'' ہے، اور اس کی تلاوت کرنا ان کے نزدیک سب سے زیادہ باعث اجر و ثواب ہے، بلکہ دیگر کتب سماویہ سے بھی بہتر ہے (اقدس/۸۱)۔ (کتاب النوازل ۲/ ۹۳)۔

ان کے علاوہ اور بھی ایسے عقائد و اعمال ان کے یہاں مقرر ہیں، جن سے ان کے خارج اسلام ہونے کی تاکید ہوتی ہے، اس لئے یہ فرقہ بلاشبہ

---

[1] استاذ حدیث و فقہ، الجامعۃ الاسلامیہ شانتاپورم، پوسٹ پٹیکاڈ ضلع ملاپورم، کیرالا۔

کافر وزندیق ہے، نہ تو انہیں مسلمانوں کی فہرست میں شمار کیا جاسکتا ہے اور نہ اہل کتاب سے، کیونکہ یہ لوگ نہ تو کسی دین سماوی کا اعتقاد رکھتے ہیں اور نہ کسی کتاب منزل کی پیروی کرتے ہیں، بلکہ بہاء اللہ کے گندہ خیالات ونظریات اور ذہنی مفتر بات سے بھرپور کتاب ''کتاب اقدس'' کے پیروکار ہیں، اس لئے ان کے ساتھ رشتہ مناکحت وغیرہ کرنا یا ان کے ذبیحہ وغیرہ کا استعمال کرنا ممنوع وحرام ہے، فقہ البر میں ہے:

''دعوی النبوۃ بعد نبینا ﷺ کفر بالاجماع'' (شرح فقہ اکبر/ ۲۰۲، بحوالہ کتاب النوازل ۲/ ۹۴)۔

فرقہ سکھ:

سکھ ہندوستان کا تقریباً پانچ سو سال قدیم ایک فرقہ ہے، جس کے بانی اور روح رواں جناب گرونا نک جی ہیں، جو لاہور سے تقریباً پچاس میل دور جنوب ومغرب میں ''تل ونڈی'' نامی گاؤں کے ایک ہندو خاندان میں ۱۵/ اپریل ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے، آج اس گاؤں کو ''ننکانہ صاحب'' کہتے ہیں، ابتدائی عمر میں سنسکرت اور ہندو مذہب کی مقدس کتابوں کا علم حاصل کیا، اور اس وقت کے عام دستور کے مطابق گاؤں کی مسجد کے مکتب میں عربی اور فارسی کی تعلیم بھی حاصل کی (ہندوستانی مذاہب/ ۸)۔

ان کی عمر کی تیز رفتاری کے ساتھ ساتھ دین اسلام اور ان کے کلچروں میں بھی تیز گامی آتی گئی، اور دیکھتے دیکھتے قرآن مجید کے عاشق، صوم و صلاۃ کے پابند، ذکر واذکار کے متوالے، اور آخری نبی رسول اللہ ﷺ کے معتقد اور علوم دینیہ سے خبردار ہوگئے، ان کے اوصاحمید اور اخلاق حمیدہ کا لب لباب اور خلاصہ مفتی محمد فاروق میرٹھیؒ حسب ذیل انداز سے بیان کرتے ہیں:

۱- حافظ قرآن تھے، اور روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے۔

۲- اذان دیتے تھے اور روزانہ پنجگانہ نماز ادا کرتے تھے۔

۳- زکوۃ اور روزے کی تائید کرتے تھے، حج بھی کیا تھا۔ ایک سال مکہ مکرمہ میں امامت بھی کی تھی، نیز تمام اسلامی ممالک کا سفر بھی کیا تھا۔

۴- بغداد میں بھی ایک عرصہ تک شاہ مراد کی خدمت میں رہے، اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا، حضرت محمد ﷺ کو آخری رسول مانتے تھے، اور آپ ﷺ سے سچا عشق رکھتے تھے، کثرت سے درود شریف پڑھتے تھے۔

۵- قرآن مجید کو آخری کتاب مانتے تھے اور ما بقیہ سب آسمانی کتابوں کو منسوخ مانتے تھے، قیامت کے دن، اور حساب وکتاب کے قائل تھے، جنت وجہنم کے قائل تھے، فرشتوں کے قائل تھے۔

۶- صحابہ کرام کو مانتے تھے اور ان سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے، ان کے عقائد مسلمانوں کے عقائد کے مطابق تھے، ان کی عبادت مسلمانوں کی عبادت کے مطابق تھے، ان ہی چیزوں میں اخروی نجات کو منحصر مانتے تھے، ان سب چیزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گرونا نک صاحب نہ یہ کہ پکے سچے مسلمان تھے، بلکہ مسلمانوں کے مذہبی پیشوا وبزرگ تھے، بلکہ اسلام کے داعی اور مبلغ تھے (جناب گرونا نک جی اور اسلام/ ۸، ۹)۔

یہ مذکورہ تمام عقائد خیالات ان کی معتبر کتابوں کے حوالے سے ثابت شدہ ہیں، جیسا کہ تفصیل مولانا حبیب اللہ قاسمی کی کتاب (گرونا نک جی اور انکی دعوت وتبلیغ) میں دیکھی جاسکتی ہے، اسی لئے مفتی محمد فاروق میرٹھیؒ نے اپنے ایک رسالہ ''جناب گرونا نک جی اور اسلام'' میں موجودہ سکھوں کو سچے رسول کے معتقدین اور آسمانی کتابوں کے قائلین میں سے شمار کیا ہے، اور یہ ثابت کیا ہے کہ سکھ صاحبان میں بہت سی اسلامی صفات موجود ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

۱- سکھ صاحبان توحید کے قائل ہیں، کہ خالق ومالک صرف ایک ہے، وہی عبادت کے لائق ہے، موت وزندگی، عزت وذلت، نفع ونقصان سب اسی کے قبضہ میں ہے، بتوں اور مورتیوں کے قائل نہیں ہیں، رسول کے قائل ہیں کہ بندوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالی نے بہت سے انبیاء اور پیغمبر بھیجے ہیں، آسمانی کتابوں کے قائل ہیں کہ اللہ تعالی نے بندوں کی ہدایت کے لئے بہت سی کتابیں نازل کی ہیں، نشہ کو حرام سمجھتے ہیں، اپنی آمدنی کا دسواں حصہ نکالتے ہیں، اور اس کے علاوہ لوگوں کو کھانا کھلانے پانی پلانے کا اہتمام کرتے ہیں، اور اس کو کار خیر سمجھتے ہیں، وغیرہ وغیرہ (جناب گرونا نک جی اور اسلام)۔

لمحہ فکر:

حضرت مولانا کی مذکورہ تحریر سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ سکھ مت کے بانی گرونانک جی ایک توحید پرست اور اسلامی عقیدہ کے حامل تھے، اگر اسی عقیدہ وملت پر آج کے سکھ ہوتے تو یقیناً کہا جاسکتا تھا کہ ایک اہل کتاب کے لئے جو شرطیں ذکر کی گئی ہیں کہ وہ کسی نبی مرسل کا معتقد اور کتاب منزل کا مقر ہو، یہ دونوں شرطیں سکھ میں موجود ہیں، اور وہ اہل کتاب میں سے ہیں، لیکن آج کے سکھ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اپنے اصل مذہب وملت پر باقی ہیں، جیسا کہ پروفیسر محمد یوسف خاں صاحب نے اپنی کتاب ''تقابل ادیان'' میں فرمایا:

سکھ مت کے بارے میں آج کل دو نظریئے پائے جاتے ہیں، بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ سکھ مت ایک جدید اور خود مختار مذہب ہے اور مذاہب عالم میں سے اسے بھی ایک مستقل مذہب کی حیثیت حاصل ہے، جبکہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ مذہب نہیں، بلکہ ''ہندو مت'' کی ایک ''اصلاحی تحریک'' کا نام ہے، جس نے ہندوانہ عقائد اور نظریات کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، اور ان کا نصب العین ہندویوں کے مذہبی عقائد کی تطہیر ہے (تقابل ادیان: ۱۰۵)۔

خلاصہ: یہ کہ آج کے سکھ پر علی الاطلاق اہل کتاب کا حکم جاری نہیں ہوگا، لیکن مفتی محمد فاروق صاحبؒ کی تحریر کے مطابق اگر کوئی سکھ اپنی اصل مذہب گرونانک جی کے عقائد وملت پر موجود ہو تو اسے اہل کتاب کہنا برمحل ہوگا۔

فرقہ قادیانی:

رہی بات فرقہ قادیانی کی تو یہ لوگ کافروں سے بدتر، زندیق اور واجب القتل فرقہ ہیں (کذا فی احسن الفتاوی سے) اور ان کے عقائد باطلہ اور خیالات فاسدہ میں سے یہ ہے کہ آخری آسمانی کتاب قرآن مجید نہیں، بلکہ مرزا غلام احمد کی وحی کا مجموعہ ''تذکرہ'' ہے (فتاوی بینات ۱/۱۹۸)، نیز ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کلمہ طیبہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' میں ''محمد رسول اللہ'' سے مراد غلام احمد قادیانی ہے، چنانچہ مرزائی اخبار الفضل مورخہ ستمبر ۱۹۱۰ء کی اشاعت میں لکھا ہے:

یہ مسلمان کیا منہ لے کر دوسرے مذاہب کے بالمقابل اپنا دین پیش کرسکتے ہیں، تاوقتیکہ وہ مسیح موعود (غلام احمد قادیانی) کی صداقت پر ایمان نہ لائیں، جو فی الحقیقت وہی ختم المرسلین تھا کہ خدائی وعدہ کے مطابق دوبارہ آخر میں مبعوث ہوا، وہ (مرزا) وہی فخر اولین وآخرین ہے جو آج سے تیرہ سو سال پہلے رحمۃ العالمین بن کر آیا تھا (قادیانی مذاہب: ۲۶۴)۔

اس سے واضح ہوگیا کہ قادیانی ایک ایسا فرقہ ہے جس کا مدار کسی کتاب منزل پر نہیں ہے، بلکہ پراگندہ خیالات اور عقائد فاسدہ کے مجموعہ ''تذکرہ'' پر ہے، اسی طرح اس کے مذہب کا مدار کسی نبی مرسل پر نہیں ہے بلکہ اشرف المخلوقات، زندیق ومرتدہ غیر محقون الام غلام احمد قادیانی کی رسالت پر ہے، اور ظاہر سی بات ہے کہ یہی عقیدہ تمام مرزائیوں کا ہے، خواہ وہ نسلی مرزائی ہوں یا خود اسلام سے مرتد ہوکر مرزائیت اختیار کئے ہوں، لہذا شریعت کی روشنی میں دونوں ہی زندیق اور عام کفار سے بدتر ہیں، اس لئے کسی بھی طرح اس فرقہ کو اہل کتاب میں سے شمار نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ بہت اختصار اور جامعیت کے ساتھ علامہ کشمیریؒ نے کتابی کی تحدید فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

''وإن كان متدينا ببعض الأديان والكتب المنسوخة خص باسم الكتابي كاليهودي والنصراني'' (الکفار الملحدین ۳/ ۱۱۲) (معلوم ہوا کہ کتابی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کسی بھی دین سماوی کا اعتقاد اور کتاب منزل کا اقرار ہو، اور قادیانی میں مذکورہ دونوں شرطوں میں سے کوئی بھی موجود نہیں ہے۔

خلاصہ فرق:

مذکورہ تفصیلات سے یہ واضح ہوا کہ بہائی، بابی اور قادیانی یہ سب زندیق ہیں، اگر جو دین وایمان کا اظہار، نماز وروزہ کی پابندیاں، خوش بیانی اور اپنی شیریں کلامی سے مومن ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہوں، کیونکہ ان کے دل عقائد فاسدہ سے معمور اور احکام ضروریہ قطعیہ سے دور ہیں۔

علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''وإن كان مع اعترافه نبوة النبي ﷺ وإظهاره شعائر الإسلام يبطن عقائد هي

کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق'' (شرح المواقف ۲/ ۲۶۹)

،اسی طرح آج کل کے سکھ پر بھی اہل کتاب کا حکم جاری نہیں ہوگا، جیسا کہ تفصیل مذکور ہوئی۔

ویدوں کو آسمانی کتاب کہنا اور اوتاروں کو نبی:

انبیاء ورسل اور ان کی کتابوں سے متعلق تمام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے کہ ان پر کسی تعیین وحصر کے بغیر اجمالاً ایمان لانا واجب ہے، تاکہ تحدید و تعیین کی وجہ سے ان میں سے کسی کا خارج ہونا یا ان کے علاوہ میں سے کسی کا داخل ہونا نہ لازم آئے، جیسا کہ ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکاۃ میں تحریر کرتے ہیں:

''فیجب الإیمان بالأنبیاء والرسل مجملا من غیر حصر فی عدد، لئلا یخرج احد منهم، ولا یدخل أحد من غیرهم فیهم'' (مرقاۃ ۱۰/ ۲۱۷)۔

اور اس اجمالاً ایمان لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نصوص قطعیہ میں بہت سے انبیاء ورسل کے ارسال و بعثت کا تذکرہ ہے، مگر ان تمام کی تفصیل موجود نہیں ہے، بلکہ گنے چنے معدود چند کی تفصیل ہی بیان کی گئی ہے، اور ظاہری بات ہے کہ جس کی تفصیل بیان سے نصوص ساکت ہیں ان کی تفصیل ظن وگمان سے کس طرح کی جاسکتی ہیں، اس لئے اجمالاً ہی ایمان لانا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ولقد ارسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا علیك ومنهم من لم نقصص علیك"۔

اور حدیث پاک میں اگرچہ معین تعداد میں انبیاء ورسل کی آمد کا تذکرہ ہے، لیکن ان اعداد میں سے کوئی قطعی عدد مراد نہیں، چنانچہ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا: میں نے کہا: یا رسول اللہ! کل انبیاء کی تعداد کتنی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، ان میں سے تین سو پندرہ ایک بڑی جماعت رسولوں کی ہوئی۔

''عن أبی امامة قال أبوذر: قلت: یا رسول اللّٰه! کم وفاء عدة الأنبیاء؟ قال: ماة الف وأربعة وعشرون ألفا، الرسل من ذلك ثلثماة وخمسة عشر جما غفیرا'' (مشکوۃ/ ۵۱۱)۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں: ''العدد فی هذ الحدیث، وإن کان مجزوو ابه لکنه لیس بمقطوع'' (مرقاۃ ۹/ ۲۱۷)۔

نیز انبیاء ورسل کے بارے میں یہ بھی منصوص ہے کہ خدائے عزوجل نے تمام قوموں کی طرف ان ہی میں سے کسی نہ کسی رسول و نبی کی بعثت فرمائی ہے، جو اس قوم کو توحید کی دعوت پیش کی اور خداوند قدوس کی جانب سے اتمام حجت کیا، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"وإن من أمة إلا خلا فیها نذیر" (سورۂ فاطر/ ۲۴)۔

"وکذالك ما أرسلنا من قبلك فی قریة من نذیر إلا قال مترفوها" (سورۂ زخرف/ ۲۳)۔

مذکورہ امور سے معلوم ہوا کہ انبیاء ورسل کے سلسلے میں عادت خداوندی یہی رہی ہے کہ مختلف زمان ومکان میں ان کا ایک غیر معمولی سلسلہ جاری فرمایا ہے جن کی حتمی اور قطعی تعداد وتحدید موجود نہیں ہے، الا یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ ان میں سے بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو صاحب شریعت اور حامل کتاب وصحت ہیں، لہذا وہ تمام ویدوں اور اوتاروں جن کے پیغامات شریعت سے ہم آہنگ، بنی برتوحید ہوں اور ان میں انسانی اخلاق حمیدہ کا تذکرہ اور آخرت کی فکریں ہوں، ان کے بارے میں رسول و نبی ہونے اور ان کی کتاب کے کتاب الٰہی ہونے کا امکان ہوسکتا ہے، اور چونکہ قرآن و حدیث میں صراحۃً تذکرہ نہیں ہے، اس لئے حتماً اور یقیناً انہیں نہ تو نبی کہا جاسکتا ہے اور نہ ان کی کتابوں کو وحی منزل سے موسوم کیا جاسکتا ہے، تاہم یہ بھی کسی کے لئے روا نہیں ہے کہ ان کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے، یا طعن وتشنیع کے ذریعہ ہتک احترام کرے، بلکہ ان کا معاملہ خداوند قدوس کے سپرد کردینا چاہئے اور ان پر زبان درازی سے مکمل احتیاط برتنا چاہئے۔

☆☆☆

اہل کتاب کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح

مفتی محمد ارشاد پالنپوری[1]

۱- اہل کتاب کی تعریف کیا ہے؟

اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کم سے کم نزول قرآن کے زمانہ میں یہود ونصاری جو عقیدے رکھتے تھے ان کے قائل ہوں، یعنی تورات پر ایمان رکھتے ہوں (خواہ تحریف شدہ ہی کیوں نہ ہو)، حضرت موسیٰؑ کی نبوت کے قائل ہوں، فی الجملہ خدا کے وجود نبوت وحی فرشتوں وغیرہ پر ایمان رکھتے ہوں، گو اسلام کے منکر ہوں اور حضرت مسیح اور حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ اور الوہیت میں شریک مانتے ہوں، کیونکہ قرآن نے جس دور میں اہل کتاب کے ذبیحے اور عورتوں کو حلال قرار دیا ہے اس دور میں بھی اہل کتاب توحید خالص اور عقائد حقہ صادقہ پر قائم نہیں تھے۔

"واعلم أن من اعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف ابراهيم وشيث وزبور داؤد، فهو من أهل الكتاب، فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم قوله (على المذهب) اى خلافا لما فى المستصفى من تقييد الحل بأن لايعتقدوا ذلك ويوافقه ما فى مبسوط شيخ الإسلام يجب أن لاياكلوا ذبائح أهل الكتاب إذا اعتقدوا أن المسيح إله وإن عزيرا إله ولا يتزوجوا نسائهم، ولكن بالنظر إلى الدليل ينبغي أنه يجوز الأكل والتزوج، قال فى البحر؛ وحاصله أن المذهب الإطلاق لما ذكر شمس الأئمة فى المبسوط من أن ذبيحة النصرانى حلال مطلقا سواء قال بثالث ثلاثة أولا، لإطلاق الكتاب والدليل" (شامی ۴/ ۱۳۴، مکتبہ زکریا، جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۱۸،۲۱۷)۔

۲- قرآن مجید نے مسلمان، یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ صابیوں کا ذکر کچھ اس طرح سے کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خاص مذہب کے حاملین اور معتقدین تھے اور سلف صالحین کے اقوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کے آنے کے بعد بھی ایک ڈیڑھ سو سال تک یہ مذہب پایا جاتا تھا، خلیل کا خیال ہے کہ ان کا مذہب عیسائیت سے قریب تھا اور یہ جنوب کو اپنا قبلہ بنائے تھے اور اپنے آپ کو حضرت نوحؑ کے دین پر تصور کرتے تھے۔

"وقال الخليل: هم قوم يشبه دينهم دين النصارى، إلا أن قبلتهم نحو مهب الجنوب يزعمون أنهم على دين نوح عليه السلام" (تفسیر ابن کثیر ۱/ ۲۵۶)۔

امام مجاہد اور حسن بصریؒ کا بیان ہے کہ ان کا مذہب یہودیت اور آتش پرستی کا مرکب ہے، اور ان کا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا، اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ان کی عورتوں سے نکاح نہیں کیا جائے گا۔

"وحكى القرطبي عن مجاهد والحسن أنهم قوم تركب دينهم بين اليهود والمجوس ولا تؤكل ذبائحهم، وقال ابن عباس ولا تنكح نسائهم" (تفسیر ابن کثیر ۱/ ۲۵۶)۔

امام ابو یوسف اور امام محمد نے ان کے ذبیحہ کو حرام قرار دیا ہے، اور امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ آپ ان کو اہل کتاب میں شمار کرتے تھے، امام کرخی کا خیال ہے کہ ان کا ایک فرقہ حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا اور زبور کی تلاوت کرتا تھا، امام ابوحنیفہ نے اپنی رائے میں اسی کو پیش نظر رکھا ہے، اور ایک فرقہ وحی اور نبوت کا منکر اور سورج کا پرستار تھا، امام ابویوسف اور امام محمد نے اسی کے پیش نظر اپنی رائے دی ہے۔

"وذكر الكرخي رحمه الله تعالى أنه لا خلاف بينهم فى الحقيقة، وإنما اختلفوا؛ لأنهم صنفان، صنفا منهم يقرون نبوة عيسى عليه السلام ويقرون الزبور فهم صنف من النصارى، وإنما أجاب أبوحنيفة بحل ذبيحة الصابى

---

[1] مدرسہ جامعہ دار العلوم وساڑا، ضلع سریندر نگر، گجرات۔

إذا كان من هٰذا الصنف وصنف منهم ينكرون النبوة والكتاب أصلا ويعبدون الشمس فهم كعبدة الأوثان لايؤكل صيدهم ولا تحل ذبيحتهم، وإنما أجاب أبويوسف و محمد رحمهما الله بحرمة الصيد والذبح في حق هٰؤلاء'' (قاضی خاں ۳/ ۲۶۱،۳۶۲، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

ہر چند کہ اس دور میں اس نام سے کوئی قوم معروف اور متارف نہیں ہے، لیکن صابئین کے بارے میں فقہاء کی احتیاط سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ کوئی بھی فرقہ جس کا اہل کتاب میں سے ہونا مشکوک ہو تو جب تک اس کا اہل کتاب میں سے ہونا تحقیق نہ ہو جائے، ذبیحہ اور عورتوں کی حلت کے باب میں ان کو اہل کتاب کا درجہ نہیں دیا جاسکتا (قاموس الفقہ ۴/ ۲۱۶ کتب خانہ نعیمیہ)۔

۳- موجودہ زمانہ میں اہل کتاب کہلانے والوں میں خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ضرور ہے جو برائے نام یہودیت اور عیسائیت کی طرف منسوب ہیں اور فی الحقیقت وہ خدا کے وجود، وحی، نبوت اور فرشتوں وغیرہ کے قائل نہیں ہیں، بلکہ وہ ملحد اور دہریہ اور خدا کے منکر ہیں، مذہب کا مذاق اڑاتے ہیں تو ایسے لوگ ہرگز اہل کتاب کے حکم میں داخل نہیں ہیں اور ان کا ذبیحہ اور عورتیں حلال نہیں ہوگی، چنانچہ حضرت علیؓ نے بعض نام نہاد عیسائیوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، کیونکہ شراب نوشی کے علاوہ ان کا مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

''روى محمد ابن سيرين عن عبيدة قال: سألت عليا عن ذبائح نصارى العرب، فقال: لاتحل ذبائحهم، فإنهم لم يتعلقوا من دينهم بشي إلا بشرب الخمر'' (احکام القرآن للجصاص: ص۴۰۶،۴۰۷، مکتبہ شیخ الہند دیوبند)

(محمد ابن سیرین نے روایت کیا عبیدہ سے انہوں نے فرمایا میں نے حضرت علیؓ سے عرب کے نصاری کے ذبیحوں کے بارے میں پوچھا تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، اس لئے کہ ان کو شراب پینے کے علاوہ ان کے دین سے کوئی واسطہ نہیں ہے)۔

ایسا ہی حال موجودہ زمانہ میں اہل کتاب کہلانے والوں کا ہے، لہذا ان کے بارے میں اصل حکم یہی ہونا چاہئے کہ وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہیں، ہاں کسی خاص فرد کے بارے میں قطعی دلیل سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے مذہب کا سچا متبع ہے تو استثنائی طور پر وہ اہل کتاب میں داخل ہو کر نکاح اور ذبیحہ کے معاملہ میں ان کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کیا جاسکتا ہے پھر بھی ان سے نکاح نہ کرنا اور ان کے ذبیحہ سے احتیاط کرنا بہتر ہوا۔

''والاولى ان لايتزوج كتابية ولا يأكل ذبائحهم الا لضرورة'' (بحر الرائق ۳/ ۱۸۳، مکتبہ زکریا)۔

۴- جاننا چاہئے کہ عقیدہ ختم نبوت جزو ایمان ہے اور قیامت کے عقیدہ کی طرح ختم نبوت کا عقیدہ بھی حضرت آدم سے لے کر ہر رسول کی دعوت کا جز واہم رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی بہت سی دلیلیں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں آئی ہیں، مثلاً قرآن مجید میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"ماكان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين فكان الله بكل شئ عليما" (احزاب: ۴۰)۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں میں سے کسی کے باپ نہیں، بلکہ اللہ تعالی کے رسول اور آخری نبی ہیں، اور اللہ تعالی ہر چیز کو خوب جانتا ہے، حدیث شریف میں آیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أنا خاتم النبيين لا نبي لعدي'' (میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں)، نیز اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"اليوم أكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا" (مائدہ: ۳)

(آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمہارے اوپر...... کردی اور اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کیا) اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالی دین کی تکمیل کردی اور اسلام ہر طرح کامل اور مکمل دین ہو گیا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پیغمبر کے آنے کی ضرورت نہیں رہی، فتاوی بزازیہ میں ہے:

''وأما الإيمان بسيدنا عليه الصلاة والسلام، فيجب بأنه رسولنا في الحال وخاتم الأنبياء والرسل فإذا امن بأنه رسول ولم يؤمن بأنه خاتم الرسل لاينسخ دينه إلى يوم القيامة لايكون مؤمنا'' (فتاوی بزازیہ ۳/ ۱۸۲)

بہر حال ہمارے سردار پر ایمان لانا واجب ہے یہ کہ وہ ہمارے رسول ہیں فی الحال اور خاتم الانبیاء اور رسول ہیں، لہذا کوئی آدمی آپ کے رسول ہونے پر تو ایمان رکھتا ہے لیکن آپ کے خاتم الرسول ہونے پر ایمان نہیں رکھتا ہے، بلکہ آپ کے بعد کسی نبوت کا قائل ہے، تو ایسا آدمی مومن نہیں ہو سکتا۔

لہذا ان تمام دلائل کی روشنی میں یہی کہا جائے گا کہ وہ جماعت جو قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتی ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مانتی ہے، لیکن آپ کا

خاتم الرسل ہونا تسلیم نہیں کرتی، بلکہ آپ کے بعد کسی اور کو نبی مانتی ہے تو ختم نبوت جزءایمان کا ایک اہم جز ہے اس کا انکار کرنے کی وجہ سے یہ جماعت بلاشبہ کافر ہے، اس کو اہل کتاب میں سے ماننا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔

۵- قادیانیوں کی اولاد (نسلی مرزائی قادیانی) غلام احمد قادیانی کو نبی یا کم از کم مسلمان مانتی ہو تو وہ بھی کافر ہے ان کا ذبیحہ حرام اور مردار ہونا چاہئے وہ اہل کتاب کے حکم میں نہیں ہو سکتے ہیں، علامہ شامی غالی روافض کو کافر مانتے ہیں اور ان کو اہل کتاب نہیں سمجھتے تو قادیانیوں کی اولاد کا شمار اہل کتاب میں کیسے ہوگا۔

''والظاهر أن الغلاة من الروافض المحكوم بكفرهم لاينفكون عن اعتقادهم الباطل في حال اتيانهم بالشهادتين وغيرهما من أحكام الشرع كالصوم والصلاة فهم كفار لامرتدون ولا أهل كتاب'' (شامی)۔

مولانا محمد یوسف لدھیانوی تحریر فرماتے ہیں: ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ ہے: جو شخص خود قادیانیت کی طرف مرتد ہو وہ مرتد بھی ہے اور زندیق بھی، اس کی صلبی اولاد بھی اپنے والدین کے تابع ہونے کی وجہ سے مرتد ہے اور زندیق بھی، اس کی اولاد کی اولاد مرتد نہیں خالص زندیق ہے، مرتد اور زندیق دونوں واجب القتل ہوں دونوں سے مناکحت باطل اور دونوں کا ذبیحہ حرام اور مردار ہے۔

لہذا پوری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ نسلی قادیانی بھی کسی طرح اہل کتاب میں شمار نہیں ہو سکتے ہیں (ماخوذ از فتاوی رحیمیہ ۱ / ۱۵۴-۱۵۵، مکتبہ احسان)۔

الف- موجودہ حالات میں مسلم ملکوں میں اہل کتاب عورتوں سے شادی کرنا کراہت سے خالی نہیں علامہ شامی نے اس کو مکروہ تنزیہی کہا ہے،

''يفيد كراهة التنزيه في خمر الحربية وما بعده يفيد كراهة التحريم في الحربية'' (شامی ۴ / ۱۰۱، مکتبہ دار الکتاب دیوبند)۔

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ یہ بات علامہ شامی نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے کہی ہے موجودہ زمانہ میں مسلم حکمرانوں اعلی عہدیدار کی زوجیت میں یہودی اور عیسائی خواتین کے رہنے نے باطل کے مقابلہ میں ان کے اندر جو جرات ہونی چاہئے وہ جرات ختم کردی ہے اور ان سے پیدا ہونیوالی نسل پوری طرح مغربی تہذیب وثقافت سے متاثر ہیں اور عالم اسلام کو بڑا نا قابل برداشت نقصان پہنچا ہے اور دار الحرب میں اہل کتاب عورتوں سے رشتہ زوجیت قائم کرنا فقہاء نے مکروہ تحریمی لکھا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ ان اہل کتاب خواتین سے پیدا ہونیوالی اولاد حربیوں کے رنگ میں رنگ جائیگی اور ان کے اخلاق سے متاثر ہوگی۔

''وتكره الحربية اجماعا لانفتاح باب الفتنة من إمكان التعلق المستدعي للمقام معها في دار الحرب وتعريض الولد على التخلق باخلاق اهل الكفر'' (شامی ۴ / ۱۰۱، مکتبہ دار الکتاب)۔

مغربی تہذیب کے غلبہ کی بنا پر ٹھیک یہی علت مسلم ملکوں میں بھی پائی جاتی ہے، لہذا موجودہ زمانہ میں مسلم ملکوں میں کتابیہ عورتوں سے شادی کرنا مکروہ تحریمی ہونا چاہئے (ماخوذ اس کتاب الفتاوی)۔

ب- دار الکفر میں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنے کو فقہاء نے جو مکروہ کہا ہے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اگر دار الحرب میں شادی کرے گا تو وہاں کے کلچر اور تہذیب سے متاثر ہوگا اس کی پیدا ہونے والی اولاد میں کافروں کے اخلاق پیدا ہوں گے۔

''وتكره الكتابية الحربية إجماعا لانفتاح باب الفتنة من إمكان التعلق المستدعي للمقام معها في دار الحرب وتعريض الولد على التخلق بإخلاق اهل الكفر'' (شامی ۴ / ۱۰۱)۔

موجودہ حالات میں مغربی ممالک میں یہودی اور عیسائی عورتوں سے اگر نکاح کیا جاتا ہے تو سب سے پہلے تو ان کا اہل کتاب میں سے ہونا مشکوک ہے، اس لئے کہ مغربی ممالک میں اہل کتاب کہے جانے والوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہے، جو ملحد، بے دین، اور دہریہ قسم کے ہیں، اور ان مذہب سے ان کو کوئی سروکار نہیں ہے، اور اگر واقعی میں وہ عورت اہل کتاب میں سے ہے تو اس میں اگر چہ اس بات کا احتمال ہے کہ ناکح آدمی اس کتابیہ پر محنت کرے اور وہ دامن اسلام میں آجائے پھر اسلام کی روشنی اپنے خاندان اور معاشرہ میں پھیلا دے۔

☆☆☆

اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے احکام

مفتی محبوب عالم قاسمی (کچھار، آسام)

اہل کتاب کے ساتھ ازدواجی اور سماجی تعلقات کے حوالے سے بحث کرتے وقت چند چیزیں ملحوظ رہنی چاہئے:

اولا: یہ کہ ہم جس دور میں جی رہے ہیں یہ فتنۂ دجال ومغربی تہذیب کی دبدبائی کا دور ہے، اور چوبیس گھنٹے ایمان واسلام پر حملے کئے جارہے ہیں اور ہر وقت ایمان کو نشانہ بنایا جارہا ہے، مسلمانوں کے ایمان کو برباد کرنے کے لئے صلیبی وصہیونی طاقتیں اپنی آخری کوشش میں لگی ہوئی ہیں اور فرمان باری تعالی: "ود کثیر من أهل الكتاب لو يردونكم من بعد إيمانكم كفارا حسدا من عند أنفسهم من بعد ما تبين لهم الحق" (سورۂ بقرہ:۱۰۹)، بعینہ اس دور میں صادق آرہی ہے۔

ثانیا:...... یہ کہ ہم اس وقت دور مغلوبیت میں ہیں۔

ثالثا:...... یہ کہ اس وقت ہمارا سرمایہ ایمان اور عمل صالح ہیں اور زندگی کا اہم مقصد اس نعمت کی حفاظت ہے، جو دیگر سارے امور پر مقدم ہے۔

رابعا:...... یہ کہ ہمیں کوئی ایسا قدم ہرگز نہیں اٹھانا چاہئے جس کے نتیجے میں ہمارا ایمان خطرے میں آجائے۔

خامسا:...... یہ کہ اس وقت مسلمانوں کے اندر دینی شعور اور اپنے دین کی عظمت کا بہت فقدان ہے۔

چنانچہ ان چیزوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں ان مسائل پر بحث کرنا ہے، جہاں تک مسلمان مرد کے لئے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کا تعلق ہے تو اسلام نے اس کو جائز قرار دیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم والمحصنات من المؤمنات والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم إذا آتيتموهن أجورهن محصنين غير مسافحين ولا متخذي أخدان" (مائدہ:۵)

قرآن کی یہ حلت محض ایک رخصت ہے، ورنہ شریعت کا اصل منشاء ومطلوب پاک دامن مسلمان عورت سے نکاح ہے؛ کیونکہ نکاح کے پیچھے بہت اہم مقاصد ہیں، پھر فقہاء کرام نے اہل کتاب عورت سے نکاح کرنے کے نتائج اور اثرات کے پیش نظر دار الحرب اور دار الاسلام کا فرق کیا ہے، چونکہ وہ دور مسلمانوں کے اقتدار کا دور تھا، نیز اس وقت کے مسلمان دینی حمیت وغیرہ سے سرشار تھے، اس لئے فقہاء کرام نے دار الاسلام میں اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا، اگرچہ مکروہ تنزیہی کہا، ساتھ ہی ساتھ اس زمانے میں جو ملک دار الحرب تھا اور وہاں کفر کی بالادستی ہوتی تھی اور وہاں مسلمان کے ایمان اور اسلامی تہذیب کی حفاظت بھی ایک اہم ذمہ داری ہوتی تھی تو وہاں اگر کوئی مسلمان کسی اہل کتاب عورت سے نکاح کرے گا تو اپنے ایمان کو مصیبت میں ڈالنے کے مترادف ہوتا تھا، نیز اولاد کے اس رنگ میں رنگ جانے کا خطرہ رہتا تھا، اس لئے فقہاء نے اس کو مکروہ تحریمی لکھا ہے، علامہ ابن الھمامؒ لکھتے ہیں:

"(قوله ويجوز تزويج الكتابيات) والأولى أن لا يفعل ولا يأكل ذبيحتهم إلا للضرورة، وتكره الكتابية الحربية إجماعا لانفتاح باب الفتنة من إمكان التعلق المستدعي للمقام معها في دار الحرب، وتعريض الولد على التخلق بأخلاق أهل الكفر وعلى الرق بأن تسبى وهي حبلى فيولد رقيقا، وإن كان مسلما" (فتح القدیر ۳/ ۲۱۸، دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

تو دار الحرب میں کتابی عورت سے نکاح کرنے کو مکروہ تحریمی قرار دینے کی علت اس نکاح کی وجہ سے اپنے دین پر پڑنے والے منفی اثرات ہیں، اور دار الاسلام میں یہ بات نہیں، بلکہ اس زمانے میں مسلمان دینی اعتبار سے باشعور ہوتا تھا، لیکن پھر بھی ایسا نہ کرنے کا مشورہ دیا جاتا تھا، لیکن آج کل تو اس کا مشاہدہ ہورہا ہے کہ عرب ممالک میں عرب حکمرانوں، فوجی کمانڈروں اور اعلی عہدیداروں کے یہودی وعیسائی عورتوں کے نکاح کرنے نے عالم اسلام کو ناقابل تلافی فوجی، سیاسی، معاشی، فکری، دینی، اخلاقی وتہذیبی نقصان پہنچایا ہے، چنانچہ ایسی صورت حال میں اور خاص کر مغربی تہذیب کی دبدبائی کے اس دور میں مسلم ملکوں میں بھی اہل کتاب عورتوں سے نکاح مکروہ تحریمی ہوگا۔

ویزہ کی سہولت اور دعوتی نقطہ نظر سے کتابیہ عورت سے نکاح:

دار الحرب میں اہل کتاب عورت سے نکاح کرنے کے سلسلے میں چند چیزیں پیش نظر رہیں:

۱- فقہاء نے دار الحرب میں کتابیہ عورت سے نکاح مکروہ تحریمی قرار دیا، مکروہ تحریمی حرام سے قریب ہے، اس لئے اگر نکاح صحیح ہوجائے گا لیکن نکاح کرنے والا گنہگار ہوگا۔

۲- اس نکاح کی وجہ سے جو اولاد پیدا ہوں گی، اگرچہ وہ شرعاً خیر الابوین کے تابع ہوکر مسلمان ہوں گی، لیکن شدید اندیشہ ہے کہ وہ اہل کتاب کا دین اور ان کی تہذیب اختیار کرلیں۔

۳- مغربی ممالک میں طلاق کا حق عورتوں کو بھی ہے، اور یہ بہت دیکھا گیا ہے کہ وہ ایک عرصے بعد شوہر کو طلاق دے دیتی ہیں، اور شوہر کی ملکیت کے ایک مخصوص حصے کی مالک بن جاتی ہیں، ایسی صورت میں اگر اولاد رہیں تو ان کی بھی تقسیم ہوگی، تو جو اولاد ماں کے حق میں جائیں گی وہ کفر کی دنیا میں داخل ہوجائیں گی۔

علاوہ ازیں وہ عورت حقیقی اہل کتاب ہے یا نہیں اس کا پتہ لگانا بھی بہت مشکل ہے، کیونکہ آج کل اکثر برائے نام اہل کتاب ہیں، درحقیقت وہ دہریئے اور ملحد ہیں، نیز مسلمانوں کا خود اپنے ایمان پر اعتماد نہیں رہا، بلکہ وہ عجیب سی احساس کمتری میں مبتلا ہیں، چنانچہ موجودہ صورتحال کے تناظر میں مذکورہ امور کو عذر بنا کر دار الکفر میں اہل کتاب سے نکاح کرنے کی کراہت زائل نہیں ہوگی، بلکہ نکاح مکروہ تحریمی ہی رہے گی۔

جہاں تک دعوتی نقطہ نظر سے نکاح کی بات ہے تو مذکورہ چند شرائط کے ساتھ کراہت دور ہوسکتی ہے:

۱- یہ نکاح خالصۃ دعوتی مقاصد کے پیش نظر ہو۔

۲- مسلمان مرد داعیانہ مزاج رکھتا ہو اور دعوت کی لیاقت وصلاحیت اس کے اندر ہو۔

وہ مسلمان مرد مکمل باشعور، دینی حمیت وغیرت اور مضبوط قوت ارادی والا ہو، نیز دوسروں پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۳- اس عورت سے اسلام کی امید کی جاسکتی ہو۔

۴- اپنے ایمان واسلام کی سالمیت کا یقین ہو۔

لیکن پھر بھی مسلمانوں کی اس پستی کے دور میں کسی پاک دامن مسلمان عورت ہی سے نکاح کرنا بہتر ہے۔

اہل کتاب بیوی کے حقوق:

اہل کتاب عورتوں کے وہی حقوق ہوتے ہیں جو ایک مسلمان عورت کے ہوتے ہیں، مسلمان شوہر کے لئے ان حقوق کی ادائیگی ضروری ہے اور ان سے راہ فرار اختیار کرنا جائز نہ ہوگا، ابن قدامہ لکھتے ہیں:

''والمسلمة والكتابية سواء في القسم... وذلك؛ لأن القسم من حقوق الزوجية، فاستوت فيه المسلمة والكتابية كالنفقة والسكنى'' (المغنی ۱۰/ ۲۴۳، دار عالم الکتب، ریاض)۔

اور جہاں تک غیر مسلم ہونے کی بنیاد پر طلاق دینے کی بات ہے تو اس عاجز کی رائے ہے کہ اولاً ان کو اسلام کی دعوت دی جائے، نیز اپنی حسن معاشرت سے ان کو اسلام کی طرف مائل کیا جائے، لیکن اگر وہ اپنے کفر پر جمی رہے یا فی الوقت یا مستقبل میں اپنے ایمان واسلام اور اولاد کی تربیت کے سلسلے میں کسی خطرے کا اندیشہ ہو تو طلاق دی جاسکتی ہے، کتاب الآثار میں امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ حذیفہؓ نے کسی یہودی عورت سے نکاح کرلیا تھا، تو حضرت عمرؓ کو جب اطلاع ملی تو حکم دیا کہ طلاق دے دو، حضرت حذیفہ نے جواب میں لکھا کہ کیا وہ میرے لئے حرام ہے، تو حضرت عمرؓ نے ان الفاظ میں جواب لکھا:

''أعزم عليك أن لاتضع كتابي حتى تخلي سبيلها، فإني أخاف أن يقتدي بك المسلمون فيختار نساء أهل الذمة لجمالهن وكفى بذلك فتنة لنساء المسلمين''۔ ''قال محمد: وبه نأخذ، لانراه حراما، ولكن نرى أن تختار عليهن نساء المسلمين، وهو قول أبي حنيفة'' (کتاب الآثار ۱/ ۴۲۵، دار السلام مصر)۔

رہی بات مسلمان شوہر کے گھر اہل کتاب عورت کے اپنے مذہبی مراسم انجام دینے کی تو ان میں سے وہ عبادات جو اسلام سے متصادم نہیں مثلاً نماز، روزہ تو ان کو ادا کرسکتی ہیں، اس کے علاوہ ہر وہ مذہبی مراسم جو اسلامی عقیدے سے متصادم ہوں، مسلمان کے لئے اپنے گھر میں ان کو انجام دینے کی اجازت دینا جائز نہیں، کیونکہ اس سے گھر کا ماحول متاثر ہوگا، اولاد پر بھی اس کا برا اثر پڑے گا، علاوہ ازیں اہل کتاب کے کفریہ مراسم پر اگر رضامندی سے بیوی کو اجازت دے تو رضا بالکفر کی رو سے ایمان سے خارج ہونے کا خطرہ بھی ہے، چنانچہ بیوی اگر گھر میں حضرت عیسی کی تصویر یا صلیب لانا چاہے یا کرسمس منانا چاہے تو شوہر کے لئے روکنا ضروری ہے، ہاں، اگر بیوی نہ مانے تو اس پر جبر نہیں کرسکتا۔

اہل کتاب سے سماجی تعلقات:

اہل کتاب کے ساتھ عام سماجی تعلقات اور معاملات درست ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے عقد مزارعت ومساقات، یہودیوں کی دعوت قبول کی، ان سے کھانا خریدا اور ان کے پاس رہن بھی رکھا، البتہ عیسائی مشنریز کے مختلف تعلیمی، سماجی، معاشی پروگرام جن کا اصل مقصد دین مسیحیت کی تبلیغ اور عام لوگوں کے ذہنوں کو اپنی مختلف الجہات خدمات کے ذریعے دین مسیحیت سے قریب کرنا ہے ان امور میں مسلمانوں کا شریک ہونا اور ان کا کسی بھی صورت میں تعاون یا حوصلہ افزائی کرنا ہرگز جائز نہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (سورۂ مائدہ: ۲)۔

اسی طرح اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "لاتجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم أو ابناءھم أو إخوانھم أو عشیرتھم أولئك کتب فی قلوبھم الإیمان" (مجادلہ: ۲۲)۔

انہی مشنری اسکول جو قائم کئے گئے ہیں ان کا واحد مقصد اپنے مذہب کی تبلیغ ہے، نیز انہوں نے اپنے نظام کو اس طرح تیار کیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے دل میں حضرت عیسی اور ان کے دین کی عظمت بیٹھ جائے اور اس کے نتیجے میں وہ ان کے دین سے رفتہ رفتہ قریب ہوتا جائے اور اس کے ذہن، دل ودماغ اور سوچ وفکر میں ان کا عقیدہ، طرز فکر اور تہذیب راسخ ہوجائے، اسی لئے جو بچے دس بارہ سال تک ان اسکولوں میں پڑھ کر نکلتے ہیں وہ اسلامی تہذیب، اسلامی سوچ وفکر، دینی حمیت اور اپنے دین کی عظمت سے خالی ہوچکے ہوتے ہیں، چنانچہ مسلمانوں کو ان کے تعلیمی اداروں میں اپنے بچوں کو داخلہ کرانے سے مکمل گریز کرنا چاہئے، نیز اپنے علاقے میں ایسے اسکول قائم کرنے کی بالکل اجازت نہیں دینی چاہئے، بلکہ مسلمانوں کو اپنے ایمان واسلام اور اپنی تہذیب کی حفاظت کی خاطر الگ معیاری تعلیمی ادارے کے قیام پر خصوصی توجہ دینی چاہئے، بلکہ اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے وحدت نظام تعلیم کو نافذ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

جہاں تک مشنری ہاسپٹل یا قرض مہیا کرنے والے ادارے کی بات ہے تو عام حالات میں غیر مسلموں سے طبی خدمات یا مالی تعاون حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک یہودی سے قرض لیا تھا، لیکن عیسائی مشنریز جو یہ طبی مراکز یا قرض مہیا کرنے والے ادارے قائم کرتے ہیں ان سے عیسائیوں کا اصل مقصد اپنے دین کی تبلیغ واشاعت ہے، اس لئے مسلمانوں کا ان کے اداروں میں خدمت یا ملازمت کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بھی اعانت علی المعاصی ہے، نیز ان خدمات سے استفادہ کرنے سے بھی گریز کرنا چاہئے، کیونکہ ان کی خدمات حاصل کرنے میں بھی ان کی ایک طرح کی حوصلہ افزائی ہے، فقہاء کرام نے تو گرجا کا راستہ دریافت کرنے والے کی رہنمائی کو بھی اعانت علی المعاصی شمار کیا ہے، فتاوی ہندیہ میں ہے:

"ذمي سأل مسلما علی طریق البیعة، لاینبغي للمسلم أن یدله علی ذلك؛ لأنه إعانة علی المعصیة" (الفتاوی الهندیہ ۲/ ۲۶۴، مکتبہ اتحاد دیوبند)۔

بہرحال مسلمانوں کو کوئی ایسا کام ہرگز نہیں کرنا چاہئے جس سے دیگر مذاہب وادیان کی تبلیغ واشاعت میں مدد ملے، بلکہ حتی الامکان یہود ونصاری سے دوری اختیار کرکے رہنا بہت ضروری ہے، قرآن پاک میں اہل کتاب عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دینے کے باوجود یہود ونصاری سے الفت ومحبت اور مودت کی حوصلہ افزائی نہیں کی، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا: "أخرجوا الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب"۔

حضرت عمرؓ جیسی دوررس نگاہ والی شخصیت نے بھی اہل کتاب عورتوں سے نکاح کو ناپسند کیا، یہاں تک کہ تمام فقہاء نے جواز کے باوجود مکروہ قرار دیا، اس لئے مسلمان کو ہر اس معاملے سے دور رہنا ضروری ہے، جس سے اپنا بنیادی عقیدہ، اپنی اسلامی تہذیب اور دینی تشخص کو ٹھیس پہنچے۔

☆☆☆

اہل کتاب سے متعلق دینی احکام

مفتی لطیف الرحمن ولایت علی، ممبئی

۱- اہل کتاب کی تعریف:

یہ وہ لوگ ہیں جو دین سماوی کا اعتقادر کھتے ہو نیز کسی آسمانی کتاب کے بھی حامل ہو، عقدیہ یہود جو تورات کو آسمانی کتاب اور عیسائی جو انجیل کو آسمانی کتاب تسلیم کرتے ہیں، علامہ شامیؒ نے صاحب نہر کے حوالہ سے اہل کتاب کی تعریف یوں نقل فرمائی ہے:

''فی النهر عن الزیلعی: واعلم أن من اعتقد دنیا وسماویا وله کتاب منزل کصحف إبراهیم وشیث وزبور داؤد، فهو من أهل الکتاب، فتجوز مناکحتهم وأکل ذبائحهم'' (ردالمحتار علی الدر المختار ۴/ ۱۰۱)۔

۲- صابئین سے کون لوگ مراد ہیں:

قرآن مجید نے مسلمانوں یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ صابیوں کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک خاص مذہب کے حاملین ومعتقدین تھے۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں مختلف اقوال نقل فرما کر اس قول کو اقرب الی الصواب تحریر فرمایا ہے کہ صابئین یہ وہ گروہ ہے جو ستاروں کی عبادت کرتے ہیں اور اس فرقہ کے دو بنیادی عقیدے ہیں: ایک تو یہ کہ خالق عالم تو اللہ تعالی ہی ہے، لیکن اس نے حکم دیا ہے کہ ان ستاروں کی تعظیم کی جائے اور ان کو نماز اور دعا کا قبلہ ٹھہرایا جائے، دوسرا یہ کہ اللہ پاک نے افلاک اور کواکب کو پیدا کیا، پھر تمام عالم کے خیر وشر صحت ومرض کے مدبر...... کواکب ہیں اور یہی ان سب چیزوں کے خالق ہیں اس نے بستر پر ان کی تعظیم اور عبادت مرض ہے (بحوالہ تفسیر ادریسی ۱/ ۱۹۵)۔

علامہ شبیر عثمانی لکھتے ہیں: صابئین ایک فرقہ ہے جس نے ہر ایک دین سے کچھ اچھا سمجھ کر کچھ اختیار کرلیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں اور فرشتوں کی بھی پرستش کرتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں اور کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں (تفسیر عثمانی: ۱۳)۔

اس دور اور اس زمانہ میں تو اب اس طرح کی کوئی قوم معروف اور متعارف نہیں ہے، البتہ تفسیر حقانی کے مصنف اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں اس فرقہ کا بڑا زور تھا، شہر بابل اور نینوی کے لوگ یہی مذہب رکھتے تھے، اور بعض حضرات آج بھی ایران کے آتش پرست اور ہندوستان کے قدما وید ماننے والوں کو اسی فرقہ میں شامل فرمایا ہے (تلخیص تفسیر ادریسی کاندھلوی ۱/ ۱۹۶)۔

۳- (سورہ مائدہ: ۵) میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "والمحصنت من الذین أوتوا الکتاب من قبلکم" خلاصہ یہ کہ اہل کتاب کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے، لیکن اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو مذہبا اہل کتاب ہوں نہ کہ وہ صرف قومیت کے لحاظ سے یہودی یا نصرانی ہوں، خواہ عقیدۃ وہ دہریہ ہوں، اس زمانہ کے نصاری عموما برائے نام نصاری ہیں، ان میں بکثرت ایسے ہیں جو نہ خدا کے قائل ہیں اور نہ مذہب کے قائل اور نہ آسمانی کتاب کے قائل، ایسے لوگوں پر اہل کتاب کا اطلاق نہیں ہوسکتا، لہذا ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کا حکم اہل کتاب کا سا نہ ہوگا، نیز اس مذکور آیت میں ذبیحہ کی حلت اور نکاح کی اباحت سے صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ چیزیں فی حد ذاتہ جائز ہیں، معاذ اللہ ترغیب دینا مقصود نہیں کہ تم خواہ مخواہ مسلمان عورتوں کو اور اپنے خاندان کی لڑکیوں کو چھوڑ کر کتابیات سے نکاح کیا کرو، بلکہ تنگی دفع کرنے کے لئے یہ حکم دیا گیا کہ اگر کسی وقتی ضرورت اور خاص مصلحت داعی ہو تو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے، بشرطیکہ خارجی اثرات اور حالات سے کسی مضرت اور مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو، اور خدانخواستہ یہ اندیشہ ہو کہ ان کے جال میں پھنس کر اپنا دین اور دنیا کو تباہ کرے گا تو ان حالات میں کتابیات سے نکاح کی حلت مبدل بہ حرمت ہوجائے گی، اس لئے کہ جو چیز شرعا حلال ہو، مگر اس کے حلال سے متنفع ہونے میں حرام کا ارتکاب کرنا پڑے تو وہ

حلال بھی حرام ہوجاتا ہے، اب تو موجودہ زمانہ کے یہود ونصاریٰ کے ساتھ بے ضرورت اختلاط اوران کے ساتھ بیٹھ کر طیبات کا کھانا بھی خالی از فتنہ نہیں، مناکحت تو بہت بڑی چیز ہے۔ (تفصیل ملاحظہ ہو: تفسیر ادریسی ۲/ ۴۴۶)۔

۴- ان مذکورہ فرقوں پر اہل کتاب کی تعریف صادق نہیں آتی، یہ باطل اور گمراہ فرقے درحقیقت زندیق اور کافر ہیں ان کا حکم عام کافروں کا ہوگا، اور یہ فرق باطلہ اہل کفر میں شمار ہوں گے، ''شرح فقہ الاکبر'' کی عبارت ہے:

''ودعوى النبوة بعد نبينا ﷺ كفر بالاجماع'' (ص ۱۶۴، بحوالہ فتاوی محمودیہ ۲/ ۱۱۷)۔

۵- قادیانی کے دونوں گروہ (جس کا تذکرہ اس سوال میں کیا گیا ہے) زندیق، مرتد اور خارج از اسلام ہے، دوسرا گروہ، یعنی جس کے باپ دادا قادیانی تھے اور یہ لوگ صرف نسلی طور پر قادیانی رہ گئے ہیں، یہ لوگ بھی زندیق اور مرتد ہیں، انہیں بھی اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جاسکتا، نیز اہل اسلام میں بھی شمار نہیں کیا جاسکتا، جب تک کہ دوبارہ کلمہ پڑھ کر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہوئے جھوٹے مدعی نبوت غلام احمد کو کافر اور زندیق نہ قرار دیں اور اپنے سابقہ عقائد باطلہ سے سچی توبہ نہ کرلیں، اس وقت تک ان کا شمار بھی زنادقہ میں ہوگا، نہ اہل کتاب میں ان کا شمار ہوسکتا اور نہ اہل اسلام میں۔

۶- الف: اس سوال میں جن خطرات وخدشات کا تذکرہ کیا گیا ہے آج عالم اسلام کے قائدین وزعماء انہیں خطرات سے دوچار ہیں، بلکہ اس میں پوری طرح مبتلا ہیں، اور اہل کتاب کے نام پر ان یہودی اور عیسائی عورتوں سے نکاح کی وجہ سے پورے عالم اسلام کو جو نا قابل تلافی نقصان پہنچا ہے وہ تمام کے سامنے ظاہر وباہر ہے، لہذا اس صورتحال کی وجہ سے دارالاسلام میں بھی اہل کتاب خواتین سے نکاح کی اجازت نہیں دی جائیگی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: ہمارے زمانہ میں اہل کتاب سے نکاح ایک فتنہ بن گیا ہے اور نہ صرف عام مسلمانوں، بلکہ عالم اسلام کے وہ قائدین جن کے ہاتھوں میں پوری قوم کی زمام اور پوری اسلام دنیا کی کلید ہے، عیسائی اور یہودی عورتیں جن سے مسلمان شدید نقصان اور سیاسی مضرت اور استحصال سے دوچار ہیں ان حالات میں توکسی طرح بھی اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی (قاموس الفقہ: ۲/ ۲۵۱)۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے، حضرت حذیفہؓ نے ایک یہودی خاتون سے نکاح کیا حضرت عمر بن الخطابؓ نے اسے سخت ناپسند فرمایا اور طلاق دینے کا حکم فرمایا۔ نیز حضرت طلحہؓ نے بھی ایک یہودی خاتون سے نکاح کیا تو حضرت عمر بہت سخت غصہ ہوئے اور طلاق کا حکم فرمایا، یہ روایت طبرانی میں موجود ہے۔ (بحوالہ فتاوی دارالعلوم زکریا ۳/ ۶۰۵)۔

ب- دارالکفر میں احناف کے یہاں اہل کتاب خواتین سے نکاح مکروہ تحریمی ہے، لہذا خاص دعوتی نقطہ نظر سے بھی اگر کوئی اہل کتاب خاتون سے نکاح کرتا تب بھی یہ کراہت بدستور باقی رہے گی، علامہ وہبہ الزحیلی اپنی مقبول کتاب ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' میں دارالکفر میں حربی کتابی سے نکاح کے بے شمار نقصان کو ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''والواقع فى الزواج بالكتابيات وبالأولى الحربيات: مضار اجتماعية ووطنية ودينية فقد ...لبلادهن أخبار المسلمين، وقد يرغبن الأولاد فى عقائد عبادات غير المسلمين، وقد يؤدى الزواج ...إلى الحاق ضرر بالمسلمات بالأعراض منهن، وقد تكون الكتابية منحرفة السلوك...'' (۹/ ۶۶۵۴)

ہاں البتہ اگر کوئی واقعی دعوتی نقطہ نظر سے کسی کتابی سے نکاح کرنے کا خواہاں تو بہتر ہے اولا اسے ایمان کی دعوت دے کر ایمان اور اسلام قبول کرنے والے نکاح کرلیں یہ اس کے اور آئندہ آنے والی اولاد اور نسلوں کے لئے زیادہ دینی اعتبار سے بہتر ہے۔

۸- بلاشبہ یہ بات درست ہے کہ اللہ تعالی نے ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں اور ہر زبان میں اپنی کتاب نازل فرمائی ہے، لیکن فقہاء کرام کے اس بارے میں یہ رائے اور فیصلہ سب سے زیادہ درست اور اقرب الی الصواب ہے کہ جس شخص کا پیغمبر ہونا اور جس کتاب کا آسمانی کتاب ہونا قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو ایسے شخص کو پیغمبر اور ایسی کتاب کو آسمانی کتاب ماننا درست نہیں، بلکہ شرعی دلیل سے جس کی پیغمبری ثابت نہ ہو اس کو پیغمبر ماننا بھی گناہ ہے، یہی حکم آسمانی کتاب کا بھی ہے۔

اب ہمارے غیر مسلم برادران جن اوتار (مثلاً گوتم بدھ اور رام لکشمن) کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ لوگ بھی خدا کے پیغمبر تھے تو قرآن وحدیث میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں آیا ہے، اس لئے ہم قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے، شرعی حکم یہ ہے کہ جن انبیاء کرام کے اسمائے گرامی قرآن کریم میں ذکر کئے گئے ہیں

ان پر تو تفصیلات کے ساتھ قطعی ایمان رکھنا ضروری ہے اور باقی حضرات پر اجمالا ایمان رکھا جائے کہ اللہ تعالی شانہ نے بندوں کی ہدایت کے لئے جتنے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا خواہ ان کا تعلق کسی خطہ ارضی سے ہو اور خواہ وہ کسی زمانے میں ہوئے ہوں ہم سب پر ایمان رکھتے ہیں (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱/۳۳)

اسی طرح ویدوں کے بارے میں ان ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ آسمانی کتاب ہے اور ربانی کلام ہے وید کل پانچ ہیں:

۱-رگ وید، ۲-آتھر ووید، ۳-سام وید، ۴-یجر وید، ۵-پران، اور بعض محققین اصل وید صرف رگ وید، سام وید، یجر وید صرف تین ہی کو مانتے ہیں۔

لیکن حقیقت میں یہ تین کو وید مانیں یا پانچ کو یہ تمام وید آسمانی اور ربانی کلام نہیں ہیں، درحقیقت ان ویدوں کی مرتب "ویاس جی" سمجھے اور مانے جاتے ہیں، نیز حضرت امام قاسم نانوتویؒ نے اپنی تصنیف "......" میں تحقیق کے ساتھ اس بات کو ثابت فرمایا ہے کہ وید خدا کا کلام نہیں ہے، آپ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ وید کلام خدا نہیں جعل سازوں کی شرارت سے اس میں تحریف ہوئی ہے، اس بنا پر وید کا کلام خدا ہونے کے لئے "برہما" کا دعوی پیغمبری کرنا پھر ان کا وید کو کلام خدا کہنا اس کے لئے روایت صحیحہ کی ضرورت ہے جو ان کے پاس نہیں ہے (مستفاد قبلہ نما ص ۴)۔

۸- الف: اس وقت ہندوستان میں جتنے بھی نرسری اسکول اور تعلیمی ادارے ہیں ان میں زیادہ تر تعداد ایسے اسکولوں کی ہے جن کا تعلق عیسائی مشنریوں سے ہے، دوسرے نمبر پر ہندوؤں کے سناتن دھرمی اسکول (ایس ڈی اسکولز) اور تیسرے نمبر پر آریہ سماج تنظیموں کی طرف سے چلائے جانے والے ڈی، اے وی اسکولوں کے درجہ میں، ظاہر ہے ان اسکولوں کا ماحول پورے طور پر اپنی انتظامیہ کے مذہبی نظریات کی عکاسی کرتا ہے، چھوٹے چھوٹے بچوں کی ذہنیت کی تبدیلی اور برین واشنگ کا کام ان اسکولوں میں نہایت خوبصورت انداز میں کیا جارہا ہے اور غیر محسوس طریقے پر معصوم بچوں کے ذہنوں میں عیسائیت کا اور ارتداد کا زہر سراعت ہو رہا ہے، ایسے ماحول میں پڑھنے والا بچہ جب بڑا ہوتا ہے تو اس کے دل میں اسلام سے متعلق سخت قسم کے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں، شریعت کی پابندی اس کے لئے نہایت مشکل ہو رہی ہے، اور وہ بسا اوقات ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

ایسے نازک ترین وقت میں ہماری آئندہ آنے والی نسلوں کو ذہنی اور فکری ارتداد سے بچانے کے لئے وقت کی اہم ترین ضرورت اسلامی فکر کے اسکول اور ٹیکنکل اداروں کا قیام ہے اب علماء کی دہری ذمہ داری ہوگئی ہے، پہلی اور اصل ذمہ داری تو یہ ہے کہ جو عالم دین دین کے جس شعبہ سے منسلک ہے اپنی اس خدمت میں پوری طرح محنت کریں اور اپنی اس ذمہ داری کو پوری امانت داری کے ساتھ انجام دیں، اور ساتھ ہی ساتھ اپنی نگرانی میں ایسے سرمایہ داروں کی ایک پوری ٹیم تیار کریں جو اللہ پاک کی دی ہوئی دولت کو ایمان واحتساب کے ساتھ ان اسکولوں کے قیام میں صرف کریں، اور علماء کرام سے یہ بھی گذارش ہے کہ جو سرمایہ دار مسلمان بچوں کے اسکول قائم کر چکے ہیں اس میں اسلامیت کے عنصر کو داخل کرنے کی کوشش فرماتے رہیں اور ایسے اسکولوں کی تعلیمی نگرانی کرتے رہیں، اس لئے کہ ایسا نہیں ہے کہ مسلمانوں کے پاس ان کے تعلیمی ادارے نہیں ہیں بہت سارے تعلیمی اداروں کے منتظمین ضرورت سے زیادہ مرعوبیت کا شکار رہے ہیں اور ہر وقت اس ادھیڑ بن میں رہے ہیں کہ کیا ایسی شکل اختیار کی جائے جس سے ہمارے اسکولوں میں پڑھنے والے مسلم بچہ کا اسلامی نشان مٹ جائے، چنانچہ ان کے ڈریس (کپڑے) انگریزی ما، ٹائی، نیکر اور قمیص اور بچیوں کے لئے اسکرٹ لازمی ہوتے ہیں، صبح کو پڑھائی جانیوالی دعائیں ایسی چیزیں شامل کی جاتی ہے جس سے سراسر سیکولرزم کا ثبوت ہو وغیرہ وغیرہ۔

لہذا جن مسلمان اسکول کا قیام ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے اس کے لئے دینی ذہن رکھنے والوں کی کڑی نگرانی کی ضرورت ہے اور بہتر ہے کہ دینی ذہن رکھنے والوں کی کڑی نگرانی کی ضرورت ہے اور بہتر ہے کہ دینی ذہن رکھنے والوں کے ساتھ ساتھ علماء کرام بھی ایسے اسکولوں کی سرپرستی فرماتے رہیں۔

ب- ظاہر ہے جب ایک کتابی بیوی بن گئی تو شرعا زوج پر زوجہ کے وہی حقوق عائد ہوں گے جو مسلمان زوجہ کے ہوتے ہیں اس کے حقوق سے کسی بارہ فرار اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، البتہ اگر نکاح کے بعد واقعی شوہر جس کے اندر دینی آزادی یا دینی بیزاری محسوس کریں اور وعظ ونصیحت بھی کارگر نہ ہو تو پھر اپنے اور اپنے بچوں کا دین بچانے کی خاطر ایسی کتابی عورت کو طلاق دینے کی گنجائش ہوگی۔

ج- مسلمان نوجوانوں کے اسپتال اور دوسرے خدمت کرنے والے ٹرسٹ میں ملازمت کر سکتے ہیں، بشرطیکہ ان کی خدمات سے مرعوب ہونے کا اور اپنے دین اسلام کو ہلکا سمجھنے کی مصیبت میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو اور سب سے بہتر شکل تو یہ ہے کہ سرمایہ دار حضرات جگہ جگہ رفاہی ٹرسٹ قائم کر کے ان کے تحت معیاری اسپتال قائم کرنا اور رفاہی ادارے قائم کریں اور اس میں مسلمان نوجوان ملازمت اختیار کریں، اور ایسے مسلمان اداروں کی خدمات استعمال کریں تاکہ مسلمان نوجوان کی دینی وعصمت بھی محفوظ رہے۔☆☆☆

ادیان باطلہ سے متعلق بعض شرعی امور

مولانا اسرار احمد آبادی قاسمی[1]

اہل کتاب کی تعریف میں دو چیزیں ذکر کی جاتی ہیں: وہ کسی مرسل نبی کے پیرو ہوں، آسمانی کتاب کے حامل ہوں، یہ بات طے شدہ ہے کہ بہائی، بابی، سکھ اور قادیانی وغیرہ باطل ادیان حقیقتاً کسی نہ کسی جعلی نبی کے پیروہ ہیں گویا حقیقتاً کسی نبی کے پیروکار نہیں، بنابریں انہیں اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جائے گا۔علامہ رازیؒ نے مجوس کے اہل کتاب میں سے نہ ہونے پر دلیل قائم کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''وأیضا: فإن المجوس لایلتحلون شیئا من کتب اللہ المنزلة علی أنبیائه، وإنما یقرؤن کتاب زاد دشت، وکان متنبیا کذا بافلیسوا إذا أهل کتاب'' (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۳۲۷) (نیز مجوس اللہ تعالی نے جو کتابیں اپنے نبیوں پر نازل کی ہیں ان میں سے کسی کی پیروی نہیں کرتے وہ تو زرادشت کی کتاب پڑھتے ہیں، حالانکہ وہ تو ایک جھوٹا بناوٹی نبی تھا، لہذا وہ اہل کتاب شمار نہیں ہوں گے)۔

نیز جمہور فقہاء نے صرف یہود ونصاریٰ ہی کو اہل کتاب میں شمار کیا ہے اور مذکورہ آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے:

"أن تقولوا إنما أنزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا وإن کنا عن دراستهم لغافلین" (سورۂ انعام: ۱۵۶/۶)۔

اس آیت کریمہ میں اہل کتاب لئے ''طائفتان'' کے لفظ کی مخالفت لازم آئے گی۔ ''فاخبر تعالی أن أهل الکتاب طائفتان فلو کان المجوس أهل الکتاب لکانوا ثلاث طوائف'' (احکام القرآن ۳/ ۳۲۷)۔

مفتی شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں: قرآن سنت کی تصریحات کے مطابق اہل کتاب سے مراد صرف یہود ونصاریٰ ہیں، سورۂ مائدہ آیت نمبر ۵ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت منقول ہے: ''وطعام الذین أوتوا الکتاب حل لکم یعنی ذبیحة الیهود والنصرانی'' (جواہر الفقہ ۶/ ۱۸۰)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں: اس موقع پر اس بات کی وضاحت کرنا بھی مناسب ہے کہ اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت کا حکم استثنائی اور تعبدی نوعیت کا ہے، اور اس سے حلال وحرام کا حکم متعلق ہے، لہذا جن حضرات کا یقینی طور پر کتابی ہونا معلوم ہوا نہی پر اہل کتاب کے احکام جاری ہوں گے، اور یہ یہود ونصاریٰ ہیں، دوسری قومیں جن کا اہل کتاب میں سے ہونا مشکوک ہے ان کا ذبیحہ حلال نہیں، اسی طرح اسلام کے بعد ظاہر ہونے والے جھوٹے مذاہب جو قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اقرار کرتے ہوں وہ بھی اہل کتاب میں شمار نہیں ہوں گے جیسے قادیانی، یہ زندیق کے حکم میں ہیں (جدید فقہی مسائل ۲/ ۲۱۹)۔

مذکور بالا دلائل کی وجہ سے نسلی قادیانیوں کو بھی اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جائے گا، چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ''قاموس الفقہ'' کے حاشیہ میں نسلی قادیانیوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: اس مسئلہ پر فقہی جزئیات کے مطالعہ اور بعض اہل علم کے رایوں کے مطالعہ سے اب دل جس بات پر مطمئن ہے وہ یہی ہے کہ نسلی قادیانی کو بوجہ ان کے زندیقیت کے عام کفار اور مشرکین ہی کے حکم میں رکھا جائے گا نہ کہ اہل کتاب کے حکم میں، اور جو مسلمان قادیانیت میں گئے ہوں (العیاذ باللہ)، وہ تو سراسر مرتد ہی ہیں (حاشیہ قاموس الفقہ ۲/ ۲۵۷)۔

''وأن تزوجها فی دار الحرب یجوز نکاحها ویکره هکذا ذکر محمد فی ''الأصل'' واختلف المشائخ فیه قال بعضهم: إنما یکره إذا کان من قصده أن یتوطن ثمة، وقال بعضهم، إنما یکره إذا کان من قصده أن یطاها ثمة'' (محیط برہانی ۴/ ۱۱۰ مسئلہ نمبر ۳۶۴۳)۔

---

[1] جامعہ دار القرآن، سرخیز، احمد آباد۔

''ویکره الکتابیة الحربیة اجماعا لانفتاح باب الفتنة من إمکان التعلق المستدعی للمقام معها فی دارالحرب وتعریض الولد علی التخلق بأخلاق أهل الکفر وعلی الرق بأن تسبی وهی حبلی، فیولد رقیقا، وإن کان مسلما فقوله، والأولی أن لایفعل یفید کراهة التنزیه فی غیر الحربیة ومابعده یفید کراهة التحریم فی الحربیة'' (شامی ۲/ ۱۳۳ وکذا فی فتح القدیر ۳/ ۱۳۵)۔

''بأن نکاح الکتابیة المقیمة بدارالحرب مقضیة إلی أمور منها تکثیر سواد الکفار وفتح الطریق لإجراء أحکامهم علی المسلمین۔۔۔ واحتمال تعریض ولد المسلم للرق وتنشته علی عادات الکفار وتخلقه باخلاقهم وتعلیمه طقوس دینهم وعبادتهم بسبب اختلاطه الشدید بهم مما تعذر تحوله بعد ذلك'' (حاشیہ علی الشامی ۲/ ۱۳۰)۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے مجموعی طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دار الحرب میں کتابیہ سے نکاح کرنا شوہر یا اولاد کے لئے فتنہ اور دین کو نقصان پہنچانے کا سبب ہے، اس لئے یہ مکروہ ہے اور موجودہ دور میں چونکہ مسلم ممالک میں بھی کتابیہ سے نکاح کرنا فتنہ کا سبب بنا ہوا ہے کہ مغرب کی فکری یلغار کی وجہ سے وہ عموما شوہر اور اولاد پر اثر انداز ہوتی ہے، اور اگر شوہر اگر اعلی عہدہ داروں میں سے ہو تو وہ پورے ملک کو نقصان پہنچانے کا سبب بنتی ہے (جیسا کہ عرب ملکوں کے حالات اس پر شاہد ہیں) بنابریں اس دور میں اسلامی ممالک میں بھی کتابیہ سے نکاح کرنا مکروہ ہوگا۔ چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: موجودہ حالت میں مسلم ملکوں میں بھی ایسی عورتوں سے نکاح کرنا کراہت سے خالی نہیں، علامہ شامیؒ نے ان سے نکاح کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، ''یفید کراهة التنزیه فی غیر الحربیة''۔ علامہ شامیؒ نے یہ بات اپنے عہد کے لحاظ سے فرمائی ہے، موجودہ دور میں عرب حکمرانوں اور اہل عہدہ داروں کی زوجیت میں یہودی اور عیسائی خواتین کے رہنے نے ایسے فتنے پیدا کئے ہیں اور عالم اسلام کو ایسا ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے کہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ مغربی تہذیب کے اس دور میں مسلم ملکوں میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے (کتاب الفتاوی ۴/ ۳۵۵)۔

چونکہ عمومی حالات کے اعتبار سے یہ عورتیں شوہر اور اولاد کے لئے فتنہ ہی کا سبب بنتی ہیں، لہذا مغربی ممالک میں بھی ان سے نکاح کرنا مکروہ ہی قرار دیا جائے گا اور دنیوی مفاد (ویزہ وغیرہ کی سہولت) کی وجہ سے دین کو نقصان پہنچا کر عدم کراہت کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور رہ گئی یہ بات کہ دعوتی نقطہ نظر سے ان سے نکاح کرنا تو یہ ایک موہومی فائدہ ہے جس کا اندازہ نکاح کے بعد ہی ممکن ہے کہ کون کس پر اثر انداز ہوتا ہے نیز دعوت کے دوسرے ذرائع بھی موجود ہیں ان کو اختیار کر کے بھی اس مقصد کو انجام دیا جاسکتا ہے، نیز بکثرت مسلمان عورتیں بھی ایسی پائی جاتی ہیں جنہیں دین کی طرف رغبت دلانے کی ضرورت ہے، لہذا اس صورت میں بھی کراہت باقی رہے گی۔

کسی کو یقینی طور پر نبی قرار دینے اور ان کی کتاب کو الہامی اور آسمانی کتاب قرار دینے کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے یہ ایک اعتقادی مسئلہ ہے، لہذا جب تک کوئی دلیل قطعی قائم نہ ہوجائے کسی کو نبی اور اس کی کتاب کو الہامی کتاب قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ان کے ماننے والوں کو اہل کتاب میں شمار کیا جاسکتا ہے، لہذا یہود ونصاری کے علاوہ کسی قوم کو بھی اہل کتاب میں شمار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ان کے پیشوا کو یقینی طور پر نبی اور ان کی کتاب کو یقینی طور پر الہامی کتاب تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

''فإذا کان جواز نکاح الکتابیات علی خلاف القیاس بآیة المائدة لابد أن یقتصر علی الکتابیات التی علم کونهن من أهل الکتاب بالنص أو بدلیل قطعی غیره'' (اعلاء السنن ۱۱/ ۴۲)۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: کیا یہ قرائن استدلال کے لئے کافی ہوسکتے ہیں اور کیا بدون دلیل قطعی کے کسی کی پیغمبری کا اعتقاد جائز ہے، جیسا کہ فسق وکفر کا بھی بدون ایسی دلیل کے اعتقاد جائز نہیں، ایسا ہی استدلال مرزا نے بھی کیا ہے کہ حدیث ''فیقتله (ای یقتل عیسی علیہ السلام الدجال) بباب لد'' میں لد سے مراد لدھیانہ ہے کیا ان دونوں میں کوئی معتد بہ فرق ہے (امداد الفتاوی ۶/ ۱۱۶)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں: موجودہ دور میں ہندوؤں اور بدھشتوں کے بارے میں بھی بعض حضرات کی تحقیق ہے کہ ان کے پاس الہامی کتاب ہے، یہ بہرحال ایک مشکوک دعوی ہے اس کو بنیاد بنا کر ان پر اہل کتاب ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا (جدید فقہی مسائل ۳/ ۲۱۹، مثلہ کتاب الفتاوی ۱/ ۳۶۱، قاموس الفقہ ۴/ ۲۱۶)۔

مولانا زید زوار حسین شاہ صاحب ''عمدۃ الفقہ'' میں تحریر فرماتے ہیں: جن پیغمبروں کے اسمائے گرامی قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں

ان کے علاوہ کسی مسمی کو نبی کہنا درست نہیں، پس ہندوؤں یا اور قوموں کے پیشواؤں کے متعلق ہم زیادہ سے زیادہ اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ اگر ان کے عقائد اور اعمال درست ہوں اور ان کی تعلیم آسمانی تعلیم کے خلاف نہ ہو، اور انہوں نے خلق خدا کی رہنمائی کا کام بھی کیا ہو تو ممکن ہے کہ وہ نبی ہو، لیکن ان کے نام سے ان کو یقینی طور پر نبی کہنا درست نہیں (عمدۃ الفقہ ۱/ ۲۵)۔

مسلمان کے لئے سب سے بڑی ذمہ داری اپنے دین کی حفاظت ہے، اور دین کے مقابلہ میں جو بھی چیز آئے گی اس کو ترک کر کے دین کی حفاظت کرنا ضروری ہے، جیسا کہ آیت کریمہ "قل إن کان آباء کم وأبناء کم" (سورۂ توبہ: ۲۴) اس بات کی جانب مشیر ہے، اور عصری تعلیم شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے فی نفسہ ممدوح اور فرض کفایہ ہے، لیکن جب اس کے حصول میں شریعت کی خلاف ورزی لازم آئے تو شریعت کو مقدم رکھا جائے گا، اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ عیسائی مشنریز کا ہدف ہی تعلیم کے ذریعہ دہریت اور الحاد کو فروغ دینا ہے، لہذا ایسی اسکولوں میں داخلہ لینا جائز نہیں ہوگا، بلکہ داخلہ نہ لے کر اسلام مخالف اسکولوں کو طبعی طور پر نقصان پہنچانا ضروری ہوگا، ورنہ تعاون علی الاثم کی وجہ سے گناہ لازم آئے گا۔

نیز مسجد ضرار والے واقعہ سے یہ بھی بات معلوم ہوتی ہے کہ جس چیز کی بنیاد مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے رکھی گئی ہو مسلمان ہرگز ہرگز اس کو برداشت نہیں کر سکتا اور ایسی اسکولوں میں داخلہ لینا یا حوصلہ افزائی کرنا تو اس کے تعاون کے مترادف ہے، لہذا یہ جائز نہیں ہوگا۔

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں کی تعلیم کی جانب جیسی توجہ دینی چاہئے ایسی نہ دینے کی وجہ سے آج مسلمانوں کو بہت سی مشکلات درپیش ہیں، لہذا مسلمانوں کو متبادل اور معیاری درسگاہوں کے قیام پر توجہ دینی چاہئے، بلکہ جیسے انہوں نے پورے ملک میں ضلالت کا جال بچھا دیا ہے ہمیں بھی ملکی سطح پر ایسی اسکولوں کو قیام عمل میں لانا چاہئے جو معیاری تعلیم کے ساتھ ساتھ رشد و ہدایت کا گہوارہ بھی ہو۔

"(نفقة الخير تجب على الغير بأسباب ثلاثة، زوجة قرابة وملك فتجب للزوجة على زوجها)، لأنها جزاء الاحتباس وكل محبوس لمنفعة غيره يلزمه نفقته... ولو كانت مسلمة أو كافرة" (درمختار علی الشامی ۵/ ۲۷۸)۔

"وفي الخانية: تجب على الرجل نفقة امرأتها المسلمة والذمية... وسبب وجوب النفق احتباسها عنزالزوج إذا كان تهيا للزوج الاستمتاع بها" (الفتاوی تاتارخانیہ ۱۲/ ۳۵۸)۔

"يجب أن يعدل في القسم بالتسوية في البيتوتة وفي الملبوس والمأكول والصحبة لا في المجامعة كالمحب، بل يستجب والبكر والثيب والجديدة والقديمة والمسلمة والكتابية سواء لا طلاق الآية" (الدرالمختار) "وفي الشامي لان القسم من حقوق النكاح" (شامی ۴/ ۲۷۸)۔

مذکور بالا جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حقوق زوجیت کی بنیاد نکاح اور احتباس پر ہے اور یہ دونوں باتیں کتابیہ بیوی میں بھی پائی جاتی ہیں، لہذا جو حقوق ایک مسلمان بیوی کے ہوں گے وہ تمام کتابیہ بیوی کے بھی ہوں گے، اور نکاح کرنے کے بعد ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنے، ان کو چھوڑ کر بھاگ آنے یا محض غیر مسلم ہونے کی بنا پر طلاق دینے کی اجازت نہیں ہوگی۔

"وفي شرح الطحاوي المسلم إذا تزوج ذمية فله أن يمنعها عن الخروج إلى الكنائس والبيع وبيت النار" (الفتاوی التاتارخانیہ ۴/ ۴۲)۔

جزئیہ بالا سے معلوم ہوا کہ شوہر کے لئے اپنی کتابیہ بیوی کو گرجا وغیرہ میں جانے سے روکنے کا حق حاصل ہے، لہذا اپنے گھر میں تو بطریق اولی مذہبی مراسم انجام دینے سے روکے گا، اس لئے کہ ماں جب گھر میں مذہبی امور انجام دے گی تو یقینی طور پر اولاد پر اس کا اثر ظاہر ہوگا اور اولاد بھی ان شنیع افعال کی خوگر ہو جائے گی، جس کی بنا پر اولاد کے ماں کا دین اختیار کر لینے کا خطرہ لاحق ہوگا، لہذا کتابیہ بیوی کو مسلمان شوہر کے گھر میں مذہبی مراسم انجام دینے کی قطعا اجازت نہیں ہوگی۔

عیسائی مشنریز کے اداروں کا بھی وہی حکم ہوگا جو ان کی اسکولوں کا ہے، لہذا ایسے اداروں میں خدمت کرنے یا ان کی خدمات سے استفادہ کر کے دین کو داؤ پر لگانا جائز نہیں ہوگا۔

☆☆☆

عصر حاضر میں کتابیہ عورتوں سے نکاح

مفتی ارشاد اللہ قاسمی[1]

دور حاضر میں یہود و نصاری خواتین سے نکاح مسلمانوں کے حق میں اس قدر اثر انداز اور تباہ کن ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ کو بدل ڈالتا ہے، حالانکہ اہل کتاب سے نکاح میں کوئی کلام نہیں، نصوص قطعیہ اور اعلان خدا کی وجہ سے، لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ شرط قرآن اور قانون خداوندی کے موافق ہو اور وہ ہے:

"والمحصنٰت من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم" (سورۂ مائدہ: ۵)

پس ظاہر ہے کہ مشروط پائے جانے کے لئے ضروری ہے شرط کا پایا جانا، جب کتابیہ خواتین پاکدامن ملیں گی تو نکاح کے جواز کا حکم لگایا جائے گا، موجودہ زمانہ میں جو عیسائی اور یہودی عورتیں ہیں اور اہل کتاب کہلاتی ہیں ان کے اندر زنا، فحاشی اور ناجائز تعلقات کی اتنی کثرت ہے جس کو سن کر انسانیت سکتے ہیں آجاتی ہے، بلکہ وہ حیوانوں سے بھی دو قدم سبقت لے گئیں، اسی طرح ان کا ایک خدا کا قائل نہ ہونا، الحاد و بے دینی، انکار نبوت، آخرت و کتب سماویہ وغیرہ باطل عقیدہ کے ساتھ مقید ہیں ظاہر ہے ایسے لوگوں سے نکاح قطعاً حلال نہ ہوگا، نیز وہ اصطلاح قرآن میں مذکورہ بالا باطل عقائد کی بنیاد پر اہل کتاب میں شمار نہ ہوں گے، بہر صورت اہل کتاب عورتوں سے نکاح کراہت سے خالی نہ ہوگا، کیونکہ بہت سے مسلم حکمرانوں کی نکاح میں اہل کتاب عورتوں کے ہونے کی وجہ سے اسلامی حکومتوں کو شدید نقصانات پہنچے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی اہل کتاب عورتوں سے مناکحت کا رواج ہے مسلمانوں کے اخلاقی حالات کو بھی بے پناہ نقصان پہنچا ہے، یہ تو ہمارا دور ہے، دور صحابہؓ میں حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی دور اندیشی اور باریک بینی سے اس مہلک اور خطرناک مرض کو محسوس کر لیا تھا اور مسلم گورنروں کو اس سے باز رہنے کی خصوصی ہدایت فرمائی تھی، چنانچہ حضرت شقیق بن مسلمہؒ سے مروی ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ جب مدائن پہنچے تو وہاں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا، حضرت فاروق اعظمؓ کو اس کی اطلاع ملی تو ان کو خط لکھا کہ اس کو طلاق دے دو حضرت حذیفہؓ نے خط لکھا کہ کیا وہ میرے لئے حرام ہے، امیر المؤمنین نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں حرام نہیں کہتا، لیکن ان لوگوں کی عورتوں میں عام طور پر عفت و پاکدامنی نہیں ہے، اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ آپ لوگوں کے گھرانے میں اس راہ سے فحاشی و بدکاری داخل نہ ہو جائے (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۳۲۳ بحوالہ جدید فقہی مسائل)۔

مذکورہ بالا قول فاروق اعظمؓ کو بنیاد بنا کر امام محمدؒ نے ''کتاب الآثار'' میں لکھا ہے کہ فقہاء احناف کتابیہ عورتوں سے نکاح کو مکروہ سمجھتے ہیں: ''اور علامہ ابن ہمامؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت طلحہؓ اور کعب بن مالکؓ کو بھی سیدنا عمر فاروقؓ نے کتابیہ عورتوں سے نکاح پر سخت تنبیہ فرمائی اور حکم دیا کہ انہیں طلاق دے دیں'' (جدید فقہی مسائل/ ۲۸۴)۔

کچھ اسی طرح کے الفاظ ''احسن الفتاوی'' میں مذکور ہیں: آج کل کے اکثر عیسائی اور یہودی دہریہ ہیں اور دہریہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح نہیں ہو سکتا، اگر کسی عیسائی یا یہودی عورت کے بارے میں تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ یہ دہریہ نہیں تو اس سے نکاح ہو جائے گا، مگر دوسرے خطرات کی بنا پر اس سے پرہیز واجب ہے، مثلاً اولاد کے کافر ہونے کا سخت خطرہ ہے، بلکہ خود شوہر کا دین بھی خطرے سے خالی نہیں، علاوہ ازیں ایسی عورتیں جاسوسی کا کام کرتی ہیں، لہٰذا یہ ملک کی سالمیت کے لئے بہت خطرناک ہیں (احسن الفتاوی ۵/ ۹۰)۔

حضرت تھانویؒ نے اپنے فتاوی میں لکھا ہے: آج کل جو اہل یورپ کے حالات مسموع ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اکثر ایسے

---

[1] ملدوارڈ نمبر ۲، مدرسہ مدینۃ العلوم، شری رام پور، ضلع احمد نگر، مہاراشٹر۔

ہیں جو قوم کے اعتبار سے عیسائی سمجھے جاتے ہیں، لیکن مذہب کے اعتبار سے وہ عیسائی بالکل نہیں، بلکہ وہ خود وہ لوگ نفس مذہب ہی کو بیکار بتلاتے ہیں اور محض الحاد و دہریت کا خیال رکھتے ہیں جو کہ ان میں سائنس کے اشتغال وانہماک سے یا ایسے لوگوں کی صحبت سے پیدا ہو گئے ہیں، چنانچہ ان کی تقریرات وتحریرات اس پر شاہد ہیں، پس ان لوگوں کا قوم عیسائی میں شمار کیا جانا یا ان کا اپنے کو بہ مصلحت تمدنی عیسائی کہہ دینا کافی نہیں جب عیسائی نہیں تو ایسے شخص کے احکام بھی مثل اہل کتاب کے نہ ہوں گے، پس ذبیحہ بھی ان کے ہاتھ کا حلال نہ ہوگا اور جب اکثر ایسے ہی ہیں تو تاوقتیکہ بالیقین کسی خاص ذبیحہ کے ذابح کا اعتقاد کتابی ہونا بالیقین نہ ثابت ہو جائے ان ذبائح سے عموماً احتیاط واحتراز واجب ہے (کذا فی الدر المختار مسائل شتی، امداد الفتاوی ۳/ ۵۴۴)۔

ان تمام تر ظاہری فوائد کے باوجود دار الکفر میں عاجز کی تحقیق اور کتب بینی کے مطابق اہل کتاب سے نکاح کی کراہت باقی رہے گی، کیونکہ آثار صحابہ خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ جو انتہائی دور اندیش اور عمیق النظر تھے ان کے ممنوع قرار دینے اور فقہاء متقدمین ومتاخرین کی عبادات سے بندہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ دار الکفر میں کتابیہ سے نکاح کی کراہت باقی رہنی چاہئے، کیونکہ ٹھیک ہے ایک کتابیہ سے کسی مسلمان نے نکاح کیا بعد میں کتابیہ نے مسلم خاوند سے متاثر ہو کر دامن اسلام میں جگہ بنالیا بعدہ خاندان کے لوگوں کو بھی اسلامی تعلیمات سے متاثر کرنے لگی ایسا عموماً ہو یا اتفاقاً، لیکن اس کی کیا گارنٹی ہے کہ دار الکفر کی کتابیہ سے نکاح کے بعد وہ اسلام اور مسلم خاوند سے متاثر ہو کر شریعت حقہ قبول کرلے گی جب کتابیہ کا قبول اسلام یقینی نہیں تو کراہت علی حالہ باقی رہے گی۔

صاحب ''البحر الرائق'' نے کراہت کی ایک اور وجہ تحریر فرمائی ہے کہ کتابی کا ذبیحہ اس لئے مکروہ ہے کہ وہ ذریعہ تقرب الی اللہ ہے اور کتابی اس کا اہل نہیں ہے۔

- ''لأنه قربة وهو ليس من أهلها ولو آمره فذبح جاز، لأنه من أهل الذكاة'' (البحر الرائق ۸/ ۳۲۸)۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''الأولى أن لايتزوج كتابية ولا يأكل ذبائحهم الا لضرورة''۔

وفي المحيط: يكره الكتابية الحربية؛ لأن الانسان لا يأمن أن يكون بينهما ولد فينشا على طبائع أهل الحرب ويتخلف بأخلاقهم فلا يستطيع المسلم قلعه عن تلك العادة'' (البحر الرائق ۳/ ۱۸۳)۔

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ دار الکفر کی کتابیہ سے کراہت آج بھی پائی رہے گی، باوجودیکہ وہ مسلم خاوند سے نکاح کے بعد دامن اسلام میں آجاتی ہیں۔

دیگر مذاہب کی مذہبی شخصیات:

یہ بات تو سچ ہے کہ اللہ تعالی نے ہر قوم اور ہر خطے میں اپنا کوئی نہ کوئی نبی اور قاصد اور قوم کا رہنما بنا کر بھیجا جب کہ آیات قرآنی شاہد ہیں: "لكل قوم هاد" (الرعد: ۷) اور چار مشہور کتابیں اور کچھ صحیفے منجانب اللہ رسولوں اور پیغمبروں پر نازل ہوئے ان کا بھی ثبوت قرآن وحدیث میں موجود ہے:

"إنا أنزلنا التورة فيها هدى و نور"، دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: "إن هذا لفي الصحف الأولى وصحف إبراهيم و موسى" (اعلیٰ: ۱۸-۱۹)، تیسری جگہ ارشاد ہے: "وآتيناه الإنجيل فيه هدى و نور" (مائدہ: ۴۶)۔

اسی طرح جن نبیوں رسولوں کا علم ہمیں قرآن وحدیث سے ہوا ہے ان کو تو ہم جانتے ہیں کہ یہ اللہ کے مبعوث قاصد اور پیغمبر ہیں، لیکن وہ حضرات جن کے متعلق قرآن وحدیث میں کوئی ذکر موجود نہیں باوجودیکہ وہ اخلاق حسنہ اور دینی تعلیم کے مشابہ تعلیم کی طرف رہبری کرتے رہے اسی طرح وہ کتب معروفہ ومشہورہ جن کو وہ اور ان کے ماننے والے حضرات خدائی تعلیمات کا مجموعہ قرار دیتے ہیں ان کے اندر ان کے ماننے والے اور پیروکاروں نے تحریف کرکے دوسری باتوں کی آمیزش کر ڈالی۔

جبکہ یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ ان کتابوں کے اندر خدا اور رسول کے اسماء مبارکہ اور بعض اسلامی تعلیمات کا تذکرہ بھی ملتا ہے ان ساری صراحتوں کے باوجود ایک مسلمان اس بات کا یقین کیسے کرسکتا ہے کہ وہ خدائے وحدہ لاشریک کی طرف سے مبعوث ہیں باوجودیکہ اس پر کوئی حجت و

دلیل نہیں نہ تو قرآن وحدیث میں اس کا تذکرہ ملتا ہے نہ تو متواترات سے پتہ چلتا ہے، البتہ مناسب بات یہ ہے کہ ان شخصیتوں اور کتابوں کے بارے میں نہ نفی کی جائے اور نہ اثبات کیا جائے جب تک دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے یہی ہمارے اکابر و اسلاف اور اہل سنۃ والجماعت کی تعلیم وتاکید ہے، یہاں ایک اقتباس قابل توجہ ہے:

''جب تک دلیل شرعی سے ثبوت نہ ہو کسی کی پیغمبری کا یقین کرنا درست نہیں بلا وجہ کسی کو برا کہنا بھی درست نہیں، لہذا سکوت ہی احوط ہے'' (فتاوی محمودیہ ۵ /۳۷۴)

مشنریز کے اسکول:

وہ اسکول اور ادارے جہاں کے پڑھنے والے طلباء وطالبات الحاد و دہریت کے شکار ہو جاتے ہوں یا کم از کم وہ مسلمان بچے جو مذہب اسلام ترک کر کے اس سے نفرت کرنے لگتے ہوں تو ایسے ادارے، اسکولس اور کالجوں میں مسلم طلبہ وطالبات کو داخل کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ تحفظ مذہب اسلام اور تحفظ ایمان فرض ہے بالمقابل عصری تعلیم کے۔

رہا مسئلہ اس بات کا کہ مسلم طلبہ وطالبات کہاں سے عصری علوم حاصل کریں اور اپنے روزگار کے مواقع کہاں سے فراہم کریں تو یہود ونصاری کے اداروں میں داخلہ سے احتراز کرتے ہوئے متبادل معیاری تعلیمی درسگاہوں کے قیام پر مسلمانوں کو توجہ دینی چاہئے، تا کہ ہمارے مسلمان بچے معیاری تعلیم اور اخلاق حسنہ سے آراستہ ہو سکیں، واضح رہے کہ عیسائی اسکولوں میں اگر مسلمان بچے داخل کئے گئے تو دین وسنت کا جنازہ نکل جائے گا اس کی عملی زندگی میں سنت تو کیا فرائض کا ایک شوشہ بھی باقی نہ رہے گا حتی کہ الحاد و دہریت کا شکار ہو کر ممکن ہے اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اخروی زندگی کا اصل سرمایہ ناپید کی شکل اختیار کرلے، نیز عیسائی مشنریز کا مشن بھی مختلف ادارے اور شعبے قائم کر کے اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہے یا کم از کم ان کی مراد مذہب اسلام سے علاحدہ کر دینا ہے۔

چنانچہ اس مصلحت اور اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے کے پیش نظر خدائے وحدہ لاشریک نے قرآن کی زبانی ۱۴۳۶ سال قبل یہ اعلان کر دیا اور امت مسلمہ کو آگاہ کیا "یأیہا الذین آمنوا لاتتخذوا الیہود والنصاری أولیاء" (مائدہ: ۵۱)، شرح مسلم میں اس کی تشریح مرقوم ہے:

''لاتعتمدوا علیهم ولاتعاشروهم معاشرة الأحباب بعضهم أولياء بعض إيماء إلى علة النهي بعني انهم متفقون على خلافكم وأضرار كم" عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ عیسائی کو ولی اور دوست بنانا جائز نہیں یعنی اس پر اعتماد کرنا اور اس کے ساتھ احباب جیسا معاملہ کرنا درست نہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے عیسائی سے خط پڑھوانا بھی گوارہ نہیں کیا اور جب تک کسی شخص پر اعتماد نہ ہو یعنی شریعت مقدسہ کے نزدیک اس کا دین قابل اعتماد نہ ہو تو اس سے علم حاصل نہ کرنا چاہئے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان بچوں کے لئے عیسائی مشنریز کے ادارے زہر قاتل ہیں، کیونکہ فطری بات ہے کہ استاذ کے جذبات وخیالات شاگردوں کے دلوں پر اثر انداز ہوا کرتے ہیں، پس اسی طرح عیسائی یہودی استاد کے اثرات بھی جو کچھ طلبا پر پڑتے ہیں وہ آج کسی سے مخفی نہیں حتی کہ اگر کوئی ہندو یا عیسائی خالص مذہب اسلام کی تعلیم دے اور اس کو آزاد چھوڑ اجائے، بلکہ اس کے لئے حدود متعین کر دی جائیں تب بھی اس کے قلبی اور دماغی اثرات ضرور پڑیں گے جن عیسائیوں نے قرآن پاک کی تفسیر یا حدیث شریف کی تشریح کی وہ ان کے اندرونی اثرات سے خالی نہیں، بلکہ جو لغت اور ڈکشنری لکھی ان میں بھی وہ اثرات موجود ہیں بڑے اور سمجھدار آدمی کو بھی استاذ کے جذبات سے متاثر ہوئے بغیر بچنا دشوار ہوتا ہے اور یہ کوئی ایسی حقیقت نہیں جس کو ثابت کرنے کے لئے دلیل کی حاجت ہو، بلکہ اس کا مشاہدہ سب کو ہے اپنے دین کی حقیقت سے ناواقفیت یا تاثر سے بچے رہنے کے زعم باطل میں گرفتار ہونے کی وجہ سے کوئی انکار کرے تو اس سے وہ اصل حقیقت باطل نہیں ہوگی (اقتباس فتاوی محمودیہ ۵ /۳۵۸)۔

ہمارے اکابرؒ اپنے مشاہدے کی روشنی میں لکھتے ہیں: کہ تجربہ بتلاتا ہے کہ انگلش تعلیم اور کالج کے ماحول سے اسلامی عقائد واخلاق وعادات بگڑ جاتے ہیں آزادی، بے شرمی، بے حیائی بڑھ جاتی ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ جدید تعلیمی اداروں کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگ جائیں یا

ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومت وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لئے جاہل رہنا ہی اچھا ہے (خطبہ صدارت جلسہ افتتاحیہ مسلم نیشنل یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۲۰)۔

اور حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ آج کل تعلیم جدید کے متعلق علماء پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ تعلیم جدید سے روکتے ہیں اور اس کو ناجائز بتلاتے ہیں حالانکہ میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر تعلیم جدید کے یہ آثار نہ ہوتے جو علی العموم اس وقت اس پر مرتب ہو رہے ہیں تو علماء اس سے ہرگز منع نہ کرتے، لیکن اب دیکھ لیجئے کیا حالت ہو رہی ہے جس قدر جدید تعلیم یافتہ ہیں باستثناء شاذ و نادران کو نہ نماز سے غرض ہے نہ روزے سے نہ شریعت کے کسی دوسرے حکم سے بلکہ ہر بات میں شریعت کے خلاف ہی چلتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس سے اسلام کی ترقی ہوتی ہے (فضل العلم والعمل/ص ۸، بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۱/ ۲۲)۔

خود ایک روشن خیال ڈاکٹر ہنٹر کا قول ہے کہ ہمارے انگریزی اسکولوں میں پڑھا ہوا کوئی نوجوان ہندو یا مسلمان ایسا نہیں جس نے اپنے بزرگوں کے مذہبی عقائد کو غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو (مسلمانان ہند/ص ۱۴۲ بحوالہ فتاوی رحیمیہ)۔

شرعی قانون و مصلحت ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کے بجائے خرابی سے دور رہنا اور برائی سے بچنا ضروری ہے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے:

قاعدة خمسة: ''وهي درأ المفاسد أولى من جلب المصالح؛ فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا؛ لأن إعتناء الشرع المنهيات أشد من اعتناءه بالمامورات'' (ص ۱۱۴)۔

مطلب یہ ہے کہ ایسی تعلیم دلانا جس سے دین و ایمان پر برا اثر پڑتا ہو جو غیر اسلامی کلچر غیر اسلامی اخلاق و عادات اختیار کرنے کا ذریعہ بنتی ہو ہر ایک کے لئے ناجائز ہے لڑکا ہو یا لڑکی۔

اول درجہ کی بات یہ ہے کہ اہل کتاب خواتین کو مسلم شوہر کے گھر میں اپنی مذہبی مراسم انجام دینے کی اجازت نہ دی جائے، کیونکہ شوہر اپنے مکان کا مکمل مالک ہوتا ہے، وہ چاہے تو اجازت دے اور چاہے تو اجازت نہ دے بایں وجہ کہ وہ اس کی مکمل ملکیت ہے۔

• دوسری وجہ اور اصل وجہ یہ بھی جاسکتی ہے کہ مذہبی مراسم انجام دینے کے لئے اجازت دینے سے اولاد یں متاثر ہو کر اپنا اصلی مذہب چھوڑ سکتی ہیں چونکہ ماں کی طرف اولادوں کو انسیت ہوتی ہے، اس لئے اس انسیت اور ممتا کی وجہ سے بچے ماں کے مذہبی مراسم قبول کر کے اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

البتہ دوسرے درجہ کی بات یہ ہے کہ مخصوص شکل اور مخصوص شرائط کے ساتھ کتابیہ بیوی کو اپنے مذہبی مراسم ادا کرنے کی اجازت دی جاسکتی ہے، مثلاً کتابیہ بیوی کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ اسے جو کچھ اپنے مذہبی مراسم ادا کرنے ہیں وہ مخصوص کمرے میں مخصوص وقت میں مراسم ادا کرے اس کے علاوہ گھر کے کسی حصہ میں مراسم کی انجام پذیری نہ کرے، البتہ مسلم خاوند چاق و چوبند رہتے ہوئے بار بار کتابیہ بیوی کو اسلام کی ترغیب دیتا رہے۔

کتابیہ بیوی کے حقوق:

رہا یہ مسئلہ کہ غیر اسلامی رسوم کے ادائیگی کی اجازت کتابیہ کو مسلم خاوند کے گھر میں کیوں دی جائے، تو جب خدائے وحدہ لاشریک نے خود آیت قرآنی "والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم إذا آتيتموهن أجورهن" (مائدہ: ۵) کے ذریعہ قید نکاح سے مقید کرنے کی اجازت دی ہے تو یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ جب اس کو اس کے مذہب کے ساتھ نکاح میں لانے کی اجازت ہے تو وہ اپنے مذہب کے ساتھ مسلم خاوند کے تحت رہے گی اور مذہب کے ساتھ رہنے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے مذہبی مراسم ادا کرے گی جس طرح خاوند کو اپنے مذہبی احکام پر عمل کرنے کا مکمل اختیار ہے اسی طرح کتابیہ کو بھی اپنے مذہبی مراسم ادا کرنے کا مکمل اختیار ہے، اس لئے مذکورہ بالا امور کی روشنی میں مخصوص شرائط کے ساتھ اجازت دی جاسکتی ہے جبکہ مجبوری حائل ہو۔

نیز اس کتابیہ کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو مسلمان بیوی کے ہوتے ہیں، کیونکہ اسلام نے مساوات کا پیغام دیا ہے جس کا پاس و لحاظ ضروری

ہے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بیویوں کے درمیان جو بطور حکم شرع ہوں برابری اور انصاف کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

مشنریز اداروں سے استفادہ:

عیسائی مشنریز یا کسی اور فرقے اور مذہب کے وہ ادارے خواہ کسی بھی شعبے سے متعلق ہوں خواہ وہ ان کی دینی مذہبی ہو یا دنیوی، پھر ہاسپٹل ہو یا قرض مہیا کرنے والے ادارے، جہاں اور جس شعبے سے تعلق رکھنے کے بعد مسلمانوں کے ایمان اور مذہب اسلام پر آنچ آتا ہو یا اس ادارے کی کوشش کم از کم مذہب اسلام سے الگ کردینا ہو تو عاجز کے خیال میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خصوصا عیسائی مشنریز کے کسی شعبے اور ادارے سے کسی طرح کا رشتہ جوڑا جائے حتی کہ اگر مسلمان مریض کو دواخانے میں لے جانے کی نوبت آجائے تو حتی الامکان عیسائی ہاسپٹل میں لے جانے سے بچنا چاہئے ورنہ بعض دفعہ اس کا بڑا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے اس کو صرف ایک واقعہ سے سمجھا جاسکتا ہے کہ "۱۹۴۷ء" سے پہلے کی بات ہے کہ لدھیانہ میڈیکل کالج سے ایک ہزر سے زائد لڑکیاں عیسائی بنا کر فرار کرادی گئیں کہ ان کے ورثاء، باپ، شوہر وغیرہ ملنے کے لئے گئے تو کہہ دیا کہ وہ تو یہاں سے صحتیاب ہوکر چلی گئیں (اقتباس فتاوی محمودیہ ۵/۳۶۰)۔

مذکورہ بالا تشریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا اضطرار ان کے اداروں سے متعلق ہی نہ ہونا چاہئے، لیکن اگر نوبت آ ہی جائے تو مبتلی بہ کو بچنے کی اور عقائد باطلہ سے احتراز کی خود بخود شکلیں پیدا کرلینی چاہئے، "ھھنا أحتاج أقوال الأکابر والعلماء الحق"، خود ہمارے شہر کا عجیب مشاہدہ ہے کہ "کنوسالیڈیز ہاسٹل" جو عیسائی ادارہ کے تحت چلنے والے تعلیم گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیوں کی رہائش گاہ ہے سات لڑکیوں نے ان کا مذہب (عیسائیت) قبول کرلیا۔



اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام

مفتی عبدالمنان[1]

۱- اہل کتاب ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو کسی آسمانی کتاب کو مانتے ہیں اور جس نبی یا رسول پر وہ کتاب نازل ہوئی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

۲- صابئین: ایک فرقہ ہے جس نے ہر ایک دین میں سے اچھا سمجھ کر کچھ اختیار کرلیا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ہیں اور فرشتوں کی بھی پرستش کرتے ہیں اور کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں (شیخ الہند: ۱۳)۔

جلالین شریف میں ہے: ''عن قتادة هم قوم يعبدون الملائكة فيقرؤن الزبور ويصلون إلى الكعبة، وقيل عبدة'' (الکوکب: ۱۱)۔

تفسیر نسفی میں ہے کہ ''الصائبين الخارجين من دين مشهور إلى غيره من صبأ إذا خرج من الدين وهم قوم عدلوا عن دين اليهودية والنصرانية وعبدوا الملائكة و قيل هم يقرؤن الزبور'' (تفسير النسفی ۴۱/۱)۔

تفسیر مظہری میں ہے: ''الذين كانوا على دين موسى و عيسى قبل النسخ'' (۷۷/۱)۔

''الصابئين: قرأ اهل المدينة بغير الهمزة والباقون بالهمزة أصله الخروج، يقال: صبأ فلان إذا خرج من دين إلى أخر... وهم خرجوا من دين، قال عمرو ابن عباس: هم قوم من أهل الكتاب، فقال عمر: يحل ذبائحهم. وقال ابن عباس: لايحل ذبائحهم ولا مناكحتهم. وقال مجاهد: هم قوم نحو الشام بين اليهود والمجوس من أهل الكتاب، وقال الكلبي: هم بين اليهود والنصارى، وقال قتادة: هم قوم يقرؤون الزبور و يعبدون الملائكة ويصلون إلى الكعبة اخذوا من كل دين شيئا'' (تفسير المظهری ۷۷/۱)۔

صابی وہ ہے جو ایک دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں داخل ہوجائے، لہذا صابی وہ لوگ تھے جو اہل کتاب کے دین سے نکل گئے تھے، قتادہ کہتے ہیں کہ صابی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ادیان سماویہ میں سے ہر ایک سے کچھ لے لیا، چنانچہ وہ زبور پڑھتے تھے، ملائکہ کی عبادت کرتے تھے اور نماز کعبہ کی طرف منہ کرکے پڑھا کرتے تھے (آپ کے مسائل ۱۹۱/۱)۔

۳- موجودہ زمانے کے یہود و نصاریٰ کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ نہیں کیا جاسکتا ہے، چونکہ سابقہ آسمانی کتابوں کی تحریف ہوچکی ہے، مفتی محمود صاحب نے لکھا ہے کہ موجودہ یہود و نصاریٰ کا وہ حال نہیں ہے، اس لئے وہ مسلم نہیں ہے (فتاوی محمودیہ ۳۱/۱۱)، لہذا موجودہ یہود و نصاریٰ سے نکاح درست نہیں ہے اور ان کا ذبیحہ بھی کھانا درست نہیں ہے۔

۴- یہ سب شریعت محمدی کے نازل ہونے کے بعد ایجاد کئے گئے ادیان باطلہ ہیں، اگرچہ بعض ان میں سے کتاب اللہ کو مانتے تھے، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مانتے ہیں، لیکن قرآن کے بعد کسی الہامی کتاب یا خاتم النبیین کے بعد کسی اور شخص کو نبی ہونے کا دعوی کرتے، یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے، حدیث میں ہے: ''لا نبی بعدی'' نیز ''لو کان بعدی نبی لکان عمر'' وغیرہ بہت سے دلائل سے ان کی گمراہی ثابت ہوچکی ہے، لہذا ان کو اہل کتاب میں شمار کرنا جائز نہیں ہے۔

۵- نسلی قادیانی بھی کافر ہیں، اہل کتاب میں شمار نہیں ہوسکتے۔

---

[1] دارالحدیث پرمائی، ناگاؤں، آسام۔

۶: الف- فی زمانہ دار الکفر میں عیسائی یا یہودی لڑکی سے نکاح کرنا تو یقینی کفر کی طرف قدم رکھنا ہے اور دار الاسلام میں ان سے نکاح بھی خطرے سے خالی نہیں، نیز اہل کتاب کا وجود ہی مشکوک ہے، لہذا ایسی خواتین سے نکاح کرنا درست نہیں ہوگا۔

ب- دعوتی نقطہ نظر سے جو اہل کتاب لڑکی سے نکاح کرتے ہیں وہ خود اپنے ایمان سے اکثر ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، الا ماشاء اللہ بلکہ بہت جگہ دیکھا گیا کہ کافر ومشرکہ غیر مسلم عورت جو مسلمان کے نکاح میں آتی ہے وہ مسلمان ہو کر اکثر اچھے دین داری کا ثبوت بھی دیتی ہے۔

۷- جس طرح کسی نبی ثابت النبوۃ کی نبوت کا انکار جائز نہیں ہے، اس طرح کسی غیر ثابت النبوۃ کی نبوت کا اقرار جائز نہیں ہے، بعض انبیاء علیہم السلام کا نام قرآن مجید میں اور حدیث شریف میں آئے ہیں ان کے علاوہ کسی معین شخص کی نبوت پر ایمان لانے کی تعلیم اسلام نے نہیں دی ہے، بلکہ اجمالی طور پر ایمان کا حکم ہے، اس طرح کہ جس قدر انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ہیں ان تمام پر ہمارا ایمان ہے (فتاوی محمودیہ ۱/ ۴۶-۴۷)۔

بلا کسی یقینی دلیل کے وید کو الہامی کتاب اور ان کے ماننے والوں کو اہل کتاب قرار دینا صحیح نہیں ہے، ”لکل قوم ھاد“ جو آیت ہے اس میں مجموعی طور پر یہ بات ہے کہ ہر دہ قوم جس میں ہادی نبی یا رسول ہو ان پر اجمالی ایمان کا حکم ہے۔

۸: الف- عیسائی مشنریز کے سلسلہ میں جواب لکھنے سے پہلے آسام کے حالات کو بطور مقدمہ لکھا جا رہا ہے: مشرق ہند کے صوبہ آسام اس وقت قبائلی آبادی کے اعتبار سے سات حصوں میں منقسم ہو کر سات بہن (Seven Sisters) کے نام سے موسوم ہے، ان ساتوں کے نام یہ ہیں: میگھالیہ، اروناچل پردیش، ناگالینڈ، میزورم، منی پور، تری پورہ، اور آسام۔

اول کے چار صوبوں کے لوگ عیسائی بن چکے ہیں، مابقیہ تین صوبہ کے تقریبا آدھے لوگ عیسائیت کی طرف منتقل ہو چکے ہیں، یہ اس مشرق ہند کی بدنصیبی ہے کہ مکمل چار صوبے عیسائی صوبوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔

عیسائی مشنریز کی یہ پالیسی رہی ہے کہ ہر جگہ اسکول، کالج، ہاسپیٹل کا جال بچھا کر عوام الناس کو عیسائیت کی دعوت، پرزور تبلیغ ان کا خاص مشغلہ رہا ہے، نیز غریبوں کو اور مصیبت زدوں کو امدادی سہارا دے کر عیسائیت کی تبلیغ کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے، اسی طرح NGO کے نام سے لوگوں کو ریلیف دے کر بے حساب دولت تقسیم کر کے یہ کام انجام دے رہی ہیں، حتی کہ مسلم آبادی کے اندر بھی اسکول، کالج، ہاسپیٹل کے ذریعہ بچوں کو تعلیم و بیمار کو علاج کے نام سے عیسائیت کا جال بچھا لیا ہے، مفت علاج معالجہ کر کے اپنی دینی مذہبی کتابیں مفت تقسیم کر کے لوگوں کو عیسائیت کی طرف بے دریغ منتقل کیا جا رہا ہے۔

لہذا آئندہ نسل کو اس دہریت وعیسائیت سے محفوظ رکھنا اہل فکر ونظر علماء وصلحاء اور صاحب ثروت دیندار افراد پر ضروری ہے کہ اس کے مشنریز کے متبادل عصری معیاری تعلیمی اداروں کا جال بچھا کر مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کا انتظام کیا جائے، عیسائی مشنریز سے اجتناب کرنے کی طرف توجہ دلائی جائے۔

یہ بات خوش آئند ہے کہ مرکز المعارف ہوجائی کی طرف سے (جس کے سرپرست مولانا بدر الدین اجمل صاحب ہیں) مرکز اکیڈمی کے نام سے انگلش میڈیم اسکول، کالج آسام کے مختلف علاقوں میں قائم کر چکے ہیں، ایسے مزید کی شدید ضرورت ہے۔

عیسائی مشنریز کے اسکول، کالجز میں بچوں کے داخلہ کی حوصلہ افزائی کلیۃ حرام وناجائز ہے، ایسے اداروں سے اجتناب ہر حالت میں ضروری ہے۔

ب- اگر اہل کتاب خاتون سے خدانخواستہ نکاح ہو جائے تو اس کے وہی حقوق ہوں گے جو مسلمان بیویوں کے ہیں نکاح کرنے کے بعد ان حقوق کے راہ فرار اختیار کرنا یا چھوڑ کر بھاگنا یا بغیر شرعی وجوہات کے طلاق دینا جائز نہیں ہوگا۔

ج- عیسائی مشنریز سے مسلمانوں کو استفادہ تو دور کی بات، بلکہ اسے بائیکاٹ کرنا ضروری ہے۔

☆☆☆

اسلام کی آمد کے بعد ظاہر ہونے والے نئے مذاہب

مولانا اکرام الحق ربانی ندوی[1]

عہد نبوت سے لے کر اب تک بہت سارے لوگوں نے نبوت ورسالت کا دعوی کیا اور اب بھی بزعم خود نبی ہو رہے ہیں، جن کو ماشاء اللہ اندھے متبعین اور مقلدین بھی مل جاتے ہیں، جو آنکھ بند کر کے ان کی نبوت کو تسلیم کر لیتے ہیں، جیسے عہد نبوی میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ نے نبوت کا دعوی کیا، اسی طرح انیسوی صدی عیسوی میں دنیا کے مختلف خطوں میں لوگوں نے نبوت کے دعوے کئے، مثلاً بابی فرقہ کے بانی سید محمد علی باب (م: ۱۸۵۰ء) نے جو ایک ایرانی شیعہ تھے ۱۸۴۴ء میں ایک عظیم خدائی پیغمبر ہونے کا اعلان کیا، یہ فرقہ دو حصوں میں منقسم ہو گیا: ۱- ایک کی قیادت مرزا یحیی نے کی، ۲- اور دوسرے کی قیادت مرزا حسین علی (م: ۱۸۶۲ء) نے کی، (بعد میں یہ بہاء اللہ کے نام سے مشہور ہوئے، اور آج شاید بہت سے بہائی ان کے اصل نام سے بھی واقف نہیں) مرزا حسین علی نے ۱۹۶۲ء میں اپنے ''من یظہرہ اللہ'' ہونے کا دعوی کیا، اسی نسبت سے بابی تحریک کا وہ فرقہ جو ان کے زیر اثر تھا ''بہائی'' کہلایا، انہوں نے ۲۱ / اپریل ۱۸۶۲ء میں اپنے بعض چیدہ اور چنیدہ احباب کی موجودگی میں یہ خبر سنائی کہ وہی دراصل ''من یظہر اللہ'' ہے، اس کے بعد اس کے بڑے بیٹے عبد اللہ البہاء نے اس خود ساختہ نبوت کی زمام سنبھالی اور شب وروز کی محنت سے بہائی مذہب کو دنیا کے پردہ پر پیش کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور اس کے لئے اس نے یورپین ممالک کے اسفار بھی کئے، واضح رہے کہ اس کو فروغ مغربی دنیا ہی میں ملا۔

بہائیت کے عقائد:

- ☆ خدا کی وحدانیت کے قائل، مگر اس تک پہنچنے میں وسیلہ کے قائل اور اسے لازمی قرار دیتے ہیں۔
- ☆ بہاء اللہ خدا کے پیغمبر ہیں اور اس کے اندر خدا حلول کئے ہوئے ہے۔
- ☆ دین وشریعت ارتقاء پذیر ہے اور انقلاب زمانہ کے ساتھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔
- ☆ تمام ادیان برحق ہیں، کیونکہ سب ایک ہی حقیقت کی طرف بلاتے ہیں، چنانچہ سب کو سچا اور صحیح سمجھو۔
- ☆ دوسری زندگی کے تو قائل جو آزادانہ ہوگی، لیکن ابدی ہوگی یا عبوری معلوم نہیں۔
- ☆ جنت اور جہنم محض خیالی اور تمثیلی ہے۔
- ☆ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا عدم یقین۔
- ☆ اللہ تعالی انبیاء اور عام انسانوں میں حلول کرتا ہے۔

تعلیمات بہائیت:

- ☆ بہائی شریعت، شریعت اسلامیہ کے لئے ناسخ ہے۔
- ☆ روزے نو دن کے (طلوع شمس سے غروب شمس تک) اور نوروز کا دن ''فطر کا دن'' ہے۔

---

[1] جامعہ ام المؤمنین ام سلمہ، فردوس نگر، پوسٹ مدے ڈیہہ، دھنباد، جھارکھنڈ۔

☆ دن رات میں نو رکعت نمازیں اور تکبیر ''یا بہاء اللہ'' ہے اور قبلہ ''عکا'' (فلسطین کا ایک شہر جہاں بہاء اللہ کی قبر ہے) (مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: بہاء اللہ وعصر جدید / ۱۴۶-۱۴۸، بہائی اصول ۴ / ۱۴، التوحید والفرق المعاصرۃ / ۲۱)۔

سکھ مذہب:

سکھ مذہب کی بنیاد عظیم مصلح اور سنت شاعر گرونانک (م: ۱۵۳۰ء) نے رکھی، اس وقت پنجاب کی سرحدیں ہمالیہ سے لے کر افغانستان کے کہساروں تک پھیلی ہوئی تھیں اور پنجاب کی صورتحال ناگفتہ بہ تھی، خود گرونانک کے الفاظ میں:

بادشاہ قصاب بن گئے تھے، ظلم ان کی چھری تھی، احساس ذمہ داری نے پر تول لئے تھے اور سچائی کا چاند کہیں نظر نہیں آتا تھا۔

سکھ مت دراصل بھگتی تحریک (۱۳۱۸-۱۴۴۲ء) کی دین ہے اور نرگن بھگتوں نے اپنے نیک اعمال کے ذریعہ کو ہی جنت بنانے کا منصوبہ بنایا تھا اور ان پر وحدانیت کی چھاپ بھی تھی، کیونکہ سرزمین پنجاب میں ایک طویل عرصہ سے مسلمان آباد تھے، جن کی بدولت وہاں کے لوگوں میں عقیدۂ توحید سے قربت بڑھتی گئی اور اللہ رب العزت کی عبادت کو اہمیت دی جانے لگی، چنانچہ گرونانک بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، لہٰذا انہوں نے سکھ مت میں بہت سے اسلامی عناصر کو داخل کرلیا، علامہ اقبالؒ نے اسی طرح اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

''پھر اٹھی آخر صدا توحید کی پنجاب سے''...... ''ہند کو ایک مرد کامل نے جگایا خواب سے''

سکھ مت کی بنیاد ان باتوں پر ہے جن کا اظہار گرونانک نے تین دن کی گمشدگی کے بعد کیا: نہ کوئی ہندو ہے اور نہ کوئی مسلمان، پھر میں کس کا راستہ اختیار کروں، میں خدا کے راستہ پر چلوں گا، خدا نہ تو ہندو ہے اور نہ مسلمان اور جو راستہ میں اپناتا ہوں وہی راستہ خدا کا ہے، وہ قادر مطلق، سب کا رب، ہر جگہ موجود، وقت کی قید سے آزاد، حق، ہمیشہ رہنے والا اور تنہا ہے اور گرو کرپا (گروہ کی مہربانی) سے اسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ابتداء میں سکھ، سنت سادھو، بھگت، گرو اور سیوک وغیرہ الفاظ ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے تھے، لیکن اب گرو کی اصطلاح صرف ابتدائی دس گروں: ۱-گرونانک (۱۴۶۹-۱۵۳۹ء)، ۲-گرو انگد یو جی (۱۵۳۹-۱۵۵۲ء)، ۳-(گرو امرداس (۱۵۵۲- ۱۵۷۴ء)، ۴-گرو رام داس (۱۵۷۴-۱۵۸۱ء)، ۵-گرو ارجن دیو (۱۵۸۱ء-۱۶۰۶ء)، ۶-گرو ہرگوبند (۱۶۰۶-۱۶۴۴ء)، ۷-گرو ہر رائے (۱۶۴۴-۱۶۶۱ء)، ۸-گرو ہرکشن (۱۶۶۶۱-۱۶۶۴ء)، ۹-گرو تیغ بہادر (۱۶۶۴-۱۶۷۵ء)، ۱۰-گرو گوبند سنگھ (۱۶۷۵-۱۷۰۸ء) اور آدی گرنتھ صاحب کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

عقائد وتعلیمات:

☆ سیکڑوں خداؤں کی بجائے ایک خدا کی تعلیم۔

☆ سکھ مت میں کرم (عمل) اسمرن (ذکر) گیان (علم) اور مکتی (نجات) کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

☆ گرو کے وسیلہ سے نجات؛ اسی وجہ سے گرؤوں کے عہد ناموں کو فرائض میں داخل کیا گیا ہے۔

☆ عقیدہ کے دفاع کے لئے سماجی ناانصافیوں اور چھوت چھات کے خلاف جنگ کی تلقین۔

☆ کوئی پیغمبر پہلا یا آخری یا خصوصی نہیں ہوسکتا۔

☆ گرو گرنتھ کا احترام ایمانیات میں داخل ہے۔

مذکورہ تعلیمات میں کئی چیزیں ایسی ہیں جو اسلامی تعلیمات کے معارض ہیں، مثلاً گرو کے وسیلہ سے نجات، کوئی پیغمبر پہلا یا آخری نہیں، احترام گرنتھ جزء ایمان میں شامل وغیرہ۔

قادیانی:

انیسویں صدی میں رونما ہونے والے باطل (ملعون) نبیوں میں ایک ہندوستانی بھی تھا، جس کا نام مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۴۰-۱۹۰۸ء) تھا،

اس کا خاندان پنجاب کے قادیان نامی گاؤں میں آباد تھا، مگر اس کا نسبی تعلق وسط ایشیاء کی مغل قوم کی شاخ برلاس سے تھا، مرزا صاحب نے ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور ۱۹۰۱ء میں انہوں نے اپنی نبوت کا اعلان کیا، علامہ اقبالؒ نے بہت خوب فرمایا ہے: ؎

''غدار وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن'' ......انگریز سمجھتا ہے مسلماں کو گداگر''

''پنجاب کے ارباب نبوت کی شریعت'' ......کہتی ہے کہ یہ مؤمن پارینہ ہے کافر''

مرزا صاحب نے اپنی جماعت کا نام ''جماعت احمدیہ'' رکھا، ان کے انتقال کے بعد ان پر بیعت کرنے والوں کو ''صحابہ''، ان کی بیویاں ''ازواج مطہرات'' اور ان کے جانشین ''خلیفہ'' کہلائے، ان کے مشہور خلفاء میں حکیم نور الدین (جس کے زمانہ میں قرآن کا انگریزی ترجمہ ہوا)، مرزا بشیر الدین محمود (اس کے زمانہ میں قادیانیت کو سب سے زیادہ فروغ ملا)، مرزا ناصر احمد ہیں، موجودہ خلیفہ مرزا طاہر ۱۹۸۲ء سے اب تک ہیں۔

یہ فرقہ اس وقت اتنا متحرک ہے کہ دنیا کے ۱۴۷ ممالک میں اس کے مراکز قائم ہیں، جن کے تحت ۶۳۴ مشن کام کر رہے ہیں، ان کی تعداد تقریباً ایک کروڑ پچاس لاکھ ہے، ان کے مختلف زبانوں میں نکلنے والے جرائد و رسائل کی تعداد ۸۰ ہے، ان کے زیر انتظام چلنے والے اداروں کی تعداد ۳۰۶ ہے، جن میں نرسری سے ہائر سکنڈری تک کے اسکول شامل ہیں، افریقہ کے مختلف ممالک میں تقریباً ۱۲۵ اسپتال قائم ہیں، قرآن و حدیث کو تقریباً ۱۲۷ زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کیا، ۵۶ / زبانوں میں قرآن کا ترجمہ کروایا اور کئی زبانوں میں ترجمہ کا کام جاری ہے، اس وقت ''قادیان'' کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اس کی زیارت حج بیت اللہ کے برابر ہے، ربوہ (پاکستان) اور لندن کو بھی مرکزی حیثیت حاصل ہے، علاوہ ازیں ان کی سب سے بڑی یافت مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ ہے، جو روزانہ بارہ گھنٹے اپنے پروگرام نشر کرتا ہے (بدقسمتی سے اسے مسلم ٹیلی ویژن اور اس کی تعلیمات کو اسلامی تعلیمات خیال کیا جاتا ہے) (ملاحظہ ہو: سیرت الہدی ۶۶ / ۱۵۶-۱۵۵، مکتوبات احمدیہ ۳ / ۱۰۳، سیرت المہدی ۲ / ۱۵۰، براہین احمدیہ ۳ / ۴۴-۲۳۱، کتاب البریہ ۳ / ۶، اربعین: ص ۳۹)۔

عقائد و تعلیمات:

☆ اللہ کی وحدانیت کے قائل، مگر ختم نبوت اور رسالت کے منکر۔

☆ حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد کا انکار۔

☆ جو مرزا صاحب کو مسیح موعود اور نبی نہیں مانتا وہ کافر اور جہنمی ہے۔

☆ وحی کے اختتام کا انکار اور روح القدس کی آمد کا اقرار۔

جب ان فرقوں کے ایسے عقائد و نظریات، احکام و ہدایات اور علاحدہ طرق عبادات ہیں اس پر طرفہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو آخری نبی تسلیم نہیں کرتے، پھر ان کا شمار اہل کتاب میں کہا؟ قرآن کریم میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے:

"ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين" (احزاب: ۴۰)

(محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں)۔

اور حدیث پاک میں ہے: ''عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول الله ﷺ: مثلي ومثل النبيين كمثل رجل بنى دارا فأتمها إلا لبنة واحدة فجئت أنا، فأتممت تلك اللبنة'' (ابن کثیر ۳ / ۶۲۶)

(حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایک ایسے انسان کی ہے جس نے گھر بنایا، مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی، چنانچہ میں نے آ کر اس خلا کو پر کر دیا)۔

اور دوسری روایت میں ہے: ''عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: فضلت على الأنبياء بست: أعطيت جوامع الكلم، ونصرت بالرعب، وأحلت لي الغنائم وجعلت لي الأرض مسجدًا وطهورًا وأرسلت إلى الخلق كافة وختم بي النبيون'' (ابن کثیر ۳ / ۶۲۷)

(حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت حاصل ہے، مجھے جوامع الکلم سے سرفراز کیا گیا اور رعب عطا کیا گیا اور میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا اور دنیا کی پوری زمین کو پاک اور مسجد بنایا گیا اور میں تمام مخلوقات کی طرف بھیجا گیا اور مجھ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوا)۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

''ودعوی النبوة بعد نبینا ﷺ کفر بالإجماع'' (شرح الفقہ الاکبر/ ص ۱۶۴) (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعوی کرنا بالاجماع کفر ہے)۔

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

''وقد أخبر الله تبارك و تعالى في كتابه ورسوله ﷺ في السنة المتواترة عنه أنه لانبي بعده ليعلموا أن كل من ادعى هذا المقام بعده، فهو كذاب وأفاك دجال ضال مضل'' (ابن کثیر ۳/ ۴۹۴)

(اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں بتادیا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، معلوم رہے کہ جو شخص آپ کے بعد اس مقام کا دعوی کرے وہ جھوٹا، افتراء پرداز، دجال، گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے)۔

مزید یہ کہ قرآن کریم کو آخری کتاب تسلیم نہیں کرتے، جب کہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جب آپ آخری تو آپ کی شریعت، آپ کی کتاب آخری:

''ومن جحد بالقرآن، أي: كله أوسورة منه أو آية، قلت: وكذا كلمة أو قراءة متواترة أو زعم أنها ليست من كلام الله تعالى كفر'' (شرح الفقہ الاکبر/ ۱۶۷)

(جو شخص مکمل قرآن کریم یا اس کی کسی سورت یا آیت کا، اسی طرح کسی کلمہ یا قرأت متواترہ کا انکار کردے یا یہ خیال کرے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں وہ کافر ہے)۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن کی ایک آیت کا انکار کرے یا اس کا مذاق اڑائے وہ کافر ہے:

''ویکفر إذا أنکر آیة من القرآن أوسخر بأیة منه'' (البحر الرائق، کتاب السیر ۵/ ۲۰۵)

اور ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے: ''إذا أنکر الرجل آیة من القرآن أو تسخر بأیة... کفر'' (فتاوی ہندیہ، کتاب السیر ۲/ ۲۶۶)

سوال: قادیانی دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو خود مرتد ہوئے ہیں، دوسرے: وہ جن کے آباء واجداد مرتد ہوئے اور وہ نسلی طور پر قادیانی ہیں، اگر قادیانی اہل کتاب نہیں ہیں تو کیا قادیانیوں میں سے دوسرا گروہ یعنی نسلی قادیانیوں کو اہل کتاب میں شمار کیا جاسکتا ہے؟

فقہی نظائر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن گروہوں کے عقائد کفریہ ہیں، ان کا شمار نہ تو اہل اسلام میں ہوگا نہ اہل کتاب میں، بلکہ وہ عام کفار و مشرکین کی طرح ہوں گے، علامہ داماد آفندی فرماتے ہیں:

''یجب الإیمان بالأنبیاء بعد معرفة معنی النبي وهو المخبر عن الله تعالی بأوامره ونواهیه وتصدیقه بکل ما أخبر عن الله تعالی وأما الإیمان بسیدنا محمد ﷺ فیجب بأنه رسولنا في الحال وخاتم الأنبیاء والرسل، فإذا آمن بأنه رسول ولم یؤمن بأنه خاتم الأنبیاء لایکون مؤمنا، وفي فصول العمادي: من لم یقر ببعض الأنبیاء بشيء أو لم یرض بسنة من سنن المرسلین علیهم السلام فقد کفر'' (مجمع الأنہر، باب المرتد ثم إن ألفاظ الکفر أنواع ۱/ ۶۹۱)۔

اور ''مغنی'' کے حوالہ سے ہے: ''هو الذي یظهر الإسلام ولیس بالکفر وهو المنافق وکان یسمی في عصر النبي ﷺ منافقا ویسمی الیوم زندیقا'' (مجمد الفقہ الحنبلی ۱/ ۴۴)

(جو اسلام کا اظہار کرے اور کفر کو چھپائے وہ منافق ہے جسے عہد نبوی میں منافق ہی کہا جاتا تھا اور آج کی زبان میں اسے زندیق کہا جاتا ہے۔

اور اسلامی حکومت میں اہل کتاب (ذمی وحربی) تو قابل قبول ہیں، لیکن منافقین ناقابل برداشت ہیں، چنانچہ فقہاء نے انہیں موجب قتل

قرار دیا ہے:

"وقتل الزنديق بعد الاطلاع عليه بلا استتابة وهو من أسر بالكفر وأظهر الإسلام وكان يسمى في زمن النبي ﷺ وأصحابه منافقا بلا قبول توبة من حيث قتله ولا بدمن توبته، لكن إن تاب قتل بدا والإكفرا" (الشرح الصغیر ۴/ ۴۳۸)۔

درمختار میں ہے: "(من ارتد عرض) الحاكم (عليه الإسلام استحبابًا) على المذهب، لبلوغه الدعوة (وتكشف شبهته) بيان لثمرة العرض (ويحبس ثلاثة أيام، فإن أسلم والإقتل) لحديث: من بدل دينه فاقتلوه" (الدر المختار، كتاب الجهاد ۴/ ۲۲۵)

(جو مرتد ہو جائے اس پر حاکم وقت استحبابا اسلام پیش کرے تاکہ دعوت پہنچ جائے اور شبہ کا ازالہ ہو جائے اور تین دن اسے قید کردے، چنانچہ اگر وہ اسلام قبول کرلے تو ٹھیک ہے، ورنہ حدیث: "من بدل دینہ فاقتلوہ" (جو دین بدل دے اسے قتل کر ڈالو) کی وجہ سے قتل کردے)۔

۶-الف: کتابیہ عورت سے نکاح:

فقہاء کرام نے کتابیہ سے نکاح کو درست تو قرار دیا ہے؛ البتہ دار الاسلام اور دار الحرب کے درمیان تھوڑا سا فرق کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر دار الاسلام ہو تو مکروہ تنزیہی ہوگا اور دار الحرب ہو تو نکاح مکروہ تحریمی ہوگا، جیسا کہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"(وصح نكاح كتابية) وإن كره تنزيها (مؤمنة بنبي) مرسل (مقرة بكتاب) منزل ... (والأولى أن لا يفعل) يفيد كراهة التنزيه في غير الحربية ومابعده يفيد كراهة التحريم في الحربية" (الدر مع الرد، کتاب النکاح ۳/ ۴۵)۔

علماء نے کتابیہ سے نکاح کی اجازت تو دی ہے؛ مگر اس کو بہتر خیال نہیں کیا ہے، کیونکہ فتنہ کا دروازہ کھلنے اور معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے اور اولاد کے اخلاق کفر سے متاثر اور غلامانہ زندگی گزارنے پر مجبور ہونے کا امکان ہے، علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

"والأولى أن لايتزوج كتابية ولا يأكل ذبائحهم إلا لضرورة... وفي المحيط: يكره تزوج الكتابية الحربية؛ لأن الإنسان لايأمن أن يكون بينهما ولد فينشأ على طبائع أهل الحرب ويتخلق بأخلاقهم فل يستطيع المسلم قلعه عن تلك العادة" (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات ۳/ ۱۸۳)۔

اسی وجہ سے حضرت حذیفہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت عمر فاروقؓ کی ناراضگی کا شکار ہوئے تھے اور ان کی ناراضگی کفر وایمان کے اختلاط اور اولاد پر فتنہ کے اندیشہ کی بنا پر تھی:

"فمن المتزوجين حذيفة وطلحة وكعب بن مالك وغضب عمر فقالوا: نطلق يا أمير المؤمنين وإنما كان غضبه لخلطة الكافرة بالمؤمن وخوف الفتنة على الولد؛ لأنه في صغره ألنم لأمه" (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات ۳/ ۲۳۰)

جہاں تک مزاجی ہم آہنگی، ویزہ کی سہولت وحصولیابی اور نقطہ دعوتی کی بات ہے تو اس میں چونکہ نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہے، لہذا حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی معاملہ میں نفع کی امید اور نقصان کا اندیشہ بھی ہو تو منفعت سے چشم پوشی کرتے ہوئے مضرت سے بچنے کا جتن کرنا چاہئے۔

اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی بات موہوم ہے، ضروری نہیں کہ وہ اسلام قبول ہی کرلے اور اللہ تبارک وتعالی نے ایمان کی شرط پہلے لگائی ہے:

"ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن" (بقرہ: ۲۲۱)۔ (تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں)۔

دوسری جگہ فرمایا: "لاهن حل لهم ولا هم يحلون لهن" (ممتحنہ: ۱۰) (نہ وہ کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ کفار ان کے لئے حلال)۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

''ومنها: ألا تكونا لمرأة مشركة إذا كان الرجل مسلما: فلا يجوز للمسلم أن ينكح المشركة'' (بدائع، فصل في عدم نكاح الكافرة المسلم ۳/ ۴۶۵)

(شرائط نکاح میں سے یہ ہے کہ اگر مرد مسلمان ہو تو عورت مشرکہ نہ ہو، چنانچہ اگر مرد مسلمان ہو تو مشرکہ سے نکاح درست نہیں)۔

علامہ شامیؒ مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وحرم نكاح الوثنية بالإجماع... ويدخل في عبدة الأوثان عبدة الشمس والنجوم... وفي شرح الوجيز: وكل مذهب يكفر به معتقدة'' (ردالمحتار، فصل في المحرمات، مطلب مهم في وطي السراری ۳/ ۴۵)

(بت پرست سے نکاح بالاجماع حرام ہے...... اور اس میں آفتاب پرست اور ستارہ پرست سب داخل ہیں...... اور شرح وجیز میں ہے: ہر وہ مذہب جس پر اعتقاد کی وجہ سے کفر کا فتوی لگ چکا ہو)۔

ب- دیگر مذاہب کی مذہبی شخصیات:

اللہ تعالی نے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے لاتعداد نبیوں اور رسولوں کو بھیجا، ان میں سے تمام پیغمبروں کے نام نہ تو قرآن کریم میں موجود ہیں نہ ہی احادیث مبارکہ میں، قرآن میں صرف پچیس انبیاء کا تذکرہ ہے، جن کے نام حسب ذیل ہیں:

حضرت آدمؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت یونسؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت یسعؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت محمد مصطفی ﷺ اور اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت ذوالکفلؑ (واللہ اعلم)، اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

"ولقد أرسلنا رسلنا من قبلك منهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك" (مؤمن: ۷۸)

(اے نبی! تم سے پہلے ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں، جن میں سے بعض کے حالات ہم نے تم کو بتادیئے ہیں اور بعض کے نہیں بتائے)۔

اور دوسری جگہ فرمایا: "ورسلا قد قصصناهم عليك من قبل ورسلا لم نقصصهم عليك" (نساء: ۱۶۴)

(ہم نے ان رسولوں پر بھی وحی نازل کی جن کا ذکر ہم اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا)۔

لیکن تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے؛ کیونکہ مشرقی ممالک میں چین و جاپان و ہند اور مغربی ممالک میں یورپ و امریکہ کی طرف بھی پیغمبر بھیجے گئے، زرتشت اور مہاتما بدھ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پیغمبر تھے (واللہ اعلم)، دوسری آیت سے علماء متکلمین نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ہر نبی پر تفصیلاً ایمان لانا ضروری نہیں، البتہ اجمالاً ایمان لانا لازمی ہے:

''والآية تدل على أن معرفة الرسل بأعيانهم ليست بشرط لصحة الإيمان، بل من شرطه أن يؤمن بهم جميعا إذ لو كان معرفة كل واحد منهم شرطا لقص علينا كل ذلك'' (ملاحظہ ہو اسی آیت کے تحت تفسیر مدارک)۔

باقی اللہ کی رحمت سے کوئی بھی ملک اور کوئی بھی قوم محروم نہیں، ہر امت کی طرف اللہ نے نبی بھیجا:

"ولقد بعثنا في كل أمة رسولا أن اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت" (نحل: ۳۶)

(ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعہ سے سب کو خبردار کردیا کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو)۔

اور دوسری جگہ فرمایا: "وما أرسلنا من رسول إلا بلسان قومه ليبين لهم" (ابراهيم: ۴)

(ہم نے اپنا پیغام دینے کے لئے جب کبھی کوئی رسول بھیجا ہے اس نے اپنی قوم ہی کی زبان میں پیغام دیا تاکہ وہ انہیں اچھی طرح کھول کر بات سمجھائے)۔

اور اللہ تعالی نے ان پیغمبروں پر جو کتابیں نازل کیں یا انہیں جو صحیفے عطا کئے ان کے بارے میں بھی قرآن وحدیث خاموش ہے، صرف چار آسمانی کتابوں کا تذکرہ صراحت کے ساتھ موجود ہے، لہذا اس سلسلہ میں توقف کرنا اور سکوت اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

"ما یقال لك إلا ما قد قیل للرسل من قبلك" (فصلت: ۴۳)

(اے نبی! تم سے جو کچھ کہا جارہا ہے اس میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو تم سے پہلے گزرے ہوئے رسولوں سے نہ کہی جاچکی ہو)۔

دوسری جگہ فرمایا: إن هذا لفی الصحف الأولی، صحف ابراهیم و موسی" (اعلی: ۱۹-۱۸)

(یہی بات پہلے آئے ہوئے صحیفوں میں بھی کہی گئی تھی، حضرت ابراہیم وموسیٰ کے صحیفوں میں)۔

ایک جگہ اور فرمایا: "وإنه لفی زبر الأولین" (شعراء: ۱۹۶) (اور اگلے لوگوں کی کتابوں میں بھی یہ موجود ہے)۔

۸- الف: علم کا انسان سے چولی دامن کا ساتھ ہے اور یہ انسانی زندگی کا لازمہ بھی ہے، اس کے بغیر انسان ثقافت وحضارت اور تہذیب وتمدن سے آراستہ نہیں ہوسکتا، اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک سے آشنا نہیں ہوسکتا؛ اسی لئے اللہ تعالی نے پہلی ہی وحی میں اس کی تلقین کی اور اس کی طرف انسانوں کی توجہ مبذول کرائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حصول علم کو فرض قرار دیا؛ لہذا مسلمانوں؛ بلکہ تمام انسانوں کو اپنی اولاد کی صحیح اسلامی تعلیم وتربیت کی فکر کرنی چاہئے، آج اس کے لئے دینی اور غیر دینی دونوں طرح کے اداروں کی بھرمار ہے اور بدقسمتی سے غیر اسلامی ادارے شب وروز سرگرم عمل ہیں، جہاں پہنچ کر ہماری نئی نسل علوم وفنون سے آراستہ تو ہوجاتی ہے، مگر خطیر رقم دے کر اپنے ایمان کو بھی فروخت کر آتی ہے: "وشروه بثمن بخس دراهم معدودة" (یوسف: ۲۰) (آخر کار انہوں نے اس کو تھوڑی سی قیمت پر چند درہموں کے عوض بیچ ڈالا)۔

نئی نسل جدید تعلیم سے آراستہ اور مال ودولت سے ترقی یافتہ تو ہوجاتے ہیں؛ مگر نہ والدین کے حقوق سے واقف، نہ رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق سے باخبر، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب ضعیف والدین اولاد کی شفقت ومحبت اور اعتناء وتوجہ کے ضرورت مند ہوجاتے ہیں تو یہی عقل پرست اولاد انہیں حکومت کے قائم کردہ (Old Age Home) میں چھوڑ آتے ہیں، کیونکہ ان کو نہ جنت کا شوق ہوتا ہے نہ جہنم کا خوف، ان کے خدا مغربی حکمراں، ان کے رسول بے حیاء وبے ہودہ ہیرو اور ان کا قبلہ امریکہ ہوتا ہے، یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہوتا ہے؛ کیونکہ انہوں نے بچپن میں اپنی اولاد کی فکر نہیں کی، انہیں کسی (Convent) یا (Children Care) میں ڈال آئے، جہاں کا نظام تعلیم اور نصاب تعلیم "Syllabus" ہی کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ان کے صاف شفاف لوح دماغ پر اسلامی عقائد اور اسلامی تعلیمات کے خلاف شکوک وشبہات کی مہر ثبت کردیتا ہے، نتیجۃً اولاد کی الطاف وعنایات سے محروم رہتے ہیں۔

ایسے حالات میں عیسائیوں کے اداروں میں عصری تعلیم سے آراستگی کو بنیاد بنا کر علاقہ میں ایسے اسکولوں کی تعمیر اور ان میں تعلیم حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی، جہاں خدا کے بجائے عیسیٰ علیہ السلام کی ربوبیت کا کلمہ پڑھایا جاتا ہو اور جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی بجائے روح القدس، باپ اور بیٹا (عقیدہ تثلیث) کا جام پلایا جاتا ہو، اور اگر مطمح نظر روزگار اور معاش ہو تو ایسے مال ودولت سے کیا فائدہ جو ایمان کو رخصت کردے۔

ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو ایسے اداروں کی طرح اور بنیاد ڈالنی چاہئے جہاں اسلامیات کے ساتھ ساتھ عصریات پر بھی خصوصی توجہ دی جائے اور عہد حاضر کی نئی نسل کو تفسیری نکتوں اور حدیث کے دقیقہ سنجیوں اور فقہ کی فلسفیانہ موشگافیوں سے نہیں تو کم از کم دین کی بنیادی باتوں (Basic) سے واقف وآشنا بنایا جائے، تاکہ وہ جب وہاں سے فارغ ہوکر نکلیں تو ان کی وضع قطع، ان کا رہن سہن، ان کی چال ڈھال اور ان کی گفتار وکردار ان کے دینی مزاج کی شہادت وگواہی دینے لگیں۔

اس سلسلہ میں فقہاء کرام نے یہ اصول بتایا ہے کہ جب کسی معاملہ میں نفع ونقصان دونوں ہوں تو نفع کو پس پشت ڈال کر نقصان سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ "درء المفاسد أولی من جلب المصالح"۔

ب، ج: جب موجودہ دور کے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح ہی درست نہیں تو پھر ان کے حقوق کی تعیین، ان کی طلاق، ان کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنا اور شوہر کے گھر میں مذہبی رسومات کی ادائیگی کے سلسلہ میں کچھ رائے قائم کرنا بے سود ہے۔

د- عیسائی مشنریز کی تمام قسم کے اداروں سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہئے، کیونکہ وہ ضرورت ومحتاجگی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر لوگوں کو اسلام سے پھرنے اور حلقہ عیسائیت میں داخل ہونے کی تبلیغ کرتے ہیں جو سراسر غلط ہے، کیونکہ اس کائنات میں اللہ کے نزدیک کوئی دین اگر پسندیدہ ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام ہے (آل عمران: ۱۹)، اس کے علاوہ کوئی دین ومذہب اللہ کو قبول نہیں (آل عمران: ۸۵)۔

اگر کوئی شخص دوسرا طریقہ اختیار کرتا ہے تو اس پر اللہ تعالی نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے:

"افغیر دین الله یبغون وله أسلم من فی السموات والأرض طوعا و کرها وإلیه یرجعون" (آل عمران: ۸۳) (اب کیا یہ لوگ اللہ کی اطاعت کا طریقہ چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمان وزمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اللہ ہی کی تابع فرمان ہیں، اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔

جہاں ان ان اداروں سے استفادہ کی بات ہے تو: "قل فیهما إثم کبیر ومنافع للناس وإثمهما أکبر من نفعهما" (بقرہ: ۲۱۹)

(کہہ دو ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے، اگرچہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی نہیں ہیں، مگر ان کا گناہ ان کے فائدہ سے بہت زیادہ ہے)، اس آیت کو مدنظر رکھتے ہوئے انتفاع کی گنجائش ہے، البتہ دین وایمان پر خطرہ کا اندیشہ نہ ہو ورنہ درست نہیں۔



عصر حاضر میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کا مسئلہ

مولانا ابوالمکارم معروفی[1]

ایسی آزاد کتابیہ عورت جس میں ''اہل کتاب'' ہونے کی تمام شرطیں موجود ہوں اس سے نکاح کا جواز متفق علیہ ہے، جیسا کہ علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ فرماتے ہیں:

''ليس بين أهل العلم بحمد لله اختلاف فى حل حرائر أهل الكتاب، ومن روى عنه ذلك عمر و عثمان وحذيفة وسلمان وجابروغيرهم، وقال ابن المنذر: لايصح عن أحد من الأوائل أنه حرم ذلك'' (المغنی مع شرح الکبیر ۷/ ۵۰۰ دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

''و'' روى عن ابن عمر فيه فلا دلالة فيه على أنه راه محرما، وإنما فيه عنه الكراهة، كما روى كراهة عمر لحذيفة تزويج الكتابية من غير تحريف'' (احکام القرآن ۱/ ۴۰۳ ادارہ قرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)۔

البتہ بلاضرورت شدیدہ کتابیہ عورت سے نکاح کرنا بہت سے مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حنابلہ کے نزدیک خلاف اولی اور دیگر ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے۔

دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں یہ فرمان جاری کیا تھا کہ جن کے نکاح میں اہل کتاب خواتین ہیں وہ انہیں طلاق دے دیں، تو جن لوگوں کے نکاح میں اہل کتاب خواتین تھیں انہوں نے طلاق دے دیا، لیکن حضرت حذیفہؓ نے طلاق نہیں دیا، مگر بعد میں انہوں نے بھی طلاق دے دیا، جیسا کہ علامہ ابن قدامہؒ رقم طراز ہیں:

''فالأولى أن لايتزوج ذلك؛ لأن عمر قال الذين تزوجوا من نساء أهل الكتاب طلقوهن فطلقوهن إلا حذيفة'' (المغنی ۷/ ۵۰۰)۔

علامہ شامیؒ راقم ہیں: ''ويجوز تزويج الكتابيات، والأولى أن لايفعل ولا يأكل ذبيحتهم إلا لضرورة فقوله: والأولى أن لايفعل يفيد كراهة التنزيه فى غير الحربية'' (ردالمحتار ۴/ ۱۰۱ دار الکتاب دیوبند)۔

صاحب نہایۃ المحتاج فرماتے ہیں: ''الكراهة فيها أخف منها فى الحربية'' (نهاية المحتاج ۶/ ۲۹۰ داراحیاء التراث العربی)۔

دارالحرب میں کتابیہ عورت سے نکاح:

دارالحرب میں کتابیہ عورت سے نکاح حسب تصریح علامہ شامی حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح مالکیہ وشافعیہ کے نزدیک بھی شدید کراہت کے ساتھ جائز ہے، البتہ حنابلہ کے نزدیک خلاف اولی ہے، نیز حضرت علیؓ کے نزدیک دارالحرب میں ''کتابیہ عورت'' سے نکاح مکروہ ہے۔

علامہ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں: ''ويجوز تزويج الكتابيات والأولى أن لايفعل. . . وتكره الكتابية الحربية إجماعا لإنفتاح باب الفتنة من إمكان التعلق المستدعي للمقام معها فى دار الحرب وتعريض الولد على التخلق بأخلاق الكفر. . . الخ'' (فتح القدیر ۳/ ۱۳۵ دار الکتب العلمیۃ)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ ''والأولى أن لايفعل'' کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فقوله: أن لايفعل يفيد كراهة التنزيه فى غير الحربية وما بعده يفيد كراهة التحريم فى الحربية'' (شامی ۴/ ۱۰۱ دار الکتاب دیوبند)۔

---

[1] مدرسہ عربیہ ریاض العلوم گورینی، جونپور۔

علامہ دردیر مالکیؒ لکھتے ہیں: ''إن تزوج الحرة الکتابية بدارالحرب أشد کراهة من تزوجها بدار الإسلام'' (الشرح الکبیر للدردیر ۲/ ۲۶۷ داراحیاء)۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں: ''لکن تکره الحربية، وکذا الذمية علی الصحيح ،لکن أخف من کراهة الحربية'' (روضة الطالبين ۵/ ۴۷۲، کذا فی نهاية المحتاج۶/ ۲۹۰)۔

علامہ زحیلیؒ لکھتے ہیں: ''والزواج بها (الحربية) خلاف الأولی عند الحنابلة'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۱۵۴ دارالفکر)۔

حاصل بحث:

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک از روئے قرآن ''کتابیہ عورتوں'' سے نکاح اصل میں جائز ہے، دارالاسلام میں ہو یا دارالحرب میں، کراہت خارجی عوارض کی وجہ سے ہے، اگر خارجی عوارض نقصان دہ ہوں تو کتابیہ سے نکاح مکروہ ہوگا، اور اگر خارجی عوارض نقصان دہ اور ضرر رساں نہ ہوں تو کتابیہ عورتوں سے نکاح مکروہ نہیں ہوگا۔

لہذا اہل کتاب عورتوں سے دارالاسلام میں نکاح اخلاقی، مذہبی، سماجی، معاشی نقصان اور فتنہ کا باعث ہوجائے، جیسا کہ دور حاضر میں اہل کتاب خواتین سے نکاح فتنہ بن کر رہ گیا ہے، توان حالات میں کسی بھی طرح اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی اجازت نہیں ہوسکتی۔

اور اگر اس بات کا غالب گمان ہو کہ دارالحرب میں اہل کتاب عورتوں سے نکاح خیر کا پیش خیمہ ثابت ہوگا توان حضرات کے قول پر جو دارالحرب میں کتابیہ سے نکاح کی کراہت کے قائل ہیں دارالحرب میں بھی ان عورتوں سے نکاح بلا کراہت جائز ہونا چاہئے۔

صاحب ''نہایۃ المحتاج'' لکھتے ہیں: ''والأوجه کما بحثه الزرکشي ندب نکاحها کما وقع لعثمان أنه نکح نصرانية کلبية فأسلمت وحسن إسلامها (فی الحاشية)(قوله: ندب نکاحها) أی الذمية ويظهر أن مثلها الحربية''(نهاية المحتاج۶/ ۲۹۰ داراحیاء التراث العربی)۔

۳- مغربی ملکوں میں جو لوگ اپنے آپ کو یہودی یا عیسائی کہتے ہیں، مگر درحقیقت وہ خدا کے وجود کے قائل ہی نہیں ہیں، یا اگر خدا کو مانتے ہیں مگر وحی، رسالت، آخرت اور کسی مذہب کے قائل نہیں ہیں یہ لوگ مادہ پرست اور دہریہ ہیں، اہل کتاب کے حکم میں بالکل داخل نہیں ہوسکتے، نکاح اور ذبیحہ کے بارے میں ان کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ عرب کے نصاریٰ بنی تغلب کا حال تھا کہ سوائے شراب نوشی کے اپنے دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا، حضرت علیؓ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

''لا تحل ذبائح نصاری العرب، فانهم لهم يتعلقوا من دينهم بشئ إلا بشرب الخمر'' (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۳۲۳)۔

کتابیہ عورتوں سے نکاح اصل میں جائز ہے دارالاسلام میں ہو یا دارالحرب میں، کراہت خارجی عوارض کی وجہ سے ہے، اگر خارجی عوارض نقصان دہ ہوں تو کتابیہ سے نکاح مکروہ ہوگا، اور اگر خارجی عوارض نقصان دہ اور ضرر رساں ہوں تو ''کتابیہ عورتوں'' سے نکاح مکروہ نہیں ہوگا۔

الف- لہذا اہل کتاب خاتون سے نکاح جب دارالاسلام میں اخلاقی، معاشی، مذہبی اور سماجی نقصان اور فتنہ کا باعث ہوجائے، جیسا کہ دور حاضر میں اہل کتاب خاتون سے نکاح فتنہ بن کر رہ گیا ہے توان حالات میں دارالاسلام میں بھی اہل کتاب خاتون سے نکاح کی اجازت بالکل نہیں ہوسکتی (امدادالفتاوی/ ۲۱۴)۔

دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں یہ فرمان جاری کیا تھا کہ جس کے نکاح میں اہل کتاب خاتون ہے وہ اسے طلاق دے دے، حضرت عمرؓ نے طلاق دینے کا یہ فرمان اپنے عہد کے لحاظ سے جاری کیا تھا، آج جبکہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح فتنہ بن کر رہ گیا ہے، اگر اس کا نقشہ حضرت عمرؓ کے سامنے ہوتا یا ان فقہاء کے سامنے ہوتا جنہوں نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کو مکروہ کہا ہے تو اندازہ فرمائیں اس سے متعلق کیا عملاً اور کیا حکم ہوگا (ماخوذ از معارف القرآن)۔

ب- اگر قرائن سے اس بات کا ظن غالب ہو کہ دارالحرب میں ''کتابیہ عورتوں'' سے نکاح خیر کا پیش خیمہ ثابت ہوگا توان فقہاء کے قول پر جو

دار الحرب میں کتابیہ عورتوں سے نکاح کی کراہت کے قائل ہیں بلا کراہت نکاح جائز ہونا چاہئے، صاحب ''نهاية المحتاج'' لکھتے ہیں:

''والوجه كما بحثه الزركشي ندب نكاحها كما وقع لعثمان أنه نكح نصرانية كلبية فأسلمت وحسن إسلامها (وفي حاشيته) قوله: ندب نكاحها أي الذمية. ويظهر أن مثلها الحربية'' (نهاية المحتاج ۶/ ۲۹۰ دار احياء بيروت)۔

کتابیہ بیوی کے حقوق:

حقوق نکاح کا سبب نکاح ہے، اور اس سبب میں کتابیہ اور مسلمہ دونوں یکساں ہیں، لہذا نکاح کے جو حقوق مسلمان خاتون کے ہیں وہی اہل کتاب خاتون کے ہوں گے، البتہ حق وراثت اہل کتاب خاتون کے لئے ثابت نہیں ہوگا، کیونکہ اختلاف دین وراثت سے مانع ہے۔

''الكتابية إذا كانت تحت مسلم فعليها ما على المسلمة الحرة كالحرة والأمة كالأمة'' (فتاوی ہندیہ ۱/ ۵۴۳)۔

سید امیر علیؒ اس عبارت کے ترجمہ کے بعد لکھتے ہیں: پس اگر یہ کتابیہ عورت آزاد ہو تو مثل مسلمہ آزادہ کے اور اگر باندی ہو تو مثل مسلمان باندی کے احکام کا برتاؤ لازم ہوگا (فتاوی عالمگیری اردو ۲/ ۵۴۴)۔

''قال الكاساني: ويستوى فى القسم البكر والثيب... والمسلمة والكتابية لما ذكرنا من الدلائل من غير فصل ولأنهما يستويان فى سبب وجوب القسم وهو النكاح. فيستويان في وجوب القسم'' (بدائع الصنائع ۳/ ۶۱۰، كذا فى العناية بهامش الفتح ۳/ ۳۰۱ دار احياء التراث العربي)۔

''وقال ابن عابدين الشامي: القسم من حقوق النكاح ولا تفاوت وبينهما في ذلك'' (شامی ۴/ ۲۸۷)۔

''وقال النووي: الكتابية كالمسلمة فى النفقة والقسم والطلاق وعامة حقوق النكاح. لكن لا توارث بينهما وبين المسلم'' (روضة الطالبين ۵/ ۴۷۳)۔

آیت کریمہ ''فتذروها كالمعلقة'' (نساء: ۱۲۹) کے بموجب اہل کتاب خاتون سے نکاح کرنے کے بعد حقوق سے راہ فرار اختیار کرنے کی اسی طرح چھوڑ کر بھاگ آنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

''فتذروها كالمعلقة التى ليست ذات بعل ولا مطلقة'' (تفسیرات احمدیہ/ ص ۲۱۱ وتفسیر مدارک)

ہاں البتہ طلاق دینے کی اجازت ہوگی جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں جو خیر القرون تھا، اہل کتاب عورتوں کو طلاق دینے کا فرمان جاری کیا تھا تو اب اس دور پرفتن میں بدرجہ اولی طلاق کی اجازت ہوگی۔

جن مذہبی رسومات میں شرکت اور اہل کتاب کے شعائر کا اظہار ہوتا ہو کتابیہ بیوی کے لئے مسلمان شوہر کے گھر میں ان کو انجام دینے کی اجازت نہیں ہوگی، البتہ ایسی مذہبی رسومات جن میں شرکت اور ان کے شعائر کا اظہار نہیں پایا جاتا مثلاً نماز پڑھنا تو کتابیہ بیوی کے لئے شوہر کے گھر میں ان کو انجام دینے کی اجازت ہوگی۔

''كما كانت نصرانية تحت مسلم لا يمكنها نصب الصليب فى بيته؛ لأن نصب الصليب كنصب الصنم. وتصلي في بيت حيث شاءت'' (بدائع الصنائع ۶/ ۸۵ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

''ليس للنصراني أن يضرب بالناقوس فى مصر المسلمين ولا يخرج الصليب أو غير ذلك من كنائسهم وبعد أسطر: ولو رفعوا أصواتهم بقراءة الزبور والإنجيل إن كان فيه إظهار الشرك منعوا من ذلك. وإن لم يقع بذلك إظهار الشرك لا يمنع'' (فتاوی قاضی خاں بهامش الهنديه ۳/ ۶۴۷)۔



ہنود کی مذہبی کتاب و شخصیات سے متعلق احکام

مولانا محمد احسن عبد الحق ندوی[1]

۱- اخلاقی تعلیمات میں:

رامائن اور مہابھارت یہ دونوں ہندوؤں کی مذہبی کتابیں ہیں، ان کے علاوہ وید بھی مذہبی کتابوں میں شمار ہوتی ہے، مشہور وید چار ہیں:

۱- رگ وید، ۲- سام وید، ۳- یجر وید، ۴- اتھر وید، ویدوں کو ہندو مقدس کتاب مانتے ہیں، ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہ خالق کا کلام ہے۔

خیال ہے کہ یہ تمام کتابیں حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش سے قبل تصنیف ہو چکی تھیں، مگر دو ایک کے علاوہ باقی تمام کتابوں میں مختلف ادوار میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے، جس کتاب میں کمی بیشی کی جاسکتی ہو اس کتاب کو آسمانی کتاب کیسے کہا جاسکتا ہے؟ برادران وطن جن شخصیتوں کو خدا کا اوتار مانتے ہیں ہمارے خیال سے ان کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ اپنے اپنے عہد میں خدا کے پیغمبر رہے ہوں گے، اس لئے کہ کسی پیغمبر کے بارے میں یہ نہیں آیا کہ اس کو نبوت اور کتاب یا صحیفے سے نوازہ گیا اور اس نے اس کے مطابق عمل نہ کیا ہو اور اپنی امت میں اس کی تبلیغ نہ کی ہو، اس لئے ہماری اپنی رائے ہے کہ یہ نہ پیغمبر ہو سکتے ہیں اور نہ ان کی کتابوں کو الہامی کتاب کہا جاسکتا ہے۔

۲- مسلم بچوں کو مشنریز کے اسکولوں میں تعلیم دلانا:

آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل آپ ﷺ نے نہ صرف تعلیم کی ضرورت واہمیت کا احساس دلایا اور اس کی طرف لوگوں کو راغب کیا، بلکہ مختلف طریقوں سے اس کی اشاعت کا اہتمام بھی فرمایا اور باقاعدہ وسیع پیمانہ پر اس کا نظام قائم کیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک ایسا تعلیمی انقلاب آیا کہ جو قوم لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی وہ علم وفن کی امام بن گئی اور جو لوگ تعلیم سے بے بہرہ تھے وہ معلم ومؤدب کے فرائض انجام دینے لگے، آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ "علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض ہے" (ابن ماجہ)۔

موجودہ دور میں اسلامی عقائد اور تعلیمات کی تشریح وترجمانی، دینی علوم کا ارتقاء اور اسلام کی اشاعت کے لئے عربی، فارسی، اردو کے علاوہ انگریزی، دوسری یوروپین اور برصغیر کی مختلف علاقائی زبانوں سے واقفیت کی افادیت کافی بڑھ گئی ہے، آپ ﷺ نے ایک خاص اجتماعی ضرورت کے تحت عبرانی زبان سیکھنے پر زور دیا تو آج کے ماحول میں مختلف ملی ضروریات کی تکمیل کے لئے جدید مروجہ زبانوں میں مہارت حاصل کرنے کے معاملہ میں اس اسوہ مبارکہ سے روشنی حاصل کرنی چاہئے۔

غیروں کے اداروں کا حال یہ ہے کہ فطری میلانات، طبعی رجحانات اور نشو ونما کے مختلف مراحل، نیز ہر مرحلے کی نفسیات کا بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے، ان کے سامنے نہ تو اعلی مقصد ہے اور نہ ہی اسلام کے نظریہ حیات ہی سے واقف ہیں، بلکہ سرے سے وہ اسلام کی برادری کا دعوی ہی نہیں کرتے، لادینیت کے جراثیم، اور اسلام کے بنیادی اصولوں سے انحراف کی طرف اس طرح لایا جاتا ہے کہ ان کی ذہنیت آہستہ آہستہ مادہ پرستانہ ہوتی جاتی ہے، ان تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے والی ہماری نسل دین سے منحرف اور اخلاقی قوانین وضوابط سے آزاد ہو کر صلاح وفلاح کے بجائے فساد فی الارض کا موجب بنتی جارہی ہے۔

ایک تازہ مثال یہ ہے کہ متعدد بی جے پی ریاستوں میں سرکاری اسکولوں کے اندر سوریہ نمسکار کو لازم کر دیا گیا ہے، یا حفظان صحت کے بہانے سے یوگا کا لازم کرتے ہوئے "اوم" کہنے اور سورج کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہونے اور پوجا کی شکل اختیار کرنے کو لازم کر دیا گیا ہے، یہ باتیں

---

[1] کھنڈ پیڑا، شجاع گنج، فیض آباد۔

اسلامی نقطہ نظر سے قطعا ناقابل قبول ہیں، ملت اسلامیہ ہرگز اسے گوارا نہیں کرسکتی، ان حالات میں مسلمانوں کا لائحہ عمل کیا ہو، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے، اس لائحہ عمل کو چند نکات پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا: اور سب سے ضروری کام یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی نئی نسل میں شعور و بیداری پیدا کرنے کا کام کرنا چاہئے، ان کو توحید کی حقیقت، اور اس کی معقولیت سمجھائی جائے، ان پر شرک کے شدید گناہ ہونے اور عقل وفطرت کے اعتبار سے ناقابل قبول ہونے کو واضح کیا جائے، اور گھریلو تربیت میں والدین سورج پرستی کا شرک ہونا بچوں کو ذہن نشین کریں۔ دوسرا ضروری کام یہ ہے کہ اگر سرکاری اسکولوں میں یہ عمل کیا جائے تو مسلمان تنظیمیں، جماعتیں اور انجمنیں عدالتی چارہ جوئی کریں اور موثر قانونی کاروائی کی جائے، پرامن طریقہ پر طلبہ اور ان کے سرپرستان اسکول کے ذمہ داروں سے مل کر اپنا احتجاج درج کرائیں اور سوریہ نمسکار کی تقریب میں شریک نہ ہوں۔ تیسرا ضروری کام یہ ہے کہ اگر پرائیویٹ اداروں میں اس طرح کا عمل ہو تو وہاں کے ذمہ داران سے نہ صرف احتجاج کیا جائے، بلکہ مسلمان طلباء وہاں داخلہ لینے سے گریز کریں۔

چوتھا سب سے اہم کام یہ ہے کہ مسلمان خود اپنا اسکول قائم کریں، جو مختلف معیار کے ہوں، ایسے بھی ہوں جن میں غریب بچے بھی پڑھ سکیں، ایسے بھی ہوں جن میں درمیانی سطح کے مسلمان اپنے بچوں کا داخلہ کراسکیں، اور اسٹرکچر کے اعتبار سے اعلی معیار کے اسکول بھی قائم کئے جائیں، جن میں اہل ثروت اور متمول مسلمان اپنے بچوں کو پڑھانا گوارا کریں، یہ اسکول عصری وسائل کے اعتبار سے مشنری اسکولوں کا مقابلہ کرتے ہوں، لیکن ان کا ماحول دینی ہو اور ان کے ذہن کو اسلام کے سانچے میں ڈھالا جائے، موجودہ حالات میں اگر ہم نے اس طرف توجہ نہیں کی تو ہم اپنی آئندہ نسلوں کو کھودیں گے اور ایسے نقصان سے دوچار ہوں گے جس کی تلافی کی صورت نہیں ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ کہ ایسے مشنریز کے تعلیمی اداروں سے پرہیز کرنا چاہئے، اسی طرح ان کی حوصلہ افزائی بھی نہیں کرنی چاہئے، طلباء اور طالبات کو ایسے اداروں میں تعلیم نہیں دلوانی چاہئے جہاں کفریہ تعلیم دی جاتی ہو اور دین وایمان پر ڈاکہ ڈالا جاتا ہو، مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے اداروں کا قیام کریں جہاں ہر طرح کی اعلی تعلیم ہو، جس سے بچے دوسرے اداروں کا رخ نہ کریں۔

۳- مشنریز کے ادارے سے استفادہ:

عیسائیوں نے خفیف الحال مسلمانوں کی تیمارداری، علاج ومعالجہ کے لئے ہاسپیٹل، قرض اسکیم، ریلیف مہم سے ان کی افزائش ہمت، کانونٹ اسکولوں میں ان کے بچوں کی مفت تعلیم کے عنوان سے ماں سے زیادہ مہرباں سے بھی زیادہ پیار و محبت کا پرچار کر کے ان کے ایمان پر ڈاکہ زنی شروع کی، آج ہندوانہ تہذیب کا حامل بت پرست طبقہ تو قومی دھارے کے نام پر کبھی دھرم پریورتن کا طوفان برپا کر کے، کبھی گھر واپسی جیسے باطل تاویلات کا تیشہ چلا کر، سرکاری اسکولوں میں زیر تعلیم مسلم طلبہ کو ''سرسوتی پوجا''، ''یوگا''، اور سوریہ نمسکار کرنے پر مجبور کرنے کے ساتھ ساتھ قوم مسلم کو اپنی تہذیب میں ضم کرنے کے لئے مسلم کش فسادات برپا کرنے اور ''من لدنا بأس شدید'' کی دھمکیاں دینے کے لئے بھی تیار ہے، نتیجۃً فرقہ پرستوں کی شرانگیزی اور پیٹ کی فتنہ سامانی سے دوچار مسلمان دن بہ دن ارتداد کو گلے لگا رہا ہے۔

ایسی صورت حال میں مسلمانوں کے لئے یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ اس طرح کے اداروں میں خدمت انجام دیں اور ان کی خدمت سے استفادہ کریں، ایسی صورت حال میں جہاں علماء معاشرے کی دینی صورت حال کی اصلاح کی کوشش کریں وہیں یتیموں، بیواؤں اور نادار مسلمانوں کے خانگی مسائل کی بھی فکر کریں، اور اس کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی پرخلوص خدمات کو زندہ کریں، جس کے لئے اہل ثروت حضرات امدادی وفلاحی اسکیموں کے قیام میں علماء کا تعاون کریں بایں طور اپنے اندر فرمان نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم):

''المؤمن للمؤمن کلبنیان یشد بعضہ بعضا'' (بخاری ۶۰۲۶، مسلم ۲۵۸۵)

(مسلمانوں کی مثال عمارتی جیسی ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط بناتا ہے) کا معیار اخوت پیدا کریں۔



مسلم، عیسائی اور یہودی کے علاوہ دنیا کی دوسری قومیں

مفتی ابوحماد غلام رسول منظور القاسمی پہرادی [1]

اہل کتاب کی تعریف:

فقہ اکیڈمی کی جانب سے اس سے متعلق جو سوال نامہ ارسال کیا گیا ہے اس کا پہلا سوال یہ ہے کہ اہل کتاب کس کو کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں اہل کتاب کی تعریف کیا ہے؟ اہل کتاب کا اطلاق کن لوگوں پر ہوتا ہے؟ تو اس بارے میں حضرات فقہاء کرام اور ائمہ مجتہدین نے اہل کتاب کی جو تعریف کی ہے ان کا حاصل اور لب ولباب یہ ہے، کہ دنیا کی ہر وہ قوم جو کسی آسمانی کتاب کے برحق ہونے کا عقیدہ اور کسی نبی اور سماوی دین پر ایمان رکھتی ہو خواہ اس کا عمل اور کردار مشرکانہ ہی کیوں نہ ہو اور تثلیث کے قائل ہی کیوں نہ ہو، پھر بھی وہ اہل کتاب کے زمرے میں داخل ہے۔ اور اسکو شرعی نقطہ نظر سے اہل کتاب کہا جائے گا، جیسا کہ حضرات فقہاء کرام کی درج ذیل عبارات فقہیہ سے یہ بات واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔

"وکل من یعتقد دینا سماویا ولہ کتاب منزل کصحف ابراہیم علیہ السلام وشیث وزبور وداؤد علیہ السلام فھو من اھل الکتاب ،فتجوز مناکحتھم وأکل ذبائحھم کذا فی التبین" (فتاوی عالمگیری ج۱ص۲۸۱و شامی زکریا ۴/۱۳۴،البحر الرائق ۳/۱۱۰،مجمع الانہر ۱/۴۸۳، تبیین الحقائق ۲/۱۱۰)۔

ہر وہ شخص جو کسی بھی دین سماوی کا معتقد ہو اور اس کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہو جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کا صحیفہ اور زبور حضرت داؤد علیہ السلام کا صحیفہ، پس وہ اہل کتاب میں شامل ہے چنانچہ ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنا اور انکا ذبح کردہ جانور کھانا شرعی اعتبار سے جائز ہوگا (مگر اہل کتاب کی لڑکیوں سے نکاح کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں قدرے تفصیل ہے جو انشاء اللہ آئندہ آرہی ہے)۔

صائبین سے کون لوگ مراد ہیں؟

مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ،، صائبین ایک فرقہ تھا جس کے معتقدات اور طرز عمل کے بارے میں چوں کہ کسی کو پورا پتہ نہیں چلا اس لیے مختلف اقوال ہیں (معارف القرآن ج۱ص۲۲۹)۔

قرآن مجید میں جن بڑی بڑی قوموں کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے وہ مسلمان، عیسائی، یہودی اور صائبین ہیں اور جن صاحب شریعت رسولوں کا تذکرہ جگہ جگہ ایک ساتھ قرآن میں آیا ہے وہ رسول اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام ہیں، ان میں سے ہم مسلمان حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخری پیغمبر اور آخری رسول اور نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اور عیسائی حضرت عیسی اور یہودی حضرت موسی کی طرف اپنے آپ منسوب کرتے ہیں لیکن صائبین کون ہیں اور کون سے نبی کی طرف منسوب ہیں؟ ہم یقینی طور پر نہیں جانتے، لیکن غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امتی مسلمان اور مؤمن ہیں حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والے عیسائی اور حضرت موسیٰؑ کو قوم یہودی ہیں تو سوال یہ ہے حضرت نوحؑ کے ماننے والی قوم کیا ہیں کسی کو بھی معلوم نہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ انھیں کی قوم کو قرآن نے صائبین کہا ہو؟

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم ہی صائبین ہیں:

تفسیر ابن کثیر میں حضرت عبدالرحمن بن زید کا یہ قول درج ہے کہ صائبین اپنے آپ کو حضرت نوح علیہ السلام کے دین پر بتاتے تھے۔ صائبین

[1] خادم: الجامعۃ الاسلامیہ دار الفلاح للبنات پہرا، ضلع گریڈیہہ، جھارکھنڈ۔

کے بارے میں حضرت عمرؓ، امام ابوحنیفہؒ، امام اسحاقؒ، ابوالزنادؒ، امام قرطبیؒ، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ، امام غزالیؒ، امام راغبؒ، معالمؒ، ابن جریرؒ، ابن کثیرؒ، امام سہیلیؒ، علامہ شوکانیؒ قاضی بیضاویؒ، حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ اور حضرت مولانا سید سلمان ندویؒ کے مختلف اقوال اپنی تشریحات کے ساتھ ہو ذیل میں اکٹھا کر رہے ہیں۔

(۱) عراق کے اس مقام کے رہنے والے لوگ تھے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

(۲) اہل کتاب تھے (یہ تو قرآن میں صائبین کے تذکرے سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا ذکر جگہ جگہ آسمانی کتاب رکھنے والی قوموں کے ساتھ ہی آیا ہے۔

(۳) صائبین لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتے تھے لیکن مشرک تھے۔

(۴) صائبین یمن کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

(۵) صائبین عجمی نام ہے عربی نہیں۔

(۶) صائبین فرشتوں کی عبادت کرنے والی قوم تھی۔

(۷) یہ ستاروں اور نجوم وکواکب کے معتقد تھے۔

(۸) یہ لوگ ستاروں کے پوجا کرنے والے لوگ تھے۔

(۹) یہ لوگ آگ کی پجا کرنے والے تھے۔

(۱۰) مذہبا دن میں کئی مرتبہ غسل کرنے والی قوم ہیں۔

مذکورہ بالا اقوال کے علاوہ اور بھی اقوال اس بارے ملتے ہیں مثلا ایک دین سے دوسرے دین میں داخل ہونے والے صائبین ہیں۔ مائل اور جھکنے کی بھی روایت ہے، غور کیجیے کہ ہمارے مفسرین علماء کے یہاں صائبین کہ بارے میں کس قدر متضاد اور مختلف تصورات ہیں، اور حیرت واستعجاب کی بات یہ ہے وہ سب کے سب اقوال مختلفہ ہندو قوم پر فٹ ہوتے ہیں چاہے مختلف ادوار واطوار میں حضرات مفسرین کرام الگ الگ قوموں صائبین سمجھتے رہے ہوں، لیکن موجودہ دور میں تقریبا یہ بات طے ہے کہ ہندو قوم میں یہ ساری کی ساری خصوصیات کسی نہ درجہ میں ضرور پائی جاتی ہیں، اس لیے ہم یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ اب اس امر میں کوئی شک وشبہ باقی ہے کہ صائبین کون ہیں۔ یہ ممکن ہے زمانہ ماضی میں مختلف گروہوں پر صائبین کی تعریف فٹ آتی ہو، لیکن کم از کم فی زمانناصائبین سے کون سی قوم مراد ہے یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

مسند الہند امام المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی صائبین کو آرین نسل مانتے ہیں۔ ثبوت کے طور پر ملاحظہ ہو مندرجہ ذیل حوالے۔

"مسیح ضرور ایسے بزرگ تھے جنھوں نے اس تعلیم کو غیر اسرائیلی لوگوں میں بالفاظ دیگر صائبین یا آرین قوموں میں پہنچانے کی کوشش کی" (رسالہ الفرقان بریلی شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۰۴)۔

ایران اس زمانے میں آرین یعنی صابی قوموں کا مرکز بن چکا تھا اس سے پہلے ہندوستان کو یہ مرکزیت حاصل تھی (رسالہ الفرقان بریلی شاہ ولی اللہ نمبر ص ۳۱۰)۔

حضرت مولانا سید سلمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ، مغضوب اور ضال جس طرح اہل کتاب میں ہیں اپنی مزاجی کیفیت کی بنا پر وہی صورتیں متابعۃ اہل کتاب میں بھی ہیں جن دو جماعتوں سے ہم کو قرآن نے واقف کرایا ہے، اور وہ مجوسی اور صائبین ہیں جن میں ایران قدیم اور ہند قدیم کے باشندے بھی داخل ہیں (ماخوذ از خطبہ صدارت مولانا سید سلیمان ندویؒ، سالانہ اجلاس جمعیۃ علماء بمبئی فروری ۱۹۴۵ء بحوالہ حکومت الٰہیہ اور علماء منکرین ص ۲۱۴، مرتبہ ابو محمد امام الدین رام نگری مطبوعہ مکتبہ سلفیہ ثانیہ حیدرآباد ۱۹۴۶ء)۔

یہاں یہ بات بھی اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ ملک عراق اور شام میں ایک فرقہ بہت قلیل تعداد میں پایا جاتا ہے جو خود صبی کہتے ہیں یہ لوگ حضرت یحیٰ کے بعد کسی نبی کو تسلیم نہیں کرتے ہیں، حضرت عیسیٰ کو بھی نبی نہیں مانتے ہیں، حضرت یحیٰ سے پہلے نبی کو مانتے ہیں تو اسکا بھی امکان ہے قرآن نے انہی کو صائبین کہا ہو۔ لیکن سید سلیمان ندویؒ جیسے محقق اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ جیسے سیاح البلاد اہل نظر نے ہندوستانی نسل کے لوگوں کو ہی مانا ہے حالانکہ ان حضرات کے علم میں یہ فرقہ ضرور ہوگا، اس کے علاوہ اس صبی فرقے میں سوائے اہل کتاب ہونے کے کوئی اور خصوصیت نہیں پائی جاتی جن مفسرین علماء نے صائبین سے منسوب کیا ہے (مستفاد از اگر اب بھی نہ جاگو تو......ص ۳۹ تا ۴۴)۔

لاریب ماضی بعید کے فقہاء متقدمین نے کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کے لیے نکاح کے بارے میں دارالاسلام اور دارالحرب کے مابین فرق کیا ہے، دارالکفر میں مکروہ اور دارالاسلام مباح قرار دیا ہے، لیکن آج کل جو صورت حال ہے اور اس کے منفی اثرات عالم اسلام کے حکمرانوں اور

بادشاہوں کی زندگیوں میں پڑے ہیں اور اور اسکی وجہ سے عالم اسلام کا جو غیر معمولی نقصان ہوا ہے، وہ نا قابل بیان اور حیران کن اور چونکا دینے والا ہے۔ بعض مرتبہ دعوتی نقطہ نظر سے اہل کتابیہ کی عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا الٹا اثر ہوتا ہے اولاد بھی یہودی اور عیسائی بن جاتی ہیں اور عورت جاسوسی کا کام کرتی ہے اسلامی ملکوں کے راز اور خفیہ بھیدوں کو عیسائی اور یہودی ملکوں کو بھیجتی رہتی ہے اور خفیہ دستاویزات کو انھیں فراہم کرتی ہے جس سے ملک کو نا قابل تلافی نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ الغرض یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح دور حاضر میں ایمان و اسلام کیلئے خطرہ ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست ملکی نقصان بھی ہے۔ اس لیے ان حالات کے پیش نظر فی زمانہ دارالاسلام میں بھی کتابیہ عورت سے کرنا کراہت سے خالی نہیں۔ جن فقہاء نے اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو دارالاسلام میں مباح قرار دیا ہے۔ انھوں نے بھی اس شرط کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح اسی صورت میں مباح ہے جبکہ اس سے کوئی دینی و دنیاوی مفسدہ نہ ہو۔ اور عام حالات میں بھی کتابیہ نکاح نہ کرنا ہی اولیٰ اور افضل ہے جیسا کہ حضرات فقہاء کرام کی عبارات اس پر دال ہیں:

''ویجوز تزوج الکتابیات، والاولی ان لا یفعل... الی... لافتتاح باب الفتنة'' (شامی ج ۴ص ۱۳۴)۔

ہندو مذہب کی کتاب ویدوں اور اوتاروں کے بارے میں اسلامی تصور:

اس روئے زمین پر انسان وجنات کی رشد و ہدایت اور گم گشتہ انسانیت کو فلاح و بہبودی کی راہ دیکھانے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کو مبعوث کیا، لیکن ہم نہ بالاستیعاب ان سب انبیاء کرام علیہم السلام کے نام جانتے ہیں اور نہ ان کے احوال زندگی سے واقف ہیں، ہم صرف انہی انبیاء کرام کے اسماء اور احوال سے واقف ہیں جن کے اسماء اور احوال کو قرآن وحدیث نے بیان کیا ہے۔ اور جن سے قرآن وحدیث رسول ساکت ہے ان کو ہم نہیں جانتے ہیں اور نہ ہی ہم ان کے جاننے کے مکلف بنائے گئے ہیں۔ قرآن مجید نے صاف اعلان کردیا ہے کہ:

"منھم من قصصنا علیك ومنھم من لم نقصص علیك"۔

ہم نے ان میں سے بعض انبیاء کرام کو آپ سے بیان کردیا اور بعض کو آپ سے بیان نہیں کیا، اور ظاہر کہ حصول علم اصل ذریعہ اور مصدر ومنبع اللہ کی ذات ہے اور اللہ ہی کہہ رہا ہے کہ ہم نے بعض ہی نبیوں کا قصہ آپ سے بیان کیا ہے اور بعض کا بیان نہیں کیا ہے، اہل ایمان پر اجمالی طور پر تمام انبیاء اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا لازم ہے، بندہ کو اسی بات کا مکلف بنایا گیا ہے اور بس۔

جہاں تک یہ سوال ہے کہ ہندو مذہب کی کتابوں بالخصوص ویدوں میں توحید باری تعالیٰ کے متعلق واضح تعلیمات وارشادات موجود ہیں اور اور آخرت کا تصور بھی موجود ہے، یہاں تک کہ رسول اکرم سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بارے میں بشارت بھی موجود ہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک، احمد اور محمد بھی موجود ہے، تو اس کی وجہ سے برادران وطن جن شخصیتوں کو اپنا اوتار مانتے ہیں۔ ان کو یقین کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرات اپنے عہد کی پیغمبر تھے؟ اور جس عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو سے کام لیا اور الٰہ بنادیا، اسی طرح ان کے ماننے والوں نے بھی ان کے ساتھ مبالغہ سے کام لیا ہوگا، اور ان کی کتابوں کو توحید کی تعلیمات اور آخرت کے تصور کی بنیاد پر الہامی اور منزل کہا جاسکتا ہے؟ تو اس بارے میں عرض یہ کہ چونکہ قرآن مجید میں نہ تو اس کا کوئی واضح حکم موجود ہے اور نہ ہی قرآن نے اس کی تصدیق کی ہے اور اس کی تکذیب، اس لیے اس بارے میں احوط یہ کہ کف لسان کیا جائے، اور خواہ مخواہ اس میں نہ پڑا جائے، کیونکہ اس کا تعلق کسی فقہی مسئلہ اور حلال وحرام سے نہیں ہے۔ اور نہ عوام کو اس سے کوئی واسطہ ہے اس لیے سکوت ہی افضل ہے، تاہم اسلامی تعلیمات وہدایات اور شرعی ارشادات وتوضیحات، اور اخروی تصورات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اگر اسکو ایک نفع بخش کتاب اور ملہم مان بھی لیا جائے تو اس میں کوئی شرعی حرج نہیں، البتہ اسکو منزل من اللہ نہیں مان سکتے ہیں۔ تاہم احتیاط اسی میں کہ ہندو مذہب کی کتاب ویدوں کو ملہم بھی نہ قرار دیا جائے۔

☆☆☆

چوتھا باب اختتامی امور

مناقشہ:

اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام

مفتی رحمت اللہ کشمیری:

حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی اور ہمارے اس کارواں کے میر محترم مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی پر مغز کلیدی گفتگو کے بعد ہم لوگوں کو آپس میں گفتگو کرنے کے لئے راہ مل چکی ہے، مجھے اس گفتگو میں اور آپ کے درمیان حائل نہیں ہونا ہے، جن مسائل کا تذکرہ آیا ہے ان میں سے ایک حصہ ہے عیسائیت سے متعلق جس سے ہمارا واسطہ رہا ہے، اس سلسلہ میں ہماری اپنی برادری سے یہ گذارش ہے کہ جب خود فقہاء متقدمین کی عبارتوں کو ہم دیکھ لیتے ہیں تو جن حضرات کا فقہاء متاخرین میں اس سلسلہ میں معرکہ رہا ہو ان کی تصنیفات کو یا ان کے مناقشوں کو ہم زیر نظر رکھیں گے تو مسائل کو واضح کرنے میں سہولت ہو جائے گی جیسے عیسائیت کے میدان میں ماضی قریب میں حضرت مولانا یوسف لدھیانویؒ کا بہت بڑا کارنامہ رہا ہے ان چیزوں کو اگر ہم مد نظر رکھیں گے تو کچھ ایسی چیزیں سامنے آئیں گی، کیونکہ مفتی کو حالات حاضرہ کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی بات کرنی ہے، حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ مفتی کے کمال کی بات یہ ہے کہ وہ مستفتی کے دل کے چور کو پکڑ سکے، ظاہری بات ہے کہ مفتی جو چیز بیان کرے گا وہ ہر ایک کے سامنے جائے گی، اس میں وہ شخص بھی ہوگا جو اس سے استفادہ کرنا چاہے گا جو دین کے جزئیات سے واقف نہیں ہوگا ضروریات دین سے عدم واقفیت آج کل کس قدر زیادہ ہے، وہ ہمارے سامنے ہے، تو فیصلہ ان کے سامنے بھی جائے گا، اس زمانہ میں سماجی اور یہ جو تعلیمی لائن ہے یہ جو ادیان باطلہ ہیں، ان کا طریقہ ہے کہ وہ تبلیغ کا کام نہیں کرتے، بلکہ اس کو ہم ایک آسان لفظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ دھوکہ سے کام کرتے ہیں، عنوان کچھ اور ہوتا ہے اور کام کچھ اور ہوتا ہے، پہلے زمانے میں لوگ اپنے مذہب کے دلائل دیا کرتے تھے، اب انہوں نے حکمت عملی بدلی ہے، ہم کو اس بات سے بھی صرف نظر نہیں کرنی چاہئے کہ برصغیر سے جب انگریز واپس گئے تو ان سے پوچھا گیا کہ اتنی محنت کے بعد تم نے کیا کیا؟ تو ان کا ہی یہ جملہ نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا کہ "اس برصغیر کے مسلمانوں کو اگر چہ ہم عیسائی نہیں بنا سکے، لیکن ہم نے ان کو مسلمان بھی رہنے نہیں دیا" تو جن لوگوں کی حکمت عملی ایسی ہو تو ان لوگوں کے مقابلہ میں یہاں سے بھی جب کسی مفتی کی، اہل علم کی تحریر جائے تو وہ بھی اس معیار کی ہو اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس سے کوئی غلط کام بھی لیا جا سکتا ہے اور سد اللباب ہمارے یہاں بہت سی چیزیں کی جاتی ہیں اس کو مد نظر رکھنا چاہئے۔

دوسری چیز ہمیں اس بات کو بھی سمجھنا ہے کہ ہم اہل کتاب کی بات کر رہے ہیں، امریکہ میں عیسائیوں کی طرف سے ایک مشن ہے جو اس ملک میں بھی آیا تھا اور ہمارے یہاں بھی خصوصی طور پر آیا تھا اس کا عنوان ہی تھا "ابراہیمی ٹریڈیشن"، یعنی ابراہیم علیہ السلام کا نقطہ نظر۔ اس میں وہ مسلمانوں کو بٹھا کر یہ سمجھاتے تھے کہ دیکھو اختلاف تو نیچے ہے، ابراہیم علیہ السلام پر تو کوئی اختلاف نہیں ہے، نہ یہود موسی علیہ السلام اور تورات کی بات کریں، نہ عیسائی انجیل اور حضرت عیسی علیہ السلام کی بات کریں، نہ تم قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کرو، پھر کیا کریں گے ہم سب اکٹھے ابراہیم علیہ السلام پر مجتمع ہو جائیں گے، اور آپ کو یہ معلوم ہو کر تعجب ہوگا کہ ان کی ان میٹنگوں میں ان چیزوں کو لے کر ہمارے بہت سے علماء بھی شامل ہوئے، اور جب آخری نشست ہوئی، اس میں ان کے بڑے پادری نے آخری میں لائٹیں بند کرادیں، سب کو کھڑا رکھا اور عیسائی اپنے یہاں جو مراقبہ کراتے ہیں وہ سب سے کرایا اور ہمارے کچھ علماء بھی اس میں شریک رہے، جب دھوکہ کا یہ انداز چل رہا ہو تو اس سلسلہ میں ادھر سے ایک مفتی سے یہ مسئلہ آئے گا، ہمارے یہاں یہ مسائل جو اس وقت آرہے ہیں جو غیر ایمان والے طبقہ کے ہیں وہ چاہے نکاح وغیرہ سماجیات سے متعلق ہوں یا تعلیمی اداروں کے معاملات ہوں جہاں اس انداز کا سنگین دھوکہ چل رہا ہو وہاں پر تو بڑی دانشمندی کے ساتھ ہی کوئی بات کہنی ہوگی، میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم لوگ جب بھی فکر

کریں تو زمانہ حاضر میں جو ترقی یافتہ تدبیریں وہ مسلمان کو اپنے ایمان سے ہٹانے کے لئے کر رہے ہیں یا جن راہوں سے وہ آنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ مفتی حضرات کے سامنے رہیں، اور امید ہے کہ انشاء اللہ یہاں سے فیصلہ بھی ان سب کو سامنے رکھ کر ہوگا، بہر حال حق کے ساتھ اللہ کی مدد ہے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

حضرات اس موضوع پر اس وقت آپ حضرات جو گفتگو کرنے جا رہے ہیں، یہ بڑا اہم اور نازک موضوع ہے اور اسی لئے جب اس کا سوالنامہ بن رہا تھا تو بار بار اس پر غور کیا گیا کہ ایسے حساس مسائل کو زیر بحث لانا مناسب ہے یا نہیں، لیکن یہ بات محسوس کی گئی کہ جو مسائل پیش آتے ہوں تو اگر ان سے منہ چھپانا بھی چاہیں تو منہ چھپا نہیں سکتے، اس لئے علماء کو اس موضوع کو بڑی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہئے، قرآن مجید کے نصوص کے دائرہ میں ہمیں غور کرنا چاہئے اور جو اس کے نقصانات ہو سکتے ہیں، مصلحتیں ہو سکتی ہیں اس کو بھی ہمیں سامنے رکھنا چاہئے، ہمارے فقہاء میں کفر کی تو تقسیم شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے کی ہے، "الفوز الکبیر" میں کفر جحود، کفر نفاق، کفر شرک وغیرہ، لیکن فقہاء نے کافروں کی تقسیم دو پہلوؤں سے کی ہے، ایک پہلو تو حربی اور مستامن، اور اس ضمن میں تمام کتابیں شامل ہیں یا وہ ماخوذ کتابیں جو حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ الصلوۃ والسلام پر اتری اور بحیثیت اہل کتاب ان کا بار بار قرآن مجید ذکر کرتا ہے، یہود و نصاریٰ وہی اس سے مراد ہیں یہ بھی غور کرنے کا موضوع ہے اور ضرورت ہے، اور ہمارے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے پیش بندی کے طور پر بڑی اچھی بات فرمائی، دیکھئے جو حکم نص سے ثابت ہو وہ ہمارے اور آپ کے اختیار میں نہیں ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جن مسائل سے مسلمانوں کو جن معاملات سے نقصان پہنچتا ہو ان میں صرف فقہی جزئیات کو سامنے رکھنا کافی نہیں ہے، ان میں اس کے نتائج، اس کے مقاصد، اس کے پیچھے کارفرما منصوبے، ان پر بھی ہمیں غور کرنا چاہئے، زمینی استعمار تو ہمارے ملکوں سے چلا گیا ہے، لیکن فکری استعمار تو اب بھی باقی ہے، اور وہ مختلف ذرائع سے اسلام کو اور مسلمانوں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے، ظاہر ہے کہ اہل کتاب سے نکاح حلال ہونے کی آیت تو حضرت عمرؓ نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، لیکن حضرت حذیفہؓ نے جب نکاح کیا، تو حضرت عمرؓ نے اس پر برہمی کا اظہار فرمایا تو بعض دفعہ جو نتائج و مقاصد ہوتے ہیں ان کی اہمیت فقہی جزئیات سے زیادہ ہو جاتی ہے ان کے مقابلہ میں بڑھ جاتی ہے تو ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے اور یہ بات بھی ہمارے ذہن میں ہو کہ ایک ہے کسی شئ کا امکان اور ایک ہے کسی شئ کا وقوع، جن لوگوں نے بھی ہندوستان کے مذاہب کے بارے میں ان کی کتابوں میں کتاب توحید اور آخرت وغیرہ کے تصور کو دیکھ کر ان کے بارے میں نرم گوشہ اختیار کیا ہے انہوں نے صرف امکان کو ظاہر کیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے وقت کے نبی ہوں، ہوسکتا ہے کہ ان پر آسمانی کتاب نازل ہوئی ہو، اسی لئے یہ حتمی بات مت کہئے کہ ان پر آسمانی کتابیں نازل کی گئیں، یہ نبی تھے تو جو شریعت کے نازک مسائل ہیں تو غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہم اس میں صرف امکان پر کوئی رائے قائم کرلیں یا اس کا وقوع متفق ہو جائے تب ہم اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کریں، تو انشاء اللہ آپ حضرات کا مناقشہ اب ہوگا، اور اس سے بہت سی اہم رائیں سامنے آئیں گی، مجھے بہت خوشی ہے کہ اس موضوع پر کئی ایسے علماء یہاں موجود ہیں جن کا موضوع مذاہب اور اعتقادیات ہے۔

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، تلخیص مقالات میں اس کا بہت بڑا حصہ شامل ہے، اور مفتی احمد نادر القاسمی صاحب نے بڑی جامعیت کے ساتھ آراء اور دلائل کا احاطہ کیا ہے، اس سلسلہ میں میں ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پچھلے ۳۵ برسوں سے میں مختلف مذاہب کا مطالعہ کر رہا ہوں، اسی حوالہ سے میں نے اپنی بات رکھی ہے، اس سلسلے میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ صابئین کے مسئلہ پر ہم لوگوں نے جو کچھ پیش کیا ہے اس میں زیادہ تر قدیم تحقیقات کا حصہ مقالوں میں شامل ہے، جدید تحقیق سے متعلق کوئی خاص چیز جیسا کہ تلخیص اور عرض میں بتایا گیا سامنے نہیں آئی، میں سمجھتا ہے کہ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ موثر تحقیق حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنی تفسیر ماجدی میں پیش کی ہے، اس کے کچھ حصے تو بعض مقالوں میں آئے ہیں، لیکن پوری تحقیق مقالوں میں نہیں آسکیں۔ اور اس بات پر خاص طور پر ہماری نظر ہونی چاہئے کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ خود عراقی تھے اور یہ فرقہ بھی اصلاً عراقی ہی تھا اور جب امام ابوحنیفہؒ نے اپنے فتاویٰ میں ان کو اہل کتاب تسلیم کیا اور ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کو حلال قرار دیا اور میرے علم کے مطابق ان کے معاصرین نے ان کے اس فتویٰ پر کوئی نکیر نہیں کی، اس لئے ان کے فتویٰ کی اہمیت اپنی جگہ بہر حال باقی ہے، اس کو پیش نظر رکھا جانا چاہئے، دوسری چیز یہ ہے کہ جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے فرمایا کہ نزول کتاب یعنی قرآن کے نزول کے زمانے

میں جوفرقے موجود تھے وہ خواہ مشرک ہو گئے ہوں اور اپنے عقیدے کے اعتبار سے کچھ بھی ہو گئے ہوں یہودی ہوں نصاریٰ ہوں اور کچھ ہوں، لیکن جب نزول قرآن کے زمانے میں وہ موجود تھے اور اللہ نے ان کے بارے میں مشرک ہونے کے باوجود قرآن پاک میں ان کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کے حلال ہونے کا ذکر فرمایا تو اب نصوص کی روشنی میں ہمیں ان کے مشرکانہ ذہنیت پر زیادہ بحث کر کے اس کو طول دینا اور قرآن پاک کے اس نص صریح کے مقابلہ میں اپنی جزئی رائے پیش کرنا میرے خیال سے کچھ زیادہ اہم چیز نہیں ہے۔

جہاں تک اہل کتاب میں ہمارے برادران وطن کا سوال ہے، برادران وطن کے سلسلے میں بہت کم پڑھا گیا ہے طبقہ علماء میں، آج تک بہت سے ہمارے علماء اوتار کو نبی کے ہم معنی مانتے ہیں، جبکہ یہ بالکل ہی غلط ہے، اس سلسلہ میں رام چرت مانس میں اور تمام مذہبی علماء ہندو کی اپنی تحقیقی کتابوں میں جو کچھ آیا ہوا ہے اس کی روشنی میں نبی اور اوتار کے معنی میں تضاد ہے، اس لئے جب تک خود یہ مسئلہ ذہن میں صاف نہ ہو ہم محض اوتار قرار دے کر ان کو یا ان کے کسی بزرگ کو نبی نہیں مان سکتے، اس سلسلے میں خاص طور پر اس وقت شری کرشن اور رام چندر جی کو نبی ماننے کا مسئلہ ہے، مولانا نے ابھی وضاحت کی کہ امکانی طور پر ایسا کہا ہوا ہے، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ صرف ایک بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اپنی رائے دی تھی اور وہ ہیں حضرت مولانا مرزا جان جاناں، لیکن پروفیسر خلیق نظامی میرٹھی صاحب نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت اخیر عمر میں اتنے وسیع المشرب ہو گئے تھے کہ انہوں نے ایک ہندو کے گھر میں قیام کر لیا تھا جس کا نام کرن تھا اور اسی زمانے میں حضرت نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ ان کی کتابیں آسمانی ہیں، ان پر یقین کیا جانا چاہئے، لیکن یہ خالص ان کی اپنی ذاتی رائے تھی اور اس کی بنیاد وسیع المشربی تھی، اس لئے وسیع المشربی کے نقطہ نظر کو بلا شبہ ہم وہ نقطہ نظر قرار دیتے ہیں جس کو بعد کے علماء نے امکانی قرار دیا ہے، لیکن تحقیق کے مطابق وہ کیا تھے ان کی حقیقت ان کی اپنی کتابوں میں کیا ہے میرا خیال یہ ہے کہ میں نے اس سلسلے میں جو کچھ عرض کیا ہے ان کی کتابوں میں اصل عبارت کے حوالوں سے جو آپ کی نظروں میں شاید نہ آسکی وہ بہرحال دیکھ لینا بہت ضروری ہے اور اس کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ دراصل ان کی کتابوں کے حوالوں کے بغیر یہ موضوع اپنی تحقیق کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ بھی عرض کرنی ہے کہ جیسا کہ سوال میں لکھا گیا تھا کہ ان کی بہت سی باتیں اسلامی تعلیمات سے مطابقت رکھتی ہیں، آپ حضرات میں سے غالباً کچھ حضرات نے اس کو چھیڑا ہو، لیکن مطابقت کو ثابت کر کے پھر آپ کیا حکم دیں گے؟ میرے خیال سے کسی مقالے میں اس کا ذکر نہیں آیا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کو اہل کتاب ماننے بغیر ہمارا طریقہ اس سلسلے میں یہ ہونا چاہئے کہ جیسے صالحین، علماء صلحاء کی کچھ پیشن گوئیاں ہیں جیسے حضرت عثمان کی اور جیسے سکھ مذہب کے گرونانک جی کی یا جیسا کہ ایران کے زرتشت کی، حالانکہ ان کی اپنی کتابیں موجود ہیں اور ان کو بلا شبہ کوئی آسمانی کتاب قرار نہیں دے سکتا، ان کی کتابوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ صالحین کے کلام کی طرح اسلامی تعلیمات کی مطابقت اگر ان سے ہوتی ہے تو یہ قرآن سے مطابقت نہیں کہلائے گی، بلکہ کلام صالحین کے درجہ میں اس کی مطابقت تسلیم کی جائے گی اصل شریعت سے یا اصل کتاب سے، یا قرآن سے ان کی مطابقت نہیں قرار دی جاسکتی اور اس کی جو دلیلیں اور بنیادیں ہیں میں نے کوشش کی ہے کہ ان بنیادوں کو اپنے مقالے میں عرض کردوں وہ پیش کر دی تھیں، سامنے نہیں آسکیں، بہرحال یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کو سامنے رکھا جانا چاہئے، مجھے امید ہے کہ میں نے جو کچھ عرض کیا اگر آپ حضرات کی نظر میں آجائے تو اللہ کا شکر ادا کروں گا اور آپ کا بھی کہ آپ حضرات نے بھی قابل توجہ سمجھا۔

مولانا شاہ عالم:

بہت بہترین وضاحت اس سلسلے میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحبؒ نے فرمائی ہے اور دار العلوم دیوبند نے یہ کتابچہ چھاپا، حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے بھی اپنے ادارہ سے قادیانی ذبیحہ نام کا کتابچہ شائع فرمایا ہے، مولانا یوسف لدھیانویؒ کی رائے اس موضوع پر متفق علیہ ہے اور انہوں نے اپنے تمام اکابر کی تحریروں کو سامنے رکھ کر ہی ایک فیصلہ لیا ہے، مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے یا جن دیگر اکابر کا نام لیا گیا ہے تلخیص میں میں سمجھتا ہوں کہ عارض مولانا محمد عثمان صاحب کی نظر ان تحریروں پر نہیں پڑی ان سب کا خلاصہ یہ قرار پائے گا کہ ہمارے کسی بھی بزرگ نے جنہوں نے بھی قادیانیوں کے بارے میں یہ فیصلہ لیا ہے کوئی دلیل ذکر نہیں کی، سب کے آخر میں مفتی کفایت اللہ صاحب کی تحریر آپ دیکھیں کہ حضرت نے فرما تو دیا، لیکن کسی بھی دلیل کا ذکر نہیں فرمایا اس کے مقابلہ میں ہمارے سامنے اتنے دلائل ہیں اس کو مختصر لفظوں میں آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس مسئلہ پر تین زمانہ گذر گیا ایک زمانہ ۱۸۸۰ سے لے کر ۱۹۰۰ تک کا کہ جس دور میں مرزا احمد قادیانی کے عقائد سے کما حقہ واقفیت بہت کم لوگوں کو تھی، پھر ۱۹۰۰ سے لے کر ۱۹۱۲ تک کے زمانہ میں کچھ عجیب گومگوں کی کیفیت رہی ہے، ہمارے اکابر کھل کر سامنے آئے ہیں، لیکن اکابر میں وہ اکابر

ابھی منظر عام پر نہیں آئے کہ جن کی وجہ سے ایک انقلاب برپا ہو ۱۹۱۲ سے لے کر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ جب منظر عام پر آتے ہیں تو حضرت کی محنتوں کے نتیجے میں جو علماء کی ایک کھیپ تیار ہوئی ہے حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا یوسفؒ، حضرت مولانا عبد السمیع، حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ وغیرہ یہ وہ اکابر ہیں، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے قادیانی کے مسئلہ اور اس کے تمام تر اجزاء کو اس طرح سے بدیہیات میں لاکر رکھ دیا کہ اب کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ہے، چنانچہ اس دور میں جو محنت ہوئی ہے تو آپ دیکھیں گے کہ فقہاء وعلماء نے مابعد میں اس پر اعتماد کیا وہ تو اپنی جگہ ہے، ۱۹۳۲ میں جب انگریزی عدالت میں مقدمہ بہاولپور پیش ہوا اس دور میں آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ تین جلدوں میں مقدمہ بہاولپور ہے، قادیانیوں کو یہ جرأت کسی بھی طرح سے نہیں ہو سکی کہ اپنے آپ کو وہ اس زمرے میں لاسکیں، جو خلاصہ مولانا عثمان فرما گئے ہیں، اس کے بعد جب حیات مسیح کا مسئلہ اٹھا تو علماء مصر اور علماء عراق، علماء فلسطین تمام کے تمام علماء متفقہ طور پر حضرت علامہ کشمیریؒ نے جو مواد تیار کرایا تھا اسی پر ان سب کا اعتماد اور اتفاق تھا، پھر آخر میں ۱۹۷۴ میں پارلیمنٹ میں ہمارے پڑوسی ملک میں یہ قضیہ پیش ہوا صرف یہی مسئلہ وہاں درپیش تھا، قادیانیوں کے وکیل نے آخیر مرحلہ میں یہ دلیل پیش کی، کچھ نہ سہی ہم کو اہل کتاب ہی مان لیا جائے، کیونکہ انہوں نے دلائل پیش کئے تو اس وقت جج نے جو انکار کیا وہ میں نے اپنے مقالہ میں درج کیا ہے، جج نے کہا کہ کمال کی بات یہ ہے کہ قادیانیوں کی تکفیر کا جو مسئلہ ہے وہ مسئلہ ہی اسی بنیاد پر ہے کہ کسی بھی طریقہ سے اہل کتاب میں لانے یا سمجھنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، اس کا خلاصہ مفتی شفیع صاحبؒ کی زبان اور قلم میں آپ اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں، کہ حضرت نے فرمایا ارتداد کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم تو ہے صرف دستبردار ہو جانا، قادیانیوں کا ارتداد اس سبیل سے نہیں ہے قادیانی اگر نسلاً بعد نسل بھی تبدیل کر جائیں تو وہ مطلق مرتد نہیں کہے جائیں گے، قادیانی جب بھی رہیں گے تو کفر زندقہ کے ساتھ رہیں گے، جب بھی وہ مرتد ہوتے ہیں تو آئندہ آنیوالی چوتھی پشت نہیں، بلکہ سویں پشت میں بھی جاکر کے وہ اپنے مظعومہ مختارات کو اسلام قرار دیتے ہی رہتے ہیں، ظاہری بات ہے جن کی نسل میں یہ علت ہو تو ان کے دیگر متبعین پر کسی بھی طرح سے قیاس کرنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی، اس مسئلہ کو دار العلوم دیوبند اور ہمارے اکابر نے اس طرح سے واضح اور بدیہی کر دیا ہے کہ ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو زیر بحث لانا بھی ایک نظیر بنانے کے مترادف ہے، اور میں یہ کہتا ہوں کہ جن اجزاء کا حوالہ دیا ہے انہوں نے وہ دلائل عام ہیں، جیسے علامہ شامی کا حوالہ دیا یا اور بھی جن فقہاء کا حوالہ دیا ہے وہ دلائل عام ہیں، قادیانیوں کا ارتداد خاص نوعیت کا ہے، خاص نوعیت کے ارتداد کے لئے جب تک کوئی خاص جزئیہ پیش نہیں کیا جائے گا، تب تک عام دلیل سے بات نہیں بنے گی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جزاکم اللہ، مولانا نے بہت اچھا مناقشہ فرمایا، اصل میں اہل کتاب میں اس کا شمار نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ عام کفار ومشرکین سے بھی بدتر ہیں، اور ان کا ارتداد عام کفر سے بھی بڑھا ہوا ہے، لیکن اس کی اگلی نسلیں جو اسی کفر پر قائم ہیں ان کا کیا حکم ہوگا؟ اگر وہ کہیں کہ میں تورات وانجیل کو بھی مانتا ہوں قرآن کو بھی مانتا ہوں اور ہمیں اہل کتاب میں شمار کیا جائے تو کیا ان کی بات قبول کی جائے گی یا نہیں قبول نہیں کی جائے گی؟ یہ مسئلہ بڑا اہم ہے، ہماری ذاتی رائے وہی ہے جو مولانا نے فرمائی اور غالباً یہی رائے مولانا محمد عثمان بستوی صاحب کی بھی ہے کہ ان کا حکم زنادقہ کا ہوگا، کیونکہ اس میں بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے، لیکن یہ مسئلہ بہر حال قابل غور اس لئے تھا کہ بعض علماء کے یہاں سے ہمارے بعض اکابر کی طرف سے اس طرح کے فتاوی بھی آچکے ہیں، اس لئے مناسب محسوس کیا گیا کہ اس پر بحث کر لی جائے اور مولانا عثمان صاحب نے جو بات پیش کی ہے وہ ایک تحقیق ہے جو انہوں نے پورے خلوص اور محنت کے ساتھ پیش فرمائی ہے، یہ کوئی فیصلہ نہیں ہے، فیصلہ تو آپ حضرات کریں گے وہ فیصلہ ہوگا اور انشاء اللہ اس کی جو تجویز کمیٹی ہوگی اس میں ہمارے مولانا شاہ عالم صاحب بھی شریک ہوں گے، اور آپ حضرات جو تجویز بنائیں گے اور جو فیصلہ کریں گے وہ اصل میں فیصلہ ہوگا، یہاں تو ہر طرح کی تحقیق آتی ہے، تاکہ ہم اور آپ لوگوں کو بحث کرنے کا اور غور کرنے کا موقع ملے اور اگر کہیں یہ مسئلہ چھڑ جائے تو اس کے تمام اطراف وجوانب سے واقف ہوں اور وہ جس فیصلے اور دلیلوں پر پہنچیں پوری بصیرت کے ساتھ اور قلب کے اطمینان کے ساتھ وہ اس کی ترجمانی بھی کر سکیں، میں بہت شکر گزار ہوں مولانا شاہ عالم صاحب کی اس گفتگو کے لئے۔

مفتی محمد نعمت اللہ قاسمی (کھگڑیا):

۱- کتابی کا مفہوم شرعی یہ ہے کہ جو کسی نبی مرسل اور کتاب منزل پر ایمان واقرار رکھے اور بعنوان اگر جو کسی دین سماوی پر اعتقاد رکھے۔

۲- بہت سے علماء نے اس میں یہ قید بھی لگائی ہے کہ غیر اللہ کی الوہیت کا معتقد نہ ہو، جیسے بعض عیسائیوں کی حالت ہے گو بعض نے نہیں لگائی۔
۳- اگر کسی وقت کسی قوم کے پاس کوئی کتاب ساوی ہو، مگر اب اس کتاب سے کچھ تعلق نہ رہا ہو، بلکہ اس قوم کا طرز و معاشرت مشرکین کا ہو گیا ہو وہ اہل کتاب نہ رہیں گے، جیسے کہ مجوس کی حالت ہے۔
۴- اگر کتاب سے ایمان و اقرار کا بھی تعلق ہو، مگر وہ شرک حقیقی کا ارتکاب کرنے لگے ہوں تب بھی بہت سے علماء کے نزدیک وہ اہل کتاب میں سے نہ رہیں گے، جیسے بعض تفسیر پر صابئین کی حالت ہے، اسی طرح جو قرآن کی طرف منتسب ہوتا ہو، مگر قطعیات وضروریات کا منکر ہو ان میں تاویل بھی بحکم انکار ہے وہ بھی مثل غیر کتابی کے ہو جاتا ہے جیسے آج کل فرقہ مرزائیہ جن میں وہ مرزائی بھی داخل ہیں جو مرزا کے صریح دعوۂ نبوت میں تاویل کرتے ہیں، کیونکہ وہ منکر ضروریات کو کافر نہیں مانتے، جیسے کوئی شخص مسیلمہ کے دعوۂ نبوت میں تاویل کر کے اس کو مومن سمجھنے لگے، کیا اس کو مومن کہا جائے گا؟۔
اگر تمام شرائط بھی اہل کتاب ہونے کے پائے جائیں، مگر وہ کتابیہ حربی ہو تو اس سے نکاح مکروہ تحریمی ہوگا۔

تفریع علی الاحکام المذکورۃ: ان احکام کو دیکھ کر سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ ہنود میں اہل کتاب ہونے کا ضعیف سے ضعیف احتمال بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ کسی شخص کا نبی مرسل ہونا اور کسی کتاب کا منزل من اللہ ہونا اور کسی دین کا ساوی ہونا جو مدار ہے کتابیت کا جیسا کہ نمبر (۱) میں مذکور ہوا، امور قطعیہ سے ہے، اس لئے دلیل قطعی کا محتاج ہوگا اور ظاہر ہے کہ اس قوم کے پیشوا کے نبی ہونے پر یا ان کے کسی مذہبی کتاب کے آسمانی ہونے پر دلیل قطعی تو کیا ظنی، بلکہ شکی تک بھی قائم نہیں، جیسا کہ بلا شک وشبہ ظاہر ہے، پس یہ ایک ہی حکم مسئلہ زیر بحث کے فیصلہ کے لئے کافی ہے، بقیہ احکام پر تفریع محض تبرع ہے۔

تفریع کی تقریر یہ ہے، یعنی اگر بفرض محال یہ لوگ اہل کتاب کسی زمانہ میں ہوتے بھی تب بھی اب مدت طویلہ سے جو ان کی حالت ہے اس سے کتابیت کو مس بھی نہیں، غیر اللہ کیا اغیار اللہ کے الوہیت کے قائل ہیں، شاید کسی کو آریوں کے دعوۂ توحید سے شبہ ہو تو درحقیقت ان کا شرک تو اس درجہ قبیح ہے جس کی نظیر آج تک کسی مشرک قوم میں نہیں پائی جاتی، چنانچہ ان کی تالیفات میں روح اور مادہ کے قدیم بالذات ہونے کی تصریح ہے، اور مشرکین بعض تو غیر اللہ کے حدوث زمانی کے قائل ہیں اور بعض جو مجردات کے قدوم زمانی کے قائل ہوتے ہیں وہ بھی ان کو قدیم بالذات نہیں کہتے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

یہ کن کی عبارت ہے؟

مفتی محمد نعمت اللہ:

یہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی عبارت ہے، لمبی عبارت ہے تین صفحہ کی عبارت ہے، ایک فتوی بھی حضرت کا: ''امداد الفتاوی'' اس پر بھی غور کر لیا جائے۔

سوال: مناکحت باہم ایسے مرد و عورت کی کہ ایک ان میں سے سنی حنفی اور دوسرا مرزا غلام احمد قادیانی کا معتقد اور متبع ہو اور ان کے جملہ دعاوی اور الہامات کی تصدیق کرتا ہو، جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ دونوں یا ایک ان میں سے نابالغ ہو تو بولایت والدین جو ایسے ہی مختلف العقیدہ ہوں کیا حکم ہے؟

جواب: ''مرزا کے بعض اقوال حد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں، مگر یہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی معتقد خاص اس قول کی خبر نہ رکھتا ہو، اس لئے مرزا کا معتقد ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ خاص اس کفر کا بھی معتقد ہے، پس اگر یہ مرزائی، خواہ مرد ہو یا عورت بالخصوص اس قول کفری کا بھی معتقد ہو تو اس کا نکاح مسلمان مرد یا عورت سے نہیں ہو سکتا، لیکن اگر یہ مرزائی بالغ ہے تو خود اس کا عقیدہ دیکھا جائے گا اور اگر نابالغ ہے تو اس کے ماں باپ کا عقیدہ دیکھا جائے گا، یعنی اگر ماں باپ دونوں مرزائی ہوں گے تو اس نابالغ کو مرزائی قرار دیں گے اور اگر ایک بھی غیر مرزائی ہے تو اس کو غیر مرزائی قرار دے کر یہ حکم مذکور ثابت نہ کریں گے اور اگر یہ مرزائی خاص کر ایسے امر موجب کفر کا معتقد نہیں تو مبتدع ہے اور سنی حنفی کا دیانت میں کفو نہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جزاکم اللہ، میں شکرگزار ہوں مولانا نعمت اللہ صاحب کہ بہت اچھی روشنی ڈالی، مولانا عبد القادر عارفی صاحب نے توجہ دلائی ہے ایک عبارت

کے بارے میں یہ کہ ایک دوست نے علامہ شنطوت کے بارے میں ایک مرتد مفتی شنطوت کا لفظ استعمال کیا ہے، اس طرح کا جملہ مناسب نہیں ہے، علامہ شنطوت جو ہیں وہ مصر کے مشہور علماء میں تھے، اور غالباً ہمارے یہاں بھی بعض ان کے اقوال سے استفادہ بھی کیا گیا ہے، لیکن بعض آراء بھی ان کی اس طرح کی تھیں جیسے سرسید احمد خاں وغیرہ کی تھیں، لیکن ہمیں محتاط زبان استعمال کرنی چاہئے۔

مولانا عبدالرشید کانپوری:

عیسائی مشنریز میں تعلیم سے متعلق جو ناجائز ہونے کی بات کہی گئی ہے تو وہ بات اپنی جگہ پر سہی ہے، لیکن یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ باتیں مزید اس سلسلہ کی آپ کے سامنے رکھ دی جائیں، ایک تو ہے مشنریز اسکول اور اس کے مقابلہ میں سرکاری اسکول، تو مشنریز اسکولوں میں تو عیسائیت اور سرکاری اسکولوں میں ہندوازم کی تعلیم ہوتی ہے تو پھر مسلمان بچے دینی تعلیم کہاں حاصل کریں؟ یہ مسئلہ ہے، دوسرے یہ کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ ساتھ ایک اہم مسئلہ گھر کے ماحول کا بھی ہے ہم یہ دیکھیں کہ ۵۰ سال سے پورے ہندوستان میں گائے ہماری ماتا ہے مسلمان بچوں کو پڑھایا جاتا ہے، لیکن الحمدللہ آج تک کوئی بھی مسلمان بچہ گائے کو ماتا ماننے کو تیار نہیں ہے چاہے وہ شہر کا ہو یا دیہات کا، معلوم یہ ہوا کہ اگر گھر کا ماحول ہمارا سہی ہے تو ان اسکولوں سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا ہے، ابھی غزوہ بدر کی بات آئی، غزوہ بدر میں مشرکین قیدیوں سے مسلم بچوں کو پڑھوایا گیا، ظاہر ہے کہ وہ مشرک قیدی جو پکڑے گئے تھے وہ ان بچوں میں شرک کا زہر گھول سکتے تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی اجازت دے دی، کہ ماحول ایسا بنا ہوا تھا، تو ہم ایسی بات کریں کہ مسلمان اپنے گھر کے ماحول کو اچھا کریں تو پھر چاہے تعلیم کے جس رخ پہ چلے جائیں انشاء اللہ کوئی فرق نہیں پڑے گا تو مطلق اگر ناجائز کر دیا جائے گا تو ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں جیسے دہلی، ممبئی وغیرہ میں بڑے مسائل پیدا ہو جائیں گے گو یا بہت سے مسلمان اس ناجائز اور حرام کام کا ارتکاب کرتے رہیں گے، یہ درخواست ہے ہماری۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جزاکم اللہ۔

مفتی اعجاز الحسن بانڈے کشمیری:

اسلام کی عمارت درحقیقت ٹھوس عقائد پر کھڑی ہے ان میں تزلزل، شک یا شبہ کفر کی سرحد پر پہنچا دیتا ہے اور جہاں اس عمارت کو ہی زمین بوس کر دیا گیا ہو، تو وہاں صرف کفر ہی کفر ہے، اسی لئے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا یہ جملہ مشہور ہے کہ جو قادیانی کے کفر میں شبہ کرے وہ بھی کافر ہے، لہذا جب امت ان کے کفر پر متفق علیہ ہے تو پھر کافروں والے احکام بھی نافذ ہوں گے، قرآن کریم کی صراحت کے مطابق کفار کے ساتھ مناکحت جائز نہیں ہے، اس لئے قادیانیوں کے ساتھ بھی رشتہ ازدواج قائم کرنا کسی بھی طرح قطعاً جائز نہیں ہوگا، چاہے وہ خود قادیانی بنا ہو یا نسلاً قادیانی ہو اگر عقائد وہی ہیں جو مرزا قادیانی کے ہیں تو وہ بھی کافر ہیں جیسے کافر کا بچہ کافر، یہودی کا بچہ یہودی اور مسلمان کا بچہ مسلمان، اس لئے نسلاً قادیانی شخص بھی اپنے آباء واجداد کی طرح کافر ہی ہے، ارتداد موت کے مثل ہے اور مرے ہوئے سے شادی کرنا جائز نہیں۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:

جزاکم اللہ، اس سلسلے میں مولانا اشرف عباس قاسمی صاحب نے ایک تحریر بھیجی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے ہونا یہ امر توقیفی ہے، یعنی جن لوگوں کو قرآن نے اہل کتاب میں شمار کیا ہے تو اب گویا اب کوئی نیا فرقہ کو اہل کتاب نہیں قرار دیا جا سکتا، اسی لئے میں نے اس وقت عرض کیا تھا کہ اس پر غور کرنا چاہئے کہ قرآن نے جو "الکتاب" کا لفظ استعمال کیا ہے اس میں الف لام استغراق کا ہے یا عہد کا ہے کیا کوئی معہود کتاب مراد ہے یا خاص یہود و نصاریٰ مراد ہیں تو انشاء اللہ یہ تحریر جو تجویز کمیٹی بنے گی اس کمیٹی کے حوالہ کر دی جائے گی، آپ نے ایک سوال یہ بھی اٹھایا کہ آخر وہ کس کتاب کے ماننے والے ہیں کہ اس کی وجہ سے ان کو اہل کتاب کہا جائے۔

مفتی ارشد فاروقی:

اہل کتاب سے تعلق اور اہل کتاب کے دائرے کو لکیر کھینچ کر متعین کرنا یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس مرتبہ اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے اس

موضوع کو عالمی بنایا ہے، چونکہ اہل کتاب میں جن لوگوں کو داخل مانا جارہا ہے وہ بھی عالمی ہیں اور جس فتنہ سے اکیڈمی لوگوں کو متنبہ کرنا چاہ رہی ہے وہ بھی عالمی ہے، خاص طور پر کرم فرمائی ہوئی ہے عالم اسلام اور عرب ممالک کے حکمرانوں اور ارباب اقتدار کی طرف، کہ ان کے یہاں گھروں میں جو یہودی اور عیسائی خواتین ہیں ان کے مضرات پوری دنیا محسوس کر رہی ہے تو بڑی اچھی بات ہے کہ اس سوالنامہ میں مستقل ایک سوال رکھا گیا اور تمام گوشوں پر گفتگو ہوئی، البتہ جو تجاویز پاس ہوں گی وہ بھی دوٹوک ہوں گی، کیونکہ یہ موضوع بھی بہت قدیم ہے اور بالکل دوٹوک انداز کا ہے، مسئلہ یہ ہے کہ ان تجاویز کی تنفیذ کیسے ہو؟ کہ ہم ان حکمرانوں کو ان ارباب اقتدار کو کیا ہم اکیڈمی کا کوئی اعلی سطحی وفد بنا کر ان حکمرانوں کے پاس ان لوگوں کے پاس بھیجیں اور ان کو اس سے باز رکھنے کی داعیانہ کوشش کریں، تب ہی ان تجاویزوں کا کوئی فائدہ اور ہماری منفعت کی تکمیل ہوگی۔

دوسرا مسئلہ غذائی ہے تو الحمد للہ ہم صاحب ایمان ہیں گوشت کھاتے ہیں، ہم سب کو گوشت اچھا ملتا ہے مجبوری کے درجہ میں کتابی کا جو ذبیحہ ہے اس کے احکام اکیڈمی پہلے طے کر چکی ہے، ہاں البتہ ایک تیسرا نقطہ ہے، جو دعوتی نقطہ نظر ہے، جس ملک میں ہم موجود ہیں، بے شمار اقوام یہاں ہیں، بے شمار مذاہب یہاں ہیں ان کو اہل کتاب مانا جائے، یا نہ مانا جائے، ابھی ایک رائے آئی کہ اہل کتاب توقیفی ہے تو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے جو نوٹ لکھا ہے ترجمہ شیخ الہند پر اس کا حاصل یہی ہے کہ ہر وہ جو کسی آسمانی کتاب یا کسی نبی پر یقین رکھتا ہو وہ اہل کتاب میں ہے اگر توقیفی ہوتا تو مولانا تقی عثمانی اپنے اکابر سے یہ جملہ نقل نہ فرماتے، بہرحال اس ہندوستان کی جو اقوام ہیں ان کو اہل کتاب میں شمار کیا جائے یا نہ کیا جائے، جہاں تک حلت کا مسئلہ ذبیحہ کا یا ان کی عورتوں سے نکاح کا یہ تو بالکل طے شدہ ہے کہ اس معنی میں اہل کتاب ان کو کوئی فقیہ مان نہیں سکتا، لیکن دوسرا گوشہ ہے دعوتی کہ ہمارے ان اکابر چاہے مولانا مناظر حسن گیلانی ہوں یا ان جیسے اور اکابر، ان لوگوں کا جو دعوتی انداز ہے اہل کتاب کی حیثیت سے بعض چیزوں کو کہ یہ نبی ہو سکتے ہیں، یہ اوتار ہو سکتے ہیں یہ جو امکانی باتیں کہی گئی ہیں اس کو اگر ہم دعوتی مقاصد کے لئے استعمال کریں تو اس سے تقریب پیدا ہوگی، اللہ سے دعا کریں کہ ہمیں حق کے فیصلے کی توفیق عطا فرمائے۔

مولانا حیدر علی قاسمی:

جو آدمی زمانے کے حالات سے واقف نہ ہو وہ جاہل ہوتا ہے، اس لئے کسی بھی فیصلے کے لئے کسی بھی مفتی کے لئے زمانہ کے حالات اور زمانے کی چیزوں کا پورا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ امام محمدؒ کا موقف سب کو معلوم ہوگا، آج کے موضوع میں کتابیہ خاتون سے نکاح کے بارے میں جو سوال آیا ہے اس سلسلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے وہ یہ ہے کہ اگر کتابیہ سے نکاح کو جائز قرار دیا جائے گا تو فتنے زیادہ لازم آئیں گے، مفاسد کثیرہ لازم آئیں گے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اثر ڈالنے کے بجائے اثر لینا زیادہ ہو جاتا ہے، آج کے دور میں اس کا خطرہ ہے، اس لئے کتابیہ خاتون سے نکاح کو ناجائز قرار دینا ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، نیز دوسری بات قادیانیوں سے متعلق ہے وہ یہ کہ جو قادیانی نیا بنتا ہے وہ تو مرتد ہوگا ہی، لیکن جو نسلی قادیانی ہے اس کے سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ فقہاء کرام نے جو اہل کتاب کی تعریف کی ہے اس تعریف کے اعتبار سے جو نسلی قادیانی ہے وہ بھی تو قرآن کو ماننے والا ہے، بلکہ میرا خیال تو یہ کہ یہ جو یہود و نصاریٰ ہیں یہ لوگ تو تحریف شدہ کتابوں کو مانتے ہیں اس کے باوجود ہم ان کو اہل کتاب میں سے مانتے ہیں تو جو لوگ نسلی قادیانی ہیں یہ تو اصلی قرآن کو ماننے والے ہیں تو ان کو اہل کتاب کا درجہ قرار نہ بھی دیا جائے، لیکن کم سے کم کتابی کافر قرار دیا جانا چاہئے۔

مولانا شاہ عالم:

ہمارے بعض احباب جو اہل علم ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں کہ قادیانیوں کے دعوۂ ایمان اور دعوۂ ایمان فی الاسلام اور دعوی ایمان بالقرآن کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے، چاہے وہ سو نسلوں میں تبدیل ہو جائے۔ وہ ایمان کا دعوی نہیں کرتے وہ دھوکہ دیتے ہیں۔

مولانا سلطان کشمیری:

مرزائی کے سلسلہ میں جو پوری تفصیل سے بحث آئی ہے اور اس کا جو اجمالی تعارف مولانا شاہ عالم صاحب نے فرمایا اس بارے میں میری گذارش یہ ہے کہ ممکن ہے کہ امکانی طور پر اگر اس میں کہیں نرمی پیدا ہو جائے اور قادیانیوں کو اہل کتاب میں شمار کیا جانے لگے اس میں بہت زیادہ نقصان ہمارے سامنے آ سکتا ہے، ہمارا نوجوان طبقہ اس طرف مائل ہوگا اس وقت صورتحال پنجاب کی یہ ہے کہ وہاں پر جو مدرسہ احمدیہ کے نام سے چل

رہا ہے پہلے سے اس میں بے شمار مسلمان پڑھنے میں مشغول ہیں اور وہ خود کو مسلمان تصور کرتے ہیں اور بہت سارے وہاں ایسے ہیں جن کا تعلق ہماری وادی سے بھی ہے، اس سلسلہ میں فقہ اکیڈمی کے ذمہ داروں اور خصوصا مولانا سے گذارش ہے کہ پچھلے ہمارے اکابر نے مفصل طور پر فتوی جاری کئے ہیں تو اب مزید اب فقہ اکیڈمی کی طرف سے اس کو سہل انداز سے کوئی ایسی تحریر مرتب کی جائے کہ باضابطہ طور پر ہمارے نوجوانوں پر ان کا کفر مزید واضح ہو جائے، تاکہ ہماری امت ان کے فتنے اور سازشوں سے ہر اعتبار سے محفوظ رہے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی:

یہود ونصاری کے بارے میں جمہور فقہاء نے تو گویا ان دونوں کو طے کر دیا کہ یہ اہل کتاب ہیں اور یہ نہیں ہیں، مگر حنفیہ کے یہاں گنجائش ہے کہ جو بھی دین سماوی کو اور کتاب سماوی کو مانتا ہے پھر آگے بڑھ کر جب مسئلہ صابی کا آتا ہے تو خود امام صاحب کی رائے الگ ہو جاتی ہے اور صاحبین کی رائے الگ ہو جاتی ہے اور اب تک حنفیہ نے بالکل واضح کہا کسی اور کو کہ گویا یہ بھی اہل کتاب میں سے ہیں، اب تک تو نہیں ہوا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ میں نے جو مطالعہ کیا ہے کہ اب کسی بھی گروہ کے بارے میں اہل کتاب ہونے کا فیصلہ کسی زمانے کے فقہاء نے کیا ہو ایسا نہیں ہوا ہے اور یہ جو گفتگو چلتی ہے بسا اوقات دعوتی نقطہ نظر کی بات بھی آتی ہے، اس میں ایک اصطلاح اور بھی استعمال ہوتی ہے: ’’شبہ اہل کتاب‘‘، یہ شبہ اہل کتاب کیا چیز ہے؟، اس کی کیا شرعی حیثیت ہے، یہ گویا ان کو مانوس کرنے کے لئے ایک اصطلاح ہے یا اس کی بنیاد پر اس کے احکام میں بھی کچھ فرق ہوگا یہ اہل کتاب کے حکم میں ہیں یا الگ کوئی قسم ہے یہ بھی ایک سوچنے اور غور کرنے کا موضوع ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ سکھ، قادیانی، ہندو وغیرہ کو اہل کتاب ماننا واقعی بہت مشکل ہے تو سب سے سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ جمہور نے جب سرے سے یہ واضح کر دیا ہے کہ اہل کتاب دو ہیں باقی اس کے بعد کچھ نہیں اگر اس کو آپ لیتے ہیں تو بحثیں خود بخود بند ہو جاتی ہیں، اور قادیانیوں سے تعلق سے جو گفتگو ہوئی اور ہمارے کئی احباب نے اپنی رائے ظاہر کی ہے، اس سلسلہ میں عرض کرنا ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی میں علماء اپنی تحقیقات پیش کرتے ہیں اور بحث کرتے ہیں، اور یہ بات تنہا کافی نہیں ہے کہ فلاں بزرگ یا فلاں حضرت نے یہ لکھ دیا یا یہ چند حضرات کی رائے تھی، گفتگو یہاں دلائل کی بنیاد پر ہوتی ہے، انہوں نے مسئلہ کو اٹھایا ہے، ترجیح اس کو نہیں دی ہے کہ یہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ ایک قادیانی ہے جو پہلے مسلمان تھا اب مرتد ہو گیا اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، اس کے اولاد کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، اس کے بعد جو نسل آتی ہے، تیسری، چوتھی، پانچویں اس کے بارے میں حکم کیا ہوگا، عام طور پر مرتد مانتے ہیں قادیانیوں کو اس کا بیٹا مرتد ہوا، وہ بھی آپ مانیں گے، آگے جب نسل بڑھے گی، اس پر ارتداد کا حکم جاری ہوگا یا نہیں، ارتداد کے خاص احکام ہیں، اگر آپ مرتد کہیں گے تو واجب القتل ہے وہ، اگر چہ آپ اس پر قادر نہیں ہیں، تو انہوں نے فقہاء کی جو باتیں ذکر کی ہیں اور اپنے اکابر کی رائے پیش کی ہے ترجیح انہوں نے خود اس کو نہیں دی ہے اور یہی رجحان ظاہر کیا ہے کہ بھائی جیسی بھی احتیاط ہو جو مناسب ہو کہ اہل کتاب میں ان کو شامل نہ کیا جائے تو قادیانی ہوں یا جو بھی اس طرح کے ہوں، بہر حال میں سمجھتا ہوں اچھی خاصی گفتگو ہوئی، اور ہندوؤں کے تعلق سے ایک چیز اور بڑھے گی میں آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو ملک میں حالات پیدا ہو رہے ہیں ان کی روشنی میں یہ کوششیں بڑھیں گی اور مسلمانوں کو قریب لانے کی سعی ہوگی، اور یہ تو ایک طبقہ ہے ایسا جو ان کو کھل کر اہل کتاب کہتا ہے اور وہ تو اس سے آگے بڑھ کر ان کی عورتوں سے نکاح تک کی بات لانے لگا ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ ہماری تجویز ایسی ہو جو صاف صاف طور پر مسائل کو واضح کرے اور ایسی کوئی گنجائش جس سے راستہ کھلتا ہو اس طرح کے خطرات کا تو وہ مناسب نہیں ہے۔

☆☆☆

تمت

تفاسیر و علوم قرآنی اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر

دارالاشاعت کی مطبوعہ مستند کتب

تفاسیر و علوم قرآنی

تفسیر عثمانی بعد تفسیر مع عنوانات جدید کتابت ۲ جلد ________ علامہ شبیر احمد عثمانی، امتیاز عنوانات جناب محمد ولی رازی

تفسیر مظہری اردو ______ ۱۲ جلدیں ________ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی

قصص القرآن ______ ۴ حصے در ۲ جلد کامل ________ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

تاریخ ارض القرآن ________ علامہ سید سلیمان ندوی

قرآن اور ماحولیات ________ انجینئر شفیع حیدر دانش

قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن ________ ڈاکٹر حقانی میاں قادری

لغات القرآن ________ مولانا عبدالرشید نعمانی

قاموس القرآن ________ قاضی زین العابدین

قاموس الفاظ القرآن الکریم (عربی انگریزی) ________ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی

ملک البیان فی مناقب القرآن (عربی انگریزی) ________ حبان پیئرز

اعمال قرآنی ________ مولانا اشرف علی تھانوی

قرآن کی باتیں ________ مولانا احمد سعید صاحب

حدیث

تفہیم البخاری مع ترجمہ و شرح اردو ۳ جلد ________ مولانا ظہور الباری اعظمی، فاضل دیوبند

تفہیم المسلم ۔ ۔ ۳ جلد ________ مولانا زکریا اقبال، فاضل دارالعلوم کراچی

جامع ترمذی ۔ ۔ ۲ جلد ________ مولانا فضل احمد صاحب

سنن ابوداؤد شریف ۔ ۔ ۳ جلد ________ مولانا سرفراز احمد صاحب، مولانا خورشید عالم قاسمی صاحب فاضل دیوبند

سنن نسائی ۔ ۔ ۳ جلد ________ مولانا فضل احمد صاحب

معارف الحدیث ترجمہ و شرح ۴ جلد، ۷ حصے کامل ________ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب

مشکوۃ شریف مترجم مع عنوانات ۳ جلد ________ مولانا عابد الرحمٰن کاندھلوی / مولانا عبداللہ جاوید

ریاض الصالحین مترجم ۲ جلد ________ مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری

الادب المفرد کامل مع ترجمہ و شرح ________ از امام بخاری

مظاہر حق جدید شرح مشکوۃ شریف ۵ جلد کامل اعلیٰ ________ مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری فاضل دیوبند

تقریر بخاری شریف ______ ۴ حصے کامل ________ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

تجرید بخاری شریف ______ ایک جلد ________ علامہ حسین بن مبارک زبیدی

تنظیم الاشتات ______ شرح مشکوۃ اردو ________ مولانا ابوالحسن صاحب

شرح اربعین نووی ______ ترجمہ و شرح ________ مولانا مفتی عاشق الٰہی البرنی

قصص الحدیث ________ مولانا محمد زکریا اقبال، فاضل دارالعلوم کراچی

ناشر:- دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون ۲۶۳۱۸۶۱-۲۲۱۳۷۶۸-۰۲۱